قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين — القرآن الحكيم

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۹ ذوالحجہ ۱۳۴۵ ہجری

Calcutta : Friday, June 10, 1927.

فہرست

اعتذار

(۱) الہلال کی اشاعت میں اندازہ سے زیادہ تاخیر ہوگئی - امید تھی کہ نئے ٹائپ کی مطلوبہ مقدار پہلی مئی تک مل جائیگی اور پہلے ہفتہ سے پرچہ نکل جائیگا ' لیکن پہلی مئی کی جگہ مئی کے اواخر تک بھی ٹائپ کی کافی مقدار طیار نہوسکی ' اور سارا مہینہ اسی انتظار میں نکل گیا - اب بھی جسقدر ٹائپ مہیا ہوا تھا وہ کافی نہ تھا - کم از کم ایک ہفتہ اور انتظار کی ضرورت تھی لیکن چونکہ اب زیادہ تاخیر نا قابل برداشت تھی ' اسلئے کسی نہ کسی طرح پہلا نمبر مرتب کر کے شائع کر دیا جاتا ہے - امید ہے کہ اس ہفتہ ٹائپ کی پوری مقدار حاصل ہو جائیگی ' اور جرمنی اور قاہرہ کا ٹائپ بھی پہنچ جایگا جسکا ایک عرصہ سے انتظار تھا .

(۲) اسی سبب سے اس نمبر کے بعض اہم مضامین درج ہونے سے رہگئے - " باب التفسیر " کا حصہ ٹائپ کیلئے چھوڑ دیا گیا تھا ' لیکن ٹائپ کی کمی کی وجہ سے امپوز نہ ہوسکا اور اسکی جگہ " مطبوعات جدیدہ " کا ایک صفحہ دیکر فارم پورا کردیا گیا - حالانکہ اسکی جگہ اِس فارم میں نہ تھی - انشاء اللہ آیندہ نمبر سے تمام ابواب اپنی اصلی ترتیب میں درج ہوسکینگے .

(۳) ایک اہم سوال آیندہ الہلال کے مضامین اور انکے طرز بیان کا ہے - یہ ظاہر ہے کہ الہلال کے فوائد عام نہیں ہوسکتے جب تک کہ اسکا دایرۂ بحث و نظر عام فہم نہو - اور عام فہم جبھی ہوسکتا ہے جبکہ مطالب کے سہل ہونے کے ساتھہ اُنکا اسلوب بیان اور زبان بھی سہل ہو - لیکن مشکل یہ ہے کہ ہر طرح کے مطالب کا عام فہم طریقہ پر بیان کرنا آسان نہیں ' بعض دقیق اور علمی مطالب ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں کتنا ہی کھول کر بیان کیا جاے ' ایک حد تک مشکل اور گراں ضرور ہونگے - اس مشکل کا ہم نے یہ حل سونچا ہے کہ آیندہ الہلال میں دونوں قسم کے مضامین درج کئے جائیں بڑا حصہ تو سہل و عام فہم ہو ' لیکن کچھہ حصہ بلند اور خاص قسم کا بھی ہو - اس طرح عوام و خواص ' دونوں کے ذوق و نظر کا سامان مہیا ہوجایگا - باقی رہا زبان کا معاملہ : تو وہ ہر حال میں حتی الوسع سہل اور صاف اختیار کی جائیگی ' کسی درجہ کا موضوع ہو ' لیکن اسلوب بیان مشکل اور دیر فہم نہوگا .

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول - - باره روپیه

هندوستان سے باهر کیلیے - - سوله روپیه

قیمت شش ماهي - - - سات روپیه

قیمت في پرچه - - - پانچ آنه

---

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں انکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں هے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

کي رهائي سے نئي اميديں فروغ پانے لگيں' هندو مسلمان کے باهمي تفرقه اور اسکے پيچ در پيچ معاملات کے جنگي ابتدا سنه ۱۹۲۳ ميں هوچکي تهي ' اب زياده وسيع اور گهري حالت اختيار کرلي' اور اسلئے اصلاح حال کي کوششوں کي اهميت اور مقدار بهي دہ چند هوگئي - نتيجه يه نکلا که دنوں کے هفتوں کي شکل اختيار کي ' هفتے تيزي کے ساتهه مهينے بنے ' اور مهينوں نے ديکهتے ديکهتے برس کا دائره پورا کرديا - اس طرح سنه ۱۹۲۴ - کا خاتمه بهي سامنے آگيا اور مجهے سر اٹهانے کي مهلت نه ملي .

***

اب جو چيز ميرے ارادوں کي تعميل ميں سب سے بڑي روک تهي ' وه مسٹر سي ' آر ' داس کا وجود تها - وه کسي طرح بهي اس پر راضي نهيں هوتے تهے که ميں کلکته کا قيام ترک کروں ' اور ميں محسوس کرتا تها که ميرے تمام ارادوں کي تعميل کے لئے کلکته کا قيام ترک کرنا سب سے پهلي چيز هے - کئي ماه اس کشمکش ميں نکل گئے - بالآخر ستمبر سنه ۲۴ - ميں ميں نے اراده کرليا که کسي نه کسي طرح يه منزل طے کرليني چاهيے - چنانچه دهلي کے قيام کا اراده کيا اور نقل مکان کے تمام ضروري انتظامات عمل ميں لانا شروع کر ديے - يهانتک که اواخر دسمبر ميں کتب خانه بهي صندوقوں ميں بند هو کر کلکته سے دهلي پهنچ گيا که ميرے نقل مکان کي سب سے بڑي متاع يهي تهي .

ليکن جنوري سنه ۱۹۲۵ - ميں جب بلگام کانگرس سے واپس هوا اور ميرے نقل قيام کے معامله نے شهرت پائي' تو مسٹر سي' آر' داس اپنے اوصاف و محاسن کي ساري گيرائيوں اور محبت و رفاقت کي تمام کششوں کے ساتهه کچهه اس طرح راه روک کر کهڑے هوگئے که ميرے لئے دهلي کي طرف قدم اٹهانا ناممکن هوگيا - يقيناً ميرا اراده متزلزل نه هوتا اگر اُن کے ساتهه ملک کے بعض اهم مقاصد کي اميديں بهي صف آرا نه هو جاتيں - يه وه وقت تها جب ملک کي عام حالت کي طرف سے ميں نهايت افسرده دل رهتا تها' اور نهايت اضطراب کے ساتهه محسوس کر رها تها که اگر کانگرس کے هندو رهنماؤں ميں سے ايک اولوالعزم شخص بهي ايسا نکل آئے جو هر طرح کي سياسي مشغوليتيں اور انکے سود و زياں کي آلودگياں چهوڑ کر صرف ملکي مسئله کے حل کے لئے اٹهه کهڑا هو' تو ميں باوجود هر طرح کے افسرده کن حالات کے اميد و مراد کا ايک کامياب قدم اٹها سکتا هوں - ميرے دل پر اس جوانمرد سياست کي خوبياں نقش تهيں - مجهے يقين تها که مهاتما گاندهي کے بعد يهي ايک شخص هے جو اگر آماده کار هوگيا تو بهت ممکن هے راه کي رکاوٹيں دور کي جاسکيں - وه مجهے همرهي و رفاقت کا يقين دلاتے تهے اور مستعد تهے که بنگال کاونسلوں کے آينده معرکه کے بعد همه تن اس کام کيلئے وقف هو جائينگے - نتيجه يه نکلا که اتني دور تک قدم اٹها دينے کے بعد ' پهر واپس لوٹنا پڑا اور اس سلسله ميں وقت و مصارف کے جو گراں قدر نقصانات پيش آئے ' برداشت کرلينے پڑے .

ليکن اس اثنا ميں مشيت الهي ايک دوسرا هي فيصله کر چکي تهي - مسٹر داس مجهے روک کر دارجلنگ گئے ' ليکن وهاں پيام اجل خود انهيں روک لينے کي طياري کر رها تها - جولائي ميں يکايک اُن کا انتقال هوگيا اور کلکته واپس آئے تو اس طرح واپس آئے که هميشه کے لئے رخصت هوچکے تهے ' اور انکے ساتهه وقت کي وه اميديں بهي رخصت هو چکي تهيں جنکي صف کهڑي کرکے انهوں نے پانچ ماه پہلے ميري راه روکي تهي :

درين چمن که بهار و خزان هم آغوش ست
زمانه جام بدست و جنازه بردوش ست

***

بهرحال کهانتک اس افسرده کن داستان کو طول ديا جائے ؟ مختصر يه هے که يکے بعد ديگرے اس طرح کے حالات پيش آتے رهے که وقت جو اپني تيز رفتاري ميں کبهي همارے حالات کي پروا نهيں کرتا' برابر نکلتا گيا ' اور ديکهتے ديکهتے سنه ۱۹۲۳ - کي جگه سنه ۱۹۲۶ - کا خاتمه سامنے آگيا !

يک لمحه غافل بودم و صد ساله راهم دور شد !

اب بهي طبعيت کا ميلان کسي ايسي ذمه داري قبول کرنے کي طرف نه تها - ليکن انساني طبيعت کے انفعال و تاثر کا کچهه عجيب حال هے - گزشته ستمبر ميں اشغال کے پے در پے التوا اور ملک کي اجتماعي و ذهني ضروريات کے تقاضے سے طبيعت کچهه اس طرح متاثر هوگئي که جب ايک موقعه پر بعض دوستان عزيز نے خصوصيت کے ساتهه الهلال کي اشاعت پر زور ديا اور اس کي ضرورت کے مختلف پهلوؤں پر توجه دلائي تو طبيعت انکار کي طرف مائل نه هو سکي - خيال هوا که ميرے ذاتي حالات کا مقتضا کچهه هي کيوں نه هو ' ليکن ترجيح وقت کي ضرورت هي کو هے ' اور کام کرنے والوں کيلئے ناگزير هے که اسکے سامنے سر تسليم خم کرديں -

ايک حقيقت بالکل واضح تهي اور اُس کا ميرے پاس کوئي جواب نهيں تها - يه واقعه هے که اگر سنه ۱۲ - اور سنه ۱۶ - ميں الهلال ضروري تها تا که مقصد و عمل کي مسدود راه قوم پر کهول دے ' تو سنه ۲۷ - ميں بهي وه کم ضروري نهيں هے تا که سفر کي سب سے بڑي نازک اور پر خطر منزل ميں وقت کي رهنمائي کرے - مجهے تسليم کرنا پڑا که اگر تقسيم عمل کے فقدان سے اس ضرورت کا کوئي دوسرا انتظام موجود نهيں ' تو چاهيے که اپني تمام ناتوانيوں اور درماندگيوں کے ساتهه ضرورت و عمل کے مختلف گوشوں ميں جسقدر بهي کام کر سکتے هيں ' کرتے رهيں - اقلاً کوشش سے باز نه آئيں - سعي کي تکميل اور توفيق کي مساعدت مشيت الهي کے فيصله پر موقوف هے ' اور جو اسکے کرنے کي چيز هے وه اسي کے حواله کرديني چاهئے .

***

الهـلال کے تيسرے دور کا پهلا پرچه شائع کرتے هوے مقتضائے وقت کے فکر و تصور کے هر گوشے ميں جنبش پيدا کردي هے - افکار و مطالب کا هر طرف سے هجوم هے - قلم کي درماندگي اور گنجايش اوراق کي کوتاهي کسي طرح بهي آسکا ساتهه نهيں دے سکتي - جي چاهتا هے ' گياره سال کي خاموشي کي تلافي ايک هي مجلس ميں کرديجے :

روي بازار مراد امروز عرفي با منست
ديدۀ ترمي فروشم دامن ترمي خرم !

ليکن مشکل يه هے که طبيعتيں طوالت بياں کي متحمل نهيں اور رشتۂ بياں کا يه حال هے که ايک مرتبه کهل جائے تو پهر جلد لپيٹا نهيں جا سکتا :

ايں رشته به انگشت نه پيچي که درازست !

مجبوراً قلم روکتا هوں - آج کے ليے اس سے زياده کي ضرورت نهيں - باقي مطالب جو اس موقعه کے لحاظ سے ضروري تهے' انکے ليے آينده اشاعت کا انتظار کيجيے - اب گياره برس کے بعد يه برهم شده مجلس ديريں پهر آراسته هوئي هے تو جهانتک جوش بياں اور ذوق سماع ساتهه ديگا ' مجهے کهنا هے اور حريفان بزم کو سننا هے :

زخمه بر تار رگ جـــاں مي زنم
کس چه داند تا چه دستاں مي زنم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مئے کہ می رَوَد امروز در گلوئے دو کون
کمینہ جرعۂ تہ شیشہ ہائے دوش من ست!

الحمد للہ وحدہ - الہلال کا پہلا نمبر جون سنہ ۱۹۱۲ - میں شائع ہوا تھا اور آخری نمبر نومبر سنہ ۱۹۱۴ میں- پھر نومبر سنہ ۱۹۱۵ سے دوسرا سلسلۂ اشاعت " البلاغ " کے نام سے شروع ہوا اور مارچ سنہ ۱۹۱۶ میں ختم ہوگیا - اب یہ تیسرا سلسلۂ اشاعت ہے جو کامل گیارہ برس کے بعد از سرنو شروع ہوتا ہے :

ربنا آتنا من لدنک رحمة وھيء لنا من امرنا رشدا .

* * *

اس دنیا میں انسان کی بے چارگی اور مشیت الہی کے حکم و سلطان کا سب سے بڑا مظہر انسانی ارادوں کی نا کامی اور قضاء مشیت کا فیصلہ ہے - اسی لئے بعض عرفاء نے کہا ہے کہ " عرفت ربي بفسخ العزائم " یہ عجیب بات ہے کہ سنہ ۱۹۱۶ - کے اواخر سے لیکر گذشتہ ستمبر تک کوئی خیال بھی میرے ذہن سے اسقدر بعید نہ تھا جسقدر الہلال کی سہ بارہ اشاعت اور اسکی ذمہ داریاں قبول کرنے کا خیال تھا - میری شخصی زندگی اور اسکی احتیاجات ' نیز قومی و علمی مقاصد اور اُنکا مقتضی ' دونو اس بات کے مخالف تھے کہ الہلال جیسے رسالہ کی ہفتہ وار اشاعت کی ذمہ داری تیسری مرتبہ اپنے اوپر لیتا - جہانتک میری شخصی حالت کا تعلق ہے ' سب سے پہلا سوال صحت کا تھا اور میں دیکھہ رہا تھا کہ وہ روز بروز کمزور ہو رہی ہے ' اور یہ زندگی کی ابتدائی احتیاطوں کے خلاف ہوگا اگر سنہ ۱۹۱۲ اور سنہ ۱۹۱۶ کی سی محنتیں پھر اسکے لئے مہیا کی جائیں - قومی و علمی مقاصد کا یہ حال تھا کہ بعض اہم تصنیفات کی تکمیل و اشاعت عرصہ سے ملتوی چلی آتی تھی ' اور الہلال جیسے رسالہ کی ہفتہ وار اشاعت کا بار اٹھا لینے کے بعد مشکل تھا کہ انکے لیے فراغ خاطر میسر آسکتا - اسکے علاوہ طبع و فکر کی کامجوئیوں اور طلب و نظر کی وسعت پیمائیوں نے بے شمار ارادے نہاں خانۂ دل میں جمع کر رکھے تھے - اُن سب کیلئے بھی اوقات فراغ کی ضرورت اور خلوت و انزوا کی جستجو تھی - یہی وجہ ہے کہ ۶ - جنوری سنہ ۱۹۲۳ - میں جب قید خانہ سے نکلا تو اس بارے میں ایک طے شدہ ارادہ اپنے سامنے رکھتا تھا - خیال تھا کہ جونہی وقت کی سیاسی مشغولیت مہلت دیگی ' پہلا کام یہ کرونگا کہ چار پانچ سال کیلئے کسی ایسے گوشے میں کہ صحت کی درماندگیوں کیلئے سودمند اور چند رفقاء علم و عمل کی موجودگی سے دلپسند ہوگا ' مقیم ہوجاونگا اور اپنے پیش نظر علمی و عملی مقاصد کی مشغولیت و تکمیل کے سوا اور کسی کام سے علاقہ نہیں رکھونگا :

فراغتے و کتابے و گوشـــۂ چمنـــے !

احباب و مخلصین میں جن حقیقت شناسوں کی نظر اُن کاموں کی اہمیت پر تھی وہ تو انہی کے متمنی تھے ' لیکن عام طور پر لوگوں کو طلب الہلال کی تھی - کوئی وقت بھی اسکی طلب و اصرار سے خالی نہیں جاتا تھا ' تاہم میری طبیعت کا یہ حال تھا کہ کسی طرح بھی اسکے لئے آمادہ نہیں ہوتی تھی - تمام تر جستجو اسی بات کی تھی کہ فراغ خاطر اور یکسوئی طبع کے ساتھہ اپنی علمی زندگی میں مشغول ہوجاؤں اور ان ارادوں کی تکمیل کی سعی کروں جو مدتوں سے وقت و مہلت کے منتظر ہیں -

* * *

لیکن اس تمام طلب و جستجو کا بالآخر نتیجہ کیا نکلا ؟

یہ نکلا کہ وقت کے تقاضے ' احباب کے پیہم اصرار ' اور التوا و انتظار عمل کی ناقابل برداشت حالت سے عاجز آکر مشغولیت کی وہی صورت اختیار کرلینی پڑی جس سے سالہا سال تک اس درجہ گریز رہا تھا - یعنی فیصلہ کرلینا پڑا کہ الہلال جاری کردیا جاے ' اور ساتھہ ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھنے کی بھی کوشش کی جاے - اگر دونوں کاموں کا بہ یک وقت انجام دینا دشوار ہے تو دشواری پر غالب آنا چاہئے - اگر صحت ساتھہ نہیں دیتی تو کیا مضائقہ ؟ اُسے ساتھہ لینا چاہئے - ضرورت ہماری درماندگیوں اور کمزوریوں کا انتظار کیوں کرے ؟ کیوں وہی ہو جو ہماری پسند اور انتخاب ہے ؟ کیوں وہ نہ ہو جو وقت کا حکم اور مشیت الہی کا فیصلہ ہے ؟

سالہا سال سے جس عنقاے فراغ اور کیمیاے سکون کی جستجو تھی ' بالآخر اسکا نتیجہ نکلا تو یہ نکلا !

این رسم و راہ تازہ ز حرمان عہد ماست
عنقـا بہ روزگار کسے نامـہ بر نبـود !

* * *

جنوری سنہ ۲۰ - سے لیکر دو سال تک کا زمانہ تحریک ترک موالات یا لا تعاون کا زمانہ تھا اور اسکی خود فروشانہ سرگرمیوں میں اسکی مہلت ہی نہیں مل سکتی تھی کہ مستقبل کی طرف نظر اٹھائی جائے - لیکن ۱۰ - دسمبر سنہ ۱۹۲۱ - کو جب میں گرفتار ہوگیا ' اور اُسکے چند ماہ بعد مہاتما گاندھی کی گرفتاری پر تحریک کی عملی سرگرمیاں ختم ہوگئیں ' تو قید خانہ کی کوٹھری میں موقعہ ملا کہ مستقبل کی طرف نظر اٹھاؤں اور وقت کی ضرورتیں اور اپنی استعداد کار دیکھتے ہوے آیندہ کاموں کا فیصلہ کروں - میں نے فیصلہ کیا ' اور اسپر مطمئن دل و دماغ لیکر ۶ - جنوری سنہ ۲۳ - کو باہر نکلا ' لیکن باہر نکلنے کے بعد ملک کی جو صورت حال سامنے آئی ' وہ بھی ایسی نہ تھی کہ نظر انداز کردی جاتی - تحریک کی عملی قوتیں ختم ہوچکی تھیں ' تفرقۂ و انتشار ہر گوشے میں نمایاں تھا ' کانگریس دو متحارب جماعتوں میں بٹ گئی تھی ' اور ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی شروع ہوگئی تھی - ضروری تھا کہ بقدر استطاعت اصلاح حال کی کوشش کی جاتی - لیکن جب کوشش شروع کی تو بتدریج اسکا دامن پھیلتا گیا - یہانتک کہ پورا سنہ ۱۹۲۳ - اسی میں نکل گیا .

جنوری سنہ ۲۴ - میں حالات نے نئی صورتیں اختیار کیں - کانگریس کی ایک جماعت نے اسمبلی اور کاونسلوں کیلئے کھڑے ہوکر ملک کی سیاسی خاموشی میں ہلچل پیدا کردی - مہاتما گاندھی

ذرۂ آب کی سرگزشت

علمی مقالات کے مطالعہ سے ایک دلچسپ اور مفید نتیجہ یہ ہے کہ تمثیلات و حکایات کے پیرایہ میں بیان کئے جائیں تاکہ وہ لوگ بھی دلچسپی لے سکیں جو علمی مقالات کے خشک مباحث کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ مغرب کے بعض اہل قلم اس قسم کی کاوشیں لکھنے میں شہرت و امتیاز حاصل کر چکے ہیں۔ منجملہ ان کے مسٹر ومرشانک ہیں جو شکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے رسالہ سائنٹفک امریکن میں ایک دلچسپ سلسلہ لکھنا شروع کیا تھا جس کے ہر نمبر میں کوئی ایک علمی موضوع بطرز تمثیل و حکایت بیان کیا گیا ہے۔ ہم آج اس سلسلہ کا پہلا نمبر ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ یہ ذرۂ آب کی سرگزشت ہے اور خود اسی کی زبانی بیان کی گئی ہے۔ پانی کا وہ چھوٹا سے چھوٹا خوردبینی (Microscopic) ذرہ جو چشم غیر مسلح (Naked eye) سے دکھائی بھی نہیں دیتا۔ اپنے نشو و نما کے مختلف درجوں سے گزر کر کس طرح ایک عظیم اور بے کنار سمندر کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے؟ اور پھر ابتدا کی اس بے مائیگی سے لیکر انتہا کی عظمت تک کیسے کیسے عجیب تغیرات و تاثرات اس پر گزرتے ہیں؟ وہ کبھی بادلوں کی چادر ہے۔ کبھی بارش کی بوند ہے۔ کبھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی سطح منجمد ہے۔ اور کبھی نہروں کی روانی کی صورت میں گنگا جمنا اور دجلہ و فرات ہے۔ سمندر ... اور قطرہ کائنات کے یہ تمام عجائب اس مختصر سی داستان میں آپ سن لیجئے۔ اس مضمون کے ساتھ دو تصویریں بھی درج کی جاتی ہیں جو ذرۂ آب کے تبدلات کے دو مختلف منظر پیش کرتی ہیں۔ ایک تصویر میں پہاڑی دریا کا منظر دکھلایا ہے جب وہ جم کر بالکل برف ہو گئی ہے۔ دوسری تصویر میں قطرہ کی بناوٹ ہی عجیب دکھا رہی ہے۔ یعنی منجمد پانی کے وہ بلوری مربع ہیں جن میں طرح طرح کے نقوش بن گئے ہیں۔

میں پانی کا ایک ننھا سا ذرہ ہوں۔ اتنا چھوٹا ہوں کہ انسانی آنکھ لاکھ کوشش کرے مجھے دیکھ نہیں سکتی۔ قوی سے قوی خوردبین میں بھی میں نظر نہیں آسکتا۔ تاہم میں موجود ہوں۔ یقینی طور پر موجود ہوں۔ میرے وجود میں ہرگز کوئی شبہ نہیں کرسکتا۔ میں اپنے ہی جیسے ننھے ننھے ذروں سے مل کر موسلادھار مینہ کی صورت میں شور برپا کرتا ہوں، دریا کی شکل میں موجیں مارتا ہوں، پھر بے پایاں سمندروں کی نیلگوں سطح بنکر زمین کے چاروں طرف پھیل جاتا ہوں۔ میں اس سے بھی بڑھ کر ایک چیز ہوں۔ میں تمام حیوانات و نباتات کے جسموں میں موجود ہوں۔ بلکہ اکثر جسم مجھی سے بنے ہیں۔ میں زمین کے بھی تقریباً ہر مادہ میں موجود ہوں۔ حتیٰ کہ سنگلاخ چٹانوں اور ٹھوس دھاتوں تک میں سمایا ہوا ہوں۔ میری سرگزشت بہت طولانی ہے۔ اگر سننا چاہتے ہو تو مجھے انکار نہیں۔

(میری پیدایش)

میں کس طرح پیدا ہوا؟ یہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ لیکن مجھے معلوم ہے۔ بے شمار صدیاں گزر چکی ہیں۔ کم سے کم دس کروڑ برس پہلے میں پیدا ہوا تھا۔ اس تمام مدت کے اندر کیسے کیسے عجیب و غریب حالات مجھپر گزرے؟ یہ ایک نہایت طویل داستان ہے۔ تم اسے شروع سے آخر تک کسی طرح بھی نہیں سن سکتے۔ اس کیلئے کئی سو برس درکار ہونگے۔ تمہاری عمر زیادہ سے زیادہ سو برس کی ہوتی ہے حالانکہ یہ بمشکل میری زندگی کی ایک ساعت ہے!

ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب میں پانی نہ تھا۔ کوئی دوسری ہی چیز تھا۔ پھر ایک عجیب طریقہ پر میری ہستی کی ابتدائی بناوٹ ہوئی۔ یہ کروڑوں برس پہلے کی بات ہے۔ دراصل میری ولادت ایک آتش فشاں پہاڑ یعنی آگ کے پہاڑ کی گردن میں ہوئی تھی۔ یہ پہاڑ اب موجود نہیں ہے۔ بکھر کر خاک ہوگیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب زمین نئی نئی جمی تھی۔

میں اس طرح پیدا نہیں ہوا جس طرح نر اور مادہ کے ملنے سے حیوان اور پھول پتے پیدا ہوتے ہیں۔ میری پیدائش دو ذاتوں سے نہیں، تین ذاتوں سے ہوئی ہے۔ "ہیڈروجین" کے دو جوہر "آکسیجن" کے جوہر سے مل گئے۔ انکے ملتے ہی میں اچانک ظاہر ہوگیا!

یہ تین جوہر جنکے ملنے سے میری خلقت ہوئی ہے، بہت پہلے سے موجود تھے۔ اتنے پہلے سے جسکا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ میرے ان اجداد کی تاریخ ضرور عجیب اور عظیم الشان واقعات سے لبریز ہوگی۔ اگر مجھے کسی طرح معلوم ہوجاتی تو میں آفتاب کی اصلیت اور ستاروں کے گزشتہ انقلابات کے تمام اسرار فاش کردیتا۔ یہ تینوں جوہر اثیر (ایتھر) یا لامتناہی فضا میں موجود تھے جس سے کہ آفتاب کی تکوین ہوئی ہے۔ پھر جب ستارے آفتاب سے جدا ہوگئے تو میرے ان تینوں بزرگوں نے اپنے لئے زمین پسند کرلی۔ وہ شاید جانتے تھے کہ زمین ہی زندوں کا مسکن بنیگی، لہذا انہوں نے کمال دانشمندی سے باقی تمام ستاروں پر اسے ترجیح دی۔ صرف ترجیح ہی نہیں دی بلکہ یہ احسان عظیم بھی کیا کہ اسے کرہ بننے کیلئے جس ابتدائی سروسامان کی ضرورت تھی، اسکے بنانے میں اس کا ہاتھ بھی بٹایا۔ حالانکہ وہ خود اس وقت نہایت کمزور اور کم مقدار تھے۔

میری تکوین کے وقت یہ تینوں حضرات، جیسا کہ ابھی کہہ چکا ہوں، آتش فشاں کی گردن میں معلق تھے۔ انکے لئے پہاڑ کے آتشیں پیٹ میں باہم ملاقات و معانقہ ناممکن تھا۔ کیونکہ وہاں سخت گرمی تھی اور دباؤ بھی بے حساب تھا۔ لہذا وہ اوپر کو چلے۔ یہاں انہوں نے حرارت میں جوذرا کمی پائی تو بے صبری سے بیچ گردن ہی

مطبوعات جدیدہ

فتوح الشام کي سرياني تاريخ

پهلي صدي هجري کي اسلامي فتوحات پر عربي زبان ميں تاريخ کا وافر ذخيره موجود هے ' ليکن يه کمي هميشه محسوس کي گئي هے که تمام تر بعد کے مورخين کے قلم سے مدون هوا هے - خود اُس عهد کي کوئي قلمي شهادت موجود نهيں - يهي وجه هے که فتوحات مصر و شام کي تاريخي روايات پر زمانۂ حال کے نکته چينوں نے اعتراضات کئے هيں ' اور بعض سرگذشتوں کي نسبت خيال کيا هے که مبالغه سے خالي نهيں هيں .

ليکن حال ميں مشهور انگريز مستشرق ڈاکٹر رائٹ کو ايک سرياني تاريخ کا پته چلا هے - خيال کيا جاتا هے که يه دمشق کے کسي مسيحي عالم کي تحرير هے جو فتوحات شام کے زمانه ميں موجود تها اور اکثر واقعات اپني آنکهوں سے ديکهه چکا تها - بد قسمتي سے اسوقت تک پوري کتاب دستياب نهيں هوئي هے - صرف ايک صفحه ملا هے - وه بهي دست برد زمانه سے محفوظ نهيں - اُس ميں کل ۲۹ سطريں هيں - سات ابتدائي سطريں تو کيڑے نے بالکل کها ڈالي هيں - باقي سطور ميں بهي جا بجا الفاظ مٹ گئے هيں يا کرم خورده هيں - زمانۂ حال کے مشهور جرمن مستشرق پروفيسر نولڈک Noeldeke نے اس صفحه کي عبارت حل کي هے اور اُس پر ايک مختصر رساله شائع کيا هے - چونکه يه ايک نهايت قيمتي تاريخي شهادت هے اسلئے اسکا خلاصه بعض ضروري تشريحات کے ساتهه هم شائع کر ديتے هيں .

اس صفحه ميں جنگ يرموک کا حال لکها هے - معلوم هے که فتوحات شام ميں يه جنگ سب سے بڑي اور فيصله کن جنگ تهي - اسي لئے يه کرم خورده صفحه مورخين کي نظر ميں غير معمولي اهميت رکهتا هے - ذيل ميں اُسکي هر سطر کا ترجمه ملاحظه هو :-

۱ — ۷ ... (پڑهي نهيں گئي)

۸ — ... کانون ثاني (جنوري) ميں معاهده قرار پايا اور همارے جانيں بچيں .

۹ — حمص اور دوسرے بهت سے گاؤں برباد اور اُنکے باشندے قتل هوے .

۱۰ — ... (کرم خورده) ... محمد ... مقتول اور قيدي بکثرت تهے .

۱۱ — ... (کرم خورده) جليل سے بيت ...

۱۲ — عرب اطراف (دمشق ؟) ميں پهيل گئے -

۱۳ — هر جگهه نمودار هوے -

۱۴ — اور آئے ... اور ... انکي طرف ... اور ... دوران -

۱۵ — سنه ... اور بيس ميں فوج کا هراول روانه هوا اور بهيڑوں کے گلے ضبط کر لئے .

۱۶ — اطراف حمص ميں ' اور رومي اُنکے مقابله پر آگئے -

۱۷ — ... اور تاريخ دس

۱۸ — ماه آب - (يعني اگست) ميں رومي دمشق سے مفرور هوگئے .

۱۹ — اُنکي تعداد دس هزار کے قريب تهي ' اور

۲۰ — ايک سال بعد رومي آئے اور ماه آب (اگست) کي ۲۰ تاريخ سنه

۲۱ — ۹۴۷ ميں رومي جابيه کے مقام ميں جمع هوگئے .

۲۲ — اور روميوں کے بهت زياده آدمي قتل هوئے

۲۳ — تقريباً پچاس هزار

۲۴ — سنه (۷) ۹۴ ميں ... ۲۵ — ... اور پهيل گئے

۲۶ — ... خوش هوے ۲۷ — ...

۲۸ — ... ۲۹ — ليکن رومي رنجيده هوے

(قوسين کے مابين جتنے الفاظ هيں مستشرق نولڈک نے بڑها ئے هيں)

اِس کرم خورده صفحه نے ايک اهم اور قيمتي بات دنيا کي معلومات ميں اضافه کردي هے - ابتک جنگ يرموک کي ٹهيک تاريخ معلوم نهيں تهي - اسلامي مورخين نے کوئي معين تصريح نهيں کي هے - اُنکا بيان صرف اس قدر هے که رجب سنه ۱۵ ھ ميں هوئي تهي - ليکن اِس سرياني صفحه نے اُسکي تاريخ متعين کردي - اسميں ۲۰ آب سنه ۹۴۷ مذکور هے - يه سنه مسيحي نهيں " سلوکيدي " هے - سلوکيدي تاريخ شاه " سوليکوس " کي تخت نشيني سے شروع هوتي هے - يه سکندر اعظم کي وفات کے بعد (سنه ۳۲۳ قبل مسيح) شام کا بادشاه تها - قديم زمانے ميں يهي تاريخ شام ' عراق ' فلسطين اور اناطوليه وغيره ممالک ميں رائج تهي - يهوديوں کي بول چال ميں اِس سنه کا نام " منيان هشطاروت " هے - غرضکه اِس سرياني سند کے بموجب جنگ يرموک ۲۰ آب سنه ۹۴۷ سلوکيدي ميں هوئي تهي - يعني ۲۰ - اگست سنه ۶۳۶ عيسوي ميں - هجري حساب سے يه تاريخ ٹهيک ۱۲ - رجب سنه ۱۵ هوتي هے .

اِس صفحه سے ايک اور اهم نقطه بهي حل هوجاتا هے - يعني جنگ کے اصلي محل کا تعين - عرب مورخ اُسے خود " يرموک " ميں قرار ديتے هيں - ليکن يه سرياني مورخ " جابيه " بتاتا هے - جابيه درياے يرموک سے کچهه فاصله پر هے - غالباً لڑائي جابيه هي ميں هوئي تهي - ليکن چونکه يرموک عرب ميں زياده مشهور تها اس لئے عربي مورخين نے اُسے يرموک هي کي طرف منسوب کرديا - پهر يه وجه بهي هوسکتي هے که اسلامي لشکر نے اپنا پڑاؤ يرموک هي کے کنارے ڈالا هوگا - کيونکه يه لڑائي اگست کے مهينه ميں هوئي هے جبکه شام ميں پاني کي قلت هوتي هے - ضروري هے که عرب دريا کے قريب رهنے پر مجبور هوئے هوں .

عرب مورخوں نے اِس جنگ ميں رومي فوج کي تعداد کئي لاکهه بتائي هے - مورخ بلاذري وغيره قريب دو لاکهه کے قرار ديتے هيں - مقتولين کي تعداد بهي بلاذري نے تقريباً ستر هزار بتائي هے - بعض يورپين مورخ اِسے مبالغه کهتے تهے - ليکن اِس سرياني صفحه نے عرب مورخين کي تصديق کردي - اِس ميں رومي مقتولين کي تعداد کا تخمينه پچاس هزار هے جو عرب مورخين کے بيان کے قريب قريب هے - ظاهر هے مقتولين کي اِتني بڑي تعداد اُسي فوج ميں هوسکتي هے جو ڈيڑه دو لاکهه سے کم نه هو .

هوتے یہی بدلی ایک عظیم‌الشان کالی گھٹا کی صورت میں تبدیل ہوگئی - وہ پورے آسمان پر چھاگئی تھی اور سورج کو زمین کے ایک حصہ سے چھپادیا تھا - اب ہم دو مخالف اور متضاد قوتوں کے بیچ میں تھے - ایک طرف قوت جاذبہ تھی - یہ ہمیں مجبور کرتی تھی کہ ایک دوسرے سے ملیں اور باہم پیوست ہوں تاکہ بڑے بڑے قطرے وجود میں آئیں - دوسری طرف قوت دفع کرنے والی تھی اور اسکی کوشش یہ تھی کہ ہم باہم ایک دوسرے سے جدا رہیں اور منتشر ہو جائیں - لیکن یہ قوت آہستہ آہستہ کمزور ہوتی گئی اور پہلی قوت قوی ہوتی گئی - لہذا ہماری باہمی پیوستگی برابر بڑھتی رہی اور بڑے بڑے قطرے بنتے گئے .

ہوتے ہوتے یہ قطرے اتنے بڑے اور وزنی ہوگئے کہ ہوا میں انکے اُٹھانے کی قوت باقی نہ رہی - اب ایک عظیم انقلاب پیش آیا - قطرے مینہہ کی صورت میں زمین پر آ کر گرے ' اور میں جو بالا نشیں تھا زمین بوس ہوگیا - یا تو ہوا کی گود میں اتنی بلندی پر اڑا اڑا پھر رہا تھا' یا اب گر کر دریائے زخار کا ایک نہایت ہی حقیر جزو ہوکر رہ گیا - اتنا حقیر کہ تم شاید تصور بھی نہیں کرسکتے - سوئی کی نوک پر پانی کی جتنی بڑی بوند ٹھہر سکتی ہے ' اُس سے بھی کہیں زیادہ میں چھوٹا تھا - اِس بوند میں میرے جیسے کروڑوں ذرے موجود ہوتے ہیں !

(سمندر میں واپسی)

سمندر میں پہنچکر ایک اور انقلاب میں نے دیکھا - فضا میں اگرچہ میں آزاد تھا تاہم ہوا کے قبضہ ہی میں تھا - ہوا مجھے اٹھاتی اور پکڑتی تھی - لیکن سمندر میں خود میں نے بہنے ہوئے مواد کھیرنا اور پکڑنا شروع کردیے - یہ مواد مختلف قسم کے ہیں اور تمہارے علماء نے انکے الگ الگ نام رکھے ہیں -

اِن میں سب سے زیادہ مشہور کھانے کا نمک ہے - اِس کا نام اصطلاح میں " کلورایڈ سوڈیم " یا " کلورایڈ سوڈیک " ہے - اسکے بعد " کلورایڈ مگنیشیم " پھر " سلفاٹ مگنیشم " اور " کلشیم " اور " پوٹیشیم " اور " کاربن " اور " بروماٹک " اور " آیوڈایڈ " اور " فلورایڈ " وغیرہ ہیں - اِنھی مواد میں سونا چاندی بھی داخل ہیں - کیونکہ سمندر کا پانی اُنسے خالی نہیں ہے - ہم نے باوجود رقیق ذرے ہونے کے بہت سے مواد قید کرلئے ' جس طرح ہوا نے گیس ہونے پر بھی ہمیں قید کر رکھا تھا - ہم نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ خود ہوا سے بھی اپنی پرانی قید کا بدلہ لے لیا - لیکن وہ بھی انتقام پر اتر آئی - اُسنے غیظ و غضب سے ہم پر حملے کرنا اور موجوں کی شکل میں ہمیں اُچھالنا شروع کیا - دوسری مصیبت یہ پیش آئی کہ بعض علاقوں میں سورج بھی ہم پر نہایت سختی سے اپنی گرم شعاعیں ڈالنے لگا - اِس کا اثر یہ ہوا کہ ہمارا وزن کم ہوگیا اور رفتار سست پڑگئی - اِس دوران میں میری حالت ناقابل بیان تھی - کبھی میں ساحل پر آکر گرتا تھا ' کبھی دھارے میں پڑکر خط استوا سے قطب تک چلا جاتا تھا' اور کبھی زمین کے چاروں طرف چکر کھاتا پھرتا تھا .

ستم یہ ہوا کہ ہوا اور سورج دونوں مخالف ہوکر ہمیں نیچا دکھانے پر تل گئے - ایک مرتبہ میرے بہت سے بھائی بند آبی ذرے سطح سمندر پر غفلت میں پڑے تیر رہے تھے کہ اچانک ہوا نے حملہ کردیا اور قید کرلینا چاہا - سورج بھی فوراً اُسکی کمک پر مستعد ہوگیا اور اپنی شعاعوں کا لشکر اتار دیا - اب مقابلہ ناممکن تھا - یہ تمام ذرے قید ہوگئے - میری جو شامت آئی تو میں بھی تماشہ دیکھنے اوپر آگیا - ہوا اور سورج نے دیکھا تو مجھپر بھی ہاتھہ صاف کیا اور قید کرکے اوپر لے چلے - میری نادانی دیکھو کہ میں اِس قید پر بہت خوش ہوا - میں نے خیال کیا کہ سمندر میں رہنے سے ہوا میں رہنا کہیں اچھا ہے - چنانچہ بغیر کسی عذر کے روانہ ہوگیا - بہت اوپر لیجاکر ہوا نے مجھے چھوڑ دیا - میں خوش و خرم لامتناہی فضا میں رقص کرنے اور دوڑنے لگا - اب مجھے کوئی غم نہ تھا - جب ذرا جی گھبراتا تو نیچے نظر کرکے خشکی اور تری کا تماشہ دیکھہ لیا کرتا - مجھے معلوم نہ تھا کہ میری اس خوشی کی عمر بہت تھوڑی ہے .

(برفانی دریا اور پہاڑ میں)

مدت دراز تک میں اِسی حالت سے آسمان پر سیاحی کرتا رہا - کبھی تن تنہا پھرتا - کبھی بھاپ کے ابر کے ساتھہ ہواخوری کرتا - آخر یہ آزادی رنگ لائی - ایک دن میں سیر و تفریح میں مصروف تھا کہ سخت سردی نے آگھیرا - قریب تھا کہ اکڑ کر رہ جاؤں - میں بھاگا - فوراً برف کے ایک ننھے سے قطرہ میں جو نہایت شفاف ' باریک اور مثلث تھا ' میں جا بسا - یہ مثلث قطرہ دوسرے برفانی مثلثوں کے ساتھہ سرد ہوا میں قائم تھا - نور کی شعاعیں اُنپر پڑتیں اور منعکس ہوکر ہالہ کی شکل میں سورج اور چاند کے گرد نظر آتیں - اِسکے بعد میرے برفانی مثلث نے آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا - یہانتک کہ مسدس شکل کی ایک برفانی چادر سی بن گئی - یہی حال دوسرے مثلثوں کا بھی ہوا - پھر سب باہم مل گئے ' اور برف کا بھاری بادل بن کر فضا میں چل پڑے - چلتے چلتے ایک بہت ہی قدیم اور سربفلک پہاڑ ملا - میں نے یہ پہاڑ کبھی نہیں دیکھا تھا - اِس پر برف جمی پڑی تھی - ہمارا بادل اچانک اُس کی چوٹی پر اُتر پڑا - اب بھی نجات ممکن تھی ' مگر غضب یہ ہوا کہ ہمارے بادل پر فوراً اور بہت سے برفانی بادل بھی آگرے - میں انکے نیچے بالکل دفن ہوگیا - یہاں کی سردی ناقابل بیان تھی - یا تو میں خط استوا کے سمندروں میں گرم سورج کے نیچے رہتا تھا ' یا اب برف کی بے شمار تہوں کے نیچے دبا پڑا تھا !

منجمد نہر کا ایک منظر جو کوہ الپس کی چوٹیوں سے نشیب میں جا رہی ہے

لیکن خوش نصیبی سے میرے اوپر کی برف کو ترس آ گیا - شاید خود اُسے بھی سردی لگی اور وہ آہستہ آہستہ پہاڑ سے نیچے کی طرف پھسلنے لگی - اب مجھے پھر اِس مصیبت سے نکلنے کی امید بندھی - مگر ابھی قسمت میں آرام نہ تھا - اوپر سے اور برف برابر گررہی تھی - قبل اِسکے کہ میری برف پگھل کر پانی ہو'

میں ہم آغوش ہوگئے۔ اُنکا ملنا نہ تھا۔ ایک طلسم تھا۔ فوراً میرا وجود ظہور میں آگیا!

لیکن یہ نہ سمجھنا کہ اِن تینوں بزرگوں کو صرف ایک ہی فرزند نصیب ہوا۔ ایک اکیلا میں ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ میرے ساتھہ بیک وقت میرے کروڑوں بھائی بہن بھی پیدا ہوگئے تھے۔ سب ٹھیک میری ہی طرح پیدا ہوئے اور بالکل میرا ہی سا قد و قامت پایا۔ میں کیا کہوں ہم سب کس دوزخ میں تھے؟ ہماری جنم بھومی میں قیامت کی گرمی تھی۔ دم منھہ کو آتا تھا۔ گلا گھٹا جاتا تھا۔ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ آخر اِسکے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ کسی طرح باہر نکل بھاگیں۔ چنانچہ ہم آہستہ آہستہ اوپر پہاڑ کی گردن تک پہنچے۔ یہاں جو ذرا دباؤ میں کمی ہوئی اور ہماری قوت بڑھی، تو ہم سب نے ایک ساتھہ زور مارا اور اچانک باہر کود پڑے۔ ہمارا نکلنا کوئی معمولی سی بات نہ تھی۔ ایک ہولناک دھماکا تھا۔ پہاڑ کی پوری چوٹی اُڑکر ریزہ ریزہ ہوگئی۔ پھر ہم نے فوراً بھاپ کے ایک ستون کی شکل اختیار کرلی۔ یہ ستون بہت لمبا تھا۔ ہم سیدھے اوپر کی طرف اُٹھتے رہے۔ اب ہم اپنی سب سے پہلی قید سے آزاد ہوگئے تھے۔

(فضـــا میں پـــرواز)

پہاڑ کی چوٹی توڑ کر جب ہم باہر نکلے تو میں نے اپنے آپکو فضا میں اڑتا پایا۔ گرم ہوا مجھے بہت اونچی بلندیوں پر لے گئی۔ میں نہیں کہہ سکتا کتنی دور تک پہنچا۔ میرے پاس ناپنے کا کوئی آلہ نہ تھا۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ زمین سے دس میل تو ضرور اوپر ہونگا۔ وہاں پہنچکر میں نے دیکھا۔ آکسیجن اور نائٹروجن کے عناصر جنسے ہوا مرکب ہے، مجھے گھیرے تھے۔ میرے گرد کروڑوں آبی ذرے رقص کر رہے تھے۔ کسی کو قرار نہ تھا۔ حیرت انگیز سرعت سے اوپر نیچے ہوتے رہتے تھے۔ ساتھہ ہی سخت تصادم بھی جاری تھا۔ ہر لمحہ لاکھوں ذرے آپسمیں ٹکریں مارتے اور ہوا کے عناصر بھی انسے متصادم ہوتے۔ میں کہہ نہیں سکتا کس غرض سے یہ تمام رقص و تصادم جاری تھا؟ بلکہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں انکے وجود سے مقصود اصلی کیا تھا؟ میں صرف اپنا مشاہدہ بیان کر رہا ہوں۔ اسرار اور علل کا شناسا نہیں ہوں۔

بہر حال ہواؤں نے ہمیں اپنی گود میں اٹھا لیا اور مشرق کی سمت لے چلیں۔ تم پوچھوگے مشرق کی طرف کیوں لے گئیں؟ یہ اِس لئے کہ اُن بلندیوں پر ہوائیں ہمیشہ پچھم سے پورب ہی کی طرف چلتی ہیں۔ ہواؤں کی گود میں آرام سے بیٹھکر میں نے اپنے دوسرے ساتھیوں آبی اور خاکی ذروں کے ساتھہ پورے کرۂ زمین کا پہلی مرتبہ دورہ لگایا۔

یہ بڑے اچھے دن تھے۔ ہمارے لئے خوشی ہی خوشی تھی۔ ہوا نہایت لطیف تھی۔ ہم پانی کے ذرے پوری آزادی اور وسعت کے ساتھہ چلتے پھرتے تھے۔ یہ آزادی ہمارے لئے سب سے بڑی نعمت تھی۔ کیونکہ حرکت ہماری فطرت میں ہے۔ ہم ایک دم بھی ٹھہر نہیں سکتے۔ اُس وقت حرکت کی ہمیں پوری آزادی تھی۔ لیکن اِسکا نتیجہ یہ ضرور تھا کہ ہم میں ہر وقت سخت تصادم جاری رہتا تھا۔ ایک لمحہ میں لاکھوں مرتبہ باہم ٹکراتے تھے!

اُس زمانہ میں ہمارا مسکن بادلوں اور ہواؤں کے اوپر تھا۔ یہ تمام چیزیں نشیبی فضا میں رہتی ہیں اور ہم اُنسے بلندی پر تھے۔ ہم اپنے اوپر آسمان کو سیاہ دیکھتے اور آفتاب نیلا دکھائی دیتا۔ تارے ہمیں ٹھیک دوپہر کو بھی نظر آجاتے تھے۔ وہاں ہوا ازبس لطیف ہے۔ زمین سے دسواں حصہ بھی اُس میں کثافت نہیں۔ لیکن ہوا کی اِس لطافت نے آفتاب کی شعاعیں بہت تیز کردی تھیں۔ کیونکہ لطیف ہوا دھوپ بہت کم جذب کرتی ہے۔ یہی باعث ہے کہ وہاں سردی بھی بلا کی پڑتی ہے۔ سورج کی شعاعیں بہت تیز تھیں لیکن مجھپر انکا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ اُنکا اثر صرف اُنہیں جسموں پر پڑسکتا ہے جو بہت سے ذروں سے مرکب ہوکر بنے ہیں۔ مجھپر کیسے اثر پڑتا؟ میں تو محض ایک ننھا سا ذرہ تھا۔

(بادلوں میں داخلہ)

مدت دراز تک ہم اِسی حالت میں رہے۔ پھر ہوا کا وہ حصہ ٹھنڈا پڑگیا جہاں ہم تھے۔ میں فوراً اپنے لاکھوں بھائیوں کے ساتھہ خاک کے ایک ذرہ سے لپٹ گیا جو پاس ہی اُڑرہا تھا۔ اِس حرکت کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں اچانک پانی کا ایک منجمد قطرہ بن گیا۔ لیکن یہ قطرہ نہایت ہی چھوٹا اور ہلکا تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ وہ ہوا میں برابر اُڑتا رہا۔ میرے قطرہ کی طرح اور بھی بے شمار قطرے بن گئے تھے۔ یہ سب میرے قطرے سے مل گئے اور اب ہم ایک برفانی بادل کی صورت میں آسمان پر چھاگئے۔ یہ قصہ اُس وقت کا ہے جب تمہاری انسانی نسل کا کہیں پتہ بھی نہ تھا۔ بلکہ کوئی بھی سانس لینے والا حیوان زمین پر موجود نہ تھا۔ البتہ مچھلیاں موجود تھیں۔ اگر وہ اُس وقت آسمان کی طرف نگاہ اُٹھاکر دیکھتیں تو اُنہیں اِس گنبد نیلگوں میں بادل کی ایک خوبصورت چادر ہلتی نظر آتی!

برف کے بلوری ٹکڑے جس طرح کہ خوردبین میں نظر آتے ہیں

اِس اثنا میں کبھی کبھی ہوا کی ہلکی موجیں ہم سے آکر ٹکراتی تھیں اور ہمیں ایک دوسرے سے جدا کردیتی تھیں۔ اِس حالت میں ہمارا بادل غائب ہوجاتا تھا۔ کیونکہ ہوا کے تصادم سے گرمی بڑھ جاتی تھی اور ہمارے برفانی قطرے بھاپ بنکر اڑجھل ہوجاتے تھے۔ یہ عمل مدت تک جاری رہا۔ آخرکار ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم اتفاق سے نشیبی فضا میں سیر کر رہے تھے۔ اچانک ہوا کی موجیں آکر ٹکرا گئیں۔ اِس وقت آنکی رفتار بہت زیادہ تیز تھی۔ اِس سرعت کا لازمی نتیجہ حرارت کی زیادتی ہوئی۔ ہم نے غبار کا ایک ذرہ پکڑ کر سہارا لینا چاہا۔ مگر اچانک سیال پانی کی ننھی بوند بنکر رہگئے۔ یہی حال میرے دوسرے بھائی بندوں کا بھی ہوا۔ سب پانی کی بوندیں بن گئے۔ پھر اِن سب بوندوں نے مل کر ایک چھوٹی سی آبی بدلی کی شکل اختیار کرلی۔ یہ بدلی کی دوسری حالت تھی جو ہم پر طاری ہوئی۔

ہماری یہ دوسری بدلی آہستہ آہستہ بھاری اور موٹی ہوتی گئی۔ کیونکہ بے شمار آبی ذرے اُس میں آکر جمع ہونے لگے۔ ہوتے

تحقیقات کے بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ شاہی کے قیام میں زیادہ تر اس وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے کہ خود شاہ پسندوں میں پھوٹ پڑگئی ہے - آنکی دو پارٹیاں ہوگئی ہیں اور ایک دوسرے کو آگے بڑھنے سے روک رہی ہے -

عجیب بات یہ ہے کہ دونوں پارٹیوں کے لیڈر دو مدعی عورتیں ہیں - دونوں میں سخت عداوت ہے - ایک دوسری کو پیس ڈالنے پر تلی ہوئی ہے اور پس پردہ سخت جنگ ہو رہی ہے - صدیوں کے بعد آج جرمنی پھر عورتوں کی سازشوں کا آماجگاہ بن گیا ہے .

یہ دونوں لڑنے والی عورتیں کون ہیں ؟ ساس اور بہو ! سابق قیصر ولیم کی نئی دلہن اور سابق ولی عہد کی بیگم - یہ ہیں وہ دو آتش مزاج اور اولوالعزم عورتیں جو پروشیا کے تخت کے لئے خانہ جنگی کی طیاریاں کر رہی ہیں !

یہ ایک کھلا راز ہے کہ شاہزادی ہرمائن (سابق قیصر کی دوسری بیوی) اپنے بوڑھے شوہر کے دل و دماغ پر پوری طرح حاوی ہے - خود قیصر ولیم امریکا کے ایک مشہور اخبار میں ایک حد تک اس کا اعتراف کرچکے ہیں - قیصر نے اپنے مضمون میں اپنی دو محبتوں کی سرگزشت لکھی تھی - پہلی محبت کا تعلق متوفی ملکہ اسٹا سے ہے - اِس کے بارے میں قیصر نے یہ جملہ لکھا تھا : " اسکی جدائی کا داغ میرے قلب سے کبھی مٹنے والا نہیں " لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ داغ مٹ گیا اور بدنصیب شہنشاہ کے آنسو زندگی کی ایک نئی دلچسپی نے بہت ہی جلد خشک کردیے - ایک دن یہ غمزدہ انسان اپنی ڈاک کا تھیلا دیکھ رہا تھا - اچانک ایک خط نظر آیا - یہ خط ایک بیوہ کے لڑکے نے لکھا تھا .

قیصر کہتا ہے " مجھے فوراً اپنے ایک مرحوم وفادار افسر کا نام یاد آگیا اور اس مناسبت نے دلچسپی پیدا کردی " چنانچہ خط و کتابت جاری ہوگئی اور قیصر کے دل میں محبت کی گدگدی پیدا ہونے لگی - شاہزادی ہرمائن کی شادی اسی اتفاقی خط و کتابت کا نتیجہ ہے - قیصر نے بڑی گرم جوشی سے اپنی نئی بیوی کا ذکر کیا ہے - ڈورن میں آنے جانے والے واقف ہیں کہ بوڑھا شہنشاہ کس طرح اپنی نئی دلہن کے قبضہ میں ہے - سابق ملکہ کے ساتھ وہ ایک سخت گیر شوہر تھا - مگر اب وہ پورے معنوں میں مطیع خاوند ہے .

یہ واقعہ ہے کہ جنگ میں ناکامی کے بعد قیصر کی طبیعت بالکل بجھ گئی تھی - وہ بقیہ زندگی گوشہ نشینی میں گزارنا چاہتا تھا - مگر شاہزادی ہرمائن نے آتے ہی اس میں ایک نئی روح پھونک دی - یہ اُسی کے اِصرار کا نتیجہ تھا کہ قیصر نے کھوئے ہوئے تاج و تخت کا پھر خیال کیا اور برلن واپس جانے کی کوشش شروع کردی .

جاننے والے جانتے ہیں کہ ہرمائن کیسی بلند حوصلہ اور مستقل مزاج عورت ہے ؟ وہ اپنے سر پر تاج دیکھنے کیلئے سخت بیچین ہے - ممکن ہے وہ پورے جرمنی کی ملکہ نہ بن سکے - لیکن پروشیا کے تاریخی تخت پر بیٹھنے کا تو اُسنے عزم مصمم کرلیا ہے - قیصر کی اِس وقت بھی یہی ضد ہے کہ اُسے سب لوگ " امپریس " (شہنشاہ ملکہ کے) لقب سے پکاریں .

میدان میں ایک طرف ہرمائن ہے اور پوری قوت سے کام کر رہی ہے - دوسری طرف شاہزادی سیسیلیا سابق ولی عہد کی بیوی کھڑی ہے - یہ شاہزادی اپنے شوہر کی طرف سے بالکل ناامید ہوگئی ہے - اب اُسکی امیدوں کا مرکز اس کا لڑکا ہے جسکی عمر اس وقت ۲۱ برس کی ہوگی - وہ اسی کو تخت شاہی پر بٹھانا چاہتی ہے - قیصر ولیم کا یہ پوتا نہایت خوبصورت ، خوش اخلاق ، ملنسار ، اور بہادر ہے - بڑا محنتی [illegible] سے محنت کرتا ہے - اُس کی سخاوت کے متعلق طرح طرح کے عقیدتمندانہ قصے تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں .

ان دونوں شاہزادیوں میں جان توڑ مقابلہ ہو رہا ہے - دونوں اس جنگ میں غیرمعمولی ہمت و مہارت ظاہر کررہی ہیں اور دونوں نے لاکھوں دلوں پر قبضہ کرلیا ہے - مگر ایسے آثار موجود ہیں جو ہرمائن کی فتحمندی کا زیادہ یقین دلاتے ہیں - علاوہ اس وقت تک وہ کئی کامیابیاں حاصل بھی کرچکی ہے - چنانچہ اپنے اور اپنے شوہر کیلئے حکومت سے دو لاکھ پچاس ہزار ایکڑ زمین اور ایک لاکھ پونڈ نقد حاصل کرچکی ہے - روز بروز اُسکا اقتدار بھی بڑھتا جاتا ہے - بظاہر اُسکی کامیابی قریب ہے - معزول قیصر کی واپسی کے خلاف جو قانونی بندش کئی سال سے قائم تھی ، چند مہینے بعد ختم ہو جائیگی - خیال کیا جاتا ہے کہ اُس وقت قیصر کو کوئی قوت بھی جرمنی میں داخل ہونے سے روک نہیں سکتی !

یہ عجیب بات ہے کہ اس لڑائی میں دونوں کے شوہر بڑی حد تک بے غرض ہیں - معزول قیصر کی زندگی ختم ہونے پر ہے - اِس لئے اُسے اپنی ذات کے لئے اب کچھ کرنا نہیں ہے - صرف اپنی محبوب بیوی کی رضا جوئی پیش نظر ہے - اسی طرح سابق ولی عہد بھی تاج و تخت سے بیزار ہے - صرف اپنے بیٹے کی محبت اُسے مجبور کر رہی ہے کہ اپنی بیوی کی کوششوں کا ساتھ دے .

پاؤں کی کیلیں

بعض آدمیوں کے پیروں میں کیلیں نکل آتی ہیں - یہ کیلیں [illegible] سے مختلف ہوتی ہیں - مثلاً پڑتا ہے کہ اُس میں پاؤں کی کھال موٹی ہو جاتی ہے - کہیں میں بھی کھال موٹی ہو جاتی ہے مگر ساتھ ہی درمیان میں آھنی کیل کی طرح ایک سخت سی کیل بھی پڑ جاتی ہے اور سخت تکلیف دیتی ہے - عام طور پر اسے کاٹ دیا جاتا ہے اور عارضی آرام ہو جاتا ہے مگر وہ پھر بڑھ جاتی ہے اور پریشان کرتی ہے - بہت سے لوگ اسے [illegible] سے نکال دیتے ہیں مگر زیادہ فائدہ نہیں ہوتا .

یہ کیلیں تنگ جوتا پہننے سے پیدا ہوتی ہیں - کبھی پاؤں کے تلوے میں ہوتی ہیں - کبھی انگلیوں کے اوپر اور کبھی ان کے درمیان پڑ جاتی ہیں - تنگ جوتے سے جس مقام پر زیادہ دباؤ پڑتا ہے ، وہاں التہابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے - اگر جوتا اتارا نہ جائے تو کھال کٹ جاتی ہے لیکن اُتارنے کے بعد یہ التہاب اکثر کیل کی شکل اختیار کرلیتا ہے .

یہ کیلیں تندرستی کے لئے نہایت مضر ہیں - سینہ اور حلق پر بہت برا اثر ڈالتی ہیں - یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکا میں اِس سے بچنے کے لئے عام طور پر ڈھیلے جوتے پہنے جاتے ہیں - انگریز اِس بارے میں سب سے زیادہ محتاط ہیں - حتی کہ کبھی کبھی اُن کے جوتے اِتنے ڈھیلے ہوتے ہیں کہ برے معلوم ہوتے ہیں - انگریزوں کی اِحتیاط کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ لارڈ ولنگٹن سے پوچھا گیا سپاہی کو سب سے زیادہ کس چیز کی ضرورت ہے ؟ اُنھوں نے کہا " تین چیزوں کی : ڈھیلا جوتا - ڈھیلا جوتا - ڈھیلا جوتا "

جمہوریۃ اور شاہیۃ کی نئی کشمکش

تاج کے لئے دو جرمن عورتوں کی مخفی جنگ

الہلال کے مقالہ نگار مقیم برلن کے قلم سے

(اصل انگریزی سے ترجمہ کیا گیا)

سابق قیصر جرمنی

چند دن ہوئے برلن کی سڑکوں نے ایک ہیبت ناک منظر دیکھا - شاہراہوں پر اِس طرح گولیاں چلیں اور لاشیں گرتی تھیں جس طرح عام بغاوتوں کے زمانہ میں ہوا کرتا ہے - یہ لڑائی جمہوریت پسندوں اور شاہ پسندوں کے درمیان تھی - پولیس بھی بے دھڑک فیر کر رہی تھی اور علانیہ جمہوریت پسندوں کے خلاف تھی - لڑائی کی اہمیت کا اندازہ اِس سے کیا جاسکتا ہے کہ پریسیڈنٹ ہیڈنبرگ کا حریف ہرتیلان بھی اِس میں شریک تھا اور سخت زخمی ہوا .

لیکن یہ لڑائی کتنی ہی سخت ہو، مجھے اُس کی تفصیلات پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں - ریوٹر ایجنسی نے اِس فرض سے سبکدوش کردیا ہے - مجھے اِس وقت اصلی معاملہ پر غور کرنا ہے - یہ لڑائی اور اِس جیسی بہت سی لڑائیاں جو جرمنی میں ہوتی رہتی ہیں، بجائے خود زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں - اصلی اہمیت اُس سبب کو حاصل ہے جو اِن خانہ جنگیوں کا اصلی موجب ہے .

دنیا جانتی ہے کہ جرمنی میں اگرچہ جمہوری حکومت قائم ہوگئی ہے مگر ملک کا عام رجحان شاہی کی طرف ہے - جرمنی آج بھی اُسی طرح تاج و تخت کی پرستش کرتا ہے، جس طرح جنگ سے پہلے کرتا تھا - معزول قیصر اِس وقت بھی جرمن دلوں کا ویسا ہی دیوتا ہے جیسا اپنے عروج کے زمانہ میں تھا - جرمنی میں جمہوری حکومت اِس لئے قائم نہیں ہوگئی ہے کہ باشندوں کی اکثریت اُسے چاہتی ہے، بلکہ اِس وجہ سے ہے کہ جرمنی کے لئے انگلستان اور فرانس کو خوش رکھنا ضروری ہے اور وہ سابق قیصر اور خاندان ہوہنزولرن کی حکومت پسند نہیں کرتے .

پھر دنیا یہ بھی خوب جانتی ہے کہ اب اِن دونوں طاقتور حریفوں کا رعب کم بلکہ تقریباً زائل ہوگیا ہے - اب جرمن علی الاعلان اپنے شاہ پسندانہ میلان کا اظہار کرتے اور جنگی سپہسالار اپنے آقا ولہلم کی وفاداری کے کھلے بندوں مقر ہیں - خود جنرل ہنڈنبرگ موجودہ رئیس جمہوریت بھی اپنے اِس رجحان کے لئے مشہور ہوچکا ہے - ایک مرتبہ تو اُس نے صاف صاف اعلان کردیا تھا کہ " سابق قیصر کی وفاداری کی جو قسم میں نے کھائی تھی، اُس سے ابتک آزاد نہیں ہوا ہوں " یہی باعث ہے کہ جب وہ رئیس جمہوریت منتخب ہوا تو عام طور پر دنیا نے خیال کیا کہ یہ قیصر کے واپس آنیکی تمہید ہے - یہ خیال بے بنیاد بھی نہ تھا - یہ واقعہ ہے کہ اِس بوڑھے جنرل نے سیاسی زندگی کی بوجھل ذمہ داریاں زیادہ تر اِسی نیت سے قبول کیں کہ اپنے پرانے آقا کے لئے زمین طیار کرے - برلن کے سیاسی حلقوں میں تو یہانتک کہا جاتا ہے کہ ہنڈنبرگ نے یہ منصب خود قیصر کے اصرار و حکم سے قبول کیا ہے - صرف ہیڈنبرگ ہی نہیں، جو جماعت اِس وقت برسرحکومت ہے، اُسکی اکثریت بھی سراسر شاہ پسند ہے .

میں جس پہلو پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں، وہ ابتک عام نظروں سے نزدیکی میں ہے - باوجود شاہ پرستی کے عام میلان کے ابتک شاہی حکومت کا قیام کیوں وجود میں نہیں آسکا ؟ یہ سوال اکثر دلوں میں پیدا ہوتا ہے مگر صاف جواب حاصل کئے بغیر رہ جاتا ہے .

نئی برف کے آکر آتے ٹھوس نخ بنا دیا - اب میں سخت اور شفاف برف کی چٹان کا ایک جزء بن گیا تھا - قدرت کے کرشمے دیکھو ! ایک وقت میں بھاپ کا ذرہ تھا - ہر طرف اڑتا پھرتا تھا - اب ایک نہایت ٹھوس جسم کا جزء بن گیا - جب تک ہوا میں رہا، آزادی سے حرکت کرتا تھا - سمندر میں بھی زیادہ بندش نہ تھی - لیکن برف میں پڑکر مجھے صدیوں ایک تنگ اور سرد قیدخانہ میں رہنا پڑا - نہ وہاں روشنی نظر آتی تھی - نہ کسی طرف جنبش کرسکتا تھا - اندھیرا گھپ - موت کی سی خاموشی - قبر سے بدتر قیدخانہ !

(سمندر میں واپسی)

صدیاں گزرگئیں - میں نا امید ہوچکا تھا - سمجھتا تھا کبھی رہائی نصیب نہ ہوگی - مگر یہ بھی میری غلطی تھی - جس برف میں میں مقید تھا وہ برابر نیچے اُترتی جاتی تھی دراصل اُسنے ایک برفانی سیلاب کی شکل اختیار کرلی تھی - اُترتے اُترتے وہ زمین کے کنارے پہنچ گئی - میں بالکل غافل تھا - اچانک اُسکا ایک بڑا ٹکڑہ ٹوٹ کر سمندر میں گرپڑا اور زور کا دھماکا ہوا - میں سمجھا پہاڑ پھٹ پڑا ہے - پھر خاموشی چھاگئی اور میری نا امیدی لوٹ آئی - لیکن بالاخر ایک دن جبکہ میں غافل تھا، برف کا وہ ٹکڑہ ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا، اور میں قید سے آزاد ہوگیا - اب میں پھر اُسی سمندر میں پڑا تیر رہا ہوں جس سے کسی زمانہ میں ہوا قید کرکے آسمان پر لے آئی تھی - یہ ہے میری سرگزشت کا ایک حصہ - باقی حصے کسی دوسری فرصت میں بیان کرونگا .

اُسنے مجھے دیکھتے ھي جوش کے ساتھه کہا "میرا نام ایلن ھے" ایلن واقعي اپنے پورے معنوں میں منظر جمال ھے - قد درمیاني ' جسم سڈول ' نه فربه نه لاغر ' ھاتھه پاؤں تناسب و اعتدال کا نمونه - اُسکا رنگ صاف بتا رھا تھا که یہودي نہیں ھے جیسا که مشہور ھوگیا ھے .

میرے خیال میں اُسکي سب سے زیادہ عجیب چیز اُسکي آنکھیں ھیں - سچ مچ کو سحر کار' جادو بھري آنکھیں ' نه چھوٹي نه بڑي ' صاف اور سنہري ' دراز پلکوں کے نیچے ساکن' لطیف ابرؤں کے سایه میں مطمئن ' لیکن ھزاروں معاني و مطالب حسن سے لبریز!

اپنے خندۂ جانستاں سے بجلیاں گراتي ھوئي میرے استقبال کو بڑھي - رسمي سلام و کلام کے بعد ایک صوفے پر بیٹھه گئي اور بغیر کسي انتظار کے اپني باریک ' ٹھنڈي ' مگر سنجیده آواز میں گفتگو شروع کردي :

" اب مجھے بے لاگ حقیقت کا اعلان کردینا چاھئے " اُسنے کہا " میں بہت دن خاموش رھي لیکن کب تک خاموشي کے ساتھه دنیا کي تہمتیں برداشت کرتي رھوں ؟ میں نے سخت عذاب جھیلا ھے - آه ! کیسا نا قابل تحمل عذاب ! عالمگیر انساني تحقیر کا عذاب ! دشمنوں نے دنیا بھر میں مشہور کردیا ھے که میں ایک بد چلن اور آواره گرد عورت ھوں ! کیا میں بد چلن عورت ھوں ؟ یه کیسي خوفناک تہمت ھے ! "

اب اُسکے چہره پر ھلکي سي زردي چھا گئي :

" لوگوں نے سب ھي کچھه کہا اور لکھا - وه کون سا برا لفظ تھا جو میري نسبت نہیں لکھا گیا - کیا یه سچ نہیں ھے ؟ "

ایک لمحه خاموشي کے بعد اُسنے پھر تقریر شروع کي :

" دشمنوں نے دنیا کو یقین دلانے کي پوري کوشش کي که مجھه میں وه تمام رذالتیں جمع ھیں جو کسي عورت میں ھوسکتي ھیں - میں ساحره ھوں - غارت گر ھوں - آواره ھوں - ھرجائي ھوں - پرنس کارل کو برباد کرنے والي ھوں - اُسکي بیوي بچے سے اُسے جدا کرنے والي ھوں - میں اُسے بھگا لائي ھوں - اُسکے خاندان میں پھوٹ ڈالنے والي ھوں - آه ! غریب و ناتواں ایلن رومانیا کي جمله مصائب کي تنہا ذمه دار ھے ! جب میں اپني انگلي یوں ھلاتي ھوں (اُسنے اپني مخروطي انگلي اٹھاکر کہا) تو رومانیا کا قدیم شاندار تخت شاھي لرز جاتا ھے - اُلٹ کر پاش پاش ھو جاتا ھے ! "

اُس نے ایک غم ناک قہقہه مارا " بلا شبه یه عجیب ھے اگر ھولناک نہیں ھے " یه کہکر وه کرسي سے اُٹھه کھڑي ھوئي - پھر بیٹھه گئي اور سنجیدگي سے کہنے لگي :

" میں تمہیں حقیقت بتاتي ھوں - تم نے سنا ھوگا میں گزشته سال میلانو میں تھي - تمام اخباروں نے لکھه مارا که پرنس کارل میرے ساتھه بھاگ آیا ھے - حالانکه یه قطعاً جھوٹ تھا - اصلیت صرف اتني ھے که رومانیا میں سخت سیاسي مشکلات در پیش تھیں - مصائب نے پرنس کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا - اتفاقیه میري اُس سے ملاقات ھوگئي - اُسے ایک سچے رفیق و مونس کي ضرورت تھي - اُس نے میري طرف دیکھا اور میں نے اُس کي رفاقت و همرھي کا فیصله کر لیا "

اُس نے پہلو بدلا اور کرسي اپني انگلي سے کریدنے لگي :

" تم سمجھه سکتي ھو " اُس نے رنجیده پیرایه میں کہا " میں کیسي سخت مشکل میں پڑ گئي تھي ؟ صرف یہي ایک خیال مجھے تسلي دیسکتا تھا که سچي دوستي کے معني ھیں نفس کي کامل قرباني ' اور میں اپني قرباني کرکے فرض دوستي ادا کر رھي ھوں - بلا شبه جب کبھي میں دشمنوں کي تہمتیں سنتي تو میرا دل پاش پاش ھو جاتا - لیکن پھر صبر و عزم سے کام لیتي اور سونچتي که یه حالت زیاده عرصه تک باقي نہیں رہ سکتي - در اصل دشمنوں کي یه تمام شرارت اسلئے تھي که شاھزاده کو ھمیشه کے لئے تباه کر دیا جائے اِس میں شک نہیں شرارت بہت دنوں تک کامیاب رھي - حتی که ایسا وقت بھي ھم پر گزر چکا ھے جب اِس دنیا میں ایک انسان بھي ھمارا ھمدرد نه تھا "

" تم نے بر وقت کیوں اِن تہمتوں کي اصلیت ظاھر نہیں کردي ؟ " میں نے سوال کیا .

" میں متکبر تھي " اُس نے تیزي سے جواب دیا " ھاں میں متکبر تھي - میري خودداري کو سخت ٹھیس لگي تھي - میں دنیا کو مخاطب کرنا پسند نہیں کرتي تھي - میں اس دنیا سے جو سنگ دل انسانوں سے بھري ھوئي ھے نفرت کرتي ھوں - شاید میں ھمیشه نفرت کرتي رھوں - میں کیوں دنیا کي کمینه تہمت تراشیوں کے جواب میں اپنے آپ کو نمایا کرتي ؟ تم خود دیکھتي ھو معامله بالکل صاف تھا - کسي صفائي کي ضرورت ھي نه تھي - مجھے یقین ھے که میرا دامن بے داغ ھے - پھر میں اپني صفائي کي کیوں کوشش کرتي ؟ جو آدمي اپني صفائي کرتا ھے وه گویا خود اپنے اوپر تہمت اوڑھه لیتا ھے "

تھوڑي دیر چپ رھنے کے بعد وه پھر بولي :

" اِس تمام قصه کي بنیاد صرف اتفاق پر ھے - بالکل اتفاقیه طور پر پرنس سے میري ملاقات ھوگئي - میں پرنس سے دوستي کا رشته جوڑنے پر مجبور ھوگئي کیونکه اُس وقت اُسے دوستي کي ضرورت تھي - میں نے کوشش کي که ٹھیک وه روش اختیار کروں جو ایسے حالات میں کسي مخلص دوست کي ھو سکتي ھے - کیا ایک دوست کیلئے اسکي ضرورت ھے که اپني دوستي کیلئے اپني برأت ثابت کرے ؟ "

" پھر اب کیوں تم نے رائے بدل دي ؟ کیا تمہارے اور پرنس کے درمیان کوئي نئي بات پیدا ھوگئي ھے یا عنقریب ھونے والي ھے ؟ " میں نے سوال کیا -

اُسنے شانے ھلا کر بے صبري سے جواب دیا :

" ھمارے درمیان کوئي بات بھي واقع نہیں ھوئي اور نه کبھي ھوسکتي ھے - کیونکه ھمارا معامله ایسي محبت کا معامله نہیں ھے جو ھوا و ھوس کي محبت ھو اور جیسا که لوگ یقین کر رھے ھیں - ھمارا علاقه نفس انساني کے اُن پست درجوں سے کہیں بالا تر ھے - کہا جاتا ھے که دوستي ' حقیقي دوستي : سورج کے نیچے کم یاب ھے - اور مرد اور عورت کے درمیان تو اور زیاده - لیکن میں یه کہنے کي جرأت کرتي ھوں که میں نے اس دنیا میں ایک انسان کے ساتھه دوستي کي ھے - پرنس کو ایک دوست کي ضرورت تھي - میں اُسکي دوست بن گئي - اُسے ابتک دوست کي ضرورت ھے ' اِس لئے میں ابتک اُسکے ساتھه ھوں - میں چونکه اسکي دوست ھوں اسلئے اسکي تمام مصالح و فوائد کي بھي دوست ھوں ' اور ایک لمحه کیلئے بھي گوارا نہیں کرسکتي که اسکي خوشحالیوں کي راه میں روک ثابت ھوں "

مدم جوش سے تقریر کررھي تھي - وه مجھے یقین دلانا چاھتي تھي که پرنس اور اُسکي بیوي ھیلینا کے ملاپ اور مفاھمت کو وه ناپسند نہیں کرتي .

حسن و عشق اور تاج و تخت

رومانیا کا تخت شاہی ایک فتنہ گر حسن کے رحم پر

(قیس کی داستان لیلی کی زبانی)

الہلال کے مقالہ نگار پیرس کے قلم سے

اس وقت دنیا کے کسی ملک میں بھی وہ عجیب صورت حال درپیش نہیں ہے جو ایک برس سے رومانیا کو ایک سخت داخلی اضطراب میں مبتلا کیے ہوئے ہے - ملک میں ہر وقت خانہ جنگی اور خونریزی برپا ہو جانے کا اندیشہ ہے - نہیں کہا جاسکتا حالات کی یہ نازک صورت حال کس حد تک پہنچکر رکیگی ؟

یہ تمام اضطراب و اختلال کیوں ہے ؟ صرف اسلیے کہ پرنس کارل سابق ولی عہد رومانیا پر امانذار عشق کا بے پناہ تیر چل گیا اور وہ ایک فتنہ گر حسن کی نگاہ برق پاش کا مقابلہ نہ کرسکا :

عشق ازین بسیار کرد ست و کند !

دوران جنگ میں جب جرمن فوجیں بخارست (دارالحکومت رومانیا) پر قابض تھیں ' تو یہ شاہزادہ اپنی فوج کے ایک افسر کی لڑکی پر فریفتہ ہوگیا اور اس سے اوڈیسا میں خفیہ شادی کرلی - لیکن جنگ کے بعد جب دونوں رومانیا واپس آئے تو بادشاہ پر یہ رشتہ گراں گزرا اور اسنے علحدگی کا حکم دیدیا .

ملکہ اور بھی زیادہ سخت تھی - عرصہ تک کشمکش جاری رہی - بالاخر شہزادہ کو مجبور ہو جانا پڑا اور اپنی بیوی کو طلاق دیدی - ایک شیر خوار بچہ اسکی گود میں تھا - طلاق کے بعد مع اپنے بچے کے رومانیا سے جلا وطن کردی گئی .

اسکے بعد شاہزادہ کی شادی یونانی شاہزادی ہیلینا سے کردی گئی - اسوقت عام طور پر یقین کیا جاتا تھا کہ اب ولی عہد مطمئن ہوکر شاہی زندگی بسر کریگا اور یہ ناگوار حادثہ فراموش ہوجایگا - لیکن واقعات اسکے برخلاف ثابت ہوئے - چند ہی دنوں بعد شاہزادہ کو اپنی نئی بیوی سے نفرت ہوگئی اور اس نفرت نے عشق و الفت کا ایک نیا محل ڈھونڈھ نکالا - دسمبر سنہ ۱۹۲۵ کی صبح کو اچانک معلوم ہوا کہ شاہزادہ بخارست سے پوشیدہ نکل گیا ہے ' اور میڈم لوپسکو نامی ایک عورت بھی اسکے ساتھ فرار ہوگئی ہے - شہزادہ کی ایک تحریر اسکی نشست کے کمرہ سے ملی - اس میں لکھا تھا کہ میں اب ولی عہدی سے دست بردار ہو جاتا ہوں - جس ولی عہدی سے مجھے اپنی زندگی کی ابتدائی راحت بھی نہیں مل سکتی ' بہتر ہے کہ اسے کسی دوسرے کیلئے چھوڑ دوں !

اس واقعہ نے تمام یورپ میں ہلچل مچادی - ۴ - جنوری سنہ ۱۹۲۶ - کو رومانی پارلیمنٹ کا جلسہ ہوا اور اسنے طے کیا کہ شہزادہ کا پانچ برس کا لڑکا جو پرنس ہلینا کے بطن سے ہے ولی عہد مقرر کیا جائے - ساتھ ہی اعلان کیا گیا کہ دس برس کیلئے پرنس کارل کا داخلہ رومانیا میں ممنوع قرار دیا جاتا ہے .

پرنس پر یہ کارروائی شاق گزری - اب وہ اپنے ملک میں واپس آنا اور اپنا حق واپس لینا چاہتا ہے - اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک دو گروہوں میں بٹ گیا ہے - حلقۂ حکومت پرنس کے خلاف ہے ' مگر رعایا کی اکثریت اسکی حمایت پر تلی ہوئی ہے - پرنس کی مخالفت میں سب سے زیادہ سرگرم خود اسکی ماں ہے - اس ملکہ کی سختی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اسے " دل میں خنجر رکھنے والی ماں " کے لقب سے خود رومانی پکارنے لگے ہیں .

ولی عہد کی موجودہ روش کی تمام ذمہ داری اسکی نئی محبوبہ میڈم لوپسکو کے سر ڈالدی گئی ہے - یورپ کے اخبارات اسکے خلاف مضامین شایع کر رہے ہیں - اور اسے " خوفناک ساحرہ " اور " قزاق " کا لقب دیا جا رہا ہے - وہ سال بھر تک تو خاموش رہی ' لیکن اب پہلی مرتبہ زبان کھولی ہے - حال میں ایک انگریز اخبار نویس خاتون اس سے پیرس میں ملی تھی - اس خاتون نے اپنی ملاقات کی سرگذشت حسب ذیل بیان کی ہے :

" میں نے رومانیا کا تخت شاہی نہیں ہلایا - نہ پرنس کارل میری وجہ سے تخت شاہی سے دست بردار ہوا ہے جیسا کہ دنیا نے ہمارے دشمنوں کے کہنے سے یقین کر رکھا ہے - میں نہ تو ساحرہ ہوں - نہ قزاق ہوں - میں محض پرنس کی ایک مخلص دوست ہوں - میں پرنس کے فرائض کی راہ میں کبھی روک نہیں بن سکتی "

ان الفاظ سے میڈم لوپسکو نے اپنی گفتگو شروع کی :

" میں نے پرنس کارل کو تخت شاہی سے علحدہ نہیں کیا " میڈم نے کہا " میں انھیں بادشاہ بننے سے ہرگز نہیں روکتی - میں تو محض انکے رنج میں شریک اور جلاوطنی کی رفیق ہوں - اس سے زیادہ میری کوئی حیثیت نہیں "

انگریز خاتون لکھتی ہے : میڈم لوپسکو پیرس کے مضافات میں مقیم ہے - مکان اچھا خاصہ دو منزلہ ہے - مکان کے گرد آہنی احاطہ ہے اور اسمیں مضبوط دروازے لگے ہیں - ہمیشہ خفیہ پولس کے دو آدمی نگرانی کرتے ہیں - پھاٹک کی کنجی ایک وفادار دربان کے پاس رہتی ہے - وہی کھولتا اور بند کرتا ہے .

مکان کے اندر میں نے ہر چیز آرام دہ اور گھریلو پائی - نرم ریشمی فرش بچھا تھا - جابجا نفیس کرسیاں رکھی تھیں - خوبصورت گلدستے قرینے سے میزوں پر چنے تھے - غرضکہ گھر کی مجموعی ہیئت صاف بتا رہی تھی کہ اس میں کوئی با سلیقہ عورت رہتی ہے .

میرے لیے دروازہ کھلا - میں معترف ہوں کہ میڈم لوپسکو کو اچانک اپنے سامنے دیکھکر میں دم بخود رہ گئی - یہی وہ سرخ سر والی ساحرۂ حسن ہے جسنے رومانیا کی پوری سلطنت اپنی چشم و ابرو کے ایک اشارہ سے ہلا ڈالی ! یہی وہ شہرۂ آفاق مگر پر اسرار عورت ہے جسے بہت کم آدمیوں نے دیکھا ہے مگر سب نے اسکے بارے میں خیال آفرینی کی ہے ! اسی کی نسبت مشہور ہے کہ اسکی جانستاں اداؤں نے مستقبل کے ایک بادشاہ سے اسکا تاج و تخت چھڑوا دیا ! میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں نے اسکی جو تصویر اپنے ذہن میں کھینچ رکھی تھی ' وہ اس سے بالکل مختلف نکلی .

یہ ایک نہایت حسین عورت ہے - عمر بیس برس سے بھی کم ہوگی - بال سرخ نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر مشہور ہوگیا ہے - اسکے بالوں کا رنگ پکے گیہوں کا رنگ ہے جب ڈوبتے ہوئے سورج کی زرد شعاعوں سے وہ چمک دار ہوجاتا ہے - چہرہ کے گرد گھنے ' ریشمیں ' سنہری ' بالوں کا ہجوم ہے - بال نہایت شاندار ہیں - نئے فیشن کے خلاف اپنی پوری درازی رکھتے ہیں - وہ عورت نہیں ہے - گلاب کا نازک ' تازہ ' شگفتہ ' خنداں ' اور دلفریب پھول ہے !

یوناني زبان کو حاصل تھا - اُس عہد کي صنعت کتابت و تزئین کے آثار بھي محفوظ ھیں - یعني ایسي کتابیں بھي محفوظ ھیں جو مطلا و مذھب یا مصور لکھي گئي تھیں ' اور کاغذ کي جگہ ھرن کي جھلي استعمال کي گئي تھي - مذھبي اعمال و رسوم کي بعض اشیاء بھي پائي جاتي ھیں جو اسپین کے آخري مسیحي فرمانروا راڈرک کے استعمال میں آتي تھیں .

عمارت کا ایک دوسرا حصہ اندلس کے اسلامي عہد تمدن کي یادگاروں پر مشتمل ھے اسمیں تقریباً دو ھزار مجلدات عربي کتابوں کي ھونگي - کچھہ ذخیرہ تصاویر و نقوش اور صنعتي اشیاء و نوادر کا بھي ھے .

(اسکوریال کي خاموش شہادت)

لیکن کیا اندلس کے آٹھہ سو برس کے اسلامي تمدن کا صرف اتنا ھي ذخیرہ دنیا کے حصہ میں آیا تھا جو اسکوریال میں محفوظ ھے ؟ اور کیا یہ ذخیرہ بھي اندلس کے دوسرے مسیحي دور کي علمي حفاظت کا نتیجہ ھے ؟

نہیں ' تاریخ ان دونوں سوالوں کا جواب نفي میں دیتي ھے .

دنیا کي تاریخ میں شاید ھي علم و تمدن کیلئے ایسے تاریک و المناک ایام آئے ھوں جیسے اسلامي حکومت کے زوال و اخراج کے بعد اندلس میں آئے - سنہ ۱۴۹۱ع میں جب غرناطہ کا آخري مسلمان فرمانروا ابو عبد اللہ اسلامي حکومتوں کي اعانت سے مایوس ھوکر مجبور ھوگیا کہ غرناطہ دشمن کے حوالہ کردے ' تو اسوقت فرڈي نند اور اھالي غرناطہ میں ایک معاھدہ ھوا تھا - اسمیں ۶۷ شرطیں تھیں جو آجتک صفحات تاریخ پر ثبت ھیں - ان شرطوں میں بعض شرائط اسلامي مدرسوں اور کتب خانوں کے بارے میں بھي تھیں - جس طرح فرڈي نند نے مسلمانوں کي مذھبي آزادي اور شہري و مدني حقوق کے احترام کا عہد لیا تھا ' اُسي طرح اس بات کا بھي عہد کیا تھا کہ تمام اسلامي مدرسے قائم رکھے جائینگے ' اور اسلامي کتب خانے مسلمانوں کي ملکیت تسلیم کئے جائینگے - لیکن اس معاھدہ اور اسکي ۶۷ شرطوں کا نتیجہ کیا نکلا ؟ مشہور مورخ الوس اور رامپو کے لفظوں میں یہ نکلا کہ " دنیا میں شاید ھي کسي انساني گروہ نے انسانوں کے قتل ' آبادیوں کي ویراني ' علم و مدنیۃ کي بربادي ' اور وحشت و بربریۃ کي اشاعت میں ایسي مجنونانہ بیدادي دکھلائي ھوگي جیسي کہ اسپین کے عام برادران مسیحیت نے دکھلائي - پچاس برس کے اندر نہ صرف مسلمانوں سے ' بلکہ علم و مدنیۃ کي تمام علامتوں اور نشانیوں سے پورا جزیرہ نماے اندلس صاف کردیا گیا " !

اسپین میں علوم و کتب کي موجودگي اسلامي حکومت کي سب سے بڑي خصوصیت تھي ' لیکن جب مسیحي حکومت کا علم لہرانے لگتا تو اسکا پہلا نتیجہ یہ نکلتا کہ مدرسوں کي عمارتیں منہدم ھوجاتیں اور کتابوں کے انبار آگ کے حوالے کردیے جاتے - کامل ڈیڑھہ سو برس تک (جو اندلس میں اسلامي حکومت کے زوال اور مسیحي اقتدار کے عروج کا زمانہ ھے) اسکا سلسلہ جاري رھا - جب کسي شہر سے عرب خارج کئے جاتے ' تو فاتح جماعت کا پہلا کام یہ ھوتا کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھکر کتابیں جمع کي جاتیں اور آگ کے حوالے کردي جاتیں - آخري کتب خانہ جو جلایا گیا ' وہ غرناطہ کا شاھي کتب خانہ تھا جسکي حفاظت کا خصوصیت کے ساتھہ فرڈي نند نے معاھدۂ تسلیم میں عہد کیا تھا - مورخین یورپ نے اس کتب خانہ کي کتابوں کي تعداد اسي ھزار سے ایک لاکھہ تک بیان کي ھے - تاریخ نے جس انسان کو اتنے بڑے ذخیرۂ علم و مدنیۃ کے ضائع کردینے کي لا زوال شہرت حاصل ھوئي ' وہ تاریخ اسپین کا مشہور کارڈنیل فرانسسکو زي مینس Cordinal Francisco Ximens ھے .

کارڈنیل مذکور کو اسپین کي تاریخ میں وھي درجہ حاصل ھے جو ایک دوسرے کارڈینل ریشیلیو Richelieu کو فرانس کي تاریخ میں حاصل ھوا ھے - دونوں مذھبي حلقہ سے نکلکر حکومت و فرمانروائي کے حلقہ میں آئے ' اور ترقي کرتے کرتے نائب السلطنت کے عہدہ تک پہنچ گئے - یہي وجہ ھے کہ مورخین نے دونوں شخصیتوں کا مقابلہ کیا ھے اور انکے خصائص پر بحثیں کي ھیں - زمانۂ حال کے بعض مورخوں نے زي مینس کو ریشیلیو پر ترجیح دي ھے ' کیونکہ وہ آخر الذکر سے کہیں زیادہ علم و فن کا شائق تھا - وہ کہتے ھیں کہ اُسي کي کوشش سے اسپین کي پہلي یونیورسٹي وجود میں آئي جو الکالا Alca'a میں قائم ھوئي تھي اور جسکي نسبت فرانسس اول نے کہا تھا " تمہارے زي مینس نے تنہا وہ کام کیا جو فرانس میں پندرہ بادشاھوں کي ایک پوري صف کرسکي ھے " اور پھر یہ اُسي کي محنت و توجہ کا نتیجہ تھا کہ سنہ ۱۵۱۷ ع میں کتب مقدسہ کي مختلف زبانوں کا ایک مکمل ایڈیشن مع ضمیموں اور تشریحات کے چھہ جلدوں میں چھپکر شائع ھوا .

تاھم مذھبي تعصب و جنون کي یہ ایسي عجیب مثال ھے کہ سنہ ۱۴۹۹ میں یہي کارڈنیل جو یونیورسٹي کا موسس اور فن طباعت کا قدردان ھے ' ایک دوسرے مقدس آدمي فرڈیننڈ ڈي ٹالاویرا Ferdinand de Talavera کے ساتھہ ملکر یہ فتوی صادر کرتا ھے کہ غرناطہ کا شاھي کتب خانہ جلا دیا جاے ' کیونکہ خود اِسي باني دار العلوم کے لفظوں میں " اسکي کتابیں انجیل کي تعلیم سے مطابقت نہیں رکھتیں " !

مشہور مورخ کانڈي Conde لکھتا ھے :

" ان اسي ھزار کتابوں کے علمي مطالب کي قدر و قیمت بجاے خود رھي ' ان میں سے ھر کتاب کي جلد اس درجہ بیش قیمت اور عجیب و غریب صنعتوں سے بني ھوئي تھي کہ لوگوں نے جلتے ھوئے انباروں میں سے جلدوں کے پتّر نکال لئے تھے تاکہ اُنسے سونا چاندي اور قیمتي رنگوں کي بڑي مقدار حاصل کرلیں " !

یہ معاملہ یہیں تک پہنچکر ختم نہیں ھوگیا - شاھي کتب خانہ جلا دینے کے بعد محکمۂ تفتیش مقدس Inquisition نے اپنے عمال شہر میں بھیجے تاکہ مسلمانوں کے گھروں کي تلاشي لیں اور عربي کي جس قدر کتابیں ملیں ضبط کرلي جائیں - مشہور فرانسیسي مستشرق پروفیسر دوزي Dozy کي تاریخ مسلمانان اندلس Histoire des Musalmans d' Espagne کي شہادت کے مطابق یہ ذخیرہ بھي شاھي کتب خانہ کے ذخیرہ سے کسي طرح کم نہ تھا .

کتب خانۂ اسکندریہ کے جلانے کي کہاني میں بیان کیا گیا ھے کہ کتابیں چھہ مہینے تک شہر کے حماموں میں ایندھن کي جگہ جلتي رھي تھیں - افسانہ میں کتابیں چھہ ماہ تک جل سکتي ھیں - لیکن کسي واقعہ میں آگ کا عمل اتنا کمزور نہیں ھو سکتا کہ چھہ ماہ تک کتابوں کو مہلت زندگي دیدے - غرناطہ کا حادثہ افسانہ نہیں ھے - واقعہ ھے - اِس لئے جو کچھہ بیان کیا گیا ھے یہ ھے کہ " کامل سات دن تک کتابوں کے ڈھیر جلتے رھے تھے " !

ان حالات کے بعد ظاھر ھے کہ اندلس کے اسلامي تمدن کا کوئي علمي ذخیرہ ایسا باقي نہیں رھا تھا جو موجودہ دنیا تک پہنچ سکتا -

وہ اچانک کرسي کي پشت سے ٹیک لگاکر بیٹھه گئي اور چھت کي طرف نظر اٹھا کر کہنے لگي - مجھے سخت حیرت ہوئي کیونکہ اب اسکے ایک دلربا نازنین کي جگہ اچانک ایک حکیم اور فلسفي کا سا لہجہ اختیار کرلیا تھا :

" دوستي اُس چیز سے بہت بلند ہے جسے محبت کہتے ہیں - دوستي سراسر قرباني اور اعتماد ہے ' مگر محبت سراسر انانیت اور خود پرستي ہے - یہي سبب ہے کہ جب میں دیکھتي ہوں لوگ ہمارے باہمي تعلق کو عشق و محبت کا تعلق بتاتے ہیں تو میرے جذبات سخت مجروح ہوجاتے ہیں - اگر ہم میں عشق ہوتا تو میں اِتني خوش نصیب اور مطمئن نہ ہوتي جتني اِس وقت ہوں - محبت چند ہفتے ' چند مہینے ' شاید چند برس رہتي ہو - لیکن دوستي زندگي کا ایک ابدي معاہدہ ہے - جوں جوں وقت گذرتا ہے ' اسکا جوش افسردہ نہیں پڑتا بلکہ اور زیادہ بڑھتا جاتا ہے "

" اعلی خیال ہے " میں نے اسکي تصدیق کي " لیکن اب کیا ارادہ ہے ؟ آیندہ کا پروگرام کیا ہے ؟ "

مادام لوپسکو کرسي سے اٹھہ کر کھڑکي کے پاس گئي - ریشمیں پردہ ھٹا کر سورج پر نظر ڈالي - پھر لوٹ آئي :

" سچ یہ ہے میں نے ابتک کچھہ بھي غور نہیں کیا ہے " اُس نے بے پروائي سے جواب دیا " در اصل کوئي پروگرام نہیں ہے - قدرتي طور پر معاملہ کا دار مدار ...... " وہ اچانک رک گئي " میں پیرس میں بہت خوش ہوں " بات ٹالنے کے لیے کہنے لگي " میري دلي تمنا ہے کہ لوگ مجھے تنہا چھوڑ دیں - بالکل بھول جائیں - میں خاموش زندگي بسر کرنا چاھتي ہوں "

یہ اُس نے سچ کہا - یہ عجیب عورت پیرس سے صرف پندرہ منٹ کے فاصلہ پر مقیم ہے - مگر تین تین ہفتہ تک شہر نہیں جاتي - واقعي وہ تنہائي پسند ہے ۔

" میں یہاں رہنا پسند کرتي ہوں " اُس نے کہا " کیونکہ یہاں ہر طرف خاموشي ہے - موسم بہار میں یہ درخت ہرے بھرے ہو جائینگے "

میں نے اس افواہ کے متعلق سوال کیا کہ دونوں عاشق و معشوق عنقریب سیاحي شروع کرنے والے ہیں - اُس نے جواب دیا :

" مجھے سیاحي کا شوق نہیں ہے - میرے خیال میں رومانیا دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت ملک ہے "

در حقیقت یہ نازنین حیرت انگیز جاذبیت اور کشش رکھتي ہے - کوئي شخص بھي اُس کے تاثیر جمال سے اپني حفاظت نہیں کرسکتا - اُس کي شخصیت سادہ لیکن پورے معنوں میں موثر ہے - اِس ملاقات کے بعد مجھے کوئي تعجب نہیں اگر رومانیا کا تخت شاھي اِس عورت کے خوف سے تھرتھرا رہا ہے !

اندلس میں اسلامي تمدن کا آخري نقش قدم

(کنیسۂ اسکوریال کے عربي آثار)

اندلس (اسپین) کے موجودہ دارالحکومت میڈرڈ سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر ایک عظیم الشان مسیحي خانقاہ " اسکوریال " کے نام سے موجود ہے جسے شاہ فلپ ثاني نے سنہ ۱۵۸۴ میں تعمیر کیا تھا - جہانتک عمارت کے طرز و قسم کا تعلق ہے ' وسعت و بزرگي کے سوا اسمیں کوئي خاص بات ایسي نہیں جو قابل ذکر ہو - اندلس کے آخري مسیحي عہد کي تمام عمارتوں کي طرح یہ عمارت بھي تعمیري فنون لطیفہ کي تمام خوبیوں سے خالي ہے - با ایں ہمہ اسکي دلکشي میں کلام نہیں - ہمیشہ دنیا کے سیاح اور محقق اسکي زیارت کیلئے آتے رہتے ہیں اور دنیا کي مشہور عمارتوں کے سلسلے میں اِسکا نام بھي برابر لیا جاتا ہے ۔

یہ اسلئے ہے کہ اسي عمارت کے ایک حصہ میں اندلس کا شاھي کتب خانہ محفوظ ہے - اندلس کے قبل از اسلام اور بعد از اسلام عہد کے متعلق جو کچھہ بھي موجودہ دنیا کي وراثت میں آیا ہے ' وہ اسي خانقاہ کي سنگین دیواروں کے قبضہ میں ہے ' اور اسلئے علم و تاریخ کے سراغ رسانوں کیلئے یہ مقام بھي لندن کے برٹش میوزیم' پیرس کے قومي کتب خانے' قاھرہ کے دارالآثار' اور برلن کے کتب خانۂ مشرقي سے کم قدر و قیمت نہیں رکھتا - بلکہ بعض حالتوں میں کہیں زیادہ قیمتي ہے ۔

(کتب خانے کے دو حصے)

اس کتب خانے میں تقریباً ۴۵ ہزار نسخے کتابوں کے محفوظ ہیں - پرانے سکوں ' تصویروں ' نقوش ' اور مختلف قسم کي تاریخي اشیاء و نوادر کي بھي ایک کافي مقدار جمع کي گئي ہے - ایک حصہ اُن کتابوں اور تاریخي آثار کا ہے جو اندلس کے قبل از اسلام عہد سے تعلق رکھتے ہیں - دوسرا حصہ وہ ہے جسکا تعلق عہد اسلام کے آثار سے ہے - ان دونوں حصوں کي موجودگي بجائے خود تاریخ کي ایک نہایت عبرت انگیز داستان ہے !

پہلے حصہ میں قبل از اسلام عہد کے وہ تمام نوادر و آثار موجود ہیں جنکي اُس عہد کي تمدني استعداد دیکھتے ہوئے توقع کي جا سکتي ہے - تورات و انجیل کا وہ نسخہ جو اسپین کے مسیحي حکمرانوں کي تلاوت کا خاص نسخہ تھا ' اپني کامل و اصلي حالت میں موجود ہے - ایک سو سے زیادہ لاطیني زبان کي مذہبي کتابیں بھي اُس عہد کي یادگار ہیں - ایک بڑي تعداد اُن نوشتوں کي بھي ہے جو قدیم اندلسي زبان میں لکھے گئے تھے اور اندلس کے ملکي و سیاسي انقلابات انکے وجود پر کوئي مخالفت اثر نہ ڈال سکے - ایک خاص مقدار مسیحي مذہبي کتب کي یوناني زبان میں بھي ہے ' اور اس سے اُس مذہبي و علمي اقتدار کا سراغ لگتا ہے جو ازمنۂ وسطی میں

نکلا ہے اور شہر و محل کی کنجیاں فرڈنی نینڈ اور ازابلا کے حوالے کر رہا ہے ۔

(۳) ابو عبداللہ کی تلوار اور ڈھال ۔

(۴) ابو عبداللہ کی ایک ریشمین اور مزرکش قبا ۔

(۵) قرآن رکھنے کی ایک طلائی رحل جو سلاطین موحدین کی خیال کی جاتی ہے ۔

(۶) ایک قدیم تاریخی مرقع جس میں غرناطہ کے اسلامی دار القضاء کا منظر دکھلایا گیا ہے اور جو قصر الحمراء کی ایک دیوار کے مرقع سے نقل کیا گیا ہے ۔

(۷) "اے وی روس دی کریت" یعنی قاضی ابن رشد اعظم کی تصویر جو اُس سنگی بت کی نقل ہے جو اُس کے بعض یہودی شاگردوں نے طیار کیا تھا ۔

(۸) اندلس کے عرب جنگ آزماؤں کا ایک منظر ۔

(۹) غرناطہ کے محل شاہی کی طلائی کنجیاں جو عبد اللہ نے فرڈنی نینڈ کے حوالے کی تھیں ۔

(۱۰) الحمراء کے ایک سنگی بت کی نقل جسکی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ وہ اسلامی عہد وسطیٰ کے ایک مسلمان فرمانروا کی شبیہ ہے ۔

غرناطہ کے قاضیوں کی مجلس

(پروفیســـر امیلیو کی منتخبات)

ہم پروفیسر ایم امیلیو (M. Emilio) کے نہایت شکرگزار ہیں کہ انہوں نے الہلال میں شائع کرنے کیلئے کتب خانۂ اسکوریال کے آثار و نوادر کے عکسی فوٹو اور ضروری تشریحات بھیج دی ہیں - پروفیسر موصوف اسپین کے مستشرقوں میں اپنے ذوق علم اور مستعدی تصنیف کے لحاظ سے ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور متعدد کتابیں عربی علوم و آثار پر مرتب کرچکے ہیں - ہم وقتاً فوقتاً انکی فراہم کردہ معلومات الہلال کے صفحات پر شائع کرتے رہینگے - آج اس سلسلہ میں اسکوریال کے چار آثار ہدیۂ قارئین ہیں :

(۱) سب سے پہلا منظر اسلامی اندلس کی آخری نگاہ تودیع ہے - یہ غرناطہ کا آخری فرمانروا ابو عبد اللہ ہے جو سنہ ۸۹۷ ہجری میں اندلس سے خارج کیا گیا - اسکے اخراج پر یورپ کے ہشت صد سالہ عربی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا - تمام مورخین عرب و فرنگ متفق ہیں کہ یہ نہایت کمزور دل و دماغ کا انسان تھا - اُسکا ارادہ پست ' دماغ وہمی ' اور طبیعت عیش پسند واقع ہوئی تھی - وہ اپنی نسل کا ویسا ہی کمزور انسان تھا جیسا نسل عباسی کا آخری فرمانروا المعتصم باللہ یا نسل تیموری کا آخری نام لیوا بہادر شاہ تھا - لیکن تاریخ اِن شخصیتوں کو انکی شخصیتوں میں نہیں دیکھتی - اُنکے زوال میں ایک پورے عہد و ایام کا زوال اُسکے سامنے آجاتا ہے - ابو عبد اللہ اپنی ذات سے کتنا ہی برا ہو' لیکن وہ سر زمین یورپ میں اسلامی و عربی تمدن کا آخری نقش قدم تھا - اُسکے مٹنے سے صرف اسکی شخصیت ہی نہیں مٹ گئی - بلکہ اسلام کا ہشت صد سالہ نقش تمدن و عظمت بھی مٹ گیا :

ہمارے بعد بہت ہم کو روئے اہل وفا
کہ اپنے مٹنے سے مہر و وفا کا نام مٹا !

بہر حال ابو عبد اللہ کی یہ شبیہ خاندان بنی احمر کے آخری فرمانروا کی شبیہ ہی نہیں ہے بلکہ اسکے خال و خط کے پیچھے تاریخ عرب کی عظمت رفتہ کا ایک طول طویل سلسلہ دیکھا جاسکتا ہے - اگر ممکن ہوتا تو ہم اپنے اقبال رفتہ کا ایک مرقع ماتم کھینچتے ' اور اُسمیں بغداد کے معتصم ' اندلس کے ابو عبداللہ ' اور دہلی مرحوم کے بہادر شاہ کو پہلو بہ پہلو جگہ دیتے ' تاکہ گاہ گاہ نظر حسرت ڈال لیتے اور زخم ہائے کہنہ کو کبھی کبھی نشتر غم سے چھیڑ دینے کیلئے ایک سامان عبرت و درد فراہم ہوجاتا - یہ تین شخصیتیں در اصل ہماری عظمت ماضی کے تین افسانے ہیں :

و ما کان قیس ہلکہ ہلک واحد
و لکنہ بنیان قوم تہدما !

(۲) دوسرا مرقع اسی منظر حسرت کا ایک دوسرا گوشہ ہے - یہ ابو عبداللہ کی ایک ریشمی اور مزرکش قبا ہے جو اِس وقت تک اپنی اصلی حالت و شکل میں محفوظ ہے - اِس سے نہ صرف اُس عہد کے وضع و قطع لباس کا ایک شاہی نمونہ ہمارے علم میں آجاتا ہے' بلکہ اسلامی اندلس کی مختلف صناعیوں کا بھی پورا سراغ لگتا ہے - کپڑے کی بناوٹ ' اُسکی خیاطی ' زر تار کامدانی کے مشجر اور گل بوٹے جن سے اِسکا حاشیہ اور متن مزین ہے ' اس درجہ قیمتی اور صنعت گرانہ ہیں کہ بعض اہل نظر نے صرف اس قبا سے مستنبط صنائع پر ایک پوری تحریر لکھی ہے ۔

(۳) تیسرا منظر ایک مرقع ہے جسمیں غرناطہ کے قاضیوں کی ایک مجلس دکھلائی گئی ہے - مرقع کے نیچے جو عبارت درج ہے ' اُس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مرقع مشہور قصر " الحمراء " کی ایک دیوار پر منقش تھا - سولہویں صدی کے وسط میں ایک مصور نے اُس سے یہ نقل طیار کی - اس مرقع کی ہر تصویر فن مصوری کے لحاظ سے اس درجہ صحیح اور باقاعدہ ہے کہ موجودہ زمانہ بھی بمشکل کوئی نقص نکال سکتا ہے - الحمراء کی دوسری تصویروں کی طرح یہ مرقع بھی اندلس کے عربی عہد کی اُن ترقیات پر گواہ ہے جو فن مصوری کی اعلیٰ اقسام میں آسے حاصل تھیں - تاریخی قدر و قیمت کا پہلو یہ ہے کہ اُس عہد کے شرفاء و علماء کی وضع قطع اور طریق لباس و نشست کا ایسا واضح منظر سامنے آجاتا ہے جسکا کسی دوسرے ذریعہ سے علم ممکن نہیں ۔

(۴) چوتھا منظر عربی فوج کی ایک جماعت کا منظر ہے جسکی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ قرون وسطیٰ میں کسی صناع نے طیار کیا تھا اور اُن عرب سپاہیوں کا ایک سماں سا دکھلاتا ہے جنھوں نے فرانس پر فوج کشی کی تھی - اس سے عربی فوج کی وضع و قطع اور آلات و اسلحہ پر نہایت قیمتی روشنی پڑتی ہے ۔

عربی فوج کا ایک منظر جسنے فرانس پر حملہ کیا تھا

ایک مدت کے بعد جب اسپین کو مذہبی تعصب کے جنون سے نجات ملی تو عہد اسلامی کے ذخیرۂ علم و تمدن کی جستجو شروع ہوئی، لیکن اب قرطبہ اور غرناطہ کے کھنڈروں کے سوا اور کونسی چیز باقی رہ گئی تھی جو اِس جستجو کا استقبال کرتی ؟

ہاے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا !

لیکن اتفاق سے انہی ایام میں ایک حادثہ ایسا پیش آگیا جسنے اسپین کیلئے عربی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ فراہم کردیا - سولھویں صدی کے آخر میں اسپین کے دو جنگی جہاز بحر متوسط میں مشغول جنگ تھے کہ انہیں تین جہاز دولۃ مراکش کے ملگئے جو مولائی زیدان صاحب مراکش کیلئے نادر کتابوں کے ذخیرے لے جا رہے تھے - اسپینی جہازوں نے یہ جہاز گرفتار کر لیے اور اپنے ساتھہ اسپین لے گئے - چونکہ اب اسپین کی مذہبی ذہنیت بدل چکی تھی - اسلیے یہ ذخیرہ آگ کے حوالے نہیں کیا گیا، خانقاہ اسکوریال میں رکھدیا گیا - موجودہ کتابیں اِسی ذخیرہ کا ایک حصہ ہیں - پروفیسر ھارٹوگ ڈارنبرگ Hartiwig Derenbourg نے کتب خانۂ اسکوریال کی عربی مخطوطات پر ایک مفید کتاب Les Manuscrits de L' Escurial لکھی ہے - وہ لکھتے ہیں کہ یہ ذخیرہ اگرچہ اندلس کا ذخیرہ نہ تھا - مولائی زیدان کی کتابیں تھیں جو اسنے غالباً بلاد مصر و شام سے منگوائی تھیں - تاہم اگر یہ کتابیں بھی پوری محفوظ رہجاتیں تو عربی علوم کے نوادر کا ایک نہایت قیمتی سرمایہ ہوتا - مگر معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کے اخراج کے بعد اندلس کی قسمت میں علم و تہذیب کی دائمی بربادی ھی آئی تھی - جب مذہبی جنون کے کتابوں کا جلانا ضروری نہ سمجھا تو حوادث و ایام نے یہی عمل شروع کردیا - اس ذخیرہ کے اسکوریال میں رکھنے کے تھوڑے ھی عرصے بعد یکایک وہاں آگ لگ گئی، اور دیگر اشیاء و نوادر کے ساتھہ عربی ذخیرۂ کتب کا بھی ایک بڑا حصہ جل گیا - اب جسقدر ذخیرہ موجود ہے، یہ وہ ہے جو اس آتش زدگی سے کسی طرح بچ رہا تھا - یہ زیادہ سے زیادہ دو ہزار کتابیں ہونگی - مشہور اسپینی مستشرق اف کوڈیرا F. Codera نے بھی (جنہوں نے اسی کتب خانے سے ابن بشکوال کی کتاب الصلہ وغیرہ حاصل کرکے شائع کی ہے) قریب قریب ایسا ہی لکھا ہے .

(تاریخ کی صداے عبرت)

کتب خانے کے ان دونوں حصوں کی موجودگی سے تاریخ کی ایک درد انگیز صداء عبرت پیدا ہورہی ہے جو ہر زائر و وارد کو سنائی دیتی ہے .

پہلے حصے میں اندلس کے قبل از اسلام عہد کا تمام ذخیرۂ کتب و آثار موجود ہے - حتی کہ بعد کی انجیل بھی موجود ہے جسکی سلاطین اسپین تلاوت کیا کرتے تھے - ان اشیا کی موجودگی اس حقیقت کا قطعی ثبوت بہم پہنچاتی ہے کہ عربوں نے فتح اندلس کے بعد جسقدر

ابو عبداللہ آخری فرمانرواے غرناطہ

بھی ذخیرہ علم و آثار کا پایا، اُسے تاریخ و علم کی مقدس امانت سمجھکر محفوظ رکھا اور آٹھہ صدیوں تک اسکی حفاظت کرتے رہے - یہانتک کہ جب انقلابات زمانہ کے ہاتھوں جلاوطنی پر مجبور ہوئے تو اُسوقت بھی اس امانت علم میں خیانت نہ کی، یہ پورا ذخیرہ اُسی طرح چھوڑ دیا، جسطرح آٹھہ سو برس پہلے حاصل کیا تھا - صدیوں تک ملکی لڑائیوں اور اسلامی اور مسیحی جنگوں کا سلسلہ جاری رہا، اور اس اثنا میں ہمیشہ مسیحیت کا سلوک مسلمانوں کے ساتھہ ویسا ھی رہا جو قرون وسطی میں اسکی مذہبی خصوصیت تسلیم کی گئی ہے، تاہم مسلمانوں نے علم و تاریخ کی وہ امانتیں کبھی ضائع ہونے نہ دیں جو سر زمین اندلس نے اُن کے سپرد کی تھیں - اِس سے بھی بڑھکر یہ کہ اندلس کے اسلامی عہد میں بعض زمانے ایسے بھی گزرے ہیں جب علماء مذہب کی تنگ نظری اور تعصب سے علوم حکمیہ کی کتابیں ضائع ہوگئیں یا ضائع کرائی گئیں جیسا کہ ابن رشد کے زمانے میں ہوا تھا، تاہم یہ جو کچھہ بھی ہوا، خود مسلمانوں کے اندر ہوا - اندلس کا مسیحی ذخیرہ ہمیشہ محفوظ رہا - اندلس کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ کسی تنگ نظر سے تنگ نظر بادشاہ نے بھی مسیحی خانقاہوں کا علمی ذخیرہ تاراج کیا ہو - اگر ایسا کیا گیا ہوتا تو آج اندلس کے قبل از اسلام عہد کی ایک چیز بھی اسکوریال میں موجود نہ ہوتی .

لیکن اسکے مقابلے میں کتب خانے کے مشرقی حصہ کی شہادت کیا ہے؟ یہ ہے کہ ایک ایسے عظیم و وسیع تمدن کا جسکی کوئی دوسری مثال اُس عہد کی تاریخ میں موجود نہیں، تمام ذخیرۂ علم و تمدن انتہائی وحشت و جنون کے ساتھہ ضائع کردیا گیا، اور اب جو کچھہ بھی موجود ہے، اندلس کا نہیں ہے - مراکش کے ایک مسلمان فرمانروا کے علمی ذوق کی بچی بچائی پونجی ہے !

اگر "اسلامی" اور "مسیحی" تمدن کی تقسیم کی جا سکتی ہے، تو اس تقسیم کی تاریخی خصوصیات کا اندازہ کرنے کیلئے اسکوریال کے صرف یہ دو منظر ھی کافی ہیں !

(اسکوریال کے بعض قیمتی آثار)

اسکوریال کے مشرقی حصہ میں ذخیرۂ کتب کے علاوہ چند تصاویر و آثار بھی موجود ہیں جو غالباً سولھویں صدی کے بعد مختلف مصادر سے جمع کیے گئے ہیں - اس ذخیرہ میں جو اشیا تاریخی حیثیت سے قدر و قیمت رکھتی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) غرناطہ کے آخری فرمانروا ابو عبداللہ کی تصویر جو فرڈی نینڈ کے حکم سے طیار کی گئی تھی .

(۲) اُس منظر کا مرقع جب ابو عبداللہ معاہدۂ تسلیم کے بعد غرناطہ سے

ابو عبداللہ کی ایک مزرکش قبا

مقالات

اسلام اور "نیشنلزم"

به بدمستی سزد گر تہم سازد مرا ساقی
ہنوز از بادۂ دوشینہ ام بیشا بود اردا!

یہ عجیب بات ہو کہ ہندوستان میں جو زمانہ سب سے زیادہ باہر کے اسلامی معاملات کے انہماک کا زمانہ تھا۔ یعنی حرکت خلافت کا زمانہ، اُسوقت کسی شخص کو بھی یہ خیال نہیں گزرا کہ باہر کے اسلامی معاملات میں اس قدر دلچسپی لینا ہندوستانی قومیت کے نقطۂ خیال سے کہاں تک موزوں ہو سکتا ہو، یا یہ کہ نام نہاد پان اسلامیزم اور ہندوستانی نیشنلزم دو متضاد جذبے ہیں جو بہ یک وقت جمع نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ اُسوقت بھی ایک گروہ حرکت خلافت کا مخالف تھا، لیکن اُس میں ہندو مسلمان دونوں تھے، اور اُس کی مخالفت بھی اس بنا پر نہ تھی کہ یہ معاملہ ہندوستان کے جغرافیائی حدود سے باہر کا ہو بلکہ اس لئے تھی کہ وہ اس قدر دُور تک جانا پسند نہیں کرتا تھا جس قدر دور یہ حرکت جانا چاہتی تھی۔ مطالبات خلافت پر موقوف نہیں، خود ہندوستان کے سیاسی مطالب کے لئے بھی وہ اس طریق عمل سے متفق نہ تھا۔

لیکن جونہی ۱۹۲۲ء میں حرکت کی سرگرمیاں رُکیں اور لوگوں کے ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے فوراً طرح طرح کی بحثیں اور کاوشیں شروع ہو گئیں۔ اب ہر شخص سوچنے لگا کہ ہندوستان کے جغرافیائی حدود سے باہر کے معاملات میں اس قدر دلچسپی لینا کہاں تک قومیت و وطنیت کے جذبات کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ مسئلہ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور مسلمانوں سے گزر کر اسلام کی تعلیم تک پہنچ گیا۔ اب سیکڑوں دماغ و قلم ہیں جنھیں اس سوال کی بحث و کاوش سے فرصت نہیں ملتی کہ اسلام کی دینی تعلیم کی روح قومیت کے موافق ہو یا مخالف؟

یہ حالت بظاہر کتنی ہی عجیب معلوم ہوتی ہو مگر فی الحقیقت عجیب نہیں ہو۔ علم الاجتماع کے مطالعہ کرنے والے ایسے ہی احوال و تغیرات میں جماعت کے ذہنی قوانین کی جستجو کیا کرتے ہیں۔ جب آدمی بیکار ہوتا ہو تو ضرورت سے زیادہ سوچنے لگتا ہو۔ مشغول آدمی کو زیادہ خیال آرائیوں کی مہلت ہی نہیں ملتی۔ یہی حال جماعتوں اور قوموں کا بھی ہو۔ جبوقت تک وہ عملی زندگی میں مشغول رہتی ہیں، ذہن و فکر کو ضرورت سے زیادہ دقیقہ سنجیوں کی مہلت ہی نہیں ملتی۔ لیکن جونہی ہاتھ پاؤں بیکار ہو جاتے ہیں، ذہن و خیال اُبھر آتا ہو اور اپنی کارستانیاں شروع کر دیتا ہو۔ پہلے ارادہ کی ساری قوت عمل میں مشغول تھی، اب عمل کی جگہ تخیل کے لئے وقف ہو جاتی ہو۔ پہلے کسی کو ذہنی بلند پروازیوں کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ اب جس کسی کو دیکھو غیر ضروری بحثوں، بے محل کاوشوں، فرضی صورتوں، تخمینی سوالوں، بے قید تخیلات، اور مطلق العنان اوہام و ظنون سے سرگراں ہو جاتا ہو!

ذہن و عمل کے قوا کا یہی عدم توازن ہو جس سے جماعتوں کی زندگی میں عملی استعداد کی افسردگی اور تعطل کی بنیاد پڑتی ہو، اور بعض اوقات یہ علت یہاں تک بڑھ جاتی ہو کہ عمل کی استعداد بالکل مفقود ہو جاتی ہو۔ یا اس درجہ کمزور پڑ جاتی ہو کہ کوئی نمایاں اور عظیم قدم نہیں اُٹھایا جا سکتا۔

ہر قوم کی تاریخ میں اس حالت کی مثالیں ڈھونڈھی جا سکتی ہیں۔ قومی عروج کے زمانے پر نظر ڈالو گے تو وہ سرتاپا عمل نظر آئے گا، لیکن تنزل کا عہد دیکھو گے تو عمل کی جگہ تخیل کی فرمانروائی ہو گی۔ پہلی حالت میں تخیل محدود مگر قدم بے روک ہوتا ہو۔ دوسری حالت میں قدم رُک جاتا ہو مگر خیال آسمان پیمائیاں شروع کر دیتا ہو۔ عربوں نے جب روم اور ایران کے تخت اُلٹ دیئے تھے تو اُن کی سادگی فکر کا یہ حال تھا کہ قضاؤ قدر کے مسئلہ میں وہم و گمان کا دخل بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن جب قضاؤ قدر اور جبر و اختیار کی گتھی سلجھانے کے لئے اُنھوں نے پچاس سے زیادہ مذہب گڑھ لئے، تو وحشی تاتاریوں کے جولانِ قدم سے اُن کے تمام دارالخلافے پامال ہو رہے تھے!

آج بھی یورپ کی قوموں میں اس کی مثالیں صاف نظر آ رہی ہیں۔ اینگلو سکسن نسل کے مقابلے میں فرانسیسی قوم زیادہ ذہنی اور تخیل پسند ہو، اور اس لئے کسی طرح بھی اپنا روز افزوں تنزل روکنے پر قادر نہیں ہو۔

۱۹۲۰ء میں حالات کی سرعت نے ذہن و تخیل کو زیادہ بے لگام ہونے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔ مہاتما گاندھی نے مسئلہ خلافت کو محض اُس کی سادہ اور عملی شکل میں دیکھا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُنھوں نے اس سے زیادہ سوچنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی کہ مسلمانوں کا مطالبہ حق و انصاف کے خلاف نہیں ہو، اور اگر ہندوؤں نے اُن کا ساتھ دیا تو اس سے دونوں کے دل زیادہ قریب و متفق ہو جائیں گے۔ دراصل ملک کو اُس کی موجودہ منزل حیات میں اس سے زیادہ کاوش کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ نہایت تیزی کے ساتھ اُٹھے، اور قبل اس کے کہ ذہن و خیال کو چون و چناں کی مہلت ملے، کام شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند مہینوں کے اندر ایک عام حرکت ظہور میں آ گئی۔ مطالبۂ خلافت ہندو مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ بن گیا تھا۔ سیکڑوں ہزاروں ہندوؤں نے اسمیں ویسی ہی گہری اور بے ریا دلچسپی ظاہر کی جیسی خود مسلمان ظاہر کر رہے تھے، بلکہ کہا جا سکتا ہو کہ بعض حالتوں میں خود مسلمانوں سے بھی اُنکے قدم پیش پیش تھے۔

لیکن جب عملی مشغولیت کا دَور ختم ہو گیا تو ردِّ فعل کا عمل در آمد شروع ہو گیا۔ وہی چیز جو چند دن پہلے ملک کا سب سے زیادہ مقبول عمل تھی، اب ایک مشتبہ اور بحث طلب چیز بن گئی، اور فکر و خیال نے طرح طرح کی کاوشیں شروع کر دیں۔ جبوقت ہزاروں کی تعداد میں لوگ قید خانے جا رہے تھے تاکہ ٹرکی کے ساتھ انصاف کیا جائے، اُسوقت کسی کو بھی یہ بات نہ سوجھی کہ اس مطالبہ کا اس درجہ انہماک ہندوستانی قومیت کے ساتھ میل کھاتا ہو یا نہیں؟ لیکن اب ہر شخص اسی خیال سے متفکر ہو، اور کوئی قلم و زبان نہیں جس پر یہ سوال طاری نہ ہوا!

ایک طرف تو یہ لوگ ہیں جو نکتہ چینی کے رنگ میں اس مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں، دوسری طرف مسلمان اہل قلم ہیں، اور چونکہ خود انکے سامنے بھی کوئی صاف اور واضح حقیقت نہیں ہو، اس لئے کچھ عجیب طرح کے افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ کچھ لوگ وہ ہیں جنھوں نے الہلال کے پچھلے صفحات پر اس قسم کی بحثیں دیکھی تھیں کہ اسلام کی وسعت نظر وطنیۃ کی تنگ نظری کی متحمل نہیں، چونکہ بات کے محل اور موقعہ پر ان کی نظر نہیں ہو، اس لئے وہ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام "نیشنلزم" کا مخالف ہو اور کسی مسلمان کو "نیشنلسٹ" نہیں ہونا چاہئے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو مسلمانانِ ہند کی سیاسی بے حسی سے سخت نالاں ہیں۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ باہر کے اسلامی مسائل کے لئے اُن میں جس قدر دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے اُس قدر خود اپنے ملک کے لئے نہیں ہوتی تو وہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی وسعت علائق و احساس ہی اس صورت حال کے لئے ذمہ دار ہو اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اب اسے خیر باد کہدینا چاہئے۔

حالانکہ نہ تو اسلام کی وسعت نظر کے یہ معنی ہیں کہ وہ قومیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ نہ قومیت کے لئے اس بات کی ضرورت ہو کہ خواہ مخواہ اسلامی ذہنیت کا دائرہ تنگ کیا جائے۔ یہ دونوں صورتیں افراط و تفریط میں داخل ہیں، اور ہر معاملہ کی طرح یہاں بھی حقیقت اطراف میں نہیں بلکہ وسط میں ڈھونڈھنی چاہئے۔

وہ "وسط" کیا ہو؟

اس تحریر سے مقصود اُسی کی جستجو و تحقیق ہو۔ چونکہ مسئلہ کے اطراف وسیع ہیں اس لئے ضروری ہے کہ انھیں چند حصّوں میں منقسم کر دیا جائے۔ آج پہلا حصہ ہدیۂ قارئین ہو۔

۱

حیاۃ اجتماعیہ اور اس کا سلسلۂ ارتقاء

"قومیت" کیا ہو؟ انسان کی اجتماعی زندگی کے احساس و اعتقاد کی ایک خاص حالت کا نام ہو۔ یہ انسانوں کے کسی ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے ممتاز کرتی ہو اور اس کے ذریعہ اُس کی ایک بڑی جمعیت باہم مربوط ہو کر زندگی بسر کرتی اور اجتماعی زندگی کے کشاکش سے عہدہ برا ہوتی ہو۔ اس لئے قبل اس کے کہ اس بارے میں اسلام کی تعلیم و دعوت پر نظر ڈالی جائے خود انسان کی حالت پر نظر ڈالنی چاہئے کہ اُس کے اجتماعی رشتوں اور رشتوں کے احساس و اعتقاد کا کیا حال ہو؟

جس طرح کائنات ہستی کی ہر شئے پر قانون نشوؤ ارتقاء جاری ہو۔ یعنے ہر چیز ابتدائی حالت سے انتہائی درجہ تک، طفولیت سے رُشد و بلوغ تک، تنگی سے وسعت تک، پستی سے بلندی تک، اور نقص سے کمال تک بہ تدریج ترقی کرتی ہو، اور اس رفتار ترقی میں اُسے مختلف درجوں اور منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے، اُسی طرح انسان کا احساس اجتماع بھی تدریجی ترقی کا ایک پورا ارتقائی سلسلہ ہو۔ یہ ایک نہایت محدود اور تنگ دائرہ سے شروع ہوتا ہو لیکن بہ تدریج بڑھتا اور پھیلتا ہو

عالم شرق و اسلام

شام کي حـرکت استقلال

فرانسیسي مظالم کے چند خونیں مناظر

الهلال کے مقاله نگار مقیم بیروت کے قلم سے

شام کي حریت استقلال پر کامل بیس مهینے گزر چکے - ان بیس مهینوں کے اندر اسکے فرزندوں کا خون جس بے دردي کے ساتھه بهایا گیا هے ' اور خود انهوں نے بھي جس بے پروائي کے ساتھه اپنا خون بهنے دیا هے ' وہ ایک ایسي سرگذشت هے جو ظلم و مظلومي اور حق و استبداد کي تاریخ میں ایک بڑے هي دردانگیز داستان کا اضافه کرتي هے !

میں آج آپ کو چند تصاویر بهیجتا هوں - فرانسیسي حکومت نے محکمه ڈاک اور تار پر جیسا جابرانه احتساب قائم رکها هے ' اسے دیکھتے هوئے امید نهیں که یه بسلامت پہنچ سکیں - لیکن اگر پہنچ گئیں تو کم از کم ایک لمحه کے لئے آپ ان قتیلان حریت و استقلال کي یاد سے اپنا دل و دماغ غمگین کرسکینگے جنهیں بیسویں صدي کے سورج کي روشني میں یورپ کي سب سے بڑي متمدن قوم نے علانیه قتل کیا هے ' اور صرف اسلیے قتل کیا هے که اپنے وطن عزیز کي غارتگریوں پر دل دردمند اور زبان ماتم سرا رکھتے تھے !

فرانس ' " انقلاب فرانس " کے مبادي حریت و استقلال کا فرانس ' کے سمار انسانوں کا علانیه قتل جائز رکھتا هے - اسلیے که وہ اپنے وطن میں حق اور استقلال کا لفظ بولنے کي جرأت کرتے هیں !

ان تصویروں میں پہلا منظر دو شهیدان وطن کي نعشوں کا هے جنهیں دمشق کے میدان مرجه (ساحة المرجه) میں پهانسي دي گئي تهي اور پهانسي کے بعد انکي نعشیں چهوڑ دي گئي تهیں تاکه دو دن تک لٹکتي رهیں ' اور تمام باشندگان دمشق اپني آنکھوں سے دیکهه لیں که جرم وطن پرستي کي سزا اس دنیا میں کیا هے ؟ ان میں پہلي نعش جسکے سر پر طربوش هے شیخ احمد خیاط کي هے - یه مشهور شامي زعیم حولة سعید عکاش کا عزیز تها - دوسري نعش جسکے سر پر عمامه هے شیخ عبد العزیز سلامي کي هے - یه اطراف دمشق کے ایک دروزي قبیله کے شیخ تهے .

ان دونوں شهیدان وطن کا جرم کیا تها ؟ یه تها که ۱۶ مئي سنه ۲۶ کو دروازۂ دمشق کے سامنے دروزي قبائل کي ایک جانفروش جماعت نے فرانسیسي فوج کو سخت هزیمت دي تهي ' اور اُس هزیمت کي ذلت مٹانے کیلئے اس مهذب قوم کو ضرورت تهي که چند بے گناه انسانوں کا خون بهاکر اپنے دل انتقام پرست کو تسکین دے - چنانچه بہت سے آدمي گرفتار کئے گئے اور انمیں سے شیخ خیاط اور شیخ سلامي کو فوراً پهانسي پر چڑها دیا گیا - ان کا جرم یه قرار دیا گیا که یه شیخ سعید عکاش کے دوستوں میں سے هیں جسکا گروہ دمشق سے باهر فرانسیسي فوجوں کو پے در پے شکستیں دیرها هے - جب انسے دریافت کیا گیا که کیا وہ عکاش کے دوستوں میں نهیں هیں ؟ تو ان دونوں سرفروشان حق نے بے تامل جواب دیا " شام کا کون ایسا بے عزت انسان هوسکتا هے جو عکاش جیسے بهادر اور جانفروش وطن کي دوستي سے انکار کرے ؟ "

دوسرے موقع میں بهي ایک نعش سولي پر لٹک رهي هے ' یه بهي ایک وطن پرست غیور کي هے جسے "باغیوں" میں شمار کیا گیا - اسکا نام احمد دباغ تها اور یه ان لوگوں میں سے تها جنهوں نے فرانسیسي فوج کي خدمت و اعانت سے انکار کردیا تها - اگر آپ تصویر کو غور سے دیکهینگے ' تو نعش کے سینے پر کچهه حروف لکهے نظر آئینگے - در اصل یه ایک کاغذ هے جو پهانسي دیدینے کے بعد هر نعش کے سینے پر چسپاں کر دیا جاتا هے اور اسپر " مجرم " کے جرم کي نوعیت اور مقدار لکهدي جاتي هے - جب تک نعش لٹکتي رهتي هے یه کاغذ بهي چسپاں رهتا هے تاکه جب کبهي کسي شخص کي نظر پڑجاے تو وہ اسکا جرم و گناه معلوم کرلے - کونسا جرم ؟ کونسا گناه ؟ حقوق وطن کي حفاظت کا جرم ! اور حقوق ملت کے احترام کا گناه ! اس سے بڑهکر آج یورپ کي عدالت میں مشرق کا کوئي جرم نهیں هے :

فمن شاء فلینظر الي فمنظري
نذیر الی من ظن ان الهوی سهل

اکتوبر سنه ۲۵ سے لیکر اسوقت تک جتنے آدمیوں کو پهانسي کے ذریعه قتل کي سزا دي گئي هے ' انکي تعداد سینکڑوں سے کسي طرح کم نهوگي - صرف دمشق کے میدان مرجه میں ستر سے زیاده آدمي سولي کے تختے پر کهڑے هوچکے هیں - انمیں سے چند سولیوں کي تصویر لینے کا ایک مقامي عکاس کو موقعه ملگیا تها - بعض ذرائع سے انکي نقلیں مجهه تک پہنچ گئیں - اگر آپکے ذریعه یه مناظر شائع هوسکے تو ممکن هے برادران هند کي آنکهیں چند قطرات اشک بهانے میں بخل نه کریں - ان جاندادگان عشق وطن کیلئے آنسوؤں کے یه چند قطرے بهي بہت قیمتي هونگے - کیونکه انکي قربانیاں اسوقت تک دنیا کي نظروں سے پوشیده هیں ' اور انهیں مورخ کے حقیقت سرا قلم کا ابهي مدتوں انتظار کرنا هے .
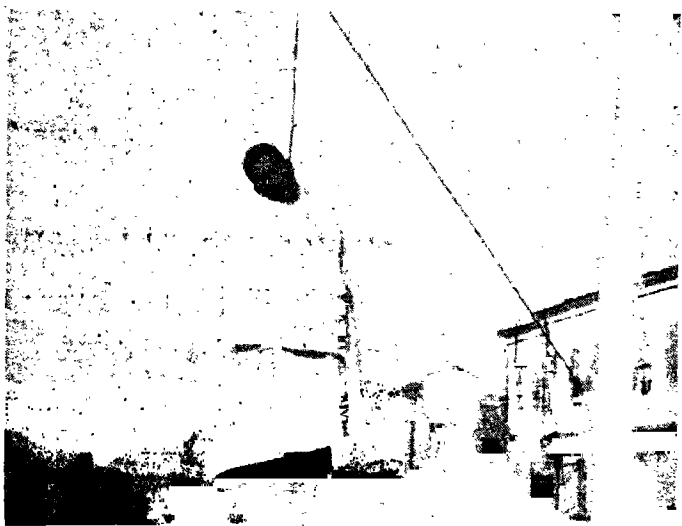
ومکان کی وحدت نمایاں ہوئی اور اس نقطۂ وحدت نے نسلی دائرہ سے زیادہ وسیع و عام دائرہ اپنے گرد کھینچ لیا - یہ دائرہ مختلف قبیلوں اور نسلوں کو باہم دگر مربوط و متحد کردیتا ہے۔

"وطنیۃ" کے بعد جذبۂ اجتماع کے لئے "جنسیت" کی منزل نمایاں ہوتی ہے۔ اس سے مقصود انسانی علاقہ کا ایک ایسا وسیع دائرہ ہے جو تمام پچھلے دائروں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے، اور اُن سب بالاتر رشتۂ اشتراک پیدا کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ رشتہ کسی خاص اصل پر مبنی ہو۔ کہیں وطنیۃ نے ایک زیادہ وسیع صورت اختیار کرلی ہے اور دوسری وطنیتوں کو بھی اپنے اندر جذب کرلیتی ہے۔ کہیں ایسا ہوا ہے کہ کوئی بعید تاریخی نسل کا اشتراک نقطۂ اتحاد بن گیا ہے اور جس قدر انسانی جماعتیں اس سے وابستگی پیدا کرسکتی ہیں، پیدا کرلیتی ہیں، اگرچہ مختلف اقطاع ارضی میں آباد ہوں - رنگ اور زبان بھی اسمیں وجہ اشتراک کا کام دیتی ہے اور وہ تمام مختلف وطنیتیں اور نسلی جماعتیں شامل ہوجاتی ہیں جو رنگت میں یا زبان کے ابتدائی مواد میں اشتراک رکھتی ہوں "جنسیت" کا یہ دائرہ تمدن کی وسعت و ترقی اور ملکی و سیاسی مقاصد کی کش مکش سے بہ تدریج ظہور پذیر ہوا - مختلف وطنیتوں نے دیکھا کہ وہ وطنیۃ کے دائرہ سے بھی زیادہ وسیع دائرہ اتحاد اور ہمرشتگی کا پیدا کرسکتی ہیں جو مختلف وطنیتوں کو اپنے اندر سمیٹ لے گا، اس لئے انھوں نے "جنسیت" کی طرف قدم بڑھایا - امریکن جنسیت دنیا کی مختلف نسلوں اور وطنیتوں کا مجموعہ ہے - فرانسیسی جنسیت ہر اُس فرد کو اپنے میں شامل کرلیتی ہے جو چند خاص اجتماعی و معیشتی عقائد و اعمال میں شریک ہوجاتا ہے - لاطینی جنسیت اُن تمام قوموں کو منسلک کرتی ہے جو لاطینی حلقہ کی مختلف شاخوں سے تعلق رکھتی ہیں - سفید، سُرخ، زرد، اور گندمی رنگت کی بھی تقسیم پیدا ہوگئی، اور جنس کا کام دینے لگی۔

بہرحال احساس اجتماع کا یہ ایک ایسا دائرہ ہے جو تمام پچھلے دائروں سے زیادہ وسیع ہے اور انسانوں کی بڑی بڑی تعداد اسمیں سمٹ آتی ہے۔

"جنسیت" کے بعد اس سے بھی زیادہ وسیع دائرہ اُس رشتہ کا پیدا ہوجاتا ہے جو جغرافیہ کی بڑی بڑی تقسیموں سے پیدا ہوگیا ہے۔ مثلاً ایشیا، افریقہ، مشرق، مغرب، اس دائرہ میں پہونچکر انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کے باہمی علائق کی دُنیا وطن و جنس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ ایشیا کا باشندہ تمام ایشیا کو اپنا وطن سمجھنے لگتا ہے، اور یورپ کا باشندہ تمام برِ عظمِ یورپ میں اپنے لئے جذبۂ وطنیۃ محسوس کرتا ہے۔

جغرافیہ کی تقسیم پر پہنچکر اضافی وسعت کی تمام کڑیاں ختم ہوجاتی ہیں اور وہ منزل سامنے آجاتی ہے جو حقیقت کے عموم و اطلاق کی آخری منزل ہے اور جہاں پہونچکر یہ سلسلۂ ارتقا درجۂ بلوغ و تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ منزل "انسانیت" اور "ارضیۃ" کی منزل ہے - یہاں پہونچکر انسان محسوس کرتا ہے کہ رشتوں، علاقوں کی تمام حدبندیاں اور اضافی نسبتیں جو اُسنے بنا رکھی تھیں، ان میں سے کوئی بھی حقیقی و فطری نہیں ہے۔ حقیقی رشتہ صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام کرۂ ارضی انسان کا وطن ہے، تمام نسل انسانی ایک ہی گھرانے کے افراد ہیں اور ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے - اس منزل پر پہونچکر انسان کے اجتماعی علائق کا سفر ختم ہوجاتا ہے اور وحدت نسلی، وحدت مکانی اور وحدت جنسی کی جگہ فاطر السماوات والارض کی بنائی ہوئی ایک ہی وحدۃ انسانی اپنی کامل اور بے پردہ صورت میں آشکارا ہوجاتی ہے!

انسانی علم و معرفت کے سفر میں یہ منزل وحدت اور کل کی منزل ہے، اُس کا سفر جزو و فرد سے شروع ہوتا ہے، اور کل اور نوع کی وحدۃ پر ختم ہوجاتا ہے - یہی وہ مقام ہے جہاں تعین اور تشتت کے تمام پردے اُٹھ جاتے ہیں، اضافت اور نسبت کی تمام تنگ نظریاں اور حدبندیاں دور ہوجاتی ہیں، اور عارفِ منزل شناس دیکھ لیتا ہے کہ اس کائنات کثرت میں حقیقت بجز وحدۃ کے اور کچھ نہیں ہے! - ہر گوشہ میں پہلے کثرت ہے، افراد ہیں، اجزا ہیں، لیکن اگر جستجوئے حقیقت کا قدم رُکے نہیں تو بالآخر وحدۃ، نوع، اور کل کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہتی - نسل، وطن، قوم، جنس، سفید، سیاہ، افریقی، ایشیائی، بہت سے اسمار گڑھ لئے گئے تھے، حالانکہ مسمیٰ ایک سے زیادہ نہ تھا اور وہ صرف "انسان" ہے:

عبادا تنا شتّی وحسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر!

وحدت سے کثرت کی طرف

تم نے نوع انسانی کو اُس کی طفولیت کے گہوارہ میں دیکھا؟ یہ وہی انسان ہے جسکی وسعت نظر و علائق کے لئے آج کرۂ ارضی کا پورا دائرہ بھی کافی نہیں ہے - وہ آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے کہ نظامِ شمسی کے دوسرے ستاروں سے اپنا رشتۂ وجود جوڑ لے، لیکن اُسوقت کیا حال تھا؟ اُسوقت اس کے ادراک و احساس کی غفلت و محجوبیت کا یہ حال تھا کہ خود اپنے وجود کی وسعت و نوعیت کی بھی خبر نہیں رکھتا تھا۔ وہ اس طرح باہدگر علیحدگی اور بے رشتگی کی زندگی بسر کرتا تھا گویا ایک نوع کی جگہ مختلف انواع کے افراد ہیں - پھر آہستہ آہستہ اُس کے علم و ادراک کی بند آنکھیں کھلنے لگیں - وہ محسوس کرنے لگا کہ اپنے انفرادی وجود میں تنہا نہیں ہے - ایک ایسے مجموعہ کا فرد ہے جس کا ہر فرد اُسی کی طرح انسان ہے - لیکن چونکہ علم و احساس کی یہ رفتار قرب سے بُعد کی طرف تھی، اس لئے سب سے پہلے وہ رشتہ نمایاں ہوا جو سب سے زیادہ قریب تھا، اور سب کے آخر اُس رشتہ کا سرا اُبھرا جو سب سے زیادہ دُور تھا - قرب و بعد کے ان دونوں کناروں کے درمیان جس قدر منزلیں پیش آئیں، اُن میں سے ہر منزل اپنی ماقبل منزل سے دُور تر لیکن مابعد منزل سے قریب تر تھی - انسانی ادراک و احساس کے لئے سب سے زیادہ قریبی اور سامنے کا رشتہ کیا تھا؟ ماں باپ کا رشتہ، اس لئے سب سے پہلے اُسی کا احساس بیدار ہوا - سب سے زیادہ دُور کا رشتہ کیا تھا؟ "انسانیۃ" اور "انسانی اخوت" کا رشتہ۔ اس لئے سب سے آخر اسی منزل کی نمود ہوئی۔

انسانی اخوت کا رشتہ دُور کا رشتہ اس لئے ہوا کہ یہ ایک غیر محدود کثرت کو وحدت میں لانے کے بعد نمایاں ہوسکتا تھا اور چونکہ ہمیشہ کثرت و تعدد کی وسعت میں انسانی عقل گم ہوجایا کرتی ہے، اس لئے وحدت تک پہنچتے پہنچتے اُسے بہت دیر لگ جاتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ کائنات ہستی وحدت و کثرت کی صورت آرائیوں کا ایک عجیب و غریب طلسم ہے، اس لئے جب کبھی کاروانِ عقل جستجوئے حقیقت میں نکلتا ہے، تو اُسے کثرت سے وحدت کی طرف بڑھنا پڑتا ہے، اور جب تک منزل بہ منزل پوری مسافت طے نہیں کرلیتا، حقیقت تک پہنچ نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حقائق ہستی کے ہر گوشہ میں انسانی علم کی تاریخ ایک پوری داستانِ سیاحت ہے - درجہ بدرجہ اور منزل بہ منزل علم نے ترقی کی ہے اور جستجو نے سُراغ پایا ہے۔ جس طرح انسان کو صرف اتنی بات معلوم کرنے کے لئے کہ ایک ہزار ہمشکل جانور ایک ہزار قسمیں نہیں ہیں، بے شمار زمانہ مطلوب تھا، اسی طرح وہ خود اپنے وجود کی نوعی وحدت اور اسکے عالمگیر رشتے کا علم و احساس بھی فوراً حاصل نہیں کرسکتا تھا - ناگزیر تھا کہ ایک پوری مسافت منزل بہ منزل طے کی جائے، چنانچہ طے کی گئی، اور بالآخر وحدت انسانی کی منزل نمودار ہوگئی!

انسان کی حیات انفرادی

یہ انسان کی نوعی زندگی کی سرگزشت تھی اب کچھ دیر کے لئے اُس کی انفرادی زندگی پر بھی ایک نظر ڈال لو - نوعی زندگی کے علم کے لئے تاریخ کے اوراق اُلٹنے پڑتے تھے، لیکن فرد کی زندگی کا صفحہ تو ہر وقت ہماری نظروں کے سامنے ہے - یہاں بھی دیکھو، کس طرح احساس اجتماع کا فطری سلسلۂ ارتقا درجہ بدرجہ ظہور کرتا ہے اور منزل بہ منزل آگے لے جاتا ہے؟ جب ایک بچہ ماں کی گود میں آنکھیں کھولتا ہے تو ماں کے سوا اور کسی انسانی رشتے کا احساس نہیں رکھتا - پھر آہستہ آہستہ اُس کا ادراک اُبھرتا اور پھیلتا ہے، اور احساس کی وہ کڑیاں نمودار ہونے لگتی ہیں جو قرب سے بُعد کی طرف اُس کی رہنمائی کرتی ہیں - پہلے صرف ماں باپ ہی کے دامن سے لپٹا تھا، یہ "اُمومۃ" اور "اُبوۃ" کی ابتدائی کڑیاں تھیں - پھر اُس کے گھر کی چار دیواری اُسکی دُنیا ہوگئی - نظر طفولیت کی نارسائی اس سے آگے نہیں دیکھ سکتی تھی یہ "عائلہ" کی منزل تھی - پھر اُس کی عمر کچھ زیادہ ہوئی تو اپنے گھرانے اور خاندان کے تمام رشتہ داروں کو بھی جاننے پہچاننے لگا اگرچہ وہ اُس کے گھر کی چار دیواری میں نہ رہتے ہوں - یہ وہی منزل ہے جسے پہلے "قبیلہ" کے نام سے پہچان چکے ہو - اس اثنا میں مسکن و مکان کا رشتہ بھی بوجہ قریبی ہونے کے دائرہ احساس و ادراک میں آجاتا ہے - پہلے اپنے ہمسایہ سے پھر اپنے محلے کے لوگوں سے پھر پوری بستی اور شہر سے مانوس ہوجاتا ہے - یہ وہی منزل ہے جو "وطنیۃ" کے نام سے نوع کو پیش آچکی ہے۔

ان ابتدائی احساسات کے بعد وہ وقت آتا ہے جب طفولیت کا عہد ختم ہوجاتا ہے اور نظر و ادراک اس حد تک نشوونما پالیتے ہیں کہ مشاہدہ کی طرح سماع سے بھی علم و احساس حاصل کریں، تو تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اس کی ذہنیت اسی سانچے میں ڈھلنا شروع ہوجاتی ہے جو انسان کی تمدنی زندگی نے پیدا کرلی ہے - لیکن اب بھی احساس اجتماع کی رفتار وہی رہتی ہے جو قرب سے بُعد کی طرف ہونی چاہئے - وہ اپنے دل میں پہلی کشش وطن کی طرف پاتا ہے - پھر قوم و جنس کا سرا کھینچتا ہے، سب سے آخر میں انسانیت آتی ہے اور اس کے دل کے دروازہ پر دستک دینے لگتی ہے!

اگر ایک بچہ کو باقاعدہ تعلیم و تربیت کی ہوا نہ لگے، تو اس صورت میں بھی اُسے ایسی ہی منزلیں پیش آئینگی - البتہ بعض کڑیاں جو تہذیب و تمدن کے افکار و عقائد سے پیدا ہوگئی ہیں اُس کے سامنے نہ آئیں - وہ قدرتی طور پر پہلے اپنے مولد و مسکن کا رشتہ محسوس کرے گا - پھر اطراف و جوانب کی طرف کھنچے گا - پھر اپنے ملک و اقلیم کا تصور کرے گا، اور سب سے آخر دنیا اپنے رشتۂ انسانیۃ کے ساتھ نمود کریگی!

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے - موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیجا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے، مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دیے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے - قیمت بارہ آنے (۱۲/)

منیجر الہلال کلکتہ

اور بالآخر وسعت و بلوغ تک پہنچ جاتا ہے۔ دنیا کی تمام چیزوں کی طرح اُس کی بھی ایک کڑی ابتدائی ہے اور ایک انتہائی ہے۔ ابتدائی کڑی میں اُس کا احساس اُس کے جسم و دماغ کی طرح گہوارۂ طفولیت میں سوتا نظر آتا ہے۔ پھر جوں جوں دماغی اور اک نشوونما پاتا ہے، اجتماعی رشتوں، علاقوں کا احساس بھی وسعت پذیر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے اور پھیلتے پھیلتے اُس نقطۂ بلوغ و کمال تک پہنچ جاتا ہے جو اس سلسلۂ ارتقا کی آخری کڑی ہے۔

حلقات تسعۂ ارتقا

انسانی حالت پر ہمیشہ دو مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالی جاتی ہے: نوعی اور انفرادی۔ نوعی سے مقصود یہ ہے کہ بہ حیثیت ایک نوع کے اُس پر جو کچھ گزر چکا ہے اس کی جستجو کی جائے۔ انفرادی سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ ایک انسانی وجود پر جو کچھ گزرتا ہے اس کی تحقیق کی جائے۔ پہلی کے لئے تاریخ و آثار کا اور دوسری کے لئے خود انسان کی زندگی کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اس اعتبار سے اگر انسان کی حالت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی احساس و ادراک کا یہ سلسلۂ ارتقا نوع اور فرد دونوں زندگیوں میں یکساں طور پر موجود ہے، اور اس کی بڑی اور اصولی کڑیاں حسب ذیل ہیں:

(۱) امومۃ۔
(۲) ابوّۃ۔
(۳) عائلہ۔
(۴) قبیلہ۔
(۵) بلدیّۃ۔
(۶) وطنیۃ۔
(۷) جنسیت و قومیۃ۔
(۸) براعظمیت یا تقسیم بہ لحاظ جغرافیہ۔
(۹) انسانیت وارضیۃ۔

"امومۃ" کے معنی عربی میں ماں ہونے اور ماں کے رشتہ کے ہیں۔ اس سے مقصود انسان کی وہ ابتدائی حالت ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی ساری دنیا صرف ماں کی گود ہوتی ہے۔ اس ابتدائی منزل میں انسان کا علاقۂ اجتماع صرف "امومۃ" میں محدود ہوتا ہے۔ فطرۃ کا فرشتہ اُس کی رہنمائی کرتا ہے اور اس کے معصوم ہاتھ ماں کی گردن میں حمائل ہو جاتے ہیں۔ یہ فرزندیّۃ سے اجتماعیت کی طرف انسان کا پہلا قدم ہے۔

"ابوّۃ" سے مقصود باپ کا رشتہ ہے۔ ماں بچے کو باپ کے آغوش محبت میں رکھ دیتی ہے اور اب وہ ماں کے ساتھ ایک دوسرے وجود کا رشتہ بھی محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔

تمدن کے وجود میں آنے سے پہلے انسان انفرادی اور خلقی زندگی بسر کرتا ہوگا۔ اُسوقت ازدواج مدنی (یعنی تعین و التزام کے ساتھ مرد و عورت کے ملنے) کا وجود نہ تھا۔ ممکن ہے عام حیوانات کی طرح ولادت کا بنیادی رشتہ محض امومۃ کا رشتہ ہو اور ابوّۃ کا تعین اور تشخص وجود میں نہ آیا ہو۔ میں نے "ممکن ہے" کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس بارے میں علمائے علم الانسان کے نظریات مختلف ہیں اور کوئی واضح روشنی موجود نہیں۔ بہرحال ابتدا میں ابوّۃ کا تشخص ہو یا نہ ہو، جس دن سے یہ تشخص شروع ہوا، امومۃ کے بعد احساس اجتماع کی دوسری منزل یہی ہے۔

"عائلہ" عربی میں خاندان کو کہتے ہیں لیکن خاندان کا لفظ ہماری زبان میں زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ "عائلہ" کا اطلاق اُس سے کم تر دائرے پر ہوتا ہے۔ اس سے مقصود وہ قریبی رشتہ دار ہیں جن کے اکٹھے ہونے سے ایک گھرانے کی مشترکہ زندگی کا نظام قائم ہوتا ہے۔ یہ اس سلسلۂ ارتقا کی تیسری کڑی ہے۔ انسان نے جب انفرادی زندگی کی جگہ مل جل کر رہنا شروع کیا تو اس کا پہلا منظر یہ تھا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کا حلقہ بنا کر رہتا تھا تاکہ زندگی کی کشمکش میں تنہا رہنے کی جگہ ایک جتھا پیدا ہو جائے۔ "قریبی رشتہ داروں" کے اس احساس ہی سے اجتماعی ارتقا کی تیسری منزل وجود میں آتی ہے۔ کیونکہ اب ماں باپ کے علاوہ دوسرے انسانوں کا بھی رشتہ محسوس کیا جانے لگا اور اجتماعیۃ کے احساس میں وسعت ہو گئی۔

"قبیلہ" اس سلسلہ کی چوتھی کڑی ہے۔ اور یہ بہ نسبت "عائلہ" کے زیادہ وسیع حلقہ مہیا کرتی ہے۔ تمدن کے ابتدائی ایام میں جب کچھ عرصہ تک "عائلہ" کا نظام جاری رہا تو ہر خاندان کی نسل بڑھتی اور پھیلتی گئی۔ یہاں تک کہ پانچ پانچ دس دس پشتیں گزرنے کے بعد ہر خاندان کے افراد کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ اتنی بڑی تعداد صرف عائلہ کی چار دیواری میں سمٹ نہیں سکتی تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر ایک وسیع تر حلقۂ تعارف پیدا ہو گیا، اور باوجود مختلف جگہوں میں رہنے کے ہر فرد اُس حلقہ کی نسبت سے پہچانا جانے لگا۔ جنگ و صلح کے موقعہ پر بھی یہ حلقے ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوتے ہونگے۔ اس طرح "قبیلہ" کی بنیاد پڑی، اور اب اس منزل میں پہنچ کر وہی انسان جس کا احساس اجتماع صرف "امومۃ" اور "ابوّۃ" میں محدود تھا، اپنے آپ کو ایک وسیع حلقۂ انسانی کا رکن سمجھنے لگا۔ یہ پورا حلقہ ایک خاص مورث اعلیٰ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا، اور اس کے وجود کو اپنی رشتہ داریوں اور قرب جوئیوں کے لئے اعتقاد و شرف کا مرکز ٹھہراتا۔ یہیں سے نسب کی بنیاد چلی اور اس کی حفاظت کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ عرب، افریقہ، ہندوستان، امریکہ، اور آسٹریلیا وغیرہ میں آجتک قبائل کا نقش قدم ڈھونڈھا جا سکتا ہے۔ عرب میں تو قبائل کی تقسیم اور نسب کی حفاظت کا ایسا دور دورہ رہا کہ تمدنی اور شہری زندگی کا اختلاط بھی اُسے نہ مٹا سکا۔ اسوقت بھی اندرون عرب میں ہر قبیلہ بہ حیثیت قبیلہ کے اُسی طرح موجود ہے جس طرح چھٹی صدی عیسوی سے پہلے تھا۔ ہندوستان میں راجپوتوں کے مختلف نسلی سلسلے اور سورج بنسی اور چندر بنسی کا انتساب بھی اسی کا نتیجہ ہے۔

یہ جو نسل انسانی کی آج بڑی بڑی اصولی تقسیمیں کی جا رہی ہیں۔ مثلاً سامی، آرین، منگولین، تو ان کی بھی بنیاد جب پڑی ہوگی، اسی "قبیلہ" کی منزل میں پڑی ہوگی۔ اب اگرچہ نسل انسانی اس منزل سے بہت آگے بڑھ چکی ہے، لیکن اس کی انفرادی زندگی میں یہ اب بھی ویسی ہی درمیانی منزل ہے، جیسی بہ حیثیت نوع کے تاریخ میں پیش آئی تھی۔ اب بھی جب انسان کا بچہ بڑا ہوتا ہے اور طفولیت کے سادہ احساسات کی جگہ تربیت و سماع کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں، تو وہ اپنے گھرانے کے حلقہ سے ایک زیادہ وسیع حلقہ رشتہ داریوں کا محسوس کرتا ہے۔ یہی احساس "عائلہ" کے بعد "قبیلہ" کا احساس ہے۔

اس چوتھی کڑی پر نسل کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے، اور مکان کا رشتہ ظہور کرتا ہے۔ ابتک انسان کا احساس اجتماع صرف نسل کے رشتے میں محدود تھا۔ کیونکہ اُس کے دماغ کے لئے سب سے زیادہ قریبی رشتہ یہی تھا اور ہمیشہ اُس کے ادراک کا سفر قرب سے بعد کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن اب ایک دوسرا رشتہ بھی دعوت اعتقاد دینے لگا۔ ابتدا میں انسان کی زندگی محض انفرادی زندگی تھی، پھر عائلہ اور خاندان کی بنیاد پڑی، لیکن پھر بھی وہ عرصہ تک ویسی ہی غیر شہری زندگی بسر کرتا رہا جیسی آجکل بھی صحرائی قبائل یا ایشیا اور یورپ کے جپسیوں کی زندگی ہے۔ وہ پانی، چارہ، اور غذا کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت کرتا رہتا تھا۔ لیکن جب ایک کافی مدت اس حالت پر گزر گئی، تو ہر قبیلہ اور گروہ کے لئے کوئی خاص حصۂ زمین مسکن و مولد کی شکل میں متعین ہو گیا۔ مثلاً کوئی خاص قبیلہ تھا جو خزاں میں ایک جگہ رہتا اور بہار میں دوسری جگہ چلا جاتا۔ عرصہ کے تواتر قیام سے یہ دونوں مقام اُس کے لئے مسکن و موطن بن گئے۔ یا کسی جماعت نے کسی ایک ہی مقام پر قیام اختیار کر لیا اور کچھ عرصہ کے بعد وہ اس جگہ میں اپنے لئے خصوصیت محسوس کرنے لگی۔ ساتھ ہی ایسا بھی ہوا کہ مختلف قبائل کسی ایک ہی حصۂ ارضی میں آس پاس رہنے لگے اور عرصہ تک قریب رہنے کی وجہ سے ان میں باہمی قرب و علائق کی ایک خاص حالت پیدا ہو گئی۔ ان اسباب سے اُس اجتماعی احساس اور جذبہ کی بنیاد پڑی جسے میں نے "بلدیّۃ" سے تعبیر کیا ہے۔ یہ اس احساس کی پانچویں منزل ہے اس منزل میں پہنچ کر انسان ایک نیا رشتہ محسوس کرنے لگا جو کسی ایک ہی جگہ رہنے سہنے اور وہیں پیدا ہونے کے اشتراک کا رشتہ ہے۔

ایک مدت تک جس مقام پر انسان رہتا ہے قدرتی طور پر اُس سے زیادہ مانوس ہو جاتا ہے اس اُنس کے اسباب ایک سے زیادہ ہیں۔ اوّل تو اُس مقام کی ارضی خصوصیات کے ساتھ اُسکی زندگی کے حالات کچھ اس طرح مل جل جاتے ہیں کہ وہاں کے ہر موسم اور ہر حالت کے ساتھ اُس کی زندگی کی کوئی نہ کوئی حالت وابستہ ہو جاتی ہے، اور اس کے تصور میں اُس کے لئے کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ ثانیاً، مشاہدہ کے استمرار و تواتر میں بجائے خود حیوانی دماغ کے لئے تاثیر ہے۔ جن چیزوں سے اُس کا لگاتار واسطہ رہتا ہے قدرتی طور پر اُن سے زیادہ مالوف ہو جاتا ہے۔ ثالثاً، مکان و قیام کے ساتھ نسل و رفاقت کے بھی تمام رشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ جس مقام پر انسان پیدا ہوا ہو اور پرورش پائی ہو وہیں اس کے تمام عزیز و اقارب اور جانے پہچانے ہوئے آدمی ہوتے ہیں اور اس لئے اُن کی محبتوں کی یاد وہاں کے چپہ چپہ میں بس جاتی ہے۔ غرضکہ انسان نے نسل کے بعد مکان و وطن کا رشتہ بھی محسوس کیا اور بہ تدریج اس کی گہرائیاں بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ یہ اس کے جذبات محبت کا مرکز اور مکانی دل بستگی کے دلولوں کا محور بن گیا:

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة
بواد، وحولی اذخر و جلیل!

"بلدیّۃ" کے بعد چھٹی کڑی "وطنیۃ" کی آتی ہے۔ وطنیۃ "بلدیّۃ" کے رشتہ کی ایک خاص ترقی یافتہ صورت کا نام ہے۔ جب تمدن میں مزید ترقی و وسعت ہوئی، بکثرت آبادیاں اور شہر بس گئے، اور انسان کے باہمی علائق بھی زیادہ وسیع ہوئے، تو "بلدیّۃ" کے جذبات میں بھی وسعت شروع ہو گئی، اور اب انسان نہ صرف اپنے مسکن و مولد ہی کو بلکہ اُس تمام علاقے کو اپنا وطن محسوس کرنے لگا جس کے ایک گوشہ میں وہ آباد تھا۔ پھر بتدریج اس دائرہ میں اور وسعت ہوئی، چھوٹے چھوٹے علاقوں کی جگہ زمین کے بڑے بڑے حصے داخل ہو گئے، یہاں تک کہ اب ایک پوری اقلیم بھی مفہوم وطنیۃ میں داخل ہو جاتی ہے!

نسل کے اجتماعی احساس نے افراد کی کثرت نسل کے [illegible] میں سمٹ [illegible]۔ اب [illegible]

علم ترقی کرے گا ان عناصر کے شمار میں تخفیف ہوتی جائے گی. بہت ممکن ہے ایک زمانہ آئے جب ہم دعوے سے کہہ سکیں کہ صرف ایک ہیڈروجین ہی تمام عناصر و کائنات کی اصل ہے۔ سب کچھ اُسی سے ظہور پذیر ہوا ہے"

میں "شاباش! اگر کائنات، ہیڈروجین سے بنی ہے تو بتاؤ مرغول کی وہ معزز پردادی کیونکر وجود میں آئی جسنے پہلا انڈا دیا تھا؟ ظاہر ہے وہ خود تو انڈے سے پیدا نہیں ہوئی"

وہ "یہ سب سے پہلی مرغی پیدا نہیں ہوئی بلکہ ظہور پذیر ہوئی تھی"

میں "کس چیز سے ظہور پذیر ہوئی؟"

وہ "میں نہیں جانتا"

میں "تو تم اُس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے؟"

وہ "میں ہر چیز کا عالم نہیں ہوں"

میں "تمھارے اس صریح اعتراف عجز کی داد دیتا ہوں. لیکن تم کہہ چکے ہو کہ اولین مادۂ حیات پیدا نہیں کیا گیا. اب ہم کائنات کی اصل و ابتداء کے موضوع پر پہنچ گئے - ہیڈروجینی انڈے کی بحث پر مگر تم نے اپنے جہل کا اعتراف کر لیا اور نہیں بتا سکے کہ وہ انڈا پیدا کیا گیا یا پیدا نہیں کیا گیا؟"

وہ "یہی سہی. لیکن میں برابر مدعی ہوں کہ کائنات اُس طرح پیدا نہیں ہوئی جس طرح توراۃ میں لکھا ہے"

میں "مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کائنات کس طرح خلق ہوئی ہے بہرحال کسی نہ کسی طرح وجود میں ضرور آئی ہے"

وہ "میں صفائی سے اعتراف کرتا ہوں کہ علم اس گتھی کے سلجھانے میں ناکام رہا ہے اور بقول "مسٹر لاینگ" کبھی مستقبل میں اس کا فیصلہ ہو سکے گا"

میں "تمھارے اس اعتراف جہل کی بھی میں قدر کرتا ہوں. اچھا اب بحث کا رُخ ذرا پھیر دیں. کیا تم یقین کرتے ہو کہ تمام بلوری مخلوقات سبزیاں، اور حیوانات صرف ایک ہیڈروجین کے مختلف مرکبات ہیں"

وہ "ہاں"

میں "کیا خالی ظرف سے کسی چیز کا نکالنا ممکن ہے؟"

وہ "ہرگز نہیں. لیکن جناب! میں نے یہ کب کہا کہ ہیڈروجن ایک خالی ظرف ہے؟"

میں "لیکن میں بھی تو یہ نہیں کہتا، اچھا یوں سہی، کیا کسی ظرف سے اُتنا نکالا جا سکتا ہے جتنا اُس میں نہیں ہے؟"

وہ "نہیں"

میں "تو کیا ہیڈروجین سے اُتنا حاصل کیا جا سکتا ہے جتنا اُس کے اندر نہیں ہے؟"

وہ "نہیں"

میں "کیا تم خیال کرتے ہو کہ مادۂ حیات ہیڈروجین سے وجود میں آیا ہے؟"

وہ "بیشک، تمام اسفنجی اجسام (Fungi)، نباتات، حیوانات تمام اہل فن، مصور، شاعر، مصنف، فلاسفر، علماء، غرضکہ تمام کائنات اُسی اصلی ہیڈروجینی انڈے کی پیداوار ہیں"

میں "اس عجیب طلسمی انڈے کے خواص و ممیزات کیا ہیں؟"

وہ "اسمیں کوئی طلسم یا جادو نہیں - یہ نیچر، کائنات کی ماں ہے"

میں "ہاں واللہ اعلم! لیکن ضرور ہے کہ اُس اصلی ہیڈروجینی انڈے میں کچھ خاصیتیں تھیں - خود ہیڈروجین کہاں سے آیا؟"

وہ "نہیں معلوم"

میں "یہ عجیب خواص اُس میں کیونکر پیدا ہوئے؟"

وہ "نہیں معلوم"

میں "تم قائل ہو کہ ہیڈروجین میں کچھ خاصیتیں تھیں جنھوں نے بتدریج کائنات کو ظاہر کیا. لیکن کیا تم یہ تصور کر سکتے ہو کہ ہیڈروجین میں یہ خواص بغیر کسی صاحب ادراک اور عاقل ہستی کے عمل کے خود بخود موجود ہو گئے؟"

وہ "موضوع نہایت دقیق ہے. میری ناقص عقل اُس کے فہم کی قابلیت نہیں رکھتی"

میں "میرا سوال یہ ہے کہ ان عجیب خواص کا انڈا یا ہیڈروجینی کتلہ جس سے تمام کائنات رونما ہوئی اور جس سے مادۂ حیات اُچھل کر برآمد ہوا، ممکن ہے کہ بغیر کسی ذہانت اور عقلی قوت کے وجود کے موجود ہو گیا ہو؟ اگر ہیڈروجین میں عقل و ادراک نہیں تو تم جو اس سے بنے ہو، کیونکر عاقل اور صاحب ادراک ہو؟"

وہ "میں آج مزید گفتگو نہیں کر سکتا. شب بخیر!"

تیسری مجلس

میں ایک رسالہ اُٹھا کر دیکھنے لگا. اتفاق سے اسمیں یہ قصہ درج تھا کہ ایک شہزادے نے اپنی محبوبہ کو ایک آہنی انڈا تحفتہً بھیجا. محبوبہ اُسے دیکھ کر سخت برہم ہوئی اور اُسے زور سے زمین پر دے مارا. انڈا ٹوٹ گیا، اُس کے اندر سفیدی چاندی کی تھی، زردی سونے کی زردی کی ڈلی کے اندر چھوٹا سا طلائی تاج اور الماس کی انگوٹھی رکھی تھی - یہ قصہ پڑھ کر مجھے خیال ہوا کہ شاہزادہ کا بھیجا ہوا یہ انڈا اس عظیم انڈے کے مقابلہ میں ہیچ ہے جس کے اندر سورج، چاند، ستارے ثریا، زمین، عالم نباتات و حیوان اور دُنیا بھر کی عقل و حکمت بھری ہوئی ہے. میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میرا بھائی آ گیا اور کہنے لگا:

"کس سوچ میں ہو؟"

میں "کیا تم بتا سکتے ہو کہ دُنیا میں کوئی دریا بھی ایسا ہے جو کسی سرچشمہ سے نہ پھوٹا ہو؟"

وہ "بالکل معمولی سوال ہے - نہیں"

میں "کیا اثرات، بغیر موثرات کے موجود ہو سکتے ہیں؟"

وہ "ہر اثر کے لئے موثر و سبب کا وجود ضروری ہے. لیکن بواعث و اسباب کی بحث نہایت پیچیدہ ہے. شاید آپ "ڈیوڈ ہیوم" کے اس قول سے متفق نہیں کہ مسبب اور سبب کے مابین وہی تعلق ہے جو رات اور دن کے درمیان؟"

میں "ہاں میری یہ رائے نہیں. رات، دن کے بعد ضرور آتی ہے لیکن دونوں میں کوئی سببی علاقہ نہیں ہے. خیر آؤ، ہم اُسی عجیب طلسمی انڈے پر غور کریں. "نیچر" کیا ہے؟ کہاں سے آیا؟ کیسے آیا؟ کب آیا؟ کیا تم "نیچر" کی تعریف بیان کر سکتے ہو؟"

وہ "نیچر کی تعریف آسان نہیں. بقول ایک حکیم کے "آسمان کے نیچے چلو اور نیچر کی تعلیمات و قوانین سے آگاہ ہو" یا بقول ایک دوسرے حکیم کے "نیچر کی بوقلمونی پر نظر کرو: ذرّے باہم وابستہ ہیں، جذب کرتے ہیں اور جذب ہوتے ہیں. نیچر کا قرب تھیں اُس کے وصل سے شادکام کر دے گا"

میں "تم کہہ چکے ہو کہ نیچر نے سب سے پہلا انڈا طیار کیا اور اُسے مختلف الاشکال زندہ پُرجمال مرکبات بنانے کی قوت بخشی، میں بغیر مزید معلومات حاصل کئے نیچر کی یہ قابلیت تسلیم نہیں کر سکتا. آخر بتاؤ تو نیچر ہے کیا بلا؟ فرشتہ ہے؟ بھوت ہے؟ کیا نیچر سنٹ کلاز (فرضی گلابی رنگ کا بوڑھا جو کرسمس میں اچھے بچوں کے لئے تحفے لا کر غائب ہو جاتا ہے) ہے، رات کو چپ چپاتے آتا اور صبح ہوتے ہی غائب ہو جاتا ہے؟"

وہ "براہ عنایت مذاق نہ کیجئے"

میں "تم کہتے ہو نیچر ہر چیز کی ماں ہے اور اُس کی اولاد سمندر کے کناروں پر بچھی ہوئی ریگ کے ذرّوں سے بھی زیادہ ہے، لیکن پھر بھی تم میری اس سے تقریب نہیں کراتے"

وہ "نیچر ہر قسم کی تعریف و تعارف سے برتر ہے. اُس کے دامن میں زمین آسمان دونوں بچوں کی طرح پڑے ہیں"

میں "تمھارے خیال میں نیچر ایک ان دیکھی قوت نہیں ہے جسکی شخصیت، ذرات سے الگ ہو کر کار فرمائی کرتی ہے؟"

وہ "ہرگز نہیں حکیم سٹوارٹ مل کہتا ہے "نیچر ہر ہونے والی چیز کا نام نہیں ہے بلکہ وہ صرف اُس چیز کا نام ہے جو انسان کی قوت و ذہانت کے بغیر واقع ہوتی ہے" وہ نیچر ہی ہے جسنے ہمیں آسمان، زمین، پھول پتی، کھیتیاں اور سمندر کی مچھلیاں بخشی ہیں"

میں "لیکن تم کہہ چکے ہو کہ ہر چیز اولین ہیڈروجینی انڈے سے ہوئی ہے - اور اس طلسمی انڈے نے اپنی قوت نیچر سے حاصل کی ہے پس اب بتاؤ اس انڈے اور نیچر میں کیا فرق ہے؟"

وہ "دونوں کا تجزیہ و فصل بہت مشکل ہے - لیکن یہ یقینی ہے کہ ایک دوسرے کا مُسبّب نہیں ہے"

میں "خیر ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ شروع میں ہیڈروجینی انڈا موجود تھا اور اُسی سے تمام کائنات وجود میں آئی، لیکن کیا تم یہ نہیں تسلیم کرو گے کہ اس انڈے کے لئے بھی کوئی خالق ہونا چاہئے اور اُسی خالق کو اُس کا نگران اور مربی ہونا چاہئے؟ کائنات کا یہ ارتقاء صرف ازلی و ابدی خدا ہی کی قدرت کا ایک کرشمہ ہونا چاہئے"

وہ "میں یہ تسلیم نہیں کرتا"

میں "پھر خدا کی جگہ پر کسے رکھتے ہو؟ اگر انڈا فعلاً موجود تھا تو اُس کے لئے کسی عاقل ہستی کا وجود ضروری ہے. اگر انڈا خود بخود موجود ہوا اور خود اُسی نے اپنے آپ کو بنایا ہے اور خود ہی اپنا مربی و محافظ تھا تو بس وہی وہ ہستی ہے جسے ہم خدا کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن اگر اُس انڈے میں اپنے سنبھالنے اور حرکت کرنے کی ذاتی قوت نہیں تو ضرور کوئی اُس سے بھی بڑی قوت ہوگی جسنے اُسے حرکت دی اور اُس میں حسب مرضی تصرف کیا"

اسپر اُسنے غور کرنے کی مہلت مانگی،

چوتھی مجلس

دوسرے دن آنے کے ساتھ ہی کہنے لگا:

"جس چیز کو تم خدا کہتے ہو وہ محض "نظام" ہے جو کائنات میں جاری و ساری ہے - سٹوارٹ مل کہتا ہے: بلا استثناء تمام ظواہر اٹل قوانین کے ماتحت ہیں جن کی راہ میں کوئی طبیعی یا غیر طبیعی قوت حائل نہیں ہو سکتی"

میں "مل نے واقعی، علم منطق میں نفیس کتابیں تصنیف کی ہیں، کیا اچھا ہوتا اگر فلسفہ پر گفتگو کرتے وقت بھی وہ منطق ہی کی پیروی کرتا. مگر افسوس اس بحث میں آ کر وہ اپنی ساری منطق بھول جاتا ہے. وہ کہتا ہے "تمام ظواہر یعنی ستاروں کی حرکت، آلو کی پیداوار، کرکٹ کا کھیل - شراب کا نشہ" اگر معاملہ کو صرف ستاروں ہی تک محدود رکھتا تو شاید ہم مخالفت میں زبان نہ کھول سکتے، مگر نشہ، آلو، کرکٹ کے ذکر پر آ کر ہم اُسے خاموش کر سکتے ہیں، سادہ لوح کہہ سکتا ہے کہ ان امور کا کسی دوسری قوت سے کوئی تعلق نہیں، لیکن عقلمند جانتا ہے کہ اٹل قوانین کے اندر کوئی حقیقی قوت موجود ہے جو نیکی اور تقویٰ کی طرف آدمی کو لے جاتی ہے. خود مل نے بھی اپنی منطقی کتاب میں تصریح کی ہے کہ اٹل قوانین کے اندر جا کر قوت مخفی ہے - یہ قوت اگرچہ حکومت نہیں کرتی مگر موجود ضرور ہے پس اب بتاؤ "نیچر" سے تمھارا مقصود کیا ہے؟ "نیچر" اور نیچر کے قوانین میں کیا فرق ہے؟ میں ہکسلے اور ٹنڈل وغیرہ کی کتابیں پڑھتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ خواص اعضاء، بجلی، کیمیا، نباتات، حیوانات، وغیرہ مباحث پر بڑے سلیقے سے گفتگو کرتے ہیں، لیکن جہاں فل[illegible] پر آئے اُنکے حواس گم ہو گئے، محض معمولی سطح کے آدمیوں کی طرح گفتگو کرنے لگتے ہیں. - اُن کی تمام تر ذہانت اسپر صرف ہوتی ہے کہ "خدا"، "معجزہ" اور "خلق" کے الفاظ پر بحث شروع کر دیتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ یہ ہنر دکھاتے ہیں کہ ان الفاظ کو دوسرے الفاظ "نیچر"، "فطرت"، "قانون"، "ناموس" سے بدل دیتے ہیں. میں "نیچر" اور "قانون" دونوں کی علیحدہ علیحدہ تعریف جاننا چاہتا ہوں. تم کہتے ہو قانون، قوت فعالہ ہے یعنی زبردست محرک. لیکن اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہیں کرتے. یہ محض فرضی

بصائر و حکم

مُرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا؟

مومن اور مُنکر کا ایک دلچسپ مکالمہ

جدال فی اللہ بغیر علم!

چھ مجلسیں

پہلی مجلس

میرا بھائی ایک ایسا ہی "آزاد خیال" شخص ہے جیسے آزاد خیال اشخاص بیسویں صدی کی عام پیداوار ہیں۔ بحث و مناظرہ کا اسے بہت شوق ہے۔ اپنے تیز اور قطعی خیالات کے اظہار میں کبھی تامل نہیں کرتا اور جب کبھی گفتگو کرتا ہے تو اس کا معارضہ سخت اور حجت بے جھجھک ہوتی ہے۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا:

"مجھے یقین نہیں آتا کہ "بلعام" کی گدھی بولی ہو جیسا کہ توراۃ میں بیان کیا گیا ہے!"

میں نے جواب دیا:

"میں نہایت خوش ہوں گا اگر دُنیا بھر کے گدھوں کا مُنھ باندھ دیا جائے اور وہ کبھی اپنی کرخت آواز دنیا کو نہ سُنا سکیں"

میرا جواب بھائی نے مذاق پر محمول کیا وہ سنجیدہ تھا اور علمی مباحث میں ہرگز مذاق گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اُسنے چین بجبیں ہو کر کہا:

"میں مہمل گفتگو پسند نہیں کرتا۔ سنجیدہ دقیق مباحث میں میرا جی لگتا ہے"

میں نے کہا:

"بہت بہتر۔ کوئی سنجیدہ مسئلہ پیش کرتا کہ میں بھی سنجیدگی سے گفتگو کروں"

ایک لمحہ غور کرنے کے بعد کہنے لگا:

"تعجب ہے آپ ہمیشہ مجھی سے سوال چاہتے ہیں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ سدا میں ہی حملہ آور ہوں اور آپ مدافعت کریں؟ آج خود آپ ہی کیوں نہ پہلا گولہ پھینکیں؟ کیا مجھ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے؟"

میں نے جواب دیا:

"کیوں نہیں؟ کسی عمارت کا ڈھا دینا تعمیر سے زیادہ آسان ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ تم کوئی عمارت ہی نہیں رکھتے۔ تمھارے پاس کوئی مثبت چیز ہے ہی نہیں۔ صرف انکار اور منفی پہلو ہے۔ پھر میں کس چیز پر حملہ کروں؟ تاہم ایک مسئلہ میں تمھاری زبان سے ائمۂ الحاد کے فتوے سننا چاہتا ہوں"

اُسنے وعدہ کیا کہ میرے ہر سوال پر سنجیدگی کے ساتھ بحث کرے گا اور ملحدین کے افکار پوری وضاحت سے پیش کرے گا۔

میں نے سوال کیا۔

"مُرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا؟"

ساتھ ہی میں نے کہا،

"سوال بالکل آسان اور صاف ہے۔ "معتقد علماء" نے اسے ضرور حل کیا ہوگا، تمھاری کیا رائے ہے؟"

وہ کچھ گھبرا سا گیا:

"یہ سوال بے فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ اسپر بحث کی کیا ضرورت ہے؟"

اسنے جواب دیا۔

"ممکن ہے تمھارا خیال صحیح ہو"

میں نے کہا:

"لیکن اگر میری ذاتی رائے پوچھتے ہو تو میں اس سوال کو بہت اہم سمجھتا اور تمھارے جواب کا بےچینی سے منتظر ہوں۔ خود تم نے مجھ سے سوال کی خواہش کی تھی۔ اب تمھیں جواب سے گریز نہیں کرنا چاہئے"

وہ "یہ سوال بظاہر بالکل معمولی ہے لیکن در اصل اپنے اندر ایک دقیق فلسفی بحث چھپائے ہے۔ یا تو آپ اسے کسی دوسری شکل میں پیش کیجئے یا اپنا مقصود واضح کر دیجئے"

میں "تم بہت ڈر رہے ہو۔ حالانکہ تمھیں ڈرنا نہیں چاہئے۔ یہ سوال کچھ جال نہیں ہے جسمیں پھنس جاؤ گے۔ مجھے اس موضوع کے متعلق صرف اتنی ہی واقفیت ہے کہ انڈا مرغی کے پیٹ سے نکلتا ہے اور مرغی بچے سے بنتی ہے"

اُسنے میری تصدیق کی۔ پھر میں نے کہا:

"اگر یہ سچ ہے تو کیا علم طبقات الارض کے ماہر سر چارلس لائل نے یہ اصل قرار نہیں دے دی ہے کہ "ماضی کو حاضر کے دلائل سے واضح کرنا چاہئے؟"

وہ "بیشک"

میں "تو انڈے اور مرغی کا یہ معاملہ ہمیشہ سے یوں ہی چلا آ رہا ہے؟"

وہ "ہاں"

میں "یہ تو ضرور ہے کہ پہلی مرغی اور پہلے انڈے کا وجود اپنی اپنی جگہ پر مستقل ہوگا؟"

وہ "بیشک"

میں "اگر یہ صحیح ہے تو پہلی مرغی انڈے سے پہلے وجود میں آئی کیونکہ وہ انڈے سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو سر چارلس لائل کا اصول ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ حاضر کا مشاہدہ اس کے خلاف ہے اور ماضی کو واضح نہیں کرتا۔ ہم دیکھتے ہیں ہر مرغی انڈے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حاضر کی اس دلیل و مشاہدہ سے ہمیں یہی کہنا چاہئے کہ ہمیشہ مرغی انڈے ہی سے پیدا ہوتی رہی ہے۔ مگر تمھیں ابھی تسلیم کرنا پڑا کہ سب سے پہلی مرغی انڈے سے پیدا نہیں ہوئی"

اسپر وہ دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولا:

"آپنے بلا بحث یہ کیسے تسلیم کر لیا کہ سب سے پہلی مرغی بغیر انڈے کے موجود ہوئی؟ خود مرغی کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔ اُسی انڈے کی ترقی یافتہ کمل صورت ہے۔ اگر ہم صحیح علمی اصول کی روشنی میں غور کریں تو فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ انڈا پہلے ہوا ہے، لہذا ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ سب سے پہلی مرغی بھی انڈے ہی سے وجود میں آئی ہے"

میں "بہت خوب۔ تو اب یہ طے پا گیا کہ سب سے پہلی مرغی انڈے سے پیدا ہوئی ہے۔ یعنی انڈے کا وجود مرغی کے وجود سے پہلے ہوا یعنی سب سے پہلا انڈا مرغی کے پیٹ سے نہیں نکلا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو بھی لائل کا نظریہ ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ حاضر، ماضی کی تائید نہیں کر رہا ہے، سراسر مخالف ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں ہر انڈا مرغی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی بتا دو کہ اگر سب سے پہلا انڈا مرغی سے پیدا نہیں ہوا تو کہاں سے آیا؟ کیونکر آیا؟ کب آیا؟"

وہ "میں سمجھ گیا۔ آپ مجھے یہ کہنے پر مجبور کر رہے ہیں کہ انڈا خدا نے پیدا کیا"

میں "میں سائل ہوں، مجیب نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آسمانی کتابوں کے قائل اس سوال کا یہ صاف اور معمولی جواب دے کر سبکدوش ہو جاتے ہیں کہ سب سے پہلا انڈا خدا نے خود پیدا کیا تھا لیکن یہ بے دلیل ہے۔ اگر تم علمی دلائل و براہین سے کوئی فیصلہ کن جواب دے سکو تو میں نہایت ممنون ہوں گا"

وہ "کیا انڈے کا مسئلہ تمام حقائق کائنات پر چسپاں ہو سکتا ہے؟"

میں "بیشک۔ ضرور ہے کہ شروع شروع گیہوں کا سب سے پہلا دانہ موجود ہوا ہو، سب سے پہلی بلی ہو، سب سے پہلی گائے ہو، سب سے پہلی بکری ہو۔ سب سے پہلا انسان ہو... اگر تم انڈے کی گتھی سلجھا دو تو میں باقی تمام کائنات کو اُسی پر قیاس کر لوں گا، اور ہم آفرینش کا راز دنیا پر کھول سکیں گے"

وہ "آفرینش کا سوال بہت قدیم سوال ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کائنات، تدریجی ارتقا کے ساتھ وجود میں آئی ہے"

میں "سچ ہے۔ لیکن اصل حیات اس سے مستثنیٰ ہے۔ زندگی کا پہلا تخم ضرور ہے کہ پیدا کیا گیا ہو۔ نظریۂ ارتقا مجھے مرعوب نہیں کر سکتا ارتقا کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سے کوئی وجود موجود ہو، اور اُس میں تدریجی ترقی ہوئی ہو۔ لیکن عدم محض میں کیونکر ترقی ممکن ہے؟ ضرور ہے کہ پہلے انڈے کا وجود تسلیم کر و پھر اُس پر خلقت کی عمارت کھڑی کرو۔ پس میرا سوال یہی ہے کہ وہ سب سے پہلا انڈا کہاں سے آیا؟"

وہ "میں ڈاکٹر باسٹن کے اس نظریہ سے بالکل متفق ہوں کہ ہر جاندار غیر عضوی بے جان مواد سے وجود میں آیا ہے"

میں "لیکن ہکسلے اور انڈال نے اس نظریہ کو باطل قرار دیا ہے اور تمام علماء نے وہی قدیم نظریہ تسلیم کیا ہے کہ جاندار جاندار سے موجود ہوا ہے"

اسپر وہ لاجواب سا ہو گیا اور کہنے لگا باقی گفتگو کل ہوگی،

دوسری مجلس

دوسرے دن میں نے اُس سے کہا:

"کل میں زندگی کی اصل کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ میرا سوال ایک ایسے انڈے کے متعلق تھا جو زندہ عناصر سے مرکب ہے لیکن تم نے ڈاکٹر باسٹن کا قول پیش کر دیا کہ انڈا غیر جاندار مواد سے وجود میں آیا ہے۔ حالانکہ میرا سوال جاندار انڈے کے متعلق تھا، مُردہ انڈے سے بحث نہ تھی۔ لیکن خیر میں تمھاری خاطر فرض کئے لیتا ہوں کہ سب سے پہلا غیر عضوی مُردہ مواد سے ظہور پذیر ہوا تھا مثلاً ہم کہیں سب سے پہلے انڈے کی اصل، ریت کا ایک ذرہ تھا، مگر یہ کہنے کے بعد بھی سوال بدستور قائم رہتا ہے۔ اب اُس کی صرف لفظی شکل بدل جاتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ریت کا ذرہ کہاں سے آیا؟"

وہ "ریگ کا ذرہ اور ہر عنصر بہت سے ایسے دقیق ذرات وا جزا سے مرکب ہے جنھیں انسانی نگاہ کسی طرح بھی مشاہدہ نہیں کر سکتی لیکن باوجود اس کے ہم ان غیر مرئی ذرات کے وجود کے قائل ہیں۔ سر دست ہم عناصر کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے لیکن جو لوگ

میں "عجیب سہی، معجزہ نہ سہی"

اس کے بعد میں نے سوال کیا:-

"کیا تم اسپنسر کے متبعین کا یہ عقیدہ تسلیم کرتے ہو کہ تمام ظواہر زمین و آسمان - ایک مجہول مخفی قوت کا اعلان ہیں جو اُن کے پس پردہ کارفرما ہو؟ اسی قوت کا نام میری بول چال میں "خدا" ہو"

اُسنے کوئی جواب نہیں دیا - میں نے کہا:

"انسان اپنے افعال و اعمال میں کچھ اختیار رکھتا ہو یا محض مشین کے ایک پرزے کی طرح بغیر اپنے ارادہ و اختیار کے عمل کرتا ہے؟"

وہ "کانون کا مذہب یہ ہو کہ انسان مجبور محض ہو، قاتل اس لئے قتل کا ارتکاب کرتا ہو کہ وہ اس پر مجبور ہوتا ہو - قضا و قدر سے وہ بالکل بے لبس ہو چکا ہوتا ہو"

میں "اس عقیدے کے ماننے والوں کا علاج یہ ہو کہ سب ایک ساتھ پھانسی پر لٹکا دیئے جائیں اور ہمیشہ کے لئے دُنیا کو اُن سے نجات دے دی جائے"

آخر میں میں نے ایک سوال کیا:

"ہم کس منزل کی طرف جا رہے ہیں؟"

وہ "موت کی طرف - موت ہی ہم سب کی منزل مقصود ہو جس دن تم مرو گے، اُس دن سے تم معدوم ہو گئے - یہ سچ ہو کہ جسم کے ذرات غیر فانی ہیں، ہمیشہ باقی رہینگے - لیکن وہ چیز جسے تم شخصیت یا ضمیر کہتے ہیں، دائمی طور پر فنا ہو جائے گی - مجھے قیامت یعنی دوسری زندگی کا ہرگز یقین نہیں ہو - میں دوبارہ زندگی کے لطف اُٹھانے کا متمنی نہیں ہوں - مرتے ہی، عدم محض طاری ہو جائے گا - روز لوگوں کو مرتے دیکھتے ہو - اُن کی زندگی کا چراغ گل ہو جاتا ہو - آخری سانس کے ٹوٹتے ہی عقلی قوتیں ختم ہو جاتے ہیں اور انسان خاک میں ملجاتا ہو، خاک ہی سے اُٹھا تھا، خاک ہی میں مل گیا - اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ!"

میں "تو تمھارا نظریۂ ارتقا، ایک منحوس مذہب ہو اور آخرت میں اُس سے کوئی بھی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، وہ انسان کو کس قدر جلد فنا کر دیتا ہو؟ پہلے تو وہ انسان کو ابدیت کا سبز باغ دکھاتا ہو اور جب وہ مسکین قبضہ میں آجاتا ہو تو نا اُمید کر کے چھوڑ دیتا ہو اس کے پاس بدبخت انسان کے لئے اُمید اور یقین کا کوئی سُراغ نہیں"

وہ "ہمیں حقیقت کی پیروی کرنا چاہئے، نتائج کو چھوڑ دینا چاہیئے"

میں: "تو تمھارا عقیدہ ہو کہ عمر ختم ہونے پر جسم انسانی کے اجزا اور عناصر مضمحل ہو کر اپنا عمل چھوڑ دیتے ہیں - یعنی قوت اصلیہ محرکہ ختم ہو جاتی ہو اور پورا کارخانہ اچانک رُک جاتا ہو - اگر یہی ہو تو پھر وہی طلسمی انڈا ہمارے سامنے آموجود ہوتا ہے قدرتی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ انڈے میں کوئی محدود قوت پوشیدہ کر دی گئی تھی، جبھی تو ایک معین زمانہ کے بعد وہ ہاتھ پاؤں ڈال دیتا ہو - اس کے بعد دو ہی صورتیں ممکن ہیں: یا تو دائمی موت یا نئی زندگی کا آغاز، میرے دوست کیا یہ ممکن نہیں کہ جس نیچر نے ایک مرتبہ ہمارے طلسمی انڈے کو اپنی قوت کا مظہر بنایا تھا وہی کچھ مدت آرام لینے کے بعد پھر انگڑائی لے کر اُٹھے اور نئی قوت نئی مستعدی اور نئے چولے میں اپنی نمود کرے؟ یہ خیال ہماری خودداری اور شرف کے کس قدر خلاف ہو کہ ہمارا آغاز تنبیہ کے نطفہ سے ہو اور خاتمہ دائمی فنا پر ہو جائے! یہ زندگی اور یہ موت دونوں نہایت مکروہ و نامبارک ہیں! انسان میں جو چیز سب سے افضل ہو یعنی اُس کی شخصیت، ضمیر، عقل، اور اگر خفا نہ ہو تو میں کہوں روح، ...

ہڈیاں کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ برقرار رہیں؟ یہ کیسی عجیب منطق کیسی عجیب عقلیت، اور کیسا عجیب فلسفہ ہو؟"

اس گفتگو پر میرے مخاطب کے چہرے کا رنگ بدل گیا، وہ گہری سوچ میں پڑ گیا - دیر کے بعد سر اُٹھا کر کہنے لگا "پھر ملینگے"

استدراک

مضمون مندرجۂ صدر ایک انگریز اہل قلم مسٹر جیکب ہارٹر کی کتاب سے ماخوذ ہو جو حال میں شائع ہوئی ہو - ہم نے یہاں "ترجمہ" کی جگہ "اخذ" کا لفظ اس لئے اختیار کیا کہ اُردو میں انگریزی تحریر کے مطالب بہ تصرف منتقل کر دیئے گئے ہیں - انگریزی عبارت کا بجنسہٖ ترجمہ نہیں کیا گیا ہو - ہمارا خیال ہو کہ اس قسم کے مطالب کو کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں نقل کرنے کا بہتر اور مؤثر طریقہ یہی ہو - بعض مقامات میں حذف و اضافہ بھی کیا گیا ہے جو ہمارے خیال میں ضروری تھا -

گئے اور اُنھیں کھانے کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہ ملا - شوہر نے اپنی بیوی کو روتے دیکھ کر پوچھا:

"پیاری کیا بات ہو؟"

"بھوک سے میرا دم نکلا جاتا ہو"، عورت نے روتے ہوئے جواب دیا -

شوہر نے کہا "میں ابھی بندوبست کرتا ہوں"

چنانچہ وہ اُٹھا، گھنٹی بجائی، خادم دوڑا آیا، اور اُسنے اُس سے کہا "میری بیوی کے لئے ابھی پلیٹ میں روٹی اور مکھن لاؤ"

۱۹۱۵ء میں مسٹر لائڈ جارج اپنی موٹر میں جا رہے تھے، راستہ میں شام ہو گئی، ڈرائیور موٹر روک کر اُترا اور لالٹین جلانے لگا - مسٹر لائڈ جارج بھی اُتر پڑے اور پیچھے کی بتی دیکھنے لگے، ڈرائیور اپنے کام سے فارغ ہو کر تیزی سے اپنی جگہ پر آبیٹھا اور موٹر چھوڑ دی، اُسے کیا معلوم تھا کہ لائڈ جارج گاڑی کے پیچھے کھڑے ہیں، موٹر چلدی اور یہ پیچھے کھڑے چلاتے رہ گئے، اب رات اندھیری ہو گئی تھی - لائڈ جارج سخت پریشان تھے، اُن کا مکان ۵ میل دُور تھا، مجبوراً پیدل چلے تھوڑی دُور پر پاگل خانہ تھا، اُنھوں نے خیال کیا شاید یہاں کوئی سواری مل جائے، اطمینان سے آگے بڑھے! دروازہ پر دستک دی، دربان آرام کر رہا تھا، دستک سُنکر خفا ہوا، اور دروازہ کھولا، وزیر نے اپنی ضرورت بیان کی اور موٹر کے لئے درخواست کی، مغرور دربان نے حقارت سے سر ہلایا اور دروازہ بند کرنے لگا - لائڈ جارج نے اُسے روکا اور کہا "تم جانتے نہیں میں وزیر مال ہوں!" دربان نے کہا "درست، درست! وزیر صاحب اسوقت ہمارے پاگل خانے میں آپ جیسے چھ وزیر بند ہیں، اگر پسند کریں تو اُن سے حضور کی ملاقات کرا دوں! بہتر یہ ہے کہ اسی سڑک پر سیدھے چلے جاؤ، زیادہ مسافت نہیں ہو - تڑکے تڑکے گھر پہنچ جاؤ گے!"

وزیر کی پھر کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی اور خاموش روانہ ہو گئے، مگر خوش قسمتی سے ڈرائیور اُن کی تلاش میں موٹر واپس لے آیا -

ایک مرتبہ ایک دولتمند عورت نے اپنے محلہ کے تمام لڑکوں کی دعوت کی - لڑکے کھاتے جاتے تھے اور باتیں کر رہے تھے - ایک لڑکے نے دوسرے سے کہا "کل میرے باپ نے مجھے ایک چمچہ خرید کر دیا ہو جسپر لکھا ہو "باپ کا تحفہ بیٹے کو" اُسپر دوسرے لڑکے نے کہا "بہت شیخی نہ بگھارو کل میرے باپ نے بھی مجھے ایک چمچہ دیا ہو جسپر لکھا ہو "سیوائے ہوٹل"! اس طرح لڑکے نے اپنے باپ کی چوری نادانستہ کھول دی،

ایک فلسفی کہتا ہو "شادی کا مطلب یہ ہو کہ ۳ ہفتے تعارف کے، تین مہینے محبت کے، تین سال باہمی تکرار اور جھگڑے کے، پھر تیس سال ...

تفریح و ترویح فکر

بعض مشہور آدمیوں کے لطیفے

انگلستان میں ایک مشہور ممثل (ایکٹر) تھا اُس کے زمانہ میں کوئی آدمی بھی اس فن میں اُس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا، ایک مرتبہ وہ اپنا تھیٹر لے کر مانچسٹر گیا - ہزاروں کی تعداد میں مخلوق دیکھنے آئی - خیال کیا گیا کہ ایکٹر یہاں بہت کامیاب ہو گا - مگر اتفاق سے اُنھیں دنوں میں ایک خوبصورت رقاصہ بھی مانچسٹر پہونچی، یہ عورت اگرچہ اپنے فن میں ذرا بھی مہارت نہیں رکھتی تھی، لیکن تھی نہایت حسین اور دلفریب پبلک نے سُنا تو ایکٹر کو چھوڑ کر رقاصہ کی طرف رُخ پھیر دیا - شہر کے ایک معزز آدمی نے یہ حالت دیکھی تو فن سے دلچسپی ظاہر کرنے کے لئے ایکٹر کے پاس گیا، اور ہمدردی کی راہ سے کہنے لگا "افسوس، لوگوں کو فن کی قدر نہیں، تمھارے جیسے ماہر کو چھوڑ کر اُس جاہل عورت کے ہو گئے ہیں!" ایکٹر نے فوراً جواب دیا "نہیں حضرت! افسوس یہ کیجئے، فن، نیچر کا مقابلہ نہیں کر سکتا"، ایکٹر کا مقصود یہ تھا کہ میں تو صرف فن کا ماہر ہوں، لیکن رقاصہ، نیچر کی دولت یعنی حسن کی مالک ہو، میرا اُس کا کیونکر مقابلہ ہو سکتا ہو؟

ایک مرتبہ انگلستان کی ایک کمسن شاہزادی اپنی ماں کے ساتھ نہایت شان و شوکت سے لندن کی ایک سڑک پر جا رہی تھی، راستے میں فاقہ زدہ مزدوروں کی ایک بڑی بھیڑ دکھائی دی جو غل مچا رہی تھی، شاہزادی نے اپنی ماں سے دریافت کیا "یہ کون لوگ ہیں اور کیوں چلا رہے ہیں؟" ماں نے جواب دیا "یہ مزدور ہیں، روٹی کے لئے پریشان ہیں"، شاہزادی نے تعجب سے کہا "روٹی نہیں ملتی تو کیک کیوں نہیں خرید لیتے!"

پرنس آف ویلز کے متعلق مشہور ہو کہ بچپن میں ایک مرتبہ شاہی دعوت میں تھے - دسترخوان پر بڑے بڑے معزز لوگ جمع تھے اور بادشاہ اُن سے گفتگو میں مصروف تھا - کھانے کے دوران میں ولیعہد نے اچانک بادشاہ سے کہا "بابا، بابا!" بادشاہ نے لڑکے کو جھڑک دیا اور خاموش رہنے کا حکم دیا، جب گفتگو ختم ہوئی تو بادشاہ نے لڑکے سے کہا "کہو کیا کہتے تھے؟" ولیعہد نے کہا "اب کچھ نہیں، اُس وقت آپکے کیک میں ایک کیڑا تھا، میں اُسی کی بابت کہنا چاہتا تھا مگر آپنے مجھے چپ کر دیا اور کیڑا کھا گئے!"

شاہ ایڈورڈ کا قصہ ہو کہ ولیعہدی کے زمانہ میں اُنھوں نے ایک مرتبہ اپنی والدہ ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھا اور ۵ پونڈ طلب کئے، ملکہ نے روپیہ کے بجائے لمبا چوڑا خط بھیجا اور کفایت شعاری کی خوبیاں بتائیں - ایک ہفتہ بعد ولیعہد نے ماں کو شکریہ کا خط لکھا "آپکا خط موصول ہوا - اب مجھے ۵ پونڈ کی ضرورت نہیں ہو، کیونکہ میں نے آپکا خط ۲۰ پونڈ میں فروخت کر ڈالا!"

موجودہ شاہ جارج کے متعلق مشہور ہو کہ بچپن میں انھوں نے اپنی ایک کھلائی سے فرمائش کی کہ انھیں کوئی کہانی سُنائے - کھلائی نے کہا نہیں تم خود کوئی کہانی لکھ کر مجھے سُناؤ - چنانچہ شہزادہ نے حسب ذیل کہانی لکھی:

"ایک حقیر جھونپڑے میں میاں بیوی رہتے تھے، دونوں بالکل ...

نہیں بلکہ سراسر دعویٰ ہی دعویٰ ہے"

وہ "لیکن اب تمام علماء بالاتفاق یہی کہہ رہے ہیں کہ ہر چیز بلا کسی استثنا کے "قانون" ہی کے ذریعہ واقع ہوتی ہے"

میں "ہمارے ملک کی تمام تجارت، مال کے ذریعہ چل رہی ہے لیکن ظاہر ہے خود مال اپنے ارادہ سے تجارت نہیں چلا رہا ہے۔ مال، قادر یا جاندار قوت نہیں ہے۔ تمام سلطنت قانون سے چل رہی ہے۔ مگر خود قانون حکمران نہیں ہے بلکہ جج اور مجسٹریٹ قانون کے بموجب عمل کرتے ہیں، کہا جاتا ہے نیچر میں کچھ قدیم موروثی قوی ہیں اور ڈارون کے بقول وہی فعال و مؤثر قانونی قوت ہے جو نظام عالم میں جاری و ساری ہے۔ بہت بہتر۔ مگر آپ کچھ بہت دُور کی کوڑی نہیں لائے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کر سکے کہ "خدا" کے لفظ کی جگہ دو لفظ: نیچر اور قانون رکھ دیے۔ یعنی دو اندھے، بہرے، گونگے وجود۔ تم تو ان یونانیوں سے بھی بدتر ہو جو ایک نامعلوم دیوتا کی پرستش کرتے تھے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ وجود میں کوئی ایک قوت یا فعال ہستی موجود ہے۔ یا یہ کہ ہیڈروجینی انڈے میں حیات پائی گئی۔ لیکن اس بارے میں کچھ نہیں جانتے کہ آخر یہ انڈا بنا کیسے؟ کیونکر محفوظ رہا؟ کس طرح ایسے عجیب بار دیب بھر سکا جو انتہائی عقل و ذہانت پر دال ہیں؟ سچ یہ ہے تم واجب الوجود خدا کی جگہ ایک غیر موجود کو بٹھاتے ہو حالانکہ ساتھ ہی ایک فعال قوت کے وجود کو بھی مانتے ہو اور یہ کہ ذرات، ازلی ابدی قوی سے رونما ہوئے ہیں۔ اب براہ عنایت مجھے بتا دو کہ اس ہیڈروجینی انڈے کا جوڑا کس سے لگا؟ کیونکر لگا؟ کب لگا؟ کون اس کے بچے اپنے پیٹ کے نیچے رکھ کر سینے بیٹھا؟ کس نے بچہ پیدا کرایا؟ تمھیں "خدا" پسند نہیں "قانون" اور "نیچر" کے لفظوں پر فریفتہ ہوگئے ہو بہت بہتر۔ یہ رشتہ مبارک ہو اور پھل پھول لائے، لیکن تم یہ بتانے پر راضی نہیں کہ آخر "میاں قانون" نے "بی نیچر" سے کیونکر شادی کی اور بچے کیسے جنے؟ انسانی قلب میں کوئی حکمران قوت ضرور موجود ہے لیکن ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے "ہم اس قوت کو ہرگز نہیں جان سکتے" میں تم سے اس معاملہ میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ عقل حق کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے، مسٹر اسپنسر یہ بھی کہتا ہے کہ "نیچر ایک نامعلوم قوت کا مظہر ہے اور یہ کہ انسان اس قوت کے بھید سے قطعاً جاہل ہے" لیکن اسپنسر کیونکر سمجھ سکے کہ قانون قدرت کے پیچھے ایک قوت موجود ہے؟ نیز مسٹر ڈیلس نے اس خیال کی کس بنیاد پر تائید کی اور کیونکر یقین قائم کیا کہ "ہم سبب اول کا علم کسی طرح بھی حاصل نہیں کر سکتے" ان اقوال کی روشنی میں تم دیکھ سکتے ہو لا مذہبوں اور اہل مذاہب میں فقط لفظی جھگڑا ہے۔ اہل مذاہب جس چیز کو "خدا" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں بعینہ اسی چیز کو لا مذہب، نیچر کے مافوق قوت بتاتے ہیں۔ دونوں گروہ اس قوت کو فعال اور ازلی ابدی قرار دیتے ہیں۔ سارا جھگڑا صرف لفظ "خدا" میں ہے"

وہ "لیکن فلاسفہ تھا رے خدا کا مذاق اڑاتے ہیں کیونکہ تم نے اسے ایک خاص شخصیت، اخلاق، اور عقلی و ذہنی اوصاف کا مالک بنا رکھا ہے"

میں "لیکن تم بھی تو تسلیم کرتے ہو کہ اگر وہ مافوق فطرت قوت معدوم ہو جائے تو کائنات میں کوئی چیز بھی رونما نہیں ہو سکتی۔ یہ تسلیم کر کے تم بھی میرے اس ایمان میں شریک ہو جاتے ہو کہ ایک فعال قوت موجود ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ کیا یہ قوت کوئی ایسا اثر ظاہر کر سکتی ہے جو خود اس کے اندر ذاتی طور پر موجود نہیں؟ زیادہ صاف لفظوں میں یوں سمجھو کہ اگر وہ قوت خود عاقل و مدرک نہیں تھی تو اس نے تمھیں کیونکر عاقل و مدرک بنا دیا؟ تمھارے اندر یہ ذہانت و عقل کس سرچشمہ سے آئی؟"

وہ "مجھے اپنے آباء و اجداد سے ورثہ میں ملی ہے"

میں "درست! اور یہ بھی مسلّم ہے کہ تمھارے ایک جدامجد حضرت

اس جملہ پر وہ خفا ہوگیا۔ میں معذرت کر کے آگے بڑھا:

"اسپنسر وغیرہ فلاسفہ تسلیم کرتے ہیں کہ نیچر کے پرے ایک مجہول قوت موجود ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی بکواس کرتے ہیں۔ ذرات وجزیات کا ذکر کرتے ہیں، ان کا حجم و وزن بتاتے ہیں اور انھیں جمع کرنے والی قوت کا بیان کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ کرتے ہیں مگر جب میں پوچھتا ہوں یہ ذرات وجزیات کیا چیز ہیں؟ تو کوئی جواب نہیں دیتے۔ مثلاً کہتے ہیں "۶۴ عنصر موجود ہیں اور یہ سب ہیڈروجینی کی مختلف شکلیں ہیں" بہتر۔ لیکن خود ہیڈروجینی کیا ہے؟ کہاں سے آئی؟ کیونکر آئی؟ جواب ندارد۔ اصل یہ ہے فلاسفہ کا گروہ علم اور دین دونوں سے بے بہرہ ہے۔ قانون کشش کو بڑے شدّ و مدّ سے بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں اسی قانون کے بموجب سیب زمین پر گرتا ہے۔ سورج، زمین کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور زمین، سورج کو۔ مانتا ہوں، مگر خود کشش، جذب، جاذبیت کیا چیز ہے؟ کوئی جواب نہیں ملتا۔ "ایتھر" کا ذکر کرتے ہیں جو ہوا سے کہیں زیادہ لطیف ہے۔ اور کہتے ہیں "روشنی اسی ایتھر کے اہتزاز و ارتعاش کا نتیجہ ہے" بہت خوب۔ مگر خود "ایتھر" کیا ہے؟ خاموشی! آخر مجبور ہو کر لاگیٹ تک کو اعتراف کر لینا پڑا کہ "ہمیں یقین ہے ہم اشیاء کی ماہیت و حقیقت نہیں جانتے۔ لیکن بایں ہمہ یہ بھی یقین ہے کہ اشیاء کا سلسلہ معقول ہے"

اس پر گفتگو ختم ہوگئی۔

پانچویں مجلس

دوسرے دن پھر میں نے کہا:

"کیا تمھیں یقین ہے کہ ذرّہ سے لیکر سب سے زیادہ ترقی یافتہ حیوان حتیٰ کہ انسان تک کی پوری زنجیر میں کوئی کڑی الگ نہیں ہے؟"

وہ "ہرگز نہیں۔ اگرچہ پروفیسر ڈیلس کہتا ہے کہ نیچر میں متعدد ایسے دور اور بکثرت ایسے حالات پائے گئے ہیں جن میں خارجی مؤثرات نے مداخلت کی ہے لیکن ڈارون نے اس قول سے اختلاف کیا ہے۔ اول الذکر کی رائے اگرچہ قابل احترام ہے لیکن محض ایک بے دلیل دعویٰ ہے"

میں "ڈیلس یہ بھی تو کہتا ہے کہ "انسان میں موسیقی، ریاضی، ذہانت اور رقت کے اوصاف اسے ہرگز اپنے اسلاف حیوانات سے ورثہ میں نہیں ملے ہیں"

وہ "یہ دعویٰ ہے مگر دلیل؟"

میں "نیز وہ کہتا ہے: انسان میں جو ایک خاص قابلیت ہے وہ اُس کے اندر ایک خاص روح یا طبیعت کا پتہ دیتی ہے"

وہ "لیکن یہ بھی کوئی دلیل نہیں"

میں "اگر ہم اس علامہ کے قول سے متفق نہیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ نیچر ایک اندھی بڑھیا تھی، اُس کے پیٹ میں مُردہ اندھی قوتوں کے ذرات بھرے پڑے تھے جو تاریکی میں محض اتفاقات سے بڑھے اور پلے حالانکہ اس فیلسوف کا نظریہ یہ ہے کہ "عالم مادہ میں ایک دوسرا عالم روح بھی ہے جو ذرات کی امداد کرتا اور اُن میں قوت و حرکت پیدا کرتا ہے"

وہ "لیکن یہ بھی دلیل نہیں"

میں "تم قائل ہو کہ بسائط (غیر مرکب) یا جزیات یا ذرات اولین مادہ ہیں۔ یہی سب سے پہلے ہوئے اور تمام کائنات انھی سے بنی نیز تم یہ بھی مانتے ہو کہ یہ بسائط یا ذرات اپنی حرکت اور نشو و نما کے لئے ایک اور قوت کے محتاج تھے۔ لیکن جب میں تم سے اُس قوت کی حقیقت دریافت کرتا ہوں تو تم سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ اس بارے میں زیادہ سے زیادہ تمھاری پرواز یہ ہو سکتی ہے کہ نتائج و ظواہر دیکھ کر اُس قوت کے متعلق کچھ سرسری رائے قائم کر دو۔ لیکن مسٹر ڈیلس کا نظریہ یہ ہے کہ غیر عضوی مواد نے اولین [illegible]

حساس حیوان پیدا ہوا اور حساس حیوان سے عاقل و ذہین حیوان یا انسان ظاہر ہوا۔ یہ علامہ کہتا ہے "یہ تمام ادوار ایک عجیب دانائی اور مکمل نظام پر دلالت کرتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ ایک عالم روحانی ضرور موجود ہے جس کی ہمہ گیری کے سامنے عالم مادی محض دوسرے درجہ کی چیز ہے"

وہ "یہ تو اس علامہ کا قول ہے مگر عالم روح کے وجود کا ثبوت؟"

میں "قطعی ثبوت پیش کرنا تو بہت مشکل ہے۔ لیکن ہمیں تمام نظریوں کو سامنے رکھ کر اُس نظریہ کو بہر حال قبول کرنا پڑتا ہے جو عقل سے زیادہ قریب ہو۔ جذب، اتصال، کشش یعنی یہ مقناطیسی قوت کہاں سے آئی؟ نظریۂ ارتقاء ہمیں کوئی جواب نہیں دیتا۔ نیچر کا قانون ہے کہ سیب آسمان پر اُڑ کر نہیں چلا جاتا بلکہ ہمیشہ ٹوٹ کر زمین ہی پر گرتا ہے۔ لیکن کل میری بیوی اس قانون کی راہ میں سدّ راہ ہوگئی۔ اُس نے سیب ہاتھ سے روک لیا اور زمین پر گرنے نہیں دیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور مخفی قوت بھی ضرور موجود ہے"

وہ "اگر تم اُس عالم روح کا مجھے یقین دلا دو تو از حد ممنون ہوں گا"

صحبت کل کے لئے ملتوی ہوگئی۔

چھٹی مجلس

میں: "مانتے ہو کہ ابتدائے آفرینش سے پست ترین اقوام تک میں بھی مذہب موجود تھا؟"

وہ "ہاں"

میں "تو انسان میں مذہب کا خیال اُسی طرح جبلّی ہے جس طرح چڑیوں میں اپنا گھونسلہ بنانے کا اور شہد کی مکھی میں چھتا طیار کرنے کا؟"

وہ "ہاں"

میں "مذہب کا یہ خیال انسان کی فطرت میں کیسے پیدا ہوا؟"

وہ "ترقی و ارتقاء کے ذریعہ"

میں "یعنی جس طرح سیب جنگلی سیب نے، بادام [illegible] بادام سے ترقی کر کے ظاہر ہوا ہے اُسی طرح انسان نے بندر کے درجہ سے ترقی کی ہے؟"

وہ "ہاں، علماء و فلاسفہ کا یہی خیال ہے"

میں "تو بندر میں بھی، کہ جس سے انسان نے ترقی کی ہے، ضرور ناقص اخلاقی شعور یعنی ضمیر موجود ہوگا؟ ضرور ہے حیوانات میں اس قسم کا کچھ نہ کچھ شعور موجود ہو، ورنہ اُن کی ترقی یافتہ صورت انسان میں ہرگز نہ پایا جاتا... اگر یہ صحیح ہے تو انسان کی اخلاقی ذہنیت نے اسی بندر سے بتدریج ترقی کی ہوگی اور وہ آہستہ آہستہ مذہب، عقائد وغیرہ پر غور کرنے لگا ہوگا پھر مثلاً اُسنے تورات بنائی، اُسنے انجیل لکھی، قرآن مرتب کیا، اور دنیا میں مذہب پھیل گیا؟"

وہ "بیشک"

میں "تو اب ہمیں بندر سے اُتر کر سانپ، بچھو، مچھلی اور چڑیوں کی بابت بھی یہی کہنا چاہئے کہ ان میں بھی یہ دینی شعور موجود تھا، پھر اور نیچے اُتر کر کیچڑ کو دیکھنا چاہئے جو مادۂ حیات کا ابتدائی سرچشمہ ہے۔ پھر چونکہ کیچڑ ننھے ننھے ذرات وجزیات سے مرکب ہے اس لئے ان ذرات میں بھی اس شعور کو تسلیم کرنا چاہئے۔ پھر اور چند سیڑھیاں نیچے اُتر کر ہیڈروجین یعنی اُسی انڈے کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا چاہئے جو تمام کائنات کی اصل الاصول ہے اور بصد ادب مان لینا چاہئے کہ اس انڈے میں بھی یہ شعور موجود تھا۔ واقعی یہ عجیب انڈا تمام معجزوں کا باپ ہے!"

وہ خفا ہوگیا کیونکہ میں نے معجزہ کا لفظ استعمال کیا تھا۔ کہنے لگا:

"عجب کہئے مگر براہ عنایت معجزہ نہ کہئے"

کے ختم ہونے سے پہلے اُن کی تعداد ۹۰۰ تک پہنچ جائے گی، وزارت کا ایک بڑا کارنامہ، وہ قانون ہے جو حکام کے لئے بنایا گیا ہے: اِس قانون نے حکام کے فرائض و اختیارات صاف صاف واضح کر دئے ہیں اور اُنھیں بے سبب معزولی کے خطرہ سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے"

تعزیری قوانین کے متعلق وزیر نے بیان کیا:

"یہ ضابطۂ قوانین صرف دس مہینے سے جاری ہوا ہے پہلے ضابطہ میں صرف ۲۶۰ دفعات تھیں مگر اسمیں ۶۳۰ دفعات ہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ پہلے انصاف کی جو راہیں بند تھیں، اب کھل گئی ہیں۔ پہلے انصاف، سب کے لئے یکساں نہ تھا، امیروں اور طاقت وروں کے ساتھ رعایتیں کی جاتی تھیں اور غریبوں اور کمزوروں کا حق مارا جاتا تھا۔ مگر اب یہ ناممکن ہے۔ قانون کی نظر میں سب بالکل برابر ہو گئے ہیں"

وزیر کے بیان میں سب سے اہم حصہ وہ تھا جس میں اُنھوں نے موجودہ ترکی عدالتوں کی حیثیت کے متعلق یورپین مبصروں کی شہادتیں پیش کی تھیں، اُنھوں نے کہا۔

"معاہدۂ لوزآن کے بموجب ہمنے ۵ سال کے لئے چار یورپین قانونی مشیر ملازم رکھے تھے۔ ہم نے اُن سے اپنی عدالتوں کی موجودہ حیثیت کے متعلق رپورٹ طلب کی تھی۔ اُنھوں نے اب یہ رپورٹ پیش کر دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں" اِس تمام مدت میں ترکی عدالتوں کے خلاف ہمارے سامنے ۴ شکایتیں پیش ہوئیں۔ ہم نے جانچ کر کے معلوم کر لیا کہ وہ سب کی سب بالکل بہتان ہیں۔ ہماری ملازمت عنقریب ختم ہونے والی ہے۔ ہم اپنے ملکوں کو واپس جائیں گے اور ہر جگہ یہ اعلان کرینگے کہ موجودہ ترکی عدالتیں، اپنے افسروں کی دیانت، قابلیت، انصاف پسندی، اور مقدمات کے جلد سے جلد فیصلہ کر دینے کی وجہ سے دُنیا کی ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ عدالتوں سے کسی طرح بھی کم درجہ نہیں ہیں"

وزارت تعلیم

مصطفےٰ نجاتی بک وزیر تعلیم نے اپنے محکمہ کے متعلق بیان کیا:

"۱۹۲۶ء میں ابتدائی مدارس کی تعداد ۵۶۵۵ تھی، مدرسوں کی تعداد ۱۰۱۵۳۹- اور طالب علموں کی ۴۵۹،۴۴۶،۳ تھی لیکن اب مدرسے ۵،۸۸۸ ہیں، مدرس ۱۲۷۶۶ ہیں اور طالب علم ۴۵۵،۸۵،۳ ہیں"

اِس کے بعد وزیر نے پُوری تفصیل سے اپنی وزارت کی کوششوں پر تبصرہ کیا اور بتایا ثانوی اور اعلیٰ تعلیم میں کیا کیا ترقیاں ہوئی ہیں۔ پھر تعلیم و تربیت کے اُس بورڈ کا ذکر کیا جو انگورہ میں قائم ہوا ہے۔ نیز تعلیمی انسپکٹروں کی کارگزاریاں سُنائیں جو تمام ملک میں دَورہ کرتے پھرتے ہیں، اُنھوں نے اپنی تقریر اِس تصریح پر ختم کی:

"اِس سے پہلے ہمارے ملک میں تعلیم نہ دنیا کے لئے مفید تھی نہ دین کے لئے، لیکن اب اُس کی حالت بالکل بدل گئی ہے۔ اب ہماری تعلیم ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہے، دل و دماغ کو آزاد کرتی ہے۔ جدید ترین علمی اصول پر جاری ہے۔ ترکی قومیت کا جذبہ جگاتی ہے، ترکی قوم کو صحیح معنوں میں زندہ قوم بنا رہی ہے۔ مختصر یہ کہ اب ہماری تعلیم کا مطمح نظر ترکی صدر جمہوریت کے لفظوں میں یہ ہے۔

"تعلیم کی غرض یہ نہیں ہونی چاہئے کہ اُس سے مستفید ہو کر لوگ باتونی اور مغرور بنیں۔ تعلیم کا اصلی مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اپنی مادی و معنوی زندگی میں کامیابی حاصل کی جائے"

بّری و بحری فوج

رجب بک وزیر جنگ نے بّری فوج کے متعلق یہ نہایت مختصر مگر اہم تصریح کی:

"جمہوری فوج، اپنے جملہ انتظامات و ترتیبات کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنے کے لئے طیار ہے۔ فوج کی صحیح حالت بیان کرنے کے لئے میں صرف اسی قدر کہوں گا کہ وہ مستقبل قریب میں وطن مقدس کی کامیاب حفاظت کے لئے پُوری طرح آراستہ ہے مستقبل قریب سے میری مُراد یہ ہے کہ "کل"!

وزیر بحر احسان بک نے کہا:

"بحری وزارت جمہوری بیڑے کی تقویت کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے"

ہیٹ کا قضیہ

جزیرۂ قبرص کے شرعی محکمہ نے ایک مسلمان کو اِس جرم پر میراث پانے سے محروم کر دیا ہے کہ اُسنے ہیٹ پہننا شروع کر دیا ہے۔ ٹرکی میں یہ خبر پہنچی تو اخبارات کے نامہ نگار یہاں کے مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے سوال کیا۔ مفتی کا جواب حسب ذیل تھا:

"ٹرکی میں لاکھوں مؤمن، ہیٹ پہنتے ہیں۔ مگر اِس سے اُن کے دینی عقائد میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ قبرص کے شرعی محکمہ کا یہ حکم، جہالت، تعصب اور ریاکاری پر مبنی ہے۔ شریعت کی نظر میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں"

مزدوروں کا قانون

عنقریب انگورہ کی قومی پارلیمنٹ اُس مسودۂ قانون پر غور کرنے والی ہے جو مزدوروں اور کارخانہ داروں کے متعلق طیار کیا گیا ہے۔

اِس قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ دس سال سے کم عمر بچوں کو مزدور نہیں بنایا جائے گا۔ مزدوری کا وقت روزانہ دس گھنٹے ہوگا درمیان میں ایک گھنٹہ آرام کے لئے مخصوص ہوگا لیکن اگر کوئی ناگزیر ضرورت پیش آ جائے تو حکومت کی اجازت سے بارہ گھنٹے بھی مزدوروں سے کام لیا جا سکتا ہے۔ مگر اِس صورت میں زیادہ گھنٹوں کی مزدوری دونی دی جائے گی اور اِس کے بعد مزدور کو بارہ گھنٹے آرام کے لئے دئیے جائیں گے۔ کوئی مزدور اچانک کام سے علحدہ نہیں کیا جا سکے گا۔ طرفین کو پندرہ دن پہلے نوٹس دینا ضروری ہے۔ علحدگی کے وقت مزدور کو اُس کی پُوری اُجرت دی جائے گی۔ کارخانہ داروں کے لئے ضروری ہے کہ مزدوروں کی تندرستی کی حفاظت کریں۔ اُنکے لئے مفت دواخانے اور ڈاکٹر مہیا کریں اور اُنھیں زیادہ سے زیادہ آرام دینے کی کوشش کریں۔ جو مزدور کام کے دَوران میں مر جائیں، اُن کی تجہیز و تکفین کارخانہ داروں کے ذمہ ہوگی نیز اُنکے خاندان کو اُن کی روزانہ مزدوری کا چھ سو گنا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

پٹرول کے چشمے

عباس حلمی پاشا سابق خدیو مصر کا قائم کردہ صنعتی و تجارتی بینک "موقتہ" اور "شارکوئی" کے علاقہ میں پٹرول کے چشمے تلاش کر رہا ہے۔ حکومت نے اُسے زمین کھودنے کی اجازت دے دی ہے اگر یہ چشمے مل گئے تو اُن سے کام لینے کے لئے بینک سرمایہ داروں سے معاملہ طے کرے گا۔

ترکی کلب

جدید قومی حرکت کے ساتھ اناطولیہ کے طول و عرض میں بکثرت کلب قائم ہو گئے تھے، یہ کلب پچھلے نازک زمانہ میں وطنی جہاد کے مرکز تھے، اور اب امن کے زمانہ میں قومیت کے مدرسے بن گئے ہیں۔ حال میں تمام کلب گھروں کی ایک بڑی کانفرنس انگورہ میں منعقد ہوئی، دوسو سے زیادہ نمائندے مختلف علاقوں سے منتخب ہو کر شریک ہوئے۔ محمود اسعد بک وزیر محاکم عدالت نے صدارت کی۔ اُن کا خطبہ اِس جملہ سے شروع ہوا "جمہوریت ہی وہ بنیادی پتھر ہے جس پر ترکی کلب قائم ہیں" اور اس عبارت پر ختم ہوا "قومی جذبہ جیسا کہ ہمارا وطنی شاعر کہتا ہے: ایک بے روک سیلاب ہے جو زمانہ کا تسلسل توڑ کر بہتا اور راہ کی تمام رکاوٹیں اپنی قوت قاہرہ سے دُور پھینک دیتا ہے" میں اِس پر یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ قومی جذبہ، روشن حقیقت کا سیلاب ہے جو تمام تاریکیاں نابود کر دیتا ہے اور قوموں کو اُن کی قومی زندگی کی درخشاں صبح میں پہنچا دیتا ہے"

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

(اصل عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا)

جدید وزارت

عدلی پاشا یکن کی وزارت پچھلے دنوں مستعفی ہو گئی تھی۔ استعفا کا سبب بالکل معمولی تھا۔ پارلیمنٹ میں مصری بینک کی اعانت کے سلسلہ میں بعض ممبروں نے تجویز پیش کی تھی کہ اِس اعانت پر وزارت کا شکریہ ادا کیا جائے۔ مجلس نے اتنی ذرا سی بات پر شکریہ غیر ضروری سمجھا اور تجویز مسترد کر دی۔ وزارت نے پارلیمنٹ کے اِس فعل کو بے اعتمادی پر محمول کیا اور استعفا دیدیا۔ حالانکہ یہ محض غلط فہمی تھی جیسا کہ سرکاری طور پر اعلان ہو چکا ہے۔ لیکن چونکہ استعفا پیش کیا جا چکا تھا اِس لئے وزارت نے واپس لینے میں اپنی سُبکی دیکھی اور فیصلہ پر قائم رہی۔

مقام مسرت ہے کہ اِس واقعہ سے سیاسی پارٹیوں کے اتحاد میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ مصر کے برطانی "دوستوں" نے اِس کی بہت کوشش کی تھی۔ چنانچہ نئی وزارت میں پارٹیوں کا وہی تناسب ہے جو پُرانی وزارت میں تھا۔ بلکہ اُس کے تمام رُکن بھی وہی ہیں جو سابق وزارت میں تھے۔ صرف سابق وزیر اعظم عدلی پاشا نہیں ہیں لیکن اُنھی کی پارٹی کے ایک رُکن عبدالخالق ثروت پاشا وزیر اعظم ہیں۔

مصر ٹرکی کی روش اختیار کر رہا ہے

ٹرکی کے موجودہ انقلاب نے مصر کی اجتماعی و ذہنی حالت پر بہت اثر ڈالا ہے۔ مصر اگرچہ موجودہ تمدن سے مدت ہوئی متاثر ہو چکا تھا لیکن علماء ازہر کا رسمی اقتدار نئی اصلاحات کا مخالف تھا، اور نیا طبقہ ان کی مخالفت پر قادر نہ تھا۔ اب ترکی انقلاب نے ملک میں ایک نئی ذہنیت پیدا کر دی ہے۔ مواد پہلے سے پختہ ہو چکا تھا۔ ایک نئی جنبش کی ضرورت تھی اور وہ ٹرکی کے انقلاب سے پیدا ہو گئی۔ اب اچانک صورت حال اِسدرجہ منقلب ہو گئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے ازہر کا اقتدار بھی ختم ہو چکا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ اور موجودہ پارلیمنٹ، دونوں کی کوشش ہے کہ ٹرکی کی طرح مصر کی سیاسی زندگی پر سے بھی سرکاری علماء کا اقتدار اُٹھا دیں تاکہ سیاسی اصلاحات بے روک ٹوک نافذ کی جا سکیں لیکن جو لوگ قدیم و جدید کی نزاع میں معتدل روش رکھتے ہیں وہ بجا طور پر اندیشہ ظاہر کرتے ہیں کہ علماء قدیم کے جمود کا یہ رد عمل (ری ایکشن) افراط و تفریط تک پہنچ جائے گا۔

یہ جدوجہد اخبارات کے کالموں، کتابوں کے صفحوں، پارلیمنٹ کے جلسوں، مقرروں کی تقریروں، اسکولوں کے کمروں، حتیٰ کہ چائے خانوں تک میں نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ علماء پر بُری طرح لے دے ہو رہی ہے اور اُنھیں ترقی و اصلاح کا دشمن ثابت کیا جا رہا ہے۔ یہ جدوجہد اتنی وسیع اور قوی ہے کہ علماء اُس کے مقابلہ میں پیچھے ہٹتے چلے جا رہے ہیں اور شکستوں پر شکستیں اُٹھا رہے ہیں چنانچہ نکاح و طلاق اور تعدد ازدواج کے مسائل میں علماء ازہر کی رائے کے خلاف حکومت نے بے تأمل فیصلہ کر دیا۔ نئے اصلاحی قوانین معیشت کے سلسلے میں یہ مسائل زیر بحث تھے۔

علماء ازہر کی بے وقعتی کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ گزشتہ! پارلیمنٹ میں شیخ الازہر پر خیانت، غبن، اور فریب دہی کا علانیہ الزام لگایا گیا، اور سربر آوردہ ممبروں نے مطالبہ کیا کہ اُن پر مقدمہ چلایا جائے۔ اِس معاملہ کا تعلق اُس خلافت کانفرنس سے تھا جو دو برس پہلے علماء ازہر نے منعقد کی تھی۔ شیخ ازہر نے محکمۂ اوقاف سے تین ہزار پونڈ (۴۵ ہزار روپیہ) یہ کہکر وصول کئے تھے کہ دینی مدارس پر خرچ کئے جائیں گے، لیکن اب یہ راز طشت ازبام ہو گیا ہے کہ یہ تمام

برید شرق

مکتوب انگورہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم انگورہ کے قلم سے)

ٹرکی اور بلغاریہ

مشہور "معاہدۂ ٹیرانا" کے بعد بلقان میں ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ یہ معاہدہ اٹلی اور البانیا کے مابین اسی سال ہوا ہے اور اس کی رُو سے البانیا تقریباً اٹلی کی ماتحتی میں آگیا ہے اس معاہدہ نے یوگوسلاویا (سرویا) کو بہت ناراض کردیا ہے، اور اٹلی کے میدان میں آجانے کے بعد بلقان کا سیاسی توازن ٹوٹ گیا ہے۔ اس کے بعد ہی اٹلی نے ہنگری سے بھی ایک معاہدہ حال ہی میں سرانجام دیا ہے اسنے صورت حال میں اور بھی زیادہ پیچیدگی پیدا کردی ہے۔ یہی نہیں بلکہ عنقریب رومانیا بھی اٹلی کی گود میں جارہا ہے - اور کوشش کی جارہی ہے کہ بلغاریہ کو بھی بلالیا جائے، اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ بلقان میں ایک نئی سرگرمی رونما ہوگئی ہے اور اٹلی، ہنگری، رومانیہ، البانیہ اور بلغاریہ کا جتھا بن گیا ہے یا عنقریب بن جانے والا ہے۔ اس جتھے کی اصلی غرض کیا ہے؟ دو سمجھی جاتی ہیں:

(۱) البانیہ پر اٹلی کا قبضہ

(۲) بالشویک روس کے خلاف مشرقی یورپ کی سلطنتوں کا اتحاد۔

درحقیقت یہ صورت حال برطانیہ کی خارجہ پالیسی نے پیدا کی ہے اور روس کے خلاف عالمگیر جہاد شروع کرنے کی طرف یہ اس کا خطرناک عملی قدم ہے۔

اس بلقانی پیچیدگی نے یوگوسلاویا کی پوزیشن بہت خراب کردی ہے، وہ اس جتھے میں شریک نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ البانیہ پر اٹلی کا اقتدار اُسے کسی حال میں بھی گوارا نہیں ہوسکتا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل بے یار و مددگار رہ گیا ہے اور اُس کی سلامتی کو واقعی خطرہ درپیش ہے۔ یوگوسلاویا کے بعد اس صورت حال کا سب سے زیادہ اثر ٹرکی پر پڑتا ہے، کیونکہ بلقان کی ہر تبدیلی اُس کے حال و مستقبل پر گہرا اثر ڈال سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹرکی بھی پریشان ہے اور یوگوسلاویا کے ساتھ علانیہ ہمدردی ظاہر کررہا ہے۔

ٹرکی کی بظاہر یہ کوشش ہے کہ مذکورۂ بالا جتھے کے مقابلہ میں یوگوسلاویا، بلغاریہ، یونان اور ٹرکی مل کر ایک جتھا قائم کریں۔ مگر اس راہ میں سخت مشکلات ہیں۔ یوگوسلاویا، بلغاریہ کے بہت سے علاقے دبائے بیٹھا ہے اس لئے بلغاریہ اُس سے ملنے پر طیار نہیں۔ ادہر یونان اپنی ناقابل فراموش بربادیوں کی وجہ سے ٹرکی کا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں۔ تاہم کوشش ہورہی ہے۔ اس کوشش کی ایک تازہ مثال وہ اہم مضمون ہے جو محمود بک نے اپنے نیم سرکاری اخبار "حاکمیت ملت" میں بلغاریہ کے متعلق شائع کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ترکی جمہوریت نے بلغاریہ سے تعلقات بڑہانے میں ہر ممکن سعی کی اور پورے اخلاص سے کام لیا۔ چنانچہ ایک خاص سفیر صوفیا بھیجا اور تجارتی معاہدہ کے لئے گفت و شنید کی۔ بڑی جدّ و جہد کے بعد بالآخر معاہدہ پر دستخط ہوگئے۔ مگر بعض مخفی اسباب کی وجہ سے دوستانہ تعلقات پھر بھی قائم نہ ہوسکے۔ ہمیں تعجب ہے کہ بلغاریہ کا سرکاری اخبار "لا ابلگار" بلقانی اتحاد پر شرح و بسط سے گفتگو کرتا ہے مگر اس سلسلہ میں ٹرکی کا مطلق ذکر نہیں کرتا۔ بلغاریہ، بلقانی جتھے میں تنہا شامل ہوجانا چاہتا ہے مگر اپنے قریبی پڑوسی، ٹرکی، کا کوئی خیال نہیں کرتا"

اس کے جواب میں بلغاری اخبار کا یہ جملہ بہت معنی خیز ہے:

"محمود بک بلغاریہ کو الزام دیتے ہیں مگر یہ حقیقت بالکل بھول جاتے ہیں کہ بلغاریہ نے اب تک کوئی عملی کارروائی نہیں کی ہے۔ بلاشبہ بلقانی اتحاد کی بحث درپیش ہے، لیکن اسے بلغاریہ نے پیش نہیں کیا ہے، بلغاریہ اس وقت اپنی داخلی مشکلات میں اس درجہ منہمک ہے کہ ہرگز اس قسم کے کسی اتحاد کا خیال نہیں کرسکتا۔ اٹلی سے بلغاریہ کے تعلقات دوستانہ ہیں اور اُن کی بُنیاد بلقان کے امن و سلامتی پر ہے۔ پھر ترکی جمہوریت اور اُس کے محترم صدر سے بھی ہمارے اخلاص میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ ہم ٹرکی کے موجودہ انقلاب کی پوری عزت کرتے اور اُس کے حیرت انگیز نتائج سے ہرگز چشم پوشی نہیں کرسکتے"

بہرحال سنہ ۱۹۱۴ء کی طرح اسوقت بھی بلقان کی گتھی بہت زیادہ اُلجھی ہوئی ہے مستقبل کے متعلق سردست پیشین گوئی کرنا مشکل ہے۔

پورا ملک سپاہی بنجائے

قومی مدافعت کی کمیٹی کے اُس مسودۂ قانون کو تحقیقاتی کمیٹی نے پاس کرکے وزارت کے حوالہ کردیا ہے جو تمام ملک کو سپاہی بنا دینے کے متعلق ادہر ایک برس سے زیر غور تھا۔ وزارت نے بھی اسے منظور کرلیا ہے اور عنقریب پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنے والی ہے۔

اس مہتم بالشان قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ بیس سال کی عمر سے ۴۶ سال کی عمر تک ہر باشندہ فوجی خدمت کے لائق ہے۔ فوجی خدمت جبری ہوگی۔ پیدل فوج میں خدمت کی مدت ڈیڑھ سال ہے جنگی موسیقی میں دو سال۔ جندرمہ میں ڈھائی سال اور بحری فوج میں تین سال۔ بحری فوج، جندرمہ اور افسروں کے مدرسہ میں اٹھارہ سال سے کم عمر کا کوئی رضاکار منظور نہیں کیا جائے گا۔

اس قانون نے طالب علموں کے لئے بڑی سہولتیں پیدا کردی ہیں اعلیٰ تعلیم یا فنون کے لئے فوجی خدمت کی مدت صرف ۶ مہینے رکھی گئی ہے۔ ثانوی (سکنڈری) تعلیم پانے والوں کے لئے ۸ مہینے ابتدائی ڈگری حاصل کرنے والوں کے لئے دس مہینے۔ نیچے درجوں میں پڑہنے والے طالب علم اُسوقت تک معاف ہیں جب تک اپنی تعلیم ختم نہ کرلیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ زمانہ انتیس ۲۹ سال کی عمر سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔ جو طالب علم اس عمر میں بھی فارغ التحصیل نہیں ہوگا اُسے فوجی خدمت میں زبردستی داخل کردیا جائے گا، جو لوگ فوجی خدمت سے مستثنیٰ رہنا چاہتے ہیں اُنھیں چھ سو ترکی پونڈ ادا کرنا چاہئے۔ نیز کم ازکم ۶ مہینے کسی مقام پر جنگی قواعد سیکھنی چاہئے۔

اس قانون سے حکومت کا صاف مقصد یہ ہے کہ پوری ترکی قوم کو سپاہی بنادینا چاہتی ہے، یہ موجودہ حکومت کی بیدار مغزی اور دور بینی کی ایک بین دلیل ہے۔ اُمید ہے کہ اس کے نتائج مستقبل قریب میں نہایت شاندار ظاہر ہونگے۔

ٹرکی کا میزانیہ

سنہ ۱۹۲۷ء کے میزانیہ (بجٹ) کی تحقیقات ختم ہوگئی۔ اعداد شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کی آمدنی ۱۹،۴۵،۸۰،۵۵۴ ترکی پونڈ ہے اور خرچ ۱۹،۴۴،۰۷،۴۰۰ پونڈ ہے۔ یعنی آمدنی خرچ سے کسی قدر زیادہ ہی ہے۔

کمیٹی کی رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ بّری بحری فوج، جندرمہ (یعنی فوجی پولیس) اور چند دوسرے محکموں کے علاوہ حکومت کے پاس ۴۸،۷۲۰ چھوٹے بڑے عہدے دار اور ۹،۷۷۸۱ معمولی ملازم اور خدمت گار ہیں۔

ذیل کے نقشہ سے موجودہ سال کے مصارف کی اہم مدیں معلوم ہوں گی:

قومی پارلیمنٹ	۱۹،۹۶،۱۴۴	پونڈ ترکی
صدر جمہوریت کا عملہ	۳،۱۳،۰۳۴	〃
محکمۂ حسابات	۴،۴۴،۳۳۵	〃
محکمۂ مشورت	۲،۳۴،۴۲۴	〃
صدر معاملات مذہبی کا عملہ	۱۷،۹۶،۲۴۰	〃
وزارت مال	۲،۹۳،۸۱،۸۱۱	〃
نام قرضے	۹۸،۷۴،۷۰۹	〃
وزارت داخلیہ	۵۸،۷۲،۷۷۴	〃
ڈاک اور تار	۵۴،۷۱،۵۶۸	〃
امن عام	۵۹،۵۵،۶۳۳	〃
جندرمہ	۵۱،۹۵،۲۹۲	〃
مہاجرین کی آبادی	۲۵،۷۵،۸۵۹	〃
وزارت خارجیہ	۳۲،۱۴،۰۹۶	〃
مطبوعات	۳،۹۴،۰۶۸	〃
محکمۂ حفظان صحت	۳۲،۰۲،۸۸۰	〃
محکمۂ عدالت	۵۱،۹۵،۷۵۶	〃
وزارت تعلیم	۶۱،۵۸،۹۳۰	〃
پبلک ورکس	۲،۵۷،۲۳،۰۴۳	〃
وزارت تجارت	۱۰،۰۵،۶۱۱	〃
بندرگاہوں کا محکمہ	۴،۲۴،۱۲۳	〃
وزارت زراعت	۳۷،۲۷،۲۹۸	〃
وزارت جنگ	۵،۸۰،۹۶،۱۳۴	〃
جنگی ضروریات	۵۱،۹۰،۴۵۷	〃
محکمۂ نقشہ کشی	۷،۴۵،۰۶۷	〃
وزارت بحر	۵۶،۲۷،۱۸۰	〃

محکمۂ قانون و عدالت

بجٹ پر بحث کے سلسلہ میں حکومت کے مختلف شعبوں کی کارگزاری پر بھی پارلیمنٹ میں دلچسپ تبصرے ہورہے ہیں۔ چنانچہ محمود اسعد بک نے محکمۂ عدالت کے متعلق حسب ذیل تصریحات کیں۔

"عدالتوں کی وزارت پوری کوشش کررہی ہے کہ اپنے عہدے داروں کو خوش حال بنادے تاکہ وہ دیانت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ چنانچہ عدالت عالیہ کے ججوں کی تنخواہ پہلے ۱۹۰ پونڈ تھی اب ۴۰۰ پونڈ (ترکی) ماہوار کردی گئی ہے۔ اسی طرح تمام عہدہ داروں کی تنخواہ میں ۹۵ فی صدی کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ اس وقت پورے ملک میں سات سو سے زیادہ چھوٹی بڑی عدالتیں موجود ہیں، وزارت نے پوری کوشش کی ہے کہ اُس کے تمام ملازم، مدارس کے باقاعدہ تعلیم یافتہ ہوں۔ چنانچہ خاص اس مقصد سے اُسنے بکثرت تعلیم گاہیں جاری کی ہیں، وزارت کی مستعدی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس قلیل مدت میں اُس کے ۸۰ فیصدی ملازم باضابطہ تعلیم یافتہ ہوگئے ہیں، انگورہ کے مدرسۂ قانون (لا کالج) میں جو صرف ۲ سال پہلے جاری ہوا ہے، اسوقت ۶۰۰ طالب علم موجود ہیں۔ سال رواں

"مسجد کا انتظام شمالی افریقہ کے محکمۂ اوقات کے ہاتھ میں ہے۔ مسجد کے لئے تین امام اور ایک مفتی مقرر کیا گیا ہے۔ ان چاروں کا فرض یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی مختلف ضرورتیں پوری کرنے کی کوشش کریں"

مراکشی حاجیوں کے متعلق سوال کیا گیا تو موصوف نے کہا:

"گزشتہ برسوں میں مراکش اور شمالی افریقہ کے حاجیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ کیونکہ حجاز کی حالت ابتر اور بدامنی عام تھی۔ مگر اب جبکہ سلطان ابن سعود نے حجاز میں امن امان قائم کر دیا ہے تو شمالی افریقہ کے مسلمانوں میں حج کا شوق بھی عام ہو گیا ہے۔ اس سال بکثرت حاجی جا رہے ہیں"

جزیرۃ العرب اور مسیحی تبلیغ کا مجنونانہ عزم

مسیحی یورپ، جزیرۃ العرب کی آزادی سلب کرنے پر ہی قانع نہیں ہے بلکہ اب اس کے تبلیغی حلقے کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام کے اس گہوارے کو مسیحیت کا حلقہ بگوش بنا لیا جائے۔ یہ کوشش زیادہ تر برطانیہ کی تبلیغی جماعتوں کی طرف سے ہوتی رہتی ہے۔ اس کی تازہ مثال وہ اعلان ہے جو حجازی حکام کے ہاتھ فلسطین میں لگا ہے۔ یہ اعلان "انجمن تبلیغ مسیحیت در عالم و جزیرۃ العرب واقع نمبر ۱۹ ہیلینڈ روڈ اپر نوروڈ۔ لندن" کی طرف سے خفیہ عیسائیوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اس پر مسٹر آشٹر صدر انجمن اور پادری پارکن کے دستخط ثبت ہیں۔

مصری اخبارات نے یہ اعلان شائع کر دیا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:

یسوع مسیح جزیرۃ العرب کے لئے

"دیکھ میں ایک نئی چیز کروں گا۔ اب وہ نمود ہو گی۔ کیا تم اس کا ملاحظہ نہ کرو گے؟ ہاں میں بیابان میں ایک راہ اور صحرا میں ندیاں بناؤں گا"

(یسعیاہ باب ۴۳ آیت ۱۹)

"عرب کے لئے نماز پڑھو"

"عرب کا رقبہ ۱۰ لاکھ مربع میل ہے۔ آبادی ۵۰ لاکھ سے ایک کروڑ ۲۰ لاکھ تک ہے۔ لیکن اب تک وہاں انجیل نہیں پہنچی ہے۔ باشندے بت پرستی کی موت مر رہے ہیں۔ جزیرۃ العرب اسلام کا گہوارہ ہے، اسی میں کعبہ ہے جس کی طرف ۲۲ کروڑ مسلمان شیطان کی ترغیب سے منہ کرتے ہیں تاکہ روز جھوٹی اور ریاکارانہ نماز پڑھیں۔ اے مسیحیو! عرب کے لئے نماز پڑھو اور دعائیں کرو تاکہ خدا انھیں نجات دے۔ انھیں شیطان نے دھوکہ دیا ہے اور ان کے لئے ایک جھوٹی کتاب بنائی ہے۔ یہ کتاب "قرآن" ہے۔ یہ قرآن، خدا کے زندہ اور نجات دینے والے کلمہ کی جگہ قائم ہو گیا ہے۔ عرب تک انجیل کون پہنچائے گا؟ وہ کون مرد خدا ہے جو اپنے گھر سے نکلے گنہگاروں پر روئے، اچھی کھیتی کرے، اور خوش و خرم اپنی لگائی ہوئی کھیتی کاٹے؟

یسوع مسیح نے یہ حکم دئیے ہیں:

(۱) "اور دیکھو جس کا میرے باپ نے وعدہ کیا ہے میں اس کو تم پر نازل کروں گا لیکن جب تک عالم بالا پر سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھہرے رہو"

(لوقا باب ۲۴ آیت ۴۹)

(۲) اور اس نے ان سے کہا کہ تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو" (مرقس باب ۱۶۔ آیت ۱۵)

(۳) "پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور انھیں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دو اور انھیں یہ تعلیم دو کہ ان سب باتوں کو مانیں جن کا میں نے تم کو حکم دیا ہے اور دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہر روز تمھارے ساتھ رہوں گا"

(متی باب ۲۸۔ آیت ۱۹ و ۲۰)

"مسیح کے حکم پر عمل ہماری قدرت سے باہر نہیں ہے"

"یسوع نے پاس آ کر ان سے باتیں کیں اور کہا کہ آسمان اور زمین کا کُل اختیار مجھے دیا گیا" (متی باب ۲۸، آیت ۱۸)

"لفظ ابد اور دنیا کے آخر تک کے صاف معنی یہ ہیں کہ مسیح کا حکم ہر زمانہ میں اس کے شاگردوں کے لئے عام ہے۔ اور ہم بھی اسکے مخاطب ہیں۔ مسیح سب کی طرف سے فدیہ ہو کر مرا اور مر کر زندہ ہو گیا۔ وہ تمھاری طرف سے فدیہ ہوا، میری طرف سے فدیہ ہوا اور عرب کی طرف سے فدیہ ہوا۔ پس جو مسیح کے حکم کا مطیع ہے وہ یہ دعوت لیکر عرب میں جائے۔

"بے شمار حاجی سالانہ عرب کا ریگستان طے کر کے مکہ حج کو جاتے ہیں اسی شہر میں ..... نبی پیدا ہوا تھا (نبی کے ساتھ "کاذب" کا لفظ ہے) مدینہ میں اس کی زیارت کرتے ہیں، اسی میں اس کی قبر ہے۔ پس مسیح کے حاجیوں میں کون ہے جو ان بے شمار حاجیوں کی ہدایت کے لئے جائے تاکہ وہ ایک اکیلے مسیح کے حاجی بن جائیں؟ اگر ہم عذاب جھیلنے میں مسیح کے شریک ہوئے ہیں تو ہم ملکوت الٰہی میں بھی اس کے شریک بنیں گے۔ اللہ نے بیٹے سے کہا تیرا تخت ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ پس اے مسیح کے حاجیو! چلو۔ آؤ دوڑیں اور بادشاہت لے آئیں!

"وہ برّے سے لڑینگے، اور برّہ ان پر غالب آئے گا۔ کیونکہ وہ خداوندوں کا خداوند اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اور جو بلائے ہوئے اور برگزیدہ اور وفادار اس کے ساتھ ہیں وہ بھی غالب آئیں گے"

(مکاشفہ باب ۱۷۔ آیت ۱۴)

"اور خدا جو اطمینان کا چشمہ ہے، شیطان کو تمھارے پاؤں سے جلد کچلوا دے گا۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح کا فضل تمھارے شامل حال رہے"

(رومیوں باب ۱۶۔ آیت ۲۰)

"اسرائیل کے بیٹوں سے کہہ کہ آگے بڑھیں۔ ملک عرب کی طرف — تمام جہان کی طرف کیونکہ . . . کیونکہ بادشاہ کا حکم فوری تھا"

(سموئیل اول باب ۲۱، آیت ۸؟)

"مسیح کے ساتھ میں نے نماز پڑھی۔ میں زندہ نہیں ہوں بلکہ مسیح مجھ میں زندہ ہے جسم کے اندر میری زندگی در اصل ایمان کی زندگی ہے خدا کے بیٹے کی زندگی جس نے مجھ سے محبت کی اور میرے لئے اپنی جان دی اور انھوں نے شہر آگ سے جلا دیا"

(یشوع باب ۶ آیت ۲۴ (؟)

"سَو نئے کارکن مبلغوں کی شدید ضرورت ہے۔ وہ بے خوف و خطر قبائل عرب میں جائیں اور انھیں انجیل کی دعوت پہنچائیں۔ وہاں سَو قبیلے ایسے موجود ہیں جنھیں انجیل کی دعوت آسانی سے پہنچائی جا سکتی ہے۔ یہ قبیلے خیموں میں ویسی ہی زندگی بسر کرتے ہیں جیسی "ابراہیم" بسر کرتے تھے۔ ان میں ایک قبیلہ "صلیبی" کہلاتا ہے اور ان قدیم "صلیبی مجاہدوں" کی نسل سے ہے جنھیں عربوں نے قید کر لیا تھا۔ دو مرتبہ اسے زیارت میسر آ چکی ہے حالانکہ وہ اس سے زیادہ زیارت کا خواہشمند ہے۔ اس قبیلہ کے لوگ اب تک چند انگریزی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً "گو" (یعنی جاؤ) کام کرنے والے کم ہیں۔ کیا ان قبیلوں کو فنا ہو جانے کے لئے چھوڑ دینا روا ہے؟ کیا اللہ کے کنیسہ کو، جسے اس نے اپنے خون سے خریدا ہے، مناسب نہیں ہے کہ اللہ کی دعوت کو لبیک کہے؟ اے شخص! تیرا جواب کیا ہے؟ کیا تو ندامت میں گرنا اور ہمیشہ کے لئے حقارت کا مورد بننا چاہتا ہے؟ یا تو اس عمل کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتا ہے جو اس ذات کو پسند ہے جس نے ہم سے محبت کی، ہماری طرف سے فدیہ ہوئی، اور اپنے خون سے ہمارے گناہ دھو ڈالے؟

"کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تیری بابت اور دوسروں کی بابت ابد الآباد تک کہا جائے کہ تیرے اور تیرے بھائیوں کے گناہ مسیح کے سب سے زیادہ قیمتی خون سے دھوئے گئے؟ تم نے اس کے حکم جان لئے۔ ضرورت معلوم کی، خدا کی پکار سنی، مسیح سے قوت و حاجت حاصل کی، مگر اسکے بعد بھی تم نہیں گئے؟

"میری تجھ سے درخواست ہے کہ عرب کے لئے دعا کر۔ خود عرب میں جا۔ دوسروں کو عرب میں بھیج۔ کتاب مقدس عرب میں لیجا۔ کبھی اپنی نماز میں عرب اور عربوں کو نہ بھول۔ عرب اور عربوں کو مسیح کی طرف بلا۔ ۲۲۰ ملین مسلمانوں کو دین مسیح کی طرف دعوت دے۔ سَو مبلغوں کے لئے دعا کر کیونکہ عرب میں ان کی سخت ضرورت ہے۔ دعا کر کہ کتاب مقدس عرب میں پہنچ جائے۔ دعا کر کہ خدا سَو مبلغوں کو برکت دے۔ مسیح نے کہا ہے: "میں بہت جلد آؤں گا" آمین"

اس اعلان کی مجنونانہ و متعصبانہ اسپرٹ دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ بیسویں صدی کی ایک صدا و دعوت ہے جو جدید تمدن کے مرکز اعظم لندن کی ایک مشنری سوسائٹی سے بلند کی گئی ہے لیکن واقعہ یہی ہے، اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انگلستان کی مذہبی جماعتیں عرب کی طرف کس نظر سے دیکھ رہی ہیں۔ یقیناً تاریخ اسلام کے اوراق شریف حسین اور اس کے لڑکوں کو کبھی معاف نہ کریں گے جسنے عرب کا دروازہ یورپ کے داخلہ کے لئے کھول دیا۔

فلسطین کی چٹھی

بحر میت۔ شرق اردن۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیت المقدس کے قلم سے)

(عربی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا)

بحر میت سے نمک

کچھ مدت سے تجویز تھی کہ بحر میت (مردہ سمندر) کے پانی سے نمک تیار کیا جائے۔ اب مجھے معتبر ذریعوں سے معلوم ہوا ہے کہ یہ تجویز عنقریب عملی صورت اختیار کرنے والی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اہم کام یہ ہونے والا ہے کہ دو ریلوے لائن قائم کی جائیں گی۔ ایک شہر کرک سے شروع ہو کر عمان اور حیفا تک جائے گی۔ دوسری خود مرکز سے عقبہ کو متصل کر دے گی۔ ان دونوں لائنوں سے بیشمار فوائد حاصل ہونگے نہر سویز سے یہ علاقے بلکہ دور دور کے علاقے بھی بے نیاز ہو جائینگے یہی نہیں بلکہ پورے مشرق قریب میں بحر میت کا نمک جرمنی کے نمک کا مقابلہ کر سکے گا اور فلسطین میں ایک نیا تجارتی مرکز قائم ہو جائے گا۔ انہی اسباب سے یہودی سرمایہ دار ان علاقوں میں زمینیں بکثرت خریدنے لگے ہیں۔ عربوں کو ابھی صورت حال سے پوری واقفیت نہیں ہے اس لئے زیادہ قیمت کی لالچ میں آ کر اپنی زمینیں فروخت کر رہے ہیں۔

شرق اردن میں نئی بیداری

عربی قوم کے حالات سمجھنے والے اس صورت حال سے متعجب ہیں جو اچانک شرق یردن میں رونما ہو گئی ہے۔ اب سے پہلے اس علاقے میں کوئی سیاسی حرکت موجود نہ تھی۔ لیکن گزشتہ ہفتہ عرب باشندوں نے برطانوی وصایت اور شریف عبداللہ کی نام نہاد حکومت کے خلاف بہت موثر طریقہ پر آواز بلند کی ہے۔

دار الحکومت عمان میں پہلی مرتبہ سیاسی انجمن قائم ہوئی ہے جس میں تمام سربرآوردہ عرب مشائخ اور روشن خیال نوجوان شریک تھے، انھوں نے برطانیہ اور امیر عبداللہ سے اپنے وعدے پورے کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ انجمن کے نمائندوں نے امیر عبداللہ سے ملاقات بھی کی اور نمائندہ مجلس یا پارلیمنٹ کے قیام پر زور دیا۔ امیر عبداللہ نے دو مہینے کی مہلت طلب کی ہے اور وعدہ کیا کہ وہ انگریزی حکومت سے گفت و شنید کرینگے۔

انجمن نے اپنے عام جلسے میں اعلان کر دیا ہے کہ امیر عبداللہ کی حکومت کو برطانیہ سے براہ راست معاہدہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے، اور یہ کہ وہ تمام معاہدے کالعدم ہونگے جو ملک کی باضابطہ منظوری حاصل کئے بغیر کئے جائینگے۔ انجمن نے بلا تأمل یہ اعلان بھی کر دیا ہے "اگر شرق یردن میں ظلم و استبداد کا اسی طرح دور دورہ رہا تو باشندگان فلسطین خطرناک سے خطرناک راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے"

برطانی حلقوں کی پریشانی کا بڑا سبب یہ بھی ہے کہ عربی قبائل ہیں

رقم خلافت کانفرنس پر صرف کردی گئی۔ اخبارات نے اس معاملہ کو بہت اُبھارا اور علماء کے خلاف مظاہرہ شروع کردیا حتیٰ کہ بات پارلیمنٹ تک پہنچ گئی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ شیخ ازہر کی حیثیت محض ایک عالم اور پرنسپل ہی کی نہیں ہو اُن کا درجہ مصر میں وہی تھا جو ٹرکی میں "شیخ الاسلام" کا تھا، وہ ہمیشہ اس لقب سے مخاطب بھی کئے جاتے تھے۔ اس دوران بحث میں پارلیمنٹ کے ممبروں نے صاف اعلان کردیا کہ "مصر میں شیخ الاسلام کا کوئی عہدہ نہیں ہو" اس اہم اعلان پر نہ کسی ممبر نے اعتراض کیا نہ صدر نے ٹوکنے کی ضرورت محسوس کی۔ گویا عملاً مان لیا گیا کہ مصر کسی شیخ الاسلام کا وجود تسلیم نہیں کرتا!

یہ اور اسی قسم کے واقعات یقین دلاتے ہیں کہ مصر میں بھی ٹرکی جیسا ایک انقلاب انگیز ذہنی انقلاب جلد رونما ہونے والا ہو۔ در اصل بلاد اسلامیہ کے لئے اب اس انقلاب کی منزل سے گزرنا ناگزیر ہوگیا ہو۔ علماء قدیم اصلاح وتجدید کی جگہ اصلاح کی مخالفت اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ زمانہ کا مزاج اس سختی کا تحمل نہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہو کہ کسی معتدل اور صحیح امتزاجی حالت کی جگہ ردعمل شروع ہوجاتا ہو۔ پہلے افراط تھی، تو اب تفریط کا دور دورہ ہوجاتا ہو۔ ٹرکی میں یہی ہوا۔ مصر میں یہ ہو رہا ہے، اور دیگر اسلامی ممالک بھی جلد یا بدیر اسی حالت میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ شاید اس افراط وتفریط کے بعد اعتدال دقوام کا دور شروع ہو۔ بظاہر حال تو اصحاب اعتدال کے لئے کوئی قریبی اُمید نظر نہیں آتی۔

عربی انسائیکلوپیڈیا

مصر میں علمی بیداری غیر معمولی وسعت اختیار کررہی ہو۔ جنگ کے بعد سے رفتار ترقی بہت تیز ہوگئی ہو۔ اچھے اچھے اہل علم وقلم پیدا ہوگئے ہیں۔ بڑی سرگرمی سے کوشش ہورہی ہو کہ ملک جلد سے جلد متمدن ملکوں کے قریب پہنچ جائے۔ اسوقت تصنیف وترجمہ کی سطح بھی سابق سے بلند ہوگئی ہو۔ تدوین اخبارات نے بھی بہت زیادہ ترقی کی ہو اور قریب ہو کہ یوروپین اخبارات کے درجہ پر پہنچ جائیں۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم تجویز عربی انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف) کی تجویز ہو۔ یہ تجویز اگرچہ پرانی ہو اور گیارہ جلدوں کی ایک ابتدائی دائرۃ المعارف موجود بھی ہو لیکن اُس پر پہلے کبھی سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کیا گیا تھا اب خود حکومت نے اس کی طرف عملی قدم اُٹھایا ہو۔ وزیر اعظم اور وزیر تعلیم دونوں نے ملکر ایک کمیٹی مقرر کی ہو جس کا کام یہ ہوگا کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے طریقوں پر غور کرے۔ وزیر اعظم نے تصریح کی ہو کہ انگریزی، فرانسیسی اور دوسری زبانوں کی انسائیکلوپیڈیا کا عربی زبان میں حذف واضافہ کے ساتھ ترجمہ "عربی انسائیکلوپیڈیا" مرتب کرنے کی بہترین صورت ہو۔ ملک کے علمی حلقے اس رائے کی تائید کر رہے ہیں۔ بلکہ بعض اہل علم نے تو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقدمہ کا ترجمہ بھی شروع کردیا ہو۔ ایک موقر مصری اخبار نے یہ تجویز پیش کی ہو کہ اصل کتاب شروع کرنے سے پہلے اُس کی انڈکس (یعنی فہرست اسماء والفاظ) ترجمہ کرلی جائے تاکہ علمی اصطلاحات کے وضع وانتخاب کا مرحلہ طے ہوجائے۔ عربی انسائیکلوپیڈیا کی تجویز جس درجہ اہم ہو، حاجت بیان نہیں لیکن ہمیں اس رائے سے قطعاً اختلاف ہو کہ انگریزی اور فرنچ انسائیکلوپیڈیا کا ترجمہ حصول مقصد کے لئے کافی ہوگا۔ بغیر مستقل ادارۂ تصنیف وترتیب کے یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا اور جب خود حکومت کا محکمۂ تعلیم اس کے لئے آمادہ ہوگیا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس درجہ کا اہتمام ناقابل عمل ہو۔

عربی کا موجودہ ملک الشعراء

چند دن ہوئے مصر میں بڑی ادبی چہل پہل دیکھی گئی۔ اسمیں تقریباً تمام سربرآوردہ ادباء وشعراء نے حصہ لیا۔ صرف مصر ہی کے ادباء نے نہیں بلکہ فلسطین، شام، عراق، بحرین وغیرہ عربی ممالک نے بھی کافی دلچسپی ظاہر کی۔ بہت سے ادیب وشاعر بذات خود آکر شریک ہوئے، بہتوں نے اپنا کلام بھیجا۔ تقریب یہ تھی کہ مصر کے مشہور اور سابق درباری شاعر احمد شوقی بک کے کمال فن کے اعتراف میں قومی مظاہرہ کرتے ہوئے ایک مؤتمر عربی (عربی کانفرنس) منعقد کی جائے، سلطان مصر نے مؤتمر کی سرپرستی کی اور جملہ ارکان حکومت اور اسلامی سلطنتوں کے سفراء شریک ہوئے۔

مؤتمر کے جلسے کئی روز تک جاری رہے۔ عربی زبان اور اُسکی شاعری پر مبسوط مضامین پڑھے گئے۔ جنمیں تمغ قصیدے سنائے گئے۔ فلسطین کے مفتی اعظم سید امین حسینی اور یہودیوں کے "حاخام اکبر" بھی مؤتمر کی شرکت کی غرض سے مصر آئے تھے۔

در اصل مصریوں میں وطنیت کے جذبات بہت ترقی کرگئے ہیں وہ اپنے وطن کی عزت بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور اسمیں کبھی کبھی حد اعتدال سے بھی تجاوز کرجاتے ہیں۔ مثال میں خود یہی واقعہ پیش کیا جاسکتا ہو۔ بلا شبہ احمد شوقی موجودہ عصر کے کہنہ مشق شاعر ہیں۔ مگر اُس درجے کے نہیں جو مصریوں نے اپنی مبالغہ پسندی سے اُنھیں دے دیا ہو۔ اُنھیں "امیر الشعراء" اور "ملک الشعراء" کا خطاب دینا اصلیت سے زیادہ ہو۔ وقت کے عربی شعراء میں ان سے بلند پایہ رکھنے والے شعراء خود مصر میں موجود ہیں۔

ہمارے خیال میں عراق کے مشہور فلسفی شاعر جمیل صدقی زہاوی نے شوقی پر صحیح تنقید کی ہو۔ ہم اُسے یہاں نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ زہاوی لکھتے ہیں:

"شوقی بڑے شاعر ہیں مگر ملک الشعراء نہیں ہیں۔ شوقی حال کے نہیں ماضی کے شاعر ہیں۔ شوقی آگے کی طرف چل رہے ہیں مگر اُن کا چہرہ پیچھے کی طرف مڑا ہوا ہے۔ موجودہ عربی نسل اُنھیں اس لئے پسند کرتی ہو کہ اُن کا کلام اُس کی ذہنیت وذوق کے مطابق ہو۔ لیکن جب عربی عقل وذہنیت مستقبل قریب میں اپنی موجودہ سطح سے بلند ہوجائے گی تو شوقی کا شعر مرجائے گا"

بہرحال یہ مظاہرہ نہایت شاندار اور پُراثر تھا۔ کئی دن تک عظیم الشان اجتماع جاری رہا جسمیں تمام ادباء وشعراء عصر کے برقی اور بریدی پیام نظم ونثر سنائے گئے اور شرکاء نے تقریریں کیں۔ تیسرے دن رات کو ایک عالیشان ڈنر ہوا۔

مسٹر فلبی اور حجاز

مشہور انگریز مستشرق مسٹر فلبی جو کچھ عرصہ سے جدہ میں مقیم ہیں، پچھلے دنوں مصر آئے تھے۔ مصری اخبارات نے اُن کی حسب ذیل گفتگو شایع کی ہو:

"میں حجاز کی موجودہ تاریخ مرتب کررہا ہوں۔ اسمیں شریف حسین کی خود مختاری کے دن سے سلطان ابن سعود کے قبضہ تک تمام مستند حالات جمع کئے جائیں گے۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں جزیرہ نمائے عرب کی مفصل تاریخ لکھوں گا۔ کیونکہ ایک انگریزی کمپنی نے اس کی فرمائش کی ہو"

سلطان ابن سعود کی شخصیت کے بارے میں مسٹر فلبی نے کہا:

"مجھے پُورا یقین ہو کہ ابن سعود موجودہ زمانہ کے عظیم ترین آدمیوں میں سے ہے۔ وہ صرف سپہ سالار اور مدبر ہی نہیں ہو بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہو۔ بلا شبہ اب تک دُنیا نے اُنکی صرف جنگی قابلیت ہی دیکھی ہو، انتظامی قابلیت نہیں دیکھی ہو۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ انتظامی قابلیت میں کم درجہ ہیں۔ انتظامی قابلیت ملک کی تنظیم وترتیب اور سیاسی اصلاحات کا نام ہو۔ یہ چیز ہفتوں اور مہینوں میں ظاہر نہیں ہوسکتی۔ ابن سعود کی انتظامی قابلیت کا یہ کارنامہ ہی کیا کم ہے کہ اُنھوں نے نہایت قلیل مُدت کے اندر حجاز میں ایسا امن امان قائم کردیا جیسا اس ملک میں عرصہ سے نہیں دیکھا گیا ہو"

"مسئلہ خلافت" کے متعلق مسٹر فلبی نے کہا،

"مجھے نہیں معلوم ابن سعود منصب خلافت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں لیکن مجھے بہ تحقیق معلوم ہو کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی کوشش نہیں کررہے ہیں۔ مجھے جہاں تک اس شخص کی ذہنیت کا پتہ چلا ہو میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ خود کسی چیز کی طرف بڑھنا نہیں چاہتے الا یہ کہ وہ خود انکے سامنے آجائے۔ فتح حجاز کی بھی انھوں نے کوئی کوشش نہیں کی تھی لیکن وہ خود بخود حاصل ہوگئی"

یمن وتجد کی کشیدگی کے متعلق اُنھوں نے کہا:

"ابن سعود نے بار بار اعلان کردیا ہو کہ اُنھیں امام یحییٰ سے جنگ کرنے کا ہرگز شوق نہیں۔ وہ اس لڑائی کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور بغیر شدید مجبوری کے اس کی طرف کبھی قدم نہیں اُٹھائیں گے۔ شدید مجبوری کی خود اُنھوں نے یہ تفسیر کی ہو کہ امام یحییٰ اُن کی سرحدوں پر علانیہ حملہ کردیں۔ میرے خیال میں امام یحییٰ ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ یہ کہ اٹلی اُنھیں اسپر مجبور کردے"

مسٹر فلبی کے اس آخری جملہ کو مصری اخبارات نے بہت اہمیت دی ہو اور ثابت کیا ہو کہ اٹلی کا عرب کے دونوں بادشاہوں کی لڑائی میں بہت نفع ہو۔ اٹلی خوب جانتا ہو کہ امام یحییٰ ابن سعود کو کامل شکست دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اُنکے حملہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابن سعود بھی حملہ آور ہونگے۔ اُسوقت اٹلی سیاسی میدان میں آکودے گا اور سلطان نجد سے مطالبہ کرے گا کہ یمن میں پیش قدمی نہ کریں، کیونکہ یمن کے ساتھ اس کا معاہدۂ حمایت ہوچکا ہو اس طرح اسے عرب کے معاملات ومسائل میں مداخلت کا پُورا موقع مل جائے گا۔

جدید انگریزی نجدی معاہدہ کے متعلق مسٹر فلبی نے کہا

"ابھی تک معاہدہ طے نہیں پایا ہو۔ لیکن گفت وشنید جاری ہو۔ اُمید ہو طرفین جلد ایسی شرطوں پر پہنچ جائیں گے جو دونوں کے لئے باعزت اور مفید ہوں گی"

مسجد پیرس

سلطان مراکش کے وزیر تشریفات (چیمبرلین) قاہرہ آئے ہیں۔ ان کا نام سید قدور بن غبریط ہو۔ یہ مراکش کے سربرآوردہ شخص ہیں، جدید تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہیں۔ اپنے درباری عہدہ کے علاوہ شمالی افریقہ کے محکمۂ اوقاف کے صدر بھی ہیں۔ پیرس میں جو عظیم الشان مسجد تعمیر ہوئی ہو وہ زیادہ تر انہی کی مساعی کا نتیجہ ہو۔ آج کے مصری اخبارات میں ان کا حسب ذیل بیان شائع ہوا ہو:

"میں مصر اس لئے آیا ہوں کہ یہاں کے مخیر اور فیاض مسلمانوں سے مسجد پیرس کی بعض ملحقہ ناتکمل عمارتوں کی تکمیل کے لئے امداد حاصل کروں۔ یہاں سے میں فلسطین اور شام بھی جاؤں گا۔ شام میں میری ایک کوشش یہ بھی ہوگی کہ فرانسیسی حکام کو حجاز ریلوے کے دوبارہ اجراء پر آمادہ کروں تاکہ حاجیوں کو سفر میں آسانی ہو"

مسجد پیرس کی تاریخ تعمیر بیان کرتے ہوئے انھوں نے کہا،

"پیرس میں جامع مسجد تعمیر کرنے کا خیال ۵۰ برس سے موجود تھا مگر عمل میں نہ آسکا۔ پہلے فرانس میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی لیکن حالات میں جلد جلد تبدیلی ہوئی اور مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ ۵۰ ہزار سے بھی زیادہ ہوگئی۔ ظاہر ہے اب مسجد کا قیام ضروری تھا چنانچہ سلطان مغرب "بانی ٹیونس" اور امراء الجزائر کی فیاضیوں نے یہ عظیم الشان مسجد عروس البلاد پیرس میں تعمیر کردی۔

"مسجد ۸ ہزار مربع میٹر کے وسیع رقبہ میں بنائی گئی ہو۔ اُس کے ساتھ اُندلسی وضع کا نہایت دلفریب باغیچہ ہو۔ صحن میں پانی کا عظیم الشان فوارہ ہو اور اُس کے گرد عربی طرز کے خوبصورت ستون کھڑے کئے گئے ہیں۔ مسجد کے ساتھ شفاخانہ بھی ہو ہفتہ میں تین دن اُس کے دروازے کھلتے ہیں اور غریب مسلمانوں کا مفت علاج کیا جاتا ہو۔ ایک کتب خانہ بھی قائم کیا گیا ہو یہ اگرچہ ابتدائی حالت میں ہو، لیکن بتدریج ترقی کرجائے گا۔ اُس میں وہ تمام کتابیں جمع کی جائیں گی جو دُنیا کی مختلف زبانوں میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ ایک علمی ایوان بھی ہو جس میں مسلم اور غیر مسلم علماء وادباء جمع ہونگے اور مبادلۂ خیالات کریں گے۔ ساتھ ہی مشرقی طرز کا ایک حمام بھی بنایا گیا ہو جو تمام یورپ میں اپنی وضع کا تنہا حمام ہو۔ ایک مشرقی ہوٹل بھی کھولا گیا ہو۔ اس میں مشرقی عربی کھانے معتدل قیمت پر ملتے ہیں۔ چائے خانہ بھی ہو جسمیں جوق جوق فرانسیسی آتے ہیں اور عربی قہوہ پیتے ہیں۔

والے پُوری سنجیدگی صرف کرتے ہیں اور اُن کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اپنے فوٹو بھی ساتھ بھیجدیتے ہیں۔ صرف فوٹو ہی نہیں بلکہ اپنی آمدنی کا تخمینہ اور انکم ٹیکس کی رسیدیں بھی روانہ کردیتے ہیں تاکہ اخبار نویس اُنھیں معمولی آدمی خیال نہ کرے۔

اخبارات کے بعض مباحث خاص طور پر ان مجنونوں کا جنون خط نویسی اُبھار دیتے ہیں۔ مثلاً روحانیات، نباتیات، نسائیات وغیرہ۔ ان مباحث پر اخبار میں ایک مضمون بھی ہماری بدبختی کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ہر طرف سے مجنونوں کے خط آنا شروع ہوجاتے ہیں۔

مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ جنوں مردوں سے کہیں زیادہ عورتوں میں ہے۔ ویسے بھی عورتوں کی ایک جنسی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں لکھنے کے لئے کسی مناسبت اور ربط مقصد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اُنکے ہر خط میں ایک نئے موضوع پر بحث ہوتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہر مجنون خاتون اپنے رازوں کے لئے کسی ایک اخبار نویس کو "صندوق" بنا دینا ضروری تصور کرتی ہے۔ بدقسمتی سے مجھے بھی ایک خاتون نے ایک مرتبہ اس عزت کا مستحق سمجھا۔ مسلسل تین سال تک ہر روز ایک خط پہنچ جاتا۔ ان خطوط میں اُس کی مفصل سوانحعمری ہوتی تھی۔ خانہ داری کے جھگڑے، شوہر کے معاملات، محبت کے اثرات، بیوفائی کے شکوے، غرضکہ کوئی بات نہ تھی جو ان خطوں میں تفصیل سے موجود نہ ہو۔ میں نے کبھی کسی خط کی رسید نہیں بھیجی۔ مگر محترم خانم کو رسید کی چنداں پرواہ نہ تھی اُسے صرف خط لکھنے سے کام تھا۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو

لیکن یہ سلسلہ ایک مرتبہ اچانک ٹوٹ گیا اور میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ کہ محترم خاتون اب اپنے جنون سے شفا پاگئی اور مجھے بھی نجات ملگئی!

عورتوں کا سب سے سخت جنون، مذہبی جنوں ہوتا ہے۔ جب یہ کسی "خوش نصیب" اخبار نویس سے خوش ہوجاتی ہیں تو اپنے خطوط کے ساتھ گنڈے تعویذ بھی بھیجا کرتی ہیں، اور بڑی بڑی منتیں دلاکر مرسل الیہ کو مجبور کرتی ہیں کہ یہ تعویذ ضرور استعمال کرے۔ لیکن جب اخبار نویس سے وہ ناراض ہوئیں تو بس اُس کے لئے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ وہ کونسی گالی ہے جو اُسے دی نہیں جاتی؟ اتنی بددعائیں اور لعنتیں آتی ہیں کہ غریب اخبار نویس کتنا ہی مستقل مزاج ہو ضرور کانپ اُٹھتا ہے!

بلاشبہ ہم مجنونوں کے خط پڑھنے پر مجبور نہیں ہیں۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ بہت سے مجنوں خط کتابت ہی کافی نہیں سمجھتے بذات خود بھی ملاقات کو تشریف لے آتے ہیں اور یہ مصیبت بالکل لاعلاج ہے!

ایک دن دفتر میں چپراسی نے ایک ملاقاتی کارڈ میرے حوالہ کیا۔ "مسیو بگورنل" نیچے کی سطر میں یہ لفظ تھے "ایک اہم شخصی معاملہ" میں نے اندر آنے کی اجازت دیدی۔ پہلی نظر میں خیال ہوا اچھا خاصہ سنجیدہ باوقار آدمی ہے۔

"جناب! میں آپکی کوئی خدمت بجالاسکتا ہوں؟" خاموش ملاقاتی سے میں نے سوال کیا۔

"آپ اُس معاملہ سے واقف ہیں جس کے لئے میں حاضر ہوا ہوں" اُسنے متین آواز میں جواب دیا۔

"مجھے افسوس کے ساتھ انکار کرنا پڑتا ہے" میں نے عاجزی سے کہا۔

"تجاہل عارفانہ نہ برتئے، آپ خوب جانتے ہیں" حضرت کا جواب تھا۔

"جناب، آج پہلی مرتبہ مجھے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے"

"لیکن آپ اپنے مضامین میں روزمیرا ذکر کرتے ہیں!"

"عجیب! یہ پہلا موقعہ ہے کہ میں اسم گرامی سے واقف ہوا ہوں"

"ریاکاری چھوڑدیجئے۔ بیوقوف نہ بنائیے ... میں روز آپکے مضامین میں اپنا ذکر پڑھتا ہوں" اچانک اُس کی صورت بدل گئی۔ غصہ سے کانپنے لگا "تم میرے خاندان کے راز جانتے ہو۔ اپنے گندہ مضامین میں یہ راز لکھکر مجھے روز رسوا کرتے ہو ... آہ! لیکن خیر اب اس کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ میں اس وقت اسی لئے آیا ہوں کہ اپنے آپ کو اور دنیا کو تمھاری شرارتوں سے نجات دیدوں ..." آپ میری حیرانی کا اندازہ کرسکتے ہیں جب میں نے اس عجیب سلسلۂ کلام کے خاتمہ پر اچانک سنا "میں قتل کرڈالوں گا"

فوراً جیب سے بھرا ہوا پستول نکالا ... "خدایا کیا کروں؟" میں نے خیال کیا "اب میرا کام تمام ہوا ... عنقریب میرے دوست میرا جنازہ اُٹھانے آئیں گے ... لیکن خود اس پاگل کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ عدالت جنون کے عذر پر اسے رہا کردے گی ... میں نے ارادہ کیا اس عجیب ملاقاتی پر ٹوٹ پڑوں اور پستول چھین لوں لیکن یہ ناممکن تھا کیونکہ میری ایڈیٹری کا بڑا میز ہمارے مابین حائل تھا۔ افسوس اخبار نویسی کا منحوس میز! میں نے اپنے حواس بجا کئے:

"سگریٹ پیجئے" میں نے مصنوعی بےخوفی سے کہا اور فوراً کوٹ کی جیب سے سگریٹ کی خوشنما ڈبیا نکالکر پیش کردی۔ خلاف توقع سگریٹ نے اُس کا غصہ بالکل فرو کردیا۔ وہ خاموش بیٹھکر دھواں اُڑانے لگا

"واقعی میں خطاوار ہوں۔ مگر براہ عنایت مجھے وہ مضمون بتائیے جس میں آپ کو رسوا کرنے کی میں نے جرأت کی ہے" میں نے ڈرتے ڈرتے بڑی لجاجت سے کہا۔

مجنوں نے جیب سے ایک پلندا نکالا اور میرے سامنے پھینک دیا میں نے غور سے تمام مضمون دیکھے۔ اُن میں کوئی ایک بھی شخصی معاملات پر نہ تھا۔ کسی میں مکانوں کی گرانی پر بحث تھی۔ کسی میں بازار کے نرخ پر۔ کسی میں علمی نمائش پر، اور کسی میں عورتوں کے کترے ہوئے بالوں اور اونچے لباس پر گفتگو تھی۔ اسی طرح عام معاشرتی معاملات سے سب کا تعلق تھا۔ میں نے حیرت سے مجنوں کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ وہ میرا تعجب سمجھ گیا۔ کھڑا ہوگیا۔ اخبار اُٹھاکر جابجا سے پڑھنا اور ہر ہر فقرے پر مجھے قہر آلود نظروں سے دیکھنا شروع کردیا۔ آخر میں اُسنے عورتوں کے کترے ہوئے بالوں پر مضمون پڑھنا شروع کیا اور جوش سے چلّایا۔

"یہ دیکھو۔ اب بھی انکار کروگے؟ کیسے بند بند لفظوں میں میرے خاندان کا مضحکہ اُڑایا ہے؟ اس فقرے کے کیا معنی ہیں 'جو عورت اپنے بال کٹواتی ہے وہ ایک نہ ایک دن ضرور گنجی ہوجائے گی' یہ میرے چچا ڈاکٹر بگورنل پر کھلی چوٹ ہے! غلط کہتا ہوں؟ میرا چچا گنجا ہے۔ ایک دن وہ میڈم ... پر خفا ہوئے۔ لیکن میں تفصیل کیوں بیان کروں؟ تمھیں سب معلوم ہے۔ میرے چچا کو بھی جانتے ہو۔ اس میڈم کو بھی اور اُس کی خفگی کے سبب کو بھی۔ تمھیں سب راز معلوم ہے۔ تم ہمیں بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ تم کمینہ ہو!"

خوش قسمتی سے اس سخت لفظ نے اُس کا غصہ پھر کم کردیا۔ میں نے گھنٹی بجائی۔ نوکر کے آنے پر مجھے اطمینان ہوا۔ مجنوں نے ایک پُرناز حقارت نظر مجھ پر ڈالی اور کہا۔

"جناب! اس مرتبہ معاف کرتا ہوں۔ آئندہ احتیاط رہے۔ مجھے اور میرے خاندان کو نہ چھیڑئیے ورنہ کیڑے مکوڑوں کی طرح کچل ڈالونگا"

وہ بغیر سلام کئے چلا گیا۔ میں نے بھی اشاعت کی ضرورت محسوس نہیں کی، اور میں خیال کرتا ہوں اس ضرورت کے عدم احساس پر کوئی صاحب مجھے ملامت کرنا پسند نہ کرینگے۔

عالم مطبوعات و صحائف

نہایۃ الارب اور مسالک الابصار

علمار تاریخ نے ہر زبان کی ادبیات کی طرح عربی علم ادب کے بھی تین دَور قرار دیے ہیں۔ پہلا دَور تحریر و تدوین کا ہے۔ دوسرا تکمیل و تنقیح کا۔ تیسرا توسیع و تہذیب کا۔ اس آخری دَور نے تصنیف و تالیف کی صناعۃ میں جو نئی نئی وسعتیں پیدا کیں، اُن میں ایک خاص قسم اُن کتابوں کی ہے جنھیں متاخرین "موسوعات" اور "مجامیع" سے تعبیر کرتے ہیں۔ "موسوعات" سے مقصود ایسی کتابیں ہیں جو کسی ایک موضوع پر نہیں لکھی جاتی تھیں بلکہ متعدد علوم و فنون کا مجموعہ ہوتی تھیں۔ بعض علمار نے اس کا دائرہ یہاں تک وسیع کیا کہ تمام علوم و فنون اور ان کی چھوٹی بڑی شاخیں اسمیں آگئیں۔ اس قسم کی "موسوعات" بیس سے لیکر ۵۰۰ جلد تک کی لکھی گئیں!

دراصل یہ موسوعات ایک طرح کی انسائیکلوپیڈیا تھیں، اُس عہد کے علمار موسوعات کا تاریخ علوم میں وہی درجہ ہے جو یورپ کی سترہویں صدی کے انسائیکلوپیڈین علمار کا موجودہ تاریخ علوم میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ موسوعات کی ترتیب علوم کی ترتیب تھی جو ایک خاص حد تک پھیلکر ختم ہوجاتی ہے مگر انسائیکلوپیڈیا کے لئے لغت و قوامیس کی ترتیب اختیار کی گئی جس کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے۔

اس عہد کی کتب موسوعات میں دو کتابوں کو بہت شہرت حاصل ہوئی تھی شہاب الدین احمد نویری کی نہایۃ الارب اور ابن فضل اللہ العمری کی مسالک الابصار، پہلی کتاب تیس سے زیادہ جلدوں میں ختم ہوئی ہے اور دوسری کم و بیش بیس جلدوں میں ہے۔

ان دونوں کتابوں کے کمل نسخے عزیز الوجود تھے۔ پچھلے دنوں مصر کے مشہور محقق کتب احمد زکی پاشا نے عرصہ کی محنت و کاوش کے بعد انکے دو صحیح و کامل نسخے مرتب کئے ان کا بڑا حصہ قسطنطنیہ کے کتب خانوں سے بذریعۂ عکس حاصل کیا گیا تھا۔ چار سال ہوئے حکومت مصر نے ان دونوں کتابوں کی اشاعت کا فیصلہ کیا اور کتب خانۂ خدیویہ کے "احیار کتب عربیہ" کے سلسلہ میں ان کی طباعت شروع ہوگئی۔ گذشتہ سال دونوں کتابوں کی تین تین جلدیں چھپ گئی تھیں اب دو جلدیں مزید چھپکر شائع ہوگئی ہیں اور ہمارے سامنے ہیں۔ اگرچہ یہ عہد متاخرین کی تصنیف ہیں اور جو کچھ ہے جمع و تالیف ہے تاہم چونکہ اب وہ ذخیرہ بھی ہمارے پاس موجود نہیں جو ان کتابوں کے عہد تالیف میں موجود تھا، اس لئے ان دونوں کتابوں سے تاریخ و علوم کے مختلف اہم مسائل پر نہایت قیمتی روشنی پڑتی ہے۔ ہم عنقریب ان دونوں نئی جلدوں کے بعض مفید مطالب ہدیۂ قارئین کرینگے۔

مذہب اور دُنیائے جدید

حال میں پروفیسر وائیٹہڈ کی ایک تصنیف:

"Religion in the Making"

کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ یہ دراصل ان کی چار تقریروں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے گذشتہ سال بوسٹن یونیورسٹی میں کی تھیں۔ جو حضرات انگریزی کی جدید الطبع مصنفات پر نظر رکھتے ہیں، انھوں نے پروفیسر موصوف کی وہ کتاب ضرور دیکھی ہوگی جو پچھلے دنوں "علم اور دنیائے جدید" کے نام سے شائع ہوئی تھی، وہ بھی ان کی بعض تقریروں کا

نجدی تحریک نہایت تیزی سے پھیل رہی ہو۔ بکثرت قبیلے نجدی مذہب اختیار کرچکے ہیں اور بہت سے اختیار کرنے کی طیاری میں ہیں برطانوی حکام اس دینی تحریک سے خائف ہیں اپنے علاقوں میں دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ ابھی چند دن ہوئے برطانی حکام نے دو عرب سرداروں: یعنی باشا المجالی شیخ المشائخ اور مثقال باشا الفائز شیخ قبائل صخر کو طلب کیا تھا اور بڑی آؤ بھگت کی تھی۔ مگر انھوں نے حکومت کا ساتھ دینے سے صاف انکار کردیا۔

اس علاقہ کے باشندوں میں یہ تحریک بھی پھیل رہی ہو کہ امیر عبداللہ کی حکومت الٹ دی جائے اور ملک کا تعلق براہ راست برطانوی حکام سے ہوجائے۔ اس تحریک کا مقصد یہ ہو کہ اگر ملک برطانی اقتدار سے نجات حاصل نہیں کرسکتا تو کم ازکم برائے نام عربی حکومت کی دوہری مصیبت سے تو نجات حاصل کرلے۔ یقیناً برطانیہ کی براہ راست حکومت اس سے کہیں زیادہ بہتر اور ذمہ دار ہوگی جسقدر اس کے بٹھائے ہوئے پتلے امیر عبداللہ کی ہو۔

(فوجی قانون کا اعلان)

شرق اردن کی مذکورۂ بالا بیداری اور دروزی مجاہدین کی آمد و رفت کی وجہ سے امیر عبداللہ نے علاقہ "ازرق" میں فوجی قانون (مارشل لا) کا اعلان کردیا ہو۔ اس سے مقصود یہ ہو کہ ایک طرف ملک کی عام رائے مرعوب کردی جائے، دوسری طرف فرانس بھی خوش ہوجائے۔ فرانس مدت سے شاکی تھا کہ دروزی مجاہدین اس علاقہ میں پناہ لیتے اور یہاں سے تر و تازہ ہوکر واپس آتے ہیں۔

یہودی بیت المال

گزشتہ ماہ یہودی بیت المال کی آمدنی ۷۷،۰۱۷ پونڈ یعنی ۱۰۵۲۶۵۵ روپے ہوئی۔ اسمیں امریکہ کے یہودیوں کا عطیہ ۳۲۸۰۲ پونڈ کنیڈا کا ۲۰ ہزار ۵۳۶ پونڈ اور رومانیہ کا ۳۵۰۶ پونڈ ہو۔ دنیا کی ترقی خواہ قوموں کی اولوالعزمیاں ایسی ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہماری ہمتوں کا جو حال ہو وہ معلوم ہو!

حضرت یوسف کی قبر

فلسطین کے ایک قدیم شہر "سیخم" میں کھدائی ہو رہی ہو اگر یہ تحقیقات کامیاب ہوئی تو ۴۰ صدیوں کے راز دنیا کے سامنے آجائیں گے۔ اس شہر میں یورپین محققین کی ایک جماعت حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر تلاش کر رہی ہو۔ خیال کیا جاتا ہو کہ اس شہر سے بے شمار اسرائیلی روایات وابستہ ہیں اور ان پر سے جلد پردہ اٹھنے والا ہو۔

بروایت توراۃ سیخم ہی میں حضرت ابراہیم نے محراب بنائی تھی اور شاہ بلوط کے ایک بڑے درخت کو بطور مقدس علامت کے قرار دیا تھا۔ نیز اسی شہر میں حضرت یعقوب نے عامر کی اولاد سے زمین خریدی اور مقدس محراب بنائی۔ نیز سنگلاخ زمین میں ایک کنواں بنایا تھا جو ۸۰ فٹ گہرا اور ۹ فٹ کے قطر میں تھا۔ لیکن شیشام بن عامر، جسنے زمین بیچی تھی، یعقوب کی لڑکی "دینا" پر عاشق ہوگیا اور اسے اس بات پر آمادہ کرلیا کہ عقد سے پہلے ہی اس کے ساتھ زن وشو کی زندگی بسر کرے۔ اسپر یعقوب کے لڑکوں کو غصہ آیا اور انھوں نے "سیخامیوں" کو قتل کرڈالا۔ پھر یعقوب (علیہ السلام) اس علاقے سے چلے گئے۔ مگر جانے سے پہلے انھوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ مخالف قبیلہ کے تمام دیوتا اور عبادت کے آلات ایک غار میں پھینک دیئے جائیں۔

موجودہ کھدائی سے ایک غرض ان دیوتاؤں کی تلاش بھی ہو۔ سیخم میں یعقوب علیہ السلام کا کنواں ابتک موجود ہو۔ روایت ہو کہ یوسف علیہ السلام کی لاش بھی مصر سے لاکر اسی علاقہ میں دفن کی گئی تھی۔ ایک مقبرہ عرصہ سے حضرت یوسف کی طرف منسوب ہو چونکہ یہ عربی قبائل کے تحت و تصرف میں تھا اس لئے اب تک اسکی تحقیقات نہ ہوسکی۔

لیکن اب ڈاکٹر ارنسٹ سلین کو، جو اس تحقیقاتی جماعت کے صدر ہیں، قبر کھولنے کی اجازت مل گئی ہو۔ امید کی جاتی ہو کہ حضرت یوسف کی لاش مومیا کی ہوئی صحیح وسالم دستیاب ہوجائے گی۔ نیز قدیم مصری کاغذ پر لکھی ہوئی تحریریں بھی نکلیں گی کیونکہ پہلے مصر میں انکی نعش مصری طریقہ پر دفن کی گئی تھی، وہاں سے کنعان میں لائی گئی۔ اگر یہ امیدیں کامیاب ہوئیں تو یقیناً اس سوال کا جواب بھی مل جائے گا کہ حضرت یوسف کے عہد کا فرعون کون تھا؟

اسی شہر میں ایک ٹیلہ پر کھدائی کرتے ہوئے ایک اور قدیم شہر اور تمدن کے نشان ملے ہیں۔ علمائے آثار کا خیال ہو کہ یہ عمارت مشہور اسرائیلی بادشاہ "عزبوم اول" کا قلعہ ہو۔ خیال کیا جاتا ہو اسی ٹیلہ میں حضرت یعقوب کی قوم کے دیوتا اور دوسری یادگاریں بھی مدفون ہیں۔

سیخم، فلسطین کا ایک نہایت ہی قدیم شہر ہو۔ اس کی تاریخ کا آغاز اسوقت سے ہوا ہو جب نئے عبرانی، کنعان کی سرزمین پر نمودار ہوئے تھے۔ خوش قسمتی سے اب تک اس شہر کے بہت سے آثار دستیاب ہوچکے ہیں۔ اس کی شہر پناہ اور دو بہت ہی عظیم الشان پھاٹک نکل آئے ہیں۔ نیز ایک محل کی بنیادیں بھی ملی ہیں جو نو ستونوں پر قائم تھا اور اس کے بڑے بڑے کمرے بھی مل گئے ہیں۔

غرضکہ یہ تحقیقات دنیا کے علم میں معقول اضافہ کردے گی اور اسرائیلی تاریخ کے وہ پہلو روشنی میں آجائیں گے جو اب تک تاریکی میں ہیں۔

(پارٹیوں کا اتحاد)

سیاسی جماعتوں کے اختلاف کی وبا فلسطین میں بھی انگریزی قبضہ کے ساتھ پہنچی اور قومی اتحاد پارہ پارہ ہوگیا۔ مصلحین مدت سے کوشش کررہے ہیں کہ سیاسی پارٹیوں میں اتحاد قائم ہوجائے مگر آجتک کوئی صورت نہ نکل سکی۔ اب کچھ مدت کی خاموشی کے بعد پھر اس قسم کی کوششیں شروع ہوئی ہیں، بظاہر کامیابی کی امید نہیں۔ کیونکہ اکثر لیڈر اپنی ذاتی اغراض کے بندے ہیں۔

ارتھوڈکس مسیحی

کل ارتھوڈکس مسیحیوں کی کانفرنس منعقد ہوئی، عیسائیوں میں یہ فرقہ یہاں سب سے زیادہ مظلوم ہو۔ کیونکہ کوئی طاقت و سلطنت اس کی پشت پناہی پر موجود نہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہو اب یہ فرقہ بھی اپنے حقوق کے لئے عملی کوشش شروع کرنے والا ہو۔

شریف علی

مجھے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ شریف علی سابق شاہ حجاز بہت جلد یہاں آنے والے ہیں۔ آمد کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہو کہ محض تبدیل آب و ہوا مقصود ہو۔ لیکن بعض حلقوں میں یقین کیا جاتا ہو کہ انھیں اس لئے بلایا گیا ہو کہ فلسطین کے مسلمانوں میں برطانیہ کے موافق جذبات کو ترقی دیں۔ فلسطین میں شریف حسین اور اُن کے خاندان کا پروپیگنڈا سالہا سال سے جاری ہو۔ عوام کی ایک جماعت اس سے متأثر ہوچکی ہو۔ برطانیہ کا ایک زمانہ میں خیال تھا کہ اگر اس ملک نے براہ راست برطانی حکومت منظور نہیں کی تو یہاں بھی شریف حسین کا کوئی لڑکا بٹھا دیا جائے گا، مگر بعد کے حالات نے یہ خیال پورا نہ ہونے دیا۔

شرفاء مکہ کے اس خاندان کی بدبختی پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے کم ہو۔ برطانیہ کے ہاتھوں ایسا روزبد دیکھنے کے بعد بھی وہ اب تک اس کی انگلیوں پر ناچ رہا ہے۔ عراق میں امیر فیصل عبودیت کے فرائض انجام دے رہا ہو۔ شرق اردن میں امیر عبداللہ غلام بنا ہوا ہے، اور اب امیر علی فلسطین کو گمراہ کرنے آرہے ہیں!

تذکرہ

مولنا ابوالکلام صاحب آزاد کے زمانۂ نظربندی کی یادگار تصنیف تاریخ وادب کے علاوہ حقائق دین اور معارف تجدید ودعوت کے اہم مباحث کا مجموعہ۔ آخر میں اپنے سوانح و خواطر حیات پر بے نظیر تحریر اب درجۂ اول کا کوئی نسخہ باقی نہیں رہا۔

درجۂ دوم قیمت سے، درجۂ سوم عار

منیجر البلاغ پریس۔ ۱۱۔ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ

خواطر و سوانح

میری اخباری زندگی کا ایک لمحہ

اخبار نویس کی ڈاک

حال میں ایک نہایت دلچسپ کتاب اس نام سے فرانس میں شائع ہوئی ہو۔ اسمیں فن اخبار نویسی کے مشہور فرانسیسی ائمہ نے اپنی اپنی صحافتی زندگی کا سب سے زیادہ دلچسپ اور یادگار واقعہ لکھا ہو۔ کتاب از حد مقبول ہوئی ہو۔ لاکھوں کی تعداد میں اس کے نسخے نکل چکے ہیں۔ کئی دوسری زبانوں میں بھی ترجمے شائع ہوگئے ہیں ناظرین کی دلچسپی و آگاہی کے لئے ہم اس کا ترجمہ بالاقساط درج کرینگے۔ آج اس کا پہلا مضمون ملاحظہ ہو۔ یہ مشہور اخبار نویس سیوکلیان وڈیل نے حسب ذیل سرخی سے لکھا ہو:

اخبار نویس اور مجنوں

مجھ سے دماغی امراض کے ایک ماہر ڈاکٹر نے کہا:

"میں اپنے مریض سے پہلا سوال یہ کرتا ہوں "کیا تم اخبار نویسوں سے خط وکتابت رکھتے ہو؟ اگر وہ اقرار کرتا ہو تو سمجھ لیتا ہوں اسکے علاج میں کافی وقت لگے گا"

"یہ کیونکر؟" میں نے تعجب سے سوال کیا۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ اخبار نویسوں سے خط کتابت کرنے والے سب لوگ مجنوں ہوتے ہیں" اُسنے جواب دیا "لیکن مجھے یقین ہو کہ اُن میں سے اکثر ضرور پاگل ہوتے ہیں!"

مدت کے بعد مجھے ڈاکٹر کی سچائی پر ایمان لانا پڑا۔ میرا تجربہ بھی یہی ہو کہ پراگندہ دماغ اور پاگل ہی زیادہ تر اخبار نویسوں سے خط وکتابت کرتے ہیں۔ اس مصیبت کو میرے ہم پیشہ ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

روز ڈاک میں میرے پاس ہزاروں خطوط پہنچتے ہیں۔ لکھنے والے ان کی تزئین و آرائش میں غیر معمولی محنت کرتے ہیں، قسم قسم کی روشنائی استعمال کی جاتی ہو۔ کوئی عبارت سرخ ہو، کوئی نیلی، کوئی سبز کہیں پر بڑے بڑے حروف، کہیں پر حروف کے گرد پھول پتیاں بنی ہوئیں۔ بسا اوقات عبارت کا آغاز سنجیدگی سے ہوتا ہو مگر چند سطروں کے بعد ہی معلوم ہوجاتا ہو کہ کسی مجنوں کا خط ہو!

مثلاً ایک واقعہ سنئے۔ پیرس کے باشندوں کو شکایت پیدا ہوئی کہ موٹروں کی کثرت نے راستہ چلنا مشکل کردیا ہو۔ اخبارات میں بھی اس کا ذکر ہوا۔ اب کیا تھا؟ ہزاروں خط روزانہ ہمارے پاس آنا شروع ہوگئے۔ ہر خط میں اس مشکل کا ایک نیا حل موجود ہوتا تھا۔ کیسا حل؟ ایسا حل کہ اگر میں بیان کروں تو شاید آپ یقین نہ کریں۔ ایک صاحب نے لکھا "اس مشکل کا بہترین حل یہ ہو کہ دریائے سین اسفلٹ سے پاٹ دی جائے اور شہر کی سڑکوں کے بجائے اسی پر موٹر چلیں!"

اور سنئے امن وامان کے حامیوں نے یہ تجویز لکھ بھیجی "تمام یورپ ایک جمہوریت کے ماتحت ہوجائے!" یہی نہیں بلکہ ازراہ عنایت اس "افلاطونی جمہوریت" کا دستور العمل بھی مرتب کرکے بھیجدیا!

ایک "ماہر اقتصادیات" نے لکھا "حکومت، پارے کے بنک نوٹ تیار کرے تاکہ اقتصادی حالات کی تبدیلی کے ساتھ اُن کا رنگ وزن، اور نرخ بھی خود بخود تبدیل ہوتا رہے"

یہ عاقلانہ تجویزیں، مذاق سے پیش نہیں کی جاتیں۔ انکے سوچنے

Printed and Published by

Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta

Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

مجموعہ تھی۔ یہ دونوں کتابیں ایک مکمل نظریۂ علم و مذہب کی حامل ہیں۔ پہلی کتاب میں علم کے مستقبل پر نظر ڈالی ہے۔ اور اس میں اُسی اصول نظر کے ماتحت مذہب کے مستقبل پر بحث کی ہے۔

کتاب کے ۴ باب ہیں (۱) مذہب کی تاریخ (۲) مذہب اور عقائد (۳) جسم اور روح (۴) تبصرہ۔

اِن ابواب میں سب سے زیادہ اہم باب "جسم اور روح" کے مسئلہ پر ہے۔ پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

"ہم اِس مادی دنیا کے باہر اور اُن ظاہری اجزا کے علاوہ جو اس کی وضع و ترتیب میں شامل ہیں کوئی واقفیت نہیں رکھتے یہ اجزاء کیا کیا ہیں؟ مختصر لفظوں میں حسب ذیل ہے:

(۱) خالقیت (Creativity) جو ہر وجود کے وقتی ارتقا میں ظاہر ہوتی ہے۔

(۲) خیالی موجودات و اشکال کا عالم جو خود تو کوئی حقیقت نہیں رکھتا مگر ہر حقیقت رکھنے والی چیز میں ایک خاص مناسبت کے ساتھ متشکل ہو جاتا ہے۔

(۳) وہ حقیقی مگر غیر مادی قوت جس کا تصور کرتے ہوئے ہم ایک ایسی معین قوت کا تصور کرنے لگتے ہیں جس کے کاموں میں قصد اور ارادہ کو دخل ہونا چاہیئے"

پروفیسر موصوف کے خیال میں "یہی غیر مادی اور حقیقی ہستی وہ ہے جسے انسان خدا کہتا ہے۔ وہی خدا جو ہر ذی عقل مذہب کا خدائے بزرگ و برتر ہے"

مذہب کے حقائق کی طلب و جستجو کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ یہ سفر کس نقطہ سے شروع کیا جائے؟ جن جن قدموں نے ٹھوکر کھائی ہے صرف اس لئے کھائی ہے کہ قدم اُٹھا دیے مگر اس کا فیصلہ نہیں کیا کہ کس رُخ سے قدم اُٹھانا چاہیئے؟ نتیجہ یہ نکلا کہ جس قدر بڑھتے گئے منزل مقصود سے دُوری بھی بڑھتی گئی!

اسی لئے قرآن حکیم نے اس بارے میں عقل انسانی کی رہنمائی کی۔ وہ بتلاتا ہے کہ خدا کی ہستی اور اس کے اعمال و صفات کی جستجو دائرہ ہستی سے الگ ہو کر نہیں بلکہ خود اُس کے اندر سے کرنی چاہیئے اور اس سفر کی صحیح جہت یہ ہے کہ کائنات کے حسن و جمال اور نظم و اتقان کے مطالعہ و تفکر کے نقطہ سے قدم اُٹھائے جائیں۔

مذہب و عقل کے سلسلہ میں پروفیسر موصوف کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ انھوں نے کتب سماویہ کی یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی۔

مشہور حکیم کانٹ کا مذہب یہ تھا کہ خدا کی ہستی کا تصور دنیا کے نظام اخلاقی کی ایک ضرورت ہے مگر پروفیسر موصوف اس سے متفق نہیں ہیں وہ لکھتے ہیں کہ "کائنات ہستی کے ہمہ گیر حسن و جمال کے مطالعہ ہی سے ہم عالم ایجاد کا عقدۂ تخلیق حل کر سکتے ہیں۔ کانٹ کا نظام اخلاقی کیا ہے؟ وہ بھی اسی نظام جمال کا ایک منظر ہے"

پروفیسر موصوف نے صفات الٰہی کے موضوع پر بھی نظر ڈالی ہے اور ان کی نظر اُسی پہلو پر گئی ہے جو متکلمین اسلام میں معتزلہ نے اختیار کیا تھا۔ معتزلہ کی نظر تنزیہہ کی طرف گئی تھی اور اشاعرہ کی نظر قدرت کی طرف، اس لئے معتزلہ خدا کی طرف کسی اعتبار سے بھی "شر" کی نسبت گوارا نہیں کرتے، لیکن اشاعرہ کہتے ہیں کہ اس کی قدرت و خلقت کے احاطہ سے کوئی چیز باہر نہیں، البتہ اس کے تمام احکام و اعمال حکمت و عدالت پر مبنی ہوتے ہیں۔

اسی طرح مسیحی علم کلام میں "نفی شر" کا مسئلہ سینٹ اگسٹائن کی طرف منسوب ہے۔

پروفیسر موصوف کہتے ہیں:

".. خدا کی اچھائی ہی خدا کی حد ہے۔ خدا کی ابدی ہستی اسی حال میں کامل کہی جا سکتی ہے جب شر کے منافی ہو"۔

اس سوال کے جواب میں کہ اگر خدا کی قدرت اور اس کے اعمال صرف خیر ہی میں محدود ہیں تو یہ قدرت کا نقص ہے، وہ کہتے ہیں کہ

".. اس کا ہم کوئی جواب نہیں دے سکتے البتہ ہم حق، حسن اور خیر کا ایک ہمہ گیر نظام محسوس کر رہے ہیں۔ یہ خود ہم میں بھی موجود ہے اور اس کا مبدء خدا کی کامل ہستی ہے، جب ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اذعان ہو جاتا ہے کہ اس ابدی و ازلی مبدء میں شر کی گنجایش نہیں"

دراصل پروفیسر موصوف نے اس منزل پر پہونچکر سخت غلطی کی اور اسی لئے سوال اور جواب، دونوں حقیقت سے ہٹ گئے ہیں۔ یہ موقعہ بحث و تشریح کا نہیں، قارئین الہلال باب التفسیر کے مباحث کا انتظار کریں۔

الہلال کی قدیم جلدیں

گاہے گاہے باز خواں این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

الہلال کی پہلی اور دوسری اشاعت کی جلدوں کے لئے شائقین علم و ادب مشتاق تھے۔ چند جلدیں جو دفتر مہیا کر سکا ہے حسب ذیل قیمت پر بھیجی جا سکتی ہیں:

الہلال جلد سوم
" جلد چہارم — قیمت فی جلد ۸۔ روپیہ
" جلد پنجم

البلاغ (یعنے الہلال کا دوسرا سلسلۂ اشاعت) ۵۔ روپیہ

متفرق پرچے

فی پرچہ ۸ر قیمت پر بھیجے جا سکتے ہیں۔

منیجر الہلال

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

ہندوستان کا بہترین قومی اور ادبی ہفتہ وار اخبار

استقلال ہند (دہلی)

ایڈیٹر ـــ کیجن سنگھ

(دنیائے صحافت کا یہ روشن ستارہ ۲ جون سنہ ۱۹۲۷ کو طلوع ہوگا)
آپ کو استقلال ہند کیوں ضرور مطالعہ کرنا چاہئے ؟ اس لئے کہ

(۱) استقلال ہند ہندوستانیوں کو پیام اتحاد سنائیگا -
(۲) استقلال ہند غلامی کی زنجیروں کو توڑےگا -
(۳) استقلال ہند غریبوں کو سرمایہ داروں کے دام تزویر سے رہائی دلائیگا -
(۴) استقلال ہند ہندوستانی ریاستوں کو غیر ملکی اقتدار سے بچائیگا -
(۵) استقلال ہند میں بلند پایہ سیاسی وادبی مضامین شایع ہونگے -
(۶) استقلال ہند سے بہتر افسانے آپ کو دیگر اخبارات میں نہ مل سکینگے -
(۷) استقلال ہند میں ہر ہفتہ غیر ملکی وقایع نگاروں کے مضامین شایع ہونگے -
(۸) استقلال ہند میں ظریفانہ مضامین کا خاص اہتمام ہوگا -
(۹) استقلال ہند میں واقعات حاضرہ کے متعلق پر لطف کارٹون شایع ہوا کریں گے -
(۱۰) استقلال ہند نامور شعراء ملک کا تازہ ترین کلام پیش کریگا -
(۱۱) استقلال ہند کے دائرہ ادارت میں اکثر محب وطن انشاء پرداز منسلک ہیں -
(۱۲) استقلال ہند بہترین کاغذ پر دیدہ زیب لکھائی چھپائی کے ساتھہ شایع ہوگا -

ان تمام محاسن کے باوجود قیمت فی پرچہ صرف ایک آنہ
قیمت سالانہ چار روپے ـــ ششماہی دو روپے آٹھہ آنے
آج ہی نمونہ کے لئے خط لکھئے
☚ منیجر استقلال ہند ـــ چاندنی چوک - دہلی

قرآن مجید

(مترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رح)

یہ ترجمہ جس کے مسلمان مدتوں سے سراپا انتظار تھے بفضلہ تعالی بہایت آب و تاب کے ساتھہ چھپ کر مکمل ہو گیا ہے اور بکثرت طلب ہو رہا ہے - آج تک جسقدر ترجمے قرآن پاک کے چھپے ہیں یہ مجموعہ بہت سی خوبیوں کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے - تحت لفظی ہونے کے باوجود با محاورہ اور سلیس ہے - زبان ایسی شستہ اور صاف ہے جس کو معمولی لکھا پڑھا بھی بخوبی سمجھہ سکے - لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلی رمین حنائی چھپی ہوئی بکتا ہے - ہدیہ مجلد چرمی منقش نقرئی پندرہ روپئے - جلد اعلی منقش طلائی ۱۸ روپیہ محصولڈاک و خرچ پیکنگ ۲ روپیہ فرمایش کے ساتھہ ۵ روپیہ پیشگی آنا ضروری ہیں - نمونہ مفت -

اخبار مدینہ (بجنور)

(ہفتہ میں دو بار)

سنہ ۱۹۱۲ء سے قابل اہل قلم اڈیٹروں کی زیر ادارت جاری ہے خدمت قوم و ملک پاسداری مذہب و ملت اس کا شعار ہے - آزادی وطن اور قومی مطالبات کا علمبردار اردو جرائد میں کثیر الاشاعت سیاست حاضرہ کا مفسر حق و صداقت کا مشتہر عربی و انگریزی اخبارات کا خلاصہ دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچنے والا ملاحظہ و مطالعہ خود ہمارے بیان کی تصدیق کردیگا - نمونہ مفت - قیمت سالانہ ۶ روپیہ - ششماہی تین روپیہ آٹھہ آنہ - سہ ماہی ۲ روپیہ فی پرچہ ایک آنہ ممالک غیر سے ۸ روپیہ سالانہ -

غنچہ رسالہ ہفتہ وار

بچوں کا معلم بچیوں کا اتالیق طالب علموں کا استاد علم و فن کا خزینہ معلومات کی کان اخلاقیات و ادبیات کا گنجینہ ہفتہ وار خاص ملک و ملت کے نونہالوں کیلئے شائع ہوتا ہے - زبان سلیس اور عام فہم ہے اپنے بچوں کیلئے ضرور طلب فرمائیے - قیمت سالانہ ۴ روپیہ -

(محمد مجید حسن مالک اخبار مدینہ و غنچہ - بجنور)

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين — القرآن الحكيم

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲ — کلکتہ : جمعہ ۲۳ ذوالحجہ ۱۳۴۵ ہجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, June 24, 1927.

فہرست

اطلاعات ضروری

(۱) ہر چیز کی ابتدا ہوتی ہے اور تکمیل - الہلال کے یہ دو نمبر نئے سلسلۂ اشاعت کی ابتدا تھی - ہمیں امید ہے کہ تیسرے نمبر سے اسکی ظاہری و معنوی تکمیل شروع ہو جائیگی -

(۲) ان دونوں نمبروں میں متعدد اہم ابواب شروع نہ ہوسکے - اب آئندہ نمبر کی ترتیب ابتدا سے ایسی اختیار کی جائیگی کہ زیادہ سے زیادہ ابواب و اقسام کی گنجایش نکل آئے - خاص مضامین میں سے علمی ، سیاسی مباحث اور باب التفسیر کے مختلف عنوان ' اور عام قسم کے مضامین میں سے افسانہ و تاریخ کا حصہ اہم ہے - امید ہے کہ آئندہ نمبر سے شروع ہوجایگا -

(۳) تصاویر کا بھی مطلوبہ ذخیرہ طیار ہوگیا ہے - تائپ کے حصہ کے تمام مضامین تقریباً مصور ہونگے - ایک خاص صفحہ صرف تصاویر کا بھی بڑھا دیا جایگا - بعض مضامین کیلئے متعدد رنگوں میں چھپی ہوئی تصاویر ضروری تھیں - انکی لوحین بھی بنکر طیار ہوتی ہیں -

(۴) مصور اور حروفی کا تائپ بھی آگیا ہے - امید ہے کہ مزید حسن و زیبائش کا باعث ہوگا -

(۵) عالم شرق و اسلام کے مشاہیر اہل قلم کے متعدد اہم مقالات (علاوہ مقالہ نگار جماعتوں کے) پچھلی ڈاک میں آگئے ہیں - اور آئندہ درج ہونگے -

(۶) شائقین الہلال سے امید ہے کہ توسیع اشاعت کیلئے پوری کوشش کرینگے کیونکہ الہلال کے گرانقدر مصارف صرف اسکی غیر معمولی اشاعت ہی سے پورے کیے جاسکتے ہیں -

(۷) رسالہ کی خریداری وغیرہ امور کے متعلق جو خطوط ہوں ' براہ عنایت انہیں مولانا ابوالکلام کے نام نہ بھیجئے - اسکی وجہ سے تعمیل میں تاخیر ہوجاتی ہے - براہ راست " منیجر " کے نام سے آنا چاہئیں -

منیجر

(حكايت برق و خرمن)

اِس بارے میں میرے اجزاء فکر اور اوراق نظر کی پریشان حالیوں کا بھی کچھه عجیب حال ھے - علم کی زندگی سیاست کی زندگی سے کچھه اس طرح مختلف واقع ھوئی ھے که دونوں کا ایک وقت اور ایک محل میں جمع ھونا بہت مشکل ھے - میری زندگی کی مشکلات میں پہلی مشکل یه واقع ھوئی که میں نے چاھا دونوں کو به یک وقت اور به یک محل جمع کردوں :

پنبه را آشتی ایں جا به شرار اُفتاد ست !

دراصل ذوق کی وسعت، طلب کی عدم قناعت، نظر کی بلند پیمائیاں، اور فکر کی مشکل پسندیاں نه تو ایک راہ پر صبر کرسکتی ھیں، نه سہل و آسان روشیں اختیار کرسکتی ھیں - دنیا نے فکر و عمل کے الگ الگ گوشے بنائے ھیں، اور استعداد و صلاحیت کے دائرے بناکر اُن میں لکیریں کھینچ دی ھیں، تاکه تقسیم عمل کے حدود قائم ھوجائیں - لیکن یه تقسیمیں اور حد بندیاں ھمیشه نہیں چل سکتیں - کبھی کبھی ایسا بھی ھوتا ھے که طبیعت کا جوش اور فکر کی وسعت ان چھوٹے چھوٹے خانوں کی تنگ نائیوں میں قانع نہیں رھسکتی، اور حد بندیاں توڑکر باھر نکل جاتی ھے - میں فکر کی یکسوئی اور ایک ھی راہ پر پڑ جانے کی آسانیوں سے بے خبر نہیں ھوں - لیکن کیا کروں ؟ مبدأ ازل نے طبیعتیں تقسیم کرتے ھوئے مجھه نا مراد کیلیے یہی پسند کیا که ھر راہ کی پیمائش اور ھر کوچے کی گردش کا اضطراب اسمیں ودیعت کردیا جائے - علم کا استغراق اور سیاست کی خود فروشیاں دنیا کیلیے متضاد ھوں تو ھوں، لیکن میرے لیے تو ایک ھی دماغ کا سودا اور ایک ھی دل کی تپش تھی :

روے دریا سلسبیل و قعر دریا آتش ست !

جہاں تک بن پڑا، آب و آتش کی اس یک جائی اور برق و خرمن کی اس بہم آمیزی میں کوتاھی بھی نه ھوئی - سیاسی زندگی کی سرگردانیاں کیسی ھی سخت کیوں نه رھی ھوں، لیکن ذھن و فکر کی مشغولیتوں میں کبھی خلل نه ڈال سکیں - لوگوں نے گوشه ھائے چمن کے سکون اور مکتب خانوں کے بے خلل استغراق میں علم و نظر کے مرحلے طے کیے ھیں، لیکن یہاں جو کچھه پیش آیا یه تھا که سیاسی و ملکی صف آرائیوں کے ھنگامے تھے، یا نظر بندی کی سختیاں اور قید خانے کی کوٹھریاں تھیں - تاھم دماغ اپنے کاموں میں مشغول اور فکر اپنی کاوشوں میں سرگرم تھا :

تا دست رسم بود زدم چاک گریباں
شرمندگی از خرقۂ پشمینه نه دارم

لیکن اس کارخانۂ طبیعت میں کوئی چیز بھی اپنے قدرتی خواص معطل نہیں کردے سکتی - برق کے لیے گرنا اور خرمن کے لئے جلنا ناگزیر ھے - نتیجه یه نکلا که اگر ایک طرف ذوق علم کاغذ و قلم کے انبار لگا رھا تھا، تو دوسری طرف سیاسی مشغولیت کی آتش افروزیاں بھی اپنے کام میں سرگرم تھیں :

متاعی جمع کن شاید که غارتگر شود پیدا !

سنه ۱۶ - سے لیکر سنه ۲۱ - تک یکے بعد دیگرے اس طرح کے حالات پیش آتے رھے که ایک طرف میں اپنا سرمایۂ فکر جمع کرتا جاتا تھا - دوسری طرف دست برد زمانه اُنہیں پوری بے دردی کے ساتھه منتشر کرتا جاتا تھا - اور چونکه یه خود اپنی اختیار کردہ زندگی کا لازمی نتیجه تھا، اس لیے ...

(سنه ۱۶ - سے ۲۱ - تک)

سنه ۱۶ - میں جب بنگال سے مجھے خارج کیا گیا اور رانچی گیا، تو یه وہ وقت تھا که البلاغ اور دارالارشاد کی مشغولیت کے ساتھه میں نے اپنے افکار و تحقیقات کی تحریر و ترتیب بھی شروع کردی تھی - جن امور کی تکمیل و ترتیب پیش نظر تھی، وہ کسی ایک ھی موضوع سے تعلق نہیں رکھتے تھے - بے شمار گوشے سامنے آتے تھے، اور ھرگوشۂ نظر میں اس کثرت سے متفرق اور منتشر حقیقتیں نمایاں ھوتی تھیں که ان سب کا جمع کرنا، اور اصول و کلیات کے ماتحت لانا آسان نه تھا - ضرورت تھی که عرصه تک فکر و کاوش کا معامله جاری رھے بہت سی چیزیں ابتدائی شکل میں مرتب ھوئی تھیں - بہت سی نا تمام تھیں - برسوں سے دماغ اس کا عادی ھوگیا ھے که ھمیشه کسی نه کسی گوشۂ تحقیق کی فکر اور کسی نه کسی عقدۂ کار کے حل میں مشغول رھتا ھے، اور اسلیے بے شمار یاد داشتیں جو فی الحقیقت کسی نه کسی معاملۂ علم و تحقیق کی اصولی بنیادیں ھوتی ھیں، قلم سے نکلتی رھتی ھیں - اُسوقت تک کم از کم ایک ھزار چھوٹے بڑے پرچے تو صرف یاد داشتوں ھی کے سیاہ ھوچکے ھونگے !

تالیف نسخه ھاے وفا کر رھا تھا میں
مجموعۂ خیـــال ابھی فرد فرد تھا !

یه تمام ذخیرہ، دماغ کا حاصل اور زندگی کا سرمایه تھا - اسمیں سے کچھه حصه تو اپنے ساتھه رانچی لے گیا تھا - باقی حصه کلکته کے سکونتی مکان میں چھوڑ دیا تھا - کیونکه اُسوقت حالات کی رفتار کچھه عجیب طرح کی تھی - نہیں کہا جاسکتا تھا که مستقبل میں کیا پیش آئیگا - لیکن جب پانچ ماہ کے بعد حکومت ھند نے میری نظر بندی کے احکام جاری کیے، تو ایک ھی وقت میں رانچی اور کلکته، دونوں جگه خانه تلاشی کی گئی - اور پھر اُس وقت سے لگاتار سلسله اس کا جاری ھوگیا - رانچی میں دو مرتبه اور کلکته میں تین مرتبه یه معامله پیش آیا - کلکته میں نه صرف میرے سکونتی مکان اور مطبع ھی کی تلاشی لی گئی بلکه اُن تمام مکانات کی بھی لی گئی جہاں کوئی ادنی سا شبه بھی میرے کاغذات کی موجودگی کا ھوسکتا تھا - کاغذات زیادہ تر متفرق مسودات تھے - یاد داشتیں تھیں - مجمل اشارات تھے - میں عموماً یاد داشت فارسی میں یا عربی میں لکھا کرتا ھوں کیونکه اردو میں اختصار ممکن نہیں - تلاشی کا کام زیادہ تر انگریز حکام یا بنگالی ماتحتوں کے ذمه تھا - اگر ان میں کوئی مسلمان تھا بھی تو ٹوٹی پھوٹی اردو کے سوا کچھه نہیں جانتا تھا - نتیجه یه نکلا که ھر کاغذ پر اسرار اور ھر سطر سیاسی راز بنگئی، اور سب کو ایک ڈھیر کی شکل میں جمع کرکے قبضه میں لے لیا گیا - کاش احتیاط کے ساتھه جمع کرتے اور احتیاط کے ساتھه رکھتے - لیکن ان میں کون تھا جسے ان چیزوں کا درد ھوتا ؟ نتیجه یه نکلا که نصف سے زیادہ اوراق تو تلاشی کے وقت کی بے احتیاطیوں میں ضائع ھوگئے، اور نصف جو باقی رھے، انھیں بھی اس بے احتیاطی کے ساتھه اِدھر اُدھر جوڑ دیا گیا که کوئی ایک چیز بھی اپنی اصلی شکل میں باقی نه رھی - پھر اس پر طرہ یه که یه برباد شدہ ذخیرہ بھی پورا واپس نہیں ملا - جو کاغذات کلکته سے لیے گئے تھے، بیان کیا جاتا ھے که کچھه دنوں تک پولیس کمشنر کے دفتر میں رکھے گئے - اتفاقاً وھاں کے ایک گوشه میں آگ لگ گئی - اور دفتر کے سامان کے ساتھه بعض اوراق بھی جل گئے - پولیس کے دفتر میں آگ بھی لگنی تھی

الہلال کا تیسرا دور

باز نوائے بلبـــلاں عشق تو یاد می دهد !
هر که بعشق نیست خوش عمر به باد می دهد !

(مقاصد و مطالب)

جب کسی چیز کے اوصاف اُسکی خصوصیات کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں تو پھر ذات اور صفات کی تفریق اٹھہ جاتی ہے - ذات کا تصور ہی اوصاف کے تصور کیلئے کافی ہوتا ہے - الہلال کے ظاہری و باطنی اوصاف جتنے بھی تھے اور جیسے کچھہ بھی تھے، خصوصیات کا درجہ رکھتے تھے، اور اب بھی کہ گیارہ برس کی کافی مدت گزر چکی ہے، بدستور خصوصیات ہیں - پس جہانتک مقاصد و مطالب کا تعلق ہے، کسی تشریح و تفصیل کی ضرورت نہیں - صرف اسقدر کہدینا کافی ہے کہ الہلال تیسری مرتبہ اسلئے نکل رہا ہے تاکہ تیسری مرتبہ الہلال نکلے - الہلال کے مقاصد و مطالب کی تشریح میں اگر صفحے کے صفحے لکھڈالے جائیں، جب بھی اتنی وضاحت نہ ہوسکے گی، جتنی اس ایک جملہ میں موجود ہے :

تو خود حدیث مفصل بخوان ازین مجمل

لیکن ممکن ہے بعض طبیعتوں کیلئے کہ معانی و حقیقت سے کہیں زیادہ صورت و لفظ سے آشنائی رکھتے ہیں، یہ کافی نہو اور اُنکا انتظار باقی رہے، اسلئے بہتر ہوگا کہ چند الفاظ اس بارے میں بھی حوالۂ قلم کردیے جائیں -

(مقاصد خاص و مقاصد عام)

الہلال جب سنہ ۱۹۱۲ - میں نکلا تھا تو اُس کے پیش نظر کچھہ مقاصد تو خاص قسم کے تھے اور کچھہ عام قسم کے -

عام مقاصد کا تعلق علم و ادب اور سیاست و صحافت کے عام مباحث سے تھا، اور مقصود یہ تھا کہ اردو زبان میں ہر اعتبار سے ایک ایسا بلند پایہ رسالہ وجود میں آجائے جو زمانہ کی رفتار ترقی کا ساتھہ دے سکے، اور فکر و نگارش کے ہر میدان میں ایک نئی قسم کی بلندی پیدا کردے -

خاص مقاصد کا تعلق اُس کی "دعوت" سے تھا - وہ دعوت جو مذہب میں مجتہدانہ نظر و فکر کا ایک نیا دروازہ کھولتی تھی، اور سیاست میں آزادی فکر و عمل اور علوے نظر و رائے کی طرف مسلمانوں کو لیجانا چاہتی تھی - اُس کی دعوت کا معاملہ اس درجہ وسیع اور گہرا ہے کہ یا تو صرف مجمل اشارہ کیا جا سکتا ہے، یا پوری تفصیل کی جاسکتی ہے - ادھوری تفصیل یا تفصیل نما اجمال سود مند نہوگا - اس لئے صرف اشارہ پر اکتفا کرتا ہوں -

بہر حال اس کے مقاصد کا ایک حصہ "دعوت" تھا اور یہ خاص تھا - ایک حصہ علم و ادب اور صحافت و کتابت کے اعلیٰ نمونوں پر مشتمل تھا اور یہ عام تھا - اس کی "دعوت" نے اگر قوم کی سیاسی و دینی ذہنیت (منٹیلٹی) میں انقلاب پیدا کرنا چاہا تھا، تو تحریر و کتابت نے اردو ادبیات کی رفتار بدل دینی چاہی تھی - ان دونوں قسموں کے مقاصد میں اُسے کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ؟ اُس کے جواب کا معاملہ اب تاریخ کے سپرد ہوچکا ہے - بہتر ہے کہ اس میں مداخلت نہ کی جائے -

دنیا اور دنیا کے ساتھہ ہندوستان گیارہ بارہ برس آگے بڑھچکا ہے سنہ ۱۲ اور ۲۷ کے درمیان تغیر و ترقی کی ایک بڑی مسافت حائل ہے - تاہم جہانتک الہلال کے عام و خاص مقاصد کا تعلق ہے، صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی - اسکے لئے اب بھی دونوں میدان عمل ویسے ہی منتظر و باز ہیں، جیسے سنہ ۱۲ اور ۱۶ میں تھے - اب بھی اسکی "دعوت" کیلئے وقت کی احتیاج راہ تک رہی ہے - اور اسکی تحریر و کتابت اور آرایش اوراق و صحائف کی جگہ بزم سخن میں خالی ہے - البتہ حالات کی تبدیلی نے سفر میں نہیں لیکن منزل کے محل میں ضرور تبدیلی کردی ہے - پہلے اگر اسکا سفر ابتدا کے نقطہ سے شروع ہوا تھا تو آب بعد کی منزلوں سے شروع ہونا چاہیے پہلے دعوت کی ضرورت اسلئے تھی کہ راہ کھلے اور سفر شروع ہو اب کہ دروازہ کھل چکا ہے اور قدم بھی رسم و راہ سفر سے نا آشنا نہ رہے، اسکی صدائیں اسلئے مطلوب ہیں کہ راہ کی مشکلیں حل کی جائیں، اور سعی و طلب کے جو قدم اٹھہ چکے ہیں وہ بے راہ روی سے محفوظ رہیں :

مرا دو خضر عناں گیر باید از چپ و راست
کہ کم رہی نہ کنم ور نہ عزم راہ خطاست !

اِس سلسلہ میں اگرچہ بہت سی چیزیں اہم ہیں اور انہیں جلد از جلد بیان میں آنا چاہئے، لیکن خصوصیت کے ساتھہ تین موضوع وقت کی ضروریات کے اصلی موضوع ہیں، اور اسلیے الہلال کے صفحات پر اُنکا خصوصیت کے ساتھہ انتظار کرنا چاہئے :

(۱) ملک کی موجودہ سیاسی زندگی کے عملی مسائل .

(۲) مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا موجودہ ذہنی و عملی انتشار جو پچھلی حرکت کے رد فعل (ری ایکشن) کی صورت میں نمایاں ہوا، اور اسکے عملی مسائل و مباحث .

(۳) مسلمانان ہند کی قومی و اجتماعی ذہنیت کی تشکیل اور اسکے اہم مباحث .

(الہـلال کے دینی اور علمی مباحث)

اِنکے علاوہ ایک اور قسم بھی اہم ہے - الہـلال نے اپنے دینی علمی مباحث میں نظر و تحقیق کا ایک خاص دروازہ کھولا تھا لیکن وہ محض ابتدا تھی - ضرورت تھی کہ ان بنیادوں پر عمارتیں اٹھائی جاتیں - بارہ سال گزر گئے - لوگ انتظار کرتے کرتے تھک گئے انتظار و طلب نے مایوسی کی شکل اختیار کرلی - لیکن مجھے مہلت نہ ملی کہ اس کام کی تکمیل و اشاعت کی طرف متوجہ ہوتا - اصحاب علم و ذوق اُن چیزوں کے طلب گار تھے، اُن پر میری ملکی مشغولیتیں شاق گزرتی تھیں - وہ چاہتے تھے، ہمہ تن انہی کاموں کیلئے وقف ہو جاؤں - میں اپنی سیاسی مشغولیت ترک کر دینے پر قادر نہ تھا - اب بھی قادر نہیں ہوں - لیکن ساتھہ ہی یقین رکھتا ہوں کہ نہ صرف علمی و دینی تحقیقات کے لحاظ سے بلکہ خود قوم کی عملی زندگی کی صحیح نشوؤنما کیلئے اُن کاموں کی تکمیل سب سے زیادہ ضروری ہے -

موجودہ ترکی شاعری کا ایک نمونہ

شاعـــر اور بلبل

موجودہ عہد کے ترک اهل قلم نے جدید ترکی علم ادب کو دو قسموں میں منقسم کر دیا ہے - پہلی قسم " قبل از دستور " کی ہے - دوسری " بعد از دستور " کی - " دستور " سے مقصود سنہ ۱۹۰۸ کا انقلاب ہے جب عثمانی پارلیمنٹ قائم هوئی تهی -

عہد " بعد از دستور " کے شعرا میں ضیاء الدین خسرو زادہ خصوصیت کے ساتھہ قابل ذکر هیں - عالمگیر جنگ سے پہلے انکے کلام کا ایک مجموعہ " نغمۂ فلک " کے نام سے شائع هوا تها اور اس درجہ مقبول هوا تها کہ فرانسیسی اور طلیانی زبانوں میں بهی اسکا ترجمہ هوگیا - اب انکے کلام کا ایک نیا مجموعہ " نغمۂ ارض " شائع هوا ہے - " نغمۂ فلک " میں اجرام سماوی کی بزم طرب آراستہ کی گئی تهی - لیکن نغمۂ ارض زمین کے مناظر حسن اور سامان جمال کی طرف دعوت نظر اور صلاے ذوق ہے !

اس مجموعہ میں پہلی نظم " شاعر اور بلبل " کے عنوان سے ہے اور چار حصوں میں ختم هوئی ہے - هم اسکے ایک حصہ کا ترجمہ آج شائع کرتے هیں - اُردو کے شائقین ادب اِس سے اندازہ کرسکینگے کہ موجودہ ترکی شاعری کے ذوق و تخیل کا کیا حال ہے ؟

***

" شاعـــر اور بلبل "

شعرا نے بلبل دیکھی اور اُس سے سوال کیا :

" گانا ختم کرنے کے بعد تیری جگہہ کہاں هوتی ؟ "

بلبل نے جواب میں اپنے شیرین راگ شروع کردیے - سب کے دل دہلا دیے - سب کے سر جھک گئے - ایک لمحہ کامل خاموشی میں گزر گیا !

آخر ایک شاعر نے سر اٹھایا :

" ایسی عجیب چڑیا ہے ! دنیا کی تمام زبانیں سمجھتی ہے - اسی لیے روئے زمین کے سب ملکوں کی سیاحت کرچکی ہے ! "

دوسرے نے کہا :

" بے شک یہ تمام زبانیں سمجھتی ہے - لیکن خود ایک ایسی زبان بولتی ہے جسے گو سمجھتے سب هیں مگر بول کوئی نہیں **سکتا** — "

سب گردنیں جھکاکر بحر خیال میں ڈوب گئے - پھر کسی نے ایک لفظ بھی نہ کہا !

شاعر جمع تھے - رات کا وقت تھا - تاریکی پھیلی هوئی تھی -

چمن زار سے بلبل نکلی - قریب کے درخت پر آبیٹھی دلکش نغمے بلند هوگئے - هر شاعر کا سر بے اختیار اٹھہ گیا -

مجمع پر کامل خاموشی چھائی تھی !

راگ دلفریب اور فضا غمناک تھی !

ایک شاعر کی آنکھیں اشکبار هوگئیں :

" جا ' جا ' — او خوش گلو گویے جا — دوست عزیز — آہ تو نے میرے وطن کے شفاف آسمان کے نیچے پرورش پائی ہے — میرے دل کے دونوں پٹ تیرے لئے کھل گئے — میں تجھسے محبت کرتا هوں — وطن عزیز اور میرے دوستوں کا حال سنا — مجھے وہ دل کشا باغ و چمن یاد هیں — وہ بلوری نہر — وہ چھوٹی سی پہاڑ کی چوٹی — زرافشاں کرنوں میں چمکتی هوئی — وہ آباد شہر مجھے سب کچھہ ابتک یاد ہے — تیری شیریں آواز نے فراموشی کے بادل میرے دماغ سے هٹا دیے — یاد داشت رفتہ واپس آگئی — تذکار محزون نے پھر زخم دل بنکر نشتر چبھو دیا - آہ ! مجھے ایسا محسوس هوتا ہے کہ میرے کان پانی بہنے کا شور سن رہے هیں — پہاڑوں اور جنگلوں سے پانی لہراتا هوا باغوں میں چلا آرہا ہے - هرے بھرے باغ — سرد و شیریں پانی — افسوس ! میں پردیس کی مصیبتیں کیوں جھیل رہا هوں ؟ رنج و کلفت میں کیوں اسیر هوں — ؟ "

بلبل نے راگ میں جواب دیا :

" آسمان پر سورج چاند کی جوڑی همیشہ بنی رہے ! ستاروں کی بزم عشرت کبھی برهم نہ هو ! هم هر وقت انسے لطف اٹھاتے هیں — چشموں کے نغمے هر انسان کیلئے گاتے هیں — امیدوں کا طائر میمون هر دل پر بازو کھولے اڑ رہا ہے - محبت کی دیوی سب سے هم آغوش هونے کو طیار ہے — مسرت کی مقدار لامتناهی ہے — عیش حیات کی صراحی کبھی خالی نہیں هوتی — کامرانی کا جام همیشہ سے گردش میں ہے — جتنا جی چاہے پی لو — آخر کار هم ایک هی مکان کے صحن میں جمع هونگے — وهاں ' اس آخری وطن میں ' اپنے محبوب عزیز کو گلے لگائینگے — "

روتے هوئے شاعر نے ٹھنڈی سانس بھری اور چپ هوگیا ۔

**

دوسرے شاعر کی المناک آواز بلند هوئی :

" میرے وطن کی سرحدیں کس طرح طے کیں ؟ — خوبصورت چڑیا ! هم وطنوں نے تجھے کیوں جانے دیا ؟ — کسی نے بھی تجھے نہیں روکا ؟ — کیا تو پھر وهاں جائیگی ؟ — اگر جائیو تو مجھے بھی ساتھہ لیتی جائیو — پھولوں سے لدے پھندے باغ اپنے ساتھہ لے چل! آہ وہ باغ جنکی مخملی زمین پر میری محبتیں بچھی تھیں — میں یہاں غمزدہ هوں — زندگی اور کامرانی کا بوسہ حاصل کرنے سے پہلے هی قبر کی آغوش میں چلا جاونگا - آہ ' زندگی اور کامرانی کا بوسہ — نئے چمکتے هوے آفتاب کا بوسہ — ماہ دو هفتہ کی سرد اور پر عیش کرنوں سے هم آغوشی — لیکن میری قبر پر ایک ناتمام آنسو بھی نہیں بہایا جائیگا — "

بلبل نے جواب دیا :

" آفتاب و ماهتاب کی جوڑی سلامت رہے — زندگی میں سب انسے مسرت لوٹتے هیں — هم سب کے سروں پر آسمان کی نیلی شبنمی تنی ہے — هر دل میں آرزوئیں هیں — هر روح

ان مسودات میں حسب ذیل کتابیں ایک حد تک مرتب تھیں :

تاریخ معتزلہ - سیرۃ شاہ ولي اللہ - دیوان غالب اردو پر تبصرہ - خصائص مسلم - امثال القران - شرف جہاں قزویني پر تبصرہ - مقدمۂ تفسیر کے نا تمام اجزاء - ترجمان القران کا مسودہ سورۂ ھود تک - تفسیر البیان سورۂ نساء کے ابتدائي حصہ تک - مضامین اور یاد داشتوں کا ذخیرہ انکے علاوہ ھے - قیام رانچي کے ابتدائي زمانے میں دو رسالے نئے لکھنا شروع کیے تھے - ایک وحدۃ قوانین کائنات پر - دوسرا قانون انتخاب طبیعي اور معنویۃ کائنات پر - انکے اوراق بھي اسي ذخیرہ میں شامل ھوگئے -

اسکے بعد رانچي کي زندگي میں وھاں کي مقامي خدمات سے جسقدر وقت بچا' تصنیف و تالیف میں صرف ھوا - مقدمہ' ترجمہ' اور تفسیر کے بارے میں بہت سي تبدیلیاں فکر و خیال میں ھوگئي تھیں - تقریبا از سر نو کام شروع ھوا تھا - جنوري سنہ ۲۰ - میں اپنا تمام نیا ذخیرہ لیکر رانچي سے نکلا - اس مرتبہ ارادہ کرلیا تھا کہ کم از کم ترجمان القران کسي نہ کسي طرح شائع کر دینا چاھئے - اسي خیال سے متن قران کي کاپیاں ایک دوست عزیز کے اپنے اھتمام و صرف سے لاھور میں لکھوالیں' اور ترجمہ کي کتابت کا کام بھي ستمبر ۱۹۲۱ - میں شروع ھوگیا -

اگر پانچ چھہ ماہ تک بھي یہ حالت باقي رھتي' تو باوجود ھر طرح کي سیاسي مشغولیت کي سرگرانیوں کے عجب نہیں کہ کسي نہ کسي طرح یہ ایک چیز مکمل ھوجاتي - لیکن اسے کیا کیجیے کہ اگر ایک طرف ان خرمن سازیوں اور سرمایہ اندوزیوں کي کوششیں جاري تھیں - تو دوسري طرف نگاہ برق کي دعوت میں بھي کوتاھي نہیں ھوئي تھي - ۱۰ - دسمبر سنہ ۱۹۲۱ - کو میں گرفتار ھوا' اور پھر خانہ تلاشیوں کا سلسلہ شروع ھوگیا - مختلف اغراض سے (جنکي تشریح کا یہ موقعہ نہیں) پے در پے تلاشیاں لي گئیں -

نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف بے شمار مسودات و اوراق' بلکہ کتابت کي ھوئي کاپیاں کا بھي تمام ذخیرہ پریشان و منتشر ھوکر پولیس کے قبضہ میں چلا گیا - ۶ - جنوري سنہ ۲۳ - کو جب رھا ھوکر واپس آیا' تو سنہ ۱۹۱۹ - سے لیکر سنہ ۲۰ - تک کي تمام محنت تقریبا رائگاں ھوچکي تھي !

وعاقي بسا عندنا لوصال و دعونا * بوصان ليوم لوى و ليوم صدود

مقدمہ کي روداد کے بعد اوراق واپس ملے' لیکن تمام تر ناقص' منتشر' اور برباد شدہ تھے - اب بغیر نئي محنت کے ان کا کوئي حصہ بھي کام نہیں دے سکتا تھا - یہ بربادي پہلي بربادي سے بھي زیادہ ھمت شکن تھي' لیکن چونکہ خود اختیاري حالات کا نتیجہ تھي' اس لئے جس طرح پہلي مرتبہ صبر و خاموشي سے ساتھ برداشت کرلي گئي تھي' اس مرتبہ بھي برداشت کرلینی پڑي - حتی کہ آج سے پہلے شاید اسکا تذکرہ بھي قلم و زبان سے اسقدر نہیں ھوا -

جن لوگوں کو تصنیف و تالیف کے معاملات کي خبر ھے' وہ جانتے ھیں کہ ایک مفکر اور اھل قلم کے لئے یہ بات کتني مشکل اور اذیت دہ ھوتي ھے کہ اپنی لکھي ھوئي چیز برباد دیکھے اور دوبارہ قلم اٹھانے پر مجبور ھو - مشہور ھے کہ جب کارلائل کي تاریخ انقلاب فرانس کا مسودہ جل گیا' تو عرصہ تک اس کا یہ حال تھا کہ قلم پکڑتا اور بغیر ایک حرف لکھے چھوڑ دیتا - کارلائل کا حادثہ اتفاقي تھا - اس لیے اسے شکایت زیب دیتي تھي اور اُس کي بے شکیبي بھي قابل ملامت نہیں - لیکن مجھے جو حوادث پیش آئے' اتفاقي نہ تھے - اختیاري تھے - اس لیے دل کے لیے کتنے ھي درد انگیز اور ھمت شکن ھوں' لیکن دماغ کے لیے ان میں کوئي وجہ شکایت نہیں ھوسکتي تھي - مجھے دونوں مرتبہ تسلیم کرلینا پڑا کہ یا تو اس طرح کي زندگي اختیار نہیں کرني تھي - یا کي ھے تو پھر اس کے تمام لازمي نتائج گوارا کرلینے چاھئیں - سرمد کا فیصلہ صرف ایک گوشۂ عشق ھي کا نہیں بلکہ انسان کي تمام مصیبتوں کیلئے عام و ابدي فیصلہ ھے :

یا تن بہ رضاء دوست مي باید داد * یا قطع نظر ز یار مي باید کرد !

قصد کے خلاف اس حصۂ بیان میں بہت طول ھوگیا - مختصر یہ ھے کہ جہانتک میري مذھبي اور علمي تدوینات کا تعلق ھے' حالات کي رفتار کچھہ عجیب طرح کي رھي ھے - عرصہ کے انتظار و التواء اور بار بار کي تعمیر و تخریب سے طبیعت کچھہ اس طرح اکتا گئي ھے کہ اب نہ تو ترتیب و ضبط کي طرف مائل ھے' نہ آرائش گفتار اور زینت بیان کا شوق ھے - صرف یہ چاھتا ھوں کہ جس طرح بھي بنے' اور جس شکل و حالت میں بھي ممکن ھو' وہ تمام مطالب و تحقیقات ایک مرتبہ شائع ھو جائیں' جو اس تمام مدت کي دماغي گردش و جستجو کا نتیجہ ھیں -

چنانچہ اب کہ الھلال دوسري مرتبہ شائع کرنا پڑا ھے' اسکے صفحات کا ایک خاص حصہ اس مقصد کیلئے بھي وقف رھیگا -

البتہ یہ یاد رھے کہ نہ تو ھر طبیعت ان مباحث کي شائق ھے اور نہ ھر مخاطب انکے بار فہم کا متحمل :

بزم میں اھل سخن بھي ھیں تماشائي بھي !

رسالہ کي حسن ترتیب بھي اسکي متحمل نہیں کہ کوئي ایک ھي قسم کي چیز زیادہ جگہ روک لے - اسلئے ناگزیر ھے کہ حسب گنجائش جستہ جستہ جگہ نکالي جاے' اور ترتیب اشاعت ایسي اختیار کي جاے کہ صحبت کا ذائقہ بدلتا رھے - ایک ھي سلسلۂ بیان سے طبیعتیں اکتا نہ جائیں

(عام مقاصد)

لیکن اگر ان خاص مقاصد سے قطع نظر کرلي جاے' جب بھي عام مقاصد کي ضرورت و اھمیت کا یہ حال ھے کہ اگر الھلال کے درجہ کے دس رسالے بھي ملک میں شائع ھوں جب بھي ضرورت پوري نہوگي -

چند حقیقتیں صاف اور تسلیم شدہ ھیں - یقینا ان میں دو رایوں کي گنجائش نہیں : موجودہ زمانہ "پریس" اور مطبوعات کا زمانہ ھے - نہ صرف علم و ادب کي ترقي کیلئے بلکہ قومي و اجتماعي زندگي کي نشو و نما کیلئے بھي انکا وجود نا گزیر ھے - علم و ادب کي صحیح ترقي بجاے خود قوم کے اجتماعي ذھن و فکر کي ترقي ھے - جیسے جیسے اسکي سطح بلند ھوگي' ویسي ھي قومي زندگي کي سطح بھي بلند ھوتي جائیگي - جہانتک "پریس" اور صحافۃ (جرنلزم) کا تعلق ھے' دنیا اسقدر آگے نکل چکي ھے کہ اب دس برس پہلے کي صحافۃ صدیوں کي پراني چیز معلوم ھوتي ھے - قومي زندگي کي تعمیر کیلئے ایک بنیاد کي اینٹ زبان ھے - زبان کي ترقي کے لئے پہلي چیز اسکي ادبیات (لٹریچر) ھیں - ادبیات کي نشو و نما بغیر اعلی درجہ کے رسائل و مطبوعات کے ممکن نہیں -

بہر حال اس طرح کي وہ تمام باتیں جو معروف و معلوم ھیں' اگر صحیح ھیں' تو کیا اسکي ضرورت لوگ محسوس نہیں کرتے کہ تمام بر اعظم ھند میں کم از کم ایک رسالہ اُردو کا ایسا موجود ھو جو اپني ظاھري اور باطني خصوصیات میں دنیا کي ترقي یافتہ صحافۃ کا نمونہ پیش کرسکے ؟

دنیا نے انیسویں صدي کے اوائل میں طباعت و صحافۃ کا کام جس نقطہ پر چھوڑا تھا' اُردو زبان کي صحافۃ سنہ ۱۹۲۷ - میں اُس پر قناعت کیے ھوے ھے - آخر یہ حالت کب تک باقي رھیگي ؟

مطبوعات جدیده

کیا یورپ میں عربي نسل موجود ھے ؟

مندرجۂ صدر سوال کے جواب میں ڈاکٹر احمد شاھین ایک مصري اهل قلم نے ایک دلچسپ کتاب شائع کي ھے جو مصر کي تازہ ڈاک میں آئي ھے - اِس میں مختلف تاریخي اور جغرافیائي مصادر سے ثابت کیا ھے کہ اسوقت تک براعظم یورپ کے مختلف مقامات میں عربي نسل کي آبادیاں موجود ھیں - غالباً اس موضوع پر یہ پہلي کتاب ھے جو تاریخي تحقیقات کا ایک نیا میدان اهل نظر کیلئے مہیا کرتي ھے - مصنف نے فرانس کي عربي النسل آبادي کے بارے میں جو کچھ لکھا ھے' ھم اس کا خلاصہ یہاں ترجمہ کر کے درج کرتے ھیں :

" ساتویں صدي کے اوائل میں عربوں نے فرانس پر حکمراني کي تھي - کاسون کے علاقہ پر اُنکا پورا قبضہ تھا اور یگور' رویگ' جیود' وان ڈگلے' لورا' اور وادي رون تک اُنکي فوجیں بڑھتي رھتي تھیں - اُنکا سب سے بڑا حریف ڈیوک ڈاکٹن تھا' اور برابر مقابلے کر رھا تھا - لیکن جب اُسکا ایک نیا دشمن پرنس چارلس مارٹل پیدا ھو گیا' تو اُس نے عربوں سے صلح کرلي اور اپني لڑکي عرب سپہ سالار عثمان بن علي سے بیاہ دي - اِسکے بعد سنہ ۲۵۵ ھ میں خود عربوں میں پھوٹ پڑ گئي - سپہ سالار عثمان نے خلیفۂ اندلس سے الگ ھو کر خود مختاري کا اعلان کر دیا - خلیفہ نے اُسکي سرکوبي کیلیے ایک فوج گراں بھیجي - اهل یورپ نے یہ حالت دیکھي تو باھم متفق ھوکر عربوں کے مقابلہ پر آ گئے اور " بواتیہ " کا تاریخي معرکہ واقع ھوا - عربوں کو شکست ھوئي' اور وہ فرانس میں ھرطرف بھاگ نکلے - فرانس کے عام باشندوں نے اُنکے ساتھ بد سلوکي نہیں کي' بلکہ مفرورین کا گرم جوشي سے خیر مقدم کیا - اُنکي شرافت' نیکي' اور اخلاق کي شہرت وہ مدت سے سنتے آئے تھے .

فرانسیسیوں کا یہ حسن ظن آج تک باقي ھے - دیہاتوں میں ابتک عربوں کي شجاعت اور فیاضي کي داستانیں پھیلي ھوئي ھیں جب کاموں سے فارغ ھوکر فرانسیسي کسان رات کے وقت بیٹھتے ھیں تو یہ پراني کہانیاں ایک دوسرے کو سنایا کرتے ھیں .

مقام کونٹر کسویل کے قریب ایک گاؤں " کرنبلیہ " نام موجود ھے - یہاں کے باشندے عام فرانسیسیوں سے بالکل علحدہ زندگي بسر کرتے ھیں - اُنسے رشتہ داریاں بھي منظور نہیں کرتے - اِنکي زبان بھي خاص ھے دوسرے لوگ اُسے نہیں سمجھتے - کیونکہ اُس میں عربي الفاظ بکثرت موجود ھیں - یہ لوگ شادي کي تقریب میں فرانسیسوں کي طرح ناچ کے جلسے بھي نہیں کرتے - اپني عورتوں کو باھر نکلنے سے بھي روکتے ھیں - اُنکي اکثر عورتیں ابتک برقعہ پہنتي ھیں .

فرانس کے اندروني علاقوں میں بکثرت ایسے دیہاتي موجود ھیں جو اپنے رنگ' ذھانت' اور محنت و مشقت میں عام فرانسیسیوں سے بالکل مختلف ھیں - یہ لوگ بھي دراصل عربي نسل سے ھیں - ملک کي آب و ھوا نے اُنپر زیادہ اثر نہیں ڈالا - صرف زبان بدل گئي ھے - تاھم " اللہ " کا تلفظ اسوقت تک صاف کرتے ھیں - اِس لفظ کا استعمال اُنکي زبان میں عام ھے - اور بھي بہت سے عربي لفظ اُنکي بول چال میں موجود ھیں .

یہي باعث ھے کہ مشہور فرانسیسي مورخ مسیو جیمو نے لکھا ھے :

" جب کسي دہقان کو دبلا' سانولا' تیز نظر' اور جري پاؤ' تو سمجھ لو کہ وہ قدیم عربوں کي نسل سے ھے "

ایک دوسرا مورخ تصریح کرتا ھے :

" میں نے بہت سے فرانسیسي کسان ایسے دیکھے ھیں جنکے نام ابتک عربي ھیں - مثلاً فتح اللہ' عبد اللہ' باب اللہ وغیرہ - اُن کي زبان بھي عربي ھے اگرچہ بگڑ گئي ھے - میرے سوال پر اُنھوں نے بتایا کہ اُن کا نسب محفوظ ھے اور یہ کہ وہ عربي النسل ھیں "

ڈوسب اور ڈوریان بوگے کے علاقوں کے باشندے ابتک عربوں کو یاد کرتے اور اُن کي بڑي تعریفیں کرتے ھیں - وہ تمام قدیم آثار اور شکستہ قلعوں کو عربي بتاتے ھیں - مغربي اور متوسط فرانس میں ابتک بہت سي عربي یادگاریں مثلاً پھاٹک اور کنویں وغیرہ موجود ھیں - اُن کے نام بھي عربي ھیں - اگرچہ اُنھیں فرانسیسي لب و لہجہ نے مسخ کر ڈالا ھے .

تاریخ' عربي فتوحات کي برکتوں کے ذکر سے لبریز ھے - اُنھوں نے صرف یہي نہیں کیا کہ اُن تاریک زمانوں میں علم کا نور فرانس میں پھیلایا بلکہ ھر طرح کي تمدني اصلاحات بھي جاري کیں - چنانچہ آب پاشي کے ذرائع اُنھي نے مہیا کیے اور باشندوں کو اُنسے فائدہ اٹھانے کے طریقے سکھائے - مختلف قسم کے غلے لے گئے اور اُنکي کاشت رائج کي - الپس کے پہاڑوں پر عمدہ گھاس مویشیوں کیلئے اُنھي کي پیدا کي ھوئي ھے - اوبوسوں کے علاقے میں دري اور قالین بننے کے کارخانے قائم کئے - کورتین نامي گاؤں میں ابتک اِن کارخانوں کے عرب مزدوروں کي نسل موجود ھے - عربوں کے جانے سے پہلے فرانسیسي کشتي اور جہاز بنانا نہیں جانتے تھے - عربوں ھي سے اُنھوں نے یہ فن سیکھا - موسیو فرومنین اور گیلومیہ وغیرہ مورخین نے اپني کتابوں میں ثابت کیا ھے کہ اهل فرانس نے فن تعمیر بھي عربوں ھي سے سیکھا تھا - اِسکا زندہ ثبوت ابتک موجود ھے - فرانس کا موجودہ فن تعمیر صاف بتا رھا ھے کہ عربي ذوق اُس میں کار فرما ھے "

میں امیدوں کا بسیرا ہے — سب کا مسرت میں حصہ ہے —
نہ تو سورج کی کرنوں نے کبھی بخل کیا - نہ چاند کی بخشش
جمال میں کبھی کوتاہی ہوئی — آخر کار ہم سب ایک ہی
چار دیواری میں جمع ہونگے — وہاں اپنے محبوب عزیز کے بوسہ ہاے
عشق سے لذت دوام حاصل کرینگے ! "

***

عین اُس وقت کالی گھٹائیں ہٹ گئیں - ستاروں کے جھرمٹ
میں بدر منیر جھومتا ہوا بر آمد ہوا -

تمام تاریکیاں معدوم ہوگئی تھیں - آسمان کی مجلس شب
افروز آراستہ تھی - نور کے فرشتے صف بستہ کھڑے تھے !

ایک شاعر نے دبی زبان سے کہا :

" بلبل اپنی نغمہ سرائی میں صادق اور اپنے زیر و بم میں
معصوم ہے — یہ دیکھو ماهتاب سامنے ہے — اُسکی روپہلی چاندنی
ہمیں دعوت نشاط دے رہی ہے ! آخر کار دوستوں سے ملاقات
یقینی ہے — پھر ہم کیوں رنج کریں ؟ کیا سورج کی چمک ،
چاند کی مسکراہٹ ، ستاروںکی شب افروزی ، پھولوں کا قہقہہ ،
شاخوں کا رقص ، باد صبا کی اٹکھیلیاں ، دریاؤں کی خوش خرامی ، اور
پھر فطرۃ کے اس تمام جلوہ زار عیش و جمال کے سامنے اس مطرب
کائنات کی نغمہ سنجی ، ہمارے سرور روح کیلیے کافی نہیں ؟ "

سب کے چہروں پر اطمینان کا سکون پھیل گیا - لبوں پر تبسم
دوڑنے لگا - گویا اِس طائر میمون نے فکروں کا پہاڑ سر سے گرا دیا -

اب ہجر و فراق کا تلخ جام سب کے سامنے سے ہٹ گیا تھا - عیش
دوام کی صراحی سب کے منہ سے لگی تھی !

***

آتش دان کے سامنے ایک بوڑھا چپ بیٹھا تھا - افسردہ نگاہیں
آگ پر تھیں - ٹھنڈی سانس لیکر بولا :

" آہ ! میں اِس ایندھن کی طرح ہوں — قریب ہے کہ سب
لکڑی جل جائیگی — بالکل جل جائیگی — اِسی طرح میں
بھی عنقریب جل جاؤنگا — سر تا سر جل جاؤنگا — "

لیکن فوراً بلبل کی آواز کان میں آئی - مایوس بوڑھا جھنجھلا کر
بولا :

" چپ او زبان دراز چڑیا چپ — جوانی کے دن یاد نہ دلا —
وہ دن جب جسم میں قوت اور چستی تھی — جب کہ آنکھیں
دیکھنے سے تھکتی نہیں ، نہ کان سننے سے — خوشی کے دنوں کی یاد
تازہ نہ کر — میں اب زندہ اور پر امید انسان کی جگہ ہڈیوں کا
ایک ڈھیر ہوں — مجھے پچھلا زمانہ بھول جانے دے — "

بلبل نے جواب دیا :

" ماضی بعینہ مستقبل ہے — اگر مستقبل تاریک ہے تو ماضی
کی یاد آسے روشن کر دیگی — ماضی کی روح پرور نسیم ، حاضر کی
گرمی ہلکا کر دیگی — آفتاب زندگی ہر وقت درخشاں ہے —
خود ہم آسے اپنے فکروں کے بادلوں سے چھپا دیتے ہیں — "

ماضی ، حاضر ، مستقبل ، تینوں بوڑھے کے دماغ میں آگئے اور
مل جل گئے - دل میں گدگدی پیدا ہوئی - آرزوں کے معطر پھول
شگفتہ ہوگئے - وہ پھول جو چالیس برس کی عمر میں کلیوں کی
پنکھڑیاں توڑ کر مسکرائے تھے !

بوڑھے نے آہستہ سے کہا :

" بلبل نے سچ کہا — بے شک زندگی کا آفتاب ہر وقت روشن
ہے — شباب اور پیری ایک ہی ہے — عاقل پیری کو بھی
جوانی بنا سکتا ہے — بشرطیکہ جوانی کا پر جوش پانی بڑھاپے کے
ساکن پانی میں ملا دے — مسرت کے دنوں کی یاد سے
بڑھکر بھی کیا اس دنیا میں کوئی مسرت ہو سکتی ہے ؟ "

پھر وہ چارپائی پر لیٹ گیا اور بلبل کے نغموں میں بے خبر
سو گیا !

ماں

(مادری محبت و شعور پر چند خیالات)

" دنیا کا سب سے زیادہ دلکش اور مؤثر منظر کیا ہے؟ ماں کے وجود
کا منظر ہے جب وہ اپنے بچہ کو مامتا بھری نظروں سے دیکھتی ہے !
اِس سے زیادہ دلفریب نظارہ کوئی نہیں ہوسکتا کہ ہر قسم کے افکار
و خیالات سے خالی الذہن ، سادہ دل بچہ کودتا اچھلتا پھرتا ہے ، اور
اُسکی ماں مادرانہ محبت و ہوشیاری سے اُسکی معصومانہ حرکتوں
کی نگرانی کر رہی ہے ! " (ٹامس ڈمال)

***

" اُس احساس سے زیادہ خوشگوار احساس شاید کوئی نہیں جو
ماں کے دل میں اپنے بچہ کے کھلانے کے وقت پیدا ہوتا ہے - اس
احساس سے زیادہ الم ناک احساس کوئی نہیں جو ماں اپنے بچہ کو
تکلیف میں دیکھکر محسوس کرتی ہے - اِس باب میں عورت ، مرد
سے کہیں زیادہ زندگی اور زندگی کی حقیقت کا شعور رکھتی ہے "

" انسان ، باپ سے زیادہ ماں سے متاثر ہوتا ہے - سب سے پہلی
صورت جو ہمارے ذہن میں قائم ہوتی ہے وہ ہماری ماں ہی کی
صورت ہوتی ہے - ہم زندگی بھر اُس صورت سے متاثر رہتے ہیں -
جب ہم حسن کا احساس کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اپنی ماں کا
وہ چہرہ آجاتا ہے جو ہمیں ہنسایا کرتا تھا - کبھی ہم اُسی کے خط و خال
کو نا دانستہ حسن کا معیار قرار دیتے ہیں - ہم اپنی ماں کے کس
قدر مزاج داں ہوتے ہیں؟ صرف اُس کی آنکھیں دیکھکر ہم سمجھہ
جاتے ہیں کہ وہ خوش ہے یا ناخوش ، حالانکہ ہم بالکل بچہ ہوتے
ہیں اور ہمارا سادہ ذہن دنیا کی کوئی بات بھی سمجھنے کی
صلاحیت نہیں رکھتا " (بوفی)

***

" دنیا کی کوئی زبان بھی مادری محبت کی قوت ، خوبصورتی ،
اور بہادری کو الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی - مرد جھجھک کر رہ جاتا
ہے - اُس کی قوت جواب دے جاتی ہے ، مگر ماں اپنے بیٹے کی
محبت میں کبھی کمزور اور سست نہیں پڑتی - ماں ہمیشہ امانت
و اخلاص کا ستارہ بنکر زندگی کے اِس صحرا میں اپنے بچے کی رہنمائی
کرتی رہتی ہے " (شاپن)

***

" باپ بے اعتنائی کرسکتا ہے - بھائی دشمن بن سکتا ہے - زن
و شو میں عداوت پیدا ہوسکتی ہے - لیکن ماں کی محبت میں کبھی
فتور نہیں پڑ سکتا - وہ زندگی بھر یکساں حالت میں تر و تازہ رہتی
ہے - لڑکا کتنے ہی قصور کرے ، ماں کی محبت برقرار رہتی ہے - وہ
ہمیشہ آس لگائے بیٹھی رہتی ہے کہ کسی نہ کسی دن اُس کا
لخت جگر نادم ہوکر اُس کی شفقت بھری گود میں ضرور آجائیگا -
ماں زندگی بھر بچہ کی مسکراہٹ یاد رکھتی ہے - وہ مسکراہٹ جو
اُس کے سینہ کو مسرت سے لبریز کردیتی تھی ! اِس یادکی موجودگی
میں وہ کسی طرح بھی اپنی مادری محبت سے دست بردار نہیں
ہو سکتی " (واشنگٹن ارونگ)

ذریعہ جسم انسانی تک پہنچ جاتی ہیں - یہ اثر اگرچہ خطرناک نہیں ہے مگر کافی گھبراہٹ اور دہشت طاری کردیتا ہے - اس مچھلی کی یہ برقی قوت ایک مرتبہ عمل کرنے کے بعد پھر عارضی طور پر ختم ہو جاتی ہے اور جب تک کچھہ عرصہ سکون و آرام کی زندگی بسر نہ کرلے کام نہیں دیسکتی -

تارپیڈو کی تقریباً بیس قسمیں گرم اور نیم گرم سمندروں کے متفرق حصوں میں پائی جاتی ہیں -

(نیل کی برقی مچھلی)

برقی مچھلیوں کی دوسری جنس دریاے نیل میں پائی جاتی ہے ' جس کو علمی اصلاح میں الکٹریکس مالپٹیرورس (Electricus Malapterurus) کہتے ہیں - اس کی صورت تارپیڈو مچھلی سے مختلف ہے - یہ ایک چھوٹی سی مضبوط روغن‌دار مچھلی ہے جس کی کھال چکنی اور پر چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں - اسکی مونچھیں بھی ہوتی ہیں مگر چھوٹی - بھورے جسم پر چھوٹے بڑے سیاہ داغ ہوتے ہیں - اس مچھلی کا بھی برقی آلہ تقریباً تارپیڈو مچھلیوں کی طرح ہوتا ہے -

(ستارہ بیں)

برقی مچھلیوں کی تیسری قسم داغدار ہے - اس کا اصطلاحی نام ایسٹروسکوپس گوٹیٹس (Astrascopus guttatus) ہے - اسکی شکل سب سے علحدہ اور عجیب ہوتی ہے - یہ ایک چھوٹی مگر قوی‌الجثہ مچھلی ہے جو ایک فٹ لمبی اور صورت میں مینڈک سے مشابہ ہوتی ہے - اسکا سر بڑا اور اوپر کی طرف چپٹا ہوتا ہے - اسکے ٹھوس اور کھردرے بدن پر چھوٹے چھوٹے چھلکے ہوتے ہیں - جسم کے اوپر کا حصہ چھوٹے چھوٹے گول داغوں سے بھرا ہوتا ہے -

تارپیڈو برقی مچھلی

اس کی اصلی خصوصیت اسکے سر کی ساخت ہے - یہ سر ایک مربع بکس کی طرح ہوتا ہے - دونوں آنکھیں سر پر اس طرح لگی ہوتی ہیں کہ ادھر ادھر یا نیچے نہیں دیکھہ سکتیں - یہی وجہ ہے کہ اسکا نام ستارہ بیں (Star gazer) رکھا گیا ہے

اس مچھلی کی آنکھوں کے پیچھے جلد چمڑے کے دو چھوٹے چھوٹے برقی خزانے ہوتے ہیں - پرنسٹن یونیورسٹی کے پروفیسر آلرک ڈاھلگرن (Ulric Dahlgren) نے اس برقی خزانے کے اجزاء کا مطالعہ کیا ہے - اس برقی آلہ کی ساخت بالکل نئی وضع کی ہے - اس میں بہت سے مسطح پرت مساوی مقدار کے ہوتے ہیں جنکو الکٹروپلیکس (Electroplax) کہتے ہیں ' اور ہر دو پرتوں کے درمیان ایک گاڑھا قوام ہوتا ہے - ستارہ بیں مچھلیوں کی بہت سی دوسری قسمیں جاپان اور یورپ کے ساحلوں پر ملتی ہیں - چونکہ یہ مچھلیاں گوشت خوار ہیں ' اسلئے قرینہ یہی ہے کہ چھوٹی مچھلیاں برقی صدمے سے بیحس ہوکر انکے وسیع دہانے کا نوالہ بن جاتی ہونگی -

(برقی ایل)

جس مچھلی میں سب سے زیادہ برقی قوت ودیعت کی گئی ہے وہ برقی ایل (Eel) ہے جسکا اصطلاحی نام الکٹریکس الکٹروفورس (Electricus Electroforus) ہے - یہ مچھلی برازیل اور گائنا کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے - ایل مچھلی کو ہندوستان میں بام مچھلی کہتے ہیں اور کھائی بھی جاتی ہے - برقی ایل اگرچہ اپنی لمبی اور سانپ نما شکل میں بام مچھلی سے مشابہ ہوتی ہے مگر علم حیوانات کی تحقیقات میں اسکی باطنی ساخت بام سے مختلف ہے -

برقی ایل اپنی برقی قوت میں تمام برقی مچھلیوں سے زیادہ طاقتور ہے - یہ برقی آلات کے دو جوڑے رکھتی ہے اور دونوں میں بہ کثرت چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں ہوتی ہیں - اس برقی آلہ کا ایک جوڑا اسکی دم کے اوپر ہوتا ہے ' دوسرا پچھلے پروں کی جڑ میں - برازیل کی برقی ایل کی لمبائی چھہ فٹ تک ہوتی ہے - اس کا برقی صدمہ ایسا تیز و شدید ہوتا ہے کہ مس ہوتے ہی جسم کو بالکل شل کردیتا ہے -

ڈاکٹر ایم ' ای ' بلاک (M. E. Block) اپنی کتاب مچھلیوں کی طبعی تاریخ (Natural History) میں برقی ایل پر متعدد تجربوں کا بیان کرتے ہیں - ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مچھلیاں جب سکون و عافیت میں ہوتی ہیں تو برقی صدمہ نہیں پہونچاتیں ' لیکن اگر انہیں چھیڑکر بر انگیختہ کردیا جاے تو تیز برقی لہر اٹھنے لگتی ہے - انہیں جسقدر سخت غصہ آیگا ' اتنا ہی زیادہ برق کا صدمہ بھی شدید ہوگا - جب یہ اپنی آزادی کی حالت میں پانی کے اندر ہوتی ہیں تو ان میں برقی قوت زیادہ رہتی ہے ' مگر جب قید کرلی جاتی ہیں تو گھٹ جاتی ہے -

تارپیڈو کا برقی خزانہ ایکس رز کی تصویر میں

جب برقی مچھلی مرنے لگتی ہے تو اسکی برقی قوت بھی کم ہوتی جاتی ہے - یہانتک کہ مرنے کے بعد بالکل زائل ہوجاتی ہے - ان مچھلیوں کی برقی لہر دھات کی اشیا اور تمام برق پذیر conductor اشیاء میں فوراً سرائت کرجاتی ہے مگر شیشہ اور ریشم پر اثر نہیں کرتی - چھوٹی مچھلیاں ان سے مس ہوتے ہی شل ہو جاتی ہیں اور یہ بہ آسانی اُن کا شکار کرلیتی ہیں -

بعض لوگوں نے دعوا کیا ہے کہ اگر دھات کے دو ٹکڑوں سے یہ مچھلی چھو دی جائے تو دونوں ٹکڑوں کے درمیان ایک برقی شرارہ پیدا ہوجایگا - مگر یہ دعوی ابھی تجربے کا محتاج ہے - ایک ماہر بیان کرتا ہے کہ اٹھائیس آدمی ایک دوسرے کا ہاتھہ پکڑ کر حلقہ میں کھڑے ہوگئے ' اور اس حلقہ کے ایک سرے پر برقی ایل کا جسم چھو دیا گیا - معاً حلقہ کے تمام آدمیوں کو اسی طرح کا برقی صدمہ محسوس ہوا جیسا کسی بہت بڑے برقی آلہ کے استعمال سے ہو سکتا ہے !

برقي مچھلیاں

حکمت الہي كي كارفرمائیاں بھي كيسي عجیب و غریب ھیں ! انسان نے لاکھوں برس کي سراغ رسانیوں کے بعد کائنات کي ایک سب سے بڑي قوت کا کھوج لگایا جسکا نام قوت برق ہے - یہ قوت آج اُس کي کاربرآري کا سب سے بڑا خزانہ ہے - زمین اِس سے روشن ھوتي ہے - آسمان پر طیارے اسي کے ذریعہ اُڑتے ھیں - سواري کیلئے سب سے بڑا مرکب بھي ہے - کارخانوں کیلئے سب سے بڑي قوت حرکت اسي سے ملتي ہے - خبر رساني میں اسي کي پیغام بري پر آج بحر و بر کا دار و مدار ہے - زمین کي طاقت کے تمام خزانے خالي ھو جائیں' لیکن اس لازوال خزانے کے ختم ھو جانے کا کبھي اندیشہ نہیں -

لیکن جب انسان نے اس عجیب خزانۂ قوت پر قبضہ کر کے فخر و غرور سے سر اُٹھایا' تو قدرت نے اپنے پردۂ اسرار کا ایک نیا گوشہ کھول دیا - انسان نے دیکھا اور دیکھکر ششدر رھگیا کہ جس چیز کو وہ اپني طاقتوں کا سب سے بڑا خزانہ سمجھکر اسقدر مغرور ھو رھا ہے' وہ قدرت کے کارخانۂ حیات میں اس سے زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتي کہ چند حقیر اور مجہول جانوروں کے جنگ و شکار کا ایک معمولي سا ھتیار ہے !

قدرت نے ھر جاندار کو اُسکي غذا کے حصول کیلئے مختلف قسم کي قوتیں اور طرح طرح کے آلات دیے ھیں - کسي جانور کے پاس بڑے بڑے پنجے ھیں - کسي کے پاس لمبے لمبے دانت ھیں' کوئي سینگ کے ھتیار سے لڑتا ہے' کوئي کپي تیز سانس کے ذریعہ اپنا شکار کھینچ لیتا ہے - ایسا ھي ایک ھتیار برقي قوت کا خزانہ (بیٹري) بھي ہے - جن جانوروں کے پاس یہ خزانہ ہے' وہ اسے ایک ھتیار کي طرح کام میں لاتے ھیں - جب اُنکا شکار قریب آتا ہے' تو برقي قوت کي لہر اسے بے ھوش یا شل کرکے ڈالدیتي ہے' اور وہ اسے بہ آساني اپنا نوالہ بنا لیتے ھیں !

ان جانوروں کا برقي خزانہ انکے دوران خون کي حرکت سے کچھہ ایسا عجیب تعلق رکھتا ہے کہ ھمیشہ برقي قوت اس سے حاصل ھوتي رھتي ہے - قوت کي تیزي اور اجراء کیلئے محرک کي ضرورت ہے - یہ کام اُنکے جوش اور غضب کے ھیجان سے لیا جاتا ہے - جونہي وہ جوش میں آتے ھیں' غضب و ھیجان کي حرارت برقي خزانہ کیلئے تازہ قوت بہم پہنچا دیتي ہے' اور برقي لہریں تیزي کے ساتھہ اٹھنے اور ٹکرانے لگتي ھیں !

ان جانوروں میں سب سے زیادہ عجیب برقي مچھلیاں ھیں - آج ھم انکي بعض اقسام کي تشریح کرتے ھیں - یہ تشریح اُس دلچسپ اور محققانہ مضمون سے ماخوذ ہے جو رسالہ سائنٹفک امریکن کي پچھلي اشاعت میں شائع ھوا ہے .

(پر اسرار جانور)

سنہ ۱۸۸۲ - کے موسم سرما میں جب پروفیسر ڈیوڈ اسٹار جارڈن مقام کي وبست Key west کي مچھلیوں کي اقسام و عادات کي تحقیق میں سرگرم تھا' تو ایک سیاح ایک چھوٹي سي مچھلي اپنے ھاتھہ میں لئے اُس کے دفتر میں وارد ھوا اور ایک دلچسپ قصہ بیان کیا - اُس نے کہا میں نے یہ مچھلي ساحل کے قریب دیکھي تھي میں نے اُس کے جسم میں چاقو بھونکدیا' مگر جوں ھي چاقو کا لوھ اس سے مس ھوا' ایک سخت صدمہ میں نے محسوس کیا اور میرا بازو شل ھوگیا !

برقي مچھلي کا یہ پہلا انکشاف تھا -

(تارپیڈو مچھلي)

یہ مچھلي اُس جنس کي تھي جسے اب تارپیڈو Torpebo یا برقي رے (Electric ray) کہتے ھیں - اس جنس کي بھي یہ سب سے چھوٹي قسم کي مچھلي تھي - بہاما (Bahama) اور مغربي کي (Key west) کے مقامي ماھیگیر اسے "نمب فش" (numb fish) یعني شل کردینے والي مچھلي کہتے ھیں - قدیم زمانے میں اس طرح کي مچھلیاں جن اور بھوت کا جامہ بہ آساني پہن لیتي ھونگي - معلوم نہیں الف لیلہ کے سند باد کا کبھي ان دریائي بھوتوں سے سابقہ پڑا تھا یا نہیں ؟

ان مچھلیوں کا جسم بہت نرم' جسم کي ساخت مدور' اور کھال ھموار اور چکني ھوتي ہے - یہ برقي مچھلیاں تمام گرم سمندروں میں ساحل کے قریب پائي جاتي ھیں - ان کي دو قسمیں جو امریکہ کي ریاستہائے متحدہ میں دستیاب ھیں' بحر اطلس اور بحر الکاھل کي تارپیڈو کہلاتي ھیں - انکا طول تین فٹ تک ھوتا ہے اور وزن ایک من دس سیر سے زیادہ نہیں ھوتا- رنگ عموماً سیاہ ھوتا ہے - عام طور پر غذا کے لئے استعمال نہیں کي جاتیں.

تمام تارپیڈو مچھلیوں کا برقي آلۂ ساخت ایک ھي وضع ھوتا ہے - یہ آلہ ایک بڑي تھیلي کي طرح ھوتا ہے جس میں شہد کي مکھیوں کے چھتے کي طرح چھوٹي چھوٹي شش پہل کوٹھریاں بني ھوتي ھیں - بڑي جنسوں میں ایسي کوٹھریاں چارسو تک دیکھي گئي ھیں - اس طرح کي تھیلیاں کھال کے نیچے' سر کے دونوں جانب' آنکھوں کے پیچھے' اور بازؤں یا پیروں کے جڑ سے ملي ھوئي پائي گئي ھیں - اس تھیلي کي ھر کوٹھري گویا جسم کے پٹھوں کي ایک تبدیل شدہ صورت ہے - وہ ایک شفاف اور متحرک گاڑھے قوام (Jelly) سے بھري ھوتي ہے .

تارپیڈو مچھلي میں اس تھیلي کا برقي خزانہ سب سے بڑا ھوتا ہے - وہ اپنے دشمن پر اسي ھتیار سے حملہ کرتي اور اُسے شل کردیتي ہے - چاقو' برچھي' تلوار سے اس پر حملہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دھات کي اشیاء فوراً برقي لہر قبول کر لیتي ھیں اور اُن -

موجوده زمانے کي سب سے بڑي خصوصيت يه بتلائي جاتي هے که علوم و تمدن کي ترقي اور سير و حرکت کے حيرت انگيز وسائل نے قوموں اور ملکوں کا تفرقه دور کر ديا هے ' بحر و بر کے ڈانڈے مل گئے هيں ' اور ساري دنيا ايسي هوگئي هے ' جيسے ايک مسلسل آبادي کے مختلف محلے اور حصے هوتے هيں !

ليکن اس پر بهي هم ديکهه رهے هيں که قوموں اور ملکوں کے مکان کا تفرقه جسقدر کم هوتا جاتا هے ' دل اور دماغ کا تفرقه اُتنا هي بڑهتا جاتا هے - جسقدر تيزي سے بيسويں صدي کي موٹريں اور طيارے دوڑ رهے هيں ' اُتني هي تيزي سے قوموں کے دل بهي ايک دوسرے سے برگشته هو رهے هيں !

ليکن اب سے تيره سو برس پہلے جب دنيا موجوده زمانے کے تمام وسائل قرب و اجتماع سے محروم تهي ' بحر احمر کے کنارے ' ريگستان عرب کے وسط ميں ' حجاز کي " چٹيل اور بے زراعت وادي " کے اندر ' ايک صداء اجتماع بلند هوئي ' اور نسل انساني کے منتشر افراد کا ايک نيا گهرانا آباد کيا گيا - انساني اجتماع و يگانگت کي يه پکار صرف اتنا هي نهيں چاهتي تهي که ملکوں کي سرحديں اور جغرافيه کي حديں ايک دوسرے سے قريب هوجائيں '

الهلال کے مقاله نگار مقيم جده ۲۸ - مئي کے مراسله ميں لکهتے هيں :

" آجکل بحر احمر کا يه ساحلي مقام تمام کرهٔ ارضي کے انسانوں کا مرکز بن گيا هے - خشکي اور تري ' دونوں راهوں سے قوموں اور ملکوں کے قافلے پهنچ رهے هيں - ايسا معلوم هوتا هے که جده کي زمين شق هوگئي هے اور انسانوں کے انبوه اُگل رهي هے -

اخبارات سے آپکو معلوم هوچکا هوگا که برطاني نمايندہ جده ميں مقيم تها تاکه سلطان ابن سعود سے نئے معاهده کے مواد پر گفتگو کرے - نمايندہ کے ساتهه سکريٹريوں کا بهي ايک پورا اسٹاف تها - ايک دن ميں نے مغرب کي نماز ساحل کي ريگ پر ادا کي جهاں بعض رؤساء جده نے کلب کي طرح ايک روزانه اجتماع " نادي الصلوة " کے نام سے قائم کر رکها هے - نماز کے بعد جب ميں لوٹا اور بازار کے قريب پهنچا ' تو کيا ديکهتا هوں برطاني نمايندہ کے اسٹاف کے چند انگريز کهڑے بازار کے نظاره ميں غرق هيں - ان ميں ايک شخص مسٹر رابرٹس نامي تهے جن سے ميں ايک دو مرتبه مل چکا تها - ميں نے انسے پوچها " آپ اس چيز کے نظاره ميں اسقدر دلچسپي لے رهے هيں ؟ " انهوں نے کها :

عرفات ميں حاجيوں کا اجتماع !

بلکه اس کا مقصد نسل انساني کے بکهرے هوے دلوں اور برگشته روحوں کو ايک دوسرے سے جوڑ دينا تها -

يه پکار سني گئي - کرهٔ ارضي کے سارے گوشوں اور خشکي اور تري کي ساري راهوں سے اس پکار کي بازگشت بلند هوئي - انجن اور برق کي برق رفتار سواريوں کے ذريعه نهيں ' تار اور لاسلکي کے گاڑے هوے ستونوں پر سے نهيں ' بلکه دل کے اعتقاد اور روح کے ايمان کے ذريعه اُسکي پکار سب نے سني ' اور اسکي پکار کا جواب سب کي زبانوں سے نکلا !

يه اسلام کي پکار تهي ! يه اسلام کا فريضهٔ حج تها !

اِس نے ملکوں کو اکٹها کرديا ' قوموں کو جوڑ ديا ' نسل اور زبان و مکان کے سارے تفرقے دور کرديے ' گورے کو کالے کے ساتهه اور بادشاه کو فقير بے نوا کے ساتهه ايک هي مقام ميں ' ايک هي وضع و لباس ميں ' ايک هي صورت و اعتقاد کے ساتهه ' اسطرح جمع کرديا که انساني گمرهي کے بنائے هوے سارے امتيازات مٹ گئے ' انساني اخوت و وحدت اپني اصلي صورت ميں بے نقاب هوگئي !

" ديکهو ' يه هندوستانيوں کا گروه هے - يه پانچ پسنده مد جاري کهڑے هيں - انکے ساتهه ايک چيني کي منگوليں صورت دکهائي دے رهي هے - دوسري طرف ايک ترکستاني کي سياه ٹوپي اور افغاني کي بڑي سي پگڑي هے - انکے پيچهے ايک گروه يمني عربوں کا سرخ جبے پهنے جا رها هے اور انکے ساتهه اقصاء افريقه کا ايک جزائري بربر هنس هنس کر باتيں کر رها هے - تيسري طرف دو حبشي کهڑے هيں اور ايک مصري طربوش انکے پيچهے نظر آ رهي هے - اگر ان تمام قوموں کي آبادياں جغرافيه کے نقشے ميں ڈهونڈهي جائيں ' تو کيسے کيسے عظيم سمندر اور بے کنار صحرا ان ميں حائل نظر آئينگے ؟ ليکن يهاں ان سب کو جمع کر ديا گيا هے - سال کے اس موسم ميں خود بخود دنيا کے تمام گوشے اس جگه يک جا هوجاتے هيں - کيا آج دنيا کے کسي حصے ميں بهي ايسا منظر نظر آسکتا هے ؟ کيا اس منظر سے بهي بڑهکر کوئي منظر هے جو انساني اجتماع کي ايک عجيب و غريب قوت کا پته دے ؟ ميں سونچ رها هوں که کس کے هاتهوں ميں اُس رشته کا سرا هے جس سے بحر و بر کے يه تمام گوشے کهينچ ليے جاسکتے هيں ؟

اسلام کے هاتهه ميں ! چهٹي صدي کے صحراء عرب کا اسلام آج بهي انساني اخوت کي سب سے بڑي زنده قوت هے ! "

حج سنہ ۱۳۴۵

" وادی غیر ذی زرع " میں قوموں کا هجوم اور ملکوں کا اتصال !

و اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالاً و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق !

منی میں حاجیوں کا پڑاؤ

موسم حج میں مسجد حرام کا اجتماع جمعہ

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنی زندگی کے آخری اوقات میں!

امام علی علیہ السلام

ایک مغربی شاعر کہتا ہے: "اگر تم ایک انسان کو اس کے تمام اوصاف و خصائل اور ضمیر و معنویت کی اصلی صورت میں دیکھنا چاہتے ہو تو انتظار کرو۔ اس وقت تک انتظار کرو جب موت کا دروازہ اس پر کھل جائے۔ اس وقت وہ سارے بناوٹی پردے ہٹ جائینگے جو انسان اپنی حقیقی صورت پر ڈال لیا کرتا ہے۔ اس کی روح موت کی دستک سنتے ہی سارا نقاب پھاڑ ڈالتی ہے اور بے حجاب ہو کر دنیا کے سامنے آجاتی ہے!" یہ بالکل صحیح ہے۔ انسانی حقیقت کا بے پردہ معائنہ صرف اس کی زندگی کی آخری لمحوں ہی میں کیا جاسکتا ہے۔

ایک مرتبہ ہمیں خیال ہوا کہ اگر دنیا کے اکابر و مشاہیر کے صرف وہ حالات جمع کر دیئے جائیں جن کا تعلق انکی زندگی کی آخری گھڑیوں سے ہے، تو یہ اخلاق، حکمت، اور موعظت کا نہایت عبرت انگیز مجموعہ ہوگا، اور انسانی طبیعت و اخلاق کے بے شمار نکتے ان سے حل ہو جائینگے۔ چنانچہ اس خیال سے مشاہیر عالم کے حالات پر نظر ڈالی گئی، اور جستجو و تحقیق کے بعد ایک ضخیم مجموعہ مرتب ہوگیا۔ اسمیں تاریخ اسلام کے تمام اکابر و مشاہیر خلفاء راشدین سے لیکر علماء و حکماء تک آگئے ہیں۔ انکے علاوہ عام مشاہیر عالم کی وفات کا بھی کافی ذخیرہ ہے۔ بحیثیت مجموعی جب اس ذخیرہ پر نظر ڈالی گئی، تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہی متفرق حالات جو اپنی انفرادی صورت میں کوئی خاص اثر نہیں رکھتے تھے اب یکجا ہو کر تاریخ عالم کی کیسی مفید، پُرتاثیر، اور قیمتی چیز بن گئے ہیں؟ آج ہم اس مجموعہ میں سے حضرت علی علیہ السلام کی وفات کے حالات شائع کرتے ہیں۔ آئندہ بھی اس کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہ یاد رہے کہ اس سلسلہ سے مقصود صرف قبل از موت حالات کا بجنسہ جمع کر دینا ہے۔ کسی طرح کی بحث و نظر مقصود نہیں ہے۔ البتہ حالات کے جمع کرنے میں پوری کاوش و جستجو کی گئی ہے۔

جنگ جمل کے بعد اسلامی خلافت کی نزاع دو شخصوں میں محصور ہوگئی تھی: امام علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان۔ ان کے درمیان تیسری شخصیت عمرو بن العاص کی تھی اور، اپنے سیاسی تدبر کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔

جنگ صفین نے مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ "خوارج" کا پیدا کردیا تھا۔ یہ اگرچہ تمامتر سیاسی اغراض و مقاصد رکھتا تھا لیکن مسلمانوں کے دوسرے سیاسی فرقوں کی طرح اس کے عقائد بھی دینی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اسنے اپنا سیاسی مذہب یہ آیت قرار دی تھی کہ "ان الحکم الا للہ" یعنی حکومت کسی آدمی کی نہیں ہونی چاہئے۔ دراصل تاریخ اسلام کے خوارج موجودہ تمدن کے انارکسٹ تھے۔ لہذا وہ کوفہ اور دمشق، دونوں حکومتوں کے مخالف تھے۔

مکہ میں بیٹھکر خارجیوں نے سازش کی۔ تین آدمیوں نے بیڑا اُٹھایا کہ پوری تاریخ اسلام بدل دینگے۔ اور انھوں نے بدل دی!

عمرو بن بکیر تمیمی نے کہا "میں حاکم مصر عمرو بن العاص کو قتل کردوں گا، کیونکہ وہ فتنہ کی متحرک روح ہے!"

برک بن عبد اللہ تمیمی نے کہا "میں معاویہ بن ابی سفیان کو قتل کروں گا کیونکہ اُسنے شام میں قیصریت قائم کی ہے!"

ایک لمحہ کے لئے خاموشی چھا گئی۔ علی بن ابی طالب کے نام سے دل تھراتے تھے۔ بالآخر عبد الرحمن بن ملجم مرادی نے مہر سکوت توڑی: "میں علی کو قتل کردوں گا!"

ان ہولناک مہموں کے لئے ۱۷ رمضان کی تاریخ مقرر کی گئی۔ دو پہلے شخص اپنی مہم میں ناکام رہے۔ لیکن عبد الرحمن بن ملجم کامیاب ہوگیا۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مکہ سے چلکر عبد الرحمن کوفہ پہونچا۔ یہاں بھی خوارج کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ عبد الرحمن اُن کے ہاں آناجاتا تھا۔ ایک دن قبیلہ تیم الرباب کے بعض خارجیوں سے اسکی ملاقات ہوگئی۔ انھی میں ایک خوبصورت عورت قطام بنت شجنہ بن عدی بن عامر بھی تھی۔ عبد الرحمن اُس پر عاشق ہوگیا۔ سنگ دل نازنین نے کہا "میرے وصل کی شرط یہ ہے کہ جو مہر طلب کروں وہ ادا کرو" ابن ملجم راضی ہوگیا۔ قطام نے اپنا مہر یہ بتایا "تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک کنیز، اور علی کا قتل!" عبد الرحمن نے کہا "منظور، مگر علی کو کیونکر قتل کروں؟" خونخوار معشوقہ نے جواب دیا "چھپکر اگر تو کامیاب ہوکر لوٹ آئے گا تو مخلوق کو شر سے نجات دے گا اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ مسرت کی زندگی بسر کرے گا۔ اگر مارا جائے گا تو جنت اور لازوال نعمت حاصل کرے گا" عبد الرحمن نے مطمئن ہوکر یہ شعر پڑھے:

ثلاثة آلاف وعبد وقينة وضرب علي بالحسام المصمم [1]

فلا مهر اغلى من علي وان غلى ولا فتك الا دون فتك ابن ملجم [2]

(طبقات ابن سعد۔ کامل للمبرد وغیرہ)

روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت علی کے قلب میں آنے والے حادثہ کا احساس پیدا ہوگیا تھا۔ عبد الرحمن ابن ملجم کی طرف جب دیکھتے تو محسوس کرتے کہ اس کے ہاتھ خون سے رنگین ہونے والے ہیں۔ ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فرماتے تھے "خدا کی قسم، مجھے آں حضرت صلعم نے بتلایا ہے کہ میری موت قتل سے ہوگی"

عبد الرحمن بن ملجم دو مرتبہ بیعت کے لئے آیا مگر آپنے لوٹا دیا۔ تیسری دفعہ آیا تو فرمایا "سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو کون چیز روک رہی ہے؟ واللہ یہ چیز (اپنی ڈاڑھی کی طرف اشارہ کیا) اس کے خون سے (سر کی طرف اشارہ کرکے) ضرور رنگ جانے والی ہے" (ابن سعد)

کبھی کبھی جب اپنے ساتھیوں سے خفا ہوتے تو فرماتے "تمھارے سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو آنے اور میرے قتل کرنے سے کون چیز روک رہی ہے؟ خدایا میں ان سے اُکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اُکتا گئے ہیں۔ مجھے ان سے راحت دے، اور انھیں مجھ سے راحت دے"

(ابن سعد)

ایک دن خطبہ میں فرمایا "قسم اس پروردگار کی جسنے بیج اُگایا اور جان پیدا کی! یہ اس سے ضرور رنگ جانے والی ہے (اپنی ڈاڑھی اور سر کی طرف اشارہ کیا) بدبخت کیوں انتظار کر رہا ہے؟"

لوگوں نے عرض کیا "امیر المومنین! ہمیں اُس کا نام بتلایئے ہم ابھی اُس کا فیصلہ کر ڈالیں گے" فرمایا "تو تم ایسے آدمی کو قتل کروگے جسنے مجھے ابھی قتل نہیں کیا ہے"

عرض کی گئی "تو ہم پر کسی کو خلیفہ بنا دیجئے" فرمایا "نہیں، میں تمھیں اُسی حال میں چھوڑ جاؤنگا جس حال میں تمھیں رسول اللہ صلعم چھوڑ گئے تھے"

لوگوں نے عرض کیا "اس صورت میں آپ خدا کو کیا جواب دیجئے گا؟"

فرمایا "کہوں گا "خدایا میں ان میں تجھے چھوڑ آیا ہوں، تو چاہے تو ان کی اصلاح کرے اور چاہے اُنھیں بگاڑ دے""

(مسند امام احمد۔ مسند علی)

حادثہ سے پہلے

آپکی کنیز ام جعفر کی روایت ہے کہ واقعہ قتل سے چند دن پہلے میں آپکے ہاتھ دُھلا رہی تھی کہ آپنے سر اُٹھایا۔ پھر داڑھی ہاتھ میں لی اور فرمایا "حیف تجھ پر، تو خون سے رنگی جائے گی" (ابن سعد)

آپکے بعض اصحاب کو بھی اس سازش کا کچھ پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ خود بنی مراد میں سے ایک شخص نے حاضر ہوکر عرض کیا "امیر المومنین ہوشیار رہئے۔ یہاں کچھ لوگ آپکے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں"

(الامامة والسیاسة)

یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ کس قبیلہ میں سازش ہو رہی ہے؟ چنانچہ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے آکر عرض کی "ہوشیار رہیئے کیونکہ قبیلہ مراد کے کچھ لوگ آپکے قتل کی فکر میں ہیں" (ابن سعد)

یہ بھی واضح ہوگیا تھا کہ کون شخص ارادہ کر رہا ہے؟ اشعث نے ایک دن ابن ملجم کو تلوار لگائے دیکھا اور اُس سے کہا "مجھے اپنی تلوار دکھاؤ" اُسنے تلوار دکھائی تو وہ بالکل نئی تھی۔ اُنھوں نے کہا "تلوار لگانے کی کیا وجہ ہے حالانکہ یہ زمانہ جنگ کا نہیں؟" عبد الرحمن نے کہا "میں گاؤں کے اونٹ ذبح کرنا چاہتا ہوں" اشعث سمجھ گئے اور اپنے خچر پر سوار ہوکر حضرت علی کے سامنے حاضر ہوئے اور کہا "آپ ابن ملجم کی جرات و شجاعت سے واقف ہیں" آپنے جواب دیا "لیکن اُسنے مجھے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے!"

(الکامل)

ایک دن آپ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ ابن ملجم منبر کے پاس بیٹھا تھا۔ لوگوں نے سُنا کہ وہ دانت پیسکر کہہ رہا ہے "واللہ میں انھیں تیرے شر سے نجات دیدوں گا"۔ امیر المومنین جب مسجد سے اپنے گھر لوٹے تو لوگ اُسے گریبان سے پکڑ کر لائے اور تمام واقعہ سُنایا۔ آپنے فرمایا "لیکن ابھی تک اسنے مجھے قتل نہیں کیا ہے۔ چھوڑ دو" (الکامل)

ابن ملجم کا ارادہ اس قدر مشہور ہوگیا تھا کہ خود آپ بھی اُسے دیکھ کر عمرو بن معدیکرب کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ارید حباءه ويريد قتلی عذيرک من خليلک من مراد

ابن ملجم برابر برات ظاہر کیا کرتا تھا لیکن ایک دن جھنجھلا کر کہنے لگا "جو بات ہونے والی ہے ضرور ہو کر رہے گی!"

اسپر بعض لوگوں نے کہا: آپ اسے پہچان گئے ہیں۔ پھر اسے قتل کیوں نہیں کر ڈالتے؟ فرمایا "اپنے قاتل کو کیسے قتل کردوں؟" (کامل)

صبح شہادت

واقعہ قتل جمعہ کے دن نماز فجر کے وقت ہوا۔ رات بھر ابن ملجم، اشعث بن قیس کندی کی مسجد میں اس کے ساتھ باتیں کرتا

[1] تین ہزار درہم، غلام، کنیز اور تیز تلوار سے علی کا قتل۔ [2] کوئی مہر علی سے زیادہ گراں نہیں اگرچہ کتنا ہی گراں ہو، اور کوئی قتل ابن ملجم کے قتل سے بڑھ کر نہیں۔

شام کي حرکت استقلال

فرانسيسي مظالم کے چند خونين مناظر !

غوطه (دمشق) ميں دو وطن پرست غيور گوليوں سے مار ڈالے گئے اور انکي نعشيں سڑک پر چھوڑ دي گئيں -

۷ - اکتوبر کے حادثه کے بعد بے شمار آدمي پھانسي پر چڑھاے گئے - ايک پھانسي کا منظر جسميں تين نعشيں لٹک رهي هيں !

دمشق کے محله ميدان کا ايک منظر - بے گناه اور غير مسلح آبادي کا قتل عام - بے شمار لاشيں سڑک پر پڑي هيں - عرصه تک يه اسي طرح پڑي رهيں !
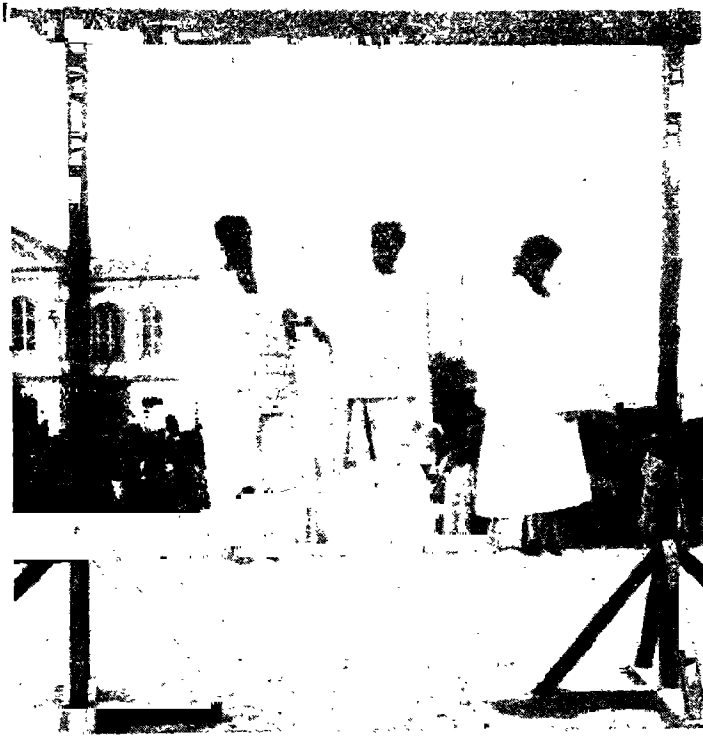
میں تمھیں خدا ہی کے سپرد کرتا ہوں۔ تمھارے لئے سلامتی اور رحمت چاہتا ہوں"

اس کے بعد "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہا اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرلیں۔ (طبری جلد ۶)

دفن کے بعد

دفن کے بعد دوسرے دن حضرت امام حسن نے مسجد میں خطبہ دیا:

"لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص رخصت ہوگیا ہے جس سے نہ اگلے علم میں پیشقدمی کرگئے اور نہ پچھلے اُس کی برابری کرسکیں گے۔ رسول اللہ صلعم اُسے جھنڈا دیتے تھے اور اُس کے ہاتھ پر فتح ہوجاتی تھی۔ اُسنے چاندی سونا کچھ نہیں چھوڑا۔ صرف اپنے روزینے میں سے کاٹ کر ۷۰۰ درہم گھر کے لئے جمع کئے تھے" (ایک درہم تقریباً چار آنے کا ہوتا تھا) (مسند حسن)

زید بن حسین سے مروی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کی خبر کلثوم بن عمر کے ذریعہ مدینہ پہنچی۔ سنتے ہی تمام شہر میں کہرام پڑ گیا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو روتی نہ ہو۔ بالکل وہی منظر درپیش تھا جو رسول اللہ کی وفات کے دن دیکھا گیا تھا۔ جب ذرا سکون ہوا تو صحابہ نے کہا "چلو ام المومنین عائشہ کو دیکھیں کہ رسول اللہ کے بھتیجے کی موت سنکر اُن کا کیا حال ہے؟"

حضرت زید کہتے ہیں "سب لوگ ہجوم کرکے ام المومنین کے گھر گئے اور اجازت چاہی۔ اُنھوں نے دیکھا کہ حادثہ کی خبر یہاں پہلے سے پہنچ چکی ہے اور ام المومنین غم سے نڈھال، آنسوؤں سے تر بتر بیٹھی ہیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو خاموش لوٹ آئے"

حضرت زید فرماتے ہیں "دوسرے دن مشہور ہوا ام المومنین رسول اللہ کی قبر پر جا رہی ہیں۔ مسجد میں جتنے بھی مہاجرین و انصار تھے، استقبال کو اٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کرنے لگے۔ مگر ام المومنین نہ کسی کے سلام کا جواب دیتی تھیں، نہ بولتی تھیں ..... شدت گریہ سے زبان بند تھی۔ دل تنگ تھا۔ چادر تک سنبھلتی نہ تھی۔ بار بار پیروں میں الجھتی اور آپ لڑ کھڑا لڑ کھڑا جاتیں۔ بدقت تمام پہنچیں۔ لوگ پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ حجرہ میں داخل ہوئیں تو دروازہ پکڑ کر کھڑی ہوگئیں اور ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا:

"اے نبی ہدایت! تجھ پر سلام! اے ابو القاسم تجھ پر سلام!
اے رسول اللہ! آپ پر اور آپکے دونوں ساتھیوں پر سلام!
میں آپکے محبوب ترین عزیز کی موت کی خبر آپکو سنانے آئی ہوں!
میں آپ کو آپکے عزیز ترین کی یاد تازہ کرنے آئی ہوں! بخدا آپ کا چُنا ہوا حبیب، منتخب کیا ہوا عزیز، قتل ہوگیا! واللہ وہ قتل ہوگیا جس کی بیوی افضل ترین عورت تھی! واللہ وہ قتل ہوگیا جو ایمان لایا اور ایمان کے عہد میں پورا اُترا! میں رونے والی غمزدہ ہوں! میں اُسپر آنسو بہانے اور دل جلانے والی ہوں! اگر قبر کھل جاتی تو تیری زبان بھی یہی کہتی کہ تیرا عزیز ترین اور معزز ترین وجود قتل ہوگیا! ..." (عقد الفرید ج ۲)

ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین عائشہ نے جب امیر المومنین کی شہادت سنی تو ٹھنڈی سانس لی اور کہا "اب عرب جو چاہیں کریں، کوئی اُنھیں روکنے والا باقی نہیں رہا" (استیعاب)

مرثیہ

آپکے مشہور صحابی ابو الاسود الدؤلی نے مرثیہ کہا تھا جس کا پہلا شعر کتب ادب و محاضرات میں عام طور پر نقل کیا جاتا ہے:

الا ابلغ معاویۃ بن حرب ٭ فلا قرت عیون الشامتینا

مقالات

اسلام اور "نیشنلزم"

لا تقل داری لشرقی نجد
کل نجد للعامریۃ دار!

(۲)

انسان اپنی نوعی زندگی میں اپنے اجتماعی رشتوں کی مختلف منزلوں سے درجہ بدرجہ کیونکر گزرا؟ اُس کی انفرادی زندگی میں آج بھی یہ تمام منزلیں کس طرح یکے بعد دیگرے پیش آتی ہیں؟ اسکی مختصر سرگذشت تمھاری نظروں سے گزر چکی۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ:

(۱) قومیت اور وطنیت انسان کے اجتماعی رشتہ کی ایک خاص حالت کا نام ہے۔ لیکن یہ کوئی مستقل حالت نہیں ہے۔ ایک سلسلۂ دراز کی مختلف کڑیوں میں سے ایک کڑی ہے۔

(۲) یہ سلسلہ" انسان کی اجتماعی زندگی اور اجتماعی ربط و علائق کے احساس و اعتقاد" کا سلسلہ ہے۔ جس طرح کائنات ہستی کی ہر چیز اپنے ابتدائی نقطہ سے شروع ہوکر بہ تدریج بلوغ و کمال تک پہنچتی ہے اور جس طرح انسان نے اپنے علم و عمل کے ہر گوشے میں بہ تدریج ترقی کرکے حقیقت و کمال تک رسائی حاصل کی ہے! اُسی طرح اس معاملہ میں بھی اُس کا سفر ابتدا سے انتہا تک، طفولیت سے رُشد و بلوغ تک، اور نقص سے کمال تک پہنچا اور ختم ہوتا ہے۔ اس ارتقائی سلسلہ کی ابتدائی کڑی "امومۃ" اور انتہائی "انسانیۃ" ہے۔ جس رشتہ کو قومیت اور جنسیت سے آج تعبیر کیا جاتا ہے، وہ دراصل اس سلسلۂ ارتقا کی ایک درمیانی کڑی ہے۔

(۳) چونکہ درمیانی کڑی ہے، اس لئے وہ اجتماعی رشتہ کی کوئی حقیقی حالت نہیں ہے۔ محض ایک اضافی چیز ہے۔ جس طرح ایک زمانے میں انسان نظر کی تنگی اور علم کی کوتاہی سے صرف "امومۃ" اور "ابوۃ" یا "عائلہ و قبیلہ" کے رشتہ پر قانع تھا، اُسی طرح جب وسعت علائق کے ایک دو قدم اور آگے بڑھے، تو قومیت و جنسیت کا دائرہ پیدا ہوگیا۔ بلاشبہ یہ دائرہ پچھلے دائروں سے زیادہ وسیع ہے، لیکن فطرۃ کی حقیقی وسعت کے مقابلے میں پھر تنگ اور ناتمام ہے۔ فطرۃ اور حقیقت کی اصلی وسعت کیا ہے؟ "انسانیت" اور "ارضیۃ" کا عالمگیر رشتہ۔ یہی انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے ایک ہی فطری رشتہ ہے۔ باقی سب اضافے، اور اس لئے غیر حقیقی ہیں۔

(۴) اس معاملہ کی پوری وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ اسی قسم کی دوسری حالتیں بھی سامنے لائی جائیں۔ انسان نے صرف اپنے ہی کو نہیں بلکہ اپنے سے باہر کی بھی ہر چیز اسی طرح پائی ہے۔

اُسنے پہلے زمین کے اُس ٹکڑے کو سب کچھ سمجھا تھا جس میں پیدا ہوا تھا۔ اب بھی جب پیدا ہوتا ہے تو گھر کی چار دیواری ہی اس کی دنیا ہوتی ہے۔ اُسنے زمین کی عام مخلوقات پر نظر ڈالی، اور اُن میں سے ہر قسم اور نوع کو مدتوں کے بعد پہچان سکا۔ اُسنے آسمان کی طرف نظر اٹھائی، اور ہزاروں لاکھوں برس کے بعد یہ حقیقت معلوم کرسکا کہ سورج کا ایک نظام اجتماع ہے اور خود کرۂ ارضی بھی اُسی کا ایک فرد ہے۔

علم و ادراک کے ان تمام سفروں میں اُن کی درمیانی منزلیں جو درجہ رکھتی ہیں، وہی درجہ یہاں کی بھی درمیانی منزلوں کا ہے۔ زمین کے بارے میں انسانی علم کی ایک درمیانی منزل یہ تھی کہ آبادی صرف اس کے نصف حصہ میں ہے باقی سمندر ہے۔ یہ منزل علم اور حقیقت کی منزل تھی، یا جہل اور محجوبیت کی؟ اگر علم اور حقیقت کی منزل نہ تھی، تو پھر بعینہ وطنیۃ اور جنسیت بھی اس سفر کی ویسی ہی درمیانی منزلیں ہیں۔ یہ انسان کے جہل و نقص کی منزلیں کیوں نہ ہوں؟ انسان نے جب پہلے پہل جہاز رانی شروع کی تھی تو (مثلاً) ہر سمندر کے گوشہ کو پانی کی ایک مستقل دنیا یقین کرلیا تھا اور اُنکے بیشمار نام رکھ دیئے تھے۔ پھر ایک وقت آیا جب اُسے معلوم ہوا کہ یہ اُسکے علم و نظر کی ناتمامی تھی۔ دراصل زمین کا سمندر ایک ہی ہے۔ اُسی کے مختلف گوشے ہیں جو اِدھر اُدھر پھیل گئے ہیں۔ جب اُسنے ایک سمندر کو پچاس سمندر خیال کیا تھا، تو یہ منزل علم و حقیقت کی منزل تھی، یا نقص و جہل کی؟ اگر نقص و جہل کی تھی تو انسانی احساس و اعتقاد کی وہ حالت کیوں جہل و نقص کی حالت نہ ہو جب وہ یقین کرتا ہے کہ انسانیۃ کا ایک ہی رشتۂ اجتماع، ایک ہی رشتۂ اجتماع نہیں ہے بلکہ پچاس ٹکڑے اور بے شمار رشتیں ہیں؟ بلاشبہ جس طرح زمین کے ایک حصہ کا علم و یقین، اُس حالت کے مقابلے میں جب انسان کو زمین کا اتنا علم بھی حاصل نہ تھا، علم کی وسعت تھی اور حقیقت سے قرب تھا۔ اُسی طرح یہاں بھی قومیت و جنسیت کی حالت اُس حالت کے مقابلہ میں جب انسان عائلہ اور قبیلہ کے تنگ دائروں پر قانع تھا، علم کی زیادہ وسعت اور حقیقت سے زیادہ قرب ہے، لیکن ایک اضافی حالت ہوئی۔ علم اور حقیقت نہیں ہے۔ علم و حقیقت کی منزل اگر نمودار ہوجائے تو پھر وہ کمال کا نقطہ اور ارتقا کی انتہا ہوگی۔ اُس وقت کسی پچھلی منزل پر قانع رہنا ترقی نہیں ہوگی۔ تنزل ہوگا۔

اگر آج ایک شخص امریکہ کے وجود سے منکر ہو اور کہے کرہ کا صرف ایک ہی حصہ آباد ہے، تو تم کیا کہوگے؟ یقیناً یہی کہوگے کہ چھ سو برس پیشتر کا جہل قبول کرنے کے لئے دنیا طیار نہیں ہوسکتی۔ اچھا، تم اُس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو کہتا ہے کہ انسان کو نسل و مکان یا جنس و قوم کے رشتے پر قناعت کرلینی چاہیے کیونکہ ایک زمانے میں اُس کا علم و ادراک انہی دائروں میں محدود تھا؟ تم نے ابھی کہا تھا کہ "دنیا چھ سو برس پیشتر کا جہل قبول کرنے کے لئے طیار نہیں" کیا اب تمھیں ٹھیک اُسی طرح یہ نہیں کہدینا چاہیے کہ "دنیا ہزاروں برس پیشتر کا جہل قبول

رہا۔ اُسنے کوفہ میں شبیب بن بَجرَہ نامی ایک اور خارجی کو بھی اپنا شریک بنا لیا تھا۔ دونوں تلوارلے کر چلے اور اُس دروازے کے مقابل بیٹھ گئے جس سے امیرالمومنین نکلا کرتے تھے۔ (ابن سعد)

اُس رات امیرالمومنین کو نیند نہیں آئی۔ حضرت حسن سے مروی ہے کہ سحر کے وقت میں حاضر ہوا تو فرمایا " فرزند! رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ ذرا دیر ہوئی بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی۔ خواب میں رسول اللہ صلعم کو دیکھا۔ میں نے عرض کیا " یا رسول اللہ! آپکی اُمت سے میں نے بڑی تکلیف پائی " فرمایا " دعا کر کہ خدا تجھے ان سے چھٹکارا دیدے " (کامل)

اسپر میں نے دعا کی " خدایا! مجھے ان سے بہتر رفیق عطا فرما اور انھیں مجھ سے بدتر ساتھی دے " (ابن سعد)

حضرت حسن (علیہ السلام) فرماتے ہیں اسی وقت ابن النباح مؤذن بھی حاضر ہوا اور پکارا " الصلوۃ! " (نماز) میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا۔ آپ اُٹھے۔ ابن النباح آگے تھا۔ میں پیچھے تھا۔ دروازے سے باہر نکل کر آپنے پکارا " لوگو، نماز! " روز آپ کا یہی دستور تھا کہ لوگوں کو نماز کے لئے مسجد میں جگاتے پھرتے تھے (ابن سعد)

ایک اور روایت میں ہے کہ موذن کے پکارنے پر آپ اُٹھے نہیں۔ لیٹے رہے۔ موذن دوبارہ آیا مگر آپ سے پھر بھی اُٹھا نہ گیا۔ سہ بارہ اُس کی آواز دینے پر آپ بہ مشکل اُٹھے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے مسجد کو چلے:

اشدد حیازیمک للموت　　　فان الموت لاقیکا

(موت کے لئے کمر کس لے کیونکہ موت تجھ سے ضرور ملاقات کرنیوالی ہے)

ولا تجزع من الموت　　　اذا حل بوادیکا

(موت سے نہ ڈر اگر وہ تیرے یہاں نازل ہوجائے)

(احیاء العلوم جلد ۴)

" فزت برب الکعبۃ "!

آپ جوں ہی آگے بڑھے، دو تلواریں چمکتی نظر آئیں، اور ایک آواز بلند ہوئی " حکومت خدا کی ہے نہ کہ علی تیری! " شبیب کی تلوار تو طاق پر پڑی۔ لیکن ابن ملجم کی تلوار آپکی پیشانی پر لگی اور دماغ تک اُتر گئی۔ (ابن سعد)

زخم کھاتے ہی آپ چلائے " فزت برب الکعبۃ " (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا) (احیاء ج ۴)

نیز پکارے " قاتل جانے نہ پائے " لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ شبیب تو نکل بھاگا۔ (ابن سعد)

عبدالرحمن نے بھی تلوار گھما شروع کردی۔ اور مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ قریب تھا کہ ہاتھ سے نکل جائے لیکن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب جو اپنے وقت کے پہلوان تھے دوڑے اور بھاری کپڑا اُس پر ڈال دیا اور زمین پر دے مارا (الکامل)

قاتل اور مقتول

امیرالمومنین گھر پہنچائے گئے۔ اپنے قاتل کو طلب کیا جب وہ سامنے آیا تو فرمایا " اے دشمن خدا! کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کئے تھے؟ " اُسنے کہا " ہاں " فرمایا " پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ " کہنے لگا " میں نے اسے (تلوار کو) چالیس دن تیز کیا تھا اور خدا سے دعا کی تھی کہ اس سے اپنی بدترین مخلوق قتل کرائے " فرمایا " میں سمجھتا ہوں تو اسی سے قتل کیا جائے گا۔ اور خیال کرتا ہوں تو ہی خدا کی بدترین مخلوق ہے " (طبری جلد ۶)

آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم نے پکار کر کہا " او دشمن خدا تو نے امیرالمومنین کو قتل کر ڈالا! " کہنے لگا " میں نے امیرالمومنین کو قتل نہیں کیا البتہ تیرے باپ کو قتل کیا ہے! " اُنھوں نے کہا " خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ امیرالمومنین کا بال بیکا نہ ہوگا " کہنے لگا " پھر کیوں ٹسوے بہاتی ہو! " پھر بولا " بخدا میں نے مہینہ بھر اسے (تلوار کو) زہر پلایا ہے۔ اگر اب بھی یہ بے وفائی کرے تو خدا اسے غارت کردے " (ابن سعد)

امیرالمومنین نے حضرت حسن سے کہا " یہ قیدی ہے۔ اس کی خاطر تواضع کرو۔ اچھا کھانا دو، نرم بچھونا بچھا دو۔ اگر زندہ رہوں گا تو اپنے خون کا سب سے زیادہ دعویدار میں ہونگا۔ قصاص لوں گا یا معاف کردوں گا۔ اگر مرجاؤں تو اسے بھی میرے پیچھے روانہ کردینا۔ رب العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کروں گا۔ (ابن سعد) اے بنی عبدالمطلب ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کی خونریزی شروع کردو اور کہو کہ " امیرالمومنین قتل ہوگئے! امیرالمومنین قتل ہوگئے! " خبردار میرے قاتل کے سوا کوئی دوسرا قتل نہ کیا جائے۔ اے حسن اگر میں اس کی اس ضرب سے مرجاؤں تو ایسی ہی ضرب سے اُسے بھی مارنا۔ اس کے ناک کان کاٹ کر لاش خراب کرنا کیونکہ میں نے نبی صلعم کو فرماتے سنا ہے کہ خبردار ناک کان نہ کاٹو اگرچہ وہ کتا ہی کیوں نہ ہو " (طبری)

ایک روایت میں ہے کہ فرمایا " اگر تم قصاص لینے ہی پر اصرار کرو تو چاہئے کہ اسے اُسی طرح ایک ضرب سے مارو جس طرح اسنے مجھے مارا ہے لیکن اگر معاف کردو تو یہ تقوی سے زیادہ قریب ہے (کامل) دیکھو زیادتی نہ کرنا۔ کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (ابن سعد)

وصیتہ

پھر آپ بیہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے تو جندب بن عبداللہ نے حاضر ہوکر کہا " خدانخواستہ اگر ہم نے آپ کو کھو دیا تو کیا حسن کے ہاتھ پر بیعت کریں؟ " آپنے جواب دیا " میں تمھیں نہ اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو " (طبری)

پھر اپنے صاحبزادوں حسن اور حسین کو بلا کر فرمایا " میں تم دونوں کو تقوی الہی کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اس کی کہ دنیا کا پیچھا نہ کرنا اگرچہ وہ تمھارا پیچھا کرے۔ جو چیز تم سے دور ہوجائے اُسپر کڑھنا۔ ہمیشہ حق کہنا۔ یتیم پر رحم کھانا۔ بیکس کی مدد کرنا۔ آخرت کے لئے عمل کرنا۔ ظالم کے دشمن بننا۔ مظلوم کے حامی ہونا۔ کتاب اللہ پر چلنا۔ خدا کے باب میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا "

پھر اپنے تیسرے صاحبزادہ محمد بن الحنفیہ کی طرف دیکھا " جو نصیحت میں نے تیرے بھائیوں کو کی تونے حفظ کرلی؟ " اُنھوں نے عرض کی " جی ہاں " فرمایا " میں تجھے بھی یہی وصیت کرتا ہوں نیز وصیت کرتا ہوں کہ اپنے ان دونوں بھائیوں کے عظیم حق کا خیال رکھنا۔ ان کی اطاعت کرنا۔ بغیر انکی رائے کے کوئی کام نہ کرنا "

پھر امام حسن و حسین (علیہما السلام) سے فرمایا " میں تمھیں اس کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تمھارا بھائی ہے۔ تمھارے باپ کا بیٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ تمھارا باپ اس سے محبت کرتا تھا "

پھر امام حسن سے فرمایا " فرزند! میں تجھے وصیت کرتا ہوں خوف خدا کی۔ اپنے اوقات میں نماز قائم کرنے کی۔ میعاد پر زکوۃ ادا کرنے کی۔ ٹھیک وضو کرنے کی۔ کیونکہ نماز بغیر طہارت ممکن نہیں اور مانع زکوۃ کی نماز مقبول نہیں۔ نیز وصیت کرتا ہوں خطائیں معاف کرنے کی۔ غصہ پی جانے کی۔ رشتے جوڑنے کی۔ بردباری کی۔ دین میں عقل و دانش کی۔ ہر معاملہ میں تحقیق کی۔ قرآن سے مزاولت کی۔ پڑوسی سے حسن سلوک کی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی۔ فواحش سے اجتناب کی " (طبری جلد ۶)

پھر اپنی تمام اولاد کو مخاطب کرکے کہا " خدا سے ڈرتے رہو اُس کی اطاعت کرو۔ جو تمھارے ہاتھ میں نہیں ہے اُس کا غم نہ کرو۔ اپنے پروردگار کی عبادت پر کمربستہ رہو۔ چست و چالاک بنو، سست نہ بنو۔ ذلت قبول نہ کرو۔ خدایا ہم سب کو ہدایت پر جمع کر۔ ہمیں اور انھیں دنیا سے بے رغبت کردے۔ ہمارے اور انکے لئے آخرت اول سے بہتر کر " (الامامۃ والسیاسۃ)

آخری وصیت

وفات کے وقت یہ وصیت لکھوائی " یہ علی بن ابی طالب کی وصیت ہے۔ وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ پھر اے حسن میں تجھے اور اپنی تمام اولاد کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا خوف کرنا اور جب مرنا تو اسلام ہی پر مرنا۔ سب ملکر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ کیونکہ میں نے ابوالقاسم (رسول اللہ صلعم) کو فرماتے سنا ہے کہ آپس کا ملاپ قائم رکھنا روزے نماز سے بھی افضل ہے۔ اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھو، اُن سے بھلائی کرو، خدا تمپر حساب آسان کردے گا۔ اور ہاں، یتیم! یتیم! یتیموں کا خیال رکھو۔ اُنکے منہ میں خاک مت ڈالو۔ وہ تمھاری موجودگی میں ضائع نہ ہونے پائیں۔ اور دیکھو تمھارے پڑوسی! تمھارے پڑوسی! اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔ کیونکہ یہ تمھارے نبی کی وصیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر پڑوسیوں کے حق میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ ہم سمجھے شاید اُنھیں ورثہ میں شریک کردینگے۔ اور دیکھو، قرآن! قرآن! ایسا نہ ہو قرآن پر عمل کرنے میں کوئی تم سے بازی لے جائے۔ اور نماز! نماز! کیونکہ وہ تمھارے دین کا ستون ہے۔ اور تمھارے رب کا گھر! اپنے رب کے گھر سے غافل نہ ہونا۔ اور جہاد فی سبیل اللہ! جہاد فی سبیل اللہ! اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے رہو۔ زکوۃ! زکوۃ! زکوۃ، پروردگار کا غصہ ٹھنڈا کردیتی ہے۔ اور ہاں، تمھارے نبی کے ذمی! تمھارے نبی کے ذمی! (یعنی وہ غیر مسلم جو تمھارے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں) ایسا نہ ہو اُن پر تمھارے سامنے ظلم کیا جائے۔ اور تمھارے نبی کے صحابی! تمھارے نبی کے صحابی! یاد رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابیوں کے حق میں وصیت کی ہے۔ اور فقراء و مساکین! فقراء و مساکین! اُنھیں اپنی روزی میں شریک کرو۔ اور تمھارے غلام! تمھارے غلام! غلاموں کا خیال رکھنا۔ خدا کے باب میں اگر کسی کی بھی پرواہ نہیں کروگے تو خدا تمھارے دشمنوں سے تمھیں محفوظ کردے گا۔ خدا کے تمام بندوں پر شفقت کرو۔ جب بات کرو تو میٹھی زبان میں بات کرو ایسا ہی خدا نے حکم دیا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ چھوڑنا، ورنہ تمھارے اشرار تمپر مسلط کردئے جائینگے، پھر تم دعائیں کروگے مگر قبول نہ ہونگی۔ باہم ملے جلے رہو۔ بے تکلف اور سادگی پسند رہو خبردار ایک دوسرے سے نہ کٹنا اور نہ آپس میں پھوٹ ڈالنا۔ نیکی اور تقوی پر باہم مددگار رہو۔ مگر گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو۔ خدا سے ڈرو کیونکہ اس کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اے اہل بیت! خدا تمھیں محفوظ رکھے اور اپنے نبی کو تم میں یاد رکھو

کی بولی میں "شہادت" کے لفظ کے ساتھ جب کسی عقیدے کا اظہار کیا جاتا ہے، تو اُس کی ایک خاص حیثیت ہوتی ہے۔ یہ موقعہ تفصیل کا نہیں۔ مختصراً یوں سمجھنا چاہئے کہ شہادت کے معنی گواہی دینے کے ہیں اور یہ اُسی وقت دی جاسکتی ہے جبکہ دو باتیں موجود ہوں:
ایک یہ کہ جس بات کی گواہی دی جائے، اُسپر گواہ کو پُورا پُورا یقین ہو۔ ایسا یقین جیسا اپنی آنکھ سے دیکھی بھالی چیز پر ہوتا ہے۔
دوسری یہ کہ وہ کوئی ایسی بات ہو جس کی سچائی اور حقیقت پوشیدہ ہوگئی ہو اور دنیا میں عام طور پر اسے جھٹلایا جارہا ہو، اس لئے ضرورت ہو کہ اُسپر گواہی دیکر اُسے نمایاں اور عالم آشکارا کردیا جائے۔
اگر ایسا نہیں ہے تو اُس کے لئے "شہادت" کا لفظ موزوں نہ ہوگا۔ اظہار خیال کے دوسرے الفاظ کافی ہونگے۔
یہی وجہ ہے کہ اسلام نے "شہادت" کے لفظ کے ساتھ جن جن امور کا اعلان کیا ہے، وہ تمام تر وہی ہیں جو عقائد و ایمان کی بنیادی سچائیاں ہیں اور جن کی حقیقت انسان کے جہل و گمراہی سے اس درجہ پوشیدہ ہوگئی تھی کہ اُنکے جھٹلانے پر تمام دُنیا نے ایکا کرلیا تھا۔ ضرورت تھی کہ انکے لئے نوع انسانی کے دل و زبان سے از سرِ نو گواہی دلوائی جائے۔ تاکہ ایک طرف اُنکے یقین و اعتقاد کا اعلان ہوجائے، دوسری طرف اُنکے جھٹلانے کی تکذیب ہوجائے۔
پھر اس شہادت کے بھی مراتب اور اقسام ہیں لیکن ان کی تشریح کا یہ موقعہ نہیں۔
اب غور کرو کہ اس دعاء میں جس طرح توحید اور رسالت کا اقرار لفظ "شہادت" کے ساتھ کیا گیا ہے، ٹھیک اُسی طرح انسانی برادری کی حقیقت پر بھی "شہادت" دی گئی ہے۔ اس سے تین باتیں واضح ہوگئیں:
اوّل یہ کہ اسلام کے نزدیک انسانی برادری کا قیام اس درجہ اہم تھا کہ اس کے اقرار کے لئے بھی "شہادت" کا لفظ اختیار کیا گیا جو اُسنے ایمان و عقائد کی بنیادی صداقتوں کے اقرار کے لئے مخصوص کردیا ہے۔
دوسرے یہ کہ یہ ایک ایسی بات تھی جس کے لئے زیادہ سے زیادہ مضبوط یقین و ایمان مطلوب تھا۔ ایسا یقین جو ایک گواہ گواہی دیتے ہوئے کسی بات کی واقعیت پر رکھتا ہے۔
تیسرے یہ کہ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جو ہر طرف جھٹلائی جا رہی تھی۔ اور چونکہ جھٹلائی جارہی تھی، اس لئے ضرورت تھی کہ اُسپر "گواہی" دی جائے، اور اُس کی گواہی ہمیشہ کے لئے قائم کردی جائے۔
انسان کی عالمگیر اخوت کی راہ میں سب سے بڑی روک چار چیزیں تھیں: نسل۔ وطن۔ رنگت۔ زبان۔ انہی چار امتیازات کی بنا پر الگ الگ حلقے بنائے گئے تھے، اور انسانیت کا ایک دائرہ بے شمار چھوٹے چھوٹے دائروں میں بٹ گیا تھا۔ اسلام نے نہ صرف ان چاروں سے انکار کیا، بلکہ انکے خلاف اس درجہ واضح اور قطعی اعلانات کردیئے کہ کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ "نسل" کی نسبت صاف صاف کہدیا کہ سب کی نسل ایک ہی ہے۔ "وطن" کی نسبت کہدیا کہ عرب ہو یا عجم، سب ایک ہی خدا کی زمین کے باشندے ہیں۔ "زبان" اور "رنگت" کی نسبت فیصلہ کردیا کہ یہ خدا کی حکمت و قدرت کی نشانیاں ہیں۔ کسی جگہ کی آب و ہوا ایک رنگ پیدا کرتی ہے۔ کہیں کی آب و ہوا دوسرا رنگ۔ کہیں ایک خاص طرح کی زبان ادائے مطلب کے لئے وجود میں آگئی۔ کہیں دوسری زبان۔ لیکن یہ اختلافات انسان کے امتیاز اور تفرقہ کی بنیادیں نہیں ہیں۔

پھر اس کے ساتھ ہی اُسنے اپنے اعمال کا جو نظام طیار کیا، اُس کے ہر گوشہ کی وضع و قطع ایسی رکھی جس کے ساتھ امتیاز نسل و قوم جمع ہی نہیں ہوسکتا۔ روزانہ اعمال و عبادات میں ایسی چیزیں رکھ دی گئیں کہ ہمیشہ انسانی وحدت و مساوات کا عملی اعتراف ہوتا رہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج! سب میں یہ روح کام کررہی ہے۔ انسانی اخوۃ کے قیام و نفوذ کا ایک پُورا نظام ہے جو اپنے ہر فرد کو مجبور کردیتا ہے کہ اس حقیقت کا اقرار کرے، اُس کے سامنے سر اطاعت خم کردے، اس کے یقین و ایمان کی عملی تصویر بنجائے!
اس بارے میں بے شمار چیزیں کھولنے اور بیان کرنے کی ہیں لیکن یہاں یہ ذکر ضمناً آگیا ہے، اس لئے صرف اشارات پر اکتفا کیا گیا۔

اسلام کو اپنی اس دعوت میں کہاں تک کامیابی ہوئی؟ انسانی برادری کا گم گشتہ حلقہ قائم ہوگیا یا نہیں؟ اس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔ لیکن تاریخ اور مشاہدہ کا یہ فیصلہ تو بلا نزاع مسلم ہے کہ:
(۱) عرب کی نسلی اور وطنی عصبیت پر ایسی کاری ضرب لگی کہ پھر سر نہ اُٹھا سکی۔
(۲) عرب سے باہر وہ جہاں جہاں پہنچا، ایک ایسی انسانی اخوۃ کی دعوت جو وطنی اور نسلی امتیازات سے بالاتر تھی، اُس کے ساتھ ساتھ گئی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں جب یورپ کی اجتماعی زندگی "عائلہ" اور "قبیلہ" کی سرحد سے آگے نہیں بڑھی تھی، اسلام اسپین اور فرانس میں انسانی اخوۃ کا پیغام سنا رہا تھا!
(۳) اُسنے ایک ایسا عالمگیر معاشرتی نظام قائم کردیا جو ہر طرح کے نسلی و وطنی تعصبات سے بالاتر ہے، اور جس کی بنیاد انسانی اخوۃ اور وحدۃ پر ہے۔
(۴) قرون وسطیٰ (ڈمل ایجز) کے بعد یورپ کے تمدن کا نیا دَور شروع ہوا، اور اسنے قومیت و جنسیت کا صور اس زور سے پھونکا کہ تمام دُنیا اس کی صدائے بازگشت سے گونج اُٹھی۔ اب "انسانیتہ" کی راہ میں جنسیت و قومیت کی کڑی حائل ہوگئی ہے لیکن اسلام نے اب سے تیرہ سو برس پہلے یہ تمام کڑیاں طے کرلی تھیں۔
(۵) اگر کہا جائے کہ اسلام کی دعوت سے بھی انسانیت کا عام حلقہ پیدا نہ ہوسکا۔ بلکہ "اسلامیت" کا ایک نیا حلقہ بن گیا، تو یہ صحیح ہے لیکن چند حقیقتیں تسلیم کرنی پڑیں گی:
اولاً یہ قصور زمانے کی استعداد کا ہے نہ کہ اسلام کی دعوت کا۔ مختلف وجوہ سے جن کی تشریح آگے آئے گی دُنیا کو عملاً منزل انسانیت تک پہنچنے کے لئے ابھی بڑا وقت درکار تھا۔
ثانیاً اگرچہ "اسلامیت" کا ایک نیا حلقہ پیدا ہوگیا مگر کیسا وسیع حلقہ؟ ایسا وسیع حلقہ کہ اسوقت تک کے تمام اجتماعی حلقوں میں سب سے زیادہ وسیع حلقہ وہی ہے۔ بلاشبہ وہ بھی ایک چار دیواری کھینچ دینے پر مجبور ہوگیا، لیکن کیسی چار دیواری؟ اس درجہ وسیع چار دیواری کہ دنیا کے تمام بنائے ہوئے حلقے اُس کے پھیلاؤ کے اندر آگئے۔ اُسنے کسی گوشے، کسی دائرے، کسی ہیئت اجتماعیہ (سوسائٹی) کو بھی اپنی چار دیواری سے باہر رہنے نہیں دیا۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم اسلام کی دعوت نے انسانی اجتماع کا ایک ایسا دائرہ پیدا کردیا جو نوع انسانی کے تمام پچھلے دائروں سے اوپر اور صرف ایک ہی دائرہ مطلقہ انسانیتہ سے نیچے ہے۔ وہ انسان کو تمام نچلے درجوں سے بلند کرکے ایک ایسی سطح تک پہونچا دیتا ہے جہاں سے "انسانیت" کی آخری بلندی صرف ایک درجہ بلند ہے۔ وہ دنیا کے قدم اُس سطح تک پہنچا دیتا ہے جہاں سے صرف ایک قدم آگے بڑھنا رہجاتا ہے۔ حالانکہ دنیا کی تمام قوموں کے لئے ابھی کتنی منزلوں کی منزلیں باقی ہیں!
اس اعتبار سے اگر وسیع اجتماع کی تمام کڑیوں پر دوبارہ نظر ڈالی جائے، تو اُن میں ایک نئی کڑی ساری کڑیوں سے اوپر مگر آخری "انسانیتہ وارضیتہ" سے نیچے بڑھا دینی پڑے گی، اور اس سلسلۂ ارتقاء کی نو منزلوں کی جگہ دس منزلیں بنجائیں گی:

(۱) اموتہ
(۲) ابوۃ
(۳) عائلہ
(۴) قبیلہ
(۵) بلدیتہ
(۶) وطنیتہ
(۷) قومیت و جنسیت
(۸) براعظمیت یا تقسیم بہ لحاظ جغرافیہ
(۹) اسلامیت
(۱۰) انسانیتہ وارضیتہ

"اسلامیت" کی سرحد "انسانیتہ" کی سرحد سے متصل ہے اگر دنیا چاہے تو صرف ایک قدم میں منزل مقصود تک پہنچ جاسکتی ہے!
لیکن کیا دُنیا میں اس کی طلب موجود ہے؟ اس کے جواب کے لئے ہمیں دوسری مجلس کا انتظار کرنا چاہئے۔

کرنے کے لئے طیار نہیں" کیسی عجیب بات ہے کہ تم ایک ہی چیز کو ایک جگہ ٹھکرا دیتے ہو اور دوسری جگہ اپنے سر پر جگہ دیتے ہو؟ اس سے بھی بڑھ کر انسان کی عالمگیر غفلت و محجوبیت کا کوئی منظر ہو سکتا ہے کہ اُسے چھ سو برس پیچھے ہٹنے سے تو انکار ہے، لیکن اس سے انکار نہیں کہ ہزاروں برس پیچھے دھکیل دیا جائے؟

۳

اسلام اور عصبیت قوم و جنس

ان مقدمات کی تشریح کے بعد اب دیکھنا چاہئے کہ اسلام نے اس بارے میں دنیا کو جس طرف لیجانا چاہا تھا، وہ کونسی منزل اور کونسا نقطہ ہے؟

وہ منزل "انسانیۃ" کی منزل ہے۔ وہ نقطہ اس سلسلہ ارتقا کا نقطۂ کمال ہے!

چھٹی صدی عیسوی میں جب اسلام کا ظہور ہوا، تو دنیا کے قدم "قبیلہ" اور "وطنیۃ" کی منزل سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا، اور عرب کی آبادی قبیلوں کا مجموعہ تھی۔ ہر قبیلہ اپنی نسلی جنسیت کے دائرہ کے اندر محدود تھا، اور اُس سے باہر کی کوئی وسعت قبول نہیں کرتا تھا۔ ان تنگ دائروں کے اعتقاد سے فخر و غرور، نسل انسانی کی تحقیر و تذلیل، اور باہمدگر غلبہ و تسلط کے جس قدر مہلک جذبات پیدا ہو جایا کرتے ہیں (جن کی تشریح آگے آئے گی) وہ سب کے سب اس شدت و قوت کے ساتھ اُن کے خمیر میں سرایت کر چکے تھے کہ شاید ہی کسی قوم کی تاریخ میں اس کی نظیر مل سکے۔ اُن میں کا ہر فرد اپنے قبیلہ کے انتساب سے بڑھ کر دنیا کی کوئی عظمت و کبریائی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ سیکڑوں ہزاروں جانیں آن کی آن میں قربان ہو جاتی تھیں تاکہ قبیلہ کے شرف و غرور کو صدمہ نہ پہنچے۔ یہ معاملہ اس درجہ معلوم و مسلم ہے کہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ حماسہ میں آج بھی انکے اشعار پڑھتے ہیں تو جذبات نسل و نسب کی شدت و حرارت سے دل و دماغ تنور کی طرح گرم ہو جاتا ہے۔ دنیا کی کسی قوم کی شاعری ان جذبات میں عرب جاہلیۃ کا مقابلہ نہیں کر سکتی!

عربی میں قبیلہ، خاندان [illegible] ہمکان کی اس حد بندی کے اعتقاد اور اس کے غلو کو "عصبیت" سے تعبیر کرتے تھے۔ اس عصبیت کی پہلی بنیاد عربیت پر تھی، یعنے غیر عرب کے مقابلہ میں عرب کی فضیلت، اور اس کے بعد عربیت میں بھی ہر قبیلہ اپنے نسلی امتیاز کے غرور سے سرگراں تھا۔

عرب سے باہر بھی دنیا کا تمام آباد حصہ قبیلہ اور وطن سے زیادہ وسیع دائرہ کوئی نہیں رکھتا تھا۔ رومی تمدن نے رومن قومیت کی بنیادیں استوار کی تھیں، لیکن اُس کی بنیاد بھی نسل اور وطن ہی پر تھی۔ سسلی کے حاکم نے جب ایک رومانی کو گرفتار کر کے دُرّے سے پٹوایا تھا تو وہ اُسکی ہر ضرب پر چیختا تھا "میں رومانی ہوں" مشہور رومی خطیب سیسرو نے اس حاکم کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا تھا "ایک رومانی فورم کے وسط میں لٹایا جاتا ہے اور دُرّے سے پیٹا جاتا ہے۔ وہ نہ تو درد و اذیت کی شکایت کرتا ہے۔ نہ روتا دھوتا ہے۔ صرف اس جملہ کی تکرار کرتا ہے کہ میں رومانی ہوں اے مجلس قضاۃ! اس مظلوم کو یقین تھا کہ میں اپنے آپ کو رومانی کہکر ساری تکلیفوں اور ذلتوں سے بچا لے سکتا ہوں۔ کیونکہ ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ رومانی ہونا کسی انسان کے لئے حفاظت اور شرف کی سب سے بڑی ضمانت تھی" یہ سیسرو کی قانونی تقریروں میں سب سے زیادہ فصیح تقریر تسلیم کی گئی ہے۔ سیسرو نے صرف اسیر زور دیا کہ وہ رومانی تھا۔ یہ نہیں کہا کہ انسان تھا۔ اُسے انسانیت کا نہیں، رومانیت کا استغراق تھا!

لیکن اسلام ان منزلوں میں رُک نہ سکا۔ اسنے اُن تمام رشتوں اور رشتوں کی بنیادوں سے انکار کر دیا جو انسان کے علم و نظر کی کوتاہیوں نے بنا رکھے تھے۔ وہ نسل، وطن، جنس، رنگ، زبان، کسی غیر حقیقی رشتے کو تسلیم نہ کر سکا۔ اُسنے انسان کو صرف ایک ہی رشتے کی دعوت دی۔ انسانیت اور انسانی برادری کے فطری رشتہ کی!

یا ایها الناس! انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ و جعلناکم شعوبًا و قبائل لتعارفوا، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، ان اللہ علیم خبیر (۴۹: ۱۳)

"اے مجمع انسانی! ہمنے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، پھر ایسا کیا کہ تمھیں مختلف شاخوں اور قبیلوں کی صورت دے دی بہت سے گروہوں اور ملکوں میں بکھر گئے۔ لیکن شاخوں اور قبیلوں کا یہ اختلاف صرف اس لئے ہوا کہ ایک گروہ سے دوسرا گروہ پہچانا جا سکے۔ باقی رہی یہ بات کہ انسان کے شرف و عزت کا معیار کیا ہے تو اسکی بنیاد یہ طرح طرح کی گروہ بندیاں نہیں ہیں بلکہ انسان کی عملی زندگی ہے۔ اللہ کے حضور وہی سب سے زیادہ شریف ہے جو سب سے زیادہ اپنے کاموں میں پرہیزگار ہے"!

اس آیت کی ساری روح "لتعارفوا" کے لفظ میں ہے۔ اس لفظ نے اس حقیقت کا اعلان کر دیا کہ انسانوں کے گروہوں اور جماعتوں کے جتنے بھی حلقے بنے ہیں، خواہ وہ نسل کی بنا پر بنے ہوں خواہ وطن و جنس کی بنا پر، ان کی ساری قدر و قیمت صرف اتنی ہے کہ باہم دگر پہچان کا ذریعہ ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی اثر نہیں رکھتے۔ تمام کرۂ ارضی پر پھیلی ہوئی نسل انسانی کے لئے ضروری تھا کہ مختلف حصوں اور گروہوں میں منقسم ہو جائے اور جب منقسم ہو گئی تو ناگزیر ہوا کہ ایک گروہ کو دوسرے سے پہچاننے کے لئے کوئی نہ کوئی ذریعۂ تعارف پیدا ہو جائے۔ یہ تمام حلقے تعارف کا ذریعہ ہیں۔ یہ افریقی ہے، یہ عربی ہے۔ یہ آرین ہے، یہ منگولین ہے۔ اس طرح ہر جماعت کی پہچان ہو جاتی ہے۔ لیکن اس تقسیم میں نہ تو کوئی امتیاز ہے، نہ یہ کوئی حقیقی تقسیم ہے۔ حقیقی امتیاز صرف ایک ہی ہو سکتا ہے، اور وہ انسان کی سعی و عمل کا امتیاز ہے۔

اب تمام نسل انسانی ایک سطح اور ایک صف میں کھڑی ہو گئی۔ حقیقت کسی کو بلندی نہیں دیتی، مگر اُس کو جو اپنے عمل سے شرف و رفعت کا استحقاق ثابت کر دے!

جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں، مینا اُسی کا ہے!

رشتہ انسانیت کی وحدۃ و اخوۃ کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کر دیا کہ "خلقناکم من ذکر و انثیٰ" تمام نوع انسانی ایک ہی نسل، ایک ہی خاندان، ایک ہی گھرانا ہے۔ پس جب فی الحقیقت نہ تو نسل میں امتیاز ہوا کہ نسل ایک ہی ہے۔ نہ وطن میں تفرق ہوئی کہ وطن بھی سب کا ایک ہی کرۂ ارضی ہے، تو پھر ان میں کا ایک گروہ دوسرے گروہ سے کیوں الگ ہو؟ کیوں ایک ہی خاندان اور ایک ہی گھرانے کے رشتہ دار ایک دوسرے سے کٹ کر غیر اور اجنبی بن جائیں؟

اس بارے میں اسلام کی بنیادی تصریحات اس درجہ مشہور و معلوم ہیں کہ یہاں اُن کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ مقصود صرف اشارہ ہے۔ من جملہ اُن قرآنی تصریحات کے جو انسانی وحدۃ کا اعلان کرتی ہیں، وہ تمام آیتیں ہیں جن میں ظاہر کیا گیا ہے کہ مجمع انسانی کی اصل وحدۃ تھی۔ تفرقہ گمراہی اور فطرۃ الٰہی سے دُوری کا نتیجہ ہے:

وما کان الناس الا امۃ واحدۃ فاختلفوا، ولولا کلمۃ سبقت من ربک لقضی بینهم فیما فیه یختلفون (۱۹: ۲۰)

اسلام کے داعی اول کی تعلیم اور عمل کا جو کچھ حال تھا، وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ آپنے نسل و جنس کے غرور و تنگ نظری کو عصبیۃ جاہلیت سے تعبیر کیا اور بار بار اعلان کر دیا کہ "لیس منا من مات علی العصبیۃ۔ لیس منا من دعیٰ الی العصبیۃ۔ لیس منا من قاتل علی العصبیۃ" یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کی عصبیت کے تعصب پر دنیا سے جائے۔ وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کے تعصب کی طرف دعوت دے۔ وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی بنا پر کسی دوسری جماعت سے لڑائی لڑے۔ حجۃ الوداع یعنی اُس حج کے موقعہ پر جو آپ کی زندگی کا آخری حج تھا، آخری خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "لا فضل لعربی علی عجمی، ولا لعجمی علی عربی۔ کلکم ابناء آدم" (صحیحین) "لیس لاحد فضل علی احد الا بدین و تقویٰ الناس کلهم بنو آدم و آدم من تراب" (رواہ الجامع) آج کے دن سے نسل و قومیت کے سارے امتیازات مٹ گئے۔ اب نہ کسی عرب کو عرب ہونے کی وجہ سے عجمی پر فضیلت ہو سکتی ہے۔ نہ عجمی کو عربی پر۔ فضیلت اسی کے لئے ہے جو اپنے عمل میں فضیلت رکھتا ہو۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، اور اس لئے سب ایک ہی صف میں اور ایک ہی درجہ کے ہیں!

اسلام کی دعوت میں انسانی وحدت و اخوۃ کی حقیقت کو کس درجہ اہمیت حاصل تھی؟ اس کا اندازہ مندرجۂ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ آنحضرت (صلعم) سے جو دعائیں پانچ وقت کی نماز میں ثابت ہیں، اُن میں سے ایک دعا یہ ہے۔ زید بن ارقم نامی ایک راوی کہتے ہیں کہ آپ ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگتے تھے: (وکان رسول اللہ صلعم یقول فی دبر کل صلوٰۃ):

اللهم ربنا و رب کل شیء۔ انا شهید انک الرب وحدک لا شریک لک! اللهم ربنا و رب کل شیء، انا شهید ان محمدا عبدک و رسولک! اللهم ربنا و رب کل شیء، انا شهید ان العباد کلهم اخوۃ (مسند امام احمد، ابو داؤد)

"خدایا! ہمارا اور ساری کائنات ہستی کا پروردگار! میں گواہ ہوں کہ صرف تو ہی پروردگار عالم ہے۔ تیرے سوا کوئی نہیں۔ خدایا! ہمارا اور ساری کائنات ہستی کا پروردگار! میں گواہ ہوں کہ محمد اس سے زیادہ نہیں ہے کہ تیرا بندہ ہے اور تیرا رسول ہے! خدایا! ہمارا اور تمام کائنات ہستی کا پروردگار! میں گواہ ہوں کہ تیرے سارے بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انھوں نے کتنے ہی تفرقے پیدا کر رکھے ہوں لیکن تو نے اُن سب کو ایک ہی رشتۂ انسانیت میں جوڑ دیا ہے"!

غور کرو، اس دعا میں یکے بعد دیگرے تین شہادتیں ہیں۔ پہلی پروردگار عالم کی توحید و ربوبیت کی ہے۔ دوسری رسول کی رسالت اور بندگی کی ہے۔ یہ دونوں شہادتیں اسلام کے دینی عقائد کی بنیاد اور اولین اصول ہیں۔ اب ان دو اہم ترین عقیدوں کی شہادت کے ساتھ ہی تیسری شہادت جس بات کی دی جا رہی ہے ضروری ہے کہ وہ بھی اسلام کے نقطۂ نگاہ سے اس درجہ اہم ہو کہ ان دونوں کے بعد تیسری جگہ پا سکے۔ وہ کیا ہے؟ "ان العباد کلهم اخوۃ" خدایا! اگرچہ انسان نے تیری بنائی ہوئی انسانی برادری چھوڑ کر طرح طرح کی نئی برادریاں اور رشتے بنا رکھے ہیں، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ جس طرح تیری وحدانیت اور تیرے رسول کی رسالت برحق ہے، اُسی طرح یہ بھی برحق ہے کہ سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انھوں نے جہل و محجوبیت سے کتنا ہی یہ مقدس رشتہ بھلا دیا ہو، لیکن یہ رشتہ حقیقی ہے اور قائم ہے!

داعی اسلام توحید اور رسالت کے بعد جس حقیقت کا اعلان عام کرنا چاہتا تھا، وہ انسان کی انسانی برادری تھی!

اس موقعہ پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے۔ کہ قرآن و اسلام

دوسری سیٹھ بدری پرشاد کی جو وہاں کے مالکان آراضی میں سے ہے اور ہندوستان کی زمیندارانہ خصائل کا کامل نمونہ ہے۔ مصنف کے قلم کو "پریم" سے زیادہ بدری پرشاد کی تصویر کھینچنے میں کامیابی ہوئی ہے۔

یہ کہنا ضروری نہیں کہ ہندوستانی زندگی کے جس افسانہ پر مسٹر اڈورڈ وائر کے قلم سے دیباچہ نکلے گا، سیاسی حیثیت سے اُسکی روح کیا ہوگی؟ افسانہ کا معاشرتی ماحصل جو کچھ بھی ہو لیکن سیاسی ماحصل یہ ہے کہ ہندوستان کی اصلی آبادی دیہات کی آبادی ہے۔ اُس کے حقیقی اور عملی مسائل اقتصادی اور زرعی ہیں نہ کہ سیاسی ضرورت اُنہی کے حل اور اصلاح کی ہے۔ سیاسی نظام کی ترقی نہ تو ضروری ہے نہ سود مند!

قصہ کوتہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود!

آشور اور بابل کی نئی تاریخ

Ancient Records of Assyria And Babylonia

آشور (اسیریا) اور بابل کا ما بین النہرین تمدن، تاریخ قدیم کی وہ عجیب داستان ہے جو صرف ہزاروں برس پہلے کے کھنڈر اور زیر زمین اینٹوں ہی کی زبانی سنی جا سکتی ہے۔ قلم و کتابت کے ذریعہ بہت کم صدائیں ہم تک پہنچی ہیں۔ علمار آثار نے اس عہد کے آثار سے بہت کچھ ذخیرۂ علم حاصل کر لیا ہے۔ یہ اب تاریخ کی ایک مستقل شاخ ہوگئی ہے۔ تاہم بحث و تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔

حال میں شکاگو یونیورسٹی (امریکہ) کے ایک پروفیسر مسٹر ڈی۔ ڈی لکنبل (D. D. Luckenbill) نے اس موضوع پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے جو پچھلے ماہ شائع ہوگئی۔ اسمیں کوشش کی ہے کہ جس قدر بھی معلومات آثار قدیمہ کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں، وہ سب تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کر دیجائیں۔ تاریخ کی ابتدا اُس زمانہ سے کی ہے جو تاریخ کی ابتدائی روشنی کا زمانہ ہے، اور ختم اُس عہد پر کیا ہے جب سرزمین نینوا تباہ ہو جاتی ہے۔ مصنف نے دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ:

"اس تاریخ کا تمام تر دار و مدار آثار قدیمہ ہے۔ آثار سے جو معلومات حاصل کی جاتی ہیں وہ بہت حد تک ایک خاص طریق استدلال پر مبنی ہوتی ہیں۔ اگر اس طریق استدلال کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ بھی غلط ثابت ہو جائے تو نتائج کا بہت بڑا سلسلہ نظر انداز کر دینے کے قابل ہو جائے گا۔ اس لئے میں نے کوشش کی ہے کہ حتی الامکان استدلالی طریقہ کی جگہ استنباط و استخراج کے سادہ طریقہ پر قناعت کر لوں لیکن یہ ہر جگہ کام نہیں دے سکتا تھا۔ بعض مقامات ایسے ہیں کہ استدلال کے بغیر قدم بڑھایا ہی نہیں جا سکتا۔ ایسے موقعوں پر طریق استدلال کام میں لایا گیا ہے مگر یہ احتیاط کر لی ہے کہ اول تو صرف مستند علمار آثار کے بیانات پر قناعت کر لی جائے۔ ثانیاً حتی الوسع استدلال میں بھی قریبی اور صاف استدلال سے نکالے ہوئے نتائج لئے جائیں۔"

قدیم ہندوستان میں سانپ کی حیثیت

Indian Serpent-Lore or The Nagas in Hindou Legend

ڈاکٹر جے۔ دو جل Vogel نے مندرجہ صدر نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ ہندوؤں کے علم الاصنام میں سانپ کے وجود نے کیوں اہمیت حاصل کر لی؟ اور کس طرح اس کی پرستش کا رواج ہوا؟ اس کتاب میں اس سوال کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف نے پہلے ہندوستان میں سانپوں کی کثرت اور انکے اثرات پر بحث کی ہے۔ پھر "ناگ" اور اس کے تخیل پر نظر ڈالی ہے اور اس سلسلہ میں وہ تمام افسانے بھی درج کر دیئے ہیں جن کا تعلق ناگ بادشاہوں اور ناگ کی قوم سے ہے۔

کتاب بہ حیثیت مجموعی دلچسپ ہے اگرچہ تحقیقات کا پایہ بلند نہیں ہے۔ ہم اس کے بعض حصوں کا ترجمہ آیندہ شائع کریں گے۔

تجہیز و تکفین کی فضول خرچیاں

Funeral Customs: Their Origin and Development

مسٹر بی۔ اس۔ پکل Puckle نے یہ کتاب اس غرض سے لکھی ہے کہ مسیحی رسوم کے مطابق تجہیز و تکفین کے جو طریقے یورپ میں رائج ہیں، ان پر تاریخ و فلسفہ کے نقطۂ خیال سے نظر ڈالی جائے، اور اقتصادی حیثیت سے اُن کا مسرفانہ پہلو بھی واضح کیا جائے۔ کتاب کا موضوع اگرچہ صرف یورپ کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے لیکن تجہیز و تکفین کا مسئلہ عام ہے، اس لئے جابجا نہایت دلچسپ اور مفید مباحث آگئے ہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ موت جو زندگی کا خاتمہ اور حسرت و ماتم کا پیغام ہے، اُس ساز و سامان سے علحدہ نہ ہو سکی جو انسان نے زندگی کی شان و شوکت اور ہنگامہ آرائیوں کے لئے اختیار کئے تھے؟ وحشی قوموں سے لے کر موجودہ عہد کی متمدن قوموں تک، کوئی بھی اسپر راضی نہیں ہوتا کہ موت کا مرحلہ محض خاموشی و غمگینی کے ساتھ طے کر لے؟ مصنف اس کے جواب میں چار سبب بتلاتا ہے:

(۱) یہ قدیم اور عالمگیر اعتقاد کہ بعض رسوم کی ادائیگی پر میت کی آیندہ عافیت موقوف ہے۔

(۲) اگر میت کے ساتھ انصاف اور فیاضی ملحوظ نہ رکھی گئی تو وہ زندوں کو ستانے لگے گا۔

(۳) رائے عامہ جسے حق حاصل ہے کہ جنازوں کی شان و شوکت یا سادگی و بے وقعتی پر اظہار خیال کرے۔

(۴) میت کے عزیزوں قریبوں کے دماغ کی وہ عارضی حالت جو کچھ عرصہ کے لئے دنیا اور دنیا کے تمام مصالح و فوائد سے بے پروا ہو جاتی ہے اور فضول خرچی کی مضرتوں کا احساس باقی نہیں رہتا۔

لوزان کی آیندہ مسیحی کانفرنس

معلوم نہیں قارئین الہلال کو اُس کانفرنس کا حال معلوم ہے یا نہیں جو سنہ ۱۹ء میں اس لئے قائم کی گئی تھی تاکہ تمام مسیحی ممالک کے مذہبی عقائد و نظام کی وحدت و یکجہتی کے لئے مسلسل کوشش شروع کی جائے؟ یہ کانفرنس لوزان میں منعقد ہوئی تھی جس کا نام ترکی معاہدۂ صلح کے سلسلہ میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اب آیندہ اگست میں اس کا دوسرا اجلاس منعقد ہوگا۔ پچھلی ڈاک کے تمام اخبارات اس کے تذکرہ سے لبریز ہیں۔

یہ مسیحی مذہب کا حال ہے جسنے اول دن سے اصول و عقائد کے تفرقہ میں پرورش پائی تھی۔ لیکن اسلام کی بنیاد اس حالت میں پڑی کہ کلیسا اور کلیسا کے اختلافات کے لئے کوئی جگہ ہی نہیں رکھی گئی تھی۔ پھر کیا مسلمانوں کے لئے اسمیں کوئی عبرت نہیں ہوگی؟ کاش ہندوستان میں بھی کسی "لوزان" کی صدا بلند ہو!

ٹرکی کی جدید مردم شماری

ترکی حکومت نے نئی مردم شماری کا انتظام کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اخبار نیر الیسٹ لنڈن نے لکھا تھا کہ "ٹرکی حکومت کی جانب سے بار بار ظاہر کیا گیا ہے کہ اُس کی موجودہ آبادی ساڑھے تیرہ ملین (ایک کروڑ پینتیس لاکھ) سے کم نہیں ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہت کم ہے" اسپر مطلب بے نے جو موجودہ ترکی حکومت میں دیوانی امور کے ڈائرکٹر جنرل ہیں، ایک بیان شائع کیا ہے اور نیر الیسٹ کی تغلیط کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "یہ تخمینہ تمام سرکاری کاغذات سے ثابت شدہ ہے، اور بہت ممکن ہے کہ آیندہ مردم شماری میں اس سے بھی زیادہ تعداد ثابت ہو"۔

آزادی پر دنیا کی نئی نظر

مئی کے کنٹمپریری ریویو میں سر ہربرٹ سیموئل نے ایک مطول مقالہ "لبرٹی" (آزادی) کے عنوان سے لکھا ہے۔ انگلستان کے درمیانی طبقہ کا زاویۂ نگاہ معلوم کرنے کے لئے یہ ایک نہایت مفید تحریر ہے۔ یہ نہ تو اس میدان میں زیادہ دُور تک جانا چاہتی ہے۔ نہ اسپر قانع ہے کہ قدم نہ اُٹھائے۔ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ اُسے ایک درمیانی جگہ مل گئی ہے۔

مقالہ نگار نے آزادی کی وہی پانچ قسمیں کی ہیں جو آجکل عام طور پر کی جاتی ہیں:

(۱) شخصی
(۲) دماغی
(۳) سیاسی
(۴) اقتصادی
(۵) قومی

پھر بتلایا ہے کہ ان میں سے ہر آزادی کا ایک حلقہ ہے لیکن مشکل یہ پیش آجاتی ہے کہ ہر حلقہ دوسرے حلقہ سے متناقض ہو جاتا ہے۔ مجبوراً ان سب میں اتنی کمی بیشی کر دینی پڑتی ہے کہ مجموعی حالت میں اعتدال پیدا ہو جائے۔ کبھی شخصی آزادی گھٹا دی جاتی ہے تاکہ سیاسی آزادی کو صدمہ نہ پہنچے۔ کبھی سیاسی آزادی محدود کر دی جاتی ہے تاکہ شخصی آزادی کا درجہ گھٹ نہ جائے۔ ان تمام حلقوں کے ایسے حدود قائم ہو جانا جو باہمدگر موافق و مطابق ہوں، دنیا کی علمی مشکلات میں سے سب سے بڑی مشکل ہے۔ جس دن ہم یہ مشکل حل کر لینگے، آزادی کا عملی عقدہ بھی حل ہو جائے گا۔

جدید روس کا جدید تمدن

اسی رسالہ میں مسٹر سی۔ ایچ ہرفورڈ کا ایک نہایت دلچسپ مقالہ "بالشویزم کی تہذیب" پر نکلا ہے۔ مسٹر موصوف لکھتے ہیں:

"بالشوسٹ روس کو ہم اسوقت تک صرف تعصب ہی کی عینک میں سے دیکھتے رہے ہیں لیکن یہ حالت کب تک باقی رہے گی؟ کب تک حقیقت سے زیادہ ہمیں اپنے متعصبانہ جذبات کا پاس رہے گا؟ روس کے اس انقلاب کو ہم تمدن کا تنزل

عالم مطبوعات و صحائف

اس باب سے مقصود یہ ہو کہ اس کے نیچے وہ تمام مفید اور دلچسپ معلومات جمع کی جاسکیں جو مشرق و مغرب کی مطبوعات و صحائف سے اخذ کی جاسکتی ہیں۔

"صحائف" کے ساتھ "مطبوعات" کا لفظ اس لئے بڑہایا گیا ہو تاکہ اخبارات و رسائل کے علاوہ ہر قسم کی مطبوعہ چیزیں بھی اس کے دائرۂ نظر میں آجائیں۔ ہر ہفتہ دنیا کے مختلف حصوں میں ایک بڑی تعداد کتابوں کی شائع ہوتی رہتی ہو۔ ان کا بڑا حصہ ایسا ہو جو یا تو بآسانی میسر آجاتا ہو یا کم از کم علمی اخبارات و رسائل کے ذریعہ انکے ضروری مطالب و فوائد معلوم ہوجاتے ہیں۔ اس عنوان کے نیچے اُن کا تذکرہ کیا جاسکے گا، ضروری مطالب اخذ و نقل کئے جاسکیں گے، اور بعض حالتوں میں مختصراً نقد و تبصرہ بھی ہوجائے گا۔

اخبارات و رسائل کا یہ حال ہو کہ اگر تمام زبانوں کے اخبارات میں سے صرف انگریزی، عربی، اور ترکی زبان کے اخبارات ہی چُن لئے جائیں، اور ان میں سے بھی صرف وہی لئے جائیں جو نہایت وقیع درجہ کے ہیں، جب بھی ان کی تعداد اتنی بڑی ہوگی کہ نہ تو بہ آسانی خریدی جاسکتی ہو، نہ ہر شخص اپنے اوقات فراغ میں اُن سب کا مطالعہ کرسکتا ہو۔ اس لئے علم و اطلاع کا بہتر و سہل ذریعہ یہی ہو کہ اُن کا خلاصہ نظر سے گزرتا رہے۔ ہر اخبار میں خواہ وہ کتنا ہی اعلی درجہ کا کیوں نہ ہو کام کی چیزیں چند ہی ہوتی ہیں اور بہ آسانی چُن لی جاسکتی ہیں۔ یہی حال کتابوں کا ہو۔ یورپ کی زبانوں میں متعدد رسائل کا موضوع یہی ہے۔ اُردو پریس نے ابھی تقسیم عمل کے اس درجہ تک کہاں ترقی کی ہو کہ اس قسم کے پرچے شائع ہوں؟ البتہ یہ ممکن ہو کہ چند صفحات اس کے لئے مخصوص کردئے جائیں، الہلال میں یہ باب اسی غرض سے قرار دیا گیا ہو۔

اس باب کی اہمیت اور نفع کا اندازہ شاید فوراً نہ ہوسکے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ اس نمبر میں بہت کم جگہ اس کے لئے نکل سکی۔ لیکن اگر چند ہفتوں تک اس کا مطالعہ جاری رہا تو آپ محسوس کرلیں گے کہ یہ کس درجہ مفید اور دلچسپ چیز ہے؟ الہلال کے ان چند صفحات کا مطالعہ کرلینا مغرب و مشرق کی مطبوعات کے تمام وقیع ذخیرہ کا مطالعہ ہوگا۔

الہلال کے ان چند کالموں کے لکھنے کے لئے جس محنت و صرف کی ضرورت ہو، مشکل ہو کہ آپ اُس کا اندازہ لگاسکیں۔ جو چیز ہفتہ بھر کی لگاتار محنت و کاوش کے بعد لکھی جائے گی، وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس منٹ کے اندر آپ پڑھ لیں گے۔ ممکن ہو مطالب کی دلچسپی اتنا وقت بھی محسوس نہ ہونے دے۔ تاہم اس واقعہ سے آپ کو بے خبر نہیں رہنا چاہئے کہ سیکڑوں روپیہ کے صرف اور ایک اہل قلم کے پورے سات دن کی محنت سے یہ چند کالم تیار کئے جاتے ہیں بسا اوقات اس کی صرف ایک سطر لکھنے کے لئے ضرورت ہوگی کہ کئی کئی سو صفحوں کی کتاب یا اخبارات و رسائل اول سے لیکر آخر تک پڑھ ڈالے جائیں، اور بعض اوقات تو ایسا ہوگا کہ صفحوں کے صفحے پڑھ کر رکھدینے پڑینگے اور ایک سطر بھی میسر نہ آئے گی!

اسوقت دفتر الہلال میں مغرب و مشرق کے وقیع اخبارات و رسائل کا بہت بڑا ذخیرہ ہفتہ وار آتا ہو۔ انگریزی، فرانسیسی، طلیانی، جرمن، اسپینی، عربی، ترکی، فارسی اور جاپانی زبان کے روزانہ، سہ روزہ، ہفتہ وار، ماہوار، سہ ماہی ہر قسم کے اخبار و رسائل مہیا کئے گئے ہیں طلیانی اور اسپینی زبانوں کے سوا باقی تمام زبانوں کے مطالعہ اور اخذ و ترجمہ کا انتظام موجود ہو۔ اور امید ہو کہ بہت جلد ان دو زبانوں کے مطالعہ کا بھی انتظام ہوجائے گا۔ یہی حال نئی کتابوں کا ہو۔ شاید ہی کوئی ہفتہ اس سے خالی جاتا ہو کہ نئی مطبوعات کا وافر ذخیرہ یہاں نہ پہنچتا ہو۔ ہم کوشش کرینگے کہ حتی الوسع اس تمام ذخیرہ کا بہترین خلاصہ ہر ہفتہ درج کردیا کریں۔

یہ واضح رہے کہ "عالم مطبوعات و صحائف" کا باب "مطبوعات جدیدہ" سے مختلف ہو۔ "مطبوعات جدید" کا عنوان اس لئے رکھا گیا ہو تاکہ اُس میں کتابوں پر نقد و تبصرہ کیا جائے، یا اگر کسی خاص کتاب کا کوئی اہم حصہ قابل اشاعت ہو تو اسے بجنسہ نقل کرلیا جائے، لیکن عالم مطبوعات و صحائف کا دائرۂ نظر عام و وسیع ہو۔ اسمیں ہر طرح کی مطبوعات سے ہر طرح کی ضروری معلومات منتخب کرکے درج کی جائیں گی۔

تاریخ کبیر ذہبی

تاریخ اسلام کے عہد متاخرین میں امام شمس الدین الذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) کو علم و تصنیف کا جو درجہ حاصل ہو، وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ اُن کا عہد آئمۂ فن کا عہد تھا تاہم جو قبولیت و شہرت اُن کی مصنفات کو حاصل ہوئی، اُس سے اُن کے بڑے بڑے معاصر حتی کہ شیوخ و اساتذہ بھی محروم ہیں۔ اُنکی مصنفات میں ایک بڑا حصہ تاریخ و رجال کا ہو۔ لیکن افسوس ہو کہ اسوقت تک میزان الاعتدال کے سوا (جسے سب سے پہلے ہندوستان کے ایک عالم مولانا عبد الحئی مرحوم فرنگی محلی نے چھپوا کر شائع کیا) اور کوئی مطول کتاب شائع نہ ہوسکی۔

تاریخ میں ان کی سب سے بڑی کتاب "تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر الاسلام" ہو جو تاریخ کبیر ذہبی کے نام سے مشہور ہو۔ آٹھویں صدی ہجری کے بعد اسلام کی جسقدر تاریخیں لکھی گئیں، سب کی سب اس سے ماخوذ ہیں۔ کوئی متاخر مؤرخ ایسا نہیں جو اس کا حوالہ نہ دیتا ہو۔ اس کے مختلف نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں لیکن تمام ناقص ہیں۔ بدقسمتی سے کسی ایک مقام پر بھی کوئی مکمل نسخہ موجود نہیں۔

یورپ کے مستشرقین اور مستشرق جماعتوں کا ایک خاص طریق کار یہ ہو کہ وہ جب کوئی خاص کتاب شائع کرنی چاہتے ہیں تو پہلے اس کے تمام موجودہ نسخوں کی ایک یادداشت طیار کرلیتے ہیں۔ یہ یادداشت نہایت قیمتی ہوتی ہو۔ اس سے معلوم ہوجاتا ہو کہ دنیا کے مختلف مقامات میں اس کے کون کون سے نسخے موجود ہیں، اور کیونکر اُن سب سے اس کا ایک مکمل اور صحیح نسخہ مرتب کیا جاسکتا ہو؟ سنہ ۱۸۹۹ء میں ہالینڈ کے مشہور مستشرق پروفیسر دی گوئے de Goeje نے ایک یادداشت اس کتاب پر شائع کی تھی۔ اُس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس کی پہلی اور پانچویں جلد پیرس کے قومی کتب خانہ میں موجود ہو۔ دوسری اور چوتھی اکسفورڈ میں ہو۔ تیسری آٹھویں اور قاہرہ میں ہو۔ چھٹی، ساتویں، اور آٹھویں برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ہو۔ نویں سے لیکر بارہویں جلد تک قسطنطنیہ کے کتب خانہ ایا صوفیہ میں موجود ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہو کہ ان میں سے اکثر جلدیں ناقص ہیں اور جب تک اُنکے ناقص اجزاء کے مقابلہ میں دوسرے نسخوں سے کامل اجزاء نہ مل جائیں مکمل نسخہ کی ترتیب مشکل ہو۔ اس یادداشت میں ان اجزاء کا بھی حال درج تھا، اور امید کی گئی تھی کہ مکمل نسخہ مرتب ہوجائیگا۔

ہندوستان میں بھی اس کے نسخے جابجا پائے جاتے ہیں مگر مکمل نسخہ کہیں نہیں ہو۔ رامپور کے کتب خانے میں تین جلدیں ہیں۔ لکھنو کے کتب خانۂ مولنا حامد حسین مرحوم میں بھی تین ہیں۔ بانکی پور میں ایک جلد ہو۔ مولنا ابو الکلام . . کے کتب خانہ میں دو جلدیں ہیں دوسری اور چوتھی۔ غالباً حیدرآباد میں بھی بعض جلدیں پائی جاتی ہیں۔

اصل کتاب کی ایک کتابت میں بارہ جلدیں ہیں اور ایک میں تیرہ۔ مصنف نے ابتداء اسلام سے اپنے عہد تک یعنے ساتویں صدی ہجری تک کے حالات و تراجم جمع کرنے کا التزام کیا تھا۔ ترتیب یہ اختیار کی ہو کہ پوری مدت ستر بابوں میں منقسم ہو یعنی ہر بیس برس کے لئے ایک باب ہو۔ ہر باب میں پہلے وقائع و حوادث بہ ترتیب سنین جمع کئے ہیں۔ پھر وفیات و تراجم بہ ترتیب حروف تہجی بیان کئے ہیں دوسری اور چوتھی جلد جو مولنا کے کتب خانہ میں موجود ہیں، ان میں سنہ ۱۴۱ھ سے سنہ ۱۳۰ھ تک کے، اور سنہ ۱۹۱ھ سے سنہ ۲۴۰ھ تک کے حالات ہیں۔

دنیا اس کتاب کی اشاعت سے مایوس ہوچکی تھی۔ لیکن اب شائقین علم یہ سنکر نہایت خوش ہونگے کہ نہ صرف اس کا مکمل نسخہ مرتب کرلیا گیا ہو، بلکہ اُس کی طباعت کا کام بھی شروع ہوگیا ہو۔ چنانچہ جرمنی سے پروفیسر ہارٹ من لکھتے ہیں کہ "تاریخ کا مکمل نسخہ جو گذشتہ پندرہ سال سے زیر تصحیح و تکمیل تھا اب مکمل ہوگیا ہو۔ اور پہلی جلد کی چھپائی بھی شروع ہوگئی ہو"۔

پروفیسر موصوف کا یہ خط مولنا ابو الکلام کے نام آیا ہو جن سے اُن کی خط و کتابت سنہ ۱۹۱۲ء سے جاری ہو۔ اسمیں انھوں نے مولنا کے کتب خانہ کی دونوں جلدیں طلب کی ہیں، اور اس کام کی نہایت دلچسپ تاریخ بھی بیان کی ہو تاکہ الہلال میں شایع کی جائے۔ پروفیسر موصوف یورپ کے اُن مشاہیر اہل علم میں سے ہیں جنھوں نے ازراہ عنایت الہلال کے لئے تحریر مقالات کا وعدہ فرمایا تھا۔ ہم آیندہ اُن کی تحریر کا ترجمہ بہ سلسلۂ مقالات شایع کرینگے۔

پریم

A. Tale of Modern India

مندرجۂ صدر نام سے مسٹر ایچ۔ کے۔ گورڈن نے ایک ناول لکھا ہو جو پچھلی ڈاک کی نئی کتابوں میں ہمارے پاس پہونچا ہو۔ اس میں پنجاب کی دیہاتی زندگی کی ایک دلچسپ داستان بیان کی گئی ہو، اور مصنف کا بیان ہو کہ یہ داستان نہیں ہو ایک سچی سرگزشت ہو۔ سر مائیکل اوڈوائر (سابق گورنر پنجاب) نے اسپر دیباچہ لکھا ہو اور یہ رائے قائم کی ہو کہ "زمانۂ حال کی ہندوستانی زندگی کے مسائل سمجھنے میں یہ سرگزشت بہت مدد دے گی"

اس افسانہ میں اگرچہ متعدد سیرتیں (کیرکٹرز) دکھائی گئی ہیں لیکن دو سیرتیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ایک تو خود "پریم" کی جو اپنی کاشتکاری کی پُر صعوبت زندگی شروع کرتا ہو

بریدِ شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار قسطنطنیہ کے قلم سے)

دو تاریخی دشمن رُو در رُو

سابق خدیو مصر کا مقدمہ

عباس پاشا حلمی، دورِ حاضر کے سربرآوردہ مشاہیر میں سے ہیں۔ جنگ عمومی کے آغاز تک مصر کے فرمانروا تھے۔ برطانیہ سے ان کی مخالفت تاریخی واقعہ بن گئی ہے۔ باہمی عداوت کی سرگزشت خود لارڈ کرومر نے اپنے پُرزور سیاسی قلم سے لکھی ہے اور "عباس ثانی" کے نام سے دُنیا کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ لارڈ موصوف نے عباس کی مذمت میں اپنی تمام قوت کتابت صرف کردی ہے۔ مگر شروع سے آخر تک کتاب پڑھ ڈالنے کے بعد اس کے سوا کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ "یہ خدیو، برطانیہ کا دشمن تھا" کیونکہ "برطانیہ نے اُس کے ملک پر غاصبانہ قبضہ کرلیا تھا"

یہاں ہم خدیو کی وطن پرستی کی تاریخ بیان کرنی نہیں چاہتے لیکن یہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آخر کار اسی وطن پرستی نے عباس حلمی کو اپنے تاج و تخت سے محروم کرایا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ برطانیہ نے مصر میں اُس کی تمام ذاتی جائداد ضبط کرکے پُورا پُورا انتقام لے لیا۔

آج مصر میں خدیو کی کوئی ملکیت باقی نہیں ہے حالانکہ جنگ سے پہلے وہ مصر کا سب سے بڑا صاحب املاک تھا۔ خدیو کی سابق دولت کے متعلق بہت سے قصے مشہور ہیں۔ وہ اپنے عہد حکومت میں دنیا کے چند سب سے زیادہ دولتمند فرمانرواؤں میں سے تھا

بہرحال وہ قدیم تاریخی دشمنی آج پھر منظرِ عام پر آگئی ہے۔ پہلے اُس کا دائرہ شاہی محل، انگریزی ریزیڈنسی، اور سیاسی حلقوں میں محدود تھا۔ آج وہ عدالت کے ایوان میں جلوہ آرا ہے، اور جج اُس پر محاکمہ کرنے بیٹھے ہیں۔

مقدمہ کی نوعیت

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سابق خدیو نے قسطنطنیہ کی مخلوط اعلیٰ عدالت میں حکومت برطانیہ پر دعویٰ دائر کیا ہے، اور اپنی جائداد کا معاوضہ طلب کیا ہے جو دوران جنگ میں ضبط کرلی گئی تھی۔ خدیو کا دعویٰ یہ ہے کہ برطانیہ نے اُس کی جائداد ضبط کرنے کے بعد اُسے صرف ۶،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ معاوضہ ادا کیا یہ رقم بہت کم ہے۔ اُسے ۲۸،۲۳۰،۸۰۲ پونڈ معاوضہ ملنا چاہئے۔

مدعا علیہ کا جوابِ دعویٰ

دعویٰ اپنے اجمال میں صاف اور سادہ ہے۔ لیکن تفصیلات نے بہت سی پیچیدگیاں پیدا کردی ہیں جن کے حل کرنے میں اس وقت ٹرکی، مصر، برطانیہ، اور بعض دوسرے یورپین ملکوں کے قابل ترین علماء قانون مشغول ہیں۔ یہ پیچیدگیاں دراصل برطانیہ کی طرف سے پیدا کی گئی ہیں۔ برطانوی وکیل مورس اموس نے کل عدالت میں اپنے اعتراضات پیش کئے تھے۔ سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ موجودہ عدالت، جس کے سامنے مقدمہ پیش ہے، اس مقدمہ کی سماعت کا اختیار نہیں رکھتی۔ برطانی نمایندے نے اس کے لئے دو دلیلیں پیش کی ہیں۔ اول مدعی کی شخصیت۔ ثانیاً دعوے کا موضوع۔

انگریزی وکیل نے کامل تین گھنٹے تقریر کی۔ اور ان دونوں نقطوں پر ہر پہلو سے روشنی ڈالی۔ اُس کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

"مدعی کی شخصیت، موجودہ عدالت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔ یہ اس لئے کہ خدیو کی جنسیت مصری ہے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ اس عدالت کے سامنے صرف اُنھی لوگوں کے دعوے آسکتے ہیں جو ترکی جنسیت رکھتے ہوں اور برطانیہ یا اُس کی رعایا کے خلاف دعویٰ رکھتے ہوں" اپنے دعوے کے ثبوت میں وکیل نے کہا "ابتک مصری حکومت سابق خدیو کو "مصری" ہی گردانتی ہے اور اُن کی ترکی جنسیت تسلیم نہیں کرتی۔ اس بارے میں مصری اور ترکی حکومت میں گفت و شنید بھی ہوچکی ہے۔ مگر مصری حکومت اپنے فیصلہ پر قائم ہے۔ میرے لئے سرکاری کاغذات پیش کرنا مشکل ہے۔ لیکن میرے پاس موجودہ مصری وزیر اعظم عبد الخالق ثروت پاشا کا خط موجود ہے جو اُن سے خاص اس موقعہ کے لئے حاصل کیا گیا ہے"

اس کے بعد وکیل نے وزیر اعظم مصر کا خط پیش کیا جو حسب ذیل ہے:

"آپ کا خط پہونچا۔ افسوس جواب میں بہت تاخیر ہوئی۔ اس کا اصلی سبب وزارت کا استعفا تھا۔ اسی استعفا کی وجہ سے اُس نوٹ پر دستخط بھی دیر سے ہوئے جو سابق خدیو عباس پاشا کے متعلق مصری حکومت ترکی سفیر کے حوالہ کرنے والی تھی۔ آج اس نوٹ پر دستخط ثبت ہوگئے اور ترکی سفیر کو دے دیا گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصری حکومت سابق خدیو کی جنسیت کی تبدیلی تسلیم نہیں کرتی ... میں آپ کی اس مہم میں پوری کامیابی کا خواہشمند ہوں"

خط سُنانے کے بعد انگریزی وکیل نے کہا:

"اب یہ مسئلہ بالکل صاف ہوگیا کہ عباس حلمی مصری ہیں۔ ترکی نہیں ہیں۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں برطانیہ نے مصر پر اپنے حمایت (پروٹیکٹوریٹ) کا اعلان کیا۔ اُس وقت سے خدیو انگریزی رعایا ہوگئے۔ لہٰذا اُن کا موجودہ دعویٰ برطانیہ کا ایک داخلی معاملہ ہے۔ یعنی برطانیہ کی ایک رعایا نے حکومت برطانیہ پر دعویٰ کیا ہے۔ موجودہ عدالت کو ایسے مقدمات سننے کا قانوناً حق نہیں ہے۔ بنا بریں عدالت کو اس مقدمہ پر غور نہیں کرنا چاہئے"

اس کے بعد وکیل نے دوسرے نقطہ پر بحث شروع کی:

"خدیو اپنی جائداد کا معاوضہ طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ موجودہ عدالت کو معاوضہ کے دعوؤں پر غور کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عدالت، معاہدۂ لوزان کے بموجب وجود میں آئی ہے اور معاہدہ میں صاف تصریح موجود ہے کہ ترکی برطانی عدالت صرف اُن دعوؤں پر غور کرے گی جو ٹرکی یا دول اتحاد طرفین پر کسی جائداد کے متعلق دائر کرینگے بشرطیکہ اُس جائداد کا طرفین کو علم ہو۔ لیکن خدیو کسی جائداد کا مطالبہ نہیں کررہے ہیں بلکہ معاوضہ طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ معاوضہ کا معاملہ اس عدالت کے اختیار سے باہر ہے"

یہ کہکر وکیل نے معاہدۂ لوزان کی دفعہ ۵۸ پڑھی جس کا مضمون یہ ہے:

"ٹرکی اور دول اتحاد باہمی رضامندی سے اُن تمام نقدی معاوضوں کے مطالبہ سے دست بردار ہوتے ہیں جن کا تعلق یکم اگست ۱۹۱۴ء سے تاریخ معاہدہ تک طرفین کی جائداد سے ہے عام اس سے کہ وہ جائدادیں تباہ ہوگئی ہوں یا ضبط کرلی گئی ہوں"

وکیل نے کہا "اس تصریح کے بعد خدیو کا دعویٰ بالکل بے بنیاد ہوجاتا ہے" یہاں پر انگریزی وکیل کو اعتراف کرنا پڑا کہ "لوزان کا معاہدہ اُن معاہدوں سے بالکل مختلف ہے جو دول اتحاد نے جرمنی، آسٹریا، اور بلغاریہ سے کئے ہیں۔ یہ معاہدے غالب اور مغلوب کے مابین ہوئے تھے، اسی لئے اُن میں غالب کی سخت شرطیں موجود ہیں۔ لیکن لوزان کا معاہدہ دو برابر کے حریفوں میں ہوا تھا غالب اور مغلوب میں نہیں ہوا تھا۔ اسی لئے اُس کی تمام شرطوں کی بنا مساوات پر ہے"

یہ تاریخی واقعہ بھی اُسے تسلیم کرنا پڑا کہ "لوزان کانفرنس میں استحادیوں نے ٹرکی کو دبانے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ تین کرور پونڈ تاوان جنگ طلب کیا تھا۔ مگر ٹرکی نے صاف انکار کردیا۔ اس کے بعد ڈیڑھ کرور طلب کیا۔ اسپر بھی ٹرکی راضی نہ ہوا۔ آخر ایک کرور بیس لاکھ پر اصرار کیا گیا۔ مگر ٹرکی نے اس بار میں گفتگو کرنے سے قطعی انکار کردیا۔ مجبوراً اتحادیوں کو مذکورۂ بالا دفعہ ۵۸ پر راضی ہونا پڑا، جس کی رُو سے طرفین ہر قسم کے مالی معاوضوں سے دست بردار ہوگئے"

اس کے بعد وکیل نے معاہدہ کی دفعہ ۶۵ اور ۶۶ پر بحث کی "بلاشبہ ان دفعوں میں طرفین نے تسلیم کیا ہے کہ ضبط شدہ جائدادیں واپس کردیں گے یا اُن کی قیمت ادا کردیں گے۔ مگر اس میں صاف تصریح موجود ہے کہ ایسے دعوے اُس عدالت میں پیش ہوسکتے ہیں جو طرفین خاص اسی غرض سے مقرر کرینگے موجودہ عدالت کی یہ حیثیت نہیں ہے، لہٰذا اس مقدمہ پر غور کرنا اُس کے اختیار سے باہر ہے"

اس کے بعد وکیل نے یہ اعتراض پیش کیا کہ "معاہدۂ لوزان کی رُو سے طرفین ایسی ہی جائدادوں کا مطالبہ کرسکتے ہیں جو کسی ایک فریق کے قبضہ میں ہیں۔ کیونکہ اگر قبضہ میں نہیں ہیں تو اُن کی واپسی بھی ناممکن ہے۔ مدعی عباس پاشا کی فی الحال کوئی

بتلاتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہو کہ وہ طرح طرح کے تمدنی اور تعلیمی ترقیات کے مدارج پُورے سرعت کے ساتھ طے کر رہا ہو۔ وقت آگیا ہو کہ ہم ہر طرح کے تعصبات سے الگ ہو کر اعتدال فکر کے ساتھ روسی انقلاب کا مطالعہ کریں"

تُرک اور نسل ابراہیمی

پچھلے دنوں پروفیسر حقی بے نے جو جامعۂ قسطنطنیہ میں اسلامی تاریخ کے مدرس ہیں، ایک عجیب نظریہ اخبارات میں شائع کیا تھا۔ ماحصل اس کا یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُسی نسل سے تھے جو ترکوں کی نسل ہو۔ نظریہ کے اثبات میں تورات، قرآن، اور علم الاقوام سے دلائل پیش کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن جتنی باتیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالی گئی تھیں، اُن میں ایک بھی ایسی نہ تھی جو اہل علم کے لئے قابل التفات ہو۔ خصوصاً قرآن سے استدلال تو نہ صرف غیر مفید بلکہ عدم فہم و تدبر پر مبنی تھا۔

پچھلی ڈاک کے ترکی اخبارات میں پھر یہ بحث چھڑ گئی ہو۔ توحید افکار میں ایک اہل قلم نے طول طویل مضمون لکھا ہو، وقت کے مقالہ نگار نے اُس کے رد پر زور قلم صرف کر دیا ہو۔ توحید افکار کا مضمون حقی بک کی تائید میں ہو۔ وقت کا مضمون تغلیط میں۔ ضمناً یہ بحث بھی چھڑ گئی ہو کہ قدیم تقسیم اقوام کی بنا پر منگولین نسل کا ایک حلقہ قرار دیا گیا ہو۔ لیکن یہ کہاں تک نکتہ چینوں سے محفوظ ہو؟ توحید افکار کے مقالہ نگار نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ قدیم تاتاری نسل اپنی ایک مستقل شاخ رکھتی ہو۔ مشرق اقصیٰ اُس کا محل و وطن نہ تھا۔ یہ دنیا کے وسطی حصوں سے وہاں پہنچی تھی۔

اس سلسلہ میں لفظ "تارخ" اور آزر" کی اصلیت نے بھی ایک سخت نزاع پیدا کر دی ہو۔ یہ بحث بھی چھڑ گئی ہو کہ "تارخ" اور "آزر" اصلاً ایک ہی لفظ ہیں یا دو مختلف نام ہیں؟ قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم کو "آزر" کا بیٹا بتلایا گیا ہو: اذ قال ابراھیم لابیہ آزر" لیکن تورات میں "تارخ" ہو۔ مفسرین نے اس کی یوں توجیہ کی ہو کہ "آزر" حضرت ابراہیم کا باپ تھا چچا تھا۔ باپ "تارخ" ہی تھا۔ لیکن چونکہ اُسی نے حضرت ابراہیم کی پرورش کی تھی۔ نیز عربی میں چچا پر بھی باپ کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے قرآن نے "آزر" کو باپ کے لفظ سے تعبیر کیا۔

بہر حال یہ، اور اس طرح کی بحثیں ایک طرح کی کاوش فکر اور تفنن طبع ہیں۔ اس سے زیادہ ان کی کوئی وقعت نہیں جہاں تک حضرت ابراہیم کے باپ کی شخصیت کا سوال ہے، صاف بات یہی معلوم ہوتی ہو کہ "تارخ" اور "آزر" سے ایک ہی شخصیت مراد ہو۔ قدیم الفاظ و اعلام میں اس طرح کے تبدلات بکثرت ہوئے ہیں۔

امریکہ کے شامی اور استقلال شام

قارئین الہلال کو غالباً معلوم ہوگا کہ امریکہ میں شامی مہاجرین کی بڑی بڑی نو آبادیاں ہیں۔ انھوں نے امریکن جنسیت قبول کر لی ہو۔ اور عام امریکن آبادی کی طرح تمول و خوشحالی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کے خاص عربی اخبارات ہیں، کلب ہیں، ہوٹل ہیں، جہاز رانی کی کمپنیاں ہیں، اور خاص نیویارک میں بڑے بڑے آباد محلے ہیں۔ غالب تعداد رومن کیتھولک مسیحی ہو۔ کمتر مسلمان بھی ہیں۔

چونکہ ان کی جدید تمدنی زندگی کی ابتدائی نشو و نما فرانس کے زیر اثر ہوئی تھی، اس لئے قدرتی طور پر جذبات کا میلان اُسی طرف رہتا ہو۔ جنگ کے بعد جب فرانس نے شام پر غاصبانہ قبضہ کیا، تو انھوں نے شام کو مبارکباد دی۔ پھر جب شامیوں نے فرانسیسی مظالم سے عاجز آکر اعلان جنگ کر دیا، تو ان کے اخبارات علانیہ فرانس کے حامی اور دروزیوں کی "وحشت و جہالت اور ناشکر گزاری" پر متاسف تھے!

چونکہ مہاجرین امریکہ ابناء شام کی سب سے بڑی متمول اور طاقتور جماعت ہیں، اس لئے قدرتی طور پر انکے خیالات کا مسئلہ شام پر نہایت مضر اثر پڑتا تھا۔

یہ حال دیکھ کر متعدد شامی لیڈروں نے امریکہ کا سفر کیا۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر عبدالرحمٰن شہبندر گئے تھے، جنھوں نے امریکہ کی تمام شامی آبادیوں میں لکچر دئیے اور صورت حال سے مطلع کیا۔ اُنکے بعد مشہور شامی زعیم، امیر شکیب ارسلان نے اسی غرض سے امریکہ کا سفر کیا اور کئی ماہ تک مقیم رہے۔ اب معلوم ہوتا ہو کہ یہ تمام کوششیں پُوری طرح بارآور ہوئی ہیں اور امریکن شامیوں کی رائے عامہ میں بہت کچھ تبدیلی ہو گئی ہو کئی ہفتہ سے امریکہ کے جس قدر عربی اخبارات آرہے ہیں، سب سے اس تبدیلی کا پتہ چلتا ہو۔ پچھلی ڈاک کے البیان اور الہدیٰ میں کئی مضامین شام کے مسئلہ استقلال پر نکلے ہیں۔ سب میں وہی نقطۂ خیال کام کر رہا ہو جو شام کا مخلصانہ وطنی نقطۂ خیال ہو۔ الہدیٰ لکھتا ہو:

"بلاشبہ ہم فرانس کے علم و ادب کے مقروض ہیں۔ ہمیں اس قرضہ کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن ہم اس کے لئے طیار نہیں کہ اس کے معاوضہ میں اپنا وطن عزیز اور اُس کا وطنی استقلال مال غنیمت کی طرح حوالہ کر دیں۔ ہم فرانس کے آگے عبودیت و محکومیت کا سجدہ کرنے سے انکار کرتے ہیں"

پارہ کا فوری علاج

ہر شخص جانتا ہو کہ کچا پارہ اگر جسم کے اندر چلا جائے تو نہایت مضر ہوتا ہو۔ پارہ کا پھوٹنا مشہور ہو ایک مدت سے طبی حلقوں کو تلاش تھی کہ اسکا کوئی فوری اور قطعی علاج معلوم ہو جائے اب امریکہ کے مشہور طبی رسالہ "جرنل اف دی میڈیکل ایسوسی ایشن" میں اس کا مجرب اور سہل علاج بتلایا گیا ہو۔ امریکہ کے تمام مستند طبی حلقے اس کی تصدیق کرتے ہیں:

"اگر کوئی شخص پارہ کھا گیا ہو تو پہلے ایک یا دو گلاس دودھ پلا دو۔ پھر چند کچے انڈے کھلا دو۔ یہ چیزیں جب پارے سے ملتی ہیں تو فوراً ایک نمک طیار ہو جاتا ہو۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ معدہ میں پارہ ہضم نہ ہو سکے گا اور دودھ اور انڈے کی چکناہٹ معدہ کی دیواروں کو چکنا بھی کر دے گی تاکہ پارہ جذب نہ ہو سکے۔ البتہ یاد رہو کہ ہر حال میں دو باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔ ایک یہ کہ پارہ کے بعد جہاں تک جلد ممکن ہو یہ علاج عمل میں آجائے۔ دوسرے یہ کہ معدہ کی صفائی اچھی طرح کر دی جائے"

خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں نیز نام اور پتہ صاف ہونا چاہئے ورنہ تعمیل میں دیر ہوگی۔
منیجر "الہلال" کلکتہ

مکتوب فلسطین

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیت المقدس کے قلم سے)
(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

جامعۂ عبرانی

فلسطین کی عبرانی یونیورسٹی نے اعلان کیا ہے کہ وہ عربی زبان کا شعری لغت مرتب کر رہی ہے۔ اس سے مقصود لغت کی ایک ایسی کتاب ہے جس میں اُن تمام لفظوں اور محاوروں کی تحقیق کی جائے گی جو عربی اشعار میں استعمال ہوئے ہیں۔

یہ تجویز نہایت اہم اور ایک بڑی ضرورت پوری کرنے والی ہے۔ عربی علم ادب سے ممارست رکھنے والے جانتے ہیں کہ عہد جاہلیت اور مولّدین کے کتنے اشعار محض اس لئے مشکل ہو گئے ہیں کہ موجودہ کتب لغت میں اُن کے الفاظ اور محاوروں کی پوری تحقیق موجود نہیں۔

تحقیقات سے مجھے معلوم ہوا کہ اس غرض کے لئے یونیورسٹی نے علماء کی ایک کمیٹی بنائی ہے۔ مشہور یہودی علامہ ہرتنسر اس کے صدر ہیں۔ کام شروع ہو گیا ہے۔ لیکن اس کی تکمیل میں تقریباً پندرہ برس لگیں گے۔

اسی سلسلہ میں یونیورسٹی کی ایک اور تجویز بھی قابل ذکر ہے۔ عربی ادب سے دلچسپی رکھنے والوں نے جرمنی کے مشہور مستشرق پروفیسر بکر کا نام سُنا ہوگا۔ یہ اس وقت پروشیا کے وزیر تعلیم ہیں۔ انھوں نے سالہا سال کی کوششوں سے عربی زبان کی بکثرت قدیم قلمی تحریریں جمع کی ہیں۔ علمی دنیا میں ان کا مجموعہ نہایت نادر اور قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ فلسطین کی یہودی یونیورسٹی نے گزشتہ ماہ یہ تجویز منظور کی ہے کہ پروفیسر مذکور سے یہ تاریخی مجموعہ خرید لیا جائے اور پورے اہتمام کے ساتھ شایع کر دیا جائے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر یہ مجموعہ شایع ہوا تو دس جلدوں میں ختم ہوگا۔

عبرانی یونیورسٹی کے کارناموں میں مشرق کی اکثر قوموں کے لئے بڑی ہی عبرت ہے۔

عبرانی اپنے بولنے والوں کی پراگندگی و بربادی کے بعد خود بھی برباد ہو گئی تھی۔ مُردہ زبانوں میں اُس کا شمار تھا۔ مذہبی کتابوں اور عبادت خانوں کے باہر اُس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا تھا لیکن سخت جان یہودیوں کی تیس برس کی کوششوں نے آج اُسے ایک زندہ زبان بنا دیا ہے۔ اسوقت فلسطین میں عربی کے بعد سب سے زیادہ مستعمل یہی زبان ہے۔ عدالتوں اور بازاروں تک میں بولی جاتی ہے، اسمیں نئے علوم و فنون ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہے۔ اپنی خاص یونیورسٹی رکھتی ہے جس کا شمار موجودہ عہد کی بہترین یونیورسٹیوں میں ہے!

عبرانی یونیورسٹی کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ دو سال کی قلیل مدت میں اُسنے ایک لاکھ ۴۰ ہزار کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کر لی ہیں جو تمام تر یہودی علوم اور یہودی قوم سے تعلق رکھتی ہیں!

قومی مؤتمر

فلسطین کی قومی مؤتمر (کانگرس) نے ایک عام اجتماع منعقد کرنے کی دعوت شایع کی ہے۔ اس سے غرض اُس قانون پر بحث و اعتراض ہے جو گورنمنٹ نے فلسطینی قومیت یا جنسیت کے متعلق حال میں بنایا ہے۔ یہ قانون اُن تمام لوگوں کو فلسطینی جنسیت سے خارج کرتا ہے جو فلسطین کے باہر بود و باش رکھتے ہیں۔ نیز اُنھیں اپنے ملک میں واپس ہونے سے بھی منع کرتا ہے۔ اس قانون کی وجہ سے باشندے سخت ہیجان میں ہیں۔

مجلس تشریع

ملک میں مجلس تشریع (لیجسلیٹو کونسل) کے قیام کا مطالبہ عام ہے گورنمنٹ بھی اسپر غور کر رہی ہے۔ اس راہ میں بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ جن لوگوں پر قوم کو اعتماد ہے، حکومت اُنھیں پسند نہیں کرتی۔ اور حکومت کے آدمیوں پر قوم کو اعتماد نہیں۔ اس صورت میں کونسل کا قیام کیسے ہو سکتا ہے؟ حکومت ڈرتی ہے کہ اپنا ایک نیا دشمن کیوں پیدا کرے؟ قوم خیال کرتی ہے حکومت کے ہاتھ میں ایک نیا ہتیار کیوں دے؟ لیکن متعدد سیاسی رہنماؤں نے اعلان کیا ہے کہ ہم حکومت کے ساتھ اتحاد عمل کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ وہ سچائی کے ساتھ قومی مطالبے کی طرف عملی قدم اُٹھائے۔ ایسے معاملات میں "سچائی" کی قید ہمیشہ مشتبہ ہوتی ہے!

ایک اہم اکتشاف

پروفیسر ولیم یہاں آثار قدیمہ تلاش کر رہے ہیں۔ حال میں اُنھیں "تل نمشیا" پر زمین کے اندر ایک دیوار ملی ہے۔ سولہ سے بیس فٹ تک موٹی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے یہ ۲۰۰۰ قبل مسیح میں تعمیر ہوئی تھی۔

ڈاکٹروں کی تعداد

آخری اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ اسوقت فلسطین میں کل ۵۳۴ ڈاکٹر ہیں۔ ان میں ۳۷۳ یہودی ہیں ۴۰ عرب ہیں ۱۲۳ یورپین ہیں۔ یہودی ڈاکٹروں میں ایک تہائی عورتیں ہیں۔

امیر عبداللہ

اخبارات نے امیر عبداللہ کی ایک ملاقات کا حال شایع کیا ہے جو اُنھوں نے ایک مصری اخبار نویس سے حال میں کی تھی۔ امیر نے کہا:

"مصر میں ذہنی بیداری اس طرح اُبل رہی ہے جس طرح کڑھتا اُبلتا ہے۔ اس کے مستقبل اور نتیجہ کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا قدیم خیالات و افکار کے باب میں فکر کی آزادی میرے نزدیک نہایت مستحسن ہے۔ تجدید و اجتہاد میں جو چیز مجھے بہت پسند ہے وہ اعتدال ہے جلد بازی اور شرقی فضائل و اخلاق کی تحقیر مجھے پسند نہیں"

مصر کی سیاسی بیداری کے متعلق امیر نے گفتگو کرنے سے انکار کیا۔ البتہ ڈرتے ڈرتے اتنی تصریح کی "مصر کے دوستوں کو یہ بیداری بہت مرغوب ہے"

اپنی ریاست کے متعلق اُنھوں نے کہا "میں اپنے ملک کو وہ تمام دستوری (پارلیمنٹری) حقوق دینا پسند کرتا ہوں جو اُسکے لئے مضر نہ ہوں" اور اُس کی "عقلی استعداد" کے مطابق ہوں"

انگریزی معاہدہ کے متعلق کہا "معاہدہ ابھی آخری منزل میں نہیں پہونچا ہے۔ البتہ گفت و شنید ختم ہو گئی ہے۔ ممکن ہے مزید ترمیم ہو۔ بہر حال مجھے یقین ہے کہ یہ ویسا ہی معاہدہ ہوگا جیسا برطانیہ نے عراق سے کیا ہے"

اپنے والد شریف حسین سابق شاہ حجاز کے بارے میں اُنھوں نے کہا "اپنی آخری حاضری کے وقت میں نے عرض کیا تھا کہ کسی دوسرے ملک میں اقامت اختیار کریں۔ مگر اُنھوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے والد قبرص میں محض اپنی خوشی سے مقیم ہیں۔ وہ بالکل آزاد ہیں جس ملک میں چاہیں قیام کر سکتے ہیں"

فلسطین کی ایک بڑی شخصیت

فلسطین کے ایک ممتاز اور معزز سیاسی رہنما موسیٰ کاظم پاشا حسینی ہیں۔ شروع سے وطن کی آزادی کے لئے کوشاں ہیں۔ قومی انجمن کے فی الحال صدر ہیں۔ اخبارات نے اُن کی ایک سیاسی گفتگو شایع کی ہے۔ یہ فلسطین کی عام رائے کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔ اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"ملک کا مطالبہ یہ ہے کہ قومی حکومت دستوری بنیادوں پر قائم ہو۔ قومی مجلس اُس کی پشت پناہ اور نگراں ہو دنیا کی تمام حکومتوں کی طرح یہ حکومت بھی صرف ملکی مجلس ہی کے سامنے جوابدہ ہو۔ ہم برطانوی حکمبرداری تسلیم نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ایک معین مدت تک کے لئے اپنے خارجی معاملات اجنبیوں کے ہاتھ میں رہنے دیں۔ لیکن ہم کامل اندرونی آزادی چاہتے ہیں ہم سردست اپنے ملک کے لئے وہی سیاسی حیثیت چاہتے ہیں جو عراق کو حاصل ہے۔ یعنی ہم انگریزوں سے اس شرط پر معاہدہ کر سکتے ہیں کہ ملک کی اندرونی آزادی محفوظ رہے اور دستوری حکومت قائم کرنے دیجائے۔ ہماری راہ میں سب سے بڑی مشکل یہودی قوم ہے ہم یہودیوں سے کوئی عداوت نہیں رکھتے۔ ہم اپنے ملک میں اُن کا خیر مقدم کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ مگر وہ زیادتی کرنا چاہتے ہیں ہمارے ملک کو غصب کرنا چاہتے ہیں، یہ بات ہم کبھی منظور نہیں کر سکتے۔ عربوں کو برطانیہ سے بیشمار شکایتیں ہیں۔ سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ اُسنے اُن کی آزادی سلب کر لی۔ دوسری شکایت یہ ہے کہ تقریباً تمام اعلیٰ اور درمیانی عہدے یہودیوں اور انگریزوں کے لئے خاص کر دیے۔ تیسری یہ کہ انگریزی حکومت نے ہماری تعلیم اپنے قبضہ میں کر لی ہے جس سے ملک کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ چوتھی یہ کہ بیشمار ٹیکس غریب ملک کو تباہ کر رہے ہیں۔ پانچویں یہ کہ ظالمانہ قانون جاری کئے گئے ہیں۔ اس قانون سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ حکومت جسے مشتبہ سمجھے ۶ مہینے کے لئے بغیر مقدمہ چلائے قید کر سکتی ہے"

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)
(اصل عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا)

مصر و برطانیہ کی نزاع

"قوم کی روح کو نہ جنگی قانون مغلوب کر سکتا ہے نہ ظالم کا ظلم، نہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت کی قوت"

(سعد پاشا زغلول)

مصر کی موجودہ سیاسی جدوجہد کی پوری تاریخ اس ایک جملہ میں پنہاں ہے۔ برطانیہ نے ہر ممکن ذریعہ سے اس چھوٹی سی قوم کو مغلوب و مقہور کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس ننھی قوم نے مغلوب ہونے سے ہمیشہ [illegible] کیا۔ برطانیہ کو مجبوراً ظلم و جور کے ہتیار رکھ دینا پڑے۔ [illegible] گری شروع کی۔ مگر اس قوم نے فریب [illegible] سے بھی انکار کر دیا۔ برطانیہ کا آخری اور [illegible] حربہ، زیور پاشا کی وزارت تھی۔ یہ شخص مصری تھا مگر برطانیہ سے زیادہ مصر کے لئے مُضر تھا۔ اسنے ملک کی سیاسی زندگی کا گلا گھونٹنے کی پوری کوشش کی، مگر قوم نے اُسے بھی چشم زدن میں گرا دیا۔ آج مصر پر حکومت خود مصر ہی کی ہے۔ آج مصر کی حکومت، عام رائے کے ماتحت ہے۔ عام رائے برطانیہ کے خلاف ہے، اس لئے ملک کی حکومت بھی برطانیہ کے خلاف ہے۔ عام رائے ملک میں برطانیہ کا کوئی امتیاز باقی نہ

جائداد بھی برطانیہ کے قبضہ میں نہیں ہے۔ کیونکہ مصر اب ایک خود مختار سلطنت ہے اور برطانیہ کو اُس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا حق باقی نہیں رہا"

"علاوہ بریں" وکیل نے مزید استدلال کرتے ہوئے کہا "معاہدۂ لوزآن نے یہ بھی تصریح کردی ہے کہ برطانیہ اُنھی ملکوں کی جائدادیں واپس کرے گا جو اس معاہدہ کے وقت ٹرکی کے قبضہ سے نکلے ہیں۔ ظاہر ہے مصر کا شمار ایسے ملکوں میں نہیں ہے۔ مصر جنگ سے پہلے ہی ٹرکی سے علحدہ ہوچکا تھا"

اس موقعہ پر وکیل نے لاہائی کی عدالت عالیہ کے مشہور جج موسیو کوبرکا یہ قول نقل کیا کہ کسی ملک کے اپنی سلطنت سے علحدہ ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ سلطنت یہ علحدگی تسلیم بھی کرلے فعلاً کسی ملک کی حکومت کا بے اختیار ہوجانا اس کے لئے کافی ہے کہ اُسے حکومت کے امتیاز سے محروم تسلیم کرلیا جائے"

اس قول سے وکیل نے یہ استدلال کیا کہ "ٹرکی نے اگرچہ مصر کی علحدگی سرکاری طور پر اُس وقت تسلیم نہیں کی تھی۔ مگر مصر فعلاً اُس سے علحدہ ہوچکا تھا اور اگر اُس وقت کی علحدگی قانوناً جائز نہ ہو تو پھر ۱۹۱۴ء میں انگریزی حمایت نے تو مصر کو قطعاً الگ کردیا تھا اور دول نے بھی اسے تسلیم کرلیا تھا۔ اگر یہ بھی معتبر نہ ہو تو مارچ ۱۹۲۲ء میں مصر کے اعلان خود مختاری پر تو کوئی رد و قدح نہیں ہوسکتی۔ یہ اعلان صرف دول یورپ ہی نے نہیں بلکہ خود ٹرکی نے بھی تسلیم کرلیا ہے"

غرضکہ انگریزی وکیل نے ہر ممکن دلیل سے ثابت کرنا چاہا کہ خدیو عباس کا موجودہ دعویٰ اگر بے بنیاد نہ ہو تو بھی اس عدالت میں پیش نہیں ہوسکتا۔ عدالت میں ۶۰ سے زیادہ سربرآوردہ ترک اور سفراء دول موجود تھے۔ مگر کسی نے بھی انگریزی وکیل کی تقریر پسند نہیں کی۔ اُس کی تقریر غیر دلچسپ اور افسردہ کن تھی تمام حاضرین اس بات پر مسکرا رہے تھے کہ وہ بار بار جوش میں آکر تمسخر انگیز حرکتیں کرنے لگتا تھا سب سے زیادہ تمسخر انگیز منظر اُس کی عینک میں تھا۔ وہ اپنی عینک کسی طرح بھی سنبھال نہیں سکتا تھا۔ بار بار ناک پر رکھتا اور پھر گھبراکر اُتار دیتا۔ جب رکھتا تھا تو اس طرح ججوں کو دیکھنے لگتا تھا گویا کتاب پڑھ رہا ہے۔ جب اُتار دیتا تھا تو اس طرح نظریں اُٹھا دیتا تھا گویا اندھیرے سے اچانک روشنی میں آگیا ہے!

برخلاف اس کے خدیو کے پیروکار بڑے سلیقہ اور وقار کے وکیل تھے۔ انکے سرگروہ مشہور قانون داں طاہر بک ہیں۔ یہ آستانہ کے مدرسۂ قانون کے مہتمم ہیں اور لوزآن کانفرنس میں ترکی وفد کے قانونی مشیر تھے۔

خدیو کے وکلاء کی بحث

خدیو کی طرف سے تین وکیل تھے۔ تینوں نے انگریزی وکیل کی بحث کے تین اہم نقطوں کو باہم تقسیم کرلیا تھا۔

طاہر بک نے خدیو کی جنسیت پر بحث کی اُنھوں نے کہا:

"خدیو، ترکی رعایا ہیں۔ کیونکہ ترکی قانون جنسیت اُنھیں ترکی رعایا قرار دیتا ہے اور مصری قانون جنسیت اُنھیں مصری تسلیم نہیں کرتا۔ خود برطانیہ معترف ہے کہ ۵ر نومبر ۱۹۱۴ء تک خدیو کا شمار ترکی رعایا میں تھا، پھر اس تاریخ کے بعد بقول اُس کے خدیو مصری رعایا ہوگئے۔ حالانکہ ۱۹۲۶ء کے مصری قانون جنسیت کی دفعہ ۲ خدیو کو مصری جنسیت سے خارج کررہی ہے۔ کیونکہ مصر میں اُن کی عدم موجودگی اور مصر میں اُن کے داخلہ کی ممانعت کی وجہ سے اُن پر وہ شرطیں عائد نہیں ہوتیں جو مصری رعایا ہونے کے لئے قانون میں درج ہیں۔ اس قانون میں صاف لکھا ہے کہ وہی لوگ مصری رعیت ہیں جو ۵ر اکتوبر ۱۹۱۴ء کو مصر میں موجود تھے اور اسکے بعد بھی برابر وہاں بود و باش رکھتے ہیں۔ خدیو عباس میں یہ دونوں شرطیں پوری نہیں ہوئیں۔ بلاشبہ ۱۹۱۴ء میں خدیو اپنے ملک واپس جانا چاہتے تھے مگر خود انگریزی سفیر مقیم قسطنطنیہ نے اُنھیں واپسی سے روک دیا"

اس کے بعد طاہر بک نے مصری وزیر اعظم عبدالخالق ثروت پاشا کے مذکورۂ بالا خط پر گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"یہ نام نہاد خط، اس مقدمہ میں پیش کرنا درست نہیں۔ کیونکہ طرفین نے عدالت کے سامنے پہلے ہی طے کرلیا تھا کہ ایسے کاغذات پیش نہیں کئے جائیں گے جو پہلے سے طرفین کے معائنہ میں نہیں آچکے ہیں۔ انگریزی وکیل نے یہ کارروائی بالکل خلاف اصول کی ہے۔ تاہم میں اس خط پر چند لفظ کہے بغیر نہیں رہ سکتا یہ خط محض شخصی اور نجی کا خط ہے۔ سرکاری دستاویز نہیں ہوسکتا خود میرے پاس ترکی حکومت کے سرکاری کاغذات موجود ہیں جن سے میرے موکل کی ترکی جنسیت پوری طرح ثابت ہوتی ہے مگر میں نے پیش نہیں کئے کیونکہ میں کوئی کارروائی باہمی معاہدہ کے خلاف نہیں کرنی چاہتا۔ ثروت پاشا کے خط پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ خط صرف اس لئے حاصل کیا گیا ہے کہ مدعا علیہ مقدمہ پر اپنے موافق اثر ڈالے۔ نیز یہ ایک ایسی حکومت کے وزیر اعظم نے لکھا ہے جس کی مصلحت اسی میں ہے کہ میرا موکل مقدمہ ہار جائے۔ کیونکہ اُس کی جائداد اسی حکومت کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس سے متمتع ہورہی ہے۔ اس خط کو کتنی ہی اہمیت دی جائے مگر وہ مصری قانون جنسیت کی دفعہ ۲ کو باطل نہیں کرسکتا جسنے خدیو کو مصری جنسیت سے محروم کردیا ہے"

اس کے بعد ترکی وکیل نے اپنے حریف کے اس بیان کی تردید کی کہ خدیو کی جنسیت کے بارے میں مصری اور ترکی حکومتوں کے مابین گفت و شنید ہوئی تھی۔ اُنھوں نے کہا:

"ترکی حکومت نے اس بارے میں مصری حکومت سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ ترکی حکومت پوری تاکید سے خدیو کو ترکی سمجھتی رہی ہے۔ پھر وہ ایک ایسے صاف معاملہ پر گفتگو کرکے اُسے مشتبہ کیسے بنا سکتی تھی؟ ممکن ہے یہ حقیقت ثروت پاشا کے لئے تکلیف دہ ہو۔ ممکن ہے حکومت برطانیہ کو موجودہ مشکل سے نکالنے کے لئے مصری حکومت اپنے سر ذمہ داری لے لے مگر ان تمام کوششوں کے بعد بھی حقیقت، حقیقت ہی رہے گی۔ خدیو، ترکی سے مصری نہیں ہوجائیں گے۔ ہمارے موکل نے انگریزی وکیل کے اس بیان پر عصمت پاشا کو توجہ دلائی تھی۔ اسپر اُنھوں نے جو جواب بھیجا ہے وہ میں عدالت کے سامنے رکھ دیتا ہوں"

اس کے بعد اُنھوں نے عصمت پاشا کا حسب ذیل خط پڑھ کر سنایا:

"آپکی جنسیت کے متعلق ہمیں حکومت مصر کے کسی اعتراض کا آجتک علم نہیں۔ ہماری وزارت خارجیہ بھی اب تک ناواقف ہے کہ مصر میں ترکی سفیر کو مصری حکومت نے اس بارے میں کوئی نوٹ دیا ہے۔ آپکی جنسیت کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ یہ معاملہ کسی حال میں بھی معرض بحث میں نہیں لایا جاسکتا"

طاہر بک کے بعد خدیو کے دوسرے وکیل مسیو برگریہ نے اس نقطہ پر بحث کی کہ مصر، ٹرکی سے کب علحدہ ہوا؟ اُنھوں نے ثابت کیا کہ ٹرکی مصر سے معاہدۂ لوزآن کے وقت سے دست بردار ہوا ہے نہ کہ اس سے پہلے۔ معاہدہ کی دفعہ ۱۶ میں صاف لکھا ہے کہ ٹرکی اپنی حدود کے باہر جملہ مقبوضات سے دست بردار ہوتی ہے پھر مصر اور سوڈان کے متعلق اسی دفعہ میں مزید تصریح ہے کہ ان دونوں ملکوں سے دست برداری ۵ر نومبر ۱۹۱۴ء تصور کی جائے گی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مصر کی باضابطہ علحدگی معاہدۂ لوزآن سے ہوئی ہے۔ نہ کہ کسی اور معاہدہ یا واقعہ سے۔

اس کے بعد خدیو کے تیسرے وکیل مسیو گارز نے وکیل کے اس اعتراض پر بحث کی کہ موجودہ عدالت اس مقدمہ پر غور نہیں کرسکتی اُنھوں نے کہا:

"میرے موکل کی جائداد مصر میں تھی۔ برطانیہ نے اُسے ضبط کرلیا۔ ثبوت یہ ہے کہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۱۴ء کو جبکہ یہ واقعہ پیش آیا مصر برطانیہ کے قبضہ میں تھا اگرچہ اس قبضہ کا باضابطہ اعلان ۸ دسمبر ۱۹۱۴ء میں ہوا ہے"

اس کے بعد وکیل نے بین الاقوامی قوانین کی بہت سی کتابوں کے حوالے پڑھ کر بتایا کہ کسی ملک پر قبضہ اگر فعلاً موجود ہو اور اس قبضہ کے لئے کوئی معاہدہ یا اعلان نہ بھی ہوا ہو جب بھی وہ قبضہ قانوناً تسلیم کیا جائے گا۔ فعلاً اُس کا موجود ہونا اُس کی موجودگی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ تمام علماء قانون نے قبضہ کی تعریف یہ کی ہے کہ کسی ملک کی مدافعت کی ذمہ داری اور اُس کے معاملات میں مداخلت کا نام قبضہ ہے۔ یہ چیز اُس وقت سے موجود تھی جب سے برطانیہ کی فوجیں مصر میں داخل ہوئیں۔

اپنے دعویٰ کی دلیل میں وکیل نے لارڈ ملنر اور دوسرے ذمہ دار انگریزوں کی تصریحات بھی پیش کیں اور بتایا کہ مصر فعلاً انگریزی حمایت میں تھا اگرچہ اُس کا باضابطہ اعلان ۱۸ر دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہوا۔ وکیل کی سب سے بڑی دلیل، جسنے پوری عدالت کو سکتہ میں ڈال دیا، انگریزی سپہ سالار مصر کا وہ اعلان تھا جو اُسنے اگست ۱۹۱۴ء میں شایع کیا تھا اور اسمیں لکھا تھا کہ برطانیہ نے اُسے مصر کی حمایت و مدافعت کے لئے مقرر کیا ہے۔

غرضکہ وکیل نے قطعی طور پر ثابت کردیا کہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۱۴ء میں جبکہ خدیو کی جائداد ضبط ہوئی ہے، مصر برطانیہ ہی کے قبضہ میں تھا۔ اس کے بعد وکیل نے اُن تمام اعتراضوں کو ایک ایک کرکے رد کردیا جو انگریزی وکیل نے معاہدۂ لوزآن پر بحث کرتے ہوئے ضبط شدہ جائدادوں اور اُن کے معاوضہ کے متعلق پیش کئے تھے۔

ترکی حکومت کا بیان

تمام کارروائی ختم ہونے کے بعد ترکی حکومت کے نمائندے وصفی راشد بک نے عدالت کے سامنے ۱۹ بڑے صفحوں پر لکھی ہوئی ایک دستاویز پیش کی۔ اسمیں ترکی حکومت نے مقدمہ کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کئے تھے۔ اسکے بعد ترکی وزیر خارجیہ کا یہ پیغام پڑھا گیا:

"عباس حلمی پاشا ترکی جنسیت رکھتے ہیں۔ ہم نے مصری حکومت سے جو گفت و شنید کی تھی وہ خدیو کے بارے میں نہیں بلکہ مصری قانون جنسیت کے بارے میں تھی۔ چونکہ خدیو جنگ عمومی کے قبل ہی سے قسطنطنیہ میں مقیم ہیں اس لئے مصری قانون کی دفعہ ۲ و ۳ کی رُو سے وہ مصری رعایا نہیں ہوسکتے"

آخر میں عدالت نے انگریزی وکیل سے پوچھا کہ آپ کو کچھ اور کہنا ہے؟ وکیل نے انکار کیا۔ اسپر عدالت برخواست ہوئی۔ فیصلہ کی تاریخ کا بعد میں اعلان کیا جائے گا۔

کرینگے۔ مگر اُنھوں نے ایسا نہیں کیا۔ اُسوقت مصر کے وزیر اعظم برطانیہ کے ساختہ پرداختہ احمد زیور پاشا تھے۔ انھوں نے اس اہم واقعہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اب لارڈ جارج کی سیاحت مصر نے یہ سوال مصری پارلیمنٹ میں پیدا کردیا ہو۔ سوال یہ ہو کہ لارڈ جارج مصر میں برطانوی نمائندے کیونکر ہو سکتے ہیں جبکہ اُنھوں نے شاہ مصر کے سامنے اپنے کاغذات پیش نہیں کئے؟

اس قانونی سوال کا جواب وزیر اعظم نے یہ دیا ہو کہ "سفراء کا اپنے کاغذات پیش کرنا، قرون وسطیٰ کی رسم ہو جبکہ بادشاہ باہم ایک دوسرے سے خط و کتابت کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں یہ رسم کوئی معنی نہیں رکھتی اور بعض حکومتوں، مثلاً سوئٹزرلینڈ نے اسے بالکل موقوف کردیا ہو۔ تاہم اب تک یہ رسم اکثر ملکوں میں باقی ہو اور مصر میں بھی تھی۔ لہٰذا اگرچہ زیور پاشا کی وزارت نے برطانوی نمائندے کی اس فرد گذاشت پر کوئی اعتراض نہیں کیا تاہم ابھی وقت ہو، موجودہ وزارت حکومت برطانیہ سے اس بارے میں گفتگو کریگی۔"

"ہائی کمشنر"؟

دورانِ بحث میں ایک اور قانونی سوال پیدا ہوگیا۔ برطانوی نمائندہ "ہائی کمشنر" کیوں کہلاتا ہو؟ حالانکہ عام طور پر سیاسی نمائندے اس لقب سے نہیں پکارے جاتے۔

اس کے جواب میں وزیر اعظم نے بیان کیا "بین الاقوامی کتب قانون میں عام طور پر سیاسی نمائندوں کا لقب "Minstre Plenipotenitare" یا "Amlassadim" ہو۔ لیکن بعد میں ایک نیا لقب "ہائی کمشنر" کے نام سے رائج ہوگیا۔ یہ لفظ بین الاقوامی کتب قانون میں شاذ و نادر ہی کہیں نظر آتا ہو۔ بین الاقوامی طریق عمل نے بھی اس کے معنی ابتک پوری طرح متعین نہیں کئے ہیں۔ تاہم اس قدر طے پاگیا ہو کہ یہ لقب ایسے دو ملکوں کے سیاسی نمائندوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہو جن کے سیاسی علائق صاف بنیادوں پر قائم نہیں ہوتے۔ یہی سبب ہو کہ معاہدۂ لوزان سے پہلے جدید ٹرکی میں انگلستان اور فرانس کے سیاسی نمائندے "ہائی کمشنر" کہلاتے تھے۔ اسی طرح اسوقت ولایات متحدۂ امریکہ میں کینڈا کا سیاسی نمائندہ "ہائی کمشنر" کہلاتا ہو۔ حالانکہ ایک لمحہ کے لئے بھی کینیڈا کو امریکہ کے زیر اثر نہیں کہا جاسکتا۔ اعلان خود مختاری سے پہلے مصر میں انگریزی نمائندہ اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا اس لئے اب تک اسی لقب سے پکارا جاتا ہو، کیونکہ مصر اور برطانیہ کے سیاسی علائق متعین اور صاف بنیادوں پر قائم نہیں ہیں"

محمل مصری

اس سال محمل مصری مکہ معظمہ نہیں گئی۔ وجہ یہ ہوئی کہ گزشتہ سال موسم حج میں ایک ناگوار واقعہ پیش آگیا تھا۔ کئی صدیوں سے یہ رسم چلی آتی ہو کہ محمل کے ساتھ ایک مصری فوج اور توپخانہ جاتا ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ اُس وقت حجاز میں امن پوری طرح قائم نہ تھا اور مقامی حکومت، محمل کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لیتی تھی جب عادت گزشتہ سال بھی محمل کے ساتھ مصری فوج گئی۔ نجدیوں سے اُس کا بعض اُمور میں اختلاف ہوا اور اختلاف نے کشت و خون کی صورت اختیار کرلی۔ اس نزاع میں بہت سے نجدی مارے گئے کیونکہ وہ نہتے تھے اور مصری فوج کا کوئی قابل ذکر نقصان نہیں ہوا۔

اس واقعہ کے بعد سلطان ابن سعود نے حکومت مصر کو لکھا کہ آئندہ سے محمل کے ساتھ مسلح فوج نہ آئے۔ مصری حکومت نے اسے منظور نہیں کیا کیونکہ گذشتہ سال کے واقعہ کے بعد خطرہ کا امکان اور زیادہ بڑھ گیا ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ محمل کی روانگی ملتوی رہی۔

سلطان ابن سعود نے اپنی خواہش کے جواز پر تین دلیلیں پیش کی تھیں۔ ایک یہ کہ اب حجاز میں ہر طرح امن امان ہو اور حجاز کی حکومت محمل اور حجاج کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہو۔ دوسرے یہ کہ کسی سلطنت میں غیر سلطنت کی مسلح فوج کا داخل ہونا، اُس کی خود مختاری کے منافی ہو۔ تیسرے یہ کہ شرعی احکام کے بموجب بھی یہ مناسب نہیں کہ ہتیار بند فوج بلا ضرورت حدود حرم میں داخل ہو۔

مصری حکومت نے اپنے انکار کی دو وجہیں قرار دی ہیں: ایک یہ کہ کئی صدیوں سے برابر یہ رسم چلی آتی ہو۔ دوسرے یہ کہ اُسے حکومت حجاز کی اس ذمہ داری پر پُورا اطمینان نہیں ہو کہ وہ محمل اور مصری حاجیوں کی حفاظت کرسکے گی۔

بہرحال اس سال محمل نہیں گیا۔ البتہ مصری حاجیوں کی ایک بڑی تعداد حج کے لئے روانہ ہوگئی ہو۔

مکتوب چین

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم شنگھائی کے قلم سے)

اس وقت چین کی کیا حالت ہو؟

یہ سوال ہو جو بیرونی دنیا میں عام طور پر پوچھا جارہا ہو۔ مگر کوئی صاف جواب نہیں ملتا۔ کیونکہ برطانی دعایتہ (پروپیگنڈا) نے اصلیت پر پردے ڈال دیئے ہیں اور اس قدر غلط فہمیاں پھیلادی ہیں کہ حقیقت معلوم کرنا بہت مشکل ہوگیا ہو۔

برطانیہ کو پورے چین سے پرخاش نہیں ہو۔ شمالی حکومت تو اُس کے زیر اثر ہو۔ اس لئے باوجود حد درجہ بد نظمی اور عام بد امنی کے اس حکومت کے خلاف اُس کی زبان نہیں کھل سکتی۔ بلکہ اُلٹی تعریفیں کی جارہی ہیں۔

لیکن چین کی جنوبی حکومت کے خلاف اُس کے پریس کی تمام قوتیں وقف ہوگئی ہیں۔ جتنی بھی بُرائیاں ہیں۔ سب اُس کے سر تھوپی جارہی ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ حکومت قوم پرستوں کی حکومت ہو اور برطانی ملک گیر پالیسی کے خلاف شمشیر بکف ہو!

بیرونی دنیا کو یقین دلایا جارہا ہو کہ جنوبی چین کمیونسٹ روس کے اثر و اقتدار میں ہو۔ وہاں سرے سے کوئی باضابطہ حکومت ہی نہیں ہو۔ قتل و غارت اور بے امنی عام ہو۔ حالانکہ یہ صریح کذب افترا ہو۔

قوم پرست چین ہرگز روسی کمیونسٹوں کے اثر میں نہیں ہو۔ یہ سچ ہو کہ اُس میں کمیونسٹوں کو بہت قوت حاصل ہو۔ مگر وہ کمیونسٹ بھی خود چینی ہیں۔ کمیونزم کچھ روس کی ذاتی جائداد نہیں ہو۔ وہ معاشرتی عقائد کا ایک مذہب ہو اور ہر قوم اُسے قبول کرسکتی ہو بغیر اس کے کہ کمیونسٹ روس کے ماتحت یا زیر اثر ہو۔ بلاشبہ قوم پرست چین، روس کی طرف مائل ہو۔ لیکن اس کی وجہ بالکل معقول ہو۔ وہ روس ہی ہو جس نے دول یورپ کے جتھے سے نکلکر چین کے ساتھ انصاف کیا اور وہ تمام مراعات از خود چھوڑ دیں جو اُسے پچھلے غاصبانہ معاہدوں کی رُو سے حاصل تھیں اور جن کے برقرار رکھنے کے لئے برطانیہ جنگ پر تُلا ہوا ہو اور تمام دول یورپ اور امریکہ کو ٹھر کا رہا ہے۔

اسی طرح قومی حکومت کی سرحدوں میں امن و امان بھی عام ہو اتنا عام جتنا دنیا کی باقاعدہ سے باقاعدہ حکومت میں ہوسکتا ہو۔ یہاں چوری قزاقی کی وارداتیں سنی نہیں جاتیں۔ تقریباً روز بڑے بڑے شہروں میں عظیم الشان جلوس اور مظاہرے نکلتے رہتے ہیں، مگر انتظام ایسا مکمل ہو کہ کبھی کوئی تصادم نہیں ہوتا۔ پھر یہاں ہندوستان کی طرح مذہبی جھگڑے بھی پیدا نہیں ہوتے۔ کوئی مقام نہیں جہاں بودھ، کنفیوشس اور اہل اسلام موجود نہ ہوں۔ بہت سے علاقوں میں دیسی عیسائیوں کی بھی آبادیاں ملی جلی موجود ہیں۔ لیکن سب امن و صلح کے ساتھ رہتے ہیں۔ حکومت قومی ہے اس لئے کبھی کوئی باہمی نزاع پیدا ہی نہیں ہوتی۔

دنیا بھر میں یہ بھی مشہور کردیا گیا ہو کہ جنرل چنک کے ٹیک کی علیحدگی کے بعد قومی حکومت بہت کمزور ہوگئی ہو۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہو۔ بلاشبہ جنرل مذکور یورپین اثرات سے متاثر ہوکر قومی حکومت سے باغی ہوگیا۔ یہ بھی سچ ہو کہ اُس کے ماتحت ایک بڑی فوج بھی ہو۔ کئی علاقوں پر قابض ہو اور نان کنگ اُس کا صدر مقام ہو لیکن اس سے مرکزی حکومت کی قوت میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی ہو۔ وہ آج بھی کافی طاقتور ہو اور اُسکی مظفر و منصور فوجیں شمالی چین کو فتح کرتی ہوئی برابر بڑھ رہی ہیں۔

پھر جنرل کے ٹیک کی بغاوت بھی ابتک ایک معما ہو۔ اسوقت تک مرکزی حکومت سے اُس کا کوئی قابل ذکر تصادم نہیں ہوا۔ اُسنے ہانکو پر حملہ نہیں کیا بلکہ سیدھا شمالی چین کی طرف روانہ ہوگیا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی بغاوت برطانیہ کے لئے عملاً کچھ مفید نہ ہوسکی بلکہ سراسر نقصان ہی پہنچا۔ پہلے اُس کے حلیف شمالیوں پر صرف کنٹون کا دباؤ تھا۔ اب یہ جنرل الگ ہوکر نئی طاقت سے دُہرا دباؤ ڈال رہا ہو۔

علاوہ بریں اگر قوم پرست حکومت کو اس بااثر سپہ سالار کی علیحدگی سے نقصان پہونچا تو ساتھ ہی قدرت نے اُس کی فوراً تلافی بھی کردی یعنی دقت پر چین کا مشہور عیسائی جنرل "فینگ" (جو کئی سال تک پیکن کا حاکم رہ چکا ہو) اُس سے آملا اور اپنی تازہ دم منظم فوج لاکر اُس کی قوت میں نمایاں اضافہ کردیا۔ یہ جنرل اپنی جنگی قابلیت کی ایک پوری تاریخ رکھتا ہو۔ تمام یورپ و امریکہ اور جاپان کے اخبارات ایسے چند سال پہلے تسلیم کرچکے ہیں کہ جیسی باقاعدہ فوج اس کے پاس ہو کسی دوسرے چینی جنرل کے پاس نہیں ہو۔ لیکن اب جبکہ وہ کمیونسٹ ہوکر قوم پرست حکومت کے جھنڈے تلے آگیا ہو تو کہا جارہا ہو کہ اُس سے بُرا اور کمزور کوئی نہیں!

یہ اسی جنرل کے اتحاد کا نتیجہ ہو کہ قوم پرست فوجیں تیزی سے "پیکن - ہانکو ریلوے" اور "ٹین سن پیاکو" لائن پر بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ ان کی قوت میں برابر اضافہ ہورہا ہو۔ نئی نئی قوتیں اُن کی فتوحات دیکھ کر اُن سے ملتی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم خبر یہاں کے چینی حلقوں میں یہ پھیلی ہوئی ہو کہ عنقریب صوبۂ "شانسی" کا جنگی حاکم جنرل "ین ہو۔ شان" قوم پرستوں کی جماعت میں شامل ہونے والا ہو۔ اگر یہ خبر صحیح نکلی تو قومی حکومت کو غیر معمولی قوت حاصل ہوجائے گی۔ (۱۳۔ جون کی سرکاری خبر مظہر ہے کہ یہ جنرل قوم پرستوں سے مل گیا۔ (الہلال)

غرضکہ اسوقت چین کی حالت قومی نقطۂ نظر سے نہایت عمدہ اور اُمید افزا ہو۔ قومی حکومت روز بروز طاقت ور ہورہی ہو۔ پیکن کی (شمالی) حکومت کو سخت زوال ہورہا ہو۔ برطانیہ اور دوسری سلطنتوں میں اس صورت حال سے سخت بےچینی پیدا ہوگئی ہو۔ وہ پیکن کے بچانے کی فکر کررہی ہیں۔ لیکن کامیابی کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ کیونکہ خود پیکن اور اُس کی حکومت میں قوم پرستوں کے اثرات گھر کر چکے ہیں۔

دینا نہیں چاہتی، اس لئے حکومت بھی برطانوی امتیازات اُٹھا دینے پر تلی ہوئی ہے۔

مصر کی "خود مختاری" تسلیم کر لینے کے بعد بھی برطانیہ نے اپنے لئے کئی حاکمانہ امتیازات باقی رکھے ہیں۔ انگریزی فوج مصر کی سرزمین پر موجود ہے۔ مصری فوج کا سپہ سالار انگریز ہے۔ متعدد انتظامی محکموں پر انگریز عہدہ داروں کی نگرانی ہے۔ طور سینا اور طرابلس کے سرحدی علاقے انگریز افسروں کی ماتحتی میں ہیں۔

ظاہر ہے یہ امتیازات ملکی آزادی اور قومی خود مختاری کے قطعی منافی ہیں۔ ان کی موجودگی میں مصر کا اعلان خود مختاری بالکل بے معنی اور مضحکہ انگیز رہجاتا ہے۔ مصر نے سالہا سال صبر کیا، لیکن اب وہ طیار ہوگیا ہے کہ اپنے حقوق کا آخری مطالبہ شروع کر دے۔

انگریز افسروں اور سپہ سالار کی موقوفی

اس سلسلہ میں مصری حکومت کی پہلی کارروائی یہ تھی کہ اُسنے انتظامی محکموں کے تمام انگریز عہدہ دار برخاست کر دیے صرف محکمہ عدالت، محکمہ مال، اور بعض دوسرے عہدوں پر گنتی کے انگریز رہنے دئے، لیکن انکے لئے بھی خاص خاص شرطیں مقرر کر دی گئیں یہ واقعہ عدلی پاشا کی وزارت میں ہوا تھا۔ اب ثروت پاشا نے آکر دوسرا قدم اٹھایا ہے، اور یہ قدم نہایت نتیجہ خیز ہے۔ مصری پارلیمنٹ کی جنگی کیٹی نے طے کر دیا کہ سردار سپاہ کا عہدہ توڑ دیا جائے اور اُس کے اختیارات ایک جنگی مجلس کے سپرد کر دیے جائیں۔ حکومت نے بھی یہ تجویز پسند کی اور اُسے جاری کرنا چاہا۔ مگر انگلستان اپنے غاصبانہ دعوؤں سے دست بردار ہونے کے لئے طیار نہیں ہے۔

برطانیہ کا دعویٰ ہے کہ ۲۸ فروری ۱۹۲۲ء کی تصریح میں یہ طے پاگیا ہے کہ مصری فوج انگریزی سردار سپاہ کے ماتحت رہے گی۔ حالانکہ یہ دعوی سراسر بے بنیاد ہے۔ اس تصریح میں فوج کا مطلقاً کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ صرف اس تصریح میں بلکہ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۴ء تک کے کسی معاہدہ یا گفت و شنید میں اس کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ مصری حکومت کی حجت یہ ہے کہ انگریزی حمایت (پروٹکٹوریٹ) کے زمانہ میں مصری فوج "سردار" کے ماتحت تھی لیکن اب اعلان خود مختاری کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ قدیم نظام باقی رکھا جائے۔

غرضکہ اس وقت یہ مسئلہ برطانیہ اور مصر کے درمیان سخت نزاع کا موجب ہوگیا ہے۔ طرفین اپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور ایک قدم بھی پیچھے ہٹنا منظور نہیں کرتے۔ اس مسئلہ کی اہمیت صاف ظاہر ہے۔ انگریز سپہ سالار کی ماتحتی میں مصری فوج رہنے کے معنی بجز اس کے کچھ نہیں ہیں کہ یہ فوج بھی انگریزوں ہی کی ہے۔ برطانیہ خوب سمجھتا ہے کہ "سردار" کی موقوفی کے بعد مصر کو جنگی قوت حاصل ہوجائے گی اور زبردستیوں کا وہ سلسلہ بند ہوجائے گا جو مدت سے برطانیہ جاری کئے ہوئے ہے۔

لارڈ جارج لائڈ کی بے ضابطگی

ابھی یہ معاملہ طے نہیں ہوا تھا کہ ایک اور نئی مشکل پیدا ہوگئی یہ مشکل برطانوی ہائی کمشنر لارڈ جارج لائڈ نے پیدا کی ہے۔ موصوف چند سال پہلے ہندوستان کے ایک صوبہ کے گورنر تھے۔ ہندوستان سے انگلستان واپس ہوئے اور فوراً مصر بھیجدیے گئے۔ مصر پہونچکر اُنھیں یاد نہیں رہا کہ اب ایک ایسے ملک میں آئے ہیں جو ہندوستان کی طرح برطانیہ کے ماتحت نہیں ہے۔ بات بات میں حاکمانہ شان دکھانے لگے۔ قاہرہ میں اُن کی آنکھیں شاہی استقبال اور مظاہر عبودیت ڈھونڈھتی تھیں۔ یہاں اس کا امکان نہ تھا، مایوس ہوکر دیہاتی علاقوں پر نظر ڈالی۔ وہاں علاقہ "منیا" میں چند قدیم الدار خائن موجود ہیں۔ اُنھوں نے ممدوح کی خواہش پوری کر دی۔ ایک پُر تکلف دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ یہ اسپشل ٹرین پر دھوم دھام سے پہنچے۔ خشوع و خضوع کے مظاہرے قبول کئے، اور کسانوں میں بالکل ویسی ہی حاکمانہ تقریر کی جیسی تقریروں کے وہ ہندوستان میں عادی رہ چکے ہیں۔

لیکن جب اخبارات میں یہ خبر شایع ہوئی، تو عام رائے میں سخت برہمی پیدا ہوگئی۔ ہر طرف سے اعتراض شروع ہوا کہ برطانوی ہائی کمشنر کو اس کارروائی کا کیا حق تھا؟ اخبارات سے گزر کر معاملہ پارلیمنٹ تک پہنچا۔ وہاں ممبروں نے نہایت سخت نکتہ چینی کی اور حکومت کو مجبور کیا کہ جواب طلب کرے۔

سب کو معلوم ہے کہ مصری پارلیمنٹ پر زغلول پاشا کی وطن پرست پارٹی حاوی ہے۔ اس واقعہ سے فائدہ اُٹھاکر انگریزی اخبارات نے لکھنا شروع کر دیا ہے کہ برطانیہ کی مخالفت صرف یہی جماعت کر رہی ہے۔ حالانکہ یہ قطعًا غلط ہے۔ برطانیہ کی مخالفت پر تمام جماعتیں متحد ہیں۔ ذیل میں ہم چند اقتباس صرف اُن تقریروں کے دیتے ہیں جو معتدل جماعت کے سربرآوردہ ممبروں نے اس معاملہ پر پارلیمنٹ میں کی ہیں۔

حسین یوسف عامر آفندی نے کہا "ہمیں برطانوی نمایندہ سے صاف کہدینا چاہئے کہ مصر اپنی آزادی کسی قیمت پر بھی فروخت کرنے کے لئے طیار نہیں۔ اگر ہم نے برطانیہ کے ساتھ مفاہمت کی پالیسی پسند کی تھی تو صرف اس لئے کہ ہمیں یہ پالیسی مصر کی خود مختاری کے لئے مفید معلوم ہوئی تھی۔ اگر برطانیہ ہماری ملائمت سے ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے تو ہم اپنی پالیسی بدل ڈالنے میں ایک لمحہ بھی پس و پیش نہیں کرینگے"

ابراہیم دسوقی آفندی نے کہا "برطانوی نمائندے کو حق ہے کہ ملک کے جس حصہ میں چاہے سیر کرے۔ نیز ملکی خائنوں کو بھی حق ہے کہ جس طرح چاہیں اُس کی آؤ بھگت کریں لیکن ساتھ ہی برطانوی نمائندے کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مصر ایک آزاد ملک ہے، اور یہ کہ اس سرزمین میں جب 'ملک' کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مقصود صرف وہ ہستی ہوتی ہے جو مصر کے تخت پر بیٹھی ہے۔ میں اُس پالیسی کے ہرگز کوئی معنی نہیں سمجھتا جس کا نتیجہ ملک کی خود مختاری کی قطعی پامالی ہو"

طراف علی آفندی نے کہا "مصر کی مصالحانہ پالیسی کو اُس کی کمزوری پر محمول نہیں کرنا چاہئے۔ ہم کمزور نہیں ہیں۔ ہمارے پاس حق ہے اور ہم حق کی قوت سے قوی ہیں"

سب سے زیادہ اہم اور پُر زور تقریر، معتدل جماعت کے مشہور زعیم ابراہیم الہلباوی بک کی تھی۔ یہ وہی شخص ہیں جو ایک زمانہ میں برطانیہ کے بڑے مداح اور مخلص خدمت گذار تھے ۱۹۰۹ء کے مشہور حادثہ "دنشوائی" میں انہی نے انگریز مجرموں کی طرف سے قانونی پیروی کی تھی اور اُنھیں سزا سے بچا لیا تھا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا:

"بہت سی تقریریں ہوچکی ہیں۔ لیکن معاملہ اس قدر اہم ہے کہ میں بھی گفتگو کرنے پر مجبور ہوں۔ دُنیا دیکھ لے کہ میں نوجوان نہیں ہوں، میرا سر سفید ہوگیا ہے۔ بڑھاپا اپنی جملہ کمزوریوں کے ساتھ مجھ پر ٹوٹ پڑا ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ مصری پارلیمنٹ پُرجوش نوجوانوں کے تہوّر کا ساتھ دے رہی ہے۔ میں سعد پاشا کی جماعت میں سے بھی نہیں ہوں۔ البتہ میں مصری ہوں، اور چونکہ تمام مصر برطانوی نمائندے سے نالاں ہے اس لئے قدرتی طور پر میں بھی نالاں ہوں۔ اس برطانوی نمائندے نے سیاسی دستور العمل کی خلاف ورزی کی ہے۔ اُسنے ہمارے ملک کی آزادی کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے..."

پارلیمنٹ میں اُس مصری پولیس افسر پر بھی بڑی لے دے ہوئی تھی جسنے "منیا" میں لارڈ جارج لائڈ کی تقریر ترجمہ کی تھی۔ ایک مقرر نے اس مناسبت سے نپولین اعظم کا یہ تاریخی واقعہ بیان کیا "ایک جنگ میں دشمن فوج کے ایک بڑے افسر نے نپولین کے لئے جاسوسی کی تھی جس سے بالآخر بادشاہ کو فتح ہوئی۔ فتح کے بعد جاسوس طرح طرح کی امیدیں لے کر نپولین کے خیمہ کی طرف دوڑا۔ وہ یقین کرتا تھا نپولین اس شاندار خدمت پر اُس سے مصافحہ کرے گا اور اپنے سینہ سے لگائے گا۔ لیکن نپولین نے جونہی اُسے دیکھا، ناگواری کے ساتھ اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ایک لمبی لاٹھی کے سرے پر اشرفیوں کی تھیلی باندھی اور جاسوس سے کہا "یہ ہے تیرا صلہ، لے لے۔ تیرے جیسے خائن سے میں اپنا ہاتھ مس کرنا پسند نہیں کرتا"

ابراہیم الہلباوی بک نے سلطان عبدالعزیز کا بھی ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے کہا "ستر برس گزرے سلطان عبدالعزیز نے فرانس کی سیاحت کی تھی۔ ایک دن وہ پیرس میں جا رہے تھے۔ نپولین ثالث شاہ فرانس اُنکے پہلو میں بیٹھا تھا۔ سلطان فرانسیسی زبان نہیں جانتے تھے۔ لیکن ترکی وزیر خارجیہ راشد پاشا جانتے تھے اور دونوں فرمانرواؤں کی گفتگو کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ نپولین نے راشد پاشا سے کہا "سلطان المعظم سے کہو کہ جزیرۂ کریٹ میں اپنی رعایا پر رحم کریں اور نئے انتظامات جاری کریں" راشد پاشا نے اس جملہ کا ترجمہ ترکی میں اپنے آقا کو سنایا۔ اس پر سلطان کا جواب کیا تھا؟ وہ بالکل خاموش ہوگئے، گویا سنا ہی نہیں۔ نپولین نے خیال کیا ممکن سلطان مطلب نہیں سمجھے۔ راشد پاشا سے پھر ترجمہ کرنے کو کہا۔ مگر اُنھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ سلطان ناراض ہوگئے ہیں چنانچہ دوبارہ ترجمہ کرنے سے معذرت کی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ سلطان نے اپنی قیام گاہ پر پہنچتے ہی عالی پاشا وزیر اعظم کو طلب کیا اور حکم دیا کہ فوراً راشد پاشا وزیر خارجیہ کو برطرف کردو۔ وزیر کو اس اچانک عتاب پر بہت تعجب ہوا۔ ڈرتے ڈرتے سبب پوچھا۔ سلطان نے کہا "راشد پاشا نے ایک ایسے جملہ کا ترجمہ مجھے سنایا جو ہرگز سنانا نہیں چاہئے تھا کیونکہ وہ میرے ساتھ بطور مترجم کے نہیں تھے۔ وزیر خارجیہ کی حیثیت سے تھے۔ میرے وزیروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ کون بات میری سلطنت کے مصالح اور عزت کے مطابق ہے کون مخالف ہے۔ جب ایک اجنبی بادشاہ نے ایک ایسی بات مُنہ سے نکالی تھی جس سے میری سلطنت کے معاملات میں مداخلت پائی جاتی ہے تو میرے وزیر خارجیہ کا فرض تھا کہ اُس بات کا مجھے ترجمہ سنانے سے صاف انکار کر دیتا!"

ایک اور مشکل

لارڈ جارج لائڈ کی اس کارروائی نے ایک اور معاملہ کی یاد بھی تازہ کر دی ہے۔ عام سیاسی دستور یہ ہے کہ جب کسی سلطنت کا سفیر یا نمائندہ دوسرے ملک میں پہنچتا ہے تو اُس ملک کی حکومت کے سامنے اپنی تقرری کے کاغذات پیش کرتا اور اُس کی منظوری حاصل کرتا ہے۔ مصر میں بھی یہی دستور جاری تھا۔ جنگ سے پہلے تک جتنے برطانوی نمائندے آئے اپنے کاغذات خدیو کے سامنے پیش کرتے رہے۔ لارڈ کچنر نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ لیکن دوران جنگ میں یہ رسم موقوف ہوگئی کیونکہ اب مصر خود مختار نہیں رہا تھا۔ برطانیہ کا ایک مقبوضہ ملک تھا۔ مصر کے اعلان خود مختاری کے بعد سب سے پہلا برطانوی نمائندہ، یہی لارڈ جارج لائڈ تھے۔ یہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں پہنچے۔ خیال تھا کہ اپنے کاغذات شاہ مصر کے سامنے پیش

کے لئے موت! لیکن جری دل موت سے کب ڈرتے ہیں؟"

اضطراب و مسرت!

پورا پیرس ہمہ تن گوش تھا۔ دو دن گزر گئے۔ دوشنبہ کی شام کو میدانوں اور پبلک مقاموں میں ایسا ہجوم تھا جیسا جنگ کے بعد کبھی دیکھا نہیں گیا۔ مضطرب دل اور لڑکھڑاتی زبانیں چلا رہی تھیں "خبر؟ خبر؟" "یہ لو خبر آگئی!" اچانک شور مچا "نجیسر پہنچ گیا!" اخبارات کے ضمیموں کی جلی سرخی تھی۔ بھیڑ اخبار فروشوں پر ٹوٹ پڑی۔ کش کش اور ہجوم میں بہت سے اخبار پھٹ گئے۔ ایک خریدتا تھا اور دس اُس کے ہاتھ سے چھینتے تھے۔ کئی عورتیں بھیڑ میں گر پڑیں۔ کئی لڑکے کچل گئے "سفید چڑیا نیویارک کے آسمان پر دیکھی گئی!" یہ خبر تھی جو اخبارات نے شایع کی تھی۔ اب کیا تھا؟ مسرت اور قومی فخر و غرور کی عام لہر دوڑ گئی۔ مصافحے اور معانقے ہونے لگے۔ ہر ہونٹ پر ہنسی تھی اور ہر آنکھ میں مسرت کے آنسو تھے۔

کپتان کی ماں!

اچانک مجمع میں ایک طرف جنبش ہوئی۔ انسانوں کا سیلاب ایک خاص گوشہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہجوم سے باہر نکلنا ناممکن تھا۔ میں نے بھی اپنی باگیں چھوڑ دیں۔ لاکھوں آدمی کی بھیڑ ایک سہ منزلہ مکان کے سامنے پہنچکر رُک گئی۔ یہ کپتان کی ماں کا گھر تھا۔ سخت کش مکش تھی۔ سب کی خواہش تھی کہ مادام کے کمرے میں پہنچ جائیں۔ خوش قسمتی سے مجھے اوپر چڑھنے کا موقعہ مل گیا۔ ساٹھ برس کی ایک پُر وقار بوڑھی خاتون ہمارے سامنے تھی! مسرت نے اُس کا عجب حال کر دیا تھا۔ ہر لحہ شادی مرگ کا اندیشہ تھا۔ اسوقت وہ پورے فرانس کی ماں تھی پورا پیرس اُسے کھڑا سلام کر رہا تھا!

یقینی خبر

دو دن پھر گزر گئے۔ "سفید چڑیا" کی کوئی خبر نہیں آئی۔ آج پورا پیرس اُداس ہے۔ سب کے دل دھڑک رہے ہیں۔ انتظار سے تنگ ہو کر پیرس پھر میدانوں کی طرف چلا۔ پہلے سے کہیں زیادہ ہجوم تھا۔ اچانک تمام آوازیں بند ہو گئیں کامل سکوت چھا گیا۔ ایک لمحہ کے بعد تالیوں کا شور بلند ہوا۔ بیک وقت لاکھوں تالیاں بجرہی تھیں۔ پھر یکایک نعرے بلند ہونے لگے "نجیسر پہنچ گیا!" "سرکاری طور پر تصدیق ہو گئی!" سرکاری عمارتوں پر جھنڈے اُڑا دئے گئے — پورے یورپ سے "مبارک! سلامت!" کے پیغام حکومت فرانس کے نام آنے لگے اب عصبی پیرس کی خوشی ناقابل بیان تھی! فرانس نے آمریکہ کو شکست دیدی!!

لیکن...

"لیکن؟"

"لیکن" کا حال کوئی پیرس کے دل سے پوچھے "افسوس! خبر غلط تھی" اخبارات کی اس سرخی نے پیرس کا تمام سرور و عیش رنج و الم سے بدل دیا۔ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ نیویارک کے آسمان پر جو "سفید چڑیا" منڈلاتی نظر آئی تھی، وہ فرانسیسی جہاز نہ تھا۔ آمریکہ ہی کا ایک ہوائی جہاز تھا۔

اسوقت تمام پیرس اُداس ہے، کیونکہ اُس کے قومی فاتح کا کہیں پتہ نہیں۔ کیا وہ بحر اعظم کی موجوں پر ہے؟ کینیڈا کے پہاڑوں پر ہے؟ آئرلینڈ کے جنگلوں میں ہے؟ خدایا! وہ کہاں ہے؟ ہر زبان یہی سوال کرتی ہے مگر کوئی جواب نہیں ملتا۔ کپتان کے دو بھائی ہیں ایک اُسے انگریزی آبنائے میں تلاش کرنے نا امید واپس آچکا ہے۔ دوسرا سواحل آمریکہ میں ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔ مگر ابتک کہیں کوئی سراغ نہیں ملا!

عقاب موت

پیرس کی بیچینی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس بہادر و عزم سے پہلے بھی نجیسر اُسے محبوب تھا۔ دورانِ جنگ میں اس نوجوان نے ایسے حیرت انگیز کارنامے دکھائے تھے کہ اُس کا جنگی لقب "عقاب موت" ہو گیا تھا۔ جنگ میں اسے بار بار کاری زخم آئے۔ ۲۴ آپریشن کئے گئے۔ ڈاکٹروں نے فیصلہ کر دیا تھا کہ اب یہ فوج کے لائق نہیں رہا۔ مگر زخم بھرتے ہی وہ پھر فوج میں تھا۔ سپہ سالار نے کہا "تم فوج میں قبول نہیں کئے جاسکتے" اُسنے فوراً جواب دیا "لیکن میں فوج کو قبول کر سکتا ہوں" چنانچہ برابر لڑتا رہا۔ ۴۵ ہوائی معرکے سر کئے ۷۰ دشمن جہاز برباد کر ڈالے۔ فرانس کا سب سے بڑا جنگی تمغہ حاصل کیا۔ ۲۴ چھوٹے تمغے اور ستارے پائے۔ یہ سب حکومت فرانس کی طرف سے تھے۔ برطانیہ اور آمریکہ کے تمغے اس کے علاوہ ہیں۔

کپتان کی ماں سے ملاقات

کپتان کی بوڑھی ماں کا کیا حال ہے؟

خوش قسمتی سے اس معزز خاتون نے چند لمحے مجھے بھی بخشے۔ میں اُس کی ملاقات کو بے اختیار اور بغیر اطلاع کے پہنچ گیا تھا۔ دروازہ پر میں نے دستک دی، دستک کے ساتھ ہی پٹ کھل گئے اور میں نے ایک مضطرب آواز سُنی: "کوئی خبر لائے ہو؟" یہ غمزدہ ماں کی آواز تھی۔ افسوس، میرے پاس کوئی خبر نہ تھی۔ فرط تأثر سے میری آواز بند ہو گئی "خبر کا نہ ہونا خود اچھی خبر ہے" خاتون نے سر ہلا کر شکستہ آواز میں کہا۔ اس سے اُس جانگداز اندیشہ کا پتہ چلتا تھا جس میں اس کا الم زدہ دل مبتلا تھا! بایں ہمہ اس کے صبر و تحمل کا وقار بدستور قائم تھا۔ وہ اب بھی ہنستی تھی مگر ایسی ہنسی جس میں ہزاروں نالہ ہائے درد کی چیخیں پوشیدہ تھیں۔

"تمام دنیا آپکے قلق میں شریک ہے" میں نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا۔

"صاحب تمھیں بھی امید ہے نہ؟" خاتون نے اضطراب سے کہا۔

"بلاشک! مجھے کیا بہتوں کو یقین ہے کہ کپتان آمریکہ کے کسی غیر آباد علاقے میں پہنچ گیا ہے" میرا جواب تھا۔

مادام اب اپنے آنسو روک نہ سکی۔ "ماں! رو نہیں" اُس کے ایک لڑکے نے کہا۔

"کیا؟" خاتون نے سخت جدوجہد سے اپنے کو سنبھال کر کہا "میں روتی نہیں ہوں۔ مجھے اب تک یقین ہے۔ وہ ضرور لوٹ آئے گا۔ تین مہینے گزر جائیں۔ ۶ مہینے گزر جائیں، مگر یہ امید میرے دل میں برابر زندہ رہے گی!"

میں اس گھر میں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ بہ مشکل مجھ سے اجازت مانگی گئی۔ سڑک پہنچتے پہنچتے میرا رومال بھی تر تھا!

شاید اسوقت بھی وہ گرجا میں قربان گاہ کے سامنے اپنے گھٹنوں پر جھکی ہوئی "چارلی" یعنے پیرس کے گم شدہ محبوب کے لئے دعا مانگ رہی ہے۔

خواطر و سوانح

میری اخباری زندگی کا ایک لمحہ

گذشتہ نمبر میں ہم نے ایک کتاب کا ذکر کیا تھا جو حال میں شایع ہوئی ہے اور جس میں تیس فرانسیسی اخبار نویسوں نے اپنی اپنی زندگی کے اہم واردات و حوادث بیان کئے ہیں۔ اس کتاب کی ایک سرگزشت پچھلی اشاعت میں آپکی نظر سے گزر چکی ہے۔ آج ایک دوسری سرگزشت درج کی جاتی ہے۔ یہ موسیو گستن شیرو کے قلم سے نکلی ہے جو عرصہ تک اخبار طان پیرس کے مشرقی مقالہ نگار رہ چکے ہیں۔ اس سرگزشت میں انھوں نے اپنے قیام طرابلس کے زمانہ کے بعض واردات لکھے ہیں جب اٹلی اور اندرون طرابلس کے عربوں میں لڑائی جاری تھی:

صحراء کے خرانے پر!

یورپین تہذیب سے دُور، طرابلس، صحرائے افریقہ کے دامن میں پوشیدہ پڑا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں یکایک اٹلی نے حملہ کیا اور مغربی ممالک پر اُس کے بند دروازے کھل گئے!

مجھے وہ رات عمر بھر یاد رہیگی جو میری اخباری زندگی کی سب سے زیادہ عجیب رات ہے۔ یہ رات مجھے طرابلس میں پیش آئی تھی۔

میں اپنے ہوٹل میں بیٹھا تھا کہ وہ نوجوان عرب کمرے میں آیا جو میری خدمت کرتا اور روز صبح گھوڑا تیار کر دیتا تھا۔ اُسنے کمرے میں ہر طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور میرے تنہا ہونے کا پورا یقین حاصل کر کے کہنے لگا:

"محمد سعید ملاقات کرنی چاہتا ہے۔ اگر آپ راز داری کا وعدہ کریں تو میں آج ہی رات آپکو اُسکے پاس لے چلوں"

پھر مجھے متعجب دیکھ کر بولا:

"آپ اُسے نہیں جانتے مگر وہ آپکو جانتا ہے"

میں غور کرنے لگا۔

علی میرے زین کی رکاب صاف کرنے لگا۔

"ملعون یوسف آج پھر رکاب صاف کرنا بھول گیا" علی بڑبڑا رہا تھا۔

"آج رات جب ڈاکخانہ سے نکلئے گا تو میں آپ کا پیچھا کرونگا بشرطیکہ کوئی ساتھ نہ ہوا" اُسنے مجھے مخاطب کئے بغیر کہا۔

اُسوقت طرابلس محفوظ نہیں تھا۔ ذراسی بے احتیاطی بھی یورپین کے لئے موت کا باعث تھی۔ میرا فرانسیسی ہونا، میری زندگی کے لئے ضمانت نہ تھا۔ کسی طرف سے اچانک ایک گولی آکر میرا خاتمہ کر دے سکتی تھی۔ میں متردد تھا کہ بغیر کچھ معلوم کئے محمد سعید کے ہاں چلا جانا مناسب ہے یا نہیں؟ میرا قاعدہ تھا کہ روز رات کو تار گھر جاکر اپنے دن بھر کی معلومات پیرس کے اخبارات کو بھیجدیا کرتا تھا۔

شاید گیارہ بجے میں تار گھر سے نکلا۔ رات نہایت تاریک تھی سڑکوں پر کوئی روشنی نہ تھی۔ میں تنہا نہ تھا۔ ایک اٹالین اور ایک فرانسیسی اخبار نویس بھی میرے ساتھ تھے۔ تھوڑی دُور چلکر وہ دونوں اپنے ہوٹل کے سامنے پہنچ گئے۔ اب مجھے اپنے ہوٹل کی طرف تنہا جانا تھا۔

ایک چوراہے پر پہنچکر مجھے محسوس ہوا کہ کسی کی پرچھائی میں نے دیکھی ہے۔ میرا خیال صحیح تھا۔ میرا خدمتگار علی میرے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔

برید فرنگ

جرمنی کی چٹھی

کمزور قوموں کے لئے عبرت و موعظت

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم برلن کے قلم سے)

گزشتہ جنگ عمومی میں جتنی بربادیاں جرمنی پر آئیں، اُن کا تصور بھی بیرونی دُنیا نہیں کر سکتی۔ جنگ نے جرمنی کو بالکل دیوالیہ کر دیا تھا۔ تمام خزانے خیالی ہو گئے تھے۔ صنعت و حرفت فنا ہو گئی تھی۔ لاکھوں کی تعداد میں نوجوان قتل ہوئے تھے اور لاکھوں کی تعداد میں بیکار ہو گئے تھے۔ پورا ملک فقر و فاقہ میں مبتلا تھا پھر جنگ، شکست پر ختم ہوئی۔ ایسی شکست جس کی نظیریں تاریخ میں کم ملتی ہیں۔ تمام بیرونی مقبوضات نکل گئے۔ ۱۳ فی صدی اصلی ملک کم ہو گیا۔ ۱۰ فیصدی آبادی نکل گئی۔ ۲۵ سے ۷۵ فی صدی تک قیمت کی خام پیداوار جاتی رہی، مزید براں یہ کہ اس برباد شدہ ملک پر تاوانِ جنگ کا اتنا بھاری بوجھ ڈالدیا گیا جس کی مثال دُنیا نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

جرمنی کے دوست اور دشمن دونوں یقین کرتے تھے کہ اب اس ملک کی تاریخ ختم ہو گئی۔ اتنی سخت ضربوں کے بعد بھی کبھی کوئی بچا ہے؟ لیکن پورے دس برس بھی ابھی اسیر نہیں گزرے تھے کہ یہ مردہ پھر قبر سے نکل آیا اور اس طرح زندہ ہو گیا کہ سچ مچ طلسم معلوم ہوتا ہے، جرمنی نے جو معجزہ دکھایا ہے اُس کے بیان کے لئے ہومر جیسے شاعر کی ضرورت ہے۔

آج جرمنی، پھر اول درجہ کی یورپین طاقت بنتی جاتی ہے مجلس اقوام میں اسوقت اُسے وہی مرتبہ حاصل ہے جو برطانیہ اور فرانس کو ہے جنھوں نے آج سے ۸ برس پہلے ورسیلز کے محل میں بیٹھکر اُس کا گلا گھونٹا تھا۔ آج سے دو برس پہلے جرمنی کا سکہ تباہ ہو گیا تھا۔ نجات کی کوئی صورت بھی نظر نہ آتی تھی۔ مگر آج جرمنی دنیا کی تیسری اقتصادی قوت ہے اور برطانیہ اور امریکہ کے بعد سب سے بڑی تجارت کا مالک بن گیا ہے۔ اسوقت اُس کی صنعت و حرفت نہایت تیزی سے اُس سطح تک آ رہی ہے جہاں جنگ سے پہلے تھی!

آخر اس حیرت انگیز کامیابی کا راز کیا ہے؟ جواب بالکل صاف ہے۔ اس ملک پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے۔ جرمنی کو جس چیز نے موت کے منہ سے نکالا وہ اُسکی ہمت، محنت، اشتراکِ عمل، اور اپنی حالت کا صحیح اندازہ لگا لینا ہے۔ جرمن قوم کی یہ امتیازی صفت ہے کہ فتح و شکست، دونوں حالتوں میں بہادر رہتی ہے۔ قوم کے تمام افراد اور جماعتوں میں اتنی بڑی خود اعتمادی موجود ہے جو دنیا کی کسی دوسری قوم میں پائی نہیں جاتی۔ دراصل یہی خود اعتمادی اُس کی کامیابی کا اصلی راز ہے۔

جرمنی کی موجودہ ترقی صرف پچھلے تین سال سے شروع ہوئی ہے۔ یہ ملک تقریباً اُن تمام اقتصادی مشکلات پر غالب آ گیا ہے جو یورپ کی اکثر سلطنتوں کی زندگی خطرے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ جرمنی نے سب سے پہلے اپنے سکے کی طرف توجہ کی۔ اسوقت دُنیا میں جرمنی ہی وہ ملک ہے جس کا سکہ اپنی حقیقی قیمت پر قائم ہے۔

جن لوگوں نے جرمنی کو دورانِ جنگ میں دیکھا ہے وہ موجودہ حالت میں دیکھ کر ضرور دنگ ہو جائیں گے۔ جرمنی کے تاریک دن نکل گئے۔ درخشاں مستقبل صاف نظر آ رہا ہے۔ برلن اب پھر عروس البلاد ہے۔ جنگ سے پہلے پیرس، وائنا، اور بروکسل میں بھی وہ عظمت و جلال موجود نہ تھا جو آج برلن میں ہر طرف دیکھا جا سکتا ہے!

فتحمند فرانس منحوس دنوں کا انتظار کر رہا ہے جیسا کہ ایک فرانسیسی وزیر نے حال میں اعلان کیا ہے۔ مسرف دولتمندوں نے پیرس کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے، اس لئے فرانس کے پائے تخت پر ہر جگہ اُداسی چھا گئی ہے۔ لیکن برلن کے تھیٹر اور کلب گھر عیش پسند امیروں سے لبریز ہیں۔

آج جبکہ تمام یورپ فقیر ہو چلا ہے اور روز بروز دولت کم ہو رہی ہے، جرمنی کی دولت میں روز افزوں ترقی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار سے معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ سال جرمن عورتوں نے صرف اپنے لباس پر ۲۷ کروڑ روپیہ صرف کیا تھا! ممکن ہے آپ خیال کریں بحالت موجودہ یہ جرمن عورتوں کا تباہ کن اسراف ہے، لیکن ایک جرمن وزیر نے جس روشنی میں اسے دیکھا ہے وہ آپکے خیال سے بالکل مختلف ہے۔

وزیر موصوف نے عورتوں کے اس اسراف کے بارے میں کہا "گزشتہ زمانہ میں ہمارے لئے کچھ مشکل نہ تھا کہ سال میں کپڑوں کے دو جوڑے دیکر عورتوں کو مطمئن کر دیتے۔ ایک جوڑے میں بھی کام نکل جایا کرتا تھا۔ لیکن اب حالت بالکل بدل گئی ہے۔ پہلے سال بھر کے کپڑوں میں جتنا خرچ ہوتا تھا اُس سے زیادہ اب عورتوں کی ریشمین جرابوں میں صرف ہو جاتا ہے۔ اگر گھر میں کم سے کم بارہ جوڑے موجود نہ ہوں تو عورت شکایت کرتی ہے کہ "پہننے کو کچھ بھی نہیں ہے!" لیکن میں عورتوں کو ہرگز ملامت نہیں کروں گا۔ دراصل ہمیں اُن کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ اس اسراف سے وہ ملک کی بڑی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ جنگ نے ہماری ہمتیں پست اور ولولے سرد کر ڈالے تھے۔ ہم کمر کھولکر کاہلی کی زندگی پر اُتر آئے تھے۔ مگر ہماری عورتیں اُٹھیں دل کھولکر خرچ کرنے لگیں، اور اس طرح مردوں کو مجبور کر دیا کہ زیادہ سے زیادہ محنت کر کے ملک کے لئے دولت پیدا کریں"

تازہ ترین اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت افراد کی شخصی آمدنی ۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۵۰ مارک سالانہ ہے۔ گویا ہر فرد کی آمدنی ۷۹۰ مارک ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی آج جنگ سے پہلے کی خوشحالی کے قریب پہنچ گیا ہے۔ جنگ سے پہلے افراد کی آمدنی اس سے صرف ۱۵ فیصدی زیادہ تھی۔

جرمنی کی صنعتی ترقی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۴ء میں برآمد کی قیمت ۰۰۰،۰۰۰،۵۵۰،۷ مارک تھی لیکن سنہ ۱۹۲۶ء میں بڑھ کر ۰۰۰،۰۰۰،۹۰۰،۸۸،۹ مارک تک پہنچگئی ہے۔ جرمنی کا تجارتی بیڑہ تباہ ہو گیا تھا لیکن اب پھر اس کا بیڑہ سمندروں میں پھیلا نظر آ رہا ہے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں یہ بیڑہ صرف ۰۰۰،۰۰۰،۲۰۰ ٹن وزن کا تھا۔ اب سنہ ۱۹۲۷ء میں اُسکا وزن ۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۲۰۰،۳ ٹن ہو گیا ہے۔ جرمنی کی خوشحالی اب اس درجہ پہنچ گئی ہے کہ حکومت نے ارادہ کیا ہے "ایپن" اور "مالیڈی" کے دو زرخیز علاقے بلجیم سے خریدلے!

جرمنی کی موجودہ خوشحالی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اس وقت کام کرنے والوں کی تعداد پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ جنگ سے پہلے جو لوگ بیکاری کی زندگی بسر کرتے تھے اب وہ کام کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اس وقت ملک میں ۰۰۰،۱۵۰،۱۷ آدمی شدید محنت کے کام کر رہے ہیں، حالانکہ جنگ سے پہلے ایسے محنتی کارکنوں کی تعداد اس سے آدھی تھی۔

مکتوب فرانس

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم پیرس کے قلم سے)

فرانس کی عظمت!

۸ مئی کو لندن کے تڑکے پیرس کے آسمان پر ایک عظیم نقش اُڑتی دکھائی دی۔ اس پر ایک بڑی انسانی کھوپڑی، دو بیدی ہڈیاں اور دو روشن شمعوں کی تصویریں بنی تھیں!

یہ نقش نہ تھی، فرانس کی قومی عظمت تھی، اور تاریخ کی ابدیت کی طرف جا رہی تھی۔ یہ علم و حکمت اور انسانی اولوالعزمی کے میدان میں فرانس اور امریکہ کا مقابلہ تھا، اور بالآخر خوفناک موت کی طرف جانے والا تھا۔

امریکہ کی طرف سے اعلان ہوا کہ ہم بحر اعظم اٹلانٹک کو بلا انقطاع ایک ہی پرواز میں عبور کر لیں گے۔ نیویارک سے اُڑینگے اور پیرس میں جا کر دم لیں گے! فرانس نے سُنا تو اُسے اس اعلان میں اپنی عظمت کی تحقیر محسوس ہوئی۔ اُسنے کہا "قبل اس کے کہ تم پیرس آؤ اور تاریخ کی لازوال شہرت حاصل کر لو۔ ہم تم سے بازی لے جائیں گے اور نیویارک پر اپنے جلال کا پرچم اُڑائیں گے!"

یہ بہادرانہ الفاظ تھے جو فرانس کی طرف سے کپتان نُنجیسر نے کہے۔

۳۵ سال کی عمر، بھرپور جوانی، دلفریب مردانہ حسن، نازنینان پیرس کی دل پسندیوں کا مرکز۔ یہ نُنجیسر ہے! مگر فرانس کی عظمت سب سے بالاتر ہے!

وہ اُٹھا، اپنے ایک رفیق کو ساتھ لیا۔ اور ہوائی جہاز میں اُڑ چلا۔ اتنی بڑی مہم اور صرف ایک انجن کا جہاز! مخلوق چلائی "موت! موت!" مگر کپتان نے جواب دیا "ہاں فرانس کی عظمت

ہم دونوں شہر کے بازار سے گزر کر تنگ گلیوں میں داخل ہو گئے۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ پورا شہر سو رہا تھا۔ بندوقوں کی آواز بھی بہت کم سنائی دیتی تھیں۔

میں نے اپنے تئیں اچانک عربوں کے محلہ میں پایا۔ الف لیلہ کے پُراسرار اور اونچی دیواروں سے گھرے ہوئے مکانات میرے دونوں طرف تھے!

علی ایک پست اور گول دروازے کے سامنے رُک گیا، اپنے دونوں ہونٹھ بھینچے اور ایک خاص قسم کی شیریں آواز میں چلایا:

"محمد! محمد!"

فوراً دروازہ کھلا۔ میں اندر داخل ہوا۔ خادم کے ہاتھ میں شمع تھی۔ اس کی روشنی میں مجھے ایک بھاری بھرکم شیخ دکھائی دیا۔

"آپ محمد سعید کے گھر میں ہیں" شیخ نے اپنی فصیح زبان میں کہا "گویا آپ خود اپنے گھر میں ہیں۔ محمد سعید میں ہی ہوں۔ میں آپکا منتظر تھا۔ میری زندگی آپکے لئے حاضر ہے۔ کیا آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں گے؟ یہاں جتنے لوگ ہیں، سب میرے فرمانبردار اور آپکے دوست ہیں"

محمد سعید کی ظاہری ہیئت بتاتی تھی کہ مالدار ہے اور دوسرے بہت سے شیخوں کی طرح اس فتنہ کی وجہ سے خانہ نشین ہو گیا ہے۔ وہ مجھے ایک غلام گردش میں لے چلا میں نے دیکھا وہاں بہت سے لوگ سو رہے ہیں۔ پھر ہم ایک بڑے ایوان میں پہنچے۔ شیخ نے تالی بجائی اور ایک خادم نے پیتل کی صینی لاکے رکھدی۔ صینی میں ٹھنڈے پانی سے لبریز گلاس، مٹھائی کی تشتری، اور قہوہ کی پیالیاں تھیں

محمد سعید نے ایک بلند بیٹھک پر مجھے بٹھایا۔ اسپر دبیز اور نرم قالین بچھا تھا۔ خود بھی میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"میں اپنے مکان میں آپ کا استقبال کرتا ہوں" محمد سعید نے میرے چہرے پر اپنی تیز سیاہ آنکھیں جما کر کہا "یہاں آپکو آنے کی زحمت دیکر میں نے عربی اخلاق کے خلاف عمل کیا ہے۔ معافی چاہتا ہوں۔ لیکن مجھے یقین تھا۔ آپ ایک ایسے شخص کو تسلی دینے کی ضرور تکلیف گوارا کریں گے جس کی زندگی ختم ہو چکی ہے، اور جو یہاں اپنے گھر میں بیٹھا اپنے ملک کی بربادی دیکھ رہا ہے، میں بغیر کسی تمہید کے اپنی دعوت کا مقصد بیان کرتا ہوں۔ یہاں طرابلس میں آپ تین فرانسیسی موجود ہیں۔ میں جانتا ہوں آپ ان غاصب طلیانوں کی طرح نہیں ہیں۔ آپ عربوں سے محبت کرتے ہیں۔ محمد سعید اُس شخص کا بیٹا ہے جس نے آپ کی قوم کے ایک بڑے آدمی کی خدمت کی تھی اور اُس سے اپنے خدمت پر اعلیٰ سندیں حاصل کی تھیں۔ میرا باپ ٹیونس میں فرانس کے سپہ سالار اعظم باسکوآٹ کا معتمد تھا"

محمد سعید نے میرا تعجب محسوس کر لیا۔ وہ مسکرایا: چند دن ہوئے آپ خود اُس کا ذکر کر رہے تھے۔ مجھے خبر پہنچ چکی ہے" شیخ نے پہلو بدل کر کہا "مجھے آزادی سے گفتگو کرنے کی اجازت دیجئے میں مطمئن ہوں کہ خدا کے سامنے بے خوف کھڑا ہوں گا۔ کیونکہ مجھے اپنا کوئی ایسا گناہ معلوم نہیں جسپر میں نادم ہوں۔ لیکن اس بدنصیب ملک کی قسمت معلوم کرنے سے پہلے مر جانا میرے لئے نہایت تکلیف دہ ہے۔ آپنے خود اپنی آنکھوں سے پرسوں چودہ لاشیں پھانسی پر لٹکی دیکھی ہونگی۔ خدا اُنھیں کبھی معاف نہ کرے گا جنھوں نے ان معصوموں کی جان لی ہے! میں نے سنا ہے آپ نے ان بے گناہوں کے لئے چند کلمے شفقت کے کہے تھے۔ آپ میری بات غور سے سنئے اور صاف جواب دیجئے۔ کیا واقعی میری قوم فنا کر ڈالی جائے گی؟"

میں نے مضطرب شیخ کو ہر طرح اطمینان دلایا اور دیر تک باتیں کرتا رہا۔ پھر میں نے واپسی کا خیال کیا۔ وہ سمجھ گیا:

"میں آپکے ساتھ دو آدمی بھیجنے کو مستعد ہوں۔ وہ آپ کو حفاظت سے پہنچا دیں گے۔ لیکن ممکن ہے کسی کی تجسس نظر میں پڑ جائیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے آپ یہیں سو جائیں؟ صبح قریب ہے؟"

اُسنے پھر تالی بجائی۔ خادم کو قالین لانے کا حکم دیا۔ مجھ سے کہنے لگا: "آپ اسی جگہ سوئیں گے جہاں بیٹھے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کس چیز پر آپ بیٹھے ہیں؟ آپ محمد سعید کی تھوڑی سی مگر پوری دولت پر بیٹھے ہیں"

یہ کہکر اُسنے اُس بیٹھک کا فرش حقارت سے اُلٹ دیا، جسپر ہم بیٹھے تھے اور اوپر کا تختہ ہٹا کر جوش سے کہنے لگا:

"دیکھو"

میں نے دیکھا۔ مگر کیا دیکھا؟ عمر بھر اسے نہ بھولوں گا۔ میں نے دیکھا عظیم صندوق میں سونا اس طرح بھرا پڑا ہے جس طرح کوٹھی میں غلہ بھرا ہوتا ہے!

"یہ سب مجھے اپنے چچاؤں سے ملا ہے۔ قافلہ والوں سے اور خود میں نے کمایا ہے" اُسنے سادگی سے کہا "اگر اس سب کے لٹا دینے سے میری قوم کی جان بچ سکتی ہے تو میں اسے لٹا دینے پر بخوشی تیار ہوں"

پھر اُسنے بے پرواہی سے ڈھکنا چھوڑ دیا۔ وہ زور سے صندوق پر گرا۔ اور محمد سعید باہر چلا گیا۔ اُسنے اپنے خزانہ میں قفل تک نہیں لگایا۔ میں نے عربی شب بخیر کی آواز سنی اور پھر اُس کا پرجوش چہرہ غائب تھا!

میں آرام کی نیند سو گیا۔ میں اس قدر متأثر تھا کہ یہ خیال بھی نہیں ہوا کہ میں صحرا کے خزانہ پر لیٹا ہوں!

کیا یہ خواب تھا؟

نہیں، لیکن جب غور کرتا ہوں تو یہ واقعہ بھی کم از خواب نہیں! محمد سعید کی آرزو پوری نہیں ہوئی۔ اُس کا ملک اُس کی قوم کے لئے آزاد نہ ہو سکا۔ مگر اس کا پُراسرار خزانہ کبھی کبھی اب بھی مجھے اُس عظیم تہ خاک صندوق کی یاد آ جاتی ہے!

بیسویں صدی کا آدم خور گروہ

یورپ کی زبانوں میں ایک لفظ قدیم سے موجود ہے جس کا تلفظ انگریزی میں Cannibalism ہے۔ یعنی انسانی گوشت کھانے کا مذہب اور طریقہ۔ ازمنۂ وسطیٰ (مڈل ایجز) کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ یورپ میں انسانی گوشت کھایا جاتا تھا۔ صلیبی لڑائیوں کے مسیحی مجاہدین جب اسلامی ممالک میں پہنچے تھے تو جب کبھی غذا کی قلت ہوتی انسان کا گوشت کھانا شروع کر دیتے تھے۔ مشہور مورخ گبن اور تجاڈ شہادت دیتے ہیں کہ انطاکیہ، طرابلس، عکا، اور خود بیت المقدس میں صلیبی مجاہدین انسانی گوشت کا علانیہ استعمال کرتے تھے!

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب کے پیرؤں سے اب بھی سرزمین یورپ خالی نہیں ہے۔ پچھلی ڈاک کے انگریزی اخبارات میں ایک عجیب تفصیل آئی ہے۔ وسط یورپ سے ایک نامہ نگار لکھتا ہے کہ "زیگوسلاویا میں چھبیس آدمی اس جرم میں گرفتار کئے گئے ہیں کہ ان کی سب سے زیادہ مرغوب غذا آدمی کا گوشت ہے"!

پولیس کی تحقیقات ظاہر کرتی ہے کہ یہ لوگ ایک جنگل کے قریب خیموں میں رہتے تھے۔ اُس طرف سے جو آدمی نکلتا تھا اُسے قتل کر کے کھا جاتے تھے۔ مجرموں نے عدالت میں اعتراف کیا ہے کہ اُنھوں نے ایک مہینے کے اندر صرف ۶ آدمی نوش جان کئے۔ پانچ عورتیں اور ایک طالب علم! یقیناً انکے نزدیک انسانی گوشت کی ایک خاص قسم طالب علم کا گوشت ہوگا!

اُنھوں نے اپنا عذر یہ بیان کیا کہ "ہم کام نہ ملنے کی وجہ سے بالکل غریب ہو گئے تھے۔ گوشت خرید نہیں سکتے تھے۔ صرف چاول اور آلو پر گزر تھی! مجبور ہو کر یہ طریقہ اختیار کیا"!

اُنھوں نے آدمی شکار کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے: "جب کوئی شخص اُس راستہ پر نظر آتا تھا، ہم اُس سے بڑے اخلاق سے ملتے تھے۔ میٹھی میٹھی باتیں کرتے تھے اور دم دلاسا دیکر اپنے خیموں میں لے آتے تھے۔ پھر اُسے مانوس اور غافل کرنے کے لئے یورپ کی اقتصادی و سیاسی حالت پر گفتگو شروع کر دیتے تھے۔ جب وہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا اور وقت کے سیاسی مباحث میں غور و فکر کرنے لگتا تو پیچھے سے اُس کے سر پر کلہاڑی مار دیتے تھے۔ پھر اُس کے کباب بنا کر کھا لیتے تھے!"

اس بیان کی سادگی اور واقعیت کا تو اعتراف کرنا چاہئے۔ لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ کلہاڑی مارنے کے فیصلہ کن عمل سے پہلے "اقتصادی اور سیاسی مباحث" کا تذکرہ کیوں ضروری سمجھا گیا تھا۔

طالب علم جسکی عمر صرف ۷۰ برس ہے!

پچھلے دنوں فرانس کی شہرۂ آفاق یونیورسٹی سوربون کے اعلیٰ علمی امتحان میں ایک طالب علم دیکھا گیا جس کی عمر اس وقت ۷۰ برس ہے۔ حاضرین کو زیادہ حیرت اس لئے بھی ہوئی کہ یہ عجیب طالب علم ملک کا ایک مشہور آدمی ہے۔ اس کا نام مسیو لوئی انڈریہ ہے۔ یہ فرنچ پارلیمنٹ کا ایک سابق ممبر، پولیس کا سابق کمشنر، اور کسی زمانہ میں فرانس کا دوسرے ممالک میں سفیر بھی رہ چکا ہے!

لوگوں کی حیرت دیکھ کر اُسنے سنجیدگی سے کہا "میں بوڑھا ہو گیا ہوں مگر میرا علمی شغف بدستور جوان ہے!"

اسنے کامل ۳ گھنٹہ امتحان کی کمیٹی کے روبرو زبانی امتحان دیا۔ اور قوی دلائل سے اپنا تاریخی موضوع بحث ثابت کر دیا۔ ممتحنوں نے بڑی سختی برتی اور اعتراض کرنے میں اُس کی عمر کی کوئی رعایت نہیں کی۔ جب پوری طرح اُس کا علمی تبحر ثابت ہو گیا تو فن تاریخ میں ڈاکٹر کی سند دی گئی۔

امتحان کا ایوان بڑے بڑے علماء و مشاہیر سے پُر تھا۔ مشہور مسیو کلیمنشو بھی موجود تھے۔ یہ "طالب علم" کے پُرانے دوست ہیں۔ کامیابی پر سب سے پہلے انہی نے تالی بجائی۔ پھر تحسین و آفرین کی صداؤں سے پورا ایوان گونج اُٹھا۔

یہ "طالب علم" اپنی حاضر جوابی میں قدیم سے مشہور ہے۔ اُس کا یہ واقعہ اب تک لوگوں کو یاد ہے کہ ایک مرتبہ وہ پارلیمنٹ میں تقریر کر رہا تھا۔ ایک ممبر نے اُٹھکر اُسپر اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ مقرر نے طعنہ زنی کی راہ سے معترض کو مخاطب کیا "میں "نامعلوم" محترم ممبر کا نہایت شکر گزار ہوں گا اگر وہ مجھے اپنی تقریر ختم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں" معترض نے غصہ سے کہا "مسیو انڈریہ! میں نامعلوم نہیں ہوں، آپ مجھے خوب جانتے ہیں" مقرر نے فوراً یہ مسکت جواب دیا "میں نے کب کہا کہ آپ میرے لئے "نامعلوم" ہیں۔ البتہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ دنیا کے نزدیک بھی "معلوم" ہیں!"

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

Printed and Published by
MASUL HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (القرآن الحكيم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۳ و ۴ — کلکتہ : جمعہ ۱ و ۸ - محرم ۱۳۴۶ هجري — جلد ۱

Calcutta : Friday, 1 & 8 July 1927.

فہرست

پنجاب هایکورت کا ایک فیصله

کیا هندوستان میں دلآزار اور نفرت انگیز مذهبي حملوں کي روک کیلیے
کوئي قانون نہیں ہے ؟

مولانا ابوالکلام نے حسب ذیل تحریر بعض اخبارات میں بغرض اشاعت بھیجي ہے :

جناب من ! بکثرت لوگوں نے بذریعه خطوط اور تار دریافت کیا ہے که " رنگیلا رسول " نامي کتاب کي اپیل کے فیصله سے جو صورت حال پیدا هوگئي ہے ' اسکي نسبت میري رائے کیا ہے ؟ میں چاهتا هوں مندرجه ذیل سطور اس بارے میں شائع کردي جائیں :

میرے خیال میں بلاشبه اس فیصله سے وقت کا ایک نهایت ضروري سوال پیدا هوگیا ہے - وه صرف مسلمانوں هي کیلیے نہیں بلکه اُن تمام لوگوں کیلیے قابل غور ہے جو چاهتے هیں که ملک کي اخلاقي اور دماغي فضا شائسته اور پاک رہے ' اور لوگ قلم و زبان کي گندگیوں سے آلوده نهوں - هندوستان جیسے مختلف المذاهب ملک میں تو صلح و امن کا قیام بھي بہت کچھه اسي پر موقوف ہے - اگر في الحقیقت اس بارے میں کوئي قانوني روک موجود نہیں ' تو همیں منتظر رهنا چاهیے که هر مذهب کا پیرو دوسرے مذهب اور اسکے رهنماؤں کو علانیه گالیاں دینا شروع کردیگا - اور ظاهر ہے که اسکے نتائج کیا هونگے ؟

میں نے کتاب زیر بحث نہیں دیکھي ہے ' لیکن اب اسکے دیکھنے کي ضرورت بھي باقي نہیں رهی - جسٹس کنور دلیپ سنگه اپنے فیصله میں تسلیم کرتے هیں که " کتاب یقیناً باني (داعي) اسلام کي هجو پر مشتمل ہے - طرز تحریر معاندانه ہے - اور مسلمانوں کے احساسات مجروح هونے کا احتمال ہے - بلکه ان کے دلوں میں نفرت کے جذبات پیدا هونے کا خیال بھي حق بجانب ہے " با ایں همه

دو نمبروں کا مجموعه هونے کي وجه سے اس نمبر کي قیمت ۷ - آنه ہے - نه که ۵ - آنه جیسا که لوح پر ہے -

هر جمعه کو نمبر ۱/۱ - ... گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	سوله روپیه
قیمت ششماهي	سات روپیه
قیمت في پرچه	پانچ آنه

---

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الهلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکهتے هوں انکے لفافوں پر "ایڈیٹر" کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکهیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکهیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بعد قیمت کے روانه نهیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین هفته کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرائیں

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکهدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجزاء اخبار وغیره) سے نهیں هے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

دشمني اور نفرت کے جذبات بڑھرہے ھیں اور اُنکا سب سے بڑا باعث اسي طرح کي مذھبي بد زباني اور مذھبي دلازاري کي کوششیں ھیں؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اب مسلمانوں اور آریہ سماجیوں سے بھي گزر کر معاملہ مسلمانوں اور ھندؤں کا بن گیا ھے' اور اس قسم کے حملوں سے روز بروز دونوں جماعتوں کے دلوں کي برگشتگي بڑھہ رھي ھے؟ یقیناً جج کي نظر قانون پر رھني چاھیے - لیکن قانون پر نظر رکھنے کے معني یہ نہیں ھیں کہ وہ تعزیرات ھند کے صفحات سے باھر کے لیے اپني آنکھیں میچ لے - یقیناً جج کے لیے ضروري ھے کہ وہ بیروني اثرات سے متاثر نہو' لیکن بیروني اثرات سے متاثر نہونے کا یہ منشا نہیں ھے کہ مقدمہ کي نوعیت اور حالات کي اُفتاد کے لیے بھي اُسکے پاس کوئي گوشۂ نگاہ نہو -

یاد رکھنا چاھیے کہ قانون اور اخلاق' دونوں کا حکم بہت حد تک حالات اور گرد و پیش کے تابع ھوتا ھے - ایک ھي فعل ایک وقت اور جگہہ میں جرم نہیں ھوتا' مگر دوسري جگہہ اور دوسري حالت میں جرم ھوجاتا ھے - میں تسلیم کرتا ھوں کہ اگر یورپ یا امریکہ میں اس قسم کي کتاب حضرت مسیح کي نسبت لکھي جاے' اور وھاں دفعہ ۱۵۳ الف - کے مضمون کي کوئي دفعہ موجود ھو' تو اُسکي زد میں کتاب نہیں آئیگي - اُسے قانوني گرفت میں لانے کے لیے کسي دوسرے قانون کي ضرورت ھوگي - یا غالباً گرفت میں لانے کي ضرورت ھي پیش نہ آئے - لیکن ھندوستان جیسے ملک کي حالت وھاں سے بالکل مختلف ھے - یہاں اگر ایک شخص اسطرح کي مذھبي بد زباني اور ھجو سرائي کرتا ھے' تو قطعاً اُسکے اثرات بہت زیادہ شدید اور بہت زیادہ وسیع ھوتے ھیں' اور اسکي وجہہ سے صرف لکھنے والے ھي کے برخلاف نہیں' بلکہ اُسکے ھم مذھبوں کے خلاف بھي نفرت کے خیالات پھیل جاتے ھیں - کہا جاسکتا ھے کہ ھندوستان کے عوام کي یہ ذھنیت غلط ھے اور اس میں اصلاح ھوني چاھیے - لیکن میں یاد دلاؤنگا کہ قانون اور عدالت کا فرض اصلاح (ریفارم) نہیں ھے' بلکہ صورت حال کے مطابق لوگوں کے عقائد و جذبات کا اعتراف کرنا ھے - یہ صورت حال اچھي ھو یا بري لیکن موجود ھے یا نہیں؟ اگر موجود ھے' تو جب تک موجود ھے' دفعہ ۱۵۳ - الف کي زد میں اس طرح کے تمام مذھبي حملے آنے چاھئیں - تعزیرات ھند کا مجموعہ ھندوستان کي دماغي اصلاح کیلیے مرتب نہیں ھوا ھے - امن و انتظام کے قیام کے لیے مرتب ھوا ھے - اُسے اس سے کوئي غرض نہیں کہ کیا ھونا چاھیے؟ وہ صرف یہ دیکھتا ھے کہ کیا ھو رھا ھے؟ اور جو کچھہ ھو رھا ھے' اُسے ملحوظ رکھتے ھوے باشندوں کے جذبات و مصالح کا کیونکر تحفظ کیا جا سکتا ھے؟

اب دوسري دفعہ ۲۹۸ - پر نظر ڈالیے - اپنے مقصد اور مقصد کے بیان میں یہ کسقدر واضح ھے؟ مگر جسٹس موصوف کہتے ھیں' اس قسم کے افعال کے لیے یہ بھي سودمند نہیں - دفعہ میں "دلازاري" کا لفظ ھے - وہ خود تسلیم کرتے ھیں کہ کتاب دلازار ھے - تاھم اُنکے خیال میں یہ دلازاري وہ "دلازاري" نہیں ھے جو ۲۹۸ - میں مقصود ھے" - وہ کہتے ھیں کہ اگر اس قسم کي کتابیں اس دفعہ کے ماتحت لائي جائیں' تو نتیجہ یہ نکلیگا کہ ھر طرح کي آزادانہ نکتہ چیني جرم ھوجائیگي - کیونکہ کوئي نکتہ چیني کسي پیشواے مذھب کے خلاف کتني ھي معتدل کیوں نہو' اُس کے پیرؤں کیلیے ضرور دلازار ھوگي -

مجھے افسوس کے ساتھہ کہنا پڑتا ھے کہ یہاں جسٹس موصوف کي تنقیح پہلي تنقیح سے بھي زیادہ تعجب انگیز ھے - اگر یہ طرز تنقیح تسلیم کرلیا جاے تو مجھے خوف ھے کہ صرف ۲۹۸ - ھي نہیں بلکہ تعزیرات ھند کي پانچ سو گیارہ دفعات میں سے اکثر دفعات کا نفاذ مشتبہ ھوجائیگا!

تین چیزیں ھیں' اور تینوں کا حکم ایک نہیں ھوسکتا - ایک چیز نکتہ چیني ھے - ایک سخت نکتہ چیني ھے - ایک بدزباني اور ھجو ھے - دفعہ ۲۹۸ - مذھبي "دلازاري" کو روکتي ھے - دیکھنا یہ چاھیے کہ ان تینوں قسم کي چیزوں میں سے کونسي چیز اس "قانوني دلازاري" کے ماتحت آتي ھے؟ بلا شبہ ھر مذھب کے ماننے والوں میں ایسے غیر رواداار لوگ موجود ھیں جو اپنے عقیدہ کے خلاف کسي طرح کي نکتہ چیني بھي نہیں سن سکتے - ھر طرح کي نکتہ چیني ان کے لیے دلازار ھوجاتي ھے مگر یہ معلوم ھے کہ اس طرح کے معاملات میں قانون کسي خاص انتہائي حالت کا اعتراف نہیں کرتا' بلکہ ھر طرح کي نرم و گرم حالتوں سے ایک معتدل اور مناسب اوسط نکال لیتا ھے - دلازاري کے احساس کي ایسي حالت ایک انتہائي درجہ کي حالت ھے - قانون اسکا لحاظ نہیں کریگا - وہ ھر طرح کي گرم اور نرم طبائع سامنے رکھکر معلوم کریگا کہ اس بارے میں احساس دلازاري کا اوسط درجہ کیا ھوسکتا ھے؟ یہ اوسط بالکل واضح ھے - یہ ایک ایسے آدمي یا جماعت کا احساس ھے جو ایک طرف تو ھر انسان کے آزادانہ حق راے زني کا پورا احترام کرتا ھے - دوسري طرف اس حق کا بے اعتدالانہ اور حملہ آورانہ استعمال بھي گوارانہ نہیں کرتا - ایسے شخص یا ایسي جماعت کیلیے مذھبي نکتہ چیني' اگرچہ کتني ھي آزادانہ کیوں نہو' کبھي "دلازار" نہیں ھوسکتي - البتہ ھر طرح کي بد زباني' ھجو' تذلیل و تحقیر' اور ھنسي اوڑانے کي کوشش ضرور "دلازار" ھوگي - یہي "دلازاري" دفعہ ۲۹۸ - کي زد میں آتي ھے' اور اگر زیر بحث رسالہ کي روش اور زبان ایسي ھي ھے (اور خود جسٹس موصوف نے تسلیم کیا ھے کہ ایسي ھي ھے) تو پھر کوئي وجہ نہیں کہ کیوں وہ اس دفعہ کي زد میں نہ آئے؟

بہر حال ھندوستان کي اعلی عدالتوں میں سے ایک عدالت کا فیصلہ اسکے خلاف ھوگیا ھے' اور اب اسکے سوا چارہ نہیں کہ ایک صاف اور غیر مشتبہ قانون کے ذریعہ اسطرح کي مذھبي دلازاریوں کا (نہ کہ نکتہ چیني کا) سد باب کردیا جاے - ھز ایکسلنسي گورنر پنجاب نے بھي مسلمانان پنجاب کے وفد کا جواب دیتے ھوے اسکي ضرورت تسلیم کرنے پر میلان ظاھر کیا ھے - میں آیندہ زیادہ تفصیل کے ساتھہ اس بارے میں اپنا نقطۂ خیال ظاھر کرونگا -

اطلاع

افسوس ھے کہ ھمارا پچھلا اندازہ صحیح نہ نکلا اور طباعت و اشاعت کي مشکلات دور نہ ھوسکیں - اب اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ ھر ھفتہ کے پرچے یکجائي نکالدیے جائیں - چنانچہ یہ نمبر ۳ اور ۴ کا مجموعہ ھے جو شائع ھو رھا ھے - اسکے بعض فارم پہلے چھپ چکے تھے جنکي پیشاني پر صرف یکم جولائي ھے - لیکن بعد کو جو فارم چھپے انپر ۱—۸ جولائي لکھ دیا گیا ھے - ضخامت بھي اِسکي اُس سے زیادہ ھے جسقدر اخري صفحہ کے عدد سے معلوم ھوتي ھے - ٹائیپ کے آخري حصہ میں ۱۲ الف - سے ۱۲ د تک چار صفحے مزید بڑھا دیے گئے ھیں' اور رسالہ کي ضخامت پوري دو جزء ھے -

ھمیں اس بد نظمي کے لیے جسقدر افسوس ھے اُسکا اظہار الفاظ میں سودمند نہ ھوگا جب تک عمل کے ذریعہ ظھور میں نہ آئے - ھم اس بارے میں بجز اِسکے اور کچھہ کہنا نہیں چاھتے کہ انتہائي کوشش جو مطبع کي دقتیں دور کرنے کے لیے کي جاسکتي ھیں ھم کر رھے ھیں' اور انشاءاللہ ھمیں اُمید ھے کہ یہ اس مطبع کي آخري بدنظمي ثابت ھوگي اور آیندہ ھر نمبر ٹھیک اپنے وقت پر شائع ھوگا -

متعدد باب جو اس وقت تک شروع نہ ھوسکے تھے' وہ بھي آیندہ نمبر کے لیے کمپوز ھو رھے ھیں -

منیجر

وہ کہتے هیں کہ اس قسم کا فعل دفعہ ۱۵۳ - الف کي زد میں نہیں آتا جو پراسکیوٹر کي طرف سے لگائي گئي ہے - کیونکہ انکے لفظوں میں " یہ دفعہ ایسے وسیع مفہوم کیلیے وضع نہیں ہوئي ہے - یہ صرف اسلیے وضع ہوئي ہے کہ کسي شخص یا جماعت پر جو اسوقت زندہ موجود ہو کسي کو حملہ کرنے کي جرأت نہو - گذشتہ مذہبي رہنماؤں کے خلاف حملے ، اگرچہ کیسے هي شرارت انگیز اور سفیہانہ کیوں نہوں ، اسکے مفہوم میں داخل نہیں ہوسکتے "

دوسرے لفظوں میں جسٹس موصوف کي رائے یوں بیان کي جا سکتي ہے " ۱۵۳ - الف کا تعلق ایسي تحریر و تقریر سے ہے جسکے ذریعہ کسي جماعت کے خلاف دوسري جماعت میں دشمني و نفرت پیدا کي جاے - لیکن اگر ایک شخص کسي مذہب یا باني مذہب کے خلاف بد زباني کرتا ہے ، تو اسے یہ نہیں قرار دیا جا سکتا کہ اس نے دو جماعتوں کے اندر دشمني و نفرت پیدا کرني چاهي ہے - کیونکہ یہ ایک شخص کا ذاتي فعل ہے - اسکي وجہ سے خود اسکي ذات اس مذہب کے پیروؤں کے نزدیک قابل نفرت ہو جاسکتي ہے ، لیکن اسے " دو جماعتوں میں دشمني و نفرت پیدا کرنا " نہیں کہا جا سکتا -

نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ جسٹس موصوف نے دو صورتیں قرار دي هیں : ایک یہ کہ مثلاً ایک شخص کوئي ایسي کتاب لکھے جس سے مسلمانوں کے خلاف هندوؤں کے اندر یا هندوؤں کے برخلاف مسلمانوں کے اندر دشمني و نفرت پیدا ہوسکتي ہے - دوسري صورت یہ ہے کہ کسي مذہب یا باني مذہب کے خلاف دلازار حملہ کیا جاے - وہ کہتے هیں دفعہ ۱۵۳ - الف کا تعلق پہلي صورت سے ہے - دوسري صورت سے نہیں ہے -

اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں صورتیں مختلف ضرور هیں - اس میں بھي شک نہیں کہ دفعہ ۱۵۳ - الف کا ابتدائي مفہوم جماعتوں سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ افراد سے - لیکن اسکے ساتھہ هي میں انکے اس خیال سے متفق نہیں ہوسکتا کہ زیر بحث معاملہ پر اس دفعہ کي زد نہیں پڑتي اور وہ اس دائرۂ اثر سے بالکل باهر ہے -

بلاشبہ میں ماهر قانون نہیں ہوں - میں یہ بھي پسند نہیں کرونگا کہ جسٹس موصوف کي قانوني قابلیت کے اعتراف میں کوتاهي کروں - لیکن میں سمجھتا ہوں ، معاملہ اسقدر صاف اور واضح ہے کہ اسمیں کسي طرح کي قانون موشگافي کي ضرورت هي نہیں ہے - هر شخص جو قانون کے منشاء ، الفاظ ، اور حالات پر معمولي درجہ کي نظر بھي رکھتا ہے ، بغیر کسي کاوش کے معلوم کرلے سکتا ہے کہ جسٹس موصوف کي نظر صرف ایک هي پہلو پر گئي ہے - دوسرا پہلو انہوں نے نظر انداز کردیا ہے -

علاوہ بریں اگر دفعہ ۱۵۳ - الف کي زد اسطرح کے افعال پر نہیں پڑتي تو دفعہ ۲۹۸ - بھي موجود ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ جسٹس موصوف کي تنقیح میں اسطرح کے معاملات دفعہ ۲۹۸ - کے ماتحت بھي نہیں آسکتے -

پہلے میں چند الفاظ اِن دونوں دفعات کي نسبت کہنا چاهتا ہوں -

سنہ ۱۸۶۸ - میں جب ایکٹ نمبر ۴۵ - یعني مجموعہ تعزیرات هند نافذ ہوا ، تو اس میں کوئي دفعہ ایسي موجود نہ تھي جسکے ذریعہ " مختلف طبقات میں دشمني و نفرت پیدا کرنے " کے افعال صاف اور صریح لفظوں میں روکے جاسکیں - اسمیں آٹھواں باب ان جرائم کي نسبت موجود تھا جو آسودگي عامۂ خلائق میں خلل انداز ہوسکتے هیں - لیکن اسکي تمام دفعات زیادہ تر بلوے اور بلوے کے اشتعال وغیرہ سے تعلق رکھتي تھیں - البتہ ایک باب " جرائم متعلق مذہب " موجود تھا - اسمیں ۲۹۵ - سے لیکر ۲۹۸ - تک چار دفعات رکھي گئي تھیں - پہلي **دفعہ** کا تعلق مذہبي معابد اور متبرک مقامات کي توهین سے تھا - دوسري کا مذہبي اعمال و رسوم سے ، تیسري کا اموات و قبور سے - چوتھي **دفعہ ۲۹۸** - تھي ، اور اس کے الفاظ یہ تھے :

" جو شخص سوچ بچار کر مذہب کي نسبت کسي شخص کا دل دکھانے کي نیت سے کوئي بات کہے ، یا کوئي آواز نکالے ، یا کوئي حرکت کرے ، یا کوئي چیز سامنے لائے ، تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں سے کسي قسم کي قید کي سزا دي جائیگي "

واضعان تعزیرات هند نے خیال کیا تھا کہ یہ دفعات کافي هیں ، لیکن بعد کو تجربے سے معلوم ہوا کہ کافي نہیں هیں - سنہ ۱۸۹۸ - میں ایکٹ نمبر ۴ - کے ذریعہ تعزیرات هند کي ترمیم کي گئي اور دفعہ ۱۵۳ - الف - کا اضافہ کیا گیا میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس دفعہ کے الحاق سے اصلي مقصود گورنمنٹ کي سیاسي اغراض کا پورا کرنا تھا ، لیکن میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ اِس کا دائرہ اس درجہ تنگ ہے جس درجہ جسٹس موصوف نے قرار دیا ہے - اس دفعہ کے الفاظ یہ هیں :

" جو کوئي ایسي باتوں کے ذریعہ جو تلفظ سے ادا کي جائیں ، یا لکھي جائیں ، یا اشاروں کے ذریعہ ، یا نقوش مرئیہ کے ذریعہ ، یا اور کسي ذریعہ سے ملک معظم کي رعایا کے مختلف طبقات کے درمیان دشمني یا نفرت کے خیالات بڑھائے ، یا بڑھانے کا اقدام کرے ، تو اُسے ایسي قید کي سزا دي جائیگي ...... الخ "

اب تعزیرات هند میں دو **دفعہ** ہوگئیں - ۲۹۸ - اور ۱۵۳ - الف -

پہلي دفعہ هر طرح کي مذہبي **" دلازاري "** کو جرم قرار دیتي ہے جو عمداً عمل میں لائي جائے - **دوسري دفعہ** هر ایسے فعل کو جس کے ذریعہ برطانوي هندوستان کي دو مختلف جماعتوں کے درمیان دشمني اور نفرت کے خیالات پیدا ہوں یا ہوسکتے ہوں ، تعزیري جرائم میں شمار کرتي ہے -

میں نے اپني عادت کے خلاف بار بار یہ دفعات پڑھیں اور صورت حال پر غور کیا - میں کوئي معقول وجہ نہیں دیکھتا کہ اس قسم کي تحریریں جیسي کہ زیر بحث تحریر ہے ، کیوں ان دونوں دفعات کي زد میں نہیں آتیں ؟ جسٹس دلیپ سنگھ کہتے هیں **" اگرچہ** کتني هي دلازار اور سفیہانہ کیوں نہ ہوں اس کي زد میں نہیں آتیں " مگر میں یہ کہنے کي جرأت کرتا ہوں کہ اگرچہ کتني هي کم دلازار اور کم سفیہانہ کیوں نہو ، ہوں لیکن اگر وہ واقعي دلازار اور سفیہانہ هیں ، تو اِن دفعات کي زد سے بچ نہیں سکتیں -

امر تنقیح طلب صرف یہ ہے کہ اس قسم کي چیزوں سے " دو مختلف جماعتوں میں دشمني اور نفرت کے خیالات " پیدا ہوتے هیں یا نہیں ؟ نیز اِس سے " کسي فرد یا جماعت کي دلازاري " ہوتي ہے یا نہیں ؟ سب سے پہلے دفعہ ۱۵۳ - الف کو لیجیے - جسٹس موصوف کي نظر صرف فرد اور جماعت کے فرق کي طرف گئي ہے - بلا شبہ یہ فرق پیش نظر رکھنا چاهیے - مگر سوال یہ ہے کہ دفعہ کا منشا صرف فعل کي صورت اور اسکي لفظي نسبت سے تعلق رکھتا ہے ، یا اُسکا زور فعل کے اثر اور نتائج پر ہے ؟ اگر جواب اثبات میں ہے ، اور میں امید کرتا ہوں کہ قانوني نقطۂ خیال سے اسکا صرف یہي جواب ہوسکتا ہے ، تو پھر معاملہ کا فیصلہ نہایت آسان ہے - یہ کوئي نظري مسئلہ نہیں ہے - تمامتر واقعہ سے تعلق رکھتا ہے - دیکھنا یہ چاهیے کہ اس قسم کي مذہبي بد زباني اور هجوگوئي کا برطانوي هندوستان کي مختلف جماعتوں میں کیا اثر پیدا ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے ؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ برسوں سے ملک کي دو جماعتیں یعني مسلمانوں اور آریا سماجیوں میں با همدگر

آئرلینڈ کا ایک عملاق جس کا قد ۲۵۵ سنٹی میٹر تھا -

ایک جرمن عورت جس کا قد ۲۴۵ سنٹی میٹر تھا

عمالیق یا دراز قد آدمی

دراز قد کی علمی توجیہہ

قد کی درازی اگر ایک خاص معتدل حد تک ہو تو حسن و جمال کی دلاویزوں میں سے شمار کی جاتی ہے - خواجہ حافظ نے اسی قد کی درازی میں اپنی " عمر دراز " کی " کوتاہی " کا پیغام سنا تھا :

بالا بلند، سروقد خوش خرام من
کوتاہ کرد قصۂ عمر دراز من !

لیکن یہی " بالا بلندی " جب حد سے گزر جاتی ہے تو حسن و دلاویزی کی جگہ عجائب الخلقۃ میں شمار ہونے لگتی ہے مختلف قوموں میں ایسے عجیب الخلقۃ دراز قد آدمی پائے گئے ہیں اور اب بھی پائے جاتے ہیں - عربوں کی ایک قدیم شاخ نے مصر پر حملہ کیا تھا - اسکے اکثر افراد قد آور تھے - اسی لیے عربی میں انکا نام " عمالیق " پڑ گیا تھا - غیر معمولی دراز قد کو عربی میں " عملاق " کہتے ہیں -

تھوڑی مدت گزری نیو یارک میں ایک عجیب آدمی ظاہر ہوا تھا اسکی عمر ۲۴ سال تھی - یہ شخص اس قدر لانبا تھا کہ جب موٹر میں بیٹھا تو اسکی چھت میں سوراخ کرنا پڑا تاکہ اسکا سر باہر نکلا رہے - کیونکہ وہ کسی طرح بھی موٹر میں سما نہ سکا تھا - بازاروں میں لوگوں نے اسے دیکھا تو تصویریں لینے لگے - اسکا قد ۸ - فٹ تھا !

سنہ ۱۹۲۴ع میں ومبلی (لندن) کی مشہور نمائش میں ایک عملاق نمودار ہوا تھا - اسکی عمر صرف ۲۳ سال تھی مگر قد دو میٹر ۸۴ - سنٹیمٹر تھا - یہ لندن اس لئے آیا تھا کہ اجرت لیکر اپنی نمائش کرے - وہ اپنے قد کی درازی کی وجہ سے ہمیشہ اپنی خاص چارپائی اور پانی کا ٹب ساتھ رکھتا تھا - کیونکہ یہ دونوں چیزیں اسکے مناسب حال کہیں بھی دستیاب نہیں ہوتی تھیں - اسکی خوراک کتنی تھی ؟ اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسکے روز کے ناشتہ میں ۱۵ - انڈے، ۳ - بڑی مچھلیاں، ۵ - پلیٹ سالن کے، ۱۲ - روغنی ٹکیاں، اور ۸ - پیالیاں چاے کی ہوتی تھیں !

آج کل یورپ کے بعض علمی رسائل میں یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ اس طرح کی غیر معمولی دراز قدی کی علت کیا ہے ؟

عام طور پر علماء کا خیال ہے کہ اسکی علت دماغی گلٹی ہے - مشاہدہ سے معلوم ہوچکا ہے کہ ہر انسان میں دماغ کے نیچے اور ناک کے پیچھے ایک گلٹی ہوتی ہے - اسے عربی میں " الغدۃ النکفیۃ " اور انگریزی میں Parotid gland کہتے ہیں - یہی گلٹی قد کی کمی بیشی کی علت ہوا کرتی ہے -

انسانی جسم گلٹیوں سے بھرا پڑا ہے - وہی اسے قائم رکھتی ہیں اور اسکے اجزاء سے جسم کا توازن برقرار رہتا ہے - چنانچہ فربہی و لاغری، بلند قامتی و پستہ قدی، ذہانت و بلادت، دوران خون کی تیزی و سستی، سب کا تعلق انہی گلٹیوں سے ہے - اس دماغی گلٹی کا ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ وہ ایسے مواد خارج کرتی رہتی ہے جو خون کے ساتھ جاری رہتے اور ہڈیاں بڑھاتے رہتے ہیں - جب ان مواد کا اخراج کم ہو جاتا ہے تو انسان پستہ قد رہ جاتا ہے - جب ضرورت سے زیادہ ہو جاتا ہے تو ہڈیاں غیر معمولی طور پر لمبی ہو جاتی ہیں اور آدمی کا قد بھی بہت بڑھ جاتا ہے .

یہ دماغی گلٹی دو حصوں میں منقسم ہے : ایک حصہ آگے ہوتا ہے - دوسرا پیچھے ہوتا ہے - دونوں ایک عظمی (ہڈی کے) صندوقچہ میں بند ہوتے ہیں - یہ صندوقچہ کھوپڑی کے اندر بطور ایک چھوٹی سی کھوپڑی کے رکھا ہوتا ہے - رونتجن شعاعوں کے ذریعہ تحقیق ہوا ہے کہ لانبے آدمیوں

موجودہ زمانے کا سب سے بڑا عملاق ایک روسی ماشذوف نامی ہے - قد ۲۸۵ سنٹی میٹر -

پتھرا گئے - معلوم ہوتا ہے ریگ کے بوجھ سے انکا چھلکا چٹک گیا تھا اور ریگ کے ذرے اندر پہنچ گئے تھے - امتداد زمانہ سے اندرونی اور بیرونی دونوں حصے پتھرا گئے ہیں اور لکھوکھا برس سے قائم ہیں .

اسکے علاوہ بعض اور یادگاریں بھی دستیاب ہوئی ہیں - شاید وہ ان انڈوں سے بھی زیادہ قیمتی ثابت ہوں - وہ یادگاریں پتھرائے ہوئے انسانی دانت ہیں اور کئی ہزار برس کے پرانے ہیں - وہاں انکی موجودگی اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ کسی زمانہ میں یہ صحرا انسانوں سے معمور تھا - تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ یہ دانت غاروں میں رہنے والے انسانوں کے نہیں ہوسکتے (کیونکہ ان زمانوں میں زمین پر غار موجود ہی نہ تھے) خیال کیا جاتا ہے یہ انسان نہروں اور جھیلوں کے کنارے رہتے ہونگے - مکان بھی نہ تھے - آسمان کی چھت کے نیچے سوتے ہونگے - اسکے بعد بتدریج گھر بنانا شروع کیا - پھر پتھر کے اوزار طیار کئے - اسی لئے اس عہد کو " عہد حجری " کہتے ہیں .

یہ تحقیقاتی کمیشن اس صحراء میں ابھی تین سال اور رہیگا - اسے یقین ہے کہ مزید تحقیقات کا دروازہ عنقریب کھلنے والا ہے دنیا کا تمام حلقۂ علم اسکے آخری نتائج کی راہ تک رہا ہے -

انسان کی تخلیق و ظہور کا اولین محل

(صحراء "گوبي" انسانیت کا اولین گہوارا ہے)

ایک نیا نظریہ

صحراء "گوبي" واقع منگولیا میں یورپین علماء کی ایک جماعت تحقیقات میں مصروف ہے - اسکی غرض یہ جدید نظریہ ثابت کرنا ہے کہ یہي صحراء انسانیت کا اصلي گہوارہ ہے - یہیں سے نکل کر انسان کی نسل تمام دنیاں میں پھیلي ۔

اس جماعت کے صدر پروفیسر اندروز نے یورپ و امریکہ کے علمي رسائل میں حسب ذیل بیان شائع کیا ہے :

"اس بات کے ثبوت میں متعدد دلائل موجود ھیں کہ انسان نے اپني سب سے پہلي نشوونما صحراء گوبي میں حاصل کي ہے - یہ ثابت ھوچکا ہے کہ ان نہایت پرانے زمانوں میں جبکہ تمام یورپ اور امریکا برف سے ڈھکا ھوا تھا ' وسط ایشیا میں ایک خطہ ایسا موجود تھا جو طوفان برف سے محفوظ تھا - وہ خطہ یہي صحراء تھا - اُس وقت صرف یہي ایک زمین زندگي کي نشوونما کي صلاحیت رکھتي تھي -

پھر ھمارے سامنے اس امر کے بھي دلائل موجود ھیں کہ انسان جس راستہ سے دنیا کے دوسرے خطوں میں آباد ھونیکے لیے پہنچا ' وہ راستہ یورپ اور امریکا کے درمیان واقع تھا - علماء کو فرانس اور امریکا کی زمینوں کے اندر سے ایسے آثار دستیاب ھوے ھیں جو باھمدگر پوري مشابہت رکھتے ھیں ' اور صاف بتا رہے ھیں کہ انکي اصل اور سرچشمہ ایک ھي ہے - نیز انسے یہ بھي ظاھر ھوتا ہے کہ وہ وسط ایشیا سے تعلق رکھتے ھیں -

اکثر علماء یقین کرتے ھیں کہ ھماري زمین ایک کروڑ برس پہلے عظیم الخلقت حیوانوں سے آباد تھي - یہ تمام حیوان نابود ھوگئے - بعض کي ھڈیاں ملتي ھیں - انمیں سب سے اھم حیوان وہ تھے جنھیں آجکل علماء علم حیوان "ڈینو سر" اور "مستوڈن" کے نام سے موسوم کرتے ھیں - صحراء گوبي ان حیوانوں سے ابتدا کسي نامعلوم زمانہ میں وہ منتشر ھوے - ایک طرف سے چین پہنچے ' دوسري طرف سے امریکا میں وارد ھوے - یہي سبب اُس مشابہت کا ہے جو امریکا اور مشرق قریب کے زیر زمین آثار میں ھم دیکھہ رہے ھیں ۔
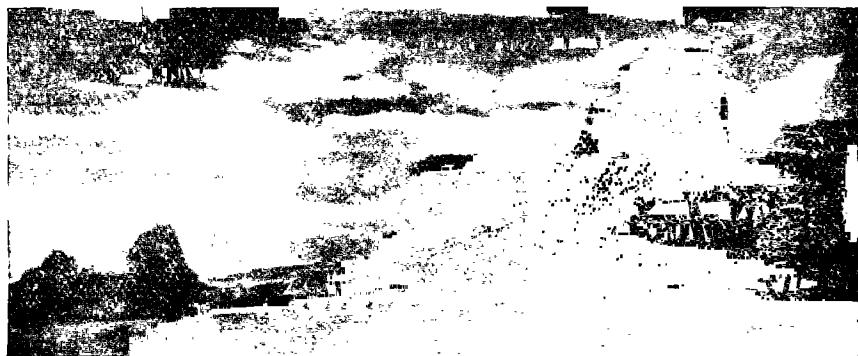
ممکن ہے اعتراض کیا جائے کہ ایسے بے آب و گیاہ ریگستان میں زندگي کیونکر قائم رہ سکتي ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تقریباً ایک کروڑ سال پہلے یہ صحرا ریگستان نہ تھا - سر سبز و شاداب علاقہ تھا - ھر طرف درختوں کي کثرت تھي ' دریا بہہ رہے تھے ' زمین صاف تھي ' اور پھلوں او ترکاریوں سے لبریز تھي - اُس وقت یہ صحراء انسان کے ظہور او نشوونما کیلیے سب سے زیادہ موزوں مقام تھا ۔

زندگي یہاں برابر بڑھتي اور ترقي کرتي رھي - یہانتک کہ رینگنے والے جاندار ظاھر ھوے - پھر چھاتیاں رکھنے والے حیوان پیدا ھوے پھر انسان کا ظہور ہوا - قدیم انسان موجودہ انسان سے کسي قدر مختلف تھا - امتداد زمانہ کے ساتھہ ساتھہ اُسنے بھي ترقي کي - اُسکي نسل بڑھتي گئي - یہانتک کہ یہ علاقہ اُسکے لیے نا کافي ھو گیا - پھر یہ مصیبت بھي پیش آئي کہ یہاں کا جنگل خشک ھونا شروع ھوگیا - آھستہ آھستہ درخت سوکھنے لگے - پاني کم ھونے لگا - مجبوراً انسان نے ھجرت کي ' اور یہ جنگل ریگستان ھوکر رھگیا جیسا کہ اس وقت ھم دیکھہ رہے ھیں ۔

یہاں سے نکل کر انسان سب سے پہلے چین ' ھندوستان ' روس ' فرانس ' جرمني ' برطانیا ' اور امریکا پہنچا - اُسکي جماعتیں برابر آگے بڑھتي اور نئي نئي زمینیں تلاش کرکے آباد ھوتي گئیں - حتی کہ تمام قابل بود و باش سر زمینوں پر اُسکا قبضہ ھوگیا "

یہ اس جدید نظریہ کا خلاصہ ہے - پروفیسر اندروز کي جماعت بحث و تفحیص کے بعد ایسے نتائج پر پہنچي ہے جو اس نظریہ کي پر زور تائید کرتے ھیں - چنانچہ اُسے "ڈینوسر" اور "مستوڈن" اور چھاتي رکھنے والے حیوانات کي ھڈیاں ملي ھیں - ان ھڈیوں کي کثرت اس یقین پر مجبور کرتي ہے کہ یہ حیوانات اس صحراء میں باھر سے آئے ھوے مسافر نہیں تھے - بلکہ مقیم تھے - یہ مان لینے کے بعد قدرتي طور پر یہ بھي تسلیم کر لینا پڑیگا کہ اُس وقت یہ مقام صحراء نہ تھا - سرسبز جنگل تھا - اور یہ کہ انمیں سے بعض حیوانوں کي بلندي چھہ میٹر سے بھي زیادہ تھي ۔

اس تحقیقاتي کمیشن کو سب سے اھم چیز جو ھاتھہ لگي ہے ' وہ ڈینو سر جانور کے انڈے ھیں - ایسے قرائن موجود ھیں جنسے خیال کیا جاتا ہے کہ ڈینو سر کي مادہ نے حسب عادت ریت کے گڑھے میں انڈے دیے تھے - مگر اچانک آندھي آئي اور ریگ نے انڈوں کو چھپا لیا - لاکھوں برس نیچے رھنے کے بعد بالاخر یہ انڈے

صحراء گوبي کے ایک سرسبز گوشہ کا منظر

عمدگي سے کیے جاسکتے هیں - لیکن اگر دوسري صورت هوتي هے تو حیوان سے کام لیتا هوں - مثلاً اُن مقامات میں جہاں ریل اور سڑکیں نہیں هیں باربرداري کا کام جانور زیادہ اچھا کرسکتے هیں - آخري درجہ میں انسان سے کام لیتا هوں - یہ اصول اگرچہ همارے اسلاف کو معلوم تھا مگر اُن سے عملاً کام لینا صرف پچاس برس هي سے شروع هوا هے .

اب غور کرنا چاهئے ' اهل و قابل اشخاص کا انتخاب کیونکر کیا جاے ؟ فرض کرو ' حکومت امریکا کو ایک مرد یا عورت کي ضرورت هے - امریکا کي آبادي دس کروڑ هے - وہ کیا صفتیں هیں جو مطلوبہ مرد اور عورت میں هوني چاهئیں ؟

عام طور پر پہلي شرط یہ قرار دي جاتي هے کہ وہ شخص امریکن هو - یہیں پیدا هوا هو ' یا امریکن قومیت اختیار کرچکا هو - دوسري شرط یہ سمجھي جاتي هے کہ اُسکي عمر سولہ برس سے زیادہ اور ساٹھہ سے کم هو - اِس شرط کي رو سے دو ثلث آبادي دائرۂ انتخاب سے باهر نکل جاتي هے -

حالانکہ انتخاب میں همیں کسي ایک شرط یا صفت هي پر اڑجانا نہیں چاهئے - کیونکہ کبھي عمر کا معاملہ قومیت سے زیادہ اهم هوتا هے - کبھي تربیت ' قدرتي قابلیت سے زیادہ کار آمد هوتي هے - کبھي تجربہ ' قابلیت سے زیادہ ضروري هوتا هے - همیں اگر اصلح انسان کي ضرورت هے تو اسکے لیے قومیت ' وطنیت ' اور عمر کي شرطیں ابتدائي شرطیں کیوں سمجھي جائیں ؟

طویل غور و فکر اور تجربہ کے بعد میں نے انساني انتخاب کا ایک پیمانہ طیار کیا هے - اُسمیں ۲۳ - درجے رکھے هیں - انتخاب کے وقت اِس پیمانہ سے فائدہ اٹھانا چاهئے - ذیل میں اُسکي تفصیل ملاحظہ هو :

(۱) قومیت	(۲) نسل
(۳) شہریت	(۴) عمر
(۵) ابتدائي تربیت یا وراثت	(۶) ذهني قابلیت
(۷) جسماني قابلیت	(۸) عملي قابلیت
(۹) اولین ماحول	(۱۰) تعلیم
(۱۱) عام تربیت	(۱۲) تجربہ
(۱۳) فطري قابلیت	(۱۴) فني مہارت
(۱۵) مزاج	(۱۶) سیکھنے کي قابلیت
(۱۷) حرکات و سکنات	(۱۸) عام ذهني یا بدني شکل
(۱۹) قد و قامت	(۲۰) سختي یا نرمي
(۲۱) رنگ	(۲۲) کاٹھي
(۲۳) مجموعي هیئت	

جب مجھے کسي آدمي کي ضرورت هوتي هے تو میں یہ پیمانہ سامنے رکھہ لیتا هوں اور هر شخص کو اِن تیئیس وجوہ انتخاب کي بنا پر جانچتا هوں - جسکے نمبر زیادہ نکلتے هیں ' اسے انتخاب کرلیتا هوں - البتہ جانچنے والے کیلیے بھي صاحب نظر هونا ضروري هے -

عام طور پر لوگ انتخاب میں فني مہارت (اکسپرٹ نس) کو دیکھتے هیں اور دوسري تمام صفات نظر انداز کرجاتے هیں - حالانکہ یہ سخت غلطي هے - جانور اور چڑیاں پالنے والے مذکورہ بالا صفات تمام کے تمام ملحوظ رکھتے هیں - کیونکہ وہ سب ضروري ' اور انسان و حیوان کے مفید و مضر هونے کا سبب هوتي هیں .

ان تیئیس وجوہ انتخاب پر نظر ڈالنے سے معلوم هوگا کہ ان میں کچھہ تو ایسے هیں جنکے لیے خارجي معلومات حاصل کرنے کي ضرورت هوگي - مثلاً تعلیم ' جنسیت ' تربیت وغیرہ - اور کچھہ ایسے هیں جنکے لیے بے خطا قیافہ شناسي کي ضرورت هوگي - قیافہ شناسي کي یہ استعداد بغیر اسکے حاصل نہیں هوسکتي کہ انساني دماغ و جسم کے علوم میں سے هر علم سے ضروري واقفیت حاصل کرلي جاے -

انساني مزاج اور قابلیت کا صحیح طور پر معلوم کرنا بہت مشکل هے - قد و قامت ' رنگ روپ ' اور جسم کي کاٹھي سے بھي طبیعت کا اندازہ کرنا آسان نہیں - اس بارے میں انسان ' حیوان سے بہت کچھہ مختلف هے - طویل تجربہ کي ضرورت هے کہ انسان ' انسان شناس نگاہ پیدا کرلے - بارها ایسا هوا کہ میں کسي مرد کي ذهانت یا کسي عورت کے حسن سے دهوکا کھا گیا هوں -

اِنھي تجربوں کي بنا پر میري پختہ رائے هے کہ اگر کسي شخص کے متعلق یقین هوجائے کہ وہ زندگي بھر کام میں لگا رهے گا ' تو اُسکے امتحان میں دس بیس هزار ڈالر اور چار پانچ سال خرچ کرڈالنا کچھہ بیجا نہ هوگا -

بلا شبہ مناسب اور اصلح آدمي کا انتخاب مشکل هے - لیکن مذکورہ بالا پیمانہ اگر کام میں لایا جائے تو بڑي حد تک آساني هوجاتي هے اور انتخاب میں زیادہ غلطي نہیں هوتي -

(ایک مثال)

کچھہ مدت پہلے ریلوے میں ایک معمولي جگہ خالي هوئي تھي - اسکے لئے آدمي کا انتخاب میرے سپرد کیا گیا - میں نے اخبارات میں حسب ذیل اعلان شایع کیا :

" ریلوے میں کام کرنے کیلئے ایک امریکن نوجوان کي ضرورت هے - اُسے تجربہ کار اور خوش اخلاق هونا چاهئے - ساٹھہ ڈالر تنخواہ دي جائیگي - تین مہینے امتحان کیا جائیگا - پھر اضافہ و ترقي کا سوال پیدا هوگا - درخواست کرنے والوں کو اپني تین تصویریں بھیجني چاهئیں : ایک اپنے رخسار اور کنپٹي کي - دوسري پورے چہرہ کي - تیسري پورے قد کي "

تین سو درخواستیں آئیں اور چھہ گھنٹے معاینہ میں صرف هوئے - ۲۹۰ - میں نے پہلي هي نظر میں مسترد کردیں - کیونکہ اُنکي شکلوں میں کوئي نمایاں عیب موجود تھا - بعضوں کے لباس اور خط و خال سے صاف معلوم هوتا تھا کہ محض ناکارہ هیں - بعضوں کي هیئت اور قطع بتلا رهي تھي کہ بڑے ضدي هیں - سیکھنے کي قابلیت نہیں رکھتے - بعضوں کے دل و دماغ اور اخلاق کي کمزوري عیاں تھي -

باقي دس تصویروں کي میں نے پوري دیدہ ریزي سے جانچ کي - دو آدمي مطلوب تھے - مگر جانچ میں چار پورے اترے - اور تجربہ نے بتا دیا کہ میري جانچ درست تھي - خود آدمیوں سے ملاقات کرنے سے یہ کہیں بہتر هے کہ اُن کي تصویریں منگا لي جائیں اور اُنکا دقت نظر کے ساتھہ مطالعہ کیا جاے "

(چار تصویریں)

اِسکے بعد مصنف نے نو آدمیوں کي تصویریں درج کي هیں اور هر تصویر کے نیچے صاحب تصویر کے اوصاف بھي درج کردیے هیں :

(۱) دماغي آدمي — یہ شکل ایک ایسے آدمي کي هے جو سنجیدہ ' مطمئن ' حلیم هے - کم منفعل هوتا هے - زیادہ غور کرتا هے - سوچ سمجھکر رائے قائم کرتا هے اور اُس سے کبھي هٹتا نہیں - حال سے زیادہ ماضي پر نظر رکھتا هے - سست عمل هے - مگر هوشیاري سے کام کرتا هے - همیشہ ایک هي طریقہ پر رهتا هے -

قابلیت کا مقیاس و میزان

انسان کے انتخاب میں انتخاب اصلح

هر شخص جانتا هے که دنیا میں وهي کام کامیاب هوسکتا هے جسے اُس کا اهل اور قابل آدمي انجام دے - بہتر سے بہتر کام بهي کامیاب نہیں هوگا ' اگر اسکے لیے اهل آدمي میسر نه آئینگے -

لیکن هر کام کیلئے اُسکي ضرورت کے مطابق اهل آدمي کیونکر چنا جائے ؟ اسکا فیصله آسان نہیں هے -

دنیا میں قدرت الهي کے قوانین عمل میں سے ایک قانون " اِنتخاب اصلح " کا هے - یعنے قدرت هر چیز میں اصلح اور بہتر کو چھانٹ لیتي هے - غیر صالح اور کمتر کو چھوڑ دیتي هے - زندگي ' صحت ' طاقت ' اور کامراني کي ساري بنیاد اسي قانون پر هے - افسوس انسان کي نا مرادي پر ' اگر وہ خود اپني جنس کے انتخاب میں ایسا نه کرسکے !

موجودہ زمانے میں " اهل آدمي کا انتخاب " ایک مستقل علمي موضوع هو گیا هے - اسکے بڑے بڑے ماهر فن هیں - حال میں اس فن کے ایک بہت بڑے امریکن ماهر نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھي هے جو امریکه کي ایک تجارتي انجمن کے اهتمام سے شائع هوي هے - یه دراصل اُن مقالات کا مجموعه هے جو مصنف کتاب نے وقتاً فوقتاً اس موضوع پر لکھے تھے ' اور امریکه کے مختلف علمي رسائل میں شائع هوے تھے - کتاب نہایت مفید اور دلچسپ هے ' اور چونکه ایک خالص نظري مسئله کو عملي اصول و قواعد کي شکل دي گئي هے ' اسلیے علمي حلقوں نے اُس کا نہایت پرجوش استقبال کیا هے - هم وقتاً فوقتاً اسکے بعض ضروري مباحث الهـلال میں شائع کرتے رهینگے - آج اسکے بعض ابتدائي مباحث کا ترجمه هدیهٔ قارئین کرتے هیں -

پہلے باب میں انتخاب اهل کي ضرورت پر بحث کرتے هوے مصنف لکھتا هے :

(انتخاب اصلح)

" تمام کام جبھي انجام پاسکتے هیں جب اهل آدمیوں کے سپرد کئے جائیں ' ورنه آلات کي ایجاد ' بجلي کے استعمال " اور کوئله کي کفایت سے کوئي فائدہ حاصل نه هوگا - یه چیزیں کام میں مدد دیتي هیں ' لیکن کام کو کامیاب نہیں بنا سکتیں - کامیابي صرف اهل و اصلح کارکنوں کے انتخاب پر موقوف هے .

هم هر چیز انتخاب کرتے هیں - کوئي چیز خرید انتخاب کرکے خریدتے هیں - تم بازار میں ایک دانه سیب لینے جاتے هو تو ایک ایک چن کر لیتے هو - یه نہیں کہتے که سب سیب هي هیں ' بغیر انتخاب کے لے لیں - یہي حال آدمیوں کا بهي هے - سیب کي طرح سب آدمي بهي یکساں نہیں هوتے - کچھه اچھے هوتے هیں ' کچھه برے - کچھه اهل هوتے هیں ' کچھه نا اهل - لہذا انمیں بهي انتخاب هونا چاهئے - اچھا اور قابل لے لینا چاهئے - برا اور نا کارہ چھوڑ دینا چاهئے - پھر محض اتناهي کافي نہیں هے که اهل و قابل کا انتخاب کرلیا جاے ' بلکه اُسے اُسي حیثیت میں بهي رکھنا چاهئے جسکا وہ مستحق هے - مثلاً اگر ایک موسیقي داں کو موسیقي کي خدمت کیلئے منتخب کیا جائے ' تو اُسے در بدر پھر کر روٹي کمانے سے مستغني کردینا بهي ضروري هے - تاکه بے فکر هوکر اپني پوري قابلیت سے فائدہ پہنچاسکے "

(معیار انتخاب)

اِسکے بعد اس سوال پر بحث کرتے هوے که " هر کام کیلئے اهل اور صالح شخصیت کے انتخاب کیلئے کوئي معیار اور قاعدہ بن سکتا هے یا نہیں " ؟ لکھتا هے :

" میرے دفتر میں چالیس آدمي کام کرتے هیں - جب میں کوئي نیا کام شروع کرتا هوں اور نئے آدمیوں کي ضرورت محسوس هوتي هے ' تو سب سے پہلے غور کرتا هوں که یه کام آله کے ذریعه سے کیا جاسکتا هے ' حیوان کے ذریعه ' یا آدمي کي ضرورت هے ؟ اگر پہلي صورت ممکن هوتي هے تو وهي کام میں لاتا هوں - کیونکه آلات حیوان و انسان سے بہتر کام کرتے هیں - مثلاً پن چکي ' آب پاشي ' بھاري بوجھه اٹھانا - ظاهر هے یه کام آلات کے ذریعه آساني اور

میں یه گلٹي بہت بڑي هوتي هے ' اور بونوں میں بہت هي چھوٹي هوتي هے - اِس گلٹي کي ایک خاصیت یه بهي بیان کي جاتي هے که وہ خون میں نمکین مادہ کو معتدل رکھتي هے ' اور اُسے اُتني مقدار میں کردیتي هے ' جتني سمندر کے پاني میں هوتي هے -

تاریخ میں بہت سے عمالیق کے نام محفوظ هیں - فرانس میں ایک شخص " جان تورنر " نامي گزرا هے - ۱۵ - برس کي عمر میں اُس کا قد غیر معمولي سرعت سے بڑھنے لگا - یہاں تک که ۸ - فٹ ۳ - انچ تک پہنچ گیا - اُس کا جوتا ۱۴ - انچ لمبا هوتا تھا -

مرنے پر اُس کے دماغ کا وزن کیا گیا تو دو سیر ڈھائي اونس تھا - سرکي جانچ کرنے پر معلوم هوا که اُس کي دماغي گلٹي بہت بڑي تھي -

ڈاکٹروں کا خیال هے که وہ زمانه جلد آنے والا هے جب انسان چند نشتر کي پچکاریاں (یعني انجیکشن) لیکر اپنا قد جتنا چاهے گا بڑھا لے گا - اگر کتے کو انجیکشن دیدیا جائیگا تو وہ گھوڑے کے برابر هو جائیگا - یه بات بظاهر عجیب معلوم هوتي هے - مگر علم جس سرعت سے ترقي کر رها هے ' اُسے دیکھتے هوے اب کوئي بات بهي عجیب نہیں رهي هے -

فرانسيسي اولوالعزمي کي قرباني

کپتان ننجيسر کي مفقود الخبري !

بيسويں صدي کے تمام وسائل علم و احاطه کي شکست !

انسان کي علمي اولوالعزميوں اور قدرت کي قهرماني حکومت ميں ايک مسلسل جنگ جاري هے !

اُس نے سمندر کے طوفانوں کا مقابله کيا اور طاقتور سے طاقتور جهاز طيار کر ليے ٬

اُس نے زمين کي پهنائي کا مقابله کيا ٬ اور بهاپ اور بجلي پر قبضه کرکے ايسي سوارياں بنائيں ٬ جو ايک منٹ ميں دو دو ميل طے کرليتي هيں !

اُسنے آسمان کي طرف ديکها - هوا ميں پرند هر طرف اڑ رهے تهے ٬ ليکن انسان کيليے کوئي جگه نه تهي - بالاخر اُس نے يهاں بهي کاميابي حاصل کي ٬ اور ايسے طيارے ايجاد کرليے جو تمام کرۂ ارضي کي فضا ميں چکر لگا رهے هيں !

ان پے درپے کاميابيوں کے بعد اُسنے دم ليا ٬ اور فخر و غرور سے سر اٹهايا - خشکي ٬ تري ٬ هوا : تينوں مسخر هو چکے هيں !

ليکن قدرت ! اٹل ٬ بے پروا ٬ بے مهر ٬ اور فرمان قدرت ! کيا اُسکے حاکمانه قوانين بهي مسخر هونگے ؟ کيا سچ مچ کو انساني اولوالعزمي نے اُسے شکست ديدي ؟

اولوالعزم انسان کا سر اپني بے بسي کے تصور سے جهک گيا - کيونکه اُس نے ديکها که ان ساري اولوالعزمانه کامرانيوں کے بعد بهي اُس تناسب ميں کوئي فرق نهيں آيا هے جو اُسکي بے بسي اور قدرت کي حاکمانه سطوت کا روز اول سے قائم هوچکا هے !

پهلے وه چهوٹي چهوٹي باد باني کشتيوں ٬ جانوروں کي سواريوں ٬ اور دشت و جبال کے قافلوں ميں قوانين قدرت کے سامنے بے بس تها - اب بيسويں صدي کے دخاني جهازوں ٬ زير آب کشتيوں ٬ برق رفتار ريلوں ٬ اور باد پيما طياروں کے اندر بے بس هے !

قدرت اُسے بڑهنے سے نهيں روکتي - خود اُکساتي رهتي هے که آگے بڑهے - ليکن يه گوارا نهيں کرتي که اُسکي بے بسي کي حديں ٹوٹ جائيں - وه برابر بڑهتا رهيگا - قدرت اُسے برابر دعوت اقدام ديتي رهيگي -

ليکن اُس کي بے بسي ٬ بيچارگي ٬ بے دست و پائي : تو وه اٹل هے ٬ آمنت هے ٬ نا قابل تغير هے ٬ ابدي هے ٬ اُس کي پيشاني خلقت کي سر نوشت هے جو قلم قدرت نے صبح ازل کي روشني ميں نقش کردي هے - اُس کا مقام بدلتا رهيگا - کل تک وه جس جگه کهڑا تها ٬ آج اُس سے سيکڑوں کوس اونچا هوگيا هے - کل اس سے بهي بلندي پر هوگا - مگر فضاء عالم لا متناهي هے - وه کتنا هي بلند هوتا جائے ٬ پهر بهي بلندي باقي هي رهيگي !

قارئين الهـلال کپتان ننجيسر کي هوائي مهم اور اُسکے نتيجه سے بے خبر نهيں هيں - گذشته نمبر ميں همارے مقاله نگار پيرس کي چٹهي شائع هوچکي هے جس نے نهايت موثر پيرايه ميں اس مهم کي مفقود الخبري کي سرگذشت سنائي تهي - اب کئي هفته اور گزر چکے - اس عرصه ميں رايوٹر نے دو مرتبه ايسي خبريں ديں ٬ جس سے اميد بندهي که کم از کم کپتان کي موت کا سراغ لگ جايگا - ليکن بعد کو پهر انکي تغليط کردي گئي - نتيجه يه نکلا که دنيا اب تک اس اولوالعزمي کے نتيجه سے بے خبر هے !

هر ايجاد کي طرح طياروں کي ايجاد بهي علمي قربانيوں کي ايک بهت بڑي داستان هے ٬ ليکن موجوده عهد ميں هوائي مهموں کي مفقود الخبري کا يه غالباً چهٹا يا ساتواں واقعه هوگا - اس سے پهلے انگلستان ٬ امريکه ٬ اٹلي ٬ اور هالينڈ کے متعدد طيارے مفقود الخبر هوچکے هيں -

کپتان ننجيسر

ليکن موجوده عهد ميں انساني قافلوں کي مفقود الخبري کس درجه عجيب واقعه هے ؟ ريل ٬ ڈاک ٬ تار ٬ لاسلکي ٬ نے تمام دنيا کو ايک کرديا هے ٬ خشکي اور تري کا چپه چپه اور گوشه گوشه ايک دوسرے سے ملگيا هے ٬ بيسويں صدي کي معلوم ٬ محکوم ٬ اور مسخر دنيا هے ٬ اور انسان کي علمي اور عقلي فتح منديان اپنے منتهاء عروج تک پهنچ چکي هيں - تاهم قدرت کي حاکمانه سطوت کے مقابلے ميں انسان اب بهي اسدرجه بے بس هے که دنيا کے تمام وسائل علم و اطلاع جواب ديچکے هيں اور اب تک نه تو اس هوائي مشين کا کچهه سراغ لگ سکا هے ٬ نه اُسکے اولوالعزم سائق کا کچهه پته چلا هے - دنيا فرانس اور امريکه کے هوائي مقابله کے نتيجه کيلئے مضطرب تهي ٬ ليکن اُسے ايک دوسرے هي مقابله کے نتيجه کي خبر سنني پڑي - وه مقابله ٬ جسميں ايک طرف قدرت الهي کي اٹل حاکمانه سطوت هے ٬ دوسري طرف انسان کے ناقص اور محدود علم کي بلند پروازياں هيں ! و ما اوتيتم من العلم الا قليلا -

نمبر ۱

(۲) دماغي عملي آدمي ـــ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا ھے - بلند ھمت ھے - محنتي ھے - مضبوط ارادہ رکھتا ھے - شک کو پاس آنے نہیں دیتا - فصیح اللسان ھے - اپني قوت اور اپنے کام کي اھمیت پر یقین رکھتا ھے - صاف دماغ کا مالک ھے -

(۳) عملي دماغي آدمي ـــ خوش کلام - دلوں کا محبوب - سب کو راضي رکھنے والا' بلند ھمت' فراخ دل' ترقي اور محنت کا شیدائي - بہت حرکت کرنے والا' بہت نفع پہنچانے والا' تنہائي میں کام کرنے والا' مستقل مزاج -

(۴) عمل کي قوت نفوذ رکھنے والا آدمي ـــ مضبوط ارادہ' مضبوط رائے' سخت مزاج' سنگ دل' جلد منفعل ھوجانے والا' تنہائي پسند' بھروسہ اور اعتماد کے لائق - اس کي مثال اس ھیرے کي سي ھے جو خراد سے ھنوز محروم ھے -

(۵) مستعد عملي آدمي ـــ سخت اور درشت مزاج' عزم صادق کا مالک' کم غور کرنے والا' اپنے نفس پر بھروسہ رکھنے والا' کتني ھي مشکلات ھوں مگر اپنے ارادہ پر عمل کرنے والا -

(۶) دماغي عملي آدمي ـــ خوش گفتار' بڑي بڑي اسکیمیں سوچنے والا' دوسروں پر اثر ڈالنے والا' اپنے اصلي خیالات چھپانے والا' اپني رائے پر جما رھنے والا' گرد و پیش پر نظر رکھنے والا' اپنے اوپر بہت بھروسہ رکھنے والا' صاف دماغ کا مالک -

(۷) دماغي عملي آدمي ـــ مستقل رائے رکھتا ھے' زیادہ نفع پہنچاتا ھے - معاملات پر صحیح رائے رکھتا ھے - خوش تقریر ھے - صاف بیان ھے - فراخ دل ھے - ترقي اور رفاہ عام کے کام زیادہ پسند کرتا ھے -

(۸) دماغي آدمي ـــ نرم مزاج' محبوب' حلیم' مضبوط رائے رکھنے والا' سست عمل' مفکر' متاثر نہیں ھوتا' حق کو سنتا ھے اور قبول کرلیتا ھے -

نمبر ۲

(۹) دماغي عملي آدمي ـــ صاف رائے رکھتا ھے' بحث میں قوي دلیلیں لاتا ھے' مخلص ھے' حق کا جویا ھے' زندہ ضمیر کا مالک' معتمد ھے' مخاطب کو اپني گفتگو سے قائل کردیتا ھے -

ان نو قسموں میں اصولي قسمیں در اصل چار ھیں : دماغي' عملي' دماغي عملي' عملي دماغي - اور انھي کے متعدد نمونے دکھائے گئے ھیں - دماغي اور عملي کا مطلب واضح ھے - " دماغي عملي " سے مقصود ایسي شخصیت ھے جسکے خصائل میں اگرچہ عملیت کا عنصر بھي موجود ھے لیکن غلبہ دماغیت کو ھے - " عملي دماغي " اسکے برعکس ھے - اسمیں عملیت غالب اور دماغیت مغلوب ھوتي ھے - خالص " دماغي " عملي قوت سے' اور خالص " عملي " دماغي اوصاف سے عاري ھوتا ھے -

ھم اس مضمون کي وضاحت کے لیے چار تصویریں بھي کتاب سے نقل کردیتے ھیں جن سے چار اصولي قیافے واضح ھو جائینگے :

(۱) دماغي

(۲) عملي

(۳) دماغي عملي

(۴) عملي دماغي

تصویر نمبر (۱) خالص دماغي کي ھے - ھرشخص جو انسان شناسي کي کچھ بھي نظر رکھتا ھے' پہلي نگاہ ھي میں رائے قائم کرلیگا کہ اسکے خط و خال کي مجموعي شہادت ذھن و فکر کا اعلان ھے - عملیت سے خالي ھے - مگر نمبر (۲) اسکے برعکس ھے - یہ ایک شخص عملي قیافہ ھے جسمیں ذھنیت کي ھلکي سي جھلک بھي نظر نہیں آتي - نمبر (۳) اور (۴) میں پہلي ذھنیت کے غلبہ اور عملیت کي موجودگي کا پتہ دیتي ھے' اور دوسري میں عملیت کے غلبہ کے ساتھ ذھنیت کا عنصر بھي نمایاں ھے -

نمبر ۳

نمبر ۴

جولائی سنه ١٩٢٧ مین جولائی سنه ١٩٢٥ پر ایك نظر!

دیش بندهو چترنجن داس

١٧ - جون سے پہلي جولائي تک تمام ملک کے دیش بندهو چترنجن داس کي یادگار میں جلسے منعقد کیے هیں - یه دیکهکر بے اختیار خیال سنه ١٩٢٥ - کي طرف منتقل هوگیا - سنه ٢٥ - اور سنه ٢٧ - میں صرف دو برس کي مدت حائل هے ' لیکن ان دو برسوں کے اندر ملک کي سیاسي و قومي زندگي میں کیسي کیسي عظیم تبدیلیاں هوگئیں ؟ سنه ٢٥ - اگرچه سنه ٢٠ - اور سنه ٢١ - نه تها - مگر پهر بهي سنه ٢٥ - تها - ٢٦ - اور ٢٧ - نه تها - کاش سنه ٢٧ - میں هم سنه ٢٥ - کي زندگي هي واپس لا سکیں !

اس تقریب سے مسٹر سي - آر - داس کي شخصیت بهي سامنے آگئي - في الحقیقت ملک کو اسکي موجوده منزل حیات میں ایسے هي سیاسي رهنماؤں کي ضرورت تهي - دو سال گزر گئے مگر ابتک داس کي جگه ملکي رهنماؤں کي صف میں خالي هے ' اور نهیں معلوم کب تک خالی رهیگي !

جولائي سنه ٢٥ - میں مسٹر داس کي وفات پر ایک تحریر حوالهٔ قلم هوئي تهي ' تاکه ایک مقامي انگریزي اخبار کے خاص نمبر میں شائع هو - مناسب معلوم هوا که اس موقعه پر اسے شائع کردیا جائے - جولائي سنه ٢٧ - میں جولائي سنه ٢٥ - کے افکار و خیالات پر یه ایک نظر باز گشت هے !

(تاریـــخ کا انتظار)

فرانس کے مشهور مصنف وکٹر هیوگو Victor Hugo نے والٹیر Voltaire کي صد ساله یادگار مناتے هوے کها تها " زندگي کتني هی شاندار اور عظیم هو لیکن تاریخ اپنے فیصله کیلئے همیشه موت کي منتظر رهتي هے " اگر یه سچ هے تو هندوستان کے مورخ کا انتظار ختم هوچکا - دیش بندهو چترنجن داس کي زندگي کي عزت اب تاریخ کے اوراق کیلئے ایک فیصل شده واقعه هے - وه اپني زندگي میں اپنے لیے جو بات نهیں بتلا سکے تهے ' اپني موت سے دنیا پر آشکارا کرگئے !

هندوستان نے اپني جدید تاریخ میں شاید هي کسي قومي رهنما کي موت پر ایسا عالمگیر ماتم کیا هوگا ' جیسا دیش بندهو کي ناگهاني وفات پر هوا - ١٩ - جون کو جب اُنکي نعش کلکته کي طولاني سڑکوں پر سے گزري تو اس عظیم الشان شهر نے اپني پوري آبادي استقبال کیلئے صف بسته کردي تهي - ماتمي انسانوں کا ایک صحرا تها جو ایک کناره سے دوسرے تک پهیلا هوا تها - غمگین دلوں اور اشکبار آنکهوں کي وه اَن گنت تعداد اسکے علاوه هے جو راس کماري سے لیکر کشمیر تک ' هر جگه هندوستان میں دیکهي جا سکتي تهي !

پهلي جولائي کي مغموم اور خاموش سه پهر کے اضافه نے اس ماتم کي تاثیر اور زیاده مکمل کردي - اس دن بر اعظم هند کے گوشے گوشے میں ماتمي مجلسیں منعقد هوئیں جنکي روئداد سے اسوقت تک اخبارون کے صفحے رکے هوے هیں -

هندوستان جو بد قسمتي سے زندگي کے هر گوشے میں طرح طرح کے تفرقوں میں بٹ چکا هے ' موت نے اس ماتم میں کس طرح متحد هوگیا تها ؟ مذهب ' نسل ' جماعت ' کوئي اختلاف بهي یه اتحاد نه روک سکا - سب نے به یک وقت محسوس کیا که هم میں سے ایک بڑي زندگي جدا هوگئي هے - ان میں بہت سے ایسے بهي تهے جو انکي زندگي میں انکي پیروي نه کرسکے تهے - بهت سے ایسے بهي تهے جنکے قدم همیشه انکے خلاف اٹها کرتے تهے - تاهم جب وه مر گئے ' تو ان میں سے کوئي بهي اپنے آپکو اُنکي عزت سے نه روک سکا - زندگي کیلئے موت کا یهي فیصله هے جسکا تاریخ انتظار کیا کرتي هے !

(موت کا ماتم اور زندگي کے آثار)

هندوستان کے کروڑوں دلوں کا یه متحده احساس هندوستان کي موجوده تاریخ کا ایک اهم واقعه هے - ایسے هي واقعات سے احساس قومیت کے ضعف و قوت اور اس کے نشو ؤنما کا صحیح اندازه لگایا جاسکتا هے - اس میں صرف ایک هر دلعزیز انسان کي موت کا غم هي نهیں هے - بلکه کروڑوں دلوں کي زندگي کي جهلک بهي دکهائي دے رهي هے - یه موت کي مایوسي میں زندگي کي امید هے - اس سے معلوم هوتا هے که ملک کي عام زندگي مین غفلت اور افسردگي کتني هي نمایاں هوگئي هو ' لیکن اُس کي تهه میں ایک گهري اور حقیقي بیداري جگه پکڑ چکي هے ' اور جیسا که تاریخ کا تجربه شهادت دیتا هے ' بیداري کي یه اندروني قوت جب ایک مرتبه جگه پکڑلے تو پهر اسے پامال نهیں کیا جاسکتا - یه اپنے نشو ؤنما اور تکمیل میں همیشه سے اٹل رهي هے اور همیشه اٹل رهیگي !

(دیش بندهو کي کامیابي کا راز)

لیکن میں اسوقت اتنا دور نهیں جانا چاهتا - میں تو صرف اس بات پر غور کرنا چاهتا هوں که اس شخصیت نے به حیثیت ایک سیاسي رهنما کے جو کامیابي حاصل کي ' اسکا راز کیا هے ؟ هر شخص کو معلوم هے که ان کي ملکي رهنمائي کي عمر کوئي بڑي عمر نهیں هے - اُن کي نمایاں قابلیتوں پر اگرچه عرصه سے نظریں پڑ رهي تهیں اور سنه ١٩١٧ میں وه اچهي طرح پبلک پلیٹ فارم پر نمایاں هوگئے تهے ' تاهم ان کي رهنمائي کا اصلي زمانه تحریک لا تعاون (نوان کوا پریشن) سے شروع هوتا هے - یه زیاده سے زیاده پانچ سال کا زمانه هے - اتنے قلیل عرصه کے اندر هي انهوں نے هندوستان کي تاریخ میں اپني نمایاں جگه بنا لي اور تمام ملک کے قلوب فتح کرلیے - همیں معلوم کرنا چاهیے که اس غیر معمولي کامیابي میں اُنکے ان غیر معمولي اوصاف کو زیاده دخل تها ؟

جس طرح ایک مکمل تصویر بنانے کیلیے کوئي ایک رنگ هي کافي نهیں هوتا - اسي طرح ایک بڑے آدمي کیلیے بهي کوئي ایک قابلیت کافي نهیں هو سکتي - کتنے هي مختلف رنگ چاهئیں جنسے کمال اور بڑائي کي ایک شاندار تصویر کهینچي جا سکتي هے - دیش بندهو میں یه مختلف اوصاف اپني کافي مقدار میں جمع هوگئے تهے - وه دماغي اور اخلاقي ' دونوں طرح کے وصفوں سے مالدار تهے - انکي ذهانت غیر معمولي تهي - اُنکي رائے تعجب انگیز حد تک صائب اور بحث و استدلال کي قوت اعلی درجه

بات کے قائل نہیں تھے کہ انتظار کرو اور سونچو - " جو پتھر راستے میں آجاے اسے فوراً ھٹا دینا چاھیے اور رکنا نہیں چاھیے " یہی آنکے سفر کا دستورالعمل تھا - شکسپیر نے ھملت میں انسانی دماغ کی وہ حالت بتلائی ھے جب وہ حیران ھوکر سونچتا ھے " کروں یا نہ کروں ؟ " یہ " کروں یا نہ کروں " آن میں نہ تھا !

آنکا دوسرا وصف بھی ایک طرح اسی وصف کے ساتھہ بیان کیا جا سکتا ھے - ھندوستان کی قومیت کی راہ میں سب سے زیادہ مشکل روک ھندو مسلم مسئلہ کی پیچیدگیاں ھیں - حالات ایسے گہرے اور شدید ھیں کہ بسا اوقات ایک بڑا سے بڑا ھندوستانی محب الوطن بھی فرقہ وارانہ تنگ نظری سے اپنے دماغ کی نگہبانی نہیں کر سکتا - بڑی ھی ھمت، عشق وطن اور جنون آزادی کا بڑا ھی طاقتور جذبہ چاھیے جو ھمیں ایسی بلندی پر پہنچادے جہاں تک ان نچلے جذبات کی رسائی نہو - میں وثوق کے ساتھہ

موت سے دو دن پہلے

کہہ سکتا ھوں کہ چترنجن داس نے ایسی بلندی حاصل کرلی تھی اور وہ کسی حال میں بھی اُس سے اُترنے کیلئے طیار نہ تھے - اس بارے میں آنکا دل فراخ اور فیاض تھا - وہ ملک کی آزادی اور نجات کیلئے وہ ساری چیزیں قربان کردینے کیلئے طیار تھے، جو اس اعلی مقصد سے کمتر درجہ کی ھو سکتی ھیں - صرف یہی روح ھندوستان کا مسئلہ حل کر سکتی ھے - افسوس کے ساتھہ اعتراف کرنا پڑتا ھے کہ یہ مقام اسوقت تک بہت کم ھندوستانی رھنماؤں کو حاصل ھو سکا ھے -

(میثاق بنــــگال)

ھندو مسلم مسئلہ کے سلسلے میں " میثاق بنگال" (بنگال پیکٹ) ان کی زندگی کا مشہور واقعہ ھے - اس پر موافق مخالف، دونوں طرح کی رائیوں کا نہایت پر جوش مظاھرہ ھوچکا ھے - لیکن اسوقت تک بہت کم لوگوں کو معلوم ھوگا کہ یہ میثاق وجود میں کیونکر آیا تھا ؟

جن لوگوں کو ھندو مسلم مسئلہ کی عملی مشکلات کا علم ھے، وہ جانتے ھیں کہ معاملہ کس درجہ مشکل اور پیچیدہ ھے ؟ معاملہ کی کوئی جانب اختیار کی جائے، ضروری ھے کہ مشکلوں اور مزاحمتوں کا ایک طوفان عظیم سامنے آجائے - گزشتہ فروری (سنہ ۱۹۲۴) میں دھلی کی آل پارٹیز کانفرنس نے کامل ایک ھفتہ تک نشست جاری رکھی لیکن بالآخر بلا کسی فیصلہ کے منتشر ھوگئی - ایسا مشکل اور ھمت آزما معاملہ جب دیش بندھو کے سامنے اچانک آگیا تو انہوں نے کیا کیا ؟ میں پہلی مرتبہ لوگوں کو بتلانا چاھتا ھوں کہ صرف پانچ منٹ کے اندر فیصلہ کردیا !

یہاں میں نے پانچ منٹ تھوڑے وقت کے معنی میں مجازاً استعمال نہیں کیا ھے - بلکہ سچ مچ گھڑی کے پانچ منٹ مراد ھیں - بنــگال لیجس لیٹو کاونسل کے انتخاب سنہ ۲۳ - سے جب ھم فارغ ھوے، تو مخالفین نے کانگرس کو ناکام رکھنے کے لئے ھر طرح کے ھتیار آزمانا شروع کردیے - ان میں سب سے زیادہ موثر اور آزمودہ ھتیار فرقہ وارانہ حقوق کا مسئلہ چھیڑ دینا تھا - اُس وقت کاونسل کے اندر اور باھر، دونوں جگہ جماعت کی کامیابی بہت کچھہ اسپر موقوف تھی کہ مسلمان کیا طرز عمل اختیار کرتے ھیں ؟ جیسا کہ معلوم ھے، مسلمان دو جماعتوں میں منقسم تھے : ایک جماعت کانگرس کے ساتھہ تھی - ایک باھر - کانگرس کی کوشش تھی کہ تمام مسلمان کانگرس کا ساتھہ دیں - مخالفین کوشش کر رھے تھے کہ ھندو مسلم مسئلہ چھیڑ کر انہیں اس سے باز رکھا جائے - اس اثناء میں وہ ایک عجیب چال چلے - انہوں نے ممبران کاونسل سے کہا کہ اگر کانگریس پارٹی میں شامل ھی ھونا چاھتے ھو تو کم از کم اِس کا فیصلہ کرلو کہ مزید سیاسی حقوق ملنے پر مسلمانوں کی نمائندگی کا کیا حال ھوگا ؟ یہ انہوں نے اس لئے کہا کہ اُن کا خیال تھا، مسلمانوں کی جانب سے جو مطالبات پیش ھونگے، اُنھیں کانگرس

تک دسترس تھی - اُنکا دماغ ایک ایسا سانچہ تھا جو کوئی ٹیڑھی اور نا ھموار چیز قبول ھی نہیں کرتا تھا - کوئی معاملہ کتنا ھی اُلجھا ھوا ھو ' وہ فوراً صاف اور صحیح پہلو پا لیتے تھے اور پھر اُسے بحث مخاطب کتنا ھی اُلجھائے ' اُنکا دماغ متاثر نہیں ھوتا تھا - اُنکی قوت تقریر ایک مانی ھوئی بات ہے - انکی تقریر میں نہ تو صرف [illegible] فصاحت ھوتی تھی نہ صرف خشک استدلال ' بلکہ خطابت (آریٹری) کے یہ دونوں ضروری عنصر اپنی مناسبت کے ساتھ موجود ھوتے تھے ' اور جیسا کہ یونانی مقرروں کا مقولہ ہے ' ایک مقرر کیلئے سب سے بڑا وصف یہی ہے کہ ان دونوں عنصروں کی ترتیب میں بے اعتدالی سے محفوظ رہے - انکے دماغ سے کہیں زیادہ اُنکا دل [illegible] تھا - حب الوطنی کے شعلوں سے اُنکے دل کا تنور ھمیشہ گرم رھتا تھا - وہ اپنی زندگی میں بھی ایک جلتی ھوئی چتا تھے - اُنکی فیاضی اور ابناء جنس کی بے پایاں ھمدردی کا سب نے بطور ایک مسلم واقعہ کے ذکر کیا ہے - اُنکی فیاضی علماء اخلاق کے نزدیک اسراف سمجھی جائیگی - سب جانتے ھیں کہ انہوں نے لاکھوں روپئے کمائے ' لیکن جب [illegible] پیشہ چھوڑ [illegible] اور [illegible] خرچ کیلئے پیسہ تک [illegible] کا [illegible] نہیں - انہوں نے وطن کی خدمت کیلئے سچ مچ کو زندگی کی ساری آسائشیں قربان کردیں - جو زندگی اعلی آسائش پسند سوسائٹی کی شاندار زندگی تھی اوس کے اندر کی ایک چادر پر قانع ھوگئے تھے !

اُنکے یہ تمام اوصاف آج موافق مخالف ' سب کی نگاھوں کو [illegible] ھیں - لیکن میں صرف انکے ھی پر قانع نہیں ھو سکتا - میں اس سے بھی زیادہ کوئی بات معلوم کرنی چاھتا ھوں - یہ اوصاف کتنے ھی غیر معمولی ھیں - لیکن ایسے نہیں ھیں جن میں دوسروں کا حصہ نہو - ھندوستان اسوقت رھنماؤں اور رھنمائی کی قابلیت رکھنے والوں سے مفلس نہیں ہے - اُسکے رھنماؤں کی صف کافی طویل ہے - ان میں ایسے لوگ بھی موجود ھیں جو بجا طور پر ان اوصاف کا کم و بیش دعوا کر سکتے ھیں - پس ھمیں صرف اسی حد تک رک نہیں جانا چاھیے - ھمیں جستجو کرنی چاھیے کہ انکے رھنمایانہ خصائص کے وہ خاص اوصاف کیا تھے جنکی وجہ سے انہوں نے اتنے قلیل عرصہ میں ایسی ممتاز کامیابی حاصل کرلی ؟

(دو وصف)

میرے خیال میں انکے دو خاص وصف ایسے تھے جن میں اُنکی رھنمایانہ زندگی کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے - میں ان دو وصفوں کو اُنکی ساری قابلیتوں میں اُبھرا ھوا دیکھتا ھوں :

اول یہ کہ انکے اندر ایک نڈر اور بے باک قوۃ عمل موجود تھی -

ثانیاً یہ کہ انکی حب الوطنی اور قومیت فرقہ وارانہ جذبات سے پوری طرح پاک و صاف تھی -

یہ دو باتیں کہنے میں بہت معمولی ھیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے - انہی دو وصفوں کے اندر ایک ھندوستانی رھنما کیلیے آج سب سے بڑی آزمایش مضمر ہے - میں خیال کرتا ھوں دوسرے وصف کے بغیر تو ھندوستان جیسے ملک میں سچی حب الوطنی اور قومیت کا نشوؤ نما ھو ھی نہیں سکتا -

نڈر اور بے باک قوت عمل سے میرا مقصود یہ ہے کہ ھم میں ایک بے باک اور خطرہ میں کود پڑنے والے سپاھی کی طرح کام کرنے کی روح موجود ھو - جو بات ھمارے اعتقاد میں سچی اور ضروری ھو ' بغیر تامل اور تذبذب کے اُٹھیں اور کر بیٹھنے کیلیے طیار ھو جائیں - بہت زیادہ سوچنا ' دیر تک مذبذب اور متردد رھنا ' قدم اٹھانا اور پیچھے ھٹا لینا ' طرح طرح کے نقش بنانا اور چاک کردینا : ایک مفکر (تھنکر) کیلیے بہترین اوصاف ھوں لیکن ایک قائد (لیڈر) کیلیے نہ صرف غیر ضروری ' بلکہ میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ھوں کہ بسا اوقات عیوب میں داخل ھیں - ایک قائد کی راہ ایک فلاسفر کی راہ سے مختلف ھوتی ہے - قائد میں تخیل سے زیادہ عملیت ھونی چاھیے - اسے ھم حکیم سے نہیں مگر سپہ سالار سے تشبیہ دے سکتے ھیں - ایک سپہ سالار اگر نقشۂ جنگ سوچنے میں ایک مفکر کی طرح غرق ھو جائے ' تو میدان جنگ کیلیے یقیناً کوئی دوسرا جنگ آزما ڈھونڈھنا پڑیگا - نپولین نے جنگ مرنگو کا نقشہ ضرور ترتیب دے لیا تھا ' لیکن کوہ الپس کی نا قابل عبور چوٹی سے جب فرانسیسی فوج گزر گئی تو یہ اُسکے دماغ کا نہیں ' اُسکی بے باک شجاعت و ھمت کا کام تھا !

اگر تمہارا مطلوب سچا نیشنلزم ہے - اگر تمہاری حریت طلبی ایک دھوکا نہیں - تو سب [illegible] [illegible] دو - سب کے ساتھ فیاضی اور فراخ دلی برتو - سب کو اپنے ساتھ لو - اور پھر دفتری اقتدار سے نہو کہ جگہ خالی کردے - چترنجن داس

چترنجن داس کے اسی وصف کا مجھپر خاص طور پر اثر ہے - ممکن ہے وہ سوچنے میں سست ھوں ' لیکن کر گزرنے میں بے دھڑک اور بے باک تھے - کوئی معاملہ کیسا ھی بحث طلب اور پیچ در پیچ کیوں نہ ھو ' وہ فوراً ایک راے قائم کرلیتے اور پھر بے دھڑک چل کھڑے ھوتے تھے - جھجھک اور تذبذب کو انکی سیرت (کیریکٹر) میں جگہ نہیں ملی تھی - وہ عملی سیاست میں اس

۱۹ - جون سنه ۱۹۲۵ - کو کلکته کي تمام آبادي سڑکوں پر جمع هوگئي تهي تاکه مسٹر داس کي نعش کا استقبال کرے۔
لیکن اپریل سنه ۲۶ - میں یهي آبادي سڑکوں پر دوباره جمع هوگئي تاکه ایک
دوسرے کا سر پهوڑے !

پارٹي منظور نہ کر سکے گي- نتيجہ يہ نکليگا کہ مسلمان مايوس ہوکر الگ ہو جائينگے ' اور مسلمانوں کي علحدگي کے بعد کانگرس پارٹي نہ تو کاونسل کے اندر کچھہ کر سکيگي - نہ باہر مضبوط ہو سکيگي -

چنانچہ مسلمانوں کے مطالبات کي ايک فہرست ايک بڑے سرکاري افسر کے يہاں طيار کي گئي - اچانک ايک دن صبح مجھے معلوم ہوا کہ آج مطالبات پيش کيے جائينگے - ميں نے اُسي وقت مسٹر داس سے بذريعہ ٹيلي فون گفتگو کي - ميں نے دريافت کيا کہ

دوسرا خطرہ پيدا ہوگيا - يعني مخالفت کا وہ طوفان عظيم جو اس کے خلاف شروع ہوا - ليکن اسکے فرو کرنے کيلئے بھي ہم اس وقت کافي طاقتور تھے -

(کارپوريشن کي ميرشپ)

شايد کلکتہ سے باہر بہت کم لوگوں کو يہ بات معلوم ہوگي کہ جب کارپوريشن کلکتہ کے پچھلے انتخابات ميں کانگرس کو کاميابي ہوئي ' اور کارپوريشن کے پہلے مير کے انتخاب کا مسئلہ پيش آيا '

دارجلنگ ميں جنازہ کا کلکتہ کي طرف کوچ

اگر يہ مطالبات پيش ہوے تو آپکا طرز عمل کيا ہوگا ؟ انہوں نے بلا کسي تامل کے جواب ديا " ميں فوراً منظور کر لونگا - کوئي وجہ نہيں کہ ايک معقول مطالبہ منظور نہ کيا جاے اگرچہ بے موقعہ پيش ہوا ہو " - يقيناً انہوں نے يہ فيصلہ پانچ منٹ سے بھي کم ميں کرديا تھا !

اس طرح ايک سخت خطرہ سے فوراً نجات ملگئي - البتہ ايک

تو مسٹر داس بالکل طيار نہ تھے کہ خود مير منتخب ہوں - پہلي مرتبہ جب اس بارے ميں مجھہ ميں اور اُن ميں مشورہ ہوا تو انہوں نے زور دے کر کہا " ميں چاہتا ہوں پہلا مير ايک مسلمان ہو - يہ اُس روح کا عملي ثبوت ہوگا جو کانگرس پارٹي نے مسلمانوں کي نسبت ظاہر کي ہے - اور چونکہ بجز تمہارے اور کوئي مسلمان ايسا موجود نہيں جسے ہم سب بالاتفاق منتخب کرليں ' اسليے تم اسکے ليے

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم؟
(۳۰ : ۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

مغربِ اقصیٰ اور اندلس پر ایک نظرِ اعتبار!

ایک مصری سیاح کے تاثرات

الجزائر

۹۷ سال سے الجزائر پر فرانس کا قبضہ ہے - فرانسیسوں کی چستی و چالاکی، ذہانت و ذوق مشہور ہے - الجزائر اس کی بہترین نمائش گاہ ہے - ملک کا اکثر حصہ، جنت کا نمونہ بن گیا ہے - اسمٰعیل پاشا خدیو نے مصر کے لئے دعا کی تھی کہ "افریقہ کا یہ خطہ یورپ بن جائے" خدا نے الجزائر میں اُن کی دعا قبول کرلی! - محال ہے کہ کوئی سیاح اسے نیم متمدن افریقہ سمجھے - اب یہ یورپ کا ایک ٹکڑا اور بہترین ٹکڑا ہے، فرانس کا ٹکڑا ہے، بلکہ فرانس کا سب سے بہتر ٹکڑا — پیرس ہے!

الجزائر "پیرس" بن گیا ہے - یعنی الجزائر کی سرزمین لیکن اس سرزمین کے باشندوں کا کیا حال ہے؟ کیا اُنھیں بھی "پیرس" کے باشندوں کی زندگی حاصل ہے؟ افسوس! سرزمین "بہشت" بن گئی ہے مگر اس کے بدنصیب باشندوں کے لئے غلامی اور غلامی کی زندگی کے "جہنم" کے سوا کچھ نہیں ہے! وہ نہ تو "افریقی" رہے اور نہ "فرانسیسی" بن سکے - فرانسیسی تمدن اس سرزمین پر قبضہ کرتا جاتا ہے، اور وہاں کے اصلی باشندے جگہ چھوڑتے جاتے ہیں گویا نئی تہذیب انہیں دھکیل رہی ہے، اور ملک کے اُن گوشوں کے اندر قید کر رہی ہے جو علم و تمدن کی روشنی سے محروم ہیں -

الجزائر کے بڑے شہروں میں دیسی باشندوں کا کوئی گھر نظر نہیں آتا، بازاروں میں ان کی کوئی بڑی دوکان نہیں - چائے خانوں، سیرگاہوں، درجہ اول کی گاڑیوں میں کبھی الجزائری نظر نہیں آئے گا - گویا پورا ملک اپنے اصلی باشندوں سے خالی ہوگیا ہے بڑی تلاش کے بعد شہروں میں دو چار حقیر اور میلے کچیلے محلے ملتے ہیں - الجزائری انھیں محلوں میں قید ہیں - یورپین محلوں اور بازاروں میں اگر آتے بھی ہیں تو بھیک مانگنے، مزدوری کرنے، گاڑیاں چلانے وما کان اللہ لیظلمہم، ولکن کانوا انفسہم یظلمون!

الجزائر میں الجزائریوں کی تعداد برابر کم ہو رہی ہے - اور فرانسیسی بڑھ رہے ہیں - اُن کا ٹڈی دل یورپ سے چلا آرہا ہے اور الجزائری جوق جوق پہاڑوں اور بیابانوں کی طرف بھاگ رہے ہیں حتیٰ کہ اسوقت ان کی آبادی چھ میں ایک رہ گئی ہے - بڑے بڑے شہروں میں ان کی تعداد اور بھی کم ہے - پائے تخت میں ایک چوتھائی سے بھی کم ہونگے!

اگر تاریخ کا افسانہ صحیح ہے اور قومیں اُسی طرح فنا ہوجاتی ہیں جس طرح افراد اور حیوانات و نباتات، تو تاریخ کو اپنے دامن میں ایک نئے افسانۂ زوال کے لئے گنجائش نکال لینی چاہئے - عنقریب ایک بڑی قوم صفحۂ روزگار سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جانیوالی ہے - یہ قوم الجزائر کی سرزمین پر پڑی سسک رہی ہے زیادہ سے زیادہ سو برس اُسے دم توڑنے میں اور لگیں گے - کون کہتا ہے جہل و غفلت کے ہاتھ پاؤں نہیں؟ جسے دیکھنا ہو الجزائر میں آئے - یہاں جہل کے ہاتھ ایک قوم کا گلا گھونٹ رہے ہیں، اور غفلت اپنے پیروں سے اُسے کچل رہی ہے!

مراکش

مراکش اور الجزائر میں بہت فرق ہے - زمین میں بھی اختلاف ہے - باشندوں کے طبائع و خصوصیات میں بھی اختلاف ہے - مراکش زیادہ سرسبز اور خوبصورت ہے - مراکش، اسپین سے بہت مشابہ ہے - وہ در اصل اسپین ہی ہے صرف سمندر کی گردن نے دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کردیا ہے - مراکش اور اسپین کے باشندوں میں بھی بہت مشابہت ہے - ایک ہی خاندان کی دو شاخیں معلوم ہوتے ہیں!

اہل مراکش کی معاشرتی زندگی اور قدیم تاریخ، دونوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک وقت میں یہ قوم بہت بڑے تمدن کی مالک تھی مشرق اور مغرب کے مابین درمیانی کڑی تھی - آسمان تمدن پر ایک روشن سورج تھی اور چار دانگ عالم کو روشن کر رہی تھی - لیکن جس قدر اس کی ترقی کی رفتار تیز رہی تھی، اُسی قدر اس کا زوال بھی سریع السیر ہوا - یوں کہنا چاہئے کہ اسپر قبل از وقت بڑھاپا آگیا

مراکشیوں کی موجودہ معاشرتی زندگی کی ایک عجیب خصوصیت اُنکے ہر حلقہ اور ہر درجہ کی یکسان معنویت ہے - ایسی معنویت جو ایک امارۃ و تمدن رفتہ کی خبر دیتی ہے - سب پرانے پادشاہوں کا سا دراز اور طویل الذیل لباس پہنتے ہیں - سب کے چہروں پر بوڑھوں کی سی متانت اور سنجیدگی نظر آتی ہے - ہر مراکشی اپنی داڑھی اور وضع قطع میں ایک پیر مرشد اور ثقہ عالم معلوم ہوتا ہے سکون، سکوت، آہستگی، سنجیدگی، ہر حال میں ملحوظ رہیگی - ہاتھ ہلائینگے تو رُک رُک کر، سر گھمائیں گے تو سوچ سوچ کر، بولیں گے تو ٹھہر ٹھہر کر، چلیں گے تو متانت و تمکنت سے دامن لباس سنبھالتے ہوئے! میرے خیال میں یہ لباس عیش پسند پادشاہوں کا تھا لیکن پوری قوم عیش پسند ہوگئی اور سب نے پادشاہوں کا لباس پہن لیا!

ناممکن ہے کہ آج کے مراکشی نے اسپین فتح کیا ہو اور آدھا فرانس تہ و بالا کر ڈالا ہو - نازک جوتیاں پہننے والا پہاڑوں پر کیسے دوڑ سکتا ہے؟ لمبے لمبے جبے، بھاری بھاری عمامے، انسان کو کب چست و چالاک بننے دے سکتے ہیں؟ لیکن نہیں وہ یہی مراکشی تھے - اُسوقت مراکش جوان تھا - اب بوڑھا ہوگیا ہے!

مراکشیوں اور جزائریوں میں فرق

اہل مراکش کے چہروں پر مجھے وہ نیکی دکھائی دی جو اہل جزائر کے چہروں پر موجود نہیں - میں نہیں کہہ سکتا یہ محض ظاہری فرق ہے یا حقیقی ہے؟ مراکشی داڑھیوں کی پرورش کرتے ہیں - خدا انکے گھنے بالوں میں برکت دے! برخلاف انکے جزائری کلّوں کی صفائی کرتے اور مونچھیں بڑھاتے ہیں - خدا اُنھیں طول و عرض میں پھیلائے! مراکشی کتنے ہی غیظ و غضب کا اظہار کرے مگر بغض و کینے سے اُس کا دل خالی ہے وہ واقعی نیک اور پاک دل ہوتا ہے -

مراکشی کی ساکن نظریں اُس کے باطنی سکون کی خبر دیتی ہیں - لیکن اس سکون کے ساتھ غفلت بھی نمایاں دکھائی دیتی ہے اور بسا اوقات حماقت تک پہنچ جاتی ہے - لیکن اُن میں یہ غفلت و حماقت کہاں سے آئی؟ حالانکہ وہ شراب اور ہر قسم کے نشوں سے قطعی طور پر دُور ہیں - اگر واقعی ان میں غفلت و حماقت موجود ہے تو یہ اُس عیش و راحت کا نتیجہ ہوگی جسمیں وہ صدیوں سے مبتلا ہیں -

میرے خیال میں مراکشی غفلت و حماقت کے اس قدر شکار نہیں ہوئے ہیں جس قدر مصائب نے اُنکے حواس گم کردیئے ہیں ہر طرف سے اُن کے وطن پر اغیار کی یورش ہے - وہ بے بس ہوگئے ہیں - چارۂ کار نظر نہیں آتا - اس حالت نے اُنھیں مدہوش بنادیا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں مدہوش نہیں ہیں: وتری الناس سکاریٰ، وما ہم بسکاریٰ، ولکن عذاب اللہ شدید!

برخلاف ان کے جزائری کی نظریں تیز اور ولولوں سے لبریز ہیں - لیکن کمزوری اُنھیں نیچا کئے دیتی ہے - اُن کی نظروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا بیمار شیر ہیں، اور زنجیروں میں کسے ہوئے ہیں - اُن میں زندہ دلی بھی ہے، اور اتنی ہے کہ اگر میدان خالی پائے تو خطرناک صورت اختیار کرلے!

اہل مراکش کی عربیت میرے لئے بہت مشکل تھی - برخلاف اس کے الجزائر کی زبان مصر و شام کی عربی سے زیادہ قریب ہے البتہ الجزائر کی زبان میں یہ خرابی بہت نمایاں ہوگئی ہے کہ انھوں نے بکثرت فرانسیسی لفظ داخل کرلئے ہیں فصیح عربی وہاں تقریباً مفقود ہوتی جاتی ہے -

اندلس

اندلس (اسپین) اسلام و عرب کی آٹھ صدیوں کا اندلس، بہت مفصل ہے - تاہم مختصر کیا جائے مگر اس کا نقشہ کھینچا نہیں

طیار هو جاؤ" اُسوقت تک الڈرمین کا انتخاب بهي نهیں هوا تها - انهوں نے پانچ الڈرمین میں ایک نام میرا اسي غرض سے رکها تها تاکه مجهے میر منتخب کیا جاسکے -

لیکن میں نے نهایت اصرار کے ساتهه اس سے اختلاف کیا - میں نے کہا - جہانتک میري ذات خاص کا تعلق هے میں نه تو اب اور نه کبهي آئنده اپنے آپ کو ان مناصب کے لئے مستعد کرسکتا هوں - میري زندگي کي رفتار ابتدا سے دوسري هے - وه کسي طرح ان مناصب کے ساتهه جمع نهیں هوسکتي - باقي رها کسي مسلمان کا میر هونا ' تو بلا شبه مسلمانوں کو پوري کشاده دلي کے ساتهه موقعه دینا چاهیے - لیکن اسوقت هر اعتبار سے ضروري هے که آپ هي میر منتخب کیے جائیں - خود مسلمانوں کي بهي خواهش یهي هے -

(میرا اُن کا باهمي تعلق)

میں چند الفاظ اپنے اور اُن کے باهمي تعلقات کي نسبت کہے بغیر نهیں ره سکتا - اُن کي برادرانه محبت کي یاد میرے دل کا ایک نا قابل اندمال زخم هے - همارا ایک دوسرے سے تعارف سوسائٹي میں نهیں هوا - نه هم میں اور کسي طرح کا ذاتي تعلق تها - محض قومي خدمت کے سلسله میں ایک دوسرے سے روشناس هوے - لیکن طبیعتوں کي مناسبت نے بہت جلد دلي علاقه کي صورت اختیار کرلي - حتی که هم محسوس کرنے لگے که دو بهائیوں کي طرح ایک دوسرے سے منسلک هو چکے هیں -

سنه ۱۹۱۷ - سے پہلے ان کي شهرت زیاده تر به حیثیت ایک کامیاب بیرسٹر کے تهي - اسي سنه میں وه پبلک پلیٹ فارم پر نمایاں هوئے - میں اسوقت نظر بند هوچکا تها اور رانچي میں مقیم تها - اخبارات میں ان کي سرگرمیوں کا حال پڑهتا رها - جنوري سنه ۲۰ میں جب رها هوکر واپس آیا ' تو پہلي مرتبه اُن سے شناسائي هوئي - ایک دعوت میں جو مجهے دي گئي تهي ' وه بهي شریک تهے - لیکن یه شناسائي محض سرسري تهي - اس کے بعد هي "نان کواپریشن " کي تحریک کا ابتدائي زمانه شروع هوگیا اور اگست میں کانگریس کا خاص اجلاس کلکته میں منعقد هوا - اس موقعه پر وه اس نظام عمل سے متفق نه هوسکے - سال کے آخر تک مخالف رهے - اور اس لئے یه زمانه هم دونوں نے باهمي مخالفت میں بسر کیا - وه ناگپور کانگریس کے لئے مخالفانه طیاریاں کر رهے تهے - میري کوششیں موافقانه تهیں -

ناگپور کانگریس میں وه اس لائحه عمل سے متفق هوگئے ' اور پهر هم دونوں از سرنو ملے تاکه بنگال کے کاموں کي نسبت مشوره کریں - في الحقیقت اسي زمانه سے میرے اُن کے تعلقات کا اصلي زمانه شروع هوتا هے - اس تاریخ سے لیکر اُن کے انتقال تک میرا اُن کا شب و روز ساتهه رها - روز بروز باهم ایک دوسرے سے قریب تر هوتے گئے - اُنهیں مجهپر اعتماد تها - اور میرے دل پر ان کي خوبیاں نقش تهیں -

باهمي علائق کا یه زمانه کچهه عجیب گونا گوں حالات میں بسر هوا - اس میں دسمبر سنه ۲۱ - کا وه یادگار وقت بهي شامل هے جب سب سے پہلے بنگال میں " سول ڈس اوبیڈینس " کا قدم اٹهایا گیا اور دو هفته کے اندر اُس نے حکومت کو مجبور کردیا که سختي و مقابله کي جگه صلح و آشتي کا هاتهه بڑهائے - اس زمانه میں هم رات کے دو بجے تک اکٹهے بیٹهتے ' اور دوسرے دن کا پروگرام تجویز کرتے - ۹ دسمبر سنه ۲۱ - کو همیں معلوم هوگیا که اب هماري گرفتاري میں تاخیر نهیں کي جائیگي - اُس دن رات کے گیاره بجے مسٹر کیرن شنکر رائے کے مکان پر همارا آخري اجتماع هوا ' اور دوسرے دن سه پہر کو به یک وقت گرفتار کرلیے گئے - قید خانه میں بهي هماري یک جائي قائم رهي - البته اُنهیں چهه ماه کي سزا دي گئي تهي - مجهے ایک سال کي - اس لیے وه مجهه سے چهه ماه پہلے رها هوگئے -

۲ - جنوري سنه ۲۳ - کو جب میں رها هوا ' تو کانگریس دو جماعتوں میں بٹ چکي تهي - اور نئي سوراجیه پارٹي کے لیڈر مسٹر داس تهے - دونوں جماعتیں مجهے اپني طرف کهینچ رهي تهیں لیکن میں کسي میں بهي شریک نهیں هوا ' اور اپنا وقت تمام تر اس کوشش میں صرف کر دیا که کسي طرح یه اختلاف دور هوجائے - یا کم از کم ایسي شکل اختیار کرلے که کانگریس کي مجموعي طاقت باهمي جنگ و جدال میں ضائع نه جائے - چونکه دونوں طرف جماعت بندي کے شدید جذبات کام کر رهے تهے ' اور متحده نقطۂ عمل اپني جگهه سے هٹ چکا تها ' اسلئے قدم قدم پر مشکلات پیش آئیں - بالآخر کامل آٹهه ماه کي جد و جهد کے بعد مجهے اپني کوشش میں کامیابي هوئي اور دهلي کے خاص اجلاس کانگریس میں ایک متفقه فیصله هوگیا -

اس کوشش کے اثنا میں مسٹر داس کا جو طرز عمل ظاهر و باطن رها ' اسنے میرے دل پر انکي غیر معمولي صفات کا اثر اور زیاده گہرائي کے ساتهه نقش کردیا - میں اس کام میں به حیثیت ایک صلح جو (پیس میکر) کے مجبور تها که حسب ضرورت دونوں طرف رد و کد کروں ' اور کبهي ایک جماعت کو دباؤں - کبهي دوسري کو - بارها هم میں نهایت تیز اور سخت بحثیں بهي هوگئیں - مجهے جس طرح " نو چینجرز " کے جمود و تقلید سے اختلاف تها - اسي طرح " پرو چینجرز " کي بے قیدي سے بهي متفق نه تها - با ایں همه ان تمام حالات کے اندر بهي جو حقیقت برابر مجهپر کهلتي گئي ' وه به حیثیت ایک سیاسي قائد اور مدبر کے مسٹر داس کي شخصیت تهي -

جہانتک هندو مسلم مسئله کا تعلق هے ' میرا انکا معامله کچهه عجیب طرح کا تها - میں ڈرتا هوں که ملک کي موجوده آب و هوا میں بہت کم لوگ اُسے ٹهیک طور پر سمجهه سکینگے - هم جب کبهي اس طرح کے معاملات پر گفتگو کرتے تهے ' تو بلا مبالغه همیں ایک ادنی احساس بهي کسي طرح کي تفریق کا نهیں هوتا تها - بارها وه کسي معامله میں هندوں کي کسي جماعت کے نقطۂ خیال کے خلاف راے دیتے - اور میں مسلمانوں کے کسي گروه کي راے سے متفق نه هو سکتا - میرے دل میں کبهي یه گمان بهي نهیں گزرتا که ان میں میرے هم مذهبوں کے خلاف کوئي فرقه وارانه جذبه هے - اسي طرح وه بهي کبهي اس کا خیال نهیں کر سکتے تهے که میري حق پسندي فرقه وارانه خود غرضي سے آلوده هو سکتي هے - وه تمام معاملات جو آج ملک میں فرقه وارانه نزاعات کا ایک طوفان برپا کر دیتے هیں ' همارے سامنے آتے تهے ' اور هم اس آساني کے ساتهه فیصله کرلیتے تهے که هم دونوں کے علاوه کسي تیسرے کو کانوں کان خبر بهي نهیں هوتي تهي - بارها هم نے ایک دوسرے سے یه سوال کیا که کیا تمام ملک کے اندر دس بیس انسان بهي ایسے پیدا نهیں هو سکتے جو اسي طرح انصاف اور حق پسندي کے ساتهه هر معامله پر نظر ڈالیں ؟

بے خبر نہ تھا۔ عاشورا کی مجلس کا خاتمہ ابھی نازنینوں کے ہاتھوں پر ہوا کرتا تھا۔ انکے چہرے کھلے ہوئے زہد شکن حسن سے تیر افگن، آنکھوں سے شوخی ٹپک رہی تھی، ادائیں مستانہ۔ ادر ہاتھوں میں جام اور بلوری صراحیاں، آموجود ہوئیں۔ دور چلنے لگا۔ کس چیز کا دور؟ پانی کا؟ نہیں۔ شربت کا؟ نہیں۔ مے کا! یا درویشوں کی اصطلاح میں "شراب طہور" کا! محرم کی مجلس! حسین علیہ السلام کا ماتم! اور ساغر و پیمانہ! یہ ساقی! یہ سال بھر کے بھوکے خانقاہ نشین درویش!

ساقی نے تین پھیرے کئے۔ یاران قدح نوش پر مستی چڑھی کچھ عجب "سرور" کا عالم ہوا۔ ہر پہلو میں ایک ایک ساقی نے جگہ لے لی۔ پھر "نغمۂ معرفت" شروع ہوا۔ تمام حاضرین نے وجد کے ساتھ گانا شروع کیا۔ صرف ایک میں اپنی خشک طبعی کی وجہ سے اس "سعادت" سے محروم رہا تھا۔

اس "نغمۂ معرفت" کے چند بند ملاحظہ ہوں:

"کاف اور نون" (کن) کے خطاب سے بھی پہلے ہم موجود تھے۔ قبل اس کے کہ کسی کو دیدار ربانی حاصل ہو، ہم رب سے قاب قوسین او ادنیٰ تھے!"

"آدم سے پہلے، حوا سے پہلے ہم حق تھے اور حق کے ساتھ "سر مبہم" میں ہم آغوش تھے!"

"ہم ایک رات مریم بتول کے ساتھ رہے (معاذ اللہ!) ہم ہی عیسیٰ مسیح کے باپ تھے!" (معاذ اللہ)

"ہمیں کو موسیٰ کلیم نے پکارا تھا "رب ارنی" (خدایا مجھے اپنا جلوہ دکھا)

"ہمیں نے موسیٰ کو جواب دیا تھا "لن ترانی" (تو مجھے ہرگز دیکھ نہیں سکتا)

"ہم ہی طور سینا پر جلوہ گر ہوئے تھے!......"

جب رات زیادہ گئی۔ درویش اور نازنین حجروں کی طرف بڑھ گئے تو میں اپنے رفیق کے ساتھ دن بھر کی پیاس سے قریب موت، پہاڑ سے نیچے اتر رہا تھا۔

حکومت نے اب "غم و ماتم" کی یہ مجلسیں موقوف کردی ہیں۔ استنبول کے عیاش، سابق خانقاہ نشین درویش، انکے غم میں مدتوں روئیں گے۔

موجودہ ترکی حکومت کی اصلاحات الحاد و بے دینی سے تعبیر کی جاتی ہیں کہ اسنے اس طرح کے تمام "مذہبی" اور "مقدس" اعمال و رسوم بند کردئے ہیں۔ لیکن کیا آپکے قارئین کرام میں سے کوئی بزرگ مجھے بتلائیں گے کہ اسلام کے نقطۂ خیال سے اس طرح کی رسوم کیا حکم رکھتی تھیں؟ اور ان کا انسداد "الحاد" اور "بے دینی" ہے، یا "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا قیام ہے؟

امیر البحر برسٹل اور ترکی انقلاب

امیر البحر برسٹل، ٹرکی میں امریکہ کے سیاسی نمائندے ہیں اس ہفتہ انھوں نے ترکی انقلاب کے متعلق اپنے خیالات یہاں کے اخبارات میں شایع کئے ہیں۔ انکے خیالات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"مشرق قریب میں میری زندگی کے یہ ۸ برس میری پوری پچھلی زندگی کے اہم ترین سال ہیں۔ میں نے اس مدت میں بے شمار عقلی و ذہنی فوائد حاصل کئے۔ میں نے ایک قوم کی موت اور اس کی دوبارہ زندگی اپنی آنکھوں سے دیکھی!

"ٹرکی کا موجودہ انقلاب، درحقیقت تاریخ جدید کا حیرت انگیز واقعہ ہے۔ یہ انقلاب اچانک نہیں ہوگیا جیسا کہ بہت سے لوگ غلطی سے سمجھتے ہیں۔ یہ سالہا سال سے اندر ہی اندر اپنی سرگرمیں بچھا رہا تھا، یہاں تک کہ مناسب موقعہ پر نمایاں ہوگیا۔ بلاشبہ یہ انقلاب بہت جلد ہوگیا۔ لیکن اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ خوش قسمتی سے ٹرکی کو عین وقت پر ایسے اولوالعزم، مدبر، بہادر اور قابل رہنما مل گئے، جو بجا طور پر تاریخ کی عظیم ترین شخصیتوں کے ساتھ وزن کئے جاسکتے ہیں۔ ان ترکی رہنماؤں نے اپنی ان تھک کوششوں اور حیرت انگیز جوش سے ایک نہایت قلیل مدت کے اندر وہ نتائج حاصل کرلئے جنکے لئے قوموں کو صدیوں تک انتظار کرنا پڑتا ہے!

"کوئی شخص بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ ٹرکی کی آخری جنگ، وطنی حکومت کا قیام، پھر سابق حکومت کی برطرفی، اور جمہوریت کی تاسیس، ایسے عظیم الشان واقعات ہیں جو ہمیشہ یادگار رہیں گے، اور انکے ساتھ غازی مصطفےٰ کمال پاشا اور انکے رفقاء کے نام بھی ہمیشہ زندہ رہیں گے!

سنہ ۱۹۱۹ء میں جب میں یہاں پہونچا، تو قریب تھا، یہ ملک دنیا کے نقشے سے مٹ جائے۔ لیکن آج کیا حال ہے؟ آج ٹرکی صحیح معنوں میں خود مختار، طاقتور اور زندہ ملک ہے۔ ایک امید افزا مستقبل اس کے سامنے ہے۔ میں بغیر کسی جھجک کے اعلان کرتا ہوں کہ جب کبھی مجھے ٹرکی کی جنگ آزادی کا خیال آتا ہے، میرا سر شریف اور بہادر قوم کی عظمت کے سامنے جھک جاتا ہے!

"تلوار کا جہاد ختم ہوچکا۔ اب تجارتی و اقتصادی جہاد شروع ہوا ہے۔ یہ جہاد پہلے جہاد سے بھی زیادہ سخت ہے اور عظیم قربانیاں طلب کرتا ہے۔ اس میدان میں بھی ترک پوری طرح ساعی ہیں لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اب تک انھیں نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ملک کی ناتجربہ کاری ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر کوششیں جاری رہیں تو ترک یہ میدان بھی سر کرلینگے۔ نئی ریلوں کا جاری ہونا، نئی بندرگاہوں کا کھلنا، نئی سڑکوں کی تعمیر، زراعت کی ترقی، تعلیم کا عموم، حفظان صحت کا اہتمام اور اقتصادی معاملات سے عام دلچسپی، یہ ساری باتیں ایک نہایت روشن مستقبل کی خبر دے رہی ہیں!

"عدل و انصاف اور امن امان کا دور دورہ اور ماہرین فن مالیات و اقتصادیات کی کثرت ہمیں بہت کچھ امیدیں دلا رہی ہے۔ پھر ٹرکی کا صلح جویانہ مسلک، اپنے پڑوسیوں سے دوستانہ تعلقات جنگی قوت کے عاجلانہ استعمال سے پرہیز، ایسی باتیں ہیں جو دنیا بھر میں ٹرکی کو معزز بنا رہی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ٹرکی، بدامنی اور فساد کے اس تنور (مشرق قریب) کی ہمیشہ یوں ہی نگرانی کرتا رہے گا اور اسے کبھی پھٹنے نہیں دے گا"۔

"میں خیال کرتا ہوں کہ اب آمریکہ، ٹرکی کو پہلے سے زیادہ جاننے پہچاننے لگا ہے۔ اہل آمریکہ عملی لوگ ہیں، اور ہمیشہ صرف نتائج ہی پر نظر رکھتے ہیں۔ قدیم ٹرکی کے متعلق مشہور تھا کہ یہاں ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن اگر موجودہ حکومت نے موجودہ مساوات کو ہمیشہ کے لئے قائم کر دکھایا (جیسا کہ مجھے امید ہے کہ وہ کر دکھائیگی) تو کوئی وجہ نہیں کہ امریکہ میں بہت جلد عزت و عظمت حاصل نہ کرلے"

انگورہ ۔ قیصریہ ریلوے

گزشتہ ہفتہ "انگورہ، قیصریہ" ریلوے ..... لائن کا افتتاح ہوگیا۔ یہ ریلوے مختلف حیثیتوں سے غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ جنگی نقطۂ نظر سے تو یہ ٹرکی کے لئے بمنزلۂ روح ہے۔ جنگ آزادی کے زمانے میں ترکوں نے یہ حقیقت معلوم کرلی تھی۔ دشمن انگورہ کے دروازوں پر کھڑا دستک دے رہا تھا اور ترکی فوجیں دور دراز علاقوں میں بکھری پڑی تھیں۔ کیونکہ اندرون ملک میں کافی ریلوے لائنیں نہ تھیں۔ پہلے انگورہ سے قیصریہ تک گھوڑوں اور گاڑیوں پر چھ اور نو دن لگتے تھے۔ فوجی نقل و حرکت کے لئے اس سے دگنی مدت صرف ہوتی تھی۔ اب ریل بنجانے کے بعد یہ پوری مسافت صرف چند گھنٹے کی مسافت ہے!

تجارتی اور اقتصادی لحاظ سے بھی یہ ریلوے بہت مفید ہوگی۔ اندرون ملک کی پیداوار بہ آسانی ہر جگہ منتقل کی جاسکے گی اور ضروری اشیاء بہ آسانی وہاں پہنچ جایا کرے گی۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس ریلوے نے ترکی عزم و اہلیت کا ناقابل رد ثبوت بہم پہونچا دیا ہے۔ یہ ریلوے صرف ترکی سرمایہ اور ترکی محنت سے طیار ہوئی ہے۔ باہر کے کسی آدمی سے کوئی مدد نہیں لی گئی۔ جب ترکی پارلیمنٹ نے اس کی اسکیم منظور کی تھی تو یورپ کے سرمایہ دار ہنستے تھے۔ وہ کہتے تھے ترک یہ کام تن تنہا انجام نہیں دے سکیں گے۔ لیکن ترکوں نے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ انجام دے دیا اور یورپ کی زبانیں حیرت سے بند ہوگئیں!

یہی سبب ہے کہ اس کے افتتاح پر تمام ملک نے مسرت کا عام مظاہرہ کیا۔ افتتاحی جلسہ بھی بڑا شاندار تھا۔ اس جلسہ میں عصمت پاشا وزیر اعظم نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"قیصریہ کے باشندے ۳۰ سال سے کوشاں تھے کہ کسی طرح انکے زرخیز علاقے میں ریل جاری ہوجائے۔ مگر پچھلی حکومتوں کو اس کی توفیق نہ ملی۔ موجودہ جمہوریت نے ملکی آزادی کی طرف سے اطمینان حاصل کرتے ہی سب سے پہلا کام اپنے سامنے یہی رکھا تھا جسکی تکمیل آج ہمارے سامنے ہے۔ جب ہم نے اپنے داخلی پروگرام پر عمل کرنا چاہا اور ریلوے لائنوں کی تعمیر کا ارادہ کیا، تو ہر طرف سے صدائیں اٹھیں "یہ ناممکن ہے" ہم نے کہا "ناممکن کیسے ہے؟ ہر باشندے کا فرض ہے کہ اپنے ملک کی خوشحالی کے لئے کوشاں ہو۔ فرض بھی کبھی ناممکن ہوا کرتا ہے؟" ہم اپنی قدرت و قابلیت کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر دوسرے حلقوں سے ہماری بے چارگی اور بے قدرتی کا اعلان کیا جاتا تھا لیکن آج کسی کو ہمیں ناقابل کہنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ یہ ریلوے درحقیقت ہماری ایک داخلی اور خارجی فتح ہے۔ لیکن جس طرح ہماری جنگی فتوحات نے ہمیں مغرور اور غافل نہیں کیا تھا، اسی طرح یہ فتح بھی ہماری ہمتوں کو اور آگے بڑھائے گی۔ یہ ریلوے محض ایک ابتدا ہے۔ کئی اور اہم لائنیں طیار ہو رہی ہیں بہت سی عنقریب شروع کی جانے والی ہیں۔ ہم جلد تمام ملک میں، ایک سرے سے دوسرے سرے تک آہنی خطوط کا جال بچھا دینگے"

روسی انگریزی جھگڑا اور ٹرکی

ادھر کئی مہینے سے انگلستان اور روس کے تعلقات کی کشیدگی نے خطرناک صورت اختیار کرلی ہے۔ ابھی تک جنگ کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ لیکن اگر جلد تصفیہ نہ ہوا تو مستقبل قریب میں جنگ یقینی ہے۔ اگر یہ جنگ ہوئی تو اس میں ٹرکی کی کیا حیثیت ہوگی؟

یہ سوال ہے جو اسوقت انگلستان، روس، اور خود ٹرکی میں ہر جگہ پوچھا جا رہا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس جنگ میں ٹرکی کو اپنے جغرافی محل و اطراف کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت حاصل ہوگی۔ طرفین کوشاں ہیں کہ اسے اپنے ساتھ ملالیں۔ مگر جہاں تک ترکی کی عام رائے کا تعلق ہے، روس کی طرف رجحان عام ہے ترکی اخبارات روس کی حمایت میں مضامین شایع کرتے ہیں اور کہتے ہیں روس نے ٹرکی کی اسوقت مدد کی تھی، جب انگلستان نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ ملکر اسے نیست و نابود کردینے کی

جاسکتا- اسپین کے چپہ چپہ میں عبرتیں ہیں - رومن زمانے کی یادگاریں ہیں اس سے پہلے کی، اور اس کے بعد کی یادگاریں ہیں - لیکن تمدن قدیم کے سراغرساں عربی یادگاروں ہی کی قدر کرتے ہیں، اور انہی کے مشاہدے کے لئے تمام دنیا سے شدرحال کرکے آتے ہیں-

اندلس میں ابتک بہ کثرت عربی آثار باقی ہیں اگرچہ متعصب اور جاہل اسپینیوں نے اُن کے مٹانے میں کوئی کوشش اُٹھا نہیں رکھی انھوں نے عرب اور عربوں کو اندھے دینی جوش کے ساتھ برباد کیا عربوں کا سمندر تک پیچھا کیا، اور اب خود عربی ممالک میں اُن کا قلع قمع کررہے ہیں!

اسپینوں نے عربی یادگاریں محو کرنے کی پُوری کوشش کی مگر چند یادگاریں اتنی سخت جان تھیں کہ ابتک موجود ہیں - پتھر اور چونے کی یادگاروں کے علاوہ بہت سی معنوی یادگاریں بھی ایسی قائم ہیں کہ اُنھیں کوئی انسانی قوت مٹا نہیں سکتی - اسپینی زبان، بے شمار عربی الفاظ سے لبریز ہے - ان الفاظ کا نکال دینا نا ممکن ہے - انکے نکال دینے کے بعد "اسپینی زبان" زبان ہی نہیں رہے گی - پھر اسپین میں کتنے بے شمار چہرے ہیں، جو پکار پکار کر اعلان کررہے ہیں کہ ہم عربی ہیں! پیشانی کی ساخت، ناک کی قطع، بالوں کی سیاہی، نرمی، اور پیچ و خم، سب عربی ہیں - کتنی آنکھیں ہیں جو عربی سیاح کی آنکھوں سے لپک کر معانقہ کرتیں اور زبان حال سے پکارتی ہیں:

دانا سری اقدامنا فی نعالہم وانفا بین اللحی والحواجبا!

پھر اسپین کی پوری سرزمین، اور اُس سرزمین کا ذرہ ذرہ عرب شہیدوں کے خون سے تر ہے! اسپینی لاکھ کوشش کریں، اپنی سرزمین سے شہیدوں کا خون جلا وطن نہیں کردے سکتے!

اسپین میں ابتک عربوں کے محلے موجود ہیں اگرچہ عرب اُن میں آباد نہیں ہیں - مکیں نہیں رہے - لیکن مکان اب تک موجود ہیں! عربی بازار ہیں، عربی قلعے ہیں، عربی محل ہیں، عربی باغ ہیں - مسجدیں بھی ہیں جن کے میناروں پر اب موذن کی صداؤں کی جگہ سنہری صلیبوں کی نمائش ہوتی ہے!

عبرت کے مقامات میں بھی کبھی کوئی ہنسا ہے؟ لیکن میں نے اپنے تئیں اندلس کی عبرتگاہوں میں حیرت سے دیکھا کہ مسکرا رہا ہوں! میں "قصر الحمراء" کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا - کیونکہ مجھے وہ بادشاہ اور امراء سر نیچے کئے اور کمر جھکائے رینگتے نظر آتے تھے جنھوں نے آباؤ اجداد کی عظمت اپنی عیش پسندی کی نذر کردی اور خود ذلیل و خوار ہوکر خس و خاشاک کی طرح بہ گئے! میں نے اُنھیں پکار کر کہا "قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا، فہل وجدتم ما وعد ربکم حقا؟"

لیکن میرا یہ جذبہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا - فوراً دل نے آہ کی اور دل کی آہ نے آنکھوں میں پہنچکر قطرات اشک کی صورت اختیار کرلی - قرآن حکیم کی یہ آیت گریہ میری زبان پر تھی: کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم ونعمۃ کانوا فیہا فاکہین کذالک واورثناہا قوما آخرین فما بکت علیہم السماء والارض وما کانوا منظرین!

(علی عبدالرازق)

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۴ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے - موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیجا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادتگاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

منیجر "الہلال" کلکتہ

بریدِ شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

ٹرکی کا محرم - امیر البحر برسٹل کا بیان - انگورہ قیصریہ ریلوے - روسی انگریزی جھگڑا اور ٹرکی

ٹرکی کا محرم

ہجری سال ختم ہورہا ہے - نئے سال کی آمد آمد ہے - یہاں چائے خانوں میں آجکل بعض لوگ جماہیاں لے رہے ہیں - اُنھیں سال نو کی ذرا بھی خوشی نہیں - محرم کے غم میں گھلے جاتے ہیں - محرم کے پُرانے جلسوں اور مجلسوں کی موقوفی پر!

ان کا غم ایک حد تک بجا ہے - واقعی ٹرکی خصوصاً قسطنطنیہ کا محرم بہت دلچسپ ہوتا تھا - نئی حکومت نے جہاں اور بہت سی پُرانی رسمیں موقوف کردی ہیں، محرم کے جلسے بھی روک دئے ہیں جنکو مِلت کی یہ کتنی ہی بڑی اصلاح کیوں نہ ہو لیکن جنھیں ان جلسوں کی چاٹ پڑ چکی ہے، انھیں ناراض ہونے سے نہیں روکا جاسکتا - وہ کہتے ہیں "زندگی کا آدھا مزہ جاتا رہا"

حکومت نے سنہ ۱۹۲۵ میں محرم کے مراسم موقوف کردئے - اب وہ افسانہ بن گئے ہیں - لیکن قبل اس کے کہ دُنیا اُنھیں فراموش کرے یا تاریخ اپنے صفحات میں ان کے لئے جگہ نکالے، ہم ایک مرتبہ اور انھیں یاد کرلینا چاہتے ہیں -

میں جو کچھ لکھنے والا ہوں، سنی سنائی باتیں نہیں ہیں چشم دید واقعات ہیں - زیادہ تفصیل کا موقعہ نہیں - صرف خانقاہوں کے محرم کا ذکر کروں گا -

حالت یہ تھی کہ خانقاہوں کے بے فکر مُلّا اور نام کے صوفی سال بھر تک محرم کا بےچینی سے انتظار کیا کرتے تھے - کیونکہ اُن کی کمائی اور خوش وقتی کا اصلی موسم یہی تھا - پہلی محرم سے خانقاہوں میں سیاہ پردے پڑ جاتے تھے - اُنکے پُر اسرار رہنے والے اپنے سفید اور سبز عمامے اُتار کر سیاہ عمامے پہن لیتے تھے - پانی کے نل بند کردئے جاتے تھے - لاکھ پیاس لگی ہو مگر وہاں پانی مل نہیں سکتا تھا - پانی کے ظروف تک ہٹا دئے جاتے تھے - جہلا سمجھتے تھے یہ لوگ اہل بیت کے محب ہیں، پانی تک نہیں پیتے! حالانکہ یہ محض فریب تھا - یہ محرم بھر سیراب رہتے تھے - پانی رنگین بوتلوں میں بھر کر مکان کے کونوں، غسل خانوں، اور پاخانوں میں رکھ دیا جاتا تھا! اور یہ "محرم کے روزے دار" وہاں جا جاکر اپنی پیاس بجھا لیا کرتے تھے!

مجھے بارہا خانقاہوں میں محرم کی مجلسیں دیکھنے کا موقعہ ملا - سب سے آخری مجلس کی یاد ابتک میرے دل میں تازہ ہے - چونکہ یہ سب سے آخری مجلس تھی - اس کے بعد قانون نے اس طرح کی مجلسیں ممنوع ٹھرادیں - اس لئے اسے ایک تاریخی اہمیت حاصل ہوگئی ہے - ناظرین کی دلچسپی کے لئے میں اُس کا مختصر حال درج کئے دیتا ہوں -

پُرانی خانقاہ

باسفورس کی نیلگوں سطح کے کنارے، ایک سرسبز بلند پہاڑ پر، ایک عظیم خانقاہ تھی - محرم کے دنوں میں ایک دوست کے ساتھ میں اس خانقاہ میں گیا - تیسرا پہر تھا - پہاڑ دشوار گزار تھا - میں بہت تھک گیا تھا - پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے عمارت میں داخل ہوتے ہی میں نے بے اختیار پانی مانگا - اپنی غلطی پر میں اب تک نادم ہوتا ہوں - ہر طرف سے درویشوں کی سیاہ تیز آنکھیں مجھ پر اُٹھ گئیں اور غیظ و غضب سے گھورنے لگیں ایک آواز بلند ہوئی "خارجی!" دوسری آواز بلند ہوئی "یزیدی!" تیسری آواز بلند ہونے والی تھی کہ میرے دوست نے اُسے روک دیا - درویش میرے رفیق سے واقف تھے - اُسنے اُنھیں یقین دلایا کہ یہ شخص (یعنی میں) خارجی نہیں ہے - محب اہل بیت کرام اور صوفیوں کا معتقد ہے - یہ حرکت محض نادانستہ ہوگئی ہے!" اگر میں اس مکاری اور ریاکاری کی حقیقت سے واقف نہ ہوتا تو یقیناً متاثر ہوتا اور عجب نہیں ان درویشوں کے ہاتھ چوم لیتا جو حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے غم میں پیاسے رہتے ہیں -

تھوڑی دیر بعد ہم ایک وسیع ایوان میں مدعو کئے گئے - نماز باجماعت ہوئی - پھر مرثیہ شروع ہوا - واقعی نہایت پُر تاثیر مرثیہ تھا - حاضرین کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی -

نماز کی جگہ دسترخوان

مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہا - ہم سمجھے اب نماز ہوگی - مگر نماز کے بجائے ہم "عاشوراء کی دعوت" پر بلائے گئے - درویشوں کو ہماری یہ حرکت بہت ناگوار گزری کہ ہم کھانے پر نماز پڑھنے کو کیوں مقدم رکھا؟ جب ہم دسترخوان پر پہونچے تو گھنی داڑھیوں کے اندر اُنکے گال غصہ سے لال نظر آرہے تھے!

کھانا پُر تکلف تھا - مگر پانی کا نام نہیں - میں شروع ہی سے بہت پیاسا تھا - حلق میں لقمے اٹکتے تھے - مگر خوف سے پانی کا نام بھی نہیں لے سکتا تھا - کھانا ختم ہوگیا - اب پانی کی امید بندھی مگر بالکل عبث - جہنمی پیاس کے ساتھ بیٹھا میں دل ہی دل میں اپنے رفیق کو کوس رہا تھا -

سیاہ پوش پریوں کا غول!

اچانک ایک دروازہ کھلا اور ایوان میں سیاہ پوش پریوں کا غول داخل ہوگیا! مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا کیونکہ حقیقت سے

فلسطین

قومیں مر کر پھر کس طرح جی اٹھتی ہیں؟

اسرائیل کے منتشر گھرانے کا اجتماع!

صیہونی تحریک

اس ہفتہ کی ڈاک میں ہمارے مقالہ نگار فلسطین کی کوئی تحریر نہیں آئی ہے۔ ممکن ہے کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی ہو۔ لیکن مصری معاصر "السیاسہ" میں اُس کے نامہ نگار کی ایک نہایت دلچسپ تحریر شائع ہوئی ہے۔ چونکہ اس کا موضوع اہم اور ضروری ہے اس لئے ہم بریدِ مشرق کے سلسلہ میں اس کا ترجمہ یہاں درج کردیتے ہیں۔

یہودیوں کی پراگندگی

پہلی صدی مسیحی میں رومن بیڑے نے اسرائیل کی بھیڑوں کا سراغ لگالیا، اور پھر اس طرح حملہ آور ہوا کہ اس گھرانے کا پورا گلہ یا تو ہلاک ہوگیا، یا منتشر ہوگیا۔ اپنے وطن سے بھاگ کر یہودی دنیا بھر میں بکھر گئے۔ لیکن جہاں بھی پناہ لی، مارے، ستائے، اور ذلیل کئے گئے۔ لیکن یہ قوم ایسی سخت جان تھی کہ ہر قسم کی بربادیوں اور قتلِ عام پر بھی زندہ رہی۔ صرف زندہ ہی نہیں رہی بلکہ اپنا اجتماعی شیرازہ بھی دست بُردِ زمانہ سے محفوظ رکھا۔

عربوں یا مسلمانوں کا عہد، یہودیوں کے لئے سب سے زیادہ مبارک ثابت ہوا۔ اسلامی ملکوں میں وہ ظلم وستم سے محفوظ ہوگئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انھیں پوری شہری اور مدنی آزادی حاصل ہوگئی۔ وہ اپنے تمام مذہبی شعائر قائم رکھ سکتے تھے اور اپنے تمام اجتماعی و معاشرتی اعمال میں خود مختار تھے۔ متعدد یہودی مورخوں نے تسلیم کیا ہے کہ اگر اسلام کی سیاسی قوت قائم نہ ہوجاتی، تو یہودی قوم قطعاً برباد ہوجاتی!

اپنی آخری بدنصیبی کے ابتدائی دَور کے بعد اس قوم کے لئے سب سے زیادہ سخت زمانہ وہ تھا، جب اسلامی سلطنتیں تہ و بالا ہونے لگیں اور مسیحیت نے ازسرِنو سنبھالا لیا۔ اس منحوس عہد میں یہودیوں کی پراگندگی آخری حد تک پہنچ گئی۔ تاریک قرونِ وسطیٰ (مڈل ایجز) کے مسیحی تعصب نے انھیں بُری طرح برباد کیا۔ کوئی مسیحی ملک تھا جہاں یہودیوں پر عام جہاد کا اعلان نہ کردیا گیا ہو۔ اُن کے مدرسے بند کردئے گئے۔ اُن کی انجمنیں توڑ دی گئیں۔ اُن کی کتابیں جلادی گئیں۔ اُنکے علماء پھانسی پر لٹکائے گئے۔ انھیں مجبور کیا گیا کہ اپنا دین چھوڑیں یا قتل اور آگ میں جلنا منظور کریں!

بالآخر یہ تاریک دن بھی نکل گئے۔ نئی تہذیب کا سورج ظلمت کدۂ مغرب میں طلوع ہوا اور "اسرائیل" کی مُردہ لاش نے آہستہ آہستہ سانس لینا شروع کیا۔ دنیا سمجھی تھی یہ قوم فنا ہوگئی۔ مگر اچانک کیا دیکھتی ہے کہ اُس میں زندگی کے آثار پوری طرح موجود ہیں۔ اب یورپین ملکوں میں یہودیوں کو دینی و اجتماعی آزادی مل گئی اور وہ امن سے زندگی بسر کرنے لگے۔

مگر یہ دن زیادہ دراز نہیں نکلے۔ مسیحی یورپ نے یہودیوں سے سیاسی خطرہ محسوس کیا اور ازسرِنو ظلم شروع کردیا۔ اس مرتبہ دینی تعصب کی جگہ سیاسی تعصب کارفرما تھا۔ انیسویں صدی کے آخر تک تقریباً یہی حالت رہی۔ یہودیوں کی مخالف تحریک کو اُس وقت کی بول چال میں "L' ANTI-SEMETIONE" یعنی مخالف سامی تحریک کہتے تھے۔ حالانکہ یہودیوں کو غیر سامی قرار دینا خود ایک سخت ظلم تھا۔ یہودی ہی دنیا میں خالص ترین سامی ہیں۔

یہودی مفکرین نے نہایت دانشمندی سے اب یہ طے کرلیا کہ اس ظلم وستم سے نجات حاصل کرنے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ اپنی ظاہری قومی خصوصیات، مثلاً زبان، لباس، طرزِ بود باش سے دست بردار ہوجائیں، اور جس ملک میں رہیں، اسی کی وضع و قطع اختیار کرلیں تاکہ مخالفین کا تعصب اور ظلم کم ہوجائے۔ لیکن یہ تجویز بھی کچھ زیادہ سودمند ثابت نہ ہوئی۔ خصوصاً روس میں جہاں یہودیوں کا قتلِ عام جاری تھا۔

وطنی مرکز کی طرف عود

اب یہودیوں میں اچانک ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ فلسطین کی یاد ہر زمانہ میں انھیں بےچین رکھتی تھی۔ لیکن یہ یاد محض روحانی تھی۔ اب جو خیال پیدا ہوا اُس نے فلسطین کو ایک نئے روپ میں دکھایا۔ انھیں نظر آیا کہ یہ مقدس وطن جس سے نکلے ہوئے دو ہزار برس ہو چکے ہیں، ازسرِنو اُن کا وطن بن سکتا ہے۔

اس دعوت کا مُبشّر ایک روشن خیال، متدیّن، آسٹریا کا یہودی اخبار نویس تھا۔ اس کا نام ڈاکٹر تھیوڈر ہرتسل تھا۔ اسنے اپنی دعوت اُس وقت شروع کی جبکہ روس اور فرانس میں یہودیوں کے حقوق تلف ہو رہے تھے۔ اسنے سنہ ۱۸۹۶ء میں ایک کتاب "یہودی سلطنت" کے نام سے شائع کی اور قوی دلائل سے ثابت کیا کہ "یہودی مسئلہ کا تنہا حل یہی ممکن ہے کہ تمام یہودی ایک ملک میں جمع ہوجائیں، اور تمام سلطنتیں اُنکے ملک کی خود مختاری تسلیم کرلیں"

یہ دعوت دنیا بھر کے یہودیوں نے پسند کی اور سنہ ۱۸۹۷ء میں اپنی پہلی کانفرنس شہر "بال" میں منعقد کی۔ اسمیں مختلف ملکوں سے دو سو یہودی نمائندے شریک ہوئے تھے۔

اب سے تیس برس پہلے روس کے یہودیوں میں فلسطین کی طرف ہجرت کرنے کی تحریک موجود تھی۔ کئی سو یہودی ہجرت کر بھی چکے تھے اور بیت المقدس میں ایک انجمن "محبین صیہون" کے نام سے قائم بھی ہوگئی تھی۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ دنیا بھر کے یہودیوں کو سرزمین مقدس کی طرف ہجرت کی دعوت دی جائے۔ مگر یہ انجمن کامیاب نہیں ہوئی۔ صرف چند زراعتی نوآبادیاں فلسطین میں قائم ہوسکیں۔

لیکن "بال کانفرنس" نے قومی وطن کی تحریک منظور کرلی اور اسے یہودیوں کی قومی تحریک بنا دیا۔ اس تحریک کا نام "صیہونی تحریک" قرار پایا (صیہون، ایک پہاڑ کا نام ہے جس کی بابت توراۃ میں لکھا ہے کہ بیت المقدس اسی پر تعمیر ہوا تھا) اور اُس کے لئے ایک قابلِ عمل پروگرام طیار کیا گیا۔ پروگرام حسب ذیل تھا:

"صیہونی تحریک کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کے لئے ایک ایسا قومی وطن پیدا کیا جائے جس کی حمایت بین الاقوامی قانون کے ذمہ ہو۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے مندرجۂ ذیل وسائل اختیار کئے جائیں:

(۱) یہودی کاشتکاروں اور دستکاروں کو فلسطین کی طرف ہجرت پر آمادہ کیا جائے۔

(۲) مقامی اور بین الاقوامی انجمنوں کے ذریعہ یہودیوں کی شیرازہ بندی کی جائے۔

(۳) یہودی قومیت کا جذبہ تمام قوم میں جگایا جائے۔

(۴) عثمانی حکومت کو یہودی وطن کی تجویز قبول کرلینے پر آمادہ کیا جائے۔

عملی جدوجہد کا آغاز

اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے وائنا میں مرکزی انجمن قائم کی گئی اور ڈاکٹر ہرتسل نے جدوجہد شروع کردی۔ اسنے سنہ ۱۸۹۹ء سے سنہ ۱۹۰۲ء تک کئی مرتبہ سلطان عبدالحمید سے ملاقاتیں کیں اور انھیں یہ تجویز قبول کرلینے پر بہت بہت راغب کیا، مگر وہ برابر انکار ہی کرتے رہے۔ جب اِدھر سے بالکل ناامیدی ہوگئی تو ڈاکٹر نے برطانیہ سے گفت و شنید شروع کی اور جزیرہ نمائے سینا میں یہودی نوآبادی قائم کرنے کی اجازت چاہی۔ برطانیہ نے اسے منظور کرلیا، اور مصری حکومت بھی آمادہ ہوگئی کہ یہ علاقہ یہودیوں کے حوالہ کردے۔ مگر بعد میں اس تجویز پر عمل نہیں کیا جاسکا، کیونکہ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ یہ صحرا، آبادی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ڈاکٹر ہرتسل نے پھر انگریزی حکومت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اُسنے یہودیوں کو جنوب افریقہ میں ایک وسیع علاقہ پیش کردیا۔ لیکن چھٹی یہودی کانفرنس نے اسے بھی نامنظور کردیا کیونکہ زمین کے ماہروں نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا "یہ زمین بھی آبادی کے لئے موزوں نہیں ہے"

ڈاکٹر ہرتسل کا سنہ ۱۹۰۴ء میں انتقال ہوگیا۔ لیکن مرنے سے پہلے دو کام ایسے کرگیا جو یہودی قومیت کے لئے عملی بنیاد بن گئے۔ ایک "یہودی نوآبادی بینک" اور دوسرا "یہودی بیت المال"

اس کے بعد بھی صیہونی کانفرنسیں برابر منعقد ہوتی رہیں اور یہودیوں میں قومی روح پھونکتی رہیں۔ اُن کی نظر فلسطین پر لگی ہوئی تھی، مگر مشکل یہ تھی کہ ترکی حکومت اس بارے میں ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتی تھی۔ خود فلسطین کے مسلمان اور عیسائی باشندے بھی اسے گوارا کرنے کے لئے طیار نہ تھے۔

عالمگیر جنگِ عالم

سنہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عمومی کی پہلی توپ چلی، اور اُس کے ساتھ ساتھ یہودیوں میں بھی نئی حرکت پیدا ہوگئی۔ اُنکے مدبروں نے فیصلہ کیا کہ جرمنی، ٹرکی، اور اس کے اتحادیوں کی فتح سے اُن کا کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا بلکہ اُلٹا نقصان ہوگا۔ لہٰذا اُنھوں نے برطانیہ کا ساتھ دیا اور جنگ میں اپنی دولت و اثر سے اُس کی بہت بڑی مدد کی۔

اس تمام جدوجہد کا نتیجہ بالآخر یہ نکلا کہ یہودیوں کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوگئی۔ ۲ نومبر سنہ ۱۹۱۷ء کا دن ان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یہی وہ دن ہے جس میں برطانیہ نے یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کی تجویز منظور کی۔ یہ یادگار دستاویز "تصریح بالفور" کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ اُس وقت لارڈ بالفور برطانیہ کے وزیر خارجیہ تھے۔ انہی نے انگلستان کے مشہور یہودی ساہوکار لارڈ راتھچیلڈ کے نام سرکاری مراسلہ بھیجا تھا۔ اس مراسلہ کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:

تصریح بالفور

"میں انتہائی مسرت سے حکومت برطانیہ کی جانب سے آپکو اطلاع دیتا ہوں کہ ہز مجسٹی کی حکومت فلسطین میں یہودی قومی وطن کا قیام پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کرے گی۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ برطانیہ کوئی ایسی بات نہیں کرسکتی جو فلسطین کے غیر یہودی باشندوں کے

ٹھان لی تھی۔

اس سوال پر ترکی حکومت بھی سنجیدگی سے غور کر رہی ہے، کیونکہ جنگ کی صورت میں اُسے لامحالہ کسی ایک فریق کا ساتھ دینا پڑے گا۔

مکتوب عراق

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بغداد کے قلم سے)
(عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا)

تعلیم

مجھے اپنے اس پہلے مراسلہ میں عراق کی تعلیمی حالت پر کچھ نہ کچھ تبصرہ ضرور کرنا چاہیئے۔ کیونکہ تعلیم کا معاملہ نہایت اہم ہے خصوصاً عراق جیسے ملک کے لئے جو خود مختاری کے لئے بیچین ہے مگر فقدان علم کی وجہ سے اپنی آرزو پوری نہیں کرسکتا۔

بدنصیبی سے عراق میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کوئی درس گاہ موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عراقیوں کو بیرونی دنیا پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ زیادہ تر طالب علم قسطنطنیہ اور بیروت جاتے ہیں۔ کچھ کلکتہ بھی بھیجے گئے ہیں۔ یورپ اور امریکہ جانے والوں کی تعداد ابھی بہت کم ہے۔

موجودہ حکومت نے یا تو اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ ہی نہیں کی یا کی مگر موانع حائل ہوگئے۔ بہرحال عراق میں اعلیٰ تعلیم بالکل مفقود ہے۔ البتہ حکومت ابتدائی تعلیم کی اشاعت میں زیادہ مستعدی کا اظہار کر رہی ہے۔ اسوقت ابتدائی مدارس میں طالب علموں کی تعداد ۲۳۸۰۰ ہے۔ مکاتب میں ۱۳۴۵۵ ہے۔ اور شبینہ مدرسوں میں ۲۰۷۸ ہے یعنی کُل تعداد ۳۹۳۳۳ ہے۔ یہ تعداد اگر گذشتہ سالوں کے مقابلہ میں رکھی جائے، تو تقریباً ڈیوڑھی ہوگی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد ثانوی (سکنڈری) تعلیم کا درجہ ہے اور اسی تناسب سے اُس کی ترقی بھی ہونا چاہیئے۔ لیکن یہاں صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔ حکومت نے بغداد، موصل، نجف، بصرہ، حلہ، عمارہ، کرک، سلیمانیہ میں ثانوی مدرسے قائم کئے ہیں مگر طالب علموں کی تعداد ابتک ۷۶۱ سے زیادہ نہیں ہوسکی!

ابتدائی اور ثانوی کے علاوہ دو مدرسے معلمین کی تعلیم کے لئے بھی ہیں۔ ایک مردوں کے لئے اور ایک عورتوں کے لئے۔ اول الذکر میں طالب علموں کی تعداد ۲۹۵ ہے اور ثانی الذکر میں ۸۸۔

تعلیم کی زبان عربی ہے اور درجۂ تعلیم کچھ زیادہ پست نہیں ہے۔ البتہ مدرستہ الحقوق (یعنی مدرسۂ قانون) اور مدرستہ الہندسہ (یعنی انجینیری کے اسکول) میں تعلیم کا معیار نہایت ناقص ہے۔ اس لئے کہ یہاں بھی تعلیم عربی ہی میں ہوتی ہے۔ اور عربی زبان میں ان علوم پر کتابیں بہت کم ہیں۔ عراقی طالب علم چونکہ کوئی یورپین زبان جانتے نہیں، اس لئے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا ہے کہ صرف اُن یادداشتوں کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے جو طلبا اساتذہ کی تقریروں سے طیار کرلیتے ہیں۔

البتہ ایک بات بہت امید افزا ہے اور وہ یہ ہے کہ اب حکومت نے اپنے خرچ سے طالب علموں کو یورپ اور امریکہ بھیجنا شروع کردیا ہے۔ اسوقت ان طالب علموں کی تعداد چالیس تک پہنچی ہے لیکن اسی سال ۲۵ کا اور اضافہ بھی ہونے والا ہے۔ انکے علاوہ چند طالب علم وزارت جنگ نے انگلستان بھیجے ہیں اور محکمہ بیطری نے چند لڑکوں کو کلکتہ کی درس گاہوں میں بھیجدیا ہے۔

امیر فیصل سے ملاقات

چند دن ہوئے امیر فیصل "شاہ عراق" نے ایک مصری اخبار نویس کو اپنی ملاقات کا موقعہ دیا۔ مقامی اخبارات نے ملاقات کی حسب ذیل تفصیل شایع کی ہے:

انگریزی عراقی معاہدہ کے متعلق امیر فیصل نے کہا "اس معاہدہ کی مدت، ۱۹۲۸ء کے آغاز میں ختم ہوجائے گی۔ معاہدہ میں ایک دفعہ اس بارے میں موجود ہے کہ ہر چار سال بعد معاہدہ کی تجدید یا ترمیم ہوا کرے گی۔ عراق میں جوں جوں قابلیت پیدا ہوتی جائے گی، برطانیہ اُسے زیادہ آزادی اور حقوق دیتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ ایک دن مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) کا ممبر ہوجائے گا، اور دُنیا کے دوسرے خود مختار ملکوں کی طرح ایک خود مختار ملک کی زندگی بسر کرسکے گا"

امیر فیصل نے کہا "مجھے یقین ہے عراق بہت جلد یہ درجہ حاصل کرلے گا۔ بہت جلد سے میری مراد ایک دو سال ہے"

مجھے اُمید ہے آپکے قارئین کرام کا ذوق سیاسی اس سے مستغنی ہوگا کہ میں امیر کے بیان پر رائے زنی کروں۔

عراق کی حکومت کو اب تک بیرونی سلطنتوں نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ اس کے متعلق امیر فیصل نے کہا:

"ہماری نظر میں اس مسئلہ کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ کیونکہ جن سلطنتوں کے فوائد عراق سے وابستہ ہیں، وہ ایک نہ ایک دن ہماری حکومت کے اعتراف پر ضرور مجبور ہوجائیں گی۔ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ہمارے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں۔ مستقبل قریب میں ہم ٹرکی سے سیاسی تعلقات قائم کرسکیں گے۔ حکومت ایران کے نمائندے نے اگرچہ مجلس اقوام میں عراقی حکومت کا وجود تسلیم کرلیا ہے مگر طہران کی مرکزی حکومت نے اب تک عملی اعتراف کا کوئی ثبوت نہیں دیا"

اب تک عراق کے قنصل دوسرے ملکوں میں موجود نہیں ہیں۔ بیرونی دنیا میں عراق کے معاملات کا ذمہ دار صرف برطانیہ ہے۔ اس صورت حال کی تاویل ہمارے "خود مختار بادشاہ" نے یہ کی:

"عراق کو اس کی ذرا بھی فکر نہیں ہے۔ کیونکہ بجز ایران اور ٹرکی کے بیرونی دنیا میں ہمارے مصالح کہیں بھی نہیں ہیں۔ جب ان دونوں پڑوسیوں سے ہماری مفاہمت ہوجائے گی تو ہم سیاسی نمائندوں کا تبادلہ کریں گے۔ دوسرے ملکوں سے اس طرح کے علائق پیدا کرنے کا ہمیں کوئی خیال نہیں ہے!"

یہ کہنا ضروری نہیں کہ عراق کی "دو سال کے اندر" ملجانیوالی "خود مختاری" کے ساتھ یہ توجیہ کہاں تک جمع ہوسکتی ہے؟ مصر کے موجودہ ذہنی انقلاب کے متعلق امیر نے یوں اظہار خیال کیا:

"میں نے اس ذہنی انقلاب کی پوری تحقیق نہیں کی ہے۔ اس لئے میری رائے چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔ تاہم اپنی محدود واقفیت کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر مصر برابر اسی طرح ذہنی ترقی کرتا گیا تو بہت جلد مغربی قوموں کے برابر ہوجائے گا۔ البتہ یہ بھی ضروری ہے کہ ذہنی انقلابوں کی بنیادیں ہمیشہ قومی روایات پر قائم ہونا چاہئیں۔ اسوقت مصر، تمام عربی ممالک کے لئے شمع ہدایت بنا ہوا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسکی ذہنی ترقی صالح روایات پر مبنی ہو، تاکہ دوسری عربی قومیں بھی اپنی عربیت و قومیت قائم رکھتے ہوئے اس کا ساتھ دے سکیں۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ قومی بیداری صرف عقل و ذہن ہی تک محدود نہیں رہنا چاہیئے۔ عملی بیداری بھی ہونی چاہیئے۔ مجھے افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مشرق کی موجودہ بیداری محض ذہنی و نظری ہے۔ حالانکہ قومیں عملی بیداری ہی سے کامل قومی ترقی حاصل کرسکتی ہیں"

عراقی فوج اور برطانیہ

انگریزی عراقی معاہدہ کی ایک دفعہ یہ ہے کہ ۱۹۲۸ء میں معاہدہ پر نظر ثانی کی جائے گی، اور برطانیہ اپنی تمام فوجی قوت ملک سے ہٹالے گا۔

اب جبکہ یہ مدت ختم ہو رہی ہے تو قدرتی طور پر عراقی حکومت کو خیال ہوا کہ اپنی قومی فوج میں اضافہ کرے۔ چنانچہ اُسنے جبری بھرتی کی تجویز منظور کرلی۔ برطانی ہائی کمشنر پہلے تو برابر خاموش رہا، لیکن جب حکومت نے عملاً کارروائی شروع کردینی چاہی تو اُسنے اعتراض کیا اور اس تجویز سے حکومت کی مخالفت ظاہر کی۔

اُسنے اپنے نوٹ میں لکھا ہے

"عراق کی مدافعت صرف عراقی فوج نہیں کرسکتی۔ اُسے برابر انگریزی قوت کی ضرورت ہے۔ عراق کے پاس ہوائی بیڑہ موجود نہیں ہے۔ اس بیڑے اور فوج کی تنظیم کے لئے کافی روپیہ بھی نہیں ہے۔ لہذا جبری بھرتی کی تجویز ناقابل عمل ہے۔ علاوہ بریں یہ غیر ضروری بھی ہے۔ کیونکہ برطانیہ اپنی "دوستی" میں برابر "وفادار" ہے اور عراق کی مدافعت کی ذمہ داری قبول کرچکا ہے"!

یہ ہے ہمارے امیر کی وہ موعودہ خود مختاری جس کا دو تین سال کے اندر انہیں انتظار ہے!

برطانی ہائی کمشنر کے اس اعتراض پر عراقی وزارت نے اپنا استعفا پیش کردیا۔ مگر امیر نے منظور نہیں کیا اور اسپر زور دیا کہ حکومت برطانیہ سے مزید گفت و شنید جاری کی جائے۔

اسوقت صرف یہ فوج ہی کی مشکل درپیش نہیں ہے بلکہ ایک دوسرا معاملہ بھی درپیش ہے۔ عراقی حکومت نے برطانیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ریلوے اور بندرگاہ سے دست بردار ہوجائے جیسا کہ اُسنے وعدہ کیا تھا مگر برطانیہ اسپر آمادہ نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ کیوں آمادہ ہو؟

کویت کی پنچایت

نجد و عراق میں کئی سال ہوئے ایک معاہدہ ہوا تھا اور فریقین نے اتفاق کیا تھا کہ وقتاً فوقتاً عراقی اور نجدی نمائندوں کی پنچایت منعقد ہوا کرے اور قبائل کے تمام باہمی معاملات کا فیصلہ اُسی کے ہاتھ میں ہو۔ چنانچہ اس قسم کی ایک پنچایت اسی ماہ کویت میں منعقد ہونے والی ہے۔ کیونکہ ادہر عراقی نجدی قبائل میں کئی لڑائیاں اور غارت گریاں ہوچکی ہیں۔

کُردستان

سلیمانیہ کی کمشنری میں کُردوں کے دو علاقے "شاہ بازار" اور "بنجوین" اب تک حکومت عراق کے مطیع نہیں ہوئے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان علاقوں کے باشندے قرب و جوار کے علاقوں پر حملے بھی کرتے رہتے تھے۔ اس ہفتہ حکومت نے "بنجوین" کے شہر پر فوجی قبضہ کرلیا ہے اور مشہور کُردی زعیم شیخ محمود سے لڑائی ہو رہی ہے

ہے کہ "ملک میں ہم نے پوری طرح امن امان قائم کردیا ہو اگرچہ کبھی کبھی ہتیار بند ٹولیاں غارت گری کرجاتی ہیں" ایک اعتبار سے یہ بیان صحیح ہو۔ بلاشبہ اسوقت دروز کوئی قابل ذکر جنگی کارروائی نہیں کررہے ہیں۔ لیکن یہاں ہر شخص جانتا ہو اور خود حکومت فرانس بھی جانتی ہو کہ یہ سکون، ایک آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ہو۔

شام کی قومی تحریک

اس نقطہ پر پہنچنے کے بعد قدرتی طور پر سوال ہوتا ہو کہ آخر شام کی قومی تحریک کیا ہو؟ اُس کے مقاصد کیا ہیں؟ اُس کی تاریخ کیا ہو؟ جواب کے لئے بڑی تفصیل کی ضرورت ہو اور وہ اس مراسلہ میں ممکن نہیں۔ تاہم ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہو تاکہ آپکے قارئین حقیقت حال سے بے خبر نہ رہیں۔

شام کی قومی تحریک کے متعلق یہ سمجھنا سخت غلطی ہو کہ وہ فرانس کی خصومت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ یہ تحریک جنگ عمومی سے پہلے بھی موجود تھی اور خود عثمانی حکومت کے مقابلہ میں شروع ہوئی تھی۔

جنگ عام میں شام کا رجحان دول اتحاد کی طرف تھا اور اسی رجحان کی وجہ سے شام کو مرحوم جمال پاشا کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلنی پڑیں۔ اتحادیوں کی طرف یہ رجحان محض اس لئے تھا کہ شام امید کرتا تھا وہ اتحادیوں کے ذریعہ اپنی وطنی آزادی حاصل کرسکے گا۔ اتحادیوں میں فرانس سے اُسے بڑی عقیدت تھی۔ کیونکہ فرانس ۵۰ برس سے یہاں اپنا اثر پھیلا رہا تھا، اور شامی تحریک کی علانیہ پیٹھ ٹھونکتا تھا۔ یہی وجہ ہو کہ جب جنگ کے خاتمہ پر فرانس کو شام کی وصایۃ (مینڈٹ) ملی تو ملک میں مسرت کے نعرے بلند ہوگئے اور سادہ لوح باشندوں نے یقین کیا کہ اب فرانس کے ہاتھوں آزادی کی دولت ضرور ملجائے گی۔ مگر اُنھیں جلد ہی اپنی غلطی معلوم ہوگئی۔ اُنھوں نے دیکھ لیا کہ فرانس ترکوں سے بھی زیادہ مستبد اور سخت گیر ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ آزادی دینی نہیں چاہتا، بلکہ اُن کی قومیتا بھی برباد کرڈالنا چاہتا ہو۔

فرانس نے قبضہ حاصل کرتے ہی یہ کیا کہ ملک کے چار ٹکڑے کرڈالے، اور چاروں کو ایک دوسرے سے بالکل مختلف نظام اور دستور کے ماتحت رکھا۔ چنانچہ لبنان ایک علحدہ "جمہوریت" بنادی گئی۔ دمشق کی حکومت الگ کردی۔ جبل حوران کو بھی ایک علحدہ قطعہ بنادیا۔ اور اسی طرح بلاد علوین کو بھی ایک مستقل ملک قرار دیدیا۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے ان چاروں حصوں میں کسی قسم کا سیاسی، اجتماعی، اور انتظامی رشتہ وارتباط باقی نہ رہے، بلکہ الگ الگ ہوکر ایک دوسرے کی مخالفت شروع کردیں۔

یہی نہیں بلکہ ہر حصۂ ملک میں فرقہ وارکش مکش بھی پیدا کردی جو مشرق میں مغربی حکومتوں کا سب بڑا آلہ کار ہو۔ پہلے مسلمانوں عیسائیوں، یہودیوں میں پھوٹ ڈال دی۔ پھر ان میں سے ہر فرقہ کی مختلف شاخوں کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کردیا۔ عرب اور غیر عرب کا جھگڑا، شیعہ اور سنی کا جھگڑا، ترکوں اور چرکسیوں کا جھگڑا، ارمنی اور یہودیوں کا جھگڑا، غرضکہ بے شمار فتنے پیدا کردیئے۔

لیکن باوجود ان تمام ریشہ دوانیوں کے مجموعی طور پر شام کے وطن پرست اب تک اپنی اصلی تحریک بچائے ہوئے ہیں۔ اُن کا مطالبہ صرف ایک ہو، اور وہ یہ ہو کہ فرانس شام کو خالی کردے۔ وطنی جماعت سے اتر کر معتدل پارٹی ہو، اور اُسکا مطالبہ یہ ہو کہ شام کی موجودہ تقسیم منسوخ کردی جائے، اور ملک کو اندرونی خودمختاری دیدی جائے۔ تیسرا گروہ ابن الوقت لوگوں کا ہو۔ وہ فرانس کے بھی حامی ہیں اور گاہ گاہ ملک کے بھی حامی ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں کا خیال ہو کہ جس طرح برطانیہ نے عراق اور شرق یردن میں دو برائے نام پادشاہ بٹھادیئے ہیں، اسی طرح فرانس کو بھی شام میں ایک "پادشاہ" کا پتلہ بٹھا دینا چاہئے۔ اس سلسلہ میں متعدد شاہزادوں اور امیروں کا نام لیا جاتا ہو جن کا ذکر اوپر آچکا ہو لیکن زیادہ میلان عباس حلمی سابق خدیو مصر یا ان کے چھوٹے بھائی پرنس محمد علی اور پرنس یوسف کمال کی طرف ظاہر کیا جاتا ہو۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

مکتوبِ مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

انگریزی مصری نزاع

پچھلے مکتوب میں اس نزاع اور اُس کے بنیادی نقطوں پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ نزاع کی اصلی بنیاد درحقیقت مصری فوج کا معاملہ ہو۔ مصری حکومت انگریزی "سردار" کا عہدہ منسوخ کرکے فوج اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہو۔ برطانیہ اسے منظور نہیں کرتا۔ اور مصر کو مصنوعی آزادی اور نام نہاد خودمختاری دیکر بدستور محکوم رکھنا چاہتی ہو۔

اس نزاع میں برطانیہ نے اپنے وہ تمام حربے استعمال کئے جن کا وہ مدت سے عادی ہو۔ سر آسٹن چمبرلین نے پارلیمنٹ کے ایوان میں کھڑے ہوکر اپنا وہی پرانا راگ الاپا "یورپین باشندوں کی زندگی خطرے میں ہو!" ساتھ ہی جنگی جہاز بھی بھیجدیئے۔ نیز برآں تمام یورپ میں مصر کے خلاف دعایۃ (پروپگنڈا) شروع کردی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فرانس، اٹلی، اور بعض دوسرے یورپین ممالک کے اخباروں نے مصر کے خلاف زہر اُگلنا اور برطانیہ کو سخت سے سخت کارروائی کا مشورہ دینا شروع کردیا۔ درحقیقت فرانس اور اٹلی، دونوں مصر کی بیداری سے اُسی طرح خائف ہیں، جس طرح خود برطانیہ ہو۔ اٹلی کو خوف طرابلس کی وجہ سے ہے فرانس کو الجزائر، ٹیونس، مراکش، اور خود شام کی وجہ سے۔

لیکن ان تمام دھمکیوں اور تہدیدوں کا اثر کیا ہوا؟ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ مصری حکومت انگریزی قوت کے سامنے فوراً جھک جائے گی۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہو کہ وہ زمانے لدگئے جب اس طرح کے مظاہرے رعب پیدا کردیا کرتے تھے۔ مصری حکومت خلاف توقع اسوقت تک اپنے مسلک پر قائم رہی ہو۔

جان بُل کی عادت ہو کہ جب دھمکی سے حریف مرعوب نہیں ہوتا تو خود نرم پڑجاتا ہو۔ چنانچہ مصری حکومت کی استقامت دیکھتے ہی لارڈ لائیڈ جارج بہت کچھ نرم پڑگئے ہیں اور اپنے مطالبا ہلکے کرتے جاتے ہیں۔ ابھی تک نزاع ختم نہیں ہوئی ہو۔ لیکن خیال کیا جاتا ہو کہ امروز فردا میں نرم گرم تصفیہ ہوجائے گا۔

انگریزی مصری گفت وشنید پردۂ راز میں ہو۔ لیکن یہاں کے اخبارات نے وہ بنیادی نقطے شایع کردیئے ہیں جن پر مصری حکومت کی آخری یادداشت مبنی ہو۔ وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) مصری پارلیمنٹ بدستور تنفیذی قوت کی نگرانی کا حق رکھتی ہو۔

(۲) وزارت جنگ اور اُس کی تمام شاخوں پر مصری پارلیمنٹ کا اقتدار قائم رہے گا۔

(۳) وزارت جنگ کی تمام مجالس بدستور قائم رہیں گی اور اُن کی موجودہ قوت واختیار میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۴) تمام سرزمین مصر پر مصری حکومت کا اقتدار برقرار رہے گا، اور پوری مملکت کی نگرانی مصری پارلیمنٹ کے ہاتھ میں رہے گی۔

اگر برطانیہ نے یہ بنیادیں تسلیم کرلیں، جس کا قوی امکان ہو، تو موجودہ نزاع کا خاتمہ ہوجائے گا۔

مصر کی ذہنی واجتماعی ترقی

جنگ عظیم کے بعد مصر نے صرف سیاسی ترقی ہی نہیں کی بلکہ اُس کی ذہنی واجتماعی حالت میں بھی عظیم تغیرات ہوئے۔ یہ تغیرات کس درجہ تک پہنچ چکے ہیں؟ اس کا جواب مشکل ہو۔ بیرونی دنیا اس کا اندازہ نہیں کرسکتی۔ البتہ سیاسی ترقی، ہمیشہ ذہنی واجتماعی ترقی کا نتیجہ ہوتی ہو۔ مصر کی موجودہ سیاسی بیداری سے اُس کی ذہنی واجتماعی بیداری کا اندازہ کیا جاسکتا ہو۔ پچھلے دنوں یہاں "مؤتمر عربی" منعقد ہوئی تھی، جس کا تذکرہ اپنے پچھلے خط میں کرچکا ہوں اس مؤتمر میں دوسرے عربی ممالک کے جو فضلا آکر شریک ہوئے تھے، انھیں مصر کی حالت دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔ ذیل میں صرف ایک مشہور شامی فاضل علامہ محمد کرد علی کے تاثرات درج کئے جاتے ہیں جن کا اظہار اُنھوں نے شام میں جاکر کیا ہو۔ موصوف کہتے ہیں:

"سب سے پہلے میں نے سنہ ۱۹۰۱ء میں مصر کی زیارت کی تھی آخری سفر کا ۲۶ سال کے بعد اب اتفاق ہوا۔ مجھے وہ انقلاب عظیم دیکھ کر سخت حیرت ہوئی جو اس چوتھائی صدی کے اندر مصر پر طاری ہوگیا ہو۔ میں نے اپنے اس آخری سفر میں مصر کا پوری طرح مطالعہ کیا۔ ہر طبقہ کو غور سے دیکھا۔ تقریریں سنیں، قصیدے سنے، انجمنیں دیکھیں۔ تھیٹر دیکھے۔ اخبارات کا معائنہ کیا۔ کتبخانوں کی سیر کی۔ غرضکہ ہر پہلو پر نظر ڈالی۔ مجموعی طور پر میں نے یہ اثر قبول کیا کہ مصر نے حیرت انگیز ترقی کرلی ہو۔ سب سے زیادہ نمایاں حقیقت میں نے یہ دیکھی کہ فرانسیسی تہذیب، جس کی تخم ریزی فرانسیسی علماء نے انیسویں صدی کے اوائل میں کی تھی وہ مصر کے انگریزی اقتدار سے مغلوب نہ ہوسکی، بلکہ اُسنے انگریزی تہذیب کی خصوصیات کو شکست دیدی۔ مصر نے اس تمدن میں تراش خراش کرکے ایسی تبدیلی پیدا کرلی ہو کہ وہ فرانسیسی کی جگہ مصری یا عربی تمدن بن گیا ہو۔ اسوقت کا قاہرہ، پرانے زمانہ کا بغداد، قرطبہ، اشبیلیہ، طلیطلہ، غرناطہ ہے اسے صحیح معنوں میں تمام عربی دنیا کا علمی وذہنی مرکز تسلیم کرنا چاہئے۔ اسوقت ملک میں دس ہزار مکتب جاری ہیں۔ لیکن مصری حکومت اسے کافی نہیں سمجھتی۔ دس ہزار مزید جاری کرنا چاہتی ہو"۔

دینی یا شہری حقوق کے منافی ہو۔ میں ممنون ہوں گا اگر آپ یہ تصریح صیہونی انجمن تک پہونچا دیں"

یہ تصریح دراصل ڈاکٹر حایم دیزمان کی کوششوں سے حاصل ہوئی تھی - یہ اُسوقت صیہونی انجمن کی انتظامی مجلس کے ممبر تھے اور اب اُس کے صدر ہیں - اس تصریح کے صادر ہوتے ہی فرانس اٹلی، جاپان، اور امریکہ نے اسے تسلیم کرلیا۔ یہودیوں نے ایک لمحہ ضایع کئے بغیر عملی کارروائیاں شروع کردیں۔ ڈاکٹر دیزمان کی صدارت میں ایک نمائندہ وفد فلسطین بھیجا گیا تاکہ برطانوی حکام کی تائید سے یہودیوں کی ہاجرت اور آبادی کا سامان مہیا کرے۔

یہودیوں نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ مجلس اقوام سے بھی اس کی تصدیق چاہی - چنانچہ فلسطین کی برطانی وصایتہ (مینڈیٹ) کی دستاویز کے دیباچہ میں تحریر ہے "تمام دول اتحاد اس بات پر متفق ہیں کہ برطانی سلطنت اُس تصریح کو عملاً کامیاب بنانے کے لئے ذمہ دار ہے جو ۲ نومبر کو اُس کی جانب سے ظاہر کی گئی ہے"

اس دستاویز کی دفعہ ۲ میں ہے:

"حکمبردار حکومت اس امر کی ذمہ دار ہے کہ ملک (فلسطین) میں ایک ایسی سیاسی، انتظامی، اقتصادی صورت حال پیدا کردے جو یہودی وطن کے قیام کے لئے ضروری ہے"

چوتھی دفعہ میں ہے:

"یہ طے پاگیا کہ یہودیوں کی نمائندہ مجلس، فلسطین میں ایک ذمہ دار مجلس تسلیم کی جائے گی، اور اُن تمام اقتصادی و اجتماعی معاملات میں اُس سے مشورہ لیا جائے گا جن کا تعلق "یہودی وطن" سے ہے - یہ بھی طے پاگیا کہ صیہونی انجمن ہی ایک ایسی مجلس ہے جو یہودیوں کی قائم مقام اور ذمہ دار ہے۔ لہذا وہ اُسوقت تک یہودیوں کی نمائندہ تسلیم کیجائے گی جب تک اپنی یہ حیثیت برقرار رکھے گی۔ لہذا صیہونی انجمن کو اختیار دیا جاتا ہے کہ برطانیہ کے مشورہ سے وہ تمام تدابیر اختیار کرے جن سے "قومی وطن" کے لئے دُنیا بھر کے یہودیوں سے امداد و اعانت حاصل کی جا سکتی ہے"

غرضکہ اس دستاویز میں اسی طرح کی اور بھی کئی تصریحیں موجود ہیں۔

اجراء، عمل، اور ترقی!

جس دن سے بالفور کی تصریح جاری ہوئی ہے، یہودی اپنی تجویز کو حیرت انگیز سرگرمی اور جوش سے عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اُنھوں نے کئی مجلسیں بنا رکھی ہیں:

(۱) عام صیہونی انجمن - اس کی ۶۷ شاخیں ہیں اور دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں - اس انجمن میں ہر یہودی مقررہ فیس ادا کرکے داخل ہو سکتا ہے - ۱۹۲۵ء میں اس کے ممبروں کی تعداد ۶ لاکھ تیس ہزار تھی - اس انجمن کی سالانہ کانفرنس درحقیقت صیہونی تحریک میں سب سے زیادہ با اختیار مجلس ہوتی ہے - یہی پروگرام بناتی، عزل و نصب کرتی، میزانیہ منظور کرتی اور نئے سال کے لئے مختلف مجلسیں منتخب کرتی ہے۔

ان کمیٹیوں میں سب سے زیادہ اہم اُس کی جمعیتہ عاملہ اور مرکزی جمعیتہ ہے - جمعیتہ عاملہ میں دس ممبر ہوتے ہیں - ۵ ہمیشہ لندن میں رہتے ہیں اور ۵ بیت المقدس میں - ان کا کام اُن تمام اقتصادی سیاسی مسائل کا حل کرنا ہے جن کا تعلق فلسطین کے یہودیوں سے ہے۔

(۲) مالی مجالس - ان سے مقصود یہودی وطن کی مالی ضروریات کا پورا کرنا ہے - یہ مجالس دراصل تین بنیک ہیں:

(۱) یہودی نوآبادی بنیک - اس کا دفتر لندن میں ہے اور راس المال تین لاکھ پونڈ ہے۔

(۲) فلسطینی انگریزی انجمن - اس کا راس المال بھی ۳۰ لاکھ پونڈ ہے

(۳) یہودی بیت المال - اس کا دفتر بھی لندن میں ہے اور سرمایہ ۲۲ لاکھ پونڈ ہے۔

یعنی یہودیوں کی قومی تحریک کے پاس اسوقت ۸۲ لاکھ پونڈ ۱۲ کروڑ روپیہ موجود ہے۔

یہ ہے وہ عملی قوت جس سے قومیں مرکز زندہ ہوتی ہیں! یہ وہ قوم تھی جس کا حوادث عالم خاتمہ کرچکے تھے جس کی پیشانی پر ذلت و مسکنت کی مُہر لگ چکی تھی - جو دنیا کے ہر گوشہ میں مظلوم، بے بس، اور تباہ حال تھی - جس کی کُل تعداد چند ملین نفوس سے زیادہ نہیں - بااینہمہ جب اُسنے زندہ ہونے اور زندہ رہنے کا فیصلہ کرلیا تو دُنیا کی کوئی رکاوٹ بھی اس کی راہ نہ روک سکی - حتیٰ کہ بڑی بڑی طاقتور حکومتوں کو بھی راستہ خالی کردینا پڑا!

لیکن اُس کے مقابلہ میں ہمارا کیا حال ہے؟ اُن مشرقی اقوام کا کیا حال ہے جو صدیوں سے حکمرانی کرتی آئی ہیں - جو اب بھی حکومت کی عزت سے محروم نہیں، جنھیں حکومت کے تخت سے اُترے ابھی پُوری ایک صدی بھی نہیں گزری ہے - جن کی تعداد کروڑوں نفوس سے متجاوز ہے - اور جو اپنی قومی کامرانیوں اور فتحمندیوں کی ایک مسلسل اور قریبی تاریخ رکھتی ہیں؟

جواب کی ضرورت نہیں، لیکن یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا جب غفلت دُور ہوگی اور دانش رفتہ واپس آجائے گی؟ ان فی ذلک لذکریٰ لمن کان لہٗ قلب او القی السمع وہو شہید!

مکتوب شام

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیروت کے قلم سے)

(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

شام کا مستقبل

شام کے فرانسیسی ہائی کمشنر ایم ہنری پونسو، مدت سے پیرس میں مقیم ہیں - ملک میں عام طور پر خیال کیا جا رہا ہے کہ ان کی غیر حاضری محض اس وجہ سے ہے کہ نئی اصلاحات کے اجراء کے لئے وہ مرکزی حکومت سے مشورے کر رہے ہیں۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا اُن کی اس پُر اسرار غیر حاضری کی اصلی وجہ کیا ہے؟ لیکن اس کی وجہ سے ملک میں عام بےچینی پھیلی ہوئی ہے ایک گروہ اس صورت کو نیک شگون سمجھتا ہے اور بڑے بڑے ہوائی قلعے بنا رہا ہے - دوسرا گروہ اسے شگون بد سمجھتا ہے اور نا اُمیدی کا اظہار کر رہا ہے - شاید ہائی کمشنر کے روپوش کردینے میں حکومت کی بھی یہی مصلحت تھی کہ ملک کے جذبات میں اختلاف حال پیدا ہوجائے اور متحدہ مطالبے کی قوت کمزور پڑجائے - اگر یہی مصلحت تھی تو اسمیں شک نہیں کہ یہ ایک حد تک کامیاب ہوئی ہے!

آئندہ شام کا نظام حکومت کیا ہوگا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب اسوقت کوئی بھی نہیں دے سکتا - حتیٰ کہ خود فرانس بھی نہیں دے سکتا - شام کے بارے میں فرانس کی پالیسی ابتک نہایت مضطرب رہی ہے - کبھی وہ چاہتا ہے اس ملک کو الجزائر کی طرح اپنا ایک محکوم نوآباد علاقہ بنالے - کبھی سوچتا ہے ٹیونس کی سی برائے نام ریاست قائم کردے - کبھی امیر عبدالقادر الجزائری مرحوم کی اولاد کی طرف میلان ظاہر کرتا ہے - کبھی شام کے تخت کے لئے سلطان عبدالحمید کے کسی لڑکے کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے - کبھی شریف حسین سابق شاہ حجاز کے بیٹوں پر اُس کی نظر پڑتی ہے - غرضکہ اُس کا مسلک ابتک استوار نہیں ہوا ہے۔

شام کی موجودہ مشکلات درحقیقت اسی سیاسی اضطراب کا نتیجہ ہیں - جب تک فرانس اپنی روش مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں کرے گا، اُسوقت تک یہ مشکلات دُور نہیں ہوں گی۔

ایک نیا نظریہ

آجکل دمشق میں مغرب اقصیٰ کے ایک وزیر سید قدور بن غبریط آئے ہوئے ہیں - انھوں نے اپنی آمد کی غرض یہ بتائی ہے کہ پیرس کی مسجد کے لئے چندہ جمع کرنا چاہتے ہیں - لیکن یہاں کی عام رائے اسے تسلیم نہیں کرتی - لوگ کہتے ہیں یہ کام اتنا اہم نہ تھا کہ اس کے لئے ایک وزیر اپنے فرائض وزارت چھوڑکر اتنا طویل سفر اختیار کرتا - پھر اگر یہ کام اتنا ہی اہم تھا تو بھی شام میں چندہ کی تحریک کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا - کیونکہ ملک اندرونی شورشوں سے برباد ہو رہا ہے - چندے کے لئے سب سے مناسب مقام، مصر اور ہندوستان تھے - (ہم اس پر اتنا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ "سب سے مناسب مقام" اب اگر صرف مصر ہی کو سمجھا جائے تو ہندوستان کو کوئی شکایت نہ ہوگی! - الہلال)

پھر آخر سید قدور بن غبریط کیوں آئے ہیں؟ اس کا جواب وہی دیا جا رہا ہے جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں، یعنی فرانس کی سیاسی حکمت عملی کا اضطراب - خیال کیا جاتا ہے اب فرانس، شام کو مراکش کے ماتحت کردینا چاہتا ہے - اس کی صورت یہ تجویز ہوئی ہے کہ "سلطان" مراکش کے بھائی یا لڑکے کو شام کا "بادشاہ" بنا دیا جائے گا - اور حکومت کی باگیں مراکش کے فرانسیسی حکام کے ہاتھوں میں رہیں گی!

اگر یہ افواہ صحیح ہے تو بدنصیب شام کی طرح فرانس کے تدبر پر بھی ماتم کرنا چاہئے - شام، مراکش سے کہیں زیادہ متمدن اور ترقی یافتہ ملک ہے - بھلا شامی یہ تجویز ایک لمحہ کے لئے بھی قبول کرسکتے ہیں کہ مراکش کے ماتحت ہوجائیں؟ جب سے یہ افواہ مشہور ہوئی ہے ہر طرف عام ناراضی کا اظہار کیا جا رہا ہے - شام کے باشندے بڑے مہمان نواز ہیں، مگر اس افواہ نے اُنھیں سید قدور سے سخت متنفر کردیا ہے - چند دن کی بات ہے کہ دمشق کی بلدیہ (میونسپلٹی) کے رئیس نے مراکشی مہمان کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا اور معززین شہر کو خطوط کے ذریعہ دعوتیں بھیجی تھیں - مگر چونکہ اُسوقت تک یہ افواہ پھیل چکی تھی، اس لئے چھ سات آدمیوں سے زیادہ دعوت میں مجمع نہ ہوسکا اور اس مہمان "عزیز" نے معلوم کرلیا کہ شام اب اُنھیں اُنکے مقصد سفر سے الگ کرکے نہیں دیکھ سکتا!

جہاد آزادی

"دروز" ابتک جہاد آزادی سے تھکے نہیں ہیں - بلاشبہ اُنھیں سخت نقصانات برداشت کرنے پڑے - مٹھی بھر قوم اور فرانس جیسی سلطنت سے جنگ! تاریخ کی بڑی سے بڑی حیرت انگیز بات ہے - مگر یہ بہادر قوم کسی طرح بھی ہتیار رکھنے پر آمادہ نہیں ہوتی!

دروزیوں کی موجودہ قوت کیا ہے؟ اُن کا پروگرام کیا ہے یہ بات بھی ویسی ہی مبہم ہے جیسی خود فرانس کی حکمت عملی ہے۔ ہائی کمشنر نے پیرس میں تقریر کرتے ہوئے شام کی حالت یہ بتائی

اولاد میدان عمل میں ہمیشہ سرگرمی دکھاتی رہی۔ پنجاب میں آباد ہونے والے عام یونانیوں کے برعکس اس کی جد وجہد برابر جاری رہتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہی باختری یونانیوں نے ۱۸۰ء قبل مسیح میں دوبارہ ٹکسلا اور دیگر قریبی علاقوں پر اپنا قبضہ جما لیا۔

تورانیوں کا دور

یونانیوں نے ٹکسلا پر کچھ اوپر ایک سو سال تک حکومت کی۔ اس کے بعد سیستان کے رہنے والے تورانیوں نے جو ہندوستان میں آکر شاکا کہلائے تھے، دریائے اٹک کو عبور کر لیا اور پنجاب پر حملہ کر دیا۔ قریب ایک صدی قبل مسیح میں ٹکسلا پر ان کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اُن کے بعد اہل پارتھیا پہنچے اور اُن کا دَور دورہ رہا۔

اہلِ کشان کا حملہ

۵۰ء یا ۶۰ء میں اہل کشان نے جو اول اول چین کے شمال مغرب سے آئے تھے، اہل پارتھیا کو مغلوب کر کے وادیٔ کابل اور ٹکسلا پر قبضہ کر لیا۔ دوسری صدی عیسوی میں اہل کشان کا ایک عظیم الشان بادشاہ کنشک تخت نشین ہوا۔ اس کی سلطنت وسط ایشیا سے حدود بنگال تک پھیلی ہوئی تھی۔ پشاور (پرش پور) اس کا سرمائی دارالخلافہ تھا۔ پانچویں صدی عیسوی تک اہل کشان کا عروج رہا۔ پھر ان کا زوال شروع ہو گیا۔ ٹکسلا کی کھدائی میں بہت سے ساسانی سکے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ان سے قیاس کیا جاتا ہے کہ اہل کشان کے زوال کا ابتدائی باعث کوئی ساسانی حملہ ہوا تھا۔

ٹکسلا کی تباہی

لیکن اس خاندان کی آخری اور مکمل تباہی اس وحشی قوم کے ہاتھوں ہوئی جس کو افتالی کہتے ہیں۔ یہ لوگ ۴۵۵ء میں ایک بہت بڑی فوج لے کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔ کشان کی سلطنت زیر نگیں کر لی۔ اور خاندان گپتا کی عظیم الشان سلطنت کو بھی تباہ اور برباد کر دیا۔ ایک چینی سیاح فاہیان نامی نے ۴۰۰ء میں ٹکسلا آکر بدھ مذہب کے مقدس مقامات کی زیارت کی تھی۔ اس کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت شمال مغربی ہندوستان میں بدھ مذہب کی زیارت گاہیں بہت آباد اور مشہور تھیں۔ لیکن ان افتالی وحشیوں نے یہ تمام علاقہ بڑی بے دردی سے ویران کر دیا۔ ٹکسلا اور دوسرے مقامات کی خانقاہیں اور مندر انہی لوگوں کے ہاتھوں برباد ہوئے۔ اس افتالی فتنہ کے بعد ٹکسلا کو پھر کبھی عروج نصیب نہیں ہوا۔ ساتویں صدی عیسوی میں ٹکسلا سلطنت کشمیر کا ایک صوبہ بن چکا تھا۔ اور مقامی حکام کی خانہ جنگیاں اس کے باقی ماندہ مندروں اور خانقاہوں کی تباہی کا باعث ہو رہی تھیں

موجودہ آثار

اب ہم ان خانقاہوں مندروں اور دوسری چھوٹی چھوٹی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جو ٹکسلا کی کھدائی سے برآمد ہوئی ہیں۔

دھرماراجیکا ستوپہ

اس سلسلہ میں سب سے پہلے قابل ذکر "دھرماراجیکا ستوپہ" ہے (ابتدا میں لفظ "ستوپہ" صرف ان ٹیلوں کے لئے استعمال ہوتا تھا جو مُردے دفن کرنے کی غرض سے بنائے جاتے تھے۔ لیکن بعد کو اس کا اطلاق ان ٹیلوں کے لئے مخصوص ہو گیا جو بُدھ یا بُدھ کے حواریوں کے تبرکات محفوظ کرنے یا کسی متبرک مقام کی یادگار قائم کرنے کے لئے بنائے جانے لگے) یہ ستوپہ، چیر ٹوپ کے نام سے بھی مشہور ہے بڑا ستوپہ تمرا نالہ کی سطح سے بہت اوپر ایک اونچے میدان میں واقع ہے۔ اس کے نزدیک دوسرے چھوٹے چھوٹے ستوپے، مندر اور حواریوں کے رہنے کے مکان بھی ہیں۔ بڑا ستوپہ گول ہے۔ اس کے گرد ایک بلند چبوترہ ہے جس میں چاروں طرف زینے لگے ہیں۔ یہ چبوترہ ستوپے کے گرد طواف کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ چھوٹے ستوپوں میں سے ایک ستوپے کا تبرک خانہ پتھروں کا بنا ہوا ہے۔ اس خانے کے اندر سے ایک ڈبیا ملی ہے جو چار انچ اونچی ہے۔ اس ڈبیا کے اندر ایک اور چھوٹی سی ڈبیا ہے اور اسمیں کچھ جلی ہوئی ہڈی، کچھ راکھ، اور سونے، موتی، اور ہڈی کے چند دانے پائے گئے ہیں۔ اسی خانہ میں پتھر کا ایک چھوٹا سا ستوپہ بھی دستیاب ہوا ہے جس کے نیچے کی طرف لعل، بلور، سنگ سلیمانی، یاقوت، نیلم، عقیق، فیروزہ، صدف، پکھراج، اور ہڈی کے سُفتہ دانے اور نگینے بڑی تعداد میں موجود تھے۔ ایک اور چھوٹے ستوپے کے تبرک خانہ سے کئی پُرانے سکے سیفٹی پن کی طرح سونے کا ایک زیور، نیلم، بلور، اور یاقوت کے دانے، اور مونگے کے ٹکڑے دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ چیزیں سرکار ہند نے لنکا کے پیروانِ بُدھ کو تحفہ کے طور پر دیدی ہیں اور اب لنکا کے ایک مندر میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ مندروں میں چونے اور مٹی کی کئی مورتیاں بھی ملی ہیں ایک اور چھوٹے ستوپے کے اندر سے چاندی کی ڈبیا ملی ہے جس کے اندر ایک اور چھوٹی سنہری ڈبیا تھی اس میں ہڈیوں کے چند باریک ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں۔ ان ہڈیوں اور جسم انسانی کی سوختہ راکھ کی نسبت علمائے آثار نے مختلف قیاسات لگائے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ خود بدھ اعظم کے نعش کی راکھ ہے، لیکن اس وقت تک بُدھ کے جس قدر حالات معلوم ہوئے ہیں اُن سے اس قیاس کی پُوری طرح تصدیق نہیں ہوتی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ بُدھ اعظم کی نہیں لیکن دوسرے اکابر مذہب کی نعش کا بقیہ ہے۔ غالبًا یہ دوسرا قیاس ہی قرین صواب ہے۔

ایک مندر میں بُدھ کے ایک مجسمہ کا ٹکڑا ملا ہے اسمیں صرف پاؤں اور لباس کا نچلا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ یہ پاؤں ایڑی سے انگوٹھے تک ۵ فٹ ۳ انچ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجسمہ قریبًا ۳۵ فٹ بلند ہوگا! ایک اور چھوٹے ستوپے سے سلطنت کشان کے ۵ طلائی سکے بھی دستیاب ہوئے ہیں۔

ان ستوپوں اور مندروں کے ساتھ بعض دوسری عمارات بھی ہیں۔ ایک گلی میں بُدھ کی دو بڑی بڑی مورتیں پائی گئی ہیں جن کے سر ضائع ہو چکے ہیں لیکن مُورت کی وضع سے حالت استغراق ظاہر ہوتی ہے۔ ان ستوپوں سے ذرا آگے ایک کھلے میدان میں ایک تالاب برآمد ہوا ہے۔ جس کے پہلوؤں میں چار چھوٹے چھوٹے ستوپے اور ہیں۔ یہ تالاب تورانی یا پارتھیائی عہد کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایک ستوپہ کے اندر سے برتن میں رکھی ہوئی کچھ راکھ اور عہد کنشک کے چند سکے بھی ملے ہیں۔

اِن کے علاوہ اور کئی طرح کے تبرکات اور بدھ کی مختلف حالتوں کی مورتیاں اور قدیم سکے بھی ملے ہیں جن سے ٹکسلا کی تاریخ پر نہایت قیمتی روشنی پڑتی ہے۔

کنال ستوپہ

دوسرا ستوپہ جو کھدائی سے برآمد ہوا ہے وہ ستوپہ کنال کے نام سے موسوم ہے۔ ہوآن چوانگ (چین کا مشہور سیاح) جب ٹکسلا آیا تھا تو وہ اسی شہر میں مقیم ہوا تھا۔ اسے آجکل سرسکھ کہتے ہیں۔ شہر کے مضافات میں جن چار بدھ یادگاروں کا اس سیاح نے ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک راجہ ایلا پترا کا تالاب تھا۔ یہ متبرک تالاب حسن ابدال میں واقع تھا جسے سکھ آجکل پنجہ صاحب کہتے ہیں اور جس کے متعلق اُن کی کئی عجیب غریب روایات مشہور ہیں۔ دوسرا ایک ستوپہ ہے جس سے بُدھ کی ایک پیشین گوئی کے مطابق خزانہ برآمد ہونا چاہئے تھا۔ تیسرا یہ تیسرا ستوپہ ہے جسے راجہ اشوک نے تعمیر کرایا تھا۔ چوتھا وہ ستوپہ ہے جسے راجہ اشوک نے اس مقام پر بنوایا تھا جہاں ایک روایت کے مطابق اس کے بیٹے کنال کی آنکھیں اُس کی سوتیلی ماں نے نکلوا دی تھیں۔

ستوپہ کنال شہر سرکپ کے مشرقی جانب واقع ہے۔ اس کی کرسی شمالاً جنوبًا ۱۰۵ فٹ لمبی، اور شرقًا غربًا ۶۴ فٹ چوڑی ہے یہ ستوپہ تیسری یا چوتھی صدی عیسوی کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایک چھوٹا سا ستوپہ اس ستوپے کے اندر سے بھی برآمد ہوا ہے۔

ستوپہ کنال کے نزدیک ایک خانقاہ بھی ہے۔ اس کی دیواریں جو ۱۳-۱۴ فٹ بلند تھیں اب بھی کہیں کہیں باقی ہیں۔ یہ خانقاہ قریبًا دو سو فٹ لمبی اور ڈیڑھ سو فٹ چوڑی ہے۔ چاروں طرف برآمدے اور حجرے بنے ہوئے ہیں۔

شہر سرکپ

شہر سرکپ کے کھنڈروں سے تمام شہر کا پُورا پُورا نقشہ ظاہر ہوتا ہے۔ مکانات، بازار، دکانیں، گلیاں، چوک، شاہی محل، چھوٹے چھوٹے ستوپے، مندر، یونیورسٹی کی عمارات، تمام کی تمام نمودار ہو چکی ہیں

برآمدشدہ اشیاء

اس شہر کی کھدائی سے ایک کثیر تعداد مختلف اشیاء کی برآمد ہوئی ہے۔ جن کا صرف اجمالی ذکر کیا جا سکتا ہے:

مٹی کے مختلف برتن۔ پانی پینے کے پیالے۔ بڑے بڑے گھڑے۔ پختہ مٹی کی چھوٹی چھوٹی مورتیں۔ کھلونے۔ سادہ اور نقش دار طشتریاں۔ آہنی برتن، پھاوڑے۔ کرسیاں۔ تپائیاں۔ گھوڑوں کی لگامیں۔ کنجیاں۔ تلواریں۔ تیر۔ کانسی اور تانبے کے برتن۔ عطر دان۔ کئی ہزار سکے۔ سونے چاندی کے زیور... مثلاً طلائی کنگنوں کی جوڑیاں۔ طلائی بالیوں کا ایک جوڑا۔ طلائی جھمکے طلائی جھومر۔ سونے کی انگشتریاں۔ طلائی زنجیریں۔ طلائی ہار۔ طلائی تعویذ طلائی آویزے جن میں یاقوت کے نگینے لگے ہوئے ہیں۔ طلائی سکے۔ طلائی تمغے۔ عقیق۔ یاقوت اور شیشے کے نگینے۔ مختلف سکے اور سکے ڈھالنے کے سانچے وغیرہ وغیرہ۔

بہت سی چیزیں جو اُس وقت کی تہذیب، تعلیم، تاریخ، اور تمدن پر روشنی ڈالتی ہیں۔ دستیاب ہو چکی ہیں۔

جنڈیال کے ٹیلے

شہر سرکپ کے شمال کی جانب کچا کوٹ سے گزر کر جنڈیال کے دو اونچے اونچے ٹیلے ہیں ان میں سے ایک ٹیلے کی کھدائی سے ایک مندر کے کھنڈر... برآمد ہوئے ہیں۔ یہ مندر ایک مصنوعی ٹیلے پر جو سطح زمین سے ۲۵ فٹ بلند ہے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس مندر کا طول ۱۵۸ فٹ ہے۔ اب تک یقین سے معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ مندر کس مذہب کا ہے؟ البتہ یہ ظاہر ہے کہ تورانی یا پارتھیائی عہد میں جب ٹکسلا میں زرتشتیوں کا زور تھا، تعمیر ہوا تھا۔

دوسرا ٹیلہ پہلے ٹیلے سے ذرا پچھم کی طرف ہے۔ اس ٹیلے پر بھی ایک بہت بڑی عمارت کے کھنڈر... موجود ہیں انہی ٹیلوں کے قریب دو اور چھوٹے ٹیلے بھی ہیں۔ ان میں سے ایک کے اندر سے ایک ستوپہ برآمد ہوا ہے اور دوسرے سے ایک ستوپہ کے آثار۔

شہر سرسکھ

سرکپ والے مندر سے قریبًا ڈیڑھ میل خانپور کی طرف شہر سرسکھ کے کھنڈرات ہیں۔ یہ شہر ٹکسلا کا سب سے آخری اور جدید شہر ہے۔ غالبًا راجہ کنشک نے آباد کیا تھا۔ شہر کی فصیل ساڑھے اٹھارہ فٹ موٹی ہے۔ اور فصیل کے باہر برج ہیں۔ سرسکھ کا عام نقشہ قریب قریب مستطیل ہے۔ یہاں سے چند تانبے کے سکے

شذرہ علیقہ

ٹکسلا

ہندوستان قدیم کا ایک مکمل منظر زمین کے نیچے!

دُنیا کے ایک عظیم تمدن کی سرگزشت اطلال و آثار کی زبانی!

پیروان بُدھ کے شہر، دار العلوم، خانقاہیں!

(از جناب میر ولی اللہ صاحب وکیل ایبٹ آباد)

راولپنڈی کے قریب ایک قدیم شہر کے جو آثار برآمد ہوئے ہیں، اور جن کا ذکر "ٹکسلا یونیورسٹی" کے نام سے تمام دنیا کے اخبارات میں ہو چکا ہے، موجودہ عہد میں علم الآثار کا نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔ سب سے بڑی خصوصیت اس اثر کی یہ ہے کہ یہ ایک پُرانی آبادی کا مکمل نقشہ دنیا کے سامنے نمایاں کر دیتا ہے۔ پُورا شہر، شہر کی تقسیم، اس کے محلے، اُس کی سڑکیں، اُس کی عمارتیں، اُس کے دینی و علمی حلقے، سب اس طرح سامنے آ جاتے ہیں، گویا حوادث و ایام کے قلم نے پُرانے کھنڈروں اور اُفتادہ دیواروں کی سیاہی سے صفحۂ ارض پر ایک پورا نقشہ کھینچ دیا ہے:

تلک آثارنا تدل علینا　　فاسئلوا حالنا عن الآثار

کسی پُرانے تمدن کا اتنا مرتب، مکمل، اور یکجا اثر بہت کم میسر آیا ہے۔

اس اکتشاف کے جستہ جستہ حالات اگرچہ شائع ہو چکے ہیں لیکن اسوقت تک پُوری شرح و تفصیل کے ساتھ کوئی نظر نہیں ڈالی گئی تھی۔ امید ہے میر ولی اللہ صاحب کی مندرجۂ ذیل تحریر دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ ہم کسی آئندہ اشاعت میں ٹکسلا کے ضروری نقوش و تصاویر بھی شائع کرینگے۔

جغرافیائی محل

راولپنڈی کے شمال مغرب میں بیس میل کے فاصلہ پر، ٹکسلا ریلوے سٹیشن کے شمال مشرق، ایک قطعۂ زمین ہے۔ یہاں آج سے چند سال پہلے صرف بے رونق زمین، اونچے اونچے ٹیلے، اور چھوٹی چھوٹی خشک پہاڑیاں تھیں، اور اب کچھ عرصہ سے زمین سے نکلے ہوئے مکانوں، خانقاہوں، مندروں کے کھنڈر .. دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن آج سے ڈیڑھ دو ہزار برس پہلے اسی قطعہ میں عظیم الشان شہر آباد تھے۔ ایسے شہر جن کی دولت و شوکت اور علمی کارناموں کو یونان اور ایران کی شاندار سلطنتیں بھی حیرت و رشک کی نگاہوں سے دیکھا کرتی تھیں!

یہ علاقہ ایک شاداب وادی میں واقع ہے جو دریائے ہرو اور اس کے دو معاونوں لنڈی اور تمراہ سے سیراب ہوتی ہے۔ اس علاقہ کی حفاظت کے لئے قدرت نے ایک طرف مارگلہ اور دوسری طرف مری اور ہزارہ کے پہاڑوں سے ایک قطعہ بنا دیا ہے۔ یہی دریا اور پہاڑ زمانہ قدیم میں ٹکسلا کی آبادی اور رونق کا باعث تھے۔ چونکہ یہ علاقہ ہندوستان اور وسط ایشیا کی شاہراہ پر واقع ہے۔ اس لئے ہندوستان کی پُرانی تاریخ میں اس علاقہ کو ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ انگریزوں سے پہلے ہندوستان پر جتنی بیرونی قومیں حملہ آور ہوئیں، سب کی سب اسی راستہ سے داخل ہوئی تھیں۔ اور اسی وجہ سے اس علاقہ پر یکے بعد دیگرے کئی قومیں تھوڑے تھوڑے عرصہ تک حکمراں بھی رہی ہیں۔

اکتشاف

چین کا مشہور سیاح ہوان چوانگ ساتویں صدی عیسوی میں یاترا کی غرض سے ہندوستان آیا تھا۔ اس کے سفر نامہ کی اُن یادداشتوں نے جو ٹکسلا کے متعلق تھیں، غالباً سب سے پہلے آثار قدیمہ کے ماہرین کی توجہ اس طرف مبذول کی۔ ایک مدت سے گرد و نواح کے زمینداروں کو اس علاقہ میں پُرانے سکے اور دیگر آثار ملتے رہتے تھے اور علم الآثار کے بعض انگریز شائقین بھی یہاں سے کچھ نہ کچھ ڈھونڈھ نکالتے تھے۔ لیکن آثار کے ان بیش بہا دفینوں کی باقاعدہ اور منظم کھدائی چند سال ہوئے سر جان مارشل سی، آئی، ای، ڈائرکٹر جنرل محکمہ آثار قدیمۂ ہند نے شروع کی اس کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے سامنے تین شہروں کے قریب قریب مکمل کھنڈر اور مختلف قوموں کے بے شمار سکے، زیور، برتن، اور بتوں کا ایک عدیم المثال عجائب خانہ موجود ہے!

ریلوے سٹیشن ٹکسلا کا نام پہلے "سرائے کالا" تھا۔ اب چند سال سے اسے ٹکسلا کہتے ہیں۔ سٹیشن کے قریب جو گاؤں آباد ہے۔ اس کا نام سرائے کالا یا "ڈھیری شاہان" ہے۔ ممکن ہے یہ نام شاہان قدیم کے بسائے ہوئے شہروں کے اُن کھنڈروں کی وجہ سے پڑ گیا ہو جو اس علاقہ میں بکثرت موجود ہیں۔

تین شہر

اب تک تین چار میل کے فاصلہ کے اندر تین پُرانے شہروں کے کھنڈر .. مل چکے ہیں۔ ان میں سب سے پُرانے شہر کا نام "بھڑ" ہے۔ اس شہر کے کھنڈر سرائے کالا حویلیان ریلوے لائن اور تمرا نالہ کے درمیان واقع ہیں۔ اس شہر کی لمبائی شمالاً جنوباً ۱۲۱۰ گز اور چوڑائی شرقاً غرباً ۷۳۰ گز ہے۔ یہ شہر یونانیوں کے آنے سے کئی سو سال پہلے آباد ہوا تھا۔

دوسرا شہر "سرکپ" ہے اس کی فصیل اب تک موجود ہے فصیل کا محیط ۶ ہزار گز اور موٹائی ۱۵ بیس فٹ ہے۔ فصیل کے بیرونی جانب تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر حفاظت کے لئے برج بھی بنے ہوئے ہیں۔ یہ شہر غالباً دوسری صدی عیسوی میں آباد ہوا تھا۔

ٹکسلا کا تیسرا شہر "سرسکھ" ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ شہر شاہان کشان (غالباً راجہ کنشک) کا آباد کیا ہوا ہے۔ فصیل کا دور قریباً تین میل ہے اور دیوار ۱۸ فٹ موٹی ہے۔ فصیل کے باہر ۹۰-۹۰ فٹ کے فاصلہ پر برج بھی بنے ہوئے ہیں۔ "سرسکھ" کی فصیل کے اندر آجکل تین چھوٹے چھوٹے گاؤں میرپور، ٹوفکیاں اور پنڈ گاکڑا آباد ہیں۔

ان شہروں کے علاوہ بُدھ مذہب والوں کے بنائے ہوئے ستوپوں، خانقاہوں، اور دیگر قدیم عمارات کے آثار بھی بکثرت پائے جاتے ہیں جن کا ذکر آگے آئیگا۔

تاریخی حالات

اس شہر کا اصلی نام "ٹکسلا" یا "تکھ شلا" تھا۔ یونانی مورخین نے اسے "ٹکسلا" لکھا ہے۔ شہر کی قدامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مہابھارت میں اس کا ذکر موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے پانچویں صدی قبل مسیح میں یہ علاقہ سلطنت ایران کا ایک حصہ تھا۔ اس کی تصدیق ان کتبوں سے ہوتی ہے جو نقش رستم میں دارا کی قبر پر اور خود ٹکسلا میں بھی ملے ہیں۔ بُدھ مذہب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹکسلا میں ایک بہت بڑی یونیورسٹی تھی جو علوم و فنون کی تعلیم و تحقیق کے لئے دُنیا بھر میں مشہور تھی۔

سکندر اعظم کا حملہ

چوتھی صدی قبل مسیح کے اواخر میں سکندر اعظم نے پنجاب پر حملہ کیا۔ ٹکسلا کی سلطنت اسوقت دریائے اٹک سے دریائے جہلم تک پھیلی ہوئی تھی یہ بغیر کسی لڑائی کے سکندر اعظم کے حوالے کر دی گئی۔ جب سکندر نے راجہ پورس پر حملہ کیا۔ تو راجہ آمبھی والئ ٹکسلا نے فوج سے سکندر کی امداد کی۔ اس کے صلہ میں سکندر نے راجہ کو نہ صرف سلطنت ٹکسلا ہی پر بحال رہنے دیا۔ بلکہ اپنے مفتوحہ علاقے کا ایک حصہ بھی دے دیا۔ ۳۲۳ قبل مسیح میں سکندر اعظم کی وفات کے بعد راجہ چندر گپت نے یونانی فوجوں کو دریائے اٹک کے پار ہٹا دیا اور پنجاب اور ٹکسلا کی تمام ریاستیں اس کے تصرف میں آگئیں۔ چندر گپت کی حکومت کی سخت گیری سے تنگ آکر ٹکسلا نے خود مختاری کے لئے جد و جہد کی اور بالآخر موریا حکومت کی ماتحتی سے آزاد ہو گیا۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد راجہ کا ولی عہد شہزادہ آشوک آ پہنچا۔ اور اس علاقہ کو دوبارہ فتح کر کے ٹکسلا میں بحیثیت نائب السلطنت کے متمکن ہو گیا۔ تیسری صدی قبل مسیح کے آخری سالوں میں راجہ آشوک کی وفات پر سلطنت موریا کا شیرازہ پھر پریشان ہونا شروع ہو گیا۔ چنانچہ ٹکسلا بھی سلطنت کے دوسرے صوبوں کی طرح خود مختار ہو گیا، اور اس کی آزادانہ حکمرانیوں کا تیسرا دور شروع ہوا۔

دوسرا یونانی دور

یونانی حملہ آوروں کی ایک جماعت جو سکندر اعظم کے ساتھ آئی تھی، باختر میں آباد ہو گئی تھی۔ یہ نو آباد جماعت اور اس کی

برید فرنگ

مکتوب فرانس

(الہلال کے مقالہ نگار پیرس کے قلم سے)

شیخ سنوسی۔ اور آمریکہ کی کامیاب ہوائی مہم

شیخ سنوسی

اس ہفتہ اخبار "طان" نے اپنے ایک نامہ نگار کا نہایت دلچسپ مضمون شایع کیا ہو۔ یہ نامہ نگار ملک عسیر (یمن) گیا تھا اور مشہور مجاہد طرابلس السید احمد الشریف یعنی شیخ سنوسی سے ملاقات حاصل کی تھی۔ یہ مضمون دراصل اسی ملاقات کے متعلق ہو ذیل میں اُس کے اہم حصے ملاحظہ ہوں:

شیخ سنوسی کی شخصیت

شیخ سنوسی بھی اُن لوگوں میں سے ہیں جو کچھ مدت پہلے صاحب اختیار و قوت تھے۔ اُن کا نام دول یورپ کے دلوں پر رعب طاری کردیتا تھا۔ اُن کی شخصیت تمام دنیا میں خاص اہمیت رکھتی تھی لیکن جس طرح جنگ عظیم نے بڑے بڑے بادشاہوں کے تاج اُن کے سروں سے اُتار پھینکے، اُسی طرح صحرا کے اس درویش بادشاہ کو بھی اُس کی حکومت سے محروم کردیا۔ آج یہ اولوالعزم انسان جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا ہو۔ لیکن اسیر بھی اُس کی شخصیت اب بھی اُتنی ہی وزنی ہو جتنی کبھی تھی، بلکہ وہ معزول فرمانرواؤں میں اسوقت سب سے زیادہ با اثر، معزز، اور طاقتور ہو۔ یہ اس لئے کہ اُس کی بادشاہی صرف گوشت پوست کے پتلوں پر قائم نہ تھی کہ اُن کے ٹوٹتے ہی وہ بے قدر و قیمت ہوجاتا۔ اُسکی حکومت جسموں کے ساتھ ساتھ دلوں اور روحوں پر بھی قائم تھی۔ وہ اب بھی قائم ہو اور کوئی انسانی قوت اُسے زائل نہیں کرسکتی۔

شیخ سنوسی آجکل عسیر میں موجود ہیں۔ عسیر سے اُنکے دیرینہ خاندانی تعلقات ہیں۔ شیخ سنوسی کے دادا سید محمد سنوسی، سید احمد ادریسی کے شاگرد اور مرید تھے اور انہی کے حکم سے طرابلس گئے تھے اس رشتہ کی وجہ سے شیخ سنوسی کا عسیر میں بہت اثر ہو۔ بلکہ کہا جاسکتا ہو کہ اسوقت عسیر کی حکومت شیخ سنوسی ہی کے ہاتھ میں ہو عسیر میں آکر اُنھوں نے دو کام بہت اہم کئے۔ ایک یہ کہ امیر علی ادریسی کو معزول کردیا جو ایک ناسمجھ نوجوان تھا اور اُس کی جگہ اُس کے چچا امیر حسن ادریسی کو حاکم بنادیا جو مدبر اور دانشمند آدمی ہو۔ دوسرا کام یہ کیا کہ نجد و عسیر میں معاہدہ کراکے عسیر کو یورپین اقتدار سے بچالیا۔

عسیر کے قلعہ میں

شیخ سنوسی سے مجھے قلعہ میں شرف ملاقات حاصل ہوا۔ رات کا وقت تھا۔ دو غلام ہمارے سامنے روشن موم بتیاں لئے چل رہے تھے اور پیچھے دس بارہ سپاہی ننگی تلواریں لئے ساتھ تھے۔ پھاٹک پر ہم ایک لحہ رُکنے پر مجبور ہوئے کیونکہ ایک سنتری کو بچھو نے کاٹ لیا تھا۔

ہم صحن میں پہنچے۔ جا بجا نوکر چاکر لیٹے تھے۔ ہمیں دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔ پھر ایک تنگ دروازے میں گھسے اور ایک دوسرے صحن میں پہنچے۔ یہ بالکل خالی تھا۔ ہم برابر ایک صحن سے دوسرے صحن میں پہنچتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک مکعب شکل کی مختصر عمارت کے سامنے پہونچے۔ یہی شیخ سنوسی سے ملاقات کی جگہ ہو۔

شیخ سنوسی کا حلیہ

میں اندر داخل ہوا تو جلیل القدر شیخ کو اپنے انتظار میں پایا۔ موصوف کا قد درمیانہ، جسم لاغر، صورت مراکشی، رنگ گورا ناک بڑی اور خمیدہ، داڑھی ہلکی اور چھوٹی، مونچھیں لمبی اور پتلی۔ لباس مراکشی۔ اس حال میں وہ مجھ سے ملے۔ ملاقات کے وقت اُن کے اعصاب میں سخت ہیجان تھا اور نہایت غضبناک معلوم ہوتے تھے۔ میں قالین پر بیٹھ گیا۔ شیخ میرے سامنے تھے۔ وزیر نے میرا تعارف ان لفظوں میں کرایا "یہ بڑے شریف آدمی ہیں ان کی بات پر بھروسہ کیا جاسکتا ہو"

شیخ سنوسی کا جوش

شیخ نے بڑے ہی جوش سے تقریر شروع کردی۔ اٹلی کا نام جب جب زبان پر آتا تھا تو دانت پیستے تھے "ہم سنوسی آزادی کیساتھ زندہ رہیں گے اور آزاد ہی مریں گے" شیخ نے قہر آلود آواز میں کہا "ہم موت کے آخری لحہ تک یورپین ملک گیری سے لڑینگے بہت ممکن ہو آج ہم فتح حاصل نہ کرسکیں۔ لیکن میدان سیاست میں ہمیشہ اچھے موقعے آتے رہتے ہیں۔ عنقریب ہمارا موقعہ بھی آجائے گا"

آزادی کی قیمت

"بعض ایسی سلطنتیں بھی موجود ہیں جو ہم سے کہتی ہیں" اپنی تلوار نیام میں رکھ لو، ہم تمھیں اتنی اتنی دولت دیتے ہیں!" یہ وہ سلطنتیں ہیں جو علم و حکمت کی دعویدار ہیں۔ مگر وہ عربی علم النفس سے قطعًا جاہل ہیں۔ اگر وہ پہاڑ اُحد کے برابر بھی ہمیں سونا تول دیں، اور افریقہ کی پوری ریگ کو الماس و زمرد بنادیں، جب بھی ہمارا یہی جواب ہوگا "نہیں!" آزادی، چاندی سونے اور ہیرے اور موتی سے بھی زیادہ قیمتی چیز ہو۔ وہ کسی قیمت پر بھی فروخت نہیں کی جاسکتی"

سنوسی طریقہ

یورپ میں شاید یہی سمجھا جاتا ہو کہ سنوسیت محض ایک بدوی درویشوں کا طریقہ ہو۔ یہ سمجھنے والوں کی غلطی ہو۔ ہماری ہر خانقاہ بیک وقت، مسجد، مسافر خانہ، مدرسہ اور فوجی بارک ہو۔ ہر خانقاہ کا شیخ بیک وقت نماز کا امام، مدرسہ کا معلم، مجلس کا واعظ اور فوج کا سپہ سالار ہو۔ تمام صحراء افریقہ ہماری خانقاہوں سے لبریز ہو۔ تمام خانقاہیں صرف ایک مرکز کے تابع ہیں اور اس مرکز کا امام خود میں ہوں!

"ہماری تحریک صرف طرابلس ہی میں عام نہیں ہو بلکہ سوڈان مصر، حجاز اور یمن تک میں پھیلی ہوئی ہو۔ بلاشبہ اِن مُلکوں میں اُسنے سیاسی قوت اپنے ہاتھ میں نہیں لی ہو۔ لیکن جب ہم چاہیں ہزاروں مجاہد اِن علاقوں سے حاصل کرسکتے ہیں"

اٹلی نے کیا حاصل کیا؟

"میری عدم موجودگی میں بھی طرابلس اور بنی غازی میں سنوسی اٹلی سے نبرد آزمائی کررہے ہیں اور ہمیشہ یوں ہی کرتے رہیں گے۔ وہاں میرے چچا کا لڑکا میرا قائم مقام ہو اور ہرگز ذلت قبول نہیں کرسکتا۔ اتنی طویل اور خونریز جنگوں کے بعد بھی اٹلی سمندر سے کچھ زیادہ دُور تک نہ جاسکا۔ اندرون ملک پر اٹلی کا قبضہ محال ہو"

صحرائی جنت

"مصریوں کے ہاتھ سے "جغبوب" چھین کر اٹلی والے خوش ہورہے ہیں کہ "اب ہم سنوسیوں کو مارلیں گے!" لیکن یہ بھی ان کی سخت غلطی ہو۔ جغبوب ہمارا ایک مقدس شہر ہے، صرف اسوجہ سے نہیں کہ وہاں محمد سنوسی (رح) کی قبر ہو بلکہ اس وجہ سے بھی کہ وہ ہمارا عقلی مرکز ہو۔ وہیں ہماری سب سے بڑی علمی جامعہ (یونیورسٹی) ہو ہم نے اس صحرائی خطہ کو جنت بنادیا ہو۔ اس میں نہریں جاری کی ہیں اور پُورا شہر آباد کردیا ہو۔ جغبوب پر قبضہ، اٹلی کی ایک بہت بڑی سیاسی غلطی ہو۔ عنقریب اُسے اپنی اس حماقت کی سزا مل جائے گی۔ ہم اپنے اس متبرک شہر کو ہرگز اٹلی کے علم کے نیچے نہیں دیکھ سکتے۔ ہم اپنے خون سے اسے دوبارہ خریدلیں گے!"

طلیانی جنسیت

"ہم سے اٹلی کہتا ہو "ہماری جنسیت قبول کرلو" ہرگز نہیں! یہ ہمارا جواب ہو اور قیامت تک یہی جواب رہے گا۔ میں اپنی اور اپنے چچیرے بھائی اور تمام سنوسیوں کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ اپنی گردنیں کٹوادینا ہمارے لئے اس سے کہیں زیادہ آسان ہو کہ طلیانی (اٹالین) جنسیت کی طرف اپنے آپ کو منسوب کریں۔ میں صحراء کا باشندہ تھا۔ اب حکومت حجاز کی رعیت ہوں۔ اگر حالات مجھے اس جنسیت کی محافظت نہ کرنے دیں تو میں مصری ہونا پسند کروں گا۔ میں مصریوں سے محبت کرتا ہوں۔ میں مصریوں کا شکرگزار ہوں۔ میں زندگی بھر اُن کا احسان مند رہوں گا۔ کیونکہ اُنھوں نے اپنے طرابلسی بھائیوں کی بڑی مدد کی تھی اور جغبوب کی بڑی شجاعت سے مدافعت کی تھی۔ وہ جغبوب جو سلطان عبدالمجید نے ہمیں مصری وقف سے بخش دیا تھا"

اسلامی روح

شیخ سنوسی بڑے غصہ، جوش، اور تلخی سے تقریر کررہے تھے۔ اچانک وہ چپ ہوگئے۔ شاید سستانے لگے۔ پھر اُنھوں نے مجھ سے کہا:

"جب تم یورپ پہنچنا تو اٹلی والوں سے کہدینا کہ اُنھوں نے اب تک اسلامی روح نہیں سمجھی ہو۔ اگر سمجھی ہوتی تو ہرگز یہ خیال نہ کرتے کہ جغبوب پر قبضہ کرکے وہ ہمیں زیر کرلیں گے۔ بہت سی سلطنتیں جو آج بڑی ہیں کل چھوٹی ہوجائیں گی۔ جرمنی اور روس کو دیکھو

ہاتھی دانت کا بنا ہوا ایک آئینے کا دستہ، اور شاہنشاہ اکبر کے زمانے کے کچھ پیسے برآمد ہوئے ہیں۔

لال چک کے آثار

سرسکھ کے شمال مشرق میں ڈیرہ سو گز کے فاصلہ پر چار چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے جنھیں آجکل لال چک کہتے ہیں۔ ان ٹیلوں کے نیچے سے بدھ مذہب والوں کی ایک آبادی کے آثار نکلے ہیں۔ ان میں ستوپے، مندر، اور خانقاہیں ہیں۔ یہ غالباً چوتھی صدی عیسوی کی تعمیرات ہیں۔ ان کھنڈروں سے عہد اقتائی کے کئی نقرئی سکے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارتیں چھٹی یا ساتویں صدی عیسوی سے پہلے جلکر پیوند زمین ہوگئیں۔ ایک ستوپے کی اندرونی بھرتی سے مختلف زمانوں اور مختلف بادشاہوں کے ایک سو چالیس سکے دستیاب ہوئے ہیں۔ ایک اور چھوٹے ستوپے کی بنیادی چنائی میں سے سونے، یاقوت، لعل، یشب، اور سیپ کے تیس منکے ملے ہیں۔ لیکن یادگاری ہڈی کا کوئی نشان باقی نہیں رہا ہے۔

بادل پور کا ستوپہ

بادل پور کا ستوپہ جو موضع بھیرہ کے قریب واقع ہے، دستبرد زمانہ کا زیادہ شکار ہوا۔ کرسی کے سوا اس کے آثار بہت کم باقی ہیں۔ اس ستوپے کے مشرق کی طرف ایک وسیع خانقاہ کے بھی کھنڈر ہیں جو سکے یہاں سے برآمد ہوئے ہیں، وہ تمام کنشک ہوشک، اور واسودیو (یعنی شاہان کشان) کے عہد کے ہیں۔ یہ غالباً تیسری صدی عیسوی کی تعمیر ہے۔

مصور دیواریں

بدھ عمارات کے وہ سلسلے جو موہڑہ مرادو اور جولیان کے نزدیک واقع ہیں، بہایت محفوظ حالت میں برآمد ہوئے ہیں۔ یہاں بعض ستوپے ایسے ہیں جن کی تمام سطح پر تصویریں ہی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ ان ستوپوں کے ساتھ خانقاہیں بھی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے بعض پرانے کنوؤں کے کھنڈر ... بھی نظر آتے تھے۔ جواب بھر چکے ہیں اور ان پر کاشت ہوتی ہے۔ خانقاہوں میں چاروں طرف حجرے تھے۔ ایک گوشہ میں غسل خانہ، مجلس خانہ، باورچی خانہ، نعمت خانہ، اور انبار خانہ تھا۔ ان مقامات پر بدھ کی حالت استغراق کی کئی مورتیاں ہیں۔

ٹکسلا کی آتشزدگی

جس آگ سے یہ عمارات تباہ ہوئیں وہ پانچویں صدی عیسوی سے پہلے کی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ان حجروں میں سے ایک یاقوت کی جلی ہوئی مُہر برآمد ہوئی ہے جس پر عہد گپتا کے براہمی خط میں یہ الفاظ کندہ ہیں " سری کلیشورا داسی " اسی عہد کی ایک اور تحریر بھوج پتر پر لکھی ہوئی بھی ملی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آتش زدگی کا حادثہ عہد گپتا سے پیشتر کا نہیں ہوسکتا، اور اس کا زمانہ پانچویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے۔ یہاں سے ساسانی کشانی نمونے کے چند کھوٹے سکے، آہنی میخیں، قبضے، تانبے کے زیور، اور مٹی کی مورتیں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔

ایک زیر تنقیب حصہ

بھلر ستوپہ کے قریب بدھ مذہب کی یادگاروں کا ایک اور سلسلہ بھی زیر تنقیب (کھدائی) ہے۔ یہ سلسلہ سرائے کالا حویلیان ریلوے لائن کے قریب، سرائے کالا سے ۵ میل اور دریائے ہرو سے نصف میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ہوان چوانگ کا بیان ہے کہ بھلر ستوپہ شاہنشاہ اشوک نے اُس مقام پر بنایا تھا، جہاں مہاتما بدھ نے اپنے سابق جنم میں اپنا سر قربان کیا تھا۔ اسوقت اُس ستوپے کا کوئی نشان باقی نہیں کیونکہ جو ستوپہ موجود ہے وہ تیسری یا چوتھی صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں ہوسکتا۔ ستوپے کے سامنے ایک وسیع صحن ہے اور چاروں طرف کمروں اور ایک خانقاہ کے آثار ہیں۔

شہر "بھڑ"

شہر بھڑ جو ٹکسلا کا سب سے قدیمی شہر ہے، موضع بھڑ درگاہی کے پاس ہے۔ یہاں سے مٹی کے برتن، مٹی کی مورتیں، چاندی کے کھوٹے سکے، طلائی زیورات (چوڑی اور آویزہ وغیرہ) موتی نیلم، یاقوت، مونگے، اور دیگر قیمتی پتھروں کے منکے، ایک تنگ وتاریک کنواں، اور اس کنویں سے خالی مٹکے ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے، برآمد ہوئے ہیں۔ بعض اندرونی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیور .. تیسری صدی قبل مسیح میں یہاں رکھی گئی تھے۔

مقالہ

اسلام اور نیشنلزم

۳

عصبیت نسل و وطن

گذشتہ مجلس میں ہم اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ اسلام کی دعوت "انسانیت" اور "انسانی برادری" کی دعوت تھی۔ اس لئے اُس کا رجحان ان تمام تعصبات کے خلاف تھا جو نسل و وطن کے امتیازات سے پیدا ہوگئے تھے۔ اب ضروری ہو کہ مختصراً عصبیت نسل و وطن کی بھی تشریح کردی جائے۔ تاکہ واضح ہوجائے کہ اسلام کی روح جس چیز کی مخالف ہو، وہ صاف اور معین صورت میں کیا ہو؟

دو چیزیں ہیں: ایک نسل و وطن کا تحفظ ہو۔ ایک نسل و وطن کا تعصب ہو۔ اسلام کی روح تعصب کی مخالف ہو۔ تحفظ کی مخالف نہیں ہو۔ لیکن مشکل یہ ہو کہ جب کبھی کوئی اس طرح کا دائرہ بنتا ہو، تو گو اس کی ابتدا تحفظ کے جذبات سے ہوتی ہو، لیکن آگے چلکر تحفظ تعصب کی شکل اختیار کرلیتا ہو۔ پہلے انسانوں کی ایک جماعت وطنیت اور قومیت کا دائرہ اس لئے کھینچتی ہو تاکہ اُس کے اندر رہکر دوسروں کے حملوں سے اپنی حفاظت کرے، یہ قومیت "دفاعی قومیت" ہوتی ہو لیکن جب کچھ عرصہ تک یہ دائرہ قائم رہتا ہو تو پھر قومی حفاظت کی جگہ قومی برتری اور وطنی گھمنڈ کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہو، اور "دفاعی قومیت" اچانک "ہجومی قومیت" کی شکل اختیار کرلیتی ہو۔ اب قومیت اپنا بچاؤ ہی نہیں چاہتی۔ دوسروں پر حملہ بھی کرنا چاہتی ہو ساتھ ہی نسلی اور قومی برتری کا نشہ دوسرے انسانوں سے علیحدگی اور ان کی تحقیر و تذلیل کے جذبات بھی برانگیختہ کردیتا ہو۔ نتیجہ یہ نکلتا ہو کہ مختلف قومی حلقوں میں باہمدگر تصادم شروع ہوجاتا ہو، اور انسانیت کے تمام اعلیٰ جذبات افسردہ ہوکر رہجاتے ہیں۔

اس صورت حال کا علاج صرف یہی تھا کہ حتی الامکان تنگ دائروں کا قیام ہی روک دیا جائے۔ جب کبھی کوئی تنگ دائرہ بنے گا، تو چونکہ یہ حقیقی انسانی دائرہ کی وسعت میں قطع و برید ہوگی، اس لئے ضروری ہو کہ وسعت نظر و احساس کی جگہ تنگی نظر و ضیق صدر کی بنیادیں پڑجائیں۔ اسلام نے اسی لئے ان تمام تنگ دائروں کی ہمت افزائی کرنے سے انکار کردیا، لیکن افسوس ہو کہ دنیا ابھی اتنی بلند نہیں ہوئی تھی کہ اس وسعت نظر کی متحمل ہوسکتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کا ایک ایسا دائرہ تو بن گیا جو تمام پچھلے دائروں سے زیادہ وسیع ہو لیکن نوع انسانی کی حدبندیاں نہ ٹوٹ سکیں!

وطنی و نسلی عصبیت کی اگر تحلیل کی جائے تو تین چیزیں ایسی نکلیں گی جنھیں خاص خاص لفظوں میں تعبیر کرکے بتلایا جاسکتا ہو کہ اس عصبیت کے عناصر کیا کیا ہیں:

(۱) جماعتی تنگ نظری۔

"جماعتی تنگ نظری" سے مقصود یہ ہو کہ جب انسانوں کا کوئی گروہ دوسروں سے الگ ہوکر ایک چھوٹے سے دائرہ کے اندر محصور ہوجاتا ہو، تو اس کا دل تنگ، نظر محدود، اور ظرف کوتاہ ہوجاتا ہو اُس کی ذہنیت ایک محدود گوشے کے اندر سکڑ کے رہجاتی ہو۔ اُس کا جماعتی دماغ نظر کی وسعت، حوصلہ کی فراخی، اور ارادوں کی بلندی پیدا نہیں کرسکتا۔ زندگی اور زندگی کے ہر گوشہ میں بیمانۂ فکر وسعت سے ناآشنا ہوجاتا ہو۔ انسانی ہمدردی کے جذبات بھی نہایت تنگ اور محدود ہوجاتے ہیں۔ وہ صرف اپنے گرد اپنے تنگ گوشے ہی کو دیکھتا رہتا ہو۔ اُس سے باہر کا کوئی اثر قبول نہیں کرسکتا۔ وہ انسان ہونے پر بھی نوع انسانی سے الگ رہنا چاہتا ہو۔ اُس میں اور انسانیت میں ایک ناقابل عبور دیوار کھنچ جاتی ہو!

جماعتی مزاج کی اس حالت کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے زیادہ واضح مثال ہندوستان کی ذاتوں کا نظام (کاسٹ سسٹم) ہو۔ یہ دنیا کے اُس عہد کی سب سے زیادہ طاقتور اور دیرپا یادگار ہو جب اُس کے قدم "قبیلہ" کی منزل میں جم چکے تھے۔ "قبیلہ" کی حدبندی کو منوؔ نے ذات کی تقسیم میں منقسم کردیا، اور جماعتی حدبندی کی حفاظت کے لئے اُنکے الگ الگ کام اور پیشے قرار دے دیئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ "انسانیت" کے تمام اعلیٰ جذبات فنا ہوگئے، اور حلقہ بندی کی ساری تنگ نظریاں اپنی انتہائی حالت میں پیدا ہوگئیں۔ اب دنیا منوؔ کے عہد سے ہزاروں برس آگے بڑھ چکی ہو لیکن ہندوستان اب بھی طیار نہیں ہو کہ ان حدبندیوں کی سرحد عبور کرکے انسانیت کی وسعت کی طرف قدم اُٹھائے!

(۲) نسلی اور وطنی غرور وکبر۔

دوسری چیز نسلی اور وطنی بڑائی کا گھمنڈ ہو اور اس سے بڑھکر انسانیت اور انسانی حقوق کے لئے کوئی جذبہ مہلک نہیں یہ اعتقاد اور عمل کے تمام گوشے پامال کردیتا ہو۔ انسانیت، عمل، استعداد، اور حق کی جگہ ایک غیر طبعی معیار فضیلت، یعنے نسل اور وطن کا معیار قائم ہوجاتا ہو۔ اس کے قدیم نمونے عرب جاہلیت کے غرور نسب اور ہندوستان کے برہمنوں کے نسلی گھمنڈ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ نئے نمونے یورپ کی قومیتوں اور جنسیت کی شکل میں دنیا کے سامنے ہیں۔ علم، استعداد اور مساوات کی اس سب سے بڑی صدی میں بھی ایک انگریز سب سے پہلے انگریز ہونے کو اور ایک امریکن سب سے پہلے امریکن ہونے پر نظر رکھتا ہو!

البتہ یاد رہے کہ "غرور" اور "خودداری" میں فرق ہو۔ جماعت اور فرد دونوں کے لئے مذموم غرور وکبر ہے۔ خودداری نہیں ہو۔

(۳) جماعتی برتری کا غلو۔

تیسری چیز وہ ہو جسے "جماعتی برتری کے غلو" سے تعبیر کرنا چاہئے۔ جب ایک دائرہ وطنیت اور قومیت کا بن جاتا ہو، تو آہستہ آہستہ اس میں قومی برتری کے جذبات نشوونما پانے لگتے ہیں ایک خاص حد تک تو اُن میں غلو نہیں ہوتا، لیکن جب اُس حد سے متجاوز ہوجاتے ہیں، تو پھر قومی گھمنڈ اور کبریائی کا ایک جنون ہوتا ہو جس کے نشہ سے قوم کا ہر فرد متوالا ہوجاتا ہو۔ وہ چاہتا ہو نوع انسانی کا ہر فرد اسکی قومی برتری کے سامنے سربسجود ہوجائے اور زمین کا ہر ٹکڑہ اس کے قدموں سے پامال ہو۔ اُسکی حرص غیر محدود اور اس کے قومی مطامع لامتناہی ہوتے ہیں۔ رومیوں نے ساری دنیا کو دو قسموں میں بانٹ دیا تھا: حاکم اور محکوم۔ وہ صرف اپنے کو حاکم قوم سمجھتے۔ باقی ساری دنیا محکومیت کے لئے تھی۔ نپولین کی پے درپے لڑائیوں نے فرانس کی آبادیاں جوان مردوں سے خالی کردیں۔ اُس کی عالمگیر اولوالعزمیوں کی وجہ سے تمام یورپ فرانس کا دشمن ہوگیا۔ تاہم نپولین جو جماعتی دماغ کے بھیدوں کا سب سے بڑا شناس تھا، جب کبھی عوام کے سامنے آتا اور نعرہ لگاتا "فرانس کی عظمت، فرانس کا جھنڈا، فرانس کے جھنڈے کے تین رنگ" تو فرانس اپنی ساری بربادیاں اور خونریزیاں بھول جاتا اور وطنیت کے جنون سے بیخود ہوکر پکارنے لگتا "زندہ باد فرانس" اتنا ہی نہیں بلکہ قومی اور وطنی گھمنڈ کے اس نشہ میں وہ یہ بھی بھول جاتا کہ جس شاہی استبداد سے نجات پانے کے لئے اُسنے ہزاروں فرانسیسیوں کے سر گلوٹین کی چھری سے جدا کردیئے تھے: وہی استبداد آج نپولین کی شخصیت میں ایک درجہ اور شدید ہوکر موجود ہوگیا ہو، اور شاہی کی جگہ "شہنشاہی" اُس پر مسلط ہو۔ وہ دیوانہ وار پکارتا "زندہ باد شہنشاہ"!

نیتشے اور برن ہارڈی نے جرمنی کو "حاکم قومیت" اور "محکوم دنیا" کا جو جام پلایا تھا، اُس کی سیہ مستیاں بھی دنیا دیکھ چکی ہو۔ "دنیا میں سب سے بڑی قوم جرمن کو ہونا چاہئے یا برطانیہ کو؟" اس سوال نے ۵ برس تک تمام کرۂ ارضی کو خون اور آگ کے حوالے کردیا۔ آج "برطانی شہنشاہیت" کا بے پناہ جذبہ دنیا کی کسی قوم کو سر اُٹھانے نہیں دیتا۔ سب کو پامال اور سربسجود دیکھنا چاہتا ہو۔ یہ کیا چیز ہے؟ یہ بھی وہی قومی برتری کا غلو اور جنون ہو۔ "قومیت" کا وہی حلقہ جو کبھی اس لئے بنا تھا کہ اپنی حفاظت کرے۔ اب اس لئے باقی ہو تاکہ دنیا کی کسی قوم اور ملک کے لئے حفاظت باقی نہ رہے!

اسلام کی دعوت جس عصبیت کی مخالف تھی اور جسے اسنے "عصبیۃ جاہلیۃ" سے تعبیر کیا، وہ یہ عصبیت ہو۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ اُسنے "وطنیۃ" اور "قومیت" کی جس حالت سے اختلاف کیا، وہ وہی حالت ہو جب دفاع اور تحفظ کی جگہ ہجوم اور تعصب کے جذبات پیدا ہوجاتے ہیں البتہ: چونکہ اصل بنیاد اس حالت کی یہی ہو کہ انسانیت کے وسیع رشتے کی جگہ تنگ اور محدود دائروں کا پیدا ہوجانا، اس لئے اس کی ذہنیت کا عام رجحان اسی طرف رہا کہ سرے سے تنگ دائرے وجود ہی میں نہ آئیں۔

۴

یورپ کی جدید قومیت

"قومیت"، اپنے سادہ معنوں میں اگرچہ پہلے سے موجود تھی، لیکن موجودہ زمانے میں "قومیت" کے لفظ سے جن اجتماعی عقائد و جذبات کی طرف ذہن منتقل ہوجاتا ہو، یہ دراصل یورپ کے نئے عہد تمدن کی پیداوار ہو۔ اس کی پیدائش انسانی آزادی و حقوق کی حفاظت کے لئے ہوئی تھی، لیکن اب انسان کی آزادی و حقوق کے لئے یہی چیز سب سے بڑی مصیبت بنگئی ہو!

اوّل نے کیسی سخت شکست اُٹھائی ؟ دوسری کس طرح پارہ پارہ ہوگئی؟ لیکن پھر چند دنوں کے بعد صورت حال میں انقلاب ہوا۔ آج وہ پھر دنیا کی عظیم سلطنتیں بن گئی ہیں۔ اسی طرح آج اٹلی قوی ہے اور ہم ضعیف ہیں، لیکن کون جانتا ہے کل کیا ہوگا ؟ کیا اٹلی کے پاس کوئی ضمانت موجود ہے کہ اُس کی قوت ہمیشہ یوں ہی برقرار رہے گی اور ہم کبھی کروٹ نہیں لینگے ؟ میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔"

غلامی یا سیاہ موت!

"میں ہرگز ہرگز اٹلی کی ملک گیر پالیسی کے آگے جھک نہیں سکتا۔ یہ ناممکن ہے! بالکل ناممکن ہے! قیامت تک ناممکن ہے! میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے خوں ریزی مرغوب ہے۔ میں ہرگز جنگ کا خواہشمند نہیں ہوں۔ میں صلح چاہتا ہوں، اٹلی سے بھی صلح چاہتا ہوں۔ مگر صلح کی بنیاد کیا ہو؟ کیا غلامی؟ ہرگز نہیں۔ غلامی سے پہلے موت! سیاہ موت! پھر کیا ہو؟ اقتصادی امتیازات ؟ میں شروع سے کہہ رہا ہوں کہ اقتصادی امتیازات دینے کو آمادہ ہوں۔ لیکن یہ اُسوقت جب طرابلس کی سرزمین پر اٹلی کا ایک سپاہی بھی باقی نہ رہے اگر ایسا نہ ہوسکے تو پھر اس کے سوا چارہ نہیں کہ جنگ! موت تک جنگ! قیامت تک جنگ!"

شیخ سنوسی کا غصّہ

اب شیخ سنوسی کا غصہ حد بیان سے تجاوز کر چکا تھا۔ وہ تمام بدن سے کانپ رہے تھے۔ آنکھیں سُرخ ہو گئی تھیں۔ میں نے آجتک کبھی کسی آدمی کو اتنے غیظ و غضب میں نہیں دیکھا۔ میں ہرگز اپنی اس حالت کی پردہ پوشی نہیں کرنی چاہتا کہ اُن کا غصہ دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا تھا!

دیر تک چپ رہنے کے بعد اُنھوں نے جرمنی کی تعریف شروع کی اور ہنڈنبرگ کو بہت سراہا۔ میں سمجھا اب غصہ ٹھنڈا ہو گیا مگر اچانک وہ پھر زور سے چلائے "جغبوب! اٹلی والوں سے کہدینا کہ آزادی یا موت!..."

وہ جوش سے بالکل بیخود ہوگئے۔ کچھ اور کہنا چاہتے تھے۔ مگر ان کا جوش و غضب دیکھ کر میں نے یہی بات موزوں سمجھی کہ مجلس ختم ہو جائے۔ خلاف دستور میں نے رخصت ہونے کی اجازت چاہی۔ شیخ بالکل خاموش ہو گئے۔ مگر تمام بدن سے کانپ رہے تھے اُنھوں نے مُنہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید کہہ ہی نہ سکے صرف ہاتھ کے اشارے سے مجھے خدا حافظ کہا۔

نیویارک سے پیرس تک

میں اپنے پچھلے مکتوب میں کپتان نجیسر کا مفصل ذکر کر چکا ہوں کہ کس طرح وہ پیرس سے ہوائی جہاز پر نیویارک کے لئے روانہ ہوا اور لاپتہ ہوگیا۔ کپتان نجیسر کی داستان، فرانس کی عظمت کی داستان تھی، اب امریکہ کی عظمت کی داستان بھی سن لیجئے۔ آج پورا پیرس، دل شکستہ پیرس، چارلس لنڈبرگ کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہے۔ یہ ۲۲ سالہ نوجوان، امریکہ کی پوری عظمت کا نشان ہے!

کپتان نجیسر ایک پرواز میں بحر اعظم اٹلانٹک عبور نہ کر سکا۔ اس کی عمر ۳۴ سال کی تھی۔ امریکہ کا ہوائی فاتح چارلس اس مہم میں کامیاب ہو گیا۔ آج تمام دنیا کی نظریں اس نوجوان کے چہرے پر گڑی ہوئی ہیں جس کے رخسار ہنوز بچپن کے بھولے پن سے لبریز ہیں مگر جس کے دل میں نپولین اور واشنگٹن کا خون بھرا ہوا ہے!

اسنے اپنا ہوائی جہاز خود اپنی نگرانی میں بنوایا تھا اُس کا نام "گہوارہ موت" رکھا تھا۔ اسکی چھت اکہری تھی۔ لوگوں کو حیرت تھی کہ ایسے معمولی جہاز سے یہ مہم کیسے سر کی جا سکتی ہے؟ روانگی کی رات کو ہوا باز نے اپنا بہت سا وقت نیویارک کے ایک سینما میں گزارا۔ واپسی پر اُسنے خادم کو ہدایت کی کہ ٹھیک ۲ بجے رات کو جگا دے۔ چنانچہ اُسوقت سے اپنے جہاز کے پرزوں کا معائنہ کرتا رہا۔ پھر امریکن گھڑی کے حساب سے ٹھیک، ۷ بجکر ۵۲ منٹ صبح، اور یورپین گھڑی کے حساب سے ۱۱ بجکر ۵۲ منٹ دوپہر کو نیویارک کے ہوائی اسٹیشن سے اُڑا۔ یہ ۲۰ مئی ۲۷ء کا دن تھا۔

اس کی گود میں اُس کی عزیز سیاہ بلّی بھی تھی اور وہ اُسے اپنے ساتھ لیجانا چاہتا تھا۔ مگر بعد میں یہ خیال کر کے کہ اتنی بلندی پر پہونچکر وہ شاید زندہ نہ رہے گی، اپنے ایک دوست کو یہ کہتے ہوئے دیدی "یہ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ اسکی خوب خاطر کرنا!"

جب جہاز کے انجن نے حرکت کی تو اُس کا ایک دوست رونے لگا۔ ہوا باز نے کہا "کیوں روتے ہو؟ رونے کی کوئی وجہ نہیں، خدا حافظ!" اب "گہوارہ موت" ہوا میں تھا!

روانگی کے بعد نوجوان کی ماں نے کہا "چارلی، ضرور پیرس پہنچ جائے گا۔ مجھے یقین ہے۔ اگر جہاز میں جگہ ہوتی تو میں بھی اس کے ساتھ سفر کرتی!" زندہ قوم کی عورتوں کا یہ حال ہے!

۲۱ مئی کی شام کو "گہوارہ موت" پیرس میں تھا! جہاز اُترتے ہی امریکن سفارتخانہ کا ڈاکٹر دوڑا اور ہوا باز کا طبی معائنہ کرنا چاہا۔ بہادر لڑکے نے ڈاکٹر کو روک دیا "کوئی ضرورت نہیں میں ذرا بھی تھکا نہیں ہوں"

پھر حاضرین کے اصرار پر اُسنے اپنے اس حیرت انگیز سفر کے متعلق صرف اس قدر کہا:

"نیویارک کے رصدخانے نے اُڑنے سے پہلے مجھے خبر دی کہ فضا کی حالت بہت ہی خراب ہے۔ راستہ میں مجھے اس کی پوری تصدیق ہوگئی۔ ۱۶۰۰ کیلومیٹر مسافت میں نے سخت برفانی آندھیوں میں طے کی۔ میں اس طوفان سے بچنے کے لئے کبھی ۳۰۰۰ مٹر بلندی پر اُڑ جاتا تھا اور کبھی اتنا نیچا ہوتا تھا کہ سمندر کو چھو سکتا تھا میں اس حال میں سطح سمندر سے صرف ۳ مٹر بلند ہوتا تھا۔ راستہ بھر مجھے ذرا بھی نیند محسوس نہیں ہوئی۔ میں ایک ایسی حالت میں تھا جو نیند کی حالت قبول نہیں کر سکتی تھی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ پیرس سے بھی آگے تک میں جا سکتا تھا۔ کیونکہ میرے جہاز میں کافی پٹرول بچ رہا ہے"

اس گفتگو کے بعد ہوا باز آرام کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ دوسرے دن امریکن سفارتخانے میں اُسے مدعو کیا۔ یہاں سفیر نے بے تار کی تار برقی کے ذریعہ نوجوان کی ماں سے گفتگو کا انتظام کر رکھا تھا۔

"ہیلو" ہوا باز نے اپنی ماں کو مخاطب کیا "معاملہ کچھ بھی نہ تھا! تم خیریت سے ہوگی۔ میں بالکل تندرست ہوں۔ مہم سر ہوگئی!"

"سب سے زیادہ کٹھن گھڑی کون سی تھی؟" اخبار نویسوں نے سوال کیا۔

"سب سے زیادہ کٹھن گھڑی، پیرس پہنچنے اور لاکھوں آدمیوں کے ہجوم میں کھڑے ہونے کی گھڑی تھی" ہوا باز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "نیویارک سے پرواز بہت ہی تکلیف دہ تھی میں سمجھتا تھا اس سے زیادہ تکلیف پیش نہیں آئے گی۔ لیکن سمندر پر پہنچنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ تکلیف کچھ بھی نہ تھی۔ میں اب نہایت ہی کثیف کہر میں گھر گیا تھا۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا برف کی ہولناک بارش ہو رہی تھی اور میں بار بار ہمت ہار جاتا تھا میں نے بڑی کوشش کی کہ برفانی طوفان کے اوپر نکل جاؤں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اسوقت میں نے ناامیدی محسوس کی اور واپسی کا خیال کیا۔ مگر ناکامی کی ذلت، موت سے زیادہ سخت تھی۔ میں نے اپنے دل سے کہا "ایک دن مرنا ہے۔ کچھ پرواہ نہیں اگر اسی سمندر میں قبر بنجائے" میں برابر جد و جہد کرتا رہا یہاں تک کہ طوفان نکل گیا اور موسم خوشگوار ہو گیا۔ دوسرے دن دوپہر کے قریب مجھے سمندر میں ماہی گیروں کی چند بادبانی کشتیاں نظر آئیں۔ اب میری مسرت ناقابل بیان تھی۔ میں بالکل نیچے اُتر آیا۔ قریب تھا میرا جہاز کشتیوں کے مستول سے ٹکرا جائے۔ میں نے چلّا کر کہا "کیا یہی آئرلینڈ کا راستہ ہے؟" وہ حیرت سے میرے جہاز کو تک رہے تھے۔ شاید مجھے مجنوں سمجھے۔ اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا یا دیا اور میں نے سنا نہیں۔ بہرحال تقریباً ۴ بجے شام کو مجھے دُور زمین دکھائی دی۔ میں پھر نیچے اُتر آیا اور غور سے وہ سنگلاخ چٹانیں دیکھیں جو سمندر میں بھوتوں کی طرح سر نکالے کھڑی تھیں۔ میں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ آئرلینڈ ہے۔ اب مجھے اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ میں آئرلینڈ اور انگلینڈ کی فضا میں بالکل نیچے اُڑ رہا تھا مگر کسی نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں راستہ بھولا نہیں۔ سیدھا پیرس آگیا۔ لیکن عین وقت پر یہاں کے ہوائی اسٹیشن کا راستہ بھول گیا۔ مگر زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ اسٹیشن کی روشنی نے میری رہنمائی کی"

اس گفتگو کے بعد ہوا باز کپتان نجیسر کی ماں سے ملنے گیا۔ پیرس کی نازنینوں نے جو خوبصورت نجیسر کھو چکی ہیں، اُسے دیکھا تو چلائیں "واقعی یہ خوبصورت ہے!"

غرضکہ وہ ہوائی مہم سر ہو گئی جو اب تک ناممکن معلوم ہوتی تھی، نیویارک سے پیرس تک ۶ ہزار کیلومٹر کی مسافت ایک پرواز میں طے ہو گئی اور صرف ساڑھے ۳۳ گھنٹوں کی مدت میں!

۲۵ ہزار ڈالر مہم سر کرنے والے کے لئے انعام تھا۔ ۲۲ سالہ نوجوان چارلس نے اسے حاصل کر لیا!

فرز چلی ہو۔ یہ قومیت کا تحفظ نہیں ہو۔ قومیت کا تعصب ہو، یہ "انسانیت" اور "انسانی برادری" کے عین ضد ہو۔ یہ "انسانی آزادی وحقوق" کے اعتقاد کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ یہ آزادی کے نام سے آزادی کی پامالی، اور قومیت کے نام سے صرف طاقت کی معبودیت ہو!

نئی قومیت کے محاسن و مفاسد

اگر یورپ کی قومیتوں اور ان کے اعمال پر نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل حقیقتیں سامنے آئیں گی:

(۱) "انسانی آزادی" اور "قومی حقوق" کے مبادیات قائم ہوگئے اور ان کی وجہ سے یورپ کے ذہن و اجتماع کا انقلاب منظم وجود میں آگیا۔ جدید "قومیت" کے اصول و عقائد نے جماعتوں کے اندر ایک ایسی نئی اجتماعی طاقت پیدا کردی جو تمام پچھلی اجتماعی طاقتوں سے زیادہ منظم اور قوی تھی۔

(۲) قومیت کے نشو ونما سے پہلے یورپ مذہبی تعصبات میں مبتلا تھا۔ مسیحیت کی مذہبی جکڑ بندیاں اتنی سخت تھیں کہ ذہن و دماغ کو ہلنے نہیں دیتی تھیں۔ اب "قومیت" کے فروغ نے مذہب کے تعصبات ڈھیلے کردیئے۔ مذہب کی جگہ قومیت، اجتماع وارتباط کا رشتہ بنگئی۔ قومیت نے جب سر اٹھایا تھا، تو اُسے شاہی استبداد سے کہیں زیادہ پوپ اور کلیسا کے استبداد کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ والٹیر نے بیت المقدس کی جگہ انسانی آزادی کے لئے جنگ مقدس (کروسیڈ) کا اعلان کیا تھا۔ جب اس معرکہ میں قومیت فتحمند ہوئی تو یہ فتح شاہی اور کلیسائی، دونوں طرح کے استبدادوں پر فتح تھی۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ قومیت جڑ پکڑتی جاتی تھی، اور مسیحی جمود اکھڑتا جاتا تھا۔

(۳) "قومیت" کے فروغ سے پہلے یورپ ذہن و اعتقاد کے جن دائروں میں بند تھا، وہ حد درجہ تنگ تھے۔ اس لئے قومیت نے پچھلے دائروں سے ایک زیادہ وسیع دائرہ مہیا کردیا اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ ہر گوشۂ فکر و عمل میں ایک ایسی وسعت پیدا ہوگئی جس کا اس سے پہلے وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

(۴) مذہبی اور نسلی تعصبات کی جگہ "قومیت" کے قائم ہوجانے کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کے اندر تمام جماعتیں اور تمام طبقات باہمدگر متحد اور منسلک ہوگئے۔ یہ احساس کہ "فلاں انسان ہمارا ہم قوم اور ہم وطن ہو" اتنا قوی اور موثر ہوگیا کہ اس پر کوئی تعصب غالب نہ آسکا۔ مسیحیت اور یہودیت کی تاریخی اور روایتی دشمنی مسلّم ہو۔ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی بدنصیب یہودیوں نے وہ ظلم و ستم برداشت نہ کئے ہونگے جو یورپ کی مسیحی حکومتوں میں انھیں صدیوں تک جھیلنے پڑے۔ اٹھارویں صدی کے اواخر تک کسی انسان کے لئے یہودی ہونا ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ لیکن اب "قومیت" کے جذبہ نے یہ تمام جذبات مغلوب کردیئے۔ سب سے پہلے انگلستان اور فرانس نے، پھر بہ تدریج یورپ کی دوسری قومیتوں نے ان کا حق قومیت بھی اُسی طرح تسلیم کرلیا جس طرح اُن ملکوں کے مسیحی باشندوں کا تسلیم کیا تھا۔ ایک یہودی، انگریز، فرانسیسی جرمن ہوکر اُسی طرح ان ملکوں کے شہری اور قومی حقوق سے متمتع ہونے لگا، جس طرح مسیحی باشندے ہوتے تھے۔ انیسویں صدی میں انگریز یہودیوں کے لئے تمام برطانی عہدوں اور منصبوں کے دروازے کھول دیئے گئے حتی کہ وزارت کے بڑے سے بڑے مقام کے لئے بھی یہودیت مانع نہ رہی۔

یہ تو تھا "قومیت" کے محاسن تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی:

(۱) یہ جو کچھ بھی ہوا، صرف یورپ میں اور یورپ کے باشندوں میں ہوا۔ یورپ کے حدود سے باہر کے لئے نہ تو انسانی آزادی کا اعلان موثر ہوسکا، نہ قومی حقوق کا اعتقاد۔ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ قدیم رومن اصول کے مطابق یورپ نے فیصلہ کرلیا کہ دنیا برتر اور کمتر اقوام میں منقسم ہو۔ آزادی اور حقوق کے تمام اصول برتر اقوام کے لئے ہیں نہ کہ کمتر اقوام کے لئے۔ یورپ اور امریکہ دنیا کا نصف برتر حصہ ہو، بقیہ دنیا کمتر حصہ ہو۔ اس لئے اُسے کوئی حق نہیں کہ انسانی آزادی اور قومی حقوق کا مطالبہ کرے جو برتر انسانوں کے لئے مخصوص ہیں!

(۲) فرانس جس وقت اپنے ملک کے اندر تیسرے انقلاب آزادی کی طیاریاں کر رہا تھا، تو اُس وقت کسی فرانسیسی کے ذہن میں اس بات کا خطرہ بھی نہیں گزرا کہ اسی آزادی کی امیر عبدالقادر جزائری اور اس کی بدبخت قوم کو بھی ضرورت ہو یا نہیں جسے فرانس نے اپنی فوجی طاقت سے غلام بننے پر مجبور کردیا ہو؟ آج فرانس کی علَم حریت "قومیت" شام میں جو کچھ کر رہی ہو، دنیا کے سامنے ہے۔ انگلستان کہتا ہو وہ چھوٹی قوموں کا محافظ ہو۔ آزادی کا پشت پناہ ہو۔ محب الوطنوں کے لئے گوشۂ امن ہو۔ لیکن یہ سب کچھ کن حالات میں اور کن کے لئے ہو؟ بلاشبہ اُس نے روس کے فراریوں کو پناہ دی، فرانس کے جلاوطنوں کے لئے دروازے کھول دیئے، یونان کی آزادی کے لئے اپنا قومی شاعر بائرن پیدا کردیا، اٹلی کے میزینی کو اپنی آبادیوں میں جگہ دے دی، اور یورپ کے بیشمار انقلابی نقشے لندن کی گلیوں اور مکانوں ہی میں کھینچے گئے، مگر مشرق اور ایشیا کے لئے اُس کی یہ "حریت پرور" قومیت کیا فیصلہ کرتی رہی؟ وہ روس اور اسٹریا کے مظلوموں کو پناہ دیتا رہا، لیکن خود اُس کے ظلم و تسلط کے مظلوموں کے لئے اُس کے پاس پناہ دینے کا کیا سامان تھا؟ جواب کی ضرورت نہیں کیونکہ آج مشرق اور ایشیا کا ہر گوشہ زبان حال سے جواب دے رہا ہو!

(۳) چونکہ "دفاعی قومیت" کی جگہ "ہجومی قومیت" کا جماعتی مزاج پیدا ہوگیا تھا، اس لئے خود یورپ کو بھی اپنی "قومی عصبیت" کے نتائج سے نجات نہ مل سکی۔ بلاشبہ غیر یورپین اقوام و بلاد کے مقابلہ میں اُس نے اپنے لئے آزادی و حقوق کا ایک بلند معیار قرار دے لیا، لیکن یہ معیار گروہ بندی کی تنگ نظری اور قومی برتری و تسلط کے جذبات پر غالب نہ آسکا جو "ہجومی قومیت" کے لازمی خواص ہیں۔ "قومی برتری" کی حرص نے تصادم و کشاکش کی حالت پیدا کردی، اور جماعتی ذہنیتوں پر "حق" کی جگہ اُسی "طاقت" کے ...... اصول کی فرمانروائی قائم ہوگئی جس کے خلاف اس زور و شور سے اعلان جنگ کیا گیا تھا۔ "قومی برتری" کی اس کشاکش نے یورپین طاقتوں کے لئے ایک کبھی ختم نہ ہونے والی باہمی جنگ کی حالت پیدا کردی ہو۔ ہر قومیت دوسری قومیت کو پیچھے ہٹانا اور خود آگے بڑھنا چاہتی ہو۔ مقابلہ کا ایک بڑا میدان مشرق کی کمزوریوں نے بہم پہونچا دیا۔ ہر قوم چاہتی ہو اس میدان میں سب سے بڑھکر غاصب اور سب سے زیادہ طامع ثابت ہو۔ استعمار، تجارت، اسلحہ سازی، مادی تقدم، اور معنوی نفوذ؛ ہر گوشہ میں دوڑ جاری ہو۔ پچھلی عالمگیر جنگ قومی مزاج کی اسی مجنونانہ حالت کا نتیجہ تھی، اور ابھی اُس کے عالمگیر ذبح کا خون خشک نہیں ہوا تھا کہ ایک دوسرے تصادم کا میدان طیار ہونے لگا!

(۴) اسی طرح قومی "عصبیت" کی ساری مزاجی کیفیتیں اپنی پوری شدت کے ساتھ پیدا ہوگئیں۔ تمدن کی ترقی جذبات و امیال کی صورت بدل دیتی ہو۔ روح نہیں بدل سکتی۔ عرب جاہلیت کا غرور اور ہندوستان کے برہمنوں کی مغرورانہ تنگ دلی ایک نئی صورت میں اُبھر آئی جو پہلی صورت سے کہیں زیادہ طاقتور اور بے پناہ ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ "انسانیت" کا دائرہ اب بھی ویسا ہی تنگ ہے جیسا پہلے تھا۔

رَدِّ فعل

ضروری تھا کہ اس حالت کا رد فعل پیدا ہو۔ "ہجومی قومیت" کا مجنونانہ غلو اس حد تک پہنچ گیا ہو کہ اب دنیا کا تغیر پسند مزاج زیادہ عرصہ تک متحمل نہیں ہو سکتا۔

انیسویں صدی ابھی زیادہ آگے نہیں بڑھی تھی کہ اس کے آثار شروع ہوگئے۔ سوسائٹی کے نچلے طبقوں نے دیکھا کہ آزادی اور مساوات کی اتنی ہنگامہ آرائیوں کے بعد بھی حقیقی آزادی اور مساوات بدستور مفقود ہیں۔ موجودہ نظام قومیت جو آزادی و مساوات کی بنیادوں پر قائم ہوا تھا، اب خود آزادی و مساوات کی راہ میں روک بن گیا ہو۔ نئے دور سے پہلے دنیا کا استبداد اور غیر مساویانہ امتیاز چند افراد اور خاندانوں میں محدود تھا۔ اب وہ بڑے گروہوں میں پھیل گیا ہو۔ اس لئے حق و مساوات کے مقابلہ میں طاقت اُتنی سمٹی ہوئی اور مرکز کی حالت میں نہیں ہو جس قدر پہلے تھی۔ تاہم جہاں تک انسانی آزادی و مساوات کا تعلق ہو، نوع انسانی اب بھی اُس سے اُسی طرح محروم ہو جس طرح پہلے تھی!

اس سے بھی زیادہ یہ کہ سرمایہ داری کی طاقت نے اب پہلے سے بھی کہیں زیادہ اقتدار حاصل کرلیا ہو۔ پہلے انسانوں پر جو اختیار و تسلط صدیوں کی شاہی نسل اور امیرانہ روایت حاصل کرسکتی تھی اب وہ اختیار چند مہینوں اور برسوں کے اندر ایک سرمایہ دار محض روپیہ کے ذریعہ حاصل کرلیتا ہو اور دنیا کی صلح و جنگ اور ملکوں اور قوموں کی حکومت و محکومی کی باگ فوراً اُس کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہو!

انیسویں صدی کے "سوشلیزم" کی تخم ریزی اسی رد فعل کا نتیجہ تھی۔ اب یہ بڑھتے بڑھتے "کمیونزم" تک پہونچگیا ہو، اور نہ صرف یورپ کا نظام قومیت بلکہ ہیئۃ اجتماعیہ (سوسائٹی) کا پورا نظام اُلٹ دینا چاہتا ہو۔

عالمگیر جنگ یورپ اس نظام قومیت کی نامرادیوں کا سب سے بڑا اعلان تھا۔ ۵ سال تک خون اور آگ میں رہکر جب دنیا نے دوبارہ سنبھالا لیا تو زندگی اور امن کی جستجو از سر نو شروع ہوگئی۔ اُن تمام لوگوں نے جن کی ذہنیت کسی قومی نظام حکومت کی غرض پرستیوں سے آلودہ نہ تھی، محسوس کرلیا کہ پچھلا نظام اب دنیا کو زیادہ عرصہ تک مطمئن نہیں رکھ سکتا۔ یورپ کے حکما اور معکرین میں ایک بڑا گروہ پیدا ہوگیا ہو جو قومیت کی اس عصبیت سے اُکتا گیا ہو اور "قومیت" کی جگہ "انسانیت" کی وسیع فضا ڈھونڈھ رہا ہو۔ طرح طرح کے نئے نظرئے اور نئی تجویزیں دماغوں میں نشو و نما پارہی ہیں۔ "دنیا کے نظام اجتماع کی نئی تقسیم" اور "انسانی برادری کا غیر مشروط حلقہ" وقت کا سب سے زیادہ اہم اور دلچسپ موضوع فکر ہو۔

اگر بحیثیت مجموعی دنیا کی موجودہ ذہنی فضا پر نظر ڈالی جائے، تو صاف نظر آتا ہو کہ ایک موسم ختم ہو رہا ہو اور دوسرے کی آمد آمد ہو۔ جس زمانہ سے ہم گذر رہے ہیں، عجب نہیں مستقبل کا مورخ اسمیں عہد تداخل کے آثار کی جستجو کرے۔ نہیں کہا جا سکتا نئے موسم کا پیغام کیا ہوگا؟ لیکن یہ ضرور ہو کہ دنیا اسوقت تک جن اجتماعی دائروں میں محصور رہی ہو اُس سے ایک زیادہ وسیع —

دفاعی قومیت کی پیدائش

ازمنۂ وسطیٰ (مڈل ایجز) کے بعد جب یورپ نے کروٹ بدلی اور نئے تمدن کی نشوونما شروع ہوئی، تو اُس کے ساتھ ساتھ ایک نئے قسم کی اجتماعی زندگی بھی نشوونما پانے لگی۔ یہ وہ وقت تھا، جب ایک طرف علم اور آزادی کی رُوح تمام یورپ میں چل رہی تھی، دوسری طرف شخصی حکومتوں کا استبداد اور اجنبی تسلط کا ظلم اپنی تمام پُرانی روایتوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک نئی کشمکش شروع ہوگئی۔ ایک طرف شاہی تاج و تخت اور اس کے غیر محدود دعوے تھے۔ دوسری طرف علم و آزادی کے پیدا کئے ہوئے نئے نئے اصول اور نئے نئے ولولے تھے تاج و تخت کے مقابلے میں جب عوام کے جذباتِ آزادی جوش میں آئے تو خود بخود ایک نہایت موثر اور طاقتور لفظ وجود میں آگیا یہ لفظ پہلے سے موجود تھا لیکن اس کے ساحرانہ معانی لوگوں کو معلوم نہ تھے۔ اب ہر شخص کے سامنے آگئے۔ یہ لفظ "قوم" تھا، اور یہ انکشاف "قوم ہونے" یعنے "قومیت" کا انکشاف تھا۔ شاہی تاج و تخت کا دعوا تھا جیسا کہ بدنصیب لوئس شانزدہم نے بعد کو کہا: "حق اور طاقت میں ہوں" عوام اب اسے تسلیم کرنے کے لئے طیار نہ تھے۔ خود بخود سوال پیدا ہوگیا کہ اگر شاہی نسل اور تاج و تخت کی وراثت، حق اور طاقت کا جائز سرچشمہ نہیں ہے تو پھر کون ہے؟ وہ کونسی قوت ہے جس کے سامنے شاہی تاج و تخت کو بھی سر جھکا دینا چاہئے؟ خود بخود جواب پیدا ہوگیا کہ "قوم" ہے۔ صرف "قوم" ہی ہر طرح کے حق و طاقت کا سرچشمہ ہے۔ صرف "قوم" ہی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنے اوپر حکومت کرے!

"رعیت" اور "قوم"

اُس وقت تک عوام کا اعتقاد یہ تھا کہ طاقت کا مرکز شاہی تاج و تخت ہے۔ اب طاقت کا ایک نیا مرکز نمودار ہوگیا جو خود اُسی کے اندر پوشیدہ تھا مگر اُسے خبر نہ تھی۔ یہ "قوم" اور "قوم ہونے" کی طاقت تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یکایک صورت حال میں ایک عظیم انقلاب ہوگیا۔ یعنی "رعیت" کی جگہ "قومیت" نے لے لی۔ اب عوام "رعیت" نہ تھے۔ "قوم" تھے۔ جب تک وہ "رعیت" تھے، ساری قوت شاہی اور شاہیت میں مرتکز تھی۔ اب وہ "قوم" ہوگئے تو ساری قوت خود اُنہی میں سمٹ آئی۔ صرف اتنی تبدیلی نے دنیا کی اجتماعی زندگی کا پورا نقشہ بدل دیا۔ کارلائل CARLYLE کے بلاغت طراز لفظوں میں "رعیت کا قوم ہوجانا دنیا کا ایک ہی مرتبہ اُلٹ پلٹ ہوجانا تھا۔ زبانوں کا کوئی لفظ بھی اُس انقلاب حال کی تعبیر نہیں کرسکتا جو صرف ان دو سادہ لفظوں کے اُدل بدل ہوجانے سے نوع انسانی کی تاریخ میں پیدا ہوگیا!"

دنیا میں صرف انسان ہی پیدا نہیں ہوتے۔ الفاظ بھی پیدا ہوتے ہیں، اور جس طرح ایک عظیم انسان کی پیدائش دنیا کے انقلاب کی پیدائش ہوتی ہے، اُسی طرح بعض عظیم لفظوں کی پیدائش میں بھی عظیم انقلابات مضمر ہوتے ہیں۔ بلاشبہ لفظ "قوم" کی پیدائش تاریخ کا انقلاب عظیم تھا، لیکن اگر کارلائل چند قدم آگے بڑھ سکتا تو دیکھتا کہ دنیا کا سب سے بڑا انقلاب لفظ "قوم" کی پیدائش میں نہیں بلکہ "انسان" کی پیدائش میں مضمر ہے۔ کون ہے جو اُس انقلاب کی عظمت کا نقشہ کھینچ سکتا ہے؟

جن ہاتھوں نے انقلاب فرانس کی ابتدائی تخم ریزی کی تھی، اُن میں والٹیر Voltaire اور روسو Rousseau سب سے آگے ہیں۔ روسو کی کتاب عقد اجتماعی Social Contract دنیا کے جدید جمہوری عہد کا اولین صحیفہ سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب جب چھپی تھی، تو لوگ اس کی خیالی نقشہ آرائیوں پر ہنستے تھے لیکن کارلائل کے تاریخی اور ضرب المثل لفظوں میں "جب اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو اُس کی جلد باندھنے کے لئے اُن لوگوں کا چمڑا استعمال میں لایا گیا جنھوں نے اس کی ہنسی اُڑائی تھی!"

روسو نے انسانی آزادی و حقوق کا نقشہ کھینچتے ہوئے قوم اور قومیت کے بھی خال و خط آراستہ کئے ہیں۔ وہ انسان کی انفرادی آزادی کے اعتقاد کے ساتھ "قوم" کا حلقۂ ارتباط بھی قائم کرتا ہے اور اسے ایک "معاشرتی معاہدہ" سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے سوسائٹی کا ہر فرد آزاد ہے اور تمام افراد کے حقوق مساوی ہیں، لیکن سوسائٹی کا انتظام قائم رکھنے کے لئے ایک منظم حلقہ کی ضرورت ہے۔ یہ حلقہ قومی نظام کا حلقہ ہے۔ "قوم" اور "قوم ہونا" ہی وہ تنہا نظام ہے جسے حکم اور نظم کی ساری قوتیں حاصل ہونی چاہئیں۔ اسمیں شک نہیں کہ روسو نے جس آزاد نظام معاشرت اور دنیا کے "آزاد اور روشن عہد" کا خواب دیکھا تھا، اُس کی تعبیر دنیا کو نہیں ملی، لیکن اُس کے "قومیت" اور "جمہوریت" کے اصول دُنیا نے بغیر کسی تامل کے قبول کرلئے، اور پھر انقلاب فرانس کا وہ خونیں سیلاب نمودار ہوا جو عہد قدیم کے تمام شخصی اور شاہی اصول و عقائد بہالے گیا!

گزشتہ دو صدیوں سے دنیا "قومیت" کے انہی بنیادی اصول پر گامزن ہے۔

جدید "قومیت" کے مبادیات

یہ جدید "قومیت" جن مبادیات اور عقائد پر قائم ہوئی، اسکے اہم اصول حسب ذیل ہیں:

(۱) باشندوں کا جو گروہ کسی خاص جغرافیائی حدود کے اندر، نسل، یا وطن، یا زبان، یا معاشرت کی یکانگت کی بنا پر آباد ہو، جب اُس کے افراد اپنے آپ کو ایک "قوم" محسوس کریں، تو وہ ایک "قوم" ہیں، اور کسی کو حق حاصل نہیں کہ انکے "قوم" ہونے سے انکار کرے۔

(۲) ہر قوم کا پیدائشی اور فطری حق ہے کہ وہ آزاد رہے، اور اپنی پسند کے مطابق اپنے تمام معاملات کا فیصلہ کرے۔ کسی دوسری قوم کو حق نہیں کہ اسمیں مداخلت کرے۔

(۳) "قومی آزادی" کے حق کی بنا قدرتی حق ہے، نہ کہ طاقت اور تحفظ۔ اگر ایک قوم کمزور ہے، یا اپنے معاملات کا بہترین انتظام نہیں کرسکتی، تو اس کی وجہ سے کسی دوسری طاقتور یا زیادہ شائستہ قوم کو یہ حق حاصل نہیں ہوجاتا کہ اُسپر حکومت کرے۔ طاقت کے ذریعہ کسی قوم کے حق قومیت کو سلب کرنا، دُنیا کے عالمگیر اور قدرتی قانون کی خلاف ورزی ہے۔

(۴) ہر طرح اور ہر نوعیت کی بالادستی اور اقتدار کا مرکز "قوم" ہے۔ کوئی جماعت یا کوئی فرد کوئی ایسا اختیار کام میں نہیں لاسکتا جسے براہِ راست قوم سے بطریق جائز حاصل نہ کیا گیا ہو۔

(۵) قوم کے تمام افراد اپنے تمام شہری، معاشرتی، اور قانونی حقوق میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ نسل، خاندان، اور پیشہ کی وجہ سے کسی کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوسکتا۔ معاشرتی ترقی و تنزل کا معیار ہر فرد کی قدرتی اور اکتسابی قابلیت ہے۔ نہ کہ نسل و خاندان۔

قوم، قومیت، اور قومی حقوق کے یہ مبادیات دراصل انسانی آزادی و حقوق کے اُسی مواد سے پیدا ہوئے تھے جنھیں یورپ میں نئے تمدنی عہد نے پیدا کیا تھا۔ اور جن کے واعظ والٹیر، روسو، اور فرانس کے انسائیکلوپیڈین اصحاب تھے۔ "قوم" اور "قومیت" کے حقوق اس نقطہ سے شروع ہوئے کہ انسان اور انسان کے حقوق کیا ہیں؟ اس اصل نے کہ "ہر انسان فطرۃً آزاد ہے اور اس کی آزادی کے لئے کوئی روک نہیں ہونی چاہئے جب تک وہ کسی دوسرے کی آزادی کے لئے روک نہ ہو" یہ قاعدہ بھی پیدا کردیا کہ "ہر قوم کو آزاد ہونا چاہئے۔ اور کسی فرد یا جماعت کو یہ حق نہیں کہ اُس کی آزادی میں خلل انداز ہو"

ان مبادیات کا جس سرزمین نے بحیثیت ایک قوم کے دنیا میں اعلان کیا وہ امریکہ اور فرانس ہے۔ امریکہ کے اعلانات ۱۷۷۶ء اور ۱۷۷۹ء کے تاریخ میں ثبت ہوچکے ہیں۔ اُسنے انہی مبادیات کی بنا پر انگلستان کا مقابلہ کیا اور فتحمند ہوئی۔ فرانس کا اعلان اُسکے انقلاب کا اعلان ہے جو تاریخ میں "اعلان حقوق انسانی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جسے فرانسیسی اسمبلی نے ۲۷ اگست ۱۷۸۹ء میں منظور کیا تھا۔

"ہجومی قومیت"

گزشتہ تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یورپ کی جدید "قومیت" کے عناصر انسانی آزادی و حقوق کے مواد سے حاصل کئے گئے تھے، اُس کا ظہور ہجوم کے لئے نہیں بلکہ دفاع کے لئے ہوا تھا۔ یہ دراصل پورے معنوں میں "دفاعی قومیت" تھی جو شاہی استبداد اور اجنبی تسلط کا مقابلہ کرنے کے لئے وجود میں آئی تھی۔ ایک طرف مظلوم اور پامال رعایا اُٹھی تاکہ بادشاہوں اور امیروں کے ظلم و ستم کے مقابلے میں "قومی حق" کا علم بلند کریں۔ دوسری طرف کمزور قوموں نے سنبھالا لیا تاکہ اجنبی حکمرانی کا مقابلہ کرنے کے لئے مرکز "قومیت" میں اپنی منتشر قوتیں جمع کرلیں۔ انگلستان اور فرانس نے شاہی تاج و تخت کے استبداد کا مقابلہ کیا۔ امریکہ نے انگلستان کی محکومیت سے انکار کردیا۔ یونان اور بلقانی قوموں نے عثمانی شہنشاہی سے آزادی حاصل کرلی۔ پولینڈ روسی تسلط کے خلاف باربار اُٹھا اور مقابل ہوا۔ اٹلی نے آسٹریا کی فوجیں ہمیشہ کے لئے اپنے وطن سے باہر کردیں۔ اسی طرح یورپ کے ہر گروہ نے اپنے اپنے وطن کے جغرافیائی حدود بنائے اور اُن کے حصار میں اپنی "قومیت" کا قلعہ تعمیر کرلیا۔ نپولین کے زوال کے بعد جب یورپ کا نقشہ ازسرنو بنایا گیا، تو یہ وطنی اور قومی حدبندیاں نقشہ کے خطوط میں داخل ہوگئیں۔

لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ کیا انسانی آزادی و حقوق کے وہ تمام اصول جو ان قومیتوں کا مایۂ خمیر تھے، دُنیا میں قائم ہوگئے؟ کیا امریکہ کے "اعلان آزادی" اور انقلاب فرانس کے "اعلان حقوق انسانی" کے مبادیات نے دُنیا کی تمام قوموں کے لئے حق آزادی کی نعمت مہیا کردی؟ کیا واقعی طاقت کی جگہ حق کا اور استبداد کی جگہ آزادی کا دعویٰ تسلیم کرلیا گیا؟

دُنیا نے حیرت و دہشت کے ساتھ دیکھا کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ وہی "قومیتیں" جو انسان کے انفرادی و قومی حقوق کی حفاظت اور دفاع کے لئے وجود میں آئی تھیں کچھ دنوں کے بعد انسانی آزادی و حقوق کی پامالی و اتلاف کا ذریعہ ہوگئیں۔ اُن کی ابتداء "دفاعی قومیت" سے ہوئی تھی لیکن اُن کا ظہور "ہجومی قومیت" کی شکل میں ہوا۔ جماعتی تنگ نظری، وطنی غرور و کبر، اور قومی برتری و اقتدار کے تمام جذبات اُبھر آئے، اور انسانی آزادی و حقوق کے مبادیات و اصول اس لئے رہ گئے کہ ہر قوم صرف اپنے لئے اُن کا نفاذ چاہے اور اپنے سوا سب کو اُن سے محروم دیکھے!

یہ وہی "وطنی و قومی عصبیۃ" کی حالت ہے، جس کی تشریح اوپر

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لاتهنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنين (القرآن الحکیم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۵ — کلکته : جمعه ۱۵ - محرم ۱۳۴۶ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 15, July 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

ضروری هی که هم اسکا اب فیصله کرلین

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافته طریق طباعة نہین رکھتی -

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای - پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی -

هندی اور هندوستان کی تمام زبانون نی ، نیز عربی ، فارسی ، ترکی ، تینون سامی زبانون نی حروف کی چھپائی اختیار کرلی هی اور انکی طباعة یورپ کی طباعة کا مقابله کر رهی هی - کیون اردو زبان بھی ایسا نه کری جو اسی رسم الخط مین لکھی جاتی هی ؟

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چھپتا هی -

اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین - آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین - لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین -

هماری رای مین بهترین حروف یهی هین - اگر فارسی اور ترکی کیلیي یه نا موزون نہین تو اردو کیلیي کیون نا موزون هون ؟

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیي - یاد رکھیي - طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیي سب سی زیاده اهم مسئله هی - ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین -

الهلال

ایک صدی قبل ایک مغربی خاتون کی مشرقیت

ایک مرد نما انگریز خاتون جو شام میں متوطن ہوگئی تھی -

لیڈی اسٹن ہوپ

حال میں ایک فرانسیسی اهل قلم موسیو بلوشر نے ایک نئے قسم کے تاریخی موضوع پر کتاب لکھی ہے : " اٹھارھویں صدی میں مغرب و مشرق کا اتصال " اسمیں اُن تمام یورپین اشخاص کے حالات جمع کیے ھیں جنھوں نے اٹھارھویں صدی میں " مشرقیۃ " اختیار کرلی تھی - " مشرقیۃ " سے مصنف کا مقصود یہ ہے کہ مشرقی ممالک کی رسوم ' معاشرت ' وضع و قطع ' اور ذوق و فکر کا اس طرح اختیار کرلینا ' گویا مغربیۃ ترک کر کے سرتا سر مشرقیۃ اپنے اوپر طاری کرلی ہے !

مصنف کو اس موضوع میں اُس سے کہیں زیادہ کامیابی ہوی ہے ' جتنی کامیابی کی بظاہر توقع کی جاسکتی ہے - ایک بہت بڑی تعداد یورپ کی تمام اقوام کی نظر آتی ہے جسنے ترکی ' مصر ' شام ' عراق ' ہندوستان ' اور چین میں توطن اختیار کرلیا تھا ' یا بہت زیادہ مدت تک کیلیے مقیم ہوگئی تھی ' اور اپنا مغربی جامہ اُتار کر سرتاسر مشرقی جامہ پہن لیا تھا - سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے ہندوستان کے ہندوستانی انگریزوں ' ہندوستانی فرانسیسیوں ' اور ہندوستانی ڈچوں کے حالات سے تو هم بے خبر نہیں ھیں ' لیکن دوسرے مشرقی ممالک کے ان مشرقی مغربیوں کے حالات یقیناً همارے لیے نئی دلچسپی کا باعث ہونگے -

اب زمانے کی رفتار اُلٹ چکی ہے - اب مغربیوں کی مشرقیۃ کا نہیں بلکہ مشرق کی " مغربیۃ " کا دور دورہ ہے - یقیناً ایک ایسے عہد میں یہ حالات همارے لیے عبرت انگیز دلچسپی سے خالی نہونگے -

آج هم اس کتاب سے ایک انگریز خاتون کے حالات مع تصاویر کے نقل کرتے ھیں - یہ خاتون مشہور انگریز مدبر سر ولیم پٹ کے خاندان سے تعلق رکھتی تھی - اسے شام و لبنان کی مشرقیۃ نے کچھہ اس طرح لبھا لیا تھا کہ اپنا وطن ' اپنی قوم ' اور مغربی دنیا کے تمام علائق ترک کرکے همیشہ کیلیے لبنان میں مقیم ہوگئی اور بالاخر وھیں پیوند خاک ہوئی :

(لیڈی اسٹن ہوپ)

سنہ ۱۷۷۶ - میں ایک انگریز لڑکی پیدا ہوئی - باپ کی طرف سے اُسکا رشتہ لارڈ اسٹن ہوپ سے ' اور ماں کی طرف سے لارڈ چتھم سے ملتا تھا -

لارڈ اسٹن ہوپ " باغی لارڈ " کے لقب سے مشہور تھا - کیونکہ وہ انقلاب فرانس کا بہت بڑا مداح اور جمہوریت کا حد غلو تک حامی تھا -

لارڈ چتھم ' مشہور برطانوی وزیر اعظم ولیم پٹ کا باپ تھا - نپولین اعظم کے نام کے ساتھہ پٹ کا نام بھی همیشہ زندہ رہے گا - دونوں کی دشمنی کی حد سے بھی تجاوز کرگئی تھی - ولیم پٹ نے جب جان دی ' تو اسکے آخری الفاظ یہ تھے : " جنگ ' جنگ " یعنی فرانس سے جنگ !

یہ لڑکی بچپن هی سے عجیب الاطوار تھی - انتہا پسندی اُسے اپنے دادھیال سے ورثہ میں ملی تھی - مستقل مزاجی اور خیال کی آزادی ننھیال سے پائی تھی -

جب وہ چار برس کی تھی ' اُسکی ماں مرگئی - باپ نے نئی شادی کرلی - لڑکی اپنے باپ کی بیوی سے نباہ نہ کرسکی اور اپنی نانی کے گھر چلی گئی - نانی کی موت کے بعد اپنے ماموں ولیم پٹ کے هاں اُٹھہ آئی - یہاں اُسے انگلستان کے مشہور ترین آدمیوں اور یورپ کے بڑے بڑے مدبروں کے دیکھنے کا موقعہ ملا ' اور یورپین سیاست کے بہت سے راز اُس پر کھل گئے -

سنہ ۱۸۰۶ - میں ولیم پٹ کا بھی انتقال هوگیا - مگر مرنے سے پہلے بھانجی کے نام پندرہ سو پونڈ سالانہ وظیفہ مقرر کرگیا - اب اُسنے متوفی ماموں کا گھر بھی چھوڑ دیا اور دیہات میں اُٹھہ گئی - کئی سال دیہاتی زندگی میں بسر کردیے -

اپنے ماموں کے گھر اور دیہات میں انگلستان کے بہت سے معزز نوجوانوں سے اُسکی دوستی ہوگئی تھی - بعض کی محبت نے اُسکے دل کا التفات حاصل بھی کیا ' مگر نا معلوم اسباب کی بنا پر وہ شادی نہ کر سکی ' یا شادی کرنی نہ چاهی -

یہ بات نہ تھی کہ وہ بد صورت هو اور مرد اُس سے نفرت کرتے هوں - اُسکا شمار حسینوں میں تھا - سرو قامت اور چھریرا بدن رکھتی تھی - لیکن اُسکے خط و خال زنانہ ہونے کی جگہہ زیادہ تر مردانہ تھے - اس لیے نسوانی کشش اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتے تھے -

(مشرق کی سیاحت)

سنہ ۱۸۱۰ - میں اُسکا بھائی بھی مر گیا - اس سے وہ بڑی محبت کرتی تھی اور اپنی زندگی اُسکی خدمت کیلیے وقف کردی تھی - یہ حادثہ اسکے لیے ناقابل برداشت تھا - چنانچہ غم غلط کرنے کیلیے سمندر کے سفر کا قصد کیا - پہلے صرف جبل طارق تک جانے کا

ان تمام اصحاب کیلیے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی هین

دنیا مین عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W.

مغرب و مشرق کے قدیم آثار ' پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں ' پرانی تصویریں ' پرانے سکے اور نقوش ' پرانے زیور ' آرائش و تزئین کا هر قسم کا سامان ' اور هر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر اگر آپ کو مطلوب هیں ' تو هم سے خط و کتابت کیجیے - کم از کم هماری نمایش گاهوں اور ذخائر کی فهرستیں هی منگوا لیجیے - اهل علم اور اهل دولت ' دونوں کیلیے همارا ذخیرہ قیمتی هے -

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا هے -

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر ' شام ' فلسطین ' هندوستان ' ایران ' ترکستان ' چین ' وغیرہ ممالک میں همارے ایجنت همیشہ گردش کرتے رهتے هیں -

با این همه

قیمتیں تعجب انگیز عهد تک ارزاں هیں !

براعظم یورپ ' امریکہ ' اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل ' کتب خانے ' اور عجائب خانے ' هم سے نوادر حاصل کرتے رهتے هیں - قاهرہ کے نئے ایوان شاهی کے نوادر ابهی حال میں هم هی نے فراهم کیے هیں -

اگر آپکے پاس نوادر موجود هوں

تو آپ فروخت کرنے کیلیے بهی پہلے هم هی سے خط و کتابت کیجیے - بہت ممکن هے که همارا سفری یا مقامی ایجنت آپسے مل سکے -

" اُس کي شخصيت ' ذاتي عظمت اور انوکھے اطوار سے مرکب ھے - اِس مرکب کي تحليل کرنے کي ناکام کوشش کي جگه همیں اُسکا نام جنون رکھدينا چاهيے "

يه شاعر کي راے ھے - ليکن خود خاتون نے شاعر کو کس نظر سے ديکھا ؟ وہ اپني ياد داشت ميں لکھتي ھے :

" يه شخص تصنع کا عادي ھے - زنانه اطوار رکھتا ھے - هميشه اپنے پيروں کي سبکي اور نزاکت دکھانے کي کوشش کرتا ھے - مذهب کے بارے ميں جب اس سے سوال کيا جاتا ھے تو صاف جواب دينے سے ڈرتا ھے "

وہ اپنے ملاقاتيوں کے ساتھه ايوان ميں مردوں کي طرح بيٹھا کرتي تھي - گفتگو کا انداز يه تھا گويا مقرر تقرير کر رھا ھے - رات رات بھر باتيں کرتي رھتي - يہانتک که ملاقاتي بے اختيار هوکر سو جاتے تھے !

(بڑھاپا اور خاتمه)

اسکي زندگي کے آخري دن بڑي ھي تکليف ميں کٹے - بڑھاپے کے زمانه ميں سود خوار يہوديوں کا افسوں اُس پر چل گيا تھا - قرض کي عادت پڑگئي تھي - اسراف کي کوئي حد نه رھي تھي - نتيجه يه نکلا که ديواليه هوگئي - صرف چار غلام باقي رہ گئے - باقي تمام خدم و حشم رخصت کرنا پڑے اور تمام جائداد هاتھه سے نکل گئي - حتى که وليم پٹ کا وظيفه بھي قرضه کي نذر هوگيا - سنه ١٨٣٨ ميں اِس خود دار خاتون نے ملکه وکٹوريا اور وزير اعظم انگلستان کو اپني حالت زار سے آگاہ کيا اور اعانت کيليے بڑي بڑي منتيں کيں مگر کوئي شنوائي نه هوئي -

نتيجه يه نکلا که صحـراء کي ملکه فاقے کرنے لگي - عمر کي زيادتي' بڑھاپے کي کمزوري ' پراني عظمت کي ياد ' موجودہ بے سروساماني : غرضکه سيکڑوں مصيبتيں بيک وقت ٹوٹ پڑي تھيں - بالآخر بيمار هوئي اور سنه ١٨٣٩ - ميں اپنے پيچھے ايک عجيب تاريخ چھوڑ کر فوت هوگئي - بيروت کے انگريز قونصل نے سنا تو فوراً پہنچا ' اور تجہيز و تکفين کے رسوم انجام ديکر محل کے باغ ميں نعش دفن کردي -

مدت کي غفلت کے بعد سنه ١٩١١ - ميں انگلستان کو يه خاتون ياد آئي اور اُس کي قبر پخته بنوادي گئي - مصنف کا بيان ھے که سنه ١٩١٣ - ميں اُس نے قلعه کے کھنڈر اور اسکي نئي بني هوي قبر دير الياس ميں ديکھي تھي -

افســانــه

محبت اور قربانی
یا
سزا اور انتقام ؟

ويکٹر هيوگو کا " بشپ " اور تاريخ اسلام کا " بغدادي "

درس وفا اگر بود زمزمهٔ محبتی
جمعه به مکتب آورد طفل گریز پای را

(١)

انگريزي تعليم يافته اشخاص ميں بہت کم لوگ هونگے جنهوں نے فرانس کے مشہور انشا پرداز ويکٹر هيگو Victor Hugo کي مصنفات کے انگريزي ترجمے نه پڑھے هوں - نثر ميں اُس کي بہترين کتاب لا ميزيريبل Les Miserables تسليم کي گئي ھے - اس قصه ميں اس نے دکھلايا ھے که انساني زندگي کي تمام شقاوتيں اور مصيبتيں صرف اس ليے موجود هيں که سوسائٹي کا نظام اور اخلاق غلط ھے - اِس کے پاس رحم ' محبت ' عفو ' اور اصلاح کے ليے تو کوئي جذبه نہيں ' ليکن وہ قانون اور سزا پر پورا اعتقاد رکھتي ھے - نتيجه يه ھے که انسان کو جرم اور مصيبت سے بچانے کے ليے وہ کچھه نہيں کرسکتي - ليکن جرم پر سزا دينے اور مصيبت پر نفرت کرنے کے ليے هر وقت طيار رهتي ھے !

ليڈي اسٹن هوپ لا مارٹين کے همراہ اپنے قلعه ميں
ليڈي کے سر پر پگڑي ھے اور لا مارٹين برهنه سر ھے -

ايک شخص جو اپني يا اپنے عزيزوں کي بھوک سے عاجز آکر چوري کرتا ھے ' يا نيکي اور خدا پرستي کي تعليم نه ملنے کي وجه سے گمراہ هو جاتا ھے ' آپ کتني ھي سزائيں دي جائيں ' وہ جرم کرتا ھي رهيگا - کيونکه سزا نے نه تو اس کي بھوک کا علاج کيا ' نه اس کي روح کي تاريکي کے ليے نيکي کي روشني بہم پہنچائي - اس کا علاج رحم اور محبت ھے - مگر يہي چيز سوسائٹي کے پاس نہيں ھے !

وہ کہتا ھے ' جرم اور گناہ روح کا زخم ھے - يه محبت کے مرهم ھي سے اچھا هوسکتا ھے - ليکن دنيا کے پاس مرهم نہيں ھے - صرف سزا کا تازيانه ھے !

***

اراده تها - لیکن جب وهانتک پهنچ گئي تو آگے بڑهنے کا شوق دامنگیر هوا - یهانتک که مشرق کے تمام مشہور مقامات یونان ' ترکي ' مالٹا ' مصر ' وغیره کي اُس نے سیر و سیاحت کرلي - اُس وقت یه تمام ممالک عثماني سلطنت کے زیر نگیں تهے

(مشرقیة کي ابتدا)

ایک مرتبه اس سیاحت کے اثنا میں ایسا اتفاق هوا که اُسکي کشتي سمندر میں ٹوٹ گئي - قریب تها که سب ڈوب جائے - لیکن عین وقت پر بچا لیے گئے - چونکه اس حادثه میں اس خاتون کے کپڑے ضائع هو گئے تهے ' اسلیے ایک ترک افسر نے اپني جنگي وردي اتار کر دیدي اور اُسنے شکریه کے ساته قبول کرلي - یه پہلا موقعه تها که اپنا مغربي اور جنسي لباس ترک کرکے اسنے مشرقي اور مردانه کپڑے پہنے ' لیکن یه وضع کچهه ایسي دل کو بها گئي که مدة العمر کے لیے مردانه مشرقي وضع اختیار کرلي !

ترکي ایک ترک افسر کي وردي پہنے اسکندریه میں داخل هوئي اپني سہیلي کو بهي مردانه لباس اختیار کرنے پر مجبور کیا - چند روز آرام کرکے فلسطین روانه هوئي - یہاں ترکي وردي اتار کر مصري ممالیک کا پر شوکت لباس اختیار کرلیا - سر پر عمامه ' جسم پر قفطان اور جبه ' سنہري تلوار کمر میں ' اس انگریز خاتون کي جو سر ولیم پٹ وزیر اعظم برطانیه کي بهانجي تهي ' دلپسند وضع تهي !

ملکه زینوبیا (زباء) کي اس ویران راجدهاني کے کهنڈروں میں (کیونکه وه فلسطین هي میں تهي) اُسے غیر معمولي کیفیت محسوس هوئي - یہاں اس مرد نما خاتون کو صحرا نشینوں نے ملکۂ صحراء کا تاج پہنایا !

(مشرقیة کا فیصله)

معلوم هوتا هے ' اسي زمانه میں اسکے اندر مشرقي توطن اور مشرقي زندگي کا خیال پیدا هوگیا تها ' اور اُسنے اپني بقیه زندگي کیلیے ایک آخري فیصله کر لیا تها - وه حماة اور انطاکیه هوتي هوئي دیر الیاس نامي مقام پر پهنچي ' اور یہاں آبادي سے باهر پہاڑ پر اپنے لیے ایک قلعه طیار کرایا - یہي قلعه اُسکا گهر اور یہي پہاڑ اُسکا وطن هوگیا - یورپ اور یورپ والوں کو بالکل بهول گئي - عربي حقه مدت سے لگا کر دهواں اڑاتي - گهوڑے پالتي - غلام خریدتي - اور ایک مشرق نژاد امیرا کي سي زندگي بسر کرتي - اس کے پاس چالیس غلام تهے - خود اسي نے انہیں جنگي قواعد بهي سکهائي تهي -

آهسته آهسته اس نے بڑي قوت اور اهمیت حاصل کرلي - اب اُسکي حیثیت ایک طاقتور شیخ قبیله کي هوگئي تهي - بستي کے تمام قبائل اس کے مطیع هوگئے تهے - یه پوري فیاضي کے ساتهه اُنہیں روپیه دیتي ' اور اُنهي کي زبان میں اُن سے باتیں کرتي - انکے تمام جهگڑے قضیے اسي کے سامنے آتے - یه تمام مقدمات کا ایک حکمران کي طرح فیصله کرتي اور مجرموں کو سزائیں دیتي - قرب و جوار کے سرکش لوگوں سے مقابله بهي جاري رهتا - اسکي دهاک تمام علاقه میں بیٹهه گئي تهي - لوگ اسکے رعب سے کانپتے تهے - اُسکے پاس ایک جلاد بهي نوکر تها جو عادي مجرموں کو قتل کرتا تها - قید خانه بهي بنایا تها - مجرموں کو اسمیں قید کرتي تهي -

۲۵ - برس یہاں رهي ' اور اسطرح رهي ' که اس علاقه کي ایک طاقتور امیر سمجهي جاتي تهي - بسا اوقات دول یورپ بهي مجبور هوئیں که اُسکي خوشامدیں کریں - انگریز هونے پر بهي وه انگریزوں اور انگریزي حکومت سے سخت نفرت کرتي تهي - اِس جوار میں جب کبهي انگریز ریشه دواني کرتے ' یه فوراً اسکا توڑ کردیتي - اُسوقت انگلستان کي خارجي نظارت یقین کرتي تهي که یه عجیب و غریب انگریز عورت مشرق میں اُسکي ایک خطرناک دشمن هے !

اُسکي همت ' شجاعت ' قوت : کا اندازه اس سے هوسکتا هے که لبنان کے مشہور دروزي سردار " امیر شہاب " جیسے جبار سے بهي اسنے مقابله کیا تها !

اس سے بهي بڑهکر یه که محمد علي خدیو اول کے بیٹے ابراهیم پاشا نے جب شام پر حمله کیا ' تو اس سے درخواست کي که یه غیر جانب دار رهے - یه ابراهیم پاشا وهي تها جس نے ایک طرف حجاز میں نجدیوں کا تخت الٹ دیا تها ' دوسري طرف سلطنت عثمانیه کو اپنے جبروت کے آگے جهکنے پر مجبور کردیا تها !

اسے گهوڑوں کا بڑا شوق تها - اصیل سے اصیل عربي گهوڑے اُسکے اصطبل میں بندهے رهتے تهے - بلیوں سے بهي بہت محبت تهي - اُسکا قلعه بلیوں سے بهرا رهتا تها - وه جادو ' نجوم ' اور تناسخ کي بهي قائل تهي -

لیڈي اسٹن هوپ

مشرق کے سفر او مشرقیه کے [illegible]

(لامارتین سے ملاقات)

سنه ۱۸۳۲ - میں مشہور فرانسیسي شاعر و مصنف لامارتین (۱) اس سے ملا تها جب اُس نے مشرق قریب کا سفر کیا تها - اُسوقت وه بوڑهي هوچلي تهي - شاعر نے اسکي بابت اپنا تأثر جن لفظوں میں ظاهر کیا هے وه حسب ذیل هیں :

(۱) لامارتین انیسویں صدي کا مشہور فرانسیسي شاعر اور مصنف هے جس کي نسبت تسلیم کیا گیا هے که شعر موسیقي (لیریک) کے جدید مذهب (اسکول) کا باني وهي هے - مشرق اور مشرقي شاعري سے بهي اسے غیر معمولي دلچسپي تهي - خیال کیا جاتا هے ' اسکے کلام کا وه حصه جس میں خدا کي حمد و ثنا ایک نئے اسلوب میں کي گئي هے اور اسکي صفات و تجلیات کے مظاهر کا استغراق نمایاں هوتا هے ' دراصل اسلامي الاهیات و تصوف کے مطالعه کا پرتو هے - سنه ۱۸۳۰ - میں اُس نے اسلامي ممالک کا سفر کیا - اُسوقت سلطان عبد المجید خاں مرحوم تخت عثماني پر متمکن تهے - اُنهوں نے جب اس سیاح کے حالات سنے تو ملاقات کیلیے بلایا ' اور اسمرنا اور لبنان میں ایک بہت بڑا قطعۂ زمین بطور جاگیر کے بخشدیا - اُس کے بعد سے لامارتین کچهه عرصه اسمرنا میں رها - کچهه عرصه لبنان میں - اسي زمانه میں اس نے اپنا مشہور سفر نامۂ مشرق مرتب کیا اور دولة عثمانیه کي تاریخ آٹهه جلدوں میں لکهي - مندرجۂ متن رائے اُسکے سفر نامه سے ماخوذ هوگي ' اگرچه مصنف نے حواله نہیں دیا هے - (الهلال)

" تو کیا وہ بات ٹھیک تھی " پولیس افسر نے متعجب ہوکر کہا جو اس شخص نے ہم سے بیان کی تھی ؟ جب ہم نے اس سے دریافت کیا کہ یہ قیمتی سامان تمہیں کیونکر ملا ؟ تو اس نے کہا کہ ......"

بشپ نے اُس کی بات ختم ہونے کا انتظار نہیں کیا - خود ھی کہکر پوری کردی :

" اُس نے کہا کہ یہ چیز مجھے ایک بوڑھے پادری نے دی تھی جس کے یہاں میں نے رات بسر کی تھی ' مگر تم نے اسکی بات باور نہ کی اور گرفتار کرکے میرے پاس لے آئے - کیوں ؟ یہی بات ہے ؟ اگر یہی بات ہے تو تم نے غلطی کی "

پولیس افسر نے جین کو چھوڑ دیا - جین کی کند اور اکھڑ طبیعت کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ اس لطیف مگر حیرت انگیز طرز عمل کی نزاکت محسوس کرسکتا - صورت حال کی عجیب ' غیر متوقع ' اور انقلابی نوعیت نے اسے مبہوت کردیا - اُس کی آنکھیں کھلی تھیں مگر اُسے کچھہ دکھائی نہیں دیتا تھا - بشپ اُٹھا اور چاندی کے دونوں شمعدان جو اُس کی چوری سے بچ رہے تھے ' اُٹھا سامنے کر دیے :

" میرے دوست ! یہ اپنی چیز لیلو اور خدا کے امن اور سلامتی کے ساتھہ جاؤ - مگر دیکھو ' جب کبھی تم واپس آؤ ' تو یاد رکھنا - تمہارے لیے بالکل غیر ضروری ہے کہ باغ میں سے گزرنے کی زحمت برداشت کرو - تم اس گھر میں ہمیشہ اُس کے صدر دروازے سے داخل ہوسکتے ہو - رات ہو یا دن - وہ کبھی اندر سے بند نہیں کیا جاتا - صرف بھڑا دیا جاتا ہے "

جین نے بغیر اس کے کہ صورت حال سمجھہ سکا ہو ' ایک ایسے آدمی کی طرح جو اپنے ہوش و حواس میں نہ ہو ' ہاتھہ بڑھا دیا اور شمعدان لے لیے - اب بشپ ایک قدم آگے بڑھتا ہے اور جین کے کان میں کہتا ہے :

" میرے دوست ! تم یہ اپنے شمعدان کیوں چھوڑ گئے ؟ یہ بھی چاندی کے ہیں اور دو سو میں فروخت ہو سکتے ہیں "

" دیکھو یہ نہ بھولنا کہ تم نے مجھہ سے آج کیا وعدہ کیا ہے ؟ تم نے وعدہ کیا ہے کہ اس سامان کی قیمت سے ایک راست باز آدمی کی زندگی بسر کروگے "

جین نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا - وہ تو مبہوت اور دم بخود کھڑا تھا - بشپ نے اُس کے کہنے کا انتظار نہیں کیا - اُسے جو کہنا چاھیے تھا ' وہ خود ھی اُس کی طرف سے فرض کرلیا - قبل اس کہ منظر ختم ہو ' بشپ کی زبان پھر کھلتی ہے - وہ جین کے کاندھے پر شفقت سے ہاتھہ رکھتا ہے اور کہتا ہے :

" جین والجین ! میرے دوست ! میرے عزیز بھائی ! اب تم زیادہ عرصہ تک برائی کی زندگی میں نہیں رھسکتے - میں نے آج تمہاری روح تم سے خرید لی ہے - میں اُسے تاریکی سے نکال کر خدا کے حوالہ کرتا ہوں ! "

میں نے جب کبھی قصہ کا یہ حصہ پڑھا ہے ' تو محسوس کیا ہے کہ کوئی چیز ضرورت سے زیادہ یہاں آگئی ہے - میں خیال کرتا ہوں ' اگر وکٹر ہیوگو یہ منظر وھیں پر ختم کردیتا جہاں بشپ نے شمعدان دیکر کہا تھا " سلامتی کے ساتھہ جاؤ " تو یہ تصویر کہیں زیادہ موثر اور مکمل ہوتی - اس سے زیادہ بشپ کو خود اپنی زبان سے کہنے کی ضرورت نہ تھی - اس سیرۃ (کیریکٹر) کی ساری تاثیر اُس کی حالت کی رفعت اور کیفیت میں ہے - صراحت اور وضاحت میں نہیں ہے — بسا اوقات عمل کی تاثیر ایک مقدس خاموشی ہوتی ہے جسے چھونا نہیں چاھیے - زبان کی گویائی اُس میں مخل ہوسکتی ہے مگر اضافہ نہیں کرسکتی !

***

بہر حال جین یہاں سے نکلتا ہے ' اور اب وہ وقت آتا ہے کہ زندگی بھر کی خواب گراں کے بعد اچانک اُس کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ دیکھتا ہے کہ افکار و احساسات کی ایک بالکل نئی دنیا اُس کے اندر پیدا ہوگئی ہے - یہ اُس کی زندگی میں پہلا موقعہ تھا کہ نفرت ' حقارت ' اور ' سزا کی جگہ رحم ' محبت ' اور عفو و بخشش کی دل نواز صدا اُس کے کانوں میں پڑی تھی - یہ پہلا موقعہ تھا کہ اُسے معلوم ہوا ' اس دنیا میں صرف " قانون " اور " سزا " ھی نہیں ہے بلکہ اِن سے بھی ایک بالا تر حقیقت ہے جو " محبت " اور " قربانی " ہے اور جس کی وسعت اور گہرائیوں کی کوئی انتہا نہیں - وہ بتدا ھی اس حقیقت کی تاثیر سے بچنا چاھتا لیکن یہ اُس کا روح و دل زخمی کیے بغیر نہیں رھسکتی تھی - وہ قید خانۂ تولون کا مشہور مجرم تھا ' مگر پھر بھی انسان تھا - سانپ اور بھیڑیا نہ تھا - سانپ کا پھن اور بھیڑیے کا پنجہ بھی تو محبت اور فیاضی کے سامنے نہیں اُٹھہ سکتا ؟ نا ممکن تھا کہ وہ بشپ کی رحمت و قربانی سے اپنی شقاوت و معصیت کا مقابلہ

نہ کرتا - اُس کا دل جسے سوسائٹی کی بے مہری ' قانون کی سنگ دلی ' اور زندگی کی محرومیوں نے پتھر کی طرح سخت کردیا تھا ' اب محبت کی دل نوازیوں سے بے اختیار پگھلنے لگا - سچ مچ تو اُس کی روح اُس کی نہیں رھی تھی - اُسے بشپ کی نگاہ محبت نے خرید لیا تھا - اس خرید و فروخت میں بشپ کے چند برتن کھوئے ' لیکن جین نے اپنی پوری زندگی جو گم ہوچکی تھی واپس پالی - اگر بشپ جین کو قانون اور سزا کے حوالے کردیتا تو کیا پاتا ؟ چاندی کے چند برتن جو اُس کے گھر سے چرائے گئے تھے - لیکن چاندی کے برتن زیادہ قیمتی ہیں یا خدا کے ایک بھٹکے ہوئے بندے کی خدا کے طرف واپسی ؟ بشپ کا فیصلہ یہ تھا کہ چاندی نہیں بلکہ انسان قیمتی ہے ! اُس نے برتنوں کے ساتھہ شمعدان بھی ملادیے - کیونکہ پھر بھی یہ سودا بہت ارزاں تھا !

***

اس قصه میں ایک نہایت هي موثر سیرۃ (کیرکٹر) ایک قصبه کے بشپ (بڑے پادري) کي هے ' اور اسي سے قصه شروع هوتا هے - یه بشپ رحم اور محبت کا پیکر تھا - انسان کي شقاوت اور مصیبت کے لیے اُس کے دل میں نفرت کي جگه رحمت تھي - وہ اِس حقیقت سے بے خبر نه تھا که انساني روح نفرت و بغض سے نہیں بلکه محبت اور فیاضي سے شکار کي جاسکتي هے - وہ اپني تمام بیش قرار تنخواہ بے نواؤں کي اعانت اور بیماروں کي تیمارداري میں خرچ کرڈالتا اور کہتا "یه میرے گھر کا خرچ هے" - وہ اپنا تمام وقت ابناء جنس کي خبر گیري و خدمت میں صرف کردیتا اور کہتا "یه میرے اوقات کي تقسیم هے" - جب کبھي کوئي بیمار پڑتا' یه اس کے سرھانے پہنچ جاتا - جب کبھي کوئي مصیبت میں مبتلا هوتا' یه اُس کے دروازہ پر دستک دیتا - جب کبھي کوئي مجرم گرفتار هوتا' یه اُسے توبۃ و انابت کي تسکین دینے میں مشغول نظر آتا !

اُس کا دروازہ همیشه کھلا رهتا - هر آنے والے کے لیے وہ ایک هي آواز رکھتا تھا "اندر چلے آؤ" اُس کي راتیں خدا کے تصور میں بسر هوتي تھیں اور دن اس کے بندوں کي محبت میں !

*

اُسي زمانه میں ایسا اتفاق هوا که فرانس کا ایک مشہور مجرم اٹھارہ برس کي سزا جھیل کر تولون کے قید خانه سے رها هوا اور اُسي قصبه سے گزرا - جاڑے کا موسم تھا - ایک پہر رات گزر چکي تھي - بھوک اور تھکن سے چور چور هو رها تھا - سارے قصبه کا بار بار چکر لگایا که رات بھر کے لیے کہیں پناہ مل جائے مگر میسر نه آئي - وہ ایک رها شدہ قیدي تھا - کون تھا جو ایسي قابل نفرت مخلوق کو اپني چھت کے نیچے دیکھنا گوارا کرتا ؟ مجبوراً اس نے ایک احاطه کي شکسته کوٹھري میں پناہ لي ' لیکن وہ کتے کا گھر تھا - کتے نے بھي گوارا نه کیا که اس کا ساتھه شب باش هو ! پھر اس نے سوچا' میرے لیے صرف قید خانه هي میں جگه نکل سکتي هے - وہ قصبه کے قید خانه کے دروازہ پر پہنچا اور بڑي عاجزي سے درخواست کي که رات بھر کے لیے اسے جگه دیدي جائے - لیکن دروازہ کے محافظ نے کہا "یه سرائے نہیں هے - قید خانه هے - اگر یہاں آنا چاهتے هو تو پہلے اپنے کو گرفتار کراؤ"

افسوس بد قسمت انسان! قید خانه بھي اُسے پناہ نہیں دے سکتا جب تک وہ جرم نه کرے !

*

آخر اتفاقات اُسے بشپ کے دروازہ پر پہنچاتے هیں - حسب معمول آواز آتي هے "اندر چلے آؤ" یه مکان میں جاتا هے اور اپني داستان مصیبت سناتا هے - بشپ ایک دوست اور بھائي کي طرح اُس کا خیر مقدم کرتا هے اور اپنے اور اپنے خاندان کے ساتھه میز پر بٹھا کر کھانا کھلاتا هے - گرم کمرہ ' گرم غذا ' آرام و عافیت سے رات بسر کرنے کا سامان : صورت حال کي یه تبدیلي جین والجین کي طبیعت میں (کیونکه رها شدہ قیدي کا یهي نام تھا) شگفتگي پیدا کردیتي هے - وہ بشپ سے بے تکلف هوکر باتیں کرنے لگتا هے - لیکن وہ سخت متعجب هوتا هے جب دیکھتا هے که بشپ اُسے گفتگو میں " جناب " کرکے مخاطب کرتا هے - اُس نے اپني زبان سے لاکھوں مرتبه دوسروں کو " جناب " کہا تھا ' لیکن خود اپنے لیے یه لفظ کبھي نہیں سنا تھا - اُس کي ساري عمر قید خانے کے سپاهیوں کي گالیاں سننے میں بسر هوئي تھي - وہ حیران هوکر کہتا هے "میں ایک رها شدہ قیدي هوں - اگر تم میرے حال سے واقف هوتے تو ایسا نه کہتے" لیکن بشپ کہتا هے "میں تم سے واقف هوں - کیونکه تم میرے بھائي هو !"

کھانے کے بعد وہ جین کے لیے اپنے کمرے کے ساتھه کا کمرہ طیار کرادیتا هے - چاندي کا شمع دان روشني کے لیے رکھدیتا هے ' اور شب بخیر کہکر رخصت هوجاتا هے -

جین شکر گزار هوکر سو جاتا هے - عمر بھر میں یه پہلا موقعه تھا که قید خانه کے سخت اور ٹھنڈے فرش کي جگه ایک نرم اور گرم بستر سے اس کا جسم مس هوا تھا !

*

اب ایسا هوتا هے که پچھلے پہر اُس کي آنکھه کھلتي هے - اس کا دماغ جو شام کي مصیبتوں سے تھک کر معطل هوگیا تھا ' کئي گھنٹے آرام پا کر اپني اصلي حالت میں واپس آجاتا هے اور اپنا گرد و پیش سونچنے لگتا هے - اچانک اس کے خیالات میں جنبش هوتي هے - طمع و حرص کے مجرمانه جذبات بھڑک اُٹھتے هیں - جرم کا ذوق خفته بیدار هوجاتا هے - اسے یاد آتا هے که کھانے کي میز پر چاندي کے قیمتي برتن موجود تھے جو اسي کمرے میں ایک جگه رکھے هوئے هیں - وہ اُٹھتا هے - پہلے بشپ کے کمرے میں جاتا هے - نہیں معلوم جرم و گناہ کے کیسے خوفناک ارادے اُس کے اندر کھول رهے تھے ؟ لیکن جب بشپ کے ساکن اور نوراني چہرے پر نظر پڑتي هے تو جھجھک کے رہ جاتا هے - گھبراهٹ میں جلد جلد چاندي کے برتن اُٹھاتا هے ' اور باغ کي دیوار پھاند کر روانه هوجاتا هے -

*

بشپ صبح اُٹھتا هے - وہ خیال کرتا هے که اپنے مہمان کے لیے گھر کي گائے کا تازہ دودھه مہیا کرے - مگر اتنے میں خادمه آتي هے اور خبر دیتي هے که یه "مہمان عزیز" چاندي کے تمام برتن لیکر بھاگ گیا - بشپ سنتا هے ' لیکن اُس کي زبان سے شکایت کا ایک حرف نہیں نکلتا - وہ کہتا هے "مٹي یا لوهے کے برتن بھي اُسي طرح کام دے سکتے هیں جس طرح چاندي کے برتن' وہ بہ آساني مہیا کرلیے جائینگے !"

اتنے میں دروازہ کھلتا هے اور پولیس کے سپاهي جین والجین کو گردن سے پکڑے نمودار هوتے هیں - اُن سے معلوم هوتا هے که صبح یه قصبه سے نکل کر تیزي سے بھاگا جا رها تھا - پولیس کے ایک سپاهي کو شبه هوا اور گرفتار کر لیا - شبه کي تصدیق اُس بقچه سے هوئي جو اس کي بغل میں تھا - اُس سے چاندي کے قیمتي برتن نکلے -

یهي موقعه بشپ کي سیرۃ (کیریکٹر) کي سب سے زیادہ موثر تصویر پیش کرتا هے - جونھي بشپ کي نظر جین پر پڑي' بے تامل آگے بڑھا :

"میرے دوست کیا تم هو؟" بشپ نے کہا "میں تمھیں دیکھه کر بہت خوش هوا - لیکن یه کیا بات هے که تم جاتے هوئے اپنے شمعدان یہیں چھوڑ گئے ؟ حالانکه وہ بھي تو چاندي کے هیں" اُس نے چاندي کے لفظ پر زور دیا "اور کم سے کم دو سو روپیه میں فروخت هو جا سکتے هیں ؟"

پولیس افسر ایک دوسرے هي طرح کے معامله کا متوقع تھا - یه صورت حال دیکھي تو گھبرا گیا :

مذاکرهٔ علميه

انساني عمر کي درازي اور اعادۂ شباب

يورپ کے طبي حلقے سالها سال سے اعادۂ شباب اور درازي عمر کے جن تجربوں ميں مشغول تهے' اُن ميں سب سے زياده کاميابي ڈاکٹر وورو نوف کو هوي هے جو بندر کي گلٹيوں کي قلم انسان کے جسم ميں لگا کر بوڑهاپے کو جواني سے بدل ديتا هے - اُس کي حيرت انگيز عملي کاميابيوں کا غلغله چار سال سے بلند هے' اور اب اس درجه مشهور هو چکا هے که هر چوتهے پانچويں هفتے اِس بارے ميں کوي نه کوئي خبر ريوٹر ايجنسي کے ذريعه دنيا ميں مشتهر هوجاتي هے -

سب سے پہلے سنه ۱۹۲۲ - ميں رائٹر نے يهه خبر مشتهر کي تهي که سابق قيصر جرمني نے ڈاکٹر وورو نوف کو بلايا هے تا که اس عمليه کا تجربه کريں - اُسکے بعد سنه ۱۹۲۴ - ميں فرانس کي هافاس ايجنسي نے خبر دي که حکومت فرانس نے ڈاکٹر موصوف کو الجزائر بهيجا هے تا که وهاں کي بهيڑوں پر اس عمليه کا تجربه کريں - اُسي زمانے ميں پيرس کے مشهور مصور رساله لا السترا سيوں نے اس عمليه کي تاريخ اور عملي نتائج پر متعدد مضامين لکهے' اور تهوڑے عرصه کے بعد انگلستان کے اخبارات سے معلوم هوا که ڈاکٹر وورو نوف نے لنڈن کا سفر کيا هے اور شاهي طبي مجلس کے زير اهتمام ايک وسيع جلسه ميں تقرير کي هے - اس جلسه ميں انهوں نے ايک ۷۵ - برس کا سالخورده آدمي بهي پيش کيا تها جو حد درجه کمزور هو چکا تها' مگر اب اس عمليه کے ذريعه زياده سے زياده چاليس برس کا طاقتور جوان معلوم هوتا تها !

اس کے بعد فرانس اور انگلستان کے طبي رسالوں ميں يه مبحث از سر نو چهڑ گيا - مختلف پهلوؤں سے اس پر بحثيں هوتي رهيں -

شايد هندوستان هي وه جگه هے' جهاں اس عمليه کي کاميابي اور مقبوليت کا سب سے پہلے اور سب سے بهتر اندازه لگايا جا سکتا تها - بندروں کي سب سے بڑي آبادي افريقه کے بعد هندوستان ميں هے - اور اگر عمده نسل کے بندروں کي جستجو هو تو وه غالباً صرف هندوستان اور اسکے جزيروں هي ميں مل سکتے هيں - اس ليے هر ايسے عمليه کے ليے جس ميں اِس "انسان سے ايک درجه فروتر" جانور کي ضرورت هو' ضروري هے که هندوستان سے اپني ضرورت پوري کرنے کا انتظام کرے - سنه ۱۹۲۵ع ميں اچانک معلوم هوا که شمالي هند ميں ايک نئي قسم کي تجارت شروع هوگئي هے اور خوب فروغ پا رهي هے - يه تجارت بندروں کے فرانس بهيجنے کي تجارت تهي - معلوم هوا که فرانس کي ايک حيوانات فروش دکان سيکڑوں هزاروں کي تعداد ميں عمده نسل اور قسم کے بندر طلب کر رهي هے' اور بمبئے' کلکته' کولمبو سے ايک ايک جهاز ميں سو سو بندر بهيجے جا رهے هيں - يه صورت حال اس بات کا قطعي ثبوت تهي که ڈاکٹر وورو نوف کا عمليه کم از کم مقبول خوب هو رها هے !

حال ميں رائٹر ايجنسي نے پيرس سے ايک نئي خبر شائع کي تهي - اس سے معلوم هوا تها که حکومت فرانس نے ڈاکٹر موصوف کو فرانس اور اٹلي کے سرحدي مقامات ميں سے ايک نهايت پر فضا اور معتدل مقام ديديا هے' اور انهوں نے وهاں ايک قديم قلعه ميں بهت بڑي تعداد بندروں کي جمع کرلي هے - مقصود اس سے يه هے که خود يورپ ميں بندر پال کر بڑي تعداد پيدا کرلي جائے' تاکه اس عمليه کے انجام دينے ميں سهولت هو -

اس خبر کے دو هفته بعد پيرس کے مشهور اخبار طان ميں ايک ملاقات کا دلچسپ حال شائع هوا جو اسي سرحدي مقام کے قديم قلعه ميں (جو اب بندروں کي قيام گاه هے) مسٹر چرچل اور ڈاکٹر موصوف ميں هوئي تهي - ملاقات کي سرگزشت ڈاکٹر ام - لوئي فارست کے قلم سے نکلي تهي جو ڈاکٹر وورو نوف کے پرانے دوست هيں -

چونکه يه معامله موجوده دنيا کا سب سے زياده اهم طبي انکشاف هے' اس ليے هم چاهتے هيں ايک جامع تحرير اس موضوع پر شائع کرديں - هم نے مختلف مصادر سے اس مبحث کے تين اهم حصے لے ليے هيں اور انهيں ضروري تصاوير کے ساتهه شائع کر ديتے هيں - پهلا ٹکره نيويارک کے مڈيکل جرنل کے ايک مضمون سے ماخوذ هے جو دنيا کے معتمد طبي رسائل ميں سے هے - دوسرا پيرس کے مشهور مصور رساله " لا السترا سيوں " کے مضامين سے مرتب کيا گيا هے جو اس موضوع پر شائع هوئے تهے - تيسرا " طان " پيرس سے ليا گيا هے جس ميں مسٹر چرچل اور ڈاکٹر وورو نوف کي ملاقات کي سرگزشت بيان کي گئي هے - اس کا مختصر خلاصه هندوستان کے بعض انگريزي اخبارات ميں بهي شائع هوگيا تها' ليکن اب ڈاک کے اخبارات ميں " طان " آگيا هے اور اس ميں پوري سرگذشت درج هے -

(۱)

(انساني عمر کي درازي)

زندگي کي بيمه کرنے والي کمپنيوں کي سالانه رپورٹيں ظاهر کرتي هيں که گزشته صدي کے آخري پچيس برسوں ميں انسان کي عمر پہلے سے باره برس زياده هوگئي هے - امريکن پروفيسر ڈاکٹر ميو نے واشنگٹن يونيورسٹي ميں پچهلے مهينه تقرير کرتے هوئے کها :

نیکي اور بدي میں کشمکش شروع ہوگئي - مقابلہ سخت تھا مگر جیت نیکي هي کیلیے تھي - جین نے تاریکي اور گناہ کا دشت بے کنار پیچھے چھوڑا ' اور ایک هي جست میں نیکي اور خدا پرستي کي بلندیوں پر پہنچ گیا :

بال نکشا و صفیر از شجر طوبیٰ زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی !

نیکي کي دنیا بدي کي دنیا سے کس قدر دور معلوم ہوتي هے اور پھر دیکھو تو کتني نزدیک هے ؟ جب تک تم نے اُسکي طرف قدم نہیں اٹھایا ' وہ اتني دور هے کہ اُس کا نشان راہ بھي تمھیں دکھائي نہیں دیتا - لیکن جونہي تم اُسکي طرف چلے ' وہ اِتني نزدیک هوجاتي هے کہ ساري مسافت ایک قدم سے زیادہ نہیں ! یوناني علم الاصنام کي ضرب المثل تھي : " مریخ کے مندر اور عطارد کے مندر میں صرف ایک دیوار حائل هے " کیونکہ دونوں ایک هي احاطہ میں تھے' اور جہل و خونریزي کے مندر سے نکل کر علم و امن کے مندر میں جانے کیلیے صرف اِتنا کرنا پڑتا تھا کہ بیچ کے ایک دروازے سے نکلکر دوسرے دروازے میں قدم رکھدیا - یہ اس طرف اشارہ تھا کہ علم و جہل ' محبت و جنگ ' اور نیکي و بدي کي دنیائیں کتني هي وسیع اور دور دراز نظر آتي هوں ' مگر اُسکے لیے جو ایک سے نکل کر دوسري میں قدم رکھنا چاهے ! اس سے زیادہ مسافت نہیں هے کہ ایک گھر کي چوکھٹ سے نکلے اور دوسري چوکھٹ میں قدم رکھدیا !

طے مي شود ایں رہ بہ درخشیدن برقے
ما بے خبراں منتظر شمع و چراغیم !

***

بالاخر فرانس کا وہ مشہور مجرم جسکے لیے چوري پیشہ اور قتل تفریح تھي ' جسے دنیا کا قانون اور سوسائٹي کا انصاف اٹھارہ برس عذاب میں رکھہ کر بھي جرم سے روک نہیں سکا تھا ' جسکي شقاوت اور سیہ کاري اس حد تک پہنچ چکي تھي کہ قید خانہ سے نکلتے هي پہلا وار اپنے محسن پر کر گزرا ' اور ذرا بھي ضمیر کي ملامت محسوس نہ کي : اب ایک شریف ' راست باز ' خدا پرست ' اور فیاض آدمي تھا جسکي دولت بندگان خدا کي بے لوث خدمت میں اور جسکي زندگي مصیبت زدوں اور بے سرو سامانوں کي غمخواري میں صرف هوتي تھي ! اِتنا هي نہیں بلکہ گذشتہ کے احساس اور مستقبل کي طلب نے اب اسکے اندر نیکي اور ایثار کي ایک ایسي اعلیٰ روح پیدا کردي تھي جسکي طاقت کي کوئي انتہا اور جسکي وسعت کا کوئي کنارہ نہ تھا - بشپ کا نمونہ اُسے اپني روحاني بلندي کي سطح سے بھي ایک زیادہ بلندي کي طرف دعوت دے رہا تھا !

***

انسان کتنا هي نیک بننا چاهے لیکن سوسائٹي اسے نیک بننے نہیں دیتي - وہ اُسکا زندگي کے هر گوشے اور هر موڑ پر تعاقب کرتي هے - جین کچھہ سے کچھہ هوگیا ' اُسکي روح بدل گئي ' اُسکا دل پلٹ گیا ' اُس کا سینہ جو کبھي شیطان کا نشیمن تھا ' مقدسوں کي نیکیوں کا آشیانہ اور فرشتوں کي پاکیوں کا خزانہ بن گیا ! تاهم سوسائٹي نہ تو اُسے معاف کرسکي ' نہ اُسکي راہ روکنے سے باز آئي - ایک کے بعد ایک آزمایشیں آتي گئیں ' اور اُسکي وہ نیکي جو بشپ نے شمعدان پکڑاتے هوے اسکے دل کے ریشے ریشے میں اتار دي تھي ' متزلزل نہ هوئي - وہ قربانیوں پر قربانیاں کرتا گیا - اس نے انسان کي خدمت اور محبت کیلیے اپنا سب کچھہ دیدیا - لیکن انسان اُسے انصاف کا ایک کلمہ ' اعتراف کا ایک اشارہ ' عزت کي ایک غلط انداز نظر بھي نہ دے سکا !

***

افسانہ بہت طول کھینچتا هے - سالہا سال گزر جاتے هیں - یورپ کے بعض اهم واقعات شروع هوتے هیں اور ختم هو جاتے هیں - " واٹرلو " کا معرکہ اور " فرانس کا تیسرا انقلاب " بھي هو چکتا هے ' لیکن جین کي عجیب و غریب زندگي کي مسلسل اور غیر مختتم قربانیاں ختم هونے پر نہیں آتیں - وہ اپني زندگي کا تمام آخري حصہ صرف کر کے جس یتیم اور مظلوم لڑکي کي پرورش کرتا هے اور سمجھتا هے کہ اُسکي زندگي کي ساري نامرادیوں اور شقاوتوں کا صلہ اس بچہ کي محبت میں مل جایگا ' وہ بھي اُس سے بے پروا هو جاتي هے - جس شخص کي زندگي کو وہ ایک ایسے زهرہ گداز اور دهشت انگیز خطرہ میں پڑکر بچاتا هے جس کا تصور بھي انسان کو سہمادے ' وہ بھي اُسکے ساتھہ انصاف نہیں کرسکتا اور اُس سے منھہ موڑ لیتا هے - آخر وہ وقت آتا هے جب اسي برس کي عمر میں تن تنہا بستر موت پر کروٹیں بدلتا هے - اُسوقت انسان طیار هوتا هے کہ اُسکے ساتھہ انصاف کرے -

ساري عمر کي نیکي اور قرباني کے بعد اعتراف کي یہي چند گھڑیاں تھیں جو سوسائٹي اُسے دے سکي !

***

وکٹر هیوگو کي یہ طیار کي هوي سیرۃ (کیریکٹر) نہایت مقبول هوي هے - یورپ کے بڑے بڑے مصوروں نے اسکا مرقع کھینچنے میں اپنے کمالات کے جوهر دکھلاے هیں - سب سے بہتر مرقع موزس کا تسلیم کیا جاتا هے جو گذشتہ صدي کا نامور فرانسیسي مصور تھا - اس مرقع میں اُس نے وہ منظر دکھلایا هے جب پولیس کے سپاهي جین کو گرفتار کرکے لاتے هیں اور بشپ کے سامنے پیش کرتے هیں - جین دم بخود کھڑا هے - اسکے هاتھہ میں چوري کے مال کا بقچہ هے - بشپ مسکراتا هوا آگے بڑھتا هے اور چاندي کے شمعدان اُسے پکڑا رہا هے - نیچے یہ عبارت درج هے " میرے دوست ! تم رات جاتے هوے یہ شمعدان کیوں چھوڑ گئے ؟ یہ بھي تو چاندي کے هیں اور دو سو روپیہ میں فروخت هو سکتے هیں " ؟

***

کچھہ عرصہ هوا میں سفر میں تھا اور گزران وقت کے لیے یہ قصہ پڑھہ رہا تھا - میں نے خیال کیا ' وکٹر هیوگو نے اپنے زور تخیل سے انساني سیرۃ کا ایک بڑا هي بلند اور دلاویز نقشہ کھینچا هے ' لیکن اگر اُس نے مشرق کي شاعري کي طرح (کیونکہ اُس نے سعدي اور حافظ کا مطالعہ کیا تھا) مشرق کے اخلاق و تصوف کا بھي مطالعہ کیا هوتا تو اسے معلوم هوجاتا کہ اس طرح کي اخلاقي سیرۃ یہاں کي عامي زندگي کے واقعات رہ چکے هیں - پھر مجھے خیال آیا کہ سید الطائفہ جنید بغدادي (رح) اور ابن ساباط کا واقعہ اس درجہ اس سے مشابہ ' اور اپني تفصیلات میں کیسا شاندار اور موثر هے ؟

***

" ابن ساباط " کي سرگزشت کیلیے آئندہ مجلس افسانہ سرائي کا انتظار کیجیے -

" وصاف "

ایک ۷۵ برس کا بوڑھا آدمي
عمليۂ تقاليم سے پہلے

اِن تجربوں کے بعد اُس نے انسان کو لیا اور خاطر خواہ کامیابي حاصل هوئي - چالیس سے ساٹھہ برس تک کے آدمیوں پر تجربه کیا گیا جنکي شرائین سخت هوگئي تهیں' اور پیري کے جمله لوازم اُن پر ٹوٹ پڑے تھے - جوان آدمیوں کا خون اُن کے جسم میں پہنچایا گیا اوریه تمام عوارض دور هوگئے - یه خیال نهیں کرنا چاهیے که اس طریقه میں جوان آدمي کا بہت سا خون لیا جاتا ھے - نهیں' بہت هي کم خون - اِتنا کم' جتنا معمولي زخم سے بهه جایا کرتا ھے - اور وہ اِس عمل کے لیے کافي هوتا ھے - ایک سنٹي میٹر مکعب سے دو سنٹي میٹر تک خون کافي هوتا ھے - اِس میں اصلي شرط یه ھے که دونوں کے خون کي فعالي خاصیت یکساں هو - یهي سبب ھے که خون لینے سے پہلے اُس کي طبي جانچ کرلي جاتي ھے - سب سے بہتر خون باپ کے لیے بیٹے کا هوتا ھے - لیکن بهر حال طبي معائنه ضروري ھے -

(۲) گلٹیوں کا نظریه

دوسرا طریقه گلٹیوں کي عملیات کا ھے - یه طریقه اُس نظریه پر مبني ھے جو آجکل بہت عام اور مقبول هو رها ھے - نظریه یه ھے که جسم کے پورے نظام کا دار ومدار اُن گلٹیوں پر ھے جو خون میں بلا واسطه اپنا ماده پہنچاتي رهتي هیں - اِن گلٹیوں کي مثال بالکل اُس ننھے سے پرزہ کي ھے جو موٹر میں حرکت کے وقت پہلا شراره پیدا کرتا ھے -

گلٹیوں کي جسم میں تاثیر مسلم ھے - مثلاً جب گردن کي " غدۂ درقیه " (Thyroid Gland) خراب هو جاتي ھے تو انسان میں غفلت و حماقت کي سي ایک کیفیت پیدا هو جاتي ھے - اِس غدود یا گلٹي کے اوپر دو گلٹیاں اور بھي موجود هیں - یه اِتني چھوٹي هیں که پن کے سر سے زیادہ نهیں هیں - اگر یه جسم سے نکال دي جائیں تو فوراً تشنج شروع هو جائے اور زیادہ سے زیادہ چھه گھنٹے کے اندر انسان مر جائے - اسي طرح گردوں کے اوپر کي گلٹیاں بھي اگر نکال دي جائیں تو چشم زدن میں اس طرح دم نکل جائے' گویا بجلي گر پڑي - وجه یه ھے که یه دونوں گلٹیاں ایک خاص طرح کا ماده خارج کرتي رهتي هیں جس کا نام " اڈرینالین " ھے - یهي ماده قلب کي حرکت کا اصلي موجب ھے -

غرضکه اِس قسم کي بہت سي گلٹیاں انسان کے جسم میں موجود هیں- لیکن تجربه کرنے والوں نے اپنے علاج میں صرف تناسلي گلٹیوں سے کام لیا ھے - یه ثابت هوچکا ھے که تناسلي گلٹیوں هي سے وہ ماده خارج هوتا ھے جس سے مرد کي آواز بھاري هوتي ھے'

چہرے پر بال نکلتے هیں' اور وہ تمام حالات پیدا هوجاتے هیں جنسے مرد' مرد هوتا اور اُس میں رونق شباب ظاهر هوتي ھے -

(گلٹیوں کے عملیات)

اِن گلٹیوں کو قوي اور چست کیوں کر کیا جائے ؟ علماء نے اِس کے چند طریقے نکالے هیں

ایک طریقه یه ھے که اِن گلٹیوں پر عمل جراحي کرتے هیں اور اُن کي شرائین مختلف دواؤں کے ذریعه تروتازہ کردي جاتي هیں' جن سے مادۂ منویه آتا ھے اور جو بڑھاپے میں خشک هو جاتي هیں - یه طریقه اب تک پوري طرح کامیاب نهیں هوا ھے' اگر هو بھي جائے تو صرف اُنهي بوڑھوں کے لیے مفید هوسکتا ھے جن کے قوی ابھي مضبوط هیں اور جسم میں مادۂ منویه کافي مقدار میں پیدا هوتا رهتا ھے - لیکن جن کے قوی بالکل کمزور هوگئے هیں' اُن کے لیے یه طریقه مفید نه هوگا - یهي وجه ھے که یه طریقه مقبول نهین هوا -

دوسرا طریقه پچکاري کے ذریعه مواد داخل کرنے کا ھے - تندرست حیوان کي تناسلي گلٹیوں کے مواد کا خلاصه حاصل کیا جاتا ھے' اور بوڑھے جسموں کي گلٹیوں میں پہنچا دیا جاتا ھے - لیکن یه طریقه بھي زیادہ کار آمد ثابت نهیں هوا - کیونکه اول تو ایسے مواد کا حاصل کرنا مشکل ھے - پھر اِس کا اثر بھي زیادہ دیر پا نهیں هوتا - کچھه مدت کے بعد جاتا رهتا ھے -

یه طریقه سب سے پہلے ایک امریکن ڈاکٹر براؤن سیکر نے معلوم کیا تھا اور خود اپنے جسم پر اسکا تجربه کیا تھا - یه ڈاکٹر بہت بوڑھا هو گیا تھا - عمر ستر سے بھي زیادہ هوگئي تھي- علمي اشغال کي قوت باقي نهیں رهي تھي - بڑے غور و فکر کے بعد اُسے خیال هوا که اِس طریقه کا تجربه کیوں نه کیا جائے ؟ چنانچه تناسلي گلٹیوں کے مواد کا خلاصه حاصل کیا اور اپنے جسم میں پچکاري کے نشتر کے ذریعه داخل کردیا- نتیجه حیرت انگیز تھا - اچانک شباب کي قوتیں عود کر آئیں !

تیسرا طریقه وہ ھے جسے پیوند یا قلم لگانے سے تعبیر کیا جاتا ھے یعني جس طرح درختوں کي دو مختلف شاخوں کا باهمدگر پیوند لگایا جاتا ھے' اسي طرح ایک جسم کا کچھه حصه دوسرے جسم میں لگا دیا جائے - اسي لیے هم نے اسے " تقلیم " کے لفظ سے تعبیر کیا ھے جو عربي میں قلم لگانے کے معني میں بولا جاتا ھے - ایک دوسرا لفظ " تطعیم " بھي ھے - لیکن اسمیں قلم لگانے سے زیادہ ٹیکه لگانے کا مفهوم پایا جاتا ھے - مصر کے بعض رسائل نے غلطي سے اسے " تطعیم " کہنا شروع کر دیا ھے - حالانکه تطعیم اِسکے لیے موزوں نهیں

وهي ۷۵ برس کا بوڑھا
عملیه کے بعد

ڈاکٹر گورسکی

جس نے تجدید خون کے ذریعہ اعادۂ شباب کے عملیہ میں کامیابی حاصل کی

" اعداد و شمار سے ثابت ہوگیا ہے کہ انسان کی عمر بڑھ رہی ہے - سولہویں صدی سے انیسویں صدی کے وسط یعنی سنہ ۱۸۵۰ع تک ' انسان کی عمر میں بیس برس کا اضافہ ہوچکا ہے - اس کے بعد بھی ترقی برابر جاری رہی - اس وقت انسان کی متوسط عمر ۵۸ - سال تک پہنچ چکی ہے "

پروفیسر مذکور کے خیال میں اس زیادتی کا اصلی سبب علم حفظان صحت کی ترقی اور عقل انسانی کی وسعت ہے - اب انسان بہت سے ایسے امراض پر غالب آگیا ہے جو پہلے نا قابل علاج تھے - اسنے بتایا کہ مرد کی زندگی کیلیے سب سے زیادہ خطرہ پچاس اور اٹھاون سال کی درمیانی عمر میں ہوتا ہے - لہذا اس موقعہ پر غیر معمولی احتیاط کی ضرورت ہے - عورت کی زندگی ۱۶ - اور ۱۸ - سال کی عمر میں سب سے زیادہ خطرے میں ہوتی ہے - تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ اکثر عورتیں اسی عمر میں مرتی ہیں -

عمر کی درازی میں وراثت کو بھی بہت دخل ہے - جن خاندانوں میں عمر زیادہ ہوتی ہے ' اُنکی نسل زیادہ مدت تک زندہ رہتی ہے - یہ اس لیے کہ عمر کا تعلق جسم کی اُن خلایا یا تھیلیوں سے ہے جو زندگی کی محافظ اور پرورش کرنے والی ہیں - علماء علم الحیاۃ نے اب یہ بات تسلیم کرلی ہے کہ زندگی کی ان تھیلیوں کی قوت و صلاحیت عام طور پر موروثی ہوتی ہے - لہذا طویل العمر خاندانوں کے افراد کو زیادہ عمر پانے کی امید رکھنی چاہیے - بشرطیکہ بے اعتدالیوں سے زندگی کی قوتیں قبل از وقت ضایع نہ کردیں -

حال میں مشہور روسی عالم ڈاکٹر وورونوف نے اعلان کیا ہے :

" عنقریب انسان ۱۲۵ - سال کی عمر حاصل کرلیگا ' اور علم کی ترقی بہت جلد اس مدت کو ۱۴۰ - سال تک بڑھا دیگی "

اور بہت سے علماء نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے - دنیا بھر میں زندگی کی درازی کیلیے ایک زبردست تحریک پیدا ہوگئی ہے -

(اعادۂ شباب)

لیکن سوال یہ ہے کہ انسان اتنی عمر لیکر کریگا کیا جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر ساٹھ برس کے بعد ہی بڑھاپے کی کمزوریاں اُسے مغلوب کرلیتی ہیں ' اور اس کے بعد تو اُسکی زندگی موت سے بھی بدتر ہو جاتی ہے ؟

بلا شبہ یہ سوال بہت اہم ہے -

لیکن علماء علم حیات اس سے غافل نہیں ہیں - اُن کا جواب یہ ہے کہ بڑھاپے کی یہ حالت طبیعی اور اٹل نہیں ہے بلکہ عوارض کا نتیجہ ہے - اگر یہ عوارض دور کردیے جائیں تو سو برس کی عمر میں بھی انسان ویسا ہی خوش حال رہسکتا ہے - جیسا تیس برس کی عمر میں ہوتا ہے - وہ کہتے ہیں - یہ عوارض دور کردیے جاسکتے ہیں -

بڑھاپے کی لاچاریاں دور کرنے کا مسئلہ نیا نہیں ہے - قدیم سے انسان نے اس پر غور کیا ہے اور دواؤں کی شکل میں اُسکے بہت سے حل تجویز کیے ہیں - مگر تجربے اور عمل سے کوئی بھی کارگر ثابت نہ ہوا - اب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ علماء شاید یہ مہم سر کرلیں -

(سائنس کانگرس کا اعلان عظیم)

گزشتہ سال سوئٹزر لینڈ میں سائنس کانگرس نے اعلان کیا تھا :

" یہ خیال محض بے بنیاد ہے کہ بڑھاپا ایک طبعی حالت ہے جو لازمی طور پر ہر انسان پر طاری ہوتی ہے - بڑھاپا بھی دراصل بیماری کی طرح ایک عارضہ ہے - جس طرح ہر بیماری کے جراثیم ہوتے ہیں' اُسی طرح اس بیماری کے بھی جراثیم ہیں' اور علم نے معلوم کر لیے ہیں - اگر ان کے معدوم کردینے میں کامیابی ہوگئی ' تو بڑھاپا بھی معدوم ہو جایگا " !

(۲)

(اعادۂ شباب کے کامیاب طریقے)

بڑھاپا دور کرنے یا بہ الفاظ علمی اس کے جراثیم معدوم کردینے کے جو طریقے اس وقت تک کامیاب ہوچکے ہیں ' وہ کچھ کم اہمیت نہیں رکھتے - ہم مختصراً اُن تمام طریقوں کا یہاں ذکر کر دیتے ہیں -

(۱) تجدید مادۂ دمویہ

اس طریقہ کا موجد پیرس کا ایک ڈاکٹر گورسکی ہے - اس طریقہ کی طرف اسے ڈاکٹر کارل کی کیمیاوی تحقیقات سے رہنمائی ہوئی - ڈاکٹر کارل حیوان کا کوئی عضو یا عضو کا کوئی حصہ ایک عرق کے اندر جس میں دو ثلث خون اور ایک ثلث اسی حیوان کی جنین کا جوہر شامل ہوتا تھا ' رکھدیتا ' اور وہ عضو حیرت انگیز طور پر زندہ رہتا - ڈاکٹر گورسکی نے یہ دیکھکر خیال کیا کہ اگر بوڑھے حیوان کے جسم میں اُسی نسل کے جوان حیوان کا خون منتقل کردیا جائے تو اُسے جوان ہوجانا چاہیے - چنانچہ اُس نے تجربہ کیا اور کامیاب رہا - چودہ برس کا ایک بوڑھا کتا اور ۲۴ - برس کا بوڑھا گھوڑا ' دونوں جوان ہو گئے !

مشہور عالم ڈاکٹر وورونوف

جو اعادۂ شباب کے عملیہ تقلیم کا موجد ہے

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

حسین بن علی علیہما السلام

دنیا میں انسانی عظمت و شہرت کے ساتھ حقیقت کا توازن بہت کم قائم رہ سکا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو شخصیتیں عظمت و تقدس اور قبول و شہرت کی بلندیوں پر پہنچ جاتی ہیں، دنیا عموماً تاریخ و حقیقت سے زیادہ افسانہ و تخیل کے اندر اُنہیں ڈھونڈھنا چاہتی ہے۔ اسی لئے فلسفۂ تاریخ کے بانی اول ابن خلدون کو یہ قاعدہ بنا دینا پڑا کہ جو واقعہ دُنیا میں جس قدر زیادہ مقبول و مشہور ہوگا، اُتنی ہی زیادہ افسانہ سرائی اُسے اپنے حصار تخیل میں لے لےگی۔ ایک مغربی شاعر گوئٹے نے یہی حقیقت ایک دوسرے پیرایہ میں بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے: "انسانی عظمت کی حقیقت کی انتہا یہ ہے کہ افسانہ بنجائے!"

تاریخ اسلام میں حضرت امام حسین (علیہ و علی آبائہ و اجدادہ الصلوٰۃ والسلام) کی شخصیت جو اہمیت رکھتی ہے، محتاج بیان نہیں۔ خلفائے راشدین کے عہد کے بعد جس واقعہ نے اسلام کی دینی، سیاسی، اور اجتماعی تاریخ پر سب سے زیادہ گہرا اثر ڈالا ہے، وہ اُن کی شہادت کا عظیم واقعہ ہے۔ بغیر کسی مبالغہ کے کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کے کسی المناک حادثہ پر نسل انسانی کے اس قدر آنسو نہ بہے ہونگے جس قدر اس حادثہ پر بہ چکے ہیں۔ تیرہ سو برس کے اندر تیرہ سو محرم گزر چکے، اور ہر محرم اس حادثہ کی یاد تازہ کرتا رہا۔ امام حسین کے جسم خونچکاں سے دشت کربلا میں جس قدر خون بہا تھا، اُس کے ایک ایک قطرہ کے بدلے دنیا اشک ہائے ماتم و الم کا ایک ایک سیلاب بہا چکی ہے!

بایں ہمہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تاریخ کا اتنا مشہور اور عظیم تاثیر رکھنے والا واقعہ بھی تاریخ سے کہیں زیادہ افسانہ کی صورت اختیار کرچکا ہے؟ اگر آج ایک جویائے حقیقت چاہے کہ صرف تاریخ اور تاریخ کی محتاط شہادتوں کے اندر اس حادثہ کا مطالعہ کرے، تو اکثر صورتوں میں اُسے مایوسی سے دوچار ہونا پڑیگا۔ اسوقت جس قدر بھی مقبول اور متداول ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے، وہ زیادہ تر روضہ خوانی سے تعلق رکھتا ہے جس کا مقصد، زیادہ سے زیادہ گریہ و بکا کی حالت پیدا کردینی ہے، نہ کہ تاریخی حیثیت سے بیان واقعات۔ بعض چیزیں جو تاریخ کی شکل میں مرتب ہوئی ہیں، وہ بھی دراصل تاریخ نہیں ہیں۔ روضہ خوانی اور مجلس طرازی کے مواد ہی نے ایک دوسری صورت اختیار کرلی ہے۔

اگر آج جستجو کی جائے کہ دُنیا کی کسی زبان میں بھی کوئی ایک کتاب ایسی موجود ہے جو حادثۂ کربلا کی "تاریخ" ہو، تو واقعہ یہ ہے کہ ایک بھی نہیں!

ذیل میں ہم وفیات مشاہیر عالم میں سے (جس کا ذکر دوسرے نمبر میں ہوچکا ہے) حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واردات و حوادث نقل کرتے ہیں۔ یہ حادثۂ کربلا کی "تاریخ" نہیں ہے، مگر تمام تاریخی واقعات کا مرتب مجموعہ ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ جہاں تک "تاریخ" کا تعلق ہے، اس حادثہ کے واقعات میں یہ پہلا مجموعہ ہے۔ یاد رہے کہ اس سلسلہ سے مقصود تاریخی بحث و نظر نہیں ہے، بلکہ مجرد واقعات وفات کا اس طرح یکجا کردینا ہے کہ اُس سے ایک مرتب سلسلۂ بیان پیدا ہوجائے البتہ واقعات کے تفحص و تحقیق میں پُوری کاوش کی گئی ہے۔ شاید اس قدر کاوش و جستجو کے ساتھ ان حالات کا تاریخی مجموعہ دوسری جگہ نہ ملے۔

تمہید

اہل بیت، شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ امیر معاویہ بن ابی سفیان کی وفات کے بعد تخت خلافت خالی ہوا۔ یزید بن معاویہ پہلے سے ولی عہد مقرر ہوچکا تھا۔ اُسنے اپنی خلافت کا اعلان کردیا۔ اور حسین بن علی علیہما السلام سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا تھا، اس لئے وہاں اہل بیت کرام کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی۔ اُنھوں نے حضرت حسین کو لکھا کہ آپ تشریف لائیے، ہم آپکا ساتھ دیں گے۔ آپنے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو اہل کوفہ سے بیعت لینے کے لئے بھیجدیا اور خود بھی سفر کی طیاری کرنے لگے۔

دوستوں کا مشورہ

آپکے دوستوں اور عزیزوں کو معلوم ہوا تو سخت مضطرب ہوئے۔ وہ اہل کوفہ کی بے وفائی اور زمانہ سازی سے واقف تھے۔ بنی امیہ کی سخت گیر طاقتوں سے بھی بے خبر نہ تھے۔ انھوں نے اس سفر کی مخالفت کی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے کہا "لوگ یہ سُنکر بہت پریشان ہیں کہ آپ عراق جارہے ہیں۔ مجھے اصلی حقیقت سے آگاہ کیجئے" حضرت حسین نے جواب دیا "میں نے عزم کرلیا ہے۔ آج ہی کل میں روانہ ہوتا ہوں" ابن عباس بے اختیار پکار اُٹھے: "خدا آپکی حفاظت کرے۔ کیا آپ ایسے لوگوں میں جارہے ہیں جنھوں نے اپنے امیر کو بے دست و پا کردیا ہے، دشمن کو نکال دیا ہے، اور ملک پر قبضہ حاصل کرلیا ہے؟ اگر وہ ایسا کرچکے ہیں تو شوق سے تشریف لیجائیے لیکن اگر ایسا نہیں ہوا ہے۔ حاکم بدستور اُن کی گردن دبائے بیٹھا ہے۔ اُسکے گماشتے برابر اپنی کارستانیاں کررہے ہیں تو اُن کا آپ کو بلانا در حقیقت جنگ کی طرف بلانا ہے۔ میں ڈرتا ہوں، وہ آپ کو دھوکا نہ دیں، اور جب دشمن کو طاقتور دیکھیں تو خود آپ سے لڑنے کے لئے آمادہ نہ ہوجائیں" مگر آپ اس طرح کی باتوں سے متاثر نہ ہوئے اور اپنے ارادہ پر قائم رہے۔

ابن عباس کا جوش

جب روانگی کی گھڑی بالکل قریب آگئی تو ابن عباس پھر دوڑے آئے۔ "اے ابن عم" اُنھوں نے بنت کہا "میں خاموش رہنا چاہتا تھا، مگر خاموش رہا نہیں جاتا۔ میں اس راہ میں آپکی ہلاکت اور بربادی دیکھ رہا ہوں۔ عراق والے، دغاباز ہیں۔ اُنکے قریب بھی نہ جائیے یہیں قیام کیجئے، کیونکہ یہاں حجاز میں آپ سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ اگر عراقی آپکو بُلاتے ہیں تو اُن سے کہئے پہلے مخالفین کو اپنے علاقہ سے نکال دو، پھر مجھے بُلاؤ۔ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن چلے جائیے۔ وہاں قلعے اور دشوار گزار پہاڑ ہیں۔ ملک کشادہ ہے۔ آبادی عموماً آپکے والد کی خیر خواہ ہے۔ وہاں آپ ان لوگوں کے دسترس سے باہر ہونگے۔ خطوں اور قاصدوں کے ذریعہ اپنی دعوت پھیلائیے گا۔ مجھے یقین ہے، اس طرح آپ کامیاب ہوجائیں گے"

لیکن حضرت حسین نے جواب دیا:

"اے ابن عم! میں جانتا ہوں تم میرے خیر خواہ ہو۔ لیکن میں اب عزم کرچکا"

ابن عباس نے کہا:

"آپ نہیں مانتے تو عورتوں اور بچوں کو تو ساتھ نہ لیجائیے۔ مجھے اندیشہ ہے آپ ان کی آنکھوں کے سامنے اُسی طرح قتل نہ کرڈالے جائیں جس طرح عثمان بن عفان (رض) اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کئے گئے تھے"

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد حضرت ابن عباس نے جوش میں آکر کہا:

"اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپکے بال پکڑ لینے اور لوگوں کے جمع ہونے سے آپ رُک جائیں گے تو واللہ میں ابھی آپ کی پیشانی کے بال پکڑلوں!" (ابن جریر)

مگر آپ پھر بھی اپنے ارادہ پر قائم رہے۔

عبداللہ بن جعفر کا خط

اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں نے آپکو سمجھایا۔ آپکے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر نے مدینہ سے خط بھیجا:

"میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنے ارادے سے باز آجائیے۔ کیونکہ اس راہ میں آپکے لئے ہلاکت اور آپکے اہل بیت کے لئے بربادی ہے۔ اگر آپ قتل ہوجائیں گے تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ اسوقت ایک آپ ہی ہدایت کا نشان اور ارباب ایمان کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے میں آتا ہوں"

(ابن جریر۔ کامل۔ مقتل ابن احنف وغیر ذلک)

والی کا خط

یہی نہیں بلکہ انھوں نے یزید کے مقرر کئے ہوئے والی عمرو بن سعید بن العاص سے جاکر کہا "حسین بن علی کو خط لکھ کر ہر طرح مطمئن کردو" عمرو نے کہا: آپ خود خط لکھ لائیے۔ میں مُہر کردوں گا۔ چنانچہ عبداللہ نے والی کی جانب سے یہ خط لکھا:

"میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اُس راستہ سے دُور کردے جسمیں ہلاکت ہے اور اُس راستہ کی طرف رہنمائی کرے جسمیں سلامتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے آپ عراق جارہے ہیں۔ میں آپکے لئے شقاق و اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپکی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ میں عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو آپکے پاس بھیج رہا ہوں۔ انکے ساتھ واپس چلے آئیے۔ میرے پاس آپکے لئے امن، سلامتی، نیکی، احسان، اور حسن جوار ہے۔ خدا اسپر شاہد ہے۔ وہی اس کا کفیل نگہبان اور وکیل ہے۔ والسلام"

هے - اس میں ٹیکه لگانے کے عملیه کي طرح کوئی خارجي ماده داخل نہیں کیا جاتا ؛ بلکه ایک عضو کي قام دوسرے عضو سے پیوند کردي جاتي هے -

اس کا طریقه یه هے که تندرست جسم کي تناسلی گلٹیوں کا پیوند بوڑھے آدمي میں لگادیا جاتا هے اور وہ بالکل جوان ہو جاتا هے - سب سے پہلے سنه ۱۷۷۰ - میں ایک انگریز ڈاکٹر جان هنٹر نے اس کا تجربه کیا تھا - بوڑھے کتے میں جوان کتے کي گلٹیاں لگادیں اور اُسکا بڑھاپا دور هوگیا - پھر سنه ۱۸۴۹ - ۰ میں ڈاکٹر برڈ ولڈ نے مرغ پر یہي تجربه کیا اور کامیاب هوا - انیسویں صدي کے آخر میں کئي اور پرندوں پر بھي اس عملیه کے تجربے کامیاب هو چکے هیں -

لیکن یه محض تجربے هي تجربے تھے - ابھي اس حد تک معامله نہیں پہنچا تھا که عملي حقیقت کي طرح تسلیم کرلیا جاتا - مگر سنه ۱۸۹۴ - میں ڈاکٹر شتناخ نے وائنا میں از سر نو تجربے شروع کیے - اِنکا سلسله ابتک جاري هے - اِس ڈاکٹر کے تجربے زیاده تر چوهوں پر تھے - تمام تجربے کامیاب هوے اور ثابت هوگیا که زیاده سے زیاده بوڑھے چوهے بھي جوان هوسکتے اور چالیس مهینے تک زنده رهسکتے هیں - حالانکه چوهوں کي عمر کا اوسط تیس مهینے سے زیاده نہیں - اِس کے معني یه هوئے که اُنکي عمر میں تقریباً ۴۵ - في صدي کا اضافه هو گیا - اگر اِسي پر آدمي کي عمر کا بھي قیاس کیا جائے تو اسي سے سو برس تک پہنچ جانا ممکن معلوم هوتا هے -

(ڈاکٹر وورو نوف)

لیکن معلوم هوتا هے که عملیه کي آخري کامیابي کي عزت ایک روسي ڈاکٹر کے نام لکھي جا چکي تھي جو عرصه سے پیرس میں مقیم هے - یعني ڈاکٹر وورو نوف -

ڈاکٹر موصوف نے اپنے تجربے حیوان سے شروع کیے - سب سے پہلے سنه ۱۹۱۸ - میں ۱۲ - برس کے بوڑھے دنبے میں ایک جوان دنبے کي تناسلي گلٹي کا پیوند لگایا - نتیجه یه هوا که دو مهینے کے اندر بوڑھے دنبے کي حالت بدل گئي - پہلے اُسکا سر جھکا رهتا تھا - هاتھه پاؤں کانپتے تھے - پیشاب بند هو هو جاتا تھا ' اور توالد و تناسل کي قوت بالکل مفقود هو چکي تھي - لیکن اِس علاج کے بعد اُسکي جواني واپس آگئي ' جوش شباب پیدا هو گیا ' سینگ مارنے لگا ' اور مادا اُس سے حامله بھي هوگئي - ڈاکٹر نے صرف اتنے تجربے هي پر اکتفا نہیں کي - بلکه کچھه روز بعد یه پیوند الگ کر کے دیکھا که اب دنبے کي حالت کیا هوتي هے ؟ هوا یه که پیوند کے الگ هوتے هي بڑھاپا لوٹ آیا - ڈاکٹر نے دوباره پھر پیوند لگا دیا ' وہ پھر از سر نو جوان هوگیا !

(۸۵ برس سے چالیس برس !)

اِسکے بعد ۷۵ - برس کے ایک بوڑھے انگریز پر تجربه کیا - یه نہایت هي ردي حالت میں تھا - کمزوري حد کو پہنچ چکي تھي - پیٹ بھي ڈھل لٹک آئي تھي - بینائي تقریباً جاچکي تھي - کان بھي بہرے هونے کے قریب تھے - اس نے اپني جواني کا تمام زمانه هندوستان کے گرم و سخت موسم میں بسر کیا تھا - وہ اس قدر کمزور تھا که ڈاکٹر کے مطب تک بھي خود نہیں جڑھ سکا جو پہلي منزل پر واقع تھا - نوکر اُسے اپني پیٹھه پر لاد کے لے گیا -

لیکن اِس علاج کے بعد وہ جوان هوگیا - قوت واپس آگئي ' حتی که سر پر بال بھي نکل آئے - حالانکه سالها سال سے اُسکا سر گنجا هو رها تھا ! (صفحه ۱۱ - کي دونوں تصویریں اسي شخص کي تصویریں هیں)

ڈاکٹر وورو نوف کا بیان هے که سب سے بہتر پیوند اُس قلم کا هوتا هے جو جوان آدمي کي تناسلي گلٹي سے لیا جاتا هے - علاج کیلیے بہت هي قلیل حصے کي ضرورت هوتي هے - اتنے قلیل کي که آدمي کي صحت کو هرگز کوئي نقصان نہیں پہنچ سکتا - مگر چونکه دنیا بھر کي قوموں کے قوانین نے اِسے ممنوع قرار دیدیا هے - اس لیے مجبوراً ترقي یافته بندر کي گلٹیوں سے کام لیا جاتا هے - کیونکه حیوانات میں بندر سے زیاده کوئي جانور انسان سے قریب نہیں هے - تحلیل کرنے سے ثابت هوا هے که بندر کا خون بالکل انسان کے خون کي طرح هے -

ابتک بکثرت آدمیوں کا علاج هو چکا هے ' اور سب پر کامیاب رها هے ' سب از سر نو جوان هو گئے هیں - ڈاکٹر وورو نوف کا آخري اعلان یه تھا که " دسمبر سنه ۱۹۲۶ - تک وہ ایک هزار بوڑھوں پر یه عملیه کر چکے هیں ! "

(جنس اُناث اور عملیۂ تقلیم)

جس طرح بوڑھے مردوں کے لیے یه عملیه کامیاب هوا هے ' کیا بوڑھي عورتوں کے لیے بھي کامیاب هوسکتا هے ؟ کیا آینده زمانے میں دونوں جنس یکساں شباب کي طرف لوٹ سکیں گے ' یا زندگي اور انتفاع کے هر میدان کي طرح ' اس میدان میں بھي عورتیں محروم رهجائیں گي ؟

حال میں ڈاکٹر وورو نوف نے اس سوال کا جواب دیتے هوئے کہا هے ؟

" اگر آپ چاهیں تو میں آپ سے اُس کمیونسٹ عورت کي ملاقات کرادوں جو ۶۵ برس کي عمر اور اس کي ساري محرومیاں لیکر میرے پاس آئي تھي اور اب از سر نو جوان بنکر واپس جا چکي هے " !

(باقي آینده)

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو
یاد رکھیے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما

(گائڈ بک)

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابلدید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپ کو مطلع کر دے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

THE DUNLOP GUIDE TO GREAT BRITAIN

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

الہلال کی مکمل جلدیں

گاہے گاہے باز خواں این قرارینہ را

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

الہلال کی پہلی اور دوسری اشاعت کی جلدوں کے لئے شائقین علم و ادب مشتاق تھے - چند جلدیں جو دفتر مہیا کر سکا ہے حسب ذیل قیمت پر بھیجی جا سکتی ہیں:

الہلال جلد سوم

" جلد چہارم — قیمت فی جلد ۸- روپیہ

" جلد پنجم

البلاغ (یعنی الہلال کا دوسرا سلسلۂ اشاعت) ۵ روپیہ - (منیجر الہلال)

اگر آپ کو
دمہ
(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے، تو تامل نہ کیجیے - اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی مشہور عالم دوا کا منگوا کر

استعمال کیجیے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت دنیا میں بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجیے

یاد رکھیے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر" کا "لائف ٹائم" لینا چاہیے!

مگر آپ بدستور اپنے ارادے پر جمے رہے۔ (ابن جریر وغیرہ)

فرزدق سے ملاقات

مکہ سے آپ عراق کو روانہ ہوگئے۔ "صفاح" نام مقام پر مشہور محب اہل بیت شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ آپنے پوچھا "تیرے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے؟" فرزدق نے جواب دیا "اُنکے دل آپکے ساتھ ہیں۔ مگر تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں" فرمایا "سچ کہتا ہے۔ اب معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہمارا پروردگار ہر لحہ کسی نہ کسی حکم فرمائی میں ہے۔ اگر اُس کی مشیت ہماری پسند کے مطابق ہو تو اُس کی ستائش کریں گے۔ اگر امید کے خلاف ہو تو بھی نیک نیتی اور تقویٰ کا ثواب کہیں نہیں گیا ہے"

یہ کہا اور سواری آگے بڑھائی۔ (ایضاً)

مسلم بن عقیل کے عزیزوں کی ضد

زرود نام مقام میں پہونچکر معلوم ہوا کہ آپکے نائب مسلم بن عقیل کو کوفہ میں یزید کے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے علانیہ قتل کردیا اور کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آپنے سُنا تو بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون! پڑہنا شروع کیا۔ بعض ساتھیوں نے کہا:

"اب بھی وقت ہے۔ ہم آپکے اور آپکے اہل بیت کے معاملہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں۔ لِلّٰہ یہیں سے لوٹ چلئے۔ کوفہ میں آپ کا کوئی ایک بھی طرفدار اور مددگار نہیں ہے۔ سب آپکے خلاف کھڑے ہوجائیں گے"

آپ خاموش ہوگئے، اور واپسی پر غور کرنے لگے لیکن مسلم بن عقیل کے عزیز کھڑے ہوگئے "واللہ ہم ہرگز نہ ٹلیں گے" اُنھوں نے کہا "ہم اپنا اِنتقام لیں گے یا اپنے بھائی کی طرح مرجائیں گے" اسپر آپ نے ساتھیوں کو نظر اُٹھا کر دیکھا اور ٹھنڈی سانس لیکر کہا "ان کے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں" (ایضاً)

راستہ میں بھیڑ چھنٹ گئی

بدوؤں کی ایک بھیڑ آپکے ساتھ ہوگئی تھی۔ یہ سمجھتے تھے کوفہ میں خوب آرام کرینگے۔ آپ اُنکی حقیقت سے واقف تھے۔ سب کو جمع کرکے خطبہ دیا۔

"اے لوگو! ہمیں نہایت دہشتناک خبریں پہونچی ہیں۔ مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ، اور عبد اللہ بن بقطر قتل کرڈالے گئے، ہمارے طرفداروں نے بیوفائی کی۔ کوفہ میں ہمارا کوئی مددگار نہیں جو ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہے چھوڑدے۔ ہم ہرگز خفا نہ ہونگے"

بھیڑ نے یہ سُنا تو دائیں بائیں کٹنا شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد آپکے گرد وہی آدمی رہ گئے جو مکہ سے ساتھ چلے تھے! (ایضاً)

حر بن یزید کی آمد

قادسیہ سے جوں ہی آگے بڑھے، عبید اللہ بن زیاد والی عراق کے عامل حصین بن نمیر تمیمی کی طرف سے حُر بن یزید ایک ہزار فوج کے ساتھ نمودار ہوا اور ساتھ ہولیا۔ اِسے حکم تھا کہ حضرت حسین کے ساتھ برابر لگا رہے، اور اُسوقت تک پیچھا نہ چھوڑے، جب تک اُنھیں عبید اللہ بن زیاد کے روبرو نہ پہنچادے۔ اِسی اثنا میں نماز ظہر کا وقت آگیا۔ آپ تہ بند باندہے، چادر اوڑہے، نعل پہنے تشریف لائے اور حمد و نعت کے بعد اپنے ساتھیوں اور حُر کے سپاہیوں کے سامنے خطبہ دیا:

راہ میں ایک خطبہ

"اے لوگو! خدا کے سامنے اور تمھارے سامنے میرا عذر یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے یہاں نہیں آیا ہوں۔ میرے پاس تمھارے خطوط پہنچے، قاصد آئے، مجھے بار بار دعوت دی گئی کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ آپ آئیے تاکہ خدا ہمیں آپکے ہاتھ پر جمع کردے۔ اگر اب بھی تمھاری یہی حالت ہے تو میں آگیا ہوں۔ اگر مجھ سے عہد و پیمان کرنے کے لئے طیار ہو جن پر میں مطمئن ہوجاؤں، تو میں تمھارے شہر میں چلنے کو آمادہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے بلکہ تم میری آمد سے ناخوش ہو، تو میں وہیں واپس چلا جاؤں گا جہاں سے آیا ہوں"

دشمنوں نے آپکے پیچھے نماز پڑہی

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد لوگ مؤذن سے کہنے لگے "اقامت پکارو" حضرت حسین نے حُر بن یزید سے کہا "کیا تم علیحدہ نماز پڑہوگے؟" اُسنے کہا "نہیں، آپ امامت کریں، ہم آپ ہی کے پیچھے نماز پڑہیں گے"

وہیں عصر کی بھی نماز پڑہی۔ دوست دشمن سب مقتدی تھے۔ سلام کے بعد آپنے پھر خطبہ دیا:

دوسرا خطبہ

"اے لوگو! اگر تم تقویٰ پر رہو اور حقدار کا حق پہچانو، تو یہ خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا۔ ہم اہل بیت اِن مدعیوں سے زیادہ حکومت کے حقدار ہیں۔ اِن لوگوں کا کوئی حق نہیں۔ یہ تمہیں ظلم و جور سے حکومت کرتے ہیں۔ لیکن اگر تم ہمیں ناپسند کرو، ہمارا حق نہ پہچانو، اور تمھاری رائے اب اُس کے خلاف ہوگئی ہو، جو تم نے مجھے اپنے خطوں میں لکھی اور قاصدوں کی زبانی پہنچائی تھی؛ تو میں واپس چلے جانے کے لئے بخوشی طیار ہوں"

اہل کوفہ کے خطوط

اسپر حُر نے کہا "آپ کن خطوں کا ذکر کرتے ہیں؟ ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں"

آپنے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ وہ دونوں تھیلے نکال لائے جن میں کوفہ والوں کے خط بھرے ہیں۔ عقبہ نے تھیلے انڈیل کر خطوں کا ڈھیر لگادیا۔ اسپر حُر نے کہا "لیکن ہم وہ نہیں ہیں جنھوں نے یہ خط لکھے تھے۔ ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپکو عبید اللہ بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑیں" حضرت امام نے فرمایا "لیکن یہ موت سے پہلے ناممکن ہے"

پھر آپنے روانگی کا حکم دیا۔ لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔ آپنے خفا ہوکر حُر سے کہا "تیری ماں تجھے روئے! تو کیا چاہتا ہے؟" حُر نے جواب دیا "واللہ اگر آپکے سوا کوئی اور عرب میری ماں کا نام زبان پر لاتا تو میں اُسے بتا دیتا! لیکن آپ کی ماں کا ذکر میری زبان پر بُرائی کے ساتھ نہیں آسکتا" آپنے فرمایا "پھر تم کیا چاہتے ہو؟" اُسنے کہا "میں آپ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لیجانا چاہتا ہوں" آپنے جواب دیا "تو واللہ میں تیرے ساتھ نہیں چلوں گا" اُسنے کہا "واللہ میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا" جب گفتگو زیادہ بڑہی تو حُر نے کہا "مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ملا ہے۔ مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں یہاں تک کہ آپکو کوفہ پہنچادوں۔ اگر آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ جاتا ہو نہ مدینہ۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں۔ آپ اگر پسند کریں تو خود بھی یزید یا عبید اللہ کو لکھئے۔ شاید خدا میرے لئے کوئی مخلصی کی صورت پیدا کردے، اور آپکے معاملہ میں امتحان سے بچ جاؤں" یہ بات آپنے منظور کرلی اور روانہ ہوئے۔ (ابن جریر اور کامل وغیرہ)

ایک اور خطبہ

راستہ میں کئی اور مقامات پر بھی آپنے دوستوں اور دشمنوں کو مخاطب کیا۔ مقام بیضہ میں خطبہ دیا:

"اے لوگو! رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے: جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے، خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے، عہد الٰہی شکست کرتا ہے، سنت نبوی کی مخالفت کرتا ہے، خدا کے بندوں پر

سرکشی سے حکومت کرتا ہے، اور دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے مخالفت کرتا ہے، نہ اپنے قول سے، سو خدا ایسے آدمی کو اچھا بدلہ نہ بخشے گا۔ دیکھو، یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے ہیں، رحمن سے پھر گئے ہیں۔ فساد ظاہر ہے، حدود الٰہی معطل ہیں، مال غنیمت پر قبضہ ہے، خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے۔ اُنکی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ تمھارے بے شمار خطوط اور قاصد میرے پاس پیام بیعت لیکر آئے، تم عہد کر چکے ہو کہ نہ تو مجھ سے بے وفائی کرو گے۔ نہ مجھے دشمنوں کے حوالے کرو گے۔ اگر تم اپنی اس بیعت پر قائم رہو تو یہ تمھارے لئے راہ ہدایت ہے۔ کیونکہ میں حسین ابن علی، ابن فاطمہ، رسول اللہ کا نواسہ ہوں۔ میری جان تمھاری جان کے ساتھ ہے۔ میرے بال بچے تمھارے بال بچوں کے ساتھ ہیں۔ مجھے اپنا نمونہ بناؤ۔ اور مجھ سے گردن نہ موڑو۔ اگر تم یہ نہ کرو، بلکہ اپنا عہد توڑ دو، اور اپنی گردن سے میری بیعت کا حلقہ نکال پھینکو، تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔ تم میرے باپ، بھائی، اور عم زاد مسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تم پر بھروسہ کرے۔ لیکن یاد رکھو، تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے۔ اور آئندہ بھی اپنا ہی نقصان کروگے۔ تم نے اپنا حصہ کھو دیا۔ اپنی قسمت بگاڑ دی۔ جو بدعہدی کرے گا، خود اپنے خلاف بدعہدی کرے گا۔ عنقریب نہیں خدا عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔" (ابن جریر و کامل وغیرہ)

ایک اور تقریر

ایک دوسری جگہ یوں تقریر فرمائی:

"معاملہ کی جو صورت ہو گئی ہے تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا نے اپنا رنگ بدل دیا، منہ پھیر لیا، نیکی سے خالی ہو گئی۔ ذرا سی تلچھٹ باقی ہے، حقیر سی زندگی رہ گئی ہے۔ ہولناکی نے احاطہ کر لیا ہے۔ افسوس تم دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے؟ باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے، کوئی نہیں جو اُس کا ہاتھ پکڑے۔ وقت آ گیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں لقاء الٰہی کی خواہش کرے۔ میں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود جرم ہے"

زہیر کا جواب

خطبہ سُنکر زہیر بن القین البجلی نے کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا "تم بولو یا میں بولوں؟" سب نے کہا "تم بولو" زہیر نے تقریر کی:

"اے فرزند رسول اللہ! خدا آپکے ساتھ ہو! ہم نے آپکی تقریر سنی۔ واللہ، اگر دنیا ہمارے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی ہو، اور ہم سدا اس میں رہنے والے ہوں، جب بھی آپ کی حمایت و نصرت کے لئے اس کی جدائی گوارا کر لیں گے اور ہمیشہ کی زندگی پر آپکے ساتھ مر جانے کو ترجیح دیں گے!" (ایضاً)

حُر کی دھمکی کا جواب

حُر بن یزید آپکے ساتھ برابر چلا آ رہا تھا۔ بار بار کہتا تھا "اے حسین! اپنے معاملہ میں خدا کو یاد کیجئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ جنگ کریں گے تو ضرور قتل کر ڈالے جائیں گے" ایک مرتبہ آپنے غضبناک ہو کر فرمایا "تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ کیا تمھاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مجھے قتل کر دو گے؟ سمجھ میں نہیں آتا تجھے کیا جواب دوں؟ لیکن میں وہی کہوں گا جو رسول اللہ کے ایک صحابی نے جہاد پر جاتے ہوئے اپنے بھائی کی دھمکی سُنکر کہا تھا:

سأمضی وما بالموت عار علی الفتی ۔۔۔ اذا ما نوی حقاً وجاہد مسلماً

(میں روانہ ہوتا ہوں، مرد کے لئے موت، ذلت نہیں ہے جبکہ اُس کی نیت نیک ہو اور اسلام کی راہ میں جہاد کر رہا ہو)

وواسی الرجال الصالحین بنفسہ ۔۔۔ وفارق مثبوراً یغش ویرغما

(اور جبکہ اپنی جان دیکر صالحین کا مددگار ہو اور دغاباز، ظالم، ہلاک ہونے والے سے جُدا ہو رہا ہو) (ایضاً)

چار کوفیوں کی آمد

عذیب الہجانات نام مقام پر کوفہ سے ۴ سوار آتے دکھائی دیئے۔ اُن کے آگے آگے طرماح بن عدی یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

یا ناقتی لا تذعری من زجری ۔۔۔ وشمّری قبل طلوع الفجر

(اے میری اونٹنی! میری ڈانٹ سے ڈر نہیں۔ طلوع فجر سے پہلے بہت تیز چل!)

بخیر رکبان وخیر سفر ۔۔۔ حتی تحلی بکریم النجر

(سب سے اچھے مسافروں کو لے چل، سب سے اچھے سفر پر چل، یہاں تک کہ شریف النسب آدمی تک پہنچ جا)

الماجد الحر، رحیب الصدر ۔۔۔ اتی بہ اللہ لخیر امر!

(وہ عزت والا ہے، آزاد ہے، فراخ سینہ ہے، اللہ اُسے سب سے اچھے کام کے لئے لایا ہے!)

ثمت ابقاہ بقاء الدہر!

(خدا اُسے ہمیشہ سلامت رکھے!)

حضرت حسین نے یہ شعر سنے تو فرمایا "واللہ مجھے بھی امید ہے کہ خدا کو ہمارے ساتھ بھلائی منظور ہے، چاہے قتل ہوں یا فتحیاب ہوں"

حُر بن یزید نے ان لوگوں کو دیکھا تو حضرت سے کہا "یہ لوگ کوفہ کے ہیں۔ آپکے ساتھی نہیں ہیں۔ میں انہیں روکوں گا یا واپس کر دوں گا" آپنے فرمایا "تم وعدہ کر چکے ہو کہ ابن زیاد کا خط آنے سے پہلے مجھ سے کوئی تعرض نہیں کرو گے۔ یہ اگرچہ میرے ساتھ نہیں آئے، لیکن میرے ہی ساتھی ہیں۔ اگر ان سے چھیڑ چھاڑ کرو گے تو میں تم سے لڑوں گا" یہ سُنکر حُر خاموش ہو گیا۔

کوفہ والوں کی حالت

آنے والوں سے آپنے پوچھا "لوگوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟" اُنھوں نے جواب دیا "شہر کے سرداروں کو رشوتیں دیکر ملا لیا گیا ہے۔ عوام کے دل آپکے ساتھ ہیں مگر اُن کی تلواریں کل آپکے خلاف نیام سے باہر نکلیں گی" (ایضاً)

آپکے قاصد کا قتل

اس سے پہلے آپ قیس بن مُسہر کو بطور قاصد کے کوفہ بھیج چکے تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے اُنھیں قتل کر ڈالا تھا۔ مگر آپ کو اطلاع نہ تھی۔ ان لوگوں سے قاصد کا حال پوچھا۔ اُنھوں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپکی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور فرمایا: منہم من قضی نحبہ ومنہم من ینتظر، وما بدلوا تبدیلا! (بعض ان میں سے مر چکے ہیں اور بعض موت کا انتظار کر رہے ہیں مگر حق پر ثابت قدم ہیں، اُسمیں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے) خدایا! ہمارے لئے اور اُن کے لئے جنت کی راہ کھول دے! اپنی رحمت اور ثواب کے دار القرار میں ہمیں اور اُنھیں جمع کر!"

طرماح بن عدی کا مشورہ

طرماح بن عدی نے کہا:

"واللہ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہوں مگر آپکے ساتھ کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ اگر صرف یہی لوگ ٹوٹ پڑیں جو آپکے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو خاتمہ ہو جائے۔ میں نے اتنا بڑا انبوہ آدمیوں کا کوفہ کے عقب میں دیکھا ہے، جتنا کسی ایک مقام پر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ سب اس لئے جمع کئے گئے ہیں کہ آپ حسین سے لڑیں! میں آپکو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھیے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں دشمنوں سے بالکل امن ہو تو میرے ساتھ چلے چلئے۔ میرا پہاڑ "آجا"، میں آپ کو اُتار دوں گا۔ واللہ وہاں دس دن بھی نہ گزریں گے کہ قبیلۂ طے کے ۲۰ ہزار بہادر تلواریں لئے آپکے سامنے کھڑے ہو جائینگے۔ واللہ جب تک اُن کے دم میں دم رہے گا، آپ کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے گا"

آپنے جواب دیا:

"خدا تمھیں جزاء خیر دے، لیکن ہمارے اور ان کے مابین ایک عہد ہو چکا ہے۔ ہم اُس کی موجودگی میں قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا، ہمارا ان کا معاملہ کس حد پر پہنچکے ختم ہو گا؟" (ایضاً)

خواب

اب آپ کو یقین ہو چلا تھا کہ موت کی طرف جا رہے ہیں۔ "قصر بنی مقاتل" نامی مقام سے کوچ کے وقت آپ اونگھ گئے تھے۔ پھر چونک کر آواز بلند کہنے لگے "انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الحمد للہ رب العالمین" تین مرتبہ یہی فرمایا۔ آپکے صاحبزادے علی نے عرض کیا "یہ انا للہ اور الحمد للہ کیوں؟" فرمایا "جان پدر! ابھی اونگھ گیا تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سوار کہتا چلا جا رہا ہے "لوگ چلتے ہیں اور موت اُنکے ساتھ چلتی ہے!" میں سمجھ گیا کہ یہ ہماری ہی موت کی خبر ہے جو ہمیں سنائی جا رہی ہے" علی نے کہا "خدا آپ کو روز بد نہ دکھائے! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟" فرمایا "بیشک ہم حق پر ہیں" اسپر وہ بے اختیار کہہ اُٹھے: "اگر ہم حق پر ہیں تو پھر موت کی کوئی پرواہ نہیں!"

یہ وہی آپکے صاحبزادے ہیں جو میدان کربلا میں شہید ہوئے اور علی الاکبر کے لقب سے مشہور ہیں (ابن جریر۔ شرح نہج البلاغہ۔ امالی سید مرتضیٰ وغیر ذالک)

ابن زیاد کا خط

صبح آپ پھر سوار ہوئے۔ اپنے ساتھیوں کو پھیلانا شروع کیا۔ مگر حُر بن یزید اُنھیں پھیلنے سے روکتا تھا۔ باہم دیر تک کشمکش جاری رہی۔ آخر کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ یہ ہتیار بند تھا۔ حضرت حسین کی طرف سے اُسنے منہ پھیر لیا، مگر حُر کو سلام کیا، اور ابن زیاد کا خط پیش کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

"حسین کو کہیں ٹکنے نہ دو۔ کھلے میدان کے سوا کہیں اُترنے نہ پائے۔ قلعہ بند یا شاداب مقام میں پڑاؤ نہ ڈال سکے۔ میرا یہ قاصد تمھارے ساتھ رہے گا اور دیکھتا رہے گا کہ تم کہاں تک میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو"

حُر نے خط کے مضمون سے حضرت امام کو آگاہ کیا اور کہا "اب میں مجبور ہوں۔ آپکو بے آب و گیاہ کھلے میدان ہی میں اُترنے کی اجازت دے سکتا ہوں" زہیر بن القین نے حضرت سے عرض کیا "ان لوگوں سے لڑنا اُس فوج گراں سے لڑنے کے مقابلہ میں کہیں آسان ہے جو بعد میں آئے گی" مگر آپنے لڑنے سے انکار کر دیا "میں اپنی طرف سے لڑائی میں پہل نہیں کروں گا" زہیر نے کہا "تو پھر اُس سامنے کے گاؤں میں چل کر اُتریئے جو فرات کے کنارے ہے اور قلعہ بند ہو جائیے" آپ نے پوچھا "اُس کا نام کیا ہے؟" زہیر نے کہا "عقر" (عقر کے معنی ہیں کاٹنا یا بے ثمر و نتیجہ ہونا) یہ سُنکر آپ منغص ہو گئے اور کہا "عقر سے خدا کی پناہ!" (ایضاً)

کربلا میں ورود

آخر آپ ایک اُجاڑ سرزمین پر پہنچکے اُتر پڑے۔ پوچھا "اس زمین کا نام کیا ہے؟" معلوم ہوا "کربلا"۔ آپنے فرمایا "یہ کرب اور بلا ہے!" یہ مقام پانی سے دور تھا۔ دریا میں اور اسمیں ایک پہاڑی حائل تھی۔ (الامامۃ والسیاسہ)

یہ واقعہ ۲ محرم ۶۱ہجری کا ہے۔

برید شرق

مکتوب چین

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم شنگھائی کے قلم سے)

چین کے بڑے سپہ سالار

قدیم چینی مثل ہے " فوج جمع کرلینا آسان ہے مگر اُس کے لئے سپہ سالار پیدا کرنا مشکل ہے" یہ مثل چین پر مدت سے صادق آرہی ہے چین میں قحط الرجال ہے۔ بڑے آدمی کم پیدا ہوتے ہیں۔

لیکن اسوقت خلاف عادت چند ایسے آدمی پیدا ہوگئے ہیں جو دُنیا کے بڑے بڑے آدمیوں میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔

"چنگ سولین"

جنگی حیثیت سے چین کا سب سے بڑا آدمی جنرل چنگ سولین سمجھا جاتا ہے۔ یہ شمالی افواج کا سپہ سالار اعظم اور پائے تخت پیکن کی حکومت کا مالک ہے۔ اب سے پہلے یہ منچوریا میں قزاقوں کا سردار تھا۔ جنگ عجسر کے دوران میں اُسنے شہرت حاصل کی۔ یہ اُسوقت بھی قزاقوں کی ایک بڑی ٹولی کا سردار تھا۔ یہ لوگ " سرخ داڑھی والے" کہلاتے تھے اور اُن کے نام سے باشندے تھراتے تھے۔ جنگ روس اور جاپان کے زمانہ میں بھی اسنے بہت نام پیدا کیا اور اپنے ڈاکوؤں کے ذریعہ روس کو بہت پریشان کیا۔ اُسوقت سے اسنے جاپان کی سرپرستی حاصل کرلی اور برابر ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں منچوریا کا جنگی حاکم بنا دیا گیا۔

سنہ ۱۹۲۲ء میں جنرل " وو، پی، فو" سے اُس کا اختلاف ہوا اور سخت جنگ ہوئی۔ چنگ سولین نے شکست کھائی۔ مگر اُس کی ہمت میں فرق نہیں آیا۔ جاپان کی مدد سے اُسنے پھر قوت حاصل کرلی اور منچوریا میں اپنی کامل خودمختاری کا اعلان کردیا۔

سنہ ۱۹۲۶ء میں اُسنے " وو، پی، فو" سے صلح کرلی اور دونوں نے ملکر پیکن فتح کیا، نئی حکومت قائم کی، اور صدر جمہوریہ چین کو نکال باہر کیا۔ پھر " وو، پی، فو" کو بھی پیکن سے بے دخل کردیا۔ اب وہ پائے تخت کا تنہا مالک ہے۔

" وو، پی، فو"

یہ جنرل صوبہ ہونان کا حاکم ہے۔ یہ صوبہ اپنے رقبہ میں فرانس کے برابر ہے۔ گزشتہ سال اسے دریائے ینگ زی کے کنارے کنٹونیوں نے بہت سخت شکست دی۔ اس کے پاس ڈھائی لاکھ نہایت مسلح منظم فوج موجود تھی۔ مگر قوم پرستوں سے مل گئی۔ یہ تن تنہا میدان سے بھاگنے پر مجبور ہوا۔ لیکن آدمی اولوالعزم تھا۔ فوراً نئی فوج مرتب کرلی۔ اس کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔ یہ کنفوشس مذہب کا عالم اور چینی زبان کا شاعر ہے۔

"سن، شن، فنگ" اور "تنگ، ٹنگ، شنگ"

شمالی چین میں ان دو بڑے سپہ سالاروں کے علاوہ دو اور سپہ سالار بھی بہت مشہور ہیں: ایک مارشل " سن، شن، فنگ"، دوسرا مارشل "تنگ، ٹنگ، شنگ"، اول الذکر کو کنٹونیوں نے شنگھائی کی لڑائی میں شکست دیکر اُس کی فوج کو ینگ زی کے نیچے برباد کرڈالا۔ دوسرا اُس کی مدد کو چلا۔ لیکن ناکام ہوکر شمال کی طرف بھاگنے پر مجبور ہوا۔ یہ شخص اپنی جسمانی قوت کے اعتبار سے پورے چین میں ایک آدمی سمجھا جاتا ہے۔

جنوبی چین (یعنی قوم پرست چین) کی مشہور شخصیتیں حسب ذیل ہیں:

جنرل کے شیک

ڈاکٹر سن یٹ سن کا دست راست تھا۔ کنٹونی فوج کا سپہ سالار تھا۔ لیکن حال ہی میں بعض اختلافات کی بنا پر باغی ہوگیا اور نان کنگ میں اپنی علحدہ حکومت قائم کرلی۔ اپنی جنگی قابلیت، شجاعت، ایثار اور حب الوطنی میں مشہور ہے۔ اس کی فوج میں ایک آسٹرین جنرل "حالنٹز" بھی موجود ہے اور بہت نام پیدا کررہا ہے۔

ادجین چن

کنٹن کا وزیر خارجیہ ہے۔ لندن میں قانون کی تعلیم حاصل کی اور مدت تک وکالت کرتا رہا۔ پھر کنٹن آیا اور قومی حکومت کے سب سے بڑے سیاسی عہدے پر نائز ہوگیا۔

ایم بروڈین

مشہور روسی کمیونسٹ اور مدبر ہے۔ اس کی پوری زندگی انقلابی افکار پھیلانے میں گزری۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں انگلستان گیا اور انگریز مزدوروں میں بغاوت پھیلانا چاہی۔ لیکن حکومت نے گرفتار کرکے قید کردیا۔ قید کی مدت ختم ہونے کے بعد ملک بدر کردیا گیا۔ یہ پہلا موقع نہ تھا کہ اُسنے قیدخانہ کی سیر کی۔ بارہا گرفتار اور قید ہوچکا ہے۔ اسوقت کنٹن میں اس سے زیادہ کسی کا اثر نہیں۔ چینی انقلاب میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے اور اب تک اُس کی روح رواں بنا ہوا ہے۔

"ہسوان ٹنگ"

چین کے مشاہیر کے ذکر کے ساتھ ہمیں بے اختیار چین کا معزول نوجوان شہنشاہ " ہسوان ٹنگ" یاد آجاتا ہے۔ اب سے پندرہ برس پہلے جبکہ اُس کی عمر صرف ۴ برس تھی، اپنے آبائی تخت سے معزول کیا گیا۔ اسوقت اس کی عمر ۱۹ برس ہے۔ ٹیانسین میں جاپان کے زیر سایہ مقیم ہے۔ تین سال ہوئے اسنے ایک منچورین شاہزادی سے شادی کرلی ہے اور اب خاموش بیٹھا مستقبل کا انتظار کررہا ہے۔

چونکہ انقلاب چین کے حالات میں وہاں کے مشاہیر کا ذکر آیا کرتا ہے اور ناواقفیت کی وجہ سے لوگ ان کی حیثیت کا اندازہ نہیں کرسکتے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ آج مختصراً اُن شخصیتوں سے آپ کو روشناس کردوں جو موجودہ انقلاب میں زیادہ نمایاں حصہ رکھتے ہیں۔ ادہر چند دنوں کے اندر صورت حال میں جو نئے تغیرات ہوئے ہیں انکی نسبت آئندہ ڈاک کے خط میں بتفصیل لکھوں گا۔

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

عیدالاضحیٰ۔ انگورہ کی عید۔ خلق فرقہ سی۔ بیرونی ممالک میں ترکی حقوق۔ ٹرکی کی تعمیر۔ ترکستان اور بالشویک۔ ٹرکی اور روس۔ ترکی عورت اور حق انتخاب۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا سفر آستانہ۔ شورش کا استیصال۔ ایسٹرن ٹیلیگراف کمپنی اور حکومت۔ یہودیوں، یونانیوں اور ارمنیوں میں شادیاں

عیدالاضحیٰ

کئی دن سے عیدالاضحیٰ کے استقبال کی طیاریاں ہورہی ہیں شہر میں غیر معمولی چہل پہل ہے اور اجنبی سے اجنبی آدمی بھی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کوئی بڑا اسلامی تہوار قریب آگیا ہے۔ میدان، قربانی کے جانوروں اور اُن کے خریداروں سے پُر نظر آتے ہیں۔ یورپ والوں کے لئے اس سے زیادہ عجیب منظر اور کیا ہوگا کہ جدید ترین فیشن میں ملبوس، ہیٹ لگائے، ترکی عورتیں اور مرد عید کے لئے قربانی کے بھیڑ خرید رہے ہیں اور انھیں اپنی موٹروں پر ساتھ بٹھا کر چلے جارہے ہیں۔ عرفہ کے دن (۹ ذی الحج) تو بازاروں کی یہ حالت تھی کہ خریداروں کے ہجوم سے راہ نہیں ملتی تھی۔ دکانیں آدمیوں سے لبریز تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سال بھر کے لئے پوری خرید فروخت آج ہی ہوجائیگی!

عرفہ کے دن تیسرے پہر ہی سے تمام شہر بن سنور کر دلہن بن گیا۔ جدہر دیکھو جمہوریت ترکی کے ہلالی جھنڈے لہرا رہے ہیں دکانوں پر بھی، مکانوں پر بھی، جہازوں اور بادبانی کشتیوں پر بھی۔ شہر کے تمام جنگی مرکزوں اور قلعوں سے توپیں دغنا شروع ہوئیں، اور انکی مسلسل صداؤں نے باشندوں میں مسرت کا جوش اور بھی زیادہ کردیا۔

عید کے دن صبح تڑکے ہی سے مسجدیں نمازیوں سے لبریز ہو گئیں اور بڑی ہی شان و شوکت سے نماز ادا کی گئی۔ اخبارات کے کالم عید کے مضامین سے پُر تھے۔ نیم سرکاری اخبار "ملیت" نے عید قرباں اور حج کے متعلق ایک طویل مضمون کعبہ اور عرفات وغیرہ کی تصویروں کے ساتھ شائع کیا۔ حج کے روحانی و اجتماعی فوائد بیان کئے۔ اُسے مسلمانوں کا بین الاقوامی اجتماع قرار دیا۔ ترکوں کو حج کی ترغیب دی۔ دوسرے اخباروں نے بھی اسی قسم کے مضامین شائع کئے ہیں۔

نماز کے بعد لوگ مسجدوں سے نکلے تو دروازوں پر "اسلامی دارشفقت" کے لڑکوں نے اُن کے سینہ پر پھول لگانا شروع کئے، "اسلامی دارشفقت" ایک یتیم خانہ ہے یہ اپنی عمارت کی بلندی، شوکت اور حسن انتظام کی وجہ سے تمام یورپ میں مشہور ہے۔ اس کے یتیم عید کے دن مسجدوں کے دروازے گھیرے کھڑے تھے۔ ہر نمازی کے کوٹ میں پھول لگا دیتے تھے اور وہ کچھ نہ کچھ اُن کے چندہ کے صندوقچہ میں ضرور ڈال دیتا تھا۔

انگورہ کی عید

استنبول کی طرح انگورہ کی عید بھی حسب معمول بہت شاندار تھی غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے قومی پارلیمنٹ کی عمارت میں لوگوں سے ملاقات کی اور عید کی مبارکباد قبول کی۔ اس کے بعد گھوڑ دوڑ

عمر بن سعد کی آمد

دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ والوں کی ۴ ہزار فوج لیکر آپہونچا۔ عبید اللہ بن زیاد نے عمر کو زبردستی بھیجا تھا۔ عمرو کی خواہش تھی کسی طرح اِس امتحان سے بچ نکلے اور معاملہ رفع دفع ہوجائے۔ اُسنے آتے ہی حضرت حسین کے پاس قاصد بھیجا اور دریافت کیا، آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟ آپنے وہی جواب دیا جو حر بن یزید کو دے چکے تھے: "تمھارے اِس شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا تھا۔ اب اگر وہ مجھے ناپسند کرتے ہیں تو میں لوٹ جانے کے لئے طیار ہوں"

ابن زیاد کی سختی

عمر بن سعد کو اِس جواب سے خوشی ہوئی اور امید بندھی کہ یہ مصیبت ٹل جائے گی۔ چنانچہ فوراً عبید اللہ بن زیاد کو خط لکھا۔ خط پڑھ کر ابن زیاد نے کہا:

اُلآن اذ علقت مخالبنا بہ   یرجو النجاۃ، ولات حین مناص

(اب کہ ہمارے پنجے میں آپھنسا ہے، چاہتا ہے نجات پائے مگر اب واپسی اور نکل بھاگنے کا وقت نہیں رہا!)

پھر جواب لکھوایا:

"حسین سے کہو پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید بن معاویہ کی بیعت کریں۔ پھر ہم دیکھیں گے ہمیں کیا کرنا چاہئیے۔ حسین اور اُنکے ساتھیوں تک پانی نہ پہونچنے پائے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی پینے نہ پائیں جس طرح عثمان بن عفان پانی سے محروم رہے تھے"

پانی پر تصادم

عمر بن سعد نے مجبوراً پانسو سپاہی گھاٹ کی حفاظت کے لئے بھیجدیئے اور آپ اور آپکے ساتھیوں پر پانی بند ہوگیا۔ اسپر آپنے اپنے بھائی عباس بن علی کو حکم دیا کہ ۳۰ سوار اور ۲۰ پیدل لے کر جائیں اور پانی بھر لائیں۔ یہ پہنچے تو محافظ دستے کے افسر عمرو بن الحجاج نے روکا۔ باہم مقابلہ ہوا، لیکن آپ بیس مشکیں پانی کی بھر لائے۔

عمر بن سعد سے ملاقات

شام کو حضرت حسین نے عمر بن سعد کو کہلا بھیجا آج رات مجھ سے ملاقات کرو۔ چنانچہ دونوں بیس بیس سوار لیکر اپنے اپنے پڑاؤ سے نکلے اور ایک درمیانی مقام میں ملے۔ تخلیہ میں بہت رات گئے تک باتیں ہوتی رہیں۔ راوی کہتا ہے گفتگو بالکل خفیہ تھی لیکن لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ حضرت امام نے عمر سے کہا تھا "ہم تم دونوں اپنے اپنے لشکر یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس روانہ ہوجائیں" عمر نے کہا "اگر میں ایسا کروں گا تو میرا گھر کھدوا ڈالا جائیگا" آپنے فرمایا "میں بنا دوں گا" عمر نے کہا "میری تمام جائداد ضبط کرلی جائے گی" "آپنے فرمایا "میں اپنی حجاز کی جائداد سے اس کا معاوضہ دیدونگا" مگر عمر نے منظور نہیں کیا۔ (ابن جریر وغیرہ)

تین شرطیں

اس کے بعد بھی تین چار مرتبہ باہم ملاقاتیں ہوئیں آپنے تین صورتیں پیش کی تھیں:

(۱) مجھے وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں۔

(۲) مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کر لینے دو۔

(۳) مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیجدو۔ وہاں کے لوگوں پر جو گزرتی ہے وہی مجھ پر بھی گزرے گی"

عمر کا خط

بار بار کی گفتگو کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد کو پھر لکھا:

"خدا نے فتنہ ٹھنڈا کر دیا۔ پھوٹ دور کردی۔ اتفاق پیدا کردیا۔ اُمت کا معاملہ درست کردیا۔ حسین مجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ اِن تین صورتوں میں سے کسی ایک کے لئے طیار ہیں ...... اِس میں تمھارے لئے بھی بھلائی ہے اور اُمت کے لئے بھی بھلائی ہے"

شمر کی مخالفت

ابن زیاد نے خط پڑھا تو متأثر ہوگیا۔ عمر بن سعد کی تعریف کی اور کہا "میں نے منظور کیا" مگر شمر بن ذی الجوشن نے مخالفت کی اور کہا "اب کہ حسین قبضہ میں آچکے ہیں اگر بغیر آپکی اطاعت کے نکل گئے، تو عجب نہیں عزت و قوت حاصل کرلیں اور آپ کمزور و عاجز قرار پائیں۔ بہتر یہی ہے کہ اب اُنھیں قابو سے نکلنے نہ دیا جائے جب تک وہ آپ کی اطاعت نہ کرلیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسین اور عمر باہم رات رات بھر سرگوشیاں کیا کرتے ہیں"

ابن زیاد کا جواب

ابن زیاد نے یہ رائے پسند کرلی اور شمر کو خط دیکر بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ اگر حسین مع اپنے ساتھیوں کے اپنے آپکو ہمارے حوالے کردیں تو لڑائی نہ لڑی جائے اور اُنھیں صحیح و سالم میرے پاس بھیجدیا جائے۔ لیکن اگر وہ یہ بات منظور نہ کریں تو پھر جنگ کے سوا چارہ نہیں۔ شمر سے کہدیا کہ اگر عمر بن سعد نے میرے حکم پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا، جب تو تم اس کی اطاعت کرنا، ورنہ چاہئیے کہ اُسے ہٹا کر خود فوج کی ریاست اپنے ہاتھ میں لے لینا اور حسین کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیجدینا۔

ابن زیاد کے اس خط میں عمرو کو سخت تہدید بھی کی گئی تھی:

"میں نے تمھیں اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ حسین کو بچاؤ، اور میرے پاس سفارشیں بھیجو۔ دیکھو، میرا حکم صاف ہے اگر وہ اپنے آپکو حوالے کردیں تو صحیح و سالم میرے پاس بھیجدو۔ لیکن اگر انکار کریں تو پھر بے تأمل حملہ کرو، خون بہاؤ، لاش بگاڑو۔ کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ قتل کے بعد اُن کی لاش گھوڑوں سے روندڈالنا کیونکہ وہ باغی ہیں اور جماعت سے نکل گئے ہیں۔ میں نے عہد کرلیا ہے کہ اگر قتل کروں گا تو یہ ضرور کروں گا۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو انعام و اکرام کے مستحق ہوگے۔ نافرمانی کی تو معزول کئے جاؤ گے" (ابن جریر وغیرہ)

شمر بن ذی الجوشن اور حضرت حسین

شمر بن ذی الجوشن کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ اسکی پھوپھی ام البنین بنت حزام امیر المومنین علی علیہ السلام کی زوجیت میں تھیں اور اُنہی کے بطن سے اُن کے چار صاحبزادے: عباس، عبد اللہ، جعفر، اور عثمان پیدا ہوئے تھے جو اِس معرکہ میں امام حسین کے ساتھ تھے۔ اِس طرح شمر اِن چاروں کا اور اِنکے واسطے سے حضرت امام کا پھوپھیرا بھائی تھا۔ اِسنے ابن زیاد سے درخواست کی تھی کہ اُس کے اِن عزیزوں کو اماں دیدی جائے اور اُسنے منظور کرلیا تھا۔ چنانچہ اُسنے میدان میں چاروں صاحبزادوں کو بلا کر کہا "تم میرے دادھیالی ہو، تمھارے لئے میں نے امن و سلامتی کا سامان کرلیا ہے" لیکن انھوں نے جواب دیا "افسوس تم پر، تم ہمیں تو اماں دیتے ہو لیکن فرزند رسول اللہ کے لئے اماں نہیں ہے!"

شمر نے ابن سعد کو حاکم کوفہ کا خط پہونچا دیا اور وہ طوعاً و کرہاً بخوف عزل آمادۂ تعمیل ہوگیا۔ (ایضاً)

فوج کی ابتدائی حرکت

نماز عصر کے بعد عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی جب قریب پہونچا تو حضرت عباس بیس سواروں کے ساتھ نمودار ہوئے۔ عمر نے ان سے کہا کہ ابن زیاد کا جواب آگیا ہے اور اُس کا مضمون یہ ہے۔ عباس واپس لوٹے کہ حضرت حسین کو اس کی اطلاع دیں۔ اِس اثنا میں فریقین کے بعض پُرجوش آدمیوں میں جو ردوکد ہوئی اسے راویوں نے محفوظ رکھا ہے۔

دونوں فوجوں میں باہمی ردوکد

حضرت امام کے طرفداروں میں سے حبیب بن مظاہر نے ک[ہا]: "خدا کی نظر میں بدترین لوگ وہ ہوں گے جو اُس کے حضور [اس] حالت میں پہنچیں گے کہ اُس کے نبی کی اولاد اور اِس شہر کوفہ [کے] تہجد گزار عابدوں کے خون سے اُن کا ہاتھ رنگین ہوگا" ابن [سعد] کی فوج میں سے عزرہ بن قیس نے جواب دیا "شاباش! اپنی [خوب] بڑائی کرو۔ پیٹ بھر کے اپنی پاکی کا اعلان کرو" زہیر بن القین [نے] کہا "اے عزرہ! خدا ہی نے اِن نفسوں کو پاک کردیا ہے اور ہدایت کی راہ دکھائی ہے۔ خدا سے ڈر، اور اِن پاک نفسوں کے قتل پر گمراہی کا مددگار نہ بن" عزرہ نے جواب دیا "اے زہیر! تم تو [اس] خاندان کے حامی نہ تھے۔ کیا آج سے پہلے تک تم عثمانی (حضرت عثمان کے حامی) نہ تھے؟" زہیر نے کہا "ہاں یہ سچ ہے۔ میں نے حسین کو کبھی کوئی خط نہیں لکھا نہ کبھی کوئی قاصد بھیجا۔ لیکن [راستے] نے ہم دونوں کو جمع کردیا ہے۔ میں نے اُنھیں دیکھا تو رسول اللہ [یاد] آگئے اور رسول اللہ کی اِن سے محبت یاد آگئی۔ میں نے دیکھا [کہ وہ] کتنے قوی دشمن کے سامنے جارہے ہیں۔ خدا نے میرے دلمیں اُن[کی] محبت ڈال دی۔ میں نے اپنے دل میں کہا میں ان کی مدد کروں گا اور اللہ اور اُس کے رسول کے اُس حق کی حفاظت کروں گا جو تم نے ضایع کردیا ہے"

امام حسین کو جب ابن زیاد کے خط کا مضمون معلوم ہوا تو اُنھوں نے کہا "اگر ممکن ہو تو آج انھیں ٹال دو، تاکہ آج رات اور اپنے رب کی نماز پڑھ لیں، اُس سے دعا کریں، مغفرت مانگیں کیونکہ وہ جانتا ہے میں اُس کی عبادت کا دلدادہ، اُس کی کتاب پڑھنے والا، اُس سے بہت دعا و استغفار کرنے والا ہوں" چنانچہ یہی جواب دیا گیا اور فوج واپس گئی (ابن جریر و یعقوبی)

(باقی آئندہ)

کے لئے پیشتر سے میدان کھلا ہی اور اپنا کام کر رہا ہی۔ نئی صدائیں ہوں یا نہ ہوں، قسطنطنیہ یورپ کا ترقی یافتہ شہر ہے۔ یہی وجہ ہی کہ کمال پاشا نے یہاں آنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور یہ شہر اب ان کی زیارت سے محروم رہا۔ لیکن اب اُس کی اُمید بر آنے والی ہی غازی تشریف لا رہے ہیں۔ مشہور شاہی محل "بگلر بک" اور طولمہ کی صفائی ہو رہی ہو۔ موصوف اسی میں اُتریں گے۔ شہر بھر میں استقبال کی عام طیاریاں ہیں۔ وہ چاہتا ہو اس موقعہ پر اپنی عقیدت اخلاص کا ایک تاریخی مظاہرہ کرے۔ امید ہو کہ دو ہفتے بعد غازی کی آمد کی خبر ہمیں معلوم ہو جائے گی۔ (تازہ تار برقیوں سے معلوم ہوا کہ غازی موصوف قسطنطنیہ پہنچ گئے اور شہر نے عظیم الشان استقبال کیا۔ الہلال)

شورش کا استیصال

ٹرکی کے مشرقی صوبے تمدن سے ہنوز دور ہیں۔ یہی وجہ ہو کہ ان میں سرکشی اور شورش پسندی زیادہ پائی جاتی ہو۔ وہ موجودہ اصلاحات کے مخالف اور جمہوری عہد کو نامبارک خیال کرتے ہیں۔ پچھلے برسوں کردوں نے بغاوت بھی کردی تھی، اور حکومت کے لئے شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن حکومت نے بروقت سرکوبی کر دی اور امن امان قائم ہو گیا۔

امن امان تو قائم ہو گیا، مگر فساد کی جڑیں بدستور موجود رہیں۔ بہت جلد نشو و نما حاصل کر لے سکتی تھیں۔ یہ حالت دیکھ کر حکومت نے فیصلہ کیا کہ شورش پسند عناصر پوری طرح منتشر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ جدید احکام کے مطابق آئندہ ماہ اگست میں ۸۰ خاندان مشرقی صوبوں سے مغربی صوبوں میں منتقل کر دیئے جائیں گے۔ اس سے صرف یہی فائدہ نہیں ہوگا کہ مشرقی صوبوں کا امن مضبوط ہو جائے گا بلکہ خود ان سرکش خاندانوں کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ متمدن علاقوں میں آکر اُن کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اپنے آپ کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو ضروریات زمانہ کے مطابق بنانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

مشرقی خبر رسانی کی کمپنی اور حکومت

سنہ ۱۹۲۴ء میں ترکی حکومت نے یہ کمپنی بند کر دی تھی۔ کیونکہ اُس نے جدید قوانین کے ماتحت اپنے آپکو رجسٹری کرانے سے انکار کر دیا تھا اور وہ رقم بھی ادا نہیں کی تھی جو یونانی قبضہ کے دوران میں اُسکے ذمہ واجب الادا تھی۔ لیکن اب کمپنی نے از سر نو درخواست پیش کی ہی اور حکومت کے تمام مطالبے منظور کر لئے ہیں۔ لہذا اُس کا دفتر دوبارہ کھل گیا ہی اور کام شروع ہونے والا ہی۔

اس کمپنی نے ۳۰ سال تک خبریں پہنچانے کا ٹھیکہ لیا ہی۔ سمندر کے نیچے اس کے تار بچھے ہوئے ہیں، اور بڑے بڑے اسٹیشن اودیسا، قسطنطنیہ، چناق قلعہ، کلیتیما، قابا تپہ، سالونیک میں ہیں۔

ٹھیکہ کی اہم شرط یہ ہو کہ کمپنی کے جملہ ملازم ترک ہوں گے۔ البتہ ماہرین فن دوسری قوموں سے بھی لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اُن کی تعداد کا اوسط دس میں ایک سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ شرط بھی ہو کہ ضرورت کے وقت حکومت کمپنی کے تاروں پر قابض ہو کے خود استعمال کر سکتی ہو۔

یہودیوں، یونانیوں، ارمنیوں میں ازدواج

ترکی حکومت کے جدید قوانین کی رو سے ہر شخص کو حق ہو کہ جس قوم کے فرد سے چاہے شادی کرے۔ اس سے پہلے نکاح کا معاملہ ہر قوم کے دینی پیشواؤں کے ہاتھ میں تھا۔ انکی منظوری اور تصدیق کے بغیر کوئی نکاح جائز نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اب یہ پابندی اُٹھ گئی۔ اب نکاح کی مذہبی رسوم ادا کرنے اور رجسٹرار کے ہاں نام اور رضامندی ثبت کر دینے سے نکاح قانوناً مکمل ہو جاتا ہی۔ م

مقالات

محرّم الحرام سنہ ۱۳۴۶ ہجری

نئے ہجری سنہ کا آغاز!

تذکار ہجرۃ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

وحدثتنی یا سعد عنہا فزدتنی
جنونا، فزدنی من حدیثک یا سعد!

آج جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں، محرم کی تیرہویں تاریخ ہی۔ پورے تیرہ دن اس واقعہ پر گزر چکے ہیں کہ پچھلا ہجری سال ختم ہو چکا اور نیا سال شروع ہو چکا ہی۔ لیکن ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جسنے غور کیا ہوگا کہ اس سال کے اختتام و آغاز میں تاریخ عالم کے کیسے عظیم اور انقلاب انگیز واقعہ کی یاد پوشیدہ ہے؟ وہ عظیم واقعہ جس کی یاد آوری سے بڑھ کر تاریخ اسلام کے کسی واقعہ میں بھی ہمارے لئے عبرت کی عظمت اور موعظت کی ہمہ گیری نہیں تھی، مگر جس واقعہ سے بڑھ کر تاریخ اسلام کا کوئی واقعہ بھی ہماری یادداشت سے دور اور ہمارے دل کی اثر پذیریوں سے مہجور نہیں ہو گیا ہی!

جماعتی حافظہ اور اس کا مزاج

انفرادی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے اخلاق اور سیرۃ (کیرکٹر) کا اندازہ اُس کے حافظہ کی افتاد سے کر لیا جا سکتا ہی۔ ایک نیک سیرت آدمی کے حافظہ میں غیر ضروری اور بُری باتوں کی یادداشت کے لئے کوئی جگہ نہیں نکل سکتی لیکن ضروری اور اچھی باتیں وہ کبھی نہیں بھول سکتا۔ برخلاف اس کے ایک بد اخلاق آدمی کو کتنی ہی کار آمد اور اچھی باتیں سنائی جائیں لیکن اُس کے حافظہ میں اُن کے لئے کوئی جگہ نہیں نکلے گی۔ وہ صرف بیکار اور بُری باتیں ہی یاد رکھ سکتا ہی۔

یہی حال جماعتوں اور قوموں کے دماغ کا بھی ہی۔ اُنکے ادبار و تنزل کی ایک بہت بڑی نشانی یہ ہوتی ہو کہ جماعتی حافظہ کا مزاج بالکل اُلٹ جاتا ہی۔ جو باتیں یاد رکھنی چاہئیں، وہ اس طرح بھلا دی جاتی ہیں کہ بار بار یاد دلانے پر بھی یاد نہیں آتیں، اور جو باتیں بھلا دینی چاہئیں، وہ نہ صرف یاد رکھی جاتی ہیں، بلکہ اُن کی یاد آوریوں کا ایسا اہتمام کیا جاتا ہو کہ بھلانے کی کتنی ہی کوششیں کی جائیں، کبھی بھلائی نہیں جا سکتیں! صدر اول کے مسلمانوں کی مذہبی اور اجتماعی زندگی سے موجودہ عہد کے مسلمانوں کی زندگی کا مقابلہ کرو تو اس حقیقت کی سب سے زیادہ واضح مثال سامنے آجائے گی۔ اُسوقت مسلمان اُٹھتے بیٹھتے جو باتیں یاد رکھا کرتے تھے، آج کسی کو اُن کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو باتیں آجکل کی بے شمار تقریبوں، تہواروں، یادگاروں، اور اجتماعوں کے ذریعہ یاد رکھی جاتی ہیں، یہ اُس وقت کے کسی مسلمان کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزری ہوں گی۔ اُسوقت اُن کا حافظہ صرف وہی چیزیں یاد رکھنی چاہتا تھا جن کی یادداشت میں ان کی قومی زندگی کے لئے عبرت و موعظت تھی۔ آج ہمارا حافظہ صرف وہی باتیں یاد رکھنی چاہتا ہو جن کی یادداشت میں قومی زندگی کے لئے غفلت و اعراض ہو۔ وہ اُن چیزوں کو بھول نہیں سکتے تھے جنہیں یاد رکھنا چاہئے۔ ہم اُن چیزوں کو بھلا نہیں سکتے جنھیں ہمیشہ کے لئے بھلا دینا چاہئے!

سارت مشرقۃ وسرت مغرباً
شتان بین مشرق ومغرب!

واقعۂ ہجرۃ

تاریخ عالم کا یہ عظیم واقعہ جس کی یاد سال کے اس اختتام و آغاز میں پوشیدہ ہی، ہجرۃ نبوی کا واقعہ ہی، کیونکہ پہلی محرم سے نیا اسلامی سال شروع ہوتا ہی اور اُس کی بنیاد واقعہ ہجرت پر رکھی گئی ہی۔ ہر سال جب ۳۰۔ ذوالحجہ کا دن ختم ہوتا اور پہلی محرم کا چاند طلوع ہوتا ہی، تو وہ اس عظیم واقعہ کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کر دینی چاہتا ہے۔ یہ فی الحقیقت اس واقعہ کی ایک جاری و قائم یادگار ہی!

یہ دُنیا کی تمام قومی یادگاروں کی طرح قوت کی کامرانیوں کی یادگار نہیں ہی۔ بلکہ کمزوری کی فتحمندیوں کی یادگار ہی۔ یہ اسباب و وسائل کی فراوانیوں کی یادگار نہیں ہی۔ بے سر و سامانیوں کی کامیابیوں کی یادگار ہی۔ یہ طاقت اور حکومت کے جاہ و جلال کی یادگار نہیں ہی۔ محکومی و بے چارگی کے ثبات و استقلال کی یادگار ہی۔ یہ فتح مکہ کی یادگار نہیں ہی جسے دس ہزار تلواروں کی چمک نے فتح کیا تھا۔ یہ فتح مدینہ کی یادگار ہی جسے تلواروں کی چمک نے نہیں بلکہ ایک آوارۂ غربت اور بے سر و سامان انسان کی روح "ہجرۃ" نے فتح کیا تھا! تم نے بدر کی جنگی فتح اور مکہ کے مسلح داخلہ کی شانِ شوکت ہمیشہ یاد رکھی ہی۔ لیکن تم نے مدینہ کی بے ہتیار کی فتح فراموش کر دی، حالانکہ تاریخ اسلام کی ساری آنے والی فتح مندیاں اسی اولین فتح میں ایک بیج کی طرح پوشیدہ

دیکھنے گئے۔ پہلی دَوڑ میں عربی اور ترکی گھوڑے شریک تھے۔ دوسری میں انگریزی نسل کے گھوڑے بھی شامل ہو گئے تھے۔

"خلق فرقہ سی"

"خلق فرقہ سی" قومی جماعت کا نام ہو اور اسوقت ٹرکی میں صرف یہی ایک سیاسی جماعت موجود ہو۔ اس کی سالانہ مؤتمر بھی ہوا کرتی ہو۔ یہ وقت اس کے جلسوں کا تھا۔ مگر انتخابات کی وجہ سے ملتوی کردیا گیا۔ موجودہ پارلیمنٹ کی مدت جلد ختم ہوجانے والی ہو۔ نئے انتخابات کے لئے طیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس سال کی قومی مؤتمر کو بہت اہمیت دی جارہی ہو کیونکہ اسمیں غازی مصطفٰے کمال پاشا اپنا وہ طویل و عریض خطبہ سنائیں گے جس کا ٹرکی کے اندر اور باہر مُدت سے انتظار کیا جارہا ہو۔ اس خطبہ میں موجودہ قومی حکومت کی پُوری تاریخ بیان کی جائے گی۔ اس کے سُنانے میں کئی دن صرف ہوں گے۔ خیال کیا جاتا ہو یہ خطبہ اپنے موضوع، اسلوب، اور طوالت کے لحاظ سے سیاسی خطبوں کی تاریخ میں نمایاں جگہ حاصل کریگا۔ اسے خطبہ نہیں، تاریخ کی ضخیم کتاب کہنا چاہئے!

بیرونی ممالک میں ترکی حقوق

ترکی پارلیمنٹ نے حکومت کو اختیار دے دیا ہو کہ جن ملکوں میں ترکوں کی جائدادیں ضبط کی جارہی ہیں، اُن ملکوں کے باشندوں کی جو جائدادیں ترکی سرزمین میں موجود ہیں، حکومت اُنھیں ضبط کرلے۔

پارلیمنٹ کے اس فیصلہ نے بحث کا دروازہ کھول دیا ہو۔ عام طور پر سوال کیا جارہا ہو کہ کیا ایسے ممالک موجود ہیں جہاں ترکوں کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جارہا ہو؟ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یونان اور یوگوسلاویا میں یہ صورت حال موجود ہو۔

ٹرکی کی نئی تعمیر

امریکن کمپنی "اولن" نے مرسین اور سمسون کی بندرگاہوں کی توسیع کا ٹھیکہ ترکی حکومت سے حاصل کرلیا ہو اور عنقریب کام شروع ہونے والا ہو۔ کمپنی نے کئی ریلوے خطوط جاری کرنے اور کئی نئے شہر آباد کرنے کی بھی درخواست کی تھی۔ مگر چونکہ کافی ضمانت پیش نہ کرسکی اس لئے حکومت نے منظوری دینے سے انکار کردیا۔

ترکستان اور بالشویک

"ڈنیکین" اور "کولچک" کی خونریز بغاوتوں کے بعد اب یورپ کی سرمایہ دار سلطنتیں روسی ترکستان میں ریشہ دوانیاں کر رہی ہیں تاکہ اس ملک کو بالشویکوں کے برخلاف بغاوت پر آمادہ کریں اور سوویٹ جمہوری نظام حکومت درہم برہم کرڈالیں۔

ہندوستان میں کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ موجودہ ترکی جمہوریت نے دُنیا بھر کے لوگوں کے لئے اپنے ملک کے دروازے کھول دئے ہیں۔ ہر خیال کے لوگ یہاں جمع ہوسکتے ہیں اور اپنی تحریکیں چلاسکتے ہیں، بشرطیکہ اس ملک کی اندرونی سیاست میں دخل نہ دیں۔ یہی وجہ ہو کہ اگرچہ بالشویک روس سے ترکوں کے تعلقات دوستانہ ہیں، تاہم اُنھوں نے ترکستانی بغاوت پسندوں کو اپنے ملک میں رہنے اور روس کے خلاف پروپیگنڈا پھیلانے کی اجازت دیدی ہو۔

ان لوگوں نے "جدید ترکستان" نام ایک اخبار جاری کیا ہو اور مغربی ترکستان میں بغاوت پھیلانی چاہتے ہیں۔ مغربی ترکستان کا رقبہ ۰۰۰،۰۰،۲۷،۳ کیلومیٹر اور آبادی ۰۰۰،۰۰،۳۰،۱ ہو۔

لیکن باخبر لوگ جانتے ہیں کہ سرمایہ دار سلطنتوں کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہوں گی۔ بلاشبہ اُنھیں چند کرائے کے ترکستانی مل گئے ہیں۔ لیکن ملک کی عام آبادی بالشویکوں کے ساتھ ہو۔ کیونکہ جس قدر آرام، خوشحالی، اور آزادی اُسے اس عہد میں نصیب ہوئی ہو، اتنی کسی پچھلے زمانہ میں نہیں ہوئی تھی۔ زار کی حکومت اس ملک پر حد درجہ ظلم کیا کرتی تھی۔ ترکی زبان کی تعلیم موقوف تھی۔ تمام مدرسے بند کردیئے گئے تھے۔ دینی کتابوں کی اشاعت ممکن نہ تھی۔ ہزاروں آدمی بے دریغ قتل کئے جاتے تھے مگر بالشویک عہد میں ملک کو پُوری اندرونی آزادی حاصل ہوگئی، اور صحیح معنی میں جمہوری حکومت قائم ہوگئی۔ پھر خود روسیوں کی بھی وہاں ایک بڑی آبادی موجود ہو۔ آخری اعداد و شمار کی رُو سے مغربی ترکستان میں ۴ لاکھ روسی آباد ہیں۔ یہ سب جنگجو ہیں، اور اپنی دَولت، تعلیم، ترقی کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔

ترکستانیوں کو پناہ دینے کی وجہ سے روس، ٹرکی پر ناراض نہیں ہو۔ کیونکہ وہ ترکی قوانین سے واقف ہو۔ صرف یہی لوگ یہاں نہیں ہیں بلکہ آذربیجان اور "سفید روس" کے بغاوت پسند بھی پہلے سے موجود ہیں اور پُوری آزادی سے اپنے خیالات کی اشاعت کر رہے ہیں۔

ٹرکی اور روس

ہم اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اُس ترکی روسی معاہدے کا ذکر کرچکے ہیں جو ۲ سال کی مسلسل گفت و شنید کے بعد طے پایا ہو۔ اس معاہدے کے متعلق سرکاری طور پر یہی اعلان کیا گیا تھا کہ محض تجارتی معاہدہ ہو۔ لیکن اب، جبکہ روس اور برطانیہ کے تعلقات کی کشیدگی نے جنگ کا احتمال پیدا کردیا ہو اور ساری دُنیا کی نظریں جغرافیائی موقعہ کی وجہ سے ٹرکی پر لگی ہوئی ہیں، اس معاہدے پر سے بھی پردہ اُٹھنے لگا ہو۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ معاہدے کی اصلی شرطیں کیا کیا ہیں؟ لیکن برطانی حلقے اسے سیاسی معاہدہ قرار دیتے اور سخت اندیشوں کا اظہار کر رہے ہیں۔

ترکی اخبار بھی معاہدے پر اظہار رائے کر رہے ہیں۔ قدرتی طور پر ان کی ہمدردیوں کا میلان روس کی طرف ہو۔ اخبار "جمہوریت" نے ایک طویل افتتاحیہ شایع کیا ہو جسمیں لکھتا ہو:

"گزشتہ چند صدیوں سے خرس روس ہمارا سب سے بڑا اور خونخوار دشمن تھا۔ لیکن اس آخری معاہدے نے دشمنی کی تمام باتیں یک لخت بُھلادی ہیں۔ زار کی حکومت، جنگ عظیم کا سب سے بڑا سبب تھی۔ وہ ٹرکی کی لاش پر اپنی عمارت کھڑی کرنی چاہتی تھی۔ لیکن حرص و طمع نے اُسے ہمیشہ کے لئے کالعدم کردیا اور انقلاب پرست نوجوان روس منودار ہوگیا۔ اُسوقت ہم نے دیکھا کہ ہماری دوستی اور حمایت کا جھنڈا اُس کے کاندھوں پر لہرا رہا ہو!

"ترکوں کی تمنا تھی کہ بالشویک روس کامیاب ہوجائے۔ روسیوں کی آرزو تھی کہ ترکی قوم فتحمند ہوجائے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف امداد کا ہاتھ بڑھایا۔ دشمن مشترک تھا۔ میدان جنگ میں دونوں بھائیوں نے معانقہ کیا اور تلوار کے زور سے اپنی آزادی قائم کرلی۔ یہ حقیقت ہو کہ روس نے عین وقت پر ٹرکی کو برباد ہونے سے بچالیا۔

"اس صورت حال میں کون خیال کرسکتا ہو کہ ہم ان سرمایہ دار حکومتوں کی دھمکی میں آکر اپنے دوست سے بیوفائی کرینگے؟ ترکی قوم کی نظر میں مادیت سے زیادہ اخلاق کا وزن ہو۔ ہم ہرگز بیوفائی کا دھبہ اپنی پیشانی پر نہیں لگاسکتے"

صرف برطانیہ ہی نہیں بلکہ بلقان میں بھی اس معاہدہ کی وجہ سے کھلبلی پڑگئی ہو۔ سب سے زیادہ پریشانی یونان کو ہو۔ ایتھنس کا نیم سرکاری اخبار "برویا" لکھتا ہو:

"اس معاہدہ کو معمولی سمجھنا یا اُس سے غفلت برتنا سخت غلطی ہوگی۔ ٹرکی اور روس، دونوں کے ارباب حل و عقد زیادہ سے زیادہ قریب اور باہم وابستہ رہنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مستقبل قریب میں اُن کا اتحاد عمل دُنیا کی قسمت پر زبردست اثر ڈالنے والا ہو۔ خصوصًا عالم اسلامی کی پُوری قسمت اسی اتحاد سے وابستہ ہو۔ مسلمانوں میں بالشویزم مقبول ہوتا چلا جاتا ہو۔ مسلمان سمجھتے ہیں یورپ کی غلامی سے اُنھیں یہی بھوت نجات دے سکتا ہو۔ ٹرکی کی دوستی، بالشویزم کے لئے بمنزلہ رُوح کے ہو"

ترکی عورت اور حق انتخاب

موجودہ ترکی انقلاب کی تاثیر و قوت کا سب سے بڑا مظہر، ترکی عورت ہو۔ چند سال پہلے تک ترکی عورت کو ملک کی سیاسی، اجتماعی اور ادبی زندگی میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اب سے ۵۰ برس پہلے تو وہ محض ایک بے حقیقت وجود تھی۔ اُسے تعلیم سے جبرًا روکا جاتا تھا۔ سخت اور غیر شرعی پردے میں زبردستی رکھا جاتا تھا، اور اُس کے حقوق کے لئے کوئی شنوائی نہ تھی۔

لیکن اب کیا حالت ہو؟ اب حالت یہ ہو کہ شاذونادر ہی کوئی ترکی عورت گذشتہ زندگی اختیار کرنے پر راضی ہوسکتی ہو۔ بکثرت عورتیں تعلیم یافتہ ہیں۔ شاعر ہیں۔ انشاپرداز ہیں۔ مقرر ہیں۔ ڈاکٹر ہیں۔ ..... لیکن ترکی عورت اسی درجہ پر قانع نہیں ہو۔ اب وہ مُلکی پارلیمنٹ میں انتخاب کا حق بھی مانگتی ہو۔ اس تحریک کی لیڈر انجمن نسواں کی رئیس "نزیہہ محی الدین" خانم ہیں۔ انھوں نے پرسوں اپنا اعلان شایع کیا ہو اور حکومت سے مطالبہ کیا ہو کہ عورتوں کو بھی حق انتخاب دیا جائے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اُنھوں نے یہ بھی اعلان کیا ہو کہ آئندہ انتخابات کے موقعہ پر ترکی عورتیں صرف اُنھیں مرد امیدواروں کے لئے کوشش کریں گی، جو عورتوں کے اس حق کے حامی ہونگے!

ترکی قانون اساسی میں تصریح مذکور ہو کہ حق انتخاب صرف مردوں کے لئے ہو۔ ظاہر ہے قانون اساسی کی تبدیلی کے لئے پارلیمنٹ کی اکثریت کو رائے دینا چاہئے۔ عورتیں چاہتی ہیں کہ اس مرتبہ پارلیمنٹ میں اُن کے حامیوں کی اکثریت ہوجائے تاکہ اُن کا مطالبہ پُورا ہوسکے۔

غازی مصطفٰے کمال پاشا کا سفر آستانہ

بیزنطینہ، قسطنطنیہ، شہنشاہوں کا یہ عظیم شہر، نہیں معلوم عظمت و جلال کے کتنے جلوے دیکھ چکا ہو! روم کی عظمت اُسنے دیکھی، قسطنطین کا جاہ و جلال اُسنے دیکھا، محمد فاتح کا دبدبہ اُسنے دیکھا... مگر وہ ہنوز نئے نئے جلووں کے لئے مضطرب ہو۔ موجودہ عہد کی ایک عظیم شخصیت کے انتظار میں ہو۔ یعنی غازی مصطفٰے کمال پاشا کے لئے چشم براہ ہو!

مُدت سے قسطنطنیہ کی آرزو تھی کہ غازی ممدوح اُسے اپنی آمد سے مشرف کریں۔ غازی کو اچھی طرح معلوم ہو کہ اس شہر میں اُن کا استقبال اتنا شاندار ہوگا، جتنا کبھی کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کا ہوا ہوگا۔ مگر اسپر بھی وہ اب تک نہیں گئے۔ حالانکہ اناطولیہ کے ایک ایک گاؤں کا بار بار دورہ کرچکے ہیں۔ یہ صرف اس لئے ہوا کہ موصوف ٹھوس عمل پسند کرتے ہیں۔ دھوم دھام، شان و شوکت ناپسند کرتے ہیں۔ اناطولیہ اگرچہ ترکی سلطنت کی ریڑھ کی ہڈی ہو، مگر سابق سلاطین نے اُسے ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا اور ترقی دینے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ موجودہ ترکی انقلاب کی تمام اُمیدیں اناطولیہ ہی سے وابستہ ہیں۔ اسی لئے غازی کمال پاشا اور اُن کے رفقاء وہیں دَورے کرتے رہے اور قومیت اور زندگی کی روح پھونکتے رہے۔ قسطنطنیہ کے متعلق معلوم ہو کہ وہ ٹرکی کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ شہر ہے۔ یہاں ترکی

رومیوں کے سنین مجمع صحابہ میں زیر بحث رہے، اور بعضوں نے اُنکو اختیار کرنے کی رائے بھی دی، لیکن عام رجحان اسی طرف تھا کہ نیا سنہ مقرر کرنا چاہیے۔

اس حقیقت پر بھی نظر رہے کہ سنہ کی ضرورت اور استعمال زیادہ تر جگہ حساب کتاب کے دفاتر تھے، اور حضرت عمر نے بہ اتفاق صحابہ، دفاتر کے لئے وہی زبانیں اختیار کرلی تھیں جو پیشتر سے مفتوحہ ممالک میں رائج تھیں۔ ایران کے لئے فارسی، شام کے لئے سریانی، اور مصر کے لئے قبطی تھی (مسعودی و بلاذری) ظاہر ہے کہ جب دفاتر کے لئے ایران و شام کی زبانیں اختیار کرلی گئی تھیں، تو قدرتی طور پر سنہ بھی وہی اختیار کرلینا تھا جو ان ملکوں کے حساب کتاب میں رائج تھا، اور اُس کے قواعد بندھے چلے آتے تھے۔ لیکن حضرت عمر اور صحابہ نے ایسا نہیں کیا۔ ایران اور روم و مصر کی زبانیں اختیار کرلیں، مگر سنہ اپنا قائم کرنا چاہا۔ غور کرنا چاہیے، اس اجتناب کی علت کیا تھی؟

یہ علت تو قطعاً نہیں ہوسکتی کہ صحابۂ کرام محض قومی تعصب اور تنگدلی کی بنا پر دوسری قوموں کی اچھی اور کار آمد باتوں سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ اولاً تو اس بارے میں خود اسلامی احکام کا یہ حال ہے کہ رکاوٹ کی جگہ صریح ترغیب دی گئی ہے۔ ثانیاً اُس عہد کے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے تعصبات کو اُس وقت کے مسلمانوں کی ذہنیت میں کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔ وہ دنیا کے تمام علمی و تمدنی ذخیرہ کو خواہ کسی قوم اور ملک سے تعلق رکھتا ہو، اپنا قومی ورثہ سمجھتے تھے۔ خود اسی عہد میں حضرۃ عمر نے بے شمار معاملات میں غیر قوموں کے علمی اور تمدنی اصول معلوم کئے ہیں، اور اُن میں جو باتیں کار آمد اور ضروری نظر آئی ہیں بلا تامل اختیار کرلی ہیں۔ جب کبھی کوئی ایسا معاملہ پیش آتا، وہ ایرانیوں، رومیوں، اور مصریوں کو بہ اصرار طلب کراتے اور اُن سے مشورہ لیتے۔ دفاتر حکومت کی تقسیم، خراج و محصول کا تعین، اراضی کی پیمائش اور تشخیص، خزانہ کا قیام، حساب و کتاب کے اصول و قواعد، اور اسی طرح کے بہت سے معاملات ہیں جن میں ایرانی اور رومی قواعد کا تتبع کیا گیا۔ فقہ کا ایک اہم باب فرائض ہے۔ یعنے ورثہ کی تقسیم کے اصول و قواعد۔ چونکہ اس کا تعلق فن حساب سے ہے، اس لئے حضرۃ عمر نے چاہا، اُس کے قواعد کی ترتیب و درستگی کے لئے ایک ماہر حساب سے مدد لی جائے۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ اس غرض سے ایک رومی مسیحی مدینہ میں طلب کیا گیا تھا۔ طلبی کے فرمان میں والی شام کو جو الفاظ لکھے تھے وہ یہ ہیں: "ابعث لنا برومی یقیم لنا حساب فرائضنا" ایک رومی کو بھیجدو تاکہ وہ ہمارے فرائض کا حساب اُستوار کردے۔ (صراط مستقیم حافظ ابن تیمیہ) جب حضرت عمر کو فرائض جیسے شرعی مسئلہ کے حساب میں ایک رومی عیسائی سے مدد لینا ناگوار نہ ہوا، تو ظاہر ہے کہ ایرانی یا رومی سنہ کے اختیار کرلینے میں قومی تعصب کیوں مانع ہوتا جس کا تعلق صرف حساب تاریخ سے ہے؟ پس یقیناً کوئی دوسری ہی علت ہونی چاہیے جس کی وجہ سے انھوں نے ایرانی اور رومی سنین جیسے مدوّن و رائج سنہ چھوڑ دئے، اور ایک نیا سنہ از سر نو قائم کیا۔

اصل یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم اور تربیت نے صحابۂ کرام کا دماغ اس سانچے میں ڈھال دیا تھا، وہ ایسا سانچا تھا جس میں کوئی دوسرے درجہ کا خیال سما ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ صرف اول درجہ کے خیالات کے لئے تھا۔ بہت ممکن ہے کہ دنیا کے تمدنی علوم و فنون کے رائج نہ ہونے کی وجہ سے وہ کوئی بات علمی طریقوں اور مصطلحہ لفظوں میں نہ ادا کرسکتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اوقات وہ ایک بات کی علت اُس شکل و صورت میں نہ دیکھتے ہوں جس صورت میں آج دنیا دیکھ رہی ہے، لیکن اُن کی طبیعت کی اُفتاد اور ذہنیت کی روش کچھ اس طرح کی بن گئی تھی کہ جب کبھی کسی معاملہ پر سوچ بچار کرتے تھے تو خواہ علت و موجب سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں، لیکن دماغ جاتا اُسی طرف تھا جو علم و حکمت کے بہتر سے بہتر اور بلند سے بلند پہلو ہوسکتے ہیں۔ یہی معنی ہیں انبیاء کرام کے مقام "تزکیہ" کے کہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (۲:۱۶۲) یعنی دل و دماغ کی اس طرح تربیت کردی جاتی ہے کہ ایک موزوں اور مستقیم سانچا ڈھل جاتا ہے۔ اب جب کبھی کوئی ٹیڑھی چیز اسمیں رکھی جائے گی، وہ قبول ہی نہیں کرے گا۔ صرف سیدھی اور موزوں چیزیں ہی اسمیں سما سکتی ہیں!

اسلام کی تربیت نے صحابہ کے دل و دماغ میں قومی شرف و خودداری کی روح پھونک دی تھی۔ قومی زندگی کی بنیادیں جن اینٹوں پر اُستوار ہوتی ہیں، اُن میں سے ایک ایک اینٹ کے لئے اُن کے اندر پہچان اور لگاؤ تھا۔ اگرچہ وہ لفظوں اور تعبیروں میں انہیں بیان نہ کرسکیں۔ جب حضرۃ عمر نے سنہ اور تاریخ کی ضرورت محسوس کی، تو اگرچہ متمدن اقوام کے سنین رائج و مستعمل تھے، لیکن اُن کی طبیعت اُن کی طرف مائل نہ ہوسکی۔ اس لئے کہ ایسا کرنا نہ صرف قومی شرف و خودداری کے خلاف تھا، بلکہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ کھودینی تھی۔

قومی زندگی کی بنیادی مقوّمات میں سے ایک نہایت اہم چیز سنہ اور تاریخ ہے۔ جو قوم اپنا قومی سنہ نہیں رکھتی، وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی۔ قوم کا سنہ اُس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے۔ یہ اُس کی قومی زندگی کی روایات قائم رکھتا اور صفحۂ عالم پر اُس کے اقبال و عروج کا عنوان ثبت کردیتا ہے۔ یہ قومی زندگی کے ظہور و عروج کی ایک جاری و قائم یادگار ہے۔ ہر طرح کی یادگاریں مٹ جاسکتی ہیں لیکن یہ نہیں مٹ سکتی۔ کیونکہ سورج کے طلوع و غروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے، اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بھی بڑھتی رہتی ہے۔ آج آگسٹس، بکرماجیت، جلال الدین ملک شاہ، اور اکبر اعظم کے نام اُن کے سنین کے اندر ہر روز ہمارے سامنے آتے ہیں، اور ہمارا حافظہ اُن سے گردن نہیں موڑ سکتا!

ممکن نہ تھا کہ قومی زندگی کا ایک ایسا اہم معاملہ حضرۃ عمر اور صحابہ کے سامنے آتا اور اُن کا دماغ غلط فیصلہ کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام کی دماغی تربیت غلط ہوجاتی۔ کچھ ضروری نہیں کہ انھوں نے اپنے اس احساس کی کوئی توجیہ و تعلیل بھی کی ہو۔ نتائج تعبیر اور تعلیل سے نہیں بلکہ فعل صحیح سے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اندر اس کے خلاف میلان پیدا نہ کرسکے۔ وہ باوجود غیر قوموں کی ہر طرح کی علمی و تمدنی چیزیں قبول کرلینے کے اُن کا سنہ قبول نہ کرسکے۔ خود بخود انکی طبیعت کا فیصلہ یہی ہوا کہ قومی سنہ سب سے الگ، اور ایسا ہونا چاہیے جس کی بنیاد اپنی تاریخ کے کسی قومی واقعہ پر ہو۔ انھوں نے اپنے دفتروں کے لئے ایرانیوں اور رومیوں کی زبان لے لی، انکے حساب کتاب کے قواعد قبول کرلئے، اُنکے حساب کی مصطلحات اور اشارات سے بھی انکار نہیں کیا؛ لیکن سنہ اور تاریخ لینے پر آمادہ نہ ہوسکے۔ یہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ تھی، اس لئے ضروری تھا کہ یہ اپنی ہو، اور اپنے ہی ہاتھ سے رکھی جائے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا، اور اسلام نے جو ذہنیت اُن کی پیدا کردی تھی، اُسے یہی کرنا تھا!

متاخرین کی تعلیل و توجیہ

افسوس ہے کہ صدر اول کے مسلمانوں کی تاریخ کا چہرہ، متاخرین کی نقاشیوں سے اپنے اصلی خال و خط کھوچکا ہے۔ ہر عہد کا مورخ دراصل اُسی عہد کی دماغی آب و ہوا کا مخلوق ہوتا ہے، اس لئے سلف کے واقعات کی تصویر کھینچتے ہوئے اُسی رنگ و روغن سے کام لیتا ہے جو اُس کے عہد کی آب و ہوا مہیا کرسکتی ہے۔ اسلام کی حقیقی اجتماعی زندگی کا اصلی دور صحابۂ کرام کے عہد پر ختم ہوگیا، اور اُس کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، اُس دور کی معنوی خصوصیات مفقود ہوتی گئیں۔ متاخرین اہل نظر و قلم کا زمانہ آیا تو یہ وہ وقت تھا، جب صدر اول کی دماغی آب و ہوا کی جگہ بالکل ایک مختلف قسم کی فضا نشو و نما پاچکی تھی۔ اس لئے ان مصنفوں نے جب اُس عہد کے حالات پر قلم اُٹھایا، تو بجائے اس کے کہ اُس عہد کا ذوق و مزاج پیدا کرکے اُس کا مطالعہ کرتے، اپنے عہد کے پیدا شدہ ذوق کے رنگ میں اُس کی ہر بات رنگ ڈالی۔ تاریخ ہی پر موقوف نہیں ہے۔ ہر گوشہ تک اس معاملہ کے اثرات پہنچے حتی کہ فقہ و احکام تک کا گوشہ اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اگر عہد صحابہ سے لیکر آخری عہد تدوین کتب تک کی کتابیں مسلسل موجود ہوتیں اور صدیوں کی ترتیب کے ساتھ ان پر نظر ڈالی جاسکتی، تو صاف نظر آجاتا کہ صدر اول کے واقعات و معاملات بعد کے ہر عہد میں نئے نئے لباس بدلتے آئے ہیں، اور اُن کی تعبیر و الفاظ کی جزئیات میں ہر عہد کی ذہنی خصوصیات کا پرتو موجود ہے۔ مثلاً اگر تیرہ صدیوں کی تیرہ مسلسل تاریخیں موجود ہوتیں، تو تم اُنگلی رکھکر بتلا سکتے کہ صدر اول کے ایک ہی واقعہ نے اپنی جزئیات و صور میں کس طرح تیرہ مختلف لباس پہن لئے ہیں؟

بطور مثال کے اسی واقعہ پر نظر ڈالی جائے۔ امام شعبی کی روایت میں صاف موجود ہے "ولم یحب التاریخات القدیمۃ" یعنے حضرت عمر ایک تاریخ کے تعین کی ضرورت محسوس کررہے تھے، مگر پسند نہیں کرتے تھے کہ قدیم تاریخیں اختیار کریں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ کسی دوسری قوم کی تاریخ کا اختیار کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور یہ معاملہ اُن کی نظر میں ایسا تھا جس کے لئے ضرورت تھی کہ مسلمانوں کی ایک قومی تاریخ قرار دی جائے۔ لیکن بعد کے مورخین نے اپنے ذوق و میلان طبع کے مطابق اس کی توجیہیں شروع کردیں۔ واقعہ کی اصلی علت پر تو نظر نہیں گئی، نئے نئے معنی پہنانے لگے۔ میں یہاں صرف دو عہدوں کی دو مختلف نظروں کا ذکر کروں گا۔

علامۂ مقریزی نے نویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی بے نظیر تاریخ مصر لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں حضرت عمر اور صحابہ نے ایرانی اور رومی تاریخ پسند نہیں کی، کیونکہ دونوں کے حساب میں کبیسہ تھا۔ (یعنی دورۂ ارضی کی کسر پوری کرنے کے لئے چند سالوں کے بعد مہینوں کے دنوں میں کمی بیشی۔ جس طرح کہ تقویم گریگوری میں ہر چوتھے سال ایک دن کی کمی کردی گئی ہے) چونکہ اسلام نے "نسئی" سے روکا تھا، اور کبیسہ پر "نسئی" کا شبہ ہوسکتا تھا، اس لئے مناسب نہ تھا کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا۔ مورخ موصوف کو یہ دور از کار دقیقہ سنجی اس لئے کرنی پڑی کہ قومی تقویم کی ضرورت و اہمیت کے لئے اُن کے ذہن میں کوئی جگہ نہ تھی، اور چونکہ اور کوئی معقول تعلیل سمجھ میں نہیں آئی اس لئے ناچار "نسئی" کی شرعی ممانعت کی وادی میں پہنچ گئے۔ حالانکہ کسی اعتبار سے بھی یہ تعلیل لائق اعتنا نہیں

بھیں۔ یہی وجہ ہو کہ جب ظاہری فتحمندیوں کے اعلان کا وقت آیا تھا، تو اُسوقت اسی معنوی فتحمندی کی یاد لوگوں کو دلائی گئی تھی: ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اذ یقول لصاحبہ: لا تحزن ان اللہ معنا، فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروہا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ، وکلمۃ اللہ ہی العلیا، واللہ عزیز حکیم۔ (۹: ۴۰)

تذکار محرم

اسی ہجری سنہ کے ساٹھویں برس کربلا کا حادثہ ظہور میں آیا۔ یہ حادثہ اسدرجہ المناک اور درد انگیز تھا، اور اُس کے سیاسی اثرات اس درجہ قوی اور وسیع تھے کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا، اُس کی یاد ایک ماتمی یادگار کی حیثیت اختیار کرتی گئی۔ یہاں تک کہ محرم کے دردکی تمام یادگاریاں صرف اسی حادثہ کے تذکرۂ وماتم میں محدود ہوگئیں اور دوسرے تمام پہلو یک قلم فراموش کردیئے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ حادثہ کربلا کی المناکیاں اور عبرت انگیزیاں ناقابل فراموش ہیں۔ لیکن ہمارے حافظے اور فکر کی یہ بہت بڑی غفلت ہوگی اگر اس حادثہ کے استغراق میں تذکرہ واعتبار کے دوسرے پہلو فراموش کردیئے جائیں۔ یہ سنہ ہجری کے ساٹھویں برس کے ایک واقعہ کی یادگار ہی لیکن خود سنہ ہجری کے پہلے برس کے تذکار سے کیوں چشم بصیرت بند کرلی جائے؟

سنہ ہجری کی ابتدا

اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا کی متمدن قوموں میں متعدد سنہ جاری تھے۔ زیادہ مشہور یہودی، رومی اور ایرانی سنین تھے۔ عرب جاہلیہ کی اندرونی زندگی اس قدر متمدن نہیں تھی کہ حساب کتاب کی کسی وسیع پیمانے پر ضرورت ہوتی۔ اوقات و مراسم کی حفاظت اور یادداشت کے لئے البتہ کوئی مشہور واقعہ لے لیتے اور اُسی سے وقت کا حساب لگا لیتے۔ منجملہ سنین جاہلیہ کے عام الفیل تھا۔ یعنی شاہ حبش کے حجاز پر حملہ کرنے کا سال۔ عرصہ تک یہی واقعہ عرب کے حساب و کتاب میں بطور سنہ کے مستعمل رہا۔ ظہور اسلام کے بعد یہ اہمیت خود عہد اسلام کے واقعات نے لے لی۔ صحابۂ کرام کا قاعدہ تھا کہ عہد اسلامی کے واقعات میں سے کوئی ایک اہم واقعہ لے لیتے اور اسی سے حساب لگاتے۔ ہجرۂ مدینہ کے بعد ہی سورۂ حج کی وہ آیت نازل ہوئی تھی جس میں قتال کی اجازت دی گئی تھی: اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا، وان اللہ علی نصرہم لقدیر (۲۲: ۴۰) اس لئے کچھ دنوں تک یہی واقعہ بطور ایک سنہ کے مستعمل رہا۔ لوگ اسے "سنہ اذن" سے تعبیر کرتے اور یہ تعبیر وقت کے ایک خاص عدد کی طرح یادداشت کا کام دیتی۔ اسی طرح سورۂ براۃ کے نزول کے بعد "سنہ براۃ" کا بھی بول چال میں رواج رہا۔ عہد نبوی کا آخری سنہ "سنۃ الوداع" تھا۔ یعنی آنحضرت (صلعم) کے آخری حج کا واقعہ جو "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہوگیا تھا اور ہجرت کے دسویں سال پیش آیا تھا۔ بعض روایات سے اس طرح کے متعدد سنوں کا پتہ چلتا ہو۔ مثلاً سنۃ التمحیص، سنۃ الترفئہ، سنۃ الزلزال، سنۃ الاستئناس۔ بیرونی نے آثار الباقیہ میں اس طرح کے دس سنوں کا ذکر کیا ہو۔

آنحضرۃ (صلعم) کے وفات کے بعد کچھ عرصہ تک یہی حالت جاری رہی۔ لیکن حضرت عمر (رض) کی خلافت کا عہد شروع ہوا تو ممالک مفتوحہ کی وسعت اور دفاتر حکومت کے قیام سے حساب کتاب کے معاملات زیادہ وسیع ہوئے، اور ضرورت پیش آئی کہ سرکاری طور پر کوئی ایک سنہ قرار دیدیا جائے۔ چنانچہ اس معاملہ پر غور کیا گیا۔ اور سنہ ہجری کا تقرر عمل میں آیا۔ اُسوقت تک واقعۂ ہجرت پر سولہ برس گزر چکے تھے۔

ضرورت کا احساس اور صحابہ کا مشورہ

سنہ ہجری کا تقرر کیونکر عمل میں آیا؟ کیوں حضرۃ عمر (رض) اور تمام صحابہ کا ذہن اس طرف گیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا واقعۂ ہجرت سے کی جائے؟ یہ تاریخ اسلام کا ایک ضروری اور نتیجہ خیز بحث تھا، لیکن افسوس ہو کہ اسوقت تک نظر و فکر سے محروم رہا۔

اس بارے میں متعدد روایتیں منقول ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور روایت میمون بن مہران کی ہو جسے تمام مورخین نے نقل کیا ہو۔ خلاصہ اسکا یہ ہو کہ "ایک مرتبہ ایک کاغذ حضرت عمر کے سامنے پیش کیا گیا جسمیں شعبان کا مہینا درج تھا۔ حضرت عمر نے کہا شعبان سے مقصود کونسا شعبان ہو؟ اس برس کا، یا آئندہ برس کا؟ پھر آپنے سربرآوردہ صحابہ کو جمع کیا اور ان سے کہا: آب حکومت کے مالی وسائل بہت زیادہ وسیع ہوگئے ہیں، اور جو کچھ ہم تقسیم کرتے ہیں وہ ایک ہی وقت میں ختم نہیں ہوجاتا۔ اس لئے ضروری ہو کہ حساب و کتاب کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اوقات ٹھیک طور پر منضبط ہوسکیں۔ اسپر لوگوں نے کہا کہ ایرانیوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ اُنکے یہاں اس کے طریقے کیا تھے؟ چنانچہ حضرۃ عمر نے ہرمزان کو بلایا۔ اُسنے کہا ہمارے یہاں ایک حساب موجود ہو جسے "ماہ روز" کہتے ہیں۔ اسی ماہ روز کو عربی میں "مورخ" بنا لیا گیا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اسلامی حکومت کی تاریخ کے لئے جو سنہ اختیار کیا جائے، اُس کی ابتدا کب ہو؟ سبنے اتفاق کیا کہ ہجرت کے برس سے کیجائے۔ چنانچہ ہجری سنہ قرار پایا"

رفع الی عمر بن الخطاب صک محلہ شعبان فقال ای شعبان ہو؟ أشعبان الذی نحن فیہ، او الاتی؟ ثم جمع وجوہ الصحابہ فقال ان الاموال قد کثرت وما قسمنا منہا غیر موقت، فکیف التوصل الی ما یضبط بہ ذلک؟ فقالوا یجب ان یعرف ذلک من الفرس۔ فعندہا استحضر عمر الہرمزان وسألہ عن ذلک، فقال ان لنا حسابا نسمیہ "ماہ روز" فعربوا الکلمۃ وقالوا "مورخ" ثم طلبوا وقتا یجعلونہ اولا لتاریخ دولۃ الاسلام، فاتفقوا علی ان یکون المبدء من سنۃ الہجرۃ (تاریخ کبیر ذہبی - وتاریخ مصر مقریزی)

ابن حبان نے قرہ بن خالد سے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہو۔ اسمیں ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کیا گیا ہو۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ "حضرت عمر کے پاس یمن سے ایک عامل آیا تھا۔ اسنے کہا لکھنے پڑھنے میں آپ لوگ تاریخ نہیں لکھتے۔ اس طرح کہ فلاں بات فلاں سنہ میں اور سنہ کے فلاں مہینے میں ہوئی؟ اسپر حضرۃ عمر اور اور لوگوں کو اس معاملہ کا خیال ہوا۔ پہلے انھوں نے ارادہ کیا کہ آنحضرت کے مبعوث ہونے کے وقت سے سنہ کا حساب شروع کریں۔ پھر خیال ہوا کہ آپ کی وفات سے شروع کیا جائے۔ لیکن آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ ہجرۃ سے سنہ کا تقرر ہو"

کان عند عمر عامل جاء من الیمن فقال لعمر اما تؤرخون تکتبون فی سنۃ کذا وکذا من شہر کذا وکذا؟ فاراد عمر والناس ان یکتبوا من مبعث رسول اللہ صلعم ثم قالوا من عند وفاتہ، ثم ارادوا ان یکون ذلک من الہجرۃ (تاریخ کبیر ذہبی ومقریزی جلد ۲)

ان روایات کی مزید تشریح امام شعبی کی روایت سے ہوتی ہو جو محب طبری نے نقل کی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہو کہ "ابوموسیٰ اشعری نے حضرۃ عمر کو لکھا کہ آپکی جانب سے ہمارے نام خطوط آتے ہیں مگر ان پر کوئی تاریخ نہیں ہوتی، اور یہ وقت وہ تھا کہ حضرت عمر نے حکومت کے مختلف دفاتر قائم کردئے تھے، خراج کے اصول و قواعد طے پاگئے تھے، اور اس لئے محسوس کر رہے تھے کہ ضبط اوقات کے لئے ایک خاص تاریخ قرار پا جائے۔ پرانی تاریخیں موجود تھیں لیکن وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ اُنھیں اختیار کریں۔ ابوموسیٰ اشعری نے لکھا تو انہیں زیادہ توجہ ہوگئی۔ صحابہ کو جمع کرکے مشورہ کیا۔ مشورہ میں سب کی رائے یہی قرار پائی کہ ہجرۃ کا واقعہ بنیاد ٹھراکر سنہ ہجری اختیار کیا جائے"

ان ابا موسیٰ الاشعری کتب الی عمر انہ تاتینا منک کتب لیس لہا تاریخ وقد کان عمر دون الدواوین ووضع الخراج والاحکام فاحتاج الی تاریخ ولم یحب التاریخات القدیمۃ فجمع علیہ عند ذلک واستشار الناس فاتفقوا علی ان یکون المبدء من الہجرۃ (ریاض النضرۃ)

ابوہلال عسکری نے الاوائل میں اور مقریزی نے تاریخ میں حضرۃ سعید بن المسیب سے نقل کیا ہو کہ واقعۂ ہجرت سے سنہ شروع کرنے کی رائے حضرت علی علیہ السلام نے دی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ "جب حضرت عمر نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کس دن سے تاریخ کا حساب شروع کیا جائے؟ تو حضرت علی نے فرمایا۔ اس دن سے جس دن آں حضرت نے ہجرت کی اور مکہ سے مدینہ آئے"

جمع عمر الناس فسألہم من ای یوم یکتب التاریخ؟ فقال علی بن ابی طالب من یوم ہاجر رسول اللہ صلعم وترک مکہ ففعلہ عمر (کتاب الاوائل قلمی۔ مقریزی طبع ثانی جلد ۲ صفحہ ۵۶)

یعقوبی نے بھی اسے منجملہ اُن امور کے قرار دیا ہو جو حضرت علی کی رائے سے انجام پائے۔ ۱۶ھ کے واقعات میں لکھتا ہو: "اُسی زمانہ میں حضرت عمر نے ارادہ کیا کہ ضبط کتابت کے لئے ایک تاریخ قرار دے دی جائے۔ پہلے اُنھیں خیال ہوا آنحضرت کی ولادت سے شروع کریں پھر خیال کیا آپ کی بعثت کے واقعہ سے ابتدا کی جائے۔ لیکن حضرۃ علی نے رائے دی کہ ہجرۃ سے شروع کرنا چاہیے"

وفیہا ارخ عمر الکتب واراد ان یکتب التاریخ منذ مولد رسول اللہ ثم قال من المبعث، فاشار علیہ علی بن ابی طالب ان یکتبہ من الہجرت، فکتبہ من الہجرۃ (جلد ۲: ۱۶۶)

قومی سنہ کی ضرورت و اہمیت

ان روایات کے مطالعہ کے بعد ضروری ہو کہ بعض امور پر غور کیا جائے:

سب سے پہلی بات جو سامنے آتی ہو، یہ ہو کہ حضرت عمر اور صحابہ نے یہ ضرورت کیوں محسوس کی کہ ایک نیا سنہ قرار دیا جائے؟ امام شعبی کی روایت میں ہو کہ حضرت عمر تاریخ کے تعین و تقرر کی ضرورت محسوس کر رہے تھے لیکن پسند نہیں کرتے تھے کہ دوسری قوموں کی تاریخ اختیار کریں۔ پہلی روایت میں جس ہرمزان کو بلانے اور مشورہ کرنے کا ذکر ہو، یہ خوزستان کا بادشاہ تھا اور مسلمان ہوکر مدینہ میں مقیم ہوگیا تھا۔ حضرۃ عمر کی مجالس شوریٰ میں اس کا بار بار ذکر آتا ہو۔ (بلاذری وطبری وغیرہما) بیرونی لکھتا ہو کہ جب حضرت عمر نے اس سے مشورہ کیا تو اُسنے نہ صرف ایرانیوں کا طریقہ ہی بتلایا بلکہ رومیوں کے طریقہ کی بھی تشریح کی۔ ایرانیوں کے یہاں کا آخری سنہ یزدگرد کا سنہ تھا، اور رومیوں کا مشہور سنہ سکندر کی پیدایش سے شروع ہوتا تھا۔ بعض صحابہ کو خیال ہوا۔ انہی دونوں میں سے کوئی سنہ اختیار کرلیا جائے، لیکن حضرت عمر اور آور لوگ اس سے متفق نہ ہوئے (۱)۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایرانیوں

(۱) بیرونی نے یہ تفصیل میمون بن مہران کی روایت کے سلسلہ ہی میں کی ہو، اور اُسکے الفاظ روایت مندرجہ متن سے مختلف ہیں۔ چونکہ اُسنے کوئی تخریج نہیں کی تھی اس لئے حسب اصول فن روایت اُس سے اساسی استدلال نہیں

اوّل تو یہ اُن روایات کے خلاف ہی جو اوپر گزر چکیں، کیونکہ اُن میں تمام قدیم تقویموں کی ناپسندیدگی کا ذکر ہی۔ نہ کہ کسی خاص تقویم کا۔ ثانیاً "نسئی" مصطلحۂ جاہلیتہ اور "کبیسہ" مصطلحۂ حساب قطعًا دو مختلف چیزیں ہیں جس "نسئی" کو اسلام نے روکا اور قرآن نے کفر کی زیادتی سے تعبیر کیا، وہ یقیناً قمری مہینوں کی طبعی ترتیب کو اس طرح درہم برہم کر دینا تھا کہ کبھی شعبان، محرم بن جاتا تھا، اور کبھی رمضان ذوالحج قرار پاجاتا تھا۔ اور جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اعمال وطاعات کے معین اوقات الٹ پلٹ ہوجاتے تھے اور اُن کے تقرر وتعین کی اہمیت ومصلحت باقی نہیں رہتی تھی۔ لیکن "کبیسہ" بالکل ایک دوسری چیز ہے۔ اُس کا مقصد دوسرا ہی، اور اُس کے اجرا کے نتائج دوسرے ہیں۔ اُس کا کوئی اثر اس طرح کا مرتب نہیں ہوتا۔ وہ محض اس لئے ہے کہ سال بھر کے تین سو ساٹھ دن قرار دے دینے کے بعد جو کسر رہجاتی ہی اُسے کچھ عرصہ کے بعد پورا کردیا جائے تاکہ زیادہ مدت گزرنے کے بعد مہینوں اور برسوں کا فرق نہ بنجائے۔ پس کسی طرح بھی یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ حضرت عمر اور اکابر صحابہ "نسئی" کی حقیقت سے اس درجہ بے خبر تھے کہ تقویم کے کبیسہ کو بھی "نسئی" سمجھ لیتے، یا اُنھیں کبیسہ پر "نسئی" کا شبہ ہوسکتا۔

یہ نویں صدی کی ابتدا تھی۔ لیکن سو برس کے بعد یعنی ہزار دیں صدی کے اوائل میں یہی واقعہ ایک دوسرا رنگ اختیار کرلیتا ہی۔ حافظ جلال الدین سیوطی سے تقویم وسنین کے متعلق ایک سوال کیا گیا تھا۔ اُس کے جواب میں انھوں نے ایک رسالہ لکھا ہی۔ اسمیں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اور صحابۂ کرام نے رومی اور ایرانی سنہ اختیار کرنے سے اس لئے اجتناب کیا کہ یہ عیسائیوں اور مجوسیوں کا سنہ تھا اور اسلام نے اُنھیں روک دیا تھا کہ کفار کا طور طریقہ اختیار کرکے اس کے رواج وقبولیت کا باعث نہ ہوں۔ اب غور کرو۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی؟ کجا کفار کے طور طریقہ سے اجتناب کا معاملہ، اور کجا یہ معاملہ جو حساب وکتاب کے ایک علمی اصول وقواعد کا معاملہ ہی! حافظ موصوف نے یہ تعلیل کرتے ہوئے عہد فاروقی کی آدھی تاریخ فراموش کردی۔ اگر اس قسم کے معاملات میں غیر قوموں سے اخذ واستفادہ جائز نہ ہوتا، تو حضرۃ عمر بے شمار معاملات میں ایران وروم کے قدیم انتظامات اور تمدنی طریقوں سے فائدہ اُٹھانا کیوں جائز رکھتے؟ یہ صحیح ہی کہ صحابۂ کرام کو غیر قوموں کی بہت سی باتوں سے اجتناب تھا۔ یہ بھی واقعہ ہی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی باتوں کو روکا اور عدم اتباع وتشبّہ پر زور دیا، مگر وہ باتیں دوسری ہیں، اُن کا محل دوسرا ہی، مقصد دوسرا ہے، اور اثرات دوسرے ہیں۔ اس معاملہ سے اسے کیا تعلق؟

واقعۂ ہجرت کا اختصاص

اس جملہ معترضہ نے بہت طول کھینچا۔ بہرحال اس معاملہ میں پہلی بات جو قابل غور تھی، وہ قومی سنہ کا تقرر اور اُس کی اہمیت کا احساس تھا۔ بغیر کسی دُور دراز توجیہ کے اختیار کئے، یہ بات سامنے آجاتی ہی کہ حضرت عمر اور اکابر صحابہ کی اس پہلو پر نظر تھی۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ قومی زندگی کی تقویم کے لئے قومی سنہ ضروری ہے، اور اس لئے چاہئے کہ یہ باہر سے نہ لیا جائے۔ اندر ہی طیار کیا جائے۔

اس کے بعد دوسرا اہم نقطۂ نظر، واقعۂ ہجرۃ کا اختصاص ہی۔ اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے کہ سنہ کی ابتدا قرار دینے کے لئے جس قدر بھی سامنے کی چیزیں ہوسکتی تھیں، اُن میں سے کسی چیز کی طرف اُن کی نگاہ نہ گئی۔ ہجرۃ نبوی کا واقعہ جو آغاز اسلام کی بے سروسامانیوں اور کمزوریوں کی یاد تازہ کرتا تھا،

اختیار کیا گیا، آخر اس کی علت کیا تھی؟

بہتر ہے کہ یہ بحث آئندہ مجلس پر ملتوی رکھا جائے۔ آجکی مجلس قصد سے زیادہ طولانی ہوچکی ہی۔ ممکن ہی کہ ایک ہی نشست کی اتنی طوالت بعض طبائع پر شاق گزر رہی ہو۔

ہوائے الاسکا کی پیمایش

سائنٹفک امریکن میں الاسکا (قطعہ ارض مابین امریکہ وجاپان) کی پیمایش بذریعۂ طیارات پر ایک نہایت دلچسپ مضمون نکلا ہی۔ مقالہ نگار لکھتا ہی:

"تین طیاروں کے ذریعہ سے ایک سرکاری مہم نے الاسکا کے جنگلوں پہاڑوں اور جھیلوں کی صرف پندرہ دنوں میں اتنی پیمایش کرلی جو معمولی پیمایش کے ذریعہ پندرہ برس میں بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ اس مہم نے ایسے ایسے مقامات کی تصویریں لیں جہاں اب تک انسان کا گذر نہیں ہوا تھا اور جو بیش قیمت جنگلوں اور جھیلوں سے بھرے ہیں۔ اس ۴۰ ہزار میل کی پیمایش کی مہم میں دس ہزار میل صرف پندرہ دنوں میں ناپ لئے گئے اور طیاروں نے دس ہزار فٹ کی بلندی سے ایسے صحیح اور صاف نقشے کھینچ لئے کہ جنگلوں کے درخت بھی گن لئے جاسکتے ہیں"۔

فرانس کا جنگی نظام

منچسٹر گارجین میں مسٹر ڈیوڈ لواک کا ایک مضمون مندرجۂ صدر عنوان پر شائع ہوا ہی۔ وہ لکھتے ہیں:

"فرانس نے گذشتہ جنگ کے بعد پہلا مسئلہ جو پیش نظر رکھا وہ اپنے فوج کی ترتیب وتنظیم ہی۔ اب یہ نظم قریب تکمیل کے ہی ۱۹۲۷ء میں پارلیمنٹ اسپر فیصلہ صادر کرے گی۔ فرانس کا مقصد یہ ہی کہ ساری فرانسیسی قوم جنگ کے لئے ہمہ دم تیار رہی۔ جس وقت جنگ کا موقع آجائے تو تیاری میں وقت ضایع نہ ہو۔ یہ پوری مشین جو امن کے زمانہ میں تیار کھڑی تھی فوراً چلنے لگے"

کیا بحالت موجودہ دنیا امن وسکون کا وہم وگمان بھی کرسکتی ہی؟ یہ فرانس ہی۔ یعنی مجلس اقوام کا، برطانیہ کے بعد دوسرا پیامبر امن!!

جدہ میں عربی بنک

سلطان ابن سعود نے امیر حبیب فلاح کو اس بات کی اجازت دے دی ہی کہ جدہ میں ایک عربی بنک قائم کیا جائے جسکی شاخیں پورٹ سعید، سویز، اور قاہرہ میں ہوں گی۔ اس بنک کا خاص مقصد یہ ہی کہ حجاج کے لئے سہولتیں بہم پہونچائی جائیں۔

ترکی خواتین کا لباس

ترکی انجمن نسواں نے ترکی خواتین کے لئے ایک نیا لباس تجویز کیا ہی۔ چونکہ موجودہ لباس جو ترکی خواتین استعمال کررہی تھیں بالکل یورپین عورتوں کا سا لباس تھا، جسپر بے اندازہ روپیہ صرف ہوتا تھا۔ اس لئے نئے لباس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ لباس اقتصادی اور خوبصورتی، دونوں پہلوؤں سے بہتر ہوگا۔

فہرس

آیندہ سے فہرست پہلے صفحہ کی جگہ یہاں آخری صفحہ پر درج ہوا کرے گی

مطبوعات جدیدہ

افسانہ

مذاکرۂ علمیہ

بصائر وحکم

برید شرق

مقالات

تصاویر

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.
EDITOR : MAULANA ABU-AL KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحكيم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ٦ — کلکتہ : جمعه ۲۲ - محرم ۱۳۴٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 22, July 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

ضروری هی که هم اسکا اب فیصله کرلین

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافته طریق طباعة نہین رکھتی ۔

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔ پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

هندی اور هندوستان کی تمام زبانون نی ، نیز عربی ، فارسی ، ترکی ، تینون سامی زبانون کی حروف کی چھپائی اختیار کرلی هی اور انکی طباعة یورپ کی طباعة کا مقابله کر رهی هی ۔ کیون اردو زبان بھی ایسا نه کری جو اسی رسم الخط مین لکھی جاتی هی ؟

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وہ هین جن مین الهلال چھپتا هی ۔

اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کرلین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

همارى راى مين بہترین حروف یہی هین ۔ اگر فارسی اور ترکی کیلیی یه نا موزون نہین تو اردو کیلیی کیون نا موزون هون ؟

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اهم مسئله هی ۔ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الهلال

ازمنهٔ وسطی مین عربی طبابة

عربی طبابة اور اطباء یورپ مین

روم کے کتب خانه ویٹیکن کے بعض مشرقي آثار

دنیا کے اکثر علوم وفنوں کي طرح فن طب نے بهي عربي تمدن کے هاتهوں نشوؤ نما حاصل کي هے - قدیم متمدن اقوام نے دیگر علوم کي طرح اسے بهي پیدا کیا ، مدون کیا ، اور اُس درجه تک پہنچاکر چهوڑ دیا جو ایک عمارت کي نا تمام در و دیوار کا ابتدائي درجه هوتا هے - چهٹي صدي عیسوي میں اسلام نے ظهور کیا ، اور ریگستان عرب میں انسانوں کي ایک جماعت طیار کر کے مشرق و مغرب میں پهیلادي - یه آئي ، اور اس نے علم و تمدن کے هرگوشے پر نظر ڈالي - بنیادیں هر جگه تهیں ، اور دیواریں بهي اکثر جگهوں میں اُٹهنے لگي تهیں ، لیکن تکمیل کهیں بهي نهیں هوي تهي - اس کے ذوق علم و تمدن کي وسعت نے هر گوشے کو هاتهه لگایا اور هر دیوار پر اینٹیں رکهیں - نتیجه یه نکلا که آج علم و فن کي کوئي شاخ بهي ایسي نهیں هے جسکے سلسلهٔ وسعت و تکمیل کي ایک سب سے بڑي کڑي عربي و اسلامي تمدن کي علمي جد و جهد نهو - یهي سبب هے که مورخین علوم نے عربي تمدن کو عهد قدیم و حاضر کیلیے " واسطة العقد " قرار دیا هے - یعنے درمیان کي کڑي - یهي کڑي هے جسکا ایک سرا دنیا کے تمام قدیم علوم و تمدن سے اور دوسرا جدید ترقیات سے جڑا هوا هے - یه عهد قدیم کو جدید سے ملاتي هے ، اور عهد جدید کي سب سے قریب ترکڑي هے !

عرب اطباء اٹلي کے شاهي محل میں

ازمنهٔ وسطی (مڈل ایجز) میں یورپ کي تمام درس گاهوں میں عربي حکما کا فلسفه هي نهیں بلکه طب بهي پڑها جاتا تها - ذکریا رازي ، ابن رومیه ، بوعلي سینا ، ابن رشد ، ابن زهر ، ابن طفیل ، ابن مسکویه ، کي کتابیں فن کا اصلي سرمایه تهیں - جدید طب کي تاریخ میں آج تک کینن Canon یعني قانون شیخ کا ذکر موجود هے جو سولهویں صدي تک پیرس اور روم کے طبي مدرسوں کے نصاب تعلیم میں داخل تها - فلسفه کي طرح طب کي تاریخ میں بهي ایوي سینا Avicenna ، ایویروس دي گریٹ Averroes ، اور ایوے پاکا Avempaca کے نام آتے هیں جو در اصل شیخ الرئیس بوعلي سینا ، ابن رشد ، اور ابن باجه کے عربي ناموں کے یورپین مخارج هیں ، اور اس سے پته لگایا جاسکتا هے که اِن ناموں نے اُس عهد کے یورپ میں کس درجه شهرت اور قبولیت حاصل کرلي تهي ؟ روم اور میلانو کي بعض قدیم خانقاهوں کي محرابوں پر شیشے کے رنگین چوکهٹوں میں جهاں ارسطو ، بقراط ، اور جالینوس کي تصویریں بنائي گئي تهیں ، وهاں بوعلي سینا ، ابن رشد ، فارابي ، اور ذکریا رازي کي تصویریں بهي منقش تهیں - یه شیشے اس وقت تک پوپ کے محل میں موجود هیں اور بعض مستشرقین نے ان کے عکس اپني مصنفات میں شائع کیے هیں -

عربي فن طب کے اس عروج و احاطه کا سب سے بڑا زنده ثبوت اسکي بے شمار مصطلحات هیں جو اسوقت تک یورپ کي زبانوں میں مستعمل هیں - اگر انهیں الگ کر دیا جاے تو طب کے بے شمار اسماء و افعال کیلیے انکے پاس کوئي ذریعهٔ بیان باقي نهیں رهیگا - انگریزي زبان یورپ کي دوسري زبانوں کے مقابله میں اصلاً کم علمي هے ، تاهم انگریزي طب میں بهي سینکڑوں الفاظ ملینگے جو دراصل عربي اسماء و مصطلحات هي سے وجود میں آئے هیں - مثلاً :

تمر هندي (اِملي)	Tamarind
یاسمین	Jasmine
یشب	Jasper
تریاق	Theriac
قند	Candy
روغن بلسان	Balsam
عنبر	Amber
کافور	Camphar
بلور	Blawer

مذاکرۂ علمیّه

انسانی عمر کی درازی اور اعادۂ شباب (۲)

مسٹر چرچل اور ڈاکٹر وررو نوف کا مکالمه

ڈاکٹر وررو نوف

ذیل کے مضمون میں مشہور فرانسیسي اهل قلم ایم - لوئي نارست نے ڈاکٹر وررونوف سے اپني ایک ملاقات کا حال بیان کیا ھے - ڈاکٹر وررو نوف اور اُنکے عملیه تقلیم کا حال هم گذشته اشاعت کے اسي باب میں بیان کر چکے هیں - یه اس سلسله کا تیسرا ٹکرہ ھے :

" مسٹر ونسٹن چرچل ' ڈاکٹر وررونوف ' اور میں' ریویرا کے قریب ایک خوبصورت گاؤں ایز میں' موسیو ایم بالسن کے مہمان تھے - سه پہر کے ناشته کے وقت ڈاکٹر وررو نوف کے نئے انکشافات پر بہت هي دلچسپ گفتگو هونے لگي - اس گفتگو سے معلوم هوا که ان کے عملیه کے ذریعه صرف حیات انساني هي نہیں بڑہ جاسکتي ' بلکه دنیا کي اقتصادي ترقي میں بھي غیر معمولي انقلابات رو نما هونے والے هیں -

(دنیا کا آینده اقتصادي انقلاب)

ڈاکٹر وررونوف همیں یه بتلا رهے تھے که آنهوں نے اطالیه کے سرحد پر گریمالڈي کے قلعه میں کیوں بود باش اختیار کي ھے ؟ اور ایسے نظر فریب مناظر کے درمیان جیسے که اس مقام میں هیں' اپنے بندروں کي قیام گاہ اور اپنے عمل و تجارب کا کارخانه کیوں بنایا ھے ؟

ڈاکٹر موصوف نے بیان کیا که حیواني غدود کے افعال و خواص کي تحقیقات نے مجھے نئے نئے نتائج پر پہنچا دیا ھے - میں نه صرف هر انسان کو از سر نو جوان بنا دے سکتا هوں' بلکه قریب ھے که جانوروں کي ایک نئي نسل بھي پیدا کردوں - خصوصاً غیر معمولي قوت رکھنے والي بھیڑ جس کے گوشت اور اُون کا وزن اتنا زیادہ هوجائیگا ' جتنا آج تک کسي کے وهم و گمان میں بھي نہیں آیا !

مسٹر ونسٹن چرچل یه گفتگو انتہائي دلچسپي سے سن رهے تھے - دونوں میں نہایت دلچسپ گفتگو هوئي - میں لفظ به لفظ تو اُسے لکھه نہیں سکتا مگر حسب ذیل روئداد لکھتے هوئے اُس کي معنوي صحت کا ذمه دار هوں :

مسٹر ونسٹن چرچل نے پوچھا " کیا یه سچ ھے که آپ اپنے grafting (پیوند) کے عمل سے هر اُس جانور کا گوشت اور چمڑے کا وزن بڑھا دے سکتے هیں جو انسان کي غذا اور دیگر ضروریات کے لئے کام میں لائے جاتے هیں ؟ "

" قطعاً - میں نے یه بھي کیا ھے اور اس سے بھي بڑھکر " - ڈاکٹر وررونوف نے بغیر کسي تامل کے جواب دیا -

" کیا آپ هر انگریزي بھیڑ کے اُون کے وزن میں ایک پاؤ کا اضافه کر دے سکتے هیں ؟ " مسٹر چرچل نے مزید تشریح کي -

" بہت آساني سے - میں نے اس سے بھي زیادہ کامیابي حاصل کي ھے " ڈاکٹر کا قطعي جواب تھا !

" آپ نے کتنے معمولوں (subject) پر اس کا تجربه کیا ھے ؟ "

" سیکڑوں جانوروں پر - بھیڑ کے تو گله کے گله پر "

" کیا میں برطانوي وفد بھیج سکتا هوں تاکه وہ اِن عملي نتایج کي جانچ پڑتال کرے ؟ "

" به خوشي - جس وقت آپ کا جي چاھے "

وہ جانور جن پر ڈاکٹر وررونوف نے اپنے تجربے کئے هیں ' الجزائر میں هیں ' اور آئندہ اکتوبر میں برطانوي ماهرین حیوانیات اُن کا معائنه کرنے کے لیے جانے والے هیں - اب یه معلوم کرنا آسان ھے که اقتصادي نقطۂ نظر سے یه انکشاف کیسي عظیم الشان اهمیت رکھتا ھے ؟

مسٹر چرچل

الانبیق — Alembic

اسکا مادہ یونانی ہے لیکن یورپ میں عربی سے آیا کیونکہ الف لام موجود ہے -

الکیمیا — Alchemy
الکحل — Alcohol
البق (داغ چشم) — Albuge
لبان — Olibanum
روغن نفط — Naphtha
الاکسیر — Elixir
قرنیۃ العین — Carnea
شجر البان — Ben
سمسم — Sesame
جرثومہ — Germ
مسک — Musk
عرق — Arrack
نرجس (نرگس) — Nareissus
زعفران — Saffran
شقائق النعمان — Aneman
فلفل — Pepper
فاد زہر — Bezaar
لیمون — Lemon
سنا مکی — Senna
مروارید — Margaret
صابون — Soape
رب — Rab
لوز — Lozenge
فرزجہ — Pessary
شربت — Syrupus
لعوق — Linctus
ریوند — Rhie
قرنفل — Caryophylli
بورق — Borice
صندل — Santali
کرویہ (زیرہ) — Carui
کباب چینی — Cubebae
قنب (بھنگ) — Cannb
طرطیر — Tartaratum
زنجبیل — Zingiber
سنبل — Sumbul
مرح — Myrrhae
جلابہ — Jalap
شیاف — Suppo
مر — Myrrha

اسی طرح بے شمار الفاظ ہیں -

(عربی عملیات طبیہ کے آثار)

پندرھویں صدی تک یورپ میں امراض کے علاج کا تمام دارو مدار عربی طب اور عرب اطباء پر تھا - یورپ کے بادشاہ جب کبھی کسی پیچیدہ مرض میں مبتلا ہوتے ' تو مصر و شام سے عرب اطباء اُسی طرح بلائے جاتے تھے ' جس طرح موجودہ زمانے میں یورپ کے اطباء مشرقی ممالک میں بلائے جاتے ہیں - اس عہد کے بعض قیمتی آثار اس وقت تک یورپ میں موجود ہیں - اِن سے عربی اطباء کے وہاں قیام کرنے اور بعض حیرت انگیز معالجات انجام دینے کا ثبوت ملتا ہے - مشہور فرانسیسی مستشرق پروفیسر رینو Reinaud نے اپنی تحریر "حروب صلیبیہ کے بعد یورپ اور مشرق کے علمی اتصال" میں اِس طرح کی پانچ تصویریں نقل کی ہیں جن میں سے تین تصویریں شاہان یورپ کے معالجات سے تعلق رکھتی ہیں - ان میں سے ایک تصویر ہم آج الہلال میں شائع کرتے ہیں -

یہ مرقع پوپ کے محل میں صقلیہ (سیسلی) کے قدیم اوراق و کتب کے ساتھہ آیا تھا - جن اهل نظر نے اس کی جانچ کی ہے وہ متفق ہیں کہ :

(۱) یہ تصویر تیرھویں یا چودھویں صدی کی ہے - اور سیسلی میں طیار کی گئی ہے -

(۲) شاہان سیسلی میں سے ایک بادشاہ کو اس حالت میں دکھلایا گیا ہے کہ عرب اطباء اس کا معالجہ کر رہے ہیں -

(۳) یہ معالجہ ' داغ دینے کا عملیہ تھا - یہ اُس کی حالت ' اُس کے طریقے ' اور اس کے اوزار کی شکل و قطع واضح کرتی ہے - عربی میں اِس طرح داغ دینے کو "کی" کہتے ہیں - اب بھی بعض ممالک میں داغنے کا طریقہ رائج ہے - لیکن جدید طب نے اِسے غیر ضروری قرار دیدیا ہے -

(۴) شاہان سیسلی میں سے یہ کس کی تصویر ہے ؟ اس بارے میں اهل نظر نے مختلف رائیں قایم کی ہیں - بعض کا خیال ہے کہ یہ فریڈرک دوم کی تصویر ہے جو عربی علوم و تمدن کا بہت بڑا قدر دان تھا' اور جس نے ہر علم و فن کے مسلمان علماء اپنے دربار میں جمع کیے تھے - یہ سنہ ۱۲۲۰ ع - میں تخت نشین ہوا تھا -

لیکن بعض خیال کرتے ہیں یہ اس قدر پرانی نہیں ہے- غالباً یہ اُس وقت کی ہے جب نیپلس اور سیسلی کی حکومتیں مل کر "دو سیسلیوں کی حکومت" سمجھی جاتی تھیں' اور چارلس دوم حکمران تھا - اس چارلس کے متعلق بھی تاریخی تصریحات موجود ہیں کہ اس نے کئی بار اپنے علاج کے لیے مصر اور مراکش سے عرب اطباء طلب کیے تھے - اگر یہ خیال صحیح ہو تو اس صورت میں یہ چودھویں صدی کی تصویر ہوگی- کیونکہ چارلس دوم آف نیپلس نے سنہ ۱۳۰۹ ع میں انتقال کیا ہے -

بہر حال اس میں شک نہیں یہ قدیم عہد کی ایک قیمتی یادگار ہے - اِس سے اُس عہد کے عرب اطباء کی شکل و صورت' وضع و لباس ' اور طریق عملیات پر جو روشنی پڑتی ہے' اس کی تاریخی قدر و قیمت کا موجودہ عہد کے مورخین نے اعتراف کیا ہے -

مکتوب لندن

(الهـــلال کے مقاله نگار لندن کے قلم سے)

اِس هفته یہاں کا سب سے زیاده اهم واقعه شاه فواد سلطان مصر کا پہلي مرتبه برطانیه کے دارالحکومت میں ورود ہے - لندن کے لیے مشرقي فرماں رواؤں کي آمد میں اب کوئي ندرت نہیں رهي ہے - ایک زمانه وه تها جب سلطان عبدالعزیز اور شاه ناصرالدین نے یورپ اور انگلستان کا سفر کیا تها ' اور دنیا کے اس سب سے بڑے صدر مقام کي ساري توجه اُن کي مہمان نوازي اور پذیرائي میں مرکوز هوگئي تهي - ایک زمانه آج کل کا ہے جبکه لندن کے ریجنت اسٹریت کے لیے "مشرقي بادشاهوں" کا وجود روز مره کا نظاره هوگیا ہے - اب لندن اُن کے استقبال کا نہیں بلکه ان کي دوڑ دهوپ کا تماشا دیکها کرتا ہے !

با ایں همه مختلف قسم کے حالات ایسے جمع هوئے هیں که سلطان فواد کے ورود نے غیر معمولي اهمیت اور دلچسپي پیدا کردي ہے - سب سے پہلي بات تو وه حالات هیں جن میں اس میہماني و میزباني کا اجتماع هوا ہے -

سیاسي تاریخ میں یه پہلي مثال ہے که دو ملکوں کے تعلقات اِس درجه کشیده هوں جیسے که اس وقت مصر و انگلستان کے هیں ' اور پهر ایک کا پادشاه دوسرے کا میہمان بنا هو - یک طرف انگریزي مصري جهگڑا جاري تها - انگریزي بیڑا مصري سمندروں میں تخویف و تهدید کے مظاهرے کررها تها - دوسري طرف شاه انگلستان اور شاه مصر کے مابین پیام و سلام بهي هورهے تهے !

کچهه مدت هوئي شاه انگلستان نے شاه مصر کو اپنے ملک میں مدعو کیا تها - لیکن اِس تازه جهگڑے کي وجه سے عام طور پر خیال کیا جاتا تها که اِس دعوت کے قبول کرنے کا یه موزوں وقت نہیں ہے - مگر خلاف توقع دعوت منظور کرلي گئي ' اور آج سلطان موصوف کا لندن کے اسٹیشن پر استقبال بهي هو گیا !

جن غیر معمولي حالات میں یه دعوت قبول کي گئي تهي ' ویسا هي ایک غیر معمولي حادثه بهي پیش آتے آتے ره گیا - لندن کے لیبر اخبارات کي اطلاعات اگر صحیح تسلیم کرلي جائیں ' تو معلوم هوتا ہے عین سفر کے وقت ایک سخت جهگڑا پیدا هونے والا تها - عام طور پر قاعده ہے که جب کسي ملک کا پادشاه سفر کرتا ہے ' تو کم از کم وزیر اعظم ضرور ساتهه هوتا ہے - حکومت برطانیه مصر کي موجوده وزارت کو پسند نہیں کرتي کیونکه اُس نے قوم پروروں کا ساتهه دیا ہے - اِس لیے کوشش کي گئي که وزیراعظم سلطان کے ساتهه سفر نه کریں - لیکن جب یه خبر باهر نکلي ' تو راے عامه میں سخت اضطراب پیدا هوگیا - بالاخر یہي طے هوا که وزیر اعظم ضرور ساتهه جائیں - چنانچه وه بهي سلطان کے ساتهه آئے هیں - معلوم هوا ہے که مصري پارلیمنٹ نے مصارف سفر کے لیے بیس هزار پاونڈ کي منظوري دیدي ہے -

مصر اور انگلستان ' دونوں ملکوں میں سوال کیا جارها ہے که شاه مصر کي سیاحت کا مقصد کیا ہے ؟ شاه جارج نے کیوں اُنهیں دعوت دي ؟ کیوں اُنهوں نے منظور کرلي ؟ سرکاري جواب تو دونوں جگه یه دیا جاتا ہے که سیاحت محض "سیاحت" ہے - سیاست سے اُسے کوئي تعلق نہیں - لیکن یہاں کے جو حلقے اندروني حالت پر نظر رکهتے هیں ' وه اچهي طرح جانتے هیں که اس طرح کي سیاحتیں بغیر اهم سیاسي مقاصد کے نہیں هوا کرتیں -

اِدهر کئي سال سے برطانیه دیکهه رها ہے که مصر سے اُس کے موجوده تعلقات برقرار نہیں ره سکتے - مصري قوم میں سیاسي بیداري پیدا هوگئي ہے - وه غیر مساویانه علائق برداشت نہیں کر سکتي - اب اُسے خوشنما الفاظ سے نہیں بہلایا جا سکتا - مصنوعي آزادي اُسے مطمئن نہیں کرسکتي - لہذا طوعاً و کرهاً اُسے یه حقیقت تسلیم کر لیني پڑي ہے که "تبدیلي کے بغیر چاره نہیں" جیسا که سنه ۲۰ میں لارڈ ملنر نے اعتراف کیا تها -

فواد اول سلطان مصر

مصر بهي دیکهتا ہے که اُس میں انگلستان سے جنگ کرنے کي قوت نہیں - برطاني عداوت اُسے کوئي فائده نہیں پہنچا سکتي - انگریز نهر سویز کسي حال میں بهي چهوڑ نہیں سکتے - لہذا اسي میں بہتري ہے که انگریزوں سے ایسے تعلقات پیدا هوجائیں جو هر طرح دوستانه هوں ' مگر ساتهه هي جن سے مصر کي خودمختاري کو کوئي نمایاں گزند بهي نه پہنچے -

ایسے تعلقات کي بنیاد کیا هوسکتي ہے ؟ مصر اور انگلستان دونوں ملکوں کے ذمه دار حلقوں کا خیال ہے که یه بنیاد ایک نئے حلف نامه سے رکهي جا سکتي ہے - دونوں ملک باهم ایک حلف نامه ترتیب دیکر ایک دوسرے کو مطمئن کردیں - برطانیا مصر کي کامل آزادي تسلیم کرلے اور اندروني مداخلت سے باز آجاے - مصر برطانیا کو نهر سویز کي طرف سے پورا یقین دلادے که همیشه برطانیا کے لیے محفوظ رهیگي اور اس کے خلاف کبهي اُس کا قدم نہیں اُٹهیگا -

(بندروں کي پرورش گاه)

جسطرح ایک مالي درختوں میں قلم لگاتا ھے ' اسي طرح علم نے جراحي کے نشتر کے ذریعہ علم الحیات میں عظیم الشان معجزے پیدا کر دیے ھیں - انکے سمجھنے کیلئے ڈاکٹر وررونوف کي تحقیقات کا مطالعہ انکے آغاز عمل سے کرنا چاھئے - یعني اس روز سے مطالعہ کرنا چاھیے ' جس روز سے انھوں نے بندر کے غدود کي قلم آدمي میں لگا کے ' بوڑھوں کو جوان بنانا شروع کر دیا ھے -

ایسے لوگ بہت ھي کم ھیں جنھوں نے گریمالدي کے قلعہ میں ڈاکٹر وررونوف کے بندروں کي قیام گاه اچھي طرح دیکھي بھالي ھو - یہ مقام آدھے فرانسیسي اور آدھے اطالوي سرحد کے اندر واقع ھے - البتہ اسکا دروازہ فرانس ھي میں ھے -

یہ قلعہ نسبتاً جدید طرز کي ایک عمارت ھے' مگر اسکے پہلو میں اسلامي حکومت کي ایک قدیم یادگار بھي موجود ھے - یہ ایک برج ھے جو دس صدیوں سے زیادہ پرانا ھے ' اور شاید اُس اعادۂ شباب کا نشان ھے جو اُسکے سایہ میں پرورش پا رھا ھے - یہ قیام گاہ بجاے خود دنیا میں ایک نمونۂ بہشت ھے - ھرے بھرے نباتات ' لہلہاتے سبزہ زار ' صاف اور خوشگوار ھوا ' اسپر نیلگوں بحر متوسط کا دلفریب منظر ! یہ مقام ملکہ وکٹوریا کو اسقدر پسند تھا کہ وہ یہاں ایک پتھر کے بنچ پر بیٹھکر دیر تک سمندر کو دیکھا کرتي تھیں - آج ھملوگ اُسي بنچ پر بیٹھکر ڈاکٹر وررو نوف سے اُنکے انکشافات پر گفتگو کرتے رھے !

" ڈاکٹر وررو نوف - تمہارے والد کا کیا حال ھے ؟ " میں نے ایک دن پوچھا -

ڈاکٹر وررو نوف نے جواب دیا - " میں انکے بارے میں متردد ھوں - انھیں بہت سخت زکام ھوگیا ھے - تم جانتے ھو انکي عمر سو برس کے قریب ھے "

(نورا)

اسکے بعد میں نے " نورا " کے بارے میں دریافت کیا - جواب ملا کہ وہ مر گئي -

دنیا اس " نورا " سے ناواقف ھے - " نورا " ایک بندریا تھي مگر انسانوں سے زیادہ انسانیت رکھتي تھي - وہ بلا کي ذھین تھي - ڈاکٹر وررو نوف اُسے اسلیے عزیز رکھتے تھے کہ وہ بہت دلیري اور خوشي سے ھر طرح کے عمل جراحي کیلیے مستعد ھو جاتي تھي - وہ شاید نسل انساني کے مفاد کیلیے اپني قرباني کي ضرورت محسوس کرتي تھي !

" نورا " نے ایک حسین خاتون کي زندگي میں بڑا اضافہ کردیا ھے - اب وہ اپني عمر سے کہیں زیادہ کمسن ھوگئي ھے - اس کے بعد نورا میں بھي دوسري کمسن بندریا کے غدود کا پیوند لگا دیا گیا تھا ' اور وہ پھر سے جوان ھوگئي تھي - لیکن افسوس ھے کہ کچھہ دنوں کے بعد وضع حمل کرتے ھوے مر گئي ' اور موجودہ دنیا کے ایک سب سے بڑے طاقتور عالم کو داغ مفارقت دے گئي !

(اسوقت تک کي عملي کامیابي)

ھر شخص یہ جاننا چاھتا ھے کہ ڈاکٹر وررو نوف نے ابتک کتنے کامیاب تجربے کیے ھیں ؟ اور بندر کے غدود کا قلم لگا کر کتنے بوڑھوں کو جوان بنا دیا ھے ؟ اس کا جواب اُنھي کي زباني حسب ذیل ھے -

" میں ایک ھزار سے زیادہ قلم لگانے کا عمل کر چکا ھوں - اس تعداد میں باستھہ طبیب بھي شامل ھیں - آپ سمجھہ سکتے ھیں کہ یہ لوگ بغیر اس عمل کو سمجھے ھوئے ھرگز عمل جراحي کے لیے راضي نہ ھوتے "

" غدود کے قلم لگانے کے نتیجے سے صرف وھي لوگ انکار کرسکتے ھیں جو بغیر سمجھے بوجھے ھر بات سے انکار کردینے کے عادي ھیں - ان کا یہ طرز عمل علم کے اصول کے قطعاً خلاف ھے "

" آپ پر یہ بات بھي واضح ھوني چاھیے کہ اگر مجھے میرے ھزاروں تجربوں سے کامیاب اور صحیح نتیجہ حاصل نہ ھوتا ' تو میں ساري دنیا میں قوي اور تندرست بندروںکي اس درجہ تلاش نہ کراتا اور اس صرف کثیر کے ساتھہ بندروں کي یہ قیام گاہ نہ بناتا جس کا وسیع کارخانہ آپ دیکھہ رھے ھیں "

" میں امید کرتا ھوں کہ عنقریب بحر متوسط کے ساحلوں پر بندروں کي بے شمار قیام گاھیں تعمیر ھوجائیں گي - یہ مقام ان کي نشو و نما کے لیے خاص طور پر مناسب ھے - یہ جانور بھي نسل انساني کے لیے اسي طرح کارآمد ھے جس طرح بیل یا بھیڑ "

" میں نے قلعہ گریمالدي میں بندروں کي قیام گاہ اس لیے بنائي کہ غیر ملکي بندر اس آب و ھوا کے عادي ھوجائیں - یہ گویا ان کي مرکزي قیام گاہ ھوگي جہاں سے دوسرے مرکزوں میں بھیجے جائیں گے - اس وقت ھمارے پاس ایک علحدہ اور منتخب جانور خانہ بھي ھے جس میں بندروں کي خاص طور پر پرورش اور دیکھہ بھال کي جاتي ھے - سرد راتوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اُنھیں مصنوعي گرمي پہنچائي جاتي ھے اور اس وقت تک قایم رکھي جاتي ھے جب تک اس میں تدریجي کمي کرکے بندروں کو یہاں کي آب و ھوا کا عادي نہیں کر دیا جاتا "

" مختصر یہ کہ میرا مقصد اس جانور کو بھي اسي طرح پالتو اور مانوس بنا لینا ھے - جس طرح انسان نے رفتہ رفتہ گھوڑے ' بھیڑ ' اور بکریوں کو بنا لیا ھے "

(عارضہ سرطان کي تحقیقات)

" في الحال دنیا میں بندروں کي تعداد بہت زیادہ نہیں ھے - بندروں کو نا موافق آب و ھوا سے اور نامناسب غذا کي کمي سے سخت جنگ کرني پڑتي ھے - میں نے افریقہ کے جنگلوں میں دیکھا ھے کہ جس طرح انسان قحط سالي میں موت کا شکار ھو جاتے ھیں ' اسي طرح ایک ایک دن میں ھزاروں بندر بھي غذا نہ ملنے سے مر جاتے ھیں -

" دنیا میں سب سے زیادہ تعداد اُن جانوروں کي ھے ' جنھیں انسان کے ذریعہ غذا ملتي ھے - بندروں کي جان بچانے کیلیے بھي یہي طریقہ اختیار کرنا چاھیے - انھیں بھي موقع دینا چاھیے کہ انسان کے تہذیب و تمدن سے مستفید ھوں اور بھوکے نہ مریں - اگر ایسا ھوا تو وہ عجائب خانوں کي محض زینت ھونے کي جگہ نوع انساني کو عظیم الشان فوائد پہنچائینگے "

" بندروں کي ساخت اور طبیعت انسان سے بہت کچھہ ملتي جلتي ھے - علم تشریح کے نقطۂ نظر سے تو بندر انسان کا بہت ھي قریبي رشتہ دار ھے - علم طب نے جانوروں پر تجربے کرکے بہت ترقي کي ' مگر افسوس ھے کہ یہ تمام تجربے اُن جانوروں پر کیے گئے جو انساني ساخت و طبیعت سے بہت دور ھیں "

" سرطان کي تحقیقات سفید چوھوں اور سوروں پر کي جا رھي ھے - میرے خیال میں یہ تحقیقات کبھي مکمل اور مفید نہیں ھو سکتي جب تک کہ اعلی قسم کے بندروں پر تجربے نہ کیے جائیں "

زنجیروں میں جکڑا پڑا تھا اور سخت تکلیفیں اٹھا رہا تھا - فیلپ نے اسے اِس حالت میں دیکھا تو رو دیا - ایک دن اُسے خیال ہوا - اب اس مجنون کے مصائب کا خاتمہ ہو جانا چاہئے - چنانچہ وہ اسکے پاس گیا اور روتے ہوے کہا :

" میرے عزیز بھائی ! مجھے تمھاری ذات پر پورا بھروسہ ہے - تم ایک عقلمند' دیانت دار' اور بردبار آدمی ہو - میری مدد کرو - آؤ' ہم دونوں ملکر ان پاگلوں کی خدمت کریں اور اُنھیں اِس موذي مرض سے عمر بھر کے لئے نجات دلادیں - تمام ملک میں تمھاری نیکی اور دانشمندی کے چرچے ہو رہے ہیں - کہو تم طیار ہو ؟ "

سچی محبت کی یہ دلنواز صدا سنتے ہی اچانک مجنون کا دماغ صحیح ہوگیا - ڈاکٹر کے الفاظ نے اُس پر جادو کا اثر کر دکھایا - فیلپ نے اسکی بیڑیاں فوراً کٹوادیں ' اور وہ زندگی بھر اسکے ساتھہ وفاداری اور سلامت روی کے ساتھہ کام کرتا رہا "

اِس قسم کے اور بھی بہت سے علاج اُس نے کئے تھے - عقلی امراض کے دور کرنے کے لیے بہت سے نئے طریقے ایجاد کیے - فیلپ در حقیقت اِس فن کا امام ہے - ابتک اِس راہ میں اُسی کی پیروی کی جا رہی ہے -

اگر غور کیجیے تو اس مختصر سے واقعہ میں اقوام مشرق کیلیے کیسی عظیم عبرت و موعظت پوشیدہ ہے ؟ ایک قومیں وہ ہیں جو اپنے اُن مشاہیر کی یاد بھی نہیں بھلا سکتیں' جنھوں نے اُنکے پاگلوں کیلیے زندگی اور تندرستی کی راہ نکالی تھی - ایک ہم ہیں کہ اپنے اُن مصلحوں اور پیشواؤں کی بھی عزت کرنے کیلیے آمادہ نہیں جو صرف پاگلوں کی زندگی ہی کیلیے نہیں بلکہ تمام ذي ہوش افراد قوم کی زندگی و سعادت کے لیے قربانیاں کر رہے ہیں ! کسی آبادی میں مریضان جنون کی تعداد زیادہ سے زیادہ اِتنی ہوسکتی ہے کہ ہر دس ہزار میں ایک انسان مجنون تصور کرلیا جاے - اس اعتبار سے کہنا چاہئے کہ ڈاکٹر فلپ پینیل نے ایک لاکھہ انسانوں میں سے دس انسانوں کی خدمت کی' مگر فرانس اسے فراموش نہ کر سکا - لیکن مشرق میں تو ایسے جاں نثاران قوم موجود ہیں جو لاکھہ میں سے دس کے لیے نہیں بلکہ پورے لاکھہ کے لیے زندگی اور سعادت کے دروازے کھولنا چاہتے ہیں ' مگر لوگوں کا کیا حال ہے ؟ یہ حال ہے کہ گردن موڑ کر اُنھیں دیکھنے کے لیے بھی طیار نہیں !

فرانس نے صرف یہی ایک صد سالہ یاد گار نہیں منائی ہے - یورپ میں اب عام دستور ہوگیا ہے کہ تمام مشاہیر قوم کی یادگاریں ہر پچیس' پچاس' اور سو سال کے بعد منائی جاتی ہیں - غالباً اس قسم کی صد سالہ یاد گار سب سے پہلے سنہ ۱۸۸۷ ع میں منائی گئی تھی جب کہ " والٹیر " کی وفات پر سو سال گزرے تھے - اُسی موقعہ پر ویکٹر ہیوگو نے وہ تاریخی تقریر کی تھی جو دنیا کے موجودہ علم ادب کی اول درجہ کی چیزوں میں سے تسلیم کی جاتی ہے -

(اسموئیل کرومپٹن کی صد سالہ برسی)

لیکن جب فرانس عقلی امراض کے سب سے بڑے ڈاکٹر کی صد سالہ برسی منا رہا تھا ' تو انگلستان بھی تذکار مشاہیر کی مشغولیت سے فارغ نہ تھا - فرانس ذہن و جذبات کا گھر ہے اور انگلستان عملیات و صنائع کا - یہ فرق اس معاملہ میں بھی نمایاں تھا - فرانس عقلی امراض کے سب سے بڑے طبیب کی برسی منا رہا تھا ' تو انگلستان انسانی ضروریات کے سب سے بڑے صناع کی یاد میں مشغول تھا !

یہ صناع اسموئیل کرومپٹن ہے جس نے سب سے پہلے سوت کاتنے کی ایسی مشین ایجاد کی تھی جس کی وجہ سے کپڑا بننے کی صنعت دست انسانی کی احتیاج سے بے نیاز ہوگئی - اور کپڑے کی ساخت کا سب سے بڑا اقتصادی انقلاب ظہور میں آگیا -

میں جس وقت پیرس کے نیم سرکاری اخبار طان میں اس برسی کی روئداد پڑھ رہا تھا ' تو میرا ذہن بے اختیار ہندوستان کی اُس عظیم شخصیت کی طرف منتقل ہوگیا جو دنیا کو " کرومپٹن " کی جگہ اُس غیر معلوم مگر بلا نزاع " عظیم الشان انسان " کی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے ' جس نے اب سے ہزاروں برس پہلے ہاتھہ سے چلانے کا سہل اور سادہ چرخا ایجاد کیا تھا - میں نے اپنے دل میں کہا " افکار و اصول کے یہ کیسے دو مختلف نقطے ہیں جو ایک دوسرے کے مقابلے میں نمودار ہوگئے ہیں ؟ انیسویں صدی کے مغرب کا کرومپٹن ' اور بیسویں صدی کے مشرق کا گاندھی ! " معاملہ اتنا عظیم ہے کہ مجھے رائے زنی کی جرأت سے احتراز کرنا چاہیے - اس قسم کے اختلافات کا ہمیشہ حال نے نہیں بلکہ مستقبل نے فیصلہ کیا ہے - کرومپٹن پر ایک صدی گزر چکی ہے - گاندھی پر کم از کم ایک چوتھائی صدی گزر جانے دو !

صد سالہ برسی کا یہ عظیم اجتماع بولٹن میں ہوا تھا - اس موقعہ پر سوت کاتنے کے چرخوں اور مشینوں کی نمائش بھی کی گئی تھی - تمام قدیم ترین آلات حتی کہ چار ہزار برس پہلے کے مصری چرخے بھی جمع کیے گئے تھے - اس سے مقصود یہ تھا کہ یہ بات واضح کر کے دکھلا دی جاے کہ اسموئیل کرومپٹن سے پہلے سوت کاتنے کے آلات نے کہاں تک ترقی کی تھی ' اور اُن کے مقابلہ میں موجد کی ایجاد نے کیسی حیرت انگیز مشین ایجاد کردی ؟ سر ٹامس فلکر نے جو بولٹن کے میر ہیں ' نمائش کا افتتاح کیا - اُنھوں نے موجد کی تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا :

" ہمیں اِس پاک دل اور بے ریا دیہاتی کی اولوالعزمی کے سامنے جھک جانا چاہیے جس نے دنیا کو ایسی عجیب ایجاد بغیر کسی ذاتی طمع یا نفع کے بلا معاوضہ دیدی ' اور خود اپنے بال بچوں کے ساتھہ نہایت غربت کی زندگی بسر کرتا رہا "

بولٹن کے سب سے بڑے میدان میں موجد کا اسٹیچو کھڑا ہے - اور اپنے خط و خال سے اُس کی اولوالعزمی ' ثابت قدمی ' اور فراخ

- خيال كيا جاتا هے كه اس شاهي سياحت كے اثناء ميں بے ضابطه طور پر اسي " حلف نامه " پر تبادلهٔ خيال هوگا - يه نهيں كها جاسكتا كه ايسي محالفة جس ميں ايك طرف مسلح گهمنڈ اور دوسري طرف بے سروساماں قوميت هے' حقيقت و صداقت كے ساتهه وجود ميں آ بهي سكتي هے يا نهيں ؟

انگلستان كا پريس جس زور و شور سے سلطان فواد كي پذيرائي كر رها هے ' اور آج كے سركاري اهتمامات بهي جس درجه كے كيے گئے تهے ' وه يقيناً غير معمولي هيں - يهاں كے تمام مشرقي اور مشرق دوست حلقے محسوس كررهے هيں كه اس كي تهه ميں كوئي خاص چيز كام كر رهي هے -

انگلستان كے رهي سركاري اور نيم سركاري اخبارات جو كل تك مصر كے خلاف بڑے زور و شور سے خامه فرسائي كر رهے تهے' اب سلطان مصر كي تعريفوں كے پل بانده رهے هيں - سلطان كے اعزاز و تكريم كا جذبه يهاں تك بڑهگيا هے كه اب اُن كي " مشرقيت " بهي مغرب كے اس صدر مقام پر شاق گزر رهي هے - كوشش كي جارهي هے كه أنهيں " مغربي " بنا ديا جائے - ڈيلي نيوز كے مقاله نگار خارجيه كو پهلي مرتبه اس حقيقت كا انكشاف هوا هے كه سلطان فواد محمد علي خديو اول كے خاندان سے هيں' اور محمد علي يوروپين تركي كا باشنده تها - ايشيائي تركي كا نه تها - وه لكهتا هے :

" اس موقعه پر هم يه حقيقت فراموش نهيں كرسكتے كه همارا مهمان عزيز اگرچه اس اعتبار سے همارا مهمان هے كه وه باهر سے انگلستان ميں آيا هے ' ليكن اس اعتبار سے آپ مهمان نهيں كهه سكتے كه وه مغرب ميں مشرق كا مهمان هے - وه مشرق كا نهيں بلكه خود مغرب كا ايك فرمانروا هے جيسے اتفاقات نے مشرق كے ايك تاج و تخت كا مالك بناديا هے - همارے قارئين ميں سے هر شخص تاريخ مصر كي اس ابتدائي حقيقت سے با خبر هوگا كه وهاں كے حكمراں خاندان كا مورث اعلى محمد علي اعظم تها جو البانيا كے ايك قصبه قواله كا باشنده تها ' اور البانيا يورپ هي كا ايك ٹكڑا هے - مشرق اور ايشيا ميں نهيں هے - في الحقيقت سلطان فواد كي شخصيت ميں آج هم ايك يوروپين نژاد فرمانروا كي پذيرائي كر رهے هيں ! "

محمد علي كے خاندان كي مغربيت سو برس تك انگلستان كو ياد نه آئي ' ليكن اب اچانك اس كا انكشاف هو گيا هے !

آپ كے دوست انريبل مسٹر پٹيل يهاں سے واپس روانه هوگئے جهاں تك ميں اندازه كر سكا هوں ' كهه سكتا هوں كه ايك خاص معيار عمل كے اندر رهكر انهوں نے يهاں كے سركاري حلقوں پر اچها اثر ڈالا هے - ليجسلٹيو اسمبلي كي رياست كے ساتهه كانگرسي هونے كي روايات ملحوظ ركهنا ' اور كهدر كي دهوتي اور ٹوپي بهي سنبهالے ركهنا ' آسان نه تها ' ليكن أنهوں نے كسي نه كسي طرح بات بنائے ركهي - يهاں كے هندوستاني حلقوں ميں خيال كيا جاتا هے كه غالباً آينده كميشن ميں هندوستاني ممبر كي جگه أنهي كو دي جائيگي -

اس هفته ميں آپ كے اس ارشاد كي تعميل نه كر سكا كه جو كچهه لكهوں هندوستان كے متعلق لكهوں - آينده ڈاک سے اس كا سلسله شروع كروں گا - مجهے اميد هے كه سلطان فواد اور مصر كا معامله بهي آپ كے صفحات كے ليے غير ضروري اور غير دلچسپ نه هوگا -

مكتوب فرانس

(الهلال كے مقاله نگار پيرس كے قلم سے)

فيلپ بينيل كي صد ساله برسي

اس موسم كا ايك شاندار واقعه يه تها كه فرانس ميں بڑے دهوم دهام سے فيلپ بينيل كي صد ساله برسي منائي گئي -

فيلپ بينيل سنه ١٧٤٥ - ميں پيدا هوا ' اور سنه ١٨٢٦ - ميں فوت هوا - يه عقلي امراض كا سب سے بڑا طبيب تسليم كيا گيا هے - اِس سے پہلے پاگلوں كو بهت تكليف ديجاتي تهي - زنجيروں ميں باندھ ديا جاتا تها - غليظ مكانوں ميں ركها جاتا تها - بدترين غذا كهلائي جاتي تهي - چوپايوں سے بهي بدتر سلوك كيا جاتا تها - اِس طبيب نے اِس برتاؤ كے خلاف سب سے پہلے آواز بلند كي ' اور پاگلوں پر رحم اور شفقت كرنے كا عام جذبه پيدا كرديا - پہلے جنون لا علاج مرض سمجها جاتا تها - اسي نے سب سے پہلے بتايا كه لا علاج نهيں هے -

فرانس كے مشهور پاگل خانه " بيسيٹر " كے اعلى افسر ڈاكٹر روبينو فچ نے فيلپ كي برسي پر ايك مضمون لكها هے اور اخبار " ماتاں " كے افتتاحي كالموں ميں شايع هوا هے - مضمون نگار لكهتا هے :

" فيلپ اِسي پاگل خانه ميں معالج تها جس مين اِس وقت ميں خدمت كر رها هوں - فيلپ كا درجه خواص كي نظر ميں " مسيح جديد " كا درجه هے - اِسنے عقلي بيماريوں كے علاج ميں رحم اور شفقت كو عام كيا - اِسنے ظلم اور سختي كے خلاف اُس وقت صدا بلند كي جب پورے فرانس ميں هولناكي پهيلي هوئي تهي ' اور هر طرف خون بهه رها تها !

" بيسيٹر پاگل خانه سے فيلپ كا تعلق ستمبر سنه ١٧٩٣ - ميں هوا - اُسوقت يهاں پچاس پاگل موجود تهے - يه زنجيروں ميں بندهے رهتے تهے - ان ميں سب سے زياده مشهور اور تاريخي پاگل شاهي باڈي گارڈ كا ايك پرانا سپاهي تها - يه نهايت هي قوي هيكل تها اور غير معمولي جسماني قوت ركهتا تها - شراب كي عادت پڑگئي اور هميشه مدهوش رهنے لگا - نتيجه يه نكلا كه دماغ خراب هوگيا - فوج سے نكال ديا گيا - جوش جنون ميں اُسے يه سوجها كه ميں فرانس كا سپه سالار اعظم هوں - جو كوئي يه بات تسليم نه كرتا ' اُسے بري طرح مارنے لگتا - آخر پاگل خانه بهيج ديا گيا - يهاں وه دس برس سے

" بنابریں مصري حکومت نے فیصلہ کیا ھے کہ فوج اور سرحدوں کا موجودہ نظام بر قرار رھے ' لیکن ساتھہ ھي مصري وزیر جنگ کے اختیارات کو کوئي ٹھیس بھي نہ لگے - وہ بدستور مصري پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ رھیگا "

" اِس طریقہ پر' جو مصلحت اور نظام کے ھر طرح مطابق ھے ' مصري حکومت نے اِس مشکل کا معقول حل ڈھونڈہ نکالا ھے - حکومت کو پورا یقین ھے کہ ایک جو دوستانہ رویہ برطانیا نے گفت و شنید میں اختیار کر رکھا ھے ' وہ برابر قایم رھے گا اور اُن تمام اسباب کو دفع کر سکے گا جو موجودہ مشکل اور دوسري مشکلات کا موجب ھیں "

اِس بیان سے صاف معلوم ھوتا ھے کہ برطانیا کے ابتدائي مطالبات مصري سیادت و حکمراني کے منافي تھے ' اس لیے مصري حکومت نے اُنہیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا - پھر اُنمیں کچھہ ترمیم و تبدیلي ھوئي ' اور ایسي شکل میں پیش کیے گئے جو مصري حکومت کي نظر میں ایک حد تک لائق قبول تھے' لہذا اُسنے تسلیم کر لیا اور جھگڑا ختم ھو گیا -

(حج براہ مصر)

اِس سال موسم حج کي کامیابي کا اندازہ اُس سرکاري رپورٹ سے کیا جا سکتا ھے جو صرف آٹھہ روز کي ھے - اِس سے معلوم ھوتا ھے کہ ۲۲ - مئي سے ۳۰ - مئي تک سوئز کي بندر گاہ سے سفر کرنے والے حاجیوں کي تعداد حسب ذیل تھي :

۱۵۰۷ مصري ' ۲۰۲ ترک ۸۸ جزائري ۹۸ تیونسي ۷۷ مراکش ۱۲۶ طرابلسي ۱ روسي ۲ روماني ۱۴۷ ایراني ۱۴ عربي ۲۷ سروین ۵۲ افغاني ۲۳ افریقي ۱۷ اسپیني ۵۹۸ فلسطیني ۲۶ سنگالي ۴۳۲ شامي ۱۵۷ ھندوستاني ۲۴ جاوي ۱۷۱ عراقي - یعني کل ۳۷۸۵ حاجي تھے -

جون کے پہلے ھفتہ کي رپورٹ سے ظاھر ھوتا ھے کہ :

۳۱۵ منگولي ۲۶۲ ترک ۲۷۶ جزائري ۱۲۰۵ تیونسي ۲۰۲ مراکشي ۳۰۷ طرابلسي ۲ روسي ۵۸۲ ایراني ۱۸۱۹ شامي ۵ سروین ۲ بلغاري ۵۸۱ عراقي ۱۹ نیجیریائي ۴۳ حجازي - یعني کل ۶۶۷۰ حاجیوں نے سوئز کي راہ سے سفر کیا -

مجموعي تعداد تقریباً ساڑھے دس ھزار ھوئي - صرف دو ھفتہ کے اندر اِتنے حاجیوں کا نہر سویز سے گزرنا اِس سال کے موسم حج کي شاندار کامیابي کا ایک بین ثبوت ھے -

مکتوب شام

(الہــلال کے مقالہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

اپنے پچھلے مکتوب میں شام کي مضطرب سیاسي حالت پر روشني ڈال چکا ھوں - آج بھي وھي حالت ھے جو اُس وقت تھي - نہ تو کوئي تبدیلي ھوئي ھے - نہ کسي قریبي تبدیلي کے آثار نظر آتے ھیں - البتہ ایک اھم واقعہ ضرور پیش آیا ھے اور تمام ملک کي دلچسپي کا مرکز بن گیا ھے -

ایک مدت سے شام کا فرانسیسي ھائي کمشنر موسیو بونسو شام سے غائب تھا اور پیرس میں مقیم تھا - بیان کیا گیا تھا کہ وہ شام کے آئندہ نظام حکومت پر مرکزي حکومت سے گفت و شنید کر رھا ھے - اُس کي طویل غیر حاضري نے ظاھر بینوں کو طرح طرح کي امیدوں میں مبتلا کردیا تھا - لوگ کہتے تھے - ھائي کمشنر کي پیرس میں موجودگي ضرور نتیجہ خیز ثابت ھوگي - یہي وجہ ھے کہ اِن سب کو واپسي کا بڑي بے چیني سے انتظار تھا -

لیکن اب انتظار کي مدت ختم ھوگئي - ھائي کمشنر واپس آ گیا ھے - لیکن امیدوں کے یہ تمام خوش آئند خواب اس وقت تک تعبیر سے محروم ھیں - اس وقت تک ھائي کمشنر نے نہ تو کوئي اعلان کیا ھے ' نہ بظاھر آثار نظر آتے ھیں - مگر طرح طرح کي افواھیں ضرور پھیل رھي ھیں -

مجھے با خبر حلقوں سے جو کچھہ معلوم ھوا ھے ' یہ ھے کہ پیرس میں ھائي کمشنر اور شامي وفد کے مابین بہت سي ملاقاتیں ھوئیں اور عرصہ تک بحث و مذاکرہ جاري رھا - شامي وفد نے نرم سے نرم شرطیں پیش کي تھیں - لیکن ھائي کمشنر نے صرف چند منظور کرلیں - باقي تمام رد کر دیں - مثلاً وفد کا مطالبہ تھا کہ تمام سیاسي مجرموں کو عام معافي دیدي جاے - مگر حکومت نے سیاسي قائدین کو معافي دینے سے انکار کر دیا - وفد نے پورے ملک کو ایک ھي نظام حکومت کے ماتحت رکھنے کا مطالبہ کیا تھا - لیکن حکومت نے اِسے صرف اِس صورت میں منظور کرنا گوارا کیا کہ نظام حکومت ریاست ھاے متحدہ کا نظام ھو- یعنے چھوٹے چھوٹے صوبے الگ الگ قائم رھیں اور اپني جگہ خود مختار ھوں - مگر انہیں کسي مرکزي نظم میں متحد کر دیا جاے - اِس سے مقصود یہ ھے کہ ملک میں وحدت جنس و قوم پیدا نہ ھو سکے - ایک قوم بہت سے ٹکڑوں میں منقسم ھوکر اپني وطني قوت ضائع کر دے -

اصل یہ ھے کہ ھمیشہ اجنبي اقتدار ملک کي قومي وحدت کا مخالف ھوتا ھے - وہ ھر طرح کي صورت حال گوارا کرلے سکتا ھے لیکن یہ بات گوارا نہیں کرسکتا کہ ملک میں قومي وحدت کي روح پیدا ھوجاے - شام میں یہ روح پہلے سے موجود ھے - زبان ' وطن' رسم و رواج' اور اجتماعي خصوصیات نے تمام شامیوں کو ایک رشتہ میں منسلک کردیا ھے - لیکن فرانس چاھتا ھے ' انکے ٹکڑے ٹکڑے کردے - وہ ایک رشتۂ قومیت قائم نہ رکھہ سکیں - بہر حال دیکھئے - فرانس کا آیندہ طرز عمل اس بارے میں کیا ھوتا ھے ؟

شام و عراق کي سرحدوں پر قبائل عرب کي خانہ جنگي صدیوں سے جاري ھے - اب دونوں ملکوں کي حکومتیں اسکا قطعي سدباب کردینا چاھتي ھیں - چنانچہ حال میں طرفین کے دستخط سے عربي ' انگریزي ' اور فرانسیسي زبانوں میں ایک اعلان ھوائي جہاز کے ذریعہ ' سرحدي قبائل میں تقسیم کیا گیا ھے - اسکا ترجمہ حسب ذیل ھے :

شام و عراق کي سرحدوں پر بسنے والے قبائل کو آگاہ کیا جاتا ھے کہ شام اور عراق' دونوں ملکوں کي حکومتوں نے متفق ھوکر طے کرلیا ھے کہ تمھاري آپس کي خانہ جنگي ' کشت و خون ' اور چوري و قزاقي قطعاً نا جائز اور ممنوع ھے - نیز ھتیار بند ھوکر سرحد کے اُس پار جانا بھي ممنوع ھے - آئندہ جو کوئي اِس طرح کي کوئي بات کریگا ' اُسے نہایت سخت سزا دیجائیگي "

دلي ثابت کر رہا ھے - انگلستان کے تمام سوت کے کارخانوں میں اس کي تصویریں آویزاں ھیں اور بڑي عزت و احترام کي نظروں سے دیکھي جاتي ھیں -

یه صناع سنه ۱۷۵۳ ع میں پیدا ہوا اور سنه ۱۸۲۷ ع میں انتقال کر گیا -

(عثماني شہزادہ کي وفات)

اس ھفته کا ایک افسوس ناک واقعه پرنس برھان الدین کي وفات ھے جو سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کے سب سے چھوٹے لڑکے تھے -

آپ کو معلوم ھے کہ سنه ۱۹۰۸ ع میں جب دوسرے انقلاب دستور کے بعد سلطان موصوف معزول کردیے گئے ' تو حسب معمول ان کے خاندان سے کوئي تعرض نہیں کیا گیا تھا - سلطاني خاندان کے دوسرے شہزادوں کي طرح اُن کي بھي تنخواھیں مقرر کردي گئي تھیں - سنه ۱۹۱۶ ع میں جب سلطان عبدالحمید کا انتقال ہوگیا ' تو اُن کے لڑکوں نے سلطان کي ذاتي جائداد اور اموال و متاع کے ورثه کا دعوی کیا - سلطان عبدالحمید کي ذاتي جائداد کا فیصله اس قدر مشکل تھا ' جتنا شاید ھي دنیا کے کسي فرمانروا کي جائداد کا ہوا ہو - ترکي میں جو کچھه تھا سب اُنھي کا تھا ' اور اُن کا جو کچھه تھا ' اس میں سے کچھه بھي اُن کا نه تھا - بہر حال ایک کمیشن کا تقرر ہوا ' اور اُس نے دعوے کي سماعت کے بعد فیصله کر دیا - اس فیصله میں دعوے کا بہت قلیل حصه تسلیم کیا گیا تھا - اکثر مطالبات رد ہوگئے تھے - سلطان کي اولاد اس فیصله پر راضي نه ہوئي ' لیکن چونکه اس کے بعد ھي جنگ نے انقلاب انگیز صورت اختیار کرلي تھي ' اس لیے مزید کار روائي کا موقعه نه تھا -

جنگ کے بعد جب دوبارہ امن و امان کا وقت آیا ' تو قومي مجلس نے جمہوري حکومت کا اعلان کر دیا ' اور پھر کچھه عرصے بعد خاندان سلطاني کے تمام افراد جلا وطن کر دیے گئے - ان میں سلطان عبدالحمید کا خاندان بھي تھا - اس خاندان کے بعض افراد بیروت چلے گئے - بعض نے یورپ کي راہ لي - انھي میں پرنس برھان الدین بھي تھے - انھوں نے جلا وطني کے بعد ترکي حکومت پر سلطان عبدالحمید کے ورثه کا از سر نو دعوی کیا تھا - انھیں پوري اُمید تھي که اس میں کامیاب ہونگے - یه زیادہ تر سوئٹزر لینڈ میں بعض ترک امراء کے ساتھه رھا کرتے تھے - خود ان کي مالي حالت عثماني خاندان کے دوسرے ارکان سے بہتر نه تھي - پچھلے مہینے پیرس آئے تاکه ترکي سفیر سے ملاقات کریں - شہر کے ایک سب سے ادنی درجه کے ہوٹل میں ٹھہرے جو انکي مفلسانه حالت کا لازمي نتیجه تھا - رھیں اچانک بیمار پڑے اور انتقال کر گئے -

دنیا کے انقلابات صرف تاریخ ھي میں نہیں ڈھونڈھنے چاھئیں - خود ھمارا عہد بھي اپني تاریخ مرتب کر رہا ھے - زار ' قیصر ' اور عبدالحمید ' موجودہ صدي کے سب سے بڑے شخصي اور مستبد فرمانروا تھے - اُن کے جاہ و جلال اور سطوت و جبروت کے ھیبت انگیز واقعات دیکھنے والے ہزاروں لاکھوں کي تعداد میں ابھي زندہ موجود ھیں - لیکن انقلاب کي ایک ھي گردش نے انھیں کتني بلندي سے کتني پستي تک پہنچا دیا ؟ آج ان میں سے ایک کا لڑکا پیرس کے سب سے زیادہ ادنی ہوٹل میں دم توڑ چکا ھے ' اور اُس کے سرھانے ایک آنکھه بھي ایسي موجود نہیں جو اُس پر آنسو بہا رھي ہو - و تلک الایام نداولها بین الناس !

مکتوب مصر

(الهـــلال کے مقاله نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

(انگریزي مصري نزاع)

پچھلے ھفتے انگریزي مصري نزاع پر گفتگو کرتے ہوے وہ بنیادیں بتا چکا ہوں جو مصري حکومت نے تصفیه کے لیے پیش کي تھیں - آج ایک ھفته گزرنے کے بعد بھي دنیا کي معلومات اِس جھگڑے کے متعلق آگے نه بڑھسکیں' کیونکه تمام گفتگو پردۂ راز میں ھے - طرفین کي پارلیمنٹوں میں مطالبه کیا گیا که گفت و شنید شایع کردي جائے ' مگر دونوں حکومتوں نے ایک ھي جواب دیا - یعني ابھي تک فریق ثاني نے اسکي اشاعت کي اجازت نہیں دي ھے - اس سے صاف ظاھر ہوتا ھے که دونوں اُسے شائع کرنا سردست مناسب نہیں سمجھتیں -

اس صورت حال نے دونوں ملکوں میں سخت انتشار پیدا کردیا ھے - برطانوي اخبارات دعوی کر رھے ھیں که مصر دب گیا اور انگریزي مطالبات منظور کر لیے - مصري اخبارات مدعي ھیں که برطانیا سختي سے باز آگیا ' اسلیے مصر نے بھي مصالحت کے لیے آمادگي ظاھر کردي - مگر کیونکر ؟ کہاں تک ؟ اسکا کوئي جواب نہیں ملتا !

لیکن یه یقیني ھے که تصفیه ہوگیا ھے - باقي رھا یه سوال که کس کي ضد پوري ہوي ؟ تو اس بارے میں کوئي قطعي بات نہیں کہي جا سکتي - البته عبد الخالق ثروت پاشا مصري وزیر اعظم کي ایک تصریح ضرور موجود ھے - یه تصریح انھوں نے مصري پارلیمنٹ میں کي ھے - اگرچه یه بھي مبہم ھے ' تاھم معامله پر کچھه نه کچھه روشني ضرور ڈالتي ھے - اُنھوں نے کہا :

" یه بات سخت افسوسناک ھے که پچھلے دنوں مصري اور برطانوي حکومتوں میں غلط فہمي پیدا ہوگئي تھي - اس غلط فہمي نے برطانیا کو آمادہ کیا که اپنے ھائي کمشنر کے ذریعه مصري حکومت کے پاس ایک نوٹ بھیجے - اس نوٹ میں مصري فوج اور محکمۂ سرحد کے متعلق چند مطالبے درج تھے - ساتھه ھي یه بھي درج تھا که برطانیا متمني ھے که نزاع دوستانه طور پر ختم کردي جاے - مصري حکومت نے برطانوي نوٹ پر اچھي طرح غور و خوض کرنے کے بعد فیصله کیا که اسکے مطالبے اپني مجموعي ھیئت میں مصري حکمراني ' مصري پارلیمنٹ کے حقوق ' اور ملک کے قانون اساسي کو نقصان پہنچانے والے ھیں "

" چونکه ایسے معاملات میں حکومت کو اپني مرضي سے فیصله کرنے کا اختیار نہیں - قانون کي رو سے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ھے - لہذا اُسنے بغیر کسي تامل کے کہدیا که یه مطالبات انکي مجموعي ھیئت میں منظور نہیں کئے جا سکتے "

" مگر چونکه مصري حکومت ھر غلط فہمي کے دور کرنے کے لیے مستعد رھتي ھے ' اس لیے اُسنے معامله کو ایک اور طریقه پر سلجھا دینا چاھا جس کا اُسے قانوناً اختیار تھا اور جو مصر کے بنیادي حقوق کے منافي نہیں ھے - چنانچه اُسنے نوج کے مسئله میں غور و بحث کے بعد طے کیا که برطانیا کے کون کون مطالبے قابل قبول ھیں اور کون نا قابل قبول - جو امور فوج کیلیے مفید تھے ' یا جنسے کوئي مضرت پیدا نہیں ہوتي تھي ' اُنھیں اُسنے بطور خود منظور کرلیا "

سیروا فی الارض

اَوَلَم یَسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم؟

(۳۰-۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح کے تاثرات

ٹیونس اور البانیہ

ٹیونس

اگر الجزائر فرانس کا محکوم ہے تو ٹیونس بھی فرانس کے جولانِ حکومت سے پامال ہوچکا ہے۔ جو فرانسیسی یہاں ہیں وہی فرانسیسی وہاں بھی ہیں۔ محکومی اور ماتحتی، موت کی طرح سخت اور سُست رفتار ہے۔ ایک خفیہ زہر ہے۔ دوسرا علانیہ ہے۔ لہذا کچھ عجیب نہیں اگر دونوں ملکوں کی زندگی باہم مشابہ ہو۔ بلکہ پہلی نظر میں تو دونوں کی زندگی ایک ہی طرح کی معلوم بھی ہوتی ہے۔ لیکن میرے خیال میں باوجود اس گہری مشابہت کے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک بیماری سو برس کی پرانی ہے، دوسرے کی ۴۰ برس سے بھی کم کی ہے۔ ٹیونس میں جدید زندگی کے مبادیات موجود ہیں، اور امیدوں کے لئے بھی ویسی مایوسیاں نہیں ہیں جیسی الجزائر اور مراکش میں محسوس ہوتی ہیں۔

ٹیونس کی بیداری ٹیونسی قوم کی سعی و ہمت کا نتیجہ ہے۔ شمالی افریقہ میں ظلم کی یکسانیت سے مظلومیت کی حالت یکساں نہیں ہو جاسکتی تھی۔ مراکش، الجزائر، ٹیونس، ریف، ان تمام مقامات میں یوروپین استعمار یکساں قوت و خصائل کے ساتھ نمودار ہوا، لیکن ان تمام مختلف مقامات کی جماعتی حالت و استعداد یکساں نہ تھی۔

ٹیونس کی بیداری کے اور بھی متعدد اسباب ہیں۔ بعض قوی ہیں، بعض ضعیف ہیں۔ بعض اچھے ہیں، بعض بُرے ہیں۔ بعض غذا نافع کے حکم میں داخل ہیں۔ بعض سم قاتل کا حکم رکھتے ہیں۔ کبھی بُرائی سے بھی بھلائی پیدا ہوجاتی ہے۔ کبھی زہر سے بھی شفا حاصل ہوتی ہے۔ جب خدا کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہے تو ہر چیز اُس کی خدمتگزار ہوجاتی ہے۔ ہر راہ اُسے منزل مقصود کی طرف پہونچاتی ہے۔ لیکن جب کسی قوم کی تباہی کے دن آجاتے ہیں تو ہر چیز اُسے نقصان پہنچاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے ٹیونس پر خدا کی مہر و عنایت ہے۔ اسی لئے اُس کے سامنے بھلائی اور ترقی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

ٹیونس میں مدرسے ہیں اور قوم میں علم روز بروز پھیلا رہے ہیں۔ ٹیونس میں عربی اخبارات ہیں، اور اگرچہ بہت پست اور بے بضاعت ہیں، لیکن بہرحال ملک کی بیداری کا سرچشمہ ہیں۔ ٹیونس میں ایک کرسی بھی ہے، جسے "تختِ شاہی" کہتے ہیں۔ اُس پر ایک ٹیونسی مورت بھی رکھی رہتی ہے، جسے بادشاہ یا وہاں کی اصطلاح میں "بائی" کہتے ہیں۔ اُس کے سر پر ایک غلاف بھی چڑھا ہے۔ اُسے "تاج" کہکر پکارتے ہیں۔ "بائی" کی عیش و عشرت بالکل ویسی ہی ہے جیسی مشرقی بادشاہوں کی ہوا کرتی تھی۔ بہت سے ابن الوقت اس کے محل کا اُسی طرح طواف کرتے ہیں جس طرح مومن کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اُس کے دروازوں اور چوکھٹوں کو چومتے ہیں اور اجر و ثواب کی اُمیدیں رکھتے ہیں!

ٹیونس میں نوجوان بھی ہیں۔ قریب ہے کہ اُن کی آنکھیں کھل جائیں اور "زندگی" کا جلوہ دیکھ لیں۔ ٹیونس میں ترقی کا جذبہ بھی موجود ہے۔ اگر محکومی کی بندشیں ذرا بھی ڈھیلی ہوجائیں تو قریب ہے کہ خوب پھلے اور پھولے۔ مگر موجودہ قید و بند بھی اُسے روک نہیں سکتی۔ یہ جذبہ، سنگِ چقماق کی طبیعت رکھتا ہے۔ جتنا رگڑا جاتا ہے، اُتنا ہی چمکتا اور مشتعل ہوتا ہے!

ٹیونس کی بیداری کا ایک سبب، اجنبی تسلط و جبر بھی ہے۔ ٹیونس خواب خرگوش میں پڑا سو رہا تھا۔ اجنبی توپوں نے گرجکر اُسے بیدار کردیا اور اس طرح بیدار کیا کہ پھر اُس کی آنکھیں بند نہ ہوئیں۔ اجنبی تسلط ذی استعداد قوموں کے لئے تازیانۂ عبرت ہوتا ہے، اور نالائق قوموں کے لئے پیام ہلاکت!

ٹیونس کی بیداری میں تقلید و جمود اور قدامت پرستی کے عناصر کو بھی بڑا دخل ہے۔ ٹھیک اُسی طرح، جس طرح یہ عناصر مصر کی موجودہ بیداری کا ایک سبب بن گئے ہیں۔

اس دنیا میں شر محض کا وجود نہیں۔ تقلید و جمود اور قدامت پرستی میں کتنا ہی بڑا شر کیوں نہ ہو، لیکن اسمیں نفع بھی موجود ہے۔ کسی قوم کے لئے مناسب نہیں کہ اپنا ماضی بالکل بھلا دے۔ ماضی اور قدیم کا صالح جوہر ہمیشہ قوم میں موجود رہنا چاہیے، ورنہ قوم اپنی قومیت کی اساسی روح سے محروم ہوجائے گی۔ یہ قدامت پرست طبقہ اپنے اندر ماضی اور قدیم کی نقش محفوظ رکھتا اور قوم کو اُس کے اصلی خط و خال دکھلاتا رہتا ہے۔ یہ طبقہ کتنا ہی مضر ہو، مگر اس سے یہ فائدہ ضرور ہے کہ ماضی اور قدیم کی یاد فراموش ہونے نہیں پاتی، اور تغیر طلب قوتوں کی بے اعتدالیاں اعتدال کی حالت پیدا کرلیتی ہیں۔

اے مصلحین! اس مخلوق پر رحم کھاؤ، جس کا نام "قدامت پرست" ہے۔ یہ تمھاری نظروں میں ایک پرانی نعش ہی کیوں نہ ہو، مگر ہے تمھارے ہی ماضی کی نعش! اس کی حفاظت کرو۔ اسے نابود کردینے میں جلدی نہ کرو۔ اگر یہ نابود ہوگئی، تو قدامت کی نعش کے ساتھ قدامت کی روح بھی نابود ہوجائے گی!

احمد زوغو کی مملکت "البانیہ"

البانیہ میں سفر بہت تکلیف دہ ہے۔ سمندر سے سفر کی صورت یہ ہے کہ یوگوسلاوی جہاز ہر ہفتہ یونان جاتے ہوئے البانی ساحل پر بھی رُکتے ہیں۔ یہی راستہ میں نے اختیار کیا۔ یوگوسلاوی بندرگاہ راگیز سے سوار ہوا اور البانی ساحل دیرازو میں اُتر پڑا۔

میرے ساتھی مسافر ایک ہاتھ کی اُنگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔ جہاز کا کپتان کرواتی نسل کا معمر دین تھا۔ رات کو وہ ہمارے ساتھ دیر تک باتیں کیا کرتا۔ ایک دن مجھے ایک گوشے میں لیجا کر کہنے لگا:

"دیکھو! البانیہ قریب آگیا۔ ہر چیز دیکھنا مگر زبان کسی وقت بھی نہ کھولنا۔ جاسوسوں سے ہوشیار رہنا۔ البانی پولیس تمھیں زیادہ تنگ نہیں کرے گی۔ لیکن بالکل ممکن ہے کہ اندھیری رات میں دو گولیاں ہوا میں اُڑتی آئیں اور تمھارا سینہ توڑ کر پار نکل جائیں۔ تمھارا کام تمام ہوجائے گا مگر قیامت تک پتہ نہیں چلے گا کہ یہ گولیاں کہاں سے آئی تھیں؟"

ہمارا جہاز پہلے قطارو میں رُکا۔ پھر خوبصورت خلیج انٹیفاری میں ٹھہرا۔ صبح ۶ بجے ہم بندرگاہ دورازو کے سامنے تھے۔ یہاں سے سخت تکلیف دہ سفر کے بعد بالآخر ٹیرانا پہنچ گئے، جو البانیہ کا پایۂ تخت ہے۔

یہ شہر، ترکی قصبات کا منظر پیش کرتا ہے۔ تنگ گھومی ہوئی سڑکیں، اُن پر چھوٹی چھوٹی دکانیں، دکانوں میں دکاندار اپنے کاموں میں ٹھیک اُسی طریقہ پر مشغول جیسے صدیوں پہلے اُنکے آباء و اجداد تھے۔ کہیں ترکی ٹوپیاں بن رہی ہیں۔ کہیں لکڑی کا سامان طیار ہو رہا ہے۔ کہیں تانبے کے ظروف بنائے جارہے ہیں۔ کہیں کمہار بیٹھا اپنا آنواں گھما رہا ہے۔ ساتھ ہی ترکاری والے بھی دکان لگائے بیٹھے ہیں۔ حجام استرے رگڑ رہے ہیں۔ موچی جوتے گانٹھ رہے ہیں۔ پھر ان سب کا وہ شور و ہنگامہ کہ کان پڑے آواز سنائی نہیں دیتی۔ تاہم پورے اطمینان سے کہا جاسکتا ہے کہ شہر کے قدرتی مناظر نہایت دلفریب ہیں۔ مساجد کے میناروں نے فضا میں بلند ہوکر منظر اور بھی زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے!

شہر کے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔ اسمیں ایک چھوٹی سی عمارت کھڑی ہے اور سینما کی عمارت معلوم ہوتی ہے، حالانکہ وہ در اصل ملک کی پارلیمنٹ ہے۔

پارلیمنٹ کے پچھواڑے نوجی بارکیں ہیں۔ حال ہی میں تعمیر ہوئی ہیں اور شہر کی شب و روز نگرانی کرتی ہیں۔

میں نے اپنا اسباب شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں رکھا۔ اس ہوٹل کا نام "بین الاقوامی" ہوٹل ہے۔ لیکن وہ ترکی ہے اور اُس کی ہر چیز بھی ترکی ہے۔ ہوٹل، میدان کے سامنے ہے۔ میدان میں موٹر کاروں کا ہجوم رہتا ہے۔ یہ تمام موٹریں بہت پرانی اور جنگ عظیم کی میراث ہیں۔

عورتیں صاف پانی بھرنے کے لئے چشموں پر جوق جوق جاتی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ اُن کے جسم کا کوئی حصہ نظر آجائے۔ سر سے پاؤں تک کپڑوں میں لپٹی ہوئی، حتی کہ مُنہ بھی چھپائے ہوئیں۔ صرف ایک طرف کی آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ آہو کی آنکھ، غضب کی

مطبوعات جدیدہ

علم الاثار مصر

(روح کے متعلق قدیم مصریوں کا عقیدہ)

مصر کي قدیم تہذیب دنیائے قدیم کي تاریخ کا ایک نہایت اهم باب هے - اگر یہ باب الگ کر دیا جاے تو نوع انساني کي عقلي ترقیات کي ایک نہایت اهم کڑي مفقود هو جائیگي -

اب سے سو برس پہلے مصر کے اهرام اور حیرت انگیز آثار دنیا کیلیے معما تھے - آج وہ معما نہیں هیں، مدرسة کا کام دے رهے هیں - قدیم مصري خط " هیرو گلیفي " پڑہ لیا گیا هے - قدیم مصري زبان کے ضخیم لغت طیار هوگئے هیں - قدیم مصري تحریریں دستیاب هوگئي هیں - اور ان سب کے مجموعے سے علوم اثریہ کا ایک مرتب ذخیرہ مدون هو گیا هے جسے مصریات (اجپٹالوجي) سے تعبیر کیا جاتا هے اور روز بروز اسکي وسعت بڑھتي جاتي هے - حال میں ڈاکٹر احمد بک کمال مرحوم کي بے نظیر کتاب اثار مصر پر شائع هوي هے - یہ قاهرہ کے دار الاثار کے ناظر تھے - انہوں نے تمام عمر اثریات مصر کي تحقیقات میں بسر کر دي - یہ کتاب اس موضوع پر علمي دنیا کي آخرین تحقیقات پیش کرتي هے - هم چاهتے هیں وقتاً فوقتاً اسکے بعض اهم مباحث الهلال میں شائع کرتے رهیں -

(بقاء روح کا مصري اعتقاد)

" قدیم مصري تمدن کے سب سے زیادہ عجیب آثار جو هم تک پہنچے هیں، انکے مقبرے اور انکي ممي کي هوي نعشیں هیں - اهرام بھي دراصل اسي غرض سے بنائے گئے تھے کہ مقبرہ کا کام دیں - اس سے انکے مذهبي عقائد پر جو موت، بعد الموت، اور روح کے خلود و ابدیت سے تعلق رکھتے تھے، غیر معمولي روشني پڑتي هے

(مقبروں کي تاسیس)

قدیم مصر میں مقبروں کا آغاز اِس طرح هوا کہ پہلے مردے کو زمین کھود کر تنگ گڑھے میں گاڑ دیتے تھے - نعش لٹانے کا بھي رواج نہ تھا - سر سینہ پر جھکا دیا جاتا تھا اور اکڑوں بٹھا کر زمین برابر کر دیتے تھے - اِسکے بعد قبر یاد رکھنے کیلیے زمین اونچي هونے لگے - قبر پر مٹي کا ڈھیر لگا دیا جاتا تھا - پھر مردے کو اوپر کي مٹي سے بچانے کے لیے قبر کے اندر چھت بنانے لگے - پھر چھت کے گرد مٹي کي دیواریں بنادینے کا رواج پڑا - اِس کے بعد تابوت کا خیال پیدا هوا، اور پتھر کے تابوتوں میں مردے رکھے جانے لگے - پھر قبر کو بیروني صدموں سے بچانے کیلیے اُس پر عمارتیں بنانے لگے - اِنھي عمارتوں نے ترقي کرتے کرتے اهرام کا عظیم و مہیب درجہ حاصل کر لیا - اِس وقت بھي دریاے نیل کے مصب اور فیوم کے مابین تقریباً سو هرم موجود هیں، اگرچہ انمیں سے اکثر منهدم هو جانے کے قریب هیں -

اب یہ بات محقق هوگئي هے کہ مصر کے اهرام در حقیقت مقبرے هي تھے - قدیم مورخین کا یہ خیال بالکل بے بنیاد هے کہ یہ قلعے هیں، یا طوفان سے بچنے کے لیے بنائے گئے تھے، یا ان میں خزانے مدفون هیں - قدیم مصري زبان میں اهرام کے نام هي سے اُن کا مقصد اور موضوع معلوم هو جاتا هے - مثلاً " مسکن ابدي " " مقام کمال " " مکان خلود " " مقر روح " وغیرہ -

مقبروں کے باب میں یہ تدریجي ترقي کیوں هوئي ؟ اس لیے کہ روح کي ابدیت کا اعتقاد بھي مصریوں میں بہ تدریج ترقي پذیر هوا تھا - جس زمانہ میں وہ روح کي بقا کے قائل نہ تھے، قبروں کے معاملہ کو کوئي اهمیت نہیں دیتے تھے - پھر جوں جوں یہ عقیدہ بڑھتا گیا، مقبروں کي اهمیت بھي بڑھتي گئي - مقبروں کو اِس عقیدہ سے کیا تعلق هے ؟ بہت قریبي تعلق هے - مصریوں کا یہ عقیدہ اِس شکل میں تھا کہ جب تک جسم محفوظ رهتا هے، روح بھي قائم رهتي هے - کیونکہ جسم سے علحدہ روح کا وجود نہیں هو سکتا - اِس عقیدہ کا لازمي نتیجہ یہ تھا کہ وہ مردے کا جسم زیادہ سے زیادہ مدت تک محفوظ رکھنے کي کوشش کرتے تھے - اِتنے مستحکم مقبرے بنانا، اور لاشوں کو ممي کرنا، اِسي غرض سے تھا -

(زندگي کا مصري تخیل)

یہ عقیدہ کیونکر موجود هوا ؟ مصریوں کا خیال تھا کہ زندگي ایک آدمي سے دوسرے آدمي میں ناک اور منهہ کي راہ منتقل هوتي هے - اور یہ کہ انساني جسم کے بعض اعضاء زندگي کي حفاظت کرتے هیں، مگر صرف اسي حالت میں جب کہ خود اُن کي بھي حفاظت کي جائے - چنانچہ هاتھہ کي نبض زندگي کي محافظ هے، اس لیے هاتھہ میں چوڑي پہنا کر نبض کي حفاظت کي جاتي تھي - گردن کو بھي ایسا هي عضو سمجھتے تھے اور اس کي حفاظت کے لیے هار پہنتے تھے - کان کے لیے بالیاں، سینہ کے لیے چاندي سونے کي لوحیں، بازو کے لیے بازو بند، اسي لیے اُن میں رائج هوئے - بہت ممکن هے کہ دنیا میں زیور کا استعمال اِسي عقیدہ سے شروع هوا هو -

(موت)

اُن کا اعتقاد تھا کہ زندگي همیشہ رهتي هے - لیکن نیند کي حالت میں اور کبھي کبھي غشي کي حالت میں آدمي سے جدا هو جاتي هے - وہ کہتے تھے جب جسم بگڑ جاتا هے تو زندگي کا علاقہ بھي اُس سے همیشہ کے لیے منقطع هو جاتا هے - اسي خیال سے نعش کي حفاظت کا خیال پیدا هوا - اور بالآخر ممي کرنے کا طریقہ رائج هو گیا - یہ طریقہ اتنا عجیب، اتنا صحیح، اور اتنا بے خطا تھا، کہ چار چار هزار برس گزر جانے پر بھي آج اصلي حالت میں ان کي نعشیں موجود هیں ! "

آنکھ! ایک دن میں نے چند عورتوں کی تصویر اتارنا چاہی۔ اُن کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اُنھوں نے مجھے گھونسے دکھا کر دھمکانا اور مغلظ گالیاں دینا شروع کر دیا!

رات کو شہر میں بڑی چہل پہل ہوتی ہے۔ پوری آبادی، معلوم ہوتا ہے، باہر نکل آئی۔ امراء، سکوں و وقار سے چلتے ہیں۔ ہر ایک کے آگے پیچھے حبشی خواجہ سرا تلواریں لئے ہوتے ہیں۔ ہر کوئی اپنی جگہ پر البانیہ کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ اسوقت عورتیں بھی چہل قدمی کرتی نظر آتی ہیں۔ بڑی بڑی سیاہ چادریں اوڑھے ہوتی ہیں۔ اُنکی سب سے زیادہ مرغوب خارجی آرائش یہ ہے کہ رات کو بھی چھتریاں لگائے رہیں!

پورا ملک مسلح ہے۔ ایک آدمی بھی نہتا دکھائی نہیں دیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرف امن امان قائم ہے۔ ہر کوئی اپنی جان کو ڈرتا ہے، اور کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ میں ٹیرانا میں دو ہفتے رہا مگر میں نے ایک دن بھی بازاروں میں جھگڑا فساد نہیں دیکھا۔

البانیہ کے باشندے عموماً بڑے دیانت دار ہوتے ہیں۔ چوری کی کبھی کوئی واردات نہیں سُنی جاتی۔ مکانوں کے دروازے عموماً شب و روز کھلے رہتے ہیں۔ قفل لگانے کا رواج تقریباً مفقود ہے۔ ایک اجنبی کے لئے یہاں کے بازاروں میں خرید و فروخت بہت مشکل ہے۔ تمام یورپ اور امریکہ کے طلائی، نقرئی، اور نکل کے سکے چلتے ہیں۔ آدمی جب تک ان تمام سکوں سے واقف نہ ہو جو بے شمار قسم کے ہیں، لین دین نہیں کر سکتا۔ مگر تم بے کھٹکے بازار میں جا سکتے ہو۔ جو چاہو خریدو۔ دکاندار جو سکے بھی دے، بے گنے لے لو۔ ناممکن ہے تمھیں کبھی دھوکہ دیا جائے۔ ایک دن میں نے بوٹ خریدے دکاندار نے میرے نوٹ کی ریزگاری دے دی۔ اسمیں ترکی، رومی، امریکن، اور صربی (سردین) سکے ملے جُلے تھے۔ میں نے رقم بغیر گنے جیب میں رکھ لی اور روانہ ہو گیا۔ ابھی ۵۰ ساٹھ قدم ہی چلا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی مُڑ کے دیکھا تو تین چار آدمی بے تحاشا دوڑے چلے آرہے ہیں۔ چلاتے ہیں۔ ہاتھ ہلاتے ہیں۔ میں رُک گیا۔ کیا دیکھتا ہوں جوتے والا کھڑا ہانپ رہا ہے:

"جناب!" اُسنے ندامت سے آنکھیں نیچی کر کے کہا "مجھ سے سخت قصور ہوا۔ میں بڑا ہی بیوقوف ہوں۔ بازار میں بیٹھنے کے لائق نہیں۔ آپ کو کم رقم دی ہے۔ یہ لیجئے آپکے دام ہیں۔ معاف کیجئے!"

لیکن پُرامن البانیہ کے سر پر اب جنگ کا بھوت چڑھ رہا ہے۔ ٹیرانا اسوقت فوج سے لبریز ہے۔ شب و روز جنگی قواعد اور جنگی مظاہرے ہو رہے ہیں۔ تمام فوجی بارکیں سپاہیوں سے پُر ہیں حتیٰ کہ اکثر مسجدیں بھی سپاہیوں کے لئے خالی کر دی گئی ہیں۔

مگر یہ جنگی طیاریاں کیوں ہیں؟ "یوگوسلاویا کی طرف سے اندیشہ ہے" یہ جواب دیا جاتا ہے۔ مگر یہ پوری حقیقت نہیں ہے۔ پوری حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ احمد زوغو کو اپنی شخصیت بڑھانے کی فکر ہے۔ ٹرکی کے مصطفی کمال، اٹلی کے موسولینی، اسپین کے پرائمو ڈی ریوا کی طرح احمد زوغو بھی البانیہ کا مطلق العنان ڈکٹیٹر ہے۔ مگر وہ اس منصب پر قانع نہیں۔ وہ البانیہ کا نپولین بنا چاہتا ہے۔ تاج شاہی کے لئے اُس کا سر مضطرب ہے۔ وہ چاہتا ہے، تلوار کی نوک سے ایک طلائی تاج اُٹھائے اور اپنے سر پر رکھ لے!

احمد زوغو کا خاص باڈی گارڈ بہت ہی خوفناک ہے۔ تین ہزار زبردست سپاہی اُس کی شب روز حفاظت کرتے ہیں اُسکے محل کے سامنے ایک مکان میں اُس کی ماں رہتی ہے۔ روز اُسکی م

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

حسین بن علی علیہما السلام

۲

آپکی حسرت اور اصحاب کی وفاداری!

فوج کی واپسی کے بعد رات کو آپنے اپنے ساتھی جمع کئے اور اور خطبہ دیا:

"خدا کی حمد و ستائش کرتا ہوں، رنج و راحت ہر حال میں اُس کا شکر گزار ہوں۔ الہی! تیرا شکر کہ تونے ہمارے گھر کو نبوت سے مشرف کیا، قرآن کا فہم عطا کیا۔ دین میں سمجھ بخشی، اور ہمیں دیکھنے سننے اور عبرت پکڑنے کی قوتوں سے سرفراز کیا۔ اما بعد۔ لوگو! میں نہیں جانتا آج روئے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر بھی لوگ موجود ہیں، یا میرے اہل بیت سے زیادہ ہمدرد اور غمگسار اہل بیت کسی کے ساتھ ہیں۔ اے لوگو، تم سب کو اللہ میری طرف سے جزائے خیر دے! میں سمجھتا ہوں کل میدان کا فیصلہ ہو جائے گا۔ غور و فکر کے بعد میری رائے یہ ہے کہ تم سب خاموشی سے نکل جاؤ۔ رات کا وقت ہے۔ میرے اہل بیت کا ہاتھ پکڑ او تاریکی میں اِدھر اُدھر چلے جاؤ۔ میں خوشی سے تمھیں رخصت کرتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ صرف مجھے چاہتے ہیں میری جان لے کر تم سے غافل ہو جائیں گے"

یہ سُنکر آپ کے اہل بیت بہت رنجیدہ اور بے چین ہوئے حضرت عباس نے کہا "یہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ ہم آپکے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے!"

حضرت نے مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں سے کہا "اے اولاد عقیل! مسلم کا قتل کافی ہے۔ تم چلے جاؤ۔ میں نے تمھیں اجازت دی" وہ کہنے لگے "لوگ کیا کہیں گے؟ یہی کہینگے کہ ہم اپنے شیخ، سردار، اور عم زادوں کو چھوڑ کر بھاگ آئے۔ ہم نے اُن کے ساتھ نہ کوئی تیر پھینکا، نہ نیزہ چلایا، نہ تلوار کھائی۔ نہیں واللہ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ہم تو آپ پر اپنی جان، مال، آل و اولاد سب کچھ قربان کر دیں گے۔ آپکے ساتھ ہو کر لڑیں گے۔ جو آپ پر گزرے گی وہی ہم پر بھی گزرے گی۔ آپکے بعد خدا ہمیں زندہ نہ رکھے!"

آپکے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ مسلم بن عوسجہ اسدی نے کہا: "کیا ہم آپ کو چھوڑ دیں گے؟ حالانکہ اب تک آپکا حق ادا نہیں کر سکے ہیں۔ واللہ نہیں، ہرگز نہیں۔ میں اپنا نیزہ ان دشمنوں کے سینے میں توڑ دوں گا۔ جب تک قبضہ ہاتھ میں رہیگا، تلوار چلاتا رہوں گا۔ نہتا ہو جاؤں گا تو پتھر پھینکوں گا۔ یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے!"

سعد بن عبداللہ الحنفی نے کہا "واللہ ہم آپ کو اسوقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک خدا جان نہ لے کہ ہم نے رسول اللہ کا حق محفوظ رکھا۔ واللہ اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا، جلایا جاؤں گا، آگ میں بھونا جاؤں گا، پھر میری خاک ہوا میں اُڑا دی جائے گی۔ اور ایک مرتبہ نہیں ۷۰ مرتبہ مجھ سے یہی سلوک کیا جائے گا۔ پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ آپکی حمایت میں فنا ہو جاؤں"

زہیر بن القین نے کہا "بخدا اگر میں ایک ہزار مرتبہ بھی آرے سے چیرا جاؤں تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ خوشا نصیب! اگر میرے قتل سے آپ کی اور آپکے اہل بیت کے ان نونہالوں کی جانیں بچ جائیں!" (ابن جریر، کامل، شرح نہج البلاغہ وغیرہ)

حضرت زینب کی بے چینی اور آپکا توصیۂ صبر

حضرت زین العابدین سے روایت ہے کہ جس رات کی صبح میرے والد شہید ہوئے ہیں، میں بیٹھا تھا اور میری پھوپھی زینب میری تیمار داری کر رہی تھیں۔ اچانک میرے والد نے خیمہ میں اپنے ساتھیوں کو طلب کیا۔ اُس وقت خیمے میں ابوذر غفاری کے غلام حُوَی تلوار صاف کر رہے تھے اور میرے والد یہ شعر پڑھ رہے تھے:

یا دہر اف لک من خلیل ؛ کم لک بالاشراق والاصیل!

اے زمانہ! تیرا بُرا ہو، تو کیسا بیوفا دوست ہے! صبح اور شام تیرے ہاتھوں

من صاحب او طالب قتیل — والدہر لا یقنع بالبدیل!

کتنے مارے جاتے ہیں؟ زمانہ کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ کسی سے عوض قبول نہیں کرتا۔

وانما الامر الی الجلیل — وکل حی سالک السبیل!

اور سارا معاملہ، اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر زندہ موت کی راہ پر چلا جا رہا ہے!

تین چار مرتبہ آپنے یہی شعر دُہرائے۔ میرا دل بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ مگر میں نے آنسو روک لئے۔ میں سمجھ گیا مصیبت ٹلنے والی نہیں۔ میری پھوپھی نے یہ شعر سُنے، وہ بے قابو ہو گئیں بے اختیار دوڑتی ہوئی آئیں اور شیون و فریاد کرنے لگیں۔

حضرت امام نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا۔ "اے بہن یہ کیا حال ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس و شیطان کی بے صبریاں ہمارے ایمان و استقامت پر غالب آجائیں" انھوں نے روتے ہوئے کہا:

...حالت پر صبر کیا جاسکے کہ آپ اپنے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں؟ ...شیت کا ایسا ہی فیصلہ ہے" اسپر ان کی بیقراریاں اور زیادہ ...ور شدتِ غم سے بے حال ہوگئیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپنے ایک ...پر صبر و استقامت پر فرمائی۔ آپنے کہا "بہن! خدا سے ڈر، خدا ...سے تسلّی حاصل کر۔ موت دنیا میں ہر زندگی کے لئے ہے آسمان ...ہمیشہ جیتے نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے ...۔ اس قدر رنج و بے قراری کیوں ہو؟ دیکھ، ہمارے لئے، ...مان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اُسوۂ ...ہے، یہ نمونہ ہمیں کیا سکھلاتا ہے؟ یہ ہمیں ہر حال میں صبر و ثبات ...و رضا کی تعلیم دیتا ہے۔ چاہئے کہ کسی حال میں بھی اس سے منحرف ... (یعقوبی و ابن جریر) •

پوری رات عبادت و تلاوت میں گزاری

...ری رات آپنے اور آپکے ساتھیوں نے نماز، استغفار، اور ...تضرع میں گزاری۔ راوی کہتا ہے دشمن کے سوار رات بھر ہمارے ...گرد چکر لگاتے رہے۔ حضرت حسین بلند آواز سے یہ آیت پڑھ ...تے "ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم ...انما نملی لھم لیزدادوا اثما و لھم عذاب مھین۔ ما کان اللہ لیذر ...المؤمنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب[۱]"، دشمن ...سوار نے یہ آیت سنی تو چلا کر کہنے لگا "قسم رب کعبہ کی، ہم ہی ...ہیں، اور تم سے الگ کر دیئے گئے ہیں!"

عشرہ کی صبح

...جمعہ یا سنیچر کے دن دسویں محرم کو نماز فجر کے بعد عمر بن سعد اپنی ...لے کر نکلا۔ حضرت حسین نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں قائم کیں ...کے ساتھ صرف ۳۲ سوار، ۴۰ پیدل، کل ۷۲ آدمی تھے۔ میمنہ ...زہیر بن القین کو مقرر کیا۔ میسرہ، حبیب بن مظاہر کے سپرد کیا۔ علم اپنے ...عباس بن علی کے ہاتھ میں دیا۔ خیموں کے پیچھے خندق کھود کر ...میں بہت سا ایندھن ڈھیر کر دیا گیا تھا اور آگ جلا دی تھی تاکہ ...پیچھے سے حملہ آور نہ ہوسکے۔

شمر کی یاوہ گوئی

...فوج سے شمر بن ذی الجوشن گھوڑا دوڑاتا نکلا۔ آپ کے لشکر کے ...گرد آگ دیکھ کر چلایا "اے حسین! قیامت سے پہلے ہی تو نے ...قبول کرلی؟" حضرت نے جواب دیا "اے چرواہے کے لڑکے! ...آگ کا زیادہ مستحق ہے!" مسلم بن عوسجہ نے عرض کیا "مجھے اجازت ...اسے تیر مار کر ہلاک کر ڈالوں۔ کیونکہ بالکل زد پر ہے"، حضرت نے ...کیا "نہیں۔ میں لڑائی میں پہل نہیں کروں گا" (ایضاً)

دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے!

دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے دیکھ کر آپنے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دئے ...الٰہی! ہر مصیبت میں تو ہی میرا بھروسہ ہے! ہر سختی میں تو ہی میرا پشت ...پناہ ہے! کتنی مصیبتیں پڑیں، دل کمزور ہوگیا، تدبیر نے جواب دے دیا، ...دوست نے بیوفائی کی، دشمن نے خوشیاں مچائیں، مگر میں نے صرف ...تجھ سے التجا کی اور تو نے ہی میری دست گیری کی! تو ہی ہر نعمت ...کا مالک ہے۔ تو ہی احسان والا ہے۔ آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے!" ...(شرح نہج البلاغہ)

دشمن کے سامنے خطبہ

...جب دشمن قریب آگیا تو آپنے اونٹنی طلب کی۔ سوار ہوئے۔ قرآن سامنے رکھا، اور دشمن کی صفوں کے سامنے کھڑے ہوکر بلند آواز سے یہ خطبہ دیا:

"لوگو! میری بات سنو۔ جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کر لینے دو۔ اپنا عذر بیان کرنے دو۔ اپنی آمد کی وجہ کہنے دو۔ اگر میرا عذر معقول ہو، اور تم اسے قبول کر سکو، اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو یہ تمھارے لئے خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے لیکن اگر سننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے سے انکار کردو، تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں ہے۔ تم اور تمھارے سارے ساتھی ایکا کرلو، مجھ پر ٹوٹ پڑو، مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا اعتماد ہر حال میں صرف پروردگار عالم پر ہے اور وہ نیکو کاروں کا حامی ہے"

آپ کی اہل بیت نے یہ کلام سنا تو شدّت تاثر سے بے اختیار ہوگئیں اور خیمہ سے آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپنے اپنے بھائی عباس اور اپنے فرزند علی کو بھیجا تاکہ اُنھیں خاموش کرائیں۔ اور کہا "ابھی اُنھیں بہت رونا باقی ہے" پھر بے اختیار پکار اُٹھے "خدا عباس کی عمر دراز کرے" یعنی حضرت عبد اللہ ابن عباس کی۔ راوی کہتا ہے یہ جملہ اس لئے آپکی زبان سے نکل گیا کہ مدینہ میں عبد اللہ ابن عباس نے عورتوں کو ساتھ لیجانے سے منع کیا تھا۔ مگر آپنے اسپر توجہ نہ کی تھی۔ اب ان کا جزع و فزع دیکھا تو عبد اللہ بن عباس کی بات یاد آگئی۔ پھر آپنے از سر نو تقریر شروع کی:

"لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو کیا تمھارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمھارے نبی کی لڑکی کا بیٹا، اُس کے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حمزہ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذو الجناحین جعفر الطیار میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے تھے "سیدا شباب اہل الجنۃ"؟ (جنت میں نوعمروں کے سردار) اگر میرا یہ بیان سچا ہے، اور ضرور سچا ہے کیونکہ واللہ میں ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر آجتک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتلاؤ، کیا تمھیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیئے؟ اگر تم میری بات یقین نہیں کرتے تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق کر لے سکتے ہو۔ جابر بن عبد اللہ انصاری سے پوچھو۔ ابو سعید خدری سے پوچھو۔ سہل بن سعد ساعدی سے پوچھو۔ زید بن ارقم سے پوچھو، انس بن مالک سے پوچھو۔ وہ تمھیں بتائیں گے کہ اُنھوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمھیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمھارے نبی کا بلا واسطہ نواسہ ہوں! کیا تم مجھے اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے؟ کسی کا مال چھینا ہے؟ کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصور کیا ہے؟"

کوفہ والوں کا جواب

آپنے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ آخر آپنے بڑے بڑے کوفیوں کو نام لے لے کر پکارنا شروع کیا "اے شبث بن ربعی! اے حجار بن ابجر! اے قیس بن الاشعث! اے یزید بن الحارث! کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ "پھل پک گئے، زمین سرسبز ہوگئی، نہریں اُبل پڑیں، آپ اگر آئیں گے تو اپنی فوج جرار کے پاس آئیں گے۔ جلد آیئے" اسپر اُن لوگوں کی زبانیں کھلیں، اور اُنھوں نے کہا "ہرگز نہیں، ہم نے تو نہیں لکھا تھا" آپ چلا اُٹھے "سبحان اللہ! یہ کیا جھوٹ ہے واللہ، تم ہی نے لکھا تھا!" اس کے بعد آپنے پھر پکار کر کہا: "اے لوگو! چونکہ تم اب مجھے ناپسند کرتے ہو اس لئے بہتر ہے کہ مجھے چھوڑ دو، میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں"

ذلت منظور نہیں

یہ سُنکر قیس بن الاشعث نے کہا "کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالہ کردیں؟ وہ وہی برتاؤ کرینگے جو آپ کو پسند ہے۔ آپ کو اُن سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا"

آپنے جواب دیا "تم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ اے شخص کیا تو یہ چاہتا ہے کہ بنی ہاشم تجھ سے مسلم بن عقیل کے سوا ایک اور خون کا بھی مطالبہ کریں؟ نہیں، واللہ، میں ذلت کے ساتھ اپنے آپ کو کبھی اُن کے حوالے نہیں کروں گا" (ابن جریر)

یہ کہہ کر آپنے اونٹنی بٹھا دی۔ عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اُسکی کونچیں باندھ دے اور دیکھا کہ دشمن کے لشکر نے آپکی طرف حرکت شروع کردی ہے۔

زہیر کا کوفہ والوں سے خطاب

زہیر بن القین اپنا گھوڑا بڑھا کر لشکر کے سامنے پہنچے اور چلائے "اے اہل کوفہ! عذاب الٰہی سے ڈرو! ہر مسلمان پر اپنے بھائی کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ دیکھو، اُسوقت تک ہم سب بھائی بھائی ہیں، ایک ہی دین اور ایک ہی طریقہ پر قائم ہیں جب تک تلواریں نیام سے نہیں نکلیں۔ تم ہماری نصیحت اور خیر خواہی کے ہر طرح حقدار ہو۔ لیکن تلوار کے درمیان آتے ہی باہمی حرمت ٹوٹ جائے گی اور ہم تم الگ الگ دو گروہ ہوجائیں گے۔ دیکھو خدا نے ہمارا اور تمھارا اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔ ہم تمھیں اہل بیت کی نصرت کی طرف بلاتے اور سرکش عبید اللہ بن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں۔ یقین کرو، ان حاکموں سے کبھی تمھیں کوئی بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ یہ تمھاری آنکھیں پھوڑیں گے، تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، تمھارے چہرے بگاڑینگے، تمھیں درختوں کے تنوں پر پھانسی دیں گے، اور نیکوکاروں کو چُن چُن کر قتل کرینگے۔ بلکہ وہ تو کب کا کر بھی چکے ہیں۔ ابھی حجر بن عدی، ہانی بن عروہ وغیرہ کے واقعات اتنے پُرانے نہیں ہوئے ہیں کہ تمھیں یاد نہ رہے ہوں"

کوفیوں نے یہ تقریر سُنی تو زہیر کو بُرا بھلا کہنے لگے اور ابن زیاد کی تعریفیں کرنے لگے۔ "بخدا ہم اُسوقت تک نہیں ٹلیں گے جبتک حسین اور اُن کے ساتھیوں کو قتل نہ کرلیں یا اُنھیں امیر کے روبرو حاضر نہ کردیں" یہ اُن کا جواب تھا۔

زہیر نے جواب دیا "خیر، اگر فاطمہ کا بیٹا سُمیّہ کے چھوکرے (یعنی ابن زیاد) سے کہیں زیادہ تمھاری حمایت و نصرت کا مستحق ہے تو کم از کم اولاد رسول کا اتنا پاس تو کرو کہ اُسے قتل نہ کرو۔ اُنسے اور اُس کے عم زاد یزید بن معاویہ کو چھوڑ دو تاکہ آپس میں اپنا معاملہ طے کرلیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یزید کو خوش کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ تم حسین کا خون بہاؤ" (ابن جریر و شرح نہج البلاغہ)

حُر بن یزید کی موافقت

عدی بن حرملہ سے روایت ہے کہ ابن سعد نے جب فوج کو حرکت دی تو حُر بن یزید نے کہا "خدا آپ کو سنوارے: کیا آپ اس شخص سے واقعی لڑائی کرینگے؟" ابن سعد نے جواب دیا "ہاں واللہ لڑائی! ایسی لڑائی جس میں کم سے کم یہ ہوگا کہ سر کٹ کٹ گے اور ہاتھ، شانوں سے اُڑ جائیں گے" حُر نے کہا "کیا اُن تین شرطوں

...دشمن یہ خیال نہ کریں کہ ہماری ڈھیل اُن کے لئے بھلائی ہے۔ ہم صرف اس ...ڈھیل دے رہے ہیں کہ اُن کا جُرم اور زیادہ ہوجائے۔ خدا مومنین کو اسی حالت ...میں چھوڑ رکھنے والا نہیں ہے۔ وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر دے گا۔ •

گرپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لیگئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو
دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور
جسے ملکِ معظم برطانیہ اور اُن کے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے۔

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم وادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی، اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرے سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے
ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے۔

پر ٹوٹ پڑے:

انا زہیر و انا ابن القین　　　اذودہم بالسیف عن حسین

میں زہیر ہوں، ابن القین ہوں - اپنی تلوار کی نوک سے انھیں حسین سے دور کردونگا

صفیں درہم برہم کر ڈالیں - پھر لوٹے اور حضرت حسین کے شانے پر ہاتھ مار کر جوش سے یہ شعر پڑہے:

اقدم ہدیت ہادیا مہدیا　　　فالیوم تلقی جدک النبیا

بڑہ، خدانے تجھے ہدایت دی، آج تو اپنے نانا نبی سے ملاقات کریگا

وحسنًا والمرتضیٰ علیًا　　　وذا الجناحین الفتی الکمیا

اور حسن سے اور علی مرتضیٰ سے، اور بہادر جوان جعفر طیار سے

واسد اللہ الشہید الحیا

اور زندہ شہید اسد اللہ حمزہ سے!

پھر دشمن کی طرف لوٹے اور قتل کرتے رہے یہاں تک کہ قتل ہوگئے!

غفاری بھائیوں کی بہادری

اب آپ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ دشمن کو روکنا ناممکن ہے چنانچہ انھوں طے کیا کہ آپکے سامنے ایک ایک کرکے قتل ہوجائیں - چنانچہ دو غفاری بھائی آگے بڑہے اور لڑنے لگے - یہ شعر اُن کی زبان پر جاری تھے:

قد علمت حقا بنو غفار　　　وخندف بعد بنی نزار

بنی غفار اور قبائل نزار نے اچھی طرح جان لیا ہے

لنضرب معشر الفجار　　　بکل عضب صارم بتار

کہ ہم بے پناہ شمشیر آبدار سے فاجروں کے ٹکڑے اُڑادیں گے

یا قوم ذودوا عن بنی الاحرار　　　بالمشرفی والقنا الخطار

اے قوم! تلواروں اور نیزوں سے شریفوں کی حمایت کرو!

جابری لڑکوں کی فداکاری

انکے بعد دو جابری لڑکے سامنے آئے - دونوں بھائی تھے - زار و قطار رو رہے تھے - حضرت نے اُنھیں دیکھا تو فرمانے لگے "اے میرے بھائی کے فرزندو! کیوں روتے ہو؟ واللہ مجھے یقین ہے ابھی چند لمحے بعد تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی" اُنھوں نے گریہ سے ٹوٹی ہوئی آواز میں عرض کیا "ہم اپنی جان پر نہیں روتے - ہم آپ پر روتے ہیں - دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہے اور ہم آپکے کچھ بھی کام نہیں آسکتے" پھر دونوں نے بڑی ہی شجاعت سے لڑنا شروع کیا - بار بار چلاتے تھے "السلام علیک یا ابن رسول اللہ!" آپ جواب دیتے تھے "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!" اور وہ دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے - آخر دونوں شہید ہوگئے -

حنظلہ بن اسعد کی شہادت

انکے بعد حنظلہ بن اسعد، حضرت کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور بآواز بلند دشمن سے مخاطب ہوئے "اے قوم! میں ڈرتا ہوں عاد و ثمود کی طرح تمھیں بھی روز بد نہ دیکھنا پڑے! میں ڈرتا ہوں تم برباد نہ ہوجاؤ! اے قوم! حسین کو قتل نہ کرو، ایسا نہ ہو خدا تم پر عذاب نازل کردے!" بالآخر یہ بھی شہید ہوگئے -

علی اکبر کی شہادت

غرضکہ یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہوگئے - اب بنی ہاشم اور خاندان نبوت کی باری تھی - سب سے پہلے آپکے صاحبزادے علی اکبر میدان میں آئے اور دشمن پر حملہ کیا اُن کا رجز یہ تھا:

انا علی بن حسین بن علی　　　نحن و رب البیت اولی بالنبی

میں علی بن حسین بن علی ہوں - قسم رب کعبہ کی ہم نبی کے قرب کے زیادہ حقدار ہیں

تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

قسم خدا کی نامعلوم باپ کے لڑکے کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کرسکیگا!

بڑی شجاعت سے لڑے - آخر مرہ بن منقذ العبدی کی تلوار سے شہید ہوگئے - ایک راوی کہتا ہے میں نے دیکھا کہ خیمہ سے ایک عورت تیزی سے نکلی - اتنی حسین تھی جیسے اُٹھتا ہوا سورج! وہ چلا رہی تھی "آہ! بھائی! آہ! بھتیجے!" میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا "زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم!" لیکن حضرت حسین نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور خیمے میں پہونچا آئے - پھر علی کی نعش اُٹھائی اور خیمے کے سامنے لاکر رکھدی - (ایضًا)

ایک جوان رعنا

اِن کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جانفروش قتل ہوتے رہے یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا وہ کرتہ پہنے، تہ بند باندہے، اور پاؤں میں نعل پہنے تھا - بائیں نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھی - وہ اس قدر حسین تھا کہ اُس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا - شیر کی طرح بپھرتا آیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا - عمرو بن سعد ازدی نے اُس کے سر پر تلوار ماری - نوجوان چلایا "ہائے چچا!" اور زمین پر گر پڑا - آواز سنتے ہی حضرت حسین بھوکے باز کی طرح ٹوٹے اور غضبناک شیر کی طرح قاتل پر لپکے - بے پناہ تلوار کا وار کیا - قاتل نے ہاتھ اُٹھا دیا مگر ہاتھ کہنی سے کٹ کر اُڑ چکا تھا - زخم کھاکر قاتل نے پکارنا شروع کیا - فوج اُسے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑی - مگر گھبراہٹ میں بچانے کی جگہ اُسے روند ڈالا - راوی کہتا ہے: جب غبار چھٹ گیا تو کیا دیکھتا ہوں حضرت حسین لڑکے کے سرہانے کھڑے ہیں - وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے - اور آپ فرما رہے ہیں "اُن کے لئے ہلاکت جنھوں نے تجھے قتل کیا ہے! قیامت کے دن تیرے نانا کو یہ کیا جواب دیں گے؟ بخدا تیرے چچا کے لئے یہ سخت حسرت کا مقام ہے کہ تو اُسے پکارے اور وہ جواب نہ دے، یا جواب دے مگر تجھے اُس کی آواز نفع نہ پہونچا سکے! افسوس تیرے چچا کے دشمن بہت ہوگئے اور دوست باقی نہ رہے!" پھر لاش اپنی گود میں اُٹھالی - لڑکے کا سینہ آپکے سینہ سے ملا ہوا تھا اور پاؤں زمین پر رگڑتے جاتے تھے - اِس حال سے آپ اُسے لائے اور علی اکبر کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا - راوی کہتا ہے میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا "قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب!"

مولود تازہ کی شہادت

حضرت حسین پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہوگئے - عین اُسوقت آپکے یہاں لڑکا پیدا ہوا - وہ آپکے پاس لایا گیا - آپنے اُسے گود میں رکھا اور اُس کے کان میں اذاں دینے لگے - اچانک ایک تیر آیا اور بچہ کے حلق میں پیوست ہوگیا - بچہ کی روح اُسی وقت پرواز کرگئی - آپنے تیر اُس کے حلق سے کھینچکر نکالا، خون سے چلو بھرا اور اُس کے جسم پر ملنے اور فرمانے لگے "واللہ تو خدا کی نظر میں حضرت صالح کی اونٹنی سے زیادہ عزیز ہے اور محمد خدا کی نظر میں صالح سے زیادہ افضل ہیں! الٰہی! اگر تو نے ہم سے اپنی نصرت روک لی ہے تو وہی کر جس میں بہتری ہے!" (یعقوبی و ابن جریر وغیرہما)

بنی ہاشم کے مقتول

اسی طرح ایک ایک کرکے اکثر بنی ہاشم اور اہل بیت شہید ہوگئے - اِن میں سے ذیل کے نام مورخین نے محفوظ رکھے ہیں:

(۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۲) عبداللہ بن مسلم بن عقیل (۳) عبداللہ بن عقیل (۴) عبدالرحمٰن بن عقیل (۵) جعفر بن عقیل (۶) محمد بن عبداللہ بن جعفر (۷) عون بن عبداللہ بن جعفر (۸) عباس بن علی (۹) عبداللہ بن علی (۱۰) عثمان بن علی (۱۱) محمد بن علی (۱۲) ابوبکر بن علی (۱۳) ابوبکر بن الحسن (۱۴) عبداللہ بن الحسن (۱۵) قاسم بن الحسن (۱۶) علی بن الحسین (۱۷) عبداللہ بن الحسین -

ایک بچے کی شجاعت

ان سبکے بعد اب خود آپ کی باری تھی - آپ میدان میں تنہا کھڑے تھے - دشمن یلغار کرکے آتے تھے مگر کسی کو وار کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی - ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس قتل کا گناہ دوسرے کے سر ڈالے لیکن شمر بن ذی الجوشن نے لوگوں کو برانگیختہ کرنا شروع کیا - ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا گیا - اہل بیت کے خیمے میں عورتیں اور چند کم عمر لڑکے رہ گئے تھے - اندر سے ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھرا دیکھا تو جوش سے بے خود ہوگیا اور خیمہ کی لکڑی لے کر دوڑ پڑا ایا ہی کہتا ہے اس کے کانوں میں دُر پڑے ہل رہے تھے - یہ گھبرایا ہوا دائیں بائیں دیکھتا ہوا چلا - حضرت زینب کی نظر پڑ گئی دوڑ کر پکڑ لیا - حضرت حسین نے بھی دیکھ لیا اور بہن سے کہا "روکے رہو - آنے نہ پائے" مگر لڑکے نے زور کرکے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور حضرت کے پہلو میں پہنچ گیا - عین اسی وقت بحر بن کعب نے آپ پر تلوار اُٹھائی لڑکے نے فوراً ڈانٹ بتائی "او خبیث! میرے چچا کو قتل کریگا" سنگدل حملہ آور نے اپنی بلند تلوار لڑکے پر چھوڑ دی - اُسنے ہاتھ پر روکی - ہاتھ کٹ گیا - ذراسی کھال لگی رہ گئی - بچہ تکلیف سے چلایا - حضرت نے اُسے سینے سے چمٹا لیا اور فرمایا "صبر کر - اسے ثواب خداوندی کا ذریعہ بنا - اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے صالح بزرگوں تک پہونچادے گا - رسول اللہ صلعم، علی بن ابی طالب، حمزہ، جعفر اور حسن بن علی تک!"

حضرت حسین کی شجاعت

اب آپ پر ہر طرف سے نرغہ شروع ہوا - آپنے بھی تلوار چلانا شروع کی - پیدل فوج پر ٹوٹ پڑے اور تن تنہا اُس کے قدم اُکھاڑ دئے عبداللہ بن عمار، جو خود اِس جنگ میں شریک تھا، روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزے سے حضرت حسین پر حملہ کیا اور اُن کے بالکل قریب پہنچ گیا - اگر میں چاہتا تو قتل کرسکتا تھا مگر یہ خیال کرکے ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں - میں نے دیکھا دائیں بائیں ہر طرف سے اُن پر حملے ہو رہے تھے، لیکن وہ جس طرف مڑجاتے تھے دشمن کو بھگا دیتے تھے - وہ اُسوقت کرتہ پہنے اور عمامہ باندہے تھے - واللہ میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو جس کا گھر کا گھر خود اُس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہوگیا ہو، ایسا شجاع، ثابت قدم، مطمئن، اور جری نہیں دیکھا - حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے جس طرح شیر کو دیکھ کر بکریاں بھاگ جاتی ہیں - دیر تک یہی حالت رہی - اسی اثنا میں آپ کی بہن زینب بنت فاطمہ (علیہا السلام) خیمہ سے باہر نکلیں انکے کانوں میں بالیاں پڑی تھیں - وہ چلاتی تھیں "کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے!" یہ وہ موقعہ تھا جبکہ عمر بن سعد حضرت حسین سے بالکل قریب ہوگیا تھا - زینب نے پکار کر کہا "اے عمر کیا ابوعبداللہ تمھاری آنکھوں کے سامنے قتل ہوجائیں گے؟" عمر نے منہ پھیر لیا مگر اُس کے رخسار اور داڑہی پر آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں -

آپکے حلق میں تیر پیوست ہوگیا

لڑائی کے دوران میں آپکو بہت سخت پیاس لگی - آپ پانی پینے فرات کی طرف چلے - مگر دشمن کب جانے دیتا تھا؟ اچانک ایک تیر آیا اور آپکے حلق میں پیوست ہوگیا - آپنے تیر کھینچ لیا پھر اپنے ہاتھ منہ کی طرف اُٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے آپنے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا "الٰہی! میرا شکوہ تجھی سے ہے - دیکھ تیرے رسول کے نواسے سے کیا برتاؤ ہو رہا ہے!"

تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست!

شمر کو سرزنش

پھر آپ اپنے خیمے کی طرف لوٹنے لگے تو شمر اور اُس کے ساتھیو

میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں جو اُسنے پیش کی ہیں؟" ابن سعد نے کہا "بخدا اگر مجھے اختیار ہوتا تو ضرور منظور کرلیتا۔ مگر کیا کروں؟ تمھارا حاکم منظور نہیں کرتا"

حُر بن یزید یہ سُنکر اپنی جگہ پر لَوٹ آیا۔ اس کے قریب خود اُس کے قبیلہ کا بھی ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کا نام قرہ بن قیس تھا۔ حُر نے اُس سے کہا "تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا؟" بعد میں قرہ کہا کرتا تھا حُر کے اس سوال ہی سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑائی میں شریک ہونا نہیں چاہتا اور مجھے ٹالنا چاہتا ہے تاکہ اُس کی شکایت حاکم سے نہ کردوں" میں نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا ہے میں ابھی جاتا ہوں" یہ کہکر میں دوسری طرف روانہ ہوگیا۔ میرے الگ ہوتے ہی حُر نے امام حسین کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔

اس کے قبیلہ کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے کہا "کیا تم حسین پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟" حُر خاموش ہوگیا۔ مہاجر کو شک ہوا۔ کہنے لگا:

"تمھاری خاموشی مشتبہ ہے۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں تمھاری یہ حالت نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفہ میں سب سے بڑا بہادر کون ہے؟ تو تمھارے نام کے سوا کوئی نام میری زبان پر نہیں آسکتا۔ پھر یہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟"

حُر نے سنجیدگی سے جواب دیا:

"بخدا میں جنت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ واللہ میں نے جنت منتخب کرلی اگرچہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جائے"

یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکر حسین میں پہنچ گیا!

حضرت حسین کی خدمت میں پہنچکر کہا "ابن رسول اللہ! میں ہی وہ بدبخت ہوں جسنے آپ کو لوٹنے سے روکا، راستہ بھر آپکا پیچھا کیا، اور اس جگہ اُترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم، میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کی شرطیں منظور نہیں کریں گے اور آپکے معاملہ میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ واللہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کرینگے تو ہرگز اس حرکت کا مرتکب ہوتا۔ میں اپنے قصوروں پر نادم ہوکر توبہ کے لئے آپکے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کے قدموں پر قتل ہوجانا چاہتا ہوں۔ کیا آپکے خیال میں یہ میری توبہ کے لئے کافی ہوگا؟"

حضرت نے شفقت سے فرمایا "ہاں، خدا تیری توبہ قبول کرے تجھے بخش دے۔ تیرا نام کیا ہے؟" اُسنے کہا "حُر بن یزید" فرمایا "تو حُر (یعنی آزاد) ہی ہے جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہے۔ تو دُنیا اور آخرت میں انشاء اللہ حُر ہے"

کوفیوں سے حُر کا خطاب

پھر حُر، دشمن کی صفوں کے سامنے پہونچا اور کہا "اے لوگو! حسین کی پیش کی ہوئی شرطوں میں سے کوئی شرط منظور کیوں نہیں کرلیتے تاکہ خدا تمھیں اس امتحان سے بچالے؟" لوگوں نے جواب دیا "یہ ہمارے سردار عمر بن سعد موجود ہیں، جواب دیں گے" عمر نے کہا "میری دلی خواہش تھی کہ اُن کی شرطیں منظور کرسکتا"

اس کے بعد حُر نے نہایت جوش و خروش سے تقریر کی اور اہل کوفہ کو اُن کی بدعہدی و غدر پر شرم و غیرت دلائی۔ لیکن اُس کے جواب میں اُنھوں نے تیر برسانا شروع کردیا۔ ناچار خیمہ کی طرف لوٹ آیا۔

جنگ کا آغاز

اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان اُٹھائی اور لشکر حسین کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا "گواہ رہو، سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے" پھر تیر باری شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد زیاد بن ابیہ اور عبید اللہ بن زیاد کے غلام لیسار اور سالم میدان میں نکلے اور مبارز طلب کی۔ قدیم طریق جنگ میں مبارزت کا طریقہ یہ تھا کہ فریقین کے لشکر سے ایک ایک جنگ آزما نکلتا اور پھر دونوں باہم گر پیکار کرتے۔ لشکر حسین سے حبیب بن مظاہر اور بُریر بن حضیر نکلنے لگے، مگر حضرت حسین نے اُنھیں منع کیا۔ عبد اللہ بن عمیر الکلبی نے کھڑے ہوکر عرض کیا: "مجھے اجازت دیجئے" یہ شخص اپنی بیوی کے ساتھ حضرت کی حمایت کے لئے کوفہ سے چلکر آیا تھا۔ سیاہ رنگ، تنومند، کشادہ سینہ تھا، آپنے اُس کی صورت دیکھ کر فرمایا "بیشک یہ مرد میدان ہے" اور اجازت دی۔ عبد اللہ نے چند پھیروں میں دونوں حریف زیر کرکے قتل کرڈالے اُس کی بیوی ام وہب ہاتھ میں لاٹھی لئے کھڑی تھی اور جنگ کی ترغیب دیتی جاتی تھی۔ پھر یکایک اُسے اس قدر جوش آیا کہ میدان جنگ کی طرف بڑھنے لگی۔ حضرت حسین یہ دیکھ کر بہت متأثر ہوئے۔ فرمایا "اہل بیت کی طرف سے خدا تمھیں جزائے خیر دے لیکن عورتوں کے ذمہ لڑائی نہیں ہے"

گھٹنے ٹیک کر نیزے سیدھے کر دیئے

اس کے بعد ابن سعد کے میمنہ نے حملہ کیا۔ جب بالکل قریب پہنچ گئے تو حضرت کے رفقاء زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہوگئے اور نیزے سیدھے کردیئے۔ نیزوں کے مُنہ پر گھوڑے بڑھ نہ سکے اور لَوٹنے لگے حضرت کی فوج نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور تیر مار کر کئی آدمی قتل اور زخمی کرڈالے۔

عام حملہ

اب باقاعدہ جنگ جاری ہوگئی۔ طرفین سے ایک ایک دو دو جواں مرد نکلتے تھے اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے۔ حضرت حسین کے طرفداروں کا پلہ بھاری تھا۔ جو سامنے آتا تھا مارا جاتا تھا۔ میمنہ کے سپہ سالار عمرو بن الحجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکار اُٹھا "بیوقوفو! پہلے جان لو کن سے لڑ رہے ہو؟ یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں۔ تم اسی طرح ایک ایک کرکے قتل ہوتے جاؤ گے۔ ایسا نہ کرو۔ یہ مٹھی بھر ہیں۔ پتھروں سے انھیں مار سکتے ہو" عمر بن سعد نے یہ رائے پسند کی اور حکم دیا کہ مبارزت موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو۔ چنانچہ میمنہ آگے بڑھا اور کشت و خون شروع ہوگیا۔ ایک گھڑی بعد لڑائی رُکی تو نظر آیا کہ حسینی فوج کے نامور بہادر مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں پڑے ہیں۔ حضرت حسین دَوڑ کر لاش پر پہنچے۔ ابھی سانس باقی تھی۔ آہ سرد بھر کر فرمایا "مسلم! تجھ پر خدا کی رحمت! فمنھم من قضیٰ نحبہ و منھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا!" مسلم بن عوسجہ اس جنگ میں آپکی جانب سے پہلے شہید تھے (ابن جریر کامل)

گھوڑے بیکار ہوگئے

میمنہ کے بعد میسرہ نے یورش کی۔ شمر بن ذی الجوشن اس کا سپہ سالار تھا۔ حملہ بہت ہی سخت تھا۔ مگر حسینی میسرے نے بڑی ہی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس بازو میں صرف ۳۲ سوار تھے۔ جس طرف ٹوٹ پڑتے تھے، صفیں اُلٹ جاتی تھیں۔ آخر طاقتور دشمن نے محسوس کرلیا کہ کامیابی ناممکن ہے۔ چنانچہ فوراً نئی کمک طلب کی بہت سے سپاہی اور پانسو تیر انداز مدد کو پہنچ گئے۔ انھوں نے آتے ہی تیر برسانا شروع کردیئے۔ تھوڑی دیر میں حسینی فوج کے تمام گھوڑے بیکار ہوگئے اور سواروں کو پیدل ہوجانا پڑا۔

حُر کی شجاعت

ایوب بن مشرح روایت کرتا ہے کہ حُر بن یزید کا گھوڑا خود میں نے زخمی کیا تھا۔ میں نے اُسے تیروں سے چھلنی کرڈالا۔ حُر بن یزید زمین پر کود پڑے۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ بالکل شیر ببر معلوم ہوتے تھے۔ تلوار ہر طرف متحرک تھی اور یہ شعر زبان پر تھا:

ان تعقروا بی فانا ابن الحر ۔۔۔ اشجع من ذی لبد ہزبر

اگر تم نے میرا گھوڑا بیکار کردیا تو کیا ہوا؟ میں شریف کا بیٹا ہوں، خوفناک شیر سے بھی زیادہ بہادر ہوں!

خیمے جلا دیئے

لڑائی اپنی پوری ہولناکی سے جاری تھی۔ اب دوپہر ہوگئی مگر کوفی فوج غلبہ حاصل نہ کرسکی۔ وجہ یہ تھی کہ حسینی فوج نے تمام خیمے ایک جگہ کردیئے تھے اور دشمن صرف ایک ہی رُخ سے حملہ کرسکتا تھا۔ عمر بن سعد نے یہ دیکھا تو خیمے اکھاڑ ڈالنے کے لئے آدمی بھیجے۔ حسینی فوج کے صرف ۴-۵ آدمی یہاں مقابلہ کے لئے کافی ثابت ہوئے۔ خیموں کی آڑ سے دشمن کے آدمی قتل کرنے لگے۔ جب یہ صورت بھی ناکام رہی تو عمر بن سعد نے خیمے جلا ڈالنے کا حکم دیا۔ سپاہی آگ لے کر دَوڑے۔ حسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئی۔ مگر حضرت حسین نے فرمایا "کچھ پرواہ نہیں۔ جلانے دو۔ یہ ہمارے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے۔ اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کرسکیں گے" اور ہوا بھی یہی۔

ام وہب کا قتل

اسی اثنا میں زہیر بن القین نے شمر پر زبردست حملہ کیا اور اُس کی فوج کے قدم اُکھاڑ دیئے۔ مگر کبتک؟ ذرا دیر کے بعد پھر دشمن کا ہجوم ہوگیا۔ اب حسینی لشکر کی بےبسی صاف ظاہر تھی۔ بہت سے لوگ قتل ہوچکے تھے۔ کئی نامی سردار مارے جاچکے تھے حتی کہ عبد اللہ بن عمیر کلبی بھی، جس کا ذکر اوپر گزر چکا، قتل ہوچکا تھا۔ اُس کی بہادر بیوی ام وہب بھی شہید ہوچکی تھی۔ یہ میدان جنگ میں بیٹھی اپنے مقتول شوہر کے چہرے سے مٹی صاف کر رہی تھی اور یہ کہتی جاتی تھی "تجھے جنت مبارک ہو!" شمر نے اسے دیکھا اور قتل کروا ڈالا۔ (ابن جریر۔ شرح نہج البلاغہ)

نماز پڑھنے نہیں دی

ابو ثمامہ عمرو بن عبد اللہ صائدی نے اپنی بےبسی کی حالت محسوس کی اور حضرت حسین سے عرض کیا "دشمن اب آپ سے بالکل قریب آگیا ہے۔ واللہ آپ اُسوقت تک قتل ہونے نہیں پائیں گے جب تک میں قتل نہ ہوجاؤں لیکن میری آرزو ہے کہ اپنے رب سے نماز پڑھ کرملوں جس کا وقت آگیا ہے" یہ سُنکر حضرت نے سر اُٹھایا اور فرمایا "دشمنوں سے کہو ہمیں نماز کی مہلت دیں" مگر دشمن نے درخواست منظور نہیں کی اور لڑائی جاری رہی۔

حبیب اور حُر کی شہادت

یہ وقت بہت سخت تھا۔ دشمن نے اپنی پوری قوت لگادی تھی۔ غضب یہ ہوا کہ حسینی میسرہ کے سپہ سالار حبیب بن مظاہر بھی قتل ہوگئے۔ گویا فوج کی کمر ٹوٹ گئی۔ حبیب کے بعد ہی حُر بن یزید کی باری تھی۔ وہ جوش سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی صَفوں میں گھس پڑے:

آلیت لا اُقتل حتی اَقتلا ۔۔۔ ولن اُصاب الیوم الا مقبلا

میں نے قسم کھائی ہے کہ قتل نہیں ہونگا جب تک قتل نہ کرلوں، اور مرونگا تو اسی حالمیں دونگا کہ آگے بڑھ رہا ہونگا!

اضربہم بالسیف ضربا مقصلا ۔۔۔ لا ناکلا عنہم ولا مہللا

انہیں تلوار کی کاری ضربوں سے ماروں گا، نہ بھاگوں گا نہ ڈرونگا!

زہیر کی شہادت

چند لمحے کی بات تھی۔ حُر زخموں سے چور ہوکر گرے اور جان بحق تسلیم ہوگئے۔ اب ظہر کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ حضرت نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ صلوۃ الخوف پڑھی۔ نماز کے بعد دشمن کا دباؤ اور بھی زیادہ ہوگیا۔ اس موقعہ پر آپکے میمنہ کے سپہ سالار زہیر بن القین نے میدان اپنے ہاتھ میں لے لیا اور شعر پڑھتے ہوئے دشمن

حکم دیتا ہے کہ مجرم کو سزا دیجائے۔

کیوں؟

اس لئے کہ اُسنے چوری کی ہے۔

اُس بدبخت نے چوری کیوں کی؟

اس لئے کہ وہ انسان ہے، اور انسان بھوک کا عذاب برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ وہ شوہر ہے، اور شوہر اپنی بیوی کو بھوک سے ایڑیاں رگڑتے دیکھ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ وہ باپ ہے، اور باپ کی طاقت سے باہر ہے کہ اپنے بچوں کے اُن آنسوؤں کا نظارہ کرسکے جو بھوک کی اذیت سے اُن کے معصوم چہروں پر بہ رہے ہوں!

پھر اگر بدقسمت انسان قید خانہ اور تازیانے کی سزائیں جھیل کر بھی اس قابل نہیں ہوجاتا کہ بغیر غذا کے زندہ رہ سکے، تو "مقدس انصاف"، اصلاح اور انسانیت کا آخری قدم اُٹھاتا ہے، اور کہتا ہے اسے سولی کے تختے پر لٹکا دو! یہ گویا انسان کے پاس اُس کے ابنا رجنس کی مصیبتوں اور شقاوتوں کا آخری علاج ہے!

یہ ہے انسان کی شہری اور متمدن زندگی کا اخلاق! وہ خود ہی انسان کو بُرائی پر مجبور کرتا ہے اور خود ہی سزا بھی دیتا ہے۔ پھر ظلم اور بے رحمی کے اس تسلسل کو "انصاف" کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ اُس "انصاف" کے نام سے، جو دنیا کی سب سے زیادہ مشہور مگر سب سے زیادہ غیر موجود حقیقت ہے!

***

چوتھی صدی ہجری کا بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر اور انسانی تمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ انسانی آبادی و تمدن کے یہ تمام لازمی نتائج موجود ہوتے۔ گندگی میں مکھیاں اور دَلدَل میں مچھر اُس تیزی سے پیدا نہیں ہوتے جس تیزی سے شہروں کی آب و ہوا جرم اور مجرموں کو پیدا کرتی ہے۔ بغداد کے قید خانے مجرموں سے بھرے ہوئے تھے۔ پھر بھی اسکی آبادیوں میں مجرموں کی کوئی کمی نہ تھی!

***

بغداد میں آج کل جس طرح حضرت شیخ جُنید بغدادیؒ کی بزرگی و درویشی کی شہرت ہے، اُسی طرح ابن ساباط کی چوری اور عیّاری بھی مشہور ہے۔ پہلی شہرت نیکی کی ہے۔ دوسری بدی کی۔ دُنیا میں بدی، نیکی کی ہر چیز کی طرح، اُس کی شہرت کا بھی مقابلہ کرنا چاہتی ہے اگرچہ نہیں کرسکتی۔

دس برس سے ابن ساباط مدائن کے محبس میں قید ہے۔ اُس کے خوفناک حملوں سے لوگ محفوظ ہوگئے ہیں۔ تاہم اُسکی عیّاریوں اور بے باکیوں کے افسانے لوگ بھولے نہیں۔ وہ جب کبھی کسی بڑی چوری کا حال سُنتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں "یہ دوسرا ابن ساباط ہے" اس دس برس کے اندر کتنے ہی نئے ابن ساباط پیدا ہوگئے مگر پرانے ابن ساباط کی شہرت کا کوئی مقابلہ نہ کرسکا۔ بغداد والوں کی بول چال میں وہ "جرائم کا شیطان اور بُرائیوں کا عفریت" تھا!

ابن ساباط کے خاندانی حالات عوام کو بہت کم معلوم ہیں۔ جب وہ پہلی مرتبہ سُوق التجارین میں چوری کرتا ہوا گرفتار ہوا تو کوتوالی میں اس کے حالات کی تفتیش کی گئی۔ معلوم ہوا یہ بغداد کا باشندہ نہیں ہے۔ اس کے ماں باپ طوس سے ایک قافلہ کے ساتھ آرہے تھے۔ راہ میں بیمار پڑے اور مرگئے۔ قافلہ والوں کو رحم آیا اور اپنے ساتھ بغداد پہونچا دیا۔ یہ اب سے دو برس پیشتر کی بات ہے۔ یہ دو برس اسنے کہاں اور کیونکر بسر کئے؟ اس کا حال کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ گرفتاری کے وقت اُس کی عمر پندرہ سولہ برس کی تھی۔ کوتوالی کے چبوترے پر لٹا کر تازیانے مارے گئے اور چھوڑ دیا گیا۔

اس پہلی سزا نے اُس کی طبیعت پر کچھ عجیب طرح کا اثر ڈالا۔ وہ اب تک ایک ڈرا سہما کمسن لڑکا تھا۔ اب اچانک ایک دلیر اور بے باک مجرم کی روح اُس کے اندر پیدا ہوگئی۔ گویا اُس کی تمام شقاوتیں اپنے ظہور کے لئے تازیانے کی ضرب کی منتظر تھیں۔ مجرمانہ اعمال کے تمام بھید اور بدیوں گناہوں کے تمام مخفی طریقے جو کبھی اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزرے تھے، اب اس طرح اُس پر کھل گئے، گویا ایک تجربہ کار اور مشّاق مجرم کا دماغ اُس کے سَر میں اُتار دیا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے اندر وہ ایک پکّا عیّار اور ایک چُھٹا ہوا جرائم پیشہ انسان تھا!

اب وہ چھوٹی چھوٹی چوریاں نہیں کرتا تھا۔ پہلی مرتبہ جب اُسنے چوری کی تھی، تو دو دن کی بھوک اُسے نان بائی کی دکان پر لے گئی تھی۔ لیکن اب وہ بھوک سے بے بس ہوکر نہیں بلکہ جرم کے ذَوق سے وارفتہ ہوکر چوری کرتا تھا۔ اس لئے اُس کی نگاہیں نان بائی کی روٹیوں پر نہیں بلکہ صَرّافوں کی تھیلیوں اور سوداگروں کے ذخیروں پر پڑتی تھیں۔ دن ہو یا رات، بازار کی منڈی ہو یا امیر کا دیوانخانہ، ہر وقت اور ہر جگہ اُس کی کارستانیاں جاری رہتیں۔ اُس کے اندر ایک فاتح کا جوش تھا، سپہ سالار کا ساعزم تھا، سپاہی کی مردانگی تھی، مدبّر کی سی دانشمندی تھی؛ لیکن دنیانے اُس کے لئے یہی پسند کیا کہ وہ بغداد کے بازاروں کا چور ہو۔ اس لئے اُس کی فطرۃ کے تمام جوہر اسی راہ میں نمایاں ہونے لگے۔ افسوس، فطرۃ کس فیاضی سے بخشتی ہے، مگر انسان کس بے دردی سے برباد کرتا ہے!

***

کچھ دنوں کے بعد جب ابن ساباط کی دراز دستیاں حد سے بڑھ گئیں تو حکومت کو خصوصیت کے ساتھ توجہ ہوئی۔ آخر ایک دن گرفتار کرلیا گیا۔ اب یہ ایک کمسن لڑکا نہ تھا۔ شہر کا سب سے بڑا چور تھا۔ عدالت نے فیصلہ کیا کہ ایک ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ فوراً تعمیل ہوئی، اور جلاد نے ایک ہی ضرب میں اسکا پہنچا الگ کردیا۔

ابن ساباط کے ہاتھ کا کٹنا، کٹنا نہ تھا، بلکہ سیکڑوں نئے ہاتھوں کو اُس کے شانے سے جوڑ دینا تھا۔ معلوم ہوتا ہے، دُنیا کے سارے شیطان اور عفریت اس واقعہ کے انتظار میں تھے۔ جونہی اُس کا ہاتھ کٹا، اُنھوں نے اپنے سیکڑوں ہاتھ اُس کے حوالے کردیئے۔ اب اُسنے عراق کے تمام چور اور عیّار جمع کرکے اپنا اچھا خاصہ جتھا بنالیا اور فوجی ساز و سامان کے ساتھ لوٹ مار شروع کردی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اُس کے دلیرانہ حملوں نے تمام عراق میں تہلکہ مچادیا۔ وہ قافلوں پر حملے کرتا، دیہاتوں میں ڈاکے ڈالتا، محل سراؤں میں نقب لگاتا، سرکاری خزانے لوٹ لیتا، اور پھر یہ سب کچھ اس ہوشیاری اور فرزانگی کے ساتھ کرتا کہ اُس پر یا اُسکے ساتھیوں پر کوئی آنچ نہ آتی۔ ہر موقعہ پر صاف بچکر نکلجاتا۔ لوگ جب اُس کے مجرمانہ کارنامے سُنتے تو دہشت و حیرت سے مبہوت رہجاتے۔ "یہ ڈاکو نہیں ہے جرم کی ایک خبیث روح ہے۔ وہ انسان کو لوٹ لیتی ہے مگر انسان اُسے چھو نہیں سکتا!" یہ بغداد والوں کا متفقہ فیصلہ تھا!

***

مگر ظاہر ہے، یہ حالت کب تک جاری رہ سکتی تھی؟ آخر وہ وقت آگیا کہ ابن ساباط تیسری مرتبہ قانون کے پنجے میں گرفتار ہوجائے۔ ایک موقعہ پر جب اُسنے اپنے تمام ساتھیوں کو بحفاظت نکال دیا تھا اور خود نکل بھاگنے کی طیاری کررہا تھا، حکومت کے سپاہی پہنچ گئے اور گرفتار کرلیا۔

اس مرتبہ وہ ایک رہزن اور ڈاکو کی حیثیت میں گرفتار ہوا تھا اس کی سزا قتل تھی۔ ابن ساباط نے جب دیکھا کہ جلاد کی تلوار سر پر چمک رہی ہے تو اس کے مجرمانہ خصائل نے اچانک ایک دوسرا رنگ اختیار کرلیا۔ وہ طیار ہوگیا کہ اپنے بچاؤ کے لئے اپنے ساتھیوں کی جانیں قربان کردے۔ اُسنے عدالت سے کہا۔ اگر اُسے قتل کی سزا نہ دی جائے تو وہ اپنے جتھے کے تمام چور گرفتار کرادے گا۔ عدالت نے منظور کرلیا۔ اس طرح ابن ساباط خود تو قتل سے بچ گیا لیکن اُس کے سَو سے زیادہ ساتھی اُس کی نشان دہی پر موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے! ان سَو چوروں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے قتل ہونے سے پہلے ابن ساباط کے نام پر لعنت نہ بھیجی ہو۔ بدعہدی اور بے وفائی ایسی بُرائی ہے جسے بُرے بھی سب سے بڑی بُرائی سمجھتے ہیں۔ ابن ساباط نے اپنے اس طرز عمل سے ثابت کردیا کہ وہ جرم سے بھی بڑھ کر بُرائی کا کوئی ایک درجہ رکھتا تھا!

***

بہر حال اب ابن ساباط مدائن کے قید خانہ میں زندگی کے دن پورے کررہا ہے۔ اُس کی آخری گرفتاری پر دس برس گزر چکے ہیں دس برس کا زمانہ اس کے لئے کم مدت نہیں ہے کہ ایک مجرم کی سیاہ کاریاں بھلادی جائیں، لیکن ابن ساباط جیسے مجرم کے کارنامے مدتوں تک نہیں بھلائے جاسکتے۔ دس برس گزرنے پر بھی اُس کے دلیرانہ جرائم کا ذکر بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ لوگوں کو یہ بات تو کبھی بھولے سے بھی یاد نہیں آتی کہ ابن ساباط ہے کہاں اور کس حالت میں؟ کیونکہ یہ معلوم کرنے کی اُنھیں ضرورت بھی نہیں ہے۔ البتہ وہ اُس کے دلیرانہ کارنامے بھولنا نہیں چاہتے، کیونکہ اس تذکرہ میں اُن کے لئے لطف اور دلچسپی ہے۔ اُنہیں ابن ساباط کی نہیں، اپنی دلچسپیوں کی فکر ہے!

***

انسان کی بے مہریوں کی طرح اُس کی دلچسپیوں کا بھی عجیب حال ہے؟ وہ عجیب عجیب اور غیر معمولی باتیں دیکھ کر خوش ہوتا ہے، لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کی دلچسپی کا یہ تماشا کیسی کیسی مصیبتوں اور شقاوتوں کی پیدائش کے بعد ظہور میں آسکا ہے؟ اگر ایک چور دلیری کے ساتھ چوری کرتا ہے تو یہ اُس کے لئے بڑی ہی دلچسپی کا واقعہ ہے۔ وہ اُس کی صورت دیکھنے کے لئے بیقرار ہوجاتا ہے۔ وہ گھنٹوں اسپر رائے زنی کرتا ہے اور وہ تمام اخبار خرید لیتا ہے جن میں اُس کی تصویر چھپی ہو یا اُس کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ لیکن اس واقعہ میں چور کے لئے کیسی شقاوت ہے؟ اور جس مسکین کا مال چوری گیا ہے اُس کے لئے کیسی مصیبت ہے؟ اس کے سوچنے کی وہ کبھی زحمت گوارا نہیں کرتا!

اگر ایک مکان میں آگ لگ جائے تو انسان کے لئے یہ بڑا ہی دلچسپ نظارہ ہوتا ہے۔ سارا شہر امنڈ آتا ہے جس کسی کو دیکھو بے تحاشا دَوڑا جاتا ہے لوگ اس نظارہ کے شوق میں اپنا کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں اگر چند زندہ انسانوں کے جھلسے ہوئے چہرے آگ کے شعلوں کے اندر نمودار ہوجائیں اور اُن کی چیخیں اتنی بلند ہوں کہ دیکھنے والوں کے کانوں تک پہنچ سکیں، تو پھر اس نظارہ کی دلچسپی انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہے، تماشائی جوش نظارہ میں مجنوں ہوکر ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں۔ لیکن انسانی دلچسپی کے اس ضمنی منظر میں اُس مکان اور اُسکے مکینوں کے لئے کیسی ہلاکت اور تباہی ہے؟ اور جان و مال کی کیسی المناک

نے یہاں بھی تعرض کیا۔ حضرت نے محسوس کیا کہ ان کی نیت خراب ہی۔ خیمہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا "اگر تم میں دین نہیں اور تم روز آخرت سے ڈرتے نہیں، تو کم سے کم دنیا وی شرافت پر تو قائم رہو۔ میرے خیمے کو اپنے جاہلوں اور اوباشوں سے محفوظ رکھو،" شمر نے جواب دیا "اچھا ایسا ہی کیا جائے گا۔ اور آپ کا خیمہ محفوظ رہیگا"

آخری تنبیہ

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ راوی کہتا ہی کہ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو بہت پہلے قتل کر ڈالتا۔ مگر یہ گناہ کوئی بھی اپنے سر لینا نہیں چاہتا تھا۔ آخر شمر بن ذی الجوشن چلایا "تمھارا بُرا ہو کیا انتظار کر رہے ہو؟ کیوں کام تمام نہیں کرتے؟" اب ہر طرف سے پھر نرغہ ہوا آپنے پکار کر کہا "کیا میرے قتل پر ایک دوسرے کو اُبھارتے ہو؟ واللہ میرے بعد کسی بندے کے قتل پر بھی خدا اتنا ناخوش نہیں ہوگا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہوگا"

شہادت!

مگر اب وقت آچکا تھا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپکے بائیں ہاتھ کو زخمی کیا۔ پھر شانے پر تلوار ماری۔ آپ کمزوری سے لڑکھڑائے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے۔ مگر سنان بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اُسنے ایک شخص سے کہا "سر کاٹ لے" وہ سر کاٹنے کے لئے لپکا مگر جرأت نہ ہوئی۔ سنان بن انس نے دانت پیس کر کہا "خدا تیرے ہاتھ شل کر ڈالے!" پھر جوش سے اُترا۔ آپکو ذبح کیا اور سر، تن سے جُدا کر لیا!

جعفر بن محمد بن علی سے مروی ہی کہ قتل کے بعد دیکھا گیا کہ آپکے جسم پر نیزے کے ۳۳ زخم اور تلوار کے ۳۴ گھاؤ تھے!

قاتل

سنان بن انس قاتل کے دماغ میں کسی قدر فتور تھا۔ قتل کے وقت اُس کی عجیب حالت تھی۔ جو شخص بھی حضرت کی نعش کے قریب آتا، وہ اُسپر حملہ آور ہوتا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کوئی دوسرا اُن کا سر کاٹ نہ لے جائے۔ قاتل نے سر کاٹ کر خولی بن یزید اصبحی کے حوالہ کیا اور خود عمر بن سعد کے پاس دوڑا گیا۔ خیمہ کے سامنے کھڑا ہو کر چلایا:

اوقر رکابی فضۃ وذہبا انا قتلت الملک المحجبا

مجھے چاندی سونے سے لاد دو، میں نے بڑا پادشاہ مارا ہی!

قتلت خیر الناس اما وابا وخیرہم اذ ینسبون نسبا

میں نے اسے قتل کیا ہی جسکے ماں باپ سب سے افضل ہیں اور جو اپنے نسب میں سب سے اچھا ہی!

عمر بن سعد نے اُسے اندر بُلا لیا۔ بہت خفا ہوا۔ کہنے لگا "واللہ تو مجنون ہی!" پھر اپنی لکڑی سے اُسے مار کر کہا "پاگل! ایسی بات کہتا ہی۔ بخدا اگر عبید اللہ بن زیاد سُنتا تو تجھے ابھی مروا ڈالتا!"

(ابن جریر)

لُوٹ کھسوٹ

قتل کے بعد کوفیوں نے آپکے بدن کے کپڑے تک اُتار لئے پھر آپکے خیمے کی طرف بڑھے۔ زین العابدین بستر پر بیمار پڑے تھے۔ شمر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ پہونچا اور کہنے لگا "اسے بھی کیوں نہ قتل کر ڈالیں؟" لیکن اس کے بعض ساتھیوں نے مخالفت کی، کہا "کیا بچوں کو بھی مار ڈالوگے؟" اسی اثنا میں عمر بن سعد بھی آگیا اور حکم دیا "کوئی عورتوں کے خیمے میں نہ گھسے۔ اس بیمار کو کوئی نہ چھیڑے۔ جس کسی نے خیمہ کا کوئی اسباب لوٹا ہو واپس کر دے" زین العابدین نے یہ سنکر اپنی بیمار آواز سے کہا "عمر بن سعد! خدا تجھے جزاء خیر دے! تیری زبان نے ہمیں بچا لیا"۴

۴ **نعش روند ڈالی**

عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسین کی نعش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے۔ اب اس کا وقت آیا۔ اُسنے پکار کر کہا "اس کام کے لئے کون طیار ہی؟" دس آدمی طیار ہوئے اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک روند ڈالا!

چوں بگزرد نظری خونیں کفن بہ حشر ؛ خلقے فغاں کنند کہ این داد خواہ کیست؟

اس جنگ میں حضرت حسین کے ۷۲ آدمی مارے گئے اور کوفی فوج کے ۸۸ مقتول ہوئے (ابن جریر۔ کامل۔ یعقوبی) (باقی)

افسانہ

محبّت اور قربانی
یا
انتقام اور سزا؟

وکٹر ہیوگو کا "بشپ" اور تاریخ اسلام کا "بغدادی"

درس وفا اگر بود زمزمۂ محبتے
جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پائے را!

(دوسرا حصہ)

ہجرۃ کی تیسری صدی قریب الاختتام ہی۔ بغداد کے تخت خلافت پر المعتضد باللہ عباسی متمکن ہی۔ معتصم کے زمانے سے دار الخلافہ کا شاہی اور فوجی مستقر سامرہ میں منتقل ہو گیا ہی۔ پھر بھی سرزمین بابل کے اس نئے بابل میں پندرہ لاکھ انسان بستے ہیں۔ ایران کے اصطخر، مصر کے ممفس، اور یورپ کے روم کی جگہ اب دنیا کا تمدنی مرکز بغداد ہی۔

* * *

دنیا کی اس ترقی یافتہ مخلوق کا جسے "انسان" کہتے ہیں کچھ عجیب حال ہی۔ یہ جتنا کم ہوتا ہی، اُتنا ہی نیک اور خوش ہوتا ہی۔ اور جتنا زیادہ بڑھتا ہی، اُتنی ہی نیکی اور خوشی اس سے دُور ہونے لگتی ہے۔ اُس کا کم ہونا خود اُس کے لئے اور خدا کی زمین کے لئے برکت ہے۔ یہ جب چھوٹی چھوٹی بستیوں میں گھانس پھونس کے چھپر ڈالکر رہتا ہی، تو کیسا نیک، کیسا خوش، اور کس درجہ حلیم ہوتا ہی؟ محبت اور رحمت اُس میں اپنا آشیانہ بناتی ہی اور روح کی پاکیزگی کا نور اُس کے جھونپڑوں کو روشن کرتا ہی۔ لیکن جونہی یہ جھونپڑوں سے باہر نکلتا ہی، اُس کی بڑی بڑی بھیڑیں ایک خاص رقبہ میں اکٹھی ہو جاتی ہیں، تو اُس کی حالت میں کیسا عجیب انقلاب ہو جاتا ہی؟ ایک طرف تجارت بازاروں میں آتی ہی، صنعت و حرفت کارخانے کھولتی ہی، دولت سربفلک عمارتیں بناتی ہی، حکومت دولت شان و شکوہ کے سامان آراستہ کرتی ہی۔ لیکن دوسری طرف نیکی رخصت ہو جاتی ہی، محبت اور فیاضی کا سراغ نہیں ملتا، اور امن و راحت کی جگہ انسانی مصیبتوں اور شقاوتوں کا ایک لازوال دَور شروع ہو جاتا ہے۔ وہی انسان کی بستی جو پہلے نیکی و محبت کی دنیا اور راحت و برکت کی بہشت تھی، اب افلاس و مصیبت کا مقتل اور جرموں اور بدیوں کی دوزخ بنجاتی ہی۔ وہی انسان جو جھونپڑوں کے اندر محبت و فیاضی کی گرمجوشی تھا، اب شہر کے سربفلک محلوں کے اندر بے مہری و خودغرضی کا پتھر ہوتا ہی۔ جب وہ اپنے عالیشان مکانوں میں عیش و نعمت کے دسترخوان پر بیٹھتا ہی، تو اس کے کتنے ہی ہم جنس سڑکوں پر بھوک سے ایڑیاں رگڑتے ہیں! جب وہ عیش و راحت کے ایوانوں میں حسن و جمال کی محفلیں آراستہ کرتا ہی، تو اُس کے ہمسایہ میں یتیموں کے آنسو نہیں تھمتے اور کتنی ہی بیوائیں ہوتی ہیں جن کے بدنصیب سروں پر چادر کا ایک تار بھی نہیں ہوتا! زندگی کی قدرتی یکسانی کی جگہ اب زندگی کی مصنوعی مگر بے رحم تفادتیں ہر گوشے میں نمایاں ہو جاتی ہیں!۔

پھر جب انسانی بے مہری اور خودغرضی کے لازمی نتایج ظاہر ہونے لگتے ہیں، کمزوری، افلاس، اور بے نوائی سے مجبور ہو کر بدبخت انسان جرم کی طرف قدم اُٹھاتا ہی، تو اچانک دنیا کی زبان کا سب سے زیادہ بے معنی لفظ وجود میں آجاتا ہی۔ یہ "قانون" اور "انصاف" ہی۔ اب بڑی بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں اور اُن کے دروازہ پر لکھا جاتا ہی "انصاف کا گھر"۔ انصاف کے اس "مقدس گھر" میں کیا ہوتا ہی؟ یہ ہوتا ہی کہ وہی انسان جسنے اپنی بے رحمی و تغافل سے مفلس کو چوری پر اور نیک انسانوں کو بداطوار بنجانے پر مجبور کر دیا تھا، قانون کا پُرہیبت جُبّہ پہنکر آتا ہی، اور فرشتوں کا سا معصوم اور راہبوں کا سا سنجیدہ چہرہ بنا کر

سخت محنت؛ افسوس، انسان کو اپنے رزق کے لئے کیسی کیسی زحمتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں! دیکھو، یہ چٹائی بچھی ہو۔ یہ چمڑے کا تکیہ ہے، میں اسے دیوار کے ساتھ لگا دیتا ہوں" اُسنے تکیہ دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دیا "بس ٹھیک ہو۔ اب تم اطمینان کے ساتھ ٹیک لگا کر یہاں بیٹھ جاؤ اور اچھی طرح سستا لو۔ اتنی دیر میں میں تمھارا ادھورا کام پورا کئے دیتا ہوں"

اُسنے یہ کہا، اور ابن ساباط کے کاندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر اُسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر جب اُس کی نظر دوبارہ اُس کی عرق آلود پیشانی پر پڑی، تو اُسنے اپنی کمر سے رُومال کھولا اور اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالا۔ جب وہ پسینہ پونچھ رہا تھا تو اُس کی آنکھوں میں باپ کی سی شفقت اور ہاتھوں میں بھائی کی سی محبت کام کر رہی تھی!

صورت حال کے یہ تمام تغیرات اس تیزی سے ظہور میں آئے کہ ابن ساباط کا دماغ مختل ہو کر رہ گیا۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکا کہ معاملہ کیا ہے؟ ایک مدہوش اور بے ارادہ آدمی کی طرح اُسنے اجنبی کے اشارہ کی تعمیل کی اور چٹائی پر بیٹھ گیا۔

اب اُسنے دیکھا کہ واقعی اجنبی نے کام شروع کر دیا ہو۔ اُسنے پہلے وہ گٹھری کھولی جو ابن ساباط نے باندھنی چاہی تھی مگر نہیں بندھ سکی تھی۔ پھر وہ تھان کھولکر بچھا دئیے اور جس قدر بھی تھان موجود تھے، اُن سب کو دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ ایک حصہ میں زیادہ تھے۔ ایک میں کم۔ پھر دونوں کی الگ الگ دو گٹھریاں باندھ لیں۔ یہ تمام کام اُسنے اس اطمینان اور سکون کے ساتھ کیا، گویا اسمیں اُسکے لئے کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

پھر اچانک اُسے کچھ خیال آیا۔ اُسنے اپنی عبا اُتار ڈالی، اور اسے بھی گٹھری کے اندر رکھ دیا۔

اب وہ اُٹھا اور ابن ساباط کے قریب گیا:

"میرے دوست، تمھارے چہرے کی پژمردگی سے معلوم ہوتا ہو کہ تم صرف تھکے ہوئے ہی نہیں ہو بلکہ بھوکے بھی ہو۔ بہتر ہوگا کہ چلنے سے پہلے دودھ کا ایک پیالہ پی لو۔ اگر تم چند لمحے انتظار کر سکو تو میں دودھ لے آؤں" اُسنے کہا، جبکہ اُس کے پُرشکوہ چہرہ پر بدستور مسکراہٹ کی دلآویزی موجود تھی۔ ممکن نہ تھا کہ اس مسکراہٹ سے انسانی قلب کے تمام اضطراب محو نہ ہو جائیں!۔

قبل اس کے کہ ابن ساباط جواب دے، وہ تیزی کے ساتھ اُٹھا، اور باہر نکل گیا۔

* * *

اب ابن ساباط تنہا تھا۔ لیکن تنہا ہونے پر بھی اس کے قدموں میں حرکت نہ ہوئی۔ اجنبی کے طرز عمل میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے اس کے اندر خوف پیدا ہوتا۔ وہ صرف متحیر اور مبہوت تھا!

اجنبی کی ہستی اور اُس کا طور طریقہ ایسا عجیب و غریب تھا کہ جب تک وہ موجود رہا، ابن ساباط کو تحیر و تاثر نے سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہ دی۔ اجنبی کی شخصیت کی تاثیر سے اس کی دماغی شخصیت مغلوب ہو گئی تھی۔ لیکن اب وہ تنہا ہوا، تو آہستہ آہستہ اُس کا دماغ اپنی اصلی حالت پر واپس آنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام دماغی خصائل پوری طرح اُبھر آئے، اور وہ اُسی روشنی میں معاملات کو دیکھنے لگا جس روشنی میں دیکھنے کا ہمیشہ سے عادی تھا۔

وہ جب اجنبی کا متبسم چہرہ اور دلنواز صدائیں یاد کرتا، تو شک اور خوف کی جگہ اُس کے اندر ایک ایسا نا قابل فہم جذبہ پیدا ہو جاتا جو آجتک اُسے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ لیکن پھر جب وہ سوچتا کہ اس تمام معاملہ کا مطلب کیا ہو؟ اور یہ شخص ہو کون؟ تو اس کی عقل حیران رہجاتی اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اُسنے اپنے دل میں کہا "یہ تو قطعی ہو کہ یہ شخص اِس مکان کا مالک نہیں ہے۔ مکان کے مالک کبھی چوروں کا اس طرح استقبال نہیں کیا کرتے۔ ...... مگر پھر یہ شخص ہو کون؟ ......"

اچانک ایک نیا خیال اُس کے اندر پیدا ہوا۔ وہ ہنسا "استغفر اللہ میں بھی کیا احمق ہوں۔ یہ بھی کوئی سوچنے اور حیران ہونے کی بات تھی؟ معاملہ بالکل صاف ہو۔ تعجب ہو مجھے پہلے کیوں خیال نہیں ہوا؟ یقیناً یہ بھی کوئی میرا ہی ہم پیشہ آدمی ہو، اور اسی نواح میں رہتا ہو۔ اتفاقات نے آج ہم دونوں چوروں کو ایک ہی مکان میں جمع کر دیا۔ چونکہ یہ اسی نواح کا آدمی ہو، اس لئے اس مکان کے تمام حالات سے واقف ہوگا۔ اُسے معلوم ہوگا کہ آج مکان رہنے والوں سے خالی ہو اور بہ اطمینان کام کرنے کا موقعہ ہو۔ اسی لئے وہ روشنی کا سامان ساتھ لے کر آیا۔ لیکن جب دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو آمادہ ہو گیا کہ میرا ساتھ دے کر ایک حصہ کا حقدار بنجائے......"

* * *

وہ ابھی سوچ رہا تھا کہ دروازہ کھلا، اور اجنبی ایک لکڑی کا بڑا پیالہ ہاتھ میں لئے نمودار ہو گیا

"یہ لو، میں تمھارے لئے دودھ لے آیا ہوں۔ اسے پی لو۔ یہ بھوک اور پیاس، دونوں کے لئے مفید ہوگا" اُسنے کہا، اور پیالہ ابن ساباط کو پکڑا دیا۔ ابن ساباط واقعی بھوکا پیاسا تھا۔ بلا تأمل منہ کو لگا لیا اور ایک ہی مرتبہ میں ختم کر دیا۔

اب اُسے معاملہ کی فکر ہوئی۔ اتنے دیر کے وقفہ نے اُس کی طبیعت بحال کر دی تھی

"دیکھو، اگرچہ میں تم سے پہلے یہاں پہنچ چکا تھا اور ہاتھ لگا چکا تھا، اور اس لئے ہم لوگوں کے قاعدہ کے بموجب تمھارا کوئی حق نہیں، لیکن تمھاری ہشیاری اور مستعدی دیکھ لینے کے بعد مجھے کوئی تأمل نہیں کہ تمھیں بھی اس مال میں شریک کر لوں۔ اگر تم پسند کروگے تو میں ہمیشہ کے لئے تم سے معاملہ کر لوں گا۔ لیکن دیکھو، میں کہے دیتا ہوں کہ آج جو کچھ بھی یہاں سے لے جائیں گے، اُس میں تم برابر کا حصہ نہیں پا سکتے، کیونکہ دراصل آج کا کام میرا ہی کام تھا"، اُسنے صاف آواز میں کہا۔ اُس کی آواز میں اب تأثر نہیں تھا۔ تحکم تھا۔

اجنبی مسکرایا۔ اُسنے ابن ساباط پر ایک ایسی نظر ڈالی جو اگرچہ شفقت و مہر سے خالی نہ تھی، لیکن اس کے علاوہ بھی اسمیں کوئی چیز تھی۔ لیکن ابن ساباط سمجھ نہ سکا۔ اُسنے خیال کیا۔ شاید یہ شخص اس طریق تقسیم پر قانع نہیں ہو۔ اچانک اُس کی آنکھوں میں اُس کی خوفناک مجرمانہ درندگی چمک اُٹھی۔ وہ غصہ سے مضطرب ہو کر کھڑا ہو گیا:

"بے وقوف، چپ کیوں ہو؟ یہ نہ سمجھنا کہ دودھ کا ایک پیالہ پلا کر اور چکنی چپڑی باتیں کر کے تم مجھے احمق بنا لوگے۔ تم نہیں جانتے میں کون ہوں۔ مجھے کوئی احمق نہیں بنا سکتا۔ میں ساری دنیا کو احمق بنا چکا ہوں۔ بولو۔ اس پر راضی ہو یا نہیں؟ اگر نہیں ہو تو ......"

لیکن ابھی اُس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اجنبی کے لب متحرک ہوئے۔ اب بھی اُس کے لبوں سے اُس کی مسکراہٹ نہیں ہٹی تھی:

"میرے عزیز دوست! کیوں بلا وجہ اپنی طبیعت آزردہ کرتے ہو؟ آؤ یہ کام جلد نپٹا لیں جو ہمارے سامنے ہو۔ دیکھو میں نے دو گٹھریاں باندھ لی ہیں۔ ایک چھوٹی ہو۔ ایک بڑی ہو۔ تمھارا ایک ہاتھ ہو اس لئے تم زیادہ بوجھ نہیں سنبھال سکتے۔ لیکن میں دونوں ہاتھوں سے سنبھال لوں گا۔ چھوٹی گٹھری تم اُٹھا لو۔ بڑی میں اُٹھا لیتا ہوں۔ باقی رہا میرا حصہ جس کے خیال سے تمھیں اتنی آزردگی ہوئی ہو، تو میں یہ بھی نہیں چاہتا۔ اسوقت اُس کا فیصلہ کرا دوں۔ تم نے کہا ہو کہ تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر سکتے ہو۔ مجھے بھی ایسا ہی معاملہ پسند ہو۔ میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر لو"

"ہاں، اگر یہ بات ہو تو پھر سب کچھ ٹھیک ہو۔ تمھیں ابھی معلوم نہیں میں کون ہوں؟ پورے ملک میں تمھیں مجھ سے بہتر کوئی سردار نہیں مل سکتا" اُسنے بڑی گٹھری کے اُٹھانے میں اجنبی کو مدد دیتے ہوئے کہا۔

یہ گٹھری اس قدر بھاری تھی کہ ابن ساباط اپنی حیرانی نہ چھپا سکا۔ وہ اگرچہ اپنے نئے رفیق کی زیادہ جرأت افزائی کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی اُس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا

"دوست، تم دیکھنے میں تو بڑے دُبلے پتلے ہو لیکن بوجھ اُٹھانے میں بڑے مضبوط نکلے" ساتھ ہی اُسنے اپنے دل میں کہا "یہ جتنا مضبوط ہو، اُتنا عقلمند نہیں ہو ورنہ اپنے حصے سے دست بردار نہ ہو جاتا۔ اگر آج یہ احمق نہ ملجاتا تو مجھے سارا مال چھوڑ کر صرف ایک دو تھانوں پر قناعت کر لینی پڑتی"

اب ابن ساباط نے اپنی گٹھری اُٹھائی جو بہت ہی ہلکی تھی، اور دونوں باہر نکلے۔ اجنبی کی پیٹھ جسمیں پہلے سے خم موجود تھا، اب گٹھری کے بوجھ سے بالکل ہی جھک گئی تھی۔ رات کی تاریکی میں اتنا بھاری بوجھ اُٹھا کر چلنا نہایت دشوار تھا۔ لیکن ابن ساباط کو قدرتی طور پر جلدی تھی۔ وہ بار بار حاکمانہ انداز سے اصرار کرتا کہ تیز چلو۔ اور چونکہ خود اُس کا بوجھ بہت ہلکا تھا، اس لئے خود تیز چلنے میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں کرتا تھا۔ اجنبی تعمیل حکم کی پوری کوشش کرتا۔ لیکن اتنا بھاری بوجھ اُٹھا کر دوڑنا انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اس لئے پوری کوشش کرنے پر بھی زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا۔ کئی مرتبہ ٹھوکریں لگیں، بارہا بوجھ گرتے گرتے رہ گیا، ایک مرتبہ اتنی سخت چوٹ کھائی کہ قریب تھا گر جائے۔ پھر بھی اُسنے رُکنے یا سستانے کا نام نہیں لیا۔ برابر اپنے ساتھی کے ساتھ بڑھتا ہی رہا۔

لیکن ابن ساباط اسپر بھی خوش نہ تھا۔ اُسنے پہلے تو ایک دو مرتبہ تیز چلنے کا حکم دیا۔ پھر بے تأمل گالیوں پر اُتر آیا۔ ہر قدم کے بعد ایک سخت گالی دیتا اور کہتا تیز چلو۔ اتنے میں جسر (پل) آیا۔ یہاں چڑھائی تھی۔ جسم کمزور اور تھکا ہوا، بوجھ بیحد بھاری؛ اجنبی سنبھل نہ سکا اور بے اختیار گر پڑا۔ ابھی وہ اُٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اوپر سے ایک سخت لات پڑی۔ یہ ابن ساباط کی لات تھی۔ اُسنے غضبناک ہو کر کہا: "کُتّے کے بیٹے! اگر اتنا بوجھ سنبھال نہیں سکتا تھا تو لاد کر لایا کیوں؟" اجنبی ہانپتا ہوا اُٹھا۔ اُس کے چہرہ پر درد و شکایت کی جگہ شرمندگی کے آثار پائے جاتے تھے۔ اُسنے فوراً گٹھری اُٹھا کر پیٹھ پر رکھی اور پھر روانہ ہو گیا۔

* * *

اب یہ دونوں شہر کے کنارے، ایک ایسے حصہ میں پہنچ گئے جو بہت ہی کم آباد تھا۔ یہاں ایک نا تمام عمارت کا پُرانا اور شکستہ احاطہ تھا۔ ابن ساباط اس احاطہ کے ایک جانب پہنچکر رُک گیا

بربادیوں کے بعد آگ اور موت کی یہ ہولناک دلچسپی جو دیں آسکتی ہو؟ اس بات کے سوچنے کی نہ تو لوگوں کو فرصت ملتی ہو۔ نہ وہ سوچنا چاہتے ہیں!

اگر انسان کے ابنائے جنس میں سے ایک بدبخت مخلوق سولی کے تختہ پر لٹکا دیا جائے، تو یہ اُن تمام نظاروں میں سے جن کے دیکھنے کا انسان شائق ہو سکتا ہو، سب سے زیادہ دلکش نظارہ ہوتا ہو۔ اتنا دلکش نظارہ کہ گھنٹوں کھڑے رہ کر لٹکتی ہوئی نعش دیکھتا رہتا ہو مگر اس کی سیری نہیں ہوتی۔ لوگ درختوں پر چڑھ جاتے ہیں، ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں، صفیں چیر چیر کر نکل جانا چاہتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ اپنے ایک ہم جنس کو جانکنی میں تڑپتے اور پھر ہوا میں معلق جھولتے دیکھ لینے کی لذت حاصل کرلیں! لیکن جس انسان کے پھانسی پانے سے انسانی نظارہ کا یہ سب سے زیادہ دلکش تماشا وجود میں آیا۔ خود اُس پر کیا گزری؟ اور کیوں وہ اس منحوس اور شرمناک موت کا مستحق ٹھہرا؟ سیکڑوں ہزاروں تماشائیوں میں سے ایک کا ذہن بھی اس غیر ضروری اور غیر دلچسپ پہلو کی طرف نہیں جاتا!

تیسرا حصہ

گرمیوں کا موسم ہو۔ آدھی رات گزر چکی ہو۔ مہینہ کی آخری راتیں ہیں۔ بغداد کے آسمان پر ستاروں کی مجلس شبینہ آراستہ ہو مگر چاند کے برآمد ہونے میں ابھی دیر ہو۔ دجلہ کے پار کرخ کی تمام آبادی نیند کی خاموشی اور رات کی تاریکی میں گم ہو۔

اچانک تاریکی میں ایک متحرک تاریکی نمایاں ہوئی۔ سیاہ لبادے میں ایک لپٹا ہوا آدمی خاموشی اور آہستگی کے ساتھ جارہا ہے۔ وہ ایک گلی سے مڑ کر دوسری گلی میں پہنچا، اور ایک مکان کے سائبان کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ اب اُسنے سانس لی۔ گویا یہ مدت کی بند سانس تھی جسے اب آزادی سے اُبھرنے کی مُہلت ملی ہو۔ پھر اُسنے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی "یقیناً تین پہر رات گزر چکی ہو" وہ اپنے دل میں کہنے لگا "مگر کیا بدنصیبی ہو کہ جس طرف رُخ کیا ناکامی ہی ہوئی۔ کیا پوری رات اسی طرح ختم ہو جائے گی؟"

یہ خوفناک ابن ساباط ہو جو دس برس کی طول طویل زندگی قیدخانہ میں بسر کرکے اب کسی طرح نکل بھاگا ہو، اور نکلنے کے ساتھ ہی اپنا قدیم پیشہ ازسرنو شروع کررہا ہو۔ یہ اس کی نئی مجرمانہ زندگی کی پہلی رات ہو، اس لئے وقت کے بے نتیجہ ضائع جانے پر اُس کا بے صبر دل پیچ و تاب کھا رہا ہو۔

اُسنے ہر طرف کی آہٹ لی۔ زمین سے کان لگا کر دُور دُور کی صداؤں کا جائزہ لیا، اور مطمئن ہوکر آگے بڑھا۔ کچھ دُور چلکر اسنے دیکھا ایک احاطہ کی دیوار دُور تک چلی گئی ہو اور وسط میں بہت بڑا پھاٹک ہو۔ کرخ کے اس علاقہ میں زیادہ تر اُمراء کے باغ تھے، یا سوداگروں کے گودام تھے۔ اسنے خیال کیا یہ احاطہ یا تو کسی امیر کا باغ ہو، یا کسی سوداگر کا گودام۔ وہ پھاٹک کے پاس پہونچکر رُک گیا اور سوچنے لگا، اندر کیونکر جائے؟ اُسنے آہستگی سے دروازہ پر ہاتھ رکھا، لیکن اُسے نہایت تعجب ہوا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا صرف بھڑا ہوا تھا۔ ایک سکنڈ کے اندر ابن ساباط کے قدم احاطہ کے اندر پہنچ گئے۔

اُسنے دہلیز سے قدم آگے بڑھایا تو ایک وسیع احاطہ نظر آیا اس کے مختلف گوشوں میں چھوٹے چھوٹے حجرے بنے تھے، اور وسط میں ایک نسبتہً بڑی عمارت تھی۔ یہ درمیانی عمارت کی طرف بڑھا۔ عجیب بات ہو کہ اس کا دروازہ بھی اندر سے بند نہ تھا چھوتے ہی کھل گیا۔ گویا وہ کسی کی آمد کا منتظر تھا۔ یہ ایک ایسی بے باکی کے ساتھ جو صرف مشاق مجرموں ہی کے قدموں میں ہو سکتی ہو، اندر چلا گیا۔ اندر جاکر دیکھا تو ایک وسیع ایوان (ہال) تھا۔ لیکن سامان راحت و زینت میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی۔ قیمتی اشیا کا نام و نشان نہ تھا۔ صرف ایک کھجور کے پتوں کی پرانی چٹائی بچھی تھی، اور ایک طرف چمڑے کا ایک تکیہ پڑا تھا۔ البتہ ایک گوشہ میں پشمینہ کے موٹے کپڑے کے بہت سے تھان اس طرح بے ترتیب پڑے تھے۔ گویا کسی نے جلدی میں پھینک دیئے ہیں اور اُن کے قریب ہی بھیڑ کی کھال کی چند ٹوپیاں بھی پڑی تھیں۔ اُسنے مکان کی موجودات کا یہ پورا جائزہ کچھ تو اپنی اندھیری میں دیکھ لینے والی آنکھوں سے لے لیا تھا اور کچھ اپنے ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر۔ لیکن اُس کا ہاتھ ایک ہی تھا۔ یہ بغداد والوں کی بول چال میں "ایک ہاتھ کا شیطان" تھا جواب پھر قیدو بند کی زنجیریں توڑ کر آزاد ہوگیا ہو!

دس برس کی قید کے بعد آج ابن ساباط کو پہلی مرتبہ موقعہ ملا تھا کہ اپنے دلپسند کام کی جستجو میں آزادی کے ساتھ نکلے۔ جب اسنے دیکھا، اس مکان میں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے، اور یہ پہلا قدم بیکار ثابت ہوگا، تو اس کے تیز اور بے لگام جذبات سخت مشتعل ہو گئے۔ وہ دل ہی دل میں اس مکان کے رہنے والوں کو گالیاں دینے لگا۔ جو اپنے مکان میں رکھنے کے لئے قیمتی اشیا فراہم نہ کرسکے۔ ایک مفلس کا افلاس خود اُس کے لئے اس قدر دردانگیز نہیں ہوتا جس قدر اُس چور کے لئے جو رات کے پچھلے پہر مال و دولت تلاش کرتا ہوا پہنچتا ہو۔ اسمیں شک نہیں، پشمینہ کے بہت سے تھان یہاں موجود تھے اور وہ کتنے ہی موٹے اور ادنیٰ قسم کے کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی اپنی قیمت رکھتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ ابن ساباط تنہا تھا۔ اور صرف تنہا ہی نہیں تھا بلکہ دو ہاتھوں کی جگہ صرف ایک ہاتھ رکھتا تھا۔ وہ ہزار ہمت کرتا، مگر اتنا بڑا بوجھ اس کے سنبھالے سنبھل نہیں سکتا تھا۔ وہ تھانوں کی موجودگی پر معترض نہ تھا۔ اُن کے وزن کی گرانی اور اپنی مجبوری پر متاسف تھا۔ اتنی وزنی چیز چرا کر لیجانا آسان نہ تھا!

"ایک ہزار لعنت کرخ اور اُس کے تمام باشندوں پر" وہ اندر ہی اندر بڑبڑانے لگا "نہیں معلوم یہ کون احمق ہو جسنے یہ ملعون تھان جمع کر رکھے ہیں؟ غالباً کوئی تاجر ہو۔ لیکن یہ عجیب طرح کا تاجر ہو جسے بغداد میں تجارت کرنے کے لئے اور کوئی چیز نہیں ملی۔ اتنا بڑا مکان بناکر اُس میں گدھوں اور خچروں کی جھول بنانے کا سامان جمع کردیا" اُسنے اپنے ایک ہی ہاتھ سے ایک تھان کی ٹٹول ٹٹول کر پیمائش کی "بھلا یہ ملعون بوجھ کس طرح اُٹھایا جا سکتا ہو؟ ایک تھان کے اُٹھانے کے لئے کم از کم دس گدھے ساتھ لانے چاہئیں"

لیکن بہرحال کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ رات جارہی تھی، اور اب وقت نہ تھا کہ دوسری جگہ تاکی جاتی۔ اُسنے جلدی سے ایک تھان کھولا اور اُسے فرش پر بچھا دیا۔ پھر کوشش کی زیادہ سے زیادہ تھان جو اُٹھائے جا سکتے ہیں اُٹھالے۔ مشکل یہ تھی کہ مال کم قیمت مگر بہت زیادہ وزنی تھا۔ کم لیتا ہو تو بیکار ہو۔ زیادہ لیتا ہو تو لیجا نہیں سکتا۔ عجب طرح کی کشمکش میں گرفتار تھا۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ طے ہوا، لیکن اب دوسری مشکل پیش آئی۔ صوف کا کپڑا بیحد موٹا تھا۔ اُسے مڑور دیکر گرہ لگانا آسان نہ تھا۔ دونوں ہاتھوں سے بھی یہ کام مشکل تھا چہ جائے کہ ایک ہاتھ سے؟ بلاشبہ اس کے پاس ہاتھ کی طرح پاؤں ایک نہ تھا۔ دو تھے۔ لیکن وہ بھاگنے میں مدد دے سکتے تھے صوف کی گٹھری باندھنے کے لئے سود مند نہ تھے۔ اُسنے بہت سی تجویزیں سوچیں، طرح طرح کے تجربے کئے دانتوں سے کام لیا۔ کٹی ہوئی کہنی سے سرا دبایا۔ لیکن کسی طرح بھی گٹھری میں گرہ نہ لگ سکی، وقت کی مصیبتوں میں تاریکی کی شدت نے اور زیادہ اضافہ کردیا تھا۔

اندرونی جذبات کے ہیجان اور بیرونی فعل کی بے سود محنت نے ابن ساباط کو بہت جلد تھکا دیا۔ وقت کی کمی، عمل کا قدرتی خوف، مال کی گرانی، محنت کی شدت، اور فائدہ کی قلت! اُس کے دماغ کے لئے تمام مخالف تاثرات جمع ہوگئے تھے۔

***

اچانک وہ چونک اُٹھا۔ اُس کی تیز قوت سماعت نے کسی کے قدموں کی نرم آہٹ محسوس کی۔ ایک لحہ تک خاموشی رہی۔ پھر ایسا محسوس ہوا، جیسے کوئی آدمی دروازہ کے پاس کھڑا ہو۔ ابن ساباط گھبرا کر اُٹھ کھڑا ہوا، مگر قبل اس کے کہ وہ کوئی حرکت کرسکے، دروازہ کھلا اور روشنی نمایاں ہوئی۔ خوف اور دہشت سے اُس کا خون منجمد ہوگیا۔ جہاں کھڑا تھا، وہیں قدم گڑھ گئے۔ نظر اُٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک شخص کھڑا ہو۔ اُس کے ایک ہاتھ میں شمعدان ہو، اور اُسے اس طرح اونچا کر رکھا ہو کہ کمرے کے تمام حصے روشن ہوگئے ہیں۔

***

اس شخص کی وضع و قطع سے اُس کی شخصیت کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ ملگجے رنگ کی ایک لمبی عبا اُس کے جسم پر تھی جسے کمر کے پاس ایک موٹی رسی لپیٹ کر جسم پر چست کرلیا تھا۔ سر پر سیاہ قلنسوہ (اونچی دیوار کی ٹوپی) تھی، اور اس قدر کشادہ تھی کہ اُس کے کنارے ابروؤں کے قریب تک پہنچ گئے تھے۔ جسم نہایت نحیف تھا۔ اتنا نحیف کہ صوف کی موٹی عبا پہننے پر بھی اندر کی اُبھری ہوئی ہڈیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں، اور قد کی درازی نے جسمیں کمر کے پاس خفیف سی خمیدگی پیدا ہوگئی تھی، یہ نحافت اور زیادہ نمایاں کردی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ جسم کی اس غیر معمولی نحافت کا کوئی اثر اُس کے چہرہ پر نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا کمزور جسم رکھنے پر بھی اُس کا چہرہ کچھ عجیب طرح کی تاثیر و گیرائی رکھتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہڈیوں کے ایک ڈھانچے پر ایک شاندار اور دلاویز چہرہ جوڑ دیا گیا ہو۔ رنگت زرد تھی، رخسار بے گوشت تھے، جسمانی تنومندی کا نام و نشان نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی چہرہ کی مجموعی ہیئت میں کوئی ایسی شاندار چیز تھی کہ دیکھنے والا محسوس کرتا تھا، ایک نہایت طاقتور چہرہ اُس کے سامنے ہو۔ خصوصاً اُس کی نگاہیں ایسی روشن، ایسی مطمئن، ایسی ساکن تھیں، کہ معلوم ہوتا تھا، دنیا کی ساری راحت اور سکون انہی دو حلقوں کے اندر سما گئی ہو!

چند لحوں تک یہ شخص شمع اونچی کئے ابن ساباط کو دیکھتا رہا پھر اس طرح آگے بڑھا، گویا اُسے جو کچھ سمجھنا تھا، سمجھ چکا ہو۔ اُس کے چہرہ پر ہلکا سا زیر لب تبسم تھا۔ ایسا دلاویز اور شیریں تبسم جس کی موجودگی انسانی روح کے سارے اضطراب اور خوف دُور کر دے سکتی ہو۔ اُسنے شمعدان ایک طرف رکھ دیا، اور ایک ایسی آواز میں جو شفقت و ہمدردی میں ڈوبی ہوئی تھی، ابن ساباط سے کہا:

"میرے دوست! تم پر خدا کی سلامتی ہو۔ جو کام تم کرنا چاہتے ہو، یہ بغیر روشنی اور ایک رفیق کے انجام نہیں پا سکتا۔ دیکھو، یہ شمع روشن ہو اور میں تمھاری رفاقت کے لئے موجود ہوں۔ روشنی میں ہم دونوں اطمینان اور سہولت کے ساتھ یہ کام انجام دے لیں گے"

وہ ایک لمحہ کے لئے رُکا۔ جیسے کچھ سوچنے لگا ہو پھر اُسنے کہا: "مگر میں دیکھتا ہوں تم بہت تھک گئے ہو۔ تمھاری پیشانی پسینہ سے تر ہو رہی ہو۔ یہ گرم موسم، بند کمرہ، تاریکی اور تاریکی میں ایسی

اور اجنبی سے کہا یہیں بوجھ اُتار دو۔ پھر خود کود کر اندر گیا اور اجنبی نے باہر سے دونوں گٹھریاں اندر پھینک دیں۔ اس کے بعد اجنبی بھی کود کر اندر ہوگیا، اور دونوں عمارت کے اندرونی حصہ میں پہنچ گئے۔ اس عمارت کے نیچے ایک پرانا سرداب (تہ خانہ) تھا جس میں ابن ساباط نے قید خانے سے نکلکر پناہ لی تھی۔ لیکن اسوقت وہ سرداب میں نہیں اُترا۔ وہ نہیں چاہتا تھا۔ اجنبی پر ابھی اس درجہ اعتماد کرے کہ اپنا اصلی محفوظ مقام دکھلادے۔

* * *

جس جگہ یہ دونوں کھڑے تھے درا صل ایک ناتمام ایوان تھا یا تو اسپر پوری چھت پڑی ہی نہ تھی، یا پڑی تھی تو امتداد وقت سے شکستہ ہوکر گر پڑی تھی۔ ایک طرف بہت سے پتھروں کا ڈھیر تھا ابن ساباط انہی پتھروں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ دونوں گٹھریاں سامنے دھری تھیں۔ ایک گوشہ میں اجنبی کھڑا ہانپ رہا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی۔

یکایک اجنبی بڑھا اور ابن ساباط کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا اب رات ختم ہونے پر تھی۔ پچھلی پہر کا چاند درخشندہ تھا۔ کھلی چھت سے اُس کی دھیمی اور ظلمت آلود شعاعیں ایوان کے اندر پہنچ رہی تھیں۔ ابن ساباط دیوار کے سائے میں تھا۔ لیکن اجنبی جو اُس کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا تھا، ٹھیک چاند کے مقابل تھا، اس لئے اُس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ابن ساباط نے دیکھا کہ تاریکی میں ایک درخشاں چہرہ، ایک نورانی تبسم، ایک پُراسرار انداز نگاہ کی دلآویزی سامنے ہو!

"میرے عزیز دوست اور رفیق!" اجنبی نے اپنی اسی دلکُبا اور شیریں آواز میں جو دو گھنٹہ پہلے ابن ساباط کو سنجود کر چکی تھی کہنا شروع کیا "میں نے اپنی خدمت پوری کرلی ہو۔ اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ اس کام کے کرنے میں مجھ سے جو کمزوری اور سُستی ظاہر ہوئی اور اُس کی وجہ سے بار بار تھیں پریشان خاطر ہونا پڑا، اُس کے لئے میں بہت شرمندہ ہوں اور تم سے معافی چاہتا ہوں مجھے اُمید ہو تم معاف کردوگے۔ اس دُنیا میں ہماری کوئی بات بھی خدا کے کاموں سے اس قدر ملتی جُلتی نہیں ہو جس قدر یہ بات کہ ہم ایک دوسرے کو معاف کردیں اور بخشدیں۔ لیکن قبل اس کے کہ میں تم سے الگ ہوں، تھیں بتلادینا چاہتا ہوں کہ میں وہ نہیں ہوں، جو تم نے خیال کیا ہو۔ میں اُسی مکان میں رہتا ہوں جہاں آج تم سے ملاقات ہوئی تھی، اور تم نے میری رفاقت قبول کرلی تھی۔ میری عادت ہو کہ رات کو تھوڑی دیر کے لئے اُس کمرے میں جایا کرتا ہوں جہاں تم بیٹھے تھے۔ آج آیا تو دیکھا، تم اندھیرے میں بیٹھے ہو اور تکلیف اُٹھا رہے ہو۔ تم میرے گھر میں میرے عزیز مہمان تھے۔ افسوس میں آج اس سے زیادہ تمھاری تواضع اور خدمت نہ کرسکا۔ تم نے میرا مکان دیکھ لیا ہو۔ آیندہ جب کبھی تھیں ضرورت ہو، تم بلا تکلف اپنے رفیق کے پاس چلے آسکتے ہو۔ خدا کی سلامتی اور برکت ہمیشہ تمھارے ساتھ رہی"

یہ کہا اور آہستگی سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر مصافحہ کیا، اور تیزی کے ساتھ نکلکر روانہ ہوگیا۔

اجنبی خود تو روانہ ہوگیا لیکن ابن ساباط کو ایک دوسرے ہی عالم میں پہونچا دیا۔ اب وہ مبہوت اور مدہوش تھا۔ اُس کی آنکھیں کھُلی تھیں۔ وہ اُسی طرف تک رہی تھیں جس طرف سے اجنبی روانہ ہوا تھا، لیکن معلوم نہیں اُسے کچھ سوجھائی بھی دیتا تھا یا نہیں؟

* * *

دوپہر ڈھل چکی ہو۔ بغداد کی مسجدوں سے جوق جوق نمازی نکل رہے ہیں۔ دوپہر کی گرمی نے امیروں کو تہ خانوں میں اور غریبوں کو دیواروں کے سائے میں بٹھا دیا تھا۔ اب دونوں نکل رہے ہیں۔ ایک تفریح کے لئے، دوسرا مزدوری کے لئے۔ لیکن ابن ساباط اس وقت تک وہیں بیٹھا ہو جہاں صبح بیٹھا تھا۔ رات والی دونوں گٹھریاں سامنے پڑی ہیں، اور اُس کی نظریں اس طرح اُن میں گڑی ہوئی ہیں گویا اُن کی شکنوں کے اندر اپنے رات والے رفیق کو ڈھونڈھ رہا ہے!

بارہ گھنٹے گزر گئے، لیکن جسم اور زندگی کی کوئی ضرورت بھی اُسے محسوس نہیں ہوئی۔ وہ بھوک جس کی خاطر اُسنے اپنا ایک ہاتھ کٹوایا تھا، اب اُسے نہیں ستاتی۔ وہ خوف جس کی وجہ سے سورج کی روشنی اُس کے لئے دنیا کی سب سے زیادہ نفرت انگیز چیز ہو گئی تھی، اب اُسے محسوس نہیں ہوتا! اُس کے دماغ کی ساری قوت صرف ایک نقطہ میں سمٹ آئی ہو۔ اور رات والے عجیب غریب "اجنبی" کی صورت ہو۔ وہ خود تو اُس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی، مگر اُسے ایک ایسے عالم کی جھلک دکھا دی، جو اب تک اُس کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا!

اُس کی ساری زندگی گناہ اور سیہ کاری میں بسر ہوئی تھی اُسنے انسانوں کی نسبت جو کچھ دیکھا سُنا تھا، وہ یہی تھا کہ خودغرضی کا پُتلہ اور نفس پرستی کی مخلوق ہو۔ وہ نفرت سے مُنہ پھیر لیتا ہے، بے رحمی سے ٹھکرا دیتا ہو، سخت سے سخت سزائیں دیتا ہو؛ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ محبت بھی کرتا ہو، اور اُسمیں فیاضی، بخشش، اور قربانی کی بھی روح ہوسکتی ہو۔ بچپن میں اُسنے بھی خدا کا نام سُنا تھا اور لوگوں کو خدا پرستی کرتے دیکھا تھا۔ لیکن جب زندگی کی کشاکش کا میدان سامنے کھُلا تو اُس کا عالم ہی دوسرا تھا۔ اُسنے قدم اُٹھا دیا اور حالات کی رفتار جس طرف لے گئی، بڑھ گیا۔ نہ تو خود اُسے کبھی مُہلت ملی کہ خدا پرستی کی طرف متوجہ ہوتا، اور نہ انسانوں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس کی کہ اُسے خدا سے آشنا کرتے۔ جوں جوں اُس کی شقاوت بڑہتی گئی، سوسائٹی اپنی سزا وعقوبت کی مقدار بھی بڑہاتی گئی۔ سوسائٹی کے پاس اُسکی شقاوت کے لئے بے رحمی تھی، اس لئے یہ بھی دنیا کی ساری چیزوں میں سے صرف بے رحمی ہی کا خوگر ہوگیا۔

لیکن اب اچانک اُس کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا۔ آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہو۔ یہ جب چمکتا ہو تو روح اور دل کی ساری تاریکیاں دُور ہوجاتی ہیں۔ اب یکایک اس سورج کی پہلی کرن ابن ساباط کے دل کے تاریک گوشوں پر پڑی، اور وہ بہ یک دفعہ تاریکی سے نکلکر روشنی میں آگیا۔

اجنبی کی شخصیت اپنی پہلی ہی نظر میں اُس کے دل تک پہنچ چکی تھی، لیکن وہ جہالت دگرہی سے اُس کا مقابلہ کرتا رہا۔ اور حقیقت کے فہم کے لئے طیار نہیں ہوا۔ لیکن جونہی اجنبی کے آخری الفاظ نے وہ پردہ ہٹا دیا جو اُسنے اپنی آنکھوں پر ڈال لیا تھا، حقیقت اپنے پُوری شان تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہوگئی، اور اب اس کی طاقت سے باہر تھا کہ اس تیر کے زخم سے سینہ بچالے جاتا!

اُسنے اپنی جہالت سے پہلے خیال کیا تھا۔ اجنبی بھی میری طرح کا ایک چور ہو، اور اپنا حصہ لینے کے لئے میری رفاقت و اعانت کر رہا ہے۔ اُس کا ذہن یہ تصور ہی نہیں کرسکتا تھا کہ بغیر غرض اور انتفاع کے ایک انسان دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرسکتا ہو۔ لیکن جب اجنبی نے چلتے وقت بتلایا کہ وہ چور نہیں، بلکہ اُسی مکان کا مالک ہو جس مکان کا مال و متاع غارت کرنے کے لئے وہ گیا تھا، تو اُسے ایسا محسوس ہوا، جیسے یکایک ایک بجلی آسمان سے گر پڑی:

"یہ چور نہیں تھا۔ مکان کا مالک تھا۔ لیکن اُس نے چور کو پکڑ کے اور سزا دلا دینے کی جگہ اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" اس "کیا سلوک کیا؟" کا جواب اُس کی روح کے لئے ناسور اور اُس کے دل کے لئے ایک دہکتا ہوا انگارا تھا۔ وہ جس قدر سوچتا، روح کا زخم گہرا ہوتا جاتا، اور دل کی تپش بڑہتی جاتی۔ اس تمام عرصہ میں اجنبی کے انھیں جو گزرا تھا، اُس کا ایک ایک واقعہ، ایک ایک حرف یاد کرتا، اور ہر بات کی یاد کے ساتھ ایک تازہ زخم کی چبھن محسوس کرتا۔ جب ایک مرتبہ حافظہ میں یہ سرگزشت ختم ہوجاتی، تو پھر نئے سرے سے یاد کرنا شروع کردیتا، اور آخر تک پہونچا کر پھر ابتدا کی طرف لَوٹتا۔ "میں اُس کے یہاں چوری کرنے کے لئے گیا تھا۔ میں چور تھا۔ میں اس کا مال و متاع غارت کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اُسے بھی چور سمجھا۔ اُسے گالیاں دیں۔ بے رحمی سے ٹھوکر لگائی..... مگر اُسنے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟" ہر مرتبہ اس آخری سوال کا جواب سوچتا اور پھر یہی سوال دُہرانے لگتا۔

* * *

سُورج ڈوب رہا تھا۔ بغداد کی مسجدوں کے مناروں پر مغرب کی اذان کی صدائیں بلند ہورہی تھیں۔ ابن ساباط بھی اپنے غار کے گوشہ میں اُٹھا۔ چادر جسم پر ڈالی اور بغیر کسی جھجھک کے باہر نکل گیا۔ اب اس کے دل میں خوف نہیں تھا۔ کیونکہ خوف کی جگہ ایک دوسرے ہی جذبہ نے لے لی تھی!

وہ کرخ کے اُسی حصہ میں پہونچا جہاں رات گیا تھا۔ رات والے مکان کے پہچاننے میں اُسے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ مکان کے پاس ہی ایک لکڑہارے کا جھونپڑا تھا یہ اُس کے پاس گیا اور پوچھا:

"یہ جو سامنے بڑا سا احاطہ ہو، اسمیں کون تاجر رہتا ہو؟"

"تاجر" بوڑھے لکڑہارے نے تعجب کے ساتھ کہا "معلوم ہوتا ہو تم یہاں کے رہنے والے نہیں ہو۔ یہاں تاجر کہاں سے آیا؟ یہاں تو شیخ جنید بغدادی رہتے ہیں"

ابن ساباط اس نام کی شہرت سے بے خبر نہ تھا لیکن صورت آشنا نہ تھا۔

ابن ساباط مکان کی طرف چلا۔ رات کی طرح اسوقت بھی دروازہ کھُلا تھا۔ یہ بے تامل اندر چلا گیا۔ سامنے وہی رات والا ایوان تھا۔ یہ آہستہ آہستہ بڑھا اور دروازہ کے اندر نگاہ ڈالی۔ وہی رات والی چٹائی بچھی تھی۔ رات والا تکیہ ایک جانب دھرا تھا۔ تکیہ سے سہارا لگائے "عجیب اجنبی" بیٹھا تھا۔ تیس بہ آدمی سامنے تھے۔ واقعی "اجنبی" "تاجر" نہیں تھا۔ شیخ جنید بغدادی تھے!

اتنے میں عشا کی اذان ہوئی لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جب سب لوگ جا چکے تو شیخ بھی اُٹھے جونہی انھوں نے دروازہ کے باہر قدم رکھا، ایک شخص بے تابانہ بڑھا اور قدموں پر گر گیا۔ یہ ابن ساباط تھا۔ اُس کے دل میں سمندر کا تلاطم بند تھا۔ آنکھوں میں جو کبھی تر نہیں ہوئی تھیں دجلہ کی سوتیں بھر گئی تھیں۔ دیر تک رُکی رہیں مگر اب نہیں رُک سکتی تھیں۔ آنسوؤں کا سیلاب آجائے تو پھر دل کی کونسی کثافت ہو جو باقی رہ سکتی ہو؟

شیخ نے شفقت سے اُس کا سر اُٹھایا۔ یہ کھڑا ہوگیا مگر زبان نہ کھُل سکی اور اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی؟ جب نگاہوں کی زبان کھُل جاتی ہو تو مُنہ کی زبان کی ضرورت باقی نہیں رہتی!

* * *

اس واقعہ پر کچھ عرصہ گذر چکا ہو۔ شیخ احمد ابن ساباط کا شمار سید الطائفہ کے حلقہٴ ارادت کے اُن افراد میں ہو جو سب میں پیش

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین — القرآن الحکیم

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۷ | کلکته : جمعه ۲۹ ـ محرم ۱۳۴۶ هجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 29, July 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

ضروری هی که هم اسکا اب فیصله کر لین

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی ـ

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای ـ

پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی ـ

هندی اور هندوستان کی تمام زبانون نی، نیز عربی، فارسی، ترکی، تینون سامی زبانون نی حروف کی چهپائی اختیار کر لی هی اور انکی طباعة یورپ کی طباعة کا مقابله کر رهی هیں ـ کیون اردو زبان بهی ایسا نه کری جو اسی رسم الخط مین لکهی جاتی هی ؟

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین **الهلال** چهپتا هی ـ اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین ـ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ـ لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ـ

همارى راى مین بهترین حروف یهی هین ـ اگر فارسی اور ترکی کیلیی یه نا موزون نهین تو اردو کیلیی کیون نا موزون هون ؟

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی راى سی همین اطلاع دیجیی ـ یاد رکهیی ـ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی ـ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ـ

الهلال

ھر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع ھوتا ھے

قیمت سالانه مع محصول	بارہ روپیه
ھندوستان سے باھر کیلیے	سوله روپیه
قیمت شش ماھي	سات روپیه
قیمت فی پرچه	پانچ آنه

---

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " مینیجر الہلال " کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ھوں انکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام ھونا چاھیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه ھوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدي گئي ھے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ھفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رھے ھیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ھفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ھے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

علم الاثار مصر

(قديم مصری عقائد - معاد اور حشر و نشر)

مقتبس از تحقیقات ڈاکٹر احمد کمال بک مرحوم

(۲)

(ممي کرنا)

لاش کے ممي کرنے کا طريقه يه تها که پہلے ناک کے راستے سے دماغ نکال ليتے تهے - پهر معده اور آنتيں نکال کر پيٹ صاف کرتے تهے - قسم قسم کے خوشبوئيں اندر بهرتے تهے - پهر جسم کو نمک ديکر ستر دن تک نول تار ميں رکهتے تهے - اس کے بعد دهوتے تهے اور کپڑے کي پٹيوں ميں ملفوف کر ديتے تهے - جسم کي حفاظت کيليے ٹونے اور ٹوٹکے بهي کرتے ' اور قسم قسم کے تعويذ لٹکاتے - يه دستور عام تها که چہرے اور انگليوں پر سونے کا ملمع کر ديتے تهے - خيال تها که جس طرح سونا بگڑتا نہيں ' اسي طرح اس عمل سے جسم بهي نہيں بگڑے گا - قبر کے اندر مردے کے کئي بت بهي رکهديتے تهے - تاکه اگر جسم ميں کچهه بگاڑ پيدا هو تو ان بتوں کي وجه سے روح برابر آتي جاتي رهے - ممي کرنے کا جو طريقه مصريوں نے ايجاد کيا تها ' وه علم کي اتني ترقي پر بهي جو بيسويں صدي تک هو چکي هے ' موجوده دنيا ايجاد نه کر سکي - حتى که اس کا مصالحه بهي همیں معلوم نہيں -

(سحر)

ليکن روح کي واپسي کے ليے صرف اسي قدر کافي نہيں تها - سحر کي بهي ضرورت سمجهي جاتي تهي - اس موقعه پر جو سحر کيا جاتا تها ' وه " اوزيس " کے افسانه سے اخذ کيا گيا تها - افسانه يه هے که " اوزي ريس " کو اس کے بهائي " ست " نے قتل کر کے اس کي بوٹياں کاٹيں اور هر بوٹي دوسري بوٹي سے بہت دور پهينک دي - ان کا خيال تها که اوزي ريس پہلا آدمي تها جسے موت آئي - اس سے پہلے آدمي مرتے نہيں تهے - اس کے قتل کے بعد اس کي بيوي " ايزيس " بہن " نفتيس " ' بيٹے " هوريس " ' دوست " انوبس " اور " توت " نے سحر کے زور سے اس کي منتشر بوٹياں جمع کرليں - انهيں باهم جوڑا ' اور جب پورا جسم جمع هوگيا تو اسے برهنه ' ريگ پر کهڑا کرديا - پهر " هوريس " اور " توت " نے جادو کا اوزار اس کے منهه ' آنکهه ' کان ' بازو ' اور پيروں پر رکها - اوزار رکهنا تها که فوراً پورا جسم اسطرح جڑ گيا ' گويا کبهي کٹا هي نه تها - ليکن روح اب بهي واپس نه آئي - وه تو قاتل " ست " کے قبضه ميں تهي - يه ديکهکر " هوريس " ' " توت " اور ان کے ساتهيوں نے روح کي جستجو شروع کي - آخر معلوم هوا که روح تين جانوروں : بيل ' هرن ' اور بط ميں سما گئي هے - انهوں نے کوشش جاري رکهي ' اور ان جانوروں کے جسم سے روح نکالنے ميں کامياب هوگئے - اس وقت " هوريس " خوشي خوشي روح لايا ' اور اپنے باپ " اوزي ريس " کے منهه پر بوسه ديکر اس کے جسم ميں اتار دي - " اوزي ريس " زنده هو گيا - شايد اسي وقت سے بوسه ' محبت کي علامت قرار پا گيا هے !

اس واقعه کے بعد سے " اوزي ريس " دائمي زندگي کا ديوتا تسليم کرليا گيا - کيونکه موت اسے مغلوب نه کرسکي - اس ديوتا سے دوسرے ديوتاؤں ' فرعونوں ' اور تمام مصريوں کو زندگي حاصل هوئي - سقاره ميں چهٹے خاندان کے ايک هرم پر " کتاب ابديت " کا يه باب کنده هے اور پڑهه ليا گيا هے -

(آخرت کي زندگي)

مصريوں کا ابتدا ميں عقيده يه تها که آخرت ميں بهي انسان بالکل ويسي هي زندگي بسر کرتا هے ' جيسي دنيا ميں اسکي زندگي هوتي هے - فرق صرف اسقدر هے که يہاں کے مصائب و آلام وهاں نہيں هيں - يهي سبب هے که وه مردے کي قبر ميں وه تمام چيزيں رکهديا کرتے تهے جو دنياوي زندگي ميں اسے مرغوب تهيں - چنانچه قسم قسم کے کهانے ' کپڑے ' زيور ' ساتهه دفن کر ديتے تهے اور سمجهتے تهے ' وه مرنے کے بعد بهي انسے متمتع هوگا - يهي نہيں بلکه قبر کي ديواروں پر ان چيزوں کي تصويريں بهي بنا ديتے تهے - نيز اسکي دلچسپي کي چيزوں مثلاً شکار ' دريا ' ميدان جنگ وغيره کے مناظر بهي کنده کر ديتے - انهيں يقين تها که سحر کے ذريعه يه تمام تصويريں اور نقوش اصلي هوجائينگے ' اور ان سے مردے کو وهي لطف حاصل هوگا جو زندگي ميں حاصل هوتا تها !

ليکن بتدريج ان خيالات ميں وسعت هوئي - انهوں نے محسوس کيا که دنياوي زندگي آخري زندگي کا کوئي اعلى نمونه نہيں هے - چنانچه اسي کا نتيجه هے که " جنت " کا خيال پيدا هوا -

(جنت)

ليکن جنت کے تخيل نے بهي بتدريج ترقي کي - شروع ميں انکي جنت ' سر زمين مصر هي جيسا ايک خيالي خطه تها جسميں نہريں جاري تهيں ' سبزه لہلهاتا تها ' زندگي کي جمله دلفريبياں جمع تهيں - ليکن اس جنت ميں باوجود هر قسم کے آرام و راحت کے ' آدمي کو محنت کرنے پر بهي مجبور هونا پڑتا تها - اسے اپنا باغ خود درست کرنا پڑتا اور کهانے کے ليے خود هي کهيتي کرني پڑتي تهي - بعد ميں محنت کا خيال جاتا رها ' اور بلا کسي تکليف کے کهانا پاني حاصل هونے لگا - اس کے بعد جنت سر زمين مصر سے اٹهکر ملاء اعلى ميں پهنچ گئي جہاں کي رونق اور دلفريبي حد تصور سے باهر هے !

يه معاد کے مصري عقيدے کي انتهائي ترقي تهي -

والٹیر

جسنے کلیسائي اور شاهي استبداد کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تها !

مہذب ' سنجیدہ ' با اصول ' فیاض ' اور دوستوں کا وفادار دکھائي دیتا ھے - کبھي اپنے دوستوں پر جان و مال قربان کرنے پر تلا ھے - کبھي دشمنوں کو پاؤں سے روند ڈالنے پر اڑا ھے - والٹیر ایسي هي متناقض صفات و اخلاق کا مجموعہ ھے !

لیکن یہ صفتیں اُسکي شخصیت کي اصلي بنیادیں نہیں هیں - اُسکي شخصیت کے ستون جس چٹان پر قائم تھے ' وہ اُسکي اعلی دماغي قابلیت اور حیرت انگیز ذهانت تھي - ثبوت کے لیے کسي تاریخي شہادت کي ضرورت نہیں - اُسکي کتابیں خود سب سے بڑي شہادت هیں - نناوے ضخیم جلدیں اُسکي یادگار هیں - اُنکا هر صفحہ روشني کے حرفوں میں لکھا ھے - هر سطر اپني جگهہ پر ایک کامل سحر ھے - اِتني بڑي ' اِتني کثیر ' اِتني متنوع کتابیں ' کم لوگوں نے چھوڑي هیں - وہ معلومات و مباحث کي وسعت و تنوع کے لحاظ سے انسائیکلو پیڈیا کا حکم رکھتي هیں - تاهم حشو و زواید بہت کم هیں -

خود والٹیر کا قول ھے " میرا پیشہ یہ ھے کہ جو کچھہ میرے ذهن میں آئے اُسے کہڈالوں " زندگي بھر اسنے اسي پر عمل کیا - لیکن اسکے ذهن میں همیشہ وهي آتا تها جو کہنے کے لائق هوتا تها - لغو افکار سے اسکا دماغ بالا تر تها ' اُسکي سب سے بڑي مہارت یہ تھي کہ هر خیال کو ایسے پیرایہ میں ادا کردیتا تها کہ سامعین وجد کرنے لگتے تھے !

والٹیر کي سب سے زیادہ موثر ' دلچسپ ' اور عجیب تحریریں وہ هیں ' جو اس نے مسیحي کلیسا کے خلاف لکھي هیں - معلوم ھے کہ اُس نے کلیسا کے جمود اور تعصب کے خلاف (خود اُسي کے لفظوں میں) جنگ مقدس (کروسیڈ) کا اعلان کیا تها - اِن تحریروں میں اُس نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے هیں - لفظ اور سطریں نہیں هیں ' جرار فوجیں هیں جو حملہ آور هو رهي هیں - در حقیقت مسیحي کلیسا کے هزار سالہ تخت حکومت کے پائے اسي کے نوک قلم سے ٹوٹے ' اور اس طرح ٹوٹے کہ پھر کسي طرح بھي استوار نہ هوسکے !

والٹیر کي شہرت صرف اسکي کتابوں اور قصیدوں هي سے نہیں هوئي بلکہ وہ بہت بڑا مقرر اور لسان بھي تها - اِنھیں مختلف قابلیتوں کے مجموعہ نے اُسے اپنے زمانہ کا سب سے بڑا آدمي بنا دیا !

والٹیر ' غضب کا محنتي تها - کام سے کبھي نہیں تھکتا - یہي سبب ھے کہ وہ اتنا بڑا علمي ذخیرہ چھوڑ گیا ' جتنا اسکے کسي هم عصر کے امکان میں نہ تها - اُسکي غیر معمولي چستي کے ثبوت میں خود اُسي کے بہت سے اقوال پیش کیے جا سکتے هیں - وہ کہتا ھے :

" سستي اور عدم ایک چیز ھے "

ایک اور جگهہ لکھتا ھے :

" تمام آدمي اچھے هیں ' بجز اُنکے ' جنکے پاس کرنے کے لیے کوئي کام نہیں ! "

اُسکے سکریٹري کا بیان ھے :

" والٹیر بڑا سخي تها - صرف اپنے وقت میں بخل کرتا تها "

اُسکا مشہور مقولہ ھے :

" زندگي کے مصائب کم کرنے کے لئے نفس کو همیشہ زیادہ سے زیادہ کام میں مشغول رکھنا چاهئے ... میري عمر جتني زیادہ هوتي جاتي ھے ' محنت کي ضرورت کا اتنا هي زیادہ یقین هوتا جاتا ھے - جو شخص محنت کا عادي هو جاتا ھے ' اُسے محنت میں اتني مسرت حاصل هوتي ھے کہ زندگي کي تمام کلفتیں بھول جاتا ھے "

اُسکا یہ قول ضرب المثل هو گیا ھے :

" اگر خود کشي منظور نہیں ھے تو اپنے لیے کوئي کام پیدا کرلو " اِسي جملہ سے لوگوں نے خیال کیا ھے کہ اسکے دل میں خود کشي کا خیال پیدا هوا کرتا تها - اسي لیے وہ همیشہ کام میں منہمک رهتا تها -

(اٹھارهویں صدي کي روح)

ویکٹر هیوگو کا قول ھے :

" والٹیر اور اُس کي روح کا سمجھہ لینا پوري اٹھارهوي صدي کي روح کا سمجھہ لینا ھے "

" اٹلي ایک بڑي تہذیب کا منبع تها - جرمني سے اصلاح دیني کا سر چشمہ پھوٹا - لیکن فرانس ؟ تو فرانس میں والٹیر تها - والٹیر ایک پوري قوم تها - انقلاب عظیم کي دعوت تها - نہیں ' سرتاپا انقلاب تها - فرانس کا مشہور انقلاب ' جس نے خون کي موجوں سے ایک نئي دنیا پیدا کر دي ' والٹیر هي کا ایک افسون حیات تها - یہ شخص اپنے اندر سب کچھہ رکھتا تها - اُس میں " مونٹین " کا شک تها - " رابیلیہ " کا تمسخر تها - " لوتھر " کي حملہ آورانہ قوت تھي - اُسي نے میرابو ' مورات ' ڈانٹن ' روبسپیرو ' پیدا کیے تھے ' اور وہ بارود بنائي تھي جس سے اُنھوں نے دنیا کے تمام نظام هائے قدیم کي عمارتیں بہ یک دفعہ هوا میں اڑادیں ! "

لامارٹین کہتا ھے :

" اگر انسان کا عمل اُس کي عظمت کا میزان ھے تو بلا شک والٹیر موجودہ یورپ کا سب سے بڑا کاتب تها - قدرت نے اُس کي عمر میں برکت دي - ۸۳ سال زندہ رها - قدیم نظام کے معائب معلوم کیے ' اس کے خلاف جہاد کیا ' اور جب مرا تو رهي فتحمند تها - "

کسي مصنف کو بھي اپنے عہد میں اِتنا اقتدار حاصل نہیں هوا ' جتنا والٹیر نے حاصل کیا تها - تمام جہان اُس کا مخالف تها - کلیسا جو اُس وقت تک سب سے بڑي قوت تھي ' دشمن تها - حکومت خون کي پیاسي تھي - اُسے قید کیا گیا - جلا وطن کیا گیا - ذلیل کیا گیا - اُس کي کتابیں روکي گئیں ' جلائي گئیں '

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

والٹیر

FRANCOIS DE VOLTAIRE.

اردو علم ادب کي بے مايگي هر گوشۂ علم و فن ميں نماياں هے - ليکن سب سے زيادہ افسوس ناک کمي يہ هے کہ اِس وقت تک علوم و ادبيات کي وہ اُمہات و اصول بهي اردو ميں منتقل نہ هوسکيں جن کے بغير موجودہ عہد کي کوئي زبان ' ترقي پذير زبان تسليم نہيں کي جا سکتي - " اُمہات و اصول " کا لفظ جب کبهي علوم و کتب کے ليے بولا جاتا هے تو اُس سے مقصود يہ هوتا هے کہ هر علم و فن کي وہ بنيادي چيزيں ' جو بمنزلۂ اصل و اساس هيں ' اور جنہوں نے اپنے اپنے دائرۂ بحث و نظر ميں مباديات و قواعد کا درجہ حاصل کر ليا هے - مثلاً منطق ميں ارسطو کا مقالہ ' رياضي ميں اقليدس کے مقالات ' قانون ميں سولن کے مباحث ' طب ميں جالينوس کے رسائل خمسہ ' نظام حکومت ميں افلاطون کي جمہوريۃ ' تاريخ ميں ميں هيرو دوٹس کي کتاب ' فن بلاغۃ ميں جاحظ کے مقدمات ' قصص ميں الف ليلہ ' منطق استقرائي ميں بيکن کا مقالہ ' وغيرہ ذالک - علوم و ادب کا کتنا هي وسيع و وقيع ذخيرہ فراهم هوجائے ' مگر وہ سب برگ و بار هيں -- سب سے پہلے اُن کي جڑيں زبان ميں اُستوار هوني چاهيئں - لطف يہ هے کہ يہ کام کچهہ ايسا دشوار بهي نہيں - اهل علم کي اگر ايک مختصر جماعت مستعد هوجائے ' تو دو تين سال کے اندر اُمہات علوم و ادب کا بڑا حصہ اردو ميں منتقل هو جا سکتا هے - ليکن مشکل يہ هے کہ نہ تو اس وقت تک هم ميں ايسے اهل علم پيدا هوئے هيں جنهيں خدمت علم کا اس درجہ شوق هو ' نہ ملک ميں علمي طلب هے جو اهل علم کو اِس طرف متوجہ کرے - بنياد ان تمام کار و بار علم کي قومي تعليم هے ' اور وهي اس وقت تک مفقود هے -

اِس سلسلہ کا ايک اهم گوشہ يورپ کي جديد تاريخ اجتماع و تمدن کي اُمہات و اصول اور اُنکے رجال علم و نظر هيں - موجودہ دور کي تاريخ ' انقلاب فرانس سے شروع کي جاتي هے - انقلاب فرانس کي تخم ريزي جس عہد ميں هوئي ' وہ اٹهارهويں صدي کا ابتدائي حصہ هے - اِس عہد ميں چند شخصيتيں ايسي پيدا هوگئي تهيں ' جنکي دماغي سيرت ميں وقت کي تمام انقلابي قوتيں سمٹ آئي تهيں - وہ سرتا پا پيکر انقلاب تهيں - اُنهي کے دماغ و قلم نے انقلاب فرانس کي تخم ريزي کي ' اور اُنهي کے مباديات واصول هيں جن سے يورپ کے نئے دور کي تاريخ کا آغاز هوا - مورخين نے انهيں " انقلاب کے ارکان ثلاثہ " سے تعبير کيا هے - اگرچہ تعداد ميں تين سے زيادہ هيں ' ليکن قلم و کتابت کي تقسيم ميں اُنکے حلقے تين هي هيں :

(۱) والٹير Valtaire -

(۲) روسو Rausseou -

(۳) اور انسائيکلو پيڈيا کے اهل قلم The Encyclopedie -

آخري جماعت اس لقب سے اسليے موسوم هوئي کہ اس نے سب سے پہلے فرانسيسي زبان ميں انسائيکلو پيڈيا مرتب کي ' اور علم اور حريت فکر کے مباحث کي اشاعت اُس کے اوراق و مجلدات کے ذريعہ هوئي - اس ميں سب سے زيادہ نامور اهل قلم دو تهے : ڈيڈرو diderot اور ڈالمبرٹ D' Alembert -

ايک مدت سے مجهے خيال تها کہ ان ارکان ثلاثہ کي وہ تحريريں جن کا شمار اُمہات و مباديات ميں سے کيا جاتا هے ' اردو ميں منتقل کردي جائيں ' تا کہ علاوہ اردو علم ادب کي تکميل کے ' غير انگريزي داں طبقہ کے مطالعہ کيليے تاريخ جديد کے ڈهني مباديات مہيا هوجائيں ' اور وہ اسکے محاسن و نقائص ' دونوں سے با خبر هوسکيں - کئي سال هوے ' ميں نے روسو کا "لا کنٹرکٹ سوشيل" Le Contrat Social اور ايميل Emilius ترجمہ کيليے بعض دوستوں کو ديا تها - کچهہ حصہ کا ترجمہ هوا بهي ' ليکن افسوس هے کہ انکي بے ذوقي تکميل سے مانع هوي اور اُسکے بعد مجهے بهي توجہ کرنے کي مہلت نہ ملي - ميرے کرنے کے کام دوسرے هيں جن کي تکميل و اشاعت سے ابتک عہدہ برا نہ هوسکا - ان کاموں کے ليے وقت کہاں سے لاؤں ؟

ليکن اب الهلال شائع هوا هے تو اسکے صفحات کے تنوع ميں هر طرح کے بحث و نظر کي گنجائش هے - خيال هوا ' کم از کم ايک سلسلہ مضامين اس موضوع پر ايسا مرتب کرديا جائے ' جس سے ايک حد تک کتابوں کے فقدان کي تلافی هوسکے - چنانچہ آج " والٹير " سے يہ سلسلہ شروع کيا جاتا هے - اس کے تين حصے هيں - پہلا حصہ جو آج شائع کيا جاتا هے اُسکي دماغي سيرۃ پر اجمالي نظر هے اور اُسکے مختصر حالات زندگي پر مشتمل هے - دوسرے ميں اُسکے اصول و تعليمات کا خلاصہ هے - تيسرے ميں اسپر نقد و تبصرہ هے - اور وهي اس سلسلہ کي سب سے زيادہ اهم چيز هوگي -

(والٹير)

ايک دن والٹير ' مشہور رقاصہ رومانيل کے ساتهہ اُسکي گاڑي ميں بيٹها تها - رقاصہ تهيٹر جا رهي تهي جہاں اُسے والٹير کے شہرۂ آفاق ڈراما " ميروب " کي مشق کرنا تهي - وہ بہت پريشان تهي - کہنے لگي " کاميابي کے ساتهہ يہ ڈراما اور اُسکے دقيق جذبات دکهانے کيليے ضروري هے کہ ميرے جسم ميں شيطان حلول کر جائے "

" سچ هے بيگم ! هر فن ميں کاميابي اسي پر موقوف هے کہ شيطان جسم ميں حلول کر جائے " والٹير کا جواب تها !

والٹير کے تمام دشمنوں نے خصوصاً کليسائی حريفوں نے بيک زبان کہا هے کہ شيطان اسکے اندر حلول کيے تها - چنانچہ سينٹ بوف کا قول هے " ابليس اُسکے جسم ميں تها " روميسٹر کہتا هے " يہہ شخص ' جہنم کي تمام قوتوں اور هولناکيوں کا مالک تها " !

دراصل والٹير اپنے وقت کا پورا آدمي تها - يورپ کي اٹهارويں صدي کي ادبيات کي سچي تصوير اِس فلسفي شاعر ميں هم ديکهہ سکتے هيں - اُسکي تصانيف ميں اُس عصر کي جملہ بهلائياں اور برائياں ' دونوں جمع هوگئي هيں - کبهي وہ نہايت مذموم ' کج خلق ' بد اطوار ' فحاش ' بے اصول ' مفرط ' اور کمينہ نظر آتا هے - کبهي از حد لطيف '

پڑا - یہ اُس کا پہلا عشق تھا - اسلیے عمر بھر اسکي چبھن دل میں باقي رھي !

سنہ ۱۵ ۱۷ - میں والٹیر اپنے والد سے علحدہ ھوکر پیرس پہونچا - اِسي زمانہ میں لوئي چہاردھم نے انتقال کیا اور لوئي پانزدھم تخت نشین ھوا - بادشاہ کمسن تھا ' اسلئے سلطنت کي باگیں اُسکے مربي فلیپ ڈورلاین کے ھاتھوں میں آگئیں - یہ شخص کم ھمت اور ضعیف الارادہ تھا - ملک میں بد امني پھیل گئي - پیرس اِسکا مرکز تھا - والٹیر شورش پسندوں میں داخل ھوگیا ' اور اپني بے باکي اور جرأت کي وجہہ سے بہت جلد ممتاز جگہ حاصل کرلي -

اُسکي جرأت کا اندازہ صرف اِس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ھے کہ نائب سلطنت نے کفایت شعاري کے خیال سے شاھي اصطبل کے آدھے گھوڑے بیچ ڈالنے کا حکم دیا تھا - اِس پر والٹیر نے ایک مضمون میں لکھا " کاش نائب سلطنت آدھے گدھوں کي فروخت کا بھي حکم صادر کردیتے جو حکومت کي اونچي کرسیوں پر بیٹھتے ھیں ! "

حکام کي نظر سے یہ مضمون گذرا تو سخت برھم ھوے - پھر نائب سلطنت کي ھجو میں دو قصیدے شایع ھوئے اور خیال کیا گیا کہ والٹیر نے ھي لکھے ھیں - اب پوري حکومت اسکي دشمن ھوگئي - ایک دن کسي تفریح گاہ میں نائب سلطنت نے والٹیر کو دیکھا اور بلاکر کہا " میں تم سے شرط باندھتا ھوں کہ عنقریب تمھیں ایک ایسي جگہہ بھیجدونگا جسے تمھاري ان آنکھوں نے کبھي نہیں دیکھا ھے ! " والٹیر نے تمسخر سے سوال کیا " وہ کون جگہہ ھوسکتي ھے ؟ " نائب نے کہا " باستل کي تاریک کوٹھریاں ! "

اِس گفتگو پر پورے چوبیس گھنٹے بھي نہیں گذرے تھے کہ والٹیر باستل کے خوفناک قید خانہ میں بند تھا - یہ واقعہ سنہ ۱۷۱۷ - کا ھے - کاش اُس وقت حکومت کو معلوم ھوتا کہ ایک دن یہي باستل والٹیر کے پیدا کردہ انقلاب کے ھاتھوں منہدم ھوکر رھیگا !

اِس وقت تک والٹیر اپنے اصلي نام " فرانسوا ماري اروبہ " سے مشہور تھا - لیکن قید ھونے کے بعد آیندہ حکومت کے شکنجہ سے بچنے کے لیے ' ایک فرضي نام اختیار کرلیا جو والٹیر تھا - یہ فرضي نام اس درجہ مشہور ھوا کہ آج تاریخ کے سوا کہیں بھي اس کا اصلي نام نہیں ملسکتا -

قید خانہ میں اُسنے بڑي ھمت و جرات سے کام لیا ' اور اپني شہرۂ آفاق کتاب " ھنریاڈ " تصنیف کي - یہ در اصل ھنري چہارم کا قصہ ھے جو پہلے پروٹسٹنٹ ھوا تھا - پھر دوبارہ کیتھولک ھو گیا ' اور آخرکار قتل کیا گیا -

قید خانہ میں وہ گیارہ مہینے رھا - اِس اثنا میں اُسے سخت جسماني تکلیفیں دي گئیں - لیکن بعد میں خود نائب سلطنت کو رحم آ گیا - عزت کے ساتھہ رھا کر دیا گیا اور سالانہ وظیفہ بھي مقرر ھوگیا - والٹیر کي شوخ طبعي کا اندازہ اِس سے ھو سکتا ھے کہ اُس نے نائب سلطنت کو شکریہ کا خط اِن الفاظ میں لکھا تھا :

" اعلی حضرت نے میرے رزق کا جو اھتمام کیا ھے ' اس کے لیے شکر گزار ھوں - مگر میري دست بستہ درخواست ھے کہ میري سکونت کے انتظام کرنے کي حضور کبھي زحمت گوارا نہ کریں ! "

اُسکا اشارہ قید خانہ کي طرف تھا -

باستل سے نجات پانے کے بعد والٹیر نے اپنا مشہور ڈراما " اوڈیپ " لکھا - یہ ایک نہایت ھي درد انگیز قصہ ھے - بہت مقبول ھوا اور مسلسل ۴۵ دن تک پیرس کے تھیٹروں میں دکھایا گیا - والٹیر کے والد کو اِسکا حال معلوم ھوا تو خاص اُسکے دیکھنے کے لیے پیرس آیا - تماشہ دیکھتے وقت اپني مسرت بار بار یہ کہکر ظاھر کرتا " آہ شیطان آہ شیطان ! "

اسي ڈراما میں اُسنے اپنے یہ انقلاب انگیز خیالات ظاھر کیے تھے :

" ھمارے کاھن ویسے نہیں ھیں جیسا سادہ لوح عوام اُنھیں سمجھتے ھیں "

" اِن کاھنوں کے علوم و معارف کیا ھیں ؟ در اصل ھماري سادہ لوحي اور زود اعتقادي ھي اُن کے علوم و معارف ھیں ! "

" ھمیں اپني قوت پر یقین کرنا اور ایمان لانا چاھیے - ھر چیز خود اپني آنکھوں سے دیکھني چاھیے - درحقیقت ھماري عقل ھي ھمارا معبود ' ھمارا عبادت خانہ ' اور ھمارا کاھن ھے "

اِس ڈراما سے والٹیر نے چار ھزار فرانک حاصل کیے - اُس نے یہ رقم ضایع نہیں کي - بلکہ اُسے اپنا راس المال قرار دیا اور بڑي ھوشیاري سے اُسے بڑھاتا رھا - اُسکا اصول تھا کہ آدمي کو اپني روزي اپني محنت سے کماني چاھیے اور اپني کمائي سے کچھہ نہ کچھہ پس انداز ضرور کرنا چاھیے - وہ کہا کرتا تھا " فلسفہ چھانٹنے سے پہلے آدمي کو زندہ رھنے کي حکمت سیکھني چاھیے " !

الهلال

کا

یہ ۷ - وان نمبر ھے

لیکن

اِس وقت تک توسیع اشاعت کے لیے دفتر نے آپکو کوي زحمت نہیں دي ھے - کیا آپ کو خود اِس طرف توجہ نہ ھوئي ؟

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الهلال کا استقبال کیا ' شاید ھي اُسکي کوئي دوسري نظیر اردو اخبارات میں مل سکے - لیکن مشکل یہ ھے کہ پرچہ کي ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ھے ' اور قیمت اُسکے مقابلہ میں بہت کم - اب یا تو قیمت بڑھاني چاھیے - یا اتني وسیع اشاعت ھوني چاھیے کہ اُس سے قیمت کي کمي کي تلافي ھوجائے -

حتی کہ چھاپنے ' بیچنے ' اور پڑھنے والوں تک کو سزا دی گئی - مگر والٹیر کے عزم و همت میں فرق نہ آیا - وہ تمام دشمنوں پر غالب آیا - تمام مشکلات پر فتحمند ہوا - اُس نے ہمیشہ حق و حقیقت کا اظہار کیا اور بالآخر دنیا کی گردنیں اُس کے علمی و عقلی جبروت کے آگے جھک گئیں - یا تو اُسے ذلیل سمجھا جاتا تھا - یا پھر یہ ہوا کہ پادشاہ ' شہنشاہ ' اور روم کے پوپ تک ' اُس کی خوشامدیں کرنے لگے - سب اُس کی ہیبت سے لرز اٹھے - پاپاؤں کی روحانی گدی اور بادشاہوں کے زریں تخت ہلنے لگے آدھی دنیا نے اِس ساحر کے لیے اپنے دل کھول دئے' اور اُس کی زبان و قلم کا ہر لفظ باشندگان یورپ کے دلوں میں اُتر گیا !

والٹیر ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوا تھا جس کی سب سے بڑی ضرورت تخریب اور شکست و ریخت تھی - جرمنی کا نیٹشے کہتا ہے " ہنسنے والے شیروں کے نمودار ہونے کی ضرورت ہے " والٹیر نے یہ نہیں کہا' مگر وہ سچ مچ کو شیر کی طرح گرجتا اور ہنستا ہوا اٹھا ' اور قدیم نظام کی کہنہ عمارت ڈھا دی - در حقیقت یورپ کی موجودہ بیداری اور تہذیب کا سہرا دو ہی آدمیوں کے سر ہے : والٹیر اور روسو - اِنہی دونوں نے انقلاب فرانس کی تخم ریزی کی' اور وہ سب کچھ مہیا کر دیا جس کی اس انقلاب کو ضرورت تھی - بدنصیب لوئی شانزدهم نے قتل ہونے سے چند دن پہلے قید خانہ میں والٹیر اور روسو کی کتابیں دیکھی تھیں - وہ بے اختیار چلا اٹھا " اِنہی دو آدمیوں نے فرانس کو برباد کیا ہے ! " ظاہر ہے کہ فرانس کی بربادی سے بدنصیب بادشاہ کا مقصود اپنے خاندان کی بربادی تھی - نپولین اعظم کہا کرتا تھا " بور بون (فرانس کا خاندان شاہی) اپنا تخت و تاج محفوظ رکھہ سکتا تھا اگر والٹیر اور روسو کا منھہ بند کر دیتا " خود والٹیر کہتا ہے " کتابیں ہی قوموں پر حکومت کرتی ہیں " اسی کا مقولہ ہے " دماغی تربیت سے بڑھکر کوئی ذریعہ آزادی کا نہیں " ایک اور موقعہ پر اُس نے کہا " جب قوم سوچنے لگ جائے تو پھر منزل مقصود سے اُسے روکنا نا ممکن ہو جاتا ہے " والٹیر کے ظہور کے ساتھہ فرانس نے سوچنا شروع کیا ' اور دنیا کی کوئی قوت بھی اُسے آگے بڑھنے سے روک نہ سکی -

(مختصر سوانح حیات)

والٹیر کا اصلی نام " فرانسو ماری اوریہ " ہے - سنہ ۱۶۹۴ ع میں پیرس میں پیدا ہوا - اُس کا باپ رجسٹرار تھا اور ماں ایک شریف گھرانے کی خاتون تھی - خیال کیا جاتا ہے کہ والٹیر نے اپنی غصہ ور طبیعت اپنے باپ سے ورثہ میں پائی تھی ' اور ذہانت ماں سے - والٹیر کے پیدا ہونے میں اُس کی ماں کو اِتنی تکلیف ہوئی کہ جانبر نہ ہو سکی - وہ خود بھی از حد کمزور تھا - حتی کہ اُس کی دائی نے گود میں لیتے ہی کہہ دیا تھا " بچہ ایک دن سے زیادہ نہیں جیئگا " لیکن اُس کا اندازہ غلط تھا - وہ ۸۴ سال تک زندہ رہا - البتہ بیماریوں اور جسمانی تکلیفوں میں ہمیشہ مبتلا رہا -

والٹیر کا ایک بڑا بھائی بھی تھا - اسکا نام " ارمان " تھا لیکن وہ ازاد خیالی کے جرم میں کلیسا کے حکم سے قتل کر ڈالا گیا - اُسکا ایک واقعہ بہت مشہور ہے - وہ جب قید تھا اور پھانسی کا حکم صادر ہوگیا تھا' تو بعض دوستوں نے رائے دی- توبہ کر کے جان بچالے- لیکن یہ سنکر وہ بہت غضب ناک ہو گیا - اُس نے کہا " دوستو ! شکریہ - اگر تم خود پھانسی پر لٹکنا پسند نہیں کرتے تو اُن لوگوں کی راہ کیوں روکتے ہو جو پھانسی پانا پسند کرتے ہیں ؟ "

والٹیر کا باپ اپنے دونوں لڑکوں کی شکایت کیا کرتا تھا " خدا نے مجھے دو پاگل بیٹے دیے ہیں : ایک کو نثر کا جنون ہے ' دوسرے کو نظم کا " والٹیر نے شعر کہنا اُس وقت سے شروع کیا جبکہ وہ اپنا نام بھی صحیح طور پر نہیں لکھہ سکتا تھا - اُسکا باپ عملی زندگی کا عادی تھا - اُسنے اپنے لڑکے کی یہ حالت دیکھکر افسوس کے ساتھہ یقین کر لیا کہ یہ بالکل ناکارہ نکلے گا - اُسے کیا معلوم تھا' ایک دن اُسکا یہی " ناکارہ " تمام یورپ کا سب سے بڑا اہل قلم تسلیم کیا جائگا !

والٹیر کی ماں کے انتقال کے بعد اُسکا خاندان پیرس چھوڑ کر دیہات میں جا بسا - یہاں ایک دولتمند فاحشہ نے والٹیر کو دیکھا اور اُسمیں آثار ذہانت و نجابت پائے - چنانچہ مرنے سے پہلے وہ یہ نیک کام کر گئی کہ دو ہزار فرنک والٹیر کو ہبہ کر دیے - تا کہ " اس روپیہ سے اُسے کتابیں خرید دی جائیں "

والٹیر کو اِن کتابوں سے بڑا نفع ہوا - وہ عمر بھر اِس آبرو باختہ عورت کا احسان مند رہا - اِسکے بعد ایک راہب کو اُس سے محبت ہو گئی - لیکن یہ راہب دراصل ملحد تھا - اِس نے اُسے شک و الحاد کی تلقین کی ' اور کلیسا کی طرف سے نفرت و انکار دلنشین کر دیا -

اِسکے بعد وہ پادریوں کے مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کرنے کیلیے داخل کیا گیا - یہاں اُسنے فن مناظرہ اور علم کلام سیکھا - اُس وقت بڑا علمی کمال یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک ہی مسئلہ کو بہ زور جدل دو متناقض پہلوؤں سے ثابت کردیا جائے - والٹیر نے اِس فن میں کمال حاصل کر لیا - نتیجہ یہ نکلا کہ کسی مسئلہ پر بھی اُسے یقین باقی نہ رہا - مدرسہ میں وہ بڑا محنتی طالب علم مشہور تھا - حتی کہ فرصت کے اوقات میں بھی جبکہ اور لڑکے کھیل کود میں مصروف ہوتے ' وہ اساتذہ سے لاہوتی مسائل پر بحث کیا کرتا - اپنی طالب علمانہ زندگی کے متعلق وہ کہا کرتا تھا " پادریوں نے مجھے لاطینی زبان اور بہت سی بیہودہ بکواس سکھادی ہے ! "

تعلیم ختم کرنے کے بعد اُسے عملی دنیا کی طرف توجہ ہوئی ' اور اپنے لیے کوئی پیشہ منتخب کرنا چاہا - اُسنے اپنے باپ سے بلا پس و پیش کہدیا " میں شعر و ادب کو اپنا پیشہ بناؤنگا " باپ بہت خفا ہوا اور بہت سمجھایا - مگر اُسنے ایک نہ سنی اور اپنی ہٹ پر قائم رہا - لطف یہ ہے کہ اِس پیشہ کے متعلق خود اُسکی رائے یہ تھی : " شعر و ادب اُن لوگوں کا مشغلہ ہے جو اجتماعی زندگی میں بے فائدہ بننا اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کے سر پر بوجھہ ہونا چاہتے ہیں - یہ اُن لوگوں کا پیشہ ہے جو بھوکوں مر جانا پسند کرتے ہیں "

۲۱ - برس کی عمر تک والٹیر نے اپنے تئیں رندی و عیاشی کیلیے وقف کر رکھا تھا - راتیں باہر گزارتا تھا اور دن گھر پر :

همه شب شراب خوردن همه روز خواب کردن !

اُسکے والد کو اِس تھتک سے بڑی تکلیف تھی- اُسنے لاکھہ کوشش کی مگر اصلاح کی کوئی صورت نہ نکلی - آخر اپنے ایک سخت گیر رشتہ دار کے ہاں بھیجدیا - شروع میں تو اِس نئے مربی نے بڑی سختی کی - لیکن پھر اُسکی غیر معمولی قابلیت و ذہانت دیکھکر آزاد چھوڑ دیا - والد کو معلوم ہوا تو اُسنے واپس بلا لیا اور ہالینڈ میں فرانسیسی سفیر کے حوالہ کر دیا کہ اپنی نگرانی میں رکھے - یہیں ہالینڈ کے پائے تخت لاہائی میں والٹیر نے ایک دوشیزہ سے عشق کیا' مگر راز جلد کھل گیا' اور حضرت کو ہزاروں حسرتوں کے ساتھہ وطن بھاگنا

پر جوش نو مسلم هي کا استقبال کر سکتے تھے - بونا پارٹ (بونا پارٹ کو اسکي فوج محبت سے اور انگريز حقارت سے "بونا پارٹي" کہتے تھے) اسکے ليے بھي بے دريغ طيار هو گيا "

نپولين کے مورخوں ميں فين سب سے زيادہ جوش مخالفت رکھتا هے - اس نے اپني تاريخ صرف اسليے لکھي هے تا کہ وہ تمام مواد جمع کر دے جو نپولين کي مخالف جماعتوں نے اسکے خلاف رائے عامه پيدا کرنے کيليے طيار کيا تھا - وہ اس معامله ميں اسکي " انتها درجه کي شيطنت " محسوس کرتا هے ' اور واقعه کے نا گوار پہلوؤں کي تکميل کيليے اتنا حصه اور بڑھا ديتا هے کہ " اس نے بار بار مسلمان مشايخ کو خوش کرنے کيليے مسيحي مذهب کي هنسي اڑائي اور عيسائيوں کو گالياں ديں "

بوربون خاندان اور انکے حاميوں نے نپولين کے خلاف تبليغ و اشاعت کا ايک خاص صيغه قائم کر رکھا تھا - هر مهينه کوئي نه کوئي رساله انگلستان سے چھپکر نکلتا اور تمام يورپ ميں تقسيم کيا جاتا - اس کام کيليے تنخواہ دار اهل قلم مهيا کيے گئے تھے - انهي ميں ايک شخص تيبر نامي تھا - اسنے ايک رساله اس موضوع پر لکھا تھا کہ " کيا بونا پارٹ ترک (مسلمان) هو گيا هے ؟ " تھيرس اس رساله کا ذکر کرتے هوے لکھتا هے " اس ميں نپولين کي کئي تصويريں اس طرح کي بنائي گئي تھيں ' جيسي از منۂ وسطى (مڈل ايجز) ميں پيغمبر اسلام کي بنائي گئي تھيں - نهايت خونخوار قيافه - چشم و ابرو سے قتل و خونريزي کے جذبات ٹپک رهے هيں - ايک هاتھه ميں برهنه تلوار هے - دوسرے ميں قرآن "

چند سالوں کے بعد جب نپولين نے پوپ کو پيرس بلايا تاکه اُس کي تاج پوشي کي رسم ادا کرے ' تو لندن کے ايک اخبار کا کارٹون بہت مشہور هوا تھا - اس ميں نپولين کے ايک هي دھڑ پر دو رو پشت چہرے بنائے تھے - ايک پر پگڑي تھي - ايک برهنه تھا - پگڑي والے سر کے منهه سے يه الفاظ نکل رهے تھے " ميں مشرق ميں اس ليے آيا هوں تا کہ دين محمدي زندہ کردوں " مگر برهنه سر کہه رها تھا " ميں مشرق سے واپس آ گيا تا کہ نوتر دم کے گھنٹوں کا مقدس بلاوا سنوں ! " پہلا جمله نپولين کے اعلان مصر سے ماخوذ تھا - دوسرا اُس کي ايک پر جوش تقرير سے ' جس ميں اُس نے مذهب کي ضرورت اور تاثير پر زور ديتے هوئے کہا تھا " ميرے حافظه ميں کسي چيز کي ياد اس قدر عميق تاثير پيدا نہيں کرتي ' جس قدر گرجے کے گھنٹے کي مسلسل صدائيں "

ليکن جب کہ مخالفين نے اس معامله کو اس درجه اهميت دي ' تو موافقين نے بھي اُس کي اهميت گھٹانے ميں کوئي کمي نہيں کي - نپولين کے اکثر ثنا خواں اس بارے ميں ساکت رهے هيں - بعضوں نے ذکر کيا بھي هے تو اس سے زيادہ نہيں کہ اُس نے اپنے اعلانات ميں اپنے آپ کو اسلام کا دوست ظاهر کيا تھا - بعض نے انکار و تغليط ميں صراحت سے بھي کام ليا هے - اور لکھه ديا هے کہ " يه واقعه هي سرے سے غلط هے " فوشے اور کليبر مورخانه سنجيدگي کے ساتھه لکھتے هيں " منجمله اُن تہمتوں کے جو شہنشاہ کے دشمنوں نے تراشي تھيں ايک تہمت يه بھي تھي " کين تھيوم اور ليس کيس نے (اور آخرالذکر اُن لوگوں ميں سے هے جو سينٹ هلينا ميں نپولين کے رفيق رهے تھے) اس معامله کا کوئي ذکر نہيں کيا هے - بيوريں نپولين کا سکريٹري اور مصر و شام ميں اُس کے ساتھه تھا - وہ نپولين کے واقعات مصر بہت تفصيل سے بيان کرتا هے ' ليکن اس معامله کا کوئي ذکر نہيں کرتا - خود نپولين نے سينٹ هلينا ميں اپنے سوانح حيات پر اپنے خيالات قلمبند کرائے تھے جو دو جلدوں ميں مرتب هو کر شائع هوئے - اس ميں وہ مصر کے واقعات کا به تفصيل ذکر کرتا هے - اسلام کا بھي ذکر کرتا هے - يه بھي کہتا هے کہ اگر ضرورت هوتي تو اسلام قبول کر کے تمام اسلامي ممالک زير نگيں کر ليتے اور ايک عظيم مشرقي مملکت کي بنياد رکھديتے ميں مجھے تامل نه هوتا - ليکن اس کا اعتراف نہيں کرتا کہ اُس نے اسلام قبول کر ليا تھا -

(مصر کے مسلمان مورخ)

نپولين کے حملۂ مصر کا زمانه اگرچه مشرق کے دماغي و علمي تنزل کے بلوغ کا زمانه تھا ' اور مصر و شام کے عهد وسطى کي رهي سهي علمي قوتيں نويں صدي هجري ميں تقريباً ختم هو چکي تھيں ' تا هم جامع ازهر کے وسيع حلقۂ درس و تدريس کي بدولت علم کي کميت بدستور قائم تھي - اگرچه کيفيت مفقود هوچکي تھي - شهاب الدين خفاجي صاحب درة الغواص - سيد مرتضى زبيدي صاحب تاج العروس - شمس الدين الشامي صاحب سيرة الشاميه و عقود الجمان - ابو بکر مرعي صاحب کواکب الدريه - نور الدين الحلبي صاحب سيرة حلبيه - ابن فضل الله المحبي صاحب خلاصة الاثر - ابو الفتح اسحاقي صاحب لطائف الاخبار - ابو العباس مقري صاحب نفح الطيب - شمس الدين بکري صاحب تحفة البهيه - ابن يوسف الحلاق صاحب تحفة الاحباب - شمس الدين تمرتاشي صاحب تنوير الابصار - شرنبلالي شارح متون حنفيه - شيخ اسماعيل زرقاني شارح موطا و مواهب - وغيرہ علماء مصر کا زمانه تقريباً گيارهويں اور بارهويں صدي هجري کا زمانه هے ' اور اُس عهد سے متصل هے جب نپولين مصر ميں داخل هوا هے - هجري سنه کے حساب سے حملۂ مصر سنه ۱۲۱۳ - ميں هوا هے - يعني تيرهويں صدي کے بالکل اوائل ميں -

چنانچه هم ديکھتے هيں کہ اس زمانے ميں بھي علماء مصر و شام ' خصوصاً علماء از هر کي ايک بہت بڑي تعداد موجود تھي جو درس و تدريس کے ساتھه تصنيف و تاليف کا مشغله بھي رکھتي تھي - ان ميں سب سے زيادہ نماياں اشخاص جنکا نپولين اور فرانسيسي حکام سے زيادہ سابقه رها ' يا انهوں نے اُس عهد کے حالات قلمبند کيے ' حسب ذيل هيں :

(۱) شيخ عبد الله الشرقاوي : جامع ازهر کے مشاهير اساتذہ ميں سے تھے - نپولين نے مصر کے شہري انتظام کے ليے چودہ ارکان کي ايک مجلس شورى بنائي تھي جو " ديوان " کے نام سے پکاري جاتي تھي - شيخ شرقاوي کو اسکا رئيس منتخب کيا تھا - انہوں نے ۲۰ - سے زيادہ کتابيں يادگار چھوڑي هيں - ان ميں ايک قيمتي کتاب تحفة الناظرين هے جس ميں فرانسيسيوں کے حمله سے ليکر انکي واپسي تک کے چشم ديد حالات بالاختصار بيان کيے هيں - سنه ۱۱۵۰ ميں پيدا هوے ' اور ۲۷ ۱۲ مطابق سنه ۱۲ ۱۸ ميں انتقال کيا - تحفة الناظرين مصر ميں چھپ گئي هے -

(۲) شيخ سليمان فيومي : يه بھي اساتذۂ ازهر ميں سے تھے ' اور مشيخت کے درجه تک پهونچ چکے تھے - نپولين نے انهيں بھي " ديوان " کا رکن منتخب کيا تھا - نپولين کے جانے کے بعد جب سردار عسکر کليبر کو سليمان حلبي نے قتل کر ڈالا اور فرانسيسيوں نے فوجي عدالت ميں تحقيقات کي ' تو يه بڑے مخمصه ميں پھنس گئے - ليکن بالاخر نجات پائي - انهوں نے بھي ايک مختصر رساله

تاریخ و عبر

فرانس کا فاتح اعظم اور اسلام

کیا نپولین مسلمان ہوگیا تھا ؟

اٹھارھویں صدی کے اوائل کا ایک تاریخی مبحث

نپولین کا حملۂ مصر اس کی فاتحانہ اولالعزمیوں کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے - اُس کی زندگی کے تمام مورخوں نے یہ واقعہ بڑی شرح و تفصیل سے لکھا ہے - یکم جولائی سنہ ١٧٩٨ ع کو فرانسیسی فوج نے سرزمین مصر پر قدم رکھا تھا ' اور سنہ ١٨٠١ ع میں واپسی پر مجبور ہوئی تھی -

لیکن اس حملہ کی داستان کا ایک واقعہ ایسا ہے جس میں نہ توتمام مورخ متفق ہوسکے - نہ کوئی ایک رائے مضبوطی کے ساتھہ ظاہر کی جاسکی - بعضوں نے اُسے اِس درجہ غیر وقیع تصور کیا کہ یکقلم نظر انداز کردیا - بعضوں نے اس قدر اھمیت دی کہ خاص خاص عنوان اور ابواب اُس کے لیے ترتیب دیے - نپولین کے عہد میں اور اُس کے کچھہ عرصہ بعد تک اُس کی مخالفت اور موافقت کے جذبات نہایت شدید تھے - اس لیے یہ واقعہ مخالفوں کے لیے بہت زیادہ اہم ' مگر موافقوں کے لیے نظر انداز کر دینے کے قابل تھا -

یہ نپولین کے مسلمان ہونے یا اپنے تئیں مسلمان ظاہر کرنے کا واقعہ ہے -

تمام تاریخیں متفق ہیں کہ نپولین نے مصر پہنچنے سے پہلے ہی ایسے اعلانات طیار کر لیے تھے جن میں باشندگان مصر کو مخاطب کیا گیا تھا اور مملوکوں کے خلاف (جو وھاں عملاً حکمرانی کر رہے تھے اگرچہ حکماً سیادت دولۃ عثمانیہ کو حاصل تھی) اُبھارا تھا - ان اعلانات میں نپولین نے یہ بھی لکھا تھا " میں اسلام و قرآن کا مخالف نہیں ہوں - بلکہ سچا حامی ہوں - میں چاھتا ہوں ' اصلی اسلام تازہ ہوجائے ' اُس کی عظمت و شوکت برقرار رہے ' اور اُس کے دشمن ناکام و نامراد ہوں " اس میں بھی سب کا اتفاق ہے کہ اس نے مصر جاتے ہوئے راستہ میں اسلام اور قرآن کی نسبت غیر معمولی واقفیت حاصل کرلی تھی - وہ مصر کے علما و مشائخ کو اپنی واقفیت سے متعجب کردینے کی کوشش کرتا ' اور اُنہیں بار بار یقین دلاتا کہ اسلام کی بہت بڑی عزت اُس کے دل میں ہے - اس سے بھی کسی نے انکار نہیں کیا ہے اور خود اُس نے بھی اپنے سینٹ ھلینا کے خود نوشتہ تذکرہ میں اعتراف کیا ہے ' کہ اسلام قبول کرنے کے مسئلہ پر اُس نے مصر کے مشائخ سے طول طویل گفتگو کی تھی' اور وہ کم سے کم شرطیں معلوم کرلی تھیں جو مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہیں - یہ واقعہ بھی مسلم ہے کہ اُس کے بعض فوجی افسر مسلمان ہوگئے تھے اور مسلمان خاندانوں میں رشتہ داریاں کرلی تھیں - چنانچہ ژاک مینیو جو کلیبیر کے قتل کے بعد مصر کا فوجی حاکم منتخب ہوا تھا ' علانیہ مسلمان ہوگیا تھا ' اور " عبداللہ جاک " کے نام سے مشہور تھا - اُس نے ایک مسلمان عورت سے نکاح بھی کر لیا تھا -

لیکن ان تمام متفقہ امور کے ساتھہ جس بات میں اختلاف ہے ' وہ یہ ہے کہ نپولین نے اپنے آپ کو اسلام کا پیرو بھی ظاہر کیا تھا یا نہیں ؟

اُس کے مخالفین کہتے ہیں - وہ مسلمان ہوگیا تھا - یا کم از کم اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تھا - اُنہوں نے نپولین کے جرائم کی فہرست میں یہ واقعہ بھی شامل کیا ہے ' اور اس سے اُسکی طبعی منافقت ' بے دینی ' اور ابن الوقتی پر استدلال کیا ہے -

نپولین نے جب شام پر حملہ کیا ' تو سر سڈنی اسمتھہ نے جو انگریزی بیڑہ کا امیر البحر تھا شام کے عیسائیوں کے نام ایک اعلان بھیجا تھا - اسمیں لکھا تھا : " وہ انگریز امیر البحر پر جو ایک سچا مسیحی بہادر ہے پوری طرح بھروسہ کریں' اور نپولین کی کچھہ پروا نہ کریں جو پہلے ایک بے اصول مرتد تھا ' اور اب مصر کے شیخوں کے ھاتھہ پر مسلمان ہو چکا ہے ! "

نپولین کے مشہور بحری حریف لارڈ نیلسن نے اپنی مشہور اور تاریخی آشنا ' لیڈی ھملٹن کو لکھا تھا :

" یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ (نپولین) مصر میں دین محمدی کا غازی بن گیا ہے اور اِسکی خبریں ہندوستان کے تباہ شدہ مسلمان نبابوں (نوابوں) تک پہنچ گئی ہیں - مجھے یقین ہے - اگر اُسے اسٹریلیا کے باشندوں کو خوش کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ بلا تامل اپنے تمام فوجی افسروں کے ساتھہ اُس درخت کے تنہ کی پوجا شروع کر دیتا جسپر وہ مردوں کی کھوپڑیاں رکھا کرتے ہیں ! "

انقلاب فرانس کا مشہور ابن الوقت ٹیلرانڈ ' Talleyrand نپولین کے تذکرہ میں لکھتا ہے " اُس نے کبھی اس بات پر ندامت ظاہر نہیں کی کہ وہ مصر کے اماموں اور شیخوں کے سامنے مملوکوں کی پگڑی اور جبہ پہنکر گیا تھا ' اور کہا تھا ' میں دین محمدی زندہ کرنے اور اسکے لیے جنگ مقدس کرنے آیا ہوں ! "

نپولین کا مشہور انگریز سوانح نویس ایلیسن کہتا ہے " یہ اُس کی زمانہ ساز اور ابن الوقت طبیعت کا سب سے زیادہ مکمل مظہر تھا - اگر نیلسن نے ابو قیر کا بیڑا تباہ نہ کر دیا ہوتا اور قسمت اس سے موافق ہوتی ' تو یقیناً وہ ہندوستان کے ساحل پر قرآن حمایل کیے ہوے اُترتا ' اور حیدر علی سے کہتا : میں دین محمدی کے دشمنوں کو ہندوستان سے نکالنے کیلیے آگیا ہوں - اُسکے بعد اگر وہ دیکھتا کہ ہندوستان کے کروڑوں بت پرستوں کو رام کرنے اور انگریزوں کے بر خلاف اُبھارنے کیلیے اِسکی ضرورت ہے کہ اپنے آپ کو مقدس دیوتاؤں کا پرستار ظاہر کرے ' تو اس میں بھی اُسے اُتنا ہی تامل ہوتا ' جتنا تامل مسلمان ہونے میں ہوا تھا ! " -

سر والٹر اسکاٹ کا قلم اُن تمام انگریز اھل قلم میں جنھوں نے اُس عہد میں نپولین پر قلم اُٹھایا ہے ' زیادہ مستند تسلیم کیا گیا ہے - وہ بھی اس واقعہ میں نپولین کی " منافقانہ طبیعت " کا پورا ظہور دیکھتا ہے اور لکھتا ہے " مصر کے متعصب شیخ صرف ایک

شیخ خلیل بکري

جو نپولین کے زمانہ میں نقیب السادات مصر تھے -

درج کیے جاتے تھے - یہ دنیا میں عربي زبان کا سب سے پہلا اخبار تھا - اس کي تحریر سید مذکور کے ذمہ تھي اس طرح واقعات و حوادث کي کتابت و تدوین کا انہیں ایسا مستند موقعہ مل گیا جو دوسروں کو حاصل نہ تھا - سنہ وفات ۱۲۳۰ ھ ہے -

(دو شامي مورخ)

لیکن مصر سے باہر دو مشرقي قلم اور بھي تھے جو اس عہد کے حوادث و سوانح ضبط کتابت میں لا رہے تھے : نقولا ترک ' اور امیر حیدر شہاب -

پہلا مصنف لبنان کے ایک مسیحي خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو قسطنطنیہ سے آکر وہاں مقیم ہوگیا تھا - اس نے نپولین کي زندگي ہي میں نپولین کي تاریخ عربي زبان میں لکھي تھي جس کا پہلا حصہ مع فرانسیسي ترجمہ کے سنہ ۱۸۳۹ ع میں پیرس سے شائع ہوا - اس حصہ میں فرانسیسیوں کے مصر سے اخراج تک کے واقعات درج ہیں - اس کتاب کي قدر و قیمت بہت بڑھ جاتي ہے جب خیال کیا جائے ' کہ یہ مشرق کي سب سے پہلي کتاب ہے جو نپولین کے حالات میں لکھي گئي ' اور اس وقت لکھي گئي جب خود یورپ میں بھي اس کي اولي بڑي تاریخ نہیں لکھي گئي تھي - نپولین کے حملۂ شام کے واقعات کا بڑا حصہ مصنف کے چشم دید واقعات میں سے ہے - اس نے سنہ ۱۲۴۴ - مطابق سنہ ۱۸۲۸ - میں انتقال کیا -

امیر حیدر لبنان کے خاندان " شہاب " کا ایک صاحب علم و قلم امیر تھا - اس نے کئي کتابیں شام و لبنان کي تاریخ میں لکھي ہیں جن میں نپولین کے حملۂ مصر و شام کے حوادث بھي آگئے ہیں - ان میں سے غرر الحسان اور نزہۃ الزمان خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں - امیر موصوف کا سال وفات سنہ ۱۲۵۱ - مطابق ۱۸۳۵ ع ہے -

(علماء مصر کي تصویریں)

فرانسیسیوں نے مصري دیوان کے تمام ارکان کي تصویریں کھینچ لي تھیں - اور بطور عجائب شرق کے اپنے ساتھ فرانس لے گئے تھے - جبرتي نے یہ تصویریں دیکھي ہیں ' اور ان کي صناعیوں پر تعجب ظاہر کیا ہے - مستشرق مارسل نے جسے نپولین عربي طباعت کے اہتمام کے لیے اپنے ساتھ لایا تھا ' اپني کتاب " معلومات مصر " میں یہ تمام تصویریں درج کردي ہیں - ہم ان میں سے شیخ شرقاوي ' شیخ بکري ' اور شیخ سلیمان فیومي کي تصویریں اس تحریر کے ساتھ شائع کردیتے ہیں - ان سے اس عہد کے علماء و مشائخ مصر کي وضع و قطع اور شکل و شمائل نظروں کے سامنے آجائیگي - مصر و شام میں تاریخ اسلام کے ازمنۂ وسطی سے لیکر بارھویں صدي تک ' معاشرتي زندگي تقریباً یکساں رہي ہے - اس لیے یہ تصویریں اگرچہ صرف ڈیڑھ سو برس پیشتر کي ہیں ' لیکن ان کي وضع و قطع سے تقریباً چار سو برس پیشتر تک کي وضع و قطع کا اندازہ کر لیا جاسکتا ہے - ساتویں ' آٹھویں ' اور نویں صدي ہجري کے علماء مصر و شام ' مثلاً امام ذہبي ' امام مزي ابن دقیق العید ' تقي الدین سبکي ' حافظ برزالي ' حافظ ابن حجر عسقلاني ' حافظ سخاوي ' جلال الدین سیوطي ' وغیرہم کا لباس اور وضع و قطع تقریباً ایسي ہي ہوگي ' جیسي شرقاوي اور فیومي کي ہے - شیخ بکري کي زندگي چونکہ امراء کي سي زندگي تھي ' اس لیے وہ سمور کا چغہ پہنے ہیں اور ہاتھ میں مصري شبقہ یعنے تمباکو کا پائپ ہے -

(عربي مورخین کي شہادت)

اب دیکھنا چاہیے کہ نپولین کے اظہار و عدم اظہار اسلام کے بارے میں ان مورخین کي شہادت کیا ہے ؟ اس بارے میں سب سے زیادہ معتبر شہادت انہي لوگوں کي ہوسکتي ہے - ان میں سے چند مورخ تو خود ان لوگوں میں سے ہیں ' جن کے سامنے نپولین کے اظہارات ہوئے ہونگے - مثلاً شیخ مہدي شیخ الازہر ' اور شیخ شرقاوي رئیس الدیوان - اور بعض ایسے ہیں جو اپنے چشم دید حالات قلمبند کر رہے ہیں اور اس بارے میں کوئي خاص مورخانہ تعصب نہیں رکھتے - مثلاً شیخ جبرتي اور سید اسماعیل خشاب -

ان کي شہادت یہ ہے کہ نپولین نے نہ صرف اپنے تئیں اسلام کا دوست ظاہر کیا تھا ' بلکہ مسلمان ہونے کا بھي دعوی کیا تھا - وہ اسلامي لباس پہنکر علما و مشائخ سے ملتا ' مسجد میں جاتا ' اور نماز جمعہ میں شریک ہوتا - چنانچہ اس نے اپني تصویر بھي اس لباس میں اتروائي تھي جو آجتک موجود ہے ' اور جسے پروفیسر مارسل نے اپني کتاب میں درج کیا ہے - مزید تفصیل آئندہ نمبر میں ملیگي -

شیخ سلیمان فیومي

جو اس عہد کے مشاہیر علماء مصر میں سے تھے

حوادث مصر پر لکھا ھے : " الوقائع و النوازل " سنه ۱۲۳۲ ھ مطابق سنه ۱۸۱۶ میں انتقال کیا -

(۳) شیخ خلیل البکري - مصر میں عرصه سے خاندان وفائیه کا سجادۂ طریقت قائم ھے - جونکه نسلاً حضرة " ابوبکر " کي اولاد میں ھیں - اسلیے " بکري " کہلاتے ھیں - جو شخص سجادہ نشین ھوتا ھے ' اسے " نقیب السادات " کے لقب سے موسوم کیا جاتا ھے جو سرکاري لقب ھے - نپولین کے زمانه میں سجادہ نشین شیخ خلیل تھے - نپولین نے انھیں بھي دیوان کا رکن چنا تھا - ان میں اور نپولین اور دوسرے فرانسیسي افسروں میں بہت زیادہ رسم و راہ پیدا ھوگئي تھي - نپولین اکثر اِنکے مکان پر آتا - یه اُسکي دعوتوں میں شریک ھوتے - اِنھي نے نپولین کو ایک چرکسي غلام بطور ھدیه کے دیا تھا جسے نپولین اپنے ھمراہ فرانس لے گیا تھا - یه شاعر اور ادیب تھے - اُسوقت کے حوادث مصر پر متعدد قصائد لکھے

نپولین مصري اسلامي لباس میں

جب اس نے جامع ازھر اور جامع حسیني میں نماز جمعه ادا کی تھي

ھیں - بعض فرانسیسي مستشرقین اپنے ساتھه لیگئے اور پیرس میں ترجمه کے ساتھه شائع کیا - سنه ۱۲۳۵ ھ مطابق سنه ۱۸۲۰ میں انتقال کیا -

(۴) شیخ محمد مہدي - یه اُسوقت جامع ازھر کے شیخ تھے - اصلاً قبطي تھے - بچپنے میں مسلمان ھوگئے اور ازھر میں تحصیل علوم کرکے علم و فضل کا درجه حاصل کرلیا - یہانتک که مشیخت کے درجه تک پہونچ گئے - یه بھي نپولین کے دیوان کے رکن تھے - انھوں نے ایک کتاب الف لیله کي روش پر تحفة المستیقظ لکھي تھي جسے فرانسیسي اپنے ساتھه لیگئے اور فرنچ ترجمه کے ساتھه پیرس میں چھاپ کر شائع کیا - انھوں نے سنه ۱۲۳۰ - مطابق ۱۸۱۵ ع میں انتقال کیا -

(۵) عبدالرحمن جبرتي - یه اُس عہد کا سب سے بڑا مورخ ھے - " جبرت " حبش کے قریب ایک موضع کا نام ھے - اس کے مورث

مرادبک مملوک

جو مصر کے دفاع میں نپولین سے لڑا مگر ناکام رہا

اعلی وھیں سے مصر آئے تھے - جب نپولین مصر آیا اور دیوان شوری مقرر کیا ' تو اس کے لیے ایک کاتب کي ضرورت ھوئي - اس کام پر اِسي کا تقرر ھوا - اسطرح اِسے موقعه مل گیا که بہت زیادہ قریب سے اس قوم کے حالات و اعمال کا مطالعه کرے -

اس نے اپنے زمانه کے حوادث مصر پر ایک ضخیم کتاب عجائب الآثار لکھي ھے جو تاریخ جبرتي کے نام سے مشہور ھے - اسمیں پہلے ابن ایاس کي تاریخ مصر کي آخري تاریخ سے لیکر اپنے وقت تک کے مختصر حالات دیے ھیں تا که ابن ایاس کي تاریخ کے لیے یه تاریخ ذیل اور تکمله کا کام دیے - پھر سنه ۱۱۴۲ - ھجري سے لیکر سنه ۱۲۳۶ - تک کے تمام اھم حوادث مصر تاریخ وار روز نامچه کي طرح لکھے ھیں اور کوئي ضروري بات نظر انداز نہیں کي ھے - غالباً سنه ۱۲۴۰ - مطابق سنه ۱۸۲۵ ع میں انتقال کیا -

افسوس ھے ' اس تاریخ کي قدر و قیمت سے مشرقي دنیا برابر غافل رھي - حالانکه یه اٹھارھویں صدي کے اواخر اور انیسویں صدي کے اوائل کے حوادث مصر کي سب سے زیادہ مستند تاریخ ھے - نپولین کا حملۂ مصر اور محمد علي خدیو اول کا ظہور ' تاریخ مشرق کے نہایت اھم واقعات ھیں - جبرتي نے انکي چشم دید سرگزشت ایک روزنامچه کي طرح مرتب کر کے پیش کردي ھے -

(۶) سید اسماعیل خشاب - نپولین اپنے ساتھه عربي حروف اور مطبع بھي لے گیا تھا ' اور اس سے ایک سرکاري اخبار بھي جاري کیا تھا - اِس میں عدالت اور فوج کے حالات اور سرکاري اعلانات

شیخ عبداللہ شرقاوي

صاحب تحفة الناظرین و رئیس دیوان مصر

دبیات

تین ہزار سال پہلے کی شاعری

قدیم مصری شاعری

مصر، دنیا کے قدیم ترین تمدن کا مرکز ہے۔ یونان اور روم جبکہ جہل کی ظلمتوں میں لپٹے پڑے تھے، تو مصر میں علم و حکمت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔

دنیا "توت آنخ آمون" کے نام سے واقف ہو چکی ہے حال ہی میں اس کا مقبرہ اور صحیح و سالم جثہ برآمد ہوا ہے۔ ہم اسی بادشاہ کے ایک عزیز بادشاہ کے زمانہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا نام "آمی نوتب" چہارم تھا۔ یہ "توت آنخ آمون" کا بہنوئی تھا، اور ۱۳۷۵ قبل مسیح میں مصر کے تخت پر حکمراں تھا۔

قدیم شاہان مصر میں اس بادشاہ کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ اس کے عہد میں مصر کا تمدن اپنے پورے عروج تک پہنچا۔ مصر نے صرف مادی ترقی ہی نہیں کی تھی معنوی ترقی کے بھی کئی مرحلے طے کئے تھے۔ اس سے پہلے مصریوں میں طرح طرح کے توہمات عام تھے۔ عام اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندگی صرف اسی طرح مل سکتی ہے کہ اس کی قبر پر شیطانوں کی تصویریں بنائی جائیں۔ میزوں پر کھانا پینا رکھا جائے۔ ننھی ننھی مورتیں اس کے کفن میں بطور تعویزوں کے لٹکا دی جائیں۔ خیال تھا یہ سب چیزیں "کا" کو زندہ کر دیتی ہیں، اور "کا" زندہ ہو کر مردے میں از سر نو روح پھونک دیتا ہے۔ قدیم مصری زبان میں "کا" وہی چیز ہے جسے آجکل ہمزاد کہا جاتا ہے۔ ان کا بھی عقیدہ تھا کہ ہمزاد ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ صرف موت اسے جدا کر دیتی ہے۔ لیکن اگر مذکورۂ بالا چیزیں قبر میں مہیا کر دی جائیں تو ہمزاد کا تعلق مردے سے باقی رہتا ہے اور کبھی نہ کبھی اس کی دوبارہ زندگی کا باعث ہوتا ہے۔

"آمی نوتب چہارم" نے یہ تمام متوہمانہ عقائد باطل کر دئیے۔ اسی قدر نہیں بلکہ مصر کے تمام دینی عقائد بھی بدل ڈالے۔ ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ اور اس کی بنیاد آفتاب پرستی پر رکھی۔ پہلے مصریوں کا معبود اعظم "آمون" تھا۔ اس بادشاہ نے اسے منسوخ کرکے "اخناتن" کی عبادت جاری کی۔ "اخناتن" دو مصری لفظوں سے مرکب ہے "اخنا" اور "آتن"۔ "اخنا" کے معنی ہیں روشنی اور نور۔ "آتن" کا اطلاق سورج پر ہوتا تھا لیس "اخناتن" کے معنی ہوئے "سورج کی روشنی"۔

اس بادشاہ کے عہد کے بہت سے آثار اور مقبرے برآمد ہوئے ہیں۔ ان مقبروں میں مذکورۂ بالا خرافات کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ ان میں نہ تو شیطانوں کی تصویریں ہیں، نہ چھوٹی چھوٹی مورتیں۔ نہ کھانے کے میز ہیں۔ ان میں جو کچھ ہے وہ بادشاہ اور ملکہ کے جلسوں اور جشنوں کی تصویریں ہیں، یا مصر کی روز مرہ کی زندگی کے مرقع ہیں۔ علماء مصریات کا خیال ہے کہ یہ آثار سب سے زیادہ قیمتی ہیں۔ کیونکہ یہ اس عہد کی زندگی ہمارے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

قدیم مصری نظم

اسی عہد کے ایک قبرستان میں بہت سے اشعار کندہ ملے ہیں۔ یہ پڑھ لئے گئے ہیں۔ ان کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ یہ درحقیقت معبود اعظم "آتن" (آفتاب) کی تعریف و ستائش کے قصیدے ہیں لیکن یہ اس سے بھی بڑھ کر کچھ ہیں۔ یہ تین ہزار سال پہلے کی ترقی یافتہ انسانی ذہنیت دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ شعر، انسانی جذبات و قلبی کیفیات کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس مصری شعر کے اندر موجودہ انسانیت، اپنی قدیم شکل دیکھ سکتی ہے۔ ذیل میں اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

"آتن" کا جلال!

کیا دلفریب ہے تیرا طلوع افق آسمان میں!\
اے روپہلے طباق! اے سرچشمۂ حیات!\
ہر صبح ہم تجھے آسمان کے پورب میں دیکھتے ہیں\
تو پوری زمین اپنے حسن سے معمور کر دیتا ہے!\
تو ہی خوبصورت ہے، عظیم ہے، روشن ہے، زمین پر بلند ہے!\
تیری شعاعیں تمام زمینوں کو اپنے دامنوں میں لئے ہوئے ہیں!\
ہاں، تمام زمینوں کو لئے ہوئے، جنھیں تو ہی نے بنایا ہے!\
اور تو ہی نے ان پر انسانوں کو آباد کیا ہے!\
ہاں، انسانوں کو، جنھیں تو ہی نے پیدا کیا ہے!\
وہ انسان، جنھیں تو نے محبت کے بندھن سے جوڑ دیا!\
کہتے ہیں، تو دور ہے، بہت دور ہے!\
مگر تو دور کہاں ہے؟ تیری شعاعیں تو زمین پر پھیلی ہوئی ہیں!\
اے بلند تر! کیا دن کی تابناکی تیرا ہی ایک جلوۂ نورانی نہیں ہے؟

رات

اے بادشاہ! جب تو آسمان کے پچھم میں لیٹ جاتا ہے\
تو سارے جہان پر موت کی تاریکی چھا جاتی ہے!\
آدمی اپنے گھروں میں سو جاتے ہیں\
منہ لپیٹے، بے حرکت، صرف سانس چلتی ہے!\
کوئی کسی کو نہیں دیکھتا۔ آنکھیں بند ہوتی ہیں\
انکے سرہانے چور کھڑا ہوتا ہے، مگر انھیں خبر نہیں!\
شیر کچھار سے نکلتے ہیں، سانپ ڈسنا شروع کرتے ہیں!\
کیا ملکۂ ظلمت کی فرمانروائی نہیں؟\
کیا دنیا رعب سے سناٹے میں نہیں ہے؟\
ہاں سب کا بنانے والا افق کی محل سرا میں محو خواب ہے!

دن اور انسان

یہ کیسی ہماہمی ہے؟\
زمین مسرت سے کیوں اچھل رہی ہے؟\
دیکھو بادشاہ کی سواری افق میں نمودار ہو گئی!\
تو نے کائنات روشن کر دی!\
تاریکی کا پتہ نہیں!\
تو آسمان پہ مگر تیری شعاعیں زمین پر!\
یہ ہمارے بادشاہ کا جلال ہے!\
آدمی خوشی سے اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے\
تو نمودار ہوا اور زندگی کا آغاز ہوا!\
سب نہا دھو کر آئے۔\
سب کے ہاتھ مشرق کی طرف اٹھ گئے۔\
ہاں مشرق کی طرف، تیری راجدھانی کی طرف!\
تیری بندگی کے بعد دنیا کے کام شروع ہوئے!

دن اور حیوان ونبات

چوپائے چراگاہوں میں پہنچ گئے۔\
درخت اور پودے لہلہانے لگے\
چڑیاں بھی گھونسلوں سے اڑ گئیں\
پر اٹھائے تیری تسبیح کرتی ہوئیں!\
ہر پرندہ اڑ رہا ہے!\
ہر کوئی تیری روشنی میں زندگی پا رہا ہے!

دن اور پانی

کشتیاں آنے جانے لگیں\
اپنے مستول ہوا میں اڑاتی ہوئیں!\
سب راہیں تیرے نور سے روشن ہو گئیں!\
مچھلیاں سطح پر دوڑ آئیں!\
اے نور! وہ تیرے سجدے میں گر پڑیں!\
تیری شعاعوں نے موجیں توڑ دیں!\
سمندر کی تہ پر بچھ گئیں!

انسان کی پیدائش

تو ہی نے عورت سے انسان کو پیدا کیا!\
تو ہی نے مرد میں زندگی کا تخم رکھا!\
ماں کے پیٹ میں بچے کو زندگی تجھی سے ملی!\
وہ نہ روتا ہے نہ گھبراتا ہے\
رحم مادر میں پڑا سوتا ہے!\
تیرا دست شفقت اس پر دھرا ہے!\
ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے اور نور دیکھتا ہے!\
تو اس کا معصوم منہ کھول دیتا ہے!\
تب وہ بولتا ہے!\
پھر تو ہی اس کی ضرورتیں پوری کرتا ہے\
اے بادشاہوں کے بادشاہ! تیرا نام بڑا ہے!

حیوان کی پیدائش

مرغی کا انڈا!\
اس کے اندر بچہ!\
یہ تیری ہی قدرت ہے!\
زندگی، یہ تیری ہی صنعت ہے۔\
تو ہی نے انڈے میں سانس ڈالی!۔\
دیکھو، بچہ باہر نکل آیا!

پان يورپين تحريک اور امن عالم

ايک جرمن مدبر کي تجويزيں

اسوقت جبکه جنيوا ميں اسلحه کي تخفيف و تحديد کے مسئله پر بحثيں هو رهي هيں' ايک نئي کتاب کے مضامين يقيناً دلچسپي کے ساتهه پڑهے جائينگے جو حال ميں شائع هوي هے اور " پان يورپين تحريک " يعني وحدة اقوام يورپ کي تحريک کے ايک جرمن داعي کاونت رچرڈ کوڈنهو کيلرگي Richard Caudenhove Kalergi کے قلم سے نکلي هے -

اس کتاب ميں مصنف نے پہلے امن عالم کي ضرورت پر بهت موثر پيرايه ميں نظر ڈالي هے - پهر ثابت کيا هے که اسکا تنها ذريعه يهي هے که " يورپين طاقتوں کي روز افزوں هتيار بندي موقوف کردي جاے " ليکن " هتيار بندي " سے مقصود کيا هے ؟ صرف لوهے اور آگ کے هتيار ؟ مصنف اس سے انکار کرتا هے - وه کهتا هے " صرف لوهے کے هتياروں سے نهتا کردينا کچهه مفيد نه هوگا - يورپ کو اُس کے سياسي' اخلاقي' اور اقتصادي حربوں سے بهي نهتا کردينا چاهئے - اسکے بغير هتيار بندي کي مخالف تحريک بے فائده هے - جبتک بغض و حسد کے چهالے قوموں کے دلوں ميں موجود رهينگے' اُس وقت تک دنيا ميں امن و امان قائم نهيں هو سکتا "

اسکے بعد مصنف لکهتا هے : " يورپ کي سلامتي کي دو هي صورتيں ممکن هيں : مختلف قوموں کے ما بين عدل قائم هو جاے' اور جنگ اور جنگ کے اسباب روکنے کے ليے سلطنتيں اپني قوت استعمال کرنے پر متفق هو جائيں "

آگے چلکر مصنف نے مختلف مغربي طاقتوں کي موجوده جنگ جويانه حالت پر نظر ڈالي هے :

" وارسليز کے معاهده نے جرمني کو نهتا کردينے کا فيصله کرديا هے - ليکن يه کهاں کي عقلمندي هے که جرمني کو اُسکے مسلح پڑوسيوں کے درميان نهتا کر کے چهوڑ ديا جاے ؟ يورپ کے امن و امان کے کي بنيادي شرط يه هے که تمام سلطنتيں ايک ساتهه اور ايک هي قسم کا قدم اٹهائيں - يا تو سب مسلح هو جائيں' يا سب هتيار رکهديں - بعض کا هتيار بند رهنا اور بعض کا هتيار رکهدينا' امن کا نهيں جنگ کا موجب هے "

" يورپين سواحل کي سلامتي کي سب سے زياده آسان اور عملي صورت يه هے که برطانيا اپنے جنگي بيڑے کے ذريعه حفاظت کي ذمه داري لے لے - نه يه که هر سلطنت اپني بحري قوت بڑها کر جنگ کا ايک اور خطره پيدا کردے - اگر برطانيا اس پر راضي هو جائے که اپنا جنگي بيڑا يورپ کي ضرورتوں کيليے وقف کرديگي تو بلا شک دنيا کا امن و امان يقيني هو جائيگا - ليکن برطانيا يه اُسي وقت منظور کر سکتي هے جب تمام دول يورپ طے کر ليں که اپني مجموعي بحري قوت' برطانيا کي بحري قوت سے کم کر دينگي "

" ترکي کو مستثنی کر دينے کے بعد روس هي ايک ايسي سلطنت هے جسکي سرحديں خشکي ميں يورپ سے ملتي هيں - روسي سرحديں بهت وسيع هيں اور بے شمار مشکلات کا سبب بني هوئي هيں - روس کا اپنے تمام پڑوسيوں سے جهگڑا هے - سب سے زياده اهم اُسکے سياسي اور اجتماعي جهگڑے هيں - پهر روس کي آبادي بهي بهت بڑي هے - جنگي طيارياں بهي عظيم هيں - اس سے بهي زياده خطرناک بات يه هے که اُس کي اصلي غرض تمام دنيا ميں انقلاب پيدا کرنا هے - روسي مدبر حيرت انگيز مستعدي سے انقلاب کي تخم ريزي کررهے هيں - جو شخص يه خيال کرتا هے که روس اپنے مقاصد کي اشاعت امن و آشتي سے کرني چاهتا هے' وه سخت فريب خورده هے - روس جنگ کو اپنے مقاصد کي کاميابي کا ايک هي ذريعه سمجهتا هے "

" روس سے مدافعت کي صرف يهي ايک صورت هے که يورپ اُس کي سرحدوں کا احترام کرے اور وه يورپ کي سرحدوں کا "

" يورپ کو کسي حال ميں بهي روس پر حمله کا اراده نهيں کرنا چاهيے - نه اُس کے اندروني معاملات ميں کسي قسم کي مداخلت کرني چاهيے "

" يورپ کي داخلي سلامتي اُس وقت تک نا ممکن هے جب تک اُس کے موجوده سياسي نظام ميں کامل تبديلي نه هوجائے - يورپ کي حفاظت کے ليے کوئي نه کوئي نظام ضرور مرتب هونا چاهيے "

" يورپ سے اچانک هتيار رکها لينا نا ممکن هے - اِس معامله ميں پيش قدمي اُن سلطنتوں کو کرني چاهيے جو اِس کي زياده ضرورت محسوس کرتي هيں - جب يه سلطنتيں باهم ايک رائے پر متفق هو جائيں گي' تو دوسري سلطنتيں بهي اُن کي پيروي پر مجبور هو جائيں گي - جنگي قوت کے اعتبار سے يورپ کي نو سلطنتيں زياده اهم هيں - اگر يه آپس ميں متحد الخيال هو جائيں تو تمام دول يورپ کو سر جهکا دينا پڑيگا جن کي تعداد اِس وقت ۲۵ - هے - مجلس اقوام يا دول عظمي ميں سے کسي ايک کو اِس مقصد کے ليے کانفرنس بلاني چاهيے - کانفرنس ميں حسب ذيل امور طے کرنے چاهئيں :

(۱) تمام دول يورپ پخته عهد کر ليں که اُن ميں سے کوئي کسي پر اعلان جنگ نه کرے گي -

(۲) هر باهمي نزاع مابين الاقوامي پنچائت کے سامنے فيصله کے ليے پيش کيا جائيگا -

(۳) غير يورپين حملوں کے مقابله ميں تمام يورپ متحد هو جائيگا -

(۴) اگر امن معاهده پر دستخط کرنے والي ايک سلطنت' دوسري پر حمله کرے گي' تو تمام دول مل کر اُسے سزا ديں گي -

(۵) غير يورپين سلطنتوں سے دول يورپ نے جتنے معاهدے کر رکهے هيں' سب منسوخ کر ديے جائيں "

پُوری قوت سے چلّاتا ہو،
خالق کی ستائش کرتا ہو!
اپنے پنجوں پر دوڑتا پھرتا ہو!

دُنیا کی پیدائش

تیری صنعتیں کیسی عجیب ہیں؟
ہماری عقل سے بھی بالا ہیں!
اے ایک اکیلے معبود!
تیری جیسی قوت کس میں ہو؟
تو نے زمین پیدا کی جس طرح پیدا کرنا چاہا!
تیرے اکیلے ہاتھوں نے زمین بنائی!
تو نے آدمی اور چھوٹے بڑے حیوان پیدا کئے!
تمام زمین کی مخلوق، پیروں سے چلنے والی!
تمام آسمان کی مخلوق، پَروں سے اُڑنے والی!
تو نے سرزمین شام پیدا کی، تو نے پیدا کیا!
تو ہی نے مصر کی سرزمین بھی پیدا کی!
ہر انسان کو اُس کی جگہ پر بسایا!
اُس کی زندگی کا سامان مہیا کر دیا!

اُسے دولت دی،
اُسپر موت لکھی،
سب کی شکلیں الگ الگ،
سب کی زبانیں جُدا جُدا،
کوئی کالا، کوئی گورا،
اے سب کے مالک! یہ سب تیرا ہی جلوہ ہو!

دریائے نیل

تو نے دوسرے عالم میں نیل پیدا کیا،
اپنی پسند کے مطابق اُسے جاری کیا،
سب نے اُس سے اپنی زندگی پائی،
اے پروردگار! کمزوروں کے مددگار!
اے زمین کے ہر گھر کے مالک!
اے روز روشن کے آفتاب!
تو ہی نے سب کو پیدا کیا،
تو ہی پہاڑوں پر موسلا دھار مینہ برساتا ہو،
پانی موجیں مارتا زمین پر بہتا ہو!
سب ملکوں میں آدمی اپنے کھیت سینچتے ہیں،
اے ابدیت کے مالک! تیرے کارنامے کیسے شاندار ہیں!
سب جانور بھی تیرے ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں
لیکن مصر کا نیل دوسری دُنیا سے آتا ہو!
تیری شعاعیں اُسپر پڑتی ہیں!
سبزہ لہلہا اُٹھتا ہو!
باغ جھومنے لگتے ہیں!
تیرا نور زندگی ہو!
تجھی سے کائنات باقی ہو!

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

حسین بن علی علیہما السلام

۳

حضرت زینب نے پامال لاش دیکھی

دوسرے دن عمر بن سعد نے میدان جنگ سے کوچ کیا۔ اہل بیت کی خاتونوں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہوگیا۔ قرہ بن قیس (جو شاہد عینی ہو) روایت کرتا ہو کہ ان عورتوں نے جب حضرت حسین اور اُن کے لڑکوں اور عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کرسکیں اور آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہوگئیں۔ میں گھوڑا دوڑا کر اُنکے قریب پہونچا۔ میں نے کبھی اتنی حسین عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ مجھے زینب بنت فاطمہ (علیہما السلام) کا یہ بَین کسی طرح بھی نہیں بھولتا "اے محمد! تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود و سلام! یہ دیکھ حسین ریگستان میں پڑا ہے! خاک و خون سے آلودہ ہو! تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو! تیری بیٹیاں قیدی ہیں! تیری اولاد مقتول ہو! ہوا اُن پر خاک ڈال رہی ہو!" راوی کہتا ہو دوست دشمن کوئی نہ تھا جو اُنکے بَین سے رونے نہ لگا ہو۔

(ابن جریر)

۷۲ سر!

پھر تمام مقتولوں کے سر کاٹے گئے۔ کل ۷۲ سر تھے۔ شمر بن ذی الجوشن قیس بن الاشعث، عمرو بن الحجاج، عزرہ بن قیس، یہ تمام سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔

حضرت کا سر ابن زیاد کے سامنے

حمید بن مسلم (جو خولی بن یزید کے ساتھ حضرت حسین کا سر کوفہ میں لایا تھا) روایت کرتا ہو کہ حسین کا سر، ابن زیاد کے روبرو رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ چھڑی آپکے لبوں پر مارنے لگا۔ جب اُسنے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقم صحابی چلّا اُٹھے: "ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹالے۔ قسم خدا کی، میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہو کہ رسول اللہ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے" یہ کہکر وہ زار قطار رونے لگے۔ ابن زیاد خفا ہوگیا "خدا تیری آنکھوں کو رُلائے! واللہ اگر تو بوڑھا ہوکر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن ماردیتا!" زید بن ارقم یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے "اے عرب آج کے بعد سے تم غلام ہو! تم نے ابن فاطمہ کو قتل کیا۔ ابن مرجانہ (یعنی عبید اللہ) کو حاکم بنایا۔ وہ تمھارے نیک انسان قتل کرتا اور تمھارے شریروں کو غلام بناتا ہو۔ تم نے ذلت پسند کرلی۔ خدا اُنھیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں!" (بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہو مگر صحیح یہی ہو کہ ابن زیاد نے چھڑی ماری تھی)

ابن زیاد اور حضرت زینب

راوی کہتا ہو جب اہل بیت کی خاتونیں اور بچے عبید اللہ کے سامنے پہنچے تو حضرت زینب نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ اُن کی کنیزیں اُنھیں اپنے بیچ میں لئے تھیں۔ عبید اللہ نے پوچھا "یہ کون بیٹھی ہو؟" اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر اُن کی ایک کنیز نے کہا "یہ زینب بنت فاطمہ ہیں!" عبید اللہ شماتت کی راہ سے چلّایا "اُس خدا کی ستائش جسنے تم لوگوں کو رسوا اور ہلاک کیا، اور تمھارے نام کو بٹہ لگایا!" اسپر حضرت زینب نے جواب دیا "ہزار ستائش اُس خدا کے لئے، جسنے ہمیں محمد صلعم سے عزت بخشی، اور ہمیں پاک کیا، نہ کہ جیسا تو کہتا ہو۔ فاسق رسوا ہوتے ہیں۔ فاجروں کے نام کو بٹہ لگتا ہو!" ابن زیاد نے کہا "تو نے دیکھا خدا نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟" حضرت زینب بولیں "اُن کی قسمت میں قتل کی موت لکھی تھی اس لئے وہ مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب خدا تجھے اور اُنھیں ایک جگہ جمع کریگا اور تم باہم اُس کے حضور سوال و جواب کرلوگے!" ابن زیاد غضبناک ہوا۔ اُس کا غصہ دیکھ کر عمرو بن حریث نے کہا "خدا امیر کو سنوارے! یہ تو محض ایک عورت ہو۔ عورتوں کی بات کا خیال نہیں کرنا چاہئے"

پھر کچھ دیر بعد ابن زیاد نے کہا "خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کردیا!" اسپر حضرت زینب اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں۔ اُنھوں نے کہا: "واللہ تو نے میرے سردار کو قتل کرڈالا! میرا خاندان مٹا ڈالا! میری شاخیں کاٹ دیں! میری جڑ اکھاڑ دی! اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہوسکتا ہو تو ٹھنڈا ہوجائے!" ابن زیاد نے مسکرا کر کہا "یہ شجاعت ہو! تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا!" زینب نے کہا "عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کردیا ہو۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، یہ تو دل کی آگ ہو!"

ابن زیاد اور امام زین العابدین

اس گفتگو سے فارغ ہوکر ابن زیاد کی نظر زین العابدین علی بن الحسین پر پڑی۔ یہ بیمار تھے۔ ابن زیاد نے ان سے اُن کا نام پوچھا۔ اُنھوں

لہ بعض روایتوں میں ہو کہ حضرت انس نے یہ کہا تھا (منہاج السنہ)

نے کہا "علی بن الحسین" ابن زیاد نے تعجب سے کہا "کیا اللہ نے علی بن الحسین کو قتل نہیں کرڈالا؟" زین العابدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابن زیاد نے کہا "بولتا کیوں نہیں؟" اُنھوں نے جواب دیا "میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علی تھا۔ لوگوں نے اُسے مارڈالا" ابن زیاد نے کہا "لوگوں نے نہیں، خدانے مارا ہو!" اسپر زین العابدین نے یہ آیت پڑھی "اللہ یتوفیٰ الانفس حین موتھا۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ[1]"

اسپر ابن زیاد چلایا "خدا تجھے مارے! تو بھی اُنہی میں سے ہو" پھر اُسکے بعد ابن زیاد نے چاہا، انہیں بھی قتل کرڈالے لیکن زینب بیقرار ہوکر چیخ اُٹھیں "میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو مؤمن ہو اور اس لڑکے کو ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہو تو مجھے اسی کے ساتھ مارڈال!" امام زین العابدین نے بلند آواز سے کہا "اے ابن زیاد! اگر تو اِن عورتوں سے اپنا ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہو تو میرے بعد اُن کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجنا جو اسلامی معاشرت کے اصول پر اِن سے برتاؤ کرے" ابن زیاد دیر تک زینب کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہوکر کہنے لگا "رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہو؟ واللہ مجھے یقین ہو کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہو۔ اچھا، لڑکے کو چھوڑدو یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے" (ابن جریر کامل۔ وغیرہ)

ابن عفیف کا قتل

اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے اُس خدا کی تعریف کی "جسنے حق کو ظاہر کیا، حق والوں کو فتحیاب کیا، امیر المؤمنین یزید بن معاویہ اور اُن کی جماعت غالب ہوئی اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی اور اُس کے ساتھیوں کو ہلاک کرڈالا ...!" یہ سنکر عبد اللہ بن عفیف ازدی (جو حضرت علی کے مشہور صحابی ہیں اور جنگ جمل و صفین میں زخمی ہوکر اپنی دونوں آنکھیں کھوچکے تھے) کھڑے ہوگئے اور چلائے "خدا کی قسم اے ابن مرجانہ! کذاب ابن کذاب تو تو ہو نہ کہ حسین بن علی" ابن زیاد نے یہ سُنکر اُنھیں قتل کرواڈالا۔

یزید کے سامنے

اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسین کا سر بانس پر نصب کرکے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیجدیا۔ غاز بن ربیعہ کہتا ہو۔ جس وقت زحر بن قیس پہونچا، میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید نے اُس سے سوال کیا "کیا خبر ہو؟" قاصد نے جواب دیا "فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں! حسین بن علی اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ۶۰ حامیتوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے اُنھیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپکو ہمارے حوالہ کردیں ورنہ لڑائی لڑیں۔ اُنھوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی چنانچہ ہمنے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی اُن پر حملہ بول دیا۔ جب تلواریں اُنکے سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہر طرف بھاگنے اور جھاڑیوں اور گڑھوں میں چھپنے لگے جس طرح کبوتر، باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہمنے اُن سب کا قلع قمع کردیا۔ اسوقت اُنکے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ اُنکے کپڑے خون میں تر بتر ہیں۔ اُن کے رخسار غبار سے میلے ہورہے ہیں، اُن کے جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہورہے ہیں۔ گِدوں کی خوراک بن گئے ہیں!"

یزید رونے لگا

راوی کہتا ہو یزید نے یہ سُنا تو اُس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ کہنے لگا "بغیر قتل حسین کے بھی میں تمھاری اطاعت سے خوش ہوسکتا تھا۔ ابن سمیہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسین سے ضرور درگذر کرجاتا۔ خدا حسین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے!" قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا (ابن جریر۔ کامل

[1] خدا ہی موت کے وقت جانیں لیتا ہو۔ کوئی بھی بغیر اس کی اذن کے مر نہیں سکتا۔

تاریخ کبیر ذہبی)

یزید کا تأثر

یزید کے غلام قاسم بن عبد الرحمٰن سے روایت ہو کہ جب حضرت حسین اور اُن کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اُسنے یہ شعر پڑھا:

یفلقن ہاما من رجال اعزۃ علینا وہم کانوا اعق واظلما

تلواریں ایسوں کے سر پھاڑتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں، حالانکہ در اصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے۔

پھر کہا "واللہ اے حسین! اگر میں وہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا!"

اہل بیت دمشق میں

حضرت حسین کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دمشق روانہ کردیا۔ شمر بن ذی الجوشن اور محضر بن ثعلبہ اِس قافلے کے سردار تھے۔ امام زین العابدین راستہ بھر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچکر محضر بن ثعلبہ چلایا "میں امیر المومنین کے پاس فاجر کمینوں کو لایا ہوں!" یزید یہ سُنکر خفا ہوا۔ کہنے لگا "محضر کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے پیدا نہیں کیا!"

یزید اور امام زین العابدین

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو بھی بٹھایا اور امام زین العابدین سے مخاطب ہوا "اے علی! تمھارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا، میرا حق بھلایا، میری حکومت چھیننا چاہی اسپر خدا نے اُس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو"

امام زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی: "ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأہا ان ذلک علی اللہ یسیر لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم واللہ لا یحب کل مختال فخور[1]" یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اُسنے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے۔ مگر خالد کے سمجھ میں کچھ نہ آیا تب یزید نے خالد سے کہا "کہتا کیوں نہیں" "ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر[2]"

پھر یزید دوسرے بچوں اور عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اُنھیں اپنے قریب بُلاکر بٹھایا۔ اُن کی ہیئت خراب ہورہی تھی۔ دیکھ کر متاسف ہوا اور کہنے لگا "خدا ابن مرجانہ کا بُرا کرے! اگر تم سے اُس کا کوئی رشتہ ہوتا تو تمھارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا، نہ اس حال سے تمھیں میرے پاس بھیجتا"

حضرت زینب کی بیباکانہ گفتگو

حضرت فاطمہ بنت علی سے مروی ہو کہ "جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اُسنے ہمپر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثنا میں ایک سُرخ رنگ کا شامی کھڑا ہوا اور کہنے لگا "امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کردیجئے" اور میری طرف اشارہ کیا۔ اُسوقت میں کمسن اور خوبصورت تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینب کی چادر پکڑلی۔ وہ مجھ سے بڑی تھیں، زیادہ سمجھدار تھیں، جانتی تھیں یہ بات ہونہیں سکتی۔ اُنھوں نے چِلّا کر کہا "تو کمینہ ہو۔ نہ تجھے اِس کا اختیار ہو نہ اِسے (یزید کو) اسکا حق ہو!" اِس جرأت پر یزید کو غصہ آگیا۔ کہنے لگا "تو جھوٹ بکتی ہو واللہ مجھے یہ حق حاصل ہو۔ اگر چاہوں تو ابھی کرسکتا ہوں" زینب

[1] تمھاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہو۔ یہ اِس لئے کہ نقصان پر تم افسوس کرو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہو۔ [2] جو مصیبت بھی آتی ہو خود تمھارے اپنے ہاتھوں آتی ہو۔ اور بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کردیتا ہو۔

برید فرنگ

مکتوب امریکہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم واشنگٹن کے قلم سے)

آمریکہ میں تمدنی اور صناعی ترقی کے افراط کا ردِّ عمل - آمریکہ کی عورتیں زندگی سے بیزار ہو رہی ہیں اس لئے کہ زندگی کی نسوانی مسرتیں ناپید ہو گئی ہیں!

آمریکہ عجائب و غرائب کی دنیا ہے، تجارت، صنعت و حرفت، دولت، علم کی ایسی فراوانی ہے کہ اُس کا تصوّر بھی بیرونی دنیا کے لئے مشکل ہوگا۔ دنیا کا عام خیال یہ ہے کہ دولت اور مادی طاقت حاصل ہو جائے تو دنیوی زندگی کی تمام راحتیں حاصل ہو جاتی ہیں - پھر کیا آمریکہ میں ...... زندگی کی راحتیں حاصل ہیں؟ کیا آمریکن مسرتِ حیات کی جستجو سے فارغ ہوگئے ہیں؟

مجھے بغیر کسی تأمل کے جواب دینا ہے کہ نہیں!

قوموں کی اجتماعی زندگی کا مرکزی نقطہ عورت ہے۔ اسی کی زندگی سے ہم سوسائٹی کی اجتماعی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں - عورت، انسانی سوسائٹی کی نبض ہے - قومی مزاج کا پورا حال، اس نبض پر انگلی رکھنے سے آشکارا ہو جاتا ہے - عورت، قوموں کی سعادت و شقاوت کا آئینہ ہے وہ پوری قوم کو اپنے وجود میں پیش کرتی ہے!

آمریکہ کی موجودہ اجتماعی زندگی کے سکون یا اضطراب کا اندازہ کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے "آمریکن عورت کی دماغی سیرۃ پر نظر ڈالنی چاہئے۔

چند دن ہوئے مڈل وسٹ میں ایک کمیٹی گئی تھی - اس کا مقصد یہ تھا کہ اُن اسباب کی تحقیق کرے جنھوں نے تیس سال سے ۴۵ سال کی عمر والی شادی شدہ عورتوں کو اپنی موجودہ زندگی سے بیزار کر رکھا ہے اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۹۳ صفحوں میں شائع کی ہے - تمام اسباب و حالات پر بحث کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ "آمریکن عورت، علم کے ہاتھوں پریشان ہے!"

اس اجمال کی مختصر تشریح حسب ذیل ہے:

امریکن دلہن

شہروں کو چھوڑ کر قصبوں کا بھی یہ حال ہے کہ آمریکن دلہن اپنے نئے گھر میں پہنچتی ہے تو علم و فضل سے آراستہ ہوتی ہے وہ اچھی طرح اُن علمی و صناعی آلات کے استعمال سے واقف ہوتی ہے جن سے اُسے اپنا گھر چلانا ہے آمریکہ کی گھریلو زندگی میں بھی کلیں داخل ہو گئی ہیں - بہت کم کام عورت کو اپنے ہاتھ سے کرنا پڑتا ہے - تمام کام آلات سے لئے جاتے ہیں جن میں ایک طرف تو محنت کم ہوتی ہے دوسری طرف وقت بھی بہت بچتا ہے - گھر میں روز کے مشکل کام، گھر کی صفائی، برتنوں کی دھلائی کھانا پکانا، کپڑے دھونا ہیں - لیکن اِن کاموں میں عورت کو بہت کم محنت کرنا پڑتی ہے - مشینیں اور آلات اُس کی خدمت کے لئے حاضر ہوتے ہیں - عورت جلد اِن سے فارغ ہو جاتی ہے - اگر گھر میں بچے نہیں ہیں تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہے -

وہ سوچتی ہے "اب میں کیا کروں؟" اُسے اخبار کا خیال آتا ہے اخبار پڑھنے لگتی ہے، پھر رسالے دیکھتی ہے - پھر کتابیں مطالعہ کرتی ہے - مگر کب تک؟ تھک جاتی ہے - اب سوچتی ہے "کیا کروں؟" اس سوال کا اُسے کوئی جواب نہیں ملتا - جماہیاں لیتی ہے - اونگھنے لگتی ہے - سو جاتی ہے - مگر جاگتے ہی پھر یہی بھیانک سوال اُس کے سامنے آ موجود ہوتا ہے اور وہ کوئی جواب نہیں پاتی!

"آہ! میری مسرت!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر کہتی ہے "میری شادی تو ہو گئی، مگر میری مسرت کہاں ہے؟" وہ اپنے شوہر کا خیال کرتی ہے - شوہر اُس کی نظر کے سامنے کہاں ہے؟ وہ تو اپنے دفتر میں بیٹھا ہے اور اپنی بیوی کی طرف سے بالکل غافل تجارتی حساب میں مستغرق ہے! عورت سوچتی ہے "میرے شوہر کو کبھی مجھ سے محبت تھی؟" ممکن ہے کبھی ہو، مگر اب تو اُسے محبت پر غور کرنے کی مہلت ہی کہاں ہے؟ اب اُس کی تجارتی زندگی نے کامیابی کا منہ دیکھ لیا ہے - اب تو اُسے بیوی کی جگہ "ڈالر" (امریکن سکہ) سے محبت ہے - ہفتہ کے ۶ دن تجارت میں منہمک رہتا ہے - گھر میں آتا ضرور ہے - مگر اس قدر متفکر، اس قدر پراگندہ خاطر، اس قدر خستہ، کہ اُسے اپنی "قدیم محبوبہ" سے ملاطفت کا خیال بھی نہیں ہوتا - اُس کا جسم گھر میں ہوتا ہے، دماغ دفتر میں - باتیں بیوی سے کرتا ہے، خیال حساب میں ہوتا ہے - بیوی ضبط کرتی ہے اور ضبط کرتی ہے - بے صبری سے اتوار کا انتظار کرتی ہے - لو اتوار بھی آگیا! مگر شوہر اس کے پہلو میں نظر نہیں آتا "آج اتوار ہے، وہ میدان میں "گلوو" یا "فٹ بال" کھیل رہا ہے - ہفتہ کے ۶ دن سخت دماغی کام کیا ہے - آج اپنی "تندرستی" کا حق ادا کر رہا ہے!" مگر اُس کی بدنصیب بیوی کا حق؟ بیوی کا حق تو "ڈالر" "تجارت" اور "صحت" کی چکی میں پڑ کر پس گیا!

بیوی کا دل گھر سے اُچاٹ ہو جاتا ہے - میدانوں، تماشہ گاہوں اور کلب گھروں کی راہ لیتی ہے - مگر بالکل عبث - گھر میں تسلی نہیں ملی - دوسری جگہ کب مل سکتی ہے؟

علم حقائق اشیاء

آمریکہ کی سب سے زیادہ قابل فخر درسگاہیں، مشترک زنانہ مردانہ یونیورسٹیاں ہیں - لیکن امریکن عورت کی خانگی شقاوت کی بنیادیں بھی یہیں ملتی ہیں - یہاں عورت اپنی زندگی کے بہترین تین چار سال گذارتی ہے - وہ کیا سیکھتی ہے؟ اعلیٰ دقیق علوم: فلسفہ، علم النفس، علم الحیاۃ وغیرہ وغیرہ جو اُسکی جنسی زندگی میں ہرگز کوئی کام نہیں دیتے - ایک دن میں نے ایک خوبصورت دوشیزہ سے سوال کیا "تم یہ علوم کیوں پڑھتی ہو؟" اُسنے فوراً جواب دیا "حقائق اشیاء معلوم کرنے کے لئے!" لیکن اب "حقائق اشیاء" کا یہ قیمتی علم بلائے جان ہوگیا ہے!

آمریکہ کے تمام جوان مرد اور عورتیں اسی حقائق اشیاء کے جنون میں مبتلا ہیں - پھر یہ حقائق "علمی اصول" پر معلوم ہونے چاہئیں! وہ زندگی کی ہر بات "علمی مسئلہ" کی شکل میں دیکھنے کے عادی ہوگئے ہیں اور ہر علمی مسئلہ محل بحث و نظر ہے! محبت، شادی، اولاد، محبت خانہ داری، کھیل، یہ سب اپنی جگہ پر "حقائق" ہیں، "علمی مسائل" ہیں - علم الحیاۃ اور علم الاقتصاد کے اصول پر انھیں حل ہونا چاہئے! پھر وہ حل بھی ایسا ہو جو ہر اعتبار سے علمی و منطقی ہو! یہی سبب ہے کہ آمریکہ میں جرأت کی مثالیں کم ملتی ہیں - آمریکن نوجوان اُسی کام میں جرأت دکھاتا ہے جسمیں جرأت کرنا اقتصادی حیثیت سے مفید ہو - امریکہ کی یہ مشترک یونیورسٹیاں اس لئے وجود میں آئی ہیں کہ "مرد اور عورت کی تفریق باطل ہو جائے" یہ قول ایک یونیورسٹی کی خاتون پرنسپل کا ہے - ایک مشہور فرنچ پروفیسر کے سامنے میں نے یہ قول نقل کیا، تو وہ چلا اٹھا "اُف، ناقابل تصوّر منگولی ہے!"

زندگی کے قدرتی جذبات کی لطافت کی جگہ اب ایک سراپا صناعی اور آلاتی زندگی ہے جسمیں آمریکہ کا ہر فرد مبتلا ہوگیا ہے!

ناول اور افسانے

میں نے بہت سی یونیورسٹیوں کے کتب خانوں کی سیر کی - مجھے یہ دیکھکر سخت حیرت ہوئی کہ اُن کی فہرستیں ناولوں اور افسانوں سے تقریباً خالی ہیں - اقتصادیات، طبیعیات، فلسفہ، نفسیات غرضکہ دقیق علوم کی کتابیں بھری ہوئی ہیں - آمریکن نوجوان زیادہ زیادہ تر یہی خشک کتابیں پڑھتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ رقیق جذبات اُن میں بہت کم ہو گئے ہیں - مادی اور فلسفی ہو کر رہ گئے ہیں روح اور قلب کی قوتیں دب گئی ہیں -

مہارت فنی کا غلو

پھر آمریکہ کی خانگی زندگی کو تلخ بنانے والی ایک چیز اور بھی ہے مرد کی تعلیم عام طور پر کسی ایک خاص علم و فن ہی کی ہوتی ہے تاکہ کسی ایک پیشہ میں درجۂ اختصاص حاصل ہو جائے - نتیجہ یہ ہے کہ اگر اُسکی بیوی بھی اُس خاص فن میں ماہر نہیں ہوتی جسمیں اُس کے شوہر نے مہارت حاصل کی ہے، تو دونوں کی زندگی میں بے لطفی بلکہ تلخی پیدا ہو جاتی ہے - شوہر کا دماغی رجحان اور بیوی کا دماغی رجحان باہم مختلف ہو جاتا ہے - دونوں اپنی صحبتوں کے لئے کوئی دلچسپ موضوع بحث نہیں پاتے - رسمی گفتگو کے بعد اپنے اپنے خیالات میں غرق ہو جاتے ہیں - اُسوقت عورت کو محسوس ہوتا ہے کہ اُسنے جو تعلیم یونیورسٹی میں حاصل کی تھی، بے فائدہ نکلی - وہ افسوس سے ہاتھ ملتی ہے - مگر افسوس کرنے سے خانگی مسرت حاصل نہیں ہو سکتی!

قبل از وقت شادی

ان مشترک تعلیم گاہوں نے ایک اور سخت مضرت بھی پیدا کر دی ہے - نوجوان مرد اور عورتیں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور اُن میں بتدریج دوستی پیدا ہو جاتی ہے - دوستی محبت کی شکل اختیار کرتی ہے - اور محبت کا نتیجہ شادی ہوتا ہے - یہ کچھ بُرا نہ تھا، اگر ایسی عمر میں ہوتا جو پختہ کاری کی عمر ہے - لیکن حالت یہ ہے کہ اکثر شادیاں ۱۹ اور ۲۱ برس کی عمر میں ہو جاتی ہیں، اور اس لئے سخت مشکلات کا پیش خیمہ بنجاتی ہیں - مرد اور عورت دونوں عملی زندگی کی ازدواجی ذمہ داریوں سے بے خبر ہوتے ہیں - بلکہ دونوں ہنوز طالب العلم ہوتے ہیں - گھر میں چار چار بچے کھیلتے ہوتے ہیں مگر اُن کے ماں اور باپ دونوں یونیورسٹی کے کمروں میں اساتذہ کے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں! اس صورتِ حال سے جو پریشانیاں پیدا ہو سکتی ہیں، محتاج بیان نہیں - لیکن تعجب ہے آمریکہ کے عقلاء اس کا سدِّباب نہیں کرتے بلکہ

نے کہا "ہرگز نہیں! خدا نے تمھیں یہ حق ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہو کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرو" یزید اور بھی زیادہ خفا ہوا۔ کہنے لگا "دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہو!" زینب نے بلا تأمل جواب دیا "اللہ کے دین سے، میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے ہدایت پائی ہو!" یزید چلایا "اے دشمن خدا! تو جھوٹی ہو!" زینب بولیں "تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہو۔ ظلم سے گالیاں دیتا ہو۔ اپنی قوت سے مخلوق کو دبا تا ہو!"

حضرت فاطمہ بنت علی کہتی ہیں یہ گفتگو سنکر شاید یزید شرمندہ ہو گیا۔ کیونکہ پھر کچھ نہ بولا۔ مگر وہ شامی پھر کھڑا ہوا اور وہی بات کہی۔ اِس پر یزید نے غضبناک آواز میں اُسے ڈانٹ بتائی "دُور ہو کمبخت! خدا تجھے موت کا تحفہ بخشے!"

یزید کا مشورہ کرنا

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی رؤسا و اُمرا کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا "اِن لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟" بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا مگر نعمان بن بشیر نے کہا "انکے ساتھ وہی کیجئے جو رسول اللہ صلعم انھیں اِس حال میں دیکھ کر کرتے" حضرت فاطمہ بنت حسین نے یہ سنکر کہا "اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں!" اِس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متأثر ہو گئی۔ وہ اور درباری اپنے آنسو نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ انکے قیام کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کر دیا جائے۔

یزید کی بیوی کا غم

اِس اثنا میں واقعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہو گئی۔ ہند بنت عبد اللہ یزید کی بیوی نے منھ پر نقاب ڈالا اور باہر آکر یزید سے کہا "امیر المؤمنین! کیا حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ کا سر آیا ہو؟" یزید نے کہا "ہاں! تم خوب رو، بین کرو، رسول اللہ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی۔ قتل کر ڈالا، خدا اُسے بھی قتل کرے!"

"حسین کی اجتہادی غلطی!"

اِس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا "تم جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہو؟ یہ حسین کے اجتہاد کی غلطی کا نتیجہ ہو۔ اُنھوں نے سوچا میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہو۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں، اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں، اِس لئے حکومت کا بھی یزید سے زیادہ مستحق ہوں۔ حالانکہ اُن کا یہ سمجھنا کہ اُن کے والد میرے والد سے افضل تھے صحیح نہیں۔ علی اور معاویہ نے باہم جھگڑا کیا اور دُنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ رہا اُن کا یہ کہنا کہ اُن کی ماں میری ماں سے افضل تھی، تو بلاشبہ یہ ٹھیک ہو۔ فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح اُن کا یہ کہنا کہ اُن کے نانا، میرے نانا سے افضل تھے تو قسم خدا کی، کوئی بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول اللہ سے افضل بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا۔ حسین کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بالکل بھول گئے " اللھم مالک الملک، تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء، بیدک الخیر؛ انک علی کل شیئ قدیر" (ایضاً)

پھر اہل بیت کی خاتونیں، یزید کے محل میں پہونچائی گئیں۔ خاندان معاویہ کی عورتوں نے انھیں اِس حال میں دیکھا تو بے اختیار رونے پیٹنے لگیں۔

یزید کی سعی تلافی

پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسین نے اُس سے کہا "اے یزید! کیا رسول اللہ کی لڑکیاں کنیزیں ہو گئیں؟" یزید نے جواب دیا "اے میرے بھائی کی بیٹی! ایسا کیوں ہونے لگا؟" فاطمہ نے کہا "بخدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی" یزید نے کہا "تم لوگوں کا جتنا گیا ہو، اُس سے کہیں زیادہ میں تمھیں دوں گا" چنانچہ جسنے اپنا جتنا نقصان بتایا، اُس سے دوگنا تگنا دیدیا گیا۔

یزید کا دستور تھا روز صبح شام کے کھانے میں علی بن حسین کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا۔ ایک دن حضرت حسن کے کم سن بچے عمرو کو بھی بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا "تو اِس سے لڑیگا؟" اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمرو بن حسن نے اپنے بچپنے کے بھولے پن میں جواب دیا "یُوں نہیں۔ ایک چھری مجھے دو، اور ایک چھری اِسے دو، پھر ہماری لڑائی دیکھو!" یزید کھلکھلاکر ہنس پڑا اور عمرو بن حسن کو گود میں اُٹھاکر سینے سے چمٹا لیا اور کہا "سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہوتا ہو!"

یزید کی "زود پشیمانی"

یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں اُن کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا "کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتا۔ حسین کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا۔ اُن کے مطالبہ پر غور کرتا، اگرچہ اِس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی ہی کیوں نہ پڑ جاتی۔ لیکن اِس سے رسول اللہ صلعم کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر جسنے حسین کو لڑائی پر مجبور کیا۔ حسین نے کہا تھا میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیں گے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جاکر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے۔ مگر ابن زیاد نے اُن کی کوئی بات بھی نہیں مانی۔ اور قتل کر ڈالا۔ اُن کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر! خدا کا غضب ابن مرجانہ پر!"

اہل بیت کو رخصت کرنا

پھر جب اہل بیت کو مدینہ بھیجنے لگا تو امام زین العابدین سے ایک مرتبہ اور کہا "ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں حسین کیساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اُسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں اُن کی جان ہر ممکن ذریعہ سے بچاتا اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی۔ لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھو، مجھ سے برابر خط کتابت کرتے رہنا، جو ضرورت بھی پیش آئے، مجھے خبر دینا" بعد میں حضرت سکینہ برابر کہا کرتی تھیں "میں نے کبھی کوئی ناشکر انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا!"

اہل بیت کی فیاضی

یزید نے اہل بیت کو اپنے ایک معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اِس شخص نے راستہ بھر اِن مصیبت زدوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینب بنت علی اور حضرت فاطمہ بنت حسین نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اُسے بھیجے اور کہا "یہ تمھاری نیکی کا بدلہ ہو۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہو کہ تمھیں دیں" اُس شخص نے زیور واپس کر دیئے اور کہلایا "واللہ میرا یہ برتاؤ کسی دُنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلعم کے خیال سے تھا!"

مدینہ میں ماتم

اہل بیت کے آنے سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جانگسل خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سُنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل پڑیں۔ حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں:

ماذا تقولون ان قال النبی لکم ماذا فعلتم وانتم آخر الامم؟

کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخری امت ہو،

بعترتی وباھلی بعد مفتقدی منھم اساری ومنھم ضرجوا بدم

تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ اُن میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں!

مرثیہ

حضرت حسین کی شہادت پر بہت سے لوگوں نے مرثئے کہے۔ سلیمان بن قتہ کا مرثیہ بہت زیادہ مشہور ہوا۔

مررت علی ابیات آل محمد فلم ارھا کعھدھا یوم حلت

میں خاندان محمد کے گھروں کی طرف سے گزرا مگر وہ کبھی ایسے نہ تھے جیسے اُس دن جب ان کی حرمت توڑی گئی!

فلا یبعد اللہ الدیار واھلھا وان اصبحت من اھلھا قد تخلت

خدا ان مکانوں اور مکینوں کو دُور نہ کرے! اگرچہ وہ اب اپنے مکینوں سے خالی پڑے ہیں!

وان قتیل الطف من آل ہاشم اذل رقاب المسلمین فذلت!

کربلا میں ہاشمی مقتول کے قتل نے مسلمانوں کی گردنیں ذلیل کر ڈالیں!

وکانوا رجاءً ثم صاروا رزیۃ فقد عظمت تلک الرزایا وجلت!

اِن مقتولوں سے دنیا کی امیدیں وابستہ تھیں مگر وہ مصیبت بن گئے۔ آہ! یہ مصیبت کتنی بڑی اور کتنی سخت ہو!

الم تر ان الارض اضحت مریضۃ لفقد حسین والبلاد اقشعرت

کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین حسین کے فراق میں بیمار ہو اور دُنیا کانپ رہی ہو؟

وقد اعولت تبکی السماء لفقدہ وانجمھا ناحت علیہ وصلت

آسمان بھی اُس کی جدائی پر روتا ہو۔ ستارے بھی ماتم کرتے اور سلام بھیج رہے ہیں!

ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہی ابھی یہ منزل دُور ہی۔ کم سے کم آئندہ انتخابات میں اُس کی کوئی اُمید نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اس ہفتہ حکومت انگورہ نے اعلان کردیا ہی کہ عورتوں کو حق انتخاب بالفعل نہیں دیا جاسکتا۔ وجہ یہ بتائی ہی کہ اُنھوں نے ابھی کافی ترقی نہیں کی ہی۔

برطانیہ کی سازشیں

یونانی اخبارات کی اس خبر نے ترکی اخبارات کو سخت مشتعل کردیا ہی کہ "برطانیہ نے حکومت یونان سے خواہش کی ہی کہ روس کے خلاف تمام دول بلقان کی ایک خفیہ کانفرنس منعقد کرے مگر اُس میں ٹرکی کو شریک نہ ہونے دے" ترکی اخبارات کی رائے میں یہ تجویز ٹرکی کے لئے ایک مبارزت ہی۔ انگورہ کا سربرآوردہ اخبار "جمہوریت" اپنی پچھلی اشاعت میں یُوں اظہار خیال کرتا ہی:

"اگر یہ خبر صحیح ہی تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ برطانیہ روس کے ساتھ ٹرکی کی مخالفت پر بھی تُلا ہوا ہی۔ اگر اس تجویز سے برطانیہ کا مقصود یہ ہی کہ ٹرکی کو دھمکا کر روس سے الگ کرلے، تو ہم صاف لفظوں میں اسکی تعمیل سے انکار کرتے ہیں۔ اب وہ زمانے گئے جب ٹرکی ایسی دھمکیوں سے مرعوب ہوجایا کرتا تھا۔ گزشتہ تین صدی کے تجربوں نے ہمیں خوب سکھا دیا ہی کہ ہمیں صرف اپنی قوت پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اور ہم صرف اپنی قوت ہی پر اعتماد رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس اتنی قوت موجود ہی جو ہمیں ہر مشکل سے بچا سکتی ہی۔ روس سے ہماری دوستی، زندگی اور موت کا معاملہ ہی۔ روس کو ہماری دوستی کی ضرورت ہی۔ ہمیں روس کی دوستی کی ضرورت ہی۔ ہم روس سے ہرگز علحدہ نہیں ہوسکتے"

ٹرکی اور افغانستان

باخبر حلقوں میں خیال کیا جاتا ہی کہ برطانیہ عنقریب افغانستان سے چھیڑ چھاڑ شروع کرے گا۔ روسی خطرے نے برطانیہ کو بدحواس کردیا ہی۔ وہ دیکھتا ہی روس کے تعلقات افغانستان سے بہت گہرے ہیں۔ افغانستان، ہندوستان کا پڑوسی ہی، لہذا روسی افغانی دوستی، ہندوستان کے لئے خطرناک ہی۔ اور چونکہ اس دوستی میں ہندوستان کے لئے خطرہ ہی اس لئے یا تو افغانستان کو روس سے توڑ لینا چاہئے، یا برطانیہ سے دست بگریباں ہونے کے لئے طیار ہو جانا چاہئے۔

یہ ہی برطانیہ کا نقطۂ نظر، اور اسی بنا پر وہ بہت جلد افغانستان سے نئی معاملت شروع کرنی چاہتا ہی۔ ہمیں جہاں تک حالات کا علم ہی ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ برطانیہ کو افغانستان کے روس سے الگ کرنے میں ویسی ہی ناکامی ہوگی، جیسی ٹرکی کے معاملہ میں ہوچکی ہی۔ افغانستان، روس سے علحدہ نہیں ہوسکتا۔ اُسے خوب معلوم ہی کہ برطانیہ اُسے ہرگز کوئی نفع نہیں پہونچائے گا۔ لیکن روس اُسے بے شمار نفع پہونچا رہا ہی۔

یہی باعث ہی کہ پچھلے چند ماہ سے افغانستان کے مدبر ماسکو اور انگورہ کا دورہ کر رہے ہیں۔ فی الحال انگورہ میں مشہور افغانی مدبر محمود خاں طرزی موجود ہیں۔ سرکاری طور پر اُن کی آمد صرف سیر و سیاحت کی غرض سے بتائی گئی ہی۔ خود اُنھوں نے بھی اخبار "حاکمیت ملت" کے نامہ نگار سے یہی بیان کیا ہی۔ لیکن اُن کے یہ الفاظ خاص معنی رکھتے ہیں "افغانستان کی دلی آرزو ہی کہ ٹرکی سے اُسکے تعلقات اور بھی زیادہ مضبوط ہوجائیں"

مقالات

مُحرّمُ الحرام ۱۳۴۶ ہجری

نئے ہجری سنہ کا آغاز!

تذکار ہجرۃ نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام

(۲)

واقعۂ ہجرۃ کا اختصاص

پچھلی تحریر میں یہ حقیقت واضح ہوچکی ہی کہ حضرۃ عمر اور مجمع صحابہ نے ایک نئے سنہ کی ضرورت اس لئے محسوس کی کہ قومی زندگی کے قیام و تکمیل کے لئے قومی سنہ کی ضرورت تھی، اور اسلام کی تعلیم و تربیت نے اُن کی قومی ذہنیت کا جو مزاج پیدا کردیا تھا، اُس کا مقتضی یہی تھا کہ اس ضرورت کی کھٹک طبیعتوں میں پیدا ہوتی۔ لیکن اب اس کے بعد معاملہ کا سب سے زیادہ ضروری سوال سامنے آتا ہی۔ سوال یہ ہی کہ قومی سنہ کا مبدء قرار دینے کے لئے سامنے کی جتنی چیزیں بھی ہوسکتی تھیں، اُن میں سے کوئی چیز بھی اختیار نہیں کی گئی، اور ایک دُور کی چیز جو بہ ظاہر اس غرض کے لئے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، اُن کے سامنے آگئی، اور اُسپر سب کا اتفاق ہوگیا۔ آخر اس کی علت کیا ہی؟

مسلمانوں کا قومی سنہ قرار دینے کے لئے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے کی تھیں، وہ اسلام کا ظہور تھا۔ داعی اسلام کی پیدائش تھی نزول وحی کی ابتدا تھی۔ بدر کی تاریخی فتح تھی۔ مکہ کا فتحمندانہ داخلہ تھا۔ حجۃ الوداع کا اجتماع تھا جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل و فتح کا آخری اعلان تھا۔ لیکن اِن تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ ہجرۃ مدینہ کی طرف نظر گئی جو نہ کسی پیدائش کا جشن ہی، نہ کسی ظہور کی شوکت۔ نہ کسی جنگ کی فتح ہی، نہ کسی غلبہ و تسلط کا شادیانہ۔ بلکہ اُس زمانہ کی یاد تازہ کرتا ہی جب آغاز اسلام کی بے سروسامانیاں اور ناکامیاں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعی اسلام کے لئے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا بھی ناممکن ہوگیا تھا۔ بیچارگی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ اپنا وطن، اپنا گھر، اپنے عزیز و اقارب، اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر، صرف ایک رفیق غمگسار کے ساتھ، رات کی تاریکی میں، رہسپار دشت غربت ہوا تھا!

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کے معاملات میں قدرتی طور پر دوسری قوموں کے نمونے سامنے آیا کرتے ہیں۔ حضرۃ عمر اور صحابہ کے سامنے بھی یہ نمونے موجود تھے۔ لیکن وہ اُن کی تقلید پر آمادہ نہ ہوسکے اور اُنھوں بالکل ایک دوسری ہی راہ اختیار کی۔

دُنیا کے قومی سنین

قومی سنہ، دراصل قوم کی پیدائش اور عروج و اقبال کی تاریخ ہوتا ہی۔ اس کے ذریعہ قومیں اپنی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم اور شاندار واقعہ یادر رکھنا چاہتی ہیں۔ اُس کا دَور ہر بارہ مہینے کے بعد ختم ہوتا اور از سرِنو شروع ہوتا ہی، اور اس طرح سال نو کی مسرتوں کے ساتھ اُس کی تاریخی روایات کی شادمانیاں بھی تازہ ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہی کہ دُنیا میں جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی بُنیاد کسی ایسے واقعہ پر نظر آتی ہی جس سے کسی قومی فتح و اقبال کا آغاز ہوا ہی۔ چونکہ اس طرح کا آغاز عموماً کسی بڑے انسان کی پیدائش سے ہوا ہی، یا کسی بڑے بادشاہ کی تخت نشینی سے، یا کسی بڑی جنگ کی فتح اور کسی نئی سرزمین کے قبضہ و تسلط سے۔ اس لئے دنیا کے اکثر سنوں کی ابتدا مشاہیر و اکابر کی پیدائش اور تخت نشینی ہی سے ہوتی ہی۔ بیرونی نے آثار الباقیہ نامی کتاب صرف سنین و تواریخ کے موضوع پر لکھی ہی، اور اس درجہ کی لکھی ہی کہ آج بھی اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جاسکتی۔ وہ دُنیا کے تمام سنین کا استقصا کرکے لکھتا ہی" قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ رہا ہی کہ بانیان حکومت و مذاہب کی پیدائش، بادشاہوں کی تخت نشینی، انبیاء کی بعثت، ملکوں کی فتح و تسخیر، سلطنت کے انقلاب و انتقال، اور حوادث عظیمۂ ارضیہ سے تواریخ و سنین کی ابتدا کیا کرتے ہیں"

قدیم سنوں میں بابلی، یہودی، رومی، مسیحی، ہندوستانی، اور ایرانی سنین سب سے زیادہ مشہور و مستعمل رہے ہیں، ان سب کی ابتدا کسی ایسے ہی واقعہ سے ہوتی ہی۔ بابلی سنہ کی بنیاد بخت نصر اول کی پیدائش پر رکھی گئی تھی کیونکہ اُس کے ظہور سے بابل کی عظمت کا آغاز ہوا۔ یہودیوں نے پہلے مصر سے خروج کے واقعہ پر سنہ کی بُنیاد رکھی تھی۔ کیونکہ اسی واقعہ سے اُن کی قومی آزادی کا دور شروع ہوتا تھا۔ پھر جب فلسطین میں یہودی حکومت قائم ہوگئی تو حضرت سلیمان کی تخت نشینی سے بھی سنہ کا حساب کرنے لگے۔ پھر ہیکل کی بربادی کے بعد جب دوبارہ تعمیر کا واقعہ ظہور میں آیا، تو چونکہ اس سے یہودیوں کے اجتماع و توطن کا نیا دور شروع ہوتا تھا اس لئے اس کی یادآوری کے جذبے نے تاریخ و سنہ کی صورت اختیار کرلی۔ رومیوں کا سب سے زیادہ مشہور سنہ اسکندری سنہ ہی جو سکندر فاتح کی پیدائش سے شروع ہوتا ہی۔ پھر آگسٹس کی پیدائش سے نیا سنہ شروع ہوا جسکی فتحمندیوں نے رومی عظمت کا نیا دور شروع کردیا تھا۔ مسیحی

اسے پسند کرتے ہیں اور اس کی ہمت افزائی کرنے میں بھی مضائقہ نہیں کرتے۔ امریکہ کے بوڑھوں میں یہ مقولہ عام ہو "نوجوانوں کو چھوڑ دو کہ ساتھ بڑھیں پلیں، ساتھ پڑھیں لکھیں، بچپن ہی سے باہم محبت کریں اور اپنی نسل بڑھتے دیکھیں!"

امریکن عورت کی روزمرہ کی زندگی

مردوں کی طرح عورتوں کی زندگی بھی روپیہ کمانے اور خرچ کرنے میں بسر ہوتی ہو۔ بازاروں میں کپڑے کی اکثر بڑی دوکانوں پر بھی جلی حروف میں یہ عبارت لکھی نظر آئے گی "یہاں عورتوں کو کپڑے سینے کی مفت تعلیم دیجاتی ہو" جا بجا سائن بورڈوں پر یہ الفاظ پڑھو گے "یہاں علم تدبیر منزل (خانہ داری) پر لکچر مفت سنائے جاتے ہیں"، یہ اس امر کا ثبوت ہو کہ امریکن عورت بالکل بے کار نہیں رہتی وہ اپنی خانگی زندگی میں تو ضرور بدنصیب ہوتی ہو، مگر برابر علمی و صنعتی ترقی کر رہی ہو۔ لیکن درا صل اسی ترقی نے اُسے مسرت سے محروم بھی کر رکھا ہو۔

آمریکن عورت، بہت مسرف ہوتی ہو۔ اس کا ثبوت ہر روز بازار میں دیکھا جا سکتا ہو۔ دوکانیں عورتوں سے لبریز رہتی ہیں۔ دوکانداروں کا اپنے اعلانوں میں خطاب عموماً عورتوں ہی سے ہوتا ہو کیونکہ وہ جانتے ہیں مردوں کو خرید فروخت کی مہلت نہیں۔ مرد روپیہ کمانا جانتے ہیں، خرچ کرنا نہیں جانتے۔ عورتیں اُن کی ہفتہ بھر یا مہینہ بھر کی آمدنی پر قابض ہو جاتی ہیں اور بازاروں میں آ کر بے دریغ خرچ کر ڈالتی ہیں۔ عورتوں کے اسراف کا اندازہ صرف اتنی بات سے کیا جا سکتا ہو کہ گزشتہ دس سال کے اندر منھ پر ملنے والے روغنوں کی فروخت میں فی صدی دو ہزار کا اضافہ ہو گیا ہو!

زنانہ کلب

آمریکہ کے زنانہ کلب، دُنیا میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ بڑے ہی شاندار، خوبصورت، اور جدید ترین سامان سے آراستہ ہوتے ہیں عورت چونکہ گھر میں شوہر کو نہیں پاتی، اور دلچسپی سے محروم ہوتی ہو، اس لئے اپنا زیادہ وقت کلب ہی میں گزارتی ہو۔ عام دستور یہ ہو کہ عورت اپنے شوہر کو موٹر میں بٹھا کر اُس کے دفتر میں چھوڑ آتی ہو اور باقی پورا دن کلب میں صرف کرتی ہو۔ شام کو پھر موٹر میں بیٹھتی ہو اور شوہر کو دفتر سے لے آتی ہو۔ دونوں رات کا کھانا عموماً ہوٹل میں کھاتے ہیں اور پھر گھر آ کر سو رہتے ہیں!

سب سے زیادہ زنانہ کلب مڈل ویسٹ میں ہیں۔ یہ کلب بہت ہی دلچسپ اور مفید ہیں۔ لیکن اُن کا یہ عیب بھی بہت بڑا ہو کہ عورت سے غور و فکر کی قوت سلب کر لیتے ہیں اور اُس کے دماغ میں اس قدر معلومات ٹھونس دیتے ہیں کہ وہ اُنھیں ہضم نہیں کر سکتی اور دماغی بدہضمی میں مبتلا ہو جاتی ہو۔ دن بھر کلب گھروں میں علمی تقریریں ہوتی رہتی ہیں۔ ایک دن میں نے شیکاگو کے ایک زنانہ کلب میں چار مختلف مضمونوں پر لکچر سنے۔ مضمون یہ تھے:

(۱) مرد کا کام اپنے گھر میں
(۲) غذا کی تاثیر جسم انسانی پر
(۳) موجودہ ادبیات اور خوارق عادات
(۴) سحر و ساحری کی حقیقت۔

میں نے بڑے غور سے لکچر سنے تھے۔ آخر میں سوچنے لگا میں نے کیا سُنا تھا؟ باوجود سخت کوشش کے میں اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ کیونکہ دماغ مختل ہو چکا تھا۔ صرف دو باتیں حافظہ میں محفوظ رہ گئی تھیں۔ ایک یہ کہ دوپہر کو کھانا نہیں کھانا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کی موجودہ اقتصادی حالت ایسی ہو گئی ہو کہ انسان، دولت جمع کرنے کا آلہ بن گیا ہو۔ صرف ایک دن میں میرا یہ حال ہوا لیکن اُن عورتوں کا کیا حال ہوگا جن کی ساری زندگی انہی کلب گھروں اور اُن کے لکچروں میں گزرتی ہو؟

بچوں کی ماں

آمریکہ میں بیشمار انجمنیں اس غرض سے موجود ہیں کہ ماؤں کے لئے مفت مشورے مہیا کریں۔ ان میں ہمیشہ لکچروں کا سلسلہ جاری رہتا ہو اور ماؤں کو بتایا جاتا ہو کہ وہ کون کون کتابیں پڑھیں؟ کس قسم کا کھانا کھائیں؟ کیا سوچیں؟ کیا دیکھیں؟ غرضکہ ہر معاملہ میں باقاعدہ علمی مشورہ دیا جاتا ہو۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ آمریکہ میں جس طرح سب معاملات، اصول و قواعد کے ماتحت رکھے گئے ہیں، اُسی طرح نسوانیت بھی علمی اصول پر "منطبق" کی جا رہی ہو۔ یہی حد سے زیادہ "علمی انطباق" انسانیت اور مرد و عورت کی جنسیت کی فطرۃ کا خاتمہ ہو!

دنیا میں آمریکہ کی نوجوان عورتوں سے منظم تر کوئی چیز موجود نہیں۔ وہ الھڑ نہیں ہوتی۔ اپنے شوہر کی طرح کسی نہ کسی علم یا ہنر میں ماہر ہوتی ہو۔ اپنے گھر کو مرتب و منظم رکھ سکتی ہو۔ امریکن عورت انگلستان کی عورت سے کہیں زیادہ منظم اور سلیقہ مند ہوتی ہو۔

امریکن ماں اپنے بچوں سے بیحد محبت کرتی ہو۔ ہندوستان کی طرح آمریکہ میں بھی اولاد اپنے ماں باپ کی ملکیت سمجھی جاتی ہو۔ گھروں میں بچوں کے لئے علحدہ کمرے نہیں ہوتے۔ پورا گھر بچوں کے لئے کھلا ہوتا ہو اور وہ دن بھر ادھم مچائے رہتے ہیں۔ اسی طرح دائیاں اور کھلائیاں رکھنے کا بھی رواج کم ہو۔ خود ماں ہی دائی ہوتی ہو۔ ماں اپنے بچوں میں کسی کی مداخلت گوارا نہیں کرتی۔ وہ اُن کا مستقبل اپنے مستقبل سے وابستہ سمجھتی ہو۔ اُن پر وہ تمام تعلیم و تربیت کے اصول منطبق کرتی ہو جو کلب گھروں میں سُنتی اور کتابوں میں پڑھتی ہو!

لیکن اس کے باوجود بھی اُس کی زندگی بڑی حد تک مسرت سے خالی ہوتی ہو، کیونکہ، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، علم کی فراوانی اور تجارت کی افزونی نے اُس پر ازدواجی مسرتوں کا دائرہ تنگ کر رکھا ہو۔ آمریکہ کی عورت، علم اور مادی ترقی سے اب نالاں ہو رہی ہو!*

* آمریکہ کی عورت خوش نہیں ہو اس لئے باوجود بیشمار دولت رکھنے کے آمریکہ بھی خوش نہیں ہو۔ وہ تمدن کی شدت سے اکتا گیا ہو۔ وہ پیچھے کی طرف دیکھ رہا ہو۔ کون کہہ سکتا ہو کہ موجودہ صورت حال کا آئندہ ردعمل (ری ایکشن) کیا ہوگا؟

برید شرق

مکتوب انگورہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم انگورہ کے قلم سے)

شورائے دولت۔ ترکی ڈاکٹر کی تحقیقات۔ وزیر خارجیہ کی تصریحات ترکی پارلیمنٹ۔ ترکی عورت اور حق انتخاب۔ برطانیہ کی سازشیں۔ ٹرکی اور افغانستان۔

شورائے دولت

"مجلس شورائے دولت" کے نام سے ترکی پارلیمنٹ نے ایک مجلس کا قیام منظور کر لیا ہو۔ اُس کی صدارت کے لئے مشہور ترکی قانوندان نصرت بک منتخب ہوئے ہیں۔ اس مجلس کا کام یہ ہوگا کہ حکومت کی تمام وزارتوں اور محکموں کو ضرورت کے وقت مشورہ دے، نیز اُن جھگڑوں کا تصفیہ کرے جو مختلف محکموں میں پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔

ترکی ڈاکٹر کی تحقیقات

مشہور ترکی ڈاکٹر حسن رشاد بک کے متعلق اخبارات نے یہ خبر شایع کی ہو کہ اُنھوں نے آتشک کا حکمی علاج دریافت کر لیا ہو۔ اُن کا دعویٰ ہو کہ اُن کی دوا کا صرف ایک انجکشن ہمیشہ کے لئے اس خبیث بیماری کی جڑ کاٹ دیتا ہو۔ ترکی حکومت ڈاکٹر موصوف کو اپنے خرچ سے یورپ بھیج رہی ہو تاکہ وہاں ماہرین فن کے سامنے اپنے تجربے دکھائیں۔

وزیر خارجیہ کی تصریحات

ڈاکٹر توفیق رشدی بک ترکی وزیر خارجیہ نے اس ہفتہ اخباری نمایندوں کے سامنے حسب ذیل تصریحیں کی ہیں:

"اس وقت ٹرکی کے تعلقات متمدن دُنیا کے جملہ ملکوں سے دوستانہ ہیں۔ اسوقت دنیا کی کسی سلطنت سے بھی ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ پچھلے دنوں جو افسوسناک حادثے بعض سلطنتوں کے مابین واقع ہوئے ہیں، اُنھوں نے ہمارے مسلک پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ ہمارے مسلک کی بنیاد اس عقیدے پر ہو کہ دُنیا کا امن و امان ہمارے ملک کے لئے مفید ہو۔ یہی باعث ہو کہ ہم حکومتوں کے درمیان پڑ کر خود نفع نہیں اُٹھاتے۔ کیونکہ یہ ہمارے مقصد امن کے خلاف ہو۔

"بلقانی ریاستوں سے بھی ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں۔ ہم اُنھیں اور بھی مضبوط کرنے کی کوشش میں ہیں۔ روس سے ہمارے علائق خاص طور پر بہت ہی اچھے ہیں۔ روس نے کبھی ہمارے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ وہ ہمیشہ ہمارا دوست رہا اور آج بھی دوست ہو۔

"چین کی موجودہ تحریک آزادی سے ہمیں پوری دلچسپی ہو۔ ہم اس عظیم الشان مشرقی قوم کی آزادی کے دل سے متمنی ہیں۔ مصر سے ہمیں جو دلی تعلق ہو وہ کسی شرح و تفصیل کا محتاج نہیں"۔

ترکی مجلس کا نیا انتخاب

موجودہ ترکی مجلس (پارلیمنٹ) کی مدت ختم ہو گئی۔ اب نئے انتخابات کا وقت ہو۔ قانون کی رُو سے اس مجلس کی عمر ماہ اپریل تک تھی۔ مگر اُسے دو مہینے اور بڑھا لئے۔ اب وہ دو مہینے بھی گزر چکے ہیں۔ نئے انتخابات ماہ جولائی میں شروع ہونگے۔ باخبر لوگ جانتے ہیں کہ انتخابات کا نتیجہ کیا ہوگا؟ تمام ملک کو غازی مصطفےٰ کمال پاشا اور اُن کی جماعت پر پورا اعتماد ہو۔ لہذا آیندہ مجلس میں ہمیں تقریباً انہی ممبروں کا انتظار کرنا چاہئے جو موجودہ مجلس کے ارکان تھے۔

ترکی عورت اور حق انتخاب

نئے انتخابات کے پیش آجانے کی وجہ سے اس کا غوغا بہت بڑھ گیا ہو۔ حقوق طلب خواتین بڑی سختی سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہی

اندر کی استعداد کی تکمیل کے ساتھ ہی باہر کی استعداد بھی اسکے اندر پیدا ہو جائے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے لئے مثال کی ضرورت ہے۔ خدا کی رحمت و ربوبیت نے تمام کائنات ہستی کو بخشش کا خزانہ اور فیضان عام کی بارش بنا رکھا ہے۔ زندگی اور وجود کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، اُن میں سے ہر چیز موجود ہے، اور اُس کی موجودگی صرف اس لئے ہے تاکہ استعداد کو ڈھونڈھے، صلاحیت کو پالے، اور انفعال کو فعل سے اور انجذاب کو جذب سے مالا مال کر دے۔ سورج روز آسمان پر چمکتا ہے۔ ستارے ہمیشہ زمین کی طرف جھانکتے ہیں۔ ہوائیں یکساں گرمجوشی سے چلتی ہیں، بادلوں کی رفتار میں کبھی رکاوٹ نہیں پڑتی۔ سورج کی کرنیں سمندروں کو کھینچنے اور پانی کے ذخیرے جمع کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتیں۔ زمین کی سطح اپنے سارے خزانے لئے ہوئے موجود ہے۔ خاک کے ذرّوں میں سے ہر ذرہ اپنا خاصہ اور اپنی تاثیر رکھتا ہے۔ موسموں کی تبدیلی اور لیل و نہار کی گردش بھی اپنے مقصد اور حکمت سے باہر نہیں۔ یہ، اور اسی طرح کی تمام اَن گنت اور بے حد و حساب چیزیں:

وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (۱۴ : ۳۴) اور اگر تم خدا کی نعمتیں اور بخشائشیں شمار کرنی چاہو،

تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی تمھارا اندازہ احاطہ نہیں کر سکتا!

تو توں کا خزانہ اور بخشائشوں اور ربوبیتوں کا فیضان عام ہے، اور اپنی مجموعی صورت میں کائنات ہستی کی وہ "خارجی استعداد" ہے جو وجود کے لئے خلق و تسویہ کا سامان مہیا کرتی اور ہمیشہ اُس کے انتظار میں چشم براہ رہتی ہے۔ لیکن خارج کی اس استعداد سے صرف وہی اشیاء فائدہ اُٹھا سکتی اور اپنے حصّہ کی بخشش پا سکتی ہیں جن کے اندر خود اُن کے "اندر کی استعداد" وجود میں آگئی ہے۔ یہ اندرونی استعداد باہر کے کارخانۂ استعداد کی تاثیر کے لئے بمنزلۂ انفعال ہے۔ جب تک انفعال کا لب سوال وا نہ ہوگا، فعل و تاثیر کا جوادِ فیضان، حرکت میں نہیں آ سکتا!

دہقان ایک بیج اُٹھاتا ہے اور زمین کے حوالے کر دیتا ہے۔ اب دیکھو، اس ایک بیج کے بار آور ہونے کے لئے قدرت الٰہی نے کس طرح اپنا تمام کارخانۂ ہستی مہیا کر دیا ہے؟ سورج منتظر ہے کہ اپنی گرمی اس کے لئے وقف کر دے، بادل طیار ہیں کہ اپنے ذخیروں کا منہ کھول دیں۔ زمین مستعد ہے کہ اپنی آغوش اُس کے لئے وا کر دے؛ لیکن اس تمام کارخانۂ بخشش سے وہ جبھی فائدہ اُٹھا سکتا ہے جبکہ خود اُسکے اندر کی استعداد صحیح و صالح ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے، تو پھر یہ تمام کارخانۂ بخشش و نوال اُس کے لئے بیکار ہوگا۔ سورج اپنا دہکتا ہوا تنور رکھ کر بھی اسے گرم نہ کر سکے گا، بادل اگر اپنا تمام ذخیرۂ آب ختم کر ڈالے، جب بھی اُسے زندگی کی رطوبت کا ایک قطرہ نہیں ملیگا!

پھر ایک صالح بیج جب زمین میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے، تو اُس کے اندر کی استعداد ظاہر ہوتی ہے اور اندر ہی اندر پکنے اور بڑھنے لگتی ہے۔ اُسوقت وہ ایک چھوٹا سا وجود ہوتا ہے جس کے اندر باریک ذرّوں اور ریشوں کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ لیکن انہیں ذرّوں اور ریشوں کے اندر اُس کی آنے والی ہستی کی ساری بڑائیاں اور عظمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے ایک عظیم اور تناور درخت کی ساری ٹہنیاں اور پتے، اور اس کے ہزاروں پھول اور پھل انہیں ذرّوں اور باریک ریشوں کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ وہ بتدریج نشو و نما پاتا ہے، اور یکے بعد دیگرے تخلیق و تسویہ کے مختلف درجوں سے گزرتا ہے۔ پھر جب یہ سب کچھ ہو چکتا ہے، تو وہ وقت آ جاتا ہے جب زمین کی سطح چاک ہوتی ہے اور اُس کی پہلی شاخ باہر نکلتی ہے۔ چنانچہ وہ اُبھرتا ہے، اور کائنات فطرۃ کے جس کارخانۂ فیضان سے زمین کے اندر اکتساب فیض کر رہا تھا، اب اُس سے زمین کی سطح پر بخشش و نوال حاصل کرنے لگتا ہے۔ اُسوقت تم دیکھتے ہو کہ عالم نباتات کا یہ جوان نوخاستہ سرو قد کھڑا ہے، اور کارخانۂ فطرۃ کے ہر سامان سے زندگی اور قوت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اب تم اُس کی ہستی کا اعتراف کرتے ہو، لیکن تم بھولجاتے ہو کہ باہر کی استعداد اُس کے لئے جو کچھ بہم پہنچا رہی ہے یہ در اصل اُسی استعداد کا جواب اور نتیجہ ہے جو زمین کے اندر تخم اُس کی داخلی طبیعت نے پیدا کر لی تھی!

عالم حیوانات میں دیکھو تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ حیوان اور انسان کا جود جود عالم ہستی میں قدم رکھتا ہے، اور بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کی منزلیں طے کرتا ہے، دراصل یہ وہی وجود ہے جو پہلے خود اپنی ہستی کے اندر تخلیق و تکمیل کی منزلیں طے کر چکا ہے۔ اگر اُس کی داخلی استعداد کا دَور صحت اور قوت کے ساتھ ختم نہ ہوتا، تو اس کی خارجی استعداد کا یہ دَور وجود ہی میں نہ آتا۔ وہ پہلے شکم مادر میں جنین کا ابتدائی مادّہ تھا۔ پھر اندر ہی اندر بڑھنے اور پھیلنے لگا، بہ تدریج تخلیق و تسویہ کی مختلف منزلیں وجود میں آئیں۔ پہلے چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے جنھوں نے ایک جونک کی سی شکل اختیار کر لی۔ پھر یہ جونک بڑھتے بڑھتے گوشت کا ایک لوتھڑا بن گئی، لوتھڑے میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بننا شروع ہوا، اور ڈھانچے پر گوشت پوست کا غلاف چڑھ گیا، پھر گوشت اور ہڈیوں کا یہی مجموعہ نظم و تناسب کے ایک ایسے سانچے میں ڈھل گیا، کہ شکل و ہیئت کی تمام زیبائیاں اور خال و خط کی ساری دلآویزیاں مکمل ہو گئیں۔ پھر جب اندر ہی اندر تکمیل و تسویہ کے یہ تمام مراتب طے ہو گئے، تو یہ وجود اس قابل ہوا کہ شکم مادر سے باہر قدم نکالے۔ اور تم نے دیکھا کہ خلقت اور ہستی کا ایک زندہ اور مستعد وجود تمھارے سامنے ہے: ثم انشاناہ خلقاً آخر، فتبارک اللہ احسن الخالقین! (۲۳ : ۱۴)

بہر حال دنیا میں ہر چیز کی تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کارخانۂ فیضان فطرۃ سے اکتساب فیض کی صحیح استعداد پیدا ہو۔ اور اس استعداد کے ظہور کا پہلا محل اندرونی ہے دوسرا بیرونی۔ جب تک کوئی چیز اپنے اس پہلے دَور میں صحیح استعداد پیدا نہیں کرے گی، دوسرے دَور کی استعداد پیدا نہیں کر سکتی۔ خارج کے نشو و نما کے لئے داخل کا نشو و نما، بمنزلہ سبب و علت ہے۔ جب تک سبب موجود نہ ہوگا، نتائج ظہور میں نہیں آئیں گے۔

جماعت کی داخلی استعداد

فرد اور جماعت دونوں کا ایک ہی حال ہے۔ یہ افراد و اشیا کی مثالیں تھیں۔ انہی کو جماعتوں اور قوموں پر بھی منطبق کرو۔ اشیاء و افراد کی طرح "جماعت" بھی پیدا ہوا کرتی ہے۔ اس کی تخلیق، نشو و نما، اور ترقی و تکمیل کے لئے بعینہ وہی قوانین ہیں، جو اشیاء و افراد کے لئے ہیں۔ جس طرح فطرۃ الٰہی کی ربوبیت نے مخلوقات کی زندگی اور نشو و نما کے لئے اپنی بخشائشوں کے بادل زمین پر پھیلا دئے ہیں، ہر شئے زندگی دینے والی، ہر شے پرورش کرنے والی، اور ہر شے وجود و کمال تک لیجانے والی ہے، ٹھیک اُسی طرح "جماعت" اور "امت" کے ظہور و نشو و نما کے لئے بھی ہر طرح کی بخشائشوں اور ہر طرح کی فیض رسانیوں کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ ربوبیت اُس کے ظہور کا انتظار کرتی اور بخشائش فطرۃ اُس کے قدم اُٹھانے کی راہ تکتی ہے۔ لیکن جس طرح افراد و اشیاء کے لئے فطرۃ کا تمام سامان فیض صرف اُسی حالت میں مفید ہو سکتا ہے جبکہ خود ان کے اندر صحیح و صالح استعداد موجود ہو۔ اسی طرح "جماعت" کا مولود بھی وقت کے فیضان اور قومی و مرزبومی احول کی بخشائشوں سے اُسی حالت میں فائدہ اُٹھا سکتا ہے، جبکہ خود اُس کے اندر اکتساب انفعال کی صحیح استعداد موجود ہو۔ پھر جس طرح اس استعداد کی تکمیل کے پہلا مرحلہ داخلی ہے، دوسرا خارجی، اسی طرح جماعتوں اور قوموں کی مزاجی استعداد کے لئے بھی پہلا مرحلہ داخلی ہے۔ دوسرا خارجی۔ کوئی جماعت، کوئی قوم، انسان کی کوئی ہیئت اجتماعیہ، کش مکش حیات کی کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتی، اگر پہلے ایک تخم اور جنین کی طرح اپنی داخلی استعداد کی منزل طے نہیں کر لیتی۔ اسکی داخلی تخلیق و تکمیل کا بھی ایک معین وقت اور وقت کی معین مقدار ہے، اگر ایک جماعت وجود و کمال کا پورا درجہ حاصل کرنا چاہتی ہے، تو ناگزیر ہے کہ پہلے داخلی استعداد کی تکمیل کا وقت بسر کر لے۔ اُس کے بعد خارج کے اعمال و فتوح کا دروازہ خود بخود اُس پر کھل جائے گا۔ کیونکہ خارج کی تمام کامرانیاں اُس کی داخلی استعداد کی تکمیل کا نتیجہ و ثمرہ ہوتی ہیں۔

جس طرح اشیاء و افراد کے جسم کی داخلی استعداد کا دارومدار اُن کے اندر ہی اندر نشو و نما پانے اور اندر ہی اندر پکنے پر ہے، اُسی طرح فرد اور جماعت کی دماغی اور اخلاقی استعداد کا دار و مدار اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت پر ہے جسے قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں "تزکیہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ "تزکیۂ اخلاق و نفس" سے مقصود یہ ہے کہ ایک جماعت کو بہ حیثیت ایک جماعت کے جس طرح کے ذہن و مزاج کی ضرورت ہے، وہ اس کے ایک ایک فرد کے اندر پیدا کر دیا جائے، اور اس رسوخ و نفوذ کے ساتھ پیدا کر دیا جائے گویا ایک آہنی کالبد لیکر اِن میں سے ہر فرد کا دل و دماغ اُس میں ڈھال دیا گیا ہے۔ جس طرح عالم اجسام میں جسم کی بہتر خلقت اور بہتر نشو و نما طاقت و برتری کا موجب ہوتی ہے، اُسی طرح قوموں اور جماعتوں کے لئے اُن کے افراد کا اخلاق اور اخلاق کی بہتر قسم اور بہتر نشو و نما جماعتی طاقت اور برتری کا باعث ہوتی ہے۔ یہی اخلاق "جماعت" کی زندگی کی اصلی استعداد ہے۔ اسی استعداد سے وہ سب کچھ پاتی ہیں، اور بغیر اس استعداد کے کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ تزکیۂ نفوس کا عمل یہی استعداد پیدا کرتا ہے۔ اسی کی تولید و تکمیل، جماعتوں اور قوموں کی "داخلی استعداد" ہے۔

"جماعت" کی داخلی استعداد کے لئے جس ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اگرچہ فرداً فرداً ہر فرد جماعت سے تعلق رکھتی ہے، لیکن اُس کا سارا زور "جماعتی ذہن و اخلاق" کی طرف ہوتا ہے۔ یعنی وہ جماعت کے لئے ذہن و اخلاق کا ایک خاص مزاج پیدا کر دینا چاہتی ہے۔ چونکہ یہ مزاج پیدا نہیں ہو سکتا، جب تک جماعت کا ہر فرد اپنا انفرادی ذہن و اخلاق معدوم کر کے جماعتی مزاج پیدا نہ کرلے، اس لئے وہ ذہن و عمل کا ایک خاص سانچا ڈھال لیتی ہے اور پھر تمام افراد کا ذہن و اخلاق اُسی میں ڈھالنا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام افراد کی ذہنی و اخلاقی خصوصیات ایک ہی انداز اور روش کی ہو جاتی ہیں، اور اپنے بیشمار انفرادی اختلافات رکھنے پر بھی ذہن و اخلاق کی طبیعت میں یک قلم تماثل اور تشابہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اُن کی خواہشیں یکساں نہیں ہو سکتیں اور یکساں نہیں ہوتیں۔ اُن کی طبیعتوں کی عام روش ایک طرح کی نہیں ہو سکتی اور ایک طرح کی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی سمجھ میں اپنی رائے میں، اپنی زندگی و معیشت کے تمام معاملات میں ایک نہیں ہو جا سکتے اور ایک نہیں ہو جاتے؛ لیکن وہ ذہن و عمل کی اُن ساری باتوں میں جو جماعتی زندگی کی بنیادیں اور اخلاق و سیرۃ کی فضیلت کا معیار ہیں، اس طرح یکساں اور ایک نگاہ و عمل ہو جاتے ہیں، کہ معلوم ہوتا ہے، سب کے اندر ایک ہی دماغ کام کر رہا ہے اور سب کے

سنہ کا تو نام ہی میلادی سنہ ہی۔ یعنے اس کی ابتدا حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ پر رکھی ہی۔

ہندوستان میں جہاں ہر گروہ کے لئے الگ الگ زبان اور الگ الگ پیشہ قرار دیا گیا تھا، وہاں مختلف حلقوں کے لئے مختلف سنہ بھی قرار پا گئے تھے۔ جوتشیوں نے اپنے حساب کے لئے خاص جوتشی سنہ قرار دیا تھا۔ عوام اپنی یادداشت کے لئے الگ سنہ رکھتے تھے۔ حکومتوں اور بادشاہوں کے سنہ اُن کے لئے مخصوص تھے، مگر اِن سب کی بُنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی واقعہ پر تھی۔ آخری سنہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا اور آجتک مستعمل ہی، بکرماجیتی سنہ ہی اور یہ راجہ بکرماجیت کی پیدائش سے شروع ہوتا ہی۔ ایرانیوں میں میں بھی جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی ابتدا پیدائش، تخت نشینی، اور کسی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کا واقعہ ہی۔ اس رسم کی کہ ہر بادشاہ پچھلا سنہ منسوخ کرکے اپنی تخت نشینی کا نیا سنہ جاری کرے اور اُسے سنہ جلوس کہا جائے، ایرانیوں ہی نے بُنیاد ڈالی۔ مسلمانوں اور ایرانیوں میں جب جنگ ہوئی ہی، تو ایران کا سرکاری سنہ یزدگرد آخری فرماں روائے ایران کا سنہ جلوس تھا۔

حضرۃ عمر کا تردد

اُن روایات سے جو پچھلی تحریر میں درج ہو چکی ہیں، معلوم ہوتا ہی کہ حضرت عمر کو بھی ابتدا میں یہی خیال ہوا تھا کہ آں حضرت (صلعم) کی پیدائش یا بعثت کے وقت سے سنہ کی ابتدا کی جائے۔ سعید بن مسیب اور یعقوبی کی روایت میں ہی کہ آپنے جب حضرت علیؑ سے مشورہ کیا تو اُن کی رائے یہ ہوئی کہ واقعۂ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ بات آپکے دل میں اُتر گئی اور صحابہ بھی اس سے متفق ہوگئے۔ ابن مہران کی روایت میں ہی کہ مبدء تاریخ کے بارے میں حسب معمول صحابہ نے مشورہ کیا تھا۔ مختلف رائیں لوگوں نے دیں۔ بالآخر سب اسپر متفق ہوگئے کہ واقعۂ ہجرۃ سے ابتدا کی جائے: فاتفقوا علی ان یکون المبدء من الھجرۃ۔ ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہی کہ اس معاملہ پر اچھی طرح غور و فکر کیا گیا تھا، اور ہر طرح کی رائیں ظاہر ہوئی تھیں۔ چونکہ سامنے کی صاف بات یہی تھی کہ آنحضرت کی ولادت یا بعثت سے تاریخ شروع کی جائے جو ظہور اسلام کی اصلی بُنیاد ہی، اس لئے حضرت عمر کا خیال ابتدا میں اسی طرف گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہی کوئی بات اسمیں ایسی تھی کہ آپ کی طبیعت کو اسپر انشراح نہیں ہوتا تھا۔ متردد تھے۔ بات قرینہ کی تھی لیکن دلیں بیٹھتی نہ تھی۔ بالآخر مزید مشورہ کیا، اور حضرت علی علیہ السلام نے رائے دی کہ واقعۂ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ رائے اتنی بہتر اور جچی تلی تھی، کہ فوراً حضرت عمر کے دل میں اُتر گئی، اور تمام اکابر صحابہ بھی اسپر متفق ہوگئے۔ گویا ایک بھولی ہوئی بات تھی جو سب کے حافظہ میں تازہ ہوگئی۔ اب معلوم کرنا چاہئے کہ واقعۂ ہجرۃ کی وہ کونسی مناسبت تھی جسنے حضرت علیؑ کو کہ مدینۂ علم نبوت کے باب اور حکمت و سنتہ رسالت کے محرم اسرار تھے، اس طرف توجہ دلائی؟ اور پھر وہ کونسی ایسی مشہور و معلوم خصوصیت تھی، جس کی وجہ سے اتنی دُور کی بات تمام اکابر صحابہ کے فہم میں فوراً در آئی؛ اور اس طرح تسلیم کرلی گئی، جیسے ایک مسلّم اور طے شدہ بات ہو؟

واقعۂ ہجرۃ صحابہ کے نظر میں

ہاں، آج ہمارے لئے کہ اسلام کے صدر اول کا دماغ اور روح، دونوں کھو چکے ہیں، یہ بات کتنی ہی تعجب انگیز ہو، مگر صحابہ کرام کے لئے جو اسلام کے بخشے ہوئے دل اور اُس کے بنائے ہوئے دماغ، دونوں کے مالک تھے، یہ بات اتنی صاف، اتنی کھلی ہوئی، اور اس طرح جانی بوجھی ہوئی تھی کہ اُس کی طرف صرف ایک اشارہ کر دینا ہی کافی تھا۔ داعی اسلام کے تزکیہ و تربیت اور درس کتاب و حکمت نے اُن کے اندر ایک ایسا صالح مزاج پیدا کر دیا تھا، کہ کوئی بات خواہ کتنی ہی سامنے کی اور مقبول و معمول کیوں نہ ہو، لیکن اگر حقیقت اور دانائی کی گہرائیوں سے ذرا بھی ہٹی ہوئی ہوتی تھی، تو فوراً اُن کی طبیعت میں کھٹک پیدا ہو جاتی تھی، اور پھر جمتی تھی تو اُسی وقت جب اصلی اور کامل چیز سامنے آجاتی تھی۔ تم اُن لوگوں کی نیکیاں اور پاکیاں ہمیشہ یاد رکھتے ہو، لیکن تم نے اُن کے علم اور دانائی کی گہرائیاں بھلا دی ہیں، حالانکہ صرف اُن کے دل ہی زیادہ نیک نہ تھے بلکہ اُن کی دانائی و حکمت بھی سب سے زیادہ گہری تھی۔ جیسا کہ خود اُنھی میں سے ایک حقیقت شناس انسان نے کہا تھا: اولٰئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کانوا افضل ھذہ الامۃ: ابرھا قلوباً، واعمقھا علماً، واقلھا تکلفا، اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ (عن عبداللہ ابن مسعود۔ رواہ الدارمی)

اس بارے میں قوموں کا طریقہ اُن کے سامنے آیا، اور خود اُنھیں بھی یہ بات صاف دکھائی دی کہ داعی اسلام کی پیدائش یا بعثت کو اپنی قومی تاریخ کی بُنیاد ٹھہرائیں، لیکن چونکہ یہ بات اُس معیار نظر سے ہٹی ہوئی تھی جو اس طرح کے معاملات میں اسلام نے قائم کیا تھا، اس لئے نہایت واضح اور نمایاں ہونے پر بھی اُن کی طبیعت کو مطمئن نہ کرسکی۔ وہ ایسا محسوس کرنے لگے کہ کوئی دوسری بات ہونی چاہئے۔ وہ دوسری بات کیا تھی؟ ہجرت مدینہ کا واقعہ۔ جونہی یہ بات سامنے آئی، سب کے دلوں نے قبول کرلی۔ تاریخ کا یہ مبدء دنیا کی تمام تاریخوں اور قومی یادگاروں کے خلاف تھا۔ صرف خلاف ہی نہ تھا۔ بلکہ صریح اُلٹا تھا۔ دنیا کی تمام قومیں فتح و اقبال سے اپنی تاریخ شروع کرتی ہیں۔ انھوں نے بیچارگی و درماندگی کے واقعہ سے اپنی تاریخ شروع کی۔ دُنیا کی تمام قوموں نے چاہا اپنے ظہور کی سب سے بڑی فتح یاد رکھیں۔ اُنھوں نے چاہا اپنی تاریخ ظہور کی سب سے بڑی بے سروسامانی یاد رکھیں۔ دنیا کی تمام قوموں کا فیصلہ یہ تھا کہ اُن کی قومی تاریخ اُسوقت سے شروع ہوئی، جب اُن کی تاریخ کا سب سے بڑا انسان پیدا ہوا، اور اُسنے جنگ و قتال کے میدانوں میں فتح حاصل کی۔ لیکن اِن کا فیصلہ یہ تھا کہ قومی تاریخ کی ابتدا اُس دن سے ہوئی، جب بڑے انسان کی نہیں بلکہ سب سے بڑے عمل کی پیدائش ہوئی؛ اور جنگ کے میدانوں میں نہیں بلکہ صبر و استقامت کے میدانوں میں فتح حاصل ہوئی۔ دُنیا کی تمام قوموں کا یقین تھا کہ اُن کی طاقت و شوکت کی بُنیاد اُسوقت پڑی، جب اُنھوں نے ملکوں اور سلطنتوں پر قبضہ کرلیا۔ ان کا یقین یہ تھا کہ طاقت و شوکت کا دروازہ اُسدن کھلا، جب ملکوں پر اُنھوں نے قبضہ نہیں کیا، بلکہ اپنا ملک و وطن بھی ترک کر دیا۔ بلاشبہ اُن کی یہ سمجھ دنیا کی ساری قوموں سے اُلٹی سمجھ تھی، لیکن اُس سمجھ سے عین مطابق تھی جو اسلام کی تربیت نے اُنکے اندر پیدا کر دی تھی، وہ اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر قوموں کی تقلید سے نہیں بلکہ اسلام کی روح فکر و عمل سے کرنی چاہتے تھے۔

مصیبت یہ ہی کہ دنیا معنی سے زیادہ لفظ کی اور روح سے زیادہ جسم کی پرستار ہی۔ وہ پھل ڈھونڈھتی ہی لیکن تخم کی جستجو نہیں کرتی۔ وہ منارۂ محراب کی بلندیاں اور خوشنمائیاں دیکھتی ہی، لیکن زیر زمیں بنیادوں کے لئے نگاہ نہیں رکھتی۔ صحابۂ کرام نے جب پیدائش و بعثت کے واقعات عظیمہ ترک کرکے ہجرۃ کا واقعہ انتخاب کیا، تو اُن کی نظر بھی پیدائش و ظہور، فتح و اقبال اور جشن و کامرانی ہی پر تھی۔ وہ کچھ ناکامی و نامرادی کے طلب گار نہ تھے۔ البتہ وہ فتح و اقبال کی صورت اور برگ و بار نہیں دیکھتے تھے حقیقت اور تخم و اساس پر نظر رکھتے تھے۔ اُن پر یہ حقیقت کھل چکی تھی کہ اسلام کی پیدائش و ظہور اور فتح و اقبال کی اصلی بُنیاد اُن واقعات میں نہیں ہی جو بظاہر نظر آتے ہیں۔ ہجرت مدینہ اور اُس کے اعمال و حقائق میں ہیں۔ اس لئے جو اہمیت دُنیا کی نگاہیں پیدائش، بعثت، بدر، اور فتح مکہ کو دیتی تھیں، وہ اُن کی نظروں میں ہجرۃ مدینہ کو حاصل تھی۔

ہجرۃ نبوی کی حقیقت

لیکن واقعۂ ہجرۃ کیا تھا؟ وہ ایک ہی واقعہ نہ تھا۔ بے شمار اعمال و وقائع کا مجموعہ تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اُس کی حقیقت پر بھی غور کر لینا چاہئے۔

اسلام کے ظہور کی تاریخ دراصل دو بڑے اور اصولی عہدوں میں منقسم ہی۔ ایک عہد، مکہ کی زندگی اور اعمال کا ہی۔ دوسرا، مدینہ کے قیام اور اعمال کا۔ پہلا آنحضرت (صلعم) کی بعثت سے شروع ہوتا ہی اور ہجرۃ پر ختم ہو جاتا ہی۔ اس کی ابتدا غار حراء کے اعتکاف سے ہوتی ہی اور تکمیل غار ثور کے انزوا پر۔ دوسرا ہجرۃ سے شروع ہوتا ہی اور حجۃ الوداع پر ختم ہو جاتا ہی۔ اس کی ابتدا مدینہ کی فتح سے ہوئی، اور تکمیل مکہ کی فتح پر۔

دنیا کی نظروں میں اسلام کے ظہور و اقبال کا اصلی دَور، دوسرا دَور تھا۔ کیونکہ اسی دَور میں اسلام کی پہلی غربت ختم ہوئی اور ظاہری طاقت و حشمت کا سروسامان شروع ہوا۔ بدر کی جنگی فتح ہتیاروں کی پہلی فتح تھی۔ مکہ کی فتح، عرب کی فتح کا اعلان عام تھا۔ لیکن خود اسلام کی نظروں میں اُس کی زندگی کا اصلی دَور، دوسرا نہیں، پہلا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُس کی ساری قوتوں کی بُنیادیں دوسرے میں نہیں پہلے دَور میں اُستوار ہوئی ہیں۔ بلاشبہ بدر کے ہتیاروں نے اپنی غیر مسخر طاقت کا دنیا میں اعلان کر دیا۔ لیکن جو ہاتھ ان ہتیاروں کے قبضوں پر جمے تھے، اُن کی طاقتیں کس میدان میں طیار ہوئی تھیں؟ بلاشبہ مکہ کی فتح عرب کی فیصلہ کن فتح تھی، لیکن اگر مدینہ کی فتح ظہور میں نہ آتی، تو مکہ کی فتح کی راہ کیونکر کھلتی؟ یہ سچ ہی کہ مکہ ہتیاروں سے فتح ہوا، لیکن مدینہ ہتیاروں سے نہیں بلکہ ہجرت اور اُس کے دَور کے اعمال سے فتح ہوا تھا۔ پس دوسرے دَور میں جسم کتنا ہی طاقتور ہو گیا ہو، لیکن اُس کی رُوح پہلے ہی دَور میں ڈھونڈھنی چاہئے!

پہلا دَور تخم تھا۔ دوسرا اُس کے برگ و بار تھے۔ پہلا دَور بُنیاد تھی دوسرا استون و محراب تھا۔ پہلا نشو و نما کا عہد تھا۔ دوسرا ظہور و انفجار کا۔ پہلا معنی و حقیقت تھا۔ دوسرا صورت و اظہار۔ پہلا روح تھا۔ دوسرا جسم۔ پہلے نے پیدا کیا، درست کیا، اور مستعد کر دیا۔ دوسرے نے قدم اُٹھایا، آگے بڑھا، اور فتح و تسخیر کا اعلان کر دیا۔ دوسرے کا ظہور کتنا ہی شاندار ہو، لیکن اولین بُنیاد و استعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہی!

استعداد داخلی و خارجی

وجود اور زندگی کے ہر گوشہ کے لئے خدا کا قانونِ وجود ایک ہی ہی۔ تم اُس کے کتنے ہی مختلف نام رکھ دو مگر وہ خود ایک سے زیادہ نہیں ہی۔ اب ایک لمحہ کے لئے ٹھہرو، اور غور کرو کہ تخلیق و تکمیل وجود کے لئے خدا کا قانون حیات کیا؟

فرد کی طرح جماعت کا بھی وجود ہی۔ عالم صورت کی طرح عالم معنی بھی اپنی ہستی رکھتا ہی، لیکن کوئی چیز ہو، تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہی کہ یکے بعد دیگرے دو مختلف دَوروں سے گزرے۔ پہلا دَور "استعداد داخلی" کا ہی۔ دوسرا "استعداد خارجی" کا۔ ضروری ہی کہ پہلے اندر کی استعداد وجود میں آئے، اور ضروری ہی کہ

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہاے سینہ را

اردو صحافت کي تاریخ میں الہلال هي وہ رسالہ هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي- اُس نے ملک کے سیاسي ' علمي ' ادبي ' اور دیني افکار وعقائد پر جو انقلاب انگیز اثرات ڈالے ' قریب هے کہ مستقبل هند کا مورخ اُن پر بحث کریگا اور اُن کے اندر وہ عناصر و مبادیات ڈھونڈھیگا جن سے هندوستان کي سنہ ۱۹۱۹ کے بعد کي اجتماعي ذهنیت ظهور پذیر هوئي •

الہلال اگرچہ ایک هفتہ وار مصور رسالہ تھا ' لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تھا ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تھا- اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامہ کے هوتے تھے- اور اُسکا هر باب اپني مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تھا- پھر اس کي ظاهري خوبیاں اردو صحافت میں اعلى طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں- اردو کا وہ پہلا هفتہ وار رسالہ تھا ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چھپنے کي وجہ سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتھر کي چھپائي میں ممکن نہیں- اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ هیں- اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے کہ سنہ ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپیہ میں خرید لیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بھي موجود نہیں) ساڑھے چارسو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدي هے- جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بھي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں- پچھلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي کہ شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو اُنھیں دوبارہ چھپوا لیا جاے -

چنانچہ الحمدللہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعہ شایقین علم و ادب کو آخري موقعہ دیتے هیں کہ اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکہ جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنھیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچیں گي- هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس بہ ترتیب حروف تہجي لگادي گئي هے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ   الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ

" " " چہارم ۱۰ روپیہ   " " " پنجم ۱۰ روپیہ

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبہ الہلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بھي موجود هیں جن میں سے هر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب هے- قیمت في پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر "البلاغ [illegible]"

اندر ایک ہی روح بول رہی ہو!

یہ موقعہ نہیں ہو کہ اطناب سے کام لیا جائے، ورنہ ضرورت تھی کہ اُن اخلاق و خصائص میں سے ایک ایک چیز کی شرح و تفصیل کی جاتی، اور واضح کیا جاتا کہ قرآن و سنتہ نے جماعتی طبیعت کے کیا کیا بنیادی اوصاف بتلائے ہیں، اور اُس کی داخلی استعداد کے ارکان و مبانی کیا کیا ہیں؟

بہرحال اشیاء و افراد کی طرح جماعات و اقوام میں بھی زندگی کی اصلی سرچشمگی اُن کی داخلی استعداد میں پنہاں ہوتی ہو۔ نہ کہ خارجی اعمال میں۔ کیونکہ خارج کے اعمال اس سے زیادہ نہیں ہیں کہ داخلی استعداد کے لازمی نتائج و ثمرات ہیں۔

پہلا دَور داخلی استعداد کا دَور تھا

ظہور اسلام کا پہلا دَور جو بعثت سے شروع ہو کر ہجرۃ پر ختم ہوا اور جس کا نقطۂ تکمیل ہجرۃ کا معاملہ تھا، دراصل جماعت کی داخلی استعداد کا دَور تھا۔ اور اس لئے ظہور اسلام کی تمام فتح مندیوں اور کامرانیوں کا مبدء یہی دَور تھا۔ نہ کہ مدنی زندگی کا دوسرا دَور بلاشبہ دُنیا کی ظاہر بین نگاہوں میں یہ دَور مصیبتوں کا دَور اور بے چارگیوں اور درماندگیوں کا تسلسل تھا، لیکن یہ باطن امت مسلمہ کی بر آنے والی فتحمندی اسی کی مصیبتوں اور کلفتوں کے اندر نشوو نما پا رہی تھی۔ یہی مصیبتیں تھیں جو "جماعت" کے ذہن و اخلاق کے لئے تعلیم و تربیت کا مدرسہ اور تزکیۂ نفوس و ارواح کا امتحان گاہ تھیں۔ بدر کی فتحمندا اسی کے اندر سبق لے رہے تھے۔ فتح مکہ کے کامران اسی کے اندر بن اور ڈھل رہے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یرموک اور قادسیہ کی پیدائش بھی اسی کے آزمائشوں اور خود فروشیوں میں ہو رہی تھی۔ یہی وجہ ہو کہ قرآن حکیم نے اُس جہاد کو تو صرف جہاد کہا جو مدنی زندگی میں اسلحۂ جنگ سے کرنا پڑا تھا۔ لیکن نفس و اخلاق کے تزکیۂ و تربیت کا جو جہاد اس پہلے دَور میں ہو رہا تھا، اسے "جہاد کبیر" سے تعبیر کیا۔ کیونکہ فی الحقیقت بڑا جہاد یہی جہاد تھا: فلا تطع الکافرین وجاہدھم بہ جہاداً کبیرا (۲۵: ۵۲)

بالاتفاق سورۂ فرقان مکی ہو۔ مکی زندگی میں جس بڑے جہاد کا حکم دیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ وہ قتال کا جہاد نہ تھا۔ صبرؤ استقامت اور عزم و ثبات کا جہاد تھا اور انہی اوصاف میں جماعت کی داخلی استعداد کی اصلی بنیادیں تھیں

ہجرۃ تکمیل کار کا اعلان تھی

ہجرۃ کا واقعہ اس دَور کی مصیبتوں کی انتہا تھا، اس لئے اُس کی برکتوں اور سعادتوں کی بھی آخری تکمیل تھا۔ صحابۂ کرام اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے۔ اور کیونکر بے خبر ہو سکتے تھے جبکہ اُن کی دماغی تربیت کی اصلی روح اسی معاملہ میں مضمر تھی؟ پس جب یہ سوال سامنے آیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا کس واقعہ سے کی جائے؟ تو انھیں کسی ایسے واقعہ کی جستجو ہوئی جو امت کے قیام و اقبال کا اصلی سرچشمہ ہو۔ آنحضرۃ کی پیدائش کا واقعہ یقیناً سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن اُس کے تذکار میں شخصیت سامنے آتی تھی۔ شخصیت کا عمل سامنے نہیں آتا تھا۔ بعثت کا واقعہ بھی سب سے بڑا واقعہ تھا، لیکن وہ معاملہ کی ابتدا تھی، انتہا و تکمیل نہ تھی۔ بدر کی جنگ اور مکہ کی فتح، عظیم واقعات تھے لیکن وہ اسلام کی فتح و اقبال کی بنیاد نہ تھے۔ کسی دوسری بنیاد کے نتائج و ثمرات تھے۔ یہ تمام ... واقعات لوگوں کے سامنے آئے، لیکن ان میں سے کسی پر بھی طبیعتیں مطمئن نہ ہو سکیں۔ بالآخر جب ہجرۃ کا واقعہ سامنے آگیا، تو سب کے دلوں نے قبول کر لیا، کیونکہ انھیں یاد آگیا، اسلام کے ظہور و عروج کا مبدء حقیقی اسی واقعہ میں پوشیدہ ہو، اور اس لئے یہی واقعہ ہو جسے اسلامی تاریخ کا مبدء بننا چاہیئے۔

ہجرۃ مدینہ کی فتح تھی

اور پھر یہ حقیقت کس درجہ واضح ہو جاتی ہو جب اس پہلو پر نظر ڈالی جائے کہ ظہور اسلام کی تمام فتحمندیوں میں سب سے پہلی فتح مدینہ کی فتح تھی اور اُس کی تکمیل ہجرۃ ہی کے واقعہ سے ہوئی۔ تعبیر مدینہ کے ساتھ "فتح" کا لفظ سنکر تعجب ہوا ہوگا کیونکہ تم صرف اُسی فتح کے شناسا ہو جو جنگ کے میدانوں میں حاصل کی جاتی ہو لیکن تھیں معلوم نہیں کہ میدان جنگ کی فتح سے بھی بڑھ کر دلوں کی آبادیوں اور روحوں کی اقلیموں کی فتح ہو، اور اسی فتح سے میدان جنگ کی فتحمندیاں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ عین اُس وقت جبکہ اسلام کا داعی اپنے وطن اور اہل وطن کی شقاوتوں سے مایوس ہو گیا تھا۔ باشندگان یثرب کی ایک جماعت پہنچتی ہو، اور رات کی تاریکی میں پوشیدہ ہو کر اپنی روح کا ایمان اور دل کی اطاعت پیش کرتی ہو۔ اُس وقت دنیوی جاہ و جلال کا نام و نشان نہیں ہوتا سیف و سنان کی ہیبت و جبروت کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سراسر غربت اولی کی بے سروسامانیاں اور عہد مصائب و محن کی درماندگیاں ہوتی ہیں۔ بایں ہمہ یثرب کی پوری آبادی اُس کے سامنے جھک جاتی ہو، اور ایمان کے ایسے جوش اور عشق و اطاعت کی ایسی خود فروشیوں کے ساتھ اُس کے استقبال کے لئے طیار ہو جاتی ہو جو تاریخ عالم کے کسی بڑے سے بڑے فاتح اور شہنشاہ کو بھی میسر نہ آئی ہوگی۔ قیس بن صرمہ انصاری نے کیسے سچے اور دلنشیں لفظوں میں اہل مدینہ کے جوش و خروش ایمانی کی تصویر کھینچی ہو؟ وکان عبد اللہ ابن عباس یختلف الیہ و یتحفظ منہ ہذہ الابیات:

ثوی فی قریش بضع عشرة حجة … یذکر لو یلقی حبیباً مواتیا
ویعرض فی اہل المواسم نفسہ … فلم یر من یؤوی ولم یر داعیا
فلما اتانا واستقرت بہ النوی … واصبح مسروراً بطیبة راضیا
واصبح لا یخشی ظلامة ظالم … بعید ولا یخشی من الناس باغیا
بذلنا لہ الاموال من جل مالنا … وانفسنا عند الوغی والتاسیا
نعادی الذی عادی من الناس کلہم … جمیعاً، وان کان الحبیب مصافیا
ونعلم ان اللہ لا رب غیرہ … وان کتاب اللہ اصبح ہادیا!

دلوں اور روحوں کی اس فتح و تسخیر سے بڑھکر بھی اور کوئی فتح ہو سکتی تھی؟ لیکن یہ فتح کیونکر ہوئی؟ دورِ ہجرۃ کے آلام و محن میں اس کا آغاز ہوا، اور ہجرۃ نے اس فتح کی تکمیل کر دی!

یہی وجہ ہو کہ قرآن حکیم نے واقعہ ہجرۃ کا ذکر اس طریقہ پر کیا ہو جس سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ بے سروسامانی و غربت کے اسی عمل ہی میں فتح و نصرت الٰہی کی سب سے بڑی معنویت پوشیدہ تھی:

ثانی اثنین اذ ہما فی الغار، اذ یقول لصاحبہ: لا تحزن ان اللہ معنا! فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروہا، وجعل کلمة الذین کفروا السفلی و کلمة اللہ ہی العلیا، واللہ عزیز حکیم (۹: ۴۰)	غار کے دو ساتھیوں میں سے جب ایک نے دوسرے سے کہا۔ غم و رنج نہ کرو یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہو، اور اُسکی مشیت و حکمت ہمارے لئے فتح و نصرت کی راہ باز کرنے والی ہو پھر ایسا ہوا کہ خدا نے اپنی تسکین و طمانیت اُس پر اُتار دی اور فتح و نصرت کے ایسے

لشکروں سے اسکی مدد کی جنھیں دنیا کی ظاہر بین اور حقیقت نا آشنا آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُن سرکشوں کی بات جو انکار کرتے تھے، ہمیشہ کے لئے پست ہو گئی، اور کلمۂ حق ہی کو سربلندی اور کامیابی حاصل ہوئی۔ ۴

فہرست

۴ یہ آیت سورۂ براۃ کی ہو۔ سورۂ براۃ بالاتفاق اُس وقت نازل ہوئی ہو جب اسلام کی ظاہری فتحمندیاں تکمیل تک پہنچ چکی تھیں اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تمام فتح مندیوں کے ظہور کے بعد بھی اسکی ضرورت باقی تھی کہ واقعہ ہجرۃ کی معنوی فتحمندی یاد دلائی جائے۔

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta.
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین
القرآن الحکیم

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۸ — کلکتہ : جمعہ ٦ - صفر ۱۳٤٦ ہجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 5, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

ضروری ہی کہ ہم اسکا اب فیصلہ کرلین

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی ۔

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔

پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

ہندی اور ہندوستان کی تمام زبانون نی، نیز عربی، فارسی، ترکی، تینون سامی زبانون نی حروف کی چھپائی اختیار کرلی ہی اور انکی طباعة یورپ کی طباعة کا مقابلہ کر رہی ہی ۔ کیون اردو زبان بھی ایسا نہ کری جو اسی رسم الخط مین لکھی جاتی ہی ؟

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ہی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

ہماری رای مین بہترین حروف یہی ہین ۔ اگر فارسی اور ترکی کیلیی یہ نا موزون نہین تو اردو کیلیی کیون نا موزون ہون ؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی ۔ ضروری ہی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	- -	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	- -	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	- - -	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	- - -	پانچ آنہ

---

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر " ایڈیٹر " کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری مراسلات (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

(۲) روڈسیا کا انکشاف : سنه ۱۹۲۱ ع میں ایک سیاح کو جنوبي افریقه میں ایک کھوپڑي ملي - یه بھي پہلي کھوپڑي کي طرح ایک تیسري تشریحي حالت رکھتي ھے - علماء تشریح و وظائف اعضاء کي تحقیق میں یه غالباً ابتدائي قسم کے وحشي انسان کي کھوپڑي ھے -

(۳) جاوا کا انکشاف : جاوا کي ایک غار سے بھي ایک قیمتي کھوپڑي ملي ھے جسکي نسبت دو مختلف رائیں قائم کي گئي ھیں - ایک جماعت کا خیال ھے ' یه گم شده حلقه کي خبر دیتي ھے - دوسري جماعت کا خیال ھے ' یه بندر ھي کي کوئي زیاده اونچي قسم ھے - وه کہتے ھیں' اس کھوپڑي میں پیشاني کا بیحد ابھار اور رخسار کي ھڈیوں کي نوعیت ' گم شده حلقه کي نوعیت سے مختلف ھے -

(۴) سب سے زیاده قیمتي انکشاف " وحشي انسان " کا انکشاف ھے جسکے جسم کي ھڈیاں اور سر کي کھوپڑیاں بکثرت جمع ھو گئي ھیں - اسکا جسم اور چہره بالکل موجوده انسانوں کا سا تھا - لیکن اسکے جسم پر بکثرت بال تھے - ایسے بال جیسے بندر کے جسم پر ھوتے ھیں - بعض قدیم سیاحوں نے استریلیا ' امریکه ' اور جزائر جنوب میں ایسے زنده انسان دیکھے بھي ھیں -

(۵) آخري انکشاف پروفیسر ڈارٹ کا مشہور انکشاف ھے جو سنه ۱۹۲۵ - میں ھوا - پروفیسر موصوف کو ٹانگس میں ایک بالکل نئي قسم کي کھوپڑي ملي ھے جو پچاس قدم سے زیاده زمین کے اندر مدفون تھي - یه کھوپڑي تمام پچھلے آثار سے کہیں زیاده گم شده حلقه کا اذعان پیدا کرتي ھے - اسکے تمام حصے موجوده انسان کي کھوپڑي جیسے ھیں - البته منھه کا نچلا حصه بہت زیاده باھر نکلا ھوا ھے' اور یه بات علم وظائف اعضاء میں طے پاچکي ھے که انساني چہرے کا نچلا حصه ابتدا میں ایسا ھي ابھرا ھوا تھا - پھر به تدریج گھٹتے گھٹتے موجوده تناسب تک پہنچ گیا -

ٹونگس سے جو کھوپڑي ملي ھے ' زندگي میں وه ایسا چہره رکھتي ھوگي ' جیسا اس تصویر میں دکھلایا گیا ھے -

ریڈیم

خزانهٔ فطرة کا سب سے زیاده کمیاب جوھر !

حال میں اخبارات نے یه خبر شایع کي تھي که " ریڈیم کا بازار گر گیا ھے اور ایک اونس ریڈیم کي قیمت ۳۳٬۰۰۰٬۰۰۰ ڈالر کي جگه اچانک ۲۵٬۰۰۰٬۰۰۰ ڈالر ھوگئي ھے - اِس کمي کي وجه یه ھے که بلجیم کانگو (افریقه) کے علاقه " کاتنکا " میں ریڈیم کي ایک بہت بڑي مقدار نظر آئي ھے - زیگوسلاویا کي تانبے کي بعض قدیم کانوں میں بھي ریڈیم پایا گیا ھے - اگر یه تمام ریڈیم حاصل کر لیا گیا تو قیمت میں اور بھي کمي ھوجائے گي "

لیکن اِس خبر سے لوگوں کو غلط فہمي ھوسکتي ھے - ممکن ھے کوئي خیال کر بیٹھے که جب ریڈیم کے بھاؤ میں اس طرح آثار چڑھاؤ ھو رھا ھے تو ھر دولت مند آدمي کیلیے اسکي زیاده سے زیاده مقدار خرید لینا ممکن ھے - مثلاً امریکه کا ھنري فورڈ جیسا کروڑ پتي اگر چاھے ' تو بآساني آده سیر ریڈیم خرید لے - اپنے بینک نوٹوں کا بیگ بغل میں دبائے' اور بازار جاکر جب چاھے ریڈیم لے آئے -

لیکن یه صحیح نہیں ھے - ھنري فورڈ کي تمام دولت بھي آده سیر ریڈیم خرید نہیں سکتي - امریکا کے دوسرے قارون راکفلر اور مللو بھي اگر اپنے خزانے جمع کر دیں' اور امریکا ' فرانس ' انگلستان ' بلکه سارے عالم کي سلطنتیں بھي اپنے جملهٔ خزانے پیش کردیں ' جب بھي آده سیر ریڈیم حاصل نہیں کیا جاسکتا !

یه عجیب بات ھے - مگر واقعه ھے - کیوں ؟ اس لیے که گزشته اٹھائیس برس میں ' یعني جب سے ریڈیم دریافت ھوا ھے ' دنیا اُس کي اِتني مقدار حاصل ھي نہیں کر سکي ھے ' جسے ترازو میں آده سیر کے باٹ سے تول سکیں - اِس وقت تک وه صرف آده پاؤ کي مقدار میں حاصل ھو سکا ھے !

جن خوش نصیبوں کے قبضه میں ریڈیم ھے ' یا جنھیں اُس کي ضرورت پڑتي ھے - مثلاً سائنس داں اور ڈاکٹر ' وه اُس کے ایک ایک ذره کي قدر کرتے اور زیاده سے زیاده قیمت پر خریدنا چاھتے ھیں - ریڈیم کي خرید و فروخت اونس کے حساب سے نہیں ھوتي' ٹن کے حساب کا تو وھم بھي نہیں کیا جا سکتا - کیونکه ریڈیم سونے سے بھي کہیں زیاده قیمتي ھے - اُس کي قیمت سونے سے ایک لاکھه گنا زیاده ھے - ریڈیم کي خرید و فروخت رتیوں کے حساب سے ھوتي ھے - اِس وقت تک ریڈیم کي سب سے بڑي مقدار جو ایک جگهه سے دوسري جگهه منتقل ھوئي ھے' صرف دو گرام ھے - اور معلوم ھے که ایک گرام ' اونس کا تیسواں حصه ھوتا ھے - یه مقدار بھي فروخت نہیں ھوئي ھے بلکه حکومت زیگوسلاویا نے انگلستان کو علمي تحقیقات کے لیے عاریتاً دیدي ھے -

اِس کي کوئي امید نہیں که کانگو میں ریڈیم کي کان اُس کي موجوده مقدار میں غیر معمولي اضافه کردے گي - خیال کیا جاتا ھے که اِس وقت اُس کي جتني مقدار دنیا کے ھاتھه میں موجود ھے' اُس سے صرف ۲۵ گنا زیاده ریڈیم کانگو کي کان سے حاصل کیا جاسکتا ھے - لیکن اُس کا نکالنا بجائے خود ایک نہایت مشکل اور بڑے خرچ کا کام ھے - اِس کان کي ھر ۵۰۰ ٹن وزني چٹان میں سے زیاده سے زیاده ایک گرام ریڈیم نکلے گا - وه بھي خالص نہیں بلکه " کلورل " اور دوسرے مواد سے ملا ھوا ! اِن مواد سے اُسے علحده کرنے

نظریۂ ارتقا کا گم شدہ حلقہ

کیا حلقۂ مفقودہ مل گیا ہے ؟
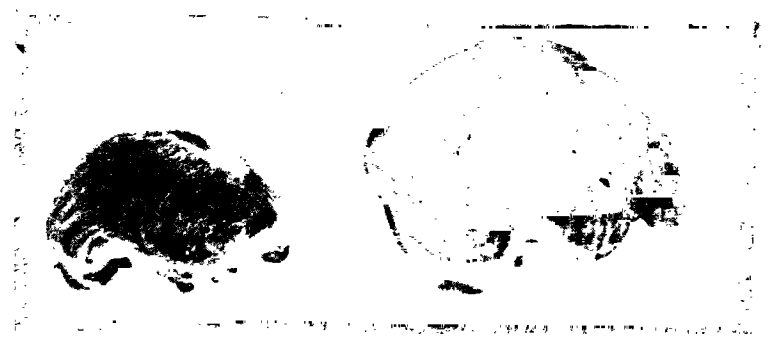
انسان کا دماغ — گوریلا کا دماغ

نظریۂ ارتقا کے " حلقۂ مفقودہ " سے مقصود وہ ذهني حيوان هے ' جسكي نسبت خيال كيا جاتا هے كه انسان كي موجوده شكل اور هيئت كے ارتقا سے پہلے زمين پر موجود تها - وہ انسان ميں ' جو سلسلۂ ارتقا كي آخري كڑي هے ' اور ترقي يافته جانوروں ميں ' جو هئيت انساني سے بہت زياده قرب ركهتے هيں ' درمياني برزخ تها -

اس نظريه كے قائلين كا خيال هے كه بندر كي ترقي يافته قسميں مثلاً گوريلا ' اس قسم كي مخلوق هيں جنكي ظاهري هيئت ' جسماني بناوٹ ' تشريحي نظام ' اور اعضاء معنوي كے وظائف و خواص ' انسان سے بہت زياده قريب اور ملتے جلتے هيں - ليكن اسدرجه قرب اور تماثل نهيں هے كه اسكے بعد هي انسان كا وجود آ جاے - ضروري هے كه درميان ميں كوئي ايك يا ايك سے زياده كڑياں رهي هوں اور وهاں " جانور " كي سرحد ختم هوئي هو اور " انسان " كي حدود كا آغاز هوا هو - چونكه علم الحيوانات كي موجوده اور مدون معلومات ميں كوئي ايسا مخلوق موجود نهيں هے ' اسليے انهيں اسكي جستجو هوئي ' اور اسكا نام " حلقۂ مفقوده " يعني گم شده حلقه قرار پا گيا - علماء علم الحيوانات نصف صدي سے اس گم شده حلقه كي جستجو ميں هيں - آثار قديمه اور علم طبقات الارض كي تحقيقات كے سلسله ميں بارها اس طرح كي چيزيں دستياب هوئيں كه خيال هوا ' گم شده حلقه كا سراغ ملگيا هے ' ليكن پهر مطالعۂ و تفحص سے اس خيال كي تصديق نهو سكي -

ليكن سنه ۱۹۲۰ - سے بعض نئے انكشافات پے درپے هو رهے هيں ' اور انهوں نے ايك نيا مواد بحث پيدا كر ديا هے - اگرچه ان ميں بهي كوئي چيز ايسي نهيں هے جسے علمي وثوق كے ساتهه " حلقۂ مفقوده " قرار ديا جا سكے - تاهم علماء حيوانات و تشريح كا خيال هے كه قرائن و آثار بہت حد تك تشفي بخش هيں ' اور بہت ممكن هے كه انكي بحث و فحص سے گم شده حلقه كا مسئله حل هو جاے -

حال ميں امريكه كے بعض علماء حيوانات نے اس قسم كا مواد يك جا كركے اس كي نوعيت پر نهايت دلچسپ نظر ڈالي هے - هم اس كا مختصر خلاصه قارئين الهلال كي معلومات كے ليے درج كرديتے هيں -

يه امريكن پروفيسر (جس كا نام ڈاكٹر وهائٹ هے) لكهتا هے :

" گزشته دس سال كے اندر جو انكشافات هوئے هيں ' وہ سلسلۂ بحث كا نهايت قيمتي سرمايه هيں - علم كي احتياط كا مقتضى يهي هے كه اظهار وثوق ميں جلدي نه كي جائے - ليكن اگر ايسا نه هوتا ' تو يه انكشافات اپني موجوده حالت ميں بهي اتنے واضح هيں ' كه كها جا سكتا تها ' گم شده حلقوں كا سراغ مل گيا هے -

اس وقت سب سے زياده قوي قرائن ركهنے والے آثار پانچ هيں :

(۱) انسان هڈل برگ : يه ايك كهوپڑي هے جو جرمني كے مندرجۂ بالا مقام ميں ملي تهي - تشريحي تحقيقات كے بعد ثابت هوگيا هے كه يه نه تو موجوده انسان كي كهوپڑي هوسكتي هے ' نه كسي جانور كي - يه ضرور ايك تيسري اور درمياني قسم هے -

وہ كهوپڑي جو ٹونگس ميں ملي هے ' اور جسكي نسبت خيال كيا گيا هے كه گم شده حلقه كي كهوپڑي هے

برخلاف اِسکے شعاع " بیٹا " اُس سے دس گنی زیادہ تیز ہے ' یعنی ہر سکنڈ میں ۲،۰۰،۰۰۰ میل کی سرعت رکھتی ہے - گویا آفتاب کے نور کی طرح تیز رفتار ہے - تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ یہ شعاع جلد میں نصف انچ تک گہری اتر جاتی ہے ' اور شیشہ ' ایلومینیم ' اور سیسے کی پتلی چادروں کو بھی توڑ کر ۱ ۱۲- انچ گہرائی تک چلی جاتی ہے !

تیسری شعاع " گاما " شعاع ایکس (ایکس ریز) سے بہت مشابہ ہے - فرق صرف یہ ہے کہ اُسکی مثبت لہر X (ایکس) سے طول میں کم ہے - لیکن یہ شعاع نفوذ و سریان کی بہت بڑی قوت رکھتی ہے - سیسے کی بارہ انچ موٹی تختی کو بھی توڑ کر نکل جاتی ہے !

اِس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تحقیق یہ ہے کہ " شعاع الفا " پھوٹنے کے بعد نامعلوم طریقہ پر اپنے اندر دو منفی کہربائی لہریں جمع کر لیتی ہے ' اور یہ لہریں بالاخر ہیلیم (Helium) کے ذرے بن جاتی ہیں - اِسکے معنی یہ ہوے کہ ریڈیم سے ہمیشہ ایک اور مادے کا فوارہ بھی چھوٹتا رہتا ہے - یہ مادہ ریڈیم سے مختلف ہے - اتنا مختلف ' جتنا کوئی مادہ کسی دوسرے مادہ سے مختلف ہو سکتا ہے -

(سورج اور ریڈیم)

درحقیقت یہ عجیب بات ہے کہ خود ریڈیم کے اندر ہیلیم بالکل موجودہ نہیں ہے - تاہم کسی مخفی سبب سے اُسکے ذرے ریڈیم سے برابر بہتے رہتے ہیں !

یہی بات دیکھکر علماء کا خیال اِس سب سے زیادہ حیرت انگیز حقیقت کی طرف منتقل ہوا کہ کائنات کا قیام دراصل صرف کہرباء یا بجلی کی قوت پر ہے - اِسی سے کائنات کے اُس سب سے زیادہ مخفی اور عجیب راز کی تحقیقات کا دروازہ کھلا جسکا تصور بھی کبھی انسان نہیں کرسکتا تھا - یعنی آفتاب کی روشنی' حرارت' اور قوت کے سرچشمے کا انکشاف ہوا -

آفتاب میں ہیلیم کا وجود ' زمین میں اُسکے وجود کی تحقیق سے پہلے ہی معلوم کر لیا گیا تھا - اسپکٹروسکوپ کے ذریعہ پتہ چل گیا تھا کہ آفتاب کے ہالے میں ہیلیم کی بہت بڑی مقدار موجود ہے - وہ عظیم الشان ہالہ جو سورج کے گرد حلقہ بنائے قائم ہے خلا میں لاکھوں میل تک اپنی آتشیں زبانیں پھیلائے ہوے ہے !

ریڈیم کا طلسم یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ آفتاب کے آتشی ہالے میں ہیلیم کا وجود کیا اِس بات کی دلیل نہیں ہے کہ خود آفتاب کے اندر بھی ریڈیم سے لبریز خزانے موجود ہیں ؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آفتاب کا تمام نور' حرارت ' اور قوت ' اِسی ریڈیم کا کرشمہ ہو؟

اگر ایک گرام ریڈیم سے اِتنی حرارت پیدا ہوتی ہے کہ ۳/۴ گھنٹہ میں ایک گرام یخ کو پگھلا کر کھولا دیتی ہے ' تو آفتاب میں ریڈیم کا خزانہ کتنی سخت حرارت پیدا کرتا ہوگا ؟

اِس کا اندازہ کرنے کیلیے اس قدر جان لینا ضروری ہے کہ آفتاب کا وزن :

۱۰۰۰۰۰۰۰۰،۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰،۰۰۰۰۰۰،۰۰۰۰۰ - تن ہے -

یعنی زمین سے ۳،۳۲،۰۰۰ - گنا وزنی ہے - ظاہر ہے ' اِتنے بڑے کرہ میں کتنا بڑا خزانہ ریڈیم کا موجود ہوگا جو آفتاب کی اِس محیر العقول روشنی ' گرمی ' اور قوت کا منبع ہے !

سائنس نے یہ بات دریافت کرلی ہے کہ آفتاب کی حرارت ' اُسکے احتراق (جلنے) کا نتیجہ نہیں ہے - یہی حال ریڈیم کا بھی ہے - اُسکی حرارت ' احتراق کی وجہ سے نہیں ہے - بلا شبہ کچھہ احتراق بھی ہوتا ہے مگر اِس قدر کم ' کہ نہ ہونے کے برابر ہے - پھر یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ ریڈیم کی قوی النفوذ شعاع " گاما " سورج کی شعاعوں سے بہت مشابہ ہے - پس کیا یہ ممکن نہیں کہ آفتاب کی یہ شعاعیں جو ہم تک ۹،۳۰،۰۰،۰۰۰ میل مسافت طے کر کے منظم شکل میں پہنچتی ہیں ' دراصل ریڈیم کی " گاما " شعاعیں ہی ہوں؟ بہت ممکن ہے' کہ ایسا ہی ہو - دنیا بھر کے سائنس داں اِس وقت اِس اہم مسئلہ پر غور و بحث کر رہے ہیں -

ٹھیک اِسی معقول اور علمی طریقہ پر زمین کے اندرونی گرم مادوں ' مثلاً آتش فشاں لاوا اور کھولتے اور گرم معدنی چشموں وغیرہ کا اصلی سبب بھی ریڈیم ہی قرار دیا جا رہا ہے - تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے - ممکن ہے چند سال بعد اِس باب میں علم کوئی قطعی رائے قائم کر سکے ' اور وہ حقائق اچانک دنیا کے سامنے آجائیں ' جو ابتک قدرت کے سربستہ راز سمجھے جاتے تھے -

پھر یہ بھی ایک عجیب بات ہے ' جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا کہ ریڈیم اگرچہ مسلسل حرارت و قوت پیدا کرتا رہتا ہے ' مگر خود اُسکے جوہر میں کوئی نمایاں کمی واقع نہیں ہوتی - اِس کا اندازہ اِس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک گرام ریڈیم سال بھر میں ۱۱،۶۰،۰۰۰ - وزن حرارت پیدا کرتا ہے - یہ حرارت تقریباً تیرہ سیر منجمد برف کو پگھلا کر کھولا دے سکتی ہے - مگر اِس سے خود ریڈیم میں صرف ۱ / ۲،۵۰۰ - کی کمی لاحق ہوتی ہے جو بہ منزلۂ عدم ہے - تاہم کمی ضرور ہے ' اور ایک بہت بڑی مدت کے بعد وہ اِس بیش قیمت جوہر کو حقیر دھات کی شکل میں تبدیل کردے سکتی ہے - علماء کا خیال ہے ' ریڈیم اپنی خصوصیات سے محروم ہونے کے بعد سیسہ ہو جاتا ہے - لیکن اس تبدیلی کے لیے کم سے کم ۳،۴۶۰ - برس کا زمانہ گذرنا چاہیے - اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ مثلاً جو ریڈیم زمین میں ۱۵۰۰ - برس قبل از مسیح سے موجود ہے ' وہ ابتک ریڈیم ہی ہے - سیسہ نہیں ہوا ہے !

اِس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ریڈیم ایک بالکل مختلف مادے سے کیمیاوی طریق پر تبدیل ہوکر اپنی شکل میں آتا ہے - اِس تبدیلی کا تصور قدیم حکماء کو بھی ہوگیا تھا - وہ اپنی عقل کے زور سے خیال کرتے تھے کہ تمام دھاتیں سونے کی شکل میں تبدیل کی جا سکتی ہیں اور ان دھاتوں سے اکسیر حیات طیار ہو سکتی ہے -

ریڈیم کی تکوین' علماء کی نظر میں نہایت ہی حیرت انگیز معما ہے - تحقیقات سے ثابت ہوگیا ہے کہ ریڈیم کا مورث اعلی یا اصل اورانیم ہے - اِس اورانیم میں تین بڑی تبدیلیاں ہوتی ہیں - علماء نے اِن تبدیلیوں کے تین نام رکھے ہیں : اورانیم س ۱ - اورانیم س ۲ - اورانیم س ۳ - آخر الذکر تبدیلی کے بعد اورانیم ' یونیم ہو جاتا ہے' پھر یونیم ترقی کرکے ریڈیم ہو جاتا ہے - ریڈیم میں تنزل ہوتا ہے تو وہ پہلے پولونیم ہوتا ہے ' پھر سیسہ بن جاتا ہے - اورانیم اور سیسہ کے مابین اصلی ذرے ۱۶ - ہیں پوری تبدیلی کے لیے کم از کم ۶،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ سال درکار ہوتے ہیں -

کے لیے کم از کم ۵۰۰ ٹن دوسرے کیمیاوي اجزاء درکار هونگے - ۱٬۰۰۰ ٹن پتھر کا کوئلہ خرچ هوگا - ۱۰٬۰۰۰ ٹن مقطر پاني لگے گا - ایک مہینہ تک ۱۵۰ - مزدور کام کریں گے - پانچ هفتے ماهرین کیمیا کي ایک بڑي جماعت کو صرف کرنا هونگے - پھر اِس کے بعد مزید چار مہینے اُسے کار آمد بنانے میں لگیں گے - اِن تمام کوششوں ' محنتوں' اور کثیر مصارف کے بعد ' شاید ایک گرام ریڈیم دستیاب هو سکے - اگر کانگو کي پوري کان سے فایدہ اٹھایا جائے ' تو بھي زیادہ سے زیادہ نصف اونس ریڈیم ملنے کي امید ہے - اِس کے معني یہ هوے کہ اِس تمام درد سري کے بعد ریڈیم کي موجودہ مقدار میں یعني تقریباً دو چھٹانک میں صرف تیس گرام کا اور اضافہ هو جائیگا !

(ریڈیم کي نوعیت)

آخر ریڈیم ہے کیا چیز جس کي جستجو میں سارا عالم سرگرداں هورها ہے' اور جس کي مدح و ثنا میں دنیا کے تمام علماء رطب اللسان هیں ؟

ماهر کیمیا سے پوچھو - وہ بڑے جوش سے جواب دے گا " ریڈیم اگرچہ لوہے ' تانبے' تونتیے کي طرح ایک دھات ہے' مگر سب دھاتوں سے زیادہ وزني ہے ' حتیٰ کہ سیسے سے بھي زیادہ - سب دھاتوں سے زیادہ قیمتي ہے' حتیٰ کہ سونے چاندي بلکہ لعل اور الماس سے بھي زیادہ - ریڈیم ' نیچر کے خزانے کا سب سے زیادہ بیش قیمت جواهر ہے - یہي وہ پارس ہے جس کے عشق میں قدیم فلاسفہ اور حکماء دیوانے هو رہے تھے ' اور سمجھتے تھے ' اس کے ذریعہ هر دھات سونا بن جا سکتي ہے ! "

ڈاکٹر کے پاس جاؤ - اُسے بھي قصیدہ خواں پاؤگے - وہ کہے گا " یہي وہ اکسیر حیات ہے جس کي مدتوں سے تلاش تھي - یہ عنقریب دنیا کي جملہ بیماریوں کا تریاق بننے والا ہے "

سائنس داں سے سوال کرو - فوراً بول اٹھے گا " یہ سب سے زیادہ عجیب چیز ہے جو دنیا نے دیکھي ہے - یہ اِسي کے خواص کي برکت ہے کہ ذراتي ترکیب (ایٹم) کا نظریہ قائم هوسکا ہے جو عنقریب تمام علوم میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب پیدا کردیگا "

عالم طبقات الارض (جیالوجي) سے مخاطب هو - وہ فوراً کہے گا " ریڈیم ' آتش فشاں پہاڑوں اور زمین کي اندروني حرارت کا بہترین مفسر ہے "

عالم فلکیات سے دریافت کرو - وہ کہے گا " ریڈیم ' آفتاب اور ستاروں کے نور حرارت کا سر چشمہ اور اُن کي قوت کا راز ہے "

علم الحیاۃ (بیالوجي) کا ماهر تو یہاں تک کہدیگا " شاید ریڈیم هي زندگي کا اصلي منبع ہے "

علم هندسہ کا عالم کہیگا " اگر ریڈیم کي کافي مقدار حاصل هوجائے تو اِتني عظیم الشان قوت انسان کے قبضہ میں آجائے جس کا اسوقت تصور بھي مشکل ہے - ایسے حیرت انگیز آلات ایجاد هو جائیں جنکے مقابلہ میں موجودہ آلات بالکل هیچ هیں - وہ آلات ایسے محیر العقول کام کر سکینگے جن کا عشر عشیر بھي حال کے آلات سے ممکن نہیں - پھر صنعت و حرفت میں بھي بالکل کایا پلٹ هو جائیگي - ابھي ریڈیم کي جتني قلیل مقدار موجود ہے ' وهي بے شمار فوائد پہنچا رهي ہے - اُسکا ایک ادنی کرشمہ یہ ہے کہ اُس سے ایک ایسا روغن ایجاد هو گیا ہے جو گھڑي کي سوئیاں' بحري اور هوائي جہازوں کے آلات' اور برقي کنجیاں' اندھیري راتوں میں روشن رکھتا ہے - قیمتي جواهرات اُس سے طیار هو جاتے هیں - اگر کچھہ مدت کے لیے سفید (بے رنگ) یاقوت ' ریڈیم کے زیر اثر رکھدیا جائے ' تو همیشہ کے لیے زمرد بن جاتا ہے - نقلي اور مصنوعي نہیں - حقیقي ' بیش قیمت زمرد ! "

اس عجیب و غریب اور نادر چیز " ریڈیم " کا خاصہ کیا ہے ؟ مختصر جواب یہ ہے کہ " شعاعي قوت " - شعاعي قوت کے کیا معني هیں ؟ ٹھیک وهي جو اِن دو لفظوں سے سمجھے جاتے هیں - یعني شعاعوں کي شکل میں قوت - مزید تفصیل آگے آتي ہے -

(ریڈیم کا انکشاف)

حیرت انگیز ریڈیم کا اکتشاف اِس طرح هوا کہ سنہ ۱۸۹۵ ع میں مشہور فرنچ سائنس داں هنري بکریل اپني علمي تحقیقات میں مصروف تھا - فوسفورسي روشني کے تجربے کررها تھا - اچانک اُسنے دیکھا ' ایک خاص عنصر " اورانیم " کے اجزاء فوٹو گرافي کي تختي پر تاریکي میں اثر ڈال رہے هیں - حتی کہ اگر سیاہ کاغذ سے چھپا دیا جائے ' جب بھي اُنکا اثر پہنچ جاتا ہے - اِس پر اُسے بڑي حیرت هوئي مگر ریڈیم کي طرف رهنمائي نہ هوسکي - البتہ علمي دنیا نے یہ تسلیم کرلیا کہ اورانیم میں شعاعي قوت موجود ہے' اور اُس سے کام لیا جانے لگا - چنانچہ اُسوقت سے شیشہ اور چیني کے ظروف رنگنے میں اکسائڈ اورانیم برابر استعمال هونے لگا ہے -

اِسکے بعد ایک نوجوان پولش خاتون میڈم کیوري نے اورانیم کے مخفي خواص کي پیرس میں تحقیقات شروع کي - اُسنے بہت جلد معلوم کرلیا کہ یہ شعاعي قوت والا مادہ ' خود اورانیم نہیں ہے' بلکہ کوئي اور عنصر ہے اور اکسائڈ اورانیم سے ملا هوا ہے - یہ دیکھکر اُسنے یہ مادہ تحلیل کرنا اور مختلف قسم کے تیزابوں سے بار بار دھونا اور صاف کرنا شروع کیا - اب اُسکي حیرت و مسرت بے حساب تھي - کیونکہ تحلیل کے بعد جو مادہ باقي رهگیا تھا ' اُسکي شعاعي قوت برابر بڑھتي چلي جا رهي تھي - اِسکے بعد وہ الکٹروسکوپ کي مدد سے تین اونس ایک نیا عنصر حاصل کرلینے میں کامیاب هوگئي - یہ عنصر اورانیم سے بھي ساٹھہ گنا زیادہ سخت تھا - فوراً اِس مادہ کے چند کیمیاوي خواص بھي دریافت هوگئے - اُسنے بڑے فخر و مباهات سے اپنے عظیم انکشاف کا اعلان کر دیا ' اور اپنے وطن کے نام پر اُسکا نام " پولونیم " رکھا - یہ " پولونیم " ریڈیم کے انکشاف کي طرف عملي قدم تھا - تین سال کي مزید تحقیقات کے بعد اِسي خاتون نے اعلان کیا کہ اکسایڈ اورانیم میں شعاعي قوت کا اصلي سر چشمہ اُسنے دریافت کر لیا ہے - اِسي سر چشمہ کا نام بالآخر " ریڈیم " پڑا - اور آهستہ آهستہ اُسکے مزید خواص معلوم کیے گیے -

اِسکے بعد سر ارنسٹ آرتھر فورڈ نے دریافت کیا کہ ریڈیم کي شعاعیں تین قسم کي هیں - چنانچہ یوناني ابجد کے تین ابتدائي حرفوں پر اُنکے نام رکھے گئے - پہلي شعاع کا نام " الفا " دوسري کا " بیٹا " تیسري کا " گاما "

(ریڈیم کے خواص)

پھر تحقیقات سے ثابت هوا کہ پہلي شعاع " الفا " مثبت کہربائي لہروں کا مجموعہ ہے - وہ اِس قدر تیز رفتار ہے کہ هر سکنڈ میں ۲۰٬۰۰۰ میل حرکت کرتي ہے - یعني توپ کے گولے سے بھي ۴۰٬۰۰۰ مرتبہ زیادہ تیز رفتار ہے - لیکن یہ شعاع ' نفوذ و سریان کي زیادہ قوت نہیں رکھتي - شیشے کي نہایت رقیق تختي حائل کر کے اُسے روک دیا جا سکتا ہے -

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

" دنیا میں هر شخص کا ایک کام هوتا هے - میرا کام یہی هے که میں تلخ مگر مفید سچائي عوام پر ظاهر کردوں - جهانتک میري استطاعت میں تها ' میں نے انسانیت ' شرافت ' اور روا داري کي دعوت دي هے - اگر دنیا نے نہیں سنا ' تو یه میرا قصور نہیں هے - میں نے اپنے لیے ایک قاعده بنا لیا هے - میں عالمگیر سچائیوں کا ساتهه دونگا - میں کسي پر الزام نہیں لگاتا ' کسي کي تضحیک نہیں کرتا ' کسي معین شخص پر حمله نہیں کرتا - میرا حمله انسانوں پر هے - میں کسي خاص فعل کو برا نہیں کہتا - میں شر کو برا کہتا هوں " (روسو)

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثه

جان جاک روسو

JEAN JACQUES ROUSSEU

یه سلسله شروع کرتے هوے گذشته نمبر میں هم نے والٹیر کے مختصر حالات درج کیے تهے ' اور لکها تها که آینده نمبروں میں اُسکے اجتماعي اصول و مبادیات پر ایک مقاله شائع کیا جائیگا - پهر اس پر نقد و تبصره کیا جایگا - لیکن پهر همیں خیال هوا که اس ترتیب کي جگهه یه ترتیب بهتر هوگي که پہلے اِن تینوں ارکان انقلاب کے مختصر حالات و افکار شائع کر دیے جائیں - پهر اُنکے اصول و مبادیات کا خلاصه دیدیا جاے - اُس کے بعد به یک دفعه اُن پر نقد و تبصره کیا جاے - چنانچه آج روسو پر ایک مختصر تحریر شائع کي جاتي هے - یه غالباً دو نمبروں میں ختم هو جایگي - اسکے بعد فرانسیسي انسایکلو پیڈیا اور اسکے مصنفین کے حالات و افکار پر نظر ڈالي جائیگي ' اور اسکي اشاعت کے بعد نقد و تبصره کا سلسله شروع هوگا - حال میں ایک نهایت قیمتي مجموعه روسو کے تمام مکاتبات کا بهي پیرس سے شائع هو رها هے - تین جلدیں گذشته سال شائع هو چکي تهیں - چوتهي جلد پچهلي ڈاک سے هندوستان پہنچي هے - یه مجموعه اسقدر دلچسپ اور گونا گوں معلومات سے لبریز هے که ضرورت هے ' کم از کم ایک دو تحریریں روسو کے مکاتیب پر بهي لکهي جائیں - اگر یه لکهي جا سکیں تو یه بهي اسي سلسله کي ایک کڑي هوگي -

انقلاب فرانس کے دماغي ارکان در اصل از منۂ وسطی (میڈل ایجز) کے کلیسائي اور شاهي استبداد کا رد فعل تهے - اسلیے ناگزیر تها که پچهلے افراط کے مقابله میں ایک نئي تفریط پیدا هو جاے - والٹیر ' روسو ' اور ڈیدرو ' ذهن و عقل کي اسي تفریط کي مخلوق هیں - انکي ذهني روح تعمیر سے نہیں بلکه تخریب کے هیجان سے پیدا هوئي - وه اثبات کے نہیں ' نفي کے واعظ تهے - مسیحي کلیسا کے جمود اور شاهي نظام کے استبداد نے " اثبات " اور " اعتقاد " کا جو غلو پیدا کردیا تها ' اس نے اس رد فعل میں " نفي " اور " شک " کا اغراق پیدا کردیا - یه بلا شبه اُس زمانے کي طبیعت کا قدرتي مقتضی تها - پچهلي " تعمیر " کي درستگي کیلیے ایک نئي " تخریب " کي ضرورت تهي - انهوں نے کلیسائي اور شاهي جمود کا بت توڑ دیا - لیکن جیسا که قاعده هے ' اس بت شکني میں وه خود بهي ایک نیا بت کده بنا گئے - اور اسکے لیے پهر دنیا کو ایک نئے بت شکن کا انتظار هے !

بهر حال انقلاب فرانس کے مبادیات پر یه جدید نقد و نظر ' اس سلسله کي اصلي چیز هوگي - جو مولانا ابو الکلام کے قلم سے نکلي هے ' اور اُن کے قید خانه کے مسودات میں سے هے -

---

ایک مرتبه ایک مجلس میں انگریزي علم ادب کا غیر معمولي انسان اور انقلاب فرانس کا سب سے بهتر وقائع نگار ' کارلائل موجود تها - لوگ حکما کي خیالي نقشه آرائیوں پر بحث کر رهے تهے - ایک شخص نے کها " اجتماع و معاشرت کے انقلابات کے نقشے ایک دل خوش کن تخیل سے زیاده نہیں هیں " جونہي اس رائے زني کي بهنک کارلائل کے کانوں میں پڑي ' اُس نے مجمع کو مخاطب کرکے کها :

" حضرات کچهه عرصه گزرا ' اس دنیا میں ایک شخص تها - روسو - اس نے ایک کتاب لکهي تهي - جب یه کتاب شایع هوئي تو بہت سے آدمیوں نے اُس کي هنسي اڑائي - لیکن جب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع هوا ' تو اُس کي جلد باندهنے کے لیے اُنهي لوگوں کے جسم کا چمڑا استعمال کیا گیا تها ' جنهوں نے اس کي هنسي اڑائي تهي ! "

اگر ریڈیم بگڑ کر سیسہ ھوجاتا ہے تو یہاں قدرتی طور پر سوال پیدا ھوتا ہے کہ کیا شروع ھی سے زمین میں ریڈیم کی بہت بڑی کمیت موجود تھی ؟ اور کیا تمام موجودہ سیسا اصل میں ریڈیم ھی تھا ؟ بہت ممکن ہے ایسا ھی ھو' اگر ایسا ھی ہے تو پھر زمین شروع میں اپنی موجودہ حالت سے بالکل مختلف ھوگی - شروع میں زمین ایک ننھا سا آتشیں کرہ تھی یا خود آفتاب کا ایک چھوٹا سا جزء -

عام طور پر علماء کا یہی خیال ہے کہ زمین اصل میں ایک آتشی کرہ تھی اور آفتاب یا کسی دوسرے عظیم کرہ سے کٹ کر جدا ھوئی ہے - پہلے زندگی سے بالکل خالی تھی - پھر بتدریج سرد ھونے کے بعد زندگی کے تخم سے آباد ھوئی ' اور ذی روح کا مسکن بن گئی - زندگی کے یہ تخم ' ایتھر میں پڑے بہہ رہے تھے - اگر واقعہ یہی ہے تو سوال پیدا ھوتا ہے ' کیا یہ ممکن نہیں کہ زندگی کے یہ تخم اصل میں ریڈیم ھی کے گیس ھوں ؟ بہت ممکن ہے ایسا ھی ھو - کیونکہ سائنس نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ شعاعی قوت کا زندگی کے حقیقی عناصر سے گہرا تعلق ہے - دلیل اسکی یہ ہے کہ بعض بیج ریڈیم کی شعاعوں کے زیر اثر آتے ھی فوراً کونپلیں پیدا کر دیتے ھیں ' اور پھر غیر معمولی سرعت و قوت سے بڑھنے لگتے ھیں !

لیکن علماء کا پختہ خیال ہے کہ ریڈیم کی' اس کی اصلی اور بے میل شکل میں زیادہ کمیت ' زمین کی سطح پر کبھی موجود نہ تھی - یہ اسلیے کہ اسکے کیمیاوی خواص اسے تقریباً نا ممکن ثابت کرتے ھیں - وہ ھمیشہ دوسرے مواد سے مرکب ملتا ہے - خالص ریڈیم کا حصول بہت ھی مشکل ہے - اگر حاصل ھو بھی جائے تو اسکا اصلی حالت میں محفوظ رکھنا اور بھی مشکل ھوگا - کیونکہ وہ ھوا سے جلد متاثر ھوجاتا ہے - یہی وجہ ہے کہ ریڈیم کی عام تجارت اسکے مختلف نمکوں : برومائڈ ' کلورائڈ ' کاربونیٹ ' سلفیٹ ' کی شکل میں ھوتی ہے -

(طبی فوائد)

روشنی کے روغنوں کے علاوہ ریڈیم سے طب میں بھی بڑے بڑے کام لیے جا رہے ھیں - طب میں اسکے استعمال کی طرف سب سے پہلے سنہ ۱۹۰۱ - میں پیئر کوری نامی طبیب کو رہنمائی ھوئی - یہ شخص ریڈیم کی دریافت کرنے والی میڈم کوری کا شوھر ہے - لیکن ریڈیم کے علاج کا اصلی موجد ھنری ڈومینیسی ہے - سنہ ۱۹۰۶ - میں اسنے دریافت کیا کہ اگر سیسہ کی تختی میں ریڈیم کی شعاعیں دو مرتبہ چھان لی جائیں' تو وہ جسم کے اُن ریشوں کو زائل کردیتی ھیں جو سرطانی مادوں سے آلودہ ھوتے ھیں - مگر تندرست ریشوں پر اُن کا کوئی برا اثر نہیں پڑتا -

اُس وقت سے ریڈیم مختلف امراض کے علاج میں استعمال ھونے لگا - مثلاً سرطان ' طرح طرح کے ورم ' نقرس ' عصبی درد ' عرق النساء ' ریڑھ کا درد ' ذیابیطس ' خون کی کمی ' ھیضہ ' ٹیفوڈ وغیرہ - خیال کیا جاتا ہے کہ ریڈیم ' ایکس ریز کے جلے ھوے زخم اچھے کردیتا ہے - ٹیفوڈ ' ھیضہ ' اور پسہری کے جراثیم قتل کرڈالتا ہے - معدے کو درست کرتا ہے - اشتہا پیدا کرتا ہے ' اور اُن تمام کیمیاوی تبدیلیوں میں مساعد ھوتا ہے جو انسانی جسم میں برابر جاری رہتی ھیں -

(ریڈیم کے مضر اثرات)

لیکن جہاں ریڈیم کے بے شمار فوائد ھیں ' اُسکی مضرتیں بھی ھیں - مدت تک ریڈیم کے زیر اثر رھنا سخت نقصان کا موجب ھوتا ہے - جو لوگ ریڈیم کے علاج میں مشغول رھتے ھیں ' وہ اپنی حفاظت سیسے کی صدریاں پہنکر کرتے ھیں - تاھم اُنکی صحت کو آخر کار سخت نقصان پہنچتا ہے - ریڈیم کی شعاعیں براہ راست کوئی تکلیف نہیں پہنچاتیں - لیکن آھستہ آھستہ خون کے سفید اور سرخ ذرے بگاڑ دیتی ھیں - خون کا دباؤ ھلکا کردیتی ھیں - اکثر خون میں کمی بھی پیدا ھوجاتی ہے - ناخون بد صورت اور اُنکے گرد کی کھال کھری اور موٹی ھوجاتی ہے - چہرہ اور ھاتھوں کی جلد میں بھی التہاب پیدا ھوجاتا ہے -

ریڈیم کی ابھی جتنی مقدار حاصل ھوئی ہے ' وہ تمام مریضوں کے علاج کیلیے بالکل نا کافی ہے - تا ھم اُسے نہایت ھوشیاری سے استعمال کیا گیا ہے ' اور ایسے طریقے ایجاد کیے گئے ھیں کہ اُسکا نفع زیاد سے زیادہ عام ھو سکے - ریڈیم کی شعاعی قوت کا گیس چھوٹی چھوٹی نلیوں میں اس طرح بند کیا گیا ہے ' کہ اُس سے علاج میں کام لیا جا سکے - ھر نلی ۱۸ - ۲۰ - روپیہ میں فروخت ھوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ چار دن تک کام دیتی ہے - یہ نلی بیمار کے جسم میں اُسی طرح داخل کردی جاتی ہے ' جس طرح انجکشن کی سوئی داخل کی جاتی ہے -

اِس وقت کوئی شخص بھی پیشین گوئی نہیں کرسکتا کہ ریڈیم کے آئندہ فوائد اور کیا کیا دریافت ھونگے ؟ اور کن کن طریقوں پر اُسے استعمال کیا جا سکے گا ؟ امید کی جاتی ہے کہ سائنس کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرسکے ' جس سے ریڈیم کے حصول میں آسانی ھوجائے ' اور علماء طبقات الارض کا یہ نظریہ ایک دن صحیح ثابت ھوجائے کہ ھماری زمین کے شکم میں سراسر ریڈیم ھی بھرا پڑا ہے - اگر کبھی یہ نظریہ صحیح ثابت ھوگیا تو کون اندازہ کرسکتا ہے کہ انسان کو کتنی قوت ' کتنی حرارت ' اور کسقدر روشنی حاصل ھو جائیگی ؟

اسوقت تک ضرورت باقی ہے کہ توسیع اشاعت کی طرف آپ کو توجہ دلائی جائے -

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الہلال کا استقبال کیا ' شاید ھی اُسکی کوئی دوسری نظیر اردو اخبارات میں مل سکے - لیکن مشکل یہ ہے کہ پرچہ کی ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ہے ' اور قیمت اُسکے مقابلہ میں بہت کم - اب یا تو قیمت بڑھانی چاھیے - یا اتنی وسیع اشاعت ھونی چاھیے کہ اُس سے قیمت کی کمی کی تلافی ھوجائے -

آخري عهد مصائب کي يادگار هيں - اُنميں سب سے بلند درجه اُسکے " مکالمات " اور " اعترافات " کو حاصل هے - اِن سے بهي بڑهکر اُسکي وہ تحريريں هيں ' جو اُسنے پيرس کے اُسقف (لاٹ پادري) اور جنيوا کي حکومت کے جواب ميں لکهي تهيں -

(روسو اور کليسا کا معرکه)

اِس جنگ ميں کون فتحمند رها : روسو يا اُسکے دشمن ؟

اِسکا جواب مدت هوئي خود زمانه دے چکا هے ! زندگي ميں اُسکے ليے دنيا چار بالشت زمين کا گوشه بهي مهيا نه کرسکي ' ليکن اسکے مرنے کے بعد يورپ کا تمام براعظم اپنے ذهن و فکر کا صرف ايک هي حکمراں رکهتا تها ' اور وہ يهي معتوب عالم " روسو " تها !

ليکن آج هميں روسو کي زندگي پر تبصرہ کرنا نهيں هے - روسو کي زندگي پر تبصرہ رسائل کے مقالات ميں نهيں ' ضخيم کتابوں ميں هو سکتا هے - آج هم صرف اُسکي فکري اور قلمي معرکه آرائيوں ميں سے ايک خاص معرکه دکهانا چاهتے هيں - يهي اسکے قلم کے معرکے هيں جو تهوڑے عرصے کے اندر انقلاب فرانس کے خونيں معرکوں کي شکل ميں مبدل هو گئے - يه معرکه اُس ميں اور پيرس کے اُسقف کے درميان واقع هوا تها - بلکه يوں کهنا چاهيے ' علم و عقل کے نئے ظهور اور مسيحي کليسا کے قديم جهل و جمود ميں هوا تها - هم اختصار پر مجبور هيں -

(اُسقف کا بيان)

اُسقف نے اپنا بيان اِس افسوس کے ساتهه شروع کيا هے که فرانس ميں کفر اور الحاد پهيلتا جاتا هے - پهر يه ثابت کيا هے که يه صورت حال ' قرب قيامت کي علامت هے جيسا که پولس رسول نے پيشين گوئي کي هے - پهر اس مقدس مگر هولناک تمهيد کے بعد وہ روسو پر پے در پے حملے شروع کر ديتا هے :

" يهي وہ الحاد هے جسے ايک شخص (يعني روسو) نے اپني کتاب " اميل " Emilius ميں پيش کيا هے - اِس شخص نے گناہ ميں نشو و نما پائي هے - يه ايک ايسي زبان بولتا هے جو فلاسفه کي زبان هے - مگر وہ خود فلسفه سے تهي دست هے - يه ايک ايسا ذهن هے جس ميں معلومات بے ترتيبي سے تهونس ديے گئے هيں - مگر وہ هنوز تاريک هے ' اور صرف اپني تاريکي هي پر قانع نهيں هے بلکه دوسرے دلوں ميں بهي تاريکي اتار رها هے - يه ايک ايسي طبيعت هے جو عجيب و غريب افکار کي دلدادہ اور مجهول راستوں کي شيفته هے - اِس ميں اخلاق کا افلاس اور فکر کي ثروت ' دونوں بيک وقت جمع هوگئي هيں - ايک طرف اُسے متقدمين کے اصول سے شغف هے ' دوسري طرف عقلي بدعتوں کي ايجاد کا جنون هے - وہ خلوت پسند بهي هے اور شهرت پسند بهي - علم کي محبت کا بهي دعوی رکهتا هے اور علم کي عداوت کا بهي علم اٹهائے هے - انجيل کے کمال کا بهي اعتراف کرتا هے اور اُسے جڑ سے اکهاڑ پهينکنے کي بهي کوشش کرتا هے - فضيلت کي ايسي خوبصورت تصويريں اتارتا هے که بے اختيار تحسين و آفرين کا نعرہ بلند هو جاتا هے - مگر پهر فوراً هي فسق و فجور کے پهاوڑوں سے اپني بنائي هوئي شاندار عمارت گرا بهي ديتا هے - يه نوع انساني کا معلم بنکر سامنے آيا هے ' مگر الحاد اور گمراهي کے سوا کچهه نهيں رکهتا - يه ضلالت کا امام هے - فساد کا مرشد هے - شيطان کا پيام بر هے - تاريکي کا رهبر هے - اور اس سے بهي کچهه زيادہ هے - وہ اپني کتاب ميں انسان کو حيوان کے درجه ميں رکهتا هے - ايک اور رساله ميں نفس پرستي کي تبليغ کرتا هے - پهر تربيت کي کتاب لکهتا هے - مگر سراسر الحاد کي دعوت ديتا هے ! "

آگے چلکر اُسقف نے روسو کي کتاب " تربيت " پر اعتراض کيے هيں اور اس پر زور ديا هے که يه " دعوت الحاد " هے - يه کتاب آج همارے هاتهوں ميں موجود هے - اسميں جس " الحاد " کي دعوت دي گئي هے وہ صرف يه هے ' که وہ کهتا هے : " بچه کي دماغي تربيت و تعليم ايسي هوني چاهيے که وہ خود اِس قابل هوجاے که دين حق کي معرفت پيدا کرسکے ' اور اسے تقليد و رسوم کي بنا پر نهيں بلکه فهم و بصيرت کے ساتهه منتخب کرے - هميں اس بات سے احتراز کرنا چاهيے که اُسے کوئي ايسي دماغي جکڑ بندي کي تعليم ديں جس سے اُس ميں دماغي بصيرت اور مجتهدانه فکر کي قوت پيدا نه هوسکے اور دل و دماغ کسي جابرانه تاثير سے منفعل هو جائيں - هميں اس سے بهي احتراز کرنا چاهيے که اسکے دماغ ميں کوئي ايسي بات اُتار ديں ' جسے وہ خود اپني عقل سے معلوم نهيں کر سکتا "

اِس پر اسقف نے اعتراض کرتے هوئے لکها هے : " هميں اِس نظريه پر کوئي اعتراض نهيں هے - ليکن سوال يه هے که کيا بچه کو گمراہ هو جانے کيليے چهوڑ دينا چاهيے ؟ اگر ايسا نهيں کرنا چاهيے بلکه اُسے هميشه فطرة کي سچي راہ پر رکهنا چاهيے ' تو وہ سچا طريقه کيا هے ؟ کتاب تربيت کا مولف بند بند لفظوں ميں الحاد کي طرف دعوت ديتا هے - ليکن هم فطرت کے سچے طريقے يعني مسيحيت کو پيش کرتے هيں - درحقيقت دين مسيحي فطرتي دين هے - فطرت هميشه اِسي کي طرف رهنمائي کرتي هے - عقل انساني بجز انجيل کے راسته کے کوئي دوسري راہ قبول هي نهيں کرسکتي - يه اس ليے که انجيل کا دين ' فطرت اور عقل کا دين هے ! "

روسو اُسقف کي تمام تشريحات برداشت کرلے سکتا تها ' ليکن يقيناً اس بات کي برداشت اُسکي طاقت سے باهر هوگي که " مسيحيت فطرة کي سچائي هے " اور وہ " فطرة اور عقل کے دين کي طرف رهنمائي کرتي هے " ياد رکهنا چاهيے که يه پرجوش اُسقف اور اسکے تمام هم مشرب جس " مسيحيت " اور " انجيل " پر عامل تهے اور اُسکي دعوت دے رهے تهے ' وہ " کليسا " اور " پوپ " کي " مسيحيت " تهي - نه که مسيحيت کي پهلے عهد کي سادہ اور بے ميل مسيحيت - امريکن مصنف ڈريپر کے لفظوں ميں " اٹهارويں صدي کے تمام اجتماعي انقلابات غير ضروري هو جاتے ' اگر کليسا اور پوپ کي نمايندگي کي جگه مسيحيت اور مذهب کي کوئي دوسري نمايندگي وجود ميں آ سکتي "

دراصل ازمنهٔ وسطی سے مسيحيت کا جو جهل پرور اور مستبد مزاج پيدا هوگيا تها ' اسکا قدرتي رد فعل والتير اور روسو کا انکار اور کفر تها !

اسکے بعد اسقف کهتا هے " اگر دين مسيحي هي وہ سچا طريقه هے جسکے سوا فطرت انساني کوئي دوسري راہ تصور هي نهيں کرسکتي - تو پهر روسو کا ديني تعليم و تربيت پر نکته چيني کرنا بجز اسکے کوئي معني نهيں رکهتا که وہ مخلوق کو هدايت سے هٹا کر ضلالت کي طرف بلا رها هے ! "

روسو نے کها تها " هر بچه جو اپنے بچپنے ميں خدا پر ايمان رکهتا هے ' ايک طرح کا بت پرست هے ' اور خدا کو انسان کي

یه هے یورپ کے اٹھارھویں صدي کي عجیب و غریب شخصیت جاں جاک روسو - اور یه هے اُس کي انقلاب انگیز اور عالم افگن تعلیمات کا ساحرانه نفوذ ' جس کي طرف کارلائل نے ان ضرب المثل بن جانے والے لفظوں میں اشارہ کیا تھا !

نپولین کہا کرتا تھا " انقلاب فرانس کچھه نه تھا مگر روسو " ایک اور موقعه پر اُس نے کہا " روسو هي انقلاب کا باپ تھا " بلاشبه روسو انقلاب فرانس کا باپ تھا ' لیکن وہ اس سے بھي بڑھکر تھا - اُس نے صرف فرانس هي میں نہیں بلکه اپنے پورے عہد کي عقلي و اجتماعي زندگي میں انقلاب پیدا کردیا - اس کے مبادیات و اصول کو لوگ صحیح سمجھیں یا غلط ' لیکن عملي دنیا کا فیصله یهي هوا که وہ آنکھه بند کرکے اُس کي رهنمائي پر چل پڑي' اور اُس کے سوا دوسروں کي رهنمائي قبول کرنے سے انکار کردیا - اٹھارھویں صدي سے لیکر اس وقت تک دنیا کے قوموں کي حکومتوں میں ' ان کي سوسایٹي اور معاشرت میں ' اُن کے عقلي اعمال و عقائد میں ' ان کے علم و فن کے کار و بار میں ' ایک بہت بڑي زندہ حقیقت روسو اور روسو کے اصول و مبادي هیں !

(مختصر حالات زندگي)

سنه ۱۷۱۲ ع میں روسو جنیوا میں پیدا هوا تھا - اُس کا باپ آیزک روسو ایک غریب آدمي تھا ' مگر سست ' ناکارہ ' اور بد اخلاق - گھڑیوں کي مرمت کرتا اور عورتوں کو ناچنا سکھا کر پیٹ پالتا لیکن اُس کي ماں بہت هي شریف عورت تھي - اُس کي شرم و حیا اور شریفانه نسواني جذبات کا تمام سوانح نگاروں نے اعتراف کیا هے - روسو میں اپنے ماں اور باپ' دونوں کے اخلاق جمع هوگئے تھے - البته بعد میں اُس نے بہت کچھه اصلاح کرلي تھي -

روسو کي ابتدائي تعلیم نہایت ناقص تھي - اُسے بچپن هي سے افسانے اور خیالي قصے پڑھنے کا شوق هوگیا تھا - لیکن اُس کے تمام سوانح نگار تسلیم کرتے هیں که یه مطالعه اُس کے عجیب ذهن کے لیے مضر نہیں بلکه مفید ثابت هوا -

روسو ابھي پوري طرح جوان بھي نہیں هوا تھا که اپني روزي کمانے پر مجبور هوگیا - اُس کے والد نے اُسے دستکاري کا پیشه اختیار کرنے پر مجبور کیا مگر اس میں کامیابي نہیں هوئي - کئي مقامات میں اُس نے نوکري کي مگر اپني تنک مزاجي اور خاص قسم کي طبیعت کي وجه سے کہیں جم نه سکا - نه وہ اپنے کسي آقا کو خوش کرسکتا تھا - نه اُس کا کوئي آقا اُسے مطمئن کردینے کي قابلیت رکھتا تھا !

اپني زندگي کا یه زمانه اُس نے سخت مصائب میں گزارا - تنگ دستي همیشه اُس کي رفیق رهي - بے اطمینانی نے کبھي ساتھه نه چھوڑا - صحبت نہایت خراب تھي - سوسائٹي کا سب سے زیادہ بدترین طبقه اُس کے حصے میں آیا تھا -

(ترقي و شہرت کا پہلا موقعه)

۳۹ - سال اِس طرح گزر گئے - اب تک وہ بالکل گم نام تھا - لیکن قدرت کي نظر عنایت اُس پر شروع هي سے تھي - وہ اُسے اپنے مدرسهٔ مصائب میں طیار کر رهي تھي -

سنه ۱۷۴۹ ع میں اچانک اُس کے اقبال کا ستارا طلوع هوا - فرانس کے ایک علمي مجمع (اکاڈیمي) نے ایک موضوع مقرر کیا ' اور اهل علم کو اُس پر بحث کي دعوت دي - مقابله سخت تھا - منتخب علماء میدان میں اتر پڑے تھے - تاهم روسو نے همت کي اور مضمون لکھا - اُس کا مضمون سب سے بہتر ثابت هوا - مجمع علمي نے اِس گمنام " عالم " کي قابلیت کا اعتراف کیا اور اُسے مقابله کا انعام دیکر همت افزائي کي - اِس طرح دنیا نے پہلي مرتبه سنا که روسو' فرانس میں ایک بڑا عالم هے !

(حکومت اور کلیسا کا متحدہ حمله)

اب روسو پر شہرت کا دروازہ کھل گیا - بڑي تیز گامي سے وہ آگے بڑھا ' اور تھوڑے هي عرصه کے اندر اپنے عہد کا سب سے بڑا عالم تسلیم کرلیا گیا -

مگر کیا اِس شہرت و عزت سے اُس کي زندگي کي مصائب دور هوگئیں ؟ نہیں ' اور زیادہ هوگئیں - پہلے وہ صرف تنگ دستي کا شکار تھا ' اب وہ حکومت اور کلیسا کي دشمني کا بھي شکار هوگیا - جوں هي اُس کي تصانیف سوشل کنٹریکٹ ' هلواز ' اور امیل نامي شائع هوئیں ' حکومت اور کلیسا کے ایوانوں میں تہلکه مچ گیا - دونوں نے بیک وقت اُس پر یورش کردي ' اور انتقام لینے کیلیے اپنے تمام هتیار سنبھال لیے !

(مصائب و محن اور خاتمه)

" امیل " کے شائع هوتےهي' ۹ جون سنه ۱۷۶۲ ع میں حکومت فرانس نے روسو کي گرفتاري کا فرمان جاري کردیا - مجبوراً اُسے فرار هي میں سلامتي نظر آئي - فرانس سے بھاگ کر جنیوا پہنچا مگر یہاں کي حکومت بھي اُس کے لیے فرانس سے بہتر ثابت نه هوئي - اُس نے بھي اس کي گرفتاري ضروري سمجھي - یه حال دیکھکر اس نے هالینڈ کا رخ کیا - مگر هالینڈ بھي ایک ایسے شخص کے استقبال کے لیے طیار نه تھا - اُس نے بھي دار و رسن سے استقبال کرنا چاها - اب اس کے سوا چارہ نه تھا که اٹلي میں پناہ لے - وہ اٹلي پہنچا - مگر اٹلي پوپ کا پایهٔ تخت تھا - وہ اِس کے پہنچنے سے پہلے هي اس کے کفر و انکار پر گرفتاري و قتل کا فتوی صادر کرچکا تھا - بے بس هوکر وهاں سے بھي نکلا - اور انگلستان کي راہ لي - اسے امید تھي که انگلستان کے ایک گوشه میں پناہ حاصل کرسکیگا - لیکن افسوس هے که وہ بھي بے رحم نکلا - اب اُس کي مصیبت کا جام چھلک گیا تھا -

اب یورپ میں اُسے کہیں پناہ نہیں مل سکتي تھي - جہاں چھپتا تھا - وهیں دشمن کا هاتھه دراز هوجاتا تھا : ضاقت علیهم الارض بما رحبت و ضاقت علیهم انفسهم کے عالم میں مبتلا تھا - ابھي یه مصیبت بڑھتي هي جاتي تھي که ایک دوسري مصیبت بھي شروع هوگئي - یعني طرح طرح کے جسماني امراض و آلام نے آگھیرا - آخر اِسي حالت میں ' که دنیا اپني ساري وسعت کے ساتھه اُس پر تنگ هوچکي تھي ' سنه ۱۷۷۸ ع میں انتقال کیا ' اور گوشهٔ قبر میں پناہ لي !

اِن مصائب نے روسو کے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا ؟ کیا وہ اِن سے مرعوب هوگیا تھا ؟ کیا اپنے عقائد و افکار سے دست بردار هوگیا تھا ؟ کیا اُسنے اپنے بے پناہ دشمن کے سامنے هتیار ڈالدیے تھے ؟

اگر وہ ایسا کرتا تو یقیناً عیش کي زندگي بسر کرتا - مگر صرف زندگي هي بسر کرتا - زندگي کي عظمت حاصل نه کرسکتا - اپني موت کے ساتھه هي مر جاتا - اُسکي ساري عظمت ' اُسکي دماغي قابلیتوں سے زیادہ ' اُسکے دل کي مضبوطي میں هے - بلا شبه وہ اپنا جسم کونے کونے میں چھپاتا پھرا ' مگر اُسکا قلم بے پناہ شمشیر بنکر همیشه دشمن کا قلع قمع کرتا رها - اُسکي بلیغ ترین کتابیں ' اِسي

معرکوں کے بعد اُنکی ہیبت فرانسیسی فوجوں پر اِس قدر بیٹھہ گئی تھی کہ اُنکا نام سنتے ہی میدان سے بھاگ جاتی تھیں - پچھلے دو سال برابر درزیوں کا پلہ بھاری رہا ' واقعات ثابت کر رہے تھے کہ فرانس کو بہت جلد سرجھکانا پڑیگا - بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دو مرتبہ فرانس نے اندر ہی اندر سر جھکا دینے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا -

مگر افسوس ' نتیجہ بالکل برخلاف نکلا - فرانس نے وہی طریقہ اختیار کیا جو ایسے موقعہ پر ہمیشہ طاقتور حریف اختیار کیا کرتا ہے - اُس نے جنگ کو طول دینا شروع کر دیا - یہ طوالت بے سر و سامان درزیوں کیلیے نا قابل تحمل تھی - وہ دنیا کی اول درجہ کی سلطنت کے مقابلہ میں تنہا تھے - خود انکے وطن کی دوسری جماعتیں بھی انکے ساتھہ شریک نہ تھیں - جنگ نے زراعت ' تجارت ' اور ہر طرح کے وسائل معیشت سے انہیں محروم کر دیا تھا - بہت دنوں تک جمے رہے - لیکن آخر کب تک قدرتی موانع سے جنگ کرتے ؟ بے بس ہوکر ترک جنگ پر آمادہ ہوگئے - اب پورا ملک پھر فرانس کے رحم پر ہے ' اُسوقت تک کیلیے ' کہ مجاہدین وطن تازہ دم ہوکر کوئی دوسرا قدم اُٹھا سکیں -

یہ واقعہ تمام مشرق کیلیے ایک نیا تازیانۂ عبرت ہے - اِسنے ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت ظاہر کردی کہ تمام دول یورپ کس طرح مشرق کے غلام بنانے اور غلام رکھنے پر متفق ہوگئی ہیں - آنمیں باہم کتنی ہی منافست و رقابت کیوں نہ ہو ' مگر مشرقی قوموں کا سر کچلنے میں وہ اپنی تمام رقابتیں بھول جاتی ہیں - اِتنا ہی نہیں بلکہ ایک دوسری کی امداد و اعانت پر بھی آمادہ ہو جاتی ہیں - شامی جہاد آزادی ' اِس کی تازہ مثال ہے - جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ فرانس نہیں ہے جسنے آج وطن پرستاران شام کو نیچا دکھایا ہے - بلکہ وہ برطانیا ہے جسکی اخلاقی و مادی امداد و اعانت نے فرانس کو فتحمند کیا ہے - فرانس تو اپنا پورا زور لگا کر تھک چکا تھا - وہ پایۂ تخت دمشق کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا تھا - روز دروز آتے تھے اور پوری آزادی سے دمشق کی سڑکوں پر حملے کرتے تھے - حالانکہ یہاں فرانس کا جنگی مرکز قائم تھا - لیکن یہ اُس وقت کی بات ہے ' جب فرانس اِس جہاد کے مقابلہ میں اکیلا تھا - برطانیا کی اعانت اُسے حاصل نہ تھی - یہ واقعہ ہے کہ اُس نے گھبرا کر دو مرتبہ ارادہ کرلیا تھا کہ شامیوں کے مطالبات منظور کرلے ' اور اپنے ظالمانہ مطامع سے باز آجاے -

شام کے پایۂ تخت دمشق کا ایک منظر عام

برطانیہ اِس معاملہ میں کیونکر شریک ہوا ؟ مختصر تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب درزیوں کو فرانس کے مقابلہ میں نمایاں کامیابیاں ہونے لگیں تو فلسطین ' شرق اردن ' اور عراق میں بھی اس کی صداے بازگشت بلند ہونے لگی - شرق اردن کے تیور سب سے زیادہ خراب تھے - بلکہ جابجا شورش بھی شروع ہوگئی تھی - برطانیا نے دیکھا کہ اگر اس علاقہ میں آگ لگ گئی تو فلسطین اور عراق تک اس کے شرارے پہنچ جائینگے ' اور پوری عربی قوم میں حریت طلبی کی نئی سرگرمی پیدا ہوجائیگی - برطانیا نے خیال کیا ' یہ تمام بے چینی صرف اِس وجہ سے ہے کہ درزیوں کی کامیابیوں نے عربوں کے دل بڑھا دیے ہیں اور فرانس کی پیہم شکستوں سے خود برطانیا کا رعب و داب بھی بے اثر ہوتا جاتا ہے - وہ فرانس کی پیٹ ٹھوکنے کیلیے طیار ہوگئی - فلسطین کے برطانوی حکام نے علانیہ فرانس کی طرف امداد کا ہاتھہ بڑھایا ' اور اپنی جنگی قوت سے درزیوں پر دباؤ ڈالنے لگے -

بد قسمتی سے جغرافیائی اور جنگی حالات نے درزیوں کو شرق اردن کا سخت محتاج بنا دیا تھا - اُن پر تمام دروازے بند تھے - صرف شرق اردن کا دروازہ کھلا تھا - یہیں وہ پناہ لیتے تھے - یہیں تازہ دم ہوتے تھے - اور اسی راستہ سے انہیں باہر کی مدد بھی مل جاتی تھی - برطانیا کے مخالف ہوتے ہی یہ دروازہ بھی اُنپر بند ہوگیا - اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں سرحدوں پر پریشان بھی کیا جانے لگا - اب درزیوں کو دو سلطنتوں سے بہ یک وقت مقابلہ کرنا پڑا : فرانس اور برطانیا - یہ بھی انھوں نے کیا - اور پورے بارہ مہینے تک میدان میں جمے رہے - مگر کبتک جمے رہتے ؟ سامان جنگ ختم ہو گیا - رسد بند ہو گئی - اب بجز بیٹھہ جانے کے کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا تھا - چنانچہ اِس ہفتہ بے بس ہوکر بیٹھہ جانے کا فیصلہ کرلینا پڑا ! انا للہ و انا الیہ راجعون !

یقیناً تاریخ عرب و اسلام شریف حسین اور اُسکے بیٹوں کو کبھی معاف نہیں کریگی ' جنکی بدولت یہ تمام مصائب بلاد عربیہ پر نازل ہوے - شام ' فلسطین ' شرق اردن ' عراق ' یہ تمام ممالک برطانیا

اور فرانس کے قبضہ میں صرف اِسی خاندان کی خیانت اور طماعی سے گئے - اِس شامی جہاد آزادی کی ناکامی میں بھی شریف حسین کے منجھلے لڑکے امیر عبداللہ کا بہت بڑا حصہ ہے - یہ بے حمیت برطانیا کے ٹکڑوں پر شرق اردن میں پڑا ہے - اور برطانی ملک گیری کی بنیادیں اپنی عزت فروشی سے مضبوط کر رہا ہے - اس نے دروز سے بڑی ہی بے دردی اور بے حمیتی کا سلوک کیا - وہ جب پناہ کی امیدیں لیکر اسکی سرزمین میں پہنچے ' تو اس نے انہیں فوراً نکل جانے کا حکم دیا - اُنھوں نے پہاڑوں اور ریگستانوں میں جاکر پناہ لی - مگر اسنے وہاں بھی اُنکا تعاقب کیا ' اور ایک ایک کرکے سب کو فرانس کے حوالہ کردیا !

اُنکی سب سے آخری جماعت ' علاقۂ ازرق میں پناہ گزیں تھی - اِسکی تعداد دو ہزار تھی - امیر عبداللہ کو معلوم ہوا تو اُسنے وہاں ایک طاقتور فوج بھیجدی - جنگی قانون کا اعلان کردیا ' اور انہیں مجبور کردیا کہ اپنے آپ کو فرانس کے حوالہ کردیں - چنانچہ تمام لوگوں نے مجبور ہوکر اپنے تئیں فرانس کے حوالہ کر دیا - حوالہ کرنے والوں میں خود خاندان اطرش کے لوگ بھی ہیں - مثلاً متعب بک اطرش ' علی بک اطرش ' عبدالغفار اطرش وغیرہم -

صورت میں یقین کرتا ہے - عقل انسانی اس عمر میں' خدا کا منـزہ اور مطلق تصور کر ہی نہیں سکتی !"

اسقف کا اس پر اعتراض یہ ہے " اگر بچہ بت پرست ہوتا تو کئی خداؤں کا قائل ہوتا - اگر اسکے تصور میں تجسم ہوتا (یعنی خدا کو انسان کی صورت دیتا) تو پروردگار کا جسم بناتا - حالانکہ مسیحی بچوں کا بھی ایسا اعتقاد نہیں ہوتا - وہ صحیح معنوں میں موحد ہوتے ہیں - مولف (روسو) نے یہ کہکر در اصل مسیحیت کو بت پرستی قرار دیا ہے !"

روسو نے لکھا تھا " میں جانتا ہوں کہ نظام عالم کو ایک قادر وحکیم ارادہ چلا رہا ہے - میں یہ دیکھتا یا محسوس کرتا ہوں' اور اسکی معرفت میری زندگی کیلیے ضروری ہے - لیکن یہ عالم کب سے اور کس طرح ہے ؟ اشیاء کی اصل ایک ہے یا متعدد ہیں ؟ انکی طبیعت کیا ہے ؟ یہ میں نہیں جانتا' اور نہ مجھے جاننے کی ضرورت ہے ... یہی باعث ہے کہ میں یہ حقیر مسائل نظر انداز کر جاتا ہوں - ممکن ہے یہ میری عقل کو مشغول کر لیں' مگر مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے - پھر یہ مسائل میری عقل سے بالا تر بھی ہیں ..."

اس پر اسقف اعتراض کرتا ہے " بے باک مصنف کا اس قول سے کیا مقصود ہے ؟ وہ جانتا ہے کہ کائنات کا نظام ایک قادر وحکیم ارادہ کے ماتحت ہے - وہ اعتراف کرتا ہے کہ اس حقیقت کا علم اسکے لیے ضروری ہے - لیکن باوجود اسکے کہتا ہے " نہیں معلوم اشیاء کی اصل ایک ہے یا ایک سے زیادہ ہے ؟ پھر دعوی کرتا ہے کہ مجھے اس نقطہ کے معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں - مصنف' دراصل خدا کی وحدانیت پر شک رکھتا ہے - اس علم کے بعد کہ کائنات ایک قادر وحکیم ارادہ کے تصرف و اختیار میں ہے' کیا یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اشیاء کی اصل ایک ہے یا کئی ہیں ؟ کیا یہ ممکن ہے کہ پہلی حقیقت کا علم ضروری ہو اور دوسری کی معرفت غیر ضروری قرار پائے ؟ کیا یہ صریح تناقض اور الحاد نہیں ہے ؟ وہ کہتا ہے میں خدا کی طبیعت و حقیقت سے بیخبر ہوں' لیکن ساتھہ ہی یہ دعوی بھی کرتا ہے کہ یہ موجود حقیقی " علم " قدرت " ارادہ " اور حکمت رکھتا ہے ! اس سے تو معلوم ہوا کہ وحدانیت اسکے خیال میں ایک " حقیر سا مسئلہ " ہے' اور کسی طرح بھی اسکی عقل میں نہیں آسکتا - لیکن معلوم ہوتا ہے' متعدد خداؤں کا تصور اسکی عقل کے نزدیک معقول ہے - بھلا اس حماقت سے بڑہ کر بھی کوئی حماقت ہو سکتی ہے ؟"

روسو' معجزات کو اس معنی میں تسلیم نہیں کرتا کہ وہ خارق عادت ہیں - معجزات پر گفتگو کرتے ہوئے اسنے لکھا ہے " یا للعجب ! ہمیشہ آدمیوں ہی کی گواہیاں ! آدمی' اپنے ہی جیسے آدمیوں سے سنتے ہیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے ہیں ! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں نے کتنے اَن گنت واسطے قائم ہوگئے ہیں !"

اس پر اسقف لکھتا ہے " اگر آدمیوں کی گواہی معتبر نہیں ہے تو پھر ہم پوچھتے ہیں مؤلف کے اسپارٹا' ایتھنز' اور روم کو کیونکر جانا جنکی عظمت کا وہ ہمیشہ راگ گایا کرتا ہے ؟ ان قدیم جمہوریتوں اور مؤلف کے مابین آدمیوں کے کتنے بہت سے واسطے موجود ہیں ؟ وہ ان واسطوں پر شک نہیں کرتا - لیکن مسیحی معجزات کی روایت میں وہ کوئی واسطہ منظور کرنا نہیں چاہتا - در اصل اسکے اعتراض کی اصلی علت' الحاد ہے - وہ خدا ہی کو نہیں مانتا !"

اسقف کا بیان بہت طویل ہے - اس مضمون میں اسکا پورا خلاصہ بھی ممکن نہیں - لیکن اسکا آخری اعتراض ضرور نقل کر دینا چاہیے - روسو نے بادشاہوں کے وجود پر سختی سے حملہ کیا ہے - اسقف اسکے جواب میں لکھتا ہے :

" یہ بھی مؤلف کا الحاد ہی ہے جس سے متأثر ہوکر وہ بادشاہوں کے وجود پر نکتہ چینی کرتا ہے - بادشاہوں کو برباد کرکے وہ ایسے قواعد جاری کرنا چاہتا ہے' جنکا نتیجہ بجز بد امنی اور طوائف الملکی کے اور کچھہ نہیں ہوگا - مصنف کے مذہب اور دین حق میں کتنا تضاد ہے ؟ مصنف بد اخلاقی اور بد امنی کی تعلیم دیتا ہے - لیکن دین حق خشیت الہی اور بادشاہ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے - دین کا حکم یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے آقا کی فرمانبرداری کرے - دین کہتا ہے پادشاہی' خدا کی قوت ہے- اسکا پاک سایہ ہے- اور اسی نے زمین پر نازل کی ہے - جو اس کا مخالف ہے' وہ خود خدا کا باغی ہے - اس پر خدا کی ابدی لعنت ہو !"

اس طرح اسقف نے اپنا رسالہ قرب قیامت کی ہولناکی سے شروع کرکے " ابدی لعنت " کی پیشکش پر ختم کر دیا ہے !

یہ روسو کے سب سے بڑے کلیسائی مناظر کا حملہ تھا - اب دیکھنا چاہیے' روسو نے اسکا دفاع کیونکر کیا ہے؟ روسو کے سخت سے سخت نکتہ چیں بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسکا جواب اسکی مناظرانہ قوت بیانیہ کا بے نظیر ثبوت تھا -

ہم آیندہ اشاعت میں اسکا خلاصہ درج کرینگے -

مکتوب شام

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

دروزی جہاد آزادی کا خاتمہ

میں یہ مکتوب اس حال میں لکھہ رہا ہوں کہ ہاتھہ میں رعشہ ہے' آنکھوں میں آنسو ہیں' دل میں حسرت و الم ہے - میں ہی نہیں' اس وقت شام میں کون ہے جو خون کے آنسو نہیں رو رہا ہے ؟ دمشق کے آسماں پر اندھیرا چھا گیا ہے - اور شام کے مرغزار مایوسی کی خزاں سے مرجھا گئے ہیں - اسلیے کہ آزادی کی امیدیں ملتوی ہوگئیں - تین سال ہوئے شام کے ابطال وطن نے آزادی کا علم بلند کیا تھا - آج وہ علم گر گیا ہے - اس لیے پورا ملک اور اسکی قومی غیرت' سر نگوں ہے !

ملک شام خصوصاً دمشق نے اپنی سرزمین پر تاریخ کے عظیم ترین واقعات مشاہدہ کیے ہیں - دروز کا جہاد آزادی بھی ایک ایسا ہی عظیم واقعہ ہے - مشرق کی تاریخ میں ہمیشہ یہ زریں حروف میں ثبت رہے گا - جبل دروز' جو اس جہاد کا مرکز تھا' صرف پچاس ساٹھہ ہزار کی آبادی رکھتا ہے - یہی آبادی' دروزیوں کی مرکزی آبادی ہے - اور یہی دروز ہیں جنھوں نے فرانس جیسی عظیم الشان سلطنت کے قدم' شام سے اکھاڑ دیے تھے ! ابتدائی

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

عمرو بن العاص

حضرت عمرو بن العاص (رض) کی شجاعت، تدبر، فتوحات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں۔ مصر کی فتح سراسر انہی کے تدبر و قیادت کا نتیجہ تھی۔ خلافت اموی کے قیام میں انہی کی سیاست کارفرما تھی۔ اپنے عہد کی سیاست میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مورخین نے اتفاق کیا ہے کہ عرب کی سیاست تین سروں میں جمع ہو گئی تھی: عمرو بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان، زیاد بن ابیہ۔ اتفاق سے یہ تینوں سر ملکر ایک ہو گئے۔ انھوں نے سیاسی حکمت عملیوں سے اسلامی سیاست کا دھارا اُس طرف پھیر دیا جدھر وہ پھیرنا چاہتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام اور خلافت راشدہ کے نظام کو صرف امیر معاویہ کی سیاست نے شکست نہیں دی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ کارفرما دماغ عمرو بن العاص کا تھا۔

ایک ایسے سیاسی مدبر نے موت کا کس طرح خیر مقدم کیا تھا؟ ذیل کی سطروں میں اس کی تفصیل ملے گی:

ایک عجیب سوال

جب بیماری نے خطرناک صورت اختیار کرلی اور عرب کے اس دانشمند کو زندگی کی کوئی اُمید باقی نہ رہی، تو اُسنے اپنی فوج خاصکر افسر اور سپاہی طلب کئے۔

لیٹے لیٹے اُن سے سوال کیا "میں تمھارا کیسا ساتھی تھا؟"

"سبحان اللہ! آپ نہایت ہی مہربان آقا تھے۔ دل کھول کر دیتے تھے۔ ہمیں خوش رکھتے تھے۔ یہ کرتے تھے۔ وہ کرتے تھے..."

وہ بڑی سرگرمی اور جوش سے جواب دینے لگے۔

ابن عاص نے یہ سنکر سنجیدگی سے کہا "میں یہ سب کچھ صرف اس لئے کرتا تھا کہ تم مجھے موت سے بچاؤ گے کیونکہ تم سپاہی تھے اور میدان جنگ میں اپنے سردار کے لئے سپر تھے۔ لیکن یہ دیکھو، موت سامنے کھڑی ہے اور میرا کام تمام کر دینا چاہتی ہے۔ آگے بڑھو اور اُسے مجھ سے دور کر دو!"

سب ایک دوسرے کا حیرت سے منہ تکنے لگے۔ پریشان تھے، کیا جواب دیں؟

"اے ابو عبداللہ!" دیر کے بعد اُنھوں نے کہا "واللہ ہم آپکی زبان سے ایسی فضول بات سننے کے ہرگز متوقع نہ تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپکے کچھ بھی کام نہیں آسکتے"

انھوں نے آہ سرد بھری "واللہ میں یہ حقیقت خوب جانتا ہوں" اُنھوں نے حسرت سے کہا "واقعی تم مجھے موت سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ لیکن اے کاش! یہ بات پہلے سے سوچ لیتا! اے کاش حبیخ تم میں سے کوئی ایک آدمی بھی اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا۔ ابن ابی طالب (حضرت علی) کا بھلا ہو۔ کیا ہی خوب کہہ گیا ہے: آدمی کی سب سے بڑی محافظ خود اُس کی اپنی موت ہے!" (طبقات ابن سعد)

دیوار کی طرف منہ کرکے رونے لگے

راوی کہتا ہے ہم عمرو بن العاص کی عیادت کو حاضر ہوئے۔ وہ موت کی سختیوں میں مبتلا تھے۔ اچانک دیوار کی طرف منہ پھیر لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اُنکے بیٹے عبداللہ نے کہا "آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا رسول اللہ آپ کو یہ یہ بشارتیں نہیں دے چکے ہیں؟" اُنھوں نے بشارتیں سنائیں۔ لیکن ابن عاص نے روتے ہوئے سر سے اشارہ کیا۔ پھر ہماری طرف منہ پھیرا اور کہنے لگے:

زندگی کے تین دور

"میرے پاس سب سے افضل دولت "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی شہادت ہے۔

"مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں:

"ایک وقت وہ تھا کہ رسول اللہ سے زیادہ میں کسی کی اپنے دل میں دشمنی نہیں رکھتا تھا۔ میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح قابو پاکر آپ کو قتل کر ڈالوں۔ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو یقیناً جہنمی مرتا"

"پھر ایک وقت آیا جب خدا نے میرے دلمیں اسلام ڈال دیا۔ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! ہاتھ بڑھایئے، میں بیعت کرتا ہوں۔ آپنے دست مبارک دراز کیا۔ مگر پھر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا "عمرو! تجھے کیا ہوا؟" میں نے کہا "ایک شرط چاہتا ہوں" فرمایا "کونسی شرط؟" میں نے عرض کیا "یہ شرط کہ میری بخشش ہو جائے" اسپر ارشاد ہوا "اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہ مٹا دیتا ہے؟ ہجرت بھی مٹا دیتی ہے؟ حج بھی مٹا دیتا ہے؟" (یہ ابن العاص کی مشہور روایت ہے جسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے)

"اُسوقت میں نے اپنا یہ حال دیکھا کہ نہ تو رسول اللہ سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا انسان محبوب تھا، اور نہ رسول اللہ سے زیادہ کسی کی عزت میری نگاہ میں تھی۔ میں سچ کہتا ہوں، اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے، تو میں بتا نہیں سکتا۔ کیونکہ انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے میں آپ کو نظر بھر کے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر اس حالت میں مرجاتا تو میرے جنتی ہونے کی پوری اُمید تھی!"

"پھر ایک زمانہ آیا جس میں ہمنے بہت سے اونچ نیچ کام کئے۔ میں نہیں جانتا اب میرا کیا حال ہوگا؟"

مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا

"جب میں مروں تو میرے ساتھ رونے والیاں نہ جائیں۔ نہ آگ جائے۔ دفن کے وقت مجھ پر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ میری قبر سے فارغ ہوکر اُسوقت تک مجھ سے قریب رہنا، جب تک جانور ذبح کر کے اُن کا گوشت تقسیم نہ ہو جائے۔ کیونکہ تمھاری موجودگی سے مجھے انس حاصل ہوگا پھر میں جان لوں گا کہ اپنے پروردگار کے قاصدوں کو کیا جواب دوں؟" (طبقات ابن سعد)

بگڑتا زیادہ ہوں، بنتا کم ہوں!

ہوش حواس آخر وقت تک قائم تھے۔ معاویہ بن خدیج عیادت کو گئے۔ تو دیکھا۔ نزع کی حالت ہے۔ پوچھا کیا حال ہے؟ آپنے جواب دیا "پگھل رہا ہوں۔ بگڑتا زیادہ ہوں، بنتا کم ہوں۔ اس صورت میں بوڑھے کا بچنا کیونکر ممکن ہے؟" (عقد الفرید و ابن سعد)

حضرت ابن عباس سے سوال جواب

حضرت عبداللہ بن عباس عیادت کو آئے۔ سلام کیا۔ طبیعت پوچھی۔ کہنے لگے "میں نے اپنی دنیا کم بنائی مگر اپنا دین زیادہ بگاڑ لیا۔ اگر میں نے اُسے بگاڑا ہوتا جسے سنوارا ہے، اور اُسے سنوارا ہوتا جسے بگاڑا، تو یقیناً بازی لیجاتا۔ اگر مجھے اختیار ملے تو ضرور اسکی آرزو کروں۔ اگر بھاگنے سے بچ سکوں تو ضرور بھاگ جاؤں۔ اس وقت تو میں منجنیق کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہو رہا ہوں۔ نہ اپنے ہاتھوں کے زور سے اوپر چڑھ سکتا ہوں، نہ اپنے پیروں کی قوت سے نیچے اُتر سکتا ہوں۔ اے میرے بھتیجے! مجھ کوئی ایسی نصیحت کر جس سے فائدہ اُٹھاؤں"

ابن عباس نے جواب دیا "آہ! اے ابو عبداللہ! اب نصیحت کا وقت کہاں؟ آپ کا بھتیجا تو خود بوڑھا ہو کر آپ کا بھائی بن گیا ہے۔ اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں رونے کو حاضر ہوں۔ جو مقیم ہے وہ سفر کا کیونکر یقین کر سکتا ہے؟"

عمرو بن العاص یہ جواب سنکر بہت افسردہ ہوئے اور کہنے لگے "اُف! کیسی سخت گھڑی ہے! کچھ اوپر اسّی برس کا سن! اے ابن عباس تو مجھے پروردگار کی رحمت سے مایوس کرتا ہے؟ الٰہی! یہ ابن عباس ہے جو مجھے تیری رحمت سے نا امید کر رہا ہے! الٰہی! مجھے خوب تکلیف دے، یہاں تک کہ تیرا غصہ دور ہو جائے اور تیری رضامندی لوٹ آئے"!

ابن عباس نے کہا "ہیہات! ابو عبداللہ! آپنے جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی اور اب دے رہے ہیں وہ چیز جو پرانی ہے! یہ کیسے ممکن ہے؟"

اسپر وہ آزردہ خاطر ہو گئے: "ابن عباس! مجھے کیوں پریشان کرتا ہے؟ جو بات کہتا ہوں، اُسے کاٹ دیتا ہے!" (استیعاب)

موت کی کیفیت

عمرو بن العاص زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے "مجھے اُن لوگوں پر تعجب ہے جن کے موت کے وقت حواس درست ہوتے ہیں مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے" لوگوں کو یہ بات یاد تھی۔ جب وہ خود اس منزل میں پہونچے، تو حضرت عبداللہ بن عباس نے یہ مقولہ یاد دلایا (ایک روایت میں ہے کہ خود اُنکے بیٹے نے سوال کیا تھا) عمرو بن العاص نے ٹھنڈی سانس لی: "جان من!" "اُنھوں نے جواب دیا "موت کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔ موت ناقابل بیان ہے۔ لیکن میں اسوقت صرف ایک اشارہ کر سکتا ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آسمان، زمین پر ٹوٹ پڑا اور میں

(سلطان پاشا اطرش)

لیکن جہاد آزادي کے علم بردار سلطان پاشا اطرش نے هتیار ڈالنے سے انکار کر دیا - دمشق میں اُنکے بعض دوستوں کے پاس میں نے اُنکا ایک تار پڑھا ہے - اُسمیں وہ لکھتے هیں :

" میں نے هتیار رکھنے سے انکار کر دیا ہے - کیونکہ مرد هتیار نہیں رکھا کرتے - میں صحراء کي طرف اپنے خاندان کے ساتھہ جا رہا هوں کیونکہ برطانوي حکام اور امیر عبداللہ نے مجھے علاقۂ ازرق میں رهنے نہیں دیا ! "

مجھے معتبر ذرایع سے معلوم هوا ہے کہ انگریزوں نے سلطان پاشا اطرش سے کہا تھا کہ " فلسطین چلے آئیں ' هم امن دینگے " اِس سے اُنکي غرض یہ تھي کہ فرانس پر دباؤ رکھنے اور اپني مطلب براریوں کے لیے اُنھیں نظر بند کرکے رکھہ چھوڑیں - مگر سلطان پاشا نے انکار کر دیا :

" میں نے قسم کھائي ہے کہ کسي ایسے ملک میں هرگز نہیں رهونگا جس پر اجنبي علم لہراتا هو ! "

یہہ اُنکا قطعي جواب تھا !

پھر آخر سلطان پاشا کہاں پناہ لینگے ؟ یہ سوال تھا جو برطانوي ' فرانسیسي ' اور عربي حلقوں میں گشت لگا رہا تھا - مگر اسکا جواب بہت جلد مل گیا اور ایسا ملا کہ سب کو حیرت هوگئي - لوگوں کو اچانک معلوم هوا کہ سلطان پاشا اطرش اور اُنکے ۴۵ رفیق' سلطان ابن سعود کے مہمان هوکر حجاز جا رہے هیں' اور پانچ سو سے زیادہ دروزي جو ابتک مسلح هیں اور هتیار نہ رکھنے کا فیصلہ کر چکے هیں ' وہ بھي عنقریب اسي طرف روانہ هونے والے هیں -

لوگوں کو حیرت اِس وجہ سے هوئي کہ نجدي از حد متعصب مشہور هیں - اس صورت میں وہ دروزیوں کے سردار کا کیونکر استقبال کرسکتے هیں جو اسلام کے تمام فرقوں میں سب سے زیادہ عام اسلامي رسوم و عوائد سے دور هیں ؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سلطان ابن سعود نے ایک مرتبہ پھر اپني اور اپني قوم کي بے تعصبي اور عربي حمیت کا ثبوت دنیا کے سامنے پیش کردیا - اُنھوں نے جونھي سنا کہ دروزي مجاهدین پر عرصۂ زمین تنگ ہے ' فوراً دعوت دي اور اپنے جوار حمایت میں پناہ دینے کا اعلان کردیا - اُن کے طرز عمل نے صرف یہي ثابت نہیں کردیا کہ وہ اپنے عقائد میں حد درجہ بے تعصب هیں ' حتی کہ دروز جیسے عقائد رکھنے والوں کو بھي اپنا مہمان بنا لیتے هیں' بلکہ یہ بھي ثابت کردیا کہ وہ فرانس اور برطانیا ' دونوں سے بے خوف هیں اور اداء فرض اسلامي و عربي کي راہ میں ان کي کوئي پروا نہیں کرتے - میں یہ بات بھي آپ کے علم میں لاني چاهتا هوں کہ مجاهدین شام اور سلطان ابن سعود کے درمیان راہ و رسم پیدا کرنے کے لیے بعض هندوستاني زعماء نے جو سعي مشکور کي تھي' اس کا یہاں هر شخص کو اعتراف ہے - یقیناً آپ کے لیے اس کي ضرورت نہ هوگي کہ مزید تشریح کي جائے -

سب سے زیادہ تعجب لوگوں کو اِس پر هوا کہ سلطان پاشا اطرش ' دومۃ الجندل میں قیام کریں گے - " دومۃ الجندل " کے لفظ میں عربي تاریخ و روایت کے جو جذبات پوشیدہ هیں ' ان سے آپ بے خبر نہ هونگے - جغرافیائي حیثت سے اس مقام کي جو اهمیت ہے ' وہ بھي آپسے پوشیدہ نہ هوگي - یہ وهي مقام ہے جسے آج کل " جوف " کہتے هیں - یہ نجد ' حجاز ' اور شرق اردن کي سرحدوں پر واقع ہے ' اور جنگي نقطۂ نظر سے تینوں ملکوں کے لیے اهم ترین مقام ہے - سلطان پاشا کا یہاں قیام یہ معني رکھتا ہے کہ وہ شام کي سیاست سے بالکل الگ نہیں هوگئے هیں' اور اُن کے دلوں کي امیدیں اب تک زندگي کي آرزوئیں رکھتي هیں !

(امن کے مظاهرے)

دروزیوں کے هتیار رکھدینے کے بعد هي هر طرف حکومت نے امن کے مظاهرے کرنا شروع کردیے هیں - دمشق کے اندر جتنے مورچے اور جنگي چوکیاں تھیں ' سب اُٹھا لي گئي هیں - فوجي قانون کي عدالت بھي اُٹھہ گئي ہے - جنگي قوانین بھي امروز فردا میں اُٹھا دیے جائینگے - حکومت کي طرف سے کئي نئي سڑکیں جاري کرنے کا اعلان هوا ہے - کئي نئي عمارتوں کي تعمیر بھي شروع هوگئي ہے - اِن تمام باتوں سے حکومت کا مقصد یہ دکھلانا ہے کہ اب ملک حالت امن میں ہے' اور اُس کي قوت تمام مخالفوں پر غالب آگئي ہے -

هاں' ان کے جسموں پر تو غالب آگئي ہے' لیکن دلوں پر جو زخم لگ چکے هیں ' وہ ایسے نہیں هیں جو صدیوں سے پہلے مندمل هو سکیں !

(هائي کمشنر کي مہر سکوت)

اب تک هائي کمشنر موسیو بونسو' بالکل خاموش تھے ' اور اپنا اندازکچھہ اس طرح کا بنا رکھا تھا ' گویا وہ ملک کو کچھہ دینے اور اُس کے مطالبات منظور کرنے والے هیں - مگر دروزیوں کے هتیار رکھتے هي اُن کي مہر سکوت بھي ٹوٹ گئي - اُنھوں نے ایک اخبار کے نامہ نگار سے شام کے مستقبل کے متعلق یہ عجیب تصریح کي ہے :

" اخبارات مجھے ملامت کر رہے هیں کہ میں خاموش هوں - مجھسے بولنے کا اصرار کیوں ہے ؟ کیا یہ چاها جاتا ہے کہ میں کوئي ایسا وعدہ کرلوں جسے بعد میں پورا نہ کروں ؟ میں عمل پسند کرتا هوں - قول پسند نہیں کرتا "

اخبار کے نمائندے نے بہت اصرار سے پوچھا " آخر شام کے مطالبات کب منظور کیے جائنگے ؟ کچھہ تو کہیے ؟ " هائي کمشنر نے جواب دیا " آپ مجھسے یہ خواهش کیوں کرتے هیں کہ دو دن کے اندر آسمان طیار کردوں ؟ "

همیں اس جواب کي معقولیت سے انکار نہیں - دو دن کے اندر موسیو بونسو کا آسمان جبھي بن سکتا ہے ' جب بنانے والے نوک شمشیر سے بنا ڈالنے کا عزم کرلیں - اگر ایسا نہیں ہے تو یقیناً دو صدیاں بھي اس کے لیے کافي نہیں - شام نے مجبور هوکر تلوار اٹھائي اور اپنا آسمان سیاست تعمیر کرنا شروع کردیا ' مگر افسوس ہے کہ یہ مرحلہ پہلے قدم میں طے هونے والا نہ تھا - ان کي شمشیریں جن سے وہ آلۂ تعمیر کا کام لے رہے تھے ' ٹوٹ گئیں - اب دنیا کو انتظار کرنا چاهیے کہ یہ ٹوٹي هوئي شمشیریں پھر ڈھالي جائیں ' اور از سر نو شام کي قسمت کا آسمان تعمیر کیا جا سکے !

نہیں کہا جاسکتا یہ وقت کب آئیگا ؟ مگر یقین رکھیے اِس وقت کي آمد میں همیں کوئي شک نہیں ہے - اگر شام کي تمام آبادي سے قطع نظر بھي کرلي جائے ' جب بھي صرف دروزي قبائل هي کا گروہ ایک ایسا گروہ ہے جو اس طرح کي هزار نا کامیابیوں اور بربادیوں کے بعد بھي جنگ آزادي سے باز نہیں آسکتا - آج وہ تھک کر بیٹھہ گئے هیں ' تو کسي دوسرے دن اُٹھہ بھي سکتے هیں - اس سفر میں وقفۂ و سکون کے بغیر چارہ نہیں - یہ ضروري ہے کہ جونھي اُنھیں دوسرا موقعہ ملا ان میں سے هر متنفس کا سر اُس کي هتیلیوں پر آ جائیگا - اور وہ پھر دُنیا کو اپنے جہاد آزادي سے متعجب کردیں گے !

لیکن سنہ ۱۹۲۵ء میں تعداد اموات ۵۹،۰۰۰ تک پہنچ گئی۔ اسی طرح آتشک اور ملیریا بھی بہت عام ہی اور بُری طرح مخلوق کو برباد کر رہا ہی۔

شراب

"میں شراب نوشی کے بارے میں آپ سے کچھ کہوں گا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم اٹالین شراب نوشی میں افراط کرنے لگے ہیں۔ پروفیسر موتارا نے اپنی کتاب "اصول اقتصاد" میں لکھا ہی کہ اٹلی میں ۴۰ لاکھ ایکڑ زمین میں انگور کے باغ نصب ہیں۔ یعنی اٹلی کے انگوری باغوں کا رقبہ فرانس اور اسپین کے انگوری باغوں کے رقبہ سے ۱۰ لاکھ ایکڑ زیادہ ہی۔ اور یہ معلوم ہی کہ دنیا میں سب سے زیادہ شراب انہی دو ملکوں میں بنتی ہی۔"

"لیکن یہ امر قابل اطمینان ہی کہ شراب خواری سے موتیں برابر کم ہوتی جاتی ہیں۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں ۱۸۶۴ موتیں ہوئی تھیں لیکن سنہ ۱۹۲۵ء میں گھٹ کر ۱۳۱۵ ہوگئیں۔ پہلے ملک میں ۱،۸۷،۰۰۰ شراب خانے تھے۔ ہمنے ۲۵ ہزار بند کردیئے۔ آئندہ ہم اور بھی بہت سے شرابخانے بند کرنے والے ہیں۔ ہم بڑی آسانی سے یہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم فیسشزم والے شرابیوں کے ووٹوں کے محتاج نہیں ہیں، جیسا کہ جمہوری عہد میں لوگ محتاج ہوا کرتے تھے۔ اب وہ عہد، ایک افسانہ بن چکا ہی۔"

آبادی

"ہمیں اُمید ہی کہ ناکتخدائی کے محصول سے حکومت کو سالانہ ۴ کرور سے ۵ کرور پونڈ تک آمدنی ہوگی۔ لیکن کیا آپ سمجھتے ہیں یہ محصول میں نے خزانہ بھرنے کے لئے لگایا ہی؟ ہرگز نہیں۔ پھر اسکی کیا وجہ ہی؟ میں ابھی جواب دیتا ہوں۔

"بعض "عقلمند" کہتے ہیں ہم بہت ہیں، ہماری آبادی بہت زیادہ ہی۔ لیکن واقعہ یہ ہی کہ ہم بہت ہی کم ہیں۔ سیاسی، اقتصادی، اور معنوی قوت کے حصول کے لئے قوم کی آبادی زیادہ سے زیادہ ہونی چاہئی۔ میں صاف لفظوں میں سوال کرتا ہوں کہ ۴۰ ملین (ایک ملین ۱۰ لاکھ کا ہوتا ہی) اٹالین، نوے ملین جرمن، اور دو سو ملین سلافیوں کا کیونکر مقابلہ کرسکتے ہیں؟ یہ مٹھی بھر اٹالین، ۴۰ ملین فرانسیسیوں اور ۹۰ ملین اُن کے مفتوحہ ممالک کی آبادی کے سامنے کتنی دیر ٹھہر سکتے ہیں؟ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ۴۶ ملین انگریزوں اور ساڑھے چار سو ملین اُن کی مفتوحہ آبادیوں کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہوسکتی ہی؟ اگر اٹلی چاہتا ہی کہ آفتاب کے نیچے اپنی ہستی برقرار رکھے، تو بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ آئندہ ۵۰ سال میں اُسے اپنی آبادی کم سے کم ۶ کروڑ تک پہونچا دینی چاہیئے!"

"نسل کی کمی، قوموں کی تباہی کا سب سے پہلا سبب ہوتی ہی۔ روم کی تاریخ ہماری عبرت کے لئے کافی ہی۔ شہنشاہ اگسٹس کے عہد میں روم کی کیا حالت تھی؟ ظاہر میں تو بڑی شان و شوکت تھی، مگر باطن میں سلطنت، نمک کے پہاڑ کی طرح پگھل رہی تھی۔ رومن جمہوریت کی آخری صدی، یعنی جولیس سیزر کے وقت سے اگسٹس تک وہ زمانہ تھا جسمیں رومن ارباب حل و عقد روم کی نسل کی کمی سے لرزہ براندام تھے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہنشاہ اگسٹس نے جبری نکاح کا قانون جاری کر دیا۔ مورخوں میں اختلاف ہی کہ یہ قانون مفید ہوا یا مُضر؟ میرے خیال میں قانون کی مثال دوا کی سی ہی۔ دوا وقت ہی پر مفید ہوسکتی ہی۔ نا وقت استعمال سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح قانون بھی جب ضرورت کے وقت نافذ ہوتا ہی تو نفع پہونچاتا ہی، ورنہ بیکار یا نقصان رساں ثابت ہوتا ہی۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ یہ قانون مفید ہوا یا مُضر، لیکن میرے خیال میں یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہی کہ قوموں کی قسمت، نسل کی کمی بیشی سے وابستہ ہی۔"

"تاریخ پر ایک نظر ڈالئے۔ یہ حقیقت واضح ہوجائیگی۔ فرانس کس زمانہ میں دُنیا کا حاکم تھا؟ صرف اُس زمانہ میں، جبکہ اُس کے پاس خاص اپنے فرزندوں کی ایک جرار فوج موجود تھی۔ اُس زمانہ میں جبکہ ۴۵ ملین فرانسیسیوں کے مقابلہ میں صرف چند ملین جرمن اور چند ملین اسپینی تھے۔ مگر بعد میں فرانس کمزور ہوگیا، کیونکہ اُس کی نسل گھٹنے لگی۔ سنہ ۱۸۰۱ء سے اب تک فرانس کی آبادی میں صرف ۲۰ لاکھ کا اضافہ ہوا ہی، حالانکہ اس کے مقابلہ میں جرمنی کی آبادی میں ۴۶ ملین اور اٹلی کی آبادی میں ۱۶ ملین کا اضافہ ہوچکا ہی"

"اسوقت یورپ کے بعض ملکوں میں شرح پیدائش یہ ہی:

سویڈن میں فی ہزار ۱۷

فرانس میں فی ہزار ۱۸

ناروے میں ۱۹

جرمنی میں ۲۰

ڈنمارک میں ۲۱

اٹلی میں ۲۹

بلغاریہ میں فی ہزار ۴۰

بلغاریہ سے زیادہ آبادی یورپ کے کسی ملک میں بھی نہیں بڑھ رہی ہی"

یہ تمام اعداد و شمار پیش کرنے کے بعد مقرر نے کہا:

"پس اگر ہماری آبادی ترقی نہیں کرے گی، تو ہم ہرگز اپنی عظیم الشان سلطنت قائم نہیں کرسکیں گے۔ بلکہ ہم عنقریب مفتوح و محکوم ہوجائیں گے۔ اب وقت آگیا ہی کہ حقائق کا اعلان کردیا جائے۔ ورنہ ہم ہمیشہ یوں ہی اوہام اور دل خوش کُن مگر بے نتیجہ خیالات میں زندگی بسر کرتے رہیں گے"

انتظامی حالت

اس کے بعد مسولینی نے ملک کی انتظامی حالت پر بحث کرتے ہوئے بتایا کہ اسوقت حکومت کے ہاتھ میں ایک لاکھ کی تعداد میں پولیس موجود ہی اور وہ جدید ترین اسلحہ سے مسلح اور بہترین ذرائع نقل و حرکت کی مالک ہی۔ چنانچہ فی الحال اٹالین پولیس کے پاس ۴۷، نئی قسم کی موٹریں ۲۹۰ لاریاں، ۱۹۸ موٹر سائیکلیں، ۹۸ اسٹیمر اور ۱۲ ہزار بائیسکلیں ہیں۔

پھر اتنی کثیر مقدار میں پولیس رکھنے کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے مسولینی نے اعداد و شمار پیش کئے اور بتلایا کہ ملک میں جرائم کی کس قدر کثرت ہی؟ چنانچہ صرف ایک علاقہ "پوتین" میں ایک سال کے اندر حسب ذیل بڑے بڑے جرم واقع ہوئے:

پولیس سے لڑائیاں ۱۷۱ مرتبہ۔

عمداً آگ لگانے کے واقعات ۳۷۸

قتل ۱۶۹

چوریاں ۲۰۸۲

لوٹ ۴۰۴

فیشیسٹ حکومت کے مقاصد

اٹالین ڈیکٹیٹر کی تقریر کا یہ حصہ سب سے زیادہ اہم ہی۔ اس لئے ہم اُس کا بڑا حصہ ترجمہ کرنے پر مجبور ہیں:

"آپ سب اُن حالات سے باخبر ہیں جن میں میں لے وزارت داخلیہ کا قلمدان لیا تھا۔ نیز آپ کو ۳۱ نومبر کا وہ تاریخی دن بھی یاد ہی جسکی نظیر اس ملک میں مدتوں سے نہیں دیکھی گئی۔ ساتھ ہی وہ معمولی واقعہ بھی آپکے ذہن میں ہوگا جو میرے قتل کے اقدام سے تعلق رکھتا ہی ٹھیک اُسی تاریخی دن، میں نے میز پر سے ایک کاغذ اُٹھایا تھا اور پنسل سے اُسپر وہ نظام عمل لکھ دیا تھا جسپر ملک کی حکومت کو چلنا چاہئے۔ اس نظام عمل کا خلاصہ یہ تھا کہ فیشیسزم کے مخالف مٹا دیئے جائیں۔ یہ نظام عمل پوری طرح کامیاب ہوا، اور آج اس سرزمین پر ہمارا کوئی مخالف باقی نہیں رہا ہی!

"بیرونی دنیا میں مشہور کردیا گیا ہی کہ میں نے ۲ لاکھ سیاسیوں کو نظر بند کر رکھا ہی۔ یہ سفید جھوٹ ہی۔ حقیقت صرف اس قدر ہی کہ ہم نے ۱۵۴۱ سیاسیوں کو تنبیہ کی، ۱۹۵۹ کو ملامت کی، اور صرف ۶۹۸ کو جلاوطن کردیا!"

قارئین الہلال شاید ان دو لفظوں "تنبیہ" اور "ملامت" کے موجودہ اٹالین معانی نہ سمجھے ہونگے۔ مسولینی کی لغت میں "تنبیہ" کے معنی یہ ہیں کہ مخالف کو زبردستی کسٹرائل (رینڈی کے تیل) کی ایک پوری بوتل پلادینا۔ اور "ملامت" کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے پیٹ میں پٹرول کا ایک پورا ٹین اُتار دینا! یہ کسٹرائل اور پٹرول مسولینی کے بہت ہی خوفناک ہتیار ہیں۔ اِن کے نام سے مخالف تھراتے ہیں۔ ادنیٰ سی مخالفت پر یہ عجیب و غریب مگر خوفناک سزائیں بے تامل دیدیجاتی ہیں!

اس کے بعد مقرر نے کہا

"بعض لوگ سمجھتے ہیں، سیاسی مجرموں کو جلد معافی ملنے والی ہی میں اس کی تغلیط کرتا ہوں۔ سنہ ۱۹۳۲ سے پہلے معافی کا سوال پیش ہی نہیں ہوسکتا۔ کہا جاتا ہی یہ بہت سختی ہی۔ کیا یہ سختی ہی؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک قسم کا جلاب ہی اور اس سے مقصود بجز اس کے اور کچھ نہیں ہی کہ وہ عناصر دُور کردیئے جائیں جو ہماری ہیئت اجتماعیہ میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ کیا طبیب کا مریض کو مسہل دینا سختی ہی؟ میں نہیں سمجھتا دُنیا کا کوئی دانش مند انسان اس کا جواب اثبات میں دے سکتا ہی"

اٹالین انقلاب

"ہمارے انقلاب کو کون خونخوار قرار دے سکتا ہی؟ ہمارا انقلاب درحقیقت دنیا کا سب سے زیادہ قدرتی انقلاب ہی۔ جو ہمیں سفاک کہتا ہی، وہ ہمارے سامنے آئے، اور ہم سے رُو در رُو باتیں کرلے۔ کیا دُنیا اس قدر جلد انقلاب فرانس کو بھول گئی؟ انقلاب فرانس، صحیح معنوں میں خونریز تھا۔ تقریباً ۲۰ آدمی روزانہ گلوٹین (انقلاب فرانس کے آلہ قتل) کی نذر ہوتے تھے۔ یہ اُن ہزاروں مقتولوں کے علاوہ ہیں جنھیں قیدخانوں میں مارا گیا، آگ میں جلایا گیا، پانی میں غرق کیا گیا۔ صرف مرد ہی قتل نہیں کئے جاتے تھے بچے اور عورتیں بھی قتل ہوتی تھیں۔ مجھے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ آپنے یقیناً وہ کتاب پڑھی ہوگی جس کا نام "عہد ہولناکی میں مقتول عورتیں" ہی۔ اس کتاب میں لکھا ہی کہ دو ہزار عورتیں بے دردی سے مار ڈالی گئی تھیں۔ بہت سی عورتیں صرف اس جرم میں ماری گئیں کہ اُنھوں نے صلیب کو بوسہ دیا تھا۔ اور انقلاب فرانس کے حکمراں سمجھتے تھے، یہ مذہبی عقیدت، رجعت پسندی کی علامت ہی۔ فرانس کے انقلابیوں کا عقیدہ تھا کہ "انقلاب کی کامیابی کے لئے خونریزی ضروری ہی" پھر ہم پر کیوں ملامت کی بوچھاڑ ہی؟ ہم تو صرف اپنی "مدافعت" کر رہی ہیں۔ نہ کہ انقلاب فرانس کی طرح حملہ!"

"بعض لوگ کہتے ہیں، ہر مجلس (پارلیمنٹ) میں مخالف جماعتوں کا وجود ضروری ہی۔ میں حقارت کے ساتھ یہ اصول ماننے سی انکار کرتا ہوں۔ میں کوئی مخالف جماعت دیکھنا گوارا نہیں کرسکتا۔ اٹلی میں فیشیسٹوں کے علاوہ کسی جماعت کے لئے گنجائش نہیں ہی۔ ہاں، میں نہ تو کوئی مخالف اخبار جاری ہونے دوں گا، نہ کسی مخالف جماعت کا قائم ہونا گوارا کروں گا۔ آج پورا اٹلی صرف ایک جماعت رکھتا ہی، اور وہ میری جماعت ہی!"

"بعض لوگ خیال کرتے ہیں، مجھے حکومت کرنے کا شوق ہی۔ لیکن یہ غلط ہی۔ میرا سخت سے سخت دشمن بھی مجھے خودغرض اور حکومت کا بھوکا پیاسا نہیں بتا سکتا۔ میں حکومت کے سر پر صرف اس لئے ہوں

بریدِ فرنگ

اٹلی کے نئے اصول حکمرانی

مسولینی کی عجیب و غریب تقریر

موجودہ دنیا میں جمہوریت کے رَدِّ فعل نے شخصیت اور شخصی استبداد کے جو مظاہر پیدا کر دئیے ہیں، شاید ان میں سب سے زیادہ عجیب منظر اٹلی کا مسولینی ہو۔ ضرورت ہے کہ دقّتِ نظر کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا جائے۔

پچھلے دنوں اٹلی کی مجلس (پارلیمنٹ) کا افتتاح کرتے ہوئے مسولینی نے جو تقریر کی تھی، وہ اپنی نوعیت کی پہلی تقریر ہو جو کسی موجودہ زمانے کی مجلس حکومت کے سامنے کی گئی ہو۔ اسمیں مسولینی نے وہ تمام پارلیمنٹری روایات پس پُشت ڈالدیں جن پر آجتک عمل در آمد چلا آتا تھا۔ یورپ نے یہ تقریر دہشت اور استغراب کے ساتھ سُنی، لیکن اپنے سیاسی حلقوں کے پیچ در پیچ معاملات کی وجہ سے نکتہ چینی کی جرأت نہ کرسکا۔ البتہ امریکہ کے اخبارات نے اسپر سختی سے نکتہ چینی کی ہو۔ اُن کا متفقہ فیصلہ ہو کہ "مسولینی مجنون ہوگیا ہو"!

مسولینی مجنون ہو یا نہ ہو، لیکن اسمیں شک نہیں کہ یورپ کی موجودہ سیاست کا دماغ کوئی مجنونانہ قدم ضرور اُٹھانے والا ہو!

اس تقریر کا بہت مختصر خلاصہ ریوٹر ایجنسی نے ہندوستان کے اخبارات میں بھیجا تھا۔ اب یورپ کی تازہ ڈاک میں پوری تقریر آگئی ہو۔ ہم اُس کے بعض حصّوں کا ترجمہ شائع کر دیتے ہیں تاکہ قارئین الہلال یورپ کے موجودہ سیاسی مزاج کی ایک اہم حالت کا صحیح اندازہ لگا سکیں۔

مسولینی نے مجلس کا افتتاح کرتے ہوئے کہا:

"مجھے نہایت افسوس سے اعلان کرنا پڑتا ہو کہ آج میری تقریر مختصر نہیں ہوگی جیسی میری پچھلی تقریریں ہوا کی ہیں۔ آج مجھے بہت سے معاملات پر بحث کرنی ہو۔ آج میں اٹالین قوم کے سامنے اُسکی اصلی تصویر پیش کرنی چاہتا ہوں۔ آج میری تقریر میں بہت سے اعداد و شمار بھی ہوں گے، اس لئے نہیں کہ اعداد و شمار، قوموں کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہیں، جیسا کہ بعض علما کا خیال ہو۔ بلکہ اس لئے کہ اعداد و شمار قوموں پر صحیح حکومت کرنے کے لئے ضروری ہیں، خصوصًا موجودہ زمانہ میں، جبکہ حکومتوں کے فرائض از حد پیچیدہ ہو رہے ہیں۔

"بنابریں میری یہ تقریر بہت ضروری بھی ہوگی، اور شاید بہت تکلیف دہ بھی ثابت ہو۔ ضروری اس لئے کہ میں کوئی غیر ضروری بات نہیں کہوں گا۔ تکلیف دہ اس لئے کہ میں ایسی تصریحیں کروں گا جو شاید تلخ ہوں اور دنیا کے بعض مسلّم مبادیات کا خاتمہ کر دیں البتہ وہ دلچسپ بھی ضرور ہوگی۔ کیونکہ میں اُسمیں وہ خاص منطق استعمال کروں گا جو خود میں نے ایجاد کی ہو، جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہو (قہقہہ)

"میں اپنی تقریر کے اس حصہ میں ہنسوں گا، ہنساؤں گا، اور فیسیزم کے داخلی اور خارجی دشمنوں پر طعنہ زنی کروں گا۔ میں یہ تسلیم نہیں کرتا کہ حکومت کے وزیر اعظم کو ہمیشہ غیر دلچسپ تقریر کرنی چاہئے اور اُس میں صرف پیچیدہ اور مغلق الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔

"میری تقریر تین حصوں پر منقسم ہوگی:

(۱) نسل اور صحت کے لحاظ سے اٹالین قوم کی حالت

(۲) ملک کی انتظامی حالت

(۳) حکومت کی حکمت عملی کے نتائج حال و مستقبل میں۔

تندرستی

"ہر متمدن ملک میں تندرستی کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہونا چاہئے۔ اگر یہ صحیح ہو تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ہماری تندرستی فی الحال کیسی ہو؟ قوم کی جسمانی قوت بڑھ رہی ہو یا گھٹ رہی ہو؟ یہ سوال صرف ڈاکٹروں ہی سے مخصوص نہیں ہو۔ اسپر حکومت کو، بلکہ پورے ملک کو، نہیں، ملک کے ایک ایک فرد کو غور کرنا چاہئے"

اس کے بعد مقرر نے بتایا کہ گذشتہ ۴۰ برس کے اندر جلد موٹی ہوجانے کی بیماری اٹلی میں سب سے زیادہ عام رہی، مگر اب حکومت کی کوشش نے ملک کو اس سے نجات دیدی ہو۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں پورے ملک میں اس بیماری کے صرف ۱۸۰ مریض باقی رہ گئے تھے۔

تپ دق کے متعلق وزیر اعظم نے بتایا کہ اسوقت بھی یہ مرض بہت عام ہو اور ترقی کر رہا ہو۔ ۱۹۲۲ء میں اس سے ۵۲۲۹۳ موتیں ہوئیں

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۳)

دونوں کے درمیان پڑ گیا ہوں (الکامل جلد ۱) گویا میری گردن پر رضوی پہاڑ رکھا ہو۔ گویا میرے پیٹ میں کھجور کے کانٹے بھر گئے ہیں۔ گویا میری سانس سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہو!" (ابن سعد)

دولت سے بیزاری

اسی حال میں اُنھوں نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کر کے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا "اسے لے لے" آپکے بیٹے عبداللہ کا زہد مشہور ہو۔ اُنھوں نے کہا "مجھے اس کی ضرورت نہیں" عمرو نے کہا "اسمیں دولت ہو" عبداللہ نے پھر انکار کیا۔ اسپر ہاتھ مل کر کہنے لگے "کاش اسمیں سونے کے بجائے بکری کی مینگنیاں ہوتیں!" (الکامل ج ۱)

دعا

جب بالکل آخری وقت آگیا تو اُنھوں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھادئیے مٹھیاں کس لیں۔ اور دعا کے یہ کلمات زبان پر تھے:

"الٰہی! تو نے حکم دیا اور ہم نے عدول حکمی کی۔ الٰہی! تو نے منع کیا اور ہم نے نافرمانی کی۔ الٰہی! میں بے قصور نہیں ہوں کہ معذرت کروں، طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آجاؤں۔ اگر تیری رحمت شامل حال نہ ہوگی تو ہلاک ہو جاؤں

گا!" (ابن سعد الکامل) اس کے بعد ۳ مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا اور جان حق تسلیم ہوگئی! (ابن سعد)

گے؟" میں نے سوال کیا۔

سب لاجواب ہوکر میرا مُنہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا "پھر تمھاری کیا رائے ہے؟" میں نے کہا:

"ایک سخت اور نتیجہ خیز حرکت کی ضرورت ہو!"

"مگر ہمارا کیا حشر ہوگا؟ یہ برطانوی توپیں دیکھ رہے ہو!" وزیر داخلیہ نے آہستہ سے کہا۔

"تم وہاں چلے آنا جہاں میں جا رہا ہوں!" یہ میرا آخری جواب تھا۔

اب میں سلطان وحید الدین سے رخصت ہونے کے لئے قصر "یلدز" میں پہونچا۔ سلطان نے اپنے کمرے میں مجھ سے باتیں شروع کیں۔ کمرے کی کھڑکیاں کھلی تھیں۔ باسفورس کی نیلگوں سطح سامنے تھی۔ برطانی بیڑے لنگر انداز تھے۔ اُن کی توپوں کے دہانے خاص سلطان کے محل کی طرف تھے۔ ہم دونوں کی نظریں ایک ساتھ اُٹھیں اور انگریزی آہن پوشوں (ڈریڈ ناوٹس) پر پڑیں۔ سلطان اپنی خیانت سے واقف تھا۔ ہماری نظریں سمندر سے اُٹھ کر کمرے میں واپس آئیں، اور ایک دوسرے سے مل گئیں۔ مگر سلطان نے اپنی نظریں فوراً نیچی کرلیں۔ ریاکاری سے کہا "مصطفیٰ! یہ دیکھتے ہوا میرا دل خون ہوتا ہو! افسوس عظیم ترکی قوم اب اس حالت کو پہنچ گئی کہ اُس کا سلطان، دشمنوں کے ہاتھ میں قید ہو! اُس کی زندگی اُنکی توپوں کے رحم پر ہو! تم اناطولیہ جا رہے ہو۔ میری دعا ہو خدا تمھارا رفیق و مساعد ہو۔ ترکی قوم سے کہنا کہ اُس کا سلطان اس حال میں ہے!"

ایک لمحہ خاموش رہ کر سلطان نے پھر کہا، "تمھارے کارنامے اب اس کتاب میں چلے گئے ہیں!" یہ کہکر اُنھوں نے اپنے سامنے رکھی ہوئی ایک کتاب پر زور سے ہاتھ مارا۔ پھر کہنے لگے "ہاں، اب تمھارے کارنامے تاریخ کے حوالے ہوگئے ہیں۔ اب تم اُنھیں بھُول جاؤ اور نئے کارنامے کر دکھاؤ کہ سلطنت تباہی سے نکلے!"

اس جملہ سے سلطان کا مطلب یہ تھا کہ میں اناطولیہ جاکر اتحادیوں کے مخالف خیالات کا خاتمہ کرڈالوں۔ میں اُن کی غرض سمجھ گیا:

"اعلیٰ حضرت! یقین کریں میں کسی ایسے کام کی انجام دہی میں کبھی کوتاہی نہیں کروں گا جس سے ملک کو نجات حاصل ہو!"

میں نے یہ کہا اور سلطان کو تسکین ہوگئی۔ دونوں کی زبانوں پر بات ایک ہی تھی، لیکن دونوں کے مقصد میں کتنا عظیم بُعد تھا؟

قصر سے میں نہایت متأثر نکلا اور "شیشلی" میں اپنے مکان پہونچا۔ یہاں مجھے ایک دوست نے خبر پہنچائی کہ "اتحادی طاقتوں نے سازش کی ہو کہ تمھارے جہاز کی روانگی میں دیر ہو جائے تاکہ اُنکے جہاز بھی سفر کے لئے طیار ہو جائیں اور بیچ سمندر میں تمھارا جہاز غرق کردیں!"

یہ سنتے ہی میں فوراً موٹر پر تیزی سے ساحل کی طرف روانہ ہوگیا کیونکہ اب ایک منٹ کی دیر بھی خطرناک تھی۔ میں نے جہاز پر پہنچتے ہی کپتان کو روانگی کا حکم دیا۔ لیکن جہاز روانہ نہ ہوا۔ بار بار میرے سوال کرنے پر کپتان نے کہا: "محکمۂ جہاز رانی کے ماہر اسوقت جہاز کے کل پُرزے معائنہ کر رہے ہیں۔ اُن کا حکم ہو، جبتک وہ اجازت نہ دیں جہاز نہ چلے"۔ اب مجھے یقین ہوگیا کہ واقعی سازش کی گئی ہو۔ میں نے بڑی سختی سے کپتان کو حکم دیا "ان ماہروں سے کہدو۔ فوراً جہاز سے نکل جائیں۔ اگر وہ نہ مانیں تو تم اُن کی پرواہ نہ کرو، جہاز کا لنگر اُٹھا دو"

کپتان کو مجبوراً یہی کرنا پڑا۔ کچھ دُور آگے چلکر میں نے کپتان کو حقیقت حال سے واقف کیا۔ وہ بہت گھبرایا اور کہنے لگا "میرا جہاز بہت پُرانا اور سست رفتار ہو۔ جنگی جہازوں سے بھاگ نہ سکے گا"

میں نے کہا "کوئی پروا نہیں۔ ساحل کے قریب قریب چلو، اگر جہاز غرق ہوگا تو میں خشکی تک جان بچالے جاسکوں گا"

چنانچہ میری حسب ہدایت جہاز کنارے کنارے چلا۔ یہاں تک کہ میں منزل مقصود تک پہنچگیا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ انگریزوں کے جنگی جہاز میرے پیچھے چلے تھے۔ مگر خوش قسمتی سے میں بہت آگے نکل گیا تھا۔ اور سمندر میں طوفان شروع ہوگیا تھا جسنے انگریزی جہازوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اصل یہ ہو کہ اُس حکیم کارساز کا فیصلہ ہوچکا تھا کہ میرے ناچیز ارادے کامیاب ہوں۔ اس لئے دشمنوں کی کوئی تدبیر میری راہ روک نہ سکی!"

غازی کا ورود

بہرحال تالیوں اور نعروں کے شور میں غازی ممدوح کا جہاز قدیم شاہی محل "طولما باغچہ" پہونچا۔ ایک طرف پُرجوش باشندوں کا شور تھا، دوسری طرف تمام قلعوں اور جنگی نقطوں سے توپوں کی سلامی داغی جارہی تھی!

"طولما باغچہ" میں غازی نے آرام نہیں کیا۔ فوراً فوجی اور ملکی افسروں کو ملاقات کے لئے طلب کرلیا۔ اُس کے بعد ملاقات کے ایوان میں پہنچے۔ یہاں شہر کے ۸۰۰ نمائندے سلام کے لئے جمع تھے۔

میں نے ایک مرتبہ یہ شاہی ایوان اب سے پہلے بھی دیکھا تھا۔ یہ وقت سلطانوں کا تھا۔ اسمیں پُرشکوہ تخت شاہی رکھا تھا۔ اُسکے گرد زرکش لباسوں، چمکیلے تمغوں، مطلا تلواروں سے آراستہ وزراء و اُمراء کھڑے تھے۔ اور شاہی ہیبت و جلال کا ایک عجیب منظر پیدا ہوگیا تھا!

آج پھر مجھے اس کی زیارت کا موقعہ ملا۔ لیکن آج وہ ہر قسم کی چمک دمک سے خالی تھا۔ بالکل سادہ تھا۔ کسی قسم کا کوئی تکلف نظر نہیں آتا تھا۔ صرف شہر کے نمائندے جمع تھے۔ آزادی سے چلتے پھرتے تھے۔ اور مساویانہ رُوح میں اپنے رئیس حکومت سے مصافحہ کر رہے تھے۔ بلاشبہ پچھلی شوکت و جبروت اب مفقود ہوگئی ہو لیکن سادگی اور حقیقت نے اس سے کہیں زیادہ حقیقی تاثیر عظمت پیدا کردی ہو!

یہیں آستانہ کی مجلس بلدیہ (میونسپلٹی) کا سپاس نامہ پیش ہوا۔ غازی نے جواب میں ایک برجستہ تقریر کی۔ اُن کی آواز حسب عادت بہت صاف، بلند، اور مضبوط تھی۔ پورا ایوان گونج رہا تھا۔ تقریر کا خلاصہ حسب ذیل ہو:

غازی کی تقریر

"میں خوش نصیب ہوں کہ آج آپکے واسطہ سے آستانہ، اُسکے باشندوں، اُس کی انجمنوں، اور اُس کی تمام جماعتوں کو سلام کر رہا ہوں۔ سچ یہ ہو کہ میں اُن شاندار مظاہرات سے از حد متأثر ہوا ہوں جن کے ذریعہ میرے ہموطنوں نے مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہو۔ آپ میری جانب سے بہت بہت شکریہ قبول کیجئے۔

"آج پورے ۸ سال کے بعد میں نے آستانہ کی صورت دیکھی ہو۔ اگر یہ صحیح ہو کہ حسرت اور فراق کی گھڑیاں بہت سخت، دراز، اور تلخ ہوتی ہیں، تو آپ آسانی سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ میں نے آستانہ کی جُدائی میں یہ آٹھ برس کیونکر گذارے ہونگے؟"

"آستانہ، جو دو عظیم دنیاؤں کے مابین واقع ہو، ترکی وطن کی زینت، ترکی تاریخ کی دولت، ترکی قوم کی آنکھ کا تارا ہو۔ تمام ابنائے وطن کے دلوں میں اُس کی محبت جڑ پکڑے ہوئے ہو۔ ایک مرتبہ جب منحوس حوادث نے یہ شہر گھیر لیا تھا، تو نہ صرف تمام ترکوں کے بلکہ تمام مشرق کے دل زخمی ہوگئے تھے۔ اُن میں ایک میں بھی تھا اور اپنے پہلو میں خونچکاں دل لئے پھرتا تھا"

"لیکن آج ہم دیکھتے ہیں، تاریک راتوں نے نورانی آفتاب کی شعاعیں پیدا کردیں۔ رات کب کی ختم ہوچکی ہو، اور ہماری تاریخ کا نیا دن طلوع ہوچکا ہو!"

"مضطرب اور روتے ہوئے آستانہ کو میں نے ۸ سال پہلے اس حال میں چھوڑا تھا کہ میرا دل زخموں سے چُور تھا، اور ایک متنفس بھی مجھے خدا حافظ کہنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ لیکن آج میں آستانہ آیا ہوں، تو اُس کا خندۂ مسرت اور قہقہۂ انبساط میرے سامنے ہی۔ اُسکا حسن اب دوبالا ہوگیا ہو۔ میرا دل بھی مطمئن ہو، میں اسوقت اپنے آپ کو استانبولیوں کی محبت بھری گود میں پاتا ہوں۔

"گزشتہ ۸ سال، یعنی ہماری ہیئت اجتماعیہ کا عہد جدید، بغاوتوں، انقلابوں، اور اُن کے نتائج سے لبریز ہو۔ ہماری قوم نے سیاسی، اجتماعی، تمدنی ترقی کے لئے اس عہد میں جو قابلیت ظاہر کی ہو، وہ بلاشبہ عظیم قابلیت ہو۔ ہمپر فرض ہو کہ پوری ہوشیاری اور پورے عزم سے اس قابلیت کو برابر ترقی دیتے رہیں۔ وطن کی تعمیر اور قوم کی ترقی، بہت ہی عظیم غیرت اور بہت ہی عظیم جہاد کا مطالبہ کرتی ہی۔ اسوقت ہمارا ایک عظیم ترین کام یہ ہو کہ مفید اور ضروری علم و فن کے ذریعہ قوم کے جذبات اور ضمیر کی تربیت کریں تاکہ وہ جلد سے جلد حقیقی تمدن اور حقیقی سعادت تک پہنچ جائے"

"میں آپسے اے عزیزان آستانہ! یہ کہنے اس محل میں آیا ہوں۔ اب سے ۸ برس پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ اسمیں ایک ایسی شخصیت رہتی ہو جسے، دلیوں کی قوت حاصل ہو! آج یہ محل اس شخص سے خالی ہو جسے "ظل اللہ فی الارض" (زمین پر خدا کا سایہ) کہتے تھے۔ آج یہ محل، قوم کی ملکیت ہو، جو سایہ نہیں بلکہ محسوس حقیقت ہو۔ اسوقت میرا وجود اس محل میں صرف اس لئے ہو کہ میں بھی قوم کا ایک فرد اور اپنی قوم کا مہمان ہوں..."

اس تقریر کے بعد غازی نے ایک ایک کرکے تمام حاضرین سے مصافحہ کیا۔ پھر محل کے باغ میں فوجی قواعد دیکھی۔ یہاں تک کہ رات ہوگئی۔

خیال کیا جاتا ہو کہ موصوف اسی اثنا میں تھریس کا بھی دورہ کریں گے۔ یہ افواہ بھی گشت کر رہی ہو کہ صوفیا اور بلگراڈ بھی جائیں گے تاکہ بلغاریہ اور یوگوسلاویا سے عہدنامے سر انجام دیں۔

کہ حکومت کو میری ضرورت ہو۔ اٹلی کا فیصلہ یہی ہو کہ موسولینی حکومت کرے۔ لہذا موسولینی برابر حکومت کرتا رہیگا!"

دُنیا کا امن

"حضرات! دُنیا کا امن ہنوز خطرے میں ہو۔ ابھی کل کی بات ہو کہ برلن میں ۱۱ لاکھ ۲۰ ہزار آدمیوں کا مظاہرہ ہوا تھا۔ اُن کے جھنڈوں پر یہ عبارت کندہ تھی "ٹرلیسٹے سے ریگا تک!" لہذا ابھی امن و امان کی گفتگو قبل از وقت ہو۔ ہمیں پوری مستعدی سے اپنی بَرّی، بحری، اور ہوائی قوتوں کو ترقی دینی چاہیئے۔ ہمارے پاس کم سے کم ۵۰ لاکھ بَرّی فوج ہر وقت طیار رہنی چاہیئے۔ میری نظر میں سب سے زیادہ اہمیت ہوائی قوت کی ہو۔ ہمارا ہوائی بیڑا زیادہ سے زیادہ طاقتور ہونا چاہیئے۔ ہمارے ہوائی جہازوں کو اتنا بڑا ہونا چاہیئے کہ اُن کی آواز، دُنیا کی تمام آوازوں کو دبا دے، اور اُن کے پَر سُورج کی کرنیں زمین تک پہنچنے سے روک دیں۔ سنہ ۱۹۳۵ سے سنہ ۱۹۴۰ تک کا درمیانی زمانہ یورپ کی قسمت کا آخری فیصلہ کرے گا۔ اُسوقت ہمارے پاس اتنی قوت ہونی چاہیئے کہ ہم دُنیا کو اپنی آواز سُننے اور اپنے حقوق منوانے پر مجبور کر سکیں"....!

اس تقریر کا ایک قابل لحاظ پہلو یہ بھی ہو کہ اس میں بادشاہ کا کہیں ذکر نہیں ہو۔ امریکن اخبار اس سے استدلال کرتے ہیں کہ عنقریب شاہ معزول ہو جائے گا اور اٹلی کے تخت شاہی پر بھی موسولینی ہی کے قدم چڑھتے نظر آئیں گے۔

تصحیح

الہلال نمبر ۳ - ۴ کے مذاکرہ علمیہ میں ایک مضمون بہ عنوان "عمالیق" درج ہوا تھا۔ اسمیں درازی قد کے طبی اسباب پر بحث کرتے ہوئے ایک خاص قسم کی سَر کی گلٹی کا ذکر کیا گیا ہو۔ اسمیں ایک غلطی ہو گئی ہو۔ براہ عنایت قارئین الہلال اس کی تصحیح کر لیں۔ انگریزی میں اس گلٹی کا نام Paroliad gland چھپ گیا ہو۔ حالانکہ صحیح نام Pituitary gland ہو۔ میں عبدالرحیم صاحب میڈیکل اسکول امرتسر کا شکرگزار ہوں جنھوں نے اسپر توجہ دلائی۔ انگریزی کی غلطی کی وجہ سے اس کے ترجمہ میں بھی غلطی ہو گئی۔ چونکہ مضمون کے مسودہ ہی میں یہ غلطی ہو گئی تھی، اس لئے جب اُس کے لئے عربی اصطلاح دیکھی گئی تو قدرتی طور پر وہ لفظ اختیار کیا گیا جو Paraliad gland کے لئے ہو اور وہ "الغدۃ النکفیۃ" ہی ہو۔ لیکن چونکہ یہ وہ گلٹی ہی نہیں ہو۔ اس لئے یہ "غدۃ النکفیۃ" بھی نہیں ہو۔ Pituitary gland کے لئے عربی تشریح میں دماغی اور نخاعی غدہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہو۔

اِن دونوں گلٹیوں کے محل اور خواص میں فرق یہ ہو کہ "غدہ نکفیہ" کان اور کنپٹی کے درمیان ہوتی ہو، اور اس کا فعل یہ ہو کہ ایک خاص طرح کی رطوبت خارج کرتی رہے۔ لیکن غدۂ دماغی کا محل دوسرا ہو۔ وہ سَر کے نیچے اور ناک کے عقب میں واقع ہو، اور اس کے خواص وہیں جو مضمون مذکور میں بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب "توضیح فی اصول التشریح" نے (جو جدید فن تشریح میں لکھی گئی ہو) اس کے لئے صرف دماغی گلٹی کا لفظ استعمال کیا ہو۔ (ابوالکلام)

بریدشرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی آمد۔ تاریخ کی یاد۔ غازی کی تقریر

غازی کی آمد

بالآخر غازی مصطفیٰ کمال پاشا، قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ کئی ہفتے سے پورا شہر استقبال کی طیاریاں کر رہا تھا۔ آج صبح سُورج نکلا تو شہر عروس نو کی طرح آراستہ تھا۔ پہلے سے معلوم تھا کہ بندرگاہ "ازمیت" سے غازی، یخت (جہاز) "ارطغرل" پر بیٹھیں گے اور اُسی پر آستانہ پہنچیں گے۔ چنانچہ مقامی حکام اور شہر کے نمائندے پہلے ہی سے ازمیت کی طرف استقبال کو روانہ ہو گئے تھے۔ یہاں کے سمندر میں جتنے بھی جہاز، اسٹیمر، اور کشتیاں موجود تھیں، باشندوں سے لبریز ہو گئی تھیں، اور سب "جزائر امراء" کی طرف استقبال کے لئے روانہ تھیں۔ باقی جتنی مخلوق تھی، ساحلوں پر سمٹ آئی تھی۔ سویرے میں نے مکان کی بالائی منزل سے مُنہ نکالکر دیکھا، تو سمندر کے کنارے کنارے انسانی سروں کا ایک صحرا بے کنار نظر آتا تھا!

غازی کا یخت، جوں ہی "جزیرۃ الامراء" کے سامنے پہونچا، بیک وقت لاکھ مُنہ کھل گئے، اور اتنا بڑا نعرہ بلند ہوا، کہ سواحل ایشیا اور سواحل یورپ کے پہاڑ تک گونج اٹھے!

یہ منظر دیکھ کر بے اختیار میرے آنسو نکل پڑے۔ مجھے اب سے ۸ سال پہلے کا زمانہ یاد آ گیا۔ یہ زمانہ ترکی تاریخ کا سب سے زیادہ تاریک زمانہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب جنگ عظیم نے ترکی سلطنت کی جڑیں ہلا ڈالی تھیں، تمام شیرازہ بکھر گیا تھا۔ خود پائے تخت پر اتحادیوں کا قبضہ تھا۔ اور سلطان اُنکے ہاتھ میں قیدی تھا۔ مجھے یاد آیا، اُس وقت اس شہر پر کیسا سناٹا چھایا ہوا تھا؟ موت کا سا سناٹا! تمام زبانیں گنگ تھیں۔ اتحادی بیڑے اپنی بے پناہ توپوں کے دہانے محل سلطانی کی طرف کئے صف آرا تھے، اور سلطان کا دل خوف سے تھرا رہا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ یہی مصطفیٰ کمال جن کے سامنے آج لاکھوں نظریں فرش راہ ہو رہی ہیں، اب سے ۸ برس پہلے اسی قسطنطنیہ میں سر نیچا کئے، غمگین صورت بنائے، بازاروں میں جا رہے تھے، اور خود میں نے اپنی انھیں آنکھوں سے اُن کا پژمردہ چہرہ دیکھا تھا۔ وہ اُسوقت بھی گمنام نہ تھے۔ درہ دانیال کے ہیرو تھے۔ مگر جنگ، شکست پر ختم ہوئی تھی، اس لئے جنگ کے تمام ہیرو سرنگوں ہو رہے تھے۔ کوئی اُن کی بات تک نہ پوچھتا تھا، بلکہ اُن سے نفرت کیجاتی تھی، کیونکہ عام اعتقاد یہی تھا کہ ملک پر تمام مصیبتیں انہی کے ہاتھوں نازل ہوئی ہیں!

مصطفیٰ کمال پاشا کی آمد نے تمام پچھلے ہولناک واقعات کی یاد دلوں میں تازہ کر دی۔ جنھیں علم ہو اُنھیں علم ہو، جنھیں علم نہیں، وہ دوسروں سے پوچھتے ہیں، ۸ سال پہلے غازی مصطفیٰ کمال قسطنطنیہ سے کیونکر گئے تھے؟ یقیناً یہ سوال اب تاریخ کا عنوان بن گیا ہو۔ ضروری ہو، ہم اُسپر چند کلمے کہیں۔ لیکن ہماری تشریح سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ خود غازی موصوف کی زبان سے یہ کہانی سنا دی جائے۔ حال ہی میں اُنھوں نے ایک اخبار کے نمائندے سے کہا تھا:

اب سے ۸ برس پہلے!

"جب آستانہ میں اتحادیوں کے مظالم حد سے تجاوز کر گئے، اور علانیہ زیادتیاں ہونے لگیں، تو میرے لئے یہاں قیام ناممکن ہو گیا۔ میں نے عزم بالجزم کر لیا کہ اناطولیہ چلا جاؤں۔ وہاں ترکی قوم کو تمام حالات سے مطلع کروں، اور اگر ممکن ہو، تو اس راہ میں اپنی جان بھی قربان کر دوں۔ میں نے اپنے اس ارادہ سے بعض دوستوں کو آگاہ کیا۔ اُن کی سعی و اعانت سے مجھے کامیابی ہوئی تقریب یہ ہوئی کہ علاقۂ صامسون اور اناطولیہ کے بعض حصوں میں اتحادیوں کے خلاف شورش پیدا ہونے لگی۔ داماد فرید پاشا وزیر اعظم ڈرے، کہیں یہ شورش خطرناک صورت اختیار نہ کر لے۔ اُنھوں نے ایک ایسا شخص اناطولیہ بھیجنا چاہا جو ہر طرح کی بےچینی کا قلع قمع کر سکتا ہو۔ اُن کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی اور مجھے مشرقی صوبوں کا جنگی انسپکٹر مقرر کر دیا گیا۔ مگر اُن کے دل میں کچھ کھٹک ضرور تھی۔ وہ بار بار اپنا فیصلہ منسوخ کر دیتے تھے۔ خود وہی نہیں، وزیر جنگ کو بھی میرے انتخاب پر اعتراض تھا۔ حتی کہ وزیر جنگ نے حکم پر دستخط ثبت کرنے سے انکار بھی کر دیا تھا۔ اُسنے کہا تھا میں مُہر کئے دیتا ہوں۔ اگر اس انتخاب سے کوئی خرابی پیدا ہوئی تو میں انگریزوں سے یہ کہکر پیچھا چھڑا لوں گا کہ مجھے اس شخص کے انتخاب کا کوئی علم نہیں تھا۔ میری مُہر چوری سے لگا دی گئی ہو!"

لیکن بالآخر میری باضابطہ تقرری ہو گئی۔ ۱۶ رمئی سنہ ۱۹۱۹ء کو مجھے جہاز "باندرمہ" سے روانہ ہونا تھا۔ روانگی کے وقت میں وزیروں سے رخصت ہونے کو باب عالی گیا۔ وزراء نہایت بدحواس ہو رہے تھے۔ وزیر داخلیہ نے دَوڑ کر مجھ سے کہا:

"تم نے کچھ سُنا؟ شرارت کی حد ہو گئی! یونانیوں نے سمرنا پر فوجیں اُتار دیں!"

وزیر بحریہ نے بھی یہی کہا۔ میں نے کہا:

"پھر اب کیا کروگے؟"

"ہم احتجاج کرینگے" اُنھوں نے دیر تک سوچنے کے بعد افسردگی سے کہا۔

"یہ ٹھیک ہو۔ مگر کیا تمھارے احتجاج سے یونانی سمرنا خالی کر دیں

یہ وہ علاقہ ہی جس میں قدرت اپنی تمام رعنائیوں اور نعمتوں کے ساتھ خود اُتر آئی ہی۔ میں آپ کو ایک بہت بڑے راز سے واقف کرتا ہوں میرے دوست موسیو ڈلکاسا برطانیہ سے گفت و شنید کر رہی ہیں کہ فرانس انگریزوں کے لئے مصر چھوڑ دے، اور انگریز مراکش میں ہماری کوئی مخالفت نہ کریں"

"میرے دوستو! ایک لمحہ کے لئے دولت و ثروت کے اُن خزانوں کا تصور کرو جو مراکش میں تمھیں حاصل ہونگے۔ پُوری سرزمین زرخیز ہی بیش قیمت کانوں سے لبریز ہی۔ تم وہاں کی کانیں کھودوگے۔ بیحساب غلہ پیدا کروگے۔ روئی اتنی حاصل ہوگی، جس کا اسوقت تصور بھی نہیں کیا جا سکتا"

"کیا اس کے بعد بھی تم باہمی منافست میں مبتلا رہوگے؟ حالانکہ تم ہی دونوں گروہ اس نئی سرزمین کے مالک ہو۔ تم دونوں کو تمام فرانسیسیوں پر خاص امتیاز حاصل ہی۔ سب سے پہلے تم ہی نے اس سرزمین میں اسلام کا جھنڈا نیچا کیا۔ اسلام کے ملک پر مسیحیت کا سکہ بٹھا دیا، اور اسلام اور مسلمانوں سے واقفیت بہم پہونچائی۔ لہٰذا تم ہی افریقہ کے تمام اسلامی ملکوں کے مالک بنوگے۔ راس قابس سے بحر اٹلانٹک تک، اور بحر متوسط سے صحرا اعظم تک، تمام علاقے تمھارے ہی ہیں لیکن باہم متحد ہوجاؤ، اور پھوٹ ڈالکر فرانس کی مجتمعہ قوت پارہ پارہ نہ کرو"

اس تقریر پر ہر طرف سے مرحبا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ دونوں طرف سے حریف اُٹھے اور باہم مصافحہ کرنے لگے۔ شراب کے نئے جام بھرے گئے، اور مسرت کے نعروں میں خالی ہوگئے!

یہ واقعہ اور اس واقعہ کا پورا منظر اب تک میری آنکھوں میں ہی اُس دن میں سمجھا کہ فرانس کی مشرقی حکمت عملی کیا ہی اور اُس کی بنیاد کس چیز پر ہی؟ اُس دن مجھے معلوم ہوا کہ ہمارا ملکی اتحاد صرف اس بنیاد پر قائم ہی کہ اہل ملک کے لئے ہمیشہ مشرق میں نئے شکار مہیا کرتے رہیں ہماری سوسائٹی کے مختلف طبقوں کا باہمی اتحاد اس لئے نہیں ہی کہ انصاف میں وہ متفق ہیں۔ صرف اس لئے ہی کہ ظلم میں کوئی اختلاف نہیں!

اٹلی اور یمن

یمن پر اٹلی کا دانت مدت سے ہی لیکن برطانیہ کی رقابت ہمیشہ اُسکا راستہ روک دیتی تھی۔ اب باہم سمجھوتہ ہوگیا ہی۔ اور اٹلی یمن کی طرف بے کھٹکے بڑھ رہا ہی۔ یہ واقعہ ہی کہ پچھلے چند ماہ کے اندر اٹلی نے صنعاء میں بہت اثر پیدا کر لیا۔ ایک زمانہ میں امام یحییٰ اٹلی کا نام بھی سننا نہیں چاہتے تھے، مگر اب وہ اُس سے معاہدہ کر رہی ہیں، سامان جنگ لے رہی ہیں اور اپنی فوجی تربیت کے لئے اٹالین افسروں کے طلبگار ہیں!

گزشتہ ہفتہ اِن "دوستانہ علائق" نے ایک نیا قدم اُٹھایا ہی۔ یمن کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اُسکا سیاسی وفد یورپ گیا ہی۔ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہی کہ "یمنی وفد، یورپ کے بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کرے گا تاکہ یورپین تمدن کا مطالعہ کرے، پھر قسطنطنیہ اور انگورہ جائے گا" اس اعلان میں اٹلی کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ اس کی اصلی غرض اٹلی ہی ہی۔ یہ وفد روم پہنچ گیا ہی۔ امام یحییٰ کے منجھلے بیٹے "امیر محمد" اُس کے رئیس ہیں، اور سید عبد اللہ ابراہیم، سید عباس علی، قاضی علی عمری قاضی راغب رکن ہیں۔ قاضی راغب، حکومت صنعاء کے وزیر خارجہ ہیں اور یمن میں تنہا شخص ہیں جو ایک یورپین زبان (فرانسیسی) جانتے ہیں۔ اس وفد نے آتے ہی موسولینی اور شاہ اٹلی سے طویل ملاقاتیں کیں۔ ہم نہیں چاہتے [illegible] بنائیں لیکن اٹلی [illegible] کرنے پر مجبور ہیں [illegible]

ص "اٹلی کی یمن اور امام یمن سے دوستی کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ حجاز یا ابن سعود پر دست درازی کرنا چاہتا ہی۔ موسولینی نے یمن سے جو "حلف نامہ" کیا ہی، اُسکا مقصد صرف یہ ہی کہ جزیرہ نمائے عرب میں امن و امان برقرار رہی۔ اٹلی بحر احمر میں وسعت حاصل کرنے پر مجبور ہی، اس توسع کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اٹالین نوآبادی اریٹریا کے تعلقات، عرب کی قوموں اور مشرقی افریقہ کے قبیلوں سے قائم ہوجائینگے" (السیاسہ)

باب التفسیر

تفسیر سورۂ فاتحہ کا ایک صفحہ

صفاتِ الٰہی کے انسانی تصور کی تکمیل

اور

اُس کا سلسلۂ ارتقا

الحمد للہ رب العالمین

قرآن حکیم نے انسان کو خدا کے اعتقاد اور تصور کی دعوت دیتے ہوئے، سب سے پہلے جن صفات کا حسن و جمال بے نقاب کیا ہی، وہ تین صفتیں ہیں: ربوبیت، رحمت، عدالت!

الحمد للہ رب العالمین:	ساری تعریفیں، ہر قسم اور ہر
الرحمٰن، الرحیم،	طرح کی ثنائیں، حسن و جمال
مالک یوم الدین!	کی شیفتگی اور خوبیوں کمالوں
(فاتحہ)	کے اعتقاد کے ساتھ جو کچھ بھی

کہا جا سکتا ہی، وہ سب کچھ؛ اللہ کے لئے ہی! وہ اللہ، جو تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہی۔ جس کی ربوبیت کائنات ہستی کی ہر مخلوق کو اس کی زندگی اور بقا کا تمام سامان بخشتی، اور اُس کی پرورش کی ساری ضرورتیں مہیا کرتی ہی! جو رحمت والا ہی، اور جس کی رحمت کی بخشائشیں تمام عالم خلقت کو اپنے نوال محبت سے مالامال کر رہی ہیں! جس کے قبضہ و تصرف میں جزاؤ سزا اور مکافات کا دن ہی، اور جس کی عدالت نے ہر کام کے لئے بدلہ اور ہر بات کے لئے نتیجہ کا قانون جاری و نافذ کر دیا ہی!

سورۂ فاتحہ قرآن کی ابتدا ہی، اور فاتحہ کی ابتدا تصور الٰہی کی اسی بنیادی جلوہ نمائی سے ہوتی ہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن نے خدا کے تصور و اعتقاد کا جو نقشہ کھینچا ہی، وہ ربوبیت، رحمت، اور عدالت کا نقشہ ہی۔ انہی تین صفتوں کے تفکر سے ہم قرآن کے تصور الٰہی کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

تصور الٰہی کا تدریجی ارتقا

دنیا کی ہر چیز کی طرح انسان کا فکر و عمل، اور انسانی فکر و عمل کی ہر بات کی طرح اُس کے روحانی تصورات نے بھی بہ تدریج پستی سے بلندی کی طرف اور نقص سے کمال کی طرف ترقی کی ہی۔ روحانی تصورات کی پہلی بنیاد ایک خالق کائنات ہستی کا تصور ہی۔ جس وقت سے انسان کی تاریخ روشنی میں آئی ہی، اُس کے اس تصور کی تاریخ بھی شروع ہوجاتی ہی۔ اگر پرانے سے پرانے عہد کے تصور سے لیکر، موجودہ ادیان عالم کے عہد تک کے تمام تصورات سامنے رکھے جائیں، اور یکے بعد دیگرے اُن کی نوعیت پر نظر ڈالی جائے، تو صاف نظر آجائے گا کہ ایک تدریجی ارتقاء کا سلسلہ ہی جو اشیاء و اجسام کے ارتقاء کی طرح انسان کے تصور و اعتقاد میں بھی جاری ہی، اور جوں جوں انسان کی فکری اور معنوی استعداد ترقی کرتی جاتی ہی، اُس کا یہ تصور بھی زیادہ بلند اور شائستہ ہوتا جاتا ہی۔ یہاں تک کہ ارتقا کے ہر سلسلے کی طرح اس سلسلہ کی بھی تکمیل کی آخری کڑی نمایاں ہوجاتی ہی!

فطرۃ کا ولولہ اور ذہن کا تصور!

لیکن یاد رہی کہ یہاں خدا کے تصور سے مقصود اُس کی صفات کا تصور ہی۔ اُس کی ہستی کا اعتقاد نہیں ہی۔ اُس کی ہستی کا اعتقاد ذہن و فکر کی پیداوار نہ تھی جو اُس کی استعدادی تبدیلیوں سے متأثر ہوتی۔ یہ اُس کی فطرۃ کی آواز تھی، جو خود اُس کے اندر سے اُٹھتی تھی، اور ایک بالاتر ہستی کے یقین کے جوش سے اُسے معمور کر دیتی تھی۔ چونکہ یہ ایک فطری جذبہ تھا، اور فطری جذبات و میلان کی نوعیت ہر وقت اور ہر حالت میں یکساں رہتی ہی، اس لئے انسان کا اعتقاد الٰہی بھی ہمیشہ یکساں رہا۔ اُس میں ذہن و فکر کے تغیرات مداخلت نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن خدا کی ہستی کا تصور، اُس کی صفات کے تصور سے الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ انسانی عقل ذات مجرد کے تصور سے عاجز ہی۔ وہ جب کبھی کسی چیز کا تصور کرتی ہی تو گو اُس کی ذات کا تصور کرنا چاہے، لیکن تصور میں اُس کی صفتیں ہی آتی ہیں، اور صفتوں ہی کے جمع و تفرقہ سے ذات کے تصور کا نقشہ وجود میں آتا ہی۔ یہیں سے اس فطری جذبہ میں انسانی عقل کی مداخلت شروع ہوئی، اور یہی اُس کی درماندگیوں اور غلط اندیشیوں کی پہلی ابتدا ہی۔ فطرۃ کے جذبۂ یقین نے ایک بالاتر ہستی کا [illegible]

خواص و سوانح

"میری صحیفہ نگاری کی زندگی کا ایک لمحہ"

(مشہور فرانسیسی اخبار نویس، فرانسس ڈیلیزی کے قلم سے)

قارئین الہلال ابھی بھولے نہ ہونگے کہ ہم نے الہلال کے پہلے اور دوسرے نمبر میں ایک فرانسیسی کتاب کا ذکر کیا تھا جسمیں فرانس کے تیس بڑے بڑے اخبار نویسوں نے اپنی صحافتی زندگی کے اہم واقعات لکھے ہیں۔ اسی کتاب میں فرانسس ڈیلیزی نے الجزائر اور ٹیونس کے متعلق ایک نہایت دلچپ اور عبرت انگیز سانحہ قلمبند کیا ہے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب فرانس میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ ٹیونس کا باقاعدہ الحاق دفتر مستعمرات سے کردیا جائے یا اسے قائم وجاری حالت میں رہنے دیا جائے؟ غاصبانہ تسلط دونوں حالتوں میں تھا لیکن پہلی حالت صاف اور کھلی تھی، دوسری میں منافقانہ پردہ پوشی تھی۔ اسی اثنا میں پیرس کی ایک مقتدر سیاسی جماعت نے ایک سیاسی ضیافت کا انتظام کیا اور اسمیں ملک کے بڑے بڑے اخبارات کے ایڈیٹر بھی مدعو کئے گئے۔ مقالہ نگار بھی انہی لوگوں میں سے ہے اور اُس کی سرگزشت حوالہ قلم کرتا ہے۔ اس مختصر سی سرگزشت میں یورپ کے سیاسی اور سرمایہ دارانہ اخلاق کا جیسا مکمل نقشہ دکھلایا گیا ہے، شاید ایک بہت بڑی کتاب سے بھی اُتنی وضاحت نہ ہوسکے۔ طرز بیان کی تعریضی ظرافت نے سرگزشت کی دلچسپی اور زیادہ بڑھا دی ہے:

فرانس کی مشرقی حکمت عملی کے راز

میں نے ابھی اخبار نویسی کے پیشہ میں قدم رکھا ہی تھا کہ سنہ ۱۹۰۲ء میں مجھے اُس ضیافت (ڈنر) میں شرکت کا اتفاق ہوا جو "انجمن فتوحات" ہر ماہ ملک کے مدبروں کو جمع کرنے کے لئے دیا کرتی تھی۔

گرانڈ ہوٹل کے بڑے ہال میں تقریباً ۱۵۰ آدمی جمع تھے۔ ہال کی دیواروں کی آرائش نظر فریب تھی۔ وسط میں خوبصورت گول میز تھا۔ گرد قیمتی کرسیاں بچھی تھیں۔ حاضرین میں لیون اور بورڈو کے سرمایہ دار، لیل اور نانسی کے کارخانہ دار، مارسیلز کی جہازراں کمپنیوں کے مالک، مجلس (سینٹ) کے سربرآوردہ ممبر، ماوراء البحر نوآبادیوں کے نمائندے، اور چند مشاہیر اخبار نویس شامل تھے۔

قسم قسم کے لذیذ کھانے اور نفیس شرابیں ہماری منتظر تھیں۔ دلفریب جاموں میں جب معطر شمپین انڈیلی گئی، اور بلبلے سطح پر جوش مار کر اُبھرے، تو ہم اخبار نویسوں کا جوش، حد جنون تک پہنچ گیا۔ ہم سمجھتے تھے کہ فرانسیسی پرچم سمندر پار کے تمام ملکوں پر لہراتا دیکھیں!

کھانے کے بعد رئیس مجلس مسیو اٹین نے اعلان کیا "ہم ایک اہم مسئلہ پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ٹیونس کو نوآبادیوں کی وزارت کے ماتحت کر دیا جائے یا ابھی اسمیں توقف کیا جائے؟"

شروع میں ہم اخبار نویسوں نے خیال کیا۔ اس مسئلہ پر کوئی سخت بحث نہیں ہوگی۔ چنانچہ بددلی کے ساتھ ہمنے اپنی جیبوں سے یادداشت کی کاپیاں نکال لیں۔

ایک سابق وزیر اُٹھا اور تقریر شروع :

"ٹیونس، اب تک فرانس کے زیر حمایہ (پروٹیکشن) ہے اس لئے قانون کی نظر میں وہ محکوم نہیں ہے۔ ایک اجنبی ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُس کا تعلق براہ راست وزارت خارجیہ سے ہے۔ اُس کا دستور حکومت الگ ہے۔ اُس کا جنگی خانہ مستقل ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ الجزائر میں رہنے والے فرانسیسیوں کے ساتھ ہم ایک خاص قسم کا برتاؤ کرتے ہیں، اور ٹیونس کے فرانسیسیوں کے ساتھ دوسری قسم کا۔ یہ صورت اُس وقت جائز ہوسکتی تھی جب فرانسیسی فوجوں نے ٹیونس کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ لیکن اب جبکہ ہم نے پورا تسلط حاصل کرلیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس ملک کا وہ امتیاز باقی رکھا جائے جس کا وہ مستحق نہیں ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ فرانس سے ٹیونس کا کامل الحاق ہوجائے"

وزیر کی تقریر پر حاضرین کی ایک جماعت نے بڑے جوش سے تالیاں بجائیں۔ ہم سمجھے بحث ختم ہوگئی۔ مگر اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اور سابق وزیر کھڑا ہوگیا:

"مجھے اس گمراہ کن تجویز سے قطعی اختلاف ہے"، اُسنے شانے ہلاکر کہا "فرانس نے بورڈو کے معاہدہ میں وعدہ کیا ہے کہ ٹیونس کے بائی (بادشاہ) کی حکومت باقی رکھے گا۔ فرانس نے یہی عہد تمام دول سے بھی کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی خلاف ورزی سخت سیاسی مشکلات کا موجب ہوگی۔ ملک کی دیسی آبادی میں شورش پیدا ہوجائیگی، اور فرانس کی پیشانی پر بدعہدی کا سیاہ دھبا لگ جائے گا"

اس تقریر پر بھی تالیاں بجیں، دونوں تقریروں کا لب ولہجہ ویسا ہی شاندار تھا جیسا مجلس (پارلیمنٹ) کی تقریروں کا ہوتا ہے۔ دونوں تقریروں میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد "فرانس کی عظمت" "ٹیونس کی مصلحت" "تہذیب کی خدمت" "خدمت اقوام کا فرض" اور اس قسم کے تمام پامال جملے آتے تھے اور حاضرین تحسین وآفرین کی صدائیں بلند کرتے تھے۔ ہم غریب اخبار نویس کسی شمار قطار میں نہ تھے۔ لوگوں کو تالیاں بجاتے دیکھتے تو خود بھی بے تکان تالیاں بجانے لگتے!

اب گرم مباحثہ شروع ہوگیا۔ سرمایہ داروں، کارخانہ داروں، تاجروں، کمپنیوں کے مالکوں نے بھی تقریریں شروع کردیں۔

ایک مقرر نے کہا "یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم ٹیونس کی کانیں تباہ کرنی چاہتے ہو؟"

"اور تم الجزائر کی کانوں کے دشمن ہو" دوسرے مقرر نے بغیر کسی تامل کے جواب دیا!

"اور تم بدمعاش ہو!" ایک تاجر جوش میں بیخود ہوکر چلایا۔

"لیکن تم ڈاکو ہو! بےحیا بدزبان!" ایک طرف سے آواز بلند ہوئی۔

"شریرو!" ایک تاجر نے غصہ سے کانپتے ہوئے کہا "فرانس کے کپوتو! تمھاری چوری، کھلا ہوا راز ہے۔ تم مارسیلیز میں روسی گیہوں منگاتے ہو مگر چنگی سے بچنے کے لئے اُسے پہلے ٹیونس بھیجتے ہو پھر وہاں سے فرانس میں داخل کرتے ہو تاکہ ٹیونس کی کم چنگی سے فائدہ اُٹھا سکو!"

"یہ کون گدھا بول رہا ہے؟" ایک شخص نے پوری بے پروائی سے پکار کر کہا۔

"تم گدھوں کے جد امجد ہو" برجستہ جواب تھا!

اب مجھ پر یہ راز کھلا کہ ٹیونس کا معاملہ، نہ تو فرانس کی عظمت سے تعلق رکھتا ہے نہ تہذیب تمدن کی خدمت سے۔ محض سرمایہ داری کا سوال ہے۔ الجزائر کے فرانسیسی اور اُنکے حمایتی ٹیونس کو نوآبادیوں کی وزارت کے ماتحت اس لئے کردینا چاہتے ہیں تاکہ وہاں کے فرانسیسی اُن سے زیادہ فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔

"تم ٹیونس کی دولت کھاکے پھول گئے ہو!" ایک مقرر نے کہا۔

"حاسدو! شیطان کے بھائیو! ہم تمھیں پیروں سے روند ڈالیں گے" ٹیونس کے ایک فرانسیسی کا جواب تھا جبکہ وہ جوش سے کھڑا ہوگیا تھا!

غرضکہ کوئی گالی نہ تھی جو استعمال نہ کی گئی ہو۔ کوئی الزام نہ تھا جو ایک نے دوسرے پر نہ لگایا ہو۔ اب شراب، سروں پر خوب چڑھ چکی تھی۔ آنکھیں لال تھیں۔ گھونسے تن رہے تھے۔ خطرناک ارادوں نے ہر چہرہ پر ہولناکی کا غازہ مل دیا تھا۔ آخر ایک آواز بلند ہوئی "مسیو اٹین! مسیو اٹین!"

مسیو اٹین اپنی کرسی سے اُٹھے۔ اب ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ اسوقت بھی میری آنکھوں میں اس چوڑے سینہ والے سیاسی مدبر کی تصویر پھر رہی ہے۔ اُسکی آنکھیں نہایت متحرک اور تیز تھیں چہرہ سے ازحد مکار معلوم ہوتا تھا۔

"میرے ٹیونسی دوستو!" مقرر نے داہنی طرف منہ کرکے کہا "تم یقیناً میرے اخلاص سے انکار نہیں کرسکتے۔ آج سے بیس برس پہلے میں ہی وہ پہلا شخص تھا جسنے فرانس کو ٹیونس کی فتح پر آمادہ کیا تھا۔ میں نے ہی تحریک کی تھی کہ اُس "نیم وحشی" ملک میں تمدن و تہذیب کی روشنی پھیلائی جائے ..."

جملہ حاضرین نے پُرجوش تالیاں بجائیں۔

"اور اے میرے الجزائری دوستو!" مقرر نے بائیں طرف رُخ کرکے کہا "تم بھی میری خیرخواہی اور دوستی سے بخوبی واقف ہو الجزائر سے میری محبت کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ الجزائر بھی میرا وطن ہے۔ کیونکہ میں اسی خوبصورت ملک میں پیدا ہوا تھا۔ الجزائر کی محبت مرتے دم تک میرے دلمیں باقی رہیگی"

بائیں رُخ سے پُرجوش تالیوں کا شور بلند ہوا!

غرضکہ اس چالاک مقرر نے کچھ ایسی شیریں زبانی سے گفتگو شروع کی کہ دونوں فریق خوش ہوگئے اور اس فرانس کے سب سے بڑے مکار انسان کے اخلاص پر ایمان لے آئے!

"عزیزو!" مقرر نے اپنی آواز کو حد درجہ موثر بناکر کہا "جب میں تمھیں باہم اس طرح لڑتے جھگڑتے دیکھتا ہوں، تو میرا دل سینہ میں بیٹھنے لگتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ الجزائر اور ٹیونس بغیر ایک دوسرے پر حسد کئے ترقی کریں؟ میں آپسے اُمید کرتا ہوں کہ یہ پست خیالات دور کردیں۔ ذرا اپنی آنکھیں اُٹھاکر اوپر کی طرف دیکھئے!

"یہ دیکھئے، مراکش کی زرخیز سرزمین آپکے سامنے موجود ہے

اُس میں حسنِ جمال کے سوا کچھ نہیں ہو۔ لیکن تعمیر و ایجاب کا عمل بغیر تخریب و سلب کے انجام نہیں پا سکتا۔ ہر بناؤ کے لئے ایک بگاڑ اور ہر نظم کے لئے ایک برہمی ناگزیر ہو۔ اس لئے اُس کے جمال تعمیر کی دلاویزیوں پر تخریب کی ہولناکیوں کا پردہ پڑ گیا۔ بارش کا عمل زمین کے لئے پیامِ روح ہو۔ اُس کے ایک ایک قطرہ کے اندر، نہیں معلوم زندگی کی کتنی تعمیریں اور وجود کی کتنی بخششیں پنہاں ہوتی ہیں؟ لیکن تعمیرِ حیات کا یہ پُرسکون عمل جبھی ظہور میں آسکتا ہو جب پہلے سلب و تخریب کی ایک ہیبت انگیز ہولناکی پھیل جاتی ہو۔ بادل گرجنے لگتے ہیں۔ بجلی کڑکنے لگتی ہو۔ اضطراب و تصادم سے فضاء کائنات لرز اٹھتی ہو۔ اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہو، جیسے کوئی بڑی ہی سخت بربادی و خوفناکی ظہور میں آنے والی ہو۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ حالت منقلب ہو جاتی ہو، اور اچانک دکھائی دیتا ہو کہ فطرۃ نے قہر و جلال کا جامہ اُتار کر رحمت و جمال کا لباس پہن لیا۔ کیونکہ رعد و برق کی خوفناکیوں کی جگہ بارانِ رحمت کی ربوبیتیں نمایاں ہو جاتی ہیں۔ قرآن حکیم نے جابجا قدرت الٰہی کی اس ظاہر قہرنمائی اور بہ باطن رحمت فرمائی کی طرف اشارات کئے ہیں:

ومن آیاتہ یریکم البرق خوفا و طمعا، وینزل من السماء ماءً فیحیی بہ الارض بعد موتہا، ان فی ذٰلک لآیات لقوم یعقلون! (۳۰ : ۲۳)	اور اُس کی حکمت و قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہو کہ بجلی کڑکتی ہو اور تمہارے اندر خوف اور امید، دونوں طرح کے اثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر

وہ آسمان سے پانی برساتا ہو اور زمین کو اُس کی موت کے بعد از سرِ نو زندگی بخشدیتا ہو۔ بلاشبہ اسمیں قدرت الٰہی کی بڑی نشانیاں ہیں۔ مگر اُن کے لئے جو عقل رکھتے ہیں!

سورۂ بقرہ کی تمثیل میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہو: اوکصیب من السماء فیہ رعد و برق۔ تخریب کے عمل میں شورش اور ظہور ہو۔ اس لئے رعد و برق کی ہولناکی بارش کی حیات پرور دلاویزی سے زیادہ نمایاں اور بے پردہ ہوتی ہو۔ انسان کا ذہن طفولیت طبیعت حیوانی کے مقتضیٰ کے مطابق، بارش کی دلاویزی تو جلد نہیں پا سکتا تھا۔ لیکن رعد و برق کی ہولناکی سے فوراً ڈر گیا تھا۔ بجلی کی کڑک میں اس کے لئے پہلے خوف تھا۔ طمع پیچھے تھی!

بہرحال زندگی اور فطرۃ کائنات کے مظاہر کی پہلی تاثیر خوف و دہشت ہی کی تاثیر تھی۔ بادلوں کی گرج، بجلی کی کڑک، آتش فشاں پہاڑوں کا انفجار، زمین کا بھونچال، آسمان کی ژالہ باری، دریاؤں کا سیلاب، سمندروں کا تلاطم؛ ان سب میں اُس کی عقل کے لئے رعب اور ہیبت تھی، اور اسی ہیبت کے اندر وہ ایک غضبناک خدا کی ڈراؤنی صورت دیکھ رہا تھا۔ وہ بجلی کی کڑک اور ہلاکت سے محبت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بادلوں کی گرج پر شیفتہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ پہاڑوں کی آتش افشانی اور آسمان کی سنگ باری سے پیار نہیں کر سکتا تھا۔ اور اُس کا ذہن و ادراک خدا کے صرف انہی کاموں سے آشنا ہوا تھا!

ایک اور قریبی سبب بھی اس تصور کا باعث ہوا۔ خود اُس کی زندگی بھی امن و راحت سے زیادہ اضطراب و ہلاکت سے دوچار تھی۔ وہ اپنی حقیقی اور فطری حیات بہشتی سے محروم ہو چکا تھا، اور اب زندگی اور آبادی کی ایک نئی تعمیر درپیش تھی۔ وہ کمزور اور نہتا تھا، اور زمین کی ہر چیز اُس کی دشمن تھی۔ دلدل کے مچھروں کے جھنڈ اُسکے چاروں طرف منڈلاتے تھے۔ زہریلے جانور ہر طرف رینگتے تھے۔ طرح طرح کے بے پناہ درندوں کا پے در پے حملہ تھا۔ اُس کی زندگی سرتاسر جنگ اور کشمکش تھی۔ جس طرف دیکھتا تھا، ہلاکت ہی کا سامان نظر آتا تھا۔ اس ماحول کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ خالق کائنات کا تصور کرتے ہوئے اُس کا ذہن اُس کی ہلاکت آفرینیوں کی طرف جاتا۔ وجود اور زندگی بخشنے والی صفتوں کی طرف نہ جاتا۔ وہ صرف صفاتِ سلبیہ کا تماشائی ہو سکتا تھا۔ ایجاب و تعمیر کی حقیقت شناسی ابھی اُس پر نہیں کھلی تھی!

تصور الٰہی کا یہ دَور سرتاسر قہر و غضب کے تصور کا دَور تھا۔ اس کی ابتدا ایک مبہم اور غیر معین خوف سے ہوئی اور پھر بہ تدریج ایک معین شکل و شباہت کی صورت اختیار کرلی۔ پھر اس صورت کی وضع و قطع میں ترقی شروع ہوئی اور ایک ناتراشیدہ حالت سے ایک مکمل خال و خد تک پہنچ گئی۔ امریکہ، آسٹریلیا، اور افریقہ میں عہد قدیم کے جو آثار ایسے ملے ہیں جن سے نوع انسانی کی ابتدائی پرستشوں کا پتہ چلتا ہو، اُن سے اس ابتدائی تصور کی کڑی طیار کی جا سکتی ہو۔ پرستش کی ناتراشیدہ، بے ڈھنگی، اور ناقص، مگر خوفناک صورتیں انسان کے عہد طفولیت کی یادگار ہیں۔ انسان کے دَورِ حجری (یعنی وہ زمانہ جب آلات و ظروف کے لئے صرف پتھر استعمال کیا جاتا تھا) کے آثار میں بھی اس تصور کا سراغ لگتا ہو۔ اس طرح کے بکثرت پتھر ملے ہیں جن پر انسان کے ابتدائی ذہن کی مصوری نے اپنے معبود کی صورت کا نقشہ کھینچنا چاہا تھا، اور کوشش کی تھی کہ زیادہ سے زیادہ ہولناک صورت بنا دے۔ اُس میں عجیب طرح کا دھڑ ہو۔ غیر متعلق و مربوط چہرہ ہو، مختلف قسم کے خوفناک جانوروں کی صورت کے غیر متناسب اجزاء جمع کر دئے ہیں، اور مصوری کے نقص اور تصور کی ناتمامی نے ہیئت کی بدصورتی اور ہولناکی کا اثر اور زیادہ کر دیا ہو۔ خوفناک جانوروں کی پرستش بھی اسی عہد میں شروع ہوئی۔ سانپ، اژدہا، مگرمچھ، اور اسی طرح کے جانور جن پر انسان بہ آسانی قبضہ نہیں کر سکتا تھا، اُس کے تصور میں ایک طرح کی الوہیت پیدا کر لیتے تھے۔

اس دَور کے ابتدائی عہد سے جب انسان آگے بڑھا۔ تو خدا کے تصور میں زیادہ نظم و اُسلوب پیدا ہوا۔ اب ایسی ایسی طاقتوں کا تصور کیا گیا جن کی الگ الگ صورتیں، الگ الگ دائرے، اور الگ الگ اعمال تھے۔ لیکن جہاں تک صفات کا تعلق ہو، سب قہر و غضب ہی کی صفات رکھتے تھے۔ ہندوستان، مصر، بابل، یونان، وغیرہ ممالک جہاں نوع انسان کو مختلف مرزبومی اسباب سے ترقی و تربیت کا زیادہ موقعہ ملا تھا، اس دَور میں نمایاں ہوتے ہیں، اور آثار قدیمہ ہمیں سراغ رسانی میں مدد دیتی ہیں۔ ان تمام ممالک میں علم الاصنام کی سب سے ابتدائی کڑیاں وہی ہیں، جو خالص قہر و غضب کی تصویرات تھیں۔ ہیروڈوٹس نے مصریوں کے جو حالات بیان کئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہو کہ اُن کا سب سے زیادہ قدیمی معبود ہورس تھا جو ہلاکت اور بربادی کی طاقت تھی۔ یونان کا علم الاصنام اپنی لطافتِ تخیل اور بلندی نوعیت کے لحاظ سے تمام دنیا کے اصنامی تخیلات پر فوقیت رکھتا ہو، لیکن اُن کے یہاں بھی غضب و قہر کے دیوتاؤں کے تصورات، باقی دیوتاؤں سے زیادہ قدیم تھے۔ آریس جو آگے چلکر جنگ کا خدا ہو گیا، دراصل غضب و انتقام کا خدا تھا۔ آذیس جسے آگے چلکر جہنم کی دارغگی ملی، شروع شروع میں ہلاکت اور انتقام کا دیوتا تھا۔ بابل اور آشور کے آثار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہو۔ بابل تصور الٰہی کے اُس عہد کا سب سے بڑا مرکز ہو، جو مظاہر فطرۃ کی پرستش کے سلسلے میں کواکب پرستی کا عہد تھا۔ لیکن یہاں بھی پرستش کی تمام ابتدائی صورتیں غضب و قہر ہی کی مظاہر تھیں۔ بابل کے آثارِ اصنام میں سب سے زیادہ قدیم اثر ایک عجیب الخلقت [1]

عالم مطبوعات و صحف

پروفیسر ہیوار کی یادداشتِ کتب

یورپ کے مستشرقین (اورینٹلسٹ) نے قدیم آثار و علوم کی تحقیقات کے جو مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، اُن میں ایک نہایت قیمتی طریقہ نوادر کتب کی مکمل یادداشتیں مرتب کرنے کا ہو۔

"یادداشتوں" سے مقصود یہ ہو کہ پرانی اور نادر کتابوں کے مختلف نسخے دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں کہیں اُن کا کوئی حصہ ہو، کہیں کوئی حصہ۔ کہیں ایک حصّہ مسلّم ہو اور باقی ناقص ہو۔ کہیں دوسرا حصہ محفوظ اور پہلا حصہ ناقص ہو گیا ہو۔ کسی نسخہ کی کتابت غلط ہو لیکن ضخامت پوری ہو۔ کسی کی ضخامت ناقص مگر کتابت اچھی ہو۔ اب اس منتشر اور مختلف الاوصاف ذخیرہ سے ایک مکمل نسخہ کیونکر فراہم کیا جائے؟ اس کا صرف یہی طریقہ ہو کہ ان تمام نسخوں پر نظر ڈالی جائے، اور ایک جگہ کا نقص دوسری جگہ کی تکمیل سے پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ مثلاً اگر ایک کتاب کی ۵ جلدیں ہیں اور دس جگہ اُسکے نسخے موجود ہیں، تو بہت ممکن ہو کہ ایک جگہ جو جلد کم ہو، وہ دوسری جگہ موجود ہو، یا ایک جگہ کے نسخے میں جو ورق ناقص ہو گیا ہو، وہی دوسری جگہ کے نسخے میں صحیح و سالم مل جائے۔ مستشرقین یورپ نے متعدد اہم اور نادر کتابوں کے متعلق اس طرح کی معلومات فراہم کی ہیں اور انھیں یادداشت کی صورت میں قلمبند کر لیا ہو۔

یہ یادداشتیں نہایت قیمتی ہیں ان سے بہ یک نظر معلوم ہو جاتا ہو کہ فلاں کتاب کا مکمل نسخہ دنیا کے فلاں فلاں کتب خانوں کے فلاں فلاں نسخوں، جلدوں، صفحوں، صفحوں کی سطروں، سطروں کے صحیح و سالم لفظوں کے باہدگر جمع ہو جانے سے وجود میں آ جا سکتا ہو!

یہ یادداشتیں مستشرقین یورپ کے ذوقِ علم اور محنت و جستجو کی سب سے بڑی نمائش گاہ ہیں۔ بعض حالتوں میں صرف ایک چھوٹی سی کتاب کے مکمل اور صحیح نسخہ کی معلومات جمع کرنے کے لئے تمام دنیا کا سفر کیا گیا ہو، اور ۵۰-۶۰-۶۰ جگہوں کے نسخوں سے اُس کا ایک ایک ورق، ایک ایک سطر، ایک ایک لفظ، جمع کیا گیا ہو۔ ہمدانی کا جغرافیۂ عرب ۱۸۹۱ء میں پروفیسر ڈیوڈ مولیر Muller نے تصحیح و ترتیب کے بعد شائع کر دیا۔ شائع کرنے سے پہلے جو یادداشت انھوں نے اور لیڈن یونیورسٹی کے دیگر مستشرقین نے مرتب کی تھی، وہ ہمارے پاس موجود ہو، اور اسے دیکھ کر ان پرستاران علم کی محنتوں کی بے اختیار داد دینی پڑتی ہو۔ ہمدانی کے جغرافیہ کے سترہ نسخوں کا اُنھوں نے پتہ لگایا تھا جو کرۂ ارضی کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے تھے لیکن ان میں کوئی بھی نقص سے خالی نہ تھا۔ انھوں نے ان سب کے ایک ایک صفحہ، ایک ایک سطر، ایک ایک لفظ پر نظر ڈالی، اور نسخوں اور انکے اوراق و سطور کے حوالوں کے ساتھ ایسی یادداشت مرتب کر لی جس سے بہ یک نظر معلوم ہو جاتا ہو کہ ان سترہ جگہوں سے ایک ایک ٹکڑہ چُن کر، کس طرح ایک صحیح و مکمل نسخہ مرتب کر لیا جا سکتا ہو۔

مثلاً یادداشت بتلاتی ہو کہ کتاب کے صفحہ ۴ کی سطر کا پہلا لفظ برلین کے نسخہ میں کرم خوردہ ہو لیکن روم کے نسخہ میں صحیح و سالم

[1] ۔۔۔ جانور کا ہے - یہ ہلاکت اور انتقام کا معبود تھا - ہندوستان کی اصنام پرستی میں قہر و غضب کے دیوتاؤں کو جو قدامت حاصل ہے، وہ محتاج بیان نہیں -

کا ولولہ پیدا کیا، تو ذہن و فکر نے چاہا، اُس کا تصور کرے۔ لیکن جب تصور کیا، تو یہ اُس کی ذات کا تصور نہ تھا۔ اُس کی صفات کا تصور تھا۔ وہ یکے بعد دیگرے صفات الٰہی کے نقشے کھینچتا گیا، اور اپنی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اپنے خالق و معبود کی شکل و شباہت بھی بدلتا گیا۔ وہ ہر تبدیلی کے بعد ایک نئی صورت کا خدا اپنے سامنے دیکھتا، مگر نہیں سمجھتا کہ یہ صورت اُسکے خدا کی صورت نہیں ہے۔ خود اُسی کے ذہن و ادراک کی صورت ہے۔ خدا کی صورت ایک ہی تھی، لیکن اس کی نظر ہمیشہ یکساں نہ تھی۔ نظر و مشاہدہ میں جیسی جیسی تبدیلیاں ہوتی گئیں، منظور و مشہود بھی بدلتا گیا۔ اس راہ میں عقل انسانی کی پہلی اور بنیادی درماندگی یہی ہے:

اے بروں از وہم و قال و قیل من!
خاک بر فرق من و تمثیل من!

عقل انسانی کا ادراک محدود تھا۔ اُس کے تصور کے سامنے محسوسات کی دیوار کھنچ گئی تھی۔ وہ حواس کے دائرہ میں محصور اور حد و امکان کی جبلی بندشوں میں اسیر تھا۔ وہ صرف محسوسات ہی کا تعقل کر سکتا تھا، اور اُنہی کی شکل و شباہت میں ہر چیز کو دیکھ سکتا تھا۔ پھر اُس کے عقل و ادراک کی یہ جتنی بھی رسائی تھی، بہ یک دفعہ کام نہیں دے سکتی تھی۔ نشو و نما اور ارتقار کی محتاج تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جونہی فطرۃ کے مجرد اور بے میل جذبہ سے ذہن و فکر کی صورت آرائیاں اور شباہت آفرینیاں ملیں، خدا کے تصور کی جگہ ایک ایسی ہستی کا تصور پیدا ہوگیا، جو خالق کا تصور نہ تھا۔ خود انسان کے ذہنی تصورات کی مخلوق تھا۔ وہ اپنے ادراک کے آئینہ میں خود اپنے چہرہ کا عکس دیکھتا، اور اُسی کو اپنا معبود سمجھ کر سر بسجود ہو جاتا۔ اُس کا دل ہمیشہ خدا کی صورت دیکھنی چاہتا۔ مگر اُس کا دماغ ہمیشہ اپنی ہی صورت کی پرستش کرتا۔ مولانا نے ایک چرواہے کی حکایت میں جس کے لئے حضرت موسیٰ کا زمانہ فرض کیا گیا ہے، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

اے کہ اندر چشمۂ شور ست جات	تو چہ دانی شط و جیحون و فرات؟
چوں قدم آمد، حدث گرد و عبث	پس کجا داند قدیمی را حدث؟
چوں تو ہم میکنی تو نور ذات	ذات نبود، وصف ہما و صفات
وہم مخلوق ست و مولود آمدست	حق نزائیدست او لم یولدست!

بہر حال خدا کی ہستی کے اعتراف و یقین کے فطری جذبہ نے جب تصور کی شکل اختیار کی، تو یہ ذہن و فکر کا عمل تھا، اور ضروری تھا کہ اُس کی حالت اور استعداد کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسمیں بھی ترقی ہوتی رہتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگر آج انسان کے تمام الٰہی تصورات یکے بعد دیگرے سامنے لائے جائیں، تو وہ انسانی ذہن کے سلسلۂ ارتقا کی سب سے زیادہ واضح تاریخ ہوگی۔ وہ اگرچہ بظاہر خدا کے تصور کا ارتقا ہوگا، لیکن بہ باطن خود ذہن انسانی کے ارتقا کے تمام حلقے ایک ایک کرکے سامنے آجائیں گے۔ کانٹ کے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ "ذہن انسانی کی استعداد فکر کا سب سے بڑا معیار، اُس کا تصور الٰہی ہے۔ جب کبھی اُسنے ایک نچلا درجہ چھوڑ کر بلند تر درجے پر قدم رکھا ہے، تو سب سے پہلے خدا ہی کی طرف نظر اُٹھائی ہے" اسی مطلب کی طرف اخوان الصفا کے مصنفوں نے زیادہ صاف لفظوں میں اشارہ کیا تھا: "انسان کی کسی جماعت اور اُس کے کسی عہد کی عقلی استعداد کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اُسکے تصور الٰہی پر نظر ڈالی جائے۔ جس درجہ یہ تصور شائستہ اور بلند ہوگا، اُتنی ہی اُس جماعت اور اُس عہد کی عقلی استعداد ترقی یافتہ ثابت ہوگی"! ہیگل نے بھی اسی طرف توجہ دلائی ہے: "تاریخ میں کسی قوم کی عقلی اور تمدنی استعداد معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ معلوم کرو کہ اُسنے اپنی پرستش کے لئے کیسا خدا منتخب کیا تھا؟"

انسانی ذہن و فکر کی اس درماندگی میں وحی و نبوت کی دستگیری ہمیشہ نمایاں ہوتی رہی۔ لیکن وہ اس راہ میں عقل انسانی کی اُسی حد تک رہنمائی کر سکتی تھی، جس حد تک اُس کی استعداد ساتھ دینے کے لئے طیار تھی۔ انبیاء کرام (علیہم السلام) کی تعلیمات کا پیرایہ و اُسلوب بھی دراصل اُن کے زمان و مکان کی عقلی استعداد کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ مجمع انسانی کے معلم و مربی تھے۔ اس لئے اُسی درجہ کا سبق دے سکتے تھے، جس درجہ کی فہم و تحمل کی استعداد مخاطبین میں پیدا ہوگئی تھی۔ وہ اس سلسلۂ ارتقا سے باہر نہیں ہیں۔ اسی کے نشو و ترقی کی مختلف کڑیاں ہیں۔

تصور الٰہی کے دو بنیادی اصول

نوع انسانی کے تصور الٰہی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے، تو اگرچہ اُس کی نوعیت کی بے شمار صورتیں اور قسمیں سامنے آئیں گی، لیکن بڑی اور اصولی تقسیم دو بنیادی نوعیتوں کی بنا پر کی جاسکتی ہے:

(۱) تجسم اور تنزہ

(۲) صفات جلالیہ اور جمالیہ

ذہن انسانی نے جب فطرۃ کی آواز سنی اور خدا کا تصور کرنا چاہا، تو وہ بغیر شکل و شباہت کے اُس کا تصور نہ کر سکا۔ یہی تجسیم اور تمثیل کی بنیاد ہے۔ یعنے خدا کے لئے ایسی صفات تجویز کرنا جیسی صفات مخلوقات و موجودات کے ہم محسوس کر رہے ہیں۔

پھر چونکہ اُس کا ذہن و فکر عہد طفولیت میں تھا اور نشو و ترقی کے لئے ایک طولانی عمر کا محتاج تھا، اس لئے اس شکل و شباہت کا نقشہ بھی زیادہ شائستہ اور بلند نہ کھینچ سکا۔ وہ دراصل اپنے ہی صفات کا عکس طیار کر رہا تھا، اُس کی صفات ابتدائی عہد کے ناقص اور ادنیٰ درجہ میں تھیں اس لئے ویسے ہی صفات سے اُسنے اپنے خدا کا خال و خد بھی آراستہ کیا!

یہ صفات ابتدا میں سرتاسر قہر و جلال کی صفات تھیں۔ پھر ان میں رحم و جلال کی بھی آمیزش ہوئی، لیکن غلبہ قہر و جلال ہی کو رہا۔ اُس کے تصور میں پہلے دہشت آئی۔ پھر اُمید نے ظہور کیا۔ وہ پہلے خدا سے صرف ڈرتا تھا۔ پھر اُمید کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ محبت بھی کرنے لگا!

چنانچہ اس سلسلہ کے ارتقائی تغیرات میں یہی دو باتیں سب سے زیادہ نمایاں اور بمنزلۂ اصل و معیار ہیں۔ اس سلسلہ کی ابتدا تجسم اور قہر و جلال سے ہوتی ہے، اور تکمیل تنزہ اور رحمت و جمال پر۔ درمیان کی تمام کڑیاں، ارتقائی کڑیاں ہیں۔ جوں جوں انسان کی معنوی استعداد ترقی کرتی گئی، وہ تجسم سے تنزہ کی طرف اور صفات قہر و جلال سے رحمت و جمال کی طرف ترقی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ تکمیل کی آخری منزل نمودار ہوگئی۔

تجسم اور تنزہ پر دوسری جگہ مستقلاً بحث کی گئی ہے۔ یہاں اس کا ذکر تبعاً آگیا ہے۔ یہاں کا اصلی موضوع صرف صفات قہر و جلال اور رحمت و جمال کے ارتقائی تغیرات ہیں۔

(یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں "ابتدا" اور "ابتدائی عہد" کے الفاظ سے نوع انسان کی حقیقی ابتدا مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم کی تصریحات کے مطابق نوع انسانی کی ابتدائی زندگی، اُس کی فطری اور بے آمیز زندگی تھی، اور چونکہ وہ فطرۃً حالت ہدایت میں پیدا کیا گیا ہے نہ کہ ضلالت میں، اس لئے اُس کے تمام عقائد و تصورات بھی اپنی فطری ہدایت پر قائم تھے۔ منحرف اور کج اندیش نہ تھے۔ لیکن اُس کے بعد مختلف اسباب سے وہ حالت باقی نہ رہی فطرۃ کی سادہ ہدایت کی جگہ اکتساب کی گمراہیاں پیدا ہوگئیں، اور بڑھتے بڑھتے اس درجہ تک پہنچ گئیں، کہ پہلی حالت بالکل منقلب ہوگئی۔ اسی عہد سے انسان کی معنوی زندگی کی ایک دوسری نشئۃ شروع ہوتی ہے، اور اُس کی "ابتدائی" زندگی اور "عہد طفولیت" سے اسی دوسرے عہد کی ابتدا مقصود ہے۔ شرح اس حقیقت کی اشارات میں ممکن نہیں اور یہ محل تفصیل نہیں)

دَورِ قہر و جلال

یہ عجیب بات ہے کہ تاریخ میں انسان کا قدیم سے قدیم تصور الٰہی جو ہمارے سامنے آتا ہے، وہ سرتاسر خوف اور دہشت کا تصور ہے۔ رحم، محبت، اور جمال کا اسمیں کوئی عنصر نظر نہیں آتا۔ خدا کا تصور اُسکے لئے صرف ڈرنے کی چیز تھی۔ امید، اُنس، اور محبت کی چیز نہ تھی۔ وہ اُس کے قہر و غضب کی ہولناکیوں سے ڈرتا تھا، اس لئے اُس سے بچنے کے لئے اُس کی پرستش کرتا تھا۔

انسان کی پرستش خدا سے بچنے کے لئے تھی۔ خدا کی طرف بڑھنے اور اُس سے محبت کرنے کے لئے نہ تھی۔ وہ ایک ڈراؤنی اور ہولناک طاقت سے محبت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا!

بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے مگر فی الحقیقت عجیب نہیں ہے۔ انسان خدا کی صفات کو کائنات عالم کے فطری مظاہر میں دیکھتا تھا۔ یہی مظاہر اُس کے تصور میں خدا کے اعمال کا تصور پیدا کرتے تھے۔ فطرۃ کائنات میں کون و فساد ہے۔ یعنے وہ کائنات کی زندگی اور بقا کے لئے بہ یک وقت بناؤ اور بگاڑ، دونوں کا عمل جاری رکھتی ہے۔ انسان نے جب اپنی ابتدائی عقل و ادراک سے مظاہر فطرۃ پر نظر ڈالی، تو اُس کی نظر فطرۃ کے بناؤ کا حسن نہ دیکھ سکی۔ اُسکے بگاڑ کی ہولناکیوں سے سہم گئی۔ فطرۃ کا جمال ایجاب و تعمیر سلب و تخریب کے نقاب میں پوشیدہ ہے۔ اُس تک پہنچنے کے لئے عقل و ادراک کی زیادہ تیز اور دُور رس نگاہ کی ضرورت تھی۔ یہ ابھی اُسے میسر نہیں آئی تھی۔ پس صورت کائنات کا پہلا اثر جو اُس کے ذہن و ادراک کی نارسائی نے قبول کیا، جمال و رحمت کی دلاویزی نہ تھی۔ جلال و قہر کی ہولناکی تھی۔ اسی ہولناکی سے اُسنے خدا کی شکل و شباہت کا نقشہ بھی کھینچ لیا۔ قدرتی طور پر یہ نقشہ ڈراؤنا تھا۔ محبوب و دلاویز نہ تھا۔

اس عالم اثر و تاثر میں ہر چیز کی طرح ہر فعل بھی ایک قدرتی طبیعت اور مزاج رکھتا ہے۔ تخریب کے مزاج میں شورش اور ہولناکی ہے، اور تعمیر سرتاسر سکون اور خاموشی ہے۔ تعمیر جمع، نظم، ترتیب، اور ایجاب ہے۔ تخریب تفرقہ، برہمی، اضطراب، اور سلب و نفی ہے۔ جمع و نظم کی حالت ہی سکون ہے۔ اور تفرقہ و برہمی کی حالت ہی شورش و اضطراب کی حالت ہے۔ دیوار جب بنتی ہے تو کوئی ہولناکی محسوس نہیں ہوتی لیکن اُس کے گرنے میں دھماکا ہوتا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر تخریب کا عمل تعمیر سے زیادہ نمایاں اور پُر شور ہے۔ تخریب کی ہیبت فوراً ڈرا دیتی ہے، لیکن تعمیر کی دلاویزی آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی ہے۔ تخریب کا دھماکا دُور سے بھی سُن لیا جا سکتا ہے، لیکن تعمیر کا خاموش عمل دیکھنے کے لئے نزدیک آنے کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانی طبیعت تعمیری اور ایجابی افعال سے اُنس پکڑنے میں دیر لگاتی ہے لیکن تخریبی اور سلبی افعال سے فوراً ڈر جاتی ہے۔ جانور ڈرتے زیادہ ہیں۔ اُنس کم پکڑتے ہیں۔ انسان کا بچہ بھی ابتدا میں ہر چیز سے سہمتا اور ڈرتا ہے۔ پھر جوں جوں اُس کی ذہنی استعداد بڑھتی جاتی ہے، ڈر کم ہوتا جاتا ہے اور موانست بڑھتی جاتی ہے۔

نوع انسانی کا اُسکے عہد طفولیت میں یہی حال تھا۔ کائنات فطرۃ فی الحقیقت سرتاسر وجود، تعمیر، اور ایجاب ہے، اور اس لئے

السحر الحلال
فی
مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کي تاريخ ميں الہـلال هي وه رسالہ ھے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي- اُس نے ملک کے سياسي٬ علمي٬ ادبي٬ اور ديني افکار و عقائد پر جو انقلاب انگيز اثرات ڈالے٬ قريب ھے که مستقبل هند کا مورخ اُن پر بحث کريگا اور اُن کے اندر وه عناصر و مباديات ڈهونڈهيگا جن سے هندوستان کي سنه ۱۹۱۹ کے بعد کي اجتماعي ذهنيت ظهور پذير هوئي ۔

الہـلال اگرچه ايک هفته وار مصور رسالہ تها٬ ليکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں ميں اجتہاد نظر و فکر کي نئي روح پيدا کرني چاهتا تها٬ اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها- اُس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب٬ مذهب٬ سياست٬ ادبيات٬ علوم و فنون٬ اور معلومات عامه کے هوتے تهے- اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها- پهر اس کي ظاهري خوبياں اُردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب کا پہلا نمونه تهيں- اردو کا وه پہلا هفته وار رسالہ تها٬ جس ميں هاف ٹون تصاوير کے اندراج کا انتظام کيا گيا٬ اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجه سے بہت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نہيں- اِس کي جلديں جديد اُردو علم ادب کے علمي٬ مذهبي٬ سياسي٬ اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترين مجموعه هيں- اِن کي مقبوليت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا ھے که سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپيه ميں خريد کيا - اور حال ميں ايک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نہيں) ساڑهے چارسو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدي ھے- جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هيں وه بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحده کرنے کيلیے تيار نہيں- پچهلے دنوں "البـلاغ پريس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيره الہـلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا٬ هم نے کوشش کي که شايقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلديں مرتب کي جا سکتي هيں مرتب کرلي جائيں اور جن جلدوں کي تکميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو اُنهيں دوباره چهپوا ليا جاے -

چنانچه الحمدللّٰه يه کوشش ايک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلديں پوري مکمل هوگئي هيں - هم اِس اعلان کے ذريعه شايقين علم و ادب کو آخري موقعه ديتے هيں که اِس قيمتي ذخيره کے حاصل کرنے ميں جلدي کريں٬ چونکه جلدوں کي ايک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي ہے اس لئے صرف اُنهيں درخواستوں کي تعميل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچيں گي- هر جلد مجلد ھے اور ابتدا ميں تمام مضامين کي انڈکس به ترتيب حروف تہجي لگادي گئي ھے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپيه   الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپيه
،، ،، ،، چہارم ۱۰ روپيه   ،، ،، ،، پنجم ۱۰ روپيه

جلد "البـلاغ" (جب دوسري مرتبه الہـلال اِس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعه علم و ادب ھے- قيمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پيکنگ اِس کے علاوه ھے -

منيجر "البـلاغ پريس"

ہے۔ وہاں سے لے لیا جا سکتا ہے۔ روم کے نسخہ میں پانچویں سطر پڑھی نہیں جاتی لیکن سلوسٹر دے ساسی کے نسخہ میں موجود ہے۔ وہاں سے لے لی جائے۔ اسی طرح پوری کتاب کا ایک ایک لفظ بذریعہ یادداشت مرتب کر لیا ہے۔ ساتھ ہی تمام نسخوں کے چھوٹے چھوٹے لفظی اختلافات کے بھی حوالے دیدیئے ہیں۔ بعد کو یہ اختلافات کتاب کے ساتھ شائع کر دیئے گئے۔ ان کی ضخامت اصل کتاب سے بھی دو گنی ہے۔ ایک پوری جلد صرف فہرست اور اختلافات پر مشتمل ہے!

اسی طرح طبقات ابن سعد کی یادداشت دو جلدوں میں مرتب ہوئی تھی۔ اس کے ایک ایک ورق اور ایک ایک سطر کے لئے بار بار دُنیا کا سفر کیا گیا تھا۔ اُس کی ایک ایک سطر، دس دس بیس بیس جگہوں کے نسخوں کو باہمدگر ملانے کے بعد حاصل ہو سکی۔ بعد کو یہ کتاب چھپ گئی، لیکن اس کی یادداشت اب بھی علم و جستجو کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔

یہ یادداشتیں زیادہ تر علمی جماعتوں نے مرتب کی ہیں مگر بعض ایسی بھی ہیں جو کسی ایک شخص کی تنہا جستجوئے علم کا نتیجہ ہیں۔ انیسویں صدی کے مستشرقین میں پروفیسر رینوڈ Reinaud، اتین کاٹرمیر Etienne Quatremere، ڈیرنبرگ Derenbourg، گستاؤ فلوگل Fluegel، فلایشر Fleischer، اور دی گویہ De Goeje، کی یادداشتیں نہایت قیمتی ہیں۔ زمانۂ حال کے مستشرقین میں مشہور جرمن مستشرق پروفیسر تھیوڈر نولڈیک Theodar Nöeldeke اور پروفیسر گولڈزیہر Goldziher کی یادداشتیں شائع ہو چکی ہیں اور نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں۔

حال میں ایک نہایت قیمتی یادداشت پروفیسر ہیوار Huart نے شائع کی ہے جو ہمیں گزشتہ مہینے پیرس سے وصول ہوئی ہے۔ اس یادداشت میں پروفیسر موصوف نے نہ صرف اپنی جستجوؤں کے نتائج درج کئے ہیں بلکہ گذشتہ دور کے دو بہت بڑے فرانسیسی مستشرقوں پروفیسر دی سلان De Slane اور پروفیسر ڈیرن برگ Derenbourg کی بعض غیر مطبوعہ یادداشتوں سے بھی ضروری فوائد اخذ کئے ہیں۔

پروفیسر دی۔ سلان کا انتقال ۱۸۷۸ء میں ہوا۔ وہ انیسویں صدی کے مشاہیر مستشرقین میں تھے۔ مقدمۂ ابن خلدون، تاریخ بربر ابن خلدون، اور ابن خلکان کا فرانسیسی ترجمہ اُنہی کے قلم کا رہین منت ہے۔ مقدمہ ابن خلدون کے ترجمہ و اشاعت کا کام در اصل ایٹن کواٹرمٹر نے شروع کیا تھا۔ مگر تکمیل انہی کے قلم و سعی سے ہوئی۔ قومی کتب خانہ پیرس کے مشرقی مخطوطات کی فہرست بھی انہی نے مرتب کی تھی۔

پروفیسر ڈیرن برگ کا انتقال ۱۹۰۸ء میں ہوا۔ یہ اسی نام کے مستشرق باپ کا مستشرق بیٹا ہے۔ سیبویہ کی الکتاب (جو کلکتہ میں ایشیاٹک سوسائٹی چھاپ چکی ہے) یورپ میں اسی کے اہتمام سے چھپی تھی۔ کتاب الفخری، دیوان نابغہ، کتاب الاعتبار ابن منقد وغیرہ بھی اسی کی سعی و محنت سے مرتب و شائع ہوئی۔ بعد کو الفخری کی نقل مصر میں شرکت احیاء کتب عربیہ نے بھی چھاپ دی۔

پروفیسر ہیوار موجودہ عہد کے مستند فرانسیسی مستشرق ہیں۔ یہ پہلے مصر کے فرانسیسی قنصل خانہ میں کاتب تھے۔ پھر ترقی کرتے کرتے قنصل جنرل ہو گئے۔ اب ایک عرصے سے پیرس کے مدرسہ لغات حیہ میں طلبہ کے معلم ہیں۔ اسلامی و عربی علوم و ادب پر ان کی

مصنفات بکثرت شائع ہو چکی ہیں۔ تاریخ عرب، تاریخ ادبیات عرب، تاریخ بغداد جدید، وغیرہ کتابیں مشہور و مقبول ہیں۔ ابو زید بلخی کی کتاب الخلیقہ انہی کے سعی و اہتمام سے شائع ہوئی۔ کای فونگو (چین) کی ایک قدیم مسجد کے عربی و فارسی نقوش پر بھی ان کا ایک رسالہ شائع ہو چکا ہے۔ اس یادداشت میں عربی اور فارسی، دونوں زبانوں کے بعض نوادر پر معلومات موجود ہیں۔ ایک ترکی (عثمانی) کتاب کا بھی ذکر ہے۔ ہم آئندہ اس کے بعض اہم فوائد ہدیۂ قارئین کریں گے۔

امام ابن قیم کی کتاب العلم والعلماء

امام ابن قیم کی مصنفات کا بڑا ذخیرہ شائع ہو چکا ہے، لیکن روز بروز نئی کتابیں نکلتی ہی آتی ہیں۔ حافظ ابن رجب نے طبقات میں ان کی ایک کتاب کا نام "کتاب العلم والعلماء" لکھا ہے۔ اُ تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ اس کا ایک نہایت عمدہ نسخہ جس پر اُن کے شاگرد فیروز آبادی (صاحب قاموس) کا دستخط ثبت ہے، دمشق میں نکل آیا ہے اور اسکی اشاعت کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔

العبر فی اخبار البشر

الہلال نمبر ۲ میں ہم نے امام شمس الدین ذہبی، کی تاریخ کبیر کی نسبت اطلاع دی تھی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ان کی ایک دوسری تاریخ "العبر فی اخبار البشر" بھی زیر تصحیح و طباعت ہے۔

امام موصوف نے اپنے تذکرہ میں خود تصریح کی ہے کہ انھوں نے پہلے مطول و مبسوط تاریخ الاسلام (تاریخ کبیر) لکھی۔ پھر اس سے مختصرات منتخب کر کے چار چھوٹی چھوٹی کتابیں الگ کر لیں:

(۱) الدول الاسلامیہ: یہ تاریخ کبیر کا اختصار ہے، اور بعض کتابخانوں میں چار جلدیں ہیں بعض میں دو۔ اس کا سب سے زیادہ بہتر اور مکمل نسخہ قسطنطنیہ کے کتب خانہ کوپرلی میں ہے۔

(۲) طبقات الحفاظ: اسمیں صرف اُن حفاظ حدیث کے حالات لے لئے ہیں جن کے تراجم بہ سلسلۂ تاریخ، تاریخ کبیر میں آئے تھے۔ حافظ جلال الدین سیوطی کی طبقات اسی کا اختصار و تکملہ ہے۔ ۱۸۳۳ء میں پروفیسر وستنفیلڈ نے اسے تین جلدوں میں چھاپکر شائع کیا۔

(۳) طبقات القراء: اسمیں قراء کے تراجم تاریخ کبیر سے اخذ کر کے بہ ترتیب طبقات جمع کئے ہیں۔ اسکے نسخے پیرس کے قومی کتبخانہ اور قسطنطنیہ کے کتبخانۂ کوپرلی اور ینی جامع میں موجود ہیں۔ متعدد علماء نے اس کے ذیل بھی لکھے تھے۔ حافظ سیوطی کا ذیل چھپ گیا ہے۔

(۴) العبر فی اخبار البشر یہ ایک مختصر تاریخ عام دو جلدوں میں ہے۔ اسمیں اور دول الاسلامیہ میں یہ فرق ہے کہ اُسکی ترتیب حروف تہجی کی ترتیب ہے۔ اس کی ترتیب سنین کی ترتیب ہے۔ سنہ ہجری کی ابتدا سے لے کر ۷۴۰ھ کے تمام حوادث و وفیات اسمیں مل جاتے ہیں۔ ابن شماع (متوفی ۹۳۶ھ) نے اس کا ذیل لکھا تھا۔ اسکے نسخے برٹش میوزیم اور ایا صوفیا قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

اسی آخری کتاب کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ بعض اہل علم کی سعی سے قاہرہ میں چھپنا شروع ہو گئی ہے۔ عنقریب پہلی جلد مکمل ہو کر شائع ہو جائے گی۔

فہرست

البلاغ پریس کلکتہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (القرآن الحکیم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۹ — کلکتہ : جمعہ ۱۳ . صفر ۱۳۴۶ ہجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 12, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی .
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین . آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی . ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الھلال

قارئین الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ٥٦١ مراسلات وصول ھوی ھین . تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	٥٦	اردو حروف کی حق مین	١٨٢
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	١٠٥	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	١٧٨	نستعلیق ھون	٤٠

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی . آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین .

الھلال

نوجوان چونک اُٹھا - اِدھر اُدھر گھبراھٹ سے دیکھنے لگا - سمجھا ' اُسے ھم مدرسہ پکار رھے ھیں - مگر وھاں کوئی انسان بھی نظر نہ آیا -

" دیوکلس !" — " دیوکلس !" نوجوان تمنائی نے نگاہ اٹھا کر بت کو دیکھا - کیا دیکھتا ھے کہ سچ مچ کو اُسکے ھونٹ ھل رھے ھیں ! ... اچانک سنگ مرمر کے ھاتھہ میں جنبش ھوئی .....
دیوی نے اپنا ھاتھہ دیوکلس کے کندھے پر رکھہ دیا ...... بجلی کی ایک طاقتور لہر اُسکے بدن میں دوڑ گئی - بید کی طرح تھر تھرانے لگا - خوف کی شدت سے اُسکے حواس معطل ھوگئے ......

لیکن آواز ابتک آ رھی تھی " دیوکلس ! " " دیوکلس !"

" دیوکلس ! تونے مجھے پکارا - لے ' میں آگئی - تیری مناجات میں نے سن لی ، بول ' کیا مانگتا ھے ؟"

دھشت سے نوجوان کی سانس رک گئی - بے اختیار زمین پر گر پڑا - قریب تھا ' بیہوش ھو جائے - جب کچھہ عرصہ کے بعد اُسکے ھوش حواس واپس آنے لگے - تو اُس نے خوفزدہ نظروں سے دیوی کو دیکھا :

" ھاں مقدس دیوی !" اُسنے کانپتی ھوئی آواز سے کہا " میں ھی تیرے حضور زار نالی کر رھا تھا - مجھے " حقیقت " کی جستجو ھے - میں " حقیقت " کو دیکھنا چاھتا ھوں - میں اُسے بے نقاب دیکھنا چاھتا ھوں ... "

" تو حقیقت کی کھوج میں ھے !" دیوی نے اپنی پر رعب آواز میں کہا " حقیقت خود یہی " وجود " ھے - حقیقت کہاں نہیں ھے ؟ لیکن ھاں ' بے پردہ ' بے نقاب حقیقت ' کبھی کوئی کائناتی نگاہ نہ دیکھہ سکی - کسی نے اسکے دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کی - بے نقاب حقیقت انسان کی حد نگاہ سے باھر ھے - تاھم اگر تیری یہی ضد ھے تو سمجھہ لے ' تجھے بڑی قیمت ادا کرنی پڑیگی ' ایسی بڑی ' جسکی شاید تجھے قدرت نہیں - تجھے دولت ' عظمت ' حسن — سب سے دست بردار ھوجانا پڑیگا - تجھے زندگی کا بھی آرزومند نہ ھونا چاھیے - دیوتاؤں نے " حقیقت " سے بڑھکر کوئی دولت کائنات کی اولاد کو نہیں دی ھے "

" میں اِن سب سے ھمیشہ کیلیے بخوشی دست بردار ھوتا ھوں " دیوکلس نے خوش ھوکر کہا " میں سورج بھی چھوڑنے پر طیار ھوں "

دیوی نے اپنا سر جھکا لیا - ھر طرف خاموشی پھیل گئی - درخت " زئس " کی اِس با عظمت لڑکی کی تعظیم میں جھک گئے !

دیوی نے پھر سر اٹھایا :

" بہتر " اُسنے آدمیوں کی طرح لفظوں میں کہا " تجھے حقیقت دکھادی جائیگی - لیکن ایک ھی مرتبہ میں تو اُسے نہیں دیکھہ سکتا - میں ھر سال ایک دفعہ تجھے وھاں لیجایا کرونگی - تو اُسکے چھپانے والے پردوں میں سے ' ھر مرتبہ ' ایک پردہ چاک کرسکے گا ... تو زندگی کے لباس میں رھے گا ' یہانتک کہ حقیقت عریاں اپنی آنکھوں سے دیکھہ لے "

* * *

نوجوان کا چہرہ مسرت امید سے دمکنے لگا - وہ خاموش رھا کہ دیکھے اب دیوی کیا کرتی ھے - اچانک وہ حیرت سے دم بخود ھوگیا - دیوی نے اپنی سنگ مرمر کی چادر اتار دی - دیوکلس کی آنکھیں دختر زئس کے حسن و جلال سے چکا چوند ھوگئیں - چشم زدن میں بت نور کا پتلہ بن گیا - ... اب اُس میں حرکت ھوئی ... اُسنے نوجوان کو گود میں اٹھا لیا - لامتناھی فضا میں پرواز شروع کردی - ایک نامعلوم خطہ میں جا پہنچی - دیوکلس نے دیکھا ' ایک سر بفلک پہاڑ پر وہ کھڑا ھے ...

یہاں ' پہاڑ پر ' نوجوان نے کالی بدلیوں کے اندر ایک پرچھائیں سی دیکھی - جوش شناخت میں اسکی روح اُسکے حلقہ ھاے چشم میں سمٹ آئی مگر وہ اسکے خال و خط نہ دیکھہ سکا !

" یہی حقیقت ھے " دیوی نے اپنی انگلی سے اشارہ کرکے کہا " یہی اپنی دھندلی شعاعیں زمین پر ڈالتی ھے اور فلسفی اور حکیم اُن میں نور حق کا سایہ ڈھونڈھتے ھیں - اگر یہ شعاعیں نہ ھوتیں تو دنیا تاریک رات کی طرح اندھیری ھوجاتی - انسان کی نگاہ حقیقت کو اِنہی شعاعوں میں دیکھہ سکتی ھے - تم دیکھہ رھے ھو ' وہ کس قدر ھلکی ' کیسی دھندلی شعاعیں ھیں ؟ حقیقت بے حد روشن ھے - اتنی روشن کہ سورج کی روشنی سے بھی تم اسکا قیاس نہیں کرسکتے - مگر وہ اِن پردوں کے اندر چھپی ھوئی ھے - صرف اُسکا سایہ ھی نظر آسکتا ھے - آگے بڑھ ' اور اُسکا ایک پردہ چاک کر ڈال "

دیوکلس نے دیوی کے حکم کی تعمیل کی -

ھاتھہ لگتے ھی پردہ سفید پرند بن گیا - تھوڑی دیر نوجوان کے سر پر منڈلایا - پھر سیدھا آسمان کی طرف اُڑ گیا !

دیوکلس نے اب دیکھا - حقیقت کی شعاعیں پہلے سے زیادہ صاف اور روشن ھیں !

دیوی اُسے پھر زمین پر اُڑا لائی - وہ اپنی اکاڈیمی میں گیا ' اور دیوی اپنا مرمری جامہ پہنکر پھر بت بن گئی !

* * *

دیوکلس نے دیوی سے اپنا وعدہ پورا کیا - آرام و راحت سے منھہ موڑ لیا ' خلوت میں بیٹھا ' اور غور و فکر میں یکقلم مستغرق ھوگیا -

اب وہ انسانوں کے کسی مجمع میں نظر نہیں آتا تھا - ایتھنس کے تمام میلے اس سے خالی ھوگئے تھے -

دوسرے سال اپنے مقررہ وقت پر ' وہ پھر سنگ مرمر کے بت کے سامنے سر بسجود تھا - دیوی نے حرکت کی ' اور پہلی مرتبہ کی طرح اُسے غیر معلوم پہاڑ پر اُڑا لے گئی - اب اُسنے حقیقت کا دوسرا پردہ چاک کردیا - اس مرتبہ روشنی اور بھی زیادہ تیز ھوگئی - پھر وہ زمین پر واپس آ گیا - اُسکی زھد و خلوت پسندی اب اور زیادہ گہری ھوگئی تھی -

* * *

اُسکے رفیق اِس تبدیلی پر متعجب تھے - اُنھوں نے اُسے بہت بہت پھسلایا ' مگر وہ اپنے گوشۂ انزوا سے باھر نہ نکلا -

ایتھنس کی بعض حسین دو شیزہ لڑکیوں سے اُسکی ملاقات تھی - ایک فتنہ گر حسن اُس سے محبت بھی کرتی تھی - اُسکی یہ حالت دیکھکر ایک دن اُسکے پاس گئی :

" دیوکلس ! کیا بات ھے ؟" دو شیزہ نے مسکرا کر کہا " تم مجھہ سے بیزار کیوں ھوگئے ؟ یہ دیکھو ' میری آنکھیں ستاروں کی طرح چمکتی ھیں - میرے بال شعاعوں سے بھی زیادہ چمکیلے ھیں - میرا جسم کیسا دلفریب ھے ؟ میں نے تمھارے سوال محبت کا جواب دیا تھا ' مگر اب میں خود تم سے جواب محبت کی سائل ھوں - مجھے دیکھو ' میری محبت کی تحقیر نہ کرو - خود دیوتا بھی محبت سے انکار نہیں کرتے "

حقیقت کہاں ہے ؟

یونانی علم الاصنام کا ایک افسانۂ حکمت

قدیم یونان کے مرکز ایتھنس ، فلسفہ کے گہوارے اور حکمت کے سر چشمے پر ، رات کی خاموشی چھا گئی تھی -

رات نے اپنی سیاہ قناتیں تان دیں - محو خواب شہر کی لمبی سانسوں کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی - اتنے میں چاند نکل آیا - روپہلی چاندنی کوہ و دشت پر پھیل گئی - مندروں کی سنہری برجیاں چمک اٹھیں - زیتون اور خرمے کے درخت بے ساختہ کھلکھلا اُٹھے !

شہروں کی ملکہ ایتھنس سو رہی ہے - دروازوں پر چوکیدار اونگھ رہے ہیں - لیکن ، صرف ایک نوجوان ہے جو اب تک جاگ رہا ہے !

دیوکلس حسن ، ذہانت ، دولت کے خزانوں کا مالک ہے - اکاڈیمی میں حکمت کا طالب علم ہے - اپنا پورا دن ، اور رات کے بھی بہت سے گھنٹے ، علم و حکمت کے پہلو میں گزارتا ہے - صحبت و معاشرت سے بیزار ہے - ایک پورے حکیم کی طرح پورا خلوت پسند ہے - تفکرات کے سمندر میں شب و روز غواصی ! بس یہی اُس کا مشغلہ ہے -

ایتھنس ، یعنی حکمت کی دیوی کا مرمری خوبصورت بت اکاڈیمی کے صحن میں نصب تھا - دیوکلس سب طالب علموں سے زیادہ ، حکمت کے اس خاموش مجسمہ کے پاس جاتا اور ہمیشہ اُس کے تصور میں غرق رہتا - اُس کی دل کی مناجاتوں کا قبلہ یہی تھا - اُس کے دماغ کے استغراق کا مرکز اِسی میں تھا - وہ اس کی دلفریب صورت پر غور کرتا - وہ اُس کے جمال معنی و حقیقت کی جستجو میں محو ہوجاتا - وہ اُس سے حکمت کی وحی اور علم کا پیام ربانی طلب کرتا - وہ حکمت کی جستجو میں حکمت کے مجسمہ کا عاشق تھا !

***

آج رات دیوکلس پھر دیوی کے سامنے دست بستہ کھڑا ہے -

رات ڈھل گئی ، مگر وہ بے حس و حرکت کھڑا ہے - اچانک اُس نے سر اٹھایا اور بت کے قدموں پر گر پڑا - بوسوں پر بوسے لیے - آنسوؤں سے اُس کے پاؤں دھونے لگا :

" اے علم و حکمت کے مظہر محبوب ! رحم ، رحم ، مجھے ایک نظر دیکھ لے ! ایک مرتبہ کے لیے میری التجائیں سن لے ! "

وہ دیر تک آنکھوں کے آنسوؤں اور زبان کی دعاؤں سے مناجات کرتا رہا - پھر اُس نے نظر اُٹھائی - چاند نے اپنی شعاعیں جمع کرکے دیوی کے چہرے کی رعنائی بے حساب کردی تھی !

ہوا چلتے چلتے رک گئی - پتوں کا شور تھم گیا - پہلے سے زیادہ سکون طاری ہوگیا - نوجوان کا دل تنگ ہوا - اُس نے لمبی آہ بھری ، اور آہ کے ساتھ ہی آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر پھیل گئیں :

" مقدس دیوی ! " دیوکلس نے جوش سے چلا کر کہا " تیرے ہی قدموں پر میرا سر دھرا ہے - تیری ہی عبادت پر میری روح جھکی ہے - تو نے میرے دل کو حکمت کے عشق سے معمور کردیا - تو نے کمال کا لازوال شوق پیدا کردیا - تو نے حقیقت کی جستجو کی آگ سلگا دی - یہ آگ اب جلائے ڈالتی ہے - یا تو ہمیشہ کے لیے اِسے ٹھنڈا کردے ، یا حقیقت کا جمال پنہاں ایک مرتبہ دکھا دے - ہاں ، حقیقت ، مقدس ، عظیم حقیقت ، اِس مہیب کائنات کی حقیقت ، اس ہولناک ازلیت و ابدیت کی حقیقت ، ہر وجود کی روح ، مجرد حقیقت ، عریاں حقیقت - وہ حقیقت ، جس کی جستجو میں تمام فلاسفہ سرگرداں رہے ، اور حکیموں کو بستر خواب پر کبھی نیند نہ آئی - حکمت کی پاک دیوی ! حقیقت کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے بے نقاب کردے - میں اسے جاننا اور دیکھنا چاہتا ہوں - میں اُسے سارے پردوں اور نقابوں کے اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں - میں اس کی پرشش پر دل بد چکا ہوں - میں اُس کی راہ میں اپنی زندگی اور زندگی کی تمام مسرتیں ، اپنی دولت ، عزت ، حسن ، شباب ، محبت ، سب کچھ قربان کردونگا "

دیوکلس نے یہ کہا اور گردن اٹھا کر دیوی کا منھ دیکھا - وہ بدستور خاموش اور بے حس و حرکت تھی - نوجوان نے اپنی پیشانی پھر اُس کے مرمری قدموں پر رکھدی اور گڑگڑانے لگا - اُس کی روح ، اُس کی آنکھیں ، اُس کی زبان ، تینوں دیوی کے قدموں پر تھے - روح آتش شوق سے جل رہی تھی - آنکھیں جوشش عشق میں بہہ رہی تھیں - زبان ولولۂ مناجات سے وارفتہ تھی !

***

اچانک درختوں کے پتے ہلے ، ڈالیوں میں جنبش ہوئی ، نسیم کے جھونکے چلے - ہوا میں ایک آواز گونجی : " دیوکلس ! " " دیوکلس ! "

زمین پر کائنات حیات کا آغاز

علم و نظر کي درماندگیاں

روئے زمین پر ذي روح مخلوقات بہت مدت سے موجود هیں - ماهرین طبقات الارض کا تخمینہ دس کروڑ سال کا ہے - بلا شبہ یہ تخمینہ ظني ہے - لیکن یہ یقیني ہے کہ بہت هي قدیم زمانوں سے زمین پر زندگي موجود ہے - زمین کي زیادہ سے زیادہ گہري اور پراني پرتوں اور تہون میں بھي زندہ کائنات کے نشان ملے هیں -

(نظام شمسي)

زمین پر زندگي کا آغاز کب هوا اور کس طرح هوا ؟ اِس سوال سے پہلے یہ بحث سامنے آتي ہے کہ موجودہ صورت اختیار کرنے سے پہلے خود زمین کي حالت کیا تھي اور اُس پر کتنے دور انقلاب کے گزر چکے هیں ؟

زمین ' نظام شمسي میں داخل ہے - اِس نظام میں آفتاب مرکزي حیثیت رکھتا ہے - اور سیارہ (گردش کرنے والے ستارے) اُسکے گرد گھوم رہے هیں - یہ ستارے سورج سے بہت دور هیں - مرکز سے جتني دوري بڑھتي ہے' اُتنا هي فاصلہ بھي زیادہ هو جاتا ہے - ذیل میں تخمیني فاصلہ ملاحظہ هو :—

عطارد	—	۱٬۴۰٬۰۰٬۰۰۰	میل
زهرہ	—	۲٬۶۰٬۰۰٬۰۰۰	"
زمین	—	۳٬۷۰٬۰۰٬۰۰۰	"
مریخ	—	۵٬۶۰٬۰۰٬۰۰۰	"
مشتري	—	۱۹٬۲۰٬۰۰٬۰۰۰	"
زحل	—	۵۵٬۵۰٬۰۰٬۰۰۰	"
اورانوس	—	۷۳٬۰۰٬۰۰٬۰۰۰	"
نبتّون	—	۱٬۱۵٬۰۰٬۰۰٬۰۰۰	"

مریخ اور مشتري کے مابین ایک عظیم دائرہ موجود ہے - اِس میں سو سے زیادہ چھوٹے چھوٹے سیارات ' آفتاب کے گرد گردش کرتے هیں - اور اُس سے تقریباً دس کروڑ میل دور هیں -

هر بڑے ستارے کے ساتھ ایک یا کئي چاند هیں - اور اسکے گرد چکر لگاتے رہتے هیں - چنانچہ زمین کے ساتھ ایک ' مشتري کے ساتھ چار' زحل کے ساتھ دس' اورانوس کے ساتھ چار' اور نبتّون کے ساتھ ایک ہے -

آفتاب اپنے مرکز میں رہ کر تمام کواکب کو اپني طرف جذب کرتا اور کھینچتا ہے - یہ تمام کواکب اور آفتاب مختلف قسم کي دھاتوں چٹانوں' اور مشتعل گیسوں سے مرکب هیں - یہ دھاتیں اُسي قسم کي هیں ' جیسي زمین میں هم دیکھتے هیں - آفتاب اِن تمام کواکب سے بہت بڑا ہے - زمین کا قطر اسکے مقابلہ میں صرف ۱/۱۰۸ ہے - زمین کا حجم آفتاب کے حجم کے سامنے صرف ۱/۱۲۸۰۰۰۰ ہے - مشتري سب سے بڑے ستاروں میں ہے - مگر اسکا قطر بھي آفتاب سے ۱/۱۵ کي نسبت رکھتا ہے - فلکیوں نے تمام کواکب اور آفتاب کے وزن کا بھي تخمینہ لگایا ہے - انکے اندازہ میں آفتاب اپنے تمام کواکب کے مجموعي وزن سے بھي سات سو گنا زیادہ وزني ہے - زمین تو اسکے مقابلہ میں بالکل هي بے حقیقت ہے - وہ زمین سے ۳۲۴۰۰۰ گنا زیادہ وزني ہے !

آسمان پر آفتاب کے علاوہ اور نظام شمسي سے باهر' بعض اور کرے بھي موجود هیں - ان میں سے بعض نظام شمسي سے بھي زیادہ بڑے هیں - یہ اثیر (ایتھر) اور گیسي مواد سے مرکب هیں - اور خود اپنے گرد گردش کرتے رہتے هیں -

اِس مشاهدہ کے بعد اگر هم نظام شمسي کو دیکھیں ' اس کے انداز پر غور کریں' اور اپنے مرکزي آفتاب ' اور اسکے حلقہ کے کواکب کي گردش پر نظر ڈالیں' پھر اسکے بعد اثیر کے کرون پر غور کریں' تو باهمي مشابہت کي وجہ سے فوراً ذهن میں یہ خیال پیدا هو جایگا کہ شاید آفتاب کي تاریخ اثیر هي سے وابستہ ہے -

اِس خیال کي تائید اِس امر واقع سے بھي هوتي ہے کہ اگر هم کسي سیال مادہ میں گردشي حرکت پیدا کردیں ' تو فوراً دیکھینگے کہ وہ کئي حلقوں میں منقسم هوگیا ہے - سب حلقے مرکز کے گرد گھوم رہے هیں اور خود هر حلقہ اپنے اندر ایک گردشي حرکت رکھتا ہے - یہ حرکت بہت بڑي علمي اهمیت رکھتي ہے - جیسا کہ ابھي معلوم هوگا -

(زمین میں حرارت)

اگر هم زمین کے اندر اُتریں (جیسا کہ کانوں میں یا کنویں کھودتے وقت دیکھا گیا ہے) تو هر ۳۳ میٹر گہرائي میں حرارت ' سنٹي گریڈ کا ایک درجہ بڑھتي جائیگي - اِس حساب سے ایک لاکھ کیلو میٹر نیچے ' حرارت کا درجہ تقریباً تین هزار هوگا - معلوم ہے کہ اتني حرارت جملہ معدنیات کے پگھلا ڈالنے اور اکثر معلومہ مرکبات کو گیس بنادینے کیلیے بالکل کافي ہے - پھر همیں یہ بھي معلوم ہے کہ زمین کا نصف قطر تقریباً چھہ هزار کیلومیٹر (۶۰٬۰۰٬۰۰۰ متر) ہے - بنابریں زمین کے مرکزي حصہ کا حجم ' جو مشتعل معدني مواد سے مرکب ہے ' اُسکي اِس سطح یا چھلکے کے حجم سے بہت زیادہ ہے جسپر هم آباد هیں -

زمین کا مرکزي حصہ سیال ہے یا ٹھوس ؟ اِس بارے میں علماء میں اختلاف ہے - بڑا گروہ اُسے ٹھوس بتاتا ہے ' کیونکہ زمین کي

دیوکلس نے دوشیزہ پر ایک سرد نظر ڈالي اور کہا :

" محبت میرے دل سے اُسي طرح اڑ گئي ھے جس طرح دوسرا پردہ اڑ گیا تھا " اُسنے یہ کہا اور ایک طرف کو چلدیا !

دوشیزہ حیرت سے اُسے دیکھتي رھي - بھلا یہ رمزوہ کیونکر سمجھہ سکتي تھي ؟ اُسنے خیال کیا ' دیوکلس دیوانہ ھوگیا ھے -

***

ایک سال بعد دیوکلس نے تیسرا پردہ چاک کیا - اُسکي نظر اور بھي زیادہ تیز ھوگئي - اسکا نفس ناطقہ زیادہ شائستہ اور بلند مرتبت ھوگیا !

اب فلسفہ کے حلقوں سے بھي وہ الگ ھوگیا - اگر کبھي اتفاق سے وہ عوام کے سامنے بولتا تو لوگوں کے کان اُسکے لیے وقف ھو جاتے - انساني دلوں کے لیے اُسکي آواز میں ایک ایسي تاثیر تھي کہ یونان کے صحنہاے حکمت میں کسي بڑے سے بڑے حکیم کي آواز کو بھي نہ ملي ھوگي - پورے ایتھنس نے جمع ھوکر فیصلہ کردیا کہ دیوکلس ' استاد عظیم افلاطون اور دوسرے تمام حکیموں سے بازي لیگیا - اُس سے منتیں کي گئیں کہ فلسفہ کي امامت قبول کرلے مگر اسنے بے پروائي سے انکار کردیا -

اسي زمانہ میں ایسا ھوا کہ ایتھنس پر دشمنوں نے حملہ کردیا - دیوکلس وطن کي مدافعت میں پیش پیش تھا - بے نظیر شجاعت سے لڑا - آخر زخموں سے چور چور لوٹا - ایتھنس کو فتح ھوئي - بہادروں کو فورم میں پھولوں کے تاج تقسیم کیے گیے - سب سے بڑا تاج دیوکلس کے واسطے طیار ھوا تھا - مگر عین وقت پر جب اُسے پکارا گیا ' تو وہ موجود نہ تھا !

***

برسوں پر برس گذرتے چلے گیے - ھر برس دیوکلس حقیقت کا ایک پردہ چاک کر آتا تھا - ابھي وہ جوان تھا مگر اسکا سر سفید ھوگیا - کمر جھک گئي - آنکھیں دھنس گئیں - قوي کمزور پڑ گیے - اِسپر بھي وہ خوش تھا ' کیونکہ وہ عنقریب " حقیقت " کا مشاھدہ کرنے والا تھا ' اُس حقیقت کا بے پردہ بے نقاب مشاھدہ ' جسے کبھي کسي بشر نے نہیں دیکھا !

***

آخر فیصلہ کي رات آگئي - آج " حقیقت " پر سے آخري پردہ بھي اُٹھہ جایگا - آج بے نقاب حقیقت اسکے سامنے ھوگي !

دیوي ' دیوکلس کو حسب عادت اڑالے گئي - اور حسب معمول حقیقت ' کے سایہ کے سامنے کھڑا کردیا :

" دیکھہ ' حقیقت کس قدر تابان ھے ! پچھلے برسوں میں جتنے پردے تونے چاک کیے ' وہ اسکے چہرے کے پردے نہ تھے - تیري ھي غفلت کے پردے تھے جو تونے اپني آنکھوں پر ڈال لیے تھے - تونے ایک ایک کرکے تمام غفلتیں دور کردیں - آج آخري پردے کي باري ھے - اسکے بعد تو روبرو حقیقت کا جلوہ دیکھہ لیگا - اگر تو اپنے کیے پر پشیمان ھے ' یا تیرے دل میں ذرا بھي خوف موجود ھے ' تو اب بھي وقت ھے - لوٹ جا ' اور باقي زندگي چین سے گزار "

دیوکلس ' جوش طلب سے دیوانہ ھوکر چلایا :

" اِسي منزل کي طلب میں تو میں نے ساري عمر گزاردي - اب میں " حقیقت " سے کس طرح منھہ موڑ سکتا ھوں ؟ میں آخري پردہ بھي چاک کرونگا - میں حقیقت کو ضرور بے نقاب دیکھونگا "

اُسنے یہ کہا اور آگے بڑھا - اُسکا دل دھڑکنے لگا - ھاتھہ کانپنے لگا - وہ اپني بزدلي پر شرمندہ ھو رھا تھا مگر عمل کي ھیبت و دھشت سے بے بس تھا - اس نے دانت بھینچے ' آنکھیں بند کیں ' دل کڑا کے آگے بڑھا ' ھاتھہ بڑھایا ' اور آخري پردہ بھي کھینچ لیا ......

اُف ' ھولناکي !

پردہ ھٹتے ھي روشني غائب ھوگئي —— گھٹا ٹوپ اندھیري چھا گئي ... کچھہ بھي دکھائي نہیں دیتا تھا !

دیوکلس نے اتنے زور سے چیخ ماري کہ قریب تھا ' اسکا سینہ شق ھو جاے :

" حقیقت کہاں ھے ؟ حقیقت کہاں ھے ؟ اے دیوي ! حقیقت کہاں ھے ؟ مجھے تو کچھہ سوجھائي نہیں دیتا - وہ ' جو آخري پردے کے پیچھے تھي ' کہاں چلي گئي ؟ ساري دنیا تاریک ھو رھي ھے ... "

" تیري آنکھیں پھوٹ گئیں ! " حکمت کي دیوي نے وقار سے کہا " اے کائنات کے بیٹے ' تیري آخري غفلت بھي اڑ گئي ! بے نقاب حقیقت کوئي بھي نہیں دیکھہ سکتا - اگر دیکھہ سکتا ھے تو اُسے پردوں ھي میں لپٹا دیکھہ سکتا ھے - کوئي دس پردوں کے اندر سے دیکھتا ھے - کوئي اِس سے کم میں دیکھتا ھے - کوئي اِس سے بھي زیادہ میں - مگر حقیقت عریاں کا مشاھدہ ناممکن ھے ... تونے دیکھنا چاھا ' تو تونے دیکھہ لیا کہ تو کیا دیکھہ سکتا ھے ! ... "

دیوکلس نے یہ سنا اور منھہ کے بھل زمین پر گر پڑا - اب اُسکے جسم میں روح موجود نہ تھي ... شاید " حقیقت " کي جستجو میں اُسنے دوسري دنیا کي راہ لي تھي ... "

پیدا ہوتے ہیں ' اور ایک جان سے دوسرے وجود کی جان متولد ہوتی ہے - چنانچہ اس نے تجربہ کرکے دکھا دیا کہ انجیکشن کا قوام ' گوشت کا ست ' اور آلو جیسی ترکاریاں جو انکی مزعومہ پیدایش کا سب سے بہتر اور اصلح محل ہیں ' جب ہوا سے بالکل محفوظ کردی جاتی ہیں یا بہت اچھی طرح اُبالدی جاتی ہیں ' تو ان میں جراثیم کی پیدایش بالکل نہیں ہوتی - موجودہ علماء مادیئین کا خیال ہے کہ پاسٹیور نے اپنے تجارب سے مذہب تولد ذاتی کی دلیلیں کمزور کردی ہیں -

عہد آخر کے حکما میں ارنست ہیگل ' مذہب تولد ذاتی کا سب سے بڑا عالم ہے - وہ کہتا ہے " اگر فی الحال تولد ذاتی کا وقوع ناممکن نظر آتا ہے تو اِس سے بطلان لازم نہیں آجاتا - کیونکہ جس زمانہ میں یہ واقع ہوا تھا ' اُس وقت سمندروں کا پانی ایک خاص طبعی حالت اور کیمیاوی خاصیت رکھتا تھا - حرارت کا درجہ ' نمک کی نوعیت ' اور پگھلے ہوئے گیسوں کی کیفیت کچھہ اور ہی طرحکی تھی - ایک محدود زمانہ تک یہی حالت رہی - پھر اُس کے بعد کبھی پیش نہیں آئی - لہذا تولد ذاتی کے اِس وقت محال نظر آنے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ اُس عہد میں بھی محال تھا - اب زمین کی وہ حالت باقی نہیں رہی ہے جو اُس وقت تھی جب تولد ذاتی شروع ہوا تھا -

لیکن اس مذہب کے مخالف کہتے ہیں ' مشاہدہ اس خیال کی تصدیق نہیں کرتا - علماء علم الحیات نے سخت کوششیں کیں - طرح طرح کے تجربے کیے ' قسم قسم کے ماحول طیار کیے ' مختلف مواد میں کمی بیشی کی ' حرارت اور تمام معلوم شعاعوں کی روشنی مہیا کی ' لیکن پھر بھی زندگی بے جان مواد سے پیدا نہ ہوسکی - وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زندگی کے آغاز کے وقت سمندروں کی حالت کیسی ہی خاص اور زندگی پیدا کرنے کے لیے صالح کیوں نہ ہو ' لیکن اس حالت سے بہتر نہیں ہوسکتی جو مختلف سوائل جمع کرکے علماء حیات نے اب مہیا کردی ہے - تاہم کوئی کامیابی نہیں ہوئی -

(مختلف نظریے)

پھر آخر زمین پر زندگی کا آغاز کیوں کر ہوا ؟ اوپر کی بحث سے یہ گتھی ذرا بھی نہ سلجھی -

ایک بہت بڑا ماہر علم الحیات کہتا ہے " زمین پر زندگی ننھے ننھے کیڑوں اور سوکھے جراثیم کی شکل میں آئی ' مگر یہ اُن چھوٹے بڑے معدنی ٹکڑوں کے ذریعہ پہنچی تھی جو دوسرے ستاروں سے ٹوٹ کر ہماری زمین پر گرے تھے - اس وقت وہ اُس زندگی کے لیے مناسب ماحول رکھتی تھی " اِس عالم کا خیال ہے کہ کواکب میں زندگی ازل سے موجود ہے - اِنھی کواکب کے اجزاء ٹوٹ کر دوسرے کواکب میں زندگی کے جراثیم پہنچاتے رہے ہیں -

مشہور عالم علم الحیات ہل مہٹز اور ٹامسن کی بھی یہی رائے ہے - پروفیسر ارہنیس نے یہ نظریہ اور زیادہ وضاحت و اضافہ کے ساتھہ بیان کیا ہے - وہ کہتا ہے " زندگی بھی اُسی طرح ازلی ہے جس طرح خود مادہ ازلی ہے - زندگی کے تخم یا جراثیم کواکب سے ہمیشہ جدا ہوتے رہتے ہیں - آفتاب کے نور میں یہ خاصیت موجود ہے کہ وہ اِن حقیر جراثیم کو پھیلاتا اور فضا میں بہاتا ہے - آفتاب کے نور کی یہ خاصیت مکسویل کے تجربوں سے یقینی طور پر ثابت ہوچکی ہے -

بنابریں فضا اِن جراثیم سے لبریز ہے - یہ جراثیم پانی اور ہوا سے محروم ہونے پر بھی زندہ رہتے ہیں - نیز بالائی فضا کی سخت سردی بھی برداشت کرلیتے ہیں - علماء کا خیال ہے کہ وہاں برودت صفر سے ۲۲۰ - درجہ نیچے ہے - یہ جراثیم ہر لمحہ بہت بڑی مقدار میں آسمانی اجزاء کے ساتھہ ایک ستارہ سے دوسرے ستارے میں گرتے رہتے ہیں - آفتاب کی قوت دافعہ اس نقل و حرکت میں اُنہیں مدد دیتی ہے "

لیکن تولد ذاتی کا مذہب بھی اس وقت تک سپر انداز نہیں ہوا ہے - ارنست ہیگل کے بعد بفلوگر نے اس کی از سر نو صدائیں بلند کیں - اُس کا نظریہ بھی ہیگل کے نظریہ سے مشابہ ہے - وہ کہتا ہے " قابل حیات مادۂ زلالیہ (Albumen) بلا کسی واسطے کے اُس وقت خود بخود موجود ہوگیا تھا جب زمین کے پانی میں زندگی قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی - اِس مادہ کی تکوین ' سیانوجن (نٹروجن اور کاربون کا مرکب) آکسیجن ' اور دوسرے پگھلے ہوئے معدنی مواد کے اتحاد کا نتیجہ تھی - جوں ہی اِن اشیاء کا باہم اجتماع ہوا ' قابل حیات مادۂ زلالیہ وجود میں آگیا - پھر تدریجی ترقی کے بعد ادنی جانداروں کی شکل میں تبدیل ہوگیا - یہی ابتدائی جاندار ' جملہ حیوانات و نباتات کی اصل ہیں " اِس عالم کا خیال ہے کہ شروع میں صرف ایک جاندار نے ظہور کیا تھا - پھر اُس سے دو جاندار پیدا ہوگئے - یہی دونوں جملہ ذی روح کائنات کے مورث اعلی ہیں - ایک سے نبات کا سلسلہ شروع ہوا - دوسرے سے حیوان کا -

سنہ ۱۸۸۰ - میں ایک عالم پریبر نے تمام علماء سے مختلف مذہب اختیار کیا - وہ کہتا ہے " عالم کون میں زندگی ازلی و قدیم ہے - زمین پر زندگی اسوقت بھی موجود تھی جب وہ ایک آتشی کرہ تھی " وہ یہ بھی تسلیم نہیں کرتا کہ جمادات سے زندگی کا آغاز ہوا - اُسکا دعوی ہے کہ خود جمادات کسی ازلی زندگی سے پیدا ہوے ہیں - ظاہر ہے کہ یہ قول شاذ اور کمزور ہے - مشاہدے کے بھی خلاف ہے - ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ زندہ کائنات ایک خاص درجہ تک ہی حرارت برداشت کرسکتی ہیں - زیادہ سے زیادہ حرارت برداشت کرنے والے جراثیم کے تخم بھی سنٹی گریڈ کے ۱۲۰ - درجہ میں ۲۰ - منٹ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے - ایسی حالت میں زندگی کا اسوقت موجود ہونا جب یہ کرہ ایک آتشی کرہ تھا ' کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے ؟

(وما اوتیتم من العلم الا قلیلا)

غرضکہ زندگی کی گتھی باوجود علم کی اس تمام جد و جہد کے ' ابتک سلجھہ نہیں سکی ہے - یہ ایک معما ہے جس کا حل عقل انسانی کی دسترس سے باہر تھا اور اب تک باہر ہے - جس قدر بھی نظریے قائم کیے گئے ہیں ' اول تو وہ نظریہ سے زیادہ نہیں ' پھر ان میں بھی اس قدر فکر کا اضطراب اور راے کا اختلاف ہے کہ ظلمات بعضہا فوق بعض کے مصداق ہیں - اب سے تیرہ سو برس پہلے اس بارے میں ادعاء علم نے نہیں بلکہ زبان وحی نے ایک اعلان کیا تھا یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی دنیا آج بھی اس سے زیادہ کچھہ نہیں جانتی - اور اس لیے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا کا حکم بدستور عقل انسانی پر حکمراں ہے !

منجمد سطح اور اُسکے اوپر کي فضا اپنا بوجھ اُس پر ڈالے ھوئے ھے - زمین پر اِس وقت جس طرح کے آتش فشاں پہاڑ نظر آتے ھیں ایسے ھي پہاڑ اُن قدیم زمانوں میں بھي موجود تھے جو زمین کي عمر کا ابتدائي زمانہ تھا - اصطلاح طبقات الارض میں یہ دور " عہد ارضي " کہلاتا ھے -

گرم چشموں کا وجود اِس بات کي قطعي دلیل ھے کہ زمین کا باطن ایک عظیم مشتعل کرہ ھے - چونکہ جزء ھمیشہ کل کے ماتحت ھوتا ھے اس لیے عملاً تسلیم کرنا پڑتا ھے کہ زمین کي یہ پتلي پپڑي یا چھلکا بھي ایک زمانہ میں اپنے کل کي طرح مشتعل ھوگا - زمین اپني تاریخ کے کسي قدیم دور میں آتشي کرہ تھي -

چاند کو بھي اگر دوربین سے ھم دیکھیں تو اُس میں آتش فشانوں کے نمایاں نشان پائینگے - اِس سے صاف ثابت ھوتا ھے کہ چاند پر بھي تقریباً ویسے ھي تاریخي انقلاب طاري ھو چکے ھیں جیسے زمین پر گزر چکے ھیں -

(کانت اور لاپلاس کا نظریہ)

اِس طرح کے مشاھدات پر غور کرنے کے بعد جرمن فلاسفر کانت اور اس کے بعد فرنچ ریاضي داں لاپلاس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ شروع میں پورا نظام شمسي نہایت ھي گرم گیس کا بادلہ تھا - یہ بادلہ کسي نا معلوم محرک کے ذریعہ خود اپنے گرد گھومنے لگا - اس حرکت سے حلقے پیدا کیے - پھر ان کے مرکز میں کثافت و انجماد پیدا ھوگیا ' اور اِس کیفیت کے بعد یہي مرکز آفتاب بن گیا - پھر گردشي حرکت کي وجہ سے اُن حلقوں کے اندر بھي حلقے پیدا ھونے گئے - اِن ثانوي حلقوں میں سے ھر حلقے کے مرکز میں کثافت و انجماد کي کیفیت پیدا ھوئي اور ایک نیا کواکب تاري بن گیا - پھر اس مرکز سے محیط حلقوں میں بھي کثافت و انجماد کا عمل شروع ھوا اور بتدریج ایک یا کئي چاند پیدا ھوگئے - مگر یہ بھي اُس وقت آتشیں تھے - بتدریج ٹھنڈے ھوکر موجودہ شکل میں آئے ھیں - بعض کواکب کے گرد اب تک اُس تاریخي عہد کے حلقے موجود ھیں - چنانچہ دوربین میں زحل کے گرد علاوہ اُس کے دس چاندوں کے ' تین تہیں رکھنے والا گیسي حلقہ بھي دکھائي دیتا ھے -

خاص زمین کے متعلق مذکورہ بالا علماء کا نظریہ یہ ھے کہ وہ بتدریج ٹھنڈي ھونا شروع ھوئي ' یہانتک کہ اُس کي سطح جم گئي - جب زمین کي حرارت ۳۵۰ درجہ پر پہنچي تو اُس پر پاني کي موسلا دھار بارش ھوئي - جب حرارت اَور کم ھوئي اور ۱۰۰ درجہ پر آئي ' تو کھولتے ھوئے پاني کي بارش شروع ھوگئي - مگر چونکہ زمین اور اُس کي فضا کي حرارت ھنوز بہت زیادہ تھي ' اِس لیے پاني جمع نہ ھوسکا اور بھاپ بنکر اڑ گیا - پھر جب حرارت ۱۰۰ درجہ سے بھي کم ھوگئي ' تو اُس وقت بارش کا پاني جمع ھوا اور سمندروں کي تکوین ھوئي - اُس زمانہ کے سمندروں کا رقبہ موجودہ سمندروں سے بہت زیادہ تھا - کیونکہ اُس وقت زمین کا داخلي حصہ بہ سبب شدت حرارت کے پاني سے خالي تھا - اور اُسکي موجودہ سلوٹیں وجود میں نہیں آئي تھیں جنھوں نے بعد میں پہاڑ اور سمندر کي گہرائیاں بنائیں - سمندر کے متعلق یہ خیال محض نظریہ نہیں ھے بلکہ علماء طبقات الارض کا مشاھدہ ھے -

(کائنات حیات)

اب زندہ کائنات کي بحث سامنے آتي ھے - ظاھر ھے بہت شدید حرارت میں زندگي موجود نہیں ھوسکتي - اس لیے لازمي طور پر تسلیم کرنا پڑتا ھے کہ زمین اپنے اولین زمانوں میں زندگي سے خالي تھي - یہ تسلیم کرنے کے معني یہ ھوئے کہ ھم یہ بھي تسلیم کرتے ھیں کہ زمین پر زندگي ھمیشہ سے موجود نہیں تھي - بعد میں اُسکا آغاز ھوا -

اب یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ زندگي یا اولین ذي روح کائنات کا آغاز کن مواد سے ھوا ؟ کیا اُن جمے ھوے معدني مواد سے جو شدید حرارت کي وجہ سے اولین سمندروں میں پاني کي طرح بہہ رھے تھے ' اور گرمي کے کم ھونے پر جم گئے ؟ اگر یہ مان لیا جائے تو بحث ختم ھوجاتي ھے -

(دو مذھب)

لیکن بعض موانع ایسے موجود ھیں کہ اِس بات کا فوراً تسلیم کرلینا ممکن نہیں - اس کا فیصلہ اِس مسئلہ کے فیصلہ پر موقوف ھے کہ غیر ذي روح اشیا سے ذي روح اشیا پیدا ھوسکتي ھیں یا نہیں ؟ اس بارے میں جمہور اھل علم کا مذھب یہ ھے کہ نہیں ھوسکتیں یا کم از کم نہیں ھوتي ھیں ' لیکن تولد ذاتي کے قائل اسکے خلاف ھیں -

مذھب جمہور کي بنیاد واضح ھے - وہ کہتے ھیں اس طرح کي کوئي تخلیق علمي طریقہ پر ثابت نہیں ھوئي ھے - ایک زمانہ میں عوام کا یہ خیال خواص میں بھي پھیلا ھوا تھا کہ بہت سے جانور مٹي ' پاني ' اور مختلف غیر ذي روح مواد سے پیدا ھو جاتے ھیں - مثلاً وہ سمجھتے تھے ' حشرات الارض مٹي اور پاني سے پیدا ھو جاتے ھیں - مکھیاں اور مچھر گندگي اور کیچڑ سے پیدا ھوکر اڑنے لگتے ھیں - مینڈک کے بچے بارش کے ساتھہ ھي زمین سے اُٹھنے لگتے ھیں - یا پنیر اور اسي طرح کي چیزوں میں خود بخود کیڑے رینگنے لگتے ھیں - لیکن اب تحقیقات سے ثابت ھوگیا کہ یہ تمام جاندار غیر جاندار مادے سے پیدا نہیں ھوتے - بلکہ جاندار مخلوق ھي سے جان حاصل کرتے ھیں - ان سب کي پیدایش مختلف قسم کے کیڑوں اور مکھیوں کے انڈے سے ھوتي ھے جن میں سے بعض چشم غیر مسلح سے اور بعض خورد بینوں سے دیکھے جاسکتے ھیں - پنیر کے کیڑوں پر ایک زمانہ میں بہت زور دیا جاتا تھا - مگر ثابت ھوگیا کہ وہ خاص قسم کي مکھي کے انڈوں سے پیدا ھوتے ھیں ' اور اگر انکي حفاظت کي جائے تو وہ بڑے ھوکر مکھي کي شکل اختیار کرلینگے - یہ بات سترھویں صدي کے وسط ھي میں پایۂ تحقیق تک پہنچ گئي تھي کہ مٹي وغیرہ سے جانداروں کي پیدایش کا خیال غلط ھے -

لیکن دوسرا مذھب اُن لوگوں کا ھے جو " تولد ذاتي " کے قائل ھیں - خوردبین کي ایجاد نے اِنھیں تقویت دي - اُنھوں نے اعلان کیا کہ ایک خاص طرح کے جاندار ' مردہ پتیوں کے رس جیسے سیال مادوں میں پیدا ھو جاتے ھیں - لیکن میلن اڈورڈ اور شوان وغیرہ علماء علم الحیات نے اس سے انکار کیا - وہ کہتے ھیں اگر ھم ان سیال مادوں کو آگ پر رکھکر کھولائیں اور اُن جراثیم سے آلودہ نہ ھونے دیں جو ھوا میں موجود ھیں ' تو ان میں کبھي یہ جاندار پیدا نہ ھونگے - یہ بھي در اصل ھوا کے جراثیم کي پیداوار ھیں -

مذھب " تولد ذاتي " کے ماننے والوں نے جراثیم (خوردبیني کیڑوں) کي نسبت بھي دعوا کیا تھا کہ یہ اُن قابل حیات اور معدني مواد سے پیدا ھوتے ھیں جو سیال مادوں اور بیمار جسموں میں موجود ھیں - لیکن پاسٹیر نے اسکي تغلیط کي - اس نے ثابت کیا کہ اس میں بھي وھي غلطي ھے جو بڑے جانوروں کي پیدایش کے سطحي معائنہ میں ھوئي تھي - یہ جراثیم بھي ھوا کے جراثیم سے

دارا شاہ ایران کے نقوش خط میخي میں جن سے اولن‌سن نے خط میخي کے پڑھنے کي کنجي معلوم کي -

رشید (مصر) کا مشہور پتھر جس سے شمپولین نے هیرو گلیفي خطوط کا راز حل کیا -

ہوا ہے - خیال کیا جاتا ہے ' دسریں صدي میں یہہ دفن ہوگیا تھا - اِسمیں تبتي ' چیني ' اور ترکي زبانوں کي ۵۰۰ فٹ مکعب تحریریں موجود هیں -

شمالي ایشیا اور جنوب روس میں ایک اسکیتھي بادشاہ کي قبر ملي ہے - یہ قبر دریائے ڈینیپر کے کنارے علاقہ ملیتو پول کے قریب واقع ہے - اِس کي تاریخ چوتھي صدي قبل مسیح تک پہنچتي ہے - بادشاہ کے ساتھہ اُس کي تلواریں ' کمانیں ' ذرع خود ' قسم قسم کے زیور ' طلائي کنگھا ' اور دوسري بہت سي چیزیں دفن تھیں - اِتنا هي نہیں بلکہ اِس سامان کے پہلو میں بادشاہ کا سائیس ' خادم خاص ' شمشیر بردار ' اور پانچ گھوڑے بھي مدفون ملے هیں -

آثار قدیمہ کے اِنکشاف کا میدان ابھي بہت وسیع ہے - کیونکہ ابھي مصر میں بکثرت ایسے قبرستان موجود هیں جنھیں هاتھہ بھي نہیں لگایا گیا ہے - عرب ' چین ' اور وسط ایشیا میں تو اب تک کچھہ کام ہوا هي نہیں ہے - یمن میں بے شمار آثار ' بتوں کي شکل میں نمایاں هیں ' اِس وقت تک اِن کي تحقیق نہیں ہوئي ہے - زمین کے اندر جو کچھہ دفن ہے ' وہ اِس کے علاوہ ہے -

امید کي جاتي ہے کہ جس وقت آثار قدیمہ کا علم ترقي کرجائیگا تو انسان کي تدریجي ترقي کي پوري تاریخ معلوم ہوجائیگي -

ذیل کي فہرست سے معلوم ہوگا کہ اِس وقت کن کن ملکوں میں آثار قدیمہ کي تحقیقات هو رهي ہے اور کون کون جماعتیں یہ کام کر رهي هیں :

(۱) امریکہ کا عجائب خانۂ تاریخ طبیعي - اِسکي جماعتیں مکسیکو اور منگولیا میں کام کر رهي هیں - اِنکا موضوع بحث علم الحیوان ' طبقات الارض ' اور تنقیب ہے -

(۲) امریکن متروپولیت عجائب خانۂ فنون - اِسکي جانب سے قدیم مصري تمدن کي تحقیقات هو رهي ہے -

(۳) پنسلفانیا کي یونیورسٹي ' بابل ' فلسطین ' اور مصر میں تحقیقات کر رهي ہے -

(۴) هارورڈ یونیورسٹي اور عجائب خانۂ فنون جمیلہ کي جماعتیں مصر میں اِیتھوپیا کي شہنشاهي کے عہد کي تحقیقات میں مصروف هیں -

(۵) هارورڈ یونیورسٹي ' هونڈوراس میں تحقیقات کر رهي ہے -

(۶) کارنیگي انسٹیٹیوٹ ' یوکاتن (امریکا) میں تحقیقات کررہا ہے -

(۷) امریکن سوسائٹي ایشیائے کوچک میں -

(۸) امریکن انڈین میوزیم ' میکسیکو اور کوہ اوزارک میں - اِس کا موضوع بحث امریکا کے سرخ فام انسانوں کي اصلیت معلوم کرنا ہے -

(۹) برٹش فرنچ امریکن کمیٹي - بیت المقدس میں -

(۱۰) کارنافون (کاؤنٹ کمیٹي) مصر میں -

(۱۱) (برطانیا) کي کمیٹي - بابل اور اُور میں -

(۱۲) محکمۂ آثار قدیمہ اور کونٹ پرزورک - ٹیونس میں قرطاجنہ کي تحقیقات کر رہے هیں -

(۱۳) سر جوزف ڈرلین - قسطنطنیہ میں عہد بیزنطیني کي تحقیقات کر رہے هیں -

توت آنخ آمون کا تابوت اور اُس کي نعش کا نظارہ

علم الآثار

(Archaeology)

جدید علم الآثار کي بنا غالباً سب سے پہلے شمبولین نے دالي - اِسنے علاقه " رشید " (مصر) میں ایک سنگي لات دیکهي - اِس لات پر ایک هي تحریر تین قسم کے رسم الخط میں لکهي تهي : هیرو گلیفي (قدیم مصري کاهنوں کا خط) ' دیموتیکي (قدیم مصري عوام کا خط) ' خط قبطي (یه خط در اصل یوناني هے - مصر کے فرمانروا خاندان بطلیموس نے اِسے جاري کیا تها) در حقیقت یهي تحریر بعد میں علم الآثار کي بنیاد بن گئي - اُس سے هیروگلیفي اور دیموتیکي ' دونوں رسم الخط معلوم هو گئے - اِتنا هي نہیں بلکه قدیم مصري زبان بهي اسکے ذریعه مدون کر لي گئي -

مصر کي ایک سب سے زیاده محفوظ ممي

آثار قدیمه کے انکشاف میں اتفاقات زمانه کو بہت دخل هوتا هے ' اگرچه صحیح قیاس و اندازه سے بهي بڑي مدد ملتي هے -

چنانچه یورپ کا ایک قدیم ترین اثر اِس طرح دریافت هوا که اسپین میں بعض آدمیوں نے محض اتفاق سے ایک غار میں جهانکا تو اُسکي دیواروں پر اُنهیں تصویریں نظر آئیں - یه تصویریں اُن حیوانات کي هیں جو اب روئے زمین پر موجود نہیں هیں - لیکن قدیم ترین زمانوں میں موجود تهے - دور حجري کے انسانوں نے یه تصویریں بنائي تهیں - ان سے ایک طرف یه معلوم هوگیا که اِس قسم کے حیوان ایک وقت میں موجود تهے ' دوسري طرف یه پته چل گیا که انسان کي فني ترقي کے ابتدائي نمونے کیسے تهے ؟

اِسي طرح یونان کے ایک علاقه میں ایک مرتبه ریل گاڑي ٹوٹ گئي - بعض مسافر ٹہلتے هوئے اتفاق سے ایک ٹیلے پر چڑه گئے - وهاں اُنهیں ایک قدیم آبادي کے نشان ملے - تحقیقات سے ثابت هوا که یه آبادي ' سن عیسوي سے ایک هزار برس پہلے یہاں قائم تهي -

اِسي طرح یونان میں ایک شخص کو اتفاق سے ٹوٹے هوئے ظرف کا ایک ٹکڑه ملا - اِس پر یه پہیلي کنده تهي " دیو جانس فلسفي سے پوچها گیا : وه کون حبشي هے جو سفید روٹي کهاتا هے ؟ حکیم نے جواب دیا : وه رات هے جو دن کو نگل لیتي هے "

آثار قدیمه کے انکشاف میں افواهوں اور افسانوں ' سے بهي بڑي مدد ملتي هے - چنانچه شهر تدمر کا پته اِسي طرح چلا که اُن اطراف کے بدؤں میں ایک ٹیله کے متعلق مشهور تها که اسکے نیچے شهر تدمر مدفون هے -

اسي طرح شهر ٹراوڈه کا پته اس طرح چلا که ایک جرمن لڑکا هومر کي الیڈ پڑه رها تها - پڑهتے پڑهتے اُسے شوق هوا که اس عجیب مقام کي سیر کرے جسکي توصیف میں هومر نے فصاحت و بلاغت کے دریا بها دیے هیں - لڑکے پر بڑي بڑي مصیبتیں پڑیں مگر یه شوق اُسکے دل سے نه گیا - علماء تاریخ کهتے تهے که ٹراوڈه کا کوئي وجود نہیں هے ' محض هومر کا تخیل هے - لیکن نوجوان نے اُنکي بات نه سني اور ۳۵ سال کي عمر میں اُس مقام پر جا پهنچا جهاں ٹراوڈه کي موجودگي بتائي گئي تهي - چند سال زمین کهودتا رها - یہانتک که ٹراوڈه کے نشان مل گئے !

ایک دوسري نعش مکمل حالت میں

سب سے بڑا قدیم اثر جو اس وقت تک دریافت هوا هے ' وه مشهور اٹالین شهر " پامپي " هے - پهلي صدي عیسوي میں آتش فشاں پہاڑ نے اسے اپني راکه سے توپ دیا تها - اب یه کهود کر نکال لیا گیا هے - اسکي سڑکوں پر ابتک گاڑي کے پہیوں کے نشان موجود هیں - دیواروں پر سرکاري اعلان چسپاں هیں - دکانیں بدستور موجود هیں - ایک شراب خانه میں مرمري میز اپني اصلي حالت پر رکها هوا هے - اسکے کنارے کثرت استعمال سے گهسے هوئے هیں - گهروں میں پاني کے نل لگے هوئے هیں - کمروں میں تصویریں آویزاں هیں - محلوں میں بدستور باغیچے اور چمن هیں - اگرچه سب تقریباً پتهرا گئے هیں -

دنیا کي سب سے پراني کتاب طب : مسٹر اڈوین اسمتھ نے اس منقش پتهر پر طبي مسائل پڑهے جو مصر سے برامد هوا تها - اس پر هیرٹیک حروف کنده هیں جو هیرو گلیفي خط کي ایک شاخ هے -

اسي طرح ٹیونس کے سمندر میں ایک کشتي ملي هے - یه دو هزار برس پہلے غرق هوئي تهي - اِس میں سنگ مر مر کے ۶۵ ستون رکهے گئے تهے -

مغربي چین میں ایک مدفون کتب خانه دستیاب

(پادریوں کا چنگل)

" مرمر کے اسکے جلادوں کے پنجه سے رهائي حاصل کي تهي - مگر وائے بدنصيبي ' فوراً قسيسوں کے چنگل نے آسے آ دبوچا ! میں یه اس لیے نہیں کہتا که مجے اِس پر کوئي تعجب ہے - لیکن بلا شبہه یه عجیب ہے که ایسا شریف و نجیب انسان اور پیرس کا آسقف اعظم ' جو صرف شریف النسب هي نہیں بلکه شریف النفس بهي ہے ' کیونکر اپني جماعت کي بزدلي میں شریک هوگیا ؟ حالانکه آسے ایسي دنائت سے بلند هونا چاهیے تها - ایک مذهبي پیشوا هونے کي حیثیت سے آسکا فرض تها که مظلوم پر ترس کهائے ' نه یه که آلٹا مظلوم کے کچلنے پر کمربسته هو جائے - وہ مظلوم ' جو پہلے هي سے زمانه کے هاتهوں کچلا جاچکا ہے "

" اِس اسقف اعظم کے تمام حاشیه بردار اِس ناکرده گناه کے متاذالنے پر تل گئے هیں - وہ یقین کرتے هیں که هم آسے ضرور بالضرور متادینگے - حقیر سے حقیر واعظ اور ادنی سے ادنی مجاور بهي کوشش کر رها ہے که اِس خود ساخته دشمن کے گلا گهونٹنے کا فخر صرف آسي کو حاصل هو' اور اِسکے سر پر فیصله کن ضرب آسي کے پاؤں کي تهوکر سے لگے !

(آسقف نے کیوں فتوی شائع کیا ؟)

" اے میرے سردار ! کون شک کرسکتا ہے که اگر پیرس کي مجلس حکومت نے میرے خلاف حکم صادر نه کیا هوتا ' تو آپکو میري کتاب سے بغض کم هوتا ؟ بلاشبه بعض لوگ یہي خیال ظاهر کرتے هیں - مگر آپ کا حق پسند دل اِسے هرگز تسلیم نہیں کرسکتا ' کیونکه یه خلاف واقعه ہے - اے میرے آقا! مجهے بتایئے آپنے ایسے پہلے میرا رد کرنے کي زحمت کیوں گوارا نہیں کي ؟ میں نے آپکے منصب کے خلاف رساله شائع کیا ' میں نے دي لامبرٹ کے نام خطوط چهاپے ' کئي کتابیں لکهیں ' مگر آپکے قلم کو کبهي جنبش نه هوئي ! حالانکه میري اِن کتابوں میں بالکل ویسے هي خیالات موجود تهے ' جیسے کتاب التربیت میں ظاهر کیے گئے هیں - کیا آپنے میري یه کتابیں نہیں پڑهي تهیں ؟ حالانکه اگر نه پڑهي هوتیں تو اپنے اِس رد میں آن پر بحث نه کرسکتے - کیا آپ کي یه خاموشي آپکے دیني فرائض کے خلاف نه تهي ؟ حالانکه بقول آپکے اِن کتابوں میں بهي الحاد کي دعوت دي گئي ہے - کیا یه حقیر مؤلف آس وقت کم خطا کار تها ' اور اب زیاده هوگیا ہے ؟ حالانکه آپ آسے پیدائشي خطا کار قرار دیتے هیں - آخر کیا بات تهي جو اِتني مدت تک زبان مبارک نه هلي ؟ یه وجه تو نه تهي که آس وقت آپکے دشمن کم تهے ' اور میں بهي خائنوں سے گهرا هوا نه تها ؟ آس وقت عوام میں میري کتابیں مقبول هوچکي تهیں اور آپ عوام کے غصے سے ڈرتے تهے ؟ لیکن اب ' جبکه حالات میں تبدیلي پیدا هوئي - میرے دشمنوں نے ایکا کرکے مجهه پر یورش کردي ' مجهے ملحد اور باغي مشهور کیا ' حکومت نے بهي هتیار سنبهال لیے ' اور آپکے دشمنوں نے بهي کہنا شروع کردیا که پیشوائے اعظم هوکر آپ اِس ملحد کے خلاف کچهه نہیں کہتے ' گویا اپني خاموشي سے آسکي حمایت کر رهے هیں ' تو آپ اپنے منصب کي حفاظت کے خیال سے آٹهے ' اور اپنے دشمنوں کا منهه بند کرنے کیلیے میرے خلاف فتوی شائع کردیا - اے میرے آقا ! کیا اسي سبب نے آپکو میرے خلاف برانگیخته کیا ؟ اگر ایسا هي ہے تو بلاشبه میرے دماغ کو شدت تحیر سے سکته هو جانا چاهیے ! "

اِس تمہید کے بعد روسو ' آسقف کے بیان کا رد شروع کرتا ہے -

(صفات الهي)

آسقف نے لکها تها :

" روسو کہتا ہے - میں خدا کي حقیقت سے بے خبر هوں ' لیکن ساتهه هي یه دعوی بهي کرتا ہے که یه موجود حقیقي علم ' قدرت ' اراده ' اور حکمت رکهتا ہے !"

روسو جواب دیتا ہے : " خدا کي صفت ' علم ہے - لیکن اسکا علم کیا ہے ؟ انسان کا علم تو آسکي قوت تفکر میں ہے ' لیکن علم اقدس کسي تفکر و تآمل کا محتاج نہیں - آسکي تفکیر کے لیے نه تو مقدمات هیں ' نه نتائج هیں ' نه فرض و قیاسات هیں - آسکا علم ازلي ہے - جو تها ' جو ہے ' جو هوگا ' سب آس پر آشکارا ہے - تمام حقائق آسکے سامنے ذرۂ ریگ سے بهي چهوٹے هیں - تمام دنیا آسکي نظر میں قطرۂ آب سے بهي محدود ہے ' تمام اگلے پچهلے زمانے آسکے نزدیک لمح بصر سے بهي مختصر هیں "

" باقي رهي قدرت الهي ' تو قدرت الهي کا یه حال ہے که انسان کو اپني قوت عمل کے لیے وسائل عمل کي ضرورت هوتي ہے - لیکن خدا کو کسي وسیلے کي ضرورت نہیں - قوت الهي خود اپني قوت سے عمل کرتي ہے - خدا قادر ہے ' کیونکه وہ اراده رکهتا ہے - اور آسکا اراده هي آسکي قدرت ہے !"

" خدا' لاریب خیر ہے - انسان کا خیر یه ہے که که اپنے بني نوع سے محبت کرے - لیکن خدا کا خیر آسکا وہ نظام ہے جس سے وہ کائنات کو سنبهالے اور تمام اجزاء کو باهم جوڑے هوئے ہے -

" خدا لاریب عادل ہے - عدل الهي بهي آسکے خیر هي کا ایک نتیجه ہے - انسان کا ظلم ' خود انسان کا اپنا عمل ہے ' خدا کا عمل نہیں ہے - روح کا اضطراب ' جس کي وجه سے فلاسفه قدرت الهي کے منکر هوجاتے هیں ' میري نظر میں اِس لا متناهي قدرت کو آور زیاده واضح کرنے والا ہے - انسان کا عدل یه ہے که هر حقدار کو آسکا حق دیدے - خدا کا عدل یه ہے که هر ایک سے اپني نعمتوں اور بخششوں کا حساب لے !"

(حقیقت الهي)

" یہه صفات میں نے عقل کي منطق کي راه سے معلوم کي هیں - لیکن میرے دماغ میں آنکا مفهوم مرتب و مفصل نہیں ہے - میں آنهیں تسلیم کرتا اور انپر اصرار کرتا هوں ' مگر آنکي پوري حقیقت کا احاطه نہیں کر سکتا - عقل اِسکا احاطه کر هي نہیں سکتي - اِسکے معني دوسرے لفظوں میں یه هوے که میں حقیقت سے لا علم هوں - اور اسلیے میري حیثیت یه نہیں ہے که میں جانتا هوں اور اصرار کرتا هوں - میں اپنے دل سے بے فائده کہتا هوں " یہي خدا ہے " میں بے فائده آسکا شعور کرنا چاهتا هوں - میں بے فائده اپنے ذهن میں آسکا تصور کرتا هوں - " بے فائده " اس لیے که اِس سے خدا کي حقیقت پر ذرا بهي روشني نہین پڑتي - میں هرگز معلوم نہیں کر سکتا ' خدا ایسا کیوں ہے ؟ آس میں یه صفات کیونکر قائم و موجود هیں ؟

" میں آسکي حقیقت جاننے کي جتني زیاده کوشش کرتا هوں آتني هي آسکي حقیقت پوشیده هوتي جاتي ہے - میري یه عقل کي بے بسي مجهه میں آسکا اعتقاد و ایمان آور بهي زیاده مستحکم کر دیتي ہے - میں جس قدر آس کا تصور کم کر سکتا هوں ' آسي قدر آس سے زیاده وابسته هوتا اور آتنا هي آسکي عبادت پر جهکتا جاتا هوں - بالاخر آس کے رو برو گر پڑتا هوں اور کہتا هوں " میرا وجود تجهي سے ہے اے خالق کائنات ! میں جس قدر زیاده تجهه میں غور کرتا هوں ' تو اتنا هي زیاده میرا نفس بلند کرتا جاتا ہے ' مگر تیري حقیقت برابر مجهه سے مستور هي رهتي ہے ! تجهه میں میرا فنا هو جانا ' میري عقل کا سب سے بڑا کارنامه ہے ! تیري عظمت نے میري عقل مبهوت کردي ہے ' مگر میري نا تواني کو بهي قوت سے بدل دیا ہے !"

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثه

جـــان جـــاک روسو

اُسقف کا جواب

(۲)

پچھلے نمبر میں قارئین الھلال پیرس کے اُسقف اعظم کے اعتراضات روسو پر سن چکے ھیں - آج روسو کا جواب پیش کیا جاتا ھے - یه جواب پورے دو سو صفحے کی باریک حروف کی کتاب میں پھیلا ھوا ھے - اِس لیے اختصار کے سوا چارہ نه تھا - تاھم اھم اور مفید پہلو ایک حد تک واضح کردیے گئے ھیں -

(معذرت)

روسو نے اپنا جواب معذرت سے شروع کیا ھے :

" اگر آپ صرف میری کتاب ھی پر اعتراض کرتے تو میں ھرگز آپ سے کوئی تعرض نه کرتا - آپکو چھوڑ دیتا که جتنی چاھیں نکته چینی کرتے رھیں - لیکن آپنے صرف کتاب ھی پر نہیں بلکه میری ذات پر بھی بحث کی ھے - آپ کو دنیا میں جتنی عزت اور قوت حاصل ھے ' اُسی مناسبت سے آپ میں یه بات بھی ھونی تھی که اُن تہمتون سے بلند تر ھوتے جن سے آپ نے مجھے آلودہ کرنا چاھا ھے "

(داستان مظلومی)

اِسکے بعد روسو نہایت بلاغت و مہارت سے اپنے قارئین کی ھمدردی حاصل کرنی چاھتا ھے - وہ اپنی مسکینی و مظلومی ظاھر کرتا ھے ' تمام یورپ کا اُسکے خلاف متحد ھو جانا اور عرصۂ زمین تنگ کر دینا یاد دلاتا ھے ' پھر لکھتا ھے :

" جنیوا کے غلام ' روسو کے ھاتھه میں کوئی قوت نہیں که اُن ظالم اور سرکش ججون سے جواب طلب کرسکے ' جنکے سامنے اُس پر تہمت لگائی گئی ' اور جنھوں نے اُسے طلب کیے بغیر اُسکے خلاف فیصله صادر کردیا ھے - اِتنا ھی نہیں بلکه اُسے قید کرنے کے بھی درپے ھو گئے ھیں - یه " غلام " اگر عدالت میں طلب کیا جاتا ' تو اپنی برأت ظاھر کرنے ضرور حاضر ھوتا ' مگر چونکه اُسے بلایا نہیں گیا ' اس لیے اُسے از خود حاضر ھونے کی ضرورت بھی نه تھی - چنانچه وہ حاضر نہین ھوا - اس پر اُسکے خلاف جنگی قوت جمع کی گئی - اُسنے قوت کے مقابله سے گریز کیا ' اور اس سر زمین سے بھاگ نکلا جہاں کمزوروں پر ظلم کیا جاتا ھے ' بغیر جرم کے سزا دیدی جاتی ھے ' اور بغیر جواب سنے بیڑیاں پہنا دی جاتی ھیں "

" اُسنے مجبوراً اپنا محبوب خلوت خانه چھوڑا - اُن دوستوں کی جدائی سہی جنسے بڑہ کر اُسکے لیے کوئی عیش نه تھا - اپنا ناتواں جسم لیکر ھزاروں مصیبتوں کے ساتھه سر زمین حریت میں پہنچا - آہ میرا وطن جنیوا ! میں نے تیری آزادی کے کیسے کیسے گیت گائے ؟ تیرے حسن و جمال کی کیسی کیسی تصویریں بنائیں ؟ دنیا میں تیرا نام کس درجه روشن کیا ؟ آہ ' میں کیا کہوں ؟ میرا دل سینے میں بیٹھا جاتا ھے ' میرا ھاتھه کانپ رھا ھے ' میرا قلم گرا پڑتا ھے . . . لیکن مجھے خاموش ھی رھنا چاھئے - مجھے جرم کا ذکر بھی نہیں کرنا چاھئے . . . کاش میں خفیه طور پر ھی اپنی ناقابل برداشت مصائب کہه سکتا ! کاش میں اپنی دل کی گہرائی ھی میں اپنے وطن کی شکایت کا خیال کر سکتا ! . . . . . "

" یه سب کچھه کیوں ھے ؟ میں اسکا حقیقی سبب نہیں پوچھتا - میں صرف اِسکا قریبی موجب معلوم کرنا چاھتا ھوں - مجھه پر الحاد کی تہمت لگانے کی جرأت کی گئی ھے - مگر تہمت لگانے والے بالکل بھول گیے که جس کتاب پر انھیں اعتراض ھے ' وہ سب کے ھاتھوں میں موجود اور سب کی آنکھوں کے سامنے کھلی ھوئی ھے - مجھه پر تہمت لگانے والے افسوس سے ھاتھه ملتے ھیں : " کاش یه کتاب کسی طرح مفقود ھوجائے تا که ھم پیٹ بھرکے تہمتیں تراش کرسکیں ! " لیکن اُنکی یه امید کبھی پوری نہیں ھوگی - کتاب اُنکی حسرت کے لیے ھمیشه باقی رھے گی ' اور آئندہ آنے والی نسلین فیصله کرینگی - وہ اعلان کرینگی که یه تمام گناہ ' اُسکے مؤلف کی بد عملیاں نہیں ھیں ' لیکن فضیلت کے ایک دوست کی ٹھوکریں ھیں ! "

(ایک ملحد کا ذکر)

" میں معاصرین پر اظہار رائے نہیں کرونگا - میں کسی کو بھی نقصان پہنچانا نہیں چاھتا - لیکن کیا تم نے سبنوزا کا نام نہیں سنا ؟ اُسکے الحاد میں کسے شک ھو سکتا ھے ؟ وہ خود الحاد کا مدعی تھا - علانیه الحاد کی تعلیم دیتا تھا - مگر نه کوئی اُسکے اطمینان میں خلل ڈالتا تھا - نه اُسکی کتابیں چھپنے سے روکی جاتی تھیں - اور نه ھی تاجروں کو اُنکی اشاعت کی ممانعت کی گئی - وہ فرانس آیا تو اسکے لیے ایک پر جلال استقبال طیار تھا - تمام ملکوں کے دروازے اُس پر کھلے تھے - وہ ھر جگهه امن کی بلکه حکومتوں کی حمایت پاتا تھا - بادشاہ اُنکا خیر مقدم کرتے تھے ' اور وعظ و درس کے ممبر اُسکے لیے نصب کراتے تھے - یه ملحد زندگی بھر مسرت و آرام بلکه عزت و احترام پاتا رھا "

(عہد حکمت و انسانیت !)

" لیکن آج ' جبکه ببانگ دھل دعوی کیا جاتا ھے که یه فلسفۂ و حکمت اور انسانیت کا زمانه ھے ' دنیا کا حال کیا ھے ؟ یه ھے که ایک شخص انسانی محبت کے جذبه سے مجبور ھوکر آتا ھے ' اور پوری احتیاط و احترام سے اپنے بعض خیالات پیش کرتا ھے - کیسے خیالات ؟ وہ خیالات جو اُس موجود اعظم کی عظمت نے اُسکے دماغ پر نازل کیے ھیں - لیکن دین الہی و حقیقت کے اِس حامی و ناصر کی زندگی تلخ کردی جاتی ھے - یورپ بھر میں اُسے کہیں پناہ نہیں ملتی - اُسے خدا کا پیدا کیا ھوا پانی پینے سے اور اُسکے اُگائے ھوے درختوں کی لکڑی جلانے سے بھی روک دیا جاتا ھے - وہ ذلیل و خوار پھرتا ھے - جس گوشه میں جاکر پناہ ڈھونڈھتا ھے ' وھیں سے نکالدیا جاتا ھے - نه اُسکی غربت پر کسی کو ترس آتا ھے - نه اُسکی بیماریوں پر کسی کا دل کڑھتا ھے - شریر سے شریر مجرموں اور خونی سے خونی ڈاکوؤں کا بھی اِس بے دردی سے کبھی تعاقب نہیں کیا گیا ھوگا ' جیسا اِس بیکس و مظلوم کا کیا گیا ھے - اگر وہ ایک لمحه کیلیے بھی کسی حکومت کے رحم پر بھروسه کرلیتا ' تو آج یقیناً تاریک قید خانے میں پڑا سڑتا ھوتا ' یا پھانسی کے تختے پر اُسکی لاش سوکھه رھی ھوتی ! "

حکمت اور شعر کے مختارات

حکما و شعراء مغرب کے بعض افکار و خواطر

(حسن)

حسن خدا کي مخلوق پر اُس کا مہر ھے — بیتشر '

حسن بغیر نزاکت کے ایسا ھے ' جیسے بے نمک کھانا — امرسن -

ارسطو سے پوچھا گیا " حسن کیا ھے ؟ " اُس نے جواب دیا " یہ سوال اندھوں سے کرنا چاھیے " — بیکن

حسن ' جہاں بھي ھوتا ھے ' سراھا جاتا ھے — گوئٹے

حسن ' ایک جال ھے ' جس سے قدرت عقلوں کا شکار کرتي ھے — لیگس -

عورت کا اپنے حسن پر غرور اُس کي طرف سے اقرار ھے کہ اُس کے پاس حسن کے سوا کوئي چیز قابل فخر نہیں — میڈ مرزیل دي لسپیناس

خوبصورت عورت آنکھ کے لیے جنت ھے ' قلب کے لیے دوزخ ھے ' جیب کے لیے ویراني ھے -

خوبصورت ' بد صورت سے اُسي طرح بچے ' جس طرح ذھین ' غبي سے بچتا ھے — پوپ

تمھاري یہي کیا کم فتحمندي ھے کہ تم خوبصورت ھو ؟ — ھوگز

جب ھم میں اِس قدر صلاحیت پیدا ھو جائیگي کہ ھم خدا کے ھر عمل میں حسن و جمال محسوس کرنے لگیں گے ' تو اُس وقت ھم دعوی کرسکیں گے کہ ھم اُس کي حقیقت سے واقف ھوگئے ھیں — رسکن

حسن ' تمام نوع انساني کے لیے سعادت ھے - ھر مخلوق اُس کے زیر اثر آکر بھول جاتي ھے کہ وہ محدود ھے — شیلر

حسن سے محروم عورت ' زندگي کي نصف لذت سے محروم ھوتي ھے — مدیم دي مونتارین

حسن بہت ھي کم عمر چیز ھے — دي لنذار

اِس یقین سے زیادہ عورت کے لیے کسي بات کا یقین مشکل نہیں کہ وہ اپنے حسن سے محروم ھوگئي ھے — روشبراون

کبھي عورت خوبصورت ھوتي ھے ' مگر اُس کا حسن اُس وقت تک نہیں کھلتا ' جب تک اُس کا دل محبت کے لیے نہیں کھل جاتا — لا پرزلیر -

حسن ' قدرت کا عورت کو سب سے پہلا عطیہ ھے ' اور یہي سب سے پہلے اُس سے چھن بھي جاتا ھے — میرہ -

عورت اپنے محبوب کي جدائي گوارا کرسکتي ھے مگر اپنے حسن کي جدائي گوارا نہیں کرسکتي — روشبراون

مرد کو شادي کے معاملہ میں اعلی حسن سے پرھیز کرنا چاھیے - کیونکہ حسن قبضہ میں آتے ھي گھٹ جاتا ھے ' مگر اُس کي مصیبتیں زندگي بھر باقي رھتي ھیں — روسو

جس عورت میں بجز حسن کے اور کوئي جوھر نہیں ھوتا ' اُس کي مثال روغني روٹي کي سي ھے - یہ گرم اچھي معلوم ھوتي ھے اور سرد ھوتے ھي اپنا سارا ذائقہ کھودیتي ھے — سیجور

(عورت)

تمدن اچھي عورتوں کے اقتدار کا نام ھے — امرسن

عورت کي شیریني گلاب کي طرح جلد ختم ھو جاتي ھے — گوئٹے

زندگي کي سب سے لذیذ شیریني ' بیوي کا اپنے شوھر کو مخلصانہ سلام ھے — ولز

عورت کي انانیت اپنے اندر دو انانیتیں رکھتي ھے — مدیم دي استائل

خدا کي انسان پر سب سے قیمتي بخشش ' عورت ھے - گوبار

کاش ' عورت تنہا میرا ھي حصہ ھوتي ! — اریبدس

عورت انسان اور فرشتہ کے بین بین ایک مخلوق ھے — بلزاک

عورت اُس شخص کو حقیر سمجھتي ھے جو اُس سے محبت نہیں کرتا ھے ' مگر وہ خود اُس سے محبت نہیں کرتي — ایلز بیتھ ' اسٹودرت

***

انسان اپنے نفس کو اُسي وقت سمجھ سکتا ھے جب وہ مصیبت میں پڑتا ھے — الفرڈ دي موسیہ

شک ' ھمیشہ امید کے پیچھے لگا رھتا ھے — بلزاک -

ترقي لنگڑي چال چلتي ھے — سانت بو

نا مکمل تعزیت سے رنج زیادہ ھوجاتا ھے — روسو

عظمت ' طمع ' فوج ' جنگي جہاز ' تاج ' تخت ! یہ انسان کے کھلونے ھیں جب وہ بڑا ھوجاتا ھے — وکٹر ھیوگو

میري تمام مصائب کي علت یہ ھے کہ میں لوگوں سے حسن ظن رکھتا تھا — روسو

(ذھانت)

ذھانت کیا ھے ؟ یہ محض سمجھنے کي صلاحیت ھي کا نام نہیں ھے - کیونکہ حیوان بھي سمجھ رکھتا ھے مگر ھم اُسے ذھین نہیں کہہ سکتے - سپاھي اپني ڈیوٹي سمجھتا اور پوري کرتا ھے مگر ذھین نہیں کہلاتا - بندر کي ذھانت ' محض ایک بے نتیجہ عقلي اضطراب ھے - جو بچہ اپني حرکتوں سے تمھیں ھنساتا ھے ' ذھین نہیں ھے - کیونکہ اُس میں بندر کي جبلت آگئي ھے - جو عورت بہت سي اشیاء کا علم رکھتي ھے ' ذھین نہیں ھے - کیونکہ معمولي باتیں اُس کے دماغ کو پراگندہ کر ڈالتي ھیں - کیا حساب داں ذھین ھوتا ھے ؟ شاعر کي نظر میں حساب داں مالیخولیا کا مریض ھے ! کیا شاعر ذھین ھوتا ھے ؟ ریاضي داں شاعر کو سراسر بیوقوف سمجھتا ھے ! ماھر مالیات کي نظر میں ناول نویس ' دو پاؤں کا احمق حیوان ھے ! جو آدمي ' دور از کار نظریے بناتا ھے ' کیا ذھین ھے ؟ کیا ھمیشہ خاموش رھنے والا ذھین ھے ؟ کیا اپني عینک کے شیشوں سے ' سرد اور بے اثر نظروں سے تمھیں دیکھنے والا ذھین ھے ؟ نہیں !

ذھانت کي تعریف ناممکن ھے — لا مارتین

برید فرنگ

رُوس کا نفس پرست شاہی راہب

راسپوٹین

خاندان زار کی تاریخ کا آخری صفحہ

زمن حذر نہ کنی گر لباس دیں دارم
نہفتہ کافرم و بُت در آستیں دارم!

انیسویں صدی کا سب سے زیادہ ہولناک مگر عبرت انگیز واقعہ روس کے خاندان شاہی کی بربادی ہے۔ خود زار، زارینہ، ولی عہد، تمام شاہزادے، تقریبًا پُورا خاندان گولی مار کر قتل کر ڈالا گیا! یہ واقعہ فرانس کے لوئی شانزدہم اور اُس کے خاندان کے قتل سے بھی دہشتناک ہے! روس کے خاندان شاہی کی بربادی اور انقلاب سلطنت پر بکثرت کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اور اُن تمام اسباب پر شرح و بسط سے بحث کی جا چکی ہے جو ان عظیم تغیرات و حوادث کا موجب ہوئے۔ اُن اسباب میں سب سے بڑا اور سب سے عجیب سبب وہ ہے، جو بیسویں صدی کی متمدن دنیا کے لئے سخت حیرت انگیز ہو رہا ہے۔ یعنی روس کے حکمران اور اُس کی ملکہ کی مذہبی توہم پرستی، زود اعتقادی، اور علم و عقل سے محرومی ہے! یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ان تمام تباہیوں کی اصلی علت ایک راہب تھا، جسکے دام تزویر میں زارینا اور زار پھنس گئے تھے۔

مشہور روسی شاہزادہ پرنس یوسوپوف کا روزنامچہ پچھلے دنوں شائع ہوا ہے۔ اس سے اس معاملہ پر اور بھی زیادہ گہری روشنی پڑتی ہے۔ اس بارے میں پرنس کے بیانات بہت اہم ہیں کیونکہ وہ تمام واقعات کا شاہد عینی تھا۔ صرف شاہد عینی ہی نہیں بلکہ راہب راسپوٹین کا قاتل بھی وہی ہے۔

اس روزنامچہ پر ابھی دنیا نے پُوری طرح رائے زنی نہیں کی تھی، کہ اس سلسلہ کے ایک دوسرے راز کا انکشاف ہو گیا۔ یعنے یکایک دنیا کے ہاتھوں میں ایک نئی کتاب پہنچ گئی جو خود اسی راہب کی لڑکی صوفیا کے قلم سے نکلی ہے اور اُس کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ اس نئے بیان نے معاملہ کا ایک دوسرا رُخ واضح کر دیا، اور دنیا اس نئے انکشاف سے انگشت بدنداں ہو کر رہ گئی!

پچھلے دنوں ان دونوں کتابوں کا مختصر خلاصہ ہندوستان کے انگریزی اخبارات میں شائع ہوا تھا، لیکن ہمیں جستجو تھی کہ زیادہ تفصیل کے ساتھ حالات روشنی میں آئیں۔ خصوصًا پرنس کی بیان کردہ تفصیلات معلوم ہوں جسنے ملکہ کے اصلی خطوط بھی شائع کر دیئے ہیں۔ اب یہ تمام ذخیرہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم پہلے پرنس کے روزنامچہ کی ایک پُوری فصل درج کرتے ہیں، جس سے اس عجیب و غریب راہب کے حالات و اعمال پر پُوری روشنی پڑے گی:

راسپوٹین کون تھا؟

راسپوٹین، جس سے زارینا کی عقیدت، پرستش کی حد تک پہنچ گئی تھی، سائبریا کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ اپنے عہد کا مشہور قزاق تھا، راسپوٹین نے ہوش سنبھالتے ہی باپ کا پیشہ اختیار کر لیا اور قرب و جوار کے علاقے تاخت و تاراج کرنے لگا۔ یہ بڑا ماہر ڈاکو تھا۔ گھوڑے چُرانے میں اُسے خاص کمال تھا۔ بار بار گرفتار ہوا مگر حیرت انگیز طور پر ہمیشہ بچ نکلتا رہا۔ ایک مرتبہ اُسے پولیس نے بُری طرح زد و کوب بھی کیا تھا۔ چنانچہ اُس کے زخم کا نشان عمر بھر اُس کے سر میں نمایاں رہا۔

راہب کیسے بنا؟

ایک مرتبہ اتفاق سے اُس کا گزر ایک پُرانی خانقاہ میں ہوا۔ یہ خانقاہ در اصل خطاکار راہبوں کے قید کرنے کا محبس تھا۔ راسپوٹین کی ملاقات وہاں چند راہبوں سے ہوئی۔ وہ بلا کا ذہین تھا اُسنے دیکھا راہبوں کی زندگی، دنیا کمانے کے لئے بہترین زندگی ہے۔ قزاقانہ طرز معیشت نے اُسے جسمانی تکالیف برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا۔ اُسنے خیال کیا "میں بڑی آسانی سے راہب بن سکتا ہوں" چنانچہ وہ برابر ان راہبوں سے ملتا جلتا رہا۔ اُن سے انجیل پڑھی۔ عبادت و ریاضت کے طریقے معلوم کئے۔ وہ بہت جلد مسیحی مذہب اور رہبانیت کا عالم بن گیا۔

اب اُسنے سخت مجاہدے اور ریاضتیں شروع کر دیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُس کی شہرت قرب و جوار میں پھیل گئی۔ لوگ اس قزاق کو "ولی اللہ" سمجھنے لگے۔ اسی زمانہ میں سینٹ پیٹرزبرگ (لینن گراڈ) کے ایک بشپ نے اُسے دیکھا، اس کے زہد و تقشف اور مجاہدہ و ریاضت سے نہایت متأثر ہوا۔ اپنے ساتھ پایۂ تخت لے گیا اور محل شاہی میں داخل کر دیا۔

زارینا کی عقیدت

زارینا (ملکۂ روس) اُسے دیکھتے ہی معتقد ہو گئی۔ راسپوٹین نے بھی یہ بات محسوس کر لی۔ اپنا اثر اور زیادہ پختہ اور وسیع کرنے لگا۔ حتیٰ کہ زار پر بھی اُس کا جادو چل گیا۔ شہنشاہ اور ملکہ انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اُس کے آگے اپنے گھٹنوں پر جھکتے تھے،

یاد رکھیے

موسم گرما کا نایاب تحفہ

شربت روح افزا ۲۹۳ع (رجسٹرڈ)

صرف ہمدرد دواخانہ بیچیگا

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم باسمیٰ ہوکر بلا تفریق مذہب عام ہر دلعزیزی و شرف مقبولیت حاصل کرکے نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر تک شہرت حاصل کر چکا ہو اور جسکو چشم بد (حریص) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے گورنمنٹ سے رجسٹرڈ بھی کرالیا گیا ہو۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کرچکے ہیں اُن سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل و بیہم مشتاقانہ خریداری اسکی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیسے وسیع بّر اعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا اُن سے اس کی بیشمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہو کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہو کہ ہر تندرست انسان بلا قید عمر و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کرسکتا ہو۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہو؟ اعلیٰ قسم کے فواکہات مثل انگور، سیب۔ رنگترہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہو جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہو۔ مفرح قلب ہو۔ خوش ذائقہ ہو۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہو۔ اختلاج قلب دوران سر درد سر و متلی وغیرہ کی شکایات کو رفع کرتا ہو۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہو۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہراطور پر رنگ دلفریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہو اسکی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں اُمید ہو کہ آپ بوتل دیکھ کر اور استعمال کرکے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہو اور جس کی ہر چیز دیسی ہو خوش ہوں گے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہو کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کرسکیں۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اُٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہو۔ لہذا آپ شربت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیبل اور اس پر لفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں

واضح رہو کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہو اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہو۔

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی

تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھیے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما گائڈ بک کی ضرورت ہو جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات، اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپ کو مطلع کردے۔ نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہو

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہو۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہو

کھانسی

دمہ

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے تو تامل نہ کیجیے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجیے

راہب نے بھی یہ بات محسوس کرلی تھی، اور اُس کی فاسقانہ طبیعت ہرگز گوارا نہیں کرسکتی تھی کہ ایسی حسین لڑکی اُس کے دائرہ عقیدت سے نکل جائے۔ چنانچہ ہر ممکن تدبیر سے اپنا اثر بڑھاتا اور دوشیزہ کو اپنے زیادہ سے زیادہ قریب کرتا جاتا تھا"

"مس موصوفہ نے مجھے اپنے والد کے محل میں راسپوٹین سے ملاقات کے لئے دعوت دی۔ وہ اُس کے بارے میں اس طرح گفتگو کرتی تھی جس طرح پیغمبروں کے بارے میں کی جاتی ہے۔ لیکن مجھے اُس سے طبعًا نفرت تھی۔ اُسے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، تاہم میرا دل اُس کی کراہت سے لبریز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ ایوان میں داخل ہوا، تو مجھے اپنا احساس چھپانے کے لئے جدوجہد کرنی پڑی۔ اُسنے سب سے مصافحہ کیا اور سب کا بوسہ لیا، حتیٰ کہ مس م... کا بھی۔ میں نے بھی مصافحہ کیا مگر اپنا بوسہ لینے نہیں دیا (روس میں قاعدہ ہے کہ بزرگ چھوٹوں کا بوسہ لیا کرتے ہیں) میں نے دیکھا کہ مس کا بوسہ لیتے وقت اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمکنے لگی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ اُس کے اندر بہیمیت پوری طرح کام کر رہی ہے۔

میں نے اُس کے خط وخال پر نظر غائر ڈالی۔ درمیانہ قد تھا۔ مضبوط کاٹھی تھی۔ سر بڑا، بال لمبے اور داڑھی گھنی تھی۔ سر کا ایک حصہ بالوں سے بالکل خالی تھا۔ یہ اُسی زخم کا نشان تھا جو قزاقی کے زمانہ میں لگا تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر ۴۰ سال کی ہوگی۔ لمبا اُوور کوٹ اور بہت ڈھیلے پائنچوں کا پائجامہ پہنے تھا۔ اُس کا چہرہ بالکل روسی کسانوں کا سا تھا۔ بیضوی شکل کا، مگر ہر طرح کے تناسب سے محروم وہ یقینًا نہایت بدصورت آدمی تھا۔ جیسے کہ تمام بدنفس انسان ہوا کرتے ہیں"

"اُس کی حرکات وسکنات متکبرانہ تھیں۔ حاکمانہ شان رکھتی تھیں یہ صرف اس لئے کہ اُسے حاضرین پر اپنے اثر کا یقین تھا۔ سب لوگ اُسے انتہائی عقیدت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ وہ خود بھی اُنھیں تجسسانہ نظروں سے دیکھتا۔ وہ اُنکے خیالات معلوم کرنے کی کوشش میں تھا۔ لیکن مس م... پر اُس کی نظریں بالکل دوسرا انداز رکھتی تھیں وہ اُسے پُرہوس نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ ہر لحہ میری نفرت بڑھتی جاتی تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ دلیوں کے اس لباس میں ایک خبیث نفس ملفوف ہے"

"چائے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے قریب آگیا اور رندانہ انداز سے کہنے لگا "تمھاری دوست مس م... کس قدر حسین ہے! کوشش کرو کہ تمھاری رفیق زندگی بنجائے، صرف جسم ہی سے نہیں بلکہ رُوح سے بھی۔ تمھارے بارے میں اُسنے مجھ سے بارہا گفتگو کی ہے۔ وہ تمھاری طرف بہت مائل ہے۔ مجھے یقین ہے، شادی کے بعد تم دونوں حقیقی مسرت وسعادت پاؤگے!"

اس ملاقات سے چند دن بعد مس م... نے مجھ سے کہا "راسپوٹین تم سے از حد حسن ظن رکھتا ہے اور دوبارہ ملاقات کرنی چاہتا ہے"

راہب اور زار کی والدہ

"اُسوقت کوئی بھی اُس خطرے سے واقف نہ تھا جو روس کے شاہی خاندان کو اس پُراسرار راہب کی وجہ سے لاحق ہوگیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ قصر شاہی میں اُس کی بڑی آؤبھگت ہوتی تھی۔ زار کے تمام مقرب اُس کا اثر واقتدار دیکھ کر اُس کی خوشامد میں لگے رہتے لیکن مجھے اور میری ماں کو اُس سے سخت نفرت تھی۔ ہم محسوس کرنے لگے تھے کہ ایک نہ ایک دن زار کو اس راہب کے ہاتھوں روز بد دیکھنا پڑے گا۔ چنانچہ میری ماں نے زارینہ کو کئی مرتبہ متنبہ کیا اور اس جال کے دُور کردینے پر زور دیا۔ خاندان شاہی کے چند اور لوگوں کا بھی یہی خیال تھا۔ اُنھوں نے بھی میری ماں سے اتفاق کیا۔ حتیٰ کہ خود زار کی والدہ نے بھی راہب کی بہت مخالفت کی۔ مگر زارینہ کچھ اس طرح اس "مقدس مرشد" کے دام میں پھنس گئی تھی کہ اُس کی مخالفت میں ایک لفظ بھی سن لینا گوارا نہیں کرتی تھی"!

جنگ عظیم

سنہ ۱۹۱۴ میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ ہم سب خوف سے کانپ اُٹھے کیونکہ جانتے تھے، اب اس راہب سے کیسے کیسے خطرے پیدا ہوسکتے ہیں۔ مصیبت یہ تھی کہ زار اور زارینہ نے اپنے دوستوں سے بے اعتنائی برتی اور سراسر راہب کے ہو رہے۔ جب کبھی ہم لوگوں نے اُس کے خلاف منت التجائیں کرنی چاہیں، تو ملکہ نے صاف صاف کہدیا:

"میں اپنے روبرو راسپوٹین کی شان میں ایک حرف بھی کہنے کی اجازت نہ دوں گی!"

راہب کی تصویر

"جنرل ڈاہنکو نائب وزیر داخلیہ، راسپوٹین کی حقیقت سے واقف تھا۔ اُسنے بڑی کوشش سے "کلیسٹیزم" والوں کے ایک جلسہ کا مرقع حاصل کیا۔ اس مرقع میں راسپوٹین ناگفتہ بہ فسق وفجور کی حالت میں نظر آتا تھا۔ جنرل نے تصویر، زارینہ کے سامنے رکھدی۔ مگر زارینہ کی عقیدت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ اُلٹی جنرل پر خفا ہوئی۔ تصویر جعلی قرار دی گئی، اور جن جن لوگوں پر راسپوٹین نے جعل بنانے کا شبہ کیا، اُنھیں سخت سزائیں ملیں"!

راہب جرمن جاسوس تھا

جنگ میں روسی فوجیں جس طرح برباد ہوئیں، اُس کی داستان بہت ہی دردناک ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان تمام مصائب کی اصلی علت راسپوٹین ہی کی ذات اور اُس کی خیانت تھی۔ وہ دراصل، جرمن جاسوس بن گیا تھا۔ روسی فوجوں کی نقل وحرکت کی خبریں جرمنی اور آسٹریا کے جنگی دفاتر کو روز بھیجا کرتا تھا۔ یہ بات زیادہ مدت تک چھپ نہیں سکتی تھی۔ بہت جلد تمام ملک اس عظیم مکار کی حقیقت سے واقف ہوگیا، اور محل شاہی سے اُس کی علحدگی پر زور دینے لگا مگر جوں جوں اُس کی مخالفت بڑھتی گئی، زارینہ کی عقیدت بھی بڑھتی گئی۔ آخر اُس کا اقتدار یہاں تک بڑھ گیا کہ سپہ سالاروں کا عزل ونصب اور میدان جنگ کے نقشوں کی تجویز بھی اُسی کی رائے سے ہونے لگی۔ وہ خود اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتا تھا۔ جرمن افسر اُسے وقتًا فوقتًا لکھتے رہتے تھے کہ فلاں روسی افسر کو معزول کرادینا چاہئے فلاں مقام ہمارے لئے مُضر ہے۔ وہاں سے فوج ہٹا دینی چاہئے۔ یہ اُنکے احکام کے مطابق یہاں رائے ظاہر کردیتا، اور زار اسکی فورًا تعمیل کرتا۔ نہ کرتا تو زور ڈالنے کے لئے ملکہ موجود تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روس کی تمام فوجیں گاجر مولی کی طرح کٹنے لگیں۔ وہ جس طرف رُخ کرتیں، دیکھتیں جرمن فوج پہلے سے اُن کی ہلاکت کا سامان طیار کئے موجود ہے۔

با ایں ہمہ زار اور ملکہ کا تمام اعتماد اسی "مرشد" پر تھا۔ وہ کہتے تھے اس جنگ میں ہم فوج سے نہیں بلکہ اپنے مرشد کی توجہ اور برکت سے فتح پائیں گے"!

راہب کی لڑکی کا بیان

یہ تو پرنس یوسوپوف کا بیان تھا۔ اب خود راسپوٹین کی لڑکی کا بیان سنئے۔ وصاحب البیت ادریٰ بما فیہ۔ اس لڑکی کا نام صوفیہ راسپوٹین، ہے۔ ابتک دنیا اس کے وجود سے بے خبر تھی۔ لیکن حال ہی میں یہ ظاہر ہوئی، اور ایک مختصر کتاب میں اپنی یادداشتیں جمع کرکے چھاپ دیں۔ یہ اپنے باپ اور زارینہ کے تعلقات پر ایک بالکل مختلف قسم کی روشنی ڈالتی ہے۔ اُس کے بیان نے یورپ کے اخبارات میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ وہ لکھتی ہے:

عقیدت نہیں عشق تھا!

"زارینہ کا تعلق میرے باپ سے دینی عقیدت کے رنگ میں شروع ہوا۔ مگر بہت جلد عقیدت نے محبت کی شکل اختیار کرلی، اور بتدریج محبت، عشق کے درجہ تک پہنچ گئی۔ اُسنے کئی بار میرے والد سے کہا "میں، زار سے بیزار ہوگئی ہوں، وہ ایک دوسری عورت سے وابستہ ہے۔ میں اُس سے طلاق لے لوں گی، بشرطیکہ تم مجھ سے شادی کرلو!" میرا باپ نادان نہ تھا۔ وہ جانتا تھا، یہ واقعہ کیسے ہولناک نتائج پیدا کرے گا؟ چنانچہ وہ زارینہ کو ایسا کرنے سے ہمیشہ روکتا تھا"

اس کے بعد صوفیہ لکھتی ہے

"یہ کوئی فرضی بات نہیں ہے۔ اس کا ثبوت خود زارینہ کے روزنامچے میں موجود ہے، جو اسوقت بالشویک حکومت کے قبضہ میں ہے۔ زارینہ، خود مجھ سے بھی بہت محبت کرتی تھی اور اکثر کہا کرتی تھی "میں بہت جلد تمھارے گھر میں آجاؤں گی۔ اُس وقت میں تمھاری ماں اور تم میری لڑکی ہوجاؤ گی!"

صوفیہ نے اپنے روس سے بچ نکلنے کی داستان بھی لکھی ہے۔ وہ کہتی ہے

"جب میرا باپ قتل ہوگیا تو میرے پاس دو ہزار نقرئی روبل (روسی سکہ) موجود تھے۔ میں نے سپاہیوں کو یہ رقم رشوت میں دی اور جان لے کر بھاگ نکلی"

راسپوٹین کی اخلاقی سیرۃ، ملکہ کی اُس سے بیحد وغایت وابستگی اور وہ تمام حالات جو اس سلسلے میں سامنے آتے ہیں، اگر بغور دیکھے جائیں، تو صوفیہ کا بیان قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس صورت میں بدنصیب ملکہ کو "مرشد" کی مذہبی عقیدت سے خالی تصور کرلیا جائے۔ اس دنیا میں مذہبی عقیدت جب جہل وتوہم پرستی سے ملجاتی ہے تو اُس کے عجائب وخوارق کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ بارہا یہ بات دیکھی گئی ہے کہ لوگ مذہبی عقیدت کے ساتھ ہر طرح کے اخلاقی اور مذہبی معاصی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں، اور نہ صرف اس سے مذہبی عقیدت متاثر نہیں ہوتی، بلکہ معاصی وفسوق پر بھی مذہب کے پُراسرار تقدس کا پردہ پڑجاتا ہے۔ ہمیں اس میں کوئی تعجب نہ ہوگا اگر ثابت ہوجائے کہ یہ بدبخت ملکہ اپنے اس "مرشد" کی ناجائز خواہشوں کا شکار تھی اور اسپر بھی اُسے اپنا مرشد اور "مقدس ولی" یقین کرتی تھی۔ جب جواز وعدم جواز کا معیار حقیقت کی جگہ عقیدت ہوجاتی ہے، تو پھر کوئی چیز بھی ناجائز نہیں ہوسکتی۔ مذہب وتقدس کی ریاکاری کی تاریخ اس طرح کے واقعات کی ایک مسلسل داستان ہے اور ابتک دنیا اُس میں برابر اضافہ کئے جاتی ہے۔

اور اُسے "مسیح ثانی" تصور کرتے تھے۔ وہ جب چاہتا بلا اجازت محل میں داخل ہو جاتا۔ زار اور زارینا کو طلب کر لیا کرتا۔ محل میں اُسے بالکل ویسی ہی آزادی حاصل تھی جیسی خود زار کو۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ راسپوٹین کی شان میں ایک لفظ بھی منہ سے نکال سکتا۔ ملکہ کو از حد غلو تھا اُسنے اپنے آپ کو بالکل اس دجّال کے حوالہ کر دیا تھا"

ملکہ کی مجنونانہ عقیدت کا ثبوت اُس کے اُن خطوں سے بھی ملتا ہے جو دسمبر ۱۹۱۶ء یعنی انقلاب حکومت سے صرف تین مہینے پہلے اُسنے زار کو لکھے تھے۔ پرنس یوسوپوف نے یہ خطوط اپنے روزنامچہ میں نقل کر دئیے ہیں۔ اِن سے روس کے خاندان شاہی کی ذہنیت پر عجیب روشنی پڑتی ہے۔ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ زار کس درجہ کمزور دل و دماغ کا آدمی تھا، اور زارینہ کس درجہ پست خیال مگر ساتھ ہی اپنے شوہر پر کس قدر حاوی تھی؟ ذیل میں صرف چند خط بطور نمونے کے ملاحظہ ہوں:

زارینہ کے خطوط

ایک خط میں زارینہ "بروٹوف" کو وزیر داخلیہ بنانے کی سفارش کرتی ہے۔ یہ شخص راسپوٹین کا پروردہ تھا۔ راسپوٹین چاہتا تھا اسے وزیر داخلیہ بنا کر پس پردہ تمام ملک پر حکومت کرے۔ زارینہ اپنے شوہر کو لکھتی ہے:

"بروٹوف کو وزیر بنا دو۔ مخالفوں کی مخالفت کی ذرا بھی پرواہ نہ کرو، ورنہ وہ جری ہو جائیں گے اور برابر یوں ہی دباتے رہیں گے یہ سمجھیں گے تم اُن سے ڈر گئے ہو۔ وزیر اعظم اور ڈوما (پارلیمنٹ) کے صدر کی کیا حقیقت ہے؟ یہ ذلیل آدمی ہیں۔ کیونکہ "مقدس باپ" (یعنی راسپوٹین) نے اُن کی بابت یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ بروٹوف کو میری خاطر وزیر بنا دو۔ کیونکہ وہ تم پر، تمھارے بچوں پر، اور روس پر جان دیتا ہے۔ ایک بڑے پادری نے مجھ سے کہا ہے" وہ سلطنت کبھی برباد نہیں ہو سکتی، جس کی حفاظت پر ولی ہوتے ہیں!" یہ قول بالکل صحیح ہے۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ اپنے ولی (راسپوٹین) پر بھروسہ کریں، اس کی اطاعت کریں، اُس کی نصیحتوں پر عمل کریں۔ ہمارے ولی کی یہی نصیحت ہے کہ بروٹوف وزیر بنا دیا جائے۔ لہذا اسکے قبول کرنے میں تامل نہ کرو۔ یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے ولی سے کوئی بات بھی مخفی رہتی ہے۔ مسیح نے اُسے سب کچھ دکھا دیا ہے۔ وہ جب کوئی دعا کرتا ہے، پوری ہو جاتی ہے۔ جس بات کو اچھا کہدیتا ہے، اچھی ہو جاتی ہے۔ جسے بُرا کہدیتا ہے، وہ بُرا ہی ثابت ہوتا ہے۔ ہم سے تم سے بہت غلطیاں ہو جاتی ہیں، مگر ہمارے اس مقدس مرشد سے کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ اُس سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی...!"

ایک دوسرے خط میں لکھتی ہے:

"ڈوما (پارلیمنٹ) فوراً توڑ دو۔ مخالفوں کی کوشش ہے کہ اس وقت ڈوما کے جلسے برابر جاری رہیں، تاکہ فساد کی راہیں بند نہ ہو جائیں وزیر اعظم نے یہ کہکر تمھیں دہوکا دیا ہے کہ اگر ڈوما توڑ دی جائے گی تو اُسکے ممبر ملک میں پھیل کر رعایا کو بھڑکائیں گے۔ یہ وزیر اعظم کا کھلا دہوکا ہے۔ کیونکہ ہمارے مرشد کا قول ہے: اگر یہ لوگ رعایا سے جا کر بدگوئی کریں گے تو کوئی بھی ان کا یقین نہ کرے گا۔ ان کی ساری قوت، ان کے ایک جگہ جمع رہنے میں ہے۔ لہذا ڈوما توڑ کر ان شریروں کو منتشر کر دو"

ایک دوسرے خط کا مضمون یہ ہے:

"معاملہ خوب سوچ لو۔ یقین کرو ہمارے مرشد کی نصیحت میں تمھارے لئے سراسر بھلائی ہے... پیارے! میری دلی آرزو ہے کہ تم ڈوما توڑ دو۔ یہ لوگ اندر اندر سازش کر رہے ہیں اور تم سے آکر چکنی چپڑی باتیں بناتے ہیں۔ تم اپنی نیکی کی وجہ سے ان کی باتوں میں آجاتے ہو۔ یقین کرو، ہمارے مرشد نے جو کچھ کہدیا ہے، وہی ٹھیک ہے۔ اُسکی نصیحت پر چلکر ہم کامیاب ہو سکتے ہیں..."

ایک اور خط میں حسب ذیل پر جوش الفاظ ملتے ہیں:

"یہ لوگ تمھیں بیوقوف بنا رہے ہیں۔ تمھارا مذاق اُڑاتے ہیں تم اتنے کمزور کیوں ہو گئے ہو؟ اٹھو، پیٹر اعظم بنجاؤ۔ اِن بدمعاشوں کو لات مار کر گرا دو۔ مجھے تمھاری کمزوری دیکھ کر سخت صدمہ ہوتا ہے ہمت باندھو اور ڈوما کو توڑ دو۔ اِن تمام بغاوت پسندوں کو ایک ایک کر کے سائبریا جلا وطن کر دو۔ ہم اس وقت جنگ میں ہیں۔ اندرونی بغاوت، میدان جنگ کی شکست سے بھی زیادہ مہلک ہوگی۔ تمھارا خیال وہ کیوں نہیں ہے جو میرا ہے؟ میں نہیں سمجھ سکتی ایسا کیوں ہے؟ بلاشبہ میں ایک عورت ہوں۔ لیکن عقل و ضمیر رکھتی ہوں۔ میں جانتی ہوں، روس کی نجات اُسی میں ہے جو ہمارے مرشد کا حکم ہے۔ تمھیں یاد نہیں فرانسیسی مدبر مسیو فلپ نے کیا کہا تھا؟ اُسنے کہا تھا: روس کو حکومت خود اختیاری دینا، روس کو برباد کر ڈالے گا اور خود زار کو بھی! یہی ہر سچے روسی کا بھی خیال ہے۔ میں جانتی ہوں، تمھیں میری اس سخت کلامی سے تکلیف ہوگی۔ مگر میں اسپر مجبور ہو گئی ہوں۔ روس کی ملکہ، زار کی بیوی، اور ولی عہد کی ماں ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ اپنے خیالات تم تک پہونچا دیا کروں نیز اپنے مرشد کی نصیحتوں سے بھی تمھیں خبردار کرتی رہوں...!"

پانچویں خط میں بھی "مرشد" کے احکام کی تعمیل پر پورا زور دیا گیا ہے:

"میری زندگی کا سب سے بڑا ارمان یہ ہے کہ تمھیں دشمن کے سامنے اس طرح سربلند دیکھوں، جس طرح شیر، لومڑیوں کے سامنے ہوتا ہے تم اِن جمہوریت پسند کمینوں کے ساتھ کیوں بیٹھتے ہو؟ طاقتور حاکم کیوں نہیں بنجاتے؟ اگر تم اکڑ جاؤ گے تو یہ سب بزدل سر جھکا دینگے۔ یاد رکھو، تمھاری اور روس کی نجات صرف اسمیں ہے کہ اس مرشد کامل کے حکموں کی تعمیل کرتے رہو...!"

مقدس نفس پرستی!

یہ حال ملکہ کی عقیدت کا تھا، حالانکہ اس راہب کی نجی زندگی ناقابل بیان حد تک فاسقانہ تھی۔ اُسوقت روس میں "کلیسٹیزم" کا بہت زور تھا۔ "کلیسٹیزم" باقاعدہ نفس پرستی کا دوسرا نام ہے۔ اس "مذہب" کے متبعین کا عقیدہ تھا کہ قوائے شہوانی، خدا کا ایک عظیم عطیہ ہیں۔ اس بخشش کا شکریہ اسی طرح ادا کیا جا سکتا ہے کہ اُن سے انسان دل کھولکر متمتع ہو، اور ہرگز اُنکے استعمال میں بخل نہ کرے۔ چنانچہ یہ لوگ فسق و فجور میں اس درجہ بے روک تھے کہ کسی طرح بھی قلم اُس کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا۔ تفصیلات ناگفتہ بہ ہیں۔ راسپوٹین بھی اسی گروہ میں شامل تھا۔ قصر شاہی میں زہد و تقشف ظاہر کرتا، اور باہر آکر شراب خواری اور ہر طرح کے فسق و فجور میں منہمک ہو جاتا!

زمن حذر نہ کنی گر لباس دیں دارم
نہفتہ کافرم و بت در آستیں دارم!

راہب سے پرنس کا تعارف

آگے چلکر پرنس یوسوپوف لکھتا ہے:

"راہب راسپوٹین سے میری پہلی ملاقات ۱۹۰۹ء میں یعنی جنگ عمومی سے ۵ سال پہلے ہوئی تھی۔ میرے دوست ج... کی لڑکی مس م... روس کی حسین ترین دوشیزہ تھی۔ پہلی ہی نظر میں انسان اُسکے معصوم حسن و جمال اور قلب کی طہارت کا قائل ہو جاتا تھا۔ میرے بھائی کو اُس سے عشق تھا۔ وہ بھی اُس کی محبت میں سرشار تھی۔ لیکن بدقسمتی سے وہ بھی راسپوٹین کے جال میں پھنس گئی۔ اپنے دل کی نیکی اور حد سے زیادہ تقوی کی وجہ سے یقین کرتی تھی کہ وہ، ولی اللہ اور قدیس ہے

اختتام پر مجلس کے انتخاب کے ساتھ صدر جمہوریت کا بھی انتخاب ہوتا ہو۔ پُرانا صدر دوبارہ صدر ہو سکتا ہو بشرطیکہ مجلس وطنی کے انتخاب میں کامیاب ہو جائے۔

خاص روایات

مجلس وطنی کی بعض روایات بالکل انوکھی ہیں مثلاً یہ کہ وہ کسی حال میں بھی برخواست نہیں کی جا سکتی، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ پھر وہ سال کے بارہ مہینوں میں کبھی چھٹی نہیں لیتی۔ ہمیشہ اُس کے جلسے منعقد رہتے ہیں۔ حالانکہ دُنیا کی دوسری پارلیمنٹیں عام طور پر کسی ایک موسم میں بند رہتی ہیں۔ لیکن خود مجلس کو اختیار ہو کہ جب چاہے اپنے آپکو منتشر کر دے۔ اس صورت میں انتخابات از سر نو جاری ہونگے۔ اسی طرح اگر مجلس کبھی چھٹی لے لے تو اُس کے دوبارہ اجتماع کے لئے صدر جمہوریت یا مجلس وکلاء (وزراء) کی دعوت کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی بلا کسی کی دعوت یا حکم کے جمع بھی ہو جاتی ہو۔ جب کبھی مجلس چھٹی پر ہو یا ٹوٹ جائے تو اُس کے دوبارہ اجتماع یا انتخاب سے پہلے حکومت نہ کوئی قانون جاری کر سکتی ہو نہ کوئی اور نئی کارروائی کر سکتی ہو۔ حالانکہ دوسرے ملکوں میں طریقہ یہ ہو کہ ایسی صورتوں میں حکومت ضروری قانون جاری کر دیا کرتی ہو اور بعد میں پارلیمنٹ کی منظوری حاصل کر لیتی ہو۔

دینی امور

لیکن ملک میں صرف ایک شعبہ ایسا موجود ہو جس پر مجلس وطنی کو کوئی اختیار نہیں ہو۔ وہ شعبہ دینیات کا ہو۔ یہ اس لئے کہ ٹرکی میں سیاست اور دین کو بالکل الگ کر دیا گیا ہو۔ دینی امور کی انجام دہی کے لئے ایک مستقل شعبہ بنا دیا گیا ہو۔ اس شعبہ کے صدر کا رتبہ، وکیل یا وزیر کا رتبہ ہو۔ یہ صدر مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہو۔ رئیس الوکلاء یا وزیر اعظم اُس سے جواب طلب کر سکتا ہو۔ اور وہی مجلس وطنی کو اس شعبہ کے حالات سے مطلع کرتا ہو۔

مجلس وطنی تمام معاملات پر اپنے ارادہ و اختیار سے بحث کرتی ہو اُس میں دوسری پارلیمنٹوں کی طرح پارلیمنٹری کمیٹیاں موجود نہیں ہیں۔ مجلس وکلاء ضروری مسائل مجلس وطنی کے سامنے پیش کرتی ہو اور وہ براہ راست اُس پر بحث کرتی ہو۔

"محاکم استقلال"

ٹرکی کے "محاکم استقلال" کا نام تمام عالم میں مشہور ہو چکا ہو۔ یہ بھی مجلس وطنی کی ایک غیر معمولی عدالتی قوت کا نام ہو۔ محاکم استقلال سے مقصود وہ خاص عدالتیں ہیں جو جمہوریت پر خطرے کے وقت وسیع اختیارات کے ساتھ قائم کر دی جاتی ہیں۔ یہ ایک طرح کی جنگی عدالت کہی جا سکتی ہو۔ یہ فوراً فیصلہ کرتی ہو۔ لیکن اُس کے فیصلہ کی تنفیذ بغیر مجلس وطنی کی منظوری کے نہیں ہو سکتی۔ جب یہ عدالتیں قائم ہو جاتی ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ملک حالت امن و سلامتی میں نہیں ہو۔

مخالف پارٹیاں

مجلس وطنی میں مخالف پارٹیاں موجود نہیں ہیں۔ اسمیں صرف ایک ہی پارٹی ہو اور وہ جمہوریت یا مصطفےٰ کمال پاشا کی پارٹی ہو مجلس وطنی کے کل ممبروں کی تعداد ۲۸۸ ہو۔ اسمیں کمالی پارٹی کے آدمی ۲۷۰ ہیں۔ یعنی کل ۱۸ ممبر اس پارٹی سے باہر ہیں۔ ظاہر ہو اتنی قلیل جماعت کو مخالف پارٹی نہیں کہہ سکتے۔

مجلس کا الاؤنس

مجلس وطنی کے ممبروں کو ماہوار الاؤنس نہیں ملتا۔ بلکہ انتخاب میں کامیابی کے دن پورے پارلیمنٹری سال کے لئے یکمشت ملجاتا ہو۔ ہر ممبر کو ۵ سو ترکی پونڈ یعنی تقریباً ساڑھے ۵ سو انگریزی پونڈ الاؤنس ملتا ہو۔

صدر جمہوریت کا سالانہ الاؤنس تیرہ ہزار ترکی پونڈ ہو۔ اُس کے قیام اور سرکاری جلسوں کے مصارف اس کے علاوہ ہیں۔ اُسے تین موٹریں بھی دی جاتی ہیں۔ ایک اُس کی ذات خاص کے لئے ہوتی ہو اور دو، اُس کے وزراء کے لئے۔ ہر وکیل یا وزیر کو سالانہ ۷ سو ترکی پونڈ ملتے ہیں۔ مجلس وطنی کے مصارف کا آخری بجٹ ۹۶،۱۴۴، ۱ پونڈ ترکی تھا۔

"تورک اوجاغی"

"تورک اوجاغی" کا نام مدت سے اخبارات کے صفحوں پر گشت کر رہا ہو۔ مگر کم آدمی اس کی حقیقت سے واقف ہیں "تورک اوجاغی" کے معنی ہیں ترکی وطن۔ یہ دراصل ایک عظیم الشان انجمن ہو۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں قائم ہوئی تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ترکی قوم میں قومیت و وطنیت کے جذبات برانگیختہ کئے جائیں۔ اُسے ذہنی و دماغی ترقی کے لئے طیار کیا جائے، اور ملک کو اجنبی مداخلت و تسلط سے بچایا جائے۔ جنگ سے پہلے اسے بہت اہمیت و قوت حاصل تھی۔ عام طور پر نوجوان ترک اُس کے حامی تھے۔ حکومت کے اکثر عہدے دار اُسی کے ارکان اور ممبر تھے۔ جنگ عمومی نے اسے عارضی طور پر کمزور کر دیا تھا۔ مگر جنگ کے شکست پر ختم ہوتے ہی پھر اُسنے قوت حاصل کر لی اور پچھلے جہاد آزادی میں ...... بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ یہ جہاد کامیابی پر ختم ہوا اور انجمن کا ایک اساسی مقصد بھی پورا ہو گیا۔ اس لئے اُس کے پروگرام میں ترمیم کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۳ء میں اُس کی عام کانفرنس انگورہ میں منعقد ہوئی اور پروگرام میں تغیر و تبدل کیا گیا ...... اُس کے موجودہ پروگرام میں یہ تین دفعات بہت اہم ہیں۔

(۱) جمہوری افکار کی اشاعت۔

(۲) جدید تمدن کو مقبول بنانا۔

(۳) مساوات کی تعلیم و تبلیغ۔

جنگ آزادی کے بعد سے اس انجمن کا صدر دفتر قسطنطنیہ کے بجائے انگورہ میں منتقل ہو گیا ہو۔ سنہ ۱۹۲۶ میں اُس کی سالانہ کانفرنس کا افتتاح خود غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے کیا تھا۔ اسوقت سو اُسے بہت زیادہ اہمیت و مقبولیت حاصل ہو گئی ہو۔

اس انجمن کی ۲۷۳ شاخیں ہیں اور تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہیں مرکزی انجمن کی انتظامی مجلس ۱۲ ارکان سے مرکب ہوتی ہو۔ شاخوں کی انتظامی مجلسوں میں سے ۷ رکن ہوتے ہیں۔ ہر شاخ کو پوری آزادی ہو کہ مقامی حالات و مصالح کی رعایت سے اپنا الگ پروگرام بنالے چنانچہ بعض علاقوں میں یہ انجمن صرف وبائی امراض کے خلاف جد و جہد کرتی ہو۔ بعض میں بچوں کی تربیت اُسنے اپنے ذمہ لے لی ہو۔ بعض میں عورتوں کی ترقی اس کا مقصد ہو۔

اس انجمن میں مرد اور عورتیں یکساں طور پر شریک ہیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کی انجمن کی صدر، ایک عورت ہی ہو۔ یہ خاتون نہایت تعلیم یافتہ اور معزز ہو۔ اس کا نام نقیہ خانم ہو۔ انجمن کی صدارت کے ساتھ ساتھ وہ ایک ثانوی مدرسہ (سکنڈری اسکول) کی مہتمم بھی ہو۔

ٹرکی میں "خلق فرقہ سی" کے بعد سب سے زیادہ طاقتور انجمن یہی ہو اور بہت مفید کام کر رہی ہو۔

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے سفر آستانہ کی تفصیل گزشتہ ہفتہ لکھ چکا ہوں لیکن جس جوش و خروش کا اظہار باشندگان شہر نے اُنکے استقبال کے موقعہ پر کیا اور جس کا سلسلہ آجتک جاری ہو، اُس کی تصویر قلم سے کھینچنا آسان نہیں ہو۔ میں نے گزشتہ ۱۵ سال میں یہاں بڑے بڑے تاریخی مظاہرے دیکھے۔ ان میں سے ہر مظاہرے کے متعلق یہی خیال ہوتا تھا کہ اس سے بڑے مظاہرے کا ہونا مشکل ہو۔ لیکن مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہو کہ جو کچھ میں نے اس موقعہ پر دیکھا، اسکے مقابلے میں پچھلے تمام مظاہرے بے حقیقت ہیں!

غازی بروسہ میں

پرسوں غازی ممدوح شہر بروسہ تشریف لے گئے جہاں عصمت پاشا تبدیل آب و ہوا کے لئے مقیم ہیں۔ اُن کی ملاقات کے بعد غازی اسی دن رات کو واپس چلے گئے۔ اس سفر میں اُن کے ساتھ وزیر خارجہ توفیق رشدی بک اور وزیر عدالت محمود اسعد بک وغیرہ بھی تھے۔

افغانستان اور ٹرکی

۴ دن پہلے یہاں ہز اکسلنسی محمود طرزی خاں وزیر خارجہ افغانستان ترکی وزیر خارجہ توفیق رشدی بک کے ساتھ وارد ہوئے۔ آمد کی غرض غازی مصطفےٰ کمال پاشا سے ملاقات کرنا تھی۔ چنانچہ ملاقات ہوگئی اور ممدوح یورپ روانہ ہوگئے۔

سیاسی حلقوں میں اس ملاقات کو اہمیت دیجاتی ہو۔ کیونکہ جیسا کہ اپنے پچھلے مکتوب میں عرض کر چکا ہوں، اسوقت روسی انگریزی نزاع نے افغانستان کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہو اور وہ برطانیہ کی تعدی سے بچنے کے لئے ابھی سے ہاتھ پاؤں مار رہا ہو۔

بیزنطینی آثار

تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ روم کی عظمت کے زوال کے بعد ایک زمانہ میں قسطنطنیہ نے کتنا عروج حاصل کر لیا تھا؟ یونان اور روم کا تمام علم و فن سمٹ کر اسی عروس البلاد میں جمع ہو گیا تھا۔

پھر یہ بھی معلوم ہو کہ یونان اور روم کے عہد عظمت میں گھوڑ دوڑ کے میدانوں کو کتنی اہمیت تھی۔ اُنکی آرائش کا کیسا اہتمام کیا جاتا تھا؟ ان میں کامیابی حاصل کرنے والوں کی کتنی تعظیم و تکریم ہوتی تھی؟ اُس عہد میں یہ چیز اس قدر اہمیت رکھتی تھی کہ ہومر کو بھی اس کا ذکر کرنا پڑا۔ عام طور پر یہ میدان کسی بلند ٹیکرے پر بنائے جاتے تھے۔ تقریباً ۴۰۰ میٹر لمبے اور ۲۰۰ میٹر چوڑے ہوتے تھے۔ ان کا نام "ہپڈروم" تھا۔ قسطنطنیہ میں بھی ایک "ہپڈروم" تھا اور از حد وسیع اور شاندار تھا۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہوں نے اس کی آراستگی پر صدیوں محنت کی یہاں تک کہ وہ دُنیا بھر میں مشہور ہو گیا تھا اور دُور دُور سے سیاح اُسے دیکھنے کے لئے آتے تھے۔

تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ "ہپڈروم" ٹھیک استنبول کے قلب میں اُس میدان کے اندر واقع تھا، جس کے ایک طرف اب جامع سلطان احمد ہو، اور دوسری طرف جامع ایا صوفیہ ہو۔ حکومت عثمانیہ نے اس میدان میں تنقیب (کھدائی) کی اجازت دینے سے ہمیشہ انکار کر دیا تھا لیکن جمہوری حکومت نے اجازت دے دی۔ چنانچہ پروفیسر اسٹنلی کاسن کی ماتحتی میں ماہرین آثار کی ایک جماعت کھدائی میں مشغول ہو۔ اسوقت تک جتنے آثار برآمد ہو چکے ہیں اور آیندہ جتنے نکلیں گے، وہ سب ترکی حکومت کی ملک ہونگے۔

بریدِ شرق

نوجوان ٹرکی پر ایک نظر

کچھ عرصہ سے بعض متنا جرائد مصر نے ایک خاص نمائندہ ٹرکی بھیجا ہو تا کہ وہاں کی موجودہ اجتماعی زندگی کا مطالعہ کرے۔ اس کی بکثرت تحریریں مصر کے اخبارات میں شایع ہو رہی ہیں، اور اہم فوائد پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں ہم بعض تحریروں کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

انگورہ

ترکی جمہوریت کی جنم بھومی "انگورہ" ہنوز ایک قصبہ کی حیثیت رکھتا ہو۔ اُسے شہر کہنا ایک حد تک غلط ہوگا۔ مکان عموماً پست، ایک منزلہ اور قدیم طرز کے ہیں۔ سڑکیں بھی تنگ ہیں۔ ہوٹل نہایت معمولی درجے کے ہیں۔ شہری زندگی کے لوازم کم دستیاب ہوتے ہیں۔ معیشت بہت گراں ہو۔ متوسط زندگی بسر کرنے کے لئے ۲/۱ ۲ پونڈ سے بھی زیادہ صرف ہو جاتے ہیں۔ ہوٹلوں کا کرایہ بہت زیادہ ہو۔ دس بارہ روپیہ روز دینا پڑتے ہیں، مگر پھر بھی آرام نہیں ملتا۔ وجہ یہ ہو کہ انگورہ بڑے شہروں سے دُور ہو اور ضروریات زندگی بہ آسانی نہیں مہیا کیجا سکتیں۔

سوال ہو سکتا ہو کہ پھر ترکی مدبروں نے آستانہ اور دوسرے آباد شہر چھوڑ کر یہی گاؤں اپنا پایۂ تخت کیوں قرار دیا؟ اس کا جواب خود ترک مدبر بار بار دے چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "اناطولیہ، اس ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہو۔ سلاطین آل عثمان نے اناطولیہ کی طرف سے ہمیشہ غفلت و اعراض کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی قومیت برباد ہو گئی۔ ترکی قومیت کی بربادی، خود سلطنت کی بربادی تھی۔ اب ہم اپنے اصلی ملک کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اب ہماری تمام اُمیدیں صرف اُسی میں مرکوز ہیں، لہذا ہم نے قلب کو مرکز بنایا ہو تا کہ یہیں سے نئی قومیت کی روح ملک کی رگ رگ میں دوڑا دیں" علاوہ بریں وہ اس پہلو پر بھی توجہ دلاتے ہیں کہ "اب ہم یورپ کے اثر سے دُور رہنا چاہتے ہیں یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی اگر ہم اس دُور اُفتادہ مقام میں اپنی حکومت قائم نہ کرتے"

سوال ہو سکتا ہو کہ اگر یہی بات ہو تو پایۂ تخت کو شہر کی صورت کیوں نہیں دیتے؟ اس کا جواب ترک مدبروں نے یہ دیا ہو کہ "ہمارا ملک جنگوں نے برباد کر ڈالا ہو۔ ہماری قوم کا دل و دماغ صدیوں کے ظلم و جمود سے تباہ ہو چکا ہو۔ ہم پہلے اپنے ملک کی اقتصادی، تجارتی، زرعی، حالت درست کریں گے۔ قوم کو قوم بنائیں گے۔ اسکے بعد ہمیں شہروں کی آراستگی کا خیال کرنا چاہئے"!

انگورہ کو پایۂ تخت قرار دینے میں ترک مدبروں کی ایک مصلحت یہ بھی ہو کہ وہ شہروں کے عیش و نشاط اور لہو و لعب سے دُور رہنا اور شب و روز محنت اور کام کرنا چاہتے ہیں۔ قسطنطنیہ میں جبتک حکومت کا مرکز رہا، کبھی اس مستعدی سے کام نہیں ہوا جیسا اب انگورہ میں ہو رہا ہو۔

لیکن یہ بات نہیں ہو کہ ترکوں نے انگورہ کو بالکل اُسکی سابق حالت ہی میں چھوڑ دیا ہو۔ وہ آہستہ آہستہ اُسے ترقی دے رہے ہیں۔ انگورہ کے اطراف میں ایک نئے شہر کی بنیادیں پڑ گئی ہیں۔ اپنے وقت پر وہ مکمل ہو جائے گا۔ فی الحال انگورہ کی آبادی زیادہ سے زیادہ ۵۰ ہزار ہو۔

انگورہ کے مناظر پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہو۔ لیکن جس منظر نے میرے دل پر سب سے زیادہ اثر کیا، وہ ترک افسروں اور سپاہیوں کا وقار اور خاموشی سے سڑکوں پر سے گزرنا تھا۔ میں جب اُنھیں دیکھتا تھا تو بے اختیار قلب اُن کی عظمت کے سامنے جھک جاتا تھا میں سوچتا تھا "یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے خونریز جنگیں سر کیں اور تمام یورپ کو مغلوب کر کے اپنی قوم کا گرا ہوا جھنڈا از سرِ نو بلند کر دیا!" ترکی افسر اور سپاہی ہمیشہ سے اپنی سنجیدگی اور وقار میں مشہور ہیں۔ مگر اب اتنی طویل جنگوں کے بعد اُن کی کچھ عجیب حالت ہو گئی ہو۔ وہ رعب و جلال ہو کہ اُس کی نظیر دنیا کی کسی فوج میں نہیں ملتی۔

مجلس وطنی کی عمارت

انگورہ کی سب سے زیادہ شاندار عمارت، مجلس وطنی یا ترکی پارلیمنٹ کی عمارت ہو۔ یہ دو منزلہ عمارت ہو۔ اوپر کے طبقہ میں صدر مجلس کا دفتر ہے۔ نیچے کے کمروں میں مجلس کے مختلف شعبوں کے دفتر ہیں۔ بائیں پہلو میں ایک وسیع ایوان ہو۔ ۲۵ میٹر لمبا اور ۱۲ میٹر چوڑا۔ یہی پارلیمنٹ کے جمع ہونے کی جگہ ہو۔ اسمیں ترکی قالینوں کا فرش ہو۔ صدر میں ۲/۱ ۲ میٹر بلند چبوترہ ہو۔ چبوترے کے وسط میں صدر مجلس کی جگہ ہو۔ اسکے دونوں پہلوؤں پر نصف میٹر نیچے کاتبوں کے بیٹھنے کی جگہ ہو اس سے ذرا اور نیچے ایک اور چبوترہ ہو۔ اور اسی پر کھڑے ہو کر مقرر تقریریں کرتے ہیں۔ اس کے سامنے ایک کٹہرا ہو جسمیں سرکاری رپورٹر بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد ممبروں کے بیٹھنے کی جگہیں ہیں۔ ہر نشست میں دو اور کبھی تین آدمی بیٹھتے ہیں۔ یہ تمام نشستیں باہم قریب قریب ہیں، کیونکہ ایوان باوجود اپنی وسعت کے ناکافی ہو۔ ایوان کی سطح سے تین میٹر بلندی پر پیچھے تماشائیوں کی جگہ ہو۔ اسی کے داہنے پہلو پر ایک مذہب و مطلا نشست ہو جس کے لئے ایک خاص دروازہ بنا دیا گیا ہو۔ یہ نشست غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی ہو۔ وہ جب چاہتے ہیں، اسمیں بیٹھ کر جلسے کی کارروائی دیکھا کرتے ہیں۔ ایوان کے صدر میں مجلس کے داہنے بائیں سفرار دول کی نشستیں ہیں۔ مجلس کے جلسے عموماً عصر کے بعد شروع ہوتے ہیں۔

مجلس وطنی

ترکی انقلاب کا سب سے عجیب کارنامہ یہی مجلس ہو۔ اس میں بیک وقت دو متضاد چیزیں جمع ہو گئی ہیں: شخصی تفویض اور جمہوری روح۔ یہ مجلس اپنے اندر ایسے عجیب اصول و قواعد اور غیر معمولی روایات رکھتی ہے جن کی نظیر دنیا کی کسی پارلیمنٹ کی تاریخ میں موجود نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہو:

موجودہ مجلس وطنی کا نام ترکی زبان میں "بیوک ملت مجلسی" ہو۔ یہ اُس مجلس قومی کی پیداوار ہو جو جنوری ۱۹۲۱ء میں قائم ہوئی تھی۔ اسی نے اپنے حوصلہ مندانہ اقدامات سے ٹرکی کی تاریخ بدل دی۔ اسی نے قدیم نظام سلطنت توڑا، اور جمہوریت قائم کی (۲۳ ؍اکتوبر ۱۹۲۳ء میں) اسی نے خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا (۱۹۲۴ء) اسی نے دستور اساسی بنایا (۲۰ اپریل ۱۹۲۴ء) یہی وہ دستور اساسی ہو جسپر موجودہ مجلس وطنی قائم ہوئی ہو۔

ٹرکی میں جملہ قوتیں اور اختیارات صرف مجلس وطنی ہی کو حاصل ہیں۔ اس کے ہم پلہ کوئی دوسری قوت موجود نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ترکی دستور حکومت صرف ایک ہی مجلس پر قائم ہو۔ حالانکہ دُنیا کے دوسرے دستوری ملکوں میں عموماً دو مجلسیں ہوتی ہیں: مجلس عوام اور مجلس خواص۔

ترکی مجلس وطنی کو دُنیا کی دوسری پارلیمنٹوں سے یہ امتیاز بھی حاصل ہو کہ وہ تقسیم اختیارات کا نظریہ تسلیم نہیں کرتی۔ یہی باعث ہو کہ تینوں قسم کے اختیارات اور قوتیں، یعنی تشریعی (قانون سازی) تنفیذی، اور عدالتی، تنہا اُسی میں جمع ہیں۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہو کہ ٹرکی میں وزارتی مسئولیت کا وجود نہیں ہو، بلکہ سرے سے اُس معنی میں کوئی وزارت اور تنفیذی قوت موجود ہی نہیں ہو، جس معنی میں دُنیا کے دوسرے دستوری ملکوں میں ان کا وجود تسلیم کیا جاتا ہو۔ یہ اس لئے کہ تنفیذی قوت، خود مجلس وطنی ہی ہو۔ ہاں یہ ضرور ہو کہ وہ اپنے ارکان کی ایک جماعت کے ذریعہ یہ قوت استعمال میں لاتی ہے۔ ارکان کی اس جماعت کو صدر جمہوریت یا صدر مجلس منتخب کرتا ہو اور معلوم ہو، صدر جمہوریت اور صدر مجلس دونوں کا انتخاب خود مجلس کرتی ہو۔ پھر ان ارکان کے انتخاب کی لازمی شرط یہ بھی ہو کہ مجلس اُنھیں منظور کر لے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صدر جمہوریت یا صدر مجلس کے انتخاب کردہ ارکان بھی درحقیقت مجلس ہی کے منتخب کردہ ہوتے ہیں۔ یہی ارکان، وزراء ہیں جنھیں ترکی اصطلاح میں "وکیل" کہتے ہیں۔ یعنی وہ تنفیذی قوت کے اجراء میں مجلس کے وکیل یا نائب ہیں۔ انہی وکلاء کی مجلس، حکومت کی مجلس (کیبنٹ) ہو۔

اس صورت حال کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہو کہ قانون اساسی کی رُو سے مجلس وطنی کسی حال میں بھی توڑی یا برخواست نہیں کی جا سکتی اگر کبھی مجلس وکلاء اور مجلس وطنی میں اختلاف پیدا ہو جائے، تو آخر الذکر نہیں، ہمیشہ اول الذکر ہی کو مستعفی ہونا پڑے گا!

اسی طرح عدالتی قوت بھی مجلس وطن ہی کے ہاتھ میں ہو۔ وہ اسکے استعمال کا حق عدالتوں کو بخشتی ہو۔ گویا عدالتیں بذات خود کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ وہ بھی مجلس وطنی کے محض "وکیل" ہیں۔

مجلس وطنی اور صدر جمہوریت

صدر جمہوریت ہی مجلس وطنی کا صدر ہوتا ہو۔ وہ جب چاہے مجلس کے جلسوں کی صدارت کرے۔ اُس کی عدم موجودگی میں اُس کا نائب صدارت کرتا ہو۔ صدر جمہوریت کے اختیارات یہ ہیں کہ مجلس وکلاء کا انتخاب وہی کرتا ہو (جس کی تصدیق کے لئے مجلس وطنی کی منظوری ضروری ہو) سفراء کے کاغذات وہی قبول کرتا ہو۔ مجلس وطنی کے جملہ قوانین اُسی کے نام سے شایع ہوتے ہیں۔ مجلس کے سالانہ افتتاح کے موقعہ پر یکم جنوری کو وہی افتتاحی تقریر کرتا ہو۔ مجرموں کو معافی دینے کا بھی اُسے حق ہو، مگر بہت محدود۔ لیکن جنگ و صلح کا اعلان اور معاہدوں کا انعقاد اُس کے اختیارات سے بالکل باہر ہے۔ یہ کام صرف مجلس وطنی کے ہیں۔ صدر جمہوریت، مجلس کے سامنے جوابدہ نہیں ہو۔ مجلس اُس سے صرف اُسی وقت باز پرس کر سکتی ہو جب وہ ملکی خیانت کا مرتکب ہو۔ اُس کی صدارت کی مدت ۴ سال ہو۔ یہی مدت، مجلس وطنی کی طبیعی عمر ہو۔ اس کے

ملت ترک کردي تهي - راه حق سے کٹ گیا تها - صالحین کے طور طریقه سے دور هوگیا تها - تونے نیک انسان قتل کرکے اُن کي جماعت فنا کر ڈالي - تابعین کي جڑیں کاٹ کر اُن کا پاک درخت اکهاڑ پهینکا - افسوس تو نے خالق کي نافرماني میں مخلوق کي اطاعت کي - تو نے خون کي ندیاں بهادیں - جانیں لیں - آبروئیں برباد کیں - کبر و جبر کي روش اختیار کي - تونے نه اپنا دین هي بچایا ' نه دنیا هي پائي - تو نے خاندان مروان کو عزت دي ' مگر اپنا نفس ذلیل کیا - اُن کا گهر آباد کیا ' مگر اپنا گهر ویران کرلیا - آج تیرے لیے نه نجات هے نه داد فریاد - کیونکه تو آج کے دن اور اِس کے بعد سے غافل تها - تو اِس امت کے لیے مصیبت اور قهر تها - الله کا هزار هزار شکر که اُسنے تیري موت سے امت کو راحت بخشي' اور تجهے مغلوب کرکے اُسکي آرزو پوري کردي ! "

(حجاج کي عجیب رحمت طلبي !)

راوي کهتا هے - حجاج یه سن کر مبهوت هوگیا - دیر تک سناٹے میں رها - پهر اُس نے ٹهنڈي سانس لي ' آنکهوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ' اور آسمان کي طرف نظر اُٹهاکر کها :

" الهي ! مجهے بخش دے ' کیونکه لوگ کهتے هیں که تو مجهے نهیں بخشے گا ! " پهر یه شعر پڑها :

رب ان العباد قد أیأسوني و رجائي لک الغداة عظیم !

الهي ! بندوں نے مجهے نا امید کر ڈالا ' حالانکه میں تجهه سے بڑي هي امید رکهتا هوں !

یه کهکر اُسنے آنکهیں بند کرلیں -

اسمیں شک نهیں ' رحمت الهي کي بے کنار وسعت دیکهتے هوئے اُسکا یه انداز طلب ایک عجیب تاثیر رکهتا هے اور اِس باب میں بے نظیر مقوله هے - یهي وجه هے که جب حضرت حسن بصري سے حجاج کا یه قول بیان کیا گیا تو وه پہلے تو متعجب هوے " کیا واقعي اُسنے یه کها ؟" کها گیا " هاں اُسنے ایسا هي کها هے " فرمایا " تو شاید !" (یعني شاید اب بخشش هو جائے)

اطلاع

اس نمبر کے تمام فارم طیار هوچکے تهے - صرف آخري چو صفحه باقي تها که ایک حادثه کي وجه سے خوشنویس اپنے وطن چلے گئے ' اور اُن کي جگه جس خوشنویس سے کتابت کا انتظام کیا گیا ' وه بهي بروقت کام نه کر سکے - نتیجه یه نکلا که اُن تمام مضامین کي کتابت رهگئي جو آخري چو صفحه میں دیے جاتے هیں - ممکن تها که یه تمام حصه کمپوز کراکے شامل کردیا جاتا ' لیکن اسکي وجه سے ایک دن کي تاخیر هوجاتي - چونکه اب هم سب سے زیاده ضروري بات رساله کي بروقت اشاعت سمجهتے هیں - اسلیے یهي مناسب نظر آیا که یه نمبر ۲۲ صفحه هي کا شائع کردیا جاے' مگر اشاعت میں تاخیر نهو - انشاء الله اسکي تلافي آینده اشاعت میں هوجائیگي - اب خوشنویسوں کا بهي ایسا انتظام کر لیا گیا هے که آینده رکاوٹ پیش نه آے - منیجر

مراسله

لکهنو سے ایک انگریزي روزانه کا اجراء

لیمیٹڈ کمپني

هندوستان میں صوبه جات متحده آگره و اوده کا جو اهم مرتبه هے وه محتاج تشریح نهیں - مگر صوبهٔ هذا کے مسلمانوں کي انتهائي بد نصیبي هے که اس زمانه میں جب که اُن کو قدم قدم پر ایک حقیقي رهنما و همدرد وکیل کي ضرورت هے ' اُن کے پاس ایک بهي روزانه انگریزي اخبار نهیں هے -

اله آباد اور علي گڑه سے دو انگریزي اخباروں کے نکالنے کي کوشش هوئي مگر اول الذکر محض تجارتي اغراض لیکر دنیا میں آیا تها اور موٴخر الذکر اگرچه اسلام کے تعلیمي مرکز سے جاري هوا ' مگر اس میں بد قسمتي سے شخصي عنصر اس درجه غالب تها که وه ترقي نه کر سکا - دونوں جس بے سروساماني کي حالت میں آئے تهے اُسي طرح رخصت هوگئے - اُن کي موت نے افسوس ناک نتائج پیدا کردیے - یعني مسلمانوں کو اپنے روزانه انگریزي اخبارات سے بد ظني پیدا هوگئي - جس کے باعث معقول انگریزي روزانه اخبار اب تک نهیں نکل سکا - چنانچه اس وجه سے اور کچهه اس سبب سے که جناب آنریبل سید رضا علي صاحب پبلک سروس کمیشن کے ممبر هوگئے تهے - انگریزي روزانه اخبار کي وه اسکیم جو وسط سنه ۱۹۲۶ع میں لکهنو میں طیار هوئي تهي عملي جامه نه پهن سکي - لیکن اس ایک برس کي مدت سیاسي نقطهٔ نظر سے نهایت اهم ثابت هوئي - اور موجوده اور آنے والي پیچیدگیوں نے قوم کے رهنماؤں کو مجبور کیا که وه آنریبل سر مهاراجه صاحب بهادر محمودآباد کي سرکردگي میں معقول سرمایه اور بهترین اسٹاف کے ساتهه مسلمانوں کا انگریزي روزانه اخبار لکهنؤ سے جاري کریں - یه اسکیم نهایت شاندار هے جو نه صرف مسلمانوں کے ایک زبردست روزانه انگریزي اخبار اور بهترین پریس کي حامل هوگي ' بلکه مسلمانوں کي ذاتي منفعت کا بهي معقول ذریعه ثابت هوگي -

ایک کمپني قائم کي گئي هے جس کے ڈائرکٹر حسب ذیل هیں :

سر مہا راجه صاحب بهادر والي محمود آباد - سر سید علی امام صاحب بیرسٹر ایٹ لا - پٹنه - راجه صاحب نانپاره ضلع بهرائچ - آنریبل راجه نواب علی خاں صاحب تعلقه دار - ممبر کونسل آف اسٹیٹ - مولوي محمد نسیم صاحب - بی - اے - ایڈوکیٹ لکهنؤ -

کمپني مذکور کي اسکیم نهایت تجربه کار اور واقف کار اصحاب نے تیار کي هے ' اور ایک اعلی درجه کے پریس اور انگریزي اخبار کے اجراء کا مشوره دیا هے - پریس انگریزي اور اُردو هر قسم کا بهترین کام کریگا - پریس اور اخبار کے انتظامات صرف معتبر اور آزموده کار هاتهوں میں رهینگے - چنانچه ایڈیٹوریل اور انتظامي خدمات کے لیے بهترین اشخاص منتخب کیے گئے هیں - اور اسکیم میں کثیر منافع کا پهلو رکها گیا هے تا که جو لوگ کمپني کے حصص خریدیں اُن کو منافع کي شکل میں معقول مالي فائده پهونچتا رهے -

کمپني کے متعلق پراسپکٹس انگریزي اور اُردو میں چهپ رهے هیں - حصوں کے خریداري کے فارم بهي تیار هیں - مسٹر حسن عابد جعفري رکن بیرسٹر ایٹ لا سے محمود آباد هاؤس قیصر باغ لکهنو کے پته پر ملسکتے هیں - اور اُنهي سے تمام مزید حالات بهي معلوم هو سکتے هیں -

خاکســاران

آل نبي - محمد یعقوب - تصدق احمد خاں - وغیره .

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

حجاج بن یوسف ثقفی

خلافت اموی کے حکام میں حجاج ابن یوسف سے زیادہ کسی شخص کو شہرت حاصل نہیں ہوئی، مگر یہ شہرت عدل وفیض رسانی کی نہیں تھی۔ سیاست و قہر کی تھی۔ تاریخ اسلام میں حجاج کا قہر ضرب المثل ہوگیا ہے!

یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد اموی سلطنت کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ وہ حجاج ہی تھا جسنے اپنی بے پناہ تلوار اور بے روک سفاکی سے از سر نو اس کی گرتی ہوئی عمارت مستحکم کردی۔

بنی امیہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ حضرت عبداللہ بن الزبیر سے تھا۔ ان کی حکومت کا مرکز مکہ میں تھا اور اُس کا دائرہ شام کی سرحدوں تک پہنچگیا تھا۔ حجاج ابن یوسف نے یہ خطرہ ہمیشہ کے لئے دُور کردیا۔ مکہ کا محاصرہ کیا، کعبہ پر منجنیقیں لگادیں، اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کو نہایت سفاکی کے ساتھ قتل کرڈالا۔

عراق شروع سے شورش پسند قبائل کا مرکز تھا۔ یہاں کی سیاسی ہیجنی کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی۔ والیوں پر والی آتے تھے، اور بے بس ہوکر لوٹ جاتے تھے۔ لیکن حجاج ابن یوسف کی تلوارنے اپنی ایک ہی ضرب میں عراق کی ساری شورہ پشتی ختم کرڈالی۔ خود اُس عہد کے لوگوں کو اسپر تعجب تھا۔ قاسم بن سلام کہا کرتے تھے "کوفہ کی خودداری اور نخوت اب کیا ہوگئی؟ انھوں نے امیر المومنین علی کو قتل کیا، حسین بن رسول کا سر کاٹا۔ مختار جیسا صاحب جبروت ہلاک کردیا، مگر اس بدصورت ملعون (حجاج) کے سامنے بالکل ذلیل ہوکر رہ گئے! کوفہ میں ۱لاکھ عرب موجود ہیں، مگر یہ خبیث ۱۲ سوار لے کر آیا اور سب کو غلام بنا ڈالا!"

حجاج کا عراق میں اولین خطبہ، ادب عربی کی اتنی مشہور چیز ہے کہ صرف اشارہ کردینا کافی ہوگا: أما واللہ، انی لاحمل الشر بحملہ، وأحذوہ بنعلہ، وأجزیہ بمثلہ، وانی لأری ابصاراً طامحۃ، وأعناقاً متطاولۃ، ورؤساً قد اینعت وحان قطافہا، وکأنی انظر الی الدماء بین العمائم واللحی تترقرق! حجاج کی تلوار جس درجہ سفاک تھی، اُتنی ہی اُس کی زبان بھی بلیغ تھی۔ اُس کا یہ خطبہ خطیبانہ بلاغت کا بے نظیر نمونہ ہے "میں دیکھتا ہوں کہ نظریں اُٹھی ہوئی ہیں، گردنیں اونچی ہو رہی ہیں، سروں کی فصل پک چکی ہے، اور کٹائی کا وقت آگیا ہے! میری نظریں وہ خون دیکھ رہی ہیں جو پگڑیوں اور داڑھیوں کے درمیان بہ رہا ہے!"

حجاج نے جیسا کہا تھا، ویسا ہی کردکھایا۔

بیان کیا گیا ہے کہ جنگوں کے علاوہ حالت امن میں اُسنے ایک لاکھ ۲۰ ہزار آدمی قتل کئے تھے (عقد الفرید۔ البیان والتبیین وغیرہ) بڑے بڑے اخیار و ابرار مثلاً سعید بن جبیر وغیرہ کی گردنیں اُڑادیں۔ مدینہ میں بے شمار صحابہ کے ہاتھوں پر سیسے کی مُہریں لگادیں، حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت عبداللہ بن عمر جیسے جلیل القدر صحابیوں کو قتل کیا، موجودہ زمانے کی استعماری سیاست کی طرح اس کا بھی اصول یہ تھا "حکومت کے قیام کے لئے ہر بات جائز ہے" اور "حکومتیں رحم و عدل سے نہیں بلکہ قہر و تعزیر سے قائم ہوتی ہیں"!

اس عہد کے عرفاء و صلحاء، حجاج کو خدا کا قہر و عذاب خیال کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے "حجاج، اللہ کا عذاب ہے۔ اسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دُور کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ خدا سے تضرع و زاری کرو۔ کیونکہ اُسنے فرمایا ہے "ولقد اخذناہم بالعذاب فما استکانوا لربہم وما یتضرعون"

یہی سبب ہے کہ جوں ہی اُس کی موت کی خبر سُنی گئی، حضرت حسن اور عمر بن عبدالعزیز سجدے میں گر پڑے۔ "اس امت کا فرعون مرگیا!" بے اختیار ان کی زبانوں سے نکل گیا!

اب دیکھنا چاہیے اس جابر و قہرمان انسان نے موت کا مقابلہ کیونکر کیا؟ جس گھاٹ ہزاروں مخلوق کو اپنے ہاتھوں اُتار چکا تھا، خود اسمیں کیسے اُترا؟

بیماری

عراق پر ۲۰ برس حکومت کرنے کے بعد ۵۴ سال کی عمر میں حجاج بیمار ہوا۔ اُس کے معدے میں بے شمار کیڑے پیدا ہوگئے تھے۔ اور جسم کو ایسی سخت سردی لگ گئی تھی کہ آگ کی بہت سی انگیٹھیاں بدن سے لگا کر رکھدی جاتی تھیں پھر بھی سردی میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی!

موت پر خطبہ!

جب زندگی سے نااُمیدی ہوگئی تو حجاج نے گھر والوں سے کہا "مجھے بٹھا دو اور لوگوں کو جمع کرو"۔ لوگ آئے تو اُسنے حسب عادت ایک بلیغ تقریر کی۔ موت اور اُسکی سختیوں کا ذکر کیا، قبر اور اُس کی تنہائی کا بیان کیا، دنیا اور اُس کی بے ثباتی یاد کی، آخرت اور اُسکی ہولناکیوں کی تشریح کی، اپنے گناہوں اور ظلموں کا اعتراف کیا پھر یہ شعر اُس کی زبان پر جاری ہوگئے:

ان ذنبی وزن السموات والارض وظنی بخالقی ان یحابی

میرے گناہ آسمان اور زمین کے برابر بھاری ہیں، مگر مجھے اپنے خالق سے اُمید ہے کہ رعایت کرے گا۔

فلئن من بالرضاء فہو ظنی ولئن مر بالکتاب عذابی

اگر وہ اپنی رضامندی کا احسان مجھے دے تو یہی میری امید ہے۔ لیکن اگر وہ عدل کرکے میرے عذاب کا حکم دے۔

لم یکن ذاک منہ ظلما وہل یظلم رب یرجی لحسن مآب؟

تو یہ اُس کی طرف سے ہرگز ظلم نہیں ہوگا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ رب ظلم کرے جس سے صرف بھلائی ہی کی توقع کی جاتی ہے؟

پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ موقعہ اس قدر عبرت انگیز تھا کہ مجلس میں کوئی بھی اپنے آنسو روک نہ سکا!

خلیفہ کے نام خط

اس کے بعد اُسنے اپنا کاتب طلب کیا اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کو حسب ذیل خط لکھوایا:

"امابعد، میں تمھاری بکریاں چَراتا تھا۔ ایک خیرخواہ گلہ بان کی طرح اپنے آقا کے گلے کی حفاظت کرتا تھا۔ اچانک شیر آیا، گلہ بان کو طمانچہ مارا، اور چراگاہ خراب کرڈالی۔ آج تیرے غلام پر وہ مصیبت نازل ہوئی ہے جو ایوب صابر پر نازل ہوئی تھی۔ مجھے اُمید ہے کہ جبار و قہار اس طرح اپنے بندے کی خطائیں بخشنا اور گناہ دھونا چاہتا ہے!"

پھر خط کے آخر میں یہ شعر لکھنے کا حکم دیا:

اذا ما لقیت اللہ عنی راضیاً فان شفاء النفس فیما ہنالک

اگر میں نے خدا کو اپنے سے راضی پایا تو بس میری مراد پوری ہوگئی

فحسبی بقاء اللہ من کل میت وحسبی حیاۃ اللہ من کل ہالک

سب مرجائیں مگر خدا کا باقی رہنا میرے لئے کافی ہے! سب ہلاک ہوجائیں مگر خدا کی زندگی میرے لئے کافی ہے!

لقد ذاق ہذا الموت من کان قبلنا ونحن نذوق الموت من بعد ذلک

ہم سے پہلے یہ موت چکھ چکے ہیں، ہم بھی اُنکے بعد موت چکھیں گے!

فان مت فاذکرنی بذکر محبب فقد کان جمانی رضاک مسالکی

اگر میں مرجاؤں تو مجھے محبت سے یاد رکھنا، کیونکہ تمھاری خوشنودی کے لئے میری راہیں بے شمار تھیں۔

والا، ففی دبر الصلوۃ بدعوۃ یلقی بہا المسجون فی نار مالک

یہ نہیں تو کم سے کم ہر نماز کے بعد دعا میں یاد رکھنا کہ جس سے جہنم کے قیدی کو کچھ نفع پہونچے۔

علیک سلام اللہ حیاً ومیتاً ومن بعد ما تحیا عتیقاً لمالک

تجھ پر ہر حال میں اللہ کی سلامتی ہو، جیتے جی، میرے پیچھے، اور جب دوبارہ زندہ کئے جاؤ!

سکرات موت کے شدائد

حضرت حسن بصری عیادت کو آئے تو حجاج نے اُن سے اپنی تکلیفوں کا شکوہ کیا۔ حسن نے کہا "میں تجھے منع نہیں کرتا تھا کہ نیکو کاروں کو نہ ستا، مگر افسوس تونے نہیں سُنا" حجاج نے خفا ہوکر جواب دیا "میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ اس مصیبت کے دُور ہونے کی دعا کر۔ میں تجھ سے یہ دعا چاہتا ہوں کہ خدا جلد میری روح قبض کرلے اور اب زیادہ عذاب نہ دے!"

اسی اثناء میں ابو منذر یعلی بن مخلد مزاج پرسی کو پہنچے۔ "حجاج! موت کے سکرات اور سختیوں میں تیرا کیا حال ہے؟" اُنھوں نے سوال کیا۔

"اے یعلی!" حجاج نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "کیا پوچھتے ہو؟ شدید مصیبت! سخت تکلیف! ناقابل بیان الم! ناقابل برداشت درد! سفر دراز! توشہ قلیل! آہ! میری ہلاکت! آہ! میری ہلاکت! اگر اُس جبار و قہار نے مجھ پر رحم نہ کھایا!"

ابو منذر کی بے لاگ تقریر

ابو منذر نے کہا "اے حجاج! خدا اپنے اُنھیں بندوں پر رحم کھاتا ہے جو رحم دل اور نیک نفس ہوتے ہیں۔ اُس کی مخلوق سے بھلائی کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو فرعون و ہامان کا ساتھی تھا۔ کیونکہ تیری سیرت بگڑی ہوئی تھی۔ تونے اپنی

الهلال

البلاغ پریس کلکتہ

لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (القرآن الحکیم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۰   کلکتہ : جمعہ ۲۰ . صفر ۱۳۴۶ ھجری   جلد ۱

Calcutta : Friday, 19, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین . آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی . ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .
الھلال

قاریین الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۵۸۳ مراسلات وصول ھوی ھین . تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۶۰	اردو حروف کی حق مین	۱۹۰
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۱۱۱	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۱۷۹	نستعلیق ھون	۴۳

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی . آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین . **الھلال**

کے مصارف کا بار پڑیگا -

کسي موقعه پر بهي اُنهوں نے میري زبان سے کوئي ایسا لفظ سنا جو اُس سے مختلف تها، جسکا میں اپني کتابوں میں اعلان و اشتهار کرتا رها هوں ؟ وه صاف صاف کهیں، اُنکي دلیلیں، اُنکي نکته چینیاں، اُنکا تمسخر، کبهي میرے عقیدے میں کوئي تزلزل پیدا کر سکا هے ؟ وه بتائیں، کبهي، ایک لمحه کیلیے، اُنهوں نے محسوس کیا که میں کوئي ایسا عقیده یا خیال رکهتا هوں جو علي الاعلان دنیا کے سامنے ظاهر نهیں کرتا ؟ هاں، میں اپنے تمام دوستوں اور تمام دشمنوں کو ایک ساتهه دعوت دیتا هوں - دوستوں کو دوستي کا واسطه دیتا هوں - دشمنوں کو دشمني کي قسم دیتا هوں - بے رو و رعایت، بے خوف و خطر، مردانه وار میدان میں آئیں، اور جو کچهه بهي میري نسبت کهه سکتے هوں، بے کهٹکے کهه ڈالیں ! میں اپنے دوستوں اور دشمنوں، دونوں کي شرافت و دیانت پر بغیر کسي پس و پیش کے بهروسه کرتا هوں - میں اپني پوري شرافت اُنکے سامنے رکهہ دیتا هوں - میں هرگز کسي سے بحث اور حجت نهیں کرونگا - جو کچهه بهي وه کهه دینگے، بے چون و چرا تسلیم کر لونگا !"

(انبیاء کرام کي عظمت)

" میں اُن تمام انسانوں کي عزت کرتا هوں جنهوں نے مذاهب و ادیان قائم کیے هیں - وه سب عظیم کمال اور اعلی فضائل کے مالک تهے - اُنکي عظمت و فضیلت همیشه محترم و مسلم رهے گي - سب کا دعوی تها که وه خدا کے پیغام بر هیں - ممکن هے وه حقیقت میں پیغمبر هوں یا نه هوں - سب لوگ کوئي ایک دعوی تسلیم نهیں کرا سکتے - دلائل یکساں طور پر سب کي دسترس میں نهیں هیں - لیکن اگر وه في الواقع پیغمبر نه بهي هوں، جب بهي اِس سے یه لازم نهیں آتا که وه کذاب اور دجال هوں - کون کهه سکتا هے که الٰهیات میں مسلسل تفکر اور فضائل کا غیر مقید عشق انساني روح کو کس حد تک پهنچا دے سکتا هے ؟ منطق کو کیا حق هے که مداخلت کرکے یه معامله عامیانه سطح پر لے آئے ؟ غیر متناهي بلندي پر پهنچنے کے بعد همارا سر چکرا جاتا هے، اور هماري نظریں اشیاء کو اُنکي حقیقي شکل میں دیکهنے سے قاصر هو جاتي هیں "

(معجزات)

معجزات پر روسو نے لکها تها " یا للعجب ! همیشه آدمیوں هي کي گواهیاں ! آدمي، اپنے هي جیسے آدمیوں سے سنتے هیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے هیں ! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے کتنے اَن گنت واسطے قائم هوگئے هیں ؟ "

اِس پر اُسقف نے اعتراض کیا تها " اگر آدمیوں کي گواهي معتبر نهیں تو هم پوچهتے هیں - مؤلف نے اسپارٹا، ایتهنز، اور روم کو کیونکر جانا ... ؟ "

روسو جواب دیتا هے :

" اگر معامله اِس درجه اهم نه هوتا، یا میں اے آقا، آپکا اِس درجه احترام نه کرتا هوتا، تو آپ دیکهتے، آپ کے اِس طریق استدلال نے میرے لیے اپنے ناظرین کو هنسانے کي کیسي عمده فرصت مهیا کردي تهي - لیکن حاشا و کلا ! میں هرگز اُس لهجه سے دست بردار نهیں هونگا جو اِس موضوع بحث کے لیے ضروري هے، اور اُس شخص کے مرتبه کے لایق هے جس سے تخاطب کي عزت حاصل کرنے پر مجبور هوگیا هوں - میرے لیے اس قدر کافي هے که آپ کي غلطي ظاهر کردوں "

" میں نهایت عاجزي سے جناب والا کو یاد دلاتا هوں - بے شک، یه بالکل معقول هے که انساني معاملات انساني شهادتوں سے طے کیے جائیں، کیونکه اُن کے ثابت هونے کا اِس کے سوا کوئي طریقه موجود نهیں - بلا شبه میں نے اسپارٹا اور ایتهنز کو آدمیوں هي کي شهادتوں سے جانا - لیکن میں به ادب دریافت کرتا هوں که میرے اور خدا کے درمیان اِن واسطوں کي کیا ضرورت هے ؟ کیا ضرور هے که یه واسطے مجهه سے اتنے دور هوں که خود اُن کے جاننے کے لیے، مجهے اور بهت سے انساني واسطے تلاش کرنے پڑیں ؟ کیا یه معقول هے که خدا، جاں جاک روسو سے گفتگو کرنے کے لیے همیشه ایک موسی (علیه السلام) کو ڈهونڈهتا پهرے ؟ "

" پهر یه بهي نهیں بهولنا چاهیے که اسپارٹا پر ایمان لانا ضروري نهیں هے - اگر کوئي اُس پر ایمان نه لائے تو لعنت کا مستحق نهیں هو جائیگا - اسپارٹا کے وجود پر شک کرنے کي وجه سے هرگز کوئي دوزخ کا کندا نهیں بن جا سکتا - لیکن اگر ایک شخص دیني تعلیمات کي تصدیق نهیں کریگا تو اسکے لیے ابدي عذاب هے - جس بات کے نه ماننے کي اتني بڑي سزا هو، ضروري هے که اسکے ماننے کے ذرائع و دلائل بهي اسي مناسبت سے قطعي اور واضح هوں "

" کوئي بات بهي جو هماري چشم دید نهیں هے، بغیر معقول دلیل کے ثابت نهیں هو سکتي - اور هر بڑي سے بڑي روایت بهي صدق و کذب کي محتمل هے ...... "

" اگر معجزات خود میں نے اپني آنکهوں سے دیکهے هوتے، جب بهي میں اِس غیر معقول طریق ایمان سے انکار کر دیتا - سحر کي تصدیق میرے لیے اِس سے کهیں آسان هے که خدا کے کلمه کي غیر معقول طریقه پر تصدیق کروں "

(موجوده مسیحیت)

اِسکے بعد روسو موجوده مسیحي دین پر اظهار خیال کرتا هے :

" اُسقفوں اور پادریوں نے مسیحیت کو اُسکي اصلي روح سے محروم کردیا هے - اب یه سوال نهیں کیا جاتا که ایک مومن فرائض و واجبات کهاں تک انجام دیتا هے ؟ اور نیکي میں اُسکي دوڑ کهاں تک هے ؟ سوال صرف یه هوتا هے که وه کس نمونه کے خرافات (جنهیں غلط طور پر " عقائد " کا نام دیدیا گیا هے) مانتا هے ؟ وه کیتهولک هے یا پروٹسٹنٹ ؟ تم سے یه کوئي نهیں پوچهیگا که خدا سے ڈرتے بهي هو یا نهیں ؟ لیکن هر کوئي اِس بات پر تمهاري جان لینے کیلیے طیار هوجائیگا که تم فلاں ولي کي کرامت کے قائل بهي هو یا نهیں ؟ دین اپني اصلي شکل میں صاف، ساده، ستهرا تها - اُسے اِن جبه پوشوں نے خرافات و خزعبلات اور غیر مفهوم قیل و قال کا غیر مرتب مجموعه بنا دیا هے - اگر تم اِس تمام کثافت سے جو آج کل دین کے نام سے موسوم هے، از سر تا پا آلوده هو، تو بس، تم مومن کامل هو - اب تمهیں کسي نیکي کي ضرورت باقي نهیں رهي - سیدهے آسمان کي بادشاهت (جنت) میں داخل هوجاؤگے !"

" انساني جماعت کو دین سے کیا فائده حاصل هو سکتا هے، جبکه دین اتني پست سطح پر آجائے ؟ اِس صورت میں دین کا مقصد کیا ره جاتا هے ؟ صرف یه که انسانوں میں بغض و عداوت کي تخم ریزي کرے، اور خونریز میدانوں کا سامان بهم پهنچائے ! بلا شبه جب دین اِس حالت میں آجائے تو اُسکے وجود سے، اُسکا عدم کهیں زیاده بهتر هے - همیں کوشش کرني چاهیے

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

جـــان جـــاک روسو

اُسقف کا جواب

(۳)

(وحدانیت یا تعدد ؟)

اُسقف نے لکھا تھا "... وحدانیت اُسکے (روسو) خیال میں ایک حقیر مسئلہ ھے اور کسي طرح بھي اُسکي عقل میں نہیں آسکتا - لیکن متعدد خداؤں کا تصور اُسکي عقل کے نزدیک معقول ھے ... "

روسو جواب دیتا ھے :

" متعدد خداؤں کا کس نے ذکر کیا ؟ اے میرے آقا اسقف ! تجھہ پر میرا صبر پڑے ! میں نے یہ کب کہا ؟ بے شک تمہاري دلي آرزو یہي ھوگي کہ میں اِس درجہ احمق ھوتا' اور اِس طرح کي احمقانہ گفتگو کرتا - لیکن اگر میں ایسا احمق ھوتا تو تمہیں میرے " عالمانہ رد " لکھنے کا یہ فخر بھي حاصل نہ ھوتا ! "

" بلا شبہ میں نہیں جانتا کائنات کیوں بني ھے' اور کیونکر بني ھے ؟ میرے سوا جو لوگ معرفت کے مدعي ھیں' وہ بھي اِس باب میں مجھہ سے زیادہ علم نہیں رکھتے - لیکن میں صاف دیکھتا ھوں کہ اِس تمام حرکت کا محرک ایک ھي وجود ھے - تمام مخلوقات ایک ھي رخ رکھتي' اور ایک ھي قسم کے مقاصد پورے کر رھي ھے - یہ اِس حقیقت کي روشن دلیل ھے کہ کوئي ایک بلند تر ارادہ کارفرما ھے' اور کوئي ایک ھي بالاتر قوت عمل پیرا ھے - اِس ارادے اور اِس قوت کو میں ایک ھي ذات سے منسوب کرتا ھوں' کیونکہ وہ دونوں باھم متفق ھیں' اور ان دونوں کو ایک ھي ذات کا خاصہ سمجھنا' دو ذاتوں کي طرف منسوب کرنے سے زیادہ معقول ھے - تعدد' صرف اُسي وقت تسلیم کیا جاسکتا ھے جب اُسکا کوئي ثبوت موجود ھو - لیکن کائنات میں کوئي اِس قسم کا ثبوت موجود نہیں - یہ خیال سراسر وھم ھے کہ خیر کا خالق اور شر کا خالق ایک نہیں ھوسکتا - جس چیز کو ھم شر سمجھتے ھیں' وہ علي الاطلاق شر ھے ھي نہیں - شر مطلق سے مجھے انکار ھے - یہ اعتباري شر بھي خیر سے برسر پیکار نہیں ھے' بلکہ نظام عالم کي تکمیل میں خیر کا ممد و معاون ھے "

(روسو کا عقیدہ)

اِسکے بعد روسو اپني کتاب اور اپنے شخصي عقیدے کي طرف متوجہ ھوتا ھے :

" اب میں وہ سبب بیان کرتا ھوں جس نے مجھے یہ کتاب شائع کرنے پر مجبور کیا - اِس تمام شور و غوغا کے باوجود بھي میں اس کتاب کو اپنے عہد کي بہترین کتاب یقین کرتا ھوں - آگ کے شعلے' حکومتوں کے فیصلے' مذھبي پیشواؤں کے فتوے' مجھے ھرگز مرعوب نہیں کرسکتے - وہ میرے لب و لہجہ میں ھرگز کوئي تبدیلي پیدا نہیں کرسکتے - نہ تو لاھوتي' ایمان کي ریاکارانہ تلقین کرکے مجھے جھوٹا بناسکتے ھیں' نہ فلاسفہ مجھے منافقت کا طعنہ دیکر الحاد پر آمادہ کرسکتے ھیں - میں برابر اپنے دین کا اعلان کرونگا' کیونکہ میں دین رکھتا ھوں - میں ببانگ دھل اُسے شہرت دونگا' کیونکہ مجھہ میں اعلان و اشتھار کي شجاعت موجود ھے - آہ ! میں نے کتني تمنائیں کیں کہ سب لوگوں میں اتني ھي شجاعت ھوتي ! اگر سب میں اتني شجاعت ھوتي' تو انسانیت کو کتنا نفع پہنچتا ؟

(" حضرت مسیح کا شاگرد ")

" اے میرے آقا ! میں مسیحي ھوں - میں اخلاص کے ساتھہ انجیلي مذھب کا مسیحي ھوں - ھاں میں مسیحي ھوں' لیکن پادریوں کا شاگرد نہیں ھوں' بلکہ خود مسیح (علیہ السلام) کا شاگرد ھوں - میرا استاد' کتابوں کي عبارتوں پر بحث نہیں کرتا تھا' لیکن عمل پر نظر رکھتا اور عمل ھي پر زور دیتا تھا - اُس نے ھمیں جس ایمان کي تلقین کي ھے' اُس کے قواعد و اصول بہت زیادہ اور پیچ در پیچ نہیں ھیں - صرف گنتي کي چند موتي باتیں ھیں - لیکن اُس نے جس نیکي کي تعلیم دي ھے' اُس کي شاخیں بے شمار اور اُسکي راھیں بے حساب ھیں - اُسنے ھمارے ایمان میں موشگافیاں نہیں کي ھیں' لیکن عمل صالح کي پورے شرح و بسط سے تفسیر کي ھے - اُس نے ایمان کیلیے صرف دو تین موتي باتیں ضروري ٹھہرائي ھیں' لیکن عمل کي نیکي کیلیے کوئي گنتي نہیں بتائي ھے' کیونکہ عملي نیکیاں اَن گنت ھیں - اُس نے جہاں کہیں انبیاء کے نمونوں پر زور دیا ھے' وھاں ایمان سے زیادہ اُن کے اعمال بتائے ھیں - اُس نے ایسي اور تمام نبیوں کي تعلیم کا لب لباب اِس ایک جملہ میں بیان کر دیا " اپنے بھائي سے محبت کرنا' پورا دین ھے ! "

(دوستوں اور دشمنوں کو دعوت)

اِسکے بعد لکھتا ھے :

" مجھے ھمیشہ خلوت کي پر مسرت زندگي حاصل نہیں رھي - لوگوں سے ملنے جلنے پر بھي مجبور ھوتا رھا ھوں - میري ھر طبقہ کے لوگوں سے ملاقات ھے - میں نے مختلف سیاسي اور دیني جماعتوں کے لوگ دیکھے ھیں - میں مومنوں سے بھي ملا ھوں اور ملحدوں سے بھي - میں نے حکماء بھي دیکھے ھیں' جہلاء بھي - متعصب بھي دیکھے ھیں' غیر متعصب بھي - سنجیدہ بھي میري صحبت میں بیٹھے ھیں' اور مسخرے بھي - میرے دوست بھي بہت ھیں اور دشمن بھي - میں دنیا میں تمام آدمیوں کو' جنھوں نے مجھے کبھي دیکھا یا جانا ھے' گلا پھاڑ پھاڑ کر پکارتا اور دعوت دیتا ھوں - وہ سامنے آئیں' اور میرے عقیدے کي بابت جو کچھہ جانتے ھوں' برملا کہہ ڈالیں ! وہ جرأت سے بڑھیں' اور بتائیں' کبھي' کسي حال میں بھي اُنھوں نے میرے عقیدے میں کوئي تبدیلي دیکھي یا محسوس کي ؟ قہوہ خانے کي صحبتوں' کھانے کي میز کي نشستوں' بے تکلفي کي ملاقاتوں' سنجیدہ یا مذاح کي گفتگوؤں' غرضکہ کبھي

سر کونن ڈائل

لومبرروزو (Lombroso) جو اٹلي کا مشهور ماهر طبيعييات هے اور جس نے باسٹيور کے بعد جراثيم کے علم کي تدوين کي ' نه صرف اس کا معترف هوا بلکه اس موضوع پر ايک رساله بهي لکهکر شائع کيا - کيميل فلا ماريان (Camille Flammarian) اُنيسويں صدي کے علماء فلکييات ميں نهايت سر برآورده عالم تها - غالباً چار پانچ سال پہلے اُس کا انتقال هوا هے - يه نه صرف اِسکا معترف تها بلکه نهايت پر جوش معتقد تها - اُسکي آخري دو کتابيں اسي موضوع پر هيں اور يورپ کي تمام زبانوں ميں شائع هو چکي هيں - پروفيسر هکسلي ' ڈاکٹر لوئس ' سر جان کاکس ' پروفيسر پارکس ' پروفسر ژولنر ' ڈاکٹر ويبر ' وليم ليو پولڈ وغيرهم ؛ جو انيسويں صدي کے دائرۂ علم و نظر کے مسلم ارکان تهے ' کم و بيش اس کا اعتراف کرچکے هيں -

امريکه کے مشاهير علم و نظر ميں چارلس نارٹن اور وليم ڈاسن جو شکاگو يونيورسٹي (امريکه) ميں علم النفس (سائکوا لوجي) کے استاد تهے ' اسکي تصديق و حمايت ميں برابر مقالات و رسائل شائع کرتے رهے - انگلستان کے عام مشاهير سياست و ادب ميں مسٹر بالفور اور مسٹر اسٹيڈ (سابق محرر ريويو آف ريويوز) کا نام بهي اسکے معتقدين کي فهرست ميں مشهور هو چکا هے - مسٹر اسٹيڈ نے تو روحاني سوال و جواب کا ايک باقاعده دفتر کهول ديا تها - اُنکے عالم ارواح کے دوستوں ميں سب سے زياده مشهور دوست اسکاٹ ليڈ کي " مارگريٹ " تهي - اُنکا بيان تها که وه مارگريٹ کے ذريعه عالم ارواح کي تمام ضروري شخصيتوں سے نامه و پيام کر ليا کرتے هيں !

موجوده عهد کے مشاهير اهل علم ميں چارلس اليٹ ' وليم جيمس ' جيمس هيزلوب ' اور سر آليور لاج Oliver Lodge خصوصيت کے ساتهه قابل ذکر هيں - چارلس اليٹ اور وليم جيمس هارورڈ يونيورسٹي (امريکه) ميں علم النفس کے استاد هيں ' جيمس هيزلوب کولمبيا يونيورسٹي (امريکه) ميں علوم عقليه کے مستند ماهر تسليم کيے جاتے هيں ' اور سر آليور لاج کي علمي شهرت محتاج بيان نهيں - يه تمام علماء اس مذهب پر علمي تيقن کے ساتهه اعتقاد رکهتے هيں اور اُسکي اشاعت و تبليغ انکي تحرير و تقرير کا موضوع بحث هے - سر آليور لاج کا لڑکا پچهلي عالمگير جنگ ميں قتل هو گيا تها - اُن کا بيان هے که مرنے کے بعد هي اُس کي روح نے اِنهيں مخاطب کيا ' اور اب بهي وه جب چاهيں ' اُسے بلا سکتے هيں اور اس سے سوال و جواب کر سکتے هيں !

(سر کونن ڈائل)

ليکن موجوده زمانے کے مغربي روحانيين ميں شايد هي کسي اهل قلم نے اس تبليغي جوش و سرگرمي کے ساتهه اس مذهب کا اعتقاد ظاهر کيا هوگا ' جيسا که کچهه عرصه سے انگلستان کے مشهور فسانه نويس سر کونن ڈائل Conan Doyle کي شخصيت ميں ظاهر هوا هے - عالمگير جنگ يورپ کے بعد سے ليکر اِس وقت تک ' بمشکل کوئي مهينه ايسا گزرا هے ' جس ميں سر ڈائل کي کوئي نه کوئي تحرير و تقرير اس موضوع پر شائع نه هوئي هو - حال ميں انگلستان کي انجمن روحانيئين نے ايک نهايت دلچسپ مجموعه باره مقالات کا شائع کيا هے - اِن ميں سے آٹهه مقالات سر ڈائل کے لکهے هوے هيں - يه کتاب پچهلي ڈاک سے همين وصول هوئي هے اور اس موضوع پر افکار و تاثرات کا ايک دلچسپ مجموعه هے -

موجوده انگريزي علم ادب ميں سرکونن ڈائل کا نام اُن کے مخصوص مذهب افسانه نويسي کي وجه سے اس قدر مشهور هوچکا هے که شايد هي کوي افسانه نويس اس قدر مشهور هوا هو - انهوں نے فن سراغ رساني کي افسانه نويسي ميں ايک نئے مذهب (اسکول) کي بنياد ڈالي اور " شرلاک هومز " کے نام سے اُس کے حيرت انگيز کار نامے قلمبند کيے - اُن کے قلم سے اگرچه مختلف معاشرتي اور نفسياتي مواضيع پر بهت سے افسانے نکل چکے هيں ' ليکن انکي شهرت کي اصلي تاريخ شرلاک هومز کے کارناموں هي سے شروع هوي - ان افسانوں کي مقبوليت کا اندازه صرف اس بات سے کيا جا سکتا هے که شرلاک هومز کا جو فرضي مکان نمبر ١٠ - بيکر اسٹريٹ لنڈن ميں دکهايا گيا تها ' وه هزاروں لاکهوں انسانوں کے دماغ ميں ايک حقيقي شے کي طرح موثر هو چکا هے ' اور جب کبهي سياحان عالم پهلي مرتبه لنڈن جاتے هيں تو يه جاننے پر بهي که " شرلاک هومز " محض ايک فرضي سراغ رساں سيرۃ (کيريکٹر) هے ' اپني طبيعت کو اس جذبه سے نهيں روک سکتے که ايک مرتبه بيکر اسٹريٹ جا کر کسي ايسے مکان کي زيارت کرليں جسکا نمبر دس هو !

احمد رياض بے " عبد الحميد ثاني و دور سلطنتي " (يعني سلطان عبد الحميد ثاني اور اسکے عهد حکومت کي تاريخ) ميں لکهتا هے که سلطان موصوف شرلاک هومز کے کارناموں کے اسقدر شائق تهے که حکم تها ' جونهي کوئي نيا افسانه شائع هو ' فوراً ترکي ميں ترجمه کرکے پيش کرديا جاے - ايک خاص شخص اديب بے اس کام پر مامور تها - آخري زار روس کي نسبت بهي بيان کيا گيا هے که وه کهتا تها " مجهے کتابوں کي قسم ميں سے کوئي چيز بهي دل پسند نهيں هے - الا شرلاک هومز "

روح کا تمثل ايک سفيد دهويں کي شکل ميں جيسا که اس مذهب کے معتقدين کا خيال هے

يهي شرلاک هومز کا مصنف اب دنيا ميں عالم ارواح کا سب سے زياده پرجوش و سرگرم نقيب اور داعي هے !

(سرکونن ڈائل کے مقالات)

جس نئي کتاب کا هم نے ابهي ذکر کيا هے ' اس کے آٹهه مقالات دراصل سر کونن ڈائل کے روحاني اعتقاد کي پيدايش و تکميل کي مسلسل داستاں هيں - پہلے مقاله ميں اُس نے بتلايا هے که کس

که دین کو اِس پستي سے نکالیں - انسانیت کے هم پر حقوق هیں - یہی حقوق همیں مجبور کرتے هیں که دین کو خرافات سے پاک کرکے اصلي صورت میں پیش کردیں - تمهاري یه سزائیں ' دهمکیاں ' پهانسیاں ' اور آگ کے شعلے همیں هرگز مرعوب نہیں کرسکتے "

(عہد جدید کي پیشین گوئي)

" جب لوگوں کي آنکھوں پر سے پردہ اٹھیگا اور حقیقت نظر آئیگي تو بلاشک و شبه وہ موجودہ دین کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیںگے - کیونکه یه حقیقي دین نہیں ہے - وہ سب سے پہلا کام یه کرینگے که ان خود غرض اور ریاکار پیشواؤں کے احترام سے انکار کردیں - وہ ان سے کہینگے : تم هي نے همارا دین بگاڑا اور تم هي هماري شقاوت کا سبب هو - جب وہ مبارک زمانه آئیگا تو اُس کا سب سے زیادہ مبارک عمل یہي هوگا "

(خاتمه)

اپنا جواب روسو اس عبارت پر ختم کرتا ہے :

" اے اُسقف اعظم ' تم اور تمهارے گروہ کے لیے باتیں بنانا بہت آسان ہے - تم لوگ اپنے حقوق کے سوا دوسروں کے حقوق نہیں جانتے - تمهیں صرف وهي قانون معلوم هیں جن سے غیروں کو جکڑتے هو - خود اپنے نفس کے متعلق کرنے والے قانون تمهاري کتاب میں نہیں لکھے گئے - تم صرف اتنے هي پر قانع نہیں هو که عدالت و انصاف سے بالاتر رهو ' بلکه انساني عواطف و جذبات کا بھي اپنے تئیں پابند نہیں سمجھتے - تم کمزور پر تکبر سے ظلم کرتے هو ' اور تم سے کوئي باز پرس نہیں کرتا - لوگوں کي توهین تمهارے لیے ویسي هي آسان ہے ' جیسي ان کے لئے تمهاري سنگ دلي سهل ہے - تم همیں اس طرح رولدتے هو جس طرح خاک رولدي جاتي ہے - تم کبھي همیں آگ میں جلاتے هو ' کبھي سولي پر چڑھاتے هو ' کبھي صرف توهین و تذلیل پر اکتفا کرلیتے هو - تمهارے قهر و غضب کیلیے ضروري نہیں که هم سے کوئي خطا بھي سرزد هوئي هو - اگر تمهاري مصلحت کا اقتضا یہي ہے تو پھر اثبات جرم کے لیے کسي بات کي ضرورت نہیں - اور همیں شکایت کرنے کي بھي اجازت نہیں - اگر هم اِسکي جرأت کریں که اپني براءت اور تمهاري غلطي ظاهر کریں ' تو هم گستاخي کے مجرم قرار دیے جاتے هیں ! "

(اُسقف سے آخري خطاب)

" اے میرے آقا ! آپ نے مجھه پر علانیه طعن و تشنیع کي - بلکه مجھے گالیاں بھي دے ڈالیں - اگر میري طرح آپ بھي کوئي معمولي آدمي هوتے اور میں اپني کتاب کے ساتھه آپ کو عدالت کے سامنے لے جا سکتا ' تو آپ دیکھه لیتے که عدالت کا فیصله آپ کے حق میں اتنا هي سخت هوتا ' جتنا سخت یه گناہ هوا ہے - لیکن آپ ایک ایسي جماعت میں سے هیں ' جو منصف و عادل هونے سے همیشه کے لیے مستثنئ کردي گئي ہے - رها میں ' تو میں ایک محض بے حقیقت آدمي هوں - مجھے اتنا اور کہنے کي اجازت دیجیے که آپ دیني پیشوا هیں - انجیل کے عالم هیں - آپ کا فرض ہے که مخلوق کو اُس کے فرائض کي تعلیم دیں - لیکن یه تعلیم خود اپنے نفس سے شروع هوني چاهیے - آپ کو ایک لمحه کے لیے سوچنا تها که میرے معامله میں آپ کا فرض کیا تها ؟ اور کہانتک تها ؟ میں نے اپنا فرض ادا کردیا - اب کچھه کہنے کو باقي نہیں رها ' اِس لیے چپ هوجاتا هوں ! "

استحضار و مخاطبات ارواح

(عالم ارواح اور سر کونن ڈائل کے نئے مباحث)

قارئین الهلال اس سے بے خبر نه هونگے که اُنیسویں صدي کے وسط میں استحضار و مخاطبات ارواح (روحوں کے آنے اور مختلف محسوس ذرائع سے سوال و جواب کرنے) کا جو مذهب امریکه میں ظاهر هوا تها ' وہ برابر نشو و نما پاتا رها ' اور اِس وقت یورپ اور امریکه میں اُس کے معتقدوں کي ایک بہت بڑي جماعت موجود ہے - اس جماعت میں هر درجه اور هر طبقه کے آدمي پائے جاتے هیں - فلسفه و حکمت کے ماهر ' علوم و فنون کے اساتذہ ' علمي و صناعي انکشافات و اختراعات کے مشاهیر ' ادب و کتابت کے مسلم ارکان ' عام اهل قلم و نظر ؛ کوئي حلقه ایسا نہیں ہے جہانتک اس اعتقاد کے اثرات نه پہونچ چکے هوں - اسکے اصول و قواعد مدون هو چکے هیں ' بے شمار کتابیں لکھي جا چکي هیں ' تحقیقات و تجارب کے با قاعدہ مجامع کام کر رہے هیں ' پچاس سے زیادہ اخبارات و رسائل صرف اسي موضوع پر شائع هورہے هیں ' ایک مکمل مذهب علمي کي شکل میں قواعد و مبادیات مرتب هوگئے هیں ' اور معامله نے اس حد تک اهمیت حاصل کرلي ہے که وقت کے بعض اکابر اهل علم نے اپنے درس و نظر کے لیے صرف یہي موضوع منتخب کرلیا ہے !

اُنیسویں صدي کے اواخر کے علماء میں سے پروفیسر رسل ویلز نے جو ناموس نشو و ارتقا کے انکشاف میں ڈارون کا معاصر و شریک تها ' صاف صاف لفظوں میں اسکا اعتراف کیا تها ' اور اسے عصر حاضر کے خوارق سے تعبیر کیا تها - پروفیسر ولیم کروکس نے جو انگلستان کا سب سے بڑا عالم کیمیا تسلیم کیا گیا ہے ' اور جس نے سب سے پہلے مادہ کے اشعاع کي حقیقت معلوم کي اور برق کے لیے وہ نیا آله ایجاد کیا جو اُسي کے نام سے مشهور ہے ' کئي ماہ کي تحقیقات و امتحان کے بعد یه راے قائم کي تهي که " مخاطبات ارواح کے مشاهدات نا قابل انکار هیں " ڈاکٹر میرس (Muers) اور رچرڈ هاڈسن کیمبرج یونیورسٹي میں علم النفس کے مسلم اساتذہ تھے - ان دونوں نے بھي بغیر کسي جھجھک کے اپنے اعتراف کا اعلان کردیا تها - پروفیسر

اردو طباعت کا مسئلہ اور افکار و آراء

(تصویر کا دوسرا رخ)

یہ اس تصویر کا ایک خاص رخ تھا جو سر کونن ڈائل اور اُن کے ہم مشرب دیکھہ رہے ہیں ' لیکن اِس کا دوسرا رخ بھي ہے ' اور اگر اُس پر نظر ڈالي جاے تو یہ معاملہ اسقدر سہل و آسان نہیں رھتا کہ سر کونن ڈائل کي طرح کسي غیر آباد مکان میں بھوتوں اور روحوں کے " موٹي لاٹھي سے میز ٹھونکنے " کا شور سنکر فیصلہ کر دیا جاے !

جہانتک اسی مذہب کے مخالفین و منکرین کا تعلق ہے ' دور حاضر کی تین جماعتیں ہمارے سامنے آتي ھیں :

(۱) عام علماء مادیئین جنھوں نے اس معاملہ کو اس درجہ اھمیت ھي نہیں دي کہ اس پر توجہ کي جاے -

(۲) ایک بڑي تعداد اُن علماء مادیئین کي جنھوں نے اسپر بحث کي ہے ' اور اس نتیجہ پر پہنچے ھیں کہ علمي اصول پر " اثبات " کے حد تک یہ معاملہ نہیں پہنچا ہے -

(۳) بعض اھل علم جنھوں نے خصوصیت کے ساتھہ اس مذھب کا مطالعہ کیا اور عرصہ تک تحقیقات میں مشغول رہے ' اور بالاخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ استحضار ارواح کا معاملہ اس سے زیادہ اھمیت نہیں رکھتا کہ یا تو کمزور طبائع کا انفعالي تاثر ھے ' یا خوش اعتقادي کا ذھني فریب ' یا چند ایسے شعبدہ گروں کي شعبدہ گري جو جدید علم کیمیا اور فنون عجیبہ کي مدد سے زیادہ بہتر اور محفوظ قسم کا شعبدہ دکھلا سکتے ھیں -

صحیح راے قائم کرنے کیلیے ضروري ہے کہ معتقدین ' متوقفین ' اور منکرین ' تینوں کے مباحث و دلائل پر نظر ڈالي جاے - ھم آیندہ کسي موقع پر شرح و بسط کے ساتھہ اس موضوع پر اپنے مطالعۂ و نظر کے نتائج شائع کرینگے -

اردو ٹائپ

ایک مراسلۃ

آپ نے ۲۹ جولائي کے " الہلال " میں پہلے صفحہ پر اردو ٹائپ کے متعلق ایک اعلان شایع کیا ہے اور اس بارے میں رائیں طلب فرمائي ھیں - اپني رائے آپ نے یہ دي ہے کہ جس ٹائپ میں الہلال چھپتا ہے یعني جو ٹائپ صفحہ ۳ سے استعمال کیا گیا ہے وہ اعلان مذکور کے ٹائپ سے بہتر ہے - مجھے بھي اس سے اتفاق ہے - لیکن اس ٹائپ میں بھي اصلاح اور ترمیم کي گنجایش اور ضرورت ہے - یہ مان کر کہ اردو کي لیے ٹائپ کي اشد ضرورت ہے اس بارے میں اپني رائے عرض کرتا ھوں -

سب سے اول ایک اصول کي بات بتانا ضروري ہے - چونکہ اب یہ سوال اٹھایا گیا ہے اسلیے نہایت ضروري ہے کہ پنجاب اور یو - پي - کے تعلیمي محکموں سے سب سے پہلے استصواب کیا جائے - پنجاب کي نسبت مجھے زیادہ واقفیت ہے - یہاں تعلیمي اور سرکاري مطبوعات کي کتابت کے خاص قاعدے وضع کئے جاچکے ھیں جن پر برسوں سے عمل ھو رھا ہے -

بہتر تو یہ ھوتا کہ آپ اپنے اعلان کے ساتھہ تمام حروف تہجي اور علامات وغیرہ کي ساري شکلیں جو آپ کے مجوزہ ٹائپ میں ھیں دیدیتے تاکہ رائے دینے والوں کو آساني ھوتي - خیر ' سردست جو کچھہ میري سمجھہ میں آیا عرض کیا جاتا ہے -

" مد " کي علامت آپ کے ٹائپ میں صرف خفیف سي فتحہ کي علامت کي شکل میں پائي جاتي ہے - جیسي صفحہ ۳ کالم اول کي اخیر سطر میں " آخر " پر موجود ہے - یہ علامت زیادہ واضح اور نستعلیق کے الف ممدودہ کي سي ھوني چاھیے - اعلان مذکور یعني صفحہ اول میں جو علامت " آج " پر لگائي گئي ہے کیوں نہ اسي کو اختیار کیا جائے ؟ وہ بہت صاف اور واضح ہے -

تشدید کي علامت اس ٹائپ میں نہیں پائي جاتي - یہ اضافہ ھوني چاھیے -

جزم کي علامت بھي اس ٹائپ میں نہیں پائي جاتي - یہ بھي اضافہ ھوني چاھیے -

شین معجمہ اس ٹائپ سے غایب معلوم ھوتا ہے - سین مہملہ پر نقطے لگا کر کام چلایا گیا ہے - اسے کیوں خارج کیا جائے ؟

آجکل کتابت اور املا کا مسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ صرف ھائے مخلوط التلفظ دو چشمي لکھي جاتي ہے - مگر آپ کے ٹائپ میں اس کا لحاظ نہیں - اِس کے بنانے والے ذوق کے " کتابت والے " کے ھم مشرب معلوم ھوتے ھیں جن سے شیخ مرحوم کو یہ شکایت تھي :

ھائے رے حسرت دیدار میري ھائے کو بھي
لکھتے ھیں ھائے دو چشمي سے کتابت والے

ہے کو کیوں ھے لکھا جائے ؟ یہ ضرور ہے کہ اس کلمہ کو ھائے ھوز سے لکھیں تو نیچے ایک شوشہ بڑھانا پڑیگا کیونکہ یہ حرف جب

طرح پہلے پہل اُسے مذھب مخاطبات ارواح کي طرف توجه ھوئي' اور کس طرح ایک جاحد منکر کي جگه وہ مصدق معتقد بن گیا - دوسرے میں اپنے متعدد تجربے اور مشاھدے بیان کیے ھیں - تیسرے اور چوتھے میں منکرین کے وجوہ انکار پر بحث کي ھے - پانچویں سے لیکر آٹھویں مقالہ تک کا موضوع عالم مادي و روحي کے علائق ھیں اور اس ضمن میں اُن امکانات کي نہایت دلنشیں تصویر کھینچي ھے جو بیان کردہ علائق کي ترقي سے دنیا کي معنوي زندگي میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دینگے !

(سرکونن ڈائل کا بیان)

پہلے مقالہ کا خلاصه حسب ذیل ھے :

" سنہ ۱۸۸۶ - سے پہلے میں جنوبي افریقه میں طبابت کرتا تھا - اُس وقت میرے عقائد کا یہ حال تھا کہ اُن لوگوں پر ھنستا تھا جو روح کے مصطلحہ وجود پر یقین رکھتے ھیں - میں خیال کرتا تھا کہ اِس سے زیادہ بے عقلي اور وھم پرستي کي اور کوئي بات نہیں ھوسکتي -

میں بھي آج کل کے تمام جدید تربیت یافتوں کي طرح سائنس پر ایمان رکھتا تھا - میرا مذھب ' مذھب مادي تھا - میرا اعتقاد تھا کہ روح ' بجز اسکے کچھہ نہیں کہ جسم کے وظائف و ترکیب ھي کا ایک نتیجہ ھے ' اور عقل کا مرکز دماغ میں ھے - میرا یقین تھا کہ دوائیں انساني طبیعت میں تبدیلي پیدا کر سکتي ھیں - اور اُسے نیک اور بد بنادے سکتي ھیں - اُس وقت کبھي میرے ذھن میں یہ موٹي سي بات نہیں آئي کہ ایک ماھر موسیقي ھمیشه ماھر موسیقي ھي رھیگا اگرچہ اُسکي بانسري ٹوٹ جائے - زیادہ سے زیادہ یہ ھوگا کہ وہ اپنا ھنر ظاھر نہ کر سکے گا ' لیکن اُسکا کمال اُس میں بدستور موجود رھیگا -

سب سے پہلے جس کتاب نے میرے خیالات میں تبدیلي پیدا کي اور مجھے الحاد و مادیت سے نکالا ' وہ " میرز " کي کتاب " شخصیت انساني " ھے - یہ کتاب اس لائق ھے کہ اُن کتابوں میں سے شمار کي جائے جنھوں نے انساني افکار کا بہاؤ ایک طرف سے دوسري طرف پھیر دیا ھے - مثلاً ڈارون کي کتاب اصلیت انواع اور بیکن کي کتاب منطق جدید -

اِس کتاب کے مطالعہ کے بعد میں نے انتقال فکري کے تجربے شروع کیے - میرے ایک دوست مسٹر پال کو بھي اِس موضوع سے بڑي دلچسپي تھي - میں اُنکے پیچھے بیٹھہ جاتا اور کاغذ پر بعض نقشے بناتا - مجھے ھر مرتبہ یہ دیکھکر حیرت ھو جاتي تھي کہ وہ میرے بنائے ھوئے نقشے بعینہ اپنے کاغذ پر اتار لیتے تھے ' حالانکہ وہ میرا کاغذ نہیں دیکھتے تھے - پھر میں نے یہ تجربہ بھي کیا کہ وہ دوسرے مکان میں بیٹھا کریں - لیکن پھر بھي میں نے دیکھا وہ نقشوں کي بالکل صحیح نقل اتار لیتے تھے !

اُس وقت مجھے یقین ھوا کہ عقل کو دماغ کا ویسا فعل سمجھنا صحیح نہیں ھو سکتا جس طرح ھم صفرہ کو جگر کا فعل سمجھتے ھیں -

اِسکے بعد میں نے تھیاسوفي کا مطالعہ شروع کیا - میں نے دیکھا کہ اِس تحریک کي علم بردار اور رھنما مدام بلیوٹسکي ذھین مگر مکار عورت ھے - لیکن اِس دروغ گو عورت کي موجودگي سے اِس تحریک پر حرف نہیں آسکتا - یہ ایک صحیح تحریک ھے - یہ ضرور ترقي کریگي - مگر اُسي وقت ' جب اسکے لڑکین وہ چولا اتار دینگے جو اِس عورت نے اسے پہنا رکھا ھے ' اور اِس تحریک کے حقیقي سر چشموں تک پہنچینگے جو مشرق کي سر زمین پر موجود ھیں -

پھر میں نے وہ تمام کتابیں پڑھیں جو علماء عقلیات نے مذھب کے خلاف لکھي ھیں - لیکن مجھے کوئي تشفي نہیں ھوئي - کیونکہ وہ کبھي ایجابي بات کہتے ھي نہیں - اُنکے پاس جو کچھہ ھے ' سلبي اور انکاري ھے -

مدت تک دنیا کي دوسري مشغولیتوں اور مسلسل سفر میں رھنے کے بعد پھر مجھے اِس اھم موضوع کے لیے مہلت ملي - بتدریج مجھہ میں یہ خیال پیدا ھونے لگا کہ ھماري اس زندگي کے علاوہ کوئي اور مخفي زندگي بھي ضرور موجود ھے ' اور وہ شاید ھماري زندگي سے زیادہ لطیف اور خوشگوار ھے -

سنہ ۱۸۹۲ یا سنہ ۹۳ میں انجمن علوم نفسیه نے مجھے اور ڈاکٹر اسکاٹ اور مسٹر بوڈمر کو ایک مکان کي تحقیقات کیلیے بھیجا - اِس مکان کے متعلق مشہور تھا کہ اُس میں روحیں رھتي ھیں اور شور و ھنگامہ برپا کیا کرتي ھیں -

ھم دو رات اِس مکان میں رھے - پہلي رات کوئي واقعہ نہیں ھوا - دوسري رات ڈاکٹر اسکاٹ مایوس ھوکر چلے گئے - صرف میں اور مسٹر بوڈمر رہ گئے - ھم نے ھر طرح کے دھوکے سے بچنے کا پورا انتظام کرلیا تھا - زینہ پر تار بچھا دیے تھے تاکہ ادنی سي حرکت کا بھي ھمیں علم ھو جائے -

ٹھیک آدھي رات کو ھم نے اچانک سخت شور سنا - ایسا معلوم ھوا' گویا کوئي میز کو موٹي لاٹھي سے پیٹ رھا ھے - ھم نے فوراً دروازہ کھولا اور باورچي خانہ کے طرف دوڑ پڑے جہاں سے آواز آرھي تھي - مگر ھمیں سخت حیرت ھوئي - باورچي خانے کا دروازہ اور کھڑکیاں بالکل بند تھیں - زینہ پر بچھے ھوے تار بھي اپني جگہہ سے نہیں ھٹے تھے !

اِسکے بعد رات بھر ھم نے کوئي آواز نہیں سني -

اِس واقعہ کے چند سال بعد یہ مکان جل گیا - اُسکا باغ کھودا گیا تو زمین سے دس برس کے ایک لڑکے کي ھڈیاں نکلیں - یہ رات کا شور در حقیقت اِسي لڑکے کي روح کا شور تھا - وہ اِسي گھر میں قتل ھوا تھا اور اُسکي روح اس میں رھنے والوں کو پریشان کیا کرتي تھي -

اِس سلسلہ میں یہ نظریہ بہت سے لوگوں کے سامنے ھے کہ اگر کسي جوان آدمي کي زندگي کسي غیر طبیعي اچانک حادثہ سے تلف ھو جائے' تو اُسکي روح کي حیویت موت کے بعد بھي باقي رھتي ھے اور عجیب عجیب صورتوں میں ظاھر ھوتي ھے "

کانن ڈائل نے آخر میں لکھا ھے " اِس قسم کے بے شمار واقعات مشاھدہ کرنے کے بعد میں نے اِس علم کا وسیع مطالعہ کیا - یہانتک کہ اب مجھے اِس پر پورا یقین ھوگیا ھے - میرا اعتقاد ھے کہ روحوں سے گفتگو کي جاسکتي ھے "

اس کے بعد کے مقالات میں وہ تجربے اور مشاھدے بہ تفصیل بیان کیے ھیں جو سالہا سال تک وہ " اپنے اذعان و تشفي کیلیے " جمع کرتا رھا - پھر اُن اعتراضات اور شکوک کے جوابات دیے ھیں جو اُن کے خیال میں منکرین مذھب استحضار کے " بنیادي " اعتراضات ھیں -

چھپائی اور سیاھي وغیرہ مسالہ کا صرف لابدي طور پر کس میں زیادہ ھوتا ھے؟ ٹائپ میں یا لیتھو میں؟ یہ یاد رھے کہ اگر ٹائپ میں طباعت کا صرف لیتھو سے بہت زیادہ ھوا تو کاتب جو ٹائپ کي رجہ سے بیکار ھوگئے ھونگے ' کتابت کي اُجرت کا نرخ گھٹا دینگے ' اور اس طرح ٹائپ کي ترویج عام میں مزاحم ھونگے ' کیونکہ سب کاتب تو کمپوزیٹر بن جانے سے رھے -

آخر میں یہ عرض کرنا ھے کہ میں نہیں سمجھا اعلان مذکور میں آپ نے عربي کے ساتھہ فارسي اور ترکي زبانوں کو بھي " سامي " کیسے قرار دیا؟ یہ تو کوئي بات نہیں کہ اگر ان دونوں زبانوں کا املا دھنے سے بائیں کو چلتا ھے اور عربي کا بھي یہي حال ھے جو حقیقت میں سامي زبان ھے ' تو یہ دونوں زبانیں بھي سامي بتائي جائیں - غالباً آپ عجلت میں فارسي اور ترکي زبانوں کو سامي کہہ گئے -

آپ کا مخلص

برج موھن دتا تریہ - کیفي دھلوي

الھلال :

یہ اور بعض دیگر مراسلات جو اس باب میں آئي ھیں ' شائع کردي جاتي ھیں - جناب کیفي نے اس معاملہ میں جو دلچسپي لي ھے اور اپنے خیالات تفصیل سے ظاھر کیے ھیں ' اسکے لیے ھم اُن کے شکر گذار ھیں - لیکن اس تحریر سے معلوم ھوتا ھے کہ اردو ٹائپ کے اقسام ' اُس کي تاریخ ' اور اُس کي فني اور صناعي مشکلات اُن کے سامنے نہیں ھیں - ضرورت ھے کہ ایک مرتبہ بہ تفصیل یہ امور واضح کردیے جائیں - ھم اِن مراسلات کي اشاعت کے بعد اس موضوع پر بہ تفصیل اپنے خیالات ظاھر کرینگے -

البتہ دو باتیں ایسي ھیں جنھیں اسي وقت واضح کردینا ضروري ھے - صاحب مراسلۃ لکھتے ھیں " خود آپ نے اپني پسند اُس ٹائپ کي نسبت ظاھر کي ھے جس میں رسالہ کمپوز ھوتا ھے " حالانکہ واقعہ یہ ھے کہ اُس ٹائپ کي نسبت ظاھر کي ھے جس میں پہلے صفحہ کا اعلان کمپوز ھوا ھے -

فارسي اور ترکي کے سامي نہ ھونے کي نسبت اُنھوں نے جو کچھہ لکھا ھے صحیح ھے ' اور اُن کے متنبہ کرنے کے بعد عبارت پر نظر ڈالي گئي تو واقعي یہ غلطي موجود ھے - دراصل مقصود یہ تھا کہ فارسي اور ترکي بھي سامي رسم الخط میں لکھي جاتي ھیں - یہ مطلب نہ تھا کہ یہ زبانیں بھي سامي ھیں -

سات عجائب عالم

جدید علم آثار و تنقیب کي روشني میں

ایک زمانے میں دنیا کي سب سے زیادہ عجیب اور مشہور چیزیں سات " عجائب عالم " سمجھي جاتي تھیں - قدیم دنیا کي کتب تواریخ میں ' سیاحت ناموں میں ' نظر و فکر کے عام مباحث میں ' بول چال کي ضرب المثلوں میں ؛ ھر جگہ ان سات عجیب چیزوں کا ذکر برابر آتا ھے :

(۱) اھرام مصر
(۲) بابل کے معلق باغ
(۳) اسکندریہ کا ساحلي منارہ
(۴) ڈائنا کا مندر
(۵) مسولوس کا مقبرہ
(۶) روڈس کا مجسمہ
(۷) مشتري کا مجسمہ

قدیم یوناني اور عبراني مورخوں کي زباني ان عجائب کي تفصیل دنیاے جدید کے تاریخي اوراق تک پہنچي ھے - بعض قدیم آثار کے کتبوں میں بھي اِنکي طرف اشارات پائے گئے ھیں - آخري عہد کے بعض حکماء یونان و اسکندریہ نے مشتري کے مجسمہ اور معبد کا ذکر ایسے موقعوں پر کیا ھے ' جب اُنھیں عجائب و غرائب کیلیے کسي قریبي اور معروف تمثیل کي ضرورت ھوي ھے - مثلاً ایک حکیم ' افلاطون کي تعریف کرتے ھوئے لکھتا ھے :

" وہ انسان ھونے پر بھي صرف ایک ھي مرتبہ پیدا ھوسکا ' جس طرح مشتري کا مجسمہ پتھر سے بنائے جانے پر بھي صرف ایک ھي مرتبہ بن سکا ھے ! "

(عرب مورخین کي تصریحات)

عربي مورخین کے علم و نظر کي وسعت اُن کے پیش رؤں کے اِس مشہور خیال سے بے خبر نہیں رھسکتي تھي - اُنھوں نے بھي " سات عجائب عالم " کا جابجا ذکر کیا ھے ' اور یوناني علم ادب کي طرح عربي ادب و محاضرات کي بھي یہ ایک ضرب المثل ھوگئي ھے - مشہور عرب جغرافیہ نویس ابو عبد اللہ ادریسي منارۂ اسکندریہ کا ذکر کرتے ھوئے لکھتا ھے " یہ اُن سات عجیب عمارتوں میں سے ایک تھي جن کي تمام دنیا میں شہرت رھچکي ھے "

عربي ادبیات میں غالباً کسي ایک کتاب میں اِن کے حالات نہیں لکھے گئے - ابن الندیم کئي کتابوں کا ذکر کرتا ھے جو " عجائب دنیا " پر لکھي گئي تھیں - لیکن نہیں کہا جاسکتا اُن

لفظ کے شروع میں آئے تو شوشہ لابد ہے- درمیان اور آخر میں نہیں - معلوم یہ ہوتا ہے کہ عربي کے املا میں چونکہ هائے ہوز کا دوچشمي شکل میں استعمال بہت تھا بلکہ وہ همیشہ دوچشمي هي لکھي جاتي ہے جبکہ وہ آخر کلمہ نہو٬ اسي کا اتباع اردو ٹائپ میں کیا گیا- اردو کے مروجہ قاعدۂ املا کے مطابق تو آپ کے جریدہ کا نام هي غلط لکھا ہوا ہے - لوح کو تو جانے دیجیے کیونکہ وہاں "الہلال" خط نسخ میں ہے اور اس لیے هائے دو چشمي ہے - لیکن ہر صفحہ پر جو جریدہ کا نام درج ہے وہ تو نسخ نہیں بلکہ اردو خط میں ہے - مگر یہاں بھي هائے دوچشمي هي استعمال کي گئي ہے- یہ قاعدہ مذکور کے مطابق غلط ہے - آپ کے ٹائپ میں هائے ہوز جہاں دو چشمي نہیں وہاں عجیب مروڑ والي شکل اختیار کرتي ہے- جیسے صفحہ ۳ کالم ۲ میں "چہرے" اور "نہیں" کا چہرہ بگاڑا گیا ہے - حالانکہ یہي هائے ہوز اسي کالم میں مضمون "علم الآثار مصر" کي اول سطر میں "پہلے" کي شکل میں بہت خوب اور صحیح لکھي گئي ہے - متشابہ موقعوں پر هائے ہوز کو اس "پہلے" کي شکل میں هي کیوں نہ لکھا جائے ؟

نون غنہ جب لفظ کے آخر میں آیا ہے اوس میں نقطہ نہیں دیا گیا - یہ بالکل درست ہے- لیکن یہي نون غنہ جب کلمہ کے بیچ میں واقع ہو تو کسطرح لکھا جائیگا ؟ اس وقت کے املا میں اس پر التا جزم لگاتے ہیں - مگر جزم آپ کے یہاں ہے هي نہیں -

میں نہیں کہہ سکتا- کہ کسرۂ اضافت کا وجود آپ کے ٹائپ میں ہے کہ نہیں -

کشش اکثر قاعدۂ نستعلیق قدیم و املاے جدید کے خلاف پائي جاتي ہے - جیسے مضمون مذکور کي چوتھي اور پانچویں سطروں میں "رکھتے" اور "کردیتے" میں "ی" سے پہلے واقع ہوئي ہے -

املاے قدیم اور جدید دونوں کا مسلمہ اصول ہے کہ حروف کے امتزاج میں کوئي شوشہ فالتو نہیں ہوتا - مثلاً "بنتا" میں تین شوشے یا دندانے ہونگے - اگر آپ ایک اور دندانہ بڑھادیں تو املا کي غلطي کے علاوہ قاري کو زحمت ہوگي- اسي مضمون کي گیارھویں سطر میں "ایجاد" کا لفظ آیا ہے - اس میں "ی" اور جیم کے درمیان ایک دندانہ یا شوشہ ٹائپ میں پیدا کردیا ہے جو نہونا چاهیے - اگر یہ کمپوزیٹر کا تصرف نہیں تو اسکي اصلاح ہوني چاهیے -

کوئي وجہ نہیں کہ هاے ہوز آخر کلمہ ٬ نسخ میں لکھي جائے ٬ جیسي کہ "آثار عتیقہ" میں لکھي ہے- "نہ" کي شکل آپ کے ٹائپ میں "نہ" ہے جو نستعلیق نہیں - یہ کیوں ؟

"یا" آخر کلمہ کي تین صورتیں ہوتي ہیں : یاے معروف - یاے مجہول - یاے مفتوح - آپ کے ٹائپ میں صرف دو موجود ہیں - یاے معروف گول لکھي گئي ہے - یہ ٹھیک - لیکن یاے مجہول و مفتوح دونوں لمبي ہیں - یہ ٹھیک نہیں - جب یا کي ایک اور شکل همارے پاس موجود ہے - یعني نصف دایرہ یا کٹي ہوئي ٬ تو کیوں نہ اُسے بھي استعمال کیا جائے ٬ تا کہ یاے مفتوح و یاے مجہول باهم متمیز ہو جائیں ؟

اردو ٹائپ چونکہ کہیں کہیں موجود ہے ٬ اس لیے همکو یہ موقع میسر ہے کہ اُس کي اصلاح و ترمیم کرکے اپنا ایک مکمل هندوستاني قومي ٹائپ بنائیں جو لیتھو کي جگہ لے - اور کیا پبلک اور کیا سررشتۂ تعلیم٬ دونوں اُسے قبول کرلیں - آپ کے ٹائپ میں "یا" آخر کلمہ کے نیچے بھي دو نقطے دیے جاتے ہیں - مگر آپ کے اخبار کے اسي نمبر کے اُس حصہ میں جو کاتب کا لکھا ہوا ہے٬ ایسي "ی" کے نیچے نقطے نہیں دیے گئے - یہ دو عملي کیا معني ؟ ان دو نقطوں کي ضرورت کیا ہے ؟ کاتب کا وقت اور پریس کي سیاهي فضول کیوں خرچ ہو؟ جرمني کا اردو ٹائپ بھي اسي اسراف کا مرتکب ہے - دیوان غالب جو وهاں سے ٹائپ میں چھپ کر آیا ہے٬ اوس میں چند ایسي بد عنوانیاں نظر آئیں جو شاید آپ کے ٹائپ میں نہیں هیں - اس کتاب کا صفحہ ۱۲۱ ملاحظہ فرمائیں - اِس کے آخر میں ایک نا مکمل غزل ہے :

رهیے اب ایسي جگہ چل کر جہاں کوئي نہو:
زباں کوئي نہو

"کوئي" کا لفظ چار جگہ تو ردیف کا جز بنکر آیا ہے اور دو جگہ مصرعوں کے متن میں - پانچ جگھہ تو اس حرف کي شکل اور شان یکساں ہے ٬ لیکن ایک جگہ اُن نے نرالي شان میں لکھا گیا ہے :-

"پڑیئي" گر بیمار تو کوئي نہو بیمار دار

سمجھہ میں نہیں آتا کہ ایک هي لفظ اور ایک هي تحریر اور ایک هي معني میں دو شکلیں کیونکر اختیار کر سکتا ہے ؟ یہ بد عنواني نہ ہوني چاهیے - اسي غزل کے مطلع کے دوسرے مصرع میں "هم سخن" کا لفظ آیا ہے - لفظ "سخن" میں "س" اس انداز سے "خ" کے ساتھہ ملایا گیا ہے جس طرح حرف شناس بچے لکھا کرتے هیں - حروف کي ملاوٹ کا یہ طریق پسندیدہ نہیں -

اردو ٹائپ کي وکالت کرتے ہوئے مطمع نظر صرف یہي نہ ہونا چاهیے کہ ارباب صحافت کو کاتبوں کي ناز برداري سے نجات ملے٬ اور اخبار و جراید جلد اور ایک هي خط میں چھپ جائیں - بلکہ آپ کا فرض ہے کہ اسے ایک قسم کا قومي ادارہ تصور فرمائیں - اور آج کل کے مروجہ طرز املا پر کچھہ ترقي کریں - نہ یہ کہ اس کي ضروریات بھي پوري نہوں - مبتدیوں کے لیے اردو کا قاعدہ بھي چھپیگا اور علما کي تصانیف عالیہ بھي - اس لیے یہ ایسا ہونا چاهیے کہ انشا کي تمام ضروریات اس سے پوري ہو جائیں ٬ اور یہ فن املا کا کماحقہ نمایندہ بنکر کتابت کا نعم البدل ثابت ہو -

اور مولانا ! اس کا بھي خیال رکھیے کہ آج کل انساني مصروفیت کے هر شق میں جمالیت کا بڑا زور اور رسوخ ہے - جو ٹائپ تجویز ہو٬ وہ خط نستعلیق کے برابر تو دیدہ زیب ہونا چاهیے - یہ کیا ہوا کہ بچوں کے کٹکھنے یا کیڑے مکوڑے کاغذ پر چھاپ کر پیش کردیے- میں کوئي وجہ نہیں دیکھتا کہ ٹائپ وضع کرتے وقت خوبصورتي کا خون کیا جائے - کیا وجہ ہے کہ نستعلیق کي نقل نہ کي جائے ؟ کیوں اُسے اول جلول بنایا جائے ؟ آپ کے ٹائپ میں تمام دائرے بد نما اور چپٹے هیں - کیوں نہ گول ہوں ؟ آخر اِس میں کون سي دقت حایل ہے ؟

میں دیکھتا ہوں کہ آپکے ٹائپ میں بڑي سرخیاں نسخ میں هیں- یعني اردو ٹائپ کے ساتھہ ایک مطبع کو نسخ کا ٹائپ بھي رکھنا پڑیگا- یہ دو عملي بد عملي کا حکم رکھتي ہے- خفي و جلي کے کئي درجے قائم کرکے تمام و کمال ٹائپ نستعلیق میں ہونا چاهیے -

میں پھر عرض کرونگا کہ سب سے پہلے آپ یہ کیجیے کہ ٹائپ رایٹر کے "کي بورڈ" کي طرح آپ کے ٹائپ میں جو جو چیزیں هیں٬ اُن سب کا نمونہ ایک صفحہ پر چھپوا کر شایع فرمائیے تاکہ پتہ چلے اس میں کیا کچھہ ہے اور کیا نہیں ہے -

ٹائپ سے متعلق ایک اقتصادي پہلو بھي ہے جسے نظر انداز نہیں کر سکتے - یعني یہ بھي دیکھنا ہے کہ کاغذ اور اس کے ساتھہ

كي تعمير كس زمانه ميں هوئي تهي ؟ چهٹي صدي قبل مسيح ميں يه مندر پهر گر پڑا اور يونانيوں نے عوام سے روپيه جمع كركے تيسري مرتبه تعمير كيا -

پانچويں صدي قبل مسيح ميں يوناني مورخ هيرودوٹس نے يه عمارت ديكهي تهي - وه لكهتا هے :

" پورا مندر سنگ مرمر كا هے ' اور اُن قديم مندروں سے ' جن كي بنيادوں پر قائم هوا هے ' چارگنا زياده وسيع هے - چاروں طرف سنگ مرمر كے ستونوں كي قطاريں هيں ' اور هر زاويه ميں آٹهه آٹهه مزيد ستون هيں - هر ستون كي بيٹهک يوناني تصويروں سے آراسته كي گئي هے "

سنه ۳۵۶ ق م ميں مشهور ظالم بادشاه هيروسٹراٹس كو خيال هوا كه كوئي ايسا كام كر جائے جس سے اُس كا نام تاريخ ميں يادگار رهے- اُس نے اس مندر كي عمارت يک قلم برباد كردي - كيونكه دنيا كي اِتني عجيب اور قيمتي عمارت كا برباد كرنے والا يقيناً تاريخ كے حافظه ميں فراموش نهيں هوسكتا - اُسي وقت سے يوناني زبان ميں يه ضرب المثل مشهور هوگئي هے " اگر شهرت كے ليے ڈائنا كا مندر بنا نهيں سكتے تو اسے برباد كرڈالو "

ليكن يونانيوں كو يه معبد اس درجه عزيز تها كه وه اس كي عدم موجودگي برداشت نهيں كر سكتے تهے - انهوں نے پهر از سر نو تعمير شروع كي اور قومي سرمايه سے مصارف كا انتظام كيا - بيان كيا گيا هے كه تمام ملک ميں اس كي تعمير كا جوش اس قدر پهيل گيا تها كه عورتوں نے اپنے زيور تک چندے ميں ديديے تهے - اُسي زمانه ميں سكندر اعظم كا اس شهر ميں گزر هوا - اُس نے خواهش كي كه اپنے جيب خاص سے پورا عبادت خانه بنوا كر ديوي كي نذر كردے - مگر شهر كے باشندوں نے يه ذلت گوارا نه كي ' اور سكندر كي ناراضي سے بچنے كے ليے يه حيله كرديا كه " آپ خود بهي ديوتا هيں ' اور ايک ديوتا كے ليے دوسرے ديوتا كو نذر دينا جائز نهيں "

خيال كيا جاتا هے كه سنه ۳۲۳ ق م ميں يه عمارت مكمل هوگئي تهي- يه ۴۲۵ فٹ لمبي تهي- سنگ مرمر كے ۱۲۷ - كهمبے تهے - اور هر كهمبا ۶۰ فٹ بلند تها - پورا عبادت خانه بڑي سليقه مندي سے آراسته كيا گيا تها - بڑے بڑے مصوروں نے تصويريں بنائي تهيں اور اس كے در و ديوار كي آرايش كے ليے بطور چڑهاوے كے پيش كي تهيں- ايک تصوير سكندر اعظم كي بهي تهي - وه اپنے گهوڑے پر سوار دكهايا گيا تها - كها جاتا هے كه سكندر نے جب يه تصوير ديكهي تو ناپسند كي- ليكن جب قريب پهنچا تو اُس كا گهوڑا هنهنا اٹها - اِس پر مصور نے طعنه زني كي راه سے كها : " حضور كا گهوڑا اپنے سوار سے كهيں بهتر فن كي شناخت ركهتا هے " يه قول يوناني زبان ميں ضرب المثل هوگيا تها - يوناني سے يورپ كي زبانوں ميں منتقل هوگيا -

اِسكے بعد سنه ۲۶۰ ع ميں يه مندر پهر برباد هوگيا - اس مرتبه اِسے عيسائيوں نے ڈهايا تها اور اُس پر گرجا بناديا تها - مگر يه گرجا بهي زياده عرصه تک قائم نه ره سكا - تهوڑے هي عرصه كے بعد بے نام و نشان هوگيا -

ڈائنا ' ايشيائي ديوي ارٹميس كي مورت هے - اشوريوں نے اسے امومة يعني مامتا كے جذبات كا مظهر قرار ديا تها - يهي وجه هے كه اسكے سينه پر بهت سے پستان دكهائے گئے تهے ' ليكن جب يونانيوں نے اسكي عبادت شروع كي تو اُسكي شكل بدل دي- اُنهوں نے اِسے ايک ذهين ' قوي ' اور جوان عورت كي صورت ميں طيار كيا تها -

(۲)

مقبرهٔ موسولس

(The Tomb of Mausolus)

ايشيائے كوچک ميں بدرم نام ايک ساحلي شهر هے - يه عهد مسيحي سے پہلے ايران كے ماتحت تها - سمندر اور پهاڑ كے درميان واقع هونے كي وجه سے اُسكا جغرافيائي موقعه اِس قدر مستحكم هے كه باوجود ماتحت هونے كے بهي وه عرصه تک اپني اندروني خود مختاري برقرار ركهه سكا - چوتهي صدي قبل مسيح ميں يهاں ايک بادشاه حكمراں تها - اُسكا نام " موسولوس " تها - اُسنے اپنا پايهٔ تخت يهي شهر بدرم قرار ديا تها - اِس شهر كا نام اُس وقت هيلي كارنيسس (Halicarnasous) تها -

سنه ۳۵۳ ق - م - ميں اِسنے وفات پائي - اسكي ملكه ارٹمي‌ميزيا (Artemisia) بهت غمگين هوئي اور كسي طرح بهي تسلي حاصل نه كر سكي- آخر اُس نے اِس طرح اپنا دل بهلانا چاها كه اپنے شوهر (بادشاه) كي قبر پر ايک ايسا مقبره طيار كرے جيسا دنيا ميں كهيں موجود نه هو- يه ايک بيوي كے طرف سے اپنے شوهر كيليے وه يادگار محبت تهي' جو آگے چل كر ايک شوهر (شاهجهان اعظم) كے طرف سے اپني بيوي (تاج محل) كيليے قائم هونے والي تهي - دراصل يه مقبره " بيوي " كا " شوهر " پر ايک قرض محبت تها ' جسے سر زمين هند كے ايک وفا پرست " شوهر " شاهجهاں نے ادا كرديا !

چنانچه اُسنے ماهر يوناني معمار جمع كيے - اُنهيں بهت كچهه انعام و اكرام ديا ' اور مقبره بنوانا شروع كيا - ليكن ابهي دو برس بهي پورے نهيں گزرے تهے كه فرط غم سے ملكه كا بهي انتقال هو گيا -

مقبره ابهي طيار نهيں هوا تها - معماروں نے باهم مشوره كيا كه اب هميں كيا كرنا چاهيے ؟ بالاخر سب كي راے يهي قرار پائي كه اس ملكه نے هم پر بڑے بڑے احسان كيے هيں - هميں چاهيے اُن كے شكريه ميں اُس كا نا تمام كام پورا كرديں - چنانچه اُنهوں نے كام جاري ركها ' يهانتک كه تعمير ختم هوگئي ' اور ايک ايسا مقبره طيار هوگيا جيسا چشم فلک نے پہلے كبهي نهيں ديكها تها -

اب " موسولوس" يورپ كي تمام زبانوں ميں مقبره كيليے بولا جاتا هے- انگريزي لفظ " Mausoleum " اِسي " موسولوس" سے بنا هے-

مقبره ايک منزل كا تها - اِسي منزل ميں بادشاه كي قبر تهي - چهت پر سفيد سنگ مرمر كے ۳۶ سڈول ستون نصب كيے گئے تهے - اِن ستونوں پر مخروطي شكل كا باره منزلوں كا مناره تها - اِس پر بادشاه كي رتهه بنائي گئي تهي جسے چار اصيل گهوڑے كهينچ رهے تهے - عمارت كي پوري بلندي ۱۴۰ - فٹ تهي -

خود عمارت زياده بلند اور شاندار نه تهي - ليكن سبک اور نازک اِس قدر تهي كه حيرت هوتي تهي - مخروطي مناره كي بنياديں جن ستونوں پر قائم تهيں ' وه اِس قدر پتلے تهے كه دور سے بالكل نظر نهيں آتے تهے - شبه هوتا تها كه عمارت هوا ميں معلق كهڑي هے !

مورخين كا خيال هے كه يه مقبره بارهويں صدي عيسوي تک صحيح و سالم موجود تها - اِسي زمانے ميں صليبي فوجوں نے شهر بدرم پر قبضه كيا اور مقبره كے پتهر اكهاڑ كر اپنا قلعه بنانے لگے - پهر سنه ۱۵۲۲ ع ميں جب سلطان سليم نے اِس شهر پر حمله كيا ' تو صليبيوں نے مقبره كے باقي مانده ستون بهي اكهاڑ ليے -

میں اِن عجائب کا بھي ذکر تھا یا نہیں ؟ البتہ تاریخوں ، سفر ناموں ، اور تقویم بلدان کي کتابوں میں فرداً فرداً اِن کا ذکر موجود ھے - خصوصاً بابل کے معلق باغوں ، اسکندریہ کے منارہ ، اور مصر کے اھرام (مخروطي مناروں) کا تو نہایت مفصل تذکرہ موجود ھے - ابن جریر طبري ، ابن حوقل ، ادریسي ، مسعودي ، ابوعبد اللہ البکري (صاحب المسالک و الممالک) ابوعبداللہ غرناطي (صاحب نخبۃ الاعجاب) ابن جبیر ، ابوالفداء ، ابن اثیر ، بیروني ، عبداللطیف بغدادي ، یاقوت حموي ، قزویني ، مقریزي ؛ سب نے اِن کا ذکر کیا ھے - حموي ، بغدادي ، اور مقریزي کے مباحث اھرام مصر اور منارۂ اسکندریہ کے متعلق اس درجہ محققانہ ھیں ، کہ جن جن پہلوؤں پر انہوں نے روشني ڈال دي ھے ، اُن پر موجودہ زمانے کي اثري تحقیقات بھي کوئي اضافہ نہیں کرسکتي - حالانکہ مصري آثار کي جدید تحقیقات نے نئے نئے انکشافات کے انبار لگا دیے ھیں -

دنیا کي تمام عجیب اور مشہور چیزوں کي طرح ان عمارتوں کي نسبت بھي عوام میں طرح طرح کے دور از عقل خرافات مشہور ھوگئے تھے ، اور عہد قبل از اسلام کے بعض مورخوں اور سیاحوں نے بھي انہیں قبول کر لیا تھا - لیکن محققین عرب نے پوري دقت نظر کے ساتھہ اُن روایات پر نظر ڈالي ، اور بعض کي مشاھدات کي بنا پر اور بعض کي علمي قواعد کي بنا پر تغلیط کي - یاقوت حموي ، بیروني ، عبد اللطیف بغدادي ، اور مقریزي ؛ اگرچہ تمام روایات نقل کردیتے ھیں ، لیکن جابجا اُن کي تغلیط بھي کرتے جاتے ھیں - حموي اور بغدادي نے منارۂ اسکندریہ کا مشاھدہ اور تخطیط کرکے جو کچھہ لکھا ھے ، اور جس طرح بے اصل روایتوں کي تکذیب کي ھے ، اس سے زیادہ تحقیق آج تک نہیں کي جا سکي -

یاقوت حموی اسکندریہ کے منارہ اور مصر کے عجائب کا ذکر کرتے ھوئے لکھتا ھے " و ھذہ أخبار نقلنا ھا کما وجدنا ھا في کتب العلماء و ھي بعیدۃ المسافۃ من العقل ، لایؤ من بھا إلا من غلب علیہ الجھل " یعني یہ تمام روایتیں ھم نے جس طرح علماء کي کتابوں میں پائیں ، بجنسہ نقل کردیں ، لیکن یہ عقل سے نہایت ھي بعید ھیں ، اور انہیں کوئي نہیں مان سکتا ، الا وہ شخص کہ اُس پر جہل غالب آگیا ھو " آگے چل کر ایک دوسرے موقعہ پر لکھتا ھے " اما خبرالمنارۃ فقد رووا لھا اخباراً ھائلۃ و ادعوا لھا دعاوي عن الصدق عادلۃ " یعني منارہ کے متعلق عجیب عجیب باتیں روایت کي گئي ھیں اور طرح طرح کے دعوے کیے گئے ھیں جو سچائي سے ھٹے ھوئے ھیں - پھر جہاں اپنے معائنہ کا ذکر کیا ھے ، وھاں لکھتا ھے " شاھدتہ في جماعۃ من العلماء و کل عاد منا متعجباً من تخرص الرواۃ " یعني میں نے علماء کي ایک جماعت کے ساتھہ منارہ کي سیر کي ، اور ھم میں سے ھر شخص جب مشاھدہ کے بعد لوٹا ، تو وہ راویوں کے اوھام و ظنوں پر متعجب تھا (معجم البلدان - ١ : ٢٤٢) عبد اللطیف بغدادي اور مقریزي کي تصریحات بھي ایسي ھي ھیں - حموي نے منارہ کي تعمیري حالت دیکھکر جو اُس کے عہد تک باقي تھي ، اُس کي شکل و مساحت پر بھي غور کیا تھا اور اس کا نقشہ بنایا تھا - حموي کے بعد کے مصنفین مثلاً قزویني وغیرہ نے اُسي سے منارہ کا نقشہ نقل کیا ھے -

(جدید علم الآثار کي تحقیقات)

اب سے تقریباً ڈیڑھہ سو برس پہلے قدیم آثار کي تحقیقات و تنقیب کا نیا دور شروع ھوا ، اور اس سلسلہ میں ان سات عجائب عالم کي تحقیقات پر بھي انفرادي اور جمعیتي کوششیں مبذول ھوئیں - روڈس ، اسکندریہ ، اور اھرام کي تحقیقات اسقدر دشوار نہ تھي - کیونکہ مقامات معلوم تھے اور محل معین ؛ لیکن بقیہ عمارتوں کي تحقیقات کا کام بہت دشوار تھا - تاھم جستجو جاري رھي ، اور بالاخر تمام ضروري معلومات روشني میں آگئیں -

جہانتک ھمیں معلوم ھے ، اُردو میں ان قدیم عجائب کي جدید اثري تحقیقات پر اِس وقت تک کچھہ نہیں لکھا گیا ھے - ھم چاھتے ھیں ، مختصراً انکي تاریخ اور موجودہ اثري تحقیقات ایک دو مقالوں میں بیان کر دیں - یورپ کے اھل قلم ان عجائب کي تاریخ لکھتے وقت عموماً عربي عہد کي تاریخي و علمي تحقیقات نظر انداز کر جاتے ھیں - یا معلوم کرتے ھیں تو اکثر حالتوں میں ناقص اور غیر محققانہ ھوتي ھیں - اس سلسلۂ مقالات سے ایک مقصود یہ بھي ھے کہ جن جن عمارتوں کے متعلق عربي مورخین کي تصریحات موجود ھیں ، وہ اپنے اپنے موقعوں پر نمایاں ھو جائیں -

(١)

ڈائنا کا مندر

The Temple of Diana

ایک قدیم مورخ کا قول ھے :

" میں نے بابل کے معلق باغ دیکھے - مشتري اور روڈس کے مجسمے دیکھے ، اھرام مصر اور موسولس کا عالیشان مقبرہ دیکھا ، لیکن جب میں نے ڈائنا کا سر بفلک مندر دیکھا تو تمام عجائب عالم میري نظر سے گر گئے "

قدیم مورخوں نے دنیا کي سات عجیب چیزوں میں سے کسي کے متعلق بھي اس قدر نہیں لکھا ھے ، جس قدر اِس مندر کے متعلق لکھا ھے - لیکن باوجود اِس کے یہ کیسي عجیب بات ھے کہ دنیا نے سب سے زیادہ یہي چیز فراموش کردي ؟ حتی کہ یہ بھي کسي کو یاد نہ رھا کہ یہ عمارت واقع کس جگہ تھي ؟

سب سے پہلے سنہ ١٨٦٥ع میں ایک انگریز ڈاکٹر وڈ نامي نے شہر افسس میں اس کا پتہ لگایا - اِس کے بعد سنہ ١٩٠٤ع میں برٹش میوزیم نے ایک اور شخص مسٹر ھوگارٹ کو مزید تحقیقات کے لیے بھیجا - اس شخص نے عرصہ تک تحقیقات جاري رکھي ، اور اس کے بعد اپني تحقیقات کے نتائج شایع کیے - اس کا بیان ھے کہ یہ مندر تین پرانے مندروں کے کھنڈروں پر تعمیر ھوا تھا - مندر کي دیواروں کے نیچے تقریباً تین ھزار آثار پائے گئے - یہ مشرقي طرز کے ھیں ، اور اِس بات کي زندہ شہادت ھیں کہ یونان کي صنعتي ترقي دراصل مشرق ھي کي تقلید سے شروع ھوئي تھي -

قدیم یوناني شہر افسس جہاں یہ مندر واقع تھا ، اب بالکل برباد ھوگیا ھے - اُس کي جگہ اِس وقت ایک ترکي شہر ایاسو لوگ نامي آباد ھے اور ایشیاے کوچک میں واقع ھے -

مندر کي تاریخ سنہ ٧٠٠ قبل مسیح سے شروع ھوتي ھے - کیوں کہ اُس کي دیواروں میں بعض ایسي علامتیں موجود ھیں کہ خیال کیا جاتا ھے ، اُن کا تعلق اُسي زمانہ سے ھے -

سنہ ٦٦٠ ق م میں یورپ کي ایک وحشي قوم نے اِس علاقہ پر حملہ کیا اور یہ عمارت برباد کر ڈالي - اِس کے بعد پھر از سر نو تعمیر کیا گیا - مگر زیادہ مدت تک قائم نہ رہ سکا - کیونکہ مسالہ خراب لگایا گیا تھا - یہ اب تک تحقیق نہیں ھوسکا کہ دوسري مرتبہ

شامی جہاد وطنی کا التوا

موجودہ عہد کی ایک قومی جد و جہد پر نظر تردیع !

شہر دمشق کا ایک عمومی منظر
جس کی دو تہائی تاریخی رونق و عظمت فرانسیسی توپوں کی گولہ باری اور فوجی حکام کے قتل و غارت گری سے ہمیشہ کیلیے برباد ہوگئی !

سلطان پاشا اطرش اور دروزی مجاہدین کا معسکر سویداء میں

فرانس اعلان کرتا ہے کہ " اب ملک میں امن قائم ہوگیا ہے " مگر یہ " امن " کیونکر قائم ہوا ؟ اس طرح قائم ہوا کہ دمشق کے چاروں طرف اور خود شہر کے اندر ' بری تباہ کن مراکب کی صفوں سے ناکہ بندیاں کی گئیں ' اور اس طرح " امن " کے لیے قتل عام کا اعلان کیا گیا !

ان تمام اصحاب کیلیے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی هین

دنیا مین عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

مغرب و مشرق کے قدیم آثار ' پراني قلمي اور مطبوعه کتابیں ' پراني تصویریں ' پرانے سکے اور نقوش ' پرانے زیور ' آرائش و تزئین کا هر قسم کا سامان ' اور هر طرح کے پرانے صنعتي عجائب و نوادر ' اگر آپ کو مطلوب هیں ' تو هم سے خط و کتابت کیجیے - کم از کم هماري نمایش گاهوں اور ذخائر کي فهرستیں هي منگوا لیجیے - اهل علم اور اهل دولت ' دونوں کیلیے همارا ذخیره قیمتي هے -

نوادر عالم کا یه ذخیره

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولي مصارف و مساعي کے بعد حاصل کیا گیا هے -

دنیا کے تمام قدیم تمدني مرکزوں مثلاً مصر ' شام ' فلسطین ' هندوستان ' ایران ' ترکستان ' چین ' وغیره ممالک میں همارے ایجنت همیشه گردش کرتے رهتے هیں -

با این همه

قیمتیں تعجب انگیز عهد تک ارزاں هیں !

براعظم یورپ ، امریکه ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل ' کتب خانے ' اور عجائب خانے ' هم سے نوادر حاصل کرتے رهتے هیں - قاهره کے نئے ایوان شاهي کے نوادر ابهي حال میں هم هي نے فراهم کیے هیں -

اگر آپکے پاس نوادر موجود هوں

تو آپ فروخت کرنے کیلیے بهي پہلے هم هي سے خط و کتابت کیجیے - بہت ممکن هے که همارا سفري یا مقامي ایجنت آپسے مل سکے -

ادب عربی اور جدید مصری مباحث

لیلی مجنون

ایك مصری اهل قلم كي نظری تحقیقات

بلاد اسلامیه کے ادبي و علمي مباحث و افکار کي صدائیں بہت کم هندوستان تک پہنچتي هیں - اول تو یہاں ایسے علمي مجامع کا وجود هي نہیں جو مشرقي و اسلامي ممالک کے علمي مجامع و محافل سے تعارف رکھتے هوں - ثانیاً ' عربي کے ادبي و علمي مباحث کے ذوق سے نه صرف نئي تعلیم یافته جماعتیں بلکه قدیم جماعتیں بھي تقریباً محروم هیں - اس لیے نه تو اِن وادیوں کي اُنہیں خبر ھے - نه وهاں کي صداؤں کیلیے کوئي ذوق اور دلچسپي رکھتي هیں -

هم چاهتے' هیں گاه گاه الهلال کے صفحات پر وهاں کے بعض اهم عصري مباحث کے نمونے شایع کرتے رهیں -

کچھه عرصه سے مصر میں ادب و شعر عربي کي دو متقابل جماعتیں پیدا هوگئي هیں' اور اُن میں بحث و مناظره کا معرکه گرم ھے - ایک جماعت متجددین مفرطین کي ھے جنھیں اردو اخبارات کي اصطلاح میں ادبي " انتها پسند " (اکسٹریمسٹ یا ریڈیکل) کہنا چاهیے - دوسري جماعت ادبي محافظین کي ھے ' جنھیں سیاسي جماعتوں کي تقسیم میں قدامت پسند (کنسرویٹو) وغیره الفاظ سے یاد کیا جاتا ھے - ادب و شعر کي اِن دو اِنتہائي جانبوں نے افراط و تفریط کے عجیب عجیب زاوے پیدا کردیے هیں - ان دونوں انتہائي جماعتوں کے درمیان بعض اصحاب اقتصاد و اعتدال بھي هیں' لیکن بہت کم - کیونکه جماعت کا ذهني مزاج فکر و عمل کے هر گوشے میں ' اعتدال سے مالوف نہیں هوتا - افراط و تفریط هي کي طرف مائل رهتا ھے -

سیاست کي طرح ادب و شعر میں بھي اِن دو مذهبوں کا ظهور' هر ملک کے علمي اور فکري عہد کے ذهني خواص میں سے ھے - انیسویں صدي کے اوائل میں جب یورپ کي ادبیات کا آخري انقلاب ظهور میں آیا' تو اُس وقت بھي طریق مدرسیه (Classic) اور طریق رومانیه (Romantic) کے متبعین میں کشمکش پیدا هوئي اور انتہائي اطراف نمایاں هوگئے - البته یورپ کي زبانوں اور عربي زبان کي نوعیت میں یه اصولي فرق ھے که اٹھارویں صدي میں جب رومانیه طریقه کے متجددین پیدا هوئے تھے' تو اُس وقت یورپ کا مدرسي علم ادب کوئي ایسي ترقي یافته حالت نہیں رکھتا تھا که هر گوشه میں ترقي و توسع کا محتاج نهو - وه زیاده سے زیاده دو صدیوں کي ابتدائي ادبي ترقي کا نتیجه تھا جو حروب صلیبیه کے بعد سے یورپ میں شروع هوئي تھي - اور پھر جو کچھه بھي تھا ' صرف ادب کي ایک خاص شاخ میں محدود تھا - یعني شعر قصصي اور قصص تمثیلیه میں - لیکن عربي علم ادب کي حالت اس سے بالکل مختلف ھے - اُس پر نشو و ترقي کي تیره صدیاں گزر چکي هیں - وه تمدن و علوم کي تمام حالتیں' اور اسالیب بیان و تعبیر افکار کے تمام دور طے کر چکي ھے - اس لیے اُسکي عصري احتیاج بہت حد تک محدود ھے ' اور نئے نئے اسالیب و مذاهب کے اخذ و اختیار میں بہت زیاده احتیاط و توسط کي ضرورت ھے - مغربي اسالیب بیان کي کورانه تقلید اور ابداع و تجدد کے افراط و غلو کي جگه چاهیے که مجتهدانه نظر و اعتبار سے کام لیا جاے ' اور عربي ادب و شعر کي خصوصیات کمال و جمال کے تحفظ کے ساتھه قدیم راهوں میں نئي نئي راهوں کي داغ بیل ڈالي جاے -

بهر حال سیاست و معاشرت کي طرح ادب و شعر میں بھي دو متقابل جماعتیں پیدا هوگئي هیں - ادبي تجدد و انقلاب کي اِس حرکت کا سب سے بڑا قائد ڈاکٹر طه حسین استاذ جامعۂ مصریه ھے - ڈاکٹر موصوف کي شخصیت میں مصر کے موجوده عهد کي ایک غیر معمولي ذهانت نمایاں هوئي ھے - وه پیدایشي نابینا ھے - اُس کا دماغ حواس خمسه میں سے ایک سب سے بڑے حاسۂ علم سے محروم تھا - لیکن باوجود اسکے اُس نے جامع ازهر میں علوم عربیه کي تحصیل کي اور یورپ کي متعدد زبانوں میں بھي درجۂ رسوخ و نظر حاصل کرلیا - وه ابھي جامع ازهر میں مشغول تعلیم تھا که جامعۂ مصریه اُسکي حیرت انگیز ابوالعلائي ذهانت کي شهرت سے متاثر هوئي اور اپنے صرف سے پیرس اور روم بھجوادیا تاکه مغربي لغات و علوم کي تحصیل سے بھي فارغ هوجاے - کئي سال وهاں بسر کرنے کے بعد جب قاهره واپس آیا تو اِسي جامعه میں استاذ (پروفیسر) مقرر هوگیا -

پچھلے دنوں ڈاکٹر موصوف نے عهد مولدین کے شعراء پر ایک سلسلۂ مقالات شروع کیا تھا ' جس نے مصر کے ادبي حلقوں میں موافق و مخالف آراء کے پرجوش مباحثے پیدا کردیے - ان مقالات میں وه اوائل عهد بنو امیه کے بعض شعراء غزلیئین کے وجود سے انکار کرتا ھے:' اور اُنکے وجود کو محض قصصي اور شعري وجود قرار دیتا ھے جیسا که بعض مستشرقین یورپ کا بھي خیال ھے - هم آج اُن مقالات کا ایک حصه ' حذف و اختصار کے بعد شائع کرتے هیں - اِس کا تعلق " لیلی مجنوں " کے مشهور قصه سے ھے - یه سوال که کیا في الحقیقت قیس عامري اور لیلی کے معاشقه کا قصه حقیقي ھے ؟ پہلے بھي اُٹھه چکا ھے - چنانچه ابوالفرج اصفهاني نے کتاب الاغاني میں اُن لوگوں کي رائیں نقل کي هیں جنھیں ان شخصیتوں کي حقیقت میں شبه تھا ' لیکن هم خیال کرتے هیں اس ادعا اور وثوق کے ساتھه غالباً کبھي انکار نہیں کیا گیا جیسا انکار ڈاکٹر موصوف کو ھے -

هم بالفعل اس باب میں اپني راے ظاهر نہیں کرینگے کیونکه اسکے لیے شرح و تفصیل کي ضرورت ھے - صرف ڈاکٹر موصوف اور اُن کے ناقدین کے مباحث کا خلاصه هدیۂ قارئین کر دینگے - ڈاکٹر موصوف کي تحریر کا ترجمه حسب ذیل ھے :

اطراف دمشق کا ایک تاریخی قصبہ جو گولہ باری سے بالکل تباہ کردیا گیا - تباهی کے بعد فرانسیسی پہنچے هیں اور دیکھہ رهے هیں کہ مکانوں کے کھنڈروں اور مقتول لاشوں کے سوا کوی زندہ چیز باقی نہیں ہے !

حتى المحاريب تبكي وهي جامدة
حتى المنابر ترثي وهي عيدان !

دمشق کی ایک قدیم مسجد جسے فرانسیسی حکام نے منہدم کردیا اور انہدام کے بعد اب اس سے کمین گاہ کا کام لے رهے هیں !
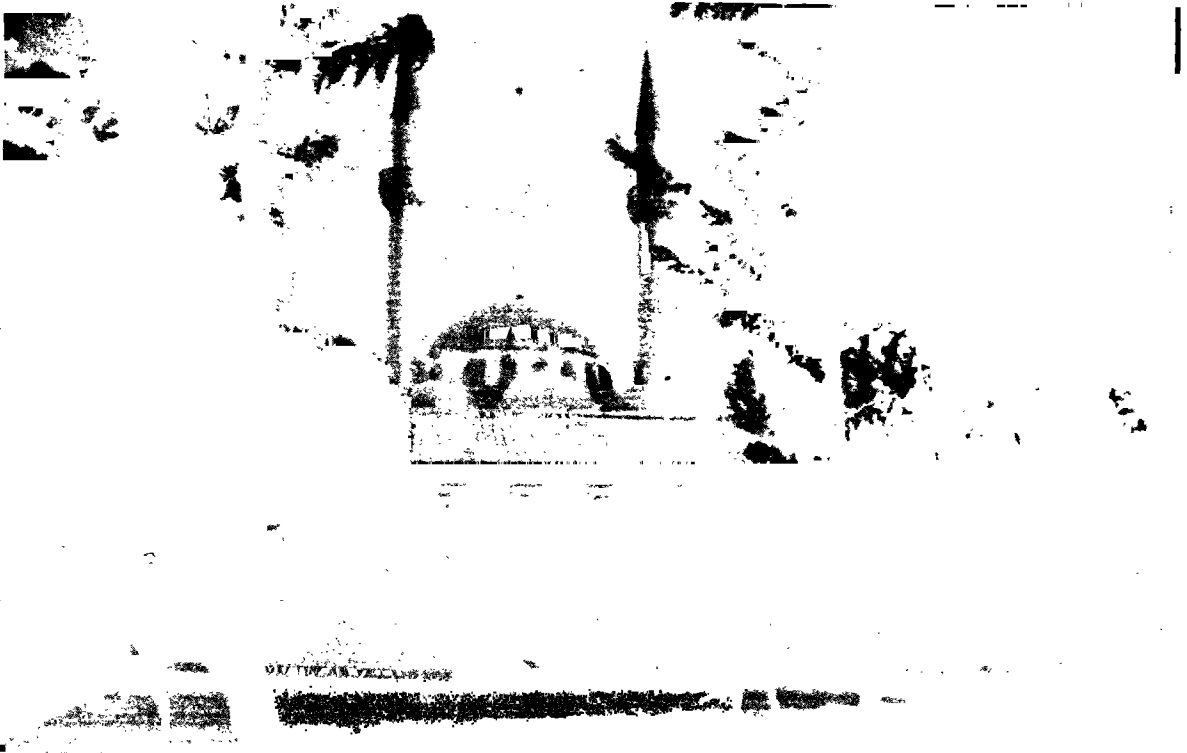
دمشق کی مشہور اور تاریخی مسجد " جامع التکیه " کا داخلی منظر - جسے سلطان سلیم خاں نے تعمیر کیا تھا - فرانسیسیوں نے اس پر قبضہ کرکے اسے فوجی اصطبل بنا دیا - عین محراب و ممبر کے پاس گھوڑے باندھے گئے !

لیلی مجنون

از ڈاکٹر طه حسین

اب سے پہلے میں بہت سے ادیبوں کو ناراض کرچکا ھوں - بشار بن برد مبرد پر اُنکي خلاف توقع میں نے نکته چیني کي تھی - افسوس ' آج پھر میں اُنھیں ناخوش کرنے پر مجبور ھوں میں سچ کہتا ھوں ' مجھے اُنکي ناخوشي میں کوئي لطف حاصل نہیں ھوتا - لیکن کیا کروں - بحث ونقد کي دیانت مجھے اِس پر مجبور کرتي ھے - جب سے میں نے عربي شاعري پر بحث شروع کی ھے ' اھل ادب کي ملامت کا نشانه بن گیا ھوں وہ ناخوش ھیں - کیونکه میں نے ابو نواس اور حسین بن الضحاک کو بشار بن مبرد پر ترجیح دي تھي - آج اُنکي ناراضی اَور زیادہ ھوجائیگي ' کیونکه میں متعدد شعراء کے وجود سے انکار کرونگا ' یا اُنکي شخصیت کي اھمیت گھٹاونگا - میں آج کہونگا که یه شاعر یا تو سرے سے موجود ھي نه تھے - یا تھے ' مگر اپنے زمانه میں کوئي نمایاں شخصیت نہیں رکھتے تھے - بعد میں لوگوں نے اُنھیں بڑھا دیا - اُنکي طرف بہت سے ایسے اشعار منسوب کردیے جو اُنھوں نے کبھی نہیں کہے تھے -

میں جانتا ھوں' بہت سے اھل ادب میرا طریق بحث پسند نہیں کرتے - وہ صرف اثبات اور ایجاب ھي کا ذوق رکھتے ھیں ' اور ھر وہ طریق بحث ناپسند کرتے ھیں جو انکار یا شک پر ختم ھو - اُنکے خیال میں وہ شخص محقق نہیں ھے جو "مجنوں" کے وجود سے انکار کرے ' یا اسمیں شک وشبہہ کا اظہار کرے - جو کوئی ایسي جرأت کرے ' وہ اُنکے نزدیک مجرم ھے - کیونکه اُنکے خیال میں وہ عربي علم ادب کي عظمت گھٹانے والا ھے - اُنکے نزدیک بڑا محقق وہ ھے جو ادبي قصص و محاضرات کے ھر وجود پر علمي ایمان رکھتا ھو' اور ھر افسانۂ شعري ' حقیقت کے لباس میں دیکھتا ھو - کیونکه اُنکے خیال میں ایسا کرنے سے عربي عظمت بڑھتي اور عربي ادب کي خدمت ھوتي ھے ' اور اسلیے ایسا کرنے میں حقیقت کي پروا کرنا ضروري نہیں - آنکھیں بند کر لیني چاھئیں ' اور جہل و اعتراف کي وادیوں میں بڑھے چلنا چاھیے !

وہ علم و ادب میں بھي وھي راہ اختیار کرني چاھتے ھیں جو سیاست میں اختیار کي جاتي ھے - صرف جذبات برانگیختہ کرو اور مرحبا کے نعرے سنو ! بلا شبه اِس طرح تم اِن لوگوں کو خوش کردے سکتے ھو - لیکن افسوس ھے که اس طریقه میں اُن لوگوں کیلیے کوئي دعوت نہیں ھوسکتي جو قوم ' ملک ' اور جماعت کي رضامندي دیکھنے سے پہلے علم ' حقیقت ' اور دیانت کے چشم و ابرو پر نظر رکھتے ھیں !

(شعراء غزلیئین)

بد قسمتي یا خوش قسمتي سے میں نے علم اور ضمیر کي رضا مندي کو لوگوں کي تعریف وتحسین پر ترجیح دے رکھي ھے - یہي سبب ھے که آج میں بغیر کسي احتیاط اور پیش بندي کے اعلان کرتا ھوں که شعراء کي وہ جماعت ' جسے میں " اھل غزل " کے نام سے پکارتا ھوں ' عربي ادب کي تاریخ میں وہ درجه نہیں رکھتي تھي جو آج لوگوں نے اُسے دے رکھا ھے -

یه شعراء در اصل دو نمایاں قسموں میں بٹے ھوئے ھیں - دونوں کے متعلق میرے خاص خیالات ھیں - ایک قسم "خیالي شعراء" ("شعري سیرتوں") کي ھے - اسمیں مجنوں ' قیس بن ذریح ' عروہ بن حزام ' جمیل بن معمر ' وغیرہ داخل ھیں - دوسري قسم "حقیقي شعراء" کي ھے - یه وہ لوگ ھیں جو نه تو خیالي محبت کے قائل تھے - نه فکري مراتب عفت وتنزہ کے دلدادہ تھے - وہ ھر ارضي انسان کي طرح زندگي اور اُسکي آلودگیوں سے آلودہ ھوئے اور اپنے اشعار میں اُنکے راگ گاتے رھے - اِس جماعت کا سرگروہ "عمرو بن ابي ربیعه" ھے -

ھاں ' مجھے عمرو بن ابي ربیعه کے تاریخي وجود سے انکار نہیں - میں یه بھي تسلیم کرتا ھوں که جتنے اشعار اُسکي طرف منسوب ھیں ' اکثر اُسي کے ھیں ' اور یه که اُسکي شخصیت اُس زمانه میں بھي تقریباً ویسي ھي تھي ' جیسي اس زمانه میں ھم تصور کرتے ھیں - یہي حال کثیر اور عبیداله بن قیس الرقیات کا ھے -

(قیس مجنوں)

لیکن مجھے قیس بن ملوح (مجنوں) کے بارے میں پورا شک ھے - میں اُسے تاریخي شخص یقین نہیں کرتا - میں تسلیم نہیں کرتا که اس نام کا کوي شاعر موجود تھا اور لوگ اُسے جانتے اور اُسکے منھ سے اشعار سنتے تھے - مجھے یه بھي یقین نہیں که جو اشعار اُسکي طرف منسوب ھیں ' اُسي کے ھیں - میں خیال کرتا ھوں که قیس بن ملوح (مجنوں) من جمله اُن خیالي آدمیوں کے تھا جنھیں جماعتیں اپنا کوئي خاص تخیل یا زندگي کا کوئي خاص اسلوب ظاھر کرنے کے لیے فرض کر لیا کرتي ھیں (یعني افسانۂ و شعر کي ایک خیالي سیرۃ) میرے خیال میں قیس بن ملوح ایک خیالي شخص ھے - شعر کے راویوں اور داستاں سراؤں نے اُسے شعري و عشقي ضرورتوں سے ایجاد کیا تھا - تا که مجالس و محافل کي دلچسپیوں کا سامان کریں - یا وقت کي ایک ادبي و شعري ضرورت پوري کردیں -

یہاں پر میں اُن اصحاب کو مخاطب کیے بغیر نہیں رہ سکتا جنھوں نے مجنوں کے سچے عشق اور رقیق جذبات کي ثنا خواني میں بے فائدہ کوشش کي ھے - اگر وہ اس کي جگه یه بات دکھاتے که مجنوں ' عہد اموي کے بعض خیالات و جذبات اور شعر و نثر کے خاص خاص اُسلوبوں کا رمز و مظہر ھے ' تو اُنکي کوشش زیادہ مفید ھوتي ' اور اُموي دور کي ایک ایسي خصوصیت ظاھر ھو جاتي جسے عہد عباسي نے شروع ھوکر اپنے لھو و لعب اور جسماني عیش و عشرت کے سیلاب میں ھمیشه کے لیے غرق کردیا -

مجنوں پر ایمان رکھنے والوں کو سمجھه لینا چاھیے که یه قصه محض افسانه ھے - صحیح تنقید ھرگز اِس کا وجود تسلیم نہیں کر سکتي - اُس شخص کے بارے میں تم کیا فیصله کروگے - جسکے نام نسب ' قبیله ' اور واقعات میں اتفاق کي جگه سخت اختلاف ھو ؟ اِس سے بھي بڑھه کر یه که راوي خود اُس کے وجود پر متفق نه ھوں اور اُسکے حالات سخت مشتبه لہجه میں روایت کرتے ھوں ؟

ایسے شخص کے بارے میں تمھاري رائے کیا ھو سکتي ھے جس کے واقعات ابو الفرج اصفہاني صرف اس وجه سے روایت کرنا چاھتا ھے که اس کا موضوع اُسے مجبور کرتا ھے ؟ پھر لطف یه که روایات کي صحت کي ذمه داري لینے سے اسے پوري طرح انکار ھے - وہ پورا بوجھه اصلي راویوں کي گردن پر ڈال دیتا ھے اور خود الگ ھو جاتا ھے - راویوں کے متعلق ھمیں معلوم ھے که وہ ' بجز رواۃ حدیث کے ' زیادہ محتاط نه تھے - اکثر مشتبه واقعات بھي بیان کر جاتے تھے - لیکن باوجود اپني اس بے احتیاطي کے وہ مجنوں کے بارے میں اختلاف رکھتے ھیں اور اُسکے وجود سے انکار کرتے یا شک ظاھر کرتے ھیں - نیز اُسکا نام ' نسب ' حلیه ' اور سوانح حیات بالاتفاق بیان نہیں کرسکتے - پس جب خود اصل راویوں کا یه حال ھے ' تو کیا ھمارے لیے یه سمجھنا نا مناسب ھوگا که مجنوں محض ایک افسانه ھے ؟

دنیا مین

کتب فروشی کا عظیم مرکز

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاهی سے گھبرا گئے هیں' تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کرلی گئی هوں ؟

ایسا مقام موجود هے :

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جسے ملک معظم برطانیه اور انکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل هے !

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیه اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقه ممالک میں شایع هوتا هے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانونکی تمام کتابیں

نئی اور پرانی ' دونوں طرحکی کتابیں

تمام دنیا کے هر قسم اور هر درجه کے نقشے

هر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے هر قسم اور درجه کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ همارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے هیں

همارے یہاں سے

هر چھه ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع هوا کرتی هے

هے ' تو اِس كي بنياد غالباً اسي طرح اور اسي عهد ميں پڑي تهي -

اگر ايک طرف شاهي و تاجداري كي پيدايش اور اُس كي درجه به درجه ترقي سامنے ركهي جاے' اور دوسري طرف تصور الهي كي اس كڑي پر اور اُسكي تمام ارتقائي كڑيوں پر نظر ڈالي جاے ؛ تو به يک نظر واضح هوجايگا كه دوسرا تصور ' ٹهيک ٹهيک پہلے كا عكس هے ' اور دونوں نقشے ايک هي ذهني مبدء سے نكلے هيں - انسان نے ايک هي زمانه ميں اور ايک هي طرح كے ذهن و خيال سے حكومت و كبريائي كے دو تخت بنائے - ايک زمين پر آراسته كيا - دوسرا آسمانوں كي ملكوتي فضا ميں بچها ديا - ايک پر وه اپنے ابناء جنس كو بٹها كر اُن كے سامنے اطاعت و غلامي كا سر جهكاتا - دوسرے پر اپنے خدا كا جاه و جلال ديكهكر سر بسجود هو جاتا -

يه جو مختلف قوموں كے قديم الهي تصورات ميں هم ديكهتے هيں كه چهوٹے اور بڑے خداؤں كي تقسيم كي گئي ' هر جگه كيليے محلي (مقامي) خداؤں اور آسماني سر پرستوں كا تخيل پيدا هوا - نذر' بهينت ' اور قرباني' كي پيش كش ضروري سمجهي گئي' تقرب الهي كے ليے وسائط و وسائل كے عقيده نے رواج پايا ' بڑے خدا تک پهنچنے كيليے چهوٹے خداؤں كي شفاعت ضروري تصور كي گئي ' معبودوں كے غضب و انتقام سے بچنے كيليے طرح طرح كے مادي اعمال استعمال ميں لائے جانے لگے ' خدا كي تمثيلي صورت كي نشست كيليے تخت يا تخت كے قسم كي كوئي چيز ضروري سمجهي گئي ' اُس كے سر كي آراستگي كيليے " تاج " بهي وضع كيا گيا ' اور اُس كي حكمراني كے انصرام اور مشوروں كيليے دربار اور دربار كے اركان بهي پيدا هوگئے ؛ تو يه تمام باتيں في الحقيقت دنيا كي شاهي و حكمراني هي كا پرتو هيں -

دنيا ميں جس وقت سے شاهي و حكمراني كي بنياد پڑي هے ' يه تمام باتيں اُس كے لوازم و خصائص ميں سے سمجهي جاتي هيں اور مفهوم حكومت كے بنيادي اجزاء هيں - طاقت اور اختيار كي سب سے بڑي بڑائي پادشاه كيليے هوتي هے - ليكن پادشاه بذات خود تمام كار و بار حكومت انجام نهيں دے سكتا اور نه دينا پسند كرتا هے - اُس كے ماتحت وزير و امير هوتے هيں ' اور وه احكام شاهي كے مطابق تمام كام انجام ديتے هيں - اسي چيز نے تصور الهي ميں بڑے معبود اور چهوٹے معبودوں كا تخيل پيدا كيا - خيال كيا گيا كه چهوٹے معبود بڑے معبود كے نيچے رهكر كائنات قدرت كے تمام كار و بار انجام ديتے هيں -

يهيں سے تصور الهي ميں " تقسيم عمل " كا تخيل بهي ترقي پذير هوا - حكومت اور انتظام كے هر صيغه كے ليے كوي ايک امير اور وزير مقرر هوتا اور هر بستي اور شهر كے اوپر كوي ايک حاكم با اختيار هوتا - پادشاه سب كے اوپر تها ' ليكن رعايا كا علاقه اپنے اپنے حاكموں سے تها - براه راست پادشاه سے نه تها - حاكموں اور وزيروں كو اختيار پادشاه هي سے ملتا هے ' ليكن جب مل جاتا هے ' تو وه اپنے اپنے دائرۂ حكومت ميں خود مختار هوتے هيں - رعايا كا فرض هوتا هے كه اُنهي كے كهے پر چلے اور اپني ساري داد فرياد اُنهي كي چوكهٹوں پر لے جاے - اسي تقسيم عمل اور حكومت بالوسائط كا نقشه تصور الهي ميں بهي قائم هوا - اور پہلے كارخانۂ كائنات كے هر صيغه كے ليے الگ الگ خداؤں كي ' پهر زمين كے هر حصے اور آبادي كے ليے محلي خداؤں اور كارسازوں كي تقسيم عمل ميں آئي - يه بات كه خدا تک براه راست كوئي نهيں پهونچ سكتا - هر انسان كي پهونچ صرف درميان كے وسيله هي تک هو سكتي هے ' اور اُسي كے وسيله سے وه معبود حقيقي تک پهونچ سكتا هے ' ٹهيک ٹهيک يهي بات تهي كه كوي آدمي براه راست پادشاه تک نهيں پهونچ سكتا - هر شخص كي پهونچ صرف اپنے اپنے حاكموں اور وزيروں اميروں هي تک هوسكتي هے - وه چاهيں تو دربار شاهي تک بهي پهنچاديں -

پادشاهوں تک عوام كا براه راست نه پهنچ سكنا ' شاهي عظمت و كبريائي كے تخيل كا نتيجه تها - بنياد اس خيال كي يه تهي كه جو شخصيت جس قدر بهي عوام كي رسائي سے بلند هوگي ' اُتني هي عظيم اور مقدس هوگي - جوں جوں يه تخيل پادشاهوں كي شخصيت كے ساتهه ترقي كرتا گيا ' اور اُن تک پهنچنے كے ليے نئے نئے واسطے اور وسيلے بنتے گئے ' خدا كے تصور ميں بهي ايک منظم سلسلۂ وسائل كا تخيل پيدا هوتا گيا - اس تخيل كي انتها يه تهي كه كوي انسان معبود حقيقي سے واسطه پيدا هي نهيں كر سكتا - اُسكا علاقه جو كچهه بهي اور جيسا كچهه بهي هے' صرف وسائط سے هے - يعنے اُن كار فرما طاقتوں سے هے جن كے سپرد تدبير عالم كا تمام كارخانه كر ديا گيا هے - اسي طرح نذرانه' پيش كش ' قرباني ' بهي ٹهيک ٹهيک وهي بات هے ' جو ايک طرف انساني پادشاهي و سروري كے ليے وجود ميں آئي ' دوسري طرف تصور الهي ميں بهي سرايت كر گئي -

علم مصريات Egyptiology سے مصر كے قديم الهي تصورات پر نهايت قيمتي روشني پڑي هے - اس سے معلوم هوتا هے كه مصريوں كے سب سے زياده قديم معبود وهي تهے جنهيں محلي يا جماعتي معبود كهنا چاهيے - حضرت مسيح (عليه السلام) سے تقريباً نو هزار برس پہلے تمام سر زمين مصر محلي معبودوں ميں منقسم تهي - اِس عهد كے ايک هزار برس بعد ، يعنے ٨٠٠٠ - قبل مسيح) ميں ايسے معبودوں كا تصور پيدا هوا جو محلي نه تهے - مثلاً " اوزي ريس " اور اُس كے ثالوث كي پرستش شروع هوي جو انسانيت كا ديوتا تسليم كيا جاتا تها - بعض كتبوں سے معلوم هوتا هے كه اس عهد كے بعد مشرق سے كواكب پرستي كا تخيل مصر پهنچا اور " رارب " (سورج كے ديوتا) كا عالمگير اقتدار تسليم كر ليا گيا - هيرودوٹس اگرچه اس عهد كے هزاروں برس بعد مصر پهنچا هے ' ليكن اُس نے بهي يه پراني روايتيں معلوم كي هيں - وه لكهتا هے كه " مصر كے قديم زمانے مين هر هر بستي كيليے الگ الگ خدا تها - جب ايک آدمي اپنے گانوں سے نكل كر كسي دوسرے گانوں ميں جاتا تها' تو جب تک وهاں رهتا' اپنے گانوں كے خدا كي پرستش ترک كرديتا اور اُسي دوسرے گانوں كے خدا كي پوجا كرتا " كيونكه وه لوگ يقين كرتے تهے كه ايک مقام كا خدا صرف اپني هي حكومت ميں كارسازي كي قدرت ركهتا هے - دوسرے مقام كے انتظامات ميں دست اندازي نهيں كر سكتا " !

مصر كي طرح هندوستان بهي تاريخ تمدن كي سب سے بڑي قدامت ركهتا هے - يهاں بهي محلي اور قبائلي معبودوں كا تصور' اقتدار الوهيت كي درجه بدرجه تقسيم' كارخانۂ كائنات كے نظم كيليے تقسيم عمل ' اور اسي طرح كے تمام تخيلات ' اسي عهد كے نشؤ و نما كا پته ديتے هيں -

يونانيوں كے تصور نے تو كوه المپس كے معبودوں كا ايک پورا دربار حكومت ترتيب ديديا تها جسكا مرقع آج تک در و ديوار كي آرايش كا كام دے رها هے اور جسكے مناظر هومر كي زندۂ جاويد الیڈ ميں بار بار

تفسیر سورہ فاتحہ کا ایک صفحہ

انسانی تصور الہی کی تکمیل

اور

اس کا سلسلۂ ارتقا

(۲)

(دور قہر و جلال)

گذشتہ نمبر میں اس دور کی شرح و تفصیل کا صرف ابتدائي حصہ درج ہوسکا - جس مقام پر پچھلا مقالہ ختم ہوا ہے ' اسکے بعد مسودہ میں مزید شرح و تفصیل ہے - خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ علم الآثار اور قدیم اصنامی و مذہبی روایات و قصص سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس ابتدائي دور میں تصور انسانی درجہ بدرجہ حسب ذیل منزلوں سے گزرا - یہ گویا اس سلسلۂ ارتقا کی پہلی اصولی کڑی کی فرعی کڑیاں تھیں :

(۱) ایک مجہول خوف و دہشت کا تصور -
(۲) ابتدائي تشخص و تعین -
(۳) مظاہر فطرت کی مہلک اور سلبی قوتوں کا تصور -
(۴) خوفناک اور مہلک جانوروں میں ما فوق الطبیعۃ طاقتوں کا تخیل -
(۵) غیر مرئي دیوتاؤں کا تصور -
(۶) دیوتاؤں کے تصور میں ترتیب و نظم کا ظہور -
(۷) کائنات فطرت کے اعمال و مظاہر میں تقسیم عمل کا تصور - یعنی اس تصور کی ابتدا کہ ہر چیز کی تخلیق و نگرانی کیلیے الگ الگ خدائي طاقتیں ہیں - آگے چلکر یہ تقسیم عام ہوگئي - لیکن اس دور میں صرف فطرۃ کے سلبی اور تخریبی افعال میں ہوئي تھی -

(صفات رحمت و جمال کی آمیزش)

ایک مدت تک ذہن انسانی صرف صفات قہر و جلال ہی کا تماشائي رہا - خود اُسکا ذہنی مزاج بھی ابھی رقیق و لطیف صفات کے نشو و بلوغ سے محروم تھا ' اسلیے وہ خداکے تصور میں بھی اُن کا جلوہ نہیں دیکھہ سکتا تھا - لیکن جب کچھہ عرصہ کے بعد انسان کی مدنی زندگی نے چند قدم آگے بڑھاے اور اجتماعی معیشت میں ترقی ہوي ' تو معیشت کے نظم ' روابط کے قیام ' علائق کی وسعت ' زندگی کے امن ' اور عقل و ادراک کے منجھہ جانے سے فکر و احساس کا دائرہ اُتنا تنگ نہیں رہا ' جس قدر پہلے تھا - اس لیے قدرتی طور پر اُسکے جذبات و امیال کی کیفیت میں بھی ترقی ہوي ' اور ابتدائي زندگی کی سختی اور نا تراشیدگی کی جگہ رقت و لطافت کے احساسات اُبھرنے لگے - اس حالت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تصور الہی کے دائرہ میں بھی ایک نئي وسعت پیدا ہو گئي ' اور نئے نئے جذبات سے وہ آشنا ہونے لگا -

یہ تصور الہی کی دوسری اصولی کڑی ہے - اس منزل میں پہنچ کر انسان نے دیکھا کہ خدا کا چہرہ اگرچہ غضب و ہیبت کے خال و خد سے ہولناک ہے ' لیکن کبھی کبھی اس پر رحمت و جمال کا تبسم بھی طاری ہو جاتا ہے - یہ تبسم ابتدا میں بہت ہلکا تھا - جوں جوں انسان کے لطیف جذبات منجھتے گئے ' یہ تبسم جمال بھی زیادہ نمایاں اور دلاویز ہوتا گیا - یہانتک کہ انسان کے تصور الہی میں قہر و جلال کے ساتھہ ' رحمت و جمال کے تصور کا عنصر بھی شامل ہوگیا -

یہ رحمت و جمال کے دور کی ابتدا تھی - اس دور میں خدا کی ایجابی صفات کا تصور بالکل ابتدائي اور ناقص حالت میں شروع ہوتا ہے ' اور ایک خاص حد تک نشو و نما پاتا ہے - ابتدائي درجہ میں اسکا عنصر بہت خفیف ہوتا ہے - آگے چل کر زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے - تاہم مجموعی حیثیت سے غلبہ قہر و جلال کی صفات ہی کا رہتا ہے -

(تجسم و تمثل کا دوسرا قدم)

اِس دوسرے دور میں تجسم و تمثل (یعنی خدا کی صفات کو مخلوق کی صفات کی طرح تصور کرنے) نے بھی ایک بہت ہی سست قدم آگے کی طرف بڑھایا - تنزیہہ کی منزل ذہن انسانی کیلیے بڑی مشکل اور بڑی ہی دور کی منزل تھی - اسلیے اس راہ میں اُسکے قدم تیز نہیں اُٹھہ سکتے تھے - تاہم اُٹھتے تھے ' اور اہستہ اہستہ تمثل کی سطح بلند ہوتی جاتی تھی -

پہلے تمثل سرتا سر ادنی قسم کے حیوانی صفات کا تھا - کیونکہ خود انسانی صفات بھی اسی درجہ میں تھیں - پھر انسان کی معنوی ترقی کے ساتھہ ساتھہ تمثل کی نوعیت میں بھی ترقی ہوتی گئي ' اور اونچے درجہ کی حیوانی صفات سے تصور آشنا ہوگیا - پھر اس میں بھی ترقی ہوئي - انسانی اور کائناتی صفات و اعمال میں سے جو صفات و اعمال اونچے درجے کے انسان کی نظروں میں آ سکتے تھے ' اُن سے خدا کا تصور آراستہ کیا جانے لگا -

(الوہیت اور شاہیت)

مثلاً جب اجتماعی معیشت کی ترقی و وسعت سے حکومتوں اور حکمرانوں کا ظہور ہوا ' اور طاقتور انسانوں نے کمزور افراد کو مسخر کرکے اپنی شاہی و مالکی کی عظمت و سطوت پیدا کرلی ' تو ذہن انسانی کے سامنے طاقت اور اقتدار کا ایک نیا پر شکوہ نمونہ آگیا - اسلیے قدرتی طور پر وہ خدا کے تصور میں بھی ایک طرح کی شاہی و حکمرانی کا جاہ و جلال دیکھنے لگا ' اور ساز و سامان حکومت کے وہ تمام اجزاء اُس میں بھی پیدا ہو گئے ' جو دنیا کے پادشاہوں اور انکے درباروں میں پیدا ہوگئے تھے - یہ جو آگے چلکر خدا کے عالمگیر تصور میں ایک شہنشاہ اور اُسکے دربار حکومت کے تمام لوازم کا تخیل سرایت کرگیا - حتی کہ آج خدا کا نام سنتے ہی ہمارے تصور میں ایک بڑے پادشاہ کے تخت عظمت و جلال کا نقشہ پیدا ہوجاتا

همارے سامنے آتے هیں - اس دربار میں زفس یا زیوس Zeus (مشتري) عصاء شاهي هاتهه میں لیکر تخت ریاست پر متمکن هوتا - هیرا اُسکي بیوي ملکه کي طرح اُسکے بائیں جانب بیٹهتي - دونوں طرف تخت کے نیچے بقیه معبود اور دیوتا بیٹهتے ' اور هیبیا Hebe (زفس کي بیٹي اور شباب کي دیوي) ساقي گري کا فرض انجام دیتي - هومر الیڈ کي چوتهي نظم شروع کرتے هوے کهتا هے :
" دیوتاؤں نے زفس کے گرد مجلس شوری آراسته کي - سنهري ایوان میں سب جمع هوئے - هیبیا نے عیش و نشاط کے جاموں کو گردش دي " الخ

هندوستان اور یونان ' دونوں نے اپنے معبودوں کیلیے سر بفلک پهاڑ کي پراسرار چوٹیاں منتخب کي تهیں- هندوستان میں هماله کي برف آلود چوٹیاں دیوتاؤں کا مسکن اور دربار بنیں - یونانیوں کے پاس هماله جیسا پهاڑ نه تها ' لیکن اِلمپس کي ابر آلود چوٹیاں کافي بلند تهیں - اُنهوں نے خیال کیا ' ابر کے پر اسرار اور هیبت انگیز پرده کے پیچهے اُن کے معبودوں کا دربار جاه و جلال آراسته هے !

دیوتاؤں کیلیے طرح طرح کي سواریوں کا تخیل ' هندوستان ' یونان ' اور مصر کے مقدس رتهه ' آشور اور بابل کے تخت رواں ' ایران کا عجیب الخلقت مرکب ؛ سب اسي تخیل کے برگ و بار هیں - هندوستان ' مصر ' یونان ؛ تینوں نے معبودوں کي سواري کے جلوس اور تزک و احتشام کے سامان ویسے هي آراسته کیے تهے ' جیسے پادشاهوں کي سواریاں اُن وقتوں میں نکلا کرتي تهیں - علم و تاریخ کي خوش قسمتي سے اُن عهدوں کي شاهیت اور الوهیت : دونوں کے نقشے همارے سامنے آگیے هیں !

پادشاهت اور اُلوهیت کے اسي تماثل کا نتیجه تها که دونوں میں ایک عجیب طرح کا مخفي لزوم و علاقه پیدا هوگیا - یعني دونوں باهمدگر ایک دوسرے کے تخیل سے اِسطرح متاثر و منفعل هونے لگے که ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ' اور دوسرے کے اثر سے پهلا متاثر هوتا - کیونکه دو قریب قریب اور متماثل تخیل به یک وقت نشوؤ نما پانے لگے تهے - اگر ایک طرف شاهي و سروري کے اعتقاد نے خدا کے تخیل میں اپنا ساز و سامان حکومت پیدا کر دیا ' تو دوسري طرف خدا کے تصور کي شان الوهیت و تقدیس ' شاهي و سروري میں بهي پیدا هوگئي ' اور اس طرح ذهن انساني کے لیے دو هم شکل چیزوں میں حد امتیاز قائم کرنا دشوار هوگیا -

یهیں سے انساني پادشاهت میں شان اُلوهیت و کبریائي کے اعتقاد کي بنیاد پڑي - هندوستان ' مصر ' دو آبۂ دجله ؤ فرات ' اور ایران ' قدیم تمدن کے چار بنیادي مقامات هیں ' لیکن ان چاروں جگهوں کي تاریخ میں شاهي و سروري کے تاج کے گرد ' اُلوهیت و سماویت کا مقدس هاله نظر آ رها هے - هندوستان اور مصر میں پادشاه کا منصب ایک آسماني منصب تسلیم کیا گیا - اُن کے خاندان ' نسب ' پیدایش ' نشو و نما ' موت ' اور هر طرح کے معاملات میں غیر انساني قسم کے اسرار و رموز کي تقدیس پیدا هوگئي - وه خود بهي ایک دیوتا هوگئے ' خدا کا مظهر ' اوتار ' اور پهر زیاده هلکے لفظوں میں خدا کا سایه تسلیم کیے گئے ' اور " مشبه " اور " مشبه به " کا امتیاز اس طرح اُٹهه گیا که اب اس کا فیصله دشوار هو گیا هے که ان دونوں چیزوں میں " مشبه " کون تها اور " مشبه به " کسے قرار دینا چاهیے ؟

یه جو تمام قدیم قوموں میں اُنکي پادشاهتوں کي ابتدا دیوتاؤں سے تسلیم کي گئي هے ' یا پادشاهوں کا سلسلۂ نسب اجرام سماویه سے ملا دیا گیا هے ' یا پادشاهت کي ابتدا آغاز خلقت کے کسي ایسے عهد سے هوتي هے جب دیوتاؤں اور آسماني طاقتوں کے ما وراء طبیعت کارنامے انجام پا رهے تهے ؛ تو یه بهي اِسي صورت حال کا قدرتي نتیجه هے - قدیم مصریوں کا عام اعتقاد تها که تخت مصر پر پهلا دور دیوتاؤں کي براه راست حکومت کا گزرا هے - دوسرا دور ایسے انسانوں کي حکومت کا تها جن میں پوري نهیں آدهي دیوتائي تهي - بیس هزار برس جب ان دونوں دوروں پر گزر چکے ' تب انسانوں کا دور حکومت شروع هوا - هندوستان میں بهي چندر بنسی اور سورج بنسي خاندانوں کا تخیل قائم هوا ' جنکا سلسلۂ نسب چاند اور سورج پر جا کر ختم هوتا هے - آشوریوں اور بابلیوں کا بهي یهي خیال تها - وه کهتے تهے ' پادشاهت کا سب سے پهلا سلسله سورج دیوتا سے شروع هوا هے -

انساني پرستش کے تخیل نے بهي اسي دور میں نشوؤنما پائي - تمام ایسے انسان جو عام سطح سے کوئي بلند طاقت حاصل کر لیتے تهے ' به آساني دیوتاؤں کا درجه حاصل کر لیتے - عجب نهیں اِس کي ابتدا اِسي الوهیت اور پادشاهت کے تشابه سے هوئي هو -

مظاهر فطرة کي پرستش کے سلسله میں اجرام سماوي کي پرستش بهي اسي دور میں شروع هوئي ' اور انساني تخیل نے به تدریج اپنے ماحول سے متاثر هوکر اُن کي جسماني شکل و شباهت وضع کر لي - غالباً کواکب کي مختلف جسماني صورتیں سب سے پہلے دو آبۂ دجلۂ و فرات میں پیدا هوئي هیں - اُس کے بعد مصر اور یونان میں کواکبي اصنام کي پرستش کا ظهور هوا ' اور اُن کي اِلهي روایات نشوؤ نما پانے لگیں - پهر ایک مدت کے بعد جب علم هئیة کي ابتدائي معلومات سے انسان آشنا هوا ' تو کواکب پرستي کے تخیل میں زیاده نظم و اسلوب پیدا هوگیا ' اور ذهن و فکر کي رقت و لطافت ترقي کرنے لگي -

مختارات

شرم اور خاموشي ' عورت کا بهترین زیور هے — اربیڈس

تهوڑي فرقت محبت کو بڑهاتي ' اور زیاده فرقت محبت کو قتل کر ڈالتي هے — میرابو

عورت کے محبت بهرے دل سے زیاده بڑي چیز دنیا میں کوئي نهیں — لوتهر

عورت اس لیے پیدا کي گئي هے که مرد کو مانوس کرے — والٹیر

مرد کو خدا سے همیشه دعا کرني چاهیے که عورت اُس کي حقیقت نه جاننے پائے — تهیکرے

ادم سب سے زیاده خوش نصیب انسان تها - کیونکه اُس کي ساس نه تهي — پارفیه

(اتفاق سے ایک شعري خطاب)

" اتفاق ' آه تم کیا جانو اتفاق کیا هے ؟ اتفاق ایک سفید کبوتر هے جو اپني چونچ میں زیتون کي شاخ لیے هوئے ' نااتفاقي کے طوفان سے نجات دینے کي خوش خبري سنا رها هے !

اتفاق چهچهاتي هوئي ایک بلبل هے اور اپنے شیریں راگوں سے غمزده دلوں میں طرب پیدا کر رهي هے !

اتفاق ' خوبصورت عندلیب هے - آسمان میں اڑتي چلي جاتي هے ' اور وهاں سے نسیم جنت بن کر واپس آتي هے !

اتفاق ' آسماني فرشته هے جو اپنے نوراني پر بهادر روحوں پر پهیلا دیتا هے ! "

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

Printed and Published by

Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta

Editor: Maulana Abu-al-Kalam Azad.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (القرآن الحکیم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۱ | کلکته : جمعه ۲۷ ـ صفر ۱۳٤٦ هجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 26, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی ۔
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای ۔
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی ۔ اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ۔ لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکهیی ۔ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیي سب سی زیاده اهم مسئله هی ۔ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔
الهلال

قاریین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ٦٥٧ مراسلات وصول هوی هین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۸٤	اردو حروف کی حق مین	۲۱۰
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۱۲۱	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۱۸٦	نستعلیق هون	٥٦

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی ۔

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی ۔ آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین ۔
الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول - -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے - -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي - - -	سات روپیه
قیمت في پرچه - - -	پانچ آنه

---

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لیلی مجنون

از ڈاکٹر طاهه حسین

(۲)

قیس کے بارے میں عام راوی تو صرف اختلاف بیان هی پر قانع هیں لیکن ثقه راویوں کو انکار یا شک میں تامل نہیں ہے - میں تمام اقوال پیش کرکے تحریر کو طول دینا نہیں چاهتا - آغانی کی پہلی اور دوسری جلد میں کافی ذخیرہ موجود ہے ' اور بآسانی دیکھا جا سکتا ہے -

بعض راویوں کا انکار تو اس درجه تک بڑھ گیا تھا که وہ کہتے تھے :

" بنی عامر (مجنوں کے قبیله) کے دل اِس قدر ٹھوس هیں که ان میں اِتنی زیادہ محبت هو هی نہیں سکتی - هاں بے عقل باشندگان یمن سے یه بعید نہیں - لیکن بنی نزار اِس سے کوسوں دور هیں "

ایک اور راوی تصریح کرتا ہے :

" میں قبیلۂ عامر کے ایک ایک خاندان میں پھرا اور سب سے مجنوں کے متعلق سوال کیا - مگر کسی نے بھی اُس کی واقفیت کا اظہار نہیں کیا - بلکه سخت انکار کیا "

ایک دوسرے راوی کا بیان ہے :

" میں نے بنی عامر کے ایک بدوی سے مجنوں کا حال پوچھا - اُس نے بہت سے عامری مجنونوں کے نام بتائے اور اُن کے اشعار سنائے مگر قیس بن ملوح کے وجود سے برابر انکار کرتا رها "

پھر اُن راویوں پر نظر ڈالو جو اس مجنوں کے واقعات کے راوی هیں - وہ خود آپس میں سخت اختلاف رکھتے هیں ' حتی که اُس کے نام تک پر متفق نہیں - کوئی قیس بتاتا ہے - کوئی مہدی کہتا ہے - کوئی اقرع قرار دیتا ہے - کوئی بحتری پر زور دیتا ہے - پھر اُس کے حسب و نسب کے بارے میں اختلاف شروع هوجاتا ہے - پھر خود اُس کا جنون بھی سب تسلیم نہیں کرتے - کوئی کہتا ہے ' وہ بالکل دیوانه تھا - کوئی اُسے عاقل گردانتا ہے - اصمعی کا قول ہے " وہ مجنوں نہیں تھا - صرف ابو حیه نمیری کی طرح تھوڑی سی سنک تھی " اِس کے بعد یه بحث شروع هوتی ہے ' آخر وہ مجنوں کیسے مشہور هوا ؟ بعض کہتے هیں " وہ پہلے هی سے دیوانه تھا " بعض اِس کے خلاف هیں اور یه وجه بیان کرتے هیں که " اُس نے ایک شعر میں اپنے آپ کو مجنوں کہا تھا - اِس لیے اُس کا یه لقب پڑگیا جیسا که بہت سے شعراء کا حال ہے - مثلاً نابغه " اختلاف ابھی ختم نہیں هوتا ' بلکه جنون کے سبب تک پہنچتا ہے - کچھ لوگ کہتے هیں " محبت نے اُسے دیوانه بنا دیا تھا " بعض کہتے هیں " در اصل اُس نے اپنے ایک شعر میں خدا کی مشیئت پر اعتراض کیا تھا ' اس لیے خدا نے اُس پر اپنا قہر نازل کیا ' اور دیوانه هوگیا وہ شعر یه ہے : (اور کیا بے نظیر شعر ہے !)

قضاها لغیری و ابتلانی بحبها
فهلا بشیئ غیر لیلی ابتلانیا ؟

(خدا نے میری محبوبه کو تو دوسرے کے لیے کردیا - لیکن مجھے اُس کی محبت میں مبتلا کردیا - کیا یه نہیں هو سکتا تھا که لیلی کے سوا مجھے کسی دوسری مصیبت میں مبتلا کر دیا جاتا ؟)

بعض راوی اِس کا رد کرتے هیں - اُن کا بیان ہے که خدا کا قہر جنون کی شکل میں نہیں بلکه برص کی شکل میں اُترا تھا - غرضکه جتنے منهه اُتنی هی باتیں هیں - ایسی صورت میں کون یقین کر سکتا ہے که مجنوں جیسا کوئی مشہور شخص دنیا میں کبھی موجود تھا ؟

بلا شبه یه اعتراض پیدا هوتا ہے که اگر مجنوں موجود نه تھا تو یه پورا قصه کہاں سے آگیا ؟ اس کا جواب خود ادب اور شعر کے راویوں نے دیدیا ہے - ابن کلبی لکھتا ہے :

" بنی امیه کا ایک نوجوان اپنی چچیری بہن پر عاشق هوگیا تھا - جوش عشق میں اُس نے اشعار کہے - پھر ڈرا ' مبادا راز کھل جائے اور طرفین کی رسوائی هو - لہذا اُس نے اس راز داری کے لیے مجنوں کا نام اختراع کرلیا اور اپنے اشعار اُس کی طرف منسوب کردیے "

پھر هم یه بھی جانتے هیں که اُس زمانه میں شعر و ادب کے ایسے راوی موجود تھے جنکا کام محض لوگوں کا دل بہلانا اور گرمی صحبت کے لیے داستانسرائی کرنی تھی - وہ اشعار و حکایات بناتے تھے اور بصرہ ' کوفه ' بغداد وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں پھیلا دیتے تھے - جس طرح آج کل کے بعض اخبار نویس لندن اور پیرس میں طرح طرح کے افسانے مشہور کردیا کرتے هیں - یه معمولی لوگ نه تھے - اِن میں ایسے ایسے لوگ بھی داخل تھے جنھیں آج کل ثقه راوی یقین کیا جاتا ہے - اِنھوں نے اشعار و حوادث گڑھنے میں غیر معمولی مہارت حاصل کی تھی - وہ صاحب علم و فکر تھے - اس لیے اُس زمانه میں بھی عوام اُنھیں صادق و معتبر سمجھتے تھے اور ان کی روایت بغیر شک و شبه کے قبول کر لیتے تھے - اس طرح کے راویوں میں سے دو راویوں کے نام میں یہاں پیش کرونگا - " حماد راویه " اور " خلف احمر " اِن دونوں شخصوں نے بے شمار مصنوعی واقعات اور اشعار بنائے هیں - یه دونوں عربی زبان کے ماهر اور بدوی قبائل سے بھی بہتر عربیت کے اسرار و دقائق جاننے والے تھے - دونوں اپنے دین میں متہم اور لہو و لعب کے دلدادہ تھے - بعض هم عصر شعراء انکے شریک حال هوگئے تھے - اسلیے ان کے راز جانتے تھے اور انکی صداقت میں شبه کرتے تھے -

یه حال صرف رواۃ ادب و شعر هی کا نہیں ہے - اهل علم جُانتے هیں که انساب ' سیر ' اور فتوح و غزوات کے بہت سے راوی بھی ایسے هی تھے - سیرت ابن هشام اٹھاکر دیکھو - اس میں ایک بڑا ذخیرہ اشعار کا پاؤگے - لیکن خود ابن هشام روایت کے بعد تصریح کرتا جاتا ہے " فن شعر کے اکثر عالم اس قصیدہ سے انکار کرتے هیں "

کے باپ نے قیس کو اپنی لڑکی دینے سے انکار کردیا - سبب یہ بتایا کہ قیس اُس کی لڑکی پر عاشق ہے اور عشق طشت از بام ہوچکا ہے - بعینہ یہی واقعہ ہم دوسرے عشقیہ قصوں میں بھی پاتے ہیں - یہ گویا اُس عہد کے عشقیہ قصوں کا ایک مقبول عام انداز بیان تھا - راویوں کا بیان یہ ہے کہ عربوں میں یہ رسم تھی کہ وہ عاشق سے لڑکی کا بیاہ نہیں کرتے تھے - میں نہیں جانتا یہ بیان صحیح ہے یا غلط ؟ عرب جاهلیة کا دستور تو اِس کے برعکس تھا - گمان غالب یہ ہے کہ راویوں نے یہ دستور محض اپنے دل سے ایجاد کیا ہے تا کہ عشقیہ قصوں میں عشاق کی محرومیوں کی ایک معقول وجہ ہاتھہ آجاے -

یہ واقعہ بھی کچھہ کم مضحکہ انگیز نہیں کہ خلیفۂ وقت نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر قیس' پردہ میں بیٹھنے کے بعد بھی لیلی سے تعرض کرے تو قتل کر ڈالا جائے - پہلے واقعہ کی طرح یہ واقعہ بھی اکثر عشقیہ قصوں میں دھرایا گیا ہے - ہم بجا طور پر سوال کر سکتے ہیں کہ کیا خلفاء کیلیے بجز اِسکے کوئی کام باقی نہیں رہا تھا کہ بدوی عاشقوں کے معاملات محبت میں حاکمانہ مداخلت کرتے رہیں ؟ کبھی اُنکے قتل کا حکم دیں - کبھی اُنھیں معاف کردیں ؟ آخر وہ کون سی شرعی بنیاد تھی جس کی بنا پر وہ اِس قسم کے احکام صادر کرتے تھے ؟ کیا شریعت میں بے اختیارانہ عشق اتنا بڑا جرم ہے کہ اُس کی تعزیر قتل ہے ؟

اِسی طرح یہ واقعہ بھی ایک پر لطف ایجاد ہے کہ قیس جنون عشق میں وحشی ہوگیا تھا - اِیسا وحشی کہ اُس کا جنگل کے سوا کہیں جی نہیں لگتا تھا - ہرنوں سے موانست ہوگئی تھی - اور شب و روز کا ساتھہ تھا - داستان گو کی مبالغہ پسندی کے لیے اِتنا کافی نہ تھا - وہ ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے' اور ہمیں بتلاتا ہے کہ ایک دن وہ (راوی) قیس کی جستجو میں اُس درخت تک پہنچ گیا جسکے نیچے قیس ہرنوں کے ساتھہ بسیرا لیتا تھا - اور اِس طرح پہنچا کہ نہ تو قیس کو اُسکی خبر ہوئی' نہ اُسکے رفیق و مونس ہرنوں کو - پہلے یہ سراغ رساں راوی چپکے سے درخت پر چڑہ جاتا ہے' پھر اُترتا ہے اور قیس سے سوال و جواب شروع کر دیتا ہے - ہرن آواز سنتے ہی بھاگ گئے - قریب تھا کہ قیس بھی چل دے - مگر راوی نے فوراً لیلی کا نام لے لیا - علی بابا کے "سم سم" کی طرح "لیلی" کے لفظ نے فوراً اپنا طلسمی اثر دکھایا اور قیس کی وحشت دور ہوگئی - اب وہ آدمیت سے باتیں کرنے لگا - لیکن پھر اچانک ایک نازک بدن ہرنی نظر آگئی اور اُس کا جوش جنوں از سرنو تازہ ہوگیا !

یہ سب راویوں کا تخیل و تصنع ہے - ہم اِسے ہرگز واقعہ نہیں سمجھہ سکتے - یہ مبالغہ کی ایک خاص قسم ہے - داستان گو جب معقول گفتگو کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو بے سر و پا باتیں شروع کر دیتے ہیں - اکثر قدیم عشقیہ قصوں میں یہی چیز نظر آتی ہے - دنیا کی سب سے پرانی قصصی نظم الیڈ کا بھی یہی حال ہے - یونانی شعر و ادب کے مغربی نقادوں نے اِسی اسلوب پر الیڈ کی بھی تنقید کی ہے - اُسکے غیر معقول رکیک' اور مبالغہ آمیز اشعار' کم زور شعراء کا الحاقی کلام قرار دیا ہے - اور معقول و دلچسپ اشعار کو ماہر شاعروں کا تخیل بتایا ہے - (یعنے اُن مغربی نقادوں نے جنھوں نے ہومر کے حقیقی وجود سے انکار کیا ہے)

میرے خیال میں اِس تفصیل کے بعد اگر مجنوں کے ساتھہ بہت رعایت کی جائے اور اُسے محض خیالی شخص نہ قرار دیا جائے' جب بھی اُسکے مشکوک و مشتبہ ہونے میں تو کلام نہیں ہو سکتا - بلا شبہ بحث کا خاتمہ شک و انکار پر ناپسندیدہ ہے - لیکن ہمیں علم و حقیقت کی خاطر کبھی کبھی اِس پر مجبور ہوجانا پڑتا ہے -

ہمارے سامنے متعدد عشقیہ عربی قصے موجود ہیں - یہ قصے کئی باتون میں باہم مشترک ہیں اور کئی باتوں میں مختلف ہیں - مثلاً یہ چیز سب میں یکساں طور پر موجود ہے کہ ان تمام قصوں کے ابطال عشق (ہیروز) بدوی ہیں - سب کی محبت یکساں طور پر انتہائی قسم کی ہے - محبت نے سب کو یکساں طور پر بڑی بڑی تکلیفیں دیں - سب کی محبت پاک تھی - سب نے تقریباً ایک ہی طرح اپنے جذبات کا اپنے اشعار میں اظہار کیا ہے - سب کے اشعار رقیق اور تقریباً ایک ہی درجہ کے ہیں - سب کے واقعات' مصائب' طرز عمل' اور خلفاء و حکام کی مداخلت کی نوعیت بھی یکساں ہے - اختلاف صرف اُن کے ناموں میں ہے' اُن کے قبائل میں ہے' یا اُس ماحول میں جس میں انھوں نے پرورش پائی تھی -

قیس بن ملوح (مجنوں) کے انکار اور قیس بن ذریح (عاشق لبنی) میں شک کرنے کے بعد ہمیں اُن کی جگہ دوسرے اشخاص یا دوسری چیزیں قائم کرنی چاھئیں' ورنہ بحث بے نتیجہ ہوگی - نفی و سلب کے بعد اثبات و ایجاب ناگزیر ہے - میری رائے میں قیس بن ملوح' قیس بن ذریح' جمیل بن معمر' اور عروہ بن حزام کی جگہ صحیح لفظوں میں صرف ایک چیز ثابت و موجود ہے - یعنی عہد مولدین کے قصص عشقیہ کا فن اور مذہب (اسکول) میرا یقین ہے کہ یہ فن' عہد اموی میں ظاہر ہوچکا تھا' یا کم سے کم اُس کی نمایاں بنیادیں پڑچکی تھیں - آھستہ آھستہ اِس میں ترتیب و ترقی ہوئی' یہاں تک کہ ایک مستقل فن بن کر موجودہ زمانہ کی عشقیہ قصہ نویسی کے قریب قریب پہنچ گیا -

اس حقیقت کے انکشاف کے بعد مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ قیس بن ملوح کی شخصیت تاریخی ہے یا غیر تاریخی ؟ میرے سامنے چند عشقیہ قصے موجود ہیں : قصۂ قیس بن ملوح' قصۂ قیس بن ذریح' قصۂ جمیل بن معمر ... وغیرہ - اب میری بحث کا موضوع یہ قصے ہیں جنھیں متمدن تخیل نے پیدا کیا ہے' نہ کہ خود عشاق - مجھے وہ اشخاص تلاش کرنے چاھیئیں جنھوں نے یہ قصے بنائے - نہ کہ وہ عشاق جن کے حالات یہ قصے بیان کرتے ہیں - مجھے قصہ نویسوں کی اختراعی قابلیت اور نظم و نثر میں اُن کی مہارت فنی سے بحث کرنی ہے - مجھے اُس ادبی فن پر غور کرنا چاھیے جو ادب و علوم کی دوسری شاخوں کی طرح' اسلام سے پہلے عرب میں نا پید تھا' اور اسلامی تمدن کے گہوارہ میں پیدا ہوگیا -

بلا شبہ میں جانتا ہوں' اِس بحث کی راہ میں سخت موانع در پیش ہیں - یہی ایک مانع کیا کم ہے کہ ان قصوں کے مصنفوں کے نام معلوم نہیں - تاہم ہمیں چاھیے کہ ادب عربی کی خصوصیات و کمالات کی تحقیق و کشف کے لیے اس دشوار گزار وادی میں قدم اٹھائیں' اور اِن قصوں کا ادبی تجزیۂ و تحلیل کرکے اُن کا عیب و ہنر الگ الگ دکھادیں - ہمیں چاھیے کہ عہد اموی کے اُن ادبی' اخلاقی' سیاسی' اجتماعی' اسباب کا سراغ لگائیں جنھوں نے ان قصوں کے لیے پہلے پہل زمین طیار کی' اور پھر ان اسباب کی بھی جستجو کریں جنسے عہد عباسی میں یہ تمام عمارتیں منہدم ہوگئیں -

اصل یہ ھے کہ عرب ' روم ' ایران ' اور یونان ؛ باھم بہت حد تک مشابہ ھیں - رومیوں نے یونان پر جنگي فتح حاصل کي تھي مگر یونان نے رومیوں پر ادبي فتح پا لي - یہي حال عربوں کا ھوا - اُنھوں نے ایران کو اپنے قومي جوش سے مسخر کیا ' مگر خود ایراني ادب و ذھنیت سے مغلوب ھوگیے - اس ادبي فتح کے جلوے روم اور بغداد میں یکساں طور پر نظر آتے ھیں - یونان اور ایران ' دونوں نے یہ کیا کہ روم اور عرب کے تمدن پر دست درازي کي اور قطع و برید کرکے اسے مسخ کر ڈالا - یہي صورت حال انساب اور تاریخ و سیر میں بھي پیش آئي ھے -

ان وجوہ کي بنا پر ھمیں پورا حق ھے کہ اپنے ثقہ راویوں کي روایت پر بھي شبہ کریں - اور جب وہ مجنوں جیسے قصہ میں اس قدر باھم مختلف ھوں تو آور بھي زیادہ شک و احتیاط کریں -

ھمارے پاس بحث و تحقیق کا ایک طریقہ آور بھي ھے - لیکن وہ محض ایک فني طریقہ ھے - تاریخ سے تعلق نہیں رکھتا - مجنوں کے اشعار میں ھم اِس طریقہ سے کام لے سکتے ھیں - شعر ھمیں خود بتادے گا کہ یا تو وہ بتکلف بنایا گیا ھے ' اس لیے محبت کا سچا جذبہ پیش نہیں کرتا - یا مختلف شاعروں کا کلام ھے اور راویوں نے سہواً یا عمداً اُسے مجنوں کي طرف منسوب کر دیا ھے -

جاحظ نے بالکل ٹھیک کہا ھے :

" کوئي شعر نہیں جس میں لیلی کا ذکر ھو اور لوگوں نے قیس بن ملوح (مجنوں) کي طرف منسوب نہ کر دیا ھو - اور کوئي شعر نہیں جس میں لبني کا ذکر ھو اور قیس بن ذریح کے سر تھوپ نہ دیا گیا ھو - یہ واقعہ ھے کہ مجنوں کي طرف بہت سے شعر منسوب کر دیے گئے ھیں ' حالانکہ خود مجنوں کو اُنسے کوئي تعلق نہیں - یہ شعر اُن شاعروں کے ھیں جو نہ تو مجنوں تھے ' اور نہ محبت نے اُنکا وہ حال کر دیا تھا جو مجنوں کا تھا "

شاعر کي تحقیق کس طریقہ پر کرني چاھیے ؟ خود شاعر کي شخصیت سب سے پہلي چیز ھے - یہ اس لیے کہ شاعر اپنے شعر میں اپني شخصیت ضرور رکھتا ھے - اگر شاعر ' کامل ھے تو اُسکا دیوان اُسکي نفسیت اور جذبات کا آئینہ اور اُسکي پوري شخصیت کا مظہر ھوتا ھے - اُس کي مختلف نظموں میں ایک ھي روح ' ایک ھي نفسیت ' ایک ھي قوت کار فرما نظر آئیگي - بلا شبہ تمام اشعار یکساں نہ ھونگے - لطافت و رونق اور رقت و جودت میں کمي بیشي ھوگي - لیکن شاعر کي شخصیت سب میں نمایاں ھوگي ' اور وحدت شعري اِس درجہ واضح ھوگي کہ ذوق سلیم فوراً فیصلہ کر دیگا کہ یہ شعر فلاں کا ھے یا یہ شعر فلاں شاعر کے اسلوب پر ھے - ھمارے خیال میں یہ طریق تحقیق نا قابل شک اور فنون ادب میں یکساں طور پر قابل عمل ھے - خصوصاً شعر غنائي (گانے کے اشعار) میں اُسکي اھمیت غیر معمولي ھے - کیونکہ شعر کي یہ صنف ' نفس کا شفاف آئینہ اور جذبات کا سچا مظہر ھوتا ھے -

اِس اصول کي بنا پر کیا ھم مجنوں کے اشعار میں اُس کي کوئي نمایاں شخصیت دیکھہ سکتے ھیں ؟ میرا دعوی ھے کہ نہیں - اِس دعوے کے ثبوت میں بحث دراز کرني نہیں چاھتا - میري تحقیقات کا خلاصہ مختصر لفظوں میں یہ ھے کہ مجنوں کي طرف جتنے اشعار منسوب کیے گئے ھیں ' وہ :

(۱) یا تو مشہور شعراء کے ھیں اور راویوں نے غلطي سے مجنوں کي طرف منسوب کر دیے ھیں -

(۲) یا مجہول شعراء کے ھیں اور لیلی کا ذکر دیکھکر لوگوں نے مجنوں کے سمجھہ لیے ھیں -

(۳) یا خود راویوں نے جان بوجھہ کر بنائے ھیں -

(۴) یا مغنیوں نے اپني گرم بازاري کے لیے گڑھے ھیں اور مجنوں کے سر تھوپ دیے ھیں -

میں نے بڑي کوشش کي ' مگر ان اشعار میں کسي مشترک شخصیت کي روح نہ دیکھہ سکا -

مجنوں کے بارے میں اپني رائے ایک آور طریقہ سے بھي ھم ثابت کر سکتے ھیں - وہ یہ کہ راوي اُس تعلق کي نوعیت بیان کرنے میں بھي بہت مختلف ھیں جو قیس بن ملوح (مجنوں) اور لیلی کے درمیان تھا -

بعض کہتے ھیں لیلی مجنوں میں بچپنے ھي سے تعارف ھوگیا تھا - دونوں بکریاں چرایا کرتے تھے - آھستہ آھستہ دل کو تعلق ھوا - یہاں تک کہ بچپنے کے اُنس نے جواني میں عشق کي صورت اختیار کرلي - جوان ھونے پر لیلی قیس سے چھپا دي گئي تھي - اِس صدمہ نے اُسے مجنوں بنا دیا -

بعض یہ قصہ تسلیم نہیں کرتے - اُن کا دعوی ھے کہ دونوں میں بچپن سے تعارف نہیں ھوا - بلکہ اتفاق سے ایک سفر میں ملاقات ھوگئي - ایک سفر میں قیس نے چند نازنینیں دیکھیں - سلام کیا - اُنھوں نے جواب دیا اور بات چیت کے لیے بٹھا لیا - قیس سواري سے اُترا - امرء القیس کي طرح اپني اونٹني ذبح کرڈالي اور گوشت بھون بھون کر اُنھیں کھلانے لگا - یہاں تک کہ شام ھوگئي - شام کو ایک آور نوجوان وارد ھوا - سب لڑکیاں قیس کو چھوڑ کر اُس کي ھو رھیں - اِس پر قیس خفا ھوکر چلا گیا اور جوش میں اشعار کہے - دوسرے دن صبح پھر اُدھر گیا تو لڑکیاں موجود نہ تھیں - صرف لیلی موجود تھي - اُس نے قیس کو بلایا - قیس نے کل کي طرح پھر اپني اونٹني ذبح کي اور محبت کا اظہار کیا - ابتدا میں لیلی نے بے رخي دکھائي - قیس بہت غمگین ھوا - لیکن پھر لیلی کو ترس آگیا - اپني محبت کا بھي اعتراف کرلیا -

بعض اِسے بھي تسلیم نہیں کرتے - وہ کہتے ھیں - قیس عورتوں کے صحبت کا دلدادہ تھا - لیلی ایک سرو قامت ' خوش اندام ' خوش رفتار ' نازک بدن دوشیزہ تھي - قبیلہ کے نوجوان اُس کے ھاں بیٹھتے اُٹھتے تھے - قیس نے سنا تو وہ بھي آنے جانے لگا - آخر کار دام محبت میں گرفتار ھوگیا !

اِسي قسم کي آور روایتیں بھي ھیں - اِنسے صاف معلوم ھوتا ھے کہ لیلی کي شخصیت بھي قیس سے کچھہ کم ما بہ النزاع نہیں ھے - ایک روایت میں اُسے بکریاں چرانے والي لڑکي بتایا ھے - دوسري میں بدوي دوشیزہ ' جو نوجوانوں کو روکتي اور اُن سے گفتگو کرنا پسند کرتي ھے - تیسري میں اُس وضع کي ایک مہذب اور نستعلیق خاتون ' جیسي بڑے بڑے اسلامي شہروں میں ھوا کرتي تھیں - کیا صرف یہي ایک اختلاف ' لیلی کي شخصیت مشتبہ کر دینے کے لیے کافي نہیں ھے ' جیسا کہ پہلا اختلاف مجنوں کي شخصیت پوري طرح مشکوک کر دیتا ھے ؟

مجنوں کے قصہ میں آور بھي اندروني شہادتیں ایسي موجود ھیں جو میري رائے کي تائید کرتي ھیں - مثلاً یہ روایت کہ لیلي

صحبت اور معاشرت بھی اکتسابی تعلیم وتربیت کا سب سے بڑا ذریعہ ھے' بلکہ بسا اوقات درس و تدریس کی باقاعدہ تعلیم سے بھی کہیں زیادہ موثر ہوتی ھے - لیکن جہاں تک اُسکی زندگی کے حالات روشنی میں آئے ھیں' کوئی قرینہ اِس کا موجود نہیں کہ اُسے مشرق و ایشیا کی عام مقلدانہ ورسمی سطح سے کوئی بلند درجہ کی صحبت ملی ھو -

سیر و سیاحت' بھی ذھن کی نشو و ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ھے' لیکن اُس نے اپنی ابتدائی زندگی میں ھندوستان اور حجاز کے سوا اور کسی مقام کا سفر نہیں کیا تھا - ظاھر ھے کہ اِن دونوں مقامات میں کوئی سر چشمہ ایسا موجود نہ تھا جس سے ایک مجتہدانہ فکر و نظر کی پیدایش ھو سکے - انیسویں صدی کے اوائل میں اِن مقامات کا تعلیمی تنزل منتہاء کمال تک پہنچ چکا تھا -

قسطنطنیہ میں بار دوم : سنہ ۱۸۹۲

سب سے زیادہ یہ کہ اُس نے جتنی بھی اور جیسی کچھہ بھی تعلیم حاصل کی تھی' وہ وھی تعلیم تھی جو بجاے خود مسلمانوں کے ذھنی تنزل کی پیداوار ھے اور کئی صدیوں سے اسلامی دنیا کے دماغی تنزل کا سب سے بڑا سبب بن گئی ھے - اس تعلیم سے ذھن و فکر کی تمام قوتیں پژمردہ ھو جا سکتی ھیں' لیکن آزادانہ نشوؤ نما نہیں پا سکتیں -

باایں همہ وہ سنہ ۱۸۷۰ - میں جب کہ اُس کی عمر بہ مشکل تیس برس کی ھوگی' یکایک قاھرہ میں نمایاں ھوتا ھے' اور صرف چالیس دن کے قیام سے اس عظیم مشرقی دار الحکومت کے تمام علمی حلقوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ھے - حتی کہ اُس کی " عجیب اور نئی قسم کی علمی قابلیتوں " کی شہرت دارالخلافۃ قسطنطنیہ تک پہنچتی ھے' اور اس کی تمام اصلاحی اور انقلابی قوتیں نمایاں ھوجاتی ھیں!

وہ ادب عربی کا ایک عجمی متعلم تھا جس نے بعید ترین عجمی ممالک میں عجمی اساتذہ سے ناقص اور گمراہ قسم کی ادبی تعلیم حاصل کی تھی - لیکن وہ عربی زبان کے سب سے بڑے مرکز' قاھرہ میں سب سے پہلے صحیح وصالح فن عربیۃ کا درس دیتا ھے اور عربی کتابت و تحریر کا ایک نیا دور پیدا کر دیتا ھے - آج مصر و شام کے تمام مشاھیر اھل قلم اعتراف کرتے ھیں کہ "کتابت عربیۃ میں ھم سب اسی عجمی کے عیال ھیں" موجودہ عہد میں عربی کا سب سے بہتر کاتب' شیخ محمد عبدہ تھا' اور وہ اسی کا شاگرد تھا !

اُس نے علوم حکمیہ کی جسقدر بھی تعلیم حاصل کی تھی' وہ وھی موجودہ مدارس عربیہ کے متون و شروح کی عقیم و کج اندیش تعلیم تھی' لیکن وہ ذھین و مستعد طلبا کی ایک جماعت منتخب کرکے علوم حکمیہ کا درس و املاء شروع کردیتا ھے' اور قدیم معقولات کی وہ تمام گمرھیاں ایک ایک کرکے واضح کرتا ھے جنکے اعتقاد و جمود نے صدیوں سے مشرقی دنیا کا ذھنی ارتقا معطل کردیا ھے !

مذھب اور علم' دونوں میں اُسکی مصلحانہ ذھنیت نمایاں ھوتی ھے' اور کسی گوشہ میں بھی اُسکے قدم وقت کی مقلدانہ سطح سے مس نہیں ھوتے - سیاست میں وہ سر تاپا انقلاب کی دعوت ھوتا ھے' اور جہاں کہیں جاتا ھے' چند دنوں کے اندر مستعد اور صالح طبیعتیں چن کر انقلاب و تجدد کی روح پھونک دیتا ھے - اُس نے بہ یک وقت مصر' ایران' اور عراق؛ تینوں مقامات میں اصلاح و انقلاب کی تخم ریزی کر دی !

وہ اپنے اولین قیام مصر سے تقریباً بارہ برس بعد پہلی مرتبہ یورپ کا سفر کرتا ھے' اور پیرس میں وقت کے سب سے بڑے فلسفی اور علم و دین کی نام نہاد نزاع میں سب سے بڑے حریف دین و مذھب' پروفیسر رینان سے ملتا ھے - وہ پہلی ھی ملاقات میں اس " عجیب الاطوار مشرقی فیلسوف " سے اس درجہ متاثر ھوتا ھے کہ اخبار طان میں سید موصوف کے ایک مقالہ کا رد کرتے ھوے لکھتا ھے :

" میں نے اسکے شخصیت میں ابن سینا اور ابن رشد کی روح دیکھی" جیسا کہ اوپر گزر چکا ھے - یاد رھے کہ انسان کی قابلیت کیسی ھی کیوں نہ ھو' لیکن مخاطب کے تاثر کے لیے وہ بہت کچھہ قوت بیانیہ اور فصاحت تکلم کا محتاج ھوتا ھے - جس وقت سید جمال الدین رینان سے پیرس میں اور لارڈ سالسبری سے لنڈن میں ملا ھے' اُس وقت اسکی فرانسیسی زبان کی تعلیم کی تاریخ صرف اتنی تھی کہ اثناء قیام مصر میں ایک شخص سے لاطینی الف بے قلمی لکھوا لی تھی' اور پھر کچھہ عرصہ کے بعد ایک کتاب خرید لی تھی جو عربی میں فرانسیسی کی ابتدائی تعلیم کیلیے لکھی گئی تھی - کوئی ثبوت موجود نہیں کہ اُس نے کسی انسان سے با قاعدہ فرانسیسی زبان کی

ایران میں بار دوم : سنۃ ۱۸۹۰

قسطنطنیہ میں : سنہ ۱۸۷۰

پیرس میں : سنہ ۱۸۸۳

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

قائدین فکر :

سید جمال الدین اسد آبادی

" تقریباً دو ماہ گزرے ہیں کہ ایک شخص سید جمال الدین نامی سے میری ملاقات ہوئی - اس شخص کی شخصیت کا میرے دماغ پر جو اثر پڑا ، وہ ایسا ہے جو بہت کم شخصیتیں مجھہ پر ڈال سکی ہیں - یہ اثر بہت قوی اور گہرا تھا ، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مجھے خیال ہوا ، سوربون یونیورسٹی کے خطبات کا موضوع یہ قرار دوں کہ " اسلام اور اُس کا علم سے علاقہ " سید جمال الدین کی ذہنیت ایک ایسی ذہنیت ہے جو رسمی اسلام کے موثرات کی پوری طرح مقاومت کرسکتی ہے - میں جب اِس شخص سے باتیں کر رہا تھا ، تو اُس کے افکار کی آزادی ، طبیعت کی فضیلت ، اور اظہار حقیقت کی جرأت دیکھکر مجھے خیال ہوا ، میں اِس وقت اُن مشاہیر عالم میں سے کسی ایک کو مخاطب کر رہا ہوں جو دنیا کے گزشتہ علمی زمانوں میں گزر چکے ہیں اور جن سے تاریخ کے ذریعہ ہم نے واقفیت حاصل کی ہے - میں گویا ابن سینا ، ابن رشد ، یا اُن حکماء عظام میں سے کسی حکیم کو اپنے سامنے دیکھہ رہا تھا جنھوں نے فکر انسانی کو جہل و اوہام کے قیود سے نجات دلانے کیلیے تاریخ عالم کی پانچ صدیوں تک اپنی شجاعانہ جد وجہد جاری رکھی تھی " ! (فیلسوف رینان)

بغیر کسی تامل کے کہا جا سکتا ہے کہ مشرق جدید کے رجال تاریخ اور قائدین فکر کی صف میں اُس کی شخصیت کئی اعتبار سے اپنا سہیم و شریک نہیں رکھتی !

وہ ایک گمنام اور مجہول ماحول میں پیدا ہوا - ایسے مجہول ماحول میں کہ آج تک یہ بات بھی قطعی طور پر معلوم نہ ہوسکی کہ وہ فی الحقیقت باشندہ کہاں کا تھا ؟ اسعدآباد کا جو ہرات کے قریب اور افغانستان میں واقع ہے ، یا اسدآباد کا جو ہمدان کے قریب اور ایران میں واقع ہے ؟

اُس کے وطن کی طرح اُس کی ابتدائی زندگی کے حالات پر بھی ظن و تخمین کے پردے پڑے ہوئے ہیں - تاہم یہ قطعی ہے کہ تعلیم و تربیت کا اسے کوئی موقع ایسا نہیں ملا تھا جو کسی اعتبار سے بھی ممتاز اور قابل ذکر ہو - انیسویں صدی کے کامل تنزل یافتہ افغانستان اور پنجاب کے علماء اپنے گھروں اور مسجدوں میں علوم رسمیۃ کی جیسی کچھ تعلیم دیا کرتے تھے ، زیادہ سے زیادہ تعلیم جو اُس نے حاصل کی تھی ، وہ وہی تھی - جن اُستادوں سے اُس نے تعلیم حاصل کی ، وہ بھی یقیناً معمولی درجہ کے تھے - اُن میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی علمی شخصیت قابل ذکر ہو -

۳۰ - برس کی عمر میں مصر کا پہلا سفر : سنہ ۱۸۶۹

دنیا کے نئے تمدنی انقلاب اور نئے علوم سے آشنا ہونے کا بھی اُسے کوئی خاص موقع حاصل نہیں ہوا تھا - اُس کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر افغانستان میں بسر ہوا ، یا ایک روایت کے مطابق ایران میں ، اور یہ دونوں مقامات اُس وقت مغربی تمدن و علوم کی تعلیم و تعلم کا کوئی سامان نہیں رکھتے تھے -

(سید جمال الدین)

انیسویں صدی کی تاریخ مشرق نے اصلاح و تجدد کی جس قدر شخصیتیں پیدا کی ہیں ، اُن میں کوئی شخصیت بھی وقت کی عام پیداوار سے اس قدر مختلف اور اپنی طبعی ذہانت اور غیر اکتسابی قوتوں میں غیر معمولی نہیں ہے ، جس قدر سید جمال الدین کی شخصیت ہے -

کلکتہ میں : سنہ ۱۸۷۹

بصرہ میں بہ لباس عربی سنہ ۱۸۸۹

اِس منارہ کي تعمير سے غرض يہ تھي کہ جہازوں کو کھاڑيوں اور چٹانوں سے هوشيار کيا جائے اور بندرگاہ کا سيدھا راستہ دکھا ديا جائے - اِس وقت مختلف مقامات ميں کئي اَور منارہ بھي موجود هيں - مثلاً " منارۂ اوستيا " ليکن اِن مناروں سے بعض خطرے بھي پيدا ھوگيے هيں - کيونکہ اُنکي روشني دور سے ستارہ کي طرح معلوم ھوتي ہے اور جہازوں کو راستہ بھلا ديتي ہے "

مورخ نے منارہ کا خرچ ۸۰۰ وزن بتايا ہے - اِسکے معني يہ ھوئے کہ تقريباً ۱۵ - لاکھہ روپے صرف ھوئے تھے - منارہ کي عظمت کے مقابلہ ميں يہ رقم بہت کم معلوم ھوتي ہے -

منارہ کا بنانے والا سوستراتس سکندر اعظم کے مشہور معمار ڈيمکراتيس کا بيٹا تھا - اِسنے اپنا نام منارہ پر اِن لفظوں ميں کندہ کيا تھا :

" کنيڈوس کے باشندے سوستراتس ولد ڈيمکراتيس کي طرف سے نجات دينے والے ديوتاؤں کو هديہ ' تاکہ وہ سمندر ميں سفر کرنے والوں کو نجات بخشيں "

جن سياحوں اور جغرافيہ نويسوں نے تيرھويں صدي عيسوي ميں يہ منارہ ديکھا تھا ' اُنکا بيان ہے کہ يہ ۴۰۰ فٹ يعني سو قد آدم بلند تھا - عمارت کي وضع بابلي تھي - کئي منزليں اوپر نيچے تھيں - ھر منزل اپنے نيچے کي منزل سے چھوٹي اور اوپر کي منزل سے بڑي تھي - زيريں دو منزليں مربع تھيں اور اوپر کي دو مستدير تھيں - ھر منزل ميں ايک بڑا روشن دان تھا - بنياديں سنگلاخ تھيں اور چونے کي جگہ سيسہ کي جڑائي کي گئي تھي تا کہ سمندر کي موجيں نقصان نہ پہنچا سکيں - پوري عمارت سنگ مرمر کي تھي - چوٹي پر ايک بہت بڑا تنور تھا - اس ميں شب وروز آگ جلا کرتي تھي - رات کو اُس سے روشني حاصل ھوتي اور دن کو دھواں نکلتا رھتا -

کہا جاتا ہے کہ منارہ کے اندر تين سو کمرے تھے اور انميں فوجي پہرا رھتا تھا -

بعض قديم راويوں نے بيان کيا ہے کہ مينار کي زمين پر شيشہ جڑا تھا اور چوٹي پر ايک عظيم الشان آئينہ لگا تھا جسے حرکت دے سکتے تھے اور اُسکے ذريعہ آفتاب کي شعاعيں جمع کرکے سو ميل کي مسافت پر جہاز جلا دیے جاتے تھے - ليکن يہ محض بے بنياد باتيں هيں - البتہ يہ ممکن ہے کہ معمار نے کوئي معدني آئينہ اِس غرض سے لگا ديا ھو کہ روشني ميں اضافہ ھو جائے -

فتح مصر کے بعد عربوں نے ايک مدت تک اِس منارہ کي حفاظت کي اور اُس سے کام ليتے رہے - ليکن وليد بن عبد الملک کے زمانہ ميں شہنشاہ قسطنطنيہ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کيليے ايک مکار آدمي دمشق بھيجا اور اُس نے يہ کہکر خليفہ کو دھوکا ديا کہ اِس منارہ کے نيچے بہت بڑا خزانہ مدفون ہے - خليفہ نے لالچ ميں آکر کھودنے کا حکم ديديا - ليکن ابھي صرف آدھي عمارت منہدم ھوي تھي کہ وليد متنبہ ھوگيا اور اُس نے خيال کيا ايسي قيمتي اور مفيد عمارت کا ڈھانا سخت غلطي ہے - اس نے انہدام کے روکنے کا حکم ديا اور از سر نو تعمير کي کوشش کي - ليکن اب اگلي سي تعمير دشوار تھي - کئي باکمال معماروں نے کوشش کي ليکن کامياب نہ ھوئے - يہانتک کہ اُسکي چوٹي کا آئينہ زمين پر گر گيا اور پاش پاش ھوگيا - اِسکے بعد نصف عمارت باقي رھگئي تھي - باشندوں نے اسے مسجد بنا ليا تھا - ليکن سنہ ۱۳۷۵ ع ميں زلزلہ آيا اور پورا منارہ سمندر ميں جا گرا - کہا جاتا ہے کہ قلعہ قائد بک کے قريب ابتک سمندر کي تہہ ميں منارہ کے پتھر چمکتے دکھائي ديتے هيں -

(٤)

مشتري کا مجسمہ

The Statue of Jupiter

" جوپيٹر " روماتيوں کا مشہور ديوتا ہے - بعينہ يہي ديوتا ' يونان ميں " زفس " (Zeus) کے نام سے پوجا جاتا تھا - بلا استثنا تمام قديم مورخوں نے اِس بت کا ذکر کيا ہے جسے ايتھنز ميں " فيڈياس " نے بنايا تھا - سب اِسے بالاتفاق دنيا کے سات عجائب ميں شمار کرتے هيں - موجودہ دنيا اُس کے نام و نشان سے بالکل خالي ہے - صرف چند سکے دستياب ھوئے هيں جن پر اُسکي شکل کا ٹھپا ہے ' اور شہر ايتھنز ميں اُسکي بنياديں اور بيٹھک کا نچلا حصہ بر آمد ھوا ہے -

جرمن ماھرين آثار عتيقہ کي تحقيقات کا نتيجہ يہ ہے کہ " زفس " کا بت خانہ مستطيل تھا - اُسکے دونوں کناروں پر چھہ چھہ ستون اور دونوں پہلوؤں پر ۱۳ - ستون تھے - اندر کا ايوان ۹۵ فٹ لانبا اور ۴۳ فٹ چوڑا تھا ' اور ستونوں کي دو قطاريں کھڑي کرکے تين حصوں ميں بانٹ ديا گيا تھا - " زفس " کا بت درمياني حصہ ميں ايک کنارے پر نصب تھا - بت اصل ميں چوبي تھا مگر اُس پر ھاتھي دانت اور سونا جڑا ھوا تھا - ھاتھي دانت جسم کو ظاھر کرتا تھا اور سونا لباس کو -

قديم مورخ برسينيا کي تصريح کے مطابق ' بت ايک تخت پر بيٹھا تھا - اُسکے سر پر زيتون کي پتے والي شاخ کا تاج تھا - دھنے ھاتھہ ميں فتح کا نشان تھا جو ھاتھي دانت اور سونے سے بني ھوي عورت کي شکل ميں تھا - بائيں ھاتھہ ميں عصا تھا ' جس پر مختلف قيمتي معدنيات کي پچي کاري تھي - عصا پر جھکا ھوا ايک گدہ تھا - بت کا جوتا اور تمام لباس ' سونے کا تھا - تخت سونے ' آبنوس ' ھاتھي دانت ' اور جواھرات سے بنايا گيا تھا اور اُس پر بکثرت دلفريب تصويريں منقش تھيں !

ايک روماني شہنشاہ ھارڈين کے ايک سکے ميں اِس بت کي تصوير پائي گئي ہے اور اُس سے مورخ موصوف کے قول کي پوري تصديق ھوتي ہے - فرق صرف اِس قدر ہے کہ عصا پر بيان کردہ گدہ موجود نہيں ہے -

بت کي تعمير کے سلسلہ ميں يہ بات مشہور ہے کہ جب اُسکا سر بنانے کا وقت آيا تو لوگوں نے فيڈياس سے پوچھا " سر کي وضع کيسي رکھوگے ؟ " اُس نے فوراً جواب ديا " ميں ھومر کے اِس قول کي پيروي کرونگا : ابن قرونس گويا ھوا - اپني سياہ ابروؤں والا سر عجب سے هلايا - بالوں کے گچھے اُسکے لازوال سر پر هل رہے تھے ! "

بت کي تصوير ايک اَور سکہ پر بھي ملي ہے - اِسميں سر کے بال لانبے هيں ' اور گردن پر پڑے هيں - داڑھي بھي گھني اور لمبي ہے اور اُس پر دونوں طرف سے مونچھيں پھيلي ھوئي هيں -

خيال کيا جاتا ہے کہ ايتھنز ميں اِس بت کي تعمير سنہ ۴۵۰ ق م ميں ھوئي تھي -

(عرب مورخين)

ھم آئيندہ نمبر ميں بقيہ عجائب کا ذکر کرکے بتلائينگے کہ عرب مورخين کي تصريحات کيا هيں ؟

تعلیم حاصل کي هو ' لیکن یه واقعه هے که وه فرانسیسي زبان میں بهتر سے بهتر تحریر و تقریر کر سکتا تها - ترکي ' روسي ' اور انگریزي بهي اسي طرح اُس نے سیکهه لي تهي -

مشهور هے که جب پیرس میں روسي سفیر نے اُس سے ملنا چاها ' تو اُس نے ملاقات کي تاریخ ایسي مقرر کرائي جو دو هفته بعد آنے والي تهي - اُس کے بعد وه ایک کتب فروش کے یہاں گیا اور اُس سے کہا " مجهے فرانسیسي میں روسي زبان سکهانے والي کتاب چاهیے - میں خرید لونگا - بشرطیکه تم اس کا بهي انتظام کردو که آج سے ایک هفته بعد کوئي روسي زبان بولنے والا آدمي مجهه سے ملاقات کرسکے " کتب فروش نے کتاب بهي دي ' اور ایک ایسے شخص کا انتظام بهي کردیا جو اُسي کے یہاں ملازم تها - جمال الدین نے ایک هفته تک بطور خود کتاب دیکهي ' پهر آٹهویں دن سے چودهویں دن تک روز ایک گهنٹه روسي سے باتیں کرتا رها - اور پندرهویں دن وه طیار هوگیا تها که روسي سفیر سے بغیر کسي مترجم کي وساطت کے ملاقات کرے !

(سید کے سوانح حیات)

اگر سید جمال الدین کي زندگي میں لوگ اُس کے حالات سے واقف نه هوسکے تو یه چنداں عجیب بات نہیں هے - دنیانے همیشه اپنے اکابر و اعاظم سے اُن کي زندگي میں غفلت برتي هے ' اور جب تک وه دنیا سے رخصت نہیں هوگئے هیں ' اُن کے حقوق کا اعتراف نہیں کیا هے - خصوصاً مصلحین و مجددین اُمم کے لیے تو زندگي میں تغافل اور موت کے بعد تعظیم و احترام ' اس دنیا کا ایک عام اور غیر متغیر قانون هے - لیکن یه صورت حال کس درجه عجیب اور تاسف انگیز هے که اُس کي وفات پر پورے تیس برس گزر چکے هیں ' اور وه تمام مشرقي ممالک بیدار هو چکے هیں جہاں اُس نے اصلاح و انقلاب کي ابتدائي تخم ریزي کي تهي ' تاهم اُس کي زندگي بدستور تاریخ کي روشني سے محروم هے ' اور اُس سے زیاده مشرق کچهه نہیں جانتا ' جتنا یورپ کے بعض محب شرق اهل قلم نے بتلا دیا هے !

افسوس اس جهل و غفلت پر! هم صرف اپنے قدماء کي شناخت هي کے لیے یورپ کے محتاج نہیں هیں - بلکه اپنے عهد کے اهل فضل و کمال کیلیے بهي اس کے محتاج هیں - جب تک وه انگلي سے اشاره کر کے نه بتلادے ' هم خود اپني قوم اور عهد کے بڑے بڑے انسانوں کو بهي نہیں پہچان سکتے !

هندوستان میں تو الهـلال کي اشاعت سے پہلے ' غالباً لوگ سید جمال الدین کے نام سے بهي آشنا نه تهے - سنه ١٨٧٩ع میں جب وه حیدرآباد اور کلکته میں مقیم تها ' تو هندوستاني مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص یعني مرحوم عبدالغفور شهباز تها ' جسے اسکے فضل و کمال کي تهوڑي سي شناخت نصیب هوي تهي ' اور اُس کے چند فارسي مقالات کا اُردو ترجمه شائع کیا تها !

حال میں برلن سے ایک رساله سید جمال الدین کے اعمال حیات پر شائع هوا هے - اُسکے مطالعه سے خیالات میں بے اختیار جنبش پیدا هوگئي - خیال هوا که پورے شرح و تفصیل کے ساتهه مشرق جدید کے اس قائد فکر کے سوانح حیات پر نظر ڈالني چاهیے - متفرق لفظوں اور متعدد تصویروں کا یه مرقع جو آج شائع هو رها هے ' اسي سلسلۂ مضامین کي تمهیدي قسط هے -

سات عجائب عالم

(٣)

اسکندریه کا مناره

(THE PHAROS OF ALEXANDRIA)

سکندر اعظم نے مصر فتح کرنے کے بعد هي شهر اسکندریه آباد کیا تها - پچاس سال کے اندر اِس شهر نے پوري ترقي حاصل کرلي ' اور بحر متوسط کي سب سے بڑي بندرگاه بن گیا - سکندر کے بعد اُسکے جانشین مصر میں علم دوست تهے - اُنهوں نے اسکندریه کو اَور رونق دي اور علم و حکمت کا مرکز بنا دیا - سنه ٢٨٥ ق م میں بطلیموس اول حاکم هوا - اُسنے شهر کي روز افزوں تجارتي ترقي دیکهکر خیال کیا که رات کے وقت جهاز راني کي سهولت کیلیے ایک مناره تعمیر کردینا چاهیے - چنانچه اسکندریه کے قریب جزیرۂ فیروس میں یه مناره طیار کیا گیا اور فیروس کے نام سے مشهور هوگیا -

مورخین میں اختلاف هے که اصل میں یه نام جزیره کا تها یا مناره کا ؟ بهر حال یه واقعه هے که اِسکے بعد جهاز راني کیلیے روشني کے جتنے بهي مناره تعمیر هوئے ' اُنمیں سے اکثر " فیروس " هي کے نام سے پکارے گئے - بلکه لاتیني ' اِطالي ' اسپیني ' اور قدیم انگریزي زبان میں تو اِس لفظ کے معني هي مناره روشني کے هوگئے - فرانسیسي میں ابتک اس معني میں " فار " کا لفظ مستعمل هے -

خیال کیا جاتا هے که مصري ' روشني کے مناروں سے واقف تهے ' اور بهت سے مناره بنا چکے تهے - مگر بطلیموس کا یه مناره اپني بلندي اور ساخت کي وجه سے بهت ممتاز اور مشهور هوگیا -

مشهور روماني مورخ پلیني نے (جو سنه ٧٩ ع میں اتش فشاں پهاڑ فیزوف کے پهٹنے سے هلاک هوا) اسکندریه کا شهر اور یه مناره دیکها تها - وه لکهتا هے :

" اسکندریه کي ایک شهرۂ آفاق عمارت ' وه برج هے جسے شاه مصر نے جزیرۂ فیر میں تعمیر کیا هے - یه جزیره ' اسکندریه کے راسته میں واقع هے - برج کي تعمیر میں ٨٠٠ وزن خرچ هوئے تهے - بطلیموس کي عظمت اور فراخ دلي کي یه شهادت کافي هے که اُسنے برج کے معمار سوستراتس کو اجازت دیدي تهي که اِس حیرت انگیز عمارت میں اپنا نام کنده کرکے بقاء دوام حاصل کر لے !

خوار بچہ چھوڑ گیا - جب بچہ جوان ہوا اور اپنی ماں سے اپنے باپ کا حال سنا تو سخت غضب ناک ہوا اور تمھارے ملک پر ٹوٹ پڑا - اُس نے بے حساب مخلوق قتل کی - جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اُس نے مغلوبوں کو اس وضع کے اختیار کرنے پر مجبور کردیا جو آج کل تمھاری وضع ہے ! " راوی کا اِس قصہ سے مقصود یہ تھا کہ ہماری وضع ذلت کی وضع ہے ' اور اُنھی کے ایک بادشاہ نے ہمیں اُس کے اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے ! میں نے یہ افسانہ سن کر اُن کے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا کہ معاملہ اِتنے ھی پر ختم ہوگیا اور اُس " فاتح " نے ہمیں ھندو بننے اور ھندو رسم و رواج اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا !

(۴) مسلمانوں کا حملہ — منافرت کی بڑی وجہ ' ھندوستان پر مسلمانوں کا حملہ ہے - یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی کی جنگوں نے اُنھیں بہت ھی سخت نقصان پہنچایا - اُن کی آبادیاں برباد ہوگیئں - اُنھیں منتشر و پراگندہ کردیا گیا - اُن کی صرف سلطنت ھی نہیں گئی ' بلکہ مفتوحہ علاقوں سے اُن کے علوم و فنون بھی مٹ گئے ' اور ایسے دور دراز خطوں میں جلا وطن ہوگئے ' جہاں تک رسائی مشکل ہے - مثلاً کشمیر اور بانارسی (بنارس) وغیرہ - (بنارس کو دور اس لیے کہا ہے کہ یہ پنجاب اور وسط ھند سے دور ' مشرق کی طرف ھٹا ہوا ہے)

یہی دینی اور سیاسی اسباب ہیں جن کی بنا پر ھندوؤں میں مسلمانوں اور تمام اجنبیوں سے سخت نفرت و عداوت پیدا ہوگئی ہے -

(۵) پھر اُنکے اخلاق میں ایک اور بات بھی راسخ ہوگئی ہے اور کسی طرح نکل نہیں سکتی - یہ اُن کے انتہائی علمی و ذہنی تنزل کا نتیجہ ہے - وہ یقین کرتے ہیں کہ دنیا صرف اُنھی کی دنیا ہے - انسان صرف اُنھی کی سرزمین پر موجود ہیں - بادشاہ صرف اُنھی کے بادشاہ ہیں - دین صرف اُنھی کا دین ہے - اور علم صرف اُنھی کا علم ہے - یہی وجہ ہے کہ نہایت مغرور اور بر خود غلط ہوگئے ہیں - اگر اُنسے علماء عرب و عجم کا ذکر کیا جاتا ہے تو مخاطب کو جاھل خیال کرتے اور اُسکی تصدیق پر ہرگز آمادہ نہیں ہوتے ہیں - حالانکہ اگر وہ سیر و سیاحت کے عادی ہوتے اور اپنے پہاڑی حدود طے کرکے غیر قوموں سے ملتے ' تو یہ جاھلانہ و طفلانہ خیال اُنمیں پیدا نہ ہوتا -

لیکن یاد رہے کہ اُن کے پیش روؤں کا یہ حال نہ تھا - اُنکا مشہور فاضل " براھمہر " برھمنوں کی تعظیم کے بیان میں کہتا ہے " جب یونانیوں نے باوجود ناپاک ہونے کے علوم و فنون میں کمال حاصل کیا اور سب پر بازی لے گئے ' تو اُنکی بھی تعظیم واجب ہوگئی - اُن کا درجہ بھی برھمن کا درجہ ہوگیا " !

خود میری حالت یہ ہوئی کہ مدت تک اُنکے منجموں کے سامنے زانوے شاگردی تہہ کرتا رہا - کیونکہ میں اُنکی زبان اور اُنکے طریقوں سے بے خبر تھا - لیکن جب کچھہ اُن کی زبان میں دخل پیدا ہوگیا تو میں اُنھیں اپنے یہاں کے علوم کی بنا پر اشیاء کی علتوں اور حساب و ریاضی کے براھین سمجھانے لگا - اسپر وہ سخت متعجب ہوئے اور استفادہ میں باھم پیش قدمی کرنے لگے - بڑی حیرت سے پوچھتے تھے : " ھندوستان کے کن کن علماء کو تم نے دیکھا ہے ؟ کن کن سے فائدہ اٹھایا ہے ؟ " کیونکہ اُنکے خیال میں علم ' ھندوستان کے سوا کہیں ہے ھی نہیں - جب میں نے اُن سے کہا کہ میں پہلی مرتبہ اُن سے ملا ہوں اور جو کچھہ کہہ رہا ہوں ' یہ دنیا کے دوسرے حصوں کے علوم ہیں ' تو وہ اور زیادہ متعجب ہوئے ' اور بعضوں نے تو مجھے جادوگر سمجھنا شروع کر دیا "

قدیم یونانی ادب کا ایک نمونہ

(بلیٹس کا گیت)

(فرانسیسی ترجمے سے اردو میں منتقل کیا گیا)

(میری سہیلی کی شادی)

راستے میں ابتک گلاب کے پھول بکھرے پڑے ہیں - شمعیں بھی ٹمٹما رہی ہیں ....

یہ میری سہیلی " ملیسا " کی شادی کی رات کا واقعہ ہے - میں اپنی ماں کے ساتھہ گھر لوٹی - اس وقت میرے سر میں خیالات کا ھجوم تھا :

" آج میری سہیلی کو جو بات نصیب ہوئی ہے ' کل مجھے بھی نصیب ہوگی " میں خیال کرنے لگی " میں بھی ایسے ھی شاندار جلوس میں نکلوں گی - میری رتھہ بھی پھولوں سے لدی ہوگی ' زیتون کی شاخیں اُسپر سایہ کیے ہونگی ' بانسریاں بجتی ہونگی ' اور میری سہیلیوں کی میٹھی آوازیں سریلی بانسریوں میں مل جائینگی - میں بھی ایک دن اپنے بر کے پہلو میں " ملیسا " کی طرح نگاھیں نیچی کیے بیٹھونگی - مجھپر وہ عجیب راز کھل جائینگے جو یہ موقعہ اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہے ... اسکے بعد ؟ ...... یہ کہ میں اپنے بچوں کو اپنی دودھ بھری چھاتیوں سے لگاؤں گی -

(راز)

... دوسرے دن میں اپنی سہیلی سے ملنے گئی - آنکھیں ملتے ھی دونوں کے رخسار سرخ ہوگئے - وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئی اب ہم بالکل اکیلے تھے - مجھے اس سے بہت سی باتیں کہنی تھیں - مگر اُسکی صورت دیکھتے ھی کچھہ یاد نہ رہا !

میری سہیلی جیسی ہمیشہ سے تھی ' ویسی ھی اب بھی ہے - کوئی فرق اس میں نظر نہیں آیا - لیکن یہ عجیب بات ہے کہ میں اُس سے کچھہ مرعوب سی تھی - میں اُس سے آنکھہ نہیں ملا سکتی تھی -

اچانک میرا ڈر دور ہوگیا - میں اُسکے زانو پر بیٹھہ گئی - اُسکے کان میں سب باتیں کہدیں - اُس نے بھی اپنا سر میرے سر پر رکھدیا اور پورا راز کہہ ڈالا !

(بانسری)

" لیکاسی " نے خوبصورت بانسری مجھے ھدیہ دی - وہ مجھے بانسری بجانا سکھانے لگا ......

هندوستان اور حکیم ابو ریحان بیرونی

نو سو برس پہلے هندوستان کي ذهني اور معاشرتي حالت

ایک عرب محقق و سیاح کے مشاهدات و تاثرات

مستشرقین یورپ کي کوششوں سے ابو الریحان محمد بن احمد البیروني کي شهرہ آفاق کتاب "کتاب الهند" یا "تحقیق ما للهند من مقولة مقبولة فی العقل او مرذولة" سنه ۱۸۸۷ میں شائع هوچکي هے - بیروني پانچویں صدي هجري کا مشهور حکیم اور محقق هے - گیارهویں صدي مسیحي کے اوائل یعني اب سے نو سو برس پہلے اس نے هندوستان کي سیاحت کي تهي - یه زمانه سلطان محمود غزنوي کي فتوحات کا تها - محمد بن القاسم کي فتح سندہ کے بعد یه پہلا موقعه تها که مسلمان به حیثیت جماعت اندرون هند میں بڑھے - مسلمان ' یہاں کے باشندوں سے نا واقف تهے ' اور هندو ' مسلمانوں سے نا آشنا - بیروني ' هندوستان میں بطور سیاح کے داخل هوا - سنسکرت زبان حاصل کي - هندو علماء کي صحبت میں بیٹها - هندو علوم کي تحصیل کي - اُنکے حالات سے واقف هوا - اور پهر غزني میں بیٹهکر اپني یه جلیل القدر کتاب مرتب کي - اس کتاب کے متعلق بالاتفاق تمام محققین حال کا فیصله هے که اُس عهد کے هندوستان پر اس سے بہتر اور محققانه بیان کسي مصنف کا موجود نہیں - یه کتاب همارے سامنے نو صدي پہلے کا هندوستان پیش کرتي هے - اِس میں زیادہ تر بحث هندو فلسفه ' الهیات ' نجوم ' ریاضي وغیرہ علوم سے کي هے - لیکن ضمناً اُس وقت کي معاشرتي حالت پر بهي بہت کچهه روشني پڑتي هے - ذیل میں هم اُسکے جسته جسته اقتباسات پیش کرتے هیں - اِن سے قارئین الهلال اندازہ کر سکینگے که قدیم هندوستان کي معاشرتي ذهنیت کا کیا حال تها ' اور اس طویل مدت میں کتنا کم تغیر اُس میں واقع هوا هے ؟ غالباً کسي ملک کے ذهني اور معاشرتي جمود و تصلب کي اس سے بہتر مثال دنیا میں موجود نہیں -

(هندوستان کے سمجهنے میں دشواریاں)

بیروني نے اپني کتاب کے مقدمه میں وہ دشواریاں بیان کي هیں جو غیر قوموں کو هندوستان کے سمجهنے میں پیش آتي تهیں - وہ لکهتا هے :

" هندوستاني هم سے اُن تمام باتوں میں مختلف هیں جو قوموں میں اشتراک یا تعارف کا ذریعه هوا کرتي هیں - مثلاً :

(۱) زبان — اگرچه سب قوموں کي زبانیں الگ الگ اور مختلف هیں لیکن هندوستان کي زبان (سنسکرت) عربي کي طرح بہت هي وسیع و دقیق هے - اجنبي کے لیے اُسکي تحصیل ' عربي سے بدرجها زیادہ دشوار هے - اِس زبان میں ایک هي چیز کے بہت سے نام اور ایک هي لفظ کے بہت سے معني پیدا هوتے هیں - اُنکا احاطۂ و ادراک اِس قدر مشکل هے که اسماء و مسمیات کي تمیز بجز خاص ذهانت و قابلیت رکهنے والوں کے ' عام لوگوں کے لیے تقریباً نا ممکن هے - هندو اپني زبان کي اِس پیچیدگي پر اُسي طرح ناز کرتے هیں جس طرح بعض دوسري قومیں کرتي هیں ' حالانکه یه در حقیقت زبان کا عیب هے - نه که خوبي -

هندوستان کي زبان کي دو قسمیں هیں : عامي اور فصیح — عامي ' عوام اور بازاریوں کے استعمال کے لیے هے - فصیح ' علم و ادب اور مجالس سلاطین و حکماء کے لیے - یه اپنے اشتقاق ' تصریف ' نحو کے دقائق ' اور بلاغت کي باریکیوں کي وجه سے اِس قدر مغلق هے ' که ماهر علماء کے سوا اس سے کوئي فائدہ نہیں اٹها سکتا -

پهر یه زبان ایسے حروف سے مرکب هے جنمیں سے بعض حروف عربي اور فارسي حروف سے کوئي مشابهت نہیں رکهتے - بلکه یوں کہنا چاهئے که هماري زبانیں اور حلق اُنکے صحیح تلفظ کي قدرت هي نہیں رکهتے - یهي باعث هے که عربي خط میں انکي تحریر نا ممکن هے ' اگرچه نقطوں ' علامتوں ' اور اعراب سے انهیں کتنا هي مقید کردیا جائے -

پهر بعض حروف مستعمل هیں ' بعض متروک - ساتهه هي نقل و صحت کا بهي اُن کے هاں زیادہ اهتمام نہیں هے - نتیجه یه هے که کتاب ایک دو نقلوں کے بعد برباد هو جاتي هے ' اور اُس کي زبان ایک نئي زبان بن جاتي هے - عوام کیا خواص بهي اُسے سمجهه نہیں سکتے - خود میرا تجربه هے که میں نے اُنهی کے منهه سے کوئي لفظ سنا ' پهر مزید تائید و تصحیح کے خیال سے اُن کے سامنے دهرایا ' تو میں نے دیکها ' خود اُن کے لیے اُس کا دوبارہ سمجهنا دشوار هو گیا تها !

ایک اور خصوصیت یه هے که بعض دوسري عجمي زبانوں کي طرح ان کي زبان میں بهي دو تین ساکن حرف ایک ساتهه جمع هو جاتے هیں ' اور اکثر الفاظ میں ابتدا به سکون هے - هماري زبانیں اِس قسم کے الفاظ بولنے کي عادي نہیں - یهي سبب هے که ان کے اکثر الفاظ هم آساني سے بول نہیں سکتے -

(۲) دیني اختلاف — باشندگان هند هم سے دین میں بهي کلي اختلاف رکهتے هیں - نه اُن کا کوئي عقیدہ همارے لیے قابل تسلیم هے ' نه همارا کوئي عقیدہ اُن کے لیے قابل قبول - وہ آپس میں بهي مذهبي اختلافات رکهتے هیں - مگر یه اختلافات فرعي هیں - دوسري قوموں سے اُن کا اختلاف اصولي هے - وہ سب قوموں کو " ملیچ " (ملچهه) یعني ناپاک کے لقب سے پکارتے هیں اور اُن سے ملنا جلنا ناجائز سمجهتے هیں - حتی که اُس پاني اور آگ کو بهي نا پاک سمجهتے هیں جو کسي غیر باشندۂ هند کے استعمال میں آگئي هو !

پهر اُن کے خیال میں یه نجاست اِس درجه شدید هے که پاکي کي کوئي صورت بهي ممکن نہیں - یه کسي حال میں بهي جائز نہیں که غیر هندو ' اگرچه هندو مذهب کا کتنا هي قائل هوجائے ' اُن میں داخل هوسکے ' یا جو آدمي اُن کے دین سے ایک مرتبه نکل گیا هے ' وہ پهر اُس میں لوٹ سکے - اِس صورت حال کا قدرتي نتیجه یه هے که وہ تمام دنیا سے بالکل الگ هوگئے هیں - کوئي بندهن بهي همیں اور اُنهیں جوڑنے والا موجود نہیں -

(۳) رسوم و عادات — یه مغایرت اِس درجه شدید هے که وہ اپنے بچوں کو هم سے ' همارے لباس سے ' هماري وضع قطع سے ڈرایا کرتے هیں - حتی که همیں شیطنت کي طرف منسوب کرتے هیں - هم سے نفرت اُن کے دلوں میں اِس قدر راسخ هے که خود میں نے اپنے کانوں سے اُنهیں کہتے سنا " تمهاری سر زمین کے ایک بادشاہ نے آکر همارا ایک بادشاہ مار ڈالا تها - مقتول اپنے پیچهے ایک شیر

گر

علم وکتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کرلی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور
جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے اڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کرسکتے ہیں

ہمارے یہاں سے
ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

میرے دل میں اُس وقت کوئی عجیب اور نا معلوم اثر پیدا ہو رہا تھا - لیکاسی نے بانسری میرے ہاتھہ سے نرمی کے ساتھہ لے لی اور بہت ہی دھیمی آواز میں ایک راگ سنایا - میرا دل زور سے دھڑکنے لگا - ......

ہمارے پاس کہنے کو کوئی بات نہ تھی - ہم باری باری بانسری بجا کر دل بہلاتے رہے -

ہم بالکل بے خودی کے عالم میں تھے - اچانک مینڈک چلانے لگے - اب ہم چونکے - رات قریب آ پہنچی -

مجھے بہت دیر ہوگئی ہے - لیکن میں اپنی ماں کو یقین دلانے کی کوشش کرونگی کہ میں اِس وقت تک اپنی کھوئی ہوی پیٹی ڈھونڈہ رہی تھی !

(جھونپڑا)

میرا چھوٹا سا جھونپڑا ' جہاں ہمارا نرم بستر رکھا ہے ؟ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے - وہ مجھے اس لیے پسند ہے کہ ہم نے اسی میں اپنی سب سے اچھی راتیں بسر کی ہیں !

ہمارا بستر ' درختوں کے پتوں اور پھولوں سے بنا ہے - وہ بھی مجھے بہت محبوب ہے ' کیونکہ وہ ہم دونوں کو جمع کرتا ہے !

میں کبھی کبھی بہت غمگین ہو جاتی ہوں - لیکن جب محبت کے پہلو میں ہوتی ہوں ؛ تو اپنے آپ کو بھی بھول جاتی ہوں - مجھپر ایک طرح کی غشی سی طاری ہو جاتی ہے -

(قسم)

" اُس " نے کہا :

" جب دریا کا پانی اُبل کر برف آلود پہاڑوں کی چوٹیاں چھپادے "

" جب انسان ' سمندر کی موجوں پر گیہوں اور جو بوکر کاٹنے لگے "

" جب سورج کی روشنی ' تاریکی ہوجائے "

" جب چاند گر کر چور چور ہو جائے "

" تو اُس وقت میرے لیے بھی روا ہوگا کہ تجھسے منھہ موڑلوں ' اور تجھے بھی حق ہوگا کہ مجھے بالکل بھلا دے ! اے بلیتس ! اے میری محبت ! "

(رات)

جب رات آجاتی ہے اور اندھیرا پھیل جاتا ہے ' تو میں خاموشی کے ساتھہ گھر سے نکل جاتی ہوں - ہرے بھرے میدانوں میں پہنچتی ہوں - میرا شوہر وہاں بے خبر پڑا سوتا ہے -

کبھی میں گھنٹوں کھڑی اُسے دیکھتی رہتی ہوں - بالکل چپ ' سناٹے میں ...... میں اُسے اپنے قریب تنہا دیکھکر خوش ہوتی ہوں - پھر میں اپنا منہ اُسکے منہ سے قریب کرتی ہوں - کیوں ؟ اسلیے کہ اُسکی سانس کے بوسے لوں !

اُس وقت ستاروں کی چمکیلی آنکھوں کے سوا ہمیں کوئی نہیں دیکھتا !

صبح ہو جاتی ہے -

" اِتنی جلدی روشنی لوٹ آئی ! " میں اپنے دل سے کہتی ہوں کس جگہ روشنی نہیں پہنچ سکتی ؟ کس غار میں سورج کی شعاع کبھی دکھائی نہیں دیتی ؟ مجھے اُسکی تلاش ہے - تاکہ ہمارا استغراق محبت کبھی ختم نہ ہو ... ہمیشہ کیلیے ! سورج کی کرنیں ہمیں پریشان کرنے نہ پائیں -

اقتباسات

ترازکی اور بد مستی

کون ہے جس نے مشہور روسی رہنما اور لینن کے بعد سب سے زیادہ حیرت انگیز روسی انسان " ترازکی " کا نام نہیں سنا ؟ یہ شخص جس نے اپنی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا لوہا دشمن تک سے منوا لیا ہے ' انقلاب روس سے پہلے امریکہ میں ایک معمولی درجہ کا بے وقعت اخبار نویس تھا اور شہر بوسٹن میں غریبانہ زندگی بسر کرتا تھا - اُسی زمانہ کا یہ واقعہ اب اخباروں میں شایع ہوا ہے کہ ایک دن ترازکی کو شہر کے کوتوال نے اِس جرم میں گرفتار کرلیا کہ وہ سڑکوں پر بدمست پھر رہا تھا - چنانچہ ۲۴ گھنٹہ قید میں رکھا گیا -

اُس وقت کوتوال کو کیا معلوم تھا کہ اُسکا یہی قیدی عنقریب دنیا کے مشہور انسانوں میں شمار کیا جایگا ؟ (السیاسۃ)

(ہنسی)

مشہور فرانسیسی مصنف زیبلے کہتا ہے :

" ہنسی ' انسان کا ایک امتیازی وصف ہے "

یہ قول بالکل صحیح ہے - بہت سے قدیم فلاسفہ بھی یہی کہہ چکے ہیں - ہنسی اور مسکراہٹ ' دو الگ الگ چیزیں ہیں - ہنسی کی بھی کئی قسمیں ہیں: گونجنے والی ہنسی ' خشک ہنسی ' کھوکھلی ہنسی ...

ہنسی کا خاصہ انسان میں بے فائدہ نہیں ہے - ہنسی میں بہت سے جسمانی فوائد ہیں - دل کھولکر ہنسنے کے بعد انسان کو سانس لینے میں بہت آرام محسوس ہوتا ہے - کیونکہ جس طرح دوڑنے کے بعد پھیپھڑونکی ہوا صاف ہوجاتی ہے ' اُسی طرح ہنسنے کے بعد اسکی حالت ہوتی ہے - پھر ہنسی کا اعضاء ہضم یعنی معدہ و جگر وغیرہ پر بھی بہت اچھا اثر پڑتا ہے - پیٹ بھرکے کھانے کے بعد ہنسی غیر معمولی سرعت سے کھانا ہضم ہونے میں مدد دیتی ہے - اسی لئے دستر خوان پر ہنسنے ہنسانے والی باتیں کرنا مستحسن ہے ' اور اسی لیے تنہا بیٹھہ کر کھانا ناپسند کیا جاتا ہے ' کیونکہ اس کا نتیجہ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ انسان ضعف معدہ یا دائمی قبض میں مبتلا ہوجاتا ہے - لقمہ منہہ میں لیکر ہنسنا نہیں چاہیے ' ورنہ آلات تنفس میں لقمہ کے اجزاء اٹک جانے کا اندیشہ ہے - اگر کبھی ایسی صورت پیش آجائے تو پیٹھہ پر زور سے گھونسا نہیں مارنا چاہیے ' کیونکہ یہ سخت خطرناک ہے -

ہنسی پورے نظام عصبی کے لیے مفید ہے - جب انسان ہر خوشی کے موقعہ پر ہنسنے کا عادی ہوجاتا ہے تو اُسے ہر مرتبہ ہنسنے میں خوشی حاصل ہونے لگتی ہے - البتہ بلا وجہ ہنسنا حماقت ہے -

لیکن آخر ہم ہنستے کیوں ہیں ؟ جو باتیں ایک شخص کو ہنساتی ہیں ' بسا اوقات دوسرے کو نہیں ہنسانیں - اس کا جواب مشکل ہے !

(سنڈے ریویو)

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہی؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہی

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیجا سکتی ہی؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہی؟

۱۹۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہی۔ ۱۲؍ (مینجر الہلال کلکتہ)

حیرت انگیز رعایت

پندرہ روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

محصولڈاک اور پیکنگ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے کمرہ کے لئے + بیوی کے لئے

قابل دید گولڈن رسٹ واچ | ریلوے ریگولیٹر پاکٹ واچ | مشہور عالم بی ایم ٹائم پیس

نستعلیق نئے فیشن کی خوشنما فیشنی پائدار بہت ہی کم قیمت ہے۔ اسٹراپ سمیت چار روپے آٹھ آنہ ۴؍ محصولڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس	اصل سوئس پرزہ خوبصورت مضبوط ٹائم نہایت صحیح بتانیوالی قیمت صرف پانچ روپے آٹھ آنے ۵؍ محصولڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس ۲؍	دیکھنے میں خوبصورت چال کا اچھا پرزوں کا مضبوط ٹائم کا سچا۔ بیحد سستا قیمت دو روپے محصولڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس

یہ تینوں گھڑیاں اگر آپ یکمشت طلب فرمائیں تو صرف دس روپے میں بھیجی جائیں گی یہ رعایت محض مال کی نکاسی اور فرم کی شہرت کی وجہ سے ہی اور یہ رعایت اسی وقت تک رہیگی جب تک یہ گھڑیاں اسٹاک میں رہینگی اسکے بعد تمام قیمتیں کے ذمہ دار نہ ہونگے آپ فوراً ہی آرڈر بھیجدیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہوجائے اور آپ کی فرمائش کی تعمیل نہ ہوسکے

نوٹ۔ ایک یا دو گھڑی کے خریدار کیلئے کوئی رعایت نہیں ہی۔ ان سے پوری قیمت مندرجہ چارج کیجائے گی۔ اور محصولڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی ان کو ادا کرنا ہوگا +

پتہ۔ علی محمد کریم ٹائم ہوس اسٹاکسٹ ویسٹ اینڈ واچ کمپنی ۸۳ مقام دھلی

فدائیان اسلام پر مصائب کا ہجوم

کیوں ہی؟

اگر آپ کو قوم کے ظاہری و باطنی امراض اور انکے علاج کا علم حاصل کرنا ہے تو الجمعیۃ ملاحظہ فرمائیے

"الجمعیۃ" تمام ہندوستان میں ایک ہی اخبار ہی جو علما کی زبان کہلانے کا مستحق ہی اور جسکا اہم ترین مقصد ملت بیضا کی محافظت ہی۔ مقدس مذہب اسلام کے خلاف حملوں کا دندان شکن جواب دینا اور واقعات کی محققانہ تنقید اس کا مخصوص طریقہ ہی

اس زمانے میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے اخبار بھی ایک ضروری چیز ہوگیا ہی اور ہر قوم کو اپنی تمدنی زندگی قائم رکھنے کے لئے اسکی حاجت ہی۔ اسلئے تمام مسلمانوں کو لازم ہی کہ وہ مذہب کی حفاظت کے فریضے کو تمام فرائض سے اہم سمجھیں اور اس اخبار کو جو مذہب کا محافظ ہی اور صلاح قوم کا علمبردار ہی اشاعت اور ترقی کے اعلی درجے پر پہنچادیں

حق کی آواز جسقدر کثرت سے لوگوں کے کان میں جائے اسیقدر کامیابی ہی

اخبار الجمعیۃ کی پانچ (۵) خصوصیات

(۱) تمام سیاسی و مذہبی مسائل پر عالمانہ و فاضلانہ بحث کرتا ہی۔

(۲) تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق مسلسل مضامین شائع کرکے مخالفین اسلام کو خاموش کرتا ہی۔

(۳) عربی، فارسی، اردو، انگریزی اخبارات کے تراجم پیش کرتا ہی۔

(۴) حضرت مولنا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند کے فتاوے کی اشاعت کرتا ہی۔

(۵) ایک کالم تفریح کا بھی ہوتا ہی جس سے اسکی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہی۔

ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہی۔ چندہ سالانہ چھ روپیہ (للعہ) ششماہی تین روپئے چار آنے (سہ۴)

مینجر "الجمعیۃ" دہلی

انگلستان پر	۴۴۶	لمین (ایک لمین ۱۰ لاکھ)	ڈالر تقریباً ۳ روپیہ
فرانس 〃	۳۸۴۴	〃	〃
اٹلی 〃	۱۹۳۲	〃	〃
بلجیم 〃	۴۳۷	〃	〃
روس 〃	۲۳۲	〃	〃
پولینڈ 〃	۱۹۳	〃	〃
یوگوسلاویا 〃	۱۰۶	〃	〃

امریکہ میں الحاد کی مقبولیت

الحادی انجمنوں کی دعوت و تبلیغ

اسوقت آمریکہ میں سب سے زیادہ طاقتور اور مقبول دعوت، الحاد اور ترک ادیان کی دعوت ہو۔ ملحدانہ خیالات دنیا میں قدیم زمانوں سے موجود ہیں اور دنیا کے نئے علمی دور نے مذہبی عقائد کا قدیم رسوخ متزلزل کردیا ہو، تاہم اسوقت تک کسی ملک میں بھی الحاد عوام میں مقبولیت حاصل نہ کرسکا، اور عامتہ الناس کا میلان مذہب ہی کی طرف رہا۔ مگر اب آمریکہ میں الحاد ایک عام پسند دعوت کی حیثیت اختیار کر رہا ہو اور روز بروز اُس کی جماعتیں زیادہ قوت و رواج حاصل کر رہی ہیں۔ آمریکہ کے کالج اور یونیورسٹیاں اس دعوت کی اشاعت و تبلیغ کا سب سے بڑا میدان ہیں۔ انہی میدانوں میں قوم کے دل و دماغ طیار ہوتے ہیں، اور اگر یہ الحاد کی اشاعت و تبلیغ کا مرکز بن گئے ہیں، تو ظاہر ہے کہ آمریکی دل و دماغ کا سانچا اب مذہب کا نہیں بلکہ الحاد کا سانچا ہے!

مشہور امریکی اخبار "ورلڈ" نے اس ملحدانہ تحریک کی تحقیقات کے لئے اپنا ایک خاص نمائندہ مقرر کیا تھا۔ اسنے ۱۸ مہینے دورہ کرکے اپنا مفصل بیان شائع کردیا ہو۔ ہم اس بیان کے بعض اہم نقاط پر نظر ڈالیں گے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہو کہ دہریت عام کرنے کے لئے ایک نہایت طاقتور انجمن موجود ہو۔ یہ انجمن اسوقت تک ۲۰ کالجوں اور تین یونیورسٹیوں میں اپنی باقاعدہ شاخیں قائم کرچکی ہو۔ نیز آمریکی جنگی بیڑہ کے افسروں اور سپاہیوں میں بھی اُسنے بہت اثر پیدا کرلیا ہے۔ آمریکہ کے بیشمار اساتذہ انجمن کے ممبر ہیں اور اُس کے مقاصد پھیلا رہے ہیں۔

سب سے پہلے جس یونیورسٹی نے علانیہ الحاد کو اپنا مذہب قرار دیا، وہ صوبہ نیویارک کی روچیسٹر یونیورسٹی ہو۔ اسنے باضابطہ طور پر انجمن الحاد کی رکنیت قبول کرلی ہو اور اپنے دائرے میں اُس کی شاخ قائم کردی ہو۔ اس شاخ کا نام عجیب ہو "ملعون ارواح والوں کی انجمن" اس نام نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ اب تمام الحادی مدارس کے طالب علموں نے یہی نام اختیار کرلیا ہو۔ اسی قسم کے کئی اور نام بھی مختلف شاخوں نے تجویز کئے ہیں۔ مثلاً نیویارک کی ایک الحادی کمیٹی کا نام ہو "اُن لوگوں کی انجمن جن کا کوئی خدا نہیں ہو" فیلاڈلفیا کی ایک انجمن کا نام "سیاہ بھیڑوں کی انجمن" ہو۔ ایک اور شاخ "شیطان کے فرشتوں" کے نام سے مشہور ہو۔ ایک انجمن "دائرۂ کفار" کہلاتی ہو۔ ایک دوسری جماعت اپنے آپ کو "ملعون روحوں کی جماعت" کہتی ہو، اور اس کے صدر کا لقب "اعلیٰ حضرت شیطنت پناہ" ہو!

انجمن الحاد حسب ذیل اصول کی تبلیغ کرتی ہو:

۱۔ عقل کے سوا کوئی خدا نہیں۔

۲۔ آسمانی کتابوں میں جتنے قصے مذکور ہیں، محض بے بنیاد افسانے ہیں۔

۳۔ جنت، دوزخ کا کوئی وجود نہیں۔

۴۔ دین، طبیعت سے ماوراء امور کی پرستش کا نام ہو، اور ایسے امور کا کوئی وجود نہیں۔ اس لئے اُسے مٹا دینا چاہئے۔

۵۔ کلیسا کا نظام، دنیا کے لئے خطرہ ہو۔

حکومت سے اُس کے مطالبے حسب ذیل ہیں:

۱۔ تمام گرجوں پر بلا کسی امتیاز کے محصول مقرر کرنا چاہئے۔

۲۔ سرکاری عہدوں پر اور مجلس خواص اور مجلس عوام میں جتنے بھی پادری ہیں، سب نکال دئے جائیں۔

۳۔ مذہبی انجمنوں کو کوئی مالی مدد نہ دی جائے۔

۴۔ تمام مدارس میں دینی تعلیم ممنوع قرار دی جائے۔

۵۔ ہر قسم کے دینی رسوم اور تہوار موقوف کردئے جائیں۔

۶۔ تورات و انجیل کی قسم ناجائز قرار دی جائے۔

۷۔ اتوار کو مذہبی دن تسلیم نہ کیا جائے۔

۸۔ وہ تمام دینی فرائض و شعائر منسوخ کردئے جائیں جنھیں دینی فضائل و حسنات خیال کیا جاتا ہو۔ اُن کی جگہ صحیح آداب اور آزادی و مساوات کے اصول عام کئے جائیں۔

۹۔ امریکی سکے پر سے یہ عبارت محو کردی جائے "خدا پر میرا توکل ہو"

اخبار "ورلڈ" کے خاص نمائندے نے اپنی تحقیقات کے دوران میں ان لوگوں سے ملاقاتیں کیں جو اس دعوت کے رہنما ہیں۔ انجمن الحاد کے ناظم مسٹر ہوبوڈ نے اپنی گفتگو میں کہا:

"ہم جانتے ہیں کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علموں میں ایک بہت بڑی جماعت ہو جو الحاد قبول کرچکی ہو مگر خوف سے اعلان نہیں کرتی۔ خاموشی اور سکون سے اپنے دائرے میں اُس کی تبلیغ و اشاعت کر رہی ہو"

ایک اور بڑے ملحد نے کہا

"خدا پر ایمان، اب ایک فرسودہ عقیدہ ہو اور موجودہ متمدن روح کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جن کتابوں کو آسمانی کتابیں خیال کیا جاتا ہو خرافات و قصص سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ اگر ہم ان کتابوں پر عمل کرینگے تو اپنے ہاتھوں اپنی قدر کھودیں گے اور اپنی خوشی سے پاگلوں کے زمرے میں داخل ہوجائینگے۔ مزید برآں، ان نام نہاد آسمانی کتابوں میں ایسے فحش قصے درج ہیں جنھیں کوئی با اخلاق آدمی پڑھنا گوارا نہیں کرسکتا (موجودہ تورات کے بعض مضامین کی طرف اشارہ ہی) موجودہ علم، دین کی بیخ کنی کر رہا ہو۔ علماء وقت، جدید ترین علمی افکار کی اشاعت کرکے تحریک الحاد کی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ انجمن الحاد نے حال میں چند سوالات شائع کئے تھے۔ انکے جوابوں سے معلوم ہوا کہ ۷۵ فیصدی علماء عصر، ملحد ہیں، یا کم از کم لا ادری ہیں۔ اُن کی تعلیم کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا، روح، اور ابدیت کے اعتقاد سے انکار کیا جائے"

انڈیانا یونیورسٹی سے ایک رسالہ "واگابونڈ" نام شائع ہوتا ہو یہ اس درسگاہ کے ملحد طالب علموں کا ترجمان افکار ہو۔ اسکے محرر نے پچھلی اشاعت میں اپنے دستخط سے ایک مضمون "میں ملحد کیوں ہوں؟" کی سرخی سے شائع کیا ہو۔ اسمیں وہ لکھتا ہو:

"خدا کا عقیدہ بھی فیشن کا حکم رکھتا ہو۔ آج ایک عقیدہ معقول ہوتا ہو، کل دوسرا اُس کی جگہ لے لیتا ہو۔ ایک زمانہ میں "زفس" کا نام یونان میں آدمیوں کے دل ہلا ڈالتا تھا۔ یہ یونان کا سب سے بڑا معبود تھا۔ اسی طرح "جوپٹر" (مشتری) کے سامنے رومانیوں کے سر ہیبت و اجلال سے خم ہوجاتے تھے۔ لیکن آج دنیا ان ناموں پر ہنستی ہو۔ اگر یہ صحیح ہو کہ تاریخ اپنا اعادہ کرتی رہتی ہو تو ہمیں یقین کرنا چاہئے کہ وہ زمانہ دور نہیں جب "یہواہ" (عبرانی میں خدا کا نام) بھی اپنی تمام عظمت کھوکر مضحکہ بن جائے گا!"

یہ تحریک صرف مردوں ہی میں نہیں بلکہ عورتوں میں بھی عام ہو رہی ہو۔ متعدد الحادی انجمنوں کی صدر، عورتیں ہیں۔ چنانچہ پنسلوینیا کی انجمن کی صدر مس کرسٹن واکر ہو۔ اس کی عمر ۱۸ برس کی ہو۔ تین سال پہلے بہت سخت مذہبی تھی، لیکن اب سرگرم ملحد ہو۔ اسی طرح مغربی صوبوں میں ایک سترہ برس کی دوشیزہ اس تحریک کی قائد ہو۔ اس کا نام کوئن مسکو ہو۔ اسی نام سے وہ ایک رسالہ بھی نکالتی ہو۔ یہ رسالہ الحاد کی تبلیغ میں بہت پیش پیش ہو۔ اس کا قول ہو "جو شخص بھی خدا پر یقین رکھتا ہو، ضرور ہو کہ اُس کے عقلی قوا میں خلل ہوا"

آمریکہ کے سیاسی مدبر اس الحادی طوفان سے سخت خائف ہیں اور اس کی مقاومت کی تدبیروں پر غور کر رہے ہیں۔

ٹرکی قالین

ترکی کے قالین دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ پچھلے چند سال سے یونانی تاجروں نے یہ پروپیگنڈا جاری کر رکھا ہو کہ قالین بافی کی صنعت ٹرکی کے یونانیوں کے ہاتھ میں تھی وہ جب سے جلا وطن کردئے گئے ہیں، یہ صنعت بھی ٹرکی سے یونان میں چلی گئی ہو۔ اس پروپیگنڈا نے بالآخر ترکی حکومت کی توجہ اپنی طرف منعطف کی۔ چنانچہ اُسنے اس بارے میں ایک بیان شائع کیا ہو۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہو کہ علاقہ سمرنا میں (جو اس صنعت کا مرکز ہی) جنگ سے پہلے ۸،۲۹۰ کارخانے قالین سازی کے تھے۔ اُن میں ۲۰،۵۲۰ ترک، اور ۳،۷۵۰ یونانی اور ارمنی کاریگر کام کرتے تھے۔ یعنی اُسوقت بھی ترک کاریگروں کی تعداد یونانیوں اور ارمنوں کی تعداد سے تقریباً نگنی تھی۔

ان دونوں قوموں کے اخراج کے بعد اس صنعت کا کیا حال ہوا؟ کیا وہ باقی نہیں رہی جیسا کہ یونانی کہتے ہیں؟

نہیں۔ کیونکہ اس سرکاری بیان میں مذکور ہو کہ باوجود جنگ کی بربادیوں کے یہ صنعت برابر ترقی کرتی رہی۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں ۱۱،۳۰۵ کارخانے تھے جن میں اسوقت ۳۰،۹۴۰ ترک کاریگر کام کر رہے ہیں جنگ سے پہلے ۹۰۹،۶۸۰ ہاتھ مربع قالین ہر سال بنتے تھے لیکن سنہ ۱۹۲۶ء میں اُن کی مقدار ۱۱،۸۴۴،۹۲۴ ہاتھ مربع تک پہنچ گئی۔ اس سے ٹرکی کی صنعتی ترقی کا اندازہ کیا جاسکتا ہو۔

خدیو عباس کے مقدمہ کا فیصلہ

قسطنطنیہ میں کسی شخص کو بھی شبہ نہ تھا کہ خدیو عباس اپنے مقدمہ میں کامیاب ہونگے۔ لیکن افسوس ہو کہ عدالت کا فیصلہ اُنکے خلاف صادر ہوا: "موجودہ عدالت کو اس دعوے پر غور کرنے کا کوئی حق نہیں ہو" ججوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہو۔ یعنی عدالت نے انگریزی وکیل کی منطق تسلیم کرلی، اور اپنے آپ کو ایسے مقدمات کے فیصلہ کا مختار نہیں سمجھا۔ عدالت نے مدعی سے مدعا علیہ کو ۵۰۰ ترکی پونڈ مصارف مقدمہ بھی دلائے ہیں!

اس فیصلہ پر ٹرکی کے اخبارات سخت برہم ہیں اور اسے صریح ناانصافی پر محمول کر رہے ہیں۔ اس فیصلہ نے ایک نئی تحریک پیدا کردی ہو، اخبارات زور دے رہے ہیں کہ اس قسم کی مخلوط عدالتیں آئندہ قطعی

بریدِ فرنگ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

بین الاقوامی سیاست سے علحدگی

۲ دسمبر ۱۸۲۳ء میں یعنی آج سے ایک سو چار برس پہلے ولایات متحدۂ امریکہ کے پانچویں صدر جیمس مونرو نے امریکہ کی مجلس حکومت (سینٹ) کے سامنے ایک تقریر کی تھی - یہ تقریر بعد میں تاریخی تقریر بن گئی اور اسکے عظیم الشان سیاسی نتائج پیدا کئے - اس تقریر میں پریسیڈنٹ نے امریکہ کی خارجی حکمت عملی کے لئے ایک اصول پیش کیا تھا جو بعد میں "مذہب مونرو" کے نام سے مشہور ہوا - اس اصول کا منشا یہ تھا کہ "امریکہ کو اپنے معاملات خود ہی طے کرنے چاہییں اور کسی بیرونی سلطنت کو اُن میں مداخلت کا موقعہ نہیں دینا چاہیے"، مقصود اس سے یہ تھا کہ براعظم امریکہ تمام دوسرے براعظموں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے لئے ایک مخصوص اور مستقل سیاسی دُنیا پیدا کرلے -

چونکہ ولایات متحدۂ امریکہ اپنے براعظم میں سب سے زیادہ آباد، مالدار اور طاقتور جمہوریت ہے، اس لئے دوسرے براعظموں سے الگ تھلگ ہوجانے کی وجہ سے اُسے امریکہ کے تمام دوسری جمہوریتوں پر ایک طرح کی فوقیت یا وصایت (منڈٹ) حاصل ہوگئی ہے اور اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے متعدد موقعوں پر وہ دوسری جمہوریتوں کے معاملات میں مداخلت بھی کر چکی ہے - چنانچہ ۱۸۶۷ء میں جب فرانس اور میکسیکو میں نزاع ہوئی، اور پھر جب ۱۸۹۸ء میں اسپین اور کوبا کا معاملہ پیش آیا، تو ولایات متحدہ نے اسی اصل کی بنا پر عملاً مداخلت کی - مونرو سے پہلے صدر واشنگٹن نے بھی اپنے ہموطنوں کو یہی نصیحت کی تھی کہ یورپی سلطنتوں سے اس طرح کے معاہدات نہ کریں جن سے امریکہ کی بین الاقوامی سیاست سے علحدگی کی حالت میں خلل پیدا ہونے کا امکان ہو -

یہی وہ قاعدہ تھا جس کی بنا پر عالمگیر جنگ کے بعد مجلس صلح کے موقعہ پر امریکہ میں سخت اختلاف آراء پیدا ہوگیا - ڈاکٹر ولسن اور اُنکے ہم خیالوں کی رائے تھی کہ اب امریکہ کو گوشۂ تنہائی سے نکلکر دنیا کی بین الاقوامی سیاست میں حصہ لینا چاہیے - لیکن مذکورۂ بالا قاعدہ کے معتقد اس کے مخالف تھے - وہ کہتے تھے امریکہ کو بدستور بین الاقوامی سیاست سے علحدہ رہنا چاہیے - بالآخر دوسری جماعت ہی کو فتح حاصل ہوئی کیونکہ امریکہ کی عام رائے اُنہی کے حق میں تھی ڈاکٹر ولسن کو اپنی شکست کا اعتراف کرلینا پڑا -

بلاشبہ اس اختلاف میں ڈاکٹر ولسن کو شکست ہوئی اور پرانا قاعدہ بدستور برقرار رہا - لیکن یہ سوال بہرحال ہمیشہ معرض بحث میں رہے گا کہ آخر امریکہ کب تک دُنیا کے سیاست سے علحدہ رہیگا؟ بلکہ یوں کہنا چاہیے حوادث کا سیلاب اُسے کبتک اسکی جگہ پر چھوڑے رکھے گا؟ ظاہر ہے، جنگ کے بعد دنیا کے سیاسی اور اقتصادی حالات میں انقلاب عظیم ہوگیا ہے، امریکہ کی تجارت بھی بیحد وسیع ہوگئی ہے، ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ مذہب مونرو کے حامی زیادہ عرصہ تک اپنی استقامت رائے قائم رکھ سکیں،

امریکی صدر جمہوریت

ولایات متحدۂ امریکہ کا نظام حکومت، انگلستان اور فرانس وغیرہ ممالک کے نظام سے بہت مختلف ہے - دُنیا میں کسی صدر جمہوریت کو اتنے اختیارات حاصل نہیں ہیں جتنے امریکی صدر جمہوریت کو ہیں - شاہ انگلستان اور صدر جمہوریۂ فرانس قریب قریب جملہ اختیارات سے محروم ہیں - لیکن امریکہ کے صدر کے ہاتھ میں وسیع اختیارات ہوتے ہیں خصوصاً جنگ یا دوسرے نازک موقعوں پر اُسے تقریباً مطلق العنان حاکم کی حیثیت از روئے قانون حاصل ہوجاتی ہے -

دُنیا کی دوسری حکومتوں کی طرح امریکہ میں وزیر اعظم کا عہدہ نہیں ہے - صدر جمہوریت ہی اپنے مددگاروں کی مجلس کا رئیس ہوتا ہے لیکن ان مددگاروں کو مجلس حکومت (سینٹ) اور مجلس خواص میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی - صدر امریکہ اور صدر فرانس میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ آخر الذکر کا انتخاب، عوام اور خواص کی دونوں مجلسیں یکجا ہوکر کرتی ہیں - لیکن امریکی صدر کا انتخاب اس طرح ہوتا ہے کہ ہر ریاست خاص اس غرض کے لئے اپنے نمائندے مقرر کردیتی ہے - یہ نمائندے اپنی اپنی ریاستوں کے صدر مقام میں جمع ہوتے ہیں اور صدر جمہوریت کے لئے کسی شخص کا انتخاب کرتے ہیں - تمام ولایتوں کے سربمہر اصوات (ووٹس) پایۂ تخت واشنگٹن بھیجدئے جاتے ہیں - پھر واشنگٹن کی دونوں مجلسیں جمع ہوکر ان اصوات کا شمار کرتی ہیں اور ۴ سال کے لئے صدر جمہوریت کا اعلان کردیتی ہیں -

صدر جمہوریت امریکہ کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اُس کی عمر کم سے کم ۳۵ سال کی ہو، اُسنے کم سے کم ۱۴ برس امریکہ میں گذارے ہوں، اور اس ملک کا مستقل باشندہ ہو - صدر جمہوریۂ فرانس کے برخلاف امریکہ کے صدر کا ایک نائب بھی ہوتا ہے - اور اپنی مدت کے دوران میں صدر کے فوت ہوجانے، یا مستعفی ہوجانے یا اپنے فرائض نہ ادا کر سکنے کی حالت میں نائب صدر اُس کی جگہ کام کرتا ہے اور صدر کا نیا انتخاب نہیں ہوتا - صدر کی موجودگی میں نائب صدر کا کام صرف اس قدر ہوتا ہے کہ وہ مجلس خواص کی صدارت کرتا ہے -

ولایات متحدہ

جمہوریہ امریکہ ۴۸ ریاستوں سے مرکب ہے ہر ریاست میں دو مجلسیں ہیں ان کا کام اندرون ریاست میں قانون بنانا اور حکومت کرنا ہے - لیکن تمام ریاستوں کے مشترک اور عام معاملات نیز خارجی سیاست، جمہوریت کے مرکزی مقام واشنگٹن کی دونوں مجلسوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں مجلس عوام کے ممبروں کی تعداد ۴۳۵ ہوتی ہے جو ہر دو برس میں ایک مرتبہ منتخب ہوتے ہیں - مجلس خواص میں ۹۶ ممبر ہوتے ہیں - یعنی ہر ریاست کی طرف سے عام اس سے کہ اُس کی آبادی کم ہو یا زیادہ، دو دو نمائندے ہوتے ہیں - ان کی مدت ۶ سال ہوتی ہے مگر ہر دو سال بعد ان میں سے ایک تہائی کا انتخاب از سر نو ہوا کرتا ہے اور اس طرح ۶ سال کے اندر نئی مجلس پیدا ہوجاتی ہے - مجلس خواص صدر جمہوریت کے ساتھ معاہدے منظور کرنے میں شریک ہوتی ہے - بغیر اُس کی منظوری کے کوئی معاہدہ جائز نہیں ہوسکتا -

امریکہ کے بیرونی مقبوضات

ایک طرف جمہوریۂ امریکہ، دول یورپ کو امریکہ کے معاملات میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیتی - دوسری طرف خود بھی ملک گیری کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے اور براعظم امریکہ کے باہر بھی نوآبادیاں رکھتی ہے!

(۱) جزیرۂ کوبا کا شمار اگرچہ ماتحت ممالک میں نہیں ہے لیکن عملاً امریکہ ہی کی اُسپر حکومت ہے - اس جزیرہ کی آبادی ۲۹،۰۰،۰۰۰ ہے

(۲) الاسکا ایک وسیع علاقہ ہے مگر آبادی ۵۵،۰۰۰ سے زیادہ نہیں ہے - اسمیں شکار کے جانور اور قیمتی کانیں بہت ہیں -

(۳) پورٹوریکو - اس کی آبادی ۱۲،۰۳،۰۰۰ ہے، یہاں قہوہ، تمباکو اور شکر کی پیداوار بہت ہے -

(۴) جزائر ہاوائی - آبادی ۲۵۵،۰۰۰ - اکثر باشندے زرد رنگ کے ہیں، قہوہ، چاول، اور کیلا بہت پیدا ہوتا ہے -

(۵) جزائر فلپائن وسیع علاقہ ہے - آبادی ایک کروڑ ہے -

امریکہ اور باقی دنیا کا مقابلہ

ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ کرۂ ارض میں مختلف حیثیتوں سے امریکہ کا درجہ کیا ہے:

دنیا کے مجموعی رقبہ میں امریکہ کا رقبہ

فی ہزار ۵۴	۸،۷ ملین کیلومیٹر مربع

دنیا کی مجموعی آبادی میں امریکہ کی آبادی

فی ہزار ۶۹	۱۰۵ ملین آبادی

دنیا کی مجموعی پیداوار میں امریکہ کی پیداوار

فیصدی ۸۳	جوار
" ۲۷	گیہوں
" ۶۴	روئی
" ۴۵	کوئلہ
" ۶۲	پٹرول
" ۶۰	لوہا
" ۲۰	سونا
" ۲۰	چاندی

امریکہ کے بڑے بڑے قرضے دول یورپ پر علاوہ سود کے حسب ذیل تھا

اگر ہم مرجائینگے تو کیا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہیگا۔ کیا موت کسی کے لئے کوئی عیب ہو؟

(استیعاب)

وفات

عین وفات کے وقت یہ شعر پڑھے:

الا لیتنی لم اُعنَ فی الملک ساعۃ ولم اکُ فی اللذّات اُعشی النواظر

کاش میں نے کبھی سلطنت نہ کی ہوتی! کاش لذتیں حاصل کرنے میں میں اندھا نہ ہوتا!

وکنت کذی طِمرین عاش ببلغۃ لیالی حتّی زار ضنک المقابر

کاش میں اُس فقیر کی طرح ہوتا جو تھوڑے پر زندہ رہتا ہو!

(عقد الفرید)

یزید کا مرثیہ

یزید نے مرثیہ کے یہ شعر کہے تھے:

جاء البرید بقرطاس یخبّ بہ فاوجس القلب من قرطاسہ فزعا

قاصد خط لئے دَوڑا ہوا آیا، تو قلب خوف زدہ ہوگیا۔

قلنا لک الویل ماذا فی کتابکمُ قالوا الخلیفۃ امسی مثبتا وجعا

ہم نے کہا تیری ہلاکت! خط میں کیا ہو؟ کہنے لگا خلیفہ سخت بیماری اور تکلیف میں ہو۔

فمادت الارض او کادت تمید بنا کأن اَغبر من ارکانہا انقلعا

قریب تھا زمین ہمیں لیکر جھک جائے۔ گویا اُس کا کوئی ستون اکھڑ گیا ہو

اودی ابن ہند واودی المجد یتبعہ کانا جمیعا فظلا یسریان معا

ہند کا لڑکا (معاویہ) مرگیا اور عزت بھی مرگئی۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے اب بھی دونوں ساتھ چلے جارہے ہیں۔

لا یرفع الناس ما اوہی وان جہدوا ان یرفعوہ ولا یوہون ما رفعا

جو گر رہا ہے اُسے آدمی لاکھ کوشش کریں اُٹھا نہیں سکتے اور جو اُٹھ رہا ہے اُسے لاکھ چاہیں گرا نہیں سکتے۔

اغرّ ابلج یستسقی الغمام بہ لو قارع الناس عن احلامہم قرعا

مبارک و خوبصورت جس کے واسطے سے باران رحمت طلب کیا جاتا ہو۔ اگر لوگوں کی عقلوں کا امتحان ہو تو وہ سب پر بازی لے جائیگا۔

(استیعاب - طبری)

یزید کا خطبہ

تین دن یزید گھر سے نہیں نکلا۔ پھر مسجد میں آیا اور حسب ذیل خطبہ دیا:

"تمام ستائش اُس خدا کے لئے ہو جو اپنی مشیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہو، دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہو محروم کردیتا ہو کسی کو عزت دیتا ہو، کسی کو ذلت دیتا ہو۔ لوگو! معاویہ، خدا کی رسیوں میں سے ایک رسی تھا۔ جب تک خدا نے چاہا اُسے دراز کیا پھر اُسے اپنی مشیئت سے کاٹ ڈالا۔ معاویہ اپنے پیش روں سے کم تر اور بعد والوں سے بہتر تھا۔ میں اُسے پاک ثابت کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اب وہ اپنے رب کے پاس پہنچ گیا ہو۔ اگر اُس سے درگزر کرے تو یہ اُس کی رحمت ہو اگر اُسے عذاب دے تو یہ اُس کے گناہ کا عذاب ہوگا۔ میں اُس کے بعد برسر حکومت آیا ہوں۔ نہ سرکش ہوں نہ کمزور ہوں۔ جلد بازی نہ کرو۔ اگر خدا کوئی بات ناپسند کرتا ہو، بدل ڈالتا ہو۔ اگر پسند کرتا ہو تو آسان کردیتا ہو"

بریدِ شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

ایشیائے کوچک اور یورپ کا اتصال۔ ٹرکی میں اشاعت اسلام۔ ۲۳ جولائی کی عید۔ ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟ - غازی مصطفٰے کمال کا سفر آدرنہ۔ درۂ دانیال کی قلعہ بندی

ایشیا اور یورپ کا اتصال

غازی مصطفٰے کمال پاشا کا سفر آستانہ، محض تفریح کے لئے نہ تھا بلکہ وہ برابر اہم مسائل کے حل میں مصروف رہو۔ ایک ضروری مسئلہ یہ بھی تھا کہ یورپین ٹرکی کو ایشیائے کوچک سے متصل کردیا جائے۔

چنانچہ اس بارے میں دو تجویزیں زیر غور ہیں۔ ایک یہ کہ باسفورس پر ایک عظیم معلق پُل تعمیر کیا جائے۔ یہ پُل اُسی طرح کا ہوگا جیسا بروکلین کا پُل ہو، جو اس جزیرے کو نیویارک سے متصل کرتا ہو۔ دوسری تجویز یہ ہو کہ باسفورس کے نیچے سرنگ کھودی جائے اور اُس میں ٹیوب ریلوے جاری ہو۔ مبصرین کا رجحان اسی آخری تجویز کی طرف ہو۔ ترکی میزانیہ میں اس غرض کے لئے ایک رقم موجود ہو۔ مگر وہ ناکافی ہے۔ خیال کیا جاتا ہو کسی جرمن کمپنی کو اس کا ٹھیکہ دیا جائے گا۔ جب یہ پُل یا زمیں دوز ریل جاری ہوجائے گی تو ایشیائے کوچک سے یورپین ٹرکی بالکل متصل ہوجائے گا اور نقل و حرکت میں بڑی سہولت ہوجائے گی۔

ٹرکی میں اشاعت اسلام

ادہر کچھ مدت سے اُن لوگوں کے لئے دقتیں پیش آرہی تھیں، جو دین اسلام قبول کرنا چاہتے تھے، کیونکہ جدید قانون مدنی کے اعلان کے بعد وہ قواعد منسوخ ہوگئے ہیں جو اس بارے میں پہلے جاری تھے۔ پہلے دستور یہ تھا کہ جب کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرنا چاہتا تھا تو حاکم کے سامنے درخواست پیش کرتا تھا۔ حاکم اُس کے اصلی دین کے پیشوا کو طلب کرتا، اور پیشوائے دین اپنے اس ہم مذہب کو جس قدر سمجھا بجھا سکتا تھا، سمجھاتا بجھاتا۔ اگر وہ اُس کی نصیحت قبول کرلیتا، تو اپنے سابق دین پر برقرار رہتا۔ ورنہ مسلمان قاضی کو بلایا جاتا اور وہ اُسے کلمۂ اسلام کی تلقین کرکے مسلمان بنا لیتا۔

لیکن اب جدید قانون نے یہ سب رسمیں موقوف کردی ہیں۔ اب اسلام لانے کے لئے صرف اس قدر کرنا پڑتا ہو کہ مفتی کے سامنے اپنی درخواست پیش کردیتا ہو اور وہ اسلام کے اصول و تعلیمات واضح کرکے اُسے مسلمان بنا لیتا ہو۔

یہاں کے اخبارات کا بیان ہو کہ نو مسلموں کی تعداد روز بروز بڑہتی جاتی ہو۔

۲۳ جولائی کی عید

تمام ترکی قوم نے ۲۳ جولائی کو بڑے جوش و خروش سے عید منائی۔ یہ عید دراصل اُس تاریخی دن کی یادگار ہو جس میں قوم نے مُدتوں کی مطلق العنان حکومت کو "دستور" یا "مشروطیت" (کانسٹیٹیوشن) پر مجبور کیا تھا۔ یہ واقعہ ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء میں پیش آیا تھا۔ اگرچہ اب اعلان جمہوریت کے بعد یہ دستور بھی منسوخ ہوگیا ہو، لیکن چونکہ یہ دن، دَور جدید کا سنگ بنیاد ہو، اس لئے ترکی قوم اَب تک اُسے ایک قومی و وطنی عید کی طرح مناتی ہو۔

ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟

یہاں ایک مدت سے یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ترکی موسیقی باقی رہے یا اُس کی جگہ مغربی موسیقی قبول کرلی جائے؟ یورپین موسیقی کے حامی کہتے تھے کہ ترکی موسیقی، ناقص ہو۔ اتنی ناقص کہ ۵ آدمی بھی ایک ساتھ ہوکر کوئی راگ پوری طرح ادا نہیں کرسکتے۔ ترکی موسیقی کے حامی کہتے تھے کہ بلاشبہ ترکی موسیقی میں ترقی کی بہت گنجائش ہو مگر وہ ناقص نہیں ہو۔ اس بحث نے بالآخر مقابلہ کی صورت اختیار کرلی اور کل ترکی موسیقی کے ۱۲۰ ماہر اپنا فن دکھانے کے لئے جمع ہوئے۔

(آپکے قارئین غالبًا اس واقعہ سے واقف ہونگے کہ ایک زمانہ میں ترکی موسیقی ترقی یافتہ موسیقی تھی۔ ترک اس فن کے اُستاد تسلیم کئے جاتے تھے۔ اُنھوں نے اس میں بہت سی ایجادیں کی تھیں اب تک اُن کی بعض ایجادیں مغربی موسیقی میں موجود ہیں۔ یہی باعث ہے کہ وہ اب تک اپنی موسیقی پر ناز کرتے اور اس سے دست بردار ہونے پر طیار نہیں ہیں (یورپ کے مورخین نے اعتراف کیا ہو کہ موجودہ قسم کا فوجی باجہ اور فوجی راگ سب سے پہلے ترکوں ہی نے ایجاد کیا۔ الہلال)

چنانچہ کل کے یادگار جلسے میں بے شمار مخلوق جمع تھی۔ جلسہ کا افتتاح، موسیقی کے مشہور پروفیسر رؤف یکتابک نے اپنی تقریر سے کیا۔ اُنھوں نے کہا:

"ترکی موسیقی کو یورپین موسیقی پر نمایاں امتیاز حاصل ہو لیکن چونکہ ہمارے مخالف اس فن شریف سے بے بہرہ ہیں اس لئے میں فنی دلائل کی جگہ شہرۂ آفاق فرانسیسی ماہر فن، سن سانس کا قول پیش کرتا ہوں۔ اس اُستاد نے لکھا ہو "جس موسیقی کو ہم حقارت کے ساتھ مشرقی موسیقی کہتے ہیں، وہ مغربی موسیقی سے بہت بلند اور ممتاز ہو!"

اس کے بعد ۱۲۰ ترکی اُستادوں نے اپنے اسلاف مثلاً بکر ابلبی سید نوح، شیخ ذکائی وغیرہ کے راگ ایک ساتھ گائے، اور اس

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

امیر معاویہ بن ابی سفیان

امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کی شخصیت تعارف سے بے نیاز ہے عرب کا عزم، حزم، عقل، تدبر، پُورے تناسب سے اس دماغ میں جمع ہوگیا تھا۔ عربی کتب ادب و تاریخ اُن کی تدبر و سیاست کے واقعات سے لبریز ہیں۔ تقریباً پُوری زندگی امارت و حکومت میں بسر ہوئی۔ اور ہمیشہ اُن کی سیاست کامیاب رہی وہ اُس عہد کے ایک پُورے سیاسی آدمی تھے۔

ایک عجیب عزم

جب مرض نے خطرناک صورت اختیار کرلی اور لوگوں میں اُنکی مَوت کے چرچے ہونے لگے، تو امیر معاویہؓ کو فتنہ و فساد کا اندیشہ پیدا ہوا۔ ولی عہد، یزید، (جسے جبراً بزور شمشیر ولی عہد منوایا گیا تھا) دارالخلافہ سے دُور تھا اور ابتری پیدا ہوجانے کا قوی احتمال تھا۔ اُنھوں نے فوراً اپنے تیمار داروں سے کہا:

"میری آنکھوں میں خوب سُرمہ لگاؤ۔ سَر میں تیل ڈالو"

حکم کی تعمیل کی گئی، سرمہ اور روغن نے بیمار چہرے میں تازگی پیدا کردی۔

پھر اُنھوں نے حکم دیا:

"میرا بچھونا اونچا کرو۔ مجھے بٹھادو۔ میرے پیچھے تکئے لگادو"

اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی۔

پھر کہا:

"لوگوں کو حاضری کی اجازت دو۔ سب آئیں اور کھڑے کھڑے سلام کرکے رخصت ہوجائیں۔ کوئی بیٹھنے نہ پائے"

لوگ اندر آنا شروع ہوئے۔ جب وہ سلام کرکے باہر جاتے توآپس میں کہتے "کون کہتا ہے خلیفہ مر رہے ہیں؟ وہ تو نہایت تر و تازہ اور تندرست ہیں!"

جب سب لوگ چلے گئے تو امیر معاویہ نے یہ شعر پڑھا:

وتجلدی للشامتین اریھم — انی لریب الدھر لا اتضعضع

شماتت کرنے والوں کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر ہونے نہیں دیتا میں اُنھیں ہمیشہ یہی دکھاتا ہوں کہ زمانہ کی مصائب مجھے مغلوب نہیں کرسکتیں۔ (طبری ج ٦)

دُنیا کی بے ثباتی

دورانِ علالت میں قریش کی ایک جماعت، عیادت کو آئی۔ امیر معاویہ نے اس کے سامنے دُنیا کی بے ثباتی کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا: "دنیا! آہ دنیا! اس کے سوا کچھ نہیں جسے ہم اچھی طرح دیکھ چکے ہیں اور جس کا خوب تجربہ کر چکے ہیں۔ خدا کی قسم، ہم اپنی جوانی کے عالم میں دُنیا کی بہار کی طرف دوڑے، اور اُس کے سب مزے لُوٹے مگر ہمنے دیکھ لیا کہ دنیا نے جلد پلٹا کھایا۔ بالکل کایا پلٹ کردی۔ ایک ایک کرکے تمام گرہیں کھول ڈالیں۔ پھر کیا ہوا؟ دُنیا نے ہم سے بیوفائی کی۔ ہماری جوانی چھین لی۔ ہمیں بوڑھا بنادیا۔ آہ، یہ دُنیا کتنی خراب جگہ ہے؟ یہ دُنیا کیسا بُرا مقام ہے؟"

(احیاء علوم الدین جلد ۴)

آخری خطبہ

امیر معاویہ نے اپنی بیماری میں آخری خطبہ یہ دیا:

"اے لوگو! میں اُس کھیتی کی بالی ہوں جو کٹ چکی ہے۔ مجھے تم پر حکومت ملی تھی۔ میرے بعد جتنے حاکم آئیں گے، مجھ سے بُرے ہونگے ٹھیک اُسی طرح، جیسے اگلے حکام مجھ سے اچھے تھے۔

(احیاء ج ۴)

حسرت

جب وقت آخر ہوا تو کہا، مجھے بٹھادو۔ چنانچہ بٹھائے گئے۔ دیر تک ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔ پھر رونے لگے اور کہا:

"معاویہ! اپنے ربّ کو اب یاد کرتا ہے جبکہ بڑھاپے نے کسی کام کا نہیں رکھا اور جسم کی چولیں ڈھیلی ہوگئیں۔ اُسوقت کیوں نہ یہ خیال آیا جب شباب کی ڈالی تر و تازہ اور ہری بھری تھی؟

پھر چلاکر روئے اور دعا کی:

"اے ربّ! سخت دل، گنہگار، بوڑھے پر رحم کر! الٰہی! اُس کی ٹھوکریں معاف کردے! اُس کے گناہ بخش دے! اپنے وسیع حلم کو اُس شخص کے شامل حال کر جسنے تیرے سوا کسی سے اُمید نہیں کی، تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کیا!"

(احیاء ج ۴)

بیٹیوں سے خطاب

تیمارداری اُن کی دونوں لڑکیاں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ اُنہیں کروٹ بدلانے لگیں تو اُنھیں بغور دیکھ کر کہا: تم ایک ڈانواں ڈول وجود کو کروٹیں بدلوا رہی ہو۔ اُسنے دُنیا بھر کے خزانے جمع کرلئے لیکن کاش وہ دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

لقد سعیت لکم من سعی ذی نصب — وقد کفیتکم التطواف والرحلا

میں نے تمھارے لئے بہت سخت محنت سے کوشش کی اور تمھیں در بدر ٹھوکریں، کھانے سے بے پرواہ کردیا۔ (طبری)

اپنی فیاضی کی یاد

وفات سے کچھ پہلے اشہب بن رمیلہ کے یہ شعر پڑھے جو اُسنے قباع کی مدح میں کہے تھے:

اذا مت، مات الجود وانقطع الندی — من الناس الا من قلیل مصرد

تیری مَوت کے ساتھ سخاوت اور فیاضی بھی مرجائیگی۔

وردت اکف السائلین وامسکوا — من الدین والدنیا بخلف مجدد

سائلوں کے ہاتھ لوٹا دئے جائینگے اور دین اور دُنیا کی محرومیاں اُن کے انتظار میں ہوں گی۔

یہ سُن کر اُن کی لڑکیاں چلا اُٹھیں "ہرگز نہیں، امیر المومنین! خدا آپ کو سلامت رکھے!"

اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف یہ شعر پڑھ دیا:

واذا المنیۃ انشبت اظفارھا — الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

جب مَوت اپنے ناخن گاڑ دیتی ہے تو کوئی تعویذ بھی نفع نہیں پہنچاتا

نصیحت

پھر بیہوش ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھولی اور اپنے عزیزوں کو پاس دیکھ کر کہا:

"اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا۔ کیونکہ جو ڈرتا ہے، خدا اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ اُس شخص کے لئے کوئی پناہ نہیں جو خدا سے بے خوف ہے"

(طبری)

یزید کی آمد

امیر معاویہؓ کی نازک حالت سے، قاصد کے ذریعہ، ولی عہد (یزید) کو مطلع کیا گیا۔ وہ فوراً روانہ ہوا۔ پہنچتے پہنچتے حالت اور بھی ابتر ہو چکی تھی۔ یزید جب پہونچا تو سکرات مَوت کی حالت شروع ہوچکی تھی اسنے باپ کو پکارا مگر وہ بول نہ سکے۔ یزید رونے لگا اور یہ شعر پڑھے:

لو عاش حی علی الدنیا لعاش اما — م الناس لا عاجزًا ولا وکل

اگر کوئی آدمی بھی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہتا تو بلا شک آدمیوں کا امام زندہ رہتا، وہ نہ عاجز ہے، نہ کمزور ہے۔

الحول القلب والاریب ولن — یدفع وقت المنیۃ الحیل

وہ بڑا ہی عاقل و مدبر و فہیم ہے۔ لیکن مَوت کے وقت کوئی تدبیر بھی کام نہیں آتی۔

یزید سے خطاب

معاویہ نے یہ سُنکر آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"اے فرزند! مجھے جس بات پر خدا سے سب سے زیادہ خوف ہے، وہ تجھ سے میرا برتاؤ ہے۔ جان پدر! ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ سفر میں تھا۔ جب آپ ضروریات سے فارغ ہوتے یا وضو کرتے تو میں دست مبارک پر پانی ڈالتا۔ آپنے میرا کُرتا دیکھا وہ مونڈھے پر سے پھٹ گیا تھا۔ فرمایا "معاویہ! تجھے کرتا پہنا دوں؟" میں نے عرض کیا۔ میں آپ پر قربان! ضرور" چنانچہ آپنے کرتا عنایت کیا مگر میں نے ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا۔ وہ اب تک میرے پاس موجود ہے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال ترشوائے۔ میں نے تھوڑے سے بال اور کترے ہوئے ناخن اُٹھالئے تھے۔ وہ بھی آجتک میرے پاس شیشی میں رکھے ہیں۔ دیکھ، جب مرجاؤں تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں اور منہ میں رکھ دینا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کُرتا بچھا کر مجھے اُس پر لٹانا اور کفن پہنانا۔ اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہے تو وہ یہی ہے"

(استیعاب۔ عقد الفرید)

سکرات موت

سکرات کے عالم میں یہ شعر زبان پر جاری تھا:

فہل من خالد اما ہلکنا — وہل بالموت یا للناس عار

ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اُس کے ارکان کا انتخاب، تمام باشندوں کی طرف سے ہو۔ لیکن وقت کی تنگی اور باشندوں کے اشغال کی کثرت مانع آئی۔ مجبوراً ہمنے یہ کیا کہ ہر محلے سے معزز آدمیوں کی ایک ایک جماعت طلب کی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ صرف یہی لوگ معزز اور نیک ہیں۔ کیونکہ تمام مسلمان جسم واحد کی مانند ہیں۔ ہمنے تمھیں اسی غرض سے طلب کیا ہو کہ جدید مجلس شوریٰ کے لئے ارکان کا انتخاب کرو۔ انسان پر فرض ہو کہ ایسے معاملات میں اپنے قلب کا فرمانبردار نہ بنے، کیونکہ قلب ہمیشہ ہوا و ہوس کی طرف مائل ہوجاتا ہو۔ تمھیں عقل و تدبر سے کام لینا چاہئے اور تجربہ کار اور قابل لوگوں کو منتخب کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر یہ مجلس صحیح بنیادوں پر قائم ہوجائے گی تو ملک اُس سے بڑے بڑے فوائد حاصل کرسکے گا۔ تم وہی لوگ منتخب کرو جنھیں مخلص اور باشندوں کے حقوق کی حفاظت کرنے والا یقین کرتے ہو۔ یہ اس لئے کہ حکومت تو اپنے حقوق کسی نہ کسی طرح حاصل ہی کرلیتی ہو۔ لیکن باشندوں کے حقوق تلف ہوسکتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کا انتخاب ہونا چاہئے جو تمھارے حقوق کے تحفظ کی قابلیت و جرأت رکھتے ہوں۔ یہ لوگ تمھارے نمائندے اور وکیل ہونگے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

سلطان کی دوسری تقریر

سلطان نے دوسری تقریر مجلس شوریٰ کے ارکان کے سامنے کی۔ اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہو:

"حضرات ارکان مجلس! میں آپ کو سلام کرتا اور اُس اعتماد پر آپکو مبارکباد دیتا ہوں جس کا آپکے ابنائے ملک نے آپ کو اہل سمجھا اور آپ کو اس مجلس کے لئے منتخب کیا۔ مجلس شوریٰ درحقیقت اُن بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہو جن پر قانونی حکومتیں قائم ہوا کرتی ہیں۔ یہی وہ شوریٰ ہو جو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وارد ہو" وامرہم شوریٰ بینہم" میں یہ دیکھ کر نہایت مسرور ہوں کہ آپ اس مجلس میں شریک ہوکر ملک کی خدمت اور حدود شرعیہ کے قیام و حفاظت کی کوششوں میں حکومت کا ہاتھ بٹانے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری گردن پر ایک بڑی امانت رکھ دی ہو۔ ہم اس بوجھ کے اُٹھانے میں اپنے تئیں اہل فضل و حمیت کی امداد و اعانت کا محتاج پاتے ہیں۔ یہی سبب ہو کہ ہم نے شہر کے رؤسا و اکابر کو اس مجلس کے لئے دعوت دی اور اُنھوں نے آپ کو اپنے اعتماد کا اہل سمجھکر منتخب کرلیا۔ اب ہم نے اپنی ذمہ داری اُٹھا کر آپکے کاندھوں پر رکھ دی ہو۔ میں بصد عجز و زاری اللہ بزرگ و برتر سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو ملک اور اہل ملک کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ اپنے فرائض کی انجام دہی کے اثنا میں دیکھ لیں گے کہ حکومت اصلاحات کے جاری کرنے میں پوری طرح سنجیدہ اور مستعد ہو۔ یقیناً آپنے اس کا آغاز اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا ہوگا۔ ہمنے تفتیش و اصلاح کی ایک علحدہ مجلس بنا دی ہو جس کا کام یہ ہو کہ حکومت کے تمام محکموں کی جانچ کرے، اور اُن صورتوں پر غور کرے جن سے اُن کی اصلاح و درستگی ہوسکتی ہو۔ یہ کمیٹی اپنے عمل کا ایک مرحلہ طے کرچکی ہو، لیکن ابھی اُسے بہت کچھ کرنا باقی ہو۔

عنقریب آپکی مجلس میں بڑی بڑی تجویزیں پیش ہوں گی۔ حکومت کے محکموں کے میزانیہ بھی پیش ہونگے۔ آپ اُن پر غور کرینگے اور اپنے فیصلے صادر کریں گے۔ ملک کو سب سے زیادہ ضرورت پانی کی ہو۔ آپکے سامنے جدید قسم کے کنوئیں کھودنے کی تجویز آئے گی۔ اسی طرح اور بہت سے مفید کام آپ کو کرنا ہونگے۔ مثلاً جدہ اور مکہ کے مابین عمدہ سڑکوں کا اجرا، مکہ کی بعض سڑکوں کی توسیع، ڈاک اور تار کے صیغہ کی اصلاح۔ اس محکمہ نے وہ تمام طیاریاں مکمل کرلی ہیں جو بین الاقوامی ڈاکخانوں کے ضمن میں شامل ہونے کے بعد اب اُسے عمل میں لاتی ہیں۔

نیز تعلیم کی اشاعت کا مسئلہ بھی بہت اہم ہو۔ آپکو اس پر غور کرنا اور تمام ملک کے لئے ایک ہی تعلیمی لائحہ (پروگرام) بنانا ہو۔ حکومت چاہتی ہو تعلیم تمام ملک میں عام ہوجائے۔ کوئی قریہ بلکہ کوئی قبیلہ بھی اس سے محروم نہ رہنے پائے۔ نیز حفظان صحت، حجاج کے آرام و راحت، مطوفوں کی تنظیم، اور اسی طرح کے تمام اہم کام آپکے سامنے ہیں اور آپکی توجہ کے منتظر ہیں۔ آخر میں میں اس مجلس کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ ہمارے تمام کاموں کو کامیاب کرے۔ والسلام علیکم"

مجلس شوریٰ کا نظام

مجلس شوریٰ کا نظام بالاختصار حسب ذیل ہو:

دفعہ (۱) یہ مجلس ۸ ارکان سے مرکب ہوگی۔

دفعہ (۲) مجلس شوریٰ کا صدر نائب السلطنت ہوگا۔

دفعہ (۳) ارکان مجلس کا انتخاب حسب ذیل اصول پر ہوگا:

(۱) ۴ رکن، اہل فضل و تجربہ کے مشورے سے منتخب ہونگے۔

(۲) باقی ۴ رکن حکومت اپنی رائے سے نامزد کرے گی۔ ان میں دو رکن نجدی ہونگے۔

دفعہ (۴) مجلس شوریٰ کی رکنیت کی مدت دو سال ہوگی۔ لیکن نصف ارکان ہر سال بدلجایا کرینگے (عام اس سے کہ منتخب ہوں یا نامزد کئے ہوئے) پرانے ارکان کا دوبارہ انتخاب بھی ہوسکتا ہو۔

دفعہ (۵) مجلس شوریٰ کے رکن بننے کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں:

(الف) اسکی عمر ۲۵ سال سے کم نہ ہو۔

(ب) تجربہ کار اور معاملات کا سمجھنے والا ہو۔

(ج) سزا یافتہ اور دیوالیہ نہ ہو۔

(د) نیک چلن ہو۔

دفعہ (۶) حسب ذیل امور مجلس شوریٰ کے سامنے حکومت کی جانب سے پیش ہونگے:

(۱) حکومت کے مختلف محکموں اور بلدیہ (مینو سپلٹی) اور سنر زبیدہ کے میزانیہ (بجٹ)

(۲) اقتصادی و عمرانی لوائح پر عمل کرنے کی اجازت۔

(۳) تجارتی امتیازات اور اقتصادی و مالی تجاویز۔

(۴) نظارت نافعہ (پبلک ورکس) کے لئے کسی جائداد کی ضبطی۔

(۵) نئے قوانین اور انتظامات۔

(۶) میزانیہ میں اگر سال کے اندر مزید اضافہ کی ضرورت ہو۔

(۷) اگر کسی محکمہ کو ۱۰۰ پونڈ سے زیادہ کسی خرچ کی ضرورت پیش آجائے۔

(۸) اجنبی ملازموں کی تقرری۔

(۹) حکومت کے محکمے اگر کمپنیوں یا تاجروں سے دو سو پونڈ سے زیادہ کی خرید و فروخت کریں۔

دفعہ (۷) مجلس دو قسموں پر تقسیم ہوگی۔ ہر قسم اُن معاملات پر غور و بحث کرے گی جو اُس کا ناظم پیش کریگا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرینگی اور اپنے کاغذات کا مبادلہ کریں گی تاکہ دونوں کو غور و بحث کا موقعہ ملے۔ اس کے بعد مجلس کے کسی عام جلسے میں دونوں کا فیصلہ منظوری کے لئے پیش کیا جائے گا۔

دفعہ (۸) مجلس کا نصاب (کورم) چار ارکان اور صدر کی موجودگی سے پورا ہوجائے گا اور تجویزیں مجلس کی دو ثلث اصوات (ووٹس) سے پاس ہوں گی۔

دفعہ (۹) مجلس ہر ہفتہ دو مرتبہ منعقد ہوگی۔ لیکن صدر کی دعوت پر اس سے زیادہ مرتبہ بھی جمع ہوسکتی ہو۔

دفعہ (۱۰) مجلس کو حق ہو کہ قوانین کی تطبیق میں اگر حکومت سے کوئی غلطی واقع ہوجائے، تو اُسے متنبہ کردے۔

دفعہ (۱۱) اگر حکومت کوئی لائحہ پیش کرے اور مجلس اُسے رد کردے یا اُسمیں ترمیم ضروری سمجھے، اور حکومت مجلس کا فیصلہ منظور نہ کرے، تو ایسی صورت میں نائب السلطنت کو حق ہوگا کہ لائحہ کو مزید توضیح و تشریح کے ساتھ دوبارہ مجلس کے سامنے پیش کردے۔ اگر مجلس اب بھی اسے منظور نہ کرے، تو پھر آخری فیصلہ خود سلطان المعظم کرینگے۔

مجلس کو حق ہو کہ اپنے صدر کے ذریعہ ہر اُس تجویز کے بارے میں سلطان سے رجوع کرے جسپر ایک ماہ گزرچکا ہو اور کوئی شاہی حکم جاری نہ ہوا ہو۔

مجلس کے ارکان

مجلس شوریٰ کے لئے حسب ذیل ارکان منتخب ہوئے ہیں:

(۱) شیخ یوسف قطان۔

(۲) شیخ احمد سبحی۔

(۳) شیخ صالح شطا۔

(۴) شیخ عبداللہ زوادی۔

(۵) شیخ محمد بن یحیٰ بن عقیل۔

(۶) شیخ عبداللہ ابراہیم جفالی۔

(۷) شیخ عبدالعزیز بن زید۔

(۸) شیخ عبدالوہاب عطار۔

ایک اُمید افزا واقعہ

کچھ مدت ہوئی، بعض اہل مکہ نے سلطان ابن سعود کے پاس بھیجنے کے لئے ایک محضر طیار کیا تھا اور اُس میں محکمہ حفظان صحت کی شکایتیں لکھی تھیں۔ یہ محضر ایک شخص حسن سلیمان کو دیا گیا تاکہ سلطان تک پہنچادے۔ اُس زمانہ میں نائب السلطنت امیر فیصل مکہ میں موجود نہ تھے۔ اُن کی غیر موجودگی میں اُن کے مشیر خاص شریف حسین عدنان اور شیخ عبدالعزیز عتیقی، حکومت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس محضر کا حال اِن دونوں کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے شخص مذکور کو طلب کیا اور حکم دیا کہ محضر اِنکے حوالہ کردے۔ اُسنے انکار کیا۔ اسپر شریف حسن عدنان نے غصہ میں آکر اُسے دو گھنٹہ کے لئے قید کردیا۔

شخص مذکور نے رہا ہوتے ہی حکومت کے اِن دونوں بڑے عہدے داروں پر (جو گورنر کے قائم مقام تھے) مقدمہ دائر کردیا۔ نالش میں حسب ذیل الزام لگائے تھے:

(۱) اُنھوں نے سلطان المعظم کی توہین کی کیونکہ وہ محضر لے لینا چاہا جو سلطان کی خدمت میں پیش ہونے والا تھا۔

(۲) اُنھوں نے مدعی کو سلطان تک پہنچنے سے روکنا چاہا۔

(۳) اُنھوں نے بغیر کسی قانونی موجب کے مدعی کو قید کیا۔

(۴) اُنھوں نے سرکاری محکمہ کے خلاف شکایتوں کی تحقیقات نہیں کی۔

سلطان نے دعویٰ سُنکر کاغذات مجلس تفتیش کے حوالے کردئے اور حسب ذیل دو سوالوں کے جواب طلب کئے:

(۱) کیا مدعا علیہما کو اس کارروائی کا حق تھا جو اُنھوں نے کی؟

(۲) کیا اُنھیں ایسی کارروائیاں کرنے کے لئے چھوڑ دینا چاہئے؟

مجلس تفتیش نے پوری طرح تحقیقات کی، مدعی، مدعا علیہما اور گواہوں کے بیانات سُنے، اور بالآخر سلطان کے سوالوں کے یہ جواب بھیجے:

(۱) اُنھیں اس کارروائی کا ہرگز حق نہ تھا۔

(۲) اُنھیں بغیر سزا کے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

نیز مجلس نے یہ قانون بھی بنایا کہ جو عہدہ دار بھی خلاف انصاف و قانون کام کرے گا، یا کسی کے حق پر دست درازی کرے گا، اُسے سرکاری خدمت سے بلا توقف الگ کردیا جائے گا۔

مجلس کا فیصلہ معلوم کرکے سلطان نے دونوں عہدے داروں کو برخاست کردیا اور آئندہ کے لئے بھی انھیں سرکاری خدمت سے محروم کردیا۔

خوبی سے ادا کئے کہ سب کو تسلیم کرلینا پڑا کہ ترکی موسیقی، عظیم صلاحیت رکھتی ہے۔

غازی مصطفےٰ کمال کا سفر ادرنہ

مشہور ترکی تاریخی شہر ادرنہ کے ایک وفد نے آکر غازی مصطفےٰ کمال پاشا کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی۔ موصوف نے دعوت منظور کرلی۔ خیال کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں وہ تھریس کے اہم شہروں کا بھی معائنہ کریں گے۔

درۂ دانیال کی قلعہ بندی

اخبارات کا بیان ہے کہ مصطفےٰ کمال پاشا نے آستانہ میں پہنچ کر جنگی اور ملکی افسروں اور ماہروں کے ساتھ اُن تدابیر پر بھی غور کیا ہے جن سے مستقبل میں قسطنطنیہ کی حفاظت بھی ہوجائے اور وہ آزاد تجارتی بندرگاہ بھی باقی رہے۔ چنانچہ طے پایا ہے کہ امریکہ سے ایک قرض حاصل کیا جائے اور اس روپیہ سے درۂ دانیال، اور باسفورس کی پورے طور پر قلعہ بندی کردی جائے۔ ناظرین کو معلوم ہے کہ معاہدۂ لوزان میں اس بارے میں بعض پابندیاں موجود ہیں۔ مگر اب بظاہر ترک اُن پابندیوں کی پرواہ کرنا نہیں چاہتے۔

اطلاع ضروری

الہلال میں لاہور کی "الہلال بک ایجنسی" کا اشتہار شائع ہو رہا ہے۔ اور اُس کا پتہ صاف درج ہے لیکن بعض حضرات صرف الہلال کا نام دیکھ کر درخواست الہلال کے دفتر میں بھیجدیتے ہیں اور بلا ضرورت خط و کتابت کرنی پڑتی ہے۔

اس "الہلال بک ایجنسی" سے رسالہ الہلال کلکتہ کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ لاہور کی ایک بک ایجنسی ہے۔ اور اسی کا پورا پتہ اُس کے اشتہار کے نیچے درج ہے۔

مکتوب حجاز

اصلاح و ترقی کا اعلان اور عالم امید و بیم!

ذیل میں ہم اپنے مقالہ نگار مقیم جدہ کا مکتوب ترجمہ و اختصار کے بعد درج کرتے ہیں۔ انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ مسلسل مقالات بھیجتے رہیں گے۔ مقالہ نگار نے جس احتیاط اور اعتدال نظر کے ساتھ حالات حجاز پر نظر ڈالی ہے، ہم اُس کا اعتراف کرتے ہیں، مگر ہمیں خوف ہے کہ بحالت موجودہ اُنھوں نے حکومت کی بیان کردہ "اصلاحات" سے جو امیدیں قائم کی ہیں وہ قبل از وقت ثابت ہوں گی اس راہ میں سب سے پہلی چیز اہل، کارداں، اور مخلص کارکنوں کا وجود ہے، اور جہاں تک ہماری معلومات ہے، ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت حجاز اُن سے یکقلم تہی دست ہے۔ خود مقالہ نگار بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا

امید و بیم

حجاز کی موجودہ حالت، ہر اعتبار سے، امید و بیم کے متضاد اثرات کی ایک مرکب تصویر ہے!

ایک طرف امید کی شعاعیں چمکنا شروع ہوگئی ہیں تاکہ صدیوں کی تاریکی کا مقابلہ کریں۔ دوسری طرف مایوسی کی ظلمت اتنی شدید و وسیع ہے کہ نہیں کہا جاسکتا مستقبل قریب میں ہمیں روشنی کی تابناکی کا انتظار کرنا چاہئے، یا ظلمت کے احاطۂ فتح مندی کا؟

ایک طرف سلطان ابن سعود کی شخصیت اور اُس کی سطوت و طاقت کا ظہور ہے جس نے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر ملک میں امن قائم کردیا، تمام سرکش جماعتیں قابو میں آگئیں، نظم و اصلاح کے لئے زمین طیار ہوگئی، اور اگر حکومت کے مزاج میں صلاحیت اور اعضاء حکومت میں کاردانی ہو، تو بہت جلد سرزمین حجاز کا ایک نیا دور شروع ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری طرف نظر اُٹھائیے تو حکومت کا مزاج غیر صالح، کارداں اشخاص تقریباً ناپید، اصحاب اغراض کا ہر طرف سے ہجوم، مخلص و مغرض میں امتیاز مسدود، اور اہل و غیر اہل کے لئے کوئی معیار نہیں ہے۔ سلطان صحرا سے نکلکر حجاز آئے ہیں اور آتے ہی ایک منظم و متمدن حکومت کی از سر نو تخلیق کی مہم پیش آگئی ہے۔ ارادے پیدا ہوتے ہیں، مگر وجود میں نہیں آسکتے۔ ہمت اُٹھتی ہے، مگر قدم نہیں اُٹھا سکتی۔ کام اہم اور مشکلات سے لبریز ہے۔ ضرورت صلاحیت، صبر، استقامت، اور انتظار کی ہے، لیکن اوپر سے لے کر نیچے تک ہر وجود نفع عاجل کا شیفتہ ہے، اور اس لئے کوئی صحیح اور وقیع قدم اُٹھ نہیں سکتا۔

اصلاحات کا اعلان

لیکن حال میں مجلس شوریٰ کے قیام اور بعض ارکان حکومت کے تغیر و تبدل سے طلبگاران اصلاح کو جو نئی اُمیدیں دلائی گئی ہیں وہ ضرور قابل توجہ ہیں، اور ضروری ہے کہ اُن کا اعتراف کیا جائے۔ ممکن ہے کہ اُن کی موجودہ صورت و حالت آپکی نظروں میں زیادہ وقعت حاصل نہ کرسکے، لیکن اہل حجاز کے لئے جو صدیوں سے "اصلاح" اور "قانون و ادارہ" کے معانی سے نا آشنا ہوچکے ہیں، یہ یقیناً ایک اُمید افزا اقدام ہے۔

سلطان کی تقریریں

مجلس شوریٰ کے افتتاح کے لئے "جیاد" میں ایک شاندار جلسہ ہوا تھا۔ سلطان نے اس موقعہ پر دو تقریریں کیں: ایک عام حاضرین کو مخاطب کرکے۔ دوسری مجلس شوریٰ کے ممبروں کے سامنے پہلی تقریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"میں مکہ کے باشندوں کو اس اجتماع کا مقصد بتانا چاہتا ہوں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ یہاں کے باشندے ہم سے (یعنے اہل نجد سے) زیادہ سے زیادہ اختلاط رکھیں اور زیادہ سے زیادہ میل جول بڑھائیں اس اختلاط کے فوائد بے شمار ہیں۔ یہی فائدہ کیا کم ہے کہ ہم میں باہم محبت و اخوت مستحکم ہوگی اور اُن سازشیوں کی تمام کوششیں ایگاں جائیں گی جو ہمارے تعلقات خراب کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔

"راعی اور رعیت کی دُوری اور بے تعلقی، خود غرضوں کے لئے میدان کشادہ کردیتی ہے۔ وہ بڑی آسانی سے حق کو باطل اور باطل کو حق کی صورت میں پیش کرنے کا موقعہ پا جاتے ہیں۔ اگر راعی اور رعیت میں نزدیکی نہیں ہے تو ظاہر ہے، ہر خود غرض جب چاہے، حکام کو گمراہ کرسکتا ہے۔ حاکم ہرگز حقیقت حال سے واقف نہیں ہوسکتا اور بلا قصد رعایا کے لئے مصیبت پیدا کردے سکتا ہے۔ لیکن اگر حاکم و محکوم میں تعارف و تقارب کے رشتے موجود ہوں، تو خود غرض لوگ حکام کو دھوکا دینے سے ڈرینگے۔ مبادا اُن کی بدنیتی اور دروغگوئی طشت از بام ہوجائے"

"آج کے اجتماع سے یہی غرض ہے کہ ہمارے اور باشندوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ قربت و اختلاط قائم ہوجائے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے اور عام مخلوق کے درمیان ہرگز کوئی پردہ نہیں ہے۔ ہمارے محل کا دروازہ ہمیشہ ہر انسان کے لئے کھلا ہوا ہے۔ نیز ہم بحمد اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے تمام عہدہ داروں کو رعایا سے حسن سلوک کی وصیت کرتے رہتے ہیں۔"

"بلاشبہ، عام مخلوق سے دُوری، نفس و جسم کے لئے آرام و راحت کا موجب ہے۔ لیکن دین اور شرافت کا تقاضہ اس سے منع کرتا ہے۔ دین، مخلوق سے دُوری کی اجازت نہیں دیتا۔ شرافت، مخلوق سے بے پرواہی روا نہیں رکھتی۔ کیونکہ اختلاط اور تعارف میں ہزاروں مصلحتیں اور نیکیاں ہیں۔ یقین کرو ہم اپنی پُوری قوت سے اصلاح حال کی کوشش کررہے ہیں۔ سال رواں میں انشاء اللہ ہم بہت سی نئی اصلاحات بھی جاری کرینگے۔ ہماری نظر کے سامنے ہر لمحہ یہ فرمان ربانی موجود ہے "قل اعملوا فسیری اللہ عملکم" (عمل کرو، خدا تمھارا عمل دیکھے گا) ابن آدم اگر نیکی کرتا ہے، تو اپنے فرض سے سبکدوش ہوجاتا ہے۔ نتائج و ثمرات کی بخشش صرف اللہ ہی کے ہاتھ ہے!"

"یہ بالکل یقینی ہے کہ حکام کی درستگی، رعایا کی درستگی ہے۔ بنا بریں ہمارا فرض ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہمیشہ اُس خیر و صلاح کی جستجو میں لگے رہیں جس سے ایک طرف مسلمانوں کی درستگی ہو، دوسری طرف ہمیں خدا کی رضامندی حاصل ہو۔"

"ہم نے بعض عہدے دار معزول کردئے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ اُنھوں نے کوئی خطا کی تھی، بلکہ اس لئے کہ اُن سے بہتر آدمی مل گئے تھے۔ میں معزول عہدے داروں کا شکرگزار ہوں کہ اُنھوں نے اپنے فرائض ایمانداری سے انجام دئے تھے۔"

"ہم نے آپ ہی کے آدمیوں کی ایک مجلس بنادی ہے کہ حکومت کے مختلف انتظامی محکموں کی دیکھ بھال کریں، اُنکے نظام پر نظر ڈالیں ہم نے تمامتر ذمہ داری اس مجلس کے کاندھوں پر ڈال دی ہے کیونکہ اہل مکہ اپنے مصالح ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ مجلس اپنے فرائض، بحسن و خوبی انجام دے گی۔

"ہم نے مجلس شوریٰ کے معاملہ پر خوب غور کیا۔ چونکہ یہ مجلس ازحد اہم اور باشندوں کے لئے غایت درجہ ضروری و مفید ہے اس لئے

برابر موجود ہوتا تھا۔

ایک واقعہ

حاکم جوف امیر عبداللہ بن عقیل کی بابت مجھے ایک بات ضرور کہدینی چاہئے۔ یہ حاکم، دوسرے عرب حکام کے برخلاف ذی علم اور وسیع المعلومات ہے۔ شریعتہ حقہ کے مطابق حکومت کرتا ہے۔ اس کے علاقے میں جرائم بالکل ناپید ہیں۔ مثال کے طور پر ایک چشم دید واقعہ لکھتا ہوں:

ایک دن میں امیر موصوف کی مجلس میں موجود تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا "میں حائل سے آرہا ہوں۔ جوف سے ۴ دن کے فاصلے پر ایک بھری ہوئی بوری میں نے پڑی دیکھی ہے" حاکم نے سوال کیا "اس بوری میں کیا ہے؟" شخص مذکور نے جواب دیا کہ "مجھے نہیں معلوم" اس واقعہ کے دوسرے دن ایک اور شخص نے یہی خبر پہنچائی۔ حاکم نے اُس سے بھی یہی سوال کیا۔ اُسنے کہا "اسمیں قہوہ ہے" حاکم نے پوچھا "تو نے کیوں کر جانا؟" اُسنے کہا "اپنی لاٹھی سے دباکر" اسپر حاکم نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے ۵۰ بید لگادو۔ مجھے اس سزا پر بہت تعجب ہوا اور امیر سے استفسار کیا۔ اسنے جواب دیا "بوری دیکھنا جرم نہیں ہے، لیکن اسنے یہ جستجو کیوں کی کہ اُس میں کیا ہے؟ اسے اس کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ بوری اس کی نہ تھی" اس کے بعد امیر نے مجھے بتایا کہ اہل نجد، عموماً نہایت دیانت دار اور پرہیزگار ہیں اگر راستے میں سونا بھی پڑا ہو تو کبھی اُن کی نیت نہیں بدلے گی!

جوف کا دارالحکومت، ایک قلعہ نما عظیم محل میں واقع ہے۔ اس کا نام "قصر مارد" ہے۔ یہودیوں نے اپنے عروج کے زمانے میں تعمیر کیا تھا باشندوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۸۰۰ سال پہلے یہ بنا تھا۔

جوف کے باشندے باوجود غریب ہونے کے بڑے مہمان نواز ہیں۔ مہمان کی خدمت و خاطر فرض عین سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ خوب تندرست ہیں۔ میں نے کوئی شخص بھی کمزور، اور دُبلا نہیں دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا، پوری آبادی میں ایک انسان بھی بیمار نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ یہاں کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے، پیداوار کافی ہے اور باشندے طبعی اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

امیر عبداللہ نے مجھ سے یہ بھی بیان کیا کہ انگریز اور امریکن سیاحوں نے بار بار کوشش کی کہ علمی اور جغرافیائی تحقیقات کے بہانہ سے آگے بڑھیں۔ مگر سلطان ابن سعود نے اجازت نہیں دی۔ وہ جانتے ہیں کہ اسی قسم کے حیلوں سے اُنھوں نے مشرقی ملکوں میں اپنے قدم جمالئے۔ ایک مرتبہ ایک انگریز مسٹر آتیشر بہت سی موٹریں اور روپیہ لے کر آیا اور یہ ظاہر کیا کہ جوف کی مٹی بہت عمدہ ہے اس لئے وہ مٹی کے برتن بنانے کا کارخانہ قائم کرے گا۔ مگر سلطان نے قیام کی اجازت نہیں دی۔ ایک اور یورپین نے کہا کہ خود پائے تخت ریاض میں پٹرول کے زمین دوز چشمے موجود ہیں۔ میں انھیں نکال دے سکتا ہوں۔ مگر سلطان نے اسے بھی منظور نہیں کیا۔ حالانکہ نجد کے باشندوں کو پٹرول کی بہت ضرورت ہے۔ سلطان کی دلی آرزو ہے کہ خالص اسلامی علمی جماعتیں نجد میں آئیں اور یہاں کی قیمتی کانیں نکالیں کہ وہ یورپین کمپنیوں "تاجروں" اور "علمی محققوں" کی آمد و رفت سے ڈرتے ہیں۔

خواص و سوانح

زندگی پر آخری نظر

ایک کروڑپتی نے خودکشی کرتے وقت کیا محسوس کیا؟

مسٹر جیمس وھائٹ، لندن کا مشہور کروڑپتی تھا۔ لیکن ایک ناگہانی خسارہ نے اُسے دیوالیہ کردیا۔ گزشتہ ماہ اُسنے زندگی سے بیزار ہوکر خودکشی کرلی۔ لیکن مرنے سے پہلے ذیل کی تحریر لکھکر اپنی میز پر رکھدی تھی

"میں اسوقت ابدیت و خلود کے دروازہ پر کھڑا ہوں اور دنیا کے نام اپنا آخری پیام لکھ رہا ہوں۔ میں نے زندگی پر اُس نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالی ہے، جو ایک مرنے والے انسان ہی کا نقطۂ نگاہ ہوسکتا ہے!

* * *

میرے فنا پذیر عقیدے میں دُنیا کا قدیم عالمگیر تمدن ۴ اگست ۱۹۱۴ء (یعنی جنگ عمومی کے آغاز کی طرف اشارہ کرتا ہے) میں مرگیا۔ اس کے بعد سے ابتک جدید عالمگیر تمدن کی پیدائش نہیں ہوئی ہے۔

* * *

میں نے بادشاہوں کی میزبانی کی امیروں کو بے تکلفانہ اُنکے سادہ ناموں سے پکارا۔ میری ملکیت میں شاندار جہاز تھا جسپر میں نے پورے کرۂ ارضی کی سیر کی۔ میرے اصطبل میں اصیل گھوڑوں کی صفیں بندھی تھیں۔ میں تھیٹروں کا بھی مالک تھا۔ بڑی بڑی اخبار جاری کرنے والی کمپنیوں میں بھی میرے حصے تھے۔ میں نے عظیم الشان تجارتی کاروبار کئے۔ میرا راس المال پندرہ کروڑ پونڈ (۲۲۵ کروڑ روپیہ) تک پہنچگیا تھا۔ میں نے صرف ایک دن کے اندر ۷،۵۰۰،۰۰۰ پونڈ نفع کمایا تھا۔ اِن حالات میں، میں امید کرتا ہوں کہ سب لوگ مجھ سے اتفاق کرینگے کہ مجھے زندگی کے بارے میں اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔

* * *

"مجھ پر زندگی کے گرم اور سرد، ہر طرح کے موسم گزر چکے ہیں۔ میں نے فاقہ کشی کی مصیبت کا مزہ بھی چکھا ہے، اور میں نے دولت کی سرگرانی بھی محسوس کی ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تین دن کے بھوکے کا احساس کیا ہوتا ہے؟ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ دولت کی فراوانی دل و دماغ پر کیا اثر ڈالتی ہے؟ مجھ پر وہ وقت گزرچکا ہے جب میری کوئی آرزو بھی ایسی نہ تھی جو میری قدرت سے باہر ہو۔ میں نے وہ دن بھی دیکھے ہیں جب ہزاروں انسان اپنے پیٹ کی روٹی کے لئے میرا ہاتھ تکتے تھے!

* * *

"گھوڑدوڑ کے ایک دور میں میں نے ۱،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ جیتے تھے لیکن ایک وقت وہ بھی تھا جب تاش کی ایک بازی میں میری جیت صرف ایک شلنگ تھی! دولتمندی کے "لاکھ" اور غربت کا "شلنگ" دونوں کی جیت کے الگ الگ اثر میرے دل نے محسوس کئے۔ ایک مرتبہ سنہ ۱۹۰۰ء میں لندن سے ڈیل تک کی ۸۰ میل کی مسافت، میں نے اپنے پیروں سے طے کی تھی، کیونکہ میرے پاس ریل کا کرایہ نہ تھا۔ پھر ایک وقت وہ بھی دیکھا جب پوری ٹرین صرف میرے لئے روانہ ہوتی تھی تاکہ مجھے منچسٹر پہنچادیا کرے!

* * *

"میری زندگی کے ان آخری لمحوں میں میرا حافظہ، زندگی کے تمام انقلابات ایک ایک کرکے میری آنکھوں کے سامنے سے گزار رہا ہے۔ اسوقت میں اس قابل ہوں کہ زندگی پر ایک منصفانہ فیصلہ کی نظر ڈال سکوں!

* * *

"زندگی کے متعلق میرا ازم سے زم فیصلہ یہ ہے کہ وہ ایک عظیم انسانی کڑھائی ہے جو طمع، شہوت، اور طاقت کے مہیب آتشین ماددں پر پک رہی ہے۔ تمام بلند، رقیق، شریف جذبات ناپید ہوچکے ہیں۔ اُن کی جگہ خبیث، فاجرانہ، پرشور عناصر نے لے لی ہے۔ قوت اور مال کی خواہش اس قدر زبردست ہوگئی ہے کہ بالشویزم کے سوا کوئی دوسری قوت اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

* * *

"زندگی کے تمام دن باہم مشابہ ہیں، اُکتا ڈالنے والے ہیں، تھکا ڈالنے والے ہیں۔ ایک ہی قسم کے چہرے، ایک ہی قسم کے مزاج، ایک ہی قسم کے دل، ایک ہی قسم کی چیزیں! ہر نیا دن ویسا ہی بُرا جیسا پچھلا دن تھا! ہر نفس طمع و ہوس سے اُسی طرح لبریز جس طرح دنیا کا ہر باشندہ! زیادہ مال کی مجنونانہ طلب! زیادہ عیش کی غرض پرستانہ خواہش! مگر کام بہت کم، نیکی اور بھی کم! انسانوں کی بھیڑ مال جمع کرنے پر ٹوٹ پڑی ہے۔ کسی کو خودداری کا خیال نہیں۔ کسی کو شرافت کی پروا نہیں۔ ایک حساس آدمی کے لئے یہ منظر موت سے کم نہیں!

* * *

"اسٹیج پر دولت کا کوئی دیوتا نمودار ہوتا ہے۔ خوشامدیوں، چاپلوسوں، ابن الوقتوں کی بھیڑیں اُسپر ٹوٹ پڑتی ہیں، وہ کھلاتا پلاتا ہے۔ جلسے کرتا ہے، لہو و لعب کے تمام سامان مہیا کرتا ہے۔ اُسکی بڑی تعریفیں ہونے لگتی ہیں۔ اُس کی دوستی کا لاکھوں دَم بھرنے لگتے ہیں۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس زمین پر مجھ سے بڑا، مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی انسان نہیں۔ میں خدا کا پسندیدہ اور اس کی مخلوق کی آنکھ کا تارہ ہوں!

"لیکن اِدھر اُس کا سونا چاندی ختم ہوا، اُدھر دُنیا کی نظریں بھی پھر گئیں۔ اب نہ دوست دوست ہیں نہ عزیز عزیز۔ حسرت اور ندامت صرف یہ دو مکروہ رفیق زندگی بھر کی رفاقت کے لئے اُسکے پہلو میں

سیر فی الارض

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

(۳۰ : ۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

حال میں ایک مصری سیاح نے نجد کی سیاحت کی ہے۔ اُس کے مشاہدات کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

صحرائی سفر کا آغاز

صحرا میں سفر کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ میں وہاں کے راستوں، سواریوں اور باشندوں کے طرزِ معیشت سے بالکل ناواقف تھا۔ میرے اِس سفر کا آغاز، شرقِ اردن کے پایۂ تخت، عمّان سے ہوا۔ میں نے ایک موٹر کرایہ پر لی اور صحرا میں داخل ہوگیا۔ راستے میں کہیں درخت، گھانس، پانی، اور جاندار مخلوق نظر نہیں آئی۔ ہاں کبھی کبھی اونٹوں کے قافلے چلتے دکھائی دیتے تھے۔ اب سے پہلے یہ راستہ نہایت خطرناک تھا۔ بغیر کافی جنگی قوت کے کسی کا بھی جان و مال محفوظ نہ تھا۔ مگر اب بالکل امن و امان ہے۔ کامل ایک دن کے سفر کے بعد میں "قریات الملح" میں پہنچ گیا۔

قریات الملح

اسی مقام سے سلطان ابن سعود کی سلطنت شروع ہوتی ہے۔ میں نے پہنچتے ہی وہاں کے بعض شیوخِ قبائل سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ پایۂ تخت نجد، ریاض، جانے کا عزم ہے۔ اُنھوں نے نہایت خوش اخلاقی سے میرا خیر مقدم کیا اور میرے لئے فوراً ۵ اونٹ مہیا کر دئیے۔ ایک میری سواری کے واسطے تھا اور ۴ میرے خدمتگاروں کے لئے۔ یہ خدمتگار بھی اِنہی شیوخ نے محض اپنی مہربانی سے میری خدمت کے لئے ساتھ کر دئیے تھے۔ اتفاق سے ۵۰ اونٹوں کا ایک اور قافلہ بھی ریاض جارہا تھا۔ میں بھی اسی میں شامل ہوگیا۔

یہاں یہ سُنکر میرے ہوش اُڑ گئے کہ مجھے بہت طویل طویل سفر کرنا پڑے گا۔ یعنی قریات الملح سے جوف تک ۹ دن۔ جوف سے حائل تک ۱۰ دن۔ حائل سے بریدہ تک ۸ دن۔ بریدہ سے ریاض تک ۸ دن یعنی پایۂ تخت تک پہنچنے کے لئے مسلسل ۳۵ دن صحرا میں چلنا پڑے گا۔ پھر راستہ میں ۲۰ دن آرام کے لئے مزید چاہئیں۔ گویا پُورے دو مہینے اِس بیابانی دُنیا میں بسر کرنے ہونگے!

"قریات الملح" جہاں سے ہمارا سفر اونٹ پر شروع ہوا، ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور نجد کو شرق اردن سے جُدا کرتا ہے۔ یہ جبل الدروز سے ڈیڑھ دن کے فاصلہ پر ہے۔ اِس کا حاکمِ اعلیٰ، ایک نجدی افسر ہے اور احکامِ شریعت کے بموجب حکومت کرتا ہے۔ اس کی آبادی ۴۰۰ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ یہاں کی معیشت، گیہوں کی زراعت، نخلستان، اور اونٹوں اور مویشیوں کی پرورش ہے۔ یہاں نمک بھی بنتا ہے، اور صحرائی مسافروں کے ہاتھ اچھی قیمت پر بکتا ہے۔ محصول، زکوٰۃ کے نام سے وصول کیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ سالانہ ہر ۶ اونٹ پر، ۷ مجیدی، ہر ۱۱۰ ونٹیوں پر ۱۱۱ قرش مصری (ایک قرش ۲/۱ کا ہوتا ہے) ہر سَو بکریوں پر دو بکریاں وصول کی جاتی ہیں۔ یہاں جرائم اور فواحش کا نام تک سننے میں نہیں آتا۔ حاکم کو "امیر" کہتے ہیں۔

امیر قریات الملح نے اپنے چبوترے پر (جو اس کی بیٹھک یا دربار عام کی جگہ ہے) میرا استقبال کیا۔ میرے لئے قہوہ حاضر کیا گیا۔ امیر نے بہت اصرار کیا کہ چند دن اُس کا مہمان رہوں۔ مگر مجھے سفر کی جلدی تھی دوسرے دن وہ مجھے اپنے ہمراہ قبیلۂ بنی صخر میں لے گیا۔ یہ قبیلہ اِس گاؤں سے ۱۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ریشمی خیموں کے اندر زندگی بسر کرتا ہے۔ اپنی شجاعت، جرأت، اور غارت گری میں اِس قدر مشہور ہے کہ تمام عرب اُس کے نام سے تھراتا ہے۔

صحرا کی زندگی

آگے بڑھنے سے پہلے مجھے صحرا کی زندگی کے متعلق چند تمہیدی کلمے کہدینے چاہئیں۔ سفر شروع کرنے سے پہلے ہی مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ نجد میں سیاحت کے لئے ضروری ہے کہ چہرے پر داڑھی موجود ہو۔ چنانچہ میں نے اپنی داڑھی کی پرورش شروع کر دی تھی۔ نجد کی سرحد میں داخل ہوتے ہوئے میری داڑھی کافی حد تک دراز ہو چکی تھی۔ میں نے بدوی لباس بھی خرید لیا تھا۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ سر بھی منڈانا پڑے گا۔ قریات الملح میں مجھے اِس کی خبر ہوئی۔ میں نے اپنا سر نجدی اُستروں کے رحم پر چھوڑ دیا۔ چند لمحوں کے اندر کھوپڑی صاف تھی۔ میں نے آئینہ دیکھا تو اپنی صورت پہچان نہ سکا۔ لمبی داڑھی، مونچھیں صاف، سر گھٹا ہوا۔ ایک عجیب شکل نکل آئی!

مجھے پہلی ہی منزل میں معلوم ہوگیا کہ یہ سفر کس قدر تکلیف دہ ہوگا۔ شہری زندگی بسر کرنے والوں کے لئے اِس سے بڑھ کر عذاب کیا ہوگا کہ وہ صابون تک نہ پائیں۔ صحرا میں صابون، نایاب ہے بہت قیمت پر بکتا ہے۔ خود صحرائی عربوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے کپڑے کبھی نہیں دھوتے۔ کھانے کے بعد ہاتھ بھی نہیں دھوتے۔ اُن کا عام مقولہ ہے: "عربوں کا صابون، اُن کی داڑھی ہے!" یہاں کی زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے داڑھی کا فائدہ معلوم ہوا۔ یقیناً داڑھی، صحرا میں بہت مفید چیز ہے۔ رومال کی پُوری قائم مقامی کرتی ہے۔ کھانے کے بعد ہاتھ منہ اسی مقدس رومال سے پونچھ لئے جاتے ہیں!

قریات الملح سے جوف تک ہمیں ۹ دن چلنا تھا۔ اِس تمام راستے میں ہمیں صرف ۳ کنوئیں ملے۔ آگے کے لئے ہم نے پانی بھر لیا۔ میں نے عجیب بات یہ دیکھی کہ اونٹوں نے ۹ دن کی مدت میں صرف ایک مرتبہ پانی پیا۔ میرے ساتھی مسافروں نے بتایا کہ جاڑے میں اونٹ پندرہ پندرہ دن بغیر پانی پئے چلتے رہتے ہیں۔ میرے یہ ساتھی، صحرائی بدو تھے۔ میں نے اُنھیں نہایت خوش اخلاق پایا۔ اُن کے اخلاق کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اگرچہ اُنھیں مصر اور اُس کے بادشاہ سے کوئی طمع یا خوف نہیں، لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ میں مصری ہوں، اِس لئے راستے بھر بلند آواز سے مصر اور اُس کے بادشاہ کے لئے دعائیں مانگتے رہے۔ اُنکے اِس طرزِ عمل نے مجھ پر بہت اثر کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اسلام نے کتنی مختلف قوموں کو ایک رشتہ میں منسلک کرکے بھائی بھائی بنا دیا ہے!

یہ بدو اگرچہ اپنی فطری سادگی پر قائم ہیں، تاہم اُنکے اقوال اور حرکات و سکنات، اُن کی غیر معمولی ذہانت کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ فضول گوئی سے پرہیز کرتے ہیں۔ سیاسی اختلافات سے بھی گریز کرتے ہیں۔ راستہ بھر میں نے کبھی نہیں سُنا کہ اُنھوں نے نجد یا حجاز کی سیاست پر ایک لفظ بھی کہا ہو۔ جب کبھی میں نے کوئی ذکر چھیڑا تو وہ یہ کہکر پہلو بچا لیجاتے تھے "حکومت، خدا کی ہے اور پھر عبدالعزیز بن سعود کی"۔ اُن کی گفتگو کا اصلی موضوع، عرب کی شجاعت، سخاوت اور دینی فضائل و مکارم تھا۔ عربی شعر اگرچہ صحرا ہی میں پیدا ہوا، مگر چونکہ نجدی ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، اِس لئے شعر و شاعری کو زیادہ پسند نہیں کرتے۔ اُن کی دینی روح سمجھنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ راستے میں ہمیں ایک مقام ملا۔ اِس کا نام "حنظلہ" ہے۔ یہ دراصل وسطِ صحرا میں ریگ کی جگہ مٹی کا ٹیلہ ہے۔ اسکی مٹی اتنی چکنی ہے کہ اونٹ کا پاؤں اُس پر جم نہیں سکتا اور انسان کے لئے بھی اُس پر چڑھنا بہت مشکل ہے۔ بدؤں میں عام طور پر مشہور ہے کہ اِس ٹیلے کے نیچے سونے کا خزانہ مدفون ہے۔ لیکن چونکہ ساتھ ہی یہ بھی مشہور ہے کہ قومِ لوط اسی مقام پر آباد تھی اور یہیں برباد ہوئی، اِس لئے اُن کی دینی روح کسی طرح گوارا نہیں کرتی کہ یہ مقام جاکر دیکھیں جہاں عذابِ الٰہی نازل ہو چکا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ صدیوں سے اِس ٹیلے کو کسی انسانی قدم نے نہیں چھوا!

آٹھویں دن ہم ایک مقام پر پہونچے جسے "فرجیہ" کہتے ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ اسکے گرد کے پہاڑ برف سے ڈھکے تھے اور نیچے ہر طرف سبزہ زار تھا۔ صحرا میں ایسا منظر میرے لئے بالکل خلافِ توقع تھا۔ یہ جگہ سوئٹزرلینڈ کے مناظر پیش کرتی تھی۔ بلکہ اِس کے منظر میں صحرا کی ہیبت خاموشی نے ایک عجیب جلال و جمال کا مرکب منظر پیدا کر دیا تھا!

"جوف"

نویں دن ہم جوف پہنچ گئے۔ حاکمِ جوف عبداللہ محمد بن عقیل نے جوں ہی سُنا، اپنے آدمی استقبال کے لئے بھیجدئیے اور بذاتِ خود بھی قصبہ کے پھاٹک پر آکر خیر مقدم کیا۔

"جوف" ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ یہاں کی کھجور، عرب بھر میں مشہور ہے۔ گیہوں، جو، اور بعض ترکاریوں کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ انگور، شفتالو، اخروٹ، نارنگی، لیموں، اور خربوزہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ باشندے تجارت پیشہ بھی ہیں اور دستکار بھی۔ کھال کی دباغت یہاں اچھی ہوتی ہے۔ اونی کپڑوں کی وجہ سے بھی اِسے بہت شہرت حاصل ہے۔ نجد کی مشہور عبا "عبی الجوف" یہیں تیار ہوتی ہے۔ اونٹ اور بھیڑ بکری کی تجارت کی بھی یہ ایک بڑی منڈی ہے۔ اِس کے صحرا میں شتر مرغ، ہرن، اور گورخر بکثرت موجود ہیں۔ شتر مرغ کا گوشت عرب بہت پسند کرتے ہیں۔ میری [illegible]

مطبوعات الهلال بك ايجنسي

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دیني علوم کے بیش بها جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے اماميين کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نهایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلهٔ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

آسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بهترین تازہ معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - فی پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الهلال بك ايجنسي

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

النحر الحلال فی مجلدات الهلال

گاه گاهے باز خوان این دفتر پارینه را
تازہ خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں - اردو کا وہ پهلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بهت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نهیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید لیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نهیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو اُنهیں دوبارہ چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه   الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " چهارم ۱۰ روپیه   " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر "البلاغ پریس"

نہ جاتے ہیں!

* * *

"میرے خیال میں جو کوئی بھی زندگی کو اس نظر سے دیکھے گا اور اس معیار نظر سے وزن کرے گا، وہ ہرگز ہمیشہ کی نیند سو جانے پر افسردہ نہیں ہوسکتا!

* * *

"لیکن، ٹھہرو! مجھے اپنی زندگی کے اس آخری لمحے میں ایک نظر اوپر اُٹھانے دو۔ آہ! یہ دیواروں پر میری بیوی اور میرے تینوں بچوں کی تصویریں آویزاں ہیں۔ یہ دیکھو، میری بیوی کی محبت و اخلاص سے لبریز آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہیں!

"اُف! یہ میرے لڑکے کے متبسم ہونٹ ہل رہے ہیں۔ مجھے یہ آواز سنائی دے رہی ہو: "بابا! یہ تم ہو!"

"الٰہی! یہ میری دونوں لڑکیاں کھڑی ہیں۔ اپنی طویل پلکوں کے اندر سے مجھے دیکھتی اور پدرانہ شفقت کے بوسہ کے لئے بڑھ رہی ہیں!

"ہاں، اب میں زندگی کی مسرت محسوس کرتا ہوں!...... لیکن ہم اس مسرت سے بھی کیوں نہ دست بردار ہوجائیں؟

* * *

"کیا یہ حقیقت نہیں ہو کہ انسان زندگی کی تمام مصائب و آلام اپنے محبوبوں کے روبرو پہنچکر بھول جاتا ہو؟

"لیکن یہ دیکھو، میرے محبوبوں کی تصویروں پر پردہ پڑ گیا۔ .... اب میرا سر چکرا رہا ہو۔ میرے سینے کے اندر شعلے سے بھڑک رہے ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہو کہ میں ایک دہکتے ہوئے تنور پر کھڑا ہوں......... میں نے تمام میں اپنی پوری دنیا کھودی۔ مجھے اس معصیت کا کفارہ ادا کرنا چاہئے!

....

* * *

"میری بیوی، میرے عزیز بچو، میرے وہ تمام دوستو جو اس وقت بھی میرے دل میں موجود ہو! خدا تمھیں برکت دے! اور تمھارے ساتھ ہو! خدا کرے، تم دنیا اور دنیا کی زندگی کو اُس سے زیادہ نہ سمجھو جسقدر وہ فی الحقیقت ہو!......................

"......................

افسانہ

نپولین پر قاتلانہ حملے

نپولین بوناپارٹ کے اخلاق پر مورخین نے جس تفصیل سے نظر ڈالی ہو شاید جدید دنیا کے کسی انسان کی شخصیت اس قدر زیر بحث نہ رہی ہو۔ نپولین نے یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں اُلٹ ڈالی تھیں۔ اخلاق کے قانون میں اس کی فاتحانہ اولوالعزمی، اخلاق کا سب سے بڑا جرم تھی۔ اور اسی وجہ سے مفتوح ملکوں میں اُس کی جان کے ہزاروں دشمن پیدا ہوگئے تھے۔ لیکن یہ واقعہ ہو کہ اُس کی پوری زندگی میں، اُس پر قاتلانہ حملے صرف دو ہی ہوئے۔ حملہ آوروں کے جذبات ہمیں سمجھنے چاہئیں۔ اُن پر ظلم ہوا تھا۔ اُن کی آزادی چھینی گئی تھی۔ وہ جوش اور ہیجان تو ہر شخص میں سب کچھ کرسکتے تھے لیکن دیکھنا یہ ہو کہ نپولین نے اِن کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا ایک مجرم کی وجہ سے سیکڑوں بے گناہ قتل کئے گئے؟ کیا خود مجرموں کو اُس ہولناک طریقہ پر سزا دی گئی جو عام طور پر آج بھی "متمدن" دنیا میں رائج ہو؟ تاریخ اس کا اعتراف کرتی ہو کہ اس فراخدل، بلند ہمت انسان نے پوری شرافت سے دونوں قاتلوں کو معاف کردینا چاہا، اگرچہ اُن میں سے ایک نے معافی قبول نہیں کی اور موت کو ترجیح دی۔ یہ دونوں واقعے بہت دلچسپ اور عبرت انگیز ہیں۔

بویریا میں حملہ

شاہ بویریا (جرمنی) نے آسٹریا کے مقابلہ میں نپولین سے مدد طلب کی تھی۔ نپولین ۲۲ جولائی کو وہاں داخل ہوا۔ شاہ بویریا اُس کے پہلو بہ پہلو چل رہا تھا۔

اُس وقت بویریا کے باشندوں میں اپنے ملک کی سیاسی حالت کے متعلق سخت اختلاف رائے تھا۔ ایک گروہ فرانسیسی اثر پسند کرتا تھا دوسرا آسٹریا کو ترجیح دیتا تھا۔ نپولین کے آنے سے ایک دن پہلے اس شہر کے دو آدمیوں میں تکرار ہوگئی۔ اُن میں سے ایک فرانس کا طرفدار تھا دوسرا آسٹریا کا۔ آخر الذکر کا نام "لوئی دوولف" تھا۔ اُس کی عمر ۲۸ برس کی تھی۔ فرانس اور نپولین سے سخت نفرت کرتا تھا۔ نفرت کی وجہ بالکل معقول تھی۔ اُس کا باپ اور بھائی فرانسیسیوں کے ہاتھوں قتل ہوچکے تھے اور ماں کو جاسوسی کے الزام میں اس قدر تکلیف دی گئی تھی کہ وہ جانبر نہ ہوسکی۔ اس سے بھی زیادہ اُس کی ناراضی کا سبب یہ تھا کہ جس جنگ میں لڑنے کے لئے نپولین کو بلایا گیا تھا، اُس کی وجہ سے اس شخص کی شادی ملتوی ہوگئی تھی۔ اُسے اپنی منگیتر سے غایت درجہ محبت تھی وہ کسی طرح بھی شادی میں تاخیر گوارا نہیں کرسکتا تھا۔

غرضکہ ان اسباب کی وجہ سے یہ شخص رنج و غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اُسنے اپنے ساتھی کو فرانس کی طرفداری کی وجہ سے زدوکوب کیا اور قسم کھائی کہ کل نپولین کو ضرور قتل کرڈالے گا۔ اُسنے کہا: "اگر مادر وطن کے اس ظالم دشمن کے قتل کی کسی کو جرأت نہیں۔ تو میں تنہا انجام دوں گا اور ملک کو اُس کے شریر دشمن سے ہمیشہ کے لئے نجات دلادوں گا!"

چنانچہ وہ اس ارادہ سے فوراً روانہ ہوگیا۔ اُسے نپولین کی آمد کی تاریخ معلوم نہ تھی۔ بازار میں ایک بویرین سپاہی کے گرد بھیڑ لگی تھی۔ یہ ابھی ابھی میدان جنگ سے آیا تھا۔ لوگ لڑائی کی خبریں پوچھ رہے تھے وہ بتا رہا تھا کہ فرانسیسی فوجوں نے کس طرح آسٹرین فوجوں کو پسپا کردیا ہو۔ لوئی دوولف نے آگے بڑھ کر سوال کیا:

"نپولین یہاں کب مشرف کرے گا؟"

سپاہی نے تعجب سے سر اُٹھا کر کہا:

"سپہ سالار کی زبانی میں نے سُنا ہو کہ نپولین آج رات یا کل صبح شہر میں داخل ہوگا۔ وہ ابھی میدان جنگ کا نقشہ مرتب کرنے میں مصروف ہو۔ معلوم ہوتا ہو تم اُس کے سلام کے لئے بہت بےچین ہو؟"

"ہاں میں اُسے ایک بالکل انوکھے طریقہ سے سلام کروں گا!" دوولف نے جواب دیا!

پھر یہ شخص اپنے مکان گیا، بندوق لی، اور شارع عام پر ایک خالی مکان میں چھپکر بیٹھ گیا۔ صبح وہ بڑی بےچینی سے کھڑکی میں بیٹھا نپولین کی آمد کا انتظار کررہا تھا۔ سورج کی کرنوں کی روشنی میں اُسے دور سواروں کی صفیں نظر آئیں۔ سب سے آگے ایک درمیانی قد کا سوار بڑی ممتاز ٹوپی پہنے آرہا تھا۔ دوولف نے سمجھ لیا کہ نپولین یہی ہو۔ بندوق درست کرکے چھپالی لیکن اُس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ قریب تھا کہ بندوق گر جائے۔ مگر اُسنے اپنے تئیں سنبھالا۔ جب نپولین چند گز کے فاصلہ پر آگیا تو فیر کرنا چاہا۔ لیکن عین اُس وقت اچانک، پیچھے سے ایک ہاتھ بڑھا اور اس زور سے اُسے کھینچا کہ بیہوش ہوکر گر پڑا۔

نپولین کو اس واقعہ کی خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ اپنی قیام گاہ میں پہونچا اور محکمۂ جاسوسی کے افسر اعلیٰ کو بلا کر گفتگو کرنے لگا:

"فرانسیسی فوج کے خلاف کسی سازش کا تو پتہ نہیں چلا؟"

"ہاں حضور والا! ۳۰ سازشوں سے زیادہ کا حال اب تک معلوم ہوچکا ہو"

"سازش کے بانیوں کا بھی کچھ پتہ لگا؟"

"مجھ پر سب سے بڑا فرض شہنشاہ کی زندگی کی حفاظت کا ہو۔ میرے ایک افسر نے ابھی ابھی ایک ناعاقبت اندیش کو گرفتار کیا ہو جو حضور پر گولی چلانے والا تھا۔"

نپولین نے تعجب سے پوچھا:

"وہ پروشیا کا باشندہ ہو یا آسٹریا کا؟"

"بویرین ہو" افسر نے جواب دیا۔

نپولین یہ سُنکر سخت متحیر ہوا:

"خوب! میں تو اس بدنصیب ملک کو آسٹریا کی غلامی سے بچانے کے لئے فرانسیسی فوج کا خون بہا رہا ہوں، اور اُس کا بدلہ مجھے یہ دیا جاتا ہو کہ دھوکے سے قتل!"

اُسنے مجرم کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ ۲۰ منٹ کے بعد وہ موجود تھا۔ نپولین کھڑا تھا۔ مجرم اُس کے سامنے لاکر کھڑا کیا گیا۔ اُس کے دائیں طرف بویریا کا ولیعہد تھا۔ بائیں جانب جنرل برتھیہ۔ نپولین نے اپنی آنکھیں مجرم کے چہرہ پر جمادیں۔ اُن آنکھوں میں نہیں معلوم کیا طلسم قوت تھی کہ مجرم تاب نہ لاسکا۔ مُنہ کے بل گر کر چلایا: "عفو! عفو!"

نپولین نے نرمی سے پوچھا "وہ اسباب کیا تھے جنھوں نے تجھے اس جرم پر آمادہ کیا؟"

مجرم نے تمام واقعات صحیح صحیح بتادئیے۔ اسپر نپولین نے کہا:

"لیکن اسمیں میرا قصور کیا ہو؟ اگر دول یورپ مجھے مٹانا چاہتی ہیں اور میں اپنی مدافعت کرتا ہوں تو میرا گناہ کیا ہو؟ تمھاری شادی روکنے کا میں نے حکم نہیں دیا۔ نہ میں اُس کے التوا کا اصلی سبب ہوں لیکن اگر تم مجھی کو باعث سمجھتے ہو تو میں ابھی حکم دیتا ہوں کہ آج ہی تمھاری منگیتر سے تمھاری شادی ہوجائے۔ میں اپنی جیب خاص سے سو اشرفیاں اس تقریب میں پیش کرتا ہوں۔ برتھیہ! کل تم فوج کے ایک دستہ کے ساتھ اس شادی میں شریک ہونا، اور میری طرف سے دولھا دلہن کیساتھ جلوس میں چلنا!"

پھر نپولین مترجم کی طرف متوجہ ہوا:

"اس شخص سے کہدو کہ میں نے معاف کردیا۔ میں تمھارے لئے خوشی و خرمی کا متمنی ہوں!"

دوولف خلاف توقع یہ برتاؤ دیکھ کر مبہوت ہوگیا۔ ولی عہد بویریا نے* نپولین سے کہا: "آپ کا اخلاق واقعی نہایت قابل عزت ہو!" نپولین نے سادگی سے جواب دیا: "عزیز شاہزادے! میں نے تو بادشاہی کا ایک محض معمولی فرض ادا کیا ہو۔ کبھی کبھی عفو و کرم بادشاہوں کا مقدس فرض ہوجاتا ہو!"

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رهنما :

ٹائمز اف لنڈن کا ادبي ضمیمه

یه ضمیمه دنیا کي تمام کتابوں پر هفته وار دلچسپ اور وقیع تبصره کرتا هے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم هے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بهي هوتے هیں جنکي اهمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا هے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضه کیجئے که وہ ٹائمز لنڈن کا هفته وار ادبي ضمیمه آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاهیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے هیں

دنیا کے هر معلم اور ماهر فن تعلیم کیلئے !

ضروري هے که

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمي ضمیمه مطالعه کرے

اگر آپ چاهتے هیں که فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نه رهیں ' تو آپکو یه ضمیمه بلا ناغه مطالعه میں رکهنا چاهیے -

یه هر هفته اس موضوع پر تمام اهم خبریں اور مباحث جمع کردیتا هے - ماهرین فن اور مشاهیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب هوتے هیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنه

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے هیں -

کیا آپ تجارت کرني چاهتے هیں ؟

اگر آپ چاهتے هیں که یورپ اور امریکه کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں ' هندوستان سے خام پیدا وار بهیجیں ' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تهوڑي سي محنت اور تهوڑا سا سرمایه لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں ' تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاهئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بهید سیکهنے چاهئیں - هندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکه کے تمام کارخانوں اور کوٹهیوں کے حالات اور اصول معاملت معلوم کرنے چاهئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں هوسکتے -

اگر آپ چاهتے هیں که بہت تهوڑا سا وقت خرچ کرکے یه ساري باتیں با قاعده علمي اصول پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاهیے که هم سے خط و کتابت کریں - هم یه کام به حیثیت ایک ماهر فن کے کر رهے هیں - خط و کتابت کے بعد هي آپکو معلوم هو جائیگا که آپکے مقصد کیلئے هم کس درجه مفید هیں ؟

همارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے هیں -

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street. Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin–W 35

Post No. 24.

هر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پهلوں کو محفوظ رکهنے کیلئے ضروري هیں ' اس کارخانے میں طیار کي جاتي هیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یه بہترین کارخانه هے - مندرجۂ بالا پته سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکهیے

میووں ' ترکاریوں ' اور هر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقه وہ هے جو " نئے سسٹم " کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور هے - اس " نئے سسٹم " کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانه سے مل سکتي هیں -

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنين — القرآن الحکیم

ایک هفته وار مصور رساله

نمبر ١٢ — کلکته : جمعه ٥ ـ ربیع الاول ١٣٤٦ هجری — جلد ١

Calcutta : Friday, 2, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی ۔
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای ۔
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی ۔ اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ۔ لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکهیی ۔ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی ۔ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ٨٦١ مراسلات وصول هوی هین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	١١٣	اردو حروف کی حق مین	٢٧٠
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	١٩٦	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	٢١٤	نستعلیق هون	٦٨

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی ۔

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی ۔ آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین ۔

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول	- -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	- -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	- - -	سات روپیه
قیمت في پرچه	- - -	پانچ آنه

---

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ور نه بصورت تلخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

(٦)

بابل کے معلق باغ

The Hanging Gardens of Babylon

بابل ' قدیم دنیا کا مشہور ترین شہر ھے - بہت سي قوموں اور سلطنتوں نے اُسے باري باري فتح کیا اور اپني عظمت و شوکت کا مرکز قرار دیا - مشہور ھے کہ اِس کا اولین بادشاہ نمرود اور اُس کا خاندان تھا - اِس کي اولاد میں سب سے زیادہ شہرت " آرر " خامس کو حاصل ھوئي - اِس کا نام اور بعض حالات اُن اینٹوں پر مسماري خط میں کندہ ملے ھیں' جو حال میں زمین سے نکالي گئي ھیں -

خاندان نمرود کے بعد ایک دوسري سلطنت کا قبضہ ھوا - تاریخ میں اِس کا نام ایراني سلطنت ھے - دو سو پچیس سال اُس نے حکومت کي - اس کے بعد ۲۲۲۵ ق م میں ایک آور سلطنت قائم ھوئي - اِس کا نام " ایلامي " ھے - اِسي کے ایک بادشاہ " کودرلا اومر " سے حضرت ابراھیم علیہ السلام نے مقابلہ کیا تھا اور فتحیاب ھوئے تھے -

تقریباً سنہ ۲۰۰۰ ق م میں اِس پر کلدانیوں نے قبضہ کیا اور ساڑھے چار صدي تک حکومت کرتے رھے - پھر اِس کے بعد مصریوں کا غلبہ ھوا اور سنہ ۱۳۱۴ ق م تک حکمران رھے - اشوریوں نے مصریوں کو شکست دے کر اپني حکومت قائم کي - یہاں تک کہ سنہ ۵۳۸ ق م میں کورش شاہ ایران نے اُن کي سلطنت کا خاتمہ کر دیا - اس وقت سے ایرانیوں کا دور شروع ھوتا ھے -

بابل اور نینوی میں ھمیشہ رقابت چلي جاتي تھي - ایک دوسرے کي بربادي پر تلے رھتے تھے - سنہ ۷۴۵ ق م میں اھل نینوی نے بابل فتح کرلیا تھا - لیکن سنہ ۶۰۶ ق م میں بابلیوں نے ایرانیوں کي مدد سے اُنھیں نکال باھر کیا - پھر خود نینوی پر حملہ کیا اور اُسے اِس طرح مٹادیا کہ اُس کا نشان تک باقي نہ رھا - ابھي حال میں بڑي تحقیقات کے بعد پتہ چلا ھے کہ یہ قدیم شہر کس جگہ واقع تھا ' کیسا عظیم الشان تھا ؟ اور کس بے دردي سے برباد کردیا گیا ؟

نینوی کي بربادي کے بعد ھي بخت نصر ظاھر ھوا - بابل کے معلق باغ اِسي نے بنائے تھے - اُن سے مقصود صرف یہ تھا کہ اپني بیوي کي خوش نودي اور تفریح کا سامان کرے -

یوناني مورخ ھیرودتس نے لکھا ھے کہ بخت نصر نے ارادہ کیا ' بابل کو از سر نو اِس طرح بنائے کہ دنیا' نینوی کي شان و شوکت بھول جائے - چنانچہ نینوی کے قیدیوں اور معماروں سے یہ نیا شہر طیار کرایا گیا - خود ھیرودتس نے اپني سیاحت کے دوران میں بابل کي بھي سیر کي تھي ' چنانچہ اُس کے حالات اپني تاریخ میں لکھے ھیں - اُس کے بیان سے معلوم ھوتا ھے کہ بابل' زمین کے مربع ٹکڑے پر قائم تھا - بیچ میں دریائے فرات نے بہہ کر اُس کے دو حصے کردیے تھے - ھر حصہ ۱۵ - میل لانبا تھا - یعني پورا شہر تیس میل کے وسیع رقبہ میں پھیلا ھوا تھا - چاروں طرف شہر پناہ تھي - ۳۵۰ فٹ بلند اور ۸۷ فٹ موٹي تھي - اِس میں پیتل کے سو پھاٹک تھے - پھاٹکوں کے ستون اور چھتیں بھي پیتل کي تھیں -

شہر میں سب سے زیادہ شاندار' عجیب ' اور دلچسپ چیز یہ " معلق باغ " تھے جو اُس وقت سے اب تک پوري دنیا کے لیے اعجوبہ بنے ھوئے ھیں - یہ باغ پتھر کي عمارتوں پر ایک ایسے علاقہ میں نصب کیے گئے تھے ' جہاں پتھر کمیاب ھونے کی وجہ سے نادر اور قیمتي چیز سمجھا جاتا تھا - بادشاہ عبادت خانوں میں بطور نذرانہ کے پتھر پیش کرتے تھے' اور پرانے عبادت خانوں سے نئے عبادت خانوں میں بڑے اھتمام سے منتقل کیے جاتے تھے - دجلہ اور فرات کي وادي میں آج تک پتھر کي بڑي قلت ھے -

لیکن کیا یہ باغ واقعي معلق تھے ؟ اس بارے میں ایک سخت غلط فہمي پھیلي ھوئی ھے - حال کے بعض مورخین بھي اِس غلطي سے نہ بچ سکے - در اصل انکا معلق ھونا محض ایک نظري اور مجازي وصف تھا - ورنہ وہ معلق نہ تھے - قدیم یوناني اور روماني مورخوں نے اِنکے لیے جو لفظ استعمال کیا ھے اُسکے معني " معلق " نہیں بلکہ منزل در منزل باغ کے ھیں - یہ باغ پتھر کے کئي منزلہ چبوتروں پر لگائے گئے تھے - ھر اوپر کا چبوترہ نیچے کے چبوترہ سے عرض میں چھوٹا تھا - اِس طرح تمام چبوترے بلند ھوتے ھوتے ۳۵۰ فٹ تک پہنچ گئے تھے - ھر چبوترہ پر اِتني مٹي جمع کي گئي تھي جتني درختوں کي پرورش کیلیے ضروري تھي - پاني اوپر چڑھا کر بالائي منزل پر تالاب بنایا گیا تھا ' نیچے سے اُس میں جمع کر دیا جاتا تھا - اور اُسي سے پورے باغ کي آب پاشي ھوتي تھي - ھر چبوترہ کي زمین یا چھت بانس سے پاٹ دي گئي تھي - اُسکے اوپر سیسہ پگھلا کر پھیلا دیا تھا - یہ احتیاط اِس لیے کي گئي تھي کہ دیواروں اور بنیادوں تک نمي نہ پہنچ سکے اور باغ ھمیشہ برقرار رھیں - ھر طبقے یا چبوترے کے نیچے بڑے بڑے ایوان تھے اور بابل و نینوی کے بہترین سامان آرایش سے آراستہ تھے - ھر دو طبقوں کے ما بین وسیع زینے بنے ھوئے تھے - جنسے بادشاہ ' ملکہ ' اور درباري ایک ساتھہ اوپر نیچے آجا سکتے تھے -

ساتِ عجائب عالم میں سے ڈائنا کے مندر کا بقایا
پہاڑ کے نیچے جو کھنڈر نظر آ رھا ھے' یہي اس مندر کا بقایا ھے - اوپر ترکوں کا قلعہ ھے

باغوں میں قسم قسم کے پھولوں ' پھلوں ' اور میوؤں کے خوشنما درخت لگے تھے - موسم بہار میں عجیب کیفیت ھوتي تھي - ھرے بھرے درختوں کے پتے پوري عمارت چھپا لیتے تھے - ایسا معلوم ھوتا تھا کہ واقعي باغ ھوا میں معلق کھڑے ھیں - خوشبو اس قدر ھوتي تھي کہ تمام شہر معطر ھو جاتا تھا - خیال ھوتا تھا کہ جنت آنکھوں کے سامنے پھیلي ھوئي ھے - بابل کي گرمي دیکھتے ھوئے یہ باغ

سات عجائب عالم

(۵)

روڈس کا عظیم بت

(The Colossus)

جزیرۂ روڈس (بحر متوسط) میں یہ عظیم الشان اور شہرۂ آفاق بت قائم تھا - لیکن اب اُسکا کوئي نشان باقي نہیں ہے - عہد مسیحي سے سو برس پہلے ہي وہ برباد ہوچکا تھا - مرکب دھات کا یہ بت ٹکڑے ٹکڑے کرکے اِس طرح بیچا گیا ' جس طرح پرانا لوھا بکتا ہے !

مشہور رومانی مورخ پلیني نے پہلي صدي عیسوي میں جزیرۂ روڈس کي سیر کي تھي - وہ لکھتا ہے :

" ہر چیز سے زیادہ حیرت انگیز آفتاب کا وہ عظیم الشان بت تھا جو اِس جزیرہ میں نصب تھا - اِسے کیرس لنڈي نے بنایا تھا - یہ ستر گز (رومانی) بلند تھا - ۶۵ سال قائم رہنے کے بعد زلزلہ سے گر پڑا - وہ ابتک بدستور زمین پر پڑا ہے اور دیکھنے والوں کیلیے ایک منظر حیرت ہے ! کم آدمي ایسے نکلینگے جو بت کے ہاتھہ کا انگوٹھا اپنے دونوں ہاتھہ پھیلا کر بھي قبضہ میں لاسکیں - بت کي انگلیاں اتني بڑي ہیں کہ شاید ہي اِتنے بڑے مجسمے کہیں موجود ہوں - پنڈلیاں اِتني موٹي ہیں کہ اُنکے اندر لمبي گہري سرنگیں معلوم ہوتي ہیں - پنڈلیوں کے اندر عظیم الشان سنگي ستون تھے تاکہ پاؤں بت کے جسم کا بوجھہ سنبھال سکیں "

یہ بت دراصل اپالو دیوتا کے اعزاز میں بنایا گیا تھا - یہ دیوتا اِس جزیرہ کا معبود اور محافظ سمجھا جاتا تھا - کیرس بت تراش نے بارہ برس کي محنت سے اِسے طیار کیا تھا - لیکن سنہ ۲۲۴ ق م میں زلزلہ نے اسے گرا دیا -

اِس بت کي عظمت و شہرت اِس قدر عام ہوگئي تھي کہ باہر کے لوگوں میں طرح طرح کے ما فوق العادۃ قصے مشہور ہوگئے تھے - عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ وہ جزیرہ کي خلیج پر اِس طرح کھڑا ہے کہ اُسکا ایک پاؤں ایک کنارے پر ہے ' دوسرا دوسرے کنارے پر - لیکن یہ خلاف واقعہ ہے - در اصل یہ بت ایک برہنہ آدمي کي شکل پیش کرتا تھا اور وہ اپنے دونوں پاؤں جوڑے کھڑا تھا - رومن مورخ پلیني نے اُسکي بلندي کي نسبت جو کچھہ کہا ہے ' اُسکي کسي دوسرے مورخ نے تغلیط نہیں کی ہے - اُسکے حساب سے بت کي بلندي ۱۵۰ فٹ تھی !

پورا بت مرکب دھات کا تھا - ٹانگیں پتھر کي تھیں ' اور مرکب دھات کي چادروں سے ڈھکي ہوئي تھیں - پیروں سے سر تک ایک اندروني زینہ بنا تھا - بعض مورخین کا بیان ہے کہ اِس زینہ سے چڑھ کر روز رات کو بت کي آنکھوں میں آگ جلادي جاتي تھی تاکہ اُس کي روشني سے جہازوں کي رہنمائي ہو -

کہا جاتا ہے ' کیرس نے بت قائم کرنے کے بعد محسوس کیا کہ اُس سے ایک سخت فني غلطي ہوگئي ہے - اِس غلطي کي اصلاح نا ممکن تھي - لہذا اُس نے خودکشي کرلي - لیکن اُسکي غلطي بعد میں کسي کو بھي نظر نہیں آئي - یونان اور پوري دنیا بیک زبان اُس کي صناعي کا اعتراف کر رہي ہے -

روڈس بارجود اپني قدیم بدحالي کے اُس زمانہ میں بہت دولت مند ہوگیا تھا - معدني مصنوعات میں اس نے بڑي شہرت حاصل کي تھي - بابل اور مصر سے تجارت کا سلسلہ قائم تھا - یونانیوں نے اُس کي دولت مندي دیکھکر اُس پر قبضہ کرلیا اور وہاں ایک عظیم الشان بندرگاہ تعمیر کي - شہر کي رونق بھي اس درجہ بڑھگئي کہ ایتھنز کا مقابلہ کرتا تھا - بعد میں اسپارٹا والوں نے اسے فتح کیا - اُن کے بعد شاہ موسولوس نے غلبہ حاصل کیا - یہ وہي بادشاہ ہے جس کي قبر دنیا کے سات عجائب میں سے شمار ہوتي تھي اور ابھي ابھي ہم اُس کے تذکرہ سے فارغ ہوئے ہیں -

آگے چل کر ایرانیوں نے حملہ کیا - ایرانیوں سے سکندر اعظم نے چھینا - سکندر کي وفات کے بعد اُس نے پھر اپني آزادي حاصل کرلي اور خود مختار ہوگیا - یہي زمانہ اُس کا سنہري زمانہ سمجھا جاتا ہے - اُس وقت بحر متوسط میں تجارت کي اصلي منڈیاں دو ہي تھیں : اسکندریہ اور روڈس -

اِس بت کي تاریخ یہ ہے کہ مصر کے ایک بطلیموس پادشاہ نے (یعني اُس خاندان شاہي کے پادشاہ نے جو بطلیموس کے لقب سے ملقب تھے) اپنے بھائي سے جنگ کي تھي - روڈس کے باشندوں نے بطلیموس کي مدد کي اور فتح دلائي - اِس پر اُس کے بھائي نے جزیرہ سے انتقام لینا چاہا اور ایک فوج گراں جہازوں میں لاکر محاصرہ کرلیا - فوج کي تعداد اِتني زیادہ تھي کہ جزیرہ کي پوري آبادي اُس سے کم تھي - اہل روڈس زبردست دشمن دیکھکر گھبرا گئے - مگر بہادر تھے - مقابلہ کیا - بطلیموس کو اُن کا احسان یاد تھا - اُس نے اِس مصیبت کا حال سنا تو فوراً مدد کے لیے اپني فوج بھیج دي - اس طرح روڈس اپني حفاظت میں کامیاب ہوگیا -

اسي نجات کي یادگار میں اہل روڈس نے یہ بت بنایا تھا ' اور اپنے دیوتا اپالو کو نذر دي تھي - بت کے بنانے میں جتنا کانسہ لگا ' وہ سب دشمن سے غنیمت میں حاصل کیا گیا تھا -

عربوں کي فتح کے زمانہ تک اِس بت کے کھنڈر موجود تھے - یوربین مورخوں کا بیان ہے کہ اُنھوں نے یہ کھنڈر ایک یہودي کے ہاتھہ فروخت کر ڈالے - یہودي نے اس سے تین سو ٹن کانسہ حاصل کیا -

تفسير سوره فاتحه کا ايک صفحه

تصور الهي کي تکميل
اور
اس کا سلسلهٔ ارتقا

(۳)

(شاهيت اور الوهيت کے تشابه کے نتائج)

شاهيت اور الوهيت کے اس لزوم و تشابه نے انسان کے **تصور الهي** پر جو گهرا اور دور رس اثر ڈالا هے ' اُس کا اندازه سرسري مطالعه سے نهيں هو سکتا - ضروري هے که تصور الهي کے ايک ايک جزء اور ايک ايک عنصر پر نظر ڈالي جاے ' اور اُسکي امتزاجي اور خميري حالت کي تعليل کي جاے - اس سلسله ميں حسب ذيل نقاط خصوصيت کے ساتهه قابل غور هيں :

(۱) انسان کي معيشت کي تاريخ ميں نظم و حکومت کي ابتدا جمهوريت کے عنصر سے هوئي هے ' نه که شاهيت و مالکيت کے عنصر سے -

يهاں لفظ " جمهوريت " سے مقصود جمهوري نظام حکومت نهيں هے ' بلکه جمهوريت کي وه ساده اور عنصري حالت مراد هے جب کسي ايک شخص کو مالکانه و حاکمانه اقتدار حاصل نه تها - ايک سے زياده آدمي مل جل کر اپنے معاملات کا انتظام کر ليا کرتے تهے - يه بات که کسي خاص فرد کو مالکيت و فرماں روائي کا اختيار حاصل نهو که جو چاهے حکم دے اور جس طرح چاهے اپنے ماتحتوں کے معاملات معيشت کا فيصله کرے ' بلکه مساويانه طريقه پر لوگ مل جل کر اپني ضروريات نظم و اجتماع کا انتظام کريں ' جمهوريت کا اصلي عنصر هے ' اور يهي عنصري حالت يهاں مقصود هے -

شخصي مالکيت اور شاهيت انساني اجتماع کي ايک غير طبيعي حالت هے جو اُس وقت پيدا هوي ' جب طاقتور افراد نے کمزور افراد کي کمزوريوں سے فائده اٹها کر انهيں اپنا مطيع و منقاد بنانا شروع کرديا اور رفته رفته يه بات تسليم کر لي گئي که زياده طاقتور فرد کو کم طاقتور افراد سے غلامي و چاکري کرانے کا حق حاصل هے - پهر جوں جوں تمدن و شهريت ميں ترقي هوتي گئي ' مالکانه قبضهٔ و تصرف بهي زياده خوش اُسلوب اور منظم هوتا گيا ' يهانتک که شاهيت و حکمراني کا نظام پيدا هوگيا -

يه بات که انساني اجتماع کي تاريخ ميں غير شخصيت و شاهيت ' شخصيت و شاهيت پر مقدم هے ' تاريخ کي روشني ميں صاف نظر آ جاتي هے - هم دنيا کے تمدني عهد سے جس قدر پيچهے هٹتے جائينگے ' شاهيت اور شخصيت کا نظام مفقود هوتا جايگا ' اور مشترک جماعتي نظم اپني ابتدائي اور ساده حالت ميں کار فرما نظر آيگا - دنيا کي جس قدر بهي غير متمدن اور وحشي قوميں تاريخ کے علم ميں آئي هيں ' ان ميں ايک قوم بهي ايسي نهيں هے جس ميں شخصي شاهيت کا نظام پايا گيا هو - امريکه ' افريقه ' اسٹريليا ' جزائر بحر شمال ' اور قبائل گرين لينڈ کي غير متمدن آباديان شخصي مالکيت و سروري سے اُسي طرح نا آشنا پائي گئيں ' جس طرح سکه کے استعمال سے نا واقف تهيں - عرب جس وقت تک بدويانه زندگي ميں رها ' شخصي حاکميت سے آشنا نه هوسکا - تاريخ کي روشني ميں جو ترتيب نظام حکومت کي واضح هوتي هے ' وه يه هے که انسان اپني صحرائي اور انفرادي معيشت ميں کسي نظم کا محتاج نه تها - جب قبائل کي زندگي شروع هوئي تو خود بخود ايک ايسا ساده اور بسيط نظم پيدا هو گيا ' جيسا آج کل بهي ديهاتي پنچايتوں ميں ديکها جاسکتا هے - بستي کے بڑے بوڑهے کسي درخت کے سايه ميں بيٹهه گئے اور تمام جهگڑے اور قصے چکا ديے - اس طريق کار سے رفته رفته قبائل کي سرداري کا منصب پيدا هوگيا - انهي سرداروں نے آگے چل کر اپنے دشمن قبائل کو زير کرنا اور غلام بنا کر رکهنا شروع کر ديا ' اور اسي سے شخصي مالکيت کي بنياد پڑگئي -

شخصي مالکيت اور شاهيت کي بنياد قاهرانه قوي کے استعمال اور جبر و تعدي کي هولناکيوں سے پڑي تهي - يه سرتاسر انسان کے سلبي اور تخريبي صفات تهے - ايجابي و تعميري نه تهے - البته آگے چل کر عفو و بخشش اور عطاؤ نوال کے اوصاف کي بهي گنجايش نکل آئي - ليکن چونکه شاهيت کا مايهٔ خمير هيبت و قهر تها ' اس ليے غلبه هميشه اسي قسم کے صفات کا رها - رحم و بخشش کے اوصاف اس درجه بڑه نه سکے که شاهي قهر و جلال کي هيبت و سطوت ميں خلل انداز هوسکتے - نتيجه يه نکلا که اول دن سے شاهيت کا تصور سرتاسر هيبت و قهر کا تصور هوگيا - يه بات انسان کے تخيل ميں جم گئي که جس قدر ايک پادشاه زياده پر هيبت اور قهرمان هوگا ' اُتني هي اُس کي شاهيت زياده مقتدر اور مسلم هوگي !

ضروري تها که شاهيت کے اس تصور سے انسان کا تصور الهي بهي متاثر هوتا ' کيوں که دونوں ميں مماثلت کي نسبت پيدا هوچکي تهي - چنانچه هم ديکهتے هيں که اس دوسرے دور ميں يه مماثلت بهي صفات قهر و جلال کے استغراق کا ايک قوي باعث هوگئي اور انسان کا تصور رحمت و جمال کي طرف تيز قدم نه اُٹها سکا - ٹهيک ٹهيک شاهيت و مالکيت کے تصور کي طرح ' خدا کے تصور ميں بهي تمام قاهرانه اور جابرانه اوصاف نماياں هيں ' اور جس طرح رحمت و جمال کا عنصر شاهيت کے تصور ميں مغلوب اور کمزور هے ' اُسي طرح اُلوهيت کے تصور ميں بهي زياده نهيں اُبهر سکتا - پهر جوں جوں شاهيت کے مزاج و اوصاف ميں رقيق و لطيف جذبات کا عنصر بڑهنے لگتا هے ' تصور الهي ميں بهي اس جانب ترقي هونے لگتي هے - شاهيت کا ابتدائي اور عالمگير تصور يه تها که وه ايک ايسا وجود هے جس سے هميشه ڈرتے اور لرزتے رهنا چاهيے - اُس کا غضب بے پناه ' اور اس کي هولناکي لا علاج هے - وه ايک ادني سي لغزشٌ پر قتل کرڈالتا اور ايک ذرا سي خطا پر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا هے - البته

فردوس برس کا حکم رکھتے تھے - یہي باعث ھے کہ اُن کا دنیا کے عجائبات میں شمار ھوا اور سارے جہان میں شہرت ھوا کي طرح پھیل گئي -

لیکن زمانہ کے بے رحم ھاتھوں نے یہ دلفریب باغ بھي نہ چھوڑے - بابل کي جنت برباد ھوگئي اور شہر بھي تہہ و بالا ھوگیا - صدیوں تک لوگوں کو یہ بھي معلوم نہ تھا کہ یہ باغ واقع کہاں پر تھے ؟ سنہ ۱۹۰۳ ع میں زمین کھودنے پر ایسے آثار نکلے جو اُس عمارت کے خیال کیے جاتے ھیں جس پر باغ نصب تھے - اِن باغوں کا باني بخت نصر(بنو کدنزر) رھي بخت نصر ھے جس نے بیت المقدس برباد کر کے یہودیوں کو قید کر لیا تھا -

(۷)

اھرام مصر

(The Pyramids of Egypt)

دنیا کے سات عجائب میں صرف اھرام مصري ھیں جو ابتک قائم اور انقلابات زمانہ کا مقابلہ کر رھے ھیں - مصر میں متعدد اھرام ھیں - مگر اُن میں سب سے زیادہ مشہور اور عجائب عالم میں شمار ھونے والا ھرم " ھرم کبیر " کے نام سے مشہور ھے - یہ قاھرہ کي موجودہ آبادي سے ۶۸ کیلو میٹر فاصلہ پر جنوب میں واقع ھے - اس میں ابتک کوئي اھم تغیر نہیں ھوا ھے - صرف اوپر کا پلاستر اُتر گیا ھے اور چوٹي پر سے کچھہ حصہ ٹوٹ گیا ھے -

یہ ھرم اب سے چھہ ھزار سال پہلے تعمیر ھوا تھا - مصر کي چوتھي سلطنت میں ایک بادشاہ نے اِسے بنایا - ساٹھہ برس اِس نے حکومت کي تھي - مصري زبان میں اِسکا نام " خوفو " تھا - یوناني اُسے " خیوبس " کہتے تھے - قدیم مصري ھرم کو " یاخیت خوفو " کے نام سے پکارتے تھے - اِسکے معني ھیں " خوفو کا مقبرہ " دراصل یہ عمارت بادشاہ نے اِسي غرض سے بنائي تھي کہ مرنے کے بعد اس میں دفن ھو - ھرم کے مصري نام ھي سے اسکا مقصد واضح ھو جاتا ھے - اِس سے بھي بڑھ کر یہ کہ خود ھرم کے اندر تابوت بھي ملا ھے اور اِس بات کي قطعي شہادت ھے کہ اصل میں یہ مقبرہ ھي تھا -

ھرم کا دروازہ شمال کي طرف ھے - اِس دروازہ سے ایک طویل اور تنگ سرنگ نما راستے میں داخل ھوتے ھیں - راستہ ایک تہہ خانے تک لیجاتا ھے - خیال کیا جاتا ھے کہ یہي تہہ خانہ ' قبر کیلیے مخصوص کیا گیا تھا - کیونکہ اسي میں تابوت رکھا ھے - مگر خود بادشاہ کي لاش اُس میں نہیں ملي - نہیں کہا جاسکتا ' بادشاہ اُس میں کیوں دفن نہیں کیا گیا ؟ نیز ابتک یہ بھي معلوم نہیں ھوا کہ اُسکي اصلي قبر ھے کہاں ؟ بعض مورخین کا خیال ھے کہ بادشاہ نے اِس مقبرہ کے بنانے میں رعایا پر بہت ظلم کیا تھا - اِس لیے ناراض ھوکر مصریوں نے اُسکي لاش اس میں دفن نہ ھونے دي - لیکن اِس کے ایک کمرہ میں بادشاہ کا نام سرخ روشنائي سے لکھا ھوا پایا گیا ھے - خیال کیا جاتا ھے کہ مزدوروں نے پتھر پر اسکا نام تعمیر سے پہلے ھي لکھدیا تھا - اگر یہ نام موجود نہ ھوتا تو دنیا ھرگز نہ جان سکتي کہ یہ عمارت کس شخص نے بنائي تھي -

بادشاہ کا تابوت سنگ سرخ کا ھے - سارے سات فٹ لانبا ' تین فٹ چار انچ چوڑا ' اور تین فٹ چار انچ اونچا ھے -

بادشاہ کے کمرے کے اوپر پانچ چھوٹے کمرے اور ھیں - خیال کیا جاتا ھے کہ یہ اِس غرض سے بنائے گئے تھے کہ شاھي کمرہ پر سے عمارت کا بوجھہ ھلکا ھو جائے - ملکہ کا کمرہ بادشاہ کے کمرے کے نیچے ھے اور اصلي راستہ سے ایک گلي اُسکي طرف جاتي ھے -

قدیم زمانوں سے یہ بات مشہور چلي آتي تھي کہ ھرم کے اندر ایک بہت بڑا خزانہ موجود ھے - مگر کبھي کسي کو اُسکے کھودنے کي جرات نہیں ھوئي - خلیفہ مامون الرشید نے البتہ کھدوانا شروع کیا تھا ' مگر بعد میں معلوم ھوگیا کہ خزانہ کي افواھیں بے بنیاد ھیں -

(اسکندریہ کا شہرۂ آفاق منارہ)

یہ تصویر اُن تصریحات کي بنا پر بنائي گئي ھے - جو قدیم سیاحوں اور مورخوں کي زباني معلوم ھوئي ھیں -

یوناني سیاح ھیرودوتس نے ھرم کي سیر کي تھي اور اپني کتاب میں اُس کا حال لکھا ھے -

شروع میں ھرم پر چکنا پلاستر لگا ھوا تھا - کوئي اُس پر چڑہ نہیں سکتا تھا - مگر اب یہ پلاستر اُتر گیا ھے اور اُسکي چوٹي پر پہنچنا ممکن ھے -

اِس ھرم کي بلندي ۴۸۱ فٹ ھے - شمالي جانب سے ۶۱۲ اور باقي تین طرف سے ٹھیک ۷۵۵ فٹ ۷- انچ لانبا ھے - یہ اس بات کي شہادت ھے کہ قدیم مصریوں نے علم ھندسہ میں بڑي ترقي حاصل کي تھي -

دنیا کے سات عجائب میں اول درجہ اِسي ھرم کو حاصل ھے -

(مورخین عرب کي تحقیقات)

سات عجائب عالم کا یہ مختصر بیان تھا جو ختم ھوگیا - ھم نے بابل ' منارۂ اسکندریہ ' اور اھرام کے حالات میں صرف وھي امور بیان کیے جو آخرین تحقیقات پر مبني ھیں ' اور وہ تمام تفصیلات ترک کردیں جو غالباً اردو کے کتب و رسائل میں ترجمہ کي جاچکي ھیں - اب اس کے بعد ھمیں تفصیل کے ساتھہ وہ تحقیقات بیان کرني ھے جو قدیم عرب مورخین نے کي تھي ' خصوصاً بابل ' اسکندریہ ' اور اھرام مصر کي نسبت اُن کي تصریحات تاریخ کا نہایت قیمتي اور قابل غور موضوع بحث ھے -

مصریوں نے " تہوت " اور " ہرمس " میں (اور ہرمس Hermes یونانیوں کا بھی معبود تھا) علم و حکمت کے تمام ابتدائی سر چشمے دیکھے (۱) بابل نے جو علم هئیة کے کشف و ترقی کا سب سے پہلا سر چشمہ ہے ' آسمان کے ارواح الوهیت میں سورج کا قہر اور مریخ کی خون آشام تلوار دیکھی تھی - اب زہرہ کی مسکراہت اور عطارد کی حکمت و دانائی کی سنجیدہ صورت کا بھی تماشائی ہوگیا - یونان کی فکری لطافت اور وسعت تخیل نے اس میں آور زیادہ نظم و اسلوب پیدا کیا - عشق و محبت ' علم و حکمت ' صلح و امن ' زراعت و پیداوار ' مال و دولت ؛ سب کے آسمانی کارساز الگ الگ جلوہ فرما ہوگئے ' اور اُنکی چوکھٹیں صفات جمالیہ کے حاجت مندوں کا قبلۂ عبادت بن گئیں - مصر ' ہندوستان ' اور یونان میں بابل کی کواکب پرستی کی دعوت پہنچ چکی تھی ' اسلیے ان دیوتاؤں کا تخیل زیادہ تر اجرام سماویہ هی کے تعبدانہ مشاہدہ میں پیدا ہوا -

ایران جو دنیائے قدیم کے ادیان و ملل میں اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے غیر معمولی امتیاز رکھتا ہے ' اور جس نے باوجود مظاہر پرستی کے انہماک کے ' اصنامی پرستش کے تخیل سے ہمیشہ گریز کیا ؛ اس بارے میں ایک بالکل مختلف نوعیت کا تخیل قائم کرتا ہے ' اور ثنویت کے ذریعہ صفات قہر و جلال اور رحمت و جمال کے تضاد کی مشکل حل کرتا ہے - یعنی اس اعتقاد کا نقشہ آراستہ کرتا ہے کہ خالق حقیقی کے ماتحت دو کارساز قوتیں کارفرما ہیں : قوت خیر اور قوت شر - یعنی " یزداں " اور " اہرمن " تمام ایجابی اور جمالی صفات یزداں کے حصے میں آئی ہیں ' اور تمام سلبی اور قہری صفات اہرمن کے حصے میں - یزداں کی تعمیری صفت بنانا چاہتی ہے - اہرمن کی تخریبی صفت بگاڑنا چاہتی ہے - گویا کون و فساد کی کشا کش اپنی منتہاء ازلیت میں دو متضاد کارفرماؤں کی کشمکش پر ختم ہوتی ہے -

غرضکہ اس دور کے آخری عہد میں بہ حیثیت مجموعی ذہن انسانی نے ایک ایسی مزاجی استعداد پیدا کر لی تھی کہ وہ صفات سلبیہ کے ساتھہ صفات ایجابیہ کا بھی بالاستقلال تصور کر سکتا تھا - البتہ غلبہ اب بھی صفات سلبیہ هی کے تصور کا تھا - تصور الہی کے اس بنیادی نقطہ میں کہ عبادت کی اصل خدا کے غضب و قہر سے بچنا ہے ' نہ کہ اُسے چاہنا اور اُس سے نزدیک ہونا ' کوی تبدیلی نہیں ہوی تھی - پس گو اس عہد میں انسان خدا کی رحمت و جمال کا نظارہ کرنے لگا ' لیکن اسکے ذہن پر تسلط ' خدا کے قہر و غضب کے خوف هی کا تھا - جمال و رحمت کی شیفتگی کا نہ تھا - اس منزل تک پہنچنے کیلیے اُسے ابھی کئی ارتقائی منزلیں طے کرنی تھیں -

مذہبی اعمال میں تمام تر دارومدار قربانی اور اسکی بے شمار اقسام پر تھا - علم و حکمت اور رزق و بخشش هی کا دیوتا کیوں نہو ' لیکن بغیر قتل و ہلاکت کی بھینٹ کے خوش نہیں ہو سکتا تھا - مذہبی اور معبدی رسوم کی کار فرما جماعتیں (یعنی مندروں کے پجاریوں ' معلموں ' رہنماؤں کی جماعتیں) صدیوں سے ایک طاقتور نظام کی شکل میں قائم ہو چکی تھیں - انکے اقتدار و بالا دستی کا اعتقاد مذہبی عقائد کا سب سے زیادہ ضروری عنصر بن گیا تھا - ان معبدی اور اصنامی جماعتوں کے نظام کے قیام نے بھی انسان کے دینی عقائد کی تاریخ میں بہت بڑا حصہ لیا - عوام پر ان کا اقتدار جن وسائل سے قائم رہ سکتا تھا ' ان میں سب سے زیادہ موثر چیز یہی مذہبی قسم کا خوف اور آسمانی قسم کی دہشت انگیزی تھی - اس لیے یہ جماعتیں قدرتی طور پر آسمانی قہر و غضب کی دائمی مبلغ بن گئی تھیں ' اور انسانی دماغ کو خوف و دہشت سے الگ ہوکر ' خدا کے طرف نظر اُٹھانے کی مہلت هی نہیں ملتی تھی - جن لوگوں نے مصر ' ہندوستان ' اور یونان کی معبدی جماعتوں کے حالات کا مطالعہ کیا ہے ' وہ اندازہ کر سکینگے کہ اُس عہد کے دہشت انگیز دینی موثرات میں یہ چیز کس درجہ قوی و فعال رہی ہے ؟

اس دور کے اِس آخری عہد میں پہنچکر ہمارے لیے ممکن ہو جاتا ہے کہ سنین و ایام کے موجودہ حسابات سے اِس کا زمانہ متعین کر سکیں - یہ تقریباً سنہ ۱۷۰۰ قبل مسیح (ع) کا زمانہ ہے - اِس عہد کے کچھہ عرصے بعد سامی دعوت کے قیام و اشاعت کا دور شروع ہو جاتا ہے -

(سامی دعوت کا ظہور)

" سامی دعوت " سے مقصود تورات کی دعوت ہے - تورات کے ظہور کا زمانہ تقریباً (تقریباً اس لیے کہ ایام و سنین کے صحیح تعین میں متعدد تاریخی اور هئیتی اختلافات حائل ہیں) ۱۶۴۵ - قبل مسیح ہے - تورات کے عبرانی سنین کی جو تقویم آجکل کے علماء فن نے مرتب کی ہے ' بعینہ وہی ہے جو ابو ریحان بیرونی وغیرہ عرب محققین زیچ و تقاویم نے مرتب کی تھی - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل کا مصر سے خروج مندرجۂ صدر سنہ میں ہوا تھا - اسلیے تقریباً یہی زمانہ حضرۃ موسی (علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ظہور اور تورات کے نزول و دعوت کا زمانہ ہے -

---

(۱) ہرمس کے بارے میں بعض مورخین کو سخت غلط فہمی ہوئی ہے ' اور اُنکی تقلید سے زمانۂ حال کے بعض مستشرقین یورپ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے - چونکہ یونان اور مصریوں کے عقیدے میں ہرمس علم و حکمت کا دیوتا تھا ' اسلیے متاخرین حکماء نے اکثر علوم و فنون کی ابتدا اُسکی طرف منسوب کردی تھی ' اور بعض کتابوں میں علوم کا تذکرہ اس طرح شروع کیا گیا تھا ' گویا ہرمس کا الہام ربانی بیان کر رہا ہے - جب اِن کتابوں کا عہد عباسیہ میں ترجمہ ہوا تو بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ ہرمس یونان و مصر کے حکما میں سے کوئی حکیم ہے - پھر کوشش کی گئی کہ اُس کا زمانہ متعین کیا جاے - بعضوں نے اُسکا زمانہ ایسا متعین کیا جو حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ تھا - اس سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ہرمس اور ادریس ایک هی شخصیت کے دو نام ہیں - بعضوں نے کہا کہ تورات میں جس " اخنوخ " کا ذکر آیا ہے ' وہی یونانیوں کے یہاں ہرمس کے نام سے مشہور ہے - بعضوں نے دیکھا کہ ہرمس کا تذکرہ مختلف زمانوں میں پایا جاتا ہے - اِس لیے انہوں نے تطبیق کی یہ صورت نکالی کہ تین ہرمس فرض کرلیے : کبیر ' درمیانی ' صغیر - حالانکہ سرے سے ہرمس نامی کسی انسان کا وجود هی ثابت نہیں - وہ محض ایک خیالی شخصیت ہے - جیسی شخصیت ہندوستان میں نظم و حکمت کے لیے بیاس جی کی فرض کر لی گئی ہے - ابن الندیم نے فہرست میں (صفحہ ۲۶۷ و ۳۱۳) جمال الدین قفطی نے تاریخ الحکماء میں (صفحہ ۳۴۶) اور ابن ابی اُصیبعہ نے عیون الانباء میں (جلد ۱ - صفحہ ۱۶) ہرمس کی نسبت جو کچھہ لکھا ہے ' وہ اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے - ہرمس حکیم کے نام سے جو کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں ' زیادہ تر قدیم فن کیمیا اور احکام نجوم کی کتابیں ہیں - رمل کے ابتدائی خطوط بھی اُسی کے طرف منسوب ہیں - البتہ بیرونی اور حموی کی بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ فن هئیة و زیچ میں بھی اس کے بعض رسائل ترجمہ کیے گئے تھے - عجیب بات یہ ہے کہ دنیا کی سات اقلیموں والی تقسیم جو ایران کے " ہفت کشور " سے لی گئی تھی ' محمد بن ابراہیم فزاری نے اسی کے طرف منسوب کی ہے (معجم البلدان جلد ۱ - صفحہ ۲۶)

گاہ گاہ ایسا بھي ھوتا ھے کہ اس کي طبعيت رحم و کرم پر آجاتي ھے ' اور وہ بخش بھي ديتا ھے اور مالا مال بھي کرديتا ھے - بعينہ يہي تصور خدا کا بھي تھا - اور اسليے خدا کي صفات رحمت و جمال کي نسبت جو کچھہ بھي سمجھا جاتا تھا ' وہ اس سے زيادہ نہ تھا ' جيسا ايک پر هيبت بادشاہ کي نسبت سمجھا جاسکتا ھے -

(۲) صفات الہي کے تصور کا ايک نازک اور دقيق پہلو يہ ھے کہ خدا کے افعال کيليے کوئي مقصد و غايت هوني چاهيے يا نہيں؟ اس لحاظ سے افعال الہي کي دو هي نوعيتيں هوسکتي هيں - ايک يہ کہ اسکے تمام افعال بغير کسي غايت اور حکمت کے هيں - ايک يہ کہ اسکاهر فعل کسي مقصد اور حکمت پر مبني ھے - شاهيت اور الوهيت کے تشابہ کا اثر تصور الہي کے اس گوشہ پر بھي پڑا - انسان هزاروں برس تک خدا کے افعال بھي اسي رنگ روپ ميں ديکھتا رها ' جسميں اپنے چاندي سونے کے تخت پر بيٹھنے والوں کو ديکھتا تھا - وہ " قدرت " کے ساتھہ " حکمت " جمع نہيں کرسکا - اسکا خيال يہ تھا کہ حکمت اور مقصد کي رعايت دليل عجز ھے - يہ عام انسانوں کيليے ضروري ھے جو اپنے حاکموں اور پادشاهوں کے سامنے جوابدہ هيں ' ليکن ايک پادشاہ جو کسي کے سامنے جوابدہ نہيں ' حکمت و غايت کي رعايت سے ما وراء ھے - ايک پادشاہ جسقدر زيادہ طاقتور اور زيادہ اونچے قسم کا هوگا ' اتنے هي اسکے اعمال زيادہ مطلق العنان ' زيادہ بے ترتيب ' زيادہ بے مصلحت ' زيادہ بے معني هونگے - وہ بغير کسي سبب و موجب کے هزاروں آدمي قتل کر ڈاليگا - بغير کسي مصلحت کے عمارتيں ڈھا ديگا ' بغير کسي ضرورت کے نئي عمارتيں کھڑي کر ديگا - هوسکتا ھے کہ محض اتني سي بات ديکھنے کيليے کہ رات کي تاريکي ميں آتشزدگي کا تماشہ کيسا هوتا ھے ؟ وہ ايک پورا آباد شہر جلا ڈالے !

يہ جو هندوستان ' مصر ' يونان ' وغيرہ قديم متمدن ممالک کي ديوبانی کہانيوں ميں هم ديکھتے هيں کہ ديوتاؤں کے جسقدر بھي اعمال دکھلائے هيں ' وہ سب اسي نوعيت کے هيں - ايسا معلوم هوتا ھے ' جيسے چند انسان هر طرح کي طاقت اور اختيار پاکر بے قابو هوگئے هيں اور طاقت اور اختيار سے کھيلنے لگتے هيں - محض اسليے کہ وہ طاقت رکھتے هيں ' اپني اپني طاقتيں لہو و لعب کي طرح بلا ضرورت استعمال ميں لاتے هيں ' اور انکي اس کھيل کود سے کائنات هستي کے هزاروں کارخانے بنتے بگڑتے لگتے هيں ' تو اس چيز کے اندر وهي شاهي و مالکي مزاج کام کر رها ھے - پادشاهوں کي زندگي ايسي هي تھي ' اسليے ديوتاؤں کے تصور ميں بھي اُسي کا عکس نماياں هوگيا -

تصور الہي کے اس دور کے بعد اگرچہ تصور کے تمام اجزاء ميں ترقي هوگئي تھي ' ليکن چونکہ شاهيت اور الوهيت کا تشابہ راسخ هوچکا تھا ' اسليے ترقي کي هر منزل ميں شاهيت هي کي قسم کا تصور قائم هوتا رها - اُس سے الگ نہ هوسکا -

(۳) يہ جو هم ديکھتے هيں کہ تمام قديم اقوام کے الہي تصورات ميں ' با وجوديکہ وہ تمدن و شايستگي کے بڑے بڑے درجے طے کر چکي تھيں ! ادنی درجہ کے حيواني اور بہيمي افعال کے تخيلات سے کسي طرح کا اجتناب نہيں پايا جاتا ' تو اس ميں بھي بہت حد تک اسي تشابہ کو دخل ھے - بلا شبہ ان تخيلات کي بنياد جميعت بشريہ کے عہد طفوليت ميں پڑي تھي جبکہ ذهن انساني بالکل ناتراشيدہ حالت ميں تھا ' ليکن عہد تمدن ميں کيوں يہ تخيلات بالکل متروک نہيں هوگئے ؟ اس کي علت يہي ھے کہ شاهيت اور الوهيت کے تشابہ نے يہ اعتقاد پيدا کرديا تھا کہ شاهيت و خداوندیت کيليے اس قسم کي زندگي نقائص کا موجب نہيں ھے ' برائي اور غير مسئوليت کا نتيجہ ھے - چونکہ خدا کے تصور ميں بھي شاهيت کي مماثلت کارگر هوچکي تھي ' اسليے اس ميں يہي شان پيدا کردي گئي -

(۴) حکومت بالوسائط ' يعنے خالق حقيقي سے کائنات هستي کا تعلق براہ راست نہيں ھے - درميان ميں وسائل و وسائط هيں - خدا انہي کے ذريعہ تمام کارخانۂ وجود چلا رها ھے ' اسي تشابہ کا ايک نہايت گہرا اور دور رس نتيجہ ھے -

(۵) تصور الہي کا يہ قديم اور راسخ اعتقاد کہ بخشش معاصي کيليے جسم انساني کي تعذيب ضروري ھے ' بغير اسکے خدا کي خوشنودي حاصل نہيں هو سکتي ' اسي تشابہ کے برگ و بار ميں سے ھے - غضب ناک اور مطلق العنان پادشاہ چھوٹے چھوٹے قصوروں پر سخت سخت سزائيں ديديتے تھے ' اور جب تک سزا واقع نہيں هوجاتي تھي ' اُن کا غصہ ٹھنڈا نہيں هوتا تھا - يہي بات خدا کے تصور ميں بھي پيدا هوگئي - انسان نے ديکھا کہ اُسکي جسماني عقوبت ' اُسکے شاهي مالکوں کا غضب ٹھنڈا کر ديتي ھے ' اسليے اُس نے خيال کيا کہ اُس کے آسماني خداوندوں کے اطفاء غضب کيليے بھي ضروري ھے کہ طرح طرح کي جسماني عقوبتيں اور اذيتيں برداشت کرے - قرباني کي شکل ميں يہي چيز قتل نفس تک پہنچ گئي - انسان اپنے هم جنس کو ' اپني اولاد کو ' خود اپنے آپ کو عفو قصور اور حصول رضاء الہي کيليے قتل کرنے لگا -

(۶) خدا کے تصور کا ايک نہايت اهم پہلو اُس کي معبوديت کا اعتقاد ھے - يعني يہ کہ اُس کي عبادت کرني چاهيے - ليکن عبادت کيوں کرني چاهيے ؟ اِس کا صحيح جواب ذهن انساني کي نا رسا استعداد معلوم نہ کرسکي - خدا کا تصور کرتے هوئے اس نے صرف اُس کي صفات قہر و جلال هي کا نظارہ کيا تھا ' اس ليے عبادت کي بنياد خوف و دهشت کے جذبات سے پڑي تھي ' نہ کہ محبت و عبوديت سے - اُس نے خدا کو ايک خوفناک هستي کي شکل ميں ديکھا تھا ' اس ليے اُس کے غضب سے بچنے کے ليے اُس کي خوشامد کرني چاهتا تھا - شاهيت و اُلوهيت کے تشابہ سے يہ تخيل اور زيادہ راسخ و محکم هوگيا - مطلق العنان اور قہرمان شاهيت بھي هر انسان سے غلامي و چاکري کراتي تھي ' اور لوگ اپنے دل کي خوشنودي سے نہيں بلکہ سزا کے خوف سے اُن کي خدمت و اطاعت کرتے تھے - نيز اُن کے هيجان غضب سے بچنے کيليے طرح طرح کے نذرانے اور تحفے پيش کرتے تھے - خدا کي معبوديت کي بھي ٹھيک ٹھيک يہي نوعيت تھي - جس طرح انسان اپنے تخت نشين حاکموں کي چاکري کرتا تھا ' تاکہ اُن کے ظلم و قہر سے بچے ' اُسي طرح وہ اپنے آسمان نشين کارسازوں کي بھي بندگي کرتا ' تاکہ اُن کے غضب و جلال کا نشانہ نہ بنے - جس طرح وہ اپنے پادشاهوں کو طرح طرح کے نذرانے پيش کرتا تھا تاکہ وہ خوش هوکر مہربان هوجائيں ' اسي طرح وہ اپنے خداؤں کے ليے بھي طرح طرح کے نذرانے تجويز کرتا تاکہ وہ مہربان هوکر اُس کي التجائيں سن ليں -

(دوسرے دور کا منتہاء بلوغ)

اس دور کي منتہاء ترقي يہ تھي کہ بہ تدريج صفات رحمت و جمال کا عنصر ' جو ابتدا ميں بہت هي دهيما تھا ' اس درجہ اُبھر آيا کہ صفات سلبيہ کي طرح صفات ايجابيہ کا بھي بالاستقلال تصور قائم هوگيا - هندوستان اور مصر ميں علم ' محبت ' دولت ' نسل ' اور رزق کے بھي ديوتا اُسي طرح پيدا هوگئے ' جس طرح هلاکت اور بربادي کے بے شمار ديوتا موجود تھے - هندوستان کي سرسوتي ' لکشمي ' اور درگا وغيرہ کي مورتياں آج تک همارے سامنے سے گذرتي هيں -

مقرر یا سیاسی ؟

(سیاست سے پہلے تربیت)

(مقتبس از بعض رسائل مصر)

ہمارے ہاں " سیاست " سب سے آسان تر کام ہے ' کیونکہ کسی اصول اور قاعدہ کا علم اس کیلیے ضروری نہیں - لوہاری ' نجاری ' جلد بندی ' نعل بندی ' حتی کہ حجامت بھی سیاست سے مشکل ہے ' کیونکہ یہ تمام پیشے اپنے مقررہ اصول اور قواعد رکھتے ہیں ' جنکے جانے بغیر کوئی آدمی انہیں اختیار نہیں کر سکتا - لیکن " سیاست " کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے - جس لمحہ چاہو " سیاسی " ہونے کا اعلان کردے سکتے ہو ' اور سیاست کے نام سے جو بکواس بھی چاہو بلا تامل کر سکتے ہو - کوئی تم پر اعتراض کی جرأت نہیں کرسکتا ' کیونکہ ہمارے ہاں سیاست کسی اصول اور قاعدہ پر مبنی نہیں ہے -

لیکن جو قومیں " سیاست " جانتی ہیں ' اُنکے نزدیک یہ چیز بہت مشکل ہے - اُنکے یہاں اِسکے لیے کچھہ اصول و قواعد ہیں ' جن میں کمال حاصل کیے بغیر کوئی آدمی سیاسی نہیں ہو سکتا - اُنکے نزدیک سیاست کی شرطوں میں سے اولین شرط ' اخلاق ہے اور آخری شرط ' کلام یا تقریر ہے - اُنکے یہاں سیاسی ایک خاموش ' پر فکر ' اور کارکن ہستی ہے - اُسکی آواز بازاروں ہمیں سنی نہیں جاتی - مجلسیں اُسکی لفاظی سے نا آشنا ہوتی ہیں - وہ خاموش دریا کی طرح ' بغیر کسی شور وغل کے کام کرتا ہے - اُنکے یہاں سیاسی زیادہ بولنے والے " کم کام کرنے والے " اور اپنی شہرت کا ڈنکا بجانے والے کو نہیں کہتے - بلا شبہ اگر اپنے تدبر اور قوت عمل کے ساتھہ سیاسی ' قوت خطابت کا بھی مالک ہے ' تو سونے پر سہاگا سمجھا جاتا ہے - لیکن برک ' برایٹ ' اور گلیڈسٹون کی شہرت صرف اُنکی خطابت کی وجہ سے نہ تھی - وہ پہلے سیاسی تھے - پھر خطیب اور مقرر -

بہت سے بڑے بڑے سیاسی ایسے گذرے ہیں جنکی تقریریں مجلسوں میں نہیں گونجتی تھیں - لیکن اُنکے خاموش کام دنیا کو ہلا ڈالتے تھے - اِن سیاسیوں کی فصاحت کا یہ حال تھا کہ جب پارلیمنٹ میں تقریر کرنے کھڑے ہوتے تھے ' تو بہت سے ارکان اٹھکر سگریٹ نوشی کیلیے چلے جاتے تھے - اور جو بیٹھے رہتے تھے ' انمیں سے بھی اکثر اونگھہ کر خراٹے لینے لگتے تھے - لیکن با وجود اِسکے اُنکے عمل ابتک زندہ ہیں - دنیا کی تاریخ میں اُنکے نام جلی حرفوں میں لکھے ہیں - بر خلاف اسکے بڑے بڑے مقرر جو بادلوں کی طرح گرجتے تھے ' مرتے ہی گمنام ہوگیے !

ڈیوک ولنگٹن مقرر نہ تھا ' بلکہ اپنی کم سخنی کی وجہ سے " خاموش " کے لقب سے مشہور ہوگیا تھا - تا ہم " آہنی " کہلاتا تھا ' کیونکہ اُسنے جنگ میں نپولین جیسے فاتح کو تباہ کیا اور حالت امن میں محض اپنی اخلاقی قوت سے اپنے تمام مخالف زیر کرلیے - کوئی نہیں کہہ سکتا کہ خاموش ولنگٹن کا مرتبہ مقرر گلیڈسٹون سے کم تھا -

ہم قوت خطابت کی اہمیت گھٹانی نہیں چاہتے - ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قوت خدا کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت اور قوموں کی اجتماعی زندگی میں ایک ضروری عامل ہے - لیکن ہم اپنی قوم کا یہ اعتقاد غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ " تقریر ہی سب کچھہ ہے " جس کی تقریر موثر ہوتی ہے ' اُسے سب کچھہ سمجھا جاتا ہے ' اور جس کی تقریر کمزور ہوتی ہے ' اُسے کچھہ نہیں سمجھا جاتا - حالانکہ ایک کم علم ' بہترین مقرر ہوسکتا ہے اور علامۂ دوراں ' تقریر کے میدان میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا -

تھوڑے دن ہوئے ' مسٹر بالڈون موجودہ وزیر اعظم انگلستان نے ایک کالج کے طالب علموں کے سامنے تقریر کی تھی - یہ تقریر ہمارے موضوع سے متعلق ہے ' اور اِس لائق ہے کہ عوام اُسے پڑھیں اور فائدہ اُٹھائیں - اُنھوں نے نہایت عمدہ طور پر ثابت کیا ہے کہ افراد اور قوموں کی سیاسی زندگی میں تربیت کتنی ضروری چیز ہے ؟

وزیر اعظم نے کہا " تربیت کا سب سے بڑا ثمرہ یہ ہے کہ وہ عقل کو تصنع اور ریا سے پاک کرتی اور حقائق اشیا دیکھنے کا موقعہ بہم پہنچاتی ہے - علم ہمیں بالکل صحیح طور پر فصاحت و بلاغت سے بد ظن کرتا ہے - آزاد ملکوں میں اگر کسی شخص کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنا ضروری ہے ' تو وہ لچھے دار تقریریں کرنے والا شخص ہے - یعنی وہ شخص جو نیم تعلیم یافتہ بھیڑ کو اپنی لسانی سے مسحور کردیتا اور گمراہی کو خوشنما بنا کر عام کرتا ہے - آزادی کے ہر زمانہ میں سب سے بڑا خطرہ ' یہی گمراہ مقرر رہے ہیں - اِس وقت بھی ہیں ' اور آئندہ بھی رہینگے - ہماری موجودہ آزادی مقدس ہے - ہمیں یقین ہے کہ آزادی ہمارے ملک کے لیے ایک نعمت عظمی ہے - ہم کسی طرح بھی گوارا نہیں کرسکتے کہ ساقط اخلاق کے فصیح البیان مقرر اپنی زبانوں کے زہر سے اُسے مسموم کرڈالیں "

" بچپن میں خوشنما لفظوں اور بلیغ جملوں پر میں عاشق تھا - لیکن اٹھارہ برس کی عمر میں پہنچکر میں نے " فروڈ " کا یہ قول پڑھا " فن خطابت (تقریر) علمی بدکاری ہے " اُس دن سے میرا عشق ' نفرت سے بدل گیا اور فصاحت و بلاغت پر سے میرا بھروسہ اُٹھہ گیا "

" وزیر اعظم ہونے کے بعد میں نے سنا کہ جماعت کی ایک معزز خاتون نے ' جس سے مجھے تعارف کی عزت حاصل نہیں ' اپنے

لاسلکی کا راز

لاسلکي (بے تار کي تار برقي) کی دنیا میں بہت سے ایسے راز هیں جنهیں علم ابتک حل نہیں کر سکا ہے -

***

مثلاً یه که لاسلکي لہریں ' روشنی سے زیادہ اندھیرے میں تیز چلتي هیں - لاسلکي سے خفیف سي بھي واقفیت رکھنے والے جانتے هیں که دن سے زیادہ رات میں اُس کي آواز بلند هوتي ہے - غروب کے بعد لاسلکي لہروں کي رفتار تقریباً دوني هو جاتي ہے -

علماء اِس مسئله کے قطعي حل سے ابتک عاجز هیں - بہترین توجیهه جو کي گئي ہے یه ہے که نور اور حرارت کا لاسلکي لہروں سے گهرا علاقه ہے - کیونکه یه دونوں چیزیں اُن موجوں سے پیدا هوتي هیں جو اثیر (ایتهر) میں نہایت هي غیر معمولي سرعت سے بہتي هیں - اِن موجوں اور خود اثیر کي موجون میں بڑا فرق یه ہے که اول الذکر ' آخر الذکر سے بہت چھوٹي هوتي هیں -

ظاهر ہے که سطح زمین سے جو اثیر محیط ہے ' وہ دن میں نور و حرارت کي اُن موجوں سے لبریز هوتا ہے جو سورج سے منفصل هوتي هیں - یه موجیں ' اثیر کي موجوں میں سخت اضطراب پیدا کر دیتي هیں - اِسکا نتیجه یه هوتا ہے که آواز میں بھي اضطراب پیدا هو جاتا ہے - کیونکه وہ اثیر هي کے ذریعه منتقل هوتي هیں -

یه صرف دن هي میں هوتا ہے ' جبکه نور و حرارت کي موجیں اثیر میں موجود هوتي هیں - رات کو چونکه اثیر اُنسے خالي هوتا ہے ' اِس لئے اُسکي موجوں میں اضطراب پیدا نہیں هوتا ' اور چونکه اُسکي موجوں میں اضطراب پیدا نہیں هوتا ' اس لیے آواز بھي صاف اور بلند سنائي دیتي ہے -

***

لاسلکي کا یه راز بھي عجیب ہے که اُسکي موجیں همیشه قوسي خط پر چلتي هیں - گویا زمین کي قوسي سطح کے مطابق اپنا راسته بناتي هیں - لیکن نور و حرارت کي موجوں کا یه حال نہیں ہے - وہ خط مستقیم پر بہتي هیں - ثبوت یه ہے که مثلاً ایک مناره تمهیں تیس میل کي مسافت پر سے دکھائي نہیں دیتا - اسکي دو وجہیں هیں : ایک یه که زمین گول ہے اور اُسکي سطح قوسي شکل کي ہے ' لہذا دور کي بلندیاں افق میں چھپ جاتي هیں - دوسري وجه یه ہے که نور کي شعاعیں خط مستقیم پر پھیلتي هیں اور افق میں چھپي هوئي بلندیاں ظاهر نہیں کرسکتیں - بر خلاف اسکے لاسلکي موجیں پورے نصف کرۂ ارضي تک پھیلائي جاسکتي هیں ' کیونکه وہ زمین کي سطح کے مطابق چلتي هیں -

اِس کي تعلیل علماء کے ایک گروہ نے یه کي ہے که لاسلکي لہروں کي رفتار ' اُس غبار کے ذرات یا اثیر کي وجه سے قوسي هو جاتي ہے جو کرۂ ارضي کي فضا میں منتشر اور اُس سے محیط ہے - اُنکا خیال ہے که یه لہریں جب لاسلکي آله سے نکلتي هیں تو ایک عظیم قوت کے ساتھه بلند هونا شروع هوتي هیں ' یہانتک که زمین سے محیط غباري طبقه تک پہنچ جاتي هیں - پھر وهاں سے لوٹتي هیں اور اُسی طرح زمین پر منعکس هوتي هیں ' جس طرح آئینه سے نور منعکس هوتا ہے - یه عمل برابر جاري رهتا ہے - گویا یه لہریں فضا میں پراگندہ هونے کے لیے بھاگتي هیں مگر غباري ذرے اُنھیں واپس کردیتے هیں !

لیکن علماء کا ایک دوسرا گروہ اثیر کے وجود هي سے منکر ہے - اُسکا دعوی یه ہے که جن لہروں کو هم لا سلکي کہتے هیں ' وہ فضا میں نہیں بلند هوتیں - زمین هي پر بہتي هیں -

***

یه لا سلکي راز بھي کچھه کم حیرت انگیز نہیں که بعض علاقوں میں قوي سے قوي لا سلکي آواز بھي ظاهر نہیں هوتي - یا بہت هي دھیمي سني جاتي ہے - یه علاقے اِس فن کي اصطلاح میں " خاموش علاقے " یا " موت کے علاقے " کہلاتے هیں - ایک امریکي عالم لاسلکي کا بیان ہے که وہ ایک مرتبه لاسلکي آله لیکر شمال کي سمت روانه هوا تا که اِس علم پر تقریریں کرے - لیکن وہ جوں جوں شمال کي طرف بڑھتا گیا ' اُسکا آله بھي کمزور پڑتا گیا - اُسے خیال هوا که شاید آله میں کوئي خرابي پیدا هوگئي ہے - چنانچه نیا آله خرید لیا - مگر اُسکي آواز بھي دھیمي هوتي چلي گئي - یہانتک که ایک ایسے شہر میں پہنچا ' جہاں آله سے مطلقاً کوئي آواز سنائي نہیں دیتي تھي - وہ سخت متعجب هوا اور کوئي سبب سمجھه نه سکا - مگر برابر سفر کرتا رها ' یہانتک که آله سے آواز پیدا هونا اور بڑھنا شروع هوگئي - بعد میں اُسے معلوم هوا که آله میں کوئی خرابي واقع نہیں هوئي تھي ' بلکه " موت کے علاقے " نے اُسے معطل کر دیا تھا -

***

یه ' اور اِسي طرح کے بعض اور لاسلکي معمے هیں جنهیں علم ابتک پوری طرح حل نہیں کرسکا ہے - ممکن ہے که یه معمے حل هو جائیں ' لیکن علم انساني کے معمے اور کائنات هستي کے راز کبھي حل نه هوسکیں گے - انسان دس معمے سلجھاتا ہے ' تو سو نئے معمے اُس کے اضطراب عجز کے لیے پیدا هو جاتے هیں - انسان کے لیے اب سے هزاروں برس پیشتر بھي علم کے معمے تھے ' اب بھي معمے هیں ' اور شاید آیندہ بھي همیشه معمے باقي رهینگے :

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا -

تے - چند ماہ بعد جب خدیو توفیق پاشا کي وطن فروشي اور سلطان عبد الحمید کي مذبذب اور متزلزل حکمت عملي کي کمزوري سے "تل الکبیر" کے معرکہ کے بعد انگریزي فوج مصر میں داخل ہوگئي ، تو عربي پاشا اور محمود باوردي پر مقدمہ چلایا گیا ، اور شیخ محمد عبدہ بھي ان کے ساتھہ گرفتار کرلیے گئے - ان کا جرم یہ بتلایا گیا تھا کہ انھوں نے وقائع مصریہ میں ایسے مقالات لکھے تے جن میں تحریک کي حمایت کي گئي تھي - غالباً سعد زغلول بھي اُن کے تعلق کي وجہ سے مبتلاے محن ہوے لیکن بعد کو رہا کردیے گئے - کیونکہ فی الحقیقت شیخ کے تعلق و تلمذ کے سوا ان کا تحریک میں کوئي حصہ نہ تھا -

اسي زمانہ میں انھیں نئي تعلیم کا شوق ہوا - پہلے فرانسیسي زبان کي تحصیل کي - پھر قانون کا مطالعہ کیا - اور سنہ ۱۸۸۹ میں وکالت شروع کردي - اُن کي غیر معمولي ذہانت اور طبعي استعداد کے ثبوت میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب انھوں نے مصر کي اعلی عدالتوں میں وکالت کرني چاهي ، تو سرکاري محکمہ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا - کیونکہ نہ تو اُنھوں نے باقاعدہ سرکاري مدارس میں تعلیم حاصل کي تھي ، نہ یورپ کے مدارس قانون کي کوي سند رکھتے تے - لیکن انھوں نے اپنے استحقاق و اهلیت پر اصرار کیا ، اور کہا "اگر اس معاملہ کا دار و مدار استعداد اور اهلیت پر ہے نہ کہ سند کے ایک پرزۂ پر ، تو قانون کا سخت سے سخت امتحان لے لیا جاے - اگر میں یورپ کے سند یافتہ محامیوں سے (مصر میں قانون کے بیرسٹر کو محامي کہتے ہیں) بہتر ثابت ہوں تو میري درخواست منظور کي جاے" یہ واقعہ ہے کہ امتحان لیا گیا ، اور اُن کي قانوني استعداد بہتر سے بہتر معیار پر بھي پوري اُتري !

انکي غیر معمولي استعداد نے بہت جلد ترقي مناصب کي راہ اُن پر کھول دي - پہلے بعض قانوني مناصب پر مامور ہوے - پھر سنہ ۱۹۰۶ میں اس درجہ شہرت حاصل کرلي کہ وزیر تعلیم ہوگئے -

اسي زمانہ میں مصري مجلس تشریع (لیجسلیٹو اسمبلي) کے نظام میں وسعت ہوئي ، اور نئے نئے طریقہ رائج ہوے - یہ ہر موقعہ پر سرکاري مناصب کیلیے ایک اول درجہ کے امیدوار تسلیم کیے جاتے تے - سنہ ۱۹۱۱ میں مجلس تشریع نے انھیں اپنا رئیس منتخب کیا ، جسپر وہ (غالباً) سنہ ۱۹۱۴ تک قائم رہے -

(سعد زغلول کا سیاسي مسلک)

سعد زغلول کي تعلیمي اور سیاسي ، دونوں زندگیوں کي ابتدا شیخ محمد عبدہ کي تعلیم و تاثیر سے ہوي تھي ، اسلیے وہ اپني زندگي کے آخري سالوں تک (یعنے سنہ ۱۹۱۸ تک جبکہ التواء

فقدناه ، والامال ترجو حياته
وفي الليلة الظلماء يفتقد البدر !

فقید الشرق ، احمد سعد زغلول

جنگ کے بعد انھوں نے مصر کے کامل استقلال کا مطالبہ کیا ہے) اُسي مسلک پر گامزن رہے جو واقعۂ عربي کے بعد خود شیخ محمد عبدہ نے اختیار کر لیا تھا - ہمیشہ اُنکا شمار شیخ کي جماعت کے مخصوص افراد میں رہا - وہ اُن تمام لوگوں میں جنھیں شیخ کي فیض صحبت نے پیدا کیا تھا ، نمایاں اور ممتاز تے -

شیخ محمد عبدہ مرحوم کا یہ حال تھا کہ وہ فطرۃ کي بہترین دماغي بخششیں لیکر پیدا ہوئے ، لیکن جامع ازهر کي تعلیمي فضا سے کوئي بلند تر تعلیمي فضا حاصل نہ کر سکے - اسي اثنا میں سید جمال الدین مرحوم قاہرہ پہنچے ، اور اُن کے فیض صحبت سے شیخ کے تمام فطري جوہر اُبھر آئے -

سید موصوف کي دعوت اگرچہ تعلیمي اور دیني اصلاح پر مشتمل تھي ، لیکن اُس کا محوري مرکز سیاسي انقلاب تھا ، کیونکہ وہ یقین کرتے تے کہ اسلام کي دیني روح ، سیاسي روح سے الگ نہیں ہے - انھوں نے مصر میں بھي انقلابي دعوت کي تخم ریزي کي - اُس وقت مصر اسماعیل پاشا کي مسرفانہ اور عیش پرستانہ زندگي سے تباہ ہورہا تھا - اغیار و اجانب کي مداخلتوں کے نئے نئے دروازے کھل رہے تے ، طالبین اصلاح کي تمام امیدیں ولي عہد مصر توفیق پاشا سے وابستہ تھیں - سید جمال الدین نے توفیق تک رسائي حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ، کہ پہلے خود قاہرہ کے فري میسن لاج میں داخل ہوئے ، پھر کوشش کرکے توفیق کو بھي اس کا گرینڈ ماسٹر منتخب کرالیا ، اور اس طرح فري میسن کا مخفي اور محفوظ جماعتي دائرہ اپنے اور اُس کے گرد کھینچ لیا - توفیق پاشا سید موصوف کے اصلاحي خیالات سے پوري طرح متاثر ہوا ، اور عہد و اثق کیا کہ با اقتدار ہوتے ہي اصلاح و انقلاب حال کے لیے پوري طرح کوشش کریگا - لیکن جب کچھہ عرصہ کے بعد وہ خدیو مصر ہوا ، اور سید جمال الدین اُن عہود و مواثیق کے ایفا کے طالب ہوئے ، تو پہلے تو لیت و لعل شروع کیا - پھر صاف انکار کردیا ، اور کوشش کي کہ جمال الدین مصر سے نکل جائیں -

سید جمال الدین یہ حالت دیکھکر نہایت متاثر ہوے - اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ جو افراد قوم اور ملک کي نجات کي راہ میں حائل ہوں ، اُنھیں راہ سے ہٹا دینا جرم نہیں ہے بلکہ انسانیت کي خدمت ہے - چنانچہ اُنھوں نے توفیق پاشا کے قتل کي کوششیں شروع کر دیں - اور اس کام کے لیے قرعۂ فال اُن کے نوجوان تلمیذ محمد عبدہ کے نام نکلا - شیخ نے اس واقعہ کے بیس برس بعد ایک خط میں جو مسٹر بلنٹ کے نام لکھا تھا ، اقرار کیا ہے کہ توفیق کو قتل کردینے کیلیے وہ طیار ہوگئے تے - توفیق پاشا قاہرہ سے اسکندریہ جا رہا تھا ؛ یہ پستول لیکر سڑک پر کھڑے ہوگئے - مگر جب حملہ کا وقت آیا تو

دوست سے سوال کیا " کیا تم جدید وزیر اعظم کو مہذب کہہ سکتے ہو؟ مجھے شک ہے ' یہ خاتون " مہذب " کے معني پوري طرح سمجھتي ہے - لیکن یہ یقیني ہے کہ اُس کے نزدیک تہذیب کوئي ایسي چیز ضرور ہے جس سے انگلستان کے وزیر اعظم کو متصف ہونا چاھیے - اور بلا شبہ یہ بہت عمدہ خیال ہے "

" میرے نزدیک تہذیب ایک ایسا عمل ہے جو کبھي ختم نہیں ہوتا - مدرسہ میں میرا چال چلن بے داغ تھا ' لیکن میں تمھارے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے طالب علمي کا زمانہ بے کار ضایع کردیا - جس دن سے مجھے ہوش آیا ' اُس دن سے میں برابر اپني کمي پوري کرنے میں کوشاں ہوں - میں تم سے سچ کہتا ہوں - دنیا میں کوئي مسرت بھي اُس مسرت کا مقابلہ نہیں کر سکتي جو علم حاصل کرنے میں حاصل ہوتي ہے - میں آج بھي طالب علم ہوں ' اور سو برس کي عمر حاصل کرنے کے بعد بھي طالب علم رہونگا - اپنے موجودہ منصب سے نکلنے کے بعد میرا اولین فرض یہ ہوگا کہ پوري مستعدي سے علم حاصل کرنا شروع کردوں "

" ہم سب جانتے ہیں کہ کوئي قوم بھي قدرت کي طرف سے متمدن بنا کر نہیں بھیجي گئي ہے - تمام متمدن قوموں نے تمدن و تہذیب کوشش کرکے حاصل کي ہے - تمدن کي راہ مشکلات سے لبریز ہے - تمدن ' تنزل کے خطرہ سے محفوظ نہیں ہے - سینکڑوں قومیں جو کبھي متمدن تھیں ' اپني غفلت کي وجہہ سے وحشي ہوگئیں - ہمیں اپني موجودہ تہذیب پر گھمنڈ نہیں کرنا چاھئے - یہ تہذیب جو ہم نے خون پاني ایک کرکے اور لگاتار محنتوں کے بعد حاصل کي ہے ' ذرا سي غفلت اور غرور سے تنزل اور پستي سے بدل جا سکتي ہے - محض مادي ترقي اور مادي علم ' تمدن نہیں ہے - تمدن اِس سے بڑھکر کوئي اور چیز ہے - انسانیت کا سب سے زیادہ خطرناک زمانہ وہ ہے جبکہ علم تیزي سے آگے بڑہ رہا ہو ' اور اپنے ساتھہ مادي ترقي ' مادي علم ' اور مادي سامان آسائش عام کر رہا ہو - لوگ بلا محنت کے کھا رہے ہوں ' بے خطر مادي لذتوں سے متمتع ہو رہے ہوں ' اور معنوي ترقي اور روحي اصلاح و تہذیب سے غافل ہوں - میں ڈرتا ہوں ' ہمارا موجودہ زمانہ وہي خطرناک زمانہ نہ ہو ' اور ہماري موجودہ تہذیب کي کشتي مادي خواھشوں کي چٹانوں سے ٹکراکر غرق نہ ہوجائے "

" تعلیم و تربیت کي اس سے زیادہ کوئي غرض نہیں کہ لوگوں کو اشیاء کي اصلي حقیقت معلوم ہو - ہر چیز کو ویسا ہي دیکھیں ' جیسي وہ ہے ' اور اُسي درجہ میں رکھیں جس درجہ میں اُسے ہونا چاھیے - یہ غرض صرف اُنھیں معلموں کے ذریعہ حاصل ہوسکتي ہے جو خود بے غرض ہیں - حق کي تعلیم صرف اس لیے دیتے ہیں کہ وہ حق ہے - حق کو پوري سچائي ' صفائي ' اور دیانت سے ظاہر کرتے ہیں - خود غرض معلم ' سیاسي اغراض کے بندے ' حقیر دنیاوي مقاصد پر حق کو قربان کرنے والے لوگ ' ہرگز حق کے معلم نہیں ہو سکتے - ایسے معلم قوم کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں ' اور ان دجالوں سے قوم کے نوجوانوں کي حفاظت و حمایت ہر محب وطن کا اولین فرض ہے - ہمیں انکي جڑ کاٹ ڈالني چاھیے اور قوم کو اُن کے شر سے ہمیشہ کے لیے نجات دیدیني چاھیے "

عالم شرق و اسلام

مرحوم سعد باشا زغلول

مصر کي آخري حرکت استقلال کا قائد عظیم

الموت نقاد على كفه جواهر يختار منها الجياد !

سعد باشا زغلول کے انتقال سے عالم شرق و اسلام کي ایک ایسي شخصیت رو پوش ہوگئي جس میں قوم کي سیاسي قیادت و رہنمائي کي نہایت طاقتور روح نمایاں ہوي تھي - اُس کي رہنمایانہ زندگي کي تاریخ کوي طول طویل تاریخ نہیں ہے - اُس نے اپني طویل زندگي کے صرف آخري چند سال قوم کي سیاسي رہنمائي میں صرف کیے ' لیکن اِس قلیل وقت کا یہ استعمال ایسا بر وقت اور اس درجہ صحیح و طاقتور تھا ' کہ تاریخ نے فوراً اپنے دروازے کھول دیے ' اور مصر کے قومي رہنما کے لیے اکابر و مشاھیر عالم کي صف میں جگہ طیار کردي - یقیناً وہ ان لوگوں میں سے تھا ' جنکے کارناموں کیلیے تاریخ کے اوراق ہمیشہ منتظر رہتے ہیں !

(مختصر سوانح حیات)

سعد باشا کا سنہ ولادت ۱۸۶۰ع ہے - ان کي طفولیت کے زمانے میں نئي تعلیم کے مدارس نے اس درجہ فروغ نہیں پایا تھا کہ لوگوں کو ان کي طرف توجہ ہوتي - اُن سب کے لیے جو تعلیم کا شوق رکھتے ہوں ' صرف ایک ہي جگہ تھي ' اور وہ جامع ازھر کي درس گاہ تھي - چنانچہ علوم عربیہ و اسلامیہ کي متوسط درجہ تک تعلیم انھوں نے اور ان کے چھوٹے بھائي فتحي بے نے جامع ازھر ھي میں حاصل کي -

ان کي عمر ابھي بیس برس کي بھي نہیں ہوئي تھي کہ قاھرہ میں سید جمال الدین کي علمي مجالس کي شہرت پھیلي - یہ سید موصوف کا مصر میں دوسرا ورود تھا ' اور شیخ محمد عبدہ ان کے نہایت سرگرم شاگرد ہوچکے تھے - سعد زغلول بھي انکي مجالس درس میں پہنچنے لگے ' اور شیخ محمد عبدہ سے اُن کا رشتۂ ارادت و تلمذ قائم ہوگیا - اسي رشتہ نے ان کي اُس تعلیمي ذھنیت میں جو جامع ازھر کے تعلیمي جمود سے پیدا ہوئي تھي ' ایک انقلابي حالت پیدا کردي ' اور نظر و فکر کي نئي نئي راھیں کھلنے لگیں - اُن کي وہ غیر معمولي قوت خطابت و فصاحت جس کي وجہ سے وہ ہمیشہ اپنے معاصرین میں ممتاز رہے ' دراصل شیخ محمد عبدہ ھي کي صحبت و تلمذ کا نتیجہ تھي -

عربي پاشا کي فوجي تحریک جو بہت حد تک سید جمال الدین کي سیاسي تخم ریزیوں کا قبل از وقت نتیجہ تھي ' جب سنہ ۱۸۸۲ میں نمودار ہوئي ' تو شیخ محمد عبدہ حکومت مصر کے سرکاري گزٹ "الوقائع المصریہ" کے محرر اور مطبوعات مصریہ کے مدیر تھے ' اور غالباً سعد زغلول بھي انکے ساتھہ اسي دفتر میں کام کرتے

تاریخ و عبر

تاریخ عہد عباسیہ کا ایک صفحہ

محمد الامین اور عبد اللہ المامون

حال میں ڈاکٹر احمد فرید رفاعی مصری نے "عصر المامون" کے نام سے ایک مفید اور دلچسپ کتاب شایع کی ہے اور تاریخ اسلام کے اس اہم عہد کی ذہنی اور مزاجی حالت پر مشرح بحث کی ہے۔ بحث کا ایک اہم موضوع امین اور مامون کی حریفانہ شخصیتیں ہیں، اور اُن کی اخلاقی اور نفسیاتی حالت کا موازنہ ہے۔ ذیل میں اُس کا ایک حصہ ترجمہ کے بعد درج کیا جاتا ہے:

محمد الامین

محمد الامین بن ہارون الرشید سنہ ۱۷۰ہجری میں پیدا ہوا۔ یہی سال ہارون الرشید کی تخت نشینی کا ہے۔ امین اپنے سوتیلے بھائی، مامون سے عمر میں ۶ مہینے چھوٹا تھا۔

امین کی ماں زبیدہ بنت جعفر بن المنصور ہے۔ لہٰذا وہ ماں اور باپ دونوں طرف سے ہاشمی ہے۔ اس کے بعد یہ نسلی امتیاز کسی عباسی خلیفہ کو حاصل نہیں ہوا۔

امین کے ہاشمی ماموؤں کو سلطنت میں بڑا اثر و اقتدار حاصل تھا۔ جب اُنھوں نے محسوس کیا کہ خلافت کی طرف دوسرے عباسیوں کی گردنیں اُٹھ رہی ہیں، تو کوشش کی، کہ اُن کا بھانجا امین ہی رشید کا جانشین ہو۔ چنانچہ عیسیٰ بن جعفر بن المنصور نے (جو امین کا ماموں تھا) فضل بن یحییٰ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ امین کے لئے ولیعہدی کی بیعت حاصل کرے۔ فضل بن یحییٰ برمکی کو خلافت میں جو رسوخ حاصل تھا، محتاج تشریح نہیں۔ ہارون الرشید نے اُسے ایک بڑی فوج دیکر خراسان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ موقعہ اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لئے بہترین موقعہ تھا۔ فضل نے خیال کیا، اگر امین اُس کی کوشش سے تخت خلافت پر بیٹھے گا، تو اُس کا رسوخ سب سے زیادہ ہو جائے گا۔ چنانچہ اُسنے اپنی تمام قوتیں اس کے لئے وقف کر دیں، فوج کے تمام سپہ سالاروں کو بلا لیا، اور محمد الامین کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا۔ بغیر کسی توقف کے اُس کی پوری فوج نے بیعت کر لی۔ اُس عہد کا شاعر سلم کہتا ہے:

قد بایع الثقلان فی مہد الہدیٰ ۔۔۔ لمحمد بن زبیدۃ ابنۃ جعفر!

نمیری کہتا ہے:

ببیعۃ لولی العہد احکمہا

بالنصح منہ وبالاشفاق والحدب

قد وکد الفضل عقداً لا انتقاض لہ

لمصطفی من بنی العباس منتخب

خلیفہ ہارون الرشید کو جب واقعہ کی اطلاع ہوئی تو معاملہ اُسکے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اہل شرق بیعت کر چکے تھے۔ اب اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ اسے منظور کر لے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور محمد الامین باضابطہ ولی عہد مقرر ہو گیا۔ ابان اللاحقی کہتا ہے:

عزمت امیر المومنین علی الرشد ۔۔۔ برأیٔ ہدی فالحمد للہ ذی الحمدا

باوجودیکہ امین ہارون کا بڑا لڑکا نہ تھا، لیکن اس طرح بہ آسانی ولی عہد قرار پا گیا۔

امین کی نفسیاتی و اخلاقی تحلیل

مشاہیر عالم کے عہد طفولیت کی تاریخ بھی اُن کی عظمت کے آثار و علائم سے خالی نہیں ہوتی۔ اُن میں بعض قابلیتیں نطری ہوتی ہیں اور بعض تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن ہمارے قدیم مورخین نے اپنی تاریخی شخصیتوں کے عہد طفولیت کی طرف سے عموماً بے اعتنائی برتی ہے اس لئے اُن کی اخلاقی تحلیل اور نفسیاتی کیفیات کی بُنیادیں متعین کرنا آج آسان نہیں۔ تاہم ہمیں بیہقی کا شکرگزار ہونا چاہئے جسنے اپنی کتاب المحاسن و المساوی میں محمد الامین کے عہد طفولیت و تعلیم پر کسی قدر روشنی ڈالی ہے۔ اور اسی طرح زبیدہ کا ایک خواب بھی قابل ذکر ہے جسے مسعودی نے مروج الذہب میں روایت کیا ہے۔ ان نامکمل روایتوں سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ امین کو استخارہ کرنے کی خو کیسے پڑی؟ وہ کیوں فصیح، بلیغ، ادیب تھا؟ وہ کیوں لہو و لعب کا دلدادہ تھا؟ کیوں پُر سکون تھا اور خونریزی سے خائف رہتا تھا؟

⁂

تمھیں معلوم ہے کہ ہارون الرشید نے امین کو فضل بن یحییٰ کی گود میں دیدیا تھا اور مامون کو جعفر بن یحییٰ کی گود میں۔ فضل بن یحییٰ نے امین کے اتالیق ہشیم ابن بشیر الواسطی سے کہا تھا "سب سے زیادہ اس بات کی کوشش کرنا کہ اسے خونریزی سے نفرت ہو جائے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں خدا اسے سفاک نہ بنائے"۔ اسی طرح ہارون الرشید نے امین کے معلم، احمر نحوی سے کہا تھا "اگر نرمی سے اس کی اصلاح نہ ہو تو سختی کرنا" اب ہمیں سُننا چاہئے خود امین کا یہ معلم اپنے شاگرد کی بابت کیا کہتا ہے؟

احمر کی روایت ہے:

"میں اکثر بڑی سختی سے پیش آتا تھا۔ حتیٰ کہ اُن اوقات میں بھی اُسے پابند رکھتا تھا جو کھیل کود کے لئے مقرر تھے۔ امین نے اپنی والدہ سے میری شکایت کر دی۔ زبیدہ نے مجھے خط لکھا کہ بچہ کی تندرستی برقرار رہنے کے لئے اُسے چند گھنٹے کی مہلت ضرور دینی چاہئے۔ اس پر میں نے کہا شاہزادہ کا درجہ بلند ہو چکا ہے۔ اُس کی شہرت عام ہو گئی ہے۔ امیر المومنین کی اُس سے محبت اور سلطنت کی ولیعہدی کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اُس کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی نہ کی جائے۔ یہ سخت نامناسب ہوگا کہ وہ زبان کی فصاحت سے قاصر، قوانین شریعت سے جاہل، اور دقائق سیاست سے غافل ہو جائے۔ کیونکہ حکومت کی بُنیادیں یہی ہیں۔ اس پر خادمہ نے آکر مجھے جواب دیا کہ یہ سچ ہے مگر وہ ماں ہے اور ماں کا دل بچے کی تکلیف سے بےچین ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اسمیں ایک دَر پردہ راز بھی ہے۔ اگر کہو تو بیان کر دوں۔ میں نے کہا ضرور بیان کرو۔ اُسنے کہا میری آقا زبیدہ نے مجھ سے اپنا یہ خواب بیان کیا ہے کہ جس رات امین کا حمل میں نے محسوس کیا تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ تین عورتیں آئی ہیں۔ ایک میرے دہنے طرف بیٹھی، دوسری بائیں طرف، تیسری نے میرے پیٹ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور کہنے لگی "بادشاہ، بڑی سخاوت والا، بڑا بوجھ اُٹھانے والا، جلد چلا جانے والا" دوسری نے کہا "بادشاہ، کم عمر، صاف دل، عیش پرستی میں پڑنے والا"، تیسری نے کہا "بادشاہ، بُرے چلن والا، بہت ضایع کرنے والا، کم جھگڑنے والا، کم انصاف کرنے والا"، زبیدہ کہتی ہے میں خوف زدہ ہو کر بیدار ہو گئی۔ پھر میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ لیکن جس رات ولادت ہوئی اُس رات وہی تینوں عورتیں مجھے سوتے میں نظر آئیں۔ وہ آئیں اور بچہ کے سرہانے بیٹھ گئیں۔ سب نے ایک ساتھ جھک کر اُس کا منہ دیکھا۔ ایک کہنے لگی "تر و تازہ پودا، نازک پھول، خوشنما چمن، شیریں چشمہ، کم باقی رہے گا۔ جلد فنا ہو جائے گا" دوسری نے کہا "بیوقوف، بُرا، تباہی کی طرف دَوڑے گا، فساد پر جری ہوگا" تیسری بولی "اسکی قبر کھودو۔ اس کا کفن قریب لاؤ۔ اس کا جنازہ طیار کرو۔ موت اس کے لئے زندگی سے بہتر ہے" زبیدہ کہتی ہے۔ میں خوف سے سہم گئی۔ منجموں کو بلایا۔ سب نے درازی عمر کی بشارت دی۔ مگر میرا دل برابر خوف سے کانپتا رہا ہے۔ یہ واقعہ بیان کرکے شاہی خادمہ کہنے لگی اے احمر کیا ہمارا خوف، اللہ کی تقدیر کو دُور کر سکتا ہے؟ میں نے کہا نہیں"

احمر نحوی کے بعد ہارون نے مشہور امام فن قطرب نحوی کو امین کی تعلیم پر مقرر کیا۔ حماد عجرد، امین پر عاشق تھا اور برابر کوشاں تھا کہ کسی نہ کسی طرح اُس کا معلم مقرر ہو جائے۔ مگر ناکام رہا کیونکہ اُس کا فسق و فجور مشہور ہو گیا تھا۔ حماد کو اپنے حریف قطرب کی کامیابی پر بڑا غصہ آیا۔ اُسنے خیال کیا یہ منصب اسے اس لئے مل گیا کہ مجھ سے زیادہ ریاکار ہے اور اپنا تہتک چھپانے میں ہوشیار ہے۔ چنانچہ فوراً ایک کاغذ پر چند اشعار لکھے اور خلیفہ کے خادم کو رشوت دیکر آمادہ کر لیا کہ کاغذ، خلیفہ کے قلمدان میں رکھ دیا جائے۔ جب خلیفہ نے قلمدان منگایا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کاغذ پر یہ اشعار مرقوم ہیں:

قل للامام: جزاک اللہ مغفرۃ

لا یجمع الدہر بین السخل والذیب

السخل غِرٌّ وہم الذیب غفلتہ

والذیب یعلم ما بالسخل من طیب

ہارون رشید نے یہ منظوم رقعہ پڑھ کر کہا "دیکھو یہ معلم کہیں بدچلن نہ ہو۔ اسے محل سے نکال دو"، چنانچہ قطرب نکال دیا گیا اور حماد اُس کا جانشین بنا۔ ستر یا اسّی آدمی ہمیشہ اس کی نگرانی کرتے تھے۔

ہم اس قسم کی روایتوں سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ امین کی نشو و نما کیسی خراب ہوئی تھی۔ اور اُس کے مستقبل پر اُسنے کیسا خراب اثر ڈالا تھا؟ امین کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا یہ نقص بھی عظیم ہے کہ اُسے سیاسی پختہ کاری حاصل کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ حالانکہ

انهوں نے محسوس کیا کہ یہ کام اس قدر آسان نہیں ھے جس قدر انهوں نے ذمہ داری لیتے ہوئے خیال کیا تھا - ان کا دل مضطرب ہوکر رهگیا اور حملہ نہ کرسکے -

اس کے بعد جمال الدین مصر سے نکل جانے پر مجبور ہوئے اور هندوستان چلے آئے -

عرابی پاشا کے حادثہ میں شیخ محمد عبدہ کو بھی جلا وطنی کی سزا دی گئی تھی ' لیکن چھہ سات سال کے بعد جب انھوں نے مصر آنا چاہا تو حکومت نے اجازت دیدی ' اور واپسی کے تھوڑے ھی عرصہ بعد افتاء کے عہدہ پر مامور ہوگئے - اسی عہد سے مصر میں ان کی دینی و تعلیمی اصلاحات کا اصلی دور شروع ہوتا ھے -

لیکن ابتدائی سیاسی زندگی کی ناکامیوں کا جو رد فعل ان کے اندر پیدا ہوگیا تھا ' ضروری تھا کہ اس کے اثرات ان کے فکری مزاج میں بھی سرایت کرجائے - چنانچہ وہ مدۃ العمر کے لیے سیاست سے یک قلم علحدہ ہوگئے - اس سے بھی زیادہ یہ کہ مصر میں انگریزی قبضہ کے فوائد کا اعتراف کرلیا ' اور پوری زندگی نام نہاد اعتدال سے بھی زیادہ محتاط سیاسی عقائد میں بسر کردی - انهوں نے اپنے مشہور مقالہ " الاسلام و النصرانیہ " میں سیاست سے اور ان تمام باتوں سے جو سیاست سے ادنی تعلق بھی رکھتی ہوں ' حتی کہ سیاست کے لغوی مادہ سے بھی ' جو " تعوذ " کیا ھے ' وہ ان کی فکری حالت کا مظہر ھے -

انهوں نے متعدد مرتبہ اپنے اس مسلک کی تشریح بھی کی تھی - انکا خیال یہ تھا کہ انگریزی قبضہ کی وجہ سے اگرچہ مصر کے سیاسی استقلال کو نقصان پہنچا ھے ' لیکن ساتھہ ھی تحریر و تقریر کی آزادی اور تعلیمی و اقتصادی ترقی کے فوائد بھی حاصل ہوے ہیں - ملک کا فرض ھے کہ پہلے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اپنی تعلیمی اور دینی حالت درست کرلے - پھر سیاسی استقلال کے لیے ساعی ہو - انکا جو سیاسی لائحہ مسٹر بلنٹ نے " مصر کی مخفی تاریخ " میں شائع کیا ھے ' وہ تعجب انگیز حد تک انکی سیاسی قناعت پسندی ظاہر کرتا ھے - سنہ ۱۹۰۱ میں انکا خیال تھا کہ مصر کے لیے بڑی سے بڑی چیز جو ہو سکتی ھے ' وہ صرف یہ ھے کہ ایک اچھی قسم کی مجلس تشریع (لیجس لیٹو اسمبلی) آسے دیدی جاے جسکی ایک بڑی تعداد کے انتخاب کا حق ملک کو حاصل ہو - وہ اس لائحہ میں انگریزی قبضہ کے خلاف ایک لفظ نہیں کہتے -

بہر حال شیخ محمد عبدہ کا سیاسی مسلک اس نوعیت کا تھا ' اور چونکہ سعد زغلول بھی انہی کے تلمیذ اور صحبت یافتہ تھے ' اس لیے سیاسی عقائد میں اس سطح سے بلند نہ ہوسکے - سنہ ۱۹۱۷ تک انکی تمام زندگی سرکاری مناصب میں گزری ' اور آزاد قومی تحریکات کے خلاف وہ رہے ھی ایک سرگرم سرکاری عہدہ دار رہے ' جیسے مصر کے دفتری اقتدار کے تمام دیگر افراد تھے - سنہ ۱۸۹۶ - میں جب مرحوم مصطفی کامل پاشا نے حزب الوطنی کی بنیاد ڈالی ' تو یہ بھی اسکے رہے ھی مخالف تھے ' جیسے مصر کے سرکاری حلقہ کے تمام افراد (بہ استثناء خدیو عباس ' کیونکہ وہ مخفی طور پر مصطفی کامل کا سر پرست تھا) مخالف تھے - سنہ ۱۹۰۵ میں جب سید علی یوسف مالک المؤید نے " حزب الامۃ " قائم کی ' تو اس کے اندر بھی سعد زغلول اور ان کے ساتھیوں ھی کا ہاتھہ کام کر رہا تھا - مقصود یہ تھا کہ حزب الوطنی کو شکست ہو - مصطفی کامل پاشا نے جب انتقال کیا اور ان کی جگہ مرحوم فرید بے حزب الوطنی کے رئیس منتخب ہوے ' تو جن لوگوں نے ان کی مساعی کی تخریب میں سرکاری وسائل سے کام لیا ' ان میں ایک سرگرم اور طاقتور شخصیت سعد باشا کی بھی تھی - شیخ عبد العزیز شاویش نے جب اللوا کی جگہ حزب الوطنی کے لیے " العلم " جاری کیا ' تو جس شخص نے سب سے زیادہ اپنے وسائل کار ان کی مخالفت میں خرچ کیے ' حتی کہ ان کی گرفتاری کے احکام بھی صادر ہوگئے ' وہ سعد باشا زغلول ھی تھے !

اس سلسلہ میں سنہ ۱۸۹۰ سے لیکر سنہ ۱۹۱۸ تک جو واقعات پیش آئے ' وہ بے شمار ہیں ' اور ایک مقالہ میں ان کا استقصاء ممکن نہیں - مصر کی سیاسی حالت نے ایک ایسی نوعیت پیدا کرلی تھی کہ اس میں دو مذہبوں کے سوا عملاً تیسرے مذہب کی گنجایش ھی نہ تھی - یا تو انگریزی قبضۂ مصر سے مصر کو فوراً نجات ملنی چاہیے ' یا اسے جاری رہنا چاہیے - یہی دو اصولی اعتقاد " حزب الوطنی " اور " حزب الاحتلال " کی شکل میں ظاہر ہوے - حزب الاحتلال کے داعی یعقوب صروف اور فارس نمر اصحاب " المقطم " تھے ' اور حزب الوطنی کی صدائیں مصطفی کامل مرحوم کی زبان سے بلند ہوتی تھیں - چونکہ قبضۂ مصر کی صریح موافقت مصری طبائع پر بالطبع گراں گزرتی تھی ' اسلیے ارباب مناصب و موالات اپنے آپکو حزب الاحتلال میں ظاہر کرنے سے جھجکتے تھے ' اور اس قسم کی پردہ پوش توجیہیں کرنے لگتے تھے جیسی ہمیشہ ان حالات میں ضعفاء ہمت اور بیچارگان عزم نے کی ہیں - مثلاً " تدریجی اصلاحات " کا مغالطہ ' " مصالح وقت " کا حیلہ ' " تعلیمی استعداد کی تقدیم " کا فریب خیال ' اور اسی طرح کے حیل و مغالطات ' لیکن حقیقت حال یہ ھے کہ ان تمام لوگوں کی ذہنیت حزب الاحتلال ھی کی ذہنیت تھی ' کیونکہ بیرونی قبضہ کی موجودگی میں صرف دو ھی سیاسی عقیدے کسی ملک کے لیے ہوسکتے ہیں : یا تو قبضہ رہنا چاہیے ' یا اسے فوراً ختم ہو جانا چاہیے - ان دونوں کے درمیان تیسری راہ ممکن نہیں ! و یریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا !

(سنہ ۱۹۱۸ میں انقلاب فکر)

بہر حال سعد پاشا کی پوری زندگی جس عالم میں بسر ہوی تھی ' اس سے قومی و وطنی جہاد استقلال کا عالم متصل نہ تھا - فاصلہ پر تھا - لیکن سنہ ۱۹۱۸ میں جب مصر کو ایک رہنماے صادق کی ضرورت ہوی ' تو قدرت الہی نے اس کا غیر متوقع سامان کردیا اور اچانک سعد پاشا کی طاقتور شخصیت نمایاں ہوگئی - انہوں نے ایک ھی جست میں وہ پورا فاصلہ طے کرلیا جو ان کے پنجاہ سالہ دور حیات اور مصر کی تحریک حریت و استقلال کے درمیان حائل تھا !

حقیقت یہ ھے کہ اگر زغلول پاشا جیسا شخص جس کی تمام زندگی حکومت کے بڑے بڑے ذمہ دارانہ مناصب میں گزر چکی تھی ' اور جس کے مداحوں میں لارڈ کرومر تک شریک ہوچکے تھے ' اس موقعہ پر مصر کا علم استقلال نہ اٹھاتا ' تو یہ تحریک اس قدر طاقت و اہمیت حاصل نہ کرسکتی ' جو اس نے چند ماہ کے اندر حاصل کرلی تھی !

فسانہ

ماں کی محبت

(مشہور روسی افسانہ نگار "ماکسم گورگی" کے ایک اخلاقی افسانہ کا ترجمہ)

امیر تیمور گورکانی، درہ "کانہول" میں، جو گلاب و یاسمن کے سرخ و سفید پھولوں کے ایک حسین ابر پارے سے چھپا ہوا تھا، عیش و نشاط اور نائو نوش میں مشغول تھا ـــــ سمرقندی شاعروں نے اس درہ کو "پرواز گل" کے نام سے موسوم کیا تھا ـــــ اس بلند مقام سے شہر کے تمام آسمان شکوہ، مینار، اور مساجد و معابد کے سبز گنبد بخوبی نظر آتے تھے ـــــ درہ کی لمبائی کے گرد، پندرہ ہزار رنگین قناتیں، بڑے بڑے پنکھوں کی طرح، زمین پر قائم تھیں، اور اُن پر دیبا و پرنیاں کی رنگین جھنڈیاں ـــــ ایسا معلوم ہوتا تھا، جاندار پھول ہوا میں تیر رہے ہیں!

تیمور کا خیمہ، اِن قناتوں اور جھولداریوں کے درمیان ایک خوبصورت ملکہ کی طرح نظر آتا تھا جو اپنی خواصوں کنیزوں کے حلقہ میں کھڑی ہو ـــــ اُس کے خیمہ کی قنات، زمین کا مربع حصہ گھیرے ہوئے تھی جس کے چاروں حصے تقریباً سو قدم طویل اور تین نیزوں کے برابر بلند تھے۔ خیمہ بارہ طلائی ستونوں پر قائم تھا جو درمیانی حصے کے نیچے نصب تھے اور اس غرض سے کہ کہیں یہ رنگ و بو کا ارضی ابر آسمان کی طرف نہ اُڑ جائے، پانسو سرخ ریشمین طنابوں کے ساتھ محکم کر دیا گیا تھا۔ خیمہ کے چاروں گوشوں میں ایک ایک چاندی کا بنا ہوا شاہین، جو صنعت کا نفیس ترین نمونہ تھا، بٹھایا گیا تھا ـــــ خیمہ کے بیچ میں پانچواں شاہین، خود تیمور تھا ـــــ وہ شہنشاہ جو نہیں جانتا تھا مغلوب ہونا کسے کہتے ہیں؟؟

تیمور کا لباس بہت کشادہ تھا، جو آبی رنگ کی دیبا سے تیار کیا گیا تھا، اس پر پانچ ہزار سے زیادہ مروارید کے دانے ٹکے تھے۔ سر پر سفید اور شکستہ کلاہ جس کے نیچے سے اُس کے سپید و سیاہ بال باہر نکل رہے تھے ـــــ اُس کی آنکھوں سے، جو چاروں طرف نگراں تھیں، جوش کا خون اُبل رہا تھا!

اُس کی آنکھیں چھوٹی اور تنگ تھیں مگر ہر چیز دیکھ رہی تھیں یا دیکھ سکتی تھیں ـــــ اُن سے زہر کی سی سردی اور خشکی ٹپک رہی تھی۔!

شہنشاہ کے کانوں میں سراندیپ کے عقیق کے دو گوشوارے تھے، رنگ میں حسین و جمیل ہونٹوں سے ملتے جلتے!!

خیمہ میں نہایت نفیس اور قیمتی قالین بچھے تھے جن پر عیش و عشرت کا سامان مہیا تھا۔ ایک طرف...... مغنیوں اور سازندوں کا ہجوم تھا ـــــ تیمور کے قریب، اُس کے عزیز اقربا، دوسرے بادشاہ، خوانین، اور فوجی افسر بیٹھے تھے ـــــ سب سے زیادہ نزدیک، اُس کے دربار کا شاعر "کرمانی" ـــــ اپنے کیف معنوی میں مخمور نظر آتا تھا!

یہ وہی کرمانی ہے جس سے ایک دن، تیمور کی اس طرح گفتگو ہوئی تھی:

"کرمانی! اگر مجھے فروخت کیا جائے تو تم کتنے میں خرید و گے؟" تیمور نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پچیس سپاہیوں کے معاوضے میں!" کرمانی کا جواب تھا۔

"یہ تو صرف میرے زریں پٹکے کی قیمت ہے"! تیمور نے غضبناک ہو کر کہا۔

"میں نے بھی تو اسی پٹکے کی قیمت لگائی ہے ورنہ خود آپ کی ذات کے لئے تو کوئی ایک روپیہ بھی نہ دے گا"!!

کرمانی نے بیباکی سے جواب دیا۔

کیسا زبردست اور جابر شہنشاہ! ـــــ کس قدر دہشت انگیز!! ـــــ کس درجہ ہولناک!!! ـــــ اور کرمانی کی یہ بیخوف گفتگو!! کیا اس حق گو شاعر کی شہرت، تیمور کی شہرت سے زیادہ بلند ہونے کا حق نہیں رکھتی؟؟

یکایک ـــــ اس بزم نوشا نوش کے ترنم اور خوشگوار ہنگاموں میں، ایک آواز ـــــ جس طرح بادلوں سے بجلی کوند جاتی ہے ـــــ "ییلدیرم بایزید" کے مغلوب کرنے والے کے کانوں میں آئی ـــــ!

یہ آواز ـــــ ایک عورت کی آواز تھی، جو ایک غضبناک شیرنی کی آواز کی طرح سنائی دی!!

تیمور کے انتقام جو اور زخمی دل کو، جو اُس کے فرزند دلبند کے ضائع ہو جانے کے سبب سے تمام دنیا اور دنیا والوں کے خلاف، غیظ و غضب سے لبریز ہو گیا تھا ـــــ یہ آواز ایک آشنا سی آواز معلوم ہوئی! جام عشرت، اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اُسکے لبوں پر ایک اضطراری لہر دوڑ گئی۔ یہ لہر کہہ رہی تھی "یہ دلخراش آواز کہاں سے آئی"؟

حکم کی تعمیل "بندگان دولت" کی گھبراہٹ نے کی جو چاروں طرف دوڑ گئے تھے ـــــ شہنشاہ کو جواب ملا "یہ ایک دیوانی عورت کی آواز ہے جو کسی طرح یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ شکل و صورت سے فقیرنی معلوم ہوتی ہے۔ عربی میں گفتگو کرتی ہے اور "فرمانروائے بحر و بر" کی آستاں بوسی کی خواہشمند ہے"!

"فوراً حاضر کی جائے"!!

تیمور نے حکم دیا اور ـــــ عورت خیمہ میں داخل ہوئی ـــــ برہنہ پا! پھٹے ہوئے کپڑے! سینہ چھپانے کے لئے اپنی زلفیں بکھیرے ہوئے! چہرہ کا رنگ اُڑا ہوا ـــــ بغیر کسی کپکپاہٹ کے، جو ایسے باجاہ و جلال اور ہیبتناک شہنشاہ کی موجودگی کا ادنیٰ سا خراج تھا ـــــ اُسنے دونوں ہاتھ شہنشاہ کی طرف پھیلائے اور بیباکانہ ـــــ خود فراموشانہ لہجہ میں گویا ہوئی:

"کیا تو ہی وہ فرمانروا ہے جسنے سلطان بایزید کو مغلوب کیا"؟

"ہاں میں ہی ہوں ـــــ میں نے ہی بایزید کو اور بایزید ایسے کئی بادشاہوں کو مغلوب کیا ہے! بتا تو کیا چاہتی ہے"؟

تیمور نے جواب دیا۔

"سن اے امیر! تو جو کچھ بھی ہے اور جس حیثیت میں بھی ہے پھر بھی ایک آدمی ہے! لیکن میں ـــــ آہ، میں ایک ماں ہوں! تو موت اور ہلاکت کی خدمت کرتا ہے، میں زندگی اور سلامتی کی خدمت کرتی ہوں ـــــ تو انسان کو ہلاک کرتا ہے۔ میری گود میں اُس کی پرورش ہوتی ہے۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ تیرے عقیدے میں انصاف کرنا، توانائی میں داخل ہے، مگر مجھے یقین نہیں آتا، اور نہیں آئیگا، جب تک تو میری فریاد کو ـــــ میری داد کو نہیں پہونچیگا"!

عورت نے کمال تمکین و وقار کے لہجہ میں کہا "اس لئے کہ میں ایک ماں ہوں! ایک دکھیاری ماں!!"

تیمور نے عورت کی بیخوفی اور بے پروائی کو حیرت سے دیکھا اسکو بیٹھنے کی اجازت دی "میں سن رہا ہوں تم اصل واقعہ سناؤ"!

عورت، شہنشاہ کے سامنے چار زانو ہو بیٹھی اور کہنے لگی "امیر! میں سالرمو کی رہنے والی ہوں ـــــ تو نے ہرگز اس جگہ کا نام نہ سنا ہو گا کیونکہ وہ دور ہے ـــــ یہاں سے بہت ہی دور!..... میرا باپ اور شوہر ماہی گیر تھے، ایک دن بحری قزاقوں نے چھاپا مارا اور" ـــــ اُسنے روتے ہوئے کہا "دونوں قتل کر ڈالے۔ میرے" ـــــ اُس کی ہچکی بندھ گئی تھی ـــــ "میرے لخت جگر کو جو نہایت خوبصورت تھا ـــــ"

تیمور کے منہ سے آہ نکل گئی۔ اسنے دل ہی دل میں کہا "خوبصورت!..... میرے لڑکے جہانگیر کی طرح! آہ"

عورت نے اپنا قصہ جاری رکھتے ہوئے اور آنکھوں سے سیلاب درد بہاتے ہوئے کہا "بے رحم قزاق میرا لڑکا پکڑ لے گئے، آج چار سال! ـــــ آہ، پورے چار سال گزرے کہ میں اُس کی تلاش میں دیوانہ وار چاروں طرف پھرتی ہوں مگر کہیں پتہ نشان نہیں ملتا ـــــ امیر! میں سمجھتی ہوں میرا لڑکا تیرے پاس ہے، کیونکہ بایزید کے لشکر نے اُن بحری قزاقوں کو گرفتار کر لیا تھا اور تو نے بایزید کو شکست دے کر اُس کا سب کچھ چھین لیا ـــــ ضرور ہے کہ میرا لڑکا تیرے پاس ہو گا اور اس لئے میں چاہتی ہوں تو اُسے میرے سپرد کر دے"!

حاضرین دربار، عورت کی باتوں پر ہنس پڑے "یہ دیوانی ہو گئی ہے"۔

شاعر کرمانی نے کہا "ہاں یہ دیوانی ہے مگر ایک ماں کی طرح"!

تیمور نے دریافت کیا "بڑھیا! تو کس طرح اتنی دور دراز راستوں سے اس جگہ آ پہونچی؟ تو نے ایسے ایسے پہاڑ اور جنگل کیونکر طے کئے؟ راستہ میں وحشی لٹیروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے کس طرح بچی"؟

آہ، ماں کی محبت!! ـــــ!! ماں کی ہمیں پرستش کرنی چاہیئے! دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ماں کی محبت کے راستہ میں حائل اور مانع ہو سکے! انسان کے تمام کامل صفات حسنات ـــــ سب ماں کے دودھ کی چھاؤں میں پرورش پاتے ہیں ـــــ!! پھول، آفتاب کے بغیر پیدا نہیں ہوتا! نیک بختی، محبت کے بغیر نصیب نہیں ہوتی! محبت، عورت کے بغیر ممکن

بادشاہوں کے لئے یہ چیز لازمی ہو۔ خصوصاً اُس عہد میں جبکہ بادشاہ بالکل مطلق العنان ہوتے تھے۔ اُن کی رہنمائی کے لئے بجز دین اور ذاتی تقوی کے کوئی ضابطہ اور قانون موجود نہ تھا۔ ہارون الرشید کو اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں اس کا پورا موقعہ ملا۔ خلیفہ ہادی نے اُسے جنگ روم کا سپہ سالار بنایا تھا۔ بڑے بڑے سپہ سالاروں اور سیاسی مدبروں کی صحبت نصیب ہوئی تھی۔ اسی طرح مامون کو بھی کافی تجربہ حاصل ہوا تھا۔ خراسان وغیرہ بلاد میں وہ برسر حکومت رہا تھا اور پختہ کار ہو گیا تھا۔ لیکن محمد الامین اس تمام سیاسی اور عملی تعلیم و تربیت سے محروم رہا۔ زبیدہ کا لاڈ اور پیار، مصاحبوں کی چاپلوسی، ہاشمی ماموؤں کا دلار، امین کی ہلاکت کے ابتدائی اسباب تھے۔

چنانچہ تخت نشیں ہونے کے بعد ہم اُسے ایک عیش پرست، مسرف، اور غافل حکمراں پاتے ہیں۔ تخت خلافت پر متمکن ہونے اور عبداللہ المامون کی بیعت حاصل کر لینے کے بعد اُسنے اپنے تئیں لہو و لعب کے حوالے کر دیا۔ خوبصورت لڑکے اور خواجہ سرا محل میں جمع ہو گئے تھے سارا وقت لہو و لعب اور عیش و عشرت میں صرف ہوتا تھا۔ اسی طرف، بعض ناموں کی تصریح کے ساتھ، ایک ہم عصر شاعر اشارہ کرتا ہے:

الایا مزمن المثوی بطوس　　غریباً ما یفادی بالنفوس

لقد ابقیت للخصیان بعلا　　تحمل منہم شوم البسوس

فاما "نوفل" فالشان فیہ　　وفی "بدر" فیالک من جلیس!

وما "العصمی" بشار لدیہ　　اذا ذکروا بذی سہم خسیس

وما حسن "الصغیر" اخس حالا　　لدیہ عند مخترق الکؤوس

لہم من عمرہ شطر و شطر　　یعاقر فیہ شرب الخندریس

وما للغانیات لدیہ حظ　　سوی التقطیب بالوجہ العبوس

اذا کان الرئیس کذا سقیما　　فکیف صلاحنا بعد الرئیس

فلو علم المقیم بدار طوس　　لعز علی المقیم بدار طوس

عبداللہ المامون

عبداللہ المامون ۱۴ ربیع الاول ۱۷۰ھ ہجری میں پیدا ہوا۔ یہی خلیفہ ہارون الرشید کی تخت نشینی کا دن ہے۔ ہارون اس مبارک ساعت میں بچہ کی پیدائش سے بہت خوش ہوا اور اُس کا نام "المامون" (مبارک) رکھا۔ اُس کی ماں "مراجل" ایک کنیز تھی۔ بعض مورخ کہتے ہیں اس کا سلسلۂ نسب ایران کے ایک معزز خاندان سے ملتا ہے۔

مامون نے گہوارۂ خلافت میں پرورش پائی اور اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل کی۔ شروع ہی سے آثار ذہانت و نجابت اُس پر نمایاں تھے۔ بلند ہمت اور اولوالعزم تھا۔ پست خیالات اور رکیک حرکات سے نفرت کرتا تھا۔

مامون میں یہ تمام صفات موجود تھیں، اپنے باپ خلیفہ کا بہت محبوب تھا۔ عمر میں بڑا تھا۔ مگر بایں ہمہ ولی عہد نہ ہو سکا۔ کیونکہ امین کی والدہ، زبیدہ کا اثر خلیفہ پر مامون کی ماں سے بہت زیادہ تھا پھر جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، امین کے ہاشمی ماموؤں اور فضل بن یحیٰ برمکی کی سازش نے خلیفہ کو بے بس کر دیا تھا۔ اُسنے طوعاً یا کرہاً امین کو ولی عہد تسلیم کر لیا۔

مورخین نے مامون کی نجابت کے بہت سے قصے لکھے ہیں خود اُس کا معلم ابو محمد یزیدی روایت کرتا ہے:

"میں مامون کا معلم تھا۔ ایک دن قصر خلافت میں گیا اور دیر تک منتظر رہا۔ بار بار آدمی بھیجکر اُسے طلب کیا مگر وہ نہ آیا۔ میں نے اُس کے اتالیق سعید الجوہری سے شکایت کی۔ سعید نے کہا ہاں، سست ہو گیا ہے۔ لیکن باوجود اسکے اپنی سستی کا الزام خادموں کو دیتا ہے۔ جب وہ آئے تو سختی سے پیش آنا۔ چنانچہ جب شاہزادہ میرے روبرو پہونچا، تو میں نے ملامت کی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ہاتھوں سے ملنے لگا اتنے میں خبر آئی جعفر بن یحیٰ وزیر آ رہا ہے۔ مامون نے جلدی سے رومال نکالا، آنکھیں پونچھیں، لباس درست کیا، فرش پر چار زانو ہو بیٹھا، اور پیش خدمت سے کہا "وزیر کو حاضر ہونے کی اجازت دو" میں مجلس سے خوفزدہ اُٹھ گیا۔ مجھے یقین تھا وہ وزیر سے ضرور شکایت کرے گا۔ مامون نے وزیر سے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کی۔ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ابھی رو چکا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں باتیں کرتے جاتے تھے اور خوب ہنستے تھے۔ جب وزیر رخصت ہونے لگا تو مامون نے غلاموں کو اُس کی سواری پیش کرنے کا حکم دیا۔ نیز اُس کے رکاب میں چلنے کو کہا۔ پھر مجھے طلب کیا اور فرمایا سبق پورا کر دو۔ میں نے دعا دیکر عرض کیا۔ "میں تو خوف سے کانپ رہا تھا کہ آپ وزیر سے میری شکایت کر دینگے" اُسنے فوراً جواب دیا "انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اے ابو محمد! میں خود ہارون الرشید پر بھی یہ کبھی ظاہر نہ کرتا کہ مجھے معلم نے سرزنش کی ہے۔ بھلا وزیر کیا چیز ہے! جو ہم تمھیں پریشان کر رہا تھا وہ کبھی واقع نہیں ہو سکتا اگرچہ سو مرتبہ بھی مجھے تنبیہ کرو۔ خدا تمھیں معاف کرے۔ اب آؤ، پڑھانا شروع کر دو"

بچپن ہی میں مامون غیر معمولی طور پر عقلمند تھا۔ ثبوت کے لئے یہ مشہور قصہ کفایت کرتا ہے۔ ایک دن زبیدہ نے ہارون الرشید کو ملامت کی کہ امین سے زیادہ مامون کی کیوں تعریف کرتا ہے؟ خلیفہ نے کہا اس کا سبب ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک مصاحب کو حکم دیا کہ جا کر دونوں سے خلوت میں پوچھے "خلیفہ ہو کر کیا کروگے؟" امین نے خوش ہو کر جواب دیا "تجھے مالا مال کر دوں گا" مامون کا جواب یہ تھا "بیوقوف! تو مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اُس دن کیا کروں گا جب امیر المومنین دنیا میں باقی نہیں رہیں گے؟ میری تمنا تو یہ ہے کہ ہم سب اُن پر قربان ہو جائیں!" یہ جواب سُنکر زبیدہ ندامت سے خاموش ہو گئی۔

بچپن ہی سے مامون کو پورا احساس تھا کہ وہ ایک جلیل القدر شاہزادہ ہے اور مستقبل میں تخت خلافت پر متمکن ہونے والا ہے۔ چنانچہ شاہی آداب رسوم کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ اس کا یہ واقعہ بہت ہی مشہور ہے کہ ایک دن اپنے ایک دوسرے معلم حسن اللؤلؤی کے سامنے بیٹھا تھا کہ اونگھ گیا۔ معلم نے کہا "سو گئے؟" مامون نے غضبناک ہو کر آنکھیں کھول دیں اور کہا "قسم رب کعبہ کی میرا معلم محض بازاری آدمی ہے!" پھر غلاموں کو حکم دیا، اسے محل سے نکال دیں۔ خلیفہ نے سُنا تو مسرت سے یہ شعر پڑھا:

وہل ینبت الخطی الا وشیجہ

وتغرس الا فی مناہتہا النخل

انہی اعلیٰ صفات نے مامون کو خلیفہ کا محبوب بنا دیا تھا۔ انہی نے اپنے بھائی کے بعد اُس کے خلیفہ بننے کی سفارش کی۔ انہی نے اُس عہد کے تمام عقلاء و مشاہیر کو اُس سے وابستہ کر دیا تھا۔

شروع ہی سے ظاہر ہوتا تھا کہ مامون جماعت کا آدمی اور امت کا قائد ہے۔ ایسے آدمی کے لئے ایک بڑی شرط، قوت خطابت بھی ہے۔ قدرت نے مامون کو پوری فیاضی سے یہ قوت بخش دی تھی۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب مامون، سن شعور کو پہونچا تو خلیفہ نے بعض فصحاء کو حکم دیا کہ اُس کے لئے خطبہ لکھیں۔ خطبہ طیار کیا گیا اور جمعہ کے دن مامون نے مسجد میں سُنایا۔ اُسنے یہ خطبہ اس دلیری، سلاست فصاحت، اور شان سے سُنایا تھا کہ تمام حاضرین رونے لگے اور کوئی شبہ نہ کر سکا کہ یہ خطبہ دوسروں نے طیار کیا ہے۔ ابو محمد یزیدی نے فوراً قصیدہ لکھا:

لتمن امیر المومنین کرامتہ　　علیہ بہا شکر الالہ وجوب

بان ولی العہد مامون ہاشم

بدا فضلہ اذ قام وہو خطیب

ولما رآہ الناس من کل جانب

بابصارہم والعود منہ صلیب

رماہم بقول: انصتوا اجبالہ

وفی دونہ للسامعین عجیب!

مامون کی یہی نجابت و ذہانت تھی جسنے ہارون کو خوف زدہ کر رکھا تھا۔ وہ امین کے لئے مامون سے خائف تھا، اور مامون کے لئے امین سے اندیشہ کرتا تھا۔ وہ دیکھتا تھا، امین کے ہاتھ میں سلطنت کی تمام قوتیں ہوں گی اور وہ اپنے اولوالعزم بھائی کے مٹانے میں کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھے گا۔ دوسری طرف اُسے یہ بھی صاف نظر آ رہا تھا کہ مامون، عقلمند، مدبر، بلند ہمت ہے، اور اپنے سادہ لوح بھائی کو آسانی سے تباہ کر ڈال سکتا ہے۔ پھر دونوں کے طرفداروں کی قوت بھی اُس سے پوشیدہ نہ تھی۔ امین کی پشت پر بنی ہاشم اور قریش تھے۔ مامون کی حمایت پر تمام ایرانی عنصر کمربستہ اور کافی طاقتور تھا۔

اس خطرہ کے سدباب کے لئے اُسنے دونوں بھائیوں سے ایک عہد لکھوایا۔ ۱۸۶ھ ہجری میں اُنھیں اور اُنکے بڑے بڑے طرفداروں کو ساتھ لے کر حج کو گیا اور ہزاروں قسموں کے ساتھ یہ عہد، خانۂ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔

تمام حالات پر نظر ڈالنے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہارون الرشید، مامون کو زیادہ چاہتا تھا۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ طوس میں وفات کرتے وقت اُسنے اپنی تمام ذاتی فوج، ہتھیار، اور مال و دولت، مامون کے نام وصیت کر دی۔

پھر مامون کو یہ امتیاز بھی حاصل تھا کہ وہ آدمیوں کو پہچانتا تھا اور اُن کے انتخاب میں ہمیشہ خوش قسمت تھا۔ مامون کے آدمی بھی اگرچہ خود غرضیوں سے خالی نہ تھے، مگر وہ جانتے تھے کہ اُن کا ذاتی نفع اسی میں ہے کہ مامون کامیاب ہو اور خلیفہ بنے۔ ان لوگوں کی وفاداری کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اُن میں اکثر ایرانی النسل تھے۔ اور معلوم ہے کہ مامون کی ماں بھی ایرانی تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر اُن کی ہمدردی اُسے حاصل تھی۔

مامون کی خراسان سے غیر معمولی دلچسپی کا بھی یہی راز ہے۔ مامون، نمایاں طور پر خراسانیوں کا طرفدار تھا۔ اُس کی یہ طرفداری لوگوں کو صاف محسوس ہوتی تھی، اور عربی عنصر کی بددلی کا موجب بن گئی تھی۔ تاریخ میں یہ واقعہ ثبت ہے کہ ایک شخص نے مامون سے بار بار کہا "امیر المومنین! شام کے عربوں پر بھی ویسی ہی شفقت کیجئے جیسی خراسان کے عجمیوں پر کرتے ہیں" مامون نے جواب دیا "تم نے مجھے جواب پر مجبور کر دیا۔ سنو، قبیلۂ قیس کو میں اُس کے گھوڑوں پر سے اس طرح اُتار سکا کہ میرے خزانے میں اب ایک پیسہ بھی باقی نہیں رہا (یعنی دولت دیکر اُنھیں اپنی مخالفت سے باز رکھا) رہا یمن، تو نہ میں نے کبھی اُس سے محبت کی اور نہ اُسنے کبھی مجھ سے محبت کی۔ رہا قضاعہ تو اُسکے سردار برابر سفیانی (یعنی ایک حدیث کے موعود بادشاہ) کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُس کی پیروی کریں۔ رہا ربیعہ تو وہ اُس وقت سے اپنے خدا پر خفا ہے جب اُسنے اپنا نبی مضر میں پیدا کیا!"

مامون کا یہ جواب بڑی حد تک درست ہے۔ لیکن خراسان کی طرف اُس کے میلان کی اصلی وجہ وہی اُس کی فارسیت ہے جسکا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اُس کی ماں بھی فارسی تھی اور اُس کی تعلیم و تربیت میں بھی فارسی اثر غالب رہا تھا۔ اسی بنا پر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ بعض محققین نے مامون کو شیعہ کیوں قرار دیا ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ فارسی ماحول، شیعیت سے لبریز تھا۔

۲؎ اور مامون نے اسی [illegible] میں پرورش پائی تھی۔

عالم مطبوعات وصحائف

دنیا کا جدید ترین شہر

آسٹریلیا کا نیا دار الحکومت

زمین کی آبادی، اور روح ودل کی ویرانی!

ریوٹر ایجنسی کے ذریعہ یہ خبر مشتہر ہو چکی ہے کہ آسٹریلیا کی حکومت مقام کین بیرا میں ایک نیا دار الحکومت تعمیر کر رہی ہے۔ اب ملبورن کے "السٹریٹڈ نیوز" نے اس نئے شہر کے مختلف حصوں کی نہایت دلچسپ تصویریں شائع کر دی ہیں اور ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان تصویروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی ریوٹر ایجنسی کا یہ بیان مبالغہ سے خالی تھا کہ "یہ شہر دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ مرتب ومنظم شہر ہوگا"

ایک تصویر میں آبادی کا ایک مکمل قطعہ دکھلایا گیا ہے، جس طرح کے قطعات پر پوری آبادی مشتمل ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی بے شمار قطعات میں منقسم کر دی گئی ہے۔ ہر قطعہ میں چاروں طرف چھوٹے چھوٹے چمن زار ہیں اور وسط میں مکانات۔ مکانات کا حصہ اور چاروں طرف کے چمن، سب کے سب مربع ہیں۔ مکانات کے مربع قطعہ میں جتنے مکان ہیں، سب کے سب ایک قطع اور ایک درجہ کے ہیں ان کی تعداد کسی حال میں بھی دس مکانوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اگر اس طرح کے ہر قطعے کو ایک محلہ سے تعبیر کیا جائے، تو کہنا چاہیے کہ اس شہر کے ہر محلہ میں چار حصہ سے زائد رقبہ باغ وچمن کا ہوگا، اور صرف پانچواں وسطی حصہ آبادی کا!

دوسری تصویر میں باغ دکھلائے گئے ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ موثر خصوصیت یہ ہے کہ درختوں کی تعداد اور قطار ہر حصہ میں مساوی ہے۔ معلوم ہوتا ہے، سرو قدان چمن ایک ہی صورت، ایک ہی وضع اور ایک ہی تعداد میں ہر طرف صف آرا ہیں!

تیسری تصویر میں اُس مصنوعی نہر کا منظر دکھلایا ہے جو دار الحکومت کے مختلف حصوں میں پھیلکر چاروں طرف گردش کرے گی، اور پھر ایک جھیل کی شکل اختیار کر کے پانی اور بجلی کی طاقت کا ذخیرہ بہم پہونچائے گی۔ یہ نہر مصنوعی ہے، لیکن چونکہ انسانی صنعت کا کمال یہ ہوتا ہے کہ فطرت کی سادگیوں سے قریب تر ہو جائے، اس لئے کوشش کی گئی ہے کہ اس کے پیچ وخم اور نشیب فراز میں قدرتی نہر کی سی شان پیدا کر دیجائے۔ اسمیں شک نہیں کہ تصویر دیکھ کر کوئی نگاہ نہیں کہہ سکتی کہ یہ قدرتی نہر نہیں ہے!

باغوں کی روش میں جاپانی (اور فی الحقیقت اندلسی اور مغلی) طریقہ تزئین وآرائش زمین کا ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یعنے مختلف رنگ کے پتھروں اور سیمنٹ کے ذریعہ روشوں کے دامن اور حواشی بنائے گئے ہیں۔ ہر چمن زار کا حاشیہ سفید ہے۔ اُس کے بعد تھوڑی جگہ چھوڑ کر پھر ایک سفید جدول دوڑا دی گئی ہے۔ دُور سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے، ایک نہایت خوشنما اور خوش اطراف قالین بچھا ہوا ہے!

اس شہر کے حسن وجمال کو زمین کے اُس حصہ کی قدرتی خوبیوں نے بھی بہت مدد دی ہے جو اس کے لئے منتخب کی گئی ہے۔ یہ سطح سمندر سے دو ہزار فٹ بلند ہے، جو ہندوستان کے اکثر پہاڑی سطح ہائے مسطح کی بلندی ہے۔ اور اس لئے آب وہوا کافی خنک اور خوشگوار ہے۔ قطعۂ زمین کا پورا رقبہ تقریباً ایک ہزار مربع میل ہوگا۔ اسکے چاروں طرف درختوں سے بھرے ہوئے پہاڑی سلسلے واقع ہیں۔ اور انھوں نے اس سطح مسطح کو نیو ساؤتھ ویلز کے صوبے سے الگ کر دیا ہے۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس نئے شہر کا نقشہ جس امریکن ماہر فن ہندسہ نے طیار کیا ہے، اُسی سے ترکی حکومت نے بھی اپنے نئے دار الحکومت کا نقشہ طیار کرایا ہے جو انگورہ میں زیر تعمیر ہے۔ اس ماہر فن کا نام ڈبلیو بارلے گریفن ہے، اور اسوقت فن ہندسۂ تعمیر میں بہترین شخص تسلیم کیا جاتا ہے

اس دار الحکومت کے لئے پارلیمنٹ کی جو عمارت تعمیر کی گئی ہے، وہ عارضی ہے۔ مستقل اور اصلی عمارت بہ تدریج سو برس کے اندر تعمیر ہوگی۔ سو برس کی مدت پر ہمارے قارئین کو تعجب ہوگا، لیکن اُنھیں خیال کرنا چاہئیے کہ کسی قوم کے قومی کاموں کی عمر میں ایک صدی کا زمانہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا جس قدر فرد کی عمر کے لئے ایک دن!

پچھلی ڈاک کے نیویارک ٹائمز نے بھی اس دار الحکومت کے حالات پر ایک مقالہ شائع کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "پارلیمنٹ کی اصلی عمارت سو برس کے اندر مکمل ہوگی۔ ایک نہایت مختصر وقت جو کسی قوم کی زندگی کا ہو سکتا ہے! اس مدت کے اندر آسٹریلین قوم یقیناً ترقی کے اس درجہ تک پہنچ جائے گی، جب ضرورت اور خرچ میں کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا!"

امریکن اخبارات نے اسپر جو رائے زنی کی ہے، اُس میں رشک کی جھلک صاف نمایاں ہے۔ سائنٹفک امریکن کا مقالہ نگار لکھتا ہے "کین برا کا نقشہ اُن تمام غلطیوں سے محفوظ ہے جو واشنگٹن کی آبادی کی ترتیب میں ہو چکی ہیں۔ آسٹریلیا کو امریکہ کے مقابلہ میں یہ فوقیت حاصل ہوگئی کہ وہ امریکی آبادی سے کئی نسل پیچھے وجود میں آیا اور اُن تمام تجربوں سے فائدہ اُٹھا سکا جو امریکہ کی آبادی سے حاصل ہو چکے ہیں۔ واشنگٹن نہ تو یکساں ہے، نہ مرتب، اور نہ مناسب قطعات میں منقسم۔ لیکن کین برا شہری آبادی کا ایک ایسا کامل جمال ہوگا جس میں تناسب کے خلاف کوئی بات نہ ہوگی"

پچھلے دنوں اس شہر کا سرکاری افتتاح ہو چکا ہے، لیکن ابھی عام آبادی شروع نہیں ہوئی ہے۔ صرف عارضی سرکاری مکانات آباد ہوئے ہیں۔

لیکن جسوقت ہم انسان کی مادی سعی وجستجو کی یہ داستان شوکت وسطوت پڑھ رہے تھے، تو بے اختیار ہمارا خیال ایک دوسرے گوشۂ فکر کی طرف منتقل ہو گیا۔ افسوس انسانیت کی محرومی پر! زمین کی صورت جس قدر حسین ہوتی جاتی ہے، اُتنی ہی اُسکی روح ومعنویت آرائش جمال سے محروم ہوتی جاتی ہے۔ اینٹ، پتھر، اور سبزہ ودرخت کی صورت آرائیوں سے اُس کے خال وخط دلفریب بنجا سکتے ہیں لیکن اُسکے جمال روح کے لئے آرایش بہم نہیں ہو سکتی۔ اُس کی روح اور معنویت کیا ہے؟ مجمع انسانی کا حقیقی امن وسکون۔ اُسکی معنوی سعادت ومسرت۔ اُس کے دل کی راحت، اور روح کا قرار اور چین۔ کیا اس کے لئے بھی دنیا اور دنیا کی قوموں کے پاس کوئی سعی واہتمام ہے؟ کیا اسکے لئے بھی کسی ماہر فن کا دماغ اور کسی نقاش کا قلم وپرکار ہے؟ دنیا کی قومیں باہد گر رشک وحسد سے مضطرب ہو رہی ہیں۔ ہر قوم اینٹ پتھر کی سربلندی اور لکڑی اور لوہے کی سرفرازی میں دوسرے کو پیچھے ہٹانا اور خود آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ لیکن روح ودل کی رفعت وسعادت کے لئے نہ تو کسی کے دلمیں رشک ہے، نہ کسی کے دماغ میں طلب! آسٹریلیا نے نئے کین برے کا اور ترکی نے نئے انگورہ کا نقشہ بنا لیا۔ لیکن افسوس، کوئی نہیں جو انسانی سعادت کی ایک نئی بستی کا اور روح ودل کے سکون وقرار کے ایک نئے دار الحکومت کا نقشہ بنائے! قرآن حکیم نے مادی زندگی کے استعمال وتصرف پر نہیں مگر اُس کے اسی استغراق وپرستش پر بار بار ملامت کی ہے کہ: یعلمون ظاہرا من الحیوٰۃ الدنیا وہم عن الاخرۃ ہم غافلون! (۳۰: ۶)

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶)

کام لینے اور اُنھیں متأثر کرنے کا سب سے بہتر اور کامیاب طریقہ یہی ہے کہ جماعتی ذہنیت کو متأثر کیا جائے جس کے بعد سرکش سے سرکش افراد بھی متأثر ومغلوب ہو جائیں گے۔ جماعتی ذہنیت کے متأثر کرنے کے طریقوں اور ذریعوں ہی کا نام "پروپاگنڈا" ہے۔

کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ افراد، جو عموماً محب ذات اور خود غرض ہوتے ہیں، ہولناک جنگوں میں ہتیلیوں پر سر رکھے گھس جاتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ جنگ سے اُن کی ذات کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچے گا، اپنے تئیں موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں؟

اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہی ہے کہ پروپاگنڈے نے اُنکی انفرادی عقل پر پردہ ڈال دیا ہے اور ایک ایسی جماعتی ذہنیت پیدا کر دی ہے جس کے دھارے پر پڑ کر چون وچرا جنگ کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں اسی جماعتی ذہنیت کا نام "عام رائے" ہے۔ اسی عام رائے کے طیار کرنے کی کوشش کو "پروپاگنڈا" کہتے ہیں۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ کسی تحریک کے کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اُس کے موافق جماعتی ذہنیت پیدا کی جائے، تاکہ افراد اس ذہنیت سے متأثر ہو کر اُس کے حامی اور طرفدار بنجائیں۔ جماعتی ذہنیت یا عام رائے بنانے کا ذریعہ تقریر، تحریر، اخبارات، رسائل انجمنیں غرضکہ بہت سے طریقے ہیں۔ ان تمام طریقوں کو "پروپگنڈا" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ موجودہ زمانہ میں ہر تحریک کی کامیابی کے لئے سب سے زیادہ کارگر ذریعہ "پروپاگنڈا" ہے۔

نہیں ——— اور شاعر اور سپاہی ——— کوئی بھی ماں کے بغیر پیدا نہیں ہوا!

مظلوم عورت نے کہا۔ "تیمور! میرا لڑکا مجھے دلا دے!"

شاعر کرمانی بولا۔ "ماؤں کی ہمیں پرستش کرنی چاہیے اس لئے کہ وہ ہمارے لئے بڑے بڑے آدمی پیدا کرتی ہیں، اور آدمیوں کو بلند رتبہ پر پہنچاتی ہیں ——— ارسطو، فردوسی، اور ——— اسی طرح سعدی اپنی شہد آمیز شیریں زبانی کے ساتھ ——— عمر خیام اپنی شراب کی سی زہر آلود رباعیوں کے ساتھ ——— سکندر، ہومر، اور بہرام گور ——— یہ سب عورت کے، ایک ماں کے بچے ہیں!"

تیمور اُس عورت کی باتوں سے کسی گہری فکر میں چلا گیا۔ پھر سر اُٹھا کر ——— اسنے حکم دیا کہ تین سو شہسوار فوراً اُس لڑکے کی تلاش میں روانہ ہو جائیں، "جو شخص ڈھونڈھ کر لائے گا اُسے انعام دیا جائے گا ———" پھر اُسنے آہ بھر کر کہا ——— "میں سمجھ گیا یہ عورت اس قدر بے پروا اور بے خوف کیوں ہے؟ ——— چونکہ وہ ماں ہے! ——— ایک محبت کرنے والی ماں!! اور کوئی ماں نہیں ہوتی جو محبت نہ کرتی ہو!! لڑکے کے کھو جانے سے اُس کے دل میں آگ سی بھڑک رہی ہے ——— ایسی آگ! جو برسوں تک، قرنوں تک، شرارے چھڑک سکتی ہے"

تیمور کے حکم جاری کرنے پر کرمانی کی شاعرانہ اور درد آشنا روح وجد میں آگئی۔ اُسنے فی البدیہہ یہ اشعار موزوں کر لئے:

ماں

یہ کون نغمہ ہے ساری دنیا کے نغمہائے طرب سے شیریں؟
جو آسماں کے ستاروں، باغوں کے پھولوں کا عکس بن رہا ہے
کوئی بتائے بھلا وہ کیا ہے؟
زمانہ کے اہل ذوق میں سے ہر ایک کا یہ خیال ہوگا
کہ وہ محبت ہے جس سے یہ خاکدانِ تیرہ سنور رہا ہے!
حریم ہستی مہک رہا ہے!
وہ چیز جو آفتاب نصف النہار اُردی بہشت سے بھی
ہزار درجہ زیادہ اچھی ہے، خوبصورت ہے، خوشنما ہے
کوئی بتائے بھلا وہ کیا ہے؟؟
فضائے شبگوں میں، میں نے دیکھے ہیں مسکراتے ہوئے ستارا
میں جانتا ہوں کہ چشم محبوب سارے پھولوں سے خوشنما ہے!
شراب گوں ہے شرابِ نابا ہے!
میں جانتا ہوں کہ اُس کا اِک ہلکا ہلکا سا نازنیں تبسم
دلِ شکستہ کے حق میں کس درجہ مہر انگیز و مہرزا ہے!
لبِ تکلم کا معجزہ ہے!
کرشمہ آرائی ہائے احساسِ حسن کے باوجود اب تک
نہ کہہ سکا کوئی شاعر آخر، وہ نغمۂ دل پذیر کیا ہے؟
جو سب سے بہتر ہے دلربا ہے!!
مگر میں کہتا ہوں اب کہ وہ نغمہ ——— آہ، وہ دلگداز نغمہ!
جو ساری دنیا کے سارے رنگیں ترانوں کا اصل مبتدا ہے!
جو قلب فطرت کا آئینہ ہے!
وہ نغمہ ——— وہ کائنات کا ——— کائنات کا سحرکار دل ہے!!
وہ دل کہ جس کا جہان والوں نے پیار سے نام ماں رکھا ہے!!
وہی محبت کی ابتدا ہے!!
وہی محبت کی انتہا ہے!!

مترجمہ اختر شیرانی۔ لاہور

اقتباس و ترجمہ

پروپاگنڈا

علم اجتماع نے ثابت کر دیا ہے کہ نوعِ انسانی کی ترقی درحقیقت اُن تغیرات اور تدریجی انقلابات سے وابستہ ہے جو مختلف تمدنی موثرات کے ماتحت افراد، جماعات، اور اقوام کی زندگیوں میں واقع ہوتے ہیں۔ تمدن کی تاریخ دراصل اُن تدریجی تبدیلیوں کی تاریخ ہے جو تاریخ کے مسلسل زمانوں میں قوموں کی زندگی میں واقع ہوتی رہی ہیں۔

افراد چونکہ فطرۃً اپنے اسلاف کی تقلید کی طرف مائل ہوتے ہیں اور موروثی عقائد و عادات کے دلدادہ ہوتے ہیں، اس لئے وہ ہر اُس جدت کی مخالفت کرتے ہیں جو موروثی قدامت کو شکست کرنے والی یا اُسمیں تبدیلی کرنے والی ہوتی ہے۔ افراد اگر "جدید" کو قبول بھی کرتے ہیں تو طویل جد و جہد اور اپنے قدیم عقائد و خیالات کے مطابق اسمیں بہت کچھ ترمیم اور تبدیلی کے بعد یہ افراد کی جبلت و طبیعت ہے جس سے وہ مجبور ہیں۔ اس صورتِ حال کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ افراد و جماعت کی زندگی میں تبدیلی بہت آہستہ سرایت کرتی ہے اور انسانی تاریخ میں انقلاب، چیونٹی کی چال چلکر بہت عرصہ بعد رونما ہوتا ہے۔ لیکن کبھی اس تدریجی اور آہستہ رفتار پر ایسے غیر معمولی حالات طاری ہو جاتے ہیں کہ افراد و جماعت کی ذہنیت اُن سے کلیتہً متاثر ہو جاتی ہے۔ طبیعتیں بے خود ہو جاتی ہیں۔ قدامت کا عشق دُور ہو جاتا ہے اور جدت سے نفرت زائل ہو جاتی ہے۔ اس ناگہانی تغیر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جماعت تھوڑی ہی مدت میں جست کرکے وہ اُن مراحل کو طے کر ڈالتی ہیں جو عام حالات میں کہیں صدیوں کے سفر کے بعد طے کرتی۔

اُن غیر معمولی مؤثرات و عوامل میں، جو تمدن کی رفتار پر گہرا اثر ڈالتے اور اُسے سرعت بخشتے ہیں، ایک بڑا موثر سبب "جنگ" ہے۔ گزشتہ عالمگیر جنگ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ یہ جنگ اگر دنیا کی سب سے بڑی نہیں تو بہت ہی بڑی جنگوں میں سے ایک نہایت ہی ہولناک جنگ ضرور تھی۔ لیکن باوجود اُن تمام مصائب و آلام کے اعتراف کے جو اس جنگ سے پیدا ہوئے، ہمیں اُس نہایت ہی تیز تبدیلی کو بھی تسلیم کرنا چاہیے جو اس جنگ نے معاشرت و اجتماع کی ہر شاخ میں اچانک پیدا کر دی ہے۔ پھر اس تبدیلی سے افراد و جماعت کی زندگی کے ہر شعبہ میں جو عظیم انقلابات طاری ہوئے ہیں اُنھیں بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ دس بارہ سال میں انسانیت نے ترقی کے جتنے مرحلے طے کئے ہیں، عام حالات میں وہ صدیوں کی جد و جہد سے بھی طے نہ ہوتے۔ ان تیز انقلابات و تغیرات نے افراد اور جماعتوں کی ذہنیت پر عظیم اثر ڈالا ہے اور اُسے ایک ایسے قالب میں ڈھال دیا ہے جو سراسر حیرت انگیز ہے حتیٰ کہ چشم بینا دیکھ سکتی ہے کہ آخری چند سال کی دوڑ کے بعد اب انسانیت اُس نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس سے ماضی قریب کو کوئی علاقہ باقی نہیں رہا۔ انسانیت نے اپنے قریبی ماضی سے تمام رشتے تقریباً منقطع کر لئے ہیں۔ اب وہ اُسے مقدس و محترم نہیں سمجھتی اور اُس کی حفاظت میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کرتی جنگ نے یہی نہیں کیا کہ انقلاب کا تنفر دُور کر دیا ہے، بلکہ انسانیت کی ذہنیت بھی کچھ ایسی کر دی ہے کہ وہ تبدیلی کی شیدا ہو گئی ہے، اُسے تلاش کرتی ہے، اُسے لینے کے لئے بے چین ہے۔ یہ نئی فکری روح تمام انسانی طبقوں میں کم و بیش عام ہے۔

اس ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ عمل کا ایک نیا طریقہ بھی عام ہو گیا ہے۔ اس طریقہ کو "پروپاگنڈا" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آج یہ لفظ ہر کہہ و مہ کی زبان پر ہے۔ حالانکہ جنگ سے پہلے صرف ایک خاص گروہ میں مستعمل تھا۔ لوگ جب اسے کسی کی زبان سے سنتے یا کاغذ پر لکھا دیکھتے تھے تو اُن کے اندر ایک مبہم خوف سا پیدا ہو جاتا تھا۔ وہ اِسے بھی فری میسن وغیرہ پر اسرار لفظ کی طرح کوئی خطرناک لفظ سمجھتے تھے!

"پروپاگنڈا" لاطینی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لُغوی معنی ہیں "بڑھتی، زیادتی، فراوانی" اور اصطلاح میں کسی تحریک کے پھیلانے اور عام کرنے کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کی تاریخ یہ ہے کہ ۱۶۲۲ء میں روم کے پوپ گریگوری پانزدہم نے ایک مذہبی انجمن قائم کی اور اُس کا نام یہی رکھا۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ لاطینی قوموں میں مسیحیت پھیلائی جائے۔ کچھ مدت بعد یہ لفظ اُن تمام طریقوں کے لئے مستعمل ہونے لگا جو مختلف مذہبی اور سیاسی انجمنیں اپنے خیالات کی تبلیغ کے لئے کام میں لاتی تھیں۔ ایک طویل زمانہ تک یہ لفظ خواص ہی کے حلقہ میں گردش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ عوام میں بھی اس لفظ کو مقبولیت حاصل ہو گئی اور دورانِ جنگ میں تو بچہ بچہ نے اسے سنا اور اُس سے نہایت ہی کامیاب نتائج حاصل کئے گئے۔ اب تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ صنعت، حرفت، تجارت، سیاست، مذہب، غرضکہ ہر شعبہ میں یہ لفظ استعمال کیا جاتا اور اُس کے مفہوم سے کام لیا جاتا ہے۔ تاجر اپنی تجارت کے فروغ دینے اور قسم قسم کی تدبیروں سے پبلک میں اُسے مقبول بنانے کے لئے جو کچھ کرتے ہیں، اُسے بھی "پروپاگنڈا" ہی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے یہی نہیں بلکہ مضر تحریکوں اور غلط اصولوں کی اشاعت و تبلیغ میں بھی یہی ہتیار کام میں لایا جاتا ہے۔

یہ محقق ہے کہ افراد اپنے انفرادی ماحول میں، جماعتی ماحول سے زیادہ عقلمند اور ہوشیار ہوتے ہیں، جماعت کے ماحول میں جانے کے بعد افراد کی ذہنیت بڑی حد تک کمزور ہو جاتی ہے اور وہ ایسے افعال پسند کرنے لگتے ہیں جو اپنے انفرادی ماحول میں ناپسند کرتے علم اجتماع نے صحیح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ جماعت کا دماغ، فرد کے دماغ سے کہیں زیادہ کمزور، پست، اور منفعل ہوتا ہے۔ پس افراد سے

وحشیانہ حرکات ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے سے ظالمانہ سلوک روا رکھا جاتا ہو، حتیٰ کہ طاقتور جماعت محض اپنے زور سے دوسری جماعت کو کچل دیتی ہو۔ فرینک ٹرنٹ نے تاریخ انگلستان میں لکھا ہو" یہ لڑائی دو وحشی قوموں میں ہو رہی تھی۔ انھوں نے رحم و انصاف بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ اگر انھیں کوئی خیال تھا تو صرف یہ تھا کہ کسی طرح انکے دشمن تباہ ہوجائیں۔ دونوں طرف سے سخت مظالم کئے گئے جن پر پردہ ڈالنا ہی مناسب ہو" انگریزی تواریخ نے اپنی حرکات پر تو واقعی پردہ ڈال دیا ہو، لیکن ہندوستانیوں کے مظالم کا بہت بُری طرح سے خاکہ کھینچا گیا۔ سیکڑوں فرضی قصے تواریخ میں درج کئے گئے تاکہ انگریزوں کو انکے پڑھنے سے جوش پیدا ہو۔ آج ہم اس تصویر کا دوسرا رُخ بتاتے ہیں جو تقریباً ۷۰ سال سے لوگوں کی نظروں سے عمداً چھپا دیا گیا ہو۔

پشاور کا واقعہ

۱۵ جون ۱۸۵۷ء کو پشاور میں ۱۲۰ سپاہی پکڑے گئے۔ اِن میں سے کسی نے بھی اپنے افسروں کو قتل نہیں کیا تھا۔ بہت سے آدمی ایسے تھے جو بغیر کسی مجرمانہ ارادے کے بغاوت میں شامل ہوگئے تھے نکلسن نے ایڈورڈز ڈپٹی کمشنر پشاور کو لکھا تھا کہ میں ۷۰ سکھ قیدیوں کی جاں بخشی کی سفارش کرتا ہوں کیونکہ مجھے انکے افسروں نے یقین دلایا ہو کہ ان لوگوں نے بغاوت میں مطلق حصہ نہیں لیا۔ باقی کو توپ کے ذریعہ اُڑا دیا جائے۔ سر لارنس نے جواب دیا کہ چونکہ وہ ہمارے دشمنوں کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ اس لئے ان پر رحم نہیں کیا جاسکتا۔ پھر بھی میں تمام آدمیوں کو پھانسی دینا نہیں چاہتا۔ میرا مدعا صرف یہ ہو کہ ایسی عبرتناک سزائیں دی جائیں کہ عوام الناس ڈر جائیں، میری تجویز یہ ہو کہ ان میں سے صرف ایک تہائی کو سزائے موت دی جائے۔ اور تعداد ان سپاہیوں میں سے چنی جائے جو نہایت سرکش اور گستاخ ہوں۔ یا جن کے خلاف انکے افسر شکایت کریں اگر ان صفات کے آدمی اتنے نہ ملیں جن سے مجوزہ تعداد پوری ہوسکے تو پھر بوڑھے سپاہیوں کو شامل کرلینا چاہئے۔ باقی قیدیوں کو مختلف قسم کی سزائیں دی جائیں مگر کسی حالت میں بھی تین سال سے کم نہ ہو۔

لارڈ رابرٹ نے جو ان دنوں لفٹنٹ کے عہدے پر تھا، اپنی والدہ کو ایک خط میں اسی واقعہ کے متعلق لکھا ہو" ہم جہلم سے پشاور تک پیادہ پلٹ آئے۔ راہ میں باغیوں کو قتل کرتے رہے اور فوجوں سے ہتھیار لیتے رہے۔ لوگوں پر سزائے موت کا جو توپ سے واقع ہو، بڑا اثر پڑتا ہو۔ یہ بڑا ہی خوفناک منظر ہو لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ان مظالم کے ذریعہ ہم ان بدمعاش مسلمانوں کو بتلا دینا چاہتے ہیں کہ ہم خدا کی مدد سے ہندوستان پر قابض رہینگے"

پنجاب کے واقعات

ایک توپ میں بہت زیادہ بارود بھری ہوئی تھی۔ جب ایک شخص کو اس کے سامنے لاکر رکھا گیا اور توپ چل گئی، تو اس شخص کے سیکڑوں ٹکڑے ہوا میں اُڑ گئے۔ اس کا سر تماشائیوں میں سے ایک کو جا لگا اور کئی آدمیوں پر خون کے چھینٹے پڑے۔ جنرل نکلسن جسے ہم ایام طفولیت میں دیوتا کی طرح پوجتے تھے، ایڈورڈ کو ایک خط میں لکھتا ہو" ہمیں ایک قانون بنانا چاہئے جس کی رُو سے ہم انگریز عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کو زندہ جلاسکیں اور زندہ ہی ان کا چمڑہ اُتار سکیں۔ محض پھانسی دینے سے ہمارا جذبۂ انتقام ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ میں چاہتا ہوں دُنیا کے ایک ایسے کونے میں ہوں جہاں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکوں۔ مشرقی ممالک کا قاعدہ ہو کہ جب تک لوگوں پر گورنمنٹ کا دبدبہ اور خوف طاری نہ ہوجائے تب تک اسکے فوائد کی قدر نہیں کیجاتی"

کوپر جو امرتسر کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ لکھتا ہو کہ پنجاب کے تمام افسر ظلم کرنے میں ابتدا کرتے تھے تاکہ لوگ ڈر جائیں۔ اور انتقام لینے کی جرأت نہ کرسکیں۔

ٹامسن نے سر ہنری کاٹن کو چند مسلمان قیدیوں کے متعلق مندرجہ ذیل واقعہ سنایا تھا۔ شام کے وقت ایک سکھ اردلی آیا اور سلام کرکے کہا۔ میرے خیال میں حضور قیدیوں کو دیکھنا چاہتے ہونگے۔ میں فوراً حوالات چلا گیا۔ وہاں جاکر دیکھا کہ قیدی زمین پر بندھے ہوئے پڑے ہیں۔ بالکل برہنہ اور آخری سانس لے رہے ہیں۔ انکے جسم کے ہر ایک حصے پر تانبا گرم کرکے نشان کئے گئے تھے۔ مجھے اُن کی حالت پر رحم آیا اور پستول سے قتل کردیا تاکہ جاں کندنی کی تکلیف سے بچ جائیں"

جب کاٹن نے یہ دردانگیز واقعہ سنا تو ان سے پوچھا پھر تم نے انکے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جنھوں نے یہ وحشیانہ حرکت کی تھی؟ ٹامسن نے جواب دیا۔ میں نے کچھ نہیں کیا!

وحشیانہ قتل و نہب

غدر کے دنوں میں ہر ہندوستانی سپاہی کے خلاف الزام تھا کہ اسنے انگریز بچوں اور عورتوں کے قتل میں مدد دی ہو۔ خواہ وہ کسی جگہ پر ہوا اور کتنا ہی بے علاقہ ہو، اگر کوئی انگریز دہلی میں قتل کیا گیا ہو، تو لاہور اور پشاور کے ہندوستانی سپاہی بھی قابل گرفت تھے،

ایک چشم دید گواہ لفٹنٹ مجنڈی بیان کرتا ہو" ایک دفعہ سکھ اور انگریز ایک زخمی قیدی کو سنگینوں سے مار رہے تھے۔ لیکن کوئی ضرب مہلک ثابت نہ ہوئی۔ اسواسطے دو تین لکڑیاں جمع کرکے آگ جلائی گئی، اور اُسے اس آگ میں پھینکا گیا۔ سکھ اور انگریز یہ خوفناک منظر بڑے مزے لے لے کر دیکھ رہے تھے"۔ رسل نے بھی جو ٹائمز لندن کا نامہ نگار تھا۔ اس واقعہ کی تصدیق کی ہو۔ بلکہ وہ کہتا ہو" میں نے اس قیدی کی جلی ہوئی ہڈیاں بھی اس جگہ دیکھی تھیں"

سب سے پہلے اسی رسل نے ان وحشیانہ حرکات اور مظالم پر صدائے احتجاج بلند کی۔ چنانچہ وہ اپنی ڈائری میں لکھتا ہو" یہ انتقامانہ سزائیں مثلاً مسلمانوں کو سؤر کے چمڑے میں ڈال کر سی دینا اور قتل کرنے سے پہلے انکے منہ میں سؤر کی چربی ڈالنا، اور ہندوؤں سے انکے خلاف مذہب حرکات کرانا، انسانیت کے خلاف اور تہذیب سے گری ہوئی حرکتیں ہیں۔ ان سزاؤں سے بڑے خوفناک نتائج پیدا ہونگے جو ہمارے واسطے مہلک ثابت ہونگے"

جب ان مظالم کی حد ہوگئی تو گورنر جنرل نے ۳۱ جولائی ۱۸۵۷ء کو ایک مفصل حکم جاری کیا جس کی رُو سے دیہات کا جلانا اور نہتے آدمیوں کو بغیر کسی ثبوت کے سزا دینا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ ان افسروں سے سزائے موت کے اختیارات بھی چھین لئے گئے جنھوں نے اندھا دھند یہ اختیارات برتے تھے، ۲۰ اگست کو جان گرانٹ صوبجات وسطی میں گورنر بناکر بھیجا گیا تاکہ الہ آباد اور دیگر مقامات میں بیشمار آدمیوں کی پھانسی کی سزا ملتوی کردے۔ انگریزوں نے کیننگ اور گرانٹ کے خلاف بہت شور مچایا کیونکہ انھوں نے بہت سے آدمیوں کو پھانسی سے بچایا تھا۔

ایک دفعہ اگست کے دنوں میں ایک انگریزی فوج دیہات جلاکر واپس آرہی تھی۔ راہ میں چند وفادار سپاہی مل گئے۔ مگر انھیں بھی سنگینوں سے ماردیا گیا۔

یہ مسلمہ امر ہے، کہ بہت سے سپاہی محض خوف کی وجہ سے بھاگ گئے اور پھر بغاوت پر مجبور ہوگئے۔ اگر ہم نے ابتدا میں مظالم نہ کئے ہوتے تو فساد دور تک نہ پھیلتا اور لوگ رحم و انصاف سے مایوس ہوکر باغی نہ ہوجاتے۔

ایک پادری کی بیوہ بڑے فخر سے لکھتی ہو" اُسنے بہت سے قیدیوں کو گرجا میں عبادت کرنے پر مجبور کیا لیکن چونکہ یہ کام اُنکے مذہب کے خلاف تھا اس لئے سنگینوں کی نوک سے کرانا پڑتا تھا۔ بعض قیدیوں نے بڑی جلدی سے کام کرنا شروع کردیا۔ کیونکہ انھیں خیال تھا۔ کہ وہ اس طرح پھانسی سے بچ جائیں گے۔ لیکن اُن کی یہ غلط فہمی فوراً دور ہوگئی۔ کیونکہ بالآخر سب کو پھانسی دی گئی!

مجنڈی ایک جگہ لکھتا ہو" میں نے وہ رات مسجد (یعنی جامع مسجد دہلی) کی ناکہ بندی میں گزاری اور رات کا بہت سا حصہ اُن قیدیوں کے قتل کرنے میں خرچ کیا۔ جو دن کے وقت پکڑے گئے تھے۔ بہت سے آدمیوں نے مرتے وقت ایسی شجاعت اور متانت دکھائی کہ ہم بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے"

ایک انگریزی افسر جو دہلی کے محاصرہ میں موجود تھا، لکھتا ہو" دشمن نے صلح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انگریز صلح کے خواہشمند نہیں ہیں۔ وہ تو قتل عام سے خوش ہوتے ہیں"

جب میجر رینالڈ کانپور کے لئے کوچ رہا تھا، تو جنرل نیل نے اس کو مفصلہ ذیل ہدایات بھیجیں جو قابل غور ہیں" ان دیہات کو جنھوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہو، تباہ کردیا جائے۔ جن محلوں میں پٹھان بود و باش رکھتے ہیں اُنھیں مسمار کردیا جائے اور باشندے قتل کردئے جائیں۔ باغی پلٹنوں کے تمام سپاہیوں کو پھانسی دیجائے چونکہ فتحپور نے بغاوت کی ہو، اس لئے اسپر بھی حملہ کیا جائے اور تباہ کردیا جائے۔ اگر ڈپٹی کلکٹر گرفتار ہوجائے تو اسے پھانسی دے دی جائے اور اس کا سر شہر کی کسی بلند عمارت پر لٹکایا جائے"

بیگم اودھ نے ۱۸۵۸ء کے ایک اعلان میں یہ فقرہ لکھا تھا" کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا کہ انگریز کوئی جرم معاف کرسکتے ہیں"۔

۵۰ ہزار جانوں کا قتل

آخرکار کیننگ اور جان لارنس نے بھی اس قتل عام کے روکنے کی کوشش کی۔ ڈزرائیلی (یعنی لارڈ بیکنس فیلڈ) نے تو ابتدا ہی سے اس کے خلاف آواز اُٹھائی تھی۔ جب انگریزوں کا غضب جوش پر تھا تو اسنے ایک تقریر کے دوران میں کہا تھا" مجھے یقین ہو کہ ہماری فوجیں ہندوستان کے لوگوں سے خوفناک انتقام لیں گی۔ لیکن میں ان انگریز حاکموں کے اس طرز عمل سے بالکل متفق نہیں جن کے ہاتھ میں ہندوستان کی باگ ہو۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ہم غیر ممالک میں بجائے انصاف کے انتقام کے زور سے حکومت کریں۔ میں ظلم کے بدلے میں ظلم نہیں کرنا چاہتا"

لارڈ کیننگ نے ملکہ معظمہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا" لوگ انتقام پر تُلے ہوئے ہیں' اور وہ لوگ بھی جنھیں اپنے ماتحتوں کے روبرو بہتر مثال قائم کرنی چاہیے تھی، اس جوش سے خالی نہیں۔ میں جب اپنے لوگوں کی حرکات دیکھتا ہوں تو شرم کے مارے پسینہ پسینہ ہوجاتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ ان لوگوں نے کس طرح چالیس پچاس ہزار آدمی قتل کردئیے" ملکہ وکٹوریہ نے اس خط کا جواب دیا تھا" لارڈ کیننگ کو یقین کرنا چاہئے کہ میں بھی انگریزوں کی ان وحشیانہ حرکات پر سخت نادم ہوں اور خاصکر انگلستان کی پبلک پر، جسنے برطانوی فوجوں کی کارگزاری بنظر تحسین دیکھی ہو"

چونکہ لارڈ کیننگ نرم دل اور کمزور تھا اس لئے وہ وقت پر انگریزوں کا جوش ٹھنڈا نہ کرسکا۔ اس کے ماتحت اس کے اختیار سے باہر تھے۔

قتل و نہب کی مطلق العنانی

سر جارج کیمبل اپنی سوانحعمری میں لکھتا ہو" میں نے مارشل لا کے متعلق بہت دفعہ سنا ہو لیکن میں ابھی تک اس کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ ہندوستان میں ان دنوں اس کا جو مطلب سمجھا گیا تھا، وہ یہ تھا کہ ہر ایک فوجی کو کھلی اجازت تھی۔۔ جسے چاہے قتل کرے یا جس سے

مطبوعاتِ جدیدہ

غدر ۱۸۵۷ء

ترجمہ

اور "تصویر کا دوسرا رُخ"

حال میں ایک کتاب امریکہ سے شایع ہوئی ہو جس کا نام

The other side of medal

ہو۔ یعنی "تصویر کا دوسرا رُخ" اس کا مصنف ایک مشہور اہل قلم ایڈورڈ ٹامسن ہو۔ اُسنے یہ کتاب اس لئے لکھی ہو کہ "غدر ۵۷ء کے اثنا میں برطانی حکام نے جو انتقامی تدابیر اختیار کی تھیں، یا حکومت کے رُعب ہیبت کے مظاہرہ کے لئے جو خوں ریزیاں جائز رکھی گئی تھیں، اُن کے واقعات مستند تاریخی مصادر سے اخذ کرکے یکجا کردئے جائیں، اور اس ہندوستانی غدر کی ہولناک تصویر کا دوسرا رُخ بھی دنیا کے سامنے آجائے"۔

غدر ۵۷ء کی تصویر کا ایک رُخ تو وہ تھا جو باغی فوج کے قتل و غارت اور لوٹ مار کی صورت میں دُنیا دیکھ چکی ہو۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ وحشیانہ طرزِ عمل دہلی، لکھنؤ، اور کانپور میں بے گناہ انگریز عورتوں اور بچوں کا قتل تھا۔ قلعۂ دہلی میں ۵۲ انگریز مقید تھے۔ باوجود بدقسمت بہادر شاہ مرحوم کی پیہم مخالفانہ کوششوں کے باغی فوج نے اُنھیں قتل کر ڈالا۔ غالباً ، سے لے کر ا تک (کیونکہ روایات مختلف ہیں) اُن میں عورتیں بھی تھیں۔ لکھنؤ میں بھی غدر کے بعد، ۲۵ انگریز قیدی تلنگوں کے ہاتھوں قتل ہوئے جن میں ایک تہائی تعداد عورتوں کی تھی۔ کانپور میں جاں بخشی کا عہد کرنے کے بعد جو حملہ انگریزوں کی کشتیوں پر کیا گیا جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے، وہ نانا راؤ کے حکم سے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، لیکن یقیناً حد درجہ کا وحشیانہ فعل تھا۔

مختلف مقامات میں غیر مسلح اور بے پناہ انگریزوں پر اُنکے نوکروں نے جو حملے کئے اور عورتیں تک قتل کر ڈالی گئیں، بلاشبہ اخلاق و انسانیت اُنکے لئے کوئی معذرت قبول نہیں کریگی۔

یہ ۵۷ء کی تصویر کا ایک رُخ ہو، اور ایک سو سے زیادہ انگریز اہل قلم اُس کی وحشت و ہولناکی کے خال و خط نمایاں کر چکے ہیں!

لیکن تصویر کے دوسرے رُخ کی شہادت کیا ہو؟ وہ اخلاق و انسانیت کا مرقع ہو، یا وحشت و ہولناکی کا؟ پہلے رُخ سے کم ہولناک ہو یا زیادہ؟ دُنیا کی اُن حکمران اور قابو یافتہ قوموں میں جنھیں انتقام و غضب کے موقعہ پر اپنی اخلاقی سیرۃ (کریکٹر) کے مظاہرہ کا موقعہ ملا ہو، انگریزی قوم کس جگہ کی مستحق ہو؟ اُسنے خود ہندوستانیوں کی امداد سے فتحیاب ہو کر ہندوستان کے سب سے بڑے شہروں میں جو قتل عام کیا، اور جس طرح غیر مسلح، غیر محارب، اور یکقلم بے گناہ آبادی تہ و بالا کر دیگئی، تاریخ کو اسکے لئے کیا فیصلہ کرنا چاہئے؟ یہ سوالات ہیں جو غدر ۵۷ء کی تاریخ سے قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور یہ واقعہ ہو کہ اب تک مؤرخانہ نظر و تحقیق کی روشنی اس گوشہ پر نہیں پڑ سکی۔ اس نئی کتاب میں مسٹر ٹامسن نے سوالات پر روشنی ڈالی ہو، اور کوشش کی ہو کہ مستند اور بے لاگ تاریخی مصادر سے واقعات جمع کر دئے جائیں مصنف کے لئے مشکل تھا کہ وہ اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل کرتا۔ اسکے پاس حکومت ہند کے سرکاری افسروں اور انگلستان کے بعض نیم سرکاری مباحث کے سوا اور کوئی ذریعہ علم نہ تھا، اور ظاہر ہو کہ یہ دونوں ذرائع اس بارے میں غیر طرفدار نہیں قرار دئے جا سکتے۔ تاہم تاریخی شہادات کا جسقدر ذخیرہ بھی جمع ہو گیا ہو، اُس سے بہ حیثیت مجموعی "تصویر کا دوسرا رُخ" نمایاں ہو جاتا ہو۔

اب ہندوستان اُس منزل سے گزر چکا ہو جب اس قسم کے واقعات محض سیاسی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی اصلی حیثیت سیاسی نہیں بلکہ تاریخی ہو۔ غدر ۵۷ء جیسا عظیم واقعہ جسنے ہندوستان کے نئے دَورِ حیات کے ہر گوشے پر اثر ڈالا، ضروری ہو کہ تاریخ کے سامنے پیش کیا جائے، اور اُسے چھوڑ دیا جائے کہ اپنا فیصلہ ثبت کر دے۔

ذیل میں ہم اس کتاب کے بعض ضروری حصوں کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ مولوی محمد علی صاحب وکیل ایبٹ آباد نے کیا ہو۔ ان کا ارادہ ہے کہ پوری کتاب کا ترجمہ اُردو میں مرتب کر دیں۔ اُمید ہے یہ ترجمہ پوری دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائیگا۔

آکسفورڈ میں یہ مثل عام طور پر مشہور ہو کہ اگر کوئی شخص ہندوستان کے متعلق کسی معمولی درجہ کے ایوان میں بھی لیکچر دے، تو تمام سامعین یک لخت ایوان خالی کر دیں گے۔ ایک زمانہ تھا جب انگریز علماء ہندوستانی علوم و فنون میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ حال ہو کہ ہندوستانی مسائل پر کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ اس تبدیلی کا سبب یہ ہو کہ ہمیں یقین ہو گیا ہو، ہندوستانی ہماری حکومت سے تنگ آگئے ہیں۔ انھوں نے ہمارے حسنِ انتظام کی قدر نہیں کی۔ ہم اگر اب بھی قربانی کر سکیں تو ہندوستان کو بزورِ شمشیر قابو میں رکھ سکتے ہیں۔

لیکن جو شور و غل جلیانوالا باغ کے قتل عام پر ہوا تھا، اس سے صاف ظاہر ہو کہ ہم اپنے آبا و اجداد سے کہیں زیادہ رحمدل واقع ہوئے ہیں۔ کیونکہ ہم ہندوستان میں دوسرا غدر پیدا کرنا نہیں چاہتے۔

اب ہمارے لائق اور ہونہار نوجوان ہندوستانی ملازمتوں سے گریز کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہو کہ معمولی قابلیت کے آدمی ہندوستان جاتے ہیں۔

ہندوستان کے متعلق غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈا یورپ میں پھیلایا جا رہا ہو۔ کہا جاتا ہو کہ اُس کے باشندے محض وحشی اور صحرائی ہیں!

ہندوستانی مورخ نہیں ہیں۔ انہیں واقعات کو سلسلہ وار ترتیب دینا نہیں آتا۔ وہ تحقیق کے نئے طریقوں سے ناآشنا ہیں یہی وجہ ہو کہ آجتک غدر ۵۷ء کے متعلق ہندوستان میں کوئی تاریخ صحیح شایع نہیں ہوئی۔ حالانکہ دوسری طرف انگریزوں نے اس واقعہ پر سیکڑوں کتابیں لکھ کر شہرت دیں۔ یہ واقعہ ہو کہ انھوں نے تصویر کا صرف ایک رُخ دکھایا ہو۔

غدر کے اسباب

عام طور پر غدر کے دو سبب بیان کئے جاتے ہیں۔ اولاً یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے تمام صوبے یکے بعد دیگرے اپنی حکومت میں ملا لئے تھے۔ اسواسطے ہندوستانیوں کے دلوں میں کمپنی کے متعلق بہت شکوک پیدا ہو گئے۔ دوسرا سبب وہی چربی والے کارتوسوں کا قصہ ہو۔

اینسن (ansen) جو ان دنوں کمانڈر انچیف تھا لکھتا ہو "میں نے مشکوک کارتوس دیکھے ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ سپاہیوں کے عذرات حق بجانب ہیں۔ مجھے یہ ہرگز خیال نہ تھا۔ کہ ان کارتوسوں کے استعمال میں گائے اور سوّر کی چربی لگائی جائے گی۔ میرے خیال میں ہندوستانی سپاہیوں کے جذبات کی مطلق پرواہ نہیں کی گئی"

یہ کارتوس جو انہیں دنوں میں رائج کئے گئے تھے، سوّر اور گائے کی چربی سے آلودہ ہوتے تھے۔ اور پیشتر اس کے کہ اُنھیں بندوقوں میں ڈالا جائے، دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ اس کارتوس کے چند حصے ایسے سخت ہوتے تھے کہ بغیر دانت کے استعمال کے چلائے نہیں جا سکتے تھے ہندو مذہب میں گائے کا احترام کیا جاتا ہو، جب اُنھیں یہ کارتوس استعمال کرنا پڑے تو سخت رنج ہوا۔ یہی حال مسلمان سپاہیوں کا بھی تھا۔ چنانچہ تمام فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ رسالہ نمبر ۳ مقیم میرٹھ کے ۸۵ سپاہیوں نے ایسے کارتوسوں کے استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا کورٹ مارشل کیا گیا۔ اور دس دس سال کی سزا دی گئی جس طریقے سے یہ حکم سُنایا گیا تھا وہ تہذیب سے گرا ہوا تھا مصنف موصوف نے اس خوفناک منظر کا نقشہ یوں کھینچا ہو:

"۸۵ سپاہیوں کو گارد کی حراست میں فوجی عدالت کے روبرو پیش کیا گیا اور یہ سخت حکم سنایا گیا۔ اُن کی فوجی وردی اُنکے جسم سے اُتار دی گئی پھر اُسی وقت بیڑیاں پہنائی گئیں۔ یہ نہایت دردناک نظارہ تھا۔ اُن کے ساتھیوں کو اُن کی حالتِ زار پر ترس آرہا تھا۔ ان قیدیوں میں بہت سے ایسے سپاہی بھی تھے جنھوں نے انگریزوں کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کی تھیں۔ اور مختلف لڑائیوں میں عدیم المثال بہادری دکھائی تھی۔ تمام قیدیوں نے بآوازِ بلند جرنیل کی منت و سماجت کی کہ اس بے عزتی سے بچایا جاوے۔ لیکن کسی نے پروا نہ کی۔ جب وہ مایوس ہو گئے تو انھوں نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا تمھیں شرم نہیں آتی کہ ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں اور تم خاموشی سے تماشہ دیکھ رہے ہو؟ اس دردناک اپیل سے حاضرین کے دل پر گہرا اثر پڑا ممکن تھا کہ وہ کچھ کر گذرتے۔ لیکن توپوں اور بندوقوں کی موجودگی میں وہ کیا کر سکتے تھے؟ ناچار اُنھیں صبر کرنا پڑا۔ لیکن اس واقعہ سے ہر ایک ہندوستانی انگریزوں کے خلاف ہو گیا۔ وہ لوگ جو ان کی خاطر اپنی جانیں لڑاتے تھے، یکلخت اُنکے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

لارڈ کیننگ گورنر جنرل نے اس واقعہ کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہو "یہ ایک ایسا احمقانہ حکم تھا جس کی نظیر ملنی مشکل ہو۔ بغاوت کا آغاز اسی حکم سے شروع ہوتا ہو"

دوسرے دن (یعنی ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء) ایک رسالہ اور دو پیادہ فوجوں نے جیلخانے کے دروازے زبردستی کھول کر اپنے ساتھیوں کو آزاد کر دیا۔ پھر انگریز افسروں کے گھر جلا دئے۔ جہاں کہیں کوئی فرنگی ملا قتل کر دیا گیا، اور اس کے بعد سب کے سب دہلی روانہ ہو گئے جب باغی پلٹنیں دہلی پہنچیں۔ تو وہاں بھی انھوں نے انگریزوں کے قتل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ جب ایک محکوم قوم اپنے حاکموں سے جنگ و جدل پر آمادہ ہو جاتی ہو تو دونوں طرف سے

جو کچھ چاہے چھین لے۔ کوئی روک ٹوک نہ ہوگی"

لارڈ کیننگ کی گورنمنٹ نے ۷ جون کو بعض صوبجات میں مارشل لا نافذ کیا تھا۔ گورنمنٹ کو چاہئے تھا کہ اس قانون کے استعمال کی سختی سے نگرانی کرے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ گورنمنٹ نے اس معاملہ میں سخت کمزوری دکھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ماتحت افسر بلا روک ٹوک مظالم برپا کرتے رہے۔ اور بغیر کسی تفتیش کے قتل عام جاری رہا۔

مسٹر رسل ٹائمز کا نامہ نگار ایک جگہ لکھتا ہے" اس غدر میں صرف سپاہیوں نے بغاوت کی تھی۔ اس لئے مناسب یہی تھا کہ صرف وہی لوگ قتل کئے جاتے جنھوں نے اسمیں حصہ لیا تھا، لیکن اُن آدمیوں کو قتل کرنا جن کی ان فوجوں سے محض ہمدردی تھی، ایک نہایت بزدلانہ فعل تھا۔ اگر کوئی باغی فوج کسی شہر میں مقیم ہوگئی تھی تو اسکے باشندوں کو محض اس بنا پر قتل کرنا، کہ کیوں انکے شہر میں باغیوں نے ڈیرا ڈالا؟ کتنا وحشیانہ فعل ہے؟ یہ مسلم ہے کہ شہر کے باشندوں نے عام طور پر انگریزوں کے بچانے میں مدد دی تھی۔ لیکن پھر بھی انگریزی فوجوں نے ان کی قدر نہ کی، اگر انگریز صرف باغیوں کو قتل کرتے تو پھر وہ حق بجانب ہوتے۔ لیکن بے شمار بے گناہ لوگوں کو محض اسوجہ سے قتل کیا گیا، کہ وہ ہندوستانی تھے" (باقی آئندہ)

ادبیات

سعد پاشا زغلول کے اقوال

مرحوم احمد سعد پاشا زغلول کو مصر میں جو رسوخ وعظمت حاصل ہوئی اُس میں اُن کی دوسری قابلیتوں کے علاوہ اُن کی قوت خطابت اور بلاغۃ تحریر کو بھی بڑا دخل تھا۔ ذیل میں اُن کے بعض اقوال کا ترجمہ دیا جاتا ہے جو ضرب الامثال کی طرح مشہور ہوگئے ہیں:

کامل آزادی

مصر، کامل آزادی کا مطالبہ کرتا ہے، کیونکہ آزادی، قوموں کا پیدائشی حق ہے۔

ناامیدی

اسوقت ہماری حالت کیسی ہی ابتر ہو، مگر ہماری قوم جیسی کوئی بڑی قوم، کبھی اپنی قسمت کی طرف سے ناامید نہیں ہوسکتی!

حاکم ومحکوم کی مصلحت

حاکم قوم کی مصلحت ہمیشہ اُس کی محکوم قوم کی مصلحت سے متضاد ہوا کرتی ہے۔

عہدے کی خواہش

اپنے آزاد وطن میں ایک حقیر فرد رعایا بن کر رہنا مجھے اس سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ اجنبی حکومت کے ماتحت بڑے سے بڑے عہدے پر مقرر ہوں۔

مادّی قوت

مادّی قوت، قوم کے ارادے پر کبھی غالب نہیں آسکتی۔

صحیح تحریک

ہر صحیح تحریک ضرور کامیاب ہوتی ہے۔

زمانے کے انقلابات

زمانے کے انقلابات دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بنا دیتے ہیں۔

سیاسی اتفاق

مصر اور انگلستان کے درمیان اتفاق کے معنی صرف ایک ہیں۔ یعنی مصر کی کامل آزادی۔

انتہا پسندی

آزادی کے طلبگار، انتہا پسند نہیں ہوتے اس لئے کہ یہ تو ایک ابتدائی چیز ہے۔ غلامی پسند کرنے والے البتہ انتہا پسند ہیں، کیونکہ غلامی ذلت نفس کی انتہا ہے!

قومی روح

قوم کی روح نہ جنگی قوانین سے مغلوب ہوسکتی ہے، نہ ظلم سے، نہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت کی قوت سے۔

اصول نہ کہ اشخاص

اگر سعد، قومی اصول سے ہٹ جائے تو اسے گرادو!

نکتہ چینی

میں اپنی ذات پر نکتہ چینی سنکر خوش ہوتا ہوں، اگرچہ وہ جھوٹی ہی ہو۔

ابنائے وطن کو نصیحت

اَبنائے وطن! تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ میری نگرانی کرے، پھر سعد ذمہ دار نہیں ہے، وطن کا ہر فرزند ذمہ دار ہے۔

قومیت

یہ دیکھ کر میری مسرت بے حساب ہوجاتی ہے کہ مصر میں صرف ایک ہی فرقہ موجود ہے، اور وہ مصری قوم ہے۔

قومی زندگی

یہ بچّوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ جماعتوں کا سوال نہیں ہے۔ یہ قومی زندگی کا مسئلہ ہے!

میٹھے بول

انگریز، گفتگو میں بڑے ماہر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ میٹھے بول ہمیں مسخر کر لیتے ہیں!

ہمارا مطالبہ

ہمارا مطالبہ کچھ بہت لمبا چوڑا نہیں ہے۔ ہمارا مطالبہ صرف ایک لفظ ہے" آزادی!"

سعد کی زندگی

سعد، مرکر بھی ہمیشہ زندہ رہیگا۔ کیونکہ ہر مصری، سعد ہے، بلکہ سعد سے بھی زیادہ!

مصری قوم

آج مصری قوم وہ نہیں ہے جو کل تھی۔ آج مسلم اور غیر مسلم الگ الگ نہیں ہیں۔ سب ایک قوم ہیں اور صرف ایک خواہش رکھتے ہیں۔ یعنی آزادی! اور وطن!

عداوت

میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میرے دل میں کسی آدمی کی بھی عداوت پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ عداوت، کمزوروں کا اخلاق ہے۔

قومی عزت

میں کہہ چکا ہوں، کہتا ہوں، کہتا رہوں گا کہ جو عزت میری قوم نے مجھے دی ہے، وہ میرے لئے قابل فخر ہے۔

میرا دل

میرے دلمیں نہ حسد ہے، نہ کینہ ہے۔ میرے دلمیں قومی امانت نے کسی چیز کے لئے بھی جگہ خالی نہیں چھوڑی ہے۔

آزادی کا استحقاق

جو قوم اپنے فرزندوں کا خون اس لئے بہتے دیکھتی ہے کہ وہ آزادی چاہتے ہیں اور پھر خاموش رہتی ہے، وہ یقیناً آزادی کا استحقاق نہیں رکھتی!

وزارت

ہم وزارت کے دشمن نہیں ہیں۔ لیکن غیر قومی وزارت دیکھ نہیں سکتے۔

میرا اخلاق

میں چلّانے والا ہوں، سازشی نہیں ہوں۔

میری آرزو

آزادی، میری آرزو ہے۔ جو ہاتھ بھی آزادی لائے، میں اسکے پہلے اسکا م بوسہ لوں گا، اگرچہ وہ میرے جانی دشمن ہی کا ہاتھ کیوں نہ ہو۔

خود اعتمادی

خود اعتمادی، خود اختیاری وصف نہیں ہے، بلکہ پیدائشی صفت ہے، خود اعتماد آدمی اگر یہ وصف دُور بھی کرنا چاہے تو دُور نہیں کرسکے گا۔

میری دشمنی

میں نے اگر کسی سے دشمنی کی ہے تو صرف اپنی قوم کی مصلحت کی وجہ سے۔

رُو رعایت

قومی حقوق میں رُو رعایت دخل نہیں پا سکتی۔

ناکامی

شریر قوت نے جو کچھ جمع کیا ہے، بکھر جائے گا۔ طمع نے جو کچھ جوڑا ہے، ٹوٹ جائے گا۔ جس کی بنیاد جھوٹ پر ہے، وہ یقیناً گر پڑیگا!

ناکامی کی علت

ناکامی کی اصلی علت، کارکنوں کی باہمی بے اعتمادی ہوتی ہے۔

صبر وبرداشت

ہاں ہمپر مصائب بیشمار ہیں۔ لیکن وہی قوم زیادہ عظمت حاصل کرتی ہے جو زیادہ مصائب برداشت کرسکتی ہے۔

برطانیہ کی ضرورت

اگر برطانیہ کو مصر کی ضرورت ہے، تو مصر کو اُس سے کہیں زیادہ اپنی ضرورت ہے۔

قوت

اگر ہم طاقتور ہوتے تو کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی کہ مصر ہمارے قبضہ میں رہنا چاہئے!

منفعت

اگر ملکیت میں منفعت کا اصول تسلیم کرلیا جائے، تو دنیا تہ وبالا ہو جائے۔ کیونکہ ہر شخص کی منفعت اسی میں ہے کہ ساری دنیا کا مالک بنجائے۔

عمل اور قربانی

کوئی عمل حق ضائع نہیں ہوتا۔ کوئی قربانی رائگاں نہیں جاتی۔

ضرورت اور قوت

کسی زمانہ میں بھی ضرورت، قانون نہ تھی۔ کسی وقت میں بھی قوت حق کا معیار نہ تھی!

ظلم

ظلم اپنے دامن میں مظلوم کے لئے خوشخبری اور ظالم کے لئے سزا چھپائے ہوتا ہے!

گر آپ

علم وکتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کرلی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو
دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور
جسے ملک معظم برطانیہ اور اُنکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم وادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کرسکتے ہیں

ہمارے یہاں سے
ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصّل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے اماميں کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شہرۂ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازهائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد ازهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقه نمبر ۲٤ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"
24, LAHORE, PANJAB.

التحر الجلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خواں این دفتر پارینه را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تهیں - اردو کا وہ پہلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نہیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انهیں دوبارہ چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تہجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه   الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " " چهارم ۱۰ روپیه   " " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر "البلاغ پریس"

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت دُنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصّہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سُرخ اور سُنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!

حیرت انگیز رعایت

پندرہ روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

محصولڈاک اور پیکنگ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے کمرہ کے لئے + بیوی کے لئے

قابل دید گولڈن رسٹ واچ | ریلوے ریگولیٹر پاکٹ واچ | مشہور عالم بی ٹائم پیس جرمن میڈ

گارنٹی ۵ سال | گارنٹی ۱۰ سال | گارنٹی ۳ سال

نئے نئے ڈزائن کی خوشنما فینسی پائدار ٹائم بتانیکی ہے۔ قیمت سات روپیہ آٹھ آنہ ۷ہ۸ محصولڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس ۸ | کل سلور کیس، خوبصورت مضبوط ٹائم نہایت صحیح بتانیوالی قیمت مع چین پانچ روپے آٹھ آنے (۸؍۵) محصولڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس ۸ | دیکھنے میں خوبصورت چال کا اچھا پرزوں کا مضبوط، ٹائم کا سچا۔ بیحد سستا قیمت دو روپے محصولڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس ۸

یہ تینوں گھڑیاں اگر آپ یکمشت طلب فرمائیں تو صرف دس روپے میں بھیجی جائیں گی یہ رعایت محض مال کی نکاسی اور فرم کی شہرت کی وجہ سے ہے اور یہ رعایت اسی وقت تک رہیگی جب تک یہ گھڑیاں اسٹاک میں رہینگی اسکے بعد ہم تعمیل کے ذمہ دار نہونگے آپ فوراً ہی آرڈر بھیجدیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہوجائے اور آپ کی فرمائش کی تعمیل نہ ہوسکے۔

نوٹ۔ ایک یا دو گھڑیوں کے خریدار کیلئے کوئی رعایت نہیں ہے۔ اُن سے اُنکی قیمت مندرجہ چارج کیجائے گی اور محصولڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی اُن کو ادا کرنا ہوگا +

ملنے کا پتہ: امریکن واچ ہوس اسٹاکسٹ ویسٹ اینڈ واچ کمپنی ۸۳ مقام دہلی

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابو الکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۱ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

قیمت بارہ آنے۔ (مینجر الہلال کلکتہ)

فدائیان اسلام پر مصائب کا ہجوم

کیوں ہے؟

اگر آپ کو قوم کے ظاہری و باطنی امراض اور انکے علاج کا علم حاصل کرنا ہے تو الجمعیۃ ملاحظہ فرمائیے۔

"الجمعیۃ" تمام ہندوستان میں ایک ہی اخبار ہے جو علماء کی زبان کہلانے کا مستحق ہے اور جس کا اہم ترین مقصد ملت بیضا کی محافظت ہے۔ مقدس مذہب اسلام کے خلاف حملوں کا دنداں شکن جواب دینا اور واقعات کی محققانہ تنقید اس کا

مخصوص طریقہ ہے

اس زمانے میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے اخبار بھی ایک ضروری چیز ہوگیا ہے اور ہر قوم کو اپنی تمدنی زندگی قائم رکھنے کے لئے اسکی حاجت ہے۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ مذہب کی حفاظت کے فریضے کو تمام فرائض سے اہم سمجھیں اور اس اخبار کو جو مذہب کا محافظ ہے اور اصلاح قوم کا علمبردار بھی اشاعت اور ترقی کے اعلیٰ درجے پر پہنچائیں حق کی آواز جسقدر کثرت سے لوگوں کے کان میں جائیگی اسیقدر کامیابی ہے

اخبار الجمعیۃ کی پانچ (۵) خصوصیات

(۱) تمام سیاسی و مذہبی مسائل پر عالمانہ و فاضلانہ بحث کرتا ہے۔
(۲) تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق مسلسل مضامین شایع کرکے مخالفین اسلام کو خاموش کرتا ہے۔
(۳) عربی، فارسی، اُردو، انگریزی اخبارات کے تراجم پیش کرتا ہے۔
(۴) حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند کے فتاوے کی اشاعت کرتا ہے۔
(۵) ایک کالم تفریح کا بھی ہوتا ہے جس سے اُس کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ہفتہ میں دو بار شایع ہوتا ہے۔ چندہ سالانہ چھ روپیہ (عہ)
ششماہی تین روپیے چار آنے (۳؍۴)

مینجر "الجمعیۃ" دہلی

١٩٢٧
جلد ١
١٣
البلاغ
البلاغ پریس کلکتہ
قیمت
٥ ـ آنہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحكيم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۳ | کلکته : جمعه ۱۲ ـ ربیع الاول ۱۳۴٦ هجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 9, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکھتی ـ
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای ـ
پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نهین کر سکتی ـ

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چھپتا هی ـ اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین ـ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ـ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ـ

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ـ یاد رکھیی ـ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی ـ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ـ
الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۰۱۲ مراسلات وصول هوی هین ـ تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۱۳۹	اردو حروف کی حق مین	۲۸۰
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۲۹۳	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۱٤	نستعلیق هون	۸٦

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی ـ

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی ـ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی ـ آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ـ الهلال

هر جمعه كو نمبر ١١ - بالي گنج سركلر روڈ - كلكته سے شايع هوتا هے

قيمت سالانه مع محصول - - باره روپيه

هندوستان سے باهر كيليے - - سوله روپيه

قيمت شش ماهي - - - سات روپيه

قيمت في پرچه - - - پانچ آنه

---

(١) تمام خط و كتابت اور ارسال زر " منيجر الهلال " كے نام سے كي جاے ليكن جو خطوط مضامين سے تعلق ركهتے هوں انكے لفافه پر " ايڈيٹر " كا نام هونا چاهيے -

(٢) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(٣) براه عنايت خط و كتابت ميں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لكهيے -

(٤) خط و كتابت ميں نمبر خريداري لكهيے جسكي اطلاع آپكو وصول قيمت كي رسيد ميں ديدي گئي هے -

(٥) اگر كسي صاحب كے پاس كوئي پرچه نه پهنچے تو تاريخ اشاعت سے ايک هفته كے اندر اطلاع ديں - ورنه بصورت تاخير بغير قيمت كے روانه نهيں كيا جائيگا -

(٦) اگر آپ دو تين ماه كيلئے ايک جگه سے دوسري جگه جا رهے هيں تو اپنا پته تبديل نه كرايے ' مقامي ڈاكخانه كو اطلاع ديكر انتظام كر ليجيے - اگر اس سے زياده عرصه تک كے لئے تبديل مقام پيش آجاے تو ايک هفته پيشتر اطلاع ديكر پته تبديل كراليں -

(٧) مني آرڈر روانه كرتے وقت فارم كے كوپن پر اپنا نام و پته ضرور لكهديں -

(٨) ايسے جواب طلب امور كے لئے جنكا تعلق دفتر كے دفتري فرائض (مثلاً رسيد زر و اطلاع اجراء اخبار وغيره) سے نهيں هے ٹكٹ ضرور بهيجيے ورنه دفتر پر غير معمولي خط و كتابت كے مصارف كا بار پڑيگا -

ایک بالکل سفید مرغي اور ایک بالکل سیاہ مرغ لو ' اور اُن کي نسل کا تجربه کرو - اب ایسا هوگا که اِن دونوں کے اتحاد تناسلي سے جو بچے پیدا هونگے ' وہ نه تو بالکل سیاہ رنگ کے هونگے ' نه بالکل سفید رنگ کے - مخلوط قسم کے هونگے - یه اِس نسل کا پہلا طبقه هوا - اِس مخلوط رنگ کي مرغیوں کي نسل آگے بڑھنے دو - اِن سے جو دوسرا طبقه نسل کا پیدا هوگا ' اُس کي حالت یه هوگي که اُن میں ۲۵ - في صدي مرغیاں بالکل سیاہ هونگي ' ۲۵ - في صدي بالکل سفید ' اور ۵۰ في صدي مخلوط رنگت کي - گویا دوسرے طبقه میں اُن کے مورث اعلی کي کامل رنگت ۲۵ - في صدي میں نمایاں هوي ' مگر ۵۰ - في صدي میں مورث ثاني ؤ اقرب کا سا مخلوط رنگ قائم رہا - اب اِس دوسرے طبقه سے تیسرا طبقه پیدا کرو - اِس تیسرے طبقه کا حال یه هوگا که سفید سے سفید بچے پیدا هونگے - سیاہ سے سیاہ پیدا هونگے - مگر مخلوط رنگت کے بچوں میں پھر وهي تناسب نمایاں هوجائیگا ' جو دوسرے طبقه میں تھا - یعني اُسکي نسل میں ۲۵ - في صدي سیاہ اور ۲۵ - في صدي سفید هونگے - باقي ۵۰ - في صدي اپنے ماں باپ جیسے مخلوط رنگ کے هونگے !

پھر اِن ۵۰ - في صدي مخلوط رنگ والوں کي نسل جب اور آگے بڑھیگي ' تو اُس میں بھي یه تناسب برابر قائم رهیگا - یعني همیشه نصف تعداد مخلوط رنگت کي هوگي اور ۲۵ - في صدي سفید ' اور ۲۵ - في صدي سیاہ هوگي -

لیکن تیسرے طبقه میں جن افراد کے اندر اُنکے مورث اعلی کي کامل رنگت متوارث هوگئي تھي ' اُن کي نسل میں مستقلاً ایک رنگت قائم هو جائیگي - سفید سے همیشه سفید بچے پیدا هونگے ' اور سیاہ سے همیشه سیاہ -

قانون توارث کا ایک عملي مشاهدہ

مرغیوں کي نسل کے تین طبقات ' جن میں مورث اعلی کا سفید اور سیاہ رنگ ایک خاص عددي تناسب کے ساتھه متراوث هوتا هے - مورث اعلی سفید اور سیاہ رنگ کے هیں - نسل کے پہلے طبقه میں مخلوط رنگ کا مرغ پیدا هوا هے - لیکن اُس سے جو دوسرا طبقه پیدا هوا هے ' اس میں ۲۵ - فیصدي سفید ' ۲۵ - في صدي سیاہ ' اور ۵۰ - في صدي مخلوط رنگت کے هیں - پھر تیسرے طبقه میں سفید سے سفید اور سیاہ سے سیاہ پیدا هوتا هے ' مگر مخلوط کي نسل میں وهي عددي تناسب قائم هے -

اِس سے معلوم هوا که :

(۱) قانون توارث میں مورث اعلی کے دو مختلف جسماني خواص ' پہلے طبقه میں ایک ایسا مزاج پیدا کرلیتے هیں جو ملا جلا مزاج هوتا هے - یعني اُن میں دونوں طرح کے خاصے اکھٹے هوکر مخلوط هوجاتے هیں -

(۲) اِس پہلے نسلي طبقه نے جو مخلوط مزاج کرلیا هے ' وہ نسل کي آئیندہ افزائش میں ایک مستقل اور متوارث حیثیت اختیار کرلیتا هے ' اور اپني نسل میں برابر قائم رهتا هے ' لیکن ساتھه هي یه عجیب بات بھي هے که دوسرے طبقه میں نصف تعداد همیشه ایسے افراد کي پیدا هوتي هے ' جن میں اِس مخلوط و ممزوج حالت کي جگه مورث اعلی کے انفرادي خواص الگ الگ نمایاں هوجاتے هیں - اِس نصف تعداد میں آدھي تعداد ایک قسم کے خاصه کي اور آدھي ایک قسم کے خاصه کي هوتي هے - اِس طرح دو مختلف جسماني خواص کے ماں باپ دوسرے طبقه کي نسل میں بالانفراد الگ الگ ' اپنے اپنے خواص نمایاں کردے سکتے هیں !

(۳) نسل کے تیسرے طبقه میں جن افراد کے اندر مورث اعلی کے خواص انفرادي اور غیر مخلوط حالت میں نمایاں هوجاتے هیں ' ان کي نسل میں آیندہ اِن اجدادي خواص کا اختلاط و امتزاج نهیں هوتا ' بلکه اجدادي خواص کي جو ایک قسم اُن میں نمایاں هوئي هے ' وہ مستقلاً قائم هو جاتي هے ' اور اپني نسل میں متوارث هونے لگتي هے -

(۴) لیکن دوسرے طبقه میں جو نصف تعداد ایسي پیدا هوتي هے ' جس میں اجدادي خواص مخلوط و ممزوج حالت میں نمایاں هوتے هیں ' اُن میں قانون توارث کا یه عددي تناسب برادر قائم رهتا اور آگے کي طرف بڑھتا هے - یعني اُن کي نسل میں وهي ۲۵ - ۲۵ - في صدي الگ الگ آبائي خواص ظاهر هوتے هیں ' اور ۵۰ - في صدي مخلوط و ممزوج رهتے هیں -

(۵) ماں باپ کے الگ الگ جسماني خواص سے مولود میں جو مخلوط و ممزوج حالت پیدا هو جاتي هے ' وہ همیشه اپني نسل میں اِس طرح متوارث هوتي هے که نصف تعداد مخلوط قسم کي هوگي ' اور نصف مورث اعلی کے الگ الگ خواص کي -

(انسان میں قانون توارث)

ٹھیک یهي حالت انساني وراثت میں بھي پیش آتي هے - اگر کوئي خالص سفید رنگ کا انسان حبشي عورت سے شادي کولے تو اُسکي نسل ضرور سانولے رنگ کي هوگي - پھر اگر کسي طرح خود اُسکي اولاد میں باهم دگر تناسل وتوالد شروع هو جائے ' تو مرغیوں کي طرح اِس نسل میں بھي ۲۵ - فیصدي اولاد خالص سفید رنگ کی هوگي ' ۲۵ فیصدي خالص سیاہ رنگ کي ' اور ۵۰ فیصدي سانولي -

جسماني خواص کے توارث کي یه نوعیت ' معنوي خواص کے توارث کي طرف رهنمائي کرتي هے ' اور یه سوال پیدا هو جاتا هے که کیا اِسي طرح انسان کے ذهني و معنوي خواص و اوصاف میں بھي توارث کا سلسله قائم هے ؟ اور اگر قائم هے تو کیا اُس کا قانون بھي ایسا هي هے ' اور ایسا هي عددي تناسب رکھتا هے ' جیسا جسماني خواص کے توارث میں هے ؟ ان سوالات کا جواب بہت زیادہ تفصیل وبحث کا محتاج هے - اِس لیے سر دست هم اِنهیں نهیں چھیڑتے -

مذاکرہ علمیہ

قانون توارث جسمانی و معنوی

(منڈل کا ناموس وراثت)

مخلوقات کي جسماني و معنوي زندگي میں قانون توارث کا مسئلہ ' اُن اهم ترین مسائل میں سے هے جنهوں نے قدیم زمانے سے علماء کو اپني طرف متوجه رکها هے - طبیعي علوم کي ترقي کے بعد گزشته صدي میں اِس مسئله نے آور بهي زیاده اهمیت حاصل کرلي اور بے شمار علماء نے اُس پر بحث کي - بہت سے نظریے قائم هوے - بہت سے مذاهب ترتیب دیے گئے - لیکن اِس سلسله میں سب سے زیاده شهرت و اهمیت اُس نظریه کو حاصل هے ' جو اپنے موجد ' ڈاکٹر منڈل کي طرف منسوب هے اور " ناموس منڈل " کهلاتا هے - ذیل میں هم اِس نظریه کي مختصر تشریح کرتے هیں -

(منڈل)

سنه ۱۸۲۲ میں دو شخص ایسے پیدا هوئے ' جنهوں نے اپني پوري زندگي وراثت کے اثرات و نتائج کي بحث و تحقیق میں صرف کردي : اِن میں سے ایک انگلستان میں پیدا هوا - اسکا نام گلٹن هے - اور اسکي کتاب " عظمت کي وراثت " بہت مشہور هو چکي هے - دوسرا منڈل هے - یه هنگرین نسل کا تها - سیلیشیا میں پیدا هوا - اسکي ابتدائي تربیت دیني تعلیمات کي تهي - رهبانوں کي جماعت میں داخل کر دیا گیا تها - لیکن ۲۹ سال کي عمر میں رهبانیت ترک کردي اور وائنا کے دار العلوم میں داخل هوکر طبیعي علوم کی تحصیل شروع کردي - تعلیم ختم کرکے وہ برون میں اُستاد مقرر هوگیا اور اپنے فرصت کے اوقات مسئلۂ وراثت کي تحقیق میں صرف کرنے لگا - شروع شروع اُسکے تجربے صرف نباتات میں محصور تهے -

اپني تحقیق کے دوران میں بالاخر وہ ایک عجیب معامله پر پہنچا - اُسنے دیکها ' یه عجیب معامله ' وراثت میں همیشه پیش آتا هے ' اور کبهي اُس میں خلل نہیں پڑتا - یه وہ وقت تها جب اُس کے تجارب ' عالم حیوان تک وسیع هو چکے تهے - اُس نے شہد کي مکهیوں کے بهي پچاس چهتے بنائے تهے - اور مختلف قسم کي مکهیاں باهمدیگر جمع کرکے اُنکي نسل کے جسماني اور معنوئي خواص کا تجربه کرتا تها لیکن مکهیوں کے متعلق اُسکي تحقیقات کے جمله اوراق ضائع هوگیے - سنه ۱۸۶۶ میں اُس کا ایک چهوٹا سا رساله شایع هوا تها جس میں یه نظریه پیش کیا گیا هے - یه رساله بهي گم نام هوگیا - یهانتک که سنه ۱۹۰۰ میں علماء مغرب کي نظریں اُس پر دوباره پڑیں ' اور وسیع پیمانه پر اُسکي اشاعت کي گئي - آج حیوانات کي پرورش کرنے والوں میں کوئي شخص بهي ایسا موجود نہیں جو منڈل اور اُس کے نظریه سے ناواقف هو یا اُس سے مستفید نه هو رها هو -

(ناموس منڈل)

منڈل کا نظریه ' تین وراثتي اصلوں پر قائم هے :

(۱) پہلي اصل کا خلاصه یه هے که فرد کي بعض صفات ' (عام اِس سے که وہ فرد ' حیوان هو یا نبات) اُسکي آینده نسلوں میں مفقود نہیں هو جاتیں بلکه برابر باقي رهتي هیں ' اور عرصه تک بغیر کسي کمي کے ظاهر هوتي رهتي هیں - اِسکي مثال یه هے که بعض انساني خاندانوں کے خال و خط خاص قسم کے هوتے هیں ' اور طویل زمانوں تک اُن کي نسلوں میں بدستور قائم رهتے هیں - چنانچه بعض خاندانوں میں زائد انگلیاں ' یا کٹا هوا هونٹه ' یا چندهي آنکهیں ' یا سفید بالوں کا گچها ' غرضکه مختلف قسم کي جسماني خصوصیتیں همیشه موجود رهتي هیں اور اُن کے افراد میں وقتاً فوقتاً پوري طرح ظاهر هوتي رهتي هیں -

ڈاکٹر منڈل

(۲) دوسري اصل کا خلاصه یه هے که بعض صفتیں ایسي هوتي هیں جنکا ظهور مسلسل نہیں هوتا - تهوڑے تهوڑے وقفه کے بعد ظاهر هوتي هیں ' مگر برابر ظاهر هوتي رهتي هیں - یعني پہلے ایک مدت تک نمایاں رهتي هیں - پهر غائب هوجاتي هیں - پهر لوٹ آتي هیں - پهر غائب هوجاتي هیں - صرف تجربه هی سے معلوم هوسکتا هے که کون صفت پہلي قسم کي هے ؟ کون صفت دوسري قسم کي هے ؟ اِسکي مثال یه هے که جب بے سینگ کے حیوانات کا سینگ والے حیوان میں اتحاد تناسلي هوتا هے ' تو اُنکي نسل بے سینگ کی پیدا هوتي هے - لیکن جب یهي نسل آگے بڑهتي هے تو اُسکي اولاد میں ایک خاص تناسب سے بعض افراد سینگ والے پیدا هوتے هیں - بعض بے سینگ کے -

برخلاف اِسکے جب کیس والے مرغ کا اتحاد بے کیس مرغي سے هوتا هے تو نسل ' کیس والي پیدا هوتي هے - لیکن پهر آگے چل کر بعض کے کیس هو جاتا هے - بعض کے نهیں هوتا - مگر یه معامله همیشه ایک هي تناسب سے پیش آتا هے -

(۳) تیسري اصل ' اُس تناسب کا تعین اور انضباط هے جو اِس توارث و تناسل میں کار فرما هے - تشریح اُسکي حسب ذیل هے :

کرتي - قوم نے اِس نئي شہنشاهي کا اُسي جوش و خروش سے استقبال کیا' جس جوش و خروش سے قدیم شہنشاهي کا خاتمه کیا تها اور حریت و آزادي کے علم بلند کیے تهے - ایک شخصیت کے خلاف عظیم الشان جهاد اِس پر جاکے ختم هوگیا که دوسري شخصیت قائم هوگئي - کیا اِس سے بهي زیاده غیر معقول نتیجه کسي تحریک کا نکل سکتا هے؟ لیکن نهیں ' یه نتیجه بالکل معقول تها - اجتماعي اصول و قوانین کے بالکل مطابق تها -

موسولیني ' اٹلي کا ڈیکٹیٹر

یه کیسے؟ یه اس طرح که انساني جماعتیں کتني هي شورش اور بیچیني کا اظهار کریں' نظام حکومت کي کتني هي مخالف نظر آئیں' مگر وه اپني اجتماعي افتاد طبع سے مجبور هوکر در پرده یهي خواهش رکهتي هیں که کوئي نه کوئي زبردست نظام قائم هو' جو هر قسم کي بیچیني کا قلع قمع کردے اور امن و امان هر طرف پهیلا دے - یهي سبب هے که جوں هي کوئي نئي شخصیت نمودار هوتي هے اور قوم محسوس کرتي هے که وه شخصیت امن بحال کرسکتي هے' تو بے اختیار اُس کے سامنے سر جهکا دیتي هے اور حریت و آزادي کي اپني تمام خواهشیں نا دانسته فراموش کر بیٹهتي هے - دنیا کي تمام تاریخي شورشیں همیں یهي بتاتي هیں - فرانس کے عظیم الشان انقلاب نے بهي همیں یهي دکهایا هے - ایک محقق نے کیا هي خوب بتایا هے "فرانس کي "تیسري انقلابي کمیٹي" کے ممبروں میں سے عهد بونا پارٹي (نپولین) میں ایک نے بادشاهي قبول کرلي - پندره نے "کونت" کا لقب اختیار کیا - سات نے مجلس اُمراء کي شرکت منظور کي - اور چهه وزیر بن گئے" یهي وه لوگ تهے جو انقلاب کے سب سے بڑے رکن اور علم بردار تهے -

(جنگ کے بعد انقلاب)

اب هم تاریخ کي اِس عالمگیر جنگ کے بعد والے موجوده انقلاب کو بخوبي سمجهه سکتے هیں - ایک مدت سے یورپ میں مختلف قسم کے خیالات اور نظریے پهیل رهے تهے - اِن خیالات اور نظریوں نے بتدریج دماغوں میں هیجان پیدا کیا - اِس هیجان نے اجتماعي' سیاسي' اور اقتصادي پیچیدگیاں پیدا کیں - اِن پیچیدگیوں نے جنگ عمومي کي آگ بهڑکائي - اور جنگ نے مذکورۂ بالا اجتماعي کلیه کي بنا پر لینن اور موسولیني اور مصطفی کمال جیسي آهني شخصیتیں پیدا کردیں - پس جنگ کے بعد جو صورت نمودار هوئي هے' وه هرگز تعجب انگیز نهیں بلکه مستحکم و مضبوط اجتماعي قوانین کا قدرتي نتیجه هے - یهي هونا چاهیے تها جو هوا' یهي همیشه هوا کیا هے اور شاید همیشه یهي هوا کرے گا -

(انقلابات کے باني)

یهاں یه سوال بهي قابل غور هے که انقلابات کے باني کون هوتے هیں: افراد یا جماعتیں؟ کارلائل اور بهت سے محققین کي رائے هے که زبردست شخصیتوں کے افراد هي انقلابات پیدا کراتے اور اجتماعي نظام کي کایا پلٹ کردیتے هیں - لیکن علم اجتماع کے دوسرے بهت سے علماء' افراد کے بجائے جماعتوں کو اصل قرار دیتے هیں - وه کهتے هیں قوموں کے دماغ میں انقلاب کي مخفي لهریں پہلے پیدا هوتي هیں' پهر وهي چند افراد میں مجسم هوکر رونما هوتي هیں اور سوسائٹي پر انقلاب طاري هو جاتا هے - پس افراد بذات خود انقلاب کا سبب نهیں هوتے' بلکه انقلابي لهروں کا مظهر هوتے هیں - زیاده صاف لفظوں میں یوں کهو که جماعتي اثرات' افراد کو طیار کرکے انقلاب کراتے هیں -

لیکن صحیح یه هے که انقلاب کا موجب نه تنها جماعتیں هوتي هیں' نه صرف افراد - بلکه دونوں ایک دوسرے پر اثر ڈالتے اور ایک نئي فضا طیار کرنے میں مدد دیتے هیں - یه یقیني هے که اگر خاص قسم کے اجتماعي حالات و موثرات موجود نه هوتے تو لینن' موسولیني' مصطفی کمال جیسے افراد اُبهر نهیں سکتے تهے - کیونکه یه افراد مدت سے موجود تهے مگر اُسي وقت رونما هوے جب حالات نے اُن کي مساعدت کي - لیکن ساتهه هي یه بهي یقیني هے که اگر یه افراد اپني غیر معمولي قوتیں کام میں نه لاتے تو اُن کے مساعد حالات بهي پیدا نهیں هو سکتے تهے اور انقلابات بهي طاري نهیں هو سکتے تهے - اِس سے ثابت هوتا هے که انقلاب میں افراد اور جماعتیں دونوں برابر کي حصه دار هوتي هیں' تنها کوئي ایک سوسائٹي میں تبدیلي پیدا نهیں کرسکتا -

لینن ' روس کا ڈیکٹیٹر ' جو اب مر چکا هے

(انقلابي روح اور قومیں)

یه بهي ایک ثابت حقیقت هے که تمام قومیں انقلاب کي یکساں صلاحیت نهیں رکهتیں - تاریخ بتاتي هے که فرانس اور بحر متوسط کے کناروں پر رهنے والي اکثر قومیں انقلاب کي زیاده صلاحیت رکهتي هیں - آب و هوا اور دوسرے اسباب نے اُنهیں دوسري قوموں سے زیاده حساس' جلد متأثر هونیوالا' اور خیالي بنا دیا هے - وه نئے نظرے جلد

پرائمو ڈي ریرا ' اسپین کا ڈیکٹیٹر

عہد انقلاب اور شخصی استبداد

شخصي مطلق العناني

دنيا کي موجودہ سياست پر ايک سر سري نظر

جنگ عظيم کے بعد پوري دنيا ' خاص کر يورپ اور بالخصوص اُن ممالک نے عجيب پلٹا کھايا ہے جو ميدان جنگ ميں يہ کہکر اُترے تھے کہ استبداد و ظلم مٹانا چاھتے ھيں - پہلے اِن ممالک ميں جو بھي نظام حکومۃ قائم تھا وہ جنگ کے بعد قائم نہ رھا اور علانيہ يا در پردہ اُس ميں بڑي تبديلي ھوگئي ھے - لوگ سمجھتے تھے اِس جنگ کے بعد دنيا ميں جمہوريت اور کامل حريت کا دور دورہ ھو جائيگا اور آزادي کا ايک ايسا نظام جاري و ساري ھو جائيگا جس کے عشق ميں اِنسانيت ھميشہ سے سرگرداں ھے ليکن نتيجہ بالکل بر عکس نکلا - جمہوريت و دستوريت کي جگھہ شخصيت و استبداد نے لے لي - اِس وقت کرۂ ارضي کے اکثر ممالک ميں شخصي حکومتيں قائم ھوگئي ھيں - فرق صرف اِس قدر ھے کہ پہلے بادشاھوں کي شخصيتيں زريں تختوں پر جلوہ گر نظر آتي تھيں اور اب (عام افراد) يا فوجي افسر حکومت کي کرسيوں پر نظر آتے ھيں -

غازي مصطفى كمال پاشا

روس ميں خاندان رومانوف اور زار کي جگھہ بالشويک ڈيکٹيٹروں (مطلق العنان حکام) نے لے لي ھے - لينن نے جس طور پر حکومۃ کي ' وہ بھي زار ھي جيسي حکومت تھي - يعني شخصيت ' مطلق العناني اور استبداد - يہ بات دوسري ھے کہ زار کي شخصيت نے ملک کو تباہ کيا اور لينن کي شخصيت نے اُسے زندہ اور خوش حال کرديا - دنيا کی تاريخ ميں لينن جيسے مطلق العنان حاکم کي کوئي مثال نہيں ملتي جس نے اپنے غير متناھي اختيارات اِس طرح عوام اور مظلوموں کي بھلائي ميں صرف کيے ھوں -

يہي حال اٹلي کا ھے - اگرچہ پارليمنٹ اور دستوري پادشاہ (يعني محدود اختيارات رکھنے والا) بدستور موجود ھے ليکن حکومۃ ايک فرد واحد ' موسوليني کے آھني ھاتھوں ميں ھے - يہ شخص پہلے انقلاب پسند اور اشتراکيت کا حامي تھا ' پھر جنگ کے بعد ظلم پسند بن کر اٹلي پر حاوي ھوگيا اور مستبد سے مستبد بادشاھوں کي طرح استبداد و قہر کي حکومت قائم کردي - اِس نے صاف اعلان کرديا ھے "اِس وقت اٹلي کو ايک ايسے زبردست حاکم کي ضرورت ھے جو ھر بے چيني کو کچل کر فنا کرسکے " يہي صورت اسپين ' ترکي ' يونان ' اور اب چين ميں پيش آرھی ھے - اِن تمام ملکوں ميں شخصيتيں بر سر حکومت آ گئي ھيں اور مفيد يا مضر نتائج پيدا کررھي ھيں - يہي نہيں بلکہ خود فرانس اور انگلستان ميں بھي شخصيت کي طرف ميلان بڑہ رھا ھے - فرانس ميں تو ايک سال پہلے اخبارات تک ميں يہ چرچا شروع ھوگيا تھا کہ موجودہ اقتصادي اور سياسي گتھيوں کے سلجھانے ميں جمہوري نظام حکومۃ ناکامياب ثابت ھوا ھے - لہذا روس وغيرہ ممالک کي طرح يہاں بھی " ڈيکٹيٹر شپ " يعني شخصي استبداد قائم ھو جانا چاھيے - انگلستان ميں گو اب تک اِس قسم کا خيال با ضابطہ ظاھر نہيں کيا گيا ' ليکن عملاً ملک اِسي طرف جارھا ھے - موجودہ کنسر ويٹيو وزارت بھي در حقيقت ايک قسم کي ڈيکٹيٹر شپ ھي ھے اور اُس کے رجعی (قدامت پسند) ھونے ميں تو کوئي کلام نہيں -

(تاريخ کا سبق)

آخر يہ صورت کيوں پيش آئي ؟ اِس انقلاب کي علت کيا ھے ؟ تاريخ ھميں کيا سبق ديتي ھے ؟ جواب ظاھر ھے اور تاريخ عالم پر ايک سرسري نظر ڈالنے سے صاف معلوم ھو جاتا ھے - تاريخ شاھد ھے کہ جب کبھي سوسائٹي کے نظام ميں برھمي پيدا ھوتي ھے اور دماغي بے ترتيبي اور اختلال ' عام ھوکر شورشوں اور بغاوتوں کا دروازہ کھول ديتا ھے ' تو ھميشہ يہي نتيجہ ھوتا ھے جو جنگ کے بعد آج ھم دنيا ميں اپني آنکھوں سے ديکھہ رھے ھيں - يعني مضبوط ارادے کے افراد برسر اقتدار آکر اپني شخصيتيں نماياں کرتے ھيں اور نظام حکومت اپني مرضي کے مطابق استوار کرديتے ھيں -

انقلاب فرانس ' اِس دعوی کي سب سے بڑي اور صاف دليل ھے - کيسے جوش و خروش سے قوم بغاوت کے ليے اُٹھي ؟ حريت ' مساوات ' اخوت کا راگ کيسي بلند آھنگي سے الاپا ؟ کيسے کيسے اصول و مبادي کا اعلان کيا گيا ؟ ليکن نتيجہ کيا نکلا ؟ يہي نہ کہ آندھي کي طرح حريت و مساوات کي ھوائيں آئيں اور نکل گئيں پھر جو فضا ميں سکون پيدا ھوا تو گرد و غبار کے اندر سے مستبد شخصيتيں حکومت کي بے نيام آبدار تلواريں لئے نمودار تھيں ! اِن شخصيتوں ميں سب سے آخري مگر سب سے زبردست شخصيت نپولين بونا پارٹ کي تھي - اس عجيب انسان نے يہي نہيں کيا کہ بغاوت اور انقلاب کا قلع قمع کرديا بلکہ ساتھہ ساتھہ اپني شہنشاھي بھي قائم

اور علم میں ہوا ہے جو لاہوتی پیشواؤں کا مبتدع دین ہے اور ناقص و خلم مدعیان علم کا کج اندیش علم ہے ' تو ہم بڑی آسانی سے نہ صرف پچھلی تاریخ کے تمام حوادث کی تعلیل کر سکینگے ' بلکہ مستقبل کے واقعات پر بھی روشنی ڈال سکینگے -

(۲)

انسانی جماعتیں شعور رکھتی ہیں مگر فکر نہیں رکھتیں - بلکہ کہا گیا ہے کہ جماعت کی شعوری ترقی کا پیمانہ ' اسکا وہ فرد ہے جو سب سے زیادہ کمزور فکر ' سب سے زیادہ مضطرب شعور ' رکھتا ہے - جماعت جس طرح محض شعور رکھتی ہے ' اُسی طرح سراسر جمود سے بھی لبریز ہوتی ہے - اور یہ کہ اُسکا یہ جمود ترقی کے گوناگوں میدانوں میں اُسکے قدموں کے توازن کیلیے ضروری ہے -

سالہا سال سے علماء اجتماع رہی کہہ رہے ہیں جو گستاؤ لیباں کا نظریہ ہے - لیکن کبھی اُن کے ذہن میں یہ حقیقت نہیں آئی کہ جماعت ' ایک جامد مخلوق ہے - تغییر و تجدید بہت دیر میں میں قبول کرتی ہے - اِس بارے میں مجھے صرف ایک انگریز عالم کارل پیرسن کا قول ملا ہے - وہ کہتا ہے :

" ڈارون اور اسپنسر کی تصانیف میں بڑا فرق یہ ہے کہ اسپنسر کی کتابیں بارجود اپنی تمام قوت و تاثیر کے جلد مٹ جائینگی - برخلاف اس کے ڈارون کی کتابیں باقی رہینگی - کیونکہ اُن میں بے نظیر بصیرت اور قوت ادراک موجود ہے - اِن کتابوں نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایسے اصول و مبادی پیش کردیے ' جنھوں نے دنیا کو قدیم افکار کے بدلنے پر مجبور کردیا - نیز ہمارے اخلاقی مطمح نظر کو بھی اونچا کرنا اور ہمارے سامنے میدان زیادہ وسیع کرنا شروع کردیا ہے - بلا شبہ اِن اصول و مبادی کا اثر بہت سست رفتار ہے ' لیکن یہ سست رفتاری ہمیں نا امید نہ کرے - سب سے قوی موثر ' جو ہمارے اجتماعی بقاء کی عمارت محفوظ رکھتا ہے ' وہ وہی صفت ہے جسے ہم سب سے زیادہ مکروہ رکھتے ہیں - یعنی قدامت اور جمود کی صفت - اِسی قدر نہیں بلکہ وہ دہشت ناک مخالفانہ صدائیں جو ہر جدید فکر کے خلاف جماعت کی طرف سے بلند ہوجاتی ہے ' ہماری اجتماعی زندگی کی حفاظت کے لیے قوی ترین موثر ہیں - جماعت کا یہ جمود اُس کے جسم کی محافظت کرتا ہے اور نئے نئے تجربوں کا تختۂ مشق بننے نہیں دیتا - نیز صالح کو غیر صالح اور اصلح کو غیر اصلح سے متمیز کر دیتا ہے "

عالم مادی اور جماعات انسانی کی تکوین میں بہت بڑی مشابہت موجود ہے - دونوں میں ایسے عناصر موجود ہیں جو اُن کے نظام و توازن کی حفاظت کرتے ہیں - چنانچہ جس طرح جوہر فرد (ایٹم) میں دو متضاد کہربائی لہریں : ایجابی اور سلبی جاری ہوتی ہیں ' یا جس طرح تمام مادی دقائق میں جذب و دفع کی دو مخالف قوتیں جمع ہوتی ہیں ' ٹھیک اُسی طرح اجتماع انسانی میں تقدم و جمود کے دو مخالف عناصر ہوتے ہیں - زندگی کے لیے موت لازمی ہوتی ہے اور موت کے لیے بعث (دوبارہ زندگی) ضروری ہوتا ہے - اِس طریقہ پر غور کرنے سے ہم سمجھہ سکتے ہیں کہ جماعت کی سلبی صفات جنھیں ہم نا پسند کرتے ہیں ' در حقیقت اُس کے بقاء کے لیے ناگزیر ہیں -

اِس حقیقت کو زیادہ وضاحت کے ساتھہ سمجھنے کے لیے کوئی نرم مادہ لے لو اور اُس پر دباؤ ڈالو ' تم دیکھوگے کہ دباؤ کے ساتھہ ہی اُس کی شکل بدل جائیگی - پھر دوبارہ اُسے دابو ' فوراً دوسری شکل اختیار کرلیگا - اس طرح ہر دباؤ پر وہ ایک نئی صورت میں تبدیل ہوتا جائیگا - پس اگر انسانی جماعت کی طبیعت بھی اِسی مادے کی طرح نرم ہوتی ' اور اُس میں جمود و قدامت پرستی کی ٹھوس صفتیں نہ ہوتیں ' تو ظاہر ہے ' کیسی طوائف الملوکی اور انتشار پیدا ہوجاتا ؟ روز روز اُس میں تبدیلیاں ہوتی رہتیں ' اور نظام انسانی تہہ و بالا ہوکر رہ جاتا -

تمام عملی فلسفے شمار کرو . سقراط کا مذہب دیکھو ' کلبی ' اِبی کوری ' رواقی ' مشائی ' وغیرہم کے مذاہب پر نظر ڈالو - اِس کے بعد غور کرو کہ اگر اجتماع انسانی کا مزاج نرم مادے کی طرح ہر وقت تبدیلی قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ' تو اِن بے شمار اور متضاد مذاہب کی موجودگی میں اُس کا کیا حال ہوجاتا ؟ یقیناً اُس کا سارا نظام علم و فکر زیر و زبر ہوجاتا اور کوئی وسطی و اصلح راہ پیدا نہ ہوتی -

یہی حال سیاست ' دین ' زبان اور اُن تمام امور کا ہے جن پر تمدن کے ستون قائم ہیں -

پس اب یہ واضح ہوگیا کہ تقدم و ارتقاء ایک ایجابی قوت ہے ' جسے بارجود مقاومت کرنے کے سلبی قوت یعنی جمود کی صفت مدد دیتی اور آگے بڑھاتی ہے - اگر اجتماع انسانی ایک مادی دقیقہ ہوتا تو اُسکے جواہر باہم جذب و دفع کے متضاد عملوں میں مصروف نظر آتے - کیونکہ یہ متضاد عمل ' اُس کی ہستی قائم رکھنے کیلیے ضروری ہے - ٹھیک اِسی طرح تقدم و جمود کی متضاد صفتیں بھی اجتماع انسانی کے بقاء و دوام اور نشوء و ارتقاء کیلیے لازمی ہیں -

بنابریں ہمیں قدامت پرست جامدوں کو یک قلم برا نہیں سمجھنا چاہیے - انکا جمود بھی بقاء و حیات کیلیے اسی طرح ضروری ہے ' جس طرح تجدد اور تقدم پر عمل کرنے والوں کا وجود ضروری ہے - جامدین ' اجتماع انسانی کیلیے ایک سلبی قوت ہیں ' جو جماعت کی رفتار میں اعتدال و توازن پیدا کرتے رہتے ہیں -

(۳)

ہربرٹ اسپنسر نے اپنی کتاب " مبادی معاشرت و اجتماع " ما بعد الالیات کے تطور کی بحث سے شروع کی ہے - وہ کہتا ہے تطور کی تین قسمیں ہیں : (۱) تطور غیر عضوی اور اسکا تعلق آسمان و زمین اور سیاروں کی بنا سے ہے - (۲) تطور عضوی اور اسکا تعلق طبیعی ظواہر سے ہے جنھیں ہم طبیعت حیۃ اور مختلف درجوں کے نبات و حیوان کی ترکیب میں مشاہدہ کرتے ہیں - پھر وہ مظاہر ذہنی (سائیکا لوجی) جو اُن صور حیۃ کا خاصہ ہیں جو ترقی کی اُس حد کو پہنچ گئی ہیں جہاں طبیعت تطور نے انہیں اِن مظاہر کا اہل بنا دیا ہے - (۳) تطور ما بعد الالیات یا ما بعد العضویات - یہ فی الحقیقت حالت اجتماعی کا سن بلوغ اور جماعت کے افراد میں تقسیم عمل ہے -

اگر ہم اِس اصول کی تعلیل کریں اور اپنے موضوع پر اُسے تطبیق دیں ' تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ تطور مابعد الالیات ' نشوء کا وہ آخری درجہ ہے جس تک حیوانی جماعتوں کی ترقی پہنچی ہے - انسان بھی اِس سب میں حیوان کا شریک ہے بلکہ مابعد الالیات میں اُس زیادہ سے زیادہ ترقی تک پہنچ گیا ہے جہاں تک حیوان سے پہنچنا ممکن ہے - اگر یہی ہے تو پھر انسان کو باقی مخلوق پر کیا امتیاز حاصل ہے ؟ انسان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے مابعد العقلیت سے ایک ایسی قوت حاصل کرتا ہے جسکے ذریعہ اپنی عقل کو اپنے مجموع کی بھلائی میں لگاتا ہے !

قبول کر لیتیں اور اُن پر عمل کرنے میں تیزي سے پیش قدمي کرتي هیں - لهذا وہ زیادہ انقلاب پسند هیں -

برخلاف اِنکے اِنگلو سکسن (انگریزي) قومیں' زیادہ عملي هیں - محض نظریوں سے متأثر نہیں هوتیں - اُن کے جذبات اور دماغي رجحان زیادہ پائدار هیں - وہ انقلاب کي طرف کم مائل هوتي هیں - جرمن قوموں کا بھي یهي حال هے ' مگر ان میں احساس کسي قدر زیادہ هے -

روس ' روحاني و نظري خیالات کي طرف سب سے زیادہ مائل هیں - کمزور عقل اور کمزور ارادہ رکھتے هیں - اِسي لیے هر انقلابي دعوت کو لبیک کهنے کے لیے طیار رهتے هیں - اِس خصوصیت میں اگر اُن پر کوئي سبقت لے گیا هے تو وہ یهودي هیں - یہ قوم باغیانہ دماغ رکھتي هے اور هر جگہ بغاوت کي تخم ریزي کرتي هے - ایک محقق نے بتلایا هے " اجتماعي نظامات پر سب سے زیادہ نکتہ چیں اور بغاوت کي سرگرم دعوت دینے والي کتابیں زیادہ تر یهودیوں هي کے قلم سے نکلي هیں - حتی کہ موجودہ سوشیلزم یا بالشویزم بھي ایک یهودي هي کي ایجاد هے - اِس کا نام کارل مارکس تھا - اور اِس مذهب کے بڑے بڑے ارکان مثلاً لینن ' ٹراسکي وغیرہ سب یهودي النسل هیں - یهودیوں کے اِس خاصے کے دو سبب هیں : اول یہ کہ وہ سامي نسل هیں - اور معلوم هے کہ سامي نسل فطرتاً خیالیات و نظریات کي دلدادہ هوتي هے - دوسرے یہ کہ مخصوص اجتماعي حالات نے یهودیوں کا دماغ باغیانہ کر دیا هے - دنیا میں شاید سب سے زیادہ مصیبتیں اِسي قوم نے برداشت کي هیں اور یہ اِسي کا نتیجہ هے کہ اُسمیں بغاوت و انقلاب کي روح قائم هوگئي هے -

پھر یہ بات بھي خاص طور پر یاد رکھنے کي هے کہ جو قومیں جمود و تقلید کي زیادہ دلدادہ هوتي هیں اور حالات کي تدریجي تبدیلي کے ساتھہ اپنے تئیں بدلتي نہیں رهتیں بلکہ اپنے جمود پر اڑي رهتي هیں ' وہ اگرچہ دیر میں انقلابي روح سے متأثر هوتي هیں مگر جب ایک دفعہ هو جاتي هیں تو پھر اُنھي میں سب سے بڑا انفجار بھي هوتا هے اور اچانک اُن کي سوسائٹي درهم برهم هوجاتي هے - اِس اصل کي بنا پر پیشین گوئي کي جاسکتي هے کہ هندوستان میں جب کبھي انقلاب هوگا تو نهایت هي هولناک هوگا اور پوري موجودہ سوسائٹي کو درهم برهم کر ڈالے گا - کیونکہ یہ ملک سخت جمود کي حالت میں رها هے اور تدریجي ترقي سے برابر انکار کرتا رها هے - هندوستان میں جب انقلاب آئے گا تو دنیا بھر کے انقلابات سے زیادہ موثر ثابت هوگا اور شاید سوسائٹي کي موجودہ کوئي چیز بھي باقي نہ چھوڑے گا - عادات و اطوار ' رسم و رواج ' خیالات و افکار غرضکہ کوئي شے بھي اُس کي ضرب سے نہ بچے گي - اگر ایسے هولناک انقلاب سے بچنا هو تو اُسکي صرف یهي ایک تدبیر هے کہ ابھي سے ملک کو تدریجي ترقي پر لگایا جائے - جوں جوں حالات بدلیں ' ملک میں بھي تبدیلي پیدا کي جائے - ورنہ موجودہ جمود اور ٹھراؤ ' آیندہ قیامت کا پیش خیمہ بننے والا معلوم هوتا هے -

علم اور دین

کیا فی الحقیقت علم اور دین دو متحارب فریق هیں ؟

رہ رہ کر شور اٹھتا هے کہ دین اور علم میں نزاع قائم هے ' اور یہ کہ علم اور دین ' دونوں کي فطرت میں اِس عداوت و تنافر کي بنیادیں مخفي هیں - بلا شبہ یہ دعوی ایک مدت سے زبان زد خاص و عام هے - مزید برآں تاریخ سے بھي اِسکي شهادت ملتي هے - صرف تاریخ هي نہیں' خود همارا مشاهدہ بھي اِسکي تائید کرتا هے - لیکن بایں همہ ابتک کوئي قطعي ثبوت اِس دعوے کي صحت کا نہیں ملا - تاریخي واقعات اور همارے مشاهدے کتنے هي کثیر هوں ' تاهم یقیني طور پر ثابت نہیں کر سکتے کہ دین اور علم کے طبائع فی الحقیقت باهم متضاد هیں -

موجودہ تمدني حالات پر ایک سر سري نظر ' اس دعوے کے مشکوک کر دینے کے لیے کافي هے - موجودہ عهد میں مادي علم کا دھارا اتني شدت و قوت سے بہہ رها هے ' جس کي نظیر کسي پچھلے زمانے میں نہیں مل سکتي - لیکن با وجود اس کے ٹھیک علم کے پہلو بہ پہلو ' هم دیني روح کو بھي پوري مضبوطي سے قائم پاتے هیں - کسي عهد میں بھي دیني روح انساني قلوب میں بہ حثیت عمومي اس سے زیادہ راسخ نہیں هوگي ' جتني اِس وقت هے - بے شک هم تسلیم کرتے هیں کہ دنیا پر ایسے تمدني دور گزرے هیں جن میں وقتي طور دین کا دبدبہ گھٹ گیا اور مادیت کے غوغا پر اُسکا نعرہ غالب نہ آ سکا ' لیکن ساتھہ هي همیں یہ بھي تسلیم کرنا چاهیے کہ خارج میں دین کي آواز کتني هي پست کیوں نہ هو گئي هو ' روح کے اندر اُسکي بنیادیں همیشہ یکساں طور پر استوار رهي هیں- انسانیت کي پوري تاریخ میں ایک لمحہ بھي ایسا بتایا نہیں جا سکتا ' جس میں دیني یقین و ایمان کے ستون متزلزل هو گئے هوں -

اگر واقعي دین اور علم میں معرکہ برپا هوتا تو ابتک مدت کا فیصلہ بھي هو چکا هوتا - ۲۵ - صدیوں سے یہ دونوں نام نهاد حریف پہلو بہ پہلو چل رهے هیں - مگر ابتک دنیا نے اُنکا کوئي فیصلہ کن معرکہ نہیں دیکھا - کیا یہ طویل و عریض مدت بھي فیصلہ کے لیے کافي نہ تھي ؟

لیکن فیصلہ هوتا کیونکر؟ دونوں میں اگر فی الحقیقت کوئي نزاع هوتي تو اُس کا فیصلہ بھي وقوع میں آتا - یہاں سرے سے جنگ هي نہیں هے - حقیقت یہ هے کہ یہ دونوں اپنے لیے فکر انساني میں بالکل الگ الگ میدان رکھتے هیں - یهي سبب هے کہ دونوں اپني اپني جگہہ پر باقي و قائم هیں - دونوں کا کہیں بھي حقیقي تصادم نہیں هوتا - دونوں فکر انساني کے دو علحدہ علحدہ مظهر هیں -

لیکن اگر حقیقت یہ هے تو پھر اُس طویل اور خونیں تاریخ کي هم کیا توجیہہ کریں جبکہ دیني پیشواؤں نے علم کا گلا گھونٹنے کي کوششیں کیں ؟ نیز اُس مبارزت طلبي کي کیا تاویل کریں جو اصحاب علم کي طرف سے اِس وقت تک دین کو دي جا رهي هے ؟

اِس کا جواب یہ هے کہ اگر هم یہ تسلیم کر لیں کہ وہ دین جو طبیعت انساني کا ثمرہ هے ' اور وہ علم جو عقل انساني کا نتیجہ هے ' دونوں میں کبھي تصادم نہیں هوا ' جو تصادم هوا هے وہ سراسر اُس دین

" میرے خیال میں سرکاری وکیل کي منطق یه خواهش تو نه رکهتي هوگي (قہقه)

" اِس مسئله کے صاف کردینے کے بعد اب میں اصلي موضوع پر متوجه هوتا هوں -

" جج اور جیوري ! اُس ضابطۂ قانون میں ' جسے هم " قدیم یوروپین ضابطۂ قانون " کہه سکتے هیں ' ایک ایسا قانون موجود هے جس کي منسوخي پر گزشته سو برس سے تمام فلاسفه ' مفکرین ' اور حقیقي سیاست داں زور دے رهے هیں - سب کا یک زبان مطالبه رها هے که " مقدس تعزیرات " سے یه قانون همیشه کے لیے نکال دیا جائے -

" اِس قانون کے متعلق بکاریا نے کہا تها " یه بے دین قانون هے" فرانکلین کہا کرتا تها " یه خوفناک قانون هے " لیکن همیں معلوم هے اِن دونوں پر کبهي توهین قانون کا مقدمه نہیں چلایا گیا -

" اِسي قانون کے بارے میں لوئي فلپ نے (جس کا نام میں اُس احترام کے بغیر نہیں لے سکتا جو پیري اور بد نصیبي کے لیے اور هر اُس شخص کے لیے ضروري هے جو اِس قانون کي قربان گاه پر بهینت چڑها هو) کہا تها " زندگي بهر میں اس سے نفرت کرتا رها هوں " اِسي قانون پر مسیو جیزو اور مسیو دي بروگلي نے سختي سے نکته چیني کي تهي -

" یہي وه قانون هے جسے هماري پارلیمنت نے اب سے بیس برس پہلے تسلیم کیا هے - یعني اکتوبر سنه ۱۸۳۰ ع میں - حالانکه ٹهیک اِسي زمانه میں ایک نیم وحشي امریکن پارلیمنت نے اِسے ملک کے ضابطۂ قوانین سے خارج کردیا تها -

" یہي وه قانون هے جسے تین سال هوئے فرنکفورٹ کانگریس نے منسوخ کیا - اور اِسي کو چند سال هوئے انجمن جمہوریت رومان نے باطل کردیے جانے کا فیصله کیا هے -

" یہي قانون هے جسے هماري مقنن مجلس نے سنه ۱۸۴۸ ع میں بڑے پس و پیش کے بعد منظور کیا تها - یہي وه قانون هے جو اِس وقت جب که میں تقریر کر رها هوں اُن دو تجویزوں کے رحم پر زنده هے جو اُس کے خلاف هماري مقنن مجلس میں پیش هیں -

" یہي وه قانون هے جسے ٹسکانیا اور روس ' دونوں ٹهکرا چکے هیں ' اور اب وقت آگیا هے که فرانس بهي اُسے نفرت سے ٹهکرا دے -

" یہي وه قانون هے جس کے سامنے سے انساني ضمیر نفرت و کراهت کے ساته بهاگتا هے -

" وه قانون کیا هے ؟

" قتل !

" اور اے حضرات ! یہي وه قانون هے جس نے آج یه مقدمه پیدا کیا هے - یہي همارا حقیقي دشمن هے - ممکن هے سرکاري وکیل کو غصه آجائے - لیکن میں یه کہے بغیر نہیں ره سکتا که اُس کے پیچهے بهي یہي قانون چهپا کهڑا هے (قہقه)

" مجهے اعتراف هے که مسیو لیوں فوشو کي طرح گزشته بیس برس سے میں بهي یقین کرتا تها که " اب گلوٹین ' عام میدانوں میں ظاهر نہیں هوگي - لیکن مجهے یه بهي یقین تها که اب گلوٹین ' قانوني نقاب اوڑهتي جاتي هے - اب اُس کي حیثیت پہلے سے بہتر هوگئي هے - اب اُس نے میدان چهوڑ دیا هے ' جہاں سورج چمکتا اور مخلوق جمع هوتي هے - اب وه سڑکوں کا هجوم پسند نہیں کرتي - اب اُس کا تماشه دل پسند نہیں رها - اب وه تماشه تاریکي میں دکهاتي هے - " سان جاک " کے قید خانے میں - خالي جگه میں - لوگوں کي نظروں سے دور - میں اِس پر مطمئن هوا - میں نے اُسے اپنا منهه چهپاتے دیکها ' اور اِس شرم و حیا پر مبارک باد دي - لیکن اے حضرات ! یه میري غلطي تهي - کیوں که اُس نے بہت جلد اِس عارضي حیا کا پرده چاک کرڈالا اور انتہائي بے شرمي کے ساته باهر نکل آئي !

" سان جاک کا قید خانه یقیناً اِس ملکۂ قتل (یعني گلوٹین) کے لیے توهین آمیز هے - لہذا اب همیں طیار هو جانا چاهیے که جلد اُسے پهر عام میدانوں میں سورج کے نیچے دیکهینگے - جلادوں کي قطاریں اُس کے سامنے کهڑي هونگي - مسلح پولیس اور فوج اُس کے اعزاز میں دست بسته هوگي - بہت ممکن هے اُس کا تخت خونیں ' اُسي بلدیه (کارپوریشن) کے روشن دانوں کے نیچے بچهایا جائے ' جس کي کهڑکیوں میں کهڑے هوکر بعض نالائقوں نے ۲۴ فروري کو اُسے چلا چلا کر گالیاں دي تهیں -

" اب گلوٹین پهر طیاري کر رهي هے - اُس نے سوچنا شروع کردیا هے که مضطرب هیئت اجتماعیه کو اپنے استقرار کے لیے ' پهر تمام پچهلي روایات کي طرف لوٹ جانا چاهیے - چونکه وه خود بهي ایک قدیم رسم هے ' اس لیے اُسے بهي از سر نو آگے بڑهنا چاهیے - وه تمام مصلحین کے خلاف احتجاج بلند کررهي هے ' کیونکه اُنهوں نے انتہائي گستاخي کے ساته اعلان کیا تها که سر کاٹنے کا آله اُس مجمع کا نشان نہیں هوسکتا ' جس کي کتاب ' انجیل هے !

" وه اِن مصلحین پر سخت خفا هے - کیونکه محسوس کرتي هے که اِن خیالي آدمیوں کے سامنے ' جو نظام اطاعت نہیں جانتے ' وه بے وقعت هوتي هے (قہقه) وه چاهتي هے دنیا بهر اُسکي عظمت کا راگ گائے اور اُسکے سامنے تعظیم سے جهک جائے - اگر ایسا نہیں هے تو وه خفا هو جائیگي ' اپني توهین پر شور مچائیگي ' عدالت میں دعوی کریگي ' اور معارضه طلب کریگي " (قہقه)

جج ـــ مقرر کے بیان پر استحسان یا مذمت کا اظہار قطعي طور پر ممنوع هے - اِس موقعه پر قہقه نہایت نا مناسب هے -

وکٹر هیگو (تقریر جاري رکهتے هوے) " یه ملکۂ معظمه (گلوٹین) خون کي مالک هے - لیکن وه اِسے کافي نہیں سمجهتي - وه جرمانے اور قیدخانے کي بهي حاکم بننا چاهتي هے -

" محترم عدالت ! جس دن میرے سامنے وه پروانه پیش کیا گیا جو میرے لڑکے کے نام آیا تها - یعني اِس مقدمه کا سمن ' (آج کل هم کتنے عجائبات دیکهه رهے هیں اور همیں عجائبات دیکهنے کا کس قدر عادي هونا چاهئے ؟) مجهے اعتراف کرنا چاهئے که وه پروانه دیکهکر میري حیرت کي کوئي حد نه رهي - میں نے تعجب سے کہا - کیا ؟ ... تو کیا اب هم اِس حد تک پہنچ گئے هیں ؟ کیا اب هم اِس وجه سے مجرم قرار پائینگے که عقل ' ضمیر ' آزادي خیال ' اور قانون طبیعت کے حامي هیں ؟ کیا اب هم سے صرف مادي احترام کافي سمجها نہیں جاتا (جس سے همیں کبهي انکار نہیں هوا ' جو هم پر واجب هے ' اور جسے هم فعلاً پیش بهي کر رهے هیں) بلکه اب هم سے مطالبه کیا جا رها هے که معنوي احترام بهي اِن سزاؤں کیلیے پیش کریں جو انساني ضمیر کو پاش پاش کر رهي هیں - جنهیں دیکهکر هر عقلمند کا رنگ فق هو جاتا هے - جنسے دین نفرت کر رها هے ؟ وه سزائیں جو سنگ دلي سے بهي بڑه کر ایک برائي هیں - جنکے نفاذ کے بعد اُنکي تلافي محال هے - جو بالکل اندهي هیں - وه سزائیں جو انساني خون سے تر بتر هیں - جو دین سے بالکل دور هیں - وه جب مجرم کے سر پر نازل هوتي هیں تو شبه هوتا هے که انسانیت اِس عالم میں موجود نہیں هے - جب بے گناه پر پڑتي هیں تو خود خدا کے وجود میں شک پیدا هو جاتا هے ...

کیا قانون کي نکته چیني، قانون کي توهین هے ؟

تاریخ قوانین مدینه کا ایک صفحه

وکٹر هیگو کي تقریر اپنے لڑکے کي حمایت میں

(۱)

سنه ۱۸۵۱ کا واقعه هے که فرانس میں ایک مجرم کو قتل کي سزا دي جا رهي تهي - مجرم نے گلوٹین (انقلاب فرانس کے آلهٔ قتل) پر چڑهنے سے انکار کیا ' شور مچایا ' واویلا کیا ' نوحه و بکا کیا ' سخت جسماني مزاحمت کي ' مگر اُسکي کوئي سعي کارگر نهیں هوي - عدالت فیصله کر چکي تهي - جلادوں نے بے دست و پا کرکے اُسے گلوٹین پر چڑهایا اور قتل کردیا گیا -

فرانس کے مشهور شاعر و کاتب وکٹر هیگو کے لڑکے چارلس هیگو نے یه منظر اپني آنکهوں سے دیکها ' تو بے اختیار هوگیا اور قتل کي سزا کے خلاف اخبار L, Evenement میں ایک مضمون شائع کیا - حکومت کي نظر سے یه مضمون گزرا تو کاتب پر قانون کي توهین کا مقدمه دائر کیا ' کیونکه اِس مضمون میں براه راست قانون کي اِس نوعیت پر حمله کیا گیا تها -

اِس واقعه نے فرانس میں سخت هلچل ڈال دي - بیک وقت دو بحثیں پیدا هوگئیں : سزائے قتل کي اخلاقي حیثیت اور قانون کي " نکته چیني " اور قانون کي " توهین " میں فرق - اِنهي دونوں اهم بحثوں پر وکٹر هیگو نے ۱۱ جون سنه ۱۸۵۱ کو عدالت میں ایک بهت هي بلیغ اور پر زور تقریر کي - اِس موضوع پر یه تقریر بے نظیر سمجهي جاتي هے - اِس میں فرانس کے شاعر نے قوت واستدلال اور قوت خطابت دونوں کا بهترین مظاهره کیا هے -

---

فرد اور جماعت کبهي متفق نهیں هوتے - وه همیشه دو متضاد وجود هیں - دونوں کي طبیعت ایک دوسرے سے بالکل مختلف هے - دلیل یه هے که ایک هي زمانه میں رهنے والے افراد کي عظیم تعداد کبهي بهي جماعت کے تطور اور اُسکے مظاهر پر متنبه نهیں هوتي اور نه اس تطور کو بهلائي اور امن کي طرف لانے کي کوشش کرتي هے - فرد جماعت کے تطور سے خود بهي تطور حاصل کرتا هے - لیکن اُسکے وقوع کي اُسے هرگز کوئي خبر نهیں هوتي - پهر خود جماعت بهي اپنے تطور کا کوئي احساس نهیں کرتي' یهانتک که امتداد زمانه' جماعت کے تدریجي تطور کو نمایاں کر دیتا هے اور آئنده نسلیں اُسے محسوس کرتي اور دیکهتي هیں -

فرد کا جماعت کے شعور کے ماتحت آجانا اُسے اپني مستقل عقلیت سے دور کر دیتا هے - جماعتي شعور کا دهارا اُسے جدهر چاهتا هے ' بہا لیجاتا هے: شر کي طرف یا خیر کي طرف - جماعتي شعور اور انفرادي عقلیت کي جنگ نے پوري انساني تاریخ بنائي هے - تمام جنگي حوادث ' اجتماعي انقلابات اور مختلف مدنیتوں کے قیام میں همیں هر جگهه یهي حقیقت نمایاں نظر آتي هے - یهي روح ' انسانیت کي گردن پکڑے همیشه کهینچتي هوئي دکهائي دیتي هے -

اِس تقریر کي قانوني اور ادبي ' دونوں حیثیتیں ایسي هیں که ضروري هے ' اردو علم ادب اس سے خالي نه رهے - هم نے حتی الوسع لفظي ترجمه کیا هے -

(وکٹر هیگو کي تقریر)

" سرکاري وکیل کے ابتدائي الفاظ سننے کے بعد میں نے یقین کرلیا تها که وه الزام سے دست بردار هو جائیگا - لیکن میرا یه یقین ' محض بے بنیاد وهم ثابت هوا اور بهت جلد دور هوگیا - سرکاري وکیل نے متعدد کوششیں کیں (جو سب کي سب نا کام رهیں) که موضوع کو محدود و محصور کردے - لیکن موضوع کي طبیعت نے اُسے تفصیل پر مجبور کر دیا - نتیجه یه هوا کے تمام پهلو روشني میں آگئے ' اور وکیل کي خلاف مرضي معامله نے اپني پوري اهمیت حاصل کرلي - لیکن مجهے اِس نتیجه پر کوئي شکایت نهیں هے -

" میں اب بلا کسي تمهید کے فوراً الزام کا مقابله کرتا هوں -

" لیکن سب سے پہلے همیں ایک بنیاد پر متفق هو جانا چاهیے - کیونکه مشهور مقوله هے " موضوع کي عمده تعریف ' عمده بحث پیدا کرتي هے " پس همیں سب سے پہلے یه طے کر لینا چاهیے که " قانون کي حرمت " کے معنی کیا هیں ؟ یه اس لیے که آج کي بحث کي بنیاد یهي مسئله هے -

" نا ممکن هے اِس جمله کے معنے یه هوں که قانون کي حرمت کے بهانے سے قانون پر نکته چیني روک دي جائے - اِس جمله کے معني اس سے زیاده کچهه نهیں هو سکتے که قانون کي تنفیذ کا احترام کیا جائے اور بس - یه جمله ' نکته چیني کي پوري آزادي دیتا هے ' سخت سے سخت نکته چیني کي بهي ' بلکه مذمت کي بهي - صرف ایک قانون هي کي نهیں بلکه خود ملک کے دستور (کانسٹي ٹیوشن) کي بهي جو سب سے اعلی قانون هوتا هے -

" یه جمله همیں پوري آزادي دیتا هے که تشریعي قوت (قانون ساز قوت) کو کسي " خطرناک " قانون کي منسوخي پر آماده کریں - اِسي قدر نهیں بلکه یه همیں اجازت دیتا هے که قانون کي راه میں هر قسم کي اخلاقي اور معنوي دشواریاں حائل کریں - بلا شبه وه همیں مادي دشواریاں پیش کرنے کي اجازت نهیں دیتا -

" قانون نفذ هونے دو ' اگرچه کتنا هي خراب ' کتنا هي ظالمانه ' کتنا هي وحشیانه هو - اپنے دل و دماغ کے سامنے اُسکي شکایت کرو - مقننں سے شکوه کرو - مگر خود قانون کو روکو نهیں - اُسے جاري هونے دو - ببانگ دهل کهو که وه خراب هے - ظالمانه هے - وحشیانه هے - لیکن اُسکي راه روک کر کهڑے نه هو -

" هم نکته چیني کرینگے - مذمت کرینگے - مگر بغاوت نهیں کرینگے - یهي وه حقیقي معنی هیں ' یهي وه وحید معنی هیں " قانون کے احترام " کے ' اگر یه نهیں تو اے حضرات ذرا غور تو کیجیے -

" قانون سازي کا مشکل عمل دو قسموں پر منقسم هوتا هے : مقننں اور اخبارات - اگر میري تشریح قبول نه کي جائے تو اِسکا نتیجه اسکے سوا کچهه نهیں هو سکتا که دوسري قسم معدوم هو جائیگي - کیونکه اخبارات کا فرض هے که قوانین پر نکته چیني کرکے مقننں کو قانون سازي میں مدد دیں ' وه مدد جس کے بغیر کوئي قانون مکمل نهیں هو سکتا - جب یه قسم معدوم هو جائیگي تو قدرتي طور پر پهلي قسم' یعني مقننں کا وجود بهي بیکار هو جائیگا - یعني هماري پارلیمنٹ معطل هو کر ره جائیگي اور اُس کے لیے اِس کے سوا کوئي کام باقي نه رهے گا که همیشه کے لیے بند هو جائے -

مگر اِن کوششوں کے باوجود بھي شہر عکاء صليبيوں کے قبضہ ميں باقي رها ' اور اُن تمام نقصانوں کي تلافي کرتا رها جو اُنھيں اپنے مشرقي مقبوضات سے محرومي کي وجہ سے پہنچے تھے - يہ ديکھکر ملک اشرف بن قلاؤن نے چاها ' يہ مقام بھي اُن سے واپس لے ليا جاۓ - چنانچہ اُس نے حملہ کيا اور سنہ ۱۲۹۱ ع ميں کامياب هو گيا -

عکا کے واقعہ کے بعد مشرق کي فتح کے دروازے ايک مرتبہ پھر مغرب پر بند هوگئے - ليکن وہ نا اميد نہ هوا ' اور روم کے پاپا اور يورپ کے پادشاه برابر حملہ کي طياريان کرتے رهے - چنانچہ چارلس هشتم شاه فرانس نے عزم مصمم کرليا تها کہ اپنے جنگي بيڑوں کي قوت سے فلسطين اور مقامات مقدسہ پر قبضہ کرلے - ليکن تجارتي مفاد نے اُس وقت جنگي کارروائيان کرنے کي اجازت نہيں دي - اور مشرق و مغرب کا تصادم هوتے هوتے رک گيا -

عکا کي فتح کے بعد مشرقي تجارت کي باگيں مصر کے هاتهہ آگئي - اب بحر متوسط کي تجارت پيشہ قوموں کيليے اِسکے سوا کوئي چارہ نہ تها کہ اسکندريہ ' دمياط ' اور بيروت کے بازاروں کا طواف کريں - چنانچہ وينس اور جنيوا وغيرہ کے تاجر اِن بازاروں پر ٹوٹ پڑے - کيونکہ مشرق کي مصنوعات او هندوستان کي پيداوار حاصل کرنے کا اور کوئي دوسرا راستہ اُنکے سامنے موجود نہ تها - اُس زمانے ميں هندوستان کے گرم مصالے يورپ ميں از حد مقبول تھے اور غذا کا لازمي جزء بن گئے تھے - يہ مسالے بھي مصر هي کے راستے يورپ کو حاصل هوتے تھے -

اِس تجارتي مرکزيت نے مصر کو دولت و ثروت کا بھي مرکز بنا ديا - بادشاه اور باشندے مالا مال هوگئے تھے - تمام يورپ ميں قاهرہ " قاهرۂ عظمى " کے نام سے پکارا جاتا تها !

(راس اميد کي دريافت)

تقريباً دو سو برس تک يہي حالت رهي - يہانتک کہ سنہ ۹۲۲ھ (۱۵۱۶ ع) ميں مصر اپني آزادي سے محروم هو گيا - اُسکي تجارتي مرکزيت کو شايد اب بھي کوئي نقصان نہ پہنچتا ليکن مصيبت يہ هوئي کہ اُسي زمانے ميں پرتگاليوں نے " راس اميد " دريافت کرلي اور اس طرح مصر کي سياسي اور تجارتي ' دونوں اهميتيں ختم هوگئيں -

راس اميد ' اتفاقيہ طور پر دريافت نہيں هوا بلکہ ضرورت نے اُسکي طرف رهنمائي کي تهي - يوں کہنا چاهئے کہ هندوستان کي تجارت اُس کا باعث هوئي - حقيقت يہ هے کہ قديم زمانے سے هندوستان ' دنيا کي سياست ميں زبردست موثر رها هے - اسکي فتح کے ليے دنيا ميں بے شمار انقلاب پيدا هوئے اور بے شمار ملکوں کي آزادياں پامال هوئيں - يهي نہيں بلکہ نئي دنيا يعني امريکا کا اکتشاف بھي اِسي هندوستان کي طمع و شوق ميں هوا -

عکا سے محروم هوجانے کے بعد يورپ نے ديکھا کہ مشرق اور هندوستان کي تجارت کيليے اب وہ يک قلم مصر کے رحم پر هے ' اور بلا وجہ مصر کو بے شمار محصول ادا کرتا هے - چنانچہ عقلاء يورپ نے غور کرنا شروع کيا کہ هندوستان تک پہنچنے کي کوئي ايسي راہ نکلے جسميں مصر کا توسط نہ هو - اِس مشکل کے دو حل اُنکے سامنے آۓ : ايک يہ کہ بحر اٹلانٹک ميں مغرب کي طرف سيدھے چلے جائيں ' يہانتک کہ هندوستان کے ساحل پر پہنچ جائيں - دوسرے يہ کہ افريقا کا چکر لگا کر هندوستان پہنچيں -

يہ دونوں نظريے ' پہلے جنيوا ميں پھر لشبونہ (پرتگال) ميں مشہور هوئے - لشبونہ سے يہ خيال اسپين پہنچا اور يہ دونوں ملک اُس پر سنجيدگي سے غور کرنے لگے -

(کولمبس کي مہم)

پہلا نظريہ يعني بحر اٹلانٹک ميں غرباً سفر ' سب سے پہلے جنيوا کے ايک باشندے کولمبس نے پيش کيا - ميں کہتا هوں " سب سے پہلے " حالانکہ اِس سے ميري مراد " اهل يورپ ميں سب سے پہلے " هے - کيونکہ يہ ايک تاريخي حقيقت هے کہ کولمبس سے بہت پہلے اندلس اور مصر کے مسلمان اِس پر غور کرچکے تھے - صرف غور هي نہيں بلکہ اُسے عمل ميں بھي لا چکے تھے ' اگرچہ کامياب نہ هوسکے -

ميرا فرض هے کہ يہ تاريخي حقيقت ' جس پر انسان اور زمانے کي ناانصافيوں نے پردے ڈال رکھے هيں ' روشني ميں لے آوں -

علماء يورپ همين بتاتے هيں کہ سب سے پہلے کولمبس کو خيال پيدا هوا کہ بحر اٹلانٹک ميں غرباً چلنے سے هندوستان تک پہنچ سکتے هيں- چنانچہ يہ خيال لے کر وہ لشبونہ گيا اور جان ثاني شاہ پرتگال کے سامنے پيش کيا - ليکن يہ بادشاه بدنصيب تها اُس نے کولمبس کي بات نہ ماني بلکہ اُسے مجنوں قرار ديا - کولمبس خفا هوکر اسپين چلا گيا اور فرڈيننڈ اور ملکۂ ايزابلا کے سامنے اپنا نظريہ پيش کيا - نتيجہ يہ نکلا کہ وہ نئي دنيا تک پہنچ گيا جس کا نام اُس وقت لوگوں نے " مغربي هند " (Indes Occiden Tales) (۱) رکھا تها کيونکہ کولمبس کا ارادہ ' هندوستان پہنچنے کا تها - اِسي کي تلاش ميں امريکہ نکل آيا - اِسي ليے اُسے هندوستان هي سے تعبير کيا گيا -

ليکن جب کہ کولمبس ' لشبونہ ميں يہ خيال ليے هوئے بحر اٹلانٹک کي متلاطم موجوں پر اميد کي نظريں ڈال رها تها ' تو کيا اُس کے دل ميں يہ خيال بھي گزرا تها کہ اِسي لشبونہ ميں کھڑے هوکر عرب ٹھيک اِسي مقصد بلکہ اِس سے بھي بڑے مقصد سے سمندر پر نظريں ڈال چکے هيں ؟

کيا کولمبس کو يہ خبر پہنچي تهي کہ اِسي لشبونہ کے مسلمانوں نے اُس سے بہت پہلے ارادہ کيا تها کہ بحر ظلمات ميں تحقيقات کے ليے دور آئيں ؟

کولمبس کو شايد معلوم نہ هوا هو ' ليکن يہ واقعہ تاريخ کے صفحات پر ثبت هے - لشبونہ کے اُن مسلمانوں ميں سے جو " مغررين " کے لقب سے مشہور هيں ' آٹھہ عم زاد بھائيوں نے کمر همت چست کي - جہاز طيار کيے - کئي مہينے کا کھانا پاني جمع کيا ' اور اُس هوا کے آغاز پر جو اُنھيں مغرب کے کناروں تک ليجا سکتي تهي ' بحر ظلمات ميں روانہ هو گئے - اُن کے سفر کا حال شريف ادريسي نے اپني کتاب " نزهة المشتاق في اختراق الآفاق " ميں لکھا هے - اهل لشبونہ اپنے اِن " مجنونوں " کو بھولے نہيں بلکہ اُن کي يادگار باقي رکھنے کے ليے اپنے شہر کے ايک محلہ کا نام " درب المغررين " رکھديا -

(۱) گيارهويں صدي هجري کے عرب مصنفين کي کتابوں ميں بھي امريکا کا نام (الهنود المغربية) لکھا هے - ديکھو مقدمہ " کتاب العز و المنافع للمجاهدين بالبارود و المدافع " . جو مصر کے سلطاني کتب خانے ميں محفوظ هے -

" لیکن نہیں ! نہیں ! ہرگز نہیں ! ہم ابھی اِس حد تک نہیں پہنچے ہیں ... میں نے کہا مجھے پروانہ دیکھکر سخت حیرت ہوئی (آپ عنقریب جان لینگے میری حیرت کس درجہ عظیم تھی) کیونکہ میں نے خیال کیا ' اگر اِس " جرم " کا کوئی حقیقی مجرم ہے ' تو وہ میرا بیٹا نہیں ' خود میں ہوں -

" میں اِس وقت عدالت کے سامنے پوری صفائی سے اعلان کرتا ہوں کہ اِس جرم کا حقیقی مجرم میں ہوں ' میں ! کیونکہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں ہی ان سزاؤں کے خلاف ہر ممکن ذریعہ سے جنگ کر رہا ہوں -

" میں تصریح کرتا ہوں کہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں نے ہر طریقہ سے " انسانی زندگی کی حرمت " بچانے کی کوشش کی ہے - یعنی وہی جرم کرتا رہا ہوں جو اِس وقت میرے لڑکے پر عائد کیا جا رہا ہے - میں نے یہ جرم اپنے لڑکے سے بہت پہلے شروع کیا تھا ' اور اِس سے کہیں زیادہ سخت طریقہ پر اُسکا ارتکاب کرتا رہا ہوں - مہربان سرکاری وکیل ! دیکھو ' میں خود اپنے خلاف گواہی دے رہا ہوں - میں اقبالی مجرم ہوں - حلفیہ اقبال کرتا ہوں - میں نے ہر موقعہ پر یہ جرم کیا ہے - بار بار کیا ہے - اصرار کے ساتھہ کیا ہے - ہمیشہ کرنے کا عزم رکھا ہے - یہ عزم اِس وقت بھی میرے قلب میں موجود - بلکہ اِس وقت بھی میں اِس جرم سے آلودہ ہو رہا ہوں - خود عدالت کے سامنے آلودہ ہو رہا ہوں !

" ہاں ... میں خود اپنی زبان سے بغیر کسی جبر و اکراہ کے اپنے جرم کا اعلان کرتا ہوں - میں اعلان کرتا ہوں کہ میں زندگی بھر اُن تمام قوانین کی بیخ کنی کرتا رہا ہوں جو وحشیانہ ہیں - میں ہمیشہ اِس بوڑھے قانون کا دشمن رہا ہوں جو کہتا ہے " آنکھہ کے بدلے آنکھہ اور دانت کے بدلے دانت " محترم جج اور جیوری ! میں آپکے سامنے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ائندہ بھی زندگی بھر ایسے تمام قوانین سے جنگ کرتا رہونگا - میں ایک مصنف کی حیثیت سے عمر بھر اپنے قلم سے اُنکی مخالفت کرونگا ' اور ایک مقنن کی حیثیت سے اپنی آواز ہمیشہ اُنکے برخلاف بلند رکھونگا -

" اے حضرات ! میں اعلان کرتا ہوں (یہ کہکر مقرر نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر کی طرف اپنے دونوں ہاتھہ پھیلا دیے جو عدالت کے کمرے میں آویزاں تھی) اِس ذات کے سامنے جو اِسی قانون قتل کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائی گئی ' جسکے سامنے اِس وقت ہم کھڑے ہیں - یہ مقدس تصویر ہمیں اِس وقت دیکھہ رہی ہے - میں اِس مقدس " قربانی " کے سامنے قسم کے ساتھہ یہ اعلان کرتا ہوں - یہ وہ ہستی تھی جسنے انسانیت کی ابدی تعلیم کی خاطر ' اپنے تئیں جلادوں کے حوالہ کر دیا - انسانی قانون نے اُسے سولی پر لٹکایا ' حالانکہ اُسکا وجود خود " قانون الٰہی " تھا -

" ہاں میں اِسی تصویر کے روبرو بار بار کہتا ہوں کہ میرے لڑکے نے جو کچھہ لکھا ' وہ صرف اِس وجہ سے لکھا کہ میں نے بچپن ہی سے اُسے اِسکی تلقین کی تھی ... کیونکہ وہ جب سے میرا جسمانی لڑکا ہے ' اُسی وقت سے میرا روحانی فرزند بھی ہے - کیونکہ وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے باپ کی راہ پر چلے - لیکن بیٹے کا باپ کے طریقے پر چلنا بھی ایک عظیم جرم ہے - واقعی یہ جرم میرے لیے سخت حیرت انگیز ہے !

" حضرات ! میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ الزام واقعی میرے لیے شدید تعجب کا موجب ہے ...... "

ہندوستان کی تجارت پر مشرق و مغرب کا تصادم

امریکا اور راس امید کے اکتشافات
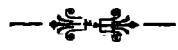
واسکو ڈی گاما نے ایک عرب کے ذریعہ کامیابی حاصل کی

مشہور مصری کاتب و محقق احمد زکی پاشا نے اپنے ایک سلسلۂ مضامین میں مندرجۂ بالا عنوانوں پر جو روشنی ڈالی ہے ' وہ نہایت اہم اور دلچسپ ہے - انکی بحث خلاصہ حسب ذیل ہے :

" صلیبی جنگوں نے بہت سی مغربی قوموں کے مقبوضات ' شام میں پیدا کر دیے تھے - ایشیا کے دروازوں پر ان مقبوضات سے یورپ کو بہت فوائد حاصل ہوئے - تمام مشرق کی مصنوعات حاصل کرنے اور ہندوستان سے تجارت بڑھانے کے بہترین موقع میسر آگئے صلیبیوں نے کبھی کبھی اِتنی قوت بھی پیدا کرلی تھی کہ خود دمشق اور قاہرہ سے خراج وصول کیا کرتے تھے - (۱) انھوں نے کرک پر قبضہ کر کے حجاز کے راستہ پر تسلط حاصل کرلیا تھا - عقبہ اور طور پر بھی قبضہ جمانے کی کوشش میں تھے ' اور قریب تھا کہ پورے بحر احمر پر چھا جائیں - (۲)

لیکن مشرق قریب کے سلاطین ' عین وقت پر بیدار ہوگئے - اُن میں باہم سخت حسد و منافست تھی - تاہم مشترک خطرے کے سامنے متفق ہوگئے ' اور اسدالدین ' نورالدین ' صلاح الدین ' نجم الدین ' ملکۂ شجرۃ الدر ' ملک الظاہر بیبرس ' منصور قلاؤن ' کی یادگار کوششوں نے مصر اور شام کی سر زمینیں یورپین حملہ آوروں سے پاک کردیں -

(۱) دیکھو ابن فضل اللہ کی مسالک الابصار

(۲) ابن فضل اللہ نے اپنی کتاب " التعریف بالمصطلح الشریف " میں لکھا ہے کہ اہل فرنگ نے کرک میں بحری بیڑے طیار کیے اور اُنھیں لیکر بحر قلزم میں پہنچے ' تاکہ حجاز پر حملہ آور ہوں اور اپنے دل کا بخار نکالیں - لیکن ایوبی اور عادلی ہمتوں نے اُنھیں پست کرڈالا - صلاح الدین ایوبی نے اُنکے بہت سے آدمی گرفتار کرلیے اور منیٰ بھیجدیے تاکہ جمرۃ العقبہ پر اُسی طرح ذبح کرڈالے جائیں جس طرح قربانی کے جانور ذبح کیے جاتے ہیں - چنانچہ ایسا ہی کیا گیا - (منہ)

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم
(۸:۳۰)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تأثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کا یہ دوسرا حصہ ہے۔ الہلال)

"جوف" سے "حائل" تک اونٹ کی پیٹھ پر دس دن کی مسافت ہے راستہ نہایت ہی اُجاڑ اور بیابانی ہے۔ ہم کبھی ریگ کی بلند پہاڑیوں پر چڑھتے تھے۔ کبھی نشیبی وادیوں میں ہوتے تھے۔ کبھی ایسی بلند پگڈنڈیوں پر چلتے جن کے نیچے ہولناک گہرائیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ راستہ ایسا دشوار گزار اور خطرناک ہے کہ اونٹ کا ذرا قدم ڈگمگا جائے تو ہلاکت یقینی ہے۔ عظیم بلندی پر سے انسان فوراً تحت الثریٰ میں جا پہنچے۔

اس سفر میں پہلے ۶ دن تک کہیں پانی نہیں ملا۔ اگر پانی ہمارے ساتھ مشکوں میں اور اونٹوں کے ساتھ اُنکے پیٹ میں نہ ہوتا تو موت یقینی تھی۔ اس تمام مدت میں غسل کرنا کیا معنی غسل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پانی کا ایک ایک قطرہ خود زندگی کی طرح قیمتی تھا۔

ساتویں دن علی الصباح ہمیں "جبہ" نام ایک آبادی ملی۔ یہاں کے تمام مکان ایسی سفید مٹی سے بنے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ چند شیوخ مجھے پوچھتے ہوئے آئے اور مہمان بننے کی درخواست کی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انھیں پہلے ہی خبر پہنچ گئی تھی کہ ایک مصری، شاہ نجد کی ملاقات کے لئے آرہا ہے۔ "لہذا" انھوں نے کہا "ہمارا اخلاقی فرض تھا کہ تمھیں اپنا مہمان بناتے"

نویں دن ہم "قنا" میں پہونچ گئے۔ یہ بہت ہی چھوٹا گاؤں ہے۔ حتی کہ یہاں ہمیں کھانے کے لئے ایک بکری بھی مول نہ مل سکی۔ لیکن ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ کیونکہ تھوڑے فاصلہ پر تین گاؤں اور تھے۔ ان میں سب سے بڑا گاؤں "ام جلبان" ہے اور اس کی آبادی صرف ۴ گھر ہیں۔ مکانوں کے، گرد خرمے کے چند درخت ہیں۔ یہاں کے باشندے حرف قاف کا تلفظ "گاف" کی طرح کرتے ہیں۔

حائل

دسویں دن "حائل" ہمارے سامنے تھا۔ سلطان ابن سعود کے عم زاد بھائی امیر عبد العزیز بن مساعد بن جلوی، حاکم حائل کا نائب ہمارے استقبال کے لئے شہر کے باہر موجود تھا۔

ہم نے اپنے تمام پچھلے صحرائی سفر میں حائل سے زیادہ آباد کوئی مقام نہیں دیکھا۔ یہ ایک حد تک شہر کا حکم رکھتا ہے۔ آبادی وسیع ہے۔ سڑکیں کشادہ اور منظم ہیں۔ بازار بھی بہت بڑا ہے جس میں اونٹوں اور مویشیوں کی تجارت بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے۔ حائل، مدینہ منورہ سے ۸ دن، شام سے ۱۵ دن، اور عراق سے بھی تقریبًا ۱۵ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ تجارت کا ایک مرکزی مقام ہے۔ ہندوستان کے چاول کی یہاں بڑی منڈی ہے۔ اس علاقے کی اصلی غذا یہی چاول ہے۔ قسم قسم کی ترکاریاں، سبزیاں، اور میوے بھی بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ نخلستان بے شمار ہیں۔ لیکن کھجور بدمزہ اور گھٹیا قسم کی ہوتی ہے میں نے عورتوں کو بازار میں روٹی، میوے، ترکاری، مرغی، انڈے بیچتے دیکھا۔ وہ سیاہ کرتے پہنے تھیں۔ اوپر سے سفید چادریں اوڑھے تھیں۔ نہایت باوقار اور سنجیدہ تھیں۔ خریداروں سے ضرورت بھر بولتی تھیں، مگر اس قدر آہستہ کہ کوئی دوسرا آدمی اُن کی آواز نہیں سن سکتا!

یہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ صرف فرانسیسی سکہ، جسے یہ لوگ "شوشی" کہتے ہیں، مستعمل ہے۔ انگریزی یا ترکی سکے نہیں چلتے۔

ایک دن میں حاکم حائل کے نائب کا مہمان رہا۔ دوسرے دن خود حاکم، امیر عبد العزیز بن مساعد نے مجھے اپنے دار الحکومت میں مدعو کیا اور غیر معمولی خاطر تواضع کی۔ پہلی نظر میں دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ امیر شاید متکبر و مغرور ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ نہایت ہی منکسر مزاج، خوش اخلاق، اور خوش صحبت ہے۔ وہ اپنے اس صوبے میں اور اس کے اطراف کے تمام شمالی علاقوں میں سلطان ابن سعود کے ماتحت مطلق العنان حاکم ہے، اُس کے احکام کے سامنے کوئی روک کھڑی نہیں ہوسکتی۔ لیکن اُس کے احکام کتاب و سنت کے احکام کے ماتحت ہوتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ سے بال بھر تجاوز کرنا اس علاقے میں ایسا جرم ہے کہ اُس کے لئے کوئی معافی نہیں!

حاکم کے پاس دو موٹریں ہیں جن پر وہ اکثر سفر کیا کرتا ہے۔ موٹر چلانے والا ایک شامی عرب ہے۔ دوسرا نجدی ہے۔

حاکم کے ایک مصاحب کے ساتھ میں قید خانہ دیکھنے گیا۔ مجھے یقین تھا، مجرموں کی بڑی بھیڑ دیکھوں گا۔ مگر قید خانے میں پہنچکر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔ وہاں ایک قیدی بھی موجود نہ تھا۔ صرف محافظ سپاہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ میں نے تعجب سے پوچھا "قیدی کہاں ہیں؟" سپاہیوں نے جواب دیا "جب مجرم ہی نہیں ہیں تو قیدی کہاں سے آئیں!" اسوقت مجھے یقین ہوگیا کہ واقعی احکام شریعت، جرائم کی بیخ کنی کے لئے بہترین قانون ہیں۔ اور یہ کہ نجد سے زیادہ احکام شریعت کی پابندی کسی مسلمان قوم میں نہیں ہے حائل جیسی وسیع آبادی کے قید خانے میں ایک قیدی کا بھی موجود نہ ہونا، یقیناً اس بیسویں صدی میں اعجوبہ کا حکم رکھتا ہے۔

حائل کی آب و ہوا نہایت معتدل ہے۔ یہاں میٹھے پانی کا ایک چشمہ موجود ہے اور اپنے طبی خواص میں "فیشی" کے معدنی چشمے کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس کا پانی ہر قسم کا نمک پگھلا دیتا ہے۔ گردے کے جملہ امراض کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ خون صاف کرتا ہے اور حیرت انگیز سرعت سے غذا ہضم کردیتا ہے۔ اس چشمے کا نام "ماء السلاح" ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے چشمے ہیں اور سب شیریں اور عمدہ ہیں۔ آب و ہوا کی اسی خوبی کا نتیجہ ہے کہ یہاں کے باشندے خوب توانا تندرست ہیں۔

اب سے پہلے حائل، ابن الرشید کی ریاست کا پایہ تخت تھا۔ یہ ریاست ایک زمانہ میں ریاض کے خاندان سعود کے تابع تھی۔ پھر کچھ مدت خود مختار رہی۔ اب ایک مرتبہ پھر خاندان سعود کے زیر نگیں آگئی ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

حائل کے باشندے، دراصل قبیلۂ "شمر" کے افراد ہیں۔ یہ قبیلہ صحرا میں بود و باش رکھتا تھا۔ پھر اُس کا ایک بڑا حصہ کٹ کر شہری بن گیا، اور حائل میں آباد ہوگیا۔

حائل میں "اخوان" بکثرت نظر آتے ہیں۔ انھیں یہاں "حبان" کہتے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ سرخ ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ چھوٹے عمامے باندھنے والے معمولی لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ بڑے عمامے والے شیخ ہوتے ہیں۔ نجد میں اس گروہ کو سب سے زیادہ اہمیت و قوت حاصل ہے۔ حائل، احسار، اور حجاز کی فتوحات انہی کے ہاتھوں واقع ہوئی ہیں۔ تمام عرب میں ان کی شجاعت اور پامردی کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ بڑی بڑی فوجوں پر ان کا نام رعب و ہیبت طاری کردیتا ہے۔ اب سے چند سال پہلے یہ سخت وحشی اور جاہل تھے۔ دین کا کوئی حکم بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن آج ان میں سے ہر شخص شریعت کے تمام عملی احکام کا عالم ہے۔ نجد و حجاز میں اتباع شریعت اور ترک بدع و نواہی کی مبلغ یہی جماعت ہے۔

قصیم

حائل میں ایک ہفتہ سلطان نجد کی مہمانی میں رہ کر ہم نے پھر سفر شروع کردیا۔ اب منزل مقصود، بریدہ تھی۔ بریدہ، حائل سے ۸ دن کے فاصلہ پر ہے۔ راستہ صاف اور میدانی ہے۔

راستہ میں سب سے پہلی آبادی "عددہ" کی ملی۔ اس گاؤں کا منظر نہایت دلفریب ہے۔ اس کے گرد کھیت ہیں، اور دُور تک سر بفلک پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ پہاڑ بہت ہی دلچسپ منظر پیش کرتے ہیں۔ انکے نیچے میدانوں پر سنہری ریگ بچھی ہوئی ہے اور از حد نظر فریب ہے!

راستہ میں ایک قابل ذکر واقعہ پیش آیا۔ ہمارے قافلہ کے ایک مسافر کی اونٹنی رات کو کہیں بھاگ گئی۔ ہر چند تلاش ہوئی مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ عین ناامیدی کے وقت ایک بدو نظر آیا۔ اُس سے پوچھا گیا تو اُسنے کہا "میں نے اس شکل کی اونٹنی فلاں مقام پر دیکھی تھی میں اُسے لاسکتا تھا، مگر اس ڈر سے ہاتھ نہیں لگایا کہ چور نہ سمجھا جاؤں" اس واقعہ سے مجھے اہل نجد کی امانت و دیانت کا اور بھی زیادہ یقین ہوگیا۔ میں جتنی زیادہ جستجو کرتا گیا، مجھے معلوم ہوتا گیا کہ چوری اور قزاقی نجد میں بالکل نامعلوم ہے۔

راستہ میں چار گاؤں اور بھی ملے: کہفہ، جوارہ، وتال، اور شقہ۔

کولمبس کو بیشک یه امتیاز حاصل هے که وہ امریکا تک پہنچ گیا - لیکن کس طرح پہنچا ؟ کیا اُس کے وهم میں بھي یه بات موجود تھي که بحر ظلمات کے دامنوں میں ایک آور دنیا بھي چھپي هوئي هے ؟ اِس کا کوئي ثبوت موجود نہیں - وہ تو هندوستان کے ارادے سے نکلا تھا اور محض اتفاق سے امریکا پہنچ گیا - لیکن لشبونه کے مسلمان تو اِسي دنیا کي تحقیق کے لیے نکلے تھے - اُنھیں هندوستان کي فکر نه تھي - نه تجارت و دولت کي طمع تھي - اُن کے سامنے صرف جغرافیائي تحقیقات تھي - ظاهر هے که کولمبس اور اُن کے نقطۂ نظر میں کتنا اختلاف تھا اور دونوں میں کون زیادہ تحسین علم کا مستحق هے ؟

یهي نہیں بلکه کولمبس سے ڈیڑہ سو برس پہلے هي مسلمانوں نے امریکا کا تصور کرلیا تھا - ملک الناصر محمد بن قلاؤن کے عهد میں ایک عالم ' قاهرہ میں موجود تھے - اِن کا نام ابو الثناء محمود بن ابي القاسم الاصفهاني تھا - ابن فضل الله العمري اپني کتاب " مسالک الابصار في ممالک الامصار " (جلد ۱ صفحه ۳۱) میں اِن کا یه قول لکھتے هیں :

" میں اِسے بعید نہیں سمجھتا که زمین کے اِس رخ پر پاني کے هٹ جانے کي وجه سے جو خشکي نمودار هوگئي هے ' ویسي هي خشکي زمین کے دوسرے رخ پر بھی موجود هو - چونکه یه مستبعد نہیں هے ' اِس لیے یه بھی مستبعد نہیں که اُس طرف کي خشکي پر بھي ویسے هي حیوان و نباتات موجود هوں ' جیسے هماري اِس زمین میں موجود هیں ' یا وہ کسي آور جنس و نوع کے هوں "

(واسکو ڈي گاما اور راس امید)

هندوستان تک پہنچنے کے پہلے نظریه نے امریکا کو ظاهر کیا - اب دوسرا نظریه همارے سامنے آتا هے - اِس سے مقصود یه تھا که بحر اتلانٹک مئیں افریقه کے گرد گھوم کر هندوستان کي راہ نکالي جائے -

یه خیال سب سے پہلے جنیوا میں رهنے والے دو بھائیوں : اوگولینو Ogolino اور ویڈینو Vadino کو هوا - وہ اس مهم پر روانه بھي هوگئے مگر کامیاب نه هوے اور غرق هوگئے -

لیکن یه خیال برابر زندہ رها اور همتیں بڑھاتا رها - اُس وقت پرتگال کے ملک میں بڑي تجارتي بیداري موجود تھي - پرتگالي ' همت و شجاعت میں تمام یورپین قوموں کے آگے تھے - پرتگال کي نازک اندام عورتوں کا بھي اِس حرکت میں بڑا حصه تھا - اُنھوں نے اعلان کر دیا تھا که وہ اُنھي لوگوں سے شادي کرینگي جو افریقا کے ساحلوں پر اپني شجاعت و بسالت ثابت کر دینگے - نتیجه یه هوا که پرتگالي نوجوان سواحل افریقا پر ٹوٹ پڑے ' اور بتدریج بہت سي بندرگاهوں کے مالک بن گئے - اِن مهموں میں عربوں اور یهودیوں نے اُنکي بڑي مدد کي - یه لوگ افریقا سے اُس وقت سب سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے - اِنھوں نے پرتگالي بادشاهوں خصوصاً شاہ هنري کو (جو ملاح کے لقب سے مشهور تھا) اپني قیمتي معلومات سے آگاہ کیا ' اور اِس طرح افریقا کي تحقیق و فتح میں پرتگالیوں کے رهنما بنے - یهي عرب اور یهودي تھے جنھوں نے پرتگال کو گینیا کي سونے کي کانوں سے آگاہ کیا تھا - غرضکه سنه ۱۴۱۳ سے سنه ۱۴۸۶ تک پرتگالي اپنے مقبوضات ' سواحل افریقا پر پھیلاتے رهے ' یهانتک که سنه ۱۴۸۶ میں پرتگالي امیر البحر جنوبي افریقا کے آخري نقطه تک پہنچ گیا - یهي وہ مقام هے جس کا ذکر قطب الدین نهروالي نے اپني کتاب " البرق الیماني فی الفتح العثماني " میں اِس طرح کیا هے " یه جگه ساحل کے قریب ایک آبنائے میں واقع هے - اس کے ایک جانب پہاڑ هے اور دوسري جانب بحر ظلمات هے - یهاں سمندر سخت طوفاني حالت میں رهتا هے - کشتیاں ٹک نہیں سکتیں - ٹوٹ جاتي هیں "

پرتگالیوں نے اِس مقام کا نام " راس طوفان " رکھا تھا - لیکن جان ثاني شاہ پرتگال نے اس کا نام " راس امید " رکھدیا - کیونکه اِس کي دریافت نے براہ راست هندوستان تک پہنچنے کي امید پیدا کردي تھي -

لیکن یه امید جان کي زندگي میں پوري نہیں هوئي - اس کي وفات کے بعد اُس کا بیٹا عمانویل ثاني تخت نشین هوا - اِسنے واسکو ڈي گاما کو سنه ۱۴۹۷ میں اِس مهم پر روانه کیا تا که هندوستان کي راہ دریافت کرے - اِس شخص نے سفر شروع کیا - راس امید عبور کرکے سواحل کفرہ میں پہنچا - پھر ممباسه آیا ' پھر ملندہ میں وارد هوا - یهیں اِسکي ملاقات حسب تصریح قطب الدین کے (جیسا که " برق یماني " میں مذکور هے) " ایک بحري آدمي سے هوئي - اسکا نام احمد بن ماجد تھا - اِسي نے نشه کي حالت میں واسکو دي گاما کو هندوستان کا سیدھا راسته بتا دیا - اور اس کے بعد بحر هند میں پرتگالیوں کي کثرت هو گئي " لیکن خود پرتگالي مورخ ' احمد بن ماجد کا کوئي ذکر نہیں کرتے - البته ایک ایسے آدمي کا وجود ضرور تسلیم کرتے هیں جو واسکو دي گاما کا شریک سفر هوگیا تھا - اور اُسکا نام وہ " معلم کنه " Malem Cana بتاتے هیں اور کہتے هیں که وہ هندوستان پہنچ کر گجرات میں فوت هوگیا - بعضوں نے اُسکا نام Malem Canaque لکھا هے -

بعض پرتگالي مورخ کسي ایسے شخص کا وجود تسلیم نہیں کرتے - اُنکا بیان هے که سلطان ملندہ نے واسکو کے ساتھه اپنے ملک سے دو آدمي کر دیے تھے جو بحر هند سے بخوبي واقف تھے -

بهر حال یه ثابت هو جاتا هے که راس امید کي دریافت میں عربوں کا بھي حصه هے اور راس امید سے هندوستان تک پہنچنے میں تو سراسر عربوں هي نے رهنمائي کي تھي -

---

مختارات

(اخبار نویسي)

سلطان عبدالحمید نے معزول هونے کے بعد کہا " اگر میں یلدز (محل) میں لوٹ سکوں تو اخبار نویسوں کو ایک هي قید خانه میں بند کردونگا "

" اِس ملک میں هر دس آدمیوں میں صرف ایک شخص کو انشا پرداز هونا چاهیے " (روزولٹ - امریکا)

" اخبار نویس کي صورت دیکھر شیطانوں کا باوا ' ابلیس ' بھي کانپ جاتا هے " (ولیم سٹیڈ)

" کیڑے مکوڑوں میں سے اخبار نویس بھي هے " (ملکۂ اسپین)

" اے قلم تو نهایت خوبصورت هے لیکن میري سلطنت میں تو شیطان سے بھي بدتر ثابت هوا هے " (آخري زار روس)

پرتگال کے معزول بادشاہ " مانویل " نے اخبار نویسوں سے کہا " تمھیں نے مجھے برباد کیا هے "

جمهوریه وینزولا (امریکا) کے صدر " کاسٹرو " کا قول هے : " اگر جهنم کا پھاٹک بھي میں کھلا دیکھوں تو اُتنا نه ڈرونگا جتنا اخبار نویس کے قلم سے ڈرتا هوں "

عنوان شرت ہوگا۔ بقایا تین پلٹنوں میں بھی کچھ گڑبڑ ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے وہ بغاوت نہیں کریں گے۔ میری خواہش ہے، کہ وہ بھی منحرف ہو جائیں۔ تاکہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے۔ منٹگمری"

منٹگمری عیسائیت کی تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا کرتا تھا۔ اس مذہب کی ضرب المثل نرم مزاجی اور حلم و بخشش کا سخت مدّاح تھا، لیکن آپنے بھی ایسے ظالمانہ فعل کی تائید کی۔ اس کے بعد اسنے ہڈسن کو ایک چٹھی لکھی یہ وہ شخص تھا۔ جسنے بہادر شاہ کے لڑکوں کو سخت بیرحمی سے قتل کیا تھا۔ انگریز مورخین میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا۔ جسنے ہڈسن کے اس فعل کی مذمت نہ کی ہو۔ لیکن منٹگمری اسے لکھتا ہے:

"میرے پیارے ہڈسن۔

میں تمھیں مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے بادشاہ کو گرفتار کر لیا اور اس کے بیٹوں کو قتل کر دیا۔ میں امید کرتا ہوں تم اسی طرح اور شاہزادے بھی قتل کرو گے۔ منٹگمری"

ایک آدمی اتنا مجروح تھا کہ وہ مقتل پر جانے کے قابل نہ تھا۔ منٹگمری کی ہدایت کے مطابق اسے سرکاری گواہ بنایا گیا۔ چنانچہ کوپر کو مفصلۂ ذیل خط لکھا ہے "مجروح مذکور کو لاہور بھیج دیا جائے، تاکہ وہ خود اپنی زبان سے امرتسر کے واقعات بیان کرے۔ بغیر اس کے کوئی شخص اعتبار نہیں کرے گا، ۲۶ پلٹن کے بعض آدمی ایسے بھی ہونگے جو آوارہ پھر رہے ہونگے۔ ان سب کو گرفتار کرکے ہماری طرف بھیج دو۔ تم کافی تعداد میں قتل کر چکے ہو، اب ہمیں اپنی فوجوں کے لئے کچھ آدمی چاہئیں۔"

ایک کے بدلے ۵۰۰

اس مجروح قیدی اور ۴۱ آدمیوں کو لاہور بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ بے دریغ قتل کر دیئے گئے۔ کوپر خود اقبال کرتا ہے کہ کمان افسر کے قتل کے بعد دو دن کے اندر، اس کے بدلے ۵۰۰ آدمیوں کا خون بہایا گیا۔

کانپور میں ایک کنواں ہے۔ جہاں چند انگریزوں کو قتل کرکے پھینک دیا گیا تھا۔ لیکن اجنالہ میں بھی ایک کنواں ہے۔ جہاں سیکڑوں ہندوستانی قتل کرکے پھینک دیئے گئے۔

رسل اپنی ڈائری میں لکھتا ہے "ایک افسر نے جو رینالڈ کی فوج کے ساتھ مقرر تھا۔ مجھ سے ذکر کیا کہ ہندوستانیوں کو اندھا دھند قتل کیا جاتا تھا، دو دن کے عرصے میں ۴۲ آدمیوں کو سڑک کے کنارے پھانسی دی گئی۔ مقتولین میں وہ لوگ تھے جو پلٹن کو اس کی راہ میں مل جاتے تھے ۱۲ آدمیوں کو محض اس وجہ سے پھانسی دی گئی کہ جب پلٹن کوچ کر رہی تھی تو ان کے منہ سڑک کی طرف نہ تھے۔ دوسری طرف دیکھ رہے تھے! جو گاؤں راہ میں آتا تھا، جلا دیا جاتا تھا۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ یہ افسوسناک واقعات کانپور کے حادثہ سے بہت پہلے ہوئے تھے۔ اگر ہندوستانیوں کا یہ قتل عام کانپور کے واقعہ کے بعد ظہور پذیر ہوتا تو پھر بھی ہم لوگ شاید حق بجانب ہوتے۔ افسر مذکور نے ان مظالم کے روکنے کی کوشش کی اور رینالڈ سے کہا کہ اگر یہی حالت رہی تو لوگ دیہات خالی کرکے بھاگ جائیں گے اور فوج کے لئے خورد و نوش کا سامان ملنے میں سخت دقت واقع ہوگی۔ بالآخر یہی ہوا۔ جہاں کہیں فوج جاتی تھی دیہات بالکل ویران ہو جاتے تھے۔ لوگ غلہ دینے سے گھبراتے کیونکہ انھیں علم تھا کہ اگر انھوں نے یہ نیک کام کیا تو پھر بھی انھیں پھانسی ضرور دی جائے گی"

ایک پادری لکھتا ہے "انگریز ہندوستانیوں سے اس قدر نفرت کرتے ہیں۔ کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ انکے ملازم بھی جو علم طور پر غدر کے زمانہ میں وفادار رہے تھے، ان کی بدسلوکی اور بے رحمی سے نہ بچ سکے۔ لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ پھر بھی انکی وفاداری اور نمک حلالی میں فرق نہ آیا۔ بہت سے ڈولی بردار اور سائیس جو ہماری نوکری میں زخمی ہوئے تھے، زمین پر پڑے رہے، کیونکہ ہم تو

مگر کسی نے علاج معالجہ کی مطلق پرواہ نہ کی۔ وہ دن کے وقت دھوپ میں پڑے رہتے۔ رات کے وقت سردی میں۔ جب دہلی کے باشندوں کا قتل عام ہوا، تو ان میں بہت سے ایسے آدمی تھے جو ہماری کامیابی پر خوش تھے۔ اور ہماری فتح یابی کے لئے دعائیں مانگتے تھے، لیکن اُن کی بھی دعائیں انکے واسطے مہلک ثابت ہوئیں۔ بعض نوجوان انگریز تو ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ وہ علانیہ طور پر کہتے تھے "تمام خدمت گاروں اور پوربیوں کو جو کیمپ میں ہیں تہ تیغ کر دیا جائے" یہ وہ ملازم تھے جنھوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہماری خدمت کی تھی"

ونسنٹ سمتھ نے بھی اپنی تاریخ ہند میں تسلیم کیا ہے کہ بہت سے ہندوستانیوں نے ہماری جان بچانے کی خاطر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

کے (Kaye) اپنی کتاب میں قتل عام سے پیشتر کے واقعات یوں لکھتا ہے:

"مارشل لا کو جاری ہوئے عرصہ ہو گیا ہے۔ وہ ظالمانہ قانون جو مئی اور جون میں مجلس مقننہ نے پاس کئے تھے، بڑی شدت سے اپنا کام کر رہے تھے۔ فوجی اور سول افسر ہندوستانیوں کو بلا تمیز قتل کر رہے تھے۔ گورنر جنرل نے جو خط و کتابت پارلیمنٹ سے اُن دنوں کی تھی، اس میں درج ہے کہ بے گناہ بوڑھوں، عورتوں، اور بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ دیہات جلائے جاتے تھے۔ ان کے باشندوں کو بھی آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ انگریز فخریہ طور پر کہا کرتے تھے "ہم نے کوئی آدمی بھی قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا"!

واقعات قبل از حادثہ کانپور

ایک دفعہ چند چھوٹے لڑکے محض شرارتاً، باغیوں کا سا لباس پہنکر ڈھول بجانے لگے۔ انھیں گرفتار کرکے مقدمہ چلایا گیا اور فوجی عدالت نے سزائے موت کا حکم سنایا۔ ایک انگریز افسر جو کورٹ مارشل کا رکن تھا، روتا ہوا کمان افسر کے پاس گیا۔ اور ان کی جان بخشی کی سفارش کی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی، اور ان معصوم بچوں کو پھانسی دے دی گئی۔

دیہات میں انگریزوں کی جماعتیں چکر لگاتی تھیں، جو کوئی ملتا تھا اُسے کسی درخت پر لٹکا کر پھانسی دے دی جاتی تھی۔

پٹنہ میں مسٹر ٹیلر کمشنر کا گواہ بنانے کا عجیب طریقہ تھا۔ اسنے ایک قیدی سے کہا اگر تم مجھے تین ایسے آدمیوں کے نام بتا دو جو واجب القتل ہوں تو میں تمھاری جان بخش دوں گا۔ لیکن اسنے ایسے آدمیوں کے نام لئے جن کے نام سے وہ خود بھی واقف تھا، اس لئے قیدی قتل کیا گیا!

آگرہ اور سہارنپور میں بھی پھانسی کا رواج بڑے زوروں پر تھا دیہاتی لوگ گروہ در گروہ گرفتار کرکے لائے جاتے تھے۔ ان میں بہت تھوڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی، جنھوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہوگا لیکن تمام قیدی فی الفور بغیر کسی تحقیقات کے قتل کر دیئے جاتے تھے!

دہلی ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو فتح کی گئی۔ مسز کولیمنڈ بیان کرتی ہے کہ ایک ہفتے کے اندر کمان افسر نے چار پانچسو آدمی بے دریغ کر ڈالے۔ گورے سپاہی ان خوفناک مناظر میں نہایت دلچسپی لیتے تھے۔ نواب جھجر کو بھی انہی دنوں میں پھانسی دی گئی، لوگ کہتے ہیں کہ اسنے بڑی دیر کے بعد جان دی۔

ایک دفعہ ایک جوہری مسز گارسٹن کے پاس سامان بیچنے کے لئے آیا۔ مسز گارسٹن نے کہا تم بہت زیادہ قیمت مانگتے ہو، میں ابھی تمھیں مٹکاف صاحب کے حوالے کر دوں گی۔ وہ اس نام سے ایسا مرعوب ہوا کہ سامان وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا، اور پھر واپس نہ آیا۔ مٹکاف

سے ہندوستانی سخت ڈرتے تھے۔ کیونکہ "جو کوئی اس کی گرفت میں آتا ہے، وہ اسے قتل کر دیتا ہے"

کورٹ مارشل کسی پر رحم نہیں کرتی تھی۔ جو کوئی گرفتار ہوتا تھا ضرور ہی قتل کر دیا جاتا تھا۔ شہر کے چوک میں ایک بڑی پھانسی کھڑی کی گئی تھی۔ ۵، ۶ آدمی ہر روز پھانسی دیئے جاتے تھے۔ انگریز نہایت بڑی متانت سے پاس بیٹھ کر یہ مناظر دیکھا کرتے!

گورنر جنرل نے ۲۴ دسمبر ۱۸۵۷ء کو جولائی کے واقعات کے متعلق ایک مفصل رپوٹ لکھی تھی۔ ذیل میں اُس کا اقتباس دیا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں لوگ بلا امتیاز پھانسی دیئے گئے۔ ان میں ایسے آدمی بھی تھے۔ جن کے برخلاف محض شک تھا۔ سیکڑوں دیہات لوٹے گئے، اور بعد ازاں جلا دیئے گئے۔ ان خوفناک حرکات سے وہ قومیں بھی سخت ناراض ہو گئیں۔ جو حکومت کی وفادار تھیں۔ شمالی ہند میں قحط پڑ گیا۔ کیونکہ ایسی اندھیر نگری میں باقاعدہ کاشتکاری کرنا ناممکن تھا، جو سپاہی رخصت پر گھر آئے تھے یا جو پلٹنوں کے ٹوٹ جانے کے بعد اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے اور جنھوں نے بغاوت میں مطلقاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ بلکہ انگریزوں کی جان بچانے میں مدد کی تھی، ان سب کے ساتھ انگریزی فوجیں وہی سلوک کرتی تھیں جو باغیوں سے کیا جاتا تھا۔ گورنمنٹ کے ماتحت افسروں کی ان افسوسناک حرکات سے ملک میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ گورنمنٹ ہندوؤں اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر اب تل گئی ہے"

مجنڈی لکھتا ہے "گورنمنٹ محض پھانسی اور قتل عام کی وجہ سے چل رہی تھی۔ جب لکھنؤ فتح کیا گیا تو بے شمار آدمی پھانسی پر چڑھا دیئے گئے۔ اُس وقت یہ تمیز نہیں کی جاتی تھی کہ آیا قیدی سپاہی ہے یا اودھ کا کسان ہے؟ صرف اتنی بات کافی تھی کہ مجرم سیاہ ہو۔

آرٹن نے بمبئی ٹیلیگراف میں ایک مراسلہ بھیجا تھا جس کا مضمون یہ ہے۔ "جب ہماری فوج دہلی میں داخل ہوئی۔ تو جو آدمی فصیل کے اندر ملا، اسی جگہ سنگینوں سے مار دیا گیا۔ مقتولین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ کیونکہ کئی گھروں میں سے ۴۰۔۴۰۔ ۵۰۔۵۰ آدمی پکڑے گئے، یہ لوگ باغی نہیں تھے۔ شہر کے باشندے تھے۔ انہیں کامل اُمید تھی کہ اُنھیں معاف کر دیا جائے گا، لیکن وہ سخت مایوس ہوئے"۔

ہومز اپنی تاریخ میں لکھتا ہے "بے گناہ آدمی مارے جاتے تھے وہ جان بخشی کے لئے ہاتھ جوڑتے تھے۔ بوڑھے آدمی جو خوف اور عمر کی وجہ سے کانپتے تھے، گاجر مولی کی طرح کاٹے جاتے تھے لیکن انگریزوں کو بھی کافی اشتعال دلایا گیا تھا۔ کیونکہ انکے چند آدمی شہر کی گلی کوچوں میں مارے گئے تھے"

یہی مصنف بیان کرتا ہے کہ جونہی ہم دہلی میں داخل ہوئے۔ لوٹ مار شروع ہو گئی۔ جو ہندوستانی ملتا تھا گولی سے مار دیا جاتا تھا۔ شراب خانے اور دیگر دکانیں لوٹ لی گئیں اور انگریزوں نے شراب پی کر جہاں کہیں ہندوستانیوں کا مجمع دیکھا، ان پر ٹوٹ پڑے۔ ایسی حالت میں بیچارے باشندے کیا کرتے؟ کیا وہ انگریز سپاہیوں کو پکڑ کے کمان افسر کے پاس لے جاتے؟ لیکن وہاں تو یہ حال تھا کہ کمان افسر سے لیکر معمولی سپاہی تک، سب ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے تھے"

مسٹر مارٹن جو ٹائمز کا نامہ نگار تھا، ۱۶ نومبر ۱۸۵۷ء کو لکھتا ہے "کل میں اور ایک افسر مع ۲۰ سپاہیوں کے شہر میں چکر لگا رہے تھے۔ ہم نے ۱۴ مقتول عورتیں دیکھیں جن کے گلے انکے شوہروں نے کاٹ ڈالے تھے، اور انکے اوپر چادریں ڈھانپ دی تھیں۔ ہم نے ایک آدمی

آخرالذکر گاؤں میں نمک کا پہاڑ ہے اور خود باشندوں کی ملکیت ہے۔ وہ حکومت کو محصول ادا کئے بغیر نمک نکالتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں۔

بریدہ کے حاکم، مبارک بن مبیرک، کو ہماری آمد کی خبر مل گئی تھی۔ اُسنے آبادی سے باہر آکر سلطان کی طرف سے ہمارا خیر مقدم کیا اور مہمان بنایا۔ یہ حاکم بھی نہایت خوش اخلاق اور متدین ہے۔

بریدہ، ریگ کے میدان میں واقع ہے۔ حائل کی طرح یہاں بھی عمارتیں بکثرت ہیں۔ یہاں بھی زراعت اچھی ہوتی ہے۔ نخلستان بہت ہیں۔ اس کی کھجور اگرچہ چھوٹی ہے مگر پُرمغز اور شیریں ہوتی ہے۔ لیکن اُس میں یہ سخت عیب ہے کہ دیر ہضم ہوتی ہے۔ بریدہ، اس تمام علاقے کا، جسے قصیم کہتے ہیں، پایۂ تخت ہے۔ وسط نجد میں بریدہ سب سے زیادہ متمدن جگہ ہے۔ یہاں شہروں کی طرح سہ منزلہ عمارتیں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ یہاں کے باشندے نجد میں سب سے زیادہ متمدن، دولت مند، چست و چالاک، اور تجارت کے ماہر ہیں۔ یہ لوگ حجاز، شام، مصر، بلکہ ہندوستان تک کے بازاروں سے بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں۔ تجارت نے اُنکے تعلقات، متمدن دنیا سے پیدا کر دئے ہیں۔ وہ بہت ملنسار اور سلیقہ مند ہو گئے ہیں۔ اُن کی زبان بھی غیر نجدیوں کے لئے سہل ہے۔ مجھے اُن کے دسترخوان پر شبہ ہوتا تھا کہ یہ مصر یا شام کا دسترخوان ہے۔ کیونکہ الوان و اقسام کے شہری کھانے موجود ہوتے تھے۔ اسی قدر نہیں بلکہ ان میں مذہبی تعصب بھی بہت کم ہو گیا ہے حتیٰ کہ میں نے اُنھیں خفیہ تمباکو بھی پیتے دیکھا ہے۔ تمباکو کا نام نجد میں "تیتن" ہے اور اُس کا رکھنا تک جرم ہے۔ سلطان ابن سعود کی حکومت میں بریدہ کے بہت سے تعلیم یافتہ نوجوان بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہیں۔

بریدہ میں تین دن قیام کر کے ہم نے 'ریاض' کا رُخ کیا۔ نجد کے پایۂ تخت تک پہنچنے کے لئے یہاں سے دو راستے ہیں: طریق وادی اور طریق مستوی۔ آخرالذکر زیادہ مختصر ہے۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ فتح حجاز کے بعد سلطان عبدالعزیز پہلی مرتبہ نجد واپس آ رہے ہیں اور جلد ہی ریاض پہنچنے والے ہیں۔ لہٰذا ہم نے مختصر راستہ اختیار کیا تاکہ سلطان سے پہلے پہنچ جائیں اور اُن کا شاہی استقبال دیکھ سکیں۔

چار دن کے سفر کے بعد ہم ایک گاؤں "البوشیحر" میں پہنچے۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ سلطان ۲۶ موٹروں کے جلوس کے ساتھ آج ہی یہاں سے گزرے ہیں۔ راستے میں کوئی قابل ذکر مقام یا واقعہ پیش نہیں آیا۔ اِلّا یہ کہ یہاں کے باشندے ٹڈی کھانے کے بہت دلدادہ ہیں۔ اتنے دلدادہ کہ مجھے حیرت ہو گئی۔ دُنیا ٹڈی سے پناہ مانگتی ہے۔ مگر یہ اُس کی آمد کی دعائیں مانگتے ہیں، اُسے بہت مبارک سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ ٹڈی کو خشک کر کے رکھ لیتے ہیں اور دُور دراز ملکوں میں اپنے دوستوں کو بطور قیمتی تحفے کے بھیجتے ہیں۔ چنانچہ مصر میں نجدی تاجروں کے پاس ٹڈیوں کی تھیلیاں آتی رہتی ہیں اور بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں!

ریاض سے پہلے ہمیں کئی آبادیاں ملیں۔ مثلاً: شقرہ، برہ، درعیہ وغیرہ۔ درعیہ، نجد کا تاریخی شہر ہے۔ یہیں سے خاندان سعود نے ظہور کیا۔ یہی نجد کا قدیم پایۂ تخت ہے۔ یہی وہابیت کا اولین مرکز ہے۔ یہیں نجدیوں اور ابراہیم پاشا مصری کی فوجوں میں زبردست جنگ ہوئی تھی۔ شہر کے کھنڈروں میں اب تک مصری توپوں کے نشان موجود ہیں۔ درعیہ سے متصل ایک گاؤں "عیینہ" ہے۔ یہ بھی بہت تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہیں سے مسیلمہ کذاب نے خروج کیا تھا۔

آٹھویں دن ہم ریاض پہنچ گئے۔ شہر خوب آراستہ تھا۔ ہر طرف مسرت کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ تمام نجد سے مبارکباد دینے کے لئے وفد آئے ہوئے تھے۔ کیونکہ سلطان نجد، حجاز فتح کر کے واپس ہوئے تھے۔

سلطان کو ہماری آمد کی اطلاع پہلے سے ہو گئی تھی۔ اُنھوں نے اپنا خاص نمائندہ میرے استقبال کے لئے شہر کے پھاٹک پر بھیجا۔ وہ مجھے اپنے ہمراہ قصر شاہی میں لے گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں سلطان کے حضور پہنچا۔ مگر اُنھوں نے اس طرح میرا خیر مقدم کیا گویا عمر بھر سے میرے دوست ہیں۔ جب اُنھیں میرے سفر کی غرض معلوم ہوئی تو بہت مسرور ہوئے اور جزیرۃ العرب کے حالات کی تحقیق میں میری ہر طرح امداد کا وعدہ فرمایا۔

سلطان نے نہایت فراخدلی سے میری تواضع کی۔ پورا ایک مکان میرے قیام کے لئے خالی کر دیا۔ مجھے اجازت دی کہ جب چاہوں اُن کی*

*مجلس میں بے تکلف آسکتا ہوں۔ نیز اپنے افسروں کو حکم دیا کہ معلومات کی جمع و ترتیب میں میری ہر طرح مدد کریں۔

مطبوعات جدیدہ

غدر ۱۸۵۷ء

اور "تصویر کا دوسرا رُخ"

(۲)

بلیک ہول اور عید کی قربانی

کوپر جو اِن دنوں امرتسر کا ڈپٹی کمشنر تھا، اپنی کتاب "فساد پنجاب" میں لکھتا ہے۔ "۲۶ نمبر پلٹن نے ۳۰ جولائی کو لاہور میں بغاوت کر کے اپنے کمان افسر کو قتل کیا تھا۔ اس کی پاداش میں تمام سپاہی تہ تیغ کر دئے گئے"!

۱۳ مئی کو ۳۸۰۰ ہندوستانی سپاہیوں سے احتیاطاً اسلحے لے لئے گئے تھے، تقریباً تین ماہ تک ان پر سکھ اور انگریز پہرا دیتے رہے۔ ۳۰ جولائی کو سخت طوفان باد آیا۔ اور قیدیوں میں غیر معمولی جوش و خروش پایا گیا۔ اس اثنا میں ایک سپاہی تلوار لے کر باہر آیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا۔ آؤ انگریزوں کو قتل کر دیں۔ چنانچہ اس نے جاتے ہی کمان افسر کو قتل کر دیا۔ اور تمام فوج طوفان کی اوٹ میں بھاگ نکلی۔ اِن میں سے سیکڑوں سپاہی سکھوں اور انگریزوں کی گولہ باری سے مارے گئے تھے۔ باقی ماندہ سپاہیوں نے دریائے راوی عبور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن پولیس نے مزاحمت کی۔ کوپر امرتسر سے اُن کے تعاقب میں آیا۔ اُسنے اپنی کتاب میں اِن سپاہیوں کی حالت بیان کی ہے، "دیہات کے لوگ دریا کے کنارے باغیوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ اِن میں سے ایک سو ۵۰ آدمیوں کو انھوں نے قتل کر دیا اور سیکڑوں کو دریا میں دھکیل دیا۔ چونکہ وہ ۴۰ میل سفر کر کے آئے تھے۔ اس لئے سخت تھکے ہوئے تھے۔ اور دریا کے پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ناچار ڈوب گئے۔ باغیوں کی ایک خاصی تعداد دریا عبور کر کے ایک جنگل میں چھپ گئی تھی۔ کوپر نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دریا کو کشتیوں کے ذریعے عبور کیا۔ باغیوں کو خیال ہوا، اُن کا کورٹ مارشل کیا جائے گا اور وہ بغیر کسی مزاحمت کے گرفتار کر لئے گئے۔ پھر انھیں پولیس اسٹیشن کے ایک کرے میں بند کیا گیا۔ دوسرے روز سکھ رسّے لے آئے۔ کوپر کے ہمراہیوں میں مسلمانوں کی بھی کچھ تعداد تھی۔ چونکہ اسے شک تھا کہ شاید وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کریں۔ اس لئے انھیں رخصت دے دی گئی تاکہ امرتسر میں جا کر عید الضحیٰ منائیں۔ عید الضحیٰ قربانی کا تیوہار ہوتا ہے۔ کوپر بھی ایک خاص قسم کی قربانی کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ خوش قسمتی سے پولیس اسٹیشن کے قریب ہی ایک خشک کنواں مل گیا۔ دس دس قیدیوں کو اکٹھا باندھا گیا اور باری باری باہر لا کر گولیوں کی بوچھاڑ سے مار دیا گیا۔ جب ۱۵۰ آدمی اس طرح مارے گئے۔ تو فائر کرنے والوں میں سے ایک بوڑھا آدمی بے ہوش ہو گیا۔ اس لئے مارنے والی جماعت کو کچھ عرصہ کے لئے آرام دیا گیا۔ پھر دوبارہ اسی طریقے سے قیدی مارے گئے۔ حتیٰ کہ مقتولین کی تعداد ۲۳۷ تک پہنچ گئی۔ اتنے میں افسر کو معلوم ہوا کہ بقیہ باغی اپنے کرے سے باہر نہیں نکلنا چاہتے۔ جب دروازہ کھولا گیا۔ تو اتفاقاً بلیک ہول والے حادثے کا نقشہ سامنے موجود تھا، ۴۵ آدمی خوف، گرمی اور سانس بند ہونے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر چکے تھے۔ ان تمام باغیوں کی لاشیں اُسی کنوئیں میں پھینک دی گئیں اور اوپر سے مٹی ڈال دی گئی۔ اس حادثہ کی تمامتر ذمہ داری کوپر پر عائد ہوتی ہے۔ جسنے تن تنہا سکھ فوج کی مدد سے بے شمار مسلمانوں کو ظالمانہ طریقے سے تباہ کیا، اسمیں شک نہیں۔ کہ بعد میں اس کی حرکت پر بڑی لعن طعن کی گئی۔ لیکن محض زبانی لعن طعن سے کیا ہوتا ہے؟ لارنس نے جو پنجاب کا گورنر (چیف کمشنر) تھا ایک خط میں اُس کی بڑی تعریف کی ہے، وہ لکھتا ہے:

"میں تم کو تمھاری کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ تم نے اور تمھاری پولیس نے بڑی جانبازی دکھلائی۔ گورنمنٹ تمھاری بہت مشکور ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اِن باغیوں کا انجام دوسرے آدمیوں کے لئے کافی تنبیہ ہو گی۔ جو باغی اِدھر اُدھر منڈلا رہے ہیں اُنھیں پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے"۔ لارنس ۲ اگست ۱۸۵۷ء لاہور۔

لارنس کے بعد منٹگمری[۱] پنجاب کا لفٹنٹ گورنر مقرر ہوا۔ اُسنے بھی اسی واقعہ کے متعلق کوپر کو خط لکھا۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے"۔ جو کچھ تم نے کیا۔ بہت اچھا کیا۔ اس نازک وقت میں کسی حیلہ حجت کی ضرورت نہ تھی۔ جب تک تم زندہ رہو گے، یہ بھلائی واسطے

[۱] یہ واقعہ اگر زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو تو سر جان لارنس کی سوانح عمری جلد دوم میں دیکھا جائے (الہلال)

صاحبان نے جلسوں اور اخباروں میں ظاہر فرمائیں، میری بے ادبی معاف فرمائی جائے اگر میں عرض کروں کہ اسے دیکھ کر میرا جیسا غیر جانبدار آدمی بھی اسلام کے متعلق اپنے خیالات پر قائم نہیں رہ سکا۔ اور جن لوگوں کے دل و دماغ پہلے ہی سے شک اور شبہات سے بھرے ہوئے ہونگے اور ہزاروں لاکھوں غیر مسلم ایسے ہی ہیں، اُن کے خیالات جیسے کچھ ہوگئے ہونگے اُس کا آپ اندازہ فرمالیجئے۔ اگر فی الحقیقت اسلام کی تعلیم اپنے ماننے والوں کے لئے ایسی ہی ہے اور اس کے احکام کا یہی حال ہے تو پھر وہ تعلیمات شُبہ سے خالی نہیں ہیں جو آپ نے میرے دل پر نقش کی ہیں، اور اگر حقیقت حال ایسی نہیں ہے، تو یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ ہزاروں لاکھوں آدمی ایک ہی طرح کی بے بُنیاد بات پر اکھٹے ہوجائیں اور اس زور شور سے اس کا اعلان کریں اور اس کا رد نہ کیا جائے۔

اس بیہودہ پمفلٹ "رنگیلا رسول" پر مدت سے کیس چل رہا تھا۔ جب یہ چھاپا گیا تھا تو میں نے بھی دیکھا تھا، اور میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اسے پڑھ کر میرے دل پر اس کے سوا کوئی اثر نہیں پڑا کہ اُس کا لکھنے والا سخت حقیر و ذلیل ہوگیا۔ دُنیا میں کوئی شریف اور شائستہ انسان خواہ کسی مذہب اور اعتقاد کا ہو لیکن کبھی یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ دُنیا کے اُن بانیان مذاہب کا جن کی تعلیمات نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو خدا پرستی کی راہ پر لگایا ہے، گندہ لفظوں میں ذکر کیا جائے، یا اُن کی زندگی کی نامعقول طریق پر ہنسی اُڑائی جائے۔ البتہ ایسے نادان اور جاہل آدمی اس دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ جب مسلمان اخبارات نے اس کے خلاف پروٹسٹ کیا، تو میں نے انہیں بالکل حق بجانب سمجھا۔ مجھے میرے بعض دوستوں نے بتلایا کہ اگرچہ یہ پمفلٹ ہر حال میں قابل اعتراض ہے لیکن یہ خود مسلمانوں کے ایک ایسے ہی گندہ پمفلٹ کے جواب میں لکھا گیا ہے لیکن میں نے کہا اگر کسی مسلمان نے لکھا تھا تو ایک بُرائی کی تھی، اور کسی انسان کے بُرائی کرنے کی وجہ سے دوسرے انسانوں کے لئے بُری بات اچھی نہیں ہو جاسکتی۔

یہاں تک تو یہ بات بالکل ٹھیک تھی، لیکن پھر اس کے بعد جو طریقہ ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک تمام مسلمانوں نے اختیار کیا اور ایک کے بعد ایک جو باتیں کہی گئیں وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ کچھ عجیب طرح کی مذہبی مینٹلٹی ظاہر کرتی ہیں جنھیں کسی طرح بھی کسی ٹھیک راستے پر لیجایا نہیں جاسکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام لیڈروں اور مولنا صاحبان نے اور جمعیت العلما نے جس میں پانچ سو مولوی صاحبان کا ہونا بتلایا گیا ہے، فتویٰ جاری کردیا کہ رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہیئے۔ اور یہ کہ شریعت اسلام کا قانون یہی ہے کہ جونہی کوئی غیر مسلمان حضرت بانیٔ اسلام کے خلاف کوئی بدزبانی کرے، اسے فوراً مار ڈالنا چاہیئے۔ مجھے معاف رکھا جائے اگر میں عرض کروں کہ اس بات کے کہنے میں تو کوئی بڑائی کی بات نہیں ہے کہ جب کبھی ہماری بن آئی تھی تو ہم اپنے خلاف ہر زبان دراز آدمی کو مار ڈالتے تھے۔ اگر اسلام کو اسپر فخر ہے تو یہ ایسا فخر نہیں ہے جو صرف اُسی کے حصے میں آیا ہو۔ جس کسی کو دُنیا میں طاقت ملی ہے اُس نے لوگوں کو قتل کیا ہے اور تلوار کے زور سے اپنی ہیبت قائم کی ہے۔ اسلام کا فخر تو اس بات میں ہونا چاہیئے تھا کہ اُس نے انسانوں کو سزا دینے کی جگہ بخشا ہے، اور قتل کرنے کی جگہ زندگی بخشی ہے۔ جناب نے مجھے پچھلے سال لکھا تھا کہ اسلام کی اصلی اسپرٹ انسانیت کی اسپرٹ ہے اور یہی فرق اُس میں اور تمام مذاہب میں ہے۔ اُس نے ہر گوشہ کو انسانیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ ملک، جماعت، اور وطن کی نگاہ سے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی حالت میں کیونکر اسلام کا یہ قانون انسانیت کی اسپرٹ کے ساتھ ہوسکتا ہے کہ جہاں کوئی نادان اور جاہل آدمی بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے فوراً اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جائیں۔

آپ یقین فرمائیے کہ یہ بات میری اس عقیدت کی جو میں اسلام سے رکھتا ہوں اتنی خلاف تھی کہ پہلے تو مجھے اس پر یقین نہیں ہوا لیکن اس کے بعد میں نے جب خود جمعیت العلما اور انجمن خدام دین اور مولنا محمد علی صاحب کے فتوے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ اسے تسلیم کرلیتا۔

اچھا اگر یہ اسلام کا قانون بھی ہو جب بھی ہندوستان میں اسے رائج کرنے کا مطالبہ کرنا میں نہیں سمجھتا کیا معنی رکھتا ہے۔ اگر بانیٔ اسلام کے لئے مسلمان ایسا قانون چاہیں گے تو دوسرے مذاہب بھی مطالبہ کرینگے۔ پھر کیا مسلمان اس سے متفق ہونگے کہ جو مسلمان ہندوؤں، پارسیوں، بدھسٹوں، کے بزرگوں کے خلاف بدزبانی کرے، اُسے فوراً قتل کر ڈالنا چاہیئے؟

جسقدر واقفیت مجھے اسلام کی کتابوں سے ہے، اسکے مطابق میں نے اس قانون کی تحقیق کرنی چاہی۔ مجھے اس کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ لیکن رسالہ ورتمان کیس میں جن مولوی صاحبان نے شہادت دی ہے، انھوں نے بتلایا ہے کہ کتاب سارم مسلول (الصارم المسلول) میں ایسا ہی لکھا ہے۔ میں نے یہاں اپنے مسلمان دوستوں سے اس کتاب کے بارے میں پوچھا تو وہ کچھ نہیں بتلا سکے۔ بہرحال جمعیت العلما کے فتوے اور مولنا محمد علی صاحب کے اعلان سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا حکم ایسا ہی ہے۔

علاوہ بریں اس معاملہ میں یہ طریق عمل بھی اسلام کے اخلاق کا کوئی اچھا اثر ہم لوگوں پر نہیں ڈال سکتا کہ جس شخص نے اسلام کے خلاف کچھ لکھا ہو اُسے بازاری گالیاں دی جائیں۔ اور ملعون، کُتا، اور ایسے ہی لفظ کہے جائیں جیسے مولنا محمد علی صاحب جیسے ذمہ دار لیڈر برابر اپنی تقریروں میں کہتے رہے۔ کیا اُس شخص کو گالی دینے سے اُس کی اس بدزبانی اور بے ادبی کا بدلہ لیا جاسکتا ہے جو اُس نے بانیٔ اسلام جیسے عظیم الشان انسان کی شان میں کی ہے؟ اگر نہیں تو اس طرح کی گالیاں دینے سے خود اپنا اخلاق خراب ہوتا ہے۔ اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی کہ محض ایک دو نادان اور بدزبان آدمیوں کے کچھ لکھ دینے پر اس قدر جوش و خروش دکھلایا جائے، گویا مسلمانوں کے لئے کوئی بڑی مصیبت کی بات پیش آگئی ہے حالانکہ خود مسلمان صاحبان تمام غیر مذاہب کے خلاف برابر ہر قسم کی اچھی بُری باتیں کہتے آئے ہیں اور ان کی وجہ سے کبھی نہ تو ہندوؤں نے اس طرح شور مچایا ہے نہ عیسائیوں نے۔ یقیناً اس طرح کی باتوں سے جو مینٹلٹی ثابت ہوتی ہے وہ قابل تحسین نہیں ہے۔

یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ہندؤں میں آریہ سماج کے قائم ہونے سے پہلے نہ تو کسی طرح کا تبلیغ کا خیال تھا، اور نہ وہ مذہبی بحث مباحثہ کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی جانب سے ہمیشہ کتابیں انکے خلاف لکھی جاتی تھیں۔ میں نے لاہور میں پانچ کتابیں ایسی دیکھی جو اس ایجی ٹیشن کی وجہ سے چند صاحبوں نے جمع کی ہیں، اور میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ ان میں ہندوؤں کے رشیوں اور اوتاروں کے خلاف جو بے ہودہ باتیں لکھی ہیں وہ اس بیہودگی سے بہت زیادہ ہیں جو رنگیلا رسول لکھنے والے نے دکھلائی ہے۔ یہ کتابیں بیس بیس تیس تیس برس سے ہزاروں کی تعداد میں چھپکر فروخت ہوتی ہیں، لیکن کبھی ہندؤں نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ان کے لکھنے والوں کے سر قلم کر دئے جائیں۔ معلوم نہیں جناب والا کی نظر سے یہ کتابیں گزری ہیں یا نہیں اگر ارشاد ہوگا تو میں بھجوا دوں گا۔ ایک کتاب تحفۃ الہند ہے۔ جو مولوی عبد اللہ صاحب نے لکھی ہے جو دہلی کے بڑے مولوی ہیں۔ اسمیں ایک نظم ہے جس کا ٹیپ یہ ہے:

کہو یہ کون دھرم ہے؟

اس میں ہندؤں کے رشیوں اوتاروں کے خلاف اس قدر فحش اور گندہ طریقہ سے اظہار خیال کیا ہے کہ کوئی مہذب آدمی اُسے پڑھ بھی نہیں سکتا۔ میری ناقص عقل اس بات سے عاجز ہے کہ جب خود مسلمانوں کا یہ طرز عمل دوسروں کے ساتھ ہے تو وہ خود اس قدر حد سے زیادہ شور و غل کیسے مچا سکتے ہیں؟

علاوہ بریں یہ بات بھی بڑی عجیب ہے کہ اسلام کے قانون میں اپنے مخالفوں کے لئے معافی کی کوئی جگہ نہیں۔ رنگیلا رسول کے پبلشر نے صاف لفظوں میں اظہار افسوس کردیا تھا، لیکن مسلمانوں کا یہ مطالبہ تھا کہ نہیں اسے قتل کرنا چاہیئے!

مجھے میرے دوستوں نے کہا ہے کہ اسوقت ملک کی جو عام حالت ہو رہی ہے اور مسلمانوں کے اندھا دھند جوش و خروش کا جو حال ہو رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ مصلحت کے خلاف ہوگا کہ جناب کوئی بات بھی اپنے ہم مذہبوں کی عام رائے کے خلاف کہیں اسی لئے یہ سب کچھ آپ دیکھتے ہیں لیکن خاموش ہیں۔ اگر میرے دوستوں کا یہ خیال صحیح ہو تو اگرچہ یہ بات میرے لئے بڑے ہی رنج کی ہوگی لیکن میں ایسی گستاخی نہیں کرسکتا کہ اس بارے میں زبان کھولوں۔ کم از کم یہی کیجئے کہ اس بارے میں میرے دل کے شکوک دُور کردیجئے کیونکہ ان کی وجہ سے مجھے بہت ہی پریشانی ہورہی ہے۔ میں چاہتا ہوں صاف صاف معلوم ہوجائے کہ اسلام کے احکام اور تعلیمات کیا ہیں۔

اگر جناب ترتیب کے ساتھ جواب عنایت کرینگے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ میں نمبروار عرض کردیتا ہوں:

(۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہے کہ جو شخص حضرت بانیٔ اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اسے فوراً قتل کردینا چاہیئے اور جس مسلمان کے سامنے ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہے کہ اُسی وقت اُس کا سر اُڑا دے؟

(۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہے کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیغمبر اسلام کے خلاف بدزبانی کرے تو جب تک اس کے تمام ہم قوم (جنھوں نے شاید اُس بدزبانی کرنے والے کا نام بھی نہ سُنا ہوگا) اسکو بُرا بھلا نہ کہیں۔ تمام قوم کا بائیکاٹ کردینا چاہیئے اور اپنی بستی سے نکال دینا چاہیئے۔

(۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کرے تو اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالنا چاہیئے جیسا کہ مولنا محمد علی صاحب نے فرمایا ہے؟

(۴) آپکے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان میں ایسا قانون بنانا چاہیئے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر ڈالا جائے؟

(۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی مان لے اور اس پر افسوس ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہیئے اور اسے جسمانی سزا دلانے پر اڑ جانا چاہیئے؟

(۶) جو کتابیں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان مولوی صاحبان لکھتے آئے ہیں اور اس میں رنگیلا رسول جیسی زبان استعمال کی گئی ہے، کیا وہ بھی اسی طرح سزا کی مستحق نہیں ہیں جیسی رنگیلا رسول اور رسالہ ورتمان ہیں؟

(۷) سو دو سو برس سے جو سیکڑوں عیسائی مشنری اسلام کے خلاف سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور اسوقت ہزاروں کی تعداد میں وہ موجود ہیں، کیوں انکے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں دکھلایا گیا جس قدر اس موقعہ پر دکھلایا گیا ہے؟

(دیکھو صفحہ کالم اول)

سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اُسنے کہا انکے خاوندوں نے اسواسطے قتل کردیا ہے کہ مبادا یہ عورتیں انگریزوں کے قابو میں آجائیں۔ کیونکہ وہ یہ بے عزتی برداشت نہیں کرسکتے۔ پھر اُسی آدمی نے انکے شوہروں کی لاشیں دکھائیں۔ جنھوں نے اس فعل کے بعد اپنے آپ کو قتل کردیا تھا۔ اس شہر نے نادر شاہ کے قتل عام کے بعد ایسے خوفناک مناظر کبھی نہیں دیکھے تھے۔ جبدن دہلی فتح ہوئی، وہ لوگ جو ہمارے خلاف لڑرہے تھے، شہر سے نکلکر بھاگ گئے تھے۔ صرف وہ لوگ رہ گئے تھے جنھوں نے بغاوت میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ بلا امتیاز قتل کئے گئے۔

اکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا نے جو ایک اعلیٰ پایہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے، یہ واقعات قطعاً نظر انداز کردیئے ہیں۔ اسنے صرف معمولی طور پر ایک مہذب فوج کے داخلۂ شہر کا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہی تاریخ نادر شاہ کے قتل عام کی بڑی مہیب تصویر دکھلاتی ہے۔ حالانکہ نادر شاہ کا قتل عام اس غدر کے قتل عام کے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں رکھتا نادر شاہ کا قتل عام صرف چند گھنٹے رہا تھا، اور یہ کئی ہفتوں تک جاری رہا۔

حادثۂ کانپور

بعض انگریز مورخ کہتے ہیں کہ چونکہ باغیوں نے کانپور میں انگریزوں پر ظلم ڈھائے تھے، اس لئے وہ انتقام لینے میں حق بجانب تھے۔ میں ذیل میں کانپور کے حادثہ کے متعلق چند واقعات درج کرتا ہوں۔ ان سے ناظرین خود اندازہ لگالیں گے کہ صورت حال کیا تھی۔

سر جارج فارسٹ نے اپنی کتاب "ہندوستانی بغاوت" میں لکھا ہے۔ "یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ ان سپاہیوں نے جو انگریز قیدیوں کی حراست پر مامور تھے، اُنھیں قتل کرنے سے انکار کردیا تھا، یہ ظالمانہ فعل نانا کے ۵ بدمعاش ہمراہیوں میں سے ایک کنجرے کی ایما سے سرزد ہوا تھا۔ اس فعل کی ذمہ داری کسی صورت میں بھی تمام ہندوستانی قوم پر عائد نہیں ہوسکتی۔ جب کوئی انگریز کسی تاریخ میں پڑھتا ہے کہ مسز جیمز یا مسز جیننگز کو کسی ہندوستانی نے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔ تو اس کے غصے کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ لیکن دوسری طرف یہ امر بھی مسلمہ ہے۔ کہ سیکڑوں عورتیں اور بچے انگریزی فوجوں کی بدولت اس جہانِ فانی سے کوچ کرگئے۔ اگر ہمیں ایک انگریز لیڈی کے خوفناک انجام سے ہمدردی ہے، تو ہمیں یہ بھول نہ جانا چاہیئے کہ ہندوستان کے باشندے بھی آخر انسان تھے۔ کانپور کے کنوئیں کا حادثہ کوئی آدمی پسند نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اسوقت ہیولاک باغیوں کو شکست دے کر کانپور کی طرف بڑھ رہا تھا، اور باغیوں نے جب ہمارے قتل وسلب کی شہرت سنی تو انھوں نے بھی اشتعال میں آکر قیدیوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا۔ جیسا کہ اُنکے بھائیوں اور بہنوں سے ہورہا تھا"

اِن دنوں یہ عام افواہ ہمارے لوگوں نے مشہور کر رکھی تھی کہ ہندوستانیوں نے انگریز عورتوں کی عصمت دری کی اور پھر اُنھیں قتل کردیا، سر جارج کیمبل اِن تمام روایات کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں اور تمام مشہور مورخ اُن کی تائید کرتے ہیں،

(مترجمہ محمد علی وکیل ایسٹ آباد)

مراسلہ

ایک جواب طلب مراسلہ

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزاءِ قتل

مندرجۂ ذیل مراسلت پنجاب کے ایک ہندو دوست کی ہے جو وہاں کی ایک مذہبی انجمن کے عہدہ دار بھی ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں اُنھوں نے مجھ سے خط وکتابت کی تھی اور اپنی طبیعت کی مذہبی بے اطمینانی اور جستجوئے حق وحقیقت کا شوق ظاہر کیا تھا۔ جب کبھی کوئی آدمی اس بارے میں مجھ سے مشورہ کرتا ہے، تو میں ہمیشہ اُسے تقلیدی بندشوں سے آزاد ہونے اور مذاہب کے آزادانہ مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں۔ یہی مشورہ میں نے انھیں بھی دیا۔ اس پر اُنھوں نے بہت سے سوالات لکھ کر بھیجے جن میں سے بعض سوالات کا تعلق اُن شکوک سے تھا جو نفس مذہب اور اُس کی ضرورت سے تعلق رکھتے تھے، اور بعض کا تعلق مسیحیت اور اسلام سے تھا چونکہ خط وکتابت کے ذریعہ اس طرح کے معاملات انجام نہیں پاسکتے، اس لئے میں نے اُنھیں لکھا کہ چند دنوں کے لئے کلکتہ آجائیں اور میرے پاس ٹھہریں۔ وہ آئے اور کچھ عرصہ تک یہاں مقیم رہے۔ میں نے محسوس کیا کہ بہت حد تک اُن کی طبیعت تقلیدی بندشوں سے آزاد ہوچکی ہے، اور آزادیٔ فکر کے ساتھ مسائل کے مطالعہ کی استعداد رکھتے ہیں۔ وہ جب واپس جانے لگے تو اُنھوں نے اعتراف کیا کہ اُن کی طبیعت کا وہ تہائی اضطراب دُور ہوچکا ہے۔

اس کے بعد وقتاً فوقتاً وہ مجھ سے خط وکتابت کرتے رہے۔ گذشتہ دسمبر میں گوہاٹی کانگرس کے موقعہ پر پھر کلکتہ آئے اور مجھ سے ملے، اور میں نے اُن کی قلبی حالت سابق سے زیادہ ترقی یافتہ پائی۔

اس ہفتہ اُن کی یہ تحریر میرے نام آئی ہے۔ ضرورت نہ تھی کہ اسے الہلال میں درج کیا جاتا۔ میں حسب معمول اس کا جواب اُنھیں بھیج دیتا، لیکن تحریر کے آخر میں اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہے، اور اس سے اُن کی طبیعت کے جن تاثرات کا پتہ چلتا ہے، اُن کے ازالہ کے لئے ضروری ہوگیا کہ یہ خط الہلال میں درج کردیا جائے، اور الہلال ہی کے ذریعہ جواب دیا جائے۔ اس ہفتہ یہ شائع کردیا جاتا ہے، لیکن جواب آئندہ ہفتہ لکھ سکوں گا، کیونکہ آج یکایک شملہ جانے کا ارادہ کرلینا پڑا۔ اس لئے تحریر کی مُہلت نہیں ہے۔ (ابوالکلام)

مَیں نے ادہر مدت سے کوئی عریضہ آپ کی خدمت میں اس لئے نہیں بھیجا کہ میں ارادہ کرچکا تھا راولپنڈی کے معاملات نبٹا کر کلکتہ میں حاضری دوں گا۔ لیکن گھر کے جھگڑے ایسے نکل آئے کہ اب تک چھٹکارا نہ ہوسکا اور شاید کچھ دنوں اور اسی طرح نکل جائیں۔ میں اب بھی یہ خط لکھ کر جناب کے اوقات میں خلل نہیں ڈالتا اور ساری باتیں اپنی حاضری پر اٹھا رکھتا، لیکن اس طرف ایک معاملہ نے میرے خیالات میں نہایت پریشانی پیدا کردی ہے اور میں اسکو زیادہ دیر تک روک نہیں سکتا۔ مجھ کو یقین ہے کہ وہ معاملہ میرے ہی لئے نہیں بلکہ مجھ سے زیادہ ہزاروں انسانوں کے لئے بے دلی اور پریشانی کا سبب بن رہا ہوگا اس لئے مجبوراً یہ عریضہ لکھ کر جناب کا تھوڑا سا وقت ضائع کرنا چاہتا ہوں۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ آپ اس عریضہ کا جواب، یا اسے چھوڑ کر بطور خود اس معاملہ میں اپنی رائے اخبارات کے صفحوں پر شائع کردیتے یا الہلال ہی میں ارقام فرماتے لیکن اگر پبلک میں اس کی اشاعت خلاف مصلحت ہو تو کم سے کم میرے دل کا اضطراب تو دور کردیں۔

جناب پر ایک مدت سے میرے دل کا حال پوری طرح روشن ہے۔ میں ہر طرح کے مذہبی اور کمیونل تعصبات سے الگ ہوکر مذاہب عالم میں سچائی اور حقیقت کا متلاشی ہوں، اور مجھے آپکی ذات مبارک سے اس بارے میں وقتاً فوقتاً جو مدد ملی ہے، اس کے لئے مدۃ العمر میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔ آپ نے میری آنکھوں پر سے کج فہمی کے بہت سے پردے ہٹادیئے، اور میرے دل کو جو پیروان مذاہب کی حالت دیکھ کر مذہب کی طرف ہی سے برگشتہ ہوگیا تھا، پھر مذہب کی صداقتوں کی راہ پر لگا دیا۔ خصوصاً مذہب اسلام اور اُس کے بانی کی تعلیم کی جو حقیقت آپنے مجھ پر روشن کردی وہ ایسی ہے کہ میرے خیال میں کوئی انسان بھی جو انصاف اور حق پرستی سے بالکل محروم نہ ہوگیا ہو اُس کی طرف بے اختیار کھنچے ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کم سے کم وہ اُس کی عزت اور احترام کرنے سے تو کبھی انکار نہیں کرے گا۔

. . . .

آپ کو معلوم ہے کہ میں دو برس سے بالکل ایک دوسری ہی نگاہ سے مذہبی صداقت کا مطالعہ کررہا ہوں، لیکن مجھے معاف کیجئے گا۔ ایک بہت بڑی مشکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہے کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اسپرٹ جو ظاہر کرتے ہیں، وہ جب دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈھی جاتی ہے، تو صرف یہی نہیں کہ نہیں ملتی بلکہ برخلاف اس کے ایسی ایسی باتیں سامنے آجاتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک وشبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ابھی حال میں پمفلٹ "رنگیلا رسول" پر جو ایجی ٹیشن شروع کیا گیا اور جو جو باتیں بڑے بڑے مسلمان لیڈروں اور مولانا

کو ٹرکی کے خلاف اُکسا رہی ہیں - یہ اخبار، اجنبیوں کے پَروَردہ ہیں اور اُنہی کے اشاروں پر ناچتے ہیں"

یہ اخبارات کی باہمی تکرار ہے - لیکن اب تک دونوں حکومتیں بالکل خاموش ہیں - بلکہ دوستانہ تعلقات کی موجودگی کا یقین دلا رہی ہیں - چنانچہ ایرانی سفارت کے معتمد عام زندی خاں نے اخبارات کو حسب ذیل بیان دیا ہے:

"اخبار آزاد ہیں، جو چاہیں لکھیں - ایرانی اخبارات کی طرح ترکی اخبار بھی سخت لہجہ اختیار کر لیتے ہیں، اور اُن کا لب لہجہ ایران کی مخالفت پر محمول کیا جا سکتا ہے - لیکن اس قسم کی باتیں ہرگز دو مشرقی اور اسلامی ملکوں کے تعلقات پر اثر نہیں ڈال سکتیں جن کی دوستی مشترک فوائد پر استوار ہے"

تقریباً یہی خیال خود ایرانی سفیر نے بھی ظاہر کیا ہے - اُسنے کہا

"دونوں ملکوں کی دوستی پائدار اور دوامی ہے - دونوں حکومتیں پورے حزم و اخلاص سے تمام مسائل حل کرنے پر کمربستہ ہیں - کوئی حادثہ بھی ہمارے تعلقات خراب نہیں کر سکتا"

اُمید کی جاتی ہے، جلد یہ معمولی نزاع ختم ہو جائے گی -

ترکی پایۂ تخت

غازی مصطفےٰ پاشا کے سفر آستانہ سے بعض حلقوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ترکی پایۂ تخت، جلد انگورہ سے قسطنطنیہ میں منتقل ہو جائے گا - مگر انگورہ کا نیم سرکاری اخبار "حاکمیت ملت" اس کی تردید کرتا ہے - اُسنے لکھا ہے:

"جب ہم نے ارادہ کیا کہ ٹرکی کی از سر نو تعمیر کریں تو اس میں یہ خیال ہرگز ہمارے سامنے نہ تھا کہ ساتھ ہی غیروں کی خوشی کا بھی ہمیں سامان کرنا چاہئے - ہم نے ضرورتاً انگورہ کو پایۂ تخت بنایا تھا - وہ ضرورت اب تک موجود ہے - جب تک ہم امن و امان کے سایہ میں چلکر اپنا مقصد حاصل نہ کر لیں، اُسوقت تک انگورہ ہی کو پایۂ تخت رہنا چاہئے لہذا اس کی تبدیلی کا سوال، اسوقت پیدا ہی نہیں ہو سکتا"

مکتوب شام

(الہلال کے نامہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

ہائی کمشنر کا بیان

ادہر دو تین ہفتے سے میں نے کوئی مکتوب آپکو نہیں لکھا - کیونکہ حالات میں کوئی قابل ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی - ہائی کمشنر کے لبوں پر جو مہر سکوت شروع سے لگ گئی تھی، وہ اب تک باقی تھی - ہر طرف افواہوں کی گرم بازاری تھی، مگر حقیقت کا کہیں پتہ نہ تھا - حکومت جتنا زیادہ ابہام و اخفا برتتی تھی، افواہیں اُتنی ہی زیادہ پھیلتی تھیں - اکثر لوگوں کا رجحان یہ تھا کہ حکومت کچھ نہ کچھ کرنے والی ہے - اگر سب نہیں تو ملک کے مطالبات کا ایک بڑا حصہ ضرور قبول کر لے گی - خصوصاً اب جبکہ درزی مجاہدین نے ہتیار ڈال دئیے ہیں، حکومت بھی نرم ہو جائے گی اور باشندوں کی ضرور اشک شوئی کر دے گی -

لیکن ان فریب خوردوں کو اگرچہ بہت زیادہ انتظار کرنا پڑا، تاہم وہ دن آ ہی گیا جب اُنھیں حقیقت عُریاں کے مشاہدے پر مجبور ہونا پڑا - مدت تک نقاب پوش رہنے کے بعد ہائی کمشنر نے اپنا منہ کھولا تو اُس میں مکر و ریا کے سوا کچھ بھی نہ تھا - درزی جہاد ختم ہو جانے سے حکومت کی ہمت بلند ہو گئی - اب اُسے کوئی خوف بھی باقی نہ رہا - چنانچہ ہائی کمشنر نے اپنی پالیسی اور حکمبردار سلطنت فرانس کی سیاست جو وہ شام کے بارے میں طے کر چکی ہے، ظاہر کر دی - ہائی کمشنر کا بیان یقیناً تمام مشرق کے لئے عبرت و موعظت کا ایک سبق ہے - اور وہ حسب ذیل ہے:

"ہائی کمشنر کو اپنے قیام پیرس کے دَوران میں بارہا موقعہ ملا کہ فرانسیسی حکومت اور فرانسیسی پارلیمنٹ کی معاملات خارجیہ کی کمیٹی کے روبرو شامی صورت حال کے متعلق اپنی تحقیقات پیش کر دیں خصوصاً باشندوں کی وہ اُمیدیں صفائی کے ساتھ ظاہر کر دیں جو شام کے مختلف حصوں میں دَورہ کرنے کے بعد اُنھیں معلوم ہوئی تھیں -

ہائی کمشنر نے شام میں اپنی واپسی کے بعد مختلف حکومتوں کے ذمہ داروں سے بھی بار بار تبادلۂ خیال کیا - حکمبردار حکومت کے خیالات و مقاصد اُن پر ظاہر کئے اور وہ بنیادیں پوری وضاحت سے پیش کر دیں جن پر وہ اپنی سیاست کی بنا رکھنا چاہتے ہیں - وہ بنیادیں حسب ذیل ہیں:

(۱) معاہدۂ حکمبرداری کی دفعہ ایک کی رُو سے چونکہ فرانس نے اپنے سر یہ ذمہ داری لے لی ہے کہ "شام اور لبنان کے لئے وہ راستہ ہموار کرے گا جس پر چل کر وہ بتدریج خود مختار بن سکیں گے" اور یہ کہ اُن کی اندرونی خود مختاری کی ظروف و حالات کے مطابق ہمت افزائی کرے گا - اس لئے فرانس مجلس اقوام سے حاصل کی ہوئی اپنی یہ ذمہ داری برابر پوری کرتا رہے گا - یہاں پر اس ذمہ داری سے دست بردار ہو جانے کا ہرگز کوئی سوال پیش نہیں ہو سکتا -

(۲) اس ذمہ داری کی حیثیت:

معاہدۂ ورسیلز کی دفعہ ۲۲ کی تطبیق، مشرق میں بہت ہی زیادہ مشکل معلوم ہوتی ہے - کیونکہ یہاں کی بعض جماعتیں مدت دراز سے ترقی کے اُس درجہ تک پہنچ گئی ہیں جسنے اُنھیں مشرق قریب کی ترقی پذیر قوموں کی صف اول میں پہونچا دیا ہے - حکمبردار سلطنت نے امن و امان برقرار رکھتے ہوئے، جو ترقی کی اصلی بنیاد ہے، ان جماعتوں کی اُمیدیں پوری کرنے میں کبھی غفلت نہیں برتی - لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان اُمیدوں کی تطبیق میں اب تک بکثرت رکاوٹیں حائل ہوتی رہی ہیں اور یہ صرف اسوجہ سے کہ اُن میں باہم بہت زیادہ تناقض موجود ہے -

ان جماعتوں کی اُمیدیں بَر لانا، شام میں فرانسیسی سیاست کی ایک بڑی بنیاد ہے - حکمبردار سلطنت اب تک اپنی اس سیاست پر قائم ہے اور عزم بالجزم کئے ہوئے ہے کہ ہمیشہ یہ اُمیدیں پوری کرتی رہے گی جب تک وہ دائرۂ نظام اور امن و امان میں رہیں اور جب تک اقلیات کے حقوق، جن کی معاہدوں نے ضمانت کر دی ہے، اور ملک کے عام مصالح کے خلاف نہ ہوں -

(۳) فرانسیسی سیاست کا دوام اور قانون اساسی -

یہ سیاست، جسے مسیو دی جوونل پوری وضاحت سے معین کر چکے ہیں اور جسے حکومت فرانس اور مجلس اقوام نے منظور کر لیا ہے، ضرور ہے کہ ملک کے قانون اساسی میں قائم رکھی جائے - ہائی کمشنر پوری مضبوطی سے اس سیاست کو بَرقرار رکھیں گے -

لیکن یاد رہے کہ قانون اساسی، صرف وہی لوگ بنائیں گے جو اُسے ضروری سمجھتے ہیں - اس سے مقصود یہ ہے کہ وہی حکومتیں اسکے بنانے میں شریک ہوں گی جو موجودہ نظام کے ماتحت ملک میں قائم ہیں - انہی حکومتوں کو حق ہے کہ ملک کے مصالح پر غور کریں، اپنے باہمی اختلافات مٹانے کی سعی کریں، اور مشترک مصالح کے لئے باہم معاہدے طے کریں - حکمبردار سلطنت، انہیں ہر ممکن مدد دے گی اور انکے مابین حَکَم کی حیثیت سے کام کرے گی -

اگر جدید نظام پر پُورے مُلک کی رضامندی ضروری سمجھی گئی تو اس ... کے لئے بھی کوشش کی جائے گی - لیکن اگر رضامندی کا حاصل کرنا ممکن نہ ہوا تو حکمبردار سلطنت، امن و امان کی حفاظت اور مستقبل کی درستگی کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرے گی -

(۴) امن و امان

اب ملک میں ایک مرتبہ پھر امن و امان پوری طرح عام ہو گیا ہے - حکمبردار سلطنت نے اس راہ میں عظیم کوششیں اور بہت بڑی قربانیاں کی ہیں - اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ فرانس اُس دوستی کے برقرار رکھنے کا غیر متزلزل ارادہ رکھتا ہے جو اُسے ملک شام و لبنان سے ہے -

ملک کی ترقی کے لئے امن امان کی موجودگی ضروری ہے - بدامنی سے ہرگز کوئی فائدہ پہنچ نہیں سکتا - بلکہ اُلٹے نقصان یقینی ہے..."

یہ ہائی کمشنر کے بیان کا ضروری حصہ ہے - ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ بیان کس درجہ مضطرب اور بے معنی ہے؟ اُس کے اگر کچھ معنی ہیں تو صرف یہ ہیں کہ فرانس، شام کے مطالبات منظور نہیں کرے گا بلکہ اپنی جنگی قوت سے اُسے بدستور محکوم و مقہور رکھے گا -

فرانس کی بدنیتی

شام میں فرانس کی بدنیتی کا ایک ثبوت، مذکورۂ بالا بیان کے علاوہ، یہ ہے کہ اُسنے شکست خوردہ درزی مجاہدین کی بیچارگی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش شروع کر دی ہے - چنانچہ گزشتہ ہفتے حکومت نے اعلان کیا ہے کہ جبل دروز کے باشندوں نے ملک شام سے اپنی کامل علحدگی کا مطالبہ کیا ہے - نیز وہ چاہتے ہیں کہ اُنکے علاقے پر حاکم، فرانسیسی ہوا کرے -

ملک کی عام رائے اس منحوس خبر سے بہت پریشان ہوئی، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شام کی سیاسی وحدت اب تک جس قدر پراگندہ ہو چکی ہے، فرانس کی نظر میں وہ کافی نہیں ہے - فرانس ابھی اُس بدنصیب ملک کے اور بھی بہت سے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے - جبل دروز کی علحدگی کے بعد شام، صرف دمشق اور مضافات کے علاقے کا نام رہ جائے گا -

سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ جن درزی سرداروں کی طرف یہ مطالبہ منسوب کیا جا رہا ہے، وہ ملک میں نہایت ہر دلعزیز تھے - مثلاً عبد الغفار پاشا اطرش، امیر حسن، نجم پاشا حلبی، شیخ محمد الہجری، حمزہ درویش وغیرہم - حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اس سے پہلے ملک کی سیاسی تقسیم و تجزی کے سخت مخالف تھے - بلکہ اُنکے خونیں جہاد کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ موجودہ تقسیم منسوخ کر دی جائے، اور ملک میں ایک ہی وحدت سیاسی قائم ہو -

لیکن بہت جلد حقیقت آشکارا ہو گئی - عام رائے نے معلوم کر لیا کہ یہ چیز بھی فرانس کی بدنیتی نے پیدا کی ہے - واقعہ یہ ہے کہ پچھلے ہفتے ہائی کمشنر، دمشق آئے - اُن کے ساتھ اُن کا نفس ناطقہ کرنل کیٹرو بھی تھا - یہ شخص اپنی ظلم پسندی اور ملک شام سے دشمنی میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے - دمشق سے یہ جبل دروز گیا اور وہاں درزی سرداروں سے مذکورۂ بالا محضر پر دستخط کرنے کو کہا - اُنھوں نے انکار کیا مگر اسنے اُنھیں اپنی قوت کی زور سے مجبور کر دیا -

اس واقعہ نے باشندوں کو فرانس سے اور بھی زیادہ بدظن کر دیا ہے

ایک اور مصیبت

یہ مصائب کیا کم تھیں کہ ملک پر ایک تازہ مصیبت، خود ایک مُلکی کے ہاتھوں نازل ہو رہی ہے - داماد احمد نامی بک، دمشق کی عارضی حکومت کا صدر ہے - اسکے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ شام کے تخت شاہی پر عنقریب متمکن ہو گا - اس طمع میں یہ بالکل فرانس کا غلام بن گیا ہے اور بُری طرح خادمان قوم کو ستا رہا ہے - حال کا واقعہ یہ ہے کہ اسنے اخبار الجرائب کے اڈیٹر شدیاق آفندی کو دمشق سے نکل

بریدِ شرق

مکتوبِ آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

شاہ مصر کا سفر انگلستان - ترکی قرضے کا تصفیہ - ٹرکی اور ایران - ترکی پائے تخت

شاہ مصر کا سفر انگلستان

ترکی اخبارات، شاہ مصر کے سفر انگلستان کو بہت اہمیت دے رہے ہیں اور اسے نہ صرف مصر بلکہ تمام مشرقی ممالک کے لئے اخلاقی حیثیت سے مفید سمجھتے ہیں۔ چنانچہ موقر اخبار "وقت" یوں اظہار خیال کرتا ہے:

"شاہ مصر کی یہ سیاحت ایک نہایت پیچیدہ سیاسی مسئلہ کے حل کے لئے آخری قدم ہے۔ اب سے پہلے مصر کے سب سے بڑے ماہرین سیاست مثلاً سعد پاشا زغلول اور عدلی پاشا یکن نے سر توڑ کوششیں کیں، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اب خود شاہ مصر اپنے وزیر اعظم کے ساتھ انگلستان روانہ ہوئے ہیں تاکہ مسئلۂ مصر، جو ۴۵ برس سے لاینحل ہو رہا ہے، قطعی طور پر حل ہو جائے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ اس آخری کوشش کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر اب بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا تو سمجھ لینا چاہئے، وہ آئندہ کبھی مفاہمت سے حل نہ ہوگا، اس کا فیصلہ صرف قوت و تشدد ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے"

"۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے صریح جبر و ظلم سے مصر پر قبضہ کر لیا۔ ہندوستان بچانے کے لئے برطانیہ کو مصر کی ضرورت تھی، جیسا کہ اس مقصد کے لئے اُسے دنیا کے ہر ملک پر قبضہ کی ضرورت ہے۔ برطانیہ کا عزم مصمم تھا کہ مصر کو بالکل ہضم کر جائے۔ چنانچہ جنگ عمومی کے موقعہ پر اُس کے الحاق کا اعلان بھی کر دیا۔ مگر اُسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ زہر بھرا لقمہ کسی طرح بھی ہضم نہیں کیا جا سکتا۔ مصر، اکال الامم ہے۔ بہت سی قوموں نے اُسے ہضم کرنا چاہا، مگر جسنے بھی اُسے نگلنے کی جرأت کی، خود فنا ہو گیا۔ چنانچہ چند ہی سال بعد انگلستان بھی یہ لقمہ اگلنے پر مجبور ہوا اور مصر کے الحاق سے دست بردار ہو جانا پڑا"

"شاہ مصر کی سیاحت نے یورپ کے سامنے صرف یہی ثبوت پیش نہیں کیا کہ مصر، اپنی آزادی پر مُصر ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ پورے مشرق میں استقلال و حریت کی ایک ناقابل مقاومت تحریک عام ہو گئی ہے۔ شاہ مصر نے صاف طور پر بتا دیا کہ اب مشرق، وہ مشرق نہیں ہے جو کبھی غفلت و قناعت اور تن پروری کا مرکز تھا۔ اب وہ بیدار ہو گیا ہے، اور غاصب یورپ سے اپنے حقوق واپس لینے پر تلا ہوا ہے"

ترکی قرضے کا تصفیہ

مرحوم سلطنت عثمانیہ نے یورپ سے بہت سے قرضے لے رکھے تھے۔ انہی قرضوں نے بالآخر اُس کے دروازے یورپین مداخلت کے لئے کھول دئے۔ جنگ عظیم کے خاتمہ پر سلطنت عثمانیہ اپنے اکثر مقبوضات سے محروم ہو گئی۔ اب یہ مشکل پیش آئی کہ یہ قرضے اُس سے کیونکر وصول کئے جائیں؟ اکثر قرضوں میں انہی مقبوضات کی آمدنی رہن تھی۔ یورپ چاہتا تھا کہ باوجود اپنے ممالک سے محروم ہو جانے کے، یہ تمام قرضے اسی دیوالیہ سلطنت سے وصول کرے۔ مگر یہ عملاً ناممکن تھا۔ کیونکہ اُس کی آمدنی یہ بار گراں اُٹھا نہیں سکتی تھی۔ اسی زمانے میں قومی حکومت نے اناطولیہ میں ظہور کیا اور یورپ کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ اسی کا نتیجہ معاہدۂ سیورے کے بعد معاہدۂ لوزان ہوا۔ مگر قرضے کی گتھی اس معاہدے سے بھی سلجھ نہ سکی۔ اب گزشتہ ہفتے سالہا سال کی رد و قدح کے بعد ایک فیصلہ ہوا ہے اور سب نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اس فیصلہ کی دو دفعیں بہت اہم ہیں: ایک یہ کہ ٹرکی اپنے قرضہ کی نصف مقدار سونے کے سکے کی شکل میں ادا کرے، اور باقی نصف کاغذ کے سکے کی صورت میں۔ دوسری یہ کہ ٹرکی کا تمام قدیم قرضہ اُن تمام ممالک پر تقسیم کر دیا جائے جو قرضہ لیتے وقت اُس کے قبضہ میں تھے۔ صرف ایک حصہ ٹرکی کے ذمے باقی رہے۔

یہ فیصلہ یقیناً منصفانہ ہے۔ جنگ کے اختتام پر ٹرکی کے ذمہ یورپ کا قرضہ ۶۹۲،۸۴،۶۱،۱۷ لیرہ (ترکی پونڈ) تھا۔ اب جدید فیصلہ کی رُو سے اس کی تقسیم اس طرح عمل میں آئی ہے:

ٹرکی	۸،۴۵،۹۷،۲۹۵	لیرہ
یونان	۱،۱۲،۳۴،۴۵۳	"
شام	۱۰،۰۸،۸۸،۴۵۹	"
تریس	۵۴،۳۵،۵۷۹	"
عراق	۵،۲۰،۷۱،۷۸۹	"
فلسطین	۳۲،۸۴،۴۲۹	"
بلغاریہ	۱۷،۷۶،۳۵۴	"
البانیہ	۱۹،۳۳،۲۲۳	"
حجاز	۱۴،۹۹،۵۱۸	"
یمن	۱۱،۸۲،۱۰۴	"
شرق اردن	۷،۳۴،۹۱۰	"
اٹلی	۲،۴۳،۲۰۰	"
نجد	۱،۲۹،۱۵۰	لیرہ
عسیر	۲۶،۱۳۸	"
موصل	۱۵،۰۰،۳۵۳	"
معان	۱،۲۸،۷۲۸	"

اوپر ہم نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ سب نے تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اس میں صرف دو حکومتیں مستثنیٰ ہیں: سرویا اور یمن۔ سرویا کی حکومت نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ امام یحییٰ بھی اس سے انکار کر رہے ہیں۔ لیکن ان دونوں کے انکار سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔

ٹرکی اور ایران

حال کا ایک اہم واقعہ، ٹرکی اور ایران کی کشیدگی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض حوادث ایسے پیش آگئے، جنھوں نے طرفین میں سوء ظن کی حالت پیدا کر دی۔

تفصیل یہ ہے کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض جرائم پیشہ خانہ بدوش قبائل موجود ہیں۔ وہ ہمیشہ قتل و غارت کے موقعے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں سے ان قبائل میں ایک بہت ہی خطرناک شخص "اسماعیل سمیقو" نامی ظاہر ہوا ہے اور سرحد کی آبادیوں کی زندگی تلخ کئے ہوئے ہے۔ اسنے یہ وطیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ موقعہ پا کر لوٹ مار مچا دیتا ہے اور پہاڑوں میں بھاگ جاتا ہے۔ ترکی حکومت بہت دنوں سے اس کی تاک میں تھی۔ مگر حال میں مجرموں کی عام معافی کا اعلان کیا گیا، تو اُس سے فائدہ اُٹھا کر اسنے حکومت کو اطلاع دی کہ اب اُسنے اپنے قدیم جرائم سے توبہ کر لی ہے اور آئندہ پُر امن زندگی بسر کرنی چاہتا ہے۔ حکومت نے اُس کی بات پر یقین کیا اور معافی دیدی۔ چنانچہ وہ آزادی سے ترکی حدود میں زندگی بسر کرنے لگا۔

لیکن گزشتہ مہینوں میں اُسنے پھر پلٹا کھایا، اور اپنی قدیم مجرمانہ زندگی اختیار کر لی۔ وہ ایرانی سرزمین میں داخل ہو گیا اور قریبی آبادیوں میں غارت گری شروع کر دی۔

اصلی واقعہ صرف اسی قدر ہے۔ لیکن ایرانی اخبارات نے اسے دوسری نظر سے دیکھا اور اس قزاق کی حرکتوں کا ذمہ دار، ترکی کو قرار دیا۔ چنانچہ طہران کا نیم سرکاری اخبار "ایران" اس واقعہ پر اس طرح خامہ فرسائی کرتا ہے:

"سرحدی قبائل کی کون ہمت افزائی کر رہا ہے؟ انھیں کون ہتھیار تقسیم کرتا ہے؟ اُنکے ذریعہ ایران میں کون بدامنی پھیلا رہا ہے؟ ایرانی ان سوالوں کا صاف جواب چاہتے ہیں۔ وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ٹرکی اس بارے میں کیا تدابیر اختیار کرنے والی ہے؟ ایران اپنی قومی سرحدوں کی حفاظت اپنے خون سے بھی کرنے پر کمر بستہ ہے"

اخبار "شفق سرخ" لکھتا ہے

"سرحد کے ترک افسر، ایرانی علاقوں میں خلاف توقع سرگرمی دکھا رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت کی منسوخی، جمہوریت کا اعلان، سرخ ٹوپی کی ہیٹ سے تبدیلی، یہ باتیں ظاہر میں کتنی ہی روشن خیالی کی باتیں نظر آئیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ قوموں کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتیں۔ نوجوان ٹرکی، بڑھیا ٹرکی ہی کی لڑکی ہے: بڑھیا ٹرکی ہمیشہ ایران سے بے فائدہ دست بگریباں رہی۔ اب نوجوان ٹرکی بھی اپنی اسی موروثی سیاست پر واپس آ رہی ہے اور ایران سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ہے"

اسی لے لہجہ میں تقریباً تمام ایرانی اخبارات نے اظہار خیال کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ترکی اخبارات کا لہجہ بھی کچھ کم سخت نہیں ہے۔ چنانچہ اخبار "جمہوریت" لکھتا ہے:

"ہم جانتے ہیں ایران میں وقیع اخبار موجود نہیں ہیں۔ اُن کی آواز کوئی قوت و وزن نہیں رکھتی۔ مزدور اجنبی انگلیاں ان اخبارو

بقیہ مضمون صفحہ ۱۷

کیا میں امید کروں کہ آپ تھوڑا سا وقت نکال کر اُسی انداز میں جیسا تفصیل و بحث کے ساتھ ہمیشہ آپنے لکھا ہے ان امور پر روشنی ڈالیں گے اور مجھ پر احسان فرمائیں گے ....

برید فرنگ

مکتوب امریکہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم واشنگٹن کے قلم سے)

ایک نئی تحریک۔ امریکہ کی دولت۔

ایک نئی تحریک

اپنے دو پچھلے مکتوبوں میں آمریکہ کی نسوانی زندگی اور تحریک الحاد کی مقبولیت پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ انہی دونوں موضوعوں سے متعلق آج ایک تیسری بحث پیش کرتا ہوں۔ اس بحث نے پورے شمالی آمریکہ کو اپنی طرف سراسر متوجہ کر لیا ہے۔ فی الحال اس بحث سے زیادہ اہم اور مقبول عام و خاص کوئی دوسری بحث یہاں نہیں ہے۔ ہر طرف اسی کا چرچا ہے اور ہر جگہ اُسی پر گرم تقریریں ہو رہی ہیں۔

بحث یہ ہے کہ آمریکہ میں شادی کا موجودہ طریقہ مضر ہے۔ مرد اور عورت دونوں کی خانگی زندگی مکدر کرنے والا ہے۔ لہذا اُسے بدل ڈالنا چاہئے۔

آمریکہ میں بھی شادی کا طریقہ وہی ہے جو دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں رائج ہے۔ یعنی مرد و عورت، عقد کرکے زندگی بھر ساتھ رہنے کے پابند ہو جاتے ہیں۔ نئی تحریک اسی پابندی کے خلاف شروع ہوئی ہے۔ اُس کی منشا یہ ہے کہ شادی کے دو درجے کر دئے جائیں: ایک تجربی۔ دوسرا دائمی۔ تجربی سے مقصود یہ ہے کہ مرد اور عورت اگرچہ باضابطہ عقد کریں گے، مگر یہ عقد، معلق و مشروط ہوگا۔ اگر ساتھ رہ کر اُنھیں تجربہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ عقد، اُن کی زندگی کو پُرمسرت نہیں بنا سکتا تو اُنھیں حق ہوگا کہ فوراً جُدا ہو جائیں۔ لیکن اگر تجربے سے ثابت ہو کہ وہ ساتھ خوش رہ سکتے ہیں تو اپنے دائمی عقد کا اعلان کر دیں۔

اس تحریک کا سرگروہ، مسٹر لنڈسی ہے۔ یہ ایک عدالت کا جج ہے اور نکاح و طلاق کے مقدمے فیصل کیا کرتا ہے۔ اسنے اپنی تحریک کا نام "عقد رفاقت" رکھا ہے۔ خود اُس کے اپنے لفظوں میں تحریک کی غرض یہ ہے کہ "مرد اور عورت باہم ساتھ رہنے کا سمجھوتہ کریں، مگر اس عہد کے ساتھ کہ ایک سال تک نسل نہ پیدا ہونے دیں گے۔ بارہ مہینے یک جا رہنے کے بعد اگر وہ دیکھیں کہ اُن کی طبیعتیں باہم متفق ہو سکتی ہیں تو اپنے اس تجربی عقد کو دائمی عقد کی صُورت میں تبدیل کر دیں ورنہ ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں"

مسٹر لنڈسی نے ایک اخبار کے نمائندے سے بیان کیا:

"بیس برس سے میں عدالت کی کرسی پر بیٹھتا ہوں۔ اس طویل تجربے نے مجھے یقین دلا دیا ہے کہ نکاح کا موجودہ نظام، ناقص اور سخت مضرتوں کا موجب ہے۔ لہذا میں نے تجربی نکاح کی تجویز سوچی میرے خیال میں اگر دنیا اس تجویز پر عمل کرے تو اُن تمام مصائب سے نجات پا جائے گی جو عقد کے موجودہ طریقے سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہیں۔ تجربی نکاح یقیناً دنیا کو مسرت و سعادت بخشے گا اور انسان کی خانگی زندگی، قابل رشک بنا دے گا"

تجربی عقد کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مرد اور عورت سال کے خاتمہ پر اگر دائمی عقد کے طالب ہوں تو اُنھیں حکومت کے سامنے ثابت کرنا ہوگا کہ وہ باہم محبت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد اُن کا طبی معائنہ ہوگا اگر اس معائنہ میں بھی وہ کامیاب ہو گئے تو اُن کی درخواست منظور کر لی جائے گی، ورنہ اُنھیں جبراً جُدا کر دیا جائے گا۔

یہ ہے تحریک کا خلاصہ۔ لیکن اسنے تمام ملک میں ایک ہلچل ڈال دی ہے۔ روشن خیال طبقہ عام طور پر تحریک کی حمایت کر رہا ہے۔ مگر مذہبی پیشوا اور اُنکے متبعین اس کے سخت خلاف ہیں۔ اسے کفر و الحاد قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر یہ تحریک مقبول ہو جائے گی تو مسیحیت اور کنیسا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مسیحی ہیئت اجتماعیہ درہم برہم ہو جائے گی۔ فسق و فجور کے بند (؟) دروازے کھُل جائیں گے۔ غرضکہ وہ اسے شیطانی تحریک قرار دے رہے ہیں۔ دیکھنا چاہئے اس نظری جنگ میں کون فریق فتح یاب ہوتا ہے؟

آمریکہ کی دولت

ولایات متحدۂ آمریکہ کی دولت و ثروت کے افسانے دُنیا بھر میں مشہور ہیں۔ واقعی جس قدر خزانے اس ملک میں موجود ہیں، اُتنے کسی دوسرے ملک میں نہیں ہیں۔ اسوقت میرے سامنے ایک امریکن رسالہ کھلا رکھا ہے۔ اسنے اسی معاملہ پر بحث کی ہے۔

وہ لکھتا ہے:

"جس کے پاس تین چار کروڑ ڈالر جمع ہیں، وہ اسوقت آمریکہ میں "دولتمند" خیال نہیں کیا جاتا۔ کروڑپتی، اب آمریکہ میں کسی شمار قطار میں نہیں ہیں۔ اب شمار صرف "تارونی" کا ہوتا ہے ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ حکومت نے امریکی قوم کی انفرادی دولت کے اعداد شمار شایع کئے۔ اس رپورٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ آمریکہ میں ایک سے بہت زیادہ آدمی ایسے موجود ہیں جن کی دولت ایک ہزار ملین ڈالر یعنی ۲۰ کروڑ پونڈ سے بھی زیادہ ہے۔

اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۲۵ء میں جن آدمیوں کی دولت ایک ملین ڈالر سے زیادہ تھی، اُن کی تعداد ۲۰۷ ہے۔ لیکن گمان غالب ہے کہ یہ شمار ناقص ہے۔ لوگ، آمدنی کے محصول سے بچنے کے لئے اپنی اصلی آمدنی چھپاتے ہیں۔ ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۱۶ء ہی میں ایسے دولتمندوں کی تعداد ۲۰۶ تھی۔ کسی طرح خیال نہیں کیا جا سکتا کہ ۹ سال کی طویل مدت میں، جبکہ دولت کے دروازے ہر طرف سے آمریکہ پر کھل گئے تھے، ایسے دولتمندوں کی تعداد میں صرف ایک کا اضافہ ہوا ہو۔

ذیل کے نقشہ سے آمریکہ کی دولت مندی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا:

ڈیڑھ ملین تک سالانہ آمدنی کے مالک	۱۰۴
دو ملین تک سالانہ آمدنی کے مالک	۴۳
تین ملین تک " " "	۲۹
۴ ملین تک " " " "	۱۵
۵ ملین تک " " " "	۹
۵ ملین سے زیادہ " " " "	۷
	۲۰۷

لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ نقشہ، ناقص ہے۔ تاہم ۵ ملین ڈالر سے زیادہ آمدنی کے مالکوں میں بعض ایسے بھی ہیں جن کی آمدنی ایک کروڑ پونڈ سالانہ سے بھی زیادہ ہے۔ سرکاری روداد میں اِن کے نام شائع ہوئے ہیں۔ انہی میں مسٹر فورڈ اور اُن کا بیٹا، مسٹر ملن امریکی وزیر مال، اُن کا بھائی، مسٹر ہوٹنی، مسٹر وینڈربلٹ، مسٹر بیکر وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ امریکہ میں، دوسرے ملکوں کے برخلاف یہ صورت حال نہیں ہے کہ امیروں کی دولت برابر بڑھتی جائے اور غریبوں کی غربت روز بروز زیادہ ہوتی جائے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ امیروں کی دولت بہت آہستہ آہستہ بڑھتی ہے، لیکن غریب جلد از جلد امیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مذکورۂ بالا روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ معمولی آمدنی رکھنے والے (یعنی جو لوگ آمدنی کا محصول ادا کرتے ہیں) سالانہ ۵ ہزار ڈالر سے زیادہ کما لیتے ہیں۔

روداد کے ایک دوسرے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۲۵ء میں حکومت نے حسب ذیل محصول وصول کئے:

اُجرت اور تنخواہ پانے والوں سے:	۴۰،۴۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ ڈالر
تجارتی کمپنیوں سے:	۹۷،۰۰،۰۰،۰۰۰ "
حقوق طباعت خریدنے والی کمپنیوں سے:	۱۸،۵۰،۰۰،۰۰۰ "
سود خوار مہاجنوں سے:	۴۸،۵۰،۰۰،۰۰۰ "

آمریکہ کی دولتمندی کے راگ گانے والوں کے بالمقابل علمائے اقتصادیات کا ایک گروہ ایسا بھی موجود ہے جو اس دولت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اُس کی رائے میں آمریکہ کی دولت کسی پائیدار بُنیاد پر قائم نہیں ہے۔ وہ اپنی دلیل میں پچھلے دس گیارہ سال کے اعداد و شمار سے پیش کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آمریکہ میں دولتمندوں کی تعداد نہایت غیر متناسب تعداد میں گھٹتی بڑھتی رہی ہے۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ ملک کی دولت کوئی مستحکم بنیاد نہیں رکھتی۔ وہ اعداد شمار حسب ذیل ہیں:

سنہ	ایک ملین ڈالر سے زیادہ سالانہ آمدنی رکھنے والے
۱۹۱۴	۶۰
۱۹۱۶	۲۰۶
۱۹۲۰	۲۱
۱۹۲۴	۷۵
۱۹۲۵	۲۰۷

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور [illegible] سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرے سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے امامین کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نهایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلهٔ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهره آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ارهائي روپیه -

الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوه امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد ارهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

سر رقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازه کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - باره آنے

خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بهترین تازه معلومات بہم پہنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوه آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاہ گاہے باز خواں این دفتر پارینه را
تازه خواهي داشتن گر داغهاے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں - اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بهت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نهیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید لیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وه بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحده کرنے کیلیے تیار نهیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جاسکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو اُنهیں دوباره چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیره کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه   الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " چهارم ۱۰ روپیه   " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوه هے -

منیجر "البلاغ پریس"

کلماتِ حکم سعد پاشا زغلول

جلاوطنی میں قوم سے خطاب

اُنھوں نے ہمیں ملک سے نکالا، مگر تم نے ہمیں اپنے دلوں میں جگہ دے دی!

اُنھوں نے ہمیں گمنام کردینا چاہا، مگر تم نے ہمارا نام اپنے صفحۂ قلب پہ نقش کرلیا!

اُنھوں نے اپنی قوت سے تمھیں پراگندہ کردینا چاہا، مگر تم اور بھی زیادہ باہم جڑ گئے!

اُنھوں نے تشدد سے تمھیں ذلیل کرنا چاہا، مگر تم اور زیادہ معزز بن گئے!

اُنھوں نے طرح طرح کے حیلوں سے تمھیں گمراہ کرنا چاہا، مگر تم گمراہ نہ ہوئے۔ اُن کے فریب نے تمھیں اور زیادہ راہ ہدایت دکھا دی!

اس طرح خدا نے اُنھیں رسوا کیا، اور تمھیں سرخروئی بخشی!

امنِ عالم

امنِ عالم اگر چاہتے ہو، تو دوسروں کا حق نہ چھینو۔

آزادی

آزادی، میرا پیدائشی حق ہے، عطیہ کے طور پر میں اُسے قبول نہیں کرسکتا۔ آزادی، میری اپنی پشتینی ملکیت ہے کسی کو حق نہیں کہ میری ہی ملکیت مجھے عطیہ کے طور پر دے۔

عورتوں کی تربیت

قومی ترقی کے لئے عورتوں کی تربیت، اوّلین شرط ہے۔

حق

حق کی طرف لوٹنا کبھی معیوب نہیں۔

حق، قوت، قوم، حکومت

حق، قوت سے بالا ہے۔ قوم، حکومت سے برتر ہے۔

فساد

ہم پر حملہ کرتے ہیں، مگر جب ہم مدافعت کے لئے ہاتھ اُٹھاتے ہیں تو کہتے ہیں "تم فساد کرتے ہو"!

علم، اخلاق

ہمیں زیادہ علم کی ضرورت نہیں، زیادہ اخلاق کی ضرورت ہے۔

بداخلاقی کا قانون

جس قانون کی بنا، بداخلاقی پر ہے، وہ باطل قانون ہے۔

آزادی کا استعمال

ہم آزادی سے محبت رکھتے ہیں، مگر اس سے بھی زیادہ ہم اُس کے صحیح استعمال سے محبت کرتے ہیں۔

"ڈپلوما"

ہمیں اپنی زندگی کے اعمال پر فخر کرنا چاہئے، نہ کہ اپنے ہاتھ کے "ڈپلوما" پر!

مقصد کی کامیابی

مقصد کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ہم جد وجہد کریں، اور اگر ضرورت ہو تو مر بھی سکیں!

خوف یا محبت؟

میں چاہتا ہوں، لوگ مجھ سے محبت کریں، نہ کہ مجھ سے ڈریں۔

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دیئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔

قیمت بارہ آنے۔ مینجر الہلال کلکتہ

١٩٢٧
الہلال
جلد ١
بر ١٤
البلاغ پریس کلکتہ
قیمت
٥ ـ آنہ

Printed and Published by

... 11 BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين — القرآن الحكيم

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

جلد ۱ — ۱۶ ستمبر ۱۹۲۷ء : جمعه ۱۹ - ربیع الاول ۱۳۴٦ ہجری — نمبر ۱٤

Calcutta : Friday, 16, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی -
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای -
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی -

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی - اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین - آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین - لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین -

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی - یاد رکهیی - طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی - ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین -

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۱۲۰ مراسلات وصول هوی هین - تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۱۹۷	اردو حروف کی حق مین	۲۹۹
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۳۰٤	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۲۱۵	نستعلیق هون	۱۰۵

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی -

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی - اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی - آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین -

الهلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	- -	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	- -	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہي	- - -	سات روپیہ
قیمت في پرچہ	- - -	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں آنکے لفافہ پر " ایڈیٹر " کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ور نہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسري جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامي ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) مني ارڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

یہ بات نہیں ھے کہ انگلستان کي نیش زني کے مقابلہ میں فرانس خالي بیٹھا شکوے شکایت هي کر رھا ھو - اِس سیاسي جنگ میں وہ بھي اپني تمام قوت و قابلیت صرف کر رھا ھے - بلاشبہ اِس وقت یورپ میں اُسے بڑي حد تک شکست اٹھاني پڑي ھے - لیکن اُسنے اِس شکست کا بدلہ انگلستان سے مشرق قریب و بعید میں لے لیا ھے - ترکي کي طرفداري کرکے اُس نے برطانیا کو سخت نقصان پہنچایا ھے - اور اب چین میں بھي برطانیا سے مختلف روش اختیار کرکے اُسے ایسي زک دي ھے کہ مدتوں نہ بھولے گا -

مسیو بریاں وزیر خارجیہ نے حال هي میں مسئلۂ چین پر ایک طویل تقریر کي ھے - اُن کے یہ الفاظ خاص طور پر قابل غور ھیں :

" چین کا مسئلہ اِس وقت دنیا کا سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ ھے اور اُس نے " بعض " سلطنتوں کو بري طرح بد حواس کر ڈالا ھے - مگر اِس بارے میں فرانس نے ایک بالکل صاف اور ٹھوس مسلک قرار دے لیا ھے - وہ مسلک یہ ھے کہ ھم چیني انقلاب کي راہ میں کوئي رکاوٹ پیدا نہیں کرینگے - چیني قوم پرست اچھي طرح دیکھہ چکے ھیں کہ فرانس اُن کا کیسا قدردان اور مداح ھے - یہي وجہ ھے کہ فرانس کے جملہ حقوق چین میں بالکل محفوظ ھیں - حالانکہ " بعض " دوسري سلطنتوں کو اپنے حقوق بچانے کے لیے فوجیں بھیجنا پڑي ھیں - ھم چین کو یقین دلاتے ھیں کہ ھماري طرف سے اُس کے لیے نہ تو جنگ کا خطرہ ھے ' نہ ھم اُس کي راہ میں کوئي روڑا اٹکانا چاھتے ھیں "

(فرانس میں شاهي)

اِس وقت فرانس میں سخت اندروني خلفشار موجود ھے - قوم تین بڑے گروهوں میں بٹ گئي ھے - ایک جماعت موجودہ جمہوري نظام کي حامي ھے اور یہي سب سے بڑي جماعت ھے - دوسري جماعت اشتراکیوں کي ھے - وہ چاھتي ھے اشتراکي نظام قائم ھو جائے - تیسري شاہ پسند ھے اور شاهي کا اُلٹا ھوا تخت پھر از سر نو بچھانا چاھتي ھے -

یہ تاریخي حقیقت ھے کہ انقلاب کے بعد سے اِس وقت تک کوئي زمانہ بھي فرانس پر ایسا نہیں گذرا کہ شاہ پسند جماعت موجود نہ رھي ھو - ڈیوک دي اورلیاں کا خاندان برابر تخت شاهي کا دعوے دار رھا - آجکل شاہ پسندوں میں پھر حرکت پیدا ھوئي ھے اور اُنھوں نے بڑي سرگرمي سے اپني دعایۃ شروع کردي ھے - گزشتہ هفتہ کونٹ ڈي بلوا نے اخبارات میں ایک پر زور مضمون شایع کیا ھے اور اُس میں یہ ثابت کرنے کي کوشش کي ھے کہ بالشویک خطرے کے استیصال اور یورپ کي تمام مشکلات کے حل کي حقیقي صورت یہي ھے کہ فرانس کي موجودہ جمہوریت توڑ دي جائے اور شاهي حکومت قائم ھو - کونٹ نے تخت شاهي کیلیے ڈیوک ڈي گیز کا نام بھي پیش کیا ھے جو قدیم خاندان شاهي کا ایک بڑا رکن اور في الحال بادشاهي کا دعویدار ھے -

(عورتوں کي فوجي بھرتي)

فرانسیسي حکومت بہت بڑے پیمانہ پر جنگي طیاریاں کر رھي ھے - حال میں اُسنے ایک مسودۂ قانون پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا ھے - اِس سے مقصود فرانسیسي عورتوں کو فوجي خدمت پر مجبور کرنا ھے - اِس تجویز نے تمام ملک میں بیچیني پیدا کردي ھے - عورتوں میں ناراضي عام ھے اور مردوں کي بھي بہت سي انجمنیں برھمي کا اظہار کر رھي ھیں -

عورتوں کي انجمن نے اِس تجویز پر دو اھم اعتراض کیے ھیں : ایک یہ کہ اِس معاملہ پر غور کرتے وقت عورتوں سے رائے نہیں لي گئي - دوسرے یہ کہ فرانسیسي عورت ابتک اپنے سیاسي حقوق سے محروم ھے - چنانچہ اُسے مجلس حکومت ' بلدیہ ' اور مجلس ضلع وغیرہ نمائیندہ مجلسوں میں انتخاب کا حق نہیں دیا گیا ھے -

عورتوں کي مشہور زعیم میڈم میزم نے اخبارات میں احتجاجي مضمون شایع کیا ھے - وہ لکھتي ھے :

" فرانسیسي عورت ' وطن مقدس کي خدمت سے جي نہیں چراتي - لیکن جبکہ اُسے مردوں کے برابر حقوق دینے سے انکار کیا جاتا ھے تو اُس پر مردوں سے زیادہ بوجھہ ڈالنا کیوں کر جائز ھو سکتا ھے ؟ فرانسیسي عورت اگر اَور کوئي خدمت انجام نہ بھي دے ' جب بھي اُسکي یہ خدمت کیا کم ھے کہ وہ وطن کے لیے مجاهد پیدا کرتي ھے ؟ اُسکي یہي ایک خدمت اور اِس خدمت کي شدید تکلیفیں اُسے مردوں کے هم پلہ کر دیتي ھیں - پھر فوجي خدمت کا ایک نیا بوجھہ اُسکے سر پر ڈال کر اُسکے مصائب میں کیوں اضافہ کیا جاتا ھے ؟"

نیز یہي خاتون لکھتي ھے :

" عورتوں سے فوجي خدمت لیکر حکومت فرانس ' ملک کو ساري دنیا میں بدنام کرنا چاھتي ھے - اِس وقت جبکہ تمام سلطنتیں جنگي طیاریاں کم کرنے پر غور کر رھي ھیں ' ھماري حکومت ایک نئي طیاري کا اضافہ کرنے پر تلي ھوئي ھے - حکومت کي یہ تجویز لندن اور هیگ کے معاهدوں کے بالکل خلاف ھے - ھم ھرگز قبول نہیں کر سکتے کہ ھمارا ملک فوجي چھاؤني بن جائے "

(عورتوں کے سیاسي حقوق)

حکومت فرانس کي اِس تجویز نے عورتوں میں اپنے حقوق حاصل کرنے کا ایک نیا ولولہ پیدا کردیا ھے - اُنھوں نے باضابطہ کوشش شروع کردي ھے - تمام سیاسي پارٹیوں سے اُنھوں نے درخواست کي ھے کہ حق انتخاب ھمیں بھي دیا جائے ' ورنہ ھم تمام ملک میں شورش برپا کر دینگے -

فرانس کي عورتوں کا سب سے بڑا استدلال دوسرے ملکوں کي حالت سے ھے - وہ کہتي ھیں ' دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں عورتوں کو حق انتخاب حاصل ھو گیا ھے - پھر ایک اکیلے فرانس کي عورتیں اُس سے کیوں محروم ھیں ؟ حالانکہ سب سے پہلے فرانس هي نے جمہوریت کا علم بلند کیا تھا -

عورتوں کي یہ حجت قوي ھے - کیونکہ واقعي اکثر متمدن ملکوں میں عورتوں کو انتخاب میں شرکت کا حق حاصل ھو گیا ھے - چنانچہ ڈنمارک میں یہ حق سنہ ۱۹۱۵ع میں حاصل ھوا - روس میں سنہ ۱۹۱۷ - میں - پولینڈ ' یوکرین ' استھونیا ' لتھونیا ' ایرلینڈ اور برطانیا میں سنہ ۱۹۱۸ - میں - برطانوي قانون کے الفاظ یہ ھیں " تمام سیاسي حقوق ھر اُس عورت کو حاصل ھیں جو تیس سال کي عمر رکھتي ھے ' شادي شدہ ھے ' یا اپنے نام سے کرایۂ مکان ادا کرتي ھے ' یا یونیورسٹي کي سند رکھتي ھے " سویڈن ' ناروے ' آسٹریا ' زیکوسلاویا ' ھنگري ' اور جرمني کي عورتوں کو یہ حق سنہ ۱۹۱۹ - میں حاصل ھوا - اھل بلجیم ' ٹرنسوال ' آسٹریلیا ' نیوزي لینڈ ' اور ولایات متحدہ امریکا کو سنہ ۱۹۲۰ع میں -

ظاهر ھے اِس صورت میں فرانس کي عورتیں اپني محرومي پر کیونکر صبر کر سکتي ھیں ؟

بريد فرنگ

مکتوب فرانس

انگلستان اور فرانس کي کشمکش - فرانس ميں شاهي دعاية - عورتوں کيليے جبري فوجي خدمت - عورتوں کے سياسي حقوق

(الهلال کے مقاله نگار مقيم پيرس کے قلم سے)

اِدهر چند سال سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات برابر خراب هوتے چلے جا رهے هيں - انگلستان ديکهتا هے که جرمني کي تباهي کے بعد اُسکے اصلي اور زبردست دشمن دو هيں : روس اور فرانس - روس اُسکي ملک گيري کا دشمن هے ' اور فرانس دنيا کے هر خطه ميں اُسکي ملک گيري کا شريک بننا چاهتا هے - يهي وجه هے که انگلستان نے بيک وقت دو سياسي ميدان جنگ قائم کرديے هيں - ايک ميں روس سے نبرد آزمائي کر رها هے - دوسرے ميں فرانس سے -

فرانس کو زک دينے کے ليے انگلستان نے يه تدبير کي هے که اُسے يورپ ميں اُسکے تمام دوستوں اور حاميوں سے محروم کر ديا هے - اِس وقت فرانس بالکل بے يار و مددگار هے - انگلستان کي يه قديم حکمت عملي هے که وه حريف کے مقابله ميں بذات خود بهت کم آتا هے - دور سے دوسروں کو شه ديتا اور نئے نئے دشمن اپنے حريف کے سامنے کهڑے کرتا رهتا هے - اِس وقت بهي اُسکا يهي طرز عمل هے - مدت تک فرانس کا سامنا جرمني سے رکها - اب اُس کي تباهي کے بعد اٹلي کو کهڑا کر ديا هے - فيشيسزم نے اٹلي کو ديوانه بنا ديا هے اور وه ناعاقبت انديشانه انگلستان کا چيلا بن گيا هے -

اٹلي پر افسوں پهونک چکنے کے بعد انگلستان نے هنگري ' رومانيا ' بلغاريا ' يونان ' اسپين ' ليتهونيا ' استهونيا ' اور فنليند کو بهي ملا ليا - صرف پوليند ابتک فرانس کے زير اثر تها مگر آج کل سر آسٹن چمبرلين اُسے بهي مسحور کر رهے هيں ' اور با خبر لوگوں کو يقين هے که امروز فردا ميں پوليند بهي انگريزي جال ميں پهنس جائيگا -

اِس صورت حال نے فرانس کو سخت بد حواس کر ڈالا هے - فرانسيسي مدبر اور اخبار بري طرح انگلستان کو گالياں دے رهے هيں - اُنهيں صاف نظر آ رها هے که بحر متوسط ميں انگلستان اُن کي قوت کس طرح مفلوج کر رها هے اور اٹلي کو آگے بڑهاکر اُنکي قومي هستي کے ليے سخت خطرے پيدا کر ديے هيں -

• اخبار " طان " نے اِس هفته ايک افتتاحيه شايع کيا هے اور اُس ميں انگلستان پر بهت لے دے کي هے - وه لکهتا هے :

" برطانيا يقين کرتا هے که اِس وقت دنيا کے امن اور جنگ ' دونوں کي کنجياں اُسي اکيلے کے هاتهه ميں هيں - اُس نے خفيه معاهدوں کي قديم سنت پهر زنده کي هے اور پورے يورپ ميں سازشوں کا جال پهيلا ديا هے - اِس وقت فرانس کو پس پشت ڈال کر اُسکا اعتقاد اٹلي پر هے - اٹلي کي رضامندي وه هر قيمت پر خريد رها هے - ليکن يه قيمت وه اپني جيب سے ادا نهيں کرتا ' بلکه دوسروں کي جيب پر سودا کرتا هے - سان ريمو کانفرنس سے پهلے هي انگلستان نے اٹلي کو ايشيا ئے کوچک کا ايک وسيع علاقه رشوت ميں پيش کيا تها - ليکن ترکي کي قوت نے اٹلي کے حوصلے پست کرديے - پهر جنيوا کانفرنس سے پهلے اُس نے اٹلي کو فرانس کے برابر بحري قوت رکهنے کا حق دے ديا - پهر لندن کانفرنس سے پهلے اٹلي کو ٹيرول کا معاوضه اور تجارتي مراعات ديکر اپنا کرليا تها - سنه ۱۹۲۴ - کے ختم هونے سے پهلے هي گوبليند کا علاقه اٹلي کو ديديا گيا - اکتوبر سنه ۱۹۲۵ - ميں لوکارنو کا معاهده هوا - اِس ميں اٹلي کو فرانس سے بالا ترجگهه دي گئي - ۵ دسمبر سنه ۲۵ - کو اٹالين طرابلس ميں کفره اور جغبوب ' سنوسيوں کے متبرک شهر بهي شامل کرديے گئے - ابهي پورا مهينه بهي گزرنے نه پايا تها که ۲۹ دسمبر کو افريقا اور ايشيا ميں اٹالين مطالبات پر " دوستانه غور " کيا گيا - اِس کے ايک مهينه بعد ۲۷ - جنوري سنه ۲۶ کو اٹلي کے جنگي قرضه ميں سے ايک بهت بڑي رقم معاف کردي گئي - ۱۶ اپريل سنه ۲۶ کو اٹالين علاقه اريٹرا اور بهي زياده وسيع کر ديا گيا اور حبش کي بانٹ ميں اٹلي کا ساجها بهي تسليم کرليا گيا - پهر ۷ - اگست ميں اٹلي اور اسپين کے ما بين معاهده کرايا گيا اور انگريزي مدبروں نے اعلان کيا که يه معاهده بحر متوسط ميں سياسي توازن کي بهترين ضمانت اور فرانس کي گردن دبانے کا عمده ذريعه هے - پهر ۲۰ دسمبر سنه ۲۶ کو جب که اٹلي اور فرانس کے تعلقات نهايت کشيده تهے ' جرمني اور اٹلي ميں معاهده پر دستخط ثبت کرا ديے گئے - يه معاهده در حقيقت هجومي دفاعي معاهده هے اور اِس نے فرانس کي سلامتي کے ليے شديد خطره پيدا کر ديا هے - اِسکے ايک مهينه بعد ۲۰ - جنوري سنه ۲۷ - کو بحر احمر کے عربي سواحل کي تقسيم هوئي اور اٹلي نے جو کچهه مانگا ' انگلستان نے بخوشي ديديا "

" اٹلي کي يه خوشامد ' محض موسوليني کي سياه آنکهوں کے ليے نهيں هے - در اصل انگلستان اُسے فرانس کے سر پر اُسي طرح سوار کرنے کي فکر ميں هے ' جس طرح اب سے پهلے جرمني کو مدتوں سوار رکهه چکا هے - انگلستان نے يورپ کي تقريباً تمام چهوٹي بڑي سلطنتوں کو پهسلا کر اپنے هاتهه ميں لے ليا فرانس کو چهوت بنا کر الگ کرديا هے ... "

اِس ايک اقتباس هي سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات کي موجوده نوعيت معلوم کرلي جاسکتي هے اور اندازه هوسکتا هے که اِس وقت يورپ کي سياست کس طرف جارهي هے ؟

" یہ تمام مقنن ' یہ تمام فلاسفہ ' یہ تمام شرفاء ' جنھوں نے اِس طرح کی باتیں کہیں ' کیا قانون کی توھین کرنے والے تھے ؟ وہ قانون جو ھمیشہ وقتی اور مقامی ھوتا ھے ؟ میں نہیں جانتا ' سرکاری وکیل کا جواب کیا ھوگا ؟ ممکن ھے وہ کہے " ھاں توھین کرنے والے تھے " لیکن میں ؟ تو میں یہی کہونگا کہ یہ لوگ ' بازگشت تھے اُس قانون کی ' جس سے بڑا کوئی قانون کبھی موجود نہیں ھوا ' یعنی " انسانی ضمیر " کی بازگشت - کیا اِن لوگوں نے اپنے وقت کی عدالت کو بے حرمت کیا ' وہ عدالت جو تغیر پذیر اور غیر معصوم ھے ؟ ھرگز نہیں - وہ تو ابدی عدالت کے طلب گار تھے !

" حضرات ! قانون کی نکتہ چینی کا حق ' سخت سے سخت نکتہ چینی کا حق ' خصوصاً تعزیری قوانین کی نکتہ چینی کا حق ' وہ قوانین جو ھمارے اخلاق میں وحشت کی تخم ریزی کرتے ھیں ' ھمارا مقدس فرض ھے - اصلاح کے فرض کے پہلو میں یہ فرض ایک نور ھے جو ھمیں صراط مستقیم دکھاتا ھے - یہ حق جس طرح مقنن کو حاصل ھے ' اُسی طرح انشاء پرداز کو بھی حاصل ھے - یہ حق ازلی اور ابدی ھے - آپ اِس کا ضرور اعتراف کرینگے اور ملزموں کو یقیناً بری کر دینگے -

" لیکن سرکاری وکیل کہتا ھے (اور یہ اُسکی دوسری دلیل ھے) کہ اخبار کی نکتہ چینی ' ضرورت سے زیادہ تھی - سخت تھی - لیکن اے حضرات ! ذرا قریب سے معاملے پر نظر ڈالیے - ذرا اِس نام نہاد جرم کو غور سے دیکھیے ! اخبار کا یہ ھولناک گناہ روز روشن میں دیکھیے !

" کیا ؟ ... ایک شخص ... اُسے موت کا فتوی سنا دیا گیا ... بدنصیب آدمی ! ... ایک دن نور کے تڑکے اُسے میدان عام میں کھینچ لے گئے ... گلوتین ... مہیب گلوتین ' اُسنے اپنی آنکھوں سے قائم دیکھی ... پھر ؟ ... اُس کے خون نے جوش مارا ... اُس نے مقاومت کرنی چاھی ... اُس نے مرنے سے اِنکار کیا ... آہ ! یا الہی ! میں خوب جانتا ھوں - مجھسے فوراً کہا جائیگا " وہ قاتل تھا " لیکن ٹھہرو ... سنو ' سنو ... اُسے دو جلادوں نے اُٹھالیا - اُس کے دونوں ھاتھہ بندھے تھے - اُس کے دونوں پاؤں بھی بندھے تھے - لیکن اُس نے جد و جہد کی - اُس نے اپنے دونوں بندھے ھوئے پاؤں ' گلوتین میں ڈال دیے - پھنسا دیے - اُسنے گلوتین کے خلاف ' خود گلوتین کو استعمال کیا - جد و جہد جاری رھی - قوم نے یہ منظر مشاھدہ کیا تو اُس پر خوف چھا گیا - جلادوں نے سخت محنت کی - ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا - اُنکی جد و جہد وحشیانہ تھی ' سنگ دلانہ تھی - اُن کی پیشانی عرق آلود اور شرم سے تاریک ھو رھی تھی - اُن کا رنگ فق ھو رھا تھا - وہ تھکن سے ھانپ رھے تھے - مایوس تھے - میں نہیں کہہ سکتا ' کس خوفناک خیال نے اُنھیں مایوس کر دیا تھا ؟

بے شک قوت قانون کے ھاتھہ رھنی چاھیے - یہ مسلم ھے - یہ اصل الاصول ھے - لیکن ؟ لیکن یہ کہ بد نصیب قیدی ' گلوتین سے لپٹ گیا تھا - رو رو کر معافی کی التجائیں کر رھا تھا - مگر ؟ مگر یہ کہ اُس کے کپڑے اتار ڈالے گئے - اُس کا جسم ننگا کردیا گیا - اُس کے شانوں پر سے خون کے فوارے اڑنے لگے ... مگر اُس کی جد و جہد جاری رھی - آخر پون گھنٹے کے بعد - ھاں پون گھنٹے کے بعد (یہاں پر سرکاری وکیل نے ھاتھہ کے اشارے سے وقت کی تحدید کو غلط بتایا - وکٹر ھیگو نے تقریر جاری رکھتے ھوئے کہا :) سرکاری وکیل ھم سے لمحوں کا حساب مانگتا ھے - پون گھنٹہ نہ سہی ٣٥ - منٹ - جناب ٣٥ منٹ - اب تو آپ کو کوئی شکایت باقی نہیں ؟ ھاں ' ٣٥ منٹ کی خوفناک کشمکش کے بعد ... اُس منظر سے ' جس کا کوئی نام نہیں ... اُس عذاب سے — تمام آدمیوں کا عذاب — آپ اچھی طرح سنتے ھیں ؟ ... پوری قوم کے عذاب سے - گلوتین کے عذاب سے - اِس وحشیانہ عذاب سے ' جس کی مدت ' پوری ایک صدی سے بھی زیادہ طویل ھوگئی تھی ' بد قسمت قیدی کو رھائی دی گئی اور وہ قید خانے پہنچا دیا گیا - اُس وقت قوم نے اطمینان کی سانس لی - اُس وقت قوم نے — اُس قوم نے جس کے پاس اب تک انسانیت کا کچھہ بقایا ھے — اُس قوم نے جو رحم دل ھے ' کیونکہ وہ محسوس کرتی ھے کہ وہ خودمختار اور حاکم ھے — ھاں اُس قوم نے خیال کیا کہ قیدی کی گلو خلاصی ھوگئی -

" لیکن نہیں ' گلو خلاصی ؟ ھرگز نہیں ! بلا شبہ گلوتین کو اُس وقت شکست ھوئی - لیکن وہ بدستور سر بلند کھڑی رھی !

اُسی وقت نہیں ' وہ ھر روز سر بلند کھڑی ھے - تمام انسانوں کی آنکھوں کے سامنے ' اُن کی مرضی کے خلاف ' کھڑی ھے !

" پھر کیا ھوا ؟ شام کو جلاد ' قیدی پر ٹوٹ پڑے - اُسے رسیوں اور زنجیروں سے اس طرح باندھا کہ ایک بے حس و حرکت لاش بن گیا - اندھیرے میں اُسے میدان میں لوٹا لائے - وہ اب بھی چلاتا تھا - روتا تھا - خدا کو پکارتا تھا - اپنے ماں باپ کو پکارتا تھا - زندگی کی دعائیں مانگتا تھا - مگر ؟ مگر اُس کا منھہ بند کر دیا گیا - اُسے گلوتین پر چڑھا دیا گیا - آہ ... اِس کے بعد ؟ ایک خونچکاں سر ' زمین پر پڑا تھا ! اُس وقت انسانیت ' فرط تأثر سے تھرا اٹھی - قوم کے بدن میں رعشہ پڑ گیا - کیونکہ قانون کے نام پر کبھی کوئی قتل ' اِس قتل سے زیادہ مکروہ اور کمینہ نہیں ھوا تھا - اُس وقت ھر انسان نے عمیق تأثر کے ساتھہ محسوس کیا کہ وحشت و بربریت نے انسانیت کی پوری توھین اور نیکی کی پوری تذلیل کی ھے !

" عین اُس وقت ایک مرد خدا ' ایک نوجوان ' اپنے دل کی گہرائیوں سے چلا اٹھا - یہ چیخ اُس کی روح کی چیخ تھی - شفقت کی چیخ ' رنج و الم کی چیخ ' رعب و ھیبت کی چیخ - وہ چیخ جو انسانیت نے بے چین ھوکر بلند کی تھی - لیکن یہ چیخ تمھاری نظر میں جرم ھے ' اور تم اُس پر سزا دینے کی طیاریاں کررھے ھو !

" یہ تمام واقعات سنکر ' یہ تمام جاں گسل تفصیلات سن کر اے حضرات ! آپ باادب گلوتین سے کہینگے " تو حق پر ھے " اور تیوری چڑھا کر رحم سے ' مقدس رحم سے کہینگے " تو مجرم ھے " !

" لیکن نہیں اے حضرات ! یہ نا ممکن ھے - میں کہتا ھوں نا ممکن ھے -

" محترم سرکاری وکیل ! میں بغیر کسی تلخی کے کہتا ھوں کہ تم کسی حق کی مدافعت نہیں کر رھے ھو - تم غلطی پر ھو - تم مدنیت کی روح سے برسر پیکار ھو - تم ترقی کے اخلاق سے دست بگریباں ھو - قلب انسانی تمھارا دشمن ھے - ضمیر انسانی تمھارا حریف ھے - وہ تمام اصول و مبادی تمھارے مقابلے میں صف بستہ ھیں جن کے سایہ میں ساٹھہ برس سے فرانس ترقی کر رھا ھے - جنھوں نے دنیا کو وحشت سے نکال کر متمدن دنیا بنا دیا ھے - ان تمام اصول و مبادی کا لب لباب اور نچوڑ یہ ھے کہ انسانی زندگی کی حرمت غیر تعلیم یافتہ طبقہ پر برادرانہ شفقت - مذھب

قانون کی تنقید اور قانون کی توهین

تاریخ قوانین مدنیۃ کا ایک صفحہ

وکٹر هیگو کي تقریر اپنے لڑکے کي حمایت میں

(۲)

" یہ ایک منحوس قانون ہے - یہ قانون ' دنیا کے سامنے ایسے مناظر پیش کرتا ہے جو ادب و حیا سے بالکل خالي هیں - انسانیت ' شرم و ندامت سے اپنا منهہ چھپا لیتي ہے - خطرناک مناظر ! وحشیانہ مناظر ! یہ قانون ' انسانیت کو وحشت کي طرف واپس لے جانا چاهتا ہے - اُس کي قربانیاں کتني هي کم هوں ' مگر حد سے زیادہ خوفناک هوتي هیں ! اُس کے نتائج کتنے هي هولناک هوں ' مگر وہ انسانوں کو نکتہ چیني کي اجازت دینا نہیں چاهتا - اگر کوئي حساس ضمیر رکھنے والا نکتہ چیني کي جرأت کرتا ہے ' تو اُس کي جرأت " قانون کي توهین " خیال کي جاتي ہے - اور وہ عدالت کے اندر مجرموں کے کٹھرے میں کھڑا کیا جاتا ہے !

" پھر اِس کے بعد ؟ جرمانہ ! اِس کے بعد ؟ قید خانہ !

" اگر یہي ہے تو آئیے ' هم پارلیمنٹ بند کردیں - مدرسے بند کردیں - اب ترقي و تمدن کے لیے کوئي گنجائش باقي نہیں رهي - آئیے ' اب هم اپنے آپ کو " تاتار " اور " تبتي " کہیں - اب هم متمدن قوم باقي نہیں رہے ·

" هاں اب همارے لیے یہي اولی ہے کہ اپنے آپ کو نیم وحشي یا خالص وحشي قوم کہیں - اگر دنیا میں کبھي فرانس نامي کوئي ملک موجود تھا ' تو اب وہ موجود نہیں رہا - تم نے فرانس کو بدل ڈالا ہے - بلا شبہ فرانس ' شاہ پسند نہیں ہے - لیکن میں دعوے سے کہتا هوں کہ وہ جمہوري بھي نہیں ہے - اب وہ اِن دونوں کے سوا کچھہ اور هوگیا ہے ! (قہقہہ)

جج — میں دوبارہ تنبیہ پر مجبور هوں - میں خاموشي کي درخواست کرتا هوں ' ورنہ ایوان کے خالي کردینے کا حکم دوں گا -

وکٹر هیگو — (تقریر جاري رکھتے هوئے) آئیے هم واقعات پر غورکریں - الزام کو حقائق پر منطبق کریں -

" محترم جج اور جیوري ! ایک وقت اسپین میں محاکم تفتیش تھے ' اور وهي " قانون " تھے . . . بہت خوب - لیکن مجھے یہ کہنے دیجیے کہ جو هولناک سزائیں یہ محاکم تفتیش دیا کرتے تھے ' اُن سزاؤں کا احترام قانون کا احترام نہیں تھا - ایک زمانہ میں هاتھہ کاٹنا قانون تھا ' لیکن هاتھہ کٹنے کي کبھي تعظیم نہیں کي گئي - ایک زمانہ میں آگ سے داغنا ' قانون تھا ' مگر اِس فعل کي تقدیس کبھي قانون نہ تھي - اب آج همارے زمانے میں گلوتین ' قانون ہے . . . بہت خوب . . . میں دعوے سے اِس حقیقت کا اعلان کرتا هوں کہ اگرچہ آج گلوتین قانون ہے ' مگر خود گلوتین کي کبھي تعظیم نہیں کي گئي اور نہ اس وقت کي جا رهي ہے - میرے آقا ' سرکاري وکیل ! یہ کیونکر ؟ میں ابھي آپ کو اِس سوال کا جواب دیے دیتا هوں -

" میں کہتا هوں اس ملک کے باشندے گلوتین کو بھي نفرت و کراهیت کے اُسي گڑھے میں پھینک دینا چاهتے هیں ' جس میں اب سے پہلے ' ساري جہان کي تحسین و آفریں کے غلغلہ کے ساتھہ ' آگ سے داغنے ' هاتھہ کاٹنے ' اور محاکم تفتیش کي سزاؤں کو ابد الآباد تک کے لیے پھینک چکے هیں -

" باشندے چاهتے هیں ' عدالت کے بلند اور مقدس چبوترے پر سے اِس سڑے هوئے منحوس قانون کي لاش اُٹھا پھینکیں - کیونکہ یہ عدل و انصاف کے نوراني چہرے کو اپني تعفن اور ظلمت سے بگاڑ رہا ہے . . . . آہ . . . جلاد کا منحوس چہرہ . . . . !

" چونکہ هم یہ انساني فرض ادا کرنا چاهتے هیں اِس لیے هم پر شورش پھیلانے کا الزام لگایا جاتا ہے -

" هاں بے شک هم نہایت خطرناک لوگ هیں - حد سے زیادہ خوفناک لوگ ! کیوں ؟ اس لیے کہ هم گلوتین کي منسوخي چاهتے هیں . . . ! اس سے بھي بڑھ کر کوئي جرم دنیا میں موجود ہے ؟

اخبار . . . . اِل کے محرر پر الزام ہے کہ اُسنے قانون کا احترام نہیں کیا - حضرات ! تھوڑي دیر کے لیے هم اِس قانون کي عبارت میں ' بحث سے الگ هو جائیں ' اور پورے خشوع و خضوع کے ساتھہ اُس قانون کے سامنے کھڑے هوں جو هر قانون کي بنیاد ہے - انساني ضمیر کے سامنے ' جو هر سینے میں محفوظ ہے !

جب " سرون " نے ' جو اپنے عہد میں سرکاري وکیل تھا ' یہ کہا تھا کہ " همارے تعزیري قوانین ' الزام کے دروازے کھولتے مگر ملزم کیلیے بند کرتے هیں " تو کیا اُس نے یہ کہہ کر قانون کي توهین کي تھي ؟

" جب والٹیر نے اپنے زمانے کے ججوں کي نسبت کہا تھا " . . . اِن ججوں کا ذکر نہ کرو - اِن میں سے آدھے بندر هیں اور آدھے چیتے " (قہقہہ) تو کیا اُس نے قانون کي توهین کي تھي ؟

" جب " روایر کولر " نے ایک قانون کے متعلق خود پارلیمنٹ میں گلا پھاڑ کر کہا تھا " اگر تم یہ قانون بناتے هو تو میں قسم کھا کر کہتا هوں کہ میں اِسے توڑ دونگا " تو کیا یہ کہہ کر اُس نے قانون کي توهین کي تھي ؟

پوري کرنے میں کامل آزادي حاصل هوني چاهیے - کسي کو بهي آسکي راه میں رکاوٹ ڈالنے کا حق نہیں هے - یه آزادي در حقیقت مذهب استقلال فردي یا مذهب عقد اجتماعي (سوشل کنٹریکٹ) کے ماننے والوں کي آزادي هے - اِن لوگوں کا دعوی هے که حکومت کے وجود سے پہلے افراد کو کامل آزادي میسر تهي - پهر اُنهوں نے حاکم اعلی کو اپني آزادي کا کچهه حصه اِس شرط پر دیدیا که وه اِس کے معاوضه میں اُنکے حقوق کي حفاظت و حمایت کرے - یه خیال در اصل سترهویں اور اٹهارہویں صدي کے بادشاهوں کے قہر و استبداد کي وجه سے پیدا هوا - سیاست اُس زمانه کے علماء نے کہا " حاکم کي قوت و اختیار' ذاتي و طبیعي نہیں هے بلکه رعایا کي بخشي هوئي هے "

غور و بحث کے بعد ظاهر هوجاتا هے که یه آزادي صرف اُسي شخص کو حاصل هوسکتي هے جس کے متعلق فرض کرلیا جائے که اُسے ایسي غیر محدود قوت و قدرت حاصل هوگئي هے جس کے ذریعه وه اپني هر خواهش بے روک ٹوک پوري کرسکتا هے - اِس آزادي کے دلداده کہتے هیں که هر فرد کو حق هے که اپني تمام خواهشیں جس وقت اور جس طرح چاهے پوري کرلے - اِس آزادي کا تصور ایسي حالت میں هرگز نہیں هوسکتا جب که ایک هي غرض کے حصول کے لیے متعدد افراد کهڑے هوں - هر شخص اُسے صرف اپنے هي لئے لینا چاهے - ظاهر هے ' ایسي صورت میں یه خیالي آزادي قائم نہیں رہ سکتي - ضرور تصادم هوگا - زیاده طاقتور غالب آئیگا - کمزور مغلوب و محروم رهینگے ' اور اُن کي آزادي سلب هوجائیگي -

(مشروط آزادي)

فرد کو زیاده سے زیاده اِتني آزادي مل سکتي هے که وه اپنے تمام افعال میں آزاد هو جب تک که دوسروں کي آزادي اُس کي آزادي کي وجه سے خطرے میں نه پڑے - فرانس کے انقلابیوں نے بهي اپنے سنه ۱۸۷۹ ع کے اعلان میں آزادي کي یهي تعریف کي تهي : " آزادي ایک قوت هے جس سے انسان اپني هر خواهش پوري کرسکتا هے بشرطیکه اُس کي خواهش دوسروں کے لیے نقصان ده نه هو" هربرٹ اسپنسر نے بهي آزادي کي تعریف یه کی هے " هر شخص آزاد هے ' جو چاهے کرے ' بشرطیکه اپنے فعل سے دوسروں کي آزادي پر دست درازي نه کرے "

یه جائز آزادي هے اور حکومت کے ساتهه جمع هوسکتي هے - بلکه بغیر حکومت کے اُسکا وجود مشکل هے - یه آزادي اُسي وقت ممکن هے جب که اُس کي پشت پناهي پر ایک حاکمانه نظام موجود هو - اِس آزادي کي اولین شرط یه هے که دوسروں کي آزادي اور حقوق پر دست درازي نه هونے پائے - لہذا ایک بالا تر قوت کا وجود لازمي هے جو هر فرد کے حقوق معین کردے ' اُن کي حفاظت و حمایت کي ذمه دار بن جائے ' اور هر قسم کي زیادتي روک سکے - پس جائز شخصي آزادي' نظام حکومت هي کے ذریعه پائي جا سکتي هے - اِس آزادي کو سیاسي اصطلاح میں " شهري آزادي " کے نام سے پکارتے هیں -

اِس تفصیل سے ظاهر هو جاتا هے که حکومت کا اهم ترین فرض' شخصي آزادي کي ضمانت هے - لیکن اِس بارے میں بهي علماء سیاست کا اختلاف هے - ایک گروه کا خیال هے که حکومت کا فرض صرف اِسي قدر هے که افراد کي شخصي آزادي کي دور سے حفاظت کرے مگر خود اُس میں دخل نه دے - چنانچه وه حکومت کے لیے جائز نہیں سمجهتے که افراد کے ذاتي معاملات میں کسي قسم کي بهي مداخلت کرے - اُنکے خیال میں افراد کو اپنے بچوں کي تعلیم پر مجبور کرنا ' زراعت کے خاص طریقے جاري کرنے ' کارخانوں کے لیے قواعد قرار دینا ' مزدوري کي شرح مقرر کرنا ؛ یه ' اور اِس قسم کے دوسرے کام ' حکومت کے لیے ناروا هیں - وه کہتے هیں حکومت کو صرف وه کام کرنے چاهئیں جن سے افراد کي شخصي آزادي محفوظ رهے - مثلاً اُسے فوج مرتب کرنا ' قلعے بنانا ' اور جنگي بیڑے طیار کرنے چاهئیں ' تاکه دوسري قومیں ملک کي آزادي پر حمله نه کرسکیں - اِسي طرح پولیس اور دیواني اور فوجداري عدالتیں وغیره رکهنا بهي جائز هے تاکه افراد کے حقوق محفوظ رهیں - اِس کے مقابله میں ایک دوسرا گروه حکومت پر کوئي پابندي عاید نہیں کرتا - اُس کے خیال میں حکومت کو وه تمام کام کرنے چاهئیں جنسے افراد یا جماعت کي بهلائي متصور هو -

(وطني اور آئیني آزادي)

علم سیاست میں " استقلال فردي " اور " مشروط آزادي " کے علاوه ایک قسم " وطني آزادي " کي بهي هے - اِس سے مقصود قوم کي خود مختاري هے - جب کوئي قوم اپني خود مختاري حاصل کرلیتي هے تو کہا جاتا هے ' اُسنے " وطني آزادي " پالي -

آزادي کي ایک چوتهي قسم بهي هے اور اُسے سیاست کي اصطلاح میں " دستوري آزادي " کہتے هیں - اِس سے مقصود یه هے که قوم پر ایک ایسي حکومت قائم هو جسے خود قوم هي نے منتخب کیا هو' اور وه قوم کے سامنے ذمه دار اور جوابده هو' جیسي که ولایات متحده امریکا ' فرانس ' اور انگلستان وغیره کي حکومتیں هیں -

(سلطنت اور حکومت)

یہاں یه جاننا بهي مناسب هے که سلطنت (اسٹیٹ) اور حکومت (گورنمنٹ) میں کیا فرق هے ؟ سلطنت سے مقصود یه هے که کسي محدود خطه میں انساني افراد کي کوئي جماعت آباد هو اور اُس پر کوئي حکمراں قوت موجود هو' عام اِس سے که حکمراں قوت اکثریت کے هاتهه میں هو' یا اقلیت کے هاتهه میں ' یا فرد واحد کے هاتهه میں - یه قوت باقي تمام لوگوں پر غالب و حاوي هو - لہذا سلطنت کے موجود هونے کے لیے دو چیزیں ضروري هیں : حکم اور اطاعت - جہاں کہیں حکم کرنے والي قوت اور اطاعت کرنے والي جماعت موجود هو' کہا جائیگا که سلطنت موجود هے - یا یوں سمجهو که سلطنت ' حاکم اور محکوم کے مجموعه کا نام هے - رهي حکومت تو وه اُس شخص یا جماعت کا نام هے جسکے هاتهه میں حکمراں قوت هوتي هے -

اِس تفصیل سے واضح هوگیا که " مشروط آزادي " (اور یهي شهري آزادي هے) کي حفاظت کا ذمه حکومت کے سر هے - لیکن اگر حکومت کسي مستبد اور ظالم شخص کے هاتهه میں هوگي تو وه اپني مرضي کے مطابق افراد کي آزادي اور حقوق پر دست درازي کر سکتا هے - دستوري حکومتوں میں استبداد کا اِتنا خطره نہیں هے - لیکن اُن میں بهي شخصي آزادي کي ضمانت یکساں نہیں هوتي - اِس ضمانت کا تعلق براه راست ' دستور حکومت سے هوتا هے - جن ملکوں کا دستور حکومت زیاده مستحکم هوتا اور مشکل سے بدلا جا سکتا هے ' وهاں شخصي آزادي سب سے زیاده محفوظ رهتي هے - یه اِس لیے که اگر دستور حکومت آساني سے بدلا جاسکتا هے تو شخصي آزادي پر بهي آساني کے ساتهه دست درازي کي جا سکتي هے -

مطبوعات جديدہ

شخصي آزادي

مختلف سياسي مذاهب كي نظر ميں

حال ميں مندرجہ صدر موضوع " الحرية الشخصيه " پر ايک نہايت مفيد اور دلچسپ مجموعۂ مقالات مصر ميں شائع هوا هے جس کے مقالہ نگاروں نے كوشش كي هے كه اس باب ميں جس قدر مختلف نقطہ هاے نظر اور سياسي مذاهب موجود هيں ' أنهيں صحت بيان كے ساتهه واضح كر ديا جاے - " شخصي آزادي " كے باب ميں اگرچه بے شمار افكار و آراء موجود هيں ' ليكن اهم اور اصولي مذاهب تين هيں :

(۱) " مذهب تقئيد على الاطلاق " يعني وہ مذهب جو كامل شاهيت اور شاهي استبداد كے اعتراف كا نتيجه هے ' اور جو كہتا هے كه كسي فرد واحد كو اپنے مالكوں اور آقاؤں كے خلاف مطالبۂ ازادي كا حق هي نہيں هے -

(۲) " مذهب استقلال مقيد و مشروط " جو اسوقت عملاً تمام أن ممالک كي هئيت اجتماعيه كا مذهب هے ' جو دستوري يا جمہوري حكومت كے طريقوں پر عامل هوچكے هيں - اس مذهب كے معتقدين شخصي آزادي كا مطالبه هر فرد كا فطري حق قرار ديتے هيں ' مگر ساتهه هي جماعت ' قوم ' اور نظم كے مشترک مقاصد كي بالا تري بهي تسليم كرتے هيں - ان كے اعتقاد ميں هر فرد كو آزاد هونا چاهيے ' ليكن اسي حد تک ' جس حد تک جماعت ' قوم ' اور حاكمانه نظام كا مزاج موافقت كرے -

(۳) " مذهب استقلال فردي على الاطلاق " جو فرد كے حقوق آزادي كو اصل قرار ديكر هيئت اجتماعيه كا تمام نظام أس كے مطابق ركهنا چاهتا هے - اس كے معتقدين أن تمام قيود اور شرائط كے اعتراف سے انكار كرتے هيں جو كسي حال ميں بهي فرد كي انفرادي آزادي كے خلاف هوں -

پہلا مذهب يكقلم متروک و مہجور سمجها جاتا تها ' ليكن اٹلي كے فيشي سيزم نے پهر اسے زندہ كر ديا هے -

هم اس مجموعه سے پہلے ايک مقاله دوسرے مذهب كي تائيد ميں (جو وقت كا عام اور معمول به مذهب هے) حذف و اضافه كے بعد نقل كرتے هيں - أس كے بعد تيسرے مذهب كے مويد افكار و مباحث نقل كرينگے تاكه قارئين الہـلال اس اهم موضوع كے تمام اطراف پر نظر ڈال سكيں -

شخصي آزادي كے معنے كيا هيں ؟ لوگوں كو اس كے شرح و بيان ميں سخت ٹهوكريں لگي هيں - شخصي آزادي كا مفہوم عام طور پر يه سمجهه ليا گيا هے كه هر فرد اپني هر طلب بے روک ٹوک پوري كرسكے - اس غلط فہمي كا بڑا سبب ' حكام كا طرز عمل هے - مطلق العناني اور ذاتي مفاد كے مقابلے ميں رعايا كے فوائد سے بے پروائي ؛ أنهوں نے اپنا شعار بنا ليا - اس غلو كا نتيجه يه نكلا كه محكوموں ميں بهي غلو پيدا هوگيا - انتہائي استبداد كے مقابلے ميں انتہائي آزادي كا مطالبه شروع هوا - اور اس طرح شخصي آزادي كا صحيح مفہوم بدل گيا -

اس غلو نے بالاخر يه اصول پيدا كيا كه " حكومت اور آزادي يک جا جمع نہيں هو سكتي " اس اصول كے ماننے والوں كا استدلال يه هے كه حكومت سے مقصود ملک ميں ايسے حاكم اعلى كا وجود هے ' جسكي اطاعت تمام افراد كے ليے ضروري هو - وہ قانون بنائے ' قانون كي پابندي پر مجبور كرے ' مخالفوں كو سزائيں دے ' محصول لگائے ' رعايا كي مرضي كے خلاف اعلان جنگ كردے ' اور قتل و خونريزي كا بازار گرم هوجائے - وہ كہتے هيں ' اس صورت ميں كسي فرد كي بهي شخصي آزادي محفوظ نہيں رہ سكتي -

(مذهب استقلال فردي)

اس اصول كے قائل هر قسم كي حكومت كے خلاف هيں - أنكے خيال ميں حكومت كي موجودگي افراد كو أنكي كامل آزادي سے محروم كر ديتي هے - وہ كہتے هيں ' هر فرد كو اپني خواهشيں

اصلاح جو مذهب انتقام كي جگه قائم هوگيا هے - تمهاري دشمن هر وہ چيز هے جو عقل كو روشني بخشتي هے - هر وہ چيز جو روح كو ابهارتي هے : يعني دين اور فلسفه - ايک طرف سے (حضرت) مسيح (عليه السلام) اور دوسري طرف سے والتّير !

" حضرات ! اب ميں اپنا بيان ختم كرنا چاهتا هوں - اے ميرے فرزند ! ميري آنكهه كے نور ! ميرے جگر كے ٹكڑے ! هاں اے ميري جان ! ميں تجهي كو مخاطب كرتا هوں - تجهي كو جو مجرموں كے كٹہرے ميں كهڑا هے ! آج تو شرافت و عزت كي ايک عظيم منزل طے كر رها هے - خدا نے تجهے محبت كي نظر سے ديكها اور اس لائق بنايا كه تو حق كيليے جنگ كرے - مقدس حق كے ليے غم كهائے - تو آج أس منزل ميں قدم ركهه رها هے ' جو همارے زمانے ميں حقيقي مردانگي كي منزل هے - يعني عدل و انصاف كيليے جنگ - حقيقت كيليے جنگ - عظيم بن جا ! بلند هوجا ! تو كيا هے ؟ عقل انساني اور حقيقي جمہوريت كا ايک معمولي سپاهي ! تو آج أس جگه بيٹها هے جس پر تجهسے پہلے " برانجيه " بيٹهه چكا هے - تو " لامونيه " كي كرسي پر بيٹها هے - اپنے عقائد ميں كمزور نه هو - يه تجهسے ميرے آخري لفظ هيں - يه ميري وصيت هے ' بشرطيكه تجهے وصيت كي ضرورت هو - غور كر ' تو اس وقت " لزوارک " كي جگه بيٹها هے - آہ ميري مسرت ! ميرے لڑكے كو كيسي عزت ملي هے ! . . .

" ميں كہه چكا . . . "

صحیح بخاری کا ایک تاریخی نسخه

(مجد الدین فیروز آبادي اور دولۂ رسولیه)

انسان کي طرح کتابوں کي بهي زندگي هے - جس طرح انسان پر پیدایش و موت ' اقامت و سفر ' غربت و هجرة ' اور عروج و زوال کے حوادث و ایام گزرتے هیں ' ٹهیک اسي طرح کے حوادث و ایام سے فکر انساني کي اِن کاغذي مخلوقات کي تاریخ بهي مرتب هوتي هے - ایک شخص دنیا کے کسي خاص حصے میں پیدا هوتا هے' لیکن سیلاب حوادث اچانک اُسے دنیا کے ایک دور دراز حصے میں پهنچا دیتے هیں جسکا اُسے کبهي وهم و گمان بهي نه هوا هوگا - یهي حال دنیا کي مشهور و معروف کتابوں اور اُن کے تاریخي نسخوں کا بهي هے - سینکڑوں هزاروں کتابیں اور اُن کے نسخے آج دنیا کے مختلف حصوں میں موجود هیں - اگر اُن کي تاریخي حیات پر نظر ڈالي جائے' تو انقلاب و حوادث عالم کي ایک عجیب و غریب داستان نمایاں هوجایگي - نهیں معلوم انتقال اور تغیر کي کیسي کیسي منزلوں سے گزرنے کے بعد ' وہ اپنے مولد و منشاء کي جگه ' ان مقامات میں آج پناہ گزیں هو سکے هیں - بهت ممکن هے که ایک کتاب اب سے ایک هزار برس پہلے دنیا کے کسي ایک گوشه میں پیدا هوئي هو' اور آج دس صدیوں کے اُن انقلابات و تغیرات کے بعد جن سے بے شمار ملکوں اور قوموں کي موت و حیات اور عروج و زوال کي داستانیں وابسته هیں ' دنیا کے ایک دوسرے انتهائي گوشه میں پهنچ گئي هو !

(ایک نسخه کي سوانح حیات)

شیخ ابو اسماعیل ازدي نے دوسري صدي هجري کے وسط میں فتوح الشام کي روایات جمع کیں - صاحب ابن عباد نے چوتهي صدي هجري میں اپنے خزانۂ کتب کے لیے اُس کا نسخه ابن فارس امام لغة و عربیة کي زیر نگراني و تصحیح لکهوایا - پانچویں صدي میں یه نسخه نهیں معلوم حوادث و تغیرات کي کتني منزلیں طے کرکے غزني پهنچا ' اور سلاطین غزنویه کي مواهیر اُس پر ثبت هوئیں - پهر غزني سے نکل کر دشت غربت و مهاجرت کي نئي نئي منزلیں طے کیں ' اور تمام بلاد ایران و عراق طے کرکے مصر جا پهنچا ' چنانچه ساتویں صدي کے اواخر میں شیخ ابو یعلی مصري کا دستخط اُسي پر ثبت هوا ' اور نصف صدي تک اسي سر زمین میں مقیم رها - پهر اُس کے بعد یهي نسخه یمن پهنچتا هے ' اور کتب خانۂ شاهي کي مهر اس پر ثبت هوتي هے - نیز بعض سلاطین یمن اسي نسخے پر اِسکي قرأت و درس کي اجازت اپنے شیوخ سے لیتے هیں - پهر یمن سے یه نسخه نکلتا هے' اور کالي کٹ (مالا بار) پهنچتا هے ' مگر وهاں کي آب و هوا راس نهیں آتي' اور تهوڑے هي عرصه کے بعد دکن پهنچکر سلاطین عادل شاهي کا مهمان هوتا هے - یهاں عرصه تک مقیم رهتا هے ' لیکن اُس کے بعد پهر طرح طرح کے تغیرات و حوادث پیش آتے هیں - یهانتک که بالاخر یه نسخه سنه ۱۷۹۹ - میں ایک فرانسیسي کے هاتهه لگتا هے اور اب پیرس کے قومي کتب خانے میں محفوظ هے !

کتاب عراق میں پیدا هوئي ' رے میں لکهي گئي ' غزني میں مقیم هوئي ' غزني سے مصر پهنچي ' مصر سے یمن ' یمن سے مالا بار ' مالا بار سے بیجا پور ' بیجا پور سے پانڈي چري ' پانڈي چري سے ایشیا اور یورپ کے تمام بري اور بحري فاصلے طے کرکے پیرس دار الحکومت فرانس میں !

به بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ؟

(هندوستان کا گذشته دور علم)

اِس سلسله میں هندوستان کا پچهلا دور علم خصوصیت کے ساتهه قابل ذکر هے - یه ملک عربي و اسلامي تمدن کے تمام بڑے بڑے مرکزوں سے بعید و مهجور تها - دمشق ' بغداد ' قاهره ' اندلس ' خوارزم ' شیراز ' رے ' اصفهان ' یمن ' وغیرہ ممالک ' عربي و اسلامي تمدن کے وقتاً فوقتاً مرکز رهے ' لیکن هندوستان ان میں سے کسي ملک سے بهي متصل اور قریب نه تها - تاهم هندوستان میں وقتاً فوقتاً علوم عربیۂ و اسلامیه کے جیسے جیسے عظیم الشان ذخیرے جمع هوے ' اور عربي علوم کے اصولي نسخوں اور امهات نقل و کتابت کا جیسا قیمتي سرمایه فراهم هوا ' وہ کسي طرح بهي اسلامي تمدن کے مرکزي مقامات سے کمتر قرار نهیں دیا جاسکتا ' اور هندوستان کے امراء و علماء کي علمي قدر دانیوں اور علمي مساعي کي حیرت انگیز شهادت بهم پهنچاتا هے - گذشته نو صدیوں کے اندر بے شمار ملکي انقلابات پیش آے - هر انقلاب میں علم و تمدن کا پچهلا ذخیرہ برباد هوا ' اور نئے ذخیروں کي از سر نو بنیادیں پڑیں - خصوصاً سترهویں صدي کے اوائل سے لیکر غدر سنه ۵۷ ع کي انقلابي بربادیوں تک کا زمانه تو علمي ذخائر کي تباهیوں کا ایک مسلسل دور تها - بلا مبالغه کها جا سکتا هے که جونپور ' مالوہ ' دکن ' دهلي ' آگرہ ' لکهنؤ ' اور مرشدآباد میں نو سو برس کے اسلامي تمدن نے جس قدر ذخائر علم جمع کیے تهے ' اُن کا دو تهائي حصه یکقلم برباد هوگیا ' اور ایک تهائي حصه جو باقي رها ' اُس کا بهي بڑا حصه منتشر هوکر یا تو یورپ پهنچ گیا ' یا گمنام اور مجهول گوشوں میں نا پید هوگیا - با ایں همه آج بهي هندوستان کي فراهم شدہ کتابوں کا جس قدر سراغ خود ملک کے اندر یا ملک سے باهر لگ سکتا هے ' اُس سے هم اسکي عظمت و کثرت کا وثوق کے ساتهه اندازہ لگا سکتے هیں - عربي و اسلامي علوم و فنون کي کوي شاخ بهي ایسي نهیں هے جس کي امهات کتب کے اصولي نسخے (یعنے وہ نسخے جو یا تو مصنف کے هاتهه کے لکهے هوے تهے ' یا آئمۂ فن کے درس و مطالعه میں رہ چکے تهے اور اسلیے نقل لینے کے لیے زیادہ مستند سمجهے جاتے تهے ' یا اسي طرح کي کوئي اور اهمیت رکهتے تهے) هندوستان نه پهنچے هوں ' اور نه صرف سلاطین و امراء کے کتب خانوں میں' بلکه ایک ایک قصبه اور قریه کے اندر اُن کي بڑي تعداد موجود نه هو - قران مجید ' صحاح سته ' معاجم و مسانید ' تفاسیر و شروح ' امهات اصول و فقه ' تاریخ و علوم کے وہ نسخے جو سلاسل علم کے آئمۂ و اکابر نے حجاز ' عراق ' مصر '

سب سے زیادہ مشکل تبدیلی امریکا کے دستور حکومت کی ہے - اِس تبدیلی کے لیے ضروری ہے کہ ملک کی دو ثلث آبادی کی منظوری لی جائے - یعنی مجلس حکومت کے دو ثلث ممبروں کی رضامندی ضروری ہے - لیکن دوسرے ممالک مثلاً انگلستان میں دستور کی تبدیلی اِتنی مشکل نہیں ہے - وہاں پارلیمینٹ کو اختیار ہے، جب چاہے، تھوڑی سی اکثریت پیدا کرکے بدل ڈالے -

بنا بریں امریکا کا نظام حکومت دنیا کے تمام ملکوں کے موجود نظام حکومت سے زیادہ بہتر اور شخصی آزادی کے لیے زیادہ ضمانت رکھنے والا سمجھا جاتا ہے - یہی وجہ ہے کہ اُس ملک میں جتنی شہری آزادی موجود ہے، اُتنی روئے زمین پر کسی دوسرے ملک میں موجود نہیں - البتہ روس کا نیا انقلاب اس سے مستثنےٰ ہے -

(حکومت اور افراد)

حکومت کو افراد پرکس قسم کا اقتدار حاصل ہونا چاہیے ؟ اِس کے سمجھنے کے لیے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ فرد اور سلطنت یا قوم کے درمیان کیا تعلق ہے ؟

" مذہب استقلال فردی " کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ سلطنت یا قوم میں فرد، مستقل مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اور یہ کہ تمام افراد نے باہم معاہدہ کرکے اپنے تئیں اِس شرط پر حاکم کے حوالہ کردیا ہے کہ وہ اُن کی شخصی آزادی کی حفاظت کرے اور دوسرے افراد کی دست درازیاں روکے - لہذا حکومت کا اقتدار و اختیار صرف اِسی دائرے میں محدود ہے - یعنی زیادتی کا روکنا - اٹھارویں صدی کے علماء سیاست میں اِس مذہب نے بہت مقبولیت حاصل کی تھی، مگر بعد میں عملاً متروک ہوگیا -

علماء سیاست کا ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ فرد اور سلطنت کا باہمی تعلق ایک مضبوط طبیعی تعلق ہے - یہ تعلق ویسا ہی ہے، جیسا مختلف اعضاء کا جسم سے ہوتا ہے - جس طرح ہاتھ جسم سے کٹ کر باقی نہیں رہ سکتا، اُسی طرح فرد، سلطنت یا قوم سے علحدہ ہوکر زندہ نہیں رہ سکتا - اِس گروہ کا خیال ہے کہ سلطنت اُس وقت سے موجود ہے، جب سے انسان کی جماعتی زندگی کا آغاز ہوا ہے - شروع میں جب انسان ابتدائی وحشت کی حالت میں تھا، تو اُس وقت سلطنت بھی بالکل ابتدائی حالت میں تھی - اُس زمانہ میں قبیلہ ہی سلطنت تھی - کیونکہ سلطنت کی یہ تعریف کہ " حاکم اور محکوم موجود ہوں " قبیلے پر بھی صادق آتی تھی غرضکہ اِس گروہ کا مذہب یہ ہے کہ فرد اور سلطنت میں ہرگز تفریق نہیں ہو سکتی - اِس مذہب کا نام " مذہب عضوی " ہے - اِس مذہب کے بموجب سلطنت میں زندہ جسم کی طرح لگا تار نموء ہوتا رہتا ہے - یہی دائمی نموء، نظام اجتماعی کی ترقی کا باعث حقیقی ہے -

اِس تمثیل سے مقصود یہ نہیں ہے کہ سلطنت ہر اعتبار سے زندہ جسم کے مشابہ ہے - کیونکہ سلطنت کا نموء اضطراری اور غیر اختیاری نہیں ہے - یعنی اُس کی ترقی میں افراد کے ارادے کو دخل ہے - افراد ہی اپنے ارادے سے اُسے ترقی دیتے اور آگے بڑھاتے ہیں - برخلاف اِس کے حیوانی و نباتی اجسام کے نموء میں اختیار و ارادہ دخل نہیں رکھتا - وہ اضطراری و طبعی طور پر موجود ہوتا اور برابر جاری رہتا ہے -

اِس مذہب نے مذہب " استقلال فردی " کو کافی نقصان پہنچایا ہے - کیونکہ آخر الذکر، فرد کو سلطنت سے الگ حیثیت دیتا اور حکومت کا اقتدار و اختیار محدود کرکے سلطنت کی ترقی و تقدم روکتا ہے - برخلاف اِس کے دوسرا مذہب، افراد اور سلطنت کو ایک ہی جسم قرار دیتا ہے اور اِس طرح اُسے نفع پہنچاتا ہے - اِس مذہب کی رو سے فرد کو جماعت یا قوم کے فائدے کے لیے شخصی نقصان گوارا کر لینا چاہئے - جیسا کہ ہاتھہ، سر یا دل کی حفاظت کے لئے اپنا وجود خطرہ میں ڈال دیتا ہے -

اگر افراد اِس مذہب پر ایمان لے آئیں، تو حاکم کے اُن تمام قوانین کی بخوشی اطاعت کرینگے، جن سے اگرچہ شخصی طور پر اُنھیں نقصان پہنچ سکتا ہے مگر وہ جماعت کے لئے مفید ہیں - کیونکہ وہ سمجھینگے کہ قانون، عام فائدہ کے لئے ہے، نہ کہ شخصی فائدہ کے لئے، اور یہ کہ عام مصلحت کے مقابلے میں شخصی مصلحت فنا ہو جانی چاہئے -

لیکن اگر مذہب " استقلال فردی " تسلیم کرلیا جاے تو اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حاکمانہ قوت کا احترام جاتا رہے گا اور سلطنت کی ترقی رک جائیگی - پھر جب سلطنت کمزور ہو جائیگی تو لازمی طور پر فرد بھی کمزور ہو جائیگا - کمزور سلطنتوں کی یہی حالت دنیا مشاہدہ کر رہی ہے - وہ نہ تو خود خوش نصیب ہیں، نہ اُن میں افراد ہی کو خوش نصیبی میسر ہے - موجودہ علماء سیاست کا خیال ہے کہ تاریخ کے تجربے اور روز مرہ کے مشاہدے ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ " مذہب عضوی " قبول کریں اور دنیا میں اُس کی اشاعت کریں -

یہ نا ممکن ہے کہ دنیا میں کوئی جماعت ایسی موجود ہو سکے جسکی بنیاد مذہب استقلال فردی پر ہو - جماعتوں کی کامیابی و ترقی کے لیے لازمی ہے کہ اُسکے تمام افراد، مذہب عضوی کے ماننے والے ہوں، مجموع میں جذب ہوجائیں، اور عموم کی مصلحت کے سامنے اپنی شخصیت بھول جائیں - یہی ایک طریقہ ہے جس سے انسانی جماعتیں (سیاسی ہوں یا اجتماعی) ترقی کر سکتی ہیں - کوئی انسانی جماعت، انانیت کو اپنا اصول قرار دے کر زندہ نہیں رہ سکتی - کیونکہ یہ نا ممکن ہے کہ تمام افراد کے اغراض اور خواہشیں بالکل متفق و متحد ہو جائیں - یہی باعث ہے کہ جن ملکوں میں حکومت سے بے اعتمادی، مذہب انانیت یا استقلال فردی کے طرف عام میلان پیدا کر رہی ہے، وہاں کوئی بھی مشترک عمل کامیاب نہیں ہوتا - کتنی ہی انجمنیں قائم ہوتی ہیں، شروع شروع میں بڑا جوش و خروش دکھایا جاتا ہے، لیکن پھر بہت جلد کارکنوں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے اور پوری تحریک ختم ہو جاتی ہے -

مشرق اِس بیماری کا بری طرح شکار ہوا ہے - اُسکی وطنیت و قومیت فنا ہو گئی ہے، عام مصالح ضائع ہوگیے ہیں، اور جماعتی تحریکوں کی کامیابی کی بہت کم مثالیں نظر آتی ہیں - مشرق کو یہ مہلک مرض در حقیقت مستبد بادشاہوں کی وجہ سے لاحق ہوا - یہ بادشاہ صدیوں تک مشرقی قوموں پر مسلط رہے ہیں، اور اپنے ذاتی اغراض کے لیے جماعتی مصالح برباد کرتے آئے ہیں - نتیجہ یہ ہوا کہ نسلوں کے تجربہ و مشاہدہ کے بعد مشرقی اقوام کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ قومی وحدت بیکار ہے، اور مصلحت عام کے لیے سعی لا حاصل ہے - ہوتے ہوتے اب اُنکی حالت یہ ہوگئی ہے کہ وطنیت، قومیت، عام مصلحت، جماعت، وغیرہ الفاظ کے لیے اُن کے دلوں میں کوئی کشش پیدا ہی نہیں ہوتی -

(یمن کے سلاطین رسولي)

یمن کے خاندان رسولي کا تذکرہ عام تاریخوں میں بہت کم ملتا ہے ' اس لیے لوگ اُن کے ناموں سے آشنا نہیں - اس نسخہ کي تاریخ حیات کي توضیح کے لیے ضروري ہے کہ مختصراً اس کا ذکر کر دیا جاے -

یمن میں ساتویں صدي ہجري کے اوائل سے لیکر تقریباً نویں صدي کے درمیاني عہد تک ایک خاص خاندان کے افراد کي حکومت رهي ہے جو " رسولي " کے لقب سے مشہور تها - یہ لوگ اصلاً ترکمان تهے ' اور ترکمانوں کے قبیلہ " میجک " سے تعلق رکهتے تهے ' لیکن جب اتفاقات وقت نے یمن جیسے خالص عربي ملک کا حکمران بنا دیا ' تو ضرورت هوئي کہ کسي نہ کسي طرح اپنا سلسلۂ نسب عرب سلاطین و امراء سے ملادیں - چنانچہ ظاهر کیا گیا کہ اُن کے مورث اعلی جبلہ بن ایہم غساني کي نسل سے هیں جو حضرۃ عمر (رضي اللہ عنہ) کے زمانے میں مسلمان هوکر پهر مسیحي هو گیا تها ' اور قسطنطنیہ چلا گیا تها - الحاق نسب کي صورت یہ اختیار کي گئي کہ جبلہ عرصہ تک روم میں مقیم رها - اُس نے اگرچہ مسیحي مذهب اختیار کرلیا تها ' لیکن اس کا قلب مطمئن نہ تها - مرتے وقت اُس نے اپني اولاد کو وصیت کي کہ بلاد روم سے نکل کر اسلامي ممالک میں جائیں اور مسلمان هوکر زندگي بسر کریں - وہ ترکمانوں کے قبائل میں آکر مقیم هوگئے - اور اس طرح ان کي عربیت ' ترکمانیت سے مبدل هوگئي !

اس خاندان کا پہلا فرد جو تاریخ میں نمایاں هوتا ہے ' محمد بن هارون بن یوحی رستم ہے - خلفاء عباسیہ کے زمانے میں یہ عراق آیا اور تهوڑے عرصہ کے اندر عزت و قبولیت حاصل کر لي - اُس زمانے میں حکومت بغداد کو ایک سفیر و رسول کي ضرورت تهي جو مصر و شام میں احکام خلافت کا مبلغ هو - خلیفہ نے محمد بن هارون کا اس غرض سے انتخاب کیا ' اور اس طرح یہ خاندان پہلے عراق سے شام میں ' اور پهر شام سے مصر میں منتقل هوگیا - بغداد کي سفارت و وکالت کي بنا پر محمد بن هارون " رسول " کے لقب سے پکارا جاتا تها - یہ تلقب اس قدر مشہور هوا کہ آگے چل کر پورا خاندان " رسول " کي نسبت سے پکارا جانے لگا -

مصر میں جب ایوبیوں کي حکومت قائم هوئي ' تو یمن اُس وقت مصر کے زیر اثر تها - انهوں نے وهاں کي ولایت کیلیے توران شاہ بن ایوب کو بهیجا ' اور اسکے ساتهہ خاندان رسولي کو بهي روانہ کر دیا ' کیونکہ مصر میں انکي موجودگي سیاسي مصالح کے خلاف تهي - عرصہ تک یہ خاندان یمن میں امراء و اشراف کي زندگي بسر کرتا رها - لیکن ساتویں صدي کے اوائل میں جب ملک ظاهر بیبرس مصر میں حکمراں هوا ' تو یمن میں ایسے تغیرات و حوادث پیش آئے کہ اس خاندان کو امارت سے نکل کر ریاست و فرمانروائي کي تخت نشیني کا موقعہ ملگیا ' اور کچهہ عرصہ کي کشمکش و تنازع کے بعد حکومت مصر نے بهي اس کا استقلال تسلیم کرلیا - اس خاندان کا پہلا حکمراں ملک المنصور نور الدین عمر بن علي بن رسول تها - یہ سنہ ۶۲۸ - میں مسند نشین هوا ' اور سنہ ۶۴۷ ھ میں اپنے غلاموں کے هاتهوں قتل هوا - یمن کے علاوہ حجاز و حرمین کي حراست و خدمت بهي مصر سے نکل کر اسي حکمران خاندان کے قبضہ میں آ گئي تهي -

(ملک الاشرف)

اِسي سلسلۂ حکومت کا ساتواں فرمانروا ملک الاشرف اسماعیل بن عباس بن علي بن داؤد رسولي تها ' جسکا اس نسخہ کي تحریر میں ذکر ہے ' اور جس کے کتب خانہ سے یہ نسخہ نکل کر کسي طرح هندوستان پہنچ گیا ہے -

ملک الاشرف ۲۱ - شعبان سنہ ۷۷۸ - ھ میں مسند نشین هوا ' اور سنہ ۸۰۳ - ھ میں انتقال کیا - شیخ شرف الدین بن ابي بکر المقري نے مرثیہ لکها تها ' جسکے اشعار حافظ ابن حجر نے نقل کیے هیں :

هو الدهر کرت بالخطوب کتائبہ
و غضت بانیاب حداد نوائبہ

تمام مورخین بالاتفاق شہادت دیتے هیں کہ اس خاندان کے تمام سلاطین اهل علم و فضل تهے ' اور علم و فضل کي قدر شناسي میں اپنا عدیل نہیں رکهتے تهے - اس خاندان کا پہلا فرمانروا جس نے حکومت مصر کي نیابت سے ترقي کرکے استقلال و فرمانروائي کي حیثیت حاصل کرلي ' سلطان نور الدین تها - الخزرجي صاحب عقود اللؤلؤیہ (جس کا ذکر آگے آتا ہے) لکهتا ہے کہ اُس کي زندگي کي سب سے بڑي مشغولیت یہ تهي کہ اطراف عالم سے اهل علم و فضل کو یمن و حجاز میں جمع کرے ' اور مدارس و مساجد سے اپني مملکت معمور کردے - مکہ معظمہ ' تعز ' عدن ' زبید ' وادي سہام ' اور تہامہ کے ایک ایک قصبہ میں اُس نے مدرسے اور مسجدیں تعمیر کیں - مکہ معظمہ کا مدرسہ اُس عہد کے تمام مدارس حجاز پر فوقیت رکهتا تها - زبید میں تین مدرسے الگ الگ تعمیر کیے - مدرسۂ شافعیہ ' مدرسۂ حنفیہ ' اور دار الحدیث - اِن سب کے لیے اوقاف و محاصل تهے جن سے مدرسین و طلبہ کو وظائف دیے جاتے تهے - (جلد اول : ۸۴) ملک المظفر جو اس سلسلہ کا دوسرا فرمانروا ہے ' وہ نہ صرف علوم کا قدر شناس اور مدارس و جوامع کا باني تها ' بلکہ خود بهي صاحب علم و فضل تها - تفسیر ' حدیث ' اور طب میں اُس کي مصنفات کا حافظ ابن حجر عسقلاني اور قاضي شوکاني نے ذکر کیا ہے - الخزرجي لکهتا ہے کہ حدیث کي تمام امہات کتب اس نے اپنے قلم سے لکهي تهیں - ان کي تعداد و ضخامت دیکهکر تعجب هوتا ہے کہ حکومت کي آلودگیوں کے ساتهہ علم و کتابت کے لیے اِتنا وقت کیونکر نکل سکا ؟ اُس کے علمي شوق کا یہ حال تها کہ امام فخر الدین رازي کي تفسیر کبیر جب اُس کي نظر سے گزري تو بعض حصے ناقص اور تشنہ محسوس هوے - اُس وقت قاهرہ میں تاج الدین بن بنت الاعز قاضي القضاۃ تهے - اُنهیں لکها کہ تفسیر کے مصححہ نسخے بهیج دیں - اُنهوں نے چار نسخے بهیجے - لیکن ان سب کا بهي وهي حال تها - اس پر خیال هوا کہ خود مصنف کے قلم کا لکها هوا مسودہ دیکهنا چاهیے - چنانچہ ایک سفارت یمن سے هرات بهیجي گئي - اُس نے امام موصوف کے قلم سے لکها هوا اصلي نسخہ بصرف کثیر حاصل کیا - خود سلطان موصوف کي یہ عبارت خزرجي نے نقل کي ہے " میں نے جب یہ اصلي نسخہ دیکها تو میري کاوش دور هوگئي ' کیونکہ اس میں وہ تمام مقامات سادہ چهوڑ دیے گئے تهے ' اِس سے معلوم هوتا ہے کہ مصنف کا ارادہ نظر ثاني کا تها جو پورا نہ هوسکا " (جلد ۱ : ۲۲۸) جن اهل نظر نے تفسیر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے ' وہ سلطان موصوف کي صحت نظر و رائے کي تصدیق کرینگے -

خوارزم ' بلاد فارس ' اور مغرب و اندلس ميں لکھے تھے يا انکي تصحيح کي تھي ' نه صرف دهلي و آگره کے شاهي کتب خانوں ميں بلکه جونپور اور اوده کے قريوں تک ميں موجود تھے - ياقوت مستعصمي کے لکھے هوے مصاحف ' رے اور شيراز کے مجمع قراء و حفاظ کے مصححه قرآن ' حفاظ حديث کے لکھے هوے يا املاء شده مجاميع حديث ' حافظ ابن صلاح اور نو وي جيسے اکابر حديث کے دستخطي صحيحين ' حافظ ابو الحجاج مزي اور امام ذهبي کي مصححه صحاح سته ' حافظ ابن حجر اور انکے معاصرين کي خود نوشته مصنفات ' آگره اور دهلي ميں اسي طرح ملتي تهيں ' جس طرح بغداد اور قاهره ميں مل سکتي تهيں !

(پانچ نسخے)

هندوستان کے مختلف گوشوں ميں اب بهي اس پچھلے دور علم کے نشان قدم باقي هيں - حيرت هوتي هے که علم و فن کے اُن ذخائر کي کثرت و عظمت کا کيا حال هوگا ' جو اتني بربادیوں کے بعد بهي بے نام و نشان نه هو سکے ؟

هم چاهتے هيں' اس سلسله ميں بعض تاريخي نسخوں کا ذکر کريں - بالفعل پانچ نسخوں کي تاريخ پيش نظر هے - يه وه نسخے هيں جن ميں سے کسي کي زندگي پانچ صديوں سے کم نهيں هے اور جن پر انقلاب و حوادث ايام کے بڑے بڑے دور گزر چکے هيں :

(۱) جامع صحيح بخاري کا نسخهٔ رسولي مصححهٔ و درسيهٔ شيخ مجدد الدين فيروز آبادي صاحب قاموس و سفر السعادة -

(۲) صحيح مسلم کا نصف اخير مصححهٔ حافظ ابن الصلاح صاحب مقدمه - و درسيهٔ حفاظ مدرسهٔ اشرفيهٔ قاهره -

(۳) کتاب زاد الرفاق صلاح الديـــن الابيـــوردي (المتـــوفي سنه ۵۵۷ ه) مصححـــهٔ مصنف جس پر قاضي الفاضل يعنے قاضي عبدالرحيم بن علي وزير سلطان صلاح الدين ايوبي کا دستخط ثبت هے -

(۴) تاريخ مكه ابوالفرج عبدالرحمن بن علي الجوزي - مصححهٔ شمس‌الدين يوسف سبط ابن الجوزي -

• (۵) مقامات حريري کا نسخه غرناطه جو امير ناصر الدين عسقلاني (المتوفي سنه ۷۳۳ ه) کے کتب خانه ميں داخل هوا - پهر سنه ۹۷۰ ميں دکن پہنچا ' اور دکن سے ايک شائق علم شيخ محمد يوسف نامي نے حاصل کيا -

(جامع صحيح بخاري نسخهٔ رسولي)

آج هم صحيح بخاري کے نسخهٔ رسولي کے آخري صفحه کا عکس مع مختصر تشريحات کے شائع کرتے هيں - يه نسخه مسيح الملک حکيم محمد اجمل خان صاحب رئيس دهلي کے کتب خانه ميں موجود هے - اس نسخه کي تاريخي نوعيت حسب ذيل هے :

(۱) اصل نسخه بغداد ميں لکها گيا هے اور وهاں درس و املاء ميں ره چکا هے -

(۲) بغداد سے شام پہنچا ' اور متعدد علماء و حفاظ حديث نے املاء و درس کے وقت اسکي تصحيح کي اور جابجا بين السطور اور حواشي ميں اختلاف رواة و نسخ کي نسبت فوائد و منهيات کا اضافه کيا -

(۳) شام سے يه نسخه غالباً مصر پہنچا ' اور خاندان رسولي کے امراء مقيمين قاهره کے هاتهه لگا - جب وه يمن پر قابض هوے تو اُن کے ساتهه يمن پهنچکر شاهي کتب خانه ميں داخل هوا -

(۴) جب شيخ مجدد الدين فيروز آبادي صاحب قاموس ' يمن پهنچے ' اور سلطان ملک الاشرف رسولي نے اُن سے صحيح بخاري کي اجازت حاصل کرني چاهي ' تو اسي نسخه پر درس و املاء کا سلسله جاري هوا ' اور اتمام درس کے بعد شيخ موصوف نے اپنے قلم سے ملک الاشرف کے ليے سند واجازت کي سطور تحرير کرديں -

چنانچه کتاب کے آخر ميں شيخ مجدد الدين کے قلم سے حسب ذيل عبارت مرقوم هے :

" ...... سماعاً علي لجميع الصحيح مولانا و مولينا و خليفة الله في عصرنا ' السلطان بن السلطان بن السلطان ' المالک الملک الاشرف ' ممهد الدينا و الدين ' اسماعيل بن العباس بن علي بن داؤد ' خلد الله سلطانه ' و شيد بعدله قواعد الدين و ارکانه ؛ في بضع و ثلثين مجلساً من شهر رمضان ' سوي المجلسين الاخرين في شوال ' من عام تسعة و تسعين و سبعمائة ' و اجزيت روايته و رواية سائر ما يجوز لي و عني روايته بشرطه - قاله وكتبه الملتجي الی حرم الله تعالی محمد بن ابي محمد بن محمد بن ابراهيم الفيروزابادي تجاوز الله عنه ' و صلی الله علی سيدنا محمد و اله و اصحابه و سلم "

تاریخ و عبر

تاریخ اسلام کا نفسیاتی مطالعہ

عہد امویہ کا خاتمہ اور عباسیہ کی تاسیس

تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد کے سیاسی دواعی و محرکات

کچھ عرصہ ہوا مرحوم شیخ محمد خضری نے جامعۂ مصریہ میں تاریخ اسلام پر دو سال تک درس دیا تھا جس کا مجموعہ "تاریخ امم اسلامیہ" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اب اس کا ایک نیا ایڈیشن جامعہ نے شائع کیا ہے، جسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے نظر ثانی کر کے کتاب کے متعدد اہم مقامات زیادہ مبسوط اور جامع کر دیئے ہیں، اور ترتیب بحث بھی پہلے سے زیادہ موزوں اور مسلسل ہے۔ بلاشبہ تاریخ اسلام کے مباحث کی سطح اس سے بہت زیادہ بلند ہونی چاہیے جس قدر اس کتاب میں نظر آ رہی ہے۔ تاہم کتاب کی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نئے ایڈیشن کے اضافات میں سب سے زیادہ اہم مقام عہد امویہ کے اختتام اور عباسیہ کی تاسیس کے ذہنی دواعی و محرکات ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ چند نمبروں میں شائع کر دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے تاریخ اسلام کے مطالعہ میں مزید کاوش اور نظر کی راہ باز ہوتی ہے۔

عباس بن عبد المطلب

عباس بن عبد المطلب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ یہ بنی ہاشم کے ایک معزز سردار اور مشہور مدبر تھے۔ جاہلیت میں ابو سفیان صخر بن حرب سے ان کی دوستی بہت گہری تھی۔ ظہور اسلام کے بعد رسول اللہ صلعم سے ان کا اخلاص آخری حد تک پہنچ گیا تھا، اگرچہ باقاعدہ مسلمان ایک مدت کے بعد ہوئے۔ رسول اللہ صلعم بھی ان سے بڑی عزت و محبت کا سلوک کرتے تھے۔ یہ خلافت عثمانی میں (سنہ ۳۲ھ) ۸۸ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔

عبد اللہ بن عباس

عبد اللہ بن عباس، اپنے والد کے منجھلے لڑکے تھے۔ ہجرت سے دو برس پہلے پیدا ہوئے، رسول اللہ کو ان سے بھی بہت محبت تھی۔ آپ نے ان کے لئے تفقہ فی القرآن کی دعا کی تھی۔ حضرت عمر، اُن کی علمیت، عقل، فصاحت کی وجہ سے اُنھیں اپنی مشورت کی خاص مجلسوں میں شریک کرتے، اور باوجود کم سنی کے اُن سے فتویٰ لیتے تھے۔ حضرت عثمان نے اُنھیں سنہ ۳۵ھ کے حج کا امیر مقرر کیا۔ حضرت علی کی خلافت میں وہ اُنکے دست راست اور قوت بازو تھے۔ بصرہ کے صوبے کی ولایت (گورنری) بھی اُنھیں ملی تھی۔ امیر معاویہ کی خلافت میں وہ سیاسیات سے الگ ہو کر طائف میں مقیم ہو گئے اور وہیں سنہ ۶۸ھ میں انتقال کیا۔

علی بن عبد اللہ بن عباس

حضرت عبد اللہ بن عباس کی اولاد میں سب سے زیادہ اہمیت، اُنکے سب سے چھوٹے بیٹے، علی، کو حاصل ہے۔ یہ عین اُس دن پیدا ہوئے جس دن امیر المومنین علی علیہ السلام پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اسی مناسبت سے اُن کا نام، علی رکھا گیا۔ یہ نہایت باوقار، وجیہ، فصیح و بلیغ، اور عالی حوصلہ تھے۔ کہا جاتا ہے، اُس وقت ان سے زیادہ خوبصورت کوئی قرشی موجود نہ تھا۔ اُن کا زہد و عبادت بھی بہت مشہور ہے۔ بنی امیہ نے اُنھیں مدینہ اور دمشق کے راستہ پر ایک گاؤں "حمیمہ" جاگیر میں دے دیا تھا۔ یہ وہیں رہے اور اُن کی تمام اولاد بھی وہیں پیدا ہوئی۔ سنہ ۱۱۷ھ میں انھوں نے انتقال کیا۔

محمد بن علی

علی بن عبد اللہ کے بیٹوں میں "محمد" نے بہت شہرت حاصل کی۔ کیونکہ وہ ابراہیم، ابو العباس السفاح، اور ابو جعفر منصور کے والد تھے جن سے خلافت عباسی کا آغاز ہوا۔ اسی قدر نہیں بلکہ انھی نے یہ نئی دعوت شروع کی اور اپنے باپ علی بن عبد اللہ کی زندگی میں شروع کی لیکن خود علی کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔

عباسی خلافت کا تخیّل

اس جلیل القدر خاندان کے تعارف کے بعد اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ عباسیوں میں خلافت حاصل کرنے کا خیال کیونکر پیدا ہوا اور اموی خلافت برباد کر کے اُنھوں نے اپنی شہنشاہی کس طرح قائم کر لی؟

آنحضرة (صلعم) کے وفات کے بعد معاملۂ خلافت میں جو اختلاف رائے ہوا، اُس کی تفصیلات معلوم و مشہور ہیں۔ بالآخر جمہور صحابہ نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس طرح اس خطرناک اختلاف کا بظاہر خاتمہ ہو گیا۔

لیکن معلوم ہے کہ ایک جماعت ابتدا سے موجود تھی جو خلافت کا حق بنو ہاشم یعنی خاندان نبوت میں محصور دیکھتی تھی۔ اسی جماعت میں حضرت عباس بھی تھے۔ یہ اگرچہ بنو ہاشم میں سب سے زیادہ مسن تھے، مگر کوئی شخص بھی انھیں حضرت علی پر ترجیح نہیں دیتا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے تئیں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے۔ خود حضرت فاطمہ علیہا السلام کا بھی یہی خیال تھا۔

لیکن بالآخر حضرت علی، حضرت عباس، اور اُن کی تمام جماعت نے جمہور کے فیصلہ پر عمل کیا۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی دونوں گزر گئے۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں خلافت کی بحث نے از سر نو سر اُٹھایا، حضرت علی خیال کرتے تھے کہ مجلس شوریٰ کے اکثر ارکان نے حضرت عثمان کو خلیفہ منتخب کر کے اُنکے ساتھ ناانصافی کی ہے۔

حضرت عثمان کے آخری عہد میں حضرت عباس کا انتقال ہوا۔ اُنھوں نے کثیر اولاد چھوڑی، مگر یہ ثابت نہیں کہ اُن میں سے کوئی ایک بھی خلافت حاصل کرنے کا متمنی ہوا ہو۔

حضرت عثمان کی خلافت کے چھٹے سال ایک جماعت میں خیال پیدا ہوا کہ خلافت، حضرت عثمان سے حضرت علی کو منتقل کر دی جائے۔ اس تحریک کے چند داعی، بڑے بڑے اسلامی مرکزوں: کوفہ، بصرہ اور فسطاط (مصر) میں ظاہر ہوئے۔ تحریک کا آغاز اس طرح ہوا کہ حضرت عثمان کے عمّال و حکام کی مذمت شروع کی گئی۔ اُن کی بُرائیاں مشہور کی جانے لگیں۔ ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں کو یہ باتیں لکھتے اور پھر سب اپنی جماعت کے لوگوں کو مدینہ میں ان حالات سے مطلع کرتے۔ تھوڑی ہی مدت کے بعد تمام اسلامی ملکوں میں حضرت عثمان کے وُلاۃ و حکام بدنام ہو گئے اور عام شکایت پیدا ہو گئی۔ اس کامیابی کے بعد ان لوگوں نے خود خلیفہ کی مذمت شروع کی اور حضرت عثمان پر بہت سے الزام لگائے جن میں سے بعض صحیح تھے اور بعض بالکل بے بنیاد تھے۔ حضرت عثمان کی نرمی طبیعت اور فتنہ و فساد سے حد درجہ احتیاط نے اس صورت حال کے لئے بہت ہمت افزا فضا پیدا کر دی تھی۔ اُنھوں نے تینوں اسلامی مرکزوں یعنی کوفہ، بصرہ، اور فسطاط کے شورش پسند جمع کئے، اور فریادی بن کر دار الخلافہ، مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ حضرت عثمان نے غائت درجہ نرمی دکھائی۔ اُن کی تمام شکایتیں تسلیم کر لیں، اور مطالبات منظور کر لئے۔ اس پر بظاہر سب نے رضامندی اور اطمینان کا اظہار کیا اور اپنے اپنے ملکوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

مگر چند دن بعد صورت حال نے ایک نیا پہلو بدلا۔ مصری وفد جوش و غضب کی حالت میں راستہ سے واپس لوٹا۔ اُس کے پاس ایک خط تھا جس پر حضرت عثمان کی مُہر تھی اور اس کا مضمون یہ تھا کہ "مصری وفد قتل کر ڈالا جائے"۔ بیان کیا گیا کہ یہ خط حضرت عثمان نے والی مصر کے نام بھیجا تھا۔ لیکن جب یہ خط پیش ہوا تو حضرت عثمان نے قسم کھا کر کہا کہ نہ تو اُنھوں نے یہ خط لکھا ہے اور نہ اس کے لکھنے کا حکم دیا ہے۔ بلوائیوں نے یقین کر لیا۔ مگر ساتھ ہی اسے مروان بن الحکم کی شرارت قرار دیا اور اُس کے حوالہ کر دینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمان نے مروان کے حوالہ کرنے سے انکار کیا۔ اس پر اُنھوں نے اُن کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر اُس فعل کے مرتکب ہوئے جس سے تاریخ اسلام کی طبیعت اُس وقت تک قطعاً ناآشنا تھی یعنی حضرت عثمان قتل کر ڈالے گئے۔ یہ پہلی اجتماعی معصیت تھی جو مسلمانوں سے دنیا میں سرزد ہوئی!

اب خلافت، حضرت علی علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی۔ آپ نے پس و پیش کے بعد قبول کر لیا۔ لیکن آپ کو ایک دن بھی چین نہ ملا۔ رشتۂ نظم و ملت بکھر چکا تھا۔ سرکشی و طغیان کا مادہ سر اُٹھا چکا تھا۔ نزاع و شقاق نے مسلمانوں کا گھر دیکھ لیا تھا۔ مدعیوں سے برابر جنگیں جاری رہیں۔ یہاں تک کہ رمضان سنہ ۴۰ھ میں شہید ہو گئے۔

آپ کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام کو اہل کوفہ نے خلیفہ بنایا مگر اُنھوں نے انتہائی دانشمندی اور بے نظیر ایثار سے کام لیکر جس کی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں ہے، مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیوں کا خاتمہ کر دینا چاہا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اہل عراق بھروسہ کے قابل نہیں ہیں اور اُن کے عظیم المرتبہ والد کے لئے ہمیشہ پریشانیوں کا موجب رہے ہیں۔ اُنھوں نے امیر معاویہ سے صلح کر لی، اور خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ سنہ ۵۰ھ میں آپ نے انتقال کیا۔ امیر معاویہ نے خلافت اپنے لڑکے یزید کے

اسي خاندان کا تیسرا حکمران الملک المؤید تھا جس کي نسبت خزرجي نے تصریح کي ھے کہ اسکي تصنیف مختصر کتاب الجمھرۃ علماء عصر میں مقبول و مشہور ھے -

ملک الاشرف کے باپ ملک الافضل کا ترجمہ حافظ ابن حجر عسقلاني نے درر کامنہ میں درج کیا ھے - وہ لکھتے ھیں علم و فضل کا قدر شناس تھا اور خود بھي تمام علوم عربیہ و دینیہ میں درجۂ رسوخ و نظر رکھتا تھا - اسکي مصنفات میں سے یمن کي دو تاریخیں ' تاریخ ابن خلکان کا مختصر ' اور فن انساب میں بغیۃ ذوي الھمم اس درجہ کي کتابیں تھیں ' جنکي اھمیت کا تمام اکابر مصر و شام نے اعتراف کیا تھا -

خود ملک الاشرف کا (جسکے کتب خانہ کا یہ نسخہ ھے اور جس نے اِس پر فیروز آبادي سے سند حدیث لي) یہ حال تھا کہ مصر ' حجاز ' شام ' عراق ' اور بلاد فارس تک کے علماء کو اُسکي قدر شناسیوں نے کھینچ بلایا تھا - اس نے بھي اپنے پیشروؤں کي طرح بلاد یمن و حجاز میں متعدد عظیم الشان عمارتیں درس و ترویج علم کیلیے تعمیر کیں اور بڑے بڑے محاصل انکے مخارج کیلیے وقف کر دیے - وہ خود بھي صاحب علم و فضل تھا اور علوم لغۃ و ادب اور فقہ و حدیث کا ہمیشہ اشتغال رکھتا تھا - اُس کي علمي قدر دانیوں کا اندازہ کرنے کے لیے صرف رھي معاملات کفایت کرتے ھیں جو اس میں اور فیروز آبادي میں پیش آتے رھے - عربي لغۃ کي سب سے زیادہ مقبول و متداول کتاب القاموس اُسي کي قدر دانیوں نے فیروز آبادي سے لکھوائي تھي - چنانچہ قاموس کے دیباچہ میں مصنف اِس خاندان کے مدح کرتے ھوئے لکھتا ھے :

مولي ملوک الارض ' من في وجھہ
مقبـاس نور أیمـا مقبـاس

(مجدد الدین فیروز آبادي)

مجدد الدین فیروز آبادي اُن اکابر علم میں سے تھے جنھیں سلاطین وقت کي فیاضیوں نے صف علم کي طرح صف اِمارت میں بھي ممتاز کردیا تھا - اُن کا سنہ ولادت ۷۲۹ ھ - ھے اور تاریخ وفات ۲۰ شوال سنہ ۸۱۷ - ھ کازرون میں پیدا ھوے ' شیراز میں ابتدائي تعلیم حاصل کي - اور عراق اور مصر و شام کے آئمۂ علوم سے تکمیل کي - اُن کے اساتذہ میں وقت کے تمام آئمۂ علوم مثلاً شیخ تقي الدین سبکي ' ابن مظفر النابلسي ' حافظ علائي ' ابن نباتہ ' عزالدین ابن جماعۃ وغیرھم کے نام نظر آتے ھیں - امام ابن قیم بھي اُن کے اساتذہ میں ھیں - یہ اُنھي کے فیض تلمذ کا نتیجہ تھا کہ اگرچہ اُن کي ابتدائي نشو و نما فقہاء شافعیہ کے زیر اثر ھوئي ' لیکن تقلید کي بندشوں سے آزاد ھوگئے ' اور اصحاب تحقیق و اجتہاد کا ذوق و مشرب پیدا ھوگیا - چنانچہ ان کي کتاب سفر السعادۃ اور الاسعاد في رتبۃ الاجتھاد میں اِس ذوق کي جھلک صاف نمایاں ھے - اُس عہد کے سلاطین میں کوئي پادشاہ ایسا نہیں ھے جس نے اُن کي قدر داني نہ کي ھو - شاہ منصور بن شجاع صاحب تبریز ' ملک الاشرف صاحب یمن ' بایزید یلدرم ' تیمور صاحب قران ' احمد بن اویس صاحب بغداد ' ناصر الدین محمد شاہ دھلي ! اِن سب کے درباروں میں وہ پہنچے اور انعام و اکرام سے مالا مال ھوے - سنہ ۷۹۶ ھ میں ھندوستان سے واپس جاتے ھوے سواحل یمن میں اُترے اور ملک الاشرف سلطان یمن سے ملاقات ھوئي - وہ ان کے فضل و کمال کا غلغلہ پہلے ھي سن چکا تھا - یہ موقعہ غنیمت تصور کیا ' اور یمن کي اقامت پر اصرار کیا - اُس زمانے میں یمن کے قاضي القضاۃ جمال الدین الریمي شارح التنبیہ کا انتقال ھوگیا تھا اور منصب خالي تھا یہ اس منصب پر مامور ھوے اور بیس سال تک یمن کے قاضي القضاۃ رھے -

(نسخہ کي تاریخي توثیق)

خوش قسمتي سے یمن کے خاندان رسولي کي ایک مستقل تاریخ شائع ھوگئي ھے - یہ شیخ علي بن الحسن الخزرجي کي العقود اللؤلؤیہ في تاریخ الدولۃ الرسولیہ ھے جسے دو دو جلدوں میں گب میموریل فنڈ کے امینوں نے قاھرہ میں چھپوا کر شائع کیا ھے - اس کا اصلي نسخہ یمن سے عہد عالمگیري میں ' ھندوستان آیا تھا ' اور معتمد خاں عالمگیري کے کتب خانے میں داخل ھوا تھا - وھاں سے نکلا اور محمد شاہ کے عہد میں اسکے وزیر قمر الدین خاں مذت کے قبضہ میں آیا - قمر الدین خاں کے کتب خانے سے نکل کر وارن ھسٹنگز کے پاس پہنچا - اُس نے انڈیا آفس کے کتب خانے کي نذر کردیا -

اس تاریخ میں سلاطین رسولیہ کے عہد کے واقعات روزنامچہ کي طرح تاریخ وار درج ھیں - میں نے اس خیال سے ملک اشرف کے زمانے کے واقعات پر نظر ڈالي کہ شاید اس نسخہ کے درس و املاء کي طرف کوئي اشارہ مل جاے - میرا قیاس صحیح نکلا - فیروز آبادي نے صحیح بخاري کے درس و املاء کي جن مجالس کا اپني عبارت میں ذکر کیا ھے ' ٹھیک اُنھي تاریخوں میں اُسکا ذکر خزرجي نے بھي کیا ھے -

سنہ ۷۹۶ کے واقعات میں لکھتا ھے :

" ۲۴ رمضان کو یمن میں امام فقیہ علامۃ القاضي الاجل مجد الدین محمد بن یعقوب الشیرازي پہنچے - سلطان نے انکا بڑا اعزاز و اکرام کیا - چار ھزار درھم بطور رقم ضیافت کے پہلے ھي دن مرحمت فرمائے - اس سے پہلے چار ھزار درھم عدن بھیجے گئے تھے تاکہ عدن سے زبید تک کے مصارف سفر میں مدد دیں - شیخ موصوف علوم حدیث ' نحو ' لغۃ ' تاریخ ' اور فقہ میں درجۂ مشیخت رکھتے ھیں - انکي مصنفات میں سے بخاري کي شرح ھے جو نہایت مشرح اور مفید ھے " (جلد ۲ : ۲۶۵)

پھر سنہ ۷۹۷ ھ - کے وقائع میں لکھتا ھے کہ ۲ - ذي الحجہ کو شیخ مجد الدین قاضي القضاۃ مقرر کیے گئے اور سلطان کا فرمان اس بارے میں شائع ھوا - (صفحہ ۲۷۸)

سنہ ۷۹۹ - ھ کے وقائع میں لکھتا ھے :

" و في شھر رمضان من ھذہ السنۃ سمع السلطان صحیح البخاري من حدیث رسول اللہ صلعم علی القاضي مجد الدین یومئذ و کان ذا سند عال من طرق شتی " (صفحہ ۲۸۶)

اس تصریح سے عبارت مندرجۂ نسخہ کي پوري توثیق ھوگئي - معلوم ھوگیا کہ سلطان ملک الاشرف نے فیروز آبادي سے صحیح بخاري کي سند و اجازت حاصل کي تھي ' اور رمضان میں املاء و سماع کا سلسلہ جاري رھا تھا - جو نسخہ زیر درس و املاء رھا ' اور جس پر سند دي گئي ' وہ یہي نسخہ ھے - نہیں معلوم اس نسخہ پر ایام و حوادث کے کیسے کیسے تغیرات گزر چکے ھیں ؟

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم
(۳۰ : ۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق، مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کی یہ تیسری قسط ہے۔ الہلال)

ریاض

ریاض، پایۂ تخت ہونے کی وجہ سے نجد کا سب سے بڑا اور سب سے اہم شہر ہے۔ اُس میں بکثرت بلند عمارتیں موجود ہیں، مگر سب قدیم طرز کی ہیں۔ شاہی خاندان کے محل اپنی وسعت اور خوشنمائی میں ریاض کی تمام عمارتوں سے ممتاز ہیں۔ شہر کے گرد عظیم الشان شہر پناہ ہے۔ پُرانے مشرقی وضع کے پھاٹک لگے ہیں اور ضرورت کے وقت مقفل کر دئیے جاتے ہیں۔ ریاض کے چاروں طرف نخلستان پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مزرعۂ خاص خاندان شاہی کا ہے۔ اس میں دو چیزیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا: ایک گلاب اور دوسری کپاس۔ معلوم ہوتا ہے سلطان ابن سعود نے روئی کے یہ چند درخت اتفاقیہ طور پر نصب نہیں کر رکھے ہیں بلکہ نجد میں روئی کی کاشت جاری کرنی چاہتے ہیں جیسا کہ مجھ سے بعض ارکان حکومت نے اشارۃً بیان کیا تھا۔ اگر سلطان نے یہ کیا تو یقیناً ملک کو بہت فائدہ حاصل ہوگا۔ باشندے مالا مال ہوجائیں گے۔

مدرسے

ریاض میں چند دینی مدرسے موجود ہیں۔ مگر ان کی حیثیت، قدیم مسجدی مکتبوں سے زیادہ نہیں۔ ان میں بچوں کو ضرورت بھر لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ نیز پورا قرآن بھی حفظ کرا دیتے ہیں۔ علوم دینیہ کی تکمیل میں لوگ اپنا زیادہ وقت صرف نہیں کرتے۔ بہت تھوڑے آدمی ایسا کرتے ہیں۔ باقی ضرورت بھر تعلیم حاصل کر کے دُنیاوی کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں قرآنی احکام کی رُو سے ضروری نہیں کہ تمام لوگ علوم دینیہ حاصل کریں۔ یہ کافی ہے کہ ایک منتخب جماعت ان میں مشغول رہے۔

مسجدیں

ریاض میں کُل ۶ مسجدیں ہیں۔ ان میں کوئی زینت و آرائش نہیں ہوتی۔ فرش بھی نہیں ہوتا۔ گنبد بھی نہیں ہیں۔ اکثر میں چھت بھی نہیں ہے۔ جمعہ کی نماز صرف ایک مسجد میں ہوتی ہے۔ خطبہ سننے کا اہتمام اس درجہ شدید ہے کہ بعض لوگ صبح ہی سے آکر ممبر کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ مسجدوں میں روشنی بھی زیادہ نہیں کی جاتی۔ ایک دو شمعوں سے کام لیا جاتا ہے۔ نماز فجر کے بعد روز صبح کو موذن، نمازیوں کی حاضری لیتا ہے۔ پہلے دن کی غیر حاضری پر ٹوپی چھین لی جاتی ہے۔ دوسرے دن کی غیر حاضری پر جبہ ضبط کر لیا جاتا ہے۔ تیسرے دن کی غیر حاضری پر جسمانی سزا دی جاتی ہے!

نماز جمعہ کے بعد پادشاہ یا اُس کا نائب، محل شاہی کے ایوان میں نمازیوں سے ملاقات کے لئے بیٹھتا ہے۔ اُس وقت تمام حاضرین کو پہلے چار اور نجدی قہوہ پلایا جاتا ہے۔ آخر میں بخور دانیاں پھرائی جاتی ہیں جن میں مشک و عنبر سلگتا ہے۔

قصر شاہی

قصر شاہی بالکل عربی طرز کا ہے۔ اُس میں اینٹ چونے کے بڑے بڑے خوبصورت ستون کھڑے ہیں، جن کے نقش و نگار نہایت نظر فریب ہیں۔ دو منزلہ عمارت ہے۔ نچلی منزل میں دعوت کا وسیع ایوان ہے۔ اسمیں بیک وقت سیکڑوں مہمان بیٹھ سکتے ہیں۔ اطراف میں عام لوگوں کے لئے کھانے کے کمرے ہیں۔ نیچے کی منزل، گویا دعوت خانہ ہے۔ بالائی منزل میں وسیع ایوان ہیں۔ ایک ایوان میں خود سلطان کا کتب خانہ اور دفتر خاص ہے۔ ایک اور ایوان، ولی عہد امیر سعود کے لئے مخصوص ہے۔ باقی حصوں میں بڑے بڑے افسروں اور شاہی طبیب کا قیام ہے۔ اسی محل کے متصل ایک اور محل ہے، اور اس میں سُلطانہ اور شاہی بیگمیں رہتی ہیں۔ زنانہ خدم و حشم کی تعداد ۴۰۰ ہے۔

سلطان ابن سعود

سلطان عبدالعزیز بن سعود، دراز قامت ہیں۔ جسم بھرا ہوا اور ٹھوس ہے۔ رنگ، گندمی ہے۔ آنکھیں چمکیلی ہیں۔ پیشانی، کشادہ ہے۔ عینک استعمال کرتے ہیں۔ غیر معمولی ذہانت، قوت ارادی، عزم و حزم، خوش مزاجی، تدبر، یہ وہ اوصاف ہیں جو سلطان کی صورت دیکھتے ہی آدمی محسوس کر لیتا ہے۔ عمر، ۵۰ کے قریب ہے۔ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں گولی لگی تھی۔ اُس کا نشان اب تک نمایاں ہے۔ وہ ہمیشہ سر جھکا کر چلتے ہیں۔ نجدی وضع کا زرکش جبہ پہنتے ہیں اور اُس کا ایک دامن عموماً، بغل میں دابے رہتے ہیں تاکہ تیز چل سکیں۔ پُوری قوم اُن سے محبت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھیں اپنی زندگی کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ وہ بغیر کسی محافظ کو ساتھ لئے بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔

پہلی ملاقات

پہلی ملاقات ہی میں سلطان مجھ سے بالکل بے تکلف تھے۔ اُنھوں نے گفتگو میری مزاج پرسی سے شروع کی: "راستہ میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟" "میرے عہدے داروں نے کیسا سلوک کیا؟" "کسی بدو نے کوئی شرارت تو نہیں کی؟" اسی قسم کے بہت سے سوال شروع کر دئیے۔ میں نے اپنے سفر کی تمام روداد سُنا دی۔ جس قدر میری خاطر تواضع ہوئی تھی، شکریہ کے ساتھ اُس کا بھی ذکر کیا۔ جو کچھ امن و امان میں نے مشاہدہ کیا تھا، اُس کی طرف بھی اشارہ کیا۔ چوری، قزاقی، اور جرائم کی عدم موجودگی پر تعجب کا اظہار کیا۔

سُلطان کی گفتگو

میری خاموشی کے بعد سلطان نے کہا:

"الحمد للہ ہمارے ملک میں ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب ہے۔ تمام نجدی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ فقہ اسلامی میں ۴ مذہب مشہور ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں امام احمد بن حنبل کا مذہب، سنت رسول اللہ سے زیادہ قریب ہے۔ ہمارے عقیدے میں تمام مسلمان، باہم بھائی بھائی ہیں۔ نجد میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے "السلام علیکم" کہہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ دونوں خدا کے امان و سلامتی میں ہوگئے۔ تمام مسلمان، کلمۂ توحید پر جمع ہیں۔ تمام حبل اللہ المتین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اسی بُنیاد پر ہماری سلطنت قائم ہے۔ ہم سلطنت کے بھوکے نہیں ہیں اور نہ فخر و غرور اور تن پروری کے لئے حکومت کرتے ہیں۔ زمین اللہ کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ نے اپنی یہ امانت ہمارے سپرد کی ہے۔ لہٰذا ہم پُوری کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ایمانداری کے ساتھ یہ امانت ادا کر دیں۔ ہمیں شرک سے نفرت ہے۔ اگر ہمیں تمام مشرک ملکوں کی فرمانروائی بھی پیش کی جائے تو ہم اسے ہرگز منظور نہ کریں۔ ہم کسی سے بھی لڑائی پسند نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ کفار سے بھی نہیں۔ البتہ اُن کے لئے ہماری یہ دعا ضرور ہے کہ خدا اُنھیں صراط مستقیم دکھا دے۔ جب تک وہ ہم سے تعرض نہیں کرتے، ہم بھی اُنھیں نہیں چھیڑیں گے۔ ہم اُن سے دُور رہنا چاہتے ہیں۔ ہم اُن سے تشبہ بھی پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ حتیٰ کہ اُن کا لباس بھی پسند نہیں کرتے۔ حقیقی مسلم وہ ہے جو اپنے دین کے اصول کی پیروی کرتا ہے۔ جو کوئی کفار کی تقلید کرتا ہے، وہ نہ اپنے دین میں کوئی بھلائی حاصل کر سکتا ہے نہ دنیا میں"

یہ گفتگو، اس جلیل القدر صحرائی پادشاہ کی ذہنیت پُوری صفائی سے ظاہر کرتی ہے۔ صحراء عرب کے باشندے صدیوں سے قتل و غارت گری اور جرم و گناہ کے عادی تھے۔ صرف صحرا ہی کے نہیں بلکہ حجاز کے باشندے بھی۔ وہ کسی نظام و حکومت کی اطاعت کے عادی نہ تھے۔ لیکن یہ اسی سلطان کا تدبر و دبدبہ تھا جس نے انھیں اپنے آہنی ہاتھوں سے مطیع کیا اور امن و نظام قائم کر دیا۔

طرز حکومت

نجد کی حکومت، قدیم وضع کی ہے۔ وہاں حکومت، علیحدہ علیحدہ شعبوں پر منقسم نہیں ہے۔ نہ مجلس حکومت ہے، نہ وزارت ہے۔ پُوری حکومت، خود سلطان کی ذات ہے، اور اُن کا قانون، کتاب و سنت ہے۔ لیکن کیا مجال کہ کسی قسم کی بدنظمی پیدا ہو جائے۔ آمد و خرچ کے تمام حسابات مرتب رہتے ہیں، خود سلطان اُن کی نگرانی کرتے ہیں۔ ایک پیسہ کا بھی غبن نہیں ہو سکتا۔ برخلاف اس کے اسی صحرائی

سپرد کی ۔ یہ ولی عہدی کی پہلی بدعت ہے جو بزور شمشیر منوائی گئی ۔ یزید کے زمانے میں پھر ابتری پیدا ہوئی ۔ اہل مدینہ نے یزید کی معزولی کا مطالبہ کیا ۔ لیکن بری طرح کچل ڈالے گئے ۔ کوفہ نے حضرت حسین علیہ السلام کو دعوت دی ۔ مگر عین وقت پر بے وفائی بھی کی اور کربلا کا وہ فاجعۂ کبریٰ پیش آیا جس پر آجتک مورخ کا قلم ماتم کر رہا ہے ۔ اسی اثنا میں عبد اللہ بن الزبیر نے اپنی خلافت کا علم بلند کیا ، اور مکہ معظمہ میں متمکن ہو گئے ۔

یزید کی وفات نے عبد اللہ بن الزبیر کی قوت بہت بڑھا دی ، حجاز ، مصر ، اور عراق زیر نگیں ہو گئے ۔ لیکن بنو ہاشم نے ان کی بیعت سے انکار کیا ۔ چنانچہ محمد بن علی (ابن الحنفیہ) اور عبد اللہ بن عباس وغیرہ اُن سے برابر برگشتہ رہے ۔

اُسی زمانہ میں ایک خود غرض اور چالاک آدمی ، مختار بن ابی عبید الثقفی ، عراق میں ظاہر ہوا ۔ اہل بیت کی حمایت کا دعویٰ کیا اور امام مہدی ، یعنی محمد بن الحنفیہ کے لئے دعوت شروع کی ۔ یہ وہ وقت تھا جب خاندان علی ابن ابی طالب (علیہم السلام) میں سب سے زیادہ معمر محمد بن الحنفیہ ہی تھے ۔ لیکن مختار کو زیادہ عروج حاصل نہ ہو سکا ۔ عبد اللہ بن الزبیر نے اپنے بھائی مصعب کی قیادت میں ایک فوج جرار اُس کے مقابلہ پر بھیجی اور اُسے قتل کر ڈالا ۔ مختار مغلوب ہو گیا مگر عراق میں شیعیت (یعنی طرفداران خاندان علی کی جماعت) برابر قائم رہی ۔

محمد بن الحنفیہ نے بالآخر عبد الملک بن مروان کی خلافت تسلیم کر لی ۔ لیکن شیعیان محمد بن حنفیہ اس کے بعد بھی اُنہی کو خلافت کا مستحق یقین کرتے رہے اور اُن کی بیعت کو مجبوری کی بیعت قرار دیا حتیٰ کہ اُن کے انتقال پر ایک گروہ نے اس حد تک غلو کیا کہ اُنکی موت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ۔ کہا گیا کہ وہ غائب ہو گئے ہیں اور عنقریب واپس آئیں گے ۔ چنانچہ اُن کا شاعر السید الحمیری کہتا ہے:

وسبط لا یذوق الموت حتی یقود الخیل یقدمہا اللواء

محمد بن الحنفیہ کی وفات کے بعد اُن کی جماعت میں اختلاف پیدا ہوا ۔ ایک گروہ اُنھیں زندہ بتا کر اُنہی کی حمایت پر قائم رہا ۔ ایک گروہ نے اُن کے بیٹے ابو ہاشم کی امامت کا اعلان کیا ۔ یہ دونوں جماعتیں "کیسانی" کہلاتی ہیں ۔ کیسان ، مختار بن ابی عبید کا لقب تھا ، اور یہ دونوں اُسی کی طرف منسوب ہیں ۔

لیکن ایک تیسری جماعت نے حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اُنکے صاحبزادے زین العابدین علی بن الحسین کی حمایت شروع کی لیکن خود امام زین العابدین کی نسبت ثابت نہیں کہ اُنھوں نے کبھی اپنی خلافت کا دعویٰ کیا ہو ۔

اس جماعت کا اعتقاد یہ تھا کہ خلافت حضرت علی کے بعد اُن کی فاطمی اولاد میں محصور ہے ۔ اس لئے حضرت حسین کے بعد امام زین العابدین کو حق خلافت پہنچتا ہے ، کیونکہ واقعۂ کربلا کے بعد اپنے بھائیوں میں صرف یہی ایک زندہ بچے تھے ۔ یہی جماعت ہے جو آگے چلکر "امامیہ" کے لقب سے مشہور ہوئی ۔ کیونکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی وصیت کی تھی ۔ اُنکے بعد امامت حضرت حسن کی طرف منتقل ہوئی ۔ پھر حضرت حسین کی طرف ، پھر علی بن الحسین کی طرف اسی طرح ہر زمانہ میں اُمت کے لئے ایک منصوص امام کی موجودگی ضرور ہے اور وہ بنی فاطمہ کی ایک معین شخصیت ہے ۔

اُس وقت خاندان عباس میں سب سے بڑے علی بن عبد اللہ بن عباس تھے ۔ انہی سے عباسیوں نے ظہور کیا ۔ یہ حجاز چھوڑ کر حُمیمہ نامی مقام میں مقیم ہو گئے تھے ۔ انہی کے وقت سے عباسیوں میں خلافت حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا ۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ

ابو ہاشم بن محمد بن علی (ابن الحنفیہ) اپنی عمر کے آخری دنوں میں علی بن عبد اللہ کے یہاں حُمیمہ میں مقیم تھے ۔ وفات کے وقت اُنھوں نے خلافت کا حق علی بن عبد اللہ اور اُن کی اولاد کو بخش دیا اور اپنے حامیوں کو اُن کی نصرت و حمایت کی وصیت کی ۔ چنانچہ اُس وقت سے شیعوں کا کیسانی گروہ علی بن عبد اللہ بن عباس کا حامی بن گیا ۔

لیکن بنی فاطمہ کے طرفدار شیعوں نے اسے تسلیم نہیں کیا ، کیونکہ وہ محمد بن الحنفیہ کی امامت کے قائل نہ تھے ۔ حضرت امام زین العابدین کی وفات کے بعد ان میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا تھا ۔ اُنکے ایک گروہ نے محمد الباقر بن زین العابدین (علیہما السلام) کی امامت پر زور دیا ۔ باقی لوگوں نے خلافت کو ہر فاطمی کا حق قرار دیا ۔ چنانچہ انہی کی ایک جماعت زید بن علی بن الحسین کی طرفدار ہو گئی اور "زیدی" کہلائی جو آجتک موجود ہے ۔

خلافت کے لئے عملی جد و جہد شیعوں کی صرف دو جماعتوں نے کی تھی: کیسانی اور زیدی ۔ اول الذکر علی بن عبد اللہ بن عباس کے طرفدار ہو گئے تھے ، اور آخر الذکر زید بن علی بن حسین اور اُنکے بیٹے یحییٰ کے ۔

علی بن عبد اللہ بن عباس اور محمد الباقر بن علی بن حسین ، دونوں کی وفات تقریباً ایک ہی وقت میں ہوئی ۔ اول الذکر کے حامی کیسانی شیعہ ، اُنکے بیٹے محمد بن علی کے مددگار بن گئے ، اور آخر الذکر کے حامی امامیہ شیعوں نے اُن کے بیٹے جعفر الصادق (علیہ السلام) کو امام تسلیم کر لیا ۔ مگر آخری جماعت نے کوئی عملی اقدام نہیں کیا تھا ۔

داعی اول

اب خاندان عباس بن عبد المطلب کے سرگروہ محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس تھے ۔ یہ بڑے عاقل اور دُور اندیش تھے ۔ انھوں نے خیال کیا کہ سلطنت ، ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں ایک دم منتقل نہیں کی جا سکتی ۔ اس کے لئے عام رائے میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے ۔ چنانچہ انھوں نے جلد بازی سے پرہیز کیا ، اور سکون و صبر سے دعوت پھیلانے کا سامان مہیا کرنا شروع کیا ۔ انھوں نے اپنے حامیوں کو حکم دیا کہ اہل بیت کے لئے خلافت کی دعوت عام کریں مگر اہل بیت میں سے کسی خاص آدمی کا نام نہ لیں ، کیونکہ اول تو جس شخص کا نام لیا جاتا ، اُس کی جان خطرہ میں پڑ جاتی ۔ ثانیاً اہل بیت کا نام شیعیان اہل بیت کی تمام جماعتوں کو متحد کر دیتا تھا ، مگر خاندان و شخص کے تعین سے اختلاف و نزاع شروع ہو جاتا ۔

انھوں نے انتہائی سیاسی دانش مندی سے اپنی دعوت کے لئے خراسان منتخب کیا ۔ کوفہ چونکہ قدیم سے شیعان اہل بیت کا مستقر تھا لہذا اُسے مرکز قرار دیا ۔

خراسان میں اس دعوت کی کامیابی کے دو سبب ہو سکتے تھے: ایک یہ کہ عجمی مسلمان ، شیعی تخیل کو بآسانی سمجھ سکتا تھا ، کیونکہ شیعی تخیل یہ ہے کہ خلافت ، رسول اللہ صلعم کے اہل بیت میں منتقل ہو جائے ۔ عجمی مسلمان چونکہ عربی عصبیت اور قرشی قبائل کی منافست سے متاثر نہ تھا ، اس لئے اُس کی عقل میں مسئلہ خلافت کا بہترین حل یہی ہو سکتا تھا کہ پیغمبر کی خلافت ، پیغمبر کے خاندان ہی میں ہو جیسا کہ تمام عجمی شاہی خاندانوں کا دستور تھا کہ بادشاہ کے بعد اُس کا وارث اُس کا بیٹا ہوا کرتا تھا ۔

دوسرے یہ کہ ایران ایک قدیم تمدن اور شاندار تاریخ کا مالک تھا ۔ بنی اُمیہ نے اس ملک سے غلاموں کا سا برتاؤ کیا تھا ۔ ایرانی عنصر ، عربی عنصر کے سامنے بالکل حقیر کر دیا گیا تھا ۔ لہذا ایرانیوں کو قدرتی طور پر یہ خواہش تھی کہ موجودہ خلافت ختم ہو ، اور اُن کی امداد و اعانت سے نئی سلطنت قائم ہو ، تاکہ اُنھیں قومی عزت و عروج حاصل کرنے کا نیا موقع مل سکے ۔

ابن الفقیہ نے "کتاب البلدان" میں لکھا ہے کہ جب محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس اپنے دعاۃ بھیجنے لگے تو اُن سے کہا:

"کوفہ ، علی (علیہ السلام) اور اُن کی اولاد کی محبت میں سرشار ہے ۔ بصرہ ، عثمانی ہے اور امن و امان کا قائل ہے ۔ وہ کہتا ہے قاتل نہ بنو ، مقتول بن جاؤ ۔ جزیرہ ، گمراہ حروری (خارجی) ہے ، وحشی بدوؤں اور نصاریٰ کے سے اخلاق والے مسلمانوں سے لبریز ہے ۔ شام ، آل ابی سفیان کے سوا کسی کو نہیں جانتا ۔ بنی مروان کی اطاعت ، شدید جہالت ، سخت کینہ اُس کے خمیر میں ہے ۔ رہا مکہ اور مدینہ تو اُن پر ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کا غلبہ ہے ۔ لیکن ہاں خراسان کے دروازے تمھارے سامنے کھلے ہیں ۔ وہاں عظیم آبادیاں ہیں ، دلوں میں شجاعت ہے ۔ سلیم سینے ہیں ۔ خالی دل ہیں ، خواہشوں نے اُنھیں ٹکڑے نہیں کیا ہے ۔ فساد نے اُنھیں بگاڑا نہیں ہے ۔ وہ ایسی فوج ہیں جو توانا اور تنومند ہے ، بھاری جسم ، چوڑے شانے ، اونچے قد ، بڑے سر ، داڑھیاں اور مونچھیں ، ہولناک نعرے ، شاندار زبانیں ۔ میں مشرق سے نیک فال رکھتا ہوں ، جہاں سے دنیا کی شمع طلوع ہوتی اور مخلوق کا نور ظاہر ہوتا ہے"

خفیہ انجمن کا قیام

یہ خفیہ انجمن ، علی بن عبد اللہ بن عباس ہی کی زندگی میں قائم ہوئی یہ زمانہ عمر بن عبد العزیز کی خلافت کا زمانہ تھا ۔ اس کے دو مرکز قرار دیئے گئے : کوفہ اور خراسان ۔ کوفہ میں علی بن عبد اللہ کا غلام میسرہ مقرر کیا گیا اور خراسان میں محمد بن خنیس اور ابو عکرمہ سراج بھیجے گئے ۔ نیز بارہ داعی یا نقیب منتخب ہوئے ۔ اُن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) سلیمان بن کثیر الخزاعی
(۲) مالک بن الہیثم الخزاعی
(۳) طلحہ بن زریق الخزاعی
(۴) عمرو بن اعین الخزاعی
(۵) عیسیٰ بن اعین الخزاعی
(۶) قحطبہ بن شبیب الطائی
(۷) لاہز بن قریظ التمیمی
(۸) موسیٰ بن کعب التمیمی
(۹) القاسم بن مجاشع التمیمی
(۱۰) ابو داؤد خالد بن ابراہیم الشیبانی
(۱۱) ابو علی الہروی شبل بن طہمان الحنفی
(۱۲) عمران بن اسمٰعیل المعیطی

اِن کے علاوہ ۷۰ آدمی اور مقرر کئے گئے ۔ اِن کا کام یہ تھا کہ ان بارہ نقیبوں کے حکم پر عمل کریں ۔ محمد بن علی نے اِن سب کے لئے ایک تحریر لکھ دی جو بمنزلۂ وصیت اور دستور العمل کے تھی ۔

دوسری صدی ہجری کے آغاز سے دعوت شروع ہوئی اور سنہ ۱۳۲ھ تک جاری رہی ۔ یہی وہ سال ہے جس میں عباسیوں نے کامیابی حاصل کی اور ابو العباس السفاح کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی

بریدِ شرق

مکتوبِ مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

فقید الشرق احمد سعد زغلول پاشا مرحوم

ذیل کی مراسلت معمول سے زیادہ طویل ہے۔ ہم نے بڑا حصہ حذف کر دیا ہے۔ اسپر بھی ہمیں خوف ہے کہ یہ آجکی اشاعت کا بڑا حصہ روک لے گا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ حادثہ کی غیر معمولی اہمیت اور شخص موضوع کی عظمت دیکھتے ہوئے ضروری ہے کہ اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ جگہ نکالی جائے۔

مصر میں اس ہفتہ اہم ترین واقعہ، احمد سعد پاشا زغلول کی بالکل غیر متوقع وفات ہے۔ عین اُسوقت جبکہ میں اُن کی بحالیٔ صحت، اور شاہ مصر کی سیاحت انگلستان، کے نتائج پر بحث کرنا چاہتا تھا، اچانک یہ حادثۂ جانکاہ پیش آگیا۔ حیران ہوں اپنا یہ مکتوب کس طرح شروع کروں؟ مرحوم کی سوانح عمری بیان کروں؟ اُن نقصانات کا ذکر کروں جو اس واقعہ سے مصر کو پہنچ سکتے ہیں؟ اُن کے جنازہ کے شاندار جلوس کا ذکر کروں؟ اُنکی جلیل القدر حرم کا ماتم لکھوں؟ وہ نوحہ و بکا بیان کروں جو اسوقت تمام ملک میں برپا ہے، جس کا شور میں ان سطور کی تحریر کے وقت بھی سن رہا ہوں، اور جس کا بیان یقیناً میری قدرت سے باہر ہے۔ میں شارع درب الجمامیز میں مقیم ہوں۔ میرے پڑوس میں جتنے مکان ہیں، ماتمی آثار و علائم سے غمناک ہیں۔ عورتوں اور بچوں تک کے چہرے انکے دلی حزن و ملال کی شہادت دے رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا قاہرہ کے ہر گھر میں اس کے کسی قریبی عزیز کا ماتم پیش آگیا ہے۔

آغازِ مرض

۱۵ر اگست کو مرحوم کے کان میں خفیف سا التہاب ظاہر ہوا اور بالآخر یہی شکایت مہلک ثابت ہوئی۔ وہ اپنے دیہاتی مقام "مسجد وصیف" میں مقیم تھے۔ مرض کی نوعیت دیکھ کر ڈاکٹروں نے رائے دی کہ فوراً قاہرہ واپس آجائیں۔ چنانچہ قاہرہ لائے گئے اور یہاں کے اطبار سے معائنہ کرایا گیا۔

قاہرہ پہنچ کر طبیعت بحال ہوگئی تھی۔ لیکن گزشتہ دوشنبہ کو مرض نے از سرِ نو حملہ کیا۔ ۵ بجے رات کو دائیں پہلو میں درد محسوس ہوا۔ منگل کے دن حرارت برابر بڑھتی رہی۔ صبح ۸ بجے مرحوم نے اپنی حرم سے اچانک کہا "میں ختم ہوگیا!" یہ کہتے ہی زبان بند ہوگئی، اور اسی دن یعنی ۲۳ر اگست کی رات کو ۱۰ بجے طائر روح پرواز کر گیا!

انا للہ وانا الیہ راجعون!

خبر کیونکر مشہور ہوئی؟

وفات کے دن صبح ہی سے مرحوم کے مکان میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ وفات کے وقت ڈاکٹروں کے علاوہ مرحوم کے وفادار مرید اور بھانجے فتح اللہ پاشا برکات بھی بستر مرگ کے پاس موجود تھے۔ وفات کے بعد ہی وہ نیچے کی منزل میں اُتر کر آئے۔ حاضرین نے دوڑ کر حالت دریافت کی۔ مگر وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ سب حیرت میں تھے اور طرح طرح کے قیاسات لگا رہے تھے۔ اسی اثنار میں اوپر سے رونے کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اسپر حاضرین دوبارہ فتح اللہ پاشا کی طرف دوڑے۔ وہ اب بھی چپ تھے۔ لیکن اُنھوں نے زور سے اپنے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ مارے۔ یہ اشارہ کافی تھا۔ ایک لمحہ کے لئے سب پر سناٹا چھا گیا۔ پھر بیک وقت سب کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ یہ حادثہ ایسا دل ہلا ڈالنے والا تھا کہ رونے پر کسی کو ملامت نہیں کی جا سکتی تھی۔ کہرام مچ گیا تھا۔ عین اُسوقت ڈاکٹر شفیق اُوپر سے اُتر کر آئے اور مضبوط آواز میں چلائے "سوگوار بیوہ پر رحم کرو! تمھارا رونا اُسے ہلاک کر ڈالے گا۔ سعد مر گئے، لیکن اگر تم چاہو تو اُنھیں اپنے دلوں میں ہمیشہ زندہ رکھ سکتے ہو۔"

مگر یہ وقت نصیحت سننے کا نہ تھا۔ نالہ و بکا برابر بلند رہا۔ قرب و جوار کے لوگوں نے سنا تو اُن پر بھی یہی حالت طاری ہوگئی۔ چشم زدن میں یہ مشئوم خبر تمام شہر میں پھیل گئی۔ اب کوئی نہ تھا جو اس حادثۂ قوم و ملت پر ماتمی نہ ہوا!

اُسی وقت تار کے ذریعہ تمام دنیا میں خبر پھیل گئی۔

سعد پاشا کی بیوہ

سعد پاشا کی وفات پر اُن کی بیوی کا جو حال ہوگا، ظاہر ہے۔ مصر میں ان دونوں کی محبت ضرب المثل اور تمام مردوں اور عورتوں کے لئے نمونہ تھی۔ سعد پاشا کو اُن سے اس درجہ محبت تھی کہ اگرچہ اُن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی مگر اُنھوں نے کبھی دوسری شادی کا خیال نہیں کیا۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ مرحوم نے اپنی تمام دولت اور جائداد بھی اپنی بیوی کو باضابطہ ہبہ کر دی تھی۔ ظاہر ہے، ایسے وفادار شوہر کی موت اور پھر اُس شوہر کی موت جس کی عظمت ساری دنیا تسلیم کرتی تھی، اُس کی بیوی کے لئے کیسی عظیم مصیبت ہوگی؟ ادھر کئی سال سے یہ معزز خاتون بیمار ہے۔ ڈاکٹروں نے سختی سے ممانعت کر دی تھی کہ مریض کی خدمت میں حصہ نہ لے۔ مگر اُسنے صاف انکار کر دیا۔ وہ اس قدر ناتواں تھی کہ بمشکل چل سکتی تھی۔ اسپر بھی تیمارداری میں ہمہ تن مشغول رہتی تھی!

اخبارات نے وہ مؤثر مناجات شائع کر دی ہے جو بیوہ نے اپنے متوفی شوہر کی نعش کو مخاطب کر کے کی تھی۔

مجلس وزراء

اطلاع پاتے ہی مجلس وزرار کا ایک فوری جلسہ منعقد ہوا اور اُسنے قوم کے نام حسب ذیل اعلان شائع کیا:

"وزارت، انتہائی رنج والم کے ساتھ مصری قوم کو اُس کے عظیم رہنما، سعد پاشا زغلول کی وفات کی جانکاہ خبر پہنچاتی ہے۔ مختصر بیماری کے بعد موت کے بے پناہ ہاتھ نے قوم کے رہنما، اُس کی اُمیدوں کے مرکز، اُس کی بیداری کے قائد، اُس کی حمایت کے علم بردار کو ذرا بھی مہلت دیئے بغیر چھین لیا۔ خدا مرحوم پر اپنی رحمت نازل کرے اور قوم کو صبر جمیل عطا فرمائے"

جنازہ

رات بھر مرحوم کے مکان میں زائرین کا ہجوم رہا۔ دوسرے دن صبح ۹ بجے تمام وزرار اور سفرار دول بھی پہنچ گئے۔ بارہ بجے دن کو نعش بالائی منزل سے نیچے لائی گئی۔ اُسپر صرف کفنی تھی۔ کوئی قیمتی چادر نہ تھی۔ نیچے آتے ہی پھولوں کی بارش شروع ہوگئی۔ بے شمار ٹوکرے پھولوں سے بھرے ہوئے، لوگ اپنے ساتھ لائے تھے۔ نعش دیکھ کر ایک مرتبہ پھر گریہ و بکا برپا ہوگیا!

اب مصری فوج بھی پہنچ چکی تھی۔ جنازہ سرکاری طور پر اُٹھانا طے پایا تھا۔ تمام سرکاری عہدے دار، امرار، وزرار، سفرار، پارلیمنٹ کے ممبر، مسلمان، قبطی، رومی، ارمن، یہودی فرقوں کے علمار، کاہن، ربی، اور احبار اپنے اپنے خاص لباس میں موجود تھے۔

جب تمام طیاریاں مکمل ہوگئیں تو سعد پاشا کی بیگم سیاہ نقاب مُنہ پر ڈالے برآمد ہوئیں۔ وہ ضعف سے چل نہیں سکتی تھیں۔ کئی عورتوں کے سہارے وہ اپنی موٹر تک پہنچیں، مگر بیٹھنے سے پہلے ہی بیہوش ہوگئیں۔ فوراً منعش دوائیں دے کر اُنھیں ہوش میں لایا گیا۔ اب وزرار اور فوجی افسروں نے نعش اپنے کاندھوں پر اُٹھائی اور توپ کی گاڑی پر رکھی۔ اسوقت کا منظر ناقابل بیان ہے۔ معلوم ہوتا تھا، مصر کا آسمان و زمین ماتم کر رہا ہے۔ رونے والی عورتوں اور مردوں کی چیخیں باہم مل گئی تھیں۔ کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ نہیں معلوم رونے والوں میں کتنی قوت پیدا ہوگئی تھی، اور اُن کی آنکھوں میں آنسوؤں کے کتنے دریا سما گئے تھے کہ نوحہ و بکا کا سلسلہ کسی طرح بھی رُکنے پر نہیں آتا تھا!

مصری علم

اسوقت محبت و عقیدت کا ایک جھگڑا پیش آگیا۔ فوج کے افسروں نے نعش اُٹھانے سے پہلے کہا "جنگی روایات کی رُو سے ضروری ہے کہ مرحوم کی نعش پر مصر کا فوجی پرچم ڈالا جائے"، ساتھ ہی اُنھوں نے اپنا پرچم پیش بھی کر دیا۔ مگر مرحوم کی بیوہ نے اس سے انکار کیا۔ اُنھوں نے ایک ریشمی علم پہلے سے طیار کر لیا تھا۔ اُنھوں نے اصرار کیا کہ نعش اسی میں لپیٹی جائے۔ مجبوراً افسروں کو اپنی ضد سے باز رہنا پڑا۔

اس کے بعد ملکی افسروں نے کہا "مرحوم کے تمام تمغے اُن کی نعش پر رکھے جائیں، کیونکہ وہ ہماری جماعت کے آدمی تھے"، مگر بیگم زغلول نے اس سے بھی انکار کیا۔ اُنھوں نے کہا "سب سے بڑا تمغہ مصری علم ہے۔ اس تمغہ پر کوئی دوسرا تمغہ نہیں رکھا جا سکتا"

جوں ہی نعش توپ پر رکھی گئی، منادی نہایت ہی بلند آواز سے چلایا "لا الہ الا اللہ — البقاء للہ" ہر طرف سے نعرے بلند ہوئے "رحاک یا سعد!" عورتیں چلائیں "فلتحیٰ ذکری سعد!"

بادشاہ نے حجاز میں آکر حکومت کی وضع دوسری کردی ہو۔ حجاز کی حکومت دفتری نظم کی حکومت ہو۔ وہاں کے لئے نجد کی سی حکومت موزوں نہ تھی۔

سلطان کی فیاضی

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مسلسل تین سال کی غیر حاضری کے بعد سلطان اپنے دارالسلطنت میں واپس گئے تھے۔ وہ ہم سے ۲ دن پہلے ریاض پہنچ چکے تھے۔ تاہم ہم نے اپنی آمد پر دیکھا کہ شہر مسرت و انبساط کے مؤثر نظاروں سے لبریز ہو۔ بے شمار وفد، نجد کے گوشہ گوشے سے آئے ہوئے تھے اور عقیدت و خلوص کا اظہار کر رہے تھے۔ دوسری طرف سلطان کی فیاضیوں کا دروازہ کھلا تھا۔ کوئی نہ تھا جسے وہ اُس کی توقع سے زیادہ نہ دے رہے ہوں۔ اُن کی سخاوت دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا "یقیناً یہ ایک ایسا آدمی ہو جو نہ دولت سے محبت کرتا ہو نہ فقر و فاقہ سے ڈرتا ہو"

ملوکیت نجد کا اعلان

خوش قسمتی سے میں اُس تاریخی جلسہ میں بھی شریک ہو سکا جو سلطان ابن سعود کو "ملک نجد" بنانے کے لئے منعقد ہوا تھا۔ نجدیوں نے یہ دیکھ کر کہ سلطان ابن سعود اب ملک الحجاز ہو گئے ہیں۔ پسند کیا کہ اپنے ملک کے لئے بھی اُن کا یہی لقب قرار پا جائے۔

سلطان کی لڑکی کا عقد

اسی طرح ایک اور جلسہ میں بھی مجھے شرکت کا موقعہ ملا۔ یہ سلطان کی بیٹی شاہزادی "سارہ" کی شادی کا جلسہ تھا۔ امیر فیصل ابن سعد سلطان کے بھتیجے سے اُن کا عقد ہوا ہو۔ مجھے دیکھ کر تعجب ہوا کہ نجد میں شادیاں کس قدر سادہ ہوتی ہیں۔ یہ خود سلطان کی لڑکی کی شادی تھی۔ مگر اس میں نہ کوئی اسراف تھا نہ دھوم دھام تھی از حد سادہ تقریب تھی۔ قصر شاہی کے ایوان میں فرش بچھا دیا گیا تھا۔ کھانے چنے گئے۔ دعوت ولیمہ کے بعد سلطان کے حکم سے ۵۰۰ بکریاں ذبح کی گئیں اور عام دعوت شروع ہو گئی۔ اس میں امیر غریب کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ہر کس و ناکس مدعو تھا۔

تجارت و زراعت

ریاض کے باشندے عام طور پر تجارت پیشہ ہیں۔ احسار، کویت اور جریں سے مال لاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ نجد کی ایک بڑی تجارت، موتی کی تجارت ہو۔ غواصی میں نجدیوں نے خاص شہرت حاصل کر لی ہو اور کافی دولت حاصل کرتے ہیں۔ ریاض کے اطراف میں زراعت کم ہو۔ اس لئے کہا جا سکتا ہو کہ یہ تجارتی شہر ہو نہ کہ زرعی۔

سلطان کے معمولات

سلطان کے معمولات یہ ہیں کہ کچھ رات رہے سے بیدار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اپنے کسی خدمتگار کو بھی اتنے سویرے اپنی خدمت کے لئے نہیں بلاتے خود ہی پانی لیتے ہیں۔ وضو کرتے ہیں۔ تلاوت کرتے ہیں۔ فجر کی اذان سن کر مسجد جاتے ہیں۔ نماز کے بعد محل واپس آتے ہیں۔ اپنے خاندان کے ساتھ ناشتہ تناول کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے دفتر میں آ بیٹھتے ہیں خطوط پڑھتے ہیں۔ سرکاری کاغذات ملاحظہ کرتے ہیں۔ احکام لکھتے ہیں طلوع آفتاب کے ایک گھڑی بعد تک یہی مشغولیت رہتی ہو۔ پھر ایوان عام میں تشریف لاتے ہیں۔ یہاں خاص لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں پھر اخوان کے وفد حاضر ہوتے ہیں۔ اُن سے بڑی ہی بے تکلفی سے باتیں شروع ہوتی ہیں۔ یہ لوگ بڑے ہی آزاد مزاج ہیں۔ اپنے بادشاہ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں، گویا اپنے کسی بھائی کے سامنے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہ بالکل وحشی ہیں۔ میں نے انھیں وحشی نہیں پایا بلکہ میرے خیال میں ان کا یہ طرز خطاب اس لئے ہو کہ وہ اسے اتباع سلف صالح سمجھتے ہیں۔ وہ بڑی بے تکلفی سے "یا عبدالعزیز!" کہہ رہے تھے۔ ایک شخص نے میرا تعجب محسوس کر کے میرے کان میں کہا "یہ طریقہ خود سلطان ہی نے مقرر کیا ہو۔ وہ خطاب کے دوسرے طریقے قبول نہیں کرتا"

چاشت کے وقت ایک دوسرے ایوان میں جاتے ہیں۔ یہ جگہ "مجلس کبیر" کہلاتی ہو۔ یہاں نجد کے بڑے بڑے شیوخ اور خاندان رشید اور خاندان عاید کے امراء سے ملاقات ہوتی ہو۔ اول الذکر خاندان حائل کا فرمانروا تھا۔ آخر الذکر اَبہا کا۔ اب یہ دونوں ریاستیں، نجد کے ماتحت ہیں اور اُن کے شاہی خاندان، ریاض میں قید ہیں لیکن یہ قید ایسی ہو کہ اُن پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہو۔ وہ شہر کے اندر اپنی نقل و حرکت میں بالکل آزاد ہیں اور نہایت عزت و احترام کا اُن سے برتاؤ کیا جاتا ہو۔

اس مجلس میں سلطان کی گفتگو عام معاملات پر ہوتی ہو۔ دین تاریخ، ادب، سیاست، ہر موضوع پر باتیں کرتے ہیں اور نہایت آزادی اور صفائی سے۔ اُن کی صاف گوئی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہو کہ ایک دن سلطان نے ایک شامی اخبار مجھے دیا۔ اسمیں یہ خبر درج تھی کہ "سید عبداللہ بن عاید مکہ سے بھاگ گئے ہیں اور ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن سعود پر یورش کر رہے ہیں"

سلطان نے کہا "اخبار نے یہ خبر لکھی ہو، حالانکہ سید عبداللہ یہاں، اس مجلس میں، موجود ہیں۔ ہم اور سید عبداللہ اور خاندان رشید، سب بھائی ہیں۔ ہم میں کوئی نزاع نہیں ہو"

سلطان کے قول کی تمام مجلس نے تصدیق کی۔ خصوصاً سید عبداللہ بن عائد نے۔

اس مجلس سے اُٹھ کر سلطان اپنے والد "عبدالرحمٰن بن سعود" سے ملاقات کو جاتے ہیں۔ ان کی عمر اب نوّے سال کے قریب ہو مگر اب تک ہوش حواس بالکل درست اور قویٰ مضبوط ہیں۔ نہایت خوش اخلاق، خوش صحبت، خوش گفتار ہیں۔ والد سے رخصت ہو کر اپنی بڑی بہن شاہزادی "نورہ" سے ملنے جاتے ہیں۔ نجد میں بڑی بہن کی عزت بہت زیادہ کی جاتی ہو۔ سلطان حد سے زیادہ اُن کا احترام کرتے ہیں۔ یہ نجدی شاہزادی بھی اپنے عربی اخلاق میں غیر معمولی ہو۔ اس کی شرافت و سخاوت دُور دُور مشہور ہو۔ خود مجھ سے اس کا برتاؤ نہایت ہی شفقت کا تھا۔ روز میری خیریت دریافت کرتی تھی۔ میرے لئے اچھے اچھے کھانے بھیجا کرتی تھی۔

عشار کے بعد سلطان کئی گھنٹے اپنے عہدے داروں سے ملاقات میں صرف کرتے ہیں۔ ہر عہدے دار کے دفتر میں خود جاتے ہیں۔ دن بھر کے کاموں کا جائزہ لیتے ہیں اور ضروری مشورے اور ہدایتیں دیتے ہیں۔

یہ اُن کے روزمرہ کے معمولات ہیں۔ لیکن کبھی کبھی صحرا میں شکار کے لئے بھی جاتے ہیں۔ یہ سفر آجکل موٹروں پر ہوتا ہو۔

شیوخ نجد کا سلطان سے اختلاف

پچھلے دنوں مصری اخبارات نے یہ خبر مشہور کر دی تھی کہ نجد کے سب سے بڑے شیوخ مثلاً فیصل الدرویش شیخ قبیلۂ اطاویہ اور سلطان بن مجاد شیخ قبیلۂ غطغط، سلطان ابن سعود کے مخالف ہو گئے ہیں ریاض میں اپنی موجودگی کے وقت میں نے بھی اس قسم کی خبریں سُنی تھیں فیصل الدرویش کی مخالفت کی وجہ یہ بتائی گئی کہ پچھلے سال ہم حج میں محمل مصری کی فوج سے نجدیوں کا تصادم ہو گیا تھا، اُسمیں فیصل الدرویش کی رائے ہو کہ سلطان نے مصریوں کی طرفداری کی اور نجدیوں کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا۔ لیکن یہ خبر غلط تھی۔ خود میں نے اپنی آنکھوں سے فیصل کو سلطان کی خدمت میں دیکھا ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ عقیدت و اطاعت کا اظہار کر رہا تھا۔

بلاشبہ سلطان بن مجاد کو کچھ شکایت ہو گئی تھی۔ یہ شکایت بعض شرعی احکام کی تطبیق کے بارے میں تھی۔ لیکن بہت جلد غلط فہمی دُور ہو گئی اور وہ بھی سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔

نجدیوں کا ایمان

تمام نجدیوں۔ بدوؤں اور شہریوں۔ کا پختہ ایمان ہو کہ آدمی صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہو کہ اللہ کی عبادت کرے اور اُس کی شریعت کی پابندی میں سرگرم رہے۔ ہر آدمی کی قسمت پہلے سے لکھدی گئی ہو موت کا ایک وقت مقرر ہو۔ ہرگز اُس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی لہذا اُسے موت سے بے خوف ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ڈھونڈھنی چاہئے۔ ہر آدمی کو اُس کے عمل کی جزاء و سزا ملے گی۔ نیکی کا ثواب حاصل ہوگا۔ بدی پر عذاب پائے گا۔ یہی باعث ہو کہ وہ ہر قسم کے گناہوں اور جرموں سے، خفیہ اور علانیہ، پرہیز کرتے ہیں۔

شوق جہاد

جنگ کو وہ عبادت سمجھتے ہیں۔ دین الٰہی کے دشمن کا قتل عظیم ترین ثواب خیال کرتے ہیں۔ دین کی راہ میں خود قتل ہو جانا، شہادت عظمیٰ تصور کرتے ہیں۔ اس بات پر اُنھیں اس درجہ یقین ہو کہ بڑے ہی شوق سے جنگ پر جاتے ہیں۔ ہر بدو اپنا کفن اپنے ساتھ لے جاتا ہو۔ نہایت بے پروائی سے اپنے تئیں موت کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ جب اُن کا کوئی ساتھی لڑائی میں گرتا ہو، تو بیک زبان نعرہ مارتے ہیں "واخليلاه! لقد سبقتنی الی الجنة!" (اے دوست! مجھ سے پہلے ہی جنت میں داخل ہو گیا!) جب دشمن کو بھگا دیتے ہیں تو چلاتے ہیں "یا اہل التوحید! یا اہل التوحید! ایاک نعبد و ایاک نستعین" (ہاں اے اہل توحید! خدایا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں!)

وہ گولیوں کی باڑھ کو "ریح الجنة" (جنت کی ہوا) کہتے ہیں اور انتہائی شوق و رغبت سے سینے تانے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں وہ اس موت کو موت نہیں، زندگی خیال کرتے ہیں۔ اگر اُن کے کسی آدمی کی پیٹھ پر گولی لگتی ہو تو اُسے بزدل کہتے اور سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اُن کا قول ہو "ہمیشہ سینے پر زخم کھاؤ۔ پشت کبھی نہ دکھاؤ۔ موت اٹل ہو، اُس سے کہاں بھاگ سکتے ہو؟ شہادت کی موت مر کر سرمدی زندگی حاصل کر لو" میدان سے بھاگنا اُنکے خیال میں ایسا عیب ہو کہ ایسے شخص کو دفن تک نہیں کرتے۔ یہی باعث ہو کہ وہ مر جاتے ہیں مگر بھاگتے نہیں۔ اُن کی یہ ثابت قدمی، بالآخر اُن کے دشمن کے حوصلے پست کر دیتی ہو اور وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہو۔

نجدیوں کی یہ شجاعت و بسالت، عرب میں اس قدر مشہور ہو گئی ہو کہ لوگ اُن کے نام ہی سے ڈر جاتے ہیں۔ چند نجدی سوار سیکڑوں آدمی بھگا دیتے ہیں۔ حجاز کی جنگ، اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہو۔ حجازی فوج اس قدر مرعوب ہو گئی تھی کہ بے لڑے ہتیار ڈال دیتی تھی۔ حائل، احسار اور قطیف وغیرہ ممالک کی فتح بھی زیادہ تر اسی رعب کی وجہ سے ہوئی تھی۔

موت کے بعد

نجدی، سنت نبوی کی اتباع میں بہت ہی سخت ہیں۔ اپنے مقتولوں اور مُردوں کا ماتم نہیں کرتے۔ قبروں پر گنبد اور عمارتیں نہیں بناتے۔ اُن کا عقیدہ ہو کہ موت کے بعد جس طرح آدمی کی دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہو، اُسی طرح اُس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہو۔ کہتے ہیں مُردوں کو ہماری ظاہری تکریم و تعظیم کی کوئی ضرورت نہیں وہ ہم سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ آخرت میں انھیں جو درجہ ملے گا وہی اصلی درجہ ہو ہمیں انکے لئے اسی کی دعا کرنی چاہئے۔

جائے۔ اُس کا نام بدستور یہی رہے گا۔ مرحوم کی بیوہ کو زندگی بھر اُسمیں رہنے کا حق ہوگا۔

یہ مکان مرحوم نے ۱۹۰۱ء میں تعمیر کیا تھا۔ اور اپنی حرم محترم پر وقف کر دیا تھا۔ وزارت نے طے کیا ہو کہ مکان کا وہ تمام سامان اُسی ترتیب سے باقی رکھا جائے گا، جس طرح مرحوم کی وفات کے وقت تھا۔ حتیٰ کہ مرحوم کے کپڑے بھی محفوظ رکھے جائیں گے۔ اِن کپڑوں میں ایک سرخ جبّہ بھی ہو جو وہ اپنے وطنی لباس کے اوپر پہنا کرتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کا بھی تمام سامان علیٰ حالہ رکھا رہے گا۔ گھر کی ہر چیز پر لکھا جائے گا کہ کب خریدی گئی؟ کیوں خریدی گئی؟ اور مرحوم اُس سے کیا کام لیتے تھے؟

(۳) بیت الامہ ہی میں مرحوم کی نعش دفن کی جائے گی۔ اُن کی موجودہ قبر عارضی ہو۔ اِس نئے انتظام کی تکمیل اور جدید شاندار مقبرے کی تعمیر کے بعد نعش یہاں منتقل کر دی جائے گی۔

(۴) سعد پاشا «ابیانہ» گاؤں کے جس مکان میں پیدا ہوئے تھے، وہ بھی خرید لیا جائے اور اُس میں شفاخانہ یا مدرسہ جاری کر دیا جائے۔

(۵) پایۂ تخت میں ایک عظیم الشان شفاخانہ یا یتیم خانہ قائم کیا جائے اور مرحوم کے نام پر اُس کا نام رکھا جائے۔

تعزیت کے پیغام

بیگم زغلول کے نام دُنیا بھر سے تعزیت کے پیغام آ رہے ہیں۔ بڑے بڑے آدمیوں اور بادشاہوں نے تار بھیجے ہیں۔ اِس سلسلہ میں سب سے پہلا پیغام سلطان ابن سعود اور اُن کے بیٹے امیر فیصل کا تھا۔ اِن دونوں نے نہایت رنج و ملال کا اظہار کیا ہو اور اِس حادثہ کو تمام مشرق کے لئے عظیم خسارہ بتایا ہو۔ اگر میں اِن تمام پیغاموں کا ذکر کروں تو چٹھی بہت طویل ہو جائے گی۔

یورپین اخبارات کے افکار

یہ معلوم کرنا نہایت اہم ہو کہ زغلول پاشا کی وفات کو یورپ کے اخبارات نے کس نظر سے دیکھا ہو؟ خصوصًا برطانی اخباروں نے کس طرح اظہارِ خیال کیا ہو؟

ٹائمس آف لنڈن لکھتا ہو:

«زغلول پاشا نے معاملات مصر میں جو حصہ لیا، اُس کے متعلق تاریخ کا فیصلہ کچھ ہی ہو، لیکن یہ یقینی ہو کہ تاریخ اُنھیں مصر جدید کا سب سے بڑا آدمی شمار کرے گی۔ وہ اپنے اندر ایک حیرت انگیز زندہ روح رکھتے تھے، اگرچہ زیادہ مضبوط جسم کے مالک نہ تھے۔ وہ اپنی جسمانی بناوٹ اور شکل و صورت میں مصری «فلاح» (کسان) کا مکمل نمونہ تھے زبردست شخصیت اور اخلاق رکھتے تھے۔ خارق عادت شجاعت اور شدید صراحت، اُن کی نمایاں صفت تھی۔ بڑی قوت استدلال، مسکت حجت، حاضر جوابی، خوش گفتاری، اور حیرت انگیز خطابت نے اُنھیں نہایت ممتاز کر دیا تھا۔ محمد علی پاشا اول خدیو مصر کے عہد سے آجتک کسی نے بھی فرعون کی سرزمین میں اتنی مقبولیت، اخلاقی اقتدار، اور عام محبوبیت حاصل نہیں کی جتنی زغلول پاشا نے حاصل کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ مصر جدید کی تاریخ میں وہ پہلے سیاسی رہنما ہیں جنھوں نے قوم کے دل و دماغ، دونوں پر یکساں اثر ڈالا اور ملک کی سیاسی تربیت کی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہو کہ مشرقی رہنما، مغربی رہنماؤں کے مقابلے میں جلد بوڑھے ہو کر معطل ہو جاتے ہیں لیکن سعد زغلول، اِس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک چست و چالاک رہے اور سخت سے سخت دماغی محنت انجام دیتے رہے۔ تاریخ میں بہت کم انتہا پسند انقلابیوں کے نام ملتے ہیں۔ جو ۷۰ سال کی عمر کے بعد بھی اپنا سیاسی اقتدار اور مقبولیت برقرار رکھ سکے ہوں۔ لیکن زغلول پاشا اپنے آخری وقت تک محبوب و مقبول رہے۔ اُن کی عمر جتنی زیادہ ہوتی گئی، اُسی قدر زیادہ اُن میں سیاسی جوش اور انقلابی روح بیدار ہوتی گئی ... برطانیہ نے زغلول کو جلا وطن کیا تھا۔ لیکن اِس عظیم انسان کے دل میں اِس وجہ سے کوئی بغض پیدا نہیں ہوا۔ برطانیہ نے دیکھ لیا تھا کہ یہ اُس کا ایک ایسا دشمن ہو جو خندہ پیشانی سے ہر طرح کی ضربیں برداشت کر سکتا اور پورے جوش سے اُن کا جواب دے سکتا ہو۔ کوئی شخص بھی اِس «فلاح» کی شجاعت پر حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا، جس نے بے شمار مخالف قوتوں سے مقابلہ کیا اور سب کو بالآخر اپنے ارادے کے سامنے جھکا لیا .... !»

ڈیلی نیوز لکھتا ہو:

«زغلول، سالہا سال سے مصر کا معبود تھا۔ سیاسی جنگ میں اُس کی شجاعت و بسالت بے نظیر تھی۔ وہ اپنی قوم کو کامل خود مختاری کی طرف لے جا رہا تھا۔ لارڈ کرزن نے ایک مرتبہ کہا تھا «زغلول، شورش کا غیر مسئول علم بردار ہو!» لیکن کچھ ہو، وہ اپنے ملک کی آزادی چاہتا اور انگریزوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا چاہتا تھا۔ مصریوں کے دل میں اُس کی عزت بے حساب تھی۔ وہ ہمارا شریف اور بہادر دشمن تھا»

منچسٹر گارڈن لکھتا ہو:

«زغلول پاشا، تمام مصریوں میں ایک آدمی تھا۔ اُس کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ یہی وجہ ہو کہ اُسے ۳ مرتبہ جلا وطن ہونا پڑا۔ انگریزوں نے بہت کوشش کی کہ اُسے جاہ و منصب کا لالچ دے کر ملا لیں، مگر اُس نے ہمیشہ انکار کیا، اور کامل خود مختاری کے سوا کبھی کچھ قبول کرنے پر رضامند نہ ہوا۔ سعد پاشا کی ذہانت، اخلاق، خوش مزاجی، ایسی تھی جس کی نظیر مغلوب قوموں کے رہنماؤں میں کبھی نہیں دیکھی گئی»

یہ انگلستان کے متعصب سے متعصب اخبارات کے خیالات ہیں لیبر پارٹی کے اخبارات نے تو اِس سے بہت زیادہ لکھا ہو۔ اختصار کے خیال سے ہم ان کا ذکر نہیں کر سکتے۔ یہ تمام رائیں تار کے ذریعہ قاہرہ کے اخبارات میں پہنچی ہیں اور ابھی ان کا سلسلہ برابر جاری ہو۔

اسی طرح فرانسیسی اخبارات نے بھی طویل و عریض مضمون شایع کئے ہیں اور مرحوم کی بہت تعریف کی ہے۔

نیم سرکاری اخبار «طان» لکھتا ہو: سعد پاشا، مصر کے اِسوقت سب سے بڑے آدمی تھے۔ اُن کی زندگی کا اکثر حصہ، اپنے ملک کے لئے آزادی حاصل کرنے کی جد و جہد میں گزرا۔ وہ دُنیا بھر کی نظروں میں معزز و محترم تھے ...»

«ایکو ڈی پاری» لکھتا ہو «زغلول، مصر کا عظیم آدمی تھا۔ آزادی کا علم بردار تھا۔ مصر میں اُس سے بڑا کوئی آدمی موجود نہ تھا ...»

اخبار «دیبا» لکھتا ہو «سعد کی موت نے مصر کو اپنے سب سے بڑے رہنما سے محروم کر دیا۔ اُس کی شخصیت، بہت ہی عظیم تھی ...»

مکتوب بہت دراز ہو گیا ہو۔ آیندہ ہفتے انشاء اللہ میں بتاؤں گا کہ سعد پاشا کی موت کا اثر مصر کی سیاست پر کیا پڑ سکتا ہو؟ اور انگریز اُس سے فائدہ اُٹھانے کی ابھی سے کیسی طیاریاں کرنے لگے ہیں؟ لیکن قلم روکنے سے پہلے میں بہت ہی اختصار کے ساتھ مرحوم کی سیاسی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب سمجھتا ہوں۔ تاکہ آپکے قارئین اندازہ کر سکیں کہ یہ عظیم زندگی کیونکر شروع ہوئی اور کس طرح موجودہ بلندی تک پہنچی؟

سعد پاشا کی زندگی پر ایک نظر

وہ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔

۱۰ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو شیخ سعد زغلول ازہری طالب علم کی سرکاری اخبار الوقائع المصریہ کے ادارۂ تحریر میں تقرری ہوئی۔ ۸۰۰ قرش (ایک قرش ۲ کا ہوتا ہو) ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی تھی۔ یہ طالب علم، خوش اطوار ہو۔ شیخ محمد عبدہ نے اُس کے چال چلن کی تصدیق کی ہو۔ یہ عبارت ایک سرکاری فرمان سے اخذ کی گئی ہو۔ اُسوقت مرحوم، ازہر کے طالب علم تھے اور «شیخ سعد زغلول» کہلاتے تھے۔

یکم فروری ۱۸۸۲ء کو اُن کی تنخواہ ۳۲۳ ۹ قرش ہو گئی۔

۳ مئی ۱۸۸۲ء کو «سعد آفندی زغلول» کا تبادلہ وزارت داخلیہ کے محکمہ میں ہو گیا اور تنخواہ ۱۵ پونڈ مقرر ہوئی۔

۶ ستمبر ۱۸۸۲ء کو «جیزہ» کی کمشنری میں محافظ دفتر کاغذات سرکاری مقرر ہوئے۔

۲۷ جون ۱۸۹۲ء میں ۴۵ پونڈ تنخواہ پر درجہ دوم کے مجسٹریٹ مقرر ہوئے

یکم فروری ۱۸۹۴ء میں تنخواہ ۵۵ پونڈ ہو گئی۔

یکم جنوری ۱۸۹۷ء میں تنخواہ ۶۰ پونڈ قرار پائی۔

۸ اپریل ۱۸۹۹ء میں اُنھیں پہلا سرکاری تمغہ دیا گیا۔

۱۲ جنوری ۱۹۰۴ء میں اُنھیں مترالشان مجیدی عنایت ہوا۔

یکم جنوری ۱۹۰۶ء میں اُن کی سالانہ تنخواہ ایک ہزار پونڈ ہو گئی۔

۲۸ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں «سعد زغلول بک» وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔

۱۲ نومبر ۱۹۰۶ء میں «پاشا» کا خطاب ملا۔

۱۸ جنوری ۱۹۰۸ء میں «مجیدی اول» کا تمغہ ملا۔

۲۳ فروری ۱۹۱۰ء میں محکمۂ عدالت کے وزیر مقرر ہوئے۔

۲۷ جنوری ۱۹۲۴ء میں وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

۲۳ مارچ ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر مقرر ہوئے۔

۱۰ جون ۱۹۲۶ء میں دوسری مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر منتخب ہوئے۔

۲۳ اگست ۱۹۲۷ء میں فوت ہو گئے۔

اطلاع ضروری

(۱)

بارش کی وجہ سے مطبع الہلال کے مشین روم کے بعض حصے کئی ہفتہ سے کمزور ہو گئے تھے، خصوصًا وہ ستون جن کے ذریعہ مشین موٹر سے ملحق کی گئی ہیں۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کام کے روکے بغیر درستگی کی جا سکے لیکن کوئی صورت نہ نکل سکی۔ مجبوراً اِس ہفتہ کا کام ختم کر کے ان کی ازسرنو تعمیر شروع کر دی جاتی ہو۔ ہم پوری کوشش کرینگے کہ آیندہ نمبر کسی نہ کسی طرح نکل جائے، لیکن اگر کامیابی نہ ہوئی تو اِس صورت میں آیندہ جمعہ کا پرچہ جاری نہ ہو سکے گا، اور اُس کے بعد کے جمعہ کو نکلے گا۔ خریداران الہلال کو اگر بہ تک پرچہ نہ ملے، تو وہ سمجھ لیں کہ پرچہ شائع نہیں ہو سکا ہو۔ یہ ہفتہ خریداروں کی سالانہ قیمت میں محسوب نہ ہوگا۔ "منیجر"

(۲)

بعض حضرات نے لکھا ہو کہ اِسوقت تک مولانا ابوالکلام کے اُن مضامین کی اشاعت شروع نہیں ہوئی ہو جس کا اُن کے احباب کو انتظار تھا۔ بجز باب التفسیر کے اور وہ بھی ہر نمبر میں مسلسل نہیں ہو۔ اُن حضرات کو اِس طرف توجہ دلائی جاتی ہو کہ الہلال جاری کرتے ہوئے اُنھوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ جبتک کہ مقدمہ اور تفسیر کی ابتدائی جلدوں کی ازسرنو تحریر سے وہ فارغ نہیں ہونگے، الہلال کے لئے پورا وقت نہیں نکالیں گے۔ اب وہ ایک حد تک فارغ ہو چکے ہیں۔ اور اُنھوں نے ارادہ کر لیا ہو کہ سفر شملہ سے واپسی کے بعد اِس کے لئے کافی وقت نکالیں گے۔

منیجر

ایک عجیب قیامت برپا ہوگئی۔ اگر فوج اور پولیس کا انتظام غیر معمولی نہ ہوتا تو یقیناً بے شمار جانیں ضایع جاتیں۔ کیونکہ نعش کے بلند ہوتے ہی ہزاروں آدمیوں نے بیک وقت آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ سعد کی نعش کا بوسہ لے لے، یا کم سے کم اُسے چھو ہی لے۔ مگر فوج اور پولیس نے پُرجوش مجمع کو روک دیا اور ٹھیک ۲ بجے جنازہ روانہ ہوگیا

جلوس میں سب سے آگے فوج کا ایک بڑا دستہ اپنا جنگی باجا بجا رہا تھا۔ اُس کے بعد مزدوری پیشہ طبقہ کی مختلف جماعتیں تھیں۔ ریلوے کے مزدور، کارخانوں کے مزدور، گاڑی بان، لوہار، حجام، غرضکہ مختلف پیشہ وروں کی علحدہ علحدہ صفیں تھیں۔ انکے پیچھے پھر فوج اپنے باجے کے ساتھ تھی۔ اس کے پیچھے مختلف تجارتی کمپنیوں کے مزدور اور کارکن تھے۔ چھاپے خانوں کے مزدوروں کی صفیں، انکے بعد تھیں۔ پھر.....

مگر میرے لئے یہ تمام تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ صرف اس قدر کہدینا کافی ہے کہ قاہرہ میں جتنی جماعتیں اور فرقے موجود ہیں، جتنے مدارس قائم ہیں، جتنی انجمنیں، .... بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ جتنی بھی مخلوق موجود ہے، اُس کا بڑا حصہ جنازے کے ساتھ ماتم کناں موجود تھا!

اس جلوس میں ایک قابل ذکر بات یہ تھی کہ اُس میں ہر طرف ہلال اور صلیب، دونوں کے علم بلند تھے۔ دونوں ہوا میں ملتے تھے اور ہم آغوش ہوجاتے تھے۔ یہ نظارہ نہایت ہی پُراثر تھا۔ یہ اس حقیقت کا ثبوت پیش کر رہا تھا کہ مصر میں اب ایک ہی عنصر باقی ہے، اور وہ آزادی خواہ مصری قوم ہے۔ اور یہ کہ سعد زغلول کسی ایک فرقہ کا رہنما نہ تھا، بلکہ مصر کے تمام فرقوں کا یکساں طور پر رہنما تھا۔ وہ جس طرح مسلمان مصریوں کا محبوب تھا، اُسی طرح مسیحی مصریوں کا بھی محبوب تھا!

نماز جنازہ

ٹھیک ۶ بجے جنازہ، مسجد قیسون میں پہونچا۔ یہاں لاکھوں مخلوق نے نماز جنازہ اُدا کی۔ صفوں میں سیکڑوں قبطی عیسائی، اور مصری یہودی بھی مسلمان نمازیوں کے دوش بدوش کھڑے تھے، اور اپنے سردار کی مغفرت کے لئے رب العالمین سے الحاح وزاری کر رہے تھے!

قبر پر!

نماز کے بعد جنازہ پھر آگے بڑھا اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔ قبر کے قریب پہنچکر جلوس رُکا۔ ۷ آدمیوں نے گاڑی پر سے نعش اُتاری۔ اِن میں دو قبطی عیسائی بھی شامل تھے۔ قبر میں نعش اُتارنے والے بھی یہی لوگ تھے۔ اس وقت کا ماتم ناقابل بیان ہے۔ دُنیا کا کوئی قلم بھی اُسے نہیں لکھ سکتا۔ ایسا ماتم تھا کہ دل ہلے جاتے تھے۔ ۶ معزز آدمی بیہوش ہو کر گر پڑے!

اس تمام دوران میں قلعہ سے توپیں دغتی رہی تھیں۔ مسیحی گرجوں کے گھنٹے بج رہے تھے۔ تکبیروں کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ قاہرہ، پُورے معنی میں نشان غم بن گیا تھا۔

مٹی دینے سے پہلے فتح اللہ باشا برکات قبر میں اُترے اور مرحوم کو آخری سلام کرکے نکل آئے۔

وزیر داخلیہ کی تقریر

اس مؤثر موقعہ پر جعفر والی باشا وزیر داخلیہ کھڑے ہوئے اور کہا:

"سعد، مرگیا۔ اُف، کیسی سخت مصیبت درپیش ہے! یہ ایسی مصیبت ہے جس کا غم کبھی دُور نہیں ہوگا۔ سعد پاشا نے جن اعلیٰ اصول پر اپنی زندگی قربان کی، الحمدللہ اب وہ اصول تمام مصری قوم کے دلوں میں راسخ ہو چکے ہیں۔ اگر یہ جلیل القدر وجود اپنے جسم سے دُور ہوگیا ہے، تو کوئی مضائقہ نہیں، اُس کی روح ہمارے اندر برابر زندہ رہے گی۔ ہم سب ایک ایک کرکے اسی طرح مرجائیں گے، مگر قوم اس شخص کی پیدا کی ہوئی رُوح سے ہمیشہ زندہ رہے گی!"

پارلیمنٹ کی تعزیت

وفات کے دوسرے دن پارلیمنٹ کے تمام ممبر "بیت الامہ" (یعنی قوم کا گھر۔ یہ اُس مکان کا نام ہوگیا ہے جس میں سعد پاشا رہتے تھے) میں جمع ہوئے، اور بیگم زغلول کے سامنے حسب ذیل تقریر کی:

"مرحوم و مغفور رہنما کی حرم محترم!

"یہ موقعہ ہمارے لئے نہایت ہی دردناک ہے کہ بیت الامہ میں جبکہ وہ سعد سے خالی ہو چکا ہے، اُس کی رفیق حیات کی تعزیت کو حاضر ہوں۔

"معزز خاتون! مصری قومیت کی تعمیر میں سعد نے پہلی اینٹ رکھی۔ اُسنے پُوری سرزمین مصر کو ایک قوم بنا دیا اور اُس کا ایک ہی نعرہ قرار دیدیا۔ وہ نعرہ، کامل آزادی کا نعرہ ہے۔ اُسنے پوری قوم کی ایک صف بنا دی۔ خود آگے کھڑا ہوا، اور منزل مقصود کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُسنے آزادی کی صفیں آگے بڑھائیں۔ عزت و عظمت کی راہوں میں داخل ہوا۔ تمام مشکلیں حل کر ڈالیں۔ رُکاوٹیں دُور کردیں اپنی بے نظیر قربانیوں سے منزل مقصود قریب کردی۔ اپنی بے مثل شجاعت سے ناممکن کو ممکن بنا دیا!

"سعد، دستوری حکومت کا باپ تھا، محافظ تھا، سپہ سالار تھا، سپاہی تھا۔ پارلیمنٹ کا سب سے پہلے کھولنے والا تھا۔ منبر خطابت کو سب سے پہلے ہلا ڈالنے والا تھا۔ حکومت کے ایوان میں سب سے پہلے اُسی کی حق گو آواز گونجی تھی!

"سعد ہی نے پارلیمنٹ کے اصول مقرر کئے۔ ضوابط بنائے۔ دستور العمل مرتب کیا۔ اُس کی عزت بڑھائی۔ اُس میں عظمت پیدا کی اُسے قوت بخشی۔ اپنے جاہ و جلال کا ایک عظیم پرتو اُس پر ڈالا، اور وہ پُرجاہ اور پُرجلال بن گئی.........

"سعد اپنی صدارت کی کرسی پر حق و باطل کی سچی میزان تھا۔ دُور اور نزدیک کے لئے روشنی کا ستون تھا۔ فصاحت میں صادق البیان تھا۔ پیری میں شباب عزم تھا۔ فیصلہ کی عظمت تھا۔ لفظ میں بلاغت تھا۔ حجت بالغہ تھا۔ آیۃ اللہ تھا۔ ہدایت کا نور تھا۔ عقل کا ستون تھا۔ خطابت کا امام تھا....

"محترم خاتون! اسوقت جبکہ حزن و ملال نے آپ کو اپنی موجوں میں لے لیا ہے، اور جبکہ سعد پر رب کریم کی نظر عنایت پڑ رہی ہے، ہم اپنے زخمی دلوں کے ساتھ تعزیت پیش کرتے اور قسم کھاتے ہیں کہ جب تک زندگی باقی ہے کامل آزادی کے حصول کی جدوجہد جاری رکھیں گے اور پُورے اتحاد و اتفاق کے ساتھ دستور حکومت کی حفاظت کریں گے۔

"محترم خاتون! سعد نہ آپ کا تھا نہ ہمارا تھا۔ وہ خدا کا تھا اور وطن کا تھا۔ اُسنے اپنی تمام جرأت و ہمت، عظیم قربانیاں، عزم راسخ، غرضکہ جتنی بھی مافوق العادت قوتیں اُسے ملی تھیں، سب کی سب اپنے وطن کی خدمت پر وقف کردی تھیں، یہاں تک کہ موت آگئی، اور اُسے شہادت نصیب ہوئی۔ سعد، شہید وطن ہے!

"سعد اپنی قبر میں آرام سے سوئے، کیونکہ وہ اپنے پیچھے ایک ایسی قوم چھوڑ گیا ہے جو اُسے کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ پس سعد پر اُس کی زندگی میں سلام ہو اور موت کے بعد قبر میں بھی......"

تقریر یہاں تک پہنچی تھی کہ فتح اللہ باشا نے بالائی کمرے سے چلا کر کہا: "حضرات! سعد باشا کی حرم محترم آپ سے درخواست کرتی ہیں کہ خاموش ہوجائیے۔ وہ کہتی ہیں کہ آپ کی تقریر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ آپ کی ہمدردی کی ازحد شکرگذار ہوں۔ میری زبان اُس کے اظہار سے قطعاً عاجز ہے۔ خدا سے میری دعا ہے کہ آپ سب کے سلامت رکھے۔ زندہ باد مصر!"

سعد پاشا کی حرم کا بیان

صفیہ ہانم زوجۂ محترمہ سعد پاشا مرحوم نے قوم کے نام حسب ذیل بیان شایع کیا ہے:

"میرے فرزندو!

"اگر سعد، جوار خداوندی میں پہنچ چکا ہے، مجھ اکیلی کا سعد ہوتا، تو اُس کی موت پر تمھاری تعزیتوں کا شکریہ اُدا کرتی لیکن وہ پورے مصر کا سعد تھا۔ وہ مصر کا سپہ سالار تھا۔ امین تھا۔ اُسکی موت کی مصیبت، خود تمھاری مصیبت ہے۔ اُس کا ماتم خود تمھارا ماتم ہے۔ اگر مجھے شکریہ اداکرنے کا کوئی حق پہنچ سکتا ہے تو وہ صرف اسی لحاظ سے کہ اُس کی محبت مجھے حاصل تھی۔ اُس کی نیکی مجھ پر دائمی تھی اُس کے نام کی عزت مجھے نصیب ہوئی تھی۔ اُس کی وجہ سے تمھاری محبت اور قومی حکومت کی شفقت مجھے میسر آئی۔ اگر اتنا حق میرے لئے منظور کرو تو میرا شکریہ قبول کرلو۔ ایسا شکریہ، جس کے اخفا کی قدرت میرے دل میں نہیں ہے اور جس کے اظہار سے میری زبان قاصر ہے!

"میرے بچو! سعد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک اعلیٰ مطمح نظر تھا۔ سعد مرگیا، مگر الحمدللہ یہ مطمح نظر ہنوز باقی ہے۔ اُس کی محبوب شکل ہم سے اوجھل ہوگئی، مگر اُس کی قیمتی یاد ہمارے دلوں میں زندہ رہے گی، والذکریٰ تنفع المؤمنین!

"اگرچہ اُس کی جُدائی کے غم نے ہمارے دل توڑ ڈالے ہیں لیکن آؤ، اس غم کو مزید ہمت و شجاعت کا ذریعہ بنائیں۔ یہ غم ہماری ہمتیں بلند کرنے والا اور ہم میں ایک بالکل نیا جوش پیدا کرنے والا ہو کیونکہ شریف غم ایک ایسی قوت پیدا کردیتا ہے جو بے روک ہوتی ہے، ایسی ہمت لاتا ہے جو لامتناہی ہوتی ہے۔ اگر سعد کا ہم پر کوئی حق ہے تو وہ حق یہی ہے کہ ہم امید کو نہ چھوڑیں، کیونکہ یہ پودا اُسی کا لگایا ہوا ہے۔ ہم اُس کے حُسن ظن کے مطابق ثابت ہوں۔ اُس کا کام پُورا کریں۔ اُس کی رکھی ہوئی بُنیاد پر اپنی عمارت کھڑی کردیں۔ مصر کو یاد رکھیں مصر کے سوا سب کچھ بھول جائیں۔ مصر ہی ہمارا مبتدا و منتہا ہے۔ اُسی سے پیدا ہوئے ہیں اور اُسی کی خاک میں مل جانے والے ہیں۔ اگر ہم ایسا کرینگے تو یقین کرو، سعد کو اپنی صفوں میں پائیں گے۔ بلکہ ہر خادم وطن، ہر مجاہد وطن، سعد کو اپنے دل کے اندر دیکھے گا۔ یہ اس لئے کہ سعد، جس سے ہم محبت کرتے اور جسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہتے ہیں، دراصل ہمارا وہ مطالبۂ حق ہے جس کے لئے ہم کوشاں ہیں۔ یعنی آزادی، یعنی خودمختاری۔ اسی پر ہم جیئنگے اور اسی پر مرینگے!

"میرے عزیزو! آج مصر تمھاری طرف دیکھ رہا ہے، تم بھی اُسے دیکھو۔ وہ تمھیں پکار رہا ہے، تم بھی اُس کی آواز سنو۔ تم نے کبھی اُس کی پکار سے کان بند نہیں کئے۔ آج پھر اُس کی طرف دوڑو۔ بے شک سعد مرگیا، مگر مصر زندہ رہے! بے شک قوم کا رہنما مرگیا، مگر قوم زندہ ہے! قومی آرزوں کا نشان مٹ گیا مگر قومی آرزوئیں زندہ ہیں۔ آؤ ہم بڑھ کر سعد کا جھنڈا اپنے کاندھوں پر اٹھا لیں۔ وہی اللہ جس نے مصر کے لئے ظلمت غفلت کے بعد نور بیداری کی راہ باز کردی تھی، ہمیں آیندہ بھی راہ راست دکھائے گا، اور قوم کے لئے سعد کا نعم البدل پیدا کردے گا......."

سعد پاشا کی یادگار

مجلس وزارت نے سعد پاشا کی یادگار قائم کرنے کے لئے حسب ذیل تجویزیں منظور کی ہیں:

(۱) مرحوم کا ایک مجسمہ قاہرہ میں اور ایک اسکندریہ میں قائم کیا جائے۔ یہ دونوں مجسمے مرحوم کو حالت خطابت میں ظاہر کرینگے۔

(۲) "بیت الامہ" (سعد پاشا کا مکان) خرید کر قومی عمارت بنادی

ادبیات

اِنّ مِنَ البَیانِ لَسِحراً!

مرحوم سعد باشا زغلول کی بلیغ تقریریں

مرحوم احمد سعد باشا زغلول کی فصاحت و بلاغت اور قوت خطابت، مشہور عالم ہے۔ اُن کی مقبولیت اور سیاسی زعامت کی کامیابی میں ایک بڑا راز اُن کی یہی ساحرانہ خطابت ہے۔ ہم چاہتے ہیں اُن کی بعض مشہور تقریروں کے اقتباسات وقتاً فوقتاً شایع کرتے رہیں۔ ادبی خوبیوں کے علاوہ اِن سے مرحوم کا سیاسی مذہب اور فکری رجحان بھی معلوم ہوگا۔

شہیدانِ وطن کی یاد

"ہمہ تن خشوع ہوکر اُن پاک روحوں کی طرف، بہادروں کی روحوں کی طرف، متوجہ ہوتا ہوں، جنھوں نے حق کا اعلان کیا، حالانکہ حق کا اعلان، مصر میں سب سے بڑا جرم تھا!

"وہ حق کا ڈنکا بجاتے آگے بڑھے۔ اُن کی بے لاگ شجاعت نے ہمیں سرخ رُو کردیا۔ سب کو وطن کے احترام پر مجبور کردیا۔ وہ اپنا فرض انجام دے چکے۔ اب وہ آرام سے اپنی قبروں میں سوئیں۔ آزادی کی سُہانی صبح اُن کے خون سے نہائی ہوئی، غلامی کی ظلمت چاک کرکے نکل آئی۔ اللہ اُن کی قبریں روشن کرے۔ فردوس بریں میں اُنھیں آرام دے اور ہمارے عمل سے اُن روحوں کو خوش کرے"

نوجوان

"میری قوم کی جوانی پر خدا کا سایہ! نوجوانوں نے جوانی کے اُن تمام خزانوں کے مُنہ کھول دیئے جو اُن کے سینوں میں بند تھے۔ پُورے ملک کو جوش اور خودداری سے لبریز کردیا۔ دلوں میں عظمت پیدا کی، سروں میں حکمت اُتاری، جسموں میں نظام قائم کردیا۔ نوجوان ہی ہماری تحریک کا اصلی ستون ہیں۔ مصر کے لئے روشنی کا مینار ہیں۔ مستقبل اُنھیں کے ہاتھ میں ہے۔ اور نوجوان ہاتھوں کی قوت معلوم ہے"

علمارِ دین

"میں علمارِ اسلام اور مسیحی قسیسوں کا شکرگزار ہوں۔ اُنھوں نے متحد ہوکر دشمن کی سب بڑی حجت باطل کردی۔ تمام اختلافات دُور کردیئے، اور ثابت کردیا کہ سب دین اپنی غرض میں ایک ہیں۔ سب وطن کی مدافعت فرض قرار دیتے ہیں، سب کا تعلق، خالق ارض و سمار کی عبادت سے ہے۔ سب وطنی مصلحت میں مخلوق کو اتحاد کی دعوت دیتے ہیں"

اصول نہ کہ اشخاص

"سعد اور اُس کے رفیق، تم میں انبیار نہیں ہیں جنھوں نے معجزے دکھائے۔ اولیار نہیں ہیں جنھوں نے کرامتیں دکھائی ہیں۔ وہ تمھارے ہی افراد ہیں۔ تمھارے اصول کے خدمتگذار ہیں۔ تمھارے ہی آدمی ہیں، تمھارے شعور کا اُنھوں نے احساس کیا اور تمھارے اصول سے لبریز ہوگئے۔ چنانچہ وہ اُن کی خدمت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پس ہمارے لئے کوئی فخر نہیں۔ اور اگر ہے تو وہ تم سب کا فخر ہے۔

"بلاشبہ میں نے کچھ خدمت کی ہے۔ لیکن میں نے کوئی قربانی نہیں کی، کیونکہ میں بے روزگار تھا۔ البتہ میرے ساتھیوں نے قربانیاں کی ہیں۔ اُنھوں نے اپنے منصب اور عہدے چھوڑے، حتیٰ کہ اپنی اولاد تک کی جُدائی گوارا کی، اور آپ جانتے ہیں کہ میرے کوئی اولاد بھی نہیں (اسپر حاضرین پکارے "ہم سب آپ کی اولاد ہیں") بلاشبہ تم سب میری اولاد ہو۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تمام اعزاز اشخاص کے لئے نہیں، اصول کے لئے ہے۔ وہ اصول، سعد اور سعد کے رفقار سے کہیں بلند ہے"

اتحاد

"میری نظر میں سب سے بڑی اور محبوب چیز مسلمانوں اور قبطیوں کا اتحاد ہے۔ یہ علَم، جو اِس مبارک اتحاد کا نشان ہے، مجھے دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ علَم میرے ہاتھ میں ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی پوری قوت سے اُس کی حفاظت کروں گا اور زندگی کے آخری لمحے تک اُسے بلند رکھوں گا۔ "مسلمان" اور "عیسائی"! لیکن میں مسلمان اور عیسائی نہیں چاہتا۔ مصر میں صرف ایک قوم ہونا چاہئے اور وہ مصری قوم ہے"

وکالت

وکلار کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مرحوم نے کہا:

"میری خدمتوں کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ میرے لئے اِن خدمتوں پر فخر کرنا روا نہیں ہے لیکن میں آپ کی اجازت سے صرف اِس بات پر فخر کرنا چاہتا ہوں کہ میں وکالت کے پیشے میں داخل ہوا اور اُس کی خدمت کی۔

"ہاں، میں اِس خدمت پر بہت زیادہ فخر کرتا ہوں۔ مجھے کوئی انانیت کا الزام نہ دے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں اُس زمانے میں اِس پیشہ کا کیا حال تھا؟

"میں نے وکالت کا پیشہ اُسوقت اختیار کیا جب یہ پیشہ معزز نہ تھا، جیسا اِسوقت ہے۔ بلکہ وہ حقیر سمجھا جاتا تھا اور اُس کے آدمی بھی حقیر سمجھے جاتے تھے۔ یہ پیشہ اصل میں جس قدر شریف تھا، ہمارے ملک میں اُسی قدر ذلیل ہوگیا تھا۔ وکیل اور دغاباز، یہ دونوں لفظ ہم معنی سمجھے جاتے تھے۔ اونچے خاندان کا کوئی رُکن بھی اُسمیں داخل نہیں ہوتا تھا۔ اور سچ یہ ہے کہ اُسوقت خود وکلار کو بھی اپنی عزت نفس کا کوئی خیال نہ تھا۔

"لیکن یہ سب جانتے ہوئے بھی میں اِس پیشہ میں در آیا۔ بلاشبہ یہ ایک بڑی اخلاقی شجاعت کا کام تھا۔ میں سُنا کرتا تھا کہ لوگ وکیل اِس لئے بنتے ہیں کہ مکر و فریب کی راہوں سے دولت کمائیں۔ میں نے کہا لیکن میں اِس لئے وکیل بنوں گا کہ حق و عدالت کی خدمت کرسکوں۔

"یہ اُسوقت کی بات ہے جب وکیل، حاکم عدالت کے رحم پر ہوتا تھا۔ اُس کی ذراسی ناراضی بھی، وکیل کو اپنی کمائی سے محروم کردیتی تھی۔

"ایک دن ایسا ہوا کہ میں ایک مقدمہ پر بحث کررہا تھا۔ سرکاری وکیل نے کہا آج پیشی بڑھا دی جائے۔ میں نے اعتراض کیا "مقدمہ کا التوا نا روا ہے، کیونکہ ملزموں کو قید خانے میں بلا سبب رکھنا ناجائز ہے"۔ حاکم خفا ہوگیا "فوراً اپنے الفاظ واپس لو"۔ حاکم نے کہا "عدالت کے لئے کوئی بات بھی ناروا اور ناجائز نہیں"۔ لیکن میں نے الفاظ واپس لینے سے انکار کیا اور سخت صورت حال کا مقابلہ کیا۔

"اسی طرح کے بہت سے واقعات پیش آتے رہے، یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا جب یہ پیشہ معزز ہوگیا اور حکام، وکلار کی دوستی پر فخر کرنے لگے"

قومی نگرانی کے حدود

"ہم قوم کے نمائندے ہیں۔ قوم کو ہماری نگرانی کا حق ہے۔ قوم کا فرض ہے کہ وہ اپنا مطالبہ ہمیں بتلائے۔ اُسنے یہ مطالبہ ہمیں بتادیا ہے کہ "کامل آزادی"۔ اب ہم کوشش کرتے ہیں۔ قوم کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کوشش کی راہیں بھی ہمارے لئے مقرر کرے۔ قدم قدم پر ہم سے بازپرس کرے اگر ہم کسی سے گفتگو کریں تو ہم سے روداد طلب کرے اگر ہم کہیں جائیں تو ہم سے وجہ دریافت کرے۔ قوم کو چاہئے کہ خاموشی سے ہماری کوشش دیکھے۔ جب ہم اُس کے سامنے اپنی کوشش کے نتائج پیش کریں تو بلاشبہ اُسے حق ہے کہ ہماری تجویزیں خوب جانچے اگر اُس کی پسند کے مطابق نہ ہوں تو ٹھکرا دے۔ ہمیں ہرگز کوئی شکایت نہیں ہوگی"

آزادی کی نعمت

"ہم دنیا کی ہر نعمت سے محروم ہوجانے پر طیار ہیں۔ سب آرام ہم سے چھین لو، ہمارا مال و دولت بھی ضبط کرلو۔ ہم اِس سب پر صبر کرلیں گے، مگر اے ہمیں غلام بنانے والو! یاد رکھو، ہم آزادی سے ہرگز دستبردار نہ ہونگے۔ آزادی، خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اُس سے محرومی خود زندگی سے محرومی ہے"

قومی وحدت

"قوم اسکے سوا کچھ نہیں کہ انسانوں کا ایک مجموعہ ہے، وہ مجموعہ جس کی مصلحت ایک ہے، جس کا شعور ایک ہے، جس کی آرزو ایک ہے۔ ہماری قوم کی اِسوقت آرزو کیا ہے؟ کامل خود مختاری!

"ہماری قومی وحدت مضبوط بنیاد پر قائم ہے۔ اُس میں نہ فرقے ہیں نہ درجے ہیں۔

وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ "باشاؤں" (امیروں) کا گروہ پوری قوم پر حاوی ہونا چاہتا ہے۔ ہمارے ملک میں نہ "باشاؤں" کا کوئی خاص گروہ ہے نہ "فلاحین" (کسانوں) کا۔ ہم سب "باشا" بھی ہوسکتے ہیں اور "فلاح" بھی ہوسکتے ہیں۔ میرے اپنے خاندان کے اکثر افراد فلاح ہیں لیکن میں سعد زغلول باشا ہوں۔

"وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے اندر دینی فرقے موجود ہیں۔ ممکن ہے پہلے کبھی ہوں، لیکن اب کوئی فرقہ نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ہے تو وہ ایک ہی فرقہ ہے۔ یعنے مصری قوم، جب سے جدید بیداری کا صبح طلوع ہوا ہے ہلال اور صلیب نے ہمیشہ کے لئے معانقہ کرلیا ہے۔ یہ معانقہ صرف مسلمان اور قبطی کا معانقہ نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کا دنیا بھر کی قوموں اور مذہبوں سے اتحاد کا نشان ہے۔ ہم متعصب نہیں ہیں۔ ہم شیطان کے پجاری نہیں ہیں جو انسانوں میں پھوٹ ڈالتا ہے۔ ہم خدا کے پرستار ہیں جو انسانوں میں محبت کا رشتہ پیدا کرتا ہے

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے اماميين کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلهٔ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورة الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

عروة الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے
خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدارکو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اهتمام کیا هے- اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"
24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کي وقت اپنا نام اور پته صاف لکهیں
اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

السحر الحلال فی مجلدات الهلال

گاه گاهے باز خوان این دفتر پارینه را
تازہ خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها- اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تے- اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها- پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تهیں- اردو کا وہ پہلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نہیں- اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه هیں- اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نہیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع لئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں- پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو اُنهیں دوبارہ چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچیں گي- هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " " چهارم ۱۰ روپیه " " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے- قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر "البلاغ پریس"

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ - ۱۲ (مینیجر الہلال کلکتہ)

۱۹۲۷
الہلال
جلد ۱
نمبر ۱۵
البلاغ پریس کلکتہ
۵ ـ آنہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لاتهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۵ — کلکته : جمعه ۳ - ربیع الثانی ۱۳۴٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 30. September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافته طریق طباعة نہین رکھتی ۔

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔

پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وہ هین جن مین الهلال چھپتا هی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اهم مسئله هی ۔ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔ الهلال

قارئین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۲۱۰ مراسلات وصول هوی هین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۱۹۷	اردو حروف کی حق مین	۳۴۹
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۳۲٤	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۲۳	نستعلیق هون	۱۱۷

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین هی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی ۔ آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول	- -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	- -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	- - -	سات روپیه
قیمت في پرچه	- - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

ایک اخبار کے نمایندہ سے اُس نے گفتگو کرتے ہوئے کہا :

" میري عمر اِس وقت ساٹھہ برس کي ھے - لیکن میں ایسا محسوس کرتا ھوں ' گویا عالم شباب میں ھوں - دس برس پہلے میں بالکل بوڑھا ھو گیا تھا اور یقین کرتا تھا کہ زندگي ختم ھو گئي - اُس وقت میں پیدل چل نہیں سکتا تھا - میري شرائین سوکھہ کر سخت ھو گئي تھیں ' اور تمام جسم کمزور ھو چکا تھا - لیکن اب میں آساني سے دوڑ سکتا ھوں - تمام ورزشي کھیل اِس طرح کھیلتا ھوں ' گویا تیس برس برس کا جوان ھوں - میں روز چودہ پندرہ گھنٹے کام کرتا ھوں ' مگر ذرا نہیں تھکتا - مجھہ میں اِتني بدني قوت ھے کہ بڑے بڑے پہلوانوں اور گھونسہ بازوں سے مقابلہ کر سکتا ھوں - میرے خیال میں دنیا بھر میں کوئي ایک آدمي بھی ایسا موجود نہیں جو مجھہ سے زیادہ زندگي کي مسرتیں لوٹتا یا اُن مسرتوں کا لطف محسوس کر سکتا ھو - میري یہ قابل رشک حالت ' صرف اُس طریق علاج کا نتیجہ ھے جو میں نے ایجاد کیا ھے - مجھے از حد خوشي ھے کہ میرا تجربہ پورے طور پر کامیاب ہوا - چونکہ اِس طریقہ میں تمام عالم انسانیت کے لیے بھلائي ھے ' اس لیے میں اُس کا ایک حصہ ظاھر کردونگا - لیکن دوسرا حصہ بدستور مخفي رکھونگا ' یہانتک کہ اُس کے ظہور کے لیے مناسب وقت آجائے - مجھے دیکھو - کیا میري قوت ' چستي ' تندرستي ' ایسي نہیں ھے جس پر نوجوان رشک کریں ؟ "

" اپنے طریق علاج کا جو حصہ میں دنیا پر ظاھر کر دینا چاھتا ھوں ' وہ در حقیقت بالکل صاف ' سادہ ' اور معمولي ھے - اُس کا تعلق سراسر غذا سے ھے - چالیس سال کي عمر تک جو چاھو کھاؤ پیو ' بلکہ اِس سن تک جس طرح چاھو زندگي بسر کرو - لیکن جونہي چالیسویں سالگرہ شروع ھو ' گوشت ' شراب ' اور تمباکو سے قطعي اجتناب کرلو - اِس عمر والے کے لیے گوشت یقیناً سم قاتل کا حکم رکھتا ھے - اس کي جگہ پر ھفتہ میں ایک دو مرتبہ مچھلي استعمال کي جا سکتي ھے - مچھلي حقیقي معني میں گوشت نہیں ھے (اگرچہ علماء تشریح اِس کے خلاف کچھہ ھي کہیں) مچھلي میں کبریتي مادہ بہت بڑي مقدار میں موجود ھوتا ھے - اور معلوم ھے ' یہ مادہ دماغ اور اُس کي تندرستي کے لیے اصلي جوھر ھے - جسم کي خلایا یا تھیلیاں ھمیشہ تبدیل ھوتي رھتي ھیں - پراني خلایا غائب ھوجاتي ھیں ' نئي خلایا اُن کي جگہ لے لیتي ھیں - چالیس سال کي عمر تک یہ عمل جاري رھتا ھے - اِس کے بعد خلایا کا انحلال تو جاري رھتا ھے ' مگر نئي خلایا کي تکوین نہیں ھوتي - درحقیقت ھم چالیس برس کي عمر سے مرنا شروع کر دیتے ھیں ' کیونکہ اُس قوت سے محروم ھو جاتے ھیں جو خلایا کي تکوین کي علت ھے - بلا شبہ ھم اِس عمر کے بعد بھي زندہ رھتے ھیں ' لیکن ھمارے قوي برابر گرتے اور مٹتے جاتے ھیں - یہ بھي ظاھر ھے کہ گوشت ' شراب ' اور تمباکو جن عناصر سے مرکب ھے ' وہ زندہ خلایا کو قتل کرتے اور مٹاتے رھتے ھیں - پس اگر ھم زیادہ زندہ رھنے کے متمني ھیں تو ھمیں اِس تدریجي خود کشي سے اجتناب کرنا چاھیے - یعني ھمیں اِن قاتل عناصر کے استعمال سے قطعي پرھیز کرنا چاھیے "

" گلٹي کے ذریعہ شباب واپس لانے کا طریقہ بے فائدہ ھے - اُس کا اثر بہت ھي محدود اور عارضي ھوتا ھے - کیونکہ بوڑھے آدمي میں جوان بندر کي گلٹي اُسي وقت تک قوت پیدا کر سکتي ھے جب تک صحیح وسالم موجود ھے - لیکن جوں ھي اُس میں ضعف پیدا ھرگا ' بڑھاپا پہلے سے بھي زیادہ شدت سے واپس آجائیگا اور ڈاکٹر کي کوئي کوشش بھي اُسے سنبھال نہ سکے گي - واقعہ یہ ھے کہ زندگي کا جوھر ' گلٹي میں نہیں بلکہ جسم کي خلایا میں ھوتا ھے - ھر خلیہ اپنے اندر جرثوم حیات پوشیدہ رکھتي ھے - اِس جرثوم کو ھم زندگي کا میکروب کہہ سکتے ھیں - یہي میکروب ' خلیہ کو حرکت دیتا اور زندہ رکھتا ھے - اِس میکروب کا قتل خود خلیہ کا قتل ھے - اور خلیہ کا قتل زندگي کا ختم کرنا ھے - لہذا اِن جراثیم حیات کے بقاء و دوام کي کوشش کرني چاھیے - اِس کوشش کي کامیابي یقیناً زندگي کو دراز کر دے گي - میں نے ایک ایسا کیمیاوي مرکب طیار کر لیا ھے جو اِن جراثیم کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ھے - لیکن اِس مرکب کو میں ابھي ظاھر کرنا نہیں چاھتا ' یہانتک کہ اُس کے مزید تجربے ختم کرلوں "

" ھر شخص جانتا ھے کہ چالیس سال کي عمر کے بعد جسم میں جو مادہ کم ھو جاتا ھے ' وہ کلورائیڈ کا ایک مرکب ھے - یہ مرکب میں نے معلوم کرلیا ھے اور آسے ابھي تک راز بنائے ھوے ھوں - اگر یہي مرکب بوڑھے جسم میں انجیکشن کے ذریعہ پہنچا دیا جاے تو انسان ضرور جوان ھو جائیگا ... اُس کي حیرت انگیز تاثیر تم اِس وقت بھي میرے جسم میں دیکھہ سکتے ھو "

احساس الم کا ازالہ

تکلیف کے احساس کا سبب کیا ھے ؟

تکلیف کا احساس اِس لئے ھوتا ھے کہ جسم میں اعصاب (پٹھے) موجود ھیں - یہ اعصاب اِس احساس کو اُس کے مرکز ــــ دماغ ــــ تک پہنچاتے ھیں اور انسان تکلیف محسوس کرتا ھے - علم کي ترقي کے بعد بہت سے مخدرات ایجاد ھو گئے ھیں - یہ اِس احساس کو زایل کر دیتے ھیں مگر اُن کا اثر عارضي ھوتا ھے - پھر بہت سے بیماروں پر اِن مخدر دواؤں کا استعمال بھي نہیں کیا جاسکتا ' کیونکہ اُن کا دل کمزور ھوتا ھے اور وہ اُن کے متحمل نہیں ھوسکتے -

یہ ' اور اِسي قسم کي دوسري مشکلات دیکھہ کر مذکور الصدر ڈاکٹر کن آب نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کرنے کي کوشش شروع کردي ھے جو سرے سے تکلیف کا احساس ھي زایل کردے اور مخدر دواؤں کي ضرورت باقي نہ رھے -

ڈاکٹر کو یقین ھے کہ اِس مقصد میں اُسے ضرور کامیابي ھوگي - اِس کامیابي کا نتیجہ یہ ھوگا کہ انسان ھمیشہ کے لئے تمام آلام و تکالیف سے نجات پا جائیگا - اُس وقت جراح مخدرات کي مدد کے بغیر عمل جراحي کر سکینگے - مریض ھرگز کوئي تکلیف محسوس نہیں کریگا - ڈاکٹر کا دعوی ھے کہ کتوں پر اُس کا تجربہ بالکل پورا اترا ھے - لہذا کوئي وجہ نہیں کہ انسان پر بھي کامیاب نہ رھے -

اِس طریق علاج کا خلاصہ یہ ھے کہ " نخاع مستطیل " (بصلۃ الملخ) پر عمل جراحي کیا جائے تاکہ احساس کا مرکز ھمیشہ کے لیے شل اور سن ھوجائے - ظاھر ھے ' جب اصلي مرکز سن ھوجائیگا تو تکلیف کا احساس بھي قطعاً باقي نہیں رھے گا - واقعي اگر یہ تجربہ کامیاب ثابت ھرگیا ' تو ھمارے تمام جسماني آلام ھمیشہ کے لیے ختم ھوجا سکتے ھیں -

لیکن ابھي کامیابي دور نظر آتي ھے - کیونکہ اِس عمل جراحي میں ایک بڑا خطرہ یہ ھے کہ دماغ میں جملہ احساسات کے مرکز ھي کہیں شل نہ ھوجائیں اور انسان میں کوئي حس ھي باقي نہ رھے - ھاں اگر وہ خاص عصب (پٹھا) دریافت ھوجائے جو تکلیف کا احساس دماغ تک پہنچاتا ھے ' تو بلا شبہ یہ اکتشاف ' انسانیت کے لیے نعمت عظمی بن جاسکتا ھے -

برتر انسان

(Super man)

(ایک جدید علمي تجربه)

قاریین الهلال ڈاکٹر وورنوف کے نام سے واقف هوچکے هیں - اس ڈاکٹر نے شباب کي واپسي کے لیے جو طریقه ایجاد کیا هے ' اُس کا مفصل بیان کسي پچھلي اشاعت میں درج هو چکا هے - آج هم اُس کا ایک اور تجربه ـ یا زیادہ صحیح لفظوں میں نظریه ـ پیش کرتے هیں - یه نظریه بلاشبه عجیب هے - اتنا عجیب که بمشکل یقین کیا جا سکتا هے - لیکن ڈاکٹر مذکور اُس پر مضبوطي سے مصر هے ' اور ثبوت میں اپنے بعض تجربوں کا حواله دیتا هے -

جدید نظریه یه هے که صرف بوڑھے هي جوان نهیں بنا دیے جاسکتے بلکه ایک نئي انساني نسل بھي پیدا کي جا سکتي هے جو موجودہ نسل سے اپنے جسمي و دماغي قوی میں کهیں زیادہ برتر هوگي - ڈاکٹر وورنوف اِس آیندہ نسل کو " سوپر مین " یا برتر انسان کے لفظ سے تعبیر کرتا هے - یه دراصل مشهور جرمن حکیم نیٹشے کي اصطلاح هے - اُس کا دعوی هے که اِس نسل کا هر فرد اپنے جسم و دماغ میں ایک نمونه هوگا ' بهت طویل العمر هوگا ' کم سے کم ۱۵۰ برس ضرور زندہ رهے گا !

اعادۂ شباب کا معامله ' اب نظریے کي حد سے نکل کر علمي حقائق کي صف میں جگه پا چکا هے - علم ' اُس کي راہ میں بهت سي مسافتیں طے کرچکا هے - شکوک و شبهات کے تقریباً تمام پردے اُس پر سے اٹھه چکے هیں - عنقریب انساني تاریخ پر اِس کا بهت گهرا اثر پڑنے والا هے -

لیکن " برتر نسل " کي تخلیق ابھي تک ایک نظریه هي هے ' اگرچه ڈاکٹر وورنوف کو اُس پر پورا یقین هے - اپنے اِس نظریه کي تکمیل میں بھي وہ بندر کي گلٹیوں سے کام لینا چاهتا هے -

تفصیل یه هے که ڈاکٹر وورنوف کا اعتقاد هے ' اگر ممتاز جسمي و عقلي قوی کے آدمیوں میں ایک تیسري گلٹي کا اضافه کر دیا جائے ' تو اُن کي نسل ضرور برتر هوگي - اب تک وہ مینڈھوں پر متعدد کامیاب تجربے کرچکا هے - لیکن حال میں آٹھه برس کے ایک لڑکے پر تجربه شروع کیا هے - اُس کا خیال هے ' اِس لڑکے کي اولاد حیرت انگیز عقلي و جسمي قوی کي مالک هوگي -

اِس موضوع پر ایک اخبار کے نامه نگار سے گفتگو کرتے هوئے ڈاکٹر موصوف نے کها :

" میں مستقبل پر نظر ڈالتا هوں تو اُس کے دامن میں " سوپر مین " (برتر انسان) صاف دکھائي دیتا هے - یهي انسان اور اُس کي نسل ابد الآباد تک دنیا پر حکومت کرے گي - یه نسل ایک ایسي قهرمان عقل و جسم کي مالک هوگي که تمام مخلوقات اُس کي قوت قاهرہ کے سامنے جھک جائیگي ... میں ابتک بوڑھوں کو جوان بناتا تھا - لیکن یه کچھه زیادہ نتیجه خیز عمل نه تھا - اِس سے انساني عمر میں تھوڑا سا اضافه هوتا هے - لیکن اب جن نئے تجربوں کا میں نے عزم کیا هے ' وہ تمام پچھلے تجربوں سے کهیں زیادہ حیرت انگیز اور نتیجه خیز هونگے - یه تجربے صرف بوڑھوں هي پر نهیں هونگے - اب میري توجه کا مرکز کم عمر بچے هونگے - وہ بچے جنکي عمر آٹھه اور دس برس کي هے - بندر کي گلٹي هي یه حیرت انگیز انقلاب پیدا کرے گي ' اور انهیں ایک نیا آدمي بنا دے گي - میں ایسے بچوں کو اپنے تجربے کے لیے منتخب کرونگا جو غیر معمولي ذهانت اور جسماني قوت رکھتے هیں - یه بچے اور ان کي نسل ' مستقبل میں یقیناً نهایت عظیم هوگي - اِس مقصد میں سب سے بڑي مشکل یه در پیش هے که ترقي یافته بندروں (شمپانزي اور اورنگ اوٹنگ) کي کافي تعداد موجود نهیں هے - اگر هر آدمي کے لیے ایک ایک بندر مل جائے تو نهایت قلیل مدت میں نسل انساني کي کایا پلٹ جائے - لیکن یه مشکل نا قابل حل نهیں هے - یورپ اور امریکا کے گرم علاقوں میں بندروں کي افزائش کا انتظام کیا جا سکتا هے "

جراثیم حیات

(ایک اور جدید نظریه)

هندوستان میں کم لوگوں نے ڈاکٹر کن آب کا نام سنا هوگا ـ حالانکه وہ فرانس کا ایک مشهور ڈاکٹر اور عالم هے - اُس جیسي وسیع معلومات رکھنے والے آدمي دنیا میں بهت کم هیں - وہ ۸۰ - علوم و فنون اور صناعتوں کا ماهر هے - چنانچه سائنس داں ' طبیب ' فیلسوف ' کیمیائي ' موجد ' موسیقي داں ' شاعر ' ریاضي ' فلکي ' سب هي کچھه هے - غیر معمولي دماغي قابلیت کے علاوہ نهایت عظیم جسماني قوت بھي رکھتا هے - پورا پهلوان هے -

یه عجیب ڈاکٹر ' وور نوف اور اُسکے تمام هم مشرب ڈاکٹروں کے بارے میں سخت سوءظن رکھتا هے - اُس کے خیال میں وہ دغاباز هیں - جواني واپس لانے کا جو طریقه اُنهوں نے ایجاد کیا هے ' غلط هے - اُس کا اثر ' عارضي هے ' اور اُس کا رد فعل نهایت مضر هوتا هے - لیکن خود اپنے متعلق اُس کا دعوی هے که وہ بوڑھوں کو بغیر کسي گلٹي کے استعمال کے جوان بنا دیتا هے اور انسان کي عمر دو سو برس تک طویل کردے سکتا هے - اس کے علاج میں سب سے پہلے اُن شرطوں کي پابندي ضروري هے جو اُس کے خیال میں درازي عمر کي ضروري شرطیں هیں - پھر انجیکشن کے ذریعه وہ ایک مادہ جسم میں داخل کر دیتا هے - یه مادہ خود اُس نے ایجاد کیا هے - دنیا کو ابتک اُس کا کوئي علم و تجربه حاصل نهیں هوا -

وفات کا پتہ چل گیا - وہ شاهي محل میں گھس پڑي اور بایزید کے لڑکے کو بایزید کي آمد تک تخت پر بٹھا دیا - سلطان محمد فاتح نے اپنے دونوں لڑکوں کے بیٹے بطور ضمانت کے اپنے پاس رکھہ چھوڑے تھے تاکہ وہ وفادار اور اطاعت شعار رهیں - معاملہ یہیں پر ختم نہیں هوگیا بلکہ فوج سازش سے بھي واقف هوگئي اور وزیر اعظم کو قتل کر ڈالا -

(٤)

اب جم کي زندگي کے هولناک تاریک دن شروع هوتے هیں - قاصد هوا کي طرح اڑ کر بایزید کے پاس پہنچا - ولي عهد گویا پہلے هي سے طیار بیٹھا تھا - فوراً روانہ هوگیا اور نہایت سرعت سے پایۂ تخت میں داخل هوا - لیکن قصر شاهي میں فوج نے داخل هونے نہیں دیا اور اپنا انعام طلب کیا - گویا اپني وفاداري کي قیمت لیني چاهي - بایزید ' ڈرپوک تھا - فوراً خزانے کا منہہ کھول دیا اور سب کو خوش کردیا - بعد میں یہي بخشش فوج کا مطالبہ اور قرضہ بن گئي اور سلطنت کے لیے بہت مضر ثابت هوئي -

بایزید تخت نشین هوگیا اور اپنے بھائي جم پر قابو حاصل کرنے کي تدبیریں سوچنے لگا - جم اب تک اِس انقلاب سے بے خبر تھا - باپ کي وفات اُس وقت معلوم هوئي جب صدر اعظم قتل اور بایزید تخت نشین هوچکا تھا !

سخت متحیر هوا کہ کیا کرے ؟ یہ ظاهر تھا کہ صدر اعظم کے بعد پایۂ تخت میں اُس کے حامیوں کي کوئي جماعت باقي نہیں رهي هے - علماء اُس کے سخت خلاف هیں اور عام راے اُنھي کے زیر اثر هے - اب اُسے اپنے سامنے دوهي راهیں نظر آتي تھیں : بھائي کي اطاعت ' یا جنگ - پہلي صورت کي طرف اُس کا رجحان تھا ' مگر دو باتوں سے ڈرتا تھا : ایک یہ کہ کلیشیا کي حکومت اُس کے هاتھہ سے چھین لي جائیگي - دوسرے یہ کہ بایزید اُسے قتل کي کوشش کریگا - کیونکہ ترک سلاطین کا یہ عام دستور تھا کہ اپنے بھائیوں کو قتل کرڈالا کرتے تھے - اگرچہ وہ کتنے هي مطیع و وفادار هوں -

مجبوراً اُس نے جنگ کا عزم کیا - اُسے اپني کامیابي کي قوي امید تھي - کلیشیا کے باشندے جنگجو اور وفادار تھے - اُس نے خیال کیا ' بایزید بزدل اور پست همت هے - هرگز مقابلہ نہ کر سکے گا -

(۵)

چنانچہ وہ فوراً کمر بستہ هوگیا اور ایک جرار فوج لے کر بروسہ کي طرف بڑھا - بروسہ ' قسطنطنیہ کي کنجي هے - اُسے یقین تھا ' بایزید کي طیاري سے پہلے هي وہ بروسہ پر قابض هوجائے گا - مگر بایزید بھي غافل نہ تھا - مقابلہ کي طیاري کرچکا تھا - جم کے متحرک هوتے هي اُس نے بھي ایاز پاشا کي قیادت میں ایک فوج روانہ کردي ' اور خود بھي ایشیائي ساحل پر جنگي کارروائي کرنے کیلیے آ موجود هوا -

سلطان محمد فاتح
جبکہ وہ قسطنطنیہ کے سقوط کے بعد شہر میں داخل هوا

دونوں فوجیں بیک وقت بروسہ کے سامنے پہنچیں - شہر والوں نے اپني بربادي کے خوف سے دونوں پر شہر کے دروازے بند کر دیے - باهر هي باهر فیصلہ کر لینے پر مجبور کیا - میدان جنگ گرم هوا اور پہلے هي معرکہ میں بایزید کي فوج بھاگ نکلي - جم ' مظفر و منصور شہر میں داخل هوا اور اپني سابق عیاشي پھر شروع کردي - اب اُسے کامل یقین تھا کہ پایۂ تخت کا مالک هوجائے گا -

لیکن یہ اُس کي سخت غلط تھي - بایزید نے ایک اور فوج گران سنان پاشا کي سپہ سالاري میں بھیجي - مگنیا سے ایک دوسري فوج اُس کي کمک پر چل دي ' اور دونوں نے مل کر جم پر حملہ کردیا - عیش پسند شاهزادے کے سپہ سالار ' نصوح نے دشمن کي قوت دیکھي تو درۂ ازواہ کي طرف پسپا هوگیا - خود جم کو بھي بروسہ خالي کرنا پڑا - صرف سترہ دن کي حکومت اُس کي قسمت میں لکھي تھي !

بایزید نے صرف اپني جنگي قوت هي پر بھروسہ نہیں سازش کا جال بھي پھیلا دیا - بڑي بڑي رشوتیں دے کر جم کے بہت سے آدمي ملا لیے - حتی کہ اُس کا وزیر یعقوب بھي خیانت پر آمادہ هوگیا - یعقوب نے اپنے آقا کو یني شہر چلنے کا مشورہ دیا - یہاں بایزید کي ایک بڑي فوج موجود تھي - فوراً جم پر ٹوٹ پڑي - اب بھي پلہ شاهزادے هي کا بھاري تھا - مگر عین میدان جنگ میں اُس کے سپہ سالار نصوح نے دغا کي اور فوج کا ایک بڑا حصہ لے کر دشمن سے جا ملا - اب جم کے لیے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئي چارہ باقي نہیں رها تھا -

لیکن ابھي ایک امید باقي تھي - سلجوق خاتون ' سلطان محمد فاتح کي پھوپھي ' دونوں بھائیوں میں صلح کي کوشش کر رهي تھي - خود جم نے اُسے بروسہ سے بھیجا تھا - تجویز یہ تھي کہ سلطنت تقسیم هوجائے - یورپین علاقوں پر بایزید حکومت کرے اور ایشیاء جم کے حوالے کر دے - نیک دل سلجوق خاتون نے سلطان کو بہت کچھہ سمجھایا - بھائي کے حقوق یاد دلائے ' مگر کامیابي نہ هوئي - بایزید نے صاف کہدیا " بادشاهوں میں رشتہ نہیں هوتا "

جم ' شکست کھا کر بھاگا - راستہ میں خود اُسي کے سپاهیوں نے اُسے لوٹ لیا اور سخت زخمي کیا - محمد فاتح کا اولو العزم فرزند دوسرے دن آق شهر میں اِس طرح پہنچا کہ تن پر ایک کپڑا بھي نہ تھا اور سردي سے اُس کا تمام بدن کانپ رها تھا - اگر ایک شخص رحم کھا کے اُسے اپنا گرم کوٹ نہ دے دیتا تو یقیناً ٹھٹھر کر مر جاتا !

شکست کے ایک هفتہ بعد وہ قونیہ پہنچا - یہاں اپني ماں اور بیوي سے ملاقات هوئي - اِنھیں لے کر شام روانہ هوا ' اور شام سے ۲۸ جون سنہ ۱۴۸۲ع کو مصر پہنچا - مصر میں اُس کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا - خود سلطان قایتبائي نے شهر کے باهر آ کر خیر مقدم کیا اور معزز مهمان کو اپنے محل میں اتارا - چار مہینے آرام

ترکی تاریخ کا ایک مجهول صفحه

(شاهزاده چم کا افسوس ناک انجام)

کم لوگوں نے شاهزاده " چم " کا نام سنا هوگا - عام طور پر مورخوں نے بهي اِس کا ذکر نهیں کیا هے - نتیجه یه هے که یه نام بالکل اجنبي معلوم هوتا هے - حالانکه اِس کا واقعه ترکي تاریخ میں ایک نهایت هي غم ناک فاجعه (تریجدي) هے - اور اِس وقت بهي مشرقي دنیا کے لیے عبرت و موعظت کا ایک درس هے - آج هم قاریین الهلال سے اِس تاریخي شخصیت کا تعارف کراتے هیں -

(۱)

چم ـــ یا یورپین تلفظ کے مطابق " زیزم " ـــ ایک بد نصیب مشرقي شاهزاده هے - مصائب و آلام نے اُس سے محبت کي - زمانے نے بے وفائي کي - حسرت و غم نے اُسکا پیچها کیا -

سلطان محمد ' فاتح قسطنطنیه کا یه منجهلا لڑکا تها - اُس میں جسماني قوت ' ذهانت ' حسن ' خوش مزاجي ' رقیق احساس ' شجاعت ' جمله اوصاف جمع هوگئے تهے - پیدائشي شاعر تها - ترکي شعر و ادب میں ابتک اُس کے آثار موجود هیں ' اور اُس کي ذهني بلندي اور شاعرانه تخیل کا بهترین ثبوت هیں -

اُس کا آغاز نهایت امید افزا تها - گمان هوتا تها که قدرت اُس پر پوري طرح مهربان هے - ابهي اُس کي عمر دس برس هي کي تهي که اولوالعزم باپ ' محمد فاتح ' اُس کي قابلیت کا معترف هوگیا اور صوبۂ قسطموني کا حاکم مقرر کردیا - یهاں شعراء و ادباء کي ایک بڑي جماعت موجود تهي - کم سن شاهزادے نے اُنهیں باریاب کیا ' تعلقات بڑهائے ' اور خداداد قابلیت کے ساتهه شعر و ادب کا با قاعده مطالعه کیا - تهوڑي هي مدت میں اپنے استادوں سے بهي بازي لے گیا - اُسي زمانے میں ایک فارسي قصے " خورشید و جمشید " کا ترکي شعر میں ترجمه کیا اور اپنے والد کے نام هدیه کیا - محمد فاتح بهت خوش هوا - پہلے سے زیاده مهربان هوگیا اور صوبۂ گلیشیا کي حکومت سپرد کردي - اُس وقت چم کي عمر صرف اٹهاره سال کي تهي ' مگر وه پخته کار حکمراں بن چکا تها -

گلیشیا میں اُس نے اپني انتظامي قابلیت کے بڑے بڑے ثبوت پیش کیے - یه صوبه پہلے سلجوقیوں کي ایک ریاست تها - آل عثمان نے اُسے فتح تو کرلیا تها ؛ مگر پوري طرح قابو نهیں پاسکے تهے - همیشه بدامني اور شورش برپا رهتي تهي - سابق سلجوقي حکمران بغاوتوں پر بغاوتیں کرتے رهتے تهے - مصر کے چرکس بادشاه اور ایران کے شهنشاه اُن کي امداد کرتے تهے - اُس وقت ترکي سلطنت میں اِس صوبے سے زیاده مشکل حکومت کسي صوبے کي نه تهي - والیوں پر والي آتے تهے اور ناکام لوٹ جاتے تهے -

لیکن چم نے آتے هي اپني بے نظیر همت و شجاعت سے کام لے کر تمام شورش پسند عناصر کا خاتمه کردیا - هولناک معرکوں میں بے خوف و خطر گهس جاتا تها - دست بدست لڑائیاں لڑتا تها - بڑے بڑے شه زوروں سے نبرد آزما هوتا اور همیشه غالب رهتا - تهوڑے هي دنوں میں اُس کا رعب دلوں پر چها گیا - چم کا نام دل دهلا دیتا تها - باشندے ڈر سے اُس کا نام نهیں لیتے تهے - " رستم دوراں " کے لقب سے یاد کرنے لگے تهے !

(۲)

پانچ برس تک نهایت بیدار مغزي سے حکومت کرتا رها - هر طرف امن و امان قائم هوچکا تها - کوئي پیچیدگي بهي باقي نهیں رهي تهي - اب اُس نے اپنے تئیں معطل پایا - اِس تعطل نے اُس کے مزاج میں تبدیلي پیدا کي ' اور اِسي تبدیلي سے اُس کي بد نصیبي کا آغاز هوا -

حکومت کي ذمه داریوں سے غافل هوگیا - عیش و عشرت کي بساط بچها دي - نفس پرستي کا دروازه کهول دیا - اُس کا محل بوالهوسوں کا مرکز اور عیش پرستوں کا کعبه بن گیا -

اب تک وه پوري قوم کا محبوب تها - کوئي نه تها جو اُسے محمد فاتح کا سچا جانشین نه خیال کرتا هو - ملک بهر کي یهي راے تهي که آئنده سلطان وهي هوگا - لیکن اِس نئي تبدیلي نے اُس کي شهرت و مقبولیت کو سخت نقصان پهنچایا - دو جماعتیں قائم هوگئیں : ایک اب بهي اُس کي مؤید تهي - پورے یورپ کے مقابلے کي قوت اُسي میں دیکهتي تهي - یه جماعت وزیر اعظم محمد نشاني باشا کي تهي - دوسري جماعت فسق و فجور کي وجه سے اُس کي سخت مخالفت تهي - دین و امت کے لیے اُسے خطرناک سمجهتي تهي - اِس جماعت کا سرگروه ' شیخ الاسلام تها -

چم کا حریف ' بایزید تها - یه اُس کا بڑا بهائي اور ترکي دستور حکومت کي رو سے اپنے باپ کا وارث تها - سلطان محمد کي زندگي میں دونوں حریف دور دور رهے - لیکن اُس کي وفات کے بعد تصادم ضروري تها -

چم ' عقلمند ' بهادر ' اولوالعزم ' مگر عیاشي کي وجه سے غفلت کا شکار هوگیا تها - بایزید ' بے قوف ' بزدل ' پست همت ' مگر سلطنت حاصل کرنے کے لیے بے قرار تها - بایزید اپنے بهائي کي قابلیتوں سے واقف تها ' اِس لیے بهت بیدار رهتا تها -

(۳)

اپنے باپ کي وفات کے وقت دونوں بهائي پایۂ تخت ' قسطنطنیه سے دور تهے - چم گلیشیا میں تها اور بایزید آماسیا کا حاکم تها - وزیر اعظم محمد نشاني باشا چونکه چم کا طرفدار تها ' اس لیے اُس نے سلطان کي موت فوج سے مخفي رکهي - کیونکه فوج تمام تر ترکي علماء کے زیر اثر تهي - اُس نے پہلے ایک خفیه قاصد چم کے پاس بهیجا که فوراً پایۂ تخت پهنچو اور سلطنت پر قابض هو جاؤ - نیز وه تدبیریں بهي لکهدیں جن سے بایزید زیر کیا جا سکتا تها - کئي دن بعد دوسرا قاصد بایزید کے پاس بهیجا اور تخت نشیني کي دعوت دي -

دونو قاصد روانه هوگئے - مگر چم بد قسمت تها - اُس کا قاصد پهنچ نه سکا - کوتاهیه کا حاکم سنان باشا ' بایزید کا طرفدار تها - وه حقیقت سے واقف هوگیا اور قاصد کو گرفتار کرکے قتل کرڈالا - دوسري مصیبت یه پڑي که پایۂ تخت کي فوج کو سلطان کي

کا غم کہا رهي هیں - مگر پوپ نے منظور نہیں کیا - اُس نے کہا " یورپ کے بادشاہ ' ترکي پر چڑهائي کرنے کي طیاري کر رهے هیں تاکہ تمهیں تخت نشین کردیں " ساتهہ هي اُس نے بہت اصرار کیا کہ مسیحي دین اختیار کرلیے تاکہ " دنیا کے ساتهہ آخرت کي عزت بهي حاصل هوجائے "

جم ' پکا مسلمان تها - پوپ کي یہ دعوت حقارت سے رد کردي - اُس نے سختي سے کہا " اگر تمام دنیا کي بادشاهي مل جاے ' تو بهي میں اپنا دین فروخت نہیں کرونگا " اِتنا هي نہیں بلکہ غیور شہزادے نے پوپ کے روبرو سر جهکانے یا اُس کے هاتهہ کو بوسہ دینے سے بهي انکار کر دیا ' جیسا کہ شاهان یورپ کا دستور تها - اُس نے کہا " میں مسلمان هوں - پوپ کے سامنے نہ تو جهک سکتا هوں ' نہ اُس کا هاتهہ چوم سکتا هوں ! "

پوپ نے اُسے ویٹیکان میں نظر بند کردیا اور دول یورپ کو ترکي پر حملہ کي ترغیب دینے لگا - مگر اُس وقت بهي یورپ میں باهم دگر سخت منافست تهي - آپس میں کوئي سمجهوتا نہ هوسکا - اِسي اثناء میں پوپ نے انتقال کیا اور مشہور ظالم کارڈنیل ' اسکندر اُس کا جانشین هوا - اِس نے اُس عظیم رقم پر قناعت نہیں کي جو جم کو قید میں رکهنے کے صلہ میں بایزید سے سالانہ وصول کیا کرتا تها - بلکہ ایک بہت بڑي رشوت لے کر اُس کے قتل پر آمادہ هوگیا -

(۱۱)

اُسي زمانہ میں (ستمبر سنہ ۱۴۹۴ع) چارلس هشتم شاہ فرانس نے روم کا محاصرہ کرلیا ' اور صلح کي ایک شرط یہ بهي قراردي کہ جم اُس کے حوالہ کر دیاجائے - پوپ نے دونوں طرف سے فائدہ اُٹهانا چاها - اُس زمانے میں یورپ کے روحاني رهنما آلات و وسائل قتل کے بهي سب سے بڑے ماهر تهے - پوپ کے پاس ایک ایسا زهر موجود تها جو اگر ایک تندرست آدمي کو کهلا دیا جاے ' تو ایک خاص مدت تک اُس کي تندرستي پر کوئي اثر نہیں پڑتا تها - لیکن اُس مدت کے بعد آهستہ آهستہ اُسکي تاثیر کام کرنے لگتي تهي ' اور بہ تدریج مریض کا خاتمہ کر دیتي تهي - پوپ نے یہي زهر جم کو کهلا دیا ' اور اِسکي اطلاع بایزید کو دیکر اُس سے مطلوبہ رقم حاصل کرلي - پهر زندۂ و سالم جم ' چارلس کے حوالہ کردیا ' اور اُس سے بهي صلح کرلي !

جم ' شاہ فرانس کے قبضہ میں آگیا - چارلس نے اُسے ترکي پر خروج کشي کے لیے آمادہ کرنا شروع کیا - مگر اب وہ سمجهہ چکا تها کہ یورپ اُس کي طرفداري نہیں کر رها هے - اُس کي آڑ میں سب سے بڑي اسلامي سلطنت تباہ کرني چاهتا هے - چنانچہ اُس نے قطعي طور پر انکار کردیا - بادشاہ نے ناراض هوکر قید کردیا - مگر اب اُس کي دائمي رهائي کا وقت بهي آ پہنچا تها - پوپ رسول کے جانشین پوپ کا زهر اُس کے جسم میں سرایت کرچکا تها - وہ ابهي ناپولي هي میں تها کہ ۲۴ - فروري سنہ ۱۴۹۵ع میں انتہائي حسرت و یاس کے ساتهہ اِس دنیا سے همیشہ کے لیے رخصت هوگیا !

اُسکے آخري الفاظ یہ تهے :

" خدایا ! اگر دشمنان دین مجهسے مسلمانوں کے خلاف کام لینا چاهتے هیں ' تو مجهے جلد موت دیدے ' اور اُن کا مقصد پورا نہ هونے دے ! "

حب ذات کس میں زیادہ هے : مرد میں یا عورت میں ؟

(ایک مصري خاتون کے قلم سے)

سب سے پہلے مجهے یہ ظاهر کردینا چاهیے کہ دنیا کي ترقي کے لیے جس طرح ایثار کرنے والے ضروري هیں ' اُسي طرح حب ذات رکهنے والے بهي ضروري هیں - اگر ایک آدمي بهي حب ذات رکهنے والا باقي نہ رهے ' تو ایثارکرنے والے لوگ کس کي خدمت کرینگے ؟ وہ ضرور دل میں گهٹ گهٹ کر مر جائینگے - کیونکہ اُن کے لیے ایثار کي نیکي پر عمل کرنے کا کوئي موقعہ موجود نہ هوگا - لیکن چونکہ یہ دونوں خصلتیں رکهنے والے دنیا میں تقریباً مساوي تعداد میں موجود هیں ' اور همیشہ موجود رهینگے ' اِس لیے اِس صورت حال کے پیش آنے کا کوئي خطرہ نہیں هے -

اب سوال یہ پیدا هوتا هے کہ حب ذات کس میں زیادہ هے : مرد میں یا عورت میں ؟ میرے خیال میں جواب صرف ایک هي هو سکتا هے ' اور وہ یہ هے کہ مجموعي طور پر جنس نسواني میں یہ خصلت زیادہ پائي جاتي هے - عورتیں علی العموم حب ذات کي بیماري میں مبتلا هیں - هر عورت اپني طبیعت پر تهوڑاسا غور کرکے یہ حقیقت معلوم کرلے سکتي هے - برخلاف اِسکے مردوں میں ایثار کا مادہ بہت هوتا هے - عورتیں خود غور کریں کہ اُنکے آرام و آسائش کے لیے مرد کتني تکلیفیں اُٹهاتے هیں ؟ همارے لیے دروازے کهولتے هیں - هماري گري هوئي چیزیں اُٹها دیتے هیں - ریل اور ٹریم وغیرہ سواریوں میں همارے لیے اپني جگہ خالي کر دیتے هیں - همارے سر پر چهتري لگا کے چلتے هیں - غرضکہ اُٹهنے بیٹهنے ' کهانے ' پینے ' هر چیز میں همارے لیے ایثار کرتے هیں - خود تکلیف اُٹهاتے هیں اور همیں آرام دیتے هیں !

حقیقت یہ هے کہ عورت ' مرد کي اِس خصلت سے بہت خوش هوتي هے - اِسے اُسکي مردانگي کي علامت سمجهتي هے - اسي طرح مرد بهي عورت کي حب ذات پسند کرتا هے - بلکہ اگر هم عورتوں میں حب ذات نہ هوتي ' تو مرد هم سے سخت نفرت کرنے لگتے - یہي حب ذات ' بناوٹي کمزوري ' مصنوعي نزاکت ! وہ ادائیں هیں جو همیں مرد کي نظر میں معزز و محبوب بنائے هوئے هیں -

لینے کے بعد حج کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہوا - وہاں بہت سے ترک سرداروں سے ملاقات ہوئي - یہ لوگ بایزید کے خلاف تھے - اُنھوں نے شاہزادے کو از سر نو قسمت آزمائي کا مشورہ دیا اور اپني عقیدت و خدمت پیش کي - اِنہي میں قاسم بک حاکم گلیشیا بھي تھا -

(۶)

چم نے پھر کمر ہمت چست کي - حلب پہنچا - وہاں بایزید کے کئي باغي سپہ سالار اُس کے انتظار میں تھے - اُنھیں ساتھہ لے کر گلیشیا گیا اور وعدہ کیا کہ سلطان بننے کے بعد گلیشیا کو خود مختاري بخش دے گا -

چم نے ایک بڑي فوج جمع کرلي اور قونیہ کے طرف بڑھا - بایزید نے سنا تو ایک لشکر گراں کے ساتھہ روانہ ہوا - اُس کي فوج کا سپہ سالار اپنے زمانے کا سب سے بڑا جنگي آدمي تھا - کدیک احمد باشا فاتح اٹرنٹو مشرق و مغرب ' دونوں دنیاؤں میں مشہور تھا - اُس نے آتے ھي چم کي فوج تہہ بالا کر ڈالي -

چم ' پھر بھاگا اور گلیشیا کے پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوگیا - بایزید نے ایک وفد بھیج کر خواہش کي کہ جنگ سے باز آجائے اور پر امن زندگي اختیار کرے - اُس نے منظور کرلیا مگر اِس شرط پر کہ اُسے چند صوبوں کي حکومت بخش دي جاے - بایزید نے انکار کیا " ایک سلطنت میں دو ساجھي جمع نہیں ھو سکتے " اُس کا صاف جواب تھا -

بایزید نے صرف انکار ھي نہیں کیا بلکہ حریف کا پہاڑوں میں تعاقب بھي شروع کردیا - چم کے لیے اب وسیع دنیا تنگ ہوگئي - اُس نے ارادہ کیا کہ مصر یا ایران میں جاکر پناہ ڈھونڈھے ' مگر قاسم بک نے مشورہ دیا کہ یورپ جائے اور وہاں کے پادشاہوں کي مدد سے اپنا ملک فتح کرے -

(۷)

شاہزادے نے بڑے پس و پیش کے بعد یہ تجویز قبول کرلي - قسطنطنیہ کي فتح کا واقعہ ابھي تازہ ھي تھا - یورپ کے تمام بادشاہ ترکوں کے خون کے پیاسے ھو رہے تھے - قوي امید تھي کہ وہ سلطنت عثمانیہ کي تباھي کے خیال سے اِس باھمي خانہ جنگي میں شرکت منظور کر لینگے ' اور اِس طرح مداخلت و استیلاء کا موقعہ بہم پہنچائینگے -

چم نے جزیرۂ روڈس میں اپنا ایک وفد بھیجا - اُس وقت یہ جزیرہ مشہور صلیبي مجاھدین " سینٹ جان کے سواروں " کے قبضہ میں تھا - جزیرے کے حاکم اعلی نے اپنے ارکان حکومت کے مشورے سے شاہزادے کي حمایت قبول کرلي - آنے کي دعوت دي اور اپنا جنگي بیڑہ اُس کے لیے بھیج دیا -

۲۳ - جولائي سنہ ۸۲ ۱۴ - کو چم کا روڈس میں شاہانہ استقبال کیا گیا - اور نہایت عزت و احترام سے اُسکي ضیافتیں شروع ہوئیں - بایزید کو معلوم ھوا تو اُس نے جزیرہ کي حکومت کو دائمي صلح کے معاہدہ کا پیغام بھیجا - ساتھہ ھي بہت سے امتیازات بھي پیش کیے - اِن مراعات کے صلے میں چم کي حوالگي کي درخواست کي - جزیرہ کي حکومت بہت خوش ہوئي - اُس نے شاہانہ مراعات قبول کرلیں - مگر چم کے حوالہ کرنے سے اِس بنا پر انکار کیا کہ وہ مہمان ھے - البتہ وعدہ کیا کہ اُسے جزیرے سے نکال دیا جائیگا -

جزیرے کي حکومت نے ایک طرف بایزید سے معاملہ طے کرلیا - دوسري طرف چم سے وعدہ لے لیا کہ سلطنت پر قابض ھونے کے بعد اُسے عظیم الشان مراعات دے گا - باضابطہ عہدنامہ لکھوا لینے کے بعد شاہزادے سے کہا کہ یہاں اُس کي زندگي خطرے میں ھے - بایزید نے اسے زھر دینے کے لیے اپنے جاسوس بھیج دیے ھیں - لہذا مصلحت یہي ھے کہ فرانس چلا جائے -

(۸)

بد نصیب شاہزادہ راضي ھوگیا - اور اگست سنہ ۱۴۸۲ ع میں جزیرے سے روانہ ہوا - اُسے یقین تھا کہ فرانس جا رہا ھے - وہاں آزاد شاہانہ زندگي بسر کریگا - مگر جہاز میں بیٹھتے ھي اُس نے محسوس کیا کہ حکام جزیرہ کي حراست و قید میں ھے اور وہ اُسے آزاد کرنا نہیں چاھتے - مگر اب مجبور تھا - صبر کے سوا کوئي چارہ نہ تھا -

شاہزادہ ' شہر نیس میں پہنچایا گیا - یہ مقام اُسے بہت پسند آیا - اُس کي تعریف میں ایک قصیدہ لکھا - یہیں اقامت اختیار کرني چاھتا تھا مگر تخت شاھي کے لیے بے چین تھا - چنانچہ یہاں سے شاہ فرانس کے پاس قاصد بھیجا اور امداد کي درخواست کي - لیکن حکومت روڈس کے آدمیوں نے قاصد کو راستہ میں روک لیا اور شاہزادے کو فروري سنہ ۱۴۸۳ ع میں نیس سے دوسري جگہ لے گئے - اب اُسے کہیں جمنے نہیں دیتے تھے - شہروں شہروں لئے پھرتے تھے اور سختي سے نگراني کرتے تھے -

چم کو یقین ھوگیا کہ اُسے دھوکا دیا گیا ھے - یہ لوگ اُس کے ذریعہ بایزید سے فائدہ اٹھا رھے ھیں - چنانچہ اُس نے پھر دو قاصد روانہ کیے - ایک فرانس کو ' دوسرا ھنگري کو - مگر اُس کے میزبان روڈس کے حاکموں کو خبر مل گئي اور اُسے قلعہ ساسناگ میں تن تنہا قید کردیا -

(۹)

اب چم کي زندگي میں پھر ایک نیا انقلاب ھوتا ھے - قلعہ ساسناگ کا مالک ایک ڈیوک تھا - اُس کي لڑکي ولینیا ھیلانا حسن و جمال میں یکتا تھي - شاہزادے نے اُسے دیکھا تو عاشق ھوگیا - دوشیزہ کو بھي اُس سے محبت ھوگئي - محبت نے مرد میدان چم کي طبیعت بالکل بدل ڈالي - جنگ و جدل سے نفرت ھوگئي - حکومت کا شوق زائل ھوگیا - خاموش زندگي کي طلب پیدا ھوي - اُس نے بایزید کو پے در پے خطوط بھیجے اور رحم و کرم کي درخواست کي - مگر سنگ دل بھائي کو رحم نہ آیا - دشمن کو جھکتے دیکھ کر اُس کي ھمت اور بھي بڑھگئي - اُس نے شاہ فرانس سے مطالبہ کیا کہ چم کو فوراً اپني حدود سے خارج کردے -

جزیرۂ روڈس کے حکام نے دیکھا کہ شکار ھاتھہ سے جاتا ھے - فوراً ایک نئے سودے پر آمادہ ھوگئے - پوپ اینو سین ھشتم سے ایک بہت بڑي قیمت لے کر ' ۱۳- مارچ سنہ ۱۴۸۹- کو شہزادہ اُس کے حوالہ کر دیا -

(۱۰)

چم ' روم کو روانہ کیا گیا - پوپ سے ملاقات ھوئي - چم نے اپني مصیبتیں نہایت مؤثر پیرایہ میں بیان کیں اور درخواست کي کہ اُسے مصر جانے دیا جائے جہاں اُسکي ماں اور بیوي مدتوں سے جدائي

کر دیا ہے - اس تصویر میں علامۂ موصوف جس لباس میں دکھائے گئے هیں ' ساتویں اور آٹھویں صدي هجري میں مسلمانان مغرب (مراکش و تیونس) کا عام لباس تھا - اور مصر و شام میں بھي اسي وضع کا عمامه استعمال کیا جاتا تھا - علامۂ موصوف کا آخري عہد مصر میں بسر ہوا ہے - بہت ممکن ہے ' یه تصویر اصلي اور مستند هو -

(علم الاجتماع)

پہلے یه علم ' علماء و مفکرین کے ایک نہایت تنگ دائرے میں محصور تھا ' مگر اب وہ ایک ضروري موضوع بن گیا ہے اور سب کے لیے اُس کي تحصیل لازمي ہوگئي ہے -

(فرد اور جماعت)

فرد اور جماعت میں ایسا مضبوط رشته ہے که عملاً لازم و ملزوم بن گئے هیں - ناممکن ہے که ان میں سے ایک مفقود هو اور دوسرا موجود هو سکے - روز بروز ثابت هوتا جاتا ہے که علم اجتماع اور علم افراد ' دونوں باهم دگر وابسته هیں - ان میں تفریق ناممکن ہے ' اور یه ' که تمام فلسفي اور اخلاقي مسائل ؛ اجتماعي مسائل میں داخل هیں -

فرد اپني صفتیں اور خصلتیں ' اپني قوم و جنس سے ورثه میں پاتا ہے - یہي معني هیں " جماعت " کے - علم جماعت (یا اجتماع) مادي اور معنوي حیات کے علم سنن و نوامیس سے بحث کرتا ہے - نیز اُس کا تعلق علم الحیاۃ سے بھي گہرا ہے - کیونکه کہا جا سکتا ہے که جمله کائنات اپنے آغاز کے وقت ایک هي عظیم جماعت تھیں - یه اس لیے که وہ شروع میں غیر مرئي جوهر فرد (ایٹم) کے بے حساب ذروں کا مجموعه تھیں - بنا بریں علم اجتماع ' جمله علوم کا مجموعه اور خلاصه ہے -

(قوم کا نظام اُسکي استعداد و ضرورت کے مطابق هوتا ہے)

اِس علم کے اساتذہ کي رائے ہے که هر قوم کا سیاسي و اجتماعي نظام دوسري قوموں سے نمایاں طور پر مختلف هوتا ہے - هر قوم کا نظام ' اُس کي ذهني و تمدني حالت کا ترجمان هوتا ہے - اِس نظام کي اهمیت اور خوبي همیشه اعتباري هوتي ہے - جماعتوں کے نشو و ارتقاء میں سیاسی نظامات ' سبب و عامل هونے سے کہیں زیادہ خود مقصد و عمل هوتے هیں -

قوم کي مخصوص سیاسي تنظیم ' صرف اُس کي موجودہ زندگي هي کي میزان نہیں هوتي ' بلکه اُن تمام انتظامي دوروں کا بھي پته دیتي ہے جو اُس پر گزشته زمانوں میں گزر چکے هیں - کسي انسان کو بھي یه قدرت حاصل نہیں که ملک میں کوئي ایسا نظام جاري کردے جو نظري طور پر سب سے بہتر اور ترقي یافته معلوم هو - تاریخ بتاتي ہے که غیر فاني قوانین قائم کرنے والے مقننوں نے صرف اس لیے کامیابي حاصل کي تھي که اُنھوں نے پہلے قوم کي ضروریات معلوم کرلي تھیں ' پھر اِن ضروریات کے مطابق قانون بنائے تھے - سولن نے کیا هي خوب کہا ہے " میں نے ایتھنز کے باشندوں کے لیے ایسا قانون طیار نہیں کیا ہے جو عقلاً سب سے افضل ہے - بلکه ایسا قانون بنایا ہے جو اُن کي استعداد اور ضرورت کے موافق ہے "

تمدن کي تاریخ یه حقیقت پوري طرح ثابت کر رهي ہے که هر قوم کا نظام ' اُس کي ضرورت کا مظہر هوتا ہے - هم دیکھتے هیں که اُن قوموں کے نظام تقریباً یکساں هوتے هیں جو ترقي کي مساوي سطح پر پہنچ گئي هیں - پوري تاریخ میں کوئي ایک مثال بھي ایسي موجود نہیں که کسي قوم کا نظام ' قوت اور تشدد کے ذریعه بدلا جاسکا هو - بلا شبه یه صورت کبھي فتوحات اور انقلابات کے بعد پیدا هو جاتي ہے - مگر تبدیلي محض ظاهري اور لفظي هوتي ہے - حقیقت و واقعه پر اُس کا کوئي اثر نہیں پڑتا - اِس کي بہت سي مثالیں موجود هیں - جزیرۂ کارسیکا مدت سے فرانس جیسي متمدن حکومت کے ماتحت ہے ' مگر آج تک اِس جزیرہ کي وحشت دور نه کي جا سکي - یہي حال آئرلینڈ کا ہے - صدیوں تک ساتھ رهنے پر بھي وہ انگلستان سے منزلوں دور ہے - حقیقت یہي ہے که قوموں کي طبیعت و فطرت کو اُن کے نظاموں پر پورا اقتدار حاصل هوتا ہے - نظام کي تبدیلي اُسي وقت ممکن ہے جب قوم کے دماغ میں بھي تبدیلي پیدا هو جائے -

(اچانک ترقي ناممکن ہے)

مقننوں کي قدرت سے باهر ہے که اپنے دل سے کوئی ضابطۂ قانون ایجاد کرکے قوم کو اُس پر چلادیں - بڑي بڑي بغاوتوں اور عظیم فاتحوں نے اگر اِس طرح کي جرأت کبھي کي ' تو یه زبردستي زیادہ مدت تک قائم نه رہ سکي اور قدیم حالت پھر لوٹ آئي - اِس کي مثال یه ہے که اگر حیوان کو کسي ایسي بات پر مجبور کیا جائے جو اُس کے مزاج کے خلاف ہے ' تو وہ اُسي وقت تک اُسے کرتا رهیگا ' جب تک دباؤ موجود ہے - لیکن دباؤ هٹتے هي فوراً اُسے چھوڑ دے گا - اِس سے ثابت هوتا ہے که قوموں کے نظام ' اُنکي ضرورت کے ترجمان اور اُن کے شعور کا مظہر هوتے هیں - اور یه که اُن کي تبدیلي ' قوم کي ذهنیت کي تبدیلي کے بعد هي ممکن ہے - قوموں کي ذهنیت ' فوراً تبدیل نہیں هو سکتي - به تدریج اور آهستگي سے بدلتي ہے -

سیاسي و اجتماعی نظام کے نشوء و تکوین کا باعث وهي هوتا ہے جو خود کائنات کي تکوین کا باعث ہے - یہي وجه ہے که اچانک تبدیلي محال ہے - یه ایک اٹل اجتماعي قانون ہے که نمایاں تبدیلي ' اُن بہت سي مخفي تبدیلیوں کا نتیجه هوتي ہے جو صدیوں تک جاري رهتي هیں - هم تبدیلي کا احساس اُس وقت کرتے هیں جب وضعي قوانین آکر همیں بتانے لگتے هیں - هم خیال کرتے هیں تبدیلي اِنھي قوانین کا نتیجه ہے - حالانکه یه تبدیلي ایک طویل و مسلسل حرکت و عمل کا نتیجه هوتي ہے -

حقیقي مقننوں کا فرض صرف یه ہے که قوم کي راسخ عادتوں اور خصلتوں کي تائید کریں ' مگر صرف اُنھي کي جو مفید هوں - مضر کي مضرت کم کرنے اور بتدریج دفع کرنے کي کوشش کرتے رهیں -

بسا اوقات قوم کے سمجھنے کے لیے اُسکي تاریخ سے کہیں زیادہ اُس کے ضابطۂ قانون کا مطالعه ضروري هوتا ہے - کیونکه ضابطۂ قانون همیں بالکل صحیح طور پر بتا دیتا ہے که قوم کي اجتماعي حالت اور ضروریات مختلف زمانوں میں کیا کیا تھیں ' اور اُن میں بتدریج کیا کیا تبدیلیاں هوئي هیں ؟

افراد ' اقوام ' نظامات ' عقائد ؛ کا ارتقاء همیشه تدریجي هي هوتا ہے - جب تاریخ همیں کسي قوم کي بابت بتلائے که وہ ترقي یافته تمدن کي مالک تھي ' تو همیں فوراً سمجھ لینا چاهیے که اُس کا یه تمدن ' ایک طویل ماضي کا نتیجه ہے - اگرچه یه ماضي همارے لیے کتنا هي مجہول کیوں نه هو - کیونکه یه بالکل ظاهر ہے که زبان اور ادب (لٹریچر) کا وجود اچانک نہیں هوجاسکتا - خود اُن کا وجود هي اِس بات کي قطعي دلیل ہے که وہ ایک قدیم ماضي رکھتے هیں - موجودہ مغربي تہذیب کي مثال اِس حقیقت کے فہم کے لیے بالکل کافي ہے - یورپ اپني موجودہ تمدني سطح تک بے شمار انقلابات سے گزرکر هي

علم الاجتماع

(۱)

" علم الاجتماع " سے مقصود وہ علم هے جس کا موضوع بحث انسان کي اجتماعي زندگي هے - انسان کي اجتماعي زندگي کي پیدایش ' اُس کي نشو و نما ' اُس کے طبعي احوال و تاثرات ' اُس کي مزاجي کیفییات ' اور اُس کے نتائج و ثمرات کا بطریق استقراء اس طرح استقصا کرنا ؛ که اس بارے میں اصول و کلیات مرتب هو جائیں ؛ علم الاجتماع کا دائرۂ نظر و بحث هے - تاریخ علوم میں سب سے پہلے جس شخص نے اس علم کے مباحث بطور ایک مدون علم کے ترتیب دیے ' وہ علامۂ ابن خلدون هیں - اُن کا مقدمۂ تاریخ اس علم کي عدیم النظیر کتاب هے -

عبد الرحمن بن محمد ابن خلدون - المتوفي ۸۰۸ ھ
جس نے سب سے پہلے علم الاجتماع مدون کیا

علامۂ ابن خلدون کے بعد صدیوں تک اِس علم میں کوئی اضافه نہیں هوا - گذشته صدي میں جب موسیو کا ترمیر نے مقدمه کا فرانسیسي ترجمه شائع کیا تو علماء مغرب کو اِس طرف توجه هوئي - رفته رفته یه مبحث وقت کا سب سے زیادہ اهم اور دقیق موضوع نظر بن گیا - بلاشبه فرانسیسي ترجمۂ ابن خلدون سے پہلے علماء مغرب فلسفۂ تاریخ کي طرف متوجه هو چکے تھے ' اور تاریخ کي نئي فلسفیانه ترتیب کي بنیادیں پڑ چکي تهیں - نیز اصول قوانین و نظامات حکومت پر بھي مونٹسکیو اور بنتیهم جیسے مفکرین کي کتابیں شائع هوچکي تهیں - لیکن اِن مباحث کو " علم الاجتماع " کا کامل مواد نہیں کہا جا سکتا - یه واقعه هے که ترجمۂ ابن خلدون کي اشاعت سے پہلے یه علم به حیثیت ایک مستقل علم کے ' یورپ میں زیر بحث نه تها - جس قدر کتابیں بهي اس علم پر لکھي گئي هیں ' سب کي سب گذشته صدي کے اواخر میں مرتب هوئي هیں ' اور یقیناً اُن کا اولین سر چشمه مقدمۂ ابن خلدون هي هے - موجودہ زمانه میں ڈاکٹر لیباں کي مصنفات سب سے زیادہ وقیع سمجھي گئي هیں - اُس نے نه صرف اس موضوع پر هي کتابیں لکھیں ' بلکه وہ کام بهي انجام دیا جسکا ارادہ ابن خلدون نے کیا تها مگر پورا نه کرسکا - یعني متعدد اقوام کي تاریخیں بھي اسي علم کے اصول و کلیات کے ماتحت ترتیب دیدیں -

ذیل میں هم ایک مختصر مگر وقیع رساله کا ترجمه درج کرتے هیں جو ترکي میں ڈاکٹر احمد شعیب بک نے سنه ۱۹۱۰ ع میں انقلاب عثماني کے بعد لکھا تها ' اور بلاد اسلامیه کے اهل علم میں نہایت مقبول هوا تها - ڈاکٹر موصوف قسطنطنیه کے مدرسه حقوق (قانون) میں استاذ تھے ' اور اُن گنتي کے اصحاب علم و نظر میں سے تھے ' جنهیں ترکي کے نئے عہد تعلیم و ترقي کا ماحصل سمجھنا چاهئے - سنه ۱۹۰۸ ع میں جب دستوري انقلاب هوا ' تو انهوں نے مرحوم جاوید بے اور احمد رضا بے کے ساتھه شریک هوکر ایک نہایت وقیع ماهوار رساله " مجلۂ علوم اقتصادیه و اجتماعیه " جاري کیا تها - ترکي کے تمام مشاهیر اهل قلم کي رائے هے که اس سے بهتر علمي رساله ترکي زبان میں شائع نہیں هوا - یه رساله اسي مجله میں به دفعات شائع هوا تها - پھر مطبع ثروت فنون نے کتاب کي شکل میں مرتب کرکے چھاپ دیا -

اِس موضوع میں یه مقاله مختصر هے ' مگر رسوخ نظر و فکر کے ساتھه لکھا گیا هے - هم اِس کا ترجمه شائع کر دیتے هیں تاکه اُردو میں ایک ترک مفکر کي بہترین کتاب منتقل هوجاے - البته یه ظاهر کر دینا ضروري هے که مصنف نے مقاله کي تمهید میں فطرۃ انساني کے خیر و شر پر جو اظهار راے کیا هے ' اور اِسے روسو کا مذهب قرار دیکر اسکي یک قلم تغلیط کر دي هے ' هم اسے مصنف کي لغزش نظر سمجھتے هیں اور اس سے متفق نہیں هیں - مقاله کا ترجمه مکمل هوجاے تو بطور استدراک و تعلیق اس مسئله پر مختصراً اپني راے ظاهر کر دینگے - اس مقام کے علاوہ بعض دیگر مقامات بھي مزید نظر و کاوش کے مستحق هیں ' اور انکي طرف بهي خاتمه میں اشارہ کر دیا جایگا -

اِس مقاله کے ساتھه هم علامۂ ابن خلدون کي تصویر بهي شائع کر دیتے هیں - یه ایک قدیم قلمي مرقع کا عکس هے جو دمشق کے ایک قدیم کتب خانه میں محفوظ تها اور اب وهاں کے مجمع علمي (عربي اکاڈیمي) نے اپنے عجائب خانه کے آثار عتیقه میں داخل

عالم مطبوعات و صحائف

Sketches of the Sects of Palestine & Syria.

By Harry Charles Luke.

(شام و فلسطین کے فرقے ' مصنفہ هرے چارلس لیوک)

اخبار ٹائمس لندن نے اپنے هفتہ وار ادبي ضمیمہ میں مندرجہ بالا کتاب پر ان الفاظ میں تنقید کي ھے :

" اگرچہ فلسطین کي آبادي ساتھ لاکھہ سے زیادہ ھے ' اور ۴۰ - مختلف زبانیں بولنے والے ' ۶۵ - فرقوں کے اشخاص موجود ھیں ' پھر بھي مسٹر لیوک مصنف کتاب کو ایک اسماعیلي بھي وھاں نظر نہیں آیا ' اور اسکے لیے آنھیں شام جانا پڑا - یہ وھي فرقہ ھے جو جنگ صلیبي کے زمانہ میں بہت مشہور ھوگیا تھا - مصنف نے اس کے بعض اسلاف کے حالات نہایت دلچسپ طریقہ سے بیان کئے ھیں - شاید اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ھونگے کہ یہ وفادار قاتل اپنے آقا کے حکم کي کس طرح اطاعت کرتے تھے ' اور کس طرح اوسکے کہنے پر ھر قسم کے کام انجام دینے کیلیے آمادہ ھو جاتے تھے - حتی کہ دوسروں کا قتل یا خود کشي بھي ان کے لیے کوئي اھمیت نہیں رکھتي تھي -

اِس اسماعیلي فرقہ نے اگرچہ اپني تمام رسمیں ترک کر دي ھیں - پھر بھي ایک حسین نو جوان خاتون کو سیاہ لباس میں ملبوس کرنے اور سر پر پھولوں کے تاج رکھنے کي رسم اب تک رائج ھے - مسٹر لیوک نے اپني کتاب میں اِس فرقہ کے نہایت دلچسپ حالات لکھے ھیں - باخبر مصنف ھمکو ایک اور فرقہ کا بھي پتہ دیتا ھے جو سمرتین کہلاتے ھیں - اُن کا خانداني مذھبي پیشوا نابلس میں رھتا ھے اور سالانہ کوہ گرزم پر اپني قدیم ترین قرباني ادا کرتا ھے جو کتاب الخروج میں درج ھے - اِس کتاب میں اُن معصوم حبشیوں کا بھي تذکرہ ھے ' جنکا کام قیمتي چھتریاں لیجانا اور دوسروں کي چھتوں پر ناچنا یا عبادت کرنا ھے - اِسکے علاوہ یہاں کے مختلف فرقوں میں حق وراثت کے متعلق جو اختلافات ھیں ' اور جنکي وجہ سے اکثر خانہ جنگیاں رو نما ھوتي رھتي ھیں ' نہایت وضاحت سے بیان کیے گئے ھیں "

" اگرچہ فرقوں کے اعتبار سے مسیحي فرقوں کي تعداد اِسلامي فرقوں سے جن میں مسلم ملحد بھي شریک ھیں ' کہیں زیادہ ھے ' لیکن آبادي کے لحاظ سے مسلمان ایک کے مقابلہ میں تین ھیں - اسي طرح تعداد میں وہ یہودیوں سے بھي زیادہ ھیں - مصنف نے اِن قوموں کے حالات کے ساتھہ ترکوں کے اوس برتاؤ کي بھي مثالیں دي ھیں ' جو وہ اپنے عیسائي اور یہودي رعایا کے ساتھہ کرتے تھے - چنانچہ اُس نے اُن احکام کي نقلیں درج کي ھیں جنکے ذریعہ ارمنیوں ' پادریوں ' اور یہودي ربیوں کو اپنے مردے دفن کرنے کي اجازت ملتي تھي - حکمناموں کي نقلوں کے بعد مصنف نے موجودہ طریقۂ حکومت کا ترکوں کے طرز حکومت سے موازنہ کرکے اول الذکر کو ترجیح دي ھے -

ھم اس پر اتنا اضافہ کرنا چاھتے ھیں کہ مصنف کتاب اور ٹائمس کے نقد نگار نے شام کے جس فرقہ کو " اسماعیلي " کے لقب سے پکارا ھے ' وہ اگرچہ اسماعیلیہ ھي کي ایک شاخ ھے ' لیکن ایک مدت سے " دروز " کے نام سے موسوم کي جاتي ھے اور اس کے عقائد اصل اسماعیلي فرقہ سے بہت کچھہ مختلف ھیں -

بیگم فہمي کا عجیب مطالبہ

(قاتلہ کا مقتول شوھر کي جائداد پر دعوی !)

قارئین الہلال کو یاد ھوگا کہ اب سے تقریباً دو سال پہلے لندن کے ایک ھوٹل میں بیگم فہمي نے (جو ایک فرانسیسي عورت ھے) اپنے شوھر فہمي بے مصري کو گولي کا نشانہ بنایا تھا - لندن میں اوس پر مقدمہ چلایا گیا ' لیکن وہ چھوٹ گئي ' اور اب وھي قاتلہ اپنے مقتول شوھر کي جائداد پر حق زوجیت کا دعوی کرنے والي ھے !

اور اُس کي ھلاکت پر تلي ھوئي تھي - یہي سبب ھے کہ ھمارے اجداد کو پہلي فکر یہي ھوئي کہ حیوان و انسان کي دست درازیوں سے مدافعت کیونکر کریں - چنانچہ وہ اِس کا سامان مہیا کرنے میں مشغول ھوگئے -

ھر اشتراک عمل کا نظام اُن ضرورتوں کے مطابق ھوتا ھے جو اُسکے وجود کا باعث ھوتي ھیں - انساني اجتماع کي ابتدائي ضرورت دو قسم کي تھي :

(۱) داخلي خطروں کا سد باب ۔

(۲) خارجي حملوں سے مدافعت ۔

اِسي ضرورت نے انساني جماعت کو حکومت کي تکوین پر مجبور کیا - شروع شروع میں مقصود یہ تھا کہ حکومت ' جماعت کے افراد کي قوت اِس طور پر منظم کرے اور اُسے اِس طرح استعمال میں لائے ' کہ جماعت ' داخلي و خارجي خطروں سے محفوظ رہ سکے - لیکن اس کے معني یہ نہیں ھیں ' جیسا کہ روسو کہتا ھے ' کہ جماعت کے افراد کسي مقام پر جمع ھوے اور بحث و مباحثہ کے بعد باھم عہد و پیمان کر لیا ' بلکہ صورت یہ ھوئي ھوگي کہ جماعت کے سب سے زیادہ عقلمند اور طاقتور فرد نے اِس ضرورت کا احساس کیا ھوگا اور اپني زبردست قوت سے تمام افراد کو مغلوب کرکے حاکم بن بیٹھا ھوگا - پھر وقتي ضروریات نے حکومت کا نظام قائم کرنے اور وقتي قوانین بنانے میں اُس کي رھنمائي کي ھوگي -

انانیت اور حب ذات انسان کي فطرت میں داخل ھے - دو آدمیوں کي مصلحتوں میں ادنی تصادم بھي عداوت و فساد کا موجب بن جاتا ھے - مدتوں انسان نے اِنھي حالات میں انفرادي زندگي بسر کي - لیکن بالاخر طویل تجربوں نے اُسے بتا دیا کہ قتل ' خونریزي ' نہب و سلب ' جماعت اور افراد ؛ دونوں کے لئے مضر ھیں - انسان مجبور ھوا کہ اپنے سابق طرز زندگي میں تبدیلي پیدا کرے اور ایک نئي مگر زیادہ پر امن اور آرام دہ زندگي اختیار کرے -

یہي تجربہ یا ضرورت ' حکومت اور تمام قوانین اجتماع کي اصلي اور ابتدائي بنیاد ھے -

پہنچا ہے - یہ سراسر جنون ہے کہ کوئي قوم ترقي کے بلند درجہ تک اچانک پہنچ جانے کا خیال کرے -

(سلطنت کي تکوین اور روسو کا نظریہ)

جوزیف دومستر اور برنلڈ نے سلطنت (اسٹیت) کي تکوین کا جو نظریہ قائم کیا تھا ' وہ اب اِس حد تک شکست هوچکا ہے کہ اِس کے بطلان کے لیے کسي بحث کي ضرورت باقي نہیں رهي - اِسي طرح " اصحاب جمہوریۃ " (جن کا سر گروہ روسو ہے) کے نظریے بھي غلط ثابت هوچکے هیں -

مذهب جمہوریۃ ' سولهویں صدي کے اواخر میں اپنے پورے عروج کو پہنچ گیا تھا - هنري سوم کے قتل کے بعد پروٹسٹنٹ فرقہ نے اِس مذهب سے هٹنا شروع کیا - سترهویں صدي میں هوبس اور گوربیو نے ظاهر هوکر اِس مذهب کي از سر نو حمایت شروع کي - لیکن وہ اِس نتیجہ کي کوئي توجیہ نہ کرسکے کہ اِس مذهب کے تسلیم کرلینے کے بعد یا تو فرد کا استبداد لازم آجاتا ہے ' یا جماعت کا -

آخر میں روسو نے آکر یہ تمام نظریے اپني کتاب " عقد اجتماعي " میں جمع کردیے - روسو کي رائے ہے کہ انساني افراد اپني طبیعي خود مختاري سے اس بنا پر دست بردار هوے هیں کہ اُنهیں اِس کے معاوضہ میں امن و اطمینان ملے - چنانچہ اُنهوں نے باهم معاهدہ کرلیا کہ انفرادي زندگي کے بجاے جماعتي زندگي بسر کرینگے - اِس معاهدے نے اُن میں اجتماعي اخلاق کي ایک خاص طبیعت پیدا کردي -

روسو کا خیال ہے کہ فرد فطرتاً نیک هوتا ہے - رذالت و شر جماعت سے پیدا هوتا ہے - افراد فطري طور پر عدل و انصاف کے دلدادہ ' خیر اور نیکي کے پرستار ' اور نظام کي اطاعت کي طرف راغب هوتے هیں - وہ همیشہ نیک اور خوش نصیب هوتے ' اگر جماعت کي برائیاں اُنهیں لگ نہ جاتیں -

حریت ' مساوات ' اور قوم کا اقتدار ؛ یہ " عقد اجتماعي " کي بنیادي دفعات هیں - روسو نے اِن کا ذکر اپنے بیان " حقوق انساني " میں بھي کیا ہے -

روسو کے زمانہ میں یہ نظریہ بہت مقبول تھا کہ انسان فطرتاً نیک اور عاقل ہے - اُس کا هر عمل حتی کہ هر حرکت کسي نہ کسي معقول سبب پر مبني هوتي ہے - اُس وقت کے اکثر ادباء و فلاسفہ یہي خیال رکھتے تھے - حتی کہ ارکان سلطنت کا بھي اِسي پر ایمان تھا - چنانچہ ترکو نے تربیت پر ایک رسالہ لکھکر بادشاہ کو دیا اور دعوي کیا کہ " اِس پر عمل کرکے فرانس کي حالت ایسي هو جائیگي کہ ابھي یقین نہیں کي جا سکتي " نیز کہا کرتا تھا " انساني اخلاق کي فضیلت پر ایمان رکھنا فرض ہے "

جرمني میں بھي کانت اور فیختي نے اِس مذهب کا علم بلند کیا تھا - لیکن اُن کے رد کے لیے بڑے بڑے فلاسفہ اُٹھ کھڑے هوئے - هیگل ' اسٹراوس ' اسٹوات مل ' اسپنسر ' آرگسٹ کونت ' تَن ' رینان وغیرهم نے اپني اپني جگہ اُس کي دهجیاں اڑادیں -

خود اشتراکیوں نے بھي یہ مذهب قبول نہیں کیا اور اِسے منطقي مغالطہ قرار دیا - زومر مائن کہتا ہے " عقد اجتماعي کا نظریہ ' محض ایک وهم ہے "

اقتدار قومي کا نظریہ بھي اب تک محض ایک دعوي هي دعوي ہے - عمل میں آج تک اُس کا کبھي ظہور نہیں هوا - تاریخ نے بھي اُس کي کوئي مثال پیش نہیں کي - بنابریں اُسے بھي ایک خیالي و وهمي نظریہ هي کہہ سکتے هیں -

(فطرۃ انساني)

پھر یہ بھي واقعہ ہے کہ عقل و حکمت انسان کي فطري صفت نہیں ہے ' بلکہ سخت جد و جہد کے بعد کسب کي جاتي ہے - یہ صفت ' اگر اسے صفت کہنا صحیح هو ' اب تک غیر دائمي حالت توازن میں ہے - علم وظائف الاعضاء (فیزیولوجي) اور علم النفس (سائیکو لوجي) بتاتے ہے کہ " انسان فطري طور پر اُتنا هي مریض ہے ' جتنا مجنون ہے - همارے اعضاء کي سلامتي اور عقل کي درستگي ' سرا سر اتفاقات کا نتیجہ ہے - دماغ کا عمل بھي همیشہ مضطرب هوتا ہے - منطقي قیاسات اور اعلی خیالات ' صرف ایک محدود روشن خیال جماعت سے مخصوص هوتے هیں - انسان کے ارادے پر اصلي حکمراني ' اُس کے عقل و دماغ کو نہیں بلکہ جسماني ترکیب ' مادي ضرورت ' حیواني طبیعت ' قوت خیال ' حرص و طمع ' اور شخصي اغراض وغیرہ خصلتوں کو حاصل ہے "

همارا یہ خیال کہ انسان فطرتاً نیکي ' خیر ' حلم ' اور اجتماعي مصلحت کو ؛ بدي ' شر ' غصہ ' اور شخصي مصلحت پر ترجیح دینے کي طبیعت رکھتا ہے ' درحقیقت اپنے آپ کو سخت دهوکا دینا ہے - کیونکہ وحشت وظلم کي جو صفات هم نے اپنے اجداد سے ورثہ میں پائي هیں ' اب تک همارے ذهن و دماغ میں پوري طرح راسخ هیں - انساني دماغ کي ساخت هي کچھ اِس وضع کي ہے کہ انسان همیشہ اپنے خیالات واوهام کا بندہ رہے - شدید هیجان ' شک و شبہ ' جذبات ' سادہ لوحي ' خود غرضي ' یہ انسان کي امتیازي خصوصیات و صفات هوگئي هیں -

یہ حقائق پیش نظر رکھنے کے بعد ' هم بآساني فیصلہ کر دے سکتے هیں کہ انساني فطرۃ کے متعلق روسو کا نظریہ سرا سر وهم و خیال ہے - اور اُس کے هم مشربوں کو حقیقت سے کوئي تعلق نہیں -

(سلطنت کي تکوین میں اقلیم کا اثر)

سلطنت کي تکوین میں اقلیم کے اثرات کو بہت دخل هوتا ہے - سیاسي و اجتماعي نظامات ' اقلیم کي تبدیلي سے بدل جایا کرتے هیں - اِس کي مثال یہ ہے کہ جو قومیں میدانوں اور سبزہ زاروں میں بود و باش رکھتي هیں ' اُن کي اقلیم کا اقتضاء هي یہ هوتا ہے کہ بدوي زندگي بسر کریں - ان کي مرکزي حکومت میں ابوي اقتدار کا رنگ غالب هوتا ہے اور استبداد کمزور هوتا ہے - یہ قومیں همیشہ فتوحات و حکمراني کي دلدادہ هوتي هیں - برخلاف اِن کے وہ قومیں جو جنگلوں میں شکار پر زندگي بسر کرتي هیں ' اپني مرکزي حکومت میں استبداد غالب رکھتي هیں اور ابوي شفقت کمزور هوجاتي ہے - اِن میں جہالت نمایاں هوتي ہے - وسعت نظر مفقود هوتي ہے ' اولوالعزمي اور بلند همتي ناپید نظر آتي ہے ' فتح و استیلاء کا جذبہ مردہ هوجاتا ہے ' همیشہ تنگ دائرے هي میں زندگي بسر کرتي رهتي هیں -

(جماعتوں اور سلطنتوں کے وجود کا سبب)

قدیم ترین حکومتوں کے ظہور کي تاریخ همیں بتاتي ہے کہ انسانوں کا اجتماع اور باهمي اشتراک عمل ' صرف ضرورت هي کي وجہ سے پیدا هوا تھا - وہ ابتدائي ضرورت ' دشمنوں کے حملوں سے مدافعت تھي - اُن مجہول زمانوں میں هر چیز انسان کے لیے خطرناک تھي '

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم

(۸:۳۰)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق، مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کی آخری قسط)

نجد کی غذا

نجد خصوصاً صحرا کی اصلی غذا چاول ہے۔ روٹی بہت کم کھاتے ہیں۔ لیکن چاول چمچ سے نہیں کھاتے۔ بلکہ اُس کا استعمال بھی ناجائز سمجھتے ہیں۔ اُن کے چمچے اُن کے ہاتھ اور انگلیاں ہیں۔ بے تکلف برتن میں ڈال دیتے ہیں اور لقمے نگلنا شروع کر دیتے ہیں۔ تمام کھانوں میں ہلدی ضرور ملاتے ہیں اور بہت زیادہ مقدار میں۔ ہلدی کا نام اُن کی اصطلاح میں "بزار" ہے۔

دودھ اُن کے یہاں بہت افراط سے ہے، مگر اُس کا پنیر بنانا نہیں جانتے لیکن نمک ڈالکر کھویا بناتے ہیں اور بڑی رغبت سے کھاتے ہیں کچی پیاز قطعاً نہیں کھاتے۔ اُس کا کھانا حرام سمجھتے ہیں۔ دلیل یہ بتاتے ہیں کہ اس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اُن کے تمام کھانے حد درجہ سادہ ہیں۔ اچھے کھانوں کی طرف رغبت نہیں رکھتے کیونکہ سلف صالح اچھی غذائیں پسند نہیں کرتے تھے۔

تندرستی

پورے نجد میں صرف ایک ڈاکٹر ہے اور وہ بھی صرف سلطان کا شاہی طبیب۔ یہ عجیب بات ہے کہ باوجود تنہا ہونے کے ڈاکٹر کے لئے مشغولیت بہت ہی کم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ لوگ عام طور پر بیمار ہی نہیں ہوتے۔ سادہ معیشت نے بیماریوں کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ تعداد اموات بہت محدود ہے۔ ۴۰، ۵۰ برس کی عمر میں شاذ و نادر ہی کوئی مرتا ہے۔ نجدی عام طور پر میدان جنگ میں قتل ہو جاتے ہیں، بیمار ہو کر بستر پر مرنا نہیں جانتے۔

ریاض میں میری موجودگی کے دوران میں ایک بدو، شاہی طبیب کے پاس آیا اور اپنی بیوی کے لئے دوا مانگی۔ عورت، ریاض سے بہت دور، وسط صحرا میں بیمار پڑی تھی۔ طبیب نے مریض کے دیکھے بغیر دوا تجویز کرنے سے انکار کر دیا۔ بدو پہلے تو خفا ہوا۔ پھر طبیب کی "جہالت" پر ہنسا اور کہنے لگا "اپنی دوا اپنے ہی پاس رہنے دو۔ میری واپسی تک وہ اچھی ہو جائے گی!"

اسی طرح ایک اور بدو آیا۔ اُس کے شانے میں بندوق کی گولی لگی تھی اور جسم میں پیوست ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی وجہ سے اُس کا داہنا ہاتھ بالکل بے کار ہو گیا تھا۔ شاہی طبیب نے کہا گولی نکالنے سے پہلے جسم کے اس حصے کو دواؤں سے سُن کر ڈالنا، پھر اُس پر عمل جراحی کرنا ضروری ہے۔ اس پر بدو ہنسنے لگا۔ "واللہ" اُسنے کہا "میں جنت کی ہوا (یعنی بندوق کی گولی) ہی سے مروں گا۔ طبیب کے نشتر پر اپنی جان نہیں دوں گا!"

حیرت انگیز حواس

یقیناً ناظرین یہ سنکر تعجب کریں گے کہ نجدی بدو یہی نہیں کہ ستاروں کی رہنمائی میں صحرا کی عظیم مسافتیں طے کرتے ہیں، بلکہ حیرت کی بات یہ ہے کہ آدھے دن کی مسافت پر سے آدمیوں کے باتوں کی آواز بھی سن لیتے ہیں۔ درحقیقت اُن کی قوت سامعہ اور قوت باصرہ بہت ہی قوی ہے۔ صحرا کی پاک صاف زندگی نے اُن کے قویٰ کمزور ہونے نہیں دیئے ہیں۔ نہایت ہی ذکی الحس ہیں۔ بہت دور کی آواز سنتے اور بہت دور کی چیز دیکھ لیتے ہیں۔

تاریخ و سنین کا حساب

تاریخ کا حساب سرکاری کاغذات اور تجارت میں سنہ ہجری سے ہوتا ہے۔ لیکن عام لوگ خصوصاً صحرا کے باشندے، قدیم عربوں کی طرح مشہور تاریخی واقعات سے حساب کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں فلاں واقعہ سنہ احسار کے دو برس بعد یا سنہ حجاز کے ایک برس بعد ہوا۔ سنہ احسار یا سنہ حجاز سے مقصود، ان دونوں ملکوں کی فتح کا سال ہے اسی طرح دوسرے اہم واقعات سے تاریخ کا شمار شروع کر دیتے ہیں۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ حساب ہمیشہ صحیح ہوتا ہے، صحیح طور پر سمجھا جاتا ہے۔ کبھی غلط فہمی واقع نہیں ہوتی۔ ہر شخص اہم واقعات اور اُنکے زمانوں سے واقف ہوتا ہے۔

زبان

نجد کی بولی، مصر اور شام کی بولیوں سے بہت کچھ مختلف ہے۔ اُن کا عربی لہجہ دوسرے ملکوں سے نمایاں اختلاف رکھتا ہے۔ یہ لوگ کاف کو ہمیشہ تائے مشدد سے بدل دیتے ہیں۔ "س، م" یہ دو حرف ایسے ہیں کہ بکثرت استعمال کئے جاتے ہیں اور بہت سے جملوں کے قائم مقام ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب بسم اللہ کہنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں "سم" کسی حکم پر اطاعت کا اظہار کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں "سم" اگر کسی کو پکارو تو فوراً جواب دے گا "سم" یعنی میں نے سن لیا۔

داڑھی

داڑھی کو نجد میں جو عزت حاصل ہے وہ کسی چیز کو بھی نہیں ہے۔ داڑھی منڈانے والے کو قریب قریب کافر سمجھتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ مصر، داڑھی کو یہودیت کی علامت سمجھتے ہیں اور نجدی، اسلام کی، دو اسلامی قوموں کا یہ اختلاف ذوق یقیناً حیرت انگیز ہے۔

قبائل بنی صخر

نجد کے تمام قبائل، سعودی حکومت سے پہلے نہایت وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اسلام کی تعلیمات سے بالکل ہٹ گئے تھے اور دین تک سے جاہل ہو گئے تھے۔ کلمۂ شہادت کے سوا دین کی کوئی بات بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن سعودی فرمانرواؤں نے اُنھیں دین کی تعلیم دی اور شریعت حقہ کے اتباع پر مجبور کر دیا۔ آج نجد ہی دنیا میں ایسا ملک ہے جہاں اسلامی احکام پر سب سے زیادہ عمل ہوتا ہے۔

لیکن اس کلیہ سے قبائل بنی صخر مستثنیٰ ہیں۔ یہ قبائل، شرق اردن سے ملحق نجدی سرحدوں میں آباد ہیں۔ یہ چونکہ حال ہی میں نجدی حکومت کے مطیع ہوئے ہیں، اس لئے ان کی تعلیم و تربیت ابھی تک کچھ بھی نہیں ہو سکی ہے۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ بالکل وحشی ہیں اور شاذ و نادر ہی اُن کا کوئی فرد، صحیح طور پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اُن کی عادتیں رسم و رواج اور طریق بود و باش بالکل وحشیانہ ہے۔ میں نے ان کی ایک شادی بھی دیکھی۔ نکاح کا طریقہ ان کے یہاں یہ ہے کہ ایک لمبی موٹی لکڑی لاکر مجلس میں رکھی جاتی ہے۔ اُس کا ایک سرا شوہر پکڑتا ہے اور دوسرا سرا لڑکی کے باپ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ لڑکی کا باپ چلاکر کہتا ہے "وحیاۃ العود، والرب المعبود جوزت(؟) ابنتی" (قسم اس لکڑی کی زندگی اور رب معبود کی کہ میں نے اپنی لڑکی بیاہ دی) اس کے جواب میں شوہر کہتا ہے "تجوزت (؟) ابنتک" (میں نے تیری لڑکی سے شادی کر لی) بس نکاح ہو گیا!

سلطان ابن سعود سے آخری گفتگو

ریاض سے روانگی سے پہلے میں نے چاہا کہ سلطان عبدالعزیز بن سعود سے بعض اہم معاملات پر گفتگو کر دں۔ سلطان نے انتہائی مہربانی سے میری درخواست منظور کر لی۔ بے تکلف ہو بیٹھے اور حسب ذیل بیان دیا:

"شاید صحرا کے باشندوں کی خشک طبیعت، بدوی معیشت، اور دینی تصلب سے آپ کو کچھ تکلیف ہوئی ہوگی لیکن اس میں اُن کا کوئی قصور نہیں ہے۔ صحرا کی زندگی نے اُنھیں ایسا ہی بنا دیا ہے وہ اپنی فطرت پر قائم ہیں۔ اور جان بوجھ کر کوئی شرارت نہیں کرتے۔ برخلاف اُن کے آپ نے مجھے اور میرے ارکان سلطنت کو بھی دیکھ لیا ہے کہ ہم لوگ ہرگز متعصب نہیں ہیں۔ مسلمان تو ہمارے بھائی ہیں ہم غیر مسلموں سے بھی رواداری کا سلوک کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ سفرا دول سے طویل سیاسی گفت و شنید کرتے ہیں۔ بسا اوقات اُن کی بعض باتیں ہمارے خلاف مزاج ہوتی ہیں۔ مگر ہم کبھی غصہ کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ نہایت ملائمت اور معاملہ فہمی سے گفتگو جاری رکھتے ہیں۔

"میں اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس ذات برتر نے محض اپنے فضل و کرم سے ایک ایسی قوم کو، جیسی یہ نجدی قوم ہے، اپنے بادشاہ کا حد سے زیادہ وفادار، جانثار اور محب بنا دیا ہے۔ یہ قوم مصیبت کے وقت اپنے بادشاہ کے گرد جمع ہو جاتی ہے۔ خطرے میں اُس کی حفاظت کرتی ہے۔ اُس پر قربان ہوتی ہے بلکہ ہر قناعت کر لیتی ہے۔ شریفوں سے جنگ کے دوران میں ہماری قوم نے اپنے بادشاہ

اس سلسله میں اخبار پیپل لندن کے نامه نگار نے اوس سے ملاقات کی تھی - اس ملاقات کے حالات یه هیں - نامه نگار لکھتا ھے :

" یه کوئی تعجب کی بات نه تھی که وہ مجھے نه پہچان سکی - اور واقعة تو یه ھے که میں خود بھی مشکل سے اس بات پر یقین کرنے کیلیے تیار تھا که حسین لباس میں یه ملبوس حسینه وهي پریشان سفید روح ھے ' جسے میں نے اب سے دو سال پہلے عدالت میں دیکھا تھا - آج اوس کے رنگین ' روشن ' تر و تازہ چہرہ ' اور باوقار حرکات میں کہیں بھی اون خطروں اور اندیشوں کا پته نه تھا جنھوں نے اسے اپنے شہزادہ شوہر کے قتل پر مجبور کردیا تھا "

" تمام دنیا کي طرح میں نے بھي سنا تھا که مرحوم فہمي بے کي جائداد جو دو سے پانچ ملین فرانک کے درمیان ھے ' اوسکي دو بہنوں اور چچا کو مل گئي ھے - اسکا یه فیصله که اب وہ خود قاهرہ جاکر یه دعوی "از سر نو پیش کریگي ' میرے لیے ایک حیرت انگیز خبر تھي "

" میں نے دریافت کیا " آخر کس چیز نے اب کو اس بات پر آمادہ کیا ھے ؟"

" اوس نے جواب دیا " وہ کہتے هیں ' جب تک میں بذات خود دعوی پیش نه کروں ' سماعت نہیں هو سکتي - اسلیے میرے پاس قاهرہ جانے کے سوا اور چارہ کار کیا ھے ؟"

" لیکن مجھے یاد تھا که اس سے پہلے تین مرتبه بیگم فہمي نے قاهرہ جانے سے انکار کردیا تھا' اور اسکے رجوہ میں ایک رجه یه بھي بتلائي گئي تھي که وہ خائف ھے - میں نے اس کي طرف اشارہ کیا تو وہ هنسي اور پھر مسکراتے هوے جواب دیا " میں اور خوف ! میں مصر میں کسي سے نہیں ڈرتي - مصري میرے دوست هیں - شریف هیں " اس نے اپنے بازو پر سے کپڑا هٹا کر بتایا که اس کا هاتھه زخمي تھا ' اس لیے وہ قاهرہ جانے کے قابل نه تھي - اس نے یقین دلایا که اب وہ پہلے اسپین جائیگي ' وهاں سے سیدھا مصر پہنچیگي - یه کہتے هوے اس نے ایک خاص انداز سے اپنا هاتھه اٹھایا ' اور اس کي آنکھوں میں ایک عجیب روشني پیدا هوگئي - قاهرہ کا مصري انصاف اس کے لیے کوئي خوفناک چیز نہیں ھے - جو قاضي ان آنکھوں سے متاثر هوے بغیر رهیگا ' اس کے متعلق سمجھه لینا چاهئے که اس کے سینه میں دل کي جگه یقیناً پتھر کا ٹکڑا هوگا - اس رعنائي کے باوجود بیگم فہمي تین شادیاں کرچکي ھے ' اور اس کي ایک هفدہ ساله لڑکي بھي موجود ھے ! "

" بیگم فہمي کو اس بات کا یقین ھے که وہ قاهرہ میں اپنا مقدمه جیت لے گي - اس نے مجھے بتایا که حال هي میں اس نے ایک مقدمه جیتا ھے - وہ مقدمه ایک ڈریس کیس (صندوق آرائش) کے متعلق تھا جس کي قیمت ۴ هزار پونڈ ھے - یه بکس ان دو بکسوں میں سے تھا جو شادي سے کچھه دن قبل شہزادہ فہمي بے کے لیے بنائے گئے تھے - ایک سیاہ کچھوے کي کھال کا اس کے لیے ' دوسرا زرد رنگ کا اس کي منسوبه کے لیے - حادثہ قتل کے بعد فہمي بے کي بہن نے اس بکس کے لیے مقدمه دائر کیا - بیگم فہمي اس کے لیے لڑي اور بالاخر کامیاب هوگئي - اس نے کہا " یه مقدمه اس لیے نه تھا که وہ بکس بہت قیمتي تھا ' بلکه یه اصول کا سوال تھا - اس نے یه بکس مجھے دیا تھا - اور میرے لیے ضروري تھا که میں اسے حاصل کروں " آپ کو یه سن کر متعجب نه هونا چاهیے که بیگم فہمي نے اپني چوتھي شادي کا خیال ترک نہیں کیا ھے ' اگرچه اس میں عجلت نہیں ھے "

ڈاک کي تاریخ

یورپ کے ڈاکخانوں کي بین الاقوامي مجلس کا ایک اجلاس حال میں به مقام هالینڈ منعقد هوا تھا - اس سلسله میں ڈاک کے موجودہ طریقه کي تاریخ بھي بیان کي گئي جس کا خلاصه حسب ذیل ھے :

" قدیم زمانه میں خطوط کي امد و رفت کے مختلف طریقے تھے - ڈاک کا محکمه زیادہ تر بادشاهوں کي خدمت کیلیے تھا - بادشاہ اپنے خطوط ' فرمان ' اور احکام اپنے عہدہ داروں اور دوستوں کو بھیجا کرتے تھے - محکمۂ ڈاک یه تھا که کچھه لوگ خطوط لیکر گھوڑوں اور اونٹوں وغیرہ سواریوں پر سفر کیا کرتے تھے -

مصریوں نے اپني ترقي کے زمانه میں ڈاک کا باقاعدہ انتظام کیا - مصریوں سے یه چیز رومانیوں نے لي - شہنشاہ اگسٹس کے زمانه میں سلطنت روم میں ڈاک کا آغاز هوا -

ساتویں صدي عیسوي میں فرانس میں ڈاک کو رواج دیا گیا - لیکن چونکه یه زمانه فرانس میں سخت بد امني کا زمانه تھا ' اس لیے یه انتظام کامیاب نه هوا اور جلد موقوف هوگیا - چارلس اول نے بعد میں ڈاک کا محکمه از سر نو قائم کیا تاکه اسکي وسیع سلطنت میں مواصلات کي آساني هو - مگر زیادہ عرصه وہ بھي قایم نه رہ سکا -

آخر سنه ۱۴۶۴ع میں لوئي چاردهم نے اسکا پھر آغاز کیا اور ڈاک کا انتظام پوري هوشیاري اور مضبوطي سے قائم کر دیا - سولھویں صدي میں فرانس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ڈاکخانوں کا جال پھیل گیا تھا ' اور هر شخص کو حق حاصل هوگیا تھا که جب چاھے ' اپنے خطوط ڈاک کے ذریعه بھیج دے - سنه ۱۶۲۷ع میں خط نویسي کے قواعد اور شروط مقرر کیے گئے - سنه ۱۶۲۹ - سے مني آرڈر بھي ڈاکخانوں میں لیے جانے لگے -

ڈاک کے ٹکٹ سب سے پہلے سنه ۱۶۵۳ع میں فرانس میں ایجاد هوئے - لیکن تھوڑي مدت بعد انکا استعمال ترک کر دیا گیا اور لوگ انھیں بھول گئے - سنه ۱۸۲۳ع میں ڈنمارک کے سرکاري اخبار میں ایک مضمون شائع کرکے حکومت کو توجه دلائي گئي که ڈاک کے ٹکٹ استعمال کیے جائیں - مگر اس پر توجه نہیں کي گئي - سنه ۱۸۳۹ع میں انگریزوں نے اسکي ضرورت محسوس کي - اسکے بعد باقي سلطنتوں نے بھي انکي تقلید کي - ذیل کے نقشه سے معلوم هوگا که دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں کب سے ڈاک کے ٹکٹ جاري هوئے هیں :

انگلستان	—		سنه ۱۸۳۹
بلجیم	۳	نومبر	سنه ۱۸۴۷
فرانس	۱	جنوري	سنه ۱۸۴۸
اسپین	۴	مارچ	سنه ۱۸۴۸
سوئٹزر لینڈ	۱۴	اپریل	سنه ۱۸۴۹
پروشیا	۱	جنوري	سنه ۱۸۵۰
آسٹریا	۱	ایضاً	ایضاً
ڈنمارک	۱۵	ایضاً	ایضاً
اٹلي	۱	ایضاً	سنه ۱۸۵۱
هالینڈ	۱	ایضاً	سنه ۱۸۵۲
ناروے	۱	ایضاً	سنه ۱۸۵۵
یونان	—	اکتوبر	سنه ۱۸۶۱
ترکي	۳	مئي	سنه ۱۸۶۳
مصر	۱۵	دسمبر	سنه ۱۸۶۶

لکھا۔ محمد کا جواب حسب ذیل تھا:

"اُس خدا کا ہزار ہزار شکر جسنے تمھیں اور تمھاری دعوت کو عزت بخشی! ابھی تمھارے بہت آدمی قتل ہونا باقی ہیں!"

اسد بن عبد اللہ، شیعوں پر بہت سخت تھا۔ اپنی پہلی حکومت میں وہ جس قدر تشدد اُن پر کر سکا، کیا۔ معزول ہونے کے بعد جب دوبارہ والی (گورنر) ہوا تو اور بھی زیادہ ظلم و جور کیا۔ چنانچہ ۱۱۷ھ ہجری میں اسنے خراسان کے تقریباً تمام داعی گرفتار کر لئے۔ بہتوں کو قتل کیا۔ بہت سے قید کر دیئے۔

شیعی دعوت کے نقباء و ائمہ: سلیمان بن کثیر، مالک بن الہیثم، موسیٰ بن کعب، لاہز بن قریظ، خالد بن ابراہیم، طلحہ بن زریق وغیرہم جب اُس کے سامنے پیش کئے گئے تو بہت غضبناک ہو کر چلایا:

"اے فُسّاق! کیا خدا نے فرمایا نہیں ہے کہ "گزشتہ کو اللہ نے معاف کیا۔ البتہ جو کوئی بدی کی طرف دوبارہ لوٹے گا، خدا اُس سے سخت انتقام لے گا"؟

سلیمان بن کثیر نے کہا "میں بولوں یا خاموش رہوں؟"

کہنے لگا "بول"

سلیمان نے کہا "واللہ ہماری مثال بالکل یہ ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

لو بغیر الماء حلقی شرق   کنت کالغصان بالماء اعتصاری

پھر اُسنے کہا:

"اے امیر! آپ ہمارا قصہ جانتے ہیں؟ واللہ آپ بچھوؤں کو شکار کھلوا رہے ہیں۔ ہم آپ ہی کی قوم (یمن) کے آدمی ہیں۔ مضری ہمارے دشمن ہیں، کیونکہ ہم اُنکے ہم قوم قتیبہ بن مسلم (والی خراسان) کے سخت مخالف تھے۔ محض انتقام کے خیال سے اُنھوں نے ہم پر یہ تہمت لگائی ہے"

حاکم نے اِن کا جواب معقول سمجھا اور انھیں رہا کر دیا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُسوقت قبائل کی عصبیت کس حد تک پہنچ چکی تھی؟ ۱۲۰ھ میں اسد بن عبد اللہ نے انتقال کیا اور شیعوں نے اطمینان کی سانس لی۔

اس کے بعد عالم اسلامی میں دو ایسے انقلاب پیدا ہوئے جنھوں نے شیعوں کے لئے کامیابی کی راہ باز کر دی اور اُن کے دشمن کی تباہی کا سبب بنے۔ اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) خاندان بنی اُمیہ میں ایسی پھوٹ پڑی کہ کسی طرح دُور نہ کی جا سکی۔ باہمی خانہ جنگی کا دروازہ یزید بن الولید بن عبد الملک بن مروان نے کھولا۔ یزید نے اپنے عم زاد ے ولید بن یزید بن عبد الملک کے خلاف سر اُٹھایا، اُسے فسق و فجور اور کفر و الحاد سے متہم کیا۔ ایک گروہ نے اُس کا ساتھ دیا اور وہ کامیاب ہو گیا۔

اُس کی کامیابی دیکھ کر دوسرے طامعوں کے حوصلے بھی بڑھ گئے۔ چنانچہ مروان بن محمد بن مروان مسند خلافت کی طرف بڑھا اور اُس پر متمکن ہونے کی جد و جہد شروع کر دی۔ مروان، جزیرہ اور ارمینیہ کا حاکم تھا۔ ایک بڑی فوج اُس کے ہاتھ میں تھی۔ مقتول ولید کے خون کا اُسنے دعویٰ کیا اور اپنی جنگی قوت سے خلافت پر قابض ہو گیا۔ مگر اُس کی کامیابی نے فتنہ و فساد کا استیصال نہیں کیا۔ بلکہ مزید فتنوں کے دروازے کھل گئے۔ یہ بات نہ تھی کہ بنی امیہ اس خانہ جنگی کے مہلک نتائج سے بالکل غافل تھے۔ اُن کے عقلاء خوب سمجھتے تھے کہ یہ بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ اُن کا ایک شاعر کہتا ہے:

انی اعیذکم باللہ من فتن   مثل الجبال تسامی ثم تندفع

لا تبقرن بایدیکم بطونکم   فثم لاحسرة تغنی و لا ندم

مگر جب ایک مرتبہ فتنہ و فساد پھیل جاتا ہے تو آسانی سے دُور نہیں ہوتا۔

(۲) خراسان میں قومی عصبیت کا ظہور اور عرب قبائل کی باہمی منافرت میں ترقی۔ معلوم ہے عرب دو بڑی قسموں پر بٹے ہوئے ہیں: قحطان اور نزار۔ عرب کی قدیم ریاست و سیادت، یمن یا قحطان کے ہاتھ میں تھی لیکن اسلام نے آکر نزار کو بلند کر دیا اور عربی زعامت اُن کے قبضہ میں آگئی۔ ایک مدت تک جاہلی عصبیت مفقود رہی۔ اسلام نے تمام عربوں کو بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ لیکن جب فتنہ و فساد کی آندھیاں چلیں تو سیاسی اغراض سے امراء و حکام نے یہ عصبیت از سر نو زندہ کرنا شروع کی، اور وہ خراسان میں پوری قوت سے زندہ ہو گئی۔

چنانچہ پہلے قحطانیوں اور نزاریوں میں پھوٹ پڑی۔ اول الذکر کا سرگروہ جدیع بن شبیب تھا اور آخر الذکر کا نصر بن سیار، والی خراسان۔ پھر خود نزاریوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ ربیعہ اور مُضَر کی الگ الگ جماعتیں بن گئیں۔ ربیعہ کی اکثریت شیبان بن سلمہ حروری کے ساتھ تھی اور وہ خلافت سے باغی تھا۔

یہ اختلاف صرف، افکار و آراء کا اختلاف نہ تھا۔ اس نے جنگ کی صورت اختیار کی۔ نزاریوں کو شکست ہوئی۔ قحطانی غالب آئے۔ قحطانیوں نے نصر بن سیار کو ملک سے نکال دیا اور قبائل مُضَر کے گھر گرا دیئے۔ اسی پر ایک مضری عورت کہتی ہے:

لا بارک اللہ فی انثیٰ و غدبها   تزوجت مضریا آخر الدہر

اسی زمانہ میں محمد بن علی، امام شیعہ نے انتقال کیا۔ وفات سے پہلے اُنھوں نے اپنا جانشین اپنے بیٹے ابراہیم کو قرار دیا اور شیعوں کو اس کی اطلاع دیدی۔ چنانچہ اب ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کے لئے دعوت شروع ہوئی۔

ابومسلم خراسانی

ابراہیم بن محمد زیادہ خوش نصیب تھا۔ اُس کے بر سر دعوت آتے ہی ایک اولو العزم اور بہادر نوجوان اُس کے زیر علم آگیا۔ اس کا نام ابومسلم خراسانی تھا۔ اصل میں یہ شخص، عیسیٰ بن معقل عجلی کا غلام تھا۔ بکیر بن ماہان، کوفہ کے شیعی داعی اکبر نے اُسے خرید لیا اور شیعی تعلیم و تربیت پر اُس کی نشو و نما ہوئی۔ یہ سب سے پہلے ۱۲۵ھ میں محمد بن علی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اب ابراہیم بن محمد سے پوری طرح وابستہ ہو گیا۔

اس کے بشرے ہی سے عزم و حزم اور غیر معمولی ذہانت و شجاعت کے آثار ظاہر تھے۔ خراسان کے شیعوں کو ایک ایسے ہی آدمی کی ضرورت تھی۔ کیونکہ عمل کے لئے زمین تیار ہو چکی تھی۔ بنی امیہ میں خانہ جنگی شروع تھی۔ خراسان میں عربی قبائل باہم کٹے مرتے تھے۔

ابراہیم بن محمد، بڑا ہی دانشمند تھا۔ اُس کی دُور بین نظریں ابومسلم پر پڑیں۔ فوراً معلوم کر لیا کہ اس عجمی غلام میں کیسی محیر العقول قوتیں پنہاں ہیں۔ چنانچہ اُسے خراسان روانہ کر دیا، اور وہاں کے شیعوں کو حکم بھیجا کہ ابومسلم کی پوری پوری اطاعت کریں۔ کیونکہ میں نے اُسے خراسان کا حاکم مقرر کیا ہے۔

ابراہیم بن محمد نے ابومسلم کو رخصت کرتے ہوئے حسب ذیل وصیت کی تھی:

"اے عبد الرحمن! تو ہم اہل بیت ہی میں سے ایک آدمی ہے لہذا میری وصیت پر عمل کر۔ دیکھ قبائل یمن کی عزت کرنا۔ اُنھی میں اُترنا اُنھی پر بھروسہ کرنا۔ کیونکہ یہ معاملہ اُنھی کے ہاتھوں انجام پائیگا۔ قبائل ربیعہ سے بہت ہوشیار رہنا۔ یہ دغاباز لوگ ہیں۔ قبائل مُضَر، آستین کے سانپ ہیں۔ ادنیٰ سے شبہ پر بھی اُنھیں قتل کر ڈالنا۔ ہرگز کوئی نرمی اُن کے ساتھ نہ کرنا۔ اگر تجھ سے یہ ممکن ہو کہ خراسان میں ایک زبان بھی عربی باقی نہ رہے تو ایک بھی باقی نہ رکھ۔ ۵ بالشت کے بچے پر بھی اگر تجھے شبہ ہو جائے تو فوراً قتل کر ڈالنا۔ سلیمان بن کثیر (خراسان کے داعی اکبر) سے ہمیشہ مشورہ لینا اُس کی نافرمانی نہ کرنا۔ اگر کوئی مشکل آپڑے تو اُسی کی رائے پر عمل کرنا"

ابومسلم ۱۲۸ھ میں خراسان پہونچا۔ یہاں عربوں کی حالت از حد زبوں ہو رہی تھی۔ اُسنے پوری عقل و دانش سے کام شروع کیا۔ ایک سال کے بعد وہ شیعوں کی ایک بڑی جماعت لے کر امام (ابراہیم بن محمد) کی ملاقات کو روانہ ہوا۔ لیکن راستہ ہی میں امام کا قاصد ملا "واپس جاؤ اور کام شروع کر دو" نیز امام نے ایک علم بھی بھیجا۔ اس کا نام "رایۃ النصر" (فتح کا جھنڈا) تھا۔

دَورِ عمل

ابومسلم لوٹا اور مرو کے ایک گاؤں "سفیذنج" میں اُترا۔ یہاں اُسنے اپنے داعی ہر طرف پھیلا دیئے کہ شیعوں کو جمع کریں۔ چنانچہ ہر طرف سے لوگ جوق جوق آنا شروع ہو گئے۔ یہ رمضان ۱۲۹ھ کا واقعہ ہے۔

۲۵ر رمضان کو اُسنے امام کا بھیجا ہوا "رایۃ النصر" بلند کیا۔ یہ چودہ گز بلند تھا۔ اُسوقت ابومسلم یہ آیت تلاوت کر رہا تھا "اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا، وان اللہ علیٰ نصرہم لقدیر"! اُسنے اور اُس کے ساتھیوں نے سیاہ لباس پہن لیا جو بعد میں عباسیوں کا سرکاری لباس قرار پایا۔

پہلا کام اُسنے یہ کیا کہ گاؤں کے قلعہ کی مرمت کی اور اُسمیں مقیم ہو گیا۔ رمضان کے بعد عید الفطر آئی۔ ابومسلم نے اپنے لشکر میں نماز قائم کی۔ سلیمان بن کثیر کو امام بنایا اور حکم دیا کہ نماز بغیر اذان و اقامت کے خطبہ سے پہلے شروع کرے۔ بنو امیہ کا عمل اس کے خلاف تھا۔ وہ خطبہ و اذان سے شروع کرتے تھے اور نماز کے لئے اقامت بھی کہی جاتی تھی۔ نیز یہ حکم دیا کہ نماز میں مسلسل ۶ تکبیریں کہی جائیں، برخلاف بنی امیہ کے جو پہلی رکعت میں ۴ تکبیریں کہتے تھے اور دوسری میں تین تکبیریں۔ نماز کے بعد ابومسلم نے اپنی فوج کو پُر تکلف دعوت کھلائی۔

اس کے بعد ابومسلم نے نصر بن سیار خراسان کے اموی والی کو خط لکھا۔ یہ خط، ابومسلم کی ذہانت، بلاغت، اور اولو العزمی کا بہترین ثبوت سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اُس میں ابومسلم نے خود کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔ صرف قرآن کی یہ آیت لکھدی تھی۔ مگر اس آیت نے وہ اثر پیدا کیا، جو بڑی سے بڑی تحریر بھی پیدا نہیں کر سکتی تھی:

ابومسلم کا خط یہ تھا:

"اما بعد، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک قوم کی مذمت میں فرمایا ہے: "واقسموا باللہ جہد ایمانہم لئن جاءہم نذیر لیکونن اہدیٰ من احدی الامم، فلما جاءہم نذیر ما زادہم الا نفورا، استکبارا فی الارض و مکر السیئ، ولا یحیق المکر السیئ الا باہلہ، فہل ینظرون الا سنۃ الاولین؟ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا"

نصر بن سیار سے اس کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا کہ اپنے غلام یزید کی قیادت میں ایک بڑی فوج بھیجدی۔ ابومسلم نے مالک بن الہیثم خزاعی کو مقابلہ پر روانہ کیا۔ مقام "آلین" میں پہلی جنگ برپا ہوئی مگر شیعہ فتح یاب ہوئے۔ دشمن کا سپہ سالار یزید زخمی ہو کر قید ہو گیا۔ ابومسلم نے اُس کا علاج کرایا۔ تندرست ہو جانے پر اُس سے کہا "یا تو ہماری دعوت میں شریک ہو جاؤ۔ یا اپنے آقا کے پاس لوٹ جاؤ، مگر اس قسم کے ساتھ کہ ہم سے آئندہ نہ لڑو گے اور ہماری نسبت دروغ بیانی نہ کرو گے۔ بلکہ ہماری حالت ہمیشہ وہی بیان کرو گے جو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو"

یزید نے واپسی پسند کی۔ نصر نے اُسے دیکھا تو بہت خفا ہوا۔

کا جس ہمت و بسالت اور جانبازی سے بول بالا کیا، وہ میرے قول کا بالکل تازہ ثبوت ہے"

"حجاز سے جنگ کا سبب کیا ہوا؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں" سلطان نے فوراً جواب دیا "میں بقسم کہتا ہوں کہ میں حجاز سے ہرگز جنگ کرنے کا خواہش مند نہ تھا۔ لیکن خود شریف حسین نے مجھے جنگ پر مجبور کردیا۔ اُسنے صرف یہی نہیں کیا کہ نجدی حاجیوں کے لئے مصیبت پیدا کردی، بلکہ دنیائے اسلام کے تمام حاجیوں کی زندگی خطرے میں ڈال دی تھی۔ ہم مدتوں یہ صورت حال صبر جمیل کے ساتھ برداشت کرتے رہے اور اپنا معاملہ خدا کے سپرد کردیا۔ مگر شریف حجاز کی سرکشی اور جرأت برابر بڑھتی ہی چلی گئی۔ ہمنے بارہا نتائج بد سے ڈرایا؛ مگر اُنھیں ذرا بھی نصیحت نہ ہوئی۔ بلکہ اُلٹے اُن کا جبر و تکبر برابر زیادہ ہی ہوتا چلا گیا۔ نہایت ہی تحقیر اور بے رحمی سے ہمیں ستانا شروع کردیا۔ آخر ہمارا بھی پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور ہم نے اپنی فوج حجاز کی طرف بڑھائی۔ آپ جب کبھی میری زبان سے لفظ "فوج" سنیں تو اُس سے یہی بہادر بدّو قوم سمجھئے جو آپ اپنے گرد یہاں دیکھ رہے ہیں۔

"ہم نے فوج کشی تو کردی مگر ہمیں پورا یقین تھا کہ ہماری غرض صرف حجاز کی ظالموں سے تطہیر، حجاج کے لئے قیام امن اور مسلمانوں کے جان و مال کی حمایت ہے۔ ہمیں ہرگز خیال نہ تھا کہ ہم حجاز فتح کرنے اور اپنی سلطنت و قوت بڑھانے جارہے ہیں۔

"ہم خوب جانتے تھے کہ اہل حجاز کی روایات اور عقائد ہماری روایات اور عقائد سے مختلف ہیں۔ اُس ملک میں قتل و سلب و نہب کے ایسے قوی جتھے موجود ہیں کہ اُن کا قلع قمع بہت مشکل ہے۔ وہاں کے باشندوں میں ویسی تبدیلی جیسی ہم نے نجدیوں میں کردی ہے ناممکن سی نظر آتی تھی۔

"مزید برآں ہم سمجھتے تھے کہ حجاز کا قبضہ ہمارے لئے بے شمار مشکلات پیدا کردے سکتا ہے۔ بعض یورپین سلطنتوں کو ہمارے معاملات میں مداخلت کا موقعہ مل سکتا ہے۔ لیکن ان تمام اندیشوں کے باوجود ہم نے حریف کی مبارزت طلبی کا جواب دیا اور میدان میں کود پڑے۔ چونکہ ہماری غرض اور نیت بالکل نیک تھی، اس لئے ہم نے کسی اندیشے کی بھی پروا نہ کی اور وہ کرنے پر آمادہ ہوگئے جسے ہم دیانتاً اپنا فرض سمجھتے تھے۔

"مجھے یقین ہے کہ اسی نیک نیتی نے ہمیں کامیاب کیا۔ یہ جنگ کچھ زیادہ دیرپا نہیں ہوئی۔ ایک ہی یلغار میں دشمن کا خاتمہ ہوگیا۔ شریف کی حکومت اچھی نہ تھی۔ تمام حجاز اُس سے نالاں تھا۔ یہی سبب ہے کہ باشندوں نے اُس کی ذرا بھی مدد نہیں کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ ہر جگہ ہمارا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ اکثر جنگی نقطے ہمیں بغیر جنگ کے مل گئے۔

"ہم نے ابھی شریف اور شریفیوں کو بھگایا ہی تھا، اور باشندے کو اپنے مقاصد سے آگاہ ہی کرنے پائے تھے کہ اُن کے اہل الحل والعقد نے جمع ہوکر ہم سے اُن کی بیعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا۔ ہم نے بھی دیکھا کہ حجاز اور حرم بیت اللہ کی مصلحت اسی میں ہے کہ ہم بیعت قبول کرلیں اور حجاز پر دین الٰہی اور سنت نبوی کی حکومت قائم کردیں۔ چنانچہ ہم نے پورے غور و فکر کے بعد حجاز کی بادشاہت منظور کرلی"

"حجاز کے نظام حکومت میں اعلیٰ حضرت نے کیا تبدیلی کی ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"حکومت حجاز کا بنیادی نظام علی حالہ قائم ہے" سلطان نے جواب دیا "ہم نے اُس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ حتیٰ کہ ہم نے وہ پلنے عہدے دار بھی باقی رکھے ہیں جن میں دیانت و اخلاص کی صفات نظر آئیں۔ ہم نے جو کچھ تبدیلی کی ہے وہ صرف یہ ہے کہ شریف حسین کے من گھڑت قوانین اُٹھادئے ہیں اور اُن کی جگہ احکام شریعت قائم کردئے ہیں۔ تمام باشندوں نے یہ تبدیلی بڑی ہی مسرت سے قبول کی ہے، رہی یہ بحث کہ یہ تبدیلی مفید ہوئی یا مُضر؟ تو خود اپنی آنکھوں سے آپ حجاز میں اس کا جواب دیکھ لیں گے۔ اسوقت سرزمین حجاز میں پورا پورا امن قائم ہوچکا ہے اور ہر طرح کی بدامنی اور شورش کا قطعی انسداد کردیا گیا ہے"

"اعلیٰ حضرت نے ابھی فرمایا کہ فتح حجاز سے بعض یورپین سلطنتوں کی مداخلت کا احتمال تھا۔ "بعض سلطنتوں" سے آپکی مراد کون سلطنتیں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

سلطان نے جواب دیا:

"آپ جانتے ہیں کہ اکثر دول یورپ، خصوصًا انگلستان، اسلامی قوموں پر حکومت کررہی ہیں۔ یہ اپنے حجاج کی حمایت کے بہانے سے مداخلت کے موقعے نکال سکتی تھیں۔ لیکن میں مسرت کے ساتھ اس واقعہ کا اظہار کرتا ہوں کہ اب تک کسی یورپین سلطنت نے اس طرح کی جرأت نہیں کی ہے۔ میں برطانیہ کی خاص طور پر تعریف کروں گا کہ اُسنے معاملہ فہمی سے کام لیا اور کسی قسم کی مداخلت کا ارادہ ظاہر نہیں کیا۔ کیونکہ وہ خوب جانتا ہے دوستانہ تعلقات اُسی وقت تک قائم رہ سکتے ہیں جب تک باہمی احترام اور حقوق کی رعایت موجود ہے"

"خلافت کے بارے میں اعلیٰ حضرت کی کیا رائے ہے؟ کیا اس منصب کے لئے سعی مناسب نہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"میں اس اہم مسئلہ میں اظہار خیال مناسب نہیں سمجھتا" سلطان نے مسکرا کر کہا "بہت سے اسباب ایسے موجود ہیں کہ میں اس بارے میں گفتگو بہتر خیال نہیں کرتا۔ میری قوم کے سامنے کچھ شرعی امور و اعتبارات بھی موجود ہیں۔ آداب مجلس کا اقتضا یہ ہے کہ میں آپکے سامنے*

* کوئی اظہار خیال نہ کروں۔ مسئلۂ خلافت تمام عالم اسلامی کا مسئلہ ہے۔ [illegible]

تاریخ و عبر

تاریخ اسلام کا نفسیاتی مطالعہ

عہد اُمیّہ کا خاتمہ اور عباسیہ کی تاسیس

تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد کے سیاسی و داعی محرکات

(۲)

ہاشمی خلافت کی دعوت دو ممتاز دَوروں پر منقسم ہے:

پہلا دَور پُرامن دعوت کا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب اموی خاندان باہم متحد تھا، ابو مسلم خراسانی، ہاشمی دعوت میں شریک نہیں ہوا تھا، اور خراسانی فوج میں قومی عصبیت نے ظہور نہیں کیا تھا۔ ۲۰ سال تک یہ دَور قائم رہا۔ دوسرا دَور، قوت و تشدد کے ساتھ دعوت کا دَور ہے۔ اسے دَورِ عمل کہہ سکتے ہیں۔ دونوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

دَورِ اوّل

(سنہ ھ سے ۱۲۷ھ ہجری تک)

اس زمانے میں مبلغ و داعی، خراسان کے علاقوں میں سوداگر بن کر دَورہ کرتے اور خفیہ دعوت پھیلاتے تھے۔ اُن کا مرکز کوفہ میں تھا۔ اپنی کارگزاریوں کی روداد وہاں بھیجتے تھے۔ کوفہ سے خبریں حمیمہ پہنچتی تھیں جہاں سرگروہ دعوت، محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس مقیم تھے۔

خراسان میں سب سے پہلے اُن کا راز ۱۰۲ھ میں کھلا، قبیلۂ تمیم کا ایک شخص والی خراسان سعید بن عبدالعزیز کے پاس آیا اور کہا "یہاں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو بُری باتیں کرتے ہیں"

سعید نے اُنھیں فوراً طلب کیا:

"تم کون ہو؟" اُسنے سوال کیا۔

"سوداگر" اُنھوں نے جواب دیا۔

"یہ تمھاری نسبت کیسی شکایت ہے؟" حاکم نے کہا۔

"ہمیں نہیں معلوم" اُن کا صاف جواب تھا۔

"تم کوئی دعوت لے کر آئے ہو؟" والی نے پوچھا۔

"ہمیں اپنی تجارت کی فکروں ہی سے چھٹی نہیں۔ دعوت کیا پھیلائینگے؟" اُنھوں نے سادہ لوحی سے جواب دیا۔

حاکم نے ضمانت طلب کی۔ ربیعہ اور یمن کے لوگوں نے آکر ضمانت کرلی۔

"ہم انھیں خوب جانتے ہیں" اُنھوں نے کہا "ہم ان کی نیک چلنی کے ضامن ہوتے ہیں"

حاکم نے مطمئن ہوکر اُنھیں چھوڑ دیا۔

۱۰۵ھ میں اس خفیہ انجمن کو ایک نئی قوت حاصل ہوئی بکیر بن ہامان نامی ایک امیر کبیر اُس میں شامل ہوگیا اور اپنی تمام دولت اس پر وقف کردی۔ اُسی اثنا میں کوفہ کا داعی اوّل میسرہ فوت ہوگیا۔ محمد بن علی نے نہایت دُور اندیشی سے اس مرکز کے لئے ابن ہامان کو منتخب کیا اور اُس کے ذریعہ بہت فائدہ حاصل کیا۔

شیعان بنی ہاشم پر پہلی مصیبت، اسد بن عبداللہ القسری کے ہاتھوں نازل ہوئی۔ یہ بنی امیہ کا خراسان میں والی تھا سخت بے رحم اور سفاک تھا۔ جاسوسوں نے اُسے اس گروہ کی خبر دی چند آدمی گرفتار ہوئے اور ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد اُنھیں سولی پر چڑھا دیا۔ انھی میں ایک عمار العبادی بھی تھا۔ مگر وہ کسی طرح بچ نکلا اور کوفہ میں آکر بکیر بن ہامان کو یہ منحوس خبر سنائی۔ بکیر نے محمد بن علی کو

بریدِ شرق

مکتوبِ مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

سعد پاشا زغلول کی زندگی پر ایک نظر

مصر میں اسوقت مرحوم زغلول پاشا کے ذکر کے سوا کوئی ذکر اہمیت نہیں رکھتا۔ قوم اب تک ماتم کر رہی ہے اور نہیں معلوم کب تک کرتی رہے گی۔ پچھلے ہفتہ ایک مفصل مکتوب، اُن کی وفات پر ارسال کر چکا ہوں۔ لیکن یہ عظیم مشرقی رہنما ایک مکتوب سے زیادہ ہماری توجہ کا مستحق ہے۔ میں چاہتا ہوں آج مرحوم کی سیاسی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالوں۔

زندگی کی پہلی مہم

سعد پاشا کی پوری زندگی، غیر معمولی شجاعت و جرأت کے کارناموں سے لبریز ہے۔ اُنھوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت، جامع ازہر میں پائی۔ ازہر اُن کے زمانے میں۔ اور ابتک۔ مصر کی سب سے بڑی اور طاقتور تعلیم گاہ ہے۔ اُس کی حالت اگرچہ مدت سے زبون ہے، مگر کم آدمی نکتہ چینی کی جرأت کر سکتے ہیں۔ سعد نے یہی نہیں کیا کہ آغاز عمر ہی میں ازہر کی علی الاعلان مذمت کی، بلکہ انتہائی شجاعت سے، اس تعلیم گاہ اور اُس کی جملہ خصوصیات سے علیحدہ ہوگئے۔ اُنھوں نے ازہر کا لباس تک ترک کر دیا اور جدید وضع کا لباس اختیار کر کے ازہر کی جماعت سے ہمیشہ کے لئے منقطع ہوگئے۔ یہ اُن کی زندگی کی پہلی مہم تھی اور بہت سخت تھی۔

عجیب جرأت

سرکاری ملازمت کے زمانے میں اُنھوں نے کبھی حکام کی خوشامد نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ اُن سے ایک طرح کی مخاصمت جاری رہی۔ وہ اطاعت اور خوشامد چاہتے تھے۔ اِن کی غیور طبیعت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ حتیٰ کہ وزارت کے عہدے پر پہنچنے کے بعد ایک مرتبہ خود عباس حلمی پاشا، خدیو مصر سے سخت تکرار ہوگئی۔ انھوں نے ایک لائحہ عمل طیار کیا تھا۔ خدیو نے اُسے پسند نہیں کیا۔ دونوں میں بحث شروع ہوئی خدیو نے خفا ہو کر غصہ سے میز پر ہاتھ مارا۔ سعد کا بلا پس و پیش جواب یہ تھا کہ اُنھوں نے بھی میز پر گھونسہ مار دیا، اور اتنی آواز بلند ہوئی کہ مصر کے فرمانروا کے گھونسے سے بھی بلند نہ ہوئی تھی۔

وکالت کا پیشہ

وکالت کا پیشہ بھی اُنھوں نے اسی طرح اختیار کیا۔ وہ باضابطہ وکیل نہ تھے۔ تاہم اُنھوں نے اپنی شجاعت و جرأت سے کام لیا اور اس پیشہ میں خلاف قاعدہ داخل ہوگئے۔ حکومت نے مخالفت کی مگر وہ سب مخالفتوں پر غالب آئے اور وکیل بن بیٹھے۔ اس کے بعد اِن کی قانونی قابلیت کی وہ دھوم ہوئی کہ عدالت عالیہ کے جج مقرر ہوئے پھر محکمۂ عدالت کے وزیر بنائے گئے۔

لارڈ کرومر کی پیشین گوئی

اُن کی یہی جرأت و شجاعت دیکھ کر لارڈ کرومر نے پیشین گوئی کی تھی "آیندہ، سعد زغلول، مصر کے سب سے بڑے آدمی اور سیاسی رہنما بنیں گے" واقعات نے یہ پیشین گوئی بالکل صحیح ثابت کر دی۔

سیاسی زندگی کا آغاز

سعد پاشا کی زعیمانہ سیاسی زندگی، درحقیقت، فروری ۱۹۱۹ء سے شروع ہوتی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب جنگ عمومی کی ہولناکیوں نے برطانیہ کو شیر ببر کی کھال اُڑھا دی تھی۔ وہ ہیبت و دبدبہ تھا کہ کسی کو نظر اُٹھانے کی بھی جرأت نہ رہی تھی۔ خصوصاً مصر میں جہاں جنگی قانون نافذ تھا اور برطانیہ نے غاصبانہ ملک کا الحاق کر لیا تھا۔ مگر سعد زغلول نے منبر عام پر کھڑے ہو کر انتہائی شجاعت سے بانگ دہل انگریزی قبضہ کے خلاف آواز بلند کی، اور مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔

مرحوم نے اپنی اس پہلی سیاسی تقریر میں کہا تھا:

"ہمارا ملک خود مختار ہے۔ ۱۸۴۰ء کے معاہدۂ لندن میں اُس کا اعتراف کیا جا چکا ہے۔ جنگ کے زمانے میں جو سیاسی تبدیلی کی گئی ہے، اس کا ذکر بالکل بے کار ہے۔ کیونکہ تمام علمار قانون کا متفقہ فیصلہ ہے کہ "حمایۃ" (پروٹیکٹریٹ) کا وجود اُسی وقت ہو سکتا ہے جب ایک قوم دوسری قوم سے اُس کی حمایت میں رہنے کی خواہش کرے لہٰذا وہ ایک سمجھوتہ یا عہدنامہ ہے جس میں ایجاب قبول، مساوی شرط ہے۔ لیکن مصر میں اس طرح کی کوئی بات کبھی پیش نہیں آئی اور نہ قیامت تک کبھی پیش آسکتی ہے۔ ۱۹۱۴ء میں برطانیہ نے از خود "حمایۃ" کا اعلان کر دیا۔ لیکن مصر نے اُسے قبول نہیں کیا۔ لہٰذا یہ حمایۃ، سراسر باطل ہے۔ ہرگز برقرار نہیں رہ سکتی"

اس تصریح نے ایک طرف برطانوی حلقوں کو سخت برہم کیا۔ دوسری طرف مصری قوم میں حق طلبی کی نئی روح پیدا ہوگئی۔ چنانچہ سیاسی جدوجہد کا آغاز ہوا اور وہ بڑھتے بڑھتے ایک عظیم تحریک بن گئی۔

برطانیہ کی تخویف

پہلے تو برطانیہ، تخویف و تہدید کو کافی سمجھتا رہا۔ لیکن جب اُسے یقین ہوگیا کہ سعد پاشا ڈرنے والے نہیں ہیں، تو اُس کے ظلم و جبر کی قوتوں میں حرکت ہوئی اور آخری کارروائی کرنے پر تل گئی۔

چنانچہ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۱ء کو جنرل کلاٹین نے فیلڈ مارشل جنرل الین بائی، برطانوی سپہ سالار اعظم کا حسب ذیل حکم سعد پاشا کو تحریراً پہنچایا:

"جنگی قانون کے بموجب اس حکم کے ذریعہ سعد پاشا زغلول کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ عام تقریروں سے پرہیز کریں۔ عام جلسوں میں شریک نہ ہوں۔ مصری وفود سے ملاقات نہ کریں۔ اخبارات میں مضامین نہ لکھیں۔ کوئی سیاسی کام نہ کریں۔ اُنھیں حکم دیا جاتا ہے کہ فوراً قاہرہ سے چلے جائیں اور اپنے دیہات کے مکان میں قیام کریں۔ اُس علاقہ کا سرکاری افسر اُن کی نگرانی کرے گا"

سعد پاشا کا جواب

زغلول پاشا کا جواب قابل دید ہے۔ اُنھوں نے لکھا:

"فیلڈ مارشل الین بائی کا حکم مجھے پہونچا۔ مگر یہ حکم سخت ظالمانہ ہے۔ اُس کی کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ میں اپنی پوری قوت سے اُس پر صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔

"چونکہ قوم نے مجھے اپنا وکیل بنایا ہے تاکہ اُس کی خود مختاری کے لئے کوشش کروں، اس لئے اُس کی قوت کے سوا کسی دوسری قوت کو کوئی حق نہیں کہ اس مقدس فرض سے دست بردار ہونے پر مجھے مجبور کرے۔

"لہٰذا میں بدستور اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے موجود رہوں گا۔ ظالمانہ قوت جو کچھ بھی کر سکتی ہے، کر گزرے۔ ہم مضبوط دل اور ٹھنڈے ضمیر کے ساتھ اُس کے مقابلہ کے لئے طیار بیٹھے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں ہماری جائز کوششوں کے خلاف جتنا بھی تشدد کیا جائے گا وہ ملک کو اُس کی منزل مقصود سے اور بھی زیادہ قریب کر دے گا۔ ملک کی منزل مقصود بجز کامل آزادی کے کچھ نہیں ہے!"

گرفتاری اور جلاوطنی

اس جواب کے پہنچتے ہی برطانی حکام نے مرحوم کو اور اُن کی جماعت کے ۵ سربرآوردہ آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔

اس تاریخی واقعہ کا ذکر خود مرحوم نے جلاوطنی سے واپس آکر ۲۲ دسمبر ۱۹۲۳ء کی تقریر میں کیا ہے۔ بہتر ہے ہم اُنھی کی زبان سے

بقیہ مضمون صہ ۱۶

بن محمد حاکم تھا۔ لیکن عبداللہ اُس کے تعاقب میں تھا۔ بالآخر ابن محمد کو وہاں سے بھی بھاگنا پڑا۔ ابان نے عبداللہ کی اطاعت قبول کر لی اور بغیر کسی جنگ کے یہ علاقہ عباسیوں کو مل گیا۔

مروان، قنسرین پہونچا۔ عبداللہ نے وہاں بھی پیچھا کیا۔ قنسرین سے حمص، حمص سے دمشق آیا۔ مگر عبداللہ نے پیچھا نہ چھوڑا۔ دمشق میں ایک مختصر سی لڑائی ہوئی اور دارالخلافہ بھی عباسیوں کے قبضہ میں آگیا۔

دمشق سے مروان علاقہ اردن گیا۔ پھر فلسطین میں پناہ ڈھونڈھی مگر نہ ملی۔ آخر فسطاط (مصر) کا رخ کیا۔ فسطاط سے ایک دور افتادہ گاؤں "بوصیر" میں جا کر چھپ گیا۔

عبداللہ اب بھی تعاقب پر سرگرم تھا۔ مگر ابو العباس کا حکم پہونچا کہ صالح بن علی کو اس مہم پر روانہ کر دے اور خود آگے نہ بڑھے چنانچہ صالح بن علی، مصر پہونچا اور پتہ لگا کر بوصیر میں مروان کو قتل کر ڈالا مروان کے قتل نے مشرق میں اموی خلافت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا اور بنی عباس کی خلافت قائم ہوگئی۔ تاریخ اسلام کا یہ اہم واقعہ ۲۷ ذی الحج ۱۳۲ہجری میں پیش آیا تھا۔

یزید نے کہا "اُنھوں نے مجھ سے قسم لے لی ہو کہ اُن کی بابت کوئی بات جھوٹ نہیں کہوں گا۔ واللہ میں نے اُنھیں اس حال میں دیکھا کہ پابندی اوقات کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ اذان دیتے ہیں۔ اقامت کہتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں رسول اللہ صلعم کی بعیت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ مجھے یقین ہو کہ وہ ضرور کامیاب ہوجائیں گے۔ اگر آپ میرے آقا نہ ہوتے اور آزاد کرکے مجھ پر احسان نہ کیا ہوتا تو واللہ میں اُنہی کے ساتھ رہتا اور ہرگز یہاں لوٹ کر نہ آتا!"

اس واقعہ کے بعد ابو مسلم کو بہت طاقت حاصل ہوگئی۔ اب اُس کی فوج اتنی زیادہ ہوگئی تھی کہ سفیذنج میں گنجائش باقی نہ رہی مجبوراً وہاں سے ماخوان میں منتقل ہوگیا۔ اُس کی قلعہ بندی کی اور خندقیں کھود کر بیٹھ گیا۔ اسوقت اس کے پاس ، ہزار کی جمعیت تھی۔

ہم اوپر بیان کرئے ہیں کہ اُس زمانے میں خراسان کے عربوں میں تین عصبیتیں یا جماعتیں قائم ہوگئی تھیں: یمنی، مضر، ربیعہ۔ ابو مسلم نے اس باہمی پھوٹ سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ اُسنے ان سب کو لڑانا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ اُسے قوت حاصل ہوگئی حتیٰ کہ سنہ ۱۳۰ھ میں خود مرو پر بھی قبضہ کرلیا۔ وہ شہر میں اُسوقت داخل ہوا جبکہ علی بن جدلع اور نصر بن سیار دونوں سڑکوں پر لڑ رہے تھے۔ یہ آیت اُس کی زبان پر تھی: ودخل المدینۃ علی حین غفلۃ من اہلہا فوجد فیہا رجلین یقتتلان، ہذا من شیعتہ وہذا من عدوہ!"

مرو پر قبضہ کرنے کے بعد ابو مسلم نے خراسان کے تمام علاقوں پر حملہ شروع کردیا۔ اُس کے مشہور سپہ سالار قحطبہ بن شبیب نے رے فتح کیا۔ رے کے بعد ہمدان، نہاوند، شہرزور، اور موصل فتح ہوئے۔ اب عراق کی باری آئی۔ قحطبہ سرزمین عراق میں داخل ہوگیا۔ ابن ہبیرہ والی عراق نے اُس کا مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھائی۔ اسی اثنا میں قحطبہ، شیعی سپہ سالار کا انتقال ہوگیا۔ اُس کا بیٹا حسن، جانشین ہوا اور یلغار کرتا ہوا محرم سنہ ۱۳۲ھ میں کوفہ پر قابض ہوگیا۔

اموی سپہ سالار ابن ہبیرہ نے واسط میں پناہ لی۔ حسن بن قحطبہ اُس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ دوسرے شیعی سپہ سالار بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر بیک وقت مختلف علاقوں پر ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ حمید بن قحطبہ، مدائن گیا۔ مسیب بن زہیر اور خالد بن برمک، دیر قنی کی طرف روانہ ہوئے۔ مہلبی اور شراحیل نے عین التمر پر حملہ کیا۔ بسام بن ابراہیم نے اہواز پر یورش کی۔ اور خود کوفہ کے داعی اکبر ابو سلمۃ الخلال نے اپنا لشکر، حمام اعین کے سامنے اُتار دیا۔

افشائے راز

خراسان و عراق میں یہ ہلچل پڑی ہوئی تھی۔ مگر بنی امیہ بالکل غافل تھے۔ اپنی خانہ جنگی میں مشغول تھے۔ اُنھیں ابتک یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ شیعہ کس شخص کی طرف دعوت دے رہے ہیں؟

ہم اوپر بیان کرئے ہیں کہ محمد بن علی نے اپنے داعیوں کو حکم دیا تھا کہ کسی خاص آدمی کا نام دعوت میں نہ لیں، بلکہ تمام اہل بیت نبوی کی حمایت و نصرت کی طرف مخلوق کو بلائیں۔ چنانچہ بڑے بڑے دعاۃ و نقباء کے سوا کوئی شخص بھی اصلی راز سے واقف نہ تھا۔

راز اس طرح ظاہر ہوا کہ مروان بن محمد اموی خلیفہ کو ابراہیم بن محمد (امام شیعہ) کا وہ خط حاصل ہوگیا جو اُسنے ابو مسلم خراسانی کے کسی خط کے جواب میں لکھا تھا۔ اب خلیفہ خواب غفلت سے جاگا اور حاکم بلقار کو حکم دیا کہ حمیمہ پر حملہ کرکے ابراہیم بن محمد کو گرفتار کرلے اور دار الخلافہ بھیجدے۔ ابراہیم نے گرفتار ہوتے وقت اپنے بھائی ابو العباس کے حق میں امامت کی وصیت کردی اور اُسے پورے خاندان کے ساتھ کوفہ چلے جانے کا حکم دیا۔

ابراہیم، حران کے قیدخانہ میں بند کیا گیا۔ اور وہیں فوت ہو ہوگیا۔ مورخین میں اختلاف ہو کہ ابراہیم کو زہر دیا گیا تھا، یا اُس پر گھر کی چھت گرادی گئی تھی؟ بہرحال یہ یقینی ہو کہ وہ قتل کیا گیا۔

ابراہیم کا خاندان، ماہ صفر سنہ ۱۳۲ھ میں کوفہ پہونچا۔ اُسوقت شیعی تحریک کا سرگروہ ابو سلمہ خلال تھا اور "وزیر آل محمد" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اسنے ابراہیم کے خاندان کو کوفہ کے ایک محلے میں چھپا دیا اور ۴۰ دن تک کسی شخص کو بھی اُن کی خبر نہ دی۔

بعض مورخوں نے لکھا ہو کہ ابو سلمہ نے عباسیوں کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ارادہ کرلیا تھا کہ اُن سے کٹ کر علویوں سے مل جائے۔ چنانچہ اُسنے خاندان علیؑ کے تین سرداروں: حضرت جعفر صادق بن محمد الباقر، عبداللہ المحض بن حسن بن حسن، اور عمر الاشرف بن زین العابدین (علیہم السلام) کے پاس خطوط بھیجے۔ قاصد سے کہا پہلے حضرت جعفر صادق کے پاس جائے۔ اگر وہ دعوت قبول کرلیں تو باقی دونوں خط ضایع کردے۔ اگر انکار کریں تو عبداللہ المحض کے پاس جائے۔ اگر وہ بھی نہ مانیں تو آخر میں عمر الاشرف سے ملے۔

جعفر صادق نے قاصد کو دیکھ کر کہا:

"مجھے ابو سلمہ سے کیا سروکار؟ وہ تو کسی اور کا حامی ہو"

"آپ خط تو پڑھیئے" قاصد نے کہا۔

"چراغ قریب لاؤ" امام جعفر نے اپنے خادم سے کہا۔

چراغ لایا گیا اور حضرت جعفر صادق نے خط اُس سے لگا کر جلادیا۔

"آپ کچھ جواب دیں گے؟" قاصد نے کہا۔

"جواب تو تم نے دیکھ لیا" اُن کا صاف جواب تھا۔

قاصد مایوس ہوکر حضرت عبداللہ المحض کے پاس گیا۔ اُنھوں نے خط لے لیا اور فوراً حضرت جعفر صادق کے پاس دوڑے آئے:

"یہ ابو سلمہ کا خط ہو" عبداللہ المحض نے کہا "مجھے خلافت قبول کرنے کی دعوت دی ہو۔ ہمارے خراسانی طرفداروں کی یہی خواہش ہو"

"خراسانی، تمھارے کب سے طرفدار بنے ہیں؟" حضرت جعفر صادق نے کہا "کیا تم ہی نے ابو مسلم کو وہاں بھیجا تھا؟ اُن میں سے کسی ایک آدمی کا نام بھی تمھیں معلوم ہو؟ کسی ایک کی بھی صورت دیکھی ہو؟ وہ کیسے تمھارے طرفدار ہوسکتے ہیں، حالانکہ نہ وہ تمھیں جانتے ہیں، نہ تم اُنھیں جانتے ہو؟

"یہ گفتگو شاید کسی خاص وجہ سے آپ کررہے ہیں؟" عبداللہ نے سوال کیا۔

"خدا جانتا ہو کہ میں ہر مسلمان کی خیرخواہی اپنے اوپر فرض سمجھتا ہوں پھر تم سے نصیحت میں کیونکر بخل کروں گا؟" حضرت جعفر صادق نے جواب دیا "یہ خیال خام چھوڑ دو۔ یہ سلطنت کسی اور ہی کو ملے گی تم سے پہلے اسی مضمون کا خط مجھے بھی پہنچ چکا ہو"

اس گفتگو کے بعد عبداللہ المحض نے بھی انکار کردیا۔

آخر میں قاصد، عمر بن زین العابدین کے پاس پہنچا۔ اُنھوں نے سنتے ہی جواب دیا:

"میں خط والے کو نہیں جانتا، جواب کیسے دوں؟"

اس اثنا میں ابو سلمہ کے سپہ سالاروں کو اُس کی نیت پر شبہ ہوا ساتھ ہی ابراہیم بن محمد کے خاندان کی کوفہ میں موجودگی کا بھی پتہ چل گیا۔ چنانچہ وہ لشکر سے نکلکر کوفہ پہنچے۔ ابو العباس کو ابو سلمہ کی نظربندی سے نکالا اور بیعت خلافت اُس کے ہاتھ پر کی۔ مجبوراً ابو سلمہ کو بھی بیعت کرنی پڑی۔ مگر ابو العباس اُس سے کبیدہ ہوگیا تھا

ابو العباس کا خطبہ

۱۳ ربیع الاول روز جمعہ کو ابو العباس نے جامع مسجد میں نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔ خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد رسول اللہ صلعم کی قرابت پر فخر کیا۔ خلفاء راشدین کی تعریف کی۔ بنی حرب اور بنی مروان (بنی امیہ) کے ظلم و جور کی مذمت کی۔ اور کہا:

"اے اہل کوفہ! میں امید کرتا ہوں کہ جس راہ سے تمھیں بھلائی پہنچ چکی ہو، اُس سے تم پر کبھی بُرائی نہ آئے گی (یعنی اہل بیت نبوی) اور جس راہ سے بُرائی آچکی ہو، اُسی راہ سے کبھی بھلائی نہ آئے گی (یعنی بنی امیہ) ہم اہل بیت کا والی و حامی، اللہ بزرگ و برتر ہی ہو۔ تم اے اہل کوفہ! ہماری محبت کے مورد ہو۔ ہماری دوستی کے اہل ہو۔ تم وہ ہو، جو ہماری محبت سے کبھی برگشتہ نہیں ہوئے۔ ظالموں کا ظلم تمھارے دل ہم سے نہ بدل سکا۔ یہاں تک کہ تم نے ہمارا زمانہ دیکھ لیا اور خدا ہماری سلطنت تمھارے لئے لے آیا۔ پس ہمارے حسن سلوک کے تم سب زیادہ مستحق ہو۔ میں نے تمھارے وظیفوں میں سو سو درہم کا اضافہ کردیا ہو۔ تم طیار ہوجاؤ، کیونکہ میں "سفاح" ہوں ..."

ابو العباس، "سفاح" کے لقب سے اسی خطبہ کے بعد مشہور ہوا۔ کیونکہ اُس نے خود اپنے مُنہ سے اپنے کو "سفاح" کہا تھا۔

اُس زمانے میں ابو العباس کو کھانسی کی شکایت تھی۔ خطبہ ختم ہونے سے پہلے ہی اُسے کھانسی آنے لگی اور تقریر نہ کرسکا۔ فوراً اُس کا چچا داؤد بن علی منبر پر چڑھ گیا۔ وہ عباسیوں میں سب سے زیادہ فصیح تھا۔ اُسنے کہا:

"واللہ ہم اس لئے نہیں اُٹھے ہیں کہ مال و دولت جمع کریں محل بنائیں، عیش و عشرت کریں۔ ہم صرف اس وجہ سے اُٹھے ہیں کہ ہمارا حق سلب ہوگیا تھا۔ ہمارے عم زادوں پر ظلم ہوتا تھا۔ تمھاری حالت جور و ستم نے زبوں کردی تھی۔ ہم اپنے بستروں پر ہوتے تھے مگر تمھاری مصیبتیں یاد کرکے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہماری پیٹھ کے نیچے انگارے بچھے ہیں۔ بنی امیہ نے تمھیں ہلاک کرڈالا۔ غلاموں سے بھی بدتر سلوک کیا۔ تمھارے صدقے، تمھاری خیراتیں، مال غنیمت میں تمھارے حصے سب ضبط کرلئے۔ ہم نے بہت برداشت کیا۔ مگر بالآخر مجبور ہوگئے اور تمھاری حمایت و حفاظت پر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم تم سے اللہ کے نام پر، رسول کے نام پر، اور عباس کے نام پر عہد کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کے بموجب حکومت کرینگے۔ سنت رسول اللہ کے مطابق سلوک کرینگے ..

.... اے اہل کوفہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمھارے اس منبر پر دو ہی خلیفہ کھڑے ہوئے ہیں: ایک امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ دوسرا امیر المومنین عبداللہ بن محمد (یہ کہکر ابو العباس کی طرف اشارہ کیا) یقین کرو یہ معاملہ (خلافت) برابر ہمارے ہی ہاتھ میں رہے گا، یہاں تک کہ اُسے عیسیٰ بن مریم صلوات اللہ علیہ کے حوالہ کردیں!"

نماز کے بعد سفاح نے لوگوں سے بیعت لی۔ رات تک اس کا سلسلہ جاری رہا۔

بیعت لے کر خود سفاح، لشکر میں چلا گیا اور کوفہ کی حکومت اپنے چچا داؤد بن علی کے سپرد کی۔

آخری مقابلہ

اب فیصلہ کن کارروائی کا وقت آگیا تھا۔ خود خلیفہ مروان بن محمد کی مرکزی قوت پر غالب آنا تھا۔

اُدھر مروان بھی غافل نہ تھا۔ وہ ایک فوج گراں لے کر حران سے موصل پہنچ گیا۔ ابو العباس نے اپنی فوج کی قیادت اپنے چچا عبداللہ بن علی کے سپرد کی۔ دونوں فوجوں میں دریائے زاب پر بہت ہی سخت جنگ ہوئی۔ لیکن مروان کو شکست ہوگئی۔ حالانکہ اُس کے ساتھ ایک لاکھ ۲۰ ہزار شام کی منتخب فوج تھی۔ عبداللہ نے اُس کا پورا لشکر تباہ کرڈالا۔ یہ واقعہ ۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۳۲ھ کا ہو۔

مروان بھاگ کر حران میں پہونچا۔ یہاں اُس کا بھتیجا ابان بن یزید

بصائر و حکم

ماہ ربیع الاول کا اختتام

اور واقعۂ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ!

تاریخ نوع عالم کی عظیم ہستیاں اور داعی لا الٰہ الا اللہ کی عظمت!

(مقتبس)

دنیا، قدیم سے عظیم انسانوں کی عظمت پر ایمان لائے ہوئے ہے۔ اپنے خیال کے مطابق مظاہر عظمت کی گوناگوں عبادتیں کرتی ہے لیکن مظاہر عظمت کا تخیل صد درجہ متباین ہے۔ ایک تخیل دوسرے تخیل سے مشابہت نہیں رکھتا۔ ہر فرد اور ہر گروہ اپنا اپنا ذوق اور اپنی اپنی نظر رکھتا ہے۔ وکل حزب بما لدیہم فرحون!

حکمرانی و فرمانروائی میں عظمت ہے۔ بادشاہ و حکام اُس پر ایمان لائے ہیں۔ حریص اور طماع اُس کی عبادت کرتے ہیں!

مال و دولت میں عظمت ہے۔ دولتمند اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ دل و دماغ کے ساتھ اُس کی پرستش کرتے ہیں!

اہل علم و حکمت کی بھی ایک عظمت ہے، اور اُس کے پجاری بھی موجود ہیں!

حسن میں بھی عظمت ہے اور اُس کے پرستاروں کی بھی کمی نہیں!

طاقت جسمانی میں بھی عظمت ہے۔ عظیم قد و قامت کے انسانوں کے سامنے ہمیشہ انسانوں کا سر جھک گیا ہے!

اسی طرح ہر فن اور ہر صنعت میں عظمت ہے، اور اپنے معتقد اور پرستار رکھتی ہے۔

شاید کوئی بھی اُس مبہم اور مضطرب مفہوم کی تحدید نہیں کرسکتا جس کا نام لوگوں نے "عظمت" رکھ چھوڑا ہے۔ لیکن اسپر بھی وہ قدیم سے دنیا کے لئے ایک بڑا فتنہ رہا ہے۔ ہر شخص اُسے غرض و غایت قرار دیتا ہے۔ اُس کے لئے جد و جہد کرتا ہے، اُسے انسانوں کے مراتب تولنے کی میزان سمجھتا ہے۔

اگر عظمت کا فتنہ اور عظمار کی عبادت موجود نہ ہوتی تو انبیاء کرام کے ذکر پر کسی کے لئے روا نہ ہوتا کہ اُنھیں عظیم قرار دینے کی بحث کرے اس لئے کہ انبیاء و رسل علیہم الصلوۃ والسلام کی شان اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ انسانی عظمت کی عام صفوں میں ان کی جگہ ڈھونڈھی جائے۔ یہ صفیں جسمانی کبریائی کے دھوکوں اور مادی بڑائیوں کی ضلالت اندیشیوں سے اس درجہ لپٹ ہو چکی ہیں کہ انسانیت اعلیٰ کے مظاہر علو و رفعت کے لئے ان کی طرف نظر بھی نہیں اُٹھائی جاسکتی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام رفعت اور بھی بلند ہے۔ اس ذات اعظم و اکمل نے اس کے سوا کچھ قبول ہی نہیں کیا کہ تمام انسان، کنگھی کے دانتوں کی طرح بالکل برابر ہو جائیں۔ نہ عربی کو عجمی پر، اور نہ عجمی کو عربی پر کوئی امتیاز ہو۔ اُسنے کہہ دیا، سب آدمی ہم رتبہ ہیں، سب آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی کا پتلا تھا۔ اُسنے قبول نہیں کیا کہ انسان میں دو قسمیں ہوں: عظیم اور غیر عظیم۔ اُس کی نظر میں خوش حال اور بدحال، فقیر اور بادشاہ، سب برابر درجہ کے آدمی تھے۔

***

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس ارضی عظمت پر ایمان نہیں رکھتے تھے جس کے فتنہ نے دنیا کو مفتون بنا رکھا ہے۔ یہ عظمت، درحقیقت بلند نفسوں کے لئے ذلت اور رب العالمین کی جناب میں شرک ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عظمار کی پرستش کے لئے نہیں آئے تھے اگرچہ ساری دنیا نے اُن کی پوجا کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی ساخت کی یہ عظمت کسی انسان کے لئے بھی تسلیم نہیں کی اور نہ اپنی ذات ہی کے لئے پسند کی حالانکہ وہ اُن کے اختیار میں تھی۔ یہ عظمت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ سرنگوں سامنے آئی۔ اُن کے قدموں پر لوٹی، مگر اُنھوں نے اُس سے منہ پھیر لیا، اور اُس میں ذرا بھی رغبت ظاہر نہ کی۔ خدا نے اختیار دیا کہ عبدیت کے ساتھ نبی ہوں، یا بادشاہت کے ساتھ نبوت لیں۔ زمین کے خزانوں کی کنجیاں سامنے ڈال دی گئیں۔ تاج و تخت کی ساری شوکتیں جمع کر دی گئیں۔ مگر اُنھوں نے عبدیت پسند کی غربت اختیار کی۔ اُن کی روح مقدس و مطہر کی خوشی اسی میں تھی کہ فقیری میں زندہ رہیں، فقیری میں دنیا سے جائیں، فقیروں ہی کے زمرے میں اُٹھائے جائیں:

ورادوتہ الجبال الشم من ذہب عن نفسہ فاراہا ایما شمم!

جو لوگ بادشاہت اور اس کی عظمت کے پجاری ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بادشاہ تھے، نہ اُنھوں نے بادشاہ ہونا گوارا کیا۔ اگر لامحالہ اُنھیں (صلی اللہ علیہ وسلم) بادشاہ ہی قرار دیا جائے تو اُن کی بادشاہت کیا تھی؟ زیادہ سے زیادہ ایک سنگلاخ جزیرہ۔ جزیرۃ العرب! قیصر کی قیصریت اور کسریٰ کی کسرویت کے مقابلے میں اس جزیرہ کی بادشاہی کوئی بڑی بادشاہی نہیں ہوسکتی۔

جو لوگ مال و جاہ دنیوی کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہیں، وہ دیکھ لے سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مال و دولت سے تہی دست تھے۔ اُن کی دولتوں کا خزانہ، اُن کا فقر و فاقہ تھا!

جو لوگ دنیا کے عظیم سپہ سالاروں اور فاتحوں کے جاہ و جلال کے لئے نگاہ ادب اور دل عظمت سرا رکھتے ہیں، انھیں مایوس ہو جانا چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی جنگی فتح مکہ کی فتح تھی جو اُس عہد میں بھی دنیا کا ایک گمنام اور حقیر قریہ تھا!

جو لوگ دنیا کے فلاسفہ، حکما، اور موجدین کی عظمتوں کے آشنا اور اُن کی رفعتوں کے پرستار ہیں، اُنکے لئے یہ خبر نئی خبر نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے۔ دنیا کا صناعی لکھنا پڑھنا نہ تو انھوں نے سیکھا تھا اور نہ کسی نے انھیں سکھانے کی جرأت کی تھی۔

کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بھی مادی یادگار چھوڑی جو مصر کے اہرام کی سی عظمت رکھتی ہو؟ کوئی شہر بنایا جس کی عظمت قسطنطنیہ کے برابر ہو؟ تم نے اُن کی تعریفیں، سنگی لاٹوں پر کہیں کندہ دیکھیں؟ کوئی ایک شہر بھی اُن کے نام پر آباد کیا گیا؟ کوئی ایک سڑک بھی اُنکے نام پر بنائی گئی؟ اسکندر کے نام پر اسکندریہ اور قسطنطین کے نام سے قسطنطنیہ آباد ہوا لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ایک بالشت زمین بھی پکاری نہیں گئی!

***

ہرگز نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خیالی اور فانی عظمتیں رکھنے والوں میں سے نہ تھے۔ اُن کی تاریخ لکھنے والوں کو اُن کی عظمت ان حقیر مظاہر عظمت میں تلاش نہیں کرنی چاہئے، اگرچہ دنیا انہی مظاہر پر مری مٹتی ہے۔

جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا جویا ہو، اُسے اُن کی عظمت صرف ایک کلمہ میں مل سکتی ہے جو وہ لائے تھے۔ اُسی کلمہ میں اُن کی پوری عظمت قائم ہے۔ اُسی کلمہ کے دس بارہ حرفوں کے اندر ان کی عظمت باقی و سرمد اُمٹ اور اٹل ہے۔

وہ کلمہ کیا ہے؟

"لا الٰہ الا اللہ!"

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۹)

منہمک ہو جاتے تھے۔ دس بجے دفتر میں آکر بیٹھتے تھے اور ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ ایک یا دو بجے دوپہر کا کھانا کھاتے تھے کبھی تنہا نہیں کھاتے تھے۔ دسترخوان پر ہمیشہ دوستوں کا مجمع رہتا تھا کھانے کے بعد ایک گھنٹہ باتیں کرتے تھے۔ پھر ۵ بجے شام تک آرام کرتے تھے۔ پھر دفتر آتے تھے اور ایک گھنٹہ کام کرکے تفریح کو نکلتے تھے۔ تفریح میں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت صرف نہیں کرتے تھے۔ واپسی پر پھر مطالعہ کرتے تھے۔ ۸ - ۹ بجے رات کا کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کے بعد پھر باتیں شروع ہو جاتی تھیں۔ لیکن یہ مجلس ایک گھنٹہ سے زیادہ دراز نہیں ہوتی تھی۔ دس بجے کے قریب چارپائی پر چلے جاتے تھے، اور مطالعہ کرتے کرتے سو جاتے تھے۔ عموماً ۴ گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتے تھے۔

سٹین۔ اُنھوں نے کہا:

"دو سال پہلے ٹھیک اسی تاریخ میں اندھی قوت نے حق پرِیس کی جائے امن میں دست درازی کی۔ میرا گھر ہر طرف سے مسلح فوج نے گھیر لیا۔ تمام کمروں اور دَرجوں میں بندوقیں اٹھائے سپاہی گھس پڑے۔ دروازوں اور کھڑکیوں پر مورچے قائم کر دئے۔ پھر ہتیار بند فوجی افسر میرے خاص کمرے میں دَر آئے۔ میں اپنے بستر پر غافل سو رہا تھا۔ مجھے نہایت دہشت ناکی کے ساتھ جگایا گیا اور لباس پہننے سے بھی پہلے گرفتار کر لینا چاہا۔ میں نے انکار کیا اور اطمینان سے کپڑے پہنے۔ پھر مجھے نیچے اُتار لائے۔ میرے گرد بندوقوں اور سنگینوں کا ہجوم تھا۔ میری بیوی میرے پیچھے دَوڑ رہی تھی۔ مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ مگر اُسے روک دیا گیا۔ صلیب احمر کی ایک بھدی گاڑی پر مجھے بٹھایا گیا۔ اور گاڑی روانہ ہوئی۔ ایک بڑا جنگی مظاہرہ میرے ساتھ تھا۔ مسلح موٹریں آگے تھیں۔ مسلح موٹریں پیچھے تھیں۔ ہر طرف سے بندوقیں جھکی ہوئی تھیں۔ اُن کے استعمال کے لئے ادنیٰ سی ادنیٰ بات کا انتظار تھا۔ یہ تمام کارروائی بالکل اچانک ہوئی۔ مجھے پہلے سے کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ کسی قانون کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ کوئی تحریری حکم پیش نہیں کیا گیا۔ قوت نے اپنی سرکشی اور جبروت کا پورا پورا اظہار کرنا چاہا اور کر دیا۔"

ہندوستان کو شرم آنی چاہیے!

مرحوم کو گرفتار کر کے کہاں لے گئے؟ یہ اظہار میرے لئے نہایت تکلیف دہ ہے۔ یقیناً آپکے تمام غیور قارئین اُسے شرمناک خیال کرینگے۔ مصر کا یہ جلیل القدر رہنما گرفتار کر کے سویس کی ہندوستانی چھاؤنی میں بھیجا گیا تھا۔ ہندوستانی خیموں میں رکھا گیا تھا۔ ہندوستانی سپاہیوں کی حراست میں بند کیا گیا تھا!

لیکن اس کے باوجود مرحوم نے کبھی ہندوستان کو بُرا نہیں کہا۔ بلکہ ہمیشہ ہندوستان کی تحریک آزادی سے ہمدردی ظاہر کی۔ ہندوستانی لشکر میں پہنچنے کا حال مرحوم نے یوں بیان کیا:

"مجھے سویس لے گئے۔ مگر ایک ایسے راستے سے جو بالکل غیر آباد تھا۔ حتیٰ کہ کہیں پانی تک دستیاب نہ ہوتا تھا۔ میں بہت بھوکا تھا۔ کھانے کا کوئی سامان بھی ساتھ لینے کی اجازت نہ تھی۔ خوش قسمتی سے ایک ہندوستانی افسر کو ترس آیا اور اُس نے ایک روٹی اور پنیر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا مجھے دیا۔ دن بھر کی میری غذا بس یہی تھی!

"۵ بجے شام کو میں ہندوستانی لشکر میں پہنچایا گیا۔ یہاں فوجی افسروں نے مجھے اپنی حراست میں لے لیا اور ایک پھٹے ہوئے خیمے میں اُتارا۔ رات بھر گرم ہوائیں خیمے کے سوراخوں سے اندر پہنچتی تھیں اور جھلسائے ڈالتی تھیں۔ میں اُس رات مجبور ہوا کہ اپنے دن ہی کے لباس میں سو جاؤں کیونکہ کوئی دوسرا کپڑا ساتھ نہ تھا۔

"لیکن الحمد للہ مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ میں ہمیشہ شاطر کو پر ایک گھنٹہ موٹر کی سیر سے تھک جایا کرتا تھا۔ مگر اُسوقت میں بالکل نہیں تھکا۔ اللہ نے میری مدد کی اور ایک ایسی قوت بخشی کہ یہ تمام سختیاں برداشت کر گیا۔

"دوسرے دن میرے پانچوں رفقاءِ مصیبت بھی پہنچ گئے۔ مجھے نہایت مسرت ہوئی، کیونکہ وہ سب مطمئن تھے اور برطانیہ کی اِس طفلانہ حرکت پر ہنستے تھے۔ ۲۹ دسمبر تک ہم ہندوستانی لشکر ہی میں مقیم رہے۔ یہاں تک کہ اُسی دن عشاء کے وقت ہمیں حکم ملا کہ نصف گھنٹے کے اندر سفر کے لئے طیار ہو جاؤ۔ ہمیں طیاری ہی کیا کرنی تھی؟ ہر وقت طیار تھے۔ ہمارا طیار ہونا، صرف اُٹھ کھڑا ہونا تھا۔

"ہم قیدیوں کی بند گاڑی میں سوار کرائے گئے۔ ساحل پر پہنچے۔ یہاں ایک کشتی ہمارے انتظار میں تھی۔ اُس پر سوار ہوئے اور جہاز میں پہنچ گئے۔ جہاز ہندوستانی سپاہیوں سے لبریز تھا۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ عدن جا رہے ہیں۔ ۴ جنوری کو عدن پہنچے۔ ۲۸ فروری کو سیشل پہنچائے گئے۔ پھر مجھے جبل طارق بھیج دیا گیا جہاں ۲ ستمبر سے ۳۰ مارچ ۱۹۲۳ء تک برابر قید رہا۔

"ہم نے یہ تمام مدت، قید خانوں اور قلعوں میں گزاری۔ دنیا بھر سے الگ کر دئے گئے تھے۔ کسی کو بھی ہمارے قریب آنے کی اجازت نہ تھی۔ حتیٰ کہ ورزش اور چہل قدمی کے لئے بھی اجازت لینی پڑتی تھی۔ ہماری تمام خط و کتابت دیکھی جاتی تھی اور شاذ و نادر ہی منزل مقصود تک پہونچائی جاتی تھی۔ . . . لیکن یہ تمام بندشیں اور سختیاں بالکل بے کار گئیں۔ کیونکہ ہمارے دلوں میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی۔ ہم اپنی ناقابل برداشت مصیبتوں پر خوش ہوتے رہے۔ ہر مصیبت ہمیں یاد دلا دیتی تھی کہ ہمارا مقصد کیسا شریف اور غایت کیسی نبیل ہے!"

سعد پاشا کے خطوط اپنی حرم کے نام

ذیل میں سعد پاشا کے دو خط ملاحظہ ہوں۔ یہ خط اُنھوں نے جلا وطنی سے اپنی حرم محترم کو بھیجے تھے:

"ہندوستانی لشکر (سویس)

"۲۸ دسمبر ۱۹۲۱ء

"عزیزتی!

"تمھارا ۲۷ دسمبر کا خط پہونچا۔ اگرچہ یہ فراق مجھ پر بہت شاق ہے اور ملاقات کی بے حد تمنا ہے۔ لیکن میں نے بَردست تمھارے سفر کے التواء کو پسند کیا۔ مجھے اُس وطنی شعور پر فخر ہے جس نے یہ مصیبت تم پر آسان کر دی، حالانکہ میں جانتا ہوں، تمھارے لئے بالکل ناقابل برداشت تھی۔ میرے اَبنائے وطن تمھاری اِس قربانی کے ہر طرح مستحق تھے۔ ہمارا یہ فراق کتنا ہی المناک ہو مگر ہمیں پوری ثابت قدمی اور صبر و شکر کے ساتھ اسے برداشت کرنا چاہئے۔ نتیجہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

"عبداللہ خادم بھی پہنچ گیا۔ مہذب مخلص نوجوان ہے۔ انگریزی جانتا ہے۔ میرے خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اُس کی بیوی کا ہر طرح خیال رکھنا۔

"میری تندرستی، اچھی ہے۔ کئی خط تمھیں بھیج چکا ہوں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے تم تک پہنچنے نہیں دئے گئے۔ اگر یہی بات ہے تو اس سے مقصود ظلم میں زیادتی ہے۔ حالانکہ اِس سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ بہر حال میں تمھاری تندرستی اور خوشی کا متمنی ہوں"

دوسرا خط

"عدن۔ ۲۵ جنوری ۱۹۲۲ء

"عزیزتی!

"دعا ہے کہ تم اور ہمارا پورا خاندان بخیر و عافیت ہو۔ الحمد للہ ہم اچھے ہیں۔ صرف یہی ایک غم ہے کہ تمھارے خطوط نہیں پہنچتے۔ میں یہ خیال نہیں کر سکتا کہ تم لکھتی نہیں۔ تم ضرور لکھتی ہو، کیونکہ بغیر لکھے رہ نہیں سکتیں لیکن یہ قوت تمھارے خط روک لیتی ہے۔ اِس سے ہمیں تکلیف ضرور ہے مگر خود اِس قوت کو اِس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ یقین کرو، میں بھی ہر ہفتہ دو خط لکھتا ہوں۔ اگر تمھیں کوئی خط نہ پہونچا ہو تو سمجھ لو یہ میری خطا نہیں، اِسی قوت کی شرارت ہے۔

"ہمیں عربی اخبار نہیں ملتے۔ کبھی کبھی فرانسیسی اور انگریزی اخبار دئے جاتے ہیں، مگر بہت پرانے۔ ایک اخبار میں مصری قوم سے تمھاری یہ درخواست نظر سے گزری کہ میری تندرستی کے لئے دعا کی جائے۔ میں اِس پر بہت خوش ہوا کہ مصر میں تمھارے جیسے بلند ہمت لوگ موجود ہیں اور ایسے اعلیٰ خیالات رکھتے ہیں۔ خدا سے دُعا ہے کہ ہماری اُمیدیں بَر لائے اور ہماری حالت درست کر دے۔ والسلام"

مرحوم کی شخصیت

مرحوم کی شخصیت، نہایت طاقتور تھی۔ نجی کی صحبتوں میں بھی یہ شخصیت آدمی کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی تھی۔ معمولی گفتگو کے بعد ہی فوراً یقین ہو جاتا تھا کہ یہ شخص، اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ عقل کا مالک ہے۔ ایک عجیب عظمت اُن پر سایہ فگن رہتی تھی۔ کوئی شخص بھی مرعوب ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔

ابوی شفقت

قدرت نے سعد کو کوئی اولاد نہیں دی۔ مگر اُن میں ابوی شفقت اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود تھی۔ تمام کم عمروں کے ساتھ اُن کا برتاؤ بالکل ایسا تھا، جیسا باپ کا اپنے بچوں سے ہوتا ہے۔ اُن کا یہ قول بہت مشہور ہے جو اُنھوں نے اپنی بیوی سے کہا تھا "اولاد نہ ہونے پر غم نہ کرو، کیونکہ خدا نے ہمیں ۱۴ ملین بچے عنایت کئے ہیں!"

روشن خیالی

سعد ہمیشہ روشن خیال رہے۔ جمود و تقلید کا اُن پر کبھی بھی قبضہ نہیں ہوا۔ وہ اپنے زمانے سے برابر آگے رہے۔ سید جمال الدین افغانی نے مصر میں جو اجتماعی و سیاسی حرکت پیدا کر دی تھی، اُس میں یہ فوراً داخل ہو گئے، حالانکہ کم عمر تھے۔ قاسم امین نے حقوق نسواں کیلئے آواز بلند کی یہ اِس جد و جہد میں بھی پیش پیش تھے۔ وکالت سے لیکر وزارت تک جملہ منصبوں اور عہدوں میں اِن کی اصلاح پسندی اور روشن خیالی کی یادگاریں اب تک موجود ہیں۔

قدرت الٰہی پر یقین

سعد پاشا کی پوری زندگی ایسی مثالوں سے لبریز ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قدرت الٰہی پر غیر معمولی یقین و ایمان رکھتے تھے سخت سے سخت مصیبتیں پڑیں، مگر وہ کبھی نا امید نہ ہوئے اور ہمیشہ خدا کی ذات پر بھروسہ کئے رہے۔ اُن کی تقریریں ایسے جملوں سے کبھی خالی نہیں ہوتی تھیں جن میں یہ یقین و ایمان ظاہر نہ کیا گیا ہو۔ اُن کی ایک تقریر کے چند جملے مجھے یاد ہیں۔ اُنھوں نے کہا:

"ہمیں بشارت ہو کہ ہم حق پر ہیں، حق کے لئے کوشاں ہیں، حق کی راہ پر چلتے ہیں۔ اور معلوم ہے کہ خدا حق پرستوں کا عمل رائیگاں نہیں کرتا"

"خدا نے ہمیں یہ دیکھنے کا عادی بنا دیا ہے کہ وہ ہمیشہ ہماری مدد کرتا ہے، مصیبتوں میں ہماری دست گیری کرتا ہے۔ مصیبت جتنی زیادہ سخت ہوتی ہے اُتنا ہی زیادہ منزل مقصود سے قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ اپنے حقوق پر مضبوطی سے جمے رہیں اور ثابت قدمی سے مصائب برداشت کرتے رہیں۔ خدا صابروں کے ساتھ ہے!"

مطالعہ اور گفتگو

مرحوم کو کتابوں کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ کبھی اُن کا ہاتھ کتاب سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ عربی تقریر و تحریر میں وہ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ لیکن عربی زبان کا دائرہ، اُن کی وسیع عقل و دماغ کے لئے ناکافی تھا۔ لہذا اُنھوں نے ۴۰ سال کی عمر میں فرانسیسی زبان پڑھی اور اِس طرح پڑھی کہ اِس کے ماہر بن گئے۔ پھر ۶۰ برس کی عمر میں جرمن اور انگریزی زبانیں سیکھیں۔

گفتگو کے بھی وہ بڑے دلدادہ تھے۔ بلکہ اِس فن میں عجیب مہارت رکھتے تھے۔ ایسی دلچسپ گفتگو ہوتی تھی کہ کبھی جی نہیں گھبرا سکتا تھا۔ بذلہ سنجی گویا خمیر میں داخل تھی۔ بہت صاف گفتگو کرتے تھے۔ ایک ایک لفظ الگ الگ بولتے تھے۔ اِس طرح بولتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا زبان سے نہیں دل سے بول رہے ہیں۔

معمولات

اُن کی زندگی بہت منضبط تھی۔ ہر کام وقت پر ہوتا تھا۔ صبح بیدار ہوتے تھے۔ غسل کرتے تھے۔ ناشتہ تناول کرتے تھے اور مطالعہ

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۲۰ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دے دیئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ (منیجر الہلال کلکتہ)

مال و دولت کی عظمت، جاہ و عزت کی عظمت، حکومت و سلطنت کی عظمت، علوم و فنون کی عظمت، ہر طرح اور ہر نوع کی دنیاوی اعزاز کی عظمت، اِن میں سے کوئی عظمت بھی، بلکہ یہ تمام عظمتیں مل کر بھی، اُس عظمت کو نہیں پہنچ سکتیں، جو لا الٰہ الا اللہ میں پنہاں ہے!

دنیا کے تمام قارون، تمام سکندر، تمام ارسطو، دنیا کے تمام بادشاہ، تمام فلاسفہ، کیا وقعت رکھتے ہیں، جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کیا جائے؟

یہ ایک کلمہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں، جملہ عظمتوں سے بڑھ کر عظیم تھا۔ اُس کی عظمت کے آگے دنیا اور دنیا کے تمام زخرفات و تمتعات ہیچ تھے!

*

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِس دنیا میں آئے اور یہ کلمہ اُس کے سامنے پیش کیا۔ مگر دنیا اُس کی قدر جان نہ سکی۔ صرف ایک کلمہ تھا۔ لیکن وہ ایک ہی کلمہ دنیا سے ٹکرایا، اور اُس میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ اُس وقت کے انسانی آداب و عادات اُس کے متحمل نہ ہوئے۔ لہٰذا آداب و عادات کے پرستار اُس سے لڑنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اوہام و خرافات نے اُسے قبول نہ کیا۔ لہٰذا اوہام و خرافات کے پجاری اُس سے دست بگریباں ہو گئے۔ ظلم و استبداد کی طبیعت نے اُس سے کراہت کی۔ لہٰذا ظلم و استبداد کے طاغوت اپنی جملہ قوتیں لے کر اُس پر دوڑ پڑے!

صرف یہی ایک کلمہ تھا جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی۔ اُس کی قوت سے بادشاہوں کے جتھوں، دولتمندوں کے جتھوں، عوام و خواص کے جتھوں — تمام انسانوں کے جتھوں سے جنگ کی!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے چلے گئے۔ لیکن اُن کا کلمہ دنیا میں باقی رہ گیا اور دنیا میں اپنی ناممکن التسخیر قوت قاہرہ سے اپنا راستہ بناتا رہا! وہ اب بھی باقی ہے۔ اب بھی گام زن ہے۔ اب بھی مستعد مقابلہ ہے۔ اب بھی جنگ سے منہ موڑنے والا نہیں۔ مگر کیسی جنگ؟ ایسی جنگ، جس میں اُسے آج تک کبھی شکست نہیں ہوئی! جسم و آلات کی جنگ نہیں، حقیقت و معنی کی جنگ! خون کی آرزومند جنگ نہیں، زندگی کی کارفرما جنگ!

*

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا کلمۂ لا الٰہ الا اللہ، دو حالتوں سے خالی نہیں: یا تو اُن کا یہ کلمہ حق ہوگا یا باطل ہوگا۔

اگر یہ کلمہ باطل ہے — حالانکہ وہ باطل نہیں ہے — تو عالم وجود سے اُسی طرح محو ہو جائے گا جس طرح تمام باطل کلمے اور غلط نظریئے محو ہو گئے۔ علم حق اور عقل صادق کی روشنیوں کے سامنے سے اُسی طرح غائب ہو جائے گا، جس طرح طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ظلمت شب کافور ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر وہ حق ہے — حالانکہ وہ حق ہے — تو علم و عقل حق کے انوار اُس کے لئے اِس دنیا میں اور بھی زیادہ کشادہ راستے کھول دیں گے۔ تاکہ وہ تمام جہان پر چھا جائے۔ مشرق و مغرب پر قبضہ کر لے۔ تمام دلوں میں اُتر جائے۔ کالے، گورے، عرب، عجم، عالم، جاہل، امرا، فقرا سب اُس کے سامنے سرنگوں ہو جائیں!

وہ دن ضرور آنے والا ہے جب صرف علم حق ہی کی سلطنت ہوگی۔ جاہلوں کی جہالت، متعصبوں کا تعصب، وہم پرستوں کے اوہام، مدعیانِ علم باطل کے ظنون، سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ وہ دن ضرور آنے والا ہے جب ایک عقل صادق و حقیقت اندیش ہی کی حکومت ہوگی۔ عقل انسانی تمام بندشوں سے آزاد ہو جائے گی۔ اُس کا پر جلال تخت، علم حق کی روشنی میں بچھے گا۔ اُس دن حق باطل سے الگ ہو جائے گا۔ طیب اور خبیث میں اشتباہ باقی نہیں رہے گا۔ صرف وہی تعلیم انسانیت کے سامنے آنے کی جرأت کر سکے گی جو کار فرما فطرۃ کی حقیقی اور بے میل تعلیم ہوگی!

حق و باطل کا فیصلہ نہ صلیبیوں کی تلواریں کر سکیں نہ مجاہدین کی شمشیریں۔ حق و باطل کا فیصلہ نہ پادریوں کے کاروانوں سے ہو سکتا ہے، نہ پیشوایانِ دین کے خود ساختہ دعووں اور مرعوب کن دلیلوں سے۔ نام نہاد علم و دانش کی روشن خیالیاں، اور مقدس جمود و تقلید کی راسخ الاعتقادیاں، یہ تمام چیزیں۔ کُہر کے نمود سے زیادہ نہیں ہیں جو علم حق کے نور کے دمکتے ہی فنا ہو جائے گا۔ محض ایک غوغا ہے۔ علم حق کا مہیب نعرہ بلند ہوتے ہی، سکون موت میں تبدیل ہو جائے گا۔ اُس وقت عقل صادق کا سلطانِ عظیم، نورانی تاجِ علم سر پر رکھے حریت کے پرچم اُڑاتا، جلال ربانی کے ساتھ نمودار ہوگا، اور جہل و ظلمت کے تمام بت سرنگوں ہو جائیں گے!

کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کی کامل فتحمندی میں صرف اتنی ہی دیر باقی ہے کہ علم و عقل حق کے بند بندھن ٹوٹیں، اور یہ دونوں جبر و تی قوتیں جہل و غرور کی چٹانیں پاش پاش کر کے پھینک دیں۔

ہاں، صرف اتنی ہی دیر باقی ہے۔ کیونکہ دنیا کی آنکھوں پر ابھی تک جہل و وہم کے کثیف پردے پڑے ہیں۔

ہاں: وہ مبارک دن ضرور آنے والا ہے جب تنہا علم و عقل حق کی فرمانروائی ہو جائے گی۔ علم و عقل حق کی آواز کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دے گی۔ اُس دن، صرف اُسی دن، خدا حق و باطل میں فیصلہ کرے گا۔ طیب کو خبیث سے الگ کر دے گا۔ سچائی کا بول بالا ہوگا۔ منکروں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اُس دن کلمۂ لا الٰہ الا اللہ زمین کی خشکیوں اور تریوں پر سربلند چلے گا۔ فتح کا نشان اُس کے آگے ہوگا۔ ایک طرف سے اُس کا عرش علم کے کاندھے پر ہوگا، دوسری طرف سے عقل دوش بردار ہوگی۔ اُس دن سارا جہان بہ بانگ دہل دہرا دے گا "لا الٰہ الا اللہ!"

ہر عظمت زائل ہو جانے والی ہے۔ ہر عظیم، ہلاکت کی تاریکیوں میں گم ہو جانے والا ہے۔ مگر کلمۂ لا الٰہ الا اللہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ وہی اِس جہان فانی کی تنہا ابدیت ہے۔ وہ نہ تو کبھی زائل ہوگا نہ کبھی ہلاک ہوگا۔ وہ ایک ایسی عظمت ہے جس کی بنیاد، حق ہے، لہٰذا اُس میں حق کی قوت اور ثبات ہے۔ وہ ایک ایسی عظمت ہے جس کا ستون، الوہیت ہے، لہٰذا اُسے الوہیت کا خلود و ابدیت حاصل ہے۔ زمین بدل جائے گی۔ آسمان بدل جائے گا۔ نظام کون بدل جائے گا۔ تمام ایجادیں فراموش ہو جائیں گی۔ تمام قوتیں نابود ہو جائیں گی۔ تمام فلسفے مٹ جائیں گے۔ تمام دانائیاں غائب ہو جائیں گی۔ صرف ایک ربّ ذو الجلال والاکرام باقی رہ جائے گا۔ اُس کی ابدیت باقی رہ جائے گی۔ اور اِس لئے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ بھی باقی رہ جائے گا!

اُس دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پورا ہو جائے گا۔ تمام مخلوق صدق دل سے گواہی دے گی "اشهد ان محمداً رسول اللہ!"

سعد پاشا زغلول کے اقوال

"حمایتہ"

"انگریز کہتے ہیں" تم ہماری غلامی میں نہیں، ہماری حمایتہ (پروٹیکٹوریٹ) میں ہو۔ یہ الفاظ وہ اِس لئے بولتے ہیں کہ اُن کے خیال میں مصری الفاظ سے خوش ہوتے ہیں اور معانی پر غور نہیں کرتے۔ لیکن یہ اُن کا خیال غلط ہے۔ اب ہم معانی دیکھتے ہیں، الفاظ کی پروا نہیں کرتے۔ ہم آزادی اور کامل آزادی چاہتے ہیں، اگرچہ تم اُس کا نام غلامی ہی رکھ دو۔ ہم الفاظ کے پجاری نہیں ہیں۔ ہم معانی کے طلبگار ہیں۔ ہمیں صرف آزادی، کامل آزادی مطلوب ہے"

ٹائمس کا نامہ نگار

"حضرات! آپ لندن ٹائمز کو جانتے ہیں؟ انگریزی حکومت کی زبان۔ گمراہی پھیلانے کا آلہ۔ لندن ٹائمز کا نامہ نگار میرے پاس آیا اور کہنے لگا:

"آخر یہ تمام شور و غل کیوں ہے؟ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"کچھ نہیں صرف آزادی" میرا جواب تھا۔

"لیکن مصر تو آزاد ہی ہے" نامہ نگار نے کہا۔

"کیا انگلستان اسی قسم کی آزادی اپنے لئے پسند کریگا؟" میں نے سوال کیا۔

"آپ لارڈ کرزن سے کیوں گفت و شنید منظور نہیں کرتے؟" اُس نے پوچھا۔

"ہم شیطان سے بھی گفت و شنید کرنے پر آمادہ ہیں" میں نے کہا: "بشرطیکہ وہ ہماری آزادی تسلیم کر کے گفتگو کرے"

یہ سن کر نامہ نگار نے رخصت کی اجازت چاہی!"

طالب علموں سے خطاب

"عزیزانِ من! میں پورے خشوع و خضوع کے ساتھ اُن پاک روحوں کا سلام قبول کرتا ہوں جنھوں نے اپنے خون سے مستقبل تحریر کر دیا ہے۔

"میں پورے سرور و انبساط سے زندوں کا سلام قبول کرتا ہوں اپنے اُن فرزندوں کا جو موجودہ تحریک کا ستون ہیں۔ وہ کون ہیں؟ عزیزو! وہ تم ہو، تم جو نوجوان ہو، ملک کی زندہ روح ہو، متحرک نبض ہو۔

"میں پورے سکون سے یہ عزت قبول کرتا ہوں کہ ایک ایسی قوم کا سردار بنوں جو چوپایوں کی زندگی بسر کرنے سے انکار کرتی ہے۔ اصول و مبادی پر زندہ ہے۔ اشخاص کی پجاری نہیں ہے۔

"مجھے فخر ہے کہ ایک ایسی قوم کا سردار ہوں جو زندہ، حساس اور پُرامید ہے۔ جس کی امیدوں کا مرکز، آزادی، کامل آزادی ہے۔

"میں تم سے عہد کرتا ہوں، ایسا عہد جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا، کہ اپنی پوری زندگی تمھارے لئے کامل آزادی کی کوشش میں صرف کر دوں گا۔ اگر کامیاب ہوا، تو سبحان اللہ، ورنہ تم میرا نا تمام کام پورا کرنا یہ میری وصیت ہے۔

"تمھاری جیسی فوج کے سپہ سالار کے لئے روا نہیں کہ کمزور ہو، ضعیف الارادہ ہو، بد دیانت ہو۔ ہم پر حرام ہے کہ ایسی بات قبول کریں جس میں تمھاری ذلت ہے۔ ہمارے لئے جرم ہے کہ ایسی بات منظور کریں جو کامل آزادی سے کم درجہ ہے"

جلا وطنی

"زغلول جلا وطن کر دیا گیا، حالانکہ زغلول، مصری قوم کا محض ایک فرد ہے۔ مصر میں لاکھوں زغلول موجود ہیں، اور زغلول کی طرح آزادی کا م کی راہ میں مصائب برداشت کر سکتے ہیں۔ مصر کی تحریک آزادی کچلنے کے لئے ایک زغلول کو نہیں، تمام مصریوں کو جلا وطن کر دینا چاہئے"

مصنوعی آزادی

"کہتے ہیں یہ معاہدہ، مصر کی کامل آزادی کا معاہدہ ہے۔ اگر میں بھی اِس معاہدہ کو کامل آزادی کا معاہدہ کہنے لگوں، تو ابھی برطانیہ کی نظر میں محبوب بن جاؤں اور برطانی اخبار کل ہی سے نعرے لگانا شروع کر دیں "زندہ باد سعد!" لیکن میں غلامی کو آزادی نہیں کہہ سکتا۔ یا تو میں مجنون ہوں کہ آزادی کو غلامی کہتا ہوں، یا وہ مجنون ہیں کہ غلامی کو آزادی کہتے ہیں لیکن میں مجنون نہیں ہوں، کیونکہ تم کہتے ہو میں تمھارا سردار ہوں!" (قہقہہ)

مطبوعات الهلال بك ايجنسي

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دیني علوم کے بیش بها جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے امامین کي ان نادر و اعلیٰ درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نهایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلهٔ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه —— امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ارهائي روپیه -

کتاب الوسیله —— لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد ارهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه —— انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورة الکوثر —— امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقیٰ —— خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه —— حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز —— علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام —— ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه —— فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت —— یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بهترین تازہ معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الهلال بك ایجنسي

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکھین اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینه را
تازہ خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں - اردو کا وہ پهلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بهت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نهیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نهیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو اُنهیں دوبارہ چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه   الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " " چهارم ۱۰ روپیه   " " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر "البلاغ پریس"

۱۹۲۷
الہلال
جلد ۱
نمبر ۱۶
البلاغ پریس کلکتہ
۵ ـ آنه

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین — القرآن الحکیم

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ١٦ | کلکتہ : جمعه ١٠ - ربیع الثانی ١٣٤٦ هجری | جلد ١

Calcutta : Friday, 7, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی -
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای -
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی -

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی - اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین - آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین - لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین -

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی - یاد رکهیی - طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی - ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین - الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ١٣٠١ مراسلات وصول هوی هین - تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	١٩٧	اردو حروف کی حق مین	٣٧٥
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	٣٧٤	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	٢٢٨	نستعلیق هون	١٢٧

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی -

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی - اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی - آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین - الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول	-	-	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	-	-	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	-	-	سات روپیه
قیمت في پرچه	-	-	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں هے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

جنگي اقتدار رکهنے والے بادشاهوں پر رعایا کي کوئي نگراني نہیں هوتي - لیکن تجارتي حکومتوں میں تجار و اعیان ' حاکم کي نگراني کرتے هیں ' اور حاکم ' تجار و اعیان کي نگراني کرتا هے ' کیونکه پوري قوم اِس ممتاز طبقه کے مظالم کا نشانه بن سکتي هے -

(حکومتوں کي تشکیل میں مذهبي پیشواؤں کا دخل)

ایک تیسري قوت بهي هے جو حکومتوں کي تشکیل میں بڑا دخل رکهتي هے - وه قوت کاهنوں اور مذهبي پیشواؤں کي هے - قدیم زمانے میں دیني پیشواؤں کو غیر معمولي اهمیت و طاقت حاصل تهي - مصریوں اور یہودیوں میں اِن کا اقتدار بے روک تها - یه اِنهي کاهنوں کي قوت تهي جس نے مخلوق سے فرعون کي پرستش کرائي اور رومولس اور ریموس (۱) کو جنگ کے دیوتا کي اولاد تسلیم کرا دیا - چین کے شہنشاهوں کے متعلق بهي ایسا هي اعتقاد تها - سیام کے بادشاه تو آج تک اِسي قسم کے القاب سے یاد کیے جاتے هیں -

غرضکه سیاسي قوت ' اجتماعي ارتقاء کا نتیجه هوتي هے - کمزور همیشه طاقتوروں کا لقمه هوتے هیں - قوت صرف مادي هي نہیں هوتي - دیني ' اخلاقي ' اور فکري بهي هوتي هے - بلکه کبهي کبهي اقتصادي بهي هوتي هے - مارکس کا قول هے که اقتصادي قوت هي سیاسي قوت میں اصل و بنیاد کا حکم رکهتي هے - اُس کي یه رائے هر حال میں صحیح نہیں هے ' اگرچه اقتصادي قوت ' سیاسي نظامات کي تاریخ میں بہت مؤثر رهي هے -

(سیاسي حکومت ' اور باهمي تعاون کي تاثیر اُمت کي تکوین میں)

سیاسي حکومت کا ظهور ' ایک اجتماعي حادثه هے - یه حادثه همیشه ایک هي قسم کا هوتا هے - جماعتیں اپني قلت و کثرت میں کتني هي متباین هوں ' مگر اِس سے اُن کے طبائع میں کوئي تباین پیدا نہیں هوتا -

انسان ' باهم اجتماعي تعاون کے رشتوں سے جڑ گئے هیں - صرف اسي تعاون کے ذریعه هم اپني ضرورتیں پوري کرسکتے هیں - انسانوں کي ضرورتیں اور قابلیتیں مختلف اور متفاوت هیں - اِسي صورت حال نے اُنهیں مجبور کر دیا هے که تقسیم عمل کے اصول پر باهمي تعاون سے کام لیں -

همارے اجداد کي اجتماعي روش ' ناموس نشو و ارتقاء کے ماتحت فوراً بدل گئي جب اُنهوں نے دور توحش سے دور بداوت میں قدم رکها - جغرافیائي اور جنگي ضرورتوں سے مجبور هوکر بہت سے قبیلے متحد هوگئے - اُن کے اتحاد نے ایک نیا مجموعه پیدا کردیا - اِسي مجموعه کا نام بعد کو " اُمت " یا " قوم " هوا - پهر جب زرعي غلامي اور سرداري کا طریقه رائج هوا ' تو غلاموں کے قتل کر ڈالنے کا دستور منسوخ هوگیا اور غلام کاشتکاري کي خدمت پر مامور کر دیے گئے - پهر صنعت و حرفت کے وسیع پیمانے پر ظهور نے سرے سے یه غلامي بهي موقوف کردي -

اِسي تدریجي ارتقاء نے قومیتیں پیدا کیں ' اور قبائلي سرداروں کو شاهي تختوں پر بٹها دیا - پہلے زمانے میں پادشاه کا اولین کام یه تها که فوج کي سپه سالاري کرے - مصریوں ' اشوریوں ' اور یوروپین قوموں کي تاریخ ایسي مثالوں سے لبریز هے -

---

(۱) رومولس اور ریموس ' مندر وستا کي راهبه " ري سیلویا " کے توأم لڑکے تهے ' اور زنا سے پیدا هوئے تهے - مگر راهبه نے دعوی کیا که وه جنگ کے دیوتا مریخ کي اولاد هیں - رومولس ' روم کا باني هے -

(جماعت کي زندگي اور تعاون کے دو اصول)

بعض علماء اجتماع کي رائے میں جماعت ' ایک حقیقي زندگي رکهتي هے - اُن کا خیال هے که جماعتي ذهن و وجدان ' فردي ذهن و وجدان سے علحده وجود رکهتا هے - قدیم زمانے میں افلاطون اور ارسطو کا بهي نظریه یهي تها که جماعت ' ایک عظیم زنده وجود هے - گویا وه سینکڑوں سروں کا حیوان هے - همارے زمانے میں بهي متعدد علماء نے یهي کہا هے - چنانچه ورمس وغیره کہتے هیں که جماعتیں ' اپني مستقل زندگي رکهتي هیں - وه جسم حي کي مثال پیش کرتے هیں - وه کہتے هیں علماء فیزیو لوجي (علم وظائف اعضاء) کا متفقه فیصله هے که اجسام حیه کي اساسي طبیعت یه هے که هر عضو اپني جگه پر ایک خاص عمل انجام دیتا هے جس سے مجموعي جسم کي زندگي بر قرار رهتي هے - مثلاً نبات ' جڑوں ' پتوں ' اور پهولوں وغیره سے مرکب هوتا هے - اِن میں سے هر چیز اپني جگه پر پورے درخت کي سلامتي و بقاء کے لیے کام کرتي هے -

اعضاء کا یه تعاون ' دو اصلوں پر مبني قرار دیا جا سکتا هے :

(۱) مختلف اعضاء میں وظائف کي تقسیم و تحدید -

(۲) وه غرض و غایت ' جس کے لیے بطریق تعاون تمام اعضاء کوشش کرتے هیں -

یه دونوں اصلیں ' تمام انساني و حیواني جماعتوں میں پائي جاتي هیں - یه اِس لیے که اگر اعضاء جسم میں وظائف کي تقسیم نه هو' تو اُس جسم میں سرے سے وصف عضویت هي موجود نہیں هو سکتا - مثلاً اگر هم ایک رنگ کا ٹیله دیکهیں جس کے تمام اجزاء و اقسام متشابه هوں ' اور سب ایک هي عمل انجام دے رهے هوں ' تو همیں فیصله کر دینا پڑیگا که اِس ٹیلے کے اجزاء میں وظائف کي تقسیم نہیں هے - یعني اُس میں خود عضویت کا وجود هي نہیں هے - یہي حال انساني جماعت کا هے - جس انساني گروه کا هر فرد اپني علحده زندگي بسر کرتا اور جماعت کے لیے کوئي کام نہیں کرتا هے ' همیں کہنا چاهیے که وه گروه سرے سے جماعت هي نہیں هے ' بلکه دور وحشت میں پڑا هوا هے -

(وظائف کي تقسیم)

جسم میں عضویت کا آغاز اُسي وقت سے هوتا هے جب اُس کے اجزاء میں وظائف کي تقسیم هو جاتي هے - یهي حال انسانوں کا هے جب اُن میں تقسیم عمل نافذ هو جاتي هے - بعض کهیتي پر لگ جاتے هیں - بعض کپڑا بننے لگتے هیں - بعض مکان بنانے لگتے هیں ..... اِس حالت میں انسانوں کے اِس گروه کا نام " جماعت " هو جاتا هے -

میلن کي رائے هے که عالم اقتصاد میں تقسیم عمل ' عالم فیزیو لوجي (وظائف الاعضاء) میں تقسیم وظائف (فرائض) کے بالکل مشابه هے - یه تقسیم هي جسم حي کي خصوصیت پیدا کرتي هے - اور یهي تقسیم " جماعت " کو موجود کرتي هے -

اِس کي مثال یه هے که زنده جسم میں معده ' نه تو دل کا فرض انجام دیتا هے ' نه دل معدے کا - گزشته تفصیل سے واضح هوچکا هے که زندگي پیدا کرنے میں تقسیم وظائف ' تعاون هي کي بنیاد پر قائم هوتي هے - مثلاً دماغ اپني غذا حاصل کرنے کے لیے خود عمل نہیں کرتا ' بلکه اُس کي غذا معده مهیا کرتا هے' اور قلب یه غذا اُس تک پہنچاتا هے - یهي حال جماعت کا هے -

علم الاجتماع

(۲)

(فرد کا اقتدار جماعت پر)

جماعت نے طویل تجربے سے معلوم کر لیا تھا کہ شکار اور جنگ میں رھي شخص اُس کا سردار ھونا چاھیے ' جو اسلحہ کے استعمال میں مشاق اور جسماني قوت میں اصلح ھو - یہ حال صرف انساني جماعتوں ھي کا نہیں ھے - چڑیاں بھي جب ایک اقلیم سے دوسري اقلیم کو جاتي ھیں ' تو اپني سرداري اور پیش قدمي کے لیے اپنا سب سے زیادہ قوي اور تیز نظر فرد منتخب کرتي ھیں - ھمیشہ دیکھا جاتا ھے کہ چڑیوں کے غول اپنے سردار کے پیچھے اڑتے ھوئے جاتے ھیں !

اپني تکوین کے آغاز میں سلطنت کي بھي یہي صورت ھوئي - افریقہ ' استریلیا ' اور نیوزي لینڈ میں ابتک ایسے قبائل موجود ھیں جو یہ اجتماعي نظام پیش کر رھے ھیں - بعض قبائل ایسے بھي ھیں جن کا سردار دائمي نہیں ھوتا ' عارضي طور پر منتخب کر لیا جاتا ھے - چنانچہ قبائل تسمان کا یہي حال ھے - اُن کا جب کوئي خاندان سفر یا جنگ کو جانے لگتا ھے تو اپنا سردار منتخب کر لیتا ھے - لیکن اِس ضرورت کے ختم ھوتے ھي سردار کي سرداري بھي ختم ھو جاتي ھے ' اور وہ باقي افراد کي طرح ایک فرد عام ھو جاتا ھے -

جو جماعتیں جنگ و جدل سے دور ھیں ' اُن میں فرد کا کوئي اقتدار نہیں ھوتا - چنانچہ قبائل دوجي میں کوئي بھي سردار نہیں ھے - تمام افراد بالکل مساویانہ زندگي بسر کرتے ھیں -

یہي حال قبائل اسکیمو کا ھے - اِن کي تعداد اگرچہ بہت زیادہ ھے ' مگر آج تک اُن میں کوئي سردار نہیں ھے - شروع شروع جب اُن کے سواحل پر یورپین جہاز پہنچے ' تو اُنھیں یہ دیکھہ کر سخت حیرت ھوئي کہ بحري سپاھي اپنے افسروں کے اشاروں پر حرکت کرتے ھیں !

(حکومتوں کي تشکیل میں جنگ کا دخل)

ابتدائي حکومتوں کے وجود کا باعث صرف جنگ ھي نہ تھي - لیکن جو حکومتین جنگي ضرورت سے قائم ھوتي ھیں ' وہ فرد ھي کے ماتحت ھوتي ھیں - ابتدائي جنگوں کے تجارب نے انساني جماعتوں کو یقین دلا دیا کہ نظام و ترتیب کي قوت ' کثرت تعداد کي قوت سے کہیں زیادہ مؤثر ھوتي ھے - بہت سي جماعتیں محض اِس لیے برباد ھو گئیں کہ اُن میں کوئي نظام موجود نہ تھا - انتشار و فوضویت عام تھي - چنانچہ بتدریج انسانوں نے نظام کے فوائد معلوم کیے اور منتظم زندگي اختیار کرنے پر مجبور ھو گئے -

جملہ مستبد حکومتوں کي پیدائش ' جنگ ھي سے ھوئي ھے - شخصي حکمراني کا باعث ' جنگ سے بڑہ کر کوئي چیز نہیں ھوسکتي -

چنانچہ قرون اولی میں جب روم کے لیے ایک بڑا جنگي خطرہ پیش آیا ' تو قہري حکومت (ڈیکٹیٹرشپ) قائم ھوگئي - لیکن اُس کے دفع ھوتے ھي میذسناتس ' جو اِس حکومت کا حاکم تھا ' اپنے کھیت میں ھل چلانے واپس چلا گیا - تاریخ میں ایسي بہت سي مثالیں موجود ھیں کہ زیادہ سے زیادہ حریت پسند قوموں میں بھي جنگوں نے ایسے آدمي پیدا کردیے ' جو شروع میں حامي حریت معلوم ھوتے تھے مگر جنگي ضرورتوں نے اُنھیں مستبد حاکم بنا دیا -

جنگي قومیں — اپنے جغرافیائي موقعہ کے لحاظ سے — استبدادي طرز حکومت ھي پر برقرار رھیں - اسي طرح تمام وسیع ممالک ' جن پر دشمنوں کے حملے ھوتے رھے یا جن میں اندروني شورشیں زیادہ برپا ھوتي رھیں ' اُن کي حکومتیں لازمي طور پر استبدادي رھي ھیں - برخلاف اِن کے چھوٹے چھوٹے اور چہار طرف پہاڑوں سے محفوظ ملکوں کي حکومتیں جمہوري ھوا کرتي ھیں - چنانچہ قدیم زمانے میں یونان اور موجودہ زمانے میں سوئٹزر لینڈ اُن ممالک کي مثال ھیں جو استبداد سے یک قلم نا آشنا ھیں - لیکن قوم ترکمان — بدویت کي حالت میں — شخصي استبداد کي طرف مائل رھي ھے -

(حکومتوں کي تشکیل میں صناعت کا دخل)

صناعت ' اگرچہ براہ راست حکومتوں کي تکوین کا باعث نہیں ھے ' لیکن جنگ کے بعد وہ بھي اُن کي تشکیل میں بڑا دخل رکھتي ھے - کیونکہ صناعت ' دولتمندي کا اولین سبب ھے اور اس لیے باشندوں میں فرق مراتب کا موجب ھے -

ابتدائي انسان نے جوں ھي آلات کو ترقي دي ' مختلف قسم کي صنعتیں ظاھر ھونے لگیں - صناعوں اور کاشتکاروں نے غیر معمولي محنت کے ذریعہ اِتني پیداوار مہیا کرلي جو اُن کي ضرورت سے زیادہ تھي - چنانچہ اُس کي فروخت اور مبادلہ سے اُنھیں کافي دولت حاصل ھوگئي - اِس دولت سے اُنھوں نے دوسروں سے زیادہ رسوخ حاصل کرلیا اور اپنے لیے خاص خاص صنعتیں اور پیشے خاص کرلیے -

اِن مالداروں کو بہت جلد ضرورت محسوس ھوئي کہ حریص و طماع غریبوں سے اپني دولت محفوظ رکھنے کی تدابیر اختیار کریں - چنانچہ اُنھوں نے اِس مقصد کے لیے قانون و نظام بنائے - یا دوسرے لفظوں میں ملک کے لیے حکومت کي بنیاد رکھي اور اُسکي خاص شکل تجویز کي -

اِس قسم کي حکومتیں ' جو صناعوں اور تاجروں کے ھاتھوں ظاھر ھوئیں ' قدرتي طور پر اُن حکومتوں سے مختلف مزاج رکھتي تھیں ' جنھیں جنگوں نے پیدا کیا تھا - کیونکہ اول الذکر میں کامل شخصي اقتدار قائم نہیں ھو سکتا تھا - صناعوں اور تاجروں کي جماعت کو بھي رسوخ حاصل تھا - اِس قسم کي حکومتوں کي مثال قدیم زمانے میں وینس اور ولمنک کي حکومتیں تھیں - یہ حکومتیں جنگي حکومتوں سے بہت سي باتوں میں مختلف ھوتي ھیں -

ایک قدیم مرقع

— ✻ —

خليفه هارون الرشيد اور فرانسيسي سفارت

عرصه هوا ' زمانۂ حال کے مشهور مصري مصنف جرجي زيدان مؤسس الهلال قاهره نے اپني سياحت يورپ کي ياد داشتيں شائع کرتے هوے لکها تها " سوربن يونيورسٹي ميں ایک قديم مرقع ميري نظر سے گزرا - اس ميں اُس فرانسيسي سفارت کا خليفه هارون الرشيد کے دربار ميں ورود دکهلايا گيا هے جو شارليمين اول نے بغداد بهيجي تهي ' اور جس کے جواب ميں هارون الرشيد نے وه عجيب و غريب گهڑي ارسال کي تهي جس کا تمام يورپ ميں عرصه تک شهره رها "

جرجي زيدان نے اس مرقع کا عکس شائع کر ديا تها - اس مرقع ميں هارون الرشيد ایک بلند مسند پر جو تو بر تو گديلوں سے بنائي گئي هے ' بيٹها هے - سر پر خود کي وضع کي قلنسوه هے اور اس پر عمامه بندها هے - حبشي غلام عقب ميں کهڑے هيں ' اور فرانسيسي سفارت کے ارکان زمين بوس هو رهے هيں -

مجهے اس مرقع سے بهت دلچسپي هوي ليکن اِسکي تاريخ قدامت کي کوئي تصريح نهيں کي گئي تهي - ميں نے خيال کيا ' بهت ممکن هے زمانۂ حال کے کسي مصور نے واقعۂ سفارت کے تخيل کو مرقع کي صورت ديدي هو ' يا کسي تاريخي کتاب کي تزئين کے ليے طيار کيا گيا هو - ميں چاهتا تها ' اس بارے ميں مزيد معلومات حاصل کيے جائيں - کيونکه مجهے اپني ایک زير تحرير کتاب کے ليے اس طرح کے تمام مواد کي ضرورت تهي -

گذشته سال ایک تقريب سے مجهے موقعه ملا که موسيو بلوشر سے خط و کتابت کروں - يه فرانس کے مشهور فارسي داں متسشرق هيں اور کچهه عرصه سے پيرس کے قومي کتب خانه کے فارسي حصه کي از سر نو تحقيقات کر رهے هيں - ميں نے اس مرقع کي نسبت ان سے دريافت کيا - ان کا جواب حسب ذيل تها :

" جس مرقع کا آپنے ذکر کيا هے (يعني سوربن يونيورسٹي کا) وه اصل نهيں هے - اصلي مرقع کي نقل هے - اصلي مرقع اس کتب خانه ميں (نيشنل لائبريري پيرس) ميں محفوظ هے - يه مشکل هے که اس کي صحيح تاريخ معين کي جا سکے ' ليکن اس ميں کوئي شک نهيں که سولهويں صدي ميں يه مرقع موجود تها - کيونکه سنه ۱٥۸۹ - ميں جب هينرخ Heinrich نے اپنا مجموعۂ تاريخ عرب نيپلز ميں شائع کيا هے ' تو اس ميں يه مرقع بهي درج کيا گيا تها - مرقع کے نيچے يه عبارت لکهي گئي تهي " بغداد کے خليفه کے دربار ميں شارليمين کي سفارت — اِس مرقع کي نسبت خيال کيا جاتا هے که يه شارليمين کے حکم سے طيار کيا گيا تها " مرقع کا جو نسخه بطور اصل کے اسوقت محفوظ هے ' غالباً وه بهي اصل نهيں هے - کسي دوسرے نسخه کي نقل هے - کيونکه اس ميں بعض خاص طرح کے رنگ استعمال کيے گئے هيں ' اور اُن رنگوں کا استعمال سولهويں صدي کے بعد شروع هوا هے — * * * *

* * * * * سولهويں اور سترهويں صدي ميں يه مرقع منجمله اُن تصاوير کے تها ' جن سے فرانس کے شاهي قصر آراسته کيے جاتے تهے - قصر تويلري کے ليے يه مرقع ايوان استقبال کي اُن تصويروں کي قد و قامت کے مطابق طيار کيا گيا تها ' جو اسکي دهني اور بائيں ديواروں پر قدم آدم جتني ترتيب دي گئي تهيں - ميں اگرچه يه کهنے کے ليے کافي تاريخي تصريحات نهيں پاتا که يه مرقع اصلي هے ' تاهم اس کي تاريخي قدر و قيمت سے انکار نهيں کيا جا سکتا - کم از کم يه بات بالکل صاف هے که خود شارليمين کے عهد کا هو يا نه هو ' ليکن سولهويں صدي سے پيشتر کا رائج و مشهور مرقع ضرور هے * * * ایک دوسرے واقعه سے بهي اس مرقع کي تاريخي حيثيت کي تصديق هوتي هے - هارون الرشيد نے اس سفارت کے جواب ميں فرانسيسي سفيروں کے ساتهه اپنے خاص سفراء بهي بهيجے تهے ' اور ان کے ذريعه بيت المقدس کي طلائي کنجياں اور بهت سے قيمتي تحائف روانه کيے تهے - انهي تحائف ميں وه اپنے عهد کي عجيب و غريب گهڑي بهي تهي جس کا ذکر اُس عهد کے مورخ اے جي نارٹ Eginhart نے

ضروري هے که اُس میں بهي بعض افراد ' قوم کي مدافعت کي ذمه داري لیں ' بعض عام مصالح انجام دیں ... اِس تقسیم عمل اور تعاون کي غایت یه هوتي هے که مجموع یعني جماعت ' قائم و محفوظ رهے - هر عضو ' دوسرے اعضاء کے مقابلے میں بیک وقت ' واسطه اور غایت هوتا هے - چنانچه مثلاً کاشتکار حاکم کا خدمت گزار هوتا هے ' اور حاکم ' کاشتکار کا خادم هوتا هے - اِسي طرح جماعت کا هر فرد ' دوسرے افراد کا معاون و مدد گار هوجاتا هے -

یه اعمال اپني مجموعي حیثیت سے دائرۂ حیات میں متعدد حلقوں کا حکم رکهتے هیں - تمام اقوام اور قبائل ' انساني مجموعه میں ایسے هي دائرے بناتے چلے جاتے هیں •

(سلطنت میں نظام حیات)

اسپنسر نے کائنات حیه کي بحث میں بتایا هے که جسم حي میں تین بڑے نظام ' تین بڑے وظائف انجام دیتے هیں :
نظام هضمي ' مجموعه عصبي ' نظام تنفس -

یهي حال سلطنت کا هے - ایک فریق مجموع کے لیے اُس کي غذا مهیا کرتا هے - دوسرا فریق سلطنت کا انتظام سنبهالتا هے - تیسرا فریق — اور وہ درمیاني فریق هے — زمین کي پیداوار تقسیم کرنے کا ذمه دار هوتا هے تاکه باقي جماعت اُسے اپنے کام میں لائے -

یه عمل ' جسم انساني میں دوران خون کے نظام سے بہت مشابه هے - سلطنت میں زراعت ' حکومت ' تجارت ' تین اعضاء هیں اور اُن اعضاء ثلاثه کے قائم مقام هیں جو حیاۃ حیواني قائم رکهتے هیں -

یهاں پر ایک سوال قابل لحاظ هے - همیں اُسے نظر انداز نہیں کرنا چاهئے - "کیا سلطنت اِن اعضاء کے وجود کے بعد هي موجود هوجاتي هے ؟ — گهڑي کا آله یا جهاز کا آله ' کائنات حیه کے مشابه هے - چنانچه وہ بهي دوسرے اجسام حیه کي طرح مختلف اعضاء سے مرکب هے - اِس کے اعضاء میں بهي تقسیم عمل هے اور اپنے اعمال کي انجام دهي میں تعاون رکهتے هیں - یه آلات ' زنده اجسام سے اِس قدر مشابه هیں که وحشي انسان اُنهیں سچ مچ زنده وجود هي سمجهه لیتے هیں - اگر یهي بات هے تو پهر جاندار آلے اور بے جان آلے میں کیا فرق باقي رہ جاتا هے ؟ "

اِس سوال کا جواب لایبنٹس نے یه دیا هے که " لکڑي یا لوهے کا متحرک آله ' في نفسه کوئي عضویت نہیں رکهتا - برخلاف اِس کے هر زنده وجود عضویت اور مستقل زندگي رکهتا هے - هر عالم حي ' هزاروں زنده عوالم کا مجموعه هے "

ویرخوف اور کلوڈ برناڈ نے ثابت کیا هے که هر حیوان اپنے سے بہت زیاده چهوٹے اور پست بے شمار حیوانات سے مرکب هوتا هے - همارے جسموں کے اندر بہت سي ذي روح کائنات موجود هیں - اِن میں سے هر ایک مستقل زندگي رکهتي هے - اِن کائنات کي زندگي همارے هي خون سے هے - یه کائنات ' مختلف قابلیتیں ' خواهشیں ' امراض ' اور حرکات رکهتي هیں - اگر هم کسي کیڑے کے دو ٹکڑے کردیں تو بهي اُس کا هر ٹکڑا زنده رهے گا - بلاشبه ترقي یافته حیوانوں کي یه حالت نہیں هے - لیکن ان حیوانات کے بهي بعض اجزاء — مثلاً ناخن اور بال — جسم کي موت کے بعد زنده رهتے هیں - مرنے کے بعد انسان کے ناخن اور بالوں کا بڑهنا اِس بات کي دلیل هے که اِن میں زندگي موجود رهتي هے - اِسي طرح یه بهي واقعه هے که کئي چوهوں کي دمیں اگر ایک چوهے کے جسم میں لگا دي جائیں ' تو اِن تمام دموں میں بهي زندگي پیدا هو جائیگي -

مختارات

عورت کي طاقت

عورت ' هیئت اجتماعیه کي بنانے والي هے - پوري هیئت اجتماعیه ' عورت کے قبضۂ اختیار میں هے - سب کچهه اُسي کي مدد سے اور اُسي کیلیے هوتا هے - عورت ' مرد کي سب سے بڑي مربي و معلم هے - وہ عورت هي هے جو مرد کو اعلى اخلاق ' پسندیده آداب ' اور رقیق احساس سکهاتي هے - عورت بعض مردوں کو لطف معاشرت کي تعلیم دیتي اور سب کو سخت مزاجي سے باز رکهتي هے - عورت هي کے ذریعه مرد کو معلوم هوتا هے که اُسکي اجتماعي زندگي کیسے نازک اور پر پیچ عناصر و اجزاء سے مرکب هے - عورت کے قریب هونے هي سے هم محسوس کرتے هیں که جذبات کا طوفان اور ایمان کا دهارا اِتنا زبردست هے که اُسے روکا نہیں جا سکتا ' اور یه ' که انسان اپني عقل کے بل بوتے پر نہیں چل رها هے -

(اناتول فرانس)

علماء کي خوش مزاجي

عام طور پر مشہور هے که علماء و فضلاء خشک مزاج هوتے هیں - شب و روز خشک مباحث میں غور و فکر کرنے کي وجه سے خشک دماغ هو جاتے هیں - یه چیز اِس قدر مشہور هوئي که علم اور خوش مزاجي کو بڑي حد تک متضاد خیال کیا جانے لگا - بہت سے مدعیان علم مصنوعي خشک مزاجي کي عادت ڈال کر دنیا کو اپني علمیت منوانے لگے - حالانکه علم اور بشاشت میں هرگز کوئي تضاد نہیں هے - زیاده سے زیاده هنس مکهه آدمي بهي بڑے سے بڑا عالم هوسکتا هے - اِس کي سب سے زیاده نمایاں مثال جاپان میں موجود هے - یهاں کے علماء فن عموماً بڑے خوش مزاج هوتے هیں - حال میں مشہور جاپاني عالم ' ڈاکٹر " میورا " امریکا گیا تها - وهاں کے لوگ اُس کي هنسي اور خوش طبعي دیکهکر متعجب هوگئے -

بادشاهوں کو هدیه

بادشاهوں کے لیے ایک مصیبت هدیے بهي هیں جو اُنهیں بہت بڑي مقدار میں همیشه پہنچتے رهتے هیں - ایڈورڈ هفتم کے پاس سیکڑوں صندوق سیگرٹ ' نک ٹائي ' دستانوں ' جوتوں ' اور چهڑیوں سے لبریز بطور هدیه کے آیا کرتے تهے - وہ هدیے بہت کم قبول کرتے اور اکثر واپس کردیا کرتے - تاهم بعض نادر چیزیں لے بهي لیتے تهے - چنانچه ایک شخص نے امریکا سے پاؤ بهر وزن کا ایک آلو بهیجا تها - اُسے بادشاه نے قبول کرلیا - اِسي طرح ایک قدیم مصري شاهزادي کا ممي کیا هوا هاتهه بهي منظور کرلیا تها ' اور اُس سے میز پر کاغذ دبانے کا کام لیا کرتے تهے !

یهي حال سابق قیصر جرمني کا تها - ایک شخص نے افریقا کے سب سے بلند پہاڑ " کیلیما نگارو " کي چوٹي پر سے ایک پتهر کاٹ کر هدیه بهیجا تها - اسے قبول کر لیا - نیز ایک بڑهیا کا سو مارک کا نوٹ بهي منظور کرلیا تها - اِس عورت نے دربان کے هاتهه شہنشاه کو ایک لفافه بهیجا جس میں اس بنک نوٹ کے علاوہ ایک خط تها :
" کل میں نے آپ کو فوج کي قواعد ملاحظه کرتے وقت سردي سے کانپتے دیکها - یه سو مارک کا نوٹ قبول کیجیے اور اِس سے اوني بنیائن خرید لیجیے "

هوتا ' تو بہت ممکن تھا ' اصلاح و تجدد کي راهيں باز هو جاتيں - لیکن عبدالعزیز کے مجنونانه استبداد نے جسکے ساتھه شخصي حکمراني کے تمام عیش پرستانه عناصر فساد بھي جمع هوگئے تھے ' اصلاح حال کے تمام دروازے مسدود کر دیے - خزانه بالکل خالي تھا - یورپ سے قرضوں پر قرض لیے جا رهے تھے - مالیات کے بہترین وسائل مکفول هوگئے تھے - روس نے پیٹرسبرگ سے سرائے دولمه باغیچه تک اپني مخفي سازشوں کا جال بچھا دیا تھا - روسي سفیر جنرل اگناتف کا اقتدار روز بروز بڑھرها تھا ' اور سلطان اپنے تمام معاملات میں اسي کے مشوروں پر کار بند تھا - سلطان کا تمام وقت محل کي عیش پرستیوں میں صرف هوتا - بسا اوقات ایک ایک مهینے تک وزراء حکومت کو بار یابي کا موقعه نهیں ملتا - شخصي حکومتوں کا قدرتي مزاج هي شخصي انانیت اور مستبدانه قهر و جبر کا هوتا هے - پھر اگر خصوصیت کے ساتھه اُسکا کوئي حکمران " مستبد " هو جاے ' تو ظاهر هے ' اُسکا استبداد کس درجه لا علاج اور بے پناه هوگا ؟ تمام ترک اهل قلم متفق هیں که عبدالعزیز اپنے تمام پچھلے مستبد حکمرانوں سے بھي زیاده مستبد تھا - کوئي بات بھي اسے اسدرجه طیش و غضب میں نهیں لاتي تھي جسقدر اس بات کا تصور ' که دنیا کي کوئی مخلوق اُسے " مشوره " دنیا چاهتي هے ' یا نصیحت کرنے کي جرأت رکھتي هے - ابتدا میں جو لوگ بھولے سے کوئي ایسي جرأت کر بیٹھے ' اُنھیں فوراً اسکي سزا بھگتني پڑي - اس صورت حال کا لازمي نتیجه یه تھا که کارخانۂ سلطنت روز بروز درهم برهم هو رها تھا اور آنے والے خطرے کے آثار قریب سے قریب تر هونے لگے تھے یه حالت جاري تھي ' مگر هر طرف غفلت و اعراض کا سناٹا چھایا تھا - کوئي صدا نه تھي جو کلمۂ حق و اصلاح سے آشنا هوتي !

لیکن غفلت و افساد کے اس سکون میں بالاخر جنبش هوئي ' اور دولۃ عثمانیه کي تاریخ میں پهلي مرتبه دعوت الي الحق کي بے خوف صدا بلند هوئي - یه مصطفی فاضل کي صدا تھي - وه صداے حق ' جسے نه تو سلطان عبدالعزیز کي سطوت و جبروت روک سکي ' نه امارت و وزارت کے مطامع مانع آسکے !

تاریخ میں یه ضداء اصلاح " لائحۂ اصلاحیه " کے نام سے مشهور هے - یه دراصل ایک مکتوب هے جو سلطان عبد العزیز کے نام لکھا گیا تھا - مصطفی فاضل نے یه مکتوب سنه ۱۸۶۷ میں لکھا ' اور بذات خاص سلطان کے حواله کیا - لوگوں کو جب اس جسارت کا حال معلوم هوا تو شدت تحیر سے انگشت بدندان رهگئے - دولۃ عثمانیه کي تاریخ میں یه بالکل ایک نئي قسم کي جسارت تھي - ایسي جسارت جسکي مصطفی رشید ' فواد پاشا ' اور عالي پاشا جیسے مصلحین بھي جرأت نهیں کرسکتے تھے !

سلطان عبدالعزیز نے یه لائحه پڑھا ' اور وهي نتیجه نکلا جو متوقع تھا - مصطفی فاضل کو قسطنطنیه سے هجرت کرني پڑي - وه پیرس آیا اور ایک مدت تک کیلیے یهاں مقیم هوگیا - مصطفی فاضل کے اسي قیام پیرس سے نوجوان ترک جماعت کي سب سے پهلي بنیاد پڑي - قسطنطنیه کے متعدد نوجوان بتدریج پیرس چلے آئے ' اور مصطفی فاضل کي امداد و سرپرستي میں متحده زندگي بسر کرنے لگے - اُس عهد کے وه تمام اصلاح پسند افراد جنھوں نے نه صرف دولۃ عثمانیه کیلیے سیاسي انقلاب کي تخم ریزي کي ' بلکه ترکي علم ادب و کتابت میں بھي دور جدید کي بنیاد ڈالي ' اسي عهد کي پیداوار هیں - نامق کمال بے ' ضیا پاشا ادیب ' سعد الله پاشا ' ابوالضیا توفیق ' وغیرهم کي نشوؤ نما اسي دور میں هوئي -

مصطفی فاضل کو اس جسارت کا صله صرف مهاجرت هي کي صورت میں نهیں ملا ' بلکه اُسکي تمام ترکي جائداد بھي ضبط کرلي گئي - اگر فرانسیسي حکومت درمیان نه پڑتي تو شاید مصري جائداد سے بھي محروم هو جاتا -

مصطفی فاضل کا لائحه ' تاریخ شرق جدید کا ایک اهم واقعه هے - جس جرأت و صراحت کے ساتھه وقت کے ایک مستبد سلطان کو مخاطب کیا گیا هے ' اور استبداد و شخصیت کي جگه آزادي و شورى کي دعوت دي گئي هے ' اُس کي کوئي دوسري نظیر اس عهد میں نهیں مل سکتي - هم چاهتے هیں یه پورا لائحه اردو میں منتقل هو جاے ' کیونکه یه تاریخ شرق جدید کي ایک قیمتي دستاویز هے -

(مسئله اصلاح اور ایک اصل مهم)

یه موقعه تفصیل کا نهیں لیکن اشاره نا گریز هے - دولۃ عثمانیه میں سلطان مصلح کے عهد سے لیکر سلطان عبد الحمید خان تک اصلاح و تجدید کي جس قدر حرکتیں ظهور میں آئیں ' وه اگرچه اس اعتبار سے قابل احترام هیں که استبداد و فساد کے مقابله میں حریت و اصلاح کي طلبگار تھیں ' لیکن ساتھه هي یه واقعه بھي یاد رکھنا چاهیے که اُنکي بنیاد میں یورپ کي عامیانه تقلید و محاکات کے سوا کوئي مجتهدانه بصیرت موجود نه تھي -

صدیوں سے اسلام کي حقیقي دیني روح مفقود هو چکي تھي - اسلام کے حقیقي سرچشمۂ شرع و تعلیم کي جگه طرح طرح کے انساني ساخت کے نئے سر چشمے پھوٹ نکلے تھے ' اور اجتهاد و نظر کي جگه تقلید و جمود کي بنیادیں استوار هوگئي تھیں - ضرورت تھي که ایسے اصحاب نظر و بصیرت پیدا هوتے ' جو سب سے پہلے اُمت کے دیني مزاج کي درستگي کي کوشش کرتے جس کے بغیر حکومتوں کا حاکمانه مزاج بھي درست نهیں هو سکتا تھا - اس اصلاح کے بعد یورپ کے علمي و صناعي فوائد کے اخذ و اختیار کي راه خود بخود کھل جاتي - البته بصیرت و اعتبار کے ساتھه کھلتي - تقلید و کور چشمي کے ساتھه نه کھلتي - لیکن اُفسوس هے که ایسا نهیں هوا - دولۃ عثمانیه میں ایسے علماء نا پید تھے اور همیشه نا پید رهے جو صاحب نظر و بصیرت هوں - امراء و حکام جهل و اوهام کي تاریکي میں گم تھے - اتفاقات نے چند شخصیتیں پیدا کر دیں جنھیں یورپ کے علوم و لغات سے آشنا هونے کا موقعه مل گیا - یه اپني کسي بصیرت و روشني کي بنا پر نهیں بلکه محض تقلید کي راه سے استبداد و جهل کي مضرتوں پر مطلع هوے ' اور اصلاح و انقلاب کي سعي شروع کردي - سعي صحیح تھي ' بر وقت تھي ' لیکن ساعي بصیرت و نظر سے محروم تھے - مرض کا احساس غلط نه تھا ' لیکن نه تو تشخیص کامل تھي ' نه علاج هي صحیح تھا - نتیجه یه نکلا که اس راه میں جس قدر قدم بھي اُٹھے ' وه اگرچه اکثر حالتوں میں اصلاً غلط نه تھے ' لیکن مجتهدانه بصیرت و نظر کے فقدان سے کوي صحیح انقلاب صورت حال میں پیدا نه کر سکے ' اور شرح اس اجمال کي بہت طولاني هے -

بهر حال بحث و نظر کا یه مقام دوسرا هے - اِس کے فهم و ذوق کے لیے دوسري قسم کي صحبتیں مطلوب هیں - یهاں جو حقیقت قلم بند کرني هے یه هے ' که گذشته صدي کے مشرقي مصلحین کي تاریخ میں مصطفی فاضل پاشا کو اصلاح و انقلاب ترکیه کے باني و داعي هونے کا شرف حاصل هے ' اور اسکا یادگار کارنامه " لائحۂ اصلاحیه " هے :

مشرق کي تاريخ جديد کي تاريخي شخصيتين

مصطفى فاضل پاشا

اور لائحهٔ اصلاحيه

(اعلان حق اور امر بالمعروف کا ايک شاندار کارنامه)

انيسويں صدي کے وسط ميں دولة عثمانيه کي سياسي و اجتماعي اصلاحات کي جو حرکت شروع هوئي تهي ' عام طور پر اسکي ابتدائي تخم ريزي مرحوم مدحت پاشا کي طرف منسوب کي گئي هے - ليکن واقعه يه هے که مدحت پاشا اس روح تجديد کا داعي اول نه تها - اسے منظم و وسيع کرنے والا تها - ترکي اصلاح و تجديد کي اصلي تاريخ مصطفى فاضل پاشا سے شروع هوتي هے - في الحقيقت نوجوان ترکوں کي اجتماعي حرکت کا حقيقيي موسس وهي تها -

(اصلاح کي ابتدائي فضا)

عثماني دارالخلافة ميں جس شخص نے يورپ کے تمدني انقلاب کا پہلے پہل مطالعه کيا ' وه مصطفى رشيد پاشا تها - امراء دولة ميں يہي پہلا شخص هے جسنے يورپ کي زبانوں سے واقفيت حاصل کي - اسکي نشوونما سلطان محمود مصلح کے عهد ميں هوي تهي - سنه ۱۸۳۹ع ميں جب سلطان موصوف کا انتقال هوا اور سلطان عبدالمجيد تخت نشين هوا ' تو يه لندن ميں عثماني سفير تها - سلطان عبدالمجيد نے اس منصب سے ترقي دي اور وزارت خارجيه پر مامور کرديا - يه اسي شخص کي سعي کا نتيجه تها که اسي سال کے ماه جون ميں دولة عثمانيه کي تنظيم و اصلاح کا وه تاريخي فرمان صادر هوا جو " خط گل خانه " کے نام سے مشهور هے - اسکا نام " گل خانه " اسليے هوا که سراے " توپ قپو " کے چمنستان (گل خانه) ميں اُس کا اعلان هوا تها - اس اعلان ميں دولة کے قانوني اور منظم هونے کا يقين دلايا گيا تها - نيز مسلم اور ذمي کے حقوق کے مساوي هونے ' اور هر طرح کے غير قانوني امتيازات کے منسوخ کر دينے کا اعلان تها -

مصطفى رشيد پاشا نے اپنے عهد وزارت ميں تعليمي و معاشرتي اصلاحات کي جو روح پيدا کي تهي ' اُس کا نتيجه يه تها که ايک قليل جماعت نئے تعليم يافته افراد کي پيدا هوگئي - ان ميں سب سے زياده نامور شخص دو هوے : عالي پاشا اور فواد پاشا - دونوں نے صدارت و نظارت کے مناصب تک ترقي کي ' اور اپنے عهد کے مشاهير مدبرين ميں شمار کيے گئے - سلطان عبدالمجيد کے عهد کے تمام اجراات اصلاحيه کي باعث و کارفرما شخصيتيں يہي تهيں - معاهدهٔ پيرس (۳۰- مارچ سنه ۱۸۴۶) ميں دولة عثمانيه کو جو کاميابي هوي ' اور انگلستان ' فرانس ' اور اٹلي نے روس کے بر خلاف ساتهه ديا ' وه بهت کچهه انهي دونوں کي مساعي کا نتيجه تها - معاهدهٔ پيرس کے بعد هي تاريخ اصلاح عثماني کا دوسرا فرمان شائع هوا تها جو " خط شريف " کے نام سے پکارا جاتا هے - اس ميں " خط گل‌خانه " کي مزيد تائيد کي گئي تهي ' اور تمام رعايا کي آزادي حقوق کے احترام کا يقين دلايا گيا تها - يه بهي تمام تر فواد اور عالي هي کي مساعي کا نتيجه تها -

(مصطفى فاضل)

مصطفى رشيد ' فواد ' اور عالي پاشا نے اصلاح و تغير کيليے فضا پيدا کردي ' مگر جماعت پيدا کرنے کا کام بعد کو هونے والا تها - يه مصطفى فاضل پاشا کي شخصيت تهي ' جس نے اس نئي فضا کو نشوونما دي ' اور " نوجوان " ترکوں کي جمعيت کا اولين سنگ بنياد رکهديا - مدحت پاشا بعد کو آيا تا که اپنے عظيم اعمال اور عظيم قرباني سے اس سنگ بنياد پر ايک نئي عمارت چن دے !

مصطفى فاضل پاشا محمد علي باني خاندان خديويهٔ مصر کا پوتا اور ابراهيم پاشا فاتح حجاز و شام کا بيٹا تها - سنه ۱۸۳۰ع ميں پيدا هوا اور مصر ميں تعليم و تربيت حاصل کي - مصر ميں محمد علي کے زمانے سے مغربي علوم و السنه کي اهميت کا احساس عام هو چلا تها ' اور خاندان خديوي کے تمام افراد فرانسيسي زبان کي تعليم حاصل کرنے لگے تهے - مصطفى فاضل کو بهي اسکا موقعه ملا - اس طرح مغربي علوم و تمدن کے فهم و مطالعه کا دروازه اُس پر کهل گيا - ابهي سلطان عبدالمجيد هي کا زمانه تها که وه قسطنطنيه آيا ' اور چند سالوں کے بعد جب سلطان عبدالعزيز تخت نشين هوا ' تو نظارت معارف (تعليم) کا ناظر مقرر هوگيا - پهر کچهه دنوں کے بعد جب ماليات کي وزارت کي جگه خالي هوي ' تو حکومت کي نظر انتخاب اسي پر پڑي -

(لائحه اصلاحيه)

يه وه وقت تها ' جبکه دولة عثمانيه کي زوال پذير هستي کي حفاظت کيليے اصلاح و علاج کي آخري مهلت درپيش تهي ' اور قريب تها که هميشه کيليے اُسکي شش صد ساله عظمت و جلال کي ديواريں سر نگوں هوجائيں - سلطان محمود مصلح نے نئي اصلاحات کي بنياد رکهي - سلطان عبدالمجيد نے اسے بلند کرنا چاها - اگر سلطان عبدالعزيز کا وجود بهي اس سلسلهٔ اصلاح کي تيسري کڑي

کيا هے - اس عرب سفارت کے ورود و استقبال کا ايک ايسا هي مرقع فرانس ميں موجود هے جيسا يه زير بحث مرقع هے - اس مرقع ميں شارليمين کو اس کے دربار ميں دکهايا گيا هے اور عرب سفير اِس حالت ميں نماياں هيں که اپنے تحائف پيش کررهے هيں - اس سے صاف طور پر يه بات واضح هو جاتي هے که واقعهٔ سفارت کے دونوں درباروں کي تصويريں به يک وقت طيار کي گئي تهيں - اور عجب نهيں خود شارليمين کے حکم سے طيار کي گئي هوں - يه دوسرا مرقع پيرس کي مشهور عمارت پنتهيوں Pantheon کي ديواروں پر اِس وقت تک موجود هے - يہاں شارليمين کے عهد کے مختلف مرقع دکهائے گئے هيں ' من جمله ان کے عربي سفارت کا استقبال بهي هے "

اس مرقع کي نقل هديهٔ قارئين هے -

بلاشبه ' مضبوط اخلاق هي اِس وجود میں تنها ایک قوت نهیں هے - کیونکه یهاں جرائم کي بهي جرار فوجیں کهڑي هیں ' اور گناهوں کے تخت بهي بچهے هیں - لیکن یه یقیني هے که مضبوط اخلاق ' ایک مستحکم و راسخ بنیاد ضرور هے - اُس کے بغیر کوئي سلطنت قائم نهیں هوسکتي - جب وه کسي قوم کا ساتهه چهوڑ دیتا هے ' تو اُس قوم کي اجتماعي عمارت بهي گر پڑتي هے - اُس کا یه خاصه عجیب هے که جوں جوں اُس کي فتوحات میں وسعت هوتي هے ' اُس کا دائره بهي وسیع و عظیم هوتا جاتا هے - برخلاف دوسري قوموں کے جو امتداد زمانه سے کمزور هو جاتیں اور کامیابي کے بعد فنا هونے لگتي هیں -

اعلیٰ حضرت کي عظمت اور وطن کي عزت کے تمام خیر خواه ' انتهائي رنج و ملال سے دیکهه رهے هیں که قوم کي شهامت ' زائل هو رهي هے اور اُسکي شرافت و خودداري ختم هوتي جاتي هے - یه اعلي صفات ' قوم میں کیونکر باقي ره سکتي هیں ' اگرچه کتني هي راسخ هوں ' جبکه مسیحي رعایا کے ساتهه مسلمان بهي گونا گوں ذلتوں کا نشانه بنے هوئے هیں اور هر قسم کي دنائت کے گهونٹ اُنهیں زبردستي پلائے جارهے هیں ؟ مسلمان اور عیسائي ' حضور والا کي تمام رعایا ' حکام کے ظلم و جور سے چیخ رهي هے - یه حکام وه هیں جو حضور کے برائے نام فرمانبردار هیں - اعلي حضرت کو کیا معلوم که وه شاهي احکام قوم میں جاري کرتے هیں یا اپني هوا و هوس سے کام لیتے هیں !

آپ کي سلطنت ' عام رائے سے خالی هے - نتیجه یه هے که آپ کے عمال ' رعایا کے سامنے جواب ده نهیں هیں - اِس کے معنے یه هیں که خود حضور کے عرش معلیٰ کے رو برو بهي ذمه دار اور جواب ده نهیں هیں ' کیونکه کوئي شخص بهي اُن کي شکایت عتبات عالیه تک پهنچانے کي قدرت نهیں رکهتا ' اور چونکه اُن کے جرائم ذات شاهانه کے علم میں نهیں آسکتے ' اِس لیے اُن سے باز پرس بهي نهیں هوسکتي - لهذا وه بالکل نڈر هوگئے هیں - رعیت پر دست درازي میں بے باک هیں - هر قسم کي برائیاں کهلے بندهوں کر رهے هیں - باشندے دو گروهوں پر منقسم هوگئے هیں : ظالم حاکم ' کوئي نهیں جو اُن کا هاتهه پکڑے - مظلوم رعایا ' کوئي نهیں جو اُس پر ترس کهائے - حاکم ' جس کا دعویٰ هے که اُس کي قوت ' خود سلطان کي قوت هے ' لهذا بے روک اور بے قید هے - وه اِس قوت کي گهمنڈ میں جمله معائب و نقائص سے آلوده هوتا هے - محکوم ' جس کا کام یه ره گیا هے که ذلت کے تاریک غار میں برابر گرتا چلا جائے - حکام ' جنهوں نے رعایا کے لبوں پر قفل چڑها دیے هیں - اگر کبهي کسي کے منه سے فریاد کي چیخ بلند هو جاتي هے تو یه حکام اُسے بغاوت قرار دے دیتے هیں - لهذا تمام رعایا ' نا اُمیدي میں پڑ گئي هے - بے حساب ظلم و جور کے نیچے دبي هے ' مگر خوف سے چپ هے - ظلم کے هاتهه اُس کا گلا دابے هوئے هیں ' اور اعلي حضرت سے مخفي نهیں که ظلم دلوں میں فساد پیدا کر دیتا اور عقلوں میں فتور ڈال دیتا هے -

ترکوں کي رگوں میں پاک اور بے میل خون موج زن هے - یقیناً هم وطن سے بے حد محبت کرتے هیں - حب الوطني ' هماري همتیں بلند کرتي هے ' بڑي سے بڑي قربانیاں بهي هم پر آسان کردیتي هے - هم بهادر سپاهي هیں ' موت سے نهیں ڈرتے - هم میں وقار هے اور همارے اسلاف سے همیں میراث میں ملا هے - همارا امتیازي وصف ' صریح اخلاص هے - یهي اخلاص همیں آماده کرتا هے که مسرات کو جمله محاسن پر ترجیح دیں - لیکن کیا یه صفات حمیده هم میں زیاده مدت تک باقي رهینگي ؟ کیا هم خیر و شر کے اِس تصادم کا همیشه یونهي مقابله کرتے رهینگے ؟

میرے آقا ! جس دن یه اخلاق هم سے رخصت هو جائینگے ' اُسي دن هماري موت بهي نازل هو جائیگي - هم کسي کو بهي اپنا حامي و مددگار نه پائینگے -

کاش هماري مصیبت ' صرف همارے معنوي انحطاط هي پر ختم هو جاتي اور اِس جهل عمیم اور فساد عظیم تک نه پهنچتي جو همارے تمام عقلي قویٰ تباه کر رها هے -

میرے آقا ! جب همارے اسلاف یورپ میں اُترے ' تو اُن کے پاس علم کي کوئي روشني بهي نه تهي - لیکن وه ذوق سلیم رکهتے تهے - یه ذوق اُن میں قوت و جرأت پیدا کرتا تها ' جیسا که تمام پاک اور بلند نفسوں کا خاصه هے - وه علم نهیں رکهتے تهے ' مگر عقل کے مالک تهے - وه عقل جو حرکت پسند کرتي ' جمود سے نفرت کرتي ' اور رذالت سے کراهت رکهتي هے - وه اُن لوگوں سے بالکل مختلف تهے جو همارے هراول دیکهتے هي بهاگ کهڑے هوئے تهے - وائے افسوس ! عقلیں ' اُس حکومت کے زیر سایه مفلوج هوجاتي هیں ' جس میں انفرادي همت کے لیے کوئي گنجائش نهیں هوتي !

میرے آقا ! آپ کي رعایا میں ترک سب سے زیاده استبداد سے متأثر هوتے هیں - کیونکه یه استبداد اُن کي فطري استقامت نفس اور خود داري سے میل نهیں کهاتا - هم ترکوں میں وه شرمناک قابلیت ذرا بهي موجود نهیں جو بیزنطیني عیاشوں میں تهي - اُن کي حالت یه تهي که عقل و فطنت رکهتے تهے مگر نه ذلت سے گریز کرتے تهے نه مطلق العنان حکومت سے نفرت رکهتے تهے - هم بالکل ساده دل پیدا هوئے تهے - همارے خیالات کي سادگي پر دنیا کو حیرت تهي - لیکن جب همارے خیالات هم سے چهین لیے گئے تو هم مخبوط الحواس هوگئے - عقل کي نعمت سے محروم هوگئے - اگر یهي حالت جاري رهي تو ایک دن آئیگا جب هم میں حکمراني کي صلاحیت باقي نه رهے گي - کوئي ایک آدمي بهي ایسا نه ملیگا جو انتظام سنبهال سکے -

حضور والا ! هم اب ایک ایسے زمانے میں هیں جس میں عزت اُسي کو مل سکتي هے ' جس کی عقل بڑي اور علم زیاده هو - یهي باعث هے که تمام یورپ میں علم کا غلغله بلند هے اور تمام قوتیں اُس پر صرف هو رهي هیں - کوئي حکومت بهي اِس کے فکر و اهتمام سے خالي نهیں هے - سوئٹزرلینڈ میں ایک آدمي بهي اَن پڑه دکهائي نهیں دیتا - انگلستان میں (جس پر مٹهي بهر امراء حکومت کرتے تهے مگر اب اپنے امتیازات سے دست بردار هوتے جاتے هیں) ۲۵ - برس سے اشاعت تعلیم کي عظیم الشان کوششیں هو رهي هیں - مجهے یقین هے که پروشیا نے آسٹریا پر صرف اِس سبب سے فتح پائي هے که وه مغلوب سے علم میں زیاده تهي - کیا همارے لیے روا هے که اپنے عقلي انحطاط پر قانع رهیں ' حالانکه همارے گرد یورپ ' عقلي ارتقاء کے لیے اَن تهک کوششیں کر رها هے ؟

میں اِس خیال سے پناه مانگتا هوں که اعلیٰ حضرت اشاعت تعلیم کے لیے صرف مدارس کي کثرت کافي تصور فرمائیں - وه محل کس کام کے جنهیں مکین نه ملیں ؟ اُن مدارس سے کیا فائده جن میں ذلت و خواري کي اولاد تربیت پائے ؟

(مصطفی فاضل کا لائحه)

اعلی حضرت !

کلمۂ حق بادشاهوں اور حکمرانوں تک پہنچنا ' بہت مشکل ھے - درباري اُس پر پردہ ڈالتے اور اُسے چھپاتے هیں - بادشاہ فرمانروائي کے نشه میں مخمور اور سلطنت کي لذتوں میں غرق ' راہ صواب سے غافل هو جاتے هیں -

وہ خیال کرتے هیں که قومیں اپنے هي کرتوت سے پریشانی میں پڑتي هیں - اور اپني هي غفلت سے پستي میں گرتي هیں - سلطنتیں ' جب برباد هوتي هیں ' تو قضاء و قدر کے بے روک هاتھوں هي سے برباد هوتي هیں -

واقعات کو رو در رو دیکھنے اور اوهام کو اوهام سمجھنے کے لیے انسان کو بڑے هي اخلاص اور بڑي هي جرأت کي ضرورت ھے - بادشاہ تک بے کم و کاست حقیقت پہنچانے کے لیے اور بھي زیادہ اخلاص و جرأت کي ضرورت ھے -

میرے آقا ! یه اخلاص کبھي میرے دل سے جدا نہیں هوا - خود اعلی حضرت سلطان اِس کے شاهد هیں - وہ لوگ بھي اِس سے ناواقف نہیں جو میري جلا وطني کا سبب هوے هیں - بلاشبه زمانے نے مجھے موقعه نہیں دیا که روشن کارناموں سے اعلی حضرت کي ذات شاهانه سے اپني عقیدت ثابت کرتا اور اپني قوم کي فلاح و بہبود ـــ اگر یه نه کہوں که اُس کے احیا ـــ کے ارادے پورے کرسکتا - لیکن میں پہلا آدمي هوں جس نے اعلی حضرت کے سامنے شاهي حکومت کے عیوب بے پردہ کرنے اور وطن عزیز کے مصائب پیش کرنے کي جرأت کي ھے - یه اس لیے که میرا دماغ اعلی حضرت اور سلطنت عثمانیه کي خدمت کے لیے سراسر وقف ھے - مجھے اعلی حضرت کے عرش سے جو عقیدت و وابستگي ھے ' اور وطن محبوب سے جو محبت و وارفتگي ھے ' اُسي نے مجھه میں یه قوت پیدا کردي ھے که بے خوف و خطر اُن مصائب و آلام پر نظر ڈالوں جو همیں رات کي تاریکي اور دن کي روشني میں پیش آ رهے هیں - حضور کے اخلاق عالیه پر میرا یقین مجھے همت دلاتا ھے که اُن مصائب کي تشریح کروں - کوئي ایک بھي مخفي نه رکھوں - سب کو صاف صاف ظاهر کردوں - پھر وہ علاج عرض کروں جو همیں شفا بخش سکتا ھے ' بشرطیکه اُس کے استعمال سے پہلے وقت نکل نه جائے -

میرے آقا ! آپ کي مسیحي رعایا کي جانب سے جس سرکشي کا برابر اظہار هوتا رهتا ھے ' وہ یقیناً ' همارے اجنبي دشمنوں کي شرارت کا نتیجه ھے - لیکن وہ اِس امر کي بھي دلیل ھے که اعلی حضرت کي حکومت کا برتاؤ اپني تمام رعایا کے ساتھه کوئي عمدہ برتاؤ نہیں ھے - اِس برتاؤ میں اگر حکومت پہلے معذور تھي تو یقیناً اب اُسے برقرار رکھنے میں اُس کے لیے کوئي عذر نہیں هوسکتا - کیونکه اِس مسلک کا ثمرہ ' ظلم کے سوا کچھه نہیں ھے - جہل ' اُس سے پھیلتا ھے ' فقر و فاقه اور شر و فساد کي اُس سے پیدائش هوتي ھے -

یورپ خیال کرتا ھے که سلطنت عثمانیه میں صرف مسیحي رعایا هي ظلم و تذلیل کے لیے منتخب کرلي گئي ھے - حالانکه یه سخت غلطي ھے - مسلمان ' جن کي حمایت پر کوئي یورپین سلطنت نہیں ' مسیحیوں سے زیادہ ظلم اُٹھا رهے هیں - اُن کے مصائب و آلام کہیں زیادہ هیں - وہ ابتک محض اِس لیے صبر کیے بیٹھے هیں که قضاء و قدر پر اُن کا پخته ایمان ھے - صبر و سکون کے عادي هیں - نفس بلند رکھتے هیں - اُن کي یه صفات ' یورپین تخیل سے بہت بلند هیں - اِس لیے یورپ والے اُنھیں سمجھه نہیں سکتے - پھر یه مسلمان ' اُن شریف اور اولو العزم اسلاف کي نسل هیں جو فرمانروائي کے تخت پر جلوہ گر هوچکے هیں - سلطنت سے اُنکا اخلاص ' قرآن پر اُن کے ایمان سے مل کر ایسا راسخ هوگیا ھے که ابتک اُس میں تزلزل پیدا نہیں هوا - لیکن اعلی حضرت اپنے مخلص تریں خادم کو یه عرض کرنے کي اجازت دیں که اب مسلمانوں کا بھي پیمانۂ صبر لبریز هوگیا ھے - مصیبت آخري حد تک پہنچ چکي ھے - آلام نے اُن کا جسم کھا ڈالا ھے - اپنا غم و غصه چھپانے کي اب اُن میں قدرت باقي نہیں رهي - یقیناً حضور والا کے خاندان اور قوم کے لیے یه سخت خطرہ ھے که رعایا ' یاس و نا اُمیدي کا شکار هوجائے -

مخلوق پر ظلم بہت سخت هوگیا ھے - آپ یقیناً اُس سے متنفر هیں ' اور میں یقین کرتا هوں که آپ کي اُمت کے عظماء و اکابر بھي اُس سے بیزار هیں - لیکن وہ مجموعي حکومت کا ایک لازمي نتیجه ھے - حتی که خود اعلی حضرت بھي ' جنکي قوت معلوم اور سطوت مشہور ھے ' شاید اُسے روکنے کي قدرت نہیں رکھتے - کیونکه اُس کي خبر سمع مبارک تک پہنچتي هي نہیں - حالانکه وہ اِس اُمت کی مردانگي تباہ کر رها ھے - اُس کي شخصیت گرا رها ھے ' اُس کے فضائل برباد کر رها ھے -

میرے آقا ! آپ کي رعایا میں ایسے مخلص افراد موجود هیں جن کے دل یه دیکھکر حسرت سے پگھلے جاتے هیں که یه امت ـــ جو هماري عزت و فخر ھے ـــ کس طرح نسل کي کمي اور هجرت کي زیادتي کي وجه سے کمزور و کم تعداد هوتي چلي جا رهي ھے - لیکن میں اس سے خائف نہیں هوں - ممکن ھے اِس میں همارے فوجي نظام کو بھي کچھه دخل هو - لیکن جس چیز سے میں ڈرتا هوں اور جسے روز بروز قریب آتے دیکھتا هوں ' وہ یه ھے که هم مغلوب قوموں کے مشابهه هوتے جاتے هیں - روز بروز هماري معنویت کمزور هو رهي ھے اور یه مرض قوم کے تمام طبقوں میں عام هوتا جاتا ھے -

میرے آقا ! همارے اسلاف نے چار صدي پہلے مشرق کي رومن شہنشاهت تہه و بالا کر ڈالي ' عروس البلاد اور ملکۂ جہاں ' قسطنطنیه میں اپنے قدم گاڑ دیے ' اور وہ فتح عظیم حاصل کي جو تاریخ میں ایک عظیم ترین کارنامه شمار کي جاتي ھے - لیکن اِس حیرت انگیز کامیابي کا راز کیا تھا ؟ صرف دین کا اعتقاد اور جنگ میں شجاعت هي نه تھي - اُن کي وہ اولو العزمي اور بہادري ' درحقیقت ' اُن کي معنویت هي کا ایک جلوہ تھا - وہ اپنے سرداروں کي اطاعت ' خوش دلي سے کرتے تھے ' نه که خوف اور مجبوري سے - یہي وجه تھي که ذلت اُن پر قابو نه پاسکي - عقل پر اندھي تابعداري غالب نه آسکي - اُنکي خود داري برابر باقي رهي - استقلال ذاتي نے اُن کا ساتھه نه چھوڑا - اطاعت نظام (ڈسپلن) کي روح ' عزت نفس کي روح سے مل گئي تھي - دونوں روحیں ' مضبوط اخلاق کي بنیادوں پر قائم تھیں - فضیلت نے اُنمیں گھر کرلیا تھا - اس لیے اُنھوں نے وہ عظیم سلطنت اُلٹ ڈالي جسے استبداد کي رذیلتیں گھن کي طرح لگ گئي تھیں ' اور ظلم و جور نے اُس کي تمام چولیں هلا ڈالي تھیں -

ملین ڈالر بھي جمع کر سکوں گا - اُس وقت میرے پیش نظر صرف یہ خیال تھا کہ کسي طرح دنیا کا ایک کامیاب آدمي بن جاؤں -

میرے پیش نظر کامیابي کیا تھي ؟ اُس کا معیار کیا تھا ؟ میں بتا نہیں سکتا - کیونکہ کوئي مفصل خیال ذهن میں موجود نہ تھا - کامیابي کا محض ایک مبہم سا تصور تھا - میں نے یہي تصور اپنا مطمح نظر قرار دے لیا اور کوشش شروع کردي - مجھے خود تعجب ہوا کہ تھوڑي ھي مدت بعد دولت اپنے آپ جمع ہونے لگي تھي اور ابتک جمع ہوتي چلي جاتي ھے !

مجھے آج تک اپني غربت اور تنگ دستي یاد ھے - میں بہت کم عمر تھا - طرح طرح کے ولولے اور امنگیں دل کو گدگداتي تھیں ' مگر میں اپني کوئي خواهش بھي پوري نہیں کرسکتا تھا - مجھے پیٹ بھر کر روٹي بھي نہیں ملتي تھي - میں دربدر کام تلاش کرتا پھرتا ' اور کہیں بھي کام نہیں ملتا - سخت جد وجہد کے بعد بالاخر ایک کام ملا - ایک بحري حوض میں نوکري مل گئي - هفته وار سوله شلنگ تنخواہ مقرر ہوگئي - میں بہت خوش ہوا - مگر فوراً ھي میري خوشي رنج سے بدل گئي - کیونکہ اِس کمپني کے منیجر مسٹر گوبس نے مجھے بلا کر نہایت خشکي سے کہا " یہ تنخواہ تمھیں ملے گي ' اگرچہ تم اِس کے کسي طرح بھي اهل نہیں ہو ! "

میں نے کوئي جواب نہیں دیا - میرے دل میں سخت غم و غصہ تھا - میں نے عزم کرلیا کہ کچھہ ھي ہو جائے ' میں اپني حالت ضرور درست کرکے چھوڑونگا - چنانچہ میں نے کوشش شروع کردي ' اور چند ھي سال بعد یہي مسٹر گوبس مجبور ہوئے کہ مجھے اپني عظیم کمپني کا شریک بنا لیں !

مجھہ سے لوگ پوچھا کرتے هیں " آدمي کروڑ پتي کیسے بن جاسکتا ھے ؟ " میرا جواب همیشہ یہ ہوتا ھے کہ دولت جمع کرنے کا کوئي خاص قاعدہ نہیں ھے - اِس کا مدار صرف دو باتوں پر ھے : ذهانت اور قسمت - اگر انسان کو اِن دونوں میں سے کافي حصہ ملا ھے ' تو بلا شبہ وہ بہت زیادہ دولت جمع کرلے سکتا ھے -

بہت سے معمولي ذهانت کے لوگ همیشہ " زمانہ " کو ملامت کیا کرتے هیں کہ اُن کا ساتھہ نہیں دیتا - وہ کہتے هیں " اگر همیں ایک موقعہ بھي میسر آجائے تو هم فوراً دولتمند بن جائیں " لیکن یہ اُن کي غلطي ھے - قصور زمانے کا نہیں خود اُن کا ھے - اُن کي ذهانت و قابلیت کا ھے - اعلیٰ ذهانت کے لوگ هاتھہ پر هاتھہ رکھہ کر موقعہ کا انتظار نہیں کیا کرتے - وہ خود موقعہ پیدا کرتے هیں اور اُس سے فائدہ اُٹھاتے هیں -

میں نوجوانوں کو همیشہ نصیحت کرتا رهتا ہوں کہ اپني تمام قوتیں اور کوششیں ایک ھي طرف متوجہ رکھیں - کیونکہ بغیر اِس کے دولت حاصل نہیں ہو سکتي - مختلف کام شروع کرکے کوششیں پراگندہ کر دینے سے اکثر ناکامي کي مصیبت پیش آجایا کرتي ھے - همیشہ ایک مرکز بنانا چاهیے ' اور اُسي پر تمام قوتیں صرف کردیني چاهئیں - بلا شبہ میں بھي اُن لوگوں میں ہوں جو بیک وقت بہت سي تجارتیں پھیلائے ہوئے هیں - لیکن یہ میں نے اب کیا ھے جبکہ ایک بڑے سرمایہ کا مالک بن چکا ہوں - شروع شروع میں نے کبھي یہ جرأت نہیں کي کہ بہت سے کام لے کر بیٹھہ جاؤں -

محنت اور چستي کو بھي کامیابي میں بہت بڑا دخل ھے - شروع میں میرا دستور یہ تھا کہ صبح سات بجے سے اپنے کام پر پہنچ جاتا تھا اور گیارہ بجے رات سے پہلے واپس نہیں آتا تھا - میں جانتا ہوں کہ آج کل کے نوجوان اِتني محنت نہیں کرسکینگے - لیکن اگر وہ اُتني محنت بھي کریں ' جتني وہ آساني سے کرسکتے هیں ' تو کوئي وجہ نہیں کہ کامیاب نہ ہو جائیں -

میرے خیال میں منضبط محنت سے زیادہ لذیذ کوئي چیز بھي نہیں ھے - میں دنیا کے ایک بہترین جہاز کا مالک ہوں - بہترین بادباني کشتي بھي میرے پاس ھے - میں نے شکار بھي بہت کھیلا ھے - عیش و آرام کے جملہ سامانوں سے بھي متمتع ہوا ہوں - مگر میں سچ کہتا ہوں - مجھے کسي بات میں بھي اُتني لذت حاصل نہیں ہوئي ' جتني اپني روز کي محنت میں حاصل ہوتي ھے - میں سمجھتا ہوں ' میري کامیابي کا سب سے بڑا راز میري اِسي محنت میں ھے -

بريد شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازي مصطفیٰ کمال پاشا کا پیغام - مجلس وطني کا انتخاب - وزراء آستانہ میں - غازي کے خلاف سازش -

(غازي مصطفیٰ کمال کا پیغام)

مجلس وطني کے انتخاب کے سلسلہ میں غازي مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکي قوم کے نام ایک پیغام شایع کیا ھے - یہ تحریر خود موصوف نے اپنے قلم سے لکھي ھے - اس لیے نہایت پر زور اور بلیغ ھے - اِس میں اُنھوں نے جنگ آزادي کے بعد پہلي مجلس وطني اور اپني جماعت " خلق فرقہ سي " کي کارگزاریاں یاد دلائي هیں اور پھر قوم سے اپني جماعت کے انتخاب کي درخواست کي ھے - وہ لکھتے هیں :

" آج موقعہ ھے کہ هم گزشتہ چارسال کے اندر اپنے عظیم اصلاحي و تعمیري جہاد پر نظر ڈالیں اور اطمینان کے ساتھہ وہ کامیابیاں دیکھیں جو هم نے حاصل کي هیں - همارا ملک ایک ایسي مہیب جنگ سے جس کي نظیر تاریخ میں نہیں ملتي ' فتحمند نکلا تھا - آگے اُن مساعي و اعمال کي سخت ضرورت تھي جنسے قومیں زندہ رهتي هیں - یہ پہلا موقعہ نہ تھا کہ ترکي قوم نے فتح و نصرت دیکھي تھي - ترکي قوم کي پوري تاریخ فتوحات سے لبریز ھے - لیکن چونکہ پہلے ترکي قوم میدان جنگ سے باهر کوئي کوشش نہیں کرتي تھي ' اس لیے اپني فتح سے کوئي فائدہ بھي نہیں اُٹھا سکتي تھي - بلکہ بتدریج اُسکي فتح ' شکست بن جاتي تھي - جو فتحمندي بر قرار نہیں رکھي جاتي ' اُس کے نتائج بسا اوقات

آزادي ' قوموں کے لیے اولین مربي ہے - آزادي هي تمام دوسرے مربیوں کو پیدا کرتي ہے - کوئي مربي بهي آزادي کا قائم مقام نہیں هوسکتا - کوئي مربي بهي آزادي کا عمل انجام نہیں دے سکتا - غلام قومیں علم کي تحقیر کرتي هیں ' کیونکہ علم اُنهیں کچهه بهي فائدہ نہیں پہنچاتا - قومیں اُسي وقت علم کي طرف راغب هوتي هیں ' جب اُنهیں اپنے حقوق کي جانب سے اطمینان هوجاتا ہے - وہ علم اس لیے حاصل کرتي هیں کہ اپنے حقوق سے فائدہ اُتهائیں - اور بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اُتهائیں - هر جاهل اور غلام قوم ' بزدل هوتي ہے یا خائن -

اعلی حضرت ! اِس وقت هماري مصیبت صرف یہي نہیں ہے کہ هم معنوي کمزوري اور عقلي فساد میں مبتلا هیں - هماري مصیبت اِس سے بهي بڑي ہے - هم هر جگہ ایک جبار و قہار دشمن کو اپنے سامنے پاتے هیں - وہ بے رحم دشمن ' همارا افلاس ہے - حضور نے کتني مرتبہ اپنے خزانے خالي دیکھے ؟ کتني مرتبہ تنخواهیں تقسیم کرنے کے لیے روپیہ موجود نہ پا کر رنجیدہ هوئے ؟ آپ کا رحیم قلب یہ سونچ کر همیشہ کس قدر اداس هوتا رها ہے کہ عمال سلطنت کي تنخواهیں بہت حقیر هیں ؟ یہ اس لیے کہ حضور جانتے هیں ' مشرقي عہدہ دار جب تنخواہ کافي نہیں پاتے ' تو رشوت خوار هو جاتے هیں - رعایا میں لوٹ کهسوٹ شروع کر دیتے هیں - لیکن سلطنت کے خزانے خالي هونے پر همیں اُتنا افسوس نہیں جتنا رعایا کي غربت کا افسوس ہے - کیونکہ سرکاري خزانہ محض اِس لیے خالي رهتا ہے کہ رعایا غریب ہے - رعایا کا افلاس ' ایک عظیم ترین خطرہ ہے -

دنیا کي حکمتوں میں صرف اعلی حضرت هي کي حکومت ایسي ہے جو اِتنے قلیل خراج پر زندہ ہے - حضور کي سلطنت نہایت عظیم ' وسیع ' اور آباد ہے - تعجب ہے کہ رعایا اِتنا قلیل خراج بهي ادا نہیں کر سکتي ! لیکن همارا یہ تعجب باقي نہیں رهتا جب هم دیکهتے هیں کہ خراج جمع کرنے کا طریقہ ' ایک بد ترین طریقہ ہے - هماري قوم ' بہت هي کم کام کرتي ہے - وہ هر هنر سے جاهل ہے - یہي وجہ ہے کہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہے اور حکومت کا خراج ادا کرنے کي قدرت نہیں رکهتي - حالانکہ دوسرے ملکوں کي رعایا هم سے بہت زیادہ خراج بخوشي ادا کر دیتي ہے -

اعلی حضرت کي سلطنت میں هر چیز کو زوال آگیا ہے : زراعت تجارت ' صنعت ' کوئي چیز بهي تباهي سے نہ بچي - هم پیدا کرنے کے طریقے بالکل بهول گئے هیں اور اپنے فقر و فاقہ کے مشاهدہ پر قانع هیں - فقر کي هیبتناک صورت همارے سامنے ہے - هم اُس کي دهشت سے همت و جرأت کا کوئي کام کر هي نہیں سکتے -

بد نصیب کروڑ پتي

(کیا دولت ' حسرت کا سبب ہے ؟)

(دولت جمع کرنے کے لیے ہے یا خرچ کیلیے ؟)

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ دولت مند ' خوش نصیب هیں - اور فقر و فاقے میں مبتلا انسان بد نصیب - لیکن یہ کوئي قاعدۂ کلیہ نہیں ہے - کیونکہ بہت سے کروڑ پتي ' انتہاء درجہ بد نصیبي کي زندگي بسر کر رہے هیں - اور بہت سے نان شبینہ کے محتاج هیں جنهیں مسرت و سعادت کي زندگي حاصل ہے !

حال میں مسٹر چارلس ولنت نے جو ایک مشهور امریکن کروڑ پتي هیں ' اِس موضوع پر ایک مضمون شایع کیا ہے - وہ اِس لائق ہے کہ مفلس اور امیر ' دونوں اسے غور سے پڑهیں -

وہ لکهتے هیں :

دولت ' مسرت و سعادت کے لیے کوئي لازمي شرط نہیں ہے - کیونکہ مسرت ' در حقیقت خود اُس شخص پر موقوف هوتي ہے جو اُس کا متمني هوتا ہے - میں بہت سے کروڑ پتیوں سے واقف هوں - یہ دنیا کے سب سے زیادہ بد نصیب انسان هیں - لیکن بہت سے ایسے مفلس انسانوں کو بهي جانتا هوں جو نہایت پر مسرت زندگي بسر کر رہے هیں !

مجرد دولت سے اُسي شخص کو مسرت حاصل هو سکتي ہے جو حد سے زیادہ طماع اور صرف مال کا حریص هو - ورنہ محض دولت کے جمع هوجانے سے هرگز لازم نہیں آتا کہ مسرت بهي جمع هو جائے -

دولت سے وهي شخص مسرت حاصل کر سکتا ہے جو صرف اُس کا جمع کرنا هي نہیں جانتا ' بلکہ خرچ کرنا بهي جانتا ہے - میرے خیال میں وهي دولت مند ' مسرت و سعادت محسوس کرتے هیں جو اپني دولت بہتر طریقوں پر خرچ کرنا جانتے هیں -

میں بہت سے آدمیوں کو جانتا هوں جو کہا کرتے هیں " اگر همیں ایک ملین ڈالر مل جائے تو هم مطمئن هو جائیں اور خوش و خرم زندگي بسر کریں " لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے - اِتني دولت جمع هوجانے کے بعد بهي وہ خوشي محسوس نہیں کرینگے ' الا یہ کہ وہ یہ بهي سیکهہ لیں کہ اپني دولت کس طرح خرچ کرني چاهیے ؟

جب میں نے دولت جمع کرني شروع کي ' تو ایک لمحہ کے لیے بهي مجهے یہ خیال نہیں گزرا تها کہ میں عنقریب کروڑ پتي بن جاونگا - میرے خواب میں بهي یہ بات کبهي نہیں آئي تهي کہ ایک

افسانہ

غضب ناک محبوبہ

L'ARRABIATA

پال ہیس کے قلم سے

پال ہیس Paul Heyse جرمنی کا مشہور و معروف شاعر اور افسانہ نگار ہے۔ ۱۹۱۴ء میں اُس نے انتقال کیا۔ اُس کے دیوان اور اُس کے افسانے اس قدر مقبول ہوئے ہیں کہ اُس کا نام غیر فانی ہو گیا ہے۔ ذیل میں اس کے ایک مقبول عام افسانہ کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ غالباً یہ دو نمبروں تک مسلسل شائع ہوتا رہے۔

پو پھٹ رہی تھی۔ آتش فشاں ویزو ویس کی چوٹی، سیاہ بادل میں چھپی تھی۔ اُس کے دامن شہر نابلی تک پھیلے ہوئے تھے۔ قرب و جوار کے گاؤں بھی اندھیرے میں تھے۔ سمندر خاموش اور صاف تھا۔ خلیج سورنتو کے کناروں پر ماہی گیر اور اُن کی عورتیں اپنے روزمرّہ کے کام شروع کر چکی تھیں۔ کوئی ہاتھ بھی خالی نہ تھا۔ بوڑھے اور بچے تک محنت کر رہے تھے۔

"ریشل!" ایک بڑھیا نے اپنی پوتی سے کہا "لے، پادری الفریڈ آگیا۔ انٹونیو، اُسے اپنی کشتی میں جزیرہ کاپری لے جائے گا۔ مگر ملّاح کی آنکھیں نیند کے خمار سے اب تک بھاری ہو رہی ہیں"

سب لوگ، پادری کی تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُس کا چہرہ نورانی تھا۔ دائیں بائیں، سر کے اشارے سے، مسکراتے ہوئے، سب کا سلام قبول کیا اور اپنے کپڑے احتیاط سے سمیٹ کر کشتی میں بیٹھ گیا۔

"ہمارا پادری، جزیرے میں کیوں جا رہا ہے؟" چھوٹی لڑکی نے اپنی دادی سے سوال کیا "کیا وہاں کوئی پادری نہیں ہے؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو" دادی نے اپنا پوپلا منہ ہلا کر کہا "جزیرے میں بہت سے پادری ہیں۔ وہاں کے سے خوبصورت کنیسے دنیا بھر میں کہیں موجود نہیں۔ لیکن وہاں ایک امیر عورت بیمار ہے۔ ایک زمانے میں وہ یہاں رہتی تھی۔ اُس وقت بھی بیمار ہوئی تھی اور ہمارے اسی پادری کی دعا سے اچھی ہوئی تھی۔ اس خوشی میں اُس نے پادری کو، اُس کے کنیسے کو، اور یہاں کے فقیروں کو بہت کچھ دیا تھا۔ اب پھر اُس نے پادری بلایا ہے تاکہ دنیا چھوڑنے سے پہلے اس مقدس آدمی کے سامنے اعتراف گناہ کر لے۔ سچ یہ ہے کہ ہمارے پادری جیسا اچھا اس وقت کوئی پادری بھی نہیں ہے!"

یہ کہہ کر بڑھیا نے ایک مرتبہ پھر پادری کو سلام کیا، کیونکہ اُس کی کشتی اب روانہ ہونے کو تھی۔

"موسم کیسا ہے؟" پادری نے نابلی کی طرف نظر اُٹھا کر انٹونیو ملّاح سے کہا۔

"باپ! ابھی سورج نہیں نکلا" ملّاح نے جواب دیا "یہ تمام بادل سورج نکلتے ہی چھنٹ جائے گا"

"تو جلدی کرو۔ دھوپ سے پہلے ہم نکل جائیں" پادری نے کہا۔ نوجوان انٹونیو نے [illegible] اٹھائی۔ مگر وہ اچانک رُک گیا۔ [illegible] کی سڑک غور سے دیکھنے لگا۔ سڑک پر کوئی آدمی تیزی سے بڑھا چلا آتا تھا اور ہاتھ ہلا کر اشارے کر رہا تھا۔

یہ در اصل ایک لڑکی تھی۔ اُس کی بغل میں ایک گٹھری دبی تھی معمولی لباس پہنے تھی۔ ظاہری وضع، فقر و غربت کا پتہ دیتی تھی۔ اُس کے کالے بالوں کی لٹیں ہوا میں اُڑ رہی تھیں۔ انٹونیو نے اُسے پہچان لیا۔

"انتظار کیا ہے؟" پادری نے سوال کیا۔

"ایک اور شخص بھی جزیرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دیں" ملّاح نے بمنت کہا "ذرا بھی دیر نہ ہوگی۔ وہ ایک لڑکی ہے۔ ابھی پورے ۱۸ برس کی بھی نہیں ہے"

اب لڑکی سامنے تھی۔

"موریلا!" پادری نے کہا "اُسے جزیرے میں کیا کام ہے؟"

انٹونیو نے جواب میں اپنے شانے ہلا دئے۔ لڑکی برابر تیزی سے بڑھی چلی آتی تھی۔ اُس کی نظریں کشتی پر لگی تھیں۔

"اخاہ! غصہ ور پری! اسلام!" بعض ماہی گیر اور ملّاح چلّائے۔

دوشیزہ نے حقارت کے ساتھ اُنھیں دیکھا۔ کسی کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی تیوری پر بَل پڑے تھے۔ غصہ سے منہ تمتا رہا تھا۔ اگر وہاں پادری موجود نہ ہوتا تو ملّاح اُسے ضرور چھیڑتے۔

"صبح بخیر! موریلا!" پادری نے کہا "کیسی ہو؟ ہمارے ساتھ جزیرے چلتی ہو؟"

"اگر مقدس باپ کی اجازت ہو" موریلا نے ادب سے جواب دیا۔

"انٹونیو سے اجازت لو" پادری نے کہا "کشتی اُسی کی ہے۔ ہر آدمی اپنا مالک ہے، اور خدا سب آدمیوں کا مالک ہے"

"یہ میرے پاس چار پیسے موجود ہیں، اگر کرایہ کو کافی ہوں" موریلا نے انٹونیو کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"تمھاری ضرورت مجھ سے زیادہ ہے" انٹونیو نے جواب دیا اور نارنگی کی ٹوکریاں ہٹا کر جگہ نکالنے لگا۔ نوجوان ملّاح، جزیرے میں نارنگی لے جا کر بیچا کرتا تھا۔ کیونکہ صرف کشتی کے کرایہ سے کافی آمدنی نہیں ہوتی تھی۔

"لیکن میں مفت نہیں جاؤں گی" موریلا نے خفگی سے کہا۔ اُس کے چہرے اور سیاہ آنکھوں میں غصہ کی حرارت نمایاں تھی۔

"بیٹی! چلی آ" پادری نے دوشیزہ سے شفقت کے لہجہ میں کہا "انٹونیو اچھا لڑکا ہے۔ وہ تیرے تھوڑے سے پیسے لینا نہیں چاہتا (پادری نے لڑکی کی طرف سہارا دینے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا) دیکھ اُس نے تیرے لئے اپنی چادر بچھا دی ہے۔ سب جوان ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک لڑکی کے لئے اتنا کرتے ہیں جتنا اپنے دس پادریوں کے لئے بھی نہیں کرتے۔ حالانکہ ہمیں "مقدس باپ" بھی کہتے ہیں! انہیں نہیں، انٹونیو! معذرت کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے ناخوش نہیں ہوا۔ خدا کی مشیّت یہی ہے کہ ہر کوئی اپنے ہم جنس کی طرف جھکے!"

اب موریلا کشتی میں اُتر چکی تھی۔ وہ پادری کے قریب بیٹھ گئی۔ لیکن انٹونیو کی چادر دُور ہٹا کے۔ انٹونیو اس حرکت پر کچھ بڑبڑایا اور کشتی روانہ ہوئی۔

"اس گٹھری میں کیا ہے؟" پادری نے دوشیزہ سے پوچھا۔

اب سورج نمودار ہو رہا تھا۔ اُس کی روپہلی کرنیں اِن مسافروں پر پڑ رہی تھیں۔

"ریشم، زربفت، اور روٹی" لڑکی نے جواب دیا "ریشم اور زربفت جزیرے میں بِک جائے گا۔ روٹی میں کھاؤں گی"

"مجھے یاد پڑتا ہے تم نے کپڑا بُننا بھی سیکھا تھا؟" پادری نے پھر سوال کیا۔

"ہاں۔ لیکن میری ماں کی بیماری مجھے گھر سے نکلنے نہیں دیتی کہ اس ہنر کی اچھی طرح مشق کر لوں۔ خود میرے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ گھر میں بُننے کا سامان جمع کر لوں" لڑکی نے حسرت سے جواب دیا۔

"اب اُس کا کیا حال ہے؟" پادری نے گہری ہمدردی سے کہا "آہ! بیچاری نے بڑی تکلیف اُٹھائی۔ پچھلی دفعہ جب میں نے دیکھا تھا تو ذرا اچھی تھی"

"یہ موسم ہمیشہ اُسے تکلیف دیتا ہے" لڑکی نے نا اُمیدی کے لہجہ میں جواب دیا۔

"دعا کر! بیٹی، دعا کر!" پادری نے زور دے کر کہا "کبھی نماز سے غافل نہ ہو۔ دعا سے باز نہ آ۔ شاید خدا سُن لے۔ نیک بن، نیک! تاکہ تیری دعائیں قبول ہوں"

موریلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحہ کی خاموشی کے بعد پادری نے پھر کہا:

"موریلا! میں نے ابھی سُنا کہ ملّاح تجھے "غضبناک" کے لقب سے پکار رہے تھے۔ یہ کیوں؟ یہ لقب تو مسیحی دوشیزہ کے لئے کچھ اچھا لقب نہیں۔ تجھے حلیم اور خوش مزاج ہونا چاہیے"

دوشیزہ کے کندنی چہرے پر غصے کے آثار ظاہر ہوئے۔ اُس کی آنکھیں تیزی سے چمکنے لگیں:

"وہ اسی طرح مجھے چڑھاتے ہیں" لڑکی نے خفگی سے کہا "وہ مجھے روز چھیڑتے ہیں کیونکہ میں اور لڑکیوں کی طرح گاتی، ناچتی، اور اِن سے ہنسی مذاق نہیں کرتی ہوں۔ وہ میرے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟ میں نے اُن کا کیا بگاڑا ہے؟"

"سچ ہے" پادری نے سنجیدہ ہو کر کہا "لیکن تمھیں بہرحال خوش مزاج ہونا چاہیے۔ لوگوں کو ناچنے گانے دو، ورنہ زندگی ناقابل برداشت ہو جائے گی۔ میٹھی زبان میں بہت بھلائی ہے"

دوشیزہ نے اپنی لمبی کالی پلکیں جھکا دیں، گویا اپنی آنکھوں کا راز ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتی۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ اب دُور افق میں سورج طلوع ہو چکا تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں چمک اُٹھیں۔ سورنتو کی خلیج کے چھوٹے چھوٹے سفید مکان نارنگی کے باغوں میں صاف نظر آ رہے تھے۔ صرف ویزو ویس کے کنارے کنارے بدلی کے چند ٹکڑے پل رہے تھے۔

شکست سے بھي زیادہ بد تر ثابت ہوتے ہیں - لیکن اِس مرتبہ ہم نے اِس قدیم سنت پر عمل نہیں کیا - ہم فوراً اصلاحي اور تعمیري کوششوں میں لگ گئے - حالت امن میں ہماري مساعي ' حالت جنگ کي مساعي سے بھي کہیں زیادہ عظیم تھیں - ہم نے عزم بالجزم کر لیا تھا کہ اِس فتح مبین سے فائدہ اٹھائینگے اور اِسے ترکي قومیت کي تجدید کا سنگ بنیاد بنا دینگے - چنانچہ ہم نے ایسا ہي کیا !"

اِس کے بعد غازي نے اپني جماعت کي کارگزاریاں بیان کي ہیں :

" جنگ آزادي سے ملک ایک غظیم اصول لے کر باہر نکلا - وہ اصول یہ تھا " سیادت بلا کسي قید و شرط کے صرف قوم ہي کي ہے " اِسي اصول کي بنا پر جمہوریت کا اعلان کیا گیا - اِسي اصول کي بنا پر منصب خلافت موقوف کیا گیا جو صدیوں سے ترکي قوم کے سر پر ناقابل برداشت بار تھا - ہماري جمہوري جماعت کي رائے ہے کہ ہر اجنبي مداخلت سے جمہوریت کي حفاظت کرنا ترکي قومیت کے مستقبل کے لیے نا گزیر ہے - یہي سب سے بڑا وطني فرض ہے - یہي قوم کي زندگي کي اصلي ضمانت ہے "

اِس کے بعد موصوف نے اُن حیرت انگیز ترقیوں کا ذکر کیا ہے جو اِس قلیل مدت میں اُن کي جماعت کے ہاتھوں ظاہر ہوئي ہیں - بالاخر پیغام اِس عبارت پر ختم ہوتا ہے :

" اِس زندگي میں میرا سب سے بڑا بھروسہ اور میري سب سے بڑي قوت یہ ہے کہ قوم مجھپر اعتماد کرتي ہے - یہي سبب ہے کہ میري زندگي کا سب سے بڑا مقصد بھي یہي رہا ہے کہ اِس امانت کو زیادہ سے زیادہ مقدس سمجھوں اور بہتر سے بہتر طریقہ پر ادا کرنے کي کوشش کروں - اگر تم ہمارے نام زد کردہ اشخاص کو اپني مجلس وطني میں بھیجوگے ' تو ہم دو بارہ تمہاري خدمت کا موقعہ حاصل کر سکینگے - مجھے پورا یقین ہے کہ مستقبل میں ترکي جمہوریت اور ترکي قوم کي اور بھي زیادہ شاندار خدمتیں میں انجام دے سکتا ہوں - عنقریب ترکي کا مستقبل بہت ہي عظیم ہوگا ' کیونکہ اُس کے افراد پوري ہمت سے مستقبل کي تعمیر میں مصروف ہیں "

(مجلس وطني کا انتخاب)

مجلس وطني کے انتخابات ختم ہوگئے ہیں - ہر طرف سے خبریں آ رہي ہے کہ جمہوري یا کمالي جماعت کامیاب ہو رہي ہے - لیکن یہ کامیابي کوئي ایسي کامیابي نہیں ہے جسے انتخاب اور مقابلہ کي کامیابي سے تعبیر کیا جائے - کیونکہ اِس جماعت کے سوا کوئي دوسري جماعت ملک میں موجود ہي نہیں ہے - اور اگر ہے تو انتخاب میں شریک نہیں ہوئي ہے -

غازي مصطفی کمال کي جمہوري جماعت کي طرف سے ۳۱۶ - امیدوار کھڑے کیے گئے ہیں - اُن کي تفصیل حسب ذیل ہے :

۴۹ - انتظامي آدمي ہیں - ۴۶ - کاشتکار ہیں - ۴۰ فوجي افسر ہیں - ۳۴ وکالت پیشہ ہیں - ۲۵ علمي آدمي ہیں - ۲۵ تاجر ہیں - ۲۳ اخبار نویس ہیں - ۲۳ ڈاکٹر ہیں - ۲۳ ماہر اقتصادیات ہیں - ۹ سیاسي ہیں - ۷ انجینیر ہیں - ۳ محکمۂ تار اور ڈاک کے آدمي ہیں - ۳ آلات سازي کے ماہر ہیں - ایک دوا ساز ہے -

اِس مرتبہ مخالفین سے میں کسي ایک شخص کو بھي اِس جماعت نے نامزد نہیں کیا - چنانچہ علي فؤاد پاشا ' طیار پاشا ' کاظم قارا بکیر باشا وغیرہ میں سے کوئي بھي انتخاب میں شریک نہیں ہے -

(تمام وزراء آستانہ میں)

اِس وقت تمام وزیر آستانہ ہي میں موجود ہیں - پرسوں غازي کي صدارت میں مجلس وزارت با ضابطہ منعقد ہوئي - جمہوري حکومت کي یہ پہلي مجلس سلاطین آل عثمان کے تاریخي محل ' طولمہ باغچہ میں جمع ہوئي اور مختلف مسائل پر غور کیا -

اِس واقعہ سے پھر لوگوں میں یہ افواہ پھیل رہي ہے کہ اگر پایۂ تخت انگورہ سے پوري طرح منتقل نہ ہوا ' تو بھي قسطنطنیہ کرمائي پایۂ تخت ضرور بنا دیا جائیگا -

(غازي کے خلاف سازش)

اِس ہفتہ کا اہم واقعہ غازي مصطفی کمال پاشا کے قتل کي سازش ہے - اِس سازش میں چار آدمي گرفتار ہوئے ہیں - تین ارمني ہیں - ایک ترک بتایا جاتا ہے - سازشیوں نے پولیس سے مقابلہ بھي کیا - ایک قتل ہوگیا - تین پکڑ لیے گئے - پولیس کا بھي ایک سپاہي قتل ہوا ہے -

مجرموں نے اقرار کیا ہے کہ حکومت یونان کے اشارے سے اُنھوں نے یہ ارادہ کیا تھا - تجویز یہ تھي کہ غازي موصوف جب انگورہ واپس جانے لگیں تو راستے میں اُنکي ریل ڈائنامیٹ سے اُڑا دي جائے -

اِس خبر نے یہاں کي عام رائے میں سخت ہیجان پیدا کر دیا ہے - کیونکہ ترکي قوم ارمنیوں اور یونانیوں کي سازشوں سے بہت نقصان اُٹھاچکي ہے - سعید حلیم پاشا وزیر اعظم ' غازي انور پاشا ' جمال پاشا ' طلعت پاشا ' کاظم بک وغیرہ ' ترکي کے ایسے فرزند تھے ' جنمیں سے ہر شخص اپني جگہ دنیا کا بڑا آدمي شمار ہوتا تھا - مگر شقي ارمنیوں نے سب کو ایک ایک کرکے دھوکے سے قتل کر ڈالا ' اور ترکي کے دل پر ایسے زخم لگائے ' جو مدتوں مندمل نہ ہونگے -

اب اِن بد بختوں کي نظر غازي مصطفی کمال پاشا پر ہے جو اِس وقت ترکي قوم کي روح رواں ہیں -

"تمھارے یہاں سیاح بہت آتے ہیں؟" شراب خانے کی مالکہ نے اُس سے سوال کیا۔

"اس سال فصل بہت خراب تھی۔ اب آنا شروع ہوئے ہیں" انٹونیو نے جواب دیا۔

"ابکی موسم بہار بھی دیر میں آئے گا" شراب خانے کی مالکہ نے کہا "تمھارے یہاں آمدنی اس جزیرے سے زیادہ ہے؟"

"پیٹ بھر روٹی بھی نہ ملتی، اگر یہ کشتی میرے پاس نہ ہوتی" انٹونیو نے خشکی سے جواب دیا "لیکن میرا چچا، نارنگی کے کئی باغوں کا مالک ہے وہ کہا کرتا ہے جب تک میں زندہ ہوں، تجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ مرتے وقت بھی تجھے نہیں بھولوں گا!"

"اس مالدار چچا کے اولاد بھی ہے؟" عورت نے سوال کیا۔

"نہیں" انٹونیو نے کہا "اُسنے شادی ہی نہیں کی۔ دوسرے ملکوں میں رہکر بہت دولت جمع کرلی۔ وہ عنقریب ایک شکار خانہ بنانے والا ہے اُس کا انتظام میرے ہی ہاتھ میں دیگا"

"انٹونیو! تم بڑے جوانمرد ہو" عورت نے خوشامد سے کہا۔

"زندگی سب کے لئے کٹھن ہے" نوجوان ملاح نے شانے ہلاکر کہا اور باہر نکل کے پھر تمام راستے اور آسمان دیکھنے لگا۔ حالانکہ خوب جانتا تھا، موسم معلوم کرنے کے لئے ہر طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں!

"میں ایک اور بوتل لاتی ہوں" شراب فروش عورت نے کہا "تمھارا چچا تو دام ادا ہی کردیگا"

"نہیں" انٹونیو نے انکار کیا "پہلی ہی بوتل نے سر چکرادیا ہے"

وہ یہ کہنے ہی پایا تھا کہ کسی کی چاپ سنائی دی۔ نوجوان ملاح فوراً پہچان گیا۔ پاؤں کی اسی آواز کے لئے وہ دن بھر ہمہ تن گوش بنا رہا تھا ۔۔ موریلا سامنے کھڑی تھی۔

انٹونیو تیزی سے کھڑا ہوگیا:

"مجھے فوراً جانا ہے" اُسنے شراب خانے کی مالکہ سے کہا۔

چشم زدن میں وہ اپنی کشتی پر تھا۔ موریلا، بدستور کھڑی تھی۔ کچھ متردد سی تھی۔ بالآخر اُسنے بھی شراب فروش عورت کو سلام کیا اور گھاٹ پر پہنچ گئی۔ وہ اب بھی چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید کسی اور مسافر کو ساتھ لینے کا خیال کر رہی تھی۔ لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ سمندر ٹھنڈا تھا۔ ماہی گیر سو رہے تھے یا اپنے جال درست کرنے میں ایسے مصروف تھے کہ کسی نے توجہ نہ دی۔

انٹونیو، ایک لمحہ چپ کھڑا رہا۔ اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک رہی تھیں۔ آخر وہ کشتی سے کنارے آیا اور کچھ کہے بغیر موریلا کو اس طرح گود میں اُٹھا لیا گویا ایک چھوٹا سا بچہ ہے۔

موریلا، کشتی کے بالکل آخر میں جاکر بیٹھی۔ اُسنے اپنا سر اس قدر جھکا لیا کہ صرف آدھا چہرہ دکھائی دیتا تھا۔ اُس کے بال ہوا میں اُڑ رہے تھے اور چشم و ابرو کو چھپا لیتے تھے۔ خوبصورت ناک کھڑی دکھائی دیتی تھی۔

وہ غیظ و غضب سے لبریز تھی!

سمندر میں کچھ دور جانے کے بعد ڈوبتے ہوئے سورج کی تپش اُسے محسوس ہوئی۔ اُسنے گٹھری کھولی اور رومال نکالکر سر پر باندھ لیا۔ پھر روٹی کھانے لگی کیونکہ صبح سے بالکل بھوکی تھی۔

اب تک دونوں بالکل خاموش تھے۔ انٹونیو نے موریلا کو روکھی روٹی کھاتے دیکھکر ٹوکری سے دو نارنگیاں نکال کر بڑھادیں:

"موریلا!" ملاح نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا "روٹی، اس کیساتھ کھاؤ۔ یہ نہ سمجھنا میں نے یہ نارنگیاں تمھارے لئے بچا رکھی تھیں۔ یہ ٹوکری سے گر گئی تھیں۔ لوٹتے پر نظر آئیں"

انٹونیو، اس وقت جھوٹ بول رہا تھا!

"تم ہی کھاؤ" لڑکی نے عضہ سے کہا "میرے لئے روٹی کافی ہے"

"اس گرمی میں نارنگی اچھی ہوتی ہے، تم بہت چلکر آئی ہو" انٹونیو نے کہا۔

"میں پانی پی چکی ہوں" غصہ ور لڑکی نے خشکی سے جواب دیا۔

"خیر" ملاح نے کہا اور پھر خاموشی چھاگئی۔

اسوقت سمندر بالکل خاموش اور آئینہ کی طرح شفاف تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا حتیٰ کہ ساحل پر اُڑنے والی چڑیاں بھی اس پُر جلال منظر کے سامنے ساکت تھیں۔ صرف کشتی سے موجوں کے ٹکرانے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

"تم اپنی ماں کے لئے نارنگیاں لے جاسکتی ہو" انٹونیو نے نگاہیں نیچی کرکے کہا۔

"گھر میں نارنگیاں رکھی ہیں" لڑکی نے پھر خفگی سے جواب دیا "جب ختم ہوجائیں گی تو میں اور خرید سکتی ہوں"

"ٹھیک ہے" ملاح نے شرمندہ ہوکر کہا "لیکن یہ نارنگیاں میری طرف سے اپنی ماں کو دینا۔ میرا اسلام کہدینا"

"وہ تمھیں نہیں جانتی" موریلا نے جھنجھلا کر کہا۔

"تم میرا تعارف کردینا" انٹونیو نے پھر کہا۔

"میں بھی تمھیں نہیں جانتی" لڑکی کا صاف جواب تھا۔

یہ پہلا موقعہ نہ تھا کہ موریلا نے ملاح سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک اتوار کو موریلا کا عاشق (مصور) جب گاؤں میں آیا اور پہلی مرتبہ اس لڑکی کو دیکھا، تو مبہوت ہوکر اُس کے حسن و جمال کا نظارہ کرنے لگا۔ عین اُسی وقت انٹونیو اپنے دوستوں کے ساتھ فٹ بال کھیل رہا تھا۔ مصور اپنے خیالات میں محو تھا کہ انٹونیو نے جان بوجھ کر گیند ایسا مارا کہ غریب کے سر پر زور سے لگا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اُس مظلوم سے لڑنے کے لئے بھی آمادہ ہوگیا۔

کئی ہفتے بعد جب موریلا نے شادی کی درخواست نامنظور کردی تو مصور نے چلتے وقت کہا "میں جانتا ہوں، اُس نوجوان کی وجہ سے تم مجھے سوکھا جواب دے رہی ہو" مگر موریلا نے اُس وقت بھی یہی کہا:

"ہرگز نہیں، میں اُسے پہچانتی تک نہیں"

حالانکہ وہ گیند کے واقعہ سے واقف ہوچکی تھی اور انٹونیو کو پوری طرح جانتی تھی۔

آج اسوقت دونوں کشتی میں ہیں۔ تنہا ہیں ۔۔ اس طرح بیٹھے ہیں گویا حریف ہیں۔ حالانکہ دونوں کے دل بُری طرح دھڑک رہے ہیں!

انٹونیو، وہ ہمیشہ کا ہنس مکھ نوجوان، اس وقت، فرط تاثر سے سُرخ ہو رہا ہے۔ بڑی ہی قوت سے کشتی کھے رہا تھا۔ پانی کے قطرے اُڑکر موریلا پر گرتے تھے ساتھ ہی کچھ غصے میں بڑبڑا بھی رہا تھا۔

موریلا اس طرح بیٹھی تھی گویا اُسے دیکھ ہی نہیں رہی ہے۔ بڑی ہی بے پروائی سے کشتی کا کنارہ دیکھ رہی تھی اور ہاتھ نیچا کئے پانی سے کھیلتی جاتی تھی۔ پھر اُسنے اپنے سر کا رومال کھول ڈالا۔ ایک ہاتھ سے بال درست کرنے اور دوسرے سے رخسار پانی سے تر کرنے لگی وہ اس انداز سے بیٹھی تھی، گویا کوئی دوسرا وہاں موجود ہی نہیں ہے۔

کشتی، کھلے سمندر میں پہنچی۔ جزیرہ نظر سے اوجھل ہوگیا۔ سورنٹو کا کنارہ بھی دور ہے۔ قرب و جوار میں کوئی اور کشتی بھی دکھائی نہیں دیتی۔

انٹونیو نے چاروں طرف دیکھا۔ اُس کے تیور ایسے ہوگئے گویا کوئی عزم مصمم کرچکا ہے۔ اُس کے رخسار کی سُرخی غائب ہوگئی۔ زردی چھاگئی۔ اُسنے اچانک ڈانڈ سے ہاتھ اُٹھالئے۔

موریلا نے اُسے دیکھا۔ بغیر کسی خوف، مگر ہوشیاری سے۔

"اب فیصلہ ہوجانا چاہئے" انٹونیو یکایک چلایا "یہ کھیل بہت ہوچکا تعجب ہے میں اب تک زندہ کیسے ہوں؟ تم کہتی ہو مجھے نہیں جانتی! حالانکہ اس تمام زمانے میں مجھے دیکھتی رہی ہو کہ پاگلوں کی طرح تمھارے پیچھے پھرتا ہوں۔ میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ اپنا دُکھ کہنا چاہتا ہوں، مگر تم حقارت سے ہمیشہ بے پروائی دکھاتی ہو۔ گویا میں کوئی ہستی ہی نہیں رکھتا!"

"کیا؟" لڑکی نے پیشانی پر بل ڈالکر کہا "مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ ہاں میں دیکھتی تھی تم مجھ سے تعارف چاہتے ہو۔ لیکن میں بلا سبب لوگوں کی چہ میگوئیوں کا نشانہ بننا نہیں چاہتی تھی۔ خصوصاً جبکہ میں تمھیں اپنا شوہر بنانا نہیں چاہتی ۔۔ نہ تمھیں، نہ کسی اور انسان کو"

"نہ کسی انسان کو!" انٹونیو نے دانت پیسکر کہا "تم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتیں، صرف اسی وقت کہہ رہی ہو، کیونکہ اُس مصور سے شادی پسند نہیں کی۔ لیکن تم ناسمجھ ہو۔ آج نہیں تو مستقبل میں تمھیں شادی کرنی ہی پڑے گی۔ مصور نہ سہی، کسی اور کو شوہر بناؤگی"

"کون جانتا ہے؟" موریلا نے سنجیدگی سے کہا "مستقبل کو کوئی نہیں جان سکتا۔ ممکن ہے میں اپنا خیال بدل دوں۔ لیکن تمھیں اس کی فکر کیوں ہے؟"

"مجھے فکر کیوں ہے؟" انٹونیو چلایا۔ بیچ کشتی میں کھڑا ہوگیا۔ کشتی دائیں بائیں جھکنے لگی "مجھے فکر کیوں ہے؟ یہ تم کہتی ہو؟ خوب جانتی ہو! قسم کھاکر کہتا ہوں، جس شخص کو بھی مجھپر ترجیح دوگی، اُس کی جان میرے ہاتھ سے جائے گی! میں برداشت نہیں کرسکتا! برداشت نہیں کرسکتا!"

"کیا؟" موریلا نے پیشانی پر بل ڈالکر کہا "کیا میں تم سے کوئی وعدہ کرچکی ہوں؟ اگر تم پاگل ہوجاؤ تو میرا کیا قصور ہے؟ تمھیں مجھپر کیا حق حاصل ہے؟"

"آہ! حق!" ملاح نے جوش سے چلانا چاہا مگر اُسے رونا آگیا۔ آواز رُک گئی "بے شک میرا حق کہیں لکھا ہوا نہیں ہے۔ کسی حاکم نے مانا نہیں ہے۔ کسی وکیل نے ثابت نہیں کیا ہے۔ کسی انسان نے جانا بھی نہیں ہے۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ تمپر میں حق رکھتا ہوں، ٹھیک اُسی طرح جس طرح آسمان (جنت) میں میرا حق ہے اگر میں مسیحیت پر مرجاؤں۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تمھیں کسی دوسرے شخص کے ساتھ گرجے میں جاتے دیکھوں گا اور خاموش رہوں گا؟ کیا میں برداشت کرسکتا ہوں کہ گاؤں کی لڑکیاں شانے ہلاکر میرا مذاق اُڑائیں؟"

"جو جی چاہو کرو" لڑکی نے سکون سے جواب دیا "میں تمھاری دھمکیوں سے ڈر نہیں سکتی۔ میں آزاد ہوں، جو میرے جی میں آئے گا، کروں گی"

انٹونیو، غصہ سے دیوانہ ہوگیا۔ اُسکا تمام بدن کانپنے لگا:

"پھر کبھی نہ کہنا" ملاح چلایا "میں وہ نہیں ہوں کہ تیری جیسی ایک لڑکی میری زندگی برباد کرڈالے۔ تو اسوقت میرے بس میں ہے۔ اچھی طرح سمجھ لے۔ میرا حکم ماننا ہوگا!"

موریلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن اُس کی آنکھیں غصہ سے لال ہوگئیں۔ اُسنے ملاح کو جرأت سے دیکھا:

"ہمت ہو تو مار ڈالو!" اُسنے پورے سکون سے کہا۔

"جو کہتا ہوں، وہی کرتا ہوں" انٹونیو نے زور سے کہا، مگر اُس کی آواز بھرّا گئی "یہاں سمندر کی تہ میں ہم دونوں کی جگہ ہے۔ معزز خاتون! میں اس سے باز نہیں رہ سکتا"

اُسنے یہ لفظ بڑی حسرت و تکلیف سے کہے۔ اُسکا چہرہ بالکل دیوانوں کا سا ہوگیا تھا:

"لیکن" اُسنے پھر کہا "ہمیں ساتھ ہی چلنا چاہئے۔ ابھی چلنا چاہئے۔ فوراً چلنا چاہئے" یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھا اور موریلا

"موریلا!" پادری نے پھر گفتگو شروع کی "تو بوآل معو کی بھی کچھ خبر ہو؟"

موریلا نے اپنے نازک مونڈھے ہلا کر انکار کیا۔

"تمھاری تصویر اُتارنا چاہتا تھا، تم نے انکار کیوں کیا؟" پادری نے پھر سوال کیا۔

"میری تصویر کیوں؟" دوشیزہ نے جھنجھلا کر جواب دیا "کیا مجھ سے زیادہ خوبصورت عورتیں موجود نہیں؟ کون جانتا ہو میری تصویر لے کر کیا کرتا؟ شاید جادو کر دیتا۔ مجھے تکلیف دیتا۔ قتل کر ڈالتا۔ میری ماں یہی کہتی تھی"

"ہُش!" پادری نے خلوص سے کہا "فضول نہ بکو۔ کیا تم خدا کی اماں میں نہیں ہو؟ کیا خدا کے حکم بغیر ایک ذرّہ بھی ہل سکتا ہو؟ کوئی انسان بھی تیرا رُواں میلا نہیں کر سکتا۔ پھر وہ تو تجھ پر عاشق تھا، ورنہ شادی کی درخواست کیوں کرتا؟"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تم نے شادی کیوں نامنظور کی؟" نیک دل پادری نے سوال کیا "لوگ کہتے ہیں شریف و معقول آدمی تھا۔ تیری اور تیری ماں کی خبر گیری کرتا۔ ریشم بیچنے سے کہیں زیادہ تم فائدے میں رہتیں"

"ہم بالکل فقیر ہیں" لڑکی نے بڑے تأثر سے جواب دیا "میری ماں مدت سے بیمار ہو۔ ہم اُس پر بوجھ ہوتے۔ پھر میں عزت دار خاتون بننے کے لائق نہیں ہوں۔ اپنے دوستوں کے سامنے وہ مجھے دیکھ کر ضرور شرمندہ ہوتا"

"کیا کہتی ہو؟" پادری نے خیر خواہی سے کہا "میں کہتا ہوں وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ شاید تمھارے ساتھ سورنتو ہی میں رہ جاتا۔ ایسا شوہر ملنا مشکل ہو"

"میں شوہر نہیں چاہتی" موریلا نے بہت آہستہ سے مگر تیقن کے لہجہ میں کہا "میں کبھی شادی نہیں کروں گی!"

"کیا رہبانیت اختیار کرنے کا ارادہ ہو؟" پادری نے تعجب سے سوال کیا۔

دوشیزہ نے سر کے اشارے سے انکار کیا۔

"لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ تو ضدی ہو" پادری نے جوش سے کہا "تیری ہٹ بہت سخت ہو۔ ایک لمحہ کے لئے سوچ، تیری یہ ضد کتنی خطرناک ہو؟ یہ تیری مصیبت میں اضافہ کرنیوالی ہو۔ تیری ماں کی بدنصیبی بڑھانے والی ہو۔ کیا تیرے پاس کوئی ایک وجہ بھی ہو کہ ایسے شریف آدمی کو رد کر دیتی ہو؟ جواب دے"

"میرے پاس وجہ ہو" موریلا نے دبی زبان سے کہا "مگر میں بیان نہیں کروں گی"

"بیان نہیں کروں گی!" پادری نے خفا ہو کر اُس کا جملہ دُہرایا "مجھ سے بیان نہیں کروگی؟ میں جو تیرا پادری ہوں۔ تو خوب جانتی ہو تیرا خیر خواہ ہوں۔ کیا یہ صحیح نہیں؟"

موریلا نے سر ہلا کر اقرار کیا۔

"تو اپنا راز مجھ پر ظاہر کر" پادری نے شفقت سے کہا "اگر وجہ ٹھیک ہوگی تو میں سب سے پہلے تائید کروں گا۔ تم ابھی بہت کم عمر ہو۔ اس دُنیا سے بالکل بے خبر ہو۔ ایک زمانہ آئے گا جب یہ زرّیں موقعہ کھو دینے پر افسوس کروگی۔ معلوم ہوتا ہو، خدا نے رحم کھا کر اس شخص کو تمھارے گھر پر بھیجا تھا"

موریلا نے شرمائی ہوئی نظریں اُٹھائیں اور کشتی کے سرے پر دیکھنے لگی جہاں انٹونیوں کی نگاہیں دُور افق پر جمی تھیں اور اپنے خیالات میں غرق تھا۔ پادری نے دوشیزہ کو بغور دیکھا۔ اپنا کان اُس کے قریب کر دیا۔ "آپ میرے باپ کو نہیں جانتے" لڑکی نے نہایت آہستگی سے پادری کے کان میں کہا۔

"تیرا باپ؟" پادری چلّا اُٹھا "کیوں نہیں؟ تو ابھی دس برس کی بھی نہ تھی کہ خدا نے اُسے بُلا لیا۔ آسمان کی بادشاہت میں اُسے جگہ ملے! اپنی اس ضد میں اُس کا ذکر کیوں کرتی ہو؟"

"آپ نہیں جانتے" لڑکی نے زور دیکر کہا "آپ کو نہیں معلوم میری ماں کی تمام بیماری کا وہی اکیلا سبب ہو"

"کیونکر؟" پادری نے تعجب سے سوال کیا۔

"اپنی بے رحمی سے" موریلا نے فوراً جواب دیا "آخری وقت تک میری ماں کو مارتا رہا۔ مجھے وہ راتیں اب تک یاد ہیں۔ وہ ایک عجیب جنون کی حالت میں گھر آتا تھا۔ میری ماں ایک لفظ بھی نہیں کہتی تھی۔ مگر وہ مارنا شروع کر دیتا تھا۔ آہ! میرا دل اب بھی رنجیدہ ہوتا ہو! میں اپنا مُنہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیتی تھی اور پڑ رہتی تھی لیکن اندر ہی اندر روتی رہتی۔ وہ میری ماں کو مارتے مارتے آخر تھک جاتا غریب بیہوش ہو کر گر پڑتی تھی۔ وہ اُسے دیر تک غور سے دیکھتا پھر نہیں معلوم اُس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا کہ دوڑ کر اُسے اُٹھاتا اور سینے سے لگا کر پیار کرنے لگتا۔ اتنے زور سے دابتا تھا کہ اُس کے مُنہ سے چیخ نکل جاتی تھی۔ لیکن اس تمام ظلم پر بھی میری ماں کبھی خفا نہیں ہوتی۔ بلکہ مجھے بھی منع کرتی رہتی تھی کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کروں۔ میری ماں کو اُس سے بَلا کی محبت تھی۔ اس سختی پر بھی وہ اُسی کا کلمہ پڑھتی رہتی۔ جب سے وہ مَرا ہو، یہ بھی بیمار ہو گئی ہو۔ اُسے غم کھائے جاتا ہو۔ اگر مر گئی۔ خدانخواستہ۔ تو میں جانتی ہوں اُس کا قاتل کون ہو"

پادری سنّاٹے میں پڑ گیا۔ تعجب سے سر ہلانے لگا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، اس عجیب لڑکی کو کیونکر قائل کرے۔

"اپنے باپ کو معاف کر دو!" بالآخر پادری نے کہا "اُسی طرح معاف کر دو، جس طرح تمھاری ماں نے معاف کر دیا ہو۔ پُرانی باتوں کی تکلیف دہ یاد دُور کر دو۔ مستقبل میں تمھارے اچھے دن آئیں گے اور تمام مصیبتیں بھلا دیں گے"

"نہیں، نہیں!" موریلا نے جوش سے کہا "میں کبھی نہیں بھول سکتی، یہی وجہ ہو کہ میں نے عمر بھر کنواری رہنے کا ارادہ کر لیا ہو۔ ہرگز کسی مَرد کی کنیز نہیں بنوں گی۔ یہ مَرد پہلے مارتے ہیں، پھر پیار کرتے ہیں لیکن میرے ساتھ کوئی یہ حرکت نہیں کر سکتا۔ مجھ سے جو مَرد بھی محبت کی درخواست کرے گا، اُس کا مُنہ توڑ دوں گی۔ لیکن میری ماں بالکل بے بس تھی۔ وہ نہ مار کا مقابلہ کر سکتی تھی، نہ پیار کا۔ وہ اُس سے محبت کرتی تھی۔ میں ہرگز کسی مَرد سے محبت نہیں کرونگی"

"تم بالکل بچہ ہو!" پادری نے مسکرا کر کہا "دنیا کو کچھ بھی نہیں جانتی، اسی لئے بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ کیا سب مرد تمھارے باپ ہی کے سے ہیں؟ کیا تم نے کبھی کوئی اچھا آدمی نہیں دیکھا؟ کیا دُنیا میں ایسی خوش نصیب بیبیاں نہیں ہیں جو اپنے شوہروں کے ساتھ عیش و آرام سے رہتی ہیں؟"

"کچھ ہو" موریلا نے زور دے کر کہا "میرے ماں باپ کا حال کوئی نہیں جانتا۔ میری ماں مر جانا پسند کرتی تھی مگر اُس کی شکایت پسند نہیں کرتی تھی۔ یہ صرف محبت کی وجہ سے۔ اگر محبت یہی ہو، اگر محبت، زبان گونگی کر ڈالتی ہو، اگر محبت ایسی سخت مصیبت لاتی ہو، تو میں ہرگز ہرگز کبھی مَرد سے محبت نہیں کروں گی"

"میں نے کہدیا تم ایک بچے سے کچھ زیادہ نہیں" پادری نے کہا "تم بے معنی باتیں کرتی ہو۔ جب وقت آجائے گا، تمھاری رائے اور پسند نہیں پوچھی جائے گی۔ تم محبت کی زنجیر میں اپنی مرضی کے خلاف بھی جکڑ دی جاؤ گی"

موریلا خاموش رہی۔

"کیا تمھارے خیال میں یہ مصوّر بھی سنگدل تھا؟" پادری نے پھر سوال کیا۔

"اُس کی نظریں بالکل ویسی ہی تھیں جیسی میرے باپ کی ہو جایا کرتی تھیں جب وہ میری ماں کی خوشامد کرتا تھا۔ میں وہ نظریں خوب پہچانتی ہوں۔ ایک مرد اس طرح کی نظروں سے دیکھتا بھی ہو، اور پھر عین اسی وقت اپنی بے خطا بیوی کو مار کے ادھ موا بھی کر دے سکتا ہو۔ مجھے ایسی نظروں سے بڑا ہی ڈر لگتا ہو"

موریلا اب بالکل چُپ ہو گئی۔ پادری نے بھی اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ اُس کے ذہن میں اب بہت سی معقول دلیلیں آگئی تھیں مگر وہ چُپ ہی رہا کیونکہ نوجوان ملّاح کا چہرہ یہ گفتگو سُن کر غصّہ سے لال ہو رہا تھا۔

دو گھنٹے کے سفر کے بعد کشتی جزیرے کے گھاٹ پر پہنچ گئی۔ انٹونیو نے پادری کو گود میں اُٹھا لیا اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چل کر اُسے خشکی پر اُتار دیا۔ لیکن موریلا نے اُس کا انتظار نہیں کیا۔ اُس نے ایک ہاتھ میں اپنی کھڑاؤں لی۔ دوسرے میں بقچی دبائی اور گھٹنوں تک کپڑے اُٹھا، ساحل پر پہنچ گئی۔

"میں یہاں کچھ مدت ٹھہروں گا" پادری انٹونیو سے کہہ رہا تھا "انتظار کی ضرورت نہیں۔ شاید میں کل سے پہلے لَوٹ نہ سکوں گا۔ موریلا! (دوشیزہ کی طرف مخاطب ہو کر) گھر لَوٹ کر اپنی ماں کو سلام کہدینا۔ اسی ہفتہ میں ملاقات کو آؤں گا۔ کیا رات سے پہلے واپس جاؤ گی؟"

"اگر ممکن ہوا" لڑکی نے اپنے کپڑے ٹھیک کرتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

اب انٹونیو بولا:

"لیکن مجھے لَوٹنا ضرور ہو" اُسنے مضطرب آواز سے کہا "تاہم میں شام تک انتظار کروں گا۔ اگر آپ نہ آئے — میرے لئے برابر ہو"

"موریلا!" پادری نے کہا "تم ضرور واپس جانا۔ رات بھر ماں کو اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں"

موریلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ آگے بڑھی۔ پادری کا ہاتھ چوما اور اس طرح سلام کیا کہ ملّاح بھی اُس کا مخاطب تھا لیکن انٹونیو نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ ٹوپی اُٹھا کر صرف پادری کو تعظیم دی۔ دونوں دو مختلف راستوں پر روانہ ہو گئے۔ انٹونیو تھوڑی دیر تک پادری کو دیکھتا رہا۔ پھر موریلا پر نظر جما دی، جو دھوپ سے بچنے کے لئے آنکھوں پر ہاتھ رکھے چلی جا رہی تھی۔ راستہ کی موڑ پر پہنچ کے موریلا ٹھہری اور بلندی پر سے گھوم کر پیچھے دیکھنے لگی۔ اُس کے سامنے خاموش سمندر نیلگوں فرش بچھائے پھیلا ہوا تھا۔ صبح کے سورج کی دلفریب شعاعیں اُس کی سطح پر لوٹ رہی تھیں۔ آسمان صاف شفاف تھا۔ واقعی منظر شاعرانہ اور جذبات انگیز تھا۔ لیکن قسمت کا کرشمہ دیکھو — موریلا کی نظریں اُٹھتے ہی انٹونیو کی چمکیلی نظروں سے جا لڑیں۔ دونوں گھبرا سے گئے۔ بیک وقت دونوں میں ایک ایسی جنبش ہوئی گویا اُنھوں نے کوئی غلطی کی ہو اور اُسے چھپانا چاہتے ہیں!

موریلا تیزی سے مُڑی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

(۲)

انٹونیو کو ماہی گیروں کے شراب خانے میں بیٹھے کئی گھنٹے ہو گئے وہ از حد مشغول معلوم ہوتا تھا۔ بار بار اُٹھتا تھا اور تمام راستوں پر نظر ڈال کے لَوٹ آتا تھا۔

موسم میں تبدیلی شروع ہو گئی۔ وہ خیال کرنے لگا اگر رات سے پہلے ہی موسم بدل گیا تو "وہ" جلد واپسی پر مجبور ہو گی۔

جمیل (مشہور شاعر عرب)

جمیل کا عشق بُثینہ سے مشہور عام ہے۔ ابوسہل ساعدی عیادت کو گیا۔ نزع کی حالت تھی۔ جمیل نے کہا "ابوسہل! ایسے آدمی کی بابت کیا کہتے ہو جو خدا سے اس حال میں ملتا ہے کہ اُسنے کسی کا خون نہیں بہایا، شراب نہیں پی، کبھی بدکاری نہیں کی۔ کیا اس کے لئے جنت کی امید ہے؟"

ساعدی نے کہا "بخدا ہاں، مگر وہ کون ہے؟"

"مجھے اُمید ہے کہ میں ہوں" جمیل نے جواب دیا۔

ساعدی نے بُثینہ کا ذکر کیا۔

"دیکھو" جمیل نے آہ سرد بھر کر کہا "یہ دنیا میں میرا آخری دن ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں اگر کبھی بُثینہ کی طرف میں نے بدی سے نظر کی ہو"

جب وفات بالکل قریب پہونچی تو جمیل نے اپنے ایک دوست کو بلا کر یہ وصیت کی:

جب میں مرجاؤں، تو گھر کا تمام سامان تمھارا ہے۔ صرف میرے کپڑوں کا ایک جوڑا اس سے الگ ہے۔ تم میری اونٹنی پر سوار ہو کر بُثینہ کے قبیلہ میں جانا اور بلند جگہ پر کھڑے ہو کر میرے کُرتے کا گریبان پھاڑ ڈالنا پھر چلا کر یہ شعر پڑھ دینا:

صدع النعی وماکنی بجمیل ۔۔۔ وثوی بمصر ثواء غیر قفول

موت بے دھڑک آ پہونچی، جمیل سے کوئی رعایت نہ کی۔ وہ اب اس طرح مقیم ہو گیا کہ کبھی واپسی نہ ہوگی۔

ولقد اجر الذیل فی وادی القری ۔۔۔ نشوان بین مزارع ونخیل

میں وادی قری میں کھیتوں اور نخلستانوں میں خوشی خوشی پھرا کرتا تھا۔

قومی بثینۃ فاندبی بعویل ۔۔۔ وابکی خلیلک دون کل خلیل

بُثینہ! اُٹھ اور نوحہ کر۔ اپنے سب سے بڑے دوست کے لئے!

دوست نے وصیت پوری کر دی۔ جمیل نے ۸۲ھ (۷۰۱ء) میں انتقال کیا۔

مہلب بن ابی صفرہ

وفات کے وقت اپنے تمام لڑکوں کو جمع کیا۔ پھر ترکش منگایا اور کہا "کیا تم یہ تمام ایک ساتھ بندھے ہوئے تیر توڑ سکتے ہو؟" اُنھوں نے کہا "نہیں" مہلب نے کہا "اگر الگ الگ ہوں؟" اُنھوں نے جواب دیا "ایک ایک تیر کا توڑنا بالکل آسان ہے" مہلب نے کہا "یہی مثال اتفاق و اتحاد اور جماعت کی ہے۔ ملے رہوگے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ الگ الگ ہو جاؤ گے تو بہ آسانی ہلاک کر دیئے جاؤ گے"

۸۲ھ (۷۰۲ء) میں فوت ہوئے

عبدالملک بن مروان

موت کے وقت اپنے بیٹے ولید سے کہا:

"دیکھ میری موت پر بیوقوف عورتوں کی طرح بیٹھ کر آنسو نہ بہانا۔ بلکہ کمر باندھنا، آستین چڑھانا، چیتے کی کھال پہن لینا۔ مجھے میرے گڑھے میں ڈالکر چھوڑ دینا۔ میں اپنا معاملہ خود چکا لوں گا۔ لیکن تم اپنے معاملہ کی فکر کرنا۔ لوگوں کو بیعت کے لئے بلانا۔ جو اپنے سر سے یوں کرے (یعنی انکار کرے) تو تم بھی اپنی تلوار سے یُوں کرنا" (یعنی اُس کی گردن اُڑا دینا)

پھر یزید بن معاویہ کے دونوں لڑکوں: محمد اور خالد کو طلب کیا۔ اُن سے پوچھا "کیا ولید کی بیعت پر نادم ہو؟" اُنھوں نے جواب دیا "ہم ولید سے زیادہ کسی کو بھی خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے" عبدالملک نے کہا "واللہ اگر تم کچھ اور جواب دیتے تو فوراً تمھارا سر اُڑا دیتا!" پھر اپنے بچھونے کا کنارا اُٹھا کر دکھایا۔ نیچے شمشیر برہنہ رکھی تھی!

یہ اُس وقت کی گفتگو ہے جب سکرات موت طاری تھی۔ عبدالملک نے کہنا شروع کیا "وہ خدا کتنا بڑا ہے جو چھوٹے بڑے، سب کو بے پروائی سے موت دیتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

اسی لفظ پر روح پرواز کر گئی۔

اصمعی کہا کرتا تھا "میں عبدالملک پر حسد کرتا ہوں۔ کیونکہ اُس نے مرتے وقت کہا تھا "خدایا! میرے گناہ اگرچہ بے شمار ہیں اور بے حد بڑے ہیں، لیکن تیرے عفو کے سامنے بہت کم اور بہت چھوٹے ہیں۔ لہٰذا مجھے معاف کر دے!"

کہتے ہیں، عبدالملک نے وفات کے وقت اپنے محل کی کھڑکی سے ایک دھوبی کو کپڑے دھوتے دیکھا تھا۔ اُسنے ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگا "کاش میں اس دھوبی کی طرح ہوتا کہ اپنی روز کی کمائی سے پیٹ پالتا! کاش میں خلیفہ نہ بنا ہوتا!" پھر یہ شعر پڑھا:

لیتنی کنت قبل ما قد بدالی ۔۔۔ فی رؤس الجبال ارعی الوعولا!

ابوحازم نے یہ قول سُنا تو کہنے لگے "الحمدللہ۔ یہ لوگ موت کے وقت اُس بات کی تمنا کرتے ہیں جو ہمیں حاصل ہے۔ لیکن ہم موت کے وقت اُن کی حالت کی آرزو نہیں کرتے!"

۸۶ھ (۷۰۵ء) میں وفات پائی۔

ابن القریہ

مشہور عرب خطیب ابن القریہ کو قتل کرنے کا حجاج بن یوسف نے حکم دیا۔ جلاد تلوار لے کر آیا۔ ابن القریہ نے کہا "خدا حاکم کی درستگی کرے! میں مرنے سے پہلے تین لفظ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں جو میرے بعد ضرب المثل ہو کر ہمیشہ زندہ رہیں گی"

حجاج نے کہا "کہہ، کیا کہتا ہے؟"

ابن القریہ نے کہا "ہر اصیل گھوڑا ٹھوکر کھاتا ہے۔ ہر تلوار کُند ہو جاتی ہے۔ ہر دانا سے غلطی ہوتی ہے"

حجاج نے کہا "یہ وقت، مذاح کا نہیں ہے۔ جلّاد! اپنا کام کر!"

جلّاد کا ہاتھ چلا اور ابن القریہ کا سر، زمین پر تھا۔

۸۴ھ (۷۰۳ء) کا یہ واقعہ ہے۔

اخطل

مشہور شاعر اخطل سے موت کے وقت پوچھا گیا "کوئی وصیت؟" کہا "ہاں" پھر اپنے دوست فرزدق کو یہ وصیت کی:

اوصی الفرزدق عند الممات ۔۔۔ بام جریر واعیارہا

(میں موت کے وقت فرزدق کو وصیت کرتا ہوں کہ جریر کی ماں اور اُس کی سوکنوں کا خیال رکھے)

۹۰ھ (۷۰۸ء) میں فوت ہوا

امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ امام کوفہ

موت کے وقت سخت خوفزدہ ہوئے۔ لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہنے لگے "اس حالت سے زیادہ خطرناک حالت اور کیا ہو سکتی ہے؟ ہر لحظہ دھڑکا لگا ہے کہ پروردگار کا قاصد پہونچے اور جنت یا دوزخ کی خبر دے۔ قسم خدا کی، میری تمنا ہے کہ قیامت تک میری روح یوں ہی حلق میں پھنسی رہے!"

۹۶ھ (۷۱۴ء) میں انتقال کیا

مروان بن محمد

بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد جب عباسیوں کے ہاتھ قتل ہونے لگا تو یہ شعر کہے:

الدہر یومان: ذا امن وذا حذر ۔۔۔ والعیش شطران: ذا صفو وذا کدر

زمانہ، دو ہی دن ہیں: امن کا دن اور اندیشہ کا دن۔ زندگی کیا ہے؟ آدھی میں خوشی، آدھی میں رنج۔

وکم علی الارض من خضر ویابسۃ ۔۔۔ ولیس یرجم الا ماله ثمر

زمین پر بے شمار خشک و تر چیزیں ہیں، مگر پتھر اُسی درخت پر مارے جاتے ہیں جس میں پھل ہیں۔

قل للذی بصروف الدہر عیرنا ۔۔۔ ہل غیر الدہر الا من لہ قدر

زمانے کے انقلاب پر طعنہ دینے والوں سے کہدو کہ زمانہ اُسی کے خلاف ہوتا ہے جو کوئی درجہ رکھتا ہے۔

اماتری البحر تعلو فوقہ جیف ۔۔۔ وتستقر باقصی قعرہ الدرر

تم دیکھتے نہیں دریا ہی کی سطح پر مُردے تیرتے ہیں لیکن موتی اُس کی تہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔

وان تکن عبثت ایدی الزمان بنا ۔۔۔ ونالنا من تجنی بؤسہ ضرر

اگر زمانے کے ہاتھوں نے ہمیں ستایا اور اُسکی سختیاں ہم پر پڑی ہیں،

ففی السماء نجوم لا عداد لہا ۔۔۔ ولیس یکسف الا الشمس والقمر

تو کوئی تعجب نہیں۔ آسمان میں بے شمار ستارے موجود ہیں مگر گہن صرف چاند اور سورج ہی کو لگتا ہے۔

۱۳۲ھ (۷۵۰ء) میں قتل ہوا

ابوجعفر منصور

عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے سفر حج میں مقام "بئر میمون" پر پہونچکر جب اپنی وفات قریب دیکھی، تو اپنے ولی عہد، مہدی کو طلب کیا۔ اُسوقت ابوجعفر کے سامنے ایک بڑا تھیلا رکھا تھا۔ اسمیں کتابیں اور حساب کے کاغذات رہتے تھے۔ کبھی کسی شخص کو اُسی ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

ولی عہد کو دیکھ کر خلیفہ نے کہا:

"فرزند! یہ تھیلا دیکھ۔ اس کی حفاظت کرنا، کیونکہ اس میں تیرے بزرگوں کا علم محفوظ ہے۔ اس شہر (بغداد) کا خیال رکھنا۔ کسی اور شہر کو اپنا پایہ تخت نہ بنانا۔ کیونکہ یہ شہر تیرا اپنا ہے اور اس میں تیری عزت ہے۔ میں نے اُس میں تیرے لئے اتنے خزانے جمع کر دیئے ہیں جتنے کبھی کسی خلیفہ نے جمع نہیں کئے تھے۔ حتیٰ کہ اگر دس برس بھی تجھے سلطنت کا خراج نہ ملے تو بھی یہ خزانے جملہ مصارف کے لئے کافی سے زیادہ ہونگے۔ ان کی حفاظت کرنا، کیونکہ اُن کی موجودگی میں تجھے ہمیشہ قوت حاصل رہے گی۔ تیرا گھر آباد رہے گا۔ لیکن میں جانتا ہوں تو اُن کی حفاظت نہیں کرے گا۔

"اپنے خاندان سے نیک سلوک کرنا۔ اُنھیں عزت بخشنا۔ اُن پر احسان کرنا۔ ان کے لئے منبر نصب کرنا۔ اُن کی چوکھٹوں پر لوگوں کو جھکانا۔ کیونکہ اُن کی عزت، تیری عزت ہے۔

"اپنے غلاموں سے نیکی کرنا۔ اپنے قریب رکھنا۔ اُن کی تعداد میں اضافہ کرنا۔ کیونکہ مصیبت کے وقت وہ تیری سپر ہونگے۔

"خراسانیوں کے بارے میں میری نیک وصیت یاد رہے۔ وہ تیرے حامی و مددگار ہیں۔ اُنھوں نے اپنی جان و مال سے تیری مدد کی ہے۔ اُن سے اچھا برتاؤ کرنا۔ اُن کی خطائیں معاف کرنا۔ اُن کے یتیموں اور بیواؤں کی خبر لینا۔

"خبردار! کوئی نیا شہر آباد نہ کرنا۔ کیونکہ تو اُسے پورا نہ کر سکے گا۔ خبردار! عورتوں کو اپنے مشورے میں داخل نہ کرنا۔ یہ میری آخری وصیت ہے"

جب دَم لبوں پر آیا تو کہا "بادشاہ وہ ہے جو نہ مرے!"

۱۵۸ھ (۷۷۵ء) میں انتقال کیا

امام سفیان ثوری رح

موت کے وقت نہایت مضطرب تھے۔ کہا گیا "ابوعبداللہ! یہ اضطراب کیوں؟ کیا آپ اُس ذات کے پاس نہیں جا رہے ہیں، جس کی آپنے ہمیشہ عبادت کی اور ہمیشہ اُسی کی طرف بھاگتے رہے؟"

کہنے لگے "تمھارا بھلا ہو! میں ایک ایسے راستہ میں سفر شروع کرنے والا ہوں، جسے میں نہیں جانتا اور اُس پروردگار کے رُوبرو پہنچنے والا ہوں، جسے میں نے دیکھا نہیں ہے!"

۱۶۱ھ (۷۷۸ء) میں وفات پائی۔

عبداللہ بن عبدالعزیز

موت کے وقت کہنے لگے "خدا کی نعمت کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر پوری

بصائر و حکم

عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

اکابر تاریخ اسلام کے مختصر وفیات

ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

وفات کے قریب آپنے اپنی وصیت لکھوائی اور حضرت عثمانؓ اور ایک انصاری کے ہاتھ مسجد میں بھیج دی تاکہ مسلمانوں کو سُنا دی جائے۔ وصیت حسب ذیل تھی:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی وصیت ہے جبکہ وہ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا اور آخرت میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ ایسے وقت کی وصیت ہے جبکہ منکر ایمان لے آتا، فاجر بدبختی میں پڑتا، اور جھوٹا بھی سچ بولنے لگتا ہے۔ میں نے تم پر عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کو امیر بنایا ہے۔ اگر وہ عدل کرے اور تقوی برتے، تو اُس کی بابت میرا یہی گمان اور یہی امید ہے۔ لیکن اگر وہ بدل جائے، تو میں نے تحتی الوسع بھلائی چاہی ہے۔ غیب کا علم، خدا کے سوا کسی کو نہیں"

ام المومنین عائشۂ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے "میرے والد مرض موت کے آخری دنوں میں بے ہوش ہو گئے۔ میری زبان سے بے اختیار نکل گیا" افسوس، میرے باپ کو سخت بیماری لاحق ہوگئی ہے" اتنے میں ان کی آنکھ کھل گئی تو فرمایا "نہیں، یہ بیماری نہیں ہے، وہ چیز ہے جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے وجاءت سکرۃ الموت بالحق، ذلک ما کنت منہ تحید۔ پھر پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا؟ میں نے عرض کیا، تین کپڑوں میں۔ پھر پوچھا، انھوں نے کس دن وفات پائی تھی؟ عرض کیا۔ پیر کے دن۔ پوچھا، آج کونسا دن ہے؟ میں نے کہا۔ پیر کا دن ہے۔ فرمایا: میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ آج رات اور دن کے درمیان میری موت واقع ہو جائے۔ پھر اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور کہا: دو مزید کپڑے ملاکر اسی میں مجھے کفنا دینا۔ میں نے کہا۔ یہ تو پرانا ہے۔ فرمایا: الحی احوج الی الجدید من المیت انما ہو للمہنتہ والصدید۔ زندہ انسان بمقابلہ مردہ کے نئے کپڑے کا زیادہ حاجت مند ہے۔ اور کفن تو ریم اور خون کے لئے ہے!

جب وفات ہوئی تو یہ دعاء یوسفی آپکے زبان پر تھی: توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین! خدایا! اس حالت میں موت دے کہ مسلم ہوں، یعنی تیرا فرمانبردار ہوں، اور ایسا کر کہ صالح انسانوں کے ساتھ میرا شمول ہو!

تاریخ وفات ۱۳ھ (۶۳۴ء)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا:

"میرا چہرہ زمین پر رکھدے، شاید خدا مجھ پر مہربان ہو جائے اور رحم کرے!"

آخری کلمۂ وصیت اہل ذمہ یعنے غیر مسلم رعایا کی نسبت تھا:

"میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ غیر مسلم رعایا کے لئے اللہ اور اُس کے رسول کی ذمہ داری یاد رکھے۔ اُن سے جو اقرار کئے گئے ہیں، ہمیشہ پورے کئے جائیں، اُن کی اُن کے دشمنوں سے حفاظت کی جائے، اُن پر کبھی سختی نہ کی جائے"

تاریخ وفات ۲۴ھ (۶۴۴ء)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

جب قتل کا یقین ہو گیا تو حضرت علی کو خط لکھا:

"سیلاب، چوٹی تک پہنچ گیا۔ معاملہ، حد سے تجاوز کر گیا۔ خط دیکھتے ہی میرے پاس آؤ۔ موافقت میں یا مخالفت میں"

خط کے آخر میں یہ شعر لکھا:

فان کنت ماکولا فکن خیر آکل والا فادرکنی ولما امزق

(اگر میرے لئے یہی صورت رہ گئی ہے کہ میں کسی کا نوالہ بنوں تو سب سے بہتر کھانے والے تم بنو۔ ورنہ میرے ٹکڑے اڑ ... سے پہلے مجھے آکر بچالو)

۳۵ھ (۶۵۵ء) میں شہید ہوئے

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت بہت حسرت ظاہر کرنے لگے۔ لوگوں نے کہا "اے ابوعبدالرحمن! آپ کو کس چیز پر افسوس ہے؟ جواب دیا "میں دنیا پر افسوس نہیں کرتا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک وصیت کی تھی۔ فرمایا تھا "تمھارے پاس مسافر کے زادراہ بھر سامان ہونا چاہئے" میں ڈرتا ہوں، ہم نے اس وصیت پر عمل نہیں کیا۔ کیونکہ میرے گرد یہ چیزیں جمع ہیں"

یہ کہہ کر گھر کے سامان کی طرف اشارہ کیا۔ دیکھا گیا تو گھر میں کُل سامان، ایک تلوار، ایک طشت، ایک پیالہ تھا!

۳۶ھ (۶۵۶ء) میں انتقال ہوا

امام حسن علیہ السلام

وفات کے وقت بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا شروع کیا۔ آپکے صاحبزادے نے عرض کیا "آپ بھی دُنیا پر افسوس کرتے ہیں؟" فرمایا "فرزند! دُنیا پر نہیں، خود اپنے نفس پر افسوس کرتا ہوں، کیونکہ اس جیسی کوئی چیز مجھے کبھی نہیں ملی!"

۵۰ھ (۶۷۰ء) میں انتقال کیا

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت رونے لگے۔ سبب پوچھا گیا۔ کہا:

"اس لئے روتا ہوں کہ سفر بہت دراز ہے، زادراہ بہت کم ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ نہیں معلوم جنت میں مقام ہوگا یا دوزخ میں؟"

۵۹ھ (۶۷۸ء) میں فوت ہوئے

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنی اولاد سے کہا "میری وصیت کون قبول کرے گا؟" بڑے نے کہا "میں" کہنے لگے "میرا قرضہ ادا کرنا ہوگا" پوچھا "کتنا ہے؟" کہا "۸۰ ہزار دینار!" پوچھا "کیوں لیا تھا؟" جواب دیا:

"دو قسم کے آدمیوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں: شریف النفس غریبوں کی۔ اور حیا سے سوال نہ کرسکنے والوں کی۔ یہ مجبور ہو کر آتے تھے۔ مگر شرم سے مانگ نہ سکتے تھے۔ فرط حیا سے چہرہ سُرخ ہو جاتا تھا۔ میں سوال سے پہلے ہی اُنھیں دے دیتا تھا"

۵۹ھ (۶۷۸ء) میں فوت ہوئے۔

سعید بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

بڑے خوددار اور بلندہمت تھے۔ مرض الموت میں مشورہ دیا گیا "بیمار، کراہنے سے راحت پاتا اور طبیب سے اپنی حالت بیان کرنے سے مطمئن ہوتا ہے"

کہنے لگے "کراہنا، بزدلی ہے، عیب ہے۔ خدا ہرگز میرا کراہنا نہیں سُنے گا تاکہ اُس کے حضور بزدل نہ ٹھہروں۔ رہا طبیب، تو واللہ، خدا کے سوا کسی کو بھی اپنے اوپر اختیار نہیں دوں گا۔ خدا چاہے تو مجھے رکھے، چاہے اُٹھالے!"

ربیع بن خیثم رضی اللہ عنہ

فالج میں مبتلا ہوئے۔ کہا گیا "دوا کیوں نہیں کرتے؟" جواب دیا "میں دوا کا فائدہ جانتا ہوں، مگر نہ مریض ہی زندہ رہے گا نہ طبیب پھر دوا کیوں کروں؟"

۶۷ھ (۶۸۶ء) میں وفات پائی

معاویہ بن یزید بن معاویہ

وفات کے وقت مشورہ دیا گیا "اپنے خاندان میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کر جائیے"

جواب دیا "میں نے خلافت سے نہ زندگی میں فائدہ اُٹھایا نہ مرنے کے بعد اُس کا بوجھ اُٹھاؤں گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ بنی امیہ اُس کی شیرینی لیں اور میرے حصے میں تلخی آئے"

۶۴ھ (۶۸۳ء) میں وفات پائی۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۱)

کو اُٹھا لینا چاہا۔ مگر فوراً ہی اُسی تیزی سے اپنا داہنا ہاتھ تھامے پیچھے ہٹ گیا۔ اُس کے ہاتھ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ موریلا نے اُسے پوری قوت سے کاٹ کھایا تھا۔

"ہا! ہا!" موریلا قہقہہ مار کر ہنسی:

"مجھے تیرا حکم ماننا پڑے گا؟" وہ جوش سے چلائی "میں تیری لونڈی ہوں؟"

یہ کہہ کر وہ خود سمندر میں پھاند پڑی۔ ملاح کی نظروں سے غائب ہو گئی پھر نمودار ہوئی۔ اُس کے کپڑے جسم سے چمٹ گئے تھے۔ بال کھل گئے تھے بڑی طاقت و مہارت سے پیر رہی تھی۔ اُسنے کوئی لفظ نہیں کہا۔ کشتی سے دُور ہونے لگی۔ ساحل کی طرف جانے لگی۔

معلون تک پڑھی۔

قرأت ختم ہونے پر اُن میں سے ایک نے اور بھی زیادہ خوش الحانی مگر عجمیت کے ساتھ ایک دعا مانگی۔ اسمیں سلطان محمد فاتح کا ذکر تھا جو اس مسجد کا گویا بانی ہی۔ نیز ایک اور سلطان کا بھی نام لیا گر ہم سمجھ نہ سکے۔

ترک خطیب

اب خطیب منبر پر کھڑا ہوا۔ خطبہ دیا۔ یہ خطبہ عربی زبان میں تھا۔ مگر اس کا لہجہ ہم عربوں کے لئے ناقابل فہم تھا۔ ہم خطبہ کا صرف پہلا جملہ سمجھ سکے جو یہ تھا، "الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ الذی انعم علی المؤمنین بختم القرآن"

خطیب نے خطبہ کے آخر میں "جیوش المسلمین وعساکر الموحدین" کے لئے دعا کی اور ترکی جمہوریت کے بقا و دوام کی التجا پر خطبہ ختم کیا۔

ترک نمازی

ترک نمازیوں کے آداب دیکھ کر میں بہت متأثر ہوا۔ نہایت ہی عقیدت و احترام کے ساتھ صفوں میں بیٹھے تھے۔ ازحد خشوع وخضوع، اُن پر طاری تھا، حالانکہ وہ خطبۂ و تلاوت میں سے ایک لفظ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ یہ بہادر قوم، اپنے ایمان میں نہایت راسخ ہی۔ لباس اور وضع قطع میں کتنی ہی تبدیلی ہو جائے، مگر اُس کے ایمان میں کوئی تزلزل نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت یہ قوم، تمام مسلمانوں کے لئے قابل فخر ہی۔

نمازی عورتیں

مسجد کے آخری حصہ میں عورتوں کے لئے ایک جگہ خاص کر دی گئی ہی یہ جگہ بھی بھری ہوئی تھی۔ ظاہر ہی کہ بوڑھی عورتیں ہی نماز کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان میں اکثر عورتیں بوڑھی تھیں۔ شاید قدیسہ صوفیہ ایسی ہی نمازی عورتیں اپنے معبد میں دیکھنا پسند کرتی ہی!

مسجد میں عربی تحریریں

اوپر کہہ چکا ہوں کہ مسیحی نقوش کی جگہ جا بجا قرآنی آیتیں اور عربی عبارتیں لکھا دی گئی ہیں۔ چنانچہ درمیانی قبہ کے مرکز کے گرد یہ آیت خط ثلث میں کندہ ہی۔ "اللہ نور السموات والارض، مثل نورہ کمشکاۃ فیہا مصباح، المصباح فی زجاجۃ، الزجاجۃ کأنہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونیۃ لاشرقیۃ ولا غربیۃ"

محراب میں یہ آیت لکھی ہی "فاسجدوا للہ واعبدوا"

دیواروں پر جا بجا "اللہ، محمد، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسن، حسین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تختیاں آویزاں ہیں، اور اُن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور بہت سی عربی نصیحتیں لکھی ہیں۔

یہ تمام کتبے، فن خطاطی کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔ شاید ہی کہیں اُن کی نظیر مل سکے۔

ایک عجیب وصف

ایا صوفیہ کی عمارت میں یہ عجیب ہندسی وصف موجود ہی کہ اُس میں آواز کتنی ہی آہستہ بلند ہو، اُس کی بازگشت خوب بلند اور بالکل صاف ہوتی ہی۔ چنانچہ امام کے پورے خطبے کی بازگشت در و دیوار سے صاف سنائی دیتی تھی۔ یہ وصف ہم نے کسی دوسری عمارت میں نہیں دیکھا۔

ایا صوفیہ کو کنیسہ بنانے کی برطانی کوشش

ایا صوفیہ کو دوبارہ کنیسا بنا دینے کی کوشش یورپ مدت سے کر رہا ہی مگر سب سے زیادہ خطرناک اور آخری کوشش اُس وقت کی گئی تھی، جب جنگ عمومی کے بعد اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسجد کے بالکل قریب اب تک دو چوبی فوجی بارکیں موجود ہیں۔ خالی اور اجاڑ پڑی ہیں وضع سے برطانی فوجوں کی معلوم ہوتی ہیں۔ انھیں دیکھ کر مجھے تعجب

۴- ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مکان اس غرض سے بنائے گئے تھے کہ ان میں انگریز سپاہی رہیں گے، تاکہ مسجد میں نمازیوں کو داخل ہونے سے باز رکھیں۔ اُس وقت اتحادیوں نے یہ مجنونانہ فیصلہ کر لیا تھا اور امروز فردا میں اُس کا اعلان کرنا چاہتے تھے۔ مگر بر وقت ترکوں کو خبر لگ گئی۔ اُن کے کئی ہزار آدمی مسجد میں جمع ہو گئے اور طے کر لیا کہ موت سے پہلے ایا صوفیہ کو گرجا بننے نہیں دیں گے۔ اُنکے ارادے کی خبر ہوا کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی اور عام شورش کا سامان ہونے لگا۔

اتحادی ڈر گئے اور اپنا فیصلہ کسی دوسرے مناسب موقعہ کے لئے ملتوی کر دیا۔ اُنھیں یقین تھا، سال دو سال بعد پوری طرح قابو حاصل کر کے یہ کاروائی کر سکیں گے۔ مگر مشیت الٰہی اس کے خلاف تھی۔ اتحادیوں کو نامراد قسطنطنیہ خالی کر دینا پڑا۔ ایا صوفیہ آج تک مسجد ہی ہی اور انشاء اللہ مسجد ہی رہے گی۔

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزائے قتل

ایک خط کے جواب میں

الہلال نمبر ۱۳۔ میں۔ ایک عزیز طالب حق کی جو مراسلت درج کی گئی تھی، افسوس ہی کہ پے در پے سفر اور علالت طبع کی وجہ سے اُس کی طرف متوجہ ہونے کی مہلت نہیں ملی۔ اب اس کے لئے وقت نکال سکا ہوں۔

مذہب اور پیروان مذہب

میرا خطاب عزیز موصوف سے ہی۔

افسوس ہی، اس خط میں آپنے اپنے جو تأثرات ظاہر کئے ہیں وہ اُسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں جس سے پرہیز کرنے کا آپنے ارادہ کیا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ پہلے پہل مجھ سے ملے، اور اپنے دل کے شکوک و اضطراب مجھ پر ظاہر کئے، تو میں نے بعض مقدمات آپکے ذہن نشین کرنے چاہے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ یہ وہ بنیادی مقدمات ہیں جن کے بغیر آج طلب حقیقت کی راہ میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔ من جملہ اُن مقدمات کے ایک مقدمہ یہ تھا کہ مذہب اور پیروان مذہب کا امتیاز ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ ایک چیز نہیں ہی۔ مذہب کے بارے میں ہماری دو تہائی مایوسیاں صرف اسی غلطی کا نتیجہ ہوتی ہیں کہ ہم بسا اوقات ان دونوں کا عددی اختلاف بھول جاتے ہیں۔ میں سب سے پہلی بات جو آپکے علم میں لانی چاہتا ہوں یہ ہی کہ آپنے جستجوئے حقیقت میں ایک بنیادی صداقت معلوم کی تھی اور اب اُس کا سررشتہ آپکے ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہی اور افسوس ہی کہ آپ متنبہ نہیں ہیں۔

آپ لکھتے ہیں "ایک بڑی مشکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہی کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اسپرٹ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ جب دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈھی جاتی ہی تو نہ صرف یہ کہ نہیں ملتی بلکہ ایسی ایسی باتیں سامنے آتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک و شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا" سوال یہ ہی کہ اسلام کی جو تعلیم آپکے علم میں آئی ہی، اگر فی الحقیقت آپ مطمئن ہو گئے ہیں کہ وہ اسلام کی تعلیم ہی، تو پھر آپ "دوسرے مسلمانوں" کی تعلیم میں اُسے ڈھونڈھنا کیوں چاہتے ہیں؟ آپ کو "اسلام" کی تعلیم کی تلاش ہی، یا "مسلمانوں" کی تعلیم کی؟ یقیناً یہ دونوں چیزیں ایک نہیں ہو سکتیں۔ ایک چیز تعلیم بہ حیثیت تعلیم کے ہی اور ایک چیز اُسکے پیروؤں کا فہم و عمل ہی۔

اگر آپ کو اسلام کی تعلیم کی جستجو ہی، تو وہ دنیا کی ہر تعلیمی حقیقت کی طرح صرف اپنے حقیقی سرچشمہ ہی میں ڈھونڈھی جا سکتی ہی، نہ کہ انسانوں کی تعلیم میں اگرچہ وہ انسان اپنے اعتقاد میں مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر آپکی اُس سرچشمہ تک رسائی ہو گئی ہی (اور کم از کم میرا تأثر آپکی نسبت یہ تھا کہ آپ کو اس کا اعتراف ہی) تو اسکے یہ معنی ہیں کہ آپ اسلام کی تعلیم معلوم کرنے کے لئے خود اسلام تک پہنچ گئے ہیں، اور اس صورت میں آپکے لئے صرف یہی رہ جاتا ہی کہ خود اسلام سے اسلام معلوم کریں، اور جب معلوم ہو جائے تو جہاں تک اسلامی تعلیم کا تعلق ہی، آپکی جستجو ختم ہو جائے۔ بلاشبہ آپ کے لئے یہ بات باقی رہ جاتی ہی کہ مسلمانوں کی موجودہ زندگی میں اُس کا عمل تلاش کریں۔ لیکن "عمل" تلاش کریں۔ یہ نہیں کہ مسلمانوں کے "عمل" کو "اسلام" کی تعلیم قرار دے دیں۔ اگر مسلمانوں کی زندگی میں آپ کو اُس کا عمل نظر آئے، تو آپکو یہ رائے قائم کرنی چاہئے کہ اسلام کی تعلیم پر دنیا کی مسلمان نامی جماعت عمل کر رہی ہی۔ نہ نظر آئے تو افسوس کرنا چاہئے، اور سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا کی عالمگیر گمراہیوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہی کہ مسلمان نامی جماعت بھی اسلام کی تعلیمات پر عامل نہیں۔ میں نہیں سمجھتا یہ قدرتی اور سچا طریقہ چھوڑ کر آپنے غلط روی اور کج اندیشی کی راہ کیوں اختیار کی؟ جہاں آپکو "عمل" دیکھنا چاہئے، وہاں آپ "تعلیم" ڈھونڈھتے ہیں، اور جہاں سے "تعلیم" کی حقیقت کا سراغ مل سکتا ہی، اسے اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں؟

عزیز من! میری وہ بات یاد کیجئے جو میں نے بار بار آپکے ذہن نشین کرنی چاہی تھی: دنیا کی کوئی تعلیمی صداقت بھی ایسی نہیں ہی جسکے پیرؤں کا فہم و عمل حجت قرار دے کر ہم حقیقت کی طرف قدم بڑھا سکتے ہوں۔ مذہب کو چھوڑئیے۔ دُنیوی اور مادی علوم و صنائع کا کوئی محدود سے محدود گوشہ لے لیجئے۔ کیا اس طریقہ سے ہم ان گوشوں میں بھی حقیقت کی طرف قدم اُٹھا سکتے ہیں؟ جب دنیا کے ایک معمولی مصنف یا عالم کی کتاب کے لئے لاکھوں کروڑوں انسانوں کا فہم و ادعا کچھ مفید نہیں ہو سکتا، اگر کوئی ایسی بات بیان کی جائے جو خود اُس کتاب میں موجود نہ ہو، تو مذاہب عالم کے لئے جن پر انسانی فہم و استعداد کے تغیرات و حوادث کی صدیاں گزر چکی ہیں اور لاکھوں کروڑوں افراد کے احوال و ظروف سے نسلاً بعد نسل اُن کے تعلیمی حقائق متأثر ہو چکے ہیں، کیونکر کسی فرد یا جماعت کا فہم و عمل حجت ہو سکتا ہی؟

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم

(۳۰ : ۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

قدیم قسطنطنیہ پر ایک جدید نظر!

(مصری اہل قلم استاذ مرسی محمود کے قلم سے)

مسجد ایا صوفیہ

سیاحان عالم نے ہمیشہ اعتراف کیا ہو کہ ایا صوفیہ کے مشاہدے سے تعمیرا و معنوی جلال و جمال کی جو عظمت انسان کے دل و دماغ کو مسخر کر لیتی ہو، وہ دنیا کی کسی موجودہ عمارت میں نہیں پائی جاتی۔ لندن کے وسٹمنسٹر، پیرس کے پانتھیوں، رمیس کے کینسے، ایتھنز کے کرلول، اقصر کے معبد کرنک، الحمرا کے محل، کوئی بھی اُس نوعیت کی تاثیر نہیں رکھتا، جو ایا صوفیہ کے لئے مخصوص ہو۔ میں نے جلیل القدر توتاخن آمن کی لاش اُس کے پُر شوکت مقبرے میں دیکھی ہو، وہ مقبرہ جس کے اکتشاف نے دنیا بھر کے اعصاب ہلا دئے ہیں۔ لیکن میرے دل پر وہ اثر نہیں پڑا جو کل ایا صوفیہ کے مشاہدے سے محسوس ہوا تھا اور جو شاید زندگی بھر محسوس ہوتا رہے گا!

کنیسۂ ایا صوفیہ، اب مسجد ایا صوفیہ بن گیا ہو۔ یہی بہتر اور مناسب بھی تھا۔ کیونکہ قدیسۂ صوفیہ، جس کے نام پر یہ عمارت بنائی گئی ہو، عرف و عادت کے اعتبار سے، ایک مستقل معبد بننے کی مستحق نہیں ہو۔

یہ عظیم کنیسا، جسے کوسٹنیان نے شہیدۂ قدیسہ صوفیہ کی یادگار بنانے کے لئے تعمیر کیا تھا، اور جسے عظیم اسلامی بادشاہ محمد ثانی نے مسجد بنا دیا، صدیوں پر صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اپنے مسیحی مظاہر و خصوصیات برقرار رکھے ہوئے ہو۔ ابتک یہ پورا کنیسا ہو۔ اُس کی صلیبی شکل بدستور قائم ہو۔ اُس کے مختلف حصے، جن کی ترتیب و تنسیق میں صلیبی شکل مدنظر رکھی گئی ہو، ابتک اپنی صلیبیت ہی پر باقی ہیں۔ اُس کے ستون ابتک کوسٹنیان اور اُس کی ملکہ کے نشان وفاداری کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ اُس کے اندر دونوں پہلوؤں میں بپتسما دینے کے حوض اب تک موجود ہیں۔ یہ سنگ مرمر کے ہیں۔ اُن کی شکل مربانی ہو۔ ان میں آب نمازی عورتیں وضو کرتی ہیں۔ اُس کی دیواروں پر مقدس نقوش بھی اب تک نظر آتے ہیں، اگرچہ ترکوں نے اُنھیں محو کرنے کی کوشش کی تھی۔ حضرت مریم (علیہا السلام) کی تصویر آج بھی اپنی موثر آنکھوں سے نمازیوں کی صفیں دیکھنے کے لئے موجود ہو۔ ترکوں نے اُس کا مصورانہ نقشہ مٹانے کی کوشش کی کیونکہ اسلام کی عبادت گاہ اس نشانِ شرک کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی، مگر پوری طرح نہ مٹ سکا شاید یہ اُس کا "معجزہ" ہو کہ وہ ایک ایسے تاریک حصے میں ہو جہاں سے وہ سب کو دیکھتی ہو، مگر آپ سب دیکھ نہیں سکتے!

یہ عجیب اتفاق ہو کہ اُس کی محراب — حالانکہ وہ کینسا تھی — بغیر کسی ترمیم کے مسجد کی محراب بن گئی۔ کیونکہ ٹھیک قبلہ کی سمت میں واقع تھی۔ یہی سبب ہو کہ نماز میں تم اپنے آپ کو ایسے رنگین شیشوں کے سامنے پاؤ گے جو صرف کنیسوں ہی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ تمھاری نگاہ جدہر اُٹھے گی، آیات قرآنی اور عربی عبارتیں نظر آئیں گی، مگر تم یہی محسوس کرو گے کہ مسجد میں نہیں، مسیحی کنیسے میں ہو۔ کیونکہ ایا صوفیہ کی مجموعی ہیئت اب تک بالکل کنیسے ہی کی ہو۔

اس محراب کے قریب، جو صلیب کا سر پیش کرتی ہو، سنگ مرمر کا وہ منبر ابتک قائم ہو جس پر مسیحی خطیب کھڑا ہوتا تھا۔ اسی کے بالمقابل ایک اور منبر بنایا گیا ہو۔ اُس پر اسلامی خطیب کھڑا ہوتا ہو۔ یہ دونوں منبر گویا تاریخ کے دو اہم صفحے ہیں اور کبھی محو ہونے والے نہیں!

مسجد کے ساتوں فولادی پھاٹک اتنے عظیم الشان ہیں کہ مستحکم قلعوں کے پھاٹک معلوم ہوتے ہیں۔ ہر پھاٹک کی فولادی چادر پر صلیب بنی ہو۔ ترک فاتحوں نے اُس کا اُفقی خط مٹا دیا ہو۔ لیکن طولی خط ابتک ویسا ہی موجود ہو جیسا قدیم عہد میں تھا۔

میں زیادہ تفصیل کرنی نہیں چاہتا۔ کیونکہ بے فائدہ ہو۔ کتنی ہی کوشش کروں، قارئین، اصلیت کا عشر عشیر بھی تصور نہ کر سکیں گے۔ مختصر یہ ہو کہ سابق کا یہ کنیسا اور حال کی مسجد، ایک ایسی عمارت ہو جس سے زیادہ خوبصورت اور شاندار عمارت، انسانی آنکھ اس وقت صفحۂ زمین پر کہیں نہیں دیکھ سکتی!

بازلیک

ایا صوفیہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کا ہم نے ارادہ کیا۔ لیکن مسجد میں جانے سے پہلے بازلیک میں داخل ہوئے۔ بازلیک، ایا صوفیہ کے قریب واقع ہو۔ یہ دراصل زمین کے نیچے ایک بہت بڑا حوض یا رومانی وضع کا تالاب ہو۔ تقریباً ۳۳۶ ستونوں پر قائم ہو۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ دشمن کے محاصرے کے وقت اس میں پانی محفوظ رکھا جائے، تاکہ شہر پیاس سے ہلاک نہ ہو جائے۔ یہ تالاب، ایک سُرنگ کے ذریعہ ایا صوفیہ سے ملا دیا گیا ہو اور آسانی سے آمد و رفت ممکن ہو۔

ایا صوفیہ میں نماز جمعہ

بازلیک کی سیر سے فارغ ہو کر ہم نماز جمعہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمیں یہ دیکھنے کا از حد شوق تھا کہ ترکی کے موجودہ اجتماعی انقلاب کے بعد ہیٹ پوش ترک نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھتے ہیں تو ہیٹ کے ساتھ کیونکر پڑھتے ہیں؟

لیکن مسجد میں داخل ہوتے ہی ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی ہم نے دیکھا، مسجد نمازیوں سے لبریز ہو۔ جب کبھی ایا صوفیہ کی بابت کہا جائے کہ لبریز ہو، تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہزارہا آدمی اُس میں موجود ہیں۔ ممکن ہو ۱۰ ہزار ہوں۔ ممکن ہو بیس ہزار ہوں۔ ممکن ہو ۵۰ ہزار ہوں۔ تعداد کا صحیح اندازہ کون کر سکتا ہو؟

یہ دیکھ کر ہمیں اور بھی تعجب ہوا کہ سب ہیٹ پہنے ہیں۔ اُس وقت ہمیں معلوم ہوا کہ ترکوں نے جو ہیٹ پہنی ہو، وہ یورپین ہیٹ نہیں ہو۔ ترکوں نے اُسے بھی ایا صوفیہ کی طرح مسلمان کر لیا ہو۔ یہ ہیٹ، مسجد میں بھی اُنکے سروں پر موجود تھی۔ اور اللہ کی عبادت سے روک نہیں سکتی تھی!

ابھی ہماری حیرت بدستور باقی تھی۔ ہم سوچتے تھے، اس ہیٹ کے ساتھ لوگ نماز کیسے پڑھیں گے؟ لیکن ہم نے دیکھا، جو آدمی نماز کے لئے اُٹھتا ہو، ہیٹ اپنے سامنے رکھ لیتا ہو اور جیب سے معمولی کپڑے کی ٹوپی نکال کر پہن لیتا ہو۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس خاص ٹوپیاں نہ تھیں۔ وہ رومال سر پر باندھ لیتے تھے۔ خود ہم نے بھی اسی طرح نماز پڑھی۔ بعض ایسے بھی تھے جو نرم ہیٹ پہنے تھے۔ انھوں نے نماز کے وقت اپنی ٹوپیاں گھما دیں۔ بلند کنارا پیچھے کر دیا اور پست کنارا سامنے، تاکہ رب العالمین کے حضور اپنا ماتھا زمین پر رکھ سکیں!

ترک قاری

ہم اسلامی اور مسیحی دونوں منبروں کے مابین بیٹھے۔ ہم سے کچھ فاصلہ پر سنگ مرمر کے ۶ بلند پایوں پر ایک وسیع بیٹھک تھی۔ اُس پر چار ترک قاری بیٹھے خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ ہر قاری ایک ایک گوشہ میں تھا۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ پہلے ایک قاری پڑھتا۔ پھر اُسی کا اعادہ باری باری باقی تینوں قاری کرتے تھے۔ آخر میں سب ملکر کہتے "سبحان اللہ، الحمد للہ، ولا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر"

میں نے اپنے عرب رفقا کا امتحان لینا چاہا۔ اُن سے پوچھا یہ لوگ کون سورتیں پڑھ رہے ہیں؟ مگر وہ جواب نہ دے سکے۔ لیکن ہمیں بالآخر معلوم ہوگیا کہ وہ سورۂ الم نشرح اور اُس کے بعد کی سورتیں پڑھ رہے تھے۔ آخر میں اُنھوں نے سورۂ فاتحہ تلاوت کی۔ پھر سورۂ بقرہ،

(بقیہ مضمون صکا)

دُنیا میرے قدموں کے نیچے آجائے تو بھی میں اُسے لینے والا نہیں کیونکہ میں ہمیشہ اسی دن سے ڈرتا رہا ہوں جو آج درپیش ہو"

۱۸۴ھ (۸۰۰ء) میں انتقال کیا

سیبویہ امام نحو

مشہور نحوی سیبویہ نے وفات کے وقت یہ شعر پڑھا:

یؤمل دنیا لتبقی لہ فمات المؤمل قبل الامل

آرزو کرنے والے نے آرزو کی کہ دنیا ہمیشہ باقی رہے۔ لیکن آرزو سے پہلے ہی آرزو کرنے والا مرگیا۔

یہ کہہ کر بیہوش ہوگئے۔ سر بھائی کے زانو پر تھا وہ رونے لگے۔ انھوں نے آنکھ کھول دی۔ اُن کے آنسو دیکھ کر کہا:

وکنا جمیعا فرق الدہر بیننا الی الامد الاقصی فمن یأمن الدہرا

ہم سب ساتھ تھے، زمانے نے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ پس زمانے پر کون بھروسہ کر سکتا ہو؟

۱۸۶ھ (۸۰۲ء) میں وفات پائی۔

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہی؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہی؟

۱۹۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہی-۱۲ر (مینیجر الہلال کلکتہ)

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دُنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہی؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہی

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں

تو

آپ کو "شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!

طریق جدل اور طریق ہدایت

معلوم نہیں آپکو وہ بات بھی یاد رہی یا نہیں جو میں نے گذشتہ سال آپکے ذہن نشین کرنی چاہی تھی۔ اس راہ میں بحث و جستجو کے ہمیشہ سے دو طریقے رہے ہیں۔ ایک طریقہ وہ ہے جسے قرآن نے اپنی زبان میں "جدل" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جسے "ہدایت" کے لفظ سے پکارا ہے۔ "جدل" کے معنی لڑنے جھگڑنے کے۔ "ہدایت" کے معنی سیدھی اور سچی راہ اختیار کرنے کے۔

وہ تمام لوگ جو حقیقت و صداقت کے متلاشی نہیں ہوتے بلکہ کسی خاص خیال اور جذبہ سے اپنی کوئی بات منوانی اور دوسرے کی کوئی بات گرا دینی چاہتے ہیں، طریق جدل پر عامل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپکو کتنا ہی حق کا طالب و مطیع ظاہر کریں، لیکن فی الحقیقت وہ حق کے نہیں اپنی ہوا و نفس کے مطیع ہوتے ہیں۔ وہ سچائی کے متلاشی نہیں ہوتے کہ ہر موقعہ پر اُس کے ظہور و علم کے منتظر رہیں۔ وہ محض اپنے کسی ٹھہرائے ہوئے خیال اور اعتقاد کے پجاری ہوتے ہیں، اور اس لئے ہمیشہ اسی ڈھونڈھ میں لگے رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنی بات منوا دیں۔ مذاہب عالم کے پُرجوش حامیوں، مذہبی مجالس کے زبان دراز مناظروں اور مذہبی بحث و نظر کے بنائے ہوئے نام نہاد علوم میں سر کھپانے والوں کا غالب حصہ اسی طریق جدل کی پیداوار ہے۔

لیکن دوسرا طریقہ طریق "ہدایت" ہے۔ یہ اُن لوگوں کی راہ ہے جو سچ مچ کو سچائی اور حقیقت کے متلاشی ہوتے ہیں، اور منوانے کے لئے نہیں بلکہ مان لینے کے لئے قدم بڑھاتے ہیں۔ وہ نہ تو کوئی خاص فریقانہ جذبہ رکھتے ہیں، نہ کوئی خاص فریقانہ دعویٰ۔ نہ تو انھیں کسی خیال اور رائے کی برتری ثابت کر دینے کی کد ہوتی ہے، نہ کسی خاص خیال اور رائے کو زک دینے کا جوش۔ اُن کی طلب، اُن کی جستجو، اُن کا اعتقاد، اُن کا مشرب، اُن کا حلقہ، اُن کی تمام کدوکاوش کی غرض و غایت، صرف یہی ہوتی ہے کہ حق کی تلاش کی جائے، اور جب ملجائے تو اُسے پہچان لیا جائے۔ اس طریقہ کے رہرو کی ہر بات پچھلے طریقہ سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ مقصد اور نظر و فکر کی روح میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ طریق جدل پر چلنے والے سچائی کے نہیں بلکہ سچائی کے نام پر جھگڑنے کے شائق ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کی ہر بات میں ایک جھگڑالو اور کج بحث دماغ کی روح پائی جاتی ہے۔ لیکن طریق ہدایت کا پیرو کسی حال میں بھی جھگڑالو اور کج بحث نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُس کی روح طلب حق کی روح ہوتی ہے، اور حق کی طلب اور اُس کی معرفت کا عشق کبھی بحث و نزاع کی نفس پرستیوں کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ فی الحقیقت ان دونوں طریقوں میں نہ صرف اختلاف ہے بلکہ صریح تضاد ہے۔ پہلے کا نتیجہ یہ ہے کہ حق کی طلب و معرفت کی استعداد ہی طبیعت انسانی میں باقی نہیں رہتی۔ دوسرے کا نتیجہ یہ ہے کہ صرف حق ہی کی طلب و معرفت کا استغراق باقی رہجاتا ہے۔ نفس و ہوس کی تمام غفلتیں اور خود پرستیاں معدوم ہوجاتی ہیں۔

جدل یا ہدایت؟

میں نے پہلے بھی کہا تھا، اور اب پھر آپکو توجہ دلاتا ہوں کہ اگر سفر کا عزم ہے تو کیوں پہلے ہی سے اپنی گمرہی کا بھی فیصلہ کرلیں؟ کیوں نہ قدم بڑھانے سے پہلے سوچ سمجھ لیں کہ ہمیں کونسی راہ اختیار کرنی ہے؟ راہیں یہاں دو ہی ہیں۔ ایک وہ جسے قرآن نے اپنی بولی میں "جدل" کہا ہے۔ دوسری وہ جسے "ہدایت" سے تعبیر کیا ہے۔ اگر "جدل" کا شوق ہے، تو واقعہ یہ ہے کہ آج دُنیا کے پرستاران مذاہب میں ننانوے (۹۹) فی صدی انسان اسی راہ پر گامزن ہیں۔ آپ بھی اس بھیڑ میں شامل ہوجائیے۔ لیکن اگر حق کی طلب اور سچائی کی لگن ہے، تو پھر ضروری ہے کہ دوسری راہ اختیار کی جائے۔ لیکن دوسری راہ اختیار کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ زبان سے اس کا دعویٰ کیا جائے۔ جہاں تک دعوے کا تعلق ہے، کوئی سخت سے سخت مجادل (جھگڑالو) انسان بھی اس دعوے سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرے گا۔ چاہئے کہ سچ مچ کو جدل و نزاع کی جگہ سچائی کے ایک سچے اور بےنفس متلاشی کی روح آپکے اندر پیدا ہوجائے۔ اس صورت میں آپکے بحث و مطالعہ کا انداز ہی دوسرا ہوجائے گا۔ جو چیزیں بقول آپکے آج "شک و شبہ کا طوفان" آپکے اندر پیدا کر دیتی ہیں، اُس حالت میں آپکے لئے مزید یقین کا پیغام اور معرفت حق کا وسیلہ بن جائیں گی!

مذاہب عالم باعتبار حفظ و عمل

اگر ایک شخص "مجادل" نہیں بلکہ طریق "ہدایت" پر عامل ہے، تو وہ بغیر کسی بحث و اختلاف کے تسلیم کرے گا کہ آج جس قدر مذاہب دُنیا میں موجود ہیں، تعلیمی مصادر کے لحاظ سے انھیں تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) وہ نہایت قدیم مذاہب جن پر امتدادِ زمانہ سے انقلاب حالت کے ایسے دَور گزر چکے ہیں کہ اب انھیں اُن کی حقیقی صورت و حالت میں معلوم کرنا نہایت دشوار ہوگیا ہے۔ اُن کی تعلیم کے مصادر محفوظ نہیں ہیں، اُنکی حقیقی تعلیمی روح یک قلم منقلب ہوگئی ہے، اُنکے پیرؤں کی عملی زندگی میں حقیقت کا اب کوئی سراغ نہیں لگایا جاسکتا۔

کسی چیز کی اصلیت و حقیقت معلوم کرنے کے لئے دو طرح کی شہادتیں مِل سکتی ہیں: اندرونی اور بیرونی۔ دونوں کا مطلب واضح و معلوم ہے۔ حاجت تشریح نہیں۔ اس قسم کے مذاہب کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے لئے ہم اُن کی اندرونی شہادتوں پر قناعت نہیں کرسکتے، کیونکہ انقلاب حالت کی وجہ سے اُن کے پیرؤں کی علمی و عملی زندگی اس درجہ بدل چکی ہے کہ اُس سے حقیقت کی شہادت مِلنا متوقع نہیں۔ طالب حقیقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیرونی شہادتوں کی جستجو کرے۔ اگر کوئی ایسی شہادت مِل جائے تو اُس کی روشنی میں اُن کی اندرونی حالت پر نظر ڈالے۔

(۲) دوسری قسم اُن مذاہب کی نظر آئے گی جن کی عمر پہلی قسم کے مذاہب سے کم ہے، اور جنھیں نسبتہً اپنی تعلیم کی اشاعت و توسیع کے لئے بہتر زمانہ حاصل ہوا تھا۔ اس لئے اگرچہ اُن پر بھی انقلاب حالت کے وہ تمام دَور گزر چکے ہیں جو اصلیت کو محرّف اور مبدّل کر دیتے ہیں اور عملی روح یک قلم مفقود ہوجاتی ہے، تاہم اُن کی تعلیم کے بنیادی سرچشمے اس حد تک ضرور موجود ہیں کہ ایک طالب حق اُن سے اندرونی شہادت حاصل کرسکتا ہے، اور تغیّر و تحریف کے بےشمار پردے پڑجانے پر بھی اصلیت کی جھلک نظر آجاتی ہے۔

البتہ یہ اندرونی شہادت اس درجہ واضح اور قطعی نہیں ہے کہ بیرونی شہادتوں کی ضرورت نہ ہو۔ ضروری ہے کہ کوئی مضبوط شہادت باہر سے بھی حاصل کی جاسکے، ورنہ حقیقت کا قابل یقین فیصلہ نہیں ہوسکے گا۔

(۳) اگر ہم نے صحت نظر کے ساتھ ان دونوں قسموں پر نظر ڈال لی ہے، تو ضروری ہے کہ ایک تیسری اور آخری قسم بھی سامنے آجائے۔ یہ وہ قسم ہے جس کا ظہور دنیا کے تمدن و علوم کی اشاعت و تنظیم کے زمانے میں ہوا، اور اس لئے ایسے وسائل اُسکے لئے بہم ہوگئے کہ تعلیمی مصادر کے تلف ہونے یا کمی بیشی سے محرّف ہوجانے کا کوئی کھٹکا باقی نہیں رہا جس طرح اُس زمانے میں جبکہ اُس کا نیا نیا ظہور ہوا تھا، اُس کی تعلیم اپنی حقیقی صورت و حالت میں دیکھی جاسکتی تھی، ٹھیک، اُسی طرح آج بھی ہر آنکھ دیکھ لے سکتی ہے۔ البتہ انقلاب حالت کے وہ تمام دَور جو جمعیت بشری کی دماغی و عملی زندگی پر گزرا کرتے ہیں، اُس پر بھی گزرے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کے فہم و عمل کی روح روز بروز کمزور پڑتی گئی۔ یہاں تک کہ اُس کی حقیقی تعلیم کے مقابلہ میں، اُسکے پیرؤں کی عملی ذہنیت نے بحیثیت مجموعی ایک نئے قسم کا نقشہ پیدا کر دیا۔ تاہم ایک جویائے حقیقت کے لئے اضطراب و تشویش خاطر کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اُسکے تمام تعلیمی مصادر اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں، اور وہ اس قدر واضح، اس قدر مختصر، اسقدر سہل الحصول ہیں کہ ہر طالب حقیقت طلب و معرفت کا ایک قدم بڑھا کر اُن تک پہنچ جاسکتا ہے، اور جیسی کچھ بھی اصلیت ہے اُس کے سامنے روشن ہوجاسکتی ہے۔

چونکہ اس آخری قسم کے تمام تعلیمی مصادر محفوظ، مدوّن، اور ہر انسان کے دسترس میں ہیں، اس لئے اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی بیرونی شہادت کی ضرورت نہیں۔ یہ صرف اپنی اندرونی شہادت ہی سے پہچانی جاسکتی اور پرکھی جاسکتی ہے۔

بلاشبہ اُس کی عملی روح امتدادِ زمانہ کے موثرات و عوامل سے متاثر ہوچکی ہے، اور اس لئے "تعلیم" اور "عمل" دو مختلف چیزیں ہوگئی ہیں تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُسکی عملیت کی بنیادیں پچھلی دو قسموں کی طرح منہدم ہوگئیں۔ ایک جویائے حقیقت معلوم کرلے سکتا ہے کہ امتدادِ زمانہ کے یہ تمام تغیرات سطح سے نیچے نہیں اُتر سکے ہیں۔ بنیادیں بدستور قائم ہیں۔

مذاہب عالم میں ہندوستان اور ایران کے قدیم مذاہب پہلی قسم میں داخل ہیں۔ یہودی اور مسیحی مذاہب دوسری قسم میں۔ تیسری قسم سے مقصود اسلام ہے۔

جویائے حقیقت کا فرض

اگر ایک شخص کی راہ وہ راہ نہیں ہے جسے "جدل" سے تعبیر کیا گیا ہے تو وہ مذاہب عالم کی اس صورت حال کے اعتراف میں ہرگز تامل نہیں کریگا، اور اس لئے "تعلیم" اور "عمل" کا اختلاف، یا حقیقی تعلیم اور غیر حقیقی تعلیم کی موجودگی کبھی اُس کے لئے "شک شبہ کا طوفان" پیدا نہیں کرسکے گی۔ وہ دُنیا کی زیادہ سے زیادہ واضح حقیقتوں کی طرح دیکھے گا کہ پیروان مذاہب کا موجودہ عمل و فہم اُن مذاہب کی حقیقی تعلیم کے لئے حجت نہیں ہوسکتا اور یہ ناگزیر ہے کہ جماعت، عمل، اور شخصی ترجمانیوں سے بےاثر ہوکر صرف مذہب اور اُس کی "تعلیم" پر اعتماد کریں۔ ورنہ یا تو ہمیں یک قلم مذاہب کے برخلاف فیصلہ کرنا پڑے گا، یا فریقانہ تعصب و انکار میں مبتلا ہوجائیں گے، اور اس طرح فہم حقیقت و اعتدال رائے کی راہیں ہم پر بند ہوجائیں گی۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، شاید ہی دُنیا میں کسی تعلیم کی حقیقت و اصلیت کا ادراک اسقدر آسان اور سہل ہو، جسقدر اسلام کا ہے۔ اول یہ کہ اُس کی تعلیمی اصل اس طرح محفوظ اور مرتب دنیا کے ہر انسان کے دسترس میں ہے، کہ بغیر کسی علمی تحقیق و کاوش کے ہر شخص حاصل کر لے سکتا ہے اور اُس کے مطالب سے واقف ہوجاسکتا ہے۔ ثانیاً اُس کے تمام مصادر اس طرح مسلّم اور طے شدہ ہیں کہ اس بارے میں کسی اشتباہ کی گنجایش نہیں۔ ثالثاً تعلیمی مصادر کی جتنی بھی مقدار ہے، بہت مختصر ہے۔ اتنی مختصر ہے کہ اگر ایک معمولی درجہ کا تعلیم یافتہ انسان چاہے تو ایک دن کے اندر معلوم کرلے سکتا ہے کہ اسلام کے تعلیمی مصادر کے مطالب کیا کیا ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب ایک تعلیم اس درجہ واضح اور سہل ہمارے سامنے موجود ہو، تو کیا کسی انصاف پسند "غیر مجادل" انسان کے لئے جائز ہوسکتا ہے کہ وہ اُس کے فہم کے لئے خود اُس پر اعتماد نہ کرے، اور اگر اُس کی تعلیم میں اور بعض انسانوں کے فہم میں اختلاف واقع ہوجائے، تو اپنے آپ کو "شک و شبہ کے طوفان" کے حوالے کردے؟

یہاں تک میں نے صرف اصولی بحث کی ہے۔ اب مجھے آپکے بعض تأثرات اور پیش کردہ [illegible] کا جواب دینا چاہئے۔

اگر آپ
علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کرلی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!
J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.
جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور
جسے ملک معظم برطانیہ اور اُن کے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوتا ہے
یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کرسکتے ہیں
ہمارے یہاں سے
ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

١٩٢٧
الهلال
نمبر ١٧
جلد ١
البلاغ پریس کلکته
٥ ـ آنه

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تہنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین
القرآن الحکیم

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۷ — کلکتہ : جمعہ ۱۷ - ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 14. October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔ الھلال

قارئین الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۴۰۱ مراسلات وصول ھوی ھین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۲۰۷	اردو حروف کی حق مین	۳۹۰
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	۴۲۴	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۴۰	نستعلیق ھون	۱۴۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الھلال

جو سورج کو جس طرف سے چاھے نکالے " لیکن سورج کا ایک سمت کی جگہ کسي دوسري سمت سے نکلنا کوئي دنیا کا محسوس واقعہ نہ تھا جو لوگوں کے علم میں ہوتا اور حضرت ابراھیم آسے اپنے پروردگار کا فعل قرار دے سکتے - نمرود کہہ سکتا تھا کہ اچھا اگر یہي دلیل ھے تو تمہارا پروردگار پورب کي جگہ پچھم سے ایک مرتبہ نکال دکھائے - اِس پر حضرت ابراھیم کیا جواب دیتے ؟ کیا وہ اپنے پروردگار سے چاھتے کہ نظام شمسي کا پورا کارخانہ درھم برھم کرکے سورج دوسري سمت سے نکلتا ہوا دکھا دے ؟

(۵) علاوہ بریں جب حضرت ابراھیم علیه السلام نے پہلي دلیل سے رجوع کرکے دوسري دلیل پیش کي ' تو ضروري تھا کہ یہ پہلے سے زیادہ واضح و اقطع ہوتي - اُن کي پہلي دلیل یہ تھي کہ موت و حیات کي باگ الله هي کے هاتھہ ھے - دوسري یہ کہ اجرام سماوي اُسي کے حکم و مشیت سے کام کرتے ھیں - ظاھر ھے کہ دوسري دلیل پہلي سے زیادہ وزني نہیں کہي جا سکتي - اگر موت و حیات جیسا واضح اور بدیہي معاملہ خصم کو ساکت نہ کر سکا ' تو اجرام سماوي کا معاملہ کیا مفید اثبات ہو سکتا ھے ؟

میں نے بڑے هي شوق سے حضرت امام فخر الدین رازي کي تفسیر کبیر دیکھي تھي - کیونکہ وہ قران مجید کے مقامات کو عقلي مباحث سے صاف کرنا چاھتے ھیں - مگر میں عرض نہیں کر سکتا کہ مجھے کس قدر مایوسي ہوئي ؟ لطف یہ ھے کہ انھوں نے پوري تفصیل کے ساتھہ یہ تمام شبہات خود هي لکھے ھیں ' لیکن جواب کا جو کچھہ حال ھے ' اس کا اندازہ اِس سے کر لیجیے کہ اُس کے پڑھنے کے بعد اپنے دل کو اور زیادہ شکوک و شبہات میں مبتلا پاتا ہوں -

پہلے شبہ پر انھوں نے بالکل توجہ نہیں کي ھے - دوسرے شبہ کے دو جواب دیے ھیں - ایک یہ کہ ایک دلیل چھوڑ کر دوسري دلیل کا اختیار کرنا مستدل کے لیے جائز ھے - اس میں کوئي حرج نہیں ' کیونکہ دوسري دلیل پہلي دلیل سے ارضح ھے - اِسے عام مفسرین کي طرف منسوب کرتے ھیں - دوسرا جواب " محققین " کا جواب قرار دیا ھے - وہ یہ ھے کہ " یہ ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسري دلیل کا اختیار کرنا نہ تھا - بلکہ ایک هي دلیل کي مزید وضاحت کرني تھي : و ھوا نا نري حدوث اشیاء لا یقدر الخلق علی احداثها ' له امثالة ' منها الاحیاء و الاماتة ' و منها السحاب و الرعد والبرق ' و منها حرکات الافلاک و الکواکب ' و المستدل لا یجوز له أن ینتقل من دلیل علی دلیل آخر ' لکن اذا ذکر لایضاح کلام مثالا ' فله أن ینتقل من ذلک المثال الی مثال آخر ' فکان ما فعله ابراھیم من باب ما یکون الدلیل واحداً ' إلا انه یقع الانتقال عند ایضاحه من مثال الی مثال آخر - و هذ الوجه احسن و الیق بکلام اهل التحقیق "

اُس کے بعد آگے چل کر لکھتے ھیں : " لما احتج ابراھیم بالاحیاء و الاماتة ' اورد الخصم علیه سوالا لا یلیق بالعقلاء ' و هو انك اذا دعیت الاحیاء و الاماتة لا بواسطة ' فذلك لا تجد الی اثباته سبیلا ' و ان دعیت حصولها بواسطة حرکات الافلاک ' فنظیره او ما یقرب منه حاصل للبشر - فاجاب ابراھیم بان الاحیاء و الاماتة و ان حصلا بواسطة حرکات الافلاک ' لکن تلك الحرکات حصلت من الله تعالی و ذلك لا یقدح في کون الاحیاء و الاماتة من الله ' بخلاف الخلق فانه لا قدرة لهم علی تحریکات الافلاک " خلاصہ اِس تقریر کا یہ ھے کہ پہلي دلیل پر جو نمرود نے اعتراض کیا تو اِس کا مطلب یہ تھا کہ اُس نے کہا ' خدا کي صفت جلانے اور مارنے کي کیسي ھے ؟ وہ بلا واسطہ جلاتا اور مارتا ھے ' یا افلاک کي حرکت اور اس کے اثرات کے ذریعہ ؟ اگر پہلي بات ھے تو اُس کا اثبات ممکن نہیں - اور اگر دوسري بات ھے تو یہ انسان کو بھي حاصل ھے - یعني وسائط کے ذریعہ موت و حیات وجود میں آسکتي ھے - مثلاً مرد اور عورت کے ملنے کے واسطہ سے زندہ انسان پیدا ہو سکتا ھے ' اور قتل کے ذریعہ ہلاک کیا جا سکتا ھے - اس کے جواب میں حضرت ابراھیم نے اپني دلیل کي مزید وضاحت کي اور فرمایا کہ احیاء اور اماتت اگرچہ افلاک کي حرکات کے واسطہ سے ظہور میں آتي ھے ' لیکن افلاک کي حرکت بھي تو خدا هي کے حکم و مشیت سے ھے - اُس کے سوا کون ھے جو انہیں حرکت میں لا سکے ؟ اور جب اُس کے سوا کوئي دوسرا افلاک کو متحرک نہیں کر سکتا ' تو ثابت ہو گیا کہ احیاء اور اماتت بھي نہیں کر سکتا -

میں حیران ہوں کہ اس امام جلیل القدر کي اس تقریر کي نسبت کیا عرض کروں ؟ ان کے جواب سے شبہ دور ہوا ھے یا اور زیادہ مضبوط ہوگیا ھے ؟ اول تو یہ فرض کرنا کہ نمرود کا مطلب اعتراض سے واسطہ اور بغیر واسطہ کا جھگڑا تھا ' کہاں سے ثابت ہوتا ھے ؟ قران مجید میں تو صرف اتنا هي ھے کہ " انا احي و امیت " پھر یہ کہنا کہ یہ دوسري دلیل کي مزید توضیح ھے ' نئي دلیل نہیں ھے ' کسي طرح بھي سمجھہ میں نہیں آتا - افلاک کي حرکت کو بھلا موت و حیات سے کیا تعلق ؟ کیونکر یہ استدلال پہلي دلیل کے ساتھہ مربوط ہوسکتا ھے ؟ پہلي دلیل کا تعلق جلانے اور مارنے کي صفت سے تھا - دوسري میں سورج کے طلوع و غروب کي جہت سے - اس میں اور موت و حیات کي طاقت و تصرف میں کوئي علاقہ نہیں - تعجب ھے کہ کیونکر امام موصوف ایسي کمزور اور بے ربط بات کو محققین کا مذھب قرار دیتے ھیں اور وثوق کے ساتھہ قرار دیتے ھیں -

پھر مفسرین کا یہ عام مذھب بھي کہ دوسري دلیل پہلي سے اوضح ھے ' تشفي پیدا کرنے سے قاصر ھے - صاف بات تو یہي معلوم ہوتي ھے کہ پہلي دلیل هي زیادہ واضح اور قطعي تھي -

تیسرے شبہ کا جواب امام موصوف نے یہ دیا ھے کہ نمرود دوسري دلیل کا معارضہ نہیں کرسکا - اسلیے کہ ہوسکتا ھے ' خدا نے اُس وقت اُس کے حواس مختل کردیے ہوں - وہ اس قابل هي نہ رہا ہو کہ اعتراض کرے - سوال یہ ھے کہ اگر معترض اور مشکک کو اسي طرح حواس باختہ کرکے چپ کرادینا تھا ' تو پھر اس مناظرہ کي ضرورت هي کیا تھي ؟ پہلے هي سے مخبوط الحواس بنا دیا ہوتا تا کہ وہ اعتراض هي نہ کر سکتا - علاوہ بریں اگر خدا تعالی کي سنت یہي ھے کہ جو معترضین انبیاء کرام سے معارضہ کرتے ھیں ' ان کے حواس سلب کر لیا کرتا ھے ' تو اس کا مطلب یہي ہو سکتا ھے کہ انبیاء کرام کے پاس مسکت اور قاطع جواب نہیں ہوتے ' اس لیے غریب معترضین مخبوط الحواس کرکے چپ کرا دیے جاتے ھیں - کیا ایسے جوابوں سے قران مجید کے معارف روشني میں آسکتے ھیں ؟ خصوصاً اِس زمانے میں ؟

خود امام صاحب بار بار اس پر زور دیتے ھیں کہ " جب ایک دلیل یا مثال خصم کے مقابلہ میں پیش کي جائے ' اور اُس پر وہ نا فہمي سے اعتراض کردے ' تو مستدل کا فرض ھے کہ اُس کے اعتراض کي خامي ظاھر کردے اور بغیر اس کے آگے نہ بڑھے " اور جب ایک معمولي مناظر کے لیے ایسا کرنا ضروري ھے ' تو ظاھر ھے کہ ایک نبي اولوالعزم کے لیے کیوں ضروري نہو جس کا مناظرہ تمام دنیا کے سامنے بطور ایک بنیادي صداقت کے پیش کیا جا رہا ھے ؟ " تاھم وہ اس قوت کے ساتھہ اعتراض وارد کرکے ' اس کا کوئي کمزور سے کمزور جواب بھي نہیں دیتے ' اور صرف یہ کہکر چپ ہوجاتے ھیں کہ " محققین کي تفسیر پر شبہات وارد

حضرت ابراہیم اور ایک بادشاہ کا مکالمہ

آیۂ کریمہ ”الم تر الی الذی حاج ابراہیم“ کی تفسیر

ایک استفسار

(از جناب مولوي محمد عبدالحق صاحب سکندرآبادي)

جیسا کہ جناب کو معلوم ھے' میں گذشتہ سال سے ایک سلسلۂ رسائل کي ترتیب میں مشغول ھوں جن کا مقصد یہ ھے کہ قرآن مجید کے مطالب حکیمانہ ایک ایسے نئے اسلوب سے بیان کیے جائیں کہ آج کل کي مذھب سے برگشتہ طبیعتیں اُن سے تشفي حاصل کر سکیں - ایک ھمدرد ملت رئیس دکن نے اُنکے انگریزي زبان میں ساتھہ ساتھہ ترجمہ کرانے کا بھي انتظام کر دیا ھے' اور اُمید ھے کہ چند ماہ کے اندر اُنکي اشاعت کا سلسلہ شروع ھو جایگا * * * * اِس سلسلہ میں قرآن مجید کے متعدد مقامات ھیں جو ایک عرصہ سے میرے سامنے ھیں - لیکن حقیقت حال یہ ھے کہ جیسا تشفي بخش حل اُنکا ھونا چاھیے' اِس وقت تک نہیں ھو سکا ھے' اور جب تک خود اپني طبیعت مطمئن نہ ھو جائے' دوسروں کے سامنے قدم اُٹھانا دیانت تحریر کے خلاف سمجھتا ھوں - یہ عرض کرنا ضروري نہیں کہ قرآن مجید کے فہم و مطالعہ کا جسقدر بھي خاکسار ذوق پیدا کرسکا ھے' وہ سب جناب ھي کے طفیل ھے' اور جناب ھي کي تحریرات کے شغف کا نتیجہ ھے - اِسلیے اِن مشکلات میں بھي جناب ھي سے دستگیري کي اُمید ھے - اگرچہ وہ مقامات ایک سے زیادہ ھیں' مگر سر دست میں جرأت نہیں کرسکتا کہ جناب کا زیادہ وقت لوں - صرف ایک مقام کي نسبت اپنا اِطمینان چاھتا ھوں جسکے خاطر خواہ حل نہ ھونے کي وجہ سے خاکسار کي زیر ترتیب کتاب کا کام رُک گیا ھے -

سورۂ بقرہ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام اور ایک بادشاہ کے مناظرہ کا ذکر ھے جسکي نسبت ھمارے مفسرین کا بیان ھے کہ وہ نمرود تھا : الم تر الي الذي حاج ابراھیم في ربہ ان اتاہ اللہ الملک' اذ قال ابراھیم ربي الذي یحیي و یمیت' قال انا اُحیي و اُمیت' قال ابراھیم فان اللہ یاتي بالشمس من المشرق فات بہا من المغرب' فبہت الذي کفر' و اللہ لا یہدي القوم الظالمین - مضمون اِس آیت کا یہ ھے کہ حضرت ابراھیم سے نمرود نے خدا کے باب میں حجت کي - اسپر اُنھوں نے فرمایا کہ میرا پروردگار وہ ھے جو جلاتا ھے اور مارتا ھے - یعني زندگي اور موت اُسي کے قبضۂ و

تصرف میں ھے - اگر کوئي دوسري ھستي خدائي کي مدعي ھے' تو اُسے چاھیے کہ یہ قوت و تصرف اپنے اندر ثابت کرے - نمرود نے اِسکے جواب میں کہا - اگر یہي وصف خدائي کا ھے تو یہ مجھہ میں بھي ھے - میں بھي جلاتا ھوں اور مارتا ھوں - حضرت ابراھیم نے یہ سنکر فرمایا کہ خدا پورب سے سورج نکالتا ھے - تو پچھم سے نکال دے - اِس پر نمرود مبہوت ھوکر رھگیا -

یہ دراصل حضرت ابراھیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ ھے جسمیں نمرود کي حیثیت خدائي کے مدعي کي ھے اور حضرت ابراھیم اسکے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاھتے ھیں - اب اس آیۃ کي تفسیر میں چند در چند مشکلات حائل ھیں :

(۱) اول یہ کہ جب نمرود خدا ھونے کا مدعي تھا' تو ظاھر ھے کہ دلیل پیش کرنا اسکے ذمہ تھا - نہ کہ حضرت ابراھیم کے ذمے جنکي حیثیت منکر کي تھي - لیکن یہاں حضرت ابراھیم اس سے کوئي دلیل نہیں مانگتے - بلکہ خود اپنے پروردگار کي پروردگاري کي دلیل پیش کر دیتے ھیں کہ ” الذي یحیي و یمیت “ اور وہ اس سے معارضہ کرنے لگتا ھے -

(۲) پھر جب اُنھوں نے ایک ایسي دلیل بیان فرمادي تھي جس سے بڑھکر واضح اور قاطع دلیل نہیں ھوسکتي' تو چاھیے تھا کہ نمرود کے جاھلانہ اور طفلانہ معارضہ کي قلعي کھول دیتے - کیونکہ وہ اپنے جہل و بلادت سے زندگي بخشنے اور موت دینے کا وہ مطلب سمجھہ ھي نہ سکا تھا جو موٹي سے موٹي انساني عقل کو بھي سمجھہ لینا چاھیے - وہ بول اُٹھا کہ یہ بات تو مجھے بھي حاصل ھے - ضروري تھا کہ حضرت ابراھیم فرماتے' موت اور حیات بخشنے سے مطلب یہ ھے کہ جس طرح وہ اُن دیکھي ذات تمام جانداروں کو نیستي سے ھستي بخشتي ھے' اور پھر ایک خاص وقت پر فنا کر دیتي ھے' اسي طرح تو بھي ایک چھوٹا سے چھوٹا کیڑا بنا دیکھہ - لیکن آپ یہ نہیں کہتے' بلکہ فوراً اس دلیل کو چھوڑ کر ایک دوسري دلیل پیش کر دیتے ھیں - یعني سورج کو اسکي معمولي سمت کي جگہ دوسري سمت سے نکالدینے کي فرمایش کرتے ھیں - اس سے لازم آتا ھے کہ گویا آپنے اپني پہلي دلیل کي کمزوري مان لي - اور (نعوذ باللہ) نمرود کے معارضہ سے لاچار ھوگئے - اسلیے اسے چھوڑ کر نئي دلیل کا سہارا لیا - ایک معمولي مناظر کیلیے بھي یہ بات دلیل عجز ھے' چہ جائیکہ ایک جلیل القدر پیغمبر کیلیے -

(۳) پھر دوسري دلیل جو پیش کي گئي' اُس پر بھي شبہات وارد ھوتے ھیں - قران مجید ناطق ھے کہ پہلي دلیل سے نہیں مگر دوسري دلیل سے نمرود لا جواب ھو کر رھگیا - مگر اعتراض ھو سکتا ھے کہ جس شخص کي شوخ چشمي کا یہ حال تھا کہ موت و حیات کے وصف الہي تک کا بیان اُسے چپ نہ کرا سکا' وہ اِس دوسري دلیل سے کس طرح لا جواب ھوگیا ؟ اگر کہا جاے' اس لیے کہ وہ پچھم کي طرف سے سورج نکالنے پر قادر نہ تھا' تو جواب یہ ھے کہ وہ موت و حیات بخشنے پر بھي تو قادر نہ تھا ؟ جس طرح اس بات کا ایک غلط مطلب ٹھہرا کر اُس نے معارضہ کر دیا تھا اور حضرت ابراھیم ترک دلیل پر مجبور ھوگئے تھے' اسي طرح اِس کا بھي کر دے سکتا تھا - کہدیتا میں بھي ایسا کر سکتا ھوں -

(۴) علاوہ بریں دلیل کے معنے یہ ھیں کہ وہ ایسي بات ھوتي ھے کہ اس کے اثبات سے مدعا کا ثبوت متحقق ھو جاتا ھے - لیکن حضرت ابراھیم کي دوسري دلیل ایسي معلوم نہیں ھوتي - اُس کا اثبات اس مقدمہ کے اثبات پر موقوف ھے کہ ” خدا وھي ھوسکتا ھے

یه اجتماعي قانون نهایت عجیب هے - کیونکه بظاهر ایک قسم کا تناقض رکهتا هے - ایک طرف کهتا هے ' تغیر و تبدل ضروري هے - نئي چیز لو اور پراني چیزیں چهوڑ دو - دوسري طرف یه بهي کهے جاتا هے که پراني چیزیں یک لخت فنا نه هونے دو - اپنے پچهلے مقومات و خصوصیات باقي رکهو - اپني قومي خصوصیات مٹا کر کوئي قوم ' قوم نهیں رہ سکتي - لیکن فی نفسه اِس میں تناقض نهیں هے - دونوں باتیں اپني جگه ٹهیک هیں - نئي چیزوں کے اختیار کرنے کا مطلب یه هے که وہ تمام نئي چیزیں اختیار کر لي جائیں جو قومي مزاج و مصالح کے موافق هوں - خصوصیات کے باقي رکهنے سے مقصود یه هے که وہ تمام بنیادي چیزیں قائم رکهي جائیں جو قومي مزاج کا استقلال و اختصاص قائم رکهنے کیلیے ضروري هیں - یعني رد و قبول اور اخذ و ترک میں اعتدال کا سر رشته هاتهه سے نه دیا جاے -

بلا شبه اِس قانون کي تطبیق میں اعتدال قائم رکهنا بهت مشکل هے - چند هي قومیں اصلاح میں اپنا دماغي توازن قائم رکهه سکي هیں - یا تو یه هوا هے که اپني تمام قدیم عادات و روایات پر اڑ گئیں' اور ایک قدم بهي آگے بڑهنے سے انکار کردیا - یا یه هوا که فوراً تبدیل و انقلاب پر اُتر آئیں ' اور اپني کوئي بهي قدیم خصوصیت باقي نه رکهي - پهلي صورت تفریط کي هے - دوسري صورت افراط کي هے - اور نجات و ترقي توسط و اقتصاد میں هے -

(قدیم قوموں کا جمود و تقلید)

تبدل کي قابلیت کے معني اس کے سوا کچهه نهیں هیں که عالم خارجي کي اطاعت کي جائے - قدیم زمانے میں هر جگه لوگوں کا طرز معیشت تقریباً یکساں تها - اسي لیے تبدل کی ضرورت بهي کمزور تهي - اُس کي قابلیت آهسته آهسته پیدا هوتي تهي - حتیٰ که بعض قدیم قومیں صدیوں تک ایک هي حالت پر قائم رهیں اور تبدیلي کي ضرورت محسوس نه کي - اُن کا تعلق همیشه ایسي قوموں سے رها ' جو اُنهي کي طرح وحشي یا نیم وحشي تهیں - اُن کے سامنے کوئي بهتر نمونه تهذیب و تمدن کا موجود نه تها - اس لیے ترقي کي رغبت بهي پیدا نه هوئي ' اور جمود و تقلید کي طبیعت برابر باقي رهي -

قدیم قوموں کے جمود و تقلید کا راز یه هے که وہ اپني فطرت کي طرف سے مجبور کي جاتي هیں که اپني زندگي اور زندگي کي بنیادیں محفوظ رکهیں - یهي باعث هے که اُن قوموں میں فرد کا معامله چنداں اهمیت نهیں رکهتا تها - بلکه اُس زمانے میں فرد کے لیے جائز هي نه تها که مستقل زندگي بسر کرے - وہ قومیں اِسے بالکل قدرتي بات خیال کرتي تهیں که عام مصلحت کے لیے افراد اپني هستي قربان کر دیں - اُس وقت شخصي آزادي ' کسي کے واهمه میں بهي نه تهي -

بعض نظري آدمیوں نے آزادي کي اعلیٰ مثال یوناني جمهوریتوں میں بتائي هے - حالانکه اُن جمهوریتوں میں افراد کو مطلق آزادي حاصل نه تهي - وہ ایسے نظامات کي پابندیوں میں جکڑے هوے تهے جنهیں آج متمدن دنیا میں کوئي آدمي بهي برداشت نهیں کر سکتا - اُن جمهوریتوں میں افراد کو اِتني آزادي بهي حاصل نه تهي که اپني مرضي سے کوئي دیني عقیده رکهیں' یا اپني اولاد کي بطور خود تعلیم و تربیت کرسکیں - اسپارٹا میں یه حالت تهي که افراد کو اپنے گهروں میں کهانا پکانے اور کهانے کي بهي اجازت نه تهي - وہ مجبور تهے که عام دستر خوانوں هي پر بیٹهه کر کهانا کهائیں - یونان میں اصلاح و تجدید کے داعي مجرم سمجهے جاتے تهے - چنانچه پوري قوم سقراط کے خلاف کهڑي هوگئي ' اور اُس وقت تک چین نه لیا ' جب تک اُس مصلح کي جان نه لے لي !

بلا شبه اِس قسم کے سخت نظامات اُن ملکوں کے لیے ضروري هیں ' جو همیشه دشمن کے حملوں کا نشانه بنے رهتے هیں -

قدیم زمانے میں رومانیوں نے معلوم کرلیا تها که اصلاح و انقلاب میں نقطۂ توازن کیا هے - ایک طرف وہ تجدد و اصلاح کے حامي تهے ' دوسري طرف اپني خصوصیات کي حفاظت بهی کرتے تهے - یه وصف اُن میں اِس وجه سے پیدا هوا تها که فتوحات نے اُن کے تعلقات دوسري قوموں سے قائم کر دیے تهے - یه تعلقات نئے نئے حالات پیدا کر دیتے تهے ' اور وہ نظامات کي تبدیلي پر مجبور هوجاتے تهے - رومانیوں کا سنهرا زمانه وهي تها جب وہ اِس مرکز توازن پر قائم تهے - لیکن جب سے اُنهوں نے افراط و تفریط شروع کي ' روز بروز گرنے اور تباہ هونے لگے -

(انگریزوں کي کامیابي کا راز)

موجودہ زمانے میں علمي اکتشافات ' جدید صنائع کے ظهور ' اور مواصلات کي سهولت و کثرت نے مختلف تمدنوں میں ایک ایسا تصادم و احتکاک پیدا کر دیا هے ' که هر لمحه عظیم تغیرات و انقلابات کے موقعے پیدا هوتے رهتے هیں - اس صورت حال کا قدرتي نتیجه یه هے که مرکز توازن تقریباً مجهول هو گیا هے' اور اُس کي تلاش از حد مشکل هو گئي هے - یهي سبب هے که موجودہ دنیا میں هر طرف شورششیں اور انقلابات برپا هو رهے هیں - کوئي نظام بهي پائداري حاصل کرنے نهیں پاتا -

لیکن صرف انگریزوں هي کي قوم یورپ کي ایک ایسي قوم هے جس نے رومانیوں کي طرح مرکز توازن معلوم کر لیا هے - وہ ایک طرف اصلاح و تجدد کي حامي هے - دوسري طرف اپنے قومي مقومات بهي برقرار رکهے هوئے هے - اُن میں جمود و تقلید نهیں هے - برابر اصلاح و تجدید میں مشغول هیں ' مگر پوري تدریج اور دانشمندي کے ساتهه قدم بڑهاتے هیں - انگلستان کي آزادي نه تو کرامویل کے هاتهوں قائم هوئي هے ' نه جمهوریت پسندوں کي لائي هوئي هے - وہ انگریزي تاریخ کي پیداوار هے (۱) - یه تمام عظمت و قوت جس پر آج انگلستان فخر کر رها هے ' درحقیقت اِسي توازن فکر و عمل کا نتیجه هے -

---

(۱) جب خاندان اسٹورات کے پادشاہ چارلس اول کا استبداد بهت بڑہ گیا ' تو انگریز امریکا کي طرف هجرت کرنے لگے - حتیٰ که انگلستان کے بعض علاقے بالکل خالي هوگئے - ظالم بادشاہ یه دیکهه کر گهبرایا اور هجرت کي ممانعت کردي - جس دن ممانعت کا اعلان هوا ' دریائے ٹیمس میں مهاجرین کے کئي جهاز روانگي کے لیے طیار تهے - اُنهي میں کرامویل بهي تها - اب باشندوں نے دیکها که ظلم سے نجات حاصل کرنے کي راہ بغاوت کے سوا کوئي نهیں هوسکتي - چنانچه بغاوت شروع هوگئي - کرامویل اِس باغي فوج کا سپه سالار مقرر هوا - بغاوت کامیاب هوئي - جمهوریت کا اعلان کیا گیا - کرامویل جمهوریت کا صدر منتخب هوا - اُس وقت اُس کا لقب " لارڈ پروٹیکٹر " تها - مگر بعد میں خود یه بهي مستبد هوگیا - آخر سنه ۱۶۴۹ع میں قوم نے اُس کي حکومت کا بهي خاتمه کر دیا -

نہیں ہو سکتے " حالانکہ وہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ خواہ نئی دلیل بیان کی جائے ' خواہ نئی مثال ' ضروری ہے کہ انتقال سے پہلے معارض کی خامی واضح کردی جائے - پس جس طرح شبہ عام مفسرین کی تفسیر پر وارد ہوتا ہے ' اسی طرح اُس تفسیر پر بھی وارد ہوتا ہے جسے امام موصوف " محققین " کی تفسیر قرار دیتے ہیں -

مجھے جب اس طرف سے مایوسی ہوگئی تو خیال ہوا کہ موجودہ زمانے کے محققین نے اس پر ضرور نئی روشنی ڈالی ہوگی - چنانچہ میں نے بمبئی سے استاد امام شیخ محمد عبدہ مصری کی تفسیر منگوا کر دیکھی ' لیکن افسوس ہے کہ اس میں بھی وہی امام رازی والی تفسیر بجنسہ پائی - اِن شبہات کا کوئی جواب نہیں ملا - تفسیر نیشا پوری ' تفسیر ابن کثیر ' تفسیر علامۂ ابن سعود ' تفسیر روح المعانی شیخ آلوسی بھی خاکسار کے پیش نظر ہیں ' مگر اِن سب میں بھی یا تو وہی تفسیر کبیر والا جواب نقل کردیا ہے ' یا وہ باتیں لکھدی ہیں جنہیں امام رازی نے عام مفسرین کا جواب قرار دیا ہے - یا پھر سرے سے کسی طرح کی کاوش ہی نہیں کی گئی ہے -

جب پچھلوں میں حضرت امام رازی جیسے محقق نے اور حال کے محققین میں شیخ محمد عبدہ مصری جیسے امام و مفسر نے مجھے صاف جواب دیدیا ' تو پھر میرے لیے صرف جناب ہی کی چوکھٹ باقی رہگئی - لاریب صرف جناب ہی کی ایک ذات والا صفات ہے جو موجودہ زمانے میں حقائق قران کی وہ تمام مشکلات حل کردے سکتی ہے جن تک دوسروں کی نظر و تحقیق نہیں پہنچ سکی ہے - اب خاکسار ہر طرف سے مایوس ہوکر آپ سے دستگیری کا طالب ہے - اور امید قوی رکھتا ہے کہ مایوس نہ ہوگا -

مجھہ سے میرے حیدراباد کے ایک دوست نے ذکر کیا تھا کہ جمعیت العلماء ہند نے عید کے موقع پر اخبار الجمعیت کا ایک خاص نمبر " خلیل نمبر " کے نام سے نکالا ہے اور اس میں صدر جمعیت مولانا کفایت اللہ صاحب نے اس مقام کی تفسیر شرح و بسط سے تحریر فرمائی ہے - میں نے بڑے ہی شوق سے خلیل نمبر منگوایا اور دیکھا - واقعی اس میں مولانا صاحب موصوف کا مضمون " مناظرۂ خلیل و نمرود " کے عنوان سے تین بڑے صفحوں میں نکلا ہے ' لیکن مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں تمام تر وہی تفسیر کبیر کی پوری بحث اردو میں نقل کردی گئی ہے - اس سے زیادہ ایک حرف نہیں ہے -

الہلال :

آپ نے استفسار میں اِس قدر تشریح و تفصیل کی ہے کہ اسی نے آج کی اشاعت کا بڑا حصہ روک لیا - اب جواب کے لیے آیندہ اشاعت کا انتظار کیجیے -

علم الاجتماع

(۳)

(ناموس اجتماع اور محافظت و تجدید)

افراد کے وجدان سے علحدہ ' جماعتی وجدان کے متعلق ہم نے جتنے اقوال نقل کیے ہیں ' دلائل نے ابتک اُن کی تصدیق نہیں کی ہے - نیز ابتک یہ بھی ثابت نہیں ہوا ہے کہ جماعت کی صفت عضویۃ ' افراد کی عضویت سے الگ وجود رکھتی ہے - یہ اقوال نظریوں اور آراء کا حکم بھی نہیں رکھتے - زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تشبیہات و استعارات ہیں -

لیکن ساتھہ ہی یہ یقینی ہے کہ تمام طبیعی کائنات کی طرح عالم اجتماع کے بھی خاص نوامیس و قوانین ہیں ' اور وہ غیر متبدل اور اٹل ہیں -

اجتماع کا ایک قانون یہ ہے کہ جن اجزاء سے سلطنت اور امت مرکب ہوتی ہے ' وہ تمام اجزاء باہم دگر اس درجہ وابستہ و مربوط ہوتے ہیں کہ ایک جزء کے متأثر ہوتے ہی باقی تمام اجزاء بھی فوراً متأثر ہو جاتے ہیں -

اِس اجتماعی قانون کی بنا پر مقننین اور مصلحین کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ماہر طبیبوں کی طرح اصلاح و تشریع میں بہت زیادہ ہوشیار و محتاط ہوں - ایسا نہ ہو کہ ایک عضو کی بیماری کے علاج میں باقی اعضاء سے غافل ہو جائیں ' اور پہلی بیماری سے بھی بدتر بیماریوں کی پیدایش کا سبب بن جائیں -

علم اجتماع کے دو رخ ہیں : ایک طرف وہ جدید اصلاحات اور جدید اصول و مبادی کا حامی ہوتا ہے تا کہ مستقبل ' ماضی و حال سے بہتر ہو جاے - دوسری طرف وہ ماضی و قدیم کی بھی حفاظت چاہتا ہے - وہ قوموں کو بتاتا ہے کہ اپنا ماضی ' اپنے مقومات ' اور اپنی خصوصیات بالکل فنا نہ ہو جانے دیں ' اُنہیں بچائیں ' اور باقی رکھیں - ورنہ اُن کی قومیت درہم برہم ہو جائیگی ' اور اصلاح ' فساد کا ذریعہ بن جائیگا -

تاریخ بھی ہمیں یہی سبق دیتی ہے - مشاہدہ کی بھی یہی ہدایت ہے - ہم دیکھتے ہیں کہ قوموں کی ترقی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ تبدیل و تغیر قبول کریں - یعنی وہ نئے اوصاف اختیار کریں ' مگر تدریج اور نظر و حزم کے ساتھہ -

قوموں کی حالت پر غور و فکر کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کے اصلی ستون دو ہیں :

(۱) تغیر و تبدل کی قابلیت کا موجود ہونا -

(۲) تدریج و تطور کے ساتھہ تغیر قبول کرنا -

جب حکومت کي شکل حالات ' ماحول ' اور قومي آرزوں کے خلاف هوتي هے ' اور اُس کي تبدیلي کے لیے قوم کے سامنے کوئي قانوني راه باز نهیں هوتي ' تو یه وقت انقلاب و بغاوت کے ظهور کا وقت هوتا هے - لهذا ضروري هے که ضرورت کے وقت فوراً اصلاح شروع کردي جائے ' ورنه قوم کو یه حق حاصل هو جائیگا که فوري تبدیلي کے لیے اپنا قدرتي حق استعمال کرے اور بغاوت پیدا هوجاے -

اسپین میں باشندگان هالینڈ کي بغاوت (سنه ۹۶۲ ھ) خاندان استورت پر انگریزوں کا خروج ' نپولین بونا پارٹ پر جرمني کي بغاوت ' آسٹریا پر اتالین قوموں کي بغاوت ــــ یه تمام بغاوتیں تاریخ کي نظر میں ' صحیح ' جائز ' اور قانوني بغاوتیں تهیں -

(انقلاب کي طبیعت اور حکومت کے فرائض)

بغاوت عموماً آتش فشاں پہاڑ کے انفجار یا آندهي کے طوفان کے مشابه هوتي هے - شروع شروع میں اُس کا خیال چند افراد کے اندر پیدا هوتا هے - پهر آهسته آهسته تمام قوم میں پهیل جاتا هے - بغاوت کا خیال تبدیلي کے احساس سے پیدا هوتا هے - جب تبدیلي ظاهر نهیں هوتي .تو حکومت کي طرف سے عام بد دلي پیدا هوجاتي هے - یه بد دلي مخفي غصه کي صورت اختیار کر لیتي هے - جب حالت اِس درجه تک پہنچ جاتي هے تو قوم هر لمحه مشتعل هو جانے کے لیے طیار هو جاتي هے - اُس وقت معمولي سے معمولي بات بهي عام بغاوت کا سبب بن جاسکتي هے -

لهذا حکام کا فرض هے که ایسي حالت پیدا هونے سے پہلے هي اصلاح نافذ کردیں - لیکن اگر بر وقت نه کرسکیں' تو پهر اُن کے لیے بہترین طریقه یه هے که اِس بغاوت و انقلاب میں شامل هوجائیں' یعني اُسے اپنے هاتهه میں لے لیں ' تاکه اُس کي مضرتیں کم سے کم هوجائیں -

اعتذار

افسوس هے که شهر کي عام تعطیل کي وجه سے اس هفته بهي مطلوبه تصاویر طیار نه هوسکیں اور همیں تصویر کے بغیر پرچه شائع کرنا پڑا - تصاویر کے نه مل سکنے کي اطلاع ملنے پر وه تمام مضامین بهي ترک کردینے پڑے جن کا تعلق تصاویر سے تها - اس صورت حال کا صحیح علاج یهي هے که جلد از جلد تصاویر کي طیاري کا مستقل انتظام کرلیا جاے - آینده پرچوں میں هم اس کمي کي پوري تلافي کردینگے -

منیجر

عالم سماوی

کیا ستارے زندگي سے محروم هیں ؟

هم تاروں بهري رات میں نظر اُٹهاتے هیں تو آسمان پر بے شمار ستارے نظر آتے هیں - یه ستارے درحقیقت ویسے هي کرے هیں ' جیسا ایک کره خود هماري زمین هے - اِن ستاروں میں بهت سے ستارے هماري زمین سے بهي بهت زیاده بڑے اور بهت زیاده عمر کے هیں - بعض هماري زمین سے چهوٹے اور اُس سے کم عمر رکهتے هیں - یه تمام ستارے بهي ویسے هي ایک نظام سے وابسته هیں ' جیسا همارا نظام شمسي هے - اِن میں بهي آفتاب هیں اور اپنے گرد بهت سے کواکب اور سیارے رکهتے هیں -

مدت سے علماء فلک میں سخت اختلاف هے که یه ستارے بهي هماري زمین کي طرح زنده موجودات سے آباد هیں یا نهیں ؟ ایک گروه پهلي رائے کا قائل هے - دوسرا دوسري راے کا -

پہلے گروه کي دلیل یه هے که زندگي کے لیے جن شرطوں کي ضرورت هے ' وه زمین کے علاوه اِن ستاروں میں موجود نهیں هیں - لیکن اُس کا یه دعوی کئي وجوه سے نا قابل تسلیم هے - پهلي بات تو یه هے که اِن شرطوں کي عدم موجودگي کا ثبوت کیا هے ؟ کون دعوی کر سکتا هے که هوا ' پاني ' نور ' حرارت ' وغیره لوازم زندگي سے یه ستارے بالکل خالي هیں ؟ بلا شبه اب تک اِن کے وجود کي بهي کوئي دلیل همارے علم میں نهیں آئي - لیکن بهت ممکن هے که یه چیزیں وهاں موجود هوں اور هماري تحقیقات میں ابهي نه آئي هوں - حال هي میں انساني علم نے معلوم کر لیا هے که بعض ستاروں میں اکسیجن موجود هے ' جو زندگي قائم رکهنے والي هوا کا اصلي جزء هے -

پهر یه دعوی بهي بالکل بے دلیل هے که زندگي کي جو شرطیں همیں معلوم هیں ' اُن کے بغیر زندگي کا وجود ممکن نهیں - بلا شبه هماري زمین پر زندگي اِن شرطوں کے بغیر نا ممکن هے - لیکن یه کیا ضروري هے که دوسرے ستاروں کي طبیعت بهي بالکل ویسے هي هو جیسي هماري زمین کي هے ؟ یه بهي ضروري نهیں که زندگي کا ظهور اُن ستاروں میں بهي ویسا هي هو ' جیسا اِس زمین میں هے - بهت ممکن هے اُن ستاروں میں زندگي کي شکلیں بالکل مختلف هوں - اجسام کي ساخت جدا هو ' اعضاء و عضلات دوسري وضع کے هوں - زندگي کے لوازم مختلف هوں - ستاروں کي کائنات پر ایک هي اعتبار سے قیاس کرنا اور اُن پر یکساں حکم لگانا ' صحیح نهیں هوسکتا -

اِس تفصیل سے واضح هو جاتا هے که هر قوم کے اخلاق و عادات ایسے هونے چاهئیں که آساني سے بدل نه سکیں - لیکن ساتهه هی اُن میں اِتني لچک بهي لازمي هے که بتدریج تبدیلي قبول کر سکیں - تاریخ کا قبرستان ایسي قوموں کي نعشوں سے لبریز هے جو یه راز معلوم نه کر سکنے کي وجه سے هلاک هو گئیں -

(ترقي انقلاب سے بهتر هے)

اجتماع کا یه ناموس بهي همیشه پیش نظر رهنا چاهیے که تدریجي ترقي کي راه ' اچانک انقلاب سے بهتر اور محفوظ هوتي هے - لیکن کبهي کبهي ایسے حالات بهي پیدا هوجاتے هیں که انقلاب ضروري هو جاتا هے - اس کي مثال یه هے که بعض جسماني امراض کا بهترین علاج یهي هوتا هے که فوراً سخت بخار چڑه آئے - بخار کي شدت ' وه امراض دور کر دیتي هے - قومیں بهي کبهي کبهي ایسے هي امراض میں مبتلا هو جاتي هیں ' اور اُن کا علاج یهي هوتا هے که فوراً انقلاب برپا کر دیا جائے - کیونکه ایسي حالت میں اگر تدریجي اصلاح کا انتظار کیا جائے گا ' تو مرض امتداد زمانه سے تمام قومي جسم پر حاوي هو جائیگا' اور پهر اُس کا علاج مشکل هو جائیگا - چنانچه جهاں تک کسي ایسی قوم کي ترقي کا تعلق هے ' جو کسي دوسري غاصب قوم کے ماتحت آگئي هو' انقلاب کے بغیر چاره نهیں - کیونکه اس صورت میں کسي قدرتي حالت کي اصلاح و ترقي کا سوال در پیش نهیں هوتا ' بلکه ایک غیر قدرتي اور ناجائز قبضۂ و غصب کا خاتمه مطلوب هوتا هے -

بهر حال ماهرین سیاست کا فرض هے که زمانے کي روح ' اُس کے پهیلنے سے پہلے هي معلوم کرلیں ' اور حکومت کي شکل میں ایسي تبدیلیاں کرتے رهیں جن پر عام رائے مطمئن هوسکے - ورنه نتیجه نهایت هي مهلک هوگا -

(نوجوان اور بوڑهے)

اِس سلسله میں یه حقیقت بهي قابل ذکر هے که سن رسیده افراد نوجوانوں کے مقابلے میں اصلاح و تجدد کے کم حامي هوتے هیں - اِس میں اُن کا کوئي قصور نهیں هے که قابل ملامت هوں - علم وظائف اعضاء سے ثابت هوچکا هے که بوڑهے اجسام میں اعصاب کمزور پڑ جاتے هیں ' اسلیے عادات کي مقاومت کي قوت باقي نهیں رهتي - برخلاف اس کے نوجوانوں کے اعصاب مضبوط هوتے هیں اور اسلیے عادات کي مخالفت آساني سے کرسکتے هیں -

(خیالات کا عروج و هبوط)

زمانے کي روح همیشه موجود رهتي هے - هر زمانے میں بدلتي رهتي هے - تاریخ کے بڑے بڑے دور اس کے سوا کچهه نهیں هیں که زمانے کي مختلف روحوں کے مظهر هیں - جدید خیالات و افکار کي مثال بالکل ستاروں کي سي هے - وه کبهي افق پر بلند هوتے هیں ' کبهي بالکل چهپ جاتے هیں - اسي طرح کبهي ایک قسم کے خیالات کو عروج هوتا هے ' کبهي دوسرے قسم کے خیالات کو - آج جو خیالات مقبول عام و خاص هیں ' بهت ممکن هے که کل مکروه و متروک هو جائیں - صلیبي جنگوں کے زمانے میں جن افکار نے تمام یورپ میں هلچل ڈال دي تهي ' آج دنیا اُن سے نفرت کرتي اور اُن پر حقارت سے مسکراتي هے -

زمانه بهت سي قوتوں کو پراگنده کرکے فنا کر ڈالتا هے ' اور بهت سي نئي قوتیں پیدا کردیتا هے جو کسي کے وهم و گمان میں بهي نهیں هوتیں - دنیا کي بهت سي پراني آرزوئیں آج مٹ چکي هیں اور اُن کي جگه بالکل نئي امنگوں نے لے لي هے -

(زمانه کي روح)

زمانے کي روح کبهي ایک نقطه و مرکز پر قائم نهیں رهتي - وه بحر زخار کي موجوں کي طرح هر طرف پهیلتي اور ظاهر هوتي رهتي هے - وه هوا کي طرح هر مقام پر پهنچتي اور دلوں اور دماغوں کو جنبش میں لاتي رهتي هے -

زمانے کي روح هی در حقیقت قوموں میں زندگي اور حرکت پیدا کرتي هے - زمانے کي روح ایک پر اسرار اَن دیکهي مخلوق هے - کوئي اُسے دیکهه نهیں سکتا ' مگر وه سب میں داخل هوتي اور اپنا عمل انجام دیتي رهتي هے !

زمانے کي روح خاص طور پر بڑي بڑي انساني جماعتوں میں جنبش پیدا کردیتي هے - بڑے بڑے شهروں میں قوت سے ظاهر هوتي هے - قصبوں اور دیهاتوں میں اُس کا اثر کمزور هوا کرتا هے -

حکام و ارباب سیاست کا فرض هے که سب سے پہلے زمانے کي روح اور اُس کے مقتضیات معلوم کریں - اس کے مطابق اپنے اندر تبدیلي کریں - ایسے نظام جاري کریں جو اِس روح کے مطابق هوں - ورنه نتیجه ' ناکامي و هلاکت کے سوا کچهه نه هوگا -

حکام وقت کا فرض هے که اپنے زمانے کي روح سے غفلت نه برتیں - یه روح کوئي خیالي بات نهیں هے ' بلکه حقیقي وجود رکهتي هے - قوموں کے حکام اور رهنماؤں کي ذمه داري بهت هي عظیم هوتي هے - اُن کا کام بالکل جهاز کے ناخدا کا سا هے ' جو ایک لمحه کے لیے بهي هوا اور موسم کي طرف سے غافل نهیں هوسکتا - اُس کي نظریں ' جهاز کے چپه چپه پر هوتي هیں - کیونکه ایک ننها سا سوراخ بهي پورے جهاز کي غرقابي کا باعث هو جا سکتا هے -

اِس تمام بحث کا خلاصه یه هے که زمانے اور حالات کي تبدیلي کے ساتهه ساتهه اجتماعي و سیاسي نظامات میں بهي تبدیلي لازمي هے - ایسا کرنے سے ترقي و سعادت کي راهیں کهلتي هیں - اور اِس کي مخالفت سے تباهي و بربادي نازل هوتي هے -

(مسلح انقلاب)

بغاوت یا مسلح انقلاب اُسي وقت جایز هوتا هے ' جب عام رائے اور قوم کي امیدوں کے موافق هو - ایسے انقلاب میں پوري قوم کے جذبات مشتعل هو جاتے هیں - انقلاب — کسي قسم کا بهي هو — بنیادي تبدیلي کا ثبوت هوتا هے -

اصلاح کے عمل میں حقوق کا دائره طبیعي طور پر وسیع هوتا هے - برخلاف اس کے انقلاب میں تبدیلي اچانک واقع هوتي هے - انقلاب درحقیقت ' اجتماعي انتقام هے - ایک غیر طبیعي حرکت هے - خونریزي اور مصائب و آلام اُس سے پیدا هوتے هیں -

انقلاب ' ایک مصیبت هے - ملک پر یه مصیبت اُسي وقت نازل هوتي هے جب ضرورت کے مطابق ' اصلاح موجود نهیں هوتي - فساد اجتماعي جسم میں پهیل جاتا هے ' اور قومي مزاج بالکل بگاڑ ڈالتا هے - اصلاح کي تاخیر کا ایک سبب یه بهي هوتا هے که اُس کي راه میں کوئي رکاوٹ پڑ جاتي هے - وه اپني طبیعي حد کو پهنچنے نهیں پاتي - نتیجه یه هوتا هے که دبي هوئی اجتماعی روح اچانک اُبل پڑتي هے' اور تمام موانع کو قوت کے ساتهه اُٹها پهینکتي هے - پس انقلاب ' کوئي اجتماعي قانون نهیں هے - هاں اُسے اجتماعي حادثه کهه سکتے هیں -

مسیحیت، اور بت پرستی

آٹھویں اور نویں صدی میں مسیحیت کو خیالات کی ایک بڑی خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑا تھا - اِس خانہ جنگی کی وجہ ' بت پرستی تھی - بیزنطینی شہنشاہیت میں یہ نزاع آخری حد تک پہنچ گئی تھی -

ابتدائی عہد کے عیسائی بتوں ' تصویروں ' اور نقش و نگار کی تعظیم و عبادت سے نفرت رکھتے تھے - کیونکہ یہ بت پرستی تھی - وہ یہودیت سے نکلے تھے ' اور یہودیت خدا کا تجسم نا جائز قرار دیتی ہے - انہیں یورپ میں یونانیوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا ' یونانی بت پرستی کے سب سے بڑے شائق تھے - اس لیے قدرتی طور پر وہ اپنے حریفوں سے اپنے آپ کو علحدہ رکھنا چاہتے تھے -

اُس زمانے میں مسیحی دعاۃ اِن بت پرستوں پر ھنستے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ یہ لوگ خود اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو سجدہ کرتے ھیں - لیکن بت پرستی سے یہ بیزاری تثلیث اور تجسم کو روک نہ سکی- بلکہ اس کے بحث و جدال ھی نے در حقیقت بت پرستی اور تصویر پرستی مسیحی کنیسا میں پیدا کردی !

(بت پرستی کی ابتدا)

یہ چیز مسیحیت میں سب سے پہلے جن نو مذھب عیسائیوں کے ذریعہ آئی تھی ' وہ بھی حضرت مسیح کے بت یا تصویر کی پرستش نہیں کرتے تھے - لیکن چونکہ بت پرستی سے نئے نئے مسیحیت میں آئے تھے ' اس لیے اُنھوں نے حضرت مسیح کی تصویروں کی تعظیم و تکریم شروع کردی - ٹھیک اُسی طرح ' جس طرح ارسطو اور فیساغورس وغیرہ کی تصویروں کی یونانی عزت کیا کرتے تھے - اِن کے نئے نئے ایمان کے خیال سے مسیحی علماء نے تساھل برتا ' اور یہ خیال کرکے کہ یہ لوگ اِن چیزوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ صرف تعظیم کرتے ھیں ' ان پر کوئی تشدد نہیں کیا - اس طرح یہ تعظیم بغیر کسی روک کے جاری ہوگئی -

بتدریج اِس تعظیم نے عبادت کی صورت اختیار کرلی - یہانتک کہ تیسری صدی میں قسطنطین نے مسیحی کلیسے میں با ضابطہ طور پر یہ نئی مسیحی عبادت داخل کردی - مسیحی علماء نے اُس وقت بھی کوئی مخالفت نہیں کی - اُنھوں نے خیال کیا ' بت پرستی کی اب جڑیں تک اُکھڑ چکی ھیں ' اُس کے از سر نو احیا کا کوئی اندیشہ نہیں ہے -

چنانچہ نئی پرستش کا آغاز ہوگیا - سب سے پہلے صلیب اور مقدس آثار کی تعظیم سے شروع ہوئی - پھر شہیدوں اور ولیوں کی قبور کی تعظیم و تکریم شروع ہوگئی - پھر اُن سے منتیں مرادیں مانگی جانے لگیں - بالاخر ان کی مورتیں ظاھر ہوئیں - لوگوں نے خیال کیا ' اگر صلیب اور مقدس آثار و قبور میں بزرگی ہے ' تو کوئی وجہ نہیں کہ مورتوں میں اور بھی زیادہ بزرگی اور برکت نہ ہو؟ بادشاھوں اور بڑے آدمیوں کے بت بنائے جاتے ھیں ' کیوں نہ خدا کے برگزیدہ بندوں کے بھی بت بنائے جائیں ' اور ان سے برکت و سعادت حاصل کی جاے ' حالانکہ وہ بادشاھوں سے کہیں زیادہ اجلال و تکریم کے مستحق ھیں ؟

اِس طرح بتدریج بت پرستی مسیحی کنیسے میں داخل ہوگئی - شروع شروع میں کنیسا کی دیواروں پر تصویریں اور مورتیں اس غرض سے آویزاں کی گئی تھیں کہ " ان کے معائنہ سے عبرت و موعظت حاصل ہوگی " لیکن آگے چلکر ان کی حیثیت ایک نا گزیر دینی شعار اور ربانی عبادت کی ہوگئی - مخلص عیسائی بتوں اور تصویروں کے لیے اُسی طرح نماز پڑھنے لگے ' جس طرح وہ خدا کے لیے نماز پڑھتے تھے !

اِس بدعت کے ساتھہ اور بھی کئی مشرکانہ رسمیں مسیحی کنیسا میں داخل ہوگئیں - چنانچہ چراغاں ' بخور ' رکوع و سجود ' وغیرہ رسمیں ' سب بت پرستوں ھی سے لی گئی ھیں -

سچے عیسائیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اعتراض کیا - مگر اُن کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی - اِن مقدس تصویروں اور مورتوں کے ہزاروں معجزے مشہور ہو چکے تھے - لوگ اُن سے دست بردار ہونے کے لیے طیار نہ تھے -

شروع شروع میں روح القدس کی تصویریں بہت مبہم اور مضطرب بنائی جاتی تھیں - لیکن حضرت مسیح اور مریم (علیہما السلام) اور فرشتوں کی تصویریں بالکل صاف اور خالص انسانی قالب میں ہوا کرتی تھیں -

(چھٹی صدی مسیحی)

ابھی چھٹی صدی ختم نہیں ہوئی تھی ' کہ یہ مشرکانہ عبادت کنیسا کی ایک شرعی عبادت بن چکی تھی - تمام کنیسے تصویروں اور بتوں سے آراستہ تھے ' حتی کہ خود ویٹیکان (محل اعظم پوپ) بھی اُن سے لبریز ہو چکا تھا - اب یہ حالت تھی کہ مسیحی مؤمنین ' تصویروں اور بتوں کے حد سے زیادہ دلدادہ تھے - انھیں عبادت و برکت کے لیے ضروری سمجھنے لگے تھے - وہ تقوی و بزرگی کے نشان خیال کیے جاتے تھے -

آٹھویں صدی کے اوائل میں تصویر پرستی اور بت پرستی ' مسیحی عبادت خانوں میں پورے عروج تک پہنچ چکی تھی - اِسی زمانے میں بعض یونانی علماء ظاھر ہوئے ' اور اِسے کنیسا کی بت پرستی قرار دیا - اِن لوگوں نے کہا " مشرک قومیں بھی اپنے بتوں کو خدا نہیں کہتی تھیں ' بلکہ بعینہ وھی معانی اُن کے پیش نظر تھے ' جو اِن تصویروں اور مورتوں کے بارے میں تمہارے پیش نظر ھیں - لیکن اِس پر بھی خدا کی شریعت نے اُنھیں مشرک قرار دیا - تم میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں - صرف الفاظ اور اسماء کا اختلاف ہے " -

(اسلام کا ظہور)

صدیوں کی غفلت کے بعد مسیحی علماء میں یہ بیداری صرف اِس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ دین اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر اب مصر ' شام ' فلسطین پر چھا گیا تھا اور خود بیزنطینی کنیسے کے مرکز پر اُسکی تیز نظریں پڑ رھی تھیں - اسلام کی تعلیمات اِس بارے میں معلوم و مشہور ھیں - ابتدائی تصادم کے زمانے ھی میں مسیحیوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان اُنھیں بت پرست اور مشرک کہتے ھیں - اُنھوں نے اسلامی مسجدیں بھی دیکھی تھیں جو ہر قسم کی تصویروں اور مورتوں سے خالی تھیں -

مسیحیوں کی ایک جماعت اسلامی اثرات سے متأثر ہوگئی اور توراۃ کی تعلیم کی طرف از سر نو دعوت دینے لگی جو تصویر پرستی اور بت پرستی کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیتی ہے -

دوسرے گروہ کا بیان بڑي حد تک مقبول ہے - وہ کہتا ہے ہماري زمین کیا ہے ؟ اِس لا متناهي فضا میں بہنے والے لکھو کہا کروں میں سے ایک چھوٹا سا کرہ ہے - زمین کو ظاهري اعتبار سے دوسرے کروں پر کوئي امتیاز حاصل نہیں - نہ تو اُس کا حجم هي سب سے بڑا ہے ' نہ عمر هي سب سے زیادہ ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ اُس میں زندگي موجود ہو' اور باقي تمام کرے ' جو اُس سے کہیں زیادہ بڑے اور قدیم ہیں ' زندگي سے بالکل خالي سمجھے جائیں ؟

هم مشاهدہ کرتے ہیں کہ یہ تمام ستارے بھي ویسے هي ایک دقیق نظام سے رابستہ ہیں ' جیسا نظام هماري زمین کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے - وہ بھي نہایت انتظام کے ساتھہ اپنے افلاک میں گردش کرتے ہیں - اُن کي رفتار میں بھي ادنی سے ادنی خلل یا بد نظمي کبھي پیدا نہیں هوتي - پھر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ ستارے جن پر قدرت اپني اِس قدر توجہ صرف کر رهي ہے ' بغیر کسي زندگي کے موجود ہوں ' اور اِس کے سوا کوئي غرض و غایت نہ رکھتے ہوں کہ هماري دلچسپي اور نظر فریبي کا سامان مہیا کریں ؟ اِس میں قدرت کي کیا حکمت هو سکتي ہے کہ یہ ننھا سا ذرہ' یعني زمین ' تو آباد هو' اور باقي تمام عظیم الشان عوالم چٹیل میدان سے بھي بدتر ہوں ؟ حالانکہ وہ بھي زمین هي کي طرح ایک پورے حکیمانہ نظام کے ماتحت قائم ہیں -

بے شمار علمي قرائن اِس نظریے کي تائید کر رہے ہیں کہ همارے تمام نظام شمسي کے کواکب کي اصلیت ایک هي ہے - اور وہ سدیم ہے - اِن سب کي تکوین ' سدیم هي کے مادہ سے ہوئي ہے - وہ بتدریج سدیمي کرہ سے جدا هو کر مستقل وجود بنے ہیں - اِسي طرح تمام کیمیاوي و فلکي دلائل کا رجحان بھي اِسي نظریے کي طرف ہے کہ نہ صرف خاندان شمسي بلکہ جملہ عوالم فلکي ' اِسي سدیم سے بنے ہیں - زمین اور جملہ ستاروں کا خمیر ایک هي ہے - سب ایک هي مادے کي مختلف شکلیں ہیں - سب کا مادہ کیمیاوي ذروں سے مرکب ہے - ان میں هر ذرہ اپنے اندر دو کہربائي لہریں ایجابي اور سلبي رکھتا ہے -

پس جب جملہ کائنات اور هماري زمین ' ایک هي اصل رکھتي ہیں ' تو کوئي وجہ نہیں کہ صرف ایک همارے کرے هي میں زندگي هو اور باقي تمام کرے ' مردہ اور بے جان فرض کر لیے جائیں - اگر یہ تسلیم بھي کرلیا جائے کہ زمین کے سوا کسي دوسرے ستارے میں زندگي نہیں ہے ' تو یہ سوال قابل غور ہے کہ بقول علماء فلک کے سورج اپني حرارت برابر کھو رہا ہے ' اور کروڑوں برس کے بعد ایک وقت آجائیگا جب وہ بالکل بے نور اور بے حرارت هوکر رہ جائیگا - اُس وقت زمین یقیناً زندگي سے محروم هو جائیگي - ایسي حالت میں یہ کروڑوں ستارے کیا ہونگے ؟ کیا یہ بھي همارے نظام شمسي کے ساتھہ تباہ هو جائینگے ؟ حالانکہ معلوم ہے کہ گنتي کے چند کواکب کے سوا باقي تمام ستارے همارے نظام شمسي سے باهر ہیں اور همارے آفتاب کي موت و حیات کا اُن پر کوئي اثر نہیں پڑ سکتا - اگر یہ تباہ نہیں ہونگے ' تو اِن کے وجود سے فائدہ کیا ہے جب کہ وہ بالکل اُجاڑ ' سنسان ' اور بے جان ہیں ؟

تمام عقلي و نقلي علوم اور دیني روایات بھي ثابت کر رهي ہیں کہ جملہ کائنات ' ایک هي اصل سے ظاهر ہوئي ہیں اور ایک هي قسم کے طبیعي ناموس کے ماتحت برقرار ہیں - اگر یہ صحیح ہے تو زمین کو کوئي خاص امتیاز حاصل نہیں ہے کہ صرف اُسي پر زندگي هو اور باقي تمام عوالم بے نور اور زندگي سے محروم ہوں - زمین پر زندگي کے جو لوازم ہیں ' ضروري نہیں کہ دوسرے ستاروں میں بھي لوازم ہوں - ناموس انتخاب طبیعي بتاتا ہے کہ زندہ کائنات اپنے ماحول اور زمان و مکان کے اختلاف سے مختلف صورتیں اختیار کرلیتي ہیں - اُن کي شکل بھي بدل جاتي ہے - مزاج بھي مختلف هو جاتا ہے - پہلے یقین کیا جاتا تھا کہ سنتي گریڈ کے سو درجہ حرارت میں کوئي ذي روح زندہ نہیں رہ سکتا - لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ بعض جراثیم کھولتے ہوئے پاني میں بھي زندہ رهجاتے ہیں - اِسي طرح بعض جراثیم برف میں بھي مدتوں نہیں مرتے - اگر یہ صحیح ہے تو یہ باور کرنے کي کوئي وجہ نہیں کہ دوسرے ستاروں کے جاندار بھي اُس ماحول میں زندہ نہیں رہ سکتے' جو ماحول هماري زندگي کے منافي ہے -

ممکن ہے ستاروں میں زندگي کا قوام هماري زمین کي زندگي کے قوام سے مختلف هو - مثلاً آکسیجن همارے لیے ضروري ہے ' مگر دوسرے ستاروں کي مخلوقات کے لیے ضروري نہ هو - ظاهر ہے کہ ستاروں کے جاندار هم سے مختلف ہونگے ' کیونکہ اُن کا ماحول هم سے بالکل مختلف ہے - همارے اُن کے درمیان مابہ الا شتراک صرف روح هي هو سکتي ہے - اور معلوم ہے کہ روح نہ تو کوئي شکل رکھتي ہے ' نہ مادے کے تابع ہے - خود اپني اِسي زمین پر هم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں مخلوقات اپني جسماني ترکیب اور ضروریات زندگي میں ایک دوسرے سے پورا اختلاف رکھتي ہیں - تاهم سب زندہ ہیں ' اور سب میں ایک هي روح کار فرما ہے - جب خود زمین پر مخلوقات کا اختلاف اِس درجہ زیادہ ہے ' تو ظاهر ہے' دوسرے ستاروں کي مخلوق هم سے کیوں مختلف نہو ؟

چونکہ هماري زمین ' سب سے زیادہ قدیم نہیں ہے ' اس لیے ممکن ہے ' دوسرے ستاروں میں زندگي زیادہ قدیم اور بہت ترقي یافتہ هو - بہت ممکن ہے کہ بعض ستاروں کي مخلوق اِس درجہ ترقي کر گئي هو کہ هم سے بہت زیادہ علم و حکمت رکھتي هو - هم سے بہت زیادہ اسرار وجود سے واقف هو - هم سے کہیں زیادہ اُس کي ایجادیں محیر العقول ہوں - ممکن ہے اُس کے پاس ایسے ذرایع موجود ہوں کہ قریب کے دوسرے ستاروں تک بھي پہنچ سکتے ہوں اور روح و مادہ کے راز معلوم کرچکي ہوں - ممکن ہے اُن کے جسم همارے هي جیسے ہوں - ممکن ہے هم سے بالکل مختلف ہوں - بہت ممکن ہے وہ هم سے زیادہ حواس رکھتے ہوں -

یہ ہے خلاصہ دوسرے گروہ کے خیالات کا - اور پہلے گروہ کے خیالات سے زیادہ معقول معلوم هوتا ہے -

ترکی حکومت

اور اُس کے اجتماعي و سیاسي تغیرات

شروع سے ابتک

(۱)

دور اول

سنه ۶۹۹ ھ (۱۳۰۰ع) سے سنه ۱۲۲۳ ھ (۱۸۰۸ع) تک

آل عثمان کي سلطنت اُس زمانه میں ظاهر هوئي ‘ جب صلیبي جنگوں کي خونریزي سے مشرق قریب کي سر زمین سرخ هو رهي تهي اور مسیحي تعصبات سے وقت کا مطلع غبار آلود تها - اس وقت کي آب و هوا کا یه قدرتي اثر تها که سلطان عثمان اور آن کي اولو العزم اولاد میں دیني جهاد کا جذبه پیدا هوا ‘ اور وہ مسیحي ممالک کي فتوحات پر کمر بسته هوگئے - یه یورپ کے صلیبي حمله کا قدرتي رد فعل تها -

اُس وقت ایشیاے کوچک کے اطراف و جوانب بروسه ‘ ازمید ‘ ازنیق ‘ طرابزوں میں بیزنطیني سلطنت (قسطنطنیه) کے باج گزار امراء حکمران تهے - آل عثمان نے اپنے جهاد اور ملک گیري کا آغاز اُنهي سے کیا ‘ اور یکے بعد دیگرے مطیع یا مغلوب کرتے گئے - اِن سے فارغ هوکر دانیال کے آگے بڑهے ‘ اور بلغاریا ‘ سرویا ‘ اور بیزنطیني سلطنت کو زیر وزبر کرنے کے بعد مسیحیت کي راج دهاني " روم " کو گهورنے لگے - یه صلیبي لڑائیوں کے جوابي حمله هي کا جذبه تها ‘ جس نے سلاطین آل عثمان کو یک قلم یورپ کي طرف متوجه کر دیا تها ‘ اور ایشیا سے بڑي حد تک غافل رهے تهے - صرف سلطان سلیم یاوز (خونریز) نے ایشیا کي طرف توجه کي ‘ مگر اِس کي ایشیائي فتوحات میں ایک اور هي جذبه کار فرما تها - وہ عرش خلافت پر جلوہ گر هونے کا متمني تها ‘ جس میں اُسے پوري طرح کامیابي هوگئي -

یورپ صلیبي جنگوں سے بالکل خسته هو چکا تها - مسلسل شکستوں نے اُس کي شجاعت و همت پر کاري ضربیں لگادي تهیں - فرقه وارانه حسد و منافست نے اُس کے تمام قویٰ معطل کر دیے تهے - اِن حالات کا لازمي نتیجه تها که دول یورپ نے ترکي سیلاب کے مقابله کا کوئي خیال نهیں کیا ‘ اور قسطنطنیه اور مشرقي یورپ کي مسیحي ریاستوں اور قوموں کو مغلوب هوجانے دیا - لیکن جب ترکوں نے بلقان سے بهي قدم آگے بڑهایا ‘ اور هنگري پر ترکتازیاں شروع کردیں ‘ تو یورپ کي آنکهیں کهلیں - مذهب کے نام پر متحدہ محاذ قائم کیے گئے ‘ اور ترکوں کے روکنے کي کوشش شروع هوئي - مگر کامیابي حاصل نه کرسکے -

یهانتک که سلطان سلیمان قانوني کي وفات کے بعد خود ترکوں میں کمزوري پیدا هوگئي - سلطان مراد ثالث کے عهد میں یه کمزوري ظاهر هوئي ‘ سلطان احمد اول کے زمانه میں اس نے ترقي پائي ‘ اور سلطان محمد رابع کے دور میں بلوغ و کمال تک پهنچ گئي - ترک جس قدر کمزور هوتے گئے ‘ یورپ کا مسیحي اتحاد بهي اُسي قدر ٹوٹتا گیا - یهانتک که صرف روس اور آسٹریا ترکوں کے مقابله میں رہ گئے ‘ اور اُنهیں یورپ سے نکالنے کي کوشش کرتے رهے -

اِس طرح ترکي شهنشاهیت نے اپني عمر کا اکثر حصه پے در پے جنگوں میں گزار دیا - ابتدائي جنگیں حمله آورانه تهیں ‘ بعد میں مدافعانه هوگئیں - لیکن اس تمام مدت میں ترکي سلطنت ایک مذهبي سلطنت رهي - اس کا تمام داخلي نظام شریعت کے احکام پر مبني تها - علماء و فقهاء کو غیر معمولي اقتدار حاصل تها - مفتیوں کے فتوے عزل و نصب اور نظم و نسق کے لیے جاري هوتے رهتے - چونکه عثماني حکومت کي نشو و نما هي اُس وقت هوئي تهي ‘ جب که اسلام کے دیني علم و عمل کي روح پژمردہ هونا شروع هوگئي تهي ‘ اور دیني نظر و بصیرت اور اجتهاد فکر کي جگه تقلید و جمود کي بنیادیں قائم هوچکي تهیں ‘ اس لیے مذهبي احکام و نظام کي کوئي بهتر روح پیدا نه هوسکي - جن علماء کے هاتهه میں نظم و نسق کے احکام تهے ‘ ان کا علم تمام تر فقه حنفي کي چند متداول متون و شروح تک جو متاخرین کي ترتیب دي هوئي تهیں ‘ محدود تها ‘ ان سے باهر نه تو کوئي نظر رکهتے تهے ‘ اور نه ایسي فضاء تهي که بلند نظري پیدا هو سکتي -

اس صورت حال کا لازمي نتیجه یه نکلا که اسلام کي پچهلي حکومتوں کي طرح ‘ عثماني حکومت میں نظم و اداره کي کوئي موافق روح پیدا نه هو سکي - دائرۂ حکومت تمام بر اعظم یورپ اور مشرق میں پهیل گیا تها - مختلف مذاهب ‘ مختلف نسلیں ‘ مختلف تمدن ‘ اور مختلف جماعتي مزاج رقبۂ حکومت میں جمع هوگئے تهے ‘ حکومت کے لیے اتنے مختلف عناصر پر کامیاب حکومت قائم رکهني آسان نه تها - ترک همیشه سے ایک جنگي قوم تهے - اب ان کے زیر نگیں یورپ اور مشرق کي تمام متمدن آبادیاں آگئي تهیں - ضرورت تهي که انتظام حکومت کي ایک طاقتور روح پیدا کي جاتي - یه روح ضرور پیدا هوتي ‘ اگر علوم دینیه کي حقیقي روح باقي رهتي ‘ اور تقلید و تنگ نظري نے فقهاء کے دماغ عقیم نه کردیے هوتے - لیکن افسوس که حالت دوسري تهي - نتیجه یه نکلا که روز بروز حکومت کا انتظامي مزاج مختل هونے لگا - حتیٰ که یورپ کے مورخین کو یه کهنے کا موقع مل گیا که " اسلام کے احکام کي روح هي حاکمانه انتظام (اڈمنسٹریشن) کے خلاف هے " حالانکه اسلام کي روح مخالف نهیں هے - مسلمانوں کا دماغي تنزل مخالف هے -

(دور اصلاح)

سنه ۱۲۲۳ ھ (۱۸۰۸ع) سے سنه ۱۲۹۳ ھ (۱۸۷۶ع) تک

اِدهر ترکي مدافعانه جنگوں میں مصروف تهي - روس اور آسٹریا کے حملوں کا مقابله کر رهي تهي - اُدهر یورپ میں ایک نئي تهذیب پهیل رهي تهي ‘ جدید تمدن زندگي اور ترقي کے نئے نئے دروازے کهول رها تها ‘ اور اقوام یورپ تیزي سے آگے بڑه رهي تهیں - ایک طرف کامل وقفه تها ‘ دوسري طرف پوري حرکت و سرعت تهي - نتیجه یه نکلا که یورپ بهت آگے بڑه گیا ‘ اور ترکي جهاں تهي ‘ وهیں کي وهیں رہ گئي ‘ بلکه مسلسل دفاعي جنگوں نے اُسکي چولیں هلا ڈالیں -

---

اِس کے بعد پهر بت پرستي کے خلاف کوئي با ضابطه مسیحي دعوت پیدا نهیں هوئي - یهانتک که صلیبي لڑائیوں کے بعد اسلامي توحید کي تعلیم یورپ کے قلب تک پهنچي ‘ اور مشهور مسیحي مصلح لوتهر کا ظهور هوا -

(لیون کی اصلاح)

سی زمانے میں لیون سوم قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھا - اِس شہنشاہ نے اشور کے پہاڑوں میں نشو و نما پائی تھی - ہر قسم کی تعلیم و تربیت سے محروم تھا - تاہم عقل سلیم رکھتا تھا - یہودیوں اور عربوں کی صحبت میں بیٹھ چکا تھا ' اور اُن کے اثر سے تصویروں اور بتوں کی تعظیم و عبادت سے متنفر تھا -

یہ تخت نشین ہوا ؛ اور غایت تدبر سے اپنے ارادے مخفی رکھے - یہانتک کہ جب پوری طرح اقتدار حاصل ہوگیا تو دینی اصلاح کی طرف قدم اٹھایا - اِس نے پہلا کام یہ کیا کہ علماء کی ایک مجلس منعقد کی اور یہ فتوی صادر کرایا کہ کنیسوں اور مقدس ہیکلوں سے تصویریں اور مورتیں ہٹا کر کسی ایسی بلند جگہ منتقل کردی جائیں جہاں مشرکانہ رسمیں انجام نہ دی جا سکیں -

چند سال بعد اُس نے دوسرا قدم اٹھایا اور مورتیوں کی پرستش' اُنکی تعظیم ' اور کنیسوں میں موجودگی ' سب ناجائز قرار دیدی - اُس نے صرف اِتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا ' بلکہ قسطنطنیہ کے تمام کنیسوں کو تصویروں اور مورتوں سے خالی بھی کر دیا - چنانچہ حضرت مسیح اور حضرت مریم بتول (علیہما السلام) کے تمام بت توڑ کر پھینک دیے گیے - اور تمام تصویریں محو کردی گئیں -

اُس کے بیٹے قسطنطین پنجم نے اِس بارے میں اور بھی زیادہ سختی برتی - سنہ ۷۵۴ ع میں اُس نے ایک دینی مجلس منعقد کی - اِس میں ۳۳۸ پیشوا جمع ہوئے - اِس لحاظ سے یہ مجلس بہت ہی بڑی مجلس تھی - مگر اس میں صرف بیزنطینی کنیسے ہی کے علماء شریک ہوئے تھے - روم ' اسکندریہ ' بیت المقدس ' اور انطاکیہ کے نمائندے شامل نہیں تھے - پادشاہ نے اِس مجلس کے سامنے تصویر پرستی کا مسئلہ پیش کیا - متفقہ فیصلہ ہوا کہ یہ عبادت ' مسیحی تعلیمات کی رو سے قطعاً حرام ہے - اور پرستش کی تصویریں' مجسمے ' اور آثار مسیحی عبادت گاہوں سے خارج کردینے چاہئیں - اس مجلس نے صلیب کو بھی اپنے فتوے میں مستثنی نہیں کیا ' اُسے بھی تجسم کا رمز قرار دیکر ممنوع ٹھہرایا - مزید برآں خود فن مصوری کو بھی نا جائز بتایا - اس نے یہ حکم بھی نافذ کیا کہ جو شخص صلیب بنائے ' یا مقدس تصویریں اور نقوش اتارے ' اُسے فوراً کنیسے سے خارج کردیا جائے ' اگرچہ وہ خود علماء کی جماعت ہی میں سے کیوں نہ ہو -

سنہ ۷۶۶ ع میں اِس فیصلہ کو اور بھی زیادہ تشدد کے ساتھہ جاری کیا گیا - صلیب رکھنا ' ولیوں کے لیے نماز پڑھنا ' تصویروں کی تعظیم کرنا ' یہ سب باتیں جرم قرار پائیں' اور مخالفوں کے لیے تازیانہ کی سزا سے لیکر آنکھیں پھوڑنے ' زبان کاٹنے ' اور سولی پر چڑھانے تک کی سزائیں تجویز کی گئیں -

(بت پرستی کا دوسرا دور)

لیکن ملکۂ ایرینی کے عہد میں پھر انقلاب ہوا - یہ ملکہ بت پرستی کی حامی تھی ' کیونکہ وہ نسلاً یونانی تھی اور عورت تھی - یہ اِس حیثیت سے تخت نشین ہوئی تھی کہ اپنے نا بالغ لڑکے قسطنطین ششم کی ولی اور سر پرست رہیگی - اِس نے برسر اقتدار آتے ہی ایقونی کنیسا (یعنی بت پرستی کو حرام سمجھنے والے کنیسا) کے علماء کو ستانا شروع کردیا - ستمبر سنہ ۷۸۷ ع میں بہ مقام نیس ایک دینی مجلس منعقد کی - اِس میں ۳۶۷ پادری جمع ہوئے تھے - پوپ کے نمائندے بھی شریک تھے - بالاتفاق یہ فتوی صادر کیا گیا کہ مقدس تصویروں اور بتوں کی عبادت مسیحیت میں جائز ہے - اتنا ہی نہیں بلکہ شرعاً مستحسن ہے - دلیل میں اسلاف کی بہت سی جھوٹی روایتیں پیش کی گئی تھیں - مزید براں قسطنطنیہ کی سابق دینی مجلس کی تکفیر بھی کی گئی تھی - اُس کے فیصلہ پر عمل کرنے والوں کو بھی کافر و مرتد قرار دیا گیا !

(دوسری اصلاح)

ایک مدت تک اِس نئے فیصلہ پر عمل ہوتا رہا - یہاں تک کہ تیو ریلس بیزنطینہ کا بادشاہ ہوا - یہ بت پرستی کا دشمن تھا - سنہ ۸۳۳ ع میں اِس نے پھر علماء مسیحیت سے ایک نیا فتوی حاصل کیا اور بت پرستی حرام قرار پائی - اِس نے صرف تصویریں اور بت ہی نہیں مٹائے ' بلکہ کنیسوں میں مسیحی بزرگوں کے ناموں کے ساتھہ " مقدس " کا لفظ بھی مٹا ڈالا - مصوروں اور بت سازوں کو شدید سزائیں دی گئیں - بہت سے خلاف ورزی کرنے والے پادریوں کی پیشانیاں آگ سے داغ دی گئیں - غرضکہ اِس رسم کے خلاف سخت جہاد جاری ہوگیا -

اُسی زمانے میں ایک مسیحی عالم جان (جسے عربوں نے یوحنا نحوی کے نام سے پکارا ہے) مشرقی رومن سلطنت کے کنیسے کا بطریق اعظم مقرر ہوا - یہ شہنشاہ کا استاد تھا اور بت پرستی کا سخت مخالف ' مگر اسکی طبیعت بہت کمزور تھی - اِس نے شاہی احکام کی تنفیذ میں تساہل کیا - نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ علانیہ احکام شاہی کی خلاف ورزی پر آمادہ ہوگئے - شہنشاہ نے یہ حالت دیکھی تو سخت برہم ہوا - پہلے سے بھی زیادہ تشدد پر اُتر آیا اور مقدس تصویروں اور بتوں کے معتقدین کو سخت سزائیں دینے لگا -

(بت پرستی کا تیسرا دور)

شہنشاہ کے انتقال پر اُس کی ملکہ تخت نشین ہوئی - یہ اپنے شوہر کے خلاف عقیدہ رکھتی تھی - اس نے بت پرستی پھر رائج کرنی چاہی مگر اُس کی راہ میں سب سے بڑی روک یہی یوحنا نحوی تھا - یہ شخص دونوں جماعتوں کی نظر میں مکروہ تھا - بت پرستی کے مخالف ' اسے بزدل اور منافق سمجھتے تھے - حامی دشمن خیال کرتے تھے - اِس سے بھی بڑہ کر یہ کہ یہ طبیعی علوم اور فلسفہ کا عالم تھا - یہ چیز اُس زمانے میں تمام دیندار مسیحیوں کی نظر میں کفر و الحاد تھی - اِس صورت حال نے یوحنا کو بالکل بے یار و مددگار کر دیا - چنانچہ اُسے معزول کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں - اُس پر یہ تہمت لگائی گئی کہ جادو گر ہے - یہ تہمت اُس کی معزولی کے لیے کافی تھی - چنانچہ اُسے ذلت کے ساتھہ نکالا گیا اور ایک گم نام خانقاہ میں جلا وطن کر دیا گیا - مگر مخالفوں کو اِس سے سیری نہیں ہوئی - تھوڑے ہی دنوں کے بعد اُس پر یہ الزام لگایا گیا کہ اُس نے ایک ولی کی تصویر کی آنکھیں پھوڑ ڈالی ہیں - اِس الزام پر اُسے سخت سزا ملی اور توراۃ کے قانون " دانت کے بدلے دانت اور آنکھہ کے بدلے آنکھہ " کے بموجب اُس کی آنکھیں پھوڑ ڈالی گئیں !

اب ملکہ کے لیے میدان صاف تھا - اُس نے سنہ ۸۴۲ع میں ایک اور دینی مجلس قسطنطنیہ میں منعقد کی اور از سر نو بت پرستی کا فتوی صادر کرادیا - تمام مخالف ' کافر قرار دیے گئے ' اور بت پرستی مسیحیت کی بنیادی عبادت تسلیم کرلی گئی - ۱۹ فروری سنہ ۸۴۳ ع میں کنیسۂ ایا صوفیا میں پھر تصویریں اور مورتیں واپس آگئیں - یونانی کنیسا اب تک یہ دن ایک عظیم دینی تہوار کے طور پر مناتا ہے -

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مصطفیٰ پاشا الفاضل

اور لائحۂ اصلاحیہ

(۲)

میرے آقا! اہل یورپ کہتے ہیں کہ ہماری کمزوری اور انحطاط ہماری قومیت اور ہمارے دین کی وجہ سے ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ ہم فوجی زندگی بسر کرنے کے علاوہ اور کسی بات کے لئے موزوں ہی نہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال حقیقت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ہماری امت دنیا کی دوسری امتوں سے کوئی مستثنے صورت حال نہیں رکھتی۔ جس طرح دنیا کی مختلف قومیں ابتدا میں جنگی قوت سے نمایاں ہوئیں تاکہ اپنی ہستی کے لئے استقلال پیدا کریں، اور پھر علوم و صنائع اور تمام اعمال مدنیہ کے لئے مستعد ہوگئیں، اُسی طرح ہم بھی اپنی جنگی شجاعت سے دنیا میں نمایاں ہوئے، اور کوئی وجہ نہیں کہ ترقی و سعادت کے تمام اعمال کی طرف قدم نہ بڑھائیں۔ قوم کی ابتدائی حرکت لڑائی میں ظاہر ہوئی ہو یا صنائع میں، مصدر دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے اور وہ حرکت کی استعداد ہے۔ جبیعت استعداد ہے، اس کی راہ کبھی رُک نہیں سکتی۔ خود یورپ کی مختلف قوموں کا اُٹھان ہماری ہی طرح جنگی عسکریت سے ہوا ہے، اور اب وہ تمدن و صنائع کے میدان میں سب سے پیش پیش ہیں۔

اسی طرح ہمارے دین پر بھی الزام صحیح نہیں۔ اس دین کی طرح دنیا کے تمام دینوں کی بھی تعلیم یہی ہے کہ جملہ کائنات، مشیت الٰہی کے ماتحت ہے۔ مسیحیوں کے عقیدے اس بارے میں ہمارے عقیدوں سے کہیں زیادہ سخت ہیں۔ وہ مذہب جبر پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اُنکے پولس رسول کی تعلیم ہے کہ انسان، پروردگار کے ہاتھ میں ایسا ہے، جیسے گندھی ہوئی مٹی کمہار کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اے میرے آقا! اُنھیں بھلائی اور بہتری حاصل کرنے سے کوئی چیز روک نہ سکی۔

حق کا اظہار ضروری ہے۔ ہمیں جس چیز نے اُن کی طرح علمی قوم ہونے سے روک دیا ہے، وہ ہمارا طرز حکومت ہے۔ جس حکومت میں یہ اندھیر روا ہو کہ ایک انسان دوسرے انسان کی محنت سے بغیر استحقاق کے نفع اُٹھائے، وہاں نہ عقل ترقی پاسکتی ہے، نہ خوشحالی، عام ہوسکتی ہے۔ جس ملک میں بھی ظلم پھیل جاتا ہے، مخلوق، عمل سے کنارہ کش ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اُسے اپنی محنت سے متمتع ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔

فرانس کی حالت ہمارے سامنے ہے۔ یہ خوبصورت ملک، جسکے مداح اعلیٰحضرت بھی ہیں، ۱۷۸۹ء سے پہلے سخت غفلت و فلاکت میں پڑا تھا۔ لائق سے لائق وزیر برسر حکومت آئے اور بڑی بڑی کوششیں کیں کہ صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت کو رواج دیں، ملک میں حرکت و زندگی پیدا کریں، مگر ناکام رہے۔ ملک نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ اُس وقت حالت یہ تھی کہ ظلم و استبداد ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ رعایا اپنی محنت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتی تھی۔ کسان جنگلوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ فقر و فاقہ نے اُنھیں حیوانوں کی سی مخلوق بنا دیا تھا۔ کوئی بھی محنت و مشقت کی طرف رغبت ظاہر نہیں کرتا تھا۔

لیکن صرف تیس برس کی مدت کے بعد اب فرانس، فرانس ہوگیا ہے۔ تمدن و تہذیب کا مرکز ہے علوم و صنائع سے مالامال ہے۔ میرے آقا! یہ حیرت انگیز تبدیلی، صرف نظام حکومت کی تبدیلی کا نتیجہ تھی۔ مستبد حکومت نے ملک کو ویران کر ڈالا تھا۔ آزاد حکومت نے آتے ہی اُس میں روح پھونک دی۔ ایسی روح جس نے اُسے زندہ، جوان، طاقتور، اور خوشحال بنادیا۔ درحقیقت فرانس پر آزادی کا بہت ہی عظیم احسان ہے۔

میرے آقا! آزادی، قوموں کو زندہ کردیتی ہے۔ صرف معنوی زندگی ہی نہیں، مادی زندگی بھی بخشتی ہے۔ جب انسان اپنے حقوق سے محروم ہوجاتا ہے، تو ناکارہ ہوجاتا ہے۔ اُس کے تمام جسمانی و معنوی قوی معطل ہوجاتے ہیں۔

میرے آقا! جب قوم کی وہ حالت ہوجائے، جو اوپر عرض کرچکا ہوں۔ زمانہ، اُس کے اخلاق پر دست درازی کرے، غفلت، آہستہ آہستہ اُس کی عقل پر حاوی ہوتی جائے، فقر و فاقہ اُس کا خون چوسنے لگے، اور سلطنت کے خزانے خالی ہوجائیں، تو ایسی حالت میں ہر محب وطن اور مخلص قوم کا فرض ہوجاتا ہے کہ صرف اصلاح کے مطالبہ ہی پر قانع نہ ہوجائے بلکہ عمل کا فوری قدم بھی اُٹھائے۔ اصلاح ایک بے معنی لفظ ہے اگر اُس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ کتنے قوانین کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے؟ کتنے نظام شایع کئے گئے؟ مگر کبھی عمل ہمارے سامنے نہیں آیا۔ لہذا اب ہم پر فرض ہوگیا ہے کہ ایک قدم آگے بڑھیں اور یہ اہم معروضہ، عرش معظم کے روبرو انتہائی تعظیم و احترام کے ساتھ پیش کردیں۔

میرے آقا! آپ اس سلطنت کا ہاتھ پکڑئیے اور اُس کا شباب تازہ کر دیجئے۔ دستور (یعنی دستوری نظام حکومت) کا ہاتھ بڑھائیے اور اُسے اختلال و بدنظمی سے نکال لیجئے۔ امت کو ایسا دستور بخشئے جس کا جسم تندرست ہو، سینہ کشادہ ہو، نیت نیک ہو۔ پھر اُسے اپنی امان میں لے لیجئے، ایسا انتظام قائم کیجئے کہ وہ اخلاص سے جاری ہو، امانت سے اُس پر عمل کیا جائے، اور ہمیشہ کے لئے دست درازیوں سے محفوظ ہوجائے۔ ایسا دستور جس کے سامنے مسلم اور غیر مسلم، دونوں اپنے حقوق و واجبات میں برابر ہوں، تاکہ قومی اتحاد پیدا ہو۔ سب کو سلامتی اپنے سایہ میں لے لے، اور مغربیوں کا یہ کلیہ ٹوٹ جائے کہ "غالب اور مغلوب میں اتحاد، محال ہے"

آہ میرے آقا! میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے اہل حل و عقد میں منافق اور جاہل، لفظ دستور تک سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اعلیٰحضرت سے کہتے ہیں کہ دستور بادشاہ کو ایک بے جان کٹھ پتلی بنا دیتا ہے۔ اُس کا اختیار چھین لیتا ہے۔ اُس کی عظمت سلب کرلیتا ہے۔ دوسری طرف قوم سے کہتے ہیں: دستور تمھیں تمھاری عزیز ترین خصوصیتوں: دین، لباس، رسم و رواج سب سے محروم کردے گا۔ لیکن یہ لوگ یا تو دغاباز ہیں، یا جہالت نے اُن کی عقل پر پردے ڈال دئے ہیں۔

میرے آقا! ان لوگوں کے مشورے پر کان نہ دھرئے۔ اے میری اُمت! ان کی گمراہی کی پروا نہ کر۔ دستور، صرف خود غرضی کو روکتا ہے۔ بادشاہ کی صرف اتنی ہی آزادی سلب کرتا ہے کہ وہ رعیت کے معاملہ میں غلطی نہ کرے۔ اُتنا ہی اختیار چھینتا ہے، جتنے غیر معتدل اختیار سے شر پیدا ہوتا ہے۔ وہ قوم پر کوئی ایسا حکم نہیں لگاتا جو اُس کی عزت کے خلاف یا اُس کی سعادت کے منافی ہو۔ وہ دین کی حفاظت کرتا ہے۔ سلطنت کا نگہبان ہوتا ہے۔ حقوق کی ضمانت کرتا ہے۔ دلوں میں اطمینان اُتارتا ہے۔ ہر انسان کو آزاد اور شریف بنا دیتا ہے!

دستور ہمارے لئے یہ موقعہ بہم پہونچائے گا کہ تمام سلطنتوں سے اپنے تعلقات اور زیادہ بہتر بنادیں۔ یہاں، اس ملک میں اور یورپ میں، کون نہیں جانتا کہ ہمارے معاملات میں سفرا و دول کی مداخلت نے کتنا نقصان پہنچایا ہے؟ یہ لوگ برابر اصلاح، اصلاح چلاتے ہیں مگر سب کو معلوم ہے کہ اس مطالبہ سے اُن کا مقصد ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دینا ہے، یا اس سے اُن کی غرض بعض افراد کی خدمت ہے، یہ اور بھی زیادہ بُرا اور نقصان دہ ہے۔ لیکن دستور، ہماری حکومت ایسی مستحکم بنیادوں پر قائم کردے گا کہ کسی اجنبی کو مداخلت کی جرأت باقی نہ رہے گی۔ تمام رعایا اپنی حکومت کے ظل حمایت میں ہوگی۔ سب کو عدل و انصاف کے سایہ میں یکساں امن ملے گا۔ دستور کے سامنے سب آدمی برابر برابر ہوجائیں گے۔

میرے آقا! وقت آگیا ہے کہ اسلاف کی سلطنت کو آپ بچالیں۔ اس کی راہ میں ہمارے خون اور ہمارے آنسوؤں کی قربانیاں عظیم تھیں۔ اس کا ماضی، شاندار تھا، اُس کا حاضر، حسرتناک ہے۔ آہ! یہ حاضر خود اعلیٰحضرت کے رحیم قلب کے لئے کیسا کس درجہ تکلیف دہ ہے؟ ہمارے گرد ہر چیز ہمیں دھمکا رہی ہے۔ ہمارے ہاتھ کی ہر چیز گرتی اور ٹوٹتی جاتی ہے۔ اعلیٰحضرت کی دوربین نظریں یہ سارے خطرے دیکھ رہی ہیں۔ معاملہ، سنجیدہ اور واقعی ہے۔ خیال و توہم کی اسمیں گنجائش نہیں۔ آپکے پاس اتنی فوج موجود ہے کہ اجنبی ایندھن سے بھڑکنے والی سرکشی کی آگ، بجھادے سکتی ہے۔ لیکن اس فوج کے پاس نہ تو کھانا ہے کہ مفتوحین کا پیٹ پال سکے، نہ حکمت ہے کہ مغلوبوں کے دلوں میں اُتار سکے، اور نہ ہی امان ہے کہ خوف زدوں کو اپنے دائرہ حفاظت میں لے لے اور ظالموں کا ظلم روک سکے۔ آپ طماعوں کو اپنے ملک میں نئے نئے امتیازات دے کر فیصلہ کا دن دُور کرسکتے ہیں، لیکن آپ کی اس بخشش میں ہمارا حصہ کیا ہے؟ بہت ممکن ہے فیصلہ کے ہولناک دن میں ہم اسی بخشش کی بدولت اور بھی زیادہ کمزور، بے کس، اور فقیر ثابت ہوں۔

میرے آقا! ہر سال جو گزرتا ہے، ہمارے بیرونی مددگاروں کی تعداد کم کرتا اور ہماری داخلی زندگی کا ایک چراغ بجھا دیتا ہے۔ یہ آسٹریا ہمارے سامنے موجود ہے۔ اب وہ ہماری امداد کا ویسا خواہشمند نہیں رہا جیسا بارہ برس پہلے تھا۔ یہ آسٹریا، جرمنی سے شکست کھانے کے بعد مغربی ہونے سے زیادہ مشرقی سلطنت بن گیا ہے۔ اب وہ سلاوی قوموں سے تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے جو ہماری سرزمین میں مقیم ہیں۔ اس سے بھی زیادہ اندیشناک بات یہ ہے کہ یورپ کی عام رائے ہمارے برخلاف ہوگئی ہے۔ معلوم ہے وہ ہماری طرفدار تھی، مگر روز بروز ہم سے متنفر

سلطان محمود ثاني تک ترک اپني عظمت و سرگراني کي وجه سے علم و فن کي هر نئي بات کو نفرت کي نظر سے ديکھتے تھے - صرف توپ خانه اور طباعت کي چند اصلاحات منظور کي گئي تھيں - باقي تمام علمي و صناعي انکشافات سے غفلت و اعراض تھا - مشہور ترکي مورخ جودت پاشا نے اپني تاريخ ميں ترکوں کا ذهني جمود دکھايا هے - وه لکھتا هے که " رسمي احمد آفندي نے سلطان مصطفى ثالث کے زمانه ميں يورپ کي سياحت کي تھي - واپس آکر سلطان کے ايک مقرب خاص يوسف آفندي سے بيان کيا که دول يورپ اپنے ملکوں کے حفظان صحت پر بہت متوجه هيں - جا بجا قرنطينے قائم کيے گئے هيں - سلطنت عثمانيه کو بھي يہي کرنا چاهيے - لائق مصاحب نے يه سنکر پيشاني پر بل ڈال ليے اور کہا " ميں تمہيں ايک عقلمند سمجھتا تھا ' مگر تم سخت احمق نکلے ' تم اتنا ' بھي نہيں سمجھه سکتے که يورپ کے لوگ همارے ملک ميں صرف بيماريوں کے ڈر سے نہيں آتے - اگر هم حفظان صحت کا انتظام کر دينگے تو ظاهر هے ' يه روک اٹھه جائيگي ' اور يوروپين همارى سر زمين پر چيونٹي کي طرح پھيل جائينگے - پھر هم اُنھيں کيسے قابو ميں رکھه سکينگے ؟ "

يه بات نہيں هے که ترکي ميں کسي کو بھي اصلاح کا خيال نه تھا - خود سلطان مصطفى ثالث اور سليم ثالث اصلاح کے بڑے حامي تھے - مگر بالکل مجبور تھے - اصلاح کي سب سے بڑي مخالفت فوج اور عامة الناس کي طرف سے هوتي تھي - ينگ چري فوجوں کو حد سے زياده اقتدار حاصل هوگيا تھا ' سلطان اُنکے هاتھه ميں کھلونا تھا - يه فوجيں سخت جاهل اور گنوار تھيں - کسي طرح کي اصلاح ديکھنا نہيں چاهتي تھيں - عام رعايا سرکاري علماء کے هاتھوں ميں تھي ' اور معلوم هے که علماء دولت هر زمانه ميں اصلاح کے سب سے بڑے مخالف هوتے هيں - اصلاح کي هر صدا اِن علماء سوء کے مذهب ميں کفر و الحاد کي صدا تھي - وه ايک لمحه کيليے بھي گوارا نہيں کرسکتے تھے که علم کي ايک شعاع بھي ترکي کے آسمان پر چمکے -

سب سے پہلے سلطان محمود ثاني کو اصلاح کي توفيق ملي - يه سلطان بڑا هي اولوالعزم تھا - اُس نے ينگ چري فوجوں کا قتل عام کرکے خاتمه کرديا - اس کا اثر يه هوا که اُس کي هيبت دلوں پر چھاگئي ' اور علماء دولت بھي باوجود اپني تمام سرکشيوں کے لرزنے لگے - اِس سلطان نے اصلاح کے لئے اپني سلطنت کے دروازے کھول دیے اور فوج کا نظام بالکل جديد کر ديا - عام ترکي لباس بھي ترک کر ديا گيا - اور خود سلطان نے نيا فوجي لباس پہنکر اس کي ابتدا کردي - مگر افسوس هے که اب بہت دير هوچکي تھي - يورپ ترو تازه هوکر از سر نو ترکي کي تباهي پر تل گيا تھا ' اور هرگز نہيں چاهتا تھا که يه پرانا حريف از سر نو طاقت حاصل کرلے - چنانچه ترکي کي ماتحت عيسائي اقوام سے بغاوت کرائي گئي ' اُن کي حمايت و حفاظت کے ليے مداخلت کا مطالبه کيا گيا ' اور بين الاقوامي سياست ميں " مسئلۂ مشرق " کے نام سے ايک جديد لفظ کا اضافه هوگيا ' جس سے مقصود صرف يه تھا که ترکي کا خاتمه کر ديا جاے -

يه تاريخي واقعه هے که سلطان محمود اور اُن کے بعد سلطان عبد المجيد نے اصلاحات عام کرنے کي سر توڑ کوششيں کيں ' شيخ الاسلام احمد عارف آفندي نے تمام قلمرو ميں دوره کرکے مسلمانوں کو سمجھانا شروع کيا که اصلاحات شريعت کے خلاف نہيں هيں ' اور انہيں نفرت و وحشت کي نظر سے نہيں ديکھنا چاهئے - اِس طرح تمدني اصلاحات کي راه ميں کوئي ' بھي اندروني رکاوٹ باقي نہيں رهي تھي - ليکن خود يورپ ' جو هميشه اصلاحات کے ليے غل مچايا کرتا تھا ' سد راه هوا - لا متناهي جنگوں کا سلسله شروع کراديا گيا ' اور ترکي کے مدبرين اور خزانه کو اصلاح کي ذرا بھي مہلت نہيں دي گئي - اس طرح ۶۸ سال کا زمانه نکل گيا -

زنجي تحريک حريت

کچھه عرصه سے افريقا کے زنجيوں ميں آزادي کي تحريک پھيل رهي هے - اِس کا مرکز جمہوريه " ليبريا " ميں هے - مرقص گاروي صدر انجمن " آزادي جنس زنجي " نے اعلان کيا هے که نصف صدي کے اندر اندر افريقا کے سياه آدمي اِس قابل هو جائيں گے که اپنے اوپر خود حکومت کرنے لگيں اور پورے افريقا کي متحده جمہوريت قائم کرليں - صدر نے کام کي موجوده مشکلات کا اعتراف کرتے هوئے کہا هے : هم في الحال تقرير و تحرير کے ذريعه پروپگنڈا نہيں کرسکتے - کيونکه باشندوں ميں تعليم مفقود هے - ليکن همارے پاس ايک معقول ذريعه موجود هے ' اور وه " ڈھول " هے - هم ڈھول پر اپني دعوت ايک قبيله سے دوسرے قبيله تک پہنچاديتے هيں اور باشندے اُسے قبول کرتے جاتے هيں -

(پارليمنٹري گالياں)

پارليمنٹوں ميں هميشه تعليم يافته آدمي بيٹھتے هيں - با ايں همه اُن کي گاليوں کا ايک نمونه ملاحظه هو :

سروِيا کي پارليمنٹ کے ايک ممبر نے ايک مقرر کو مخاطب کرکے کہا : " چرس پينے والے ! مرده کھوپڑيوں کے سوداگر ! حريت کے قاتل ! " جرمن پارليمنٹ ميں ايک ممبر نے دوسرے سے کہا : " تو سڑا هوا سور هے ! تو کيڑے پڑا هوا جسم هے ! تو ديوانوں کا بادشاه هے ! "

" تو بوئر يهودي هے ! تو قانون کا تاجر هے ! تو آئرلينڈي شکاري کي رسي هے ! تو کرامول کے زمانه کا سڑا هوا چيتھڑا هے ! " يه انگريزي پارليمنٹ ميں ايک ممبر کا بيان تھا !

بریدِ شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

قصر یلدیز کے ہوٹل کی بندش - مجلس کے انتخابات - ایک نئی سازش - ترک اور افغان - ٹرکی اور ایران

قصر یلدیز کے ملعب کی بندش

آپ کے قارئین، قصر یلدیز کے نام سے نا آشنا نہ ہونگے۔ یہی وہ محل بلکہ قلعہ ہے جس میں بیٹھ کر سلطان عبد الحمید ثانی نے کامل ۳۳ سال تک ایسے استبداد و قہر کی حکومت کی، جو موجودہ دُنیا کی تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی!

یلدیز، باسفورس کے یورپی ساحل پر واقع ہے۔ اُس کا پہلا پھاٹک بالکل لب سمندر ہے۔ یہاں سے صنوبر کے گھنے اور خوبصورت جنگل شروع ہوجاتے ہیں۔ انہیں طے کرکے محل تک پہنچنے کے لئے تیز موٹر کار میں بھی کم سے کم پندرہ منٹ صرف ہوتے ہیں۔ بہت بلندی پر محل، مستحکم قلعہ کی طرح کھڑا ہے۔ پہلے اُس کے گرد میلوں تک، مورچے اور قلعہ بندیاں تھیں

اُس زمانے میں یلدیز کا نام ترکوں کے دل لرزا دیتا تھا۔ یلدیز کا نام لینا، یلدیز کا ذکر کرنا، یلدیز کا لفظ تحریر میں لانا، یلدیز کی طرف نظر اُٹھانا، یہ سب باتیں انسان کو حکومت کی نظر میں مشتبہ کردینے کے لئے کافی تھیں۔ اُس وقت بڑے بڑے حکّام کے سوا، کسی ترک کے وہم میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اندر سے یلدیز کی کبھی جھلک دیکھ لے سکتا ہے!

۳۳ سال کے بعد یلدیز کا یہ طلسم ٹوٹا۔ سلطان محمد خامس مرحوم کے زمانے میں اُس کی وہ ہیبت باقی نہیں رہی۔ لیکن عوام کے لئے اُس کا داخلہ اب بھی ناممکن تھا۔

وحید الدین محمد سادس، آخری عثمانی سلطان کے زمانے میں پھر یلدیز نے اپنا رعب واپس لینا شروع کردیا تھا۔ یہ سلطان، اپنے بھائی عبد الحمید کی سی طبیعت رکھتا تھا، اور اُسی جبروت سے حکومت کرنی چاہتا تھا۔ مگر زمانے کے انقلابات نے اُسے مہلت نہ دی اُسے تخت سلطنت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجانا پڑا۔

آخری خلیفہ سلطان عبد المجید کے مختصر عہد میں یلدیز کی تمام ہیبت زائل ہوگئی۔ جمہوریت نے آتے ہی اُس کے دروازے عام مخلوق کے لئے کھول دئیے۔

جمہوری حکومت نے یہ محل آستانہ کی بلدیہ (میونسپلٹی) کو دے دیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ اس طرح استعمال میں لایا جائے کہ شہر کے باشندوں کی خوشحالی میں ترقی ہو۔ اور اُس کے قیام و مصارف کا بار خزینۂ حکومت پر نہ پڑے۔ اُسی زمانے میں ایک اٹالین سرمایہ دار مارکو سیرا نامی نے درخواست پیش کی کہ یہ محل اُسے کرایہ پر دیدیا جائے۔ وہ اس میں ہوٹل اور ملعب (تفریح کی جگہ) قائم کرے گا، اور ایک معقول رقم حکومت کو دیا کرے گا۔ ترکی حکومت نے یہ تجویز اس شرط پر منظور کرلی کہ ترک باشندوں کو اُس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اُس کے قیام کا اعلان دنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں میں کردیا جائے۔ حکومت کا خیال تھا کہ اس طرح ترک، اسراف سے بچ جائیں گے اور دوسرے ملکوں کے دولت مند یہاں آکر اپنی دولت بہائیں گے۔ اور اس طرح شہر کو وہ عظیم مالی فوائد حاصل ہوں گے جو اس وقت تک صرف یورپ کے بڑے بڑے شہروں کو حاصل ہورہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ارکان حکومت کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اُنھوں نے معاملہ کا صرف ایک ہی پہلو دیکھا، اور تمام پہلو نظر انداز کردیئے۔

بہرحال اٹالین نے شرائط منظور کرلیں، اور افسوس ہے کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ ترکی سلاطین کے پایۂ تخت میں لہو و لعب کا یہ عظیم الشان مرکز قائم ہوگیا!

ٹھیکہ کی باقی شرطیں یہ تھیں کہ ماہوار کرایہ کے علاوہ بلدیہ کو ہوٹل کی آمدنی سے بھی فی صدی ایک معقول رقم دیجائے گی۔ چنانچہ بلدیہ نے پہلی قسط ۳۵،۰۰۰ (ترکی پونڈ) کی ہوٹل کی آمدنی سے وصول کئے اس کے مقابلہ میں سرمایہ دار کو ۱۰ لاکھ ترکی پونڈ نفع ہوا۔

تقریبًا ۷ مہینے یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس تمام مدت میں بلدیہ کو برابر شکایت رہی کہ کرایہ دار معاہدے کی شرطیں پوری نہیں کررہا ہے۔ ترکی اخبارات میں روز مضامین شایع ہوتے تھے اور اعداد و شمار سے دکھایا جاتا تھا کہ اس ملعب سے ترکی قوم کی کتنی دولت ضائع ہورہی ہے؟ بجائے اس کے کہ یورپ کے سرمایہ دار یہاں آکر اپنی دولت صرف کریں، خود ترکوں کی دولت برباد کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ ہوٹل میں علانیہ قمار کھیلا جاتا تھا، اور اس کا شوق ترکوں میں بھی پھیلنے لگا تھا۔ دُنیا کی یہ شریف ترین قوم اب تک قمار کے مہلک مرض سے محفوظ تھی، لیکن اس اٹالین سرمایہ دار کی زرپرستی اور ارکان حکومت کی ناعاقبت اندیشی نے اس سے ترکوں کو بھی آشنا کردیا!

ایک طرف یہ بربادی پھیلی ہوئی تھی، دوسری طرف یورپ کے دولتمندوں نے گویا اس کا مقاطعہ کررکھا تھا۔ اول تو کرایہ دار نے اس مرکز کا یورپ کے مراکز تفریح میں اعلان ہی نہیں کیا، کیونکہ اُس نے دیکھا، مقامی آبادی ہی اُس کی مطلب برآری کے لئے کافی ہے پھر یہ بھی ہوا کہ قومی تعصب کی وجہ سے دوسری قوموں کے دولتمند، لندن، پیرس، برلن کو چھوڑ کر اپنی دولت ترکوں میں خرچ کرنا پسند نہیں کرتے تھے

الحمد للہ کہ ۱۱ ماہ کی غفلت کے بعد اب حکومت متنبہ ہوئی اور اُس نے فیصلہ کرلیا کہ اس عظیم خطرے کا سدباب کردے۔ چنانچہ کل رات کو کمشنر نظیف بک پولیس کی ایک بڑی جمعیت لے کر محل یلدیز میں گھس پڑے۔ قمار خانے میں داخل ہوئے۔ وہاں بازیاں لگ رہی تھیں۔ حاضرین میں ایک اچھی تعداد ترکوں کی موجود تھی۔ ایک ترک طالب علم بھی موجود تھا۔ لوگ اسے آسمانی بلا سمجھ کر بھاگنے لگے۔ مگر کمشنر نے ڈپٹ کر کہا:

"کھیل ختم ہوگیا۔ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے!"

چنانچہ سب مبہوت کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ فورًا اُن کے نام لکھے گئے۔ بازی کی رقمیں جمع کی گئیں۔ کل ۲،۷۰۰ پونڈ تھے۔ پھر قمار خانے کا صندوق ضبط کیا گیا۔ اُس میں ۴،۰۰۰ پونڈ تھے۔ ایک شخص اتنی ہی رقم لئے بھاگ رہا تھا، اُسے بھی گرفتار کیا گیا۔ پھر محل کے تمام دروازے مقفل کردئیے گئے اور محافظ پھاٹکوں پر کھڑے ہوگئے۔

اس واقعہ کے بعد کمشنر نے حسب ذیل بیان شائع کیا:

"حکومت نے صرف اس بات کی اجازت دی تھی کہ اجنبی لوگ یلدیز میں اپنا ملعب قائم کریں تاکہ اس سے شہر کو مالی منفعت حاصل ہو لیکن مارکو سیرا نے معاہدے کی پابندی نہیں کی اور اُسے شہر کے لئے ایک نہایت خطرناک قمار خانہ بنا دیا۔ جسے کسی حال میں بھی حکومت گوارا نہیں کرسکتی۔ مجبورًا حکومت نے فیصلہ کرلیا کہ معاہدہ منسوخ کردے اور قوم کو اس مصیبت سے نجات دلائے"

اس طرح ترکوں کو یلدیز کی مصیبت سے دوبارہ نجات مل گئی۔

مجلس کے انتخابات

مجلس (پارلیمنٹ) کے انتخابات ختم ہوگئے۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی پوری جماعت انتخابات میں کامیاب ہوگئی۔ کسی دوسری جماعت کا ایک آدمی بھی نئی مجلس میں نہ ہوگا۔ تمام کرسیاں "خلق فرقہ سی" کے آدمیوں ہی کے قبضہ میں رہیں گی۔

اس کامیابی پر غازی ممدوح نے قوم کے نام ایک اعلان شائع کیا ہے۔ اُس میں لکھتے ہیں:

"میرے عزیز برادران وطن نے اپنی متفقہ رائے سے ثابت کردیا کہ وہ ہماری سیاسی جماعت پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اُس کی گزشتہ خدمات بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں، اور اُس کے آئندہ مسلک کو مفید یقین کرتے ہیں۔ یقینًا اُن کا یہ اعتماد، ہمارے لئے بہت ہمت افزا ہے۔ اُس نے ہمیں مستقبل کی تعمیر کے لئے پہلے سے بھی زیادہ قوت بخش دی ہے"

بلاشبہ یہ کامیابی ہے۔ لیکن اس میں ایک پہلو ایسا بھی موجود ہے جو ہر شخص کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے، جیسا کہ پچھلے مکتوب میں لکھ چکا ہوں کہ موجودہ انتخابات میں اس جمہوری جماعت کے سوا کوئی دوسری جماعت شریک ہی نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا ہر حال میں یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ اس جماعت کے امیدوار منتخب ہوجائیں اسے کوئی ایسی کامیابی نہیں کہہ سکتے جو مقابلہ کے بعد حاصل ہوتی ہو۔

یہ اہم پہلو، خود انگورہ کے نیم سرکاری اخبار "حاکمیت ملت" کو بھی زیر بحث لانا پڑا۔ وہ اپنے مقالۂ افتتاحیہ میں لکھتا ہے:

"دوسرے ملکوں میں انتخابات، مختلف ذہنی مذاہب (اسکول) یا مختلف طبقوں کے ذاتی منافع کی بنا پر مہیا کرتے ہیں۔ انہیں دونوں سببوں سے مختلف سیاسی جماعتیں قائم ہوجاتی ہیں۔ اور ان میں سے ہر جماعت برسر اقتدار آنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن ٹرکی میں یہ صورت حال نہیں ہے۔ یہاں اب تک ایسے طبقے موجود نہیں ہیں جن کے مفاد مختلف ہوں۔ ٹرکی میں سرمایہ داروں، مزدوروں، اور متوسط الحال لوگوں کی جماعتیں موجود نہیں ہیں۔ یہاں صرف ایک ہی قوم ہے، اور تمام باشندے مشترک مفاد و اغراض رکھتے ہیں"۔

"بلاشبہ حالت امن میں یہاں بھی دو فکری رجحان پیدا ہوجاتے ہیں: ایک گروہ کا فکری رجحان یہ ہوتا ہے کہ ملک کی نجات و سلامتی ماضی میں، ماضی کی تقلید میں، اور قدیم رسم و رواج کی پابندی میں ہے۔ دوسرے گروہ کی رائے میں کامیابی تمام تر اصلاح و تجدد میں ہے پہلے گروہ میں عامۃ الناس اور غیر تعلیم یافتہ اشخاص داخل ہیں دوسرا

جاتی ہے۔ اگر اعلیٰ حضرت، مہربانی فرما کر پرس، لندن، اور روم کے اخبارات پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائے گا کہ جو قومیں اپنی مصلحت سے ہماری مدد کیا کرتی تھیں، اب وہ ہماری تباہی کا یقین کرنے لگی ہیں۔ انگلستان، فرانس، اور اٹلی کے بہت سے مدبر ہمارے حکام کی حرکتیں دیکھ کر اور رعایا پر ظلم وستم مشاہدہ کر کے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اعلان کرنے لگے ہیں۔ "یہ حکومت ہرگز اپنی اصلاح نہیں کر سکتی۔ اس کا زوال یقینی ہے ہم بھی اُسے چھوڑ دیں۔ اُس کی موت جلد واقع ہو جانے دیں!"

میرے آقا! ہمیں ان پیشین گوئیوں کی تکذیب کر دینی چاہئے لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ اپنی حکومت میں تبدیلی کریں۔ یہ تبدیلی ضرور بہتر ہوگی، کیونکہ اعلیٰ حضرت کے ارادے اور حکم سے ہوگی۔ ہم فرانس، انگلستان اور اٹلی پر ثابت کر دیں کہ نہ ہماری قومیت نے ہمیں اس کمزوری اور فساد میں گرا رکھا ہے، نہ یہ ہمارے مقدس دین ہی کا اقتضا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہم مر چکے ہیں! ہم زندوں کی طرح عمل کر کے دکھا دیں کہ نہیں مرے نہیں ہیں، زندہ ہیں!

میرے آقا! ہم پہلی قوم نہیں ہیں جس کی زمانے نے یورش کی ہے۔ اُنکی ہر خوبی بگاڑ ڈالی ہے، اور اُس کے تمام قویٰ کمزور کر ڈالے ہیں۔ ہم آخری قوم بھی نہیں ہونگے جس کی ایسی زبوں حالت ہوئی ہے۔ یورپ میں بھی بہت سی ایسی قومیں ہیں جن پر زمانہ اپنی تمام مصیبتوں کے ساتھ ٹوٹ پڑا ہے اور اُن کا حال بھی بالکل ہمارے جیسا ہو گیا ہے۔ میں اعلیٰحضرت کے روبرو عرض کر چکا ہوں کہ گزشتہ صدی میں فرانسیسی قوم کس قدر تباہ ہو گئی تھی۔ کس طرح اُس کی صنعت وحرفت برباد ہو گئی تھی۔ کس درجہ اُس کی ثروت کمزور ہو گئی تھی کہ ہر دس سال کے بعد دیوالیہ ہو جایا کرتی تھی۔ کس طرح اُس کے تمام طبقوں پر ظلم ہو رہا تھا، حتیٰ کہ اُس وقت کے ایک مدبر نے لوئی یانزدہم سے کہدیا تھا، "آپ کی سلطنت میں کوئی نہیں جو اپنی عزت پر فخر کرے اور وزیر کے انتقام سے بچ جائے۔ کوئی نہیں جو اپنی بدحالی پر صبر شکر کرے اور ایک حقیر چپراسی کے غصہ سے بھی بچ نکلے!" اُس ملک میں حکومت کا کوئی رعب دبدبہ باقی نہ رہا تھا۔ اُس کے سامنے عمل کی تمام راہیں بند ہو گئی تھیں۔ حواس گم ہو گئے تھے روز ایک نئی روش اختیار کرتی اور بدلتی تھی۔ جنگ ہفت سالہ کے بعد تو فرانس گر کر تیسرے درجے کی دوَل کے زمرے میں شمار ہونے لگا تھا۔ لیکن اُسنے پھر بہت جلد اپنی اصلی جگہ حاصل کر لی۔ چند ہی سال میں اس کی تمام برباد قوتیں واپس آ گئیں حتیٰ کہ اُس کی فوجوں نے پورے یورپ کی متحدہ یلغار روک دی۔

یہ حیرت انگیز کامیابی فرانس نے کیونکر حاصل کی؟ صرف اس وجہ سے کہ اُسنے حکومت کے بوسیدہ نظام کی جگہ ایک نیا وسیع پر در نظام قائم کر دیا تھا۔ بلاشبہ یہ شاندار تبدیلی مصائب سے خالی نہ تھی۔ بہت سا خون بہا، بہت سے آنسو گرے۔ مگر یہ مصائب کچھ اس تبدیلی کا لازمی نتیجہ نہ تھیں۔ ان مصائب کی اصلی وجہ یہ تھی کہ تبدیلی اُس وقت واقع ہوئی جب اُس کے لئے ذرا بھی وقت باقی نہ رہا تھا۔ بالکل آخری لمحہ تھا وہ لمحہ جس میں اگر قومیں اُٹھ پڑتی ہیں، تو اُن کا اُٹھنا بڑا ہی ہولناک ہوتا ہے۔

میرے آقا! ایک فرانسیسی قوم ہی ایسی نہیں ہے جو اپنے مصائب سے صحیح سالم نکل آئی ہو۔ فرانس کے علاوہ اور بھی ایسی قومیں موجود ہیں۔ ریاست پیمونٹی (اٹلی) کے نواب نے آرزو کی کہ عظیم الشان اطالین قوم کا بادشاہ ہو جائے۔ وہ بادشاہ ہو گیا! کیونکر؟ اُسنے کوئی فوج جمع نہیں کی، کوئی رسالہ طیار نہیں کیا۔ اُسنے صرف یہ کیا کہ قوم کو ایک آزاد دستوری حکومت بخش دی۔ اس بخشش کے ساتھ ہی اُس کی فتوحات شروع ہو گئیں۔ زمین کی فتوحات نہیں جن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، دلوں کی فتوحات جو دنیا کی حقیقی فتوحات ہیں۔ وہ پورے اٹلی کے دلوں اور عقلوں پر قابض ہو گیا! مرتے وقت اُسنے تبسم لبوں سے پیشین گوئی کی تھی "میرے بیٹے وکٹر عمانویل کی سلطنت کا رقبہ میری ریاست کے رقبہ سے تین گنا زیادہ ہوگا" دُنیا نے دیکھ لیا کہ بوڑھے نواب کی پیشین گوئی بالکل حق تھی، یہ کیوں ہوا؟ صرف اس وجہ سے کہ دانشمند حکمران نے ٹھیک وقت پر آزادی کا لفظ اپنی زبان سے کہا تھا، وہ لفظ جو اپنے تین حرفوں میں دنیا کی تمام سعادتیں اور کامرانیاں پوشیدہ رکھتا ہے!

میرے پاس اس سے بھی زیادہ روشن اور صاف مثالیں موجود ہیں اور اس کی مستحق ہیں کہ اعلیٰ حضرت اُن پر نظر غائر ڈالیں۔ لیکن میں اس عریضہ میں اُن سب کا ذکر نہیں کر سکتا۔ میں آسٹریا کا ذکر کروں جو اپنی دستوری آزادی کے سہارے وقت کے عظیم خطروں سے محفوظ گزر رہی ہے؟ یا روشیا کا ذکر کروں جو ابھی کل کی بات ہے کہ اپنی تہذیب کی بدولت میدان جنگ سے فتحمند نکلی ہے؟ لیکن مجھے زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ میں جس قدر عرض کر چکا ہوں، اعلیٰ حضرت کو مطمئن کرنے کے لئے کافی ہے۔

اعلیٰ حضرت! قوموں کی آزادی اُن کا حق ہے۔ اُن کی امانت ہے۔ اُن کا ورثہ ہے۔ اور حکومتوں کا فرض ہے کہ اس امانت کے سپرد کر دینے میں تساہل نہ کریں۔ یہ سپردگی ان کی قوت بڑھاتی ہے اور انھیں ہر طرح کے خطروں سے محفوظ کر دیتی ہے۔ آج دنیا کی تمام حکومتیں اس امانت کی سپردگی پر مجبور ہو گئی ہیں۔ کونسی وجہ ہے کہ عثمانی حکومت اس عام اجتماعی حالت سے مستثنیٰ تصور کر لیا جائے؟ کیا ترکی قوم زمرۂ اقوام میں شامل نہیں ہے؟

پھر ایسا کیوں ہو؟ کیا اس لئے کہ ہمارا دین ہمیں ترقی وسعادت سے محروم رکھتا اور تمدن وشائستگی سے دُور رکھنا چاہتا ہے؟ میرا جلیل القدر آقا مجھ سے زیادہ واقف ہے کہ ایک لمحہ کے لئے یہ گمان صحیح نہیں ہو سکتا۔

میرے آقا! اس دنیا میں دو سیاستیں نہیں ہیں: اسلامی اور مسیحی۔ عدل ایک ہی ہے، اور سیاست اُس عدل کے سوا کچھ نہیں جو حاکم کے ہاتھ سے صادر ہوتا ہے۔

یہ ہمارا دین نہیں ہے بلکہ ہمارا قدیم نظام ہے جو ہمیں فنا کر رہا ہے۔ اُس نے ہمارے مدبروں کی طبیعت بگاڑ دی اور اُن کی خودداری زائل کر دی پھر ان مدبروں نے سلطنت کی طبیعت بگاڑ دی اور اُس کی عزت تلف ہو گئی۔ پس ہمیں یہ نظام ترک کر دینا چاہئے اور اُس کی طرف کبھی لوٹنا نہیں چاہئے۔ اس نظام کے بوجھ کے نیچے اُمت بڑی سسک رہی ہے۔ یہ نظام حملہ آور دشمن سے ہمیں کبھی پناہ نہیں دے سکتا۔ ہمیں وہ نظام اختیار کرنا چاہئے جو عدل ومساوات اور حریت صادقہ کا نظام ہے، اور جس کا خاصہ یہ ہے کہ جہاں کہیں قائم ہو جاتا ہے وہاں قوموں کو ہاتھ پکڑ کر اُٹھا دیتا ہے اور عظمت کے محل طیار کر دیتا ہے۔

کیا ہمارے لئے یہ زیبا ہے کہ وہ صوبے جو ابھی حال ہی میں ہم سے جدا ہوئے ہیں اور جنھیں اپنے خون یا دین کے لحاظ سے ہم پر کوئی ترجیح حاصل نہیں، آزاد نظام حکومت کا خیر مقدم کریں، اور ہم پس وپیش میں پڑے رہیں؟ کیا آپکی سلطنت میں ایسے سچے اور مخلص محب وطن موجود نہیں ہیں جیسے مصر، ٹیونس، مولڈاویا، رومانیہ، اور سرویہ میں ہیں؟ کیوں نہیں ضرور ہیں۔ اُنھیں بلائیے، وہ سر کے بل دوڑ کر آئیں گے۔ ہر شہر میں رعایا کی پسند سے ایک گروہ منتخب کیجئے، وہ آپکے سامنے رعیت کے معاملات بے نقاب کر دے گا، اور پھر وہ راہ عمل باز ہو جائے گی جس کی جانب حضور کی ابوی شفقت کا رجحان ہے۔ اس کے بعد اپنے شاہانہ ارادے سے رعایا کے نمائندوں کو اپنی سلطنت کے مرکز میں جمع کیجئے۔ وہ عرش اعظم کے روبرو رعیت کی ضرورتیں پیش کرینگے اور عتبۂ عالیہ تک اُس کی آرزوئیں پہونچائیں گے۔

ایک طبیب کہا کرتا تھا "مجھے ایک گز کپڑا دو، میں تھیں ایک شریف آدمی دے دوں گا"۔ اے میرے آقا آپ بھی اپنی سرپرستی میں حقوق عطا کر کے اپنی رعایا کو محنتی، اولوالعزم، اور زندہ بنا دے سکتے ہیں۔ وہ آزادی کی بخشش پر حضور کی شکر گذار ہوگی، ظلم اُٹھ جانے پر دعائیں دے گی۔ آپ کی خدمت کے لئے اپنی جانیں قربان کرے گی۔ آپ کی، اپنی اور سلطنت کی بھلائی کے لئے کوشش کرے گی۔ اُس کی عقل درست ہو جائے گی۔ اُس کا نفس پاک ہو جائے گا، اور اس طرح وہ اسلاف کی فضیلتیں دوبارہ حاصل کر لے گی۔ جب خطرے کا بگل بجے گا، تو وہ ہتیلیوں پر سر لے کر دوڑے گی، عرش معظم کے گرد جمع ہو جائے گی، اور اعلیٰحضرت کی نصرت میں خوش وخرم موت کا خیر مقدم بجا لائے گی کیونکہ وہ سمجھے گی، اُس کی تمام سعادتوں کا ضامن سرچشمہ یہی عرش مبارک ہے۔

میں یہاں اس دستوری نظام حکومت کی تشریح کرنی نہیں چاہتا جسے میں ملک کی قابلیت، اخلاق، اور روایات کے مطابق دیکھنے کا متمنی ہوں۔ میں عنقریب یہ دستور اعلیٰ حضرت کے حضور میں پیش کر دوں گا۔ اسے میں نے اور میرے رفقا نے ترتیب دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے علم میں یہ حقیقت پہلے سے موجود ہے کہ میں صاحب غرض نہیں ہوں۔ مجھے نہ کسی منصب کی طلب ہے نہ کسی عطئے اور بخشش کی آرزو۔ میری غرض صرف اس قدر ہے، اور میں بلند آہنگی سے اُس کا اعلان کرتا ہوں، کہ اعلیٰ حضرت کے روبرو سلطنت کی عظیم اکثریت یعنی مسلمانوں اور مسیحیوں کی آرزو رکھ دوں۔ یقیناً جلاوطنی کی تمام تلخیاں مجھ پر آسان ہو جائیں گی اگر ذات شاہانہ کے سامنے حقیقت عیاں پیش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت سلطان معظم! سب سے پہلے خود اپنے ضمیر طاہر کی طرف رجوع کیجئے کہ وہ اس زمانے میں آپ کا کیا فرض بتاتا ہے، جبکہ آپ کی رعیت حیرت میں پڑ گئی ہے اور پورے معنی میں تباہ ہو رہی ہے؟ یہ ایک جلیل القدر عمل ہے۔ اسے وہی انجام دے سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عزم شہامت کا وصف عطا فرما دیا ہے۔ جو کوئی بھی یہ عمل عظیم انجام دے گا، تاریخ اُس کا نام ہمیشہ یاد رکھے گی اور تمام مخلوق اُس کا نام عزت وشکر گزاری کے ساتھ لیتی رہے گی!

میرے آقا! اگر زمانے نے حضور والا کو وہ شرف نہیں بخشا جو آپکے اجداد کے حصے میں آیا تھا، یعنی آپ کے ہاتھوں اس عظیم سلطنت کی بنیاد نہیں پڑی، تو زمانے نے یہ شرف آپکے لئے محفوظ رکھ چھوڑا تھا کہ اس سلطنت کی عظمت رفتہ دوبارہ واپس لانے کا کام آپ ہی کے دست مبارک سے انجام پائے۔ تمام صادق محبان وطن بلکہ آپ کی کروڑوں مسلمان اور مسیحی رعایا کی آوازیں اس دعوت میں میری شریک ہیں کہ حضور اس عمل عظیم واشرف کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت ہی اُس کے اہل ہیں۔ یہ شرف حضور کے اسم گرامی کو اُن عظمائے تاریخ کے بلند ناموں کی صف میں لکھ دے گا جن کی تمام مخلوق تعظیم کرتی اور جن کی عظمت کے راگ تمام قومیں گا رہی ہیں"

مصطفےٰ فاضل۔ سنہ ۱۸۶۶ء

خط وکتابت

میں

اپنا نمبر ضرور لکھا کیجئے جو ہر ہفتہ رسالہ کی چٹ پر آپکے نام کے ساتھ درج ہوتا ہے۔

منیجر

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزائے قتل

ایک جویائے حق کے خط کے جواب میں

(۲)

یہاں تک میں نے جو کچھ لکھا، وہ اس باب میں ایک اصولی بحث تھی۔ میں نے ابھی اس طرف توجہ ہی نہیں کی ہے کہ جن باتوں کا آپنے ذکر کیا ہے اُن کی اصلیت کیا ہے اور وہ فی الحقیقت اسلام کے احکام ہیں یا نہیں؟ میں صرف یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ صورت حال کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن آپکا طریق نظر صحیح نہیں ہے۔ آپ اسلام کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے بعد محض اس وجہ سے اپنے آپ کو "شک و شبہ" کے حوالے کر دیتے ہیں کہ "دوسرے مسلمانوں" کا فہم و عمل اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ "دوسرے مسلمانوں" کا یہ بیان کردہ فہم و عمل فی الحقیقت خلاف ہے یا نہیں؟ اس سے بھی ابھی کوئی بحث نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک جویائے حقیقت انسان جس کا مقصد جنگ و نزاع نہیں بلکہ سچائی کی طلب تحقیق ہے، کیوں راہ تحقیق میں اصل تعلیم چھوڑ کر لوگوں کے فہم و عمل سے متأثر ہو، اور اس کی وجہ سے "شکوک و شبہات" میں مبتلا ہو جائے!

بہ حیثیت ایک طالب حق و صداقت کے یہ بات پیشتر سے آپ کے علم میں ہونی چاہئے کہ مذاہب کی تعلیم اور پیروان مذاہب کا فہم و عمل دو مختلف چیزیں ہو گئی ہیں۔ ایک چیز نہیں ہیں، اور اس لئے اگر اس طرح کا کوئی اختلاف آپکے علم میں آیا ہے، تو یہ کوئی نیا انکشاف نہیں ہے جس سے آپ حیران و سراسیمہ ہو جائیں، بلکہ پیشتر کی سمجھی بوجھی ہوئی بات کا ایک مزید معائنہ اور تجربہ ہے۔ تجربہ شک و شبہ کا باعث کیوں ہو؟ اس سے تو آپکے علم و یقین میں اور زیادہ اضافہ ہونا چاہئے؟

دعوت قرآنی کی بنیادی اصل

یہ موقعہ زیادہ تفصیل و بحث کا نہیں ہے ورنہ میں آپ کو بتلاتا کہ جستجوئے حقیقت اور معرفت صداقت کی یہی وہ بنیادی اصل ہے، جس کی اب سے تیرہ سو برس پہلے قرآن حکیم نے نوع انسانی کو دعوت دی تھی۔ دراصل قرآن کی ساری تعلیم اسی اصل کی شرح ہے۔ قرآن جسوقت نازل ہوا، اُس وقت دُنیا میں مذاہب کے پیرؤں کی کمی نہ تھی، لیکن مذاہب کی حقیقت گُم ہو چکی تھی۔ اُسی طرح گم تھی جس طرح آج بھی گم ہے۔ مذاہب کے پیرؤں کی بے شمار جماعتیں قائم تھیں، اور ہر جماعت صرف اپنے ہی کو سچائی کی وارث اور ہر دوسری جماعت کو سچائی سے محروم یقین کرتی تھی۔ سچائی کی راہ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے قرآن کے لیے بہ ظاہر دو ہی طریقے ہو سکتے تھے: یا تو تمام پیروان مذاہب کی تصدیق کرے یا سب کی تکذیب کرے۔ سب کی تصدیق کی نہیں جا سکتی تھی کیونکہ ہر ایک کا دعویٰ دوسرے سے متضاد تھا۔ ہر جماعت نہ صرف اپنی صداقت کی مدعی تھی، بلکہ دوسرے کے بطلان کی بھی مدعی تھی۔ اس لئے سب کی تصدیق کے معنی یہ تھے کہ سب کو بہ یک وقت حق اور باطل، دونوں تسلیم کر لیا جائے۔ اسی طرح سب کی تکذیب بھی صداقت کے خلاف تھی۔ کیونکہ اس صورت میں دُنیا کا مذہبی صداقت سے خالی ہونا لازم آتا تھا، اور انسان کی روحانی ہدایت و تربیت کی تمام بُنیادیں منہدم ہو جاتی تھیں۔ پس اُسنے اِن دونو طریقوں میں سے کوئی طریقہ بھی اختیار نہیں کیا۔ ایک تیسری راہ اختیار کی۔ اُسنے کہا، دُنیا کے تمام مذاہب حق ہیں، لیکن دنیا کے تمام پیروانِ مذاہب حق سے منحرف ہو گئے ہیں۔ جس قدر بھی گمراہی ہے، جس قدر بھی اختلاف ہے، جسقدر بھی دعوؤں کی لڑائی اور جماعت بندیوں کا تصادم ہے، پیروان مذہب کے فہم و عمل میں ہے۔ مذاہب کی تعلیم میں نہیں ہے۔ اگر پیروان مذہب کا یہ انحراف دُور ہو جائے جو حق نہیں ہے، تو ہر جماعت کے پاس وہ چیز باقی رہ جائے گی جو صرف حق ہے، اور چونکہ وہ حق ہے، اس لئے نہ تو اُس میں ایک راہ سے زیادہ کی گنجائش ہے۔ نہ کسی طرح کے اختلاف و نزاع کا امکان۔ یہی مذاہب عالم کا "مشترک حق"، دنیا کی عالمگیر روحانی صداقت ہے، اور اسی کو قرآن نے اپنی زبان میں "اسلام" اور "صراط مستقیم" سے تعبیر کیا ہے:

قولوا امنا بالله وما انزل	سچائی کی راہ یہ ہے کہ کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے
الینا، وما انزل الی ابراہیم	ہیں اور اُس سچائی پر ایمان لے آئے ہیں جو
واسماعیل ویعقوب والاسباط،	ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے۔ نیز اُن تمام مذہبی
وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ، وما	صداقتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ابراہیم پر نازل
اوتی النبیون من ربہم، لا	ہوئیں، اور جن کی اسماعیل و یعقوب اور اُن
نفرق بین احد منہم، ونحن	کی نسل کے رہنماؤں نے دعوت دی، اور پھر
لہ مسلمون! فان امنوا بمثل	وہ تعلیم جو موسیٰ کو دی گئی، اور وہ تعلیم جو عیسیٰ
ما امنتم بہ فقد اہتدوا، و	کا پیغام حق تھا۔ غرضکہ دنیا کے سارے نبیوں
ان تولوا فانما ہم فی شقاق	اور مذہبی صداقت کے سارے معلموں کو
فسیکفیکہم الله، وہو السمیع العلیم!	خدا کی طرف سے وقتاً فوقتاً جو کچھ
(۲: ۱۳۷)	ملا ہے، اُس سب پر ہمارا ایمان ہے۔

ہم اُن سب کو ایک ہی طرح کے یقین اور احترام کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ ہم اُن میں کسی طرح کی تفریق نہیں کرتے کہ ایک کی تصدیق کریں اور دوسرے کو جھٹلائیں۔ ہم خدا کے فرماں بردار ہیں۔ اُس کی سچائی جہاں کہیں اور جب کبھی آئی ہو، ہمارے لئے سچائی ہے اور ہم اُسے قبول کرتے ہیں!

اس طرح قرآن نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ یہ تھا کہ تمام مذاہب کی تصدیق کی، مگر تمام پیروان مذاہب کی تکذیب کی، اور اس تصدیق و تکذیب کے اجتماع سے اُس بنیادی صداقت کی راہ نوع انسانی پر کھول دی، جسپر چلے بغیر کوئی انسان مذہبی حقیقت کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ آج بھی ہر اُس انسان کے لئے جو مذہب کی روحانی صداقت کی طلب رکھتا ہو، اس راہ کے سوا دوسری کوئی راہ موجود نہیں ہے۔ وہ وقت اب دُور نہیں ہے جب عالم انسانیت مذاہب عالم کے اختلافات سے اُکتا کر مجبور ہو جائے گا کہ یا تو یک قلم مذہب ترک کر دے یا تمام مذہبی صداقتوں کو جمع کر دے۔ میرا یقین ہے کہ جمعیت انسانی مذہب ترک نہیں کر سکتی۔ اس لئے ناگزیر ہے کہ دوسرا طریقہ اختیار کرے۔ اور جب وہ دوسرا طریقہ اختیار کرے گی، تو فی الحقیقت وہ یہی طریقہ ہوگا جس کی طرف تیرہ سو برس پہلے قرآن نے دعوت دی تھی: یعنی انسانوں کے فہم و عمل کی تکذیب اور اصل مذاہب کی تصدیق۔ اُس وقت دُنیا کے تمام پیروان مذاہب یک زبان ہو کر اعلان کریں گے:

کان الناس امۃ واحدۃ،	دنیا میں انسانی جمعیت کی ابتدا اختلاف
فبعث الله النبیین مبشرین و	سے نہیں بلکہ وحدت و یگانگت سے ہوئی
منذرین، وانزل معہم	ہے۔ سب ایک ہی قوم تھے اور سب فطری صداقت
الکتاب بالحق لیحکم بین الناس	کے ایک ہی طریق پر چلنے والے تھے پھر
فی ما اختلفوا فیہ، وما اختلف	ایسا ہوا کہ ان میں پھوٹ پڑ گئی اور گمراہی
فیہ الا الذین اوتوہ من بعد	و فساد کی بے شمار راہوں میں بکھر گئے۔
ما جاءتہم البینات بغیاً بینہم	تب خدا نے اُن کی ہدایت کے لئے نبیوں
فہدی الله الذین آمنوا لما	کو مبعوث کیا جو نیک کرداری کے پھل
اختلفوا فیہ من الحق باذنہ،	کی بشارت دیتے تھے اور بد کرداری کے
والله یہدی من یشاء الی	نتائج سے ڈراتے تھے۔ اُنکے ساتھ تعلیم
صراط مستقیم! (۲: ۲۰۹)	حق کی کتابیں تھیں۔ یہ اس لئے نازل

کی گئی تھیں تاکہ جن جن باتوں میں نادانی و گمراہی سے اختلاف اور جھگڑا پیدا کر دیا گیا ہے، اُن سب کا فیصلہ ہو جائے اور سب اُس حقیقی دین پر متفق ہو جائیں جس سے منحرف ہو کر ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے ہیں۔ افسوس ہے کہ نسل انسانی اسپر بھی اختلاف و فساد سے باز نہ آئی۔ جن جن باتوں کے فیصلہ کے لئے یہ کتابیں نازل کی گئی تھیں، اُنھی میں پھر اختلاف پیدا کر دیا گیا، اور دین حق کی حقیقت اور وحدت گم ہو گئی۔ جب ایسا ہوا تو ضروری تھا کہ ایک مرتبہ ان تمام اختلافوں اور گمراہیوں کے خلاف دین حق کی حقیقت کا عام اعلان کر دیا جائے، اور تمام جماعتوں اور مدعیوں کو ایک نقطہ پر جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے اپنے فضل و رحمت سے اس کا دروازہ اہل ایمان پر کھول دیا، اور وہ جسکو چاہتا ہے، ہدایت کی راہ دکھا دیتا ہے!

مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اب میں اُس خاص معاملہ پر متوجہ ہوتا ہوں جس کا آپنے ذکر کیا ہے۔ میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں آپنے جس قدر تأثرات قبول کئے ہیں، وہ زیادہ تر اسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں۔

اس بارے میں آپنے جو کچھ لکھا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ تسلیم کرتے ہیں، یہ رسالہ فی الحقیقت نہایت بے ہودہ اور دلآزار تھا اور اس پر اعتراض کرنے میں مسلمان حق بجانب تھے۔ لیکن آپ کہتے

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶)

"لیکن حاشا و کلا، قوم اور اُس کے زعیم کا مقام اس سے بلند ہے۔ سعد نے مر کر لازوال زندگی حاصل کر لی۔ تمھاری آرزوئیں جو اُس کے وجود میں مجسم تھیں، اب اُس کی غیر فانی روح کے ساتھ، ابدی و سرمدی ہو گئیں۔ اب فنا کا ہاتھ کسی طرح بھی اُن تک نہیں پہنچ سکتا"

"ابنائے وطن! وفد، جو تمھاری بیداری کا پہلا مظہر تھا، اب بھی باقی ہے، اور آئندہ بھی باقی رہے گا۔ وہ تمھاری قوت کی میزان، تمھارے جہاد کا عنوان، تمھاری وحدت کی بُنیاد، تمھاری آرزوؤں کی زبان، اور تمھارے آلام کا ترجمان ہے!

"وہ اُس وقت تک میدان نہیں چھوڑے گا جبتک کامل خود مختاری اور صحیح آزادی کے ذریعہ وطن کی عزت بے داغ نہ کر دے"

گروہ، تعلیم یافتہ اشخاص کا ہے"

"یہ دونوں فکری رجحان، ٹرکی میں ۲۰ برس سے متصادم ہو رہے ہیں۔ سیاست، فوج، ادب، علم، کوئی میدان نہیں جس میں یہ دونوں نقطہ ہائے فکر باہم دست بگریباں نہ ہوں"

"لہذا یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر بہت سی جماعتیں نہیں تو کم سے کم دو جماعتیں ملک میں ضرور موجود ہیں اور برسر اقتدار آنے کے لئے متصادم ہو سکتی ہیں۔ لیکن اسوقت عملاً صرف ایک ہی سیاسی جماعت موجود ہے، اور وہ حامیان اصلاح و تجدد کی ہے"

"اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ حامیان اصلاح اپنے مقاصد کا بیانگ دُہل اعلان کرتے ہیں اور مقرر و منضبط لائحہ عمل رکھتے ہیں۔ برخلاف انکے حامیان جمود و تقلید میں اپنے مقاصد کے اعلان کی جرأت نہیں درحقیقت وہ کوئی معین راہ عمل رکھتے ہی نہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اُن میں باہم کوئی فکری رابطہ بھی موجود نہیں ہے جو ایک باقاعدہ جماعتی شکل پیدا کر سکے۔ ہر کوئی اپنی ایک علحدہ مضطرب اور مبہم رائے رکھتا ہے اور دوسرے کے ساتھ ملنے پر آمادہ نہیں ہے"

"یہی سبب ہے کہ عملی طور پر یہ جماعت مرگئی ہے۔ کسی طرح بھی اپنے حریف کے مقابلے میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اُس کی اس عملی موت نے اُس میں یہ خطرناک مرض بھی پیدا کر دیا ہے کہ وہ پس پردہ سازشوں اور خیانتوں کے جال بناتی اور ملک میں پھیلانے کی کوشش کرتی ہے"

یہ کہنا ضروری نہیں کہ "حاکیت ملیت" کی یہ رائے افراط و تفریط سے خالی نہیں ہے۔

ایک نئی سازش

اس ہفتے ایک نئی سازش پر سے پردہ اُٹھا ہے۔ آپکے قارئین کو یاد ہوگا کہ معاہدۂ لوزان کے بعد ہی ترکی حکومت نے اپنی سرحدوں سے ۱۵۰ آدمیوں کو ہمیشہ کے لئے جلا وطن کر دیا تھا۔ کیونکہ اُن کی پچھلی زندگی، سازشوں اور خیانتوں سے لبریز تھی۔

یہ لوگ ٹرکی سے نکلکر یونان، مصر، شام وغیرہ ملکوں میں پھیل گئے اور ترکی حکومت سے انتقام لینے کی فکریں کرنے لگے۔ یونان میں پناہ گزیں خائنوں کی روش بہت مشتبہ تھی۔ ترکی خفیہ پولیس برابر اُن کی نگرانی کرتی رہتی تھی۔

انھوں نے کئی سال مطمئن زندگی بسر کرنے کے بعد خیال کیا کہ ترکی حکومت اُن سے بالکل غافل ہوگئی ہے۔ چنانچہ حکومت یونان کے بھروسے پر ایک سازش بنائی اور عمل کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سازش کا سرغنہ، حاجی سامی ہے۔ یہ چرکسی قوم کا آدمی ہے اور اپنے وقت کا مشہور جرائم پیشہ اور خونریز رہ چکا ہے۔ انجمن اتحاد و ترقی کی حکومت کے زمانے میں اسنے سیکڑوں خون کئے تھے۔ مرحوم انور پاشا جب ترکستان گئے تو یہ بھی وہاں پہونچا اور جنگ میں شریک ہو گیا۔ اُن کی شہادت کے بعد پھر ٹرکی واپس آیا اور اپنا پرانا مشغلہ جاری کر دیا۔ معاہدۂ لوزان کے بعد حکومت نے اسے بھی جلا وطن کر دیا تھا۔

پچھلے ہفتے ترکی پولیس کو معلوم ہوا کہ یہ یونان سے اپنا مسلح جرگہ جہاز کے ذریعہ سمرنا پہونچا ہے، اور غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی جان لینے کی فکر میں ہے۔ چنانچہ فوراً اُسے گرفتار کرنا چاہا۔ مگر اُسنے مقابلہ کیا مقابلہ میں وہ خود مارا گیا، مگر اُس کی پوری ٹولی قید ہو گئی۔

اس ٹولی میں تمام چرکسی لوگ شامل ہیں۔ بعض کے نام یہ ہیں: مجید کوچک، مجید کلاں، حقی قاتل، مکی برادر حاجی سامی۔ ان لوگوں نے اپنی سازش کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ انگورہ کے قریب مقام "نفللو خاں" میں جا کر قیام کرینگے۔ یہاں تک کہ جب غازی موصوف اور اُن کے وزراء اسپلوط کے وسط میں انگورہ روانہ ہوں گے تو مذکورۂ بالا گاؤں میں اُن کی ریل ڈائنامیٹ کے ذریعہ اُڑا دیجائیگی۔ تلاشی لینے پر اُن لوگوں کے پاس سے سادے کاغذ کی ایک کتاب دستیاب ہوئی۔ پولیس کو شبہ ہوا تو اُس کی کیمیاوی تحقیقات کرائی گئی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس میں غیر مرئی روشنائی سے اُن کے باقی ہم خیالوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس طرح حکومت کو اس پورے جتھے کا علم ہو گیا۔ اس سلسلہ میں ایک پنشن یافتہ فوجی افسر عاطف بک کی گرفتاری بھی عمل میں آئی ہے۔

ترک اور افغان

حال میں حکومت افغانستان نے فوجی تربیت و تعلیم کے لئے اپنے متعدد افسر، ٹرکی بھیجے ہیں۔ انہیں باہر شادی کرنے کی سخت ممانعت تھی تاہم صوبہ دار محمد اکرم خاں نے ایک ترکی خاتون سے شادی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اسنے اس بارے میں افغانی سفیر کو درخواست دی سفیر نے درخواست، کابل بھیجدی۔ کابل سے خود امیر امان اللہ خاں کا حکم آیا کہ شادی اجازت دیدی جائے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ تمام افغانی افسروں کو بھی اب ترک خاتونوں سے شادی کی آزادی دیدی جائے۔ ساتھ ہی شاہ افغانستان نے یہ بھی لکھا کہ یہ شادی، ترکی قانون مدنی کے موافق عمل میں آئے۔ فرمان عالی میں یہ بھی تھا کہ "میں نہایت خوش ہوں گا اگر افغان افسر اپنی ترک بیویوں کے ساتھ کابل پہنچیں۔ ترکی اجتماعی زندگی کے اصول سیکھ کر آئیں اور اپنے ملک میں اُنھیں رائج کریں"

ٹرکی اور ایران

پچھلے دنوں بعض سرحدی حوادث کی وجہ سے ٹرکی اور ایران میں کشیدگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے، جیسا کہ میں بروقت آپ کو مطلع کر چکا ہوں لیکن اب دونوں حکومتوں کے تدبر سے جملہ غلط فہمیاں دُور ہو گئی ہیں۔ اس کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ اسی ہفتے ایرانی سفارتخانے میں ترکی وزیر خارجہ توفیق رشدی بک اور ترکی سفیر متعینۂ طہران ممدوح شوکت بک کو نہایت پر تکلف دعوت دی گئی۔ اس دعوت میں ایرانی سفیر نے تقریر کرتے ہوئے بہت زور دار الفاظ میں کہا کہ دونوں حکومتوں کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں، اور ہمیشہ دوستانہ ہی رہیں گے۔

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

نئے رہنما کا انتخاب

سعد پاشا زغلول کی وفات کے بعد اُن کے جانشین کے انتخاب کا معاملہ بہت اہم اور مشکل تھا۔ ظاہر ہے اسوقت مصر کی توجہات کا مرکز، اس مسئلہ کے سوا، کوئی دوسرا مسئلہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن انگلستان میں بھی اسکی وجہ سے بیچینی کچھ کم نہ تھی۔ مصر میں انگلستان کی تمام امیدیں اسی مسئلہ سے وابستہ تھیں اور وہ انتہائی اضطراب سے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا۔

حسب عادت انگریزی اخبارات نے مصر کی متفقہ صفوں میں پھوٹ ڈالنے کی پوری کوشش کی۔ ایک طرف احمد زیور پاشا کی پیٹھ ٹھونکنا شروع کی کہ اب موقعہ ہے۔ ہمت کرو اور برسر اقتدار آجاؤ۔ دوسری طرف اعتدال پسندوں، یعنی عدلی پاشا اور ثروت پاشا کی جماعت کو اُکسایا کہ وفد کی جماعت، مصر کی پوری سیاست پر حاوی ہو رہی ہے۔ اب وقت ہے اُسے گرا دو!

تیسری طرف خود وفد کی جماعت میں بھی نااتفاقی ڈالنی چاہی۔ اس غرض کے لئے فتح اللہ باشا برکات سے بہتر کوئی شخص نظر نہیں آ سکتا تھا۔ موصوف، مرحوم زغلول پاشا کے بھانجے ہیں اور اُنکے ساتھ جہاد وطنی میں بے شمار مصائب برداشت کر چکے ہیں۔ ان اخبارات نے خیال کیا کہ تعریفیں کر کے انہیں وفد کی صدارت کے لئے کھڑا کر دینا چاہئے۔ وفد کی جماعت، بعض موانع کی بنا پر ان کی سرداری قبول نہیں کرنا چاہتی۔ اس طرح آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی اور ملک کی سب سے بڑی سیاسی قوت درہم برہم ہو جائے گی۔

مگر مقام مسرت ہے کہ یہ تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ زیور پاشا نے کان ہلائے، مگر عام رائے سے مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔ اعتدال پسندوں نے بھی قابل تعریف رویہ اختیار کیا، اور وفد کی جماعت سے لڑنا نامنظور کر دیا۔

خود وفد نے بھی نہایت دانشمندی سے کام لیا اور مرحوم رہنما کی جانشینی کا مسئلہ بڑی ہی خوش اسلوبی سے حل کر دیا۔ فتح اللہ باشا برکات نے جنھیں انگریزی اخبارات، برات کا دولھا بنانا چاہتے تھے، صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ مجھے سرداری کی طلب نہیں ہے۔ میں وفد کے فیصلے کے سامنے ہر وقت بلا کسی قید و شرط کے سر خم کرنے کو طیار رہوں۔

وفد نے اپنا فیصلہ ۲۶ ستمبر کو سنا دیا۔ یہ جلسہ نہایت عظیم الشان تھا تقریباً تمام ارکان جمع تھے۔ جلسہ کی کارروائی، محمد نجیب الغرابلی باشا کی تقریر سے شروع ہوئی۔ یہ تقریر پورے وفد کی جانب سے تھی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"جو کوئی سعد کی ذات خاص کا مددگار تھا، تو سعد مر گئے۔ لیکن جو سعد کے اصول کا حامی تھا، تو سعد کے اصول باقی ہیں، کبھی مرنے والے نہیں۔

"بلاشبہ سعد مر گئے۔ بہت سے دل، جو اُن کی ہیبت سے خائف تھے مسرت سے اُچھلنے لگے۔ بہت سے سر جو اُنکے رعب سے خم تھے، بلند ہونے لگے فتنہ کا سراپنی دونوں آنکھیں تم میں ہر طرف پھرانے لگا کہ کوئی شگاف دیکھ اور در آئے۔ لیکن قدیر و حکیم خدا نے تمھیں اُس کی نظر بد سے بچا لیا۔ تم نے خدا کی توفیق سے فتنہ کی آنکھ پھوڑ ڈالی۔ اپنا اتحاد بچا کر شیطان کو مایوس کر دیا، وہ تمھارے متحدہ عَلم دیکھ کر اُلٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور ہو گیا

"وفد نے اپنے قانون کے بموجب اپنی صدارت کے معاملے پر غور کیا۔ پورے غور و خوض کے بعد اُس کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ یہ جلیل القدر منصب ایک ایسے شخص کے سپرد کرے، جسے تم سب جانتے ہو اور حق کی حمایت میں اُس کا حصہ دیکھ چکے ہو۔ وہ مصائب میں ہمیشہ ثابت قدم رہا۔ تکلیفوں میں اُس کی پیشانی پر کبھی بل نہ آیا۔ ایمان میں اُسنے ہمیشہ سبقت کی۔ آزادی کے لئے اُسنے اپنی زندگی وقف کر دی۔

"وہ شخص کون ہے؟ وہ مصطفی نحاس ہے!......"

اس تقریر کے بعد اور بہت سی تقریریں ہوئیں اور مصطفےٰ نحاس باشا بالاتفاق، وفد کے صدر، اور پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں میں جماعت وفد کے رئیس منتخب ہو گئے۔

وفد کا پیغام

مصری وفد نے قوم کے نام حسب ذیل پیغام شائع کیا ہے:

"ابناء وطن! عظیم القدرت خدائے بزرگ و برتر کی مشیت پوری ہوگئی اور سعد زغلول کا انتقال ہو گیا۔ تم اُس کے فراق پر رنج سے روئے لیکن رحمت الٰہی نے اس کے سوا کچھ منظور نہ کیا کہ تمھارے سردار کو ویسی ہی شریف موت دے جیسی شریف زندگی اُسے بخشی تھی۔ چنانچہ جس طرح وہ مجاہد زندہ رہا تھا، اُسی طرح مجاہد ہی مرا۔ دنیا و آخرت، دونوں میں اُس کے لئے مجاہدین کا ثواب جزیل موجود تھا!

"سعد مر گیا، اس سے تمھارے دل ٹوٹ گئے۔ بعض لوگوں نے تمھارا رنج و الم دیکھ کر کہنا شروع کر دیا کہ اُس بڑے سینے میں جو بڑی بڑی آرزوئیں پنہاں تھیں، اُس کی موت ہی کے ساتھ مر گئیں۔

بصائر و حکم

عالمِ انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیرِ عالم اپنے اوقاتِ وفات میں

اکابرِ تاریخِ اسلام کی مختصر وفیات

ابراہیم موصلی

اپنے زمانے کا سب سے بڑا ماہرِ فنِ موسیقی، ابراہیم موصلی، تولنج کی بیماری میں مبتلا ہوا اور خلیفہ کے محل میں آنے جانے سے معذور ہو گیا۔ جب تکلیف بہت بڑھی تو یہ شعر اس کی زبان پر جاری ہو گئے:

مل واللہ طبیبی — عن مقاساۃ الذی بی

واللہ طبیب میرے مرض کی تشخیص سے اُکتا گیا ہے

سوف انعیٰ عن قریب — لعدو و حبیب!

عنقریب دوست و دشمن سب کو میری موت کی خبر سنا دی جائے گی!

ایک دن خلیفہ ہارون الرشید عیادت کو گیا اور پوچھا:

"ابراہیم کیا حال ہے؟"

ابراہیم نے جواب میں یہ شعر پڑھ دیا:

سقیم مل منہ اقربوہٗ — واسلمہ المداوی والحمیم

بیمار، جس سے اُس کے رشتہ دار اُکتا گئے ہیں۔ طبیب اور دوست اُسے چھوڑ چکے ہیں۔

سنہ [illegible]ھ (سنہ [illegible]ء) میں انتقال کیا

عباس بن الاحنف

اصمعی نے بیان کیا ایک دن میں بصرہ کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں ایک حسین نوجوان میرے پیچھے کھڑا ہے۔

"میرا آقا آپ کو یاد کرتا ہے" خوبصورت لڑکے نے کہا۔

میں اُس کے ساتھ روانہ ہوا۔ صحرا میں ایک خیمہ کھڑا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ عباس بن الاحنف اُس میں پڑے دم توڑ رہے ہیں اُس وقت اُن کی زبان پر یہ شعر تھے:

یا بعید الدار عن وطنہٖ — مفرداً یبکی علی شجنہٖ

اے اپنے وطن سے بہت دُور! تنہا! جو اپنی حسرت پر رو رہا ہے!

کلما جدّ النحیب بہ — زادت الاسقام فی بدنہٖ

جوں جوں اُس کا گریہ بڑھتا ہے، اُس کے جسم میں بیماریاں بھی بڑھتی جاتی ہیں!

پھر وہ بیہوش ہو گئے۔ درخت پر ایک چڑیا چلائی۔ عباس نے اُس کی آواز پر آنکھ کھول دی اور یہ شعر پڑھنے لگے:

ولقد زاد الفواد شجیً — ہاتف یبکی علی فننہٖ

دل کا رنج اور بھی زیادہ کر دیا، اپنی ڈالی پر سے پکارنے والے نے۔

شاقنی ما شاقہ فبکی — کلنا یبکی علی سکنہٖ

جس کا شوق مجھے ہے، اُسی کا اُسے بھی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے حبیب کے لئے روتا ہے۔

وہ پھر بیہوش ہو گئے۔ میں نے خیال کیا پہلی سی غشی ہے۔ مگر اُنھوں نے ایک لمبی سانس لی اور سرد ہو گئے تھے!

سنہ ۱۹۲ھ (مطابق سنہ [illegible]ء) میں فوت ہوئے۔

خلیفہ ہارون الرشید

جب بیماری بہت سخت ہو گئی تو طبیب بلائے گئے۔ مگر کسی علاج سے بھی فائدہ نہ ہوا۔ ہارون مایوس ہو گیا اور یہ شعر پڑھے:

ان الطبیب بطبّہٖ ودوائہٖ — لا یستطیع دفاع مکروہ اتی

طبیب اپنی طب اور دوا سے کسی مصیبت کو اُس کے آ جانے کے بعد دُور نہیں کر سکتا۔

ما للطبیب یموت بالداء الذی — قد کان یبری مثلہ فیما مضیٰ؟

یہ کیا ہے کہ طبیب اُسی بیماری سے مرتا ہے جسے ہمیشہ اپنے علاج سے اچھا کیا کرتا تھا؟

ہلک المداوی والمداویٰ والذی — جلب الدواء وباعہٗ ومن اشتریٰ

معالج، مریض، دوا لانے والا، دوا بیچنے والا، دوا خریدنے والا سب مر جائیں گے!

جب موت کا یقین ہو گیا تو بنی ہاشم کو طلب کیا، اور کہا:

"ہر مخلوق مر جانے والی ہے۔ آج میں بھی موت کے گھاٹ اُتر رہا ہوں میں تمھیں تین وصیتیں کرتا ہوں: اپنی امانت کی حفاظت کرنا۔ اپنے سرداروں کی خیر خواہی کرنا۔ اپنا اتحاد برقرار رکھنا۔ میرے دونوں لڑکوں محمد (امین) اور عبداللہ (مامون) کو دیکھنا۔ اِن میں سے جو بھی اپنے بھائی پر سرکشی کرے، اُسے گمراہی سے روک دینا اور اُس کا عہد توڑ دینا"

سنہ ۱۹۳ھ (سنہ ۸۰۹ء) میں وفات پائی۔

ابو نواس

ہارون رشید کے مشہور مصاحب اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے راوی شعر اور شاعر، ابو نواس نے مرتے وقت یہ شعر کہے،

دبّ فیّ الفناء سفلاً وعلوا — وارانی اموت عضواً فعضوا

اوپر نیچے ہر طرف سے فنا مجھ میں دوڑ رہی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جوڑ جوڑ سے مر رہا ہوں۔

ذہبت شرتی بجدۃ نفسی — وتذکرت طاعۃ اللہ نضوا

میری تمام تیزی چلی گئی۔ اپنے سوکھ جانے پر مجھے طاعت الٰہی کا خیال آیا!

لیس من ساعۃ مضت لی الا — نقصتنی بمرہا بی جزوا

ہر گھڑی جو مجھ پر گذر رہی ہے۔ کوئی نہ کوئی حصہ کم کرتی جاتی ہے!

لہف نفسی علی لیال وایام — تملیتہن لعباً ولہوا

اُن دنوں اور راتوں پر میرا افسوس! جنھیں میں نے لہو و لعب میں گزار دیا!

قد اسانا کل الاساءۃ فاللہم — صفحاً عنا وغفراً وعفوا

ہم نے سراسر بُرائی ہی کی ہے لیکن خدایا! ہم تیری عفو و بخشش چاہتے ہیں!

محمد امین

ہارون رشید کے جانشین محمد امین کو گرفتار کرنے کے لئے جب مامون کے آدمی آدھی رات کے وقت محل میں گھسے، تو چلا اُٹھا:

"انا للہ وانا الیہ راجعون! واللہ میری جان، خدا کی راہ میں چلی گئی۔ آہ، کوئی تدبیر نہیں کوئی حمایتی نہیں۔"

گرفتار ہو جانے پر اُس نے اپنی اولاد اور عزیزوں سے کہا:

"یہ تمھارا آخری دیدار ہے۔ خدا تمھارا نگہبان ہو!"

قتل کے وقت جلادوں سے کہا:

"تمھارا بُرا ہو! جانتے نہیں میں رسول اللہ کے چچا کا پوتا، ہارون الرشید کا بیٹا، اور مامون کا بھائی ہوں؟ میرا خون کرنے میں خدا سے ڈرو!"

سنہ ۱۹۸ھ (سنہ ۸۱۳ء) میں قتل ہوا

حضرت معروف الکرخی رح

مشہور صوفی و زاہد معروف کرخی سے حالت نزع میں کہا گیا "وصیت کیجئے"

کہنے لگے:

"جب میں مر جاؤں تو میرا یہ کرتا بھی صدقہ کر دینا۔ میں چاہتا ہوں دُنیا سے اُسی طرح جاؤں، جیسا آیا تھا"

سنہ [illegible]ھ (سنہ ۸۱۶ء) میں وفات پائی۔

حضرت بشر بن المنصور رح

وفات کے وقت بہت خوش تھے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا "آپ موت پر خوش ہوتے ہیں؟"

کہنے لگے "کیا تمھارے خیال میں خالق کے حضور جانا، جس سے مجھے بڑی ہی اُمید ہے، مخلوق میں رہنے کے برابر ہے؟ وہ مخلوق جس سے میں ڈرتا ہوں؟" یہ کہتے ہی روح پرواز کر گئی۔

(سنہ ۲۰۹ھ — سنہ ۸۲۵ء)

بقیہ مضمون صفحہ ۱

ہیں تو اس کی بالکل کوشش نہیں کرتے کہ احتیاط اور انصاف کے ساتھ قدم اُٹھائیں۔ ہندوستان میں تقریباً ۵۰ برس سے ہندو مسلمانوں کی موجودہ کشمکش شروع ہوئی ہے۔ اگر اِن ۵۰ برسوں کے وہ تمام بیانات اور مباحث جمع کر لئے جائیں جو ایک فریق نے دوسرے کے اقوال و اعمال کی نسبت شائع کئے ہیں، اور پھر اُن پر انصاف اور صداقت شعاری کے ساتھ نظر ڈالی جائے، تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ نصف سے زیادہ مقدار اُن باتوں کی نکلے گی جو کبھی فتنہ و فساد کی صورت نہ اختیار کرتیں اگر واقعات کے مطالعہ و بیان میں انصاف و دیانت کا تھوڑا سا بھی لحاظ رکھا جاتا۔

کہ معاملہ اس حد تک پہنچکر ختم نہیں ہوگیا۔ بلکہ آپکے لفظوں میں:

"جو طریقہ مسلمانوں نے ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک اختیار کیا، اور جو جو باتیں کہی گئیں، وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ عجیب طرح کی مذہبی ذہنیت ظاہر کرتی تھیں جنھیں کسی طرح بھی ٹھیک راستہ پر نہیں لے جایا جا سکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہو کہ تمام لیڈروں اور "مولانا صاحبان" نے اور جمعیت العلماء نے فتویٰ جاری کردیا کہ رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہئے۔ اور یہ کہ اسلام کا قانون یہی ہو کہ جونہی کوئی غیر مسلمان حضرت بانیٔ اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اُسے فوراً مار ڈالنا چاہئے"

میں آپ کی طبیعت کی صداقت اندیشی اور حق جوئی کا معترف تھا اور اس موقعہ پر بھی معترف ہوں۔ آپنے اس رسالہ کے متعلق جو رائے قائم کی، اور جس طرح بے لاگ اور قطعی لفظوں میں اپنا خیال ظاہر کردیا، فی الحقیقت ایک راستی پسند انسان کا یہی شیوہ ہونا چاہئے لیکن جن واقعات کا آپنے ذکر کیا ہو، افسوس ہو کہ نہ تو اُن کی تعبیر صحیح ہو، اور نہ وہ تاثر صحیح ہو جو آپ نے قبول کیا ہو۔ آخری چیز میں وہی اصولی غلطی کام کر رہی ہو جس پر پچھلی سطور میں بحث کر چکا ہوں

تعبیر میں آپنے جو غلطی کی ہو، وہ غلطی عام ہو۔ اور اُس ناواقفیت کا نتیجہ ہو جو ایک ہزار سال کی یکجائی کے باوجود ہندؤں کو اسلام اور مسلمانوں کی نسبت ہو۔ میں نے بارہا خیال کیا ہو کہ اگر کسی ذریعہ سے ہم یہ باہمی ناآشنائی دُور کر دے سکیں، تو باہمی مخالفت اور توحش کی کتنی بڑی تعداد خود بخود دُور ہو جا سکتی ہو؟ مگر افسوس ہو کہ اس کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ آپنے غالباً بعض اخباروں کے مضامین دیکھ کر یہ رائے قائم کرلی کہ "مسلمان لیڈروں اور جمعیت العلماء نے فتویٰ دیدیا" لیکن اگر آپ کو مسلمانوں کی اصطلاح "فتویٰ" کی حقیقت معلوم ہوتی جو بہت ہی معمولی اور عام ہو، تو کبھی یہ بات آپکے قلم سے نہیں نکلتی۔ آپ "لیڈروں" کے ساتھ "فتویٰ" کا لفظ نہیں نکالتے۔ آپ سے یہ غلطی بھی نہیں ہوتی کہ اُن تمام باتوں کو جو کسی "لیڈر" یا عالم نے عام مجالس کے ایک مقرر ہونے کی حیثیت سے کہی ہیں، یا اپنے اپنے انداز طبیعت کے مطابق نرم و گرم خیالات ظاہر کئے ہیں "فتویٰ" قرار دیدیتے۔ بلاشبہ آپ ان تمام باتوں پر اس حیثیت سے نظر ڈال سکتے تھے کہ کہاں تک موزوں ہیں یا غیر موزوں ہیں۔ لیکن اُنھیں "فتویٰ" کے لفظ سے تعبیر نہ کرتے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ "فتویٰ" نہیں ہیں۔

غالباً آپ کا خیال یہ ہو کہ جب کبھی کسی معاملہ پر ایک مسلمان، مذہبی قسم کی کوئی بات کہے، تو وہ "فتویٰ" ہو۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہو۔ اس طرح تو وہ ساری باتیں جو مسلمان جلسوں میں کہتے ہیں یا اخباروں میں لکھتے ہیں، "فتویٰ" ہو جائیں گی۔ "فتویٰ" مسلمانوں کے دینی علوم کی ایک اصطلاح ہو، اور اس کا اطلاق صرف اُس بیان پر ہوتا ہو جو ایک مستند عالم دین اس حیثیت سے دیتا ہو کہ فلاں مسئلہ میں اُس کے نزدیک شریعت کا حکم یہ ہو۔ جب تک ایک عالم شرع اس حیثیت سے ایک بیان نہ دے، وہ فتویٰ نہیں ہو، اور کوئی مسلمان بھی اُسے فتویٰ نہیں سمجھیگا۔ اب آپ غور کیجئے کہ لیڈروں کی طرف "فتویٰ" منسوب کر دینا کیسی افسوسناک غلطی ہو؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ علماء بھی "لیڈر" ہیں۔ یہ ٹھیک ہو لیکن یقیناً یہاں لیڈر سے مقصود علماء نہیں ہیں بسلمان جماعتوں کے عام سر برآوردہ اشخاص اور سیاسی رہنما ہیں، اور یقیناً نہ تو وہ "فتویٰ" دیتے ہیں، نہ مسلمانوں میں کوئی شخص اُنکے بیانات کو فتوی کی حیثیت سے قبول کرتا ہو۔

البتہ جمعیت العلماء مذہبی حیثیت سے "فتوی" دے سکتی ہو، لیکن یہ خیال صریح غلط ہو کہ جمعیت العلماء نے "رنگیلا رسول" کے لکھنے والے یا چھاپنے والے کی نسبت کوئی "فتویٰ" جاری کیا۔ یہاں پھر وہی باہمی ناواقفیت اور ناآشنائی کی بلا آگئی ہو جو ہندو مسلمانوں کے تمام معاملات پر چھائی ہوئی ہو۔ چونکہ مسلمانوں کی مذہبی اصطلاح "فتویٰ" کی حیثیت اور نوعیت پر آپ کی نظر نہیں، اس لئے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ غور کیجئے، اس ایک معاملہ میں یکے بعد دیگرے کتنی غلطیاں پیدا ہو گئی ہیں:

اولاً، مسلمانوں میں شرعی حیثیت سے فتویٰ اسی وقت دیا جاتا ہو جب کسی خاص معاملہ میں شرعی حکم واضح کر دینا ہو تاکہ مسلمانوں کا کوئی فرد یا جماعت اُس پر عمل کرے۔ موجودہ صورت میں "فتوی" کی گنجایش ہی نہیں تھی۔ ہندوستان میں ایک شخص نے اسلام کے خلاف دلآزار کتاب لکھی تھی اور شائع کی تھی۔ یہاں نہ تو مسلمانوں کی حکومت ہو، نہ شرعی قوانین نافذ ہیں، نہ مسلمانوں کے مذہبی گروہ کو کسی طرح کا دخل سیاست و تعزیر میں ہو۔ جو کچھ بھی اس بارے میں کر سکتی ہو حکومت کر سکتی ہو۔ اگر کوئی شخص اس میں مداخلت کریگا مجرم ہوگا۔ پس ظاہر ہو کہ اس معاملہ میں مسلمانوں کے فتویٰ لینے یا دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہاں یہ ممکن تھا کہ کوئی شخص اس درجہ مجنوں یا احمق ہو جائے کہ وہ خیال کرے، ہندوستان میں اسے تعزیر و سیاست کے احکام جاری کرنے کی قدرت حاصل ہو گئی ہو اور اس لئے فتویٰ دینا شروع کر دے کہ فلاں آدمی کو قتل کر ڈالنا چاہئے، اور فلاں آدمی کو قید میں ڈال دینا چاہئے۔ لیکن واقعہ یہ ہو کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

ثانیاً جمعیت العلماء کی نسبت یہ سمجھ لینا کہ چونکہ وہ علماء کی انجمن ہے، اس لئے اُس کی جانب سے جو کچھ بھی کہا جاتا ہو "فتویٰ" ہو، کس درجہ ناواقفیت کی بات ہو؟ وہ ایک انجمن ہو، اور اس حیثیت سے وہ تمام طریقے اظہار رائے کے عمل میں لاتی ہو جو دُنیا کی تمام انجمنیں عمل میں لایا کرتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجاتا ہو جس پر وہ کارروائی کرنا ضروری سمجھتی ہو، تو تجویز کی شکل میں کوئی بات ترتیب دیتی ہو اور اُسے منظور کر کے شائع کر دیتی ہو۔ اس معاملہ پر بھی اُس نے ایک تجویز منظور کی، اور غالباً لاہور میں اپنی جمعیتہ عاملہ (ورکنگ کمیٹی) کا ایک جلسہ کر کے اُس کا اعلان کر دیا۔ وہ جمعیت العلماء کی ایک تجویز ہو۔ یقیناً لوگوں نے اُسے اُس درجہ اہمیت دی ہوگی، جس درجہ اہمیت وہ جمعیت العلماء کی تجاویز کو دیا کرتے ہیں، لیکن وہ "فتویٰ" نہیں ہو۔ کیونکہ "فتویٰ" دینے کی اس معاملہ میں گنجایش ہی نہ تھی۔ آپ جمعیت کی ایک تجویز کو "فتویٰ" کہہ رہے ہیں۔

ثالثاً جمعیت العلماء کی اس تجویز کا مضمون بھی آپنے صحیح طور پر معلوم نہیں کیا ہو، اور جو کچھ لکھا ہو، وہ اصلیت سے اس درجہ ہٹا ہوا ہو کہ اگر میں آپ کو ملامت کروں تو آپ کو ناخوش نہیں ہونا چاہئے۔ کم از کم آپ جیسی طبیعت کے آدمی کو ایک واقعہ کے نقل کرنے میں اس درجہ بے احتیاط نہیں ہونا تھا۔ جمعیت العلماء کی تجویز تمام اخباروں میں شائع ہو گئی تھی۔ میری نظر سے بھی گزری تھی۔ اگر آپ چاہیں تو اُس وقت کا کوئی اُردو اخبار حاصل کر کے دیکھ لے سکتے ہیں۔ اُس میں یہ کہیں نہیں ہو کہ "رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کر دینا چاہئے" جیسا کہ آپنے لکھا ہو۔ کم سے کم اتنی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آجانی چاہئے کہ برٹش انڈیا میں کوئی شخص یا جماعت اپنے آپ کو گرفتار کرائے بغیر کسی انسان کے قتل کی علانیہ ترغیب نہیں دے سکتی۔ اگر جمعیت نے یا کسی انجمن نے ایسا اعلان کیا ہوتا تو یہ صریح ایک انسان کے قتل کا اقدام تھا۔ دراصل وہ تجویز مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھی ہی نہیں گئی تھی کہ اس طرح کی قاتلانہ ترغیب کی اس میں گنجایش ہوتی۔ اُس کا تمام تر خطاب حکومت سے تھا۔ حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اس طرح کے دلآزار حملوں کا سدباب کر دے، اور اگر موجودہ قوانین اسکے لئے کافی نہیں ہیں تو نیا قانون نافذ کر دے۔ البتہ اُس تجویز میں اس بات کا حوالہ ضرور تھا کہ اسلامی قوانین میں (یا بصورت اسلامی حکومت ہونے کے۔ مجھے اصلی الفاظ یاد نہیں ہیں) ایسے شخص کی سزا قتل ہو جو پیغمبر اسلام کی عمداً توہین و تذلیل کرے۔ یہ حوالہ جس طریقہ سے دیا گیا تھا، اُس کا صاف منشا یہ تھا کہ معاملہ کی اہمیت حکومت پر واضح ہو جائے یعنی یہ بات اُس کے علم میں آجائے کہ مسلمانوں کے دینی احساسات اس بارے میں کیا ہیں، اور اُن کے نقطۂ خیال سے یہ معاملہ کس درجہ اہم اور ضروری ہو؟ بلاشبہ اس پر بحث کی جا سکتی ہو کہ اس موقعہ پر اس قانون کا حوالہ دینا یا ذکر کرنا کہاں تک صحیح تھا؟ اور فی الحقیقت اسلام کا قانون کیا ہو؟ اس بارے میں میری رائے اور اسلامی قوانین کی حقیقت کی بحث آگے آئے گی اور آپ معلوم کر لینگے کہ میرا خیال اور علم کیا ہو لیکن بحیثیت ایک صداقت اندیش انسان کے آپ کو اور اُن تمام لوگوں کو جو اس بارے میں طرح طرح کے تاثرات قبول کر رہے ہیں، یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ واقعہ کی نوعیت وہ نہیں ہو جو اُنھوں نے سمجھ رکھی ہو۔ ہم ایک معاملہ کی نسبت موافق رائے رکھتے ہوں یا مخالف، ہر حال میں ہمارا فرض ہو کہ معاملہ کو اُس کی صحیح اور حقیقی صورت میں دیکھیں، اور جیسا کچھ بھی وہ ہو، اُسے تسلیم کر کے، رائے قائم کریں۔ انصاف کیجئے، کہاں یہ بات کہ جمعیت العلماء نے ایک تجویز منظور کر کے حکومت کو صورت حال پر توجہ دلائی اور اسمیں اس بات کا حوالہ دیا کہ اسلامی قانون اس بارے میں یہ تھا، اور کہاں اُس کی یہ تعبیر کہ "جمعیت نے فتویٰ دیدیا کہ قتل کر دینا چاہئے"؟ اسوقت دُنیا کے کسی مذہب کے ماننے والے بھی ایسے نہیں ہیں جنھوں نے گزشتہ زمانے میں اپنے اپنے وقت کے مصالح کے مطابق قتل و تعزیر کے احکام نافذ نہ کئے ہوں اور وہ ان کی کتابوں میں ثبت نہ ہوں۔ مختلف موقعوں پر بے محل یا با محل اُن کا ذکر بھی کر دیا جاتا ہو، لیکن کوئی شخص اُس کا مطلب یہ نہیں سمجھتا کہ بحالت موجودہ انھیں نافذ کرنا مقصود ہو۔

رابعاً آپنے جن لفظوں میں جمعیت کے بیان کردہ اسلامی قانون کی تعبیر کی ہو، وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔ آپ لکھتے ہیں "اسلام کا یہ قانون ہو کہ جونہی کوئی غیر مسلمان حضرت بانی (داعی) اسلام کے خلاف کوئی بدزبانی کرے، فوراً اُسے مار ڈالنا چاہئے" لیکن آپ یقین کیجئے کہ نہ تو جمعیت العلماء کی تجویز میں اس قانون کی یہ تعبیر تھی، اور نہ میری معلومات میں کسی مسلمان نے بھی یہ تعبیر کی ہو۔ جمعیت نے یا کسی دوسری جماعت نے اگر یہ کہا ہو کہ اسلامی حکومتوں کا یہ قانون تھا، تو اس کا صاف مطلب وہی ہو سکتا ہو جو حکومتوں کے قوانین کا عام طور پر ہوتا ہو۔ یعنے اُنکے قوانین کی رُو سے یہ ایک ایسا جرم تھا جو اگر عدالتی تحقیقات کے بعد ثابت ہو جائے، تو اس کے لئے قتل تک کی سزا دی جا سکتی تھی۔ اس کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ "جو مسلمان کسی کو بدزبانی کرتے دیکھے، اُسے فوراً قتل کر ڈالے"؟ اسلام کے شرعی نظم کی رُو سے تو کسی جرم کے لئے بھی ایسی اَنارکی جائز نہیں ہو سکتی۔ تعزیر اور سیاست کے تمام احکام کا تعلق قضا سے ہو۔ یعنی آجکل کی بول چال میں عدالتی کارروائی سے۔ کسی فرد کو بھی اپنی جگہ اختیار نہیں کہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور جس کسی کو اپنے نزدیک مجرم سمجھے سزا دے دے۔ یہ کام صرف حکومت اور عدالت کا ہو۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا، تو وہ اسلامی قوانین کی رُو سے اُسی طرح سزا کا مستحق ہوگا، جس طرح ایک قانون کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم ہو سکتا ہو۔

میں نے اس حصۂ بیان میں ضرورت سے زیادہ تفصیل اس لئے کی کہ میں چاہتا ہوں، یہ بات آپ پر واضح ہو جائے کہ واقعات کے مطالعہ و بیان میں وقت کی کوتاہیوں اور کج اندیشیوں کا کیا حال ہو؟ کس طرح ایک بات بغیر کسی اشتباہ اور پیچیدگی کے محض اس لئے کچھ سے کچھ ہو جاتی ہو کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے اور بے لاگ طریقہ سے معاملات پر نظر ڈالنے کی استعداد کھو چکے ہیں اور جب کبھی کسی معاملہ پر بحث کرتے

"مجھے ایسا برتاؤ نہ کرنا تھا۔ تمھیں غصہ دلاکر میں نے سخت غلطی کی۔ اور یہ زخم ......"

مورَیلا، انٹونیو کے ہاتھ کی طرف اشارہ کرکے چپ ہوگئی۔

"تم نے کچھ نہیں کیا" انٹونیو نے کہا "تم نے صرف اپنا بچاؤ کیا تھا۔ یہی کرنا بھی چاہیئے تھا۔ میری دیوانگی کے مقابلے میں اسی کی ضرورت تھی۔ تمھاری ذرا بھی خطا نہیں ہے۔ ہرگز معافی کا ذکر نہ کرو۔ تم نے تو مجھ پر بڑا ہی احسان کیا ہے۔ میں تمھارا دل سے شکر گزار ہوں۔ اچھا، اپنا رومال لیتی جاؤ"

انٹونیو نے رومال آگے بڑھایا۔ لیکن مورَیلا خاموش تھی۔ اُس کے اندر خیالات میں سخت تصادم تھا:

"میری غلطی سے تمھاری چادر بھی چلی گئی۔ نارنگی کی تمام قیمت بھی اُسی میں بندھی تھی۔ مجھے بہت دیر بعد اس کا خیال آیا۔ میں اِس وقت اُس کی تلافی نہیں کرسکتی — ہمارے گھر میں کچھ نہیں ہے۔ اگر ہے تو میری ماں کا ہے — لیکن یہ چاندی کی صلیب، میری ہے۔ مصوّر جاتے وقت چھوڑ گیا تھا۔ میں نے آجتک اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ صندوق میں بھی نہیں کھا تھا۔ اگر اسے بیچو گے تو کچھ نہ کچھ وصول ہوجائے گا۔ میری ماں کا یہی خیال ہے — نقصان کا تھوڑا سا بدلہ ہوجائے گا۔ باقی میں اپنی ماں کے سو جانے کے بعد روز رات کو سُوت کات کات کر ادا کردوں گی"

"نہیں نہیں، میں ہرگز نہیں لوں گا" یہ کہہ کر انٹونیو نے چمکیلی صلیب لَوٹا دی۔ "لیلو" مورَیلا نے کہا "تم نہیں جانتے، تمھارا ہاتھ کتنے دن کام نہیں کرسکے گا۔ یہ صلیب رکھ لو"

"مجھے تکلیف نہ دو" انٹونیو نے نقاہت سے کہا۔

"میں کہتی ہوں لے لو" مورَیلا نے اصرار سے کہا۔

"سمندر میں پھینک دو" انٹونیو جھنجلا گیا۔

"میں ہدیہ پیش نہیں کررہی ہوں۔ اپنا کچھ بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہوں" مورَیلا نے پھر کہا۔

"تم پر میرا کوئی قرضہ نہیں ہے" انٹونیو نے جوش سے کہا "اگر تم میرا کچھ اپنے ذمہ سمجھتی ہو تو میری ایک درخواست منظور کرلو۔ تم پورے بار سے ہلکی ہوجاؤ گی۔ میری درخواست یہ ہے کہ جب میں کہیں دکھائی دوں تو میری طرف نظر نہ اُٹھانا، تاکہ مجھے اپنی اِس دیوانگی پر ہمیشہ ندامت ہوا کرے۔ خدا حافظ! جاؤ۔ یہ ہماری آخری باتیں ہیں"

مورَیلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے اُسنے اپنا رومال اُٹھا کر ٹوکری میں ڈالا۔ صلیب بھی اسمیں گرادی۔ پھر ٹوکری کا ڈھکنا بند کیا۔ انٹونیو نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو آنسو اُس کے نازک رُخساروں پر بہ رہے تھے!

"الٰہی!" انٹونیو چلّایا "موریلا! کیا ہوا؟ کچھ بیمار ہوگئیں؟ سر سے پاؤں تک کانپتی کیوں ہو؟"

"کچھ نہیں۔ مجھے گھر لَوٹنا چاہیئے"

یہ کہہ کر مورَیلا لڑکھڑاتے پاؤں سے دروازے کی طرف لپکی۔ مگر باہر نہیں گئی۔ دیوار پر سر رکھ کے رونے لگی۔ دیر سے بھری ہوئی تھی اب بے قابو ہوگئی۔ انٹونیو نے اُس کی سسکیاں سُنیں۔ مگر قبل اِس کے کہ وہ اُٹھ کر پاس پہنچے، وہ خود دَوڑ کر آئی اور اُس پر گر پڑی:

"اب میں برداشت نہیں کرسکتی" اُسنے آنسوؤں کے ساتھ ملّاح کو زور سے پکڑ کر کہا "میں برداشت نہیں کرسکتی! میں تمھیں چھوڑ کر جا نہیں سکتی۔ آہ! تم مجھ سے اتنی محبت کے ساتھ بولتے ہو! مجھے مارو۔ میری جان لے لو۔ مجھے لعنت ملامت کرو۔ لیکن مجھے اپنے سے دُور نہ کرو......"

روتی ہوئی لڑکی کو انٹونیو نے فوراً اُٹھا لیا۔ وہ بھی چپ تھا۔ مگر آنسو اُس کی آنکھوں سے بھی جاری تھے!

انٹونیو نے لمبی سانس لے کر کہا "خدایا یہ میں کیا سنتا ہوں؟ اگر میرا خون، زخم سے بہ گیا ہے تو میرا دل اِس طرح کیوں دھڑک رہا ہے؟ کیوں سینے سے نکلا پڑتا ہے؟ مورَیلا! اگر یہ تم صرف تسلّی دینے کے لئے کہتی ہو، تو اِس کی کوئی ضرورت نہیں لیکن کیا تم پر میرا کوئی حق نہیں ہے؟ کیا میں نے تمھارے پیچھے بہت دُکھ نہیں سہا ہے؟"

"ہرگز نہیں!" مورَیلا نے مضبوط آواز میں کہا "کوئی حق نہیں! کیونکہ میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں! اب مجھے کہنے دو۔ میں تم سے، اسی محبت کے ڈر سے بھاگا کرتی تھی۔ لیکن اب نہیں بھاگوں گی"

(۷)

مورَیلا، گھر کے باہر تاریکی میں غائب ہوگئی۔ انٹونیو، کھڑکی کے سامنے مبہوت بیٹھا تھا۔ خاموش سمندر اُس کے آگے پھیلا تھا۔ اُفق میں ہر طرف تاریکی اور خاموشی تھی۔ جھلملاتے تارے آسمان پر سے منہ نکالے دیکھ رہے تھے!

(۸)

اعتراف کی کرسی پر پادری بیٹھا مسکرا رہا ہے۔ مورَیلا ابھی ایک بہت لمبا اعتراف کرکے رخصت ہوئی ہے۔

"کون خیال کرسکتا تھا؟" پادری نے اپنے آپ سے کہا "واقعی کون خیال کرسکتا تھا کہ خدا اِس گمراہ دل کو ہدایت بخشے گا؟ ہماری نظریں بہت کوتاہ ہیں۔ آسمان کے راز دیکھ نہیں سکتیں۔ خدا موریلا کو، انٹونیو کو، دونوں کی اولاد کو برکت دے!"

(۹)

کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ عورت کے دل کے سمجھ کر لئے اِس دُنیا میں ہمارا کوئی قانون اور قاعدہ بھی کام نہیں دے سکتا۔ وہ جب بہت زیادہ غضب ناک ہوتی ہے تو بہت زیادہ محبت کرتی ہے، اور جب بہت ملتفت ہوتی ہے تو فوراً محبت سے دست بردار ہوجاتی ہے۔ تاہم ایک قاعدہ ضرور ہماری رہنمائی کرسکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایثار اور خود فروشی کے مقابلہ میں کبھی غصہ کی نفرت اور خودداری کی بے پروائی قائم نہیں رہ سکتی۔ سخت سے سخت جنگ آزما روح بھی ایثار اور خود فروشی کے مقابلہ میں سپر ڈال دے گی اور ہار مان لے گی!

رہنمایانِ مُلک و مِلّت کا متفقہ اعلان

اخبار الجمعیۃ کی خدمات کا اعتراف

آج ہر شخص پر یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوگئی ہے کہ قوموں کی مذہبی۔ تمدنی۔ اخلاقی و اقتصادی ترقی میں قومی اخبارات کی رہنمائی کو بڑا دخل ہے۔ جو لوگ دُنیا کے روزانہ انقلاب اور قوموں کے عروج و انحطاط کے حالات سے بیخبر ہیں وہ زندگی کے کسی شعبہ میں ترقی نہیں کرسکتے۔ اسی طرح قومی اخباروں میں سے جو اخبار کہ قوم کی فلاح و بہبود کی جگہ اپنے مالی فائدے کو مدِنظر رکھتے ہیں وہ بجائے قوم کی اصلاح کرنے کے اس کی تباہی و بربادی کے باعث بنجاتے ہیں۔

اخبار الجمعیۃ دہلی جو تین سال سے جمعیۃ علماء ہند دہلی کی سرپرستی میں نکل رہا ہے اُن صحیح اور حقیقت شناس راست باز اخباروں میں سے ہے جنھوں نے حقیقی طور پر مذہب و وطن کی سچی خدمت کی ہے اور ہر موقع پر نہایت دیانت اور جرأت کے ساتھ حق رہنمائی ادا کیا ہے۔ اپنے مالی فائدے اور نقصان سے قطع نظر کرکے قوم کے خالص فائدے کا خیال رکھا اور طرفۃ العین کے لئے بھی جادۂ حق سے انحراف نہیں کیا۔ الجمعیۃ بجا طور پر اس کا مستحق تھا کہ قوم کا کوئی فرد اسکی رہنمائی سے بے بہرہ نہ رہتا اور مسلمانوں کے گھر گھر میں یہ اخبار پڑھا جاتا۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسکی کما حقہ قدر نہ کی اور اس ۳ سال کے عرصہ میں اس کی اتنی اشاعت بھی نہیں ہوئی کہ وہ اپنے مصارف سے ہی بے فکر ہوجاتا۔ ہم تمام مسلمانوں سے مذہب و وطن کے نام پر اپیل کرتے ہیں کہ وہ اِس معزز و موقر اخبار کے زریں مضامین سے فائدہ اُٹھائیں اور کوشش کریں کہ پڑھے لکھے مسلمانوں کا کوئی گھر اِس اخبار سے خالی نہ رہے بالخصوص معاونین جمعیۃ سے پوری اُمید رکھتے ہیں کہ ہر خریدار کم از کم دو جدید خریدار مہیا کردینے کی کوشش کرکے اپنے مذہبی اور وطنی فریضہ کو ادا کرے گا۔ اخبار الجمعیۃ کی امداد درحقیقت مذہب و وطن اور قوم کی امداد ہے اور ہر معاون تمام مسلمانوں اور مذہب و وطن کی طرف سے شکریہ کا مستحق ہے۔

(حضرت مولانا مفتی) محمد کفایت اللہ (صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند) (سیٹھ حاجی) عبداللہ ہارون (ایم ایل اے صدر جمعیۃ مرکزیہ خلافت) (مولانا) حبیب الرحمٰن (صاحب صدر خلافت کمیٹی لدھیانہ) (مولانا ظفر علیخاں (صاحب۔ اڈیٹر زمیندار لاہور) (مولانا احمد سعید (صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند) (جناب) قریشی (صاحب اڈیٹر تنظیم۔ آنریری اسسٹنٹ سکرٹری آل انڈیا تنظیم کمیٹی امرتسر) (مولانا سید) سلیمان (صاحب ندوی۔ اڈیٹر معارف اعظم گڈھ) (مولانا ابو المعارف) محمد عرفان (صاحب ناظم مالیات جمعیۃ علماء ہند و ناظم جمعیۃ مرکزیہ خلافت) (مولوی سر) رحیم بخش (صاحب سابق وزیر اعظم ریاست بھاولپور کے سی ایس آئی۔ ایم ایل سی) (مولانا سید) عطاء اللہ شاہ (صاحب بخاری) (مولانا ثناء اللہ (صاحب اڈیٹر اہلحدیث امرتسر) (مولانا) عبدالماجد (صاحب دریابادی اڈیٹر سچ و صدر خلافت کمیٹی اودھ) (ڈاکٹر) سیف الدین (صاحب کچلو امرتسر) (مولانا سید) غلام بھیک (صاحب نیرنگ معتمد عمومی جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام انبالہ) (مولانا) غلام رسول (صاحب مہر اڈیٹر انقلاب لاہور) (سید) جالب (صاحب دہلوی اڈیٹر ہمدم لکھنؤ) (ڈاکٹر سر) محمد اقبال (صاحب بیرسٹرایٹ لا لاہور) بدر الحسن (صاحب ہلالی اڈیٹر مدینہ بجنور) (حضرت مولانا) حسین احمد (صاحب جانشین حضرت شیخ الہندؒ) (مولانا) شبیر احمد (صاحب عثمانی دیوبند) (مولانا حبیب الرحمٰن (صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند) (مولانا) عبدالحلیم (صدیقی لکھنؤ) (مولانا ابو المحاسن محمد سجاد (صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار) (مولانا) مرتضیٰ حسن (صاحب دیوبند) (صاحبزادہ) عبدالقیوم (ایم ایل اے) (دیوان سید) آل رسول (صاحب سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف) (مولانا پیر) محمد ضیاء الدین (صاحب سجادہ نشین سیال شریف پنجاب) (مولانا سید مناظر احسن (صاحب گیلانی پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن) [illegible] شعیب قریشی۔

(اخبار الجمعیۃ کے لئے تمام درخواستیں منیجر الجمعیۃ۔ دہلی کے پتہ پر آنی چاہئیں۔ قیمت سالانہ ۔/۔ ششماہی [illegible] ممالک غیر سے [illegible]۔ نمونہ مفت):

افسانہ

غضب ناک محبوبہ

L'ARRABIATA

(پال ہیس کے قلم سے)

(۲)

انٹونیو، لڑکی کے غرق ہونے کے خوف سے سناٹے میں آگیا۔ وہ بُت بنا کھڑا تھا۔ اُس کے دماغ میں کوئی خیال بھی باقی نہیں رہا تھا۔ آسمان پر نظر جمائے اس طرح کھڑا تھا، گویا کسی معجزے کا انتظار کر رہا ہو!

آخر کار اُس کے حواس درست ہوئے۔ اُسنے ڈانڈ اُٹھائی اور پوری قوت سے کشتی، لڑکی کی طرف لے چلا۔ اُس کی آنکھیں لڑکی پر جمی تھیں۔ اُسے بالکل خیال نہ رہا کہ اُس کے ہاتھ سے خون کا فوارہ بہ رہا ہو۔

موریلا بڑی تیزی سے پیرتی چلی جاتی تھی۔ مگر کشتی اُس کے قریب پہنچ ہی گئی۔

"خدا کے لئے کشتی پر آجاؤ!" انٹونیو چلایا "میں دیوانہ ہوگیا تھا۔ خدا جانے میری عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے تھے۔ گویا مجھ پر بجلی گر گئی تھی۔ میرے سینے میں آگ کا تنور جل اُٹھا تھا۔ موریلا! میں معافی تک کی درخواست نہیں کرسکتا۔ میں معافی کا بھی مستحق نہیں ہوں۔ بس میری التجا صرف اتنی ہو کہ کشتی پر چلی آؤ۔ ہلاک مت ہو!"

موریلا برابر پیرتی رہی۔ گویا اُس نے سُنا ہی نہیں۔

"ساحل تک پہنچنا محال ہو" انٹونیو نے پھر کہا "ابھی پورے دو میل باقی ہیں۔ اپنی بیمار ماں کا خیال کرو۔ اُس کا کیا حال ہوجائے گا؟ اگر تمھیں نقصان پہونچا تو میں بھی جان دے دوں گا"

موریلا نے سامنے نگاہ کرکے فاصلہ دیکھا۔ پھر بغیر کوئی جواب دئے کشتی کی طرف آنے لگی۔ کشتی کا کنارہ پکڑ لیا اور اوپر چڑھنے لگی۔ انٹونیو، سہارا دینے کے لئے اُٹھا۔ کشتی ایک طرف جُھک پڑی۔ ملاح کی چادر کنارے رکھی تھی۔ پانی میں گر پڑی۔ لڑکی نے سہارا لینے سے انکار کیا۔ پُھرتی سے اوپر آگئی اور اپنی پہلی جگہ پر خاموش جا بیٹھی۔

(۴)

انٹونیو نے اُسے مطمئن دیکھ کر پھر کشتی کھینا شروع کردی۔ موریلا اپنے بال ہاتھوں میں لے کر نچوڑنے لگی۔

یکایک موریلا کی نظر کشتی کی زمین پر پڑی۔ وہ خون سے رنگین تھی اُس نے معًا انٹونیو کے ہاتھ کی طرف نظر اُٹھائی۔ ہاتھ سخت زخمی تھا۔ مگر وہ پوری قوت سے کام کر رہا تھا۔

"یہ لو" موریلا نے کہا اور اپنے رومال کی طرف اشارہ کیا انٹونیو نے موریلا کو دیکھے بغیر سر کے اشارے سے انکار کردیا۔ اور کشتی چلاتا رہا تھوڑی دیر بعد موریلا اپنی جگہ سے اُٹھی۔ آگے بڑھی۔ ملاح کے سامنے بیٹھ گئی، اور اپنے رومال سے اُس کا ہاتھ باندھنے لگی۔ انٹونیو نے بہت بہت انکار کیا مگر دوشیزہ نے اُس کے زخمی ہاتھ سے ڈانڈ لے لی اور خود چلانے لگی۔ وہ ملاح کو نہیں دیکھتی تھی، لیکن ڈانڈ پر اُس کے ہاتھ کے خون کے جو قطرے لگ گئے تھے، اُن پر نظریں گڑ گئی تھیں۔

دونوں چپ تھے۔ چہرے اُترے ہوئے تھے۔ جب ساحل کے قریب پہنچے تو ماہی گیر صاحب سلامت کرنے لگے بعض بعض نے آنکھوں ہی آنکھوں میں باہم کر اشارات بھی کئے۔ لیکن وہ دونوں بالکل خاموش رہے۔ اُن میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔

سُورج ابھی تک باقی تھا۔ کنارا آگیا۔ موریلا نے اپنے کپڑے درست کئے اور اُتر پڑی۔

صبح والی بڑھیا اپنی پوتی کے ساتھ وہیں بیٹھی چرخا کات رہی تھی۔

"انٹونیو!" ملاح کو دیکھ کر چلائی "تیرے ہاتھ میں کیا ہوا؟ خدا خیر کرے! تیری کشتی بھی خون سے رنگین ہو!"

"کچھ نہیں" انٹونیو نے افسردگی سے جواب دیا "کشتی میں ایک کیل نکل آئی تھی۔ اُس سے زخم لگ گیا۔ صبح تک اچھا ہوجائے گا۔ یہی زیادہ خون تو میرے لئے مصیبت تھا۔ زخم کی راہ نکل گیا"

"یہاں آؤ، میں پٹی باندھ دوں" نیک دل بڑھیا نے کہا "ذرا ٹھہرو، میں ابھی کوئی جڑی بوٹی لاتی ہوں"

"شکریہ" انٹونیو نے کہا "زحمت نہ کرو۔ زخم بھر گیا ہو۔ صبح تک بالکل ٹھیک ہوجائے گا۔ میری تندرستی اچھی ہو۔ معمولی تکلیف کا کوئی اثر نہیں ہوتا"

"خدا حافظ!" موریلا نے کہا، جو اب تک کھڑی بڑھیا کی باتیں سُن رہی تھی۔

خدا حافظ!" انٹونیو نے اُس کی طرف نظر اُٹھائے بغیر جواب دیا۔

موریلا اپنے گھر روانہ ہوگئی۔ انٹونیو نے بھی بے دلی کے ساتھ اپنی ڈانڈ اور ٹوکریاں اُٹھائیں اور جھونپڑے کی راہ لی۔

(۵)

انٹونیو اپنے چھوٹے سے جھونپڑے میں اکیلا ہو۔ بہت پریشان ہو۔ کسی پہلو چین نہیں۔ اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ہوا ٹھنڈی تھی اور بے شیشہ کی کھڑکیوں سے اندر آرہی تھی۔ تنہائی اس کے لئے ایک حد تک آرام دہ تھی۔ دیوار پر مقدس کنواری (مریم علیہا السلام) کی تصویر لٹک رہی تھی۔ وہ تصویر کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ کنواری کے سر پر تاروں کی آرائش دیکھی لیکن نماز پڑھنے کو جی نہیں چاہا۔ وہ نماز کیوں پڑھے؟ ابھی ابھی وہ اپنی زندگی کی تمام آرزؤں سے محروم ہوچکا ہو!

اُس نے خیال کیا "آج دن ختم نہ ہوگا۔ بے صبری سے رات کا انتظار کرنے لگا۔ تھکا ہوا تھا۔ خون بہ جانے کی وجہ سے بھی طبیعت کمزور ہو رہی تھی۔ ہاتھ کے زخم کا درد بڑھنے لگا۔ وہ لکڑی کی ایک چھوٹی سی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ کی پٹی کھولی تو پھر خون بہنے لگا۔ پورا ہاتھ ورم کر آیا تھا۔ بڑی محنت سے اُس نے ہاتھ دھویا۔ موریلا کے دانتوں کے نشان صاف نظر آتے تھے!

"اُس کی کیا خطا ہو؟" اپنے آپ سے کہنے لگا "میں وحشی ہوگیا تھا۔ مجھے یہی سزا ملنی چاہئے تھی۔ کل بڑھیا کے ہاتھ اُس کا رومال واپس کردوں گا۔ اور اب کبھی اُس کا سامنا نہ کروں گا!"

زخم دوبارہ دھویا۔ دانتوں کی مدد سے پٹی باندھی۔ بچھونے پر دراز ہوگیا۔ اور آنکھیں بند کرلیں۔

وہ سمجھ نہ سکا، سویا تھا یا رات بھر جاگتا رہا۔ لیکن اُسے چاند کی دھندلی روشنی میں جب ہوش آیا تو ہاتھ میں سخت درد ہو رہا تھا۔

(۶)

یکایک دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔

موریلا اُس کے سامنے کھڑی تھی!!

وہ بغیر اجازت کے اندر چلی آئی۔ بالکل خاموش تھی۔ سر کے رومال کھولا، ہاتھ کی ٹوکری، سامنے چھوٹے سے میز پر رکھ دی۔

"اپنا رومال لینے آئی ہو؟" انٹونیو نے پوچھا "ناحق تکلیف اُٹھائی۔ میں خود کل صبح بھیجدینے والا تھا"

"رومال نہیں" موریلا نے ہانپتے ہوئے جواب دیا "میں دیر سے پہاڑی پر جڑی بوٹی ڈھونڈھ رہی تھی۔ لو، یہ لائی ہوں"

"تم نے بڑی تکلیف کی" ملاح نے جوش مسرت کے احساس سے مضطرب ہوکر کہا "افسوس، تم بہت پریشان ہوئیں۔ مجھے تو اب آرام ہو۔ لیکن اگر تکلیف بھی ہو، تو اس کا مستحق ہوں۔ تم ایسے وقت کیوں آئیں؟ اگر کوئی دیکھ لے؟ تم لوگوں کی عادت جانتی ہو۔ انھیں ہر وقت کچھ نہ کچھ کہنا ہی چاہئے"

"میں کسی کی بھی بکواس کی پرواہ نہیں کرتی" موریلا نے غصہ اور ہمدردی کے ملے جُلے لہجہ میں کہا "میں تمھارا ہاتھ دیکھنے اور دوا لگانے آئی ہوں۔ تم اپنے بائیں ہاتھ سے دوا نہیں لگا سکتے"

"میں دوا کا مستحق نہیں ہوں۔ سچ کہتا ہوں" انٹونیو نے تاثر کے ساتھ کہا۔

"اچھا مجھے ہاتھ دیکھنے دو۔ اچھا ہوگا تو دوا نہ لگاؤں گی"

یہ کہہ کر موریلا نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب انکار اُسکی قدرت سے باہر تھا۔ پٹی کھولتے ہی دوشیزہ چلائی "آہ، یسح!"

نہیں معمولی سا ورم ہو۔ کل تک اُتر جائے گا" انٹونیو نے بے پروائی سے کہا۔

موریلا نے سر ہلایا:

"تم ایک ہفتہ سے پہلے سمندر میں لوٹ نہیں سکتے"

"اوہو، ایک ہفتہ، دو ہفتے، دس ہفتے" ملاح نے بے رنج کہا۔

موریلا اُس کا زخم بڑی توجہ سے دھونے لگی۔ وہ چھوٹے بچے کی طرح کراہتا تھا۔ موریلا نے زخم پر دوا تھوپ دی۔ پٹی باندھ دی۔ درد میں کمی ہوگئی۔

"موریلا! شکریہ!" انٹونیو نے آرام پاکر کہا "اگر مجھ پر ایک اور احسان کرنا چاہو، تو وہ یہ ہو کہ میرا دن والا قصور معاف کردو۔ میری سب باتیں بھول جاؤ۔ نہیں معلوم ایسا کیوں ہوا؟ ہرگز نہیں تمھاری کوئی خطا نہیں تھی۔ اب میری زبان سے کبھی کوئی ناگوار بات نہیں سنوگی....."

"نہیں نہیں، مجھے معافی مانگنی چاہئے" موریلا نے جلدی سے کہا

عات الہلال بک ایجنسی

عارف ابن تیمیه و ابن قیم

دینی علوم کی ... حراغ ... ری

السحر الحلال فی مجالس الہلال

منیجر " السلام پریس "

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواهر ریزے

اس سلسله میں هم نے اماميں کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه " سلسلۂ تراجم " بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب " زاد المعاد " کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ڈھائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ " وسیله " کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول " توحید " کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد ڈھائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقیٰ — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چھه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضا مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - فی پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکهین

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کي تاریخ میں الہلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الہلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اوراق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تہے - اور اُسکا هر باب اپني مجتہدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تهیں - اردو کا وہ پہلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نہیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچهلے دنوں " البلاغ پریس " کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جاسکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو اُنہیں دوبارہ چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدللہ یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنہیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تہجي لگادي گئي هے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " " چہارم ۱۰ روپیه " " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد " البلاغ " (جب دوسري مرتبه الہلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر " البلاغ پریس "

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

١٩٢٧

جلد ١

نمبر ١٨

ابلاغ پریس کلکتہ

قیمت ٥ ـ آنہ

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رهنما :

تائمز اف لنڈن کا ادبي ضمیمه

یه ضمیمه دنیا کي تمام کتابوں پر هفته وار دلچسپ اور وقیع تبصره کرتا هے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم هے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بهي هوتے هیں جنکي اهمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا هے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضه کیجئے که وه تائمز لنڈن کا هفته وار ادبي ضمیمه آپکے لئے مهیا کرے - لیکن اگر آپ چاهیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے هیں

دنیا کے هر معلم اور ماهر فن تعلیم کیلئے

ضروري هے که

تائمز اف لنڈن کا تعلیمي ضمیمه مطالعه کرے

اگر آپ چاهتے هیں که فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نه رهیں ' تو آپکو یه ضمیمه بلا ناغه مطالعه میں رکھنا چاهیے -

یه هر هفته اس موضوع پر تمام اهم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا هے - ماهرین فن اور مشاهیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب هوتے هیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنه

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے هیں -

کیا آپ تجارت کرني چاهتے هیں ?

اگر آپ چاهتے هیں که یورپ اور امریکه کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں ' هندوستان سے خام پیدا وار بهیجیں ' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تهوڑي سي محنت اور تهوڑا سا سرمایه لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں ' تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاهئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بهید سیکهنے چاهئیں - هندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکه کے تمام کارخانوں اور کوٹهیوں کے حالات اور اصول معاملت معلوم کرنے چاهئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں هوسکتے -

اگر آپ چاهتے هیں که بہت تهوڑا سا وقت خرچ کرکے یه ساري باتیں با قاعده علمي اصول پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاهیے که هم سے خط و کتابت کریں - هم یه کام به حیثیت ایک ماهر فن کے کر رهے هیں - خط و کتابت کے بعد هي آپکو معلوم هو جائیگا که آپکے مقصد کیلئے هم کس درجه مفید هیں ؟

همارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے هیں -

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

هر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پهلوں کو محفوظ رکهنے کیلئے ضروري هیں ' اس کارخانے میں طیار کي جاتي هیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یه بہترین کارخانه هے - مندرجۂ بالا پته سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکهیے

میووں ' ترکاریوں ' اور هر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقه وه هے جو " نئے سسٹم " کے نام سے متمدن ممالک میں مشهور هے - اس " نئے سسٹم " کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانه سے مل سکتي هیں -

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین
القرآن الحکیم

الهلال

ایک هفته وار مصور رساله

نمبر ۱۸ — کلکته : جمعه ۲۴ . ربیع الثانی ۱۳۴٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 21, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای .
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکهیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین . الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱٤۹۲ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۱۷	اردو حروف کی حق مین	٤۱۰
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	٤٦٤	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۲۵۰	نستعلیق هون	۱۵۱

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین . الهلال

هر جمعه کو نمبر ١١ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول	بارہ روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	سات روپیه
قیمت في پرچه	پانچ آنه

(١) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الهلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر "ایڈیٹر" کا نام هونا چاهیے -

(٢) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(٣) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(٤) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(٥) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نهیں کیا جائیگا -

(٦) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(٧) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(٨) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نهیں هے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

صرف لوتھر اور میلان ھي نے اِس علمي تحقیق کي مخالفت نہیں کي ' بلکه پروٹسٹنٹ کنیسا کے اور بہت سے اقطاب بھي سخت مخالف رہے - چنانچه کالون نے اپني کتاب " حواشي بر سفر تکوین" میں کوپر نیکوس اور اس کے هم خیالوں پر بڑي سختي سے حمله کیا ھے اور اُن سب کو کافر اور ملحد قرار دیا ھے جو زمین کو نظام کائنات کا مرکز تسلیم نہیں کرتے - وہ زبور کي آیتیں پیش کرنے کے بعد سوال کرتا ھے " وہ کون ھے جو کوپر نیکوس کو روح القدس کي سي عظمت رکھنے والا سمجھنے کي جرأت کر سکتا ھے ؟ "

کالون کے جانشین ' ٹریٹن کي بھي یہي رائے تھي - کیپلر اور نیوٹن نے جب کوپر نیکوس اور گلیلیو کے نظریے پوري طرح ثابت کر دیے ' اور ان کے لیے غیر متزلزل قواعد مقرر کر دیے ' تب بھي ٹریٹن اپني لاھوتي کتاب شایع کرنے سے باز نہیں رہا ' اور کتاب مقدس کے نصوص سے ثابت کرنا چاھا کہ آسمان ' سورج ' اور چاند زمین کے گرد گھومتے ھیں ' اور خود زمین نظام کائنات کے مرکز میں قائم و ثابت ھے !

تاریخ انگلستان میں بھي اِس لاھوتي جد و جہد کي بہت مثالیں ملتي ھیں - ھچنسن نے اپني کتاب " اصول موسوی " میں ' ڈاکٹر سموئیل بیک نے " مقدس فلسفه " میں ' ھورن ' اسقف ھورسلے ' اور وربس وغیرھم نے اپني اپني تفسیروں میں نیوٹن کے نظریے کي بڑي سرگرمي کے ساتھه مقاومت کي ھے - کتاب مقدس کي آیتوں سے مسلح ھوکر اُس پر ٹوٹ پڑے ھیں - یہي حال ڈاکٹر جان اوین کا ھے ' جو پیورٹیین مذھب کا ایک بڑا قطب مانا جاتا ھے - اُس نے انتہائي دیدہ دلیري سے اعلان کردیا کہ " کوپر نیکوس کا نظریه ' سراسر وھم و خیال ھے - کیونکه نصوص وحي کے برخلاف ھے " مشہور جان ویسلے بھي اِس گروہ سے باھر نہیں ھے - اُس کا صاف اعلان تھا " جدید فلکي نظریے کفر و الحاد کي طرف لیجانے والے ھیں "

سولھویں صدي کے وسط میں شہر ویٹنبرگ میں (جو پروٹسٹنٹ مذھب کا مرکز تھا) دو عالم رٹیکوس اور رینالڈ رھتے تھے - اُنھوں نے کوپرنیکوس کے مذھب کي تحقیقات کي تھي ' اور اُسے حق سمجھتے تھے - لیکن انھیں اجازت نہیں دي گئي کہ اپنے طالب علموں پر اپنا یہ اعتقاد ظاھر کریں - رٹیکوس نے تو تنگ آکر یونیورسٹي سے استعفا دیدیا ' تاکہ آزادي کے ساتھه اعلان حق کرسکے - لیکن رینالڈ یہ نہ کرسکا - اُسے مجبور ھونا پڑا کہ قدیم مذھب کي حمایت کرتا رہے - اُسے حکم دیا گیا تھا کہ اپنے درس میں کوپرنیکوس کے مذھب کا کوئي ذکر نہ کرے - اگر کبھي اِشارہ کرنا پڑے تو پھر اُس پر بطلیموسي نظام کو ترجیح دے - اُس نے اِس حکم پر عمل کیا - لیکن اِس پر بھي تکفیر سے محفوظ نہ رہ سکا ' اور بالاخر ذلت کے ساتھه یونیورسٹي سے نکال دیا گیا - اُس کي جگه ایک نیا استاد مقرر ھوا تھا - اِس معلم نے اپني پہلي تقریر اِس جملے سے شروع کي تھي : " کوپرنیکوس کا نظریه ' بدیہي طور پر غلط ھے - خلاف عقل ھے - ھرگز علمي مرکزوں میں اُسکا ذکر نہیں کرنا چاھیے ! "

پروٹسٹنٹ لاھوتیوں نے صرف اِتنے ھي پر اکتفا نہیں کیا ' بلکه تعلیم گاھوں میں بھي ایسي کتابیں داخل کر دیں ' جو قدیم خرافات کا مجموعه تھیں - چنانچه کاھن ھنسل نے مدارس کے لیے ایک مختصر کتاب " اصل کائنات اور نظام موسوي کا اتباع " لکھي تھي اور ثابت کیا تھا کہ کوپرنیکوس کے فلکي نظریے کتاب مقدس کے بالکل خلاف ھیں " خواہ ریاضي کے قواعد اور دور بین کے مشاھدات کا کتنا ھي دعوی کیوں نہ کیا جاے ' لیکن ایک ایماندار مسیحي کو کبھي تسلیم نہیں کرنا چاھیے " !

یه علم دشمني صرف قرون مظلمه ھي کا خاصه نه تھي - جدید پروٹسٹنٹیت کو بھي وراثت میں ملي تھي - چنانچه انیسویں صدي کے آخري برسوں میں مشن کالجوں کے بہت سے استاد اِس جرم پر خارج کر دیے گئے تھے ' کہ وہ جدید علم ھیئیت پر اعتقاد رکھتے تھے اور اسلیے ملحد تھے !

(کلیسائي علم و استدلال)

لاھوتي عدالت میں گلیلیو کي سزا یابي کے بعد رومن کیتھولک کلیسا کي ھدایت سے کئي کتابیں لکھي گئي تھیں ' تاکہ کوپر نیکوس کي " گمراھي " مسیحي دلوں سے دور کي جائے - چنانچه سیبیومونٹي اپني کتاب میں زمین کو ساکن ثابت کرتے ھوے لکھتا ھے :

" جو حیوانات حرکت کرتے ھیں ' اُن کے اعضاء اور عضلات ھوتے ھیں - لیکن چونکه زمین نه تو اعضاء رکھتي ھے' نه عضلات ' اس لیے وہ حرکت نہیں کرسکتي - وہ فرشتے ھیں' جو زحل' مریخ' آفتاب وغیرہ کو حرکت دیتے رھتے ھیں - اگر بفرض محال تسلیم بھي کرلیا جائے کہ زمین متحرک ھے ' تو اُسے حرکت میں لانے کے لیے ضروري ھوگا کہ اُس کے مرکز میں ایک فرشته ھو - حالانکه معلوم ھے کہ فرشتے زمین کے اندر نہیں رھتے - وھاں تو صرف شیطان کا بسیرا ھے - اگر کہا جاے کہ شیطان زمین کو متحرک رکھتا ھے ' تو یه نا قابل تسلیم ھے - کیونکه شیطان کے ایسے اعمال کتاب مقدس سے ثابت نہیں " !

کاش اس مسیحي علامه کو معلوم ھوتا کہ اگر ستاروں کي حرکت کیلیے فرشتوں کي تلاش ھے ' تو وہ فرشته موجود ھے - اِس کا نام " قوت جذب و دفع " ھے !

پولاک اپني کتاب " کوپر نیکوس کے رد " میں اِس طرح گہر افشاني کرتا ھے :

" کتاب مقدس کي تصریح موجود ھے کہ زمین ساکن ھے اور سورج چاند گردش میں ھیں - اگر کبھي ھم دیکھیں کہ سورج چاند متحرک نہیں ھیں ' تو کتاب مقدس کي رو سے ھمیں ماننا پڑیگا کہ یه تبدیلي کسي عظیم معجزے کي بنا پر پیدا ھوئي ھے - اس کے خلاف جتنے خیالات ھیں ' اُن کي اشاعت پوري سختي سے روک دیني چاھیے ' کیونکه اُنمیں زمین کے متعلق ایک ایسي رائے پیش کي جاتي ھے جو کتاب مقدس کے صریح خلاف ھے "

پھر عقلي دلائل اور مشاھدے سے بھي استدلال کرتا ھے :

" اگر تسلیم کر لیا جائے کہ زمین حرکت کرتي ھے تو پھر مشاھدات کي توجیه کیا کي جاسکتي ھے ؟ اگر ایک تیر آسمان کي طرف پھینکا جاے ' تو وہ اپني جگه واپس آجایگا - حالانکه تیر بہت دور جا کر گرنا چاھیے - کیونکه نئے نظریے کے بموجب زمین از حد سرعت سے مشرق کي طرف جا رھي ھے - اگر في الواقع زمین متحرک ھوتي تو زمین کا پورا کارخانه درھم برھم ھو جاتا "

اسکے بعد لکھتا ھے :

" کوپرنیکوس کے نظریے کے بموجب زمین کا متحرک ھونا ' خود زمین کي طبیعت کے بھي خلاف ھے - کیونکه زمین صرف ٹھوس

علم اور کلیسا کا معرکہ

کلیسائي جہل و جمود کے بعض تاریخي حقائق

گزشتہ تین صدیوں سے دین اور علم کي معرکہ آرائي کا غلغلہ بلند ھے - لیکن في الحقیقت یہ معرکہ دین اور علم میں نہیں ھے - دیني جماعتوں اور علم کے مدعیوں میں ھے - اگر یہ دونوں صف آرا جماعتیں میدان سے ھٹ جائیں ' تو پھر صرف علم اور دین باقي رھجائینگے ' اور دنیا دیکھہ لیگي کہ ان میں کوئي نزاع نہیں ھے !

یورپ میں جب نئي علمي ترقیات نے نشو و نما پائي ' تو دین ' مسیحي کلیسا کي شکل میں موجود تھا - علمي حلقوں کا تصادم کلیسا کے جمود و تعصب سے ھوا ' اور اس نے معرکۂ علم و دین کي صورت اختیار کرلي -

امریکا میں ڈریپر نے اور یورپ میں کیلي نے اس معرکہ آرائي کي داستانیں لکھیں ' اور " علم " کي فتح مندیوں اور " دین " کي ھزیمتوں کا غلغلہ ھر طرف بلند ھوگیا - حالانکہ اس فرضي معرکہ آرائي میں اُنھوں نے جس فریق کو " دین " کے نام سے پکارا ھے ' وہ دین نہ تھا ' دیني جماعتوں کا ایک خاص نظام تھا جو کلیسا کے نام سے قائم ھوگیا ھے - اگر وہ " دین " کي جگہ " کلیسا " کا لفظ اختیار کر لیتے ' تو یہ پورا رزم نامہ اپني جگہ صحیح ھوجاتا ' اور ھمیں علم کي فتح مندیوں اور کلیسا کي ھزیمتوں کے اعتراف میں ذرا بھي تامل نہ ھوتا - جان ڈکنسن اور پروفیسر رھائٹ نے ڈریپر اور کیلي کي یہ غلط اندیشي دور کرني چاھي ' لیکن اُن کي صدائیں زیادہ بلند اور مقبول نہ ھوسکیں -

(پروٹسٹنٹ کلیسا اور علم)

انیسویں صدي کے آخر میں اکثر مصنفوں نے اِس نزاع کي ذمہ داري رومن کیتھولک کنیسے پر ڈالدي ھے اور اُسي کو علم کي دشمني اور علماء کي تعذیب کا مجرم قرار دیا ھے - گویا اِس کنیسے کے سوا کسي دوسرے مسیحي کنیسے نے علم کي کوئي مقاومت نہیں کي - لیکن یہ صحیح نہیں ھے - یہ تاریخي حقیقت ھے کہ روشن خیالي اور تسامح علمي میں سب سے زیادہ مشہور کلیسا ' پروٹسٹنٹ بھي عقلي تنگ نظري اور علم دشمني میں رومن کنیسے سے پیچھے نہیں رھا - لوتھر کے جانشینوں نے بھي علم دشمني میں ویسي ھي مجاھدانہ روح پیدا کرلي تھي ' جیسي صدیوں سے قدیم کلیسا میں موجود تھي -

گیلیلو نے جب کوپر نیکوس کے نظریے کي حقانیت ثابت کردي ' اور دوربین کے ذریعہ چاند میں پہاڑ ' سورج میں دھبے ' اور عطارد کے اقمار دکھا دیے ' تو رومن کنیسا غیظ و غضب سے مجنوں ھوگیا - دیني عدالت کو حکم دیا گیا کہ اِس " ملحد " کو گمراھي سے روکا جائے ' اور کنیسا کي اطاعت پر مجبور کیا جائے - دلیل و برھان سے نہیں — جس سے کنیسا تہي دست تھا — لوھے اور آگ سے ' جس کي کنیسے کے پاس کوئي کمي نہ تھي !

لیکن کیا لوتھر اور اُس کے پیرو اِس " الحاد " کے کم دشمن تھے ؟ کیا اُنھوں نے عقل کے قید کرنے اور گمراھي کے پھیلانے میں کوئي کمي کي ؟ اِس کا جواب ھم خود لوتھر کي زبان سے سن سکتے ھیں - کوپر نیکوس کا رد کرتے ھوئے وہ کہتا ھے :

" لوگ ایک مجنوں نجومي کي بکواس پر کان دھرتے ھیں - حالانکہ وہ ثابت کرنا چاھتا ھے کہ زمین گردش کرتي ھے ' نہ کہ آسمان - واقعہ یہ ھے کہ لیاقت اور دانائي میں شہرت حاصل کرنے کا ھر خواھش مند انسان کوئي نہ کوئي نیا نظریہ پھیلانے کي کوشش کرتا ھے - وہ مدعي ھوتا ھے کہ اُس کا نظریہ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ یقیني ھے - یہ آسیب زدہ انسان آج اُٹھا ھے کہ علم ھئیت کے تمام قواعد و اصول تہہ و بالا کرڈالے - حالانکہ کتاب مقدس میں صاف لکھا ھے کہ یوشع نبي نے سورج سے کہا ' تھہر جا - لیکن زمین کو ایسا حکم نہیں دیا گیا ' کیونکہ وہ خود ھي تھہري ھوئي ھے "

ایک دوسرے پروٹسٹنٹ مصلح میلان کا لہجہ اِس " الحاد " کے مقابلے میں لوتھر سے نرم ھے - لیکن وہ بھي اپني کتاب میں (جو کوپر نیکوس کي وفات کے چھہ برس بعد شایع ھوئي ھے) لکھتا ھے :

" ھماري آنکھیں مشاھدہ کرتي ھیں کہ آسمان ھر چوبیس گھنٹے میں گھوم جاتے ھیں - لیکن بعض جدت پسندوں نے مشہور کرنا شروع کردیا ھے کہ زمین حرکت کرتي ھے نہ کہ فلک ثاني اور آفتاب - اِس قسم کے خیالات کي علانیہ اشاعت اور اُن کے ذریعہ مخلوق کي تضلیل ' بلند ھمتي اور دیانت داري کے قطعي خلاف ھے - کیونکہ یہ لوگوں کے لیے مکروہ نتائج پیدا کرنے والا نمونہ بن جائیگا - جو کوئي بھي نیکي کا طالب ھے ' اُسے حق سے روگرداني نہیں کرني چاھئے - وہ حق ' جو خداوند خدا نے اپني کتاب میں نازل فرمایا ھے ' اور جسکے سوا سب کچھہ باطل ھے "

اس کے بعد یہي مسیحي مصلح مزامیر داود اور دیگر مقدس صحیفوں کا حوالہ دے کر دعوی کرتا ھے " ان سے پوري وضاحت کے ساتھہ ثابت ھو جاتا ھے کہ زمین تھہري ھوئي ھے اور سورج اُس کے گرد گھومتا ھے " اِتناھي نہیں بلکہ اپنے بیان کے اثبات میں وہ عقلي دلائل بھي پیش کرتا ھے ' اور پھر یہ نتیجہ نکالتا ھے کہ " زمین اُسي حالت میں ایک جگہ قائم رھسکتي ھے جبکہ وہ اِس کائنات کے وسط میں ھو " پھر اُسے غصہ آجاتا ھے - وہ غضب ناک ھوکر کہتا ھے " اُن لوگوں کو سخت عبرت انگیز سزائیں دیني چاھئیں جو کوپر نیکوس کي تعلیم کي اشاعت کرتے ھیں " !

سمجھتے - میں نے خیال کیا ' اپنے گاؤں کے لیے کوئی ایسی زبان ایجاد کرنی چاهئے ' جو سب کے لیے آسان اور قابل فہم هو - اسپرنٹو ' اِسي خیال کا نتیجه هے "

یه کام آسان نه تها - ڈاکٹر مذکور کو یورپ کي تقریباً تمام زبانیں سیکھني پڑیں - سب کي صرف و نحو میں مهارت حاصل کي ' اور ایک بالکل نئي زبان اور نیا قاعده بنانا پڑا - سنه ۱۸۸۵ ع میں اُس نے اپني تعلیم ختم کي تهي اور طبابت کا پیشه اختیار کرلیا تها - تاهم اُس کي تمام تر توجه اِس نئي زبان کي تکمیل و اشاعت هي پر صرف هوتي رهي - سنه ۱۸۸۷ ع میں اُس نے اِس زبان کي پہلي کتاب شائع کي - اُس کا نام " عالمگیر زبان " تها -

شروع شروع میں اُسے سخت ناکامیابي هوئي - سب لوگ اُسے مجنون قرار دیتے تهے - کوئي اُس کي مدد پر کهڑا نہیں هوتا تها - لیکن بتدریج یورپ میں اُس کا خیال مقبولیت حاصل کرنے لگا ' اور اِس زبان کي ترقي کے لیے پیرس میں ایک انجمن " Esperantistes Pacifiques De Paris " کے نام سے قائم هوگئي -

سب سے پہلے سنه ۱۸۷۸ میں دنیا نے یه نئي زبان سني - ڈاکٹر موصوف نے ایک جلسه میں اس زبان کي ایک نظم سنائي - اس کے ابتدائي بند مع ترجمه حسب ذیل هیں :

En La mondo vanis nova sento

دنیا میں ایک نیا شعور آیا -

Fra La mondo iras ferta voko

دنیا میں ایک طاقتور دعوت پهیلانے لگا

Per de flugiloj de facila vento

هلکي هوا کے بازؤں پر

Nun de loko flugu gi al loko

اُسے ایک جگه سے دوسري جگه اڑنے دو !

اسپرانٹو ' اِس قدر آسان زبان هے که اُس کے تمام قواعد ایک گهنٹه کے اندر معلوم کر لیے جاسکتے هیں - اُس کے الفاظ کي تعداد صرف دو هزار هے - چند هفتے کي مزاولت کے بعد گفتگو اور تحریر بخوبي کي جا سکتي هے - اُس کے تمام الفاظ یوناني ' لاطیني ' جرمن ' روسي ' فرانسیسي ' اور انگریزي زبانوں سے ماخوذ هیں - اُس میں صرف ۲۳ حرف هیں - u, s, j, h, g, c دو حرفوں کے قائم مقام هوتے هیں - کوئي ساکن حرف نہیں هے - جو حرف لکها جاتا هے ' تلفظ بهي کیا جاتا هے - شاذ افعال بهي نہیں هیں - معرفه کا صرف ایک حرف هے اور وہ La هے -

الفاظ کي قسمیں اُن کے اواخر سے پہچاني جاتي هیں - مثلاً Patro (باپ) میں o اسم کي علامت هے - Patra (ابوي) میں a نعت یا نسبت کي علامت هے - Patre میں e ظرف کي علامت هے - Palri میں i فعل کي علامت هے -

حروف علت ' a, e, u, o, جب اصل لفظ سے ملا دیے جاتے هیں ' تو وہ لفظ یا تو صفت هوجاتا هے یا ظرف ' فعل ' اور اسم -

فعل کي تصریف یوں هوتي هے :

(مصدر)	Ami (محبت)
میں محبت کرتا هوں	mi Amas
میں نے محبت کي	mi Amis
میں محبت کرونگا	mi Amos
شاید میں محبت کروں	mi Amus
محبت کرو	Amu
محبت کرنے والا	Aman ta
محبت کرتا تها	Amin to
عنقریب محبت کریگا	Amon te

اسپرانٹو زبان میں مسیحي نماز کي دعا کا ترجمه یه هے :

Patro nia Kiu estas en la cielo,

اے همارے باپ تو جو آسمان میں هے !

sankta estu Via nomo Venuregeco Via.

تیرا نام پاک مانا جائے ' تیري بادشاهي آئے !

Estu rolo Via Kiel en la cielotiel ankau, sur la tero.

تیري مرضي جیسي آسمان پر پوري هوتي هے ' زمین پر بهي هو !

Panon mian ciu tagan donu almi hodiau.

هماري روز کي روٹي آج همیں دے !

Kaj pardona al ni suldojon niaju.

همارے قرض همیں بخش دے !

Kiel ni ankau pardonas al niajsuldantoj.

جس طرح هم نے اپنے قرضدارں کو بخش دیا هے !

Ni Konduku nin en tenton.

همیں آزمائش میں نه پڑنے دے !

Sed lilerigu nin de la mallona.

بلکه برائي سے بچا !

Amen!

آمین !

اور سرد هي نهيں هے ' بلکه اپنے عناصر ميں برودت کے خواص بهي رکهتي هے - معلوم هے که برودت حرکت کو روکتي هے - بلکه اُسے فنا کر ڈالتي هے - هم حيوانات ميں ديکهتے هيں که ٹهنڈے پڑ جانے کے ساتهه هي اُن کي حرکت بهي موقوف هو جاتي هے - لهذا زمين کا متحرک هونا قطعاً محال هے "

" کتاب مقدس کي صريح نصوص سے ثابت هے که آسمان زمين کے اوپر حرکت کر رهے هيں' اور چونکه مدور حرکت کے ليے ضروري هے که اُسکا کوئي مرکز قائم هو' لهذا تسليم کر لينا پڑيگا که زمين نظام کائنات کے وسط ميں ثابت و قائم هے "

يه کيتهولک کليسا کے خيالات تهے - مگر پروٹسٹنٹ کليسا بهي اس سے کچهه کم عقل مند نه تها - لوتهر کے پيرو بهي کتاب مقدس کي تفسيروں اور لوتهر کے اقوال کے اندهے مقلد تهے - کالو ليس باوجود اپنے وسيع علم و نظر کے' لوتهر کا اس درجه مقلد تها که اُس نے بهي اِس علمي حقيقت کے تسليم کرنے سے صاف انکار کر ديا - زمين کي حرکت کے خلاف اُس کي سب سے بڑي دليل يه تهي :

" کتاب مقدس ميں لکها هے - خدا نے خرقيا نبي سے کہا " ديکهه ميں آفتاب کے ڈهلے هوئے سايه کے درجوں ميں سے جو دهوپ گهڑي ميں معلوم کيے جاتے هيں' دس درجے پهرا کے چڑها لاؤنگا " چنانچه آفتاب جن درجوں ميں ڈهل گيا تها ' اُن سے دس درجے پهر چڑه گيا (اشعياء - باب ۳۸) "

انگلستان کے مشهور لاهوتي عالم ڈاکٹر اسمتهه نے اعلان کر ديا تها :

" شاهي علمي انجمن ' ملحدوں کي انجمن هے اور دين کے خلاف کوشش کر رهي هے "

جان اوين کا اعلان هے :

" نيوٹن کا نظريه کبهي صحيح علمي بنياد پر قائم نهيں هوا - وه سراسر اوهام و خرافات هے - اور کتاب مقدس کي صريح نصوص کے مخالفت هونے کي وجه سے ناقابل اعتنا هے "

جان ويزلي کا مقوله مشهور هے :

" اگر سحر و ساحري بے اصل چيز هے ' تو انجيل کي کوئي بات بهي صحيح نهيں هے "

يه تهي مسيحي کليسا کي ذهنيت جس نے علم کے مقابله کا اعلان کيا تها ' اور يقيناً اُس کے ليے اس ميدان مبارزت ميں دائمي اور هلاکت انگيز شکست کے سوا کچهه نه تها - کسي انسان کو بهي جو حقيقت اور صداقت کا احساس رکهتا هے ' اس شکست پر متاسف نهيں هونا چاهئے -

دنیا کی مشترک اور عام زبان

کيا تمام دنيا ميں ايک مشترک زبان رائج هو سکتي هے ؟

اسپرنٹو

گذشته مهينے ميلان (اٹلي) ميں يورپ کي نئي مشترک زبان " اسپرنٹو " کے حاميوں کا سالانه اجتماع منعقد هوا تها جو کئي سال سے هر سال منعقد هوا کرتا هے - تازه ڈاک ميں اس اجتماع کي بعض دلچسپ تفصيلات آئي هيں - چونکه هندوستان ميں اس وقت تک اس نئي زبان کي نسبت بهت کم لکها گيا هے ' اس ليے هم بعض مضامين کا خلاصه درج کر ديتے هيں :

موجوده علمي ترقيوں ' تمدني ضرورتوں ' ذرائع مواصلات کي سهولت نے دنيا کے تمام براعظموں کو باهم دگر ملا ديا هے - اِس زمانے ميں کوئي قوم ' دوسري قوموں سے قطع تعلق کرکے زنده نهيں ره سکتي -

ليکن اِتنے قرب و مواصلت پر بهي دنيا کي قوميں اِس وقت تک ايک دوسرے سے دور هي هيں - اُن ميں باهمي تعارف کے ذرائع بهت کم پيدا هوے هيں - اِس صورت حال کي بڑي ذمه داري' قوموں کي علحده علحده زبانوں پر هے - هر قوم اپني مخصوص زبان رکهتي هے - دوسري قوم کي زبان سے نا واقف هے - اگر واقف هونا بهي چاهے تو بهت مشکل هے که بهت سي زبانيں هر شخص سيکهه سکے - اِس ليے عالمگير تعارف و اجتماع کي کوئي صورت نکل نهيں سکتي -

يه حالت ديکهکر مدت سے بعض عقلاء مغرب کا خيال هے که دنيا بهر کے ليے کوئي سهل اور مختصر زبان پيدا کي جاے - " اسپرنٹو " ايک ايسي هي نو ساخته زبان کا نام هے جو پچهلي صدي کے اواخر ميں ايجاد کي گئي هے -

اسپرنٹو کا موجد ايک روسي ڈاکٹر زمينهوف نامي هے - يه صوبهٔ کروڈنو کے ايک چهوٹے سے گاؤں بيسلٹوک کا رهنے والا هے -

اِس زبان کي ايجاد کا خيال اُسے اُس وقت پيدا هوا ' جبکه اُس کي عمر صرف دس بارہ برس کي تهي - اُس نے يه سر گذشت خود اپني زبان سے اِس طرح بيان کي هے :

" ميرے گاؤں ميں روسيوں ' يهوديوں ' پولشوں ' جرمنوں کي مخلوط آبادي تهي - ميں روز سڑکوں پر لڑائي جهگڑے کے واقعات ديکها کرتا تها - تحقيقات سے معلوم هوا که يه جهگڑے زياده تر اِس ليے پيدا هوجاتے هيں که باشندے ايک دوسرے کي زبان نهيں

میں داعی بھیجے گئے - حجاز ریلوے بنائی گئی - غرض کہ ایک ایسی فضا پیدا کردی گئی' جس نے مسلمانان عالم میں "خلیفۂ اسلام" کی شہرت عام کردی - اِس صورت حال نے سلطان کے ہاتھ میں بظاہر ایک ایسی قوت دیدی تھی' جس سے وہ دول یورپ کو اپنے عالمگیر اسلامی اثر کا یقین دلانا چاہتا تھا -

اِس میں شک نہیں کہ سلطان عبد الحمید کی اِس حکمت عملی نے ایک سطحی شان و شوکت اور نام و نمود ضرور پیدا کردی تھی - دنیا کی سطح بین نگاہیں دیکھتی تھیں کہ سلطنت عثمانی کی بین الاسلامی مقبولیت کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے - لیکن فی الحقیقت یہ جو کچھ بھی تھا' محض ایک بالائی نمایش تھی - تہ میں کوئی صحیح اور حقیقی عملی روح نہ تھی - جہاں تک خلافت آل عثمان کی بین الاسلامی مقبولیت کا تعلق ہے' تیس برس کے پورے حمیدی دور میں کوئی کوشش ایسی نہیں کی گئی جس کا منشا یہ ہو کہ دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے صحیح بنیاد پر روابط قائم کیے جائیں' اور اُن میں اور مرکز خلافت میں معنوی اور اخلاقی معاونت کا رشتہ پیدا ہو - ایسے دماغ قصر سلطانی میں موجود ہی نہ تھے جو ان مہمات کے فہم و عمل کی استعداد رکھتے ہوں - اس باب میں جو کچھ بھی ہوا' وہ اس سے زیادہ نہ تھا کہ دو چار خود غرض اور خداع عرب' صوفیت اور تقدس کے بھیس میں قصر سلطانی تک پہنچ گئے' اور سلطان کی توہم پرستی سے فائدہ اٹھا کر اُس پر حاوی ہو گئے - شیخ ابو الہدی رفاعی' شیخ ظافر مدنی' فضل اللہ ملا باری وغیرہم' اسی قسم کی شخصیتیں تھیں - وہ نہ تو اسلامی ممالک میں کوئی اثر و رسوخ رکھتے تھیں' نہ اس طرح کے کاموں کے فہم و عمل کی اُن میں صلاحیت تھی - اگر انہوں نے اس قسم کا کوئی کام انجام دیا بھی' تو وہ صرف یہ تھا کہ عراق اور شام میں ایسے لوگوں کی ایک جماعت پیدا کردی' جو بیش قرار وظائف لیکر سلطان کی مدح و ثنا میں سرگرم رہا کرتے تھے' اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد سلطان کی اطاعت و انقیاد کے وجوب پر کوئی کتاب شائع ہو جایا کرتی تھی - سب سے بڑا کام اس جماعت کا اور اس کے ہم مشربوں کا یہ تھا' کہ جاسوسی اور مخفی خبر رسانی کا ایک بالا تر محکمہ بن گئے تھے -

سلطان عبد العزیز

شب و روز فرضی خطروں کے گھڑنے اور پھر ان کے انسداد کے لیے بڑی بڑی رقموں کے وصول کرنے میں سر گرم رہتے - اسلامی خلافت' بین الاسلامی مرکزیت' دینی شوکت و جبروت' اور روحانی پیشوائی و سلطانی کا یہ تمام طلسم' صرف ان بنیادوں پر قائم تھا' کہ قصر یلدز کی داخلی حکومت ترک افسروں کی جگہ حبشی اور حجازی خواجہ سراؤں کے ہاتھ میں چلی گئی تھی' سلطان کا خاص بادی گارڈ عرب سواروں کا تھا' افریقہ اور ہندوستان کے بعض سیاحوں کو' جو گاہ گاہ قسطنطنیہ آجاتے تھے' "نشان مجیدی" کے تمغے مل جاتے تھے' تعلیم و ترقی کی تمام راہیں یہ کہکر بند کردی گئی تھیں کہ "اسلامی مقاصد" کے خلاف ہیں' اصلاح نظام حکومت کو الحاد اور زندقہ سے تعبیر کیا جاتا تھا' تمام اصلاح طلب مسلمانوں کا شمار "مرتدین" میں تھا' اور سب سے بڑھکر یہ کہ ہر ہفتہ شیخ ابو الہدی وغیرہ مشائخ یلدز کے خواب میں دنیا کے تمام پیغمبر اور اولیا آکر سلطان عبد الحمید کے لیے الہی برکتوں اور غیبی نصرتوں کی بشارتیں پہنچا دیا کرتے تھے !

سلطان عبد الحمید نے اگر صرف وہ قوت ہی منظم کردی ہوتی جو خلافت اسلامی کی بین الاسلامی مقبولیت سے پیدا ہو رہی تھی' تو فی الحقیقت یہ اُسکے تمام جبر و استبداد کا کفارہ ہوتا' اور دولۃ عثمانیہ کے لیے مغربی طاقتوں کے غلبۂ و تسلط کا خطرہ ہمشہ کے لیے دور ہو جاتا' لیکن وہ تو اسلام اور اسلامی خلافت کو محض اپنے شخصی استبداد کے حفظ و بقا کا آلہ بنانا چاہتا تھا - اوہام و خرافات کے سوا کوئی حقیقی عمل اُس کے سامنے نہیں تھا - چین کے پانچ کروڑ مسلمانوں نے بار بار منتیں کیں اور وفود پر وفود بھیجے کہ انکی دینی ہدایت و تعلیم کا انتظام کیا جاے' لیکن کچھ نہیں کیا گیا - افریقہ کے مسلمانوں کے وفود چار سال تک قسطنطنیہ میں پڑے رہے تا کہ انہیں مرکز خلافت اپنی اخلاقی سر پرستی میں لیلے' لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی - مصر اور مراکش کی سر پرستی خود اپنے ہاتھوں ضائع کر ڈالی - یمن اور نجد کے قبائل محض اس لیے سرکش و مخالف رہے' کہ ترک والیوں کے مظالم سے اُنہیں کبھی نجات نہیں ملتی تھی -

مصطفی فاضل پاشا

جس نے سلطان عبد العزیز کے نام لائحۂ اصلاحیہ بھیجا تھا -

حکومت ترکیہ

اور اُس کے اجتماعي و سیاسي تغیرات

شروع سے ابتک

(۲)

(بین الاسلامي ترکي)

سنہ ۱۲۳۹ ھ (۱۸۷۶ ع) سے سنہ ۱۳۴۶ ھ (۱۹۰۸ ع) تک

صورت حال یہ تھي کہ سلطان عبدالحمید ثاني ترک مصلحین کي سعي و تدبیر سے تخت نشین ہوئے - مدحت پاشا اور اُس کے ساتھي اصلاح پسند وزراء نے سلطان مراد کي جگہ

سلطان محمود مصلح

متوفي سنہ ۱۸۳۹

عبد الحمید کو اس لیے تخت نشین کیا تھا ' کہ وہ محسوس کرتے تھے ' سلطنت اور قوم کي سب سے بڑي ضرورت اصلاح اور دستور ھے ' اور اُس کے لیے اِس نو جوان شہزادہ کا سلطان ہونا مفید ہوگا -

عبد الحمید تخت نشین ہوا - اصلاحات کا مزید اعلان کیا گیا - عثماني سلطنت " شخصي " کي جگہ " دستوري " قرار پا گئي ' اور عثماني پارلیمنٹ کے قیام کا فرمان نافذ ہوگیا -

اگر یہ صورت حال جاري رہتي ' تو با وجود دول یورپ کي پے ہم مقاومتوں اور جنگ پلیونا کے شدید نقصانات کے ' دولۃ عثمانیہ کي نئي نشو و نما شروع ہو جاتي - لیکن افسوس ھے کہ بہت جلد سلطان کے مزاج نے پلٹا کھایا ' اصلاح پسند عنصر کي جگہ قدامت پرست اور خود غرض پاشاؤں کا اقتدار قائم ہوگیا ' اور اصلاح و تغیر کي تمام امیدیں جو سلطان محمود مصلح کے زمانے سے نشؤ و نما پانے لگي تھیں ' سنہ ۱۸۸۰ میں ختم ہوگئیں !

جس سال سلطان عبد الحمید تخت نشین ہوا اور عثماني دستور کا اعلان کیا گیا ' اُسي سال جاپان کے نظام حکومت میں بھي

سلطان عبد المجید

جسنے اصلاحات کو مزید رونق اور ترقي دي

اصلاح ہوي تھي اور دستوري حکومت کا اعلان کیا گیا تھا - جاپان تیس سال کے اندر مشرق کي سب سے بڑي طاقتور حکومت بن گیا ' لیکن عثماني حکومت نے اُسي تیس سال کے اندر اپني رہي سہي طاقت بھي فنا کردي - جاپان نے دستوري حکومت قائم رکھي تھي ' سلطان عبد الحمید نے چھہ ماہ کے بعد اس کا خاتمہ کر دیا تھا !

اصلاحات کا خاتمہ کر دینے کے بعد سلطان نے ایک نئي حکمت عملي ایجاد کي - یہ حکمت عملي ترکي اور ترکي سے باہر " بین الاسلامي حکمت عملي " یا " اتحاد اسلامي " کے نام سے پکاري جاتي تھي - اس کا منشا یہ بیان کیا گیا تھا کہ " یہ تمام مسلمانان عالم کي معنوي اور اخلاقي اعانت مرکز خلافت کے ساتھہ وابستہ کر دیگي "

چنانچہ مدتوں کا لپٹا ہوا علم خلافت از سر نو بلند کیا گیا - علماء و مشائخ کا ایک بڑا گروہ دارالخلافۃ میں جمع ہوگیا - ابو الہدی رفاعي اور شیخ ظافر وغیرہ مشائخ نمایاں ہوے ' عربي عنصر سے از سر نو رشتۂ ارتباط قائم کیا گیا - عزت پاشا عابد وغیرہ سر بر آوردہ عرب مقرب بنائے گئے - عرب سپاہي بڑي بڑي تنخواہوں پر باڈي گارڈ میں داخل کیے گئے ' عربي ممالک

قدیم ترکي فوج کا ایک منظر

ینگ چري سپاہي جو اصلاح کي راہ میں سب سے بڑي روک تھے

عرض عبودیت !
سلطان عبد الحمید کے سامنے وزراء حکومت سجدہ کر رہے ہیں !

انہوں نے تاریخ کا سبق بھلا دیا ' اور سادہ لوحی سے یقین کر لیا کہ اِن نئے اصول پر چلنے سے یورپ اور سلطنت کے مسیحی عناصر مطمئن ہو جائینگے ' اور اُنکا ملک خوشحال اور ترقی یافتہ ہوجائیگا - یہی حسن ظن ' اُنکی سب سے بڑی غلطی تھی - چنانچہ فوراً داخلی اور خارجی مشکلات نمودار ہوگئیں - آسٹریا نے بوسینیا هرزی گونیا پر قبضہ کر لیا - یونان کریٹ پر قابض ہوگیا - اٹلی نے طرابلس الغرب پر هاتھہ صاف کیا - البانیا کٹ کر الگ ہو گیا ' بلقانی ریاستوں نے یورپ کے اکثر ترکی مقبوضات هضم کر لیے - ملک کے اندر غیر ترکی عناصر نے سر کشی شروع کردی - صرف غیر مسلم جماعتوں ہی میں نہیں ' بلکہ مسلمانوں میں بھی نئی نئی انجمنیں قائم ہوگئیں - خود دار الخلافۃ میں مسلمانوں کی متعدد مخالفانہ انجمنیں بن گئی تھیں - مثلاً انجمن " اِخاء عربی " " عربی کلب " ' " چرکس انجمن " " کردی انجمن " " البانی انجمن " وغیرہ وغیرہ - اِن انجمنوں کے ظہور کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اِن اسلامی عناصر اور ترکی عنصر میں نفرت و عداوت پیدا ہوگئی - یہ صورت حال دیکھکر خود ترکوں میں سلطنت کی حکمت عملی کے متعلق اختلاف رونما ہوگیا - ایک گروہ نے از سر نو حمیدی سیاست زندہ کرنی چاہی - ایک گروہ نے " تورانیت " کا نعرہ بلند کیا - آخری گروہ کا تعصب یہانتک بڑھ گیا تھا کہ اُسکے ترجمان اخبار " اقدام " نے تجویز پیش کردی کہ ترکی زبان سے تمام عربی الفاظ خارج کر دینے چاہییں !

لیکن پیہم مصائب نے زمام حکومت معتدل گروہ کے هاتھہ میں دیدی - " انجمن ائتلاف " نے حکومت سنبھال لی - سلطان عبد الحمید کا شاگرد کامل پاشا وزیر اعظم ہوا ' کامل پاشا ایک طرف یورپ کو مطمئن کرنے لگا ' دوسری طرف ترکی کے مختلف عناصر کے سر پر بھی هاتھہ پھیرنے لگا - اب چونکہ " بلقانی مسئلہ " کے بعد " عربی مسئلہ " کے نام سے ایک نئی الجھن پیدا ہوگئی تھی ' اور فرانس اُس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا ' اس لیے کامل پاشا نے پیش بندی کرکے ۱۳۲۹ ع میں والی بیروت ادھم بک کو حکم دیدیا کہ صوبۂ شام کی کونسل سے مطلوبہ اصلاحات کے بارے میں گفتگو کرکے رپورٹ طیار کرے - اِس پیش بندی نے ترکی کو بہت فائدہ پہنچایا - کیونکہ جب فرانس نے سرکاری طور پر شام میں اصلاحات جاری کرنے کا مطالبہ کیا ' تو کامل پاشا نے اِس جواب سے اُسکا منہ بند کر دیا " ہم پہلے ہی سے اِس فکر میں ہیں "

اِدھر یہ سیاسی بازی گری ہو رہی تھی ' اُدھر انجمن اتحاد و ترقی گھات لگائے بیٹھی تھی - چنانچہ موقعہ پاتے ہی اُسنے وزارت الٹ دی ' اور محمود شوکت پاشا وزیر اعظم قرار پائے - انہوں نے آتے ہی شامی کونسل کو غیر قانونی قرار دیدیا ' اور والی کو خفیہ اشارہ کردیا کہ تحریک کو اُبھرنے نہ دے - والی نے پوری سختی ظاہر کی ' حتی کہ جنگی قانون بھی جاری کردیا ' مگر اِس پر بھی شامی انجمن نے اپنا سالانہ جلسہ کرهی دیا - اِس جلسہ میں ۸۲ نمائندے شریک ہوئے تھے - اُنہوں نے اصلاحات کا لائحہ منظور کر لیا - جب حکومت نے اَور بھی زیادہ تشدد کیا ' تو شامیوں نے اپنی موتمر پیرس میں منعقد کی - اب انجمن اتحاد و ترقی پریشان ہوئی - کیونکہ ایک طرف اُسکی حریف " انجمن ائتلاف و ترقی " بر سر مخالفت تھی ' دوسری طرف عربی مسئلہ بین الاقوامی شکل اختیار کرتا جاتا تھا - ایک عجیب اتفاق یہ ہوا کہ عربی موتمر ' محمود شوکت پاشا کے قتل کے تیسرے دن منعقد ہوئی ' جس سے حکومت اَور بھی زیادہ متاثر ہوئی ' اور پرنس سعید حلیم پاشا وزیر اعظم صلح و آشتی کی حکمت عملی اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے - چنانچہ اُنہوں نے اپنا ایک نمائندہ پیرس بھیجا ' اور عرب رہنماؤں سے گفت و شنید کے بعد مطلوبہ اصلاحی لائحہ کا بڑا حصہ منظور کر لیا -

سلطان عبد الحمید کے دور حکومت کا خاتمہ
یہ اُس موقعہ کا مرقع ہے جب قوم کا وفد پیام عزل پہنچا رہا ہے !

شامیوں کی کامیابی دیکھکر عراقیوں کے خون میں بھی گرمی پیدا ہوئی ' اور طالب بک نقیب کی سر براهی میں عراق نے اصلاحات کا مطالبہ شروع کر دیا - لیکن اب نوجوان ترک سنبھل گئے تھے - اُنہوں نے جاوید پاشا کو

اصل یہ ہے کہ سلطان عبدالحمید مرحوم نے اتحاد اسلامی اور خلافت دینی کا مظاہرہ اس لیے نہیں کیا تھا کہ فی الحقیقت اس باب میں کوئی روشنی اس کے سامنے موجود تھی ' اور وہ کسی تعمیری جذبہ سے اِس طرف قدم بڑھانا چاھتا تھا ' بلکہ یہ تمام باتیں محض ایک طرح کے منفی اور تخریبی جذبہ سے پیدا ہوئی تھیں - مقصود یہ تھا کہ اِس کے ذریعہ اصلاح طلب تحریک کی نشو و نما کا خاتمہ کردیا جائے ' اور اُس کی طرف سے عثمانی رعایا کے قلوب غافل ھوجائیں - یہی وجہ ہے کہ یہ باتیں صرف اِسی حد تک کام میں لائی جاتی تھیں ' جس حد تک ترکی مصلحین کی مخالفت میں سود مند ھوسکتی تھیں - حقیقت اور عملیت کی کوئی روح موجود نہ تھی - اگر سلطان عبد الحمید اتحاد اسلامی اور مرکزیت خلافت کی تقویت کا واقعی طلب گار ھوتا ' تو سید جمال الدین اسدآبادی اور شیخ محمد عبدہ سے بڑھکر اِس کے لیے کون داعی اور عامل ھو سکتے تھے ؟ ان دونوں نے بیس برس تک اپنی تمام طاقتیں عبدالحمید کے ھاتھوں میں دیدینی چاھیں ' لیکن ان کے ساتھہ جو سلوک ھوا ' دنیا کو معلوم ہے - پہلے کو موت کا زھر آلودہ جام پینا پڑا - دوسرے کو قصر سلطانی کی چوکھٹ تک باریابی نصیب ھی نہ ھوئی !

مدحت پاشا
شہید راہ حریت و دستور !

بہر حال سلطان عبدالحمید کا دور دولۃ عثمانیہ کے زوال طاقت کا آخری عہد تھا - سلطان کو مدحت پاشا کی جماعت نے اس لیے تخت نشین کیا تھا ' کہ وہ سلطان مصلح کی اصلاح کی تکمیل کریگا ' اور دولۃ عثمانیہ کو استبدادی حکومت کے مفاسد سے نجات مل جائیگی - سلطان نے ابتدا میں اصلاح پسند جماعت کا ساتھہ دیا - ترکی پارلیمنٹ قائم کردی گئی - لیکن پھر بتدریج رجعت پسند عناصر برسر اقتدار آ گئے - پارلیمنٹ معطل کردی گئی - مدحت پاشا اور اُس کے ساتھیوں کو فرضی الزامات عائد کرکے گرفتار کر لیا گیا ' اور قلعۂ طائف کے قید خانے میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا - اس کے بعد تمام نظم حکومت تہہ و بالا ھوگیا - وزراء اور دفاتر حکومت کی جگہ " مابین ھمایونی " یعنی قصر سلطانی کی براہ راست حکومت شروع ھوگئی - اس حکومت کا نہ تو کوئی اصول تھا ' نہ قاعدہ - نہ بجٹ بنتا تھا ' نہ مالییات کا کوئی تخمینہ تھا - خواجہ سراؤں کے افسر " بہرام آغا " کے ھاتھہ میں سب کچھہ تھا - وہ سلطان کے احکام باب عالی کے وزراء تک پہنچا دیا کرتا - بیس برس کے اندر جتنے انسان محض اس بنا پر ھلاک کر دیے گئے ' کہ اُن پر اصلاح پسندی و انقلاب کا شبہ تھا ' کوئی ذریعہ نہیں کہ انکی صحیح تعداد معلوم کی جا سکے - یلدز کے بعض کاغذات سے معلوم ھوا تھا کہ صرف چھہ ماہ کے اندر یعنی مارچ سنہ ۱۸۹۸ سے ستمبر سنہ ۱۸۹۸ تک تین سو اسی آدمی گرفتار کئے گیے تھے !

لیکن نہ تو سلطان عبدالحمید دنیا کے پچھلے جبار و مستبد حکمرانوں سے زیادہ طاقتور تھا ' نہ اس کی خاطر خدا کے قوانین حق و عدالت معطل ھو جا سکتے تھے - بالاخر نوجوان ترکوں کی پنجاہ سالہ مساعی بار آور ھوئیں ' اور عین اُس وقت جب کہ سلطان کے وھم و گمان میں بھی کسی طرح کا خدشہ نہ تھا ' مناستر اور سلانیک میں انقلاب کا نا ممکن التسخیر علم بلند کردیا گیا - سلطان نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس ناگہانی طاقت کا مقابلہ کرسکے مگر نہ کرسکا - اور عثمانی دستور کے قیام کا اعلان کرنا پڑا -

یہ دستور سلطان کی ذات خاص کا مخالف نہ تھا - لیکن سلطـــان کی مستبد روح اُس سے موافـق نـہ ھو سکی - بالاخر نو ماہ کے بعد تصادم ھوا ' اور محمود شوکت پاشا مرحوم نے اپنی مشہور عالم تیس ہزار فوج کے ساتھہ قسطنطنیہ پہنچکر قصر یلدز کا محاصرہ کر لیا - تین دن کے محاصرہ کے بعد عثمانی پارلیمنٹ کے نمایندے قصر یلدز میں داخل ھوے ' اور قوم کا پیغام پہنچا دیا کہ " آپ معزول کیے گئے ' اور شہزادہ محمد رشاد تخت نشین ھو رہے ھیں " قصر یلدز کے اس مشہور قہرمان نے اُسوقت لرزتے ھوے یہ التجا کی تھی " میں اپنی زندگی کیلیے تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ھوں " ! یہ اب اپنی زندگی کیلیے انسانوں کو خدا کا واسطہ دیتا تھا - اُن انسانوں کو ' جنھوں نے اپنی مظلوم اور بیکس زندگی کیلیے سیکڑوں مرتبہ اُسے خدا کے واسطے دیے تھے ' لیکن ایک لمحہ کیلیے بھی اُسکے دل میں خدا کے خوف نے جگہ نہیں پائی تھی !

سلطان عبد الحمید
چالیس سال کی عمر میں

تاریخ مشرق کا یہ عبرت انگیز انقلاب جولائی سنہ ۱۹۰۸ ع میں واقع ھوا تھا -

(اتحادی ترکی)

جمعیۃ اتحاد و ترقی کا دور
سنہ ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ع) سے سنہ ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ع) تک

انجمن اتحاد و ترقی نے برسر اقتدار آتے ھی " وطنیت " " حریت " " اخوت " اور " مساوات " کی بنیادوں پر عثمانی سلطنت کو استوار کرنا چاھا - نوجوان ترک ' بڑے ھی ذھین ' چست ' اور مخلص تھے - لیکن مدبر اور تجربہ کار نہ تھے -

شہر رقیم کا انکشاف

ام حسبتم ان اصحاب الـکهف و الرقیم کانوا من ایا تنا عجبا

(۱)

صدیونکے خواب گراں کے بعد اب شہر رقیم یاپیٹرا پهر بیدار هو رها هے - قدس اور لندن کي آمده اطلاعات مظهر هیں که حال میں اس قدیم شهر کے کهنڈروں میں قیمتي پتهروں اور پرانے طلائي زیورات کا ایک بہت بڑا ذخیره بدوي عربوں کے هاتهه لگا هے -

پیٹرا عرب قدیم کا ایک گم شده شہر هے - سالها سال سے غیر آباد پڑا تها - کبهي کبهي صحرا گرد بدوي جنکو شاداب نخلستانوں اور سر سبز چرا گاهوں کي تلاش اِدهر اُدهر آواره رکهتي هے ' تمدن قدیم کي اس یادگار کو آدمي کي صورت دکها دیتے تهے !

(الف لیله کا طلسم)

ایک مرتبه ایک صحرا نشین عرب پیٹرا کے کهنڈروں میں گهوم رها تها - ناگاه اوسکا پانوں ایک پتهر پر پڑ گیا - قبل اسکے که وه اس بات کا اندازه کر سکے که کیا هونے والا هے ' پتهر نیچے کو کهسکا ' زمین دهنسي ' اور اب عرب ایک عجیب و غریب غار میں پڑا تها - پتهر بدستور اپني جگه پر آگیا ' اور راه بند هوگئي !

اب بدوي نے خود کو ایک زمین دوز محراب میں پایا ' لیکن باهر آنے کا کوي راسته نظر نهیں آتا تها -

غریب عرب ایک عرصه تک ادهر اُدهر ٹٹولتا رها - تاریکي بلا کي تهي - محض اس خوف سے که کهیں کسي دوسري نامعلوم مصیبت سے دو چار نه هونا پڑے ' اوسنے هاتهوں اور پیروں کے بل رینگنا شروع کیا - اس جد و جهد میں ایک وسیع ایوان مل گیا - اس ایوان کي تاریکي کو ایک پهاڑي سوراخ سے نکلنے والے دهندلي روشني ایک حد تک کم کر رهي تهي - روشني کا سهارا پا کر اس محصور بلا نے ادهر اُدهر آنکهیں پهاڑ پهاڑ کر دیکهنا شروع کیا - کیا دیکهتا هے که ایک گوشے میں قیمتي جواهرات اور طلائي اشیا کا ڈهیر پڑا هے - یه خزانه غالباً طائر اور صیدان کے بحري قزاقوں نے ازمنه مظلمه میں جمع کیا هوگا - عرب حیرت کے دریا میں ڈوبا هوا ' اس تمام ماحول کو عالم رویا سمجهه رها تها - بالاخر اوسنے چند جواهر ریزے اپنے عمامه میں رکهه لیے ' اور باهر نکلنے کي راه تلاش کرنے لگا - اس نے غور کیا که روشني جس سوراخ سے آ رهي هے ' اس سے باهر نکل سکتا هے یا نهیں ؟ اس کا خیال ٹهیک تها - روشني کے نیچے ایک سنگي زینه موجود تها - به مشکل سوراخ تک پهنچ سکا - وهاں پتهر کے کئي ٹکڑے ایک دوسرے پر پڑے تهے - زور کرنے سے ایک پتهر هٹ گیا اور یه باهر نکل آیا -

یه جواهرات بیت المقدس کے بازاروں میں بکے - ماهرین آثار اِنهیں توراۃ سے بهي زیاده پرانا بتاتے هیں -

بیان کیا جاتا هے که پیٹرا کا یه کنز مخفي لارڈ کارناوان کے دریافت کرده وادي الملوک (مصر) کے خزائن سے بهي کهیں زیاده بیش قیمت هے - عجائب خانه لندن کا ایک وفد اس گم شده شهر کي تحقیقات کیلیے جا رها هے -

(جغرافیائي محل)

یه مقام ساحل بحر قلزم سے زیاده فاصله پر نهیں هے - نقشه کے دیکهنے سے بحر قلزم کا بالائي حصه دو ٹکڑوں میں منقسم معلوم هوگا - اس کے شمال میں جزیره نماء سینا هے جسکي شکل مثلث نما هے - سینا کا جنوبي نوکدار کناره بحر قلزم کو دو شاخوں میں جدا کر دیتا هے - سینا کے غرب میں بحر قلزم کي وه شاخ هے جو خلیج سوئز کے نام سے موسوم هے - آج کل یه تجارت عالم کي شاهراه عظیم هے - سینا کے شرق میں بحر قلزم کا وه حصه هے جو خلیج عقبه کے نام سے پکارا جاتا هے - یه جگه اب متروک هوگئي هے - جهاز بهت کم آتے جاتے هیں - ایک طرف سینا کي ننگي پهاڑیاں هیں - دوسري طرف خلیج عقبه کے پهاڑوں اور صحراء عرب کا نا پیدا کنار سلسله هے - اس خلیج کے ساحل پر کوئي بندر گاه نهیں هے - قصبه عقبه کے چند بے ترتیب مکانات کے سوا باقي تمام حصه غیر آباد اور پتهریلا هے - بحر شمالي و بحر جنوبي کے دور دراز سواحل کو چهوڑ کر جهاں بمشکل ذي روح وجود کا پته چلتا هے ' دنیا کا کوئي ساحل اس قدر ساکت اور سنسان نهیں هے !

لیکن پرانے زمانه میں خلیج عقبه کي اهمیت همارے زمانه کے خلیج سوئز سے کهیں زیاده تهي - تین هزار سال قبل یهاں حضرت سلیمان کے بحري مراکب هندوستان کي اشیاء تجارت بار کیے هوئے هر وقت لنگر انداز رهتے تهے - جب تک هندي و ایراني تجارتي قافلے اس راستے سے آمد و رفت کرتے رهے ' یه ملک تمدن عالم کا مرکز رها - جب شاهراه تجارت یهاں سے دوسري جانب منتقل هوگئي ' اور بحر روم اور خلیج سوئز کا راسته دریافت کر لیا گیا ' تو یه ساحل رفته رفته غیر آباد هوگیا - صلیبي لڑائیوں کے زمانه میں مسیحي مجاهدین نے اس نواح میں کچهه بیداري پیدا کردي تهي ' مگر سلطان صلاح الدین کي تیغ جهاد نے یه حصۂ عالم بهي صلیبیوں پر تنگ کردیا ' اور اس کے بعد سے پیٹرا کے اطراف انساني آبادي سے همیشه خالي رهے -

جنگ عظیم کے زمانه میں شریف حسین اور اس کے بیٹے امیر فیصل نے اس نواح کو اپني افواج کا عقبي مستقر بنایا تها - هر هفته انگریزي جنگي جهاز اور دخاني کشتیاں سامان حرب سے لدي هوئي ساحل پر آتي تهیں - سنه ۱۹۱۷ ع اور سنه ۱۹۱۸ ع میں اس آمد و رفت کا تسلسل نهایت پابندي سے قائم رها ' اور ایک

بہرام آغا خواجہ سرا
جو تمام وزرا پر حکومت کرتا تھا

عراق کا گورنر بنا کر بھیج دیا - اس نے آتے ھي عراقي تحریک کا خاتمہ کردیا - ساتھہ ھي بکرسامي بک کو بیروت کي گورنري پر مقرر کیا ' جو اپنے تدبر اور سخت گیري میں بہت شہرت رکھتا تھا ' اِس نے کچھہ ایسے پیترے بدلے ' کہ شامي تحریک بھي سرد پڑگئي ' اور پیرس کي موٴتمر میں جو کچھہ طے پایا تھا ' اُسکا اکثر حصہ کالعدم ھوگیا !

اب جنگ عمومي کي خوفناک گھتائیں فضا مین پھیل رھي تھیں - وہ مصیبت سر پر آگئي تھي جسکا تصور بھي کبھي انساني دماغ نے نہیں کیا تھا -

---

جنگ عمومي کے بعد

سنہ ۱۳۳۲ ھ (۱۹۱۴) ء سے سنہ ۱۳۳۳ ھ (۱۹۱۵) تک

دستوري نظام حکومت کے کامیاب بنانے اور سلطنت کے مختلف عناصر کو مشترک وطنیت و قومیت کے نام پر متحد کرنے میں انجمن اتحاد و ترقي کو ناکامي ھوئي - اِس تلخ تجربہ کے بعد اِس انجمن کے ارکان میں آیندہ طرز عمل کے متعلق اختلاف پیدا ھوا - اکثریت " تورانی تحریک " پھیلانے کے حق میں تھي ' اور اقلیت " اتحاد اسلامي " کے فکر کو عملي جامہ پہنانا چاھتي تھي - یہ اختلاف ابھي ختم نہیں ھوا تھا کہ عالم گیر جنگ کا طبل بج گیا ' اور اکثریت کو اقلیت کي رائے کے سامنے جھک جانا پڑا - اب بجز اِس کے کوئي چارہ کار نہ تھا کہ تمام اسلامي عناصر ' خصوصاً عربوں کي تائید اسلام کے نام پر حاصل کي جائے -

چنانچہ انور پاشا نے عبد الرحمن بک الیوسف اور شیخ اسعد شقیر وغیرہ کو شام بھیجا کہ عربوں کے اسلامي جذبات بیدار کریں - پھر جمال پاشا نے جو شام کے جنگي حاکم تھے ' عربوں کي مدارات شروع کي اور عربي تحریک سے اپني گہري دل چسپي اور ھمدردي کا اظہار کیا - فرانسیسي قنصل خانہ سے جو کاغذات دستیاب ھوئے تھے ' اُن سے اُنھیں صاف معلوم ھوگیا تھا کہ بہت سے سر بر آوردہ شامي ' ترکي کے خلاف فرانس سے ساز باز کرچکے ھیں - مگر اُنھوں نے خیانت کے تمام مجرموں سے چشم پوشي کي - البتہ عیسائیوں سے پوري باز پرس کي گئي - -

حسین رامي پاشا
محکمۂ جاسوسي کا سرغنہ

جمال پاشا نے صرف شام ھي میں نہیں بلکہ تمام جزیرۃ العرب میں دیني جہاد کا غلغلہ بلند کردیا - کربلا ' نجف ' بغداد کے علماء کي دیني حمیت جوش میں آگئي - شریف مکہ ' سلطان ابن سعود ' ابن رشید ' امام یمن ' تمام امراء عرب کو جہاد کي دعوت دي گئي -

لیکن نوجوان ترکوں نے بہت جلد دیکھہ لیا کہ مسلمانوں اور عربوں میں اُن کي دعوت کوئي گرم جوشي پیدا نہ کرسکي - بلکہ جنسي و نسلي اور مقامي مصالح کا تعصب اس کڑے وقت میں بھي اُن پر غالب رھا - وہ سلطنت عثمانیہ اور خلافۃ اسلامیہ کي حمایت و نصرت پر آمادہ نہ ھوسکے - ھندوستان اور مراکش کے مسلمان انگریزي اور فرانسیسي جھنڈے کے تلے جمع ھوکر آئے ' اور ان کے سینوں پر بے دریغ گولیاں چلائیں !

اِس نامرادي کا نتیجہ یہ ھوا کہ تورانی تحریک کے حمایتیوں کو پھر زور حاصل ھوگیا - ناچار انجمن اتحاد و ترقي کو ان کے نظام عمل پر چلنا پڑا -

عربوں کي ناعاقبت اندشي نے اور زیادہ ترکوں کو مایوس کردیا تھا - شام کے چند خود غرض اور برخود غلط افراد طیار ھوگئے کہ اس نازک وقت سے فائدہ اٹھائیں اور دول متحدہ کا ساتھہ دیکر " عربي امارت " کي بنیادیں قائم کردیں - بہت ممکن تھا کہ اِن لوگوں کے انقلابي افکار عامۃ الناس میں مقبول نہ ھوتے ' لیکن اُسي موقعہ پر حجاز میں برطاني سازشیں کامیاب ھوگئیں اور شریف نے علم بغاوت بلند کردیا - جس وقت جمال پاشا مصر پر حملہ کي طیاریاں کررھا تھا ' اور تمام ساز و سامان مکمل ھوچکا تھا ' اچانک اُس نے دیکھا کہ شریف حسین اور اُس کے لڑکوں کي بغاوت نے اس کي تمام امیدوں کا خاتمہ کردیا ھے !

غازي مصطفی کمال پاشا

افسانہ

رُوحانیات کی مجلس

ہولناک رات

(مترجم)

ایوان بطروویچ نے اپنے دوستوں کو مضطرب آواز اور زرد چہرے کے ساتھ ذیل کا واقعہ سُنایا:

۱۸۵۲ء کے کرسمس کی رات، بہت ہی اندہیری تھی۔ میں اپنے ایک دوست کے یہاں دیر تک ایک روحانی جلسے میں بیٹھا رہا۔ مجھے تاریکی میں اپنے گھر لوٹنا تھا۔

اُس زمانے میں ماسکو کی ایک ایسی گلی میں میرا قیام تھا، جو شہر میں سب سے زیادہ دہشت ناک اور تاریک گلی تھی۔ جب جب میں اُس سے گزرتا، ڈراؤنے خیالات میرا دماغ پریشان کر دیا کرتے تھے۔

روحانی جلسے میں آخری جملہ جو میں نے سُنا تھا، وہ خاص میری ذات کے متعلق تھا۔ مشہور فیلسوف سپینوزا کی روح کی نسبت ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ جلسہ میں شریک ہو۔ اُسنے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

"تیری موت قریب آگئی، جلد خدا کے سامنے توبہ کر!"

میں ڈر گیا۔ پھر سوال کیا۔ مزید تشریح چاہی۔

"تیری زندگی ختم ہو گئی۔ آج ہی توبہ کر لے!" یہ میرے سوال کا دوبارہ جواب تھا۔

میں علم الارواح (اسپریچولیزم) کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم موت کا خیال ہمیشہ مجھے خوفزدہ کر دیا کرتا تھا۔ ایک عجیب طرح کی اُداسی مجھ پر چھا جاتی تھی۔

میں بدحواس جلسہ گاہ سے بھاگا۔ اور اپنے گھر کی راہ لی۔ اوپر کی منزل پر پہنچ کے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ اُسوقت بھی میرا خوف سے بُرا حال تھا۔ معلوم ہوتا تھا گرا پڑتا ہوں۔

(۲)

کمرہ تاریک تھا۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشوں سے جھونکے ٹکرا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عناصر بھی خوف و دہشت کی حالت میں مضطرب ہو رہے ہیں!

"اگر سپینوزا کی پیشین گوئی ٹھیک ہو" میں نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں آہستہ آہستہ کہا "اگر اِس سنگ دل فیلسوف کی روح نے سچ کہا ہو تو بس آج ہی رات میرا خاتمہ ہو! یہ واویلا کرنے والی ہوائیں میرا نوحہ کریں گی، یہ کالی بدلیاں ماتم کی صفیں بچھائیں گی! افسوس میری زندگی ....."

میں نے دیا سلائی جلائی۔

"میں باہر نکلا پھاڑ کر بے خودی سے چلایا [illegible] کی طرف بھاگا۔ سر سے پاؤں تک تمام بدن کانپ [illegible] اٹھا۔ [illegible]

گردش میں پہنچکر میں نے خوف سے آنکھیں بند کر لی تھیں!

میں نے کمرہ میں کیا دیکھا؟ دیکھو! اسوقت بھی میرے بدن کے روئیں کھڑے ہو گئے ہیں۔ دل دھڑک رہا ہو۔

عین کمرے کے وسط میں مُردے کا تابوت رکھا تھا! اُس پر ارغوانی غلاف چڑھا تھا۔ سنہری صلیب کھچی تھی۔ میں نے صرف ایک ہی جھلک دیکھی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات ہو کہ مجھے اُس کا ہر حصہ نظر آگیا۔ آجتک اُس کا پورا نقشہ میرے ذہن میں محفوظ ہو!

یہ ایک لڑکی کا تابوت تھا۔ کیونکہ بہت چھوٹا تھا۔ اور رنگ اور آرایش ویسی ہی تھی، جیسی لڑکیوں کے تابوتوں پر کی جاتی ہو۔

(۳)

میں تیر کی طرح زینے پر پہونچا اور سیلاب کی تیزی سے اُترنے لگا۔ بلکہ کہنا چاہئے گرنے لگا۔ ایک نہایت ہی خوفناک رعب اپنی پوری قوت سے مجھے دھکیل رہا تھا!

سڑک پر میں نے جلدی سے روشنی کا ایک کھمبا دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ لیا۔ کھمبا، مینھ سے بھیگا ہوا تھا۔ برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔ جسم نے سردی محسوس کی تو میرے ہوش و حواس واپس آنے لگے۔

"اگر کمرے میں آگ لگی ہوتی" میں خیال کرنے لگا "بلکہ اُس میں چور کھڑا ہوتا، شیر ٹہلتا ہوتا، دیوانہ کتا بیٹھا ہوتا، اگر اُس کی چھت بھی اچانک گر پڑتی، تو بھی مجھے تعجب نہ ہوتا۔ میں اسے ایک معمولی بات سمجھتا۔ مگر لاش! ایک مکمل تابوت! اِس کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے مکان میں تابوت کیونکر آیا؟ کون لایا؟ ایک امیر لڑکی کا کامدار تابوت! سونے چاندی کے کام سے آراستہ! ایک معمولی نوکر کے حقیر کمرے میں اُسے کون لایا؟ کیوں لایا؟ معلوم نہیں، وہ خالی ہو یا اندر لاش رکھی ہو؟ ...."

اچانک مجھے خیال آیا "اگر یہ معجزہ نہیں تو کوئی ہولناک جرم ہو"

لاکھ لاکھ سوچا۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔

"دروازے پر تو قفل چڑھا تھا" میں پھر سوچنے لگا "کنجی ایسی مخفی جگہ رکھی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ناممکن ہو کہ کسی دوست نے یہ موت کا تحفہ میرے لئے مہیا کیا ہو۔ شاید کوئی مزدور غلطی سے لے آیا۔ لیکن مزدور لاتا تو مزدوری لئے بغیر چلا کیوں جاتا؟ اور میرے یہاں مزدور تابوت کیوں لائے؟ ......"

پھر میرے پراگندہ دماغ میں ایک اور خیال آیا،

"ممکن ہو یہ کارروائی اُسی روح کی ہو، جسنے آج رات میری موت کی خبر دی ہو۔ شاید یہ تابوت میری لاش کے لئے لایا گیا ہو لیکن یہ ناممکن ہو۔ تابوت میرے قد سے بہت چھوٹا ہو"

(۴)

اب بارش پھر شروع ہو گئی۔ گویا میرے قتل کے لئے آسمان سے یورش ہو رہی ہو۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ میرا اُوورکوٹ اُڑا جاتا تھا۔ میں بھیگ کر شرابور ہو گیا۔

"مجھے کہیں پناہ لینی چاہئے" میں نے دل سے کہا "لیکن کہاں؟ کمرے میں، جہاں تابوت رکھا ہو؟ ناممکن!۔ اگر میں وہاں گیا تو یقیناً دیوانہ ہو جاؤں گا"

مگر اِس پانی اور سردی میں سڑک پر کھڑا رہنا بھی مشکل تھا۔ میں نے فوراً اپنے ایک دوست رستوف نامی کے گھر کی راہ لی۔ وہ بھی ایک تنگ تاریک گلی میں ایک کمرہ کے اندر رہتا تھا۔

دروازہ کھٹکھٹایا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے ایک طاق میں ہاتھ مارا تو کنجی مل گئی۔ قفل کھولکر اندر چلا گیا۔

میرا کوٹ بھیگ گیا تھا۔ میں نے اُسے اُتار کر کمرے کی زمین پہ ڈال دیا۔ اندہیرے میں پاؤں نے ایک کرسی سے ٹھوکر کھائی۔ میں اُسی پر بیٹھ گیا۔ تاریکی سخت تھی۔ کچھ سوجھائی نہیں دیتا تھا۔ ہوا تیز تھی۔ کھڑکیاں ہل رہی تھیں۔ باہر کنیسوں کے گھنٹے کرسمس کی خوشی میں بج رہے تھے۔

میں نے جیب سے ڈبیا نکالکر دیا سلائی جلائی۔

"اُف، یہاں بھی!" بے اختیار میرے مُنہ سے چیخ نکل گئی میں دیوانہ وار بھاگ کر کمرے کے باہر گرا۔

یہاں بھی تابوت رکھا تھا! لیکن میرے کمرے کے تابوت سے بڑا تھا۔ اور سیاہ غلاف سے ڈہکا تھا۔ سیاہ غلاف نے اُسے اور بھی زیادہ ہیبت ناک بنا دیا تھا!

"یہاں بھی وہی تابوت!" میں سوچنے لگا "معلوم ہوتا ہو یہ میرا وہم و خیال ہو۔ میری نگاہ دہوکا کھا رہی ہو۔ ناممکن ہو کہ میں جہاں جاؤں، میرے استقبال کے لئے ایک خوفناک تابوت پہلے سے مہیا ہو جائے۔ ضرور آج میرے اعصاب میں خلل آگیا ہو۔ جہاں جاتا ہوں تابوت ہی نظر آتا ہو... میں ضرور پاگل ہو گیا ہوں۔ جنون کا سبب صاف ظاہر ہو۔ اسی منحوس روحانی جلسے اور سپینوزا کی شیطان روح نے میرا دماغ خراب کر ڈالا!"

میں تھک کر زمین پر بیٹھ گیا۔ دونوں کنپٹیاں زور سے ہاتھوں میں دبالیں۔

"الٰہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہو گیا!" یہ کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔

قریب تھا میرا سر پھٹ جائے۔ میرے پیروں میں سکت باقی نہیں رہی تھی۔ مینہ کا وہ زور تھا کہ خدا کی پناہ۔ میرا تمام بدن سردی سے کانپنے لگا۔ نہ سر پر ٹوپی تھی نہ جسم پر کوٹ۔ میں اُنھیں لینے کمرے میں جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں .... آہ، بہت ہی ہولناک منظر، ناقابل برداشت ہولناکی موجود تھی!

(۵)

میرے سر کے تیر کی طرح سیدھے بال کھڑے ہو گئے۔ ٹھنڈا پسینہ پیشانی سے بہنے لگا۔ حالانکہ اب مجھے کامل یقین ہو چکا تھا کہ جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا ہو، وہ محض ایک طرح کے اعصابی مرض کا نتیجہ اور وہم و خیال ہو۔ حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔

"اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟" بار بار یہی سوال دُہراتا تھا۔

یکایک مجھے ایک دوسرا دوست، گوڈ ساروف یاد آگیا۔ اس نے

عارضي چهل پهل پيدا هوگئي - ليکن جنگ کے خاتمه کے بعد يه سرگرمي بهي ختم هوگئي ' اور يه حصه پهر شهر خموشاں بن گيا -

خليج عقبه کے دهانه سے ايک پہاڑي اور ريگستاني سلسله شروع هوتا هے جو اندرون ملک ميں دور تک چلا جاتا هے - پيٹرا کے کهنڈر عقبه سے ۹۰ - ميل کي مسافت پر واقع هيں - پہاڑوں کے درميان اس شهر کا محل وقوع هے - بدو رهنما کے بغير ان آثار تک سياح کي پهونچ مشکل هے - پيٹرا سے شمال کو ۲۰ ميل کے فاصله پر وادي بحر ميت هے - سيدهے هاتهه يعني شرق کي طرف شمالي عرب کا عريض ريگستان هے - سامنے ارض ادوم يا ادوميا کے پہاڑونکا وه سلسله هے ' جو باب الرقيم يا پيٹرا کا پهاٹک کهلاتا هے - اس سلسله کو قطع کيے بغير پيٹرا تک پهونچنا محال هے - دوسري جانب پہاڑي مگر ڈهالو راسته هے - اس پر سے هوکر نيچے اُترتے هيں - چند گهنٹے کے پہاڑي اور پيچ در پيچ راسته کے بعد وادي ادوم کا خاتمه هو جاتا هے - سفيد ريت کے ٹيلونکے ختم هونيکے بعد ايک تنگ دره ملتا هے - يه بلند پہاڑي ديوار کا دروازه هے - يہاں پر وادي کي وسعت ۱۲ - ميل سے کم هوکر صرف ' ۱۲ - فيت رهجاتي هے - دره کي ديواريں هزارها فيت اونچي هيں - عرب اس راسته کو " شق " کے نام سے پکارتے هيں - اس شق کي راه سے سواروں کے گهوڑے اور بار برداري کے اونٹ اُفتاں و خيزاں راه طے کيا کرتے هيں - پتهروںپر چاروں طرف چهپکلياں لپٹي هوئي هيں - هر هر قدم پر تنگناے زياده وحشتناک هوتي جاتي هے - راسته ميں ايک پہاڑي شگاف ملتا هے جس سے شفاف پاني کا چشمه موجزن هے - عرب کہتے هيں ' يهي وه جگه هے جہاں حضرت موسى عليه السلام نے عصا مارکر اپنے پياسے همرائيونکے لئے پاني کے چشمے جاري کر دیے تهے - يه وادي وادي موسى کے نام سے موسوم هے - وادي اسقدر تنگ هے که اونٹ پر سے دونوں طرف کي ديواريں بخوبي چهوي جاسکتي هيں - اکثر جگه ارد گرد کي پہاڑياں بلند هوکر چهت کا کام ديتي هيں - اس جگه آسمان بالکل دکهائي نہيں ديتا - سورج کي شعاع بهي يہانتک نہيں پهونچتي -

(يوناني مندر)

ايک گهنٹه کي مسافت کے بعد سياح ايک تيز گهماؤ سے گذرتا هے - اب نظر کے سامنے ايسا دلفريب اور حيرت خيز منظر آجاتا هے جو ايک عرصه تک کيليے از خود رفتگي کي کيفيت طاري کر ديتا هے - يوناني طرز کا ايک نفيس اور خوشرنگ مندر سامنے نظر آتا هے - اوسکا دلفريب حسن اور دلکشا طرز' حد درجه متاثر کرنيوالا هے - عهد کهن کے صناعوں نے پہاڑوں سے کاٹ کاٹ کر يه خوبصورت عمارت تعمير کي تهي -

ادومي پہاڑونسے يه عمارت تراشتے هوے ' دندانه دار آلات سے کام ليا گيا هوگا - اس مندر کي بالائي سطح مختلف رنگونسے مزين هے ' اور ريشمي کپڑے کي طرح جهلک رکهتي هے -

دنيا کا کوئي اور پهاٹک ' دنياء قديم کے اس خاموش شهر کے دروازے سے زياده اثر ڈالنے والا نہيں هے - هندوستان کا سرخ شهر ' فتح پور سيکري بهي اسکا مقابله نہيں کرسکتا - روماني و يوناني مخلوط فن تعمير کے طرز پر يه مندر کم از کم دو هزار سال قبل اس پہاڑي سے طيار کيا گيا تها - اسکا عهد تعمير روماني شهنشاه هڈرين کي فوج کشي کے زمانه سے تعلق رکهتا هے - اهل عرب ميں اس مندر کا نام الخزينه مشهور هے - لمبے لمبے ستونوں کے اوپر ايک ديو پيکر صراحي نما ظرف هے - عرب کہتے هيں که يه ظرف فراعنه کے جواهرات اور طلائي سرمايه کا مخزن هے - شروع سے اِسے توڑنے کي کوششيں کي گئيں مگر کاميابي نہيں هوي - کرنيل لارنس کے ساتهيوں نے بهي هزاروں گولياں چلائيں - بعض بعض دفعه پتهر کے چهوٹے چهوٹے ٹکڑے ٹوٹ کر گر پڑے - مگر کچهه زياده اثر نه هوا - نہيں معلوم کس ديوي يا ديوتا کي يہاں پوجا هوتي تهي ؟ کرنيل لارنس کي رائے ميں مصري ديوي " ايسيس " کي پرستش هوتي هوگي - کيونکه هيڈرين کي فوج کشي کے وقت تمام سواحل بحر روم اِسي ديوي کے سامنے سر بسجود تهے -

يہانسے چند گز کے فاصله پر اصل شهر بيضاوي نشيب ميں واقع هے - سطح سمندر سے ۹ - هزار فيت اونچے محدب حصه سے شروع هوتا هے - وادي کي بلندي صرف ايک هزار فيت رهجاتي هے - اِس نشيب ميں اسوقت تک شهر کي سڑکوں اور عمارتوں کے آثار باقي هيں - يه تمام عمارتيں پہاڑ کاٹ کر بنائي گئي تهيں !

پيٹرا کے رنگ برنگ آثار هر اُس سياح کو جو مشرقي ديوار عبور کرنيکي جرأت کرتا هے ' اپني جانب مائل کرليتي هيں - سورج کي کرنيں ارد گرد کي پہاڑيوں کو قوس قزح بنا ديتي هيں - اُنکي چمک بلوچستان کي ارغواني پہاڑيوں سے بهي کہيں زياده دلکش هے - پہاڑونکي سطح سے زعفراني ' نارنجي ' ارغواني ' بنفشي رنگ کي لہريں نکلتي رهتي هيں - غروب آفتاب کے وقت رات کي تاريکي چها جانے سے پہلے ' ايسا معلوم هوتا هے ' گويا طرح طرح کے رنگوں کے کي موجيں اُمنڈ رهي هيں !

محمد يحيى - ايم - اے - ايل - ايل - بي
وکيل بدايوں

لئے ہز مجسٹی برطانیہ نے سر گلبرٹ ولکنگھم کلیٹن کو اپنا مختار قرار دے کر روانہ کیا، اور ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد وملحقاتہا نے ہز ہائی نس امیر فیصل اپنے فرزند اور نائب کو اپنا مختار قرار دیا۔

”مذکورۂ بالا تمہید کی بنا پر، دونوں نمائندوں کی مختاریت کے کاغذات کی صحت سے مطمئن ہوکر، ہز ہائی نس امیر فیصل بن عبدالعزیز اور سر گلبرٹ ولکنگھم کلیٹن نے حسب ذیل شرطوں پر اتفاق کیا ہے:

شرط اول۔ ہز مجسٹی برطانیہ، ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد وملحقاتہا کی کامل اور بے قید خود مختاری کا اعتراف کرتے ہیں۔

شرط دوم۔ ہز مجسٹی برطانیہ اور ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد وملحقاتہا کے مابین امن و امان اور دوستی برقرار رہے گی۔ طرفین عہد کرتے ہیں کہ باہم عمدہ تعلقات برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے، اور اپنے جملہ وسائل سے سعی کرینگے کہ اپنے ملک کو ایسے غیر قانونی اعمال کے لئے مستعمل ہونے نہ دینگے جو دوسرے فریق کے ملک میں امن و امان اور سکون کے مخالف ہوں۔

شرط سوم۔ ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد وملحقاتہا وعدہ کرتے ہیں کہ برطانیہ کی جملہ مسلمان رعایا یا اُس کے زیر حمایت مسلمان باشندوں کے لئے فرض حج کی ادائیگی میں سہولت پیدا کریں گے، جیسا کہ باقی تمام حجاج کے لئے کرتے ہیں۔ نیز ہز مجسٹی وعدہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی جان و مال کو اُن کے قیام حجاز کے دوران میں ہر طرح امنیت حاصل رہے گی۔

شرط چہارم۔ ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد وملحقاتہا وعدہ کرتے ہیں کہ مذکورۂ بالا حاجیوں میں سے جو لوگ اُن کی سرحدوں میں فوت ہوجائینگے اور جن کے شرعی وارث ہز مجسٹی کے ملک میں موجود نہ ہونگے، اُن کا ترکہ جدہ میں برطانوی نمائندے یا اُس کے نائب کے حوالہ کردیا جائے گا، تاکہ متوفی کے مستحق وارثوں تک پہنچا دیا جائے لیکن یہ حوالگی اس شرط کے ساتھ عمل میں آئے گی کہ پہلے ہز مجسٹی سلطان کی خاص عدالتوں کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوجائے اور حجازی قوانین کے مطابق لازمی محصول وصول کرلیا جائے۔

شرط پنجم۔ ہز مجسٹی شہنشاہ برطانیہ، ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد وملحقاتہا کی جملہ رعایا کے لئے حجازی اور نجدی جنسیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ ہز مجسٹی برطانیہ کے مقبوضات اور زیر حمایت ملکوں میں پائے جائیں اسی طرح ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد وملحقاتہا بھی برطانیہ کی رعایا یا اُس کے زیر حمایت باشندوں کے لئے برطانی جنسیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ حجاز و نجد وملحقاتہا کے ممالک میں پائے جائیں گے۔ اس امر میں اُن بین الاقوامی قوانین کا لحاظ کیا جائے گا جو خود مختار حکومتوں کے مابین نافذ ہیں۔

شرط ششم۔ ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد وملحقاتہا عہد کرتے ہیں کہ کویت، بحرین، اور ساحل عمان کے مشائخ کے حسن جوار کو ملحوظ رکھیں گے جن سے برطانیہ کے خاص معاہدات ہوچکے ہیں۔

شرط ہفتم۔ ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد وملحقاتہا عہد کرتے ہیں کہ اپنے تمام وسائل سے غلامی کے سدباب میں برطانیہ کی مدد کرینگے۔

شرط ہشتم۔ معاہدہ کرنے والے فریقین پر لازم ہے کہ جلد سے جلد یہ معاہدہ نافذ کریں اور منظوری کے کاغذات ایک دوسرے کے حوالہ کر دیں۔ معاہدہ اُس دن سے نافذ ہوگا، جب منظوری کے کاغذات کا باہم مبادلہ عمل میں آجائے گا۔ معاہدہ اس تاریخ سے ۷ برس تک نافذ رہے گا۔ لیکن اگر طرفین میں سے کوئی فریق بھی ۷ سال گزرنے کے بعد ۶ مہینے پہلے سے اعلان نہ کرے گا کہ وہ معاہدہ باطل کردینا چاہتا ہے، تو اس صورت میں معاہدہ برابر نافذ رہے گا۔ معاہدہ اُسی وقت باطل ہوگا، جبکہ ۶ مہینے پہلے اُس کے ابطال کا کوئی فریق باضابطہ اعلان کردے۔

شرط نہم۔ ہز مجسٹی شاہ برطانیہ اور ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد وملحقاتہا کے درمیان جو معاہدہ ۲۶ ردسمبر ۱۹۱۵ء کو ہوا تھا، جبکہ ہز مجسٹی صرف نجد کے حاکم تھے، اب وہ اس نئے معاہدے کے بعد کالعدم ہوگیا۔

شرط دہم۔ یہ معاہدہ دو زبانوں: عربی اور انگریزی میں قلم بند کیا گیا ہے۔ دونوں دستاویزوں کا درجہ بالکل مساوی ہے۔ لیکن اگر کسی عبارت کی تفسیر میں اختلاف پیدا ہو تو انگریزی دستاویز کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

شرط یازدہم۔ یہ معاہدہ، معاہدۂ جدہ کے نام سے موسوم ہوگا۔

یہ معاہدہ جدہ میں بہ روز جمعہ تاریخ ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۴۵ ہجری مطابق ۲۰ مئی ۱۹۲۷ء میں طے پایا“

معاہدہ جدہ پر بحث غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ آپکے قارئین خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ معاہدہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے معاہدے دنیا کی تمام ہم رتبہ خود مختار سلطنتوں کے درمیان ہوا کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ سلطنت نجد و حجاز کامل طور پر خود مختار تسلیم کرلی گئی، بلکہ شرط پنجم کی رُو سے اُسے تمام بین الاقوامی حقوق بھی حاصل ہوگئے۔ نجد و حجاز کی جدید تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ اُن کے باشندوں کی مستقل جنسیت تسلیم کرلی گئی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ دونوں ملکوں کے تعلقات طرفین سے بین الاقوامی قوانین کی بنیاد پر قائم ہوگئے، جیسا کہ اسی شرط کے آخر میں بالتصریح مذکور ہے۔ اب برطانیہ کے وہ امتیازات بھی باقی نہیں رہے جو مرحوم سلطنت عثمانیہ نے اپنے ملکوں میں اُسے بخش رکھے تھے، اور جو اب تک حجاز میں اور کسی حد تک نجد میں بھی برقرار تھے۔

اس معاہدے میں جابجا ”سلطان حجاز و نجد وملحقاتہا“ کے لفظ آئے ہیں۔ ملحقاتہا سے مقصود وہ تمام علاقے ہیں جن پر سلطان ابن سعود کا قبضہ یا حمایت ہے۔ مثلاً ملک عسیر جو حال ہی میں اپنی رضا و رغبت سے حضرت شیخ سنوسی کے مشورہ پر، اُن کی حمایت میں آگیا ہے۔

مسئلہ اسلحہ

معاہدے کے ساتھ چند ضمیمے بھی ہیں۔ یہ بھی شایع ہوگئے ہیں۔ ایک ضمیمہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا ہے کہ بحر احمر کو اُس بین الاقوامی قانون سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرے گا، جو ہتھیاروں کی فروخت کے متعلق ہے۔ آپکے قارئین واقف ہونگے کہ یورپ کی دول عظمیٰ نے مشرقی قوموں کو کمزور رکھنے کے لئے ایک قانون بنا رکھا ہے، جس کی رُو سے بہت سے مشرقی ممالک جن میں ایران اور ممالک عرب بھی داخل ہیں، سمندر کی راہ سے اسلحہ خریدنے کے حق سے محروم کردئے گئے ہیں۔ یقیناً سلطان ابن سعود کا تمام مشرقی دنیا خصوصاً عربی ممالک پر بہت بڑا احسان ہوگا اگر ان کی کوشش سے بحر احمر اس جابرانہ قانون سے مستثنیٰ ہوجائے اگر اس کوشش میں کامیابی ہوگئی تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ عربی ممالک کی جنگی قوت بہت بہتر ہوجائے گی۔ ایک قریبی فائدہ یہ بھی ہوگا کہ یمن، اٹلی کی حرص و طمع سے محفوظ ہوجائے گا جو اُس پر بہت جلد ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔

عقبہ و معان

ایک دوسرے ضمیمہ میں عقبہ و معان کے مسئلہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔ یہ دونوں علاقے شریف علی نے اپنی مختصر حکومت کے زمانے میں برطانیہ کے حوالے کردئے تھے۔ سلطان ابن سعود کو اس کارروائی پر اعتراض تھا۔ اُن کا اعتراض یہ تھا کہ یہ فعل ایک مفرور حاکم کا ہے، جس کی حکومت کی بنیادیں ایک دن کے لئے بھی استوار نہیں ہوئیں، اور جسے عملاً ایک شہر (جدہ) سے زیادہ حصے پر اقتدار حاصل نہیں تھا۔ عرصہ تک برطانیہ کو اس اعتراض کی حقیقت سے انکار رہا، مگر اب اُسنے اصل اعتراض تسلیم کرلیا ہے۔ اور بحث کسی دوسرے موقعہ کے لئے ملتوی کردی ہے۔ بلاشبہ اس وقت عقبہ و معان کا مسئلہ حل نہیں ہوا، لیکن اُس کے حل کے لئے راستہ کھل گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ سلطان ابن سعود بہت جلد یہ دونوں علاقے برطانیہ سے واپس لے لیں گے، کیونکہ یہ حجاز کی حفاظت کے لئے ازحد ضروری ہیں۔ اور حدود حجاز میں داخل ہیں۔

معاہدہ کی کامیابی کے اسباب

قلم روکنے سے پہلے چند الفاظ اُن اسباب کے بیان میں بھی ضروری ہیں جو اس معاہدہ کا موجب ہوئے ہیں۔ یہ حقیقت تمام دُنیا پر روشن ہے کہ برطانیہ مدت سے کوشاں ہے کہ کسی طرح پُورے عرب خصوصاً حجاز پر قابو حاصل کرلے۔ شریف حسین کے ساتھ اُس کے معاہدے اور اٹلی کے ساتھ سمجھوتہ اس حقیقت کا تازہ ثبوت ہے۔ تاہم وہ ایکدفعہ پھر مجبور ہوگیا کہ ایسا ایک معاہدہ منظور کرلے جو اُس کی پُرانی آرزو کے صریح خلاف ہے۔

اس کے تین اہم سبب ہیں:

(۱) سلطان ابن سعود نے پچھلے چند سالوں کے اندر غیر معمولی قوت حاصل کرلی ہے۔ فتح حجاز کے بعد عسیر کی حمایت نے اُنھیں عرب کا ایسا طاقتور حکمراں بنا دیا ہے کہ برطانیہ آسانی سے مغلوب نہیں کرسکتا عرب کی سرزمین پر اچانک اتنی بڑی قوت کے ظہور نے برطانیہ کو مجبور کردیا کہ یا تو عرب کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرے، یا مدت تک کے لئے عرب میں اپنے تجارتی و سیاسی مفاد سے ہاتھ دھولے۔ سلطان ابن سعود کو ناخوش کرنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا تھا کہ ایک طرف وہ عراق کی طرف بڑھیں، دوسری طرف شرق اردن پر نظر ڈالیں اور تیسری طرف خلیج فارس کے نیم برطانی علاقوں پر حملہ آور ہوجائیں عرب کے حالات سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ عراق، شرق اردن، اور خلیج فارس کے اکثر عرب علاقوں میں تمام بدوی آبادیاں سلطان ابن سعود کے زیر اثر ہیں، اور قریب قریب، نجدی دعوت قبول کرچکی ہیں۔ سلطان کا ایک اشارہ ان ممالک میں قیامت برپا کرسکتا ہے۔ برطانیہ کی قوت کتنی ہی عظیم ہو، مگر وہ اتنا نادان نہیں ہے کہ بیٹھے بٹھلائے یہ تمام بلائیں اپنے سر نازل کرے لہذا اُس کی مصلحت یہی تھی کہ سلطان ابن سعود سے تعلقات خوشگوار رکھے اور ان کی کامل خود مختاری کے خلاف کوئی جذبہ ظاہر نہ ہونے دے۔

(۲) شام کی حکمبرداری نے عربی ممالک میں فرانس کو برطانیہ کا رقیب بنا دیا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ یورپ میں برطانی سیاست نے فرانس کو سخت شکست دی ہے۔ اور اُسے اُس کے تمام دوستوں سے محروم کرکے لاچار کردیا ہے۔ فرانس اس سبب سے برطانیہ پر دانت پیس رہا ہے اور مشرق میں اُس سے انتقام لینے پر تُل گیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک طرف چین میں برطانیہ کی مخالفت کررہا ہے، دوسری طرف عرب میں سلطان ابن سعود سے راہ و رسم پیدا کررہا ہے۔ برطانیہ نے محسوس کرلیا تھا کہ اگر اُسنے اس موقعہ پر ذرا سی بھی غفلت کی تو بہت ممکن ہے، فرانس اُس پر بازی لے جائے۔

(۳) بالشویک روس نے پچھلے دنوں عرب سے بہت دلچسپی ظاہر کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بالشویک دعوت کا ایک مرکز حجاز میں بھی قائم کردیں، تاکہ یہاں سے دُنیا بھر کے مسلمانوں میں اُس کی اشاعت ہوسکے۔ برطانیہ، اسوقت روس سے ازحد خائف ہے۔ اُس کا یہ ارادہ معلوم کرکے بالکل بدحواس ہوگیا، اور بے تحاشا کوشش شروع کردی کہ دوستانہ معاہدہ منعقد ہوجائے۔ معاہدہ کی دوسری شرط کا تعلق غالباً اسی چیز سے ہے۔

غالباً اس تفصیل کے بعد معاہدۂ جدہ پوری روشنی میں آجائے گا اور اس کے فہم میں کسی کو غلط فہمی نہ ہوگی۔ آئندہ مکتوب میں اُن اصلاحات پر بحث کروں گا جن کا اسوقت حجاز میں اجرار درپیش ہے۔

———

حال ہی میں ڈاکٹری کی سند حاصل کی تھی، اور میرے قریب رہتا تھا وہ بھی میرے ساتھ روحانی جلسے میں شریک تھا۔

میں بے تحاشا اُس کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُس کا کمرہ مکان کی سب سے اونچی منزل پر واقع تھا۔

لیکن میں ابھی زینے ہی پر تھا، کہ اوپر سے خوفناک شور سنائی دیا۔ ایسا معلوم ہوا، جیسے کوئی آدمی بدحواسی سے ادہر اُدہر دوڑ رہا ہو۔ اور زور زور پاؤں زمین پر مار رہا ہو۔

فوراً ہی ایک دہشت ناک آواز میرے کانوں میں آئی:

"مدد! مدد! دوڑو! دوڑو!"

اور اس کے ساتھ ہی ایک شخص اوپر سے بے تحاشا گرتا ہوا مجھ کو ٹکرایا۔

"سارون! سارون! دوست! تم ہو؟ کیا ہوا؟" میں بے اختیار چلّا اُٹھا۔ کیونکہ یہ شخص میرا دوست سارون ہی تھا۔

زینے پر دھندلی روشنی تھی۔ سارون نے آتے ہی دیوانہ وار میرے مونڈھے پکڑ لئے۔ وہ تمام بدن سے کانپ رہا تھا۔ چہرہ زرد تھا۔ آنکھیں عجیب قسم کی وحشت ظاہر کر رہی تھیں!

"سارون!" میں پھر چلّایا۔

"ریکیوف!" اُس کی لرزتی ہوئی آواز بلند ہوئی "ریکیوف! تم ہو تم؟ کیا واقعی تم ہی ہو؟"

اُسنے مجھے بغور دیکھا اور لمبی سانس لی۔

"یہ تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ مُردے کی طرح پیلے پڑ گئے ہو۔ اُف، تمھاری صورت کیسی ڈراؤنی ہو رہی ہو؟ خدارا بتلاؤ کیا ہوا؟"

اُسنے مجھے بغور دیکھ کر کہا۔

"اور یہ تمھاری حالت کیا ہو رہی ہو؟ بالکل مُردہ معلوم ہوتے ہو!" میرا جواب تھا۔

"ٹھہرو" اُسنے جلدی سے کہا "ذرا دم لینے دو۔ آہ میں اس وقت تم سے ملکر کتنا خوش ہوا ہوں؟ جان جاتے جاتے بچی۔ محاضرات ارواح کے جلسوں پر خدا کی لعنت! علم الارواح پر ہزار لعنت! اُس جلسے نے نہیں معلوم میرے لئے کیسی کیسی ہولناک چیزیں پیدا کر دی ہیں؟ کیا تم یقین کروگے کہ جونہی میں اپنے کمرے میں داخل ہوا... اُف کیسا ڈراؤنا منظر! میں نے دیکھا، کمرے کے عین وسط میں ایک تابوت رکھا ہو"!

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ یہ تو بعینہٖ خود میری سرگزشت تھی۔ میں نے چیخ کر پوچھا:

"تابوت! کیا کہتے ہو؟ تابوت!"

اُسنے صاف لفظوں میں کہا "تابوت! ایک حقیقی تابوت! میں بُزدل نہیں ہوں۔ لیکن اس منظر سے تو شیطان بھی بے ہوش ہو جائیگا"

میں پھر خوف سے کانپنے لگا۔ میں نے بمشکل اپنے دونوں مشاہدے اُس سے بیان کر دئیے۔ میں نے کہا "خدایا! عجیب طرح کی ہولناکی! میں نے اپنے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اپنے دوست کے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اور اب تم کہتے ہو کہ تم نے بھی اپنے کمرے میں تابوت دیکھا ہو......"

(۶)

ہم دونوں مکان کی چوکھٹ پر کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں مبہوت تھے۔ ہمیں خیال ہوا، شاید ہم سو رہے ہیں۔ یہ شبہ بیک وقت دونوں کے دماغ میں گزرا، اس لئے ایک دوسرے کو گھونسے مارنے لگے تاکہ معلوم کرلیں، ہم واقعی جاگ رہے ہیں یا عالم خواب میں ہیں!

"نہیں، ہم خواب میں نہیں ہیں" سارون نے کہا "ہم گھونسے کی چوٹ محسوس کرتے ہیں۔ ضرور جاگ رہے ہیں۔ ہم نے جو تابوت دیکھے ہیں یقیناً وہ تابوت ہی ہیں۔ ہمارا وہم و خیال نہیں ہو۔ اب بتلاؤ، کیا کریں؟"

ہم اب مکان کی سیڑہی پر آکے کھڑے ہوگئے، اور دیر تک سوچتے رہے، کیا کرنا چاہئے؟ آخر طے ہوا کہ ہمت کرکے اوپر چلیں، اور نوکر کو جگا کر کمرے میں جائیں۔

(۷)

نوکر ہاتھ میں شمع لئے اندر گیا۔ ہم پیچھے پیچھے چلے۔ واقعی کمرے کے عین وسط میں ایک تابوت رکھا تھا۔ اُسپر سفید ریشمیں چادر پڑی تھی کناروں پر سونے کے تاروں کا کام تھا۔ جابجا چاندی کے پھول کڑھے تھے!

تابوت دیکھ کر نوکر نے اپنے سینہ پر صلیب کا نشان بنایا۔

"اب ہم حقیقت معلوم کرلے سکتے ہیں" میرے دوست نے رُک رُک کر کہا، کیونکہ وہ پُورے جسم سے کانپ رہا تھا "دیکھنا چاہئے معاملہ کیا ہو؟ تابوت خالی ہو، یا اُس میں کوئی لاش بھی ہو؟"

بڑے پیش و پس کے بعد سارون نے ہمت کی۔ چند قدم آگے بڑھا، اور تابوت کا ڈہکنا اُلٹ کر پیچھے ہٹ گیا۔

ہم نے جھک کر دیکھا۔ تابوت بالکل خالی تھا۔ نعش کی جگہ ایک لفافہ پڑا تھا!

(۸)

میرے دوست نے لفافہ اُٹھا لیا، اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کھولا۔ اُس کے اندر حسب ذیل سطریں مرقوم تھیں:

"میرے پیارے دوست سارونوف!

"تمھیں معلوم ہو ہماری مالی حالت کس درجہ بگڑ چکی ہو۔ مختصر لفظوں میں واقعہ یہ ہو کہ میرا بھائی دیوالیہ ہوگیا ہو۔ کل اُس کا تمام سامان نیلام ہو جائے گا۔ تم جانتے ہو، اُس کی دکان میں تابوتوں کے سوا کچھ نہیں ہو (کیونکہ شہر بھر کے لئے وہی تابوت مہیا کرتا ہو) اب ہمارے لئے فقر و فاقہ کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ ہمارے خاندان نے مشورے کے بعد طے کیا ہو کہ جتنے تابوت بھی راتوں رات نکالے جا سکتے ہیں، نکال دئیے جائیں تاکہ وہ نیلام سے بچ جائیں۔ چنانچہ اپنے تمام دوستوں کے یہاں ایک ایک تابوت بھیجدیا ہو۔ ایک تابوت تمھارے یہاں بھی رکھوا دیتے ہیں۔ تم مطمئن رہو، ایک ہفتے سے زیادہ تمھیں اسکی حفاظت نہیں کرنی پڑے گی، اور ہم اسکے لئے تمھارے اور تمام دوستوں کے نہایت شکرگزار رہوں گے۔"

تمھارا مخلص "ایوان گودین"

(۹)

اس واقعہ کے بعد تین مہینے تک میں اپنے اعصاب کا علاج کرتا رہا۔ اب تک یہ حالت ہو کہ جب کبھی شام کو گھر لوٹتا ہوں، تو دروازے پر خوف سے ٹھٹک جاتا ہوں۔ کمرے میں تابوت کا منظر یاد آجایا کرتا ہو۔

بریدِ شرق

مکتوب حجاز

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم جدّہ کے قلم سے)

معاہدہ جدّہ

قارئین الہلال واقف ہوں گے کہ نجد اور برطانیہ کے مابین ۱۹۱۵ء میں ایک معاہدہ منعقد ہوا تھا۔ اس معاہدے میں بعض دفعات ایسی تھیں جن سے نجد کی خود مختاری پر پابندیاں عائد ہوتی تھیں۔ مثلاً اسمیں ایک شرط یہ تھی کہ حکومت نجد، برطانیہ کے سوا کسی دوسری سلطنت سے سیاسی گفت و شنید نہیں کرے گی اور نہ تجارتی و اقتصادی تعلقات قائم کرے گی۔ یا یہ کہ سلطان نجد، حجاز کی طرف پیشقدمی نہیں کرینگے اس کے معاوضہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ خارجی حملوں سے انکے مقبوضات کی حفاظت کرے گا۔

اگرچہ سلطان ابن سعود نے کبھی برطانیہ کو اپنے ملک میں مداخلت کا موقع نہیں دیا، تاہم بیرونی دنیا میں حالات سے بے خبر لوگوں کو معاہدے کی شرطیں دیکھکر شبہ ہوتا تھا کہ نجد، برطانیہ کی حمایت اور سرپرستی میں ہو۔

دراصل ۱۹۱۵ء کا معاہدہ جنگ عظیم کے خاص حالات کا نتیجہ تھا۔ سلطان کو برطانیہ اور اُس کے اتحادیوں، خصوصاً شریف حسین کی طرف سے سخت خطرے درپیش تھے۔ جرمنی اور ٹرکی سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ اس لئے مجبور ہو کر اُنھوں نے یہ معاہدہ منظور کرلیا تھا لیکن جنگ کے چند ہی سال بعد وہ اس سے بے پروا ہوگئے، اور فرانس سے تجارتی تعلقات قائم کرلئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ حجاز پر بھی یورش کردی، اور برطانیہ کے پروردۂ اقتدار شریف حسین اور اس کے خاندان کو خارج کردیا!

اب گویا عملاً کوئی معاہدہ بھی نجد اور برطانیہ کے درمیان موجود نہ تھا۔ حالات میں انقلاب عظیم واقع ہو چکا تھا، اور اس لئے جدید معاہدے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کے لئے گذشتہ ماہ مئی ۱۹۲۷ء گفت و شنید شروع ہوگئی اور اب ۲۲ ستمبر سنہ رواں کو تکمیل کے بعد اعلان ہوگیا ہو۔

اصلی معاہدے کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہو:

"ہز مجسٹی شاہ برطانیہ، آیرلینڈ، برطانی مقبوضات ماورار البحر اور شہنشاہ ہندوستان نے ایک جانب سے، اور ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا نے دوسری جانب سے، اپنے باہمی دوستانہ تعلقات کے استحکام اور اپنے مصالح کی حفاظت کے خیال سے عزم کیا ہو کہ باہم دوستی اور حسن تفاہم کا ایک معاہدہ منعقد کریں۔ چنانچہ اس غرض کے

سینہ میں چھپا لے، اور وقت مناسب کی منتظر رہے۔ علی حیدر بے کو خود نوشتہ سوانح عمری کا جو مسودہ اپنی والدہ سے ملا تھا، وہ ناتمام تھا، اور کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اصل میں ناتمام تھا، یا اس کے بقیہ اوراق ضائع ہو گئے تھے۔ اعلان دستور کے بعد یکایک یہ خبر ترکی اخبارات میں چھپی کہ "وصفی آفندی مدیر اوراق (ریکارڈ کیپر) طائف نے ۳۰ برس کے بعد، طائف کے ایک باغ بیرون شہر سے وہ آہنی صندوق نکالا ہے، جس میں مدحت پاشا کی خود نوشتہ کتاب محفوظ تھی۔ وصفی آفندی نے مدحت پاشا کے قتل کے بعد ۱۵۔ ذی قعدہ ۱۳۰۲ھ کو زمین میں دفن کر دیا تھا"

وصفی آفندی نے یہ صندوق علی حیدر بے کے حوالہ کر دیا۔ تحقیقاً سے معلوم ہوا کہ مدحت پاشا نے اپنی کتاب مکمل کر لی تھی، اور احتیاطاً اس کی دو نقلیں بھی، اپنے رفیق حبس شیخ خیر اللہ آفندی (سابق شیخ الاسلام) سے کرائی تھیں تاکہ اگر اصل نسخہ محفوظ نہ رہ سکے تو اس کی نقل موجود رہے۔ اصل نسخہ کا ابتدائی حصہ بدفعات سمرنا بھیج دیا گیا، بقیہ اجزاء ابھی نہیں بھیجے گئے تھے کہ ۱۲ رجب ۱۳۰۱ ہجری کی وہ ہولناک رات آ گئی جو مرحوم اور اُس کے ساتھی محمود پاشا داماد کے قتل کی رات تھی۔ اس طرح مرحوم کو بقیہ اوراق بھیجنے کا موقعہ نہیں ملا۔ یہ اوراق قتل کے بعد قید خانہ کے حکام کو مل گئے تھے اور قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے تھے۔ لیکن اُن کی دو نقلیں خیر اللہ آفندی کے پاس رہ گئی تھیں۔

خیر اللہ آفندی نے کوشش کی کہ کسی طرح یہ دونوں نسخے کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔ اُسنے ایک نسخہ اپنے معتمد دوست کمال آفندی شیخ تکیہ آستانہ تک پہنچا دینے کے لئے ایک شخص مصطفےٰ آفندی نامی کے سپرد کیا، اور دوسرا طائف کے ڈاکٹر فخری بے کو دے دیا۔ پہلا نسخہ کمال آفندی تک نہ پہنچ سکا اور مصطفےٰ آفندی کا انتقال ہو گیا۔ لیکن دوسرا نسخہ ڈاکٹر فخری نے وصفی آفندی مدیر اوراق طائف کے سپرد کر دیا۔ وصفی آفندی مدحت پاشا کی جماعت سے ہمدردی رکھتا تھا اور دل سے اصلاح پسند تھا۔ اُسنے اس امانت کی قدر کی، اور ایک آہنی صندوق میں بند کر کے شہر کے باہر دفن کر دیا۔

مدحت پاشا کی خود نوشتہ سوانح عمری

علی حیدر بے انقلاب کے بعد قسطنطنیہ آ گیا تھا۔ اُسنے اس مسودہ کا پچھلے مسودہ سے مقابلہ کیا، اور ترکی میں ایک نئی کتاب مرتب کر کے ۱۹۰۸ء میں شائع کر دی۔ یہ مدحت پاشا کی سرگزشت حیات کا مکمل مجموعہ ہے۔ اس میں اس کی خود نوشتہ سوانح عمری ہے، قید خانۂ طائف کے تمام خطوط ہیں، اصلاح نظام حکومت کی تمام یادداشتیں ہیں، اور آخر میں چند ضمیمے ہیں جن سے کتاب کے بعض تفصیل طلب مقامات کی مزید تشریح ہو جاتی ہے۔

علی حیدر بک اس مجموعہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے:

"ایک ایسے موقعہ پر جبکہ میری قوم قیام دستور کی یادگار منا رہی ہے (جولائی ۱۹۰۹ء) میں اپنے والد مرحوم کی خود نوشتہ سوانح حیات کا ہدیہ اُس کے سامنے پیش کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ یہ عبرت و موعظت کا ذریعہ ہوگا!

"جب ہمارا وطن عزیز اپنی صدہا سالہ عظمت و شوکت کی بلندیوں سے تنزل کے قعر ذلت میں گر رہا تھا، اور عدل و نظام کے فقدان نے امید و مراد کے تمام دروازے بند کر دیئے تھے، تو اُسوقت ان اوراق کا مصنف ملک ملت کی خدمت کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی زندگی کے کامل ۴۵ سال اس راہ میں بسر کر دیئے۔ یہاں تک کہ اسی کی راہ میں اپنی جان عزیز بھی قربان کر ڈالی!

"میرے والد نے یہ اوراق قلعۂ طائف کے قید خانہ میں اُسوقت لکھے تھے، جبکہ وہ خونی مجرموں کی طرح ایک تنگ کوٹھری میں مقید تھا، اور شقی و جابر پاسبانوں کی نگاہیں ہر وقت اُس پر لگی رہتی تھیں۔ مسودہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا اکثر حصہ ایک ایک دو دو سطر کر کے، مختلف اوقات میں لکھا گیا ہے، اور بہت سے مقامات میں ناتمام جملوں اور لفظوں پر قلم کی کشش رُک گئی ہے۔ وہ قلم اور کاغذ فرش کے نیچے چھپا کر رکھ دیا کرتے تھے، اور جب کبھی پاسبانوں کی نگاہوں سے مہلت ملتی تھی، لکھنے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ پوری دو سطریں بھی نہیں لکھنے پاتے تھے کہ کسی آدمی کی آہٹ سنائی دیتی، یا باہر سے باتوں کی آواز آنے لگتی، اور وہ قلم کاغذ چھپا دینے پر مجبور ہو جاتے!

"عین اُس حالت میں بھی جبکہ موت سامنے تھی، زندگی و راحت کے تمام وسائل مفقود ہو چکے تھے، ضعف پیری اور امراض کے آلام سے قویٰ معطل ہو رہے تھے، اور ایک جابر و مستبد پادشاہ اور اُس کے رذیل اور جرائم پیشہ حکام ہر آن اُس کے انفاس حیات کم کرنے کے درپے ہو رہے تھے، وہ اپنی قوم اور ملت کی خدمت سے بے فکر نہیں ہوا، اور محض اس امید موہوم سے کہ شاید اُس کے لکھے ہوئے اوراق کسی وقت قوم کی نظروں تک پہنچ جائیں، اُسنے اپنی زندگی کے تمام تجارب و افکار قلمبند کر دیئے۔ عین اُسوقت جبکہ عبد الحمید اُس کی موت کے وسائل پر غور کر رہا تھا، وہ قید خانہ کی کوٹھری کے اندر اُن وسائل کے قلمبند کرنے میں مشغول تھا جن کے ذریعہ عبد الحمید کا عرش مملکت موت کے خطرات سے نجات پا سکتا تھا!

"میرے والد نے یہ کتاب قید خانہ میں لکھی، اور اس کا ایک حصہ سمرنا میں اپنے اہل و عیال کے پاس بھجوا دیا۔ یہ ابتدائی حصہ اور بعض خطوط مجھے اپنی والدہ مرحومہ سے ملے تھے، اور میں نے اُنھیں ایک مقدس تذکار سمجھ کر محفوظ رکھا تھا۔ چند سال پیشتر میں نے یورپ میں جو کتاب مرحوم کے وقائع حیات پر شائع کی تھی، وہ انہی اوراق سے مرتب کی گئی تھی۔

"یہ اُس شخص کا اثر ہے جسے ۱۲۔ رجب ۱۳۰۱ ہجری کو رات کے ۶ بجے (یعنے انگریزی گھڑی کے حساب سے بارہ بجے) عبد الحمید کے حکم سے قید خانۂ طائف میں گلا گھونٹ کر ہلاک کر ڈالا گیا۔ اس لئے ہلاک کر ڈالا گیا، کہ وہ ظلم و استبداد کا مخالف تھا، اور عدل و دستور کا داعی تھا۔ آج جبکہ تمام مملکت عثمانیہ قیام دستور کے یادگار کی خوشیاں منا رہی ہے، بیجا نہیں اگر میں یہ اُمید کروں کہ دستور عثمانی کے اس شہید کی یاد ہر فرد قوم کے دل میں تازہ ہو جائے!"

سوانح حیات

مدحت پاشا کی اسی خود نوشتہ سوانح عمری سے ہم مختصراً اس کے حالات نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اُن خطوط کا ترجمہ درج کرینگے جو قلعۂ طائف سے بھیجے گئے تھے۔

ابتدائی تعلیم

مدحت پاشا ابن قاضی حاجی حافظ محمد اشرف

صفر ۱۲۳۸ھ میں بمقام قسطنطنیہ پیدا ہوا۔ والدین نے احمد شفیق نام رکھا تھا۔ دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور حافظ شفیق کہلانے لگا۔

۱۲۴۹ھ میں اس کے والد علاقہ لودین کے قاضی مقرر ہو گئے۔ یہاں اسنے لکھنا سیکھا، اور ایک برس بعد جب وہ واپس ہوا، تو عاکف پاشا وزیر خارجیہ کے حکم سے دیوان ہمایونی میں داخل کر لیا گیا۔ یہاں اُسنے اُس رسم الخط کی مشق کی جو اس محکمہ کے لئے خاص ہے۔ اس محکمہ کی تعلیم گاہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے تمام فارغ التحصیل طلبا کو ایک علیحدہ نام یا لقب دے دیا کرتی تھی۔ چنانچہ اُسنے حافظ شفیق کے لئے بھی ایک نیا نام تجویز کیا۔ یہ "مدحت" تھا، اُس دن سے "شفیق" کی جگہ "مدحت" کے نام سے پکارا جانے لگا۔

۱۲۵۱ھ میں اس کے والد علاقہ ودّین کے قاضی مقرر ہوئے۔ مدحت بھی ساتھ گیا اور تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اُس کے والد چونکہ فارغ التحصیل عالم تھے، اس لئے شروع ہی سے اسے فارسی، عربی، اور دینی علوم کی تعلیم دی گئی۔ ودّین سے واپس آنے کے بعد اُس نے آستانہ کی تاریخی مسجد "جامع فاتح" میں دینی علوم کی تکمیل کی اور فارسی زبان میں بھی کامل مہارت حاصل کر لی۔

جب ۱۲۵۴ھ میں حکومت نے "مدرسہ عرفانیہ" جاری کیا اور منتخب ہونہار طالب علم اُس میں داخل کئے گئے، تو اُن میں ایک مدحت آفندی بھی تھا۔ لیکن اُس نے جلد دیکھ لیا کہ اس مدرسہ کے طالب علم اُس کے برابر قابلیت نہیں رکھتے، اور تعلیم بھی بہت معمولی درجہ کی ہے، اس لئے برداشتہ خاطر ہو کر چھوڑ دیا۔

عملی زندگی

۱۲۵۸ھ میں اُسنے اپنی تعلیم ختم کر لی۔ مگر اُس کی عملی زندگی، اس سے بہت پہلے سے شروع ہو چکی تھی۔ وہ کم عمری ہی سے سرکاری دفاتر میں ملازم ہو گیا تھا۔ دفتر کا کام بھی انجام دیتا اور تعلیم بھی جاری رکھتا۔

لیکن ۱۲۵۸ھ میں اُسنے خالص عملی زندگی میں قدم رکھا۔ ۲۵۰ قرش تنخواہ پر اُسے ایک مستقل جگہ مل گئی۔ یہ ولایت شام میں سرکاری کاغذات کی تحریر کی جگہ تھی۔ دو تین برس تک اسی جگہ پر مامور رہا۔ پھر ۱۲۶۱ھ میں سامی پاشا والی قونیہ کے دفتر میں لے لیا گیا۔ ۱۲۶۳ھ میں اسی والی کے ساتھ صوبۂ قسطمونی میں گیا۔ ۱۲۶۴ھ میں قسطنطنیہ واپس آیا اور اسی زمانہ میں اُس کی شادی ہوئی۔ اس کے بعد اُسے وزیر اعظم کے دفتر میں انشاء و کتابت کی معزز جگہ مل گئی۔ اس جگہ کے ملجانے سے اُسپر اعلیٰ اور مرکزی مناصب کا دروازہ کھل گیا۔ اور وہ حکومت کے ممتاز اور ذمہ دارانہ مناصب پر مامور ہونے لگا۔

تفتیش (انسپکشن)

۱۲۶۷ھ میں حلب شام کے خزانے میں سخت بدنظمی پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ خزانۂ حکومت کے ۲۰۰ تھیلے غائب ہو گئے۔ اس معاملہ کی تفتیش کے لئے مدحت آفندی بھیجا گیا۔ اُسے خفیہ طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ عربی ممالک کے سپہ سالار اعظم محمد پاشا قبرصلی کے طرز عمل کی بھی تحقیقات کرے۔ ۶ مہینے کی محنت کے بعد اُسنے ثابت کر دیا کہ نقدی کے ۲۰۰ تھیلے نہیں، بلکہ ۵ ہزار تھیلے چوری ہو گئے ہیں۔ چور کا بھی پتہ چلا لیا، اور اُس سے ایک ہزار ۴۰۰ تھیلے وصول کر لئے۔ نیز ناقابل رد دلائل سے ثابت کر دیا کہ سپہ سالار نے توم ودرون کے معاملے میں سخت غلطیاں کی ہیں۔

مجلس والا کی صدارت

وزیر اعظم رشید پاشا نے مدحت آفندی کی اس خدمت کی بہت تعریف کی۔ عرب کا سپہ سالار معزول کر دیا گیا۔ اور مدحت کو ۱۲۶۹ھ میں مجلس والا کا صدر مقرر کیا گیا۔ یہ منصب اُس کی فطری اور غیر معمولی انتظامی قابلیت کے ظہور کے لئے ہر طرح موزوں تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اس کی قابلیتوں کے ایسے نمایاں ثبوت ملے کہ وہ رشید پاشا، عالی پاشا، رشدی پاشا وغیرہ ارکان سلطنت کا معتمد علیہ بن گیا۔ چنانچہ جب مسئلہ کریمیا کے حل کرنے کے لئے روسی پرنس منچیکوف قسطنطنیہ آیا، تو معاہدوں کی تحریر اسی کے سپرد کر دی گئی جو بہت بڑی ذمہ داری کا کام تھا۔

ارکان حکومت سے مخالفت

اب ترقی کرتے کرتے، مدحت آفندی اناطولی میں کاتب ثانی کے عہدے پر پہنچ گیا تھا۔ ۱۲۷۰ھ میں محمد پاشا قبرصلی، وزیر اعظم مقرر ہوا

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

(۱)

ترکی اصلاح و تجدد کی تحریک سلطان محمود مصلح کے زمانے میں شروع ہوئی، اور سلطان عبد العزیز کے عہد میں مصطفےٰ فاضل پاشا کے ہاتھوں اُس کی پہلی جماعت کی بُنیاد پڑی۔ تاہم یہ محض ابتدا تھی۔ تحریک کے قیام و ترقی کے لئے ضرورت تھی کہ کوئی ایسی اولوالعزم شخصیت نمودار ہو جو اپنی قربانی کے خون سے اس نئی تخم ریزی کی آبیاری کرسکے۔ اصلاح و تغیر کی تحریک، اس آبیاری کے بغیر کبھی نشو و نما نہیں پاسکتی۔ ترکی اصلاح کا پہلا فکری عنصر مصطفےٰ رشید کی شخصیت میں نمایاں ہوا تھا، لیکن اُسے سُلطان محمود اور سلطان عبد المجید جیسے اصلاح پسند فرمانروا ملے، اور اس لئے اُس کی اصلاح پسندی آزمائش کی جگہ مزید قبولیت کا باعث ہوئی۔ فواد پاشا اور عالی پاشا بھی مصلحانہ افکار رکھتے تھے، لیکن وہ کوئی عملی قدم نہ اُٹھاسکے۔ اس لئے اُنکے لئے کوئی آزمائش پیدا نہ ہوسکی۔ مصطفےٰ فاضل پاشا نے بلاشبہ نیا قدم اُٹھایا، اور "لائحۂ اصلاحیہ" پیش کرکے اپنے لئے خطرات پیدا کردئیے تاہم معاملہ اس سے آگے نہ بڑھا کہ جلا وطن ہوگیا۔ یا مصر کی حکومت و خدیویت سے محروم ہوجانا پڑا۔ پس جہاں تک تحریک کی ابتدائی نشو و نما کا تعلق ہے، اب تک کوئی شخصیت ایسی نمایاں نہیں ہوئی تھی جسے اس راہ میں جانفروشی و قربانی کی منزل سے گزرنا پڑا ہو۔ یہ منزل ایک اولوالعزم شخصیت کے ظہور کی منتظر تھی۔ یہ اولوالعزمی مدحت پاشا کی شخصیت میں ظاہر ہوگئی۔ مدحت پاشا اس راہ کا پہلا قتیل و شہید ہے۔ اُس کے خون نے وہ آبیاری بہم پہنچا دی، جس کے بغیر یہ تخم انقلاب بار آور نہیں ہوسکتا تھا!

مدحت پاشا اور عبد الحمید

سلطان عبد الحمید کی پُرفریب حکمت عملیوں نے واقعات و حقائق پر ایسے پردے ڈال دئیے تھے کہ مدتوں تک دُنیا کی نگاہیں دھوکا کھاتی رہیں۔ اور مدحت پاشا کی شخصیت نمایاں نہ ہوسکی۔ مدحت پاشا اور اُسکے ساتھیوں کے خلاف جب مقدمہ قائم کیا گیا، اور اُسے سلطان عبد العزیز کے قتل کی سازش کے انکشاف سے تعبیر کیا گیا، تو دُنیا نے بغیر کسی شک کے قبول کرلیا۔ کیونکہ نہ تو مدحت پاشا کی مصلحانہ حیثیت اور اعمال کی دنیا کو خبر تھی اور نہ ترکی میں کوئی ایسی قومی طاقت پیدا ہوئی تھی جو اصلیت کا اظہار کرسکتی۔ سر ہنری ایلیٹ (انگریزی سفیر متعینۂ قسطنطنیہ) نے ۱۸۸۸ء میں جب اپنی یادداشت شائع کی، اور مدحت پاشا کو بے قصور ظاہر کیا، تو خود انگلستان میں بہت کم لوگوں نے اسے باور کیا۔ عام طور پر خیال کیا گیا کہ سر ہنری اپنی ذاتی دوستی کا جو اُس میں اور مدحت پاشا میں تھی، حق ادا کر رہا ہے۔ جہاں تک مشرقی اور اسلامی ممالک کا تعلق ہے، اُسوقت نہ تو لوگوں میں اس قسم کے معاملات سمجھنے کی استعداد پیدا ہوئی تھی اور نہ عام طور پر دلچسپی لی جاتی تھی۔ ہندوستان میں اُس وقت جس قدر اُردو اخبار نکلتے تھے، سب نے مدحت پاشا کے مقدمہ کو "باغیوں" کے مقدمہ سے تعبیر کیا تھا۔ اُس زمانے کے بعض اخبارات کے فائل ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ کلکتہ کے "اُردو گائیڈ" اور لاہور کے "انجمن پنجاب" نے "باغی مدحت پاشا" کی سزایابی کی خبریں شائع کی تھیں!

مقدمہ کے بعد مدحت پاشا طائف کے قلعہ میں قید کردیا گیا۔ اور کچھ دنوں بعد گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ اُسوقت دُنیا اس مظلوم کو بالکل بھلا چکی تھی۔ اصلاح پسند ترکوں کے سوا جو یورپ میں منتشر ہوچکے تھے، کوئی جماعت ایسی نہ تھی جسے حقیقتِ حال کا علم ہو، یا اس کی شخصیت میں دلچسپی رکھتی ہو۔

یلدز کی دعایتہ

برسوں پر برس گزر گئے، اور اس قتیل ظلم و استبداد کی ہولناک موت کی حقیقت دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہی۔ قسطنطنیہ میں عہد حمیدی کے تمام مستبدانہ اعمال اپنی پوری سرگرمی کے ساتھ شروع ہوچکے تھے مدحت پاشا اور اسکے رفقا کا نام لینا ایسا ہی ناقابل معافی جرم تھا، جیسا "اصلاح" اور "دستور" یا "پارلیمنٹ" کا نام لینا۔ کئی کتابوں کی اشاعت محض اس بنا پر صیغۂ احتساب نے (جو "نظارۂ معارف" کے نام سے قائم کیا گیا تھا) روک دی کہ اُنکے مصنفین کا نام بھی مدحت تھا۔

مدحت پاشا کے اعمال حیات کو دُنیا کی نظروں میں مذموم ثابت کرنے کے لئے ترکی اور ترکی سے باہر بے شمار اہل قلم کی خدمات خریدلی گئی تھیں اور وہ تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد کوئی نہ کوئی ایسی تحریر شائع کرتے رہتے تھے جس کے ذریعہ مدحت اور اس کی جماعت کو ملک و سلطنت کا دشمن ثابت کیا جاتا تھا، اور سلطان عبد الحمید کے قاتلانہ اعمال کی مدحت سرائی کی جاتی تھی۔ قسطنطنیہ میں احمد فارس شدیاق کا عربی اخبار "الجوائب" اس کام میں سب سے زیادہ پرجوش اور سرگرم تھا۔ اُسنے بار بار اپنے قارئین کو یقین دلانا چاہا کہ "مدحت اور اسکی جماعت کا اصلی مقصود دین مقدس اسلام کی بیخ کنی کرنی تھی!" یہاں تک کہ انگلستان میں بھی قصر یلدز کے ایجنٹ بے دریغ روپیہ خرچ کر رہے تھے۔ بہت سے اخبار اور اخبار نویس تھے، جنھوں نے اپنی خدمات یلدز کے حوالہ کردی تھیں۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں ایک انگریزی کتاب "دوازدہ سالہ عہد حکومت سلطان عبد الحمید" کے نام سے انگلستان میں شائع ہوئی تھی۔ اُس کے دیباچہ میں ظاہر کیا گیا تھا کہ "یہ انگلستان کی ایک شہزادی کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ ہے" یہ کتاب بھی حمیدی دعایتہ (پروپیگنڈا) کا نتیجہ تھی، اور اس لئے شائع کرائی گئی تھی تاکہ سر ہنری ایلیٹ کے اُن مضامین کا جواب دیدیا جائے جو اُسنے مدحت پاشا اور اُس کی مصلحانہ مساعی کی حمایت میں لکھے تھے۔ اس کتاب کا اُردو ترجمہ ہندوستان میں شائع ہوچکا ہے۔

انکشاف حقیقت

ایک عرصہ کے بعد جب مدحت پاشا کا لڑکا علی حیدر بے جوان ہوا، تو اُس کی ماں نعیمہ خانم نے اُس کے باپ کی آخری امانت اُسکے سپرد کردی۔ یہ امانت کیا تھی؟ یہ ایک نامکمل خود نوشتہ سوانح حیات تھی، جو اس شہید حریت نے طائف کے قید خانہ میں لکھی تھی۔ اور چند خطوط تھے، جو اُسنے اور اُس کے ساتھیوں نے طائف سے بھیجے تھے۔ اِن خطوط میں اُن تمام ہولناک واقعات کی تفصیل درج تھی جو طائف کے محبس میں پیش آئے تھے۔

یہ خطوط طائف کے قید خانے سے کیونکر بھیجے گئے اور کس ذریعہ سے مرحوم کے خاندان تک پہنچے؟ اس کی تفصیل ان اوراق میں درج تھی۔ اُس زمانے میں مصر کے خاندان خدیوی کی ایک امیرزادی، بیگم صفوت پاشا نے مکہ معظمہ میں قیام اختیار کرلیا تھا، اور اپنی دولت و ریاست کی وجہ سے شریف اور گورنر حجاز پر بہت اسوخ رکھتی تھی۔ یہ بیگم مدحت پاشا اور اس کے مصلحانہ اعمال سے واقف تھی۔ اسے جب معلوم ہوا کہ وہ مع اپنے رفیقوں کے طائف میں قید کیا گیا ہے، تو آمادہ ہوگئی کہ اپنی موجودگی سے ان کی مصیبت کم کرنے کی کوشش کرے۔ اور تو کچھ نہ کرسکی، لیکن اس کی وجہ سے خط و کتابت کا ایک محفوظ ذریعہ پیدا ہوگیا۔ طائف کا ایک فوجی ڈاکٹر فخری بے اُس کے زیر اثر تھا اُسے قیدیوں کے دیکھنے کی اجازت تھی۔ وہ اُن سے پوشیدہ خطوط لے لیتا اور مکہ معظمہ پہونچا دیتا۔ مکہ سے خطوط مصر بھیجد ئیے جاتے۔ مصر سے سمرنا کی ایک فرانسیسی کمپنی کے دفتر میں پہنچ جاتے جہاں مدحت پاشا کا خاندان مقیم تھا۔ کمپنی کے دفتر کا منتظم مدحت پاشا کی بیوی اور بہن تک پہونچا دیتا۔

البتہ مدحت پاشا کی خود نوشتہ سوانح عمری ناتمام تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یا تو تکمیل کا موقعہ نہیں ملا، یا بقیہ مسودہ ضائع ہوگیا علی حیدر بے نے اِن اوراق کی مدد سے مدحت پاشا کے اعمال حیات پر ایک کتاب مرتب کی، اور سنہ ۱۹۰۶ء میں پیرس سے شائع کی پہلے فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ پھر اُس کا انگریزی اڈیشن بھی شائع ہوگیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ دُنیا کو حقیقتِ حال سے واقف ہونے کا موقعہ ملا، اور کذب و افترا کے وہ تمام پردے چاک ہوگئے جو عبد الحمید اور اُس کے حامیوں نے اس راست باز مصلح کی زندگی پر ڈال دئیے تھے۔ قصر یلدز کے کارپردازوں نے بہت کوششیں کیں کہ کسی طرح اس کتاب کی قطعی شہادتیں کمزور ثابت کردیں لیکن اب ۲۰ سال کی مستور حقیقت عالم آشکارا ہوچکی تھی، اور حقیقت جب ایک مرتبہ آشکارا ہوجائے، تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت اُسے مستور نہیں کرسکتی!

طائف کا مدفون صندوق

سنہ ۱۹۰۸ء کے انقلاب دستور کے بعد اس سلسلہ میں ایک نیا انکشاف ہوا۔ معلوم ہوتا ہے، اس شہید ظلم کی مقدس امانت صرف اُس کے خاندان ہی میں محفوظ نہ تھی، بلکہ طائف کی زمین نے بھی اپنا آغوش صیانت کھول دیا تھا، تاکہ اُس کی آخری امانت اپنے

برید فرنگ

مکتوب جرمنی

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم برلن کے قلم سے)

قیصر کی جرمنی میں واپسی۔ قیصر کے موجودہ خیالات۔

قیصر کی واپسی

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں قیصر ولہلم کی جرمنی میں واپسی پر مفصل بحث کر چکا ہوں۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ گزشتہ ماہ جولائی میں قیصر ضرور واپس آجائے گا۔ لیکن جولائی پر دو ماہ اور گزر گئے، اور قیصر کی جلا وطنی ختم نہ ہوئی۔ حکومت جرمنی نے قیصر کی جلا وطنی والے قانون کی مدت میں دو سال کا مزید اضافہ کر دیا ہے۔ لوگ حیرت و تعجب سے اس کا سبب دریافت کر رہے ہیں؟

یہ واقعہ ہے کہ گزشتہ ماہ جولائی میں قیصر واپس آنے والا تھا جولائی کی قید اس لئے تھی کہ قیصر کی جلا وطنی والے قانون کی مدت اسی مہینے میں ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن مدت ختم ہونے سے تین چار دن پہلے حکومت نے اس میں دو سال کی مزید توسیع کر دی۔ یہ کارروائی خود قیصر کے اشارے سے ہوئی تھی۔ اصلی وجہ یہ تھی کہ اب تک فرانسیسی فوجوں نے جرمنی کی سرزمین خالی نہیں کی ہے۔ اسوقت وہ دریائے رین پر قلعے بنا رہی ہیں جب تک یہ قلعے طیار نہیں ہو جائیں گے، وہ جرمنی خالی نہیں کریں گی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ۱۹۲۹ء کے موسم سرما میں تعمیر مکمل ہو جائے گی اور پورا جرمنی آزاد ہو جائے گا۔

دراصل قیصر ولہلم نے اسوقت تک کے لئے جرمنی میں قدم رکھنے سے انکار کر دیا جب تک اُس کی سرزمین پر ایک اجنبی سپاہی بھی موجود ہے۔ یہی سبب ہوا کہ کچھ عرصے کے لئے قیصر کی واپسی پھر ملتوی ہو گئی۔

قیصر نے انکار کیوں کیا؟ کیا سرحد پر فرانس کی مختصر فوجوں کی موجودگی اُس کے لئے خطرناک تھی؟

یہاں خطرے کا سوال نہ تھا۔ خود داری کا سوال تھا قیصر کی عزت نفس نے گوارا نہ کیا کہ اپنے وطن اس حال میں واپس ہو جبکہ اُس کی سرزمین پر اجنبی سپاہی موجود ہیں۔

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اُس نزاع پر روشنی ڈال چکا ہوں جو قیصر کی نئی بیوی اور سابق ولی عہد کی بیوی میں جاری ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ قیصر کی بیوی جرمنی میں آکر مقیم ہو گئی ہے تاکہ اپنے شوہر کی تخت نشینی کے لئے میدان صاف کرے۔ دوسری طرف ولی عہد کی بیوی اپنے بڑے لڑکے کو جرمنی کا بادشاہ بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن اب یہ نزاع کلیۃً دُور ہو چکی ہے۔ تمام شاہ پسند متحد و متفق ہو گئے ہیں اور صرف قیصر کی حمایت کر رہے ہیں۔

چند اہم تبدیلیاں

پچھلے چند ماہ میں اہم تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ پہلے شاہ پسندوں کا زعیم مارشل لوڈنڈارف تھا۔ اب قیصر نے اُسے معزول کر دیا ہے۔ اب ہنڈنبرگ جمہوری حکومت کی صدارت کے ساتھ، شاہ پسندوں کا بھی سرگروہ بن گیا ہے۔ مارشل لوڈنڈارف نے کئی سال بے کار گزار دئے اور شاہی تحریک کو کوئی ترقی نہیں دی۔ لیکن مارشل ہنڈنبرگ نے غیر معمولی تدبر سے کام لے کر پوری کامیابی حاصل کر لی ہے۔ قیصر کے مخالفوں کا سب بڑا اعتراض یہ تھا کہ ایک نہایت نازک زمانے میں قیصر اپنا ملک چھوڑ کر ہالینڈ بھاگ گیا۔ لیکن ہنڈنبرگ نے اب یہ اعتراض دُور کر دیا ہے۔ اُسنے قیصر کی اس حرکت کی تمام ذمہ داری خود اپنے سر لے لی ہے۔ اُسنے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا:

"میں نے ہی قیصر کو اس فعل پر مجبور کیا تھا۔ حالانکہ وہ راضی نہ تھا درحقیقت قیصر نے ملک چھوڑ کر ملک کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اُس نے خود ذلت اُٹھانا گوارا کر لیا تاکہ ملک کی عزت برقرار رہے۔ اگر قیصر فوراً ہالینڈ چلا نہ جاتا تو ایک طرف جرمنی کی تمام فوجیں تباہ ہو جاتیں کیونکہ اُس کی عزت ہرگز ہتھیار رکھ دینا قبول نہ کرتی۔ دوسری طرف اتحادی سلطنتیں ملک کے شہنشاہ کو گرفتار کر کے مجرموں کی طرح سزا دینے کی کوشش کرتیں۔ انہی وجوہ کی بنا پر میں نے قیصر کو جلا وطنی پر مجبور کر دیا تھا"

ہنڈنبرگ کے اس اعلان نے جرمنی کے اکثر باشندوں کو مطمئن کر دیا ہے۔ اب وہ قیصر کے بھاگنے کو اُس کا عیب و نقص نہیں، بلکہ ایک ملکی خدمت اور عظیم قربانی سمجھنے لگے ہیں۔

قیصر پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اُسنے اپنی ملکہ کے فوت ہوتے ہی نہایت بے وفائی کے ساتھ دوسری شادی کرنے میں جلدی کی۔ ہنڈنبرگ نے یہ اعتراض بھی دُور کر دیا اور اس کی ذمہ داری بھی خود اوڑھ لی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اُسنے ایک طرف سابق ولی عہد کو راضی کر لیا کہ اپنے باپ کے خلاف کوئی کوشش نہ کرے، دوسری طرف ولی عہد کی بیوی اور قیصر کی نئی بیوی میں بھی صلح کرا دی۔ غرضکہ اُسنے تمام شاہ پسندوں کو ایک خیال پر جمع کر دیا۔ اب سب صرف قیصر کی تخت نشینی چاہتے ہیں۔

ہنڈنبرگ نے یہ صورت حال صرف پروشیا ہی میں پیدا نہیں کر دی بلکہ جرمنی کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو بھی قیصر کی حمایت پر آمادہ کر دیا ہے۔ اب جب قیصر واپس ہوگا تو یقین کیا جاتا ہے کہ صرف پروشیا ہی کا نہیں بلکہ ریاست سکسونی کو چھوڑ کر تمام جرمنی کا شہنشاہ ہوگا۔ (ریاست سکسونی میں بالشویک خیالات مقبول ہو گئے ہیں اور وہاں عنقریب سوویٹ حکومت قائم ہو جانے والی ہے) صرف اسی قدر نہیں بلکہ اُمید کی جاتی ہے کہ آسٹریا بھی اُس کے زیر نگیں آجائے گا۔ کیونکہ اس وقت وہاں جرمنی سے الحاق کا خیال بہت عام ہو رہا ہے۔

شاہ پسندوں کی انجمنیں

اسوقت جرمنی میں شاہ پسندوں کی بارہ انجمنیں قائم ہیں۔ یہ انجمنیں نہایت سرگرمی سے مصروف عمل ہیں۔ تقسیم عمل کے اصول پر ہر انجمن نے تحریک کے مختلف کام بانٹ لئے ہیں۔

مثلاً ایک انجمن کا کام یہ ہے کہ وہ دُنیا بھر میں قیصر کو مقبول بنانے کی دعوت پھیلا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اُس کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ جنگ عمومی کی ذمہ داری سے قیصر کو بری ثابت کرے اور سفاکی و خونریزی کے وہ تمام الزام دُور کر دے جو اتحادی سلطنتوں نے قیصر پر لگا رکھے ہیں۔ اس انجمن نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ دُنیا کی عام رائے اب قیصر کی اُتنی مخالف نہیں رہی جتنی پہلے تھی۔

ایک دوسری انجمن کا نام "شعبۂ خارجیہ" ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام سلطنتوں اور قوموں کے خیالات قیصر کے متعلق معلوم کرتی رہتی ہے۔ اس کی تازہ روداد سے ثابت ہوتا ہے کہ دُول یورپ میں صرف ایک فرانس ہی ایسی دولت ہے جو اب تک قیصر کی دشمنی پر قائم ہے۔ باقی سلطنتوں کو زیادہ پرخاش باقی نہیں رہی۔ روداد میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اٹلی اور امریکہ، قیصر کی واپسی کی کوئی مخالفت نہیں کریں گے۔ انگلستان کی مخالفت کا بھی اندیشہ نہیں ہے، اِلّا یہ کہ مسٹر لائیڈ جارج پھر برسر حکومت آجائے اور اس کی اب کوئی امید نہیں۔

تیسری انجمن کا نام "انجمن مظاہرات" ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ پورے جرمنی میں قیصر کی حمایت کے مظاہرے کیا کرتی ہے۔ چنانچہ کوئی ہفتہ خالی نہیں جاتا جس میں بڑے بڑے شہروں کی سڑکوں پر عام مظاہرے نہ نکلتے ہوں۔ یہ انجمن قیصر کی تصویریں اور مورتیں مفت تقسیم کرتی ہے۔ نیز ایسے عام جلسوں کا اہتمام کرتی ہے جن میں تمام شاہی رسمیں برتی جاتی ہیں۔

چوتھی انجمن کا کام یہ ہے کہ تحریر کے ذریعہ قیصر کی حمایت کے افکار پھیلاتی رہے۔ چنانچہ اس کی سرپرستی میں بکثرت اخبار نکل رہے ہیں اور سیکڑوں لائق انشا پرداز مضامین اور کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔

پانچویں انجمن بحری و بری فوجوں اور پولیس میں اپنے مقاصد کی اشاعت کر رہی ہے اور پوری کامیابی حاصل کر چکی ہے۔ اسوقت جرمن فوج اور پولیس میں مشکل سے کوئی آدمی ایسا نکلے گا جو قیصر کا حامی نہ ہو۔ حتیٰ کہ خفیہ پولیس کے آدمی بھی اس تحریک میں شامل ہو چکے ہیں۔

مختصر یہ کہ پورا جرمنی قیصر کے لئے چشم براہ ہے۔ عام باشندے ہی نہیں بلکہ جمہوری حکومت اور اُس کے اکثر ارکان بھی اسی خیال کے ہو گئے ہیں۔ ہنڈنبرگ تو اپنی شاہ پسندی میں پوری طرح مشہور ہو چکا ہے لیکن موجودہ وزیر اعظم ہر سٹرسمان بھی کچھ کم شاہ پسند نہیں ہے۔ کوشش ہو رہی ہے کہ کسی طرح فرانسیسی فوجیں جلد سے جلد جرمنی کی سرحد خالی کر دیں تاکہ قیصر مرنے سے پہلے واپس آجائے۔

قیصر کے خیالات

یقیناً یہ معلوم کرنا نہایت دلچسپی کا موجب ہے کہ اسوقت جبکہ قیصر کی

(بقیہ مضمون صفحہ ۱)

وطن کر دیں۔ یہ روسی اثرات کا مخالف اور ایک دیانت دار شخص تھا۔ سلطان نے اُسے صوبہ بردسہ کا حاکم مقرر کر کے حکم دیا کہ پایۂ تخت سے روانہ ہو جائے حسین عونی بیمار تھا۔ مگر سلطان نے اُسے جبراً بھجوا دیا۔ اسی قسم کا برتاؤ اور بہت سے مخلص اشخاص کے ساتھ بھی کیا گیا۔

کچھ مدت بعد حسین عونی باشا بردسہ سے لوٹ آیا اور دیکھا کہ عام رائے سلطان کے معزول کر دینے پر مصر ہے۔ اُسنے اس بارے میں بعض سربرآوردہ آدمیوں سے مشورہ کیا۔ سب نے بالاتفاق اس تجویز کی حمایت کی۔

یہ مدحت آفندی کا سخت دشمن تھا۔ کیونکہ اسی نے اُسے عرب کی سپہ سالاری سے معزول کرایا تھا۔ اب اُسنے انتقام لینا اور سرکاری ملازمت سے خارج کرا دینا چاہا۔ اُسنے بہت کوشش کی مگر کوئی بات قابل گرفت نہیں ملی۔ آخر اُس نے خیال کیا، اسے صوبہ جات رومیلی کا حاکم بنا کر بھیج دیا جائے، اور چونکہ سخت ہنگامے برپا تھے، اور بہت سے والی امن و امان قائم کرنے میں ناکام رہ چکے تھے، اس لئے مدحت آفندی بھی ناکام رہے گا، اور اس طرح اُسے نالائق قرار دینے کا بہتر موقعہ نکل آئے گا۔ چنانچہ اُسنے احکام صادر کر دئے۔

اب مدحت آفندی کے لئے سخت مشکل پیش آئی۔ وہ وزیر اعظم کی بدنیتی سے واقف ہو چکا تھا، اگر نہیں جاتا تھا تو عدول حکمی ہوتی تھی۔ جاتا تھا، تو ناکامی کا اندیشہ تھا۔ بہر حال اُسنے جانے کا فیصلہ کر لیا، اور ۱۲۷۱ھ میں ایک فوجی مہم ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔

یہاں مدحت آفندی نے حیرت انگیز قابلیت کا ثبوت دیا۔ صرف ۶ مہینے کی قلیل مدت میں ۲۸۰ باغی سرغناؤں کو گرفتار کر لیا۔ ۴ کو حکومت کی بلا اجازت پھانسی دے دی۔ ۸۰ کو آستانہ کے قیدخانے میں بھیجدیا۔ باقی کو قانون کے مطابق سخت سخت سزائیں دیں۔

باغی صوبوں نے جب حاکم کی یہ غیر معمولی مستعدی دیکھی تو اطاعت کے لئے فوراً سر جھکا دئے۔ یورپ کی زبان بالکل بند ہو گئی جو بلقان کی اس پیچیدگی کو اپنی مداخلت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ خوش قسمتی سے آب محمد پاشا بھی معزول ہو چکا تھا۔ رشید پاشا اُن کی جگہ وزیر اعظم تھا۔ اُسنے مدحت آفندی کی شاندار خدمات کا اعتراف کیا اور آستانہ واپس بلا لیا۔ مدحت آفندی نے رومیلی کے حالات کی مفصل روداد پیش کی اور اصلاحات کا ایک مسودہ بھی طیار کیا، حکومت نے اسے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ مگر بعض حالات اور تبدیلیاں ایسی پیش آگئیں کہ اصلاحات کی تجاویز پر کوئی عملی کارروائی نہ ہو سکی۔ در اصل حکومت کا مزاج صدیوں سے ایسا ہو گیا تھا کہ بغیر کسی بنیادی تغیر کے اصلاحات کی تجاویز سود مند نہیں ہو سکتی تھیں۔

وزیر اعظم نے مدحت آفندی کو مجلس والا میں دوبارہ داخل کیا۔ مگر ابھی چند ماہ بھی اس صورت حال پر نہیں گزرے تھے کہ رشید پاشا پھر معزول ہو گیا اور مصر چلا گیا۔ اسکی جگہ عالی پاشا کو ملی، مگر اُسے بھی یورپ کا سفر پیش آ گیا اور دار الحکومت سے غیر حاضر ہو گیا۔ اسکی نیابت محمد پاشا قبرصلی کو مل گئی۔ اسی محمد پاشا کو جو مدحت کا جانی دشمن تھا۔ اسنے برسر اقتدار آتے ہی پھر انتقامی تدابیر کا عمل میں لانا شروع کر دیا۔

اس مرتبہ مدحت پر یہ تہمت لگائی گئی کہ اُسنے حکومت کے بعض محاصل پر قبضہ کر لیا ہے۔ چنانچہ باضابطہ مقدمہ قائم ہو گیا۔ مگر پہلی ہی پیشی میں ثابت ہو گیا کہ الزام کی کوئی اصلیت نہیں محض اتہام ہے۔ ایک گواہ نے تو علانیہ عدالت کے سامنے اقرار کر لیا کہ "اُسے جھوٹ بولنے پر مجبور کیا گیا ہے، اور مدحت کے خلاف اُسنے جو کچھ کہا ہے، سراسر باطل ہے۔"

مدحت آفندی عزت کے ساتھ بری ہو گیا، اور نائب وزیر اعظم کو سخت شرمندگی اُٹھانی پڑی۔

بلغاریہ اور سرویہ میں

اُس زمانے میں بلغاریہ کی حالت خراب ہونے لگی۔ حکام کے ظلم نے باشندوں کو پریشان کر ڈالا۔ مدحت آفندی تحقیقات کے لئے بھیجا گیا۔ اسنے اپنی روداد باب عالی میں پیش کر دی اور ثابت کیا، کہ باشندوں کی شکایتیں صحیح ہیں۔ گورنر سعید پاشا اور اُس کے آدمیوں نے سخت فساد مچا رکھا ہے۔ باب عالی نے اس کی روداد تسلیم کر لی، اور گورنر اور اُسکے عہدہ داروں کو معزول کر دیا۔

بلغاریہ سے فارغ ہو کر مدحت آفندی سرویہ گیا۔ وہاں بھی سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ بعض علاقوں کے باشندوں نے ترکی حکام کو بالکل خارج کر دیا تھا۔ اور طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی۔ مدحت آفندی نے اس صوبے کی بھی اصلاح کی اور باغی علاقوں میں از سر نو حکومت قائم کر دی۔

یورپ کا سفر

مدحت آفندی، قسطنطنیہ واپس آ گیا۔ اُسے یقین تھا کہ حکومت اس کی خدمات کا اعتراف کرے گی۔ مگر یہاں سلطان عبد المجید پر معزول گورنر سعید پاشا اور اُس کے دوستوں کا جادو چل چکا تھا۔ انھوں نے سلطان کو مدحت آفندی سے ناراض کرا دیا۔

اسی اثنا میں رشید پاشا کا بھی انتقال ہو گیا۔ جو مدحت کا سرپرست تھا۔ مدحت آفندی، سلطان کی ناراضی سے افسردہ خاطر ہو چکا تھا۔ اپنے مربی کی وفات سے اور بھی زیادہ بے دل ہوا، اور سرکاری مناصب ترک کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ ساتھ ہی اُسے خیال ہوا کہ ممالک یورپ کی سیر و سیاحت کرے جن کی علمی و تمدنی ترقیات کے افسانے اس کے گوش گزار ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۱۲۷۴ھ میں یورپ روانہ ہو گیا۔ ۶ مہینے وہاں قیام کیا۔ پیرس، لندن، وائنا، بلجیم وغیرہ کی سیر کی اور یورپ کی ترقی کے اسباب و وسائل معلوم کئے۔

فرانسیسی زبان

مدحت آفندی کی طالب علمی کے زمانے میں فرانسیسی زبان کو ٹرکی میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اس لئے اُسنے بھی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی۔ لیکن اب حالات میں عظیم تبدیلی واقع ہو چکی تھی، اور ہر سیاسی مدبر کے لئے اس زبان سے واقفیت لازمی ہو گئی تھی۔ مدحت آفندی نے اپنے اندر یہ کمی محسوس کی، اور اس زبان کی تحصیل پر کمر بستہ ہو گیا۔ وہ اپنی فرصت کے اوقات میں بطور خود مطالعہ کرتا رہتا یہاں تک کہ یورپ کا سفر پیش آیا اور اس زبان میں اُسنے پوری مہارت حاصل کر لی۔

رتبۂ وزارت اور صوبہ کی ولایت

۱۲۷۵ھ میں مدحت آفندی یورپ سے واپس آیا اور دوبارہ مجلس والا کی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسی اثنا میں محمد پاشا قبرصلی پرانا دشمن وزیر اعظم ہو چکا تھا۔ مدحت آفندی کو خوف تھا کہ پھر اُسکی عداوت کا نشانہ بنے گا، مگر یہ دیکھ کر اُسے تعجب ہوا کہ اب مخالفت کی جگہ اس کی طرف سے موافقت کے اظہارات شروع ہو گئے تھے۔ اُسنے مدحت آفندی کو طلب کیا۔ گذشتہ معاملات کی معافی چاہی اور سلطان عبد المجید سے بھی سفارش کی کہ اس کی پچھلی خدمات کے اعتراف میں وزارت کا اعزازی رتبہ بخشا جائے، اور صوبہ نیش کی حکومت سپرد کر دی جائے۔ چنانچہ ۱۲۷۸ھ میں مدحت آفندی اس صوبہ کا والی مقرر ہو گیا۔ اور سلطان عبد المجید کی وفات تک اسی منصب پر مامور رہا۔

سلطان عبد العزیز

سلطان عبد العزیز کے آخری عہد میں سلطنت عثمانیہ کی حالت از حد زبون ہو گئی۔ ہر طرف داخلی شورشیں برپا ہو گئیں، اور یورپ نے متحد ہو کر از سر نو دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔

بدقسمتی سے سلطان، اپنے وزیر اعظم محمود ندیم پاشا کے قبضہ میں تھے۔ اور ندیم پاشا، روسی سفیر جنرل اگنا ٹیف کے اشاروں پر حرکت کر رہا تھا۔ ترکی قوم اس حقیقت سے واقف ہو گئی تھی اور ندیم پاشا کی معزولی کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مگر سلطان نے کانوں میں تیل ڈال لیا تھا نہ کسی کی نصیحت سنتا تھا نہ کسی فریاد پر توجہ دیتا۔

اُسی زمانے میں خبر مشہور ہوئی کہ سلطان، ۴۰ لاکھ پونڈ کا ایک نیا قرضہ لینے والے ہیں۔ عام رائے اس خبر سے نہایت برہم ہوئی۔ کیونکہ سلطان کے اسراف نے سلطنت کا تمام خزانہ خالی کر دیا تھا اور قرضوں کا ناقابل برداشت بوجھ پہلے ہی سے ملک کی گردن توڑ رہا تھا۔

اسی اثناء میں صوبۂ ہرزی گوینا کا مسئلہ پیش آیا۔ یہ محض حکومت کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ عام رائے اب اور بھی زیادہ برہم ہو گئی۔ چند دن بعد خبریں آنا شروع ہوئیں کہ بلقان میں بغاوت پھوٹ پڑی ہے اور اُسکے شعلے، ادرنہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ آستانہ میں بلقان کے مسلمان طالب علموں کے پاس خطوط پہنچے کہ "باغیوں نے تمھارے گھر لوٹ لئے۔ اور عزیز و اقارب قتل کر ڈالے" طالب علموں نے یہ وحشت ناک خبریں سنیں تو جوش میں آ گئے۔ اُن کے جوش نے شہر کی تمام مسلمان آبادی میں بھی ہیجان پیدا کر دیا۔ لوگوں کو پہلے سے یقین تھا کہ حکومت، بلقان کے معاملات سے غفلت برت رہی ہے، اور ندیم پاشا روس کے اشارے سے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ روس کا مقصد یہ تھا کہ اس بہانے سے اُسے مداخلت کا موقعہ ملے۔

بلقانی طالب علموں کے ساتھ ہزاروں مخلوق باب عالی کی طرف روانہ ہوئی اور وزیر اعظم سے ملاقات کا مطالبہ کیا۔ وزیر اعظم نے یہ حالت دیکھی تو ڈر گیا، اور سلطان کو مشورہ دیا کہ نئی وزارت کا اعلان کر کے عوام الناس کا جوش ٹھنڈا کر دیں۔ چنانچہ محمود ندیم پاشا اور حسن آفندی شیخ الاسلام، دونوں معزول کر دئے گئے۔ رشدی پاشا وزیر اعظم مقرر ہوئے اور خیر اللہ آفندی شیخ الاسلام بنائے گئے۔ نیز مدحت پاشا بھی رتبۂ وزارت کے ساتھ مجلس اعلیٰ کا رکن مقرر ہو گیا۔

لیکن وزارت کی تبدیلی سے حالات میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ ندیم پاشا اگرچہ معزول کر دیا گیا تھا، لیکن محض ایک سطحی تبدیلی تھی۔ سلطان بدستور ندیم پاشا کے ہاتھوں میں تھا۔ ندیم پاشا روسی سفارت خانہ سے احکام حاصل کرتا، اور اُنکے مطابق سلطان کو مخفی مشورے دیتا رہتا۔

عام رائے نے جلد معلوم کر لیا کہ ندیم پاشا امروز فردا ہی میں پھر برسر حکومت آ جائے گا۔ اُس کی معزولی محض ایک دکھاوے کی کارروائی ہے۔ اسی اثنا میں روسی سفیر جنرل اگنا ٹیف نے ہر طرف مشہور کر دیا کہ دار السلطنت میں عنقریب بغاوت ہونے والی ہے۔ مسلمان عیسائیوں کے قتل کی عام طیاریاں کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی اُسنے یہ بھی کیا کہ مانٹی نیگرو سے سو مسلح نوجوان بلائے اور اپنی سفارت کی حفاظت کے لئے مقرر کر دئے۔ اس کارروائی نے تمام شہر میں تشویش پیدا کر دی۔ قسطنطنیہ کی مسیحی آبادی نے کاروبار بند کر دیا، اور شہر چھوڑ دینا چاہا۔ اِن کارروائیوں سے روسی سفیر کا مدعا یہ تھا کہ محمود پاشا کی دوبارہ وزارت کے لئے میدان صاف کرے۔ وہ یہ دکھلانا چاہتا تھا کہ نئی وزارت امن و امان قائم نہیں رکھ سکتی، اور مسیحی رعایا کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

ترکوں نے یہ حالت دیکھی، تو وہ مرعوب نہیں ہوئے، اُنھوں نے خود سلطان کے معزول کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ اب وہ سمجھ گئے تھے کہ اس شخص کی موجودگی میں کسی قسم کی اصلاح ممکن نہیں۔

یہ خبر ہوا کی طرح بازاروں میں پھیل گئی۔ وہاں سے قصر شاہی میں پہنچی۔ سلطان بہت پریشان ہوئے۔ والدہ سلطان نے مدحت پاشا کے پاس اپنا معتمد علیہ خواجہ سرا جوہر آغا بھیجا اور دریافت کیا کہ قوم کی ناراضی دُور کرنے کے لئے کونسا طریقہ مفید ہو سکتا ہے؟

مدحت پاشا نے فوراً اصلاحات کا ایک مسودہ طیار کیا اور سلطان کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ اسے جاری کر دینے سے عام رائے مطمئن ہو جائے گی۔ مگر سلطان کی نخوت نے اُسے منظور نہ کیا۔

اس تمام مدت میں سلطان، محمود ندیم پاشا کے مشوروں پر عمل کرتا رہا اور محمود ندیم، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، روسی سفیر کی انگلیوں پر ناچ رہا تھا۔ محمود ندیم نے سلطان کو ترغیب دی کہ حسین عونی پاشا کو جلا

بصائر و حکم

عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

اکابر تاریخ اسلام کی مختصر وفیات

حضرت امام شافعیؒ

امام مزنی کہتے ہیں، جس دن حضرت امام شافعی رح نے انتقال کیا اُس کی صبح کو میں عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا۔

"مزاج کیسا ہے؟ میں نے سوال کیا۔

اُنھوں نے ٹھنڈی سانس لی:

"دُنیا سے جا رہا ہوں، دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں، مَوت کا پیالہ مُنہ سے لگا ہے۔ نہیں معلوم میری رُوح جنت میں جائے گی کہ اُسے مبارکباد دوں، یا دوزخ میں جائے گی کہ اُسے تعزیت پیش کروں؟"

پھر یہ شعر پڑھے:

ولما قسا قلبی وضاقت مذاہبی جعلت الرجا منی لعفوک سلما

اپنے دل کی سختی اور اپنی بیچارگی کے بعد میں نے تیری عفو پر اپنی امید کو سہارا بنا لیا ہے۔

تعاظمنی ذنبی فلما قرنتہ بعفوک ربی کان عفوک اعظما

میرا گناہ میری نظر میں بہت ہی بڑا تھا، مگر جب تیرے عفو کے مقابلے میں اُسے رکھا، تو اے رب، تیرا عفو زیادہ بڑا نکلا۔

۲۰۴ھ (۸۱۹ء) میں وفات پائی۔

مامون الرشید

نزع کے وقت جاحظ عیادت کو حاضر ہوا۔ کسی جانور کی کھال کا بچھونا بچھا تھا۔ بچھونے پر ریت پڑی تھی، اور خلیفہ ریت پر لوٹ رہا تھا۔ یہ الفاظ زبان پر تھے:

"اے وہ جس کی بادشاہی کبھی زائل نہ ہوگی، اُس پر رحم فرما جس کی بادشاہی جا رہی ہے! اے وہ جو کبھی نہیں مرے گا، اُس پر رحم کر جو مر رہا ہے!"

جاحظ نے کہا، "خدا امیر المومنین کا ثواب زیادہ کرے اور تندرستی بخشے!"

"میری تندرستی کی دعا نہ کرو" مامون نے فوراً کہا، "بلکہ میرے لئے مغفرت کی دعا کرو۔"

پھر کہا "خدایا! تو نے ہمیں حکم دئے اور ہم نے نافرمانی کی۔ تو مجھے بخش دے کیونکہ تو بڑا ہی رحیم ہے" اسی پر رُوح پرواز کر گئی۔

۲۱۸ھ (۸۳۳ء) میں وفات پائی۔

حکیم ابو العتاہیہ

مشہور زاہد و حکیم شاعر ابو العتاہیہ سے مَوت کے وقت پوچھا گیا۔

"کوئی خواہش باقی ہے؟"

کہا "ہاں، میری خواہش یہ ہے کہ مغنی "مخارق" آئے اور میرے سرہانے میرے یہ شعر گائے:

اذا ما انقضت منی من الدہر مدتی فان عزاء الباکیات قلیل!

جبکہ دنیا میں میری زندگی کی مدت ختم ہو چکی ہے تو رونے والیوں کی تعزیت بھی بہت کم ہے۔

سیعرض عن ذکری وتنسی مودتی ویحدث بعدی للخلیل خلیل!

سب میرے خیال سے مُنہ پھیر لیں گے، میری محبت بھول جائیں گے۔ میرے بعد بھی دوست اپنے دوستوں سے باتیں کرینگے۔

۲۲۱ھ (۸۳۵ء) میں انتقال کیا۔

خلیفہ واثق باللہ

خلیفہ واثق باللہ نے مرتے وقت یہ شعر پڑھے:

الموت فیہ جمیع الناس تشترک لاسوقۃ منہم یبقی ولا الملک

مَوت میں سب برابر کے شریک ہیں۔ نہ بازاری لوگ بچیں گے نہ بادشاہ ہی زندہ رہیں گے۔

ما ضر اہل قلیل فی مقابرہم ولیس یغنی عن الملاک ما ملکوا

غریبوں کو اُن کی قبر میں غربت نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ امیروں کو اُن کی امیری بھی کوئی نفع نہ پہنچائے گی۔

پھر حکم دیا، فرش اُٹھا دیا جائے۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ خلیفہ نے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا اور چلّایا:

"اے وہ جس کی بادشاہی لازوال ہے، اُس پر رحم کر جس کی بادشاہی ختم ہو گئی!"

یہ کہتے ہی انتقال ہو گیا (۲۳۲ھ ۸۴۶ء)

خلیفہ منتصر باللہ

خلیفہ محمد منتصر باللہ ایک دن دیبا کے فرش پر بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اُس کی نظر ایک فارسی عبارت پر پڑ گئی جو فرش پر کندہ تھی۔ خلیفہ نے اُسے پڑھوایا تو لکھا تھا:

"محمد شیرویہ بن کسریٰ نے اپنے باپ کو قتل کیا، لیکن اُس کے بعد بادشاہی سے کوئی تمتع حاصل نہ کر سکا"

خلیفہ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ فوراً ہی مجلس سے اُٹھ گیا۔ چند ہی روز بعد بیمار پڑا اور زندگی سے مایوس ہو گیا۔ ماں عیادت کو آئی تو خلیفہ نے کہا "دُنیا اور آخرت دونوں میرے ہاتھ سے نکل گئیں۔ میں نے اپنے باپ کی مَوت میں جلدی کی، لہٰذا میری مَوت میں بھی جلدی کی گئی"

پھر یہ شعر پڑھا:

فما فرحت نفسی بدنیا اصبتہا ولکن الی اللہ الکریم اصیر

دنیا کے حاصل ہو جانے سے میری رُوح کو کوئی خوشی نصیب ہوئی۔ اب میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔

۲۴۹ھ۔ ۸۶۳ء میں وفات ہوئی۔

امام جاحظ

ادب عربی کا مشہور امام، جاحظ کا جب وقت آخر ہوا تو ابو العباس المبرّد عیادت کو گیا۔

مزاج پرسی کے جواب میں جاحظ نے کہا:

"وہ شخص کیسا ہوگا جس کا آدھا دھڑ سُن ہو گیا ہو، حتیٰ کہ اگر آرے سے بھی چیر دیا جائے تو اُسے پتہ نہ چلے؟ اور آدھا دھڑ اتنا حسّاس ہو گیا ہو کہ اگر مکھی بھی اُس کے قریب اُڑے تو درد محسوس کرنے لگے؟"

پھر یہ شعر پڑھے:

أترجو ان تکون، وانت شیخ کما قد کنت ایام الشباب؟

کیا تو آرزو کرتا ہے کہ اب بڑھاپے میں بھی ویسا ہی ہو جائے جیسا جوانی کے دنوں میں تھا؟

لقد کذبت، نفسک لیس ثوب دریس کالجدید من الثیاب؟

تیرا نفس جھوٹا ہے۔ پرانا کپڑا نئے کپڑے کی طرح کیونکر ہو سکتا ہے؟

۲۵۵ھ (۸۶۹ء) میں انتقال کیا۔

خلیفہ معتضد باللہ

سولھواں عباسی خلیفہ، معتضد باللہ سخت ظالم و مستبد تھا۔ وفات کے وقت اپنا مرثیہ اُس نے یوں پڑھا:

تمتع من الدنیا فانک لا تبقی وخذ صفوہا ان صفت ودع الرنقا

دنیا سے لطف اُٹھا لے کیونکہ تو باقی نہیں رہے گا۔ اُس کی بھلائی لے لے اور بُرائی چھوڑ دے!

ولا تامن الدہر الذی قد امنتہ فلم یبق لی حالاً ولم یرع لی حقا

اُس دُنیا پر ہرگز بھروسہ نہ کرنا جس پر میں نے بھروسہ کیا تھا۔ دیکھ اُس نے مجھ سے بیوفائی کی اور کسی حق کا بھی خیال نہ کیا۔

قتلت صنادید الرجال ولم ادع عدواً، ولم امہل علی طغیہ خلقا

میں نے بڑے بڑے بہادر مارے۔ کوئی دشمن نہ چھوڑا۔ کسی کو بھی اُس کی سرکشی پر باقی نہ رہنے دیا۔

واخلیت دار الملک من کل نازع فشردتہم غرباً، ومزقتہم شرقا!

میں نے پایۂ تخت تمام مخالفوں سے خالی کر دیا، اُنھیں پراگندہ کر کے مشرق و مغرب میں پھیلا دیا۔

فلما بلغت النجم عزاً ورفعۃ ودانت رقاب الخلق اجمع لی رقا

لیکن جب میں اپنی عزت و رفعت میں ستاروں تک پہنچ گیا اور تمام مخلوق کی گردنوں میں میری غلامی کا طوق پڑ گیا،

رمانی الردی سہماً، فاخمد جمرتی فہا انا ذا فی حفرتی عاجلاً القی!

تو ایسا ہوا کہ مَوت نے مجھ پر ایک تیر چلایا اور میری آگ بجھا دی۔ دیکھ، اب میں عنقریب ہی اپنے گڑھے میں ڈالا جانے والا ہوں۔

ولم یغن عنی ما جمعت، ولم اجد لذی ملک منہا، ولا راغب رفقا

میرے جمع کئے ہوئے خزانے میرے کام نہ آئے۔ دولت سے بیزار ہونے والے اور دولت کے لالچی، کسی نے بھی ہمدردی نہ کی!

فیا لیت شعری بعد موتی ما القی الی نعم الرحمن ام نار ہ القی؟

آہ کاش! میں جانوں، مَوت کے بعد اللہ کی نعمتیں پاؤں گا، یا دوزخ میں جھونک دیا جاؤں گا؟ ۲۸۹ھ (۹۰۲ء) میں انتقال کیا۔

واپسی کے لئے جرمنی میں میدان طیار ہو چکا ہو، خود قیصر کی ذہنیت کیا ہو؟ یہاں کے اخباروں نے حال ہی میں قیصر کی ایک گفتگو شایع کی ہو۔ اُسنے یہ گفتگو ایک انگریز ممبر پارلیمنٹ سے کی تھی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہو:

دُنیا کی آیندہ جنگ

"دس برس گزرنے سے پہلے" قیصر نے کہا، "دنیا کو ایک اور عظیم جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس جنگ میں یورپ کی تمام سلطنتیں شریک ہوں گی۔ کوئی بھی اُس سے علٰحدہ نہ رہ سکے گی۔ میں یہاں اپنی جلاوطنی کی جگہ سے بیٹھا دیکھ رہا ہوں کہ مغرب کے افق سے ایک ہولناک جنگ کی گھٹائیں اُٹھ رہی ہیں۔ یہ ایسی سخت جنگ ہوگی جس کے سامنے پچھلی جنگ ہیچ ہو جائے گی۔ تمام دنیا خون میں غرق ہو جائے گی۔ بہت سے ملک ویران ہو جائینگے۔ بہت سی سلطنتیں ناپید ہو جائیں گی۔ دنیا کی تمام قومیں اُس کی مصیبت سے چیخ اُٹھیں گی۔ ایسی مصیبتیں جن سے عالم انسانیت اب تک نا واقف ہو۔ یقیناً یہ جنگ نہایت ہیبت ناک ہوگی کیونکہ اُس کے ظہور کے وقت دُنیا کی تمام قومیں پُورے طور پر نئے اسلحہ سے آراستہ ہوں گی"

"ہاں، میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام قومیں جنگ کی طیاریاں کر رہی ہیں۔ مجلس اقوام کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ محض سیاسی تفریح کا ایک نیا سامان ہو۔ اُس کے امن کے وعظوں پر قومیں ہنستی ہیں۔۔۔ تمام سلطنتیں جنگی جہاز، آبدوز کشتیاں، اور ہوائی بیڑے طیار کر رہی ہیں۔ مختلف قسم کے جدید گیس ایجاد کئے گئے ہیں جو اب تک غیر معلوم تھے۔ قومیں نہایت اخفار کے ساتھ ان جہنمی مواد کے تجربے کر رہی ہیں۔ ہر [illegible] نے مہلک ہتیاروں اور گیسوں کے بکثرت ذخیرے جمع کر لئے ہیں تاکہ جب جنگ کا بگل بجے تو پُوری طرح طیار ثابت ہوں"

یہ تمام طیاریاں کیوں ہیں؟ جواب دیا جاتا ہو مدافعت کے لئے! مگر جنگ کا کس طرف سے اندیشہ ہو جبکہ ہر سلطنت مدافعت ہی کی طیاری کر رہی ہو؟"

"تھوڑے دن ہوئے، ایک معزز انگریز میری ملاقات کے لئے یہاں آیا۔ دوران گفتگو میں میں نے پُوچھا، آخر یہ ہر طرف جنگی طیاریاں کیوں ہو رہی ہیں؟ اُس نے جواب دیا "اصلی خطرہ مشرق میں ہو۔ جنگ عمومی کے بعد مشرقی قومیں بیدار ہو گئی ہیں اور مغربی حکومتوں کے خلاف طیار ہو رہی ہیں۔ اُن کی ہولناک بغاوت کے خوف سے یورپ جنگی طیاری پر مجبور ہو گیا ہو!"

"میں اس جواب پر ہنس پڑا۔ میں نے کہا مغربی قومیں، مشرقی فوجوں سے ہرگز خائف نہیں ہیں۔ دراصل وہ آپس ہی میں ایک دوسرے سے ڈرتی ہیں۔ مغربی قوموں میں باہم سخت حسد اور منافست ہو۔ سیاسی مدبر ایک دوسرے سے چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں۔ مگر حکومتوں کے وزیر اور فوجوں کے سپہ سالار آیندہ جنگی میدانوں کے نقشے بنانے میں مصروف ہیں۔ ایک طرف سفرا ردول کھڑے زیتون کی شاخ ہلا رہے ہیں (یعنی امن پسندی کا اظہار کر رہی ہیں) دوسری طرف بحری سپہ سالار جدید ترین آبدوزوں اور جہنمی مادوں کے تجربے کر رہے ہیں۔ اُن کی کوشش ہو کہ کسی طرح زہریلی گیس سمندر کی موجوں پر پھیلانے میں بھی کامیابی حاصل کرلیں!"

"ہوابازوں نے محیط اٹلانٹک کے عبور کی کوشش شروع کر دی ہو ہر ہفتے ہم ایک نئی کوشش کی خبر سنتے ہیں۔ کرنل لنڈبرگ نے اپنی حیرت انگیز جرات سے ثابت کر دیا ہو کہ محیط اٹلانٹک، پیسیفک، یا محیط ہندی کا ہوائی جہاز سے عبور کرنا ناممکن نہیں ہو۔ آیندہ جنگ ایسے ہوا باز پیدا کر دے گی جو سمندر کی موجوں پر رہیں گے اور اپنے عمل سے ثابت کر دیں گے کہ سمندر پار رہ کر بھی کوئی قوم جنگ کی ہولناکیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی"

"میرے عہد حکومت میں کونٹ زیپلن نے ایک دن مجھ سے کہا اگر جرمنی کے پاس زیپلن وضع کے ۵۰۰ ہوائی جہازوں کا بیڑا ہو جائے، تو تمام دُنیا پر جرمنی کی برتری قائم ہو سکتی ہو۔ اگر اعلیٰ حضرت کی حکومت ضروری مصارف مہیا کر دے تو میں ایک سال کی مدت میں پانسو جہاز طیار کر دے سکتا ہوں۔ ایک سال اور ایک ہفتہ کے بعد جرمنی تمام دُنیا پر حکومت کرے گا!" لیکن مجلس حکومت نے یہ تجویز منظور نہیں کی"

"اگر میرے لئے پیشین گوئی کرنا جائز ہو، تو میں تمھیں اُن قوموں کے نام بھی بتا دے سکتا ہوں جو آیندہ جنگ میں حملہ آورانہ یا مدافعانہ شرکت کریں گی۔ لیکن ایک جلا وطن بادشاہ کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اُنگلی اُٹھا کر اُن قوموں کی طرف اشارہ کرے جو جنگ کا تنور سُلگا رہی ہیں!"

"آیندہ جنگ کئی سال تک جاری نہیں ہوگی جیسی کہ پچھلی جنگ تھی۔ آیندہ جنگ میں ہر کام بجلی کی سی تیزی سے ہوگا۔ جنگ کا صور پُھنکتے ہی تار برقی اور بے تار برقی کے آلات میں حرکت ہوگی، اور چشم زدن میں تمام جنگجو قوتیں اُٹھ کھڑی ہوں گی۔ غیر مرئی آبدوزیں اپنی جگہوں سے نکل پڑیں گی۔ ہولناک ہوائی بیڑے آسمان کی سطح پر چھا جائیں گے۔ قتل و ہلاکت کے سامان حیرت انگیز سرعت سے منتقل ہونے لگیں گے، اور چند گھنٹوں کے اندر خشکی اور تری کی تمام زندگیاں موت سے بدل جائیں گی۔ پچھلی جنگ میں ایک جہاز کے غرق ہونے میں جتنی دیر لگتی تھی، اُس سے سوگنا جلد غرقابی عمل میں آئے گی۔ اس جنگ میں وہی قوم کامیاب ہوگی، جو سب سے پہلے اپنی آبدوزیں اور ہوائی بیڑے میدان میں پہنچا سکے گی، تاکہ سب سے پہلے اپنی جہنمی فرائض ادا کر دے!"

"مستقبل کی جنگ میں فوجیں، عقابوں کی طرح اچانک ٹوٹ پڑیں گی۔ اگر تمام سلطنتیں سرعت عمل میں برابر نہ ہوں گی، تو کامیابی پیشقدمی کرنے والی سلطنت کو حاصل ہوگی۔ بہت ممکن ہو، اُس جنگ میں بڑی بڑی سلطنتوں کی پُوری قوت صرف ۴۸ گھنٹے میں برباد ہو جائے!"

"یہ اس لئے کہ مستقبل جنگ کے طریقے بہت ہی سریع اور ہولناک ہونگے۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ ضروری اور مفید عنصر جاسوسوں کا ہوگا۔ یہ عنصر اس وقت بھی ہر سلطنت کے یہاں بہت بڑی وسعت کے ساتھ موجود ہو۔ ہر سلطنت دوسری سلطنت کی طیاریاں اپنے جاسوسوں کے ذریعے معلوم کر رہی ہو۔ جس سلطنت کی اطلاع زیادہ وسیع اور صحیح ہوگی، وہی اُس جنگ میں فتح یاب ہوگی۔ جنگ عمومی سے پہلے اور اُس کے دوران میں جرمنی کا محکمۂ جاسوسی بہت مکمل تھا۔ ہمارے جاسوس دُنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس محکمہ کی نگرانی خود میں نے اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ میں تمام بڑے بڑے جاسوسوں سے براہ راست ملتا اور نہایت غور اور محنت سے اُن کی خفیہ رُوداد یں مطالعہ کیا کرتا۔ دُنیا میں ہر لمحے جو کچھ بھی ہوتا تھا، اُس کا علم مجھے حیرت انگیز سرعت سے ہو جایا کرتا تھا"

"میں خوب جانتا ہوں کہ اس وقت دُنیا میں جاسوسی، پہلے سے کہیں زیادہ موجود ہو۔ خاص طور پر روس کا محکمۂ جاسوسی سب سے زیادہ منظم ہو۔ میں اُن تمام سلطنتوں کے نام گِنا سکتا ہوں جن کے جاسوس دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں حتیٰ کہ یہاں خود میرے گرد بھی اُن کے جاسوسوں کا ہجوم ہو۔ وہ خیال کرتی ہیں، میرا وجود اُن کی سلامتی کے لئے خطرہ ہو۔ حالانکہ اگر ان سلطنتوں کو عقل ہوتی، تو وہ جان لیتی کہ اس بڑھاپے میں میری سب سے بڑی آرزو یہ ہو کہ اپنی حکومت پر واپس جاؤں اور دُنیا کو ایک نیا سبق دوں۔ حرب و ضرب کا نہیں، صلح و آشتی کا!"

"جنگ، دنیا میں ہمیشہ باقی رہیگی کیونکہ انسان کی فطرت میں طمع و حرص کے جذبات راسخ ہیں۔ جنگ کو معدوم کرنے کی کوشش بالکل بے کار ہیں۔ ہاں جنگ کو کم کرنے کی کوششیں مفید ہو سکتی ہیں اگر میں اپنے قدیم تخت پر ہوتا، تو دنیا کو امن و سلامتی کا ایک نیا راستہ دکھا سکتا تھا۔ لیکن میں دُنیا سے الگ کر دیا گیا ہوں۔ سلطنتیں میری ہلاکت کی کوشش کر رہی ہیں، حالانکہ اس سے اُنھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اگر وہ مجھ سے مشورہ کریں اور مجھے جرمنی واپس جانے دیں، تو میں اُنھیں بہت کچھ نفع پہونچا سکتا ہوں"

برلن ۲۸ ستمبر ۱۹۲۷ء

معاہدۂ حجاز و برطانیہ

"برید شرق" میں ہم ایک مراسلت درج کر چکے ہیں جس میں معاہدہ حجاز و برطانیہ کی تمام تفصیلات درج ہیں۔ مراسلہ نگار نے لکھا ہو کہ بعض مسائل جو اس معاہدہ میں طے نہ ہو سکے، ضمیمہ میں اُنکے بحث طلب ہونے کا اعتراف کیا گیا ہو، اور کسی آیندہ مناسب موقعہ کے لئے ملتوی کر دئے گئے ہیں۔

اب تازہ ڈاک سے حجاز کا سرکاری جریدہ "ام القریٰ" مورخہ ۲۳ ستمبر ۲۷ء موصول ہوا ہو۔ اسمیں معاہدہ کی وہ عربی نقل بجنسہ موجود ہو جو مراسلہ نگار نے ہمارے پاس بھیجی تھی۔ ساتھ ہی وہ خط و کتابت بھی شایع کر دی ہو جو بعض مختلف فیہ مسائل کی نسبت فریقین میں ہوئی تھی۔ اس خط و کتابت کا تعلق انھی مسائل سے ہو جنھیں مراسلہ نگار نے "بحث طلب" اور "ملتوی شدہ" قرار دیا ہو۔

پہلا خط سر گلبرٹ کلیٹن کا (مورخہ ۱۹ مئی ۲۷ء) ہو جسمیں وہ لکھتا ہو: "آپکی تجویز ہو کہ معاہدہ میں ایک دفعہ اس مضمون کی بڑھا دی جائے کہ حکومت برطانیہ کی جانب سے وہ تمام رکاوٹیں دُور کر دی جائیں گی جو اسلحہ اور جنگی مواد کے خریدنے اور منگوانے میں حائل ہو سکتی ہیں۔ میں آپکو حکومت برطانیہ کی جانب سے یہ اطلاع دینے کی عزت حاصل کرتا ہوں کہ اس بارے میں کسی دفعہ کے بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اور مجھے اجازت دی گئی ہو کہ میں آپ کو اطمینان دلا دوں کہ جزیرۃ العرب کو جنگی مواد بھیجنے کی ممانعت اب اُٹھا دی گئی ہو، اور اگر آپکی حکومت چاہے تو وہ انگلستان کے کارخانوں سے ہر طرح کا سامان جنگ منگوا سکتی ہو۔ برطانی حکومت کی جانب سے کوئی رکاوٹ اسمیں ڈالی جائے گی"

اس کے جواب میں حکومت حجاز کی جانب سے ۱۹ مئی کو لکھا گیا:

"آپکے اس اطلاع کے جواب میں کہ "جزیرۃ العرب میں اسلحۂ جنگ کی خرید اور انکا ورود آپکی حکومت کی جانب سے ممنوع نہیں ہو" شکریہ ادا کیا جاتا ہو"

دوسرے خط میں حجاز کے حدود کا ذکر ہو۔ حکومت حجاز معر کی کہ عقبہ اور معان حجاز کے حدود میں داخل ہیں۔ برطانیہ حجاز اور شرق الاردن کی حدود طول بلد ۳۸ شرقی اور عرض بلد ۳۵، ۲۹ شمالی قرار دیتا تھا جس سے یہ مقامات نکل جاتے تھے۔ اسپر ۱۸۔ ذی قعدہ کو حکومت حجاز کی جانب سے لکھا گیا۔

"آپکے خط سے معلوم ہوا کہ حکومت برطانیہ اپنی رائے پر مُصر ہو۔ چونکہ بحالت موجودہ اس نزاع کا آخری فیصلہ مشکل ہو، اس لئے ہم اسکے لئے طیار ہیں کہ یہ مسئلہ بالفعل ملتوی کر دیا جائے، اور آیندہ کسی مناسب موقعہ پر اس کا آخری فیصلہ عمل میں آئے"

اس خط و کتابت سے معلوم ہوا کہ جہاں تک مسئلۂ اسلحہ کا تعلق ہو

گر آپ

علم وکتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دُنیا میں کُتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہونچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع
ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم وادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور [illegible] سستے ایڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں سے ہر چھ
ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

مطبوعات الهلال بك ايجنسي

معارف ابن تيميه و ابن قيم

ديني علوم كے بيش بها جواهر ريزي

اس سلسله ميں هم نے اماميں كي ان نادر و اعلى درجه كي بلند پايه عربي تصانيف كے اُردو تراجم كا سلسله شروع كيا هے ' جنكا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف كتاب و سنت كے ليے نهايت ضروري و ناگزير هے - اميد كه يه "سلسلۂ تراجم" بد نصيب هندوستان كي دماغي اصلاح كا كام دے :

أسوۂ حسنه — امام ابن قيم كي فن سيرت ميں شهرہ آفاق كتاب "زاد المعاد" كے خلاصه كا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپيه -

كتاب الوسيله — لفظ "وسيله" كي بحث كے علاوہ امام ابن تيميه نے اسلام كے اصل الاصول "توحيد" كي مبسوط بحث كي هے - بلا جلد اڑهائي روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب صفه — انكي تعداد ' ذريعه معاش ' طريق عبادت اور انكے مفصل حالات بيان كيے هيں دس آنے -

تفسير سورة الكوثر — امام ابن تيميه كے مخصوص انداز تفسير كا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقى — خالق و مخلوق كے درميان واسطه كا فرق بدلائل بيان كيا هے - چهه آنے -

سيرت امام ابن تيميه — حضرت امام كے ضروري حالات زندگي نهايت خوش اسلوبي سے بيان كيے هيں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سيد محمد رشيد رضاء مصري كي تازہ كتاب كا اُردو ترجمه - سوا روپيه -

أئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — في العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — يه ايك علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس كے خريدار كو هم نے كمال كوشش و كاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگريزي ' اور دوسري زبانوں كي تمام اهم اور اعلى مطبوعات كے متعلق بهترين تازہ معلومات بهم پهنچانے كا اهتمام كيا هے - اسكے علاوہ أئمه و اسلام و بزرگان دين كے حالات ' لطائف افسانه ' نظميں اور ممالك اسلاميه كے معتبر ذرائع سے حاصل كيے هوے حالات درج كيے جاتے هيں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگي -

منيجر الهلال بك ايجنسي

(حلقه نمبر ۲۴ شيرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

" Al-Hilal Book Agency, "

24, LAHORE, PANJAB.

خط و كتابت كي وقت اپنا نام اور پته صاف لكهيں

اور نمبر خريدارى ضرور تحرير فرمائيں

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاہے باز خوان این دفتر پارینه را

تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت كي تاريخ ميں الهلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايك انقلاب آفرين دعوت تهي -

الهلال اگرچه ايك هفته وار مصور رساله تها ' ليكن چونكه وہ اردو صحافت كي مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فكر كي نئي روح پيدا كرني چاهتا تها ' إس لئے اُس كا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق كا مجموعه تها - اُس كے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه كے هوتے تهے - اور اُسكا هر باب اپني مجتهدانه خصوصيات كے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها - پهر اس كي ظاهري خوبياں اُردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب كا پهلا نمونه تهيں - اردو كا وہ پهلا هفته وار رساله تها ' جس ميں هاف ٹون تصاوير كے اندراج كا انتظام كيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے كي وجه سے بهت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر كي چهپائي ميں ممكن نهيں - إس كي جلديں جديد اُردو علم ادب كے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث كا بهترين مجموعه هيں - إن كي مقبوليت و قدر كا اندازہ إس سے هوسكتا هے كه سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے إس كي تمام جلدوں كا مكمل ست سات سو روپيه ميں خريد كيا - اور حال ميں ايك صاحب نے إس كي پهلي جلد مكمل (جو دفتر ميں بهي موجود نهيں) ساڑهے چارسو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدي هے - جن لوگوں كے إس كے پرچے بحفاظت جمع كئے هيں وہ بڑي سے بڑي قيمت پر بهي عليحدہ كرنے كيليے تيار نهيں - پچهلے دنوں "البلاغ پريس" كا جب تمام اسٹاك نئے مكان ميں منتقل كيا گيا تو ايك ذخيرہ الهلال كے پرچوں كا بهي محفوظ ملا ' هم نے كوشش كي كه شايقين علم و ادب كے لئے جس قدر مكمل جلديں مرتب كي جا سكتي هيں مرتب كرلي جائيں اور جن جلدوں كي تكميل ميں ايك دو پرچوں كي كمي هو اُنهيں دوبارہ چهپوا ليا جاے -

چنانچه الحمدلله يه كوشش ايك حد تک مشكور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں كے چند سالوں كي جلديں پوري مكمل هوگئي هيں - هم إس اعلان كے ذريعه شايقين علم و ادب كو آخري موقعه ديتے هيں كه إس قيمتي ذخيرہ كے حاصل كرنے ميں جلدي كريں ' چونكه جلدوں كي ايك بهت هي محدود تعداد مرتب هوسكي هے اس لئے صرف اُنهيں درخواستوں كي تعميل هوسكے گي جو سب سے پهلے پهونچيں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين كي انڈكس به ترتيب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مكمل جلد دوم ۱۰ روپيه — الهلال مكمل جلد سوم ۱۰ روپيه

" " " چهارم ۱۰ روپيه — " " " پنجم ۱۰ روپيه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال إس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوہ جلد اول كے هر جلد كے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين كے لحاظ سے ايك مستقل مجموعه علم و ادب هے - قيمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پيكنگ إس كے علاوہ هے -

منيجر "البلاغ پريس"

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے،

ایسی

مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop guide to great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابو الکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

قیمت ۸ / (منیجر الہلال کلکتہ)

گر آپکو

دمہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب

دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگواکر

استعمال کیجئے

۱۹۲۷

جلد ۱

۱۹

ابلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۔ ۵ آنہ

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

تائمز اف لنڈن کا ادبي ضمیمه

یه ضمیمه دنیا کي تمام کتابوں پر هفته وار دلچسپ اور وقیع تبصره کرتا هے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم هے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بهي هوتے هیں جنکي اهمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا هے -

اپنے یہاں کے ایجنت سے تقاضه کیجئے که وه تائمز لنڈن کا هفته وار ادبي ضمیمه آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاهیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براه راست طلب کر سکتے هیں

دنیا کے هر معلم اور ماهر فن تعلیم کیلئے

ضروري هے که

تائمز اف لنڈن کا تعلیمي ضمیمه مطالعه کرے

اگر آپ چاهتے هیں که فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نه رهیں ' تو آپکو یه ضمیمه بلا ناغه مطالعه میں رکھنا چاهیے -

یه هر هفته اس موضوع پر تمام اهم خبریں اور مباحث جمع کردیتا هے - ماهرین فن اور مشاهیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب هوتے هیں -

اپنے یہاں کے ایجنت سے طلب کیجئے -

ورنه

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے هیں -

کیا آپ تجارت کرني چاهتے هیں ؟

اگر آپ چاهتے هیں که یورپ اور امریکه کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں ' هندوستان سے خام پیدا وار بهیجیں ' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تهوڑي سي محنت اور تهوڑا سا سرمایه لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں ' تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاهئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بهید سیکھنے چاهئیں - هندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکه کے تمام کارخانوں اور کوتهیوں کے حالات اور اصول معاملت معلوم کرنے چاهئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں هوسکتے -

اگر آپ چاهتے هیں که بہت تهوڑا سا وقت خرچ کرکے یه ساري باتیں با قاعده علمي اصول پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاهیے که هم سے خط و کتابت کریں - هم یه کام به حیثیت ایک ماهر فن کے کر رهے هیں - خط و کتابت کے بعد هي آپکو معلوم هو جائیگا که آپکے مقصد کیلئے هم کس درجه مفید هیں ؟

همارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے هیں -

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

هر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پهلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروري هیں ' اس کارخانے میں طیار کي جاتي هیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یه بہترین کارخانه هے - مندرجۂ بالا پته سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں ' ترکاریوں ' اور هر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقه وه هے جو " نئے سستم " کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور هے - اس " نئے سستم " کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانه سے مل سکتي هیں

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الكريم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۹ — کلکتہ : جمعه ۱ . جمادی الاولی ۱۳۴٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 28, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چھپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین . الهلال

قارىين الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۵۸۰ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۲۵	اردو حروف کی حق مین	۴۲۰
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۵۱٤	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲٦۱	نستعلیق هون	۱۵۱۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین . الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول	- -	باره روپیه
هندرستان سے باهر کیلیے	- -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	- - -	سات روپیه
قیمت في پرچه	- - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں هے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

(جدید ترکي)

سنه ۱۳۴۲ ھ (۱۹۲۳ ع) سے ابتک

مصطفی کمال پاشا نے نئي قومي حرکت کا علم بلند کیا ' اور عثماني شہنشاهي کے کهنڈروں پر جدید ترکي سلطنت کي بنیادیں تعمیر کردیں !

ترکوں کو خاص اپنے آبائي وطن پر یونان کي غاصبانه حکومت سے سخت اذیت هوئي تهي - وہ کسي طرح بهي یه ذلت برداشت نہیں کرسکتے تھے - وہ منتظر تھے که کوئي مرد میدان اُٹھے ' اور یه اُسکے زیر علم قومي جہاد شروع کردیں - ضرورت نے مصطفی کمال پاشا کو پیدا کر دیا ' اور ترکي قوم نے پوري خود فروشي کے ساتھه اُس کا ساتھه دیا -

اُس وقت قسطنطنیه پر دول اِتحاد کا قبضه تھا - سلطان اُنکے هاتھه میں کٹھه پتلي سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا - جوں هي دول متحدہ نے اناطولیه میں بیچیني دیکھي ' سلطان سے ایک فرمان شائع کرا دیا جس میں مصطفی کمال اور اُسکے تمام ساتھي باغي اور مستحق قتل قرار دیے گئے تھے - یه پہلا موقعه تھا که ترکوں کو آل عثمان کے خلاف بغاوت کا خیال پیدا هوا ' اور اُنھوں نے اِس خاندان سے همیشه کیلیے پیچھا چھڑا لینے کا عزم کرلیا -

سنه ۱۹۲۰ - میں اناطولیه کي مجلس قومي نے منظم فوج طیار کرنے کا فیصله کیا - اُس وقت تک لوگ کمالیوں کي مجاهدانه جرأت پر هنستے تھے - یہانتک که سنه ۱۹۲۱ - میں " آریں نو " کے معرکه میں عصمت پاشا نے عظیم الشان فتح حاصل کي - اب دنیا کي نظریں مجلس قومي کي طرف اُٹھه گئیں - اُسے عزت کي نگاهوں سے دیکھا جانے لگا - وہ ترکي قوم کي نمائندہ تسلیم کرلي گئي !

شروع میں مصطفی کمال پاشا شخصي ترفع و ظہور سے تنفر ظاهر کرتے رهے - وہ کہا کرتے تھے ' میں یه مہم ختم کر کے کسي دیہات میں چلا جاؤنگا اور خاموش زندگي بسر کرونگا - لیکن جوں جوں کامیابي یقیني هوتي گئي ' اُن کے خیالات میں بهي نمایاں تغیرات هوتے گئے - یہانتک که صاف کہنا شروع کردیا " مجلس قومي کي حکومت ' سلطنت آل عثمان کے کهنڈروں پر قائم کي گئي هے " اِس تصریح سے اُنھوں نے اپني نیت کا صاف اظہار کر دیا تھا که اب وہ آل عثمان کي حکومت نہیں چاهتے -

پھر فروري سنه ۱۹۲۳ ع میں سمرنا کي اقتصادي مؤتمر میں اِس سے بهي زیادہ صاف الفاظ اختیار کیے گئے " اِن سلاطین نے ملک کي تمام دولت اپني عیاشیوں میں برباد کرڈالي - قوم کو فقیر اور قلاش کرکے چھوڑ دیا ! "

اُنھوں نے یہي نہیں کیا که انگورہ کو حکومت کا مرکز قرار دیا اور خود مجلس کے صدر منتخب هو گئے ' بلکه مجلس میں اپني هي جماعت کو اکثریت بهي دلائي - اب اُنکے اختیارات بے روک تھے - اُنھوں نے فوراً آل عثمان کي حکومت ختم کرکے جمہوریت کا آخري اعلان کر دیا ' اور خود جمہوریت کے پہلے صدر منتخب هوگئے !

کمالي اصلاح کي راہ میں " خلافت " ایک روک سمجھي جاتي تھي - چنانچه اُسے بهي انھوں نے هٹا دیا - پھر قوانین سلطنت کي بهي ترمیم و تنسیخ کي - ملک کي اجتماعي زندگي کي هر شاخ میں بهي انقلاب عظیم پیدا کردیا - اب وہ ایک ایسے راسته پر چل رهے هیں جو اُنکے نزدیک بہترین راسته هے - مستقبل فیصله کریگا که یه راسته صحیح هے یا غلط ؟ لیکن اس میں شک نہیں که جہانتک ملک کے اجتماعي اور معاشرتي انقلاب اور یورپ کي مقلدانه روح کا تعلق هے ' اِن کي راہ اعتدال و صواب کي راہ نہیں هے -

سنه ۱۹۰۸ سے ۱۹۳۴ تک !

(۱) محمود شوکت پاشا مرحوم جو اتحاد و ترقي کي دستوري حرکت کے فوجي مظہر تھے - جنھوں نے سنه ۱۹۰۸ میں بغیر کسي کشت و خون کے سلطان عبد الحمید مرحوم کو معزول کردیا -

(۲) غازي مصطفی کمال پاشا جو ترکوں کي جمہوري تحریک کے باني و زعیم هیں - انھوں نے سنه ۲۴ - میں نه صرف عثماني خلیفه بلکه عثماني خلافت کا منصب هي ختم کردیا

حکومت ترکیہ

اور اُس کے اجتماعي و سیاسي تغیرات

شروع سے ابتک

(۳)

توراني دور

سنہ ۱۳۳۳ ھ (۱۹۱۵ع) سے سنہ ۱۳۳۷ ھ (۱۹۱۸) تک

" تورانیت " کا برق پھونکا گیا - ترکي قوم نے اُسے سنا - مگر زیادہ مانوس نہ ہوئي - کیونکہ اِس برق کے پھونکنے والے اگرچہ

طلعت بے

اتحاد و ترقي کا سر بر اوردہ رکن

نسلاً ترک تھے ' مگر تمام تر بیروني ممالک کے باشندے تھے ' اور ان پر ترکوں کو پورا بھروسہ نہ تھا - وہ بارہا دھوکے کھا چکے تھے - تورانیت کے اولین علم بردار روسي تاتاري نو جوان تھے جو عہد حمیدي کے بعد ترکي میں آ بسے تھے ' اور تمام ترکي اقوام کو توراني قومیت کے نام پر جمع کرنے کے خواب دیکھہ رہے تھے - اِن میں سب سے زیادہ سر بر آوردہ شخص اوغلي یوسف اور احمد اغاییف بک تھے -

لیکن چونکہ یہ نئي دعوت دنیا کي موجودہ قوم پرست ذہنیت کے بالکل موافق تھي ' اس لیے بہت جلد توحش دور ہوگیا ' اور جوق جوق ترک اُسکے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے - وزارت داخلیہ ' مشیخۃ اسلامیہ ' اور وزارت اوقاف نے اپنے اپنے خزانوں کے منھہ اُسکي تقویت و تبلیغ کیلیے کھول دیے - یہي نہیں بلکہ تمام سر بر آوردہ اخبارات مثلاً " اقدام " ' " ترجمان حقیقت " اور " جون ترک " وغیرہ کے صفحات اُسکے لیے وقف ہوگئے - بڑي بڑي انجمنیں مثلاً " ترک یوردو " اور " ترک اُجاغي " وغیرہ قائم کي گئیں -

رحا وید بے

اتحاد و ترقي کا سر بر آوردہ رکن جسے گذشتہ سال انگورہ میں پھانسي دي گئی -

اندرون ملک اور بیرون ملک میں ترکي قوموں کو جگانے کیلیے مبلغین اور دعاۃ بھیجے گئے - غرضکہ ایک نئي حرکت پیدا ہوگئي - جرمني نے بھي جو اُس وقت تک جنگ میں فتحمند تھي ' اِس تحریک کا خیر مقدم کیا ' اور اُسکے خوشنما اور موثر بنانے میں ساعي ہوگئي -

تھوڑي ھي مدت بعد بظاہر کامیابي کے آثار نظر آنے لگے - اُسي زمانہ میں روس کا انقلاب ظہور میں آیا اور بالشویک حکومت قائم ہوگئي - روس کي تمام ترکي اقوام نے بھي اِس توراني دعوت کو بڑي گرم جوشي سے لبیک کہا - چنانچہ سنہ ۱۹۱۷ کي توراني موءتمر میں ۸۰۰ - نمائندے مختلف ترکي منگولي اقوام کے یکجا ہوئے ' اور بڑے جوش و خروش سے " اتحاد توراني " کے راگ گائے گئے -

مگر بدقسمتي سے ترکي کو جنگ میں شکست اُٹھاني پڑي - ایسي شکست ' کہ قریب تھا ' ترکي حکومت کا ہمیشہ کیلیے خاتمہ ہو جائے - سنہ ۱۹۱۹ - میں دول اتحاد دارالخلافہ پر قابض ہوگئیں ' اور وہ وقت آگیا کہ یا تو کوئي عجیب اور غیر معمولي قوت پیدا ہوکر ترکي حکومت کیلیے نیا سامان حیات بہم پہنچا دے ؛ یا چھہ سو برس کي یہ تاریخ عظمت و جلال ہمیشہ کیلیے ختم ہو جاے !

جمال پاشا

جو ایام جنگ میں والي شام تھا

کچھه عرصه کے بعد بنو اسرائیل کا زوال شروع هوگیا - اهل اسیریا نے رفته رفته ان کے ممالک - چهین لیے - ادومیا بهي باجگزار بن گیا - اهل اسیریا کو جب میڈیا والوں کے هاتهوں شکست ملي ' تو ان کے ضعف نے نبطیوں کو پیٹرا پر قابض کرادیا - حضرت اسماعیل کے ۲۲ - لڑکے تهے - " نابت " سب سے بڑے تهے - ان سب بهائیوں کي اولاد عرب کے مختلف حصوں میں پهیل گئیں - بنو نابت کو نبطي یا بنو نیابوط بهي کهتے هیں - نبطیوں نے نهایت ترقي کي - ابتداءً ان کا پیشه بحري قزاقي تها - بعد کو ایک طاقتور اور متمدن قوم بن گئے - ان کے مکانات عالیشان اور سنگیں تهے - تجارت' صناعت' سنگ تراشي ' شیشه سازي ' ظروف سازي ' پارچه بافي ' میں ان کا کوئي ثاني نه تها -

انباط کي سلطنت بهت وسیع تهي - اس کے حدود شمال میں دمشق تک ' غرب میں فلسطین تک ' اور جنوب میں وسط عرب تک پهیلے هوئے تهے - پیٹرا یا رقیم اُن کا دارالسلطنت تها - ادومي و نبطي عهد میں پیٹرا تجارت عالم کا مرکز بن گیا تها - پیٹرا کے عروج کے وقت وادي موسی دنیاکي مشهور ترین شاهراه تهي - کاروانوں کے گهنٹوں کي غیر منقطع جهنکار اور پے درپے قافلوں کے شور و هنگاموں نے اهل روما کو بهي متحیر کردیا تها - انباط کا آخري بادشاه حارث رابع تها - یه بادشاه حضرت یحیی اور حضرت عیسی (علیهما السلام) کا هم عصر تها - اس نے یهودیوں کے بادشاه هیرودتس قاتل حضرت یحیی پر فوج کشي کي ' اور میدان جنگ میں هزیمت دي - پولوس حواري اسي حارث کے یهاں قید تها' اور جیل خانه سے کسي نه کسي طرح فرار هوگیا تها - حارث کے بعد کوئي طاقتور حکمران پیدا نهیں هوا - دولت انباط اهل روما کي نا قابل تسخیر قوت کي تاب مقاومت نه لا سکي ' اور همیشه کے لیے اپني آزادي کهو بیٹهي -

عهد نامه عتیق میں " سلاع " کے نام سے اس شهر کا تذکره هے - عبراني زبان میں سلاع کے معني پهاڑي کے هیں - جب فراعنۂ مصر کے مظالم نے بنو اسرائیل پر سر زمین مصر تنگ کردي تهي ' تو یه شهر بهت زمانه سے آباد تها ' اور پرانا شهر کهلاتا تها - بعض روایات میں آیا هے که بنو اسرائیل نے صحرا نوردي سے تنگ آکر اهل پیٹرا سے پناه کي درخواست کي تهي ' لیکن اُنهوں نے اپنے دروازه ان بد نصیبوں پر بند کردیے - اسي لیے انبیاء بني اسرائیل نے اهل پیٹرا کے حق میں سخت بد دعائیں کي تهیں -

پیٹرا عرصۂ دراز تک مصري تمدن کے زیر نگیں رها - مصریوں سے اهل پیٹرا کے تجارتي تعلقات جاري رهتے تهے - ادوم کے بادشاهان قدیم کي شادیاں فراعنۂ مصر کے خاندانوں میں هوتي تهیں - فن سنگ تراشي میں پیٹرا نے مصر سے بهت کچهه سیکها تها - پیٹرا کے نوجوان اور متمول طلباء علم و فن کي تکمیل کے لیے مصر کا سفر کرتے تهے - دنیا کے شهروں میں پیٹرا مضبوط ترین شهر سمجها جاتا تها - سکندر اعظم نے بهي اس کے فتح کے لیے ایک جرار فوج بهیجي تهي ' لیکن پهاڑي دیوار عبور نه کرسکي - اگرچه یوناني تلوار پیٹرا کو فتح نه کرسکي ' لیکن یوناني تمدن نے اُسے مفتوح کرلیا - یوناني علوم و فنون یهاں رواج پاگئے - پیٹرا کے وسیع تماشه گاهوں ' عریض محلوں ' دلکش باغوں ' اور تجارت سے حاصل کي هوئي عیش وعشرت نے ' اُسے سیاحان وقت کا کعبه سفر بنا دیا تها - یورپ کے لیے روما اور ایشیائے کوچک کے لیے پیٹرا ' یکساں منزلت رکهتے تهے - تجارتي لحاظ سے یه نبطي شهر دنیاء قدیم کا قرطاجنه تها - یا وسطي یورپ کا برلن -

حریص اهل روما پر پیٹرا کي شهرت نهایت شاق گزرتي تهي - بالاخر انهوں نے ایک طاقتور بحري بیڑے کي مدد سے سنه ۱۰۵ ع میں پیٹرا اور اس کے حوالي فتح کرلیے - اب یه حصۂ ملک " اربیبیا پیٹرا " کے نام سے روماني سلاطین کا ایک صوبه بن گیا تها - روماني عهد حکومت میں بهي پیٹرا عرصه دراز تک عرب ' فارس ' هند ' فلسطین ' مصر ' اور شام کي کارواني تجارت کا مرکز رها - لیکن بعد کو شاهراه تجارت کي تبدیلي اور روما کے زوال نے پیٹرا کے انحطاط کے دور کا آغاز کر دیا -

(استدراک)

مندرجۂ صدر مقاله مولوي محمد یحیی صاحب وکیل بدایوں نے بعض انگریزي رسائل سے اخذ کر کے لکها هے' جو بعض جزئي ترمیمات کے بعد درج کر دیا گیا - اس سلسله میں چند امور کي وضاحت ضروري هے :

(۱) پیٹرا کے یه آثار مقامي عربوں میں " رقیم " کے نام سے مشهور هیں - گذشته صدي کے اواخر کے اور حال کے تمام سیاحوں نے اسي نام سے اسکي تحقیقات کی هے - سنه ۱۹۰۶ - میں جب مقام " طابه " کي نسبت حکومت مصر اور دولة عثمانیه میں نزاع هوئي تهی ' اور ایک مشترک ترکي مصري کمشین تحقیقات کے لیے متعین هوا تها ' تو اُسوقت بهي " الرقیم " کے ذکر سے دنیا کے کان آشنا هوے تهے -

" الدیر "

(۲) تورات میں بهي " رقیم " کا ذکر موجود هے -

(۳) قران حکیم نے سورۂ کهف میں جهاں " اصحاب کهف " کا ذکر کیا هے ' وهاں " الرقیم " کا لفظ بهي آیا هے : ام حسبتم ان اصحاب الکهف و الرقیم کانوا من آیاتنا عجبا ؟ (۸ : ۱۸) کهف کے لفظ کے معني واضح تهے که غار کے هیں ' مگر " الرقیم " کے مفهوم کے تعین میں اختلاف هوا - عربي میں رقیم کے معني ایسي چیز کے هیں جو لکهي هوئي هو - اس لیے بعض مفسرین نے خیال کیا که رقیم سے مقصود یه هے که اصحاب کهف کے حالات قلمبند کرلیے گئے تهے - یا اُس غار پر جس میں اصحاب کهف کي نعشیں تهیں ' کوئي کتبه لکهکر لگا دیا هوگا - چنانچه امام بخاري نے حضرت عبد الله ابن عباس کا ایک قول به روایت سعید بن جبیر نقل کیا هے که اصحاب کهف کا حال ایک پتهرے پر کهود کر نصب کر دیا گیا تها - اسي لیے " رقیم " کے لقب سے مشهور هوگئے -

(۳) عجب نهیں اس خیال کا باعث وه عام شهرت هو جو ایشیائے کوچک اور شام کے عیسائیوں میں ایک ایسے هي واقعه کي نسبت موجود تهي - قدیم لاطیني تحریرات میں ایک ایسي تحریر

شہر رقیم کا انکشاف

ام حسبتم ان اصحاب الکہف و الرقیم کانوا من ایا تنا عجبا

(۲)

(قربان گاہ)

پہاڑیوں سے تراشي ہوئي سیڑھیاں جن میں سے بعض بعض کا طول ایک میل ہے ' پیٹرا کي چوٹیوں تک پہونچا دیتي ہیں۔ انمیں سے اکثر سیڑھیاں عہد عتیق کي اون مرتفع قربانگاہوں سے گزرتي ہیں جہاں ہزارہا سال پہلے اہل پیٹرا اپنے مراسم مذہبي بجا لاتے تھے - ان میں سے بعض آثار تقریباً ایک ہزار فیٹ کي بلندي پر واقع ہیں۔ ایک زینہ اوس مندر تک پہنچتا ہے جو اسوقت تک " الدیر " کے نام سے موسوم ہے - اسکي ڈیڑہ سو فیٹ اونچي گلابي رو کا ایک پہاڑ سے تراش کر بنائي گئي ہے - اسکي چوٹي پر بھي ایک صراحي نما ظرف ہے - عرب اسے بھي جواہرات کا مخزن کہتے ہیں - دوسرا زینہ جبل قرباني کا راستہ ہے - یہ پہاڑي بالکل علحدہ ہے - اس پر سے پوري وادي کا منظر نظر آجاتا ہے - اسکے بالائي حصہ میں دو قربان گاہیں ہیں - ایک آگ جمع کرنے کیلیے تھي - دوسري میں اون جانوروںکا خون جمع ہوتا تھا جو قربان کیے جاتے تھے - قربان گاہ کے قریب قدیم وضع کے دو طویل مربع مینار ہیں - پہاڑ کے عقب میں ایک دوسري مرتفع چوٹي ہے جسپر ایک صلیبي نائٹ کے قلعہ کے بعض آثار نظر آتے ہیں - مگر اس نائٹ کا نام معلوم نہیں -

قربان گاہ

(مدفن حضرت ہارون)

یہاں سے کچھہ فاصلہ پر ایک سیاہ پہاڑ کا عکس سا معلوم ہوتا ہے - اسکي چوٹي پر ایک سفید گنبد تعمیر ہے - ریگستاني سورج کي کرنیں اسے اور زیادہ چمکدار بنادیتي ہیں - اہل عرب کا قول ہے کہ یہي جگہ حضرت ہارون (علیہ السلام) کا مولد و مدفن ہے - اس سفید گنبد میں ایک چھوٹي سي مسجد اور چھوٹا سا مقبرہ بھي ہے - یہ پہاڑي ' جبل حور کے نام سے پکاري جاتي ہے - اس وادي خاموش میں ہر جگہ مندروں اور محلوں کي کثرت ہے -

(اثري تحقیقات)

ایک صدي کا عرصہ ہوا ' اسکاٹ لینڈ کے مشہور سیاح عرب ' جان برکات نے اس شہر کا معائنہ کیا تھا - سنہ ۱۸۴۶ میں ہلینا مارتینا نامي ایک سیاح عورت نے بھي یہ کھنڈر دیکھے تھے - دو یا تین سال ہوئے ' دو جرمن ماہرین آثار نے بھي چند مساحت دانوں کي معیت میں اس وادي کي تحقیقات کي تھي ' اور متعدد نقشے اور خاکے طیار کیے تھے -

(تاریخي حالات)

اگر تورات کے موجودہ نسخے پر اعتماد کیا جاے ' تو " رقیم " کي ابتدائي تاریخ حسب ذیل ہے :

قطورا حضرت ابراہیم کي تیسري بیوي تھیں - اون کے بطن سے مدین پیدا ہوا - مدین کي اولاد پھلي پھولي ' اور اتني بڑھي ' کہ بالاخر ایک قوم بن گئي - بنو مدین ' سنہ ۱۷۰۰ قبل مسیح میں پانچ قبائلي شیوخ یا ملوک کے زیر نگیں تھے - ایک بادشاہ کا نام رقیم تھا - پہلي صدي قبل مسیح کا اسرائیلي مورخ یوسیفس لکھتا ہے کہ اسي مدیاني بادشاہ نے رقیم آباد کیا تھا - اسکا دوسرا نام پیٹرا یونانیوں نے رکھا تھا - یوناني زبان میں پیٹرا پتھر کو کہتے ہیں - غالباً اس شہر کا سنگستاني ماحول اس نام کیلیے محرک ہوا ہوگا -

مدیاني قوت کے اضمحلال کے بعد بنو ادوم مسلط ہوگئے - حضرت ابراہیم کي زوجہ اولی سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے تھے - حضرت اسحاق کے دو لڑکے ہوئے - یعقوب اور عیص یا ادوم - بنو ادوم انہیں ادوم کي نسل سے تھے -

سلاطین ادوم نے ایک عرصہ تک رقیم پر حکمراني کي - آخري ادومي پادشاہ ہدار کے زمانہ میں ادومیوں اور اسرائیلیوں میں سخت معرکہ آرائیاں ہوئیں - شاول (طالوت) اور حضرت داؤد نے بنو ادوم کو پے در پے ہزیمتیں دیں - بالاخر نویں صدي قبل مسیح میں اموصیا پادشاہ یہود نے رقیم فتح کرلیا -

میں زور سے چلا اٹھی "نہیں ' نہیں ' میں مرد ہونا نہیں چاہتی ! "

" اب یہ زنانہ کپڑے اتاردو " ایک ڈاکٹر نے میرے کندھے پر ہاتھہ رکھکر کہا " اب ہمارا جیسا کوٹ پتلون پہن لو - آج کے بعد یہ ریشمین جرابیں اور اونچی ایڑی کا جوتا نہ پہننا ! اب تم ہماری طرح مرد ہوگئی ہو " !

میری مصیبت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی - مجھے اپنے منگیتر کو یہ ہولناک خبر سنانا ابھی باقی تھا !

" خدایا ! میں کیا کروں ؟ " راستے میں میں خیال کرنے لگی " اپنے منگیتر سے کیونکر کہوں — ؟ اُف ! یہ منحوس خبر اُسے کیسے سناؤں ؟ "

" میرے دوست " میں نے انتہائی حسرت و یاس سے لڑکھڑاتی آواز میں اپنے عاشق کو مخاطب کیا " اب میں عورت نہیں رہی — ہماری شادی ناممکن ہے ! — "

اُس نے قہقہہ مارا اور مجھے ہاتھہ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا - لیکن میں نے سنجیدگی سے تمام واقعہ سنا دیا -

" کیا ؟ " وہ غصہ سے چلایا " کس شیطان نے تم سے یہ کہہ دیا ہے ؟ " میں نے جیب سے طبی سندیں نکال کر اُسکے سامنے ڈالدیں - وہ حیرت زدہ رہ گیا - ہم دیر تک حسرت و یاس سے بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے - بار بار اُس پر ایک غشی کی سی حالت طاری ہو جاتی تھی - ہم دونوں اپنی پچھلی محبت پر غور کرتے تھے ' اپنے وعدے یاد کرتے تھے ' مستقبل کا خیال کرتے تھے ' اور یہ سب کچھہ ایک خواب سا معلوم ہوتا تھا - ایسی غمناکی یبعدی) دنیا میں کبھی واقع نہیں ہوئی ہوگی !

میں اگرچہ اب مرد ہو چکی تھی ' لیکن اپنے منگیتر کی محبت میرے دل میں بالکل اُتنی ہی اور ویسی ہی تھی ' جتنی اور جیسی عورت ہونے کی حالت میں ہوسکتی ہے - میری حسرت بے حساب تھی - میں خیال کر رہی تھی کہ میرا عاشق اگر چاہے تو کسی دوسری عورت کو اپنی بیوی بنا لے سکتا ہے ' لیکن میں کتنا ہی چاہوں' اب کسی مرد کو اپنا شوہر نہیں بنا سکتی !

" کچھہ پروا نہیں ! " میرا عاشق جوش سے چلا کر کھڑا ہو گیا - " اگر تم مرد ہوگئی ہو تو کوئی پروا نہیں - میں تم سے اب بھی محبت کرونگا - اگر تم میری بیوی نہیں بن سکتی ' تو دوست تو بن سکتی ہو؟ میں تم سے ایسی محبت کرونگا ' جیسی محبت اِس آسمان کے نیچے کسی نے بھی اپنے دوست سے نہیں کی ہوگی ! میں زندگی بھر تمہارے نام پر کنوارا رہونگا ! "

پھر ہم دونوں نے نہایت جوش سے مصافحہ کیا - لیکن کیسا مصافحہ ؟ مردانہ مصافحہ !

جب میں نے پہلی مرتبہ خوبصورت زنانے کپڑے اتار کر مردانے کپڑے پہنے ' تو بے اختیار دل بھر آیا ' اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی - آئینہ میں جب میں نے اپنی صورت دیکھی' تو رنج و غم کی شدت سے میرا دل قریب تھا کہ پھٹ جائے - آج میں بازاروں میں اپنی سہیلیوں کو زنانہ لباس میں چلتے دیکھکر رشک و حسد سے جل جاتی ہوں - ہر عورت کے نسوانی وجود کا منظر میری آنکھوں کے لیے غم ناک ہے - میرا دل بے اختیار رونے لگتا ہے !

یہ عجیب بات ہے کہ نوجوان مرد جو پہلے مجھہ سے اظہار محبت کرتے تھے اور مجھے اپنے ساتھہ فخر و مباہات سے تھیٹر لیجاتے تھے ' اب مجھہ سے کہتے ہیں ' آؤ ہمارے ساتھہ مل کر نوجوان لڑکیوں سے ملاقاتیں کرو - کیونکہ تم بھی ہماری ہی طرح مرد ہوگئے ہو ! مگر وہ بالکل نہیں جانتے کہ اگرچہ میں مرد ہوچکی ہوں' مگر اب تک میرے جذبات نسوانی ہی ہیں - میں ہر خوبصورت لڑکی کو دیکھکر آتش رشک میں جلنے لگتی ہوں - وہ مجھے اپنی رقیب معلوم ہوتی ہے !

میں اب مرد ہونے کے بعد زندگی پر نظر ڈالتی ہوں تو پہلے سے مختلف پاتی ہوں - اب زندگی میرے لیے ویسی رحیم و شفیق نہیں رہی جیسی پہلے تھی - اب خود مجھے دوسروں کی حمایت کرنے کے فرائض ادا کرنا پڑتے ہیں - حالانکہ پہلے دوسرے لوگ میری حمایت کرنے کی فکر میں رہتے تھے - مجھے اپنی تزئین و آرائش کے سوا کوئی فکر نہ تھی - اب مجھے اپنے ساتھہ تھیٹر جانے والی عورتوں کے مصارف اپنی جیب سے ادا کرنا پڑتے ہیں ' حالانکہ پہلے میرے مصارف دوسروں کے ذمے ہوا کرتے تھے - لیکن ساتھہ ہی مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ اب میری آزادی پہلے سے بہت زیادہ ہوگئی ہے - اب میں اپنی زندگی کی مالک ہوں - آزادی سے جہاں چاہوں جاسکتی ہوں ' اور جتنی دیر چاہوں ' گھر سے باہر رہ سکتی ہوں -

شروع میں خیال تھا کہ نوجوان مرد اور نوجوان عورتیں ' دونوں مجھہ سے نفرت کرینگے - میری یہ جنسی تبدیلی کسی کو بھی پسند نہیں آئے گی - مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ میرا خیال غلط تھا - دونوں گروہ مجھے پسند کرتے ہیں - مرد اس لیے کہ مرد ہوگئی ہوں اور اُن کی صحبتوں اور گفتگوؤں میں مرد کی طرح حصہ لینے لگی ہوں - عورتیں اس لیے کہ پہلے میں اُنھی کی طرح عورت تھی میری طرف زیادہ رغبت کا اظہار کرنے لگی ہیں اور مجھہ سے محبت کی طالب ہیں - لیکن عورتوں کی یہ حرکت مجھے بالکل نہیں بھاتی - کیونکہ اگرچہ طبیبوں نے میرے مرد ہو جانے کا فیصلہ کردیا ہے - مگر میرا احساس ہنوز یہی ہے کہ میں عورت ہوں !

جونہی اخبارات نے میری اِس " بد نصیبی " کی خبر شائع کی ' یورپ کے مختلف شہروں سے تقریباً پچاس درخواستیں عورتوں نے میرے پاس بھیج دیں - جن میں لکھا تھا کہ وہ مجھہ سے شادی کرنے کے لیے طیار ہیں - مجھے بہت تعجب ہوا کہ وہ مجھہ سے شادی کیوں چاہتی ہیں ؟ سب نے بالاتفاق لکھا تھا " ہم تم سے اس لیے شادی پسند کرتے ہیں کہ تم پہلے عورت تھیں ' اس لیے عورتوں کے احساسات و جذبات سے بخوبی واقف ہو - تم دنیا کے تمام مردوں سے زیادہ بہتر شوہر بن سکتی ہو "

لیکن مین کسی عورت سے بھی شادی کرنا نہیں چاہتی - میں نے قسم کھا لی ہے کہ اپنے منگیتر سے محروم ہو جانے کے بعد اُسی کی طرح میں بھی عمر بھر بغیر شادی کے رہوں گی !

تمام طبیبوں کا بیان ہے کہ میری یہ تبدیلی نہایت ہی حیرت انگیز ہے . . منی کی ایک یونیورسٹی مجھے ایک ہزار پونڈ اِس شرط پر دے رہی ہے کہ موت کے بعد اپنی نعش اُس کے حوالہ کر دوں اور وہ میری جسمانی ساخت کا معائنہ کرسکے - ہر طرف سے لوگ مجھے لکھہ رہے ہیں کہ اگر میں دنیا کا دورہ کروں تو بڑی دولت جمع کرلونگی - ایک سینما کمپنی کی بھی درخواست آئی ہے - وہ میری تصویریں لیکر تماشا گاہوں میں دکھانا چاہتی ہے - لیکن میں اِس قسم کی کوئی بات بھی منظور نہیں کرونگی - میں اپنے جسم کو مال جمع کرنے کا آلہ بنانا نہیں چاہتی ! "

اِس وقت تک موجود ھے - خیال کیا جاتا ھے کہ پانچویں صدی مسیحی میں انطاکیہ کے ایک بطریق نے یہ تحریر لکھی تھی - اس میں سات آدمیوں اور اُن کے ایک وفادار کتے کراتیمری نامی کا (جسے عربی میں قطمیر کرلیا گیا ھے) قصہ بیان کیا گیا ھے -

(۴) لیکن اگر " رقیم " سے مقصود وھی شہر ھے ' جس کا ذکر عہد عتیق اور یوسیفس کی تاریخ میں ھے ' تو " رقیم " عبرانی لفظ ھے نہ کہ عربی ' اور اس لیے عربی مادہ کی اس کے لیے جستجو سود مند نہیں - عبرانی میں یہ لفظ " راقیم " تھا - عربی میں " رقیم " ھوگیا -

(۵) عرب شعراء جاھلیۃ کے کلام میں جس طرح کہف کا ذکر پایا جاتا ھے ' رقیم کا بھی ذکر موجود ھے - امیہ بن ابی الصلت کہتا ھے :

و لیس بہا الا الرقیم مجاوراً
رصیدھم ' و القوم فی الکھف ھمد

اس سے معلوم ھوتا ھے کہ اسلام سے پہلے عرب جاھلیت کے لوگ " الرقیم " سے واقف تھے ' اور اصحاب کہف کے قصہ کی بھی شہرت تھی - البتہ تمام پرانے واقعات کی طرح یہ واقعہ بھی بہت کچھ منحرف ھوگیا تھا ' اور طرح طرح کی کہانیاں مشہور ھوگئی تھیں - قرآن حکیم نے اصلی واقعہ آشکارا کردیا -

(۶) بلاشبہ اغلب یہی ھے کہ " الرقیم " سے مقصود یہی شہر ھو - الرقیم عرب میں یا عرب سے بالکل متصل واقع تھا - قرب کی وجہ سے وھاں کے حالات قدرتی طور پر اھل عرب کے علم میں آتے رھتے تھے - اگر عام مفسرین اور مورخین کا یہ خیال تسلیم کرلیا جائے ' کہ اس واقعہ کا تعلق ایشیائے کوچک کے رومی شہر ایفی سس (افسوس) سے تھا ' تو قدرتی طور پر یہ اعتراض وارد ھوتا ھے کہ عرب جاھلیت میں ایک رومی شہر کا واقعہ جو یونانی زبان میں لکھا گیا تھا ' کیونکر مشہور ھوگیا ؟

(۷) مفسرین میں بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ھے - چنانچہ امام ابن جریر اور ابوالفداء نے ان کے اقوال نقل کیے ھیں -

(۸) مضمون میں ایک پہاڑی چشمہ کا ذکر ھے جسکی نسبت عربوں میں مشہور ھے کہ حضرت موسی علیہ السلام والا چشمہ ھے - یہ شہرت بے اصل نہیں معلوم ھوتی -

حضرت موسی علیہ السلام جب بنو اسرائیل کے قبائل ساتھ لیکر مصر سے نکلے ' تو فلسطین تک پہنچتے پہنچتے دو واقعات پہاڑی چشموں کے بہنے کے پیش آئے - پہلا واقعہ وادی سینا میں پیش آیا تھا ' جس کا ذکر سفر خروج کی فصل ۱۷ - میں ھے - دوسرا واقعہ وہ ھے جو ادومیوں کے ملک کے قریب ایک ایسے موقعہ پر پیش آیا تھا جہاں سے " جبل ھور " قریب تھا - اِس کا ذکر سفر اعداد کے اصحاح ۲۰- میں ھے - یقیناً یہ دوسرا واقعہ شہر رقیم ھی سے تعلق رکھتا ھے ' اور اسی لیے اسکا نام وادی موسی مشہور ھوگیا ھے -

(۹) تورات میں جس پہاڑ کا ذکر " جبل ھور " کے نام سے کیا گیا ھے (جو عبرانی لفظ ھے) وھی آج کل " جبل حور " کے نام سے عربوں میں مشہور ھوگیا ھے - یہ خیال کہ یہاں حضرت ھارون علیہ السلام دفن ھوے تھے ' غلط نہیں ھے - تورات سے پوری طرح اِس کی تصدیق ھوتی ھے - سفر اعداد اصحاح ۲۰ - میں حضرت ھارون کی وفات کا ذکر موجود ھے - اُس سے معلوم ھوتا ھے کہ ٹھیک اسی جغرافیائی محل میں' جبل ھور کی بلندیوں پر' حضرت ھارون نے وفات پائی تھی - اسلامی عہد میں بھی یہ مقام اس حیثیت سے مشہور تھا - چنانچہ غالباً عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں وھاں ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی - مسجد اسوقت تک موجود ھے -

اب مین مرد هون !

ایک عورت کے خیالات مرد ھو جانے کے بعد !

اِٹلی میں رینا ٹیگرا زبانا نامی ایک اٹھارہ سال کی دوشیزہ لڑکی تھی - اچانک اُس کے اعضاء میں تبدیلی شروع ھوئی - اب وہ پورے معنی میں مرد ھوگئی ھے - چنانچہ ڈاکٹروں نے اُسے مرد ھونے کی سند دیدی ھے !

پچھلے دنوں رویٹر ایجنسی نے یہ خبر تمام دنیا میں مشتہر کردی تھی - اب اسکی مزید تفصیلات انگلستان کے اخبارات میں آ گئی ھیں :

یہ حیرت انگیز واقعہ گزشتہ ماہ اگست میں پیش آیا - اِس سابق دوشیزہ اور حال کے نوجوان مرد نے اخبارات میں ایک مضمون شایع کیا ھے - اِس مضمون میں وہ مرد ھو جانے کے بعد اپنے تأثرات بیان کرتا ھے - چونکہ وہ ابتک اپنے جذبات میں نسوانیت کا تاثر ظاہر کرتا ھے ' اسلیے بہتر ھے کہ ھم بھی اُس کا ذکر ضمیر مونث کے ساتھہ کریں - وہ لکھتی ھے :

" بچپن ھی سے میرے دل میں یہ تمنا موجود تھی کہ کاش میں مرد ھوتی ' تاکہ مردوں کی سی آزاد زندگی بسر کرسکتی - لیکن اب جبکہ قدرت نے میرے لڑکپن کی یہ طفلانہ آرزو پوری کرکے دنیا کا سب سے بڑا عجیب واقعہ دکھا دیا ھے ' میری خواھش بالکل برعکس ھوگئی ھے - کاش میں دوبارہ عورت ھو جاتی !

مسلسل تین ھفتے اطباء کی ایک بڑی مجلس ' میرا طبی معائنہ کرتی رھی - بالاخر متفقہ طور پر اُس نے فیصلہ صادر کردیا کہ میں عورت نہیں رھی - مرد ھوگئی ھوں - قارئین اندازہ کرسکتے ھیں کہ یہ عجیب فتوی سن کر میری حیرت کا کیا حال ھوا ھوگا ؟ میں مبہوت ھوکر رہ گئی - پھر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی - میں نے اپنا منہہ دونوں ھاتھوں سے چھپا لیا - میری ھچکی بندھ گئی -

کے بالائي حصه پر پہنچتا اور اُس ایوان میں داخل هوتا جس میں بادشاہ ' ولي عهد ' اور ارکان سلطنت بڑے جاہ و جلال سے بیٹھے هوتے تھے - شاهي استقبال کے بعد سفیر اپني تحریر اسناد سناتا تھا اسکے بعد اپنے کاغذات پیش کرتا - پھر بادشاہ کے حضور اپنے ساتھیوں اور مصاحبوں کو ایک ایک کرکے پیش کرتا - استقبال کا یه جلسه بہت دیر تک رهتا تھا - پھر سب کھانے کے کمرے میں جاتے تھے اور دعوت شروع هو جاتي تھي - بعض سفیر اِس قدر بھڑکیلي اور بھاري وردیاں پہنے هوتے تھے که اُنکے بوجھه سے کھانا نہیں کھا سکتے تھے - مجبور هوتے تھے که دستر خوان پر بیٹھنے سے پہلے دوسرے کمرے میں جاکر اپنا لباس بدل آئیں - دعوت کے بعد سفیر پھر اپني سرکاري وردي پہن لیتا اور ولي عهد اور وزراء وغیرہ سے ملاقات کرتا - یه ملاقاتیں بھي اتني لنبي هوتي تھیں که سفیر تھک جاتا تھا ' اور کھانے کے کمرے میں دوبارہ جاکر کچھه کھا پي لیتا تھا -

لیکن اب یه طریقے موقوف هوگئے هیں - آج کل یورپ میں یه دستور هے که نئے سفیر کے پہنچنے کے بعد دو بجے حاجب سفارت خانه جاتا هے - سفیر اور اُس کا عمله سرکاري وردیاں پہنے اُس کا استقبال کرتے هیں - چند منٹ بعد سرکاري گاڑیاں اور باڈي گارڈ پہنچ جاتا هے ' اور سفیر صدر جمہوریت یا بادشاہ کي ملاقات کے لیے محل کو روانه هو جاتا هے - سفیر کے پہنچنے پر جنگي موسیقي کے ذریعه اُسے سلامي دي جاتي هے - جس ملک کا سفیر هوتا هے ' پہلے اُسي ملک کا گانا گایا جاتا هے - پھر قومي گیت بجایا جاتا هے - موسیقي سے فارغ هوکر سفیر اور اُس کے ساتھي گاڑیوں پر سے اترتے هیں - زیریں سیڑھي پر دو فوجي افسر استقبال کرتے هیں اور سفیر کو مع اُس کے همراهیوں کے استقبال کے کمرے میں لیجاتے هیں -

استقبال کے کمرے میں ایک طرف صدر جمہوریت یا بادشاہ اور ارکان حکومت هوتے هیں' دوسري طرف سفیر اور اُس کے ساتھي - دونوں کے بیچ میں حاجب اور مترجم کھڑے هو جاتے هیں - حاجب سفیر کا نام اور لقب بیان کرکے اُس کا تعارف کراتا هے - پھر سفیر اپنے کاغذات پیش کرتا اور لکھي هوئي تقریر پڑھ کر سنادیتا هے - صدر جمہوریت یا بادشاہ جوابي تقریر کرتا هے - پھر رسمي گفتگو هوتي هے - طرفین کے آدمیوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا جاتا هے اور مصافحه پر تقریب ختم هوجاتي هے -

علوم مادیه کی ترقی

اور

علماء کے حوصلے

عقل انساني کس حد تک ترقي کرتي چلي جائیگي ؟ مادي علم کي تگ و دو کہاں پر جاکے رکے گي ؟ علماء کے حوصلے کیا هیں ؟

علم کي موجودہ حیرت انگیز ترقیاں دیکھکر یه سوال هر شخص کے ذهن میں پیدا هوجاتا هے - لیکن جواب بہت مشکل هے - اجمالي طور پر یه کہا جاسکتا هے که علم ' کائنات فطرت کے جمله مادي و روحاني راز معلوم کرلینا چاهتا هے - اگرچه وہ اِس وقت تک صرف چند گوشوں هي پر سے پردہ اُٹھا سکا هے - في الحال علماء کے سامنے اهم ترین مسائل حسب ذیل هیں :

(۱) شباب کي تجدید
(۲) زندگي کي زیادہ سے زیادہ تطویل
(۳) حسب مرضي نسل کي تولید
(۴) زندگي کي تخلیق
(۵) موت کے بعد زندگي کا اعادہ

علم اور علماء کے یه حوصلے ' کچھه نئے نہیں هیں - قدیم ترین زمانوں سے یه مسائل زیر بحث هیں - البته پہلے دنیا اِن مسائل کے اشتغال کو جنون سمجھتي تھي اور اُن پر هنستي تھي - لیکن اب نه کوئي هنستا هے ' نه جنون سمجھتا هے - بلکه سب حیرت کے ساتھه زیادہ سے زیادہ حیرت انگیز علمي انکشاف دیکھنے کے منتظر رهتے هیں - کیونکه گزشته ۱۵ برس میں علم نے زیادہ سے زیادہ ناممکن باتیں ممکن کر دکھائي هیں -

ڈاکٹر وورونوف نے اب بکثرت عملي تجارب سے ثابت کردیا هے که شباب کي کامل تجدید ' وهم و خیال نہیں هے جیسا که پہلے سمجھا جاتا تھا ' بلکه واقعه و مشاهدہ هے - اِس ڈاکٹر نے از کار رفته بڑھوں کو بالکل جوان بنا دیا هے - وہ اب تک زندہ هیں اور صحیح معنوں میں جوان هوگئے هیں -

حال هي میں یه علمي انکشاف بھي هوا هے که ایک مرے هوئے کچھوے کا دل اطباء نے کاٹ لیا اور نمک پوٹاس ' اور سوڈے کے اجزاء سے ممزوج عرق میں ڈال دیا - چند هي لمحے بعد ' دل میں زندگي کے آثار ظاهر هوگئے - وہ زندہ دل کی طرح حرکت کرنے لگا - کئي گھنٹے تک زندہ رها - حالانکه کچھوا دیر سے مرا پڑا تھا !

قلب کو زندہ کردینے کا یه پہلا تجربه نہیں هے - اس قسم کے بے شمار تجربے هوچکے هیں - یه عمل مدت سے جاري هے که موت

مطبوعات جدیدہ

سفیرون کا استقبال

حال میں ایک دلچسپ کتاب جرمني میں شایع هوي ھے : " ازمنۂ وسطیٰ کے شاهي مراسم " اسکے بعض حصوں کا ترجمه مصري معاصر المقتطف نے شائع کیا ھے - ذیل کا تکرہ اُسي سے ماخوذ ھے :

قدیم زمانه میں سفراء کے استقبال و ملاقات کے لئے دربار بڑي شان و شوکت سے سجائے جاتے تھے - بادشا اِس بارے میں بہت زیادہ اهتمام کا اظہار کرتے تھے - موجودہ زمانه میں اگرچه وہ پراني شان و شوکت باقي نہیں رهي ' تاهم سفراء کي ملاقات و استقبال کے معین اصول و قواعد موجود هیں ' جن کي پابندي ضروري سمجھي جاتي ھے - اِن اصول و قواعد کو بین الاقوامي زبان میں " پروٹوکول " کے نام سے موسوم کیا جاتا ھے -

(عربي سفرا)

عربي عہد حکومت میں سفراء کو غیر معمولي اهمیت حاصل تھي - موجودہ زمانه کي طرح اُس وقت بھي سفیر دو قسم کے هوتے تھے : عارضي اور دائمي - عارضي سفیروں کا کام کسي خاص پیغام کا پہنچانا یا کوئي خاص مہم انجام دینا هوتا تھا - دائمي سفیروں کو دوسري سلطنتوں میں همیشه حاضر رهنا پڑتا تھا -

صاحب نہایۃ الارب کي تصریح کے مطابق عربوں نے سفیر کے لیے یه شرطیں قرار دي تھیں : " خوبصورت هو - اُس کا نام خوشگوار هو - متدین اور پارسا هو - مخلص ' امین ' اور نیک طینت هو - حاضر جواب هو - معامله فہم هو - خوشامد کا عادي نه هو - رشوت قبول نه کرے - ڈرپوک نه هو ... "

عرب خلفاء بیروني سفیروں کي بڑي خاطر مدارات کرتے تھے - فاطمي عہد حکومت میں سفیروں کے قیام کے لیے ایک نہایت هي شاندار محل مخصوص تھا ' اور خلفاء کا حکم تھا که اُن کي زیادہ سے زیادہ عزت کي جائے -

" استقبال کا طریقه یه تھا که اگر سفیر سپه سالار کي قسم سے هوتا ' تو اُس کے پہنچتے هي خلیفه ملاقات کرتا اور پیغام سنتا تھا ... اگر فوجي آدمي نه هوتا ' تو ملاقات سے پہلے تین دن تک مہمان خانه میں رکھا جاتا تھا - اِس اثنا میں کوئي شخص بھي اُس سے نہیں مل سکتا تھا - چوتھے دن خلیفه کا دربار آراسته کیا جاتا - جنگي افسر رعب و داب سے صفیں باندھ کر کھڑے هو جاتے - بادشاہ اپني پوري شان و شوکت سے تخت سلطنت پر جلوہ گر هوتا - ارکان حکومت اپنے اپنے رتبه کے مطابق بیٹھتے - جب سب انتظام مکمل هو جاتا ' تو صاحب اعظم ' سفیر کو لیے دربار میں داخل هوتا - جوں هي خلیفه کا چہرہ دکھائي دیتا ' سفیر فرش زمین کو بوسه دیتا - پھر ادب کے ساتھه آهسته آهسته وسط دربار میں پہنچتا ' اور وهاں سے مجرا ادا کرنے کے بعد اُس مقام پر پہنچایا جاتا ' جہاں خلیفه سے هم کلامي کرسکتا تھا - اُس مقام پر پہنچکر سفیر کھڑا رهتا - اس کے گرد شاهي حاجب اور مترجم دست بسته کھڑے هوتے - خلیفه جب گفتگو کي اجازت دیتا ' تو سفیر مجرا ادا کرکے اپنے بادشاہ کا سلام پہنچاتا - خلیفه اُس بادشاہ کے درجه کے مطابق سلام کا جواب دیتا - پھر سفیر اپني جیب سے بادشاہ کا خط نکال کر اپني آنکھوں اور سر پر رکھتا اور خلیفه کے حضور پیش کردیتا - اگر خلیفه کو اُس بادشاہ کي عزت افزائي منظور هوتي ' تو کھڑے هو کر اُس کا خط اٹھاتا تھا - پھر وزیروں کو خط کے کھولنے اور پڑھنے کا حکم دیتا تھا - تھوڑي دیر معمولي سلام کلام کے بعد سفیر کو بیٹھنے کي اجازت ملتي - وہ آداب بجا لاکر اپني جگه بیٹھ جاتا - دربار کے بعد سفیر مہمان خانه بھیج دیا جاتا تھا - نج کي ملاقاتیں بعد میں هوتي تھیں -

(فرانس کے شاهي رسوم)

فرانس میں جب شاهي قائم تھي ' تو سفیروں سے ملاقات کا طریقه یه تھا که پیرس میں چند روز قیام کرنے کے بعد وہ وزیر تشریفات سے ملاقات کرتا تھا - وزیر اُسے بتاتا تھا که بادشاہ کس دن ملاقات کریگا - ملاقات سے تین دن پہلے شاندار شاهي گاڑیاں سفیر کي قیام گاہ پر پہنچتي تھیں ' اور اُسے مع اُس کے مصاحبوں کے سفیروں کي مہماني کے خاص محل میں لیجاتي تھیں - یہاں وہ بادشاہ کا مہمان هوتا تھا - یه محل نہایت آراسته هوتا تھا اور مہمان کي تواضع میں غیر معمولي فیاضي سے کام لیا جاتا تھا - روزانه دعوتیں هوتي تھیں ' اور سفیر کے خوش کرنے کي پوري کوشش کي جاتي تھي -

سفیر جتنے زیادہ دور ملک کا هوتا تھا ' اُتني هي زیادہ اُس کي خاطر مدارات کي جاتي تھي - مورخین کا بیان ھے که ترکی سفیر کے صرف کھانے پر شاہ فرانس روزانه ۵۰۰ اشرفي خرچ کرتا تھا - سنه ۱۶۹۹ع میں جب سلطنت مراکش کا سفیر آیا ' تو بریسٹ کے قیام کے دوران میں ۹۰۰۰ پونڈ ' اور پیرس کے قیام میں ۳۱۷۰۰ پونڈ صرف کیے گیے - شہر بریسٹ سے پایۂ تخت تک سفر میں ۳۸۰۰ پونڈ صرف هوے تھے - یعني کل ۴۴۵۰۰ پونڈ یا ۶۶۷۵۰۰ روپیه خرچ کیے گیے تھے !

اُس زمانه میں دستور تھا که سفیر کے دستر خوان کے تماشه کیلیے پیرس کے عمائدین بلائے جاتے تھے - اُنکي موجودگي میں سفیر کو کھانا کھلایا جاتا تھا - بادشاہ سے ملاقات کے دن سفیر ایک دوسرے محل میں منتقل کیا جاتا - یہاں کچھه دیر ٹھہرنے کے بعد شاهي سواریاں اُسے لینے آتي تھیں ' اور اُسکا جلوس دیکھنے کیلیے پیرس کي سڑکوں پر تماشائیوں کا هجوم هو جاتا تھا -

ورسلز کے شاهي محل تک پہنچنے میں کامل تین گھنٹے لگتے تھے - محل کے پھاٹک اور بیروني میدان میں سفیر کو صف بسته فوجیں نظر آتي تھیں - اِنسے گزر کر وہ سیڑھیوں پر چڑھتا هوا محل

اُس وقت سردي نا قابل برداشت هوگي - سردي کا تعلق سورج سے زیادہ هواؤں سے هوجائے گا - جب قطبي هوائیں چلینگي تو سردي بڑھ جائیگي - جب خط استوا کي هوائیں چلینگي تو گرمي هو جایگي -

ظاهر هے که فضا کي حرارت هي آبي بخار پیدا کرتي هے - یه بخار پاني برساتا هے اور انسان پینے کے لیے پاني پاتا هے - لیکن جب سورج کي حرارت کم هوجائیگي ' تو بخار بننا بهي موقوف هو جائیگا - یعني بارش بهي نهیں هوگي - جتنا پاني پہلے کا جمع هوگا ' وه بهي بگڑ جائے گا ' اور بے شمار نئے نئے امراض پیدا هو جائینگے -

غرضکه اُس وقت زمین پر زنده رهنا مشکل هوجائے گا - یهانتک که جب سورج کي آخري شعاعیں بهي ختم هوجائینگي تو زندگي بالکل ختم هوجائیگي -

(قلب کے متعلق ایک نیا نظریه)

ڈاکٹر منڈلسن جرمني کا مشهور محقق هے اور برلن کي یونیورسٹي میں قلبي امراض کا اُستاذ هے - اِس نے حال میں قلب کے متعلق ایک نیا نظریه پیش کیا هے -

وه کهتا هے که قلب ' زندگي بر قرار رکھنے کا اصلي آله نهیں هے بلکه دوسرے درجه کي چیز هے - زندگي کي اصلي بنیاد ' قلب پر نهیں ' بلکه جسم کي اُن خلایا پر هے جو خون جذب کرتي هیں - اِس کا ثبوت یه هے که بهت سے کمزور دل کے آدمي مدتوں تک زنده رهتے هیں - حالانکه اُن کا قلب ' جسم کے مختلف اجزاء میں پوري طرح خون پهنچا نهیں سکتا - نیز ایک ثبوت یه بهي هے که بهت سے آدمي قلب کي حرکت بند هوتے هي ' مرده سمجهه کر دفن کر دیے جاتے هیں ' حالانکه وه دراصل زنده هوتے هیں - ایسے واقعات بکثرت پیش آتے رهتے هیں - اگر قلب هي پر زندگي کا مدار هوتا ' تو اُس کي حرکت بند هونے کے بعد هي زندگي بهي ختم هو جاتي ' حالانکه ایسا نهیں هوتا -

(ایک عجیب مخلوق)

آسٹرین اخباروں نے یه عجب خبر شایع کي هے که ایراني نام ایک گاؤں میں اب سے ۱۹ - برس پہلے ایک عورت کے لڑکا پیدا هوا - یه بندر سے بهت مشابه تها - والدین نے اُس کا نام الکزنڈر رکها - لیکن جوں جوں اُس کي عمر بڑھتي گئي ' بندر سے مشابهت بهي بڑھتي گئي - حتی که اب جوان هونے پر وه بالکل بندر هوگیا هے - صرف صورت و شکل هي میں نهیں ' حرکات و سکنات و طبیعت میں بهي بندر هے - وه آدمیوں کي طرح رهنا پسند نهیں کرتا - بول بهي نهیں سکتا - بندر کي طرح چلاتا اور اچهلتا کودتا هے - پچهلے دنوں اُس کے والدین نے اُسے ایک آهني قفس میں قید کر دیا تها - کیونکه آدمیوں کو تکلیف پهنچانے لگا تها - ایک دن اتفاق سے چهوٹ گیا اور سڑک پر پهنچ گیا - لوگ اُسے گوریلا سمجهه کر ڈر گئے اور بهاگے - بڑي مشکل سے اُسے قید کیا گیا - اب ایک هنگرین عورت اُسے اپنے ساتهه بوڈاپسٹ لے گئي هے - ڈاکٹر متعجب هیں که کیا رائے قائم کریں ؟ وه آدمي نهیں هے - مگر آدمي کے پیٹ سے بندر کیسے پیدا هوسکتا هے ؟ یهاں قانون وراثت سے بهي کوئي بحث نهیں کي جاسکتي - کیونکه ڈاروین کے متبعین بهي یه نهیں کهتے که انسان بندر سے پیدا هوا هے - بلکه یه کهتے هیں که بندر اور انسان ایک هي مورث اعلی کي اولاد هیں -

(کیا کهانے کي ضرورت باقي نهیں رهے گي ؟)

علماء کي رائے هے که وٹامین Vitamine هي دراصل هماري تمام غذا کا حقیقي جوهر هے - اِسي پر زندگي کا دار و مدار هے - وٹامین کي بهت سي قسمیں قرار دي گئي هیں ' اور هر قسم کا حروف ابجد پر الگ الگ نام رکهدیا گیا هے - بعض جرمن علمي رسائل کا بیان هے که ایک جرمن کیمیائي کو وٹامین (الف) کي ایجاد میں کامیابي حاصل هوگئي هے -

سر الفرید مونڈ نے حال میں اِس جرمن عالم کي تحقیقات کا معاینه کیا ' اور اپنے خیالات اِس بارے میں شائع کیے هیں - وه لکهتا هے :

" اگر اِس جرمن عالم کا دعوی صحیح هے که اُس نے وٹامین کیمیاوي طریق پر طیار کر لي هے ' تو اُس کے معني یه هیں که هم عنقریب جمله میوؤں ' سبزیوں ' ترکاریوں ' اور مچهلي کے تیل وغیره غذاؤں سے مستغني هو جائینگے - هماري اقتصادي زندگي میں عظیم انقلاب هو جائیگا - کوئي ملک اپني غذا میں دوسرے ملک کا محتاج نهیں رهے گا - انسان کي غذا ' وٹامین کي ٹکیاں هونگي ' اور بهتر سے بهتر خوراک کا کام دینگي -

" اتنا هي نهیں بلکه پورے عالم تمدن پر اِس کا اثر پڑے گا - جسم انساني کي موجوده ترکیب میں بهي تبدیلي هو جائیگي - اِس جدید غذا کے لیے معدے کي ضرورت باقي نهیں رهیگي - ایک زمانه ایسا آجائیگا جب انسان کے جسم سے معده بالکل غائب هو جائیگا "

اطلاع

مولانا ابو الکلام کي علالت

۲۴ ستمبر سے مولانا ابو الکلام کي طبیعت برابر علیل هے - پہلے بیري بیري مرض کے اشتداد سے دوران سر کي تکلیف شروع هوئي - پهر سرخ بخار (ڈینگو فیور) لاحق هوگیا - جس کي آج کل کلکته میں عام شکایت هے - اب اگرچه بخار اُتر چکا هے ' مگر اُس کي وجه سے بیحد طبیعت کمزور هوگئي هے - یهي وجه هے که آل انڈیا کانگرس کمیٹي کے جلسوں میں بهي وه حصه نه لے سکے ' بجز ورکنگ کمیٹي کے جلسوں کے جو اُن کي علالت کے خیال سے اُنهي کے مکان میں منعقد هورهي هیں -

جن حضرات کے خطوط اس دو هفته کے اندر ان کے نام آچکے هیں ' وه جواب نه ملنے کي وجه سے پریشان خاطر هونگے - براه عنایت چند دن اور انتظار کریں تاکه مولانا کي طبیعت بحال هوجائے ' اور وه به اطمینان خطوط کا جواب لکهوا سکیں -

منیجر

طاري هونے کے بعد سینه چیر ڈالتے هیں اور خاص طریقوں سے دل کو ملنا شروع کر دیتے هیں - تهوڑي دیر میں دوران خون شروع هوجاتا هے - دل هلنے لگتا هے ' اور دل کي حرکت کے ساتهه هي تمام جسم میں زندگي واپس آجاتي هے - حال هي کا واقعه هے که لندن کے شفاخانۂ سینٹ تهامس میں ایک عورت مسز اڈیلڈ ایک خطرناک عمل جراحي میں فوت هوگئي - ڈاکٹر نے فوراً اُس کا سینه چاک کر ڈالا اور دل کي مالش شروع کردي - پندرہ منٹ بعد عورت بالکل زنده هوگئي تهي - البته وہ بیهوش رهي ' اور تیس گهنٹے بعد ضعف قلب کي وجه سے پهر مر گئي -

اِس سے بهي زیادہ عجیب تجربه علماء نے یه کر دکهایا هے که جانداروں کے سر کاٹ کر ایک دوسرے کے جسم میں لگا دیے هیں اور وہ زنده رهے هیں ! چنانچه پچهلے دنوں لندن میں علماء کے ایک جم غفیر کے سامنے ایک ڈاکٹر نے بهت سے جهینگروں کے سر کاٹ دیے - پهر ایک کا سر دوسرے میں جوڑ دیا - حاضرین یه دیکهه کر حیرت زدہ رہ گئے که چند لمحے بعد تمام جهینگر اپنے نئے سروں کے ساتهه کودنے لگے تهے ! تجربه یهیں پر ختم نهیں هوگیا بلکه کچهه مدت بعد جهینگروں میں جنسي تبدیلي بهي ظاهر هوئي - یعني جن میں مادہ کے سر لگائے گئے تهے ' وہ مادہ هوگئے ' اور نر سر والے نر بن گئے !

یه شعبدہ نه تها - ایک علمي تجربه تها - علماء کي نظر میں اِس تجربے کي بهت اهمیت هے - کیونکه اُن کے خیال میں یه تجربه حسب مرضي نسل پیدا کرنے کا دروازہ کهول دے گا - انسان اپني پسند کے مطابق نر یا مادہ اولاد پیدا کر سکے گا -

اِسي سلسله میں یه علمي تحقیق بهي قابل ذکر هے که علماء نے تجربے سے معلوم کر لیا هے که اگر مچهر کي پرورش سرد مقام میں کي جائے اور غذا کم دي جائے ' تو اُس کي نسل عموماً نر پیدا هوتي هے - برخلاف اس کے گرم جگه میں رکهنے اور زیادہ خوراک دینے سے اولاد زیادہ تر مادہ پیدا هوتي هے - اِس تجربے کي بنا پر انساني مردم شماري کي تحقیقات کي گئي ' تو معلوم هوا عام مصائب خصوصاً جنگ کے زمانوں میں مرد زیادہ پیدا هوتے هیں' اور امن و راحت کے دوران میں عورتیں زیادہ هو جاتي هیں -

آج کل علم وراثت کے ماهر نهایت کوشش کر رهے هیں که مادي و دماغي ' هر اعتبار سے انسان کي آئنده نسلیں زیادہ ترقي یافته پیدا کریں - ڈاکٹر شٹنانخ اور وورو نوف وغیرہ علماء کي کوششوں سے یه امید پیدا هوگئي هے که اِس مقصد میں ضرور کامیاب هو جائینگے - اِن ڈاکٹروں کا دعوي هے که اِس صدي کے ختم هونے سے پہلے هي انساني عمر کا اوسط ' سو برس هوجائیگا - اور پهر بهت جلد یه صورت پیدا هوجائیگي که انسان ڈیڑہ سو بلکه دو سو برس تک کي عمر حاصل کر سکے گا -

لیکن اِن تمام حیرت انگیز کامیابیوں کے باوجود علم معترف هے که وہ ابهي تک اپنے عهد طفولیت هي میں هے ' اور قدرت الهي انسان کو جسقدر دولت علم بخشنا چاهتي هے ' ابهي اُس کا سوواں حصه بهي انسان نے حاصل نهیں کیا هے !

(جب سورج بجهه جائیگا ؟)

بالاتفاق تمام علماء فلک کا فیصله هے که سورج کا حجم کم هو رها هے ' کیونکه اُس کي حرارت میں لگا تار کمي واقع هورهي هے - ایک دن ایسا آنے والا هے جب اُس کي حرارت بالکل ختم هوجائیگي - وہ بجهه جائیگا - بالکل ٹهنڈا پڑجائیگا - اُس وقت همارا یه کرۂ زمین اور نظام شمسي کے جمله کواکب ' بالکل تاریک هوجائینگے - غذائي مادے کم هوکر بالکل نابود هوجائینگے - مهلک وبائیں پهیل جائینگي - انسان ' حیوان ' نباتات ' کوئي ذي روح ' بهي باقي نهیں رهیگا - کیونکه زمین ' زندگي پیدا کرنے اور قائم رکهنے کي صلاحیت سے قطعي طور پر محروم هو جائیگي !

علماء کے خیال میں یه نتیجه لازمي هے - دنیا کي بربادي اِسي طور پر واقع هوگي - لیکن یه بربادي کب هوگي ؟ کیا هم یا هماري قریبي نسلیں یه هولناک نتیجه دیکهه سکیں گي ؟

نهیں - علماء نے آفتاب کي حرارت اور روشني کا حساب لگا کر بتایا هے که ابهي آفتاب میں اِتني قوت موجود هے ' که وہ کم سے کم ۱۰٬۰۰۰٬۰۰۰٬۰۰۰ سال تک نظام شمسي کو زنده رکهه سکتي هے !

لیکن آفتاب اچانک نهیں بجهه جائیگا - بتدریج بجهے گا - کیونکه وہ بتدریج اپني قوت و حرارت کهو رها هے - اِس وقت آفتاب کي حرارت ' دهرنهیٹ کے مقیاس کے حساب سے دس هزار درجه هے - علماء کا خیال هے که جب یه حرارت نو هزار درجے پر آ جائے گي ' تو کرۂ ارضي کے خط استوا پر حرارت ' صفر کے نیچے گر جائیگي - ظاهر هے که اِس صورت میں کوئي انسان بهي خط عرضي کے درجه ۶۰ سے اوپر زنده نهیں رہ سکے گا ' (بجز سکنڈڈاویا کے جهاں سمندر کا وہ دهارا موجود هے جسے "خلیج کا دهارا" کهتے هیں اور جو اِتني حرارت باقي رکهے گا که زندگي بر قرار رهے) الا یه که جنوب سے غذا مهیا کرنے کا اُس کے پاس سامان موجود هو -

علماء کا خیال هے که جب آفتاب کي حرارت نو هزار درجے پر آجائیگي ' تو تمام انسان سمٹ کر خط استواء کے گرد جمع هو جائینگے -

اُنهیں سب سے بڑي فکر غذا حاصل کرنے کي هوگي - اُس وقت سخت جنگیں برپا هونگي - کیونکه آدمي زیادہ هونگے' اور غذا کم هوگي - طاقتور ' کمزوروں کو هلاک کر ڈالینگے - تنازع للبقاء اور بقاء اصلح کا قانون پوري بے دردي سے نافذ رهے گا - طاقتوروں کو بهي اطمینان نصیب نه هوگا - کیونکه سورج برابر ٹهنڈا هوتا رهے گا - غذا کم هوتي جائیگي ' اور زندگي کے لیے انسانوں میں برابر جنگ جاري رهے گي !

حرارت کے ساتهه آفتاب کي روشني بهي لازمي طور کم هوتي جائے گي - بتدریج آسمان کا نیلا رنگ بدل کر تیز زرد هوجائے گا - ابر کا رنگ بهي زرد هو جائے گا - آفتاب کي شعاعیں حسب ذیل ترتیب سے زائل هو جائینگي :

(۱) ماوراء بنفشي شعاعیں
(۲) بنفشي شعاعیں
(۳) نیلي شعاعیں
(۴) اودي شعاعیں
(۵) سبز شعاعیں
(۶) زرد شعاعیں
(۷) نارنجي شعاعیں
(۸) سرخ شعاعیں

جب آفتاب کا نور بهت کم هوجائے گا ' تو اُس کي شعاعیں سراسر سرخ هوجائینگي - پهاڑوں پر جمي هوئي تمام برف اُس وقت سرخ یا زرد دکهائي دے گي !

عالم مطبوعات و صحائف

روح

ساٹھ اطبّاءِ عصر کے مباحث

حال میں آمریکہ کے ایک علمی رسالے نے دو سوال شایع کئے تھے:

(۱) کیا روح کے وجود پر کوئی علمی دلیل موجود ہے؟

(۲) کیا علمی دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہے؟

۶۰ مشہور طبیبوں نے ان دونوں سوالوں کے جوابات دئے ہیں سب نے بالاتفاق تقریباً ایک ہی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ذیل میں اُن کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

ڈاکٹر فرانک والک نے دعویٰ کیا ہے کہ بعض مرنے والوں میں اُسنے ایسی علامتیں دیکھی ہیں، جن سے موت کے بعد روح کے بقاء کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن رسالے نے وہ علامتیں شایع نہیں کیں۔ البتہ اتنا لکھا ہے کہ بعض علامتیں، مادی ہیں، بعض اثیری (یعنی ایتھر کی قسم کی)

ڈاکٹر ہنٹ اور اُنکے رفقاءِ علم کا فیصلہ ہے

"کوئی علمی دلیل موت کے بعد روح کے بقاء پر موجود نہیں روح کے بقاء کا عقیدہ ایک خالص دینی عقیدہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ عقیدہ، نفسِ انسانی کی اس آرزو کا مظہر ہے کہ وہ ہمیشہ باقی رہنا چاہتا ہے اور فنا ہوجانے سے ڈرتا ہے۔ اس مسئلہ پر ہمیشہ دینی پہلو ہی سے گفتگو کرنی چاہئے نہ کہ علمی پہلو سے، کیونکہ علم میں اُس کا کوئی ثبوت موجود نہیں"

ڈاکٹر ہنٹ نے اپنے مضمون کے آخر میں لکھا ہے

"لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ میں رُوح کے وجود یا اُسکے بقاء کا منکر ہوں۔ بلکہ میں اِن سب باتوں پر پختہ ایمان رکھتا ہوں مگر میرا یہ ایمان، علمی حقائق و براہین پر مبنی نہیں ہے، بلکہ سراسر ضمیر و وجدان کے رجحان پر قائم ہے"

ڈاکٹر کین لکھتا ہے

"اگر ہم موت سے پہلے اور موت کے بعد انسانی جسم ناپیں، یا تولیں، تو دونوں حالتوں میں ہرگز کوئی فرق نہیں پائیں گے تاہم یہ واقعہ ہے کہ موت کے بعد جسم انسانی میں کوئی چیز کم ضرور ہوجاتی ہے اس کمی کو ہم روح کا نکل جانا کہتے ہیں۔ کسی انسان نے بھی روح نکلتے نہیں دیکھی، مگر کسی کو بھی اُس کے نکلنے میں شک و شبہ نہیں ہوتا۔ درحقیقت روح، اس کائنات میں سب سے بڑا راز بلکہ سب سے زیادہ پیچیدہ طلسم ہے۔ علم اُس کے ثابت کرنے سے قطعاً عاجز ہے، لیکن دین اُسے ثابت کرتا ہے بلکہ اُسی پر اپنی تعلیم کی بُنیاد رکھتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہر وہ چیز جو ہمارے حواس کے دائرے میں آتی ہے، فانی ہے۔ روح، ہمارے حواس سے پرے ہے۔ اس لئے ہم اُس کے فانی ہونے کا فیصلہ نہیں کرسکتے۔ رومی مقرر سیسرو کا یہ قول مجھے ازحد پسند ہے کہ ایک بار اُسنے کہا تھا "اگر میں گمراہ ہوں تو بھی افلاطون کے ساتھ ہونے کو ترجیح دوں گا، بجائے اس کے کہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں جو بقاءِ رُوح کے منکر ہیں" صدیوں سے علماء کوشش کر رہے ہیں کہ عالم غیب اور قبر کے بعد کی دنیا کو معلوم کریں، مگر اُن کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ یہ اس لئے کہ علم، انسان کا ساتھ صرف اُس کی زندگی بھر دیتا ہے۔ موت کے طاری ہوتے ہی علم کی رفاقت چھوٹ جاتی ہے۔ البتہ اُس وقت دین، ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اگر نظریۂ نشو و ارتقاء، علم ہیئت، اور دوسرے غامض علوم و فنون پر ہم یقین رکھتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ رُوح اور اُس کے بقاء پر بھی ایمان نہ رکھیں۔ کائنات کے بے شمار راز اب تک ہماری عقل سے باہر ہیں، مگر اُن کی حقیقت سے جاہل ہونے پر بھی ہم انھیں تسلیم کرتے ہیں۔ کیوں نہ روح کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے؟"

ایک اور مضمون نگار، جسنے اپنا نام ظاہر نہیں کیا، لکھتا ہے:

"موت کے بعد روح کے بقاء کا عقیدہ، سراسر دینی عقیدہ ہے۔ اُس میں بحث کی گنجائش موجود ہے، کیونکہ مرنے کے بعد کوئی آدمی بھی اس دنیا میں واپس نہیں آیا کہ ہمیں اصلی حقیقت سے آگاہ کرتا۔ علم اس کے ثبوت سے قاصر ہے۔ ہماری عقل یہ تصور نہیں کرسکتی کہ جسم کے فنا ہوجانے کے بعد روح باقی رہے۔ لیکن ہماری عقل نے ابتک کتنے حقائق سمجھ لئے ہیں؟"

ڈاکٹر رچرڈ کابٹ نے لکھا ہے:

"میں بقاءِ روح پر کامل ایمان رکھتا ہوں، اس لئے نہیں کہ علمی دلائل اُسے ثابت کرتے ہیں، بلکہ اس لئے کہ میرا وجدان مجھے اس یقین پر مجبور کرتا ہے۔ میرا یہ عقیدہ سراسر دینی عقیدہ ہے۔ اگر علم بقاءِ روح ثابت نہیں کرسکتا، تو یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ اُسے باطل بھی ثابت نہیں کرسکتا۔ بہرحال میں بقاءِ رُوح کا قائل ہوں۔ میرا پختہ ایمان ہے کہ موت کے بعد ہم دائمی زندگی حاصل کرلیتے ہیں"

ایک اور ڈاکٹر نے (جسے علمی رسالہ نے آمریکہ کا مشہور ترین محقق قرار دیا ہے) کہا ہے:

"جن قرائن کی بنا پر بقاءِ رُوح ثابت کی جاتی ہے، وہ ہر اعتبار سے لائق غور ہیں۔ میرے ذہن میں ڈارون کا یہ قول برابر موجود رہتا ہے "عقل کسی طرح بھی تسلیم نہیں کرسکتی کہ یہ کائنات محض اتفاق سے ظاہر ہوپڑی ہو۔ وہ حیرت انگیز دقیق نظام جس پر کائنات قائم ہے، ناممکن ہے کہ اُس بے معنی لفظ کا نتیجہ ہو جسے عوام "اتفاق" کہتے ہیں" نظریۂ نشو و ارتقاء، جو جملہ زندہ کائنات پر منطبق ہوتا ہے، صاف ظاہر کر رہا ہے کہ اس مرئی و مادی عالم سے پرے ایک ایسی غیر مرئی قوت موجود ہے جو ناموس طبیعت پر کامل سلطنت و نفوذ رکھتی ہے۔ وہی کائنات کی مالک ہے اور وہی اُسے انتہائی دانشمندی سے چلا رہی ہے۔ یہ غیر مرئی قوت، لازمی طور پر ازلی و ابدی ہی ہو سکتی ہے"

اپنا مضمون ختم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"طویل تجربوں کے بعد مجھے یقین ہوگیا ہے کہ بقاءِ رُوح کا عقیدہ محض وہم و خیال نہیں ہے۔ بلکہ ایک حقیقت پر مبنی ہے۔ انسان نے بلاسبب یہ عقیدہ پیدا نہیں کیا۔ درحقیقت یہ عقیدہ، قدرت کے ایک الہام سے پیدا ہوا ہے۔ انسانی عقل ہرگز تسلیم نہیں کرسکتی کہ موت کے ساتھ ہی فنا طاری ہوجاتا ہے۔ عقل انسانی کا یہ رجحان مادی نہیں ہے۔ روحانی ہے۔ اور ہرگز باطل نہیں ہوسکتا۔ میں یہ اعلان کسی دینی جذبہ کی بنا پر نہیں کر رہا ہوں، بلکہ ایک عالم ہونے کی حیثیت سے بھی میرا یہی اعتقاد ہے"

ڈاکٹر مانزنٹ نے یوں اظہار رائے کیا ہے:

"انسانی زندگی میں کوئی ثبوت بھی روح کے وجود کا موجود نہیں۔ نیز کسی علمی دلیل سے موت کے بعد بقاءِ رُوح کا نظریہ ثابت نہیں ہوسکتا۔ مجھے یقین ہے، علم ہرگز اس طرح کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکتا۔ لیکن ہمارا کسی بات کے ثابت کرنے سے قاصر رہ جانا اُس کے بطلان کی دلیل نہیں ہے"

ڈاکٹر کالورج لکھتا ہے:

"طویل تجربوں کے بعد بھی مجھے کوئی مادی ثبوت، موت کے بعد بقاءِ روح کا نہیں مل سکا۔ میرا علم زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جب دماغ کا عمل رُک جاتا ہے تو عقل غائب ہوجاتی ہے۔ تاہم مجھے حق الیقین ہے کہ اس مادی عالم کے پرے ایک غیر مرئی لامتناہی عقل موجود ہے"

ڈاکٹر آگسٹ کائل کا خیال ہے:

"میں نے آجتک باوجود کوشش کے کوئی ثبوت اس امر کا نہیں پایا کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہے۔ دراصل ہماری مادی زندگی بہت ہی تھوڑی ہے۔ لیکن اُس کا امتیاز کمیّت میں نہیں ہے کیفیت میں ہے۔ میرے خیال میں انسان کی تربیت اس طرح ہونی چاہئے کہ وہ علم اور دین کو علحدہ علحدہ رکھے اور سمجھے۔ روح کا علمی دلائل سے ثابت نہ ہونا، اُس کے بطلان کی دلیل نہیں ہے۔ دین نے انسانیت کو بہت نفع پہونچایا ہے۔ انسانیت کو ہمیشہ دین کی ضرورت باقی رہیگی"

ڈاکٹر کولینڈ لکھتا ہے:

"میرے شخصی تجربے نے مجھے پُورے طور پر مطمئن کردیا ہے کہ ہماری زندگی کا تعلق ایک ایسی چیز سے قائم ہے جو کبھی فنا ہونے والا نہیں کاش میں اتنی فصاحت رکھتا کہ دوسروں میں بھی یہ اعتقاد پیدا کردے سکتا۔ وہ چیز وہی ہے جسے "روح" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ میں اگرچہ اُسے ثابت نہیں کرسکتا مگر مجھے اُس پر کامل یقین ہے روح، مادی و کیمیاوی قوانین کے تابع نہیں ہے، لہذا اُسے مادیات پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہوسکتا۔ ابھی علم نے اتنی ترقی نہیں کی کہ یہ طلسم کھول سکے"

ایک فراموش شدہ عظمت

جو تذکرۂ و یاد آوری کی مستحق ہے

امیر محمد بن عبد الکریم

جنکی نسبت یورپ کی تازہ ڈاک میں بعض نئی تفصیلات آئی ہیں - معلوم ہوا ہے کہ فرانس کے ایک دارالاشاعت نے اُنسے یہ فرمایش کی تھی کہ وہ خود اپنے قلم سے اپنی سوانح عمری قلمبند کردیں - شیخ نے یہ درخواست منظور کرلی اور اب وہ بہ یک وقت فرانسیسی اور عربی ' دونوں زبانوں میں اپنے حالات قلمبند کر رہے ہیں -

پیرس کی مسجد اور عربی چمنستان کا مصور نمونہ ' جسکی تکمیل کیلیے اس ہفتہ سلطان مصر نے ایک لاکھہ فرانک دیا ہے

ناگزیر تھی۔ اب قانون کے بموجب عبد الحمید آفندی ولی عہد تھے اسلئے وہی تخت نشین ہو سکتے تھے۔ دستور اساسی کا جو مسودہ میں نے طیار کیا تھا، ولی عہد نے ملاحظہ کر لیا تھا اور اُس سے بالکل متفق تھا۔ اُسنے بڑے ہی جوش سے کہا تھا کہ "سلطنت کی نجات صرف ایسے ہی نظام حکومت سے ممکن ہے" اُسنے پُورے یقین کے ساتھ اپنے اس عزم کا بھی یقین دلایا تھا کہ تخت نشیں ہوتے ہی اُسکا اعلان کر دیگا۔ ہم خدام سلطنت کی مسرت بے حساب تھی۔ ہم برسوں سے احیار دولت کا جو خواب خرگوش دیکھ رہے تھے، اب اُس کی تعبیر ہمارے سامنے تھی۔ ہم نے خیال کیا کہ یہ نوجوان شہزادہ سلطنت اور اُمت کا نجات دہندہ ثابت ہوگا۔ چنانچہ ۱۱۔ شعبان ۱۲۹۳ھ کو عبد الحمید کی تخت نشینی کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔

سفراء دول کی مؤتمر

بلقان کا مسئلہ، درحقیقت روس کا اُٹھایا ہوا تھا لیکن جب ہماری فوجوں نے بلقانی باغیوں کے ٹکڑے اُڑا دیئے، تو روس نے چننئے حیلے تراشنا شروع کئے، اور دول یورپ کو ایک مؤتمر منعقد کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ آستانہ میں دول عظمیٰ کے ۶ سفیروں کا اجتماع ہوا اُنھوں نے پہلی تجویز یہ طے کی کہ بلغاریہ کو اندرونی خود مختاری دیدی جائے۔

مدحت پاشا کی وزارت

ظاہر ہے، ہم اس قسم کی تجویزیں منظور نہیں کر سکتے تھے۔ ان تجویزوں کا مان لینا، بلقان سے ہاتھ دہونا تھا۔ مگر دول یورپ نے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ رشدی پاشا وزیر اعظم بہت خائف تھے۔ اس صورت حال نے مجھے مجبور کر دیا کہ وزیر اعظم کی کرسی پر بیٹھ جاؤں۔ میں حالات کی ابتری سے بخوبی واقف تھا۔ تاہم میں نے اصلاح کی کوشش شروع کر دی۔

ہماری مصیبت صرف یورپ ہی کی جانب سے نہ تھی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مصیبت یہ تھی کہ ہمارا خزانہ بالکل خالی تھا۔ سلطان عبد العزیز کے مہلک اسراف نے ایک کوڑی باقی نہیں رکھی تھی۔ میں نے غیر معمولی محنت کر کے نئے بنک نوٹ جاری کر دیئے۔

دستور اساسی کا اعلان

سلطان عبد الحمید نے تخت نشین ہوتے ہی دستور اساسی کا مسودہ ایک مجلس کے سپرد کر دیا تھا کہ اُس کی جانچ پڑتال کرے۔ مجلس نے اُسپر پُوری بحث کی، اور منظور کر کے سلطان کی خدمت میں بھیجدیا۔ سلطان نے بھی اُس پر پسندیدگی کا اظہار کیا، اور ۷، ذی الحج ۱۲۹۳ھ میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اُس کا اعلان ہو گیا۔ تمام مملکت نے اس اعلان کا پُرجوش استقبال کیا۔ پُوری سلطنت میں جشن منایا جانے لگا۔

اس اثنار میں ہم نے دول یورپ کی مؤتمر کو صاف اور قطعی لفظوں میں اطلاع دیدی کہ ہم اُس کی کوئی تجویز بھی منظور نہیں کرینگے۔ ہماری یہ جرأت نہایت خطرناک تھی۔ ہم نے گویا پُورے یورپ کو دعوت جنگ دے دی تھی۔ مگر ہم مجبور تھے۔ ہماری مجلس وزرار نے طے کر لیا تھا کہ خاموشی سے تباہ نہیں ہونگے۔ اگر مٹنا ہی ہے تو عزت کے ساتھ مٹیں گے۔ دُول یورپ ہمارا انکار سُن کر بہت برہم ہوئیں، اور اپنے اپنے سفرار واپس بُلا لئے۔ اس کارروائی کا صاف مطلب یہ تھا کہ ہمارے باہمی سیاسی تعلقات منقطع ہو گئے۔ مگر ہم نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔

دوسری طرف میں نے یہ کیا کہ بلقانی ریاستوں سے براہ راست گفت شنید شروع کر دی۔ اُنھیں نرم گرم شرطوں پر صلح کے لئے راضی کر لیا۔ ساتھ ہی دستور اساسی کے اعلان کے بعد ہم نے پہلی عثمانی مجلس (پارلیمنٹ) کے لئے انتخابات شروع کر دیئے۔

ہم یہ سب کچھ کر رہے تھے، مگر چونکہ روس کی طرف سے اعلان جنگ کا قوی احتمال تھا اس لئے جنگی تیاریوں سے بھی غافل نہیں تھے۔ فوجوں کی ترتیب اور نقل و حرکت تمام مملکت میں شروع ہو گئی تھی۔

مدحت پاشا کی جلاوطنی

سلطنت ان داخلی اور خارجی مشکلات میں پھنسی ہوئی تھی۔ میں اصلاح حال کی شب و روز کوشش کر رہا تھا، کہ اچانک ایک دن قصر طولمہ باغچہ میں سلطان نے مجھے طلب کیا۔ جوں ہی میں پہونچا، مجھ سے قلمدان وزارت لے لیا گیا، اور کہا گیا کہ میں جہاز عز الدین میں فوراً سوار ہو جاؤں۔ کیونکہ میں سلطان کے حکم سے جلا وطن کر دیا گیا ہوں مجھے یورپ چلا جانا چاہئے!

سلطان مراد کی تخت نشینی کے دن سے میں نے اس قدر محنت کی تھی کہ مجھے یقین ہے کوئی دوسرا انسان نہیں کر سکتا۔ میں نے لگاتار جدّ و جہد سے اب ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی کہ سلطنت تمام خطروں سے صحیح و سالم نکل جاتی۔ لیکن اب اچانک یہ معاملہ پیش آ گیا۔ پہلے مجھے خوشی ہوئی کہ اب آرام کر سکوں گا۔ مگر فوراً اس خیال سے دل و جگر مجروح ہو گیا کہ میری زندگی، میری نہیں بلکہ قوم و ملک کی ہے، اور اس کے لئے سخت خطرات درپیش ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ سلطان کی یہ حرکت، سلطنت کے لئے نہایت مہلک ثابت ہوگی۔ اور اصلاح کی تمام اُمیدیں ضائع ہو جائیں گی۔

میں نے اپنا قصور دریافت کیا۔ سعید پاشا، سلطان کے پاس گئے، اور واپس آ کر کہا کہ دستور اساسی کی دفعہ ۱۱۳ کی رُو سے سلطان کو حق پہنچتا ہے کہ ہر اُس شخص کو جلا وطن کر دیں، جسے پولیس کا افسر اعلیٰ سلطنت کے لئے خطرناک ظاہر کرے۔ ساتھ ہی اُنھوں نے دو سرکاری کاغذ بھی دکھلائے۔ ایک میں لکھا تھا کہ پولیس نے ایک فوجی افسر کو بازار میں کہتے سُنا "مدحت پاشا عنقریب ترکی جمہوریت کا صدر منتخب ہوگا"

میں جلا وطنی کی اس وجہ پر اپنی بے اختیارانہ ہنسی ضبط نہ کر سکا سعید پاشا نے کہا "سلطان معظم، سلام کے بعد فرماتے ہیں کہ عنقریب تمھیں واپس بلا لیا جائے گا"

میں نے کہا "سلطان کے سلام کا شکریہ! اگر سلطان کو میرا پیغام پہونچا دو کہ اپنی واپسی پر میں ان محلوں میں سلطان کو نہیں پاؤں گا اور نہ سلطنت کی یہ عظمت و شان نظر آئے گی۔ اُسوقت میں تباہی روک نہ سکوں گا!" میں نے یہ کہا اور روانہ ہو گیا۔

میری ناگہانی جلاوطنی سے پایۂ تخت اور صوبوں میں سخت بےچینی پیدا ہوئی۔ لوگ ڈرے کہ اب دستور اساسی بھی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ میں نے ہی اُسے مرتب کیا تھا، اور سب سے زیادہ میں ہی اُسپر زور دے رہا تھا۔ یہ بےچینی دیکھ کر سلطان مجبور ہوئے کہ نئی نئی تہمتیں تراشی جائیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے اخبارات میں شائع کیا گیا کہ میرے کاغذات میں ایسی چیزیں ملی ہیں جن سے میری خیانت ثابت ہوتی ہے اسی لئے سلطان نے مجھے معزول کر کے جلا وطن کر دیا ہے!

اُس وقت تک ترک اس قدر نیک دل تھے کہ سرکاری افترا پردازیاں سمجھ نہیں سکتے تھے۔ اس لئے اکثر لوگ میرے مخالف ہو گئے۔ مگر یورپ کے اخبارات حقیقت حال سے واقف تھے۔ اُنھوں نے صحیح خبر شائع کر دی کہ چونکہ مدحت پاشا نے سلطان کی غلامی منظور نہیں کی، اس لئے اُن پر عتاب شاہی نازل ہوا ہے۔ ترکوں نے یہ سُنا تو سلطان پر نہایت برہم ہوئے۔ اب قصر شاہی مجبور ہوا کہ میرے خلاف ایک پُوری سازش طیار کرے۔ چنانچہ آستانہ کے اخبارات اور ساقط مقرروں اور شاعروں کو رشوت دیکر آمادہ کیا گیا کہ مجھ پر حملہ شروع کر دیں۔ میں نے ترکی اخبارات دیکھے تو ہنسنے لگا۔ کل تک یہ میرے تدبر و دیانت کے راگ گاتے تھے۔ آج مجھ کو شیطان قرار دینے لگے! اُسوقت بے اختیار میری زبان پر یہ آیت جاری ہوئی: "واذا اراد اللّٰہ بقوم سوءًا فلا مرد لہ وما لھم من دونہ من وال"

رُوس کا اعلان جنگ

میری جلاوطنی کی خبر پٹرز برگ (دار الحکومت روس) پہنچی تو حکومت روس مسرت سے اُچھل پڑی۔ اب اُسنے باب عالی پر زور دینا شروع کیا کہ بلقان کے متعلق اُس کے مطالبات منظور کر لے۔ لیکن ترکی حکومت نے انکار کیا۔ اسپر روس نے اعلان جنگ کر دیا، اور دریائے طونہ کی طرف سے روسی فوج حملہ آور ہو گئی۔

اب سخت پریشانی پیدا ہو گئی۔ ہمارا خزانہ بالکل خالی پڑا تھا۔ میرے جاری کئے ہوئے بنک نوٹ، سلطان نے بے پروائی سے خرچ کر ڈالے تھے۔ نئے نوٹوں کا شائع کرنا سردست ناممکن تھا۔ اعلان جنگ نے سابق نوٹوں کی قیمت بھی کم کر دی تھی۔ حکومت کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ رعایا سے زبردستی روپیہ وصول کیا جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔

اس سے بھی بڑی مصیبت، سلطان کی ناتجربہ کاری تھی: جنگ شروع ہوتے ہی سلطان نے عبدی پاشا اور ردیف پاشا کو معزول کر دیا۔ یہ دونوں سپہ سالار روسی سرحدوں سے واقف تھے اور اس جنگ کے لئے پہلے ہی سے نقشے مرتب کر چکے تھے۔ ان کی معزولی نے میدان جنگ میں سخت ابتری پیدا کر دی۔ اُسوقت ہماری جنگی قوت کافی تھی۔ ۵ لاکھ نظامی فوج نہایت عمدہ طور پر مسلح موجود تھی۔ رضا کاروں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ مگر سلطان کی شخصی مداخلت نے معاملہ خراب کر دیا۔ رضا کار فوجیں منتشر کر دی گئیں نظامی فوجوں میں بدنظمی پیدا ہو گئی۔ اسپر بھی سلیمان پاشا اور عثمان پاشا نے دشمن کی یلغار روک دی، اور امید بندھی کہ یہ دونوں سپہ سالار سلطنت کو خطرہ سے بچا لیں گے۔ مگر کوئی جنگی مرکز موجود نہ تھا۔ مختلف مقامات سے احکام صادر ہوتے تھے۔ ہر مقام میں سلطان کی ضد موجود تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلیمان پاشا کی فوجیں بھاگ نکلیں اور عثمان پاشا، پلونہ میں قید ہو گئے۔ پلونہ میں روس کی پُوری قوت موجود تھی۔ خود زار روس فوج کی قیادت کر رہا تھا۔

روس کو کامل فتح حاصل ہو گئی اور اُس کی مظفر و منصور فوجیں سین اسٹفانو (مضافات قسطنطنیہ) تک پہنچ گئیں۔ دوسری طرف سے انگریزی حکومت کا جنگی بیڑہ، باسفورس میں آ گیا اور قصر شاہی کے سامنے توپیں سیدھی کر کے کھڑا ہو گیا۔

میں اُسوقت یورپ میں اپنی جلاوطنی کے دن گزار رہا تھا۔ مجھ [illegible] کے معاملات میں مداخلت یا دُول یورپ سے گفت و شنید کا کوئی حق نہ تھا۔ تاہم میرا دل یہ تباہی دیکھ کر بےچین ہو گیا اور میں نے جد و جہد شروع کر دی۔ لندن، پیرس، وائنا، برلن، تمام مراکز میں پھرا۔ اس سعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سین اسٹفانو کا ذلیل معاہدہ منسوخ ہو گیا اور سلطنت ایک مرتبہ پھر بچ گئی۔ مجھے وزرار سلطنت اور خود سلطان کی غفلت پر از حد افسوس ہے۔ عین اُسوقت جبکہ روس پلونہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا، میں نے آسٹریا کو راضی کر لیا تھا کہ روس پر حملہ آور ہو جائے۔ آسٹریا کے حملہ کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوتا کہ روسی فوجوں پر واپسی کا راستہ مسدود ہو جاتا اور سب کی سب یا تو قید ہو جاتیں، یا برباد ہو جاتیں۔ میں نے فوراً سلطان کو مفصل تار دیا۔ مگر بیس دن گزر گئے اور کوئی جواب نہ آیا۔ اس اثنا میں روس کو کامل فتح حاصل ہو گئی تھی!

میری ان خدمات کا اثر، سلطان پر پڑا۔ اُنھوں نے مجھ [illegible] کو انتہائی "رحم و کرم" سے معاف کر دیا۔ دو سو پونڈ ماہوار کا وظیفہ

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

(۲)

سلطان کی معزولی

حسین عونی پاشا، رشدی پاشا، مدحت پاشا، اور خیر اللہ آفندی شیخ الاسلام نے یہ طے کیا کہ ۹ جمادی الاولیٰ کو ولی عہد مراد آفندی کو تخت نشین کر دیا جائے۔ لیکن اس تاریخ سے دو دن پہلے ہی سلطان عبد العزیز کو کسی طرح اس معاملہ کی خبر پہنچ گئی اور اُنھوں نے عونی پاشا کو ملاقات کے لئے اپنے محل میں طلب کیا۔ مگر عونی پاشا نہیں گئے۔ کیونکہ انھیں افشاء راز کا حال معلوم ہوگیا تھا۔ چونکہ اب مزید تاخیر میں خطرہ تھا، اس لئے یہی طے پایا کہ فوراً تخت نشینی عمل میں لائی جائے۔ چنانچہ حسین عونی پاشا نے اُسی رات اپنے سرکار کی مجلس منعقد کی، اور سلطان کی معزولی کے لئے بڑی تعداد میں فوج بھی جمع کر لی گئی۔

مدحت پاشا اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں لکھتے ہیں:

"ہم نے مناسب سمجھا کہ ولی عہد مراد آفندی کی تخت نشینی کا اعلان، وزارت جنگ کی عمارت میں ہو۔ چنانچہ میں (مدحت پاشا) اور رشدی پاشا صبح تڑکے وزارت جنگ کی طرف روانہ ہوئے حسین پاشا، احمد پاشا، ردیف پاشا، حسن پاشا، طولمہ باغچہ (قصر شاہی) میں گئے تاکہ وہاں فوج کو ضروری احکام دیں۔

"یہ تمام کارروائی پوری طرح مخفی رکھی گئی تھی۔ ہمیں یقین تھا کہ ہمارے رفقاء کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں ہے۔ لیکن جب ہم وزارت جنگ میں پہنچے، تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ وہاں لاکھوں آدمی جمع ہیں اور نئے سلطان کے ورود کا انتظار کر رہے ہیں۔ آجتک مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ یہ خبر تمام شہر میں راتوں رات کس طرح مشہور ہوگئی؟"

"مجمع، ازحد جوش وخروش میں تھا۔ بڑی ہی بےچینی سے مراد آفندی کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک ولی عہد کی سواری نمودار ہوئی۔ حسین عونی پاشا اُن کے ساتھ بیٹھے تھے۔ تمام مجمع نے نئے سلطان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن کی تخت نشینی کا اعلان ہوگیا۔ اُسی وقت سلطنت کے تمام صوبوں اور یورپ کی تمام حکومتوں کو تار کے ذریعہ اس عزل و تخت نشینی کی اطلاع بھیج دی گئی۔ دار الخلافہ میں جشن شروع ہوگیا۔ ہر طرف جھنڈے بلند ہوگئے۔ اجنبی جہازوں نے بھی اپنے علم اونچے کر دیئے لیکن روسی سفارت خانہ نے مظاہر جشن میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور دو دن تک عالم تذبذب میں رہا۔

"روس کو محمود ندیم پاشا کی معزولی سے سخت رنج ہوا تھا۔ اب خود سلطان کی معزولی نے اُسے اور بھی برہم کر دیا۔ چنانچہ نادر روس نے ترکی وزارت خارجیہ کے نام تار بھیجا کہ "انھیں اس بات پر سخت افسوس ہے کہ ایک معمولی سپہ سالار کی جرأت نے سلطان کو اُس کے تاج و تخت سے محروم کر دیا ہے!"

"سلطان عبد العزیز معزول کر دیئے گئے، لیکن اُن کی ذات اور عزت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچایا گیا۔ پہلے دستور تھا کہ معزول سلاطین قید کر دیئے جاتے تھے، ہم بھی سلطنت کے مصالح کے لئے ایسا کر سکتے تھے، مگر ہم نے نہیں کیا۔ ہم جانتے تھے کہ ملک میں کوئی جماعت بھی سلطان کی طرفدار نہیں ہے۔ لہذا اُنھیں قید کرنا قطعاً غیر ضروری تھا۔ علاوہ بریں ہم دستوری نظام حکومت قائم کرنا چاہتے تھے، اور دستوری حکومت میں کسی شخص کو بھی بغیر جرم کے قید کرنا جائز نہیں ہوتا، اگرچہ وہ معزول پادشاہ ہی کیوں نہ ہو"

معزول ہونے کے بعد سلطان عبد العزیز نے سلطان مراد کو دست خاص سے مبارکباد کا خط لکھا، اور محل طوپ قپوسے "فرعیہ" میں منتقل کر دیئے جانے کی درخواست کی۔ درخواست منظور کر لی گئی اور معزول سلطان نہایت عزت واحترام کے ساتھ اپنی تین سو بیویوں اور کنیزوں کے ساتھ نئے محل میں منتقل ہوگئے۔

عبد العزیز کی خودکشی

ہم ابھی نئے سلطان کی تاج پوشی کے جلسوں سے پوری طرح فارغ بھی نہ ہوئے تھے، کہ سلطان عبد العزیز نے اپنی نخوت وغرور کے جنون سے بےخود ہو کر خودکشی کر لی۔

یہ واقعہ معزولی سے ۶ دن بعد پیش آیا۔ اتوار کے دن اُنھوں نے اپنے ایک ملازم سے قینچی طلب کی اور اپنے بازو کی رگیں کاٹ ڈالیں۔ اُن کی موت خودکشی سے ہوئی۔ یہ بالکل یقینی بات تھی۔ تاہم مزید احتیاط کے خیال سے ہم نے اس کی باقاعدہ تحقیقات بھی کرائی۔ تمام شاہی طبیبوں اور اجنبی سفارت خانوں کے ڈاکٹروں کو بلا کر معائنہ کرالیا گیا۔ ان ڈاکٹروں کی تعداد ۱۹ کے قریب تھی۔ انھوں نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ سلطان نے خودکشی کی ہے۔

سلطان مُراد کی بیماری

سلطان مراد کی تخت نشینی ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے عمل میں آئی تھی۔ اتنا بڑا مجمع اُنھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مجمع ازحد جوش وخروش میں تھا اور پوری قوت سے نعرے بلند کرتا تھا۔ نئے سلطان کے اعصاب پر اس منظر نے بہت بُرا اثر کیا، اور وہ عصبی بیماری میں مبتلا ہوگئے۔ اس واقعہ کے چھٹے دن جب اُنھوں نے معزول سلطان عبد العزیز کی خودکشی کا حال سُنا، تو مرض نے اور بھی زیادہ شدت اختیار کی۔ دوسرے ہی دن اُن میں جنون کی علامتیں ظاہر ہوگئیں۔ ہم نے یہ واقعہ احتیاطاً مخفی رکھا اور علاج کرتے رہے، لیکن ۲۵ دن کے بعد ایک روز سلطان، باغ کے حوض میں پھاند پڑے اور محل کے خدام کو اُن کے جنون کا حال معلوم ہوگیا۔ اب اخفا ناممکن تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام شہر حقیقت حال سے واقف ہوگیا تھا!

سلطان کی بیماری نے سلطنت کو سخت نقصان پہنچایا۔ ہم نے دستور اساسی طیار کر لیا تھا، مگر اسی بیماری کی وجہ سے اعلان ملتوی کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ حکومت کے تمام کام معطل ہوگئے۔ حتیٰ کہ سفراء دول کے کاغذات تک کی تصدیق نہیں ہوسکی۔ اگرچہ وزارت وحکومت موجود تھی، مگر قانون کے مطابق ہر حکم کے لئے سلطان کی منظوری لازمی تھی۔ اور سلطان اس قابل نہ تھے کہ معاملات سلطنت کی سماعت کر سکتے۔

ایک نئی مصیبت

اس صورت حال نے ہمیں سخت پریشان کر دیا تھا۔ ہم سلطنت کے معاملات پر غور کرنے کے لئے رات رات بھر بیٹھے رہتے۔ ایک رات میرے مکان پر شیخ الاسلام خیر اللہ آفندی اور وزراء سلطنت جمع تھے کہ ایک شخص حسن چرکسی نامی آیا۔ یہ فوج میں افسر تھا، اور سلطان عبد العزیز کے لڑکے شہزادہ یوسف عز الدین کا اڈی کانگ رہ چکا تھا۔ اسنے وزیر جنگ سے ایک بہت ضروری معاملہ کے لئے ملاقات کی درخواست کی۔ جوں ہی وہ اندر داخل ہوا حسین عونی پاشا پر پستول نکال کر حملہ کر دیا۔ حسین عونی کے سینہ پر گولی لگی اور اُن کا کام تمام ہوگیا۔ چونکہ ہمارے پاس ہتیار نہیں تھے، بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ مگر قیصرلی احمد پاشا وزیر بحر نے قاتل کو گرفتار کرنا چاہا۔ قاتل نے اُنھیں بھی سخت زخمی کیا۔ وہ بھاگے۔ اُسنے تعاقب کیا۔ میرا خادم احمد آقا اُس سے لپٹ گیا۔ مگر قاتل نے اُسے بھی قتل کر ڈالا۔ وزراء کے محافظ سپاہی دوڑے مگر قاتل کی جیب میں ۵ پستول تھے۔ اُسنے ۵ آدمی اور قتل کر دیئے۔ اب کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اُس کے قریب جائے۔ قاتل اب ایک دوسرے کمرے میں گھسا، وہاں راشد پاشا بیہوش پڑے تھے۔ اُسنے اُنھیں بھی قتل کر دیا۔ بالآخر جب کافی تعداد میں مسلح پولیس کے سپاہی پہنچے تو وہ گرفتار کیا گیا۔

اس حادثہ نے سلطنت کو بہت نقصان پہونچایا۔ حسین عونی پاشا، فنون جنگ میں بےنظیر تھے۔ راشد پاشا، خارجی معاملات کے فہم میں مشہور تھے۔ ہمارے دشمن ان دونوں کی موت سے بہت خوش ہوئے۔

بلقان اور جزیرہ کریٹ کی شورشیں

ہم ان مصائب میں گرفتار تھے کہ مانٹی نگرو، سرویا، بلغاریا، اور کریٹ میں شورشیں برپا ہوگئیں۔ ہمارے عزم و استقلال کے لئے یہ بڑا ہی نازک وقت تھا۔ بایں ہمہ ہم نے بروقت کارروائیوں میں ذرا بھی کوتاہی نہ کی۔ فوراً ہر طرف فوجیں روانہ کر دی گئیں۔ ہماری فوجوں نے غیر معمولی شجاعت وہمت دکھائی، اور تمام شورشوں کا خاتمہ کر دیا۔

سلطان عبد الحمید کی تخت نشینی

لیکن سلطنت کی حفاظت کے لئے مجنون [illegible] کا معزول

(۵) مکہ، مدینہ، طائف، جدہ، ینبوع کے مابین سڑکیں بنائی جائیں۔

(۶) حرم کعبہ میں نیا اضافہ کیا جائے۔ اُس کے انتظام میں خرابیاں ہیں۔ اصلاح کی جائے۔

(۷) چاہ زمزم سے پانی نکالنے کا موجودہ طریقہ اچھا نہیں۔ اصول حفظانِ صحت کے خلاف ہے۔

(۸) نہر زبیدہ کی موجودہ صورت حال خراب ہے۔ جابجا سے کھلی ہوئی ہے۔ قسم قسم کی گندگیاں اُس میں گرجاتی ہیں۔ لوگ کپڑے بھی اُس میں دھولیتے ہیں۔ حاجی اور باشندے یہی پانی پیتے ہیں اور نقصان اُٹھاتے ہیں۔

(۹) نہر زبیدہ ناکافی ہے۔ جدید کنوئیں کھودنے چاہئیں۔

(۱۰) منیٰ، عرفات، اور مزدلفہ میں پانی اور سایہ کا انتظام نہیں ہے۔

یہ مجلس تفتیش و اصلاح کے مسودۂ اصلاحات کی چند سفارشیں ہیں۔ اب دیکھنا چاہیے ان پر کہاں تک عمل ہوا ہے؟

تعلیم

نئے مدرسے جاری کئے جا رہے ہیں۔ مدارس کے لئے نصابِ تعلیم اور دستور العمل بنایا جا رہا ہے۔ مصر و شام سے لائق مدرس طلب کئے جارہے ہیں۔ صرف حجاز کے بڑے بڑے شہروں ہی میں نہیں بلکہ بدوی قبائل میں بھی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بدوی باشندے باضابطہ مدارس سے مستفید نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا اُن کے لئے نجد سے خاص معلم بلائے گئے ہیں جو خود بھی بدوی ہیں اور بدوی عادات و طبائع سے واقف ہیں۔ اب تک ۸۰ قبیلوں میں تعلیم کا انتظام کیا جاچکا ہے۔ مگر ظاہر ہے تعلیمی اصلاحات کا نتیجہ ایک مدت کے بعد ہی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ تعلیمی لائحہ ایک فرمان کی صورت میں شائع کیا گیا ہے اور وہ بالاختصار یہ ہے:

دفعہ اول۔ کسی شخص کو حق نہیں کہ مجلس معارف کے لائحہ سے ہٹ کر بطور خود تعلیم دے۔

دفعہ دوم۔ جن علوم کی تعلیم دی جائے گی، وہ وہی ہونگے جنھیں مجلس معارف نے مقرر کردیا ہے۔

دفعہ سوم۔ حجاز کی تعلیم گاہیں، مجلس معارف کے ماتحت ہونگی۔

دفعہ چہارم۔ گھروں میں تعلیم نہیں دی جاسکے گی الایہ کہ مجلس معارف سے اجازت حاصل کرلی گئی ہو۔

دفعہ پنجم۔ تعلیمی نصاب اور دستور العمل عنقریب مرتب کیا جائے گا۔ سلطان نے اس کے لئے ایک مجلس کی تشکیل کا حکم دیدیا ہے۔

دفعہ ششم۔ تعلیمی لائحہ اور دستور العمل حسب ذیل اصول پر مبنی ہوگا۔

(۱) تعلیم کی غرض ایک ہو۔

(۲) حجاز میں تعلیمی بدنظمی دور کردی جائے۔ تمام تعلیم ایک ہی نظام کے ماتحت رہے۔ ابتدائی تعلیم، بتدریج اجباری کردی جائے اور غریبوں کے لئے مفت ہو۔

(۳) حجاز میں تعلیم کے چار درجے قرار دئے جائیں: مکتبی، ابتدائی، ثانوی، اعلیٰ۔

(۴) مسجد حرام میں جو تعلیم جاری ہے، اُس کے لئے ایک ضابطہ مقرر ہو۔

(۵) مُدرّسوں کی قابلیت کے لئے معیار مقرر کردیا جائے۔

دفعہ ہفتم۔ مدارس اور تعلیم کی جانچ کے لئے مفتش مقرر کئے جائینگے وہ پوری تعلیم کی نگرانی کرینگے اور اپنی روداد یں مجلس معارف کے سامنے پیش کیا کرینگے۔

عدالتی نظام

عدالتوں کے لئے ایک نیا دستور العمل سلطان نے شائع کیا ہے۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

دفعۂ اول: مکۂ معظمہ میں حسب ذیل عدالتیں قائم ہوں:

(۱) عدالت خفیفہ۔ اس کا مرکز قلعۂ حمیدیہ میں ہوگا۔ یہ اُن تمام دیوانی و فوجداری مقدمات کا فوراً فیصلہ کرے گی جن میں ۳۰ گنی سے کم کا دعویٰ پیش ہوگا۔ اور جن میں مجرم کے لئے سنگین سزا نہیں ہے۔ اس کے فیصلے کی اپیل نہیں ہوسکتی۔ الایہ کہ ظواہر شرع کے صریح خلاف ہو۔

(۲) اسی قسم کی ایک اور عدالت بھی قائم ہوگی۔ یہ صرف بدوی قبائل کے مقدمات کا فیصلہ کرے گی۔

(۳) شرعی عدالت عالیہ۔ یہ اُن تمام مقدموں پر غور کرے گی جو عدالت خفیفہ کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔ اس کے فیصلے اُس کے قاضیوں کے اتفاق آرا یا اکثریت سے صادر ہونگے۔

دفعہ دوم۔ جدہ اور مدینہ میں بھی اسی قسم کی تینوں عدالتیں قائم کی جائیں۔

دفعہ سوم۔ مکہ کی عدالتوں میں قاضیوں کی تعداد حسب ذیل ہوگی:

(۱) عدالتہائے خفیفہ میں ایک ایک قاضی۔

(۲) عدالت عالیہ میں تین۔

دفعہ چہارم۔ عدالتی نگرانی کے لئے ایک مجلس قائم ہو۔ اس کا فرض یہ ہوگا کہ وقتاً فوقتاً مقدمات کی رفتار اور فیصلوں کی جانچ کرتی رہے۔ اگر کبھی غلطی دیکھے، تو فوراً باز پرس کرے۔

دفعہ پنجم۔ یہ مجلس ایک صدر، ایک کاتب (سکریٹری) اور تین ارکان سے مرکب ہوگی۔ خود سلطان ان لوگوں کو منتخب کرینگے۔

دفعہ ششم۔ اس مجلس کے وظائف حسب ذیل ہونگے:

(۱) تمام حدود شرعیہ پر نظر رکھنی۔

(۲) مالی مقدمات پر نظر ثانی کرنی بشرطیکہ کوئی فریق اس کی درخواست کرے۔

(۳) کم عمر بچوں کے حقوق اور اوقاف کے اموال کی حفاظت۔

(۴) امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

(۵) اُن مسائل میں فتویٰ صادر کرنا جن کا تعلق شرعی عدالتوں سے نہیں ہے۔

(۶) اگر عدالتوں کے قاضی کسی معاملے میں مختلف ہوں اور فیصلہ نہ کرسکیں، تو اُنھیں مشورہ دینا۔

دفعہ ہفتم۔ فیصلہ کے صادر ہونے کے بعد اُس کے نفاذ میں ۵ دن سے زیادہ تاخیر نہ کی جائے۔

دفعہ ہشتم۔ قاضیوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ عدالت کے اوقات میں لوگوں سے نجی کی ملاقاتیں کریں۔

دفعہ نہم۔ اپیل کی انتہائی مدت بیس دن ہے۔

یہ عدالتی نظام نامے کے چند دفعات کا خلاصہ ہے۔ اس نظام نامے کے ساتھ ہی دو شاہی فرمان بھی شائع ہوئے ہیں۔ ایک میں مکہ معظمہ کی تینوں عدالتوں کے لئے قاضیوں (ججوں) کی تقرری منظور ہوئی دوسرے میں عدالتی نگرانی کی مجلس کے ارکان کے نام بتلائے گئے ہیں۔

عدالت عالیہ کے لئے تین قاضی مقرر ہوئے ہیں: شیخ محمد المرزوقی ابو حسین (صدر) بہجت البیطار (رکن) امین فودہ (رکن) باقی دونوں عدالتوں کے لئے بالترتیب شیخ محمد التویجری اور شیخ حسین عبدالغنی مقرر کئے گئے ہیں۔

عدالتی نگرانی والی مجلس کے ارکان حسب ذیل ہیں:

(۱) شیخ عبداللہ بن حسن (صدر)
(۲) شیخ محمد العلی الترکی (کاتب)
(۳) شیخ علی المالکی (رکن)
(۴) شیخ محمد الباقر (رر)
(۵) شیخ سعید ابوالخیر (رر)

مجلس امر بالمعروف

عدالتی نظام نامے کے ساتھ ایک فرمان میں مجلس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قیام کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔ اس کی دفعات حسب ذیل ہیں:

(۱) اس مجلس کا مرکز، مکہ میں ہوگا۔ شاخیں، جدہ، مدینہ، طائف، ینبوع وغیرہ ملحقات میں ہونگی۔

(۲) ہر مقام کی مجلس میں حسب ضرورت ارکان کی تعداد رہے گی۔

(۳) ارکان کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ شریعت کے عالم، خوش اخلاق اور خوش اطوار ہوں۔

(۴) ہر مجلس کے ماتحت، مسلح فوج ہوگی اور اُس کے احکام نافذ کرے گی۔

(۵) ہر ہفتہ دو مرتبہ یہ مجلسیں جمع ہونگی۔

(۶) ان مجلسوں کے فرائض حسب ذیل ہیں:

(۱) باشندوں کو اوقات نماز میں متنبہ کرنا اور بے نمازیوں کو خوش اسلوبی سے نماز کی طرف راغب کرنا۔

(۲) جن مقامات میں خلاف شرع کام ہونے کا شبہ ہو، اُن کی نگرانی۔

(۳) باشندوں کو نرمی کے ساتھ معاصی و منکرات کے ترک کی ترغیب دینا۔

(۴) شادی و غمی میں خلاف شرع رسموں میں باز رکھنا۔

(۵) عوام کو فحش کلامی سے روکنا۔

(۶) کمزوروں کی مدد، بیواؤں سے حسن سلوک، لاچاروں کی دستگیری۔

(۷) حیوانات پر رحم۔

(۸) یہ مجلسیں ہر اُس بات کا حکم دیں گی اور ہر اُس بات سے منع کریں گی جس پر امت کا اجماع ہے۔ مختلف فیہ امور میں عدالتی نگرانی والی مجلس سے رجوع کریں گی۔ کیونکہ امر بالمعروف، معروف میں ہے۔ نہ کہ امور اجتہادیہ میں۔

تنبیہ۔ ان مجالس کے ماتحت فوجوں کو سختی سے ممانعت کیجاتی ہے کہ احکام کے نفاذ میں ہرگز تشدد سے کام نہ لیں۔

مکہ معظمہ کی مرکزی مجلس کے ارکان حسب ذیل ہیں:

(۱) شیخ عبدالرحمٰن لشناق (صدر)
(۲) رر عمر فقیہ (رکن)
(۳) رر محمد لوز کیتی (رر)
(۴) رر محمد شیروانی (رر)
(۵) رر اسعد شفیع (رر)
(۶) رر عبداللہ بن عمار (رر)
(۷) رر عبیداللہ بن مطلق (رر)
(۸) رر سلیمان الصنیع (رر)
(۹) رر محمد الحضری (رر)
(۱۰) رر محمد عبدالرحمٰن العقل (رر)

مجلۃ الاحکام الشرعیہ

عدالتی اصلاحات کے سلسلہ میں سب سے بڑی اصلاح، جو سلطان ابن سعود کے پیش نظر ہے، وہ "مجلۂ احکام شرعیہ" ہے۔ آپکے قارئین سے مخفی نہیں کہ فقہ اسلامی کے مذاہب اربعہ کی تفریق سے شریعت کے قیام میں کس قدر دشواریاں پیدا ہوگئی ہیں۔ خصوصاً اُن ممالک میں جہاں چاروں مذاہب کے متبعین موجود ہیں۔ بلکہ خود ہر مذہب کی کتب میں اس قدر اختلاف ہے کہ شرعی عدالتوں کا کام نہایت دشوار ہوجاتا ہے۔ اب سے پہلے ترکی میں جب شرعی عدالتیں قائم

مقرر کیا۔ ایک ہزار پونڈ "انعام" دیا۔ ۵۰۰ پونڈ میرے بیوی بچوں کو مرحمت کئے۔ اور مجھے اجازت دی کہ اپنے خاندان کے ساتھ جزیرۂ کریٹ میں رہوں۔ چنانچہ یکم شوال سنہ ۹۵ھ میں میرا خاندان کریٹ پہنچ گیا۔

شام کی گورنری

لیکن دو ہی مہینے بعد مجھے فرمان شاہی بلا کر شام کے گورنر مقرر کئے گئے۔ میں معاملہ کی تہ تک پہنچا ہوا تھا۔ دراصل سلطان مجھے پایۂ تخت سے دُور رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے معذرت کی۔ بڑھاپے کا عذر پیش کیا مگر مسموع نہ ہوا اور شام جانا پڑا۔ مجھے اس منصب سے خوشی ہوئی۔ اس لئے نہیں کہ مناصب کی طلب تھی۔ اب میں مناصب سے اُکتا سا گیا تھا اس لئے کہ شام میں میں اپنا جنون اصلاح پورا کر سکوں گا۔ میرا جنون، میری اصلاح پسندی ہے۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

شام میں آتے ہی میں نے محسوس کیا کہ مسلمان باشندوں میں تعلیم بالکل مفقود ہے۔ چنانچہ میں نے تعلیم کی اشاعت، تمام اصلاحات پر مقدم رکھی، اور سیکڑوں مدرسے جاری کر دیئے۔ میں نے ایک قانون بنایا کہ ۷ برس کی عمر کے بعد جو کوئی اپنے لڑکے کو مدرسے میں داخل نہیں کرے گا اُسے سزا دی جائے گی۔ ان مساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد تعلیم کی طرف باشندوں کو رغبت پیدا ہو گئی۔ اور ہزارہا بچے پڑھنے لکھنے لگے۔ حالانکہ مجھ سے پہلے اس صوبے میں صرف گنتی کے چند مکتب قائم تھے اور اُن میں بھی صرف قرآن پڑھایا جاتا تھا۔

از سر نو سازشوں کا ظہور

تعلیم کے بعد میں نے دوسری اصلاحات شروع کیں۔ مگر اچانک دار الخلافہ میں میرے خلاف از سر نو سازشوں کا ظہور ہوا۔ سلطان نے داماد محمود پاشا اور رشدی پاشا وغیرہ کو جلا وطن کر دیا جو سعی اصلاح میں میرے ہم خیال تھے۔ اور محمود ندیم پاشا اور جودت پاشا کو اپنا مشیر بنا لیا جو اصلاح اور اصلاح پسند جماعت کے سخت دشمن تھے۔ پارلیمنٹ بند کر دی۔ دستور اساسی منسوخ کر دیا۔ پھر خود میرے متعلق، آستانہ کے اخبارات نے لکھنا شروع کیا کہ میں شام میں بغاوت کی طیاری کر رہا ہوں۔ عنقریب اپنی بادشاہی کا اعلان کر دوں گا۔ میں اس کی بھی پروا نہ کرتا، لیکن شام میں میری اصلاحات کی مخالفت پایۂ تخت سے ہونے لگی۔ اب میں نے دیکھا کہ استعفا پیش کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ اپنی پیری اور ضعیفی کی بنا پر استعفیٰ دے دیا۔ بڑی حجتوں کے بعد سلطان نے اُسے منظور کیا۔ لیکن حکومت کی خدمت سے مجھے علحدہ ہونے نہیں دیا۔ شام سے سمرنا کی گورنری پر بھیجدیا۔

سمرنا میں اصلاحات و ترقی

اُسوقت صوبۂ سمرنا کی حالت نہایت زبوں تھی۔ کوئی انتظام نہ تھا۔ ہر طرف لوٹ مار اور بے امنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے از سر نو حکومت قائم کی۔ مدرسے جاری کئے۔ سڑکیں بنائیں۔ ٹریم جاری کی۔ مگر دار الخلافہ میں میرے خلاف برابر سازشیں جاری تھیں۔ محمود ندیم پاشا برسر اقتدار تھا اور روس کے اشاروں پر کام کر رہا تھا۔

اب سلطان عبد الحمید بالکل کھُل کھیلنا چاہتے تھے۔ جن جن لوگوں سے اُنھیں مخالفت کا ذرا بھی اندیشہ تھا، سب کو پایۂ تخت سے جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ مگر اسپر بھی وہ مطمئن نہ تھے۔ اس اثنا میں معزول سلطان مراد کا جنون دور ہو چکا تھا۔ سلطان عبد الحمید کو اندیشہ پیدا ہوا، مبادا اُنھیں دوبارہ تخت نشین کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے تمام اصلاح پسندوں کا خاتمہ کر دینا چاہا۔

مدحت پاشا کے خلاف مقدمہ

اس مقصد کے لئے سلطان عبد الحمید نے مرحوم عبد العزیز کی خودکشی کو آلۂ کار بنایا۔ عبد العزیز کی وفات، ایک سازش اور قتل کا نتیجہ قرار دی گئی۔ ایک برس تک خفیہ طیاریاں ہوتی رہیں۔ پھر اچانک داماد محمود جلال الدین پاشا، رشدی پاشا، سردار عبدی پاشا، ردیف پاشا، اور شیخ الاسلام خیر اللہ آفندی جلا وطن کر دیئے گئے۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ انہی لوگوں نے سلطان عبد العزیز کو قتل کیا ہے۔ مگر وہ تحقیقات آجتک شائع نہیں کی گئی۔

اس اثنا میں میرے بعض دوست مجھے لکھ رہے تھے کہ عنقریب تم بھی گرفتار ہونے والے ہو۔ فوراً بھاگ جاؤ۔ نیز میرے ایک یورپین دوست نے آکر کہا "میں ایک جہاز خاص تمھارے لئے لایا ہوں۔ فوراً یورپ چلے جاؤ۔ ورنہ گرفتار ہو جاؤ گے"۔ مگر میں نے قطعی انکار کر دیا۔ میں نے کہا سلطان عبد العزیز نے خودکشی کی ہے۔ نہ میں نے اور نہ کسی اور نے اُنھیں قتل کیا ہے۔ جب میں مجرم ہی نہیں ہوں تو کیوں بھاگوں اور دشمنوں کو تہمت لگانے کا موقعہ دوں؟ میں نے ۴۰ برس سلطنت کی خدمت کی ہے۔ اب آخری وقت میں اُسے چھوڑ نہیں سکتا۔

میں نے یہ کہا حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ سلطان میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں اور جلد سے جلد میرا فیصلہ کر دینا چاہتے ہیں۔ مجھے ہر روز اپنی گرفتاری کا انتظار رہتا تھا۔ چنانچہ ۴ مارچ کو جبکہ میں سمرنا کے دار الحکومت میں اپنے خاندان کے ساتھ سو رہا تھا، آدھی رات کے وقت مکان کا ۳ پلٹنوں نے محاصرہ کر لیا، اور مجھے قید کر کے آستانہ بھیجدیا گیا۔

بریدِ شرق

مکتوب حجاز

(الہلال کے مقالہ نگار حجاز کے قلم سے)

جدید اصلاحات

گزشتہ ہفتہ معاہدۂ جدہ پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ اس ہفتہ اُن جدید اصلاحات پر مفصل بحث کرنے کا ارادہ تھا جو حجاز میں شروع ہو چکی ہیں۔ مگر جب لکھنے بیٹھا تو معلوم ہوا ایک مضمون میں بحث نہیں ہو سکتی، کیونکہ اصلاحات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ مجبوراً نہایت مختصر اشاروں پر اکتفا کروں گا۔

آپکے قارئین واقف ہیں کہ پچھلے دنوں سلطان ابن سعود بعض انتظامات کی تکمیل کے لئے نجد گئے تھے۔ اُن کی عدم موجودگی میں بعض بدنظمیاں حجاز میں رونما ہو گئی تھیں۔ یہ بدنظمی ایک حد تک قدرتی کہی جا سکتی ہے۔ کیونکہ موجودہ حکومت کی عمر ابھی بہت کم ہے اور صدیوں کے اختلال و فساد کے بعد حجاز میں بہت ہی زیادہ مدبر اور بیدار حکومت کی ضرورت ہے۔ باشندوں کے مزاج بگڑے ہوئے ہیں۔ ذرا سی غفلت میں بے لگام ہو جاتے ہیں۔

مجلس تفتیش

سلطان نے یہ صورت حال دیکھی تو فوراً اُس کے سدباب پر کمر بستہ ہو گئے۔ اُنھوں نے ایک مجلس "لجنۃ التفتیش و الاصلاح" کے نام سے قائم کر دی۔ اس مجلس کی طرف میں اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اشارہ کر چکا ہوں۔ اس مجلس کا کام یہ ہے کہ حکومت کے تمام شعبوں کی جانچ پرتال کر کے اصلاح کی تجویزیں سلطان کے سامنے پیش کرے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ اُن تمام تدبیروں پر بھی غور کرے جو حجاز کی ترقی و خوشحالی کا موجب بن سکتی ہیں۔ سلطان نے اس مجلس کو کافی اختیارات دئے ہیں۔ یہ مجلس جو کچھ طے کر دیتی ہے، سلطان اُسے منظور کر لیتے ہیں۔

درحقیقت تمام جدید اصلاحات کا مسودہ اسی مجلس نے بنایا ہے۔ ذیل میں بعض اہم اصلاحات کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) تعلیم۔ مجلس نے فیصلہ کیا ہے کہ دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح حجاز میں بھی تعلیم تین درجوں پر تقسیم کر دی جائے: ابتدائی، ثانوی، اعلیٰ۔ تمام تعلیم گاہوں کے لئے عام اس سے کہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری، ایک ہی نصاب اور دستور العمل بنایا جائے۔ نئی کتابیں تصنیف یا ترجمہ کی جائیں اور ان میں ملک کی استعداد کا لحاظ رکھا جائے۔ ۲۲ ارکان پر مشتمل ایک مجلس "مجلس معارف" کے نام سے قائم کی جائے اور پورا محکمۂ تعلیم اُس کے سپرد کر دیا جائے۔

(۲) مجلس تفتیش نے فیصلہ کیا کہ عدالتوں کا موجودہ نظام، فاسد ہے اس میں تبدیلی کی جائے۔ اسوقت صورت یہ تھی کہ مقدمات کا فیصلہ مدتوں تک نہیں ہو سکتا تھا۔ داد خواہوں کو سخت پریشانیاں اٹھانی پڑتی تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ باشندے اپنا نقصان گوارا کر لیتے، مگر عدالتوں کے تباہ کن پنجوں میں پھنسنا نہیں چاہتے۔ مجلس نے طے کیا کہ عدالتوں کا نظام بہت سادہ کر دیا جائے۔ مقدمات کے فیصلے میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ شرعی احکام کے مطابق فوراً فیصلہ صادر ہو جائے۔ عدالت کے حکام کے غیر محدود اختیارات مقید کر دیئے جائیں۔ اُن پر باضابطہ نگرانی قائم کی جائے، تاکہ مقدمہ والوں کو اُن کی دیانت پر شبہ باقی نہ رہے۔ چھوٹی چھوٹی عدالتیں جابجا قائم کی جائیں۔ اِن کا کام یہ ہو کہ معمولی مقدمات کا تصفیہ فوراً کر دیا کریں۔

(۳) ملک میں حفظان صحت کا انتظام مکمل نہیں ہے۔ نئے شفاخانے کھولے جائیں۔ نئے طبی آلات مہیا کئے جائیں۔ لائق طبیبوں کی خدمات حاصل کی جائیں۔

(۴) ڈاک اور پولیس کے محکموں میں اصلاحات جاری کی جائیں۔

لاتنہ عن خلق وتاتی مثلہ عار علیک اذا فعلت عظیم

"حکومت کے عہدہ داروں کا سب سے پہلا فرض یہی ہو کہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کریں۔ حق کے معاملے میں کسی کی بھی ملامت کی پرواہ نہ کریں۔ کسی کے بھی شبہ سے نہ ڈریں۔ کیونکہ ملامت اور شبہ، دنیا کے حالات میں سے ہو۔ دین میں سے نہیں ہو۔ منکروں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شبہ کیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے شکوک باطل کردئیے۔ اپنا دین غالب کردیا۔ منکروں کو خسران کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہ دارین کی سعادت کا ایک ذریعہ ہو کہ اشرار ہمیشہ اخیار کے دشمن ہوتے ہیں۔

"ہم کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا رب، اللہ ہو۔ ہمارا دین، اسلام ہو۔ ہماری کتاب قرآن ہو۔ ہمارے نبی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن محض زبان کے دعوے سے کچھ نہیں ہوتا۔ خدا عمل چاہتا ہو: قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ" بت پرست بھی، خدا پرستی کے مدعی تھے، مگر خدا نے اُنھیں قبول نہ کیا۔ منافق بھی ہم مسلمانوں ہی کے سے دعوے کرتے تھے؛ مگر خدا نے فرمایا "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار"

"یہاں شرعی عدالتیں موجود ہیں۔ امر بالمعروف کی مجلسیں قائم کردی گئی ہیں۔ یہ سب کیوں ہیں؟ صرف اظہار حق کے لئے۔ تم اے عہدہ داران حکومت! اس دین کے امین ہو۔ اس بلد امین کے امین ہو۔ تم اس کے ذمہ دار ہو۔ تم اس کے خادم ہو۔ پس جو احکام، شہر کے لئے جاری کئے جاتے ہیں، اُن کے سب سے پہلے مخاطب تم ہو۔ وہ تم پر سب سے پہلے نافذ ہونگے۔ یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا کہ کچھ لوگوں پر احکام جاری ہوں اور کچھ لوگ مستثنیٰ رہیں، اگرچہ مستثنیٰ رہنے والا خود ابن سعود اور اُس کا بیٹا فیصل ہی کیوں نہ ہو!

"ہم اس شہر میں آئے ہیں کیونکہ اُس سے بے حد محبت رکھتے ہیں۔ اُس کے باشندوں سے محبت رکھتے ہیں۔ اُن کے لئے بھلائی کی کوشش کرتے ہیں۔

"ہم اخیار سے محبت رکھتے ہیں۔ اشرار سے نفرت کرتے ہیں۔ الحمد للہ کہ دین و وطن کی برکت سے ہمیں بعض اعمال نافعہ کی توفیق حاصل ہوئی ہو۔ ہم نے جماعت امر بالمعروف ونہی عن المنکر قائم کردی ہو۔ اُس کے احکام سب کے لئے یکساں طور پر واجب العمل ہیں۔ تم اے عہدہ دارو! سب سے زیادہ اُن احکام کے مخاطب ہو۔ کیونکہ تم ہی اُنھیں نافذ کرنے والے ہو۔ اگر تم خود اُن پر عامل نہ ہوگے، تو دوسرے بھی اُن پر عمل نہ کرینگے"

"ہم تم سے تین باتیں چاہتے ہیں:

(۱) اپنے اوقات میں نماز۔ ہرگز نماز جماعت سے تخلف جائز نہیں۔ الایہ کہ عذر شرعی ہو۔

(۲) جملہ محرمات شرعیہ سے اجتناب، اشرار کی صحبت سے پرہیز۔

(۳) شرعی آداب کے مخالف امور میں غیر مسلموں کی تقلید سے احتراز۔

"مختصر یہ کہ تم پر حکومت کے احکام کی اطاعت اور پیروی لازم ہو، بشرطیکہ وہ احکام خلاف شرع نہ ہوں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہو تمھاری حکومت کوئی خلاف شرع حکم صادر نہیں کرتی۔

"یقین کرو میں خود سب کی تفتیش کرونگا۔ میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ اچانک تم پر ٹوٹ پڑونگا۔ جس کسی کو صراط مستقیم سے ہٹا ہوا دیکھونگا اور اُس کی غلطی ثابت ہوجائے گی، پہلے اُس کے افسر کو قانون کے مطابق سزا دونگا۔ پھر اُس شخص سے بازپرس کرونگا۔ یقین کرو سزا ہمیشہ سخت سے سخت اور بے رو رعایت ہوگی۔ پس ہوشیار ہو جاؤ۔ میری سنو، کیونکہ میں تمھیں خوف الٰہی کی وصیت کرتا ہوں!

"تمام عہدہ داروں پر فرض ہو کہ احکام حکومت پر عمل کریں۔ حکومت ہمیشہ امر الٰہی کا حکم دیتی اور نہی سے منع کرتی ہو۔ اگر ہم اللہ اور اُس کے رسول کے حکموں پر عامل ہوں، تو ہماری سنو اور اطاعت کرو۔ اگر خدا نخواستہ ایسے نہ ہوں تو نہ تو ہماری سنو نہ اطاعت کرو!"

قصہ

نپولین پر دوسرا حملہ

یکم مئی ۱۸۰۹ء میں نپولین آسٹریا میں جنگ کر رہا تھا۔ ۲۳ر اکتوبر کو جبکہ وہ اپنی فتحمند فوجوں کا معائنہ کر رہا تھا، یکایک میدان کے ایک گوشہ سے ایک خوبصورت نوجوان نمودار ہوا اور آہستہ آہستہ نپولین کی طرف بڑھنے لگا۔ مارشل بریتیہ کی نظر اُس پر پڑی اور اُسنے اُسے روک کر کہا:

"اگر شہنشاہ کو کوئی درخواست دینی چاہتے ہو تو مجھے دیدو، میں پیش کردونگا" نوجوان نے جواب دیا "میں خود نپولین سے زبانی گفتگو کرنی چاہتا ہوں"

یہ کہکر نوجوان پیچھے ہٹا۔ مارشل نے خیال کیا وہ واپس جارہا ہو۔ مگر اس کے مڑتے ہی نوجوان نے پھر آگے بڑھنا شروع کیا۔ مارشل کو شک ہوا، اور اُسنے ایک افسر کو حکم دیا کہ اُسے گرفتار کرکے لیجائے۔

یہ واقعہ کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ سب فوج کی قواعد کے تماشہ میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر بعد افسر نے واپس آکر مارشل کو خبر دی کہ نوجوان کی جیب میں خنجر نکلا ہو جو ایک سفید کاغذ میں لپٹا ہوا تھا۔

جنگی قواعد ختم ہونے کے بعد مارشل نوجوان کو دیکھنے گیا، کیا دیکھتا ہو کہ وہ چارپائی پر پڑا ہو۔ اُس کے سامنے ایک عورت کی تصویر، نوٹ بک، اور چند سکے رکھے ہیں۔

مارشل نے سوال کیا:

"تمھارا کیا نام ہو؟"

"صرف نپولین کو بتاؤنگا"

"تم اس خنجر سے کیا کرنا چاہتے تھے؟"

"نپولین کو بتاؤنگا"

"شہنشاہ کی جان لینا چاہتے تھے؟"

"ہاں!"

"کیوں؟"

"نپولین کو جواب دونگا"

چند منٹ بعد نپولین کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی۔ اُسنے نوجوان کو اپنے سامنے طلب کیا۔ نوجوان کی مشکیں کسی تھیں۔ نپولین کے سامنے پہونچکر وہ ذرا بھی مرعوب نہیں ہوا۔

نپولین: تم فرنچ جانتے ہو؟"

نوجوان: بہت کم"

"نام؟"

"فرڈریک سٹابس"

"وطن؟"

"جرمنی"

"باپ کا پیشہ؟"

"پروٹسٹنٹ پادری"

"تمھاری عمر؟"

"اٹھارہ برس"

"خنجر سے کیا کرنا چاہتے تھے؟"

"آپکو قتل!"

"تو دیوانہ ہو؟"

"ہرگز نہیں"

"بیمار ہو؟"

"نہایت تندرست ہوں"

"مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے تھے؟"

"کیونکہ تم نے میرے وطن کو بدبخت بنادیا ہو!"

"کیا میں نے تیرے ساتھ بھی کچھ بُرائی کی ہو؟"

"ہاں میرے ساتھ بھی اور ہر جرمن کے ساتھ بھی"

"تجھے اس جرم کے لئے کس نے بھیجا ہو؟"

"کسی نے بھی نہیں۔ میں خود اپنے اس اعتقاد سے آیا ہوں کہ تمھیں قتل کرکے اپنے وطن اور تمام یورپ کو تمھارے شر سے نجات دیدونگا!"

"آج سے پہلے بھی تو نے مجھے دیکھا تھا؟"

"ہاں، ارفورٹ میں"

"اُسوقت بھی میرے قتل کا ارادہ تھا؟"

"ہرگز نہیں، میں سمجھتا تھا تم پھر کبھی جرمنی پر اعلان جنگ نہ کروگے، اُسوقت میں تم سے محبت کرتا تھا"

"یہاں وائنا میں کتنے دن سے ہو؟"

"دس دن سے"

"اتنے دن کیوں خاموش رہو؟"

"آج سے پہلے کوئی مناسب موقعہ نہیں ملا"

"میں پھر پوچھتا ہوں دیوانہ ہو یا بیمار؟"

"دونوں میں سے کوئی بھی نہیں"

"میں "کورفیزار" کو بلواتا ہوں"

"یہ کون شخص ہو؟"

"ڈاکٹر"

"لیکن مجھے ڈاکٹر کی مطلق ضرورت نہیں"

تمام حاضرین پر خاموشی طاری ہوگئی۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر آیا اور نبض دیکھی۔ نوجوان نے کہا:

"کیوں ڈاکٹر! میں بالکل تندرست نہیں ہوں؟"

ڈاکٹر نے نپولین سے عرض کیا:

"یہ بالکل تندرست ہو" نوجوان نے خوش ہوکر نپولین سے کہا:

تھیں اور فقہ حنفی پر فیصلہ صادر کرتی تھیں تو اُنھیں سخت دشواریاں پیش آتی تھیں۔ یہی دشواریاں دیکھ کر ترکوں نے ایک مجلّہ یا قانون نامہ، فقہ حنفی سے مرتب کیا تھا اور ترکی عدالتیں اُسپر عمل کرتی تھیں

حجاز میں چاروں مذاہب کے پیرو موجود ہیں۔ مالکیوں اور شافعیوں کی اکثریت ہے۔ موسم حج میں تو تین چار مہینے کے لئے ہر ملک و مذہب کے مسلمان لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حجاز میں کسی ایک فقہی مذہب کو معتبر قرار دینا اور باقی کو پس پشت ڈال دینا، صریح ناانصافی ہوگی۔ لہذا سلطان ابن سعود نے یہی مناسب سمجھا کہ حجاز کی شرعی عدالتیں کسی ایک مذہب سے مقید نہ ہوں بلکہ بیک وقت چاروں مذاہب پر حسب حالت فریقین عمل کریں۔ چونکہ تمام اہل سنت و جماعت مسلمان، چاروں مذاہب فقہ کی بنیادیں حق تسلیم کرتے ہیں، اس لئے سلطان نے طے کیا کہ مذاہب اربعہ کے زیادہ سے زیادہ مستند اور ضروریات زمانہ کے مطابق احکام لے لئے جائیں اور اُنھی کی بنا پر عدالتیں فیصلہ کریں۔

مگر موجودہ زمانہ میں ایسے علماء و قضاۃ کا ملنا مشکل ہے جو بیک وقت چاروں مذاہب کے ماہر ہوں، لہذا سلطان نے طے کیا کہ ایک مجلّہ یا قانون نامہ مرتب کیا جائے اور اُس میں مذاہب اربعہ کے متفق علیہ احکام اور زیادہ سے زیادہ مستند اور وقت کے مناسب احکام جمع کر دیئے جائیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے سلطان عنقریب مذاہب اربعہ کے مشہور علماء کی ایک مجلس مرتب کرنے والے ہیں۔ یہی مجلس یہ مجلّہ طیار کرے گی۔

حفظان صحت

سلطان نے حفظان صحت کے انتظامات بھی شروع کر دیئے ہیں۔ متعدد مصری و شامی ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ جدہ میں ایک طبی مرکز قائم کرنے کی منظوری صادر کر لی ہے۔ یہ طبی مرکز جدید ترین صحی اسلوب پر قائم ہوگا۔ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ متعدد حجازی نوجوان یورپ بھیجے گئے ہیں تاکہ طبی علوم کی تکمیل کریں۔ حجاز کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ اُس کے نوجوان تعلیم کے لئے باہر بھیجے جا رہے ہیں۔

جدید سڑکیں

جدہ اور مکہ کے درمیان پُرانی سڑک کی مرمت ہو رہی ہے۔ اس راستے میں جابجا دُور دُور تک ریت پھیلی ہوئی تھی اور حاجیوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ سلطان نے اُس کی مرمت جاری کر دی ہے۔ پوری سڑک پر پتھر کوٹا جا رہا ہے۔ آئندہ موسم حج میں حاجی یہ سڑک بالکل طیار پائیں گے اور بہت آرام حاصل کرینگے۔

مکہ اور طائف کے مابین بھی ایک سڑک بنائی گئی ہے۔ اسپر موٹر چلنے لگے ہیں۔ طائف، مکہ کے لئے روح کا حکم رکھتا ہے۔ سبزیاں، ترکاریاں، میوے، مکہ میں طائف ہی سے آتے ہیں۔ اب سے پہلے دونوں شہروں کے مابین سفر ۲ دن میں ختم ہوتا تھا۔ اب صرف ۴ گھنٹے میں طے کیا جاتا ہے۔ طائف کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے۔ مناظر ایسے ہیں کہ حجاز کا سوئٹزرلینڈ معلوم ہوتا ہے۔ مگر اب تک اُس کی آبادی و ترقی کا کوئی سامان نہ تھا۔ سلطان اُسے آباد کرنا چاہتے ہیں۔ طائف، حجاز کا قدرتی طور پر گرمائی پایۂ تخت ہے۔ سلطان نے اپنا خاندان طائف بھیج دیا ہے، تاکہ مکہ کے دوسرے باشندوں کو بھی ترغیب ہو اور وہ گرمی میں وہاں جا کر رہا کریں۔

ینبع اور مدینہ کے مابین بھی سڑک بن رہی ہے۔

حرم میں اصلاحات

حرم کعبہ میں دو قسم کی اصلاحات شروع ہو گئی ہیں: تعمیری اصلاحات اور انتظامی اصلاحات۔

تعمیری اصلاحات کے سلسلہ میں تین امور اہم ہیں:

(۱) حرم کا موجودہ رقبہ، حجاج بیت اللہ کے لئے ناکافی ہے۔ لہذا اطراف حرم کے بعض مکان، حکومت نے خرید لئے ہیں تاکہ مسجد زیادہ وسیع کر دی جائے۔ یہ توسیع "باب زیادہ" کی طرف سے عمل میں آئیگی

(۲) حرم کے گرد مکانوں کا ایسا سلسلہ قائم ہے کہ بیت اللہ کی رونق و عظمت پوری طرح ظاہر نہیں ہوتی۔ لہذا حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ بتدریج اطراف کے مکان خرید کر کے منہدم کر دیئے جائیں۔

(۳) مسجد حرام کے صحن پر کوئی چھت نہیں ہے صرف اطراف کے دالان ہیں، لیکن وہ بھی دھوپ کی مداخلت سے محفوظ نہیں ہیں۔ اس سے حاجیوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ دھوپ کی شدت سے بہت آدمی بیمار ہو جاتے تھے۔ اب سلطان نے فیصلہ کیا ہے کہ چاروں طرف دالانوں کے سامنے پتلے پتلے آہنی ستون کھڑے کئے جائیں اور اُن پر ½ ۸ میٹر لمبا شامیانہ نصب کر دیا جائے۔ یہ شامیانہ دن میں تان دیا جائے گا اور رات کو اُٹھا دیا جائے گا تاکہ ہوا بند نہ ہو۔ اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کم سے کم ۲۵ ہزار آدمی بیک وقت سایہ میں بیٹھ سکینگے!

(۴) حرم کے صحن میں سنگ ریزوں کا فرش ہے۔ اس سے حرم میں گرمی زیادہ رہتی ہے اور پوری طرح صفائی بھی نہیں ہو سکتی۔ سلطان نے فیصلہ کیا ہے کہ سنگ ریزے اُٹھا دیئے جائیں اور تمام فرش پر سیمنٹ کر دیا جائے۔ چنانچہ سیمنٹ بچھانے کی مشین آ گئی ہے۔

انتظامی اصلاحات بھی بہت ہیں۔ صرف بعض کا ذکر کرتا ہوں:

(۱) اب تک کعبہ کے اندر داخل ہونے کے لئے حاجیوں کو روپیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ اب یہ ناجائز قرار دیا گیا۔ تمام حاجی ایک پیسہ بھی ادا کئے بغیر بیت اللہ میں داخل ہونگے۔

(۲) موجودہ اغوات کی (خواجہ سرا جو حرم کعبہ کی خدمت پر مامور ہیں) تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں کمی کر دی جائے گی۔

(۳) حرم میں نماز کے لئے ۱۰ امام کافی ہیں۔ باقی موقوف کر دیئے جائیں گے۔

(۴) علماء سے فتویٰ طلب کیا جائے گا کہ امامت کی اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) حرم میں صفائی کا انتظام ناکافی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فراشوں کی تنخواہ بہت کم ہے۔ اُن کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائے گا۔

(۶) کلیدبرداروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اُن میں کمی کی جائے گی۔

(۷) حرم میں کل ۲۸ دروازے ہیں۔ ۴ دروازے، اطراف کے مکان والوں کے ہیں۔ ان لوگوں کو تنبیہ کیا جاتا ہے کہ اپنے دروازوں پر دربان مقرر کریں تاکہ یہ دروازے عام گزرگاہ نہ بن جائیں کیونکہ حرم بیت اللہ، عبادت کا مقام ہے نہ کہ شارع عام۔ باقی ۲۴ دروازوں میں ہر ایک کے واسطے دو دو دربان مقرر کئے جائیں گے تاکہ انتظام قائم رکھیں۔

(۸) شرعاً مسجد میں سونا جائز نہیں، الا اُن پردیسیوں کے جو کوئی جائے پناہ نہیں رکھتے۔ لیکن مکہ میں ہر آنے والا یہی عذر پیش کر سکتا ہے۔ لہذا حرم میں سونا قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ صرف اعتکاف کرنے والے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۹) حرم کی نگرانی کے لئے ۸ مفتش مقرر کئے گئے۔ یہ لوگ حرم کے جملہ انتظامات کی نگرانی کرینگے۔

(۱۰) ایک مجلس "مجلس ادارۃ الحرم" کے نام سے قائم ہوگی۔ وہی حرم کے انتظامات کی ذمہ دار ہوگی۔

چاہ زمزم

چاہ زمزم کی موجودہ صورت یہ ہے کہ کھلا ہوا ہے۔ ڈول سے پانی نکالا جاتا ہے۔ پانی نکالنے والوں اور پینے والوں کی دھوون اُسی میں گرتی رہتی ہے۔ پھر سب حاجیوں کو حسب مرضی پانی بھی نہیں ملتا۔ عام طور پر اُنھیں پانی کے لئے اُجرت دینا پڑتی ہے۔ ان تمام خرابیوں کے سدباب کے لئے سلطان نے طے کیا کہ کنواں اوپر سے ڈھک دیا جائے۔ زمزم کی پیمائش سے معلوم ہوا کہ اُس کا کُل عمق ۴۲ میٹر ہے۔ ۳۱ میٹر میں پانی ہے، باقی دس میٹر اُس کی دیوار ہے۔ ہندسی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ اگر پانی نکالنے کا معقول انتظام کیا جائے تو اس سے کئی گنا زیادہ پانی کنواں دے سکتا ہے، حتیٰ کہ پورا شہر اُس سے سیراب ہو سکتا ہے۔ لہذا طے پایا کہ پانی نکالنے کی جدید ترین مشین نصب کی جائے۔ حرم کے چاروں طرف نل پھیلا دیئے جائیں اور اُن میں پانی جاری کر دیا جائے۔ اس عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حاجی بغیر کسی زحمت کے جس وقت چاہیں گے زمزم کا پانی پی سکیں گے۔

جدید کنوئیں

مکہ، منیٰ، عرفات، بحرہ وغیرہ میں جدید قسم کے کنوئیں کھودے جا رہے ہیں۔ وادی نعمان، شہداء، اور منیٰ میں کام شروع بھی ہو چکا ہے۔ لیکن صرف ان کنووں سے پانی کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ بڑے بڑے حوضوں کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ طے کیا گیا ہے کہ برسات اور پہاڑی سیلاب کا پانی محفوظ کر دینے کے لئے حوض بھی بنائے جائیں

نہر زبیدہ

چونکہ نہر زبیدہ مکہ معظمہ میں میٹھے پانی کا تنہا منبع ہے۔ لہذا اُس کی حفاظت و ترقی کے لئے سلطان نے خاص توجہ کی ہے۔ یہ نہر جابجا سے کھلی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ بعض مقامات میں ۲۰۰ سے ۳۰۰ میٹر تک کھلی ہے۔ اس کا بند کرنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ باشندے پیاس سے مر جائیں گے۔ مگر اس کے کھلے رہنے سے یہ شدید نقصان ہے کہ لوگ اُسمیں میلے کپڑے دھوتے اور نہاتے ہیں۔ اُن کی نگرانی ناممکن ہے۔ لہذا طے پایا کہ عرفات میں ایک بہت بڑا تالاب بنایا جائے۔ نہر کا تمام پانی جدید ترین صحی اصول پر اُس میں صاف کیا جائے، اور صاف ہونے کے بعد آگے بڑھے۔ اس تدبیر کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مکہ کے باشندوں اور حاجیوں کو آدھی بیماریوں سے نجات مل جائے گی جو سراسر اسی نہر کا پانی پینے سے پیدا ہوا کرتی تھیں۔

سایہ کا انتظام

طے پایا کہ منیٰ، عرفات، مزدلفہ، مکہ، اور جدہ کے مابین حاجیوں کے واسطے بڑے بڑے ایوان تعمیر کئے جائیں تاکہ وہ اُنکے نیچے دھوپ سے پناہ حاصل کر سکیں۔ ہر موسم حج میں دیکھا جاتا ہے کہ سیکڑوں حاجی دھوپ کی تپش سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس نئے انتظام سے یہ مصیبت بڑی حد تک دُور ہو جائے گی۔

سلطان کی ایک تقریر

گزشتہ ہفتے سلطان نے اپنی حکومت کے تمام عہدہ داروں کو جمع کیا اور اُن کے سامنے ایک طویل تقریر کی۔ اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"آپ جانتے ہیں سب سے افضل عمل، کلمۂ حق کا اعلان ہے۔ سب سے بدترین عمل، حق کا اخفا ہے۔ ہماری مجلسیں ہمیشہ، کلمۂ حق کے اظہار، حکام، و رعایا کی نصیحت و ہدایت کے لئے ہونی چاہئیں۔

"ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ ترقی کرنا چاہتے ہیں لیکن مضبوط قدموں سے۔ ترقی میں ہمارے خیالات، ہمارے معتقدات، ہماری آرزوئیں ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالح کی پیروی کے تابع ہونی چاہئیں۔ دُنیا کا جو کام ہمارے دین کے مطابق ہوگا، اُسے کریں گے، جو مخالف ہوگا، اُس سے باز رہیں گے۔

"حکومت کے عہدہ داروں کا فرض ہے کہ یہ حقائق بیان کریں لیکن صرف قول و بیان کافی نہیں ہے۔ عمل بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "أتأمرون الناس بالبر وتنسون أنفسكم؟" عربی شاعر کہتا ہے:

احرار اسلام

اوائل عہد اموی کی اسلامی ذہنیت

ایک بڑھیا خلیفہ کے دربار میں

سودہ بنت عمارہ

سودہ بنت عمارہ حضرت علی علیہ السلام کے جاں نثاروں میں تھی جنگ صفین میں اُس کے پُر جوش خطبوں اور رجزیہ شعروں نے شامیوں پر عرصۂ کارزار تنگ کر دیا تھا۔ اُس کے بھائی نے نہایت پامردی سے شامی شجاعوں کو شکست دی تھی۔

جب امیر معاویہ رض تخت سلطنت پر متمکن ہو گئے، تو ایک دن یہ اپنے قبیلہ کی شکایت لے کر دربار میں پہنچی۔ جو گفتگو اِس میں اور امیر معاویہ میں ہوئی، تاریخ اسلام کے اوراق نے محفوظ کر لی ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ خلافت راشدہ کا دورِ حریت ختم ہو چکا تھا، اور امیر معاویہ رض ایرانی شہنشاہیت کے جاہ و جلال سے تخت خلافت کو روشناس کر چکے تھے۔ پھر بھی اسلام کی پیدا کی ہوئی روحِ حریت کا یہ حال تھا کہ قبائل کی ایک معمولی بڑھیا عورت دربار شاہی میں آتی تھی، اور بغیر کسی جھجک کے سخت سے سخت مخالفانہ خیالات ظاہر کر دیتی تھی!

امیر کی نظر جب سودہ پر پڑی، تو بے اختیار بول اُٹھے "کیا تم ہی وہ سودہ ہو جو صفین کی لڑائی میں میری جماعت کے خلاف نہایت جوش و خروش سے یہ اشعار سُنا رہی تھیں؟"

شمر کفعل ابیک یا ابن عمارۃ   یوم الطعان وملتقی الاقران

اے فرزند عمارہ! نبرد آزمائی اور جنگ جوئی میں اپنے باپ کے سے کارنامے کر دکھا!

وانصر علیاً، والحسین، ورہطہ   واقصد لہند وابنہا بہوان

علی کی، حسین کی، اور اُنکے خاندان کی حمایت کر۔ ہند اور اُس کے بیٹے کو خوار کر دے۔

ان الامام اخوالنبی محمد   علم الہدیٰ ومنارۃ الایمان!

امام (یعنی حضرت علی) محمد صلعم کے بھائی ہیں، ہدایت کا نشان اور ایمان کا منارہ ہیں!

فقہ الحتوف وسر امام لوائہ   قدما بابیض صارم وسنان!

اُسے خطروں سے بچا۔ اُس کے جھنڈے کے آگے شمشیر آبدار اور نیزہ لے کر پیشقدمی کر!

"ہاں قسم خدا کی،" سودہ نے فوراً جواب دیا "میرا جیسا آدمی نہ حق سے منہ پھیر سکتا ہے نہ جھوٹ بولکر معذرت کر سکتا ہے۔ وہ میں ہی تھی"

"تم نے یہ حرکت کیوں کی تھی؟" امیر معاویہ نے سوال کیا۔

"علی علیہ السلام کی محبت اور اتباع حق کی وجہ سے" سودہ کا جواب تھا!

"لیکن علی رض نے تمھیں کیا بدلہ دیا؟" امیر نے پھر سوال کیا۔

"پچھلی باتوں کے تذکرہ سے کیا فائدہ؟" سودہ نے جواب دیا۔

"ہیہات!" امیر معاویہ نے کہا "تمھارے بھائی کا معاملہ بھلایا نہیں جا سکتا۔ مجھے کسی سے بھی اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنی تمھارے بھائی اور تمھاری قوم سے پہنچی ہے"

"سچ ہے" سودہ نے جرأت سے کہا "میرا بھائی حقیر آدمی نہ تھا کہ بھلا دیا جا سکے۔ واللہ وہ ویسا تھا جیسا خنساء نے اپنے بھائی صخر کے بارے میں کہا ہے:

وان صخراً لتاتم الہداۃ بہ   کانہ علم فی راسہ نار

صخر وہ ہے جس کی پیروی رہبر کرتے ہیں۔ گویا پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے!

"سچ ہے۔ تیرا بھائی ایسا ہی تھا،" امیر نے تصدیق کی۔ "اچھا، کہو میرے پاس کیوں آئیں؟"

"تم اب آدمیوں کے سردار اور اُن کے معاملات انجام دینے والے بن گئے ہو" سودہ نے کہا "خدا تم سے ہماری بابت اور ہمارے حقوق کی بابت سوال کرے گا۔ تمھاری طرف سے ہمارے یہاں ایسے حکام آتے رہتے ہیں، جو تمھاری شوکت پر گھمنڈ کرتے، اور تمھاری قوت سے جبّاری کرتے ہیں۔ یہ ہمیں اِس طرح کاٹ رہے ہیں، جس طرح کھیتی کاٹی جاتی ہے، یہ ہمیں ذلیل کرتے ہیں۔ ہم سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ تمھارا والی بسر بن ارطاۃ تمھاری طرف سے آیا اور میرے آدمی مار ڈالے، میرا مال چھین لیا، اور مجھے ایک ایسی بات کہنے پر مجبور کرنا چاہا جو میرے منہ سے نکلنا ناممکن ہے (یعنی حضرت علی علیہ السلام سے اظہار بیزاری) اگر اطاعت واجب ہوتی تو ہمارے اندر بھی قوت و استعداد تھی۔ بہر حال اُسے معزول کر دو اور ہمارے شکریہ کے مستحق بنو، ورنہ پھر ہم تمھیں دکھا دینگے"

"تو مجھے دھمکاتی ہے!" امیر نے کہا "میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ تجھے سرکش اونٹ پر بٹھا کر بسر بن ارطاۃ کے پاس بھیج دوں تاکہ جو سزا چاہے، دے دے"

سودہ نے سر جھکا لیا۔ پھر سر اُٹھایا اور یہ شعر پڑھے:

صلی الالہ علی جسم تضمنہ   قبر فاصبح فیہ العدل مدفونا!

خدا کی رحمت اُس جسم پر، جسے قبر نے چھپا لیا ہے، اور عدل اُسمیں مدفون پڑا ہے۔

قد حالف الحق لایبغی بہ بدلا   فصار بالحق والایمان مقرونا

وہ ہمیشہ حق کے ساتھ تھا، اُسے کبھی نہیں چھوڑتا تھا۔ اُس کا نام حق و ایمان کے ساتھ ہمیشہ کے لئے جُڑ گیا ہے!

"یہ کون ہے؟" امیر نے انجان بن کر سوال کیا۔

"علی بن ابی طالب علیہ السلام" سودہ کا برجستہ جواب تھا۔

"اُسنے تیرے ساتھ کیا کیا کہ تیری نظر میں ایسا بن گیا؟" امیر نے پوچھا۔

"اُنھوں نے ہم سے صدقہ وصول کرنے کے لئے ایک شخص کو مقرر کیا تھا" سودہ نے کہا "میرے اور اِس شخص کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ میں اُس کی شکایت لے کر امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ اُس وقت نماز کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی نماز چھوڑ دی، اور بڑے ہی لطف اور نرمی سے میرا حال پوچھا۔ میں نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ آپ سُنتے ہی رونے لگے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر فرمایا "خدایا! تو مجھ پر اور میرے عمال پر گواہ ہے۔ میں نے اُنھیں تیری مخلوق پر ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا" اِس کے بعد اپنی جیب سے ایک کھال کا ٹکڑا نکالا اور اُس پر لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قد جاءتکم بینۃ من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاءہم، ولا تعثوا فی الارض مفسدین بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مؤمنین، وما انا علیکم بحفیظ۔ اذا قرأت کتابی فاحتفظ بما فی یدیک من عملنا حتیٰ یقدم علیک من یقبضہ منک، والسلام"

(تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس روشنی آ چکی ہے۔ لہذا ناپ تول ٹھیک ٹھیک کرو۔ لوگوں کا حق نہ مارو۔ زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ اللہ کا بقیہ تمھارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ میں تم پر محافظ نہیں ہوں۔ میری یہ تحریر پڑھنے کے بعد جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہمارا کام ہو اُسکو محفوظ رکھ۔ یہاں تک کہ وہ شخص پہنچ جائے جو تجھ سے وہ سب وصول کر لے۔ یعنی اُس حاکم کو معزول کر دیا۔)

"میں نے امیر المومنین کے ہاتھ سے خط لے لیا۔ واللہ اُسپر اُنھوں نے نہ تو کوئی مُہر لگائی نہ اُسے بند ہی کیا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے اُسے حرف حرف پڑھ لیا"

"ابن ابی طالب نے تمھیں حکام پر جری بنا دیا ہے" امیر معاویہ نے کہا "بہت دیر میں یہ جرأت تم سے دُور ہوگی"

پھر حکم دیا کہ سودہ کا مال واپس کر دیا جائے اور اُس سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔

"یہ حکم میرے لئے خاص ہے یا میری پوری قوم کے لئے"؟ سودہ نے سوال کیا۔

"تجھے دوسروں سے کیا سروکار؟" امیر معاویہ نے کہا۔

"تو واللہ یہ کمینگی اور بدکاری ہے" سودہ نے کہا "اگر عدل عام نہیں تو میں اُسے نہیں قبول کرتی"

مجبوراً امیر معاویہ نے حکم دیا کہ اُس کے پورے قبیلے کی بابت فرمان لکھ دیا جائے۔ (عقد الفرید و بلاغات النساء)

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے امامین کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے
خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بهم پہنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکھین اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خواں این دفتر پارینه را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تے - اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تهیں - اردو کا وہ پہلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نہیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو اُنهیں دوبارہ چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه   الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " " چهارم ۱۰ روپیه   " " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر "البلاغ پریس"

۱۹۲۷ء

نمبر ۲۰

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت

۵ ـ آنہ

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رهنما:

ٹائمز اف لنڈن کا ادبي ضمیمه

یه ضمیمه دنیا کي تمام کتابوں پر هفته وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا هے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم هے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بهي هوتے هیں جنکي اهمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا هے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضه کیجئے که وہ ٹائمز لنڈن کا هفته وار ادبي ضمیمه آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاهیں تو

The Publisher :
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے هیں

دنیا کے هر معلم اور ماهر فن تعلیم کیلئے

ضروري هے که

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمي ضمیمه مطالعه کرے

اگر آپ چاهتے هیں که فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نه رهیں' تو آپکو یه ضمیمه بلا ناغه مطالعه میں رکهنا چاهیے -

یه هر هفته اس موضوع پر تمام اهم خبریں اور مباحث جمع کردیتا هے - ماهرین فن اور مشاهیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب هوتے هیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنه

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے هیں -

کیا آپ تجارت کرني چاهتے هیں ؟

اگر آپ چاهتے هیں که یورپ اور امریکه کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں' نفع بخش ایجنسیاں لیں' هندوستان سے خام پیدا وار بهیجیں' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں' تهوڑي سي محنت اور تهوڑا سا سرمایه لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں' تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاهئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بهید سیکهنے چاهئیں - هندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکه کے تمام کارخانوں اور کوٹهیوں کے حالات اور اصول معاملت معلوم کرنے چاهئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں هوسکتے -

اگر آپ چاهتے هیں که بہت تهوڑا سا وقت خرچ کرکے یه ساري باتیں با قاعدہ علمي اصول پر معلوم کرلیں' تو آپکو چاهیے که هم سے خط و کتابت کریں - هم یه کام به حیثیت ایک ماهر فن کے کر رهے هیں - خط و کتابت کے بعد هي آپکو معلوم هو جائیگا که آپکے مقصد کیلئے هم کس درجه مفید هیں ؟

همارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے هیں -

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

هر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پهلوں کو محفوظ رکهنے کیلئے ضروري هیں' اس کارخانے میں طیار کي جاتي هیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یه بہترین کارخانه هے - مندرجۂ بالا پته سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکهیے

میووں' ترکاریوں' اور هر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقه وہ هے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور هے - اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانه سے مل سکتي هیں -

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين (القرآن الحكيم)

ایک هفته وار مصور رساله

نمبر ۲۰ — کلکته : جمعه ۸ . جمادی الاولی ۱۳٤٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 4, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای .
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکهیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۵۵۰ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۳۵	اردو حروف کی حق مین	٤۲۸
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۵۵٤	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۲۷۳	نستعلیق هون	۱۵۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین .

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول	- -	بارہ روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	- -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	- - -	سات روپیه
قیمت في پرچه	- - -	پانچ آنه

---

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں انکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع اپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جارہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

اُس نے مذہبي انبساط ' بہادرانہ جوش ' اور متوسط طبقے کي بلند خيالي ' خود بيں تخمينۂ و شمار کے آب سرد ميں غرق کردي - اسنے ذاتي جوہر کو مول تول اور لين دين کي ايک جنس بنا ديا - اور تمام بيش قيمت آزاديوں کو پس پشت ڈالکر " آزاد تجارت " کي صرف ايک نامعقول آزادي قائم کر دي !

الغرض اُسنے کمزوروں کے اُس قديم خود غرضانہ استعمال کي جگہ جسپر مذہب و سياست کي دلفريبيوں کا نقاب پڑا ہوا تھا ' ايک نيا برہنہ ' وحشيانہ ' بے شرم ' اور کھرا خود غرضانہ استعمال ايجاد کر ديا -

سرمايہ دار طبقے نے اُن تمام پيشوں کي خوبياں ملياميٹ کرديں جو پہلے عزت کي نظر سے ديکھے جاتے تھے - اُسنے ڈاکٹر ' وکيل ' پروہت ' شاعر ' فلسفي ' غرضکہ سب کو محض ايک اجرتي مزدور بنا کے چھوڑ ديا !

سرمايہ دار طبقہ نے خانداني رشتے سے محبت و جذبات کے تمام عناصر بھي نکال پھينکے ' اور اُنکي جگہ ايک خالص مالي لين دين کا رشتہ قائم کر ديا !

سرمايہ دار طبقہ نے بتا ديا کہ وحشيانہ اظہار طاقت ' جسے قرون وسطی کے رجعت پسند اِس قدر سراہتے تھے ' کامل سہولت کے ساتھہ اِس عہد ميں کس درجہ کاميابي حاصل کر سکتا ھے -

يہ طبقہ سب سے پہلا طبقہ تھا جسنے ثابت کر دکھايا کہ انسان کي سرگرمي کيا کچھہ کر سکتي ھے - اسنے مصري اہرام ' رومن نہروں ' اور گوتھک خانقاہوں سے بالکل مختلف قسم کے عجائبات پيدا کئے ' اور قديم ہجرتوں اور مذہبي جہادوں سے بالکل مختلف قسم کي مہميں جاري کيں -

تمام سابق صنعتي طبقوں کے وجود کي اولين شرط يہ تھي کہ پيداوار کے اگلے طريقے برقرار رہيں - ليکن سرمايہ دار طبقہ کي زندگي ناممکن ہے جب تک کہ آلات پيداوار ' طريق پيداوار ' اور تمام اجتماعي رشتوں ميں برابر انقلاب نہ ہوتا رہے - چنانچہ طريق پيداوار کا مسلسل انقلاب ' اجتماعي نظام کي پيہم برہمي ' دائمي بے چيني ' اور کبھي ختم نہ ہونے والي بے اطميناني ' يہي وہ چيزيں ہيں جو سرمايہ دار عہد کو گذشتہ زمانوں سے امتياز ديتي ہيں -

پہلے کے اور مضبوط معاشرتي رشتے مع اپنے ہم آہنگ مقرر عقائد و خيالات کے فنا کر دے گئے ہيں اور ان کي جگہ جو رشتے قائم کئے گئے ہيں قبل اس کے کہ چمکيں ' پرانے ہوچکے - جو کچھہ بھي ٹھوس اور مقبول تھا ' مٹ چکا ھے - جو کچھہ مقدس تھا ' ناپاک کر ديا گيا ھے - اور اب انجام کار انسان مجبور ہے کہ اپنے حالات زندگي اور حقيقي معاشرتي تعلقات ' کھلي آنکھوں ديکھے -

اپني مصنوعات کي فروخت کے ليے سرمايہ داروں کو اپني پيداوار کے ليے ايک وسيع بازار کي ضرورت ' ديوانہ کيے ہوئے ھے - انہيں ہر جگہ جانا ' ہر مقام پر ڈيرہ ڈالنا ' چپہ چپہ سے ناتا جوڑنا ...

سرمايہ دار طبقہ نے عالمگير بازار غصب کرکے تمام ممالک کي پيداوار قومي اور ملکي قيود سے آزاد کردي ھے - رجعت پسندوں کے برخلاف صنعت و حرفت کے نيچے سے اُس کي زمين نکال کر پھينک دي ہيں - قديم اور مروج صنعتيں برباد ہو چکي ہيں اور جو باقي ہيں برابر برباد کي جارہي ہيں - ان کي جگہ نئي صنعتيں رائج کي جارہي ہيں کہ جن کا رواج تمام مہذب اقوام کے ليے ايک نہايت ہي اہم اور قابل غور مسئلہ ھے ' کيونکہ اِن صنعتوں کي حالت يہ ھے کہ صرف يہ اپنے ہي ملک کي خام پيداوار استعمال ميں نہيں لاتيں ' بلکہ دور دراز علاقوں کي بھي خام پيداوار چاہتي ہيں ' نيز انکي کثرت کي وجہ سے اُن کي کھپت صرف انکے ہي علاقے ميں نہيں بلکہ دنيا کے گوشہ گوشہ ميں ہوني چاہيے -

پراني ضروريات کي جگہ جو ملکي پيداوار سے رفع ہوجاتي تھيں ' نئي ضروريات پيدا ہوگئي ہيں جو اپنے رفع ہونے کے ليے دور دراز ممالک کي پيداوار کا بھي مطالبہ کرتي ہيں -

يہ حال صرف مادي پيداوار ہي کا نہيں ' بلکہ ذہني پيداوار کا بھي ھے - ايک قوم کي دماغي پيداوار ' تمام قوموں کي عام ملکيت بن گئي ھے - محدود تخيل اور بے تعلقي روز بروز ناممکن ہوتي جاتي ھے ' اور قومي و مقامي ادبيات سے ايک عالمگير ارضي علم ادب پيدا ہو رہا ھے -

سرمايہ دار طبقہ ' آلات پيداوار کي تيز ترقي اور مواصلات کي مسلسل آسانيوں کے ذريعہ وحشي سے وحشي اقوام کو بھي تہذيب کي طرف کھينچ رہا ھے - سامان تجارت کي ارزاني ہي وہ بھاري توپ ھے جس کے زور سے نہايت سرکش قوموں کو بھي اطاعت پر مجبور کرديا گيا ھے - تمام اقوام کو موت کي دھمکي دي جارہي ھے کہ سرمايہ دارانہ طريق پيداوار اختيار کرليں ' اور نام نہاد تہذيب قبول کرکے مہذب بن جائيں -

سرمايہ دار طبقہ نے ديہات کو شہر کا تابع بنا ديا ھے - بکثرت نئے شہر پيدا کردئے ہيں - ديہات کے مقابلہ ميں قصبات کي آبادي ميں حيرت انگيز اضافہ ہوگيا ھے - اور اس طرح دنيا کي بہت بڑي آبادي کو ديہاتي زندگي کي سادگيوں سے محروم کرديا ھے -

اُس نے جس طرح ديہات کو شہر کا محتاج بنايا ھے ' ٹھيک اُسي طرح وحشي اور نيم وحشي ممالک کو مہذب ممالک کا دست نگر بھي بنا ديا ھے - کاشتکار قوموں کو سرمايہ داروں کا اور مشرق کو مغرب کا محتاج بنا ديا ھے -

سرمايہ دار طبقہ ذرائع پيدار ' ملکيت ' اور آبادي کي وسعت پر برابر قابو حاصل کرتا جاتا ھے - اُس نے آبادي گنجان کردي ہے ' ذرائع پيداوار ميں مرکزيت پيدا کردي ھے - اور ملکيت کو سميٹ کر صرف چند ہاتھوں کے اندر محدود کرديا ھے -

اِس صورت حال کا لازمي نتيجہ ' سياسي مرکزيت تھي جو سرمايہ دار طبقہ کے ہاتھوں وجود ميں آچکي ھے ' آزاد اور نيم آزاد اقوام کے مصالح ' قوانين ' حکومت ' اور رسم و رواج جدا جدا تھے ' ليکن ان کے ايک قوم بنا دي گئي ہيں ' ايسي قوم جس کي حکومت ' ضابطۂ قانون ' اجتماعي مصالح ' اور رسم و رواج ' سب ايک ہيں -

سرمايہ دار طبقہ نے اپنے صد سالہ جماعتي عہد حکومت ميں ايسي عظيم الشان بار آور قوتيں پيدا کردي ہيں جنہيں تمام پچھلي نسليں بھي پيدا نہ کرسکي تھيں - اُسنے قدرت کي طاقتوں پر قبضہ کيا ' علم آلات اور کيميا کا صنعت و زراعت ميں استعمال کيا ' دخاني جہاز ' ريلوے ' اور تار برقي کے سلسلے جاري کيے ' زراعت کے ليے تمام براعظموں کي صفائي کي ' درياؤں کي بندي کي ' اور زمين کے تمام خزانے اُلٹ ڈالے - بھلا کس

مطبوعات جديده

" كميونيزم " اور اُسكے مقاصد

جرمني کے کميونسٹ مرکز اشاعت نے حال ميں ايک نيا سلسلۂ مطبوعات " کميونيزم " کے اصول و مبادیات پر شائع کرنا شروع کيا هے جسکي دو جلديں اِس وقت تک شائع هوچکي هيں - پهلي جلد ميں زيادہ تر مشهور کميونسٹ رهنما ' کارل مارکس کے منتخب مضامين هيں ' اور ابتدا ميں اُسکي مفصل سوانح حيات بهي شامل کر دي هے -

روس کے آخري انقلاب کے بعد سے کميونيزم دنيا کي ايک زنده اور [illegible]ل حقيقت هو گئي هے ' اور هر ملک کيليے ضروري هو گيا هے که نه صرف سياسي حيثيت سے ' بلکه علمي حيثيت سے بهي اسکے اصول و مبادیات کا مطالعه کرے ' اور نقد و بصيرت کے ساتھ صحيح راے قائم [illegible]رے - جهانتک هميں معلوم هے ' اِس وقت تک اردو ميں [illegible] [illegible]تاب ايسي شائع نهيں هوئي هے جس ميں صحت کے [illegible] [illegible]س انقلاب انگيز سياسي و اجتماعي مذهب کي حقيقت واضح [illegible] هو يه نيا مجموعه ديکهکر هميں خيال هوا که کارل مارکس [illegible] [illegible] مختصر مقالات اس غرض کيليے نهايت مفيد اور جامع [illegible] هم ان مقالات ميں سے ايک مقاله الهلال ميں شائع کرنے [illegible] منتخب کرتے هيں - اس کے مطالعه سے نه صرف اس [illegible] اصول و عقائد بلکه اسکے ظهور و اشاعت کي ابتدائي [illegible] واضح هوجائيگي -

[illegible] رهے که اس مقاله اور اسي طرح کے ديگر مقالات کے تراجم [illegible] [illegible] يه هے که وقت کي ضروري معلومات اردو خواں [illegible] مهيا هوجائے - يه مقصود نهيں هے که يه خيالات اس [illegible] [illegible] کيے جائيں که وه يک قلم مقبول اور پسنديده [illegible] همارے خيال ميں " کميونيزم " موجوده تمدن کي [illegible] بے اعتدالي کا قدرتي رد فعل هے ' اور جس طرح موجوده [illegible] داري افراط کے ايک انتهائي نقطه تک پهنچ چکي [illegible] طرح کميونيزم بهي تفريط کے دوسرے نقطه کا ظهور هے - [illegible] راه افراط و تفريط کي راه نهيں هوسکتي ' وه هميشه درمیان کی راه هوتي هے !

(۱)

(سرمايه دار اور مزدور)

آج تک کی تمام سوسائٹيوں کي تاريخ ' جماعتي کشمکش کي ایک مسلسل تاريخ هے -

آزاد اور غلام شريف اور رذيل ' آقا اور خدمتگار ' تجارتي مکهيے [illegible] ' مختصر يه که ظالم اور مظلوم ' هميشه ايک دوسرے کے [illegible] ' اور ايک ايسي مسلسل جنگ ميں مشغول رهے جو کبهي علانيه تهي اور کبهي خفيه ' مگر جسکا خاتمه هميشه يا تو سوسائٹي کي ايک انقلابي کايا پلٹ کي صورت ميں هوا ' يا تمام حريف جماعتوں کي عام بربادي کي شکل ميں !

قديم ترين تاريخي عهد ميں بهي تقريباً هر جگه سوسائٹي مختلف درجوں اور گروهوں ميں بٹي هوئي اور ايک مکمل معاشرتي نظام ميں سمٹي هوئي نظر آتي هے - قديم روم ميں هم شريفوں ' نوابوں ' گنواروں ' اور غلاموں کي تقسيم پاتے هيں - قرون وسطى ميں جاگيردار ' اسامي ' تجارتي مکهيے ' شاگرد پيشه ' اور خدمتگار دکهائي ديتے هيں - صرف يهي نهيں بلکه اِنميں سے هر جماعت بهي کئي کئي جماعتوں ميں منقسم ملتي هے -

موجوده سرمايه دار سوسائٹي نے ' جسکي تعمير جاگيردار سوسائٹي کے کهنڈروں پر هوئي هے ' جماعتي جهگڑے اور رقابتيں موقوف نهيں کيں ' بلکه پهلے سے زياده نئے نئے فرقے ' ظلم کے نئے نئے طريقے ' اور لڑائي کے نئے نئے ڈهنگ نکال ليے هيں -

البته همارے موجوده سرمايه دار عهد نے يه امتياز ضرور حاصل کيا هے که اُس نے جماعتي اختلاف محدود کر ديے هيں ' اور تمام سوسائٹي سميت کے دو بڑي حريف جماعتوں : " سرمايه دار " اور " مزدور " ميں تقسيم کردي هے -

قرون وسطى کے کاشت کاروں سے ديهاتي نمائندوں کي ابتدا هوئي ' اور اِنهيں اساميوں نے سرمايه دار طبقه کي بهي آب و گل مهيا کي -

امريکه کي دريافت اور زمين کے گرد دورے نے اٹهتے هوئے سرمايه دار طبقے کے سامنے عمل کا ايک نيا ميدان کهول ديا - ايسٹ انڈين اور چيني بازاروں ' امريکه کے استعمار ' مستعمرانه تجارت ' نيز ذرائع تبادله اور ذرائع پيداوار کي وسعت نے تجارت ' جهاز راني ' اور صنعت و حرفت ميں ايک نئي روح پهونک دي ' اور انحطاط پذير جاگير دار سوسائٹي کے انقلابي عناصر کو تيزي سے اُبهار ديا -

صنعت و حرفت کا سابق جاگيردارانه نظام وه بڑهتي هوئي ضرورتيں پوري نهيں کر سکتا تها جو نئے بازاروں کے ساتھ پيدا هوگئي تهيں - نتيجه يه هوا که دست کاري کے نظام نے اُسکي جگه لے لي ' تجارتي مکهيے معزول هوگئے ' متوسط صنعتي طبقه اُنکا قائم مقام بن گيا - مختلف سندي مکهيوں کے مابين محنت کي تقسيم ' عام کارخانوں ميں محنت کي تقسيم کے آگے معدوم هوگئي -

سرمايه دار طبقه نے جهاں بهي طاقت حاصل کي ' تمام جاگير دارانه ' بزرگانه ' مذهبي ' اور معنوي رشتے توڑ پهوڑ ڈالے - اُسنے بڑي بے رحمي سے وه تمام بوقلموں بندهن توڑ کے رکهديے جو انسان کو اُسکے " فطري سرداروں " سے باندهتے چلے آتے تهے اور اُس ايک رشته کے سوا کوئي رشته باهمي روابط کا باقي نه چهوڑا جسے برهنه خود غرضي اور کهري نقد ادائيگي کا رشته کہتے هيں -

ادنی اور متوسط طبقه ' چهوٹے دوکاندار ' سوداگر ' زراعت پیشه ' زمیندار ' دستکار ' سب کے سب مزدوري پیشه طبقه میں جذب هو رهے هیں - کچهه تو اس وجه سے که اُنکا معمولي سرمایه موجوده صنائع کیلیے ناکافي هے اور بڑے بڑے سرمایه داروں کے مقابله میں بیکار هوجاتا هے ' اور کچهه اس وجه سے که اُنکے خاص پیشوں کو پیداوار کے نئے ذرائع نے ظاهر هوکر بے قدر کر دیا هے - اس طرح مزدوروں کا یه طبقه صرف مزدوروں هي سے نهیں بلکه آبادي کے هر حصه سے مرکب هے -

(۲)

مزدوري پیشه طبقه مختلف تدریجي مرحلوں سے گزر کر اِس درجه تک پهنچا هے - سرمایه دار کے برخلاف اُسکي جد و جهد اُسکي پیدائش کے وقت هي سے شروع هوگئي هے -

سب سے پہلے یه جد و جهد ایک فرد واحد مزدور کي جد و جهد کي حیثیت سے شروع هوئي ' پهر کسي ایک کارخانه کے مزدوروں کي جد و جهد بني ' پهر کسي خاص نواح کے تمام هم پیشه مزدوروں کي جد و جهد کي صورت میں تبدیل هوگئي ' جسکا مقصد سرمایه داروں سے جنگ کرنا تها جو ان سب کو براه راست تباه کر رها تها -

اِس منزل میں مزدور ' سرمایه دارانه طریق پیداوار پر نهیں بلکه خود آلات پیداوار پر حمله کرتے تهے - بیروني مال برباد کر ڈالتے تهے ' مشینیں توڑ پهوڑ ڈالتے تهے ' کارخانوں میں آگ لگا دیتے تهے ' اور کوشش کرتے تهے که طاقت کے زور سے اپني وه حیثیت پهر قائم کردیں جو قرون وسطی میں ضائع هوچکي تهي - لیکن باوجود متحده مقصد رکهنے کے ' اِس منزل میں ' مزدور ایک غیر متحد بهیڑ کي شکل رکهتے تهے جو تمام دنیا میں پهیلي هوئي تهي ' اور جسکے اندر باهمي مقابله کے جذبه نے پهوٹ ڈال دي تهي -

اِس دور میں مزدور جب منظم هونے کیلیے متحد هوئے ' تو یه اُنکے اپنے اتحاد کا نهیں ' بلکه سرمایه دار طبقه کے اتحاد کا نتیجه تها - وه اپنے سیاسي مقاصد کے حصول کیلیے مجبور هو جاتا تها که مزدوروں میں ایک نئي حرکت پیدا کردے -

اِس منزل میں مزدور براه راست اپنے دشمنوں سے نهیں لڑتے تهے ' بلکه ان کي جنگ اپنے دشمن کے دشمنوں سے هوتي تهي ' یعني مطلق العنان شاهي سے ' زمینداروں سے ' غیر صنعتي اور چهوٹے چهوٹے سرمایه داروں سے -

اس طرح مزدوروں کي یه پوري تاریخي تحریک ' سرمایه دار طبقه هي کے هاتهوں میں رهي هے ' اور تمام کامیابیاں جو اُسے حاصل هوئي هیں ' سرمایه داروں هي کي کامیابیاں هیں -

صنعت کي ترقي کے ساتهه ساتهه مزدوري پیشه طبقه کي کمیت میں صرف افراد هي کا اضافه نهیں هوا ' بلکه بڑي بڑي جماعتیں بهي اس میں شامل هوتي گئیں اور ابتک هو رهي هیں -

اس کي طاقت روز بروز بڑه رهي هے اور وه اپني طاقت کي افزوني برابر محسوس کر رها هے -

جوں جوں مشینري ' صنعت کے امتیازات مٹاتي جاتي هے اور اُجرت هر جگه کم سے کم کرتي جاتي هے ' اسي قدر مزدوروں کے فوائد اور حالات زندگي میں بهي یکسانیت پیدا هو رهي هے -

سرمایه دار طبقه میں مقابله کي روح جس قدر ترقي کرتي جاتي هے اور تجارتي مشکلات جسقدر بڑهتي جاتي هیں ' اسي قدر مزدوروں کي اجرت میں اتار چڑهاؤ زیاده هوتا جاتا هے - مشینري کي مسلسل اور تیز ترقي مزدوروں کي روزي کو برابر غیر محفوظ بنا رهي هے ' اور انفرادي مزدور اور انفرادي سرمایه دار کا شخصي تصادم ' جماعتي تصادم کي صورت اختیار کرتا جاتا هے - ایک طرف مزدور ' سرمایه داروں کے خلاف متحد هو رهے هیں - دوسري طرف سرمایه دار شرح اجرت برقرار رکهنے کے لیے مزدوروں کے برخلاف جتها بندي کر رهے هیں - انهوں نے اپنے تئیں مستقل انجمنوں کي صورت میں منظم کرلیا هے ' تاکه اچانک تصادم کے لیے پہلے سے طیار رهیں - کهیں کهیں یه باهمي لڑائي بغاوت کي صورت میں بهي پهوٹ چکي هے -

کبهي کبهي مزدوروں کو فتح حاصل هوجاتي هے ' مگر محض تهوڑي مدت کے لیے - اس سے همیں گهبرانا نهیں چاهیے - کیونکه ان کي جد و جهد کا اصلي ثمره فوري کامیابي نهیں بلکه اُن کے بڑهتے هوئے اتحاد میں هے - اِس اتحاد کو موجوده ذرائع آمد و رفت سے جو موجوده صنعت کي ایجاد هیں ' بهت مدد مل رهي هے - مختلف ممالک کے مزدور باهم دگر مل رهے هیں ' اور اِس طرح وه کام انجام پا رها هے جس کي ازحد ضرورت تهي - وه اتحاد جس کے حصول میں قرون وسطی کے شهریوں کو اپني خراب سڑکوں کي وجه سے صدیاں لگ جاتیں ' موجوده مزدوروں کو ریلوے کے ذریعه چند سالوں کے اندر حاصل هوگیا هے -

مزدوروں کي جماعتي اور سیاسي تنظیم خود اُن کے باهمي مقابله کي وجه سے همیشه رک رک جایا کي هے ' لیکن هر مرتبه زیاده قوت ' زیاده استقلال ' اور زیاده استحکام کے ساتهه اُبهري هے - سرمایه داروں کي باهمي پهوٹ سے اُسے کافي فائده پهنچا هے ' اور وه هر موقعه پر مزدوروں کے حقوق و مفاد کے قانوني اعتراف پر مجبور هوگئے هیں -

قدیم سوسائٹي میں جماعتوں کا باهمي تصادم ' مختلف طریقوں سے مزدوري پیشه طبقه کو بڑها رها هے - خود سرمایه دار بهي مجبوراً اسکي ترقي کا باعث هوئے هیں - وه اپنے تئیں ایک مسلسل حالت جنگ میں پاتے هیں - ایک طرف خانداني اِمارت هے ' دوسري طرف خود سرمایه داروں کي وه جماعتیں هیں جنکے مفاد صنعتي ترقي کے منافي هیں - تیسري طرف بیروني ممالک کے سرمایه دار هیں جو هر وقت ٹوٹ پڑنے کیلیے طیار هیں - غرضکه سرمایه داروں کو هر طرف لڑنا اور هر ایک سے نبرد آزمائي کرني پڑتي هے - ظاهر هے ' وه تن تنها اتنے دشمنوں کا مقابله نهیں کر سکتے ' اور مجبور هوتے هیں که مزدوروں سے اعانت کي اپیل کریں - اِس طرح وه خود هي مزدوروںکو سیاسي اکهاڑه میں کهینچ لاتے هیں ' اور اُن کیلیے اجتماعي تعلیم کے عناصر مهیا کردیتے هیں - وه خود هي مزدوروں کے هاتهه میں وه هتیار دیدیتے هیں جو خود اُن کے خلاف استعمال کیے جائینگے !

صرف یهي نهیں بلکه صنعت کي ترقي نے حکمراں طبقه کے تمام حصوں کو بهي عجلت اور گهبراهٹ کے ساتهه مزدوري پیشه طبقه کي طرف دهکیلنا شروع کر دیا هے ' یا کم از کم انکي زندگي خطره میں ڈالدي هے - یهي وجه هے که یه حکمراں جماعت مزدوري پیشه طبقه ' کیلیے ترقي کے بے شمار پرزے مهیا کر رهي هے -

پچھلي نسل کو يه وهم بهي گزرا تها که اجتماعي محنت کي گود ميں ايسي بار آور قوتيں پڑي سو رهي هيں ؟

گزشته بيان ميں هم واضح کر چکے هيں که ذرائع پيداوار اور تبادله جن کي بنيادوں پر سرمايه دار طبقه نے اپني عمارت کهڑي کي هے ' اگرچه جاگيرداري کے عهد ميں پيدا هوئے تهے ' مگر خود جاگير اُنسے کوئي فائده نه اُٹها سکي بلکه اُلٹے اُنکے گرداب ميں پڑکر تباه هوگئي ' کيونکه يه ذرائع پيداوار اور تبادله جب اپني ترقي کي ايک خاص منزل پر پهنچ گئے ' تو وه حالات جنکے ماتحت جاگيردار سوسائٹي پيدا کرتے اور تبادله کرتے تهے ' يعني کاشتکاري و دستکاري کا جاگير دارانه نظام ' ترقي يافته قوتوں کے سامنے ٹهہر نه سکے - وه پيداوار کو سهارا دينے کے بجائے اُسکے حق ميں روک اور بوجهل بيڑياں بن گئے ' جن کا ٹوٹ کرنا ضروري تها - چنانچه اُنکي جگه آزاد مقابلے اور سرمايه دار طبقه کي اقتصادي و سياسي حکومت نے لے لي -

ليکن اب تاريخ نے اپنا اعاده پهر شروع کيا هے ' جو کچهه جاگير داروں پر گزرا هے ' وهي اب سرمايه داروں کو درپيش هے -

سرمايه دارانه حالات ' پيداوار ' تبادله ' سرمايه دارانه املاکي رشتے ' غرضکه پوري موجوده سرمايه دار سوسائٹي جسنے ايسے عظيم الشان ذرائع ايجاد کيے هيں ' سخت مصائب ميں مبتلا هے - اسکي مثال اُس جادوگر کي سي هے جو خبيث طاقتوں کو جگا تو ديتا هے مگر انپر قابو نهيں رکهه سکتا -

بهت زمانه تک صنعت و تجارت کي تاريخ ' جديد بار آور قوتوں کي موجوده حالات کے خلاف ' ايک بغاوت کي عام تاريخ رهي هے - اس سلسله ميں اُن تجارتي مشکلات کي طرف اشاره کر دينا کافي هوگا جو وقتاً فوقتاً پوري سرمايه دار سوسائٹي کے ليے موت و حيات کا سوال پيدا کر ديا کرتي هيں -

ليکن باوجود اِن هولناک خطروں کے ايک عام اجتماعي وبا پهيلي هوئي هے جسکا نام " زائد پيداوار " هے اور جو پچهلے زمانوں ميں يقيناً ايک حماقت معلوم هوتي -

اِس صورت حال کا نتيجه يه هے که سوسائٹي اپنے تئيں اچانک ايک عارضي وحشيانه حالت ميں مبتلا پاتي هے - قحط اور بربادي کي ايک عالمگير جنگ برپا هو جاتي هے - معلوم هوتا هے که صنعت و تجارت اور زندگي کے تمام ذرائع تباه هو جائينگے - کيوں ؟ اس ليے که تهذيب بهت زياده هوگئي هے ' ذرائع زندگي بهت زياده هوگئے هيں ' صنعت بهت زياده هوگئي هے ' تجارت بهت زياده هوگئي هے !

اِن خطرات کا مقابله سرمايه دار کيونکر کرتے هيں ؟ اِس طرح که ايک طرف تو بهت سي بار آور قوتيں بجبر برباد کر ڈالتے هيں ' دوسري طرف نئے بازاروں کو فتح کرتے اور پرانے بازاروں کو مزيد رونق ديتے چلے جاتے هيں - اسکے معني يه هيں که وه اور بهي زياده وسيع اور زياده برباد کن مشکلات کيليے راسته هموار کر رهے هيں اور ساتهه ساتهه وه ذرائع بهي مٹاتے جاتے هيں جنسے يه مشکلات رفع کي جاسکتي تهيں -

غرضکه وه هتيار جنسے سرمايه داروں نے جاگيرداري پر فتح حاصل کي تهي ' اب خود انهيں پر اُلٹ پڑے هيں -

ليکن سرمايه داروں نے صرف يه مهلک هتيار هي نهيں گڑهے هيں ' بلکه وه لوگ بهي پيدا کر ديے هيں جو يه هتيار استعمال کرينگے - وه کون هيں ؟ موجوده مزدور !

جس تناسب سے سرمايه اور سرمايه داروں نے ترقي کي هے ' اِسي تناسب سے مزدوروں نے بهي ترقي کي هے - اِس طبقه کي زندگي اُسي وقت تک هے جبتک اُسے کام ملتا رهے ' اور کام اُسي وقت تک ملتا هے جبتک وه سرمايه کو بڑهاتا رهے - يه مزدور جو اپنے تئيں فرداً فرداً بيچ ڈالنے پر مجبور کر ديے گئے هيں ' تجارت کي دوسري چيزوں کي طرح ايک جنس هوگئے هيں اور مقابله کے هير پهير اور نرخ کے چڑهاؤ اُتار سے هميشه مصيبت جهيلتے رهتے هيں -

مزدور کا کام ' کلوں کے کثرت استعمال اور محنت کي تقسيم کے باعث اپني انفرادي شخصيت سے محروم هوگيا هے اور اب مزدور کيليے اپنے اندر کوئي خاص کشش نهيں رکهتا - مزدور مشين کا محض ايک ضميمه بنا ديا گيا هے ' جس سے نهايت آسان کام کي خواهش کي جاتي هے - جسکا نتيجه يه هے که اب اُسکي قيمت گهٹ کر بس اِتني هي ره گئي هے که مزدور بمشکل اُس سے اپني قوت لايموت کا سامان کرسکتا هے -

اب ايک مصنوعي برتن اور مزدور ' دونوں هم درجه چيزيں هوگئي هيں جنکي قيمت اُنکي لاگت کے حساب سے هوتي هے - يهي سبب هے که جوں جوں محنت سستي هوتي جاتي هے ' مزدوري بهي گهٹ رهي هے - پهر تماشه يه هے که جسقدر کام کي تقسيم اور کلوں کا استعمال بڑهتا جاتا هے ' اِسي قدر کام کا بوجهه بهي بڑه رها هے ' يا تو کام کے گهنٹے بڑها ديے جاتے هيں ' يا زياده کام ايک خاص وقت ميں ليا جاتا هے ' يا مشين کي رفتار ميں اضافه کر ديا جاتا هے ' (وغيره وغيره)

موجوده صنعت نے نيک آقا کي چهوٹي سي دکان کو صنعتي سرمايه دار کے بڑے کارخانه کي صورت ميں بدل ديا هے - مزدوروں کے غول کے غول کارخانوں ميں بهرے هوئے هيں جن کي تنظيم سپاهيوں کي طرح کي جاتي هے ' اور جو سپاهيوں هي کي طرح چهوٹے بڑے افسروں کي ايک مطلق العنان حکومت کے شکنجه ميں جکڑ ديے گئے هيں - وه نه صرف سرمايه دار طبقے اور سرمايه دار حکومت کے غلام هوتے هيں ' بلکه انهيں شب و روز هر سرمايه دار صناع کي بهي غلامي کرني پڑتي هے -

جسقدر کهلے الفاظ ميں يه خود سر حکومت اعلان کرتي جاتي هے که خود غرضي اور منفعت شخصي اس کا مقصد هے ' اُسي قدر وه حقير ' نفرت انگيز ' اور تکليف ده هوتي جاتي هے !

دستي مشقت ميں قوت اور چستي کي ضرورت جتني کم هوتي جاتي هے ' يعني موجوده صنعت جس قدر زياده ترقي کرتي جاتي هے ' اُسي قدر مردانه محنت کي جگه زنانه محنت کو دي جارهي هے - مزدوري پيشه طبقه کے ليے اب عمر اور جنس کا اختلاف کوئي معاشرتي اهميت نهيں رکهتا - مزدور مرد اور عورتيں سب کے سب محنت کے پرزے هوگئے هيں جن کي قيمت عمر اور جنس کے لحاظ سے گهٹتي بڑهتي رهتي هے -

جوں هي مزدور کو اپنے سرمايه دار آقا سے مزدوري ملتي هے ' فوراً دوسري سرمايه دار جماعتيں اُس پر ٹوٹ پڑتي هيں : مکان دار ' دوکان دار ' ساهوکار ' غرضکه سب کے سب اُس کے لوٹنے کهسوٹنے کو آ موجود هوتے هيں -

عظمت کا باب اِسي وقت سے شروع هوتا هے - اِسي سفر میں اُس کي دماغي قابلیت ، محققانه روح ، اور عزم و همت کي قوت ظاهر هوتي هے - اِسي سفر میں اُسے فارسي اور ترکي زبانیں بهي سیکهني پڑتي هیں - فارسی زبان سے سیاح کو بهت مدد ملي ، خصوصاً هندوستان میں ٹهیک اُسي طرح جس طرح اُس کے پیشرو ، مارکو پولو کو تاتاري زبان سے مدد ملي تهي !

غرضکه ابن بطوطه اپنے مشرقي سفر پر روانه هوگیا - نجد اور صحراء عرب کو طے کرکے عراق پهنچا راستے کے جمله حالات و آثار مفصل قلم بند کیے - پهر دجله و فرات کو عبور کرکے عراق عجم میں داخل هوا ، اور شیراز و اصفهان وغیره کی سیر کي - لیکن وه آگے نهیں بڑها بلکه لوٹ کر پهر دجله و فرات عبور کیا اور عراق عرب میں سفر شروع کردیا - اُس وقت بغداد کي حالت نهایت زبون تهي - تاتاریوں کی تخریب کے بعد ، عباسي دار الخلافه ویران هوگیا تها - ابن بطوطه یهاں بهت متأثر نظر آتا هے اور ایک سچے مسلمان کي طرح رنج و غم کا اظهار کرتا هے -

بغداد سے سیاح ، موصل پهنچا - موصل سے نصیبین اور سنجار آیا - اِس سر زمین کے تمام امراء و سلاطین سے ملاقات کي یهاں پر اُس کي سیاحت اچانک منقطع هوجاتی هے - نهیں معلوم کیوں ، وه پهر بغداد اور بغداد سے مکه پهنچ جاتا هے - وه هم سے صرف اِس قدر کهتا هے که دوسري مرتبه مکه معظمه اِس حال میں پهنچا که سخت بیمار تها - چنانچه کامل ایک سال جوار بیت الله میں مقام رهتا هے - اِس طویل اقامت کے بعد پهر اُس میں نیا جوش پیدا هوتا هے اور پہلے سے بهي زیاده طویل سفر پر روانه هوجاتا هے -

چنانچه وه یمن پهنچتا هے - پهر سومال جاتا هے - پهر ساحل بحر عرب کے تمام ممالک کي سیر کرتا هوا عمان اور بحرین میں جا نکلتا هے - بحرین میں موتي نکالنے والوں سے ملتا هے - مگر ٹهرتا نهیں اور صحراء طے کرکے سه باره مکه معظمه میں وارد هوتا هے - یهاں ملک الناصر شاه مصر سے اُس کي ملاقات هوتي هے

حج کے بعد پهر سفر شروع کرتا هے اور اِس مرتبه بحر احمر عبور کرکے سوڈان ، بلاد نوبه ، صعید مصر کی سیاحت کرتا هوا قاهره پهنچتا هے - لیکن قیام نهیں کرتا بلکه شام چلا جاتا هے اور ساحل لاذقیه سے جهاز پر بیٹهه کے سنه ۷۳۳ ھ (سنه ۱۳۳۳ع) میں ساحل اناطولیه پر قدم رکهتا هے -

(اناطولیه)

اُس وقت اناطولیه میں سلجوقي امراء و سلاطین کا دور دوره تها - لیکن آل عثمان کا قبیله عروج حاصل کررها تها - آهسته آهسته سلجوقي امراء اُس کے سامنے هتیار رکهتے جاتے تهے - سلطنت عثمانیه کے باني اول عثمان نے بیزنطیني شهنشاهي میں بهي دور تک هاتهه پاؤں پهیلا دیے تهے - اُس وقت عثماني ریاست کا پایۂ تخت بروسه تها اور ابن بطوطه کے زمانے میں سلطان آرخان بن عثمان کي حکومت تهي -

آرخان کے علاوه سلجوقي امراء میں سب سے زیاده طاقتور محمد اُزبک خاں شاه شمال تها - یه شهنشاه قسطنطنیه کا داماد بهی تها - ابن بطوطه یه ملک دیکهه کر بهت متعجب هوا - کیونکه اگرچه یهاں اِسلام کو غلبه حاصل هوچکا تها مگر نومسلموں کے عادات و اطوار عجیب طرح کے تهے - اِبن بطوطه نے پورے ملک کي سیاحت کي هے اور بڑی تفصیل سے جمله حالات بیان کیے هیں - یه عجیب بات هے که هر ملک میں وه قصر شاهي تک رسائي حاصل کرلیا کرتا تها - یهاں کے بهي تمام اُمراء و سلاطین سے اُسنے ملاقاتیں کیں

(قسطنطنیه)

اناطولیه سے وه قسطنطنیه کو چلا - خوش قسمتي سے اُس زمانے میں سلطان محمد اُزبک خاں کی ملکه " خاتون بیلون " بهي اپنے باپ شهنشاه قسطنطنیه کي ملاقات کو جا رهي تهي - اِبن بطوطه اِسي شاهي قافله میں داخل هوگیا اور سنه ۷۳۳ ھ - سنه ۱۳۳۳ع میں نهایت تزک و احتشام سے بیز نطیني پایۂ تخت میں داخل هوا -

سیاح خود اپني زبان سے یه واقعه اِس طرح بیان کرتا هے :

" هم زوال کے وقت قسطنطنیۂ عظمیٰ میں داخل هوئے - پورے شهر میں ناقوس اِس زور سے بج رهے تهے که در و دیوار تک گونج اٹهے تهے - هم قصر شاهي کے پہلے پهاٹک پر پهنچے - وهاں سو سنتري اپنے سپه سالار کے ساتهه کهڑے تهے اور آپس میں کهه رهے تهے " سراکنون ، سراکنون " جس کے معنی هیں " مسلمان " (یوناني زبان میں Sarrazino عرب مسلمانوں کا نام هے - شاید اِبن بطوطه نے یهي لفظ سنا هوگا)

پهر وه شهنشاه سے اپني ملاقات کا حال لکهتا هے :

" چوتهے دن خاتون نے اپنا غلام سنبل هندي میرے پاس بهیجا - وه مجهے قصر شاهي میں لے گیا - هم چار پهاٹکوں سے گزرے - هر پهاٹک میں مسلح سپاهي موجود تهے - پانچویں پهاٹک پر غلام مجهے چهوڑ کر چلا گیا - پهر چار رومي نو جوانوں کو لے کر لوٹا - اُنهوں نے میري تلاشي لي که کوئي چهري تو چهپي هوئي نهیں هے - افسر نے بتایا که یهاں کا دستور ایسا هي هے - جو شخص بهي بادشاه سے ملنا چاهتا هے ، اُس کي تلاشي ضرور لي جاتي هے - پهر پهاٹک کهولا گیا - میں اندر داخل هوا - چار آدمیوں نے مجهے گهیر لیا - دو مجهے آگے سے پکڑے تهے ، دو پیچهے تهے - میں ایک بڑے ایوان میں داخل کیا گیا - اُس کي دیواریں بهت آراسته تهیں - قسم قسم کے حیوانات و نباتات کي تصویریں بني تهیں - بیچ میں فواره تها - دونوں جانب سپاهي صف بسته کهڑے تهے اور بالکل خاموش تهے - وسط میں تین اور آدمي کهڑے تهے - اِنهوں نے مجهے میرے محافظوں سے لے لیا اور اُسي طرح پکڑ کرلے چلے - انمیں ایک یهودي تها - یهودي نے مجهه سے عربي میں کها " ڈرو نهیں ، میں ترجمان هوں " پهر میں ایک عظیم گنبد میں داخل کیا گیا - شهنشاه مع اپني ملکه کے تخت شاهي پر جلوه افروز تها - داهني طرف چهه آدمي کهڑے تهے - بائیں طرف چار آدمي تهے - سب هتیار بند تهے - بادشاه کے قریب پهنچنے سے پہلے مجهه سے کها گیا که ٹهوڑي دیر بیٹهه کر حواس درست کرلو - پهر میں تخت شاهي کے سامنے پهنچایا گیا - میں نے سلام کیا - بادشاه نے بیٹهنے کا اِشاره کیا - مگر میں بیٹها نهیں - بادشاه نے مجهه سے بهت سے سوال کیے - بیت المقدس کي بابت پوچها - مقدس چٹان ، مولد مسیح ، بیت لحم شهر خلیل ، کا حال دریافت کیا - پهر دمشق ، مصر عراق ، اور رومي ممالک کے حالات پوچهے - میں نے هر سوال کا جواب دیا - یهودي ترجمه کرتا جاتا تها - شاید شهنشاه کو میري گفتگو پسند آئي - چنانچه اُس نے اپنے لڑکوں سے کها اِس شخص کی عزت کرو اور امن و امان میں رکهو - پهر میرے لیے خلعت کا حکم دیا نیز ایک آراسته گهوڑا اور چهتر بهي عنایت کیا ، جو شاهي امان کي علامت هے "

اِس شهنشاه کا نام اِبن بطوطه نے تکفور اور اُس کے باپ کا نام جرجیس لکها هے - ممکن هے یه اُن کے مسیحي نام هوں - ورنه

جس طرح پچھلے زمانہ میں شرفاء کا ایک حصہ سرمایہ داروں میں آ ملا تھا ' اسی طرح اب سرمایہ داروں کا ایک حصہ مزدوروں میں آ رہا ہے ' خصوصاً وہ مفکر حصہ جسے اِس تاریخی تحریک کا نظری علم حاصل ہوگیا ہے -

تمام جماعتیں جو فی الحال سرمایہ دار طبقہ سے برسر جنگ ہیں ' انمیں صرف مزدوری پیشہ جماعت ہی ایک حقیقی انقلابی جماعت ہے - باقی تمام دوسری جماعتیں موجودہ صنعت کے سامنے سڑتی اور گلتی چلی جاتی ہیں - اور یہ کچھہ عجیب نہیں ' کیونکہ مزدوری پیشہ طبقہ ہی صنعت و حرفت کی خاص اور براہ راست پیداوار ہے -

رہا ادنی اور متوسط طبقہ ' چھوٹے چھوٹے دستکار ' معمولی دکاندار ' زراعت پیشہ زمیندار ' تو یہ سب سرمایہ دار طبقہ سے اس لئے جنگ کر رہے ہیں کہ متوسط طبقہ کے رکن ہونے کے لحاظ سے اپنی حیثیت برقرار رکھیں - یہ جماعتیں انقلابی نہیں بلکہ قدامت پسند ہیں - قدامت پسند ہی نہیں بلکہ رجعت پسند بھی ہیں - وہ تاریخ کا چکر لوٹا کر الٹا چلانے کی کوشش کر رہی ہیں - اگر وہ کبھی انقلابی ہو بھی گئیں ' تو صرف اس خوف سے ہونگی کہ مبادا مزدوری پیشہ طبقہ میں جبراً دھکیل نہ دی جائیں -

گزشتہ سوسائٹی کے معاشرتی حالات اب مزدوروں کے معاشرتی حالات میں مدغم ہو چکے ہیں - مزدوری پیشہ طبقہ بغیر کسی ملکیت کے ہے ' اسکے اپنے بیوی بچوں سے رشتے سرمایہ دارانہ خاندانی رشتوں سے بالکل مختلف ہیں - موجود صنعتی محنت اور سرمایہ داری نے انگلینڈ ' فرانس ' امریکہ ' اور جرمنی میں مزدوروں کے تمام قومی اخلاق خراب کر ڈالے ہیں - مزدوروں کے حق میں قانون ' اخلاق ' مذہب ' ٹٹیاں ہیں جنکے پیچھے بیٹھکر سرمایہ دار انھیں شکار کیا کرتے ہیں -

تمام گزشتہ جماعتوں نے طاقت پا کر ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ اپنی حیثیت مضبوط کرنے کیلیے تمام سوسائٹی کو اپنے ہی طریق عمل کا پابند کردیں - مزدوروں کو بھی اسی اصول پر عمل کرنا چاھئے - وہ سوسائٹی کی بار آور قوتوں پر قابو حاصل نہیں کر سکتے جبتک کہ سکے تمام پرانے دستوروں کو منسوخ نہ کردیں - خود مزدوروں کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسکی انھیں حفاظت کرنی ضروری ہو - انھیں شخصی ملکیت کی تمام سابق پابندیاں اور ضمانتیں منسوخ کردنی چاھئیں -

تمام پچھلی تاریخی تحریکیں یا تو آبادی کی اقلیت کی تحریکیں تھیں ' یا انکے مفاد کیلیے تھیں - لیکن مزدوروں کی تحریک بالکل دوسری ہی نوعیت کی ہے - وہ عظیم الشان اکثریت کی ایک حساس تحریک ہے اور عظیم الشان اکثریت کے مفاد کیلیے ہے -

مزدوری پیشہ طبقہ ' موجودہ سوسائٹی کی سب سے نچلی پرت ہے - وہ اس وقت تک نہیں اُٹھہ سکتا ہے ' جبتک کہ اوپر کے وہ تمام پرت جن سے حاکمانہ سوسائٹی مرکب ہے ' پرزے پرزے کر کے اڑا نہ دیے جائیں -

اگرچہ مزدوروں کا قیام قومی بنیادوں پر نہیں ہے ' لیکن سرمایہ داروں کے برخلاف انکی جد و جہد ضرور قومی ہے - ہر ملک کے مزدوروں کو قدرتی طور پر سب سے پہلے اپنے یہاں کے سرمایہ داروں سے نپٹ لینا چاھئے

ابن بطوط کی سیاحت

(ایشیائی تاریخ میں اُس کا مرتبہ)

(عبد اللہ عنان ایک مصری اهل قلم کے قلم سے)

عین اُس زمانے میں جبکہ مارکو پولو نے اپنی ایشیائی سیاحت ختم کی ' طنجہ (مراکش) میں ایک مسلمان سیاح پیدا ہوا (۷۰۳ ھ - سنہ ۱۳۰۴ ع) اِس کا نام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ تھا - بعد میں دنیا نے اُسے ابن بطوطہ کے نام سے جانا - آٹھویں صدی ھجری کی چند ممتاز شخصیتوں میں سے ایک شخصیت اس کی بھی ہے -

ابن بطوطہ کی طفولیت اور ابتدائی تعلیم و تربیت سے ہم ناواقف ہیں - لیکن اُس کے سفر نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے دینی علوم میں پوری طرح مہارت حاصل کرلی تھی - ہم اُن اسباب سے بھی ناواقف ہیں جنھوں نے اِس طویل سیاحت پر اُسے آمادہ کیا - زیادہ سے زیادہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ۲۲ سال کی عمر میں اُسے حج اور بیت اللہ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا اور اِسی ارادے سے وہ وطن سے نکلا - معلوم ہوتا ہے اِس سفر کے لیے اُس کی مادی طیاری کافی نہ تھی - تاہم وہ جرأت کرکے چل پڑا اور مغرب اقصیٰ کے بڑے بڑے شہر : تلمسان ' الجزائر ' بجایہ ' قسطنطنیہ سے گزرتا ہوا تیونس پہنچا اِس وقت سیاح کا آغاز شباب تھا - غریب الوطنی کے مصائب سے ناآشنا تھا - خود بیان کرتا ہے کہ جب تیونس میں اُسے کسی نے اجنبیت کی وجہ سے سلام نہ کیا " تو اُس کا دل بے اختیار ہوگیا - آنسو جاری ہوگئے - اور سخت رنج و الم محسوس ہوا ! "

حاجیوں کے قافلہ کے ساتھہ وہ پہلے طرابلس پھر اسکندریہ پہنچا - یہ اُس کے سفر کا دسواں مہینہ تھا - اسکندریہ ' اُسے بہت پسند آیا اور اُس نے گوارا نہ کیا کہ سرسری طور پر دیکھہ کر آگے بڑھ جائے - چنانچہ وہ ٹھہر گیا اور ایک محقق سیاح کی طرح شہر اور اُس کے آثار کی تحقیقات شروع کردی - یہاں سے فارغ ہوکر قاہرہ پہنچا - پایۂ تخت کی عمارتیں ' مسجدیں ' اهرام دیکھے - پھر پورے ملک کی ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیاحت کی - اِسی قدر نہیں بلکہ وہ مصر کے علماء ' امراء ' حتیٰ کہ بادشاہ تک سے ملا - یہ زمانہ ملک ناصر بن قلاوون کا تھا -

مصر سے صحراء سینا کی راہ فلسطین پہنچا اور وہاں کے اسلامی اور مسیحی مقامات مقدسہ کی سیر کی - پھر شام گیا اور تمام بڑے بڑے شہر اور آثار دیکھے - شام سے صحراء کو عبور کرکے حجاز پہنچا اور حج سے مشرف ہوا -

ہم کہہ چکے ہیں کہ اُس نے حج کی نیت سے سفر شروع کیا تھا - مگر اُس میں کامیاب ہونے کے بعد وہ وطن واپس نہیں ہوا - معلوم ہوتا ہے اِسی زمانے میں اُسے مشرقی دنیا کی سیاحت کا خیال پیدا ہوا - چنانچہ وہ عراق کے ارادے سے چل پڑا اب اُسے صحراء عرب سے گزرنا تھا - یہ مرحلہ بہت ہی سخت تھا - اب تک اسے کوئی ایسا خطرناک سفر پیش نہیں آیا تھا - تاہم وہ بے خوف و خطر روانہ ہوجاتا ہے - درحقیقت ابن بطوطہ کی سیاحت اور

هوائی سفر کا ایک نیا تجربہ !

سائنٹفک امریکن کي آخري اشاعت نے امریکه کے ایک نئے فضائي تجربه کي روئداد شایع کي ہے - معمولي اتفاقات کس طرح علمي تجارب کے نئے نئے دروازے کھول دیتے ہیں ؟ یه واقعه اس حقیقت کي ایک تازه مثال ہے !

واشنگٹن کے قریب ایک بحري تنگه نائے پر بجلي کے تاروں کا سلسله قائم ہے - یه تار معمولي کھمبوں پر نصب ہیں - جس طرح کے کھمبے ہر جگه تار کا سلسله قائم کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں - پچھلے دنوں بجلي کے کارخانه کے بعض افسروں نے اراده کیا که اگر تار کا تمام سلسله رنگ دیا جاے تو حفاظت اور پائداري کے لیے بہتر ہوگا - لیکن مشکل یه پیش آئي که موجوده نصب و قائم حالت میں رنگنے کا انتظام کیونکر ہو ؟ تار کا بڑا حصه تنگ نائے کے اوپر سے گزرا ہے ' اور نہایت بلندي پر واقع ہے - کوئي کشتي ' کوئي جہاز ' کوئي سواري ' اس غرض کے لیے کام نہیں دے سکتي تھي - بالآخر انھوں نے غور کرنا شروع کیا که خاص اس غرض کے لیے کوئي نیا ذریعه پیدا کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ تھوڑي سي کاوش کے بعد وہ ایک نیا مگر عجیب قسم کا ذریعه پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے - نوعیت کے اعتبار سے یه نہایت سہل اور ساده قسم کي چیز ہے - لیکن محل استعمال کے لحاظ سے ایک عظیم فضائي تجربه کا دروازه کھول رہي ہے - اس تجربه سے ثابت ہوگیا که اگر ضرورت پیش آجاے ' تو ایسي فضائي سواري استعمال کي جا سکتي ہے جو تار کے معمولي سلسلوں پر ایک نقطه سے دوسرے نقطه تک بغیر کسي خطرے کے سوار کو پہنچا دے !

تصویر میں یه سواري تار پر چلتي ہوئي نظر آ رہي ہے - دوسري تصویر میں وہ ابتدائي نقطه دکھلایا گیا ہے جہاں سے روانگي شروع ہوئي ہے ' اور پہلي میں درمیاني حالت دکھلائي ہے - یه ایک پتلا سا تخته ہے جس میں ہاتھه سے چلانے کي چرخي لگي ہے ' اور چھوٹے چھوٹے پہیوں سے تار پر دوڑ رہا ہے - سائنٹفک امریکن کا نامه نگار کہتا ہے " دو آدمي اس آله پر سوار ہوے اور بغیر کسي حادثه کے تار پر سفر کرتے ہوے چلے گئے " اس اتفاقي تجربے سے ثابت ہوگیا که تار پر معلق چلنے والي ٹرینوں کي تجویز پوري طرح کامیاب ہو سکتي ہے - نیز اگر ضرورت پیش آجاے ' تو دنیا کي بڑي بڑي بحري آبنائیں معلق سواریوں کے ذریعه به آساني زمین سے ملا دي جا سکتي ہیں -

معلوم هے که اُس عهد کے قیصر کا نام اندرو نیکوس ثالث تھا اور اُسکا باپ اندرونیکو ثاني تھا -

اُس زمانے میں قسطنطنیه اپني سابق عظمت سے بہت کچھه محروم هوچکا تھا - ستر برس پہلے صلیبي مجاهدوں نے اُسے فتح کیا اور بہت کچھه برباد کرکے چلے گئے - تاهم اب بھي وہ عروس البلاد تھا - اِبن بطوطه نے پوري تدقیق سے اُس کا حال لکھا هے - ایک جگه کہتا هے :

" یه شہر بہت هي عظیم الشان هے - دو حصوں میں منقسم هے - وسط میں ایک بہت زیادہ مد و جزر رکھنے والا دریا موجزن هے - (یعني قرن الذهب) اِس دریا کا نام " ابسمي " هے - شہر کے ایک حصے کا نام " اصطنبول " هے اور دریا کے مشرقي کنارے پر آباد هے - اِسي میں قصر شاهي اور امراء کے محل هیں - یه حصه بہت آباد هے - بازار پر رونق هیں - سڑکیں کشادہ اور پخته هیں - شہر ایک پہاڑ پر آباد هے جو نو میل تک سمندر میں پھیلتا چلا گیا هے - اُس کي چوٹي پر ایک چھوٹا سا قلعه اور شاهي محل هے - ایک دیوار اِس پہاڑ کو گھیرے هوئے هے اور سمندر کي طرف سے اُسے مسخر کرنا نا ممکن هے - اِسي حصے کے وسط میں کلیسا ایا صوفیا هے - شہر کے دوسرے حصے کا نام " غلطه " هے - وہ دریا کے مغربي کنارے پر هے - اِس حصے میں فرنگي نصاری رهتے هیں - چنانچه جنیوا ' وینس ' روم ' فرانس ... کے باشندے موجود هیں "

عرب سیاح نے بڑي تفصیل سے قسطنطنیه کے گرجوں اور خانقاهوں کا حال لکھا هے - خاص شاهي اذن سے اُس نے ترجمان کے ساتھه اِن تمام مقامات کي سیر کي تھي -

قسطنطنیه میں چند هفتے مقیم رها - یوناني تمدن کا اُس کے دل و دماغ پر گہرا اثر پڑا - پھر وہ دوبارہ اناطولیا طے کرکے ترکستان کي طرف بڑھا اور خوارزم میں اترا - اُس وقت یه صوبه مذکور الصدر سلطان محمد ازبک کے زیر نگیں تھا - یہاں سے بخارا پہنچا - شہر تاتاري حمله سے برباد هو چکا تھا - عرب سیاح نے حضرت امام بخاري جامع حدیث کي قبر کي زیارت کي - پھر بلوچستان هوتا هوا هندوستان میں داخل هوا ' اور سنه ۷۳۴ ھ میں پنجاب پہنچ گیا -

ابن بطوطه کا سفر هندوستان بہت طویل تھا - اُس نے اِس بر اعظم کو مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک طے کیا - حتی که سیلون تک پہنچا - هندوستان کے مسلمان بادشاهوں سے ملاقاتیں کیں - سلطان محمد شاہ سے بہت تقرب حاصل هوگیا تھا - یہاں وہ کئي سال رها اور منصب قضاء پر مامور هوگیا - نیز کئي سیاسي سفارتوں پر بھي گیا ' اور پادشاہ کی بہت سي خدمات بجا لایا -

هندوستان کے حالات ابن بطوطه نے بہت تفصیل سے بیان کیے هیں - هندوؤں کے رسم و رواج ' عبادات ' عادات پر بحث کي هے - هندوستان میں ایک مرتبه اُسے ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تھا - اُس کے کاغذات بھي لے گئے تھے - سیاح اپنے کاغذات کے نقصان پر بہت متأسف هے - کیونکه اُن میں اُس کے سفر کي یاد داشتیں بھي تھیں -

هندوستان سے وہ جاوا اور سماٹرا گیا - پھر شمال کي طرف روانه هوا - وہ هم سے کہتا هے که یه سفر چین کا تھا - مگر تفصیل سے معلوم هوتا هے که وہ چیني هندوستان اور جنوبي چین سے آگے نہیں بڑھا - شمال میں اُس کا سفر بہت هي محدود تھا - چین سے پھر جاوہ کے طرف لوٹا - جاوہ سے هندوستان آیا - پھر فارس ' عراق ' شام ' مصر هوتا هوا تیونس پہنچا - تیونس سے جہاز پر بیٹھا ' اور سنه ۷۵۳ ھ میں فاس پہنچ گیا - یعنی کامل ۲۵ سال سفر کے بعد وطن واپس هوا !

لیکن اپنے وطن طنجه میں اُس کا قدم زیادہ دن تک نہیں جما - اندلس کي سیاحت پر روانه هوگیا - اُس وقت یه اسلامي سلطنت سمٹ کر غرناطه کے علاقه میں محصور هوگئي تھي - سلطان ابو الحجاج یوسف بن الولید النصري کا زمانه تھا - ابن بطوطه نے وهاں کے علماء و فقہاء سے ملاقاتیں کیں ' قدیم آثار دیکھے ' پھر مراکش واپس آ گیا -

مگر یه واپسي بھي عارضي تھي - تھوڑے هي عرصه بعد صحراء اعظم کي راہ سے سوڈان کے سفر پر روانه هوگیا - لیکن یه اُس کا آخري سفر تھا - سلطان ابو عنان شاہ مراکش مزید سفر سے مانع هوا اور اپني مصاحبت پر اصرار کیا - یه واقعه سنه ۷۵۵ ھ کا هے - ابن بطوطه نے مسلسل ۳۰ برس تک سیاحت کي - ۲۲ برس کي عمر میں سیاحت شروع کي اور ۵۵ - برس کي عمر میں ختم کي -

ابن بطوطه سلطان مراکش کا درباري بن گیا - سلطان اُس کے حالات سفر سن کر بہت مسرور هوتا تھا - بعض لوگ ابن بطوطه کي صداقت میں اُسي طرح شبه کرتے تھے ' جس طرح اِس کے پیشرو مارکو پولو کو اُس کے هم عصروں نے غلط بیان قرار دیدیا تھا - ابن بطوطه کو ابناء زمانه کي اِس بے قدري پر بہت افسوس تھا - ایک جگه وہ نہایت رنجیدہ هوکر لکھتا هے " خدا جانتا هے میرے بیانات صحیح هیں - خدا کي گواهي میرے لیے کافي هے "

علامۂ ابن خلدون نے جب اپني تاریخ کبیر مدون کرنا شروع کي ' تو ابن بطوطه اور اُس کي سیاحت کا قصه تازہ تھا - وہ اپنے مقدمه میں لکھتے هیں :

" سلطان ابوعنان کے عہد میں طنجه کا ایک شخص ابن بطوطه نام مراکش میں آیا - یه مشرق میں سیاحت کرچکا تھا - عراق ' یمن هندوستان وغیرہ ممالک میں پھرا تھا - شاہ هند کے پایۂ تخت دهلي میں بھي گیا تھا ' اور سلطان محمد شاہ کا مقرب هوگیا تھا ' حتی که عہدۂ قضا پر بھي مامور هوگیا - سفر سے واپسي کے بعد اُسنے سلطان ابوعنان کے دربار میں رسوخ حاصل کیا - وہ اپنے عجیب عجیب مشاهدے بیان کیا کرتا تھا - حتی که بہت سے لوگ اُسے جھوٹا سمجھنے لگے تھے - ایک دن میں نے سلطان کے وزیر فارس بن وردار سے اِس بارے میں گفتگو کي اور بتایا که لوگ کس طرح اُس کي تکذیب کر رهے هیں - وزیر نے مجھے جواب دیا " تمھیں اُن سلطنتوں کے حالات کا انکار نہیں کرنا چاهیے جن سے ناواقف هو "

اِبن بطوطه کو مارکو پولو پر کئي حیثیتوں سے امتیاز حاصل هے - آخر الذکر نے بر اعظم ایشیا کا صرف وسطي حصه دیکھا تھا - لیکن اِبن بطوطه کي سیاحت بہت طویل تھي - ایشیا کے علاوہ افریقه کے بہت سے حصے اور یورپ میں قسطنطنیه اور اُندلس کي بھي اُس نے سیر کي تھي - پھر اُس کے مشاهدات بہت زیادہ محققانه تھے - اُس کا سفرنامه اُس عہد کے ایشیا اور افریقه کي تاریخ اور جغرافیه میں بہت زیادہ اهمیت رکھتا هے - اُس کا اِسلوب بیان بھي زیادہ شگفته ' مکمل ' اور علمي هے -

صلیب اور خون

(بیوریا میں ایک پر اسرار عورت !)

یورپ کي عقل پرستي اور مشرق کي توهم پرستي کا غلغله صدیوں سے بلند هے - مشرقي ممالک میں عام طور پر یه خیال پیدا کردیا گیا هے که هر طرح کي توهم پرستي اور غیر معقول خوش اعتقادي صرف مشرقي اقوام هي میں پائي جاتي هے - باشندگان یورپ کے عقل و دماغ ان تمام امراض سے محفوظ هیں ! لیکن واقعه یه هے که سنه ۱۹۲۷ کے یورپ میں بهي هزاروں لاکهوں انسان ایسے موجود هیں ' جنکي مذهبي توهم پرستیاں کسي طرح بهي مشرقي اقوام کي خوش اعتقادیوں سے کم نہیں هیں !

یورپ کي پچهلي ڈاک کے اخبارات سے معلوم هوتا هے که بیوریا کے ایک کاشتکار خاندان کي لڑکي تهریسا نیومین نامي کي نسبت هزاروں لاکهوں انسانوں کا اعتقاد هے که وہ ایک مسیحي معجزہ کے اعلان کے لیے بهیجي گئي هے - دور دور سے لوگ اُس کي زیارت کے لیے آتے هیں ' اور یقین کرتے هیں که اُس کي زیارت سے اور اس کا دامن چهو لینے سے هر طرح کي بیماریوں سے نجات مل جاتي هے !

یه " مسیحي معجزہ " کیا هے ؟

تهریسا بے هوشي کي حالت میں

بائیں جانب تهریسا هے - دهني جانب ایک راهبه هے جو اُسے گرجا لے جا رهي هے !

بیان کیا جاتا هے که تهوڑے تهوڑے وقفه کے بعد یه لڑکي بے هوش هو جایا کرتي هے - اور بے هوشي کي حالت میں اسکے تمام جسم پر صلیب کے سے نشان پڑجاتے هیں - نیز پیر کے تلوؤں سے خون بهي جاري هو جاتا هے - جب هوش میں واپس آتي هے ' تو صلیبي نشان معدوم هو جاتے هیں ' اور خون کا بهنا بهي بند هو جاتا هے - اخبارات کا بیان هے که نه صرف علاقه کے پادریوں نے بلکه سرکاري افسروں نے بهي بے هوشي کي حالت میں اس لڑکي کا معائنه کیا هے ' اور سب متفقه طور پر تصدیق کرتے هیں که صلیب کے نشان جسم پر نمایاں هو جاتے هیں - عجب نہیں یه لڑکي هسٹریا یعني اختناق الرحم کي کسي غیر معروف قسم میں مبتلا هو -
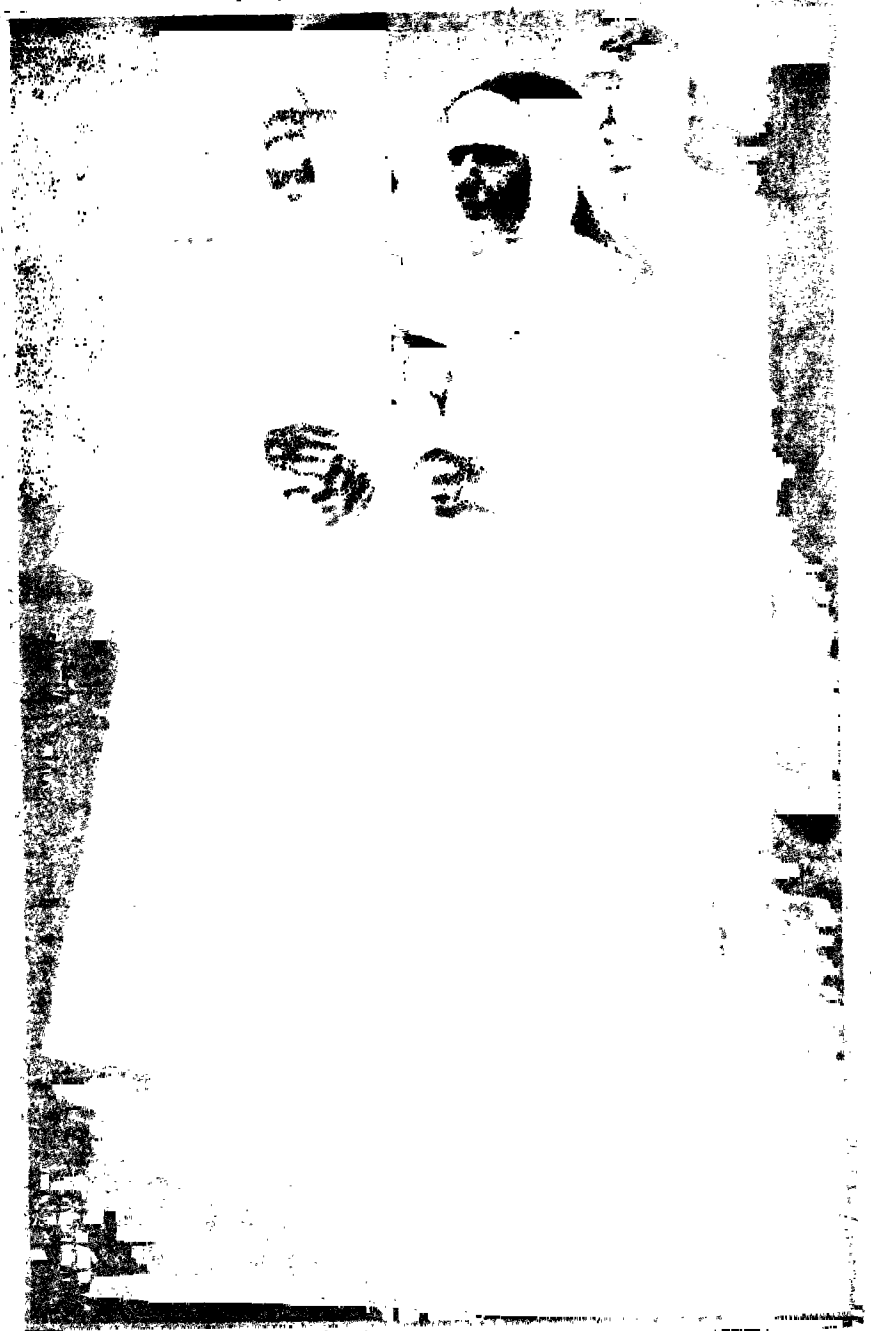
بالشویک روس کی عدالت

جو نو جاسوسوں کے قتل کا فیصلہ لکھہ رھي ہے !

ابھي تھوڑا عرصہ ھوا ' خبر آئي تھي کہ حکومت روس نے ۲۶ آدمیوں کو جاسوسي کے جرم پر گرفتار کیا ھے جن میں سے ۹ ملزموں کو قتل کي سزا دي گئي - یہ مرقع اُسي مقدمہ سے تعلق رکھتا ھے - اور گرفیک لندن کے نامہ نگار نے موسکو سے بھیجا ھے -

روسي تبلیغ و اشاعت
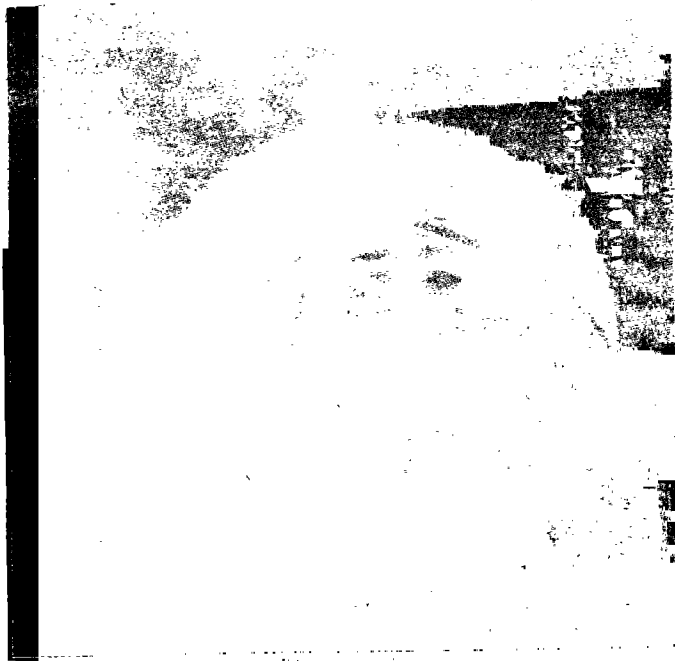
حال میں روسیوں نے ایک قومي میلہ کي تقریب پر ایک نہایت دلچسپ مجسمہ " سرمایہ داري " کا طیار کیا تھا جو ایک موٹر کار پر نصب تھا اور تمام قصبوں اور قریوں میں اُسکي نمایش کي گئي تھي - یہ مجسمہ کرہ کا ایک ڈھانچا ھے ' جسکے اوپر ایک انسان بیٹھا ھوا ھے - کرہ سے مقصود تمام دنیا ھے ' اور انسان سے مقصود " سرمایہ داري " کي طاقت ھے - گویا سرمایہ داري نے تمام کرۂ ارضي اپنے قبضہ میں کر رکھا ھے !

" سرمایہ داري " کي ھمہ گیري و عالم افگني کي مجسم تمثیل !

لاسلکی عکاسی

(۲)

(۱)
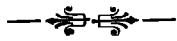
یہ دو تصویریں " لا سلکي عکاسي " کے تجارب کا آخري تجربہ پیش کرتي ھیں " لا سلکي عکاسي " سے مقصود وہ نیا انکشاف ھے جس کے ذریعہ دور دراز مقامات سے بغیر رویت و حضور کے تصویر لیلي جا سکتي ھے - امریکہ میں اس کا تجربہ نہایت تیزي سے ترقي کر رھا ھے - ستمبر کے اواخر میں متعدد تصویریں کامیابي کے ساتھہ لي گئیں - تصویر نمبر ۱ ایک عورت کي تصویر ھے جو تصویر لینے کے مقام سے کئي میل کے فاصلہ پر تھي - تصویر نمبر ۲ بھي ایک ایسي ھي تصویر ھے لیکن اس میں نمبر ۱ سے زیادہ کامیابي ھوي ھے - یہ تجربہ جب پوري طرح کامیاب ھو جایگا ' تو جس طرح ریڈیو مراکز کے ذریعہ دنیا کے ھر حصہ کي صدائیں سن لي جا سکتي ھیں ' اُسي طرح ھر منظر اور وجود کي تصویر بھي بہ آ سانی کھینچ لي جائیگي !

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

مدحت پاشا کے وہ خطوط جو اُس نے قید خانہ طائف سے اپنے عزیزوں کے نام بھیجے تھے

(۱)

"آج بچوں کی تصویریں پہنچیں۔ میں نے تمھارے خطوں کے جواب بھیجدیئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے نہیں ملے۔ کیونکہ تم نے اُن کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔

سمرنا سے مجھے استامبول لے گئے۔ وہاں قصر یلدز میں مجھے اور محمود پاشا اور نوری پاشا کو علحدہ علحدہ حجروں میں قید کردیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ تحقیقات سے ثابت ہوگیا ہے سلطان عبد العزیز نے خودکشی نہیں کی ہے۔ بلکہ سلطان مراد اور اُن کی والدہ کے اشارے سے محمود پاشا اور نوری پاشا نے اُنھیں قتل کرایا ہے۔ اور یہ کہ خود میں خیر اللہ آفندی، اور رشدی پاشا بھی اس قاتلانہ سازش میں شریک ہیں پھر کہا گیا کہ مصطفےٰ پہلوان، حاجی محمد، مصطفےٰ جزائری، سلطان عبد العزیز کے تینوں خادم اصلی قاتل ہیں۔

حالانکہ یہ سب جھوٹ ہے کیونکہ یہ تینوں شخص، عبد العزیز کی وفات کے وقت نظر بند تھے۔ اگر بفرض محال عبد العزیز کو کسی نے قتل ہی کیا ہو تو کسی حال میں بھی میرے یا رشدی پاشا کے خلاف شبہ کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ سلطان کی وفات کے وقت اُن کی والدہ اور تین سو بیویاں اور کنیزیں محل میں موجود تھیں۔ پانچ برس گزر گئے، مگر آجتک اُنھوں نے کبھی اشارۃً کنایۃً بھی نہیں کہا کہ سلطان قتل کئے گئے ہیں۔

میں نے محل شاہی میں نام نہاد عدالت کے سامنے پوری تفصیل سے تمام واقعات بیان کئے۔ تمام ججوں کو مجبوراً تسلیم کرلینا پڑا کہ واقعی کوئی ثبوت قتل کا موجود نہیں، بلکہ یہ سراسر بہتان ہے۔ مگر چونکہ سلطان عبد الحمید "خطرناک" لوگوں سے چھٹکارا حاصل کرنے پر کمربستہ تھے۔ اس لئے عدالت نے ۱۱۔ آدمیوں کو زبردستی مجرم قرار دے کر بے رحمانہ سزائیں دے دیں۔ عدالت کے بعض ایماندار ارکان نے آخر وقت تک اس فیصلہ میں شرکت سے انکار کیا۔ سلطان نے اُن کی ایمانداری کی بھی پوری قدر دانی کی اور ہماری طرح وہ بھی قیدخانے بھیجدیئے گئے!

سلطان سے میری کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ بعض مصاحب ہر بیسرے دن میرے پاس سلطان [illegible] کرکے [illegible]

دے جاتے تھے۔ ایک دن یہ پیغام پہونچا کہ سلطان کو میری اس مصیبت کا نہایت قلق ہے۔ میری جلاوطنی پر وہ انتہائی افسوس کے ساتھ مجبور ہوگئے ہیں۔ لیکن پوری ہمدردی سے مجھے اجازت دی ہے کہ اپنا خاندان اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں!" نیز مجھے اذن شاہی حاصل ہوا کہ اپنے عزیزوں کو اگر چاہوں، خط لکھ دوں۔ میں نے خطوط لکھ کر دے دئے، مگر افسوس ہے کہ وہ تم لوگوں تک نہیں پہنچائے گئے۔

مجھے یقین تھا کہ رہوڈس یا عکا کو جلاوطن ہورہا ہوں۔ میرے خادم عارف کو افسروں نے جہاز کے ایک کمرے میں قید کردیا۔ میرے پاس پہننے کا ایک کپڑا بھی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ رات کا لباس بھی موجود نہ تھا۔ جو کپڑے میرے بدن پر تھے، وہی پہنے رہا۔ اتفاق سے ایک دن میں نے خادم کو دیکھ لیا۔ اُس کے پاس میرے رات کے پہننے کا کُرتا موجود تھا۔ وہ میں نے پہن لیا اور بدن کے کپڑے اُتار کر خود اپنے ہاتھ سے دھوئے اور اُس وقت تک کمرے میں چھپا بیٹھا رہا جب تک کپڑے سوکھ نہ گئے۔ اب دُنیا سے مجھے نفرت ہوگئی ہے اور چاہتا ہوں جلد اپنے پروردگار کے سامنے پہنچ جاؤں!

ہم تمام رفقائے مصیبت جہاز "عزالدین" پر سوار کردیئے گئے کچھ نہیں معلوم تھا کہاں جارہے ہیں؟ محمود پاشا کو ایک نہایت غلیظ کمرے میں رکھا گیا۔ نوری پاشا اور میں بھی ایسے ہی کمروں میں اُتارے گئے۔ پھر دروازوں پر قفل چڑھا دیئے گئے۔

ہم جدہ پہنچے۔ بحر احمر کی گرمی بہت ہی سخت ہوتی ہے۔ ہماری تندرستی کو بہت نقصان پہونچا۔ ہمارے کمرے پائخانوں کے قریب تھے بدبو سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ نوری پاشا تو جہاز ہی میں پاگل ہوگئے تھے۔ ابتک اُن کا دماغ درست نہیں ہوا۔

جدہ پہنچتے ہی ہم سمجھ گئے کہ طائف میں قید ہونا ہے مگر ہم باہم کوئی گفتگو نہیں کرسکتے تھے۔ کیونکہ ہر ایک کے ساتھ آٹھ آٹھ مسلح سپاہی تھے اور بولنے کی سخت ممانعت تھی۔ ہم سے ازحد ذلت کا برتاؤ کیا گیا کشاں کشاں مکہ معظمہ پہنچے۔ اور حرم شریف کے قریب بعض کمروں میں قید کردیئے گئے۔ ہم خاص مسجد کعبہ میں موجود تھے۔ مگر ایک مرتبہ بھی ہمیں زیارت کی اجازت نہیں دی گئی!

ہم طائف پہنچے اور [illegible] علحدہ علحدہ کوٹھریوں کے

اندر قید کردیئے گئے۔ ہر کمرے کے سامنے ننگی تلواریں لئے سپاہی کھڑے رہتے ہیں۔ باہم گفتگو کی سخت ممانعت تھی، مگر اب اُٹھ گئی ہے کیونکہ پاسبانوں نے دیکھا، اس پابندی کی تعمیل ممکن نہیں۔

سلطان کا فرمان، شریف مکہ کو پہونچا کہ یہ لوگ (یعنی ہم اہل وطن ہیں۔ اندیشہ ہے بھاگ جائیں گے۔ پوری سختی سے نگرانی ہونی چاہئے۔ یہ حکم پاتے ہی شریف نے کمروں کے روشن دانوں کو بھی بند کرادیا اور ہمارے پیروں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دیں۔ مگر اب بیڑیاں کاٹ دیگئی ہیں۔ کیونکہ بیماری نے ہمیں اس قابل ہی نہیں رکھا کہ یہ بوجھ برداشت کرسکیں۔

خوش قسمتی سے ایک شریف آدمی کی ہمدردی حاصل ہوگئی ہے یہ ہمارے خطوط تم تک پہنچایا کرے گا۔ پچھلے خطوط، جو تمھیں ملے اسی کے ذریعے بھیجے گئے تھے۔ جب میں نے اپنے رفیقوں کو اطلاع دی کہ میرے اور اُنکے خطوط، منزل مقصود پر پہنچ گئے، تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ کیونکہ ہر ایک کے بچے ہیں اور وہ اُن کی ملاقات کی تمنا رکھتے ہیں۔ اگر ہم نے جرم کیا ہوتا تو اس خیال سے دل کو تسکین دے سکتے کہ یہ ہمارے جرم کی سزا ہے، لیکن ہم نے تو کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ بجز اس کے کہ سلطنت اور امت کی اصلاح و ترقی چاہی ہے۔ اگر یہی جرم ہے، تو افسوس اُس ملک پر جہاں اصلاح و ترقی جرم سمجھی جائے!

میرے رفقا، انتہائی غم و الم میں ہیں۔ یہ بالکل قدرتی بات ہے لیکن میری حالت اُن سے بہتر ہے۔ میں اب ۶۰ برس سے تجاوز کرچکا ہوں۔ اس عمر کا آدمی کتنے برس اور جی سکتا ہے؟ تمھیں یاد ہوگا کہ گزشتہ سال ہی سے میرا عزم تھا کہ خلوت کی زندگی اختیار کرلوں۔ سفر آخرت کی طیاری میں باقی دن گزار دوں۔ معلوم ہوتا ہے خدا نے یہ اُسی کا سامان کردیا ہے!

مدت سے تمنا تھی کہ ذہن کو تلاوت قرآن میں مشغول کردوں مگر فرصت نہیں ملتی تھی۔ اب الحمد للہ پوری مہلت مل گئی اور میں نے "قد سمع اللہ" تک قرآن مجید از سر نو حفظ کرلیا ہے۔ میں نماز کی بھی پوری پابندی کرتا ہوں۔ شب و روز یاد خداوندی میں مصروف رہتا ہوں۔ آیت "ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ و من یؤمن باللہ، یہد قلبہ" ہر لمحہ میرے پیش نظر رہتی ہے۔ مجھے اس سے بڑی ہی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اپنے رب پر متوکل ہوگیا ہوں۔ اپنے تئیں اُس کے حوالے کردیا ہے۔ تم بھی یہی کرو۔ اُس پر توکل کرو اور اُس کے سپرد ہو جاؤ!

اگر مجھے کوئی رنج ہے، تو وہ تمھاری اور بچوں کی جدائی کا ہے۔ خداوند جل و علا سے دعا ہے ہم سب کو پھر جمع کردے۔ میرے مصنوعی دانت ٹوٹ گئے۔ یہاں اُن کی مرمت کرنے والا کوئی نہیں۔ کھانے میں اب مجھے ناقابل برداشت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میں نے تمباکو طلب کی تھی ابھی تک نہیں پہنچی۔ نیز لکھا تھا کہ تفسیر بیضاوی، تفسیر روح البیان، اور وہ نیدرنگ کی فرانسیسی کتاب بھیجدو جسے میں اکثر پڑھا کرتا تھا۔ یہ سب کتابیں، سمرنا میں موجود ہیں۔ اگر بھیج سکو، تو روانگی میں دیر نہ کرنا۔

یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ بچوں کی تعلیم پر پوری توجہ صرف کررہی ہو۔ علی حیدر، وسیمہ، صابرہ کو بہت بہت پیار کرو۔ دریہ خانم کو اور تمام ملازموں کو سلام۔

سمرنا میں دو صندوق، ساحلی کمپنی کے منیجر کے پاس چھوڑ آیا تھا ان میں میرے تمغے اور اعزازی سندیں ہیں۔ تاکید کردی تھی کہ تمھیں دے دے۔ معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہوا؟ اگر صندوق ابتک اسی خائن کے پاس ہیں، تو مجھے لکھو تاکہ اُسے یاد دہانی کردوں

هندوستان اور مجموعه عالم

تمام دنیا میں جغرافیائي ' عمراني ' اور اقتصادي لحاظ سے هندوستان کي موجوده حیثیت کیا هے ؟

(۱)

(هندوستان کا رقبه)

ملک	رقبه ایکڑ کے حساب سے
هندوستان	۱،۱۶،۲۹،۱۹،۰۰۰
برطانوي هندوستان	۶۲،۰۷،۲۵،۰۰۰
یورپ	۲،۴۰،۰۰،۰۰،۰۰۰
جزائر برطانیا	۷،۷۱،۵۲،۰۰۰
ولایات متحدۂ امریکا	۱،۹۰،۳۲،۶۹،۰۰۰
اسٹریلیا	۱،۹۰،۳۶،۶۴،۰۰۰
کینڈا	۲،۳۹،۷۰،۸۲،۰۰۰
جرمني	۱۳،۳۵،۹۴،۰۰۰
فرانس	۱۳،۰۸،۵۴،۰۰۰
چین	۲،۵۰،۴۷،۲۸،۰۰۰
جاپان	۱۶،۶۸،۷۲،۰۰۰

هندوستان ' جرمن شهنشاهي سے ۷ - گنا زیاده بڑا هے -

هندوستان ' جاپاني سلطنت سے ۱۱ - گنا زیاده بڑا هے -

هندوستان ' جزائر برطانیا سے ۱۵ - گنا زیاده بڑا هے -

هندوستان ' بر اعظم یورپ کے برابر هے - باستثناء روس -

هندوستان میں ۷،۰۰،۰۰۰ دیہات هیں -

هندوستان میں ۶۷۷ دیسي ریاستیں هیں -

برطانوي هندوستان ' ۱۴ صوبوں پر منقسم هے - هر صوبه ' ضلعوں پر منقسم هے - هر ضلع ' تعلقوں یا تحصیلوں پر منقسم هے - هر تعلقه ' تهانوں پر منقسم هے - هر ضلع کا اوسط رقبه ۴،۵۰۰ مربع میل هے -

هندوستان کي دس میں نو حصه آبادي دیہاتوں میں رهتي هے -

هندوستان میں ۷ لاکهه دیہات هیں - اس کے معنے یه هے که اگر کوئي آدمي هر قریه میں صرف ایک دن ٹهہرے ' تو پورے هندوستان کے دورے کے لیے ۱،۹۲۷ سال درکار هونگے -

هندوستان میں ایک لاکهه سے زیاده آبادي رکهنے والے ۳۱ شہر هیں -

(هندوستان کي آبادي)

کل دنیا	۱،۶۹،۶۵،۰۸،۰۰۰
کل هندوستان	۳۱،۹۳،۶۱،۰۰۰
برطانوي هندوستان	۲۴،۷۰،۰۰،۰۰۰
جزائر برطانیا	۴،۲۹،۱۹،۷۰۰
جاپان	۶،۱۰،۸۱،۹۵۴
جرمني	۵،۱۸،۷۰،۷۲۲
فرانس	۳،۹۲،۰۹،۵۱۸
اٹلي	۴،۲۱،۱۵،۶۰۶
سوویٹ روس	۱۳،۲۰،۰۰،۴۱۳
چین	۴۳،۶۰،۹۴،۹۵۳
ولایات متحدۂ امریکه	۱۱،۲۷،۸۶،۰۰۰

هندوستان کي آبادي ' دنیا کي مجموعي آبادي کا پانچواں حصه هے -

هندوستان کي آبادي ولایات متحده کي آبادي سے ۳ گني زیاده هے -

هندوستان کي آبادي فرانس کي آبادي سے ۸ گنا زیاده هے -

صرف مدراس اور میسور کي آبادي ' جاپان کے برابر هے -

صرف بمبئي کي آبادي ' اسپین اور پرتگال کي مجموعي آبادي سے زیاده هے -

هندوستان میں هر مربع میل کي اوسط آبادي ۱۷۷ هے -

اگر هر منٹ میں ۲۵ آدمي پر نظر ڈالي جائے ' تو پورے هندوستان کي آبادي دیکهنے کے لیے ۳۰ برس کا زمانه درکار هوگا !

(دنیا کي آبادي رنگ کے اعتبار سے)

(کل دنیا کي آبادي : ۱،۶۹،۶۵،۰۸،۰۰۰)

سفید فام	۹۳،۶۰،۰۰،۰۰۰
زرد فام	۵۱،۷۴،۸۸،۰۰۰
سیاه فام	۲۴،۳۰۶۰،۰۰۰

(سفید فام)

هندوستانی	۲۴،۵۰،۰۰،۰۰۰
ٹیوٹانک	۲۶،۶۷،۰۰،۰۰۰
سلاوي	۱۷،۶۰،۰۰،۰۰۰
لاطیني	۱۷،۲۰،۵۰،۰۰۰
یوناني	۹۵،۰۰،۰۰۰
باسکس	۴،۰۰،۰۰۰
افغان	۷۵،۰۰،۰۰۰
ایراني	۱،۰۰،۰۰،۰۰۰
عرب اور بربر	۲،۴۰،۰۰،۰۰۰
یهودي	۱،۵۰،۰۰،۰۰۰
قبطي	۸،۵۰،۰۰۰
دیگر اقوام	۹۰،۰۰،۰۰۰

(زرد فام)

چیني	۳۲،۳۰،۰۰،۰۰۰
جاپاني	۵،۶۵،۰۰،۰۰۰
کورین	۱،۷۰،۰۰،۰۰۰
ترک	۱،۲۰،۰۰،۰۰۰
امریکن دیسي ' اهل ملایا ' اور فلیپائن	۴،۰۰،۰۰،۰۰۰
منگولي	۳۰،۰۰،۰۰۰
کرغیز وغیره	۱،۰۰،۰۰،۰۰۰
ماگائر	۹۵،۰۰،۰۰۰
فنس	۳۵،۰۰،۰۰۰
اسکیمو اور سائبیرین	۱۰،۰۵،۰۰۰
سیامي	۸۵،۰۰،۰۰۰
برمي	۷۸،۹۰،۰۰۰
تبتي	۶۵،۰۰،۰۰۰

گیا ہوں۔ اخبارات کو یہ خبر شایع کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ فرانس کے اخبار "طان" تک کو گمراہی میں ڈال دیا گیا اور اُسنے بذریعۂ تار آستانہ کے اخباروں سے دریافت کیا۔ اس سے پہلے یہ افواہ مشہور کی گئی تھی کہ میں مجنون ہو گیا ہوں۔ معلوم نہیں اس کذب و دروغ سے حکومت کو کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

طائف۔ ۲۳ر صفر سنہ ۱۳۰۱ھ

(۷)

اپنے مرشد سلیمان آفندی کے نام

"۔۔۔ قسمت میں یہی تھا کہ ہم اپنے اہل و عیال اور مال و متاع سے جیتے جی دور اور اپنی آزادی سے محروم ہو جائیں۔ ہم جس مصیبت میں گرفتار ہیں، اُس کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ صرف ذات الٰہی باقی رہے گی۔ کوئی مخلوق بھی دائمی زندگی نہیں پائے گی۔ سب کے لئے زوال ضروری ہے:

لا یغرن امرأ عیشہ — کل حی صائر للزوال!

یہ چند روزہ زندگی، ایک کھیل ہے۔ بلکہ ایک پل ہے جس پر سے انسان گزر جاتا ہے۔ زندگی کی حرص و طمع، لاحاصل ہے۔ اِن مصائب پر اللہ تعالیٰ بندوں کا ثواب زیادہ کر دیتا ہے۔ ہمارے لئے انبیاء و اولیاء کا اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ ان میں اکثر قید خانوں ہی میں مرے۔ امام ابو حنیفہ اور امام موسیٰ کاظم کی مثال ہر وقت میرے پیش نظر رہتی ہے۔

میری حالت اسوقت یہ ہے کہ ہر لمحہ یہ مقولہ زبان پر رہتا ہے۔ "کن فی الدنیا کانک غریب" (دنیا میں اس طرح رہو گویا پردیس میں ہو) زندگی کے آخری مرحلے تک پہنچ چکا ہوں۔ عمر ۶۰ سے زیادہ ہو گئی ہے۔ اب مجھے ہر لحظۂ حیات غنیمت سمجھنا چاہئے اور آخرت کی طیاری کرنی چاہئے۔ میرے پاس بعض کتابیں موجود ہیں۔ اُن میں آپ کا مجموعۂ رسائل بھی ہے۔ اس کتاب سے مجھے عبادت الٰہی میں بہت مدد ملتی ہے لیکن انسان تنہا اپنی رائے سے ہر قسم کی ریاضت نہیں کر سکتا، لہٰذا اے شیخ جلیل! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری اُس راستہ کی طرف رہنمائی کیجئے جو خدا تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ میں یہاں دور سے بھی آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہوں۔ کیونکہ معنوی علاقہ، جسمانی اتصال کا محتاج نہیں۔ آپ مجھے تحریر کے ذریعۂ ہدایت دیجئے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو خود تشریف لائیے اور زبانی رہنمائی کیجئے۔ میں بے صبری سے آپکے تحریری یا زبانی جواب کا منتظر رہوں گا۔"

قید خانۂ طائف۔ ۱۹ شوال سنہ ۱۳۰۱ھ

(۸)

نفیسہ خانم کے نام

"گزشتہ ماہ ایک خط "سعید بک" کے فرضی دستخط سے بھیج چکا ہوں اس کے ایک ہفتہ بعد، دو پھوڑے نکل آئے۔ ایک پیٹھ میں، دوسرا پہلو میں۔ یہاں صرف ایک ڈاکٹر ہے اور وہ بھی نومشق ہے۔ دوستوں کو میری بیماری سے سخت تشویش ہوئی۔ اُنھوں نے میری لاعلمی میں والی مکہ کو تجربہ کار طبیب بھیجنے کے لئے لکھا۔ مگر والی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں صاحب فراش تھا اور قصر سلطانی سے برابر احکام آرہے تھے کہ مجھے اور میرے رفقاء کو قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ ہمارا خاص کھانا موقوف کر دیا اور ہمارے نوکر بھی علٰحدہ کر دیئے گئے۔ میں بستر مرگ پر پڑا تھا کہ ایک افسر نے آکر حکم پہونچایا "تمھیں بھی وہی کھانا ملے گا جو دوسرے تمام قیدیوں کو دیا جاتا ہے۔ لہٰذا بازار سے کوئی چیز نہ خریدو تمھارے خاص برتن بھی لے لئے گئے۔ قید خانہ کے برتنوں میں کھاؤ۔ اور کپڑے بھی اپنے ہاتھ سے دھونا پڑینگے۔" پھر اُسنے ہم سے کاغذ، قلم، دوات وغیرہ لکھنے پڑھنے کا تمام سامان بھی لے لیا اور چلا گیا۔

الحمد، بعد میں نے تمھارے تمام خطوط پہلے ہی سے جلا دیئے تھے، ورنہ اُنھیں ایک اور بہانہ ستانے کا مل جاتا۔ خیر اللہ آفندی کی بیوی اور ۲ دو برس کی عمر کا بچہ قلعہ کے قریب ایک مکان میں تھے۔ اُنھیں بھی نکال دیا گیا۔ اسوقت یہ لوگ مکہ میں مقیم ہیں۔

اس سختی سے حکومت کی غرض یہ ہے کہ ہم جلد سے جلد مر جائیں کیونکہ ہم لوگ اچھے کھانوں کے عادی ہیں۔ قیدیوں کا کھانا کھا کر ضرور ہلاک ہو جائیں گے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ ہمیں ہر ممکن تکلیف بھی دی جا رہی ہے کیونکہ حکومت کو شبہ ہے کہ یہ لوگ قیدیوں کا کھانا کھانے پر بھی زیادہ دن زندہ رہیں گے۔ جب سے میرے رفقاء نے یہ حکم سنا ہے، نہایت پریشان ہیں اور شب و روز اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر رہے ہیں۔

اس مہلک بیماری میں مجھے آرام کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ مگر میرے خادم کو بھی لے گئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ طبیب کی آمد و رفت بھی روک دی۔ اس سے بھی بڑھ کر افسر کی گستاخانہ گفتگو نے مجھے اذیت دی۔ میری بیماری بہت زیادہ ہو گئی۔ موت کا قطعی یقین تھا۔ دُنیا سے سفر پر مجھے ازحد خوشی تھی۔ لیکن افسوس، موت قسمت میں نہ تھی۔ زندگی کا معاملہ، صرف خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ میری طلب پر بھی موت نہ آئی۔ میرے رفقاء نے ایک مرہم خود بنا کر پھوڑوں پر لگا دیا تھا۔ وہ اُس سے پھوٹ گئے۔ ۱۵ دن میں زخم بھر گئے۔ اب میں پھر زندہ ہو گیا ہوں۔

افسر نے میرے خادم کو جدہ بھیجدیا تھا تاکہ آستانہ پہونچا دیا جائے مگر قصر شاہی سے حکم آیا کہ اُسے وطن آنے نہ دیا جائے، بلکہ قید کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ غریب بھی قید ہے۔ اس حادثہ سے مجھے بہت رنج پہونچا۔ میں خوش تھا کہ مسکین کو اب مصیبت سے نجات ملی مگر میری خوشی، صرف چند روزہ تھی۔ اب مجھے اپنی مصیبت کے ساتھ اُس کی مصیبت پر بھی غم کھانا ہے۔

روپیہ، کپڑے، ماکولات، کوئی چیز بھی نہ بھیجنا کیونکہ مجھے کچھ بھی پہنچ نہیں سکتا۔ اور اگر پہنچے بھی، تو بے کار ہے۔ روپیہ اس لئے بیکار ہے کہ ہم کوئی چیز خرید نہیں سکتے۔ کپڑے اس لئے بیکار ہیں کہ کپڑے دُھلوانے کی ہمیں اجازت نہیں۔ خود اپنے ہاتھوں سے دھو کر پہنتا ہیں۔ اس حالت میں پُرانے اور نئے کپڑے یکساں ہیں۔ لہٰذا کوئی چیز بھی نہ بھیجو۔

ہمارے لئے جو کھانا مقرر ہوا ہے وہ صرف شوربا ہے۔ ایک ظرف میں ۸ آدمیوں کے لئے شوربا آتا ہے اور ہرگز کافی نہیں ہوتا۔ شام کو مولی کے پتوں کا شوربا ہوتا ہے۔ ہم لوگ یہ کھانا بالکل کھا نہیں سکتے۔ بھوکوں مر رہے ہیں۔ بہت ناتوان ہو گئے ہیں۔ ہر لحظہ موت کا انتظار ہے۔ دیکھنا چاہئے ہم میں کون پہلے قبر میں جاتا ہے۔"

بچوں کو پیار۔ سب کو سلام

۸ر جمادی الآخر سنہ ۱۳۰۱ھ

(۹)

نفیسہ خانم اور فرزند عزیز علی حیدر کے نام

"یہ غالباً میرا آخری خط ہے۔ کیونکہ ہمارا کھانا بند ہو چکا ہے اور سخت تکلیفیں دی جا رہی ہیں، جیسا کہ پچھلے خط میں لکھ چکا ہوں۔

اب وہ ہمیں زہر دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بلکہ کئی مرتبہ دے بھی چکے ہیں لیکن میرے خادم عارف (جو اب میرے ہی ساتھ قید ہے) کی وفاداری اور بیداری کی وجہ سے ابتک اُنھیں کامیابی نہ ہو سکی۔ ایک دن عارف نے ایک افسر کے ذریعہ دودھ خریدا۔ افسر نے اُس میں زہر ملا دیا تھا۔ عارف پہچان گیا اور دودھ پھینک دیا۔ ۲ دن بعد عارف نے گوشت خرید کر میرے لئے پکایا۔ مگر اُسکے ہٹتے ہی اُس میں زہر ڈال دیا گیا۔ چند دن بعد ہمارے پانی کی صراحی میں زہر ملا دیا گیا۔ ہمارے محافظ بکر آفندی چرکسی نے اعتراف کر لیا ہے کہ قصر شاہی سے روز تاکیدی حکم آ رہے ہیں کہ ہمیں فوراً مار ڈالا جائے۔ چنانچہ عثمان پاشا والی مکہ نے محمد بک چرکسی کو مکہ معظمہ سے خاص اسی غرض سے یہاں بھیجدیا ہے اور وہ قتل کی طیاریوں میں لگا ہوا ہے۔ ظاہر ہے ہم اِن تمام قوتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ موت یقینی ہے۔ شاید اس خط کے پہنچنے سے پہلے ہی تمھیں میری موت کی خبر پہنچے۔ لیکن تم رنجیدہ نہ ہونا۔ کیونکہ مجھے اُمید ہے یہ موت، میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہوگی۔ میں اپنے وطن اور امت کی راہ میں مر رہا ہوں۔ میری وصیت یہ ہے کہ حکومت کوشش کرے گی تمھیں آستانہ لے جائے اور تمھارا وظیفہ مقرر کرے۔ مگر تم اسے منظور نہ کرنا۔ اپنے گھر ہی میں رہنا۔ میری بہن صدیقہ خانم کو اپنے ساتھ رکھنا اور ترکہ میں سے اُنھیں بھی حصہ دینا۔ میں نے تمھیں خدا کے سپرد کیا۔

۱۰ر رجب سنہ ۱۳۰۱ھ

آخری خط

شہادت سے ایک دن پہلے لکھا گیا

علی وصفی آفندی کے نام

میں تمھیں پہلے بھی خط لکھ چکا ہوں۔ اپنی سوانح عمری کا ایک جزو ختم کر کے تمھیں بھیج چکا ہوں۔ پڑھنے کے بعد سمرنا بھیجدینا۔ اب زندگی کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ کیونکہ یہ لوگ زہر دینے میں ناکامیاب رہے۔ اب کوئی دوسری تدبیر کرینگے۔ میں ہر لمحہ خدا وند تعالیٰ سے مغفرت کی دعائیں کرتا رہتا ہوں۔ اگر میں مر جاؤں تو فقراء پر ۲۰ پونڈ خیرات کر دینا جو تمھارے پاس امانت ہیں۔ اگر اس سے زیادہ خرچ کرنا تو سمرنا سے روپیہ طلب کر لینا۔ فوراً آ جائے گا۔ میرے مرشد شیخ سلیمان کی دست بوسی کرو اور میرے حق میں دعا کی درخواست کرو۔ درویش صلاح الدین پر بھروسہ نہ کرنا کیونکہ اُس کی طبیعت کا حال معلوم ہے۔ بلاضرورت مجھے نہ لکھنا۔ آئندہ شاید میں بھی کچھ لکھ نہیں سکوں گا۔ کیونکہ حالت بہت خطرناک ہو گئی ہے۔ والسلام

(۲)

"رمضان کے بعد کوئی خط نہیں ملا۔ تمھارے اور بچّوں کے حالات نہ معلوم ہونے سے سخت قلق اور ملال ہے۔ تم نے ضرور روپیہ اور کھانے کی چیزیں بھیجی ہوں گی۔ مگر مجھے کچھ نہیں پہنچا۔ مجھے روپیہ کی ازحد ضرورت ہے۔ کیونکہ پچھلے سال جو ۵۰ پونڈ بھیجے تھے، اور جو رقم قسطنطنیہ سے آئی تھی، اب اسمیں سے کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے حکومت نے ہمارے کھانے پینے کا ذمہ خود لے رکھا تھا مگر اب وہ کسی کو کچھ نہیں دیتی۔ ہمیں اپنی روٹی خریدنا پڑتی ہے۔ ہمارے ساتھ بعض ایسے قیدی بھی ہیں جن کے پاس ایک پیسہ نہیں۔ میں اور محمود پاشا اُن کی کفالت کر رہے ہیں۔ اُنھیں کپڑے بھی بنا دئے ہیں ہمیں قیدخانے کے نوکروں کا بھی خیال کرنا پڑتا ہے۔ یہ لوگ محض ہماری وجہ سے یہاں رکھے گئے ہیں۔ اِن حالات کی بناپر، ہمیں روپیہ کی سخت ضرورت ہے۔

ہمارے رفقاء میں فوج کے بعض بڑے بڑے افسر بھی ہیں اُنھوں نے ہم سے کچھ روپیہ قرض لے کر کپڑا خریدا ہے۔ بیچارے خود اپنے ہاتھ سے سی رہے ہیں۔ اُن کی مصیبت اسی پر ختم نہیں ہو جاتی انکے لئے ایک خشک روٹی کا بھی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ بعض مجبوراً روزہ رکھتے ہیں۔ ہم پر فرض ہے کہ اُن کی ضروریات زندگی کا حتی الوسع خیال رکھیں۔ ہر ملک میں دولت مند، غریبوں کی دست گیری کرتے ہیں لیکن یہاں ان مسکینوں کے لئے اس قسم کا کوئی موقعہ موجود نہیں ہے۔ انسانیت کا تقاضہ ہے کہ ہم ہی انکی خبر لیں۔ لہذا فوراً ۵۰ پچاس پونڈ حکومت کے توسط سے بھیجدو۔ اگر فوراً روپیہ نہ آیا تو میں اپنا پانی کا برتن اور گھڑی بیچنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ اس صورت میں لوگ بہت قیل و قال کرینگے اور ہمارے ذہن کو تشویش ہوگی۔

بچوں کو بہت بہت پیار،"

مدحت

قلعہ طائف کا قیدخانہ

۲۵ر اگست ۱۹۱۶ء

(۳)

"... پرسوں یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ شریف مکہ (عبدالمطلب) حسب عادت آجکل طائف میں موجود تھے۔ منگل کی رات کو وہ اپنے گھر میں مطمئن سو رہے تھے کہ اچانک آدھی رات کو تین نوجوں نے آکر اُن کا محل گھیر لیا۔ فوج کے ساتھ ہم توپیں بھی تھیں۔ صبح ہم کیا دیکھتے ہیں کہ شریف اپنے رات کے کپڑوں میں ہمارے قیدخانے میں قیدی بنے چلے آرہے ہیں۔

کہا جاتا ہے شریف کا جرم یہ ہے کہ اُسنے انگریزوں سے سازش کرنی چاہی تھی۔ اس شخص نے ہمیں محض سلطان کے خوش کرنے کے لئے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ خدانے اس کا بدلہ لے لیا۔ وہی مصیبت اُسپر ڈال دی جسمیں ہم پھنسے ہیں۔ اسمیں ہر عاقل کے لئے عبرت ہے۔ لیکن مجھے اس شخص پر بہت ترس آتا ہے۔ سو برس کا بوڑھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرّیت میں سے ہے۔ یہ واقعہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا ہمیں سمرنا میں پیش آیا تھا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں توپوں کی تعداد زیادہ تھی۔"

مدحت

(۴)

"گزشتہ رمضان سے تمھاری اور بچوں کی کوئی خبر نہیں ملی۔ میں نے بھی تمھیں اپنی مفصل حالت نہیں لکھی۔ کیونکہ نہایت ہی سخت تکلیف میں ہوں۔ پانچ مہینے ہوتے ہیں کہ ہمارے خدمت گار ہم سے علٰحدہ کر دئے گئے ہیں۔ حال میں آستانہ سے عمر بک نام ایک شخص خاص اس غرض سے بھیجا گیا ہے کہ اگر ہماری ایذا رسانی میں کچھ کمی رہ گئی ہو تو پوری کردے۔ اس شخص کی عمر، زیادہ ہے، مگر عقل کم ہے۔ اس کے افعال ایسے ہیں جو کسی شریف الطبع آدمی کے نہیں ہو سکتے۔ یہ ہماری جان لینے پر تُلا ہوا ہے، کیونکہ شاید اُسے یہی حکم ملا ہے یا مزید مقبولیت اس ذریعہ سے حاصل کرنی چاہتا ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ بھوکا رکھنے سے ہم جلد نہیں مرینگے بلکہ ہماری زندگی بڑھ جائے گی۔ لہذا کوئی ایسی تدبیر نکالنی چاہتا ہے جس سے میری، محمود پاشا کی، اور خیر اللہ آفندی کی زندگی جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ وہ نوکروں سے کہتا ہے "تم ضرور وطن واپس جانے کے لئے بے قرار ہوگے۔ لیکن جب تک یہ تمھارے آقا زندہ ہیں، تم واپس نہیں جا سکتے۔ اِن کے قتل میں میری مدد کرو تاکہ آزادی حاصل کر سکو" چنانچہ اسنے نوری پاشا کے خادم بکر آغا کو بلا کر کہا "تم نوکروں کی قید اُسی وقت ختم ہوگی جب یہ لوگ مریں گے۔ نوری پاشا تو مجنون ہیں۔ کئی دفعہ کمرے کی کھڑکی سے پھاندنا بھی چاہا۔ تم اُن کی اس میں مدد کیوں نہیں کرتے؟ مجھ سے ریتی لو اور کھڑکی کی سلاخ ریت ڈالو۔ تاکہ نوری پاشا پھاند کر ہلاک ہو جائیں"

غرضکہ اسنے تمام نوکروں کو بھڑکانا شروع کر دیا ہے۔ نوکروں نے اُس کی سازش میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ اسپر اُنھیں بھی سخت تکلیفیں دی جا رہی ہیں۔ یہ خبریں سُن کر ہم سخت پریشان ہیں ہمیں زہر دینے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ ایک طرف دُنیاوی منفعت حاصل کرنے کے لئے یہ شخص ہمیں مارنا چاہتا ہے، دوسری طرف اخروی ثواب کے لئے حج کرنے بھی گیا ہے۔ یہ سمجھتا ہے اس طرح دین اور دُنیا، دونوں اُسے حاصل ہو جائینگے!

ہم ڈیڑھ برس سے یہاں ہیں مگر آجتک قلعہ کا پھاٹک تک دیکھ نہ سکے۔ عزیز ترین لوگوں سے بھی ملاقات کی اجازت نہیں ملی۔ ہمارے پاس ایک اجنبی باورچی تھا۔ ڈرا دھمکا کر اُسے بھی رخصت کر دیا گیا یہ حالات دیکھ کر ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہمیں جلد اس دُنیا سے کوچ کرنا ہوگا۔

اگر ہمارے ستانے اور اس طرح قفص میں بند رکھنے سے مقصود یہ ہے کہ قصر شاہی کی سازش پر پردہ ڈالا جائے، تو یہ کوشش بے سود ہے۔ یورپ بھر میں اصلی حقیقت مشہور ہو چکی ہے۔ اخبارات کے صفحوں پر آچکی ہے۔ لیکن اگر ہمیں تکلیف دے کر سلطان اور اُنکے مصاحب خوش ہوتے ہیں تو ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ احکم الحاکمین سے فریاد کریں اور دعا مانگیں کہ وہ اپنا فیصلہ جلد صادر کردے۔ اگر تمھیں کوئی منصف مزاج ملے تو ہماری ناقابل بیان مصیبت کی یہ داستان سُنا دینا۔

قیدخانۂ طائف ۵ محرم ۱۳۳۵ھ

(۵)

والیٔ حجاز عثمان پاشا کے نام

"آپنے رسالہ دار محمد بک کے نام جو خط لکھا ہے، اُس میں شکایت کی ہے کہ میں نے عمر پاشا کے افعال کی اطلاع انگریزی قونصل کو دی ہے۔ حالانکہ میں نے قونصل مذکور کو ہرگز کوئی خط نہیں لکھا۔ بلکہ اس قسم کا کبھی وہم بھی پیدا نہیں ہوا کہ اُسے اطلاع بھیجوں۔

عمر پاشا کی حرکتیں ایسی نہیں ہیں کہ زیادہ دنوں تک مخفی رہتیں طائف اور مکہ میں بچہ بچہ اُن سے واقف ہے۔ اگر انگریزی قونصل کو علم ہوا ہے تو تاجروں اور عام باشندوں کے ذریعہ ہوا ہوگا۔

لیکن آپنے دوسرے خط میں پھر مجھے اس معاملہ میں ملامت کی ہے۔ بظاہر آپ کو یقین ہے کہ اسمیں میرا ہاتھ ضرور ہے۔ لہذا میں مجبور ہو گیا ہوں کہ حقیقت ظاہر کردوں۔

عمر پاشا علی الاعلان کہتے رہے ہیں کہ اُنکے آنے کی غرض، ہم قیدیوں کو زہر دے کر قتل کرنا ہے۔ صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ عمل سے بھی وہ اسے ثابت کرتے رہے ہیں۔ اُنھوں نے کھلے بندھوں نوکروں کو مشورہ دیا کہ اپنے آقاؤں کو دن دہاڑے مار ڈالیں۔ نوکروں نے ایسا نہیں کیا تو اُنھیں قید کر دیا گیا اور سخت تکلیفیں دی گئیں۔

اجانب کو اگر یہ شرمناک حالات معلوم ہو گئے ہیں تو یہ کچھ عجیب نہیں ہے۔ انگریزی قونصلوں کا کام ہی یہ ہے کہ خبریں معلوم کرکے اپنی حکومت کو مطلع کرتے رہیں۔ باہر ہمارا کوئی ایسا معتمد علیہ موجود نہیں جس پر ہم اس طرح کے معاملات میں بھروسہ کر سکیں۔ پھر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے انگریزی قونصل کو اطلاع پہنچائی ہوگی؟ ہمارے نوکر بھی آزاد نہیں ہیں کہ اِدہر اُدہر جا سکیں۔ وہ ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قلعہ سے نکلتے ہیں تاکہ ضروری اشیا بازار سے خرید لیں اور اُسوقت بھی مسلح افسروں کی حراست میں رہتے ہیں۔

نہیں معلوم تمھارے ضمیر نے یہ کیونکر گوارا کیا کہ ہمیں ملامت کرو۔ تمھارے خیال میں اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اپنی آزادی اولاد، احباب، مال و متاع سب سے جیتے جی محروم کر دئے گئے ہیں، اور ایک قفص میں جانوروں کی طرح محبوس ہیں۔ وہ اپنے عزیزوں کی صحت بھی معلوم نہیں کر سکتے؟ یقیناً یہ ایسا برتاؤ ہے جسے دنیا کا کوئی قانون کوئی شریعت، کوئی انصاف پسند انسان جائز قرار نہیں دے سکتا!

اگر یہ نئی تہمت تراشنے سے مقصود یہ ہے کہ ہماری عزیزوں سے خط و کتابت بھی موقوف کر دی جائے تو وہ ہماری اس قید کی وجہ سے پہلے ہی سخت بدبختی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ مرے کو مارنا کہاں کا انصاف ہے؟

تم نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ سمرنا میں میں نے فرانسیسی قونصل سے پناہ چاہی تھی۔ یہ حقیقت سے تمھاری جہالت کی دلیل ہے۔ میں صوبہ سمرنا جیسے ایک بڑے صوبے کا حاکم تھا۔ اچانک ایک رات میرے گھر کا فوجوں نے محاصرہ کر لیا۔ مجھے قید کرکے لے چلے۔ میں اپنی عورتوں اور بچوں کا گریہ و بکا اپنے کانوں سے سُنتا تھا، مگر اُنھیں تسلی تک نہیں دے سکتا تھا۔ اُسوقت میرے دل کی کیا حالت ہوگی؟ اس کا جواب میں خود تمھارے ضمیر سے چاہتا ہوں اگر تم مجھے اس لئے ملامت کرتے ہو کہ حکومت کی حرکتوں کو حق بجانب قرار دو، تو یہ کوشش بے فائدہ ہے۔ میں دو مرتبہ وزیر اعظم رہ چکا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود بھی مجھ سے یہ ذلت آمیز برتاؤ کیا گیا اور بغیر کسی جرم کے قید میں ڈال دیا گیا۔

تم نے لکھا ہے تم ایسی باتوں کی اجازت دے نہیں سکتے اور آپ تم ہماری زبانیں بند کر دو گے۔ ہماری زبانیں اب بھی بند ہیں۔ معمولی افسروں اور سپاہیوں کی ہم پر حکومت ہے۔ ہم زبان ہلا نہیں سکتے۔ تم اس وقت اختیار رکھتے ہو۔ ہم بے اختیار ہیں۔ جو تمھارے دل میں آئے شوق سے کرو۔ ہمیں اعتراض کا بھی حق نہیں ہے۔ تم ہمیں "مجرم" کہتے ہو۔ ہم اس پر بھی معترض نہیں ہو سکتے۔ لیکن میں تمھیں وہ گفتگو یاد دلاتا ہوں جو تم نے دار الحکومت میں مجھ سے کی تھی تم نے انسانیت، مروت، شرافت کا ذکر کیا تھا۔ کیا یہ موجودہ برتاؤ اِن صفات کے مطابق ہے؟

قیدخانہ طائف ۷ر صفر ۱۳۳۵ھ

(۶)

نعیمہ خانم کے نام

"... پچھلے دنوں مشہور کر دیا گیا کہ میں ہندوستان یا یورپ بھاگ گیا

مراد بنگال، مدراس، ... کے عظیم خزانوں کی لوٹ سے شروع ہوئی جنگ پلاسی سے پہلے ہمارے ملک (انگلستان) کی صنعت نہایت پست تھی
(ڈیگبی)

تین کرور انسانوں کو لوٹ کر کلکتہ میں عظیم الشان دولت بہت جلد جمع کر لی گئی تھی ... قدیم زمانوں میں معمولی مظالم پر ہندوستانی اپنے حاکموں کو برطرف کر دیا کرتے تھے۔ مگر انگریزی حکومت ملنے والی نہ تھی یہ حکومت سنگ دل سے سنگ دل وحشی اور مستبد حکومتوں کی طرح ظالم اور سخت تھی۔ مزید براں تمام تمدنی طاقتور ہتیاروں سے مسلح تھی۔
(لارڈ کلائیو پر میکالے کا مضمون)

یہ مالامال خزانے، کروروں آدمیوں کی صدیوں کی کمائی، انگریزوں نے ہتیا کر لندن اُسی طرح بھیجدی، جس طرح رومن نے یونان اور پونٹس کے خزانے اٹلی بھیجدیئے تھے، ہندوستانی خزانے کتنے قیمتی تھے؟ کوئی انسان بھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ ضرور کروروں اشرفیاں ہونگی۔ اتنی دولت اُسوقت کی مجموعی یورپین دولت سے بھی بہت زیادہ تھی۔ (بروک آڈم)

جب میں ۱۸۰۰ء میں انگلستان آیا تو یہاں بڑے بڑے شہروں کے علاوہ ملک بھر میں بارہ بینک بھی موجود نہ تھے۔ بنگال کی چاندی نے انگلستان پہنچکر نہ صرف دولت میں بے شمار اضافہ کیا بلکہ اس کی رفتار بھی بہت تیز کر دی (برک)

ہمارے خیال میں یہ بڑی دولت جو ہم نے ہندوستانی تجارت سے حاصل کی ہے ایک نہایت ہی ظالمانہ اور جابرانہ دستور العمل سے مہیا ہوئی ہے ایسا دستور العمل جس کی نظیر نہ کسی ملک میں ملتی ہے نہ کسی زمانہ میں۔ (ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کی یادداشت ۱۸۱۱ء)

سرسری اندازہ کے ساتھ، بڑی آسانی سے دعوی کیا جا سکتا ہے کہ جنگ پلاسی اور جنگ واٹرلو کے درمیانی زمانہ میں ہندوستان سے انگلستان کو پندرہ ارب روپیہ جا چکا تھا۔ (میجر ونگیٹ)

ہندوستان، انیسویں صدی میں انگلستان کو کم سے کم ایک ارب ۵۰ کرور روپیہ دے چکا ہے۔ ہمارے ہم وطنوں (انگریزوں) کا ۱۳ کرور روپیہ ہندوستانی تجارت میں لگا ہے۔ اس طرح ہندوستان کی تجارت ہمارے لئے دنیا کے تمام ملکوں کی تجارت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ہندوستان میں ہمارے حوصلہ مند نوجوانوں اور بے شمار فقیروں کو روٹی مل رہی ہے۔ دنیا کے ہر گوشہ میں ہمارے ملک کو ہندوستان کا قبضہ بہت زیادہ طاقتور، باعزت، اور با اثر بنا رہا ہے۔ تمام اعلیٰ خیالات، مسیحی حکمرانی اور تہذیب کے فرائض سے قطع نظر کر کے، ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہندوستان کو ہمیشہ اپنے قبضہ میں رکھنا چاہیے۔ انگریز بھاری سے بھاری قربانیاں کرنے کو طیار ہیں مگر یہ سونے کی چڑیا کسی حال میں بھی اپنے ہاتھ سے اڑنے نہیں دیں گے!
(میجر ونگیٹ ۱۸۵۹ء)

ہندوستان نے ہمارے لئے سب کچھ کیا ہے کرۂ زمین پر ہمیں ویسا ہی اہم بالشان جزیرہ بنا دیا ہے جیسا جاپان کو اُس کے جزائر نے ہم اتنی بڑی سلطنت ہو گئے ہیں جتنی دنیا نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس احسان پر ہمیں ہندوستان کا ہمیشہ شکر گزار رہنا چاہیئے۔
(سر جارج برڈوڈ)

ہندوستان کا ہمیشہ خون چوستے رہنا چاہئے۔
(لارڈ سالسبری ۱۸۷۵ء)

میں پوری متانت سے اعلان کرتا ہوں کہ گورنمنٹ کے مظالم سے مالابار کی مخلوق فنا ہو گئی اور ملک برباد کر ڈالا گیا۔ موجودہ گورنمنٹ نے ملک اور اُس کے باشندوں کو مفلس اور ذلیل کر ڈالا ہے۔
(فرانسس براؤن: سیلکٹ کمیٹی رپورٹ ۱۸۱۳ء)

ہندوستان کا نظارہ، دماغ پر افلاس اور افسردگی کا اثر قائم کر دیتا ہے۔ ملک سے زیادہ اُس کے عام باشندے اُداس ہیں۔ وہ کمزور اور خستہ نظر آتے ہیں۔ اُنکے کپڑے میلے کچیلے پھٹے پُرانے ہیں۔ وہ سب غریب معلوم ہوتے ہیں اور محض ایک ٹکڑا روٹی پانے کے لئے جان توڑ محنت کرتے ہیں، وہ لاغر اور مرجھائے ہوئے ہیں۔
(سر فریڈرک ٹریوس ۱۸۲۰ء)

برطانوی ہند کی دیہاتی آبادی کی حالت کیا ہے؟ اب وہ اُس مطمئن اور خوش و خرم قوم کی نمائندگی نہیں کرتی جس کا حال ہم قدیم تاریخوں میں پڑھتے ہیں شکستہ روح، پست دماغ، خستہ حال غریب رعیت کی ایک یہی آرزو رہ گئی ہے کہ آئندہ فصل ملنے تک وہ بھوکوں نہ مرجائے۔ (دی تھری پریسیڈینسیز آف انڈیا)

آج ہندوستان کی عام آبادی اس قدر قلاش ہو رہی ہے کہ اس کے پاس بمشکل قوت لایموت باقی ہے۔ عیش و عشرت تو در کنار، ہندوستانی بمشکل اپنے بال بچوں کی شکم پری کر سکتا ہے“
(لارڈ لارنس ۱۸۶۴ء)

برطانوی صنعت بڑھانے کے لئے ہندوستانی دستکاری کا گلا گھونٹنا بڑے فخر کے ساتھ انگریزی تدبر قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ برطانوی قساوت کا ایک بہت ہی بڑا ثبوت ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے ملک کی ترقی کے لئے انگریزوں نے کس طرح چنگی اور محصول لگا کر ہندوستان کی صنعتی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ (مسٹر شور)

۱۸ سے ۳۰ سال کی عمر والی ہندوستانی عورتیں بہترین سوت کاتتی ہیں۔ روپیہ بھر وزن کی روئی سے ۴ میل سے بھی زیادہ لمبا سوت طیار کر سکتی ہیں۔ (جیمس ٹیلر)

وہ انگریزی حملہ ہی تھا جسنے چرخہ ہلاک کر دیا۔ انگلستان نے خود ہندوستان کے بازاروں سے ہندوستانی کپڑا بے دخل کر دیا۔ اُسنے اس ملک میں اپنا سوت بھیجنا شروع کیا، یہاں تک کہ دیسی سوت غائب ہو گیا۔ یہ ملک جو روئی کا مرکز تھا، بدیشی سوت کا دست نگر ہو گیا۔ ۱۸۱۸ء سے ۱۸۳۶ء تک ہندوستان میں انگریزی سوت کی درآمد ایک سے شروع ہو کر ۵۲۰۰ گنا ہو گئی! (کارل مارکس: برٹش رول ان انڈیا)

ہمارا تعلق ہندوستان سے بہت گہرا ہے۔ دنیا میں یہ ملک سب سے بڑا بازار ہے۔ ہم وہاں بحیثیت تاجر کے گئے ہیں۔ باوجود موجودہ زمانہ کی تمام لغاظیوں کے ہماری ہندوستانی حکومت ایک مادی بنیاد پر قائم ہے جسے ان لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ہم تمھاری حفاظت کریں، تم ہمارا مال خریدو۔ اگر ہم ہندوستان چھوڑ دیں تو اس سے صرف ہندوستانیوں ہی کو نقصان پہونچے گا بلکہ لنکا شائر کے ایک کرور ۲۰ لاکھ آدمی بھوکوں مر جائیں گے اور ہماری تمام صنعتی زندگی ختم ہو جائے گی۔ تمام باتوں کا ہمارے پاس صرف ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ ”کچھ ہی ہو ہماری قوم کو زندہ رہنا ہے“! بغیر ہندوستان کی تجارت اور دستکاری پر قبضہ رکھے یہ قوم اس تنگ جزیرہ میں کسی طرح بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ (مسٹر وہائٹ ۱۸۴۲ء)

موافق موسم میں سال بھر خرچ کرنے کے بعد ۱۰،۰۰،۰۰،۰۴۰ من غلہ ہندوستان میں بچ رہا تھا۔ (قحط کے کمیشن کی رپورٹ ء۱)

۱۷۴۰ء میں بنگال دنیا کا سب سے زیادہ مالدار، آباد اور زرخیز ملک تھا۔ (بنگال کی تحقیقات ۱۸۲۴ء)

گورنمنٹ نے کسانوں پر اتنا زیادہ لگان لگا دیا ہے کہ اُنکے اور اُنکے بال بچوں کی سال بھر کی خوراک بھی اکثر نہیں بچتی۔
(سر ڈبلو۔ ہنٹر ۱۸۷۵ء)

جنگل کٹ جانے کی وجہ سے ہندوستان کے باشندوں پر دو نئی مصیبتیں اور بڑھ گئیں۔ ایندھن کا نقدان اور بارش کی کمی۔
(بیرون ہن بورڈ)

انگریزی سلطنت کے آغاز ہی میں ہندوستان کے جنگل تیزی سے برباد کر ڈالے گئے۔ (پروڈکشن ان انڈیا)

جنگل، قومی دولت کا ایک بہت اہم سرچشمہ ہیں جنگل، اوس پیدا کرتے ہیں اور موسم کا آتار چڑھاؤ روک کر اعتدال قائم کرتے ہیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں گرمی اور بارش بہت ہوتی ہے جنگل کی اہمیت کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ (〃)

اکبر کے عہد میں نہروں کا ایک ایسا بڑا سلسلہ قائم کیا گیا تھا جیسا پہلے کبھی نہ تھا۔ (کیپر صفحہ ۲۵۳)

فیروز شاہ نے اپنے عہد میں دریاؤں پر تیس بند قائم کئے تھے، پانی محفوظ رکھنے کے لئے ۳۰ عظیم الشان حوض بنائے تھے اور ایک اتنی بڑی نہر کھدوائی تھی جو اپنے وقت میں سب سے بڑی نہر تھی۔
(〃 〃)

دہلی کی نہر، جسے شہنشاہ شاہجہاں نے بنوایا تھا، نہایت ہی وسیع اور مضبوط تھی۔ (ڈفو)

پورے جنوبی ہندوستان میں گنجام سے راس کماری تک ایسے عظیم الشان اور غیر معمولی تالابوں کے نشان اب تک موجود ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (فرانسس براؤن)

ہندوستان کے نام نہاد ”وحشی“ پُرانے حکمران رعایا کی منفعت کے کاموں پر اتنی دولت خرچ کرتے تھے جس سے اُس زمانہ میں پوری یورپین جنگی قوت قائم ہو سکتی تھی۔ (تھری پریسیڈنسیز آف انڈیا)

تاریخ و عبر

ہندوستان

انگریزی حکومت سے پہلے اور انگریزی حکومت کے بعد

خود انگریز مُدبّروں اور مُصنّفوں کی نظر میں

اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مُدبّروں کی شہادت

"بنگال اپنی پیداوار اور ہر چیز کی فراوانی میں، دنیا کے ہر شہر سے مقابلہ کرسکتا تھا۔ یہ علاقہ اس قدر زرخیز تھا کہ انسانی ضروریات اور عیش و عشرت کا جملہ سامان بآسانی مہیا کرتا تھا۔ کیونکہ یہاں ہر قسم کے مویشی، بارہ ماسی پھل، بکثرت غلہ، ہر قسم کا کپڑا خصوصاً نفیس ریشم اس قدر زیادہ موجود تھا کہ دنیا کے کسی علاقہ میں بھی نہ ہوگا۔ ۱۵۰۳ء" (الفنسٹن جلد ۲)

"باشندے عام طور پر نہایت تہذیب اور آرام سے زندگی بسر کرتے تھے اور اپنی جان و مال کی طرف سے بالکل مطمئن تھے، کیونکہ بادشاہ اپنی رعایا کو نہ تو چھوٹے الزاموں پر ماخوذ کرتا تھا، نہ اُس کی مال و دولت اور شاندار زندگی پر حسد کرکے اُسے اُس سے محروم کرتا تھا۔"
(پائٹر ولڈویل ۱۶۲۳ء)

"پادشاہ کے ذاتی کمرے اور شاہی دربار اپنی چمک دمک میں، نگار خانۂ چین ہو رہے تھے، محل کی ہر ہر چیز اُس سلیقہ اور ہنرمندی کی زندہ شہادت تھی جو اُسمیں صرف کی گئی تھی۔ عظیم تخت شاہی، جو "کوہ نور" ہیرے کے ساتھ کئی صدی پہلے ایران سے لایا گیا تھا، ٹھوس سونے کا تھا، اور دو عظیم الشان طاؤسوں پر قائم تھا، جن کی پھیلی ہوئی دُمیں بیش بہا جواہرات سے مرصع تھیں... اس طرح شہنشاہی عظمت قلعہ دہلی کے اس کتبہ کو صحیح ثابت کر رہی تھی کہ

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است!

(قدیم و جدید دہلی مصنفہ ایل گینی)

"تمام زمانوں میں سونا خصوصاً چاندی کی برآمد ہندوستان کی بہت پُرمنفعت تجارت تھی۔ روئے زمین پر کوئی ملک بھی اپنی ضروریات اور کمالیات میں بیرونی ممالک سے اتنا مستغنی نہ تھا جتنا یہ ملک تھا۔ مناسب آب و ہوا، زرخیز سرزمین، اور خود باشندوں کی ذہانت نے سب کچھ مہیا کردیا تھا جس کی اُنھیں ضرورت تھی۔" (ڈاکٹر رابرٹسن)

"بنگال اپنے لاتناہی خزانوں سے اپنے آقاؤں کو دنیا کا سب سے زیادہ دولتمند بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے" (کلایو کے خطوط ۱۷۶۱ء)

"نواب شائستہ خاں کے عہد (۹۴-۱۸۸۰) میں ایک روپیہ میں ۸ سیر چاول فروخت ہوتے تھے۔" (جے ٹیلر)

"شہر ڈھاکہ میں ۵۲ بازار اور ۵۳ سڑکیں تھیں (")

شہر مرشد آباد اس قدر دلچسپ اور دولتمند ہے جس قدر خود شہر لندن۔ فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں لوگوں کی ذاتی جائدادیں آخر الذکر سے بہت زیادہ ہیں۔ اس کی آبادی کئی لاکھ ہوگی۔ اور اگر وہ یورپین باشندوں کو فنا کرنے کا ارادہ کریں تو صرف لاٹھیوں اور پتھروں سے کرسکتے ہیں"
(پارلیمنٹری کمیٹی کے سامنے کلایو کی شہادت ۱۷۶۶ء)

"بنگال کی سلطنت، چھ سو میل لانبی، تین سو میل چوڑی اور دنیا کی ایک نہایت ہی وسیع اور زرخیز میدانی سرزمین کی مالک ہے۔ جہاز رانی کی صلاحیت رکھنے والے متعدد دریاؤں سے سیراب ہوتی ہے، اپنے دامنوں میں ڈیڑھ کروڑ جفاکش انسانی آبادی رکھتی ہے، یہی نہیں بلکہ اس سے دوگنی آبادی کے لئے پیداوار کی قابلیت رکھتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے خاص اپنے ہاتھوں سے اسے دنیا بھر سے زیادہ زراعت کے لائق بنادیا ہے۔" (ڈاو ۱۷۸۱ء)

"سراج الدولہ کی وفات کے بعد بنگال کے سیاح تصدیق کرینگے کہ یہ دنیا کی سب سے زیادہ مالدار، آباد، اور زرخیز سلطنت تھی۔ تجار اور امرار دولت و ثروت اور عیش و آرام میں غرق تھے۔ دستکار اور صناع، اطمینان اور فراغت کی زندگی بسر کرتے تھے۔" (۱۸۱۷ء)

"پبلک کو ہر طرح پریشان کرکے ملک ویران کردیا گیا تھا۔ چھ سال کے قلیل زمانہ میں وہ دولتمند قلمرو کے نصف بڑے بڑے شہروں کو بالکل اُجاڑ دیا گیا تھا۔ دنیا کی سب سے زیادہ زرخیز زمین تباہ کرڈالی گئی تھی اور ۵۰ لاکھ بے ضرر اور محنتی انسانوں کو جلا وطن یا برباد کردیا گیا تھا"
(ایسٹ انڈین کمپنی کے عہد میں بنگال ۱۸۱۷ء)

"جتنی رقمیں بھی دہلی پہلے بھیجی گئی ہوں، وہ سب کی سب بنگال کی وسیع تجارت کے منافع سے وصول ہوجاتی تھیں۔ بنگال کی تجارت پورے ہندوستان کی دولت کا مرکز تھی... اس صورت حال سے موجودہ زمانہ کے حالات کس قدر مختلف ہیں؟ جب سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی نظامت ہمارے (انگریزوں) ہاتھ میں آئی ہے، یہ صوبے اپنی خوشحال آبادیوں اور دستکاریوں کی قدیم اہمیت سے کس قدر محروم ہوگئے ہیں؟" (دیو آف بنگال)

"ہندوستان کبھی مغلوب نہ ہوتا اگر خود اُس کے فرزندوں کی مدد نہ ہوتی۔" (سرجان میکوم)

"ہندوستان ایک ایسی فوج سے فتح ہوا ہے جسمیں تین حصے خود ہندوستانی سپاہی تھے اور صرف ایک حصہ انگریز تھے۔

....

جبکہ ہم یہاں ہندوستان میں ایک اتنی بڑی آبادی کے فتح کرنے میں مصروف تھے، جو پورے یورپ کی آبادی کے برابر تھی، تو اُس وقت انگلستان میں انگریزوں کو اس مقصد کے لئے نہ تو ٹیکس دینا پڑا، نہ قرضہ لینا پڑا، نہ کسی الجھن کا سامنا ہوا، اور نہ ہی کوئی جنگی بھرتی کی ضرورت پڑی۔

....

جو کچھ میں نے کہا اُس کا مقصود یہ ہے کہ ہندوستان کی فتح، صحیح معنی میں ہرگز فتح نہیں ہے، کیونکہ یہ انگلینڈ کی حکومت، فوج، اور روپیہ سے عمل میں نہیں آئی۔ انگلینڈ نے صحیح معنی میں ہندوستان کو فتح ہی نہیں کیا.... (ایکسپینشن آف انگلینڈ۔ پروفیسر سیلی)

"اگر ہندوستان میں متحدہ قومیت کا کمزور جذبہ بھی پیدا ہوجائے اور اُس میں اجنبیوں کے نکالنے کی کوئی عملی روح نہ بھی ہو، بلکہ صرف اس قدر احساس عام ہوجائے کہ اجنبی حکومت سے اتحاد عمل ہندوستانیوں کے لئے شرمناک ہے، تو اُسی وقت سے ہماری شہنشاہی کا خاتمہ ہوجائے گا۔ کیونکہ ہم درحقیقت ہندوستان کے فاتح نہیں ہیں اور اُسپر فاتحانہ حکمرانی نہیں کرسکتے ہیں۔ اگر ہم اس طرح کی حکومت کرنی بھی چاہیں گے تو اقتصادی طور پر قطعاً برباد ہوجائیں گے" (")

"جنگ پلاسی کے بعد ہی بنگال کی لوٹ، انگلستان پہنچنے لگی اور اس کا اثر فوراً نمودار ہوا۔ تمام مورخ متفق ہیں کہ انگلستان میں جس صنعتی انقلاب نے انیسویں صدی کو تمام پچھلے زمانوں سے ممتاز کردیا اُس کی بُنیاد اسی جنگ کے بعد یعنی ۱۷۶۰ء میں پڑی تھی۔
(مسٹر بروک آدم)

اکثر موجودہ یورپین قوموں کی خوشحالی، قدیم تہذیب کی مالک مشرقی قوموں کی لوٹ پر قائم ہوئی ہے۔ انگلستان کی صنعتی برتری

احرارِ اسلام

عہدِ اموی کی اسلامی ذہنیت

اروی بنت الحارث ابن عبدالمطلب

ایک موسمِ حج میں ضعیف العمر اروی بنت الحارث بن عبدالمطلب امیر معاویہ بن ابی سفیان کے دربارِ خلافت میں حاضر ہوئی۔

"میرے بھتیجے! تو کیسا ہے؟" اروی نے کہا "تو نے خدا کی نعمت سے کفران کیا۔ اپنے بھائی (یعنی امیرالمومنین علی علیہ السلام) کے حق کا لحاظ نہ کیا۔ اپنے نام کے سوا ایک نیا لقب اختیار کیا (یعنی امیرالمومنین کا لقب) دوسرے کے حق پر قابض ہو گیا (یعنی خلافت پر) حالانکہ اسلام میں نہ تو خود تو نے کوئی خدمت کی، نہ تیرے آباء و اسلاف نے۔ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حق سے اعراض و انکار کیا تھا اس پر خدا نے تمھاری قسمتیں بگاڑ دیں۔ تمھیں ذلیل و خوار کیا۔ حق، حق داروں تک پہنچ گیا۔ اللہ کا بول بالا ہوا۔ اگرچہ مشرکوں پر یہ ظفرمندی بہت شاق تھی۔ اس دین میں ہم اہل بیت کا درجہ اور حصہ سب لوگوں سے زیادہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں فوت ہوئے کہ مغفور و مرحوم تھے، خدا کے حضور میں معزز و پسندیدہ تھے۔ آپ کے بعد ہم اہل بیت کے ساتھ تم نے وہ برتاؤ کیا جو قوم موسیٰ کے ساتھ خاندانِ فرعون نے کیا تھا کہ اُن کے مردوں کو قتل کرتے تھے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارا شیرازہ بندھ نہ سکا۔ ہم پر کوئی سختی بھی آسان نہ ہوئی۔ ہماری انتہا، جنت ہے۔ تمھاری انتہا دوزخ ہو!"

"گمراہ بڑھیا!" عمرو بن العاص جو دربار میں موجود تھے، بے اختیار پکار اُٹھے "اپنی زبان روک، شرم سے آنکھ نیچی کر"

"تو کون ہے؟ تیری ماں مرے!" اروی نے خفگی سے کہا۔

"عمرو بن العاص"، لوگوں نے جواب دیا۔

اروی نے کہا "تو مجھ سے بولنے کی جرأت کرتا ہے! اپنے عیب چھپے رہنے دے۔ اپنی خیریت منا۔ واللہ تو قریش میں نہ تو خالص نسب رکھتا ہے نہ اچھی اصلیت کا مالک ہے"

"بیوقوف بڑھیا!" مروان بن الحکم نے کہا "تیری بینائی بھی تیری عقل کے ساتھ جا چکی ہے۔ تیری شہادت معتبر نہیں"

"صاحبزادے تم بھی بولے!" اروی نے کہا "واللہ حکم سے زیادہ تو سفیان بن الحارث بن کلدہ سے زیادہ مشابہ ہے"

پھر وہ معاویہ کی طرف مخاطب ہوئیں:

"واللہ ان لوگوں کو تو نے ہی مجھ پر جرأت دلائی ہے، حالانکہ تیری ماں اُحد کی لڑائی میں حمزہ کے قتل کے بعد کہتی تھی۔

نحن جزیناکم بیوم بدر والحرب یوم الحرب ذات سعر

ہم نے تم سے جنگ بدر کا بدلہ لیا۔ لڑائی، لڑائی کے دن آگ کی طرح شعلے رکھتی ہے۔

ماکان عن عتبۃ لی من صبر ابی وعمی واخی وصہری

عتبہ (ہندہ کا باپ تھا) پر مجھے صبر نہیں ہو سکتا تھا۔ میرا باپ، چچا، بھائی، خسر انھیں میں بھول نہیں سکتی تھی (یہ سب جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے)

شفیت وحشی غلیل صدری شفیت نفسی وقضیت نذری

اے وحشی (قاتل حمزہ) تو نے میرا دل ٹھنڈا کیا۔ میری منت پوری کر دی۔

فشکر وحشی علیّ عمری حتی تغیب اعظمی فی قبری

"وحشی" کا شکریہ عمر بھر مجھ پر واجب ہے، یہاں تک کہ میری ہڈیاں قبر میں غائب ہو جائیں۔

تیری ماں کے جواب میں میں نے کہا تھا:

یا بنت رقاع عظیم الکفر خزیت فی بدر وغیر بدر

اے بیوقوف بڑے کافر کی بیٹی! بدر میں اور ہر دن میں تجھے رسوائی ملے۔

صبحک اللہ قبیل الفجر بالہاشمیین الطوال الزہر

خدا تجھ پر صبح سے پہلے، دراز قد، خوبصورت ہاشمیوں کی غارت گری نازل کرے۔

بکل قطاع حسام یفری حمزۃ لیثی وعلیّ صقری

تیغِ براں سے تجھے کاٹے۔ حمزہؓ، میرا شیر ہے اور علیؓ میرا باز ہے۔

ہتک وحشی حجاب الستر ماللبغایا بعدہا من فخر

وحشی نے بے آبروئی کر ڈالی۔ اب فاحشہ عورتوں کے لئے تیرے بعد کوئی فخر باقی نہیں رہا۔

"تمھارا بُرا ہوا"، امیر معاویہ نے عمرو بن العاص اور مروان بن الحکم سے کہا "تمھیں نے اس خاتون کو مجھ پر خفا کر دیا اور یہ باتیں سنوائیں"

پھر اروی سے مخاطب ہوئے:

"پھوپھی! اپنی ضرورت بیان کرو۔ عورتوں کی یہ بکواس بند کرو"

"مجھے دو ہزار، دو ہزار، دو ہزار، پورے ۶ ہزار دینار دو" اروی نے مطالبہ کیا۔

"پہلے دو ہزار کس لئے؟" امیر نے سوال کیا۔

"میں حارث بن عبدالمطلب کے خاندان کے لئے کھیتی کی زمین میں کنواں خریدوں گی"، اروی نے جواب دیا۔

"تم نے بہت خوب سوچا" امیر نے کہا "اور دوسرے دو ہزار؟"

"خاندان عبدالمطلب کے نوجوانوں کی شادی کر دوں گی"

"بہت خوب! اور تیسرے دو ہزار؟"

"مدینہ کی گرانی اور زیارت بیت اللہ کے خرچ کے لئے"

"بہت خوب خیال ہے۔ میں نے منظور کیا۔ تمھاری خاطر ہمیشہ منظور ہے" امیر نے خوشامد سے کہا۔

تھوڑی دیر چپ رہ کر امیر نے پھر سوال کیا:

"بھلا اگر علی موجود ہوتے تو یہ تم ہرگز منظور نہ کرتے"

"سچ ہے" اروی نے فوراً جواب دیا "علی، امانت ادا کرتا تھا خدا کے حکموں پر چلتا تھا۔ مگر تو نے اپنی امانت ضائع کر دی۔ خدا کے مال میں خیانت کی۔ خدا کا مال غیر مستحقوں کو دے ڈالا۔ خدا نے اپنی کتاب میں حقداروں کے حق مقرر کر کے بیان کر دیئے ہیں۔ مگر تو نے خدا کے حکموں پر عمل نہیں کیا۔ لیکن علی نے ہمیں اپنے حق لے لینے کے لئے برابر بلایا جو خدا نے ہمارے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔ مگر افسوس تمھاری لڑائی نے اُنھیں پورا انتظام قائم کرنے کی مہلت ہی نہ دی۔ میں نے تیرا مال نہیں مانگا کہ احسان جتاتا ہے۔ میں تو صرف اپنا حق مانگتی ہوں۔ ہم دوسروں کا حق لینا جائز نہیں سمجھتے۔ آہ! تیرے دانت ٹوٹیں اور تیری مصیبت سخت ہو جائے تو اپنی زبان پر علی کا نام لاتا ہے!"

پھر وہ رونے لگیں۔ یہ شعر اُنکی زبان پر تھے:

اَلا یا عین ویحک اسعدینا الا وابکی امیرالمؤمنینا

ہاں اے آنکھ تیرا بھلا ہو ہمارا ساتھ دے۔ ہاں امیرالمومنین پر خوب آنسو بہا!

رزینا خیر من رکب المطایا وفارسہا ومن رکب السفینا

ہم نے اُس سب سے اچھے کو کھو دیا جو کبھی گھوڑوں پر یا کشتیوں پر سوار ہوئے۔

ومن لبس النعال او احتذاہا ومن قرأ المثانی والمئینا

اور جنھوں نے زمین پر قدم رکھا اور جنھوں نے قرآن پڑھا۔

اذا استقبلت وجہ ابی حسین رأیت البدر راع الناظرینا

حسین کے باپ کا چہرہ دیکھنا، بدر کامل کا دیکھنا ہے جو دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔

ولا واللہ لا انسیٰ علیا وحسن صلاتہ فی الراکعینا

نہیں، واللہ، علی مجھے بھول نہیں سکتا، نہ رکوع کرنے والوں میں اُس کی اچھی نماز بھول سکتی ہوں۔

أفی الشہر الحرام فجعتمونا بخیر الناس طرا اجمعینا

تم نے ماہ حرام میں سب آدمیوں سے اچھے آدمی کو مار کر ہمیں مصیبت میں ڈال دیا!

معاویہ نے اُنھیں ۶ ہزار دینار دیدیئے اور کہا:

"پھوپھی! اسے جس طرح چاہو خرچ کرو۔ پھر جب کبھی ضرورت پڑے اپنے بھتیجے کو لکھنا، وہ ہر طرح تمھاری مدد کریگا"

ہندوستان کے موجودہ حکمرانوں (انگریزوں) نے پرانے ہندوستانی بادشاہوں کی رعایا پروری کی خوب نقل اتاری ہے۔ یہ بھی کبھی کبھی نہریں کھودتے ہیں مگر اپنی تنگ نظری کی وجہ سے مستقبل کو دیکھنے کے بجائے اپنی فوری منفعت پر نظر رکھتے ہیں۔ مگر اس نقالی میں وہ اپنے پیش رو۔ تاتاری حکمرانوں کی فیاضی کی تقلید نہیں کرتے۔ (〃)

انگریزوں نے ہندوستان کے لئے ارزاں ذرائع نقل و حرکت اور آب پاشی کی ضرورت تو محسوس کی۔ مگر یہ محسوس نہ کیا کہ ہندوستان میں تیز ذرائع نقل و حرکت سے بھی زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ خشک سالی کے زمانہ میں غلہ فراہم کیا جائے۔ اُنھوں نے وسیع ریلیں جاری کردیں مگر وہ جہاز رانی کے لائق دریا بنانے کی ہمت نہ کرسکے۔ کیونکہ ایسے دریا، ریلوے کے مدمقابل ہوجاتے اور وہ نفع کم کردیتے جو ریلوں سے حاصل ہوتا ہے اور جس سے انگریز فائدہ اٹھاتے ہیں، قدرت نے ہندوستان کو بڑے بڑے دریا عطا کئے ہیں جو قدیم زمانہ میں تجارت کے راستے تھے۔ اور ان دریاؤں سے نکلی ہوئی نہریں باشندوں کے لئے نہایت ہی مفید ہوسکتی تھیں۔ وہ سستے طریق مواصلات اور نقل و حرکت کا کام بھی دے سکتی تھیں اور پیداوار کو ترقی دیکر فصلوں کی محافظ اور قحطوں کی سد راہ بن سکتی تھیں مگر انگریزوں نے سخت جغرافی غلطی کی۔ چونکہ خود اُنکے اپنے ملک میں نہروں کی بہت کم ضرورت تھی اس لئے اُنھوں نے ہندوستان میں بھی نہریں طیار کرنے میں غفلت کی۔ (سر آرتھر کاٹن: بلو بک)

اگر بنگال میں آب پاشی کا کافی انتظام ہو تو وہ تنہا پورے ہندوستان کا پیٹ بھر سکتا ہے۔ (ڈاکٹر ٹیلی کی شہادت زرعی کمیشن کے سامنے)

چارے کا سوال پورے ہندوستان کے لئے عدد درجہ اہمیت حاصل کرتا جاتا ہے۔ ظاہر ہے چارا جس قدر کم ہوگا مویشی اُسی قدر کمزور ہونگے اسمیں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اگر حالات میں فوری خوشگوار تبدیلی نہ ہوئی تو بنگال اور آسام کی زراعت کو نہایت سخت نقصان پہنچیگا۔ (سر چارلس الیٹ)

دنیا کا کون ملک بغیر اپنے مویشیوں کے سرسبز ہوسکتا ہے؟ ہم فخر کرتے ہیں کہ ہم ہندوستان کے محافظ ہیں۔ مگر ہم نے ہندوستانی مویشیوں کی بقا کے لئے کیا کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں کیا۔ مجھے شرم کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ترقی کے بجائے ہم نے مویشی فنا کرنے میں مدد دی ہے! میں بغیر قوم کے مویشیوں کا تصور کرسکتا ہوں مگر بغیر مویشیوں کے قوم کا تصور نہیں کرسکتا۔ (سر ولیم ویڈربرن)

ہر منٹ میں ہندوستان سے ایک گائے باہر جاتی ہے۔
(بلو بک ۱۸۸۵ء)

۱۸۸۳ء میں تمام بیرونی دنیا سے انگلستان کو ۲۹۸۶۵۲۰ من گیہوں گیا۔ برخلاف اس کے صرف ہندوستان سے ۱۱۸۶۸۳۷۱۰ من گیہوں گیا۔ (رائل اگریکلچر سوسائٹی ۱۸۸۳ء)

ہر منٹ میں غلہ کی حسب ذیل مقدار ہندوستان سے باہر جاتی ہے:

چاول:	ہر منٹ میں	۱۱۸ من
گیہوں:	〃 〃	۹۵ 〃
دال مسور:	〃 〃	۵۵ 〃
دال ارہر:	ہر منٹ میں	۵۰ من
موم پھلی:	〃 〃	۵۵ 〃

(سرکاری اعداد و شمار کی چوتھی اشاعت)

سیالکوٹ وغیرہ علاقوں میں دل ہلا ڈالنے والی بے شمار موتوں کی وجہ میرے خیال میں صرف یہ ہے کہ افسوسناک قزاقی کے ساتھ غریبوں کی خوراک چھین کر باہر بھیجدی جاتی ہے۔ اس سے ملک کی کسان آبادی دائمی قحط کا شکار رہتی ہے۔
(ایچ، ڈبلو، بیلو سنیٹری کمشنر پنجاب کا خط ۱۸۹۱ء)

خراب غذا سے صرف اموات کی زیادتی ہی نہیں ہوگئی ہے بلکہ زندہ نسل کی جسمانی قوت بھی تباہ ہوگئی ہے۔ (〃 〃)

کلکتہ میں فی روپیہ اناج کا نرخ

زمانہ	چاول	گیہوں	سرسوں کا تیل
سنہ ۱۷۳۰	۲ من ۳۰ سیر	۲ من ۲۰ سیر	۱۲ سیر
سنہ ۱۷۵۰	۲ من ۱۰ سیر	۲ من ۱۰ سیر	۱۰ سیر
سنہ ۱۷۵۵	۱ من ۳۰ سیر	۱ من ۲۵ سیر	½۸ سیر
سنہ ۱۷۸۲	۱ من ۵ سیر	۱ من ۵ سیر	۷ سیر
سنہ ۱۸۲۵	۳۰ سیر	۳۲ سیر	۶ سیر
سنہ ۱۸۵۵	۱۵ سیر	۱۸ سیر	۵ سیر
سنہ ۱۸۸۰	۱۲ سیر	۱۱ سیر	½۴ سیر

(ایسٹ انڈین کمپنی کا غیر مطبوعہ ریکارڈ۔ برٹش میوزیم میں)

ہندوستان میں بیماریوں کی کثرت کی اصلی وجہ خراب غذا ہے۔ اسی غذا نے ہندوستانیوں کا جسم کمزور کرکے بیماری کے لئے مستعد کردیا ہے
(لفٹنٹ میکارلین: اگریکلچر کیشن)

ہندوستان کی ایک تہائی آبادی کو ناکافی کھانا ملتا ہے۔ ۴ کرور آدمی تو صرف ایک ہی وقت کھانا پکاتے ہیں۔ دش کرور آدمیوں کو کسی قسم کی طبی مدد نہیں پہونچتی۔ (〃)

گزشتہ ۵۵ سال میں ۲۶ بڑے بڑے قحط پڑے جن میں ۲ کرور سے بھی زیادہ آدمی بھوک سے مرگئے۔ (〃)

دنیا کے تمام دوسرے ملکوں کے مقابلہ ہندوستان میں قحط کیوں زیادہ پڑتے ہیں؟ اس کی وجہ بارش یا اوس کی کمی نہیں۔ کیونکہ خراب سے خراب موسم میں بھی بکثرت بارش ہوتی اور زراعت کو بڑھاتی ہے۔ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان روز بروز غریب ہوتا جارہا ہے۔ (ڈبلو، ایس لیلی: انڈیا اینڈ اٹس پروبلم)

نصف ایکڑ زمین پر گزارہ کرنے کے لئے کرورہا ہندوستانی کسان جد و جہد کررہے ہیں۔ اُن کی ساری زندگی ہمیشہ قحط سے دست بدست لڑائی میں گزرتی اور اکثر شکست پر ختم ہوتی ہے۔ اُن کی کوشش اس لئے نہیں ہے کہ غریبانہ زندگی بسر کرسکیں۔ یہ تو بہت بڑی چیز ہے۔ وہ بیچارے محض زندہ رہنے کے لئے کوشاں ہیں۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ چند علاقوں کے علاوہ تمام ہندوستان، دائمی قحط کی بلا میں مبتلا رہتا ہے۔ (مسٹر جیکسن)

ہندوستان میں شرح اموات بحساب فی منٹ

ہر منٹ میں	۲۳	جوان
〃 〃	۴	بچے
〃 〃	۲	دق میں
〃 〃	۷	ملیریا میں

بنگال میں روزانہ تعداد اموات

۲۰۰	جوان	ملیریا سے
۸۱۶	بچے	〃 〃
۲۰۰	مائیں	〃 〃

(سرکاری اعداد و شمار کی چھٹی اشاعت)

صحت خریدی جاسکتی ہے، تعلیم خریدی جاسکتی ہے، طبی امداد خریدی جاسکتی ہے لیکن ہندوستانیوں کے پاس خریدنے کی قوت کہاں ہے؟ یہاں تو ہر ہندوستانی کی آمدنی صرف ایک آنہ ہے۔
(ڈاکٹر مین لی پیج)

شرح آمدنی

آمریکہ	(فی کس)	۱۴ روپیہ ۹ آنہ ـ
فرانس	〃	۷ روپیہ ۴ آنہ
انگلینڈ	〃	۶ 〃 ۶ 〃
جاپان	〃	۴ 〃 ۱۱ 〃
ہندوستان	〃	ایک آنہ ۶ پائی

(بین الاقوامی اشاعت سنہ ۱۹۰۰)

اگر کبھی انگریزوں کو ہندوستان اُسی طرح چھوڑنا پڑا، جس طرح رومن نے انگلستان چھوڑا تھا تو وہ ایک ایسا ملک چھوڑ جائینگے جس میں نہ تعلیم ہوگی، نہ حفظان صحت کا سامان ہوگا، اور نہ ہی دولت ہوگی۔ (سر ڈی، ہملٹن)

"لڑاؤ اور حکومت کرو،" کا رومن مقولہ، ہماری ہندوستانی حکومت کا اصل اصول ہونا چاہئے۔ عام اس سے کہ وہ سیاست، تمدن، یا فوج کسی سے بھی متعلق ہو۔
(ایک انگریز افسر کا بیان رسالہ "ایشیاٹک جنرل" ۱۸۲۱ء)

تعلیم کا اثر یہ ہوگا کہ فرقہ وارانہ اور مذہبی تعصب دور ہوجائے گا۔ حالانکہ اسی تعصب کی بدولت ہم اب تک ملک پر قابض ہیں۔ اسی کے ذریعہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے لڑاتے ہیں۔ تعلیم کا اثر یہ ہوگا کہ اُنکے دماغ روشن اور وسیع ہوجائیں گے اور وہ اپنی عظیم قوت کا احساس کرلیں گے۔
(سر ایل، اسمیتھ ۱۸۳۱ء)

میرے پاس اس خیال کی ہر وجہ موجود ہے کہ مندر سومناتھ کو پھاٹک ہندوستان واپس لانے سے تمام ہندو ہم سے مطمئن اور خوش ہوگئے ہیں۔ میرے خیال میں اس کی وجہ سے مسلمان بھی ناراض نہیں ہوئے۔ لیکن میں اس حقیقت سے اپنی آنکھیں بند نہیں کرسکتا کہ یہ قوم (مسلمان) بنیادی طور پر ہماری دشمن ہے۔ بنابریں ہمارے لئے بہترین پالیسی یہ ہوگی کہ ہندوؤں کو خوش رکھیں۔
(لارڈ ایلنبرو ۱۸۴۳ء)

مذاکرۂ علمیہ

نظریۂ نشوؤ ارتقاء کی موجودہ منزل

حال میں سر آرتھر کیتھ نے برطانی اکاڈیمی کی صدارت کرتے ہوئے نظریۂ نشوؤ ارتقاء پر ایک نہایت مبسوط تقریر کی تھی، جس نے از سر نو اس بحث پر موافقانہ و مخالفانہ خیالات کو جنبش دیدی۔ اسوقت تک تقریبًا تیس چالیس علمار فن اس کی موافقت یا مخالفت میں اظہار خیال کر چکے ہیں، اور بحث و نظر کا سلسلہ جاری ہے۔

برطانی اکاڈیمی کے سالانہ اجلاس اور سر آرتھر کی تقریر کا مختصر تذکرہ اُردو اخبارات میں آچکا ہے۔ ہم چاہتے ہیں سر آرتھر کی تقریر کے بعض اہم حصے اور انکے مخالفین کے ضروری مباحث الہلال کے صفحات پر درج کردیں۔ بحیثیت مجموعی یہ موافق و مخالف خیالات کا ایک ایسا مجموعہ ہوگا، جس کے مطالعہ سے بہ یک نظر معلوم ہوجائیگا کہ بحالت موجودہ ڈارون کا نظریہ کس منزل میں ہے اور موافق و مخالف دلائل کا وزن کیا ہے۔

ہم پہلے سر آرتھر کی تقریر کا ضروری خلاصہ درج کردیتے ہیں۔ پھر مخالف مباحث کا خلاصہ درج کرینگے :-

سر آرتھر کا خطبہ

۵۵ برس ہوئے کہ نشوء انسانی کی تاریخ، عالم وجود میں آئی۔ آج میرا موضوع بحث بھی یہی ہے۔ اس بحث کے لئے اس شہر لیڈس سے زیادہ موزوں کوئی مقام نہیں۔ کیونکہ ڈارون نے توراۃ کے حامیوں پر اپنا پہلا گولہ یہیں پھینکا تھا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ ڈارون کا یہ گولہ کیسا خوفناک تھا اور کس طرح اس فاتح نے تمام مخالفوں سے ہتیار رکھوالئے۔ تقریبًا ۶۹ برس ہوتے ہیں کہ اسی شہر میں اپنے عہد کے مشہور ترین عالم سر رچرڈ اوین نے ایک طولانی خطبہ دیا تھا اور انسان کی اصلیت پر بحث کرتے ہوئے ثابت کیا تھا کہ توراۃ نے انسان کی عمر جتنی قرار دی ہے، وہ اُس سے کہیں زیادہ پُرانا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس فیلسوف نے اس نظریہ کا مضحکہ بھی اُڑایا تھا کہ انسان ادنیٰ مخلوقات سے ترقی کرکے اپنے موجودہ درجے تک پہنچا ہے۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ انسان اور بندر میں بہت ہی عظیم فرق ہے۔ اتنا فرق کہ دونوں میں کوئی مشترک علاقہ موجود نہیں، دونوں، دو بالکل علیحدہ علیحدہ جنسیں ہیں۔

اوین اور ہکسلے

سر رچرڈ اپنے زمانے میں اس اکاڈیمی کا صدر تھا۔ اُس کے سامعین میں ایک علامۂ عصر ٹامس ہنری ہکسلے، سر رچرڈ کا خوفناک حریف بھی تھا۔ ہکسلے اسوقت جوان تھا۔ اُسے سر رچرڈ سے اسقدر مخاصمت تھی کہ وہ اسی تقریر میں مباحثہ پیش آجانے کی امید کرتا تھا مگر اتفاق سے یہ معرکہ پیش نہیں آیا۔

اس واقعہ کے دو سال بعد ہماری انجمن کا سالانہ جلسہ آکسفورڈ میں ہوا۔ یہاں سر رچرڈ نے پھر نظریۂ نشوؤ ارتقاء کا مضحکہ اڑاتے ہوئے دعویٰ کیا کہ انسان دوسرے حیوانات سے بالکل علیحدہ مخلوق

ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قدیم ترین عہد میں انگلستان کی سرزمین پر ایک ایسی مخلوق آباد تھی جو انسان اور بندر کے بیچ میں تھی۔

ہے۔ اور یہ کہ انسان کے دماغ میں بعض خصوصیتیں ایسی موجود ہیں جو انتھروپوئڈ (وہ بندر جو انسان سے بہت زیادہ مشابہ ہے) کے دماغ میں پائی نہیں جاتیں۔

ہکسلے نے اس پر اعتراض کیا اور وہ تاریخی مباحثہ پیش آیا جس نے علمی فتوحات کے لئے میدان صاف کردیا۔ یہ معرکہ دراصل علم اور توراۃ کے درمیان واقع ہوا تھا۔ تمام حامیان توراۃ، جن کی قیادت آکسفورڈ کا لارڈ بشپ کر رہا تھا، سر رچرڈ کی پُشت پناہی پر تھے۔ ہکسلے تنہا تھا لیکن دُنیا نے تسلیم کرلیا کہ فتح ہکسلے ہی کو حاصل ہوئی!

اس واقعہ کے تین سال بعد ۱۸۶۳ء میں ہکسلے نے اپنی مشہور کتاب "کائنات میں انسان کی مرکزیت پر دلائل" شایع کی۔ یہ کتاب ہمارے اسی موضوع سے متعلق ہے۔ اس میں مصنف نے قطعی طور پر ثابت کردیا کہ انسان، چھاتی رکھنے والے حیوانات ہی کا فرد ہے اور اُس سے قریب تر مخلوق وہ بندر ہے جس کا نام "انتھروپوئڈ" ہے۔

اصل انسان

یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ اُس عہد کی عقل انسانی یہ نظریہ (نظریۂ نشوء) قبول کرنے کے لئے مستعد نہ تھی۔ مدتوں سے یہ اعتقاد راسخ تھا کہ انسان ایک مستقل مخلوق ہے۔ لیکن آج حالت بدل چکی ہے۔ اسوقت جو لوگ ڈارون کے نظریہ پر یقین نہیں رکھتے، وہ بھی اس کے لئے مستعد ہیں کہ جب یہ نظریہ قطعی دلائل کے ساتھ سامنے آجائے تو تعصب سے انکار نہیں کردینگے۔

نظریۂ نشوء انسانی، انیسویں صدی کی ایک حیرت انگیز پیدائش ہے۔ چارلس ڈارون کا دُنیا پر بہت بڑا احسان ہے کہ اُسی کے غیر معمولی دماغ نے یہ نظریہ ظاہر کیا۔ جسوقت سر رچرڈ اپنا مذکورۂ بالا خطبہ لیڈس میں سُنا رہے تھے، ڈارون اپنی کتاب "اصل انواع" تصنیف کر رہا تھا۔ ۱۸۵۹ء میں یہ کتاب ظاہر ہوئی۔ مگر اُس کا ظہور کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ اُس نے اچانک ایک عظیم فکری انقلاب پیدا کردیا۔ ڈارون نے قدیم افکار و معتقدات سے یہ بغاوت بیٹھے بیٹھے نہیں کردی تھی۔ کامل ۲۷ برس اُس کے لئے طیاری کی تھی۔ اُس کی یہ کتاب درحقیقت اعلان جنگ تھا۔ اُس کا دوسرا خوفناک حملہ، ایک دوسری کتاب کی صورت میں ہوا۔ اس کا نام "حیوانات پر ماحول کی تاثیر" تھا۔ یہ کتاب ابتک علم الحیات کے حقائق کا ایک بے نظیر مجموعہ ہے لیکن ابھی فیصلہ باقی تھا۔ دشمن ہنوز میدان میں اڑا ہوا تھا۔ ڈارون نے ۱۸۷۱ء میں اپنی تیسری کتاب "تسلسل انسان" شایع کی۔ یہ اُس کا فیصلہ کُن حملہ تھا۔ دشمن سراسیمہ ہوکر بھاگا اور آجتک پھر کبھی مقابلہ میں نہ آسکا!

اُسوقت سے ڈارون کے قدم ایسے گڑے کہ پھر کبھی اُکھڑ نہ سکے آج ۵۶ برس گزر چکے ہیں۔ بہت سے نئے حقائق ظاہر ہوچکے ہیں مگر ڈارون اپنی جگہ پر پہاڑ کی طرح قائم ہے۔ یہ تمام حقائق اُس کے نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔ بلاشبہ بعض تبدیلیاں بھی واقع ہوئی ہیں لیکن نظریہ بحیثیت مجموعی ثابت و واضح ہے۔ اور ہمیشہ یونہی سربلند رہے گا۔

حفریات

میں نے کہا یہ نظریہ ہمیشہ یوں ہی سربلند رہے گا۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈارون کے بعد علمار نے اُس کا نظریہ چھوڑ نہیں دیا بلکہ کسوٹی پر رکھ کر برابر جانچتے رہے۔ اُنھوں نے قدیم انسان کے آثار کی تلاش شروع کی۔ زمین کھود کر وہ اوزار اور ظروف نکالے جنھیں انسان اپنے اولین عہد میں استعمال کرتا تھا۔ یعنی اُس عہد میں جس کا نام اصطلاح میں عہد بلیسٹوسینی ہے (یہی وہ زمانہ ہے جس میں سطح زمین کا تیسرا طبقہ بنا تھا) یہ عہد اب سے دو لاکھ برس یا ۶ لاکھ برس پہلے تھا۔ اسی قدر نہیں بلکہ علمار کی تحقیقات، عہد بلیسٹوسینی تک پہنچ چکی ہے۔ یعنی اُس زمانے تک جسمیں زمین کا دوسرا چھلکا بنا ہے۔

ڈارون کی وفات سے دس برس بعد ڈاکٹر ادجین ڈیبوا کو اولین انسان کی ہڈیاں ملیں۔ اُس نے اس کا نام "پیتھکانتھروپس" یعنی بندر انسان رکھا۔ نیز اُسی زمانے میں ڈاکٹر ریڈ مویر نے مشرقی انگلیا میں زمین کے دوسرے طبقے میں حجری ظروف اور اوزار پائے۔ ان تمام حفریات و آثار سے نشوء انسانی پر ڈارون کے نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

تسلسل انسان

بندر سے مشابہ مخلوق سے انسان کا ظاہر ہونا ایسے قطعی دلائل سے ثابت ہوچکا ہے کہ بحث کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ لیکن یہ نشوؤ ارتقاء اُس سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور غیر منضبط تھا جتنا خود ڈارون سمجھتا تھا۔ پہلے علمار خیال کرتے تھے کہ ارتقاء، کامل طور پر ہوا ہے یعنی جسم انسانی کے ہر عضو نے یکساں طور پر تدریجی ترقی کی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ ارتقاء، نہایت غیر منتظم طور پر مختلف موثرات کے ماتحت واقع ہوا ہے۔ قدیم انسان میں ارتقاء کی یہ بے نظمی موجودہ انسان سے کہیں زیادہ واضح تھی۔ دقیق مباحث سے اب ثابت ہوچکا ہے کہ ہر عضو نے تدریجی ترقی نہیں کی۔ یعنی یہ نہیں ہوا کہ کھوپڑی، دماغ، جبڑا، دانت، جلد، بازو، پاؤں وغیرہ وغیرہ اعضار میں سے ہر عضو بتدریج بندر کی شکل سے ترقی کرکے انسان کی عضویت بنتا گیا، بلکہ یہ ہوا کہ بعض اعضار ترقی کرتے تھے، بعض ترقی نہیں کرتے تھے، بعض بالکل غائب ہوجاتے تھے۔ ذیل کی مثال سے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی:

ڈارون کی وفات سے ۳۰ برس بعد یعنی ۱۹۱۲ء میں مسٹر چارلس ڈوسن کو انگلستان کے ایک مقام پلٹڈاؤن (یعنی ڈارون کی قیامگاہ سے ۲۰ میل کے فاصلے پر) ایک پتھرائی ہوئی کھوپڑی اور جبڑا ملا۔ سر آرتھر وڈوارڈ نے دونوں کی جانچ کی اور فیصلہ کیا کہ یہ دونوں عضو ایک ہی جسم کے ہیں اور یہ مخلوق اب سے ۵ یا ۶ لاکھ برس پہلے زمین پر موجود تھا۔ ان آثار میں کھوپڑی، موٹی دیواروں کی تھی اور موجودہ انسان کی کھوپڑی سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھی لیکن نیچے کا جبڑا، بندر کے جبڑے کی طرح تھا۔ بعض علمار کے لئے یہ اختلاف، سخت حیرت کا موجب ہوا اور اُن سے اس کے سوا کچھ کہتے بن نہ پڑا کہ یہ دونوں چیزیں، دو مختلف جسموں کی ہیں حالانکہ اگر وہ علم تشریح کے ماہر ہوتے، تو اس غلطی کا شکار نہ ہوتے۔ اُنہیں معلوم ہوجاتا کہ جسم کے بعض اعضا جلد ترقی کرتے ہیں اور بعض بہت پیچھے رہجاتے ہیں۔ ارتقاء کی یہ بے ضابطگی بندر نما انسان میں زیادہ واضح پائی جاتی ہے۔ مثلًا اس کی ران کی ہڈی بالکل آدمی کی سی ہوتی ہے مگر کھوپڑی، بندر سے مشابہ ہوتی ہے۔ مذکورۂ بالا انکشاف

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواہر ریزی

اس سلسله میں هم نے اماموں کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلهٔ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑھائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑھائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چھه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اردو ترجمه - سوا روپیه -

ائمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوہ ائمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - فی پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکھین اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینه را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الہلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الہلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اُسکا هر باب اپني مجتہدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تهیں - اردو کا وہ پہلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نہیں) ساڑھے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انہیں دوبارہ چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدللہ یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تہجي لگادي گئي هے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه	الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " " چہارم ۱۰ روپیه	" " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الہلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر "البلاغ پریس"

۱۹۲۷

۲۱

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحكيم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۱ | کلکته : جمعه ۱۵ . جمادی الاولی ۱۳۴۶ هجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 11, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای .
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین 'الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکهیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .
الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۵۹۸ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۴۰	اردو حروف کی حق مین	۴۳۰
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۵۹۵	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۲۷۳	نستعلیق هون	۱۵۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین . الهلال

هر جمعه کو نمبر ١١ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول	- -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	- -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	- - -	سادت روپیه
قیمت في پرچه	- - -	پانچ آنه

(١) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الہلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر "ایڈیٹر" کا نام هونا چاهیے -

(٢) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(٣) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے

(٤) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(٥) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(٦) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(٧) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(٨) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں هے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

(هندو)

هندو عورتوں کي مجموعي تعداد : ۱۰۵۸۲۱۸۲۵

هندو بيواؤں کي مجموعي تعداد : ۲۰۲۵۰۰۷۵

(مسلمان)

مسلمان عورتوں کي مجموعي تعداد : ۳۲۳۸۹۸۴۸

مسلمان بيواؤں کي مجموعي تعداد : ۴۷۱۲۵۹۳

(صوبوں ميں بيوائيں)

مدراس	۴۰۴۶۸۱۲
بمبئي	۱۹۸۱۸۴۹
بنگال	۴۴۴۴۰۵۰
يو' پي	۳۷۴۹۵۳۳
پنجاب	۱۲۳۷۷۰۵
برما	۷۳۱۷۳۹
بهار اوڑيسا	۳۲۱۱۳۱۰
صوبۀ متوسط	۱۱۵۵۸۹۲
آسام	۵۷۳۳۰۱
کل برطاني هند	۲۱۰۳۰۵۰۰

هندوستان ميں اپاهجوں کي تعداد (سنه ۱۹۲۱ ع) ميں

صوبه	ديوانے مرد	ديوانے عورتيں	بهرے گونگے مرد	بهرے گونگے عورتيں	اندهے مرد	اندهے عورتيں	کوڑهي مرد	کوڑهي عورتيں
مدراس	۵۰۳۵	۳۵۰۴	۱۱۹۴۷	۹۳۳۷	۱۸۲۳۰	۱۸۲۹۷	۱۱۶۰۹	۳۹۸۹
بمبئي	۵۸۰۲	۳۲۵۸	۶۵۰۲	۴۲۳۰	۱۶۹۶۹	۱۸۰۸۹	۵۵۳۵	۲۴۲۸
بنگال	۱۱۱۰۲	۷۷۹۱	۱۸۹۳۹	۱۲۳۲۵	۱۸۷۰۲	۱۴۷۶۶	۱۱۴۴۸	۴۰۰۳
يو' پي	۴۸۳۷	۲۳۳۸	۱۴۳۱۱	۸۳۶۷	۵۰۷۷۹	۵۴۲۹۳	۱۰۱۰۶	۲۱۹۰
پنجاب	۴۱۱۱	۱۸۵۹	۱۱۷۹۳	۶۵۲۱	۲۹۱۶۶	۲۴۴۹	۱۱۸۸	۴۳۹
برما	۶۲۸۵	۵۲۸۸	۹۴۴۷	۵۴۳۰	۱۱۳۲۵	۱۳۱۹۸	۶۵۸۹	۳۱۷۶
بهار اوڑيسه	۲۳۳۴	۱۲۰۳	۱۱۴۲۳	۷۲۲۴	۱۳۸۵۲	۱۴۳۱۴	۷۸۴۲	۲۷۵۴
سي' پي	۲۰۸۵	۱۲۱۸	۷۶۰۵	۵۲۰۲	۱۵۰۱۴	۲۲۴۸۲	۴۴۵۰	۲۷۶۶
آسام	۲۱۸۷	۱۵۶۵	۳۱۱۵	۲۲۵۵	۲۷۴۷	۳۴۵۹	۳۲۰۸	۱۱۰۲
کل برطاني هندوستان ميں	۴۴۶۷۳	۲۸۲۳۴	۹۳۶۴۳	۶۱۷۸۳	۱۸۰۹۵۹	۱۸۶۱۷۶	۶۲۱۸۰	۲۲۹۴۲

(بيواؤں کي تعداد عمر کے اعتبار سے)

۵ برس کي	۱۵۱۳۹
۵ برس سے ۱۰ برس تک کي	۱۰۲۲۹۳
۱۰ " ۱۵ "	۲۷۹۱۳۴
۱۵ " ۲۰ "	۵۱۷۸۹۸
۲۰ " ۲۵ "	۹۶۶۹۱۷
۲۵ " ۳۰ "	۱۵۱۶۰۴۷
۳۰ " ۳۵ "	۲۳۵۴۱۲۲
۳۵ " ۴۰ "	۲۲۳۲۵۶۹

(دنيا کے مختلف ملکوں ميں شرح اموات هر هزار انسانوں ميں)

	آبادي	سنه ۱۹۲۱ ميں	سنه ۱۹۲۵ ميں
امريکا	۱۰۰۰۰۰۰۰۰	۱۲٫۹	۹٫۵
انگلينڈ	۴۵۴۰۰۰۰۰ •	۱۴٫۴	۱۱٫۷
فرانس	۳۹۲۰۹۵۱۸	۱۳٫۷	۱۱٫۵
جرمني	۶۰۰۰۰۰۰۰	۱۶٫۴	۱۳٫۲
جاپان	۶۱۰۸۱۹۵۴	۱۶٫۲	۱۴٫۵
هندوستان	۳۱۹۳۶۱۰۰۰	۲۴٫۲	۳۰٫۲
ناروے	۲۶۰۰۰۰۰	۱۳٫۲	۱۱٫۸
نيوزيلينڈ	۱۲۰۰۰۰۰	۹٫۵	۹٫۲
سويڈن	۶۰۰۰۰۰۰	۱۳٫۸	۱۱٫۷

(شرح پيدائش سنه ۱۹۲۱ع ميں)

امريکا	۱۹٫۵
انگلينڈ	۲۲٫۴
فرانس	۱۸٫۵
جرمني	۲۳٫۵
جاپان	۲۴
هندوستان	۳۱٫۸۳
نيوزيلينڈ	۲۱٫۹۴

(دنيا کے بڑے بڑے ملکوں ميں اوسط عمر سنه ۱۹۲۵ع)
(سال)

انگلينڈ اور ويلس	۵۱٫۵
ولايات متحدۀ امريکا	۵۵٫۵
نيوزيلينڈ	۶۰٫۰
فرانس	۴۸٫۵
جرمني	۴۷٫۴
اٹلي	۴۷٫۰
جاپان	۴۴٫۳
هندوستان	۲۳٫۷ •

(دنيا کے بڑے بڑے ملکوں ميں بچوں کي شرح اموات في هزار)

انگلينڈ اور ويلس	۵۷
فرانس	۸۵
بلجيم	۱۰۷
جرمني	۱۰۸
اسپين	۱۴۵
اٹلي	۱۶۱
جاپان	۱۶۶
هندوستان	۱۹۴
نيوزيلينڈ	۴۵

هندوستان اور مجموعه عالم

تمام دنیا میں جغرافیائي ' عمراني ' اور اقتصادي لحاظ سے
هندوستان کي موجوده حیثیت کیا هے ؟

(۲)

(برطاني شهنشاهي کي قومیں)

(مجموعي آبادي ۴۴۹۲۳۳۰۰۰)

هندوستاني	۲۴۴۳۰۳۰۰۰
عرب	۵۷۵۳۰۰۰
افغان	۱۵۵۰۰۰۰
پارسي	۱۰۰۰۰۰
یهودي	۱۰۸۴۰۰۰
دوسري قومیں	۳۱۵۰۰۰۰

(یوروپین)

برطاني ' فرانسیسي ' کنیڈي ' بوئر ' وغیره	۶۴۲۷۶۰۰۰

(سیاه فام)

نیگرو	۴۶۱۶۶۰۰۰
هندوستاني	۶۱۵۰۰۰۰
پاپونس	۹۶۷۰۰۰
آسٹریلیا کے دیسي	۶۰۰۰۰

(زرد فام)

ملایو وغیره	۹۵۵۶۰۰۰
برمي	۷۸۹۰۰۰۰
ترک	۶۱۰۰۰
چیني	۲۳۰۸۰۰۰
تبتي	۳۰۰۰۰۰
موئر	۵۳۰۰۰
دیسي امریکن	۱۵۶۰۰۰

(دنیا کي آبادي هر مربع میل کے حساب کے)

انگلینڈ	۳۷۵
جرمني	۳۱۰
جاپان	۲۵۵
فرانس	۱۸۹
هندوستان	۱۷۷
چین	۱۰۵
روس	۶۴
ولایات متحدۂ امریکا	۳۱

(هندوستان کي آبادي مذهب کے اعتبار سے)

	سنه ۱۹۰۱ میں	سنه ۱۹۱۱ میں	سنه ۱۹۲۱ میں
برهمن	۲۰۷۰۵۰۵۵۷	۲۱۷۳۳۷۹۴۳	۲۱۶۲۶۰۶۲۰
آریا سماج	۹۲۴۱۹	۲۴۳۴۴۵	۴۶۷۵۷۸
برهمو	۴۰۵۰	۵۵۰۴	۶۳۸۸
سکهه	۲۱۹۵۳۳۹	۳۰۱۴۴۶۶	۳۲۳۸۸۰۳
جین	۱۳۳۴۱۴۸	۱۲۴۸۱۸۲	۱۱۷۸۵۹۶
بودهه	۹۴۷۶۷۵۹	۱۰۷۲۱۴۵۳	۱۱۵۷۱۲۶۸
پارسي	۹۴۱۹۰	۱۰۰۰۹۶	۱۰۱۷۷۸
مسلمان	۶۲۴۵۸۰۷۷	۶۶۶۴۷۲۹۹	۶۸۷۳۵۲۳۳
عیسائي	۲۹۲۳۲۴۱	۳۸۷۶۲۰۳	۴۷۵۴۰۶۴
یهودي	۱۸۲۲۸	۲۰۹۸۰	۲۱۷۷۸
دوسرے مذاهب	۸۷۱۴۰۴۸	۱۰۳۳۶۲۲۹	۹۷۹۲۶۱۵

(هندوستان کي آبادي جنس کے اعتبار سے)

	مرد	عورت
کل هندوستاني صوبوں کي آبادي	۱۶۳۹۹۵۵۵۴	۱۵۴۹۴۶۹۲۶
مدراس	۲۰۸۷۰۷۴۹	۲۱۴۴۸۲۳۶
بمبئي	۱۰۱۷۶۹۶۹	۹۱۷۷۲۵۰
بنگال	۲۴۱۵۱۲۲۲	۲۲۵۴۴۳۱۴
یوپي	۲۳۷۸۷۷۴۵	۲۱۵۸۸۰۴۲
پنجاب	۱۱۳۰۶۲۶۵	۹۳۷۸۷۵۹
برما	۶۷۵۶۹۶۹	۶۴۵۵۲۲۳
بهار اوڑیسه	۱۶۷۶۳۸۶۶	۱۷۲۲۳۸۳۲۳
صوبۂ متوسط	۶۹۵۱۳۹۹	۶۹۶۱۳۶۱
آسام	۳۹۶۱۱۰۹	۳۶۴۵۱۲۱
صوبه سرحدي	۱۲۲۹۳۱۶	۱۰۲۲۰۲۴

(هندوستان کي آبادي زبانوں کے اعتبار سے)

هندوستاني	۹۶۷۱۴۳۶۹
بنگالي	۴۹۲۹۴۰۰۹
تیلگو	۲۳۶۰۱۴۹۲
مرهٹي	۱۸۷۹۷۸۳۱
تامل	۱۸۷۷۹۵۷۷
پنجابي	۱۶۶۳۳۵۹۶
راجستاني	۱۲۶۸۰۵۶۲
کناري	۱۰۳۷۴۲۰۴
اوڑیا	۱۰۱۴۳۱۶۵
گجراتي	۹۵۵۱۹۹۲
برمي	۸۴۲۳۲۵۶

هندوستان میں ۱۴۷ - زبانیں بولي جاتی هیں - ۲۳ - زبانیں دس لاکهه آدمیوں سے زیاده کے استعمال میں هیں -

(هندوستان میں بیوائیں سنه ۱۹۲۱ میں)

عورتوں کي مجموعي تعداد : ۱۵۴۹۴۶۹۲۶

بیواؤں کي مجموعي تعداد : ۲۶۸۳۴۸۳۸

ہو سکتي جبتک کہ مبلغ مشرقي زبانوں خصوصاً عربي میں مہارت حاصل نہ کریں - چنانچہ سنہ ۱۳۱۱ع میں پوپ اکلمنٹس پنجم کي زیر صدارت وائنا میں کانفرنس منعقد ہوئي ' اور اُس نے فیصلہ کیا کہ فرانس ' انگلستان ' اٹلي ' اور اسپین کے علمي مرکزوں میں ' عربي ' عبراني ' اور سریاني ' زبانوں کي باضابطہ تعلیم جاري کي جائے -

(فرانس کا مدرسۂ طب)

اِس سے پہلے مونپلیہ (فرانس) میں ایک طبي مدرسہ سنہ ۱۲۲۰ع میں قائم ہوچکا تھا - اُس میں تعلیم کا تمام دار و مدار اندلسي علماء پر تھا - عربي زبان کي باقاعدہ تعلیم ہوتي تھي تاکہ طبي و عقلي علوم کي تحصیل کامل طور پر ہو سکے - سنہ ۱۳۶۱ع میں وسطی یورپ کي پہلي یونیورسٹي کراکو (پولینڈ) میں قائم ہوئي - اِس کے چارسال بعد وائنا کي یونیورسٹي وجود میں آئي -

سلوسٹر دي ساسي
جس نے جدید مشرقیات کي بنیاد رکھي

(اسلامي فلسفہ اور مسیحي کلیسا)

اِس کے بعد جب یورپ میں تعلیم گاہوں کي کثرت ہوگئي تو سامي زبانوں ' خصوصاً عربي کي تعلیم بہت عام ہوگئي - مگر اب پادریوں کي جماعت عربي سے خوف کھانے لگي تھي - ابن رشد ' ابن سینا ' رازي ' ابن زہر ' وغیرہ حکماء اسلام کي تصانیف ' اُن کے خیال میں کفر و الحاد کا منبع تھیں - اِس لیے وہ طالب علموں کو بڑي سختي سے اِن تصانیف کے درس و مطالعہ سے روکتے تھے -

(اٹلي میں عربي زبان کي مقبولیت)

لیکن پادریوں کي یہ مخالفت زیادہ کار آمد نہیں ہوئي - عربي زبان اور کتابوں کا شوق برابر ترقي ھي کرتا گیا - چنانچہ اُسي زمانے میں اٹلي کے بعض امراء ' عربي زبان کے اِس قدر دلدادہ ہوگئے تھے کہ اُسے اپني تحریر و تقریر کي زبان قرار دیدینا چاہتے تھے - اُن کے محلوں میں عربي زبان کے سوا کوئي دوسري زبان سني نہیں جاتي تھي - اُن کے درباروں میں عرب علماء کا ہجوم رہتا تھا -

(شاہ سسلي اور شریف ادریسي)

اِن امراء میں روجر دوم شاہ سسلي بہت زیادہ مشہور ہے - یہي وہ پادشاہ ہے جسے شریف ادریسي نے چاندي کا کرہ نذر کیا تھا - اِس میں زمین کے پہاڑ ' سمندر ' اور اقلیمیں صاف صاف دکھائي گئي تھیں - نیز اِسي کے نام پر ادریسي نے اپني مشہور کتاب " نزھۃ المشتاق في اختراق الآفاق " تصنیف کي تھي - ادریسي نے اِس پادشاہ کي بہت تعریف لکھي ہے ' اور اُسے روم کے بادشاہ سے زیادہ عادل اور نیک بتایا ہے -

صفدي نے " الوافي بالوفیات " میں لکھا ہے کہ " پادشاہ نے ادریسي کو طلب کرکے کہا تھا - میں زمین کے چشم دید حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں نہ کہ صرف کتابوں میں لکھے ہوئے حالات - چنانچہ ادریسي کے مشورہ سے بادشاہ نے عقلمند آدمي دنیا کے مختلف ممالک کے مشاہدے کے لیے بھیجے - ہر ایک کے ساتھہ ایک مصور بھي کردیا تھا ' تاکہ ہر جگہ کي تصویریں اور نقشے طیار کرتے جائیں - یہ تمام معلومات ' تصویریں ' اور نقشے ' ادریسي کے پاس جمع ہوتے رہے ' یہاں تک کہ بادشاہ کي آرزو پوري ہوگئي " نیز صفدي نے لکھا ہے کہ بادشاہ ' ادریسي کي ازحد تعظیم و تکریم کرتا تھا - حتي کہ اُسے اجازت دے رکھي تھي کہ وہ اپني سواري ھي پر دربار تک چلا آیا کرے اور خود پادشاہ کے ساتھہ تخت پر بیٹھے !

(سب سے پہلا مطبوعہ قرآن)

اِسي طرح اٹلي کے دوسرے امراء و سلاطین کو بھي عربي زبان سے بہت محبت تھي - فرڈریک دوم (جو چھٹي صلیبي کا سپہ سالار تھا) عربي میں پوري طرح ماھر تھا - اِسي قدر نہیں بلکہ مطبع کي ایجاد کے بعد ھي اٹلي کے کئي علم دوست امرائي خاندانوں نے مشرقي اور عربي کتابوں کي طباعت بھي شروع کردي - بحر ادریاتک پر پہلا مطبع شہر رانو میں قائم ہوا (سنہ ۱۹۲۴) یہ مطبع خاندان منڈیسیس نے قائم کیا تھا - اِس میں قران مجید اور عربي زبان کي متعدد طبي و علمي کتابیں چھاپي گئي تھیں -

(عربي کتابوں کے ترجمے)

اٹلي کي تقریباً تمام بڑي بڑي تعلیم گاہوں میں اُس وقت عرب اساتذہ درس دیتے تھے - واقعہ یہ ہے کہ یورپ میں سب سے پہلے اٹلي ھي نے عربي زبان کي قدر کي ' اور اُس سے فائدہ اُٹھایا - لاطیني زبان میں بہت سي عربي کتابوں کے ترجمے کیے گئے - بقراط اور ارسطو وغیرہ کے عربي ترجمے اور شرحیں ترجمہ ہوئیں - گررڈو کریمونا نامي ایک اٹالین نے ستر سے زیادہ علمي کتابیں عربي سے لاطیني میں منتقل کي تھیں - اصل عربي کتابیں اب مفقود ھیں - مگر یہ ترجمے موجود ھیں -

(پادریوں کا مدرسہ)

سنہ ۱۵۸۴ع میں پوپ گیریگوري سیزدھم نے روم میں پادریوں کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا - اِس مدرسہ نے عربي زبان کي بہت خدمت کي - اِس کے تعلیم یافتہ لوگوں میں جبل لبنان کے تین نوجوان ' جبرائیل صیہوني ' ابراھیم حلاقاني ' سمعان سمعاني بھي تھے - اُنھوں نے بہت سي عربي کتابیں ' لاطیني میں ترجمہ کیں -

(اسپین اور پرتگال)

یہ عجیب بات ہے کہ اسپین اور پرتگال نے عربي زبان سے بہت کم دلچسپي لي - حالانکہ اسپین میں کامل آٹھہ سو برس تک عربي تمدن قائم رہچکا تھا - عربي عہد میں اندلس کي سرکاري اور ملکي زبان عربي تھي - خود اسپیني امراء بھي عربي سیکھنے اور بولنے کو باعث فخر سمجھتے تھے - مگر پھر بھي اسپینیوں کو کوئي خاص شغف عربي سے نہیں ہوا - مسیحي اسپین میں پہلا عربي مدرسہ طلیطلہ میں قائم ہوا - یہ گیارھویں صدي مسیحي کے

ایٹین کاترمیر
جسنے مقدمہ ابن خلدون شائع کیا

(برطاني هندوستان ميں شرح پيدائش و موت سنه ۱۹۲۴ ع)

صوبه	آبادي	تناسب پيدائش	مجموعي تعداد پيدائش	تناسب اموات	بچوں کا تناسب اموات	مجموعي تعداد اموات	بخار سے	هيضه سے	چيچک سے	تنفس کي بيماريوں سے
مدراس	۴۱۰۰۲۶۰۶	۳۴٫۶۹	۱۴،۳۰،۸۵۸	۲۴٫۶۵	۱۷۹٫۰۲	۱۰،۰۶،۰۴۳	۳،۲۴،۲۵۶	۵۱،۹۷۱	۱۸،۸۱۰	۶۴،۷۸۲
بمبئي	۱۹۱۵۵۶۱۴	۳۵٫۶	۶،۷۹،۳۲۱	۲۷٫۶۳	۱۹۰٫۳۶	۵،۲۹،۵۷۶	۲،۱۴،۵۶۳	۸،۲۳۶	۱۱،۱۵۲	۲۸،۹۲۶
بنگال	۴۶۵۲۲۲۹۳	۲۹٫۵	۱۳،۷۰،۱۱۴	۲۵٫۹	۱۸۳٫۹	۱۲،۰۳،۲۴۱	۹،۱۲،۴۰۳	۴۸،۵۱۴	۵،۵۶۷	۲۶،۶۴۹
يو، پي	۴۵۳۷۵۷۸۷	۳۴٫۷۲	۱۵،۷۳،۸۱۰	۲۸٫۲۹	۱۹۱٫۶۰	۱۲،۸۳،۸۷۲	۹،۴۷،۸۰۷	۶۷،۰۰۰	۲،۷۲۴	۲۷،۴۱۲
پنجاب	۲۰۵۱۷۶۰۶	۴۰٫۱	۸،۲۱،۶۸۵	۴۳٫۴۳	۲۱۲٫۴۹	۸،۹۱،۰۲۶	۴،۵۲،۱۸۷	۳،۳۵۱	۴،۰۴۰	۵۴،۴۸۸
برما	۱۰۸۲۲۶۱۸	۲۷٫۴۰	۲،۹۳،۵۸۵	۲۱٫۵۱	۱۹۷٫۵۲	۲،۳۳،۱۶۴	۷۵،۲۸۸	۸،۰۸۳	۲،۵۰۱	۱۱،۰۹۸
بهار اڑيسه	۳۴۰۰۲۱۹۸	۳۵٫۷	۱۲،۱۴،۱۴۶	۲۹٫۱	۱۵۸٫۲۰	۹،۸۹،۷۶۳	۱،۱۰،۶۳۵	۷۷،۴۸۰	۶،۹۳۲	۶،۹۰۶
سي، پي	۱۳۹۱۲۷۶۰	۴۴٫۱۸	۳،۱۴،۶۶۸	۳۲٫۵۹	۲۳۴٫۵۰	۴،۵۳،۳۶۲	۲،۴۰،۹۴۴	۹،۷۰۴	۹۷۸	۳۷،۱۳۶
آسام	۶۸۵۲۲۴۲	۳۱٫۰۴	۲،۱۲،۷۵۵	۲۷٫۳۰	۱۸۴٫۳۲	۱،۸۷،۱۲۷	۱،۱۳،۱۹۸	۱۹،۱۸۲	۱،۶۴۷	۶،۷۰۸
کل برطاني هند	۲۴۱۴۶۹۰۲۶	۳۱٫۴۴	۸۳،۱۷،۴۰۳	۲۸٫۴۹	۱۸۸٫۳۳	۶۸،۷۹،۲۸۶	۴۰،۰۷،۶۶۲	۲،۹۳،۷۰۷	۵۵،۳۸۰	۳،۳۳،۶۳۶

مستشرقين اور استشراق

(عربوں اور اهل يورپ کے علائق)

عربوں کا اهل يورپ سے تصادم اور اتصال اُس وقت سے شروع هوتا هے، جب عربوں نے شام و مصر اور دوسرے رومي مقبوضات پر فاتحانه اقدام کيا تها - اسپين اور پرتگال کي فتح نے عربوں کو خود يورپ ميں پهنچا ديا - پهر جب دوسري، تيسري، اور چوتهي صدي هجري ميں بنو اميه نے اپني خلافت اندلس ميں قائم کرلي، تو يورپ سے تعلقات اور بهي زياده هوگيے - تيسري صدي ميں جزيرۂ سسلي کي فتح اور جنوبي اٹلي ميں عربي اثر نے يه تعلقات اور زياده وسيع کر ديے -

اِس کے بعد صليبي جنگوں کے زمانے ميں تصادم و اتصال نهايت سخت هوگيا - اهل يورپ مشرق کا تمدن، اخلاق، اور علوم ديکهه کر دنگ هوگئے - مال و جان کے بے شمار نقصان کے ساتهه، تمدني، علمي، اخلاقي فوائد بهي بے شمار حاصل کيے - بهت سے صليبي مجاهدين نے عربي زبان کي باقاعده تحصيل کي - اُن کے متعدد امراء اور سپه سالار عربي زبان اور عربي تمدن کے دل سے حامي هوگئے -

(يورپ پر عربوں کا علمي اثر)

يورپ ميں عربي زبان اور تمدن کي مقبوليت کا آغاز اِس سے پہلے هوچکا تها - يورپ کے مختلف ممالک سے طالب علم اسلامي اسپين ميں آتے تهے اور مسلمان اساتذه سے تعليم حاصل کرتے تهے - خود پوپ سلوسٹر دوم، جو سنه ۹۹۹ ع ميں پاپائيت کے منصب پر پہنچا، عربوں کا شاگرد تها - اِس نے قرطبه اور اشبيليه ميں مسلمان علماء سے رياضي، هيئت، اور جغرافيه کي تعليم حاصل کي تهي - اِسي طرح شاه ليون اور استوريا نے بهي قرطبه ميں علم طب حاصل کيا تها -

والٹير کا بيان هے که قديم زمانے ميں تمام يورپين پادشاه، عرب اور اُن کے شاگرد يهودي اطباء اپنے درباروں ميں رکهتے تهے - اور اسپين اور اُس کے پڑوسي ممالک کے بکثرت مسيحي باشندے بهي عربي زبان کي تحصيل کرتے تهے، تاکه عربي سلطنت ميں ملازمت حاصل کر سکيں يا عربي ممالک ميں تجارت کريں -

(مسيحي تبليغ اور عربي زبان)

چودهويں صدي کے اوائل ميں عربي زبان کے ليے يورپ ميں ايک خاص سرگرمي پيدا هوگئي - روم کے پوپ نے قرون وسطى ميں رهبانيت کا ايک نيا نظام جاري کيا تاکه ايشيا، افريقا، اسپين اور سسلي کے غير مسيحي باشندوں ميں مسيحيت کي تبليغ کي جائے - ليکن تجربے سے معلوم هوگيا که اِس مقصد ميں کاميابي نهيں

"کمیونیزم" اور اُسکے مقاصد

(۳)

(مزدور اور کمیونسٹ)

تمام پچھلی سوسائٹیوں کی تعمیر' جیسا کہ بیان ہوا ' ظالم اور مظلوم جماعتوں کی باہمی دشمنی کی بنیادوں پر ہوئی تھی - لیکن کسی جماعت پر ظلم جاری رکھنے کیلیے کم سے کم یہ ضروری ہے کہ اُسے اُن حالات کی ضمانت دیدی جائے' جو اُسکا غلامانہ وجود برقرار رکھہ سکیں - قدیم سوسائٹی میں یہ بات حاصل تھی ' چنانچہ لگانی اسامیوں نے جاگیر داری کے عہد ہی میں نیابی مجالس کی ممبری کا حق حاصل کر لیا تھا - لیکن موجودہ سرمایہ دار عہد میں مزدوروں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے - وہ صنعت کی ترقی کے ساتھہ ساتھہ بڑھنے اور اونچا ہونے کی جگہ اپنے معاشرتی حالات کے بھنور میں اور بھی زیادہ غرق ہوتے چلے جاتے ہیں - حتی نان شبینہ تک کو محتاج ہوگئے ہیں - انکی محتاجی کہیں ختم نہیں ہوتی ' بلکہ آبادی اور دولت کی ترقی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھہ بڑہ رہی ہے !

پس یہ بات صاف ہے کہ اب سرمایہ دار نہ تو سوسائٹی کے اندر اپنی حکمراں حیثیت برقرار رکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں' اور نہ اپنے جماعتی معاشرتی نظام کو بطور ایک برتر قانون کے اسپر عائد کرسکتے ہیں - اب وہ حکومت کرنے کے قابل ہی نہ رہے - وہ اپنے غلاموں کو انکے غلامانہ وجود کی بھی ضمانت نہیں دے سکتے - اب سوسائٹی ہرگز سرمایہ دار طبقہ کے ماتحت نہیں رہ سکتی - کیونکہ اسکا وجود سوسائٹی کیلیے مفید نہیں رہا -

سرمایہ دار طبقہ اور سرمایہ دار حکومت کی بنیاد اُجرتی محنت پر ہے ' اور اُجرتی محنت کا دار و مدار مزدوروں کے باہمی مقابلہ پر ہے - صنعت کی ترقی ' جسکا خود ساختہ اور نا قابل مقابلہ ایجنٹ سرمایہ دار ہے ' مزدوروں کی باہمی پھوٹ کو ایک انقلابی اتحاد سے بدل رہی ہے ' اور وہ انجمنوں کی صورت میں ظہور پذیر ہو رہا ہے -

لہذا موجودہ صنعت کی ترقی کے ساتھہ ساتھہ سرمایہ دار طبقہ کی وہ بنیاد بھی کٹ کٹ کر اسکے پیروں کے نیچے سے نکل رہی ہے جسپر اسکی پیداوار اور تصرف کا نظام قائم ہے - وہ اسکی پیداوار ہی ہے جو اب سب سے زیادہ اسکی دشمنی پر تل گئی ہے اور اسکی لاش کیلیے قبر کھود رہی ہے - سرمایہ داروں کا زوال اور مزدوروں کی فتح دو برابر درجہ کی اٹل چیزیں ہوگئی ہیں -

(٤)

جب جب معاشرتی حالات میں کوئی تاریخی تبدیلی ہوئی ہے ' تو تمام املاکی رشتوں میں بھی مسلسل تاریخی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں - مثلاً انقلاب فرانس نے سرمایہ دارانہ ملکیت کی حمایت میں جاگیر دارانہ ملکیت منسوخ کردی تھی -

کمیونزم کی امتیازی خصوصیت عام ملکیت کی منسوخی نہیں ہے ' بلکہ صرف سرمایہ دارانہ ملکیت کی منسوخی ہے - موجودہ سرمایہ دارانہ ملکیت ایک انتہائی اور کامل ظہور ہے پیداوار اور اسکے استعمال کے اُس نظام کا ' جو سراسر جماعتی نزاع اور باہمی تخریب پر مبنی ہے -

کمیونسٹ اپنے نظریہ کو صرف ایک جملہ میں بیان کر سکتے ہیں - " سرمایہ دارانہ نہج کی ملکیت کی منسوخی "

ہم کمیونسٹوں کو ملامت کی جاتی ہے کہ ہم شخصی ملکیت منسوخ کر دینی چاہتے ہیں جو محنت سے حاصل کی گئی ہے ' اور جسکے متعلق دعوی کیا جاتا ہے کہ شخصی آزادی' جماعتی جد جہد ' اور قومی خود مختاری کی بنیاد ہے -

" بڑی دشواری سے حاصل کی ہوئی ' خود کمائی ہوئی ' خود جمع کی ہوئی ملکیت ! " کیا اِس قول سے تمہارا مقصود چھوٹے چھوٹے سوداگروں اور کسانوں کی ملکیت ہے جو سرمایہ دارانہ ملکیت کا ہیولی پیش کرتی ہے ؟ ہمیں اسکے منسوخ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں - صنعت کی ترقی نے خود ہی اُسے منسوخ کردیا ہے اور برابر کر رہی ہے -

یا تمہارا مقصود موجودہ سرمایہ دارانہ ملکیت ہے ؟

کیا اجرتی محنت ' یعنی مزدور کی محنت خود مزدور کیلیے کوئی ملکیت پیدا کرتی ہے ؟ ہرگز نہیں - وہ تو صرف " سرمایہ " پیدا کرتی ہے - یعنی " ملکیت " پیدا کرتی ہے جو اجرتی محنت سے فائدہ اتھاتی ہے ' اور صرف اسی حالت میں بڑہ سکتی ہے جبکہ اجرتی محنت کی نئی نکاس برابر ہوتی رہے - ملکیت اپنی موجودہ شکل میں سرمایہ اور اجرتی محنت کی باہمی نزاع پر قائم ہے - آؤ ہم اِس نزاع کے دونوں پہلؤں کی جانچ کرلیں !

سرمایہ داری فی نفسہ کوئی شخصی پیداوار نہیں ہے ' بلکہ سرتاسر اجتماعی حیثیت رکھتی ہے - کیونکہ سوسائٹی کے بے شمار ارکان کے متحدہ عمل سے وجود میں آتی ہے -

اسی طرح سرمایہ بھی شخصی نہیں ہے ' بلکہ ایک اجتماعی طاقت کا نام ہے -

لہذا جب سرمایہ ' عام ملکیت کی صورت میں بدل دیا جاتا ہے ' یعنی سوسائٹی کے تمام ارکان کی ملک بنا دیا جاتا ہے ' تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ شخصی ملکیت عام ملکیت بنا دی گئی - کیونکہ یہاں شخصی ملکیت کا وجود ہی نہیں تھا - البتہ جو چیز بدلی جاتی ہے ' وہ ملکیت کی صرف معاشرتی حیثیت ہے - یعنی ملکیت سوسائٹی میں اپنی انفرادی طاقت کھو دیتی ہے -

اب ہم اجرتی محنت کا مسئلہ لیتے ہیں :

اجرتی محنت کی اوسط شرح کم سے کم ہے - یعنی مزدور کو اتنی رقم ملتی ہے ' جس سے وہ بمشکل اپنی زندگی قائم رکھہ سکتا ہے - پس اس طرح مزدور اپنی محنت سے جتنی اجرت حاصل کرتا ہے ' وہ اتنی کم ہوتی ہے ' جس سے اسکی نہایت سادہ زندگی کی ضمانت ہو سکتی ہے - ہم کسی طرح بھی محنت کی پیداوار کا یہ شخصی استعمال منسوخ کرنا نہیں چاہتے - ایسا استعمال جو انسانی زندگی کے بقاء اور دوام نسل کیلیے نا گزیر ہے - البتہ ہم اِس استعمال کی وہ افسوسناک حیثیت ضرور مٹا دینی چاہتے ہیں جسکی وجہ سے مزدور صرف سرمایہ بڑھانے کیلیے زندہ رہتے ہیں ' اور صرف اتنے عرصہ تک زندہ رہتے ہیں ' جبتک حکمراں طبقہ کے مفاد کو انکی ضرورت رہتی ہے -

سرمایہ دارانہ سوسائٹی میں ہمیشہ ماضی ' حال پر حکومت کرتا ہے - لیکن کمیونسٹ سوسائٹی میں حال ' ماضی پر حکمراں ہوتا ہے - سرمایہ دارانہ سوسائٹی میں سرمایہ ' آزاد اور مستقل '

دوزي
جسنے قاموس کا تتمہ مرتب کیا

اوائل کا واقعہ ہے - پھر سنہ ۱۲۵۴ ع میں اشبیلیہ میں ایک عربي لاطیني تعلیم گاہ بھي جاري ھوگئي' مگر کوئي خاص ترقي نہ ھو سکي -

(عربي کتابیں یورپ نے کب سے جمع کرنا شروع کیں ؟)

پندرھویں صدي یا چودھویں صدي سے یوروپین قوموں نے عربي کتابیں مشرقي ملکوں سے خریدنا شروع کیں - لویس نہم شاہ فرانس نے سب سے پہلے عربي کتب خانے قائم کرنے کي رسم جاري کي - یہ خیال اُسے اِس طرح پیدا ھوا کہ صلیبي جنگوں کے زمانے میں بعض یوروپین نے دیکھا تھا کہ مسلمان بادشاھوں کے پاس بڑے بڑے کتب خانے ھیں' جن میں بیٹھکر وہ بہ اوقات فرصت کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے ھیں - لویس نہم نے یہ سنا تو اُس نے خود بھي اپنے لیے ایک کتب خانہ قائم کیا - یہ واقعہ تیرھویں صدي کا ھے - اِس کے بعد لویس چہاردھم نے ایک آسترین عالم کو مشرقي ممالک میں خاص اِس غرض سے بھیجا کہ اُس کے لیے کتابیں خریدے -

اِس طرح انیسویں صدي کے وسط ھي میں یورپ میں عربي کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ھوگیا تھا - کم سے کم دو لاکھ پچاس هزار قلمي کتابیں کتب خانوں میں داخل ھوگئي تھیں -

(یورپ میں عربي کتب خانے)

یورپ اور امریکا میں عربي کے بڑے بڑے کتب خانے بہت سے شہروں میں موجود ھیں - ذیل میں صرف چند کے نام ذکر کیے جاتے ھیں :

لیفن گراڈ' برلن' پیرس' لندن' لیپزیک' مونیخ' وائنا' لیڈن' آکسفورڈ' ایڈنبرا' ڈبلن' کیمبرج' نیویارک' شیکاگو' کلیفورنیا وغیرہ -

ھر کتب خانے میں مرتب و منضبط فہرستیں موجود ھیں - ھرکتاب پر مفصل تقریظ لکھي گئي ھے - بعض فہرستیں عام ھیں اور اُن سے ایک نظر میں معلوم ھو جاتا ھے کہ کون کون کتاب کس کس کتب خانے میں موجود ھے ؟ یہ کتب خانے برابر ترقي کر رھے ھیں - نادر سے نادر کتابیں غیر معمولي جد و جہد اور صرف کثیر سے جمع کي جاتي ھیں -

(عربي کي باقاعدہ تدریس)

یورپ کو دیني تعصبات سے جب نجات ملي اور اُس کي جگہ ملک گیري کي ھوس نے لیلي' تو عربوں اور دوسري مشرقي قوموں کے علوم و آداب سے واقفیت پیدا کرنے کي عام طور پر ضرورت محسوس ھونے لگي - چنانچہ اٹھارھویں صدي کے اواخر میں علم المشرقیات نے ایک منظم علم کي صورت اختیار کرلي' اور اُسکي باضابطہ تعلیم و تدریس ھونے لگي -

سب سے پہلے سنہ ۱۷۵۳ ع میں آسٹریا نے مشرقي زبانوں کا ایک مدرسہ قائم کیا - اِس میں حکومت کے سفراء اور ملک کے تاجروں کو تعلیم دي جاتي تھي - سنہ ۱۷۹۵ ع میں فرانس نے اِسي مقصد سے ایک تعلیم گاہ جاري کي - سنہ ۱۸۸۷ ع میں جرمني نے اِس کي تقلید کي - اس کے بعد روس' انگلستان' اور اٹلي نے بھي ادھر توجہ کي - لیکن یہ واقعہ ھے کہ سولھویں صدي سے یورپ کي ھر یونیورسٹي میں' خصوصاً انگلستان' جرمني' اور ھالینڈ کي درس گاھوں میں عربي زبان داخل نصاب ھوچکي تھي -

ھرٹوِگ ڈیرنبرگ
جسنے پچاس کتابیں عربي ادب و تاریخ کي شائع کیں

(ائمۂ مستشرقین)

یورپ کو مشرقي زبانوں سے جو شغف رھا ھے' اُس کا ایک نمایاں ثبوت اُن مستشرقین کا وجود ھے' جنھوں نے اپني پوري زندگي اِن علوم کے لیے وقف کردي ھے - بہت سے مستشرق متعدد مشرقي زبانوں کے عالم تھے - مثلاً جرمن لوڈلف مشرق و مغرب کي ۲۵ زبانوں کا عالم تھا - سلوستر دي ساسي فرنچ مستشرق بیس زبانوں میں ماھر تھا - یہي حال سوئٹزر لینڈ کے واں برسمي اور جرمن محدق ھومل کا تھا - ڈچ عالم ڈوزلي سات زبانوں میں اِس طرح انشا پردازي کرتا تھا' گویا اُس کي مادري زبانیں ھیں - یہي حال ھنگرین پروفیسر ویمبري کا تھا - وہ ھنگرین' ترکي' عبراني' اور لاطیني زبانوں کا مستند عالم تھا -

یورپ نے صرف عربي کے مدارس قائم کرنے ھي پر اکتفا نہیں کیا' بلکہ مشرقي زبانوں کي بحث و تحقیق کے لیے علمي انجمنیں بھي قائم کیں - سب سے پہلے سنہ ۱۷۷۸ ع میں ھالینڈ نے بٹاویا (جاوہ) میں اِس قسم کي انجمن قائم کي تھي - پھر سنہ ۱۷۸۴ ع میں ایشیاٹک سوسائٹي کلکتہ میں قائم ھوئي - سنہ ۱۸۰۵ میں ایک ایسي ھي انجمن بمبئي میں بنالي گئي -

پیرس کي انجمن سب سے زیادہ اھم ھے - یہ سنہ ۱۸۲۲ ع میں قائم ھوئي - اِس کے بانیوں میں یورپ کا مشہور ترین مستشرق اور عربي زبان کا فاضل' سلوستر دي ساسي تھا - اسي سے جرمن' ڈچ' سولڈش' اور اٹالین مستشرقین نے استفادہ کیا - درحقیقت انیسویں صدي میں عربي زبان کا یورپ میں سب سے بڑا علم بردار یہي شخص تھا - اس نے عربي کي تحصیل علماء یورپ کے لیے نہایت آسان کردي -

جي - براؤن
مشہور انگریز مستشرق

یورپ میں ایک مشرقي درویش

علماء و اطباء کي حیراني

طاهر بے جو زمین میں زنده مدفون هوجاتا هے !

قارئین الهلال کو یاد هوگا که گزشته سال ریوٹر ایجنسي نے پیرس سے یه خبر شائع کي تهي که " طاهر بے نامي ایک مشرقي درویش کے اعمال نے تمام پیرس میں دلچسپي پیدا کردي هے - بڑے بڑے ڈاکٹروں کي ایک جماعت نے اس کے اعمال کا مطالعه کیا هے ' اور ان کے بے لاگ هونے کي شهادت دي هے "

آج کل یه شخص انگلستان میں هے - گریفک کے مقاله نگار نے ایک مبسوط مقاله لکهه کر اس کي شخصیت سے دنیا کا تعارف کرایا هے اور اس کے مختلف اعمال و غرائب کي تصویریں بهي شائع کي هیں - مقاله نگار لکهتا هے :

" پیرس میں گزشته دو سال سے وقتاً فوقتاً ایک پر اسرار شخصیت دیکهنے میں آئي هے - یه میانه قد آدمي جسکے بدن کا رنگ زیتون کا سا اور ڈاڑهي سیاه هے' پوري مغربي نفاست کے ساتهه ملبوس رهتا هے - اس کے مطمئن چهرے سے ظاهر هوتا هے که اس جوان نے بهت دنوں سے اپنے دل کي صفائي کا راز جان لیا هے - یه پر اسرار شخص مشهور درویش طاهر بے هے ' جس نے گذشته ڈهائي سال سے یورپ کو اپنے کمالات سے حیرت میں ڈال دیا هے -

طاهر بے

یه سنه ۱۸۹۷ع میں طنجه میں پیدا هوا - اسکي پیدائش کے وقت هي اسکي ماں کا انتقال هوگیا تها - اسلیے تعلیم و تربیت کے لئے قدیم دستور کے مطابق فقراء کے گروه میں رکهدیا گیا' اور اس طرح ابتدا هي سے فقیري کي آب و هوا میں نشو و نما پائي - سنه ۱۹۰۵ - میں قسطنطنیه آیا اور ترکي لڑکوں کي طرح معمولي تعلیم حاصل کي - اسکے بعد اس نے علم طب پڑهکر طبیب کي سند حاصل کرلي -

اسکي زندگي خاموش مطالعه اور غور و فکر میں گزري هے ' اور جبتک اس نے اپنے اباؤ اجداد کا پر اسرار علم حاصل نہیں کر لیا ' لوگوں کو اُس کے کمالات کي کوئي خبر نہیں هوئي - سنه ۱۹۱۹ع میں اس نے ایک جمعیت قائم کي جسکا مقصد یه تها که دنیا کے تمام ڈاکٹروں اور فلسفیوں کے سامنے روحانیت کے مسائل اور تجارب پیش کرے -

یورپ ' جنوبي امریکه ' اور انگلینڈ ' کے بڑے بڑے شهروں میں طاهر بے نے صرف ڈاکٹروں هي کو نهیں بلکه عامة الناس کو بهي عجیب عجیب اعمال دکهلائے هیں جنکي کوئي علمي توجیه ابتک نهیں کي جا سکي -

پہلے پهل جولائي سنه ۱۹۲۵ میں یه پیرس میں وارد هوا - وه چند ماه اٹلي میں بهي گزار چکا تها - روم ' نیپلس' پیلرمو' فلورنس' اور بولونا میں اس نے اپنے تجربے علم کے بڑے بڑے ماهرین کو دکهلائے تهے - کئي هفتوں تک اطالوي اخبارات اس کے کار ناموں سے لبریز رهے - روم میں ارکان حکومت اور سفارتي عمله کے سامنے اس نے اپنے فن کے مظاهرے کیے - خود مسولیني نے بهي چند بار چیگي محل میں اس کا استقبال کیا تها - شاه وکٹر ایمینوئل نے بهي اپنے حضور میں بلایا - شاه جارج پنجم نے بهي جو اُن دنوں پیلرمو میں مقیم تهے ' اس کے اعمال دیکهنے کي خواهش ظاهر کي -

پیرس میں پہلے علماء نے ایک خاص جلسه میں اسکے کمالات کا مشاهده کیا تها جهاں پیرس کے مشهور اخبارات کے نمایندے بهي بلائے گئے تهے - یه واقعه هے که فرانسیسي علماء اس کے اعمال دیکهکر حیرت زده هوگئے اور متفقه طور پر یه رائے قائم کي که " اسکے اعمال شعبده بازي سے پاک هیں " لنڈن کے ایک بڑے تهیٹر میں بهي جهاں کي ایک کرسي بهي خالي نهیں رهي تهي ' اسکے کمالات دیکهے گئے - چونکه تقریباً تیس آدمي بیهوش هوگئے تهے' اسلیے اسکا عام مظاهره بند کردیا گیا !

خود طاهر بے کا بیان یه هے که " میرے کام میں کوئي شعبده نهیں هے - میں اپنے اسرار ظاهر کر دینے کے لیے راضي هوں ' مگر میرا دعوی هے که سواے خاص خاص فقراء کے اور کوئي شخص یه کمالات حاصل نهیں کر سکتا "

وه کهتا هے " فقیروں کي روحاني قوت بهت مضبوط هوا کرتي هے - اُنکي تعلیم تین مهینے کي عمر هي سے شروع هو جاتي هے "

شخصیت رکھتا ھے - لیکن زندہ انسان محکوم ھوتے ھیں اور اپنی شخصیت سے محروم رھتے ھیں -

سرمایہ دار اِس صورت حال کی منسوخی کو انفرادی شخصیت اور آزادی کی منسوخی بتاتے ھیں ' بلاشبہ اِس سے انکی مراد سرمایہ دارانہ شخصیت ' سرمایہ دارانہ خود مختاری ' اور سرمایہ دارانہ آزادی کی منسوخی ھے !

موجودہ سرمایہ دارانہ حالات پیداوار کے ماتحت آزادی کے معنی " آزاد تجارت " اور " آزاد خرید و فروخت " کے ھیں -

لیکن اگر خود تجارت ھی مٹ جائے ' تو آزاد تجارت کہاں باقی رھتی ھے ؟ ھمارے سرمایہ دار جس طرح دوسری آزادیوں کے متعلق بے معنی ڈینگ مارا کرتے ھیں ' اسی طرح آزاد تجارت کے متعلق بھی انکی ڈینگ بالکل بے معنی ھے - بلا شبہ جب مقید تجارت کے ساتھہ یا قرون وسطی کے مقید شہریوں کے ساتھہ اُسکا موازانہ کیا جاتا ھے ' تو اسکے کچھہ معنی ھوتے ھیں ' لیکن جب سرمایہ دارانہ حالات پیداوار اور خود سرمایہ داروں کے ساتھہ اسکا مقابلہ کیا جاتا ھے ' تو وہ ایک بالکل بے معنی چیز رہ جاتی ھے -

تم خوف زدہ ھو رھے ھو کہ ھم شخصی ملکیت منسوخ کردینگے - مگر یہ تو سوچو ' تمھاری موجودہ سوسائٹی میں ۹/۱۰ حصہ آبادی کی ملکیت پہلے ھی سے منسوخ ھو چکی ھے ' اور اب سوسائٹی کی بقاء کے لیے نا گریز ھے کہ یہ باقی ایک حصہ کی ملکیت بھی جلد سے جلد ختم ھو جائے - تم ھمیں ملکیت کے اُس طرز کی منسوخی پر ملامت کرتے ھو ' جس کے وجود کی اولین شرط ھی یہ ھے کہ سوسائٹی کی بہت بڑی اکثریت بلا کسی ملکیت کے باقی رھے ؟

سچ یہ ھے کہ تم ھمیں اس لیے ملامت کر رھے ھو کہ ھم تمھاری سرمایہ دارانہ ملکیت منسوخ کر دینی چاھتے ھیں - بے شک ھمارا یہی ارادہ ھے !

جس لمحہ سے محنت کی تبدیلی ' سرمایہ ' نقد روپیہ ' اور لگان کی صورت میں نہ ھو سکے ' جس لمحہ سے محنت ایک ایسی اجتماعی طاقت کی صورت میں بدلی نہ جا سکے جو اجارہ داری کے لائق ھو ' جس لمحہ سے شخصی ملکیت کا سرمایہ دارانہ ملکیت میں تبدیل کیا جانا نا ممکن ھو جائے ؛ اُسی لمحہ سے تمھیں واویلا کرنے کا حق ھے کہ کمیونسٹ " فرد " کو مٹا دینا چاھتے ھیں - لیکن اگر ایسا نہیں ھے ' تو پھر تم گویا اعتراف کرتے ھو کہ " فرد " سے تمھاری مراد صرف " سرمایہ دار " ھے - یعنی صاحب جائداد - حالانکہ اس قسم کے فرد کو بلا شک مٹا دینا چاھئے !

کمیونزم کسی کو بھی اس کی اجتماعی پیداوار میں تصرف کی طاقت سے محروم نہیں کرتا - البتہ وہ سب کو اُس طاقت سے ضرور محروم کر دینا چاھتا ھے جس کے ذریعہ وہ دوسروں کی محنت پر قابو حاصل کرتے ھیں -

کمیونزم پر اعتراض کیا جاتا ھے کہ شخصی ملکیت کی منسوخی کے ساتھہ ھی ھر قسم کی جد و جہد بھی موقوف ھوجائیگی ' اور سوسائٹی پر ایک عام اُداسی اور کاھلی چھا جائیگی -

لیکن اگر حقیقت حال ایسی ھوتی تو سرمایہ دار سوسائٹی سستی کی وجہ سے ابتک کب کی برباد ھو چکی ھوتی - کیونکہ جو لوگ اس کے لیے محنت کرتے ھیں ' وہ کچھہ بھی نہیں پاتے ' اور جو لوگ فائدہ اٹھا رھے ھیں ' وہ کچھہ بھی محنت نہیں کرتے -

در اصل تمام اعتراضات کا لب لباب یہ ھے کہ جب سرمایہ باقی نہ رھے گا تو اجرتی محنت بھی موقوف ھو جائیگی ' اور اس طرح سرمایہ داری کا ھمیشہ کے لیے خاتمہ ھو جائگا -

جو اعتراض کمیونسٹ طریق پیداوار اور اس کے طریق تصرف پر کیے گئے ھیں ' وھی اس کی دماغی پیداوار اور اس کے استعمال پر بھی کیے گئے ھیں - سرمایہ دار کے نزدیک جس طرح اس کے فرقہ کی ملکیت کا معدوم ھو جانا ' خود پیداوار کی معدومی ھے ' اُسی طرح سرمایہ دارانہ تہذیب کی بربادی پوری تہذیب کی بربادی ھے !

وہ تمدن جس کے زوال پر سرمایہ دار یہ کچھہ ماتم کر رھے ھیں ' کیا ھے ؟ وہ انسانوں کی بہت بڑی اکثریت کے حق میں ایک ایسا تمدن ھے ' جو بے جان مشین کی طرح محنت کرنے کی طرف لے جاتا ھے !

تمھیں اُس وقت تک ھم سے بحث کرنے کا حق نہیں ھے جبتک تم اپنی سرمایہ دارانہ ملکیت کی منسوخی کے خلاف اپنے خود ساختہ سرمایہ دارانہ اصول کی بنا پر اعتراض کرتے ھو - کیونکہ تمھارے یہ اصول بھی محض سرمایہ دارانہ حالات پیداوار اور سرمایہ دارانہ ملکیت ھی کے انتے بچے ھیں - عدل کیا ھے ؟ صرف تمھاری جماعت کی خواھش کا نام ھے جسے قانون بنا دیا گیا ھے ' اور جسے تمھاری جماعتی زندگی کے مادی حالات نے گڑھلیا ھے -

گزشتہ حکمراں طبقوں کی طرح تم بھی اِس خود غرضانہ خیال خام میں پڑےھوے ھو کہ اپنے معاشرتی اصولوں کو فطرت و عقل کے اٹل قوانین کی صورت میں قائم کردو - تم اپنے معاملہ میں کوئی نکتہ چینی سننے کو طیار نہیں - تم جو کچھہ قدیم ملکیت کے بارے میں سمجھتے ھو ' اس کے تسلیم کرنے کی جرأت سرمایہ دارانہ ملکیت کے معاملہ میں نہیں کر سکتے -

" خاندان کی منسوخی !" زیادہ سے زیادہ جمہوریت پسند بھی کمیونسٹوں کی اِس عجیب تجویز سے چراغ پا ھو جاتے ھیں -

لیکن یہ تو غور کرو کہ موجودہ خاندان ' یعنی سرمایہ دارانہ خاندان کی بنیاد کس چیز پر ھے ؟ سرمایہ پر اور شخصی ملکیت پر - کیا یہ صحیح نہیں کہ اپنی پوری ترقی یافتہ شکل میں بھی خاندان کا وجود صرف سرمایہ داروں ھی کے لیے ھے ؟ اور کیا یہ بھی صحیح نہیں کہ اپنی ترقی و تکمیل کے لیے اُسے مزدوروں کی خاندانی زندگی کی عام بربادی کی ضرورت ھے ؟

تم ھمیں ملامت کرتے ھو کہ ھم اولاد کا خود غرضانہ استعمال روکنا چاھتے ھیں - ھم اس جرم کا اقبال کرتے ھیں !

تم کہتے ھو کہ ھم خانگی تعلیم کی جگہ معاشرتی تعلیم عام کرکے نہایت ھی پاک خاندانی رشتے بھی برباد کر ڈالنا چاھتے ھیں - لیکن کیا تم خود اِس الزام سے بری ھو؟ کیا تمھاری تعلیم کو بھی تمھاری سوسائٹی نے مقید نہیں کر رکھا ھے ؟ کیا موجودہ تعلیمی نظام میں سوسائٹی بالواسطہ یا بلا واسطہ مداخلت نہیں کر رھی ھے ؟ کیا اسکولوں اور کالجوں کے احاطوں میں تعلیم مقید نہیں ھو چکی ھے ؟ تعلیم میں سوسائٹی کی مداخلت کچھہ کمیونسٹوں ھی کی ایجاد نہیں ھے - وہ تو پہلے سے ھی موجود ھے - کمیونسٹ صرف یہ چاھتے ھیں کہ اِس مداخلت کی نوعیت بدل دیں ' اور تعلیم کو حکمراں طبقہ کے اثر سے آزاد کردیں -

حجة ابراهيمى

آيۀ كريمه " الم تر الي الذي حاج ابراهيم " كي تفسير

قرآن حكيم كا اسلوب بيان اور طريق استدلال

تفسير كا قرآني اور غير قرآني طريق

(از مولانا ابو الكلام)

الهلال نمبر (۱۵) ميں جناب مولوي عبد الحق صاحب كا جو استفسار آيۀ مندرجۀ عنوان كي نسبت شائع هوا تها ' اُس كا جواب حسب ذيل هے :

(۱) قرآن حكيم كے مطالعۀ و تدبر ميں آپ كو جو مشكلات پيش آرهي هيں ' وه اُس تك پيش آتي رهينگي ' جب تك كه اس بارے ميں چند بنيادي اصول واضح نہيں هوجائينگے - يه موقعه تفصيل و اطناب كا نہيں هے - مختصراً يوں سمجهيے كه صدر اول كے بعد سے قرآن حكيم كے فهم و تدبر كي راهيں دو هوگئي هيں - ايك " قرآني " هے - دوسري " غير قرآني " قرآن كے فهم و تدبر كے ليے غير قرآني طريقه كيونكر هو سكتا هے ؟ ممكن هے اس پر آپ كو تعجب هو - اس ميں شك نہيں يه معامله فكر انساني كے عجائب تصرفات ميں سے هے - مگر ايسے تصرفات اس كثرت سے هوچكے هيں كه انهيں عجيب سمجهتے هوئے بهي همیں متعجب نہيں هونا چاهيے -

" قرآني " طريقه سے مقصود قرآن كے مطالعۀ و فهم كا وه طريقه هے جو تمام تر قرآن پر مبني تها - قرآن سے باهر كے اثرات كو اُس ميں دخل نه تها - عربي لغة كے صاف اور معروف معاني ' عربي بول چال كے بے تكلف اور ساده محاورات ' صدر اول كا بے لاگ ذوق و فهم ' اور انبياء كرام كا فطري اور غير صناعي اُسلوب بيان ' اس طريقه كي خصوصيات تهيں - سلف امت كا طريق تفسير يهي تها -

" غير قرآني " طريقه سے مقصود وه تمام طريقے هيں جو قران سے نہيں بلكه مفسرين قرآن كے ذوق و فكر سے پيدا هوے - يه علوم وضعيه كي اشاعت ' ايراني ' رومي ' اور هندي تمدن كے اقتباس ' اور عجمي اقوام كے اختلاط كا قدرتي نتيجه تها - مفسرين كے هر گروه نے قرآن كے مطالب اُسي شكل و نوعيت ميں ديكهے ' جيسي شكل و نوعيت كي فكري حالت اُن كے اندر پيدا هوگئي تهي - رفته رفته يه حالت هوگئي كه قرآن كے الفاظ ' تراكيب ' اُسلوب بيان ' دلائل و براهين ' مواعظ و حكم ! سب نے ايك دوسري هي طرح كي نوعيت پيدا كرلي - قرآن كي تعليم و بيان كي تمام تر بنياد فطرية اور فطرية كي سادگي پر تهي - علوم و فنون كي تمام تر بنياد وضعية اور وضعية كے تعمق اور كاوش پر هے - نتيجه يه نكلا كه جوں جوں وضعية كا انهماك بڑهتا گيا ' فطرية كے فهم و ذوق كي استعداد كم هوتي گئي - يهانتك كه وه زمانه آگيا ' جب لوگوں كے دماغ اسدرجه وضعية اور وضعي طريق بحث كے عادي هوگئے ' كه كسي اهم اور عظيم بات كو اُس كي ساده اور سهل صورت ميں ديكهه هي نہيں سكتے تهے - ذهن كي كاوش پسندي جو علوم وضعيه كے اشتغال كا لازمي نتيجه هے ' آسان اور سهل مطالب كي طرف متوجه هي نہيں هوتي تهي - يه صورت حال صرف قرآن هي كو پيش نہيں آئي ' بلكه مختلف صورتوں اور حالتوں ميں تمام صحف سماوي كو پيش آچكي هے ' اور منجمله اُن اسباب كے هے جو هميشه كتب و اديان كي تحريف كا باعث هوتے رهے هيں - يهي وجه هے كه داعي قرآن (صلعم) نے اسے " تعمق " اور " تنطع " سے تعبير كيا ' اور فرمايا كه هلاكت كي راهوں ميں سے ايك راه يه بهي هے جيسا كه متعدد موقوفات ميں وارد هے - يه موقعه تشريح كا نہيں - اگر آپ دقت نظر سے كام لينگے تو ان چند جملوں كے اندر اصول تفسير كي ايك اصل عظيم آپ كے سامنے آجائگي - يه اصل عظيم نه صرف تفسير قرآن ميں ' بلكه علم و نظر كے بے شمار گوشوں ميں آپكي رهنمائي كر سكتي هے - ذهن انساني " وضعية " ميں جس قدر كاوش پسند هوتا گيا هے ' اُتنا هي " فطرية " سے دور هوتا گيا هے -

بهر حال يه دوسرا " غير قراني " طريقه اُن تمام طريقوں پر مشتمل هے جو صدر اول كے بعد پيدا هوے - متكلمين مفسرين كا طريق تفسير كم و بيش يهي هے - كوئي اس طريقه ميں ايك خاص حد تك گيا هے ' كوئي بهت زياده دور تك - امام فخر الدين رازي رحمة الله عليه بهي اسي راه كے شهسوار هيں - ان كے بعد اكثر مفسرين نے دانسته يا نا دانسته اُنهي كا نقش قدم اختيار كرليا - قاضي ابن رشد كي كشف الادله اور فصل المقال اور شيخ الرئيس كي بعض مختصر تفسيريں امام رازي اور مفسرين متكلمين سے پہلے لكهي گئي هيں - اُن كے مطالعه سے هم معلوم كر لے سكتے هيں كه متكلمين اشاعره ' فلاسفۀ اسلام اور معتزله سے كتنا هي انكار كرتے هوں ' ليكن وه خود بهي اسي طريقه كي پيداوار تهے - بهتر قسم كي نہيں - ناقص اور كمزور قسم كي پيداوار -

ايك سخت بنيادي غلطي جو اس طريقه كي مقبوليت كا باعث هوئي ' متاخرين كا يه خيال تها كه وقت كي علمي ضرورتوں كيليے سلف كا طريقه سود مند نہيں هے - يه بات ضرب المثل كي طرح اُن كي زبانوں پر جاري هوگئي تهي كه " سلف كا طريقه ايمان كيليے بهتر هے مگر استدلال كيليے مفيد نہيں " حالانكه اگر ايمان كو جهل سے نہيں بلكه علم و بصيرت سے پيدا هونا چاهيے ' تو جو طريقه ايمان و يقين كے ليے سود مند هوگا ' وه استدلال و برهان كيليے كيوں غير مفيد هو ؟ جهانتك نام نهاد علمي ضروريات كا تعلق هے ' واقعه يه هے كه متاخرين كے طريقه سے بڑهكر كمزور اور نا مراد طريقه كوئي نہيں هو سكتا - وه " استدلال " كو فنون وضعيه كے " منطقي استدلال " سے باهر نہيں ديكهه سكے ' اور وجدان و طبيعت كي حقيقي شهادتوں سے آنكهيں بند كرليں - آپنے اپنے استفسار ميں جا بجا لكها هے كه " امام رازي رحمة الله عليه كا طريقه موجوده زمانے ميں سود مند نہيں " ليكن ميں كهتا هوں اس تقيد كي كيا ضرورت هے ؟ يه طريقه تو كسي زمانے ميں بهي سود مند نه تها - كيا يه طريقه اُس زمانه ميں سود مند تها جب امام صاحب نے تفسير لكهي هے ؟ اس كا حال خود اُنهي

اُسکا دعوی ھے کہ اُنھیں زخم یا ضرب شدید کا احساس نہیں ھوتا ' یہ اپنے آپ پر کامل سکتہ کی سی حالت طاری کر سکتے ھیں - سانس روک لیتے ھیں - زندہ دفن کر دیے جاسکتے ھیں - اپنی زندگی اور اپنے خیالات پر قابو رکھتے ھیں ' اور نیک و بد ارواح کو بلا سکتے ھیں "

" زندگی کا ابدی معما حل کرنے کے لیے فقراء موت کی عمیق غار میں اترتے ھیں - جس طرح غواص سمندر کی تہ تک پہنچ جاتا ھے - ان کی جسمانی موت ' غفلت اور نسیان کی نیند کو ایک ایسی حد تک پہونچا دیتی ھے ' جہاں سے جسم کے مرکب حصوں کی تفریق شروع ھوجاتی ھے ' اور جہاں روح جسم سے الگ ھونا چاھتی ھے "

طاھر بے اپنے ابتدائی اعمال کی نمائش کے بعد اپنے آپ کو زندہ مدفون کرا دیتا ھے جس میں تماشائیوں کی خواھش کے مطابق دس منٹ سے لیکر نصف گھنٹے تک کا وقفہ ھوتا ھے - اُس پر ایک سکتہ کی سی حالت طاری ھو جاتی ھے - اُس کے کان ' ناک ' اور منہ روئی سے بند کردیے جاتے ھیں - اُس کے بعد ایک تابوت میں لٹا کر اُسے بالو سے بھر دیا جاتا ھے ' اور تابوت زمین کے اندر دفن کردیا جاتا ھے - جب وقت پورا ھوجاتا ھے تو تابوت نکالا جاتا ھے ' اور چند سکنڈ کے بعد طاھر بے کا سکتہ ختم ھوجاتا ھے - تابوت سے نکالے جانے کے وقت وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ھوسکتا اور جسم کا رنگ دھندلا مٹیالا ھو جاتا ھے - طاھر بے کے بیان کے مطابق رنگ کی یہ تبدیلی اس لیے واقع ھوتی ھے کہ جتنی دیر تک وہ تابوت کے اندر رھتا ھے ' دوران خون بند ھوجاتا ھے - اس کا قول ھے کہ اگر اپنے آپ پر سکتہ کی حالت طاری نہ کروں تو ھوا کے بغیر دس منٹ کے اندر مرجاؤں - بہت دن گزرے ' دفن کا یہ طریقہ مصر میں بھی مروج تھا - ساحروں نے مجرموں کی سزا کے لیے یہ چیز ایجاد کی تھی - کیونکہ زندگی کی قدر و منزلت جو دینی طور پر ضروری سمجھی گئی تھی ' کسی انسان کیلیے سزائے موت جائز نہیں رکھتی تھی - مجرم صرف عارضی طور پر دفن کر کے پھر باھر نکال دیے جاتے تھے - تجربہ سے: اندازہ کیا گیا تھا کہ اگر ایسی سزا متواتر دی جائے اور مجموعی سزا کا وقفہ ایک سال ھوجائے ' تو مجرم کی عمر طبیعی دو سال گھٹ جاتی تھی ' کیونکہ اس طویل جمود و سکوت کی حالت میں جسم کے رگ اور پٹھے تھک جاتے تھے ' اور ان کی قوت کم ھوجاتی تھی -

لیکن انھیں ساحروں کا یہ مقولہ بھی ھے کہ اگر یہ ذرا چھوٹی چھوٹی خوراکوں میں دیجائے تو بہت سے امراض کیلیے مفید ھوتی ھے -

ایک مزید انکشاف طاھر بے کے تجربوں کیلیے باقی ھے - وہ یہ کہ جسم جب مٹی کے اندر مدفون ھوجاتا ھے تو دماغ کی نشوونما تیزی سے بڑھنا شروع ھو جاتی ھے - یہ خیال پیش نظر رکھکر وہ اب مصر جانے والا ھے - وھاں وہ بڑے بڑے وقفوں کیلیے مدفون رھیگا جنکا مجموعی وقفہ تین سال تک کا ھوگا - وہ کہتا ھے کہ اس عمل سے جسم آھستہ آھستہ متغیر ھو جایگا مگر دماغ سو گنا زیادہ ترقی کر جائے گا !

طاھر کی عمر تیس سال کی ھے مگر علمی تجربوں کیلیے وہ اپنی زندگی کے پورے تین سال وقف کردیگا - وہ کہتا ھے کہ اگر دس پانچ برس اور نکل گئے ' تو اس تجربہ کا موقعہ باقی نہیں رھیگا - جوانی گذر جانے کے بعد انسان اس طویل جسمانی سکون و جمود کی حالت برداشت نہیں کر سکتا -

طاھر بے کے اعمال موجودہ انسانی فہم و ادراک سے بالاتر ھیں - وہ ایک ایسی راہ کا سالک ھے جسکا مغربی دماغ ادراک نہیں کر سکتا - وہ اپنے چہرے ' گردن ' بازو ' اور پیروں کو لوھے کی سلاخوں یا چھریوں سے چھید دیتا ھے - جب اسکے سینے سے خنجر باھر نکالا جاتا ھے تو نہایت تیزی سے خون کی دھار بہنے لگتی ھے - اور جب تماشائی یقین کر چکتے ھیں کہ واقعی خون ھی ھے ' تو وہ یکایک خون کا بہنا روک لیتا ھے - وہ اپنی نبض کی رفتار تیز اور سست کر سکتا ھے - وہ ایک ایسے تختہ پر جس پر لوھے کی نوکدار کیلیں جڑی ھوئی ھوتی ھیں ' لیٹ جاتا ھے ' اور ایک سو پچھتر پاونڈ کا پتھر اسکے پیٹ پر رکھکر لوھے کے بھاری ھتوڑے سے چور چور کردیا جاتا ھے - پھر وہ اٹھا کر کھڑا کردیا جاتا ھے ' اور ایک سکنڈ کے اندر اپنی اصلی حالت میں واپس آ جاتا ھے !

طاھر بے تابوت سے نکالا گیا ھے اور ایک ڈاکٹر اسے کھڑا کر رھا ھے

کیا پتھر کا ٹکڑے ٹکڑے ھو جانا کوئی نظر کا دھوکا یا شعبدہ ھے ؟ بعض اشخاص کا خیال ھے کہ اس عمل کے دوران میں سب لوگ مسمریزمی عمل سے مسحور کر دیے جاتے ھیں ' اور انھیں وھی نظر آتا ھے جو عامل چاھتا ھے !

گذشتہ سال لندن تھیئٹر کے منیجر مسٹر شوبرٹ طاھر بے سے ملنے پیرس گئے تھے تا کہ امریکہ جانے کے معاملہ پر اس سے گفتگو کریں - لیکن اُسکے سینے سے خون بہتا دیکھکر انھیں غش آ گیا - وہ بہ مشکل اس لایق ھوئے کہ واپس آ کر اُسکے مدفون کر دینے کا عمل دیکھ سکیں - انھیں یقین ھوگیا ھے کہ یہ فقیر ایک ساحر ھے "

اگر یورپ کے علماء ' مشرق کے قدیم نفسیاتی علوم سے واقف ھوتے ' اور اُنھیں معلوم ھوتا کہ حبس نفس کی مشق علم وظائف اعضا (فزیا لوجی) کے قوانین پر کیسا عجیب اثر ڈال سکتی ھے ' تو وہ طاھر بے کے اِن اعمال پر متعجب نہ ھوتے - اب سے تقریباً چار سو برس پہلے شیخ عبد الوھاب شعرانی نے قاھرہ میں خود اپنی آنکھوں سے یہ تمام اعمال دیکھے تھے ' اگرچہ وہ انکی صحیح تعلیل نہ کر سکے -

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

مدحت پاشا کا قتل

مدحت پاشا کے رفیق مجلس شیخ الاسلام خیر اللہ آفندی نے (جو خود بھی قید خانۂ طائف میں فوت ہوئے) مدحت پاشا اور داماد محمود پاشا کے ہولناک قتل کا حال اس طرح لکھا ہے:

"مدحت پاشا اور اُن کے رفقاء، طائف کے قلعہ میں تین سال قید رہے۔ تیسرے سال کے آخر میں مدحت پاشا کے ایک پھوڑا نکل آیا تھا۔ فوجی ڈاکٹر کی رائے تھی کہ چاک کر دیا جائے، مگر بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے وہ عمل جراحی پر رضامند نہ ہوئے۔ پھر یہ سبب بھی تھا کہ موصوف کو ڈاکٹر کی مہارت پر یقین نہیں تھا۔ داماد محمود پاشا نے والی حجاز کو مدحت پاشا کی لاعلمی میں تحریر کیا کہ کسی ماہر طبیب کا انتظام کیا جائے۔ اُس کے مصارف وہ خود ادا کرینگے۔ مگر والی نے اُن کی درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔

مدحت پاشا نے اپنا علاج خود کیا اور زخم اچھا ہو گیا۔ سرکاری طبیب روز معائنہ کرتا تھا اور والی کو اطلاع دیتا تھا۔ والی تار برقی کے ذریعہ روزانہ سلطان کو خبر بھیجتا تھا۔ کیونکہ سلطان کو مدحت پاشا کی موت کی جلدی تھی۔

ایک دن صوبہ دار ابراہیم آغا کے ساتھ ڈاکٹر مدحت پاشا کے کمرے میں گیا اور بغیر کسی مناسبت کے کہنے لگا "اب یورپ میں سیاسی مدبروں کو علانیہ قتل نہیں کیا جاتا۔ جلادوں کے بجائے یہ کام ڈاکٹر انجام دیتے ہیں۔ مجرم کی ناک پر کلوروفارم رکھ دیتے ہیں۔ جب وہ سو جاتا ہے تو گلا گھونٹ دیا جاتا ہے!" لوگوں نے طبیب کے منہ سے یہ بات سنی، مگر کوئی اُس کا مطلب سمجھ نہ سکا۔

تیسری پلٹن کا کمانڈر بکر آفندی چرکسی، قلعہ کے سیاسی قیدیوں کا محافظ تھا۔ چند مہینے سے وہ موجود نہ تھا۔ مکہ معظمہ میں مقیم تھا۔ مگر اچانک واپس آگیا اور سیدھا مدحت پاشا کے کمرے میں چلا گیا۔ اُس کے ساتھ ڈاکٹر اور ابراہیم آغا بھی تھے۔ لوگوں نے اُس سے اس اچانک واپسی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا "طائف کی فوج مرتب کرنے اور طربہ کے باشندوں سے سرکاری محصول وصول کرنے آیا ہوں کیونکہ کئی سال سے اُنھوں نے ایک پیسہ بھی ادا نہیں کیا"

بکر آفندی کی واپسی کے چھٹے دن قیدی پاشاؤں کے خادم، حضرت عبد اللہ بن عباس کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے گئے۔ حسب عادت اُن کے ساتھ پہرا تھا۔ مدحت پاشا کا خادم عارف آفندی نماز کو جا نہیں سکا۔ کیونکہ اُس کے آقا کی طبیعت ناساز تھی۔

نماز کے بعد بکر آفندی کمانڈر نے تمام خادموں کو روک لیا قلعہ میں واپس جانے نہیں دیا۔ نیز ایک آدمی بھیجکر عارف آغا کو بھی طلب کیا۔ مگر اُسنے اپنے آقا کے پاس سے ہٹنا منظور نہیں کیا۔ کمانڈر نے پھر آدمی بھیجا کہ عارف کو فوراً لے آؤ۔ اس مرتبہ مدحت پاشا نے قاصد سے کہا کہ کمانڈر سے کہو وہ خود قلعہ میں آئے اور عارف سے جو کچھ کہنا ہے کہہ جائے۔

کمانڈر فوراً آیا اور خیر اللہ آفندی کے کمرہ میں گیا۔ اُسنے خیر اللہ آفندی سے کہا:

"دار الخلافہ سے حکم آیا ہے کہ تمام نوکر چاکر سیاسی قیدیوں سے علحدہ کر دئیے جائیں۔ اب اُنھیں حکومت کی طرف سے کوئی رقم بھی نہیں دی جائے گی۔ عام قیدیوں کا کھانا کھلایا جائے گا۔ بازار سے بھی خریدنے کی ممانعت ہے۔ قلم، دوات، کاغذ بھی رکھنے کی اجازت نہیں۔ خیر اللہ آفندی کی بیوی بھی (جو طائف میں مقیم تھیں) نکال دی جائیں گی"

اس خبر نے تمام قیدیوں کو سخت پریشان کیا۔ محمود پاشا غصہ ور آدمی تھے۔ اُنھوں نے کمانڈر کو بہت سخت سست کہا۔ مگر بے فائدہ تھا۔ سلطانی حکم پر عمل کیا گیا۔ تمام خادم، قلعہ کے باہر ایک گھر میں قید کر دئیے گئے۔ کمانڈر نے چلتے وقت کہا وہ طائف سے باہر جا رہا ہے مگر گیا نہیں۔ رات بھر قلعہ ہی میں رہا۔

مدحت پاشا، دو مرتبہ وزیر اعظم بن چکے تھے اور قوم کی عظیم الشان خدمات انجام دی تھیں۔ مگر ظالموں نے نہ اُن کی خدمات کا کوئی لحاظ کیا، نہ بڑھاپے ہی پر ترس کھایا۔ اُنھیں بستر مرض پر اکیلا چھوڑ دیا۔ اُن کا خادم زبردستی لے گئے۔ اس وفادار خادم کے عوض ایک جنگلی سپاہی اُن کی تیمارداری کے لئے مقرر کر دیا۔ لیکن مدحت پاشا کے رفقاء مصیبت نے اُن کی خدمتگاروں کی طرح خدمت کی۔ رات کو بھی انھیں تنہا نہیں چھوڑتے تھے۔ علی بک اُن کے ساتھ سوتے تھے۔

مدحت پاشا، اپنی شجاعت اور ثابت قدمی میں مشہور ہیں۔ ان حالات نے اُن کے حوصلے کمزور نہیں کئے۔ وہ اب بھی خوش تھے۔ پابندی سے نماز پڑھتے تھے۔ وظائف کا ورد رکھتے تھے۔ تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ تفسیر بیضاوی اور کتاب الشفاء، اُن کے مطالعہ میں رہتی تھی۔

وہ کہا کرتے تھے "جو کچھ یہ لوگ کر سکتے ہیں، کر گزریں۔ ہم بحمد اللہ مقدس سرزمین میں موجود ہیں۔ تمام گندگیوں سے دور ہو چکے ہیں۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ قتل کر سکتے ہیں، اور قتل ہمارے لئے دنیا و آخرت میں عزت و سعادت کا ذریعہ ہے!" وہ حیرت انگیز طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر متوکل نظر آتے تھے۔

ایک دن کمانڈر بکر آفندی نے کہا وہ مرابچ کو مکہ معظمہ جائے گا تاکہ خیر اللہ آفندی کی بیوی اور قیدیوں کے نوکروں کو پہنچا آئے۔ وہ مدحت پاشا کے پاس بھی گیا۔ وجہ یہ بیان کی کہ رخصت ہونے آیا ہے مگر مقصود یہ تھا کہ اُن کی زبان سے کچھ سنے اور چغلی کھا کر ظالموں میں مقبولیت حاصل کرے۔ مدحت پاشا نے کہا "میری تقریر سنو۔ حرف بحرف والی حجاز سے کہہ دینا:

"کمینا عبد الحمید نے تمھیں بڑا منصب بخشا ہے۔ مدحت پاشا کی خدمات، آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ آج اُس کی جو حالت ہے دیکھ رہے ہو۔ یہ سلطان، اسی طرح اپنے خیر خواہوں کی خدمات پر انعام دیا کرتا ہے۔ مدحت پاشا کو معلوم ہے کہ سلطان اُس کے قتل پر تلا ہوا ہے۔ تمھیں اس کام پر مقرر کیا ہے۔ اسوقت تمھاری جتنی خاطر مدارات ہے، صرف اسی مطلب سے ہے۔ اس کے بعد تمھارا جو حال ہوگا، وہ دوسروں کی حالت سے معلوم کر سکتے ہو۔ سرور آفندی نے ہمیں سزا دی تھی۔ اسپر سلطان نے خوش ہو کر اُسے "قاضی عسکر" کا عہدہ دیا مگر اب سرور آفندی کی حالت کیا ہے؟ اسوقت وہ گمنامی میں جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہا ہے! جودت پاشا ہمارے گرانے میں سلطان کا دست و بازو تھا۔ مگر آج اُس کی حالت کیا ہے؟ اسوقت وہ خود اپنے گھر میں قید ہے اور ذلت کی زندگی بسر کر رہا ہے! ان معاملات پر غور کرو۔ کیونکہ اس سلطان کی طبیعت ہی ایسی ہے۔ تم مسلمان ہو، قرآن پڑھے ہو۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ومن یقتل مؤمنا متعمداً فجزاؤه جهنم خالداً فيها وغضب الله عليه ولعنه واعد له عذاباً عظيما!" (جو کوئی جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے، اُس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اُسپر خدا کا غضب ہوگا۔ خدا کی لعنت ہوگی۔ اور اُس کے لئے بہت بڑا عذاب طیار ہے!)

اس کے بعد مدحت پاشا نے اس آیت کی تفسیر بیان کی اور کہا:

"دیکھو حضرت حسن بن علی علیہ السلام بھی بعض بادشاہوں کے اشارے سے قتل کئے گئے تھے۔ قیامت تک دنیا اُن کے قاتلوں پر لعنت کرتی رہے گی۔ خدا اُنھیں دوزخ میں ڈالے گا۔ تم والی سے میری تقریر حرف بحرف کہہ دینا"

اسپر بکر آفندی نے کہا:

"جناب عالی! میں بہت سی لڑائیوں میں شریک ہوا ہوں مگر میدان جنگ کے باہر آج تک ایک مرغی بھی اپنے ہاتھ سے نہیں ماری۔ میں ہرگز کوئی جرم نہیں کر سکوں گا!"

سات دن بعد بکر آفندی واپس آیا۔ اُس کے ساتھ قیدیوں کے نوکر بھی تھے۔ اُسنے مدحت پاشا سے کہا "سلطان کا حکم آیا ہے کہ نوکر قیدیوں کے پاس واپس کر دئیے جائیں۔ اُنھیں ہر طرح آرام دیا جائے۔ والی حجاز نے سلام کے بعد معذرت کی ہے کہ میرا کوئی قصور نہیں۔ میں نوکر ہوں آقا کے حکم کی اطاعت کرتا ہوں"

اس درمیان میں مدحت پاشا کی صحت اچھی ہو گئی۔ تقریباً شفا حاصل ہو گئی تھی۔

ایک دن مدحت نے ایک سپاہی سے دودھ منگایا۔ ایک افسر نوری آفندی تلوار لے کر اُس کے ساتھ ہو گیا اور بڑی مستعدی سے دودھ لے آیا۔ لوگوں کو اس نئی بات پر بہت تعجب ہوا۔ یہ شخص کبھی قیدیوں سے اچھا سلوک نہیں کرتا تھا۔ آج کیوں اس قدر مہربان ہو گیا؟ سید بک، مدحت پاشا کے کھانے کی روز جانچ کر لیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے پتیلی کھولی تو دودھ کا رنگ اچھا نہ تھا۔ ایک چمچ لے کر اُنھوں نے اپنی زبان پر رکھا، تمام منہ کڑوا ہو گیا۔ دوسرے قیدیوں کو چکھایا، سب نے یہی محسوس کیا۔ جنھوں نے ایک دو قطرے بھی نگل لئے تھے وہ بیہوش ہو گئے اور کئی ہفتے بیمار پڑے رہے۔

سے پوچھہ لینا چاھیے - اُن سے بہتر اُن کی نا رسائیوں کیلیے کوئی شاھد نہیں ھو سکتا - تفسیر اور اساس التقدیس وغیرہ اُنکے ابتدائي اور درمیاني عہد کي کوہ کندنیوں میں سے ھیں - آخري عہد کي مصنفات میں سے ایک رسالہ مباحث ذات و صفات میں ھے - اس کے دیباچہ میں مشکلات مباحث کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ھیں :

" لقد تأملت الطرق الکلامیه و المناهج الفلسفیه ' فما رأیتها تشفی غلیلاً ' و لا تروی غلیلاً ' و رأیت اقرب الطرق ' طریقة القرآن - أقرأ فی الاثبات : الرحمن علی العرش استوی ' و أقرأ فی النفی : لیس کمثله شیء - و من جرب مثل تجربتی' عرف مثل معرفتي "
یعنی میں نے علم کلام اور فلسفہ کے تمام طریقوں پر غور کیا ' لیکن معلوم ھوا کہ مشکلات راہ کیلیے کچھہ سودمند نہیں ھیں - سب سے بہتر طریقہ قرآن ھي کا طریقہ ھے !

فن المحبت ما ادق بیانه
متحیر فیه امام الرازی !

اِمام صاحب کا یہ اعتراف بعینہ وھي اعتراف ھے جو موجودہ اور قدیم عہد کے تمام حکماء کي زبانوں پر بھي طاري ھوچکا ھے - یہ مذھبي مباحث کي راہ سے اِس کوچہ میں آئے تھے' اسلیے الٰھییات کي اصطلاحوں میں اعتراف عجز کر رھے ھیں - لیکن لامارک ' ھیگل ' اور اسپنسر براہ راست حقائق کائنات کي جستجو میں نکلے تھے ' اسلیے وہ اِن مصطلحات کي جگہ دوسري طرح کے الفاظ استعمال کرتے ھیں ' لیکن اعتراف عجز کي ایک ھي طرح کي روح دونوں کے اندر بول رھي ھے - لامارک کے اس قول میں کہ " ھمارا سارا علم اس سے زیادہ نہیں ھے کہ جہل کا اقرار کریں " یا اسپنسر کے اس اعتراف میں کہ " اصلیت اور حقیقت کے اِن تمام سوالوں کے جواب میں ھم اِسکے سوا کچھہ نہیں کہہ سکتے کہ ھم کچھہ نہیں جانتے " اور اِمام رازي کے اس اعتراف میں کیا فرق ھے کہ :

نہایـــة اقدام العقـــول عقال
و اکثر سعی العالمیـــن ضـــلال
و لم نستفد من بحثنا طول عمرنا
سوی أن جمعنا فیه قیل و قالوا !

بہر حال جب تک قرآن حکیم کي تفسیر خالص قرآني طریقہ پر نہیں کي جائیگي ' مشکلات راہ حل نہیں ھوسکتیں -

(۲) ایک اھم اور بنیادي کام اِس باب میں یہ ھے کہ قرآن حکیم کے الفاظ ' تراکیب ' اور اُسلوب بیان کو تمام وضعي اور خارجي عوارض سے پاک کر کے اُنکي اصلي صورت و نوعیت میں نمایاں کر دیا جاے - جونہي یہ اصلیت نمایاں ھوگئي ' تمام اشکال خود بخود دور ھو جائینگے -

قرآن حکیم عربي زبان میں نازل ھوا - اُسکے الفاظ عربي زبان کے الفاظ تھے - وہ اُنھي معاني کیلیے استعمال کیے گیے تھے ' جن معاني کیلیے عربي لغت میں مستعمل تھے - قران نے خود جابجا اپنے عربي زبان میں ھونے ' نہایت کھلے اور دلنشین ھونے ' اور مطالب کے سہل اور زود فہم ھونے کا ذکر کیا ھے - مثلاً سورۂ مریم میں کہا کہ " فانما یسرناہ بلسانک لتبشر به المتقین " ھم نے قرآن تمھاري زبان میں سہل کردیا تا کہ متقي طبیعتوں کیلیے اس میں ھدایت کي بشارت ھو - ظاھر ھے کہ قرآن کا یہ عظیم اور ابتدائي وصف باقي نہیں رھتا ' اگر ایک لمحہ کیلیے بھي یہ فرض کر لیا جاے کہ اسکے الفاظ اُن عام اور معروف معاني کے علاوہ کوئي دوسرا مفہوم بھي رکھتے تھے جو عرب جاھلیت کي لغت میں نہیں سمجھے جاتے تھے - صدر اول میں چونکہ مسلمانوں کا ذوق خارجي اثرات سے متاثر نہیں ھوا تھا ' اسلیے قرآن کے تمام الفاظ اپنے لغوي معاني میں قائم رھے - بلاشبہ اُس عہد میں بھي ھر انسان جو قرآن کا علم رکھتا تھا ' الفاظ قرآني کے مجازات سے واقف تھا - لیکن یہ زبان اور بول چال کے ویسے ھي صاف اور سادہ مجازات تھے ' جو دنیا کي ھر زبان میں ھوتے ھیں ' اور جنکے معلوم کرنے کیلیے کبھي کسي اھل زبان کو کسي فلسفیانہ فن بلاغت و بیان کي ضرورت نہیں ھوتي - حضرت عبد اللہ ابن عباس اور ابن کعب جب " بل یداہ مبسوطان " اور " الیه یصعد الکلم الطیب " پڑھتے تھے ' تو بغیر اسکے کہ فلسفیانہ دقیقہ سنجیوں سے آشنا ھوں اور ید و علو کے نفي و اثبات کي بحثوں میں اُلجھیں ' اسکا وہ سیدھا سادھا مطلب سمجھہ لیتے تھے جو ھر غیر متکلف عربي داں سمجھہ لیگا -

لیکن آگے چلکر جب علوم دخیلہ کي (یعنے اُن علوم و فنون کي جو باھر سے عربي زبان میں منتقل ھوے) اشاعت ھوي ' اور وضعي علوم کي اصطلاحات اور نظري مباحث کي منطقي تعریفات و حدود کا لوگوں میں مذاق پیدا ھوگیا ' تو ایک بڑي جماعت اُن لوگوں کي پیدا ھوگئي جنھوں نے قرآن کو اھستہ اھستہ منطقي و فلسفي جامہ پہنانا شروع کر دیا ' اور بہ تدریج اسکے الفاظ عربي لغت سے ھٹ کر منطقي تعریفات و حدود کي نوعیت اختیار کرنے لگے - یہانتک کہ کچھہ عرصے کے بعد اُن الفاظ کیلیے وھي معاني سمجھے جانے لگے ' جو علوم وضعیہ میں انکے لیے قرار پا چکے تھے -

(۳) یہ تبدیلي الفاظ اور مطالب' دونوں میں ھوئی - مطالب میں بنیادي چیز قرآن کا اُسلوب بیان و استدلال ھے - ایک عظیم اور اصولي غلطي متاخرین سے یہ ھوئي کہ وہ قرآن کے فطري اور وجداني اُسلوب بیان کي اھمیت معلوم نہ کرسکے - یوناني فلسفہ کے اشتغال نے اُن میں منطقي استدلال کا ذوق پیدا کردیا تھا - انھوں نے کوشش کي کہ جہاں کہیں قرآن حکیم میں استدلال اور اثبات مدعا کے قسم کا کوئي بیان ھے' اُسے کھینچ تان کر منطقي استدلال کي شکل دیدیں -

حالانکہ انبیاء کرام کے علوم کي راہ وضعي و منطقي طریق استدلال کي راہ سے بالکل مختلف ھے - انبیاءؑ کرام کا خطاب علوم سے نہیں بلکہ قلوب سے ھوتا ھے - وہ علماء کے لیے بحث و نظر کا سامان پیدا کرنے نہیں آتے - بلکہ عامة الناس کے لیے ھدایت و سعادت کي راھیں کھول دینے کے لیے آتے ھیں - اُن کا مقصود یہ نہیں ھوتا کہ اشیاء کي حقیقت کا سراغ لگائیں - وہ اس لیے آتے ھیں کہ اعمال اور ان کے نتائج کي حقیقت دنیا پر واضح کردیں - پس وہ اپني تعلیم و ھدایت میں کوئي ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتے ' جسے کسي طرح کي بھي مشابہت منطقي طریق بحث و استدلال سے ھو - اُن کا طریقہ سیدھا سادھا فطري طریقہ ھوتا ھے ' جسکے لیے نہ تو انسان کے بنائے ھوئے علوم و فنون کي تحصیل ضروري ھوتي ھے ' نہ پیچیدہ اور دقیق مقدمات ترتیب دینے پڑتے ھیں ' اور نہ کسي طرح کي ذھني کاوش اور نظري سلوک کي قید ھوتي ھے - ھر انسان اپنے وجدان کي قدرتي استعداد اور طبعیت بشري کے فطري طلب و داعیہ سے اُسے سنتے ھي قبول کر لے سکتا ھے ' اور ایک فلسفي و حکیم سے لیکر ایک بادیہ نشیں دھقان تک ' ھر درجہ ' ھر طبقہ اور ھر زمانے کا انسان یکسان طور پر اُس سے یقین و ایمان حاصل کر لیتا ھے !

بریدِ شرق

مکتوبِ آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا خطبہ۔ عید آستانہ۔ ترکی طبی کانفرنس۔ ٹرکی اور ایران

غازی مصطفےٰ کمال کا خطبہ

اس ہفتہ سب سے اہم واقعہ، انگورہ میں خلق فرقہ سی یا جمہوری جماعت کی مؤتمر ہے۔ مؤتمر میں سب سے زیادہ اہم کارروائی، غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا وہ تاریخی خطبہ ہے جو کامل ایک ہفتہ تک جاری رہے گا۔ موصوف نے یہ خطبہ، کئی ماہ کی محنت سے طیار کیا ہے۔ اس میں وہ تمام تاریخی اور سیاسی حقائق جمع کر دیئے ہیں جو معاہدۂ التوائے جنگ کے بعد سے ابتک ٹرکی میں واقع ہوئے ہیں۔

غازی نے اپنا خطبہ "انجمن طیارات" کو دے دیا تھا۔ اُسی نے چھاپا ہے اور وہی ٹرکی کے طول و عرض میں ہوائی جہازوں کے ذریعہ تقسیم کرے گی۔ ہر روز جتنا خطبہ غازی سنائیں گے، انجمن، اُتنا حصہ اخبارات کو تقسیم کر دے گی۔ ایک جرمنی کمپنی نے دنیا کے اخباروں میں اس کا خلاصہ بھیجنے اور مختلف زبانوں میں اُس کا ترجمہ شایع کرنے کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ ابتک متعدد زبانوں میں ترجمہ طیار ہو چکا ہے عنقریب بازار میں آجائے گا۔

"عید آستانہ"

آپکے قارئین نے یہ لفظ شاید پہلے نہیں سُنا ہوگا۔ حالانکہ یہ لفظ ترکوں میں ایک عجیب جوش پیدا کر دیا کرتا ہے۔ عید آستانہ، یا آستانہ کی عید ہر سال ۶ اکتوبر کو بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔ پچھلے ہفتے ہم نے چوتھی مرتبہ یہ عید دیکھی تھی۔ تمام پچھلی عیدوں سے زیادہ شاندار تھی۔

یہ عید اتحادی فوجوں سے آستانے کی آزادی کی یادگار ہے۔ جنگ عمومی کے خاتمہ پر دول اتحاد نے ٹرکی سے التوا جنگ کا معاہدہ طے کیا۔ اس معاہدہ کی رُو سے ترکوں نے ہتیار رکھدیئے۔ ہتیار رکھتے ہی اتحادی فوجیں پایۂ تخت میں گھس پڑیں۔ انگریزوں نے "پیرا" پر قبضہ کرلیا۔ فرانسیسیوں نے استنبول پر، اٹلی نے باسفورس کے ایشیائی ساحلوں پر۔ ان سلطنتوں کے جنگی بیڑے بحر مرمرہ اور باسفورس میں داخل ہو کر لنگر انداز ہوگئے اور اپنی توپیں شہر کی طرف سیدھی کردیں۔ پھر ان کی بری فوجیں اُتریں اور شہر کی وہ حالت کر دی جو خونخوار فاتح، مفتوحوں کی کیا کرتے ہیں۔ ایسا ظلم و ستم شروع کیا جس کا تصور بھی کبھی ترکوں نے نہیں کیا تھا۔ مسلح سپاہی اور مسلح جاسوس ہر طرف پھرتے تھے اور جسے چاہتے تھے، بدبختی میں مبتلا کر دیتے تھے۔ بہت سے مارے گئے۔ بہت سے قید کئے گئے۔ بہت سے جلاوطن کئے گئے۔ کوئی مخلص ترک بھی اتحادیوں کے انتقام سے بچ نہ سکا۔

اس ظلم و جور کے مقابلے میں آستانہ کے ترکوں نے کیا کیا؟ اُنھوں نے کوئی بغاوت کی؟ نہیں۔ کوئی مظاہرہ کیا؟ نہیں۔ وہ بالکل خاموش ہوگئے۔ اتحادی قوتیں سمجھیں ہم نے مرعوب کرلیا۔ دنیا کی یہ سب سے زیادہ جبّار قوم ہماری غلامی پر قانع ہوگئی۔ مگر یہ اُن کی غلطی تھی، ترکی قوم کی طبیعت سے جہالت تھی۔ ترکی قوم کا خاصہ ہے کہ جب وہ جلال میں آتی ہے تو خاموش ہو جاتی ہے۔ جب ترک کو چُپ سناٹے میں دیکھو تو اُس سے بھاگو۔ کیونکہ وہ غصہ ہوگیا ہے۔ قہر و جلال کی قوتیں اُس کے دل و دماغ میں جمع ہو رہی ہیں۔ آستانہ کے ترک بھی اتحادیوں کے مظالم کے مقابلے میں خاموش ہوگئے۔ مگر اُن کی روح بول رہی تھی۔ اتحادیوں کے لئے وہ اندر ہی اندر اناطولیہ میں بارود بچھا رہے تھے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اناطولیہ میں قومی تحریک کا قیام، زیادہ تر آستانہ کے باشندوں ہی کی سعی و ہمت سے ہوا۔ اتحادیوں کا پہرہ چوکی بہت ہی سخت تھا، مگر آستانہ سے برابر سامان جنگ، توپیں، آدمی اور روپیہ اناطولیہ پہنچ رہا تھا۔ کس راہ سے جاتا تھا؟ کون لے جاتا تھا؟ کس وقت جاتا تھا؟ ان سوالوں کا جواب ابتک تاریخ کے پاس موجود نہیں ہے۔ مگر جاتا تھا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے۔

آستانہ کے ترکوں کی خاموشی نے آخر ۴ سال بعد رنگ دکھایا۔ اتحادیوں کے پروردہ یُونان کو اناطولیہ میں ایسی شکست ہوئی کہ موت سے بدتر تھی۔ دیکھتے دیکھتے فتح مند ترکی فوجیں باسفورس کے سامنے پہنچ گئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب انگلستان، فرانس اور اٹلی کی تقریباً تمام بحری قوتیں، باسفورس اور مرمرہ میں جمع تھیں۔ اتحادی خیال کرتے تھے یہ قوت دیکھ کر اناطولیہ کے ترک ڈر کر اُلٹے پاؤں بھاگ جائیں گے۔ مگر وہ ڈرے نہیں۔ خود اتحادیوں ہی کو ڈرنا پڑا۔ مدانیہ کا ذلت آمیز معاہدہ قبول کرنا پڑا۔

اس کے بعد ہم نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا؟ ہمنے وہ دیکھا جسے دیکھ کر ہم اپنی آنکھوں کی صحت پر شبہ کرنے لگے۔ مگر وہ واقعہ تھا۔ ہم نے یہ دیکھا کہ اتحادی بیڑے، جو اب تک سلطان کو قید کئے پڑے تھے، اچانک اُن کے جھنڈے، سربلند ترکی جھنڈے کے سامنے جُھک پڑے۔ جسوقت ترکی جھنڈا، وزارت جنگ کے بلند مینار پر اُڑایا گیا، تمام اتحادی قوتوں نے اُسے ذلت کے ساتھ جنگی سلام کیا۔

پھر ہمنے کیا دیکھا؟ یہ دیکھا کہ وہی اتحادی فوجیں، جو آستانہ کی سڑکوں پر فاتحانہ مظاہرے کرتی پھرتی تھیں اور ترکوں کو شریفانہ برتاؤ کی مستحق نہیں سمجھتی تھیں، خوف و دہشت سے اپنا اسباب باندھتی اور بھاگتی نظر آئیں۔ ایک طرف سے یہ فوجیں بھاگ رہی تھیں، دوسری طرف سے مظفر و منصور ترکی فوجیں آرہی تھیں۔ بیچ سمندر میں دونوں کا سامنا ہوا۔ اول الذکر نے آخر الذکر کو فوجی سلامی دی!

"عید آستانہ" اسی واقعہ کی یادگار ہے جو ۶ اکتوبر کو پیش آیا تھا۔

ترکی طبی کانفرنس

انگورہ میں ترکی طبی کانفرنس منعقد ہوئی عصمت پاشا نے اُس کا افتتاح کیا۔ کانفرنس میں بہت سے اہم طبی مسائل پر بحث ہوئی نیازی بک کی رُوداد سے معلوم ہوا کہ آنکھوں کا مرض ترکوں میں بھی عام ہے۔ اسوقت ۵ لاکھ ترک اسمیں مبتلا ہیں۔ یہ بیماری زیادہ تر حصن منصور، دیار بکر، اور اروفا کے علاقوں میں پائی جاتی ہے۔

رشاد رضا بک اور موسی کاظم بک نے مرض سل پر بحث کی اور بتایا کہ گذشتہ ۲۵ سال کے عرصہ میں صرف قسطنطنیہ میں اس بیماری سے ۶۹،۰۰۰ آدمی مر چکے ہیں۔ پورے ٹرکی میں سالانہ ۳۲،۰۰۰ آدمی اس مرض کا شکار ہوتے ہیں۔ یعنی ہر دس ہزار ترکوں میں ۳۰ آدمی اسی بیماری میں مرتے ہیں۔

ٹرکی اور ایران

ادہر کچھ مدّت سے ٹرکی اور ایران کے مابین کشیدگی پیدا ہوگئی ہے، جیسا کہ پچھلے مکاتیب میں لکھ چکا ہوں۔ اس ہفتہ میرزا فرج خاں سابق وزیر جنگ ایران، آستانہ پہنچے ہیں اور انگورہ جا رہے ہیں۔ ان کا سفر اسی نزاع کے دُور کرنے کے لئے ہے۔ موصوف نے اخبارات کے نمائندوں کو حسب ذیل بیان دیا ہے:

"سرکش کُرد، ترکی حدود پر تاخت و تاراج کرتے ہیں۔ ترکی حکومت خیال کرتی ہے کہ یہ مجرم، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں۔ میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ یہ لوگ بعض ترکی افسروں کو بھی پکڑ لے گئے ہیں۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ یہ کرد، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں۔ اگر واقعہ یہی ہے تو ہم اُنھیں ہرگز پناہ نہیں لینے دینگے اور ترکی حکومت کو ہر طرح مطمئن کردیں گے"

تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ترکی افسر یہ مجرم پکڑ لے گئے تھے، اب رہا ہوگئے ہیں اور اپنی سرحد میں واپس آگئے ہیں۔

شمالی افریقہ

مراکش، ٹیونس، اور الجزائر فرانسیسی استعمار کے بعد

(الہلال کے مقالہ نگار مصر کے قلم سے)

مراکش کی آبادی

۴ مارچ ۱۹۲۶ء کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے کہ فرانس کے زیر حمایت مراکش کا رقبہ ۴۱۵،۰۰۰ کیلومیٹر مربع میل ہے، اور آبادی ۴،۲۳۰،۰۰۰ ہے۔ اسمیں ۴،۱۶۰،۰۰۰ مسلمان ہیں۔ ۸۰،۰۰۰ ایسے یہودی ہیں۔ ۶۶ ہزار فرانسیسی ہیں۔ ۴۰ ہزار دوسرے یورپین ہیں۔

اس سے پہلے ۱۹۲۱ء میں مردم شماری ہوئی تھی۔ اُس کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ۵ برس کے قلیل عرصہ میں فرانسیسیوں کی تعداد میں ۱۹ ہزار کا اضافہ ہوگیا ہے۔

مراکش کی دولت

مراکش کے باشندے زراعت پیشہ ہیں۔ زیادہ تر غلہ کی کاشت ہوتی ہے۔ اُبتک کوئی قیمتی کان دریافت نہیں ہوئی۔ صرف فاسفیٹ

مدحت پاشا کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے محمد آغا کو بُلا کر انجان بن کے کہا:

"دودھ والے نے ہمیں ہی دودھ بھیجا تھا جس میں سے کمانڈر کو دیا کرتا ہے۔ لیکن جسنے بھی دودھ کا ایک قطرہ زبان پر رکھا، اُسکا حلق جل گیا۔ معلوم ہوتا ہے زہر، تانبے کے کساؤ سے پیدا ہو گیا ہے تم ابھی جا کر کمانڈر کو خبر کر دو۔ ایسا نہ ہو اُنھیں کوئی نقصان پہنچ جائے"

محمد آغا نے واپس آکر کہا کمانڈر ابھی دودھ والے کے برتنوں کا معائنہ کرینگے۔ اُسے مارینگے۔ قید کرینگے۔ پُوری تحقیقات کریں گے۔ قیدیوں نے یہ سُنا تو مسکرانے لگے۔ کیونکہ سُن چکے تھے کہ کمانڈر اپنے ساتھیوں سے پوچھتا تھا "اِن لوگوں نے دودھ تو کھالیا ہوگا؟ کیا مر گئے؟ کیا زہر کا اثر فوراً ظاہر ہوتا ہے؟"

مدحت پاشا کے بعض رفقاء نے مسموم دودھ کمانڈر کے پاس بھیجدیا کہ اس کی کیمیاوی تحلیل کی جائے لیکن اُسنے ہنسکر دودھ واپس کر دیا۔ اور کہا "یہاں تحلیل کرنے کے آلات موجود نہیں!"

اس واقعہ کے بعد باورچی خانہ اچھی طرح بند کر دیا جاتا تھا۔ کھانے پینے کے برتنوں پر علامتیں لگا دی جاتی تھیں۔ لیکن دو ہفتہ کے بعد ایک دن عارف آغا نے جوں ہی دروازہ کھولا، برتنوں پر سے علامتیں ہٹی ہوئی تھیں۔ باسی کھانے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ تحقیقات سے معلوم ہو گیا کہ زہر ملا دیا گیا ہے۔ بعد میں مُش آغا اور نوری آفندی نے اقرار کیا کہ اُنھوں نے زہر ملایا تھا!

اسی اثنا میں محمود پاشا، دست دقے میں مبتلا ہو گئے۔ پتہ چلا قہوہ میں کوئی زہریلا مادہ ملا ہوا ہے۔ اُنھوں نے قہوہ پینا چھوڑ دیا اور اچھے ہو گئے۔

ایک دن پانی کا رنگ اور مزہ بدلا ہوا تھا۔ اسمیں بھی زہر ملا دیا گیا تھا۔ فوراً صراحی توڑ ڈالی گئی۔

بعد میں معلوم ہوا کہ زہر، مصر سے مہیا کیا جاتا تھا۔ لانے والا ایک شخص اسمٰعیل آغا تھا۔ والی حجاز کو اس پر بہت اعتماد تھا اور اُسی کے ذریعہ دشمنوں کو قتل کرایا تھا۔ یہ ایک مُدت سے یہاں آیا ہوا تھا مگر تنہا اس خطرناک جرم کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ۱۳ر اپریل ۱۳۰۱ھ کو رسالدار محمد لطفی دو رجمنٹ فوج اور توپ خانہ لے کر مکہ معظمہ سے آیا اور قلعہ کے محافظوں میں اپنے ۸۰ سپاہی داخل کر دیئے۔

محمد لطفی نے آتے ہی مدحت پاشا کے خادم عارف آغا کو طلب کر کے کہا "میں زہر لایا ہوں۔ اگر تم مدحت پاشا کو کھلا دو تو تمھیں ایک ہزار پونڈ انعام دیا جائے گا۔ ایک دوسرا شخص، محمود پاشا کو مارنے کے لئے طیار ہو گیا ہے۔ اُسے ۶۰۰ پونڈ انعام دیا جائے گا"

عارف آغا وفادار نوکر تھا۔ اُسنے بظاہر زہر لے لیا اور وعدہ کیا کہ اپنے آقا کو قتل کر ڈالے گا۔ مگر قلعہ میں واپس آکر مدحت پاشا اور محمود پاشا کو پُورا قصہ سُنا دیا۔ اُنھوں نے باقی رفقاء کو مطلع کیا۔ سب نہایت پریشانی میں پڑ گئے۔

محمد لطفی، خاص قتل کے ارادے سے آیا تھا۔ تمام قیدی اس حقیقت سے واقف ہو چکے تھے۔ اپنی آمد کے ایک ہفتہ بعد اُسنے ارتکاب جُرم کی پھر کوشش کی۔ پُورے قلعے میں فوج لا کر بھر دی اور محاصرہ کر لیا۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ مدحت پاشا کے خادم عارف آغا نے بڑی ہی وفاداری سے کام لیا تھا اور راز فاش کر دیا تھا۔

واقعہ یہ ہوا کہ صوبہ دار ابراہیم نے عارف آغا کو کئی دوسرے افسروں کی موجودگی میں بُلا کر کہا:

"ہم آج رات مدحت پاشا کا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں۔ اب سے پہلے تم زہر لے گئے اور پکا وعدہ کیا، مگر ابتک کچھ بھی نہیں کیا۔ لہٰذا اب یہ کرو کہ تم مدحت پاشا کے ساتھ سوتے ہو۔ رات کو کمرے کا دروازہ کھلا رہنے دینا۔ دیکھو اگر دروازہ بند کر کے سو گئے تو ہم سے بُرا کوئی نہ ہوگا"

یہاں قلعہ میں سیاسی قیدی نماز عشاء کے بعد اپنے اپنے کمروں میں جانے کے لئے رخصت ہو رہے تھے کہ عارف آغا نے آکر کہا:

"آپ لوگ جُدا نہ ہوں، کیونکہ آج رات میرے آقا کو قتل کرنا چاہتے ہیں!"

تمام رفقاء گھبرا گئے اور اُنھوں نے طے کر لیا کہ مدحت پاشا کو تنہا نہیں چھوڑینگے۔ ایک افسر نے عارف آغا کی گفتگو سُن لی تھی۔ اُس نے محمد لطفی کو خبر پہونچائی۔ محمد لطفی نے فوراً عارف آغا کی گرفتاری اور قیدیوں کے منتشر کرنے کا حکم دے دیا۔ مُش آغا ایک افسر نے آکر کہا "میرالائی محمد لطفی سلام کے بعد کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کا یکجا رہنا ممنوع ہے۔ فوراً اپنے اپنے کمروں میں چلے جائیے"

مدحت پاشا اور محمود پاشا نے جواب دیا "ہم ہرگز یہاں سے نہ جائینگے۔ تم تلوار کے زور سے ہمیں نکال دو!"

پھر فوراً بکر آفندی کمانڈر نے آکر کہا "عارف، ایک شریر آدمی ہے۔ وہ ایک ایسا جھوٹ بولا ہے جسے پورے سمندر کا پانی بھی دھو نہیں سکتا"

مدحت پاشا نے پوچھا "ہمارے گرد یہ تمام طیاریاں کیسی ہیں؟"

بکر آفندی نے جواب دیا "ہمیں ابتک کوئی خاص حکم نہیں ملا ہے لیکن ہم ہر حکم کی اطاعت ضرور کرینگے"

پھر اُسنے قسم کھائی کہ اب تک جتنی خبریں مشہور ہوئی ہیں، بالکل جھوٹ ہیں" اور قلعہ سے باہر چلا گیا۔

جُرم کی رات

۱۱ر رجب ۱۳۰۱ھ کو رات کے پچھلے پہر میں مدحت پاشا اور داماد محمود پاشا قتل کر ڈالے گئے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

اس رات میرالائی محمد لطفی اور بکر آفندی کمانڈر، قلعہ کے پھاٹک میں رہے۔ قلعہ کے اندر بہت سی فوج جمع کر دی گئی۔ سپاہیوں کو کافی مقدار میں کارتوس تقسیم کر دیئے گئے۔ آدھی رات کے بعد محمود پاشا کے خادم حاجی شکری کو جگا کر پکڑ لے گئے۔ پھر ہر قیدی کے کمرے کے سامنے دو دو مسلح سپاہی کھڑے کر دیئے گئے۔ مدحت پاشا کا خادم عارف آغا پہلے ہی سے قید کر دیا گیا تھا۔ مگر موصوف تنہا نہ تھے۔ مدحت پاشا کے لڑکے علی بک اُن کے ساتھ سو رہے تھے۔

اچانک مدحت پاشا کے کمرے کا دروازہ توڑ ڈالا گیا۔ علی بک کو اُٹھا لے گئے۔ اور مدحت پاشا کو قتل کرنا چاہا۔ اُنھوں نے کوئی مقابلہ نہیں کیا۔ صرف خدا کے خوف سے ڈرایا اور نصیحت کی۔ اُنھوں نے کہا "دیکھو، سپاہی کا کام، وطن کی حفاظت ہے۔ نہ کہ ارتکاب جرم!" لیکن اُن کا گلا گھونٹ ڈالا، اور وہ ہلاک ہو گئے!

اسی طرح قاتلوں نے محمود پاشا کا دروازہ بھی توڑا۔ وہ جاگ پڑے اور تکیہ اُٹھا کر دیر تک مقابلہ کرتے رہے۔ آخر تھک گئے۔ محمد آغا، ایک افسر نے اُن کے گلے میں رسی کا پھندا ڈال دیا۔ وہ زور سے چلائے "امان امان!" اس آواز پر سب لوگ جاگ پڑے۔

خیر اللہ آفندی، پاس کے کمرے میں تھے۔ وہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سپاہیوں نے کہا "ڈریئے نہیں۔ آپکے لئے کوئی اندیشہ نہیں ہے" مگر وہ اس قدر مرعوب ہو گئے تھے کہ بیہوش ہو کر گر پڑے اور رات بھر اسی حالت میں رہے۔

محمود پاشا کو قتل سے پہلے بہت تکلیف دی گئی، پھر گلا گھونٹ ڈالا گیا۔ مگر یہ ناکافی سمجھا گیا اور لاٹھیوں سے اُن کا ہاتھ توڑ ڈالا گیا!

قتل کے بعد دونوں شہیدوں کو غسل خانے اُٹھا لے گئے۔ رات ہی کو علی بک بروسہ لی کی دکان توڑ کر کفن کے لئے کپڑا نکالا گیا اور فوج کے امام یونس آفندی کو شہیدوں کے نہلانے کا حکم دیا گیا۔ مگر اُنھوں نے انکار کیا۔ اسپر دونوں کو بغیر غسل اور کفن کے دفن کر دیا گیا۔ دونوں قبروں پر دو پتھر لگا دیئے گئے۔ ایک پر لکھا تھا۔ "مدحت پاشا ۲۶ر مارچ کو فوت ہوئے"۔ دوسرے پر تھا "محمود پاشا ۸ر مئی کو فوت ہوئے"

حالانکہ یہ بالکل جھوٹ تھا۔ کیونکہ دونوں کو ایک ہی دن قتل کیا گیا تھا۔

مدحت پاشا اپنے قتل کے بہت دن سے منتظر تھے۔ واقعہ سے دو تین دن پہلے ایک مرتبہ نماز کے بعد سر جھکائے دیر تک بیٹھے رہے ساتھیوں نے فکر کی وجہ دریافت کی۔ کہنے لگے:

"میں موت کے بارے میں غور کر رہا ہوں جس کی تکلیف ۵ منٹ سے بھی کم میں ختم ہو جاتی ہے۔ سوچتا ہوں کون سی موت سب سے کم تکلیف دہ ہوتی ہے: گلا گھونٹنے کی موت یا گولی کی موت؟ یا بیماری کی موت؟ اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں موت کو زندگی پر ترجیح دیتا، مگر یہ معاملہ انسان کے اپنے بس کا نہیں ہے۔ دیکھو میں بیمار ہوا۔ موت سے قریب ہو کر پھر دُور ہو گیا۔ ہماری وجہ سے کئی معصوم یہاں قید ہیں۔ شاید ہماری موت اُن کی رہائی کا سبب ہوگی"

وفات سے پہلے مدحت پاشا نے خیر اللہ آفندی کو ۴۰ پونڈ دیئے اور کہا "یہ میرے کفن دفن کے لئے ہیں" مگر خیر اللہ آفندی کو اس خدمت کا موقعہ نہیں ملا۔ اس لئے اُنھوں نے یہ رقم حکومت کے حوالے کر دی۔

مدحت پاشا اور محمود پاشا، گلا گھونٹ کر قتل کئے گئے۔ مگر حکومت نے یہی مشہور کیا کہ وہ بیمار ہوئے تھے اور اپنی قضا سے مر گئے لیکن دُنیا نے یہ جھوٹ تسلیم نہیں کیا اور بہت جلد حقیقت مشہور ہو گئی۔

سلطان عبدالحمید، اِن دونوں شہیدانِ وطن سے اس قدر خائف تھا کہ بہت دن تک اُن کی موت کا اُسے یقین نہیں ہوا۔ چنانچہ دو مرتبہ اُسنے اپنے خاص آدمی حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے طائف بھیجے اور اُنھوں نے پُوری تحقیقات کی۔ مگر سلطان کو برابر یہی شک رہا کہ دونوں کہیں بھاگ گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آخر میں سلطان نے حکم دیا کہ مدحت پاشا کا سر کاٹ کے اُس کے پاس بھیجدیا جائے۔ چنانچہ قبر کھودی گئی، سر کاٹا گیا، اور ایک صندوق میں بند کر کے روانہ کر دیا گیا۔ مگر چونکہ بیچ میں نہر سویز پڑتی تھی اور وہاں کا چنگی خانہ بہت سختی سے تلاشی لیتا ہے، اس لئے صندوق پر یہ عبارت لکھ دی گئی "خاص جلالۃ السلطان کیلئے ہاتھی دانت کی مصنوعات"!

مدحت پاشا اور محمود پاشا کی قبریں کچھ عرصہ موجود رہیں۔ مگر احمد راتب پاشا نے اپنی حکومت کے زمانے میں اُن پر سے پتھر اُکھڑوا ڈالے اور قبریں زمین سے برابر کر دیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس واقعۂ قتل کے ایک ہفتہ بعد والی حجاز، مرض فالج میں مبتلا ہو گیا تھا۔ یہ گویا خدا کا دُنیا ہی میں اُس سے انتقام تھا۔

لئے ایک طریقہ دریافت کیا ہو۔ وہ طریقہ یہ ہو کہ کیمیادی افعال کے لحاظ سے خون کی جانچ کی جاتی ہو۔ خون کی جانچ سے ثابت ہوچکا ہو کہ کیمیادی تفاعل کے لحاظ سے انسان اور بندر نما انسان کا خون بالکل ایک ہی طرح کا ہو۔ دونوں کا خون یکساں طور پر یکساں امراض قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور دونوں خون اپنی کیمیادی ترکیب میں بھی ایک ہی ہیں۔ پھر اپنی ترکیب میں دونوں کے دماغ بھی یکساں ہیں۔ رحم مادر میں جس طرح انسان کا بچہ نشو ونما پاتا ہو، ٹھیک اُسی طرح اس بندر کا بچہ بھی نشو ونما حاصل کرتا ہو۔ رحم میں دونوں بالکل یکساں حالات سے گزرتے ہیں۔ دونوں کے جسم میں ایک ہی قسم کے اثری اعضار بھی موجود ہیں اور نظریہ نشور و ارتقأ کی سب سے بڑی دلیل ہو۔ پھر جس طرح عورت اپنے بچے سے محبت کرتی اور پالتی پوستی ہو، بالکل اُسی طرح اور ویسے ہی جذبات کے ساتھ اس قسم کا بندر بھی اپنے بچے کو پالتا ہو۔

یہ تمام حقائق، اُن کثیر دلائل میں سے صرف چند ہیں جن سے انسان اور اس بندر نما انسان میں کامل مشابہت ثابت ہوتی ہو۔ اگر یہ دونوں مخلوق ایک ہی اصل سے پیدا نہیں ہوئے، تو اس مشابہت کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہو؟

دماغ انسانی کا نشور

بندر کے دماغ میں کوئی جزر ایسا موجود نہیں جس سے مشابہ جزو انسان کے دماغ میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح انسان کے دماغ میں جو اجزار اور اُن کی ترکیب موجود ہو، بعینہ وہی گوریلا کے دماغوں میں بھی موجود ہو۔ انسان کا دماغ بندر نما انسان کے دماغ سے ذرا بھی مختلف نہیں۔ فرق صرف کمیت کا ہو۔ انسان کا دماغ کمیت میں زیادہ ہوتا ہو۔ بلاشبہ یہ فرق، معمولی فرق نہیں ہو۔ انسان کے دماغ کے کمیت اور معین اجزار میں اُس کی تقسیم ہی نے انسان کو شعور و ادراک، عمل و کلام، اور تعلیم و تربیت کی قوت بخشی ہو۔

ڈارون نے انسان اور بندر نما انسان کے دماغوں کی تحقیق کی۔ ثابت ہوا کہ فرق صرف کمیت میں ہو نہ کہ نوعیت میں۔ ڈارون کے بعد دوسرے بہت سے علمار نے بھی تحقیق کی اور اس رائے کی تائید کی۔ علم وظائف الاعضار، علم النفس، علم التشریح، اور علم الجنین، وغیرہ علوم کے مباحث سے ثابت ہوگیا ہو کہ انسان کے دماغ نے بندر نما انسان کے دماغ سے ترقی کی ہو، اور اس ترقی کے دَوران میں کسی نئی ترکیب کا اُس میں اضافہ نہیں ہوا ہو۔

پیچیدہ مشکلات

ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہماری تحقیقات بالکل مکمل ہوچکی ہیں درحقیقت ہم ابھی پہلی ہی منزل میں ہیں۔ ہمارے سامنے بہت سی ایسی پیچیدہ مشکلات ہیں جنھیں ہم حل نہیں کرسکے ہیں۔

ہم اُس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب ہم یقین کے ساتھ انسانی دماغ کی ترقی اور گوریلا کے دماغ کی پستی کا سبب بیان کرسکیں گے ہم ناموس وراثت کی معقول تعلیل کرسکیں گے اور بتا سکیں گے کیوں ایک خاندان زیادہ طاقتور ہوتا ہو اور دوسرا کمزور؟

پھر یہ عجیب بات ہو کہ عہد میوسینی میں صرف انسان کے مورث اعلیٰ کے دماغ ہی نے ترقی نہیں کی، بلکہ دوسرے بہت سے حیوانات کے دماغوں نے بھی ترقی کی ہو۔ شروع میں تمام بندروں کا دماغ بہت ہی چھوٹا تھا۔ پھر اُس میں زیادتی ہوتی رہی یہاں تک کہ انسانی دماغ کا ظہور ہوا۔ یہ کیوں ہوا؟ وہ کیا موثرات تھے جنھوں نے اس دماغ کے لئے ترقی کی راہ باز کی؟ سردست ان سوالوں کا ہمارے پاس شافی جواب موجود نہیں "

فسانہ

فرانس کا آخری مقبول ڈراما

مُضحک اور غمناک عناصر کا مجموعہ

ایلن کا شوہر!

ذیل میں اُس ڈرامے کا خلاصہ ایک نقاد تماشائی کی نظر سے قلمبند کیا گیا ہو، جو گذشتہ موسم بہار میں پیرس کا سب سے زیادہ مقبول اور دلچسپ ڈراما تسلیم کیا گیا تھا۔ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے چند امور پیش نظر رکھنے چاہئیں:

(۱) "کامیڈی" اور "ٹریجیڈی" کی دو قدیم قسمیں معلوم ہیں، لیکن ایک تیسری قسم وہ ہو جس میں دونوں طرح کے جذبات جمع کردینے کی کوشش کی جاتی ہو۔ یعنے وہ واقعات و احساسات کا ایک ایسا ملا جُلا مجموعہ ہوتا ہو، کہ اُسے ایک اعتبار سے مُضحک کہہ سکتے ہیں، ایک اعتبار سے غم انگیز۔ اس اشتراک سے مقصود یہ نہیں ہو کہ سلسلۂ واقعات میں بعض حصے غم انگیز آجائیں اور بعض مُضحک، جیسا کہ شکسپیر نے ہملٹ جیسی غمناکی میں ایک منظر ہملٹ اور قبر کھودنے والوں کے مُضحک مکالمہ کا دکھا دیا ہو، بلکہ مقصود یہ ہو کہ نفسِ واقعہ اور اُس کے واردات و احساسات کی نوعیت ہی ایسی ہو کہ اُسے ایک پہلو سے مُضحک اور ایک پہلو سے غم انگیز قرار دے سکیں۔ یہ قسم آجکل فرانس میں سب سے زیادہ مقبول ہو، اور مندرجہ ذیل ڈراما اسی قسم کا ایک آخرین نمونہ ہو۔

(۲) سب سے زیادہ قابل غور یورپ کی موجودہ اخلاقی ذہنیت کی نمایش ہو جو اس ڈرامے میں ہمارے سامنے آجاتی ہو۔ یہ واقعہ ہو کہ ایلن اور اُسکے شوہر کی قصصی سیرت یورپ کے اعلیٰ اور متوسط طبقات کے نوّے فی صدی مرد و عورت کی حقیقی سیرت ہو۔ حیات زوجیت کی اخلاقی اور معاشرتی روح فنا ہو چکی ہو۔ محض ایک طرح کا قانونی معاہدہ رہ گیا ہو۔ جس کی پابندی معاشرتی ضروریات کی بنا پر کی جا رہی ہو، بہت ممکن ہو کہ کچھ عرصہ بعد یہ پابندی بھی ضروری نہ رہے۔ موجودہ تمدن کا منتہائے عروج، اخلاق اور اخلاقی حدود کا خاتمہ ہو!

(۱)

میں ہنسنا چاہتا تھا جب یہ ڈراما دیکھنے کے لئے جانے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ ہنسوں گا، کیونکہ قصہ کا نام ہی مُضحک تھا۔ پھر یہ پہلی مرتبہ اسٹیج پر آیا تھا اور نکتہ چینیوں کی نظریں ابتک اس پر نہیں پڑی تھیں جو ایکٹر اس میں حصہ لینے والے تھے، سب فنِ ظرافت میں مشہور تھے پیرس کے مخلوق کی عادت ہو کہ پہلے ہی سے لُطف اُٹھانے لگتی ہو میں نے بھی پیشگی ہنسنا شروع کردیا تھا۔

ہنستے ہوئے تھیٹر پہنچے۔ پردہ اُٹھنا تھا کہ مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے لیکن چند ہی لمحے بعد ہنسی غائب ہوگئی۔ اپنے اندر ہم نے ایک عجیب طرح کا احساس پایا۔ الفاظ شاید اسے بیان نہیں کرسکتے کیونکہ وہ احساس نہ تو خالص مسرت تھی نہ خالص رنج۔ یا یوں کہو کہ وہ چیز خالص رنج سے بھی زیادہ قلب کو متأثر کر رہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی تبسم پر بھی مجبور کرتی تھی، بلکہ شاید ہنسی پر۔ شاید قہقہوں پر! افسردگی میں مسکرانا! رنج میں کھلکھلا کر ہنسنا!

کیوں؟ اس لئے کہ ایکٹر تمھارے سامنے انسان کی ایسی خصلتیں پیش کر رہا ہو جن کا ظاہر ہنسانے والا ہو، ہنسنا چاہو یا نہ چاہو، باطن رولانے والا ہو، رونا چاہو یا نہ چاہو۔

(۲)

پردہ اُٹھتے ہی ایک ادھیڑ عورت تمھارے سامنے موجود ہو۔ ادھیڑ سے بھی زیادہ بوڑھی معلوم ہوتی ہو۔ اُس کا لباس اُس کے سن و سال اور مرتبہ کے مناسب ہو۔ اُسکی گفتگو سنتے ہی تم جان جاتے ہو کہ وہ پیرس کی مخلوق نہیں، اطراف ملک سے آئی ہو۔ اور یہ کہ اُس مبہم طبقہ سے تعلق رکھتی ہو جو متوسط طبقہ تو نہیں ہو مگر اس سے اُتر کر رہنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

عورت، بیوہ ہو۔ شوہر کی یادگار ایک لڑکی ایلن موجود ہو۔ یہ نہایت حسین اور خوش اندام ہو۔ ماں بیٹی زمانہ کے جور سے تنگ آکر پیرس میں پناہ ڈھونڈھتی ہیں۔ فن موسیقی کے ایک ماہر سے ملاقات ہوتی ہو۔ وہ خود بھی اپنے ہنر میں بدقسمت ہو مگر قصباتی دوشیزہ پر فریفتہ ہوجاتا ہو۔ دونوں کو اپنے شکستہ گھر میں جگہ دیتا ہو۔ پھر ایک وقت اس رشک ماہ کا اُستاد، مُربّی، اور عاشق بنجاتا ہو۔

لڑکی، رقص و سرود میں کامل ہوجاتی ہو۔ پیرس کی ایک تھیٹر کمپنی اُس کی خدمات قبول کرلیتی ہو۔ آج کی رات وہ پہلی مرتبہ اسٹیج پر آنے والی ہو۔ ماں اُسے بڑے ہی تأثر، اضطراب، مسرت، اور کسی قدر خوف کی نظروں سے دیکھ رہی ہو۔ لیکن کامیابی کی اہمیت بھی سمجھتی ہو اس لئے خوشی بھی منانا چاہتی ہو۔ چنانچہ اُسنے دعوت کا اہتمام کیا ہو۔ میز پر قسم قسم کے کھانے چُنے ہیں جو دولتمندوں کے لئے معمولی مگر غریبوں کے لئے بہت قیمتی ہیں۔ وہ اپنے دل کی تمام باتیں اپنی کم سن پھرتیلی خادمہ کو سُناتی ہو۔ اُس کا لہجہ بالکل ویسا ہی

کی ایک کان ملی ہے۔ البتہ خیال کیا جاتا ہے کہ ملک میں سیسے، زنگ، تانبے کی بھی کانیں موجود ہیں، مگر زیادہ بڑی نہیں سمجھی جاتیں۔

مراکش کی تجارت

سنہ ۱۹۱۳ء سے ابتک کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ مراکش میں برآمد پر درآمد کا مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ذیل کے نقشے سے اس کا اندازہ ہوگا:

سنہ	ملین فرنک کے حساب سے زیادتی
سنہ ۱۹۱۳ء	۱۴۲
سنہ ۱۹۲۲	۵۱۴
سنہ ۱۹۲۳	۵۰۸
سنہ ۱۹۲۴	۳۰۳
سنہ ۱۹۲۵	۶۲۶
سنہ ۱۹۲۶	۹۸۰

مراکش کی تجارت میں فرانس کا حصہ بہت بڑا ہے۔ ذیل کے نقشے سے اس کا اندازہ ہوگا۔

سنہ	مجموعی تجارت	فرانس کا حصہ
سنہ ۱۹۱۳ء	۲۲۲	۱۵۲
سنہ ۱۹۲۱	۱۲۱۶	۷۵۳
سنہ ۱۹۲۵	۱۷۵۴	۹۵۳
سنہ ۱۹۲۶	۲۴۰۴	۱۴۲۷

برآمد میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں مراکش کی کل برآمد ۴۰ ملین فرنک تھی۔ سنہ ۱۹۲۶ میں ۷۱۲ ملین تک پہنچ گئی۔ لیکن درآمد کے مقابلے میں یہ ترقی بہت معمولی ہے۔ کیونکہ برآمد میں فاسفوٹ بھی داخل ہے جو سراسر فرانسیسی کمپنی کی ملکیت ہے۔ اس کی قیمت سنہ ۱۹۲۶ء میں ۱۰،۲۵،۰۰،۰۰۰ فرنک تھی۔ اسی طرح دوسری کانوں کی آمدنی جو فرانسیسی کمپنیوں کے ہاتھ میں ہیں، ۶ ملین فرنک تھی۔

اسوقت تک مراکش کی ۶ لاکھ ہکٹار قابل کاشت زمین، ۶۶ ہزار فرانسیسیوں کی ملکیت میں جا چکی ہے۔ یہ لوگ اپنی پیداوار، فرانس بھیجتے ہیں اور بے شمار نفع حاصل کر رہے ہیں۔

مراکش کا قرضہ

فرانسیسی حمایہ سے پہلے مراکش پر ۱۶۴ ملین قرضہ تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۲۰ میں ایک نیا قرضہ اُس کے سر منڈھ دیا۔ اب اُس کی تعداد ۷۴۴ ملین فرنک ہوگئی ہے۔ حکومت مراکش کے سالانہ میزانیہ میں قرض اور سود کی ادائی کے لئے بھی ایک مد ہوتی ہے۔ سنہ ۱۹۲۳ میں حکومت کی آمدنی ۲۶،۷۶،۴۲،۳۴،۴۰ فرنک تھی اور قرض کی قسط ۳،۶۹،۰۰،۰۰۰ فرنک تھی۔ سنہ ۲۶ میں آمدنی ۴۰،۶۹،۱۵،۷۷،۲ فرنک تھی اور قرض کی قسط ۷،۸۴،۰۰،۰۰۰۔

ریلوے

اسوقت مراکش میں ۱۲۵۵ کیلو میٹر ریلوے لائن بچھی ہوئی ہے لائن دو قسم کی ہے: چھوٹی اور بڑی۔ چھوٹی لائن، فوجی نقل و حرکت کے لئے ہے اور حسب ذیل مقامات کو متصل کرتی ہے:

خط	درازی
دار بیضائے سے مراکش تک	۲۸۴ کیلو میٹر
جدہ سے فاس تک	۴۰۱ "
قنطرہ سے وزان تک	۱۵۸ "

آخر الذکر دونوں خطوں سے جنگ ریف کے زمانے میں فرانس نے بہت فوائد حاصل کئے۔ ان پر مسافر بھی سفر کرتے ہیں، مگر کم۔

بڑی لائن کی دو شاخیں ہیں:

طنجہ - فاس لائن - یہ ایک فرانسیسی ہسپانی کمپنی کی ملکیت ہے۔ اس کی درازی ۳۰۶ کیلومیٹر ہے۔

قنیطرہ - رباط لائن - یہ دار بیضا اور مراکش ہوتی ہوئی طنجہ - فاس ریلوے سے ملجاتی ہے۔ یہ سراسر فرانسیسی کمپنی کی ملکیت ہے۔

مراکش میں فرانس کے جنگی مصارف

ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ فرانس کو اب تک مراکش کے محکم کرنے کے لئے کتنے مصارف برداشت کرنا پڑے:

سنہ	ملین فرنک
سنہ ۱۹۰۷ سے سنہ ۱۹۱۱ء	۱۲۶
سنہ ۱۹۱۲ " سنہ ۱۹۱۴	۵۹۸
سنہ ۱۹۱۵ " سنہ ۱۹۱۹	۱۴۱۰
سنہ ۲۰	۴۹۰۸
سنہ ۲۱	۴۷۸۲
سنہ ۲۲	۴۳۶۱
سنہ ۲۳	۳۹۲۵
سنہ ۲۴	۳۳۳۸
سنہ ۲۵	۹۰۴۲
سنہ ۲۶	۱۲۰۵۶

صحرا میں ریل

شمالی افریقہ کے فرانسیسی نظم و نسق کی سرکاری کانفرنس ہر سال منعقد ہوا کرتی ہے۔ حال میں اس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس نے متعدد نئی تجاویز منظور کی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہم تجویز یہ ہے کہ صحرا میں ریلوے لائن تعمیر کر کے شمالی افریقہ وسطی افریقہ سے ملا دی جائے۔ اگر یہ ریلوے خط تعمیر ہوگیا تو افریقہ کی عمرانی اور تجارتی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ صحرا کا تمام غیر آباد حصہ آباد حصہ ہو جائے گا، اور مصر سے مراکش تک ایک نیا اندرونی خط تجارت

مذکرۂ علمیہ

نظریۂ نشو و ارتقا کی موجودہ منزل

(۲)

مشکلات

نظریۂ ارتقاء کے محقق کی راہ میں ابتک متعدد مشکلات حائل ہیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ طبقات الارضی تاثیرات کے ماتحت ارتقائی سلسلے کی بعض کڑیاں گم ہیں۔ ان کڑیوں کا پتہ لگانا ضروری ہے۔

حفریات کی مدد سے ہم نے عہد بلیوسینی (یعنی وہ عہد جبکہ زمین کی سطح کا دوسرا طبقہ طیار ہونا شروع ہوا) کے اواخر تک کی تحقیق کر لی ہے۔ مگر خود اس عہد کی تحقیق پوری طرح مکمل اور یقینی نہیں ہے۔ بلاشبہ ہمیں بلیوسینی طبقات میں پتھرائے ہوئے دانت ملے ہیں ممکن ہے یہ بندر نما انسان، یا انسان نما بندر کے دانت ہوں۔ لیکن اس مخلوق کی تعیین کے لئے مزید تحقیقات کی ضرورت ہے۔

عہد بلیوسینی کم سے کم ڈھائی لاکھ برس دراز تھا۔ اس سے پہلے کا زمانہ، عہد میوسینی کہلاتا ہے اور کم سے کم چھ سات لاکھ سال دراز تھا۔ اسی عہد میں بندر نما انسان ظاہر ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلگرم کو (جو ہندوستان کے شعبۂ طبقات الارض میں کام کرتے ہیں) ایسے پتھرائے ہوئے آثار دستیاب ہوئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بندر نما انسانوں کی بارہ قسمیں موجود تھیں اور عہد میوسینی کے اواسط و اواخر میں ہمالیہ کے جنگلوں کے اندر زندگی بسر کرتی تھیں۔ پھر آج ہم بندر نما انسان کی کم از کم تین ایسی قسموں سے بھی واقف ہیں جو اُسی عہد میں یورپ کے جنگلوں کے اندر موجود تھیں لیکن افسوس ہمیں اُن کے جسم کے صرف وہی اجزا مل سکے ہیں جو زیادہ پائدار تھے۔ یعنی دانت اور جبڑے۔ اُن دانتوں کو اگر قدیم انسان کے دانتوں کے سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو کوئی شخص اس امر کا انکار نہ کرسکے گا کہ عہد میوسینی کے بندر نما انسان کے دانت، موجودہ انسانی دانتوں کی اصل ہیں۔

انسان کب ظاہر ہوا؟

یہ غیر ضروری ہے کہ عہد میوسینی سے پہلے انسان کے ظہور کی تحقیقات کی جائے۔ کیونکہ اس عہد سے پہلے کے ارضی طبقات میں صرف بندر نما انسان ہی کے آثار ملتے ہیں۔ اسوقت جتنے بھی دلائل ہمارے پاس موجود ہیں، اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ انسان نے ایک ایسے بندر سے ظہور کیا ہے جو بندر نما انسان قسم کا تھا۔ یہ قسم شمپانزی قسم کے بندر سے زیادہ ترقی یافتہ نہ تھی۔ اور یہ کہ انسان کی نسل انتھروپوئیڈ سے عہد میوسینی میں جدا ہوئی ہے۔ بنا بریں انسان کی عمر، دس لاکھ برس کی ہے۔

انسان کے تسلسل پر دلائل

طبقات الارضی مباحث سے ابتک قطعی طور پر ثابت نہیں ہوا کہ انسان کی اصل، بندر نما انسان ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان اپنے ظہور کے کسی عہد میں بندر نما انسان قسم کی ایک مخلوق تھا؟ حالانکہ یہ معلوم ہے کہ انسان اور بندر میں مختلف حیثیتوں سے بہت فرق ہے۔

میں مختصر جواب دیتا ہوں۔ موجودہ صدی کے اوائل میں پروفیسر نیٹون نے ہر جنس حیوانی کا تعلق اُس کے افراد سے معلوم کرنے کے

شدید حقارت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ فاسق عاشق اس شوہر کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے جس کی رگوں میں گرم خون کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے، اور جو اس بات پر راضی ہو جاتا ہے کہ اس کی بیوی، اُس میں اور بیوی کے آشنا میں مشترک رہے!

عاشق رخصت ہوتا ہے ایلین مسکراتی ہوئی اپنے شوہر کے پاس آتی ہے گفتگو جاری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ شوہر بیوی سے بھی اچانک کہدیتا ہے کہ "میں سب کچھ جانتا ہوں!" وہ ششدر رہ جاتی ہے۔ خوف سے کانپنے لگتی ہے مگر وہ سنجیدگی سے کہتا ہے "کوئی حرج نہیں۔ مجھے یہ صورت منظور ہے!" بیوی بے حد حقارت سے بے غیرت شوہر کو دیکھتی ہے۔ واقعی اُس کا دل سخت مجروح ہوا ہے۔ وہ چاہتی تھی، شوہر اُس سے محبت کرتا، اور اس لئے اُس کی خیانت پر غضب ناک ہوتا۔ مگر اب دیکھتی ہے کہ شوہر کو اُس کی ذرا بھی قدر نہیں۔ آہ، وہ اپنی حیثیت کوڑہ کرکٹ سے زیادہ نہیں پاتی!

اس بے غیرتی پر شوہر کو سخت سست کہنے لگتی ہے۔ اسیر شوہر کا جام صبر بھی لبریز ہو جاتا ہے۔ جذبات بہت دبائے، اب بے قابو ہو جاتا ہے۔ یہ دیکھو، آتش فشاں پھٹا۔ غیظ و غضب نے دیوانگی کی شکل اختیار کرلی محبت اپنی پوری قوت سے ظاہر ہوئی۔ غیرت ہولناک درجہ تک پہنچ گئی۔ اب وہ رُک نہیں سکتا۔ خائن بیوی کو اُس کے غضب سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اچانک چلاتا ہے "میری دیوثی دیکھے گی!" عورت لرزہ براندام ہے۔ بید کی طرح تھرتھراتی ہے۔ مگر دل کی گہرائی میں مسرت و سعادت محسوس کر رہی ہے۔ اب اُسنے دیکھ لیا کہ شوہر محبت سے خالی نہیں۔ ابتک آتش عشق میں جل رہا ہے۔ غیرت سے انتقام پر تلا ہوا ہے۔ وہ اُس کے قدموں پر گرنا چاہتی ہے۔ معافی کا ارادہ کرتی ہے۔ توبہ کے لئے آمادہ ہو رہی ہے۔ شوہر غصہ کی دیوانگی میں اسپر ٹوٹ پڑنے کو ہے۔ لیکن افسوس، یہ کیا ہوا؟ شوہر اچانک سنبھل جاتا ہے، رُک کر کھوکھلی آواز میں کہتا ہے "موٹر آتی ہوگی۔ اپنے آشنا کے ساتھ چلی جانا۔" پھر فوراً بھاگ کر گھر سے نکل جاتا ہے۔ عورت رونا دھونا واویلا کرنا شروع کر دیتی ہے!

(۸)

بے غیرت شوہر نے کہا تھا "موٹر آتی ہوگی۔ اُسپر چلی جانا" مگر اب موٹر کہاں؟ ایلین کے آشنا نے محسوس کیا تھا کہ اس کے دل میں شوہر کی دیوثی پر نفرت و حقارت پیدا ہو گئی ہے، حالانکہ اس نفرت و حقارت کی تہ میں ایک دوسری نفرت بھی پوشیدہ تھی؟ کونسی نفرت؟ ایلین سے نفرت! اُس عورت سے نفرت جس کی اب کوئی قیمت عشق باقی نہیں رہی تھی، جو اب کسی شوہر کی محبوبہ نہ تھی، بلکہ خود شوہر کی طرف سے فسق و ہوس کی پیش کش تھی!

ایلین اپنے شوہر اور اپنے آشنائے فسق، دونوں سے محروم ہوگئی یہ اُس کے شوہر کا انتقام تھا۔

تاریخ و عبر

آزادی کی راہ میں

تاریخ قرطاجنہ کا ایک عبرت انگیز صفحہ

فینیقیا کے باشندوں نے اپنے بادشاہ بجلیون کے عہد میں شہر قرطاجنہ آباد کیا۔ قرطاجنہ کے معنی ہیں نیا شہر۔ یہ آبادی، شمالی افریقہ کے ساحل پر ٹیونس کے قریب قائم ہوئی تھی۔ فینیقیا کی کمزوری کے بعد قرطاجنہ نے عروج حاصل کیا اور بتدریج بحر ابیض کی تجارت کا مالک بن بیٹھا۔ اُس کا جنگی بیڑہ، روم کے بیڑے سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ سسلی سے جبل طارق تک اُن کا اقتدار قائم تھا۔ مراکش، الجزائر اور ٹیونس کے اکثر حصے اُن کے قبضے میں آگئے تھے۔ اسپین، سسلی، سرڈانیا، کارسیکا مفتوح یا زیر اثر تھے۔ تجارت نے بہت وسعت اختیار کرلی تھی۔ پوری قوم، دولت سے مالامال ہو رہی تھی۔ لیکن روم کو اس سے سخت حسد تھا اور برابر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں تین جنگیں سب سے زیادہ اہم ہیں۔

پہلی جنگ

یہ جنگ ۲۶۴ء - ۲۴۱ء ق م میں ہوئی۔ روم نے اسے شروع کیا تھا۔ وجہ یہ ہوئی کہ روم نے سسلی میں شہر مسینی پر قبضہ کرلیا۔ یہ شہر قرطاجنہ کے تابع تھا۔ قرطاجنہ کے بحری اسطول نے روم کو سخت نقصان پہونچایا۔ یہ دیکھ کر روم نے بھی فوراً جنگی بیڑہ طیار کیا اور بحری جنگ شروع ہوگئی۔ لیکن جزائر ایجیت کے قریب قرطاجنہ والوں کو شکست ہوئی اور پورا سسلی، روم کے قبضہ میں آگیا۔

دوسری جنگ

اس شکست کے بعد قرطاجنہ کی تنخواہ دار فوج نے سرکشی شروع کی اور طوائف الملوکی پھیل گئی۔ لیکن اُسی زمانے میں ایک عظیم آدمی ہملکار ظاہر ہوا، تمام فتنوں کا سر کچل ڈالا، اور اسپین میں ایک عظیم الشان فوج، روم سے لڑنے کے لئے مرتب کی۔ کیونکہ اب روم سرڈینیا اور کارسیکا پر بھی قابض ہو چکا تھا۔

یہ جنگ، تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اسی میں ہنیبال نے ظہور کیا تھا جو دنیا کا مشہور ترین سپہ سالار تسلیم کیا گیا ہے۔ ہنیبال نے بچپن ہی میں اپنے باپ سے قسم کھائی تھی کہ عمر بھر روم کا دشمن رہے گا۔ اُس کی قسم سچی ثابت ہوئی۔ پوری زندگی، روم سے جنگ میں گزاری۔

رومانیوں کو یقین تھا کہ جنگ، اسپین میں ہوگی۔ اسی لئے انہوں نے اسپینی سرحدوں پر جنگی طیاریاں کی تھیں۔ لیکن ہنیبال، کوہ برانس کو عبور کرکے فرانس پہونچا اور فرانس سے الپس کے برفانی پہاڑوں کو عبور کرکے اچانک اٹلی کے میدانوں پر جا دھمکا۔ روم والے سخت متعجب ہوئے۔ اُنھیں ہرگز خیال نہیں گزرا تھا کہ اس طرح کوئی فوج حملہ آور ہوگی۔

ہنیبال نے روم کو سخت شکستیں دیں۔ ترازمین کا معرکہ، جو ۲۱۷ء ق م میں واقع ہوا، بہت ہولناک تھا۔ اس کے ایک برس بعد "کان" میں روم کو اور بھی زیادہ سخت شکست ہوئی۔ پوری فوج کٹ گئی۔ ہنیبال، اٹلی میں ۱۵ برس تک جنگ کرتا رہا۔ روم کے بالکل قریب تھا۔ مگر سخت کوشش کے باوجود بھی اُسے کسی طرح فتح نہ کرسکا۔

مسلسل جنگوں نے خود ہنیبال کو بھی بہت کمزور کر دیا تھا۔ اُس نے قرطاجنہ، کمک کے لئے لکھا۔ فوراً اُس کا بھائی ہزدروبال ایک فوج لے کر روانہ ہوا۔ مگر دریائے متورس پر رومانیوں نے اُسے روک لیا۔ جنگ کی۔ اُسے قتل کر ڈالا، اور پوری فوج برباد ہوگئی۔

اس اثناء میں رومانیوں نے ہنیبال کو چھوڑ کر خود قرطاجنہ پر چڑھائی کردی۔ قرطاجنہ والوں نے ہنیبال کو مدد کے لئے بلایا وہ فوراً چلا۔ مگر ۲۰۲ء ق م میں قرطاجنہ کے قریب ہی اُسے رومی سپہ سالار شیون نے سخت شکست دیدی۔

اب قرطاجنہ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ صلح کی درخواست کرے۔ روم نے صلح کی شرطیں یہ پیش کیں کہ قرطاجنہ اپنا پورا جنگی بیڑا اور بحر احمر میں اپنے تمام جزیرے اور اسپین میں تمام مقبوضات، روم کے حوالے کردے۔ نیز کبھی کسی سے جنگ نہ کرے۔ قرطاجنہ، یہ ذلت قبول کرنے پر مجبور تھا۔ لیکن ہنیبال نے انکار کردیا۔ وہ ملک بدر ہو گیا۔ سیریا اور مقدونیا کے بادشاہوں کو روم کے خلاف جاکر کھڑا کردیا۔ اُن کی فوجوں میں لڑتا رہا۔ لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی آخر اُسنے ۱۸۳ء ق م میں زہر کھا کر خودکشی کرلی۔

تیسری جنگ

(۱۴۹ء - ۱۴۶ء ق م)

یہ قرطاجنہ اور روم کی آخری لڑائی تھی۔ مگر تاریخ میں اول درجے کی لڑائی سمجھی جاتی ہے، کیونکہ اس میں مغلوبوں نے ہمت و شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے جو آجتک تمام محبان آزادی کے لئے نمونہ بنے ہوئے ہیں۔

اس جنگ کی وجہ عجیب تھی۔ ظلم و حرص کی آخری حد تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ روم کے ایک شریف کاتو نے قرطاجنہ میں سیاحت کی اور یہ دیکھ کر جل گیا کہ مسلسل جنگوں اور شکستوں کے بعد بھی قرطاجنہ بہت خوشحال اور آباد ہے۔ اُس کی تجارت و ثروت روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ وہ روم واپس آیا اور رومانی مجلس شیوخ کے سامنے حسب ذیل تقریر کی۔

"دیوتاؤں کا ہم پر بڑا فضل ہے کہ ہمیں ایسی سرسبز اور دولتمند سرزمینوں کا مالک بنایا ہے۔ ہمارے ملک کا موقعہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ

الہلال کے ابتدائی نمبر

الہلال سلسلۂ جدید کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر ۱ - سے ۵ تک

بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دوگنی قیمت پر خریدنے کے لئے طیار ہیں۔ دفتر کو اطلاع دیجائے۔ منیجر

ہو جیسا دادی کا اپنی پوتی کے مقابلہ میں ہوتا ہو۔ گفتگو کچھ اس طرح کی ہو کہ وہ دونوں اُس میں سنجیدگی سے مصروف ہیں مگر ہم سننے والے ہنسی سے لوٹے جاتے ہیں!

اچانک موسیقی کا اُستاد آتا ہو۔ بہت خوش ہو۔ مگر خوشی نے کچھ اضطراب بھی پیدا کر رکھا ہو۔ وہ تاثر سے بے اختیار رونے لگتا ہو۔ ایسا رونا جو تماشائیوں کو ہنسانے والا ہو۔ ماں کو اُس کی بیٹی کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہو۔ پھر اس کامیابی کی نقل اُتار کر دکھاتا ہو اور وہ نغمے سناتا ہو جن سے لڑکی نے سامعین کا خراج تحسین وصول کیا تھا۔

ماں خوش ہو۔ لیکن ساتھ ہی غیر مطمئن بھی ہو۔ کیونکہ تھیٹروں کی آب ہوا ناپسند کرتی ہو اور دل سے چاہتی ہو کہ لڑکی کسی اور کام میں لگتی۔ اُستاد موسیقی بھی خوش ہو۔ لیکن ساتھ ہی خوفزدہ بھی ہو۔ کیونکہ ڈرتا ہو، مبادا الین دولتمند مداحوں کے دام میں پھنس کر اُن کی ہو رہے۔

(۳)

ماں اپنی لڑکی کے عاشق کا خوف محسوس کرتی ہو۔ ساتھ ہی اُس کی اخفاء راز کی کوشش کو بھی محسوس کرتی ہو۔ دونوں گو مگو حالت میں ہوتے ہیں کہ لڑکی اٹکھیلیاں کرتی، ہنستی کھیلتی، جوش میں بھری دوڑی آتی ہو۔ ماں کو پیار کرتی ہو۔ عاشق کے سامنے آتی ہو اور تسکریہ ادا کرتی ہو۔

لیکن اِن کی قسمت میں عوت کا لطف تنہا اُٹھانا نہ تھا۔ تھیٹر کا منیجر ایک دولتمند رئیس کے ساتھ آموجود ہوتا ہو۔ دونوں لڑکی کو اُس کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں اور کھیل کود کے ایک بڑے جائے خانہ میں گھڑی بھر ساتھ بیٹھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اُن کی گفتگو کے انداز سے پتہ چلتا ہو کہ لڑکی پہلے ہی دعوت قبول کر چکی تھی۔ مگر اب پس و پیش کرتی ہو اور عاشق کو ساتھ نہ لے جانا خلاف مروت خیال کرتی ہو۔ آنے والے اسے محسوس کرتے ہیں اور فوراً عاشق کو بھی مدعو کرتے ہیں وہ انکار کرتا ہو۔ یہ اصرار کرتے ہیں۔ لڑکی بھی ضد کرتی ہو۔ مجبوراً اقرار کر لیتا ہو۔ آنے والے جلد موٹر بھیجنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔

عاشق معشوق کمرے میں تنہا ہیں۔ اب وہ منظر سامنے آتا ہو جو ہنساتا بھی ہو اور رنج بھی دیتا ہو۔ عاشق، دعوت کا لباس پہنتا ہو مگر کوئی کپڑا بھی درست نہیں۔ سب اتنے پھٹے پرانے ہیں کہ شرم سے عرق عرق ہو جاتا اور دلی رنج محسوس کرتا ہو۔ لیکن بناوٹی خوشی کا اظہار بھی کرتا ہو۔ تمام جا بجا سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ایک تمام ملتا ہو تو دوسرے کا پتہ نہیں۔ الین بھی اپنی آرائش میں مصروف ہو۔ تھیٹر کے منیجر نے رقص کا لباس عاریتہً دیدیا ہو۔ اُسی کو پہنتی ہو اور حسن کی دیوی معلوم ہوتی ہو۔ مگر اُس کی بھی زینت کا تمام سامان موجود نہیں۔ وہ جھنجھلاتی ہو لیکن اپنے عاشق کی اندرونی تکلیف محسوس کر کے مصنوعی تبسم دکھاتی ہو اور تسلی دیتی ہو۔ عاشق وعدہ کرتا ہو کہ آیندہ دونی محنت کرے گا اور اُس کی ضرورت کی تمام چیزیں جلد مہیا کر دے گا۔

موٹر آگئی۔ ماں کو دیکھو کیسی خوش ہو؟ بیٹی کے حسن پر قربان ہوئی جاتی ہو۔ لو، اُس کے پیچھے چلی جاتی ہو۔ لٹکے ہوئے دامن اُٹھائے ہو کہ لڑکی کا لباس سیڑھی کے غبار سے میلا نہ ہو جائے کمسن خادمہ شوق خدمت میں موم بتی لئے آگے آگے چل رہی ہو۔ عاشق کو دیکھو، چہرہ اُترا ہوا ہو مگر خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔ دل رو رہا ہو مگر لبوں پر مصنوعی تبسم نمایاں ہو!

(۴)

دوسرے وقفہ کے بعد انقلاب حال شروع ہو جاتا ہو۔ تمھاری آنکھوں کے سامنے اب ایسے لوگ ہیں جنھیں بمشکل پہچان سکتے ہو۔ دولت و عشرت نے اُنکے اطوار اور انداز بدل دئیے ہیں۔ اب غربت کی مسکینی کہیں نظر نہیں آتی۔ الین کے کمال نے بڑی شہرت حاصل کی ہو۔ ہر جگہ مقبول ہو۔ دنیا مسکرا کے قدموں سے لپٹ گئی ہو۔ شب و روز ہن برس رہا ہو، کسی کو بھی افلاس کی شکایت باقی نہ رہی۔ اب نازنین کی ماں وہ بڑھیا ادھیڑ عورت نہیں ہو جسے ہم نے پہلی فصل میں دیکھا تھا۔ اب اُس کے چہرہ پر شباب کی رونق لوٹ آئی ہو۔ نئے فیشن میں ملبوس ہو۔ گفتگو کی طرز بھی بدل گئی۔ اب وہ پیرس کی خاتون ہو آواز میں بھی بڑا تغیر ہو گیا۔ اب وہ خوش گلو ہو۔ حرکات و سکنات بھی پہلے سے نہیں رہیں۔ اب پھرتیلی اور چست و چالاک ہو۔ اُستاد موسیقی بھی اب وہ پہلے کا خستہ حال، پژمردہ، گویا نہیں رہا۔ اب وہ ایک خوش حال رئیس ہو، بھاری بھرکم، سنجیدہ، باوقار! سب سے بڑھ کر یہ کہ اب اپنی محبوبہ الین کا شوہر ہو۔ صرف یہی لوگ نہیں، بلکہ ان کی غریب خادمہ بھی بالکل بدل گئی ہو۔ ایک نئے نوکر کا بھی اضافہ ہوا ہو۔ پیرس کا وہ حقیر گھر بھی نہیں رہا جو موم بتی سے روشن کیا جاتا تھا اور جس کی زمین دامن میلے کر ڈالتی تھی۔ اب وہ سمندر کے خوش منظر ساحل پر ایک شاندار عمارت میں ہیں۔ ہر موسم گرما میں الین کے دوستوں اور قدر دانوں کا یہاں ہجوم رہتا ہو۔ تمام چوٹی کے آدمی جمع ہوتے ہیں۔

ہم تھیٹر کے منیجر اور اُس کے مالدار ساتھی کو چند اور دوستوں کے ہمراہ الین کے گھر بار بار آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ وہ بیٹھتے ہیں کھیلتے ہیں، مذاح کرتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں۔ الین کا شوہر مطمئن اور خوش ہو۔ اپنے دوست سے شکر گزاری کے لہجہ میں کہتا ہو "خدا کی مشیت یہی تھی کہ میں مالدار ہو جاؤں۔ میں عنقریب ایک موسیقی آمیز قصہ لکھنے والا ہوں جو ضرور مقبول ہوگا۔ میرا تعلق ایک بڑے اخبار سے بھی ہو گیا ہو جسمیں موسیقی پر نقد کیا کروں گا"

گفتگو جاری تھی کہ الین کے دوست آگئے۔ اُستاد موسیقی انکے دوست کے ساتھ کسی کام سے باہر چلا گیا۔ الین اپنے دولت مند قدر دان کے ساتھ تنہا کمرہ میں ہو۔ باقی احباب ملاقات کے ایوان میں بیٹھے ہیں۔ گھر کے مالک کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ الین اور اُس کے دوست میں گفتگو چھڑتی ہے۔ عجیب صورت حال! دونوں عاشق ہیں! عورت اپنے شوہر سے خیانت کر رہی ہو۔ اب معلوم ہوا اس تمام دولت کا سرچشمہ یہی خیانت ہو!

اسوقت ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہو کہ الین کا آشنا اُس کے غبی شوہر سے تنگ آگیا ہو۔ اس لئے تنگ ہو کہ اپنی آشنا سے دل کھول کر متمتع ہونا چاہتا ہو۔ مگر یہ غبی شوہر بیچ میں سد راہ ہو جاتا ہو!

یہ شوہر واقعی غبی ہو، یا غباوت ظاہر کرتا ہو؟ یہ مصنوعی غباوت اس لئے تو نہیں کہ دولت سے فائدہ اُٹھائے؟

مالدار فاسق کا یہی خیال ہو۔ مگر الین اسے ماننے سے انکار کرتی ہو۔

(۵)

دونوں تخلیہ میں ہنسی مذاح کر رہے تھے کہ باہر دوستوں کی آواز بلند ہوئی "حضرت آگئے! حضرت آگئے!"

دونوں ہوشیار ہو گئے۔ شوہر گھر میں داخل ہوا۔ احباب رخصت ہوئے۔ اب میاں بیوی تنہا ہیں۔ دونوں میں باتیں ہوتی ہیں شوہر کی اُداسی نمایاں ہو۔ بیوی وجہ پوچھتی ہو وہ پس و پیش کرتا ہو پھر بتاتا ہو کہ لوگ اُسے "الین کا شوہر کہتے ہیں" اُس کا نام نہیں لیتے یہی نہیں بلکہ اُسے دیکھ کر مسکراتے ہیں، آنکھیں مارتے ہیں۔ اشارے کرتے ہیں۔ لہذا اُسے کچھ شک ہو۔ بیوی اپنے تمام چلتر اور حسن کی دلفریبیاں کام میں لاتی ہو۔ شوہر کے شکوک دور کرنا چاہتی ہو۔

اب دیکھو، شوہر تنہا ہو۔ بیوی کا بٹوا کھول رہا ہو۔ اُسمیں ایک بڑی رقم موجود ہو۔ اُس کا شبہ اور زیادہ ہو جاتا ہو، وہ سوچتا ہو کل الین جوئے میں بہت روپیہ ہار گئی لیکن اسے خبر تک نہ دی شبہ اور بھی قوی ہو جاتا ہو۔ دیکھو اُسنے میز کا خانہ کھولا۔ قیمتی جواہرات کا کنٹھا ہاتھ میں لیا۔ یہ کہاں سے آیا؟ بیوی نے اس کا ذکر تک نہ کیا شک اب یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہو!

لیکن الین چالاک ہو۔ شوہر عاشق ہو۔ آسانی سے دھوکا دے سکتی ہو۔ چند میٹھی میٹھی باتیں تمام شکوک دفع کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ شوہر اپنے نوکر اور خادمہ سے بھی زیادہ غبی ہو۔ یہ دونوں سب کچھ جانتے ہیں۔

(۶)

تیسرے وقفہ کے بعد ہم الین کے شوہر کو اپنے دوست سے گفتگو میں مصروف پاتے ہیں۔ اب اُسے کامل یقین ہو گیا ہو۔ بیوی کی خیانت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔

اُسے یہ یقین اس طرح حاصل ہوا کہ الین اور اُس کے احباب نے تفریح کے لئے جانا چاہا۔ شوہر نے عذر کیا اور کسی بہانہ سے گھر ہی میں رہ گیا۔ اُن کی روانگی کے بعد خود بھی تعاقب میں پوشیدہ چلا اُسنے احباب کے ساتھ الین اور اُس کے مالدار آشنا کو نہیں پایا۔ دونوں دن بھر کہیں غائب رہے۔

بدنصیب شوہر سخت اُداس ہو۔ لیکن اپنے کو سنبھالے ہوئے ہو دوست سے کہتا ہو "موجودہ شرمناک صورت حال ناقابل برداشت ہو۔ میں اس زندگی سے بیزار ہوں۔ اپنی سابق غریبانہ مگر شریفانہ زندگی کی طرف لوٹ جانا چاہتا ہوں۔ لیکن واپسی سے پہلے ایک کھیل کھیلنا چاہتا ہوں۔ بہت ہی دردناک کھیل!"

احباب، سیر سے واپس آگئے۔ الین اور اُس کا آشنا بھی ہمراہ ہو۔ سب اپنے اپنے مشاہدے بیان کر رہے ہیں۔ شوہر دل میں کٹا جاتا ہو، مگر ظاہر میں دلچسپی کا اظہار کر رہا ہو۔ ہنسی خوشی سب کی سنتا ہو۔ سب اُسے بیوقوف بنا رہے ہیں اور سمجھتے ہیں وہ کچھ نہیں سمجھتا!

(۷)

رخصت کا وقت آگیا۔ سب اس قرارداد کے ساتھ جانے لگے کہ ہوٹل میں رات کے کھانے پر جمع ہونگے۔ لیکن الین کے شوہر نے اپنی بیوی کے آشنا سے چند لحہ ٹھہرنے کی درخواست کی۔ کمرہ میں صرف تین شخص رہ گئے: میاں، بیوی، اور اُس کا آشنا۔ اس وقت وہ مؤثر منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہو جو شوہر سے گہری ہمدردی، بیوی سے شدید نفرت، اور آشنا پر سخت غصہ کے جذبات پیدا کر دیتا ہو۔

غضبناک مایوس شوہر کو دیکھو! وہ اپنا اور اپنی شرافت کا انتقام لینا چاہتا ہو۔ لیکن بالکل نئے قسم کا انتقام! وہ کسی طرح کا تشدد کرنا پسند نہیں کرتا۔ انتقام میں بھی نرم اور بردبار رہنا چاہتا ہو۔

دیکھو، بیوی اُٹھ کر دوسرے کمرہ میں چلی گئی۔ اب دونوں رقیب رُو در رُو بیٹھے ہیں۔ شوہر اپنی بیوی کے عاشق سے گفتگو کرتا ہو۔ بغیر کسی تمہید کے ظاہر کر دیتا ہو کہ "میں سب کچھ جانتا ہوں" عاشق مبہوت ہو کر رہ جاتا ہو۔ حواس بجا کر کے ڈرتے ڈرتے پوچھتا ہو "تو کیا ارادہ ہو؟" اُسے یقین تھا، جواب میں "مبارزت!" سنے گا۔ مگر یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہو کہ شوہر کچھ نہیں چاہتا موجودہ صورت حال پر رضامندی کا اظہار کرتا ہو۔ حیرت فوراً

اشتہار کے لئے

ہم بحری تجارتی قوم ہیں اور وہ تمام ممالک جہاں ہم تجارت کرتے ہیں ہمارے زیر اثر رہیں تاکہ ہمارا مال محفوظ رہ سکے۔ ہم نے دیوتاؤں کی مرضی پوری کی اور اپنے اقتصادی و جنگی اقتدار کا دائرہ وسیع کرنے لگے۔ لیکن وہاں دُور افق میں ایک ملک قرطاجنہ موجود ہے۔ اس کے پاس بڑی دولت، بڑی فوج، بڑا بیڑہ ہے۔ اُسنے ہر طرف تجارت پر قبضہ کر رکھا ہے اور ہر جگہ ہماری راہ روک رہا ہے۔ لہٰذا دیوتاؤں کی مشیئت کامل طور پر پوری کرنے کے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ ہم اس قوم کا بالکل قلع قمع کرڈالیں۔ ہم نے علاوہ دو مرتبہ اُس پر سخت ضربیں لگائیں، لیکن میں ابھی ابھی وہاں سے آرہا ہوں۔ اپنی ان دونوں آنکھوں سے اُس کی حالت دیکھ چکا ہوں۔ وہ اب بھی بہت مالدار، باحوصلہ، طاقتور اور ہمارے لئے دائمی خطرہ بنی ہوئی ہے۔ لازمی ہے کہ قرطاجنہ کو بالکل پامال کردیا جائے!"

مجلس نے مقرر کی تجویز بڑی خوشی سے منظور کرلی اور کسی "جائز سبب" کی جستجو شروع کردی۔

اتفاق سے اُسی زمانے میں ایک بربر بادشاہ سے قرطاجنہ کو جنگ کرنا پڑی۔ روم نے یہ جنگ خلاف معاہدہ قرار دی اور قرطاجنہ پر حملہ کردیا۔ شکست کے بعد قرطاجنہ نے اپنے معززین کے تین سو لڑکے، تمام جہاز، اور تمام ہتیار، روم کے حوالہ کردئے۔ کیونکہ صلح کی یہی شرط تھی مگر روم کا ارادہ دوسرا ہی تھا۔ اُسنے دیکھا اب قرطاجنہ بالکل بے بس ہوگیا ہے۔ چنانچہ مطالبہ کیا کہ فوراً شہر خالی کردیا جائے اور باشندے سمندر سے ۱۰ میل دُور ہٹ کر ایک نیا شہر بنا کے رہیں۔

یہ شرط قرطاجنہ والوں نے منظور نہیں کی اور از سرِ نو جنگ پر تُل گئے۔ اُنھوں نے شہر کے دروازے بند کرلئے اور تیاریاں کرنے لگے۔ ایک مقرر نے بازار میں کھڑے ہوکر تقریر کی:

"دیوتا ہماری قوم پر ہمیشہ مہربان رہے اور ہمیں سرخرو، سربلند اور مالامال رکھا۔ لیکن روم کے ذلیل النفس اور سنگدل کمینے ہم پر حسد کرتے ہیں اور مدت سے ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے خونریزی ختم کرنے کے لئے ایسی شرطیں منظور کرلی تھیں، جنھیں کوئی شریف قوم منظور نہیں کرسکتی۔ لیکن اب وہ ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنا وطن بھی اُن کے حوالے کردیں۔ یہ ناممکن ہے۔ ہم مرجائینگے مگر یہ مقدس زمین دشمن کے حوالے نہیں کرینگے!"

قرطاجنہ میں سخت جوش پھیل گیا تھا، مگر ہتیار موجود نہ تھے۔ باشندے سخت متفکر تھے کہ مقابلہ کا کیا سامان کریں؟ اتنے میں ایک طرف سے شور غل بلند ہوا۔ اُنھوں نے خیال کیا دشمن گھُس آیا مگر وہ دشمن کا شور نہ تھا، خود قوم کے نوجوان، ہتیار بنانے کے لئے لوہا جمع کرتے پھرتے تھے۔ انہیں دیکھ کر اور لوگ بھی ساتھ ہوگئے اور عبادت خانوں، عمارتوں، مکانوں میں جتنا لوہا بھی مل سکتا تھا جمع کرلیا، حتیٰ کہ دروازوں سے کیلیں تک نکال لیں۔ پھر فوراً تمام لوہا پگھلا کر تلواریں بنائی گئیں۔ عورتوں نے اپنی چوٹیاں کاٹ دیں تاکہ کمانوں کے لئے کام آئیں۔ لاچار اور بوڑھے عبادت خانوں میں بتوں کے سامنے گر پڑے اور فتح و نصرت کی دعائیں کرنے لگے۔

نئے ہتیار لے کر قرطاجنہ کے باشندے میدان میں نکلے اور رومیوں سے لڑائی شروع کردی۔ لیکن سخت جدّوجہد کے باوجود بھی کامیاب نہ ہوسکے۔ شکست کھائی اور واپس ہوکر شہر کے دروازے بند کرلئے۔ روم والوں نے اب خود شہر پر حملہ شروع کیا اور ایک خونیں معرکے کے بعد اندر گھس پڑے۔ مگر شہر اب بھی مفتوح نہیں ہوا کیونکہ باشندے ہر سڑک پر مورچے لگائے کھڑے تھے۔ جب روم والوں نے یہ مورچے بھی چھین لئے تو اب گھروں میں لڑائی شروع ہوئی۔ ایک ایک گھر پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے روم والوں کو خون بہانا پڑا۔

• لیکن قرطاجنہ والوں کی شجاعت اور ثابت قدمی کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وہ بالکل مغلوب ہوگئے۔ مغلوب ہی نہیں، سب کے سب قتل کرڈالے گئے۔ تھوڑے ہی آدمی زندہ بچے مگر وہ قید ہوگئے۔

فتح حاصل کرنے کے بعد روم والوں نے قرطاجنہ میں آگ لگادی کامل سترہ دن تک شہر جلتا رہا۔ اٹھارویں دن، شہر نہ تھا۔ راکھ کے انبار پڑے تھے اور ہوا میں اُڑ رہی تھے۔

قرطاجنہ کی یہ شکست، تاریخ میں ابتک فتح شمار کی جاتی ہے کیونکہ اُسنے آزادی کی راہ میں موت پسند کی۔ غلامی کی زندگی گوارا نہیں کی

زرقاء بنت عدی دربار خلافت میں

ایک دن امیر معاویہؓ نے اپنے دربار میں زرقاء بنت عدی کا ذکر کیا۔ یہ جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے طرف تھی، اور فوج کو جنگ کی ترغیب دے رہی تھی۔

"زرقاء کی تقریر کسے یاد ہے"؟ امیر نے اپنے درباریوں سے سوال کیا۔

"ہم سب کو یاد ہے" درباریوں نے جواب دیا۔

"اُس کے بارے میں تمھارا کیا مشورہ ہے؟" امیر نے پوچھا۔

"اُسے قتل کرڈالئے" سب نے کہا۔

"بدترین مشورہ ہے" امیر نے کہا "کیا میرے جیسے شخص کے لئے روا ہے کہ حاکم ہوچکنے کے بعد لوگ کہیں اُسنے ایک عورت قتل کرڈالی؟"

پھر اپنے کاتب کو بلا کر حکم دیا کہ عامل کوفہ کو لکھ بھیجے۔ زرقاء کو پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ میرے پاس روانہ کردو۔

چنانچہ زرقاء دربار میں حاضر ہوگئی۔

"اہلاً و مرحبًا!" امیر نے زرقاء کو دیکھ کر کہا "خوب آئیں! خالہ کیسا مزاج ہے؟"

"اچھی ہوں۔ راہ میں بڑا آرام ملا" زرقاء نے جواب دیا۔

"جانتی ہو میں نے تمھیں کیوں بلایا ہے؟"

"میں دلوں کا حال کیونکر جان سکتی ہوں؟ وہ خدا ہی ہے جو غیب کا علم رکھتا ہے"

"میں نے تمھیں صرف یہ دریافت کرنے کے لئے بلایا ہے کہ تم جنگ صفین میں سُرخ اونٹ پر سوار تھیں اور دونوں صفوں کے درمیان پکار پکار کر بہادروں کو جوش دلاتی پھرتی تھیں۔ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟"

"اے امیر المومنین! سر مرگیا۔ دُم کٹ چکی۔ زمانہ بدل گیا! آنکھ والوں کے لئے عبرتیں ہیں۔ آج کے بعد کل ہے۔ دن کے بعد رات ہے" زرقاء نے جواب دیا۔

"سچ ہے" امیر نے کہا "مگر تمھیں اپنی صفین والی تقریر یاد ہے؟"

"نہیں"

"لیکن مجھے یاد ہے" امیر نے کہا "واللہ میں نے سُنا تم کہہ رہی تھیں:

"اے لوگو! تم ایک ایسے فتنے میں پڑگئے ہو جس میں ظلم کی چادریں تم پر پھیل گئی ہیں اور صراط مستقیم سے تمھیں ہٹادیا ہے۔ یہ ایک اندھا گونگا فتنہ ہے جسمیں نہ کوئی کسی کی سُنتا ہے نہ کسی کو دیکھتا ہے۔ اے لوگو! چراغ، سورج کے سامنے روشنی نہیں دیتا۔ ستارہ، چاند کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا، خچر، اصیل گھوڑے پر سبقت نہیں کرسکتا۔ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ جو ہدایت کا طالب ہے، ہم سے ہدایت لے، جو یقین چاہتا ہے، ہم سے یقین لے۔ حق گم ہوچکا تھا، مگر اب مل گیا ہے۔ پس اے مہاجرین و انصار ثابت قدم رہو۔ شگاف بھر گئے ہیں، ٹوٹا، جڑ گیا ہے۔ کلمۂ عدل قائم ہوچکا ہے۔ حق، باطل پر غالب ہے۔ کوئی جلد بازی کرکے یہ نہ کہنے لگے کہ کیسے؟ اور کیونکر؟ خدا کی مشیئت ضرور پوری ہوکر رہے گی۔ عورتوں کا رنگ، مہندی ہے، مردوں کا رنگ، خون ہے، صبر و ثابت قدمی کا نتیجہ ہمیشہ محمود ہوتا ہے۔ ہاں بڑھو! جنگ کی طرف بڑھو! سینے تان کر بڑھو! پیچھے قدم نہ ہٹے! آج کے بعد کوئی دن نہیں!"

"اے زرقاء!" امیر نے تقریر ختم کرکے کہا "تم ہر خون میں علیؓ کی شریک بن چکی ہو"

"اللہ امیر المومنین کی بشارت صحیح ثابت کرے" زرقاء نے کہا۔

"تو کیا یہ بات تمھیں پسند آئی؟" معاویہ نے سوال کیا۔

"ہاں مجھے بہت پسند آئی۔ خدا میرے عمل سے اُس کی تصدیق کردے"

"واللہ علی کی موت کے بعد تمھاری اُس سے یہ محبت، زندگی میں اُس کی محبت سے کہیں زیادہ مجھے پسند ہے" امیر معاویہ نے کہا "اپنی حاجت بیان کرو"

"میں نے قسم کھائی ہے کہ کبھی کسی امیر سے کوئی خواہش نہیں کروں گی" زرقاء نے کہا۔

معاویہ نے ایک زمین، جاگیر میں دی۔ زرقاء کو پہلے ہی سال اُس سے دس ہزار درہم آمدنی ہوئی۔

(بلاغات النساء و عقد الفرید وغیرہ)

گر آپ

علم وکتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہونچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں
شایع ہوتا ہے
یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پُرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے سلسل سلسلے
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجے کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں سے ہر چھ ماہ
کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دُنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو

"شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے!

ایسی

مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop Guide
To Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر سنہ ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟ قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

(منیجر الہلال کلکتہ)

اگر آپکو

دمہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب

دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

۱۹۲۷

نمبر ۲۲ جلد ۱

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۱۱ ۵ - اله

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

لا تهنوا و لا تحزنوا و انتم الاعلون ان كنتم مومنين (القرآن الحكيم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۲ — کلکته : جمعه ۲۲ ـ جمادی الاولی ۱۳۴۶ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 18 November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافته طریق طباعة نہین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وہ هین جن مین الهلال چھپتا هی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .
الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۶۵۰ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۴۲	اردو حروف کی حق مین	۴۴۰
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۶۳۰	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۷۸	نستعلیق هون	۱۵۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آیندہ اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین . الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول - -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے - -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي - - -	سات روپیه
قیمت في پرچه - - -	پانچ آنه

---

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جارہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

متعلق کہا تھا " اُس وقت دنیا میں کوئي دو شخص ایسے خوش نصیب نہ تھے جیسے هم دونوں تھے - هم ایک ایسي پاک محبت کے مزے لوٹ رهے تھے ' جیسي خواب میں بھي کسي انسان نے نہ دیکھي هوگي ... اکثر هم دونوں باغوں میں چلے جاتے اور درختوں پر چڑھتے اترتے - بارها هم دن دن بھر مخلوق کي نظروں اور شہر کے شور و غل سے دور بیٹھے باتیں کیا کرتے تھے ! "

لیکن امتداد زمانہ نے نپولین کے دل سے اِس دوشیزہ کي یاد محو کردي اور اُسے اپني ایک هم وطن لڑکي سے عشق هوگیا - نپولین شروع هي سے مستبد تھا - اُس نے اپني محبوبہ کو سختي سے حکم دیدیا کہ اُس کے سوا کسي کو بھي مسکرا کر نہ دیکھے - لڑکي کے دل میں اِس جابرانہ حکم سے نفرت پیدا هوگئي ' اور اُس کے پنجے سے نکلنے کے لیے اُس نے ایک دن شراب میں زهر ملا دیا - اور نپولین مرتے مرتے بچا !

(ادھیڑ عورت سے عشق)

اِس واقعہ سے کچھہ عرصہ بعد نپولین کو ایک ادھیڑ عورت " میڈیم پرمون " سے محبت هوگئي ' اور اس قدر بڑھي کہ ایک لمحہ بھي اُس کي جدائي گوارا نہ تھي - ایک دن نپولین نے اُس سے باضابطہ شادي کرلینے کي درخواست کي - عورت نے اِس خواهش پر زور سے قہقہہ لگایا " تم بیوقوف هوگئے هو ! مضحکہ بننا چاهتے هو ! بھلا لوگ کیا کہینگے ؟ بیوي هونے کے بجائے میں تمهاري ماں بننے کے زیادہ قابل هوں ! " نپولین پر یہ بات بہت ناگوار گزري اور قطع تعلق کر لیا -

(نپولین کا طریق محبت)

ایک مورخ کا بیان هے کہ نپولین نے بے شمار عورتوں کا دل توڑا هے - اُس کي عادت تھي کہ تعلقات بڑھائے جاتا تھا ' اور جب عورت اُس کے دام محبت میں پھنس جاتي تھي ' تو بے اعتنائي سے بالکل چھوڑ دیتا تھا - چنانچہ " میڈیم ولسکا " پولینڈ کي ایک حسینہ کا واقعہ اِس بات کا کافي ثبوت هے - نپولین نے اِس عورت کو دیکھا اور لبھانا چاها - مگر اُس نے سخت نفرت کا اظہار کیا - نپولین نے اُسے قبضہ میں لانے کي بہت کوشش کي ' مگر وہ برابر بیزار رهي - آخر ایک دن غضبناک هوکر چلایا " تو دیکھہ لیگي - میں تجھے کس طرح زیر کرتا هوں ! تجھے میرے ارادہ کے سامنے جھکنا پڑیگا ! دیکھہ ' یہ میرے هاتھہ میں گھڑي هے ' جس طرح میں یہ گھڑي چور چور کیے ڈالتا هوں' اُسي طرح پولینڈ کا ملک بھي پاش پاش کرکے پھینک دونگا ! " اُس نے یہ کہا اور گھڑي زور سے دیوار پر مار دي - اِس حرکت کا عورت پر اِتنا شدید اثر هوا کہ وہ بے هوش هوکر نپولین کے قدموں پر گر پڑي -

لیکن چند دنوں کے بعد هي نپولین نے اُسے اُکتا کر چھوڑ دیا !

(محبت میں استبداد)

عشق و محبت کے میدان میں بھي اِس شخص کے ظلم و استبداد کے قصے مشہور هیں - چنانچہ کہا جاتا هے کہ غربت کے زمانہ میں جب نپولین اور اُس کا بھائي مارسیلز کے بازاروں میں پھرا کرتے تھے ' اتفاق سے ریشم کے ایک سوداگر " فرانسوا کلاري " کے خاندان سے اُن کا تعارف هوگیا - اِس تاجر کي دو لڑکیاں تھیں - بڑي کا نام " جولیا " تھا - چھوٹي کا " ڈیزیرا " - نپولین نے شروع میں جولیا کو پسند کیا اور اُس کے بھائي نے ڈیزیرا کو - تھوڑے دن بعد نپولین اپني محبوبہ سے سیر هوگیا ' اور بھائي کي محبوبہ پر قبضہ جمانا چاها - چنانچہ ایک موقعہ پر جب یہ چاروں عاشق و معشوق جمع تھے ' نپولین نے تحکمانہ انداز میں کہا " جوزف ! تم اور تمهاري محبوبہ دونوں غیر مستقل مزاج هیں - لیکن مجھہ میں اور میري محبوبہ میں استقلال هے - بہتر یہ هے کہ هم تم مبادلہ کر لیں تا کہ تمهارا نقص جولیا پورا کر دے ' اور میں ڈیزیرا کي کمي پوري کردوں " یہ عجیب و غریب فلسفہ بیان کرکے اُس نے اپنے بھائي کي محبوبہ کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور کسي کو بھي مخالفت کي جرات نہ هوئي !

لیکن تھوڑے هي زمانہ کے بعد نپولین نے محسوس کیا کہ عزت و عظمت کي راهیں اُس کے سامنے کھلي هوئي هیں - لہذا ڈیزیرا کو یک قلم چھوڑ دیا ' اور اُس کي منتوں اور آنسوؤں کا ذرا بھي خیال نہ کیا -

(جوزیفائن سے عشق)

اُس کي طبیعت کچھہ ایسي بیچین واقع هوئي تھي کہ ایک هي حالت پر چلے جانا اُسے پسند نہ تھا - سابق محبت سے دست بردار هونے کے تھوڑے هي دنوں بعد وہ جوزیفائن پر فریفتہ هوگیا - واقعہ یہ هے کہ اکتوبر ۱۷۹۵ - میں جب نپولین بام عزت کي ابتدائي سیڑھیوں پر تھا ' اُس کے پاس ایک کم عمر لڑکا آیا ' اور اپنے باپ کي تلوار واپس مانگي - یہ لڑکا فرانس کے مشہور سپہ سالار وائکونٹ الکزنڈر کا بیٹا تھا جسے فرانسیسي انقلاب کے زمانے میں پھانسي دیدي گئي تھي - نپولین بچہ کي جرات و فصاحت سے بہت خوش هوا اور اُس کي درخواست منظور کر لی - دوسرے دن اُس کي ماں شکریہ ادا کرنے آئي - یہي جوزیفائن تھي - نپولین پہلي هي نظر میں اس پر عاشق هو گیا -

مورخین کا بیان هے کہ دوسرے دن خود نپولین جوزیفائن کے چھوٹے سے مکان پر گیا - جوزیفائن واقعي بہت خوبصورت تھي ' ساتھہ هي عقلمند بھي تھي - اُس نے محسوس کرلیا کہ نپولین اُس کي چشم و ابرو کا شکار هوگیا هے - چونکہ اسراف کي وجہ سے سابق شوهر کي تمام دولت خرچ کرکے مقروض هوچکي تھي' اِس لیے اس نے بھي اس نئي دعوت عشق کا پوري سرگرمي سے استقبال کیا اور تعلقات بڑھانا شروع کردیے - چند ماہ کي آمد و رفت کا نتیجہ یہ هوا کہ مارچ سنہ ۱۷۹۶ - میں جنرل بونا پارٹ اور جوزیفائن کي شادي هوگئي - دلہن کي عمر دولہا سے سات سال زیادہ تھي ' مگر نکاحنامہ میں اُس کي عمر ۲۹ - برس لکھي گئي اور نپولین کي ۲۶ برس !

شادي کے دو دن بعد نپولین کو اٹلي کے حملہ پر جانا پڑا - سخت مصروفیت تھي ' مگر جوزیفائن کي یاد هروقت تازہ رهتي تھي - هر منزل پر سے خط کے ساتھہ قاصد بھیجتا ' اور اپني حالت سے اُسے آگاہ کرتا رهتا تھا - پہلے خط میں لکھا تھا " جب جب اپنے دل پر هاتھہ رکھتا هوں ' تم اُس میں موجود ملتي هو جس سے مجھے بڑي تسکین هوتي هے - اِس دنیا میں اگر کوئي غم هے تو صرف تمهاري فرقت کا "

جوزیفائن کي تصویر هر وقت اُس کے پاس رهتي تھي - جب کہیں پڑاؤ ڈالتا تھا ' تصویر نکال کر سامنے رکھہ لیتا تھا - جب کوچ کرتا تھا تصویر جیب میں رکھہ لیتا تھا - بیان کیا جاتا هے کہ نیس میں اُس کے هاتھہ سے تصویر کا آئینہ چھوٹ کر ٹوٹ گیا - اِسے اُس نے فال بد سمجھا - قریب تھا کہ جوزیفائن کي طرف سے

مطبوعات جدیدہ

نپولین اور اسکی اخلاقی زندگی

(انسانی عظمت اور اخلاقی نامرادی)

میدان جنگ اور حجلۂ هوس !

انسان ذهن و جسم کی کتنی هی عظمتیں حاصل کرلے ، لیکن روح اور اخلاق کی ادنی سے ادنی پاکیزگی بهی حاصل نہیں کرسکتا ، اگر اُس کا اعتقاد اور عمل روحانی هدایت کی روشنی سے محروم هے !

انسان کے لیے یہ سهل هے کہ تمام دنیا فتح کرلے - سکندر نے دنیا کی تمام سلطنتیں تهہ و بالا کرڈالی تهیں - انسان کے لیے یہ بهی دشوار نہیں کہ ذهن و فکر کی ایسی بلندیوں تک پہنچ جائے جهاں تک دوسروں کے قدم نہ پہنچ سکے هوں - ارسطو ، اقلیدس ، سولن ، اور سنیکا جیسے فاتحین علم کی فتح مندیاں لا زوال هوچکی هیں ، اور دنیا منطق ، ریاضی ، قانون ، اور فلسفۂ اخلاق میں آج تک ان کی پس رو هے - انسان کی اولو العزمی ان بلندیوں پر بهی نہیں رکتی - کچهه مشکل نہیں اگر وہ آگ کے شعلوں میں کود پڑے ، سمندر کی موجوں کی هنسی اڑائے ، پہاڑوں کی صفیں چیر ڈالے - لیکن هاں ، یہ مشکل هے ، بہت هی مشکل هے ، کہ وہ اخلاق اور روحانی پاکیزگی کی راہ میں اپنی کسی ایک خواهش نفس کا بهی مقابلہ کرسکے - اس کی ساری اولو العزمی اور کوہ همتی جو دنیا کی ساری رکاوٹوں کا تن تنہا مقابلہ کرسکتی هے ، هوائے نفس کی ایک ادنی سی رکاوٹ بهی اپنی راہ سے هٹا دینے پر قادر نہیں هوتی - سکندر تمام دنیا کی تسخیر کی محنت سے نہیں تهکا ، لیکن بابل کی ایک عورت جب اس کے سامنے آئی ، تو اپنی خواهش نفس کے اضطراب سے بے بس هوکر گرگیا - سنیکا نے تمام نوع انسانی کو اخلاق اور اخلاقی سعادت کی دعوت دی ، لیکن خود اپنے آپ کو ایک دوسرے انسان کی منکوحہ عورت سے باز نہ رکهہ سکا - ارسطو کے دامن علم کے دهبے بهی دنیا گن چکی هے ، اور یونان کی ایک قدیم ضرب المثل همیں بتلاتی هے " بڑا انسان بنو - اگر نیک انسان نہیں بن سکتے " !

فی الحقیقت انسانی زندگی کی یہی اخلاقی اور عملی نامرادی هے ، جو الهامی هدایت کی کسی بالاتر قوت کی ضرورت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتی هے - انسان اپنے ذهن و جسم کی قوتوں سے سب کچهہ کرلے سکتا هے ، لیکن تکلف اور بناوٹ سے بهی اپنے آپ کو نیک نہیں بنا سکتا - اگر انسانی زندگی کی سعادت کیلیے اُس عملی صداقت کی کچهہ بهی ضرورت هے جسے نیکی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا هے ، تو ناگزیر هے کہ عام انسانی سطح سے کوئی بلند تر ذریعہ ارشاد و هدایت کا هو - مذهب اور الهام اسی ذریعہ هدایت کا نام هے -

(نپولین اعظم)

اٹهارهویں صدی میں نپولین بونا پارٹ کا ظهور بهی انسانی اولوالعزمی کا ایک عظیم ظهور تها - شاید هی یورپ کے کسی انسان کی نسبت دنیا نے اسقدر کہا اور سنا هو ، جسقدر اِس غیر معمولی انسان کی عجیب و غریب دماغی قوتوں کی نسبت کہہ سن چکی هے - تاهم انسانی عظمت کی اخلاقی نامرادی کا یہ کیسا عبرت انگیز منظر هے کہ یہی نپولین جب میدان جنگ سے باهر اپنے گهر کی محفوظ زندگی میں دیکها جاتا هے ، تو اِس میں اتنی قدرت بهی نظر نہیں آتی کہ نہایت ادنی درجے کی اخلاقی کمزوریوں سے اپنے آپکو باز رکهے !

حال میں جرمنی کے ایک اهل قلم گیرٹرڈ اریٹز Gertrude Aretez نے ایک کتاب " نپولین اور اُسکی دوست عورتیں " لکهی هے ، اور اُس میں مستند تاریخی ذرائع سے وہ تمام شهادتیں جمع کردی هیں جو نپولین کی عاشقانہ بو الهوسیوں سے تعلق رکهتی هیں - اِس کتاب کا انگریزی ترجمہ بهی شائع هوگیا هے ، اور دو تین هفتہ سے انگلستان اور یورپ کے اکثر اخبارات و رسائل کا موضوع بحث هے - هم اُس کی بعض تاریخی داستانیں قارئین الهلال کی عبرت و بصیرت کیلیے درج کرتے هیں -

(سولہ برس کی عمر میں عشق)

محبت کے باب میں نپولین کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا هے کہ " محبت کاهل آدمی کا دل بہلاوا هے " ممکن هے ، نپولین نے یہ اُس وقت کہا هو ، جب وہ پاک دامن تها - لیکن بعد میں — اگر مخالف مورخین کی روایت تسلیم کرلی جائے تو — اُس نے اِس قول کی بنا پر حسن و هوس کی زندگی سے اجتناب نہیں کیا ، وہ همشہ کسی نہ کسی حسینہ سے وابستہ رها -

آغاز شباب میں نپولین مارسیلز اور پیرس کی سڑکوں پر وہ پهٹے پرانے کپڑے پہنے پهرا کرتا تها - نہ تو اُس کی هیئت سے کسی کو دولتمندی کا شبہ هوسکتا تها ، نہ اُس میں ظاهری حسن و جمال هی کچهہ ایسا غیر معمولی تها کہ کسی کو اپنی طرف متوجہ کرلے - تاهم یہ واقعہ هے کہ اُس زمانہ میں بهی بکثرت عورتیں اُس پر عاشق هوگئی تهیں - کیونکہ فی الواقع اُس میں کوئی ایسی نامعلوم کشش موجود تهی ، جو دلوں کو لبها لیتی تهی - ممکن هے ، اُس کا شرمگیں انداز اور اُسکے پر غرور چہرہ کی عجیب اداسی اُس کے دیکهنے والوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دیتی هو -

کہا جاتا هے کہ نپولین سولہ برس کی عمر میں جب والنسا میں رهتا تها ، تو وهاں کی بہت سی حسین عورتیں اُس پر فریفتہ هو گئی تهیں - مگر خود اُسے بجز ایک کے کسی سے دلچسپی نہیں هوئی - اس دوشیزہ کا نام " کارولین کولومبیا " تها - وہ نہایت نازک اندام اور خوبصورت تهی - ایک مرتبہ خود نپولین نے اِس لڑکی کے

حجة ابراهیمی

آیۂ کریمہ " الم تر الی الذي حاج ابراہیم " کي تفسیر

قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآني اور غیر قرآني طریقہ

(از مولانا ابو الکلام)

(۲)

(۴) انبیاء کرام (علیہم السلام) حکماء کے وضعي طریق استدلال کي جگہ فطري طریق تلقین کیوں اختیار کرتے ہیں ؟ میں اسکي تشریح یہاں نہیں کرونگا ' کیونکہ اول تو یہ تحریر تشریح کي متحمل نہیں ' ثانیاً آیۂ زیر بحث میں بھي اسي حقیقت کي طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اسکي تشریح آگے آئیگي - البتہ ترتیب بیان کیلیے مختصر لفظوں میں یوں سمجھیے کہ :

اولاً ' انبیاء کرام کي تعلیم کا مقصود بحث و نظر نہیں ہوتا ' ایمان و یقین ہوتا ہے - ایمان و یقین کیلیے وضعي علوم کا طریق استدلال کسي حال میں بھي سود مند نہیں - انبیاء کرام کے تمام احکام کا دارومدار ما وراء محسوسات حقائق پر ہے جسے قرآن حکیم نے عالم " غیب " سے تعبیر کیا ہے - عالم " غیب " کے معاملات خلاف عقل نہیں ہیں مگر ما وراء عقل ضرور ہیں ' اسلیے انکا علم نظري استدلال کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف وجداني شہادت کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے - وہ وجداني شہادت جو فطرۃ انساني میں ودیعت کردي گئي ہے اور جسکا اذعان قدرتي طور پر ہر انسان کے اندر موجود ہے - پس انبیاء کرام کا طریق ارشاد یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کے وجدان سے خطاب کرتے ہیں ' نہ کہ مجرد ذہن و ادراک سے -

---

بیوي کے پاس لیجائے - لیکن جب ڈاکٹر ملکہ کے پاس پہنچا ' تو اسے ایک کانے عہدہ دار سے تعشق کرتے پایا - ملکہ نے نپولین کا پیغام سن کر کہا " میں نے اسکي محبت کبھي اپنے دل میں محسوس نہیں کي - اگرچہ میں یہ ہمیشہ یاد رکھنے پر مجبور ہوں کہ وہ میرے لڑکے کا باپ ہے "

مذکورۂ بالا عورتوں کے علاوہ اور بھي بہت سي عورتوں سے نپولین کو محبت ہوئي یا انہوں نے اس سے محبت کي - انمیں سب سے اہم اور قابل ذکر تین عورتیں ہیں - میڈیم پولین ' میڈیم تمي استایل ' اور مسنر اوڈل - ہم انکے واقعات بالاختصار بیان کرینگے -

---

ثانیاً ' ایک اصل عظیم اس باب میں یہ ہے کہ انبیاء کرام کا طریق تعلیم " مقدمات " کا طریقہ نہیں ہوتا - " براہ راست " تلقین کا طریقہ ہوتا ہے -

عام بول چال میں اس کا مطلب یوں سمجھنا چاہیے کہ کسي بات کے ثابت کرنے اور منوا دینے کے طریقے دو ہیں : ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے مخاطب سے چند ایسي باتیں منوالي جائیں جو گو اصل مدعا نہیں ہیں ' لیکن انکے تسلیم کرلینے کے بعد مدعا کا تسلیم کر لینا ضروري ہوجایگا - یہ طریقہ " مقدمات " کا طریقہ ہے - دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو بات مخاطب کے دل میں اتارني ہو ' وہ ایسي شکل و نوعیت میں بیان کر دي جاے ' کہ بغیر کسي دوسري بات کے سہارے کے ' خود بخود دل نشیں ہوجاے - اس بات کے سمجھنے ' مان لینے ' اور شک و انکار سے محفوظ ہوجانے کیلیے کسي دوسري بات کے سونچنے سمجھنے کي ضرورت ہي نہ ہو - یہ طریقہ " براہ راست " تلقین کا ہے - کیونکہ اس طریقہ میں اثبات مدعا کیلیے جو کچھہ کہا جاتا ہے ' مقدمات کا محتاج نہیں ہوتا - پہلا طریقہ علوم وضعیہ اور نظار کا ہے - دوسرا طریقہ طریق فطري اور انبیاء کرام کا ہے -

انبیاء کرام اگر اپني تعلیم میں مقدمات کا طریقہ اختیار کرتے ' تو ظاہر ہے کہ ان کا خطاب عام نوع بشر سے نہیں ہوسکتا تھا - کیونکہ بجز چند افراد کے جنہوں نے علوم وضعیہ کے طریقہ پر مقدمات کے بحث و نظر کي استعداد پیدا کرلي ہو ' عامۃ الناس نہ تو ان کي تعلیم سمجھہ سکتے ' نہ ایمان کے لیے مکلف ہوسکتے - انبیاء کے لیے ضروري ہوتا کہ وہ ایمان کي براہ راست دعوت دینے کي جگہ پہلے مدرسوں میں وضعي علوم کي تعلیم دیتے پھرتے ' پھر تعلیم کے بعد مقدمات ترتیب دیکر اثبات مدعا کي شکلیں بناتے ' پھر ان مقدمات میں سے ایک ایک مقدمہ پر لڑتے جھگڑتے - پھر جب مخاطب ان مقدمات کے جال میں الجھہ جاتا ' تو اسے بے بس کرکے اقرار کرا لیتے - یہ طریقہ حکماء کي بحث و نظر کا ہے - " دعوت " کا نہیں ہے - اور انبیاء کرام " داعي " ہوتے ہیں - " مناظر " اور " نظار " نہیں ہوتے !

ثالثاً ' مقدمات کا طریقہ جیسا کچھہ بھي ہو ' یقین نہیں پیدا کر سکتا ' عجز پیدا کر دیتا ہے ' اور دونوں میں فرق ہے - انبیاء اپنے مخاطبین میں یقین پیدا کرنا چاہتے ہیں - بحث میں عاجز کرکے چپ کرا دینا نہیں چاہتے - مقدمات کا طریقہ پیچ در پیچ اور چند در چند نظري مسلمات پر مبني ہوتا ہے - اگر مخاطب اس پیچ و خم کا شاطر نہیں ہے ' تو بہت جلد لاجواب ہوکر چپ ہوجائیگا - یہ " چپ ہو جانا " نہ کہ " مطمئن ہوجانا " طریق مقدمات میں مناظر کي فتح سمجھي جاتي ہے - لیکن انبیاء کرام زبان نہیں ' دل جیتنا چاہتے ہیں ' اور زبان کے بے بس ہو جانے سے دل میں یقین نہیں پیدا ہو جاتا - تم ایک تیز زبان آدمي سے گفتگو میں بازي نہیں لیجا سکتے ' اس لیے ہار مان لیتے ہو ' مگر اس سے دل کا اعتقاد تو نہیں پیدا ہو جائیگا ؟

رابعاً ' مقدمات کے طریقہ کا تمام تر دار و مدار وضعي علوم کے نظري مسلمات پر ہوتا ہے ' اور یہ مسلمات نہ تو ہر حال میں حقیقي ہیں ' نہ ہر زمانے کي علمي استعداد یکساں طور پر ان کا اعتراف کرسکتي ہے - بہت ممکن ہے کہ کل تک جو بات مسلم طور پر ماني جاتي تھي ' آج اتني کمزور ہوجائے کہ لوگ اس کي

بالکل نا امید ہو جاتا - مگر اُس نے فوراً خط لکھا " کاش تمھارے پر ہوتے ' اور تم اُڑ کر میرے پاس آجاتیں ! "

لیکن جوزیفائن اپنی رنگ رلیوں میں مصروف تھی - نپولین کی اُسے ذرا بھی پروا نہ تھی - اب اُسے پایۂ تخت میں بڑی عزت حاصل ہوگئی تھی - اچھے اچھے لوگ اُس کی خوشامد میں لگے تھے - چند ہفتہ کے اندر نپولین نے اٹلی میں عظیم الشان فتوحات حاصل کرلیں اور اطمینان پاکر جوزیفائن کو بلا لینا چاھا - لیکن وہ برابر حیلے حوالے کرتی رہی - آخر نپولین نے سختی سے لکھا کہ فوراً چلی آؤ - اِس مرتبہ اُس نے ایک نیا عذر پیش کیا - اُس نے لکھا کہ میں سفر نہیں کر سکتی کیونکہ حمل سے ہوں - نپولین کو اس جھوتی خبر سے بڑی ہی خوشی ہوئی - اُس نے فوراً خط لکھا " جوزیفائن ! میں نے سخت غلطی کی - کس طرح اپنے گناہ کا کفارہ کروں ؟ میں نے نا حق شک کیا - حالانکہ تم بیمار تھیں - سچ ہے ' محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے ... کاش ایک ہی دن کیلیے میں تمھارے پہلو میں ہوتا ! "

نیز اپنے بھائی کو لکھا " جوزیفائن کی علالت نے میرے ہوش اڑا دیے ہیں - کاش میں اُسے لکھہ سکتا - اُس کی محبت جنون کے درجہ تک پہنچ گئی ہے - میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا - خدا نخواستہ اگر وہ مرگئی تو زندگی میں میرے لیے کوئی لطف باقی نہیں رہے گا ! "

لیکن چند ہی دن بعد نپولین کو معلوم ہوگیا کہ جوزیفائن نے دھوکا دیا تھا - وہ بالکل اچھی ہے ' اور پیرس میں ضیافتیں دے رہی ہے - اب اُسکے غصہ کی کوئی حد نہ تھی - اُسنے فوراً تلخ لہجہ میں خط لکھا ' اور حکم دیا کہ بلا کسی عذر کے روانہ ہوجائے - جوزیفائن بادل ناخواستہ روانہ ہوگئی - میلان میں نپولین نے بڑی مسرت سے استقبال کیا - مگر چند ہی دن بعد اُسے پھر میدان جنگ میں جانا پڑا - کیونکہ فوج ایک خطرہ میں پھنس گئی تھی - خطرہ دور کرکے اُسنے پھر اُسے طلب کیا - خط میں لکھا تھا " جدائی کے وقت تمھارے آنسوؤں نے میرے دل کو سخت مایوس کر دیا تھا - میری عقل جاتی رہی تھی - اب یہاں میرے پاس آجاؤ ' تاکہ مرنے سے پہلے ہم کہہ سکیں کہ ہم نے بھی چند دن خوشی کے دیکھے ہیں " مورخ میسن کا بیان ہے کہ نپولین ' جوزیفائن کے سامنے اِس طرح کھڑا ہوتا تھا ' گویا کسی مقدس دیوی کے حضور میں کھڑا ہے !

(نپولین کا رقیب)

جوزیفائن اپنے شوہر کے حسب الحکم جنگی پڑاؤ میں آگئی - یہاں چارلس نام فوج میں ایک کم رتبہ افسر تھا - کم عمر اور خوبصورت تھا - حتی کہ کہا جاتا ہے ' نپولین کی فوج میں اُس سے زیادہ حسین آدمی کوئی نہ تھا - جوزیفائن دیکھتے ہی فریفتہ ہوگئی - یا تو فوج میں رہنے سے بیزار تھی ' یا اب فوج سے جدا ہونا گوارا نہیں کرتی تھی - دونوں میں شناسائی ہوئی ' تعلقات بڑھے ' اور اتنے بڑھے ' کہ خود نپولین نے محسوس کر لیا - وہ نہایت غصہ ہوا مگر ضبط سے کام لیا - البتہ اتنا ضرور کیا کہ اپنے رقیب کو فوج سے نکال کر پیرس بھیجدیا اور حکم دیا کہ آئندہ احکام کا منتظر رہے - اپنے شوہر کی اِس کارروائی سے جوزیفائن کو سخت صدمہ ہوا - مگر مجبور تھی - کچھہ کر نہیں سکتی تھی - وہ اپنی پھوپھی کو ایک خط میں لکھتی ہے " زندگی سے اُکتاگئی ہوں - موت کی تمنائیں کر رہی ہوں ! "

جنگ اِٹلی سے فارغ ہوکر دونوں میاں بیوی بڑی شان و شوکت سے پیرس لوٹے - لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد نپولین کو پھر جوزیفائن سے علحدہ ہونا پڑا - وہ مصر کی مہم پر روانہ ہوگیا ' اور بیوی سے وعدہ لے لیا کہ جنگ ختم ہوتے ہی مصر چلی آئیگی - مگر ابھی وہ مالٹا ہی پہنچا تھا کہ اِس عیش پسند عورت نے خاوند کو یک قلم بھلا دیا ' اور جلسے شروع کر دیے - نپولین اب فرانس میں اِس قدر ہردلعزیز ہوگیا تھا کہ اُسکی بیوی کی آزادیوں پر تمام پیرس ملامت کر رہا تھا - مگر خود اُسے کچھہ پروا نہ تھی - بہت جلد نپولین کو تمام روداد معلوم ہوگئی - کہا جاتا ہے کہ اِسی زمانہ میں اُسے سب سے پہلے جوزیفائن کو طلاق دینے کا خیال پیدا ہوا تھا -

جوزیفائن سمجھتی تھی کہ نپولین شاید کبھی واپس نہ آئیگا ' یا بہت مدت کے بعد آئیگا - اِسی لیے بالکل بیباک ہوگئی تھی - مگر اچانک اُسے خبر ملی کہ اُسکا شوہر مصر سے آگیا ہے ' اور عنقریب پیرس پہنچنے والا ہے - بہت خوفزدہ اور پریشان ہوئی - ایک طرف اپنی بے اعتدالیوں کا خوف تھا - دوسری طرف سخت مقروض بھی ہوگئی تھی - حیران تھی شوہر کو کیا جواب دے گی ؟ مگر تھی چالاک - فوراً پیرس سے استقبال کیلیے روانہ ہوگئی - نپولین کو بھی اُسکی روانگی کی خبر مل گئی تھی - اُسنے بالکل مختلف راستہ اختیار کیا ' اور محل میں آکر تمام دروازے بند کر لیے - جوزیفائن اپنی تدبیر میں ناکام ہوکر سرعت سے لوٹی ' اور سیدھی محل کی طرف روانہ ہوگئی - مورخ میسن کا بیان ہے " جوزیفائن محل کے دروازہ پر کھڑی دستکیں دیتی رہی - مگر نپولین نے کوئی شنوائی نہیں کی - پھر اُسنے اپنے گھٹنوں پر جھک کر پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کیا ' مگر اِس پر بھی سپہ سالار نے مطلقاً پروا نہ کی - اِس حالت پر پورا دن گزر گیا ' مگر دروازہ نہیں کھلنا تھا نہیں کھلا - اب جوزیفائن بالکل تھک گئی - ناامید ہوکر واپس جانے والی تھی کہ اُسکی ایک سہیلی اُسکے دونوں بچوں اوجین اور ہورٹانس کو لے آئی - اُنھوں نے رکوع کرکے اپنے سوتیلے باپ کو پکارنا اور اپنی ماں کیلیے رو رو کر سفارشیں کرنا شروع کیا - معصوم بچوں کی آواز سنکر نپولین کا دل نرم پڑگیا اور دروازہ کھول دیا - پھر جوزیفائن کو اُٹھایا ' آنسو پونچھے ' معاف کیا ' اور اُسکا بیس لاکھہ فرنک قرضہ بھی ادا کردیا "

(جوزیفائن کو طلاق)

اِسکے بعد جوزیفائن نپولین کے ساتھہ رہی - جب وہ تخت نشیں ہوا ' تو اُسنے ملکۂ فرانس کا تاج پہنا اور شہنشاہی کی عزت و عظمت کے ساتھہ زندگی بسر کرتی رہی - یہانتک کہ نپولین کو اپنے بعد اپنے جانشین کی فکر ہوئی - اِس خیال نے دوسرے سیاسی مصالح کے ساتھہ ملکر اُسے جوزیفائن کی طلاق پر مجبور کر دیا - چنانچہ طلاق دیدی گئی ' اور نپولین نے شہنشاہ آسٹریا کی لڑکی میری سے شادی کرلی -

مشہور ہے کہ آسٹرین بیوی کو اپنے شوہر سے ذرا بھی محبت نہ تھی - بلکہ سخت نفرت کرتی تھی جیسا کہ ابھی بیان ہوگا - نپولین نے جزیرۂ سینٹ ھیلانا میں بستر مرگ پر اپنے ڈاکٹر کو وصیت کی تھی کہ موت کے بعد اُسکا دل شیشہ میں رکھکر اُسکی

فانما يسرناه بلسانک لعلهم يتذکرون (۴۴ : ۵۸) هو الذي ينزل على عبده آيات بينات ليخرجكم من الظلمات الى النور (۵۷ : ۹) قرانا عربيا غير ذي عوج (۳۹ : ۲۸) فانما يسرناه بلسانک لتبشر به المتقين (۱۹ : ۹۷) وانه لتنزيل رب العالمين - نزل به الروح الامين - على قلبک لتكون من المنذرين - بلسان عربي مبين ! (۲۶ : ۱۹۱) انه لقول فصل و ما هو بالهزل (۸۶ : ۱۴) يعني قرآن صاف اور واضح عربي زبان ميں نازل هوا هے - اُسكي تعليم بالكل كهلي هوئي اور اسكا طريق بيان تمام تر سهل اور دل ميں اُتر جانے والا هے - سچائي اس ميں كهول دي گئي هے - حقيقت كے ليے اُس ميں كوئي نقاب نهيں - اُس كا بيان يكقلم سيدها سادها هے - كسي طرح كي تيڑهه اور پيچيدگي اُس ميں راه نهيں پا سكتي - اُسكے سمجهنے بوجهنے كيليے صرف اس بات كي ضرورت هے كه دل لگنے والا اور كان سننے والا هو - اُسے صرف سن لينا هي اُسے پا لينا هے ' اور اُسے ديكهه لينے سے انكار نه كرنا ' اسكي شيفتگي اور عشق كا اقرار هے !

علاوه بريں قرآن نے جابجا اپنے نام گنائے هيں - وه كهتا هے ميں " موعظة " هوں ' " ذي الذكر " هوں ' " تبياناً لكل شي " هوں ' " تذكره " هوں ' " هدي و رحمه " هوں ؛ اور يه ظاهر هے كه جو بات وعظ هو ' تذكير هو ' نصيحت هو ' هدايت هو ' روح و دل كے روگوں كي شفا هو ' وه منطقي شكلوں كا اُلجهاؤ اور مقدمات در مقدمات طلسموں كا كارخانه نهيں هو سكتي !

(۷) ضرورت هے كه مختصراً اس معامله كي توضيح كے ليے ايک دو مثاليں بهي ديدي جائيں :

متكلمين نے جو طريقه الاهيات ميں اثبات مدعا كا اختيار كيا تها ' اُس ميں سب سے زياده اُن كا اعتماد حدوث عالم كے اثبات پر تها - يعنے عالم قديم (مصطلحۂ فلسفه) نهيں هے - پيدا شده هے - حدوث عالم كے ليے سب سے زياده قوي استدلال حركت اور تغير كا استدلال سمجها جاتا تها - بچپنے ميں هم نے يه شكل رٹي تهي : " العالم متغير ' و كل متغير حادث - فالعالم حادث " (عالم متغير هے ' اور هر چيز جو متغير هے ' حادث هے - پس عالم حادث هے) چونكه متكلمين كے دماغ ميں اثبات مدعا كي يهي شكليں بسي هوئي تهيں ' اسليے اُنهوں نے قرآن كے استدلالات كو بهي كهينچ تان كر يهي جامه پهنا دينا چاها - قرآن حكيم نے جس طرح آيت زير تدبر ميں حضرت ابراهيم (على نبينا و عليه الصلوة والسلام) كي ايک " حجة " كا ذكر كيا هے ' اُسي طرح سورۂ انعام ميں ايک دوسري " حجة " كا بهي ذكر كيا هے : و تلک حجتنا اتيناها ابراهيم على قومه ' نرفع درجات من نشاء ' ان ربک حكيم عليم (۶ : ۸۳) يه " حجة " كيا تهي ؟ يه " حجة " وه تهي جس ميں حضرت ابراهيم كے مشاهدۂ " ملكوت السماوات و الارض " كے واردات كا ذكر هے : فلما جن عليه الليل ' رى كوكبا ' قال هذا ربي ' فلما افل ' قال لا احب الافلين ! (۶ : ۷۶) يعني حضرت ابراهيم نے ستاره ' چاند ' اور سورج ديكها ' اور جب اُن ميں سے هر كوكب ڈوب گيا ' تو فرمايا " اني لا احب الافلين " چونكه اس معامله كو قرآن نے " حجة " كے لفظ سے تعبير كيا تها ' اور جيسا كه آگے چل كر معلوم هوگا ' متكلمين نے " حجة " مستعملۂ قرآن كو وهي حجة قرار دے ليا تها جو اُن كي مصطلحۂ منطق " حجة " تهي ' اسليے انهوں نے اس آيت كي تفسير كرتے هوے اپنے منطقي استدلال كي شكل يهاں بهي چپكا دي - مطلب يه قرار ديا كه حضرت ابراهيم نے حدوث عالم پر حركت و تغير سے استدلال كيا هے - يعني اُن كي حجة بهي يهي تهي كه " العالم متغير و كل متغير حادث " انهوں نے كواكب كے صانع عالم نه هونے پر اس بات سے استدلال كيا هے كه اُن ميں حركت هے - حركت تغير كو كهتے هيں ' اور جس ميں تغير هو وه محدث هے ' اور جو محدث هے ' وه قديم نهيں ' اور جو قديم نهيں ' وه صانع عالم نهيں هو سكتا ! اس تفسير پر همارے متكلمين كو اس درجه وثوق بلكه فخر هے كه حضرت امام رازي تغير سے استدلال حدوث كو " طريق ابراهيمي " قرار ديتے هيں ' اور فرماتے هيں " پهلا حكيم رباني جس نے اس حكمت سے مخلوق كو آشنا كيا ' وه حضرت ابراهيم خليل هيں " !

ابهي اِس سے قطع نظر كيجئے كه اِس استدلال كي كمزوريوں كا كيا حال هے ' اور اسكا صغرى اور كبرى هي كونسا قطعي اور مسلم هے كه نتيجه قطعي الثبوت هو - اِس پر بهي بحث نه كيجئے كه اِس طرح كا استدلال انبياء كرام كي طرف منسوب كرنا طريق دعوت نبوت سے كس درجه نا آشنائي اور حقيقت فراموشي هے - صرف اِس بات پر غور كيجئے كه لغت و عربيت كے لحاظ سے اِس تفسير كا كيا حال هے ؟ آيت كريمه ميں كوكب ' چاند ' اور سورج كا ذكر هے ' اور تينوں كيليے " افل " كا لفظ آيا هے - متكلمين كي يه تفسير " افول " كے معني حركت و تغير قرار ديتي هے ' اور جب تک يه معني قرار نه ديے جائيں ' اُن كے گڑهے هوے استدلال كي ديوار كهڑي نهيں هو سكتي ' ليكن جزم و قطع كے ساتهه كها جاسكتا هے كه عربي لغت ميں كسي ايسے " افول " كا وجود هي نهيں جو حركت و تغير كے معني ميں بولا جاتا هو - جو " افول " عربي زبان ميں مستعمل هے ' اُسكے معني تو كسي چيز كے چهپ جانے اور غائب هو جانے كے هيں - قد أفلت الشمس تأفل و تأفل افولا - اي غابت و احتجبت - اس كے سوا كوئي معني اس لفظ كے مفهوم ميں داخل نهيں - آيت كا صاف مطلب يه هے كه جب چاند ڈوب گيا ' سورج غروب هوگيا ' تو حضرت ابراهيم نے كها " اني لا احب الافلين " ميں چهپ جانے والوں كو دوست نهيں ركهتا - يهاں حركت و تغير كي مصيبت كهاں سے آگئي ؟

پهر قيامت پر قيامت يه هے كه " حركت " سے بهي انكا مقصود حركت لغوي نهيں هے - بلكه حركت مصطلحۂ فلسفه هے - يعنے وه حركت جو ايک حالت سے دوسري حالت ميں انتقال كو كهتے هيں ' خواه مكان ميں هو يا زمان ميں ' اور كم ميں هو يا كيفيت ميں - مثلاً درخت كا نموّ بهي حركت هے ' اور يه حركت في الكم هے ' اور كسي رنگ كا تغير بهي حركت هے ' اور يه حركت في الكيف هے - ظاهر هے كه اگر " افول " كے مفهوم ميں كسي نه طرح كهينچ تان كر حركت كي دلالة پيدا بهي كرلي جائے ' تو لغت اور قرآن پر يه كيسا صريح اتهام هوگا كه حركت كا يه فلسفيانه مفهوم اُن كے سر تهوپا جائے ؟

علاوه بريں متكلمين اپنے ذوق تفلسف ميں يه حقيقت بهي بهول گئے كه حضرت ابراهيم عليه السلام كا خطاب جن لوگوں سے تها ' وه كواكب كو صانع كائنات نهيں سمجهتے تهے كه اُنكے ليے اِس مزعومه استدلال كي ضرورت هوتي - اُن لوگوں كا اعتقاد اجرام سماويه خصوصاً ' چاند سورج كي نسبت وهي تها ' جو دنيا كي تمام مشرک عقول كا اپنے اپنے ديوتاؤں كي نسبت رهچكا هے اور اب تک هے - يعنے يه ايسي روحاني اور ملكوتي هستياں هيں جلهيں دنيا كي تدبير و

هنسي اڑائیں - ایمان کي بنیاد ایسي متغیر اور متلون بنیاد پر نہیں هوسکتي - وہ تو هر فرد ' هر جماعت ' هر طبقه ' اور هر زمانه کے لیے ایک یکساں حقیقت ھے - یه محل تفصیل کا نہیں ' ورنه مثالوں سے یه بات بالکل واضح هو جاتي - همارے حکماء اور متکلمین نے حدوث عالم اور اثبات صانع کے کتنے هي استدلال ترتیب دیے تھے ' جن کی بنیاد اُس وقت کے مذاهب فلسفه کے نظري مسلمات پر رکھي گئي تھي ' لیکن آج هم کسي پڑھے لکھے آدمي کے سامنے اُنھیں دهرانے کي جرأت نہیں کرسکتے !

(٥) صرف یہي نہیں که قرآن کا یه طریقه نہیں ھے ' بلکه اُس نے واضح طور پر اس طریقه کي مذمت کي ھے ' اور اسے بھي اُنھي طریقوں میں سے قرار دیا ھے جو اُس کے نزدیک " جدل " کے طریقے هیں ' اور جو طریق " دعوت " و " هدایت " کے ساتھه جمع نہیں هو سکتے - یه طریقه جھگڑنے اور لفظوں اور باتوں کے پیچ میں مخاطب کو کس دینے کے لیے ضرور مفید ھے - مگر اذعان و یقین کیلیے که طریق دعوت و هدایت کا مقصد وحید ھے ' کچھه مفید نہیں - بلاشبه اس طریق کا عامل ایک علمي قسم کا جھگڑالو آدمي بن جاتا ھے ' لیکن مرشد اور هادي نہیں بن سکتا - اس کي طبیعت کبھي اِس طرف نہیں جاتي که سچائي اور حق معلوم کرے - وہ اس کا عادي هوجاتا ھے که اپنے بنائے هوے قاعدوں ' گڑھے هوے مقدموں ' اور منوائي هوي اصطلاحوں سے کسي نه کسي طرح مخاطب کو لاجواب کردے - رفته رفته خود اُسکا قلب بھي حقیقت سے نا آشنا اور اُسي قسم کي باتوں پر قانع هو جاتا ھے جسے انگریزي میں " تکنیکل " قسم کي باتیں کہتے هیں (لفظ صناعی اسکا پورا مفہوم ادا کرنے کیلیے کافي نہیں ' الا یه که اختیار کرلیا جاے) اگر وہ ایک مخاطب کو جو حق کي جستجو اور یقین کي راہ میں اُس سے نزاع کر رھا ھے ' صرف ایک لفظ کي غلطي ' یا کسي اصطلاحي قاعدہ کي نا آشنائي ' یا ترتیب مقدمات کے پیچ و خم کے اُلجھاؤ سے شرمندہ کر دے سکے اور لا جواب بنا دے ' تو وہ اسے اپني بڑي سے بڑي فتح مندي سمجھ گا ھے ' اور اِسے " مناظرہ میں هرا دینے " سے تعبیر کریگا - لیکن ایک لمحه کیلیے بھي یه نہیں سونچے گا که اِس نام نہاد فتح و شکست سے حقیقت اور سچائي کا فیصله کیونکر هوگیا ؟ یه زیادہ سے زیادہ مناظرہ کي جیت ھے - لیکن حقیقت کا فیصله تو نہیں ھے ؟ اگر وہ اِس مناظرانه کج اندیشي کی مدهوشي سے افاقه پائے ' اور خود اپنے دل کي گہرائیوں کا حساب لے ' تو اُسے معلوم هو جائے که جس بات کے منوانے کیلیے وہ ایک عالم کو چپ کراتا پھرتا ھے ' خود اُسي کے دل کو اُسپر قرار نہیں ھے - قرآن و سنت پر تدبر کرنے سے معلوم هوتا ھے که یه ' اور اِس طرح کے تمام طریقے ' نه صرف حصول مقصد کیلیے سود مند نہیں هیں ' بلکه هدایت و یقین کي راهوں سے دور کر دینے والے هیں - قرآن اِن تمام طریقوں کو " خصومت " اور " جدل " یعني لڑنے جھگڑنے کي راہ قرار دیتا ھے - اُس نے جا بجا اِس نوعیت کے اعتراضات اور تشکیکات نقل کي هیں - پھر بتلایا ھے که یه حق و هدایت کي راہ نہیں ھے ' خصومت اور جھگڑنے کي روش ھے - سورۂ یاسین میں منکرین کا یه استفہام تشکیکي نقل کرنے کے بعد که " و یقولون متی هذ الوعد ان کنتم صادقین ؟ " فرمایا " ما ینظرون الا صیحة واحدة ' تاخذهم و هم یخصمون ! " " خصومت " کا لفظ یہاں اِسي حقیقت کي طرف اِشارہ ھے - سورۂ زخرف میں منکرین کا یه انداز سخن نقل کیا ھے که " ولما ضرب اِبن مریم مثلاً ' اذا قومک منه یصدون - و قالوا : الهتنا خیر أم هو ؟ " اِسکے بعد کہا " ما ضربوا لك الا جدلا ' بل هم قوم خصمون ! " یعني منکروں کي یه فکري حالت که وہ بات کي حقیقت پر غور کرنے کي جگه فرضي اور تخمیني صورتیں پیدا کرکے کج بحثي کرني چاهتے هیں ' راستي و حق پرستي کا طریقه نہیں ھے - " جدل " کا ڈھنگ ھے -

چنانچه یہي وجه ھے که قرآن حکیم نے دعوت الي الحق کا طریقه واضح کرتے هوے کہا : ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنه ' و جادلهم بالتی هی احسن (١٦ : ١٢٦) اِس آیت میں بالترتیب تین طریقوں کا ذکر کیا ھے : حکمت - موعظۂ حسنه - اور جدل - لیکن جدل کو " بالتی هي احسن " کے ساتھه مقید کر دیا ھے - یعني ایسا جدل جو اچھے طریقه پر کیا جاے - اِس سے معلوم هوا که قرآن کے نزدیک " جدل " حکمت و موعظت کي طرح محمود و مطلوب نہیں ھے ' اِلا یه که " بالتی هی احسن " هو -

جس آیت کي نسبت آپنے استفسار کیا ھے ' دراصل وہ اسي حقیقت کا ایک بہترین نمونه پیش کرتي ھے - وہ واضح کرتي ھے که انبیاء کا طریق دعوت و هدایت کا ھے - جدل کا نہیں ھے - اور تشریح اسکي آگے آئیگي -

(٦) لیکن افسوس ھے که متکلمین کا منطقي ذوق طریق قرآني کي اهمیت و حقیقت معلوم نه کرسکا - اُنھوں نے قرآن کو بھي وهي منطقي جامه پہنا دینا چاها ' جو خود انھوں نے علم و نظر کے هر گوشے میں پہن لیا تھا - چونکه یه طریقه قرآن کیلیے ایک مصنوعي طریقه تھا ' اسلیے قدم قدم پر طرح طرح کي مشکلات پیش آئیں - لغت ساتھه نہیں دیتي تھي ' عربي اُسلوب بیان قطعاً مخالف تھا - سباق و سیاق کا مقتضا کچھه اور هي کہتا تھا - سب سے بڑھکر یه که قرآن کا عام نظم بیان اس طریق کے ساتھه چل نہیں سکتا تھا - تاهم وہ اپني موشگافیوں اور کوہ کندنیوں میں برابر بڑھتے هي گئے ' اور کسي نه کسي طرح کھینچ تان کر ایک نیا کارخانۂ استدلال گڑھکر کھڑا کر دیا - اب دنیا کہتي ھے که قرآن کي مشکلات حل نہیں هوتیں - لیکن کوئي نہیں جو اس حقیقت پر سے پردہ اُٹھائے که مشکلیں قرآن کي مشکلیں نہیں هیں - مفسرین کي پیدا کي هوئي مشکلیں هیں - اگر ایک بات کو اُس کی زبان ' اُس کے اُسلوب ' اور اُس کے قدرتي معانی سے هٹا کر ایک دوسري طرح کي شکل دیدي جائیگي ' تو یقیناً وہ صاف نہیں رهیگي ' مشکلات کا ایک معما هي بن جائیگي !

یاد رکھنا چاهیے که قرآن کے ساتھه هم دو هي طرح کا سلوک کرسکتے هیں - یا تو اس کي سچائي تسلیم کریں - یا انکار کردیں - اگر هم اس کی سچائي تسلیم کرتے هیں تو ضروري ھے که وہ تمام اوصاف بھي تسلیم کرلیں جو اُس نے اپني نسبت بار بار بیان کیے هیں - اِن اوصاف میں سب سے پہلا اور بنیادي وصف یه ھے که وہ هر اعتبار سے سہل ھے - کسي اعتبار سے بھي مشکل نہیں - پس قرآن سب کچھه هو سکتا ھے مگر مشکل اور پیچیدہ نہیں هوسکتا - کوئی تفسیر ' کوئی تاویل ' کوئی ایسي بات جس سے اُس کي کوئي ایک سورت ' کوئي ایک رکوع ' کوئي ایک آیت ' بلکه اُس کا کوئي ایک لفظ بھي مشکل اور مقدمات طلب بن جائے ' قرآن کے لیے سچي تفسیر اور سچي بات نہیں هو سکتي - یقیناً وہ سچي نہیں هوسکتي - اس لیے که قرآن جسے سچ هونا چاهیے ' بار بار کہتا ھے : ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر (٥٤ : ١٧)

" کمیونیزم" اور اُسکے مقاصد

(کارل مارکس کے مباحث)

(۳)

" لیکن تم کمیونسٹ ' سرمایه دار عورتوں کي عمومیت بهي رواج دوگے "

ایک هي طرح کے سرمیں تمام سرمایه دار یه راگ آلاپ رهے هیں !

چونکه سرمایه دار اپني بیوي کو بهي پیداوار کا ایک آله تصور کرتا هے ' اس لیے جب کبهي سنتا هے که آلات پیداوار عام ملکیت هوجانے والے هیں ' تو قدرتي طور پر خیال کرتا هے که عورتوں پر بهي اس کا اثر پڑے گا !

اُسے کبهي یه خیال نهیں گزرتا که کمیونسٹوں کا مقصود تو صرف اس قدر هے که عورت پیداوار کا محض ایک آله نه سمجهي جائے - وه عورتوں کي موجوده حیثیت بدل دیني چاهتے هیں -

همارے سرمایه داروں کے اس عیارانه خوف سے زیاده کوئي چیز مضحکه انگیز نهیں جس کي وه اس باطل دعوی میں نمائش کر رهے هیں - کمیونسٹوں کو عورتوں کے عام بنانے کي کیا ضرورت هے جب که ان کي یه صورت حال تقریباً همیشه موجود رهي هے اور آج بهي موجود هے !

همارے سرمایه دار بزرگ کیا کر رهے هیں ؟ اپنے مزدوروں کي عورتوں اور لڑکیوں کو اپنے قبضهٔ و تصرف میں رکهنے سے سیر نه هوکر نیز باضابطه عصمت فروشي پر بهي قانع نه هوکر ' وه اب آپس میں ایک دوسرے کي بیویوں سے علانیه تعلقات پیدا کر رهے هیں ' اور یه تعلقات سرمایه دار سوسائٹي کي بهترین معاشرتي دلچسپي هیں !

خود سرمایه دارانه شادي بهي در حقیقت عورتوں کي عمومیت هي هے - کمیونسٹوں کو زیاده سے زیاده الزام یه دیا جاسکتا هے که وه عورتوں کي موجوده ریاکارانه اور خفیه عمومیت ختم کر دیني چاهتے هیں - ظاهر هے که پیداوار کے موجوده نظام کي منسوخي کے ساتهه اُس کا نتیجه یعني عورتوں کي عمومیت بهي معدوم هو جائیگي ' اور اُس وقت عام عصمت فروشي کا بازار بهي گرم نهیں هو سکیگا -

کمیونسٹوں پر یه الزام بهي لگایا جاتا هے که وه وطني و قومي روح فنا کردیني چاهتے هیں -

مزدوروں کي نه تو کوئي قوم هے نه وطن - پس جو چیز اُنهیں ملي هي نهیں ' چهیني بهي نهیں جاسکتي !

مزدوروں کو پہلے سیاسي طاقت حاصل کرني چاهیے ' پهر اپنے تئیں بطور ایک قوم کے قائم کردینا چاهیے - یه کام بذات خود ایک قومي کام هے ' اگرچه سرمایه دار اُسے کچهه نه سمجهیں -

جوں جوں سرمایه دار ترقي کرتے جاتے هیں ' آزاد تجارت پهیلتي جاتي هے ' عالمگیر بازار کهلتے جاتے هیں ' صنعتي پیداوار میں اضافه هوتا جاتا هے ' قومي اختلافات بهي کم هوتے جاتے هیں ' اور حالات زندگي میں همرنگي و یکسانیت بڑهتي جاتي هے -

مزدوروں کي فتحمندي ان اختلافات کو اور زیاده کم کردیگي ' کیونکه ان کي تجارت کے لیے تمام دنیا اور کم سے کم مهذب ممالک کا متحده عمل اولین شرط هے -

افراد کے باهمي خود غرضانه استعمال میں جس قدر کمي هوتي جائیگي ' اسي قدر قوموں کا باهمي خود غرضانه استعمال بهي کم هوتا جائیگا -

جوں جوں فرقه بندیاں معدوم هوتي جائینگي ' قوموں کي باهمي دشمني بهي مٹتي جائیگي -

رهے باقي الزام جو کمیونزم پر مذهبي ' فلسفي ' اور نظري نقطهٔ نظر سے لگائے گئے هیں ' تو وه اس قدر پوچ هیں که کسي سنجیده بحث کے محتاج نهیں -

کیا اِس حقیقت کے سمجهنے کے لیے کسي گهري بصیرت کي ضرورت هے که مادي حالات زندگي اور اجتماعي نظام کي تبدیلي کے ساتهه انسان کے خیالات ' نظریے ' تصورات ' حتی که ضمیر و وجدان تک بدل جاتا هے ؟

خیالات کي تاریخ بجز اس کے اور کیا ثابت کرتي هے که دماغي پیداوار ' مادي پیداوار کے ساتهه همیشه بدل جاتي هے ؟ هر عهد کے حکمراں خیالات همیشه وهي رهے هیں ' جو اس کے حکمراں طبقه کے تهے -

جب لوگ اُن خیالات پر بحث کرتے هیں جو سوسائٹي میں انقلاب پیدا کردیا کرتے هیں ' تو یه حقیقت صاف ظاهر هو جاتي هے که پراني سوسائٹي کے اندر هي نئي سوسائٹي کے عناصر کي تکوین پوشیده تهي ' اور یه که قدیم خیالات کے انحلال کے ساتهه هي قدیم اجتماعي رشتے بهي پراگنده هوجاتے هیں -

جب قدیم دنیا اپنے زوال کي آخري گهڑیوں سے گزر رهي تهي ' تو قدیم مذاهب بهي ایڑیاں رگڑ رهے تهے - یهاں تک که مسیحیت نے ظاهر هوکر انهیں نگل لیا - اسي طرح جب اٹهارهویں صدي میں مسیحي خیالات کي جگه عقلیت نے لے لي ' تو جاگیر دار سوسائٹي نے اُس وقت کے انقلابي سرمایه داروں سے فیصله کن لڑائي لڑي - پهر مذهبي آزادي اور وجداني آزادي کے خیالات نے علم کي علمداري ' اور آزاد مقابله کا اصول ظاهر کر دیا -

تصرف میں دخل ھے ' اور اسلیے اِنکي پرستش ضروري ھے - پس جب وہ کواکب کو صانع کائنات سمجھتے ھي نہ تھے ' تو اُنکے محدث و مخلوق ہونے کے دلائل پر حضرت ابراھیم کیوں زور دیتے ' اور کیوں قرآن اسے " تلک حجۃ ایتنا ھا ابراھیم علی قومہ " سے تعبیر کرتا ؟ اُنکے علم میں تو کوئي ایسي بات آئي تھي ' جس سے کواکب کے تدبیر و تصرف عالم میں دخیل ہونے کا بطلان ثابت ہوتا ' کیونکہ اُنکے ہم وطنوں کي اصلي گمراہي یہي تھي -

یہ محل مزید تشریح و اطناب کا متحمل نہیں ' ورنہ یہي ایک تفسیر اِس حقیقت کي توضیح کیلیے کافي تھي کہ متکلمین کے طریقہ نے قرآن حکیم کے معارف و حقائق پر کیسے تو بر تو پردے ڈالدیے ھیں ' اور اُنکي ذھنیت معارف قرآنیہ کي روح سے کس درجہ مختلف بلکہ متضاد ھے - في الحقیقت قرآن حکیم کا یہ مقام من جملہ اھم ترین دلائل قرآنیہ کے ھے ' لیکن متکلمین نے ایک دور از کار اور تقریباً بے معني منطقي استدلال کا جامہ پہنا کر اُس کي ساري دلاویزي اور خوبي غارت کردي ھے ' جو کسي طرح بھي اُس پر راست نہیں آتا - لطف یہ ھے کہ یہ استدلال حضرت ابراھیم کي طرف اِس جوش و سرگرمي کے ساتھہ منسوب کیا جاتا ھے ' گویا اُنکے لیے ابراھیم خلیل کي جگہ اِمام الحرمین یا اِمام رازي بن جانا کوئي بڑي ھي فضیلت کي بات ھے !

میں نے یہاں ارسطو کي جگہ اِمام الحرمین اور اِمام رازي اسلیے کہا کہ جو بات حضرت ابراھیم کي طرف منسوب کي گئي ھے ' وہ اِتنا وزن بھي نہیں رکھتي ' جسقدر عامۂ حکماء کي عقلیات کا تسلیم کرنا پڑتا ھے - شیخ الاسلام اِبن تیمیہ نے سچ کہا ھے کہ " متکلمین نے طریق قرآني اسلیے ترک کیا ' تاکہ فلاسفۂ و عقلیین کے ساتھہ چل سکیں ' مگر افسوس کہ یہ بھي نہ کرسکے - اِنکي خام خالیوں سے تو پھر حکماء کي باتیں غنیمت ھیں "

یا مثلاً ' قرآن حکیم نے اللہ تعالی کے صفات کا ذکر کرتے ہوے " احد " اور " واحد " کا لفظ استعمال کیا ھے - " احد " اور " واحد " کے معني اُس زبان میں جسمیں قرآن نازل ہوا ھے ' اسکے سوا کچھہ نہیں ھیں کہ یہ صفت ' تعدد کي نفي کرتي ھے - یعني وہ ایک ھے ' اکیلا ھے ' اسکا کوئي شریک نہیں - کوئي عرب یا عربي داں انسان " احد " کا لفظ سنکر اس سے زائد کسي مفہوم کا تخیل ھي نہیں کر سکتا ' لیکن متکلمین نے اسکے لیے فلسفیانہ معاني اور التزامات پیدا کر لیے ' اور بلا تکلف اُنھي معاني میں استعمال کرنے لگے - مثلاً وہ کہتے ھیں ' خدا نے اپنا وصف احد قرار دیا ھے - احد وہ ھے جو منقسم نہ ہو سکے ' پس معلوم ہوا کہ وہ جسم نہیں ھے ' کیونکہ اجسام قابل انقسام ھیں - ھمیں بھي اِسکا شوق نہیں کہ خدا کي جسمیت ثابت کي جاے ' لیکن یہ قطعي ھے کہ قرآن نے عربي کا لفظ " احد " اس مصطلحۂ متکلمین مفہوم میں استعمال نہیں کیا ھے ' اور نہ اس انقسام و عدم انقسام کي دقیقہ سنجیوں سے اسے کوئي تعلق ھے -

یا مثلاً ' عربي کا ایک لفظ " مثل " ھے - " مثول " کے اصلي معني کسي چیز کے نصب ہونے کے تھے - مصور صورت بنا دیتا ھے ' اس لیے اُسے ممثل کہنے لگے - مثل الشي - اي انتصب و قصور - سورۂ مریم میں ھے " فتمثل لها بشراً سویا " یعني آدمي کي شکل میں نمایاں ہوا - پھر اسي نسبت سے اِسکا استعمال مشابہت کے معنوں میں بھي ہونے لگا - فلاں چیز فلاں چیز کے مثل ھے - یعني اُس جیسي ھے - تاج محل کے مثل کوئي عمارت نہیں - یعني اُس جیسي کوئي عمارت نہیں - قرآن نے بھي جا بجا مثل کا لفظ انھي معنوں میں استعمال کیا ھے -

لیکن جب فلسفیانہ مصطلحات رائج ہوگئیں ' تو " تمثیل " کا استعمال ایک خاص تعریف و حدود کے ساتھہ ہونے لگا - مثلاً مماثلت کے مفہوم میں منطقي اطلاق پیدا کرکے اُسے مماثلۃ فی الجوھر ' مماثلۃ فی الکیفیۃ ' مماثلۃ فی الکمیۃ ' مماثلۃ فی القدر و المساحۃ ؛ وغیرہ میں لے گئے ' اور اسکے بعد " مثل " مستعملۂ قرآن سے بھي وھي استدلال کرنے لگے - مثلاً " لیس کمثلہ شي " میں " مثل " کو وھي " مثل " مصطلحہ قرار دیتے ھیں ' اور اسپر اپني تمام فلسفہ آرائیوں کي عمارت اُستوار کرتے ھیں - وہ کہتے ھیں - تمام اجسام متماثل ھیں ' اور جسم وہ ھے جو جواھر فرد سے مرکب ہو ' یا جسکي طرف اِشارہ کیا جاسکے ' اور جسکي مقدار ہو ' پس جب خدا نے فرمایا " لیس کمثلہ شی " تو اِس سے اُن تمام جسمي (مصطلحہ فلسفہ) مماثلتوں کي نفي ہوگئي جو جواھر میں یا اعراض میں ہو سکتي ھیں - فلو کان جسماً لکان لہ مثل ' و اذا لم یکن جسماً ' لزم نفي ملزومات الجسم - یقیناً خدا کے مثل کوئي شے نہیں ' لیکن سوال یہ ھے کہ " لیس کمثلہ شي " میں قرآن نے عربي کا جو لفظ استعمال کیا ھے ' اور اسکا جو مطلب دو سو برس تک تمام عرب مخاطبین سمجھتے رھے ' وہ کیا تھا ؟ کیا وہ یہي مثلیت مصطلحۂ فلسفہ تھي ؟ حاشا و کلا - عربي میں مثل کا لفظ ٹھیک اُنھي سیدھے سادھے معنوں میں بولا جاتا ھے ' جن معنوں میں ھم آجکل اُردو میں بولا کرتے ھیں - مثلاً ایک شخص کہتا ھے " تاج محل آگرہ کے مثل کوئي عمارت موجود نہیں " تو اِس سے اُسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ مماثلۃ في الجوھر یا مماثلۃ فی الکمیۃ ' یا مماثلۃ فی الکیفیۃ ' یا مماثلۃ فی القدر و المساحۃ ' یا مماثلۃ فی اي معني اصطلاحي فلسفي کي نفي کر رھا ھے - بلکہ یہ مطلب ہوتا ھے کہ ایسي خوشنمائي رکھنے والي کوئي دوسري عمارت موجود نہیں - قرآن نے بھي ٹھیک ٹھیک اِسي سادہ اور لغوي معني میں " مثل " کا لفظ استعمال کیا ھے - یہ فلسفیانہ دقیقہ سنجیاں یہاں کہاں سے آ گئیں ؟

یا مثلاً ' عربي کا ایک لفظ " خلد " اور " خلود " ھے جسکے معني لغت اور زبان میں طول عہد کے ھیں ' اور اِسي نسبت سے وہ ھمیشگي کے معنوں میں بھي بولا جاتا ھے - لیکن یہ ھمیشگي ایسي ھي ہوتي ھے جیسے بول چال میں ھم کہتے ھیں " یہ آدمي ھمیشہ کلکتہ ھي میں رھیگا " اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ ابد تک رھیگا اور مستقبل میں کوئي وقت ایسا نہیں آئیگا جب وہ کلکتہ میں موجود نہو ' بلکہ یہ مطلب ہوتا ھے کہ وہ یہیں ٹھہرا ہوا ھے اور عرصہ تک یہیں ٹھہریگا - قرآن نے بھي جا بجا اسي معني میں یہ لفظ استعمال کیا ھے ' لیکن بعد کو جب فلسفیانہ بحثیں پیدا ہوگئیں ' تو " خلود " کے معني ایسي ھمیشگي کے ہوگئے جسکي کوئي نہایت نہ ہو -

یا مثلاً ' عربي میں لفظ " قدیم " کے وھي معني ھیں ' جو اردو میں " پرانے " کے ھیں " یہ مکان بہت قدیم ھے " یعني بہت مدت سے ھے - لیکن متکلمین نے فلسفیانہ مباحث میں " قدم " و " حدوث " کي خاص مصطلحات اختیار کیں ' اور اسلیے " قدیم " کي بھي ایک خاص منطقي تعریف بن گئي - اب کتاب و سنۃ کا مستعملہ " قدیم " بھي اسي معني میں لیا جانے لگا !

بريد فرنگ

مصر اور ترکی کی نسوانی تحریکات

پيرس کے مصور رساله نے ايک سلسلۂ مقالات بلاد اسلاميه کي جديد نسواني تحريکات پر شائع کرنا شروع کيا هے - مقاله نگار حال ميں قسطنطنيه اور قاهره کے سفر سے واپس آيا هے - وه لکهتا هے :

" سنه ۱۹۲۷ کي جو فکري لهر قاهره اور قسطنطنيه کي عورتوں کے دماغوں ميں دوڑ رهي هے ' اُسے ميں لفظوں ميں منتقل کر دينا چاهتا هوں "

مقاله نگار کے تاثرات کا خلاصه حسب ذيل هے :

(۱) ترک اور مصري عورتوں ميں نئے خيالات کي نشؤ و نما گرچه گذشته صدي کے اواخر سے شروع هوگئي تهي ' مگر وه ايک خاص حد سے آگے نه بڑهسکي - سنه ۱۹۰۰ تک قسطنطنيه اور قاهره ميں نئي قسم کي خواتين کا مطلب صرف يه سمجها جاتا تها که وه فرانسيسي زبان سے واقف هيں ' مغربي روش کا لباس مشرقي اصلاحات کے ساتهه پسند کرتي هيں ' اور اُن ميں اهل قلم عورتوں کي بهي ايک محدود تعداد پيدا هوگئي هے -

مصري خواتين کا نقاب جو اب رخصت هو رها هے !

(۲) ليکن موجوده صدي کے اوائل سے صورت حال ميں کئي نئي تبديلياں رو نما هوئيں - اِن تبديليوں ميں سب سے زياده اهم تبديلياں دو تهيں - ترک اور مصري خواتين کا يورپ ميں آزادانه سفر و قيام - اور ترک نقاب - چنانچه سنه ۱۹۰۵ سے ليکر سنه ۱۹۰۸ تک ترکي اور مصر کي پچاس سے زياده خواتين يورپ کے بڑے بڑے شهروں ميں ديکهي گئيں - ان ميں بڑي تعداد اُن کم عمر خواتين کي تهي جو تعليم کي غرض سے يورپ آئي تهيں - ان متعلمات ميں مصر کے خاندان خديوي کي بهي بعض خواتين تهيں-

جديد مصري خاتون
بيگم زغلول اپنے معمولی لباس ميں

(۳) سنه ۱۹۰۸ع ميں جب ترکي ميں انقلاب دستوري هوا ' تو حالات نے يکايک ايک دوسري هي صورت اختيار کرلي ' اور ترکي کے خواتين کي معاشرتي زندگي ميں انقلاب عظيم هوگيا - اُس وقت تک دار الخلافه ميں خال خال مسلمان عورتوں کے کلب تهے ' اور جتنے بهي تهے ' زياده تر امريکن مشنيري جماعتوں کے قائم کيے هوئے تهے - ليکن اب يکايک زنانه کلبوں کي تعداد ميں عظيم اضافه هوگيا - سب سے پہلے انجمن اتحاد و ترقي نے زنانه کلب قائم کيے - پهر علم تحريک شروع هوگئي ' اور ايسے ايسے عظيم الشان کلب قائم هوگئے ' جن کے ارکان کي تعداد سيکڑوں سے بهي متجاوز تهي - اُسي وقت سے ترک خواتين نے ملک کي سياسي و معاشرتي تحريکات ميں بهي علانيه حصه لينا شروع کرديا - ايک کثير تعداد مقرروں اور اديبوں کي بهي پيدا هوگئي جن ميں ايک کافي تعداد ترکي زبان کے اچهے خطيبوں اور اهل قلم کي تهي - چهره کا نقاب بهي تمام تعليم يافته خواتين نے تقريباً ترک کرديا - البته باهر نکلنے کے ليے ايک خاص طرح کا جسم پوش لباس پهن ليا جاتا تها جس سے نه صرف تمام جسم اور لباس کي آرائش چهپ جاتي تهي ' بلکه سر کے بال بهي پوشيده رهتے تهے - صرف نصف پيشاني سے ليکر تهڈي تک چهره کهلا رهتا تها -

بلاشبہ اعتراض کیا جائیگا کہ مذہبی ' اخلاقی ' فلسفی ' سیاسی ' اور قانونی خیالات تاریخی - ترقی کے دوران میں تبدیل ہوتے رہے ہیں ' مگر ان تبدیلیوں کے باوجود بھی مذہب ' اخلاق ' فلسفہ ' سیاست ' اور قانون کی حقیقت کبھی نہیں بدلی ' بلکہ یہ چیزیں بدستور باقی رہیں - مزید براں کچھہ اٹل سچائیاں بھی ہیں ' جو تمام اجتماعی نظاموں میں ہمیشہ قائم رہی ہیں اور ان میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی - لیکن کمیونزم یہ تمام سچائیاں نئی بنیادوں پر قائم کرنے کی جگہ انہیں سرے سے مٹا دینا چاھتا ھے ' اور یہ ایک ایسی بات ھے جو تمام تاریخی ترقیوں کے بالکل مخالف ھے -

لیکن ہم کہتے ہیں کہ تمام پچھلی سوسائٹیوں کی تاریخ ' جماعتی نزاع کی تاریخ ھے جس نے مختلف زمانوں میں مختلف شکلیں اختیار کیں - جماعتی نزاع نے کوئی شکل بھی اختیار کی ہو ' لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ھے کہ ہر زمانہ میں سوسائٹی کا ایک حصہ دوسرے حصوں کو خود غرضانہ استعمال میں لاتا رہا ھے - لہذا کچھہ عجب نہیں ' اگر ان تمام زمانوں کا اجتماعی ضمیر ہمیشہ تقریباً ایک ہی قسم کے خیالات کا پابند رہا ہو - ظاہر ھے کہ اس اجتماعی ضمیر کی تبدیلی اسی وقت ممکن ھے 'جب جماعتی نزاع کا پورے طور پر خاتمہ کر دیا جائے -

کمیونیزم کیا ھے ؟ ملکیت کا انقلاب اور اسکے روایتی رشتوں کا ایک براہ راست طبعی انفجار ! لہذا کچھہ عجب نہیں ' اگر وہ اپنے دوران ترقی میں تمام روایتی نظریوں سے آزادانہ قطع تعلق کرلے اور ایک نیا نظام قائم کر دے !

لیکن ہمیں سرمایہ داروں کے اعتراضات کی پروا نہیں کرنی چاہئے - اپنے کام میں بدستور منہمک رہنا چاہئے -

ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ مزدوری پیشہ طبقہ کے انقلاب کا پہلا قدم یہ ھے کہ وہ حکمراں طبقہ کی حیثیت حاصل کرلے - یعنی حقیقی جمہوریت کو کامل فتح حاصل ہو جائے -

مزدور سرمایہ داروں سے تمام سرمایہ بتدریج چھین لینے اور پیداوار کے تمام آلات حکومت کے ہاتھوں میں جمع کر دینے کیلیے اپنی سیاسی طاقت استعمال کرینگے ' یعنی پیداوار کے تمام ذرائع وہ خود اپنے ہاتھوں میں لے لینگے - کیونکہ وہی حکمراں طبقہ ہونگے ' اور کوشش کرینگے کہ جلد سے جلد بازو اور طاقتوں کی مجموعی مقدار بڑھا دیں -

یہ مقصد ظاہر ھے کہ پورا نہیں ہوسکتا ' جبتک کہ حقوق ملکیت اور سرمایہ دارانہ حالات پیداوار پر علانیہ سخت حملے نہ کیے جائیں - یہ حملے ان ذرائع سے کیے جائینگے جو گو ابھی اقتصادی حیثیت سے ناقابل حصول معلوم ہوتے ہیں ' مگر بتدریج بڑھینگے اور ضروری ہو جائینگے - اس سے مقصود وہی ذرائع ہیں ' جو پیداوار کے تمام طریقوں میں انقلاب پیدا کر دیں -

یہ ذرائع مختلف ممالک میں قدرتی طور پر مختلف ہونگے - تاہم ترقی یافتہ ممالک میں حسب ذیل ذرائع سے بہتر کام لیا جاسکتا ھے :

(۱) زمین کی ملکیت کی منسوخی اور زمین کے لگان پر حکومت کا قبضہ -

(۲) بھاری اور برابر بڑھنے والا انکم ٹیکس -

(۳) سرمایہ دارانہ وراثت کی منسوخی -

(۴) باغیوں اور جلاوطنوں کے املاک کی ضبطی -

(۵) حکومت کے ہاتھوں میں قرض کی مرکزیت ' اور یہ اس طرح کہ ایک قومی بنک قائم کیا جائے جس میں صرف حکومت کا سرمایہ ہو ' اور جسے بلا شرکت غیرے اجارہ داری کا حق حاصل ہو -

(۶) ذرائع مواصلات اور برآمد کی حکومت کے ہاتھوں میں مرکزیت -

(۷) قومی کارخانوں اور آلات پیداوار کی توسیع ' اور بنجر زمینوں کی ایک عام اجتماعی خاکہ کے مطابق اصلاح -

(۸) سب کو محنت کیلیے مجبور کرنا ' اور صنعتی فوجوں کی تنظیم ' خصوصاً زراعت کیلیے -

(۹) زرعی اور صنعتی محنت کی آمیزش ' تا کہ شہر اور دیہات کی باہمی تفریق مٹ جائے -

(۱۰) تمام بچوں کیلیے عام مفت تعلیم -

جب دوران ترقی میں جماعتی امتیازات معدوم ہو جائینگے ' اور تمام پیداوار قوم کی بڑی اکثریت کے ہاتھوں میں سمٹ آئیگی ' تو عام اجتماعی طاقت اپنی سیاسی حیثیت کھو دیگی - سیاسی طاقت درحقیقت ایک منظم طاقت ھے تا کہ دوسری جماعتوں پر مسلسل ظلم کیا جاسکے -

اگر مزدور انقلاب کے ذریعہ برسر اقتدار آجائیں ' اور طاقت کے زور سے پرانے حالات پیداوار برباد کر ڈالیں ' تو ان حالات کے ساتھہ قدرتی طور پر وہ موجودہ جماعتی نزاعات اور خود جماعتوں کو بھی برباد کر ڈالینگے ' بلکہ ساتھہ ساتھہ خود اپنی جماعتی حکمرانی کی حیثیت بھی مٹا دینگے -

تاریخ وعبر

ہندوستان

انگریزی حکومت سے پہلے اور انگریزی حکومت کے بعد

خود انگریز مدبّروں اور مُصنّفوں کی نظر میں

اٹھارویں اور اُنیسویں صدی کے مدبّروں کی شہادت

(۲)

ہندوستان کی صنعت پارچہ بافی

ہندوستان نے پارچہ بافی کو ہر زمانہ میں بے نظیر کمال اور ناقابل تصور ہنرمندی کے ساتھ برقرار رکھا ہے۔ اُن کے بعض کپڑے تو ایسی حیرت انگیز نفاست سے طیار ہوتے ہیں کہ پرستان کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کمال در اصل، ہندوستانیوں کے بہترین ذوق، نفاست پسندی، اور سلیقہ کا نتیجہ ہے۔ (برنس ۱۸۲۴ء میں)

ہندوستان کے جنگلی درختوں میں پھلوں کی جگہ اون (سن) پیدا ہوتی ہے جو اپنی نفاست اور خوبصورتی میں بھیڑ کے اون کو بھی مات کرتی ہے۔ ہندوستانی اسی سے اون کے کپڑے بناتے ہیں۔

(ہیروڈوٹس سنہ ۵۰۰ قبل مسیح)

اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ ہندوستان اور بابل کے مابین سنہ ۳۰۰۰ قبل مسیح میں تجارتی تعلقات قائم تھے۔ سنہ ۲۰۰۰ قبل مسیح کی مصری ممیا کی ہوئی لاشیں نفیس ہندوستانی تنزیب میں لپٹی ہوئی دستیاب ہوئی ہیں۔ روم میں ہندوستانی پارچہ جات کی بہت بڑی کھپت تھی۔ یہ واقعہ اس طرح محقق ہوتا ہے کہ "ایلڈر پلینی" نے شکایت کی ہے کہ روم کی بہت بڑی رقم ہر سال ہندوستانی کپڑے پر خرچ ہوتی ہے ڈھاکہ کی ململ یونان میں "گنجٹیکا" کے نام سے مشہور تھی۔ (پروفیسر ٹریسی)

ہم جانتے ہیں کہ یہودیوں نے اپنی قومیت کے ابتدائی برسوں (یعنی قبل مسیح ۳۰۰۰ سال) میں ہندوستان کا کپڑا استعمال کیا ہے۔

(دکھیر صفحہ ۳۰۶)

قبل مسیح سے ۲۰۰۰ سال پہلے مصر اور عرب کی درآمد کے تذکرہ میں بنگال کی ململ کا ذکر کرتا ہے۔ (جیمس ٹیلر)

افریقہ سے لیکر شنگھائی تک، ہر بندرگاہ میں ہندوستان کا بنا ہوا ہر طرح کا کپڑا بکثرت دستیاب ہوتا تھا۔ (مارکوپولو سنہ ۱۲۰۰ء)

سنہ ۱۷۰۰ء کے بدنام قانون کی رُو سے انگلستان میں ۲۹ ستمبر سنہ ۱۷۰۱ سے چین، ایران، ہندوستان کے ہر قسم کے کپڑوں کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا۔ اور اعلان کردیا گیا کہ اس تاریخ سے جتنا بھی کپڑا آئیگا وہ یا تو ضبط کرلیا جائے گا، یا واپس کردیا جائے گا"

(سر جارج برڈوڈ)

"سیجی" انگلینڈ میں یہ سخت جرم تھا کہ کوئی عورت ہندوستانی چھینٹ استعمال کرے۔ سنہ ۱۷۶۶ میں گلڈہال میں ایک انگریز خاتون کو دو ہزار پونڈ جرمانہ اس لئے ادا کرنا پڑا کہ اُس کا رومال ہندوستانی کپڑے کا تھا۔ (پروفیسر لیکی)

سترہویں صدی کے آخر میں نفیس اور عمدہ ہندوستانی چھینٹ اور ململ بہت بڑی مقدار میں انگلینڈ بھیجی گئی اور وہاں اس قدر مقبول ہوئی کہ مقامی اونی ریشمی کپڑے کی تجارت سخت خطرہ میں پڑگئی۔ چنانچہ اس کی روک تھام کے لئے سنہ ۱۷۰۰ء اور سنہ ۱۷۲۱ء میں پارلیمنٹ نے ایسے قانون پاس کئے جن کی رُو سے انگلینڈ میں ہندوستانی کپڑے کا استعمال قطعاً ممنوع قرار پاگیا۔ (پروفیسر لیکی)

نفیس کپڑا بننے، رنگوں کے ملانے، دھات پر نقش و نگار بنانے، جواہرات گڑھنے، عطر کے طیار کرنے، اور جملہ قسم کی دقیق و لطیف صنعتوں میں ہندوستانیوں کا کمال قدیم زمانہ سے شہرہ آفاق ہے۔

(پروفیسر ویبر)

سنہ ۱۸۰۲ء سے سنہ ۱۸۳۰ء تک کا زمانہ انگلستان کی پارچہ بافی کا سنہرا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ عین اُسوقت جبکہ انگریزی کپڑے کی برآمد خانی جہازوں کی طلسمی تیز رفتاری اور میکانیکی ایجادات کی محیر العقول تاثیر کے ماتحت روز افزوں ترقی کر رہی تھی، ہندوستانی کپڑے پر ۷۵ فیصدی چنگی لگادی گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈھاکہ کا نفیس کپڑا اس زبردست چنگی کی وجہ سے انگلستان جانا موقوف ہوگیا اور بالآخر یہ کپڑا بازار سے مفقود ہوگیا۔ (پروفیسر تیبر)

سنہ ۱۸۱۳ء تک ہندوستان کا سوتی اور ریشمی کپڑا انگلستان کے بازاروں میں معقول نفع کے ساتھ خود انگریزی کپڑے سے ۵۰ اور ۶۰ فیصدی کم قیمت پر بکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی کپڑے کو بچانے کے لئے ہندوستانی کپڑے پر ۷۰ اور ۸۰ فیصدی چنگی لگا دی گئی۔ اگر یہ ظالمانہ چنگی نہ لگائی جاتی اور ممانعت کے قانون نافذ نہ کئے جاتے، تو "پیسلی" اور "منچسٹر" کے تمام کارخانے شروع ہی میں بند ہوجاتے اور باوجود مشینوں کی قوت سے مسلح ہونے کے، ہرگز نہ چل سکتے۔ درحقیقت یہ کارخانے، ہندوستانی کپڑے کی لاش پر کھڑے کئے گئے ہیں۔ اگر ہندوستان خود مختار ہوتا تو وہ اس زیادتی کا ترکی بہ ترکی جواب دیتا۔ وہ بھی انگریزی مصنوعات پر بھاری چنگی لگا دیتا اور اس طرح اپنی تجارت کو فنا ہونے سے بچالیتا۔ مدافعت کا یہ حق ہندوستان کو نہیں دیا گیا۔ وہ بے رحم بدیشیوں کے رحم پر تھا۔ انگریزی مصنوعات بغیر چنگی ادا کئے جبراً اس ملک میں رائج کی گئیں۔ بدیشی تاجروں نے غیر منصفانہ سیاسی حربے استعمال کرکے اپنے اُس حریف کا گلا گھونٹ ڈالا جس سے وہ کسی طرح بھی مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔ (ہسٹری آف انڈیا از "ل")

سنہ ۱۸۲۷ء میں مسٹر تھامسن نامی ایک شخص نے صرف ۲ گھنٹے کے اندر ڈھاکہ میں ۲۱۷ تھان ململ کے خریدے۔ (ڈاکٹر ٹیلر)

اسوقت انگلستان میں ایک شخص موجود ہے جسنے نواب کے زمانہ میں ایک صبح اپنے ہی مکان پر ۸۰۰ تھان ململ کے خریدے تھے جنہیں خود کاریگر لائے تھے۔ پہلے ایسٹ انڈین کمپنی کے گماشتوں کا ظلم و جور بے روک ٹوک تھا۔ لیکن سراج الدولہ کے عہد سے شروع ہوا۔ خود مذکورہ بالا شخص کا عینی مشاہدہ ہے کہ جنگل بارٹی کے سات سو نوربافوں نے اپنا پیشہ اور گھربار محض انہی ظلموں کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا حالانکہ اُسوقت یہ ظلم صرف شروع ہوا تھا۔

(بولٹس کے خیالات صفحہ ۹۵-۱۹۱)

نوربافان جب کمپنی کے سخت اور جابرانہ معاہدے منظور کرنے سے انکار کردیتے تھے تو کمپنی کے ایجنٹ اُن کا سامان نیلام کرکے قیمت ضبط کرلیتے۔ مہین ریشم کاتنے والوں پر بھی یہی ظلم کیا جاتا تھا۔ ایسی بکثرت مثالیں موجود ہیں کہ لوگوں کے انگوٹھے محض اس لئے کاٹ ڈالے گئے کہ وہ مہین تاگا نہ بناسکیں! (ولیم بولٹس)

جب کمپنی کا گماشتہ کسی صنعتی شہر میں پہنچتا تو اپنے لئے آباد جگہ میں کوئی گھر منتخب کرلیتا۔ گماشتہ کا گھر "کچہری" کہلاتا تھا۔ یہاں وہ اپنے ہرکاروں کے ذریعہ سے بیکاروں اور دلالوں کو نوربافوں کے جمع کرنے کا حکم دیتا۔ پھر اُنھیں کچھ پیشگی دیکر عہدنامہ پر دستخط کراتا جسکی رُو سے اُنھیں معین وقت میں خاص قیمت پر مال مہیا کرنا پڑتا۔ عہدنامہ پر دستخط کے لئے غریب کاریگر کی رضامندی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی

سنه ۱۹۲۱ میں قسطنطنیه کي مسلمان عورتوں کا مظاهره

پایگا - اب مشرق کي ساري چیزوں کي طرح مشرق کي عورت بهي تقریباً نابود هوگئي هے - وه وقت دور نہیں هے جب اُس کا سراغ ڈهونڈهنے کیلیے مورخین کو کتابوں کے سیکڑوں اوراق اُلٹنے پڑینگے - اب انگورہ ' قسطنطنیه ' اور قاهره هي میں نہیں ' بلکه بغداد اور شام میں بهي "مشرقي عورت" بغیر ڈهونڈهے نہیں مل سکتي - گذشته سال میں نے بیروت میں بہت کوشش کي که کسي ایسے امیر گهرانے کا سراغ لگاؤں جہاں مجهے کامل مشرقي زندگي نظر آے - کچهه عرصه کے بعد ایک دوست نے رهنمائي کي ' اور میں ایک گهرانے میں مدعو کیا گیا - یه گهرانا بیروت کے ایک قدیم امیر خاندان کا گهرانا تها - اسکے ارکان مغربیت کے دلدادوں میں " قدامت پرستي " کیلیے بدنام هیں - یه مخالفانه شہرت سنکر مجهے بڑي خوشي هوئي تهي - میں نے خیال کیا تها که بیسویں صدي میں کم از کم ایک مرتبه " الف لیله " کے عالم میں واپس جا سکونگا - لیکن آپ میري مایوسي کا اندازہ کر سکتے هیں ' جو اُس وقت مجهپر طاري هوئي ' جب میں نے اس " قدامت پرست " گهرانے میں اپنے آپکو ایک کامل قسم کے فرانسیسي ایوان ملاقات کے صوفے پر پایا ' اور صاحب مکان نے یه کهکر اپني دوازده ساله لڑکي کي تقریب کي که " یه میڈ موزیل ...... هیں ! "

یه بیروت کا قدامت پرست گهرانا هے ! بعد کو مجهے معلوم هوا که اس گهرانے کي ساري قدامت پرستي اس سے زیادہ نہیں هے که اس کي مسن عورتیں مغربي لباس نہیں پہنتیں ' اگرچه اپني لڑکیوں کے لیے اسي کو پسند کرتي هیں !

مقاله نگار نے آخر میں افسوس کیا هے که مشرق نے مغرب کي تقلید کے شوق میں اسکي بالکل پروا نه کي که مغربي معاشرت کي بے اعتدالیوں سے اپني نگهداشت کرے - وہ کہتا هے " بلا شبه مشرقي عورت کو مغرب سے بہت کچهه حاصل کرنا تها ' لیکن ساتهه هي اپني قدیم زندگي کي بہت سي قیمتي چیزیں محفوظ بهي رکهني تهیں جن کے فقدان پر آج مغرب افسوس کر رها هے "

سب سے زیادہ اهم تبدیلي یه هوئي که مسلمان خواتین نے سرکاري دفاتر میں کام کرنا شروع کردیا جس کي کوئي سابق مثال موجود نه تهي - ٹیلي فون اور ٹیلي گراف کے اکثر مراکز میں عورتیں هي عورتیں نظر آنے لگیں - دفاتر میں ٹائپسٹ عورتیں بهي پیدا هوگئیں - اس صورت حال نے مشرقي ممالک میں بهي اُس اسلوب حیات سے عورت کو آشنا کردیا ' جو اس وقت تک صرف یورپ اور امریکه هي کي مضطرب آبادیوں میں محدود تها -

(۴) ترکي کي اس تبدیلي نے قاهره پر بهي اثر ڈالا جہاں مغربیت کہیں زیادہ قوت و وسعت کے ساتهه نشو و نما پا رهي تهي - سنه ۱۹۰۱ - میں جب قاسم امین بک نے مسلمان عورتوں کي معاشرتي زندگي میں اصلاح کي ضرورت محسوس کي تهي ' اور پردہ کے خلاف اپني مشہور کتابیں شائع کي تهیں ' تو اُس وقت مصر کے اندر بمشکل پچیس مسلمان عورتیں ایسي نکل سکتي تهیں جو بغیر نقاب کے گهر سے باهر نکلنا گوارہ کرتیں ' لیکن اب ایک بڑي تعداد ایسي عورتوں کي پیدا هوگئي ' جو بغیر کسي جهجهک کے کهلے منه باهر نکلنے لگي تهیں ' اور اُنهوں نے پوري طرح مغربي لباس اختیار کرلیا تها - سنه ۱۹۱۲ - میں جب میں قاهره گیا تها ' تو مجهے یه دیکهکر تعجب هوا تها که نئے تعلیم یافته طبقه کي عورتیں تمام قدیم رسوم و عوائد ترک کرچکي هیں ' اور بعض خال خال گهرانوں کے قدیم مصري زندگي کا نظارہ کہیں دکهائي نہیں دیتا - بعض گهرانوں کي خواتین سڑکوں پر بالکل کهلے ڈلے نکلنے سے پرهیز کرتي تهیں ' لیکن اپنے گهر میں اُنهیں اس سے انکار نه تها که "ایک یوروپین خاتون کي طرح مهمانوں کي پذیرائي کریں ' اور اُن کي صحبتوں میں اپنے شوهروں اور عزیزوں کے ساتهه شریک هوں -

(۵) جنگ کے بعد دنیا میں جو تعجب انگیز تغیرات هوے هیں ' شاید اُن میں کوئي چیز بهي اس درجه موثر اور قابل غور نہیں هے ' جسقدر مشرقي عورت کي کامل مغربیت هے - اب همیں وہ تمام پر اسرار اور قصه نما تذکرے بهلا دینے چاهئیں ' جو کسي زمانے میں مشرقي عورتوں اور مشرقي حرمسراؤں کي داستانوں میں هماري تعجب آمیز دلچسپي کا ذریعه هوا کرتے تهے ' اور هر مغربي سیاح جو مشرق کا قصد کرتا تها ' سمجهتا تها که وہ اپنے آپ کو الف لیله کي شاهراهوں میں سرگرداں

قسطنطنیه میں خواتین کے ایک خیراتي بازار کا افتتاح

(ب) ہندوستانی ہمارے بڑے آدمیوں پر ہماری ہی طرح فخر کرنے لگیں گے۔

(ج) ہماری ہی طرح تعلیم حاصل کرنے، ہماری ہی طرح ایک خاص مقصد سے دلچسپی لینے، ہماری ہی طرح ایک خاص نتیجہ کے لئے کوشاں ہونے سے، وہ ہندوستانی ہونے کے بجائے انگریز ہوجائیں گے۔ ٹھیک اُسی طرح، جس طرح رومیوں کی ماتحت قومیں رومن ہوگئی تھیں!

(د) اس طرح وہ قدیم ہندوستانی بنیادوں پر آزادی حاصل کرنے کی خواہش سے دست بردار ہوجائیں گے۔ اس کے بعد کوئی فوری تبدیلی ناممکن ہوگی۔ ہمارا قبضہ مدّت دراز تک بے خطر برقرار رہ سکے گا

(ھ) تعلیم یافتہ طبقہ یہ سمجھ کر کہ اُس کے ملک کی بھلائی ہماری ہی سرپرستی میں ہوسکتی ہے، قدرتی طور پر ہم سے وابستہ رہے گا۔

(سرکاری مراسلہ ۱۸۵۳ء)

زمین کی فتح کے بعد ہندوستان کا دماغ بھی فتح کرلیا گیا۔

(ہنٹر)

دماغ ہی سلطنتیں برباد کرتے اور قائم کرتے ہیں، دماغ پر قبضہ کرلو۔ قوم پر بھی حکومت کرسکو گے۔ (لواسٹے ڈومینین)

بغیر دماغی انقلاب کے سیاسی انقلاب ناممکن ہے۔ پوری ایک فوج کی یلغار بآسانی روکی جاسکتی ہے، لیکن دماغی حملہ کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا!

(میرس)

کوئی بھی ہندوستانی ذہانت اور زیرکی پر شبہ نہیں کرسکتا۔ مگر یہ حیرت ہے کہ مغربی طریق تعلیم نے اُسے کس طرح اپنا شکار کرلیا ہے اور ہندوستان کی روایتی ذہانت کی مشتعل قوت بالکل افسردہ ہوکر رہ گئی ہے!

(رر)

ہم نے بنگالیوں کو جو تعلیم دی ہے وہ صنعت و حرفت کی طرف راغب کرنے کے بجائے صرف ادبیت سکھاتی ہے۔

(سرای،سی، بوک)

جہاں باشندے خوشحال ہوتے ہیں، وہاں تعلیمی ترقی خطرناک نہیں ہوتی۔ مگر جہاں افلاس اور تعلیم کا ساتھ ہوتا ہے، وہاں آگ لگا دیتی ہے۔ یہ ایک سچی حقیقت ہے، لیکن کتنے آدمی ہیں جو جانتے ہیں کہ یہ حقیقت ہندوستان میں کتنی سچی ہے! (ڈبلو۔ ایس۔ بلنٹ)

شروع میں گورنمنٹ کا تعلیمی دستور العمل یہ تھا کہ ملک کے انتظام کے لئے آدمی فراہم کئے جائیں۔ نیز علمی تعلیم کے بجائے صرف ادبی تعلیم کی ہمت افزائی کی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں ادبی تعلیم یافتوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی، اور علمی تعلیم تقریباً مفقود رہی۔ (سیڈلر کمیشن)

الہلال کے ابتدائی نمبر

الہلال سلسلۂ جدید کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر ا سے ۵ تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دوگنی قیمت پر خریدنے کے لئے طیار ہیں۔ دفتر کو اطلاع دیجائے۔ منیجر

برید شرق

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا تاریخی خطبہ

بعد از جنگ حوادث و اعمال کی مستند روداد

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

کامل ایک ہفتہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا جمہوری مؤتمر میں اپنا تاریخی خطبہ سناتے رہے۔ خطبہ بہت ہی طویل ہے۔ تلخیص کے سوا چارہ نہیں۔

۱۹۱۹ء میں التوار جنگ

موصوف نے بیان کیا:

۱۹ مئی ۱۹۱۹ء میں وہ بحر اسود کے ساحل سمسون پر پہنچے۔ یہ وہ وقت تھا جب ٹرکی کی داخلی حالت از حد ابتر ہوچکی تھی۔ سلطان وحید الدین اور اُن کے وزیر اعظم داماد فرید پاشا، ملک کو اُس قعر مذلت سے نکالنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر رہے تھے جس میں وہ التوار جنگ کے بعد گر پڑا تھا۔ اتحادی سلطنتیں، معاہدۂ التوار کی کسی شرط کی بھی پابند نہ تھیں۔ برطانی، فرانسیسی، اور اطالی فوجیں، ٹرکی کی بہت سی سرزمینوں پر قابض ہوگئی تھیں۔ پھر انہی اتحادیوں کے اشارے سے ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء میں یونانی فوجیں سمرنا پر قابض ہوگئی تھیں۔ اسی قدر نہیں، بلکہ ٹرکی سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ تھریس سے دست بردار ہوجائے تاکہ وہاں جمہوری حکومت قائم کردی جائے۔ کردستان کو خود مختاری دیدے۔ علاقۂ بونتوس کو آزاد کردے اور اُس میں بھی ایک خود مختار حکومت بنجائے، جس کا پایۂ تخت، طرابزون ہو۔

"انجمن محبان انگریز"

استانبول، تمام سازشوں کا مرکز تھا۔ "انجمن محبان انگریز" سب سے زیادہ خطرناک سازشی مرکز تھا۔ یہ انجمن خود سلطان کی سرپرستی میں تھی۔ وزیر اعظم اور دوسرے ارکان سلطنت، اُس کے ممبر تھے۔ اس انجمن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ترکی قومی تحریک کو کچل ڈالے۔ فوج کی ابتری، آخری حد سے بھی تجاوز کرچکی تھی، لیکن وہ بدستور سلطان سے وفادار تھی۔ ملک میں یہ تحریک بھی پھیل رہی تھی کہ ٹرکی اب خود کچھ نہیں کرسکتا، لہذا کسی بڑی سلطنت سے امداد حاصل کرنا چاہئے۔ اس غرض کے لئے تین ذریعے لوگوں کے پیش نظر تھے:

"انگلستان کی سرپرستی قبول کرلی جائے۔ یا امریکہ کی حمایت منظور کرلی جائے۔ یا خود اندرون ملک میں متعدد حکومتیں قائم کردی جائیں"

غازی کی ابتدائی مساعی

اس کے بعد غازی نے اپنی ذاتی کوششوں کی طرف اشارہ کیا:

"میرے دشمنوں نے مجھے آستانہ سے نکلوانے کی کوشش کی تھی میرے ماتحت پہلے تین فوجیں تھیں۔ نیز انگورہ اور دیار بکر کی فوجوں پر بھی مجھے نگرانی کا حق حاصل تھا۔ میں یہ کسی طرح بھی گوارا نہیں کرسکتا تھا کہ وطن مقدس، کسی اجنبی حکومت کی غلامی میں پڑے۔ اس حالت پر میں موت کو ترجیح دیتا تھا۔ میں نے فوراً یونان سے مقابلہ کی طیاری شروع کردی۔ جون اور جولائی (۱۹۱۹ء) کے مہینوں میں اماسیا اور ارض روم کے شہروں میں میں نے کانفرنسیں منعقد کیں۔ لیکن میری سرگرمیاں دیکھ کر استنبول کے حکام سخت برہم ہوگئے علی کمال بک وزیر داخلیہ نے مجھے طلب کرکے کہا کہ باب عالی میری تجویز کا مخالف ہے۔

۳ جولائی کو میں نے اپنے دوستوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور صاف لفظوں میں اُن تمام خطروں سے آگاہ کردیا جو میرے ساتھ قومی تحریک میں شرکت سے اُنھیں پیش آنے والے تھے لیکن اُنھوں نے نہایت بہادری سے سرگرم عمل رہنے پر اصرار کیا اور اخلاص و رفاقت کی قسمیں کھائیں۔

تب میں اپنے فوجی منصب سے مستعفی ہوگیا تاکہ آزادی سے جدوجہد جاری رکھ سکوں۔ لیکن ارض روم میں میرے دوستوں میں باہم ناچاقی پیدا ہوگئی۔ میں نے اُن سے صاف کہدیا کہ "تاریخ ثابت کرچکی ہے کہ کوئی قوم کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی جبتک ایک قابل مستقل مزاج، اور حقیقی سردار کی اطاعت نہ کی جائے۔ ایسے نازک وقت میں اختلاف سے ہرگز کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا،،

قومی حرکت کا دوسرا قدم

قومی تحریک نے دوسرا قدم، سیواس کانفرنس سے اُٹھایا۔ اس کانفرنس میں تمام ترکی علاقوں کے نمائندے شریک ہوئے تھے یہیں صاف طور پر یہ بات طے پاگئی کہ اتحادیوں، خصوصاً یونان کی مقاومت کی جائے اور ہر ممکن تدبیر سے ترکی سرزمین، اجنبی فوجوں سے پاک کی جائے۔

اُس موقعہ پر ایک فرانسیسی افسر نے سیواس میں آکر کہا کہ فرانس عنقریب اس وطنی تحریک کا سر کچل ڈالے گا! میں نے اُسے جواب دیا "سیواس پر تم ہرگز قبضہ نہیں کرسکتے۔ فرانس یا کوئی اور طاقت اگر ہماری تحریک کچلنا چاہتی ہے تو اُسے ایک طویل ہولناک جنگ کے لئے طیار ہوجانا چاہئے"

اسی کانفرنس میں یہ مسئلہ پیش ہوا تھا کہ امریکہ کی حمایت میں ٹرکی کو چلا جانا چاہئے۔ کپتان رؤف بک، جنرل رافت پاشا، خالدہ ادیب خانم (زوجۂ عدنان بک) اس تجویز کے سرگرم حامی تھے مگر میں نے ارکان مجلس سے درخواست کی کہ سر دست یہ مسئلہ ملتوی کردیا جائے۔ میری درخواست منظور کرلی گئی۔

گماشتے جو شرطیں بھی چاہتے، زبردستی منوا لیتے تھے۔ اگر کاریگر کمپنی کا روپیہ قبول کرنے سے انکار کرتا تھا تو اُسے کوڑے لگا کر اُس کے لینے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ (ولیم بولٹس)

کاریگروں کو کمپنی کے لئے کام کرنے پر زبردستی مجبور کیا جاتا تھا۔ ان سے ایسے معاہدے لئے جاتے تھے جو اُن کے حق میں سراسر نقصان دہ ہوتے تھے۔ اُن کی فریادوں کی کوئی شنوائی نہیں تھی، اور انھیں اپنے ذاتی مفاد اور ضمیر کے خلاف کام کرنے پر بڑی سختی سے مجبور کر دیا جاتا تھا۔ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ کاریگروں کو بھاری بھاری جرمانے کام سے انکار کرنے کی وجہ سے ادا کرنے پڑتے .... نوربافوں کو ہولناک اور عبرت انگیز سزائیں دی جاتی تھیں .... جبر و تشدد کی حد یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ کاریگروں کو مجبوراً اپنا پیشہ ترک کر دینا پڑا تھا۔ (۱۷۹۳ء اور ۱۸۱۱ء کی کمرشیل بورڈ کی ڈائری)

غریب ہندوستانی دستکاروں اور کاریگروں پر ایسے ایسے ظلم توڑے گئے ہیں جن کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ غریب کمپنی کے گویا غلام بنا دیئے گئے تھے۔ جرمانے، قید، جبری معاہدے، اور بید کی مار نے نوربافوں کی نسل معدوم کر دی! (بولٹس صفحہ ۷۳)

صنعت و حرفت اور تجارت کے تنزل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ شہر (ڈھاکہ) کی آبادی تقریباً برباد ہو گئی۔ ۱۸۰۰ء میں اس کی آبادی ۲۰ لاکھ تھی، مگر اب صرف ۶۸۰۳۸ رہ گئی ہے جیسا کہ ۱۸۳۸ء کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے۔ .. جتنی تیزی سے آبادی گھٹی ہے، اُس سے کہیں زیادہ سرعت سے افلاس بڑھ گیا ہے!
(جیمس ٹیلر)

مسٹر بروکل ہرسٹ کا سوال:
"انگلستان یا ہندوستان، دونوں میں سے کسی ایک کی صنعت و حرفت کا قربان کرنا دوسرے کی ترقی کے لئے لازمی ہے۔ بنابریں ہندوستانی صنعت و حرفت کی قربانی کر دی گئی۔ کیا تم ہندوستان کو دوبارہ خوشحال کرنے کے لئے انگلستان کو تباہ کرنا چاہتے ہو؟"
مسٹر مارٹن کا جواب:
"میں ہرگز ہندوستان کو از سر نو زندہ کرنے کے لئے نہیں کہتا۔ لیکن میں ہندوستان کو مسلسل نقصان پہنچانے کے خلاف ہوں پھر یہ بھی لازمی نہیں کہ ہندوستانی نوربافوں کی ترقی سے انگلستان برباد ہو جائے گا۔ کیونکہ ہندوستان کے پاس نہ گلاسگو اور مانچسٹر کی طرح مشینیں ہیں نہ تجارتی بازار ہیں نہ سرمایہ ہے"
مسٹر بروکل ہرسٹ:
آپ سے جو سوال کیا گیا ہے اُس کا تعلق اُس نفیس سوت سے ہے جو مشین میں طیار نہیں ہو سکتا۔ پس سوال یہ ہے کہ کیا اس نفیس سوت کی صنعت اس ملک (انگلستان) میں باقی رکھی جائے یا ہمیشہ کے لئے اُٹھا دی جائے؟"
مسٹر مارٹن:
"اگر انگلستان میں اس صنعت کا بقا ہندوستان سے ناانصافی ہی پر موقوف ہے تو میرا جواب یہ ہے کہ انگلستان کو انصاف سے کام لینا چاہیئے۔ خواہ اُس کا نتیجہ کچھ ہو۔ کیونکہ انگریزوں کو ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ محض اپنے ذاتی مفاد کے لئے اُس ملک کے باشندوں کو تباہ کر ڈالیں جسے اُنھوں نے فتح کیا ہے"
مسٹر بروکل ہرسٹ:

۱۸۳۳ء میں جب کمپنی نے ہندوستان کو تاج کے حوالہ کیا تو اس سے پہلے ہی ہندوستان کی صنعت تباہ ہو چکی تھی۔ لہٰذا اس وقت تبدیلی کا سوال در پیش نہیں ہے جو واقع ہو چکی ہے۔ نیز ہمارے پاس شہادت موجود ہے کہ ہندوستان صنعتی ملک ہونے کے بجائے زرعی ملک ہے۔ اور وہ جماعتیں جو پہلے دستکاری میں مصروف تھیں، اب زراعت میں مشغول ہو گئی ہیں"
مسٹر مارٹن:
"میں اسے ہرگز تسلیم نہیں کرتا کہ ہندوستان صرف زراعتی ملک ہے۔ ہندوستان جس طرح زراعتی ملک ہے اُسی طرح صنعتی ملک بھی ہے۔ اُس کی مصنوعات ہر زمانہ میں نہایت کامیاب ہی ہیں اور کوئی قوم بھی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ اب ہندوستان کو محض زراعتی ملک بنا دینا، اُس کے لئے سخت ناانصافی اور ظلم ہے"
(۱۸۴۰ء کی پارلیمنٹری سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ)

ہندوستان سے انگلستان کو اور انگلستان سے ہندوستان کو جو کپڑا بھیجا گیا اُس کی تفصیل یہ ہے:

سنہ	ہندوستان سے	انگلستان سے
۱۸۱۴	۱۲۶۶۶۰۸ تھان	۸۱۸۲۰۸ گز
۱۸۲۱	۵۳۴۴۹۵ "	۱۰۱۳۸۷۲۶ "
۱۸۲۸	۴۲۲۵۰۴ "	۴۲۸۸۲۲۰۷۷ "
۱۸۳۵	۳۰۶۰۸۶ "	۶۱۷۷۷۲۷۷ "

(مسٹر لارپنٹ)

ہندوستان کا سوت

ہندوستان میں انگریزی سوت سب سے پہلے ۱۸۲۱ء میں آیا اس کے بعد اُس کی مقدار بڑھتی گئی۔ چنانچہ

۱۸۲۴	میں	۱۲۰۰۰۰ گز
۱۸۲۵	"	۸۰۰۰۰۰ "
۱۸۳۰	"	۴۰۵۰۰۰۰ "

(ایسٹ انڈین کمپنی کے حالات ضمیمہ ۱۴)

ڈاکٹر تور نے ۱۸۳۹ء میں لکھا ہے کہ "ڈھاکہ میں جیسا سوت کتتا ہے اور ململ طیار ہوتی ہے اُس کا مقابلہ انگریزی ذہانت اور صنعت کسی طرح بھی نہیں کر سکتی" (براؤن)

ضلع (ڈھاکہ) میں قدیم زمانہ سے ہر گھر کا مشغلہ سوت طیار کرنا تھا۔ لیکن اب ارزاں انگریزی سوت کی وجہ سے یہ کام بالکل موقوف ہو گیا ہے۔ اس طرح کاتنے اور بُننے کی صنعت، جس سے مدتوں لاکھوں محنتی مخلوق پیٹ پالتی تھی، ۶۰ برس کے قلیل زمانہ میں اجنبی ہاتھوں میں چلی گئی۔ (")

سب سے پہلے ۱۸۲۱ء میں انگریزی سوت ہندوستان آیا۔ ۱۸۲۷ء میں اُس کی مقدار ۳۸۲۹ من تک پہنچ گئی۔ ۱۸۳۱ء میں ۸۲۸۱۰ من ہو گئی۔ اور ۱۸۳۸ء کے بعد سے تو اُس نے ہندوستانی سوت کو بالکل بے دخل کر کے ملک بھر میں اُس کی جگہ لے لی۔
(جیمس ٹیلر)

تعلیم

جب کبھی میں ہندوستان کی بے شمار مخلوق کی جہالت کا خیال کرتا ہوں، تو مجھے کارلائل کا پُراثر مقولہ یاد آجاتا ہے "علم کی صلاحیت رکھنے والے انسان کا جاہل رہنا میرے نزدیک ایک اندوہناک مصیبت ہے۔" (ڈاکٹر سی ہال)

یہ بالکل یقینی ہے کہ ہندوستان ایک بہت بڑا علمی مرکز تھا جہاں سے یورپ کی قدیم مہذب ترین قوموں نے اپنا علم، صنعت اور ادب حاصل کیا تھا۔ (اے الیٹ ٹرل)

جب کبھی کوئی ملک یا قوم کسی زبردست طاقت سے مفتوح ہوتی ہے تو یقین کر لینا چاہئے کہ حکمران طاقت سب سے پہلا کام یہی کرے گی کہ مفتوح قوم کی تعلیم تباہ کر ڈالے گی یا سختی کے ساتھ اُسے اپنے ہاتھ میں لے لیگی۔ تاکہ اُس سے فائدہ اُٹھا سکے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ علم اور غلامی پہلو بہ پہلو نہیں رہ سکتے۔ (اے سیڈی)

۱۷۹۳ء میں تعلیمی کمیٹی کے ایک ڈائرکٹر نے کہا تھا "ہم نے امریکہ محض اپنی حماقت سے اس لئے کھو دیا کہ وہاں اسکول اور کالج قائم کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ اب ہمیں ہندوستان میں اس حماقت کا اعادہ نہیں کرنا چاہئے۔ (ایجوکیشن کمیٹی ۱۷۹۳ء)

ہمارے مشرقی مقبوضات میں مشنری بھیجنے کی تجویز ایک نہایت ہی ناعاقبت اندیشانہ، اور مسرفانہ تجویز ہے۔ یہ تجویز نہایت ہی مہلک، مہمل، جاہلانہ، بے فائدہ، مضرت رساں، خطرناک، اور متعصبانہ ہے۔ یہ ہر طرح کے تدبّر اور صحیح سیاست کے خلاف ہے۔ یہ ہمارے مقبوضات کی سلامتی اور دوام کو خطرہ میں ڈالنے والی ہے۔
(ہندوستان میں کیری ء کی آمد پر ایسٹ انڈین کمپنی کے ڈائرکٹروں کا رزولیوشن ۱۷۹۳ء)

۱۷۹۳ء میں کمپنی کے ڈائرکٹر کہتے ہیں "تم (انگریز) ہندوستانیوں کو تعلیم دینا کیوں چاہتے ہو؟ تعلیم دیکر تم اُنھیں اپنی بے انصافیوں سے آگاہ کر دو گے۔ تم نے اُن کا ملک لوٹ لیا ہے۔ تم نے اُنکے ہموطنوں کو برباد اور ذلیل کر دیا ہے۔ تم نے اُنکے بادشاہوں کو قتل کر ڈالا ہے۔ لہٰذا تمھاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم اُنھیں اسی طرح فریب خوردہ خود فراموش، اور جاہل رہنے دو!
(مسٹر تھامس ٹرٹین ۱۲ مارچ ۱۸۱۳ء)

ہمیں صرف اُسی حد تک ہندوستانیوں کو تعلیم و تربیت دینی چاہئے جس حد تک ہم اُن سے اپنی تجارت اور حکومت چلانے میں فائدہ اُٹھا سکیں۔ (کلکتہ جرنل ۱۸۱۹ء)

ہمیں ہندوستانیوں کی ایک ایسی جماعت طیار کرنی چاہئے جو رنگ اور خون میں ہندوستانی ہوں، مگر ذوق، خیال، اور ذہنیت انگریزوں کی رکھیں۔ (میکالے)

ہمیں ہندوستان میں ہندوستانی مدبروں، سپہ سالاروں اور مقننوں کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہمیں محنتی کسان مطلوب ہیں! (تھیکرے)

ہندوستان میں انگریزوں کے اندرونی تعلیمی مقاصد حسب ذیل ہیں:
(الف) انگریزی تعلیم کی روح ہمارے ... کم لئے مفید ہوگی۔

کئے۔ ٹرکی میں جو اعلان شایع کیا تھا، وہ اس عبارت سے شروع ہوتا تھا "آزادی کی اس مقدس جنگ میں خدا ہمارے ساتھ ہو!"

اسی زمانے میں عسکی شہر اور افیون قرہ حصار سے ہم اتحادی فوجیں نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ ریلوے بھی کئی جگہ سے توڑ ڈالی گئی۔ نئی مجلس وطنی بھی منعقد ہوئی۔ یہ واقعہ ۲۳ ر اپریل سنہ ۱۹۲۰ء کا ہے۔

اس کے بعد غازی نے رأفت پاشا کا پھر ذکر کیا۔ اُنھوں نے کہا "میں نے اُنھیں سمرنا کے میدان جنگ میں جانے کا حکم دیا۔ مگر اُنھوں نے تعمیل نہیں کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ ایک فرانسیسی آب دوز پر خفیہ آستانہ چلے گئے۔ آج تک معلوم نہ ہو سکا اس سفر کی غرض کیا تھی؟"

اس کے بعد کاظم قارا بکر پاشا کی مذمت کرتے ہوئے غازی نے کہا:

"یہ مجلس وطنی کے سوا اس سے انگورہ آنے پر معترض تھے۔ پھر جب آستانہ میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو انھوں نے زور دیا کہ مجلس وطنی توڑ دی جائے۔ لیکن میں نے اُن کے مشورہ کی کوئی پروا نہیں کی"

اس کے بعد غازی نے وہ رُودادیں پڑھیں جو مشہور خائن سعید ملا، انگریز راہب فرد کو بھیجا کرتا تھا۔ پھر بتایا کہ نور الدین بک قسطنطنیہ کا پولیس کمشنر انگریز جاسوسوں کو پناہ دیتا تھا۔

اس کے بعد غازی نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی کہ مجلس وطنی کی تاسیس کے بعد موجودہ سیاسی مسلک کیونکر اختیار کیا گیا؟ اُنھوں نے کہا:

"اُس وقت تین سیاسی رجحان ملک میں موجود تھے: پان اسلامزم، پان تورانیزم، ترکی قومیت۔ میری رائے اسی آخری رجحان کی طرف تھی۔ یہ اس لئے کہ جملہ ترکی قوموں کا ایک عَلم کے نیچے جمع ہو جانا ناممکن ہے۔ اسی طرح تورانی تحریک یا اسلامی تحریک پر بھروسہ کرنا ایک وہم اور جنون تھا۔ لہذا ہمارے لئے اس کے سوا کوئی راہ باز نہ تھی کہ اپنی خالص قومی تحریک پر تکیہ کریں۔ ہمارے لئے ایک قومی سیاست ضروری تھی۔ قومی سیاست سے مقصود، وہ زندگی ہے جو سب سے پہلے قوم کی قوت پر قائم ہو۔ پھر تمام متمدن دنیا کی ہمدردی حاصل کر سکے"

جب میں نے مجلس وطنی کے سامنے اپنا یہ نقطۂ نظر پیش کیا، تو یہ بحث شروع ہوئی کہ آخر حکومت کی شکل کیا ہونی چاہیے۔ اُس وقت سلطان اور خلیفہ آستانہ میں موجود تھا۔ بہت سے لوگ اُسے معذور اور بے گناہ سمجھتے تھے۔ لہذا ضروری ہوا کہ کوئی ایسی تجویز بنائی جائے جو حالات کے مناسب ہو۔ چنانچہ یہ تجویز منظور کی گئی:

"مجلس وطنی سے بالا کوئی قوت تسلیم نہ کی جائے۔ مجلس وطنی میں تشریعی اور تنفیذی دونوں قوتیں جمع ہیں۔ جب سلطان اور خلیفہ، قید سے آزاد ہوگا اُس وقت اُس کی وہ حیثیت ہو جائے گی جو مجلس وطنی طے کرے گی"

فرید پاشا کی وزارت

پھر مجلس وطنی کے انتخابات پیش آئے اور میں اُس کا صدر منتخب کیا گیا۔ عین اُسی زمانے میں سلطان وحید الدین نے ہماری ضد پر فرید پاشا کو دوبارہ وزیر اعظم بنا دیا۔ ہماری قومی حکومت کے خلاف فتوے شایع کئے گئے اور دشمن کے ہوائی جہازوں سے تمام ملک میں تقسیم کئے گئے۔ اب ہر طرف شورش پیدا ہوئی۔ خفیہ اور علانیہ قومی حکومت پر یورش شروع ہوئی۔ بولو، ادا بازار، مشرقی انگورہ، توقاد، یوزغاد اور رغہ، سیوہ رک، الیفین، قونیہ، غرضکہ تمام علاقوں میں مسلح بغاوت برپا ہو گئی۔ پھر فوراً ہی ازمیت میں جیش خلافت نے ظہور کیا اور قومی حکومت مجبور ہوئی کہ ان تمام فتنوں سے بیک وقت جنگ کرے۔ چنانچہ خیانت وطنی کا قانون بنایا گیا اور "محاکم استقلال" مرتب کر دئے گئے ساتھ ہی یونانی سیلاب کے روکنے کے لئے سمرنا میں اور فرانسیسیوں کی سرکوبی کے لئے اطنہ میں میدان جنگ قائم کئے گئے۔ ہماری کوششیں جلد بار آور ہوئیں۔ اطنہ، طرطوس، اور مرسین میں ہم نے فرانسیسیوں کا محاصرہ کر لیا اور فرانس کو ہماری تمام سرزمین خالی کر دینی پڑیں۔

ساتھ ہی مجلس وطنی نے اپنا ایک وفد روس بھی بھیجا۔ پورے ایک برس تک گفت و شنید جاری رہی۔ یہاں تک کہ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء میں ماسکو سے ہمارے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

جون سنہ ۱۹۲۰ء میں یونانیوں نے حملہ شروع کیا۔ قومی فوج مجبور ہوئی کہ پیچھے ہٹ جائے۔ اُس وقت میں خود میدان جنگ گیا۔ علی فواد پاشا کی زیر قیادت عسکی شہر اور افیون قرہ حصار کے خط پر از سر نو مورچے قائم ہو گئے۔

دو نئی مشکلیں

اسی اثنا میں دو نئی مشکلات پیدا ہوئیں: ایک مشکل "سبز فوج" کی تھی۔ یہ ایک خفیہ انجمن تھی اور ادہم چرکسی کے ماتحت تھی۔ دوسرا معاملہ جلال الدین عارف بک کا تھا۔ انھوں نے چاہا کہ مشرقی صوبوں میں اپنے لئے ایک خاص حیثیت پیدا کر لیں۔ مگر ہم ان دونوں مشکلوں پر بھی غالب آ گئے۔

ارمنی فتنہ

اُسی دوران میں اتحادیوں کے اشارے سے ارمن قوم نے سر اُٹھایا اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اب ہمیں اس نئی مصیبت کا بھی مقابلہ کرنا تھا۔ چنانچہ ہماری فوجیں متحرک ہوئیں۔ ارمنوں کی اچھی طرح گوشمالی کی اور قارص پر قبضہ کر لیا۔ پھر ارمنوں کو مجبور کیا کہ صلح کی درخواست کریں۔ اس کا نتیجہ معاہدۂ کومرد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس معاہدہ کی رُو سے ترکی سرحدیں وہی ہو گئیں جو سنہ ۱۸۷۶ء میں تھیں اس طرح ارمنی خطرہ بالکل زائل ہو گیا۔ روس نے بھی یہ معاہدہ قبول کر لیا بشرطیکہ باطوم اُس کے حوالہ کر دیا جائے۔ اس تدبیر سے ہم مشرق کی طرف سے کلیتہً مطمئن ہو گئے۔

قونیہ کی بغاوت

اس کے بعد قونیہ میں پھر بغاوت ظاہر ہوئی۔ ہم مجبور ہوئے کہ از سر نو ایک فوج مرتب کریں۔ ادہم چرکسی نے اس امر کی مخالفت کی اور جب ہم نے اُس کی پروا نہیں کی تو وہ یونان سے مل گیا۔ اب ایک مرتبہ پھر قومی فوج پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئی۔ ہم نے فوراً علی فواد پاشا کو میدان جنگ سے واپس کر کے ماسکو کی سفارت پر بھیج دیا اور عصمت پاشا اور رأفت پاشا کو سپہ سالار مقرر کیا۔

عین اسی زمانہ میں داماد فرید پاشا پھر معزول ہو گئے اور توفیق پاشا، صالح پاشا کے ساتھ برسر حکومت آئے۔ اُنھوں نے اناطولیہ مفاہمت کے لئے ایک وفد بھیجا۔ یہ وفد اُس وقت پہونچا جب عصمت پاشا این آدنی میں یونان کو شکست دے چکے تھے۔ یہ قومی حکومت کی پہلی فتح تھی۔ لیکن اس فتح کے بعد ہی یونانیوں نے علی ادہم چرکسی کی اعانت سے کوتاہیہ پر حملہ کر دیا اور ہماری فوجوں کو پھر پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ صورت صرف اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ رأفت پاشا بر وقت دشمن کے محاصرہ کے لئے میدان جنگ میں نہیں پہنچے تھے۔

لندن کانفرنس

اس کے بعد لندن کانفرنس منعقد ہوئی اور اُس میں حکومت انگورہ بھی مدعو کی گئی۔ مگر میں نے وزیر اعظم توفیق پاشا سے مطالبہ کیا کہ وہ دول اتحاد سے کہہ دیں کہ براہ راست حکومت انگورہ کانفرنس میں بلائی جائے، کیونکہ ٹرکی میں تنہا وہی حکومت موجود ہے۔ ساتھ ہی وزیر اعظم کو مجلس وطنی کی حسب ذیل دو تجویزوں سے مطلع کر دیا:

(۱) مجلس وطنی، سلطان کی ذات شاہانہ کو تسلیم کرتی ہے۔

(۲) سلطان کا قیام، آستانہ میں رہے، لیکن حکومت اور پارلیمنٹ کا مرکز، انگورہ میں رہے گا۔

لیکن توفیق پاشا اور سلطان نے یہ تجویزیں منظور نہیں کیں نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے لندن میں اپنا علحدہ وفد بھیجا اور کانفرنس کی شرطیں نامنظور کر دیں۔

اسی اثنا میں یونانیوں نے دوبارہ حملہ شروع کیا لیکن پھر عصمت پاشا کے ہاتھوں شکست کھائی۔ مگر دملو بینا میں رأفت پاشا سے سخت مقابلہ جاری رہا۔ آخر ہم نے رأفت پاشا کو واپس بلا لیا اور عصمت پاشا پورے میدان کے سپہ سالار مقرر ہو گئے۔

جعفر طیار اور رأفت پاشا

غازی نے جعفر طیار پاشا کا ذکر کیا جو مشرقی تھریس میں قومی تحریک کے علمبردار تھے:

"اُنھوں نے کوئی قابلیت بھی ظاہر نہیں کی۔ اُس علاقہ میں تحریک کی ناکامی کے سراسر ذمہ دار وہی ہیں۔ تاریخ اُنھیں ہرگز معاف نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ بغیر کسی مقابلہ کے دشمن کے ہاتھ میں قید ہو گئے!"

اس کے بعد مقرر نے رأفت پاشا کا پھر ذکر کیا:

"رأفت پاشا نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ فوزی پاشا، وزیر جنگ بنائے جائیں عصمت پاشا، میدان جنگ کے سپہ سالار ہوں اور وہ خود (یعنی رأفت پاشا) جنگی اسٹاف کے صدر مقرر کئے جائیں"

میں نے اُنھیں حسب ذیل جواب دیا:

"آپ جنگی اسٹاف کے صدر بننا چاہتے ہیں؟ جنگی اسٹاف کی صدارت کے معنی یہ ہیں کہ عملی طور پر پورے میدان جنگ کی سپہ سالاری۔ لیکن آپ میں اس کی ہرگز قابلیت نہیں ہے!"

اس کے بعد رأفت پاشا گوشہ نشین ہو گئے اور پھر کچھ بھی نہیں کیا۔

کامل فتح

تین مہینے سکون کے بعد ۱۰ر جولائی سنہ ۱۹۲۱ء کو یونانیوں نے بہت بڑے پیمانہ پر عشاق اور بروسہ کی طرف حملہ شروع کیا۔ ۱۴ دن سخت معرکہ جاری رہا۔ آخر ترکی فوجیں پیچھے ہٹنے لگیں اور دریائے سقاریا کے اس پار آ کر رُکیں۔

مجلس وطنی، ترکی فوجوں کی واپسی سے سخت پریشان ہوئی اور مجھے حکم دیا کہ خود اپنے ہاتھ میں سپہ سالاری لے لوں۔ میں نے اس شرط پر یہ منصب قبول کر لیا کہ مجلس مجھے وہ تمام اختیارات بھی بخش دے جو اُسے فوج پر حاصل ہیں۔ مجلس نے یہ شرط منظور کر لی اور تین مہینے کے لئے اپنے اختیارات مجھے عطا کر دئے۔

میں نے کمان اپنے ہاتھ میں لی اور سقاریا کا وہ معرکہ پیش آیا، جسنے حملہ آور یونانیوں کی کمر توڑ ڈالی۔ تب مجلس وطنی نے مجھے "مارشل" کا خطاب دیا۔ ساتھ ہی "غازی" کا لقب بخشا۔ اس فتحمندی کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ فرانس نے ۲۰ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء کو ہم سے معاہدہ کر لیا۔ ٹرکی کی کامل خود مختاری تسلیم کر لی اور اُن تمام علاقوں سے دست بردار ہو گیا جو جنوبی اناطولیہ میں اُس کے قبضہ میں تھے۔

اُنہی دنوں میں یونانیوں نے بحر اسود پر ترکی علاقے میں اپنی جمہوریت قائم کرنا چاہی۔ بعض یورپین سلطنتیں اُن کی ہمت افزائی کر رہی تھیں۔ ۲۵ ہزار فوج یونانیوں کی تائید پر تھی۔ مگر ہم نے اس فتنہ کا بھی سر کچل ڈالا۔

سنہ ۱۹۲۱ء اور سنہ ۱۹۲۲ء میں خود مجلس وطنی کے اندر مخالفت نے زور پکڑا۔ مخالفت کے سرگروہ رؤف بک اور قرہ واصف بک تھے۔ رأفت پاشا کا میلان بھی اسی جماعت کی طرف تھا جو ازحد نامبارک

حکومت آستانہ اور سیواس کانفرنس

حکومت آستانہ، سیواس کانفرنس دیکھ کر گھبرا گئی اور قومی تحریک کا گلا گھونٹ دینے پر کمربستہ ہوگئی۔ اس مقصد کے لئے اُسنے صوبۂ معمورۃ العزیز کے حاکم علی غالب کو منتخب کیا۔ اُسے حکم دیا کہ مشرقی صوبوں کے تمام کردوں کو قومی تحریک کے خلاف کھڑا کردے۔ نیز ایک اجنبی افسر اُس کی مدد کے لئے مقرر کیا۔

علی غالب بک کو یقین تھا کہ وہ سیواس تک پہنچ سکتا ہے اور حکومت پر قابض ہو کے قومی تحریک کا خاتمہ کردے سکتا ہے۔ لیکن ہم قومی کارکن پُورے طور پر بیدار تھے۔ ہم نے بروقت ضروری تدابیر اختیار کیں۔ مجرموں کا تعاقب شروع کردیا۔ جلد ہی ان کی ہمتیں پست ہوگئیں اور اجنبی حمایت میں بھاگ کر پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ نیز میں نے عام حکم صادر کردیا کہ کردستان میں اجنبی افسروں کی موجودگی قطعاً ممنوع ہے۔ الا یہ کہ اُن کے پاس ہماری خاص اجازت موجود ہو۔

پھر میں نے سلطان کو ایک طویل برقی پیغام بھیجا۔ اسمیں انتہائی تعظیم و تکریم کے الفاظ استعمال کئے اور درخواست کی کہ موجودہ خائن وزارت کو توڑدیں اور ایک ایسی وزارت مرتب فرمائیں جو قومی آرزوں کی مؤید ہو۔

فرید پاشا یہ پیغام دیکھ کر بہت چراغ پا ہوئے۔ اُنھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ قومی کارکنوں کو بہت ڈرایا دھمکایا اور بالآخر آستانہ اور اناطولیہ کے مابین گفتگو کا سلسلہ ہی منقطع ہوگیا۔

سیواس کانفرنس کے بعد ہم نے پارلیمنٹ منعقد کرنے کی کوشش شروع کی۔ لیکن آستانہ کی حکومت اسے جمع ہونے دینا نہیں چاہتی تھی تاکہ قوم کی مرضی کے خلاف صلح حاصل کرسکے۔ یہ دیکھ کر ہم نے اپنے تمام عہدہ داروں کو حکم دے دیا کہ پُوری مستعدی سے انتخابات کی طیاریاں شروع کردیں۔ نیز سیواس کانفرنس کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کمربستہ ہوگئی کہ اندرون ملک میں ایک نمائندہ جماعت، مجلس قومی کے نام سے قائم ہو اور جملہ معاملات وہی انجام دے، یہاں تک کہ ملک میں ایسی حکومت قائم ہوجائے جسپر قوم کو اعتماد ہو۔

اس جدوجہد میں ہمیں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اعتراضات اختلافات، سوء ظن، رشک و حسد کی کوئی حد نہ تھی۔ ساتھ ہی دشمنوں کی علانیہ عداوت اور خفیہ سازشوں نے اب اور بھی زیادہ زور کیا۔ ضروری تھا کہ اِن تمام مشکلات کا مقابلہ کیا جائے اور سب کا سر کچل ڈالا جائے۔ ہم نے یہی کیا۔

اسی دَوران میں ہر طرف سے سلطان پر تار برقیوں کی بارش ہوئی کہ فوراً اس خائن وزارت کو توڑدیں۔ اسی دَوران میں علی فواد پاشا مغربی میدان جنگ کے سپہ سالار اور انگریزوں میں جھگڑا پیدا ہوگیا۔ میں نے مداخلت کی اور پُرامن طریقہ پر تصفیہ ہوگیا۔ اس فیصلہ کی بنا پر انگریزی فوجیں، مرزیفون اور سامسون سے ہٹ گئیں۔

اب حکومت آستانہ کو یقین ہوگیا کہ اناطولیہ کی قومی تحریک کا مٹانا ناممکن ہے۔ اُس کے خلاف جتنی کوشش کی جاتی ہے، وہ اتنی ہی زیادہ مضبوط ہوتی جاتی ہے، لہذا اُسنے یہی مناسب سمجھا کہ سختی کے بجائے، نرم تدبیروں سے اُس کا خاتمہ کردے۔ چنانچہ مرحوم عبدالکریم پاشا کو مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے منتخب کیا۔ ۲۷ اور ۲۸ ستمبر کی درمیانی رات کو ہم دونوں تاربرقی کے آلہ پر ۸ گھنٹے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مگر کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا۔ اب داماد فرید پاشا کے لئے اسکے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا تھا کہ وزارت کی کرسی خالی کردیں چنانچہ تین دن بعد وہ مستعفی ہوگئے۔

اُسی زمانے میں طرابزون کے بعض لوگ ایک وفد مرتب کر کے بطور خود سمجھوتہ کے لئے آستانہ جانے لگے۔ مگر اُنھیں روک دیا گیا اور طرابزون کے صوبہ دار کو قید کردیا گیا۔

اس کا جواب حکومت آستانہ نے یہ دیا کہ پھوٹ ڈالنے کے لئے بعض منافق اناطولیہ میں بھیجدیئے۔ مگر اسمیں اُسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ اناطولیہ کی قومی مجلس نے آستانہ کے باشندوں کی اور زیادہ حمایت حاصل کرلی اور سلطانی حکومت کے شر سے انھیں باخبر کردیا۔ ہم نے یہی نہیں کیا بلکہ اُن پُرجوش ناعاقبت اندیش وطن پرستوں کی ناک میں بھی نکیل ڈال دی جو قسطنطنیہ پر حملہ کردینے اور تلوار کے زور سے فیصلہ حاصل کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ ہم نے ہر جگہ اپنی دعوت پھیلادی حتی کہ دول اتحاد کے اہل الحل والعقد کو بھی، جو آستانہ میں موجود تھے، متأثر کردیا۔

علی رضا کی وزارت

اِن کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطان نے ۲؍اکتوبر ۱۹۱۹ء کو علی رضا پاشا کی وزارت قائم کردی۔ علی رضا پاشا کا مسلک، فرید پاشا سے بالکل مختلف تھا۔ نئی وزارت، مفاہمت چاہتی تھی۔ مگر وہ بھی اس مفاہمت میں مخلص نہ تھی۔ وہ چاہتی تھی نرمی سے گلا گھونٹ دے۔

علی رضا پاشا نے مجھے مفاہمت کی دعوت دی۔ میں نے گفتگو کے لئے ۵ شرطیں پیش کیں:

(۱) اگر جدید وزارت، قومی آرزوں کی مؤید ہوگی تو قومی مجلس بھی اُس کی تائید کرے گی۔

(۲) جدید وزارت، ملک کی قسمت کا کوئی فیصلہ اُسوقت تک نہ کرے، جب تک پارلیمنٹ منعقد نہ ہو اور حکومت پر اُس کی کامل اور آزاد نگرانی قائم نہ ہوجائے۔

(۳) صلح کانفرنس میں جو نمائندے جائیں، وہ اُن لوگوں میں سے ہوں جن پر قوم اعتماد کرتی ہے۔

(۴) جدید وزارت، پُوری صفائی سے اپنا مسلک ظاہر کردے۔

(۵) وہ تمام عہدہ دار، سپہ سالار برطرف کردیئے جائیں جو قومی تحریک کے مخالف ہیں۔ اُن کی جگہ وطن پرور آدمی مقرر کئے جائیں۔

کئی دن تک گفت و شنید جاری رہی۔ علی رضا پاشا صرف زبان سے وعدہ کرتے تھے کہ ہماری شرطیں منظور کرتے ہیں۔ وہ ہمیں یقین دلانا چاہتے تھے کہ ہمارے طرفدار ہیں۔ جمال پاشا مرسینی کو وزارت میں اسی لئے داخل کیا تھا کہ قوم کو غلط فہمی میں ڈال سکیں۔ کیونکہ جمال پاشا مرسینی، قومی آدمی خیال کئے جاتے تھے۔

لیکن ہم دھوکا نہیں کھا سکتے تھے۔ جب ہم نے دیکھ لیا کہ گفتگو سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو ہماری قومی مجلس بدستور قائم رہی۔ اس کی بیداری اور مستعدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد پُورے اناطولیہ پر اُس کی حکومت قائم ہوگئی۔ ساتھ ہی ہماری خفیہ انجمنیں ہر طرف پھیل گئیں۔ خود آستانہ اور سمرنا میں بھی ہم متعدد طاقتور انجمنیں قائم کرسکے۔ اِن کوششوں کا اصلی مقصد یہ تھا کہ ہم انتخابات میں کامیابی حاصل کرلیں۔ ہم چاہتے تھے پارلیمنٹ، آستانہ کے بجائے اناطولیہ کی سرزمین میں منعقد ہو۔

اُسی زمانے میں امریکن جنرل ہاربرڈ اناطولیہ میں سیاحت کر رہا تھا۔ اُسنے مجھ سے سیواس میں ملاقات کی اور سوال کیا:

"اگر تمام قربانیوں کے بعد بھی قوم کوئی نتیجہ حاصل نہ کرسکی تو کیا کروگے؟"

میں نے جواب دیا:

"اگر قوم تمام قربانیاں کرے گی تو ضرور کامیاب ہوجائے گی۔ لیکن اگر اسپر بھی کامیاب نہ ہو تو سمجھ لو یہ ہوسکے گا کہ قوم مرگئی!"

اس کے بعد غازی نے رؤف پاشا کی مذمت کی۔ کہا:

"میں نے اُنھیں حکم دیا کہ صوبۂ قونیہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ مگر اُنھوں نے مجھ سے منصب کی ترقی کا مطالبہ کیا۔ پھر میں نے اُنھیں بورو کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجنا چاہا، مگر اُنھوں نے دوبارہ منصب کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب میں خود تمام مناصب سے برخواست کردیا گیا تھا اور مجھے پھانسی کی سزا کا حکم مل چکا تھا!"

علی رضا پاشا نے ایک چال اور چلنا چاہی۔ صالح پاشا کو مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے آماسیا بھیجا۔ مگر عین اُسی وقت سیواس میں شورش بھی پیدا کردی۔ یہ شورش انجمن محبان انگریز کی کوششوں سے برپا ہوئی تھی۔ اس علاقے میں انجمن کا روح رواں ایک انگریز راہب "فرد" نام تھا۔ سیواس کی طرح ادابازار، بروسہ میں بھی شورش نے ظہور کیا۔ مگر ہم نے بروقت سب کا خاتمہ کردیا۔

میں اس بات پر مصر تھا کہ پارلیمنٹ، اناطولیہ میں منعقد ہو لیکن احمد عزت پاشا، جمال پاشا مرسینی، احمد عبوق پاشا اسکے خلاف تھے۔ صالح پاشا کی مجھ سے گفتگو اس سمجھوتہ پر ختم ہوئی کہ طرفین نے اناطولیہ، اطنہ، سمرنا اور آدرنہ کو ترکی قومی وطن تسلیم کرلیا۔ اُس کی تقسیم و تجزی کو ناجائز قرار دیا۔ سلطنت و خلافت کے برقرار رہنے پر اتفاق کرلیا۔ نیز یہ طے پاگیا کہ پارلیمنٹ کے انتخابات پوری آزادی کے ساتھ جاری ہوں۔

ہم نے علی رضا پاشا کی حکومت سے یہ بھی منوالیا کہ فرانسیسیوں سے جنگ کی جائے جنھوں نے انگریزوں کے بعد اطنہ پر قبضہ کرلیا تھا اور اجنبی جاسوسوں کو قطعی طور پر شرارت پھیلانے سے روک دیا جائے۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ کوئی ایسی صلح قبول نہیں کی جائے جسے مجلس قومی نامنظور کرے۔ اس کے مقابلے میں ہم نے مان لیا کہ پارلیمنٹ آستانہ ہی میں منعقد ہو۔

قومی مجلس انگورہ

۲۷؍دسمبر ۱۹۱۹ء میں ہماری قومی مجلس سیواس سے انگورہ میں منتقل ہوگئی کیونکہ اب ضرورت تھی کہ ہم یونانی میدان جنگ سے قریب رہیں۔

پارلیمنٹ، آستانہ میں منعقد ہوئی، مگر اتحادیوں نے اُسے جبراً بند کردیا۔ میں نے پارلیمنٹ کو انگورہ میں جمع ہونے کی دعوت دیدی۔ مجھے پہلے سے معلوم ہوگیا تھا کہ اتحادی، پارلیمنٹ کے ممبروں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ممبروں کو متنبہ کردیا اور فوراً انگورہ چلے آنے پر زور دیا۔ مگر اُنھوں نے میری نصیحت قبول نہیں کی اور قید ہوگئے۔

اُسی زمانے میں جمال پاشا مرسینی نے کوشش کی کہ اناطولیہ کی قومی تحریک پر قابض ہوجائیں۔ قومی فوج پر اپنے طرفدار افسر مقرر کردیں۔ مگر اُنھیں کامیابی نہ ہوسکی۔ پھر اُنھوں نے اتحادیوں کے دباؤ سے مجبور ہو کر چاہا کہ ترکی فوج، یونانیوں کے مقابلے سے ہٹ جائے۔ مگر اُن کی یہ کوشش بھی رائگاں گئی۔

جب پارلیمنٹ کے ممبر انگورہ پہنچے تو میں نے اُنھیں باہمی اتحاد کی نصیحت کی۔ میں چاہتا تھا پارلیمنٹ کا صدر مجھے منتخب کیا جائے، تاکہ میں جب چاہوں، اُسے اناطولیہ میں طلب کرسکوں۔ مگر اُسوقت ارکان مجلس، اتحادیوں کے خوف سے اس کی جرأت نہ کرسکے۔

اب بہت سی نئی مشکلات پیدا ہوگئی تھیں۔ ہمیں سب پر غالب آنا تھا۔ میں نے ترکی میں اور تمام اسلامی ممالک میں اعلان شائع

عالمِ مطبوعات و صحائف

تاریخ کا سب سے بڑا سوانگ

نام نہاد "مجلس اقوام" اور چھوٹی قومیں

حال میں امریکن اخبارات کا ایک سربرآوردہ نمائندہ مجلس اقوام کی کارروائیوں کا مطالعہ کرنے جنیوا گیا تھا۔ واپسی کے بعد اسنے امریکن اخبارات میں حسب ذیل تاثرات شایع کئے ہیں:

"یہ انجمن، صرف دول عظمیٰ نے اپنی دلچسپی اور خود غرضی کے لئے بنائی ہے۔ تمام چھوٹی سلطنتیں ان کے جور و استبداد سے فریاد کر رہی ہیں۔ مظلوم قوموں کو یہاں ذبح کیا جاتا ہے اور اُن کی کھال کھینچکر قہقہے لگائے جاتے ہیں۔ کمزور قوموں کی فریادیں، ردی کی ٹوکری میں ڈال دیجاتی ہیں اور وہ مجلس اقوام کو لعنت کرتی، روتی پیٹتی نامراد لوٹ جاتی ہیں۔

"یہ انجمن کچھ مفید ہوسکتی تھی اگر دول عظمیٰ اپنی سازشی طبیعت بدل ڈالتیں۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ سازش اُنکے خمیر میں داخل ہوچکی ہے۔ انجمن کی تمام رکن سلطنتیں اس امر سے بخوبی واقف ہیں اور اب چھوٹی سلطنتیں بغاوت پر طیار ہوگئی ہیں۔ چنانچہ انجمن کے آٹھویں سالانہ جلسہ میں انھوں نے اپنے غصے اور نفرت کا علانیہ مظاہرہ کردیا۔ سویڈن، ہالینڈ، پولینڈ، فنلینڈ، لیتھونیا، اسھتونیا وغیرہ نے بلکر پٹی لے دے کی۔ اُنھوں نے صاف لفظوں میں کہدیا۔ دول عظمیٰ نے امن و امان کی کشتی، جان بوجھکر غرق کردی ہے۔ وہ تمام اضطراب اور بےچینی واپس لے آئی ہیں جو گزشتہ جنگ کا سبب تھی۔ وہ باہم سازشیں کرتی ہیں۔ خفیہ معاہدے طیار کرتی ہیں اور وہ تمام خطرناک کام کر رہی ہیں جو مجلس اقوام کے مقاصد سے قطعی مخالفت رکھتے ہیں"

"چھوٹی قوموں کی بغاوت کا عَلم ہالینڈ بلند کیا۔ اسنے مطالبہ کیا کہ سنہ ۱۹۲۶ء والا جنیوا کا پرڈوکول زندہ کیا جائے جس کی رُو سے جبری تحکیم ہتیاروں کی تقلیل اور چھوٹی سلطنتوں کی زبردست سلطنتوں سے حمایت ضروری ہے۔ ہالینڈ کی اس تجویز کی سویڈن نے تائید کی اور اُس کے نمائندے نے تصریح کی کہ اسوقت بعینہ وہی مسلک، دُول عظمیٰ نے اختیار کرلیا ہے جو گزشتہ جنگ کا سبب ہوا تھا اور آئندہ بھی ایک بہت زیادہ ہولناک جنگ کا موجب بنے گا۔

"پولینڈ نے اس کی تائید کرتے ہوئے تجویز کی کہ مجلس اقوام، جنگ کی حرمت کا قطعی فیصلہ صادر کرے۔ لیتھونیا اور فنلینڈ نے تجویز کی کہ تمام سلطنتیں اس بات کا عہد کریں کہ ہر مظلوم سلطنت کو مالی مدد بھی دیں گی تاکہ وہ اپنی مدافعت پوری طرح کرسکے۔ فنلینڈ کے وزیر خارجیہ نے بیان کیا کہ گزشتہ سال یورپ نے اپنے جنگی سامان پر ۲،۹۰۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ خرچ کئے ہیں۔ یہ بعینہ اتنی ہی رقم ہے جتنی سنہ ۱۹۱۳ء میں اُسنے خرچ کی تھی، جس سے جنگ عمومی کا ظہور ہوا۔ یورپ کی اسوقت مجموعی جنگی قوت، ۳۰،۱۴۰،۵۰۰ سپاہی ہیں۔ یعنی سنہ ۱۹۱۳ء میں یورپ کے پاس جتنی فوج تھی، اُس سے اسوقت تھوڑی ہی کم ہے۔

حالانکہ معلوم ہے جنگ عمومی میں جن سلطنتوں نے شکست کھائی تھی، اُن کے ہتیار چھین لئے گئے ہیں اور اُن کے پاس کوئی فوج بھی نہیں ہے۔

"خود مجلس اقوام کے صدر سینور ازریک ولگز کو اعتراف کرنا پڑا کہ تین دول عظمیٰ: برطانیہ، امریکہ، اور جاپان اپنے جنگی جہازوں کے محدود کرنے پر متفق نہیں ہوئیں، لہذا کوئی امید نہیں کہ باقی سلطنتیں باہم کوئی سمجھوتہ کرسکیں گی!"

غرضکہ اب "مجلس اقوام" کی حقیقت کھل گئی ہے اور یورپ میں ابھی کوئی اُسپر اعتماد نہیں رکھتا۔

جنون کے بارے میں ایک نیا نظریہ

ڈاکٹر کارل ویکلنڈ، امریکہ کا ایک مشہور ڈاکٹر ہے اور عقلی امراض میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ حال میں اسنے جنون کے متعلق ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس نظریہ کو بہت سے علماء، خود ڈاکٹر کا جنون بتاتے ہیں، مگر وہ اسپر از حد مصر ہے، اس قدر مصر کہ اسے "نظریہ" نہیں کہتا۔ ایک مسلّم حقیقت بتاتا ہے!

نظریہ یہ ہے کہ "موت جس سے تمام لوگ اس قدر ڈرتے ہیں، محض ایک معمولی حادثہ ہے۔ موت کے معنی یہ ہیں کہ رُوح ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوجاتی ہے۔ اس سے زیادہ، موت کی کوئی حقیقت نہیں۔ خود روح کو بھی اس انتقال کی خبر نہیں ہوتی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بھٹکتے بھٹکتے روح پھر عالم مادہ کی طرف لَوٹ آتی ہے اور کسی زندہ آدمی کے جسم میں حلول کرجاتی ہے۔ جب ایسی صورت پیش آتی ہے تو آدمی مجنون ہوجاتا ہے۔ پس جنون کی علت یہ ہے کہ کوئی گم گشتہ راہ روح، جسم میں حلول کرگئی ہو۔

ڈاکٹر اپنے مضمون میں لکھتا ہے:

"۳۰ برس کی تحقیقات کے بعد مجھے ثابت ہوگیا ہے کہ موت کے بعد بھی روح باقی اور زندہ رہتی ہے۔ ہمارے گرد بے شمار روحیں پھرتی ہیں اور ہم سے مخاطب ہونا چاہتی ہیں۔ لیکن ہم نہ اُنھیں دیکھتے ہیں نہ کسی اور طرح محسوس کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ خود یہ روحیں بھی جاہل ہوتی ہیں۔ نہ اپنی حالت پوری طرح جانتی ہیں نہ ہمارے سکوت ہی کے سبب سے واقف ہوتی ہیں۔ یہی جہالت اُنھیں ایک تاریک عالم میں لیجاتی ہے اور وہ اسمیں سرگرداں رہتی ہیں۔ لیکن بہت سی روحیں بھٹک کر اس دنیا میں واپس آجاتی ہیں اور بعض جسموں میں داخل ہوکر اُنھیں مجنون بنادیتی ہیں۔

"ہر انسان کے جسم سے ایک مقناطیسی سیال مادہ نکلتا رہتا ہے یہی مادہ روحوں کو جسم کی طرف کھینچتا ہے بعض جسموں سے اس مادہ کا خروج زیادہ ہوتا ہے، بعض سے کم۔ اول الذکر اجسام میں کبھی کبھی بیک وقت کئی کئی روحیں حلول کرجاتی ہیں اور وہ حد درجہ جنون میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔"

آگے چلکر ڈاکٹر نے روحوں سے اپنی کئی گفتگوئیں بھی نقل کی ہیں۔ چنانچہ شاہ ایڈورڈ ہفتم کی وفات کے دن اُسنے ایک انگریز ایکٹرس "لیلیان" کی روح سے گفتگو کی۔ وہ لکھتا ہے میں نے سوال کیا:

"کاش تم مجھے بتادیتیں کہ موت کے بعد کیا ہوتا ہے!"

رُوح نے یوں جواب دیا۔

"بہت سے لوگ تمھاری دُنیا سے یہاں آتے رہتے ہیں لیکن میں اُن سے نہیں ملتی۔ حالانکہ وہ ملاقات کے لئے بہت اصرار کرتے ہیں۔ یہ دیکھو ایک شخص مجھے پکار رہا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ عالم فنا میں شاہ ایڈورڈ کے نام سے مشہور تھا اور اُس کی ماں بہت بڑی ملکہ تھی۔ لیکن اب یہاں وہ خود اور اُس کی ماں، محض دو روحیں ہیں اور باقی روحوں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتیں۔ ہم یہاں اُسوقت تک ٹھہرے ہیں جبتک ہم پر اس عالم اور وجود و فنا کے تمام راز نہ کھل جائیں!"

حیوانات کی عمر

تحقیقات سے ثابت ہوگیا ہے کہ بَرّی حیوانات اپنی طبیعی موت سے کم مرتے ہیں۔ زیادہ تر قبل از وقت موت کا شکار ہوجاتے ہیں۔ سردی، گرمی، بھوک پیاس، قتل اور دوسرے بہت سے حادثے اُن کی زندگی ختم کردیتے ہیں۔

حال میں ایک جرمن ڈاکٹر ٹیمن نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ علماء نے ابتک حیوانات کی عمر کے متعلق جتنے نظریے قائم کئے ہیں، اکثر غلط ہیں۔ اور یہ کہ عمر کی درازی، جسم کے قد و قامت پر موقوف نہیں ہے، بلکہ دوسرے اسباب سے تعلق رکھتی ہے۔ ہویل مچھلی کو مستثنیٰ کرکے، جس کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے بعض دوسرے حیوانوں کی عمریں اس ڈاکٹر کی رائے میں حسب ذیل ہیں:

کچھوا	۳۰۰	برس
طوطا	۳۰۰	"
کوّا	۳۰۰	"
بَط	۳۰۰	"
ہاتھی	۲۰۰	"
شکرا	۱۶۲	"
گِدھ	۱۰۴	"
شترمرغ	۶۰	"
بوم	۶۰	"
بگلا	۶۰	"
اونٹ، گھوڑا، گدھا،	۵۰	"
ریچھ، کرگدن، دریائی گھوڑا،	۵۰	"
گرمچھ اور مینڈک،	۴۰	"
جنگلی سور،	۳۰	"
شیر، چیتا، دریائی گائے،	۲۵	"
گوریا	۲۰	"
ہرن	۱۶	"
کتا اور بھیڑیا،	۱۵	"
لومڑی	۱۰	"
چوہا	۳	"

ایسے فتح سے ناامید تھی۔ حالانکہ اب ہم کافی طاقتور تھے ۱۹۲۲ء کا جولائی ابھی آیا بھی نہ تھا کہ ترکی فوج، فیصلہ کن معرکے کے لئے کمربستہ ہوگئی اور دشمن کے مقابلہ پر ۲۰ فوجوں نے حرکت کی۔ اب ہماری جنگی طاقت، دشمن کے برابر تھی لیکن ہوائی جہاز اور توپیں اُسکے پاس ہم سے زیادہ تھیں۔ مغربی میدان جنگ کے ۲ حصے کردئے گئے ایک حصہ نورالدین پاشا کی قیادت میں تھا اور دوسرا یعقوب پاشا کے سپرد کیا گیا۔ عصمت پاشا، سپہ سالار عام تھے۔

چند ہی آدمیوں کو اصلی حالات کا علم تھا۔ عام طور پر مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ مگر ہم بالکل مطمئن تھے، کیونکہ اپنی قوت سے واقف تھے۔ اچانک ۲۶ راگست کو ہم نے حملہ شروع کیا اور صرف ۵ دن کے اندر دشمن کا قلع قمع کرڈالا! تمام دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ اب ہماری مظفر و منصور فوجوں نے تھریس اور استنبول کی طرف پیشقدمی شروع کی دول اتحاد ہماری مقاومت پر اُٹھیں۔ ہم نے کہا اگر یونان، تھریس اور ادرنہ سے دست بردار ہوجائے تو ہماری فوجوں کو آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح تھریس اور آستانہ بھی آزاد ہوگیا!

دوعملی کا خاتمہ

پھر لوزان کانفرنس منعقد ہوئی۔ لیکن اتحادیوں نے قومی حکومت پر پھر ایک ضرب لگانا چاہی۔ اُنھوں نے صلح کانفرنس میں حکومت آستانہ کو بھی دعوت دی۔ اب میں مجبور ہوا کہ اس دوعملی کا خاتمہ کردوں چنانچہ میں نے مجلس وطنی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"سیادت، دی نہیں جاتی، لی جاتی ہے۔ آل عثمان نے یہ سیادت، غصب کرلی تھی۔ لیکن اب قوم نے واپس لے لی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ اب ہمیں اس کا اعتراف کرلینا چاہئے۔ مجھے یقین ہے یہاں جتنے آدمی جمع ہیں، سب یہ اعتراف کررہے ہیں۔ لیکن اگر وہ اعتراف نہ بھی کریں تو حقیقت بہر حال عنقریب روز روشن کی طرح ظاہر ہوجائے گی"

اس تقریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس وطنی نے سلطنت کو خلافت سے الگ کردیا۔ شخصی فرمانروائی کا خاتمہ کردیا۔ آخری سلطان نے یہ دیکھا تو بدحواس ہوکر اجنبی حمایت میں پناہ لی اور ترکی سے بھاگ گیا۔

اس طرح وحیدالدین، منصب خلافت سے ہٹا دیا گیا اور اُس کی جگہ عبدالمجید آفندی کا انتخاب ۲۰ نومبر ۱۹۲۲ء کو عمل میں آیا پھر لوزان میں صلح کانفرنس شروع ہوئی۔

اس اثنا میں میں نے تمام اناطولیہ کا دورہ شروع کیا۔ عام باشندوں سے طویل گفتگو کی اور تمام داخلی اور خارجی معاملات، کاشت کاروں پر واضح کرنا شروع کئے۔

"شاہ پسندوں کی تحریک"

عین اُسی وقت شاہ پسندوں نے بھی اپنی تحریک پھیلانا شروع کی۔ وہ کہتے تھے خلیفہ، دنیا بھر کے مسلمانوں کا سلطان ہے۔ ترکی قوم خدا کی تلوار ہے جسے خلیفہ، خلافت کے مقاصد میں استعمال کرتا ہے لیکن میں اس خیال کا مخالف تھا۔ میں کہتا تھا یہ محض اوہام ہیں۔ اگر خلیفہ، دنیا بھر کے مسلمانوں کا سلطان ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف ایک ترکی ہی قوم، اُس کی تلوار بنے۔ پھر ترکی قوم اپنا خون، پوری فیاضی سے صدیوں بہا چکی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ وہ اپنے بقاء وحیات کی فکر کرے اور اوہام سے باز آجائے۔ یہی مختلف دعاوی تھیں منصب خلافت کی منسوخی کا سبب بنیں"

موجودہ دور حکمرانی

اس کے بعد مقرر نے موجودہ ترکی حکمرانی کی اس طرح تشریح کی:

"۲۰ اپریل ۱۹۲۴ء کے قانون اساسی میں لکھا گیا ہے کہ ترکی سلطنت کا سرکاری دین، اسلام ہے۔ لیکن اب یہ جملہ حذف کردینا ہوگا۔ کیونکہ ہماری جدید جماعت کے قانون میں خلافت کی منسوخی، جمہوریت کا اعلان، شرعی امور کی وزارت، دینی مدارس کی بندش، خانقاہوں کی منسوخی، اور ترکی ٹوپی کی موقوفی، یہ تمام باتیں داخل ہیں۔ شروع شروع اس کا اعلان اس لئے نہیں کیا گیا کہ ہم قول سے پہلے عمل کو پسند کرتے ہیں!

جب عصمت پاشا لوزان سے پہلی مرتبہ واپس آئے تو مخالفین نے اُن پر بڑی سختی سے حملہ شروع کیا۔ لہٰذا میں نے از سر نو انتخابات کا فیصلہ کردیا۔

ایک دن رات کو رؤف بک میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ رافت پاشا کے مکان پر لے گئے۔ وہاں علی فواد پاشا بھی موجود تھے۔ رؤف بک نے مجھ سے کہا:

"میں آل عثمان اور سلاطین آل عثمان سے وابستہ ہوں۔ میں اُنہی کا پروردہ ہوں۔ سلطنت اور خلافت، وہ درجے ہیں جن تک ہر آدمی پہنچ نہیں سکتا۔ اگر یہ منصب منسوخ کردئے جائیں گے تو ملک ہولناک مصائب میں مبتلا ہوجائے گا!"

رافت پاشا نے اُن کی تائید کرتے ہوئے کہا "ہم شاہی فرمانروا کے بغیر اس سرزمین پر زندہ ہی نہیں رہ سکتے!" علی فواد پاشا نے کہا "میں نے اب تک اس معاملے میں کوئی غور نہیں کیا ہے"

میں نے ان لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور کہا اب تک یہ مسئلہ معرض بحث میں نہیں آیا ہے۔ لہٰذا یہ گفتگو قبل از وقت ہے لیکن جب وہ وقت آیا تو بلا کسی شکل کے سلطنت اور خلافت میں تفریق کردی گئی۔ خلیفہ عبدالمجید سے ہم نے مطالبہ کیا کہ اپنے نام سے ایک اعلان شایع کریں اور اپنے خائن پیشرو کے اعمال کی مذمت کریں مگر اُنھوں نے اس سے قطعی انکار کیا۔ اسی قدر نہیں بلکہ اپنے دستخط ان لفظوں میں کرنے پر اصرار کیا "خلیفۂ رسول اللہ عبدالمجید بن عبدالعزیز خاں" اُسی زمانہ میں رافت پاشا نے خلیفہ عبدالمجید کو ایک گھوڑا ہدیۃً پیش کیا۔ اُنھوں نے اُسے قبول کرلیا تو رافت پاشا نے اسے "لطف الٰہی" قرار دیا!"

سابق خلیفہ عبدالمجید کی فرانسیسی شادی

جنیوا کی خبروں سے معلوم ہوا کہ سابق خلیفہ عبدالمجید آفندی عنقریب پیرس کی ایک حسین دوشیزہ سے شادی کرنے والے ہیں۔ اس عورت کا نام "جولیٹ لیبان" ہے۔ ایک فرانسیسی سرمایہ دار کی لڑکی ہے جو سوئٹزرلینڈ میں مقیم ہے۔ عبدالمجید کی عمر آدھی سے زیادہ ختم ہوچکی ہے۔ بڑھاپا آگیا ہے۔ مگر دوشیزہ کی عمر صرف ۲۲ برس ہے۔

خلیفہ کے محل میں ۵۰۰ عورتیں تھیں۔ مگر شریعت اسلامیہ کے بموجب ان میں سے صرف چار اُن کی شرعی بیویاں تھیں۔ ان چار میں سے دو مرچکی ہیں۔ ایک نے پیرس میں خودکشی کرلی دوسری اٹلی میں ایک ریل کے حادثہ میں مرگئی۔

سلطان عبدالمجید اس وقت جنیوا کے مضافات میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں بالکل گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کے مصاحبوں میں سے صرف گیارہ آدمی ساتھ ہیں۔ اُن کا سالانہ وظیفہ جو ترکی حکومت نے دینا منظور کیا ہے، صرف اٹھائیس ہزار پونڈ ہے۔ لیکن اُن کی جائداد کی آمدنی اس سے کئی گنی زیادہ ہے۔ اس لئے وہ اپنی جلاوطنی میں بھی آرام کی زندگی بسر کرسکتے ہیں۔

پیرس کی دوشیزہ نے ایک اخبار کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"میں نے اور سلطان نے پوری کوشش کی کہ ہماری منگنی مخفی رہے لیکن یہ راز کسی طرح فاش ہوگیا۔ مجھے یقین ہے ہم دونوں نہایت پُرمسرت زندگی بسر کرسکیں گے۔ بلاشبہ سلطان کی عمر زیادہ ہے، حتیٰ کہ وہ میرے دادا معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس سے میرے دل کے تعلق پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ سلطان نے وعدہ کیا ہے کہ ہنی مون، روریا کے ساحلوں پر گذار کے پیرس میں ساتھ رہیں گے"

"تمھیں معلوم ہے کہ اب سے پہلے سلطان کے پاس ۵۰۰ عورتیں تھیں؟" نامہ نگار نے سوال کیا۔

"ہاں میں جانتی ہوں" نازنین نے جواب دیا "لیکن مجھے اس سے کیا سروکار؟ عقلمند عورت کبھی اپنے شوہر کے پُرانے حالات نہیں کریدتی۔ یہ عقل اور ادب، دونوں کے خلاف ہے!"

تھوڑے وقفہ کے بعد اُسنے اتنا اور اضافہ کیا:

"جس مرد کے پاس اب سے پہلے ۵۰۰ عورتیں رہ چکی ہیں، وہ ضرور جانتا ہوگا کہ ایک عورت کو کس طرح خوش رکھ سکے؟"

عبدالمجید آفندی اس شادی کے لئے وسیع پیمانے پر طیاری کررہے ہیں۔ لیکن اب تک اُس کی تاریخ اور شادی کا مقام کسی کو معلوم نہیں ہے۔

عظیم الشان توام ستارہ

پچھلے دنوں امریکن ڈاکٹر جی۔ ایس۔ پلاسکٹ نے ایک عجیب کوکب دریافت کیا ہے۔ یہ ستارہ توام ہے۔ یعنی جڑواں ہے۔ ۲ ستارے ایک ساتھ ہیں۔ ملتہب گیس سے مرکب ہیں۔ اس گیس کی حرارت پگھلے ہوئے لوہے کی حرارت سے بارہ گنی زیادہ ہے۔ ایک ستارہ بڑا ہے۔ دوسرا چھوٹا ہے۔ چھوٹے کی روشنی آفتاب کی روشنی سے ۱۲،۵۰۰ گنی زیادہ ہے۔ اور قطر، زمین کے قطر سے ۲،۰۰۰ گنا زیادہ ہے۔ دونوں کا حجم، زمین کے حجم سے ۸،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ گنا زیادہ ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ حرکت کا دائرہ، بیضاوی شکل کا ہے اور دائرہ، ۱۷،۳۰۰،۰۰۰،۰۰۰ میل طویل ہے۔ ایک ہفتہ میں وہ یہ مسافت طے کرلیتے ہیں۔ رفتار کی سرعت ہر منٹ میں ۱۲۸،۵۲۳،۱ میل ہے۔

ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۳)

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی آبادی مع شرح پیدائش و اموات

نام شہر	آبادی سنہ ۱۹۲۱ء	آبادی سنہ ۱۹۱۱ء	آبادی سنہ ۱۹۰۱ء	شرح پیدائش و اموات فی ہزار: پیدائش	شرح پیدائش و اموات فی ہزار: موت
کلکتہ	۹۰۷۸۵۱	۸۹۶۰۶۷	۸۴۷۷۹۶	۱۸٫۹	۳۲٫۷
بمبئی	۱۱۷۵۹۱۴	۹۷۹۴۴۵	۷۷۶۰۰۶	۱۷٫۰	۲۷٫۰
مدراس	۵۲۶۹۱۱	۵۱۸۶۶۰	۵۰۹۳۴۶	۴۲٫۳۶	۴۷٫۳
ہوڑہ	۱۹۵۳۰۱	۱۷۹۳۸۹	۱۵۷۵۹۴	۲۴٫۶	۳۳٫۸
ڈھاکہ	۱۱۹۴۵۰	۱۰۸۵۵۱	۷۹۷۳۳	۳۳٫۶	۲۷٫۲
پٹنہ	۱۱۹۹۷۶	۱۳۶۱۵۳	۱۳۴۷۸۳	۲۱٫۵	۱۴٫۷
بنارس	۱۹۵۳۷۳	۲۰۸۱۲۱	۲۰۹۳۳۱	۵۰٫۱۵	۴۶٫۱۵
الہ آباد	۱۴۵۶۰۵	۱۵۹۷۰۱	۱۷۲۶۳۲	۴۲٫۰۱	۲۷٫۴۷
آگرہ	۱۸۳۷۵۰	۱۸۲۶۱۹	۱۸۸۰۲۲	۶۰٫۴۷	۳۹٫۰۴
کانپور	۱۹۵۰۸۵	۱۵۷۰۴۰	۱۹۷۱۷۰	۳۶٫۲۱	۴۳٫۷
لکھنؤ	۲۱۷۱۶۷	۲۶۰۶۲۱	۲۶۴۰۴۹	۴۶٫۱۲	۳۶٫۷۵
دہلی	۲۴۶۹۸۷	۲۲۵۴۷۱	۲۰۸۵۷۵	۴۶٫۳۳	۲۹٫۳۷
لاہور	۲۵۷۲۹۵	۲۱۰۲۷۱	۲۰۲۹۰۴	۴۳٫۲۷	۳۷٫۸۴
کراچی	۲۰۶۱۹۱	۱۵۹۲۷۰	۱۱۶۶۶۸	۴۶٫۶۰	۳۶٫۹۴
بڑودہ	۹۱۸۸۰	۹۹۳۷۶	۱۰۳۷۹۰	۳۸٫۱	۳۴٫۰۱
جے پور	۱۲۰۱۹۶	۱۳۶۱۹۹	۱۶۰۵۰۷	۲۲٫۹۷	۳۴٫۹۰
ناگپور	۱۱۲۴۵۳	۱۰۶۴۴۲	۱۲۷۷۳۴	۹۰٫۰۳	۴۷٫۳۶
رنگون	۳۴۵۵۰۵	۲۹۳۳۱۶	۲۳۴۸۸۱	۱۸٫۷۶	۳۵٫۸۱

برطانی ہندوستان میں محنتی آبادی کی بربادی (سنہ ۱۹۲۴ء)

عمر ۲۰ — ۴۰

صوبہ	مرد	عورتیں	مجموعی تعداد
مدراس	۶۹۷۹۰	۷۹۸۶۴	۱۴۹۶۵۴
بمبئی	۱۴۱۳۷۳	۴۲۲۴۳	۸۳۸۱۶
بنگال	۱۳۹۳۴۷	۱۳۳۳۳۰	۲۷۳۳۸۶
یوپی	۱۰۷۲۲۲	۱۰۷۰۲۳	۲۱۴۷۴۵
پنجاب	۷۲۳۳۲	۷۲۱۳۵	۱۴۵۰۸۷
برما	۲۲۴۹۷	۲۲۴۵۶	۴۲۷۵۳
بہار	۸۳۳۴۹	۸۵۵۲۷	۱۷۴۸۷۶
سی پی	۲۸۳۶۳	۲۹۷۷۳	۵۸۳۳۷
آسام	۲۹۹۴۷	۲۳۱۵۲	۴۳۳۹۹
کل برطانی ہند	۶۰۰۸۹۳	۶۰۶۶۲۸	۱۲۰۷۵۲۱

دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں ہر آدمی کی سالانہ آمدنی

(سنہ ۱۹۲۶ء میں)

ملک	آمدنی
امریکہ	۳۳۲۸ روپیہ
برطانیہ	۱۴۵۶ "
فرانس	۱۳۹۲ "
اٹلی	۵۴۰ "
جاپان	۱۱۸۰ "
ہندوستان	۳۰ "

فی کس روزانہ آمدنی

ملک	آمدنی
آمریکہ	[illegible]
برطانیہ	[illegible]
فرانس	[illegible]
اٹلی	[illegible]
جاپان	[illegible]
ہندوستان	ا؍

ٹیکس کی فی آدمی شرح بحساب روپیہ آنہ

سال	برطانیہ	فرانس	جرمنی	اٹلی	امریکہ	ہندوستان
سنہ ۱۹۱۳-۱۴ء	۵۲-۸-۰	۲۸-۳-۰	۲۲-۰-۰	۱۸-۰-۰	۲۱-۰-۰	۲-۱۲-۰
سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء	۲۲۰-۸-۰	۱۳۱-۰-۰	؟	۸۳-۰-۰	۱۲۵-۰-۰	۴-۸-۰
سنہ ۱۹۲۲-۲۳ء	۲۶۱-۴-۰	۱۵۶-۰-۰	؟	۱۰۹-۰-۰	۸۴-۰-۰	۵-۶-۰
سنہ ۱۹۲۴-۲۵ء	۲۳۰-۶-۰	۲۲۵-۰-۰	۹۳-۰-۰	۱۲۰-۰-۰	۸۱-۰-۰	۵-۱۰-۰

ہندوستان اور جزائر برطانیہ میں پیشوں کے اعتبار سے آبادی کا تناسب

	ہندوستان	جزائر برطانیہ
مجموعی آبادی	۳۱۹۳۶۱۰۰۰	۴۷۳۰۷۰۰۰
زراعت پیشہ	۷۱٫۸	۱۱٫۶
صنعت پیشہ	۱۱٫۳	۵۱٫۲
تجارت پیشہ	۷٫۳	۱۳٫۳
آزاد پیشہ	۲٫۶	۵٫۶
رنج کی نوکریاں	۱٫۵	۱۲٫۸
دوسرے پیشے	۵٫۵	۰۰۰
کان کن	۱٫۱۷	۶٫۵

دنیا کی مزدوری پیشہ آبادی

ملک	مجموعی آبادی	مزدوری
امریکہ	۱۰۵۷۱۶۰۰۰	۴۷۶۷۷۰۰۰
برطانیہ	۴۷۳۰۷۰۰۰	۲۵۷۳۳۰۰۰
فرانس	۳۹۲۰۹۰۰۰	۲۰۹۳۱۰۰۰
جرمنی	۵۹۸۵۸۰۰۰	۳۰۲۳۲۰۰۰
اٹلی	۳۸۸۳۶۰۰۰	۱۸۷۱۸۰۰۰
ہندوستان	۳۱۹۳۶۱۰۰۰	۹۸۸۶۴۰۰۰
کینیڈا	۸۷۸۸۰۰۰	۳۲۲۱۰۰۰
آسٹریلیا	۵۵۱۰۰۰۰	۲۳۹۷۰۰۰
جنوبی افریقہ	۱۴۲۲۰۰۰	۴۷۴۰۰
نیوزی لینڈ	۱۲۸۴۰۰۰	۵۱۵۰۰۰

مطبوعات الهلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دیني علوم کے بیش بہا جواھر ریزي

اس سلسله میں ھم نے اماميں کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا ھے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر ھے - امید که یه " سلسلۂ تراجم " بد نصیب ھندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه ـــ امام ابن قیم کي فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب " زاد المعاد " کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ارھائي روپیه -

کتاب الوسیله ـــ لفظ " وسیله " کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول " توحید " کي مبسوط بحث کي ھے - بلا جلد ارھائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه ـــ انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ھیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر ـــ امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی ـــ خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا ھے - چھه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه ـــ حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے ھیں - نو آنے

نجد و حجاز ـــ علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام ـــ ترجمه رفع الملام عن ائمۃ الاعلام - بارہ آنے
خلاف الامه ـــ فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت ـــ یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله ھے جس کے خریدار کو ھم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اھم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اهتمام کیا ھے - اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ھوے حالات درج کیے جاتے ھیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"
24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکھین
اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینه را
تازہ خواهی داشتن گر داغهاے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال ھي وہ رساله ھے جو اپني تمام ظاھري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھي -

الهلال اگرچه ایک ھفته وار مصور رساله تھا ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاھتا تھا ' اِس لئے اُس کا ھر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تھا - اُس کے ھر نمبر میں مختلف ابواب ' مذھب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے ھوتے تھے - اور آسکا ھر باب اپني مجتہدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ ھوتا تھا - پھر اس کي ظاھري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تھیں - اردو کا وہ پہلا ھفته وار رساله تھا ' جس میں ھاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چھپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا ھوئیں جو پتھر کي چھپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذھبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه ھیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے ھوسکتا ھے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بھي موجود نہیں) ساڑھے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي ھے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ھیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بھي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچھلے دنوں " البلاغ پریس " کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بھي محفوظ ملا ' ھم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي ھیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي ھو اُنھیں دوبارہ چھپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور ھوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل ھوگي ھیں - ھم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے ھیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت ھي محدود تعداد مرتب ھوسکي ھے اس لئے صرف اُنھیں درخواستوں کي تعمیل ھوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچیں گي - ھر جلد مجلد ھے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تہجي لگادي گئي ھے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه — الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " " چہارم ۱۰ روپیه — " " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد " البلاغ " (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع ھوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے ھر جلد کے متفرق پرچے بھي موجود ھیں جن میں سے ھر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب ھے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ ھے -

منیجر " البلاغ پریس "

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دُنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہی؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصّہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سی خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہی

(۳) اتنا خوبصورت، سبز سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزیّن کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سی قلم لیں تو آپکو "شیفر" کا "لائف ٹائم" لینا چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہی

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سی وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہی!

ایسی

مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop Guide
To Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہی

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بُک اسٹال سی ملسکتی ہی

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولٰنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظربند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہی؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہی؟ قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

(منیجر الہلال کلکتہ)

اگر آپکو

دمہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہی

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سی قریب دوا فروش کی دکان سی

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگواکر

استعمال کیجئے

۱۹۲۷

بر ۲۳

جلد ۱

قیمت

۵ ـ آنہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۳ کلکتہ : جمعه ۲۹ ـ جمادی الاولی ۱۳٤٦ هجری جلد ۱

Calcutta : Friday, 25, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وہ هین جن مین الهلال چھپتا هی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گی هین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اهم مسئلہ هی ۔ ضروری هی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔
الہلال

قارئین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۷٤۲ مراسلات وصول هوی هین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۵۰	اردو حروف کی حق مین	٤٥۲
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	٦۸۰	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۹۰	نستعلیق هون	۱٦۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا کہ اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین هی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الہلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول	- -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	- -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	- - -	سات روپیه
قیمت في پرچه	- - -	پانچ آنه

---

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نهیں کیا جائیگا -

(٦) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نهیں هے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

عکا کے یہاں قیام کرے - رستم نے لکھا ھے کہ احمد باشا نے اپني دوستي کا حق اِس طرح ادا کیا کہ مصري امیر کو زھر دے کر مار ڈالا !

(نپولین تک رسائي)

رستم نے اب اپنے سامنے ایک نئي مصیبت دیکھي - مجبوراً مصر بھاگ گیا - مصر میں ایک درست نے اُسے مشہور خاندان بکري کے سجادہ نشین شیخ السادات کي خدمت میں پیش کر دیا - شیخ اُسے دیکھہ کر بہت خوش ھوا اور اپنے غلاموں کا افسر بنا دیا -

شام کے حملے سے واپسي پر نپولین کے استقبال کیلیے مصر کے تمام اُمراء شہر کے باھر کھڑے تھے - سید بکري بھي موجود تھے - وہ نپولین کي سواري کے لیے ایک گھوڑا بھي لے گئے تھے - گھوڑے کي لگام ' رستم کے ھاتھہ میں تھي - نپولین نے گھوڑا شکریہ کے ساتھہ قبول کر لیا - چند دن بعد دو غلاموں کي فرمائش کي - سید بکري نے دو غلام حاضر کر دیے - انھي غلاموں میں ایک رستم تھا - نپولین نے اپني خدمت میں لیتے وقت رستم کو ایک مرصع تلوار اور طلائي دستے کے دو طپنچے عطا کیے -

(فرانس میں داخلہ)

فرانس کي واپسي میں رستم بھي نپولین کے ساتھہ تھا - راستے میں کوئي خاص واقعہ پیش نہیں آیا - البتہ ایک دن نپولین کے ساتھیوں نے ستانے کیلیے کہدیا کہ " جنرل تمھیں اِس لیے ساتھہ لیے جاتا ھے ' تاکہ پیرس نے جلسے میں تمھاري بھینٹ چڑھائے " سادہ لوح غلام ڈر گیا ' اور واویلا مچانا شروع کر دیا - نپولین نے سنا تو بہت ھنسا - اور وہ تمام رقم اُسے بخش دي ' جو دوران سفر میں اپنے ساتھیوں سے جوئے میں جیتي تھي !

نپولین نے رستم کو مارسیلز میں چھوڑ دیا - ھر طرف لوگوں کي نظریں اُس پر پڑتي تھیں - عورتیں تو اسپر ٹوٹ پڑیں - اسکے عجیب مشرقي اطوار اور چرکسي چشم و ابرو اُنکے لیے نئي قسم کي چیز تھي - چند دن بعد نپولین کا اسباب لیکر وہ پیرس روانہ ھوا - راستے میں ڈاکو مل گئے ' اور تمام اسباب لوٹ لیا - رستم کي مرصع تلوار اور چھہ ھزار فرنک کي تھیلي بھي چھین لي -

جوزیفائن ' نپولین کي بیوي ' رستم کو دیکھہ کر بہت خوش ھوئي اور اپني خدمت میں قبول کر لیا - بعد میں لوگوں نے اِس پر طرح طرح کي چہ میگوئیاں کیں - کہا گیا کہ جوزیفائن غلام پر عاشق ھے - اِسي قدر نہیں بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ نپولین رستم کو محض اِسي نیت سے لایا تھا ' تاکہ جوزیفائن کیلیے دلچسپي کا سامان مہیا کر دے ' اور خود اُس کي نگراني اور رشک سے آزاد ھو جائے -

(رستم اور پیرس)

کچھہ ھي سبب ھو ' لیکن پیرس میں رستم کے ظہور نے نپولین کي عظمت میں غیر معمول اضافہ کردیا تھا - رستم اپنے بیش قیمت لباس میں " قنصل " (نپولین) کے ساتھہ ساتھہ پھرا کرتا تھا اور پیرس کي مخلوق اُسے دیکھہ کر متحیر رھجاتي تھي !

شیخ خلیل بکري نقیب السادات مصر
جس کے ذریعہ نپولین کو رستم ملا

قنصل مقرر ھونے کے بعد نپولین اُس محل میں اٹھہ گیا ' جو حکومت نے اُسے دیا تھا - رات کو اُس کے خاص کمرے کي نگہباني رستم ھي کے ذمے تھي - وہ رات بھر دروازے پر پڑا رھتا تھا ' اور کسي کو اندر جانے نہیں دیتا تھا -

ایک دن جوزیفائن کو معلوم ھوا کہ نپولین کے ساتھہ ایک عورت موجود ھے - وہ غصے میں بھري ھوئي اٹھي اور کمرے میں گھس پڑنا چاھا - مگر رستم دروازے پر سو رھا تھا - اُس کے خراٹے اِتنے بلند اور خوفناک تھے کہ جوزیفائن ڈر گئي - شمع ھاتھہ سے گر پڑي ' اور بدحواس الٹے پاؤں بھاگي !

دن کے وقت رستم کے فرائض یہ تھے کہ صبح اپنے آقا کو حجامت میں مدد دیتا تھا - نپولین نہایت تنک مزاج تھا - بار بار چلا اٹھتا تھا " گدھے ! آئینہ سیدھا کر - خوش قسمتي سے تیرا آقا مصري نہیں ھے ورنہ گردن اڑا دیتا ! " حجامت کے بعد اپنے آقا کو نہلاتا تھا - پھر اُس کے ساتھہ دفتر جاتا تھا اور ایک لمحہ کیلیے بھي جدا نہیں ھوتا تھا -

ڈلیپر کہتا ھے :

" نپولین نے کبھي کسي سے محبت نہیں کي - لیکن وہ اپني فیاضي سے دوسروں کي محبت خرید لیا کرتا تھا - ھمیشہ جوئے میں اپني تمام جیت ' رستم کو دیدیا کرتا - ایک مرتبہ پانچ دن کے اندر تین ھزار فرنک رستم کو مل گئے - اِس تقرب کي وجہ سے تمام خادم رستم پر حسد کرنے لگے تھے - صرف خادم ھي نہیں ' بہت سے بڑے بڑے آدمي بھي جلتے تھے - اُن کا خیال تھا - رستم کي یہ تمام قدرداني صرف اِس لیے ھے کہ وہ اُس کے دشمنوں کو خفیہ قتل کر ڈالتا ھے -

رستم نپولین کے ساتھہ سایہ کي طرح لگا رھتا تھا - حتی کہ فوج کي قواعد کے وقت بھي آقا کے گھوڑے کے پہلو میں اُس کا عربي گھوڑا نمایاں نظر آتا تھا - گھوڑے پر چیتے کي کھال کا زین ھوتا تھا - زین پر سونے کا کام تھا - خود رستم کا لباس ' ریشم کا کارچوبي ھوتا - دور دور تک اُس کي چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر دیتي تھي - وہ اِس قدر شاندار ھوتا تھا کہ رستم ' عرب پادشاہ معلوم ھوتا تھا ' اور نپولین اُس کا فرنگي سپہ سالار - تھیٹر میں بھي وہ نپولین کے پہلو میں بیٹھتا تھا - تمام نظریں غلام کي شان و شوکت کے تماشہ میں محو ھوجاتي تھیں ! "

جب کبھي وہ راستے میں تنہا ھوتا ' مخلوق ھجوم کرکے ساتھہ ھوجاتي - مسرت کے نعرے بلند ھونے لگتے - اپنے نامور آقا کي طرح یہ غلام بھي اپني عظمت و غرور میں مدھوش رھتا تھا - وہ بالکل پروا نہ کرتا کہ لوگ اُس کي تعریف میں نعرے لگا رھے ھیں ' یا تضحیک کر رھے ھیں !

مطبوعات جدیدہ

رستم بن رضا

(نپولین کا چرکسي غلام اور معتمد)

الہلال کے گذشته نمبر میں ھم نے ایک جرمن اهل قلم کي جدید کتاب کا ذکر کیا تھا جس میں اُس نے نپولین کے بعض غیر مشہور گوشہ ھاے حیات پر روشني ڈالنے کي کوشش کي ھے - ابھي اس کتاب کي بہت سي دلچسپ اور عبرت انگیز داستانیں باقي ھیں ' لیکن ھم چاھتے ھیں ' مجلس کے تبدیل ذائقه کیلیے اُسکے ایک دوسرے حصه پر قاریین الہلال کو توجه دلائیں - یه حصه بھي تاریخي دلچسپي کے لحاظ سے پچھلي داستانوں سے کمتر نہیں ھے - اِس میں نپولین کي درباري زندگي کي ایک عجیب و غریب تاریخي شخصیت سے آنکي تقریب هوگي - یه شخصیت دس برس تک نپولین کے تمام عجائبات زندگي کي طرح یورپ کي ایک عجیب و غریب هستي کا درجه رکھتي تھي - حالانکه اُسکي ابتدائي زندگي اس طرح شروع هوي تھي که وہ مصر کا ایک چرکسي غلام تھا !

رستم بن رضا

یورپ کے تمام مورخین نے اس کا نام رستم بن رضا لکھا ھے - فرانس کے قیام کے بعد اُس نے فرانسیسي زبان میں اسقدر قابلیت حاصل کرلي تھي که آخري عمر میں اپني یاد داشت حیات قلمبند کي - اس یاد داشت میں اُس نے خود اپنے قلم سے اپنے ابتدائي حالات لکھے ھیں - جرمن مصنف ھمیں بتلاتا ھے که یه کتاب اسکے پیش نظر ھے -

(مہیب آقا اور عجیب غلام !)

گزشته صدي کے اوائل میں روئے زمین پر ایک طوفاني آندھي آئي - اُس نے بادشاھوں کے تخت اُلٹ دیے - تاجداروں کے تاج گرا دیے - یه ایک مہیب جبار تھا جس کے سامنے تمام یورپ سربسجود هوگیا تھا - اِس مہیب آقا کے ساتھه همیشه ایک عجیب و غریب غلام بھي دیکھا جاتا تھا - مہیب آقا نپولین تھا ' اور عجیب الہیئت غلام رستم تھا !

رستم بن رضا کوفان سنه ۱۷۸۲ع میں تفلیس (قفقاز) میں پیدا هوا - اُس کا بچپن کوہ قاف کے مرغزاروں میں بسر هوا تھا لیکن زمانے کے انقلابات نے اُس کے دل و دماغ پر اُس سرزمین کے حسن و جمال طبیعت کا کوئي اثر باقي نہیں چھوڑا - وہ نه تو شاعر هوا ' نه مصور - اُس کي قسمت میں ایک عجیب انسان کا عجیب غلام بننا تھا !

نپولین کے سکریٹري مینول نے اپنے روز نامچے میں لکھا ھے :

" رستم کا باپ طبیب تھا - بعض مورخین نے اُسے تاجر بھي بتایا ھے - اُس کے چار اولاد تھي - انمیں ایک رستم تھا - سنه ۱۷۹۵ - تک وہ اپنے والدین کے ساتھه رھا "

خود رستم نے اپني یاد داشتوں میں لکھا ھے که وہ اپني ماں سے از حد محبت رکھتا تھا - یہي محبت اُس کي تمام مصائب کا سبب هوئي - باپ نے اُسے گھر سے نکال دیا اور وہ آوارہ گردوں کي طرح گاؤں گاؤں پھرنے لگا - اتفاق سے اُسي زمانے میں وھاں کے اُمراء میں خانه جنگي شروع هوگئي - رستم اس جنگ میں قید هوگیا ' اور بہت دنوں تک ایک قلعه میں بند رھا - پھر وھاں سے بھاگا تا که اپني ماں کي کفالت کرے - اب وہ اپنے شوھر سے علحدہ هوگئي تھي اور چھوٹے چھوٹے بچے ساتھه لے کر کسي طرف چلي گئي تھي -

بہت تلاش کے بعد رستم نے ماں کا پته لگالیا اور اُس کے ساتھه رھنے لگا - کچھه عرصه کے بعد اُس نے ارادہ کیا که کسي شہر میں جاکر آباد هو جاے اور اپنے خاندان کي پرورش کا انتظام کرے - وہ سب کو ساتھه لے کر چل دیا ' مگر راستے میں بردہ فروش قزاقوں نے گھیر لیا ' اور پورا قافله گرفتار هوگیا - بردہ فروشوں سے ایک مالدار عورت نے رستم کو خرید لیا اور اپنا لڑکا بنا کر گھر میں رکھا - لیکن اُس کے شوھر کو گھر میں اِس خوبصورت نوجوان کي موجودگي ناگوار هوئي - اُس نے مصر کے ایک امیر کے ھاتھه بیچ ڈالا -

مصري امیر رستم کو مصر لایا - پھر اپنے ساتھه مکۂ معظمه لے گیا - حج کے بعد دونوں شام کے راستے واپس هوئے - مگر ابھي راہ هي میں تھے که معلوم هوا ' نپولین نے مصر پر قبضه کرلیا ھے - امیر نے فیصله کیا که مصر نه جائے اور اپنے دوست احمد پاشا جزار والي

اُس نے کہا " تمھارا فرض ھے کہ اِس نازک وقت میں اپنے مہربان آقا کا ساتھہ نہ چھوڑو " نپولین کو امید نہیں تھی کہ رستم لوٹیگا - مگر دوسرے دن دیکھا تو وہ موجود تھا - اُس نے اپنے بلا اجازت چلے جانے پر افسوس و ندامت کا اظہار کیا اور نپولین کا دل اُسکی طرف سے صاف ھوگیا -

اِسی اثنا میں نپولین نے اپنی ناکامیوں سے مضطرب ھوکر زھر کھا لیا ' مگر ڈاکٹروں نے اُسکی جان بچالی - ایک دن اُس نے رستم سے پستول طلب کیا - رستم نے مارشل برتیہ سے مشورہ کیا - مارشل نے کہا جو جی میں آئے کرو - میں کوئی مشورہ نہیں دونگا - لیکن بعض دوستوں نے کہا - اگر شہنشاہ خود کشی کرلیگا تو دنیا تمھیں کو الزام دے گی - کہا جائیگا ' تم نے دشمنوں سے رشوت لیکر پستول نپولین کے حوالہ کردیا - تاکہ وہ خود کشی کرلے -

اِس واقعہ کو رستم نے حیلہ بنایا ' اور نپولین سے ھمیشہ کے لیے علحدہ ھوگیا - جلا وطنی ھوتے وقت شہنشاہ نے اپنے غلام کی بابت سوال کیا - اور جب اُس کی بے وفائی کا حال سنا تو قدرتی طور پر بہت رنجیدہ ھوا -

رستم کی بے وفائی اِسی پر ختم نہیں ھوگئی ' بلکہ وہ دو مرتبہ انگلستان بھی گیا - وھاں نپولین کے دشمنوں کے سامنے اپنا شاھی خلعت پہنکر جایا کرتا تھا - انگریزوں کے ھاتھہ اُس نے اپنے آقا کی بہت سی یادگاریں بھی بیچ ڈالیں - اِنھی میں سونے کا ایک ٹکڑہ بھی تھا - اِس پر لکھا تھا " نپولین کی یادگار اپنے وفادار غلام رستم کے لیے " -

۷ - دسمبر سنه ۱۸۴۵ع کو اُس کا انتقال ھوا - اُس کی قبر ابتک پیرس میں موجود ھے ' اور اُس پر یہ عبارت کندہ ھے : " یہاں شہنشاہ نپولین کا غلام رستم رضا سو رھا ھے "

اُس کی زندگی ھی میں اُس کے دونوں لڑکے مر چکے تھے - صرف بیوہ اور ایک لڑکی باقی رھی - لڑکی کی شادی ایک فرانسیسی تاجر سے ھوگئی تھی -

الهلال کو

اِشاعت کی کمی کی شکایت نہ ھوتی ' اگر مصارف کی زیادتی پیش نہ آتی - سنه ۱۹۱۴ع میں الہلال کی یہی قیمت تھی - یعنے بارہ روپیہ سالانہ ' مگر تمام طباعتی اشیاء کی قیمت موجودہ قیمتوں سے آدھی تھی - اِس وقت اگرچہ الہلال کا حلقۂ اشاعت اردو کے تمام رسالوں سے زیادہ ھے ' لیکن مصارف کی زیادتی کی وجہ سے اب تک آمدنی اور خرچ برابر نہیں ھوسکے ھیں - کیا آپ اس معاملہ پر توجہ ضروری نہیں سمجھتے ؟ اگر ضروری سمجھتے ھیں تو توسیع اشاعت کے لیے کوشش کیجیے -

(منیجر الہلال)

حجة ابراهيمي

ایۂ کریمہ " الم تر الی الذی حاج ابراھیم " کی تفسیر

قرآن حکیم کا اُسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریقہ

(از مولانا ابو الکلام)

(۳)

افسوس ھے کہ محل اِس کا متحمل نہیں کہ مثالوں کے بیان میں اطناب سے کام لیا جائے - ورنہ آپ دیکھتے کہ تفسیر قرآن کا کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں ھے جو اس غیر قرآنی طریق تفسیر سے متاثر نہ ھو چکا ھو ' اور اصلیت پر بے شمار پردے نہ پڑ گئے ھوں - اگر آپ صرف امام راغب اصفہانی کی مفردات ھی اُٹھا کر دیکھہ لیں جو آج کل کے نئے محققین قرآن میں سے اکثر کا توشۂ علم ھے ' تو آپ کو معلوم ھو جائیگا کہ نہ صرف قرآن کے مطالب و دلائل کی صورت بدل دی گئی ھے ' بلکہ اُسکے تمام الفاظ کے لیے بھی ایک نیا فلسفیانہ قاموس ترتیب دیدیا گیا ھے ' اور وہ چیز جسے اپنے " عربی مبین " ھونے پر ناز تھا ' اب ایک مشکل ترین عجمی چیستاں بنکے رھگئی ھے !

(آیۂ زیر تدبر)

اب جب کہ یہ تمہیدی مطالب ایک حد تک واضح ھوگئے ھیں ' آیۂ زیر تدبر کی تفسیر نہایت سہل ھے - چند سطروں کے اندر تمام مشکلات دور ھو جائینگی - البتہ تفسیر سے پہلے چند مبادیات کی مختصراً تشریح اب بھی ضروری ھے :

(۱) اس آیت میں قرآن حکیم نے حضرت ابراھیم علیہ السلام اور اُن کے عہد کے ایک انسان کا مکالمہ نقل کیا ھے - سب سے پہلی اور بنیادی غلطی جس کی وجہ سے تمام مشکلیں پیدا ھوگئی ھیں ' یہ ھے کہ مکالمہ کی نوعیت ھی غلط سمجھہ لی گئی ھے - آیت میں " حاج " کا لفظ آیا ھے : الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ - یعنے کیا تمھیں اُس آدمی کا حال معلوم نہیں جس نے ابراھیم سے پروردگار عالم کے بارے میں حجت کی تھی ؟ چونکہ ' مفسرین متکلمین کے دماغ میں منطقی طریق مناظرہ و حجت بسا ھوا تھا ' اور انبیاء کرام کے حجج و براھین فطریہ کو بھی وھی جامہ پہنانا چاھتے تھے ' اس لیے انھوں نے اس مکالمہ کو " مناظرہ " مصطلحۂ منطق قرار دیدیا ' اور پھر لگے فن مناظرہ کے تمام اصول و اداب اُس پر

(رستمي فيشن)

پيرس کي نازنينوں کے ليے رستم ايک متحرک فتنه بن گيا تها - وہ اُن کي نظر ميں مشرقي حسن و جمال کا ايک پر اسرار پيکر تها - يہاں تک کہ اُس کے لباس کي بهي نقل اتاري جانے لگي - پيرس کا سب سے زيادہ مقبول فيشن " رستمي فيشن " هوگيا - خود جوزيفائن اِس لباس پر فخر کرتي تهي - فرانس سے نکل کر يہ فيشن جرمني پهنچا ' اور لويزا ملکۂ پروشيا تک نے اختيار کر ليا - عورتوں کي طرح مرد بهي اس کي تقليد کرنے لگے تهے - يہ بيماري ايسي عام هوئي کہ خود نپولين بهي مبتلا هوگيا - اُس نے بهي رستم کا سا لباس اپنے ليے بنوايا تها اور بڑے بڑے جلسوں ميں پهن کر جاتا تها !

اُس عہد کے ماهر مصوروں نے رستم کي تصويريں اُتاريں - اخبارات و رسائل نے خاص اهتمام سے شائع کيں - پورے يورپ ميں اُس کي شہرت عام هوگئي -

جب نپولين کي تاج پوشي قريب آئي ' تو اُس نے درباري درزي کو حکم ديا کہ رستم کے ليے بيش قيمت خلعت طيار کرے - يہ خلعت اس قدر گرانقدر تها کہ صرف کوٹ پر سات هزار تين سو فرنک خرچ هوے تهے - جوتے کي قيمت ايک سو بيس فرنک تهي - يہ رقم اُس زمانے ميں ايک شاهي لباس هي پر خرچ هو سکتي تهي !

تاج پوشي کے جلوس ميں رستم اپنے خاص لباس ميں ملبوس شہنشاہ کے پہلو بہ پہلو چل رها تها - وہ خود بهي اپنے گهوڑے پر ايک شہنشاہ معلوم هوتا تها - هر طرف اُس کے اعزاز ميں تاليوں کا شور بلند تها !

(منتہاء عروج)

رستم نے اپني زندگي کے بہترين ايام شہنشاہ نپولين کے زير سايہ بسر کيے - دربار ميں اُسے اتنا عروج حاصل تها کہ خاص و عام سب حسد کرتے تهے - نپولين جب کوئي شہر فتح کرتا تها تو شاهي گاڑي ميں فاتح کے پيچهے رستم هي بيٹهتا تها - نا واقف اُسے سلطنت کا رکن اعظم خيال کرتے تهے - بہت سے لوگ اُس کي خوشامديں کرتے ' تا کہ اس کے ذريعہ نپولين کي خوشنودي حاصل کرليں !

جب نپولين پيرس ميں هوتا تو رستم کو دو گهنٹے تفريح کي اجازت ملتي - وہ اپنے اُن دوستوں سے ملنے جايا کرتا جن کے يہاں خوبصورت عورتيں هوتيں - ليکن ميدان جنگ ميں اُسے ايک لمحہ کي بهي فرصت نہيں ملتي تهي - کيونکہ اُس کے فرائض هر لمحہ اُسے شہنشاہ کے ساتهہ رهنے پر مجبور کرتے تهے - وهي اس کے ليے کهانے کا بهي انتظام کرتا تها -

نپولين کے کهانے کا کوئي وقت مقرر نہ تها - بسا اوقات وہ کهائے بغير هي سو جاتا - ايک مرتبہ ايسا هوا کہ نپولين آدهي رات کو اپنے بستر پر گيا اور کهانا طلب نہ کيا - رستم نے خيال کيا ' اب وہ کهانا نہيں کهائگا - اُس نے بهني هوئي مرغي خوشي خوشي کهانا شروع کردي - ليکن ابهي آدهي مرغي بهي کهانے نہيں پايا تها کہ نپولين نے کهانا مانگا - رستم بہت گهبرايا ' مگر اب کر هي کيا سکتا تها ؟ رهي بچي هوئي مرغي ليکر حاضر هوگيا - نپولين دير تک مرغي ديکهتا رها - پهر غلام پر غضبناک نظريں ڈاليں اور کہا " ميں نہيں جانتا تها کہ بعض مرغيوں کا صرف ايک هي بازو اور ايک هي ٹانگ هوتي هے - مجهے کبهي اِس بات کا وهم بهي نہيں گزرا تها کہ دوسروں کا جهوٹا کهانا پڑيگا ! "

رستم ڈر گيا - رنگ فق هوگيا - کانپتي هوئي آواز ميں کہنے لگا " مہربان آقا ! ميں بہت بهوکا تها - پہلے ارادہ صرف ران کهانے کا تها - مگر افسوس - بازو بهي ميں نے کها ليا ! " نپولين چپ هو گيا ' اور مرغي کهالي ' صبح اُس نے ايک سپہ سالار کو بعض احکام دينے کيليے طلب کيا - رستم بهي سامنے کهڑا تها - نپولين نے سپہ سالار سے کہا " تم نے کچهہ سنا ؟ کل رات ميں نے آقائے رستم کا پس ماندہ کهايا تها ! ملعون ! ادهر آ - ميں تيرے کان ملونگا - خبردار ' پهر کبهي ايسي حرکت نہ کرنا ! " يہ کہکر نپولين زور سے هنس پڑا -

(شادي)

رستم ' اپنے آقا کو روز پيرس کي عورتوں سے اپنے عشقيہ معرکوں کي داستانيں سنايا کرتا تها - نپولين کو ان واقعات سے بڑي دلچسپي هوتي تهي اور وہ غلام کي همت افزائي کيا کرتا تها - آخر رستم کا يہ شوق رنگ لايا - اور وہ ايک عورت پر عاشق هوگيا - اُس نے شہنشاہ سے شادي کي درخواست کي - نپولين نے پوچها " وہ کچهہ مالدار بهي هے ؟ " رستم نے جواب ديا " جب تک حضور کے قدموں سے لگا هوں ' مجهے مال کي کيوں فکر هو ؟ " نپولين کو يہ جواب پسند آيا اور شادي کي اجازت ديدي -

يکم فروري سنہ ۱۸۰۶ع ميں الکزنڈرائن دوويل سے رستم کي شادي هوگئي - خود شہنشاہ جلسہ ميں شريک هوا ' اور تمام خرچ اپني جيب خاص سے ادا کيا - شادي کے ايک برس بعد لڑکا پيدا هوا - رستم نے اُس کا نام ايشيل رکها - نپولين کو يہ بچہ بہت پيارا تها - اکثر بلا کر اُس سے کهيلا کرتا تها - جب وہ لوٹتا تها ' تو اُس کي دونوں مٹهيوں ميں اشرفياں هوتي تهيں !

نپولين کو رستم اِس قدر عزيز تها کہ سفر اٹلي کے موقعہ پر جب وہ بيمار هوگيا تو نپولين نے چلتے وقت اُس سے کہا " رنج نہ کرنا - ميں جلد واپس آونگا - ميري بيوي تمهاري خبر ليگي - "

خود رستم نے اپني ياد داشت ميں لکها هے کہ شہنشاہ اُس پر بے حد مہربان تها - شروع ميں نپولين نے اُس کي کوئي تنخواہ مقرر نہيں کي تهي - ايک دن اتفاق سے ياد آگيا تو فوراً ۱۲۰۰ فرنک مقرر کر ديے - تهوڑي هي مدت بعد يہ رقم دوگني کردي گئي - يعني ۲۴۰۰ فرنک ملنے لگے - نيز ۲۴۰۰ فرنک شکار ميں بادشاہ کي بندوق اٹهانے کيليے ' اور ۹۰۰ فرنک دائمي انعام کے طور پر بهي ملتے تهے - اسکے علاوہ کهيل ميں جسقدر روپيہ نپولين جيتتا تها ' سب اسے ديديتا تها - عيدوں اور جشنوں کے موقعہ پر بهي بہت کچهہ ديتا تها - چنانچہ ۲۰۰۰ فرنک سنہ ۱۸۰۸ع ميں ديے - ۳۰۰۰ سنہ ۱۸۱۰ ميں ديے - ۴۰۰۰ سنہ ۱۸۱۱ع ميں ديے - ۶۰۰۰ سنہ ۱۸۱۳ع ميں ديے - ۶۰۰۰ سنہ ۱۸۱۴ع ميں ديے - پهر معزولي سے پہلے ايک مرتبہ يکمشت ۵۰۰۰۰ فرنک عطا کيے !

(رستم کا خاتمہ)

ليکن افسوس هے کہ مصيبت کے وقت رستم بے وفا ثابت هوا - آقا کے تمام احسانات بهول کر اُس سے رخ پهير ليا !

۶ - اپريل سنہ ۱۸۱۴ ميں نپولين کو تخت سے دست بردار هونا پڑا تها - وہ جب جزيرۂ البا کي طرف روانہ هونے لگا ' تو رستم ' بلا اجازت اپني بيوي سے مشورہ کرنے چلا گيا - بيوي شريف تهي -

مجیب کے فرائض هیں - جو مدعي هو' اسے دلیل پیش کرني چاهیے - جو منکر هو' اسے توڑ کرنا چاهیے - چونکه مقصود اس تمام کارخانه سے اسکات خصم ھے - یعنے مخاطب کو چپ کرا دینا ' اس لیے تمام اصول و آداب اسي محور کے گرد حرکت کرتے هیں - امام رازي نے جب اسے مناظرہ قرار دیا ' تو ضروري هوا که پوري بات اُسي سانچے میں ڈھال کر دکھا دي جائے - بات اُس سانچے میں ڈھلتي نہیں - بس ساري مشکلیں اسي سے پیدا هوگئي هیں -

آپ خود اپنے استفسار میں لکھتے هیں :

" یه در اصل حضرت ابراهیم علیه السلام اور نمرود کا مناظرہ ھے ' جس میں نمرود کي حیثیت خدائي کے مدعي کي ھے اور حضرت ابراهیم اُس کے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاهتے هیں "

یه جو آپ نے " در اصل مناظرہ ھے " کہدیا' بس یہي تمام فساد کي جڑ ھے - " مناظرہ ھے ' تو حضرت ابراهیم کي حیثیت ایک مناظر کي ھے : اگر وہ مناظر هیں ' تو چاهئے که اُن قواعد کلام سے سرمو تجاوز نه کریں جو فن مناظرہ کے ساخته پرداخته هیں - یا مثلاً رشیدیه میں درج هیں - اور چاهیے که بد بخت نمرود بھي اُنھي مقدمات اور مبادیات کے مطابق سرگرم ضلالت و شقاوت هو' جو هم شرح مواقف وغیرہ میں پڑھ چکے هیں ! "

امام رازي اور متکلمین کے اصول تفسیر یہي هیں ' اور آپ بھي اُنھي کے قدم بقدم چلنا چاهتے هیں - سوال یه ھے که حضرت ابراهیم " مناظر " مصطلحۂ قوم کیوں هوں ؟ اور اگر وہ مناظر هوں ' تو کیوں اُن تمام گڑھے هوئے قاعدوں کے پابند هوں جو علوم وضیعه کي تدوین کے بعد هم نے اپنے اوپر لازم کر رکھے هیں ؟ کونسي عقل کي قطعیت اور وحي کي تنزیل موجود ھے که حضرت ابراهیم کو بھي اُن قواعد کلام کي پابندي کرني چاهیے جو مناظرہ رشیدیه میں هم رٹ چکے هیں ' یا جنھیں بحر العلوم نے اپنے حواشي میں لکھا ھے ؟ " مناظر کے لیے یه جائز نہیں " اور " مستدل کے لیے یه ضروري ھے " سوال یه ھے که کیوں جائز نہیں ؟ کیوں ضروري ھے ؟ اور کیوں ان اصول موضوعه اور قواعد مصنوعه " ما انزل الله بها من سلطان " کے انبیاؑ رسل پابند هوں ؟ کیوں ان کے لیے جائز نه هو که سرمو اِن سے تجاوز کریں ؟ کیا مصیبت ھے که قرآن عربي زبان میں اُترتا ھے - تمام فصحاء قریش اُس کي فصاحت کے آگے سربسجود هو جاتے هیں ' لیکن چار سو برس کے بعد همارے مفسرین بحث کرتے هیں که سیبویه اور کسائي کے بنائے هوئے قواعد کے مطابق وہ ٹھیک ھے یا نہیں ؟ چار هزار برس پہلے ایک داعي الی الحق فطرت الهي اور وجدان انساني کے مطابق رشد و هدایت کا دروازہ کھولتا ھے ' اور ایک منکر حق کو شک و انکار کي جگه یقین و ایمان کي راہ دکھلادیتا ھے' لیکن پانچویں صدي هجري میں امام رازي آ کر بحث کرتے هیں که منطقي طریق مناظرہ کے مطابق یه مکالمه صحیح ھے یا نہیں ؟ اور پھر چودھویں صدي میں آپ آتے هیں اور کہتے هیں که مشکلات حل نہیں هوتیں - مشکلات حل هوں تو کیسے هوں جب صدیوں سے مشکلات هي کو بلاوا دے دے کر سمیٹا گیا ھے ' اور اصلیت کي سادگي وضعیت اور صناعت کي کج اندیشیوں اور پیچیدگیوں کے اندر گم هوگئي ھے ؟

(۳) ایک دوسري بنیادي غلطي جو یہاں اُلجھاؤ پیدا کر رهي ھے ' حضرت ابراهیم کے مخاطب کي اعتقادي حیثیت ھے - مفسرین سے ایک سخت تسامح قرآن حکیم کے اُن مقامات کي تفسیر میں هوا ھے ' جہاں بابل کے اس پادشاہ کا (جسے نمرود کہتے هیں) اور مصر کے فرعون کا (جو کچھه بھي اُس کا نام هو) ذکر کیا گیا ھے - قرآن حکیم نے اُن کا ذکر ایسے لفظوں میں کیا ھے ' جن سے معلوم هوتا ھے که وہ اُس خدا کے اقرار سے منکر تھے جسکي دعوت حضرت ابراهیم اور حضرت موسی علیهما السلام نے آنکے سامنے پیش کي تھي ' اور خود اپني خداوندي اور خداوندي کي طاقتوں کا دعوی رکھتے تھے - چونکه مفسرین کے پیش نظر صحیح تاریخي معلومات نه تھیں ' اسلیے وہ صحت کے ساتھه اس انکار اور ادعا کي نوعیت متعین نه کرسکے - یه خیال پیدا هوگیا که یه دونوں پادشاہ اپني خدائی کے اس معني میں مدعي تھے که وهي صانع کائنات هیں - چنانچه دونوں مقامات کے تمام مکالمات و مخاطبات میں فریق ثاني کي یہي اعتقادي حیثیت قرار دي گئي ھے اور اسیلیے حضرت ابراهیم اور حضرت موسی (علیهما السلام) کے تمام دلائل و ارشادات اسي پہلو سے دیکھے جاتے هیں - چونکه یه بات حقیقت حال کے خلاف ھے ' اسلیے اس کي وجه سے طرح طرح کے نئے اُلجھاؤ پیدا هوگئے هیں - واقعه یه ھے که نه صرف دنیا کي تاریخي معلومات کي بنا پر ' بلکه خود قرآن حکیم کي تصریحات کي بنا پر کہا جاسکتا ھے که دنیا میں آج تک کسي انسان نے بھي اس معني میں خدا هونے کا دعوی نہیں کیا ھے که وهي صانع کائنات ھے - ایسا دعوی کرنا ' بلکه ایسے ادعا کا تخیل کرنا فطرت انساني کے اسدرجه خلاف ھے که کوئي انساني هستي اِسکي جرأت هي نہیں کرسکتي -

تحریر اندازہ سے زیادہ بڑھتي چلي جاتي ھے ' اسلیے اس مقام کے دلائل و مباحث درج نہیں کیے جا سکتے - حقیقت حال سمجھنے کیلیے حسب ذیل اشارات کافي هونگے :

اولاً ' نوع انساني نے خدا کي صفات کے تصور میں جو ٹھوکریں کھائي هیں ' من جمله اُن کے ایک عالمگیر گمراهي شاهیت و الوهیت کا تشابه ھے - یعنے شاهیت کے اختیارات نے بھي ما فوق الفطرت اختیارات کي حیثیت اختیار کرلي تھي - جب کبھي کوئي انسان اپني غیر معمولي جسماني قوتوں سے مخالفوں کو زیر کرکے پادشاہ بن جاتا ' لوگ خیال کرتے ' وہ دیوتاؤں کا انساني مظہر ھے ' بلکه خود بھي دیوتا ھے - پھر جب شاهیت نے نسل و خاندان کے سلسله کي صورت اختیار کرلي' تو کسي انسان کا شاهي نسل سے هونا ' اس کے دیوتائي رشتوں کي دلیل سمجا جانے لگا - رفته رفته اس خیال نے پوري طرح ایک عام عقیدہ کي نوعیت پیدا کرلي که پادشاہ انسان نہیں ھے - انسانیت سے بلند تر هستي ھے - اُسکي طاقت بھي الهي طاقت ' اور اُسکا حکم بھي حکم خداوندي ھے -

قرآن حکیم نے بابل اور مصر کے جن دو پادشاهوں کا حال بیان کیا ھے ' اُنکي اور اُن کے قوم کي گمراهي یہي تھي - وہ اپني قوم میں ایک دیوتا کي طرح مانے جاتے تھے - اس لیے نہیں که اِن دو انسانوں نے خصوصیت سے اسکا دعوی کیا تھا ' بلکه اس لیے که وہ پادشاہ تھے ' اور پاشاہ کیلیے ایسا هي اعتقاد پیدا هو گیا تھا -

ثانیاً ' اس سے یه بات بھي واضح هوگئي که مفسرین کا یه سمجھنا که فرعون اور نمرود نامي دو انسان خدائي کے مدعي تھے ' صحیح نہیں ھے - جس طرح کي خدائي کے یه مدعي تھے ' اُس طرح کي خدائي کا اعتقاد اُس عہد کے بے شمار پادشاهوں اور پادشاهي کے سلسلوں کیلیے رہ چکا ھے - هندوستان میں بھي پادشاہ کے لیے ایسا هي اعتقاد موجود تھا - حتی که اُن کا سلسلۂ نسب چاند سورج سے ملا دیا گیا تھا - تاتاریوں کي ابتدائي تاریخ بھي

منطبق کرنے ' اور جب منطبق نہ ہوسکے تو لا یعني اور دور از کار توجیہیں کرنے لگے - حضرت امام رازي رحمة الله علیه اس آیت کي تفسیر میں سب سے پہلي بات جو کہتے هیں ' یہي ہے کہ " و القصة الاولی مناظرة ابراهیم صلی الله علیه و سلم مع ملک زمانه " (جلد ۲ : ۳۱۷) جونہي اُنہوں نے اس معاملہ کو " مناظرہ " کے لفظ سے تعبیر کیا ' حقیقت سے الگ ہوگئے ' اور پہلا قدم هي اُلٹا پڑ گیا- اب جس قدر آگے بڑھتے جاتے هیں ' حقیقت سے زیادہ دور ہوتے جاتے هیں ' اور یکے بعد دیگرے اُلجھاؤ پر اُلجھاؤ پڑتے جاتے هیں - اُنہوں نے اپني عادت کے مطابق " المسئلة الاولی " اور " المسئلة الثانیة" اور " الاشکال الاول " اور " الاشکال الثاني " کا سلسلہ یہاں بھي پوري قوت اور وضاحت کے ساتھہ جاري رکھا ہے ' لیکن جب جواب کا موقعہ آیا ہے ' تو پانچ پانچ اور چھہ چھہ وجوہ اشکال بیان کرنے کے بعد ایک شافي جواب بھي نہیں دے سکتے' اور ایک ایسے طریقہ سے جو پڑھنے والے کو حیرت و ارتیاب میں غرق کردیتا ہے ' رخصت ہو جاتے هیں !

امام رازي کے بعد جس قدر مفسرین پیدا ہوئے ' سب نے اس مکالمہ پر اسي حیثیت سے نظر ڈالي - البتہ حافظ عماد الدین ابن کثیر جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تلامذہ میں سے هیں ' اس سے مستثنی هیں - وہ سلف کے طریق تفسیر سے آشنا ہوچکے تھے ' اس لیے ان موشگافیوں میں نہیں پڑے - بلکہ صاف صاف کہدیا " وهذا التنزیل علي هذا المعني احسن مما ذکرہ کثیر من المنطقیین " (حاشیہ فتح البیان جلد ۲ : ۱۵۶) یعني یہ مطلب اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو بہت سے منطقیوں نے قرار دیا ہے - لیکن افسوس ہے کہ منطقیوں کے طریقہ سے الگ رهکر بھي وہ پوري طرح اُن کي لغزشوں سے محفوظ نہ رهسکے - یعني اس الجھاؤ سے وہ بھي نہ نکل سکے جو حضرت ابراهیم کے ایک دلیل چھوڑ کر دوسري دلیل اختیار کرنے کے معاملہ میں پڑ گیا تھا -

یہ بات معلوم کرنے کیلیے کہ متاخرین کي پیدا کي ہوئي مشکلات سے متقدمین کس طرح محفوظ تھے ' امام ابن جریر طبري کي تفسیر پر نظر ڈالیے جو محدثین کے صاف اور سادہ طریق پر روایات جمع کر دیتے هیں - انہوں نے سرے سے یہ فتنہ انگیز لفظ " مناظرہ " استعمال هي نہیں کیا ہے - وہ " حاج ابراهیم في ربه " کا ترجمہ " الذي خاصم ابراهیم في ربه " کرتے هیں' جو في الحقیقت اس محل کیلیے خود قرآن کا بتلایا ہوا لفظ ہے ' اور پھر سیدھا سادھا مطلب بیان کرکے خاموش ہو جاتے هیں -

یہ واضح رہے کہ ہمیں یہاں مناظرہ کے لغوي اطلاق سے اختلاف نہیں ہے ' بلکہ اصطلاحي اور وضعي اطلاق سے اختلاف ہے - وضعي علوم کي اصطلاح میں " مناظرہ " ایک خاص فن ہے جسمیں مباحثہ کے اصول و آداب وضع کیے گیے هیں ' اور اس کا مقصود اِسکات خصم ہے - یعني جھگڑنے والے کو چپ کرا دینا - نہ یہ کہ اسکے شکوک دور کردینا - نہ صرف یہ کہ انبیاء کرام کا طریق بیان یہ نہیں ہوتا ' بلکہ قرآن بتلاتا ہے کہ کسي طالب حق کا بھي طریقہ یہ نہیں ہونا چاهیے - کیونکہ یہ طلب حق اور علم حقیقت کي راہ نہیں ہے - " جدل " اور " خصومت " کي راہ ہے - اب غور کیجیے - یہ کیسي مصیبت ہے کہ جس طریق بحث و کلام کو قرآن مذموم ٹھہراتا ہے - اسي کو ہمارے مفسرین متفلسفین محمود و مطلوب قرار دیتے هیں ' اور قرآن کے تمام دلائل اور انبیاء کرام کے تمام مکالمات و مخاطبات کو اُسي شکل و صورت میں آراستہ کرنا چاهتے هیں ' اور پھر ذهن کي اِس کجي اور فکر کے اِس مرض کو علم و معرفت کي ایک ایسي

عظمت ...سمجھتے هیں ' جسے ابراهیم خلیل علیه الصلوة و السلام کے منہ سے نکلوا دینا ' انکي بزرگي کي بڑي هي دلیل اور اُنکے مرتبۂ نبوت و خلت کي بڑي هي خوبروئي ہے !

اس سے بھي بڑھکر اعجب العجائب معاملہ یہ ہے کہ قرآن حکیم اس مقام پر جس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے ' وہ یہي ہے کہ انبیاء کرام کا طریق دعوت ' " ہدایت " کا طریقہ ہوتا ہے - " جدل " و " خصومت " کا نہیں ہوتا - چنانچہ حضرت خلیل نے با وجود اسکے کہ ایک الد الخصام کج بحثي کرنے لگا تھا ' سر رشتۂ ہدایت ہاتھہ سے نہ چھوڑا ' اور مجادلانہ نزاع کي جگہ طریق هدایت سے اُسے اعتراف حق پر مجبور کر دیا - لیکن متکلمین هیں کہ عین اسي مقام کو مجادلانہ انداز استدلال کی شکل دے رہے هیں ' اور بڑي کوہ کندنیوں اور کاہ براوردنیوں کے بعد ثابت کر دینا چاهتے هیں کہ اصل حقیقت یہ نہیں ہے - بالکل اس سے اُلٹي ہے - یعني طریق ' طریق جدل اور مناظرہ ہے - نہ کہ ارشاد الی الحق اور هدایت الی المقصود !

تفسیر کبیر کا یہ پورا مقام پڑھ جاییے - معلوم هوتا ہے' حضرت خلیل اور نمرود کا مکالمہ منطقیوں کي ایک اچھي خاصي مجلس مناظرہ ہے - ایک طرف نمرود بیٹھا ہے ' اور ایک پختہ کار فلسفي کي طرح شفا اور اشارات کے تمام مباحث رٹ چکا ہے - دوسري طرف حضرت ابراهیم هیں ' اور امام رازي اور قاضي عضد کے علم کلام کا ایک ایک لفظ نوک زبان رکھتے هیں - نمرود ایک سوال کرتا ہے - یہ اُس کا جواب دیتے هیں - وہ اِن کے جواب کا توڑ کرتا ہے ' اور نئے مقدمیں میں اُلجھانا چاهتا ہے - یہ ایک شاطر مناظر کي طرح فوراً پینترا بدلتے هیں ' اور اُنہي مقدمات کے داؤ سے اُسے گرا دینا چاهتے هیں - وہ سبب اور واسطہ کے طرف رخ کرتا ہے - یہ حرکت افلاک کا پیچ کس دیتے هیں - سبحان الله ! حضرت ابراهیم علیه السلام کي دعوت نبوت نہ ہوئي - میر زاهد اور سیالکوٹي کا مباحثہ ہوگیا ! حاشا و کلا کہ انبیاء کرام جو تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کے لیے آتے هیں ' یہ مجادلانہ انداز سخن اور مخاصمانہ طریق مخاطبت رکھتے ہوں - اگر ایک لمحہ کے لیے بھي یہ طریق تفسیر تسلیم کر لیا جاے تو ساتھہ هي یہ بھي تسلیم کر لینا پڑیگا کہ دنیا کے سارے نبیوں اور رسولوں کی سب سے بڑي بڑائي یہ تھي کہ وہ منطقي اور متکلم ہوں - لیکن اگر یہي معیار نبوت ہے ' تو دنیا کا سب سے بڑا نبي ارسطو تھا جس نے سب سے پہلے منطق کے اصول و قواعد سے دنیا کو آشنا کیا ' نہ کہ ابراهیم خلیل اور محمد بن عبد الله علیهما الصلوة و السلام ' جن کا لکھنے پڑھنے کے طریقے سے آشنا ہونا بھي ثابت نہیں !

(۲) اب غور کیجیے - اس مکالمہ کو " مناظرہ " قرار دیکر کس طرح انہوں نے اپنے آپکو مشکلات کے حوالہ کر دیا ہے ؟ اگر یہ " مناظرہ " ہے ' اور حضرت ابراهیم کي بڑي فضیلت یہي ہے کہ مناظرین کي طرح مخاطب کو سخن پروري میں ہرا دیں ' تو ضروري ہے کہ مناظرہ کے جو اصول و آداب وضع کیے گئے هیں ' اُنہیں کسي نہ کسي طرح اس مکالمہ پر منطبق کیا جاے - مصیبت یہ ہے وہ منطق نہیں ہوتے - کیونکہ سرے سے یہ مناظرۂ مصطلحۂ قوم تھا هي نہیں - نتیجہ یہ ہے کہ مشکلات کا کوئي تشفي بخش حل نظر نہیں آتا - فن مناظرۂ وضعیہ کے لحاظ سے پہلي چیز فریقین کي حیثیت کا تعین ہے - یعني اُن میں سے کون مدعي ہے کون منکر- کون مثبت ہے ' کون منفي - پھر مستدل کے واجبات هیں ' اور

علم الآثار مصر کا جدید ذخیرہ

فراعنۂ مصر کے عظیم ہیکل

ریمسیس ثانی اور اُسکی لڑکی کا مجسمہ، جسکے محل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوے تھے!

گذشتہ دس سال کے اندر علم الآثار مصر میں جدید انکشافات کا جو اضافہ ہوا ہے، وہ نہایت قیمتی ہے، اور علماء آثار کا خیال ہے، اس سے مصری اثریات میں تحقیق و نظر کا ایک نیا دور شروع ہو جایگا ہے - وادی الملوک اور الاقصر کے دو مقبروں کا حال نہایت تفصیل کے ساتھہ دنیا کے علم میں آچکا ہے، لیکن ان مقبروں کے علاوہ اور بھی بے شمار نئی نئی چیزیں ہیں جو تاریخ مصر کے بعض اہم زمانوں سے تعلق رکھتی ہیں، اور اسلیے علماء آثار اُن کے درس و مطالعہ میں مشغول ہیں -

آج ہم قارئین الہلال کی دلچسپی کے لیے ان میں سے بعض اہم آثار کا مرقع شائع کرتے ہیں -

سب سے پہلے آپ کی نظر دو چھوٹی چھوٹی تصویروں پر پڑیگی، جن میں سے ایک پر منقش تصویریں ہیں - دوسری میں ایک شکستہ مجسمہ نظر آ رہا ہے - پہلی تصویر ابیڈس مندر کی ایک دیوار کا مرقع ہے جس میں فرعون "ستی" اول اپنے معبود کے سامنے کھڑا ہے، اور اُسے نذر پیش کر رہا ہے - مرقع میں فرعون کی صورت اور وضع اتنی نزاکت اور خوبی کے ساتھہ کندہ کی گئی ہے کہ مصر کے تمام حجری مرقعوں میں صرف چند تصویریں ہی اس کا مقابلہ کرسکتی ہیں - اس مرقع میں ہمارے سامنے چار ہزار برس پہلے کا ایک انسان اپنی اصلی صورت و وضع میں کھڑا ہے!

دوسرا مرقع مصری دیوتا "ممنن" کا بت ہے - اس کی نسبت یقین کیا جاتا تھا کہ ہر روز طلوع آفتاب کے وقت اس میں سے الہی نغموں کے ترانے بلند ہوتے تھے - اب یہ بالکل ٹوٹی پھوٹی حالت میں برامد ہوا ہے - لیکن علم کی خوش قسمتی سے اس کے کتبے محفوظ ہیں، اور پوری طرح پڑھے جا سکتے ہیں -

ان کے بعد آپ دو بڑی تصویریں اوپر تلے دیکھہ رہے ہیں - پہلی تصویر ابیڈیس مندر کی ایک دیوار پر کندہ ہے - اس میں مصریوں کے دو دیوتا دکھائے گئے ہیں - ہورس اور اوسائرس - ہورس ہر طرح کی اچھائیوں کا معبود تھا - اوسائرس سورج دیوتا تھا - مصری یقین کرتے تھے کہ سورج دیوتا کی بہن اور لڑکی "آئی سس" نے اپنے مقدس آنسوؤں کے چند قطرے ملا کر ہمیشہ کیلیے دریاے نیل کو شیریں اور مقدس بنا دیا ہے!

دوسرا مرقع ایک عظیم مجسمہ کا نہایت قیمتی ٹکڑا ہے جو الاقصر سے بر آمد ہوا ہے - نقوش کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دراصل فرعون ریمسس دوم کا مجسمہ تھا - تصویر میں صرف کمر سے لیکر پانؤں تک کا حصہ نمایاں ہے - پانوں کے پیچھے ایک عورت کا چھوٹا سا مجسمہ ہے جو کھڑی ہے - یہ ریمسس کی لڑکی ہے - ریمسس دوم وہی فرعون ہے، جس کے محل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدایش ہوئی تھی - خیال کیا جاتا ہے کہ یہی لڑکی محل شاہی کی وہ عورت ہے، جس نے دریا سے حضرت موسیٰ کو نکالا تھا!

اسکي شہادت ديتي ھے - بنو اسرائيل نے جب فلسطين اور شام پر قبضه کيا تو جو قوميں وھاں آباد تھيں ' اُن کا بھي اپنے پادشاھوں کي نسبت ايسا ھي خيال تھا - خود قرآن اور تورات نے حضرت موسیٰ عليه السلام کي مصري زندگي کے جو واقعات بيان کيے ھيں ' اُن کا تعلق بھي ايک پادشاہ سے نہيں ھے - دو پادشاھوں سے ھے جو يکے بعد ديگرے تخت نشين ھوئے تھے - ايک فرعون وہ ھے جس کے محل ميں حضرت موسیٰ پيدا ھوئے - دوسرا وہ ھے جو اُن کا تعاقب کرتا ھوا خليج سوئز ميں غرق ھوا - اگر فرعون کے ادعاء الوھيت سے مقصود يه ھوتا که وہ کسي ايک انسان کا شخصي ادعا تھا ' تو ظاھر ھے ' بغير کسي امتياز کے دونوں کي نسبت ايک ھي طرح کي ادعائي ذھنيت قرآن کيوں ظاھر کرتا ؟ دراصل قرآن نے اسي ليے اُن کے ناموں کي جگه اُن کا عام لقب " فرعون " استعمال کيا - کيوں که کسي ايک پادشاہ کا تمرد و طغيان دکھلانا مقصود نہيں تھا - تمام فراعنه کا طغيان دکھلانا مقصود تھا -

بہر حال قرآن حکيم نے اِن دونوں پادشاھوں کا ذکر اس ليے کيا ھے که انساني گمراھي کي ايک خاص حالت کا نمونه دکھلا دے - اس نوع کي گمراھي کے ليے يه کامل قسم کے نمونے تھے - اس ليے انھي کو بطور مثال کے چن ليا گيا -

باقي رھے فرعونوں کے وہ متکبرانه اور مدعيانه اقوال جو قرآن حکيم نے نقل کيے ھيں ' تو اُن ميں ايک جمله بھي ايسا نہيں ھے جس کا مطلب يه ھو که وہ اپنے آپ کو خدا بمعني صانع کائنات سمجھتے تھے - چونکه مفسرين نے يہي مطلب ٹھہرا ليا تھا ' اس ليے ان کي نظر آيات کے صاف صاف مطلب کے طرف نہيں گئي - دوسري واديوں ميں پہنچ گئے - ليکن يه محل تفصيل کا نہيں ھے -

ثالثاً ' آيت زير تدبر ميں جس پادشاہ کا ذکر کيا گيا ھے ' اُس کي شخصيت بھي صحيح طور پر متعين نہيں کي گئي - عام طور پر مشہور ھے که وہ نمرود تھا - ليکن بابل اور نينوا کے آثار قديمه سے جس قدر معلومات فراھم ھوچکي ھيں ' اُن سے اس خيال کي تصديق نہيں ھوتي - " نمرود " سے مقصود وہ پادشاہ ھے ' جس کے خاندان نے سب سے پہلے بابل پر حکمراني کي تھي - اس خاندان کا سب سے زيادہ مشہور شخص " اُور " پنجم تھا جس کے سوانح حيات کي منقش اينٹيں جرمن وفد کي کوششوں سے سنه ۱۹۰۴ع ميں برامد ھوئي ھيں - اِن اينٹوں کي عبارت سے جو خط مسماري ميں کنده ھيں ' معلوم ھوتا ھے که نمرود اور اُسکے خاندان کا زمانه دو هزار سات سو برس قبل مسيح تھا - اگر تورات کے سنين تسليم کرليے جائيں ' تو حضرت ابراھيم عليه السلام کا زمانه دو هزار تين سو برس قبل مسيح کا زمانه ھے - ظاھر ھے که اِس حساب سے حضرت ابراھيم کا ظہور نمرود سے کئي سو برس بعد ھوا ھے - اُن کے زمانه ميں نه صرف نمرود کي ' بلکه اُس کے خاندان کي بھي حکومت باقي نہيں رھي تھي -

خاندان نمرود کے دو سو برس بعد بابل ميں ايک نيا سلسلۂ شاھي قائم ھوا جسے " ايلامي " خاندان سے تعبير کيا جاتا ھے - اس خاندان کا ايک پادشاہ دو هزار تين سو برس قبل مسيح بابل ميں حکمراں تھا جس کا نام " کادرلا اومر " تھا - غالباً يہي بادشاہ حضرت ابراھيم کا معاصر تھا ' اور اسي سے اُن کا يه مکالمه ھوا ھے - بابل کے آثار ميں اس پادشاہ کي تصويريں اور بعض فرامين کي اينٹيں بھي ملي ھيں - اِن کتبوں سے معلوم ھوتا ھے که وہ نہايت خود سر اور جبار تھا - اُس کي نسبت يقين کيا جاتا تھا که آسماني ديوتاؤں کا قہر و جبروت اُس کے اندر مجسم ھوگيا ھے -

يه اوصاف ٹھيک ٹھيک اُس متکبرانه انداز سخن کے مطابق ھيں ' جو اس مکالمه سے ظاھر ھوتا ھے -

ايسا معلوم ھوتا ھے که جس طرح عربوں ميں شاھان روم ' قيصر ' شاھان ايران کسریٰ ' اور شاھان مصر فرعون کہے جاتے تھے ' اسي طرح بابل کے پادشاھوں کے ليے " نمرود " کا لفظ بطور لقب کے مشہور ھوگيا تھا - يه تلقب بے اصل بھي نه تھا ' کيونکه جس طرح روم ميں سيزر اور ايران ميں خسرو پادشاھوں کا نام رھچکا تھا ' اُسي طرح بابل کے پہلے فرمانروا کا نام نمرود تھا - پس ابتدا ميں جب لوگوں نے يه کہا ھوگا که مکالمه نمرود سے ھوا ' تو اُن کا مقصد يه ھوگا که بابل کے ايک پادشاہ سے ھوا - يه مطلب نه ھوگا که نمرود نامي انسان سے ھوا تھا -

رابعاً ' يوناني مورخوں کے بيانات اور علم الاثار کي تحقيقات سے معلوم ھوتا ھے که اھل بابل کواکب پرست تھے - اسي کواکب پرستي نے اُنھيں علم ھئيت کے علمي مباديات سے آشنا کيا تھا - اُن کا اعتقاد تھا که اجرام سماويه کائنات کي ايسي ملکوتي ھستياں ھيں ' جنھيں تدبير و تصرف عالم کي تمام قوتيں حاصل ھيں - دنيا ميں جو کچھه ھوتا ھے ' اُنھي کے عمل و تصرف سے ھوتا ھے - اِن ميں سات ستارے بڑے ديوتا ھيں ' اور سورج ان سب ميں بڑا ھے - آج کل علم نجوم کے نام سے جو خرافات دنيا ميں پھيلے ھوئے ھيں ' يه ھندوستان اور بابل ھي کي کواکب پرستي کا بقايا ھيں - اپنے پادشاھوں کي نسبت اُن کا بھي وھي اعتقاد تھا ' جو اُس عہد کي تمام قوموں کا رھچکا ھے - يعنے وہ سورج ديوتا کے زندہ مظہر سمجھے جاتے تھے - ان کي تقديس بھي اُسي طرح کي جاتي تھي ' جيسي تمام ديوتاؤں کي کي جاتي تھي -

(۳) مکالمه کے آخر ميں ھے : " فبهت الذي كفر " يعني جب حضرت ابراھيم نے دوسري دليل پيش کي تو مجادل کچھه نه کہه سکا - ھکا بکا ھوکر رھگيا - مفسرين نے اس مکالمه کو منطقي مناظرہ بنا ديا تھا - مناظرہ اور جدل کا ما حصل يه ھے که مخاطب کو لا جواب کر ديا جاے - اس ليے انھوں نے " فبهت الذي كفر " کا مطلب يه قرار ديا که حضرت ابراھيم کي دوسري دليل کے جواب ميں وہ کوئي بات نه بنا سکا - اس ليے مبہوت ھو کر رھگيا - اس ميں کوئي شبه نہيں که حضرت ابراھيم کي بات کا وہ کوئي جواب نہيں دے سکا تھا - اور شوخ چشمي اور کج بحثي کي جگه اُس پر حيرانگي کي حالت طاري ھوگئي تھي ' ليکن يه حيراني محض اس بات کا نتيجه نه تھي که وہ سخن پروري ميں لا جواب ھو گيا تھا - کيونکه ابھي تفصيل کے ساتھه آپ سن چکے ھيں که انبياء کرام کي مخاطبت بات ميں لا جواب کر دينے کے ليے نہيں ھوتي - يقين و ايمان کے ليے ھوتي ھے - پس اُس کے مبہوت ھو جانے کا سبب يه تھا که حضرت ابراھيم کي دوسري بات اُس کے دل ميں اُتر گئي - پہلي بات پر تو اُس نے مجادلانه کج بحثي کرکے جواب ديديا تھا - کيونکه اپنے جہل و ضلالت کي وجه سے اُسکي حقيقت سمجھه نه سکا تھا - ليکن دوسري بات اُسکي فکري اور اعتقادي استعداد کے مطابق کچھه ايسي دل کو لگتي ھوئي تھي ' که سنتے ھي متاثر ھوگيا ' اور تير نشانه پر لگ گيا - نتيجه يه نکلا که مبہوت ھو کر رھگيا - يعنے وہ سچائي جسے اپني کور چشمي کي وجه سے ابتک نہيں ديکھه سکا تھا ' اب يکايک اُس کے سامنے چمک اُٹھي ' اور با وجود کمال تمرد اور ضلالت کے اُس ميں جھٹلانے اور شوخ چشمي سے کج بحثي کرنے کي جرأت باقي نه رھي !

علم اور مسیحی کلیسا

کتاب پیدائش اور تخلیق کائنات

برمنگہم کے بشپ کا کفر اور زندقه !

تھوڑا عرصه گزرا ہے ' لندن سے ریوٹر ایجنسی نے یه خبر تمام دنیا میں مشہور کردی تھی که برمنگہم کے لارڈ بشپ نے ویسٹ منسٹر میں تقریر کرتے ہوئے ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے ' جس نے یورپ کے تمام کلیسائی حلقوں میں ہلچل ڈالدی ہے - اُس نے صاف صاف لفظوں میں اعتراف کرلیا ہے که پیدایش کائنات کا قدیم مسیحی اعتقاد (یعنے تورات کی کتاب پیدایش کا بیان) قابل ترمیم ہے ' اور اب وقت آگیا ہے که ہم علمی تحقیقات کی مخالفت کرنے یا غلط مذہبی تاویلوں کے ذریعه تطبیق دینے کی ناکام کوششوں سے باز آجائیں - یعنی تسلیم کرلیں که تورات کی کتاب پیدایش کا بیان ایک کہانی سے زیادہ نہیں ہے !

اس کے بعد ایک دوسرے واقعه کی خبر مشتہر ہوئی - یہی بشپ جب سینٹ پال چرچ میں وعظ کررہا تھا تو اچانک ایک واقعه نے تمام مجلس میں اضطراب پھیلا دیا - ایک طرف سے تیز صدا اُٹھی "یه بدعت و زندقه کا معلم ہے" لوگوں نے جب اُس طرف نظر اُٹھائی ' تو معلوم ہوا ' پادری کینن ویبسٹر غیظ و غضب کی شدت سے بے قابو ہوکر کھڑا ہوگیا ہے ' اور واعظ کے کفر و زندقه کا اعلان کر رہا ہے - اس پر غضب طریقه سے مجلس کو اپنی طرف متوجه کرکے اُس نے بشپ پر لعن و طعن کی بوچھاڑ شروع کردی ' اور پھر یه کہکر که "ایسے زندیق کا وعظ سننا جائز نہیں" اپنی جماعت کے ساتھه گرجے سے رخصت ہوگیا !

اب انگلستان کے اخبارات و رسائل میں اس معامله کی تمام تفصیلات آگئی ہیں - در اصل یه معامله بھی اُسی سلسلۂ بحث کی ایک کڑی ہے جو سر آرتھر کیتھه کی تقریر (مندرجۂ الہلال) سے تمام یورپ اور امریکه میں چھڑ گیا ہے - بشپ اف برمنگہم کا نام ڈاکٹر بارنس ہے - اُس نے اسی تقریر کا حواله دیکر اپنے خیالات ظاہر کیے تھے - معامله کا اہم اور دلچسپ پہلو یه ہے که یه اعتراف برطانی کلیسا کے ایک بہت بڑے ذمه دار شخص کی زبان سے ہوا ہے - اُس نے بڑی دلیری کے ساتھه وہ خیال علانیه ظاہر کردیا ' جو آج ہزاروں لاکھوں عیسائیوں کے دلوں پر ثبت ہے !

یقیناً قارئین الہلال خواہشمند ہونگے که بشپ کی تقریر سے واقفیت حاصل کریں - ہم اختصار کے ساتھه اُس کا خلاصه درج کردیتے ہیں -

بشپ نے تقریر کرتے ہوئے کہا :

" اِس عہد کے انسانوں سے میں کیا کہوں ؟ کیا یه کہوں که قدیم عقیدہ ہی پر اُستوار رہو ؟ ہرگز نہیں - میں اُن سے جو کچھه کہه سکتا ہوں ' وہ اِس کے سوا کچھه نہیں ہے که حق کی تلاش کرو - خوش ہو ' کیونکه تم ایک ایسی صدی کی مخلوق ہو ' جو اپنی علمی ترقیوں کی وجه سے تاریخ کی سب سے زیادہ عظیم الشان صدی ہے - میں اُن سے کہتا ہوں ' جدید انکشافات کا خیر مقدم بجا لاؤ - علماء عصر کی تعظیم کرو - لیکن ساتھه ہی یه بھی یاد رکھو که اِس تمام علمی ترقی کے پیچھے ہم برابر ایک کثیف پردہ پڑا دیکھتے ہیں - یه پردہ ' زندگی کے تمام بنیادی مسائل کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے ' اور ہماری نظروں کو اُن کی حقیقت معلوم کرنے سے روک رہا ہے - تم پر فرض ہے که اِن مسائل سے قریب تر ہو - تمہارا قلب ایمان سے لبریز ہو جائے - تمہاری رہبر ' عقل ہو ' نه که خوش اعتقادی - اگر تم ایسا کروگے ' تو تمہارا ایمان اُن دونوں جماعتوں سے مختلف ہوگا جن میں سے ایک نے مغرورانه انکار کی اور دوسری نے جاہلانه خوش اعتقادی کی غلطی کی ہے ! "

" سر آرتھر کیتھه کے خطبه کے بارے میں ہمیں کیا کرنا چاہیے ؟ مذہب نشوء و ارتقاء کے مقابله میں ہمارا مسلک کیا ہونا چاہیے ؟ کیا ہم حقیقت کو جدل کے موٹے پردوں میں چھپا دیں ؟ میں تم سے آج یه کہنا چاہتا ہوں که تم اِس روشن زمانے کی مخلوق ہو کر حقائق سے تجاہل نہیں برت سکتے ! "

" کیا ہمارے لیے یه جائز ہے که لوگوں کی عقلوں میں شک پیدا کردیں ' حالانکه یہاں شک کا کوئی موقعه ہی نہیں ؟ کیا یه مناسب ہے که مسیحی عقائد کی تاریخ محض اس لیے بدل دی جائے که ڈاروین کا مذہب نیا نہیں ہے ' پرانا مذہب ہے ؟ یا یه مناسب ہے که جدید حقائق تسلیم کرتے ہوے حقیقت کا صاف صاف اعتراف کر لیں ' اور تسلیم کرلیں که مسیحی عقائد کی بعض تقلیدی آراء قابل تبدیل ہیں ؟ "

پادری کینن ویبسٹر بشپ کے زندقه کا اعلان کرکے سینٹ پال سے واپس جا رہا ہے !

" میرے خیال میں آخری تجویز بہتر اور مناسب ہے - آؤ ' ہم بے خوف و خطر حقائق کا ویسا ہی خیر مقدم کریں ' جیسا که وہ علمی حلقوں میں اپنا خیر مقدم دیکھه رہے ہیں - تمام اہل علم متفق ہیں که انسان نے بندر کی ایک قسم سے ترقی کی ہے ممکن ہے ' انسان کی یه ترقی دس لاکھه برس پہلے شروع ہوئی ہو - تمام حیوانی اصلوں نے مختلف سمتوں میں ترقی کی ہے ' لیکن انسان کی حقیقی ترقی اُس کے دماغ اور فکری مرکزوں میں واقع ہوئی ہے - اسی لیے وہ اپنے ہم جنس حیوانوں پر بازی لیگیا - بندر کی دوسری قسموں نے اور قسم کی ترقی کی - چنانچه

بريد فرنگ

يورپ کا ايک نيا نقشه

تجارت کي حفاظت اور آزادي کا حصار

مطالب کے بيان و تفهيم کا ايک موثر ذريعه

بحث طلب مطالب پر تقرير کرتے هوئے مقرر اور مدرس عموماً شمار و اعداد کي جدولوں يا تناسب کے رنگوں اور نقشوں سے کام ليا کرتے تھے - پھر ميجک لينٹرن استعمال کيا جانے لگا - ايسے مطالب جن کے فهم ميں تصاوير کا معائنه مدد ديتا تھا ' فانوس کي تصويروں کے ذريعه ذهن نشين کيے جاتے تھے - حال ميں سينما کي ايجاد نے بھي ايک زياده موثر اور اصليت نما ذريعه بهم پهنچا ديا هے - امريکه ميں بحث و تقرير کے بے شمار کلب ' سينما کا اُسي طرح استعمال کرتے هيں ' جس طرح عام طور پر ميجک لنٹرن استعمال کيا جاتا هے -

ليکن جو طريقه حال ميں سر آرتھر کلايو ماريسن نے مجلس اقوام کے سامنے تقرير کرتے هوئے تمثيل مطالب کے ليے اختيار کيا تھا ' وه ان تمام طريقوں سے جدا گانه قسم کا هے ' اور چونکه نهايت آسان اور ساده قسم کا هے ' اس ليے نهايت درجه پسند کيا گيا هے - اُن کي تقرير کا موضوع يه تھا که تجارت کي آزادي اور بندش کے لحاظ سے اِس وقت يورپ کي مختلف قوموں کا حال کيا هے ؟ اور کس طرح يهي چيز آينده ايک بين الاقوامي جنگ کا دروازه کھول دينے والي هے ؟ اس حقيقت کي وضاحت کے ليے انھوں نے يورپ کا ايک نقشه اس طرح کا طيار کرايا ' که سرحد کے خطوط کي جگه حصار کي ديواريں کھڑي کر دي گئيں ' اور تمام يورپ ٹيڑھي سيدھي چار ديواريوں کا مجموعه بن گيا - نقشه کے بننے کے بعد جب اُس پر نظر ڈالي گئي ' تو معلوم هوا ' جو حقيقت ايک بهت بڑي کتاب لکھکر بھي واضح نهيں کي جاسکتي تھي ' اب وه صرف اس نقشه پر ايک نگاه ڈال لينے سے سامنے آجاتي هے - جنيوا کے پچھلے اجلاس کے موقعه پر يه نقشه حاضرين کے معائنه کے ليے ايک نماياں موقعه پر رکھديا گيا تھا -

اِس نقشه کا عکس آپکے سامنے هے - اگر يورپ کا نقشه آپکے کمرے ميں آويزاں هے ' تو پہلے اُس پر ايک نظر ڈال ليجيے - پھر اِسے ديکھيے - يه ٹھيک وهي نقشه هے - فرق صرف اسقدر هے که اُس ميں حدود کي وضاحت کيليے لکيريں کھينچ دي گئي هيں - اِس ميں لکيروں کي جگه ديواريں کھڑي هيں - يه ديواريں کيا هيں ؟ تجارت کي حفاظت کي ديواريں هيں جنھوں نے هر قوم کو دوسري قوم کا دائمي رقيب بنا ديا هے - فوجي اور ملکي حفاظت کے اعتبار سے بھي ديکھا جاے ' تو يهي ديواريں متقابل دشمنوں اور حريصوں کو ايک دوسرے کے کچل ڈالنے سے روک رهي هيں - يه ديواريں کب تک قائم رهينگي ؟ سر آرتھر کهتے هيں " انهيں توڑ دو " ليکن اگر انسان اِسکے ليے آماده نه هوا ' تو عجب نهيں ' قدرت کي خانه بر اندازياں خود هي انهيں توڑ کر تمام يورپ کو ايک کھلي زمين کي شکل ميں منقلب کر ديں !

خريداران الهـــلال

ترجـــه فـــرمائيں

جن جن حضرات سے چھه ماه کي قيمت وصول هوئي تھي ' اُن کا حساب الهـــلال نمبر (٢٤) پر ختم هو جايگا - يعني آئينده نمبر سے بعد کے نمبر پر - اگر وه آئينده بھي الهـــلال کا مطالعه جاري رکھنا چاهتے هيں ' تو دفتـــر نهايت شکرگزار هوگا اگر وي - پي کي درخواست کي جگه وه بذريعه مني آرڈر قيمت روانه کر ديں - وي - پي کي رقم وصول هونے ميں بهت تاخير هوتي هے ' اور اسليے پرچه کے مسلسل اجراء ميں خلل واقع هو جاتا هے - اگر وه ايک هفته کے اندر قيمت بذريعه مني آرڈر بھيج ديں تو رجسٹر ميں نمبر ٢٤ کے بعد سے اُنکي جديد خريداري کا اندراج هو جائے ' اور پرچه کي ترسيل بغير کسي انقطاع کے جاري رهے -

يه کهنا ضروري نهيں که نئي شش ماهي جلد سے الهلال کا نيا دور حيات شروع هوگا ' اور وه اس حالت سے بالکل مختلف هوگا ' جس حالت ميں اس وقت تک نکلتا رها هے -

منيجر

تاریخ و عبر

تاریخ جنگ صلیبی کا ایک صفحہ

عربوں کے آتش بار اسلحہ

لوئی نہم کے مورخ کا چشم دید بیان

صلیبی جنگوں میں سب سے بڑی جنگ ساتویں جنگ تھی۔ یہ معلوم ہو کر ان جنگوں میں مصر پیش پیش تھا، بلکہ اسی پر پورا بار تھا۔ لہذا صلیبی مجاہدوں نے خیال کیا کہ مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے خود مصر پر حملہ کر دینا چاہئے۔ چنانچہ لوئی نہم شاہ فرانس کی زیر قیادت ایک عظیم فوج یورپ سے روانہ ہوئی اور ساحل "دمیاطہ" پر اتار دی گئی جہاں دریائے نیل سمندر میں گرتا ہے۔

اس جنگ کی ایک مستند تاریخ الونل کی یادداشتوں میں ملتی ہے۔ یہ شخص لوئی نہم کا مصاحب اور اس کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ دمیاط کی جنگ میں یہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہا۔ اس کے بیانات چشم دید ہیں۔ بادشاہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے لوئی دہم کا بھی مصاحب تھا۔ اس نے بیوہ ملکہ کے حکم سے یہ کتاب لکھی تھی جیسا کہ دیباچہ میں ظاہر کیا ہے۔

یہ کتاب اس عہد کی تاریخ کے لئے ایک نہایت قیمتی دستاویز ہے۔ تاریخ کی خوش قسمتی سے یہ ضائع نہیں ہوئی، اور شاہی کتبخانہ میں محفوظ رہی۔

الونل کے بیان میں سب سے اہم واقعہ، مصری فوجوں کی جنگی استعمال و آتشی مادوں کی صلیبیوں پر بارش ہے۔ ان آتشی مادوں کو مورخ "یونانی آگ" سے تعبیر کرتا ہے۔ اس تعبیر کی بنیاد یہ ہے کہ یہ آگ فی الحقیقت یونانیوں ہی کی ایجاد ہے۔ قسطنطنیہ کی بیزنطینی سلطنت سب سے پہلے اس سے واقف ہوئی، اور صدیوں تک بطور ایک راز کے محفوظ رکھا۔ یہی وہ بے پناہ اسلحہ تھا، جس کے ذریعہ اس نے ۶۷۳ء اور ۷۱۸ء میں عربوں کو شکست دی تھی جنھوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔

بیزنطینیوں کو اس آتشی مادے کا پتہ قسطنطین چہارم کے عہد میں لگا، یعنی ساتویں صدی عیسوی میں۔ اور تقریباً ۴۰۰ برس تک تنہا وہی استعمال کرتے رہے۔ یہاں تک کہ گیارہویں صدی کے اواخر میں عربوں نے کسی ذریعے سے اس کی حقیقت معلوم کر لی اور اپنی جنگوں میں استعمال کرنے لگے۔ جس طرح اس آگ نے بیزنطینیوں کے مقابلے میں عربوں کو نقصان پہنچایا تھا، اسی طرح عربوں کے مقابلے میں صلیبیوں کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ عربوں نے اس اسلحہ کو قدیم یونانی طریقہ سے زیادہ مکمل اور دور رس بنا دیا تھا۔

۱۲۴۹ء (۶۴۷ھ) میں صلیبی، دمیاط کی سرزمین پر اترے یہ زمانہ، ملک صالح بن کامل کی حکومت کا تھا۔ بادشاہ اسوقت بیمار تھا۔ لوئی نہم نے اسے سخت تہدید آمیز خط لکھا، اور مسیحی قوموں کے نام پر مطالبہ کیا کہ مصر اس کے حوالہ کر دے۔ مصری بادشاہ نے قاضی بہاء الدین زہیر سے جواب لکھوایا۔ یہ تاریخی جواب تاریخ کے صفحات میں اب تک محفوظ ہے!

ملک صالح کی بیماری کی وجہ سے دمیاط کی مدافعت نہیں کیجا سکی اور صلیبیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اسلامی لشکر، مقام منصورہ میں جمع ہوا، اور بادشاہ کی وفات کے بعد ہی حملہ شروع کر دیا۔ اس حملہ میں سب سے زیادہ خوفناک حربہ وہی "یونانی آگ" تھی، جس کی ہولناکی کا حال ہم اس مورخ کی زبانی نقل کرتے ہیں۔

وہ لکھتا ہے:

"ایک رات جبکہ ہم اپنے برجوں کی حفاظت میں سرگرم تھے مسلمان میدان جنگ میں ایک ایسا آلہ لائے، جسے اب تک انھوں نے استعمال نہیں کیا تھا۔ پھر اس آلہ کے ذریعہ یونانی آگ برسانا شروع کر دیا۔ آقائے نامدار والٹر دو کیری نے، جو میرے قریب ہی کھڑے تھے، یہ دیکھ کر کہا:

"بھائیو! اسوقت ہم ایک ایسے خطرے کے سامنے ہیں، جو ابھی کبھی پیش نہیں آیا۔ اگر مسلمان ہمارے برجوں میں آگ لگا دینگے تو بڑی ہی مشکل پیش آئے گی۔ اگر ہم یہاں کھڑے رہیں گے تو جلکر خاک سیاہ ہو جائیں گے۔ اگر ہٹ جائیں گے تو قلعے دشمن کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے اور ابدالآباد تک ہماری ذلت و رسوائی ہو جائے گی۔ لہذا اب اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ اپنے مہربان خدا کو پکاریں، اور اس سے عزت و سلامتی کی دعائیں کریں۔ صرف وہی ہمیں بچا سکتا ہے"

چنانچہ ہم نے اس دانشمندانہ رائے پر عمل کیا۔ جب ہم پر آگ کی پہلی بارش ہوئی اور برج میں ہمارے سامنے آ کر گری، تو ہم نے خداوند کے حضور سجدہ کیا اور نالہ و زاری کرنے لگے۔ آگ بجھانے والے پاس کھڑے تھے، اور بڑی مستعدی سے اپنا کام کر رہے تھے۔

یونانی آگ کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ایک عظیم مرتبان کی صورت میں سیدھی نکلتی ہے۔ لمبے نیزے کی طرح ایک بڑی سی دم اس کے پیچھے ہوتی ہے۔ اس کی آواز، بجلی کی کڑک کی طرح ہولناک ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کوئی جناتی درندہ ہوا میں اڑتا چلا آتا ہے۔ روشنی اتنی تیز ہوتی ہے کہ رات کی تاریکی میں دن نکل آتا ہے۔ مسلمانوں نے پھر، یہ آگ اس رات تین مرتبہ بڑے بڑے آلوں سے پھینکی اور چار مرتبہ چھوٹے آلوں سے۔

ہمارا مقدس بادشاہ جب سنتا کہ یونانی آگ آ رہی ہے تو اپنے فرش سے اتر کر زمین پر کھڑا ہو جاتا اور ہمارے نجات دہندہ خداوند یسوع کی طرف ہاتھ اٹھا کر چلاتا "اے آقا! معبود عظیم! اپنے خادموں کو بچا لے!" مجھے یقین ہے کہ بادشاہ کی دعاؤں سے ہمیں بہت فائدہ پہونچا۔ جب جب آگ آ کر گرتی تھی، یہ مقدس بادشاہ فوراً آدمی بھیجکر معلوم کرتا تھا کہ آگ نے کیا کیا اور ہماری حالت کیا ہے؟

ایک رات ایسا ہوا کہ آگ اس برج کے قریب آ کر گری جس کی حفاظت ایک افسر دی کورتنی نامی کے ذمہ تھی۔ فوراً ایک سوار دوڑ کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا "اگر آپ فوراً مدد پر نہیں آئیں گے تو ہم سب جل کر راکھ ہو جائینگے۔ کیونکہ مسلمانوں نے بہت بڑی تعداد میں آگ پھینکنا شروع کر دی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہوا میں آگ کا دریا ہم پر امڈا چلا آتا ہے!"

میں دوڑ کر گیا۔ واقعی سوار کا بیان بالکل درست تھا۔ ہم نے فوراً آگ بجھا دی۔ لیکن ابھی ہم فارغ ہی ہوئے تھے کہ مسلمانوں نے پھر بڑی شدت سے آتش باری شروع کر دی۔

بادشاہ کے بھائی، دن کے وقت برجوں کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ وہ برجوں پر چڑھ گئے تاکہ مسلمانوں پر تیر برسائیں۔ بادشاہ نے یہی طے کیا تھا کہ رات کو برجوں کی حفاظت ہم لوگ کریں اور دن کو شاہ سسلی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ شاہ سسلی پہرے پر تھا۔ اچانک مسلمانوں نے اپنی منجنیقوں سے بہت سخت حملہ کر دیا اور تمام برج تقریباً توڑ ڈالے۔ انھوں نے یہی نہیں کیا، بلکہ دن دوپہر کو یونانی آگ کے آلے بھی نصب کر دیئے۔ حالانکہ اب سے پہلے ہمیشہ رات ہی کو ان سے کام لیتے تھے۔ اب آگ برسنے لگی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ پل کے قریب بھی منجنیقیں لگا دیں۔ پل، مزدور بنا رہے تھے۔ اب یہ حالت ہو گئی کہ کوئی آدمی نہ پل کے قریب جا سکتا تھا، نہ برجوں کے قریب پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ ایک طرف بہت بڑے بڑے پتھر برس رہے تھے۔ دوسری طرف آگ کا طوفان برپا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برج جل گئے۔ شاہ سسلی غصہ سے کانپنے لگا۔ آگ بجھانے کے لئے وہ خود آگ کے اندر کودنا چاہتا تھا مگر اسے پکڑ لیا گیا!

بادشاہ نے جب یہ حالت دیکھی، تو تمام سرداروں سے درخواست کی کہ تھوڑی تھوڑی لکڑی اپنے اپنے جہازوں سے منگا دیں تاکہ ایک نیا برج طیار کیا جائے اور نہر کو عبور کیا جا سکے۔

پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ برج اسوقت چلایا جائے جب شاہ سسلی کی باری ہو، تاکہ پچھلی شکست کا غم اس سے دور ہو جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا، اور برج اس مقام پر پہنچایا گیا جہاں دوسرے برج جل گئے تھے۔

مسلمانوں نے یہ دیکھ کر اپنی ۱۶ منجنیقیں نصب کر دیں اور بیک وقت سب کے دہانے کھول دیئے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ہمارے آدمی خوف زدہ ہو گئے ہیں تو فوراً یونانی آگ برسانا شروع کر دی اور نیا برج بھی جل کر راکھ ہو گیا"!

اسی طرح یہ مورخ بڑی تفصیل سے دوسرے تمام معرکوں میں بھی اس "یونانی آگ" کا ذکر کرتا ہے۔ حتی کہ اس کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ یہ آگ پورے مسیحی لشکر پر پھیل گئی تھی اور خود بادشاہ کا خیمہ بھی جلا ڈالا تھا!

مشرق میں بیزنطینیوں کے بعد سب سے پہلے مصر اور شام کے مسلمانوں نے یہ آگ استعمال کی۔ پھر دوسری اسلامی سلطنتوں نے بھی اسے معلوم کر لیا۔ چنانچہ ٹیونس اور مراکش میں بھی یہ بہت صدیوں تک مقامات پر عربوں نے اسے استعمال کیا تھا۔ آتش بازی کا سامان اسی سے ... ۱۴ ... اور چودھویں صدی میں بارود کی ایجاد نے اسے بیکار کر دیا۔

بتدریج شمپانزي ' گوریلا ' اورانگ ' اور ارتان کي قسموں نے ظہور کیا - یہ تمام بندر انسان کے قریبي عم زاد هیں - علماء اِس ترقي کي جزئیات میں کتنا هي مختلف هوں ' لیکن کوئي دو مستند عالـم بهي اِس معامله میں اختلاف نہیں رکھتے که انسان نے بندر هي سے ترقي کي هے - اور یہ ' که یه ترقي ایک مسلم و ثابت حقیقت هے - ڈارون کا مذهب پچاس برس سے موجود هے اور پوري طرح صحیح ثابت هو چکا هے ... "

" علم الحیات کے مباحث سے ثابت هو چکا هے که شر اور برائي کا میلان انسان کي طبیعت میں فطري هے ' اور یه اُس نے اپنے اسلاف سے ورثه میں پایا هے - یه بالکل یقیني هے که انسان ' ایک حیوان هي هو ' اور اپنے اعضاء اور روح میں بتدریج ترقي کرکے خالص حیوانیت سے اِس درجه تک پہنچ گیا هو - وه کوئي دیوتا نه تها ' جو طہارت و تقوي کے لباس میں ملبوس ' آسمان سے زمین پر اتر پڑا هو - انسان کي روحي ترقي هي نے اُسے باقي تمام حیوانات سے ممتاز کر دیا هے "

" همیں همیشه حق کي جستجو میں لگے رهنا چاهیے - جب کبهي کسي حقیقت پر سے پرده اٹهے ' تو قدیم سے قدیم تقلیدي خیال کے بهي ترک کر دینے میں همارے اندر کوئي پس و پیش نہیں هونا چاهیے ' اور نه اس تبدیلي پر کسي طرح کا رنج محسوس کرنا چاهیے "

جب کبهي کوئي حقیقت ظاهر هوتي هے ' تو ایک خاص قسم کے لوگ چلا اٹهتے هیں : " ایمان خطرے میں پڑ گیا هے ! "

" لیکن میرا تاریخي مطالعه مجهے بتاتا هے که ایمان صرف اُس وقت خطرے میں هوتا هے ' جب عقل قید کردي جاتي هے ' اور دماغ پر مہر لگا دي جاتي هے - بعض لوگ کہتے هیں " همیں مسیحي حقائق کو اُسي طرح محفوظ رکهنا چاهیے ' جس طرح همارے عقائد چلے آتے هیں " لیکن میں من گهڑت حقائق کے وجود سے اپني لا علمي کا صریح اعلان کرتا هوں - بعض لوگ کہتے هیں " جدید خیالات کفر و الحاد هیں " لیکن میں کہتا هوں " آج کا کفر ممکن هے ' کل کا ایک راسخ دیني عقیده بن جائے ! "

" تمام وه مسیحي جو تقلیدي بندشوں سے آزاد هیں ' جانتے هیں که مذهب نشوء و ارتقاء اور حقیقي مسیحي تعلیم میں کوئي نزاع نہیں هے - کیونکه خدا اپني قدرت تدریجي ترقي میں بهي اُسي طرح ظاهر کر سکتا هے ' جس طرح فوري تخلیق میں "

یه پہلا موقعه نہیں هے که اِس موضوع پر اِس بشپ نے اظہار خیال کیا هے - اب سے دو سال پہلے بهي اِسي قسم کے خیالات ظاهر کیے تهے - اُس زمانے میں امریکا کے پروفیسر سکوپس پر اس لیے مقدمه چلایا گیا تها ' که اُس نے ایک سرکاري مدرسه میں اپنے شاگردوں کے سامنے ڈارون کا مذهب پیش کر دیا تها - اِس مناسبت سے رسالهٔ " نیچر " نے بشپ مذکور سے اِس مسئله کي نسبت استفتا کیا تها - بشپ کا جواب حسب ذیل تها :

" یه جاهلانه تعصب جس نے مذهب نشوء و ارتقاء کي تعلیم کو امریکا کے سرکاري مدارس میں ممنوع قرار دیدیا هے ' ایک سخت مذموم تعصب هے - میں آزادي خیال کا حامي هونے کي حیثیت سے نہایت نا پسند کرتا هوں که ایک انگلو سکسن جماعت قانون کے زور سے علم کي اشاعت روکے - میں ایک مسیحي هونے کي حیثیت سے هر ایسي تحریک کو انتہائي رنج و غم سے دیکهتا هوں ' جو مسیحي دین کو معقول بنیادوں پر استوار کرنے سے روکتي هے "

" بے شمار دلائل سے ثابت هو چکا هے ' اور متمدن دنیا میں هر مستند عالم اس کا اعتراف کر رها هے ' که انسان نے ایک ایسي مخلوق سے ترقي کي جو بندر سے مشابه تهي ' انگلستان میں هر روشن خیال مسیحي کا اعتقاد یہي هے - یہاں کے تمام مشاهیر لاهوتي علماء بهي اس رائے کو خیال صحیح سمجهتے هیں - یه اعتراف "مسیحیت" کو اور بهي زیاده مستحکم کر دے گا - کیونکه یه اُس روحاني اساس کو جو هم مسیح سے اخذ کرتے هیں ' اس درجه معقول بنا دیتا هے که کوئي بهي اُس سے انکار نہیں کر سکتا "

" هم کتنا هي انکار و مغالطه کام میں لائیں ' مگر مسیح کي تعلیمات سے جو عہد جدید میں موجود هیں ' هرگز ثابت نہیں کر سکتے که عہد قدیم کي کتاب پیدائش حرف بحرف صحیح هے - لوگ یه بهول گئے که کتاب مقدس روحي حقائق کا خزانه هے ' نه که تعلیم و تدریس کي کوئي علمي کتاب هے - لوگ یه مسیحي عقیده بهي بالکل بهول گئے که " روح القدس برابر لوگوں کي عقلیں وسیع کرتي رهیگي تا که وه حق تک پہنچ سکیں " یه لوگ حق کے جاننے سے ڈرتے هیں ' کیونکه سمجهتے هیں ' حق کے اعتراف سے مسیحي عقیده کمزور هوجائے گا - مگر یه اُن کي غلطي هے - علم کي اِس مقاومت کا نتیجه اِس کے سوا اور کچهه نہیں هو سکتا که هزار ها طالب علم ' مسیحیت کے دائرے سے یه یقین کرتے هوے نکل جائیں که مسیحیت کي بنیاد سراسر جہل و خرافات پر هے ! "

کمیونزم یا اشتراکیت

کمیونیزم کے مداحوں کے بعض اقوال

اشتراکیت کا مطمح نظر ' خیر مشترک هے (نارمن انجل)

اشتراکیت کي سب سے بہتر مجمل تعریف یه هے که وه سوسائٹي کے مادي اقتصادي قوی کو منظم کر کے انساني قوی کے ماتحت کر دینا چاهتي هے (رامسے میکڈانلڈ)

اشتراکیت کي غرض بجز اسکے کچهه نہیں هے که انسان کیلیے ایک نیا عالمگیر ضمیر پیدا کر دے (ولز)

اشتراکیت ' تعلیمات مسیح کي عملي صورت هے - (چارلس امرن)

عملي اشتراکیت ' حد سے زیاده ساده چیز هے - یعني عالمگیر انساني تعاون کا نظام ایک حکومت کے ماتحت (رابرٹ)

اشتراکیت ' ایک ایسي مثل اعلی هے جسے ابتک دنیا کي آنکهوں نے نہیں دیکها (هاڈجس)

اشتراکیت ' عنقریب محنت کو اِس طور پر منظم کر دیگي ' که هر آدمي محسوس کرنے لگے گا ' وه اپنے عمل سے پوري نوع انساني کي خدمت کر رها هے (روڈن) !

اشتراکیت کا مقصود یه هے که اعلي نظام جمہوري کے ساتهه زمین اور سرمایه کو قوم کي ملکیت بنا دے (برٹرنڈ رسل)

		درآمد
مجموعی درآمد:		״

تفصیل

ریلوے کا سامان	×	۱۸۹۱۰۶۰۰۰
ظروف		۶۵۲۹۴۰۰۰
سوت		۷۱۳۴۲۷۰۰۰
ریشم		۳۱۹۵۴۰۰۰
خام ریشم		۱۵۷۸۸۰۰۰
شکر		۲۷۵۰۲۸۰۰۰
غلہ اور آٹا		۵۴۳۲۰۰۰
کیمیاوی اجزاء، رنگ اور سمیات وغیرہ		۹۲۰۸۸۰۰۰
روغن، سبزی اور مویشی		۹۳۵۱۱۰۰۰
کاغذ		۳۰۳۴۷۰۰۰
شیشہ اور مٹی کا سامان		۵۱۲۷۰۰۰
صابن		۱۳۲۲۴۸۰۰۰
تمباکو		۲۲۶۱۸۰۰۰
دیاسلائی		۲۲۶۱۸۰۰۰
شراب		۳۵۴۸۷۰۰۰
مجموعی برآمد:		برآمد ۲۹۹۱۶۱۹۰۰۰ روپیہ

تفصیل

روئی	×	۷۱۰۹۹۱۰۰۰
جوٹ		۶۳۱۲۴۰۰۰
سوت		۱۳۱۵۹۳۰۰۰
اون خام		۴۴۱۴۳۰۰۰
غلہ اور آٹا		۵۳۰۰۰۰۰۰
چائے		۲۲۰۴۰۰۰۰۰
خام چمڑا		۵۷۰۶۰۰۰۰
مدبوغ چمڑا		۵۰۵۷۱۰۰۰
بیج		۲۷۳۵۳۸۰۰۰
لیس		۱۰۲۶۵۲۰۰۰
روغن، سبزی وغیرہ		۳۱۹۸۱۰۰۰
کیمیاوی اجزاء، سمیات اور دوائیں		۳۵۱۳۰۰۰
ابرک وغیرہ		۵۸۶۴۰۰۰۰

دُنیا کے بڑے بڑے تجارتی ملکوں کی تجارت کا تناسب

سنہ ۱۹۲۲ء میں

(بحساب ملین پونڈ۔ ایک ملین، دس لاکھ کا ہوتا ہے)

ملک	برآمد	درآمد	میزان
جنوبی افریقہ	۶۰٫۳	۵۱٫۶	۱۱۱٫۹
کوبا	۷۳٫۱	۴۰٫۷	۱۱۳٫۸
برازیل	۶۸٫۶	۴۸٫۶	۱۱۷٫۲
ڈنمارک	۵۸٫۷	۷۱٫۱	۱۲۹٫۸
سویڈن	۶۸٫۰	۶۸٫۷	۱۳۶٫۷
آسٹریا	۴۳٫۶	۶۶٫۳	۱۰۹٫۹
زیکوسلاویا	۹۱٫۶	۶۴٫۷	۱۵۶٫۳
اسپین	۵۰٫۸	۱۰۶٫۲	۱۵۷
سوئٹزرلینڈ	۷۶٫۲	۸۲٫۸	۱۵۹
میکسیکو	۹۷٫۰	۶۷٫۶	۱۶۴٫۶
ڈچ ایسٹ انڈیز	۹۹٫۳	۶۵٫۸	۱۶۶٫۱
اسٹریلیا	۱۲۷٫۸	۱۰۳٫۱	۲۳۰٫۹
روس	۸٫۶	۲۹٫۳	۳۷٫۹
بلجیم	۱۰۵٫۰	۱۵۷٫۲	۲۶۲٫۲
ارجنٹائن	۱۲۴٫۷	۱۳۹٫۴	۲۶۴٫۱
اٹلی	۱۰۳٫۸	۱۷۰٫۶	۲۷۱٫۴
ہالینڈ	۱۰۵٫۴	۱۷۶٫۲	۲۸۱٫۶
چین	۱۲۲٫۸	۱۷۷٫۲	۳۰۰٫۰
کنیڈا	۱۹۸٫۲	۱۷۰٫۸	۳۶۹٫۰
جاپان	۱۷۹٫۵	۲۰۷٫۳	۳۸۶٫۸
جرمنی	۱۹۴٫۳	۳۰۳٫۵	۴۹۷٫۸
فرانس	۳۷۷٫۹	۴۳۷٫۵	۸۱۵٫۴
ولایات متحدہ امریکہ	۸۶۶٫۰	۸۲۸٫۰	۱۶۹۴٫۰
برطانیہ	۸۲۳٫۲	۱۰۰۳٫۱	۱۸۲۶٫۳
ہندوستان	۱۸۰٫۹	۱۵۷٫۴	۳۳۸٫۳

چاول

دنیا میں چاول کی پیداوار (سنہ ۱۹۲۲ء)

ملک	رقبہ بحساب ایکڑ
ہندوستان	۸۰۷۸۷۰۰۰
بلغاریہ	۱۰۰۰۰
مصر	۲۳۱۰۰۰
فارموسا	۱۳۱۰۰۰۰
اٹلی	۳۴۰۰۰۰
انڈو چائنا	۱۱۷۸۲۰۰۰
جاپان	۷۶۹۹۰۰۰
اسپین	۱۱۶۰۰۰
ولایات متحدہ امریکہ	۸۹۲۰۰۰

برطانی ہندوستان میں چاول کی پیداوار (سنہ ۱۹۲۴ء)

صوبہ	رقبہ بحساب ایکڑ	پیداوار بحساب ٹن
بنگال	۲۰۸۶۸۷۰۰	۴۹۰۸۰۰۰
مدراس	۱۰۸۷۰۲۴۰	۴۹۰۸۰۰۰
بمبئی	۳۰۶۲۵۷۷	۱۳۹۶۰۰۰
یو، پی	۷۱۰۵۴۱۷	۲۲۷۵۰۰۰
پنجاب	۷۷۹۶۲۷	۳۲۷۰۰۰
بہار اوڑیسہ	۱۴۵۴۲۰۰۰	۶۰۲۳۰۰۰
برما	۱۲۱۱۲۲۹۶	۵۰۶۷۰۰۰
سی، پی اور برار	۵۱۷۱۳۰۸	۱۱۷۴۰۰۰
آسام	۴۶۸۳۳۱۷	۱۵۰۷۰۰۰

ہندوستان میں چاول کے کارخانے

برما	۳۱۹	کارخانے
مدراس	۱۳۰	״
بنگال	۶۲	״

چاول کی برآمد

ہندوستان سے سالانہ تقریباً ۷ کرور من چاول باہر چلا جاتا ہے۔

ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی
اور
اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۴)

برطانی ہندوستان کی سرکاری آمدنی اور خرچ سنہ ۲۴ و ۲۵ء میں

مد	مجموعی آمدنی	مجموعی خرچ
چنگی	۴۵۷۵۳۱۵۱۶	۷۷۱۲۲۹۰
انکم ٹیکس	۱۶۰۱۴۸۲۵۳	۶۰۳۷۵۳۱
نمک	۷۳۹۰۴۸۶۰	۱۲۰۲۰۷۲۰
افیون	۳۷۹۷۶۱۷۷	۲۲۳۵۵۷۱۲۷
لگان	۳۷۸۰۷۴۸	۱۱۲۶۶۹۵
شراب	۴۱۹۹۲۳۹	۲۲۸۲۰۶
سٹیمپ	۲۶۸۹۶۸۹	۱۱۹۷۸۷
جنگل	۱۶۱۴۶۹۸	۳۱۱۶۱۶۶
رجسٹریشن	۱۶۴۳۹۲	۲۹۰۵۳
ہندوستانی ریاستوں کا خراج	۸۲۴۴۳۸۴	.....
ریلوے	۳۶۹۲۶۸۷۱۰	۳۰۴۴۵۳۰۱۵
آب پاشی	۱۰۹۱۹۲۵	۲۱۴۲۳۷۵۱
ڈاک اور تار	۱۱۳۵۰۸۷	۳۷۷۲۱۸۰
سود	۳۴۱۰۰۲۶۵	۱۸۶۸۲۲۸۵۷
شہری انتظام	۷۳۹۷۵۳۳	۱۰۱۲۵۹۱۰۳
ٹکسال اور شرح مبادلہ	۳۹۹۳۲۸۹۴	۷۱۴۱۰۷۹
رفاہ عام	۱۳۲۱۲۶۳	۱۷۷۷۲۸۷۵
متفرقات	۴۵۸۹۶۷۱	۴۳۵۳۱۸۶۱
فوج	۴۰۳۱۱۶۵۹	۵۹۶۶۵۱۸۷۷
صوبوں کا خراج	۸۷۴۴۶۸۱۳	......
میزان کل	۱۳۷۵۳۱۸۱۱۹	۱۳۱۸۴۹۲۴۲۱

صوبوں کی سرکاری آمدنی اور خرچ سنہ ۲۴ و ۲۵ء میں

صوبہ	آمدنی	خرچ
مدراس	۱۲۷۹۰۳۱۵۸	۱۳۰۸۵۰۴۷۲
بمبئی	۱۴۹۹۱۷۶۷۱	۱۴۷۲۵۶۷۹۱
بنگال	۱۰۳۴۲۳۷۱۰	۹۷۶۰۱۷۳۸
یو، پی	۹۹۹۵۳۱۱۵	۱۰۴۲۴۹۰۷۸
پنجاب	۹۷۷۷۱۸۴۰	۷۹۷۳۴۷۹
برما	۹۸۵۷۶۲۳۹	۹۸۶۷۳۵۵۵
بہار و اڑیسہ	۵۳۶۵۳۳۶۷	۵۱۳۱۲۳۹۲
سی، پی	۵۲۵۳۴۲۱۰	۴۸۲۵۵۵۴
آسام	۲۳۰۴۸۶۶۱	۲۰۰۲۸۷۵۳

ہندوستانی صوبوں کی شراب اور منشی اشیاء میں سرکاری آمدنی، سنہ ۱۹۲۵ء میں

صوبہ	شراب کی دکانیں	دیگر منشی اشیاء کی دکانیں	آمدنی شراب	آمدنی منشیات
صوبہ سرحدی	۷۴	۱۸۲	۲۳۷۵۳۵	۳۰۰۶۴
مدراس	۱۶۸۷۸	۱۰۲۸	۴۴۵۸۳۰۹۱	۴۱۰۶۸۷۶
بمبئی	۶۲۱۰	۱۶۰۹	۳۵۰۶۵۷۵۴	۵۹۸۰۴۶۰
بنگال	۳۵۵۸	۲۳۸۹	۱۳۴۴۵۶۲۲	۸۰۵۷۲۳۷
یو، پی	۴۳۳۹	۲۹۴۶	۷۵۲۷۵۲۹	۵۶۴۶۲۳۴
پنجاب	۱۵۲۵	۱۱۷۸	۷۴۷۸۸۳۹	۴۴۵۴۳۱۲
برما	۱۲۵۶	۱۲۳	۷۶۹۹۸۶۸	۳۶۸۱۷۳۹
بہار و اڑیسہ	۷۹۳۹	۲۳۰۷	۱۱۷۳۶۴۳۵	۵۸۵۹۲۶۰
سی، پی اور برار	۲۳۵۴	۲۰۱۹	۱۰۵۵۸۶۰۷	۴۳۸۱۳۷۱
آسام	۳۰۸	۵۵۵	۱۸۹۸۱۵۴	۴۷۳۴۹۰۱
دہلی	۲۲	۱۹	۱۳۵۰۳۰	۲۵۲۵۰۸
کرگ	۸۱	۱۰	۲۷۲۸۶۱	۱۶۴۲۴

برطانی ہندوستان میں نمک کی سرکاری آمدنی

صوبہ	سنہ ۲۱ و ۲۲	سنہ ۲۲ و ۲۳	سنہ ۲۳ و ۲۴	سنہ ۲۴ و ۲۵
شمالی ہندوستان	۱۸۴۷۶۵۷۲	۱۳۹۴۸۸۲	۳۱۸۰۶۸۶۹	۱۰۷۰۵۳۶۸
بلوچستان	۱۸۵	۱۲۰	۳۱۰	۳۶۲
مدراس	۱۳۹۰۱۷۶۴	۱۵۱۷۵۹۷۵	۲۱۳۶۲۹۹۶	۱۸۹۹۱۷۲۷
بمبئی	۱۲۱۳۵۵۹۶	۱۲۲۲۰۷۴۲	۲۲۶۷۹۷۰۷	۱۷۳۳۳۹۰۲
بنگال	۱۵۵۷۷۵۶۹	۱۸۴۱۰۸۹۲	۱۸۱۶۱۵۲۳	۲۳۵۹۰۸۹۷
برما	۲۳۴۵۷۳۳	۳۰۴۳۰۱۳	۶۱۳۹۱۸۷	۳۲۸۱۰۰۰
بہار و اڑیسہ	۲۲۹	۴۸۸	۲۷۸	۴۵۰
آسام	...	...	...	۱۱۵۴
میزان	۶۳۴۳۷۸۴۸	۶۸۲۴۶۱۱۲	۱۰۰۱۵۰۸۷۰	۷۳۹۰۴۸۶۰

ہندوستان کا قرضہ سنہ ۱۹۲۴ و ۲۵ء میں

مرکزی حکومت

اندرونی قرضہ: ۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵ - روپیہ
انگلستان سے لیا گیا: ۳۴۱۰۴۰۴۳۰ - پاؤنڈ
میزان کل: ۸۲۵۱۶۱۴۶۲۴ - روپیہ

صوبوں پر

۱۲۱۹۳۵۵۲۱۰ - روپیہ

ہندوستان کی تجارت ۱۹۲۲ء میں

درآمد

مجموعی درآمد: ۲۶۶۲۴۶۳۰۰۰ روپیہ

تفصیل

لوہا اور آہنی مصنوعات	۲۱۱۳۳۸۰۰۰
دوسری دہاتیں اور انکی 〃	۵۳۷۵۰۰۰
کوئلہ	۳۲۲۴۷۰۰۰
مشین اور بجلی کے آلات	۲۴۴۶۱۱۰۰۰

سخت تکلیف پہنچے گی، جن کا ذکر مخالفانہ طریقہ پر کیا گیا ہے۔ لیکن اب تک صرف تین ہی آوازیں مخالفت میں بلند ہوئی ہیں: ایک اندرون ملک سے، دو باہر سے۔ اندرون ملک میں محمود پاشا جو رؤف بے کی آواز ہے، بیرون ملک سے خالدہ ادیب ہانم نے اعتراض کیا ہے اور اخبار لندن ٹائمس نے شکایت کی ہے جو گویا برطانیہ کی آواز ہے۔

محمود پاشا کی نسبت غازی نے اپنے خطبہ میں کہا تھا کہ اُنھوں نے ۱۹۱۹ء میں اخبار "باسفورس" کے نمائندے سے کہا "ٹرکی اپنی سرحدوں میں ایسی تبدیلی کر دینے پر راضی ہے، جس سے آرمنی خوش ہو جائیں"

محمود پاشا نے اس سے انکار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "میں نے ۱۹ مارچ ۱۹۱۹ء کو اخبار "استقلال" کے نمائندہ سے بیان کیا تھا کہ ترکی قوم اپنی سرزمین کا ایک بالشت بھی چھوڑنے کے لئے طیار نہیں ہے"

محمود پاشا کے جواب میں "خلق فرقہ سی" کے سکرٹری نے اعلان کیا ہے کہ عنقریب وہ تمام دستاویزیں شایع کر دی جائیں گی، جو غازی کے خطبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اُسوقت محمود پاشا کو معلوم ہوگا کہ غازی نے اپنے خطبہ میں اُن کی کس قدر رعایت کی ہے۔ ساتھ ہی ترکی اخبارات نے محمود پاشا کا اصلی بیان بھی شایع کر دیا ہے، جو بعینہ وہی ہے جس کا حوالہ غازی نے اپنے خطبہ میں دیا ہے۔ اسی قدر نہیں بلکہ غازی کا وہ برقی پیغام بھی نقل کیا گیا ہے جو اُنھوں نے ۷ ارنومبر ۱۹۱۹ء کو محمود پاشا کو بھیجا تھا۔ اسمیں لکھا ہے "آپ کی تصریح سے مشرقی صوبوں کے باشندے سخت ناراض ہیں۔ ترکی قوم ہرگز آرمنیا کو اپنی ایک انچ زمین بھی نہیں دے گی، بلکہ اس کے برعکس اپنے خون سے اسکی حفاظت کرے گی!"

خالدہ ادیب ہانم نے اخبار ٹائمس میں اپنی برأت ظاہر کرتے ہوئے غازی کے رد میں لکھا ہے "میں ہرگز امریکن حمایہ کی موید نہیں تھی جیسا کہ غازی نے بیان کیا ہے۔ البتہ میں انجمن ولسن کی ایک رکن ضرور تھی۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ ٹرکی کے لئے امریکہ سے مالی اور اقتصادی امداد حاصل کی جائے۔ خود غازی اس انجمن سے اور اس کے مقاصد سے واقف تھے۔ اُنھوں نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا"

لیکن خالدہ ادیب کا یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ دراصل اُنھوں نے غازی کا پورا خطبہ پڑھنے سے پہلے ہی جواب لکھ مارا۔ خطبہ میں وہ تمام خطوط بھی غازی نے نقل کئے تھے جو موصوفہ نے بکر سامی بک اور خود غازی کو لکھے تھے۔ ان خطوط سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ امریکن حکمرداری کو ٹرکی کے لئے ضروری خیال کرتی تھیں۔

برطانیہ بھی غازی کی صاف گوئی سے شاکی ہے۔ لندن ٹائمز سیاست سے پہلے اعتراف پر مجبور ہوا کہ یہ خطبہ، غازی کی عظمت میں چار چاند لگا دیگا، کیونکہ اُنھوں نے اپنی ذرا بھی تعریف نہیں کی۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے، ٹرکی میں جو کچھ ہوا ہے، محض اُنھی کی ہمت و تدبر سے ہوا ہے!" لیکن ساتھ ہی ان لفظوں میں شکایت بھی کی ہے:

"غازی نے اپنے خطبہ میں بار بار برطانیہ کا ذکر کیا ہے۔ ٹرکی کے ساتھ جو طرز عمل یورپ نے اختیار کیا تھا، وہ اُس کی ذمہ داری تمام اتحادیوں پر نہیں ڈالتے، بلکہ سراسر الزام برطانیہ ہی کو دیتے ہیں۔ گویا دوسرے اتحادیوں نے کچھ کیا ہی نہیں۔ یہ افسوس کا مقام ہے کہ ترکی دماغ میں اب تک برطانیہ کے خلاف زہریلے افکار موجود ہیں!"

ان تین اعتراضوں کے علاوہ کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کیونکہ غازی نے جو کچھ کہا، مدلل کہا ہے۔ تمام ملک میں اُن کے خطبے کے بعد ایک نیا جوش پیدا ہو گیا ہے۔ اور ہر طرف سے اُن کے پاس پیغام آ رہے ہیں کہ ترکی قوم، قیامت تک اپنی جمہوریت برقرار رکھے گی۔

جمہوری ترکی کا مسلک

غازی کے خطبہ کے بعد، خلق فرقہ سی کے لئے ضروری تھا کہ اپنے مسلک کا اعلان عام کر دے۔ چنانچہ وزیر اعظم عصمت پاشا اور انجمن کے صدر

دوم نے ٹرکی کا آئندہ مسلک مفصل طور پر شایع کر دیا ہے۔

ذیل میں اُس کا خلاصہ دیا جاتا ہے:

"خلق فرقہ سی" کیا ہے؟

عصمت پاشا نے اپنا بیان، خلق فرقہ سی کی حقیقت کی تشریح سے شروع کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ انجمن جمہوری ہے۔ کسی خاص مذہب سے تعلق نہیں رکھتی۔ وہ یقین کرتی ہے کہ قوم کی کامیابی کا راز، اُس کی اقتصادی حالت کی درستگی میں ہے۔ یہی باعث ہے کہ اُس کا پورا مسلک، اسی اصل پر مبنی ہے اور اُس کے جملہ قوانین میں اسی کی رعایت کی جاتی ہے"

داخلی امن

"ملک میں امن امان برقرار رکھنا ہمارا اولین فرض ہے تاکہ قوم کا ہر فرد اپنی سعی و محنت کا ثمرہ بلا کسی اندیشہ کے حاصل کر سکے"

عدالتی مسلک

"مدنی قوانین کا اجرا اور ان قوانین کی جمہوری روح کی تعمیم، اُس کا عدالتی مسلک ہے۔ وہ چاہتی ہے جلد سے جلد اور زیادہ سے زیادہ آسان طریقہ پر عدل و انصاف ہر انسان کے دسترس میں آ جائے"

خارجی مسلک

"ترکی جمہوریت کی عزت کی حفاظت، ترکی قوم کے حقوق کی حمایت وہ حقوق جو قوم نے طویل جہاد کے بعد حاصل کئے ہیں۔ تمام قوموں کے ساتھ مساوات کے دائرے میں دوستانہ تعلقات؛ اُس کا خارجی مسلک ہے"

تعلیمی مسلک

"ہمارا تعلیمی مسلک یہ ہے کہ تعلیم قومی ہو اور مذہب اس سے الگ رکھا جائے۔ نظام تعلیم ایک ہو۔ نئی نسلوں کی ایسی تربیت کی جائے جس سے ہماری مدنی و اجتماعی برتری قائم ہو اور اقتصادی زندگی مستحکم ہو جائے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ قوم ابتدائی مفت تعلیم سے پوری طرح مستفید ہو۔ غیر تعلیم یافتہ افراد کو شبینہ مدارس کے ذریعہ تعلیم دی جائے ترکی جامعہ کو مزید تقویت دی جائے اور زیادہ سے زیادہ جدید تعلیم گاہیں جاری کی جائیں۔ ہم فنون جمیلہ کے بھی پرجوش حامی ہیں۔ ترکی زبان کی ترقی و تہذیب کا ہمیں از حد اہتمام ہے۔ ترکی حروف کا مسئلہ بہت مشکل ہے۔ اور ہم اس پر بھی غور کر رہے ہیں"

مردم شماری

ٹرکی کی تاریخ میں اب پہلی مرتبہ مردم شماری ہوئی ہے۔ اس سے پہلے ایک مرتبہ مرحوم حکومت عثمانیہ نے اس کی کوشش کی تھی، مگر تنگ نظر علماء نے اس کی سخت مخالفت کی، اور اسے دین کے خلاف قرار دیا۔ چنانچہ البانیہ اور بعض دوسرے علاقوں میں بغاوت شروع ہو گئی مجبوراً حکومت کو اس "خلاف شرع" فعل سے باز رہنا پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کو بھی ملک کی صحیح آبادی معلوم نہ تھی۔ خود ترکی حکومت بھی اپنی آبادی کی قوت سے ناواقف تھی۔ اور اس وجہ سے بے شمار سیاسی، اقتصادی اور جنگی مضرتیں ملک کو پہنچا کرتی تھیں۔

اب ترکی جمہوریت نے یہ اہم مسئلہ قطعی طور پر حل کر دیا۔ چنانچہ ۲۸ اکتوبر کی تاریخ مردم شماری کے لئے مقرر کی گئی۔ حکم تھا، کوئی شخص بھی اپنے گھر سے نہ نکلے، یہاں تک کہ توپ داغی جائے۔ اس حکم پر اجنبی باشندوں نے یہ اعتراض کیا کہ دن بھر وہ اپنے کام معطل نہیں رکھ سکتے۔ مگر حکومت نے کوئی اعتراض نہیں سنا اور مردم شماری پوری ہو گئی۔

ان سطور کی تحریر کے بعد معلوم ہوا کہ مردم شماری سے ثابت ہوا ہے کہ ٹرکی کی موجودہ آبادی ایک کروڑ ۴۰ لاکھ ہے۔ قسطنطنیہ کی آبادی ۹ لاکھ ۵ ہزار ہے۔

میں ایک صحافی کی طرح نقل و روایت کا فرض انجام دیتا ہوں۔ نقد

عالم مطبوعات و صحائف

رُوسی راہب راسپوٹین کا قتل

پرنس یوسوپوف کا اعتراف

قارئین الہلال روس کے پُراسرار راہب راسپوٹین کے نام اور حالات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ الہلال نمبر (۹) میں اس کی پوری سرگزشت ان کی نظروں سے گزر چکی ہے۔ جو حیرت انگیز اقتدار اور تسلط اسے زار اور ملکہ روس پر حاصل ہو گیا تھا اُسکی کوئی دوسری نظیر بیسویں صدی کی تاریخ میں موجود نہیں۔ یہ اُن کا مذہبی رہنما تھا۔ پھر روحانی معلم اور مرشد کی طرح مانا جانے لگا، پھر مشیر اور وزیر سب کچھ بن گیا۔ زار اور زارینہ بیجان آلہ کی طرح اس کی انگلیوں میں تھے۔ جس طرح چاہتا تھا، اُنھیں استعمال کرتا تھا۔ ملک میں بڑی بہت سیاسی اصلاحات جو ڈیوما (روسی پارلیمنٹ) کی شکل میں جاری ہو گئی تھیں، اسی کے اشارے سے غارت ہوئیں، روشن خیال اور اصلاح پسند امرا کو اسی نے قتل اور جلاوطن کرایا، زار کے بہترین دوست اور مدۃ العمر کے وفادار خادم اسی کے حکم سے سائبیریا بھیجے گئے۔ پھر جب عالمگیر جنگ عالم شروع ہوئی، تو جرمن نے بے شمار روپیہ خرچ کر کے اس کی خدمات حاصل کر لیں۔ یہ جرمن جاسوس تھا، لیکن روس کے تمام اسرار جنگ اسی کے قبضہ میں تھے۔ ایک طرف یہ زار کو یقین دلاتا کہ میری روحانی برکتوں اور دعاؤں سے جرمن فوجیں اور روس کے تمام حریت پسند ہلاک ہو جائینگے، دوسری طرف جرمن ہیڈکوارٹر جنگ کو فوجی نقل و حرکت کی بروقت خبریں بھیجدیتا تاکہ تمام روسی فوج کا خاتمہ کر دیں!

زار پر یہ حیرت انگیز اقتدار اُسے کیسے حاصل ہوا تھا؟ ملکہ کے ذریعہ۔ ملکہ کیوں اُس کے احکام سے سرمو تجاوز نہیں کر سکتی تھی؟ خود راسپوٹین کی لڑکی صوفیا نے اپنی دہشت انگیز یادداشتیں شائع کر کے دنیا کو بتلایا ہے کہ "اُس میں اور ملکہ میں ناجائز تعلق تھا راسپوٹین سے اُسے عقیدت ہی نہیں تھی، بلکہ ہوس پرستی کا عشق بھی تھا"

صوفیا کے علاوہ ایک اور شخص بھی یورپ میں موجود ہے، جو روس کے شاہی خاندان سے قریبی تعلق رکھتا ہے، اور اس روسی راہب کی تمام سرگزشت حیات سے واقف ہے۔ یہ پرنس یوسوپوف ہے۔ اسکی

وبحث میرا کام نہیں ہے۔ میں نے غازی کے خطبہ کا خلاصہ اور "خلق فرقہ سی" کا مسلک پیش کر دیا۔ البتہ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ جماعت خلق کی موجودہ اجتماعی ذہنیت سے اکثر مسلمانان عالم کو اتفاق نہیں ہوگا۔ وہ اپنی جدید اجتماعی زندگی کے عناصر میں مذہب کو کوئی نمایاں جگہ نہیں دینی چاہتے۔ خود ترکوں کی اکثریت اسوقت تک اس پر متفق نہیں ہے۔ بیرونی دنیا کی عام اسلامی رائے تو یقیناً مخالف ہوگی۔ میں اپنے حدود صحافت سے ایک دو قدم آگے بڑھ کر، آئندہ تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر لکھنے کی کوشش کروں گا۔

برید شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی کے تاریخی خطبہ کا بقیہ حصہ۔ مسئلہ خلافت۔ خطبہ کا عام اثر۔ جمہوری ترکی کا آئندہ مسلک۔ ترکی کی نئی مردم شماری۔

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے تاریخی اور ہفت روزہ خطبہ کا بڑا حصہ گذشتہ چٹھی میں بھیج چکا ہوں۔ اب خطبہ کے صرف دو ضروری حصے باقی ہیں۔ "مسئلہ خلافت"، اور "خاتمۂ کلام"۔

مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں غازی نے جو کچھ بیان کیا، وہ اُن کی تقریر کا نہایت اہم حصہ ہے۔ کیونکہ یہ پہلا موقعہ ہے کہ موجودہ ترکی حکومت کے سب سے بڑے آدمی نے صاف صاف لفظوں میں بیان کر دیا کہ کون کون لوگ موقوفی خلافت کے مخالف تھے اور کون موافق تھے۔ پہلے خیال کیا گیا تھا کہ مخالفین موقوفی میں سب سے زیادہ نامور شخصیت رؤف بے کی تھی۔ اب خود غازی کی زبان سے بھی اسکی تصدیق ہو گئی۔

مسئلہ خلافت کے بعد اُنھوں نے اُن رقوم کے داخل و مصارف کی تفصیلاً بیان کیں جو وطنی تحریک کے شروع ہونے کے بعد سے لیکر اُن کے رئیس جمہوریت منتخب ہونے تک اُن کے اور اُنکے ساتھیوں کے تصرف میں آئی تھیں۔ ممکن ہے، آپکے قارئین خیال کریں کہ ایک عظیم الشان رئیس جمہوریت کے لئے یہ بہت ہی ناموزوں بات تھی کہ کسی سکریٹری اور خزانچی کی طرح ایک ایک پیسہ کا حساب پیش کرے لیکن یہاں ترکی رائے عامہ نے اسے دوسرے ہی نقطۂ خیال سے دیکھا ہے۔ تمام اخبارات نے بالاتفاق اسے خطبہ کا ایک وقیع اور موثر حصہ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، اس طرز عمل کے ذریعہ غازی مصطفےٰ کمال نے ہمیں یہ سبق سکھلا دیا ہے کہ قوم کا رہنما قوم کا امین ہے، اور ہر حال میں اس کا فرض ہے کہ قومی امانت کا حساب، پیسہ پیسہ اور پائی پائی، قوم کے سامنے پیش کر دے۔ اس بات سے کہ قوم نے اپنے رہنما کو اپنی حکومت کا بڑا سے بڑا منصب پیش کر دیا ہے، امین قوم ہونے کی ذمہ داریاں معدوم نہیں ہو جاتیں، بلکہ اور زیادہ بڑھ جاتی ہیں!

خاتمۂ کلام میں اُنھوں نے ایک اور حقیقت بھی آشکارا کر دی اُنھوں نے کہا کہ ان کی رہنمائی اور ریاست کے زمانے میں قوم نے اُنھیں جسقدر بھی مکانات اور آراضی دی ہیں، یا جس قدر جائداد اُنھوں نے اپنے جیب خاص سے خریدی ہے، وہ سب کی سب اُنھوں نے "قومی جماعت"، کے نام منتقل کر دی ہے، اور اب اُنکے پاس قوم کی خدمت اور محبت کے سوا، کوئی جائداد اور ملکیت باقی نہیں!

خلافت کی موقوفی

مسئلہ خلافت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُنھوں نے کہا:

"لوزان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ابھی عصمت پاشا انگورہ پہنچے بھی نہ تھے کہ رؤف بک وزارت سے مستعفی ہو گئے تاکہ عصمت پاشا کو مبارکباد دینے سے بچ جائیں۔ استعفا دینے کے بعد وہ خاموش نہیں رہے بلکہ خلیفہ کا اقتدار بڑھانے کی کوششیں کرنے لگے، حالانکہ ملک میں عام رجحان، جمہوریت کی طرف پیدا ہو چکا تھا۔ رؤف بک کی جگہ فتحی بک وزیر اعظم ہوئے اور طویل مباحثہ کے بعد طے پایا کہ پایۂ تخت، انگورہ ہی رہے۔ مگر مخالف جماعت مُصر تھی کہ آستانہ واپس جانا چاہئے۔

لہذا اب ضروری ہو گیا کہ اس تمام جھگڑے کا ایک مرتبہ فیصلہ ہی کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے ۲۸ ر اکتوبر کو اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی کہ اعلان جمہوریت کے لئے تمام تدابیر مکمل ہو گئی ہیں۔ دوسرے دن جمہوریت کا اعلان ہو گیا، اور آدھی رات کو تمام ملک میں خبر مشتہر کر دی گئی۔ عصمت پاشا پہلی جمہوری وزارت کے صدر مقرر ہوئے، اور فتحی بک مجلس وطنی کے رئیس قرار پائے۔

پوری ترکی قوم نے اعلان جمہوریت، انتہائی مسرت کے ساتھ سُنا مگر مخالف جماعت سخت برہم ہوئی، اور اخبارات میں اپنی دعایتہ وسیع پیمانہ پر شروع کر دی۔ اس جماعت کے سرگروہ، رؤف بک، رفعت پاشا، ڈاکٹر عدنان بک، کاظم قرہ بکر پاشا، اور علی فواد پاشا تھے۔ یہ لوگ شب و روز مخالف کوششوں میں سرگرم تھے۔ یہ مشہور کرتے تھے کہ خلافت وہ رفیع مقام ہے، جس کا تمام جہان کے مسلمان احترام کرتے ہیں۔ وہ ترکی قوم کا سب سے زیادہ قیمتی خزانہ ہے، لہذا اُسکے اقتدار میں کسی قسم کی کمی نہیں کرنی چاہئے، نیز اُنھوں نے یہ بھی کہنا شروع کیا کہ ترکستان میں انور پاشا، خلیفہ ہی کے نام پر جنگ کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی کوشش یہ تھی کہ ملک میں پھر شاہی دستوری حکومت کی طرف لوٹا دیا جائے۔

ذاتی طور پر، رؤف بک کی رائے یہ تھی کہ اقتدار قوم ہی کے ہاتھ میں رہے مگر حکومت کے سر پر آل عثمان کا کوئی فرد ضرور رہنا چاہئے لطف یہ ہے کہ باوجود اس خیال کے وہ ہماری جماعت کے ایک رکن ہونے کے بھی مدعی تھے۔ یقیناً اُن کی نیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ ہم میں رہکر ہم میں پھوٹ ڈال سکیں۔

اب یہ واضح ہو گیا تھا کہ آستانہ میں خلافت کا باقی رہنا مشکلات کا موجب ہو گا، لہذا میں سمجھ گیا اور یقین کر لیا کہ منصب خلافت کی منسوخی کا وقت آ گیا ہے۔ پھر میں نے عصمت پاشا، فوزی پاشا، اور کاظم پاشا سے مشورہ کیا۔ یہی رائے قرار پائی کہ منصب خلافت منسوخ کر دیا جائے۔ چنانچہ یکم مارچ سنہ ۱۹۲۴ء کو مجلس وطنی میں حسب ذیل تجویز پیش ہوئی:

(۱) منصب خلافت، منسوخ کیا جائے اور خاندان عثمانی کو ترکی سے باہر قیام کرنے کا حکم دیا جائے۔

(۲) امور شرعیہ اور اوقاف کی وزارتیں توڑ دی جائیں۔

(۳) ملک بھر میں تعلیم کا ایک ہی نظام جاری کیا جائے۔

یہ تجویز، مباحثہ کے بعد منظور ہو گئی۔ لیکن اُسی وقت مجھ سے درخواست کی گئی کہ منصب خلافت میں اپنے لئے قبول کر لوں۔ مگر میں نے ان لفظوں میں انکار کر دیا:

"دوستو! جو لوگ مسلمانوں کو خلیفہ اور خلافت کے نام سے دھوکا دینا چاہتے ہیں، وہ اسلام اور مسلمانوں کے عام طور پر، اور ترکی قوم کے خاص طور پر سخت دشمن ہیں۔ اب خلافت کا کوئی عملی اور حقیقی وجود باقی نہیں رہا ہے۔ ان اوہام پر یقین، سراسر غفلت و ضلالت ہے!"

اس طرح مخالف جماعت کو پوری شکست نصیب ہوئی۔ اُنھوں نے بڑی بڑی کوششیں کیں۔ کئی علاقوں میں شورشیں بھی برپا کرا دیں۔ مگر ہم نے سب کا سدباب کر دیا۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ اُن پر تمام دروازے بند ہو چکے ہیں، تو پھر میرے قتل کی سازش شروع کر دی یہ کہنا ضروری نہیں کہ ان سازشوں میں بھی یکے بعد دیگرے ناکام ہوئے۔

خاتمۂ سخن

غازی نے اپنی تقریر ان الفاظ پر ختم کی:

"نوجوان ترکی! تیرا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ترکی استقلال کی حفاظت کر اور ابد الآباد تک جمہوریت برقرار رکھ!"

یہ کہتے ہوئے غازی کی آواز غمناک ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر اُنھوں نے کہا:

"یہی میری زندگی کا اصل الاصول ہے۔ یہی میرے مستقبل کا نصب العین ہے۔ اے نوجوان قوم! یہی تیرا سب سے زیادہ قیمتی خزانہ ہے۔ ایسے لوگ پیدا ہو سکتے ہیں جو مستقبل میں اس خزانہ کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے، تاکہ تجھے اُس سے محروم کر دیں۔ اگر ایسی صورت کبھی پیش آئے اور تو اپنی آزادی اور جمہوریت کی حفاظت پر مجبور ہو جائے تو ایک لمحہ کے لئے بھی پس و پیش نہ کرنا۔ ممکن ہے، حالات از حد نازک ہوں، ممکن ہے دشمن دنیا کی بے نظیر فتحمندی حاصل کر چکا ہو، ممکن ہے تیرے تمام قلعے دشمن کے ہاتھوں میں جا چکے ہوں، ممکن ہے تیری تمام فوجیں پراگندہ ہو چکی ہوں، ممکن ہے تیری تمام زمین چھن گئی ہوں، بلکہ میں کہتا ہوں، ممکن ہے اس سے بھی زیادہ کوئی بڑی مصیبت تیرے سامنے آ کھڑی ہو۔ لیکن ان تمام مصائب پر بھی تیرا فرض یہی ہو گا کہ ترکی استقلال اور ترکی جمہوریت کی حفاظت میں لگاتار جان دیتی رہے۔ تجھے جس قوت کی ضرورت ہے، وہ کہیں باہر نہیں ہے، خود تیرے خون میں موجود ہے۔ وہ خون جو لے حضرات! آپ سب کی رگوں میں دوڑ رہا ہے!"

اس کے بعد غازی نے اُس تمام روپیہ کا حساب پیش کیا جو اُنکے ہاتھ میں شروع سے ابتک آیا ہے۔ پھر اس عبارت پر تقریر ختم کر دی:

"اس رقم کے علاوہ میرے پاس وہ مکان ہے جو انگورہ کے باشندوں نے مجھے ہدیۃً دیا تھا۔ نیز برومسہ، طرابزون، ارض روم انطاکیہ، قونیہ، اور سمرنا میں بھی ایک ایک مکان وہاں کے باشندوں نے مجھے دیا ہے۔ نیز وہ زمین بھی ہے جو میں نے انگورہ کے مضافات میں خریدی ہے مگر یہ تمام جائداد، میری نہیں ہے۔ میں اسے متعلق فرقہ سی"، (جمہوری پارٹی) کو دے چکا ہوں!"

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے خطبہ کا اثر

بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ اس خطبہ سے اُن تمام لوگوں کو

برطانی شہنشاہیت کا تنزل

ایک برطانی مدبّر ڈیلی ٹیلی گراف کے ہفتہ وار رسالہ میں لکھتا ہے:

"قوموں کے اُٹھنے اور گرنے کے اسباب زمانے کے ظروف وحالات کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ تاریخ میں کوئی ایک قوم بھی ایسی موجود نہیں جو بام ترقی تک پہنچکر پھر گر نہ پڑی ہو۔

اسوقت برطانی قوم ترقی کے سب سے بلند درجہ پر پہنچگئی ہے لیکن واقعہ ہے کہ اس عالم ترقی میں ہی تنزل اور کمزوری کے آثار بھی پیدا ہوگئے ہیں، اور اگر افراد کے قوانین حیات کی طرح جماعتوں کے قوانین حیات بھی قطعی اور اٹل ہیں، تو وہ وقت دُور نہیں جب دنیا کو تاریخ عالم کی ایک عدیم النظیر قومی عظمت کے زوال کا تماشائی بننا پڑے گا!

فی الحال برطانیہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ، آبادی کے مسئلہ میں پنہاں ہے۔ برطانی شہنشاہی، مجموعی دنیا کی ایک چوتھائی پر پھیلی ہوئی ہے اور آبادی بھی دنیا کی تقریباً ایک چوتھائی آبادی ہے۔ آخری مردم شماری ظاہر کرتی ہے کہ برطانی شہنشاہیت میں ۰۰۰،۰۰۰،۴۶ سے بھی زیادہ آدمی آباد ہیں۔ لیکن اس جم غفیر میں خود خالص انگریزی قوم کی تعداد ۰۰۰،۰۰۰،۶۰ سے زیادہ نہیں۔ یعنی پوری شہنشاہی، صرف اُتنی آبادی کی قوت پر قائم ہے، جو جرمنی کی آبادی سے کچھ ہی زیادہ ہے!

خود انگریزی قوم ایک تنگ سرزمین، یعنی جزائر برطانیہ میں محصور ہے۔ حالانکہ اُس کی شہنشاہی کی باقی تمام آبادیاں، دُور دراز وسیع سرزمینوں میں منتشر ہیں۔ اس صورت حال نے برطانی مدبّروں کو پریشان کر رکھا ہے۔ وہ آبادی کی مناسب تقسیم اور ہجرت کے عملی نظام پر غور کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں آبادی اس طرح تقسیم کر دی جائے کہ نہ کہیں زیادہ ازدحام ہو، نہ کہیں زمینیں خالی پڑی رہیں۔ بظاہر یہ کام زیادہ مشکل نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن درحقیقت بہت مشکل ہے۔ عام طور پر مبصّرین کا خیال ہے کہ برطانی مدبّروں کو اسمیں کامیابی نہ ہوگی، اور یہی ناکامی اُن کی شہنشاہی تہ و بالا کر ڈالے گی!

یہ کس طرح ہوگا؟

اس کا جواب حسب ذیل ہے:

برطانی جزائر، جو خالص انگریزی قوم سے لبریز ہو چکے ہیں یکقلم صنعتی ملک ہیں، زراعت کا حصہ بہت ہی کم ہے، حالانکہ برطانی شہنشاہی کے باقی ممالک یکقلم زراعتی ملک ہیں۔ آخری اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ جزائر برطانیہ کی تمام دیہاتی آبادی، شہروں میں اُمنڈ آئی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف دیہات خالی ہوگئے ہیں، دوسری طرف نسل کی افزائش بھی رُک گئی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جلد وہ زمانہ آجانے والا ہے، جب برطانی دیہات اسباب رزق سے بڑی حد تک محروم ہو جائیں گے، اور باشندوں کے لئے وہاں کی واپسی میں کوئی ترغیب باقی نہیں رہے گی۔

پھر جنگ کے بعد شہروں میں صنعت و حرفت کی ترقی پر بھی زیادہ بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ترقی عارضی ہے، اور مستقبل قریب میں اپنی طبیعی حالت پر آجانے والی ہے۔ لہذا شہری آبادی کے لئے بھی اسباب معیشت، محدود ہو جائینگے اور جزائر برطانیہ کے دیہات اور شہر، دونوں کی طاقت سے باہر ہو جائے گا کہ اتنی بڑی آبادی کا بوجھ برداشت کر سکیں۔ یہ واقعہ ہے کہ جنگ کے بعد سے اسوقت تک برطانیہ میں بے روزگاروں کی تعداد ۱۰ لاکھ سے کم نہیں ہو سکی۔ صنعت و حرفت کی ترقی پر جب یہ حالت ہے، تو اُس وقت کیا حالت ہوگی جب جنگ کے پیدا کئے ہوئے حالات دُور ہو جائیں گے اور صنعتی ترقی رُک جائے گی؟

انگریز جو دوسرے ممالک کی ملکگیری میں سب سے زیادہ چست چالاک ثابت ہوئے ہیں، خود اپنے ملک سے منفعت حاصل کرنے میں عاجز ہو رہے ہیں۔ اسوقت بھی جزائر برطانیہ میں وسیع علاقے خالی پڑے ہیں کیونکہ وہ زراعتی علاقے ہیں، مگر زراعت پیشہ آبادی ہجرت کر کے شہروں میں پہنچ گئی ہے اور صنعت پیشہ بن گئی ہے۔

صرف جزائر برطانیہ ہی میں نہیں بلکہ آسٹریلیا کا بھی یہی حال ہے۔ آبادی شہروں میں جمع ہوگئی ہے۔ چنانچہ صرف دو شہروں، یعنی ملبورن اور سڈنی میں اتنی آبادی ہے، جو پورے ملک کی آدھی آبادی کے برابر ہے حالانکہ معلوم ہے، آسٹریلیا میں قابل زراعت زمین کا رقبہ، روس کو چھوڑ کر باقی تمام یورپ کے رقبہ سے بھی زیادہ ہے۔

پس یہ سوال نہایت اہم ہے کہ برطانیہ اتنے آدمی کہاں سے لائے گا جو ان وسیع اُفتادہ زمینوں کو آباد کریں؟ اس سوال کا جواب برطانیہ کے پاس سردست کوئی نہیں ہے!

یہ سوال انگریزوں کو بہت پریشان کر رہے ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہے ہیں کہ اُن کی شہنشاہی، سب سے پہلے برطانی ہونی چاہیے۔ یعنی اُس میں برطانی عنصر سب سے زیادہ نمایاں اور غالب رہنا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ورنہ وہ تاریخ کی دوسری شہنشاہیوں کی طرح درہم برہم ہو جائے گی۔

آخری برٹش امپیریل کانفرنس میں آسٹریلیا کے وزیراعظم نے تقریر کرتے ہوئے اس ناقابل حل سوال کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اور کہا تھا "میرے خیال میں کوئی شخص بھی برطانی شہنشاہیت کے مستقبل کو اُمید افزا نظروں سے نہیں دیکھ سکتا۔ ہمارے سامنے ایسی مشکلات درپیش ہیں، جن کا حل مستقبل پر کسی طرح بھی نہیں چھوڑا جاسکتا۔ ان مشکلات میں سب سے زیادہ پیچیدہ مشکل، آبادی کی تقسیم اور اُفتادہ زمینوں کی زراعت ہے!"

یہاں پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جزائر برطانیہ میں پیدائش کی شرح بہت گھٹ گئی ہے۔ نسل روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ برطانی شہنشاہی میں اصلی عنصر کی یہ روز افزوں کمی، نہایت خطرناک اور بدترین نتائج پیدا کرنے والی ثابت ہوگی۔ برطانیہ کی موجودہ صنعتی ترقی کے ساتھ اگر نسل کی افزونی بھی ہوتی رہتی تو حالت اتنی خطرناک نہ ہوتی۔

انگریز اس صورت حال میں اپنے آپ کو یہ کہکر تسلی دے رہے ہیں کہ "اگر شرح پیدائش کم ہوگئی ہے، تو شرح اموات بھی گھٹ گئی ہے۔ لہذا ہماری نسل کا عام توازن قائم ہے۔ یہ بہتر ہے کہ ہماری قوم کم تعداد میں ہو، مگر توانا و تندرست ہو"

اُن کا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے، لیکن مغالطہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ کسی قوم کی عظمت، صرف تندرستی پر قائم نہیں رہ سکتی۔ قوم کو تندرستی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھی ہونا چاہیے۔ ورنہ ظاہر ہے کم تعداد تندرست افراد کسی طرح بھی ایک وسیع سلطنت برقرار نہیں رکھ سکتے۔

یہ حقیقت اب قریب قریب تسلیم کر لی گئی ہے کہ برطانی سلطنت سخت خطرے میں مبتلا ہے، اور اُس کی سلامتی زیادہ تر اسی بات پر موقوف ہے کہ خود جزائر برطانیہ کی آبادی میں اضافہ ہو جائے، اور زائد افراد سلطنت کے دوسرے حصّوں میں مناسب طور پر تقسیم کر دئیے جائیں۔ آبادی کی افزونی، سلطنت کی بنیاد ہے، اور اُس کی تقسیم، تعمیر کا حکم رکھتی ہے۔ موجودہ صورت حال کا اقتضا یہ ہے کہ بیک وقت دونوں کام کئے جائیں مگر ظاہری حالات بتا رہے ہیں کہ برطانی مدبر اس کی قدرت نہیں رکھتے۔

اب یہ امر بہت محتمل معلوم ہوتا ہے کہ برطانی شہنشاہیت کا توازن عنقریب متزلزل ہو جانے والا ہے۔ کیونکہ ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جن کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ محیط اٹلانٹک کی طرح محیط پیسفک بھی صنعت و حرفت کا مرکز بنجائے گی۔ اُس وقت قومیں مجبور ہوں گی کہ صنعتی مرکز سے قریب تر ہونے کے لئے محیط پیسفک کے ساحلوں اور ملکوں میں ہجرت کر جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ خام پیداوار حاصل کر سکیں اور بڑے بڑے بازاروں میں اپنی صنعت آسانی سے پہونچا سکیں۔

بلکہ یہ واقعہ اس وقت بھی پیش آرہا ہے۔ اجنبی عناصر تیزی سے برطانی شہنشاہی کے مختلف ملکوں میں داخل ہو رہے ہیں، اور اصلی باشندوں کو مغلوب کرتے چلے جاتے ہیں اگر فوراً تدارک نہ کیا گیا تو اُن کے قدم مضبوط ہو جائیں گے اور برطانیہ کو یہ ملک اُن کے لئے خالی کر دینے پڑیں گے۔

بعض انگریز مدبر اپنی موجودہ عظمت کے نشہ میں اس قدر مخمور ہیں کہ یہ حقیقت تسلیم کرنے پر بھی اطمینان ظاہر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "برطانی تجارت روز بروز زیادہ وسیع ہوتی جاتی ہے، اور دُنیا کی کوئی تجارت بھی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ حالانکہ یہ سراسر غفلت و غرور ہے۔ یہ لوگ، دوسری قوموں کی تجارت کی ترقی پر نظر نہیں ڈالتے خصوصاً امریکہ کی تجارت نہیں دیکھتے جو دُنیا کے تمام بازاروں پر چھا گئی ہے، اور قریب ہے کہ برطانی تجارت کو مغلوب کر ڈالے۔

ان حالات کی روشنی میں گمان غالب ہے کہ برطانی شہنشاہی، خود بخود تہ و بالا ہو جائے گی۔ اس کا توازن، متزلزل ہو رہا ہے۔ قوی امکان ہے کہ اگر کوئی خارجی خطرہ نہ بھی پیش آیا، جب بھی برطانیہ کا اندرونی اختلال اور شہنشاہیت کا عدم توازن ہی اُسے برباد کر ڈالے گا، ٹھیک اُسی طرح، جس طرح تاریخ کی بہت سی دوسری عظیم سلطنتیں برباد ہوگئی ہیں"

جاپان میں اخبارات کی حیرت انگیز ترقی

امریکن رسالہ "ایشیا" میں ایک جاپانی اخبار نویس نے ذیل کا مضمون شایع کیا ہے۔ ہندوستان کی عبرت کے لئے ہم اسے شایع کرتے ہیں۔ اخبار نویس لکھتا ہے:

"میرے لئے یہ نہایت مشکل تھا کہ اپنے امریکن دوستوں کو اس واقعہ کا یقین دلاؤں کہ ہمارے ملک میں بھی ترقی یافتہ اخبار موجود ہیں اور بعض اُن میں روزانہ ۲۰ لاکھ کی تعداد میں چھپتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ مجھے یہ بھی کہنا تھا کہ بعض جاپانی اخبارات امریکن اخبارات پر کئی اعتبار سے فوقیت بھی رکھتے ہیں۔ مثلاً مضامین کی نوعیت کے اعتبار سے جاپانی اخباروں میں صرف سنجیدہ اور مہذب مضامین ہی شایع ہوتے ہیں۔ علمی، اخلاقی، اقتصادی، سیاسی، ادبی... مباحث کے سوا اُن میں کبھی مجرمانہ قصے اور طلاق کی خبریں شایع نہیں ہوتیں۔ حالانکہ امریکہ اور یورپ کے اخباروں کی رونق و مقبولیت، زیادہ تر انہی مخرب اخلاق خبروں اور قصوں پر مبنی ہے۔ میرے دوست یہ سنکر نہایت متعجب ہوتے تھے کہ ایک جاپانی اخبار کی سالانہ آمدنی، ۰۰۰۰۰ ۲۷۵ روپیہ ہے، اور اس کا دسواں حصہ خالص بچت ہے!

میرے دوستوں کا تعجب اس لئے تھا کہ جاپان کا رقبہ، امریکہ کی صرف ایک ریاست، کلیفورنیا سے زیادہ نہیں ہے۔ آبادی بھی ساڑھے ۶ کروڑ سے زیادہ نہیں۔ حالانکہ ولایات متحدہ امریکہ کی آبادی تقریباً بارہ کروڑ ہے۔ وہ کہتے تھے، ایک ایسے چھوٹے سے ملک میں اخباروں کی اتنی عظیم ترقی کیونکر ممکن ہے؟ لیکن واقعہ ایسا ہی ہے۔ اسوقت جاپان میں ۱۱۲۷ روزانہ اخبار ہیں اور ۲۰۵ ہفتہ وار اور ماہوار اخبار و رسائل موجود ہیں۔ ان کی روزانہ اشاعت کی تعداد، ایک کروڑ ہے۔ یعنی ہر چھ باشندوں کے لئے اخبار کا ایک نسخہ شائع ہوتا ہے!

اس ترقی کا اصلی راز یہ ہے کہ جاپان میں تعلیم عام ہوگئی ہے۔ اعلا

نے سب سے پہلے اس راہب کی کارستانیوں سے دنیا کو واقف کیا تھا۔ اسی نے ملکۂ روس کے وہ تمام خطوط شائع کئے، جن سے راسپوٹین سے اُس کی حیرت انگیز عقیدت و عبودیت پر روشنی پڑتی تھی۔

لیکن پرنس یوسوپوف نے اس وقت تک دُنیا کو اس راز سے واقف نہیں کیا تھا کہ راسپوٹین کا خاتمہ کیونکر ہوا؟ اُسنے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ "وہ قتل کر دیا گیا" کچھ دنوں کے بعد جب صوفیا کی یادداشت شائع ہوئی، تو اس سے بھی صرف اتنی بات معلوم ہوئی کہ "راسپوٹین قتل کر دیا گیا، اور اُس کی لڑکی (صوفیا) کسی کسی طرح جان بچا کر نکل بھاگی" عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ راسپوٹین بھی انقلاب روس کے قتل عام میں قتل ہوا ہے۔

لیکن اب اس سلسلہ میں ایک نیا انکشاف ہوا ہے۔ یعنی پرنس یوسوپوف نے اپنی کتاب کا ایک تتمہ اخبارات میں شائع کرایا ہے۔ اسمیں وہ اعتراف کرتا ہے کہ "راسپوٹین کو خود میں نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا!"

پرنس لکھتا ہے:

"میں نے اور میرے دوستوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس شیطان کے اقتدار سے روس کو نجات دلائیں، مگر ہر کوشش ناکام ہی۔ ملکۂ روس کچھ اس طرح اُس کے جال میں پھنس گئی تھی کہ کوئی بات اُس کے خلاف سُننا گوارا نہیں کرتی تھی، اور زار اپنی ملکہ کا غلام تھا مجبور ہو کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس شیطان کو قتل کر ڈالا جائے۔ اس کے سوا خلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ چونکہ اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی تھی، جب تک اُس سے بظاہر دوستی پیدا کر کے دام میں نہ لایا جائے۔ اس لئے میں نے کئی ماہ باہم گر تعلقات بڑھانے میں صرف کر ڈالے۔ یہاں تک کہ اُسے پوری طرح مجھ پر بھروسہ ہو گیا، اور ایک دن میں نے اُس سے وعدہ لے لیا کہ وہ یکم دسمبر ۱۹۱۶ء کو میرے محل میں آ کر ضیافت میں شریک ہوگا"

اس کے بعد پرنس، قتل کا واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے:

"گیارہ بجے رات کو سپر کی (یعنی نصف شب کے کھانے کی) تمام طیاریاں مکمل ہو گئیں۔ دعوت کی میز پر بہت بڑی بڑی قابیں رکھی گئیں، ان میں مختلف قسم کے گوشت، جو راسپوٹین کو خاص طور پر مرغوب تھے طیار کرا کے رکھے گئے تھے۔ اور روغنی ٹکیاں اور نفیس کیک بھی موجود تھے۔ بہترین قسم کی شرابیں اور نظر فریب جام مہیا کئے گئے تھے..."

"میں نے الماری سے ایک صندوق نکالا۔ اس میں کئی قسم کے قاتل زہر مخفی تھے۔ پھر میں نے میز پر سے ایک قاب اُٹھائی۔ اسمیں کیک تھے۔ ڈاکٹر لازوورٹ نے ربڑ کے دستانے پہن لئے پھر ایک خاص زہر "سیانڈ پوٹاس" لے کر کیکوں پر چھڑک دیا۔ پھر بعض دوسرے قسم کے زہر بھی شراب میں ملا دئے۔ ڈاکٹر نے مجھے یقین دلایا تھا کہ زہر اتنی زیادہ مقدار میں ڈال دیا گیا ہے کہ شراب کا ایک گھونٹ کئی آدمیوں کے قتل کے لئے کافی ہے۔ اس ڈاکٹر کی خدمات میں نے خاص اسی غرض سے حاصل کر لی تھیں"

"جب راسپوٹین آیا تو میں اسے کھانے کے کمرے میں لے گیا۔ اُسنے اپنی پسند کا گوشت سیر ہو کر کھایا۔ پھر میں نے روغنی روٹی کی پلیٹ آگے بڑھائی جس میں زہر نہ تھا۔ نہیں معلوم میں نے ایسا کیوں کیا؟ لیکن یہ واقعہ ہے کہ بلا قصد مجھ سے ایسا ہی ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے زہریلے کیک سامنے کئے۔ اُسنے پہلی قاب سے روغنی ٹکیا لے لی، لیکن زہر آلود کیک سے انکار کر دیا۔ اس انکار نے مجھ پر سخت رُعب طاری کر دیا۔ میں ڈرا، شاید یہ شخص ولی اللہ ہے، اور زہر سے واقف ہو گیا ہے۔ میں نگاہیں خوف سے نیچی کئے تھا، اور دل دھڑک رہا تھا۔ اچانک اُس کے ہاتھوں کو جنبش ہوئی اور یہ کہہ کر اُسنے ایک کیک اُٹھا لیا "تمھاری خاطر سے!" اور بلا تأمل منہ میں رکھ لیا۔ پھر دوسرا لیا اور کھا لیا۔ میں بالکل خاموش تھا۔ ایک سکتہ کا سا عالم مجھ پر طاری تھا۔ مجھے یقین تھا، اب فوراً زہر کا اثر اُس پر ظاہر ہو جائے گا۔ مگر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی، جب میں نے دیکھا، کہ وہ پوری طرح تندرست ہے۔ کوئی اثر بھی اُس پر ظاہر نہیں ہوا۔ مجھ سے ہنس ہنسکر باتیں کر رہا ہے!"

"پھر اُسنے مسموم شراب جام میں انڈیلی۔ میں فرط اضطراب سے کھڑا ہو گیا۔ اب مجھے یقین تھا کہ وہ فوراً مر جائے گا۔ مگر وہ بڑے اطمینان سے مزہ لے کر پیتا رہا۔ کئی جام خالی کر دئے۔ پھر وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ برابر باتیں کئے جاتا تھا۔ اب رات کے تین بج چکے تھے۔ مگر اُس پر زہر کا کوئی اثر نہ تھا!"

"ٹہلتے ٹہلتے اُسنے یہ کہہ کر مجھے مبہوت کر دیا" باقی رات، جلسۂ رقص میں گزارنی چاہئے!" اب میں جیب سے پستول نکال چکا تھا کیونکہ جب زہر کی اتنی بڑی مقدار کارگر نہ ہوئی، تو بجز پستول کی گولی کے اور کونسا ذریعۂ قتل کام دے سکتا تھا۔ اُس کے جلسۂ رقص کے جواب میں میں بے اختیار چیخ اُٹھا "خبیث بھوت! کیا یہ بہتر ہوگا کہ جلسۂ رقص کی جگہ تو صلیب دیکھے اور نماز پڑھ لے، کیونکہ ایک لحظہ بعد تو مرا پڑا ہوگا!"

اُس کی آنکھوں میں ایک ہولناک چمک پیدا ہوئی۔ پھر فوراً ہی ایک قسم کا خشوع و خضوع طاری ہو گیا۔ وہ جلدی سے میرے قریب آیا۔ اپنی چمکیلی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔ میں نے آہستہ سے اپنا پستول والا ہاتھ پیچھے سے سامنے کر دیا"

"پستول دیکھ کر راسپوٹین بھاگا نہیں۔ نہ مقابلہ کی کوشش کی۔ اُسنے اپنی نظریں میرے چہرے سے ہٹالیں اور صلیب پر جما دیں جو اُس کے گلے میں پڑی تھی۔ وہ اب بھی بالکل خاموش تھا۔ میں نے پستول کی لبلبی دبائی اور گولی اُس کے سینے پر لگی۔ اُسنے بڑے زور سے چیخ ماری اور چت گر پڑا۔ میں نے دوڑ کر زخم کا معائنہ کیا۔ گولی، دل چیر کر نکل گئی تھی۔ یہ بالکل یقینی تھا۔ راسپوٹین مر گیا!"

"میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اُس کے قریب کھڑا صلیب کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ قریب تھا، میں بیہوش ہو کر گر پڑتا۔ راسپوٹین، بجلی کی سی تیزی سے اپنے پیروں پر سیدھا کھڑا ہو گیا! بڑے زور سے چلایا۔ تمام مکان اُس کی چیخ سے گونج اُٹھا۔ پھر اُسنے اپنی فولاد سے بھی زیادہ مضبوط انگلیوں سے میرا بازو پکڑ لیا۔ مجھے یقین تھا، میری ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ اب اُسنے میری گردن پکڑنے کی کوشش کی۔ میں اپنی دہشت و خوف کے بیان سے قطعاً قاصر ہوں۔ میں نے خیال کیا، یہ بھوت مجھے اب مار ڈالے گا۔ مگر فوراً میرے جسم میں بھی ایک عظیم قوت پیدا ہو گئی۔ میں نے زور لگا کے اپنے آپ کو چھڑایا اور بھاگنے لگا"

"راسپوٹین بھی میرے تعاقب میں دوڑا۔ وہ برابر چلائے جاتا تھا اور قتل کی دھمکی دیتا تھا۔ میں زینے پر جا کر رُکا۔ اُسوقت اُس کی صورت بالکل بھوت کی سی ہو گئی تھی۔ تمام لباس خون سے رنگین تھا، اور سینہ سے خون کا فوارہ بہ رہا تھا!"

"وہ زینہ کے سامنے پہنچکر رُکا۔ پھر تیزی سے دروازے کی طرف دوڑ کر صحن میں پہنچ گیا۔ صحن میں تاریکی تھی۔ میرے نوکروں نے مسلسل تین گولیاں اُس پر چلائیں۔ اب وہ لڑکھڑایا، اور برف کے ایک ڈھیر کے سامنے پہنچکر گر پڑا!"

"اب واقعی راسپوٹین، روس کا مہیب بھوت، مر چکا تھا!"

زہر آلود غذا کے عدم تأثر کی نسبت پرنس نے جو کچھ لکھا ہے، یہ راسپوٹین کا کوئی اعجاز نہ تھا، بلکہ خود پرنس کی ایک ایسی غلطی تھی جس کا ذہنی اضطراب کی وجہ سے اُسے احساس نہیں ہوا۔ اس طرح کی صورت حال میں ایسی غلطی اکثر ہو جایا کرتی ہے۔ دراصل خوف دہشت اور اعتقادی کمزوری کی وجہ سے اُسوقت پرنس کی ذہنی حالت مختل ہو چکی تھی۔ اُسنے یکے بعد دیگرے جسقدر قاب اُٹھا کر پیش کئے، اُن میں سے کوئی قاب بھی زہر آلود نہ تھا۔ ذہنی پریشانی کی وجہ سے اُسنے جسے زہر آلود سمجھ کر اُٹھایا، وہ زہر آلود نہ تھا، اور جنھیں غیر زہر آلود سمجھ کر چھوڑ دیا، وہی زہر آلود تھے۔ اس طرح کی غلطی ذہنی اضطراب کی حالت میں ہر انسان سے ہو جایا کرتی ہے

فلسطین میں آثار قدیمہ

(ہتیاروں کا قدیم سانچہ)

اخبار السیاسہ راوی ہے کہ جرمن محقق ڈاکٹر رسلین کو بلاطہ (فلسطین) کے کھنڈروں میں مٹی کا ایک سانچہ ملا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے، یہ سانچہ ہتیار ڈھالنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

پتھر کی تپائیاں

اب سے پہلے یہ خبر شائع ہو چکی ہے کہ شہر نابلس میں پتھر کی قدیم تپائیاں پائی گئی ہیں۔ پہلے خیال کیا جاتا تھا یہ کسی قدیم تماشہ گاہ کا بقایا ہیں لیکن اب علماء آثار قدیمہ نے معلوم کر لیا ہے کہ یہ یوپی ارتمیس کے مندر کے آثار ہیں۔ یہ مندر، رومن شہنشاہ سپٹیم سویرس نے تعمیر کیا تھا۔ (السیاسہ)

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و معتبر مقبول خاص و عام اسم بامسمّیٰ

ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی کا

عدیم المثال نادر الوجود سرمائی تحفہ

تار کا کافی پتہ "ہمدرد، دہلی"

ماء اللحم دو آتشہ

برنسخہ خاص

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن تندرستی بھی ایک ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بےلطف بلکہ بیکار ہے۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہو تو سب کچھ ہے۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہے اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ماء اللحم تازہ کشید کیا ہوا ماء اللحم استعمال کیجئے اور پیری میں شباب کا لطف اٹھائیے یہ امر تو مسلم ہے کہ ماء اللحم مقوی ارواح ہے، بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا نکھارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا ماء اللحم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطرز خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معمولی دکانی نہیں ہے بلکہ عالیجناب شفاء الملک بہادر عفران مآب رئیس اعظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب ممدوح نے بغرض رفاہ عام "ہمدرد دواخانہ" کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ماء اللحم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر معتدبہ اور پورا فائدہ ایک چلّہ میں ہوتا ہے۔ پبلک کو صرف اپنی لفاظی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض امور میں ہم کو اپنی سچی ہمدردی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

ماء اللحم کے استعمال کا یہی موسم ہے اور یہی زمانہ ہے منگائیے! اور آزمائیے!! تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہے علاوہ ایک چند قسم کے حلوے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست ۱۹۲۷ء معہ جنتری تیار ہے مفت طلب فرمائیے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ "منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی"

منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

رنگ دیکھ لو — ۔۔۔ — گھس کر آزما لو

دو روپے تولہ سونا

جرمنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سونے کی نہایت خوبصورت نازک نقش چوڑیاں جرمنی سے بنا آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ انکے اندر رنگیں چوڑیاں آجاتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبرجد اور یاقوت کے نگینے جڑ دئے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ و رونق میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی دیتی ہیں۔ صنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ ڈھائی روپیہ میں پانچسو روپے کا کام نکالا جا سکتا ہے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائیے تاکہ اسٹاک ختم نہ ہو جائے۔ ۸ چوڑیوں کی قیمت ڈھائی روپیہ۔ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ چوبیس ۲۴ چوڑیوں کے مبلغ سات روپئے (معہ)

منیجر گولڈن اسٹور۔ پوسٹ بکس ۱۲۰ لاہور

برص سفید داغ ایک یوم میں جڑ سے غائب

ورنہ پوری قیمت واپس۔ اقرار نامہ لکھا لیں اکیس ۲۱ خوراک معجون مسیحا اور ایک شیشی روغن مسیحا چہرہ پر ۲۰ روز کافی ہوگی قیمت معہ خرچ ۔۔۔ روپیہ تیرہ آنہ

دفتر معالج برص نمبر ۱۵ دربھنگہ (بہار)

پروانہ

اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ملک اور قوم و ملت کا سچا پروانہ دلچسپ اور اچھوتے مضامین نظم و نثر سے لبریز نومبر ۱۹۲۷ء دربھنگہ سے نہایت پابندی کے ساتھ شایع ہوگا لکھائی چھپائی اور کاغذ بہت نفیس چندہ سالانہ تین روپیہ (عہ) طلبہ سے دو روپیہ (عم) ممالک غیر سے پانچ روپیہ (صہ)

منیجر رسالہ پروانہ دربھنگہ (بہار)

افیم چھڑانے کی بے نظیر گولیاں

جن کے استعمال سے صدہا عملی آسانی سے افیم چھوڑ چکے ہیں اگر دس ماہوار کے عملی کو ۔۔۔ گولیاں کافی ہو سکتی ہیں۔ ملنے کا پتہ حکیم محمد مراد ۔۔۔ موگا ضلع فیروزپور پنجاب

اشتہار

کے لئے

دشمار سے ثابت ہوتا ہو کہ ابتدائی مدارس کے طالب علموں میں سے ۹۱ فیصدی طالب العلم ثانوی مدارس میں اپنی تعلیم جاری رکھتے ہیں۔ جاپان میں اس وقت ابتدائی ثانوی، اور اعلیٰ تعلیم گاہوں کی تعداد ۴۴ ہزار ہو۔ ان میں طلبہ کی سالانہ تعداد ایک کرور ۱۵ لاکھ سے زیادہ رہتی ہو۔

پھر جاپانیوں کو مطالعہ کا بھی از حد شوق ہو۔ میرے علم میں کوئی قوم اس بارے میں اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ سنہ ۱۹۲۵ کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہو کہ جاپان میں مختلف علوم و فنون پر ۲۰۰۸۲ کتابیں شایع ہوئیں۔ علاوہ بریں انگلستان، فرانس، امریکہ، جرمنی، اور چین سے ۵۰ لاکھ روپیہ کی کتابیں آئیں، اور فروخت ہوگئیں۔ جاپان کے تمام اخبار نویس جانتے ہیں کہ اخباروں میں سب سے زیادہ اعلان کتابوں ہی کے شایع ہوتے ہیں، اور اُنہی سے زیادہ اُجرت حاصل ہوتی ہو۔

ٹوکیو اور اوساکا کے دس اخباروں کی روزانہ مجموعی اشاعت ۵۰ لاکھ ہو۔ ان میں سب سے بڑے اخبار دو ہیں: "اوساکا مانیچی" اور "ٹوکیو نیچی نیچی" دونوں "اوساکا مانیچی" کمپنی کی ملکیت ہیں۔ اول الذکر کی روزانہ اشاعت ۱۳ لاکھ ہو اور آخر الذکر کی ۸ لاکھ۔ انکے بعد "اوساکا اساہی" کمپنی کے دو اخبار ہیں: "اوساکا اساہی" اور "ٹوکیو اساہی"، دونوں کی مجموعی اشاعت ۲۰ لاکھ ہو۔ میرے خیال میں دنیا بھر میں کوئی اخبار بھی "اوساکا مانیچی" کے برابر اشاعت نہیں رکھتا۔ ہاں صرف لندن کا ڈیلی میل، اور پیرس کے "جرنل" اور "پتی پاریزان" اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان چار اخباروں کے علاوہ ۱۶ اور اخبار ایسے ہیں جن کی روزانہ اشاعت ۵ لاکھ سے ۱۰ لاکھ تک ہو!

جاپان میں کئی انگریزی اخبار بھی نکلتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا اخبار "اوساکا مانیچی" کمپنی کی ملکیت ہو، اور ۸ بڑے صفحوں میں نکلتا ہو۔

جاپان کی صحافتی ترقی کے سلسلہ میں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہو کہ اخباروں میں باہم سخت رقابت ہو۔ بلکہ کہنا چاہئے ایک پُرامن جنگ جاری ہو۔ اس رقابت سے باشندوں کو بہت نفع حاصل ہوتا ہو۔ ذیل میں چند واقعات ملاحظہ ہوں:

سنہ ۱۹۲۵ میں اخبار "مانیچی" نے اپنا بحری طیارہ جزائر جاپان کے گرد دورہ لگانے کے لئے روانہ کیا۔ اس کا جواب اخبار "اوساکا اساہی" نے یہ دیا کہ فوراً ایک دوسرا طیارہ خرید کر ٹوکیو سے پیرس تک کے سفر پر روانہ کر دیا!

اس کے بعد اول الذکر اخبار نے یہ جدت کی کہ ۵ ہوائی جہاز اس غرض سے خریدے کہ اپنے ٹوکیو اور اوساکا کے مرکزی دفتروں کے مابین اتصال پیدا کرے، اور جلد سے جلد کتابیں، اخبارات، نقشے، تصویریں، ایک دفتر سے دوسرے دفتر میں پہنچ جائیں۔ اس پر اخبار اوساکا اساہی نے بھی فوراً کئی جہاز خرید لئے اور اوساکا ٹوکیو اور سنڈائی توکیو کے مابین حکومت کے لئے مفت ہوائی ڈاک کا سلسلہ جاری کر دیا!

اس رقابت نے اب یہ صورت اختیار کرلی ہو کہ تمام بڑے بڑے اخبار ہر روز کئی کئی ضمیمے شایع کرتے رہتے ہیں اور اپنے خریداروں میں مفت تقسیم کرتے ہیں۔ مثلاً اخبار "مانیچی" روزانہ ۱۳ ضمیمے شایع کرتا ہو۔ یہ ضمیمے عموماً قصبوں اور دیہاتوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ مگر اہتمام کیا جاتا ہو کہ ہر علاقے کے ضمیمے میں ہی خبریں ہوں، جو وہاں کے باشندوں کے لئے ضروری ہیں۔

اس رقابت کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہو کہ اخبار، خبریں جمع کرنے میں زیادہ سے زیادہ روپیہ خرچ کرنے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ "اوساکا مانیچی" کمپنی نے سنہ ۱۹۲۳ کے جاپانی زلزلے کی خبریں حاصل کرنے پر ۴۴ ہزار پونڈ خرچ کیا ہو۔ جب ولیعہد بادشاہ کی حالت ہوئی، اور وہ عالم نزع میں ہو، تو اخباروں کی رقابت آخری حد تک پہنچ گئی۔ دونوں اخباری کمپنیوں نے شاہی محل کے قریب ہی دو مکان کرایہ پر لئے، اور اپنے اپنے دفتر کھول دئے۔ ان دونوں میں ہر وقت خبریں لانے والوں اور کام کرنے والوں کا اتنا ہجوم رہتا تھا کہ دو فوجی بارکیں معلوم ہوتی تھیں۔ ہر کمپنی کی کوشش تھی کہ شہنشاہ کے متعلق سب سے پہلے وہی خبریں معلوم کرکے شایع کرے!

جاپان کے اخباروں کا ایک امتیاز یہ بھی ہو کہ وہ خبریں جمع کرنے میں صرف ریل، تار، اور ہوائی جہازوں ہی پر بھروسہ نہیں کرتے کیونکہ ان میں سے ہر چیز ٹوٹ سکتی ہو، بلکہ قدیم طریق خبر رسانی، یعنی پیغامبر کبوتروں کی ڈاک کا بھی انتظام کر رکھا ہو۔ بڑے بڑے نامہ نگاروں کے ساتھ ہمیشہ کبوتر جاتے ہیں، تاکہ اگر کبھی ریل، یا تار، یا ہوائی جہاز بے کار ہو جائے، تو ان کبوتروں کے ذریعہ خبریں وقت پر پہنچا دی جائیں"

ہنسی

ایک علمی اور نفسیاتی بحث

تازہ ڈاک کے ایک علمی رسالہ میں ہنسی کی حقیقت پر دلچسپ بحث کی ہو:

"ہنسی کیا ہو؟

موجودہ علم کی روشنی میں ہنسی، ایک عصبی تشنجی حالت ہو جو انسان کے مختلف اعضاء پر طاری ہوتی ہو۔ یہ حالت اس طرح شروع ہوتی ہو کہ پہلے آنکھیں کسی قدر بند ہوتی ہیں، پھر منہ کے بعض عضلات اوپر چڑھ جاتے ہیں، اور بعض نیچے لٹک جاتے ہیں۔ پھر وہ کھل جاتے ہیں، یہاں تک کہ دانت ظاہر ہو جاتے ہیں۔ پھر نبض اور تنفس پر اثر پڑتا ہو۔ اُن میں بھاری پن پیدا ہو جاتا ہو۔ ساتھ ہی آواز بھی پیدا ہوتی ہو، اور یہی آواز اپنے آخری درجہ میں قہقہہ کہلاتی ہو۔ پھر تشنجی حالت، جسم کے دوسرے اعضاء تک پہنچتی ہو۔ انسان بے خود ہوکر ہاتھ پاؤں ہلانے لگتا ہو، یا اپنے زانوؤں پر ہاتھ مارتا ہو۔ کبھی آدمی تالیاں بھی بجانے لگتا ہو۔ مگر یہ تمام حرکات، ہنسی کے اصلی اجزاء نہیں ہیں۔ اگرچہ اکثر حالتوں میں طاری ہوتے ہیں۔

پس ہنسی جسم انسانی کا ایک اندرونی عمل ہو، لیکن اگر انسان اپنی قوت ارادہ مضبوط کرلے، اور ہنسی روکنا چاہے، تو بڑی حد تک روک بھی سکتا ہو۔

ہنسی عموماً مسرت انگیز موثرات کا نتیجہ ہوتی ہو۔ ٹھیک گریہ کی طرح جو رنج والم سے پیدا ہوتا ہو۔ یا چہرہ اور جسم کی بعض عضلی حرکات کی طرح جو غصہ یا خوف سے واقع ہوتی ہیں۔

کبھی ہنسی، اندرونی عوامل کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ صناعی طور پر پیدا کر دی جاتی ہو۔ مثلاً ہم گدگدا کر آدمی کو ہنسا دیتے ہیں۔ جسم میں گدگدی کا اثر اس امر کی علامت ہو کہ جسم، زندہ اور حساس ہو۔ لیکن کبھی جسم پر ایسے عوارض بھی طاری ہو جاتے ہیں کہ گدگدی کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔

غیر حقیقی ہنسی کی ایک قسم وہ بھی ہو جو محض محاکات سے ظاہر ہوتی ہو۔ ہم لوگوں کو ہنستے دیکھتے ہیں، اور خود بھی ہنسنے لگتے ہیں، حالانکہ ہمیں اُن کی ہنسی کا سبب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ محاکاتی ہنسی انسان کی اجتماعی طبیعت کی ایک علامت ہو۔ اس میں ہمدردی کو بھی دخل ہو۔ نہیں ہو، جیسا کہ قدما خیال کرتے تھے، بلکہ بہت سے حیوان بھی اس میں شریک ہیں۔ اپنی ابتدائی حیوانی حالت میں بھی انسان ہنسا کرتا تھا۔ اُس وقت اس میں کلام کی قوت نہ تھی، اس لئے ہنسکر اپنی خوشی ظاہر کرتا تھا۔ ہنسی، درحقیقت چہرہ، آنکھوں، اور کانوں کی طرف سے احساس مسرت میں شرکت کی ایک دعوت ہو!

ٹھیک انسان کی طرح بہت سے بندر بھی ہنستے یا مسکراتے ہیں۔ وہ خاص حالات میں اپنا منہ اور دانت کھول دیتے ہیں، اور ایسی آوازیں نکالتے ہیں، جو بالکل انسان کی ہنسی سے مشابہ ہوتی ہیں۔

پروفیسر جارج بولانگیر موجودہ زمانہ کا ماہر علم الحیوانات ہو۔ اُسکا بیان ہو کہ لندن کے زندہ عجائب خانے میں اُسنے متعدد شیانزی بندروں کو ہنستے ہوئے دیکھا ہو۔ یہ ہنسی بالکل آدمی کی ہنسی کی طرح ہوتی ہو۔ بندر پروفیسر موصوف سے جان پہچان رکھتے تھے۔ وہ لوگوں کے ہجوم میں بھی اُسے دیکھ کر ہنسنے یا مسکرانے لگتے تھے۔ اسی قدر نہیں بلکہ پروفیسر مذکور کا بیان ہو کہ اُسنے بہت سے بندروں کو بغل میں اُسی طرح گدگدایا، جس طرح آدمی آدمی کو گدگداتا ہو۔ اس کا وہی اثر ہوا، جو آدمی پر ہوتا ہو۔ یعنے وہ ہنسنے لگے اور بعض تو ہنستے ہنستے لوٹ گئے!

بعض علماء کا خیال ہو کہ کتے بھی ہنستے ہیں لیکن کتوں کی ہنسی میں آواز نہیں ہوتی۔ صرف منہ کھلتا ہو اور دانت نکل آتے ہیں۔

مدبرین انگلستان کی بعض اقوال

ہندوستان کی نسبت

اس کے بغیر چارہ نہیں کہ اسلام کو مغلوب کر دیا جائے۔

(لارڈ ڈلہوزی ۱۸۴۸ء)

"لڑاؤ اور حکومت کرو" قدیم رومن مقولہ ہو اور یہی ہندوستان میں ہمارا بھی اصول ہونا چاہئے۔ مجھے یقین ہو کہ ہماری ہندوستانی سلطنت بالکل محفوظ ہو جائے گی اگر ہم اسی اصول پر ایک ہندوستانی فوج مرتب کریں۔ اسی مقصد کو لئے میں مختلف فرقوں اور زبانوں کی پھوٹ سے فائدہ اُٹھاؤں گا۔ ممکن ہو میں اس باب میں اپنا یقین پوری قوت سے بیان نہ کرتا اگر مجھے معلوم نہ ہوتا کہ ڈیوک آف ولنگٹن اس خیال میں مجھ سے بالکل متفق ہیں۔

(لارڈ الفنسٹن گورنر بمبئی سنہ ۱۸۵۸ء)

ہماری بہترین حکمت عملی یہ ہوگی کہ ایک قوم کو دوسری قوم سے اور ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ سے ہمیشہ دست بگریباں رکھیں!

(ویسٹ منسٹر ریویو سنہ ۱۸۵۸ء)

ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہندوستان کے مذہبی اور فرقہ وارانہ اختلاف پوری قوت سے برقرار رکھیں اور کبھی باہم اتحاد قائم نہ ہونے دیں۔ "لڑاؤ اور حکومت کرو" ہماری حکومت کا حکومت کا اصل الاصول ہونا چاہئے۔ (کرنل جان کوک سنہ ۱۸۵۹ء)

ہندوستانی مسلمانوں کا مفاد، ہندو جذبات پر قربان کر دیا گیا

(ہنٹر سنہ ۱۸۶۸ء)

١٩٢٧

جلد ١

قو ۱ ـ ۳

٥ ـ اله

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رهنما:

ٹائمز اف لنڈن کا ادبي ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کي تمام کتابوں پر هفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بهي هوتے هیں جنکي اهمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا هفتہ وار ادبي ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاهیں تو

The Publisher :
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے هیں

دنیا کے هر معلم اور ماهر فن تعلیم کیلئے

ضروري ہے کہ

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمي ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاهتے هیں کہ فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رهیں ' تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاهیے -

یہ هر هفتہ اس موضوع پر تمام اهم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماهرین فن اور مشاهیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب هوتے هیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنہ

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے هیں -

کیا آپ تجارت کرني چاهتے هیں ؟

اگر آپ چاهتے هیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں ' هندوستان سے خام پیدا وار بهیجیں ' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تهوڑي سي محنت اور تهوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں ' تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاهئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بهید سیکهنے چاهئیں - هندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹهیوں کے حالات اور اصول معاملت معلوم کرنے چاهئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں هوسکتے -

اگر آپ چاهتے هیں کہ بہت تهوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساري باتیں با قاعدہ علمي اصول پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاهیے کہ هم سے خط و کتابت کریں - هم یہ کام بہ حیثیت ایک ماهر فن کے کر رہے هیں - خط و کتابت کے بعد هي آپکو معلوم هو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے هم کس درجہ مفید هیں ؟

همارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے هیں -

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

هر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میوؤں کو خشک کرنے اور پهلوں کو محفوظ رکهنے کیلئے ضروري هیں ' اس کارخانے میں طیار کي جاتي هیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکهیے

میوؤں ' ترکاریوں ' اور هر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو " نئے سسٹم " کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس " نئے سسٹم " کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانہ سے مل سکتي هیں -

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحكيم)

الهلال

ایک هفته وار مصور رساله

نمبر ۲٤ — کلکته : جمعه ٦ ـ جمادی الثانی ۱۳٤٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 2, December 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترق نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترق یافته طریق طباعة نهین رکهتی ـ
طباعة کی ترق اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای ـ
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترق نهین کر سکتی ـ

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی ـ اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین ـ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ـ لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ـ

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ـ یاد رکهیی ـ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی ـ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ـ **الهلال**

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۸٤۰ مراسلات وصول هوی هین ـ تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۵۰	اردو حروف کی حق مین	۵۰۲
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۷۲۰	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۲۹۰	نستعلیق هون	۱۶۸

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی ـ

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی ـ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی ـ آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین ـ **الهلال**

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول - - بارہ روپیہ

ہندوستان سے باہر کیلیے - - سولہ روپیہ

قیمت شش ماہي - - - سات روپیہ

قیمت فی پرچہ - - - پانچ آنہ

---

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں آنکے لفافہ پر " ایڈیٹر " کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسري جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامي ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

اب غریب فوریس کے لیے بجز اطاعت کے کوئي چارہ کار نہ تھا - وہ ۱۸ - دسمبر سنہ ۱۷۹۸ - کو اسکندریہ پہنچا اور فرانسیسي جہاز " شاسور " نامي پر سوار ہو گیا - اِس جہاز کا کپتان لارنس تھا -

لیکن فوریس یہ دیکھکر نہایت متعجب تھا کہ اُس کا جہاز سیدھا راستہ اختیار کرنے کي جگہ کچھہ عجیب پیچ و خم کے ساتھہ جا رہا ہے - اُس نے کپتان سے پوچھا ' تو اُس نے کہا " انگریزي بیڑہ ہر طرف منڈلا رہا ہے - اُس سے بچ کر چلنا ضروري ہے "

کپتان دراصل سکھایا پڑھایا ہوا تھا - اُس سے کہدیا گیا تھا کہ جہاز انگریزوں کے ہاتھہ قصداً گرفتار کرا دیا جائے - چنانچہ ایسا هي ہوا - چند دنوں کے بعد فوریس انگریزي بیڑہ میں قید تھا - انگریزي جنگي جہاز " لیون " نے فرانسیسي جہاز دیکھہ لیا تھا اور گرفتار کر لیا تھا !

(۵)

یہ کہنا غیر ضروري ہے کہ اِس حادثہ سے غریب فوریس کو کس درجہ صدمہ ہوا ؟ ایک طرف اپني رفیق حیات کي جدائي کا صدمہ مارے ڈالتا تھا - دوسري طرف اپني سرکاري مہم کي ناکامي کا داغ تھا - وہ انگریزي جہاز " لیون " کے ایک کمرے میں مقید تھا ' اور رہ رہکر کپتان لارنس کو کوس رہا تھا - اگر اس نے سمندر میں غلط راستہ اختیار نہ کیا ہوا تو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا - بڑي مصیبت یہ تھي کہ اب ایک بڑي مدت تک کے لیے وہ آزادي سے محروم ہوگیا تھا - کیونکہ وہ جنگي قیدي تھا - اسلیے اس کي رہائي صرف دو هي صورتوں میں ہوسکتي تھي - یا تو دونوں حکومتوں میں صلح ہوجائے ' یا باہمدگر جنگي قیدیوں کا مبادلہ کیا جائے - لیکن یہ دونوں صورتیں قریب الوقوع نہ تھیں !

فوریس اپنے غم انگیز خیالات میں محو تھا - یکایک اُس کي کوٹھري کا دروازہ کھلا ' اور ایک انگریز داخل ہوا - یہ اُس عہد کا مشہور انگریز جاسوس جان بارنت تھا ' جسے نپولین نلسن سے کم خطرناک نہیں سمجھتا تھا -

فوریس نے اُس کي صورت دیکھتے هي خیال کیا کہ غالباً یہ اِس مہم اور اس کے مقاصد کے نسبت سوالات کریگا - جو سرکاري مراسلت لیکر فوریس فرانس جا رہا تھا ' وہ گرفتاري کے وقت هي اُس سے لیلي گئي تھي - سب سے زیادہ صدمہ اُسے اسي مراسلت کے دشمنوں کے ہاتھہ پڑجانے کا تھا - وہ اپنے دل میں کہنے لگا " نہیں معلوم اس مراسلت میں کیسے کیسے اہم راز ہونگے جو افسوس کہ دشمنوں کے علم میں آ گئے - بہر حال خواہ کچھہ هي کیوں نہ ہو ' میں اِن کم بختوں کے سوالات کا کوئي جواب نہیں دونگا "

لیکن شدت حیرت سے وہ مبہوت ہو گیا ' جب اُس نے دیکھا کہ جان بارنت نے وهي مراسلت جیب سے نکالي ' اور فوریس کو دیتے ہوئے کہا :

" میرے دوست ! یہ تمہارا سر بہ مہر لفافہ موجود ہے - دیکھہ لو ! ہم نے کھولنے کي بالکل کوشش نہیں کي - اِس کي تمام مہریں اپني اصلي حالت میں قائم ہیں - ہمیں کوئي ضرورت نہ تھي کہ اِس کے مضامین سے واقف ہوں - یہ مراسلت تمہیں واپس دیدي جاتي ہے - اِسے لیلو - شاهي حکم کي رو سے اب تم آزاد ہو - تمہیں عنقریب مصر کے ساحل پر پہنچا کر رخصت کر دیا جائیگا "

یہ بات صورت حال کے اِس درجہ خلاف تھي ' کہ کئي لمحہ تک فوریس باور نہ کرسکا - آخر اُس نے کہا :

" کیا آپ کا واقعي یہي مطلب ہے کہ یہ مراسلت میں لیلوں ' اور مجھے مصر کے ساحل پر اُتار دیا جائیگا ؟ "

" یقیناً " انگریز جاسوس نے مسکراتے ہوئے کہا " اس لیے کہ میرے دوست ! جب تم قاہرہ واپس جاؤگے ' تو دیکھہ لوگے کہ تمہاري بیوي بونا پارٹ کي آغوش میں ہے ! "

(٦)

اصل واقعہ یہ ہے کہ نپولین اور میڈم فوریس کے تعلقات کي پوري سرگزشت انگریزي جاسوس نے معلوم کرلي تھي - اسکندریہ اور دمیاط میں اُن کے آدمي موجود تھے ' اور الفي بک مملوک کي اعانت سے تمام مصر کي خبریں معلوم کرتے رہتے تھے - جب جان بارنت کو معلوم ہوا کہ نپولین نے فوریس کو اس لیے روانہ کردیا ہے تاکہ مصر سے دور ہوجائے اور وہ خود اُس کي بیوي کے ساتھہ بے غل وغش عیش کرے ' تو اُس نے انگریزي بیڑہ کے افسروں کو اِس کي اطلاع دیدي - جب فرانسیسي جہاز کي گرفتاري کے بعد فوریس کا نام معلوم ہوا تو فوراً پہچان لیا گیا کہ میڈم فوریس کا شوہر یہي ہے - وہ اُسے گرفتار رکھنا نہیں چاہتے تھے - کیونکہ اِس طرح وہ نپولین کے دلي مقصد کي تکمیل کر دیتے - اُنھوں نے فیصلہ کرلیا کہ جہانتک جلد ممکن ہو ' اِسے مصر واپس کر دیا جاے ' تاکہ نپولین کے سر پر مسلط ہو جاے - انگریزوں کو یقین تھا کہ فوریس جوش انتقام میں اپنے رقیب کو قتل کر ڈالیگا ' اور اِس طرح اِس بلا سے اُنھیں نجات مل جائیگي -

(۷)

اُدھر مصر میں یہ ہوا کہ فوریس کے روانہ ہوتے هي اُس کي بیوي نپولین کے قبضہ میں آگئي اور شب و روز ساتھہ رہنے لگي - نپولین کا اب اُس سے تعلق بالکل علانیہ تھا - چند دن بعد تمام فوج میں یہ خبر پھیل گئي ' اور سپاهي میڈم کو " هماري مشرق کي ملکہ " کہکر پکارنے لگے !

لیکن ابھي چند ہفتے بھي اِس حالت پر نہیں گزرے تھے کہ اچانک فوریس قاہرہ پہنچ گیا - انگریزي جہاز نے نہ صرف اُسے مصر پہنچا دیا ' بلکہ اسکندریہ میں ایک انگریزي جاسوس نے تمام ضروري معلومات بھي بہم پہنچا دیں - اُسے معلوم ہوگیا کہ نپولین نے قاہرہ میں ایک خاص مکان اُسکي بیوي کیلیے مخصوص کر دیا ہے ' اور وہ بڑے امیرانہ ٹھاٹھہ سے وہیں رہتي ہے -

وہ سیدھا اُس مکان کي طرف چلا - واقعي اُسکي بیوي قیمتي لباس میں ملبوس موجود تھي - شوہر کو اِس طرح اچانک دیکھہ کر ڈرگئي ' اور صاف صاف نپولین کے تعلقات کا اقرار کرلیا - اب فوریس کیلیے غیظ و غضب ضبط کرنا ناممکن تھا - اُس نے بے تحاشا مارنا شروع کر دیا - یہانتک کہ مارتے مارتے تھک گیا - اور عورت بے دم ہو کر گر پڑي -

اِسکے بعد کیا واقعات پیش آئے ؟ اُنکي تفصیلات تاریخ تک نہیں پہنچ سکیں - لیکن دو باتوں کا نپولین کے وقائع نگاروں نے ذکر کیا ہے - ایک یہ کہ فوریس نے طلاق کي درخواست پیش کرکے اپني بیوي سے علحدگي کرلي تھي - دوسري یہ کہ فوریس مصر سے فرانس واپس آ کر عرصہ تک زندہ رہا تھا -

جان بارنت کا خیال تھا کہ فوریس نپولین کو قتل کر ڈالیگا ' لیکن نپولین ایسي هستي نہ تھي جو اُس آساني سے قتل کر ڈالي جاتي - ابھي اُسے زندہ رہنا تھا اور تمام یورپ کو منقلب کر دینا تھا !

مطبوعات جدیدہ

نپولین اور اسکی اخلاقی زندگی

(انسانی عظمت اور اخلاقی نامرادی)

میدان جنگ اور حجلۂ عروس !

(میڈم پولین سے محبت)

اِس عورت سے نپولین کو مصر میں عشق ہوا تھا -

گیرٹرڈ ارٹیز Gertrude Aretez جسکی جدید الشیوع کتاب کا ذکر ان صفحات پر ہو چکا ھے ' میڈم پولین کی نسبت لکھتا ھے :

اس معاملہ کی تفصیل یہ ھے کہ ۹ - مئی ۱۷۹۸ ع کو نپولین مصر کی فتح کیلیے روانہ ہوا - وہ اپنے دو دشمنوں سے بہت زیادہ خائف تھا ' اور انکی آنکھ بچا کر نکل جانا چاھتا تھا - یعنی انگریزی امیر البحر نلسن ' اور انگریزی جاسوس جان بارنت -

اِس سفر میں نپولین نے چند خاص عورتوں کے سوا عورتوں کی رفاقت ممنوع قرار دیدی تھی - جن عورتوں کو چلنے اجازت دی گئی تھی ' اُن میں خود اُسکی داشتہ میڈم وردیا بھی تھی جسے وہ اٹلی سے اپنے ساتھ سے لایا تھا -

(۲)

اِس فوج میں لیو فوریس نامی ایک فوجی افسر تھا - اُسنے حال ھی میں شادی کی تھی - اُسکا دل اپنی بیوی کی جدائی پر کسی طرح راضی نہیں ہوتا تھا - مگر مشکل یہ تھی کہ عورتوں کو ساتھ لیجانے کی ممانعت تھی - آخر اُسنے یہ ترکیب نکالی کہ بیوی کو سپاھی کی وردی پہنا کر اپنے ساتھ لے لیا - تا کہ دونوں بے روک ٹوک ساتھ رہ سکیں !

اُس وقت کے اکثر مورخین کا بیان ھے کہ ماہ اگست میں نپولین نے قاھرہ کے باھر ایک جلسہ کیا تھا ' جس میں اُسکا پورا جنگی اسٹاف اور تمام عورتیں شامل تھیں - اِسی جلسہ کے موقعہ پر نپولین نے میدان میں اپنی فوج کا ایک دستہ گدھوں پر سوار دیکھا - سپاھیوں میں ایک شخص غایت درجہ خوش آواز ' خوبصورت ' اور دلربا تھا - نپولین نے جنرل برتیہ کو حکم دیا کہ اِس شخص کا پتہ لگاۓ - اُسی دن شام کو جنرل نے یہ عجیب خبر سنائی کہ " وہ سپاھی مرد نہیں ھے - عورت ھے - اور بائیسویں رسالہ کے ایک افسر کی بیوی ھے "

دوسرے دن نپولین نے جنرل کو ایک دعوت منعقد کرنے کا حکم دیا - اِس میں بڑے بڑے جنرل ' افسر ' اور اُنکی عورتیں مدعو کی گئی تھیں - خصوصاً میڈم فوریس بھی خصوصیت کے ساتھ بلائی گئی تھی !

(۳)

چنانچہ دعوت کا جلسہ منعقد ہوا - میڈم بغیر اپنے شوھر کے بلائی گئی تھی - اُس کے شوھر نے شروع میں تو جانے سے منع کیا - لیکن پھر ڈرا ' اور اجازت دیدی - چنانچہ تمام مہمان جمع ہوۓ - حسب معمول نپولین بر امد ہوا - سب تعظیماً کھڑے ہوگۓ - وہ لوگوں سے ھنستا بولتا جنرل تک پہنچا ' جسکے پاس میڈم فوریس اور متعدد ممتاز سپہ سالار کھڑے تھے - جنرل قائد اعظم کا خیر مقدم بجا لایا ' تشریف آوری پر شکریہ ادا کیا ' اور ایک پیالی چاۓ نوش کرلینے کی درخواست کی درخواست منظور ہوئی ' اور نپولین بیٹھ گیا - میڈم بالکل اُسکے مقابل کھڑی تھی -

میڈم فوریس نے دیکھا ' سپہ سالار اُسے پر معنی نظروں سے دیکھ رہا ھے وہ بہت کم عمر تھی - شرما گئی - نپولین اُسکی حالت کا بغور مطالعہ کرتا رہا - مگر بالکل خاموش رہا - چاۓ جلدی سے پیلی ' اور بغیر ایک لفظ کہے جلسہ سے اٹھ گیا -

مہمانوں نے رات کا کھانا کھایا ' اور کافی پینے لگے - میڈم فوریس جس میز پر تھی ' اُس کے ایک طرف جنرل ڈی بری بیٹھا تھا - دوسری طرف جنرل جونو - آخر الذکر نے کافی کی بھری ہوئی پیالی جان بوجھ کر اس طرح میڈم فوریس پر گرا دی ' کہ سب نے اسے اتفاقی حادثہ سمجھا - لوگ لپکے اور خاتون کا لباس صاف کرنے لگے - جنرل جونو نے اپنی غفلت پر بڑی فصاحت سے ندامت کا اظہار کیا - فوراً کافی کا دھبہ پانی سے دھلوایا گیا جس سے میڈم کا لباس اور زیادہ بھیگ گیا - اِس پر جنرل نے کہا " آپ کپڑا خشک کرنے کے لیے مکان کی بالائی منزل پر چلی جائیے " میڈم چلی گئی - وھاں نپولین منتظر بیٹھا تھا !

(٤)

دعوت کے تیسرے دن میڈم کے شوھر فوریس کو حکم ملا کہ جنرل برتیہ سے ملاقات کرے - جنرل نے بڑی بشاشت سے افسر کا خیر مقدم کیا ' اور کہا " دوست ! تم بڑے ھی خوش نصیب ہو - کیونکہ فرانس جا رہے ہو - سپہ سالار تمہیں ایک خفیہ مہم پر پیرس بھیج رہا ھے - ایک گھنٹہ کے اندر روانہ ہو جاؤ - یہ لو ' اسکندریہ کے سپہ سالار کے نام حکم ھے کہ تمہارے سفر کیلیے ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچا دے "

فوریس بد حواس ہوگیا - حیران تھا ' کیا جواب دے ؟ آخر کار افسردگی سے جنرل کا شکریہ ادا کیا اور کہا " اگر مجھے فوراً ھی روانہ ہو جانا ھے تو میں اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جاؤنگا "

جنرل نے غصہ سے کہا " بیوی ! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ایک ایسے نازک کام میں اپنے ساتھ اپنی بیوی کو لیجا سکتے ہو ؟ خصوصاً جب کہ راستہ میں انگریزی بیڑہ موجود ھے اور تمہیں قید کر لے سکتا ھے ؟ "

چراغ پا هو رهے هیں - لیکن أنهیں معلوم نہیں ' انبیاء کرام کا طریق دعوت تو یه هے که اگر نو سو ننانوے باتیں کہکر چهوڑ دیني پڑیں' اور هزارویں بات سے مخاطب کے اندر فہم و بصیرت پیدا هو سکے ' تو أنهیں ایسا کرنے میں بهي کبهي تامل نه هوگا- وہ ایک کے بعد ایک ' سیکڑوں باتیں چهوڑتے چلے جائینگے - یہانتک که مخاطب کے دل کا دروازہ کهل جاے اور حقیقت اور سچائي کي جهلک دیکهه لے !

(طبیب اور داعي)

افسوس' قرآن کہاں لیجانا چاهتا تها ' اور دنیا نے أسے سر پر رکهکر کدهر کا رخ کیا ! همارے مفسرین متکلمین ارسطو کي منطق اور یونانیوں کي دانش فروشیوں میں ایسے گم هوگئے که أنهیں دوسري راهوں کي خبر هي نه رهي - حالانکه دنیا میں صرف مناظر اور منطقي هي نہیں هوتے - طبیب اور معالج بهي هوتے هیں - طبیب کا فرض کیا هوتا هے ؟ کیا یه هوتا هے که مریض سے أس کي جہالت اور نا داني کي ایک ایک بات پر لڑے اور مناظرہ کرے ؟ نہیں ' هزار بار نہیں - اگر طبیب ' طبیب صادق هے ' تو اس کي ساري قابلیت صرف اسي ایک نقطه میں مرکوز رهیگي که کسي طرح مریض کو شفا حاصل هو جاے ' اور کسي طرح موت کي جگه زندگي کا دروازہ أس پر کهل جاے - بسا اوقات ایسا هوگا که وہ مریض کے لیے ایک غذا تجویز کریگا - اصول طب کے لحاظ سے غذا بهترین غذا هوگي - لیکن طبیب بهتر نسخه اور بهتر غذا تجویز کر سکتا هے - بهتر معدہ خلق نہیں کردے سکتا - بہت ممکن هے ' مریض کا معدہ اِتنا قوي نه هو' که اِس درجه کي مقوي غذا کا متحمل هوسکے - جونهي طبیب کو معلوم هوگا که میري تجویز کي هوئي غذا أسے پچ نہیں سکتي ' وہ فوراً أسے ترک کر دیگا ' اور دوسري غذا تجویز کر دیگا - اگر دوسري غذا بهي مریض هضم نه کرسکا ' تو عجب نہیں تیسري غذا تجویز کردے - بلکه هوسکتا هے ' چوتهي اور پانچویں تک نوبت پهنچے - جب تک مریض غذا هضم نه هو سکنے کي شکایت کرتا رهیگا ' طبیب غذا بدلتا رهیگا - وہ کبهي یه نہیں کریگا که ایک هي غذا تجویز کرکے أس پر آڑ جاے ' اور خواہ بدبخت مریض هضم کرسکے یا نه کرسکے ! یه رهي لقمے أسکے حلق میں ٹهونستا رهے - اگر ایسا کریگا ' تو یقیناً وہ طبیب نه هوگا ' نوع انساني کا سب سے زیادہ جاهل فرد اور سب سے بڑا قاتل هوگا !

انبیاء کرام کے اعمال دعوت کے لیے اگر انسانوں کے کسي عمل سے مشابهت پیدا کي جا سکتي هے ' تو وہ حکماء کي حکمت اور مناظرین کا مناظرہ نہیں هے - اطباء کا معالجه هے - طبیب جسم کا علاج کرنا چاهتا هے - انبیاء روح و دل کے روگ دور کرنا چاهتے هیں - أن کا سلوک بهي اپنے مریضوں کے ساتهه همیشه ویسا هي هوتا هے - جیسا ایک طبیب کا هونا چاهیے - وہ مریض سے مناظرہ کرنا نہیں چاهتے - اسے تندرست کرنا چاهتے هیں - وہ بسا اوقات علم و یقین کي ایک دماغي غذا مریض کے سامنے رکهتے هیں - غذا هر طرح مفید اور بهتر سے بهتر هوتي هے - لیکن أنهیں معلوم هوجاتا هے که جہل و ضلالت نے مریض کي فکري حالت اس درجه خراب کردي هے ' که یه غذا أس کا دماغ هضم نہیں کرسکتا - یعنے أس کي سمجهه کي کجي اور دل کي گمراهي ساتهه نہیں دیتي - جونهي أنهیں اس حالت کا احساس هوتا هے' ایک طبیب حاذق کي طرح فوراً غذا بدل دیتے هیں ' اور کوئي دوسري غذا جو أس کا معدۂ فکر هضم کرسکے' سامنے رکهدیتے هیں - أنهیں اِس بات کي بالکل پروا نہیں هوتي که پہلي غذا کیوں بدلني پڑي ؟ اس لیے که مقصود کسي خاص غذا کا کهلادینا نہیں هے' بلکه ایسي غذا کا کهلانا هے جو مریض ٹهیک طور پر هضم کر سکے - هضم کي استعداد کے لحاظ سے هر مریض کي حالت یکساں نہیں هوتي - ایک مریض کے لیے دودهه سے زیادہ زود هضم غذا کوئي نه هوگي - لیکن یہي دودهه دوسرے مریض کے لیے ناقابل هضم هوگا - جو حال جسم کے لیے معدہ کا هے - وهي حال دماغ کے لیے فکر کا هے - ذهن و فکر کا ایک بیمار ایسا هوگا جو ایک خاص طرح کي دانائي قبول کرلے سکتا هے ' لیکن ایک دوسرے بیمار دل کے لیے وهي بات ناقل فہم و تاثر هوگي - انبیاء کرام علم و یقین کي بهتر سے بهتر دانائي رکهتے هیں ' لیکن دماغ و فکر پیدا نہیں کردے سکتے - دودهه کے بهتر غذا هونے پر کون حرف لاسکتا هے ؟ لیکن اِس کا کیا علاج که بد نصیب مریض نے اپنا معدہ کهو دیا هے اور وہ دودهه جیسي عمدہ اور زود هضم غذا بهي هضم نہیں کرسکتا ؟ یہي معني هیں اس آیت کریمه کے : **انك لا تهدی من احببت ، و لکن الله یهدی من یشاء الی صراط مستقیم ! (۲۸ : ۵۶)** حالانکه انبیاء کرام کے هادي هونے پر خود قرآن بار بار شہادتیں دے چکا هے که : **و انك لتهدی الی صراط مستقیم ! (۴۲ : ۵۲)** تو مطلب یہي هے که پہلي قسم کي آیات میں استعداد اور قابلیت خلق کرنے کي نفي هے ' اور دوسري میں استعداد رکهنے والوں پر سچائي کي راہ کهولدینے کا اثبات هے -

(بابل کا طبیب حق)

کئي هزار برس گزرے ' اس بیمارستان هستي میں ایک طبیب حق ابراهیم خلیل بهي تهے - أن کا سابقه بابل کے ایک مریض سے پڑا - یه پادشاهي کے گهمنڈ کا روگي ' اور جہل و طغیان کي بیماریوں سے بد حال تها - انهوں نے أس کے سامنے علم و بصیرت کي ایک غذا رکهي : " ربی الذي یحیی و یمیت " میرا تو أس پروردگار پر ایمان هے جس کے قبضۂ و تصرف میں هماري موت و حیات هے - یه بهتر سے بهتر غذا تهي جو شک اور انکار کے کسي مریض کے لیے هوسکتي هے - لیکن مریض اپنے معدہ کي صلاحیت بالکل کهو چکا تها - وہ اتني هلکي اور سادہ غذا بهي هضم نه کرسکا - جہل و طغیان کے هیجان میں بول اٹها " انا احیی و امیت " اگر تمهارے پروردگار کي یہي صفت هے تو یه بات تو مجهه بهي حاصل هے - لاکهوں انسانوں کي جان میرے قبضۂ اختیار میں هے - جسے چاهوں هلاک کر ڈالوں - جسے چاهوں ' زندگي بخش دوں - یه جواب سن کر حضرت ابراهیم کو معلوم هوگیا که غذا گو بهتر تهي ' لیکن مریض کے معدے میں اتني بهي صلاحیت نہیں که اسے هضم کر سکے - أنهوں نے فوراً پہلي قاب هٹالي ' اور ایک دوسري غذا پیش کردي : " فان الله یأتي بالشمس من المشرق ' فأت بها من المغرب ! " اچها ' اگر ایسا هي هے ' تو دیکهو' یه سورج همارے سروں پر چمک رها هے - یه هر روز پورب سے نکلتا هے اور پچهم کي طرف ڈوب جاتا هے - تم اسے ایک مرتبه پچهم سے نکال دکهاؤ ! یه غذا ٹهیک أسکے معدہ کي استعداد کے مطابق تهي - حلق سے أتري ' اور هضم هوگئي : " فبهت الذي کفر " اب أس میں کچه بحثي کا دم خم نه رها - دم بخود هوکر رهگیا !

خدا را غور کیجیے - بات کتني صاف اور دلاویز تهي ' اور مفسرین نے أسے کس طرح مشکلوں اور پیچیدگیوں کا گورکهه دهندا بنا دیا هے ؟ اگر حضرت ابراهیم کا طریق بیان مجادلانه هوتا - هدایت کا نه هوتا - تو وہ اپني پہلي بات هي پر مخاصم سے آلجهه پڑتے '

حجة ابراهيمى

ايۂ كريمه " الم تر الى الذي حاج ابراهيم " كي تفسير

قرآن حكيم كا أسلوب بيان اور طريق استدلال

تفسير كا قرآني اور غير قرآني طريقه

(از مولانا ابو الكلام)

(٤)

(آيۂ زير تدبر كي تفسير)

اب آيت زير تدبر پر غور كيجيے :

الم تر الى الذى حاج ابراهيم فى ربه أن اتاه الله الملك ، اذ قال ابراهيم : ربى الذى يحيي و يميت - قال : انا احى و اميت - قال ابراهيم : فان الله يأتى بالشمس من المشرق فأت بها من المغرب ! فبهت الذى كفر ، و الله لا يهدى القوم الظالمين ! (۲ : ۲٦٠)

اے پيغمبر ! كيا تمهيں اُس شخص كا حال نهيں معلوم جس نے محض إس وجه سے كه خدا نے اُسے پادشاهت دے ركهي تهي ' جهل و غرور ميں سرشار هوكر ابراهيم سے اُس كے پروردگار كے بارے ميں حجت كي ؟ جب ابراهيم نے كها : ميرا پروردگار وه هے جو زنده كرتا هے اور مارتا هے - تو اُس نے كها ' يه تو ميں بهي كر سكتا هوں - ميں جسے چاهوں ' ماروں - جسے چاهوں زندگي بخش دوں -

إس پر ابراهيم نے كها : اچها ' اگر ايسا هي هے تو خدا هميشه سورج كو مشرق سے نكالتا هے - تم مغرب سے نكال دكهاؤ ! يه سنكر وه هكا بكا رهگيا - اور الله كا قانون يه هے كه ظلم كرنے والوں پر هدايت كي راه كبهي نهيں كهلتي !

(۱) سب سے بڑا الجهاؤ جو اس آيت كي تفسير ميں پڑگيا هے ' وه حضرت ابراهيم كا انداز سخن هے - جب مخاطب نے ايک ايسي بات كے جواب ميں جو اثبات مدعا كيليے قطعي اور نهايت درجه واضح تهي ' جهل و غرور سے ايک نهايت لغو بات كهدي ' تو حضرت ابراهيم نے نه تو اپني بات كي مزيد تشريح كي ' نه مخاطب كو أس كے جهل و نا فهمي پر متنبه كيا ' بلكه فوراً پهلي بات چهوڑ كر ايک دوسري بات كهدي - " فان الله يأتي با لشمس - الخ " مفسرين نے طرح طرح كي توجيهيں كي هيں ' مگر سر رشتۂ تفسير ميں كچهه ايسي گره پڑگئي هے كه كوئي ناخن تاويل بهي أسے نهيں كهول سكتا - بڑي تحقيق كي بات جو حضرت امام رازي نے ڈهونڈهه نكالي هے ' يه هے كه يه دو مختلف دليليں نهيں تهيں - ايک هي دليل كي مختلف مثاليں تهيں - ليكن اول تو دونوں دليلوں ميں ربط و مناسبت پيدا كرنے كے ليے سبب و واسطه اور حركت افلاک كي بحثيں پيدا كي گئي هيں ' اور وه اس قدر دور از كار اور بے معني هيں كه أنهيں تسليم كرلينا قرآن كو قرآن كي جگه كوئي دوسري چيز بنا دينا هے - ثانياً ' خود امام صاحب چار سطر پهلے معترض كي زباني هميں سنا چكے هيں كه رجوع خواه دليل سے كيا جاے خواه مثال سے ' ليكن مستدل كے ليے ضروري هے كه معارض كے جواب كي غلطي ظاهر كردے ' ورنه أس كا عجز ثابت هوجايگا - پس اگر دليل كو مثال بنانے كي يه ساري مصيبت گوارا بهي كرلي جائے ' جب بهي بات بنتي نهيں - اعتراض جوں كا توں باقي رهجاتا هے -

اصل يه هے كه يه ساري مصيبت اسي ليے پيش آئي هے كه اس مكالمه كو منطقي " مناظره " قرار ديديا گيا هے - مناظره كا مقصود انكشاف حق نهيں هوتا - إسكات خصم هوتا هے - اس ليے مناظر كا فرض هوتا هے كه ايک بات پيش كركے أس پر اس طرح جم جائے ' كه خواه زمين و آسمان اپني جگه سے ٹل جائيں ' ليكن وه اپني جگه سے نه هلے - اگر مخاطب كي سمجهه ساتهه نهيں ديتي ' تو هزار مرتبه نه دے - أس كي بلا سے - وه أس كا جهل ثابت كرديگا ' اور مخاطب كا جهل ثابت كركے أسے ذليل اور لا جواب بنا دينا هي أس كي بڑي سے بڑي جيت هے - باقي رهي يه بات كه جو بات مخاطب كے ذهن نشين كرني تهي ' وه أس كے دل ميں أتر سكي يا نهيں ؟ تو مناظر كو نه تو إس كي پروا هوتي هے ' نه فن مناظره كا يه مقصود هے - مناظر صرف يه چاهتا هے كه مخاطب كو ميدان سخن ميں هرا دے - يه مقصود جس طرح بهي حاصل هوجائے ' أس كي جيت هے - همارے متكلمين كي نظر ميں چونكه انبياء كرام كي بهي سب سے بڑي فضيلت يهي تهي كه وه مناظر اور منطقي هوں ' اس ليے إسي اعتبار سے اس مكالمه پر بهي نظر ڈالتے هيں ' اور قدرتي طور پر چاهتے هيں كه ايک شاطر مناظر كي طرح حضرت ابراهيم بهي اپني بات پر اڑ جاتے ' اور خواه أن كا مخاطب سمجهه سكتا يا نه سمجهه سكتا ' يه أسي پر لڑتے جهگڑتے رهتے - اگر أس نے جهل و غرور سے ايک لغو بات كهدي تهي ' تو چاهيے تها كه يه أس كي لغويت اور جهالت پر ايک لمبي چوڑي تقرير فرماتے - پهر اگر وه أس كے جواب ميں بهي كوئي بكواس كرديتا - تو يه أس كے جواب الجواب ميں آستنيں چڑها ليتے - يهاں تک كه صرف اپني دليل كي شرح و توضيح اور رد و جواب هي ميں شام كرديتے !

ليكن همارے مفسرين بهول گئے - أنهيں ياد نهيں رها كه ابراهيم خليل ' داعي حق تهے - مناظر و مجادل نه تهے - اور إسي ايک بنيادي فرق نے أنكي راه مناظره و مجادله كي ساري راهوں سے الگ كردي تهي - أنكا كام يه نه تها كه كسي خاص دليل پر اڑ جائيں ' يا مخاطب كے إظهار جهل و عجز كا كوئي موقعه هاتهه سے نه ديں - أن كا كام يه تها كه برگشته دلوں كو سچائي كي راه دكهلا ديں - وه دليلوں كے تحفظ كيليے بلكه حق اور ايمان كي حفاظت كيليے لڑتے تهے - إس مكالمه ميں تو حضرت ابراهيم نے صرف إتنا هي كيا كه ايک بات چهوڑ كر دوسري بات كهدي ' اور إسي پر همارے مفسرين

هدایت یہي ھے کہ جن لوگوں نے ظلم و طغیان کي راہ اختیار کرلي ھے ' اُن پر هدایت و سعادت کي راہ نہیں کھلتي !

(منطقي شبہات)

(۴) همارے مفسرین کو صرف اسي کي فکر نہیں ھے کہ حضرت ابراهیم کو منطقي اور مناظر ثابت کر دکھائیں ' بلکہ وہ نمرود کے لیے بھي بہت متفکر هیں - اُن کي کوشش یہ ھے کہ اُس کي کوئي بات بھي فلسفیانہ دقیقہ سنجي سے خالي نہ جائے - چنانچہ اُس کے اس قول کي توجیہ میں کہ " انا احي و امیت " حضرت امام رازي نے بڑي بڑي کاوشیں کي هیں ' اور بالاخر اِسے واسطہ اور سبب کے جھگڑوں میں لے گئے هیں - لیکن اب آپ سمجھہ گئے ہونگے کہ یہ تمام کاوشیں قطعاً دور از کار اور بے معني هیں - قرآن حکیم اس جاهل متمرد کا جہل و غرور دکھلا رہا ھے - همارے متکلمین کي طرح اُسے فیلسوف ثابت کرنا نہیں چاهتا - یہ تمام توجیہیں بھي کہ اُس نے ایک راجب القتل قیدي کو چھوڑ دیا تھا اور ایک کو قتل کردیا تھا ' قطعاً غیر ضروري اور مکالمہ کي حقیقت سے دور لیجانے والي هیں - " انا احي و امیت " کا صاف مطلب رهي ھے جو ایک مغرور اور بر خود غلط پادشاہ کا همیشہ ایسے متکبرانہ دعووں سے ہوا کرتا ھے -

(۵) اب آپ نے سمجھہ لیا ہوگا کہ جس قدر شبہات پیدا ہوئے تھے ' في الحقیقت اُن میں سے کسي شبہ کي بھي یہاں گنجایش نہیں - بڑے شبہات امام صاحب کے اور آپ کے پیدا کیے ہوئے یہ تھے کہ نمرود اگر مدعي تھا تو دلیل اُسے پیش کرني تھي ' نہ کہ حضرت خلیل کو ' اور جب حضرت خلیل نے ایک دلیل پیش کردي تو اُس سے رجوع کیوں کیا ؟ لیکن یہ تمام شبہات غیر متعلق ہوجاتے هیں جب واضح ہوجاتا ھے کہ نہ تو یہ مناظرہ مصطلحۂ فن تھا ' نہ مخاصم کي حیثیت مدعي کي تھي ' اور نہ انبیاء کرام مناظرانہ طریقہ سے رد و کد کرتے هیں - باقي رہا یہ شبہ کہ جب مخاصم نے پہلي بات کے جواب میں ایک جاهلانہ دعوی کردیا تھا ' تو دوسري بات کے جواب میں بھي کوئي نہ کوئي بات کہدے سکتا تھا ' تو اس شبہ کي بھي اب کوئي گنجایش نہیں رهي - یہ شبہ اس لیے پیدا ہوا تھا کہ " فبہت الذي کفر " کے معني مناظرہ میں لا جواب ہوجانے کے سمجھے گئے تھے - لیکن جب واضح ہوگیا کہ " بہت " سے یہاں مقصود بات بنانے میں لا جواب ہوجانا نہیں ھے ' بلکہ ایک سچي بات سے متاثر ہو کر ھکا بکا رهجانا ھے ' تو ظاهر ھے ' یہ شبہ کیوں وارد ہو ؟ جب ایک حقیقت جس کے جھٹلانے اور نہ دیکھنے کي وہ کوشش کر رہا تھا ' اس کے سامنے بے نقاب ہوگئي ' تو اُس میں کچھ بحث کا دم خم باقي نہ رہا - لاچار اور دم بخود ہوکر رهگیا -

جدید مذهب روحي

تاریخ ظہور ' موافقین و مخالفین ' اور نقد و تبصرہ

تقریباً تین ماہ گزرے ' مطبوعات جدیدہ کے سلسلہ میں ایک کتاب کا ذکر ان صفحات پر کیا گیا تھا ' جس میں سر کونن ڈائیل کے بعض مضامین یورپ کے جدید مذهب روحي کي تائید میں شائع ہوئے تھے - اس تحریر کے آخر میں هم نے وعدہ کیا تھا کہ آیندہ اس موضوع پر تفصیل کے ساتھہ نظر ڈالینگے -

اس تحریر کي اشاعت کے بعد ' قارئین الهلال میں سے متعدد حضرات نے اس موضوع سے اپني غیر معمولي دلچسپي ظاهر کي ' اور بار بار اصرار کیا کہ اس بارے میں تفصیل کے ساتھہ بحث کي جاے - آج هم چاهتے هیں ' ایک سلسلۂ مقالات اس موضوع پر شروع کریں - اس سلسلہ میں حسب ذیل امور یکے بعد دیگرے بحث و بیان میں آئینگے :

(۱) جدید مذهب روحي کے ظہور و اشاعت کي مختصر تاریخ
(۲) موافق اور مخالف علماء کے آراء
(۳) بعض مشہور اور علمي نوعیت کے تجارب اور عملیات
(۴) موافقین و مخالفین کي رائیوں کا موازنہ اور تبصرہ

(ظہور و اشاعت کي تاریخ)

سنہ ۱۸۵۶ - میں نیو یارک امریکہ کے ایک گاؤں هیڈس ویل نامي میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا - جان فاکس نامي ایک شخص کا خاندان هر روز اپنے گھر میں ایک خاص قسم کي کھٹ کھٹ سنا کرتا تھا - ایک دن مسز فاکس نے جرأت کرکے اس آواز کو مخاطب کیا :

" کیا تم کوئي روح ہو ؟ "

پھر اُس سے طے کیا کہ جواب میں اثبات کي علامت ایک خاص طرح کا کھٹکا ھے ' اور نفي کي علامت ایک خاص طرح کا - چنانچہ سوال و جواب ہوتے رھے ' اور عورت کو معلوم ہوگیا کہ آواز واقعي ایک روح کي ھے جو اِسي گھر میں رهتي ھے - پڑوسیوں نے ' ایک آدمي اِس مکان میں قتل کرکے دفن کر دیا تھا اور اُس کا مال لوٹ لیا تھا - یہ اُسي کي روح ھے -

عورت نے فوراً پولیس کو خبر پہنچائي - حکام نے آکر اُسي طریقے پر روح کا بیان اپنے کانوں سے سنا - پھر وہ مقام کھودا گیا جہاں روح نے لاش مدفون بتائي تھي - لاش مل گئي ' اور بالاخر قاتلوں کا پتہ بھي چل گیا !

وہ کہتے "میرا مطلب جلانے مارنے سے یہ نہیں ہے جو تم سمجھے ہو - نتیجہ یہ نکلتا کہ اصل مدعا کی جگہ ایک خاص دلیل اور اس کے مفہوم کی بحث چھڑ جاتی ' اور مخاصم کے لیے حقیقت کے فہم و بصیرت کا موقعہ ہی نہیں آتا - لیکن اُن کی راہ ہدایت و دعوت کی راہ تھی - اُنھوں نے ایک دقیقہ کے لیے بھی اپنی نظر اصل مدعا سے نہیں ہٹائی - جونہی معلوم ہوا کہ پہلی بات اپنے جہل و غرور کی وجہ سے وہ نہیں سمجھہ سکا ہے ' تو بغیر کسی تامل کے اُسے چھوڑدیا - ایک دوسری بات پیش کردی - یہ بات اس کی فکری استعداد کے ٹھیک مطابق تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ تیر نشانہ پر لگ گیا - اگر حضرت ابراھیم کو ایک بات چھوڑنے کی جگہ ایک ہزار باتیں چھوڑنی پڑتیں ' جب بھی انھیں اس میں تامل نہ ہوتا !

(مکالمہ کی تفسیر)

(۳) میں نے سب سے پہلے مکالمہ کے اسی پہلو پر نظر ڈالی ' کیونکہ بغیر اسکے اُس کی حقیقی نوعیت واضح نہیں ہو سکتی تھی - اب آیات کی ترتیب بیان کے مطابق پورے مکالمہ کی تفسیر سمجھہ لیجیے :

" أن اتاہ اللہ الملک " کی تفسیر اور اس کی ضمیر کے مرجع کے تعین میں مفسرین نے بیکار دماغ سوزی کی ہے - حالانکہ مطلب بالکل صاف تھا - یہ قرآن حکیم کا معجزانہ ایجاز بلاغت ہے کہ صرف ایک جملہ کہکر معاملہ کی پوری نوعیت آشکارا کردی - جس انسان نے حضرت ابراھیم سے اُن کے رب کے بارے میں کج بحثی کی تھی ' قرآن واضح کردینا چاھتا ہے کہ اُس نے ایسا کیوں کیا تھا ؟ کونسی چیز تھی جس نے اُسکے اندر گمراہی کا ایسا طغیان اور سرکشی کا ایسا ہیجان پیدا کردیا کہ پروردگار عالم کا نام سنکر بھی اپنے تکبر اور خود پرستی کے دعووں سے باز نہیں آیا ؟ " أن اتاہ اللہ الملک " ! - یہ سب کچھہ اسلیے تھا کہ وہ پادشاہ تھا - یعنی یہ تاج و تخت کی بڑائی اور حکومت کے فانی اختیارات کا گھمنڈ تھا ' جس نے اُسے اس درجہ مغرور اور برخود غلط بنا دیا تھا - اس تصریح سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قرآن حکیم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شخص شخصاً خدائی کا مدعی تھا - کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کیوں کہا جاتا کہ " ان اتاہ اللہ الملک " پس معلوم ہوا ' یہ پادشاہت کا گھمنڈ تھا ' اور پادشاہت کے گھمنڈ سے گمراہی کی ایسی ہی فکری حالت پیدا ہو جایا کرتی ہے -

" حاج ابراھیم في ربہ " سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراھیم نے جب اُس پادشاہ کو ظلم و استبداد اور فساد و طغیان پر سرزنش کی ' اور پروردگار عالم کے احکام سے سرکشی کرنے کے نتائج سے ڈرایا ' تو وہ حضرت ابراھیم سے کج بحثی کرنے لگا - یعنی اُس خدا کے بارے میں کج بحثی کرنے لگا جس کی مدد و نصرت کے بھروسہ پر وہ تن تنہا ایک جابر و قاہر پادشاہ کا مقابلہ کر رہے تھے ' اور ڈرنے کی جگہ ڈرا رہے تھے ! چونکہ وہ اپنے دیوتاؤں کی پرستش کرنے کے سوا اور کسی طریق عبادت سے آشنا نہ تھا ' اس لیے اُس نے کہا : وہ تمہارا خدا کون ہے اور کہاں ہے جس کی مدد کے بھروسے پر میرے سامنے اُکھڑے ہوئے ہو ' اور مجھہ جیسے طاقتور پادشاہ کو بے باکانہ سرزنش کرنے کی جرأت کرتے ہو ؟ حضرت ابراھیم نے اس کے جواب میں کہا : " ربي الذي یحیي و یمیت " تمہارے دیوتاؤں کی طرح میرا کوئی خاص دیوتا نہیں ہے - میرا ایمان تو اُس پروردگار عالم پر ہے جس کے قبضہ و تصرف میں تمام مخلوقات کی موت و حیات ہے -

حضرت ابراھیم کا یہ ارشاد کوئی فلسفیانہ استدلال نہ تھا - اُنھوں نے ایک ایسی سیدھی سادی بات کہدی تھی ' جس کا فطری طور پر ہر انسان کے دماغ میں اذعان موجود ہے - بشرطیکہ اُس نے اپنی خلقی بصیرت بالکل ضائع نہ کردی ہو - ہر انسان وجدانی طور پر محسوس کرتا ہے کہ موت و حیات ایک ایسی چیز ہے ' جس کا اختیار صرف اُسی ذات کے ہاتھہ میں ہے جو اِس تمام کارخانۂ ہستی کی خالق ہے - اُس کے سوا کوئی نہیں جو زندگی کا بخشنے والا اور پھر زندگی پر موت طاری کردینے والا ہو - بات بالکل صاف اور واضح تھی - لیکن بابل کا متکبر پادشاہ جو اپنی پادشاہی کی طاقتوں کے نشہ میں چور تھا ' حضرت ابراھیم کو زک دینے کے لیے اور ان کی دعوت ایمانی کی تحقیر کے لیے بول اُٹھا " انا احي و امیت " واہ ' یہ تمہارے خدا کی کونسی بڑی طاقت ہوئی کہ مارتا ہے اور جلاتا ہے - یہ بات تو مجھے بھی حاصل ہے - ہزاروں لاکھوں انسانوں کی جان میرے قبضۂ و تصرف میں ہے - میں پادشاہ ہوں - جسے چاھوں قتل کر ڈالوں ' جسے چاھوں بخشدوں -

بلا شبہ یہ جواب انتہا درجہ جہل و ضلالت کا جواب تھا - حضرت ابراھیم نے کیا بات کہی تھی ' اور اس مغرور نے اُس کا مطلب کیا سمجھا - لیکن چونکہ حضرت ابراھیم کا طریق مخاطبت " ہدایت " کا طریقہ تھا - " جدل " کا نہ تھا ' اسلیے اُسکی جاھلانہ بات پر بالکل متوجہ نہ ہوے - وہ سمجھہ گئے - غذا اگرچہ نہایت عمدہ غذا تھی ' لیکن اس بیمار کا معدہ ہضم نہ کرسکا - اسے دوسری غذا دینی چاھیے - چنانچہ انھوں نے فوراً دوسری بات فرما دی " فان اللہ یاتي بالشمس الخ " یہ بات سنکر اس متمرد کی ساری کج بحثی ختم ہوگئی ' اور اچانک حقیقت کی جھلک سامنے آ گئی - موت اور حیات والی بات اگرچہ ایک حق پسند انسان کیلیے نہایت واضح بات تھی ' لیکن اس مغرور و جاھل کی فکری حالت شدت طغیان و غفلت سے اس قدر مسخ ہو چکی تھی ' کہ کج بحثی کی ایک راہ نکال ہی لی - لیکن یہ دوسری بات اُس کی فکری حالت کے مطابق اس درجہ اوقع فی النفس تھی ' کہ حقیقت کی طرف سے آنکھہ بند کر لینے کا کوئی موقعہ باقی نہ رہا - سورج سر پر چمک رہا تھا ' اور وہ ہر روز کی طرح آج بھی مشرق ہی سے نکلتا ہوا دکھائی دیا تھا ' اور مغرب ہی کی طرف غروب ہونے کیلیے ڈھل رہا تھا - صدیوں سے ' ہزاروں برس سے ' ہمیشہ سے ' ایساہی ہوتا چلا آیا ہے - کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ اُسکی مقررہ رفتار میں یا طلوع و غروب کی جہتوں میں فرق پڑا ہو - پھر کیا دنیا کا کوئی حکمران ' دنیا کا کوئی شہنشاہ ' دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ایسی ہے جو ایک دن کیلیے اُس کا رخ بدل دے ؟ ایک دن کے لیے نہیں ' ایک گھنٹہ کیلیے ' ایک دقیقہ کیلیے ' اُسکی رفتار میں اپنی مرضی سے فرق ڈال دے ؟ یہ حقیقت تھی جو اُس جاھل و مغرور کے سامنے نمایاں ہوگئی - اگرچہ اُس کی غفلت و شقاوت اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ وہ اب بھی سر جھکانے کیلیے طیار نہیں تھا ' لیکن حقیقت کے سامنے آ جانے کے بعد شوخ چشمی سے کج بحثی کرنے کا دم خم بھی نہیں رہا تھا : " فبہت الذي کفر " - اور چونکہ باوجود حقیقت کے نمایاں ہو جانے کے وہ اعتراف حق پر آمادہ نہیں ہوا ' اسلیے فرمایا " و اللہ لا یهدي القوم الظالمین " خدا کا قانون

(پھر جب یہی عالم رائل سوسائٹی کا صدر منتخب ہوا ' تو اُس نے اپنی صدارتی تقریر میں اِس مذہب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :

" میں نے مسلسل ۳۰ - سال اِس مذہب کی تحقیق کی ہے - بہت سی نئی معلومات بھی حاصل کی ہیں - میں عنقریب ایک نئی کتاب شایع کرنے والا ہوں "

اِس مذہب کے ابتدائی ماننے والوں میں ایک جلیل القدر نام الفرڈ رسل ویلس کا بھی ہے - یہی وہ مشہور عالم ہے جس نے ٹھیک اُسی زمانہ میں مذہب نشؤ و ارتقاء کا اکتشاف کیا تھا ' جبکہ ڈارون کو اُس کا سراغ ملا تھا - اِس نے اِس مذہب کے بارے میں دو مستند کتابیں " دور جدید کے معجزات " اور " مذہب روحی کی مدافعت " کے نام سے شایع کیں - اول الذکر کتاب میں لکھتا ہے :

" میں سراسر ملحد تھا - اپنے مادی مذہب کے سوا کسی بات پر بھی یقین نہیں رکھتا تھا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اِس عالم میں مادہ اور اس کی قوت کے سوا کوئی روحانی زندگی بھی موجود ہے - لیکن میں نے بے شمار تجربوں اور مشاهدوں کے بعد اپنے آپ کو مجبور پایا کہ اِس جدید مذہب کی تصدیق کروں - ...... یہ اُس وقت کی بات ہے جب میں روح کے وجود کا قائل نہ تھا - بہت مدت کے بعد مجھے مان لینا پڑا کہ یہ امور واقعی روح ہی کے ذریعہ واقع ہوتے ہیں ' کیونکہ اُن کی کوئی دوسری تعلیل ممکن ہی نہیں ہے "

مشاہیر علماء میں ایک اٹالین عالم لومبروزو Lombroso ہے - یہ علم الجرائیم کا بانی ہے - یہ اِس مذہب کا سخت مخالف تھا اور اس کے ماننے والوں کو مجنون قرار دیتا تھا - لیکن تحقیقات اور ذاتی تجربہ کے بعد اُس کا پرجوش حامی بن گیا - اُس نے مشہور فرنچ عالم فلکیات فلا مریون Camille Flammarean اور فرنچ اکاڈیمی کے پروفیسر چارلس ریشے کے ساتھ ملکر اِس مذہب کا طویل مطالعہ کیا اور اپنی تحقیقات کے نتائج ایک کتاب کی صورت میں شائع کیے - اس کتاب کے مقدمہ میں وہ لکھتا ہے :

" اپنی خاص علمی تربیت اور نفسی میلان کی بنا پر میں مذہب روحی کا سب سے بڑا دشمن تھا - مجھے یہ بات بالکل بدیہی معلوم ہوتی تھی کہ ہر قوت مادہ ہی کا ایک خاصہ ہے ' اور ہر فکر ' دماغ ہی کا ایک فعل ہے - اس کے سوا میں کچھہ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا - میں اِس مذہب کے ماننے والوں کا مضحکہ اڑایا کرتا تھا - لیکن حق و حقیقت پر میری فریفتگی بالآخر میرے میلان نفس پر غالب آگئی - مسلسل تجربوں اور مشاهدوں کے بعد اب مجھے اس پر پورا یقین ہے "

اِن کے بعد پروفیسر هاڈسن ' پروفیسر میرس (کیمبرج) سٹنٹون موزس (آکسفورڈ) سر جان کاکس ' پروفیسر پارکس ' مسٹر گلاڈسٹون ' مسٹر بالفور وغیرہ انگریز علماء اور مدبروں نے بھی اِس کی تحقیقات کی ' اور اعتراف پر مجبور ہو گئے -

اِسی طرح فرانسیسی علماء میں قابل ذکر چارلس ریشیے ' کیمیل فلا مریون ' ڈاکٹر مکسویل ' پییر کانیہ ' پیر دورو ' پاراترک وغیرہ ہیں - جرمنی اور امریکا کے بہت سے اقطاب علم بھی اِس کے معتقد ہو چکے ہیں - اُن کے نام اور مباحث آیندہ اپنے محل میں آئینگے -

مشہور فرانسیسی عالم فلسفہ ' جان ویلر نے سنہ ۱۸۹۵ع میں کہا تھا :

" یہ فرض نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تمام علماء فریب اور تدلیس کے ذریعہ ' اوهام و خرافات کی برباد شدہ حکمرانی پھر قائم کر دینی چاهتے ہیں - اِس خیال کی بھی گنجائش نہیں کہ یہ لوگ بالکل سادہ لوح ہیں ' اور اپنی حماقت کی وجہ سے اِن امور پر یقین لے آئے ہیں ' کیونکہ علمی تجارب میں اِن اکابر علم کی دقت نظر معلوم و مسلم ہے "

علم نفسیات کا مشہور ماہر پیر جانی اپنی کتاب میں جو اِسی موضوع پر ہے ' لکھتا ہے :

" مذہب روحی ' ہر اعتبار سے دقیق مطالعہ اور اصولی بحث کا مستحق ہے - اِس میں شک اور تضحیک کی بالکل گنجائش نہیں ہے - ہمیشہ فریب ' فریب ' پکارتے رہنا بھی صحیح نہیں ہے - کیونکہ یہ تحریک جس نے یورپ میں اپنے بے شمار مراکز قائم کرلیے ہیں اور عقلاء و علماء کا ایک جم غفیر اُس کا علم بردار بن گیا ہے ' سراسر دھوکا اور فریب نہیں ہوسکتی - ضرورت ہے کہ منکرین ایمانداری کے ساتھہ اُس کا مطالعہ کریں "

پروفیسر چارلس ریشیے (رکن فرانسیسی اکاڈیمی اور مدرس طبی یونیورسٹی) اپنے ایک مقالہ میں جو اُسکے مقالات کے مجموعہ مطبوعۂ سنہ ۱۸۹۳ میں شایع ہوا ہے ' لکھتا ہے :

" یہ ناممکن ہے کہ انگلستان ' امریکا ' فرانس ' جرمنی ' اٹلی کے یہ تمام علماء و فلاسفہ فریب خوردہ ہوں - منکرین ' روحی مذہب پر جتنے بھی اعتراض کرتے ہیں ' سب کے سب اِن علماء کے پیش نظر تھے - فریب سے بچنے کے لیے بھی یہ پوری احتیاط برتتے تھے - میں ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا کہ یہ تمام عقلاء سراسر وہم و مکر کا شکار ہوگئے ہوں "

مشہور فرانسیسی عالم گبریل دولاں اپنی کتاب میں جو معاضرات ارواح پر لکھی ہے ' لکھتا ہے :

" جب رابرٹ هیر ' موابس ' اور اڈمون کے درجہ کے لوگ امریکا میں ' اور کروکس ' ویلس ' لواج ' انگلستان میں ' اکزاکوف ' بٹرولوف ' روس میں ' فیشنر ' زولنر ' جرمنی میں ' کسی بات کی صحت پر زور دیں ' تو ہم یہ تسلیم کرلینے پر مجبور ہو جائینگے کہ یہ بات ضرور کوئی علمی حقیقت ہے ' اور ہر لحاظ سے بحث و نظر کی مستحق ہے - مذہب روحی کا بھی یہی حال ہے - یہ علماء اُس کے معتقد ہیں - لہذا اُسے سراسر خرافات قرار دینا ' عقلمندی سے بعید ہے "

یہ عجیب بات ہے کہ اِس مذہب کے تقریباً تمام ماننے والے مشاهیر علماء ' شروع شروع میں اِس کے سخت مخالف تھے ' اور اِس کی تحقیق پر محض اِس لیے مستعد ہوئے تھے کہ روحانیات کا فریب طلسم توڑ کر ضعیف الاعتقاد انسانوں کو نجات دلائیں ' مگر تحقیقات کے بعد اُن کی رائے بدل گئی ' اور خود معترف و مصدق ہوگئے !

روح کا ابتدائي ظهور
جيسا که استحضار ارواح کے معتقدوں کا خيال هے

اِس واقعه کے بعد روح کي بے قراري دور هوگئي' ليکن مسٹر جان فاکس کي دونوں لڑکيوں کے پاس وہ برابر آتي جاتي رهي - يهاں تک که يه لڑکياں اُس سے از حد مانوس هوگئيں - پهر اُس کے ساتهه کئي دوسري روحيں بهي آنے لگيں' اور بات چيت کا طريقه بهي زياده صاف اور معين هوگيا - صورت يه هوئي که ايک بهن حروف ابجد ايک ايک کرکے پڑهتي جاتي تهي' اور هر حرف پر روح ايک يا دو مرتبه کهٹکهٹا ديتي تهي - اِس طرح تمام حروف کي علامتيں طے پا گئيں' اور گفتگو آساني سے سمجهي جانے لگي -

ايک دن روح نے آکر دونوں بهنوں سے درخواست کي که وہ ايک اعلان عام کے ذريعه نيويارک کے کسي بڑے ايوان ميں لوگوں کو جمع کريں اور روح کے وجود و بقا کا ثبوت پيش کر ديں - مگر بهنوں نے اِس سے انکار کيا - وہ ڈرتي تهيں' لوگ اُنهيں جادوگر خيال کرينگے - ليکن روح نے اصرار کيا " ميں انسانوں کو يقين دلانا چاهتي هوں که روح کبهي فنا نهيں هوتي - محض اِسي غرض سے ميں نے تم سے تعلقات قائم کرنے کي يه سخت تکليف برداشت کي هے - اب اگر تم ميري درخواست منظور نهيں کروگي' تو تم سے قطع تعلق کر لونگي " بهنوں نے اب بهي انکار کيا - اِس پر روح نے اپني آمد و رفت موقوف کردي !

دونوں بهنيں روح کي ناراضگي سے نهايت غم گيں هوئيں - چونکه وہ اُس سے حد درجه مانوس هوچکي تهيں - مجبوراً اُنهيں روح کا کهنا ماننا پڑا' مگر اِس شرط پر که پهلے وہ تهوڑے آدميوں کے روبرو يه بات پيش کرينگي - پهر بتدريج عام مجمعوں کے سامنے ظاهر هونگي - روح نے يه شرط منظور کرلي' اور دونوں بهنوں نے نجي مکانوں ميں خاص خاص علماء کے سامنے يه حيرت انگيز امور ظاهر کرنا شروع کر ديے - پهر بتدريج جرأت پا کر عام اجتماعوں ميں بهي تقريريں کيں - لوگوں نے يه تمام امور ديکهے' اور هر طرح کي احتياطيں کي گئيں' مگر کسي فريب کا پته نه لگا سکے - تهوڑي هي مدت ميں يه خبريں تمام ملک ميں مشهور هوگئيں' اور هر جگه اُن کا چرچا هونے لگا -

سب سے پهلے مسٹر اڈمونڈس امريکن مجلس خواص کے صدر کو اِس معامله کي تحقيقات کا خيال پيدا هوا - اُس نے علمي طور پر هر پهلو سے جانچ کي - ليکن بالاخر اُس کي صحت پر ايمان لے آيا' اور اپني تحقيقات کے نتائج اخبارات ميں شائع کر ديے - اس تحرير کے شايع هوتے هي تمام امريکه ميں هلچل پڑ گئي - اخبارات نے بري طرح اُس پر لے دے شروع کردي - بالاخر وہ مجبور هوا که اپنے عهدے سے دست بردار هوجائے اور آزادي کے ساتهه اِس حقيقت کي مزيد تحقيق و تجربه ميں مشغول هوجائے - چنانچه اُس کي سعي و همت سے اِس نئے مذهب کو بهت شهرت حاصل هوگئي -

اُس کے بعد پروفيسر مابس' جو امريکن اکاڈيمي ميں علم کيميا کے ماهر تهے' اِس جانب متوجه هوئے - اُنهوں نے بهي اس کي تصديق کي' اور اپنے نتائج بحث پوري جرأت سے شايع کر ديے -

اِن کے بعد پروفيسر روبرٹ هير اِس ميدان ميں آئے - طويل بحث و نظر کے بعد يه بهي اس کے قائل هو گئے - اور ايک نفيس کتاب " نفسي ظواهر پر مباحث " کے نام سے شايع کي -

اِن تحريروں کا نتيجه يه هوا که عام بحث شروع هوگئي - امريکا ميں کوئي عالم بهي ايسا نه تها جس نے موافقت يا مخالفت ميں کچهه نه کچهه نه لکها هو -

امريکا سے يه مذهب انگلستان پهنچا - يهاں سب سے پهلے مشهور کيمياوي وليم کروکس نے اُس پر نظر ڈالي - بعض انگريز وسيطوں کے ذريعه خود بهي تجربے کيے - بالاخر اس کي صداقت کا معترف هوگيا' اور ايک کتاب بهي اسکي تائيد ميں لکهکر شايع کي - اِس کتاب کا نام بهي " نفسي ظواهر پر مباحث " تها - اِس ميں وہ ايک مقام پر لکهتا هے :

" چونکه ميں اِن واقعات کي پوري طرح تحقيق کر چکا هوں' اِس ليے يه ميري سخت اخلاقي بزدلي هوگي اگر اپني شهادت محض اِس خوف سے مخفي رکهوں' که لوگ اُس کا مضحکه اڑائيں گے - يه وہ لوگ هيں جو اِس بارے ميں کوئي علم نهيں رکهتے - اُن کے پاس کوئي يقين اور برهان نهيں هے - ليکن ميں نے اِس معاملے کي پوري طرح تحقيق کرلي هے' اور اُس کي حقانيت پر پخته يقين رکهتا هوں "

روح کا تمثل اور تشکل
جيسا که اِس مذهب کے معتقدين کا خيال هے

حجاز اور سمرقند!

به بین تفاوت ره از کجاست تا بکجا؟

پچھلی ڈاک کے انگریزی رسائل کے بعض مصور مضامین نہایت دلچسپ ہیں - ممکن ہے، بعض نگاہوں کیلیے عبرت انگیز بھی ہوں!

ایک مصور رسالہ نے دو تصویریں بالمقابل شائع کی ہیں، اور اُن کے لیے یہ سرخی تجویز کی ہے: "حجاز سے سمرقند تک!"

ایک طرف سلطان عبدالعزیز ابن سعود کی تصویر ہے - اُس کے نیچے حکومت حجاز کے نئے احکام درج کیے ہیں جن میں احکام شرع کے اتباع و عمل پر زور دیا گیا ہے، اور وہ تمام باتیں قانوناً لائق تعزیر قرار دی ہیں جو اخلاق و آداب شرع کے خلاف ہوں - حتی کہ باشندگان حجاز کے لیے ڈاڑھی منڈانا بھی حکماً روک دیا ہے -

دوسری طرف ترکستان کے مشہور تاریخی شہر سمرقند کے ایک اجتماع کا مرقع ہے - یہ اجتماع مردوں کا نہ تھا - خانہ نشیں عورتوں کا تھا، اور ایک جلوس کی صورت میں اس لیے "بازار سرائے" میں جمع ہوا تھا، تاکہ "آیندہ کے لیے نقاب اور برقع کے استعمال سے عورتیں انکار کردیں!

به بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا؟

اِس واقعہ کی اِطلاع خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ دنیا میں مشتہر ہوچکی ہے، لیکن اب تفصیلات بھی یورپ کے اخبارات میں آگئی ہیں -

قاریین الہلال کی دلچسپی کیلیے دونوں تصویریں نقل کردی جاتی ہیں - پہلی تصویر میں دراز قد صورت سلطان ابن سعود کی ہے - دوسرے مرقع میں سمرقند کی خواتین کا ہجوم نمایاں ہے، جو ایک جلوس کی صورت میں بازاروں سے گزر رہا ہے -

میڈونا کیلیے - ہندوستانی نمونہ

"سنیتا اور "انور"

انگلستان کا امریکن نژاد سنگ تراش جیکب اپسٹین Jacob Epstein کچھ عرصہ سے "میڈونا" کا ایک نیا مجسمہ طیار کرنے میں مشغول تھا جسکی شہرت نے نہ صرف براعظم یورپ کی بلکہ امریکہ کے ماہرین فن کی بھی توجہ اور دلچسپی حاصل کرلی تھی -

رفتہ رفتہ یہ شہرت یہاں تک بڑھی کہ ابھی صناع اپنے کام سے فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ امریکہ کے قدر شناسان فن نے مجسمہ اپنی سرزمین کے لیے حاصل کرلیا - اب مسٹر جیکب مجسمہ لیکر نیویارک جا رہے ہیں، تاکہ وہاں پہلی مرتبہ اس کی نمایش کریں - تازہ ڈاک کے اخبارات و رسائل میں کوئی پرچہ ایسا نہیں ہے جس نے اس معاملہ سے اپنی دلچسپی ظاہر نہ کی ہو -

معاملہ کا نہایت دلچسپ پہلو یہ ہے کہ صناع نے "میڈونا" اور اسکے بچے کیلیے ایک ہندوستانی خاتون اور اس کے دہ سالہ بچے کا چہرہ بطور نمونہ کے استعمال کیا ہے - خیال کیا جاتا ہے کہ اس یونانی دیوی اور مسیحیت کی "مقدس کنواری" کا یہ پہلا مجسمہ ہے جسکے خال و خط میں ہندوستانی چشم و ابرو کا عنصر آمیز کیا گیا ہے - یہ آمیزش فن کے لحاظ سے کہاں تک قابل تحسین ہے؟ اِس پر انگلستان اور امریکہ کے ماہرین فن نے ایک طول طویل سلسلۂ نزاع جاری کردیا ہے - اُمید کی جاتی ہے کہ نیویارک کی نمایش کے بعد یہ نزاع اور زیادہ وسعت اور اہمیت پیدا کرلیگی!

فرانس کی نئی اثری دریافت

عہد حجری کي عجیب و غریب آشیاء

حال میں فرانس کي ایک جدید اثري دریافت نے علماء آثار کي غیر معمولي توجه حاصل کرلي ہے -

فرانس کے وسطي حصه میں ایک غیر معروف قریه گلوزل Glozel نامي واقع ہے - یہاں ایک کاشتکار اپني زمین کا ایک حصه کسي ضرورت سے کھدوا رہا تھا - یکایک اس طرح کي علامتیں نمایاں ہوئیں ' جیسے یہاں کبھي پتھر کي دیواریں رہ چکي ہوں - زیادہ کھودنے سے ایک ایسي راہ پیدا ہوگئي ' جو کسي مصنوعي غار کے دہانے سے مشابہ تھي !

جب یه خبر مشہور ہوئي تو حکام نے موقعه پر پہنچکر تحقیقات کي - کھدائي کا کام جاري رکھا گیا ' اور غار میں اُتر کر اُس کي اندروني ساخت اور حالت کا پته لگایا گیا - مختصر یه که معلوم ہوگیا ' یه حصه کسي قدیم زمانه کي انساني یادگاروں کا ذخیرہ ہے جسے انقلابات زمانه نے زیر زمین دفن کردیا - یہاں نه صرف پتھر کي دیواروں کے آثار ملے ' بلکه تاریخي اشیاء کا ایک عجیب و غریب مجموعه بھي برآمد ہوا - یه پتھر کي بني ہوئي بےشمار چیزیں ہیں جن میں سے کچھه تو اوزار ہیں جن کي نوعیت اچھي طرح سمجھه میں آجاتي ہے ' لیکن بڑي تعداد اس قسم کي چیزوں کي ہے ' جن کي وضع و شکل سے ان کي اصلیت کا پته لگانا دشوار ہے - بعض مدور ہیں - بعض مربع ہیں - بعض پر اس طرح کے نقوش ہیں که معلوم ہوتا ہے ' شاید اِن کے ذریعه کسي عجیب الہئیت انسان یا حیوان کے سر کا نقشه دکھلانا مقصود تھا - بعض پتھر کے ٹکڑے ایسے ہیں جنھیں کسي خاص وضع و ہئیت کي شکل نہیں دي گئي ہے ' مگر اُن پر مختلف قسم کے خطوط کندہ ہیں -

یه تمام چیزیں بعض محققین علم الاثار کے سامنے پیش ہوئیں ور انھوں نے علمي نظر سے ان کا مطالعه شروع کردیا -

علماء آثار میں سے ایک گروہ کي رائے میں یه چیزیں قبل از تاریخ عہد کي ہیں - یعني دس سے تیرہ ہزار برس پیشتر تک کي پراني ہیں - وہ اسے نیولیتھک (Neolithic) عہد کا بقایا قرار دیتے ہیں - یعنی ابتدائي انسان کے حجري عہد کا ' جب که وہ اپني ضروریات زندگي کے لیے صرف پتھر ہي استعمال کرنا جانتا تھا -

لیکن ایک دوسرا گروہ انھیں اس قدر اہمیت نہیں دیتا - وہ کہتا ہے ' یه زیادہ سے زیادہ سولہ سترہ سو برس کي پراني چیزیں ہیں جب سر زمین گال پر رومیوں کا قبضه ہوا تھا - وہ اپني اس رائے کے ثبوت میں دو چیزوں سے استدلال کرتا ہے - پتھر کي بني ہوئي عجیب الہئیت صورتوں سے - اور پتھروں کے حروف و نقوش سے - اٹلي اور ایشائے کوچک سے بکثرت رومي عہد کي ایسي ہي عجیب الہئیت صورتیں نکل چکي ہیں ' اور ان کي نسبت طے پاچکا ہے که یه رومي ساحروں کے آلات سحر تھے - وہ ان صورتوں کے ذریعه اپنے سحري علمیات انجام دیا کرتے تھے - حروف جو ان پتھروں پر کندہ ہیں ' فینیقي خط کے ہیں ' اور ظاہر ہے که یه خطوط صرف رومیوں ہي کے ذریعه فرانس پہنچ سکتے تھے - ان اشیاء میں مچھلي کے شکار کي ایک بنسي بھي نکلي ہے جو ہرن کي ہڈي کي بني ہوئي ہے - اس سے بھي دوسرے گروہ کے خیال کي تصدیق ہوتي ہے -
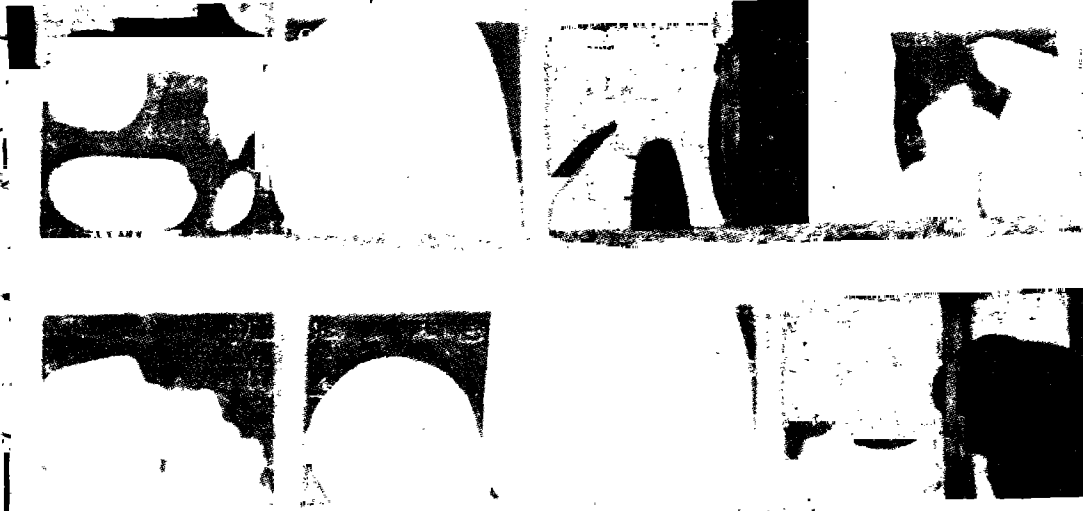
گلوزل کے آثار کا ایک حصه ' جسمیں منقش پتھر دکھائے گئے ہیں -

لیکن پہلے گروہ کا استدلال پتھر کے اُن بے شمار آلات سے ہے ' جن کي نوعیت اُن کے حجري عہد سے تعلق رکھنے کا پوري طرح یقین دلاتي ہے -

حال میں ایک مشہور اور مستند اثري محقق ڈاکٹر کیمیلے جولیان نے ان آثار کي نسبت اپني تحقیقات کا خلاصه شائع کیا ہے - یه تحقیقات ایک حد تک دونوں جماعتوں کے لیے تشفي بخش ہوسکتي ہے - ڈاکٹر موصوف کا خیال ہے که دونوں رائیں اپني اپني جگه صحیح ہیں - اس لیے که دونوں کا استدلال برآمد شدہ اشیاء ہي پر مبني ہے - پہلا گروہ حجري آلات و اسلحه کي نوعیت اور قدامت سے استدلال کرتا ہے - دوسرا اُن مورتیوں اور نقوش سے جو بلا شبه رومي ساحروں کے آلات سحر ہیں - لیکن کیا یه ممکن نہیں که قدیم زمانے کے کسي حادثه نے یه دونوں قسم کي چیزیں اس محل میں یک جا کردي ہوں ؟ حجري آلات و اسلحه عہد حجري ہي کا بقایا ہوں ' اور مورتیاں اور نقوش رومي عہد کي ہوں ؟

تاریخ و عبر

عرب خلفاء وسلاطین کے مختصر جواب

عرب خلفاء وسلاطین کی فصاحت و بلاغت مشہور ہے۔ یہ بلاغت سب سے زیادہ اُن کے مختصر جوابات میں ظاہر ہوا کرتی تھی جو وہ درخواستوں پر لکھ دیا کرتے تھے۔ ذیل میں چند نمونے ملاحظہ ہوں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

عمرو بن العاص کے جواب میں لکھا:

"اپنی رعیت کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو، جیسا سلوک امیرالمومنین کا اپنے ساتھ چاہتے ہو"

مصر کے بعض لوگوں نے مروان بن الحکم کی شکایت لکھ بھیجی۔ آپنے جواب میں یہ آیت لکھ دی:

"فان عصوک فقل انی بریٔ مما تعملون" (اگر وہ تیری نافرمانی کریں تو کہدے، میں تمھارے عمل سے بری ہوں)

حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنے لئے گھر بنانے کی اجازت طلب کی۔ آپنے جواب دیا۔

"ایسا گھر بنالے جو تجھے باد سموم اور مینہ سے چھپا سکے"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

ایک شخص نے اپنی مالی مشکلات کی شکایت بھیجی۔ آپنے جواب دیا:

"ضرورت بھر کا حکم میںنے دے دیا ہے۔ اللہ کے مال میں اسراف کی گنجایش نہیں"

حضرت علی علیہ السلام

حصین بن المنذر نے لکھا کہ قبائل ربیعہ کے بہت سے آدمی قتل ہوچکے ہیں۔ آپنے جواب دیا:

"بقیۃ السیف میں زیادہ فراوانی ہوتی ہے"

اشتر نخعی نے ایک شخص کی شکایت کی۔ آپنے جواب لکھا۔

"کامل مکمل آدمی اس دُنیا میں کہاں ہے؟"

امیر معاویہ بن ابی سُفیان

ربیعہ یربوعی نے لکھا کہ "میں بصرہ میں گھر بنانا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے کھجور کے بارہ ہزار تنے دیکر میری مدد کیجئے"

امیر معاویہ نے جواب لکھا:

"تمھارا گھر، بصرہ میں ہوگا، یا بصرہ، تمھارے گھر میں ہوگا؟"

عبدالملک بن مروان

حجاج بن یوسف والی عراق نے عراقیوں کی شکایت لکھی۔ عبدالملک نے رقعہ کی پشت پر لکھ دیا:

"نرمی کر، کیونکہ نرمی میں بھلائی ہے۔ سختی میں بُرائی ہے"

ایک مرتبہ حجاج نے اجازت طلب کی کہ عراقی سرداروں کو قتل کرڈالے۔ عبدالملک نے لکھا:

"مُبارک حاکم وہ ہے جس سے مخالف کو بھی اُنس ہوجائے منحوس حاکم وہ ہے جس سے موافق بھی بدل ہوجائیں"

ابن الاشعث کے خط کی پشت پر یہ شعر جواب میں لکھا:

فما بال من اسعیٰ لاجبر عظمہ حفاظاً و ینوی من سفاہتہ کسری

(اُس شخص کو کیا ہوگیا ہے جو حماقت سے مجھے توڑنے کی کوشش کرتا ہے، حالانکہ میں اُس کی ٹوٹی ہوئی ہڈی جوڑنے کی فکر میں ہوں؟)

عمر بن عبدالعزیز

حاکم عراق نے عراقیوں کی شکایت لکھی۔ آپنے جواب دیا:

"جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، وہی اُن کے لئے پسند کرو۔ پھر اُنھیں جرم پر سزا دو"

ایک مظلوم نے فریاد لکھی۔ آپ نے جواب دیا:

"انصاف تیرے سامنے ہے"

ایک قیدی نے درخواست بھیجی۔ جواب لکھا:

"توبہ کر، رہا ہوجا"

ایک شخص نے اپنی بیوی کی شکایت لکھی۔ جواب دیا:

"تم دونوں حق میں یکساں ہو"

ایک عورت نے اپنے شوہر کے قید کی شکایت کی۔ جواب دیا:

"قید، حق پر ہونی چاہئے"

ایک شخص نے اپنے بیٹے کی فریاد کی۔ جواب دیا:

"اگر میں نے تیری فریاد نہ سنی تو ظالم ہوں"

حاکم حمص نے لکھا کہ شہر کو ایک قلعہ کی ضرورت ہے۔ جواب دیا:

"عدل اور سلامتی کا قلعہ اسمیں تعمیر کردے"

سفاح (اول خلیفہ عباسی)

اپنے ایک گورنر کو لکھا:

"میں گمراہوں کو اپنا مددگار بنا نہیں سکتا"

اہل انبار نے شکایت کی کہ حکومت کی عمارت میں اُن کی زمین لے لی گئی ہے اور قیمت ادا نہیں کی گئی۔ جواب دیا:

"یہ عمارت تقویٰ پر قائم نہیں ہوئی"

پھر زمین کی قیمت ادا کردینے کا حکم دیدیا۔

ابوجعفر منصور

ایک شخص نے اپنا وظیفہ بند ہوجانے کی شکایت لکھی۔ جواب دیا:

"خدا کی رحمت کو کوئی روک نہیں سکتا"

حاکم مصر نے لکھا کہ اس سال دریائے نیل میں طغیانی نہیں آئی۔ جواب لکھا:

"اپنی فوج کو پاک کر، نیل میں برکت آجائے گی"

حاکم حمص نے خط لکھا۔ اسمیں عبارت غلط تھی۔ اس لئے جواب دیا

"اپنی تحریر بدل، ورنہ میں تجھے بدل دوں گا"

سندھ کے حاکم نے لکھا کہ فوج نے شورش کردی ہے اور بیت المال کے قفل توڑ ڈالے ہیں۔ خلیفہ نے جواب لکھا:

"اگر تونے انصاف کیا ہوتا تو شورش نہ ہوتی۔ اگر حقوق ادا کئے ہوتے تو قفل نہ ٹوٹتے"

ہارون الرشید

حاکم خراسان کو لکھا:

"اپنے گھاؤ کا علاج کر، ورنہ بڑھ جائے گا"

خزیمہ بن حازم نے لکھا کہ میں نے ارمینیا میں داخل ہوکر قتل عام کردیا۔ خلیفہ نے لکھا:

"تیرا بُرا ہو، بے گناہوں کو کیوں مارا؟"

شاہ روم نے لکھا:

"میں اپنی سلطنت کی ہر صلیب اور ہر بہادر کو لے کر تیرے مقابلے پر آتا ہوں"

خلیفہ نے جواب دیا:

"عنقریب جان لے گا کہ نتیجہ کیا ہوتا ہے؟"

ایک دوسرے خط میں لکھا:

"خط کے پیچھے میں آتا ہوں۔ فتح، خدا پر ہے"

ایک اور خط کے جواب میں لکھا:

"جواب، پڑھے گا نہیں، آنکھ سے دیکھ لے گا"

مامون الرشید

ایک شخص نے علی بن ہشام کی شکایت کی۔ مامون نے علی کو لکھا:

"شریف کی علامت یہ ہے کہ بالادستوں پر ظلم کرتا ہے اور زیردستوں کا ظلم سہتا ہے"

ایک دوسرے خط کے جواب میں لکھا۔

"میں تجھے اُسوقت تک اپنے قریب آنے نہیں دوں گا، جب تک تیرا فریادی میرے دروازہ پر ہے"

رستمی کی شکایت آئی۔ اسپر لکھا:

"یہ مردانگی کے خلاف ہے کہ تیرے برتن سونے چاندی کے ہوں، اور تیرا قرضخواہ تہی دست اور پڑوسی، فاقہ مست ہو"

عمرو بن مسعدہ کی شکایت کے جواب میں لکھا۔

"اے عمرو! اپنی خوشحالی کی عمارت، عدل سے قائم رکھ، کیونکہ ظلم اسے گرادے گا"

اپنے بھائی ابوعیسیٰ کی شکایت سُنکر یہ آیت لکھ بھیجی۔

"فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینہم یومئذ" (جب صور پھونک دیا جائے گا تو رشتے ناتے باقی نہیں رہیں گے)

ابراہیم بن مہدی نے لکھا۔

"اگر آپ معاف کردیں تو یہ آپ کا احسان ہوگا، اگر سزا دیں تو آپ کو اس کا حق ہے"

خلیفہ نے جواب لکھا۔

"انتقام کی قدرت، کینہ کو دُور کردیتی ہے۔ خدا کا عفو سب سے بڑھ کر ہے"

ایک مرتبہ کسانوں نے شکایت کی کہ ٹڈی نے کھیت کھالئے۔ مامون نے لکھا:

"کسانوں سے زیادہ ٹڈیوں کی مہمان نوازی ہم پر واجب ہے آدھا محصول معاف کردیا جائے"

بهر حال همارے لیے فنون لطیفه کي اس سنجیده نزاع میں تو کوئي دلچسپي نهیں هے' البته یه سوال یقیناً دلچسپي سے خالي نهیں که " مقدس کنواري " کے اس نئے مجسمه کے لیے جس هندوستاني خاتون کا چهره بطور نمونه کے استعمال کیا گیا هے' وه کون هے؟ رساله اسفیر ایک مرقع شائع کرتے هوئے همیں بتلاتا هے که یه ایک هندو خاتون مقیم انگلستان هے جس کا نام سنیتا Sunita هے ' اور اس کے دس ساله لڑکے کا نام " انور " هے - اگر اسفیر نے ناموں کے نقل کرنے میں کوئي غلطي نهیں کي هے تو " سنیتا " کے ساتھه " انور " کا نام بجائے خود ایک دلچسپ واقعه هے ' اور یقیناً قارئین الهلال کے لیے یه کوئي ناپسندیگي کي بات نه هوگي ' اگر وه ان دونوں صورتوں کا نظاره کر سکیں - هم اسفیر کا مرقع بجنسه نقل کر دیتے هیں - یه اس موقعه کي تصویر هے جب صناع امریکه کے لیے روانه هورها هے ' اور اسفیر کے لفظوں میں " هندوستاني لیڈي اور اس کا لڑکا انور " اس کے ساتھه کھڑے هیں -

جیکب اپسٹین ' سنیتا ' اور انور

دوسرا طوفان نوح

اور

کشتي جس کا نام " بیت داؤد " هے !

موجوده زمانه میں یه بات کس درجه عجیب سمجھي جائیگي که انسانوں کي ایک جماعت کرهٔ ارضي کي تمام خشکیوں سے الگ هوکر دریا میں آباد هوجانا چاهتي هے - کیونکه " قدیم طوفان نوح کي طرح ایک دوسرا طوفان تمام دنیا کي

ایک اسرائیلي فرقه کا رهنما جو ایک عالمگیر طوفان کے ظهور کا انتظار کر رها هے !

بربادي کے لیے عنقریب ظهور میں آنے والا هے ! "

بات کتني هي عجیب سمجھي جائے ' لیکن واقعه یه هے که یورپ میں ایک جماعت ایسي موجود هے ' اور وه نهایت خوف و اضطراب کے ساتھه اس دوسرے عالمگیر طوفان کا انتظار کر رهي هے !

یه یهودیوں کا ایک فرقه هے - اس نے اپنا یه هولناک اعتقاد عهد عتیق کي بعض پیشین گوئیوں سے اخذ کیا هے - انگلستان میں اس فرقه کي کافي تعداد موجود هے - اس فرقه کے سردار نے حال میں ایک نئي کشتي بھي طیار کرائي هے جس کا نام " هاؤس اف ڈیوڈ " یعني " بیت داؤد " هے - یه کشتي آجکل دریائے ٹیمس میں موجود هے - یه فرقه یقین کرتا هے که آنے والے طوفان میں محفوظ رهنے کے لیے نئي دنیا کے ترقي یافته جهاز اس قدر مفید ثابت نهیں هونگے ' جسقدر قدیم وضع کي یه کشتي مفید هوگي - کیونکه یه " ان تفصیلات کے ٹھیک ٹھیک مطابق طیار کي گئي هے ' جو حضرت نوح علیه السلام کی کشتي کي نسبت عهد عتیق میں موجود هیں ! "

جو مرقع آپ کے سامنے هے ' اس میں آپ اس محتاط اور دور اندیش فرقه کے سردار اور اسکے رفقاء کو مشغول اهتمام دیکھه رهے هیں !

دُنیا میں روئی کی پیداوار بحساب ہنڈرویٹ

مجموعی پیداوار: ۶۶۶۰۰۰۰۰ ہنڈرویٹ

تفصیل

ملک	۱۹۱۳ء میں		۱۹۲۲ء میں	
ہندوستان	۲۱۴۰۰۰۰۰	ہنڈرویٹ	۱۵۶۰۰۰۰۰	ہنڈرویٹ
برازیل	۱۲۰۰۰۰۰	"	۲۶۰۰۰۰۰	"
مصر	۶۸۰۰۰۰۰	"	۳۲۰۰۰۰۰	"
ولایات متحدہ امریکہ	۶۱۴۰۰۰۰۰	"	۴۱۶۰۰۰۰۰	"
دوسرے ممالک	۴۶۰۰۰۰۰	"	۱۱۰۰۰۰۰	"
میکسیکو	۹۰۰۰۰۰	"	۱۵۰۰۰۰۰	"

برطانی ہندوستان میں روئی کی پیداوار ۱۹۲۴ء میں

صوبہ	ایکڑ	ہر ایکڑ میں پیداوار بحساب پونڈ
مدراس	۲۶۲۷۸۹۰	۷۸
بمبئی	۴۸۸۸۹۹۱	۱۰۲
بنگال	۵۵۰۰۰	۱۵۵
سی، پی اور برار	۴۹۳۲۸۷۷	۸۹
یُو، پی	۶۳۸۶۹۸	۱۷۰
پنجاب	۱۷۴۹۳۲۸	۱۳۸
آسام	۳۹۲۹۹	۱۵۳
برما	۳۰۰۷۹۰	۹۰

ہندوستان میں روئی کے کارخانے

	روئی دھنے اور دبانے والے کارخانے	کاتنے اور بننے والے کارخانے
بمبئی	۵۲۱	۱۸۴
سی، پی اور برار	۴۲۶	۱۴
یو، پی	۱۵۶	۱۸
مدراس	۱۴۹	۲۶
بنگال	۰۰۰	۱۲
پنجاب	۱۲۰	۰۰۰
سنٹرل انڈیا	۱۰۷	۰۰۰
حیدرآباد	۱۴۷	۰۰۰
بڑودہ	۸۳	۰۰۰

ہندوستان میں روئی کی درآمد برآمد

درآمد

سوت	۹۶۶۳۱۰۰۰	روپیہ
سوتی کپڑے	۷۲۶۶۲۰۰۰۰	"

برآمد

خام روئی	۹۱۴۷۰۳۰۰۰	روپیہ
سوت	۳۷۰۱۱۰۰۰	"
سوتی کپڑے	۷۵۷۳۶۰۰۰	"

دنیا کی $\frac{1}{5}$ روئی صرف ہندوستان میں پیدا ہوتی ہے۔

الہلال کے ابتدائی نمبر

الہلال سلسلۂ جدید کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر ۱۔ سے ۵ تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دوگنی قیمت پر خریدنے کے لئے تیار ہیں۔ دفتر کو اطلاع دیجئے (منیجر)

فسانہ

خط استوا کے افریقی قبائل

ملک نم نم

ایک افسانہ نما تاریخی سرگذشت

اسمٰعیل پاشا خدیو مصر کے زمانے میں مصری فوجیں، فتح کرتی ہوئی خط استوا تک پہنچگئی تھیں یہ سرزمین ایسی تھی کہ مصریوں سے پہلے وہاں کوئی متمدن انسان بھی نہیں پہونچا تھا۔ صرف بعض عرب بردہ فروش کبھی کبھی اُس کی سرحدوں تک پہنچ جاتے اور غلامی کے لئے آدمی پکڑ لاتے۔

اس سرزمین کی تمام قومیں اُس وقت (اور اب بھی) از حد وحشی تھیں۔ فاتح فوجوں کو ناقابل بیان مصائب کا سامنا کرنا پڑا! ایک طرف موسم اور آب ہوا برداشت سے باہر تھی۔ شب و روز پانی برستا رہتا تھا۔ ہر طرف کیچڑ اور دلدلیں تھیں۔ دوسری طرف بڑی وبجری درندے حملے کرتے تھے۔ مچھروں کی مصیبت بھی کچھ کم نہ تھی۔ ایسے قاتل مچھر شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں ہوتے ہوں جیسے کہ اس دلدلی زمین میں تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر خود وہاں کے باشندوں کا خطرناک وجود تھا۔ وہ کسی نظام جنگ سے واقف نہ تھے منظم فوجیں، باقاعدہ لڑائیوں کی عادی تھیں۔ مگر وہاں کے باشندے بے قاعدہ لڑائی میں ماہر تھے۔ تیر انداز ایسے تھے کہ بندوقوں اور توپوں سے مسلح فوجوں کو بھگا دیتے تھے۔ اگر قیدی اُن کے ہاتھ پڑ جاتے تھے، تو اُن سے نہایت وحشیانہ سلوک کرتے تھے۔ ایسا وحشیانہ سلوک جس کا متمدن دُنیا تصور بھی نہیں کر سکتی!

(۲)

کامل ۱۰ ماہ کی ہولناک جدوجہد اور خونریز جنگوں کے بعد مصری فوجیں خط استوا کے ایک جدید علاقے میں پہنچیں۔ اُنھوں نے باشندوں کو اپنے مقابلے کے لئے مستعد پایا۔ فوجوں نے فوراً کانٹے جمع کرکے مورچے بنائے اور رات بسر کرنا چاہی۔ مگر آدھی رات کو وحشی باشندوں نے حملہ کر دیا، تمام مورچے جلا دئیے، اور پوری تین پلٹنیں کاٹ کر ڈال دیں۔ بقیۃ السیف قید کر لئے گئے۔

تمام قیدی راستے ہی میں مر گئے تھے۔ صرف تیس آدمی نیم جان حالت میں انکے لشکر گاہ تک پہنچ سکے۔ ان میں سے دو شخصوں کا حال ہم لکھنا چاہتے ہیں۔

(۳)

ایک قیدی، مصری تھا۔ اُس کا نام "شعبان عدوی" تھا۔ دوسرا سوڈانی تھا۔ اُس کا نام "بخیت کوکو" تھا۔ ان دونوں میں ایسی محبت اور دوستی تھی کہ اس کی نظیریں دنیا میں کم ملیں گی۔ دوستی اس طرح شروع ہوئی کہ ایک مرتبہ بخیت کوکو خرطوم میں تھا اور دریائے نیل میں نہا رہا تھا۔ اچانک دریا کی موجوں نے اُسے کھینچ لیا اور غرق ہونے لگا۔ فوج کے بہت سے آدمی موقع پر موجود تھے مگر کسی کو مدد کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن شعبان عدوی فوراً کود پڑا، اور اپنی جان خطرے میں ڈالکر ڈوبتے ہوئے سوڈانی کو بچا لیا۔ اس خدمت کے صلے میں بخیت کوکو نے قسم کھائی کہ عمر بھر اُس کا دوست رہے گا۔ اور ہمیشہ اُسی کے ساتھ زندگی بسر کرے گا۔ بخیت کوکو کا کوئی عزیز یا قریب مصر میں موجود نہ تھا۔ وہ دراصل ایک غلام تھا اور حکومت نے اُسے آزاد کر دیا تھا۔ اُس کا خاندان خط استوا ہی کے ایک علاقے میں موجود تھا۔ مگر وہ وہاں واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔

اس واقعہ کے بعد پھر کبھی کسی نے ان دونوں دوستوں کو جُدا ہوتے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ ساتھ ہی رہتے تھے۔ حتیٰ کہ رات کو بھی ساتھ ہی سوتے تھے۔ اتفاق سے وہ دونوں ساتھ ہی قید بھی

ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۵)

گیہوں

دنیا کے مختلف ملکوں میں گیہوں کی پیداوار ایکڑ کے حساب سے ۱۹۲۴ء میں

ملک	ایکڑ
ہندوستان	۳۰۳۰۴۰۰۰
ارجنٹائن	۱۷۷۸۵۰۰۰
کینیڈا	۲۲۰۴۶۰۰۰
مصر	۱۴۱۵۰۰۰
فرانس	۱۳۶۱۴۰۰۰
اٹلی	۱۱۲۷۹۰۰۰
جرمنی	۳۶۲۲۰۰۰
جاپان	۱۱۴۹۰۰۰
رومانیہ	۷۸۳۵۰۰۰
برطانیہ	۱۵۹۹۰۰۰
ولایات متحدۂ امریکہ	۵۴۴۸۶۰۰۰
الجزائر	۳۴۹۱۰۰۰

ہندوستان میں گیہوں کی پیداوار ۱۹۲۴ء میں

صوبہ	رقبہ بحساب ایکڑ	پیداوار بحساب ٹن
مدراس	۳۷۹۲	.....
بمبئی	۴۸۷۱۶۲	۳۷۸۰۰۰
بنگال	۱۲۹۰۸	۲۵۰۰۰
یو، پی	۲۹۱۹۱۲۲	۲۴۱۹۰۰۰
پنجاب	۴۷۲۸۱۵۴	۵۸۱۰۰۰
بہار و اڑیسہ	۲۶۰۶۳۴	۴۷۳۰۰۰
سی، پی	۳۶۴۶۰	۱۰۶۸۰۰۰
صوبۂ سرحد	۳۱۹۱۲۵	۱۹۵۰۰۰

دنیا میں جوار کی پیداوار

ملک	ایکڑ	پیداوار بحساب ٹن
ہندوستان	۷۸۵۰۰۰۰	۲۲۰۷۱۰۰
الجزائر	۲۴۰۰۰	....
ارجنٹائن	۹۱۵۲۰۰۰	۲۶۱۰۰۰۰
آسٹریا	۱۴۷۰۰۰	....
بلغاریہ	۱۴۶۴۰۰۰	۹۹۱۰۰۰
کینیڈا	۲۹۵۰۰۰	....
فرانس	۸۴۵۰۰۰	۳۴۱۰۰۰
اٹلی	۳۸۰۵۰۰۰	۲۰۶۹۰۰۰
ہنگری	۲۴۷۸۰۰۰	.....
پولینڈ	۱۹۰۰۰	.....
رومانیہ	۸۹۴۵۰۰۰	۲۳۱۸۰۰۰
اسپین	۱۱۶۲۰۰۰	۶۷۶۰۰۰
سوئٹزرلینڈ	۴۰۰۰	....
ٹیونس	۴۱۰۰۰	....
ولایات متحدۂ امریکہ	۱۰۴۹۶۸۰۰۰	۷۱۸۵۹۰۰۰
جاوا	۴۷۸۴۰۰۰	۲۹۳۰۰۰۰
مصر	۱۹۳۰۰۰۰	۱۹۵۸۰۰۰
جنوبی افریقہ	۳۳۵۰۰۰۰	۹۴۱۰۰۰

ہندوستان میں جوار کی پیداوار ۱۹۲۴ء میں

صوبہ	ایکڑ	پیداوار	ہر ایکڑ میں بحساب پونڈ
مدراس	۱۰۳۸۵۱۶	۴۵۰۰۰	۶۳۶
بمبئی	۲۰۷۹۳۷	۷۶۰۰۰	....
بنگال	۸۱۹۰۰	۲۷۰۰۰	۸۲۰
یو، پی	۱۸۳۸۲۲۴	۸۸۶۰۰۰	۱۱۰۰
پنجاب	۱۰۵۰۲۸۴	۴۰۲۰۰۰	۹۶۲
بہار و اڑیسہ	۱۶۷۹۸۰۰	۵۳۹۰۰۰	۸۲۰
سی، پی اور برار	۱۵۴۶۹۷	.....	...
برما	۱۸۸۴۱۲	۴۸۰۰۰	۷۰۰
صوبۂ سرحد	۴۳۸۴۲۴	۱۶۰۰۰	۱۱۱۰

ہندوستان میں شکر کی پیداوار ۱۹۲۴ء

صوبہ	ایکڑ	پیداوار بحساب ٹن	ہر ایکڑ کی پیداوار بحساب پونڈ
مدراس	۱۲۱۲۹۸	۲۳۲۳۰۰	۶۴۲۰
بمبئی	۷۳۰۴۹	۲۴۸۱۰۰	۶۹۵۰
بنگال	۲۰۷۹۰۰	۲۴۵۷۰۰	۳۰۰۴
یو، پی	۱۵۴۳۹۰۲	۱۲۲۰۳۰۰	۲۶۰۰
پنجاب	۴۸۳۱۶۱	۳۱۳۰۰۰	۲۱۹۱
بہار و اڑیسہ	۳۰۷۳۰۰	۲۹۰۷۰۰	۲۴۶۰

ہندوستان میں شکر کی درآمد و برآمد

برآمد		درآمد	
مقدار	قیمت	مقدار	قیمت
[illegible]۵۱۱ ٹن	۱۶۱۳۰۰۰ روپیہ	۵۱۰۰۸۶ ٹن	۱۵۳۱۹۸۰۰۰ روپیہ
[illegible]	۵۲۴۷۰۰۰ ”	۷۲۹۰۰۸ ”	۲۰۹۰۲۴۰۰۰ ”

ہندوستان [illegible] چائے کی درآمد و برآمد

	برآمد		درآمد	
	مقدار بحساب پونڈ	قیمت بحساب روپیہ	مقدار	قیمت
[illegible]	۳۵۹۱۸۹۲۳۲	۱۷۹۷۳۱۰۰۰	۹۹۹۶۰۱۵	۶۰۸۳۰۰۰
[illegible]	[illegible]	۳۲۳۹[illegible]	۷۸۸۵۰۹	۶۲۸۳۰۰۰

[illegible] روئی کی پیداوار ۱۹۲۴ء میں بحساب ایکڑ

ملک	ایکڑ
ہندوستان	۲۲۰۹۴۰۰۰
برازیل	۱۵۷۳۰۰۰
مصر	۱۸۵۵۰۰۰
ولایات متحدۂ امریکہ	۴۱۳۴۳۰۰۰

غدر ۱۸۵۷ء

تصویر کا دوسرا رُخ (الہلال نمبر ۲)

کئی ہفتے گزرے، الہلال میں ایک امریکن مصنف کی جدید الشیوع کتاب کے بعض حصوں کا ترجمہ شایع کیا گیا تھا جو غدر ۵۷ء کے حوادث پر تاریخی حیثیت سے لکھی گئی ہے۔ یہ ترجمہ چودہری محمد علی صاحب وکیل ایبٹ آباد کے قلم سے نکلا تھا۔ اب اُنھوں نے کتاب کے بعض دیگر حصص کا ترجمہ بھی بغرض اشاعت بھیجا ہے۔ آج ہم پھر یہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ پہلی قسط درج ذیل ہے۔

جن دنوں یہ وحشیانہ مظالم ظہور پذیر ہو رہے تھے، بعض نامور انگریزوں نے انکے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ ہم آجتک اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ اس قلیل جماعت نے اکثریت کی وحشیانہ حرکات کے خلاف نفرت کا اظہار کیا تھا۔ لارڈ کیننگ وائسرائے ہند نے ۳۱ر جولائی ۵۷ء کو دیہاتوں کا جلانا ممنوع قرار دیدیا اور نہتے آدمیوں کو سزا دینے سے بھی حکماً روک دیا گیا۔ جن افسروں نے عوام الناس سے وحشیانہ سلوک کیا تھا، اُن سے اختیارات چھین لئے گئے۔ ۲۰ر اگست ۵۷ء کو گرانٹ صوبجات متحدہ میں بطور لفٹنٹ گورنر مقرر کیا گیا، تاکہ وہ الہ آباد اور دیگر مقامات میں ان لوگوں کو بچائے، جو بلاتمیز پھانسی دئے جا رہے تھے۔ مگر کیننگ اور گرانٹ ایسے نرم دل واقع ہوئے تھے کہ ماتحت افسران کے احکام کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے۔ بایں ہمہ انگریزوں نے انکے خلاف بڑا شور مچایا۔ اور وائسرائے کو تو وہ نرم دل کیننگ کہا کرتے تھے!

ماہ اگست میں جب انگریزی فوج کا ایک دستہ کسی گاؤں کو جلاکر واپس آرہا تھا، راہ میں وفادار سپاہیوں کی ایک تعداد مل گئی۔ وہ بھی انکی سنگینوں کا شکار ہوئے۔ جرنیل اوٹرم اس واقعہ جانکاہ کو "شفاکانہ قتل" سے تعبیر کیا کرتا تھا۔ لندن ٹائمز نے بھی ایسے بزدلانہ جرائم کے خلاف بہت کچھ لکھا تھا۔

یہ امر مسلم ہے کہ بہت سے ہندوستانی سپاہی ہمارے مظالم سے گھبرا گئے اور اپنی پلٹنیں چھوڑکر بھاگ گئے۔ بعد ازاں وہ بغاوت کرنے پر مجبور ہوگئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے جان توڑکر ہمارا مقابلہ کیا جس سے ہمیں سخت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ انہیں یقین تھا کہ جو کوئی بھی انگریزوں کے ہاتھ آگیا اس کی جان سلامت نہیں رہے گی۔

لفٹنٹ رابرٹ جو بعد میں فیلڈ مارشل کے عہدے پر ممتاز ہوا، اپنی ہمشیر کو ایک خط میں لکھتا ہے۔

"میری پیاری ہریٹ تم کو ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ جو سپاہی ہمارے خلاف بغاوت کر رہے ہیں، میں ان پر ترس کھاتا ہوں۔ میں ایسا سنگدل ہوگیا ہوں کہ مجھے ان کی بے کسی پر مطلق رحم نہیں آتا جب کوئی قیدی گرفتار کرکے پیش کیا جاتا ہے، تو سب سے پہلے میں ہی چلا اُٹھتا ہوں" فی الفور پھانسی پر لٹکایا جائے"

دہلی کے محاصرے کے دوران میں ایک افسر لکھتا ہے:

"دشمن نے صلح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انگریز بغیر قتل کئے اور کسی شرط پر راضی نہیں ہونگے اور ان کا خیال بالکل درست ہے"

گریٹ ہیڈ ایک خط میں اس افسر کے رائے کی تاکید کرتا ہے۔ سر جارج کیمبل اپنی سوانح عمری میں اس بات پر بڑا زور دیتا ہے کہ سپاہیوں نے درحقیقت بغاوت کرکے سخت نمک حرامی کا ثبوت دیا۔ لیکن جب ان سے بگڑی بگڑی تھی۔ تو ہمیں ان کی وفاداری پر قطعاً امید نہیں کرنی چاہئے تھی۔ کیونکہ وہ ہمارے ہم وطن نہ تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ہماری طاقت معدوم ہوچکی ہے تو پھر انکا باغیوں سے جا ملنا اتنا سنگین جرم نہ تھا، جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ بایں ہمہ ہمیں حیرت ہے کہ بہت تھوڑی فوجوں نے بغاوت میں حصہ لیا۔ جہاں کہیں کوئی فوج بغاوت کرتی تھی، وہ عموماً اپنے انگریز افسروں کو قتل کردیتی تھی۔ لیکن برعکس اسکے عوام الناس نے اکثر ہماری امداد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ کئی دفعہ ہندوستانیوں نے انگریزوں کی جان بچاکر اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال دیا۔ لیکن ہم نے ان لوگوں کی قربانی اور انسانیت کا بدلہ یوں دیا کہ باغی سپاہیوں کے ہمراہ انھیں بھی بلاتمیز قتل کرتے رہے!

ملکہ وکٹوریا اپنے خطوط میں (جو حال ہی میں کتاب کی شکل میں شائع ہوئے ہیں) غدر کے واقعات کے متعلق یوں لکھتی ہیں:

"ہماری فوجوں نے باغیوں سے سخت انتقام لیا۔ جس کی وجہ سے وہ سخت بدنام ہوئیں۔ کیونکہ انھوں نے سخت بے رحمی سے بدلہ لیا تھا مگر لارڈ کیننگ کو بھی اس کی نرم مزاجی کی وجہ سے یہاں لعن طعن کیا جاتا ہے۔ عوام الناس کی رائے ہے کہ فوج اور سول کے افسروں نے غدر کو کچل دینے کے لئے جو کچھ انتظامات کئے تھے، وہ بالکل ضروری تھے اور اگر یہ افسر سختی سے کام نہ لیتے۔ تو بغاوت اتنی جلد فرو نہ ہوتی"

رسل نے اپنی ڈائری میں یہ سوال یوں حل کیا ہے۔

"یا تو یہ محض ایک فوجی بغاوت تھی۔ یا عام بغاوت تھی۔ چونکہ یہ بغاوت محض فوجوں تک محدود تھی، اس لئے دیہات اور شہر کے باشندوں کو محض اس بنا پر موت کی سزائیں دینا کہ انھوں نے سپاہیوں کی بغاوت فرو کرنے میں انگریزوں کا ساتھ نہ دیا، کسی قدر تہذیب سے گرا ہوا فعل تھا۔ ہم لوگوں کے ہمدردانہ جذبات کو جرم نہیں قرار دے سکتے۔ ہمیں چاہئے تو یہ تھا کہ اپنے دشمنوں کو جنگ کے میدان میں تباہ کریں۔ لیکن تمام علاقے کو محض اس بنا پر سزا دینا کہ اسمیں کچھ ظالم واقع ہوئے تھے، یا باغی سپاہیوں نے اسمیں ڈیرا ڈالا تھا۔ ایک ایسا شنیع فعل ہے کہ کوئی سمجھدار آدمی اس سے نفرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا اس بغاوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر دو قوموں کے درمیان ایسی سخت نفرت قائم ہوگئی ہے کہ اس کے دور کرنے کے واسطے بہت عرصہ چاہیے باہمی اعتبار بالکل زائل ہوگیا ہے۔ اور اُمید نہیں کہ وہ پھر عود کرسکے"

ہومز ایک جگہ لکھتا ہے:

"دہلی کے باشندوں نے باغیوں کے جرائم کا کفارہ کئی گنا دیا۔ ہزارہا مرد اور عورتیں شہر کے مضافات میں آوارہ پھر رہے تھے۔ نہ انکے پاس سامان خورد ونوش تھا۔ نہ ہی انکے قیام کے لئے کوئی مکان تھا جو کچھ ان کا اثاث البیت تھا، وہ انگریزی سپاہیوں نے لوٹ لیا تھا۔ انھوں نے دہلی کی فتح کے بعد ہر ایک مکان کی تلاشی لی تھی اور جو کچھ وہاں ملا تھا، لوٹ لے گئے تھے۔ عورتوں کی بڑی تعداد نے اپنے آپکو ہمارے رحم پر چھوڑ دیا تھا۔ ہم نے انہیں ایک محفوظ جگہ پر پہونچا دیا تھا۔ ہمیں ان دنوں ایسی شریف زادیوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوتا تھا، جو بڑی مشکل سے اپنے بچوں کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے رستوں پر ڈگمگاتی پھرتی تھیں کیونکہ وہ اپنے گھر کی چار دیواری سے باہر چلنے کی عادی نہ تھیں!"

رومیش دت ہندوستان کی تاریخ کے صفحہ ۲۲۴ پر لکھتا ہے:

"ہر ایک سمجھدار انگریز اور ہندوستانی اس بات کا خواہاں ہے کہ بغاوت کے افسوسناک حوادث کو مدارس کی تعلیمی کتابوں سے حذف کردیا جائے تاکہ بچوں کے دماغ میں یہ زہر سرایت نہ کرسکے۔ جب سے انگریزوں نے ہندوستان پر تسلط جمانا شروع کیا، ان کی راجوں اور نوابوں سے ہمیشہ لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ ماننا پڑتا ہے کہ ان لڑائیوں میں فریقین نے اس قدر ظلم برپا نہیں کئے تھے، جیسے کہ غدر کے دنوں میں ہوئے۔ باغیوں نے اس خیال سے بغاوت کا علم بلند کیا تھا کہ وہ اپنے مذہب اور قومیت کی خاطر لڑ رہے تھے۔ لیکن انھوں نے بے گناہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرکے اپنی قوم اور مذہب کی سخت توہین کی۔ دوسری طرف سے انگریزی فوجوں نے بھی سیکڑوں میلوں کے محاذ میں بے شمار گاؤں جلا ڈالے اور بے شمار بے گناہوں کا خون بہایا۔ انھوں نے دہلی کے باشندوں کا قتل عام کیا۔ حالانکہ باغی سپاہ (جو واجب القتل تھی) شہر چھوڑکر بھاگ گئی تھی۔ اسی طرح انگریزی کمشنروں نے شمالی ہند میں ہزاروں بے گناہ آدمیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ جنھوں نے غدر میں مطلقاً حصہ نہیں لیا تھا"

جن واقعات کا میں نے ذکر کیا ہے، اُنھیں کسی خاص خصوصیت کی بنا پر منتخب نہیں کیا گیا۔ بہت سے حوادث غدر ان سے بھی زیادہ ہولناک قسم کے میرے علم میں آئے ہیں جن کا ذکر میں پسند نہیں کرتا بعض لوگ خیال کرینگے، مجھے اس افسوسناک معاملہ کی یاد تازہ نہ کرنی تھی لیکن میں نے اس لئے یہ داستان غم از سر نو چھیڑی ہے تاکہ ایک معاملہ کا فیصلہ ہوجائے۔ ایک طرف انگریز ہیں جو ابتک ۵۷ء کے ہندوستانی مظالم فراموش کرنا نہیں چاہتے اور یکے بعد دیگرے ایسی تاریخیں لکھی جا رہی ہیں جن میں صرف تصویر کا ایک ہی رُخ نمایاں کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف ہندوستانی ہیں، اور وہ بجا طور پر محسوس کرتے ہیں کہ آجتک اُنکے خیالات و احساسات کی بالکل شنوائی نہیں ہوئی۔ ایک مورخ نے بھی اس کی ضرورت نہ سمجھی کہ تصویر کا دوسرا رُخ دیکھنے کی بھی کوشش کرے۔ میری رائے میں انصاف اور دیانت داری کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو دونوں فریق یہ معاملہ یکقلم بُھلادیں۔ یا پھر دونوں کو اپنا اپنا نقطۂ خیال ظاہر کرنے کا موقعہ دیا جائے۔

لارڈ رابرٹ کے وہ خطوط جو غدر ۵۷ء میں انھوں نے لکھے تھے، اب ۱۹۲۳ء میں چھاپ کر شائع کئے گئے ہیں۔ اگر برطانیہ کو ہندوستان سے ذرا بھی ہمدردی ہوتی تو یہ کتاب اب ہرگز شائع نہیں کی جاتی ہندوستانیوں کے خلاف سخت زہر اگلا ہے۔ میں نے جان بوجھکر نیل (Neill) کی سفاکانہ حرکات کا (جو کانپور کے حادثے سے بھی دہشتناک تھی) ذکر نہیں کیا ہے۔ نہ ہی میں نے ہاڈسن کے شنیع افعال کو (جنے ہمایوں کے مقبرے کے قریب دو مغل شاہزادوں کو بلا وجہ قتل کیا تھا) اس کتاب میں درج کرنا مناسب سمجھا ہے۔ میں نے

ہوئے، اور ایک ہی رسی میں باندھ گئے۔ وحشی فاتح جب اُنھیں اپنے لشکر میں لئے جا رہے تھے، تو بخیت کوکو نے اپنے دوست شعبان علدی سے کہا "میں اِن قبیلوں کی زبان اور عادات سے بخوبی واقف ہوں۔ یہ لوگ قیدیوں کو سخت تکلیف دینے کے بعد زندہ جلا دیتے ہیں۔ اگر تم منظور کرو تو اِن سے میں درخواست کروں کہ ہم دونوں کو ساتھ ہی جلائیں۔ لیکن میں کوشش کروں گا، کسی تدبیر سے انھیں دہوکہ دیدوں" مصری از حد خائف تھا۔ تقریبًا مجنون ہوچکا تھا اُسنے اپنے دوست کی تائید کی۔

(۴)

وحشی فاتحوں نے اپنے لشکر میں پہنچکر جشن شروع کیا۔ تقریب کا آغاز اِس طرح ہوا کہ دو قیدی افسروں کو برہنہ کرکے ایک درخت کے تنہ سے باندھ دیا گیا اور نوجوانوں نے اُن پر تیر اندازی شروع کی۔ ہر تیر پر مظلوم قیدیوں کی فریاد بلند ہوتی تھی، اور وحشی فاتحوں کے پُر مسرت نعرے ہوا میں گونج اُٹھتے تھے۔ ایک قیدی تو فورًا مرگیا مگر دوسرا ۵ دن تک زندہ رہا۔ روز صبح سے شام تک اُس کے زندہ جسم پر تیر افگنی کی مشق کی جاتی تھی!

اِس تماشہ کے بعد جتنے قیدی خوف و دہشت سے مر نہیں چکے تھے، زندہ جلا دئے گئے۔ پھر اِن دونوں دوستوں، یعنی شعبان عدوی اور بخیت کوکو کی باری آئی۔ بخیت نے قبیلے کے سردار سے اُس کی زبان میں کہا "ہم دونوں ترک نہیں ہیں جیسا کہ تم خیال کرتے ہو ہم ملک کرکورڈو[1] کے رہنے والے ہیں۔ ہمیں ترک پکڑ لے گئے تھے اور زبردستی تم سے لڑنے پر مجبور کیا۔ مگر ہم نے کوئی ہتیار نہیں چلایا اور قید ہوگئے تاکہ تمھارے ساتھ ملکر ترکوں سے لڑیں۔ اگر تم ہمیں مار دوگے نہیں تو ہمارے قبیلے بھی تمھاری مدد پر آجائیں گے"

بڑی حجت و تکرار کے بعد سردار نے دونوں قیدیوں کو زندہ رکھنا منظور کرلیا۔ زیادہ تر اِس خیال سے کہ اِن سے بطور ترجمان کے کام لیا جائے گا۔

(۵)

اِس کے بعد دونوں قیدی وحشیوں کے ساتھ رہنے اور اُن کی وحشیانہ رسموں میں شریک ہونے لگے۔ اِسپر ایک مدت گزر گئی۔ اب شعبان عدوی اُداس رہنے لگا، کیونکہ نجات سے ناامید ہوگیا تھا۔ بخیت کوکو ایک دن کسی ضرورت سے جدا ہوا۔ شعبان نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا۔ درخت میں رسی باندھی اور اپنے گلے میں پھندا لگاکر لٹک گیا۔ درخت پر بلبلیں اور غوغائیاں بیٹھی تھیں۔ اچانک چلا اُٹھیں۔ اتفاق سے بخیت کوکو بھی اب پہنچ چکا تھا۔ چڑیوں کا شور سُنکر نظر اُٹھائی تو اپنے دوست کو لٹکتے دیکھا۔ حیرت انگیز پھُرتی سے وہ درخت پر چڑھ گیا، اور اپنے تیز خنجر سے پھانسی کی رسی کاٹ دی شعبان، نیچے گرا۔ بخیت بھی ساتھ ہی پھاندا اور دوست کی لاش پر نوحہ کرنے لگا!

بخیت کوکو ابھی نوحہ و فغاں کر ہی رہا تھا کہ شعبان نے آنکھ کھول دی۔ وہ مرا نہیں تھا۔ صرف بے ہوش ہوگیا تھا۔ بخیت بہت خوش ہوا اور بتایا کہ "میں نے قبیلے کے سردار کو راضی کرلیا ہے کہ ہم دونوں، وحشیوں کو بندوق چلانا سکھا دیں۔ جب ہتیار ہمارے ہاتھ آجائیں گے تو میں تمھیں لے کر ملک نم نم کی طرف بھاگ جاؤں گا۔ وہ یہاں سے صرف ۲۰ دن کے فاصلے پر ہے۔ مجھے راستہ اچھی طرح معلوم ہے"

"میں نم نم میں نہیں جاؤں گا کیونکہ وہاں آدمیوں کا گوشت کھایا جاتا ہے!" شعبان نے خوف زدہ ہوکر کہا۔

"دوست! یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" بخیت کوکو نے کہا "یہ بالکل جھوٹ ہے۔ نم نم میں صرف دو قبیلے، آدمی کھاتے ہیں۔ اور وہ بھی ہر طرح کا آدمی نہیں۔ صرف بیمار آدمیوں کا گوشت کھالیتے ہیں۔ اُن میں کسی ایک قبیلے میں جب کوئی بیمار ہوجاتا ہے اور اچھا نہیں ہوتا، تو اُسے دوسرے قبیلے میں بھیجدیتے ہیں تاکہ اُسے بھون کر کھالیں۔ کیونکہ وہ آدمی کو دفن کرنا یا جلانا، انسانیت کے خلاف سمجھتے ہیں!"

(۶)

یہ سنکر شعبان بھاگنے پر راضی ہوگیا۔ کچھ مدت بعد لوٹ کی بندوقیں اور کارتوس آگئے۔ ایک رات جبکہ وحشی ناچ گانے میں مصروف تھے، دونوں دوستوں نے بندوقیں اُٹھائیں، کارتوس کی پیٹیاں کمر میں باندھیں، اور اندھیرے میں بھاگ کھڑے ہوئے۔

رات بھر چلنے کے بعد وہ ایک ایسے علاقے میں پہونچے جہاں ہر طرف دلدلیں تھیں۔ پورا ایک دن انہی دلدلوں کے عبور کرنے میں لگ گیا۔ اب وہ بہت تھک گئے تھے اور بھُوک سے بے حال ہو رہے تھے۔ جوں ہی ایک خشک زمین پر پہنچکر اُنھوں نے چاہا کہ سستالیں، بخیت کوکو چلایا "فورًا درخت پر چڑھ جاؤ!" شعبان، بدحواس ہوگیا۔ مگر بخیت دوڑکر اُس کے پاس آیا اور اُسے گود میں اُٹھاکر درخت پر چڑھا دیا، اور خود بھی اوپر پہنچ گیا۔ فورًا ہی اُنھوں نے دیکھا کہ ایک عظیم الشان کرگدن، تیر کی طرح دوڑتا ہوا چلا آرہا ہے۔ آتے ہی اُسنے قریب کے ایک درخت پر حملہ کیا اور پورا درخت اکھاڑکر پھینک دیا۔ دونوں دوستوں کے پاس بندوقیں موجود تھیں۔ اُنھوں نے فیر کیا اور ۳ گولیوں میں حیوان کو گرا دیا۔ اب وہ خوش خوش اُترے اور اُس کا گوشت بھُون بھُون کر کھانے لگے۔

مسلسل کئی دن تک اُنھوں نے جنگلی کیلے اور آم کے جنگلوں میں سفر کیا۔ راستے میں بہت سے دریا ملے۔ دونوں دوست درخت کاٹ کر کشتی بنالتے تھے۔ اور دریا عبور کرجاتے تھے۔

کئی ہفتے کے سخت ہولناک سفر کے بعد وہ ملک نم نم کی سرحد پر پہنچ گئے۔ رات اُنھوں نے ایک اونچے پیڑ کی شاخوں پر گذاری۔ وہ مشورہ کرتے رہے کہ یہاں کے بادشاہ کو کیا ہدیہ پیش کرنا چاہئے؟ کیونکہ بادشاہ اگرچہ انصاف پسند تھا مگر کسی اجنبی کو بلا سبب ملک میں داخل ہونے نہیں دیتا تھا۔ آخر اُنھوں نے طے کیا کہ اپنے ہتیار اُس کے سامنے پیش کرینگے۔

صبح وہ چلے جا رہے تھے کہ ناگاہ اُنھیں زمین پر ایک آدمی کی لاش نظر آئی۔ پاس ہی ایک گٹھری بھی رکھی تھی۔ قریب کے درخت سے گدھا بندھا تھا۔ انھوں نے خیال کیا، کوئی مسافر تھا۔ گدھا باندھکر اور گٹھری سر کے نیچے رکھ کر آرام کے لئے لیٹا ہوگا، مگر کسی درندے نے اُسے مار ڈالا۔ پھر اُنھوں نے گٹھری کھولی تو اُسمیں ریشمی اور کلابتونی کپڑے رکھے تھے۔ وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے "بادشاہ کے لئے یہ اچھا تحفہ ہے۔ گدھا دیکھ کر وہ بہت خوش ہوگا۔ کیونکہ اس ملک میں گدھا ناپید ہے"

اب اُنھوں نے چاہا یہ مال غنیمت لے کر آگے بڑھیں؛ مگر فورًا ہی پاس کی جھاڑی سے ایک شیر ببر مہیب آواز سے چلاتا باہر نکلا۔ مگر وہ ڈرے نہیں۔ فورًا بندوق چلائی اور شیر کو مار ڈالا۔

(۷)

شاہ نم نم کا پائے تخت سامنے تھا۔ بندوق کی آواز وحشی باشندوں کے لئے بالکل نئی تھی۔ بہت سے آدمی گاؤں سے نکل آئے اور آواز کی طرف دوڑے۔ خود بادشاہ، سب سے آگے تھا۔ بخیت کوکو نے بادشاہ کو دیکھا تو شاہانہ آداب و کورنش بجالایا، اور اپنا اپنے دوست کا پورا قصہ کہہ سُنایا۔ پھر اُسنے کہا:

"میرا یہ دوست، اپنے وقت کا رستم ہے۔ خود اعلیٰ حضرت ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اسنے کس آسانی سے شیر مار ڈالا، اور اِس عجیب مخلوق (یعنی گدھے) کو اپنی سواری بننے پر مجبور کر دیا!"

بادشاہ بہت متحیر ہوا۔ گدھے کی صورت دیکھ کر اُس کی تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔

پھر بخیت کوکو نے بادشاہ سے کہا "گدھا اصل میں میرے اِس دوست کے بھائی کی سواری ہے۔ وہ اِسپر سوار ہوکر تمام دنیا میں سفر کرتا رہا۔ وہ اپنے اِس گم شدہ بھائی کو تلاش کر رہا تھا جسے وحشی لوگوں نے قید کرلیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ اعلیٰ حضرت کے لئے یہ کپڑے بھی لایا تھا۔ مگر افسوس کہ درندے نے اُسے سوتے میں مار ڈالا۔ اب میرا دوست اعلیٰ حضرت کی خدمت میں یہ کپڑے نیز یہ جہنمی ہتیار جس سے اُسنے چشم زدن میں شیر کو مار ڈالا، ہدیتًہ پیش کرتا ہے!"

بادشاہ از حد مسرور ہوا اور ہدیئے قبول کرلئے۔ پھر بخیت کوکو نے بادشاہ کی اجازت سے شعبان کو حکم دیا کہ گدھے پر سوار ہوکر بادشاہ کے رُوبرو اُسے دَوڑلئے۔ شعبان گدھے پر سوار ہوگیا۔ مگر سوءِ اتفاق سے گدھا چلّانے لگا۔ اُس کی عجیب آواز سُنکر وحشی باشندے اور خود بادشاہ پر سخت دہشت طاری ہوئی۔ وہ بے تحاشا بھاگ کھڑے ہوئے۔ بخیت کوکو نے دَوڑکر بادشاہ کو روکا، اور عرض کیا "یہ حیوان، سفر میں رہنے کی وجہ سے بدتمیز ہو گیا ہے! چند دن آرام کرنے کے بعد ٹھیک ہوجائے گا!"

بادشاہ نے اپنے کاہن سے مشورہ کیا۔ کاہن نے کہا "یہ مخلوق، اصل میں انسان ہی ہے اور جادو کے زور سے جانور بنا دیا گیا ہے"

تب بادشاہ کی آنکھوں میں غصہ ظاہر ہوا۔ بخیت کوکو سمجھ گیا۔ اُسنے بندوق اُٹھائی، اور گولی مار کر گدھے کا خاتمہ کردیا۔

اب بادشاہ کے ہوش حواس دُرست ہوئے۔ اُس کا غصہ دُور ہوگیا۔ دونوں مہمانوں کو اپنے قصر شاہی میں اُتارا، جو پھونس کا ایک جھونپڑا تھا۔ پھر اُن کے اعزاز میں پرتکلف دعوت کی۔ اپنے دس سب سے زیادہ موٹے کتے ذبح کرائے اور اُن کے کباب مہمانوں کو کھلائے!

شاہی مہمان عزت و احترام سے رہنے لگے۔ اُنھیں ہر طرف پھرنے کی اجازت تھی۔ اُنھوں نے دیکھا، یہاں مرد بالکل برہنہ رہتے ہیں۔ عورتیں، صرف سبز پتے باندھ کر ستر پوشی کرتی ہیں۔ جب پتے خشک ہوجاتے ہیں تو اُنھیں پھینک کر نئے پتے باندھ لیتی ہیں۔ تعدد ازدواج کی عادت عام ہے۔ خود بادشاہ کے محل میں ۳۰۰ بیویاں تھیں۔ باشندے بہت مطمئن زندگی بسر کرتے ہیں۔ غذا وافر ہے۔ ہر گھر میں شہد بافراط موجود ہے۔

(۸)

چند ماہ قیام کے بعد دونوں دوست بادشاہ کی اجازت سے خرطوم روانہ ہوئے۔ وہاں سے مصر پہنچے۔ شعبان عدوی نے اپنے چچا کی لڑکی سے شادی کرلی اور اپنے دوست بخیت کوکو سے اپنی بہن بیاہ دی۔

---

[1] کرکوردیا تورقرہ، خط استوا پر بحر غزال کے ممالک کا ایک جزء ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہاں کے باشندے بہت سُرخ سفید ہوتے ہیں۔ اُن کے بال بھورے اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ بالکل یورپین معلوم ہوتے ہیں۔

بریدِ شرق

مکتوب حجاز

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم حجاز کے قلم سے)

لجنۂ تفتیش مدینۂ منورہ میں

قارئین الہلال لجنۂ تفتیش کے نام اور مقاصد سے واقف ہو چکے ہیں کہ معظمہ اور جدہ کے انتظامات و اصلاحات سے فارغ ہو کر اب یہ مجلس گزشتہ ہفتہ مدینۂ منورہ گئی ہو۔ شیخ حافظ وہبہ اس کے صدر ہیں مجلس نے مدینۂ طیبہ میں پہنچتے ہی علماء و فضلاء اور شہر کے سربرآوردہ آدمیوں کو جمع کیا اور صدر مجلس نے اُن کے روبرو حسب ذیل تقریر کی:

"میں تمھیں جلالۃ الملک کا سلام پہونچاتا ہوں۔ سلطان تمھارے لئے اور تمھارے پاک شہر کے لئے اپنے دل میں بہترین آرزوئیں رکھتے ہیں۔ سلطان نے ہمیں یہاں اس لئے بھیجا ہو کہ رعایا کے حالات اور حکومت کے معاملات کی تفتیش کریں۔ جتنی اچھائیاں ہمیں نظر آئیں گی، برقرار رکھیں گے جتنی بُرائیاں دکھائی دیں گی، دُور کر دیں گے۔ تم جانتے ہو آدمی اپنی انفرادی حالت میں کمزور ہو، لیکن جماعت کے ساتھ طاقتور ہو۔ پس ہم چاہتے ہیں تم اس مجلس میں شریک ہو۔ اس کی مدد کرو۔ اس کے سامنے اپنی شکایتیں پیش کرو۔ اپنے مشوروں سے اس کی رہنمائی کرو۔ ہم ہر معقول بات سننے اور کرنے کے لئے طیار ہیں۔ ہم ہر ظالم کو گرا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ تم ہرگز کسی کا خوف اپنے دلمیں نہ رکھو۔ بڑے سے بڑے حاکم نے بھی اگر زیادتی کی ہو، تو صاف صاف کہدو۔ ہم فوراً اس کا تدارک کریں گے۔ ہماری غرض اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس مقدس شہر کو ترقی اور اس کے باشندوں کو خوش حالی حاصل ہو۔ اس پیغام کے بعد سلطان کی ذمہ داری دُور ہو گئی ہو۔ اگر تم اب بھی خاموش رہو گے اور اپنی شکایتیں پیش نہیں کرو گے تو اس کی ذمہ داری سراسر تمھارے ہی سر ہو گی۔ پھر حکومت کو ملامت نہ کرنا، خود اپنی بزدلی اور غفلت پر تاسف کرنا"

اس کے بعد مجلس نے حکومت کے تمام شعبوں اور دفتروں کی جانچ کی۔ پھر اپنی تحقیقات قلم بند کر کے خفیہ طور پر سلطان کو بھیجدی۔ سلطان نے فوراً مدینۂ منورہ کے حاکم اور سپہ سالار کو طلب فرمایا اور انھیں معزول کر کے اپنے تیسرے بیٹے شاہزادہ محمد کو حاکم اعلیٰ، شیخ عبد العزیز ابراہیم کو اُن کا نائب، اور شیخ یاسین رواف کو مساعد مقرر کر دیا۔ نئے حاکم نے آتے ہی باشندوں کو جمع کیا اور سلطان کا حسب ذیل فرمان سُنایا:

"اے اہل مدینہ! تم اور تمھارے حاکم باہم نیکی اور تقویٰ میں مددگار بنجائیں۔ ہوا و ہوس اور گمراہیوں سے پرہیز کریں۔ باہم اتحاد رکھیں شقاق سے بچیں۔ قیل قال چھوڑ دیں۔ خدا ہماری اور تمھاری دستگیری کرے، اور سب کو نیکی کی توفیق بخشے"

پھر سلطان کا وصیت نامہ پڑھا گیا جو اُنھوں نے حاکم مدینہ کے نائب کے لئے لکھا ہو۔ وہ حسب ذیل ہو:

"امن و امان قائم کرنے میں پُوری کوشش کرنا۔ تمام لوگوں سے یکساں برتاؤ کرنا، کیونکہ سب آدمی برابر ہیں۔ نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہو، نہ عجمی کو عربی پر کوئی امتیاز۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی کا پتلا تھا۔ ہاں، اگر کوئی امتیاز ہو تو وہ صرف تقویٰ کا امتیاز ہو۔ میرا مطالبہ یہ ہو کہ تمام رعایا تجھ سے خوش رہے۔ شہری باشندے بھی خوش رہیں، بدوی باشندے بھی خوش رہیں۔ کوئی معاملہ بھی اپنی رائے سے انجام نہ دینا ہمیشہ شرعی حاکم سے مشورہ کرو۔ کیونکہ اس میں اللہ کی اطاعت زیادہ ہو اور مخلوق کی رضامندی بھی اسی ذریعہ حاصل ہو سکتی ہو۔ اپنے بارے میں لوگوں کا خیال بدل دو۔ تمھیں سب سخت گیر کہتے ہیں۔ نرم دل بنجاؤ۔ میری سب سے بڑی وصیت یہ ہو کہ شعائر دین قائم کرو، اوامر الٰہی جاری کرو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قائم ہو جاؤ۔ شریعت کے نفاذ میں لومۃ لائم کی پروا نہ کرو۔ اپنے ماتحت عہدہ داروں کی نیکی میں مدد کرو۔ اگر اُن کی کوئی قابل اعتراض بات نظر آئے تو عوام و خواص میں اُن کی مذمت شروع نہ کر دو، بلکہ اُنھیں اپنے پاس بُلا کر نصیحت کرو۔ اگر اس پر بھی اُن کی اصلاح نہ ہو تو مجھے یا میرے نائب عام کو اطلاع دو۔ عہدہ داروں کو اپنا جاسوس نہ بنانا۔ سب کو دُور سے اپنا دوست بنائے رکھو!"

سُلطان کا سفر نجد

سلطان اپنے نجدی پائے تخت ریاض کو روانہ ہو گئے ہیں۔ سفر سے پہلے حرم میں نماز پڑھی اور طواف الوداع کیا۔ یہ سفر نجد میں بعض انتظامات کی تکمیل کے لئے ہو۔

عسیر کے لئے طبّی وفد

عسیر کا علاقہ جس وقت سے سلطان ابن سعود کے زیر حکومت آیا ہو، سلطان اصلاح و ترقی کی کوششوں میں سرگرم ہیں۔ اس علاقہ میں اسوقت تک نہ تو کوئی باقاعدہ معالج تھا۔ نہ شفاخانہ۔ اب سلطان کے حکم سے ایک طبّی وفد بھیجا جا رہا ہو تاکہ وہاں ایک شفاخانہ قائم کرے ڈاکٹر خیری بے اس وفد کے رئیس ہیں جو مکۂ معظمہ کے محکمۂ حفظان صحت کے مہتمم تھے۔

عدل و امان

اس ہفتہ ایک واقعہ ایسا پیش آیا جو اگرچہ حجاز میں اب کوئی غرابت نہیں رکھتا۔ لیکن بیرونی دنیا کے لئے وہ ضرور قابل ذکر ہو۔ واقعہ یہ ہو کہ مکۂ معظمہ کا ایک صرّاف جدّہ سے آ رہا تھا۔ گھر پہنچکر اُسنے دیکھا کہ پندرہ ہزار روپیہ کی تھیلیاں اسباب سے غائب ہیں! وہ سخت پریشان ہوا دوستوں نے مشورہ دیا کہ پولیس کو خبر کرے۔ مگر اُسنے انکار کر دیا۔ کیونکہ اُسے معلوم نہیں تھا، یہ رقم کہاں ضائع ہو گئی؟ اچانک اُس کے *

* دروازہ پر دستک دی گئی۔ پھر پولیس کے سپاہی ۱۵ ہزار کی تھیلیاں لئے داخل ہوئے۔ انھوں نے کہا، تمھارا روپیہ [illegible]

عالم مطبوعات و صحائف

کیا چاند تک پہنچنا ممکن ہو؟

آمریکہ سے یورپ تک دو گھنٹے میں!

آمریکہ اور یورپ میں اب تک مشہور فضائی سیاح لنڈبرگ کا چرچا ہو رہا ہو۔ یہی وہ شخص ہو جو نیویارک سے پیرس تک بغیر کہیں رُکنے کے، اُڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

لیکن اب یورپ اور آمریکہ کے ہوائی سفر کے ماہرین، اس کامیابی پر متعجب نہیں ہیں۔ اُن کا خیال ہو، بہت جلد یہ بات ممکن ہو جائیگی کہ آمریکہ سے یورپ تک کی مسافت صرف دو گھنٹے میں طے کر لی جائے!

اسوقت جرمنی میں تین شخص ایسے موجود ہیں جو چاند تک پہنچنے کے لئے عملی جدوجہد شروع کر چکے ہیں۔ یہ سب کے سب علوم کے ماہر ہیں اور اُن تدابیر پر عملی طریقہ سے غور کر چکے ہیں جن کے ذریعہ ہوائی جہاز کا چاند تک پہنچ جانا ممکن ہو۔

حال میں پروفیسر ماکس ویلیر نے (جو ان تین میں سے ایک ہو) ایک بیان بعض علمی رسائل میں شائع کیا ہو۔ وہ لکھتا ہو:

"انسان اب اپنی ایجادات کے زور سے مسافت کی دُوری پر غالب آ گیا ہو۔ مثلاً سو میل کی مسافت پہلے ۴ دن میں طے کیجاتی تھی۔ بائسکل نے اسے ایک دن کی مسافت کر دیا۔ ریل نے اسے ایک گھنٹہ کا سفر بنا دیا۔ اور اب ہوائی جہاز کے لئے یہ صرف چند منٹوں کی بات ہو۔ پھر اگر توپ کے گولہ کی رفتار پر نظر ڈالی جائے، تو وہ سو میل کی مسافت ۳ منٹ میں طے کر لیتا ہو"

"بلاشبہ موجودہ ہوائی جہاز توپ کے گولہ کی سی رفتار نہیں پیدا کر سکے ہیں۔ کیونکہ جہاز جوں جوں فضا میں بلند ہوتا جاتا ہو، ہوا لطیف ہوتی جاتی ہو، اور جہاز کی قوت میں کمی آتی جاتی ہو۔ لیکن اس سے ہماری کوششوں میں فرق نہیں آسکتا۔ ہمیں اپنی سعی برابر جاری رکھنی چاہئے۔ ہم ضرور کوئی ایسا طریقہ پیدا کر لیں گے کہ توپ کے گولہ کی طرح ہوائی جہاز بھی فضا میں بغیر کسی رُکاوٹ کے بلند ہو سکے"

"بعض لوگوں کا خیال ہو کہ اگر ہوائی جہازوں میں ایسے محرک (موٹر) لگائے جائیں جو بلندی پر جا کے ہوا میں کثافت پیدا کر سکیں تو یہ مشکل حل ہو جائے گی لیکن میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہو۔ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ ۱۵ میل تک جہاز پہنچ سکے گا۔ اس کے بعد محرک بے کار ہو جائے گا"

"یہ مشکل صرف اس طرح حل کی جا سکتی ہو کہ محرک، خود جہاز میں نہیں بلکہ اُس کے باہر ہو۔ یعنی ایسے آلات ایجاد کئے جائیں جو جہاز کو بلندی پر اُسی طرح پہنچا دیں، جس طرح توپ اپنا گولہ اُڑا دیتی ہو۔ اس صورت میں ہوا کی لطافت کا اُس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا"

ایک اور پروفیسر پرسویل کا خیال ہو۔

"اگر ہوائی جہاز، ۱۵ میل کی بلندی پر پہنچ سکے۔ اور اُس کا محرک ۵۰ ٹن وزن کا ہو، اور خود جہاز کا وزن $9\frac{1}{2}$ ٹن سے زیادہ نہ ہو، تو وہ برلن سے نیویارک کا فاصلہ ۲۸ گھنٹے میں طے کر سکتا ہو۔ لیکن اگر جرمن پروفیسر کے نظریہ کے مطابق یہ جہاز، توپ کے گولے کی طرح، درجہ ۸۰ کے زاویہ پر، ہوا میں پھینکا جائے، تو، اسکنڈ کے

کئی چشمدید گواہوں کے بیانات بھی حذف کر دئیے ہیں، جن کا بیان ہو کہ سیکڑوں دیہات جلا دئیے گئے اور ان میں بوڑھے مرد اور پردہ نشین عورتیں بھی جلکر راکھ ہو گئیں۔

غدر کے تاثرات جنوبی ہند اور بنگال تک نہیں پھیلے لیکن یہاں سے لے کر شمال مغربی سرحد تک غدر کی یاد ابتک تازہ ہو۔ اس علاقہ کے ہندوستانیوں اور انگریزوں دونوں نے ابھی تک فراموش نہیں کیا ہو۔ اس لئے اس کی یاد ان دونو قوموں کے باہمی تعلقات میں رخنہ اندازی کرتی رہتی ہو۔ جب کبھی کہیں ذرا سا فساد ہوتا ہو تو ہندوستان کے انگریز باشندے چلا اٹھتے ہیں "مارشل لا فی الفور نافذ کیا جائے"، کیونکہ انہیں ہر وقت اپنی جانوں کا خطرہ رہتا ہو اگر غدر کے افسانے انگریزی تواریخ میں ایسے خوفناک طریقہ سے درج نہ کئے جاتے تو انگریزوں کے دلوں میں اس قسم کا ہیجان ہرگز پیدا نہ ہوتا۔ جب کبھی انگریز یہ جھوٹے قصے پڑھتے ہیں۔ تو ان کے دلوں میں ہندوستانیوں کے خلاف ایک عالمگیر نفرت پیدا ہو جاتی ہو۔ اور خواہ مخواہ کوئی بہانہ پیدا کر کے انتقام لینے پر تل جاتے ہیں میں ذیل میں تین ایسے واقعات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس سے عہد غدر کے بعد خیالات کا اندازہ لگ سکتا ہو:

تین واقعات

کوکوں کی بغاوت

(۱) "۱۴ر جنوری ۱۸۷۲ء کو تقریباً ایک سو انتہا پسند سکھوں نے (جنھیں پنجابی زبان میں کوکہ بھی کہتے ہیں) مالیر کوٹلہ کے شہر پر دھاوا مار دیا۔ فریقین کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ اور دونو طرف سے بہت سے آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ سکھوں کی طرف سے ۸۰ آدمی (جن میں ۲۲ مجروح بھی تھے) بھاگ کر ریاست پٹیالہ میں پناہ گزیں ہو گئے۔ لیکن دوسرے ہی دن انھوں نے انگریزوں کے سامنے ہتیار ڈال دئیے اور انھیں شیرپور کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ کووَن نے جو لدھیانہ کا ڈپٹی کمشنر تھا، ان قیدیوں کو کوٹلہ میں بلوایا (جہاں وہ خود ۱۶ر تاریخ کو پہنچ گیا تھا) اسنے اپنے کمشنر کو اسی وقت اطلاع بھیجی کہ اب امن و امان ہو گیا ہو اور کل صبح قیدیوں کو توپ کے ذریعے اڑا دیا جائے گا۔ ۱۷ر جنوری کو کمشنر نے کووَن کو حکم دیا کہ قیدی فی الحال شیرپور کے قلعہ ہی میں رکھے جائیں، لیکن کووَن نے تعمیل حکم سے گریز کیا اور اسی روز بغیر کسی تحقیقات کے ۴۹ قیدی توپ سے اڑا دئیے گئے۔ شام کے ۷ بجے کمشنر کا ایک اور حکم ملا۔ اسوقت ۶ قیدی توپ کے سامنے بندھے ہوئے تھے۔ کمشنر نے لکھا تھا کہ تمام قیدی بلا تاخیر اس کے پاس بھیجدئیے جائیں تاکہ وہ انکے مقدمہ کی سماعت کرے۔ لیکن کووَن نے اس حکم کی بھی مطلق پروا نہ کی۔ اور اس گروہ کو بھی توپ سے اڑا دیا۔ جب گورنمنٹ نے اس کی نافرمانی کے متعلق بازپرس کی۔ تو اسنے جواب دیا "جب مجھے کمشنر کا حکم ملا تھا تو میں نے سوچا، اگر اسوقت ان ۶ آدمیوں کو (جو توپوں سے بندھے ہوئے ہیں) قتل نہ کیا گیا تو حاضرین پر برا اثر پڑیگا۔ اور اس تاخیر سے ہماری کمزوری ثابت ہوگی۔ اس لئے میں نے انہیں قتل کرا دیا" ایک قیدی اپنے محافظوں سے بھاگ نکلا تھا اسنے آتے ہی کووَن پر حملہ کر کے اس کی داڑھی پکڑ لی۔ لیکن ہندوستانی افسروں نے اسے تلواروں سے ڈھیر کر دیا۔ فارسِتھ (کمشنر) نے کووَن کو کئی دفعہ حکم دیا تھا کہ قانون کے مطابق کارروائی کرنی چاہئے، مگر اسنے نافرمانی کی! علاوہ ازیں کمشنر نے گورنمنٹ کو تار بھی دیدیا تھا کہ میں موقع پر موجود ہوں۔ اور میں ان قیدیوں کے مقدمات کا بغیر کسی تاخیر کے فیصلہ کر سکتا ہوں۔ مجھے اسوقت کسی فوری کارروائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ ممکن ہو اس سے جوش زیادہ پھیل جائے۔ لیکن جب ڈپٹی کمشنر نے اسے اطلاع دی کہ اسنے بہت سے قیدی قتل کرا دئیے ہیں۔ تو کمشنر نے اس کا جواب یوں دیا۔ "میرے پیارے کووَن۔ جو کچھ آپنے کیا ہو۔ بہت اچھا کیا ہو۔ میں نے آپ کا طرزِ عمل نہایت پسند کیا۔ میں بھی آپکی تقلید کروں گا"۔ چنانچہ جب بقیہ قیدی اس کے پاس بھیجے گئے تو اسنے بھی انہیں سزائے موت دے دی۔ جب گورنمنٹ آف انڈیا کو ان واقعات کا علم ہوا تو اسنے ایک بڑا لمبا چوڑا حکم لکھا۔ اور کووَن کے فعل کی سخت مذمت کی۔ اور اسے وحشیانہ حرکت سے منسوب کیا۔ بالآخر کووَن برخاست کیا گیا۔ کمشنر کو بھی سخت ملامت کی گئی اور اسے ایک دوسرے صوبے میں اسی عہدے پر تبدیل کر دیا گیا۔ جب لارڈ نارتھ بروک والسرائے ہوئے تو فارسِتھ نے اس حکم کے خلاف اپیل کی۔ وائسرائے نے اسے کاشغر ایک سیاسی وفد کا سرکردہ بنا کر بھیجدیا جہاں اسے سیاسی خدمات کے عوض سر کا خطاب دیا گیا۔

اسوقت تمام انگریز افسروں اور اخباروں نے کووَن اور فارسِتھ سے ہمدردی ظاہر کی تھی۔ میں نے اپنی تمام زندگی میں ایسا دہشتناک واقعہ نہیں دیکھا ہو۔ میری رائے میں گورنمنٹ نے ان دو افسروں کو برائے نام سزا دی۔ حالانکہ وہ سنگین سزا کے مستحق تھے"

میں نے یہ تمام واقعہ حرف بحرف کاٹن کی کتاب "یادایام" (Indian & Home memories) سے اخذ کیا ہو۔ کیونکہ میں اس سے بہتر اس واقعہ کی تفصیل نہیں لکھ سکتا تھا!

فارسِتھ اپنی سوانح عمری میں اسی واقعہ کی متعلق یوں لکھتا ہو،

"چونکہ میں کمشنر تھا اس لئے مجھے قتل کرنے کے کلی اختیار تھے لیکن کووَن کو اس قسم کا کوئی اختیار نہ تھا۔ میں نے اسے لدھیانہ سے لکھ دیا تھا کہ وہ ان باغیوں کے مقدمہ کی سماعت کرے لیکن جب تک میں اس کے پاس نہ پہنچ جاؤں، وہ کسی صورت میں ان قیدیوں کو سزا نہ دے۔ لیکن اسنے میرے اختیارات چھین کر قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور بغیر میرے حکم کے قتل کرا دیا۔ ناچار اسکے فعل کی ذمہ داری مجھے اپنے سر لینی پڑی۔ اور اس سے متفق الرائے ہونا پڑا۔ کیونکہ میں اُسے غلطی کے نتائج سے بچانا چاہتا تھا۔ جب اسے ملازمت سے برطرف کیا گیا۔ تو میں نے اس کی ہر طرح سے امداد کی اور اسکے واسطے ہندوستان میں ہی ایک نہایت عمدہ ملازمت مہیا کر دی"۔

جنگ افغانستان

(۲) دوسرا واقعہ افغانستان کی دوسری جنگ سے تعلق رکھتا ہو میں اسوقت اس جنگ کے واقعات دہرانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ یہ بڑی لمبی چوڑی داستان ہو۔ جب افغانستان اور برطانیہ کی آپس میں صلح ہو گئی۔ تو کوینگری کو برطانیہ کی طرف سے بطور سفیر کابل میں متعین کیا گیا۔ چند دنوں کے بعد کوینگری مع اسٹاف کے خود پٹھانوں کے ہاتھوں مقتول ہوا۔ جرنیل رابرٹ نے کابل پر چڑھائی کی۔ اور بڑی بہادری دکھا کر اکتوبر ۱۸۷۹ء میں فتح کر لیا۔ بعد ازاں انتقامانہ کارروائیاں شروع ہو گئیں۔ کیونکہ پٹھانوں نے ہمارے سفیر کو قتل کر کے ہمارے جھنڈے کی بڑی توہین کی تھی۔ کاٹن اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷۲ میں لکھتا ہو کہ مارشل لا (جنگی قانون) فوراً نافذ کیا گیا۔ لوگوں کو گروہ در گروہ پھانسی دی جاتی تھی۔ امیر یعقوب خاں کو جلاوطن کر کے ہندوستان بھیجا گیا۔ گرد و نواح کے علاقے سامان خورد و نوش کی خاطر تباہ کئے جاتے تھے۔ دیہاتوں کا جلانا تو ایک روزمرہ کی کارروائی تھی!

سر چارلس میگگریگر جو لارڈ رابرٹ کا چیف آف سٹاف تھا اپنی سوانح عمری کے صفحہ ۱۳۶ میں مندرجہ ذیل فقرات لکھتا ہو۔

"جب تک مجھے افغان قیدیوں کے جرم کا یقین نہ ہو جائے تب تک میں انہیں بے فائدہ سزا نہیں دوں گا۔ دفتر امور خارجہ کی رائے ہو کہ ایسی سزائیں دی جائیں جو عبرتناک اور جارحانہ ہوں لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمیں ہر ایک مقدمہ میں پوری تفتیش کرنی چاہئے۔ میں بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اس سے برے نتائج نکلتے ہیں"۔

یہی جرنیل اپنے روزنامچہ میں ۲۲ر اکتوبر کا یہ واقعہ لکھتا ہو۔

"میں نے آج ۵ آدمیوں کی زندگی بچائی ہو۔ یعنی اگر میں ان کے مقدمات میں پوری طرح غور و خوض نہ کرتا۔ تو انہیں یقیناً پھانسی دی جاتی۔ ان ملزموں میں سے ایک کا نام ابوبکر تھا۔ جو سوداگر تھا۔ اسکے خلاف مقدمہ صریحاً بناوٹی تھا۔ کیونکہ اس کے جانی دشمن نے اسکے خلاف جھوٹی شہادت دی تھی"،

ہاورڈ ہنسین جو اخبار پانیر الہ آباد کا اس جنگ میں نامہ نگار تھا ایک جگہ کابل کا نقشہ یوں کھینچتا ہو۔

"کابل شہر خموشاں بنا ہوا ہو۔ وہ بازار اور کوچے جہاں ہر وقت خونریزی اور فساد کا بازار گرم رہتا تھا اب قبرستان کی مانند چپ چاپ ہیں۔ شہر کے باشندوں نے پہلے پہل ہماری نرمی سے فائدہ اٹھایا تھا۔ لیکن جب سے ہم نے انتقام لینا شروع کیا ہو، انھیں ہماری وحشیانہ طاقت کا پوری طرح احساس ہو گیا ہو"۔

جب ہماری فوجوں کی ظالمانہ حرکات کی اطلاع انگلستان پہنچی۔ تو عوام الناس نے بڑا شور مچایا۔ افغانستان میں ابتک ہمارے وحشیانہ افعال کی یاد تازہ ہو۔ یہی وجہ ہو کہ وہ ہمارا قدیمی دشمن چلا آتا ہو۔

خریداران الہلال توجہ فرمائیں

جن جن حضرات سے ۶ ماہ کی قیمت وصول ہوئی تھی، اُن کا حساب الہلال نمبر (۲۴) پر ختم ہو جائے گا۔ یعنی آئندہ نمبر سے بعد کے نمبر پر۔ اگر وہ آئندہ بھی الہلال کا مطالعہ جاری رکھنا چاہتے ہیں، تو دفتر نہایت شکرگذار ہوگا اگر وی۔ پی کی درخواست کی جگہ وہ بذریعہ منی آرڈر قیمت روانہ کر دیں۔ وی۔ پی کی رقم وصول ہونے میں بہت تاخیر ہوتی ہو، اور اس لئے پرچہ کے مسلسل اجرا میں خلل واقع ہو جاتا ہو۔ اگر وہ ایک ہفتہ کے اندر قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں تو رجسٹر میں نمبر ۲۴ کے بعد سے اُن کی جدید خریداری کا اندراج ہو جائے، اور پرچہ کی ترسیل بغیر کسی انقطاع کے جاری رہے۔

یہ کہنا ضروری نہیں کہ نئی شش ماہی جلد سے الہلال کا نیا دورِ حیات شروع ہوگا، اور وہ اس حالت سے بالکل مختلف ہوگا، جس حالت میں اسوقت تک نکلتا رہا ہو۔ (منیجر)

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و معتبر مقبولِ خاص و عام اسم بامسمّیٰ

ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی کا

عدیم المثال نادر الوجود سرمائی تحفہ

تار کا کافی پتہ "ہمدرد، دہلی"

ماء اللحم دوآتشہ

بنسخۂ خاص

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز ہو وہ ظاہر ہو۔ لیکن تندرستی بھی ایک ایسی نعمت ہو کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہو۔ تندرستی ہزار نعمت ہو۔ تندرستی ہو تو سب کچھ ہو۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشید کیا ہوا ماء اللحم استعمال کیجئے اور پیری میں شباب کا لطف اٹھائیے یہ امر تو مسلم ہو کہ ماء اللحم مقوی ارواح ہی، بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا نکھارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہی۔ مگر ہمارا ماء اللحم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بناتا ہی اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطرز خاص تیار کیا گیا ہی۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کتابی نہیں ہو بلکہ عالیجناب شفاء الملک بہادر عفران مآب رئیس اعظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہو جو جناب ممدوح نے بغرض رفاہ عام "ہمدرد دواخانہ" کو مرحمت فرمایا ہی۔ ایک مرتبہ ماء اللحم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہو مگر معتدبہ اور پورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہی۔ پبلک کو صرف اپنی لفاظی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہی۔ مگر بعض امور میں ہم کو اپنی سچی ہمدردی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہو تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہی۔

ماء اللحم کے استعمال کا یہی موسم ہو اور یہی زمانہ ہو منگائیے! اور آزمائیے!! تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہی۔ مشک آنست کہ خود ببوید۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہو علاوہ اسکے چند اقسم کے حلوے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست ۱۹۲۷ء مع جنتری تیار ہی۔ مفت طلب فرمائیے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ "منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی"

منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

رنگ دیکھ لو ----- **ڈور وا تو سونا** ----- گھس کر آزما لو

جرمنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سونے کی نہایت خوبصورت نازک منقش چوڑیاں جرمنی سے بنکر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک نئی کل کی صورت میں بنایا گیا ہی۔ انکے اندر رنگین چوڑیاں آجاتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہی کہ بہترین زبرجد اور یاقوت کے نگینے جڑ دیئے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ در رونق میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی آتی ہو۔ صنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہی۔ ڈھائی روپیہ میں پانچسو روپے کا کام نکالا جا سکتا ہی۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں روزانہ فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائیے تاکہ اسٹاک ختم نہ ہو جائے۔ ۸ چوڑیوں کی قیمت ڈھائی روپیہ۔ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ چوبیس چوڑیوں کے دام صرف ساتھ روپئے (۷؎)

منیجر گولڈن اسٹور۔ پوسٹ بکس ۱۲۴ لاہور

برص سفید داغ ۱۲ یوم میں جڑ سے غائب

ورنہ پوری قیمت واپس۔ اقرار نامہ لکھا لیں اکیس خوراک معجون مسیحا اور ایک شیشی روغن مسیحا جو پورے ۱۲ روز کافی ہوگی قیمت معہ خرچ ستاروپیہ تیرہ آنہ

دفتر معالج برص نمبر ۱۵ دربھنگہ (بہار)

پروانہ

اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ملک اور قوم و ملت کا سچا پروانہ دلچسپ اور اچھوتے مضامین نظم و نثر سے لبریز نومبر ۱۹۲۷ء دربھنگہ سے نہایت پابندی کے ساتھ شایع ہوگا لکھائی چھپائی اور کاغذ بہت نفیس چندہ سالانہ تین روپیہ (۳؎) طلبہ سے دو روپیہ (۲؎) ممالک غیر سے پانچ روپیہ (۵؎)

منیجر رسالہ پروانہ دربھنگہ (بہار)

افیم چھڑانے کی بے نظیر گولیاں

جن کے استعمال سے صدہا علی آسانی سے افیم چھوڑ چکے ہیں ایک روپیہ ماہوار کے عملی کے لئے کئی عدد کی گولیاں کافی ہو سکتی ہیں۔ ملنے کا پتہ۔ حکیم محمد عمر اینڈ سنز موگا ضلع فیروز پور پنجاب

جمعیۃ علمائے ہند کے اخبار الجمعیۃ

کا

حبیب نمبر

رجب میں شایع ہوگا

مشتہرین اور ایجنٹوں کے لئے نادر موقع

بیس اخباروں میں علیحدہ علیحدہ بیس اشتہار دینا اور الجمعیۃ

کے

حبیب نمبر

میں ایک دفعہ ایک اشتہار دے دینا برابر ہی۔ تمام اشتہارات شروع دسمبر میں موصول ہو جانے چاہئیں۔ ایجنٹوں کو چاہئے کہ دفتر سے فوراً خط و کتابت شروع کردیں۔

خط و کتابت کے لئے پتہ

منیجر "الجمعیۃ" دہلی

بعد وہ تین ہزار میٹر کی بلندی پر پہنچ جائیگا۔ اُس کی تیزی ہر سکنڈ میں ۴۰۰ میٹر ہوجائے گی۔ ۳۵ سکنڈ کے بعد وہ ۲۰ ہزار میٹر بلندی پر ہوگا اور اس کی تیزی ہر سکنڈ میں ۸۰۰ میٹر زیادہ ہوتی جائے گی۔ پھر ۴۵ سکنڈ کے بعد ۵۰ ہزار میٹر کی افقی بلندی پر پہنچ جائے گا۔ اور اُسکی افقی سرعت، ہر سکنڈ میں دو ہزار میٹر ہوجائے گی۔ اس صورت میں یہ جہاز برلن سے نیویارک صرف ۱½ گھنٹے میں پہنچ جائے گا!"

ایک دوسرے جرمن پروفیسر اوبرٹ کا خیال ہے۔

"دس پندرہ برس کی مدت میں ایسے ہوائی جہاز بنجائیں گے، جو ہر سکنڈ میں ۱۲۸۰۰ میٹر مسافت طے کرلیں گے۔ اُس وقت یہ ممکن ہوگا کہ انسان چاند اور دوسرے کواکب تک پہنچ سکے"

لیکن بہت سے علمار یہ نظریہ تسلیم نہیں کرتے۔ اُن کے دو بڑے اعتراض ہیں جن کا اب تک کوئی شافی جواب نہیں ملا ہے۔ ایک یہ کہ جو جہاز اس قوت سے توپ کے گولے کی طرح فضا میں پھینکا جائیگا، وہ ایک معین حد پر پہنچکر ضرور مشتعل ہوجائے گا۔ یعنی جل جائیگا دوسرے یہ کہ اگر کوئی تدبیر ایسی کربھی لی جائے کہ جہاز مشتعل نہ ہو، جب بھی اُس کے اُترنے کی صورت کیا ہوگی؟ یقیناً وہ اُسی تیزی سے نیچے گرے گا، جس تیزی سے اوپر پھینکا گیا ہے!

جرمن ہوا باز یہ اعتراض تسلیم کرتے ہیں، مگر ساتھ ہی اُمید کرتے ہیں کہ ہم جلد ان مشکلات پر غالب آجائیں گے۔

صناعی آنکھ جو رات کی تاریکی میں دیکھتی ہے!
Noctovision

جب آفتاب کا نور کسی منشور شیشے میں سے ہوکر گزرتا ہے، تو، رنگ کا ظاہر ہوتا ہے۔ سب رنگ علحدہ علحدہ اوپر نیچے صفوں کی صورت میں ہوتے ہیں۔ سُرخ رنگ سب سے نیچے ہوتا ہے۔ اُس کے اوپر نارنجی، پھر زرد، پھر سبز، پھر اودا، پھر نیلا، پھر بنفشی یعنی بنفشی سب سے اوپر ہوتا ہے۔ سُرخ سب سے نیچے۔ قوس قزح میں بھی یہی ساتوں رنگ دکھائی دیتے ہیں۔

لیکن تحقیقات سے ثابت ہوا کہ آفتاب کا نور، صرف ان سات رنگوں ہی میں تحلیل نہیں ہوتا، بلکہ اور بھی بہت سے رنگ اختیار کرتا ہے مگر وہ رنگ غیر مسلح آنکھ سے دکھائی نہیں دیتے۔ ان غیر مرئی رنگوں میں بعض رنگ سرخ رنگ کے نیچے ہوتے ہیں اور بعض بنفشی کے اوپر۔

سرخ شعاعوں کے نیچے جو شعاعیں ہیں، وہ گرم ہوتی ہیں۔ اگرچہ آنکھ سے دکھائی نہیں دیتیں لیکن جلد پر محسوس ہوتی ہیں۔ یہ شعاعیں تاریک شعاعیں کہلاتی ہیں۔ آفتاب کی جو قوت ہم تک پہنچتی ہے، اسکے اجزاء میں غالب حصہ انہی تاریک شعاعوں کا ہوتا ہے۔

بنفشی شعاعوں کے اوپر جو شعاعیں ہیں، اُنکی موجیں بہت ہی چھوٹی ہوتی ہیں۔ یہ بھی دکھائی نہیں دیتیں۔ البتہ فوٹو گراف کی تختی پر ان کا اثر ظاہر ہوجاتا ہے۔ ان کا نام ہے "شعاع ماورا بنفشی" یا "شعاع کیمیاوی"

انسان کی آنکھ آفتاب کی اُنھی شعاعوں سے متاثر ہوتی ہے جو سُرخ اور بنفشی رنگوں کے درمیان ہیں۔ جب یہ تمام شعاعیں یا ان میں سے کوئی ایک شعاع کسی جسم سے منعکس ہوتی ہے، تو آنکھ متاثر ہوتی ہے، اور دیکھنے لگتی ہے۔ لیکن اگر ان ساتوں رنگوں کے علاوہ کسی دوسرے رنگ کی شعاع جسم سے منعکس ہوتی ہے، تو آنکھ اُس سے متاثر نہیں ہوتی، اس لئے وہ دیکھ بھی نہیں سکتی۔

لیکن اب انسان کی یہ مجبوری دُور ہوجائے گی۔ کیونکہ انگلستان میں جان بایرڈ نامی ایک عالم نے ایک ایسی کہربائی آنکھ ایجاد کرلی ہے، جو تاریکی میں بھی بخوبی ہر چیز دیکھ سکتی ہے۔ یہ صناعی آنکھ اس درجہ حدید البصر ہے کہ تاریک شعاعیں، یعنی وہ شعاعیں جو سُرخ رنگ کے نیچے ہیں۔ اُسے متاثر کردیتی ہیں۔ اس آنکھ کے فعل کا نام Noctovision (یعنی رات میں دیکھنا) تجویز کیا گیا ہے

قارئین الہلال شاید واقف ہونگے کہ یہ موجد وہی نوجوان ہے جو پچھلے دنوں ایک نہایت مفید ایجاد کے سلسلے میں مشہور ہوچکا ہے۔ اُسنے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا جس سے دُور کی چیزیں بھی ویسی ہی دکھائی دیتی ہیں، جس طرح قریب کی چیزیں انسان دیکھ لیتا ہے

لیکن یہ جدید ایجاد پہلی ایجاد سے زیادہ حیرت انگیز اور مفید ہے۔ یہ آلہ اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس میں سرخ رنگ کے نیچے کی شعاعیں جمع ہوجاتی ہیں، اور اُسی طرح خارج ہوتی ہیں، جس طرح چور لیمپ سے روشنی نکلتی ہے۔ پھر سُرخ شعاعیں اتنی زیادہ مقدار میں تاریک جسم پر سمٹ آتی ہیں کہ کہربائی آنکھ فوراً متاثر ہوجاتی ہے، اور ایک خاص لوح پر صورتیں اسی طرح منعکس کرنے لگتی ہے جس طرح سینما کے پردے پر صورتیں ظاہر ہوتی ہیں!

برطانی حکومت نے سرکاری طور پر اس ایجاد کا امتحان کیا تھا۔ ایجاد کامیاب ثابت ہوئی۔ اور حکومت نے موجد سے اسکے حقوق استعمال حاصل کرلئے۔

زلزلہ سے پہلے اُس کا اعلان

تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ سمندر کے مدّ و جزر کی طرح زلزلے میں بھی مدّ و جزر ہوتا ہے۔ حالت مدّ میں زلزلے بکثرت واقع ہوتے ہیں۔ حالت جزر میں تقریباً مفقود ہوتے ہیں۔ ان دونوں حالتوں کی علحدہ علحدہ مدت علمار نے ۷ سال، یا ۱۱ سال قرار دی ہے۔

بعض ملکوں میں زلزلے زیادہ آیا کرتے ہیں۔ پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ زلزلے اور آتش فشاں پہاڑوں میں باہم گہرا قوی علاقہ ہے جن ملکوں میں یہ پہاڑ زیادہ تعداد میں موجود ہیں وہاں زلزلے بھی زیادہ آتے ہیں مگر اب تک آتش فشانوں اور زلزلے کا باہمی علاقہ علمی طور پر ثابت نہیں ہوا ہے۔ اس لئے علمار یہ علاقہ تسلیم نہیں کرتے۔

حال میں علمار طبقات الارض کی ایک جماعت نے اعلان کیا ہے کہ وہ عنقریب ایک ایسا طریقہ ایجاد کرسکینگے جس سے زلزلے کا علم اُسکے وقوع سے بہت پہلے ہوجایا کرے گا۔ اگر اس کوشش میں کامیابی ہوگئی، تو ایسے ملکوں کے لئے جیسا کہ جاپان ہے، یہ ایک عظیم انکشاف ہوگا۔

چنانچہ انگریزی کے مشہور علمی رسالہ "نیچر" میں ایک مقالہ نگار لکھتا ہے:

"بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زلزلے سے پہلے زمین کی سطح میں کجی پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ کجی بتدریج زیادہ ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ زلزلے پر پہنچکر ختم ہوجاتی ہے۔ کجی، آنکھ سے بھی مشاہدہ کی جاسکتی ہے، کیونکہ زمین کی ہموار سطح، نمایاں طور پر خم ہوجایا کرتی ہے۔ اگر یہ نظریہ صحیح ثابت ہوجائے، تو باسانی ایک ایسا آلہ ایجاد کیا جاسکتا ہے جو زمین کی خفیف سے خفیف کجی بھی محسوس کرلے اور ایک گھنٹی کے ذریعہ خطرہ کا اعلان ہوجائے"!

گزشتہ ماہ شہر برگ میں علم مساحت ارض کے ماہرین کی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اسمیں جاپان کا ایک مشہور ماہر طبقات الارض ڈاکٹر اآمور ابھی شریک تھا۔ "نیچر" کے مقالہ نگار نے اُس سے ملاقات کی اور اپنا نظریہ پیش کیا۔ جاپانی ڈاکٹر نے اس کی تائید کی اور بتلایا کہ مارچ ۱۹۲۷ء میں تانگو کے مہیب زلزلے سے ڈھائی گھنٹے پہلے زمین کی سطح میٹو اور سوناکاما نامی دو مقاموں میں بلند اور خمیدہ ہوگئی تھی۔ بلندی ایک میٹر سے بھی زیادہ دیکھی گئی تھی۔

نیز ڈاکٹر نے بیان کیا کہ اُس نے ۱۹۰۳ء سے ۱۹۲۷ء تک کے ۵ ہولناک جاپانی زلزلوں کی تفصیلات جمع کرلی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر زلزلے سے پہلے زمین کی سطح بلند اور خمیدہ ہوگئی تھی۔ بلندی ایک میٹر سے دو میٹر تک نمایاں تھی۔ بعض حالتوں میں یہ حالت زلزلے سے ۵ گھنٹے پیشتر پیدا ہوگئی تھی۔ بعض حالتوں میں ایک دو گھنٹے پیشتر۔

ایک دوسرے جاپانی پروفیسر ایچمونو نے ایک آلہ ایجاد کرلیا ہے اس کا نام "کلینوگراف" ہے۔ یہ ویسا آلہ ہے، جس کا ذکر "نیچر" کے مقالہ نگار نے کیا ہے۔ اس آلہ سے سطح زمین کی ہر بلندی اور کجی معلوم ہوجاتی ہے۔

صناعی آفتاب

یہی رسالہ ناقل ہے کہ امریکہ میں ایک ایسا کہربائی فانوس ایجاد کیا گیا ہے، جس میں ۱۳۸۵۰۰۰۰۰ بتیوں کی قوت موجود ہے۔ اس کی حرارت دس ہزار درجہ تک کی ہے اور اُس کی روشنی، فضاء آسمانی میں ایک ہزار میل تک پہنچتی ہے۔ یہ اندھیری رات کو ٹھیک اُسی طرح روشن کردیتا ہے، جیسے دن کے وقت سورج کی دھوپ روشنی پھیلا دیتی ہے!

یہ عظیم الشان فانوس، شہر چارلس ویل میں نصب کیا گیا ہے۔ اس کے ایجاد سے مقصود یہ ہے کہ نور کے خواص پورے طور پر تحقیق کئے جائیں اور یہ معلوم ہوجائے کہ زندگی اور آفتاب کے درمیان کیا علاقہ ہے؟ نیز ماورار بنفشی شعاعوں اور کہربائی اجزار کی ترکیب کی بھی جانچ کیجائے۔

ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ اس لیمپ کی حرارت، دس ہزار درجہ ہے۔ یہ حرارت کا وہ درجہ ہے، جسے علمی اصطلاح میں "سفید حرارت" کہتے ہیں۔ یہ اتنی سخت حرارت ہوتی ہے کہ دھات کو پگھلا کر سفید رنگ کی آگ بنا دیتی ہے۔ چونکہ اس فانوس کی حرارت اس درجہ سے بھی زیادہ کام دے سکتی ہے اس لئے اس کا نام "نیلگوں حرارت" رکھا گیا ہے۔ اس سے زیادہ تیز حرارت کا آج تک تصور نہیں کیا جاسکا۔

حجاز کی علمی سرگرمی

مدت سے سلطان کا ارادہ تھا کہ نجد و حجاز کے نوجوانوں کو علوم فنون کی تحصیل کے لئے یورپ بھیجیں لیکن حالات نے ایسی نوعیت نہیں اختیار کی تھی کہ اس قسم کے کام شروع کئے جاسکیں۔ اب سلطان نے نجد کے سفر سے پہلے ارکان حکومت سے اس بارے میں مشورہ کیا، اور بالاتفاق طے پایا کہ ایک کافی تعداد طلبہ کی اس غرض سے منتخب کرنی چاہیے۔ چنانچہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، اور جدہ سے ایک جماعت بالفعل شام بھیجی جارہی ہے، تاکہ کچھ عرصہ وہاں تعلیم حاصل کرکے اس قابل ہوجائے کہ یورپ کی مشہور درسگاہوں میں داخل ہوسکے۔ اُمید ہے، اب یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا۔

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

نیمتی تمدن وصنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پُرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پُرانی تصویریں، پُرانے سکّے، اور نقوش، پُرانے زیور، آرایش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پُرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دُنیا کے تمام حصّوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

بایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!

براعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

مطبوعات الهلال بك ايجنسي

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دیني علوم کے بیش بہا جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے اماميں کي ان نادر و اعلیٰ درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا ھے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نهایت ضروري و ناگزیر ھے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

آسوۂ حسنه ـــ امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهره آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازهائي روپیه -

کتاب الوسیله ـــ لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوه امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي ھے - بلا جلد ازهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه ـــ انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر ـــ امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقیٰ ـــ خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا ھے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه ـــ حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز ـــ علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازه کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام ـــ ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - باره آنے

خلاف الامه ـــ فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت ـــ یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله ھے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بهترین تازه معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کیا ھے- اسکے علاوه آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الهلال بك ایجنسي

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکهیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

السحر الحلال فی مجلدات الهلال

گاه گاهے بازخوان این دفتر پارینه را

تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وه رساله ھے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي :

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها- اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے- اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها- پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں- اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بهت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نهیں- اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں- اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا ھے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي ھے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وه بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحده کرنے کیلیے تیار نهیں- پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو اُنهیں دوباره چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیدے هیں که اِس قیمتي ذخیره کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي ھے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچیں گي- هر جلد مجلد ھے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي ھے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه   الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " " چهارم ۱۰ روپیه   " " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب ھے- قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوه ھے -

منیجر "البلاغ پریس"

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين — القرآن الحكيم

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۵ — کلکته : جمعه ۱۳ . جمادی الثانیه ۱۳٤٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 9, December 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای .
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکهیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۲۰۲۱ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۵۵	اردو حروف کی حق مین	۵۳۵
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۸۰۲	حروف کی حق مین بشرطیکه نستعلیق هون	۱۹۰
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۳۲۰		

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین .

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول	بارہ روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	سات روپیه
قیمت في پرچه	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں اُنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ور نه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں هے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا متناهي اور سراسر مجہول عالم پر سرسري نظر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے "

سر اولیور لاج اپني کتاب " روح انساني کي ابدیت " میں لکھتا ھے :

" بہت سے عجیب و غریب حوادث کي صحت ثابت ھو چکي ھے - یہ حوادث ھر قوم اور ھر زمانے میں پیش آتے رھے ھیں - ممکن ھے ان کا بڑا حصہ اوھام و خواطر پر محمول کرکے رد کر دیا جائے - مگر اُن سب کا رد کر دینا ناممکن ھے - موجودہ علمي ترقي کي روشني میں کوئي دعوی نہیں کر سکتا کہ انساني روح کے تمام اعمال و خواص سے ھم واقف ھو چکے ھیں ' یا انساني روح کا علم ھم نے اِس درجۂ منضبط اور آسان کر دیا ھے کہ ھرکس و ناکس اُسے سمجھہ لے - لیکن عجیب بات یہ ھے کہ بعض لوگ ایسا ھي یقین رکھتے ھیں - وہ ھر روز بغیر کسي اظہار حیرت کے علم الحیات ' کیمیا ' اور علم الالات کے زیادہ سے زیادہ محیر العقول اکتشافات پر ایمان لاتے رھتے ھیں ' اور کبھي یہ نہیں کہتے کہ ھم قدرت کے تمام رازوں سے واقف ھو گئے اور اب کوئي نیا اکتشاف قبول نہیں کرینگے - لیکن مذھب روحي کا نام آتے ھي ان میں انکار اور تعدي کا جوش پیدا ھو جاتا ھے - وہ بغیر کسي تامل کے مدعیانہ انکار کر بیٹھتے ھیں - یہ یقیناً ایک سادہ لوح ایمان ھے - یہ اِس بات کي دلیل ھے کہ لوگ بلا دلیل عقیدہ قائم کرنے کي کتني زیادہ استعداد رکھتے ھیں ؟ لیکن یاد رھے ' اُن کا یہ دعوی ' سراسر اساس علم کے خلاف ھے - وہ صرف اُسي حال میں کیا جا سکتا ھے جبکہ اپنے مخالف دلائل و براھین سے بلا کسي بحث کے اعراض کر لیا جائے "

پروفیسر سڈگوک صدر " انجمن مباحث نفسیہ " اپنے سنہ ۱۸۸۲ کے خطبۂ صدارت میں کہتا ھے :

" اب یہ سخت فضیحت کي بات ھوگي کہ اِن روحي حوادث کي صحت میں جھگڑا کیا جائے جن کي تصدیق بڑے بڑے مسلم علماء کر چکے ھیں - یہ شرم کي بات ھے کہ مذھب روحي کے خلاف علمي دنیا اپنے احمقانہ انکار پر مصر رھے ... اب سے تیس برس پہلے لوگ خیال کرتے تھے کہ مسمریزم اور متحرک میزوں کا اعتقاد ' عملي تہذیب کے نقص و نقدان کا کافي ثبوت ھے - لیکن جب مشہور حکماء نے یکے بعد دیگرے اپنے تجارب و مشاھدات کي بنا پر اِن امور کي تصدیق کر دي ' تو منکروں نے اپنا انکار جاري رکھنے کیلیے نئے وجوہ کي تلاش میں مضحکہ انگیز مہارت کا ثبوت پیش کیا - انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ علماء ' علماء نہیں ھیں ' بلکہ دجال ھیں - یا صرف علم کي بعض شاخوں میں دخل رکھتے ھیں - لہذا اُن کي شہادت معتبر نہیں - پھر جب اسکے بعد ایسا ھوا کہ ایسے ایسے لوگوں نے شہادت دي ' جن کي فضیلت عالمگیر طور پر مسلم ھے ' تو اِن لوگوں نے رنج و الم کا اظہار شروع کر دیا ' اور اسے ایک افسوسناک واقعہ قرار دیا ! "

اِس مجمل بیان سے اندازہ ھوگیا ھوگا کہ مذھب روحي نے اِس قلیل مدت میں کتني ترقي حاصل کرلي ھے - پروفیسر رسل ریلس اپني کتاب " عصر جدید کے معجزات " میں کہتے ھیں کہ اِس مذھب کے معتقد صرف یورپ میں اِس وقت دو کروڑ سے بھي زیادہ آدمي ھیں !

آخري مملوك سلطان مصر

ساڑھے چار سو برس پہلے ایک مغربي سیاح مشرق میں

ایک سیاح کي چشم دید شہادت اور اھم تاریخي فوائد

یورپ میں چھاپہ خانے کي صنعت کا رواج چودھویں صدي مسیحي سے شروع ھوا ھے - چودھویں صدي سے لیکر سترھویں صدي کے وسط تک مطبوعات کي رفتار بہت سست رھي - تاھم اِس ابتدائي زمانے میں بھي ایک کافي تعداد ایسي کتابوں کي شائع ھوتي رھي ھے ' جو علمي اور تاریخي حیثیت سے موجودہ زمانے میں بھي اپني قدر و قیمت رکھتي ھیں -

جنیوا کي ایک علمي انجمن کچھہ عرصہ سے اس قسم کي قدیم اور ناپید مطبوعات کا سراغ لگا رھي ھے - اس سلسلہ میں کئي نادر اور قیمتي چیزیں گوشۂ گمنامي سے نکل چکي ھیں - ازانجملہ مشرقي ممالک کے سفر نامے ھیں جو چودھویں اور پندرھویں صدي مسیحي میں لکھے گئے تھے ' اور جن میں مشرقي ممالک کے امراء ' سلاطین اور وھاں کے آداب و رسوم کے متعلق بعض ایسي چشم دید تفصیلات موجود ھیں ' جو کسي دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ھو سکتیں - آج ھم ان میں سے ایک خاص سفر نامہ کا مختصراً ذکر کرنا چاھتے ھیں -

یہ سفرنامہ کئي اعتبار سے مخصوص تاریخي اھمیت رکھتا ھے - سنہ ۱۵۱۱ ع میں وینس کي جمہوري حکومت نے (جو اُس وقت یورپ کي ایک طاقتور حکومت تھي) ایک سفارتي وفد مصر بھیجا تھا جس کا رئیس اُس عہد کا مشہور مدبر ڈومینکو ٹریویزان تھا - یہ سفارت مصر پہنچي ' سلطان مصر کے دربار میں باریاب ھوئي ' اور ایک کافي عرصہ کے قیام کے بعد وینس واپس گئي - سفارت کا سکریٹري وینس کا ایک امیر جاکر باگاني نامي تھا - اِس شخص نے واپسي کے بعد اپنے سفر کي یاد داشتیں سفر نامہ کي صورت میں مرتب کر لیں ' اور وہ تمام قلمي تصاویر بھي شامل کر دیں جو سلاطین و امراء مصر کي اُس نے طیار کي تھیں - سفر نامہ کچھہ عرصہ تک وینس کے سرکاري کتب خانہ میں محفوظ رھا - پھر سنہ ۱۵۳۵ ع میں سفارت کے سفر سے تقریباً بائیس برس بعد ' حکومت نے اُسے سرکاري مطبع میں چھپوا کر شائع کر دیا - اس مطبوعہ نسخہ کے ساتھہ وہ تمام تصاویر بھي چھاپي گئي تھیں جو اصل نسخہ میں محفوظ تھیں -

(سفر نامہ کي اھمیت)

یہ سفر نامہ في الحقیقۃ ... ایک نہایت قیمتي تاریخي شہادت ھے - یہ اب سے ساڑھے چار سو برس پیشتر کي ایک اسلامي حکومت کے اُن چشم دید حالات کا ذخیرہ ھے جن کا علم کسي دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا - مورخ اور سیاح میں یہي فرق ھے ' اور اسي لیے مورخ کي کتاب سے کہیں زیادہ ایک مستند سفر نامہ کا بیان قیمتي ھوتا ھے - مورخ کي نظر جزئیات پر نہیں جاتي - وہ صرف علمي ترتیب بیان کے ساتھہ بڑے بڑے واقعات جمع کر دیتا ھے - لیکن سیاح زیر سیاحت شہر کے ایک ایک کوچہ کي سیر کرتا ھے ' اور ایک ایک جزئي معاملہ میں دلچسپي لیتا ھے - وہ بسا اوقات بہت سي ایسي جزئیات بیان کر دیتا ھے ' جن سے

مقالات

جدید مذهب روحی

تاریخ ظهور - موافقین و مخالفین - اور نقد و تبصره

(۲)

جب انگلستان میں پہلے پہل یه دعوت پہنچی ' تو علماء میں سخت بیچینی پیدا هوگئی - وه ڈرے که صدیوں کے جہاد علم کے بعد خرافات و اوهام کی جس سلطنت کا انہوں نے خاتمه کردیا تها ' وه اب پهر نئے هتیاروں سے مسلح هوکر علم کے مقابلے میں آرهی هے - لهذا انہوں نے چاها ' قدم جمنے سے پہلے هی اس کا خاتمه کردیں - چنانچه بے شمار علماء نے رائل سوسائٹی سے درخواست کی که اس مذهب کے متعلق اپنی رائے ظاهر کرے - انجمن نے درخواست منظور کرلی ' اور تحقیقات کے لیے تیس علماء کی ایک منتخب مجلس قائم کردی - اس مجلس میں رسل ویلس ' ولیم کروکس ' ٹنڈل ' لارڈ ایوبری ' اور هکسلے جیسے ائمۂ علم و حکمت بهی شامل تهے - مسلسل اٹهاره مہینے تک یه مجلس تحقیقات کرتی رهی - چالیس جلسے منعقد کیے ' اور ایک ضخیم کتاب میں انکی روداد شایع کی - یه روداد دنیا کی اکثر زبانوں میں ترجمه هوچکی هے - اس کی ذیل کی عبارت قابل غور هے :

" مجلس نے اپنے جلسے ارکان کے خاص مکانوں میں منعقد کیے تاکه مخفی آلات کے ذریعه فریب کہانے کا احتمال باقی نه رهے - نیز ان وسیطوں سے بهی کام نہیں لیا جو پیشه ور وسیط سمجهے جاتے هیں - خود ارکان هی میں سے ایک شخص وسیط بنایا گیا تها - یه شخص سوسائٹی میں بہت عزت و احترام رکهتا هے - اپنی ایمانداری اور اخلاق میں غیر مشتبه هے - مال و دولت کی بهی اسے کوئی طمع نہیں - کیونکه خود مالدار هے - هم نے وه تمام احتیاطیں بهی برتلیں ' جو همارے خیال میں فریب سے بچنے کے لیے ضروری تهیں - بار بار تجربے اور مشاهدے کیے - اس روداد میں هم نے صرف انہیں مشاهدات کا ذکر کیا هے جو حواس کے ذریعه واقع هوئے ' اور جن کی صحت پر همیں کامل یقین هے "

" مجلس کے بہت سے ارکان نے خود تجربے کیے - یه سب کے سب اس مذهب کے سخت مخالف تهے ' اور کامل یقین رکهتے تهے که یه عجیب امور یا تو تدلیس کا نتیجه هیں یا وهم کا ' اور یا پهر عضلات و اعصاب جسم میں کسی غیر معمولی حرکت پیدا هو جانے کی وجه سے اس طرح کی حرکات ظهور میں آجاتی هیں - یه حد سے زیاده منکر اس وقت تک قائل نه هوئے ' جبتک که بکثرت مشاهدات انہوں نے اس طرح نه دیکهه لیے ' که کسی قسم کا شک و شبه وارد نہیں هو سکتا تها - بالاخر انہیں تسلیم کرلینا پڑا که جو کچهه انہوں نے بار بار دیکها هے ' وه حقیقت هے ' اور اس کی صحت میں کلام کی گنجائش نہیں ... "

اسی قدر نہیں بلکه سنه ۱۸۸۲ - میں ایک انجمن لندن میں قائم هوئی - اس کا نام " انجمن مباحث نفسیه " رکها گیا - اس کا مقصد یه تها که مذهب روحی کو رسمی علم سے قریب ترکیا جائے اور علمی اصول پر اسے اس طرح مرتب کردیا جائے که لوگوں کے لیے زیاده قابل قبول بن جائے - اس انجمن میں انگلستان ' امریکا ' اور فرانس کے مشاهیر علماء و فلاسفه داخل هیں - اس وقت تک وه بے شمار ضخیم جلدیں شایع کر چکی هے -

نمونه کے طور پر اس انجمن کے بعض ارکان کی چند تحریروں کا ترجمه دیا جاتا هے - اس سے معلوم هوگا که ان کا طریق بحث کیا هے :

پروفیسر میرس (پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی) جو اس انجمن کا ممتاز رکن هے ' لکهتا هے :

" سنه ۱۸۷۳ ع میں جبکه مذهب مادی همارے ملک کی عقلوں پر پوری طرح حاوی هوچکا تها ' کیمبرج میں احباب کی ایک مجلس منعقد هوئی ' اور طے کیا گیا که مذهب روحی ' جس پر اس قدر بحث و نزاع جاری هے ' هماری توجه و تدقیق کا مستحق هے - میری رائے تهی که اس مذهب کی بحث میں نه تو اساطیر اولین کی ورق گردانی مفید هوسکتی هے ' نه معتقدین کی روایات کی تحقیق ' اور نه منکرین کی تضحیک و انکار هی کار آمد هے - اس کی بحث و تحقیق کی صرف یہی صورت هے که هم خود تجربے کریں ' اور اپنی آنکهوں کے مشاهدات پر بهروسه رکهیں - اگر عالم روحانی واقعی کوئی اصلیت رکهتا هے ' تو تمام دوسری حقیقتوں کی طرح اس کا ثبوت بهی تجربۂ و مشاهده پر مبنی هونا چاهیے - چنانچه اسی اصول پر هماری اس انجمن نے اپنی بحث و تحقیق کا سلسله جاری کردیا "

اس کے بعد مصنف منکرین کو مخاطب کرکے کہتا هے :

" میں اس عقیدے کو کیوں صحیح نہیں سمجهتا ؟ یه سوال هے جو هر علمی بحث کے وقت هر ایمان دار آدمی کے سامنے هونا چاهئے - مذهب روحی کی بحث میں اس کی اور بهی زیاده ضرورت هے - مجهے اعتراف کرنا چاهئے که میرا علم اور میری معلومات جو یقینی نہیں هیں' بلکه مرجح یا غیر مرجح هیں' کائنات کے رموز و اسرار کے فہم سے قاصر هیں - ان میں کوئی بهی علمی یا منطقی دلیل موجود نہیں هے جس کی بنا پر میں اپنے مشاهدات کی تردید کردوں - خصوصاً ایسی حالت میں جب که دیکهتا هوں' یه تمام مشاهدات دوسرے یقینی مشاهدات و اصول سے کوئی تناقض نہیں رکهتے - علمی دلائل و براهین کا دائره کتنا هی وسیع اور یقینی هو ' مگر پهر بهی تمام مستند علماء کے اعتراف کے مطابق ' وه ناموس قدرت کے

Le Grand Caire ' جیسا که خود اس سفرنامه میں جا بجا یہی نام استعمال کیا گیا ہے -

مصر اور یورپ کے تعلقات کی یه ابتدائی تاریخ بیان کر دینے کے بعد ہم اُن واقعات کی طرف متوجه ہوتے ہیں جو اس سفر نامه کے مصنف نے بیان کیے ہیں -

سنه ۱۵۰۵ - ع میں کئی سال کی پادشاہ گردی کے بعد سلطان ابو النصر ملک الاشرف قانصوہ غوری تخت نشین ہوا - اِس پادشاہ کے زمانے میں یکے بعد دیگرے ایسے حوادث پیش آئے ' که یورپ اور مصر کے تعلقات پھر منقطع ہوگئے -

جیسا که پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے' اُس زمانے میں مصر' ہندوستان اور یورپ کی تجارت کی درمیانی کڑی تھا - سواحل عرب اور مصر کے عرب جہازراں ہندوستانی مصنوعات مصر لے جاتے تھے - وہاں سے وینس' جنیوا ' اور فرانس کے تاجر بیش قرار قیمتیں دیکر اپنے اپنے ملکوں کیلیے حاصل کرلیتے تھے - خود مصری حکومت کے بھی بے شمار جہاز تھے - یه سوئز سے لیکر کالی کٹ اور چٹاگاوں تک سفر کرتے رہتے - سنه ۱۵۰۳ع میں ایسا ہوا که واسکو ڈی گاما کا بیڑہ بحر ہند میں پہنچ چکا تھا - مصری جہازوں سے اس کی مڈ بھیڑ ہوگئی - یه جہاز ہندوستان سے مال تجارت سوئز لیجا رہے تھے - پرتگالی بیڑہ نے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا ' ادمی گرفتار کرلیے ' اور جہاز ڈبو دیے -

یه خبر جب سلطان غوری کو پہنچی ' تو قدرتی طور پر نہایت برہم ہوا - اُس نے ارادہ کیا که تمام یوروپین تاجروں کو مصر و شام سے نکال دے - لیکن اس سفر نامه کا مصنف لکھتا ہے که " اُس غیر معمولی عقل و بصیرت سے کام لیکر جو مشرق کے اس عظیم الشان پادشاہ کے حصے میں آئی ہے ' اُس نے اس کار روائی میں جلدی نہیں کی ' اور خیال کیا که پہلے اصلاح حال کی کوشش کرلی جاے " چنانچه اس نے ایک سفیر یورپ روانه کیا تا که اٹلی ' فرانس ' اور جنیوا ' جائے ' اور ان ملکوں کی حکومتوں کو حکومت پرتگال کی ان زیادتیوں پر توجه دلائے - یه مصری سفیر بیت المقدس کی مسیحی خانقاہوں کا رئیس اعظم تھا - سفیر پہلے وینس گیا - حکومت وینس نے اس کے استقبال کے لیے ایسے انتظامات کیے ' جیسے پادشاہوں کے استقبال کے کیے جاتے ہیں - پھر جمہوریت کے دسوں ممبر جمع ہوئے ' اور سفیر کے پیام پر غور کیا - سفیر کا پیام یه تھا که " اگر حکومت پرتگال نے اس طرز عمل کی تلافی نه کی اور آئندہ مصری جہازوں کو کسی طرح کا نقصان پہنچا ' تو سلطان مصر نے ارادہ کرلیا ہے که بیت المقدس کا کنیسه بند کردیگا ' اور تمام یوروپین تاجروں کو اپنی مملکت سے نکال دیگا " حکومت جمہوریه نے مصر کی شکایات کے حق بجانب ہونے کا اعتراف کیا ' لیکن چونکه اُسے پرتگال پر کوئی اقتدار حاصل نه تھا ' اس لیے سفیر کو پوپ جولیس دوم کے پاس جانے کا مشورہ دیا ' اور اپنے سفرا بھی ساتھ کر دیے - پوپ نے سفیر سے مل کر جب تمام حالات معلوم کیے ' تو بہت خائف ہوا - وہ سلطان مصر کی ناراضی کے نتائج سے بے خبر نه تھا - اس نے حکومت پرتگال کے نام ایک تہدیدی مراسلت روانه کی - اسکے بعد مصر کا سفیر اسپین اور فرانس ہوتا ہوا مصر واپس آ گیا -

لیکن ابھی مصری سفارت یورپ سے واپس پہنچی ہی تھی ' که اچانک بعض حوادث ایسے پیش آگئے ' جنکی وجه سے سلطان کا غیظ و غضب پھر یورپ کے برخلاف بھڑک اُٹھا ' اور اصلاح حال کی وہ تمام کوششیں ضائع گئیں ' جو مصری سفارت کے ذریعه انجام پائی تھیں - اِن حوادث میں سب سے زیادہ اہم حوادث چار ہیں ' جنھیں اس سفر نامه کے مصنف نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے :

سب سے پہلا حادثه پرتگالیوں کی دوبارہ تعدی تھی جو مصری جہازوں پر کی گئی - یه جہاز کالی کٹ سے سوئز واپس جا رہے تھے -

سلطان مصر کے وزراء

دوسرا حادثه یه پیش آیا که جزیرۂ روڈس کے نائٹوں کا ایک بیڑہ اسکندریه کے قریب پہنچ گیا - اُنھوں نے سلطان مصر کے اُن جہازوں پر حمله کردیا جو مراکش کے حاجی واپس لیجا رہے تھے -

اِسی اثنا میں ایک تیسرا واقعه بھی پیش آ گیا - مصر اور ترکوں میں مخالفت جاری تھی - سلطان مصر کو معلوم ہوا که کمال پاشا فوجی سامان و اسلحه کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اناضول سے قسطنطنیه لے جانے والا ہے - اس نے اپنے تیس جہاز گیلی پولی کی طرف روانه کردیے ' تاکه اِس ذخیرہ پر قبضه کرلیں - اتفاق سے روڈس کے بحری نائٹوں کے ایک بیڑہ سے اُنکا مقابله ہوگیا - مقابله میں مصری جہازوں کو شکست ہوئی ' اور کئی جہاز بالکل تباہ ہوگئے -

چوتھے حادثه کی نوعیت ان تمام حوادث سے مختلف قسم کی تھی ' لیکن سلطان کی طبیعت پر اُس کا سب سے زیادہ اثر ہوا - عراق کے بعض سرحدی اضلاع میں مصری حاکم نے ایک یونانی کو مشتبه حالات میں دیکھا اور گرفتار کرلیا - گرفتاری کے بعد تلاشی لی گئی ' تو اس کے کپڑوں میں سے ایک مخفی کاغذ نکلا - یه شاہ اسماعیل صفوی کا خط تھا ' جو ٹامس کونٹرین قنصل وینس متعینۂ اسکندریه کے نام لکھا گیا تھا - حاکم نے یونانی قاصد مع خط کے قاہرہ بھیجوا دیا - جب سلطان نے یه خط پڑھا ' تو اسے معلوم ہوگیا که حکومت ایران ' یورپ کی حکومتوں سے مل کر اُس کے خلاف سازش کر رہی ہے ' اور وینس میں اور ایران میں عرصه سے سلسلۂ مراسلت جاری ہے -

ان تمام واقعات نے سلطان کو یوروپین حکومتوں کے برخلاف اس درجه غضب ناک کردیا ' که اُس نے حکم دیا - بیت المقدس کا کنیسه بند کردیا جائے ' تمام یوروپین قنصل اور تاجر گرفتار کرلیے جائیں ' اور آئندہ کوئی فرنگی حدود مملکت میں قدم نه رکھے - اُس نے بیت المقدس اور شام کی مسیحی خانقاہوں کے تمام راہبوں کی گرفتاری کا بھی

تاریخي مسائل کي عظیم کلیات طیار کرلي جاسکتي هیں - هندوستان کے عہد تغلق کي متعدد تاریخیں خود اُسي عہد میں یا اس کے بعد لکھي گئي هیں ' لیکن ابن بطوطه کي زباني همیں جیسي چلتي پھرتي تصویر اُس عہد کي نظر آجاتي هے ' وہ برني اور فرشته کے صفحات پر نظر نہیں آسکتي !

(سفرنامه کا عہد)

اِس کے علاوہ اُس عہد کي مخصوص اهمیت نے بھي اس سفر نامه کي قدر و قیمت بڑھا دي هے - یه وہ وقت تھا ' جب في الحقیقه دنیا آنے والے انقلاب کے لیے پہلي کروٹ بدل رهي تھي - مشرق کا دور اقبال رو به تنزل تھا ' اور یورپ کا عہد عروج طلوع هو رها تھا - اسپین میں اسلامي عہد تمدن کا آخري نقش قدم بھي مٹ چکا تھا ' اور غرناطه میں مسلمانوں کا قتل عام هو رها تھا - یورپ اور مشرق بعید کي راہ تجارت بھي ایک نئے انقلاب کي طیاریاں کر رهي تھي ' اور پرتگالیوں کے بیڑے هندوستان کي بحري راہ دریافت کرنے کے لیے ایک کے بعد ایک روانه هو رهے تھے - ٹھیک ٹھیک یهي زمانه تاریخ تجارت عالم کا وہ عظیم الاثر زمانه هے ' جب واسکو ڈي گاما نے ایک عرب معلم کے ذریعه راس امید عبور کرکے سواحل مالابار کا رخ کیا تھا ' اور اس ایک واقعه نے تمام دنیا کي سیاسي اور اقتصادي عظمت کي تاریخ پلٹ دي تھي !

سلطان ملک الاشرف قانصوہ غوري
(آخري مملوک سلطان مصر)

(سفارت کا مقصد)

مصنف نے اِس سفارت کے مقاصد شرح و بسط سے بیان کیے هیں - مختصر لفظوں میں اُن کي توضیح همارے لیے بھي ضروري هے - کیونکه اس سے وقت کے بعض اهم تاریخي حالات پر روشني پڑیگي -

لیکن قبل اسکے که مصنف کے بیان کردہ اسباب پر متوجه هوں ' اُس عہد کے اُن سیاسي و تجارتي تعلقات کي مختصر تاریخ بیان کردینا ضروري هے جو یورپ اور مصر میں قائم تھے -

صلیبي لڑائیوں کا سلسله تیرهویں صدي مسیحي تک جاري رها - یورپ کا آخري صلیبي حمله وہ تھا ' جو فرانس کے لوئس نہم نے مصر پر کیا تھا - اس کا خاتمه منصورہ کي لڑائي پر هوا جس میں توران شاہ نے لوئس کو گرفتار کرلیا - اسکے بعد سلطان بیبرس ' سلطان منصور قلاؤن ' اور ملک اشرف خلیل ' یکے بعد دیگرے تخت مصر کے فرمانروا هوے ' اور پے درپے جنگوں کے بعد سنه ۱۲۹۰ میں تمام بلاد شام سے صلیبي خارج کردیے گئے - آخري جائے پناہ جو انکے هاتھه باقي رهگئي تھي ' عکا کا ساحلي شہر تھا - اسي کو انهوں نے اپني مشرقي تجارت کا برزخي محل قرار دیا تھا - لیکن یه بھي سنه مذکور میں انکے هاتھه سے نکل گیا - اسکے بعد کچھه عرصه تک تخت مصر اپنے اندروني مناقشات میں مشغول رها - لیکن سنه ۱۳۴۰ - میں جب ملک الناصر کي حکومت استوار هوئي ' تو اُس نے محسوس کیا که یورپ کے صلیبي ولولے اس وقت تک فرو نہیں هو گئے هیں - وہ رهکر اس طرح کے واقعات ظهور میں آتے رهتے هیں جن سے اُنکي معاندانه سرگرمیوں کا پته چلتا هے - چنانچه اس نے حکم دیا که شام اور مصر سے تمام یورپین تاجر اور یورپین حکومتوں کے وکلاء چلے جائیں - اس سال کے بعد سے یورپ اور مصر کے تمام علائق منقطع هوگئے -

یهي وہ صورت حال هے جس نے یورپ کے دو مختلف تجارتي حلقوں میں یه خیال پیدا کردیا تھا که قدیم عرب جغرافیه نویسوں اور ملاحوں کے اشارات کے مطابق مشرق بعید کا براہ راست بحري راسته ڈھونڈھ نکالیں اور مصر کے محتاج نه رهیں - چنانچه کولمبس نے بحر اطلانطک میں عرب روبه جاکر ' مشرق کي جهت سے هندوستان پہنچنا چاها ' اور پرتگالي بیڑوں نے افریقه کے گرد طواف کرتے هوے بحر هند کا نقطۂ اتصال دریافت کرنا چاها - کولمبس هندوستان کي جگه امریکه پہنچ گیا - لیکن بر تلم دیاز نے سنه ۱۴۸۹ - میں راس امید کا سراغ پا لیا - پھر سنه ۱۴۹۷ - میں واسکو ڈي گاما اسے عبور کرکے مالا بار پہنچ گیا !

بهر حال تقریباً نصف صدي تک مصر اور یورپ کے علائق (بلکه کہنا چاهیے مشرق اور یورپ کے علائق کیونکه تمام مشرق اور یورپ کے تجارتي علائق مصر هي کے ذریعه تھے) منقطع رهے - یه صورت حال یورپ کیلیے ناقابل برداشت تھي - اُسکے تمام بازار بے رونق هوگئے - بڑي بڑي منڈیاں بند هوگئیں - یورپ اُس وقت تجارت اور مصنوعات میں مشرق کا اسي طرح محتاج تھا - جس طرح آج مشرق یورپ کا محتاج هے - بے شمار روز مرہ کي ضرورتوں کي مصنوعات تھیں ' جو مشرق هي سے جاتي تھیں اور یورپ کے هر امیر و غریب گھر میں برتي جاتي تھیں - اب انقطاع تجارت سے ایک عالمگیر تجارتي قحط کي مصیبت پیدا هوگئي - یه صورت حال دیکھکر یورپ کي تمام بڑي بڑي حکومتیں مجبور هوئیں که کسي نه کسي طرح

مصر کا بند دروازہ پھر کھلوایا جائے - ان حکومتوں میں سب سے پیش پیش وینس کي جمهوریت تھي - یه اُسوقت یورپ کي بحري تجارت کا سب سے بڑا طاقتور مرکز تھي - حکومت وینس نے پے درپے سفارتیں بھجوائیں - عثماني اور صفوي حکومتوں کو درمیان ڈالا ' قیمتي تحائف سے لبریز جہاز پر جہاز بھیجے ' پوپ کي طرف سے بھي پیام امن و صلح بھجوایا گیا - یورپ کي تجارت کے کھل جانے میں مصر و شام کے وطني تاجروں کا بھي عظیم الشان نفع تھا ' اسلیے اُنهوں نے بھي کوششیں کیں - غرضکه ایک مدت کي سعي اور تدبیر کے بعد مصر اور یورپ کے تجارتي اور دوستانه تعلقات پھر از سر نو قائم هوگئے -

یهي زمانه هے جب مصر دنیا کا سب سے بڑا تجارتي مرکز بن گیا تھا - هندوستان اور یورپ کي تجارتي کڑي یهیں آکر ملتي تھي اُس کے باشندوں کي خوشحالي اور تاجروں کي شاهانه دولت افسانے جنیوا اور وینس کے بازاروں میں قصوں کي طرح سنائے جاتے تھے - یورپ میں عام طور پر قاهرہ کا نام " قاهرہ عظیم " تھا - یعني

سلطان نے تمام حالات معلوم کیے - لیکن اسکے بعد کیا ہوا ؟ اس کی کوئی تفصیل تاریخ میں نہیں ملتی - قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصر کا جو سلطان اپنے جہازوں کی حفاظت اور اپنے تجارتی مال و متاع کے فوائد کا اس درجہ خیال رکھتا تھا ' کہ جب کبھی یورپ کی کوئی قوم شرارت کرتی تھی ' تو بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دینے اور یورپین تاجروں کو نکال باہر کر دینے کی دھمکی دیکر فوراً راہ راست پر لے آتا تھا ' اُس نے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کیلیے جو آٹھ سو برس کی حکومت کے بعد مسیحیوں کے مجنونانہ تعصبات کا شکار ہوگئے تھے اور زندہ جلائے جارہے تھے ' کیا کارروائی کی ؟

اِس موقعہ پر یہ بات بھی یاد رہے کہ ابو البقاء صالح بن شریف الرندی کا وہ زہرہ گداز تاریخی مرثیہ جو در اصل مسلمانان عالم کے نام مسلمانان اندلس کا ایک مایوس استغاثہ تھا ' اِسی زمانہ میں لکھا گیا تھا جیسا کہ مقری نے تصریح کی ہے ' اور خود یورپ کے مورخین ہمیں بتلاتے ہیں کہ سلطان مراکش نے اسکی نقلیں تمام مسلمان سلاطین عالم کے نام بھیج دی تھیں :

لـكل شئی اذا ما تـم نقصـان
فـلا يغـر بطيب العيش انسـان
اصابها العين فى الاسلام فارتزأت
حتى خلت منـه أقـطار و بلدان
على ديار من الاسلام خاليــة
قد اقفرت و لها بالـكـفر عمران
حيث المساجد قد صارت كـنائس ما
فيهـن الا نواقيس و صلبـان
بالامس كانـوا ملوكا فى منـازلهم
واليوم فى بلاد الـكـفـر عبدان
فلو ترا هم حيارى لا دليل لهـم
عليهـم فى ثـيـاب الذل ألوان
لمثل هذا يذوب القلب من كمد
ان كان فى القلب اسلام و ايمان !

قصیدہ کے آخر میں یہ اشعار فی الحقیقت مسلمانان عالم کے نام مظلوموں کا پیام الغیاث تھا :

يا راكبـين عتاق الخيـل ضامـرة
كانهـا فى مجـال السبـق عقبـان
و حاملين سيوف الهـنـد مرهقـة
كأنهـا فى ظلام النقـع نيـران
و راتعين وراء البحـر فى دعـة
لهـم باوطانهـم عـز و سـلطان
أعندكم نبـاء من اهل اندلس ؟
فقد سرى بحديث القـوم ركبان
كم يستغيث بنا المستضعفون و هم
قتلى و أسرى فما يهتـز انسان

ما ذا التقاطع فى الاسلام بينكم
و انـتـم يا عبـاد الله اخـوان
الا نفوس أبيـات لها همـم ؟
أما على الخيـر أنصار و أعوان ؟

لیکن اس پیام کا جواب اُن مسلمان قوموں اور فرماں رواؤں نے کیا دیا جو بقول ابو البقاء کے " خوبصورت گھوڑوں پر سوار تھے ' ہندی تلواروں کی چمک دمک سے اُنکے ہاتھ شعلہ بار رہتے تھے ' اور اپنے آزاد وطنوں میں عزت و فرمانروائی کی پر عیش زندگی بسر کر رہے تھے " ؟ تاریخ کے اوراق ہمیشہ اس واقعہ پر ماتم کرینگے کہ تمام عالم اسلامی میں ایک صدا بھی انکی حمایت میں بلند نہ ہوی !

بہر حال جہانتک مصری حکومت کا تعلق ہے ' اس سفر نامہ سے بعض ایسی تفصیلات روشنی میں آجاتی ہیں ' جو اس وقت تک تاریکی میں تھیں - بلاشبہ یہ ایک قیمتی فائدہ ہے جو اس کتاب سے حاصل کیا جاسکتا ہے - سفر نامہ کا مصنف اُن حالات کی تفصیل کرتا ہوا جو سلطان غوری کے تخت نشین ہونے کے بعد پیش آئے تھے ' لکھتا ہے :

" یہ وہ وقت تھا کہ اسپین نے تمام موروں (مسلمانوں) اور یہودیوں کو ملک سے نکال دیا تھا ' اور سیکڑوں برس کے بعد پھر یہ سر زمین صرف مسیحیوں ہی کیلیے مخصوص ہوگئی تھی - یہ حالت دیکھکر مراکش ' تیونس ' اور الجزائر کے مسلمان امیروں نے سلطان مصر کی خدمت میں وفود بھیجے ' تاکہ اسپین کے مقابلہ میں اُنکی مدد کی جاے ' اور اُنھیں اس قابل کر دیا جاے کہ یہ ملک دوبارہ مسلمانوں کیلیے حاصل کر لیں - جب یہ وفود قاہرہ پہنچے تو سلطان غوری نے اُن کا بہت اچھی طرح استقبال کیا اور اس معاملہ میں پوری دلچسپی ظاہر کی - پہلے اُس نے ارادہ کیا کہ اسپین سے انتقام لینے کیلیے اور تمام شاہان یورپ پر اثر ڈالنے کیلیے بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دے ' اور یورپ کے تاجروں کو اپنی مملکت سے نکال دے - لیکن پھر جب اس کارروائی کے نتائج پر نظر ڈالی ' تو اُس پر ظاہر ہوگیا کہ ایسا کرنا دانشمندی کے خلاف ہوگا - اسی اثنا میں ایسا ہوا کہ حکومت اسپین بھی امراء مراکش کی کوششوں پر مطلع ہوگئی - شاہ فرڈی نند اور ملکہ ازابیلا کو خبر ملگئی کہ اُمراء مراکش مصر کو اپنی اعانت پر اُبھارنا چاہتے ہیں - انھوں نے بھی فوراً ایک سفیر مصر بھیج دیا تاکہ سلطان سے ملکر اسے مسلمانان اندلس کی اعانت سے باز رکھے - اس سفیر کا نام کونت پیٹر ڈینکر تھا - یہ اسکندریہ پہنچا ' اور فلپ دی پیریٹز کے یہاں اُترا جو اُس وقت مصر میں فرانس اور اسپین کا مشترک قنصل تھا - قنصل نے سفیر کی آمد کی باقاعدہ اطلاع سلطان کو بھیج دی ' اور درخواست کی کہ اسکے لیے قاہرہ جانے کا پروانۂ راہداری مرحمت ہو "

" سلطان کو جب اس معاملہ کی اطلاع ملی ' تو اُس نے امراؤ علماء سے مشورہ کیا - علماء چونکہ مراکشی وفد کے ذریعہ مسلمانان اسپین کے مصائب کے واقعات معلوم کر چکے تھے ' اسلیے قدرتی طور پر اسپین کے خلاف اُنکے جذبات مشتعل ہو رہے تھے - انھوں نے بالاتفاق یہ راے دی کہ سلطان کا اس سفارت سے ملاقات کرنا بہتر نہیں - اسے واپس کر دیا جاے - سلطان نے بھی اس مشورہ سے اتفاق کیا ' اور سفیر کیلیے پروانۂ راہداری نہیں بھیجا -

حکم دیدیا تھا ' لیکن سفر نامہ کا مصنف لکھتا ھے کہ " انھوں نے خزائن بیت المقدس کی بڑی مقدار دیکر اپنی جانیں بچا لیں "

اس واقعہ نے تمام یورپ میں اضطراب پیدا کردیا - واسکو ڈی گاما نے اگرچہ ھندوستان کا براہ راست بحری راستہ معلوم کرلیا تھا' لیکن ابھی اس راہ سے ھندوستانی مال کی آمد و رفت شروع نہیں ہوئی تھی ' اور یورپ کی مشرقی تجارت کا دار و مدار بدستور مصر پر تھا - جونہی مصر کا دروازہ بند ہوا ' یورپ نے محسوس کیا کہ تمام مشرق کا دروازہ اُس پر بند ہوگیا ھے - ایک سال کے اندر وینیس اور جنیوا کی تمام تجارتی منڈیاں بند ہوگئیں ' اور یورپ میں مشرقی مصنوعات کا پھر قحط شروع ہوگیا -

یہ حالت دیکھکر وینیس اور فرانس کی حکومتیں مجبور ہوئیں کہ کسی نہ کسی طرح حکومت مصر سے از سر نو دوستانہ تعلقات پیدا کریں- وینیس کی یہ سفارت (جس کی سیاحت مصر کی روداد اس سفر نامہ میں قلمبند کی گئی ھے) اسی مقصد سے روانہ کی گئی تھی - قریب قریب اسی زمانے میں فرانس کی سفارت بھی روانہ ہوئی - سفر نامہ میں جا بجا فرانسیسی سفارت کے معاملات کا بھی ذکر کیا گیا ھے ' اگرچہ انداز بیان مخالفانہ جذبات سے خالی نہیں ھے - فرانسیسی سفارت شویلیر کونٹ اندری کی زیر ریاست بھیجی گئی تھی -

وینیس کی یہ سفارت ۲۳ - جنوری سنہ ۱۵۱۲ع - کو وینیس سے روانہ ہوئی ' اور بے شمار مقامات میں ٹھہرتی ہوئی ' ۲۰ - مئی سنہ مذکور کو اسکندریہ پہنچی -

(سفرنامہ کے تاریخی فوائد)

سفر نامہ اُس عہد کی ملکی اور معاشرتی حالات کے بے شمار فوائد و معلومات سے مملؤ ھے - ان کا استقصاء ایک تحریر میں ممکن نہیں - ہم مختصراً بعض اھم فوائد کا ذکر کرینگے -

(سلطان غوری اور وزراء کی تصاویر)

مصنف نے جا بجا لکھا ھے کہ اُسے مصوری میں کافی دخل تھا - اس کا ثبوت اُن تصاویر سے ملتا ھے جو اُس نے سفر نامہ کے ساتھہ شامل کی ھیں - ہم ان میں سے دو تصویروں کی نقل اس تحریر کے ساتھہ شائع کرتے ھیں - پہلی تصویر سلطان قانصوہ غوری کی ھے - دوسری اس کے وزراء کی ھے - مصنف لکھتا ھے " میں نے سلطان سے اُس کی اور اُس کے درباریوں کی تصویر کھینچنے کی اجازت حاصل کرلی تھی "

ان تصاویر میں سلطان اور وزراء مصر کی جو وضع و ھئیت نظر آرھی ھے ' یہ اُس عہد کے تمام ترک اور چرکس امراء کی عام وضع تھی - سلاطین و امراء عثمانیہ کا لباس اور عمامہ بھی تقریباً ایسا ھی تھا - یہ عمامہ جو اسقدر بلند اور عریض ہوتا تھا ' ایسے باریک کپڑے اور ھلکے مواد سے طیار کیا جاتا تھا ' کہ کوئی غیر معمولی وزن سر پر محسوس نہیں ہوتا تھا - ھندوستان میں یہ بات دلچسپی کے ساتھہ معلوم کی جائیگی کہ اکثر حالتوں میں یہ کپڑا ھندوستانی ساخت کا ہوتا تھا !

سلطان ملک الاشرف قانصوہ غوری جسکی تصویر آپکے سامنے ھے ' دراصل مصر کے چرکسی مملوکوں کا آخری فرمانروا ھے - سنہ ۹۲۲- ھجری مطابق ۱۵۱۶- ع میں جب سلطان سلیم اول نے مصر و شام پر حملہ کیا ' تو تخت مصر پر یہی سلطان متمکن تھا - یہ " مرج دابق " کے معرکہ میں پوری شجاعت اور پامردی کے ساتھہ لڑا ' لیکن بالاخر شکست کھائی ' اور میدان جنگ میں گھوڑے سے گرکر مارا گیا - اسکے بعد ملک اشرف طومان بائی نے کچھہ عرصہ تک لڑائی جاری رکھی ' لیکن مصر کی آخری لڑائی میں اس نے بھی شکست کھائی ' اور ھمیشہ کیلیے چرکسی مملوکوں کا سلسلۂ حکومت ختم ہوگیا -

سلطان غوری سنہ ۹۰۶- ھجری مطابق ۱۵۰۱- ع میں تخت نشین ہوا تھا - اس حساب سے تقریباً پندرہ برس تک حکمراں رہا

سفرنامہ کے مصنف نے اس سلطان کے غیر معمولی اوصاف شاہانہ کی بہت تعریف کی ھے ' اور اسے " حزم راے اور دقت نظر" میں اپنے عہد کا بہترین فرمانروا قرار دیا ھے - مصر کے عام مورخین بھی اُس کے بعض اوصاف کا اعتراف کرتے ھیں -

(سقوط غرناطہ اور مصر)

من جملہ تاریخی فوائد کے ایک نہایت اھم اور عبرت انگیز واقعہ اُس سفارت کا ھے ' جو غرناطہ اور مراکش کے امراء نے مصر بھیجی تھی ' اور جسکی تفصیلات سے مصر کی تمام تاریخیں خاموش ھیں -

اسپین سے مسلمانوں کا آخری اخراج سنہ ۱۴۹۱- ع میں ہوا ھے - یہی سنہ ھے جب تمام اسلامی حکومتوں کی اعانت سے مایوس ہوکر ابو عبد اللہ نے غرناطہ فرڈنینڈ کے حوالہ کردیا - اسکے بعد پچاس برس تک مسلمانوں پر ایسے ایسے وحشیانہ مظالم ہوتے رھے ' جنکی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں - غرناطہ کے بقیۃ السیف مسلمانوں کے خلاف محکمۂ انکویزیشن Inquisition نے قتل و احراق کا آخری حکم سنہ ۱۵۰۹ - میں صادر کیا تھا ' اور کارڈنیل فرانسسکو زی مینس اور فرڈینینڈ ڈی ٹالاویرا نے سرزمین اسپین میں اسلامی تمدن و آبادی کا آخری نقش بھی مٹا دیا تھا - یہ زمانہ ٹھیک ٹھیک وھی زمانہ ھے ' جب مصر میں سلطان محمد بن قاتیبائی کے بعد پادشاہ گردی شروع ہوگئی ھے ' اور کئی سال کی طوائف الملوکی کے بعد اعیان سلطنت نے سلطان قانصوہ غوری کو تخت نشین کیا ھے -

تاریخ میں دو واقعات کا اجمالی ذکر ہم پڑھچکے تھے - ایک یہ کہ جب سلطان ابو عبد اللہ ' فرڈینَنڈ کے مقابلہ سے عاجز ہوگیا ' تو اُس نے دو سال کیلیے عارضی صلح کرلی ' اور تمام مسلمان سلاطین عالم کی طرف سفارتیں روانہ کیں تاکہ اُنہیں مسلمانان اندلس کی نصرت و حمایت پر آمادہ کیا جاے - مسلمانان اندلس کو خصوصیت کے ساتھہ سلطان عثمانی اور سلطان مصر سے اعانت کی توقع تھی - لیکن دو سال کی مدت گزر گئی' اور کسی نے بھی انکی خبر نہیں لی - دوسرا واقعہ سقوط غرناطہ کے بعد کا ھے - جب ابو عبد اللہ کی جلا وطنی کے بعد اسپین کی حکومت نے وہ تمام عہد و پیمان بھلا دیے ' جو مسلمانوں کی آزادی و حفاظت کیلیے کیے گئے تھے ' اور انکا قتل عام شروع ہوگیا ' تو یہ حالت دیکھکر مراکش اور تیونس کے سلاطین مضطرب ہوگئے - انہوں نے تمام مسلمان سلاطین عالم کے پاس وفود بھیجے ' اور اُنہیں مسلمانان اندلس کی بے بسی اور مظلومیت پر توجہ دلائی - ایک خاص سفارت جو مراکش کے بعض اکابر علماء و اُمراء سے مرکب تھی ' قاھرہ بھیجی گئی تھی - یہ سلطان قانصوہ غوری ھی کا زمانہ تھا - تاریخ کے صفحات ھمیں بتلاتے ھیں کہ سفارت قاھرہ پہنچی ' اور

روسی انقلاب کی جوبلی

(دسویں سالگرہ کا جشن)

قارئین الہلال کو اخبارات کے ذریعہ معلوم ہو چکا ہے کہ گذشتہ اکتوبر میں روس کی سوویت حکومت نے آخری انقلاب روس کی دسویں سالگرہ منائی تھی' اور اس تقریب کو " کمیونیزم کی دہ سالہ جوبلی " سے تعبیر کیا تھا - اس تقریب میں شرکت کیلیے بعض ہندوستانی رہنماؤں کو بھی دعوت دی گئی تھی' لیکن اُن میں سے کوئی شخص بھی نہ جا سکا - وقت کی کمی' حالات کی ناموافقت' اور زیادہ تر ہندوستانی حکومت کے پروانۂ راہداری دینے کے اشتباہ سے کسی شخص نے قصد ہی نہیں کیا -

اب یورپ کی پچھلی ڈاک کے اخبارات میں اس تقریب کی نہایت دلچسپ اور موثر تفصیلات آ گئی ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ موسکو کا یہ اجتماع دنیا کے عظیم الشان اجتماعات میں سے تھا - نہ صرف تمام روسی صوبوں سے' بلکہ دنیا کے دور دراز حصوں سے بھی نمایندوں کی بے شمار تعداد شریک ہوئی تھی - وسط ایشیا کی تمام حکومتوں اور قوموں کے وکلاء موجود تھے - قفقاز اور ارمینیا نے علانیہ اسمیں حصہ لیا تھا - ایران سے بھی ایک وفد گیا تھا - چین اور جاپان کے بھی نمایندے موجود تھے -

تقریب کے رسوم و اعمال نہایت طول طویل تھے جو کئی دن تک متصل جاری رہے - سب سے زیادہ اہم اور عظیم اجتماع بین الاقوامی جلوس کا تھا جس سے جوبلی کی تقریب کا افتتاح ہوا - اس جلوس کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اسکے شرکاء کی تعداد دس لاکھ آدمیوں سے بھی زیادہ تھی' اور بیس گھنٹہ سے زیادہ وقت اسکے گذرنے میں لگ گیا تھا - جو لوگ جلوس نکلتے وقت شریک ہوے تھے' انھوں نے پورا ایک دن اور ایک رات سڑکوں پر بسر کر دی - جلوس کا ایک سرا شہر کے ایک کنارہ سے شروع ہوا تھا' اور دوسرا سرا کئی چکر کھا کر دوسرے سرے پر ختم ہوا تھا !

اس موقعہ پر یہ بات یاد رہے کہ موسکو کی آبادی عرض کی جگہ زیادہ تر طول ہی میں واقع ہوئی ہے - وہ دنیا کے اُن شہروں میں سے ایک ہے جو سب سے زیادہ لنبے واقع ہوئے ہیں -

جلوس کے بعد سوویت کی بین الاقوامی مرکزی

لیکن ساتھہ ھي صاف لفظوں میں انکار بھي نہیں کیا - جب کبھي قنصل کي جانب سے عرضداشت پہنچي ' کسي نہ کسي طرح ٹالدیا گیا "

" لیکن کچھہ عرصہ کے بعد سلطان نے محسوس کیا کہ علماء و امراء کا مشورہ مصالح حکومت کے مطابق نہیں ھے - یہ مصلحت کے خلاف ہوگا کہ حالات نے جو موقعہ یورپین حکومتوں سے مطلب براري کا پیدا کردیا ھے ' اُسے ضائع کردیا جائے - چنانچہ اُس نے اسپیني سفیر کے لیے پروانۂ راھداري بھیجوا دیا - وہ اسکندریہ سے چل کر ۱۶ - جنوري سنہ ۱۵۰۲ع - کو قاھرہ پہنچا - قاھرہ میں سرکاري ترجمان اُس کے استقبال کے لیے موجود تھا - حسب معمول شاھي مہمانسرائے میں اُتارا گیا - اور ایک ھفتہ کے بعد دربار شاھي میں پیش ہوا "

" اس موقعہ پر اس عظیم الشان مشرقي فرمانروا نے جو طرز عمل اختیار کیا ' وہ اُس کي سیاسي مہارت اور شاھانہ حکمت عملي کا بہترین نمونہ ھے - وہ علماء و اعیان سلطنت کو اپنا مخالف بنا لینا پسند نہیں کرتا تھا ' جو قدرتي طور پر مسلمانان اسپین سے ھمدردي رکھتے تھے اور اُن کي حمایت و اعانت کے دل سے خواھشمند تھے - دوسري طرف اس کے لیے بھي طیار نہ تھا کہ ایک دور دراز ملک کے مسلمانوں کے لیے خواہ مخواہ جنگ و خونریزي کے خطرات میں مبتلا ہو' اور اپنے مصالح و فوائد کو نقصان پہنچائے - پس اُس نے ایسا طریقہ اختیار کیا ' جس سے ایک طرف علماء و امراء سلطنت کو بھي شکایت کا موقعہ نہیں ملا - دوسري طرف یورپ سے بھي اچھے تعلقات قائم ہو گئے - اُس نے اسپیني سفیر کو پہلي مرتبہ بر سر دربار بلوایا - اس موقعہ پر تمام امراء و علماء سلطنت موجود تھے - جب اُس نے اپنے پادشاہ کا سلام عرض کیا ' تو سلطان نے نہایت غضب ناک لہجہ میں اُس کا سلام قبول کرنے سے انکار کردیا ' اور کہا ' میں ایسے پادشاہ کا سلام نہیں سن سکتا جس نے مسلمانوں کے ساتھہ ظالمانہ سلوک کیا ھے اور جس کي حکومت میں اِس وقت تک مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ھے - لیکن پھر دو دن بعد پوشیدہ محل میں بلا کر دوبارہ ملاقات کي ' اور اس ملاقات میں نہ صرف پادشاہ اسپین کا سلام پوري بشاشت و مرحمت کے ساتھہ قبول کرلیا ' بلکہ اُس کے جواب میں اپني جانب سے بھي دوستانہ تعلقات کا پوري طرح یقین دلایا - اس کے بعد سفیر اور سلطان میں اور بھي کئي پوشیدہ ملاقاتیں ہوئیں - بالاخر اس سفارت کا جو مقصد تھا وہ حاصل ہوگیا - یعنے سلطان نے اسپین سے دوستانہ معاھدہ کرلیا ' اور کچھہ عرصہ کے بعد تمام یورپ سے بھي از سر نو معاھدات کي تجدید ہو گئي - مراکش کا وفد کئي سال تک قاھرہ میں پڑا رہا - آخر مایوس ہوکر واپس چلا گیا "

اس بیان پر کسي اظہار رائے اور بحث کي ضرورت نہیں ھے - جو معاھدہ اسپین اور سلطان غوري میں اس سفارت کے ذریعہ ہوا تھا ' اور سفارت نے جو تحریر سرکاري طور پر سلطان کے سامنے پیش کي تھي ' اس کا اصلي نسخہ اِس وقت تک اسپین کے شاھي کتب خانہ واقع اسکوریال میں موجود ھے -

مذاکرۂ علمیہ

قدماء کي مفقود صنعتیں

یہ مسلم ھے کہ قدیم قومیں بہت سي ایسي صنعتوں سے واقف تھیں جو اب مفقود ہو چکي ھیں - حال میں امریکہ کے ایک محقق علوم قدیمہ نے ایک مقالہ میں اُن پر نہایت دلچسپ بحث کي ھے - وہ لکھتا ھے :

بعض قدیم مصري قبروں میں قرمزي رنگ کا نہایت شفاف شیشہ پایا گیا ھے - علماء عصر حیران تھے کہ یہ کیونکر بنایا جاتا تھا ؟ بیان کیا جاتا ھے کہ پندرھویں صدي میں چینیوں کو اِس صنعت کا طریقہ معلوم تھا - خوش قسمتي سے اب سر ھربرٹ جیکسن نے اِسے معلوم کرلیا ھے ' اور لندن کي رائل سوسائٹي کے سامنے پیش کرکے اُس کي تصدیق بھي حاصل کرلي ھے -

یوناني اب سے دو ہزار برس پہلے بھیڑ کي اون سے ایک خاص قسم کا تیل بناتے تھے - یونان کي بربادي کے بعد یہ صنعت مفقود ہوگئي - یہاں تک کہ انیسویں صدي کے علماء اس کا کچھہ پتہ نہ لگا سکے - یہ روغن " لانولین " کے نام سے مشہور ھے -

روم کے معمار ایک ایسا روغن جانتے تھے' جو دیوار پر لگاتے ھي فوراً خشک ہوجاتا تھا - صدیوں تک مفقود رہنے کے بعد یہ راز سنہ ۱۹۰۸ع میں ایک انگریز رنگساز نے از سر نو معلوم کرلیا -

روم کے صناع ایک ایسا شیشہ بھي بناتے تھے جو لچکدار ہوتا تھا - سنہ ۱۶۱۲ ع میں فلورنس کے ایک باشندے نے اِس شیشے کا ذکر کیا ھے - وہ لکھتا ھے " شہنشاہ تیبرس کے عہد میں روم والوں نے ایک لچکدار شیشہ ایجاد کیا تھا - مگر اب یہ راز گم ہوچکا ھے - اگر یہ ھمیں معلوم ہوجائے ' تو شیشہ کي قیمت ' چاندي سونے سے بھي زیادہ ہو جائیگي "

لیکن عین اُسي زمانے میں جبکہ فلورنس کا باشندہ یہ سطور لکھہ رہا تھا ' ایران میں یہ صنعت موجود تھي - چنانچہ سنہ ۱۶۱۰ ع میں شاہ ایران نے فلیپ سوم شاہ اسپین کو لچکدار شیشے کے چھہ جام بھیجے تھے - یہ جام کسي طرح بھي ٹوٹ نہیں سکتے تھے !

یہ راز صنعت بالاخر گم ہوگیا - یہانتک کہ کئي صدي کے بعد اب پچھلے سال ایک اسٹرین عالم نے اسے دوبارہ معلوم کرلیا ھے - اِس شیشے کا خاصہ یہ ھے کہ شیشے کي طرح شفاف ہوتا ھے ' مگر لچک اِتني زیادہ ہوتي ھے کہ ایک پورا قاب انگلي پر رکھہ کر تہہ کرلے سکتے ھیں ! قاب تہہ کر لینے کے بعد گیند کي طرح گول ہو جاتا ھے - یہ گیند اگر زمین پر زور سے مارا جاے تو ٹوٹتا نہیں ' بلکہ اس طرح اچھلتا ھے ' جیسے ربڑ کا گیند اچھلتا ھے -

خیال کیا جاتا ھے کہ موجودہ دنیا اس صنعت سے بہت فائدہ اٹھائیگي - اس سے موٹریں بنائي جائینگي ' اور اُنکے ٹوٹ جانے کا خطرہ دور ہو جائیگا -

اسي طرح قدیم زمانے میں تانبے کے اُسترے بنائے جاتے تھے جو لوہے کے اُستروں سے زیادہ اچھا کام دیتے تھے - مدتوں کے بعد اب معلوم ہوا ھے کہ امریکا کے ایک قیدي نے یہ صنعت زندہ کر لي ھے - اُسے قید سے رہا کر دیا گیا ھے تاکہ اسے مکمل

سنه ١٩٠٨ع میں جب دستوري انقلاب هوا ' تو تمام قسطنطنیه میں ایک مسلمان عورت بهي ایسي نهیں تهي جسے قسطنطنیه کي سڑکوں پر بغیر یشمک (هلکے نقاب) کے نکلنے کي جرأت هو - لیکن پانچ سال کے اندر هي اندر یه حالت هوگئي که فی صدي پچهتر نوجوان لڑکیاں ایسي تهیں جنهوں نے یشمک کي جگه ایک ایسا بالائي لباس اختیار کرلیا تها جو اُن کے چهره کے کناروں کو ڈهانپ لیتا تها ' اور درمیاني حصه بالکل کهلا رهتا تها - چند سالوں تک یه وضع نهایت مقبول رهي - بڑے بڑے پاشاؤں کے گهرانے میں بهي اسي وضع کا لباس ڈرائینگ روم کي ملاقاتوں کے لیے پهنا جاتا تها - لیکن سنه ١٩١٤ع میں جب عالمگیر جنگ شروع هوئي ' تو بهت سي نوجوان ترک عورتیں اس پوشش سے اُکتا چکي تهیں - ایک بڑي تعداد ایسي لڑکیوں کي موجود تهي جس نے اسے ترک کردیا تها - وه اپنے سروں کو ایک خاص طریقه سے اچهي طرح ڈهانپ لیتیں ' لیکن چهره ٹهڈي کے پاس پوشیده نهیں کیا جاتا - وه پوري طرح کهلا رهتا تها "

سنه ١٩١٣ع میں ترک خواتین کي ایک انجمن کا اجلاس

" جهاں تک عام لباس کا تعلق هے ' ترکي کي شهري عورتیں ' خصوصاً دارالحکومت کي عورتیں ایک عرصه سے یورپین لباس کے غالب اجزاء اختیار کرچکي تهیں - لیکن سنه ١٩٠٨ع تک ایسي عورتیں زیاده نه تهیں' جنهوں نے کامل طور پر یورپین لباس اختیار کر لیا هو - عموماً اس طرح کا لباس پهنا جاتا تها' جو یورپین لباس هونے پر بهي بعض مشرقي قسم کي خصوصیات رکهتا تها - سنه ١٩٠٨ع کے انقلاب کے بعد یه خصوصیات رخصت هونے لگیں - یهاں تک که سنه ١٩١٣ع میں دار الحکومت کے تمام گهرانوں میں نئي نسل کي لڑکیوں نے کامل فرانسیسي لباس اختیار کرلیا - ترکي زبان میں بهي لباس اور فیشن کے ترکي رسائل اُسي طرح نکلنے لگے ' جس طرح فرانس اور انگلستان میں نکلتے هیں - دارالحکومت سے باهر بهي تمام بڑے بڑے شهروں میں کامل قسم کا یورپین لباس رائج هوگیا - گذشته سال مجهے ایک دوست نے جو عرصه سے سمرنا میں مقیم هے ' بتلایا تها که سمرنا کے ترک گهرانوں میں پیرس کے تازه ترین زنانه فیشن سے ویسي هي دلچسپي لي جاتي تهي ' جیسي دلچسپي یورپ کے کسي شهر میں لي جاسکتي هے - فرق صرف اتنا تها که پیرس کا جو فیشن ایک هفته کے اندر لندن اور برلن کے درزیوں کے یهاں پهنچ جاتا تها ' اُسے سمرنا تک پهنچتے پهنچتے کئي هفتے لگ جاتے تھے ! "

" تاهم یه ساري تبدیلیاں گهر کي چار دیواري کے اندر هي هوتي رهیں - یه ممکن نه تها که کوئي ترک عورت گهر سے باهر بهي اُسي لباس میں نکل سکے ' جس لباس کے اندر وه گهر میں اپنے دوستوں کا استقبال کرتي تهي - باهر نکلنے کیلیے ایک خاص وضع کا بهت عریض فرغل استعمال کیا جاتا تها ' جسے کمر کے پاس پیٹي سے کس لیا جاتا تها ' اور وه همارے ملک کے پادریوں کے گاؤن کي سي هیئت پیدا کرلیتا تها - فرغل پهن لینے کے بعد نه صرف جسم هي کامل طور پر چهپ جاتا تها ' بلکه لباس کي تمام آرائش بهي پوشیده هو جاتي تهي - امیر هو یا غریب ' جوان هو یا بڑهي ' تعلیم یافته هو یا غیر تعلیم یافته ' لیکن گهر سے باهر هر ترک عورت ایک هي طرح کے لباس میں نظر آئیگي - سنه ١٩١٢ - میں جب نوجوان

غازي مصطفی کمال پاشا اور اُنکي سابق بیوي لطیفه هانم

مجلس کا اجلاس شروع ہوا - ممکن نہ تھا کہ کوئي عمارت اتنے بڑے اجتماع کي گنجایش رکھتي - اس لیے ایک کھلے میدان میں منعقد ہوا - اجتماع کئي ٹکڑوں میں تقسیم کردیا گیا تھا ' اور ہر ٹکڑے کے وسط میں لینین کا ایک مجسمہ رکھا گیا تھا - لینین کا ایک بہت بڑا مجسمہ میدان کے دروازہ پر بھي نصب کیا گیا تھا ' جو روس کے ایک بہت بڑے صناع نے سنہ ۱۹۲۴ میں بنایا تھا - یہ ایک بہت بڑے قطر کا کرۂ ارضي ہے ' اور اُس کے قطبي حصہ پر لینین کھڑا ہے - مجسمہ کي یہ صورت اس رمز کي طرف اشارہ کرتي ہے کہ کمیونزم کي دعوت تمام کرۂ اُرضي کي سرمایہ پرستي پر غالب آگئي ہے !

ہم نے صفحات الہلال کے لیے دو مرقعوں کا انتخاب کیا ہے - پہلا مرقع اُس موقعہ کا ہے جب سوویت کے اعلی حکام جلوس میں شریک ہونے کي طیاري کر رہے ہیں - بائیں جانب سیاہ استر خاني ٹوپي اوڑھے ہوئے صدر سوویت کھڑا ہے جسے آج کل تمام یورپ "کمیونزم کے زار" سے تعبیر کرتا ہے - اس کے ساتھہ جدید کمیونسٹ فوج کي وردي پہنے ہوئے ' سوویت ارکان حکومت ہیں -

دوسرا مرقع جلوس کا ایک خاص حصہ ہے - اِس میں زیادہ تر یورپ اور انگلستان کے نمایندے ہیں - اگر آپ بائیں جانب غور سے دیکھیں تو مسٹر سکلت والا کا چہرہ صاف دکھائي دے رہا ہے -

جدید ترکي خواتین
سنہ ۱۹۱۲ - سے ۱۹۲۵ - تک !

ترکی کی نسوانی تحریکات

—·○◆○·—

الہلال نمر (۲۳) میں عنوان مندرجۂ صدر سے ہم ایک فرانسیسي اہل قلم کے مقالات کا خلاصہ درج کر چکے ہیں - اب اس سلسلۂ مقالات کي تیسري قسط بھي شائع ہوگئي ہے - اِس میں زیادہ تر ترکي کي موجودہ نسواني تحریکات اور اُنکے مقاصد پر نظر ڈالي ہے -

بلاد اسلامیہ کے جدید معاشرتي تغیرات کے مُتعلق وقتاً فوقتاً جو مضامین ' مشرق و مغرب کے اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں ' اکثر حالتوں میں صورت حال کي معتدل اور حقیقي نوعیت پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں - عموماً ایسا ہوتا ہے کہ مضمون نگار کوئي خاص نقطۂ خیال رکھتا ہے ' اور اسي کے مطابق صورت حال کا نقشہ کھینچنا چاہتا ہے - مثلاً جب کبھي موجودہ عہد کا کوئي یوروپین سیاح ترکي اور مصر کي سیر کریگا ' اور وہاں کي جدید معاشرتي تحریکات پر نظر ڈالیگا ' تو چونکہ پیشتر سے اس بارے میں ایک خاص نقطۂ خیال قائم کر چکا ہے ' اسلیے تغیر و اصلاح کي ہر حرکت کو اُسي روشني میں دیکھیگا ' اور مجموعي حیثیت سے ایک ایسي تصویر طیار کر دیگا ' گویا ترکي اور مصر کي جدید جماعتوں نے بہ یک دفعہ ارادہ کرلیا ہے کہ مشرقیت اور اسلامیت کے تمام عقائد و افکار سے دست بردار ہو جائیں !

دوسري طرف بعض مسلمان اہل قلم ہیں ' جو ہندوستان کے قدامت پسند مسلمانوں کے افکار و جذبات کي رعایت کرني چاہتے ہیں - اسلیے پسند نہیں کرتے کہ نئي تحریکات کي حد سے بڑھي ہوئي آزادانہ صورت اُنکے سامنے عریاں ہو - وہ ہمیشہ ان تحریکات کے متعلق ایسي مبہم اور گول مول باتیں کہہ جاتے ہیں ' جن سے صورت حال مشتبہ ہو جاتي ہے ' اور لوگ خیال کرنے لگتے ہیں کہ ترکي اور مصر کي جدید تحریکات کي نسبت جو کچھہ کہا جاتا ہے ' صداقت سے یک قلم خالي ہے -

جدید ترکي نسبت کئي سال سے ایسا ہي ہو رہا ہے - ایک طرف وہ بیانات ہیں جو دنیا کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ جدید ترکي اپنے آپکو مسلمان کہنے کے لیے بھي طیار نہیں - دوسري طرف وہ خوش عقیدہ مسلمان ہیں جو اردو اخباروں کے مضامین پڑھکر خیال کرنے لگتے ہیں کہ ترکي کے نئي معاشرتي انقلاب کي نسبت جو کچھہ کہا جاتا ہے ' محض یوروپین نامہ نگاروں کا سیاسي پروپگنڈا ہے - حقیقت سے اسے کوئي لگاؤ نہیں -

اس فرانسیسي مقالہ نگار کي یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اِس نے اپنے تاثرات کو کافي حد تک اس طرح کي بے اعتدالیوں سے محفوظ رکھا ہے ' اور کوشش کي ہے کہ بلاد اسلامیہ کي موجودہ انقلابي ذہنیت کا صحت نظر و تشخیص کے ساتھہ مطالعہ کیا جاے -

ہم اس مقالہ کا مختصر خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں ' تا کہ مسلمانان ہند جدید ترکی کے فکري تغیرات صحت کے ساتھہ معلوم کرسکیں -

مقالہ نگار لکھتا ہے :

"گذشتہ دس سال کے اندر ترکي کي معاشرتي زندگي میں جو انقلاب رونما ہوا ہے ' اُس کا اندازہ کرنے کے لیے ہمیں نوجوان ترک عورت کي نئي تاریخ حیات پر نظر ڈالني چاہئے -

تاریخ و عبر

غدر ۱۸۵۷ء

تصویر کا دوسرا رخ

(۲)

تین واقعات میں سے تیسرا واقعہ

جلیانوالہ باغ کا قتل عام

(۳) تیسرا واقعہ جلیانوالہ باغ کا قتل عام ہو۔ جو غدر سے ڈرے ہوئے دماغوں کے طفیل عالم وجود میں آیا تھا۔ یہ حادثہ جانکاہ اپریل ۱۹۱۹ء میں واقع ہوا۔ ہندوستانی اسے اسوقت تک فراموش نہیں کرسکے ہیں۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ جرنیل ڈائر کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا تھا۔ کیونکہ امرتسر میں (جو اکالی سکھوں کا صدر مقام ہو) فساد قابو سے باہر ہوچکا تھا۔ لوگوں نے کئی انگریز قتل کردئیے تھے۔ اور عیسائی لڑکیوں کی قیامگاہ جلانے کی بھی کوشش کی تھی۔ جلیانوالہ باغ میں جو ہجوم اکٹھا ہورہا تھا، وہ امن پسند نہیں کہا جاسکتا۔ اگرچہ اُن کے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا۔ جب ڈائر موقع پر پہنچا، تو ایک شخص تقریر کررہا تھا۔ ڈائر نے آتے ہی سپاہیوں کو فائر کرنے کا حکم دے دیا، اور دس منٹ کے اندر سیکڑوں آدمی موت کے گھاٹ اُتار دئیے گئے۔ قریبًا ایک ہزار آدمی زخمی بھی ہوئے تھے (لیکن ہندوستانی مقتولین اور مجروحین کی تعداد اس سے زیادہ بتاتے ہیں) جب سپاہیوں کے کارتوس ختم ہوگئے تو یہ قتل عام خود بخود بند ہوگیا۔ عام طور پر تسلیم کیاجاتا ہو کہ ڈائر نے مارشل لا کی تحقیقاتی کمیشن کے روبرو جو شہادت تھی، اس سے اُسنے اپنے آپ کو سخت نقصان پہونچایا۔ کیونکہ وہ خود مانتا ہو کہ عبرتناک سزا دیکر لوگوں کے دلوں میں خوف اور دہشت پیدا کرنی چاہتا چاہتا تھا!

چونکہ مارشل لا کی وجہ سے لوگوں کو شام کے بعد گھر سے نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے اس شام کو کوئی شخص جلیانوالہ باغ کے مردوں اور زخمیوں کے پاس جانے کی جرأت نہ کرسکا، اور نہ ہی فوجی حکام نے ان کی طرف توجہ کی۔ میں اسوقت تمام خوفناک واقعات از سر نو بیان کرنا نہیں چاہتا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بجائے اسکے کہ انگریز ڈائر کے فعل کے خلاف اظہار نفرین کرتے، انھوں نے ہر ممکن طریقے سے اس کی تائید کی۔ اس موقع پر بھی انگریزوں نے ہندوستانیوں سے وہی سلوک کیا جو غدر کے ایام میں کیا تھا۔ انھوں نے علانیہ طور پر یہ بات ثابت کردی کہ وہ محض تلوار کے زور سے ہندوستان کو غلام رکھنا چاہتے ہیں۔ جب گورنمنٹ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ سخت گھبراگئی۔ لیکن اسے بھی مصلحتہً ڈائر کی حرکات کی تائید ہی کرنی پڑی۔ اس وحشتناک واقعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ہندوستان میں اتحاد کی ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے باہمی نفاق بالائے طاق رکھکر ایک متحدہ تحریک گورنمنٹ کے خلاف جاری کردی۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں اسنے ایسی عظیم طاقت حاصل کرلی کہ تمام انگریز گھبرا گئے۔ انھوں نے گورنمنٹ آف انڈیا کو بڑے زور سے مشورہ دیا کہ یہ تحریک بالکل کچل ڈالی جائے۔ انہی دنوں میں انگریزوں نے (جو ہندوستان میں مقیم تھے) جرنیل ڈائر کے واسطے ۲۰ ہزار پونڈ جمع کرکے بھیجدیا۔ کیونکہ اسے گورنمنٹ نے ملازمت سے برطرف کردیا تھا۔ مجھے یقین ہو ان میں سے بعض آدمی ایسے بھی ہونگے۔ جو ضرور خیال کرتے ہونگے کہ ان کی قوم نے ڈائر کی تائید کرکے اپنی حماقت کا ثبوت دیا ہو۔ جب تک ہم ہندوستانی معاملات کو ٹھنڈے دل سے نہ سوچیں گے۔ ہم فوراً ایک معمولی بات پر بھی مشتعل ہوجایا کرینگے۔ جس طرح کہ ہماری قوم کے ایک نمائندے (ڈائر) نے امرتسر میں مشتعل ہوکر قتل عام کردیا!

غدر کی انگریزی تاریخیں

میں حیران ہوں، میری قوم نے اسوقت تک تاریخی کتابوں میں غدر کے یکطرفہ افسانوں کا اندراج کیوں جاری رکھا ہو؟ ان میں ہندوستانیوں کے خلاف اس قدر زہر اُگلا ہو کہ کوئی انگریز پڑھکر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ کتابیں محض اس غرض سے لکھی گئی تھیں کہ انگریزوں کے دلوں میں ہندوستانیوں کے خلاف نفرت پیدا کی جائے۔ انگریز مورخوں نے بعض جرنیلوں کی شجاعت وہمت کی اس قدر تعریف کی ہو کہ [illegible] فاتحوں کی بھی اس قدر تعریفیں نہیں کی گئی ہونگی۔ [illegible] نکلسن کا نہایت [illegible] تھا۔ میں نے اس کی سوانح حیات جو ٹراٹر نے لکھی ہو کئی دفعہ پڑھی ہو۔ مگر واقعہ یہ ہو کہ اسمیں اصلی نکلسن کا خاکہ نظر نہیں آسکتا۔ اس کی موہوم بہادری کے قصوں نے اس کی حقیقی زندگی چھپادی ہو۔ بہتر تو یہ تھا کہ اس کی حقیقی سیرت دکھائی جاتی۔ اسمیں شک نہیں، نکلسن ایک بہادر سپاہی تھا۔ وہ اپنی قوم کی خاطر بڑی بہادری سے لڑا۔ لیکن اسے دنیا کے عظیم سپہ سالاروں کے زمرہ میں شامل کرنا انصاف سے بعید ہو۔ سر جارج فارسٹ نکلسن کے متعلق اپنی کتاب میں لکھتا ہو کہ وہ ایک تندخو آدمی تھا۔ اور عام طور پر بدزبانی کیا کرتا تھا۔ اس کی بہادری مسلمہ تھی۔ لیکن وہ نافرمان بھی تھا۔ اُسنے لارنس کے ساتھ نہایت بُرا سلوک کیا تھا۔ کیمبل بھی ان افسانوں کو جو نکلسن کے متعلق مشہور تھے، بے بنیاد قرار دیتا ہو۔ اسی طرح تواریخ میں نیل، ہیولاک، اور ہاڈسن کے کارہائے نمایاں کے متعلق بے شمار لغو کہانیاں مورخانہ جرأت وسنجیدگی کے ساتھ درج کردی گئی ہیں!

نیل کی کارگذاری کے متعلق ہومز لکھتا ہو:

"بنارس کے باشندوں میں یہ ڈر پیدا ہوگیا تھا کہ نیل شہر پر گولہ باری کرنے والا ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے باشندے اپنے اہل و عیال کو ساتھ لےکر شہر سے بھاگ گئے"

فارسٹ بھی ہومز کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہو:

"نیل نے لوگوں پر ایسے مظالم برپا کئے تھے کہ اگر وہ زندہ رہتا، تو اس کی قوم بھی ضرور اسے لعن طعن کرتی۔ لیکن موت نے جلد ہی اس کے عیب ڈھانپ لئے۔ میں نیل کو اس کے مظالم کی وجہ سے ہرگز معاف نہیں کرسکتا۔ اگر وہ ظلم نہ کرتا تو لدھیانہ کی پلٹن کبھی تباہ نہ ہوتی۔ الہ آباد میں بھی اسنے فیروزپور کی پلٹن کو اپنے ظالمانہ سلوک کی وجہ سے مخالف بنالیا تھا۔ حالانکہ مجھے اس پلٹن کی وفاداری پر پورا اعتماد تھا۔ نیل کی عادت یہ تھی کہ وہ کسی پر بھی اعتبار نہیں کرتا تھا، اور لوگوں سے بڑی بے رحمی سے پیش آتا تھا"

مجھے یقین ہو کہ مورخین کی آیندہ نسل اس شخص کو بے شمار وحشیانہ مظالم سے بری الذمہ ثابت کرنے کی جرأت نہ کریگی!

برطانی راست بیانی!

جنگ یورپ میں بھی ہمارے اخباروں نے یہ افواہیں مشہور کررکھی تھیں، کہ جرمنی کے سپاہیوں کو انکے افسر بار بار کے میدان میں بھیجتے تھے۔ کیونکہ وہ ایسے ڈرپوک تھے کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن یہ غلط بیانی جنگ کے واقعات نے جھوٹی ثابت کردی۔ جرمنی کی فوجیں ایسی جانفشانی سے لڑیں کہ انکے دشمن بھی عش عش کرگئے۔ اس قسم کی جھوٹی خبروں کے پھیلانے سے مدعا یہ ہوتا ہو کہ دشمنوں کی تضحیک کی جائے، اور انکے خلاف نفرت کا جوش پیدا کردیا جائے، اسی طرح غدر کے دنوں میں بھی انگریزوں نے اس قدر جھوٹے افسانے تاریخوں میں درج کرڈالے۔ کہ انھوں نے اصلی واقعات پوشیدہ کردئیے!

بعض حقائق کا اعتراف

ہمارے غدر کے مورخ بھی کہیں کہیں کسی ہندوستانی کی تھوڑی سی تعریف کردیتے ہیں۔ مثلاً جھانسی کی رانی کے متعلق تقریبًا سب متفق ہیں کہ وہ ایک عظیم شخصیت تھی۔ سر ہیو روز نے (جسنے رانی موصوفہ کو شکست دی تھی) ایک دفعہ کہا تھا:

"وہ سب سے زیادہ بہادر اور لائق جرنیل تھی اسنے لڑائی میں ایسے کارنامے دکھلائے کہ انگریز بھی تحسین کئے بغیر نہ رہ سکے"

انگریزوں نے اسے زندہ پکڑنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔ کیونکہ اسنے لڑائی کے میدان میں اپنی جان دے دی۔ ہندوستانی اسے بجا طور پر ہندوستان کی جون آف آرک کہتے ہیں۔ ایک دن

لڑکیوں نے یشمک کا استعمال ترک کر دیا ' اور غریب خاندانوں کي تعلیم یافتہ لڑکیاں تار اور تیلي فون کے مرکزوں میں کام کرنے لگیں ' تو اُس وقت بھي اُنھیں اس بات کي جرأت نہیں ہوئي تھي ' کہ یورپین عورتوں کي طرح اپنے آرائشي لباس میں باہر نکلیں - دولت مند گھرانوں کي بے شمار عورتیں ھیں' جو پیرس کے مشہور درزیوں کے یہاں اپنے کپڑے سلواتي ھیں ' اور اپني بالوں کي آرایش اور لباس کي دیکھہ بھال کیلیے بیش قرار تنخواھوں پر فرانسیسي خادمائیں رکھتي ھیں ' تاھم وہ بھي جب گھر سے باھر نکلتي ھیں ' تو اپنا حسین اور فیشنیبل فرانسیسي لباس سیاہ و عریض فرغل کے اندر چھپا لیتي ھیں - یہ فرغل اُس وقت تک اُنکے جسم سے الگ نہیں ھوتا ' جب تک کہ وہ گھر کي چاردیواري کے اندر واپس نہ آ جائیں "

اسکے بعد مقالہ نگار نے اُن تغیرات کا ذکر کیا ھے جو جنگ کے بعد جدید قومي تحریک کے ساتھہ ساتھہ ظہور پذیر ھوئے' اور جو اب نہایت تیزي کے ساتھہ عام ھو رھے ھیں :

" اِن تغیرات میں سب سے زیادہ اھم چیز ترک عورتوں کي معاشرتي ذھنیت ھے - یہ واقعہ ھے کہ گذشتہ چند سالوں کے اندر اُنھوں نے تغیر و انقلاب کي بہت بڑي مسافت طے کرلي ھے - سنہ ۱۹۱۴ع کي نوجوان ترک خاتون اگرچہ اپني آزاد خیالي اور ذھني استعداد کے لحاظ سے قدیم مشرقي عورتوں سے بالکل مختلف قسم کي ذھنیت رکھتي تھي ' تاھم اُس میں موجودہ عہد کي وہ بے خوف روح نہیں پائي جاتي تھي جو قدامت کے دائرۂ اثر سے پوري

جنگ سے پہلے ایک زمانہ اسکول کي ترک لڑکیاں

خالدہ ادیب خانم
عہد حاضر کي مشہور اھل قلم جو آجکل امریکہ میں مقیم ھے

طرح آزاد ھوچکي ھے - اُس میں ایک ایسا محسوس تذبذب اور اضطراب باقي تھا ' جس کے اندر روح قدامت کي ایک دھندلي سي تصویر نظر آ جاتي تھي - لیکن سنہ ۱۹۲۷ع کي ترقي یافتہ ترک عورت کامل معنوں میں آزاد خیال ھے - اُس کا تذبذب مٹ چکا ھے - اُس میں اضطراب فکر کي جگہ عزم اور فیصلہ پیدا ھوگیا ھے - وہ وقت کي روح سے لبریز ھے ' اور صرف مستقبل ھي کي طرف نگاہ رکھتي ھے - بلا شبہ یہ صورت حال اس وقت تک صرف اونچے طبقہ ھي میں محدود ھے - متوسط طبقہ کي عورتیں عموماً پچھلي حالت ھي میں باقي ھیں - لیکن اگر ترکي کي موجودہ حکمران جماعت کو فوري زوال پیش نہ آگیا ' تو یہ بات یقیني ھے کہ بہت جلد یہ روح تمام ترکي میں پھیل جائیگي "

" اب نو جوان عورتیں وہ پرانا فرغل بھي ترک کرتي جاتي ھیں' جو باھر نکلنے کیلیے اُنکي لازمي پوشش تھي - اسکي جگہ ایک ایسا لباس وضع کرلیا گیا ھے جو گھر اور گھر سے باھر ' دونوں حالتوں میں کام دیسکتا ھے - گزشتہ سال انگورہ میں یہ دیکھکر مجھے نہایت حیرت ھوئي تھي کہ ارکان حکومت کي بیویاں بغیر فرغل پہنے ھوئے باھر نکلتي تھیں اور مجلس (پارلیمنٹ) کي گیلریوں میں بیٹھي نظر آتي تھیں - بعد کو مجھے بتلایا گیا کہ یہ طریقہ اب روز بروز مقبول ھوتا جاتا ھے ' اور اعلی طبقہ کي کوئي ترک عورت ایسي نہیں ھے جو قدیم فرغل استعمال کرتي ھو "

"کیا ٹیگور وفادار ہے؟"

میرا ایک دوست کسی پادری سے ٹیگور کے متعلق بات چیت کر رہا تھا وہ اسکی ادبی شہرت کا بہت معترف تھا۔ پادری نے بات کاٹ کر پوچھا "آیا وہ وفادار بھی ہے؟" اگر اسوقت سینٹ پال بھی برٹش گورنمنٹ کی رعیت ہوتا تو غالباً یہ پادری اس کے متعلق بھی یہی سوال کرتا۔ البتہ مجھے یقین ہے، وہ اسٹریلیا یا کینیڈا کے کسی باشندے کے متعلق یہ سوال پوچھنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ جب تک انگریزوں کی ہندوستانی سیرت کے متعلق یہ رائے رہے گی، تب تک فریقین میں ہمیشہ غلط فہمی قائم رہے گی اور ان کی باہمی مخالفت روز بروز بڑھتی جائے گی۔

پنجاب کے فسادات میں سب سے زیادہ قبیح فعل امرتسر میں ہوا تھا۔ وہاں ایک کوچہ کے باشندوں کو حکم دیا گیا کہ گھر سے باہر نکلتے وقت یا گھر کی طرف جاتے وقت پیٹ کے بل رینگ کر چلیں۔ کیونکہ حکام کو یقین دلایا گیا تھا کہ اس کوچہ کے بعض باشندوں نے ایک میم پر حملہ کیا تھا۔ شہروں پر ہوائی جہازوں کے ذریعے گولہ باری کرنا بھی اس سے کم خوفناک واقعہ نہیں ہے۔ ہندوستانی کہتے ہیں کہ اگر لورپول یا مانچسٹر میں فساد ہوجائے۔ تو بلاشبہ حکام حفظ عامہ کی خاطر مفسدوں پر گولی چلانے سے دریغ نہیں کرینگے لیکن وہ کسی حالت میں بھی یہ نہیں کرسکتے کہ اس شہر پر آسمان سے بمب کے گولے پھینکیں۔ اس قسم کے مظالم صرف اس صورت میں روا رکھے جاسکتے ہیں۔ جب قوموں کے درمیان جنگ چھڑ جائے۔

تھچنٹ نے ایک کتاب "غدر کی کہانی" میں مندرجہ ذیل سطور لکھی ہیں:

"ایشیائی دماغ کو سمجھنا ایک نہایت مشکل کام ہے۔ کیونکہ کوئی آدمی اس کے اسرار نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن یہ مسلم امر ہے۔ کہ غدر کی یاد لوگوں کے دلوں میں ہر وقت تازہ رہتی ہے۔ مجھے ایک پادری نے بتایا کہ اسنے ایک دفعہ اسکول کے طالب علموں کو غدر پر جواب مضمون لکھنے کا حکم دیا تھا۔ مگر تمام لڑکوں نے خالی کاغذ پیش کردئیے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا۔ کہ وہ یہ واقعہ اس قدر محسوس کرتے تھے۔ کہ ہمیں اپنے اندرونی خیالات سے آگاہ کرنا نہیں چاہتے تھے"

بعض واقف کار انگریزوں کی رائے ہے۔ کہ غدر کی یادداشتیں کچھ عرصے کے بعد معدوم ہوجائیں گی۔ لیکن میرے خیال میں جب تک ہماری کتابوں میں غدر کے افسانے درج رہیں گے، تب تک کوئی شخص بھی اُنھیں نہیں بھول سکتا۔ اس اسپرٹ کو زائل کرنے کے صرف دو طریقے ہوسکتے ہیں۔ یا تو تمام اسکول اور کالج بند کردئیے جائیں تاکہ آئندہ نسلوں کو پچھلی صدی کے واقعات کے متعلق کچھ علم نہ ہو۔ یا ہمیں چاہیے کہ ان واقعات کو ان کی اصلی صورت میں دکھائیں اور اپنی طرز تحریر یکسر تبدیل کردیں۔

ساورکار نے غدر کو آزادی کی جنگ سے تعبیر کیا ہے اسنے ایک مکمل تاریخ ہند لکھی تھی۔ لیکن گورنمنٹ نے اس کی اشاعت بند کردی کیونکہ گورنمنٹ کو یقین دلایا گیا تھا کہ اسمیں غلط واقعات درج کئے گئے ہیں جن سے انگریزوں کے خلاف نفرت پھیلنے کا اندیشہ ہے!

چونکہ ہم تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی ہم سے انتقام لینے کی خاطر ہمارے خلاف ہر قسم کی غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہندوستانی اخبارات اور رسائل اٹھاکر دیکھئے ان میں ہمارے خلاف کس قدر زہر اُگلا جاتا ہے۔

خاتمۂ سخن

ہمیں بلیک ہول والا حادثہ بالکل بھول جانا چاہئے۔ جس طرح کہ ہم ستر موپلہ قیدیوں کا ریل گاڑی میں دم گھٹ کر مرجانے کے واقعہ فوراً بھول چکے ہیں۔ ہمیں کانپور کے مظالم پر بھی شور مچانا نہیں چاہئے۔ جس طرح ہم دہلی۔ بنارس۔ الہ آباد وغیرہ میں اپنی کارگذاریاں فراموش کرچکے ہیں۔ جب ہم اپنے مظالم بھول چکے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستانی ہماری زیادتیاں ہردم یاد رکھیں!

سر چارلس ایچین نے لارنس کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے اسنے اس کے بت کا بھی جو لاہور کی ٹھنڈی سڑک پر استادہ ہے، ذکر کیا ہے اس بت پر یہ حروف کندہ ہیں "کیا تم ہماری حکومت تلوار کے زور سے تسلیم کروگے۔ یا قلم کے زور سے"؟ ان الفاظ سے ہندوستانی قوم کو دو رستے دکھائے جاتے ہیں۔ یا تو وہ خوشی سے ہماری اطاعت قبول کرلے یا تلوار کے زور سے محکوم رہے۔ اسمیں شک نہیں کہ آجکل قلم کے زور سے حکومت کی جارہی ہے۔ لیکن تلوار بھی ہر وقت برہنہ رہتی ہے۔ اس قسم کے کتبوں سے ہندوستانیوں کے دلوں میں غصہ کی آگ دہکتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بت کی شب و روز حفاظت کی جاتی ہے تاکہ اسے نقصان نہ پہنچایا جائے۔

رومیش دت نے تاریخ ہند میں کیا خوب لکھا ہے کہ غدر کے خوفناک مظالم کو اسکول کی کتابوں سے مٹا دینا چاہئے۔ کیونکہ جب ہندوستانی طلبا کو نیل جیسے ظالم انگریزوں کے کارنامے نہیں پڑھائے جاتے۔ تو پھر انہیں کانپور کے کنوئیں کا افسانہ کیوں سنایا جائے؟ میں یقین کرتا ہوں کہ اسوقت ہماری قوم ماضی کو فراموش کردینے کے لئے طیار ہے۔ اگر انگریزوں کی موجودہ نسل کو یقین دلایا جائے کہ ان کے بزرگوں نے ہندوستانیوں پر کس قدر ظلم و ستم ڈھائے تھے، تو وہ ان کی تلافی کے لئے یقیناً طیار ہوجائے۔

(ترجمہ چودھری محمد علی صاحب وکیل ایبٹ آباد)

بریدِ شرق

مکتوبِ آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا ازسرنو انتخاب۔ سازشیوں کو سزا۔ ٹرکی کی آبادی۔ ٹرکی اور امریکہ۔ ترکی میزانیہ۔

غازی کا ازسرنو انتخاب

گذشتہ ہفتہ مجلس وطنی (پارلیمنٹ) کا ازسرنو افتتاح ہوگیا غازی کمال پاشا، دوبارہ، صدر جمہوریت منتخب کئے گئے عصمت پاشا بدستور وزیر اعظم رہے۔ مجلس وطنی کے سابق صدر، کاظم پاشا بھی نئے انتخاب میں کامیاب ہے۔

مجلس وطنی کے تمام ارکان نے ایک ایک کرکے، صدر مجلس کے سامنے حسب ذیل قسم کھائی:

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ کسی ایسے مقصد کے لئے کوشش نہیں کروں گا جو وطن کی سعادت، قوم کی سلامتی، اور اُس کی بے قید و شرط سیادت کے منافی ہو۔ نیز میں جمہوریت کے اصول سے برابر وفادار رہوں گا"

خلق فرقہ سی نے، جمہوریت کی صدارت کے لئے کوئی نام پیش نہیں کیا تھا، بلکہ اپنے ارکان کو آزادی دیدی تھی کہ جس شخص کو پسند کریں، اس منصب کے لئے منتخب کرلیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی غازی مصطفےٰ کمال پاشا ہی بالاتفاق صدر قرار دے دئے گئے۔ تب صدر مجلس وطنی نے اُنھیں قسم کھانے کے لئے طلب کیا۔ اُنھوں نے ان لفظوں میں قسم کھائی:

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ صدر جمہوریت ہونے کی حیثیت سے جمہوریت کے قوانین اور قومی سیادت کے اصول کی حفاظت و مدافعت کروں گا۔ میں اپنی پوری قوت سے اور پورے اخلاص سے ترکی قوم کی بھلائی کے لئے کوشش کروں گا۔ میں پوری شدت سے ہر اُس خطرے کی مقاومت کروں گا جو ترکی حکومت کو لاحق ہوگا۔ ترکی شرافت کی حفاظت، اُس کی برتری اور اپنے فرائض ادا کرنے پر میں اپنی پوری زندگی وقف کردوں گا!"

جب غازی قسم کھا رہے تھے تو اُنکے ہر جملہ پر تالیوں کا ایک شور بلند ہوجاتا تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض سلطنتوں کے سفیر بھی تالیاں بجانے میں شریک تھے۔

قسم کے بعد غازی نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

"یہ منصب، صدر جمہوریت کا منصب، درحقیقت قوم کی پوری فضیلت، استقامت، اور معصومیت کا مظہر اور نمائندہ ہے۔ اس حقیقت سے میرا قلب و ضمیر پوری طرح باخبر ہے۔ میں اُن تمام اہم فرائض اور نازک ذمہ داریوں سے کماحقہ آگاہ ہوں جو صدارت کی اس کرسی نے مجھ پر عائد کردی ہیں۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ اس جدید اعتماد کو بھی سچا ثابت کردوں جس سے قوم نے مجھے سرفراز کیا ہے۔ یہ اعتماد اس امر کا ثبوت ہے کہ قوم ہماری خاکسارانہ کوشش پورے اطمینان سے پسند کرتی ہے۔ میری مسلسل کوشش رہیگی کہ قوم کی زیادہ سے زیادہ بڑی خدمتیں انجام دیتا رہوں"

اس کے بعد غازی نے کہا:

"یہ جمہوریت، جو خود مختاری، قومیت، اور عقلمندی پر قائم ہوئی ہے، اور جسنے گزشتہ برسوں میں اپنی اصلاحات و انقلابات سے اپنی قوت قاہرہ ثابت کردی ہے، قوم کی امیدوں اور آرزوؤں کے بالکل

ہمیں یہ تحقیق کرنی پڑے گی کہ کیا وجہ تھی کہ ہندوستانی عورتیں بھی ہمارے خلاف لڑنے پر آمادہ ہو گئی تھیں؟ جھانسی میں کئی انگریز اور عورتیں قتل کر دی گئی تھیں۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ رانی نے یہ خونریزی پسند نہ کی ہوگی۔ جب جھانسی فتح ہو گیا، تو اس کے باپ کو سیکڑوں آدمیوں کے ساتھ پھانسی دی گئی۔

شہزادہ فیروز کے متعلق بھی عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ بڑا بہادر اور جرار آدمی تھا۔ اسنے دہلی میں ہمارے آدمیوں کو بچانے کے لئے بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ جنگ کے میدان میں بڑی ثابت قدمی اور استقلال سے لڑتا رہا۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اگر ہمارے ہاتھوں میں پھنس گیا تو اسے فوراً پھانسی دے دی جائے گی۔ خود ہمارے آدمی بھی خفیہ طور پر خوش تھے کہ وہ پکڑا نہیں گیا۔ اس کی شہسواری اور اس کا سیکڑوں دفعہ موت کے منہ سے بال بال بچ جانا ایک افسانہ بن گیا ہے۔ بعض شعرائے بھی اپنے اشعار میں اس کی بہادری کے تذکرے کئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۸۶۰ء تک ہندوستان کے جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ بعد ازاں ۱۸۶۶ء میں وہ عرب میں آخری دفعہ دیکھا گیا۔[1] کوئی وقت ایسا بھی آئے گا کہ ہندوستانی روایات بھی تاریخ کی کتابوں میں درج کی جائیں گی۔ اور صحیح واقعات کی طرح مستند سمجھی جائیں گی۔ وہ داستان بھی کسی قدر دل ہلا دینے والی ہوگی!

ہمارے مورخین لکھتے ہیں کہ یہ غدر ہندوستان کو آزاد کرانے کی خاطر برپا نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ محض چند فوجوں کی بغاوت تھی۔ اچھا، اگر ایسا ہی تھا تو پھر بے گناہ آبادیوں کو موت کے گھاٹ اتارنا اور غیر محارب جماعتوں کو بھی بلا تمیز قتل کر ڈالنا، کسقدر انسانیت سوز حرکات تھیں! اگر اس قسم کے دردناک مظالم کسی دوسرے ملک میں ہوتے تو یقیناً پورا ملک متحد ہو کر برسرپیکار ہو جاتا۔ گو یہ وبا زیادہ تر آگرہ کے صوبہ ہی میں رہی۔ لیکن پھر بھی اس صوبہ کے عام لوگوں نے اسمیں کسی طرح کا حصہ نہیں لیا۔ ہمیں ناچار تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انہی لوگوں نے بہت سے انگریزوں کی جانیں بچا کر اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہے حالانکہ ہندی سپاہی انکے مخالف ہو گئے تھے۔

فارسٹ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹ پر لکھتا ہے:

"۱۰ دن کے اندر اودھ کے صوبہ میں انگریزی راج خواب کی مانند غائب ہو گیا تھا۔ سپاہیوں نے بغاوت کا علم بلند کر دیا تھا۔ اور عوام الناس نے اطاعت کا جوا اتار کر پھینک دیا تھا۔ لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ پھر بھی کوئی ظلم برپا نہ ہوا۔ نہ ہی کسی نے انتقام لینے کی کوشش کی۔ انھوں نے انگریزوں کے ساتھ نہایت اعلیٰ درجہ کا سلوک کیا۔ بلکہ لکھنؤ کے نواب بھی ان کے ساتھ کمال شرافت سے پیش آتے رہے۔ حالانکہ ان میں سے بعض نوابوں کو انگریزوں سے بسا اوقات نقصان پہنچا تھا"

میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں۔ کہ ہماری بے رحمی بلا وجہ نہ تھی کیونکہ غدر کے ابتدائی مرحلوں میں ہمیں اشتعال دلایا گیا تھا۔ باغی سپاہ نے قتل کی ابتدا کی تھی۔ سب سے پہلے میرٹھ کی ہندوستانی فوج کے ایک دستے نے اپنے افسروں کو قتل کر ڈالا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کی بے عزتی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ بعد ازاں دہلی میں انہی باغیوں کے ایما سے فرنگیوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ اس کے بعد بغاوت کا اثر دور دور پھیل گیا اور ۲۲ انگریزی چھاؤنیاں اس سے متاثر ہو گئیں۔ اسوقت دونوں طرف سے باقاعدہ خونریزی شروع ہو گئی تھی اور جنگ کا میدان گرم ہو گیا تھا۔ جھانسی اور کانپور میں انگریزوں کو سخت بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ لیکن جب انگریزوں کی باری آئی تو انھوں نے تمام علاقے زیر و زبر کر دیئے۔ جھانسی اور کانپور کے حوادث تو بعد میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔

[1] دو مرتبہ شہزادہ فیروز کابل گیا ... [illegible] ... سلطان ... [illegible] ... (الہلال)

اسمیں کچھ شک نہیں، کہ فریقین کے پاس ایسی غلط افواہیں پہنچائی جاتی تھیں جن سے خواہ مخواہ اشتعال پیدا ہو جاتا تھا۔ مثلاً باغیوں کو یقین دلایا گیا تھا، کہ انگریزی گورنمنٹ تمام ہندو مسلمانوں کی تباہی پر آمادہ ہے، اور اُن کا مذہب بگاڑنے کی تدابیر کر رہی ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی ہندوستانیوں کی بے رحمی کے فرضی قصے سنائے جاتے تھے جس سے ہمارا جام صبر لبریز ہو جاتا تھا۔ جنگ کے ایام میں عموماً جھوٹی خبریں محض اس غرض سے پھیلائی جاتی ہیں تاکہ دشمنوں کے خلاف سخت نفرت پھیل جائے۔ اُسوقت کسی کو ٹھنڈے دل سے خبروں کی چھان بین کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ یہی حال امرتسر کے فسادات میں بھی ہوا۔ وہاں ایک میم پر حملہ کئے جانے سے تمام انگریز بھڑک اٹھے اور انکے غصے کی کچھ انتہا نہ رہی۔

لارڈ کیننگ نے ملکہ معظمہ کو ایک خط میں مفصل ذیل فقرات لکھے تھے جو قابل غور ہیں:

"اگر وہ انگریز جن کے اہل و عیال کو باغیوں کے ہاتھوں کچھ نقصان پہونچا ہو، انکے خلاف نفرت کا اظہار کریں، تو وہ حق بجانب ہیں۔ لیکن حیرانگی کی بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ شور واویلا وہ لوگ مچا رہے ہیں جو بڑے آرام سے غدر کے حلقۂ اثر سے دُور اپنے اپنے گھروں میں محفوظ بیٹھے ہیں۔ مثلاً کلکتہ کی انگریزی آبادی فسادات کے علاقے سے بہت دُور تھی۔ بایں ہمہ وہ ہندوستانیوں کے خلاف زہر اگل رہی ہے، مجھے ڈر ہے کہ انکے معاندانہ خیالات امن قائم کرنے میں سدِ راہ ہونگے۔ انگریزوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستانیوں کو حقارت سے دیکھتی ہے اور ان سے قطع تعلق کرنے پر آمادہ ہے۔ لیکن ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ اگر برطانیہ کو ہندوستان پر حکومت کرنی ہے تو ہندوستانیوں کو دیوانی اور فوجی ملازمتیں دیکر ان پر اعتبار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ان کے بغیر حکومت کا انتظام ایک دن بھی نہیں چل سکتا۔ میں مبالغہ نہیں کرتا۔ یہ صحیح بات ہے کہ اگر ہم تمام ہندوستانیوں کو سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیں تو بہت سے انگریز اسے بنظر تحسین دیکھیں گے۔ کیونکہ وہ صاف طور پر اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان مستقل نفرت کی دیوار قائم کی جائے۔ بعض انگریز ہندوستانیوں کی وفاداری پر مطلق اعتبار نہیں کرتے حالانکہ انہی فسادات میں بہت سے ہندو اور مسلمانوں نے انگریزوں کو باغیوں کے مظالم سے بچایا ہے"

پنجاب کے فسادات کے دوران میں انگریزوں میں بہت جوش پھیلا ہوا تھا۔ کیونکہ انہیں ہر وقت اپنی جانوں کی فکر لگی رہتی تھی لیکن تعجب کی بات ہے کہ شور مچانے والے زیادہ تر وہی لوگ تھے۔ جو صحت افزا پہاڑی مقامات پر یا بڑے بڑے شہروں میں امن و امان سے مقیم تھے۔ اور ان کی حفاظت کے واسطے مکمل فوجی انتظام موجود تھا۔ علاوہ بریں وہ خود بھی خاصی تعداد میں ایک ہی جگہ رہتے تھے۔ برخلاف اس کے اضلاع کے حکام یا چائے کے کھیتوں کے مالکوں یا پادریوں کی جماعت نے کبھی چیخ و پکار نہ کی۔ حالانکہ انھیں ہر وقت اپنی جان کا خطرہ ہونا چاہیئے تھا۔ وہ ایسے مقامات پر متعین تھے جہاں کسی قسم کی بروقت امداد کا بہم پہونچنا تقریباً ناممکن تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مقدم الذکر لوگوں کو اپنے اوپر بھروسہ نہ تھا۔ وہ پہاڑوں اور شہروں میں ہندوستانیوں سے بالکل الگ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی طرز معاشرت بالکل علحدہ ہے۔ ہندوستانیوں سے انہیں کسی قسم کی یگانگت یا ہمدردی نہیں ہے۔ وہ اپنے حلقۂ احباب میں ایسی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس طرح انکے بھائی بند انگلستان میں کرتے ہیں۔ وہ اس ملک کے واقعات بھی ولایت ہی کے اخبارات میں پڑھنے کے عادی ہیں۔ لیکن اضلاع کے افسروں یا پادریوں کو اپنے آپ پر کلی اعتماد ہوتا ہے وہ اپنی برادری سے علحدہ رہتے ہیں۔ بدیں وجہ انہیں ہندوستانیوں سے معاشرتی تعلقات پیدا کرنے پڑتے ہیں، اور اپنے ساتھ ایسے احباب اکٹھے کر لیتے ہیں۔ جو فسادات کے موقع پر بھی مدد کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں

جب ہم ہندوستان آتے ہیں تو ہم اس کے باشندوں کے متعلق براہ راست تجربہ حاصل کرنے کی مطلق کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ جو کچھ ہمارے مصنفوں نے لکھ دیا ہے، وہی ہمارے دماغوں میں گونجتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم ہر ہندوستانی کو یا تو بھیک مانگنے والا یا جھوٹا آدمی یا دغاباز سمجھنے لگتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اس ملک کے باشندوں سے راہ و رسم پیدا کریں تاکہ ان کے اصلی اخلاق و عادات سے واقف ہو سکیں۔

ایک ناقابل فراموش شہادت

پنجاب کے فسادات میں ہندوستانیوں نے سب سے زیادہ یہ بات محسوس کی کہ انگریز عورتوں نے بھی مارشل لا کے مظالم کی بڑی زور سے تائید کی تھی۔ حالانکہ یہ قدرتی امر ہے کہ عورتیں وحشیانہ افعال سے نفرت کرتی ہیں۔ اور ان کے رقیق جذبات قتل و خونریزی کی سختیوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ میں ذیل میں ایک ہندوستانی عورت کا بیان جو اوڈوائر بنام سنکرن نائر کے مقدمہ میں دیا گیا تھا، درج کرتا ہوں۔ اس سے جلیانوالہ باغ کے حادثہ کی نوعیت ظاہر ہوگی:

"سوال:- تمھیں اپنے خاوند کے قتل کی کب اطلاع ملی؟

جواب: جب جلیانوالہ باغ میں گولی چلی۔ میں نے اپنے کوچہ کے باشندوں سے سنا کہ ہزاروں آدمی مارے گئے ہیں۔ مجھے سخت تشویش ہوئی۔ کیونکہ میرا خاوند بھی اسی جگہ گیا ہوا تھا، میں فی الفور باغ میں چلی گئی۔ اسوقت شام ہو گئی تھی۔ تمام جگہ لاشوں سے اٹی ہوئی تھی۔ میں نے ہر جگہ اپنے خاوند کی لاش تلاش کی۔ بالآخر اُس کی لاش کئی لاشوں کے نیچے سے برآمد ہوئی۔ زخمیوں کے دردناک نالوں اور قریب الموت انسانوں کی چیخوں سے آسمان گونج رہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی شخص میرے خاوند کی لاش اُٹھا کر گھر تک پہونچا دے لیکن کسی نے شام کے بعد باہر نکلنے کی جرات نہ کی۔ کیونکہ حکام نے شام کے بعد باہر نکلنا ممنوع قرار دیا تھا۔ ناچار میں نے تمام رات اسی باغ میں اپنے خاوند کی لاش کے پاس جاگتے گذار دی۔ کیونکہ کتے بڑی تعداد میں ادھر اُدھر منڈلا رہے تھے۔ اور مجھے ہر وقت اُنھیں چھڑی سے بھگاتے رہنا پڑتا تھا۔ رات کے ۲ بجے مجھے ایک سکھ زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ میں نے اُس کی زخمی ٹانگ سیدھی کر دی۔ وہاں ایک بارہ برس کا بچہ بھی زخمی تھا جو تمام رات درد کی وجہ سے چیختا رہا تھا۔ ایک اور زخمی بھی پیاس کے مارے بلبلا رہا تھا۔ چونکہ وہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا اسواسطے میں لاچار تھی۔ میں تمام رات زخمیوں کے کراہنے کی آواز سنتی رہی۔ جب صبح ہوئی تو سندر داس چارپائی لے کر آیا پھر میں اپنے خاوند کی لاش گھر لے گئی"

امرتسر کے حوادث سے پتہ لگتا ہے۔ کہ غدر کے تاثرات دو پشتوں تک بھی نہیں مٹ سکے۔ جب ہمیں کوئی شخص کہتا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کے ساتھ غلاموں کی طرح سلوک کر رہے ہیں۔ تو ہم بڑے زور سے اس کی تردید کرتے ہیں لیکن اگر ہمارے باہمی تعلقات کو غور سے دیکھا جائے۔ تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کو غلاموں سے بہتر نہیں سمجھتے۔ جب ہماری آپس میں کسی ہندوستانی کے متعلق بات چیت ہوتی ہے، تو سب سے پہلے دریافت کرتے ہیں "آیا وہ وفادار اور نمک حلال بھی ہے"؟ ہمیں اس بات کی مطلق پرواہ نہیں اگر وہ ایک نہایت لائق مدبر یا مشہور سیاست دان ہو۔

برطانی ہندوستان میں مدرسہ جانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد (سنہ ۱۹۲۵ء)

	مدراس	بمبئی	بنگال	یو،پی	پنجاب	سی،پی	بہار اوڑیسہ	آسام	برما
۶ سے ۱۰ برس کی عمر لڑکے	۱۶۰۷۱۵۵	۷۴۲۰۰۸	۱۳۱۰۰۶۴	۹۲۱۸۶۲	۳۵۸۲۵۸	۲۴۶۲۵۹	۷۹۷۴۶۰	۱۸۴۱۴۱	۱۴۷۵۱۹
لڑکیاں	۲۰۱۲۸۱	۱۱۵۵۱۸	۳۰۵۳۶۰	۴۷۴۷۰	۵۱۱۵۴	۱۹۱۱۶	۶۶۶۸۱	۱۱۹۲۸	۲۸۵۷۴
۱۱ سے ۱۵ برس کی عمر لڑکے	۱۵۰۸۲۹	۱۷۷۲۰۰	۳۵۲۹۰۴	۱۱۰۰۱۳	۳۳۷۷۹۰	۷۰۲۵۷	۷۴۸۱۰	۳۰۳۷۱	۱۵۱۲۹۹
لڑکیاں	۱۷۱۹۶	۱۱۴۶۷	۱۵۶۱۶	۲۰۶۷۷	۱۵۴۱۶	۴۷۹۵	۳۸۴۷	۳۷۱۷	۲۲۵۲۵

برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہیں سنہ ۲۵-۱۹۲۴ء میں

	کالج	خاص فنون کے مدرسے	قانون	ڈاکٹری	انجینری	ٹریننگ	زراعتی	بیطری	تجارتی	جنگلوں کی تعلیم	ہائی اسکول	انگریزی مڈل اسکول	دیسی مڈل اسکول	ابتدائی مدارس	[illegible]
آرٹس اور سائنس	۲۱۱	۷۷۰۴	۱۳	۸	۷	۲۱	۵	۳	۱۴	۲	۲۹۰۴	۳۲۲۰	۴۲۹۰	۱۷۵۵۹۶	....
مردانہ	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...	۲۲۷۰	۲۹۶۸	۳۸۵۳	۱۵۰۹۱۹	.....
زنانہ	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...	۲۳۴	۲۵۲	۴۴۶	۲۴۹۷۷	....
مدراس	۳۰	۳۸۱	۱	۲	۱	۵	۱	۱	۱	۱	۳۸۰	۲۵۰	...	۴۳۳۱۱	۶٫۲
بمبئی	۱۴	۴۲۲	۲	۱	۲	۱	۱	...	۱	...	۲۱۳	۲۶۵	...	۱۲۸۹۲	۷٫۶
بنگال	۳۰	۲۶۸۲	۳	۳	۱	۶	...	۱	۵	...	۹۰۶	۱۵۷۵	۱۱۶	۵۰۴۵۰	۹٫۵
یو،پی	۸	۴۵۱	...	...	۱	۳	۱	...	۸	۱	۱۹۰	۱۱۲	۶۸۵	۱۸۷۹۴	۶٫۴
بہار، اڑیسہ	۶	۴۵۲	۱	...	۱	۲	...	...	...	...	۱۲۷	۲۸۷	۲۱۹	۲۹۴۵۷	۵٫۲
پنجاب	۱۱	۲۲۴۵	۱	۱	۱	۳	۱	۱	...	...	۲۷۳	۲۱۱	۱۲۷۴	۶۵۹۱	۴٫۸
سی،پی	۵	۵۰	۱	...	...	۱	۱	...	...	...	۵۰	۱۶۴	۳۵۰	۴۲۹۵	[illegible]
آسام	۳	۱۲۰	۱	...	...	...	...	...	...	...	۴۷	۱۵۲	۱۵۳	۴۵۹۷	۵٫۵
برما	...	۵۴۵	...	...	...	...	...	...	...	...	۱۴۳	...	۱۴۳۲	۴۱۶۸	۲۳٫۲

برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہوں کی آمدنی سنہ ۲۵-۱۹۲۴ء میں

صوبے	سرکاری امداد	بورڈ فنڈ سے	میونسپل فنڈ سے	فیس سے	دوسرے ذرائع سے	مجموعی رقم
مدراس	۱۷۱۳۸۵۴۸	۳۴۰۹۷۳۴	۱۲۲۴۲۶۱	۸۴۳۲۹۹۱	۸۸۳۳۱۱۸	۳۹۰۳۸۶۵۲
بمبئی	۱۸۴۴۷۱۶۵	۱۲۳۸۰۶۳	۳۹۱۸۷۱۲	۹۰۱۳۹۶۹	۴۲۵۷۸۵۴	۳۳۹۸۵۷۶۳
بنگال	۱۳۳۸۲۹۶۲	۱۵۴۵۸۰۵	۳۰۵۹۸۸	۱۴۶۴۶۱۲۶	۵۷۷۵۰۵۸	۳۵۶۴۵۹۳۹
یو،پی	۱۷۲۲۸۴۹۰	۲۷۱۶۳۲۰	۹۸۶۲۱۲	۴۲۱۴۳۵۴	۵۲۴۰۲۲۰	۳۰۳۸۵۵۹۶
پنجاب	۱۱۸۳۳۳۶۴	۲۲۲۵۷۰۰۰	۹۲۶۱۰۵	۵۲۸۷۴۴۴	۳۱۳۱۵۹۳	۲۳۴۰۵۲۹۶
برما	۶۸۳۸۰۱۱	۱۵۱۲۵۳۲	۶۰۶۸۰۲	۲۹۲۰۱۲۵	۲۶۷۳۵۸۵	۱۴۵۵۱۰۵۳
سی،پی	۵۰۰۶۱۶۳	۱۳۹۸۰۵۹	۹۷۳۰۳۶	۱۱۰۸۸۳۶	۷۵۴۳۵۰	۹۰۴۰۴۴۴
بہار اوڑیسہ	۴۹۹۱۵۴۰	۳۲۵۲۸۷۵	۲۳۴۸۷۰	۲۶۸۸۲۷۸	۲۲۳۱۴۳۷	۱۳۳۹۹۰۰۰
آسام	۲۲۶۲۳۴۶	۴۴۳۹۶۲	۴۱۲۸۷	۶۳۹۰۲۴	۴۲۸۸۲۵	۳۸۱۶۴۴۴
میزان کل	۹۹۸۰۱۵۹۴	۱۸۰۵۷۶۴۰	۹۲۶۸۴۵۶	۴۶۸۶۳۱۸۲	۴۷۵۷۴۴۷	۲۰۸۷۴۸۳۱۹

تحریری مقابلہ - انجمن اتحاد (جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے طے کیا ہے کہ اس سال ایک تحریری مقابلہ کیا جائے جس میں بہترین مضمون نویس کو جناب عبد العزیز صاحب انصاری - ایم - اے، ایل ایل - بی، وکیل بارہ بنکی کی جانب سے اُنکے مرحوم دوست اور ملک کے مشہور انشا پرداز جناب ولایت علی صاحب بمبوق کی یادگار میں ایک ۵۰ روپیہ کا طلائی تمغہ دیا جائے۔ عنوان حسب ذیل ہے: "سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانان ہند کی تعلیمی جدوجہد اور اس کے نتائج" شرائط - (۱) مضمون تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل ہو - (۲) مضمون ۱۵ مارچ سنہ ۱۹۲۸ء تک ناظم انجمن اتحاد جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی کے پتہ سے آجانا چاہیے - (۳) طلباء اور دیگر تمام حضرات حصہ لے سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل حضرات سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ بہترین مضمون نویس کا فیصلہ کریں، مولوی عبد الحق صاحب بی - اے، ناظم انجمن ترقی اُردو، اورنگ آباد، دکن۔ مولانا عبد الماجد صاحب، بی، اے، مدیر "سچ" لکھنؤ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم - اے - پی - ایچ - ڈی، (برلن)، شیخ الجامعہ۔ مضمون کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اُمید ہے کہ ملک کے اکثر ادیب اور طلبا اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

"ناظم انجمن اتحاد"

مطابق ہو۔ ہماری حکومت کا آئندہ سالوں میں بھی یہی مسلک ہوگا کہ ہماری جمہوریت کی عزت، قوت، استقامت میں اضافہ ہو، ترکی قوم کی تمام قوتیں، خود اُس کی ترقی اور خوشحالی میں خرچ ہوں۔ ہمارے پیش نظر ہمیشہ یہی رہے گا کہ جمہوریت کی زندگی اور قوت بڑھتی جائے، ہر داخلی و خارجی خطرے سے قوم کے مفاد کی حفاظت کی جائے، سب سے ہماری دوستی رہے۔ امن و امان کی کوششیں ہم سے ہر طرح کی امداد حاصل کرتی رہیں گی۔ ہم چاہتے ہیں ہماری قوم امن و سلامتی کے ساتھ ترقی کرے"

غازی کے انتخاب کے بعد ملک بھر میں مسرت کے مظاہرے بَرپا ہوئے اور ہر جگہ ۲۱-۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ پھر غازی نے قوم کے نام حسب ذیل اعلان شایع کیا:

"عزیزان وطن! جمہوریت نے ترکی قوم کو خوشحالی اور بُرتر بنانے کی کوششوں میں جو عظیم کامیابی حاصل کی ہو، اُس کی نظیر صدیوں کی تاریخ میں بھی موجود نہیں۔ قوم کی آرزوئیں، ضرورتیں، اُس کی ترقی و سعادت کے اسباب کی تحقیق و بحث کے بعد جن نتایج پر جمہوریت پہنچی ہو، وہ قوم کے لئے ایک نہایت درخشاں مستقبل کی خوشخبری دے رہے ہیں جو اس جمہوریت کے زیر سایہ بہت جلد آنے والا ہو۔ یہ بالکل یقینی ہو کہ عہد جمہوری کی آئندہ نسلیں، ہم سے کہیں زیادہ خوشحال اور خوش نصیب ہونگی۔

"عزیزان وطن! میرا اس دَور جدید میں سب سے بڑا فرض یہ ہوگا کہ ملک میں ہر طرف امن و سکون اور زیادہ عام کردوں۔ قومی وحدت کو قوی کردوں۔ جمہوریت کی عزت بڑھادوں۔ ہمارے لائحۂ عمل کی بنیادی اصل یہ ہو کہ ہم مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ ہی میں ہر طرح کی بہتری تصور کرتے ہیں۔ یہی باعث ہو کہ صدر جمہوریت، جو اس ملک کا ایک باشندہ ہونے سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا، اپنے منصب کے جملہ عظیم اختیارات پورے عزم و حزم کے ساتھ قوم کی بہتری اور مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ میں صرف کردے گا"

غازی کے اس آخری جملہ کو بہت اہمیت دی جارہی ہو۔ کیونکہ اس اعلان سے اُنھوں نے ظاہر کردیا ہو کہ وہ ترکی قوم کے ڈکٹیٹر نہیں ہیں، جیسا کہ یورپ میں خیال کیا جاتا ہو، بلکہ وہ سراسر مجلس وطنی کے قوانین کے پابند اور اُن کی تنفیذ کرنے والے ہیں، حالانکہ ڈکٹیٹر شپ کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہو۔ وہ کسی بھی قانون کی پابند نہیں ہوتی۔ اُس کی زبان، ہی اُس کی نظر میں قانون ہوتی ہو۔

نیز اپنی اس تقریر سے غازی نے اُن تمام لوگوں کو بھی جواب دے دیا ہو جو موجودہ جمہوریت کو ملوکیت کا ایک زینہ سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا یہ تمام سوانگ صرف اس لئے بنایا گیا ہو کہ مصطفےٰ کمال پاشا، ترکی قوم کے بادشاہ بننے والے ہیں۔ اب اس تقریر کے بعد کسی کو یہ خیال کرنے کی جرأت باقی نہیں رہے گی

سازشیوں کو سزا

اپنے ایک پچھلے مکتوب میں اُس سازش کا ذکر کرچکا ہوں جو یونان میں پناہ گزیں چند ترکی مجرموں نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے قتل کے لئے کی تھی۔ یہ لوگ، حاجی سامی بک کی زیر قیادت، یونان سے ٹرکی اس لئے آئے تھے کہ غازی جب آستانہ سے انگورہ واپس جائیں تو اُن کی گاڑی، ڈائنامیٹ سے اُڑادیں۔ پھر سابق خلیفہ عبدالمجید کے نام پر انگورہ کی حکومت پر قبضہ کرلیں۔

لیکن اُن کی سازش، بروقت کھل گئی۔ پولیس سے ایک معرکہ میں حاجی سامی مارا گیا۔ مگر اُس کے رفقاء قید ہوگئے۔ عدالت نے تحقیقات کے بعد انھیں پھانسی کی سزا کا حکم سُنادیا۔ عنقریب اس کا اجراء ہونے والا ہو۔

ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دُنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہو؟

(۶)

کانیں

ہندوستان کی معدنی دَولت (سنہ ۱۹۰۹ سے سنہ ۱۹۱۱ تک کے اعداد و شمار)

معدنیات	مقدار		قیمت	
نمک	۱۴۹۲۸۰۶	ٹن	۱۰۵۷۴۳۴۴	روپیہ
کوئلہ	۱۵۷۳۰۵۲۷	"	۵۵۵۷۴۳۴۴	"
سونا	۵۸۵۰۵۲	اونس	۲۳۷۵۳۰۰۰	"
پٹرول	۲۶۱۳۹۶۰۰۰	گیلن	۱۵۰۱۲۰۰۰	"
قلعی	۱۳۸۰۰	ٹن	۱۸۳۰۰۰	"
تانبا	۵۷۴۴	"	۱۳۳۰۰۰	"
کالنسا	۲۰۹۱	"	۱۱۵۰۰۰	"
لوہا	۴۳۳۴۷۰	"	۵۹۸۰۰۰	"
سیسا	۱۱۹۴۸	"	۳۶۳۶۰۰۰	"
مقناطیس	۶۴۴۶۰۰	"	۱۵۷۵۵۰۰۰	"
ابرک	۳۸۵۰۰	ہنڈریڈ ویٹ	۱۴۲۰۷۰۰	"
یاقوت و زمرد	۲۵۴۰۰۰	"	۷۸۸۰۰۰	"
شورہ	۳۷۳۰۰۰	"	۵۴۰۷۰۰۰	"
چاندی	۶۰۳۰۰۰	اونس	۱۰۸۹۰۰۰	"
ٹین	۹۴۰۰	ہنڈریڈ ویٹ	۴۸۵۰۰۰	"

دنیا بھر میں سونے کی پیداوار

مجموعی مقدار سنہ ۱۹۲۳ میں: ۵۳۰۶۲۶ کیلو

ملک	وزن بحساب کیلو
ٹرنسوال	۲۸۴۰۶۸
رہوڈیسیا	۲۰۱۲۴
برطانی مشرقی افریقہ	۶۵۳۲
اسٹریلیا	۲۴۱۰۵
ہندوستان	۱۱۸۲۲
کینیڈا	۳۶۵۷۸
ولایات متحدۂ امریکہ	۷۷۲۹۲
میکسیکو	۲۴۲۶۱

دُنیا بھر میں کوئلے کی پیداوار سنہ ۱۹۲۴ میں

مجموعی پیداوار: ۱۱۶۸۵۲۵۰۰۰ ٹن۔

ملک	بحساب ٹن
برطانیہ	۲۷۴۹۳۳۰۰۰
ہندوستان	۱۹۰۱۰۹۸۶
جرمنی	۱۱۸۸۲۹۰۰۰
فرانس	۴۴۰۱۰۰۰
ولایات متحدۂ امریکہ	۵۰۵۸۴۶۰۰۰

دُنیا بھر میں پٹرول کی پیداوار سنہ ۱۹۲۴ میں

مجموعی مقدار: ۱۴۳۶۴۳۵۰۰ میٹرک ٹن

ملک	وزن بحساب میٹرک ٹن
ولایات متحدۂ امریکہ	۹۹۶۲۲۰۰۰
میکسیکو	۲۱۶۲۲۰۰۰
روس	۶۶۵۳۴۳۰
ایران	۴۶۰۳۲۰۰
رومانیہ	۱۸۱۱۴۰۰
ہندوستان	۱۱۵۷۰۰۰
فرانس	۵۶۰۰۰
جرمنی	۴۵۷۰۰
کینیڈا	۲۲۳۰۰
جاپان	۲۲۰۱۰۰

دنیا کے مختلف ملکوں میں تعلیم یافتہ آبادی (سنہ ۱۹۲۴ء)

ملک	مرد فی صدی	عورت فی صدی
انگلینڈ	۹۳٫۴	۹۱٫۵
ولایات متحدۂ امریکہ	۹۵٫۵	۹۳
ڈنمارک	۱۰۰	۱۰۰
جرمنی	۱۰۰	۱۰۰
جاپان	۹۸	۹۶
فلپائن	۷۰٫۵	۶۱
فرانس	۹۶٫۵	۹۴

ٹرکی کی آبادی

ٹرکی کی پہلی مردم شماری کے سرکاری اعداد و شمار اب شایع ہوگئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ آبادی ۱۱،۳۶،۰۰۰،۰۰۰ سے بھی زیادہ ہو۔ یقیناً یہ اعداد، ٹرکی کے تمام دوستوں کے لئے موجب مسرت و اطمینان ہیں کیونکہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پچھلی مسلسل اور طویل جنگوں کے بعد ترکی آبادی صرف ۸۰ لاکھ رہ گئی ہو۔

ٹرکی اور امریکہ

قارئین الہلال واقف ہوچکے ہیں کہ امریکہ نے معاہدۂ لوزان قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ٹرکی اور امریکہ کے مابین سابق حالت جنگ بدستور قائم تھی۔ لیکن اب یہ یقین کرلینے کے بعد کہ ترک ان سیاسی چالاکیوں سے فریب کھانے والے نہیں ہیں، امریکہ نے از سر نو دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی خواہش کی ہو۔ چنانچہ اُس نے مسٹر گرو کو اپنا سفیر بناکر انگورہ بھیجدیا ہو۔ ٹرکی نے بھی امریکہ کی دوستی طلبی کا خیر مقدم کیا ہو اور مختار بک کو سفیر مقرر کرکے واشنگٹن روانہ کر رہی ہو۔

ترکی میزانیہ

ٹرکی کا جدید میزانیہ، ۲۰۶۲۴۹۱۶۱۹ پونڈ (ترکی) ہو۔ پچھلا میزانیہ ۱۹۴۴۴۹۶۶۱۹ پونڈ (ترکی) تھا۔ اس میزانیہ میں دینی شعبہ کے لئے

اسپر ہمنے اس دوست سے ملاقات کی اور دیر تک بحث کرتے رہے۔ اُسنے آخری سوال یہ کیا "اگر ظالم قوت اس حرکت کا فوراً سر کچل ڈالے گی تو پھر کیا ہوگا؟" ہم نے فوراً جواب دیا "تم چلے جاؤ گے تو ہم تمھاری جگہ کھڑے ہوجائینگے!"

ہمارے جواب پر شخص مذکور مطمئن ہوگیا۔ اُسے یقین آگیا کہ ہم اپنے ارادے میں سچے ہیں۔ تب اُسنے ہمیں بتایا کہ تمھاری یہ تجویز نئی نہیں ہے۔ اور بھی بہت سے لوگوں نے یہی تجویز پیش کی ہے، اور سعد باشا سے گفتگو جاری ہے۔

۱۰ر نومبر ۱۹۱۸ء کو ہمیں ایک ذریعہ سے معلوم ہوا کہ انگریزی ہائی کمشنر کو خبر پہنچ گئی ہے کہ سعد پاشا کے گھر پر خفیہ جلسے ہورہے ہیں اور وہ فوراً کوئی کارروائی کرنے والا ہے۔ ہم نے فوراً اپنی جماعت کو آگاہ کردیا۔ سب نے طے کیا کہ کل ہی ہائی کمشنر کے سامنے علانیہ اپنی مطالبات پیش کردیں یہ ۱۱ر نومبر کا دن تھا، اور التوائے جنگ کا معاہدہ اسی دن منعقد ہوا تھا، لہذا یہی دن مصر کے مطالبات پیش کرنے کے لئے نہایت موزوں بھی تھا۔

ہائی کمشنر نے اس دن ملاقات سے انکار کردیا اور ۱۳ر نومبر ۱۹۱۸ء کی تاریخ مقرر کی۔ چنانچہ سعد پاشا، علی شعراوی باشا، اور عبدالعزیز فہمی بک، انگریزی مستقر میں پہنچے۔ ہائی کمشنر کو مطلق خبر نہ تھی، یہ لوگ کیا کہنے والے ہیں۔ اُسنے خیال کیا تھا یہ چاپلوس اس لئے آئے ہیں کہ فاتح برطانیہ کے حضور مبارکباد کا خاکسارانہ تحفہ پیش کرینگے۔ مگر وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ یہ لوگ مصر کی کامل خود مختاری کا دعویٰ لیکر آئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ اُنھیں یورپ جانے کی اجازت دی جائے تاکہ اپنے حق کے لئے کوشش کریں۔ ہائی کمشنر بہت چین بجبیں ہوا، اور یہ کہہ کر انھیں رخصت کردیا کہ اپنی حکومت سے گفت و شنید کرکے جواب دوں گا۔

مصری وَفد کی تشکیل

چند دن بعد ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہائی کمشنر وہ حیثیت معلوم کرنا چاہتا ہے جسنے اُنھیں اس مطالبہ کا حق بخشا ہے۔ جواب دیا گیا کہ سعد پاشا، مجلس تشریع کے سکریٹری ہیں، اور اُن کے باقی دونوں رفیق اس مجلس کے رُکن ہیں۔ تینوں قوم کے منتخب نمائندہ ہیں، اور انھیں ملک کی طرف سے بولنے کا پورا استحقاق ہے۔

لیکن سعد پاشا نے مناسب سمجھا کہ اس حیثیت کے ساتھ خاص اس مطالبہ میں بھی قوم کی طرف سے نمائندگی کا صریح حق حاصل کرلیں چنانچہ ساٹھ آدمیوں کا ایک وَفد مرتب کیا گیا، اور قوم کے نام اعلان شایع کیا کہ اس وفد کو آزادی کی جد وجہد میں اپنا نمائندہ قرار دے۔ قوم نے اس دعوت پر اتنی گرم جوشی سے لبیک کہا، کہ انگریز حکام خوف زدہ ہوگئے، اور باشندوں کو نمائندگی کے کاغذ پر دستخط کرنے سے جبراً روکنے لگے۔

انگریز حکام کی اس خلاف قانون حرکت پر سعد پاشا نے وزیر اعظم حسین رشدی باشا کے سامنے صدائے احتجاج بلند کی۔ وزیر اعظم نے ۲۵ر نومبر ۱۹۱۸ء کو جواب دیا کہ وزارت داخلیہ کے انگریز مشیر نے یہ کارروائی کی ہے اور وجہ یہ بتائی ہے کہ بے امنی پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔

لیکن یہ ظالمانہ حرکت کچھ مفید نہ ہوئی۔ وفد بالآخر بن ہی گیا۔

قوم کی نمائندگی

وفد کی تشکیل کے بعد سعد باشا نے وفد کے نام سے ازسرنو مطالبہ کیا کہ اُسے سفر یورپ کی اجازت دیجائے۔ اسپر ہائی کمشنر نے یکم دسمبر کو لکھا کہ وہ مصر کے نظام حکومت کے متعلق تمام تحریری تجاویز پر غور کرنے کے لئے طیار ہے، بشرطیکہ یہ تجویزیں اُس مسلک کے خلاف نہ ہوں، جو برطانی حکومت، مصر کے لئے پہلے سے متعین کرچکی ہے!

۳ر دسمبر کو سعد باشا نے جواب دیا۔

"اس کا نہ مجھے اختیار ہے، نہ وفد کے کسی رکن کو، کہ ایسے معاملات پر گفت و شنید کریں جو قومی مطالبہ کے خلاف ہیں۔ قوم نے ہمیں اپنا نمائندہ بنایا ہے۔ ہم اُس کی مرضی کے خلاف کچھ کر نہیں سکتے"

سعد باشا کا ایک خطبہ

اس جواب پر ہائی کمشنر نے خاموشی اختیار کرلی اور وفد نے اپنی جدّوجہد شروع کردی۔ ۱۳ر جنوری ۱۹۱۹ء کو سعد باشا نے حمد باسل باشا کے مکان میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا:

"خود مختاری کا خیال، مصر میں کوئی نیا خیال نہیں ہے۔ یہ جذبہ مصر کے دل میں قدیم زمانے سے موجود ہے۔ جب جب حالات مساعد ہوئے، اس جذبے نے ظہور کیا، اور جب جب ظلم و قہر نے تسلط پالیا، یہ جذبہ دب گیا۔ مگر وہ کبھی مرا نہیں۔ موجودہ وقت اس جذبہ کے پورا ہونے کے لئے بہترین وقت ہے، کیونکہ ترکی سیادت، ختم ہوچکی ہے۔ پس انگریزی سیادت کا بھی اب خاتمہ ہوجانا چاہئے۔ یہی وقت ہے جس میں لارڈ سالسبری کی یہ آرزو پوری ہوسکتی ہے کہ "ہم اس کے سوا اور کوئی آرزو نہیں رکھتے کہ مصر سے عزت کے ساتھ واپس چلے آئیں"!

"یہ انگریزی جنگی قبضہ جو سراسر نامنصفانہ تھا، حمایت (پروٹیکٹوریٹ) کی صورت میں بدل دیا گیا۔ یہ تبدیلی برطانیہ نے صرف اپنی رائے سے کردی مصر سے استمزاج نہیں کیا گیا۔ لہذا سابق قبضہ کی طرح یہ حمایت بھی لغو اور باطل ہے۔ بین الاقوامی قوانین کے روبرو اُس کی کوئی وقعت نہیں۔ وہ جدید اصول و مبادی جو اس جنگ کے بعد پیدا ہوگئے ہیں اُن کی نظر میں یہ حمایت بالکل بے معنی ہے۔ ہم انسانی قانون کی نظر میں ہر اجنبی تسلط و اقتدار سے آزاد ہیں۔ ہم کسی اجنبی کی قانونی ماتحتی میں نہیں ہیں۔ ہمیں اب جس چیز کی ضرورت ہے، وہ صرف یہ ہے کہ صلح کانفرنس بھی ہماری قانونی آزادی اور خود مختاری تسلیم کرلے۔ اسکے بعد ہم عملاً اپنے حق آزادی سے متمتع ہونے لگیں گے۔ اسی بلند مقصد کے لئے، جو تمام مصریوں کی دلی آرزوئیں اپنے اندر رکھتا ہے، میں نے اور میرے رفقاء نے "مصری وفد" مرتب کیا ہے تاکہ مصر کی خود مختاری کا دنیا سے اعتراف کرائیں۔ اسی مقصد کے لئے قوم نے ہمیں اپنا نمائندہ بنایا ہے!"

یہ خطبہ، مصر کی جدید تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا، کیونکہ جنگ کے بعد سے کسی کو صاف صاف بولنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ سعد باشا نے انگریزی رعب کا باطل طلسم توڑ ڈالا، اور تمام مصری پوری جرأت کے ساتھ بولنے لگے۔

سعد باشا کی ایک اور تقریر

۷ر فروری ۱۹۱۹ء کو سعد باشا نے ایک اور یادگار تقریر کی۔ مسٹر برسیول نے جدید فوجداری قوانین پر ایک خطبہ سنایا تھا۔ اس جلسہ میں وزیر عدالت اور بہت سے ارکان حکومت موجود تھے۔ خطبہ کے بعد سعد زغلول باشا کھڑے ہوگئے اور اپنی تقریر کے دوران میں کہا:

"برطانیہ نے مصر پر حمایت اپنی رائے اور ارادے سے قائم کردی ہے مصر سے کبھی رائے نہیں لی گئی۔ لہذا یہ حمایت سراسر باطل ہے اور قانوناً اس کا کوئی وجود نہیں۔ یہ ایک جنگی ضرورت بتائی گئی تھی۔ اب چونکہ جنگ ختم ہوگئی ہے، اس لئے اُس کی تمام ضرورتوں کے ساتھ یہ ضرورت بھی ختم ہوگئی۔ ناممکن ہے کہ جنگ کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی یہ صورت حال گوارا کی جاسکے"

سعد باشا کو تنبیہ

اس تقریر نے ملک میں سخت جوش پیدا کردیا، اور ہر طرف سے آزادی کا اعلان ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر ۸ر مارچ ۱۹۱۹ء کو انگریزی سپہ سالار نے (کیونکہ اب تک مارشل لا ملک میں جاری تھا) سعد باشا اور اُنکے رفقاء کو طلب کرکے تنبیہ کی کہ "تم انگریزی حمایت کو اپنی گفتگو کا موضوع نہ بناؤ۔ ورنہ سخت جنگی سزا دی جائے گی!" سعد باشا نے جواب دینا چاہا، مگر متکبر سپہ سالار نے فوراً یہ کہہ کر اُن کا منہ بند کردیا "بس خاموش"! سعد باشا چلے آئے اور اس نامہذب برتاؤ پر بڑی سختی سے احتجاج کیا۔

سعد باشا کی جلاوطنی

اس واقعہ کے دو ہی دن بعد انگریز سپہ سالار نے سعد باشا، حمد باسل باشا، اور اسمٰعیل صدقی باشا کو گرفتار کرکے مالٹا بھیجدیا۔

اس واقعہ نے تمام ملک میں سخت غیظ و غضب پیدا کردیا۔ ہر طرف شورشیں برپا ہوگئیں۔ بہت سے فدائیوں نے اپنی جانیں تک قربان کرڈالیں۔ انگریزی فوج نے دیکھ لیا کہ وہ اب قوم کو مرعوب نہیں کرسکتی۔ اب انگریزی سپہ سالار نے وفد کے باقی ارکان کو دھمکانا شروع کیا۔ ۱۶۔ مارچ کو یہ لوگ طلب کئے گئے اور اُنھیں کہا گیا کہ اس تمام شورش کے ذمہ دار تم ہی ہو۔

ہمنے جواب دیا کہ اس بے چینی کی ذمہ داری انگریز سپہ سالار پر ہے کیونکہ مصری وفد کو سفر سے روک دیا گیا ہے، اور سعد باشا اور اُنکے رفقاء کو جلاوطن کردیا گیا ہے۔

قوم کی پہلی فتح

ملک بھر میں سخت ہیجان تھا۔ عین اسوقت لارڈ النبی مصر پہنچے، اور اُنھوں نے یقین کرلیا کہ قوم کا یہ جوش مصنوعی نہیں ہے۔ اسے کسی طرح دبایا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ ۷ر اپریل کو ظلم و قہر کی قوت نے اپنی پہلی شکست تسلیم کی۔ جلاوطن قومی نمائندوں کو آزاد کردیا گیا اور مصریوں کو سفر کی اجازت دیدی گئی۔ اس اولین فتح مبین پر قوم کی مسرت بے حساب تھی۔ لیکن وہ اسپر قانع نہیں رہ سکتی تھی چنانچہ ۱۱۔ اپریل کو مصری وفد، صلح کانفرنس کے سامنے مصر کا دعویٰ پیش کرنے کے لئے روانہ ہوگیا۔

جب ہم مالٹا پہنچے، تو سعد پاشا اور اُن کے رفقاء ہمارے ساتھ ہوگئے۔ سعد پاشا نے سب سے پہلی بات جو مجھ سے کہی، یہ تھی:

"ہماری جلاوطنی تو ختم ہوگئی۔ مگر اُس کی خوشی نے ہمیں اُس ذمہ داری سے غافل نہیں کیا ہے جو اب ہمپر قوم کی جانب سے عائد ہوگئی ہے!"

اتحادیوں کے اخلاقی دعووں کی حقیقت

ہم پیرس پہنچے تو معلوم ہوا، دُوَل اتحادی کے مدبر صلح کانفرنس کے دروازے پہلے ہی سے بند کئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے لاکھ لاکھ کوشش کی، مگر کانفرنس کے ایوان تک ہماری پکار نہیں پہنچ سکی۔ اسی قدر نہیں بلکہ اخبارات کے صفحات بھی ہمپر بند کردئے گئے تھے۔ کوئی اخبار بھی ہماری فریاد شایع کرنے پر طیار نہ تھا۔ اُسوقت ہمنے محسوس کیا کہ حق، عدل، آزادی، اخوت، یہ تمام الفاظ محض بے معنی ہیں۔ اِن الفاظ سے دُوَل متحدہ کی غرض صرف یہ ہے کہ دنیا کو دھوکہ دیا جائے چنانچہ جنگ جیت لینے کے بعد حق و انصاف کے تمام دعوے پس پشت ڈال دئے گئے اور ظلم و جور کا دور دورہ شروع ہوگیا!

ہماری مصیبت یہیں پر ختم نہیں ہوگئی، بلکہ "پیغمبر صلح و انسانیت" مسٹر ولسن صدر جمہوریت امریکہ نے مصر پر انگریزی حمایت تسلیم کرکے ہماری مصیبت میں ایک نیا اضافہ کردیا۔ اسپر بھی ہم نا امید نہیں ہوئے۔ برابر کوشش کرتے رہے۔ بالآخر ہماری کوششوں سے ایسی صورت حال پیدا ہوگئی کہ برطانیہ کو ہماری آواز سننے پر مجبور ہوجانا پڑا۔ اُسنے ملنر کو بھیجدینا چاہا تھا، اور ملنر کمیشن کا کھلونا ہمارے کھیلنے کے لئے بھیجدیا تھا۔ لیکن اب ہم سیاست میں طفل مکتب نہ تھے کہ اس دلچسپ کھلونے سے کھیلنے لگتے۔ ملنر کمیشن نے مصر میں آکر وہ منظر دیکھا، جس کی آسے

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

مصر کی موجودہ سیاست پر ایک نظر

مصر کے تازہ اہم واقعات، شاہ مصر اور وزیر اعظم کی یورپ سے واپسی ہے، اور مصری پارلیمنٹ کے تیسرے دَور کا افتتاح ہے۔

قارئین الہلال واقف ہیں کہ شاہ مصر، یورپ کے مختلف ممالک کی سیاحت پر وہاں کے بادشاہوں اور حکومتوں کی دعوت پر گئے تھے۔ سب سے پہلے شاہ انگلستان کی دعوت آئی، پھر صدر جمہوریت فرانس، شاہ اٹلی، اور شاہ بلجیم کی دعوتیں پہنچیں۔ اسی اثنا میں پوپ کی طرف سے بھی پیام دعوت روانہ کیا گیا۔

شاہ مصر کی یہ سیاحت، بے ضرورت نہ تھی۔ مصر کی موجودہ بیداری مطالبہ کر رہی ہے کہ ملک صحیح معنی میں آزاد ہو جائے۔ لیکن اُس کی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی روک، برطانیہ ہے۔ پھر وہ مختلف دُوَل یورپ بھی ہیں جو قدیم معاہدوں کی بنا پر مصر میں حاکمانہ امتیازات رکھتی ہیں شاہ مصر کی سیاحت کا اصلی مقصد یہی تھا کہ ان ممالک میں جا کر مصر کے موافق عام رائے پر اثر ڈالیں۔

بادشاہ کے ساتھ وزیر اعظم، عبد الخالق ثروت پاشا بھی تھے۔ ثروت پاشا نے جس تدبر و لیاقت سے یورپ کے مدبروں سے گفت و شنید کی، اس کا اعتراف خود یورپین اخبارات بھی کر رہے ہیں۔ ثروت پاشا کے لئے سب سے پہلی اور سب سے بڑی مشکل، انگلستان میں تھی۔ انگلستان کی فطرت یہ ہے کہ طاقت کے سوا کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا، اور ایک مرتبہ جب کوئی شکار پکڑ لیتا ہے، تو کسی طرح بھی چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ مصر تقریبًا ۴۵ برس سے اُس کے چنگل میں ہے، اور وہ اس سے ہرگز دست بردار ہونا نہیں چاہتا۔

لیکن اب معلوم ہوتا ہے، انگلستان کو مصر سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا۔ ہتیاروں کی قوت سے زیادہ مؤثر، قوم کی معنوی قوت ہوتی ہے۔ مصری قوم پُوری طرح بیدار ہو گئی ہے اور انگلستان کی غلامی سے قطعی طور پر انکار کر رہی ہے۔

مسٹر میکڈانلڈ کی مزدور حکومت کے زمانے میں خود سعد زغلول پاشا انگلستان گئے تھے کہ معاملات مصر کے متعلق کوئی منصفانہ تصفیہ ہو جائے مگر انھیں کامیابی نہیں ہوئی، کیونکہ اُسوقت مصر کی بیداری مکمل نہ تھی۔ اب حالات میں عظیم تبدیلی ہو چکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے، ان جدید حالات میں ثروت پاشا ناکام نہ رہیں گے اور کوئی گوارا صورت مفاہمت کی نکل آئے گی۔

اس گفت و شنید کے نتائج پر پیشین گوئی کرنا قبل از وقت ہے۔ لیکن حالات اُمید افزا ضرور ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے برطانیہ اور مصر، دونوں کے سرکاری بیان موجود ہیں۔ مسٹر بالڈوین نے اپنی ایک تقریر میں مصر کے متعلق حسب ذیل تصریح کی ہے:

”ہز اکسلینسی ثروت پاشا کی انگلستان میں موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر ہم نے دونوں ملکوں کے آئندہ تعلقات پر بحث کی ہے۔ اُمید ہے، اس گفت و شنید نے ہمیں اُس صحیح بنیاد تک پہونچا دیا ہوگا جس پر مصر اور انگلستان کی دوستی کی ایسی مستحکم عمارت کھڑی ہو سکتی ہے، جس سے ایک طرف برطانی سلطنت کے اساسی مصالح بھی محفوظ رہیں، اور دوسری طرف مصر کو اپنی آزادی اور خود مختاری سے متمتع ہونے اور قوموں کے مجمع میں پسندیدہ مقام حاصل کرنے کا موقع بھی مل جائے“

دوسرا بیان خود مصر کا ہے۔ پارلیمنٹ کا افتتاح کرتے ہوئے شاہ مصر کی تقریر میں حسب ذیل اعلان کیا گیا ہے:

”ہمارے وزیر اعظم نے اپنی لندن میں موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر نہایت دوستانہ فضا میں انگریزی حکومت کے وزیر خارجیہ سے طول طویل گفت و شنید کی۔ اس گفت و شنید نے دونوں ملکوں پر عمدہ اثر ڈالا۔ اس سے غرض یہ تھی کہ برطانی اور مصری، دونوں حکومتیں مصر اور سوڈان کے بارے میں ایک دوسرے کے نقطۂ نظر سے واقف ہو جائیں، تاکہ اگر دونوں نقطہ ہائے نظر میں توافق ممکن ہو، تو ایک ایسے محالفہ (حلفیہ عہدنامہ) کے لئے گفت و شنید جاری کی جائے جس سے ہمارے ملک کی خود مختاری مکمل ہو جائے اور انگلستان کے علائق بھی متعین ہو جائیں۔ لیکن یہ محالفہ اس شرط سے ہوگا کہ ہماری پارلیمنٹ بھی اسے منظور کر لے“

”میں نہایت مسرت سے اُس محبت آمیز روح کا ذکر کرتا ہوں جو اس نازک گفتگو میں جاری و ساری تھی۔ فریقین نے اخلاص سے کوشش کی کہ دونوں کے نقطہ ہائے نظر زیادہ سے زیادہ قریب کر دیں تاکہ دونوں قوموں کی یہ آرزو پوری ہو سکے کہ اُن کے درمیان دوستی کا ایک نیا عہد قائم ہو، دونوں اُس سے مرتبط ہو جائیں، اور باہمی اعتماد سے فائدہ اُٹھائیں“

ان دونوں بیانوں کی روشنی میں امید بندھتی ہے کہ جلد برطانیہ اور مصر کے مابین کوئی ایسا معاہدہ ہو جائے گا جس سے مصر کی آزادی زیادہ محفوظ اور نمایاں ہو جائے گی، سوڈان کا معاملہ اگر طے ہو جائے اور نہر سویز کی طرف سے برطانیہ کو اطمینان حاصل ہو جائے، تو پھر مصر کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ انجام پا سکا، تو یقینًا یہ مصر کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ لیکن یہ کامیابی، ہندوستان کے لئے ایک سخت تازیانۂ عبرت ہوگی۔ کیونکہ ایک مٹھی بھر مشرقی قوم، جس کی آبادی سوا کرور سے بھی کم ہے، اپنی سچی وطنیت اور صادق استقامت کے زور سے برطانیہ جیسے جبّار سے اپنی آزادی تسلیم کرا سکتی ہے۔ مگر ہندوستان، جو ایک پُورے بر اعظم کا درجہ رکھتا ہے، اور ۳۲ کرور انسانوں کا وطن ہے، بدستور برطانیہ کی شرمناک غلامی پر قانع رہتا ہے!

ہندوستان کو دھوکا دینے کے لئے ایک شاہی کمیشن انگلستان سے آ رہا ہے۔ ایک ایسا ہی کمیشن مصر میں بھی آیا تھا۔ یہ ”ملنر کمیشن“ کے نام سے مشہور ہے۔ مصریوں نے اس مضحکہ انگیز کمیشن کا مقاطعہ کیا۔ یہی دانشمندانہ مقاطعہ، اُن کی سیاسی زندگی کا اصلی سرچشمہ ہے۔ اب ایک ایسا ہی موقعہ ہندوستان کو بھی حاصل ہو رہا ہے۔ دیکھا چاہیے وہ اس آزمائش سے کیونکر عہدہ بَرا ہوتا ہے؟

شاہ مصر کی سیاحت یورپ کی ایک غرض، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، یہ بھی تھی کہ دُوَل یورپ کو اُن حاکمانہ امتیازات سے دست بردار ہونے پر آمادہ کیا جائے، جو اُنھیں مصر میں حاصل ہیں۔ اس مقصد میں بھی کامیابی ہوئی ہے۔ شاہ مصر نے پارلیمنٹ کی تقریر میں اعلان کیا ہے کہ ”ہماری کوششیں کامیاب ہوئی ہیں۔ میری حکومت عنقریب ایک کانفرنس میں دُوَل یورپ کو مدعو کرنے والی ہے تاکہ اس مسئلہ کا آخری تصفیہ ہو جائے“

مصری پارلیمنٹ کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مصطفےٰ نحاس پاشا اُس کے بالاتفاق صدر قرار پائے۔ مصطفےٰ پاشا جماعت وفد کے بھی صدر ہیں یعنی مرحوم سعد پاشا زغلول کی جگہ پر قوم کے رہنما منتخب کئے گئے ہیں۔ اب پارلیمنٹ کی صدارت کے بعد وہ مرحوم رہنما کے دونوں منصبوں میں جانشین ہو گئے۔ یعنی جماعت وفد میں بھی اور قوم کی پارلیمنٹ میں بھی۔

مصر کی سیاسی بیداری کی تاریخ

مصطفےٰ نحاس پاشا مصری رہنما کی زبانی

۱۳ نومبر ۱۹۱۸ء کا دن مصر کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یہی تاریخ ہے جب پہلے پہل مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کی بنیاد پڑی تھی۔ یہ دن ہر سال، ایک قومی عید کی طرح منایا جاتا ہے۔ اس سال بھی یہ عید منائی گئی۔ مرحوم سعد پاشا زغلول کے جانشین مصطفےٰ نحاس پاشا نے اس موقع پر ایک نہایت اہم خطبہ دیا۔ مصری ڈاک میں یہ ہم تک پہونچا ہے۔ اسمیں موصوف نے مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کی تاریخ بیان کی ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ درج ہے:

سیاسی بیداری کا آغاز

”مصر پر ایسے سخت دَور گزر چکے ہیں، جب پرستاران طاقت کو یقین ہو گیا تھا کہ اُن کا جبر و تشدد، قومیت کا شرارہ بجھا دے سکتا ہے اور دلوں پر نااُمیدی کی مَوت طاری کر دے سکتا ہے۔ حالانکہ اس کائنات میں کوئی قوت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، کسی زندہ قوم کی آرزوئیں مٹا نہیں سکتی، اور نہ قوم کا اتحاد شکست کر سکتی ہے۔ ایسا قوت کی یہ کوششیں کسی زمانے میں بھی بار آور نہیں ہوئیں۔ کیونکہ یہ کوششیں قانون الٰہی کے خلاف ہیں، مشیتُ الٰہی کے برعکس ہیں، خدا کی ٹھہرائی ہوئی فطرت میں تبدیل کرنے والی ہیں: ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا!

مصر میں یہ اجتماعی حقیقت ہم نے پوری طرح واضح صورت میں دیکھ لی۔ ظلم و جور، اگرچہ بے حساب تھا، مگر قوم میں آزادی کا جذبہ برابر زندہ رہا۔ ظلم جتنا زیادہ ہوتا جاتا تھا، یہ جذبہ بھی اُتنا ہی زیادہ راسخ ہوتا جاتا تھا۔

جنگ عمومی کا جب صُور پھونکا گیا، تو مصر، دول اتحادی کی صف میں کھڑا ہوا، حالانکہ اُس پر سخت قزاقی کی گئی تھی۔ برطانیہ نے اُس پر پورا قبضہ کر لیا تھا اور اس قبضہ کو جنگی ضرورت سے تعبیر کیا گیا تھا جنگ میں مصر نے جان و مال کی بڑی بڑی قربانیاں کیں اور اتحادیوں کا پلہ بھاری کر دیا۔ پھر جب جنگ کی آگ ٹھنڈی ہوئی، تو مصر نے اپنا حق مانگا۔ مگر اتحادی، حق لینے کے عادی تھے، حق دینے کا اُنھیں کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اُنھوں نے مصر کی آواز سننے سے انکار کر دیا!

اُنھوں نے صرف انکار ہی نہیں کیا، بلکہ مصر کی زبان بھی بند کر دی گئی۔ پھر اُس کی ہر ممکن تذلیل کی گئی۔ اُس کی قومیت کا گلا گھونٹ ڈالنے کے لئے وہ ہاتھ آگے بڑھے جو فاتحانہ جنگ میں خون آلود ہو چکے تھے۔

اُسوقت ہم چند دوستوں نے باہم مشورہ کے بعد طے کیا کہ ملک کی نجات کے لئے ایک عام حرکت کی ضرورت ہے۔ مگر یہ حرکت شروع کیونکر ہو؟ یہی سوال بنیادی سوال تھا۔ ہمیں ایسے رہنماؤں کی ضرورت تھی، جن کی شخصیت مسلم ہو۔ ایسی شخصیت صرف مرحوم احمد سعد زغلول پاشا ہی کی تھی۔ ان میں وہ تمام صفتیں جمع تھیں جو ہماری سرداری کے لئے ضروری تھیں۔ وہ اُسوقت مجلس تشریع (لیجس لیٹو اسمبلی) کے سکریٹری بھی تھے۔

ہمنے اس مجلس کے ایک رُکن سے درخواست کی کہ وہ سعد پاشا سے اُن کے کسی معتبر دوست کے ذریعہ گفت و شنید کرے۔ دوسرے دن اس رُکن نے ہمیں اطلاع دی کہ سعد پاشا کا دوست اس تجویز کے خلاف ہے

اسلام اور سزائے قتل

ایک ناتمام مبحث کی تکمیل

(از مولٰنا ابوالکلام)

اب کہ ایک عرصہ کی علالت کے بعد اس قابل ہوا ہوں کہ الہلال کے لئے وقت نکال سکوں، سب سے پہلے مجھے ان صفحات کی ایک ناتمام بحث مکمل کردینی چاہیئے۔ یہ ایک طالب حق کے استفسار کا جواب تھا، جوگو مستفسر کو مختصراً لکھ کر بھیجدیا گیا تھا لیکن الہلال میں ناتمام رہ گیا۔

استفسار حسب ذیل سوالات کی شکل میں تھا:

(۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہو کہ جو شخص بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اسے فوراً قتل کردینا چاہیئے اور جس مسلمان کے سامنے ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہو کہ اُسی وقت اُس کا سر اُڑادے؟

(۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہو کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیغمبر اسلام کے خلاف بدزبانی کرے تو جب تک اس کے تمام ہم قوم (جنھوں نے شاید اُس بدزبانی کرنے والے کا نام بھی نہ سنا ہوگا) اسکو بُرا بھلا نہ کہیں تمام قوم کا بائیکاٹ کردینا چاہیئے اور اپنی بستی سے نکال دینا چاہیئے۔

(۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہو کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کرے تو اسے گلا گھونٹکر مار ڈالنا چاہیئے جیسا کہ مولٰنا محمد علی صاحب نے فرمایا ہو؟

(۴) آپکے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہو کہ ہندوستان میں ایسا قانون بنانا چاہیئے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر ڈالا جائے؟

(۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہو کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی مان لے اور اپر افسوس ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہیئے اور اسے جسمانی سزا دلانے پر اڑ جانا چاہیئے؟

(۶) جو کتابیں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان مولوی صاحبان لکھتے آئے ہیں اور اسمیں رنگیلا رسول جیسی زبان استعمال کی گئی ہو، کیا وہ بھی اسی طرح کی سزا کے مستحق نہیں ہیں جیسی رنگیلا رسول اور رسالہ ورتمان ہیں؟

(۷) سو دو سو برس سے جو سیکڑوں عیسائی مشنری اسلام کے خلاف سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور اسوقت ہزاروں کی تعداد میں وہ موجود ہیں، کیوں ان کے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں دکھایا گیا جس قدر اس موقعہ پر دکھلایا گیا ہو؟

فقہ اسلامی کے تعزیری قوانین

قبل اس کے کہ اصل سوال کا جواب دیا جائے، دو باتیں بطور مقدمہ کے صاف کردینی ضروری ہیں:

(۱) جب کبھی تعزیر و سیاست کے کسی ایسے معاملہ میں جیسا کہ یہ معاملہ ہو، اس طرح کی تعبیر بیان اختیار کی جاتی ہو کہ "اسلام کا قانون یہ ہو" اور "شریعت اسلامی کا حکم یہ ہو" تو قدرتی طور پر اُن تمام لوگوں کو جو اسلام کے نظام شرع سے واقفیت نہیں رکھتے، ایک سخت غلط فہمی واقع ہو جاتی ہو۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح اسلام نے اپنے پیرؤں کو نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا ہو، اُسی طرح تعزیر و سیاست کے بھی یہ احکام دیدئے ہیں۔ مثلاً جب ایک غیر مسلم سُنتا ہو کہ "اسلام کے قانون میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کرنے والے کی سزا قتل ہو" تو وہ خیال کرتا ہو، اسلام نے اپنے پیرؤں کو حکم دیدیا ہو کہ جہاں کوئی غیر مسلم ایسی بات مُنہ سے نکالے جس سے اُنکے خیال میں توہین ہوتی ہو، تو فوراً چاقو نکالیں اور اُس کا گلا کاٹ کے رکھ دیں!

حالانکہ اسلام کی نسبت ایسی مجنونانہ تعلیم کا تصور بھی کرنا، اُس کے خلاف سخت سے سخت اتہام ہو۔ نعوذ باللہ اگر اسلام کی ایسی تعلیم ہو، اور اُسنے اپنے پیرؤں کو قتل انسانی کا عام پروانہ دیدیا ہو۔ اسلام کے نزدیک تو انسان کی زندگی سے بڑھ کر دنیا کی کوئی چیز بھی محترم نہیں وہ قتل نفس کو انسان کی سب سے بڑی شقاوت قرار دیتا ہو۔ اُس کی کتاب اپنے معجزانہ انداز بلاغت میں اعلان کرتی ہو کہ نوع انسانی کے کسی ایک فرد کا قتل، فرد کا قتل نہیں ہو، نوع کا قتل ہو:

من قتل نفسًا بغیر نفس او فساد فی الارض، فکانما قتل الناس جمیعا، ومن احیاھا، فکانما احیا الناس جمیعا، ولقد جاءتھم رسلنا بالبینات، ثم ان کثیرًا منھم بعد ذالک فی الارض لمسرفون! (۵ : ۳۵)

جس کسی نے کسی انسان کو بغیر اِن دو حالتوں کے کہ قصاص لینا ہو یا قتل و خونریزی اور ظلم و فساد روکنا ہو، قتل کر ڈالا، تو وہ صرف ایک جان ہی کا قاتل نہیں ہو بلکہ تمام انسانوں کا قاتل ہو۔ اور اسی طرح جس کسی نے ایک انسان کو ہلاکت سے بچا لیا، تو اُسنے صرف ایک فرد انسانی ہی کی جان نہیں بچائی۔ بلکہ تمام نوع انسانی کو زندگی بخشی!

بلاشبہ اسلام نے خاص خاص صورتوں میں قتل کی اجازت دی ہو۔ صرف اجازت ہی نہیں دی ہو بلکہ بغیر کسی جذبۂ اعتذار کے کہا جاسکتا ہو کہ ترغیب دی ہو، لیکن وہ صورتیں وہی ہیں جن میں نہ صرف اسلام نے بلکہ دُنیا کے عالمگیر اخلاق و انسانیت نے بھی قتل انسانی کے ناگزیر ہونے کا اعتراف کیا ہو۔ قتل انسانی کی یہ ناگزیر صورتیں اس لئے گوارا نہیں کی گئی ہیں کہ انسانوں کو قتل کیا جائے، بلکہ اس لئے کہ انسانوں کو بچایا جائے:

ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب! (۲ : ۱۷۹)

ایسا قتل جو قاتلوں سے انسانوں کو بچانے کے لئے ہو، اگرچہ بظاہر خون بہانا ہو، لیکن فی الحقیقت اسی میں انسانی زندگی کی حفاظت پوشیدہ ہو!

قرآن بتلاتا ہو کہ یہ ناگزیر صورتیں تین ہیں: جنگ، قصاص، اور ایسے جرائم کا انسداد جن کا انسداد بغیر انتہائی سزا کے ممکن نہ ہو۔ ان تین صورتوں کے علاوہ کسی حال میں بھی اسلام خدا کی اُس بنائی ہوئی مخلوق کا خون بہانا برداشت نہیں کرسکتا جس کا نام انسان ہو۔ جو شخص اس سے زیادہ قتل انسانی کا جواز اُس کی طرف منسوب کرتا ہو، وہ یا تو اسلام سے قطعًا بے خبر ہو، یا اسلام پر تہمت لگانے میں اُسے عار نہیں!

بہرحال تعزیری احکام قوانین کی یہ تعبیر اُن لوگوں کے لئے جو اسلام کے نظام شرع سے واقفیت نہیں رکھتے، سخت غلط فہمی کا باعث ہوجاتی ہو۔ وہ نہیں سمجھ سکتے کہ انکے اسلامی قانون ہونے کے معنی کیا ہیں؟ اور ان کی نوعیت عقائد و عبادات کے شرعی احکام سے کس درجہ مختلف ہو؟ بلاشبہ تعزیر و سیاست کے بے شمار احکام ہیں جو فقہاء اسلام نے یعنے مسلمان قانون سازوں نے وقتاً فوقتاً وضع کئے، اور مختلف عہدوں میں اُن وقتوں کے احوال و ظروف کے مطابق اُن کا اجراء و نفاذ ہوتا رہا۔ یہ تمام قوانین آج بھی قانون اسلام کی کتابوں میں موجود ہیں، اور اُنھیں اسلامی قانون ہی کہا جاتا ہو کیونکہ وہ اسلام کے اصولی اور اجمالی مبادیات ہی سے نکالے گئے ہیں۔ لیکن اُن کے "اسلامی قانون" ہونے کی نوعیت وہ نہیں ہو، جس نوعیت کے قوانین عقائد و عبادات کے ہیں۔ دونوں کا فرق کئی حیثیتوں سے واضح ہو:

اولاً، تعزیر و سیاست کے تفصیلی قوانین کا بڑا حصہ براہ راست شریعت کا ٹھہرایا ہوا نہیں ہو، بلکہ قانون سازی کے طریقوں پر شرعی اصول و مبادیات سے استنباط کیا ہوا ہو۔ اس بارے میں اسلام نے جو نظام تشریع اختیار کیا تھا، وہ یہ نہیں تھا کہ نپولین کے فرانسیسی مجموعۂ قوانین یا تعزیرات ہند کی طرح اُسنے تمام تفصیلی اور جزئی قوانین کا ایک مجموعہ بناکر نافذ کردیا ہو۔ اگر وہ ایسا کرتا تو دُنیا کا عالمگیر مذہب نہ ہوتا۔ محض کسی ایک قوم اور عہد ہی کا مذہب ہوسکتا تھا۔ پس اُسنے جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ تفصیلات و جزئیات سے قطع نظر کرلی گئی، اور صرف ایسے اصولی اور اجمالی مبادیات وضع کردئے گئے، جن سے حسب ضرورت ہر طرح کے تفصیلی قوانین کا استخراج کیا جاسکتا ہو۔ اصل شرعی اس بارے میں یہ تھی کہ جمعیت بشری کی استعداد و ضرورت کے مطابق عدل و سعادت کا نظام قائم رہے، اور مفاسد کے روک تھام اور مصالح کے حصول کے لئے جن جن وسائل کی ضرورت ہو، وہ صحیح طریقہ پر کام میں لائے جاسکیں۔ اسلامی حکومت کی ابتدا ایک محدود رقبہ اور محدود احوال و ظروف میں ہوئی تھی۔ اس لئے تعزیر و سیاست کی تفصیلات میں بھی زیادہ پھیلاؤ نہیں ہوا تھا۔ پھر جوں جوں دائرۂ اقتدار وسیع ہوتا گیا اور تعزیر و سیاست کی نئی نئی ضرورتیں پیش آتی گئیں، مقننین اسلام تفصیلی قوانین کا استنباط بھی کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ہر طرح کے تعزیری قوانین کا ایک مکمل ذخیرہ مدوّن ہوگیا۔ پس اگرچہ یہ تمام تفصیلی قوانین بھی اپنی اصل کی بنا پر شرعی قوانین ہیں، لیکن یہ ظاہر ہو کہ اسلام کے براہ راست احکام نہیں ہیں، اور اسلام کے براہ راست احکام میں اور قانون سازوں کے استنباط کئے ہوئے احکام میں جو بنیادی فرق ہو، اُسے نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے۔ اسلام کی طرف دونوں کی نسبت، ایک طرح کی نسبت نہیں ہوسکتی۔ پہلے قسم کے احکام اس کے براہ راست ٹھہرائے ہوئے ہیں۔ دوسری قسم کے قوانین مقننین کے استنباط کئے ہوئے ہیں اور بسا اوقات اُن میں اور اسلامی اصول و مبادیات میں بیشمار کڑیاں نظر و تفریع اور قیاس و استخراج کی واقع ہوگئی ہیں۔

ثانیاً، یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہو کہ یہ قوانین تعزیر و سیاست کے قوانین تھے، اور تعزیر و سیاست کے قوانین سلطنت کے لئے ہوتے ہیں، عام افراد اُمت کے لئے نہیں ہوتے۔ یعنے نماز روزہ کے احکام کی طرح اِن کا خطاب افراد سے نہیں تھا۔ اسلامی سلطنت سے تھا۔ نماز روزہ کے احکام واجبات و فرائض ہیں، اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہو کہ انھیں ادا کرے۔ لیکن یہ احکام تعزیر و سیاست کے قوانین ہیں۔ واجبات و فرائض نہیں ہیں۔ اس لئے

ہرگز توقع نہ تھی۔ اُسنے دیکھا کہ پُوری قوم متحد و متفق ہو، اور بیک آواز "مقاطعہ" کا اعلان کر رہی ہو!

ملنر کمیشن نے بہت کوشش کی۔ بہت پچکارا۔ مگر قوم کا صرف یہی ایک جواب تھا کہ "وفد سے باتیں کرو۔ ہم کچھ نہیں سُنیں گے"۔ کمیشن مایوس ہوکر لَوٹا اور وفد کو گفتگو کے لئے لندن میں دعوت دینی پڑی۔ ابتدائی گفتگو کے بعد ہی معلوم ہوگیا کہ برطانیہ اب تک اپنی طفل تسلیاں ہی کافی سمجھتا ہو۔ اُس کے نقطۂ نظر میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی ہو۔ حالانکہ خود لارڈ ملنر نے اپنی روداد میں تسلیم کر لیا تھا کہ مصر کی موجودہ حرکت، ایک حقیقی وطنی حرکت ہو، اور یہ کہ وفد مصری، پُورے ملک کا صحیح نمائندہ ہو۔ مگر برطانی حکومت نے اسپر کوئی توجہ نہ کی۔

قوم کی دُوسری فتح

جد وجہد جاری رہی۔ حالات سخت سے سخت ہوتے گئے۔ اب برطانیہ نے دیکھا کہ نیا قدم اُٹھائے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں، چنانچہ نہایت مجبوری سے اعلان کر دیا کہ "مصر اور برطانیہ کے مابین حمایت ایک ناپسندیدہ علاقہ تھا"۔ یہ قوم کی دوسری فتح مبین تھی!

نااتفاقی نے حالت بدلدی

اس اعلان کے بعد برطانیہ اُس منزل میں اُتر آیا تھا جہاں مفاہمت کی اُمید ہو سکتی تھی۔ چنانچہ سرکاری گفت و شنید کے لئے عدلی پاشا کی وزارت مرتب ہوئی۔ اُس وقت سعد پاشا یورپ سے لوٹ آئے تاکہ اپنے مفید مشوروں سے حکومت اور قوم کی رہنمائی کریں۔ مگر افسوس اس نازک گھڑی میں نااتفاقی کے شیطان نے ہمارے اندر سر اُٹھایا قوم میں پھوٹ پڑگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برطانیہ جتنے قدم آگے بڑھا تھا، آخر ہی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ مصر کی آواز سننے سے دوبارہ کان بند کر لئے گئے۔ ظلم و قہر کا از سر نو دَور دَورہ شروع ہوگیا۔

ایک اور برطانی وفد

جس زمانے میں مصری حکومت کا سرکاری وفد گفت و شنید کے لئے لندن گیا تھا، اُسی زمانے میں برطانی پارلیمنٹ کا ایک دوسرا وفد مصر آیا تاکہ اصلی حالات کی تحقیقات کرے۔ اس وفد نے آتے ہی حقیقت معلوم کرلی، کیونکہ وہ اس قدر روشن تھی کہ کوئی آدمی بھی اُس سے لاعلم نہیں رہ سکتا تھا۔ اس وفد نے واپس جاکر اپنی روداد شایع کردی۔ اسمیں لکھا تھا کہ مسئلۂ مصر کا ایک ہی حل ہو۔ اور وہ یہ ہو کہ مصر کی کامل خود مختاری تسلیم کرلی جائے۔ اس وفد نے مصر کو بہت نفع پہونچایا، کیونکہ انگلستان کی عام رائے حقیقت حال سے واقف ہوگئی تھی۔

علی گڑھ میگزین کا کانووکیشن نمبر

ہندوستان کے مشہور اور ممتاز علمی رسالہ علی گڑھ میگزین کا کانووکیشن نمبر خاص اہتمام اور نہایت آب و تاب کے ساتھ جنوری ۱۹۲۸ء میں شایع ہوگا۔ اس پرچہ میں تصاویر کے علاوہ ملک کے ممتاز انشا پردازوں کے مضامین اور بلند پایہ شعرا کے افکار عالیہ شایع ہونگے۔ اس پرچہ کی ضخامت بھی غیر معمولی ہوگی اور اُردو کتابت و طباعت کا بہترین نفر فریب نمونہ ہوگا۔ تمام اہل علم و ادب اور خصوصًا ان ارباب علم سے جن کا تعلق مسلم یونیورسٹی بحیثیت اولڈ بوائز رہا ہو استدعا کی جاتی ہو کہ اپنے مادر علمی کے اس رسالہ کے خاص نمبر کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ مضامین اور حصۂ نظم اڈیٹر صاحب علی گڑھ میگزین مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے پتہ پر ۱۵ دسمبر ۱۹۲۷ء سے قبل پہنچ جانا چاہئیں۔ خریداری رسالہ و اجرت اشتہارات کے واسطے منیجر صاحب مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے خط و کتابت کیجئے۔ منیجر علی گڑھ میگزین

عالم مطبوعات و صحائف

مشتری کے متعلق تازہ معلومات

مشتری، نظام شمسی میں سبسے بڑا اور زہرہ کے بعد سبسے زیادہ چمکنے والا ستارہ ہو۔ وہ آفتاب سے ۔۔۔۔۔۔ ۴۸۳ میل دُور ہو۔

ایک امریکن ہیئت داں نے حال میں ایک رسالہ لکھکر مشتری کے متعلق تازہ ترین معلومات جمع کر دی ہیں۔ وہ کہتا ہو، مشتری کی اہمیت صرف اسی لحاظ سے نہیں ہو کہ وہ سب سے بڑا اور زہرہ کے بعد سب سے زیادہ روشن ستارہ ہو، بلکہ اُس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہو کہ وہ اجرام سماوی کے متعلق سدیمی نظریہ کا سبسے زیادہ واضح ثبوت پیش کرتا ہو۔

مشتری کا فلک ۰۰،۷۱،۲ میل کے دائرے میں ہو۔ وہ اپنے محور کے گرد ہر ۹ گھنٹے ۵۰ منٹ میں گردش کرتا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ اُس کی رفتار غائت درجہ تیز ہو۔ اپنے خط استوا پر اُس کی حرکت ۲۶ ہزار میل فی گھنٹہ ہو جاتی ہو۔ مشتری کے مادہ کی کثافت زمین کے مادے کی کثافت کے مقابلے میں ¼ کا درجہ رکھتی ہو لیکن اُس کی قوت جاذبہ زمین کی قوت جاذبہ سے کہیں زیادہ ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مشتری میں چیزوں کا وزن، زمین میں چیزوں کے وزن سے بہت زیادہ ہوگا۔

مشتری کے اقمار

مشتری کے چاند، نو ہیں۔ ان اقمار کو علم ہیئت کی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہو۔ کیونکہ:

(۱) اُس کے ۴ بڑے چاند، اجرام فلکی میں سبسے پہلے انسان نے معلوم کئے۔ گلیلو نے اپنی کمزور دوربین سے یہ چاند دیکھے تھے۔

(۲) ان چاندوں کے گرہن کے اختلاف نے پروفیسر رومر کو موقعہ دیا کہ ۱۶۷۵ء میں نور کی سرعت دریافت کرے۔

(۳) ان چاندوں کی حرکت کے ذریعہ، مشتری کے مادہ اور اُس کی کثافت کی تحقیق میں بہت سہولت ہوئی

۱۸۹۲ء میں پروفیسر برنارڈ نے مقام لیک کے رصد خانہ سے مشتری کا پانچواں چاند دیکھا۔ یہ پہلے چار چاندوں سے بہت چھوٹا تھا۔ باقی ۴ چاند، ابھی حال میں فلکی عکاسی کی ترقی کے بعد دریافت ہوئے ہیں

دُمدار ستارے

مشتری کے قریب ۳۰ سے زیادہ دُمدار ستارے بھی موجود ہیں۔ ان ستاروں کے فلک، مشتری کے فلک سے تقریبًا متصل ہیں۔ خیال کیا جاتا ہو، کسی قدیم ترین زمانے میں یہ ستارے مشتری کے قریب حرکت کرتے تھے، بتدریج اُسنے اُنھیں جذب کر لیا، یہاں تک کہ اب قریب ہو اُنھیں بالکل جذب کرجائے، اگرچہ یہ ستارے ابتک آفتاب ہی کے گرد حرکت کر رہے ہیں۔

مشتری کے خطوط

دُوربین سے مشتری کو دیکھنے سے اُس کے قرص پر کچھ خطوط یا مختلف رنگوں کے مساوی مسافت کے رقبے نظر آتے ہیں۔ یہ خطوط، زمین کے فرضی خطوط العرض کے بالکل مشابہ ہیں۔ یہ خطوط ہمیشہ نظر نہیں آتے۔ وقتًا فوقتًا ظاہر ہوتے ہیں اور چند ہفتے، چند مہینے، اور کبھی کبھی چند سال باقی رہ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ ان کے ظہور و غیبت کی اب تک کوئی تعلیل نہیں کی جاسکی۔ علماء کا خیال ہو کہ آفتاب کو اس بارے میں کوئی دخل نہیں۔ یہ تبدیلی کسی خاص وقت کی پابند نہیں ہو۔ یہ بھی عجیب بات ہو کہ مشتری کا قرص، مرکز کے بُعد سے سیاہ ہونا شروع ہوتا ہو۔ یعنی اپنے قطبین پر مشتری کا رنگ مرکز کے مقابلہ میں کہیں زیادہ دھندلا بلکہ تاریک ہو۔

مشتری کی حرکت

مشتری کی اس درجہ چمک، اس امر کی دلیل ہو کہ اُس کی سطح، در اصل ایک کثیف ابر ہو۔ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ ابر آفتاب کی قوت سے نہیں بلکہ خود مشتری کی قوت سے بنتا ہو۔ مشتری کی یہ خصوصیت بھی عجیب ہو کہ اُس کا پُورا جسم ایک ساتھ اپنے محور پر گردش نہیں کرتا، بلکہ اُس کے بعض اجزا بہت تیزی سے حرکت کرتے ہیں، بعض سُست رفتار ہیں!

مشتری کی حرارت، باوجود اسکے کہ وہ آفتاب سے اس قدر دُوری پر ہو، بہت ہی عظیم ہو۔ علماء کا خیال ہو کہ یہ حرارت آفتاب سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ خود مشتری ہی سے پیدا ہوتی ہو۔

انسان کا مستقبل

سر فلیپ گبز، انگلستان کا مشہور عالم اہل قلم ہو۔ پچھلے دنوں اُسنے مذکورہ بالا عنوان پر ایک مضمون شایع کیا ہو۔ وہ لکھتا ہو:

"انسان، قدرت کی خفتہ قوتیں بیدار کر کے سخت خطروں میں پڑ گیا ہو۔ اب اُس کے لئے اسکے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یا ان قوتوں کو آخری طور پر مغلوب کر کے مسخر کرلے، یا خود مغلوب ہو کر برباد ہو جائے حالات بتا رہے ہیں کہ انسان، علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ قدرت کی قوتوں پر برابر غالب ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ زمین کا مطلق العنان حاکم بنجائے گا۔ اسی غرض سے بعض علماء نے تجویز پیش کی ہو کہ قدرت سے جنگ کا یہ طویل سلسلہ دس برس کے لئے منقطع کر دیا جائے یعنی التوا رجنگ ہو جائے، تاکہ اس دوران میں انسان اسوقت کی تمام علمی فتوحات اچھی طرح استعمال میں لاسکے۔ اگر انسانی فتوحات کی یہ تیز رفتاری کچھ مدت کے لئے روکی نہ جائے گی، تو بہت جلد انسان کے دماغ کو مختل کر ڈالے گی۔ وہ مبہوت ہو کر رہ جائے گا اور فتح تباہ کن شکست بنجائے گی"۔

"لیکن یقین نہیں کہ دنیا اس تجویز پر عمل کر سکے۔ کیونکہ انسانی دماغ اب رو کنے سے بھی رُکتا نظر نہیں آتا۔ ہزارہا برس کی قید کے بعد اب وہ آزاد ہو گیا ہو۔ اور برابر بے قید ہی رہنا چاہتا ہو"

"اب انسان کی کوشش یہ ہو کہ قدرت کا وہ سب سے بڑا اختیار بھی چھین لے جسپر ابتک نظر اُٹھانے کی اُسنے اجازت نہیں دی تھی۔ اب انسان چاہتا ہو کہ خود اپنی قسمت کا بھی حاکم بنجائے۔ اُسے شرم آتی ہو کہ خود اُس کی تکوین و تخلیق اور اُسکے نفس کی تکیف کا معاملہ، قدرت کے ہاتھ میں ہو، چنانچہ اب وہ چاہتا ہو کہ اپنی پسند کے مطابق اپنی نسل پیدا کرے، اور اپنی خواہش و ارادے سے اپنے اخلاق و اطوار بنائے"

"انسان نے اب معلوم کر لیا ہو کہ جسم اور اخلاق کی تکوین کا معاملہ سر تا سر اُن غدد یا گلٹیوں سے وابستہ ہو، جو ہر جسم میں موجود ہوتی ہیں اگر مادا کے جسم سے وہ خاص گلٹیاں نکال دی جائیں جنھوں نے اُسے مادا بنا دیا ہو، اور اُن کی جگہ وہ گلٹیاں لگا دی جائیں جن کی وجہ سے ذی روح نر ہوا کرتا ہو، تو فورًا جنسیت بدلجائے گی یعنی مادا، نر بنجائے گی اسی طرح نر کو مادا بنا دیا جا سکتا ہو۔ اب معلوم ہو چکا ہو کہ سر کی ایک گلٹی سے جو مادہ خارج ہوتا ہو اُس کی کمی بیشی سے انسان لانبا اور پست قد ہو جاتا ہو۔ اگر عمل جراحی کے ذریعہ اس گلٹی کے عمل میں ترمیم کر دی جائے، تو حسب مرضی قد دراز اور پست ہو جا سکتا ہو۔ اب قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہو کہ تمام چوروں کے جسم میں بعض خاص قسم کی گلٹیاں ہوتی ہیں۔ اُنھیں کے اثر سے وہ چوری کرتے ہیں۔ یہی حال

....اور کوئی حد نہیں رکھتی۔ انسان کتنا ہی بلند ہو جائے، پھر بھی فضاء قدرت اتنی ہی بلندی پر رہے گی، جتنی بلندی پر ہمیشہ سے چلی آتی ہے!

حقوق سے محروم ہوگئی!

لیکن اسلام نے مذہب اور اعتقاد کی آزادی کا اعلان کیا۔ اُسنے مذہبی رُواداری اور انسانی حقوق کی ایک ایسی فضا پیدا کردی جس کا اُسوقت تک دُنیا میں کوئی نمونہ موجود نہ تھا۔ ۵۰ برس کے بعد جب اسلامی حکومت کا دائرہ اقتدار وسیع ہوا، تو یہ ایک ایسی مملکت تھی جو اگرچہ خاص ایک مذہب کے پیرؤں کی تھی، لیکن اُس میں حکمران قوم کے دوش بدوش ہر مذہب و ملت کے لوگ آباد تھے، اور سب کو بلا امتیاز ایک ہی طرح کے شہری و ملکی حقوق حاصل تھے۔ مذہب و اعتقاد کے اختلاف کی بنا پر کوئی انسان دوسرے انسان کے انسانی و ملکی حقوق تلف نہیں کرسکتا تھا!

جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے، اسلام کا طریق عمل یہ تھا کہ اُسنے فتح مکہ کے بعد عرب کی قدیم بُت پرستی کے اثرات سے تو انکار کردیا۔ کیونکہ فی الحقیقت اب فعلاً اُس کا کوئی وجود باقی نہیں رہا تھا۔ تمام قبائل عرب بہ رضا و رغبت مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن باقی تمام غیر مسلم اقوام کے لئے یہ حکم دیا کہ وہ اسلامی حکومت کے ماتحت اُسی طرح زندگی بسر کرسکتے ہیں، جس طرح خود مسلمان رہتے سہتے ہیں۔ بہ حیثیت شہری ہونے کے اُنھیں وہ تمام حقوق حاصل ہونگے، جو خود مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ مذہبی اصطلاح میں اُنھیں "ذمّی" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ کیونکہ اسلامی حکومت نے اُن کی حفاظت جان و مال اور مذہبی آزادی و حقوق کے قیام کا ذمّہ لیا تھا۔ اصل اس بارے میں وہ طرز عمل ہے جو خود پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غیر مسلموں کے ساتھ وقتاً فوقتاً اختیار کیا تھا، اور اُنکے بعد خلفاء راشدین اُن پر عامل رہے تھے۔ ایران، شام اور مصر کی فتح کے بعد وہاں کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ جو معاہدے کئے گئے، وہ آجتک تاریخ و فقہ میں موجود ہیں۔ فقہاء نے اُنھیں سے ذمیوں کے حقوق کے مسائل کا استنباط کیا ہے۔

اسلامی احکام کی رُو سے غیر مسلم باشندوں کے جن حقوق کا بطور عہد و میثاق کے ذمّہ لیا گیا تھا، وہ مختصر لفظوں میں حسب ذیل ہیں:

(۱) اُنھیں پُوری مذہبی آزادی ملے گی۔ اُن کی مذہبی عبادت گاہیں اور ہر طرح کی مذہبی عمارتیں محفوظ رہیں گی۔ صلیبوں اور مورتیوں کو نقصان نہیں پہونچایا جائے گا۔ وہ سنکھ بجانے سے نہیں روکے جائینگے۔ وہ اپنے تہواروں میں اپنے جلوس نکال سکیں گے۔ تمام مذہبی عہدے اور انتظامات اُسی طرح قائم رکھے جائیں گے، جس طرح پیشتر سے موجود ہیں۔ لا یغیّر ما کانوا علیہ۔

(۲) اُنھیں اُنکے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا (بلاذری نے فتوح البلدان میں یہ الفاظ لکھے ہیں: لا یفتنوا عن دینہم)

(۳) ان کی جان، مال اور ہر طرح کی جائداد محفوظ رہے گی۔ اُنہیں اُس میں تصرف کے تمام حقوق حاصل ہونگے۔ اگر اُن کا کوئی دشمن اُن پر حملہ کرے گا تو مسلمان ان کی طرف سے لڑیں گے۔

(۴) اُن کا کوئی حق چھینا نہیں جائے گا۔

(۵) اُنھیں اُن کے مذہبی احکام کے خلاف کسی بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(۶) قانون کی نظر میں اُن کی جان مسلمانوں کی جان کی طرح ہوگی، اور اُن کا مال مسلمانوں کے مال کی طرح سمجھا جائے گا۔

(۷) تجارت، کاروبار، اور معیشت میں کسی طرح کی روک عائد نہیں کی جائے گی۔ اُنکے ساتھ ویسا ہی سلوک ہوگا، جیسا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہوگا۔

(۸) وہ اُن تمام ٹیکسوں سے معاف رکھے جائینگے جو مسلمانوں کے لئے قرار دیئے گئے ہیں۔ ان سے عُشر بھی نہیں لیا جائے گا۔

(۹) وہ فوجی خدمت سے بھی معاف رکھے جائیں گے۔

یہ اُن معاہدات کا خلاصہ ہے جو خود پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غیر مسلموں سے کئے تھے۔ مثلاً نجران کا معاہدہ جو ۹ھ ہجری میں ہوا تھا، اور جس کے پُورے الفاظ فتوح البلدان اور کتاب الخراج وغیرہ میں موجود ہیں۔ لیکن خلفاء راشدین کے زمانے میں جب مشرق کے بڑے بڑے متمدن ممالک فتح ہوئے، اور مجوسیوں اور عیسائیوں کی بے شمار آبادیاں اسلام کے ماتحت آگئیں، تو ان مجمل شرائط میں اور زیادہ تفصیل ہوئی، اور مذہبی، ملکی، اور معاشرتی آزادی و حقوق کی وہ تمام باتیں پُوری صراحت کے ساتھ تسلیم کرلی گئیں، جو آزاد باشندوں کی شہر کے لئے اُس عہد میں ہوسکتی تھیں۔

یہ محض معاہدہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ ایک ایسا قطعی اور واضح طرز عمل تھا جس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ مسلمان خلفاء جس درجہ غیر مسلموں کے حقوق کا احساس رکھتے تھے، اُسکا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر خلیفۂ اوّل سے لیکر حضرت علی (رضی اللہ عنہم) تک، چاروں خلیفوں کے وہ کلمات وصیت دیکھ لئے جائیں جو مرتے وقت اُن کی زبان پر طاری ہوئے تھے۔ اُن میں سب سے پہلے یہ جملہ نظر آئے گا "غیر مسلموں کے حقوق کا خیال رکھنا، کیونکہ ہم نے اُن کا ذمّہ لیا ہے" ذمّیوں کے مذہبی و ملکی حقوق کے عام اعتقاد و اعتراف کا یہ حال تھا، کہ فی الحقیقت اُن کی جان مسلمانوں کی جان کی طرح اور اُن کا مال مسلمانوں کے مال کی طرح محفوظ تھا۔

آج اسلام کی نسبت علانیہ کہا جا رہا ہے کہ اُس کی نظروں میں ایک غیر مسلم انسان کی زندگی کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ اگر ایک مسلمان ایک غیر مسلم کو اس لئے مار ڈالے کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح اپنا مذہب پھیلانا چاہتا ہے، تو یہ اسلام کی نظروں میں ایک مقدس جہاد ہوگا۔ لیکن کاش اُن معترضوں کو معلوم ہوتا کہ یہی اسلام ہے جس نے اپنے عروج کے زمانے میں، جب دُنیا انسانی جان و مال کے مساویانہ حقوق کا تحمّل بھی نہیں کرسکتی تھی، اس قانون کا اعلان کیا تھا کہ من کان لہ ذمّتنا، فدمہ کدمنا، ودیتہ کدیتنا"(۱) ایک غیر مسلم ذمّی کا خون بھی ویسا ہی محترم ہے جیسا ہمارا خون، اور اُس کا خون بہا بھی ویسا ہی ہے جیسا ہمارا۔ یہ صرف زبان ہی کا اعلان نہیں تھا، بلکہ قانون کا دائم و جاری عمل بھی تھا۔ خلفاء راشدین کے زمانے سے لیکر اسلام کی آخری سلطنتوں تک، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ذمّیوں کا قتل اس لئے جائز رکھا گیا ہو کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ خلفاء راشدین سے بڑھکر اسلامی تعلیم کے کون پیکر ہوسکتے ہیں؟ لیکن ایک نہیں، بے شمار واقعات موجود ہیں جن میں حضرت عمر، حضرت عثمان، اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) نے ایسے مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جنھوں نے کسی عیسائی یا مجوسی باشندے کو قتل کردیا تھا۔

بہرحال اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ جس رواداری اور انسانی مساوات کا سلوک کیا، اُس کی کوئی مثال نہ تو اس سے پہلے مل سکتی ہے اور نہ اُسکے عہد میں۔ ایک یورپین مورخ (سیدیو) نے ان لفظوں میں اس کا اعتراف کیا ہے "اسلام نے ذمّیوں کو بجز ایک حق کے اور تمام حقوق دیدیئے تھے۔ یعنے وہ بادشاہ نہیں ہوسکتے تھے۔"

ان تمام حقوق کے معاوضہ میں اسلامی حکومت اُن سے کیا چاہتی تھی؟ اس پہلو سے بھی معاملہ پر غور کرلینا چاہئے۔ اسلامی حکومت قدرتی طور پر اُن سے اس سلوک کی توقع رکھتی تھی کہ:

وہ حکومت کو اپنی حکومت تصوّر کرینگے، اور اس کے خلاف کسی بغاوت یا سازش میں حصہ نہیں لیں گے۔

مسلمان ہم وطنوں کے ساتھ شرافت اور رُواداری کا برتاؤ کریں گے جس طرح وہ اُن کے ساتھ بہتر برتاؤ کرتے ہیں۔

وہ کوئی بات ایسی علانیہ نہیں کرینگے جس سے حکومت کی توہین و تذلیل ہو یا حکومت کے مذہب کی توہین و تذلیل ہو۔

کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص ان توقعات کو بے اعتدالانہ قرار دے سکتا ہے؟ چھٹی صدی مسیحی کی دُنیا میں جب اسلام نے ان قوانین کا اعلان کیا تھا، اگر اسلامی حکومت غیر مسلموں کو ہر طرح کے مساویانہ حقوق دیکر اُن سے اس طرز عمل کی متوقع رہتی تھی، تو یقیناً یہ کوئی ظالمانہ طرز عمل نہ تھا۔ آج دُنیا میں کون قوم اور مذہب ہے جو اپنی تاریخ کے صفحات میں اس طرح کے طرز عمل کی ایک مثال بھی دکھلا سکتا ہے؟

مسئلہ کی نوعیت

یہ اسلامی حکومتوں کا طرز عمل تھا، اور یہ ذمّی اور اُن کا ذمّہ تھا، جن کی نسبت سوال پیدا ہوا کہ اگر وہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں علانیہ اور صریح گالیاں بکنے لگیں، اور عدالت میں قطعی شہادت و دلائل سے یہ بات ثابت ہوجائے، تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے؟ فقہاء کی ایک جماعت اس طرف گئی کہ اسپر بھی اُنھیں قتل نہیں کرنا چاہئے۔ کوئی ایسی سزا دینی چاہئے جس سے اس شرارت کے بڑھنے اور پھیلنے کا سدّباب ہوجائے۔ امام ابوحنیفہ اور فقہاء شافعیہ و حنبلیہ میں سے ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ گذشتہ ۶ صدیوں میں جسقدر بڑی بڑی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں، انکا عمل فقہ حنفی ہی پر تھا۔ مثلاً ہندوستان کی حکومت مغلیہ اور قسطنطنیہ کی حکومت عثمانیہ۔ اس لئے تاریخ میں کئی واقعات ایسے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی مذہب کے مطابق عمل کیا گیا۔ سلطان مصطفیٰ خاں چہارم کے زمانہ میں ایک ارمنی پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ اُسنے مسلمانوں کے ایک مجمع کے سامنے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اسم گرامی لیکر سبّ و شتم کیا۔ معاملہ شیخ الاسلام عبداللہ آفندی کے سامنے پیش ہوا، اور اُنھوں نے مقدمہ کی سماعت کے بعد قید کرنے کا حکم دیا۔ سلطان کو جب اس معاملہ کا حال معلوم ہوا تو اُسنے شیخ الاسلام سے دریافت کیا "کیا اس سے زیادہ سخت سزا نہیں دی جاسکتی تھی؟" شیخ الاسلام نے کہا "شرعاً میں یہی سزا تجویز کرسکتا ہوں۔ اگر آپ کوئی دوسری سزا دینی چاہتے ہیں تو اپنے حکم سے دیجئے" سلطان خاموش ہوگیا!

لیکن فقہاء کی دوسری جماعت اس طرف گئی کہ اس صورت میں قتل کرنا چاہئے۔ امام مالک، امام احمد، اور امام شافعی سے ایسا ہی منقول ہے۔ اُن کی نظر اس طرف گئی تھی کہ اسلامی حکومت نے ذمّیوں کو ہر طرح کے مذہبی، ملکی، اور معاشرتی حقوق دیدیئے ہیں اور باشندۂ ملک ہونے کے اعتبار سے اُن میں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا ہے۔ اس طرز عمل کے بدلے وہ صرف یہ چاہتی ہے کہ جس طرح اُنکے مذہب کا لحاظ رکھا گیا ہے، وہ بھی اسلام کا لحاظ رکھیں، اور کوئی بات علانیہ ایسی نہ کریں جس سے توہین و تذلیل مقصود ہو۔ لیکن اگر اسپر بھی ذمّیوں کی ایک جماعت ایسی ہے جو اسلام کا اتنا لحاظ رکھنا بھی گوارا نہیں کرتی کہ اُسکے پیغمبر کو خود مسلمانوں کے مُنہ پر صریح گالیاں نہ دی جائیں، تو ایسی جماعت کسی رعایت کی مستحق نہیں ہے اُسے قتل کرنا چاہئے۔

خلاصۂ بحث

یہاں تک جسقدر بیان کیا گیا ہے، اس سے واضح ہوگیا ہوگا کہ:

(۱) فقہ اسلامی کے جس قانون کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اسلام کا کوئی براہ راست منصوص قانون نہیں ہے، بلکہ تعزیر و سیاست کا ایک فرعی حکم

(۱) حافظ زیلعی نے ہدایہ کی تخریج میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ قول اور ایک فیصلہ نقل کیا ہے جو اُنھوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں صادر کیا تھا، اور مسلمان قاتل کے قتل کا حکم دیا تھا۔

صرف اُسی حالت میں قابل عمل ہو سکتے ہیں جبکہ کوئی اسلامی حکومت موجود ہو، اور وہ اپنی عدالتوں میں انہیں نافذ کرے۔ اسلام نے احکام قضاء پر (جسے آج کل کے اُردو اخباروں کی زبان میں عدالتی کارروائی" کہنا چاہئے) اس قدر زور دیا ہے کہ شاید ہی اُس عہد میں دُنیا کی کسی قانونی حکومت نے اس قدر زور دیا ہو۔ اسلام کا نظم سیاست یہ ہے کہ "جرم" اور "تعزیر" ایک ایسی چیز ہے جس کی تشخیص اور حکم ہر حال میں صرف عدالت ہی کے ہاتھ میں ہے۔ عدالت کے سوا کوئی نہیں جسے کسی انسان کو "مجرم" قرار دینے، اور "سزا" دینے کا اختیار ہو۔ عدالت سے بھی مقصود محض کوئی خاص عدالتی منصب نہیں ہے۔ بلکہ سماعت، شہادت، اور تحقیق و حکم کے وہ تمام مراتب ہیں، جن کے مطابق حاکم عدالت کو کارروائی کرنی چاہئے۔ اگر کسی معاملہ میں یہ تمام عدالتی کارروائی نہیں ہوئی ہے، تو خلیفۂ وقت کو بھی اختیار نہیں ہے کہ اپنے علم اور مشاہدہ کی بنا پر کسی مجرم کو سزا دیدے۔ اگر خلیفۂ وقت کے ذاتی علم و مشاہدہ میں کسی شخص کا کوئی جرم آگیا ہو، تو اُس کی حیثیت محض ایک مدعی یا گواہ کی ہوگی۔ اسی حیثیت سے اُسے عدالت کے سامنے کھڑا ہونا چاہئے۔ یہ عدالت کا کام ہے کہ اُسکے دعوے یا گواہی کی نسبت رائے قائم کرے۔

موجودہ زمانے کی قانونی اصلاحات میں بہت زیادہ زور اس اصل پر دیا جاتا ہے کہ عدالتی اختیارات انتظامی اختیارات سے علٰحدہ کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی جو قوت "سزا" کے نافذ کرنے کا اقتدار رکھتی ہے، اُسے "مجرم" قرار دینے کا اختیار نہیں ہے، اور اس ایک بنیادی اصلاح نے حاکمانہ اور شخصی ناانصافیوں کی بے شمار راہیں بند کر دی ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک عظیم اصلاح ہے لیکن دنیا کو معلوم نہیں کہ ساتویں صدی مسیحی میں جبکہ دنیا کے سب سے بڑے متمدن ملک روم کے قوانین کا یہ حال تھا کہ ایک ہی شخص بہ حیثیت مجسٹریٹ کے ملزم پر الزام بھی عائد کرتا تھا اور بہ حیثیت جج کے اُسے سزا بھی دیدیتا تھا اسلامی حکومت میں نہ صرف عدالت کے اختیارات انتظامی مناصب سے الگ تھے، بلکہ اسلامی عدالتوں کو وقت کے حاکموں، گورنروں اور خود بادشاہوں پر بھی حکم دینے اور بلا رُو رعایت سزا تجویز کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ ویسا ہی اختیار، جیسا اختیار وہ ایک عام باشندۂ ملک کے لئے سزا تجویز کرنے کا رکھتے تھے!

اسلام نے تعزیر و سیاست کے باب میں عدالت کے نظام کو جس قدر اہمیت دی ہے، اُس کا اندازہ صرف اس بات سے کر لیا جا سکتا ہے کہ مسلمان قانون سازوں میں ایک بڑی جماعت اس طرف گئی ہے کہ کوئی آقا اپنے نوکر اور غلام کو بھی بطور خود سزا نہیں دے سکتا، اگرچہ قصور کتنا ہی بڑا اور سزا کتنی ہی ہلکی ہو۔ اُسے چاہئے کہ باقاعدہ عدالتی چارہ جوئی کرے!

ظاہر ہے کہ تعزیر و سیاست کے بارے میں جس قانون کا یہ حال ہو، کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ عدالتی اور آئینی نظم کے علاوہ کسی حال میں بھی سزا کا دینا جائز رکھ سکتا ہے۔ خصوصاً قتل کی سزا جو انتہائی سزا ہے؟ آج اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود ہوتی، اور بغیر کسی ادنیٰ تغیر کے وہی قوانین سیاست نافذ ہوتے جو ساتویں اور آٹھویں صدی مسیحی میں دمشق اور بغداد کی عدالتوں میں نافذ تھے، اور ایسا ہوتا کہ ایک مسلمان ایک ذمّی (غیر مسلم شہری) کو قتل کر ڈالتا تو یقیناً وہ اُسی طرح قتل عمد کا مجرم قرار دیا جاتا، جس طرح دُنیا کی تمام عدالتوں کے نزدیک قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی مسلمان خیال نہیں کر سکتا تھا کہ اُسنے ایک غیر مسلم انسان کا خون بہا کر اسلام کا کوئی مقدس فرض انجام دیا ہے۔

غرضکہ تعزیر و سیاست کے قوانین کا "اسلامی قانون" ہونا ذ

نوعیت نہیں رکھتا، جو نوعیت اسلام کے شرعی واجبات و فرائض کی ہے، اور چونکہ اس طرح کی تعبیر طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا کر دیتی ہے، اس لئے چاہئے کہ تعبیر و بیان میں احتیاط سے کام لیا جائے۔ بہتر اور واضح تعبیر اس طرح کے قوانین کے لئے یہ ہے کہ انھیں اسلامی حکومت کے قانون سے تعبیر کیا جائے۔ یا یوں کہا جائے کہ فقہاء اسلام نے اس طرح کا قانون قرار دیا تھا۔

(۲) دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے قوانین اس بارے میں کچھ ہی کیوں نہ ہوں، لیکن کیا بحالت موجودہ اُن کا ذکر موزوں اور برمحل ہو سکتا ہے؟ کیا یہ طریقہ ٹھیک ہے کہ اس قسم کے مواقع پر اُن کا حوالہ دیا جائے اگرچہ وہ حوالہ حکومت کے مقابلہ ہی میں کیوں نہ ہو؟ مجھے بغیر کسی تأمل کے اس کا جواب نفی میں دینا ہے۔ میرے خیال میں جن لوگوں نے اس موقعہ پر اس قانون کا حوالہ دیا، اُنھوں نے نہ صرف ایک غیر ضروری بات کہی، بلکہ بے محل اور غیر متعلق بات کہی، اور جب کبھی کوئی بات بے موقعہ اور غیر متعلق کہی جائے گی، تو یقیناً طرح طرح کی غلط فہمیوں اور پیچیدگیوں ہی کا باعث ہوگی۔ صلاح کار اور مصالح وقت کے مطابق نہ ہوگی۔ خود اسلام کے شرعی اداب حکم و افتا کے بھی یہ خلاف ہے کہ غیر عملی اور غیر وقوعی صورتوں کا ذکر کیا جائے۔ یہ جو ائمۂ سلف کی نسبت جابجا منقول ہے کہ بعض دقیقہ سنجان فقہ کی ایسی کاوشیں ناپسند کرتے تھے جن میں غیر وقوعی صورتیں پیدا کر کے بحثیں کی جاتی تھیں، تو اس کا بھی مطلب یہی تھا۔ کہنے کے لئے ہر موقعہ پر ہزاروں باتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ایک اسی قانون پر کیا موقوف ہے؟ سیکڑوں قوانین دوسرے وقتوں اور حالتوں کے کتابوں میں بھرے پڑے ہیں لیکن یہ تو نہیں ہونا چاہئے کہ ہم ہندوستان کی موجودہ زندگی میں اُن کا بغیر کسی مناسبت کے حوالہ دیتے پھریں۔ خود اسلام کا نظم شرع یہ ہے کہ ہر موقعہ اور حالت کا جو حکم ہو، وہی وقت کا اصلی حکم ہوگا۔ اُسکے خلاف جو کچھ ہے، وہ وقت کا حکم نہیں ہے۔ پس جب ایک بات موجود حالت سے شرعاً تعلق ہی نہیں رکھتی، تو اُس کا ذکر کرنا اور اُسے بناء کار قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

یہ ظاہر ہے کہ فقہ اسلامی کے جس قدر تعزیری قوانین غیر مسلموں کے متعلق ہیں، وہ سب ایک خاص قسم کی صورت حال سے تعلق رکھتے تھے۔ یعنی یہ کہ اسلامی حکومت ہو، اُسنے غیر مسلموں کی حفاظت جان و مال کا ذمّہ لیا ہو، اور ذمیّوں کے متعلق جو معاملات پیش آئیں، اُن میں اسلامی عدالتیں اپنے احکام نافذ کر سکیں۔ لیکن اب سرے سے وہ صورت حال باقی ہی نہیں ہے۔ نہ تو ہندوستان میں اسلامی حکومت ہے۔ نہ شرعی ذمّہ ہے۔ اور نہ ذمّی ہیں۔ پس فی الحقیقت اُن قوانین کا موجودہ حالت سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ غیر مسلموں کو کس معاملہ میں سزا دینی چاہئے اور کس میں نہیں دینی چاہئے؟ یہ بات تمام تر اس اصل پر مبنی تھی کہ اسلامی حکومت نے فتح یا معاہدہ کے بعد غیر مسلموں کی حفاظت کا ذمّہ لیا تھا، اور انھیں خاص شرائط پر ہر طرح کے شہری حقوق عطا کر دئے تھے۔ چونکہ حکومت نے ذمّہ لیا تھا، اس لئے یقیناً اُسے یہ حق بھی حاصل تھا کہ اپنے قوانین و عدالت کے ذریعہ اُنکے معاملات کا فیصلہ کرے، اور اگر وہ ظلم و تعدّی پر اتر آئیں تو اُنھیں سزا دے۔ لیکن اگر اسلامی حکومت موجود نہیں ہے، اور نہ غیر مسلموں کا ذمّہ باقی رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ تمام قوانین یک قلم غیر متعلق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اب وہ ذمّہ ہی باقی نہ رہا جس پر تعزیر و سیاست کے تمام قوانین مبنی تھے، اور نہ حکومت ہی باقی رہی جسے عدالتی نظام کے ذریعہ سزائیں نافذ کرنے کا حق تھا۔ پس موجودہ حالت میں اِن قوانین کا ذکر کرنا، اور انہیں اسلامی قانون، اسلامی قانون کہکر

پکارنا کس قدر بے معنی بات ہے؟ ایسی ہی غلطیاں ہیں جن کی وجہ سے اسلام کی صورت غیروں کی نظروں میں مشتبہ ہو گئی ہے۔ اور اُس کی صاف اور روشن تعلیم پر طرح طرح کی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کے پردے پڑ گئے ہیں۔

اصل سوال کا جواب

اصل مسئلہ کے متعلق جن لفظوں میں سوال کیا گیا ہے، اُس کا جواب بغیر کسی تأمل کے یہ ہے کہ نہ تو اسلام کا یہ قانون ہے اور نہ کوئی ایسا قانون اسلام کا قانون ہو سکتا ہے۔

سوال کے الفاظ یہ ہیں:

"کیا واقعی اسلام کا یہ قانون ہے کہ جو شخص حضرت بانی (داعی) اسلام کے خلاف بد زبانی کرے، اُسے فوراً قتل کر ڈالنا چاہئے، اور جس مسلمان کے سامنے وہ ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہے کہ اُسی وقت اُس کا سر اُڑا دے"؟

جواب یہ ہے کہ قطعاً نہیں، اور تفصیل اسکی اوپر گزر چکی۔

البتہ مسئلہ کی ایک بالکل دوسری قسم کی صورت ہے، اور وہ بلا شبہ فقہ اسلامی کے قوانین میں موجود ہے۔ وہ صورت یہ تھی کہ اگر ایک ذمّی (غیر مسلم باشندہ) اپنے مذہب کے مجنونانہ تعصب کی وجہ سے، یا مسلمانوں کے بغض و عداوت کی وجہ سے، یا حکومت کی تحقیر و تذلیل کے لئے ایسا رویہ اختیار کر لے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں سب و شتم کرنے لگے۔ یعنے گالیاں بکنے لگے۔ یا اس طرح کی بدزبانی کرنے لگے جو صریحاً سب و شتم کا حکم رکھتی ہو، تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ فقہا کی ایک جماعت اس طرف گئی کہ اس طرز عمل کے بعد اُس کا ذمّہ و عہد باقی نہیں رہا۔ یعنے اسلامی حکومت نے اُسے جس باہمی سلوک کے معاہدہ پر ہر طرح کے شہری حقوق اور مذہبی آزادی دی تھی، اور اُس کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار ہوئی تھی، وہ خود اُسی کی طرف سے شکست ہو گیا، اس لئے اُسکو قتل کرنا چاہئے۔ دوسری جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس کی وجہ سے عہد و ذمّہ شکست نہیں ہوتا۔ اس لئے قتل کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ البتہ عدالت کو اختیار ہے کہ وہ مصلحت کے مطابق ایسی کارروائی کرے جس سے اس کا سدّباب ہو جائے۔ پہلی رائے حضرت امام مالک، امام احمد، اور امام شافعی کی (کتاب الام میں) ہے۔ دوسری رائے حضرت امام ابو حنیفہ کی ہے اور حنبلیہ و شافعیہ میں سے بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے۔

جو فقہاء اس طرف گئے کہ اس صورت میں قتل کرنا چاہئے، اُنھوں نے جن حالات میں اور جن وجوہ کی بنا پر ایسا حکم تجویز کیا، ضروری ہے کہ ٹھیک طور پر اُسے سمجھ لیا جائے۔ لیکن اسکی وضاحت اُس وقت تک نہیں ہو سکے گی، جبتک کہ یہ بات واضح نہ ہو جائے کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی حیثیت کیا قرار دی گئی تھی، اور شرعاً "ذمہ" اور "ذمّی" سے مقصود کیا ہے؟ مختصر لفظوں میں اس کی تشریح حسب ذیل ہے:

اسلامی حکومت اور غیر مسلم

چھٹی صدی مسیحی میں جب اسلام کا ظہور ہوا، تو مذہب و اعتقاد کا اختلاف انسانی قتل و خونریزی کا سب سے بڑا باعث تھا۔ دُنیا کی کوئی قوم ایسی نہ تھی جو حکومت کا اقتدار حاصل کر کے دوسرے مذہب کے پیروؤں کے ساتھ انصاف کر سکتی ہو۔ جس مذہب کے پیرو طاقت و حکومت حاصل کر لیتے تھے، وہ اپنے مذہب کے سوا اور کسی مذہب کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ رومیوں کی قوم اُس عہد کی سب سے بڑی متمدن قوم تسلیم کی گئی ہے، لیکن اُس کا بھی یہ حال تھا کہ جبتک اپنے قدیم مذہب پر قائم رہی، یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے امن نہ تھا۔ جب مسیحی مذہب قبول کر لیا، تو تمام غیر مسیحی رعایا زندگی اور معیشت کے

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و معتبر مقبول خاص و عام اسم بامسمّیٰ

ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی کا

عدیم المثال نادر الوجود سرمائی تحفہ

تار کا کافی پتہ «ہمدرد، دہلی»

ماء اللحم دوآتشہ

بہ تحویش

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن تندرستی بھی ایک ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہے۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہے تو سب کچھ ہے۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہے اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشیدہ کیا ہوا ماء اللحم استعمال کیجئے اور پیری میں شباب کا لطف اٹھائیے یہ امر تو مسلم ہے کہ ماء اللحم مقوی ارواح ہے، بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا نکھارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا ماء اللحم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطرز خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کتابی نہیں ہے بلکہ عالیجناب شفاء الملک بہادر مغفران آب رئیس اعظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب ممدوح نے بغرض رفاہ عام "ہمدرد دواخانہ" کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ماء اللحم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا شاہد ہو کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر معتدبہ اور پورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہے۔ پبلک کو صرف اپنی لفاظی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض امور میں ہم کو اپنی پچی ہمدردی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

ماء اللحم کے استعمال کا یہی موسم ہے اور یہی زمانہ ہے منگائیے! اور آزمائیے!! تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعوی میں سچا ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہے علاوہ اسکے چند قسم کے حلوے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست مشتمل معہ جنتری تیار ہے۔ مفت طلب فرمائیے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ "منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی"

منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

ہمنے مال کی نکاسی کی غرض سے ان چوڑیوں کی قیمت میں خاص رعایت کر دی ہے۔ کیونکہ ہم براہ راست مال منگاتے ہیں اس لئے یہ رعایت کی گئی ہے یعنی بجائے تین روپیہ فی سٹ کے سوا روپیہ فی سٹ۔ یہ چوڑیاں خول کی صورت میں بنائی گئی ہیں انکے اندر ریشمی رنگین چوڑیاں آجاتی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین ہیرے جواہرات کے نگینے انکے اندر جڑ دئے گئے ہیں صنف نازک کے لئے عجیب تحفہ ہے اور سوا روپیہ میں ڈھائی سو روپیہ کا کام نکالا جا سکتا ہے۔ برسوں استعمال کیجئے خراب نہیں ہوتیں۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ ناپ ضرور روانہ کریں۔ قیمت فی سٹ ۱۲ عدد سوا روپیہ (عہ) محصول ۹ - ایجنٹ جلد خط و کتابت کریں۔ نمونے کے لئے دو آنے (۲) کا ٹکٹ آنا چاہیے۔ ملنے کا پتہ۔ بی کے برادرس اینڈ کو نمبر ۹۵ دہلی

نئی ایجاد مستورات کے لئے بہترین تحفے

بہترین نمونے

چوڑیاں: یہ نہایت خوبصورت نازک اور منقش چوڑیاں حال ہی میں تیار ہو کر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ ان کے اندر رنگین ریشمی چوڑیاں ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبرجد یاقوت نیلم اور پکھراج کے نگینے جڑ دئے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے۔ لیکن رنگ و رونق میں مطلق فرق نہیں آتا۔ نہ سیاہی دیتی ہیں۔ مستورات کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ صرف ایک روپیہ میں .. ۵ روپیہ کا کام نکالا جا سکتا ہے دوسرے لوگ یہی چوڑیاں ڈھائی روپے کی ۸ - ۸ فروخت کرتے ہیں لیکن ہمنے زیادہ بکری اور تھوڑے منافع کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے قیمت بہت کم کر دی ہے۔ یعنی بارہ چوڑیوں کا سٹ قیمت صرف ایک روپیہ اس شرط پر کم از کم ایک سٹ ضرور منگوائیے۔ کہ اگر نا پسند ہوں تو واپس کر کے دام لے لیجئے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں روزانہ فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائیے تاکہ اسٹاک ختم نہ ہو جائے۔

گولڈن انگوٹھیاں: ہر ناپ کی نگدار نہایت نفیس اور خوبصورت انگوٹھیاں حال ہی میں تیار ہو کر آئی ہیں۔ خالص سونے کی انگوٹھی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ ایک انگلی میں یہ انگوٹھی پہنئے! اور ایک میں خالص سونے کی۔ اگر پہچان لے۔ تو ہمارا ذمہ۔ کسی جوہری صراف کے پاس لے جائیے۔ وہ بھی فوراً شناخت نہیں کر سکے گا۔ اگر آپ کو انگوٹھی کی ضرورت ہے۔ تو آپ کیوں ناحق ۲۵ - ۳۰ روپئے ضائع کرتے ہیں کیوں نہیں صرف ایک روپیہ میں کام لیتے ہیں۔ قیمت فی عدد ایک روپیہ۔ تین کے لئے ڈھائی روپیہ (عہ)

خط و کتابت کا پتہ۔ منیجر زمانہ کارو بار لاہور

برص سفید داغ ۲۱ یوم میں جڑ سے غائب، ورنہ پوری قیمت واپس۔ اقرار نامہ لکھا لیں کہ یہ خوراک معجون مسیحا اور ایک شیشی روغن مسیحا جو پورے ۲۱ روز کافی ہوگی قیمت معہ خرچ سات روپیہ تیرہ آنہ (للعہ)

دفتر معالج برص نمبر ۱۵ دربھنگہ (بہار)

نیم چڑانے کی بے نظیر گولیاں: جن کے استعمال سے صبا علی آسانی سے نیم چھوڑ چکے ہیں ایک روپیہ بہار کے [illegible] کافی ہو چکی ہیں۔ ملنے کا پتہ۔ حکیم محمد عمر اینڈ سنز۔ موگا ضلع فیروزپور پنجاب

ہو جسمیں خود فقہاء کی رائیوں میں اختلاف ہوا - ایک جماعت نے اُسے تجویز کیا ہو - دوسری کو اس سے اختلاف ہو - پس یہ فقہاء کا بھی کوئی متفقہ فیصلہ نہیں ہو -

(۲) جو جماعت اس رائے کی طرف گئی کہ قتل کرنا چاہئے، اُسنے جن حالات میں یہ بات تجویز کی تھی، اُنھیں پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی منصف مزاج انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مذہبی تعصب کا کوئی مجنونانہ حکم تھا - یا اس سے مقصود یہ تھا کہ محض غیر مسلم ہونے کی وجہ سے خدا کے بندوں کا خون بہایا جائے -

(۳) علاوہ بریں یہ بھی ٹھیک نہیں ہو کہ اس قانون کا ذکر کرتے ہوئے "توہین" کا لفظ استعمال کیا جائے - "توہین" کا لفظ بہت زیادہ عام ہو - بہت سی باتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن سے ایک شخص کے خیال میں توہین نکلتی ہو - دوسرے کے خیال میں نہ نکلتی ہو - اسی لئے فقہاء نے اسے "سبّ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہو - "سبّ" کے معنی صریح گالی دینے کے ہیں، یا ایسے الفاظ کہنے کے ہیں جو بمنزلہ دشنام ہوں -

(۴) پھر جو کچھ بھی ہو، یہ قطعی ہو کہ اس قسم کے قوانین اور اُن کی بحثوں کو موجودہ حالت سے کوئی دُور کی مناسبت بھی نہیں، جیسا کہ مقدمات میں گزر چکا -

(۵) باقی رہی وہ صورت حال جو اس قانون کے تذکرہ کا باعث ہوئی، تو اُس کا حال یہ ہو کہ موجودہ زمانہ قلم اور پریس کی آزادی کا زمانہ ہو - بسا اوقات اس آزادی کا استعمال غلط طریقہ پر کیا جاتا ہو ہندوستان میں سب سے پہلے بعض بدزبان مسیحی مشنریوں نے اسلام و پیغمبر اسلام کے خلاف اس قسم کی کتابیں لکھ کر شائع کیں جن کی ایک سطر بھی مہذب اور سنجیدہ نکتہ چینی نہیں کہی جا سکتی - اُنکے بعد آریا سماج کے نئے مشنری آئے - اُن میں سے بھی بہتوں نے مذہبی تحقیق اور سنجیدہ نکتہ چینی کی جگہ اُنہی کا نقش قدم اختیار کیا - "رنگیلا رسول" نامی رسالہ بھی اسی قسم کی ایک اخلاقی موت تھی - یقیناً حکومت اور قانون وقت کا فرض ہو کہ اس قسم کی دلآزار تحریروں کی اشاعت جائز نہ رکھے، اور جائز نکتہ چینی اور مذہبی دلآزاری میں امتیاز کرے، لیکن میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ طریق عمل پسند نہیں کر سکتا کہ مسلمان اپنی طبیعت اس انداز کی بنا لیں، کہ جہاں کسی ٹٹ پونجئے نے ایک چار ورقی رسالہ چھاپ کر شائع کر دیا، ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک تمام مسلمان شور و واویلا مچانا شروع کر دیں کہ اسلام کی کشتی غرق ہو گئی، اور "تحفظ ناموس رسول" کا سوال پیدا ہو گیا - نعوذ باللہ، اگر چند جاہل اور کور چشم انسانوں کے بکواس کر دینے سے "ناموس رسول" کی حفاظت کا سوال پیش آ سکے - یا اسلام اور مسلمانوں کے لئے یہ کوئی مصیبت ہو - ایسا سمجھنا اسلام کی عزت و شرف اور مسلمانوں کی مذہبی خودداری کے اس درجہ خلاف ہو کہ میں سمجھ نہیں سکتا، کیونکر ایک مسلمان اس کا تصور بھی کر سکتا ہو؟ اس قسم کا ایک رسالہ کیا معنی اگر ایک ہزار یا ایک لاکھ رسالے بھی چھاپ دیئے جائیں جب بھی نعوذ باللہ اسلام اور داعیٔ اسلام کے ناموس کے تحفظ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا - زیادہ سے زیادہ یہ ہو کہ جس طرح ہمیشہ بُری زبان اور بُرے اخلاق کے لوگ موجود رہے ہیں، اب بھی موجود ہیں - اگر اُن کی تحریروں میں کوئی ایک سطر بھی ایسی موجود ہو جسمیں کوئی سنجیدہ اعتراض کیا گیا ہو، تو چاہئے کہ اُس کا جواب دیدیا جائے - باقی جس قدر بدزبانی ہو، وہ بحکم "کالائے بد بریش خاوند" اُنہی کے لئے چھوڑ دینی چاہئے -

اعلان - ۱

قارئین الہلال کے لئے

(۱) پہلے اعلان کیا گیا تھا کہ نمبر ۲۴ پر الہلال کی پہلی شش ماہی جلد ختم ہو جاوے گی - لیکن بعد کو خیال ہوا کہ اگرچہ مہینوں کے حساب سے یہ اعلان غلط نہ تھا، لیکن نمبروں کی تعداد کے لحاظ سے اسمیں مزید وسعت کی گنجایش ہو - اگر سال کی دو تعطیلیں وضع کر دی جائیں (جیسا کہ ہمیشہ دفتر الہلال کا قاعدہ تھا) تو اس صورت میں بھی سال بھر کے ۵۰ نمبر ہونے چاہئیں - نہ کہ ۴۸ - بہر حال دفتر نے ارادہ کر لیا کہ پہلی جلد کا اختتام نمبر ۲۴ پر نہیں بلکہ ۲۵ پر کیا جائے، اور اس طرح خریداران الہلال کی حق تلفی کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے - چنانچہ یہ نمبر بھی پچھلی شش ماہی جلد کے سلسلہ میں بھیجا جا رہا ہو - جن حضرات نے نئی جلد کے لئے وی - پی کی درخواست کی ہو، اُن کا نیا حساب اس نمبر سے نہیں بلکہ آئندہ نمبر سے شروع ہوگا -

(۲) لیکن الہلال کی نئی شش ماہی جلد کے آغاز کے لئے یہ صورت موزوں نہیں معلوم ہوئی کہ دسمبر کی ایک درمیانی تاریخ سے اس کا سلسلہ شروع کیا جائے - اس طرح مہینوں کا حساب ہمیشہ بے ترتیب رہتا، اور بجائے سال کی ابتدا یا سال کے وسط کے، ایک درمیانی تاریخ سے جلد شروع ہوا کرتی - پس یہی مناسب معلوم ہوا کہ آئندہ جلد کی ابتدا جنوری سے کی جائے - جنوری سے جون تک، اور پھر جولائی سے دسمبر تک، ہمیشہ شش ماہی اختتام و آغاز ہوتا رہے گا، اور حساب میں کسی طرح کی بے ترتیبی باقی نہیں رہے گی -

دسمبر میں ۵ جمعہ واقع ہوئے ہیں - آخری جمعہ تعطیل کا تھا - اس لئے اگر یہ وقفہ اختیار نہیں کیا جاتا تو دو نمبر اور نکلتے - اب یہ دو نمبر نہیں نکلیں گے - جنوری کے پہلے جمعہ سے جو ۶ کو واقع ہوگا، نئی شش ماہی جلد کا سلسلہ شروع ہوگا -

(۳) اس وقفہ کے اندر مطبع کو مزید انتظامات کی تکمیل کا بھی موقعہ مل جائے گا جو پیش نظر ہیں، اور جن کی وجہ سے نئی شش ماہی سے الہلال کے ترتیب مضامین اور حسن طباعت میں متعدد نئی تبدیلیاں نظر آئیں گی - ادہر چند نمبروں سے الہلال کی طباعت خصوصاً تصاویر کی تعداد و طباعت میں جو ترقی ہوئی ہو، اُمید ہو کہ قارئین الہلال نے محسوس کر لی ہوگی - یہ اب مطبع الہلال کا ذاتی انتظام ہو جسکی وجہ سے بلاک بہ لحاظ قسم و نوعیت کے بھی بہتر بننے لگے ہیں، اور اُنکی چھپائی بھی خاص طریق طباعت اختیار کر لینے کی وجہ سے زیادہ نمایاں اور خوشنما ہو گئی ہو - اُمید ہو کہ عنقریب بقیہ انتظامات کی تکمیل ان تمام چیزوں میں مزید رونق و اہتمام پیدا کر دیگی - "مینجر الہلال"

اعلان - ۲

(۱) مجھے ندامت کے ساتھ اس کا اعتراف ہو کہ الہلال کی اشاعت کے وقت صورت حال کا جو اندازہ کیا تھا، وہ کئی اعتبار سے صحیح ثابت نہیں ہوا - سب سے زیادہ مجبوری صحت کی طرف سے پیش آئی - میں نے جب جب ارادہ کیا کہ الہلال کے کافی وقت نکالوں، صحت کی فوری ناموافقت دامنگیر ہوئی، اور قدم اُٹھا کر پھر رُک جانا پڑا -

(۲) میں اُن دوستوں کا خصوصیت کے ساتھ شکر گذار ہوں، جو زیادہ تر میرے خاص مضامین کے شوق میں الہلال کی ورق گردانی کرتے تھے، تاہم اُنھوں نے رشتۂ انتظار ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور برابر مطالعہ جاری رکھا - اگر میرے خاص مضامین کی قلت نہ رہی تھی تو بہ حیثیت مجموعی الہلال کے مضامین کی کثرت اور تنوع کا جو انداز یکساں طور پر برابر قائم رہا ہو، وہ اس کے لئے کافی تھا کہ میں اس موقعہ پر معذرت کی ضرورت محسوس نہ کرتا -

(۳) بہر حال اُن دوستوں نے محسوس کر لیا ہوگا کہ جونہی پچھلی بیماری سے مجھے تھوڑی بہت مہلت ملی، میں نے الہلال کے لئے لکھنا شروع کر دیا، اور اب اُمید ہو کہ توفیق الٰہی سے یہ سلسلہ مزید ترقی و توجہ کے ساتھ جاری رکھ سکوں گا - افسوس ہو کہ وقت کے حالات و مسائل کے متعلق بے شمار ضروری باتیں شرح و بسط کے ساتھ لکھنی تھیں جو نہ لکھی جا سکیں - اب اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ جو کچھ ماضی میں نہ ہو سکا، اس کے لئے مستقبل کی طرف نظر اُٹھائی جائے!

(۴) مجھے چند الفاظ الہلال کی موجودہ قیمت کی نسبت بھی کہنے ہیں - ۱۹۱۴ء میں الہلال کی قیمت بارہ ۱۲ روپیہ سالانہ اور سات ۷ روپیہ شش ماہی تھی - ۱۹۱۶ء میں البلاغ نکلا، تو اُس کی قیمت بھی یہی تھی - یہی قیمت اس مرتبہ بھی رکھی گئی - لیکن دونوں حالتوں میں جو عظیم فرق ہو چکا ہو، وہ شاید بہت کم لوگوں نے محسوس کیا ہوگا - میں چاہتا ہوں مختصر طور پر اس کی تشریح کر دوں -

۱۹۱۴ء میں (یعنی جنگ سے پہلے) چھپائی کے تمام مصارف، موجودہ مصارف کے مقابلہ میں نصف سے بھی کم تھے - جنگ کے بعد سے جس طرح تمام چیزوں کی قیمت دوگنی سہ گنی ہو گئی ہیں، سامان طباعت کی بھی ہو گئی ہیں - ۱۹۱۴ء میں الہلال جس مشین پر چھپتا تھا، اُس کی قیمت ۶ ہزار روپیہ تھی - اب بارہ ہزار ہو - ۱۹۱۴ء میں الہلال کے لئے جو کاغذ استعمال کیا جاتا تھا، اُسکی قیمت تین روپیہ فی ریم تھی - اب اُسی کاغذ کی سات روپیہ ہو - روشنائی جو اُسوقت لگائی جاتی تھی، ڈیڑھ روپیہ فی پونڈ سے زیادہ کی نہ تھی - اب وہی روشنائی ۴ روپیہ میں آتی ہو - اُسوقت سینیر کمپوزیٹروں کی تنخواہ زیادہ سے زیادہ ۲۰ روپیہ ماہوار تھی - اب اس تنخواہ میں کوئی جونیر بھی نہیں مل سکتا - تصویروں کے بلاک اُسوقت ۴ / اسکوائر انچ میں بنتے تھے اب اُنہی کی اُجرت آٹھ آنہ سے بھی زیادہ ہو - لیتھو کی چھپائی میں کتابت کی اُجرت اُسوقت ۴ - ۵ روپیہ جز سے زیادہ نہ تھی - اب دس روپیہ کی اُجرت بھی اچھے خوشنویسوں کے لئے زیادہ نہیں ہو - ایسی حالت میں بہ آسانی اندازہ کیا جا سکتا ہو کہ الہلال کی جو قیمت ۱۹۱۴ء میں قرار دی گئی تھی، وہ ۱۹۲۷ء میں کیونکر موزوں ہو سکتی ہو؟ بیجا نہ تھا اگر اب بارہ ۱۲ روپیہ کی جگہ ۲۴ روپیہ قیمت رکھی جاتی لیکن مناسب معلوم نہ ہوا کہ سابق قیمت میں کسی طرح کا اضافہ کیا جائے - نتیجہ یہ نکلا کہ اتنی وسیع اشاعت رکھنے پر بھی جو اسوقت کسی اُردو رسالہ کی نہ ہوگی، اب تک اُس کے مصارف اور آمدنی کی میزان مساوی نہ ہو سکی!

یہ بھی یاد رہے کہ ۱۹۱۴ء میں اس کی ضخامت عام طور پر ۱۶ صفحوں کی ہوتی تھی - اور اب کم از کم ۲۴ - ہو -

یہ چند سطریں اس لئے لکھی گئیں کہ اگر بعض حضرات خیال کرتے ہوں کہ وہ ۱۲ روپیہ سالانہ یا ۵ / فی پرچہ قیمت دیکر الہلال کے ساتھ کوئی فیاضانہ سلوک کر رہے ہیں، تو اُمید ہو کہ اپنے اس خیال میں نظر ثانی کرنے سے انکار نہ فرمائیں گے!

ابوالکلام

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہی

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکّے، اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی، عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

بایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!

بر اعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رهنما : دنیا کے هر معلم اور ماهر فن تعلیم کیلئے ضروري ہے کہ

ٹائمز اف لندن کا ادبي ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کي تمام کتابوں پر هفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي نوائد پر بھي ہوتے هیں جنکي اهمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لندن کا هفتہ وار ادبي ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاهیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے هیں

ٹائمز اف لندن کا تعلیمي ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاهتے هیں کہ فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رهیں ، تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاهیے -

یہ هر هفتہ اس موضوع پر تمام اهم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماهرین فن اور مشاهیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے هیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے هیں -

کیا آپ تجارت کرني چاهتے هیں ؟

اگر آپ چاهتے هیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں ، نفع بخش ایجنسیاں لیں ، هندوستان سے خام پیدا وار بھیجیں ، نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ، تھوڑي سي محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں ، تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاهئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاهئیں - هندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملت معلوم کرنے چاهئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں هوسکتے -

اگر آپ چاهتے هیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساري باتیں با قاعدہ علمي اصول پر معلوم کرلیں ، تو آپکو چاهیے کہ هم سے خط و کتابت کریں - هم یہ کام بہ حیثیت ایک ماهر فن کے کر رہے هیں - خط و کتابت کے بعد هي آپکو معلوم هو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے هم کس درجہ مفید هیں ؟

همارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے هیں -

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

هر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروري هیں ، اس کارخانے میں طیار کي جاتي هیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں ، ترکاریوں ، اور هر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو " نئے سسٹم " کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس " نئے سسٹم " کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانہ سے مل سکتي هیں -

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.